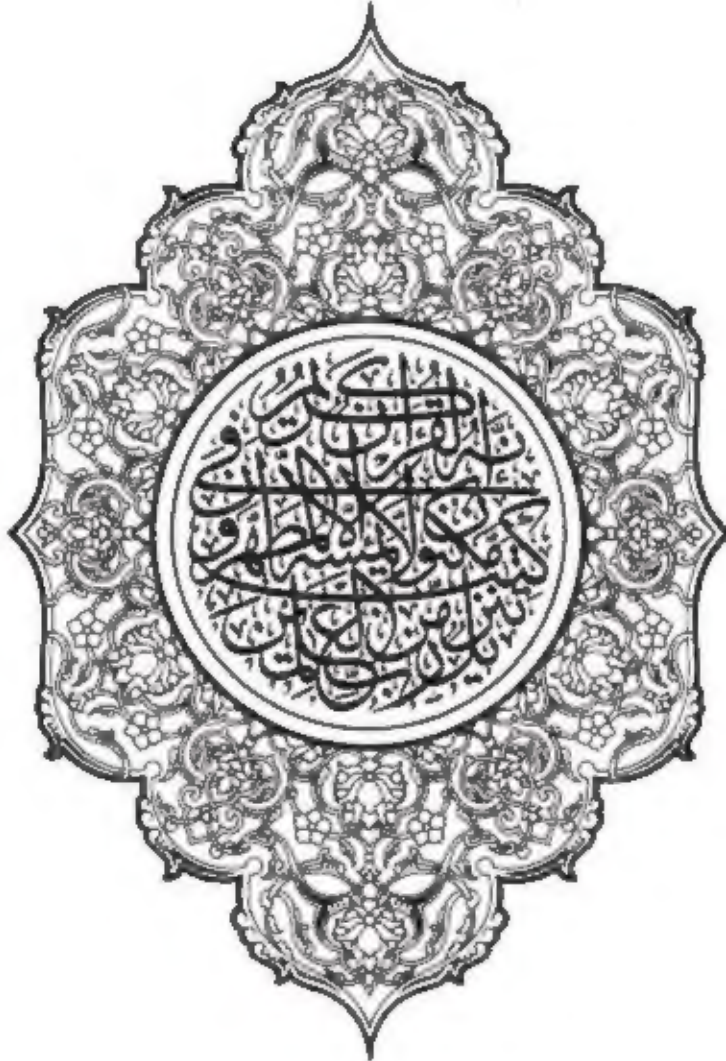


الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدانا لهذا وَكُنَّا لَهُ كَافِرِينَ



اس قرآن کریم مجید و تفسیر کی طباعت کے محکمہ نے کاشف فرمایا ہے مملکت سعودی عرب نامہ عربی شریفین شاہ عبداللہ بن
عبدالعزیز آل سعود کو حاصل ہوا۔

تَشْرِيفًا بِالْأَمْرِ بِطَاعَةِ هَذِهِ الْمَلَائِكَةِ الْكَرِيمَةِ وَرَحْمَةً مِّنَ
عَلَّامِ الْغُيُوبِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدانا لهذا وَكُنَّا لَهُ كَافِرِينَ
مَلِكُ الْمَلَائِكَةِ وَالْعَرَبِيَّةِ وَالشُّعُوبِ

وَقَفَّ يَدَهُ تَعَالَى مِنْ خَادِمِ الْحَرَمَيْنِ الشَّرِيفَيْنِ
الْمَلِكِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ آلِ سُعُودٍ
وَلَا يَجُوزُ بَيْعُهُ



مُجْتَمِعُ الْمَلِكِ وَفَهْمُ الطَّبَائِكِ الْمُصْحَفِ الشَّرِيفِ

خادمِ حرمین شریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز آل سعود
کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے
کے لئے وقف ہے اسس کا بیچا جائز نہیں ۔



شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس

مقدمة

بقلم معالي الشيخ: صالح بن عبدالعزيز بن محمد آل الشيخ
وزير الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد
المشرف العام على المجمع

الحمد لله رب العالمين ، القائل في كتابه الكريم :
﴿ ... قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ﴾ .
والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين ، نبينا محمد ، القائل :
((خيركم من تعلم القرآن وعلمه)) .
أما بعد :

فإنفاذاً لتوجيهات خادم الحرمين الشريفين الملك عبد الله بن عبدالعزيز آل سعود ، حفظه
الله ، بالناية بكتاب الله ، والعمل على تيسر نشره ، وتوزيعه بين المسلمين في مشارق الأرض
ومقاربها ، وتفسيره ، وترجمة معانيه إلى مختلف لغات العالم .
وإيماناً من وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد بالملكة العربية
السعودية ، بأهمية ترجمة معاني القرآن الكريم ، إلى جميع لغات العالم المهمة ، تسهيلاً لفهمه على
المسلمين الناطقين بغير العربية ، وتحقيقاً للبلاغ المأمور به في قوله ﷺ : ((بلغوا عني ولو آية)) .
وخدمة لإخواننا الناطقين باللغة الأردية ، يطيب لجمع الملك فهد لطباعة المصحف
الشريف بالمدينة المنورة ، أن يقدم للقارئ الكريم هذه الترجمة الأردية ، التي قام بها فضيلة الشيخ
محمد الجوناكوهي . مع تفسير فضيلة الشيخ صلاح الدين يوسف . وراجعها من قبل المجمع كل من
فضيلة الشيخين د. وصي الله بن محمد عباس ود. أخضر جمال لقمان .
ونحمد الله سبحانه وتعالى أن وفق لإتمام هذا العمل العظيم ، الذي نرجو أن يكون
خاتماً لوجهه الكريم ، وأن ينفع به الناس .

إننا ندرك أن ترجمة معاني القرآن الكريم ، مهما بلغت دقتها ستكون قاصرة عن أداء
المعاني العظيمة التي يدل عليها النص القرآني المعجز ، وأن المعاني التي تؤدبها الترجمة إنما هي
حصول ما بلغه علم المترجم في فهم كتاب الله الكريم ، وأنه يعجزها ما يعجز عمل البشر كله من
خطأ ونقص .

ومن ثم نرجو من كل قارئ لهذه الترجمة أن يسواي لجمع الملك فهد لطباعة المصحف
الشريف بالمدينة النبوية ، بما قد يجده فيها من خطأ أو نقص أو زيادة ، للإفادة من الاستدراكات
في الطباعات القادمة إن شاء الله .

والله الموفق ، وهو الهادي إلى سواء السبيل ، اللهم تقبل منا إنك أنت السميع العليم .

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

از قلم عالی الشیخ صلاح بن عبد العزیز بن محمد آل الشیخ

وزیر اسلامی امور، وقوف اور دعوت و ارشاد

حکمران اعلیٰ مجمع الملک فہد

الحمد لله رب العالمین، القائل فی کتابہ الکریم ﴿ قَدْ جَاءَ كَثَرٌ مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ ﴾
وَصَلَّىٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْ أَشْرَفِ الْأَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِینَ، نَبِینَا مُحَمَّدٍ
القائل: « خَیْرُکُمْ مَن تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ ».

خادم الحرمين الشريفین شاہ عبد اللہ بن عبد العزیز آل سعود حفظہ اللہ نے کتاب الہی کی خدمت کے سلسلہ
میں جو ہدایات دی ہیں ان میں قرآن مجید کی طباعت و سچ پچانے پر مسلمان عالم میں اس کی تقسیم کے
اہتمام اور دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ و تفسیر کی اشاعت پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔
”وزارة الشؤون الإسلامية والدعوة والإرشاد“ کی نظر میں عربی زبان سے ناواقف مسلمانوں
کے لئے قرآن فہمی کی راہ ہموار کرنے اور تبلیغ کی اس ذمہ داری سے عمدہ برآ ہونے کے لئے جو رسول
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی ”معلموا عسى ولو آتية“ (میری جانب سے لوگوں تک پہنچاؤ خواہ
ایک ہی آیت کیوں نہ ہو) میں بیان کی گئی ہے، دنیا کی تمام اہم زبانوں میں قرآن مجید کے مطالب کو منتقل
کیا جانا انتہائی ضروری ہے۔

خادم الحرمين الشريفین کی انہی ہدایات اور وزارت برائے اسلامی امور کے اسی احساس کے پیش نظر
”مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف بالمدينة المنورة“ اردو وال قارئین کے استفادہ
کے لئے قرآن مجید کا یہ اردو ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔
یہ ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی کے قلم سے ہے اور تفسیری حواشی مولانا صلاح الدین یوسف کے تحریر
کردہ ہیں۔ مجمع کی جانب سے نظر ثانی کا کام ڈاکٹر وحسی اللہ بن محمد عباس اور ڈاکٹر اختر جمال لقمان
ہرد حضرات نے انجام دیا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اس عظیم کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق دی۔
ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ خدمت قبول فرمائے اور لوگوں کے لئے اسے نفع بخش بنائے۔
یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید کا کوئی بھی ترجمہ خواہ کیسی ہی دقت نظر سے انجام پایا ہو، ان
عظیم معانی کو کما حقہ ادا کرنے سے بہر حال قاصر رہے گا جو اس معجزانہ متن کے عربی روایات ہیں۔ نیز یہ کہ ترجمہ
میں جن مطالب کو پیش کیا جاتا ہے وہ دراصل ترجمہ کی قرآن فہمی کا حاصل ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہر انسانی
کوشش کی طرح ترجمہ قرآن میں بھی غلطی، کوتاہی اور نقص کا امکان باقی رہتا ہے۔

اس بنا پر قارئین سے ہماری درخواست ہے کہ انہیں اس ترجمہ میں کسی مقام پر کوئی فرد گذشت نظر
آئے تو ”مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف بالمدينة النبوية“ کو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ
آئندہ اشاعت میں ان استدرکات سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ واللہ الموفق وهو الهادي إلى سواء السبيل۔

اللهم تقبل منا إنك أنت السميع العليم.

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ①

سورۃ فاتحہ (۱) کہی ہے، (۲) اس میں سات آیتیں ہیں۔ (۳)

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔ (۱) (۳)

(۱) سورۃ الفاتحہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت ہے، جس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ فاتحہ کے معنی آغاز اور ابتداء کے ہیں، اس لیے اسے الْفَاتِحَةُ یعنی فَاتِحَةُ الْكِتَابِ کہا جاتا ہے۔ اس کے اور بھی متعدد نام احادیث سے ثابت ہیں، مثلاً: أُمُّ الْقُرْآنِ، السُّبْحُ الْمُنَافِئُ، الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ، الشِّفَاءُ، الرَّفِیَّةُ (دم) وَغَیْرَهَا مِنَ الْأَسْمَاءِ۔
اس کا ایک اہم نام "الصَّلَاةُ" بھی ہے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: «قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي»۔ الحدیث (صحیح مسلم - کتاب الصَّلَاةِ) "میں نے صلاۃ (نماز) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے" مراد سورہ فاتحہ ہے جس کا نصف حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی رحمت و ربوبیت اور عدل و بادشاہت کے بیان میں ہے اور نصف حصے میں دعاء و مناجات ہے جو بندہ اللہ کی بارگاہ میں کرتا ہے۔
اس حدیث میں سورۃ فاتحہ کو "نماز" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں اس کا پڑھنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ کے ارشادات میں اس کی خوب وضاحت کر دی گئی ہے، فرمایا: «لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» (صحیح بخاری و صحیح مسلم) "اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔"
اس حدیث میں (من) کا لفظ عام ہے جو ہر نمازی کو شامل ہے۔ مفرد ہو یا امام، یا امام کے پیچھے مقتدی۔ سری نماز ہو یا جری، فرض نماز ہو یا نفل۔ ہر نمازی کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

اس عموم کی مزید تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز فجر میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی ﷺ کے ساتھ قرآن کریم پڑھتے رہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ پر قراءت ہو گئی، نماز ختم ہونے کے بعد جب آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم بھی ساتھ پڑھتے رہے ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِأَمْرِ الْقُرْآنِ، فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا»۔ "تم ایسا مت کیا کرو (یعنی ساتھ ساتھ مت پڑھا کرو) البتہ سورۃ فاتحہ ضرور پڑھا کرو، کیونکہ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمْرِ الْقُرْآنِ، فَهِيَ جِدَاجٌ - ثَلَاثًا - غَيْرُ نَمَامٍ» "جس نے بغیر فاتحہ کے نماز پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے" تین مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا: إِنْ تَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ (امام کے پیچھے بھی ہم نماز پڑھتے ہیں، اس وقت کیا کریں؟) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (اقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ) (امام کے پیچھے تم سورۃ فاتحہ اپنے جی میں پڑھو) صحیح مسلم۔

مذکورہ دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ قرآن مجید میں جو آتا ہے: ﴿وَلَا تُقْرِئِ الْقُرْآنَ فَلْيَسْمَعُوا لَهُ وَانْقَلَبُوا﴾ (الأعراف- ۲۰۴) ”جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموش رہو“ یا حدیث ”وَإِذَا قُرَأَ فَانصِتُوا (بشرط صحت)“ جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو“ کا مطلب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی سورۃ فاتحہ کے علاوہ باقی قراءت خاموشی سے سنیں۔ امام کے ساتھ قرآن نہ پڑھیں۔ یا امام سورۃ فاتحہ کی آیات وقفوں کے ساتھ پڑھے تاکہ مقتدی بھی احادیث صحیحہ کے مطابق سورۃ فاتحہ پڑھ سکیں، یا امام سورۃ فاتحہ کے بعد اتنا سکتے کرے کہ مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھ لیں۔ اس طرح آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ میں الحمد للہ کوئی تعارض نہیں رہتا۔ دونوں پر عمل ہو جاتا ہے۔ جب کہ سورۃ فاتحہ کی ممانعت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خاکم بدین قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ٹکراؤ ہے اور دونوں میں سے کسی ایک پر ہی عمل ہو سکتا ہے۔ بیک وقت دونوں پر عمل ممکن نہیں۔ فَتَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هَذَا دیکھیے سورۃ اعراف آیت ۲۰۴ کا حاشیہ (اس مسئلے کی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو کتاب ”تحقیق الکلام“ از مولانا عبدالرحمن مبارک پوری و ”توضیح الکلام“ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ وغیرہ)۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سلف کی اکثریت کا قول یہ ہے کہ اگر مقتدی امام کی قراءت سن رہا ہو تو نہ پڑھے اور اگر نہ سن رہا ہو تو پڑھے (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۳/۲۶۵)

(۲) یہ سورت کی ہے۔ کی یا مدنی کا مطلب یہ ہے کہ جو سورتیں ہجرت (۱۳ نبوت) سے قبل نازل ہوئیں وہ کی ہیں، خواہ ان کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا یا اس کے اطراف و جوانب میں اور مدنی وہ سورتیں ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں، خواہ مدینہ یا اس کے اطراف میں نازل ہوئیں یا اس سے دور۔ حتیٰ کہ مکہ اور اس کے اطراف ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں۔

(۳) بسم اللہ کی بابت اختلاف ہے کہ آیا یہ ہر سورت کی مستقل آیت ہے، یا ہر سورت کی آیت کا حصہ ہے، یا یہ صرف سورۃ فاتحہ کی ایک آیت ہے یا یہ کسی بھی سورت کی مستقل آیت نہیں ہے، اسے صرف دوسری سورت سے ممتاز کرنے کے لیے ہر سورت کے آغاز میں لکھا جاتا ہے۔ قراء مکہ و کوفہ نے اسے سورۃ فاتحہ سمیت ہر سورت کی آیت قرار دیا ہے، جبکہ قراء مدینہ، بصرہ و شام نے اسے کسی بھی سورت کی آیت تسلیم نہیں کیا ہے، سوائے سورۃ نمل کی آیت ۳۰ کے کہ اس میں بالاتفاق بسم اللہ اس کا جزو ہے۔ اسی طرح جہری نمازوں میں اس کے اونچی آواز سے پڑھنے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض اونچی آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں اور بعض سری آواز سے (فتح القدیر) اکثر علما نے سری آواز سے پڑھنے کو رائج قرار دیا ہے۔ تاہم جہری آواز سے بھی پڑھنا جائز ہے۔

(۴) بسم اللہ کے آغاز میں اقْرَأْ اَبْدًا یا اَنْتَلُوْا محذوف ہے یعنی اللہ کے نام سے پڑھتا، یا شروع کر تا یا تلاوت کرتا ہوں۔ ہر اہم کام کے شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ کھانے، ذبح، وضو اور جماع سے پہلے بسم اللہ پڑھو۔ تاہم قرآن کریم کی تلاوت کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا بھی ضروری ہے ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾ (النحل- ۹۸) ”جب تم قرآن کریم پڑھنے لگو تو اللہ کی جناب میں شیطان رجیم سے پناہ مانگو“۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝

سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ^(۱) جو تمام جہانوں کا
پالنے والا ہے۔ ^(۲)

بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا۔ ^(۳)
بدلے کے دن (یعنی قیامت) کا مالک ہے۔ ^(۴)

(۱) الحمد میں ال، استغراق یا اختصاص کے لیے ہے، یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، یا اس کے لیے خاص ہیں، کیوں کہ تعریف کا اصل مستحق اور سزاوار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی کے اندر کوئی خوبی، حسن یا کمال ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے اس لیے حمد (تعریف) کا مستحق بھی وہی ہے۔ اللہ یہ اللہ کا ذاتی نام ہے، اس کا استعمال کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یہ کلمہ شکر ہے جس کی بڑی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔ ایک حدیث میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَوْ أَنْفَضُ الذِّخْرِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ كَوْ أَنْفَضِ الدُّعَاءِ کہا گیا ہے۔ (ترمذی، نسائی وغیرہ) صحیح مسلم اور نسائی کی روایت میں ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْلًا أَلْمِيزَانُ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میزان کو بھردیتا ہے" اسی لیے ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ اللہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ ہر کھانے پر اور پینے پر بندہ اللہ کی حمد کرے۔ (صحیح مسلم)۔

(۲) رَبِّ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، جس کے معنی ہیں ہر چیز کو پیدا کر کے اس کی ضروریات مہیا کرنے اور اس کو تکمیل تک پہنچانے والا۔ اس کا استعمال بغیر اضافت کے کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ عَالَمِینَ (جہان) کی جمع ہے۔ ویسے تو تمام خلایق کے مجموعے کو عالم کہا جاتا ہے، اسی لیے اس کی جمع نہیں لائی جاتی۔ لیکن یہاں اس کی ربوبیت کلمہ کے اظہار کے لیے عالم کی بھی جمع لائی گئی ہے، جس سے مراد مخلوقات کی الگ الگ جنسیں ہیں۔ مثلاً عالم جن، عالم انس، عالم ملائکہ اور عالم وحوش و طیور وغیرہ۔ ان تمام مخلوقات کی ضرورتیں ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں، لیکن رَبِّ الْعَالَمِینَ سب کی ضروریات، ان کے احوال و ظروف اور طبائع و اجسام کے مطابق مہیا فرماتا ہے۔

(۳) رَحْمٰنٌ بِرَوْزَنٍ قَلْبَانٍ اور رَحِیْمٌ بِرَوْزَنٍ قَلْبِلٍ ہے۔ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں، جن میں کثرت اور دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بہت رحم کرنے والا ہے اور اس کی یہ صفت دیگر صفات کی طرح دائمی ہے۔ بعض علما کہتے ہیں: رَحْمٰنٌ میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے، اسی لیے رَحْمٰنٌ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کہا جاتا ہے۔ دنیا میں اس کی رحمت عام ہے جس سے بلا تخصیص کافر و مومن سب فیض یاب ہو رہے ہیں اور آخرت میں وہ صرف رحیم ہو گا، یعنی اس کی رحمت صرف مومنین کے لیے خاص ہوگی۔ اَللّٰهُمَّ! اجْعَلْنَا مِنْهُمْ (آمین)

(۴) دنیا میں بھی اگرچہ مکافات عمل کا سلسلہ ایک حد تک جاری رہتا ہے، تاہم اس کا مکمل ظہور آخرت میں ہو گا اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے اعمال کے مطابق مکمل جزا اور سزا دے گا۔ اسی طرح دنیا میں عارضی طور پر اور بھی کئی لوگوں کے پاس تحت الاسباب اختیارات ہوتے ہیں، لیکن آخرت میں تمام اختیارات کلامک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس روز فرمائے گا: لَعْنُ الْمُنْكَرِ الْيَوْمَ؟ (آج کس کی بادشاہی ہے؟) پھر وہی جواب دے گا: اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝

ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔^(۱) (۵)

(صرف ایک غالب اللہ کے لیے) ﴿يَوْمَ لَا تَكُنْ لَكَ نَفْسٌ لِّتَنْفِسَ كَيْفَ مَنَّا وَلَا تَبْتَغُوا مِنَّا﴾ (الانفطار) ”اس دن کوئی ہستی کسی کے لیے اختیار نہیں رکھے گی، سارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہو گا۔“ یہ ہو گا جزا کا دن۔

(۱) عبادت کے معنی ہیں کسی کی رضا کے لیے انتہائی تدبیر اور کمال خشوع کا اظہار اور بقول ابن کثیر ”شریعت میں کمال محبت، خضوع اور خوف کے مجموعے کا نام ہے“ یعنی جس ذات کے ساتھ محبت بھی ہو، اس کی مافوق الاسباب طاقت کے سامنے عاجزی و بے بسی کا اظہار بھی ہو اور اسباب و مافوق الاسباب ذرائع سے اس کی گرفت کا خوف بھی ہو۔ سیدھی عبارت (نَعْبُدُكَ وَنَسْتَعِينُكَ) (ہم تیری عبادت کرتے اور تجھ سے مدد چاہتے ہیں) ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں مفعول کو فعل پر مقدم کر کے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ فرمایا، جس سے مقصد اختصاص پیدا کرنا ہے، یعنی ”ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں“ نہ عبادت اللہ کے سوا کسی اور کی جائز ہے اور نہ استعانت ہی کسی اور سے جائز ہے۔ ان الفاظ سے شرک کا سد باب کر دیا گیا ہے، لیکن جن کے دلوں میں شرک کا روگ راہ پا گیا ہے، وہ مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب استعانت میں فرق کو نظر انداز کر کے عوام کو مغالطے میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو ڈاکٹر سے مدد حاصل کرتے ہیں، بیوی سے مدد چاہتے ہیں، ڈرائیور اور دیگر انسانوں سے مدد کے طالب ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ یہ باور کراتے ہیں کہ اللہ کے سوا اوروں سے مدد مانگنا بھی جائز ہے۔ حالانکہ اسباب کے ماتحت ایک دوسرے سے مدد چاہنا اور مدد کرنا یہ شرک نہیں ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے، جس میں سارے کام ظاہری اسباب کے مطابق ہی ہوتے ہیں، حتیٰ کہ انبیاء بھی انسانوں کی مدد حاصل کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿مَنْ أَنصَرَنِي إِلَى الْفَوْزِ﴾ (الصف) ”اللہ کے دین کے لیے کون میرا مددگار ہے؟“ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فرمایا: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ (المائدة - ۲) ”میکو اور تقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے کی مدد کرو ظاہریات ہے کہ یہ تعاون ممنوع ہے، نہ شرک، بلکہ مطلوب و محمود ہے۔ اس کا اصطلاحی شرک سے کیا تعلق؟ شرک تو یہ ہے کہ ایسے شخص سے مدد طلب کی جائے جو ظاہری اسباب کے لحاظ سے مدد نہ کر سکتا ہو، جیسے کسی فوت شدہ شخص کو مدد کے لیے پکارنا، اس کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا، اس کو نافع و ضار باور کرنا اور دور و نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے کی صلاحیت سے بہرہ ور تسلیم کرنا۔ اس کا نام ہے مافوق الاسباب طریقے سے مدد طلب کرنا، اور اسے خدائی صفات سے متصف ماننا۔ اسی کا نام شرک ہے، جو بد قسمتی سے محبت اولیاء کے نام پر مسلمان ملکوں میں عام ہے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔ توحید کی تین قسمیں: اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی تین اہم قسمیں بھی مختصراً بیان کر دی جائیں۔ یہ قسمیں ہیں۔ توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید صفات۔

۱۔ توحید ربوبیت کا مطلب ہے کہ اس کائنات کا خالق، مالک، رازق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس توحید کو ملاحظہ

إِنشَاءً لِلْمُتَّقِينَ ۝

ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا۔^(۱) (۶)

و زناوتہ کے علاوہ تمام لوگ مانتے ہیں، حتیٰ کہ مشرکین بھی اس کے قائل رہے ہیں اور ہیں، جیسا کہ قرآن کریم نے مشرکین مکہ کا اعتراف نقل کیا ہے۔ مثلاً فرمایا ”اے پیغمبر (ﷺ)! ان سے پوچھیں کہ تم کو آسمان و زمین میں رزق کون دیتا ہے؟“ یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جاندار اور جاندار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ“ (یعنی یہ سب کام کرنے والا اللہ ہے)۔ (سورہ یونس-۳۱) دوسرے مقام پر فرمایا: ”اگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے؟ تو یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ (الزم-۳۸) ایک اور مقام پر فرمایا: ”اگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں کہ زمین اور زمین میں جو کچھ ہے، یہ سب کس کا ماں ہے؟ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ ہر چیز کی بادشاہی کس کے ہاتھ میں ہے؟ اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے“ اور اس کے مقابل کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ ان سب کے جواب میں یہ یہی کہیں گے کہ اللہ یعنی یہ سارے کام اللہ ہی کے ہیں۔ (المؤمنون-۸۳-۸۹) وَعَبْرَهَا مِنَ الْآيَاتِ

۲- توحید الوہیت کا مطلب ہے کہ عبادت کی تمام اقسام کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور عبادت ہر وہ کام ہے جو کسی مخصوص ہستی کی رضا کے لئے، یا اس کی ناراضی کے خوف سے کیا جائے، اس لیے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ صرف یہی عبادت نہیں ہیں بلکہ کسی مخصوص ہستی سے دعا و التجا کرنا، اس کے نام کی نذر و نیاز دینا، اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا، اس کا طواف کرنا، اس سے طمع اور خوف رکھنا وغیرہ بھی عبادت ہیں۔ توحید الوہیت یہ ہے کہ یہ تمام کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کیے جائیں۔ قبر پرستی کے مرض میں مبتلا عوام و خواص اس توحید الوہیت میں شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور مذکورہ عبادت کی بہت سی قسمیں وہ قبروں میں مدفون افراد اور فوت شدہ بزرگوں کے لیے بھی کرتے ہیں جو سراسر شرک ہے۔

۳- توحید صفات کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں، ان کو بغیر کسی تاویل اور تحریف کے تسلیم کریں اور وہ صفات اس انداز میں کسی اور کے اندر نہ مانیں۔ مثلاً جس طرح اس کی صفت علم غیب ہے، یا دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے پر وہ قادر ہے، کائنات میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے، یہ یا اس قسم کی اور صفات الہیہ ان میں سے کوئی صفت بھی اللہ کے سوا کسی نبی، ولی یا کسی بھی شخص کے اندر تسلیم نہ کی جائیں۔ اگر تسلیم کی جائیں گی تو یہ شرک ہو گا۔ افسوس ہے کہ قبر پرستوں میں شرک کی یہ قسم بھی عام ہے اور انہوں نے اللہ کی مذکورہ صفات میں بہت سے بندوں کو بھی شریک کر رکھا ہے۔ اَعَادَنَا اللّٰهُ مِنۡہُ

(۱) ہدایت کے کئی مفہوم ہیں۔ راستے کی طرف رہنمائی کرنا، راستے پر چلا دینا، منزل مقصود پر پہنچا دینا۔ اسے عربی میں ارشاد، توفیق، اہام اور دلالت سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی ہماری صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی فرما، اس پر چلنے کی توفیق اور اس پر استقامت نصیب فرما، تاکہ ہمیں تیری رضا (منزل مقصود) حاصل ہو جائے۔ یہ صراطِ مستقیم محض عقل اور ذہانت سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ صراطِ مستقیم وحی ”الاسلام“ ہے، جسے نبی ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور جو

وَصِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ
وَلَا الضَّالِّينَ ﴿١﴾

ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا^(۱)، انکی نہیں جن
پر غضب کیا گیا (یعنی وہ لوگ جنہوں نے حق کو پہچانا مگر
اس پر عمل پیرا نہیں ہوئے)، اور نہ گمراہوں کی^(۲)
(یعنی وہ لوگ جو جہالت کے سبب راہ حق سے ہر گشتہ ہو
گئے)۔ (۷)

اب قرآن و احادیث مجموعہ میں محفوظ ہے۔

(۱) یہ صراط مستقیم کی وضاحت ہے کہ یہ سیدھا راستہ وہ ہے جس پر وہ لوگ چلے جن پر تیرا انعام ہوا۔ یہ منعم علیہ گروہ ہے
انبیاء شہداء صدیقین اور صالحین کا۔ جیسا کہ سورہ نساء میں ہے ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
مِنَ الرِّبِّينَ ۚ وَابْتَغِ الْوَعْدَ النَّظِيرَ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۚ﴾ (النساء۔ ۶۹) اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی
اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء
اور صالحین اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔ اس آیت میں یہ بھی وضاحت کردی گئی ہے کہ انعام یافتہ
لوگوں کا یہ راستہ اطاعت الہی اور اطاعت رسول ﷺ ہی کا راستہ ہے نہ کہ کوئی اور راستہ۔

(۲) بعض روایات سے ثابت ہے کہ مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ (جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا) سے مراد یہودی اور ضالین
(گمراہوں) سے مراد نصاریٰ (عیسائی) ہیں۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مفسرین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں الا اَعْلَمُ
جَلَّالًا بَيْنَ الْمُتَسَبِّرِينَ بِمَنْ تَفْسِيرُ ﴿الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ﴾ بِالْيَهُودِ وَ﴿الضَّالِّينَ﴾ بِالنَّصَارَى (فتح القدیر) اس لیے صراط
مستقیم پر چلنے کی خواہش رکھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہودی اور نصاریٰ دونوں کی گمراہیوں سے بچ کر رہیں۔ یہودی
بڑی گمراہی یہ تھی کہ وہ جانتے بوجھتے صحیح راستے پر نہیں چلتے تھے آیات الہی میں تحریف اور حیلہ کرنے سے گریز نہیں کرتے
تھے حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے اپنے احباب و رہبان کو حرام و حلال کرنے کا مجاز سمجھتے تھے۔ نصاریٰ کی بڑی غلطی
یہ تھی کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کیا اور انہیں ابن اللہ اور ثَلَاثَةٌ (اللہ کا بیٹا اور تین خدا میں
سے ایک) قرار دیا۔ افسوس ہے کہ امت محمدیہ میں بھی یہ گمراہیاں عام ہیں اور اسی وجہ سے وہ دنیا میں دلیل و رسوا ہیں۔ اللہ
تعالیٰ اسے ضدست کے گڑھے سے نکالے تاکہ دوبارہ نکتہ کے بڑھتے ہوئے سائے سے وہ محفوظ رہ سکے۔

سورہ فاتحہ کے آخر میں آمین کہنے کی نبی ﷺ نے بڑی تاکید اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس لیے امام اور مقتدی ہر ایک
کو آمین کہنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (جبری نمازوں میں) اونچی آواز سے آمین کہا کرتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حتی
کہ مسجد گونج اٹھتی (ابن ماجہ)۔ ابن کثیر بتا بریں آمین اونچی آواز سے کہنا سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول یہ ہے۔ آمین
کے معنی مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ «كَذَلِكَ فَلْيَتَنَزَّلْ» (اسی طرح ہو) «لَا تُحِيطُ بِحُجَّتِنَا» (ہمیں نامراد نہ کرنا) «اللَّهُمَّ
اسْتَجِبْ لَنَا» (اے اللہ ہماری دعا قبول فرمائے)۔

سُورَةُ الْبَقَرَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَدَيْهِ مَقَادِيرُ الْغَيْبِ ۚ

سورہ بقرہ مدنی ہے ^(۱) اور اس میں دو سو چھیالیس آیات اور چالیس رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الم ^(۲) (۱) اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں ^(۳) پرہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے۔ ^(۴)

(۱) اس سورت میں آگے چل کر گائے کا واقعہ بیان ہوا اس لیے اسے بقرہ (گائے کے واقعے والی سورت) کہا جاتا ہے۔ حدیث میں اس کی ایک خاص فضیلت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ جس گھر میں یہ پڑھی جائے اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ فرمایا: لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا، فَإِنَّ النَّبْتَ الَّتِي تَقْرَأُ فِيهَا سُورَةُ الْبَقَرَةِ لَا يَدْخُلُهَا الشَّيْطَانُ (اصحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استعجاب صلاۃ السافرة فی بیعہ۔ نزول کے اعتبار سے یہ مدنی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے البتہ اس کی بعض آیات جتہ الوداع کے موقع پر نازل ہوئیں۔ بعض علما کے نزدیک اس میں ایک ہزار خبر، ایک ہزار احکام اور ایک ہزار منہیات ہیں۔ (ابن کثیر)

(۲) انیس حروف مقطعات کہا جاتا ہے، یعنی علیحدہ علیحدہ پڑھے جانے والے حروف۔ ان کے معنی کے بارے میں کوئی مستند روایت نہیں ہے۔ واللہ اعلم بسرہ۔ البتہ نبی ﷺ نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ میں نہیں کہتا کہ آئمہ ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے اور ہر حرف پر ایک نیکی اور ایک نیکی کا اجر دس گن ہے۔ (سنن ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فیہ من قرأ حرفاً.....)

(۳) اس کے منز من اللہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے: ﴿تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَدَيْ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (الم السجدہ) بعض علما نے کہا ہے کہ یہ خبر بمعنی نئی ہے۔ اُنّی لَا تَزْنَانَا وَبِهِ (اس میں شک نہ کرو۔) علوہ ازیں اس میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں ان کی صداقت میں جو احکام و مسائل بیان کیے گئے ہیں ان سے انسانیت کی فلاح و نجات وابستہ ہونے میں اور جو عقائد (توحید و رسالت اور محاد کے بارے میں) بیان کیے گئے ہیں ان کے برحق ہونے میں کوئی شک نہیں۔

(۴) ویسے تو یہ کتاب الہی تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے نازل ہوئی ہے، لیکن اس چشمہ فیض سے سیراب صرف وہی لوگ ہوں گے جو آب حیات کے حلاشی اور خوف الہی سے سرشار ہوں گے۔ جن کے دل میں مرنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر جواب دی کا احساس اور اس کی فکری نہیں، جن کے اندر ہدایت کی طلب یا گمراہی سے بچنے کا جذبہ ہی نہیں ہو گا تو انہیں ہدایت کہاں سے اور کیوں کر حاصل ہو سکتی ہے؟

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۱﴾

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿۲﴾

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۳﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَسَوَّاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذِرَتْهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ

جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں ^(۱) اور نماز کو قائم رکھتے ہیں ^(۲) اور ہمارے دیئے ہوئے (مال) میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ^(۳)

اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا ^(۴) اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ ^(۵)

یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔ ^(۶) کافروں کو آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے یہ لوگ

(۱) اُنْزِلَ غَيْبٌ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا اور اک عقل و حواس سے ممکن نہیں۔ جیسے ذات باری تعالیٰ 'وحی الہی' جنت، دوزخ، ملائکہ، عذاب قبر اور حشر اجساد وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول ﷺ کی بتائی ہوئی ماورائے عقل و احساس باتوں پر یقین رکھنا، جزو ایمان ہے اور ان کا انکار کفر و ضلالت ہے۔
(۲) اقامت صلوٰۃ سے مراد پابندی سے اور سنت نبوی کے مطابق نماز کا اہتمام کرنا ہے 'ورنہ نماز تو منافقین بھی پڑھتے تھے۔

(۳) اِمْنَادٌ کا لفظ عام ہے جو صدقات واجبہ اور ناکلہ دونوں کو شامل ہے۔ اہل ایمان حسب استطاعت دونوں میں کوئی بھی نہیں کرتے، بلکہ مال باپ اور اہل و عیال پر صحیح طریقے سے خرچ کرنا بھی اس میں داخل ہے اور باعث اجر و ثواب ہے۔

(۴) پچھلی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جو کتابیں انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں، وہ سب سچی ہیں، وہ اب اپنی اصل شکل میں دنیا میں پائی نہیں جاتیں، نیز اب ان پر عمل بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اب عمل صرف قرآن اور اس کی تشریح نبوی۔ حدیث۔ پر ہی کیا جائے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی و رسالت کا سلسلہ آنحضرت ﷺ پر ختم کر دیا گیا ہے، ورنہ اس پر بھی ایمان لانے کا ذکر اللہ تعالیٰ ضرور فرماتا۔

(۵) یہ ان اہل ایمان کا انجام بیان کیا گیا ہے جو ایمان لانے کے بعد تقویٰ و عمل اور عقیدہ صحیحہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ محض زبان سے اظہار ایمان کو کافی نہیں سمجھتے۔ کامیابی سے مراد آخرت میں رضائے الہی اور اس کی رحمت و مغفرت کا حصول ہے۔ اس کے ساتھ دنیا میں بھی خوش حلال اور سعادت و کامرانی مل جائے تو سبحان اللہ۔ ورنہ اصل کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ دوسرے گروہ کا تذکرہ فرما رہا ہے جو صرف کافری نہیں، بلکہ اس کا کفر و عناد اس انتہا تک پہنچا ہوا ہے جس کے بعد اس سے خیر اور قبول اسلام کی توقع ہی نہیں۔

لَا يُؤْمِنُونَ ①

حَكَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى أَبْصَارِهِمْ
غِشَاوًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ②

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَيَالَيْئُمَ الْآخِرُ وَمَا هُمْ
بَيُؤْمِنُونَ ③

ایمان نہ لائیں گے۔^(۱) (۶)

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر
دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا
عذاب ہے۔^(۲) (۷)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے
دن پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ ایمان والے
نہیں ہیں۔^(۳) (۸)

(۱) نبی ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ سب مسلمان ہو جائیں اور اسی حساب سے آپ ﷺ کو شش فرماتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایمان ان کے نصیب میں ہی نہیں ہے۔ یہ وہ چند مخصوص لوگ ہیں جن کے دلوں پر مہر لگ چکی تھی (جیسے ابو جہل اور ابولسب وغیرہ) ورنہ آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ سے بے شمار لوگ مسلمان ہوئے، حتیٰ کہ پھر پورا جزیرہ عرب اسلام کے سلیہ عافیت میں آگیا۔

(۲) یہ ان کے عدم ایمان کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ کفر و معصیت کے مسلسل ارتکاب کی وجہ سے ان کے دلوں سے قیوں حق کی استعداد ختم ہو چکی ہے، ان کے کان حق بات سننے کے لیے آمادہ نہیں اور ان کی نگاہیں کائنات میں پھیلی ہوئی رب کی نشانیاں دیکھنے سے محروم ہیں تو اب وہ ایمان کس طرح لاسکتے ہیں؟ ایمان تو انہی لوگوں کے حصے میں آتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرتے اور ان سے معرفت کردگار حاصل کرتے ہیں۔ اس کے برعکس لوگ تو اس حدیث کا مصداق ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ”مومن جب گناہ کر جیٹتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر کے گناہ سے باز آ جاتا ہے تو اس کا دل پہلے کی طرح صاف شفاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ توبہ کی بجائے گناہ پر گناہ کرتا جاتا ہے تو وہ نقطہ سیاہ پھیل کر اس کے پورے دل پر چھا جاتا ہے۔“ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں وہ رنگ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے ﴿كَذَٰلِكَ يُضَيِّتُ اللَّهُ سَبِيلَ الْكَافِرِينَ﴾ (المطففين ۱۴) یعنی ”ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر رنگ چڑھ گیا ہے۔“ (ترمذی، تفسیر سورہ مطففین) اسی کیفیت کو قرآن نے ”ختم“ (مہر لگ جانے) سے تعبیر فرمایا ہے، جو ان کی مسلسل بد اعمالیوں کا منطقی نتیجہ ہے۔

(۳) یہاں سے تیسرے گروہ منافقین کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جن کے دل تو ایمان سے محروم تھے، مگر وہ اہل ایمان کو فریب دینے کے لیے زبان سے ایمان کا اظہار کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ نہ اللہ کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، کیوں کہ وہ تو سب کچھ جانتا ہے اور نہ اہل ایمان کو مستقل فریب میں رکھ سکتے ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے سے مسلمانوں کو ان کی فریب کاریوں سے آگاہ فرماتا تھا۔ یوں اس فریب کاری کا سارا نقصان خود انہی کو پہنچا کہ انہوں نے اپنی عاقبت برباد کر لی اور دنیا میں بھی رسوا ہوئے۔

يُنْجِبُ عَنْهُ اللَّهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ
وَمَا يَشْعُرُونَ ۝

وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں، لیکن
دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں، مگر
سمجھتے نہیں۔ (۹)

بِئْسَ ثَلَاوِيْهُمْ مَّرْضًا قَرَّادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ ۝

ان کے دلوں میں بیماری تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری
میں مزید بڑھا دیا^(۱) اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان
کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (۱۰)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَعْمُرُ
مُضِلِّحُونَ ۝

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو
جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے
ہیں۔ (۱۱)

إِنَّمَا نَحْنُ الْمُصْلِحُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ۝

خبردار! یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں،^(۲) لیکن
شعور (سمجھ) نہیں رکھتے۔ (۱۲)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْكُثُوا كَمَا مَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا
مَنَ الشُّفَهَاءُ إِنَّمَا نَحْنُ الشُّفَهَاءُ وَلَكِنْ
لَا نَعْلَمُونَ ۝

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اور لوگوں (یعنی صحابہ) کی
طرح تم بھی ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم ایسا
ایمان لائیں جیسا یہ قوف لائے ہیں،^(۳) خبردار ہو جو!

(۱) بیماری سے مراد وہی کفر و نفاق کی بیماری ہے، جس کی اصلاح کی فکر نہ کی جائے تو بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح
جھوٹ بولنے منافقین کی علامات میں سے ہے، جس سے اجتناب ضروری ہے۔

(۲) مَسَاد، صلاح کی ضد ہے۔ کفر و معصیت سے زمین میں فساد پھیلتا ہے اور اطاعت الہی سے امن و سکون ملتا ہے۔ ہر
دور کے منافقین کا کردار یہی رہا ہے کہ پھیلاتے وہ فساد ہیں، اشاعت وہ منکرات کی کرتے ہیں اور پامال حدود الہی کو کرتے
ہیں اور سمجھتے یا دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اصلاح و ترقی کے لیے کوشاں ہیں۔

(۳) ان منافقین نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو ”بے وقوف“ کہا، جنہوں نے اللہ کی راہ میں جان و مال کی کسی بھی قربانی سے
دریغ نہیں کیا اور آج کے منافقین یہ باور کراتے ہیں کہ نعوذ باللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوستو ایمان ہی سے محروم تھے۔ اللہ
تعالیٰ نے جدید و قدیم دونوں منافقین کی تردید فرمائی۔ فرمایا کسی اعلیٰ تر مقصد کے لیے دنیوی مفادات کو قربان کر دینا، بے
وقوفی نہیں، عین عقل مندی اور سعادت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی سعادت مندی کا ثبوت مہیا کیا ہے، اس لیے وہ کپے
سرمں ہی نہیں، بلکہ ایمان کے لیے ایک معیار اور کسوٹی ہیں، اب ایمان انہی کا معتبر ہو گا جو صحابہ کرام ہی کی طرح ایمان
لائیں گے۔ ﴿وَكَانَ امْتُؤَابِعِثِلَ مَا امْتَنَمْتُمْ بِهِ فَخَذَّاهُنَّ﴾ - (البقرة - ۷۷)

یقیناً یہی یوقوف ہیں، لیکن جانتے نہیں۔^(۱۱) (۱۳)

اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں^(۱۲) تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے صرف مذاق کرتے ہیں۔ (۱۴)

اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے^(۱۳) اور انہیں ان کی سرکشی اور ہنکاوے میں اور بڑھا دیتا ہے۔ (۱۵)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں خرید لیا پس نہ تو ان کی تجارت^(۱۴) نے ان کو فائدہ پہنچایا اور نہ یہ ہدایت والے ہوئے۔ (۱۶)

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی،

وَإِذَا الْغَوَّاتُ ذُكِّرْنَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شُيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَؤُونَ ۝

اللَّهُ سَتَهِيَ بَوْمَهُ وَيَمْدُ هُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰةَ بِالْهٰدِي قَمَارِجَتْ تَجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُنْتَفِعِينَ ۝

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْفَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ

(۱) ظاہر بات ہے کہ نفع عاجل (فوری فائدے) کے لیے نفع آجل (دیر سے ملنے والے فائدے) کو نظر انداز کر دینا اور آخرت کی پائیدار اور دائمی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی فانی زندگی کو ترجیح دینا اور اللہ کی بجائے لوگوں سے ڈرنا پرلے درجے کی سفاہت ہے جس کا ارتکاب ان منافقین نے کیا۔ یوں ایک مسئلہ حقیقت سے بے علم رہے۔

(۲) شیاطین سے مراد سردارانِ قریش و یہود ہیں جن کے ایمان پر وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے، یہ منافقین کے اپنے سردار۔

(۳) ”اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے“ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ جس طرح مسلمانوں کے ساتھ استہزا و استخفاف کا معاملہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی ان سے ایسا ہی معاملہ کرتے ہوئے انہیں ذلت و ادبار میں مبتلا کرتا ہے۔ اس کو استہزا سے تعبیر کرنا زبان کا اسلوب ہے، ورنہ حقیقتاً یہ استہزا نہیں ہے، ان کے فعل استہزا کی سزا ہے جیسے ﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (الشوریٰ) ”برائی کا بدلہ“ اسی کی مثل برائی ہے، ”میں برائی کے بدلے کو برائی کما گیا ہے حالانکہ وہ برائی نہیں ہے ایک جائز فعل ہے۔ اسی طرح ﴿يَخْلَعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَالِدٌ فِيهِمْ﴾ ﴿وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ﴾ وغیرہ آیات میں ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ بھی ان سے استہزا فرمائے گا۔ جیسا کہ سورۃ حدید کی آیت ﴿يَوْمَ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ﴾ الآية میں وضاحت ہے۔

(۴) تجارت سے مراد ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرنا ہے، جو سراسر گھانے کا سودا ہے۔ منافقین نے نفاق کا جامہ پہن کر یہی گھانے والی تجارت کی۔ لیکن یہ گھانا آخرت کا گھانا ہے، ضروری نہیں کہ دنیا میں ہی اس گھانے کا انہیں علم ہو جائے۔ بلکہ دنیا میں تو اس نفاق کے ذریعے سے انہیں جو فوری فائدے حاصل ہوتے تھے، اس پر وہ بڑے خوش ہوتے اور اس کی بنیاد پر اپنے آپ کو بہت دانا اور مسلمانوں کو عقل و فہم سے عاری سمجھتے تھے۔

پس آس پاس کی چیزیں روشنی میں آئی ہی تھیں کہ اللہ ان کے نور کو لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا جو نہیں دیکھتے۔^(۱) (۱۷)

برے، 'گوئے' اندھے ہیں۔ پس وہ نہیں لوٹتے۔ (۱۸)

یا آسمانی برسات کی طرح جس میں اندھیریاں اور گرج اور بجلی ہو، موت سے ڈر کر کڑا کے کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے۔ (۱۹)

قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے جائے، جب ان کے لئے روشنی کرتی ہے تو اس میں چلتے پھرتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا کرتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں^(۲) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو

ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَاهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يَصِيرُونَ ۝

صُورُهُمْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ لَأَيُّهُمْ ۝

أَوْ كَصَيْبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْنٌ وَتَرَى الْيَجْعَلُونَ
أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ النَّاسِ وَاللَّهُ غَظِيبٌ
بِالْكَافِرِينَ ۝

يَكَادُ الْبَرْقُ يُغْطِفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ
وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ
وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے: کہ نبی ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو کچھ لوگ مسلمان ہو گئے، لیکن پھر جلد ہی منافق ہو گئے۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیرے میں تھا، اس نے روشنی جلائی جس سے اس کا ماحول روشن ہو گیا اور مفید اور نقصان دہ چیزیں اس پر واضح ہو گئیں، دفعتاً وہ روشنی بجھ گئی، اور وہ حسب سابق تاریکیوں میں گھر گیا۔ یہی حال منافقین کا تھا۔ پہلے وہ شرک کی تاریکی میں تھے، مسلمان ہوئے تو روشنی میں آ گئے۔ حلال و حرام اور خیر و شرک پہچان گئے، پھر وہ دوبارہ کفر و نفاق کی طرف لوٹ گئے تو ساری روشنی جاتی رہی (فتح القدیر)

(۲) یہ منافقین کے ایک دوسرے گروہ کا ذکر ہے جس پر کبھی حق واضح ہوتا ہے اور کبھی اس کی بابت وہ ریب و شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پس ان کے دل ریب و تردد میں اس بارش کی طرح ہیں جو اندھیروں (شکوہ، کفر اور نفاق) میں اترتی ہے، گرج چمک سے ان کے دل ڈر ڈر جاتے ہیں، حتیٰ کہ خوف کے مارے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔ لیکن یہ تدبیریں اور یہ خوف و دہشت انہیں اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکے گا، کیوں کہ وہ اللہ کے گھیرے سے نہیں نکل سکتے۔ کبھی حق کی کرنیں ان پر پڑتی ہیں تو حق کی طرف جھک پڑتے ہیں، لیکن پھر جب اسلام یا مسلمانوں پر مشکلات کا دور آتا ہے تو پھر حیران و سرگردان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (ابن کثیر) منافقین کا یہ گروہ آخر وقت تک تذبذب اور گونگو کا شکار اور قبول حق (اسلام) سے محروم رہتا ہے۔

بیکار کر دے۔^(۱) یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (۲۰)

اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے۔ (۲۱)

جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی، خبردار ہلوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔^(۲) (۲۲)

ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ، تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلاؤ۔^(۳) (۲۳)

پس اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہیں کر سکتے^(۴) تو (اے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ
وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۲۰﴾

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً
مِنْ دُونِهَا خَرَجَ مِنْ الثَّغْرِ بِرُحْنٍ قَالِكُمْ فَلَا تُعْبَدُوا إِلَّا هُوَ
وَإِنَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تُعْلَمُونَ ﴿۲۱﴾

وَلَنْ نُنْفِذَهُ فِي رِيبٍ وَمَنْ لَنَا عَلَى عَبْدٍ مَا قَالُوا بِسُورَةٍ مِنْ
مِثْلِهِ ۖ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ﴿۲۲﴾

إِنْ كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ وَلَنْ نَفْعَلُوا بِمَا أَلْفَعُوا الْبَارِئِ وَتُؤَدُّهَا

(۱) اس میں اس امر کی تنبیہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ اپنی دی ہوئی صلاحیتوں کو سلب کر لے۔ اس لیے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے گریزاں اور اس کے عذاب اور مواخذے سے کبھی بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔

(۲) ہدایت اور ضلالت کے اعتبار سے انسانوں کے تین گروہوں کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی عبادت کی دعوت تمام انسانوں کو دی جا رہی ہے۔ فرمایا کہ جب تمہارا اور کائنات کا خالق اللہ ہے، تمہاری تمام ضروریات کامیا کرنے والا وہی ہے، تو پھر تم اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ دوسروں کو اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ اگر تم عذاب خداوندی سے بچنا چاہتے ہو تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کو ایک مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو، جانتے بوجھتے شرک کا ارتکاب مت کرو۔

(۳) توحید کے بعد اب رسالت کا اثبات فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے اپنے بندے پر جو کتاب نازل فرمائی ہے، اس کے منزل من اللہ ہونے میں اگر تمہیں شک ہے تو تم اپنے تمام حمایتیوں کو ساتھ ملا کر اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر دکھاؤ اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ واقعی یہ کلام کسی انسان کی کاوش نہیں ہے، کلام الہی ہی ہے اور ہم پر اور رسالت محمدیہ پر ایمان لا کر جہنم کی آگ سے بچنے کی سعی کرنی چاہیے، جو کافروں کے لیے ہی تیار کی گئی ہے۔

(۴) یہ قرآن کہیم کی صداقت کی ایک اور واضح دلیل ہے کہ عرب و عجم کے تمام کافروں کو چیلنج دیا گیا، لیکن وہ آج تک اس کا جواب دینے سے قاصر ہیں اور یقیناً قیامت تک قاصر رہیں گے۔

النَّاسُ وَالْجِبَارَةُ كَأَعْدَتِ لِلْكَافِرِينَ ﴿۳۰﴾

سچا مان کر اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں،^(۱) جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔^(۲) (۳۰)

وَيَكْبُرُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأَنُؤَاهُ مُمَكِّلِينَ لَهُمْ فِيهَا أَنْدَادُ زَوَاجِهِمْ لَا يَنْفَكُونَ عَنْهُمْ فِيهَا وَلَهُمْ فِيهَا خِلْدُونَ ﴿۳۱﴾

اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو^(۳) ان جنتوں کی خوشخبریاں دو، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جب کبھی وہ پھلوں کا رزق دیئے جائیں گے اور ہم شکل لائے جائیں گے تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے دیئے گئے تھے^(۴) اور ان کے لئے بیویاں ہیں صاف^(۵) ستھری اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں^(۶) (۳۱)

(۱) پتھر سے مراد بقول ابن عباس گندھک کے پتھر ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک پتھر کے وہ ”اَصْنَام“ (بت) بھی جنم کا ایندھن ہوں گے جن کی لوگ دنیا میں پرستش کرتے رہے ہوں گے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے: ﴿لَا تَعْبُدُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَتَقْصِبَ جَهَنَّمَ﴾ (الأنبياء- ۹۸) ”تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو، جنم کا ایندھن ہوں گے۔“ (۲) اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ جنم اصل میں کافروں اور مشرکوں کے لیے تیار کی گئی ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جنت اور دوزخ کا وجود ہے جو اس وقت بھی ثابت ہے۔ یہی سلف امت کا عقیدہ ہے۔ یہ تشبیل چیزیں نہیں ہیں جیسا کہ بعض متجددین اور منکرین حدیث باور کراتے ہیں۔

(۳) قرآن کریم نے ہر جگہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا تذکرہ فرما کر اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح ان دونوں کا چولہا دامن کا ساتھ ہے۔ عمل صالح کے بغیر ایمان شر آور نہیں اور ایمان کے بغیر اعمال خیر کی عند اللہ کوئی اہمیت نہیں۔ اور عمل صالح کیا ہے؟ جو سنت کے مطابق ہو اور خالص رضائے الہی کی نیت سے کیا جائے۔ خلاف سنت عمل بھی نامقبول اور نمود و نمائش اور ریاکاری کے لیے کیے گئے عمل بھی مردود و مطرود۔

(۴) مِنْفِيہَا کا مطلب یا تو جنت کے تمام میوؤں کا آپس میں ہم شکل ہونا ہے یا دنیا کے میوؤں کے ہم شکل ہونا۔ تاہم یہ مشابہت صرف شکل یا نام کی حد تک ہی ہوگی اور نہ جنت کے میوؤں کے مزے اور ذائقے سے دنیا کے میوؤں کو کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ جنت کی نعمتوں کی بابت حدیث میں ہے: مَا لَا غَيْرَ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَسَبِ نَسْرِ (صحیح بخاری، تفسیر الم السجدة) ”نہ کسی آنکھ نے انہیں دیکھا نہ کسی کان نے ان کی بابت سنا (اور دیکھا سنا تو کجا) کسی انسان کے دل میں ان کا گمان بھی نہیں گزرا۔“

(۵) یعنی حیض و نفاس اور دیگر آلائشوں سے پاک ہوں گی۔

(۶) حُلُود کے معنی ہیشگی کے ہیں۔ اہل جنت ہمیشہ ہمیش کے لیے جنت میں رہیں گے اور خوش رہیں گے اور اہل دوزخ

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا نَبَوْذَةً فَأَنَّ فَوْقَهَا قَالًا
الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَنَّ الَّذِينَ
كَفَرُوا يَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا يُحِصُّ
بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ
إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٠﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا
خواہ چھڑکی ہو یا اس سے بھی ہلکی چیز کی۔^(۱) ایمان
والے تو اسے اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں اور
کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مراد لی ہے؟
اس کے ذریعہ بیشتر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو راہ
راست پر لاتا ہے^(۲) اور گمراہ تو صرف فاسقوں کو ہی کرتا
ہے۔^(۳)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مضبوط عہد کو^(۴) توڑ دیتے ہیں اور

الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ

بیش ہمیش کے لیے جہنم میں رہیں گے اور جلائے عذاب رہیں گے۔ حدیث میں ہے۔ جنت اور جہنم میں جانے کے بعد
ایک فرشتہ اعلان کرے گا "اے جہنمیو! اب موت نہیں ہے اور اے جنتیو! اب موت نہیں ہے۔ جو فریق جس حالت
میں ہے اسی حالت میں ہمیشہ رہے گا۔" صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب بدخل الجنة سبعون ألفاً و
صحیح مسلم کتاب الجنة۔

(۱) جب اللہ تعالیٰ نے دلائل قاطعہ سے قرآن کا معجزہ ہونا ثابت کر دیا تو کفار نے ایک دوسرے طریقے سے معارضہ کر
دیا اور وہ یہ کہ اگر یہ کلام الہی ہوتا تو اتنی عظیم ذات کے نازل کردہ کلام میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثالیں نہ ہوتیں۔ اللہ
تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بات کی توضیح اور کسی حکمت بالغہ کے پیش نظر تمثیلات کے بیان کرنے میں کوئی
حرج نہیں اس لیے اس میں حیا و حجاب بھی نہیں۔ فوقہا جو چھڑکی اوپر ہو یعنی پر یا بازو مراد اس چھڑکی سے بھی حقیر تر
چیز۔ یا فوقی کے معنی اس سے بڑھ کر بھی ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں معنی "چھڑکی اس سے بڑھ کر کسی چیز" کے ہوں
گے۔ لفظ فوقہا میں دونوں مفہوم کی گنجائش ہے۔

(۲) اللہ کی بیان کردہ مثالوں سے اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ اور اہل کفر کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ سب اللہ
کے قانون قدرت و مشیت کے تحت ہی ہوتا ہے۔ جسے قرآن نے ﴿لَوْ لَوْ مَا تَوَلَّيْ﴾ (النساء۔ ۱۱۵) (جس طرف کوئی پھرتا
ہے ہم اسی طرف اس کو پھیر دیتے ہیں) اور حدیث میں اُكْلُ مَيْسَرَةٍ لِمَا خَلَقَ لَهُ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ اہل) سے
تعبیر کیا گیا ہے۔ فسق اطاعت الہی سے خروج کو کہتے ہیں جس کا ارتکاب عارضی اور وقتی طور پر ایک مومن سے بھی ہو
سکتا ہے۔ لیکن اس آیت میں فسق سے مراد اطاعت سے کلی خروج یعنی کفر ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے کہ
اس میں مومن کے مقابلے میں کافروں والی صفات کا تذکرہ ہے۔

(۳) مفسرین نے عہد کے مختلف مفہوم بیان کیے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی وہ وصیت جو اس نے اپنے ادا کر جانے اور
نواہی سے باز رکھنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے مخلوق کو کی۔ ۴۔ وہ عہد جو اہل کتاب سے تورات میں یا گیا
کہ نبی آخر الزمان ﷺ کے آجانے کے بعد ہمارے لیے ان کی تصدیق کرنا اور ان کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہو

مَا أَسْرَأَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوَصِّلَ وَيُقِيمِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۲۷﴾

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَانًا فَأَخْبَاكُمُ اللَّهُ لِيُنَبِّئَكُمْ تَقْوِيَّتَكُمْ تَشْكُرُ الْبُيُوتَ تَرْجَعُونَ ﴿۲۸﴾

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَنَافِيَ الْأَرْضِ جَعِلْنَاهُمْ نُجُومًا إِلَى السَّمَاءِ فَتَوَدُّهُمْ سَبْعَ سَنِينَ وَهُوَ بِحُلِيِّهِمْ عَلِيمٌ ﴿۲۹﴾

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے، انہیں کاٹنے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ﴿۲۷﴾

تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مار ڈالے گا، پھر زندہ کرے گا، ﴿۲۸﴾ پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ ﴿۲۸﴾

وہ اللہ جس نے تمہارے لئے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا، ﴿۲۹﴾ پھر آسمان کی طرف قصد کیا ﴿۳۰﴾ اور ان کو ٹھیک ٹھاک سات آسمان ﴿۳۱﴾ بنایا اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ ﴿۲۹﴾

گاہ۔ وہ حمد است جو صلب آدم سے نکالنے کے بعد تمام ذریت آدم سے لیا گیا، جس کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ بُنْيَانِ أَدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ﴾ (الأعراف- ۱۷۲) نقص عمر کا مطلب حمد کی پروانہ کرنا ہے (ابن کثیر) (۱) ظہرات ہے کہ نقصان اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کو ہی ہو گا اللہ کا یا اس کے پیغمبروں اور داعیوں کا کچھ نہ بگڑے گا۔

(۲) آیت میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا تذکرہ ہے۔ پہلی موت سے مراد عدم (نہیست یعنی نہ ہونا) ہے اور پہلی زندگی ماں کے پیٹ سے نکل کر موت سے امکان ہونے تک ہے۔ پھر موت آجائے گی اور پھر آخرت کی زندگی دوسری زندگی ہوگی، جس کا انکار کفار اور منکرین قیامت کرتے ہیں۔ شوکانی نے بعض علماء کی رائے ذکر کی ہے کہ قبر کی زندگی (نَحْمًا مِّنْهَا) دوسری زندگی میں ہی شامل ہوگی (فتح القدیر) صحیح یہ ہے کہ برزخ کی زندگی حیات آخرت کا پیش خیمہ اور اس کا سرنامہ ہے اس لیے اس کا تعلق آخرت کی زندگی سے ہے۔

(۳) اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ زمین کی اشیاء مخلوق کے لیے ”اصل“ حلت ہے۔ الایہ کہ کسی چیز کی حرمت نص سے ثابت ہو (فتح القدیر)

(۴) بعض سلف امت نے اس کا ترجمہ ”پھر آسمان کی طرف چڑھ گیا“ کیا ہے (صحیح بخاری) اللہ تعالیٰ کا آسمانوں کے اوپر عرش پر چڑھنا اور خاص خاص مواقع پر آسمان دنیا پر نزول اللہ کی صفات میں سے ہے جن پر اسی طرح بغیر تاویل کے ایمان رکھ ضروری ہے جس طرح قرآن یا احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔

(۵) اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ ”آسمان“ ایک حسی وجود اور حقیقت ہے۔ محض بلندی کو سماء سے تعبیر نہیں کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ان کی تعداد سات ہے۔ اور حدیث کے مطابق دو آسمانوں کے درمیان ۵۰۰ سال کی مسافت ہے۔ اور زمین کی بابت قرآن کریم میں ہے ﴿وَالَّذِينَ الْأَرْضِ مَغْلُوبٌ﴾ (الطلاق- ۱۲) (اور زمین بھی آسمان کی مثل

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّیْنَ مَآءً وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّىْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰

اور جب خیرے رب نے فرشتوں^(۱) سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں^(۲) نے کہا ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بسائے؟ اور ہم تیری تسبیح حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔^(۳) (۳۰)

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام نام سکھا کر ان چیزوں کو

ہیں) اس سے زمین کی تعداد بھی سات ہی معلوم ہوتی ہے جس کی مزید تائید حدیث نبوی سے ہو جاتی ہے "مَنْ اَخَذَ شَيْئًا مِنَ الْاَرْضِ فَلْنٰهُ، فَوْنُهُ يَطْوُوهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ اَرْصَابٍ" صحیح بخاری 'بدء الخلق' صاحبہ فی سبع ارضیں" جس نے "علماء کسی کی ایک باشت زمین نے لی تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا حلق پہنائے گا۔" اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے پہلے زمین کی تخلیق ہوئی ہے لیکن سورہ نازعات میں آسمان کے ذکر کے بعد فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَالْاَرْضُ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا﴾ (زمین کو اس کے بعد بچھایا) اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ تخلیق پہلے زمین ہی کی ہوئی ہے اور دَحَا (صاف اور ہموار کر کے بچھانا) تخلیق سے مختلف چیز ہے جو آسمان کی تخلیق کے بعد عمل میں آیا۔ (فتح القدیر)

(۱) مَلَائِكَةُ (فرشتے) اللہ کی نوری مخلوق ہیں جن کا مسکن آسمان ہے جو اوامرا فی کے بجالانے اور اس کی تمجید و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں اور اس کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کرتے

(۲) خَلِیْفَةً سے مراد ایسی قوم ہے جو ایک دوسرے کے بعد آئے گی اور یہ کہنا کہ انسان اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے غلط ہے۔

(۳) فرشتوں کا یہ کہنا حسد یا اعتراض کے طور پر نہیں تھا بلکہ اس کی حقیقت اور حکمت معلوم کرنے کی غرض سے تھا کہ اے رب اس مخلوق کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے جب کہ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو فساد پھیلانے کے اور خون ریزی کریں گے؟ اگر مقصود یہ ہے کہ تیری عبادت ہو تو اس کام کے لیے ہم تو موجود ہیں ہم سے وہ خطرات بھی نہیں جو نئی مخلوق سے متوقع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں وہ مصلحت راجح جانتا ہوں جس کی بنا پر ان ذکر کردہ مفاسد کے باوجود میں اسے پیدا کر رہا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ کیوں کہ ان میں انبیاء شہداء و صالحین اور زہد بھی ہوں گے۔ (ابن کثیر)

ذریعہ آدم کی بابت فرشتوں کو کیسے علم ہوا کہ وہ فساد برپا کرے گی؟ اس کا اندازہ انہوں نے انسانی مخلوق سے پہلے کی مخلوق کے اعمال یا کسی اور طریقے سے کر لیا ہو گا۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی بتلادیا تھا کہ وہ ایسے ایسے کام بھی کرے گی۔ یوں وہ کلام میں حذف مالتے ہیں کہ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِیْفَةً یُّفْعَلُ كَذَا وَكَذَا (فتح القدیر)

أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۱﴾

قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۳۲﴾

قَالَ يَادُمْرُ أَبْنَاءَهُمْ يَأْسَئُ بِكُمْ مَفَلَّاتُنَّ مَا تَمْنَوْنَ إِنَّمَا نَزَّلْنَا بِالْقُرْآنِ وَاعْلَمُوا الْقُرْآنَ بِالْعِلْمِ ﴿۳۳﴾

وَأَذِّنْ لِقَوْمِكَ اسْجُدُوا لِلَّهِ فَجَعَلُوا الْآيَاتِ الْبَرِّ

فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا، اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ (۳۱)

ان سب نے کہا اے اللہ اتیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھ رکھا ہے، پورے علم و حکمت والا تو تو ہی ہے۔ (۳۲)

اللہ تعالیٰ نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) سے فرمایا تم ان کے نام بتا دو۔ جب انہوں نے بتا دیئے تو فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں (پہلے ہی) نہ کہا تھا کہ زمین اور آسمانوں کا غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے تھے۔ (۳۳)

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو (۳) تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا (۳)

(۱) اسماء سے مراد مسیحات (اشخاص و اشیا) کے نام اور ان کے خواص و فوائد کا علم ہے، جو اللہ تعالیٰ نے القاد الہام کے ذریعے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھلادیا۔ پھر جب ان سے کہا گیا کہ آدم علیہ السلام ان کے نام بتاؤ تو انہوں نے فوراً سب کچھ بیان کر دیا، جو فرشتے بیان نہ کر سکے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک تو فرشتوں پر حکمت تخلیق آدم واضح کر دی۔ دوسرے دنیا کا نظام چلانے کے لیے علم کی اہمیت و فضیلت بیان فرمادی، جب یہ حکمت و اہمیت علم فرشتوں پر واضح ہوئی، تو انہوں نے اپنے قصور علم و فہم کا اعتراف کر لیا۔ فرشتوں کے اس اعتراف سے یہ بھی واضح ہوا کہ عالم اغیب صرف اللہ کی ذات ہے، اللہ کے برگزیدہ بندوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرماتا ہے۔

(۲) علمی فضیلت کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی یہ دوسری تکریم ہوئی۔ سجدہ کے معنی ہیں خضوع اور تذلل کے، اس کی انتہا ہے ”زمین پر پیشانی کا ٹکا دینا“ (قرطبی) یہ سجدہ شریعت اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کا مشہور فرمان ہے کہ اگر سجدہ کسی اور کے لیے جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (سنن ترمذی) تاہم فرشتوں نے اللہ کے حکم پر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، جس سے ان کی تکریم و فضیلت فرشتوں پر واضح کر دی گئی۔ کیوں کہ یہ سجدہ اکرام و تعظیم کے طور پر ہی تھا، نہ کہ عبادت کے طور پر۔ اب تعظیماً بھی کسی کو سجدہ نہیں کیا جاسکتا۔

(۳) ابلیس نے سجدے سے انکار کیا اور راندہ درگاہ ہو گیا۔ ابلیس حسب صراحت قرآن جنات میں سے تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اعزازاً فرشتوں میں شامل کر رکھا تھا، اس لیے بحکم الہی اس کے لیے بھی سجدہ کرنا ضروری تھا، لیکن اس

وَأَسْتَكْبَرُوا وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۳﴾

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا

رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ

فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۴﴾

فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا

اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ

وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ ﴿۳۵﴾

فَتَلَقَى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ

الرَّحِيمُ ﴿۳۶﴾

اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں ہو گیا۔ (۳۳)

اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم اتم اور تمہاری بیوی جنت

میں رہو (۳۴) اور جہاں کہیں سے چاہو با فراغت کھاؤ پو

لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا (۳۵) ورنہ ظالم ہو

جاؤ گے۔ (۳۵)

لیکن شیطان نے ان کو بہکا کر وہاں سے نکلوا ہی دیا (۳۶) اور

ہم نے کہہ دیا کہ اتر جاؤ اتم ایک دوسرے کے

دشمن ہو (۳۷) اور ایک وقت مقرر تک تمہارے لئے زمین

میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔ (۳۶)

(حضرت آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند باتیں

سیکھ لیں (۳۸) اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی 'بے

شک وہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا

ہے۔ (۳۷)

نے حسد اور تکبر کی بنا پر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ گویا حسد اور تکبر وہ گناہ ہیں جن کا ارتکاب دنیائے انسانیت میں

سب سے پہلے کیا گیا اور اس کا مرتکب الجہنم تھا۔

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم و تقدیر میں۔

(۲) یہ حضرت آدم علیہ السلام کی تیسری فضیلت ہے جو جنت کو ان کا مسکن بنا کر عطا کی گئی۔

(۳) یہ درخت کس چیز کا تھا؟ اس کی بابت قرآن و حدیث میں کوئی صراحت نہیں ہے۔ اس کو گندم کا درخت مشہور کر

دیا گیا ہے جو بے اصل بات ہے، ہمیں اس کا نام معلوم کرنے کی ضرورت ہے نہ اس کا کوئی فائدہ ہی ہے۔

(۴) شیطان نے جنت میں داخل ہو کر رو بردا نہیں بھگایا یا وسوسہ اندازی کے ذریعے سے اس کی بہت کوئی صراحت

نہیں۔ تاہم یہ واضح ہے کہ جس طرح سجدے کے حکم کے وقت اس نے حکم الہی کے مقابلے میں قیاس سے کام لے کر

(کہ میں آدم سے بہتر ہوں) سجدے سے انکار کیا اسی طرح اس موقع پر اللہ تعالیٰ کے حکم، وَلَا تَقْرَبَا کی تاویل کر کے

حضرت آدم علیہ السلام کو پھسلانے میں کامیاب ہو گیا جس کی تفصیل سورۃ اعراف میں آئے گی۔ گویا حکم الہی کے مقابلے

میں قیاس اور نص کی دور از کار تاویل کا ارتکاب بھی سب سے پہلے شیطان نے کیا۔ مَعُودُ بَاطِلٍ مِنْ هَذَا

(۵) مراد آدم علیہ السلام اور شیطان ہیں 'یا یہ مطلب ہے کہ بنی آدم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔

(۶) حضرت آدم علیہ السلام جب پشیمانی میں ڈوبے دنیا میں تشریف لائے تو توبہ و استغفار میں مصروف ہو گئے۔ اس

موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے رہنمائی و دست گیری فرمائی اور وہ کلمات معافی سکھا دیئے جو "الاعتراف" میں بیان کیے گئے

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَتَزِلُّوا عَنْهَا قُلُوبَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْكُمْ وَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۚ
كَافِرِينَ ۚ وَلَا تَتْلُوا الْقُرْآنَ مُجَاهِدِينَ وَلَا تُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا يُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَلَا يَتَذَكَّرُونَ ۚ

وَلَا تَتْلُوا الْقُرْآنَ مُجَاهِدِينَ وَلَا تَقْلُبُوا فِي الْأَفْهَامِ وَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۚ

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ۚ

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ
الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۚ

اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے تمہاری کتابوں کی تصدیق میں نازل فرمائی ہے اور اس^(۱) کے ساتھ تم ہی پہلے کافر نہ بنو اور میری آیتوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت^(۲) پر نہ فروخت کرو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔ (۳۱)

اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور نہ حق کو چھپاؤ، تمہیں تو خود اس کا علم ہے۔ (۳۲)

اور نمازوں کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ (۳۳)

کیا لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرتے ہو؟ اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو باوجودیکہ تم کتاب پڑھتے ہو، کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں؟ (۳۴)

تھا۔ اس لیے انہیں گزشتہ انعامات الہی یاد کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم میرا وہ عہد پورا کرو جو تم سے نبی آخر الزمان کی نبوت اور ان پر ایمان لانے کی بات لیا گیا تھا۔ اگر تم اس عہد کو پورا کرو گے تو میں بھی اپنا عہد پورا کروں گا کہ تم سے وہ بوجھ اتر دیئے جائیں گے جو تمہاری غلطیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے بطور سزا تم پر لا دیئے گئے تھے اور تمہیں دوبارہ عروج عطا کیا جائے گا۔ اور مجھ سے ڈرو کہ میں تمہیں مسلسل اس ذلت و ادبار میں مبتلا رکھ سکتا ہوں جس میں تم بھی مبتلا ہو اور تمہارے آباد اجداد بھی مبتلا رہے۔

(۱) یہ کی ضمیر قرآن کی طرف، یا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے۔ دونوں ہی قول صحیح ہیں کیونکہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں، جس نے قرآن کے ساتھ کفر کیا، اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور جس نے محمد ﷺ کے ساتھ کفر کیا، اس نے قرآن کے ساتھ کفر کیا (ابن کثیر) ”پہلے کافر نہ بنو“ کا مطلب ہے کہ ایک تو تمہیں جو علم ہے دوسرے اس سے محروم ہیں، اس لیے تمہاری ذمہ داری سب سے زیادہ ہے۔ دوسرے مدینہ میں یہود کو سب سے پہلے دعوت ایمان دی گئی، ورنہ ہجرت سے پہلے بہت سے لوگ قبول اسلام کر چکے تھے۔ اس لیے انہیں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ یہودیوں میں تم اوہین کافر مت بنو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمام یہودیوں کے کفر و جود کا وبال تم پر پڑے گا۔

(۲) ”تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو“ کا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ معاوضہ مل جائے تو احکام الہی کا سودا کرو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ احکام الہی کے مقابلے میں دنیاوی مفادات کو اہمیت نہ دو۔ احکام الہی تو اتنے قیمتی ہیں کہ ساری دنیا کا مال و متاع بھی ان کے مقابلے میں بچ اور ٹخن قلیل ہے۔ آیت میں اصل مخاطب اگرچہ بنی اسرائیل ہیں، لیکن یہ حکم قیامت تک آنے والوں کے لیے ہے، جو بھی ابطال حق یا اثبات باطل یا کتمان علم کا ارتکاب اور احقاق حق سے محض طلب دنیا کے لیے گریز کرے گا وہ اس وعید میں شامل ہو گا۔ (فتح القدیر)

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقِيلُ
وَمِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدَالٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۵۰﴾

وَإِذْ نَجَّيْنَكُمْ مِنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَمْوُؤُكُمْ فِي الْمَدْيَنِ
يَكِيدُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمُ اتِّغَابٌ يَتَخَفُونَ بَيْنَكُمْ وَفِي ذَلِكَ بَلَاءٌ لِقَوْمٍ
رَبُّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۵۱﴾

وَإِذْ قَرَّبْنَا كِلَا الْبَحْرَيْنِ لِيُخَالِفَا فِي الدُّرَىٰ
وَأَنْتُمْ يَنْظُرُونَ ﴿۵۲﴾

وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ
مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۵۳﴾

اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو نفع نہ دے سکے گا
اور نہ ہی اسکی بابت کوئی سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی بدلہ
اسکے عوض لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔ (۴۸)
اور جب ہم نے تمہیں فرعونوں^(۱) سے نجات دی جو
تمہیں بدترین عذاب دیتے تھے جو تمہارے لڑکوں کو مار
ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے، اس
نجات دینے میں تمہارے رب کی بڑی مہربانی تھی۔ (۴۹)
اور جب ہم نے تمہارے لئے^(۲) دریا چیر (پھاڑ) دیا اور
تمہیں اس سے پار کر دیا اور فرعونوں کو تمہاری نظروں
کے سامنے اس میں ڈبو دیا۔ (۵۰)

اور ہم نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) سے چالیس
راتوں کا وعدہ کیا، پھر تم نے اس کے بعد چھڑا پوجنا شروع
کر دیا اور ظالم بن گئے۔^(۳) (۵۱)

مکہ گاروں کو جنم میں سزا دینے کے بعد آپ ﷺ کی شفاعت پر جنم سے نکالا جائے گا کیا جنم کی یہ چند روزہ سزا قابل
برداشت ہے کہ ہم شفاعت پر تکیہ کر کے معصیت کا ارتکاب کرتے رہیں؟

(۱) آل فرعون سے مراد صرف فرعون اور اس کے اہل خانہ ہی نہیں بلکہ فرعون کے تمام پیروکار ہیں۔ جیسا کہ آگے:
﴿أَخْرَجْنَا آلَ فِرْعَوْنَ﴾ ہے (ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا) یہ غرق ہونے والے فرعون کے گھروالے ہی نہیں تھے اس
کے فوجی اور دیگر پیروکار تھے۔ گویا قرآن میں ﴿آلَ مُشْعِينِ﴾ (پیروکاروں) کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے اس کی مزید
تفصیل ”الاحزاب“ میں ان شاء اللہ آئے گی۔

(۲) سمندر کا یہ پھڑنا اور اس میں سے راستہ بنا دینا ایک معجزہ تھا جس کی تفصیل سورہ شعراء میں بیان کی گئی ہے۔ یہ
سمندر کا مد جزر نہیں تھا جیسا کہ سرسید احمد خان اور دیگر منکرین معجزات کا خیال ہے۔

(۳) یہ گنوسالہ پرستی کا واقعہ اس وقت ہوا جب فرعونوں سے نجات پانے کے بعد بنو اسرائیل جزیرہ نمائے سینا پہنچے۔
وہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دینے کے لیے چالیس راتوں کے لیے کوہ طور پر بدیا، حضرت موسیٰ
علیہ السلام کے جانے کے بعد بنی اسرائیل نے سامری کے پیچھے لگ کر چھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ انسان کتنا ظاہر
پرست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھنے کے باوجود اور نبیوں (حضرت ہارون و موسیٰ علیہما السلام) کی
موجودگی کے باوجود چھڑے کو اپنا ”معبود“ سمجھ لیا۔ آج کا مسلمان بھی شرکیہ عقائد و اعمال میں بری طرح مبتلا ہے
لیکن وہ سمجھتا ہے کہ مسلمان مشرک کس طرح ہو سکتا ہے؟ ان مشرک مسلمانوں نے شرک کو پتھر کی مورتیوں کے

لَهُمْ عَقُوبَاتٌ عَنْكُمْ مِمَّنْ بَعْدَ ذَلِكَ لَكُمْ تَثَبُّونَ ۝

وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقَوْمُوا لَكُمْ ظُلُمَاتُمْ أَنْفُسَكُمْ

يَا أَخَاذِكُمْ إِلَيْهِمْ فَمَنْ مَوْءَا إِلَىٰ بَارِيكُمْ فَاقْشَرُوا أَنْفُسَكُمْ

ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِيكُمْ مِنْ قَتَابٍ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ

هُوَ الْعُتَابُ الرَّحِيمُ ۝

وَإِذْ قُلْتُمْ يَبْنُوْنَ لَنَا ثَمْنًا لِّكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ لِمَ لَهُ جَهَنَّمَ

فَأَخَذْنَاكُمْ فِي الضُّلَّةِ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝

لیکن ہم نے باوجود اس کے پھر بھی تمہیں معاف کر دیا
تاکہ تم شکر کرو۔ (۵۲)

اور ہم نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کو تمہاری
ہدایت کے لئے کتاب اور معجزے عطا فرمائے۔ (۵۳)

جب (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا کہ
اے میری قوم! پچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر
ظلم کیا ہے، اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف
رجوع کرو، اپنے کو آپس میں قتل کرو، تمہاری بہتری اللہ
تعالیٰ کے نزدیک اسی میں ہے، تو اس نے تمہاری توبہ
قبول کی، وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا
ہے۔ (۵۴)

اور (تم اسے بھی یاد کرو) تم نے (حضرت) موسیٰ (علیہ
السلام) سے کہا تھا کہ جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ
دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے (جس گستاخی کی سزا
میں) تم پر تمہارے (۵۵) دیکھتے ہوئے بجلی گری۔ (۵۵)

بجاریوں کے لیے خاص کر دیا ہے کہ صرف وہی مشرک ہیں۔ جب کہ یہ نام نہاد مسلمان بھی قبروں پر قیوم کے ساتھ وہی
کچھ کرتے ہیں جو پتھر کے بجاری اپنی مورتیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اَعَادَنَا اللہُ مِنَّا

(۱) یہ بھی بحر قلزم پار کرنے کے بعد کا واقعہ ہے (ابن کثیر) ممکن ہے کتاب یعنی تورات ہی کو فرقان سے بھی تعبیر کیا گیا
ہو، کیوں کہ ہر آسمانی کتاب حق و باطل کو واضح کرنے والی ہوتی ہے، یا معجزات کو فرقان کہا گیا ہے کہ معجزات بھی حق و
باطل کی پہچان میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

(۲) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شرک پر متنبہ فرمایا تو پھر انہیں توبہ کا احساس ہوا، توبہ کا طریقہ قتل تجویز کیا گیا
﴿فَأَقْشَرُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ (اپنے کو آپس میں قتل کرو) کی دو تفسیریں کی گئی ہیں: ایک یہ کہ سب کو دو صفوں میں کر دیا گیا اور
انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ دوسری یہ کہ ارتکاب شرک کرنے والوں کو کھڑا کر دیا گیا اور جو اس سے محفوظ
رہے تھے، انہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے قتل کیا۔ مقتولین کی تعداد ستر ہزار بیان کی گئی ہے۔ (ابن کثیر)
فتح القدیر

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر (۷۰) آدمیوں کو کوہ طور پر تورات لینے کے لیے ساتھ لے گئے۔ جب حضرت موسیٰ
علیہ السلام واپس آنے لگے تو انہوں نے کہا کہ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں، ہم تیری بات پر یقین

لَقَدْ بَعَثْنَا لِمَنِ بَعْدَ مُوسَىٰ لَقَدْ بَعَثْنَا لِمَنِ بَعْدَ مُوسَىٰ ۝۵۱

وَلَقَدْ بَعَثْنَا لِمَنِ بَعْدَ مُوسَىٰ لَقَدْ بَعَثْنَا لِمَنِ بَعْدَ مُوسَىٰ ۝۵۲
وَالسَّالُونَ عَنْهُمْ يُطْأُونَ ۝۵۳

وَلَقَدْ بَعَثْنَا لِمَنِ بَعْدَ مُوسَىٰ لَقَدْ بَعَثْنَا لِمَنِ بَعْدَ مُوسَىٰ ۝۵۴
وَالسَّالُونَ عَنْهُمْ يُطْأُونَ ۝۵۵

لیکن پھر اس لئے کہ تم شکر گزاری کرو، اس موت کے بعد بھی ہم نے تمہیں زندہ کروا دیا۔ (۵۱)

اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من و سلویٰ اتارا^(۱) (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ، اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا، ابستہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ (۵۲)

اور ہم نے تم سے کہا کہ اس بستی میں^(۲) جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو با فراغت کھاؤ پو اور دروازے میں سجدے کرتے ہوئے گزرو^(۳) اور زبان سے حلف^(۴) کو ہم تمہاری خطائیں معاف فرمادیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔ (۵۸)

کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جس پر بطور عتاب ان پر بجلی گری اور مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت پریشان ہوئے اور ان کی زندگی کی دعا کی، جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ کر دیا۔ دیکھتے ہوئے بجلی گرنے کا مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں جن پر بجلی گری، آخر والے اسے دیکھ رہے تھے، حتیٰ کہ سب موت کی آغوش میں چلے گئے۔

(۱) اکثر مفسرین کے نزدیک یہ مصر اور شام کے درمیان میدان تھے کا واقعہ ہے۔ جب انہوں نے حکم الہی مذاقہ کی بستی میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور بطور سزا بنو اسرائیل چالیس سال تک تھے کے میدان میں پڑے رہے۔ بعض کے نزدیک یہ تخصیص صحیح نہیں۔ صحرائے سینا میں اترنے کے بعد جب سب سے پہلے پانی اور کھانے کا مسئلہ درپیش آیا تو اسی وقت یہ انتظام کیا گیا۔

تر، بعض کے نزدیک ترجمہ ہے، یا اس جو درخت یا پتھر گرمی، شد کی طرح میٹھی ہوتی اور خشک ہو کر گوند کی طرح ہو جاتی۔ بعض کے نزدیک شد یا میٹھا پانی ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ کھنی من کی اس قسم سے ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کو وہ کھانا بلا وقت بہم پہنچ جاتا تھا، اسی طرح کھنی بغیر کسی کے بونے کے پیدا ہو جاتی ہے (تفسیر احسن التفسیر) سلویٰ بنیرا چڑیا کی طرح کا ایک پرندہ تھا جسے ذبح کر کے کھا لیتے۔ (فتح القدیر)

(۲) اس بستی سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک بیت المقدس ہے۔

(۳) سجدہ سے بعض حضرات نے یہ مطلب لیا ہے کہ جھکتے ہوئے داخل ہو اور بعض نے سجدہ شکر ہی مراد لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بارگاہ الہی میں عجز و انکسار کا اظہار اور اعتراف شکر کرتے ہوئے داخل ہو۔

(۴) حلف اس کے معنی ہیں ”ہمارے گناہ معاف فرما دے۔“

پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی^(۱) بدل ڈالی، ہم نے بھی ان ظالموں پر ان کے فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب^(۲) نازل کیا۔ (۵۹)

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنی لاشی پتھر پر مارو، جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور^(۳) ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچن لیا (اور ہم نے کہہ دیا کہ) اللہ تعالیٰ کا رزق کھاؤ پو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ (۶۰)

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم سے ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہ ہو سکے گا، اس لئے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار ساگ، مکڑی، گیسوں، مسور اور پیاز دے، آپ نے فرمایا، ہر چیز کے بدلے اپنی چیز کیوں طلب کرتے ہو! اچھا شہر میں جاؤ وہاں تمہاری چاہت کی یہ سب چیزیں ملیں^(۴) گی۔ ان پر

قَبَّلَ الَّذِينَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا كَانُوا يَفْقَهُونَ ﴿٥٩﴾

وَإِذْ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوِيهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَا عَشَرَ نَبِيعًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ شَرِبُوا وَاشْرَبُوا مِمَّن رَزَقُوا وَلَا تَعْتَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٦٠﴾

وَإِذْ قُلْنَا لِمُوسَىٰ أَنْ تَصِفْ عَلٰى طَعَامٍ ذَا ذُرِّيَّتِنَا رَبَّنَا يُخْرِجُ لَنَا مِمَّا تُثْمِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومَهَا وَعَذْيَهَا وَأَنْ تَقِيلَ لَنَا مِنَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ يَأْكُلُ فِي هُوَ خَيْرٌ لِّأَهْلِيلُوا وَصُرَافًا لِّكُلْمَا سَأَلْتَهُمْ وَضَرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلَٰلَةُ وَالسُّكُونَةُ تَبَٰءُ وَيَعْصِفُ

(۱) اس کی وضاحت ایک حدیث میں آتی ہے جو صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ان کو حکم دیا گیا تھا کہ سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں، لیکن وہ سریوں کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے اور جعۃ کے بجائے حنہ ہی شعیرہ (یعنی گندم بالی میں) کہتے رہے۔ اس سے ان کی اس سرتابی و سرکشی کا جو ان کے اندر پیدا ہو گئی تھی اور احکام الہی سے تمسخر و استہزا کا جس کا اثر تکلب انہوں نے کیا، اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم اخلاق و کردار کے لحاظ سے زوال پذیر ہو جائے تو اس کا معاملہ پھر احکام الہیہ کے ساتھ اسی طرح کا ہو جاتا ہے۔

(۲) یہ آسمانی عذاب کیا تھا؟ بعض نے کہا غضب الہی، سخت پالا، طاعون۔ اس آخری معنی کی تائید حدیث سے ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”یہ طاعون اسی رجز اور عذاب کا حصہ ہے جو تم سے پہلے بعض لوگوں پر نازل ہوا۔ تمہاری موجودگی میں کسی جگہ یہ طاعون پھیل جائے تو وہاں سے مت نکلو اور اگر کسی اور علاقے کی بابت تمہیں معلوم ہو کہ وہاں طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ (صحیح مسلم، کتاب السلام باب الطاعون والطبيرة والكهانة ونحوها حدیث ۱۳۴۸)“

(۳) یہ واقعہ بعض کے نزدیک تہ کا اور بعض کے نزدیک صحرائے سینا کا ہے، وہاں پانی کی طلب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اپنی لاشی پتھر پر مارو۔ چنانچہ پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ قبیلے بھی بارہ تھے۔ ہر قبیلہ اپنے اپنے چشمے سے سیراب ہوتا۔ یہ بھی ایک معجزہ تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔

(۴) یہ قصہ بھی اسی میدان تہ کا ہے۔ مصر سے مراد یہاں ملک مصر نہیں، بلکہ کوئی ایک شہر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں سے

يَنْ أَلَهُ ذَلِكُمْ يَأْتَهُمْ كَأَنَّمَا يَصْطَرِقُونَ يَأْتِيَهُ اللَّهُ
وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ يُغَيِّرُ الْحَقَّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا
وَكَاثِبُوا يَعْتَدُونَ ﴿٦١﴾

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ

ذلت اور مسکنتی ڈال دی گئی اور اللہ کا غضب لے کر وہ
لوٹے^(۱) یہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ
کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے^(۲) تھے یہ ان
کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے۔^(۳) (۶۱)
مسلمان ہوں، یہودی^(۴) ہوں، نصاریٰ^(۵) ہوں یا
صابی^(۶) ہوں جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے

کسی بھی شرم میں چپے جاؤ اور وہاں کھیتی باڑی کرو، اپنی پسند کی سبزیاں، دالیں اگاؤ اور کھاؤ۔ ان کا یہ مطالبہ چونکہ کفرانِ نعمت اور
اٹکھار پر مبنی تھا اس لئے زبردستی کے انداز میں ان سے کہا گیا "تمہارے لیے وہاں تمہاری مطلوبہ چیزیں ہیں۔"

(۱) کہاں وہ انعامات و احسانات، جس کی تفصیل گزری؟ اور کہاں وہ ذلت و مسکنت جو بعد میں ان پر مسط کر دی گئی؟ اور
وہ غضب الہی کے مصداق بن گئے، غضب بھی رحمت کی طرح اللہ کی صفت ہے، جس کی تاویل ارادۂ عقوبت یا نفس
عقوبت سے کرنا صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر غضب ناک ہوا۔ کَمَا هُوَ شَأْنُهُ۔ (اپنی شان کے لائق)

(۲) یہ ذلت و غضب الہی کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار اور اللہ کی طرف بلانے والے انبیاء
علیہم السلام اور داعیانِ حق کا قتل اور ان کی تذلیل و ہانت، یہ غضب الہی کا باعث ہے۔ کل یہود اس کا ارتکاب کر کے
منظوب اور ذلیل و رسوا ہوئے تو آج اس کا ارتکاب کرنے والے کس طرح معزز اور سرخرو ہو سکتے ہیں اَبَیْنَ مَا كَانُوا
وَحَبِثُ مَا كَانُوا۔ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں بھی ہوں؟

(۳) یہ ذلت و مسکنت کی دوسری وجہ ہے۔ عَصَا (نافرمانی کی) کا مطلب ہے جن کاموں سے انہیں روکا گیا تھا، ان کا
ارتکاب کیا اور (يَعْتَدُونَ) کا مطلب ہے مامور بہ کاموں میں حد سے تجاوز کرتے تھے۔ اطاعت و فرمانبرداری یہ ہے کہ
منہیات سے باز رہا جائے اور مأمورات کو اس طرح بجالایا جائے جس طرح ان کو بجالانے کا حکم دیا گیا ہو۔ اپنی طرف
سے کی بیشی یہ زیادتی (اغْتَدَاء) ہے جو اللہ کو سخت ناپسند ہے۔

(۴) يَهُودُ هَوَادَّةُ (بمعنی محبت) سے یا تَهَوُّدُ (بمعنی توبہ) سے بنا ہے۔ گویا ان کا یہ نام اصل میں توبہ کرنے یا ایک
دوسرے کے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے پڑا۔ تاہم موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو یہود کہا جاتا ہے۔

(۵) نَصَارَى، نصیران کی جمع ہے۔ جیسے سنکارنی سنخراں کی جمع ہے۔ اس کا مادہ نصرت ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کی
مدد کرنے کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑا، ان کو انصار بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا
﴿عَنْ أَهْلِ النَّصَارَةِ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو نصاریٰ کہا جاتا ہے، جن کو عیسائی بھی کہتے ہیں۔

(۶) صَابِئِينَ صابیہ کی جمع ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں جو یقیناً ابتداً کسی دین حق کے پیرو رہے ہوں گے (اسی لیے قرآن میں
یہودیت و عیسائیت کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے) لیکن بعد میں ان کے اندر فرشتہ پرستی اور ستارہ پرستی آگئی، یا یہ کسی
بھی دین کے پیرو نہ رہے۔ اسی لیے لاندہب لوگوں کو صابی کہا جانے لگا۔

دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے ان کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ اداسی۔^(۱) (۶۲)

مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۲﴾

(۱) بعض جدید مفسرین کو اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں بڑی غلطی لگی ہے اور اس سے انہوں نے ”وحدت ادیان“ کا فلسفہ کشید کرنے کی مذموم سعی کی ہے۔ یعنی رسالت محمدیہ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے بلکہ جو بھی جس دین کو ماننا ہے اور اس کے مطابق ایمان رکھتا اور اچھے عمل کرتا ہے اس کی نجات ہو جائے گی۔ یہ فلسفہ سخت گمراہ کن ہے، آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیات میں یہودی کی بد عملیوں اور سرکشیوں اور اس کی بنا پر ان کے مستحق عذاب ہونے کا تذکرہ فرمایا تو ذہن میں اشکال پیدا ہو سکتا تھا کہ ان یہودی میں جو لوگ صحیح کتاب الہی کے پیرو اور اپنے پیغمبر کی ہدایات کے مطابق زندگی گزارنے والے تھے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا؟ یا کیا معاملہ فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمادی کہ صرف یہودی نہیں نصاریٰ اور صابی بھی اپنے وقت میں جنہوں نے اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھا اور عمل صالح کرتے رہے وہ سب نجات اخروی سے ہٹکار ہوں گے اور اسی طرح اب رسالت محمدیہ پر ایمان لانے والے مسلمان بھی اگر صحیح طریقے سے ایمان باللہ والیوم الآخر اور عمل صالح کا اہتمام کریں تو یہ بھی یقیناً آخرت کی ابدی نعمتوں کے مستحق قرار پائیں گے۔ نجات اخروی میں کسی کے ساتھ امتیاز نہیں کیا جائے گا۔ وہاں بے لگ فیصلہ ہو گا۔ چاہے مسلمان ہوں یا رسول آخر الزمان ﷺ سے پہلے گزر جانے والے یہودی، عیسائی اور صابی وغیرہ۔ اس کی تائید بعض مرسل آثار سے ہوتی ہے مثلاً مجاہد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے ان اہل دین کے بارے میں پوچھا جو میرے ساتھی تھے عبادت گزار اور نمازی تھے (یعنی رسالت محمدیہ سے قبل وہ اپنے دین کے پابند تھے) تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ﴾ (ابن کثیر) قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے مثلاً ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَسَىٰ أَن يَنفَعَكُمُ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران-۱۹) ”اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔“ ﴿وَمَنْ يَتَّبِعْهُ فَعِندَ اللَّهِ لَإِنَّهُ إِذَا فَتِنًا فَهُوَ مِنَ الْغَالِبِينَ﴾ (آل عمران-۸۵) ”جو اسلام کے سوا کسی اور دین کا متلاشی ہو گا وہ ہرگز مقبول نہیں ہو گا“ اور احادیث میں بھی نبی ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ اب میری رسالت پر ایمان لائے بغیر کسی شخص کی نجات نہیں ہو سکتی مثلاً فرمایا: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَنْفَعُ بَيْنَ رَجُلٍ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٍّ وَلَا نَصْرَانِيٍّ ثُمَّ لَا يُؤْمِنُ بِيَّ إِلَّا دَخَلَ النَّارَ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالة نبي الله محمد ﷺ) ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری اس امت میں جو شخص بھی میری بابت سن لے وہ یہودی ہو یا عیسائی پھر وہ مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنم میں جائے گا“ اس کا مطلب یہ ہے کہ وحدت ادیان کی گمراہی جہاں دیگر آیات قرآنی کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے وہاں احادیث کے بغیر قرآن کو سمجھنے کی مذموم سعی کا بھی اس میں بہت دخل ہے۔ اسی لیے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ احادیث صحیحہ کے بغیر قرآن کو نہیں سمجھا جاسکتا۔

وَاذْكُرُوا مَا كُنْتُمْ تُشْكُرُونَ ۝
وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ أَخَذُوا مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ فَهُمْ شُرَكَّاءُ فِيهِمْ ۝

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ أَخَذُوا مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ فَهُمْ شُرَكَّاءُ فِيهِمْ ۝

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ أَخَذُوا مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ فَهُمْ شُرَكَّاءُ فِيهِمْ ۝

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ أَخَذُوا مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ فَهُمْ شُرَكَّاءُ فِيهِمْ ۝

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ أَخَذُوا مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ فَهُمْ شُرَكَّاءُ فِيهِمْ ۝

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور پہاڑ لا کر ڈال کر دیا^(۱) (اور کہا) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو تاکہ تم بچ سکو۔ (۶۳)

لیکن تم اس کے بعد بھی پھر گئے، پھر اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم نقصان والے ہو جاتے۔ (۶۴)

اور یقیناً تمہیں ان لوگوں کا علم بھی ہے جو تم میں سے ہفتہ^(۲) کے بارے میں حد سے بڑھ گئے اور ہم نے بھی کہہ دیا کہ تم ذلیل بندہ بن جاؤ۔ (۶۵)

اسے ہم نے انگوں پچھلوں کے لئے عبرت کا سبب بنا دیا اور پرہیزگاروں کے لئے وعظ و نصیحت کا۔ (۶۶)

اور (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے جب اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے^(۳) تو انہوں نے کہا ہم سے مذاق کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتا ہوں۔ (۶۷)

(۱) جب تورات کے احکام کے متعلق یہود نے ازراہ شرارت کہا کہ ہم سے تو ان احکام پر عمل نہیں ہو سکے گا تو اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کو سائبان کی طرح ان کے اوپر کر دیا جس سے ڈر کر انہوں نے عمل کرنے کا وعدہ کیا۔

(۲) سبب (ہفتہ) کے دن یہودیوں کو مچھلی کا شکار بلکہ کوئی بھی دنیاوی کام کرنے سے منع کیا گیا تھا لیکن انہوں نے ایک حیلہ اختیار کر کے حکم الہی سے تجاوز کیا۔ ہفتے والے دن (بطور امتحان) مچھلیاں زیادہ آئیں انہوں نے گڑھے کھود لیے تاکہ مچھلیاں ان میں پھنسی رہیں اور پھر اتوار والے دن ان کو پکڑ لیتے۔

(۳) بنی اسرائیل میں ایک لاولد مالدار آدمی تھا جس کا وارث صرف ایک بھتیجا تھا ایک رات اس بھتیجے نے اپنے بچا کو قتل کر کے لاش کسی آدمی کے دروازے پر ڈال دی صبح قاتل کی تلاش میں ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرانے لگے بالآخر بات حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچی تو انہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کو را گیا جس سے وہ زندہ ہو گیا اور قاتل کی نشاندہی کر کے مر گیا (فتح القدیر)

قَالُوا اذْعُرْنَا رَبَّنَا بِمَنْ لَنَا مَا هِيَ قَالَتْ اِنَّهُ يَقُولُ
اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ظَافِرٌ وَلَا يَكُونُ عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ
فَاَصْلَوْا مَا تَوَسَّوْنَ ۝

قَالُوا اذْعُرْنَا رَبَّنَا بِمَنْ لَنَا مَا كُونُوهَا قَالَتْ اِنَّهُ يَقُولُ
اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءٌ فَاقَةٌ لَوْ تَوَسَّوْا كِسْفَ الشُّجَيْرِ ۝

قَالُوا اذْعُرْنَا رَبَّنَا بِمَنْ لَنَا مَا هِيَ اِنَّ الْبَقَرَ شَبَذَةٌ عَلِيَّةٌ
فَاَلَا اِنَّ شَاءَ اللّٰهُ لَهَيَّاتُونَ ۝

قَالَ اِنَّهُ يَقُولُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولَ تُبِيتُ بِالْاَرْضِ وَلَا تَكُنِي
الْمَرْكَبَ مَسْكُوتَةً لَا شِيَةَ فِيهَا قَالُوا النَّاسُ جُنْتُ بِالْحَرَجِ
فَلَا يَحْزَنُوْنَ مَا كَاذُوْنَ يَعْلَمُوْنَ ۝

وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادْرَاكُمْ فَفِيهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَا كُنْتُمْ
تَكْتُمُوْنَ ۝

انہوں نے کہا اے موسیٰ! دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے
لئے اس کی ماہیت بیان کر دے! آپ نے فرمایا وہ کتا ہے
گائے نہ تو بالکل بڑھیا ہو، نہ بچہ، بلکہ درمیانی عمر کی
نوجوان ہو، اب جو تمہیں حکم دیا گیا ہے بجالاؤ۔ (۶۸)

وہ پھر کہنے لگے کہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ بیان کرے کہ اس
کا رنگ کیا ہے؟ فرمایا وہ کتا ہے کہ وہ گائے زرد رنگ کی
ہے، چکیلا اور دیکھنے والوں کو بھلا لگنے والا اس کا رنگ
ہے۔ (۶۹)

وہ کہنے لگے کہ اپنے رب سے اور دعا کیجئے کہ ہمیں اس
کی مزید ماہیت بتائے! اس قسم کی گائے تو بہت ہیں پتہ
نہیں چلن، اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں
گے۔ (۷۰)

آپ نے فرمایا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کام کرنے
والی زمین میں مل جوتے والی اور کھیتوں کو پانی پلانے والی
نہیں، وہ تندرست اور بے داغ ہے۔ انہوں نے کہا،
اب آپ نے حق واضح کر دیا گو وہ حکم برداری کے قریب
نہ تھے، لیکن اسے مانا اور وہ گائے ذبح کر دی۔ (۷۱)

جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، پھر اس میں
اختلاف کرنے لگے اور تمہاری پوشیدگی کو اللہ تعالیٰ
ظاہر کرنے والا تھا۔ (۷۲)

(۱) انہیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ ایک گائے ذبح کرو۔ وہ کوئی سی بھی ایک گائے ذبح کر دیتے تو حکم الہی پر عمل ہو جاتا، لیکن
انہوں نے حکم الہی پر سیدھے طریقے سے عمل کرنے کی بجائے، مین میخ نکالنا اور طرح طرح کے سوالات کرنے شروع
کر دیے، جس پر اللہ تعالیٰ بھی ان پر سختی کرنا چلا گیا۔ اسی لیے دین میں محقق اور سختی اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

(۲) یہ قتل کا وہی واقعہ ہے جس کی بنا پر بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس
قتل کا راز فاش کر دیا، دریاں حایکہ وہ قتل رات کی تاریکی میں لوگوں سے چھپ کر کیا گیا تھا۔ مطلب یہ ہوا کہ نیکی یا بدی
تم کتنی بھی چھپ کر کرو، اللہ کے علم میں ہے اور اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس لیے
خلوت ہو یا جلوت ہر وقت اور ہر جگہ اچھے کام ہی کیا کرو تاکہ اگر وہ کسی وقت ظاہر بھی ہو جائیں اور لوگوں کے علم میں

فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا كَذَلِكَ يُغْنِي اللَّهُ الْمُتَوَفَّى وَرِثَتَهُ
الْيَتِيمَ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۵۱﴾

ثُمَّ قَسَتْ أُولُو بَيْتِهِ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ إِلَيْنَا كَأَلْفِ بَعْدَةٍ
أَوْ أَشَدَّ قَسْوَةً وَإِنْ مِنَ الْحِجَابَةِ لَمَا يَتْلُو مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَبَلَكَ
مِنْهَا لَمَّا يَنْشَقُّ فَيُفَرِّجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنْ مِنْهَا لَمَّا يَنْبُطُ
مِنْ غَشِيَةِ اللَّهِ وَاللَّهُ بِمَا عَمَلُونَ عَمَّا يُعْمَلُونَ ﴿۵۲﴾

ہم نے کہا کہ اس گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگا دو، (وہ جی اٹھے گا) اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری عقل مندی کے لئے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔ (۵۱)

پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے، (۵۲) بعض پتھروں سے تو سرس بہہ نکلتی ہیں اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے اور بعض اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر گر پڑتے ہیں (۵۳) اور تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال سے غافل نہ جانو۔ (۵۴)

بھی آجائیں تو شرمندگی نہ ہو بلکہ اس کے احترام و وقار میں اضافہ ہی ہو اور بدی کتنی بھی چھپ کر کیوں نہ کی جائے اس کے فاش ہونے کا امکان ہے جس سے انسان کی بدنامی اور ذلت و رسوائی ہوتی ہے۔

(۱) مقتول کے دوبارہ جی اٹھنے سے استدلال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ روز قیامت تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت کا اعلان فرما رہا ہے۔ قیامت والے دن دوبارہ مردوں کا زندہ ہونا منکرین قیامت کے لیے ہمیشہ حیرت و استعجاب کا باعث رہا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے کو بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ مختلف اسلوب اور پیرائے میں بیان فرمایا ہے سورہ بقرہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی پانچ مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک مثال ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْهُ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ (البقرہ ۵۶) میں گزر چکی ہے۔ دوسری مثال یہی قصہ ہے۔ تیسری مثال دوسرے پارے کی آیت نمبر ۲۴۳ ﴿مُؤْتَاةً ذَا فَتْحًا﴾ چوتھی آیت نمبر ۲۵۹ ﴿فَأَمَّا اللَّهُ فَوَافِقًا عَلَيْهِمْ كَذِبًا﴾ اور پانچویں مثال اس کے بعد والی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طیارہ (چار چڑیوں) کی ہے۔

(۲) یعنی گزشتہ معجزات اور یہ تازہ واقعہ کہ مقتول دوبارہ زندہ ہو گیا دیکھ کر بھی تمہارے دلوں کے اندر اِثْبَاتٌ اِلٰی اللہ کا داعیہ اور توبہ و استغفار کا جذبہ پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس تمہارے دل پتھر کی طرح سخت بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ دلوں کا سخت ہو جانا یہ افراد اور امتوں کے لیے سخت تباہ کن اور اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ دلوں سے اثر پذیری کی صلاحیت سلب اور قبول حق کی استعداد ختم ہو گئی ہے اس کے بعد اس کی اصلاح کی توقع کم اور مکمل فنا اور تباہی کا اندیشہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اہل ایمان کو خاص طور پر تاکید کی گئی ہے: ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ هُمْ يَكْتُمُونَ مَا بَيْنَ يَدَيْهِمْ خَوْفًا مِنَ الْمَوْتِ﴾ (الحجۃ ۱۶) اہل ایمان ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے قبل کتاب میں قَدْ قُتِلَ عَلَیْهِمْ الْقَتْلُ فَكُنْتُمْ قُلُوبُكُمْ ﴿الحجۃ ۱۶﴾ اہل ایمان ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے قبل کتاب دی گئی لیکن مدت گزرنے پر ان کے دل سخت ہو گئے۔

(۳) پتھروں کی سنگینی کے باوجود ان سے جو فوائد حاصل ہوتے اور جو کیفیت ان پر گزرتی ہے اس کا بیان ہے۔

أَقْتَضِعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا بِالْكَذِبِ وَقَدْ كَانُوا يَكْفُرُونَ مِنْهُمْ
يَسْمَعُونَ كَلِمَةَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهَا مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوا
وَهُمْ يَعْلَمُونَ ②

وَإِذَا الْعُوفُ الْكَافِرِينَ أَسْمَلُوا عَلَى الْأَسْكَانِ إِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ
إِلَى بَعْضٍ قَالُوا لَا تَنْصُرُنَا اللَّهُ بِنَا فَكَمْ اللَّهُ عَلَيْكُمْ
لِيُؤْخِرَكُمْ بِهِ عَنْذُرَكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ③

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَقْتُلُ مَا يَشَاءُ مِنْ
وَمَا يُغْلِبُونَ ④

(مسلمانو!) کیا تمہاری خواہش ہے کہ یہ لوگ ایماندار بن جائیں، حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی جو کلام اللہ کو سن کر عقل و علم والے ہوتے ہوئے پھر بھی بدل ڈالا کرتے ہیں۔^(۱) (۷۵)

جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اپنی ایمانداری ظاہر کرتے ہیں،^(۲) اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھائی ہیں، کیا جانتے نہیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس تم پر ان کی حجت ہو جائے گی۔ (۷۶)

کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدگی اور ظاہر داری سب کو جانتا ہے؟^(۳) (۷۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پتھروں کے اندر بھی ایک قسم کا ادراک و احساس موجود ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کافران ہے: ﴿ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ نَبَأٌ وَلَآئِنْ تَوَلَّوْا لَنَلْقِيَنَّهُمْ شِرَاطَ النَّارِ وَلَآئِنْ سَأَلْتُمْ عَنِ النَّارِ لَوَجَدْتُمْ أَنَّ اللَّهَ يَقْتُلُ مَا يَشَاءُ مِنْ دَابَّةٍ وَهُوَ غَافِلٌ عَنْكُمْ﴾ (نہی اسرائیل - ۳۳) (مزید وضاحت کے لیے سورہ نبی اسرائیل کی آیت ۳۳ کا حاشیہ دیکھئے)۔

(۱) اہل ایمان سے خطاب کر کے یہودیوں کی بابت کہا جا رہا ہے کہ کیا تمہیں ان کے ایمان لانے کی امید ہے، دراصل حایک ان کے چھپنے لوگوں میں ایک فریق ایسا بھی تھا جو کلام الہی میں جانتے بوجھے تحریف (لفظی و معنوی) کرتا تھا۔ یہ استغماہ انکاری ہے، یعنی ایسے لوگوں کے ایمان لانے کی قطعاً امید نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ دنیوی مفادات یا حزبی تعصبات کی وجہ سے کلام الہی میں تحریف تک کرنے سے گریز نہیں کرتے، وہ گمراہی کی ایسی دلدل میں پھنس جاتے ہیں کہ اس سے نکل نہیں پاتے۔ امت محمدیہ کے بہت سے علماء مشائخ بھی بد قسمتی سے قرآن و حدیث میں تحریف کے مرتکب ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس جرم سے محفوظ رکھے۔ (دیکھئے سورہ نساء آیت ۷۷ کا حاشیہ)

(۲) یہ بعض یہودیوں کے منافقانہ کردار کی نقاب کشائی ہو رہی ہے کہ وہ مسلمانوں میں تو اپنے ایمان کا اظہار کرتے، لیکن جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو اس بات پر ملامت کرتے کہ تم مسلمانوں کو اپنی کتاب کی ایسی باتیں کیوں بتاتے ہو جس سے رسول عربی کی صداقت واضح ہوتی ہے۔ اس طرح تم خود ہی ایک ایسی حجت ان کے ہاتھ میں دے رہے ہو جو وہ تمہارے خلاف بارگاہ الہی میں پیش کریں گے۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم بتلاؤ یا نہ بتلاؤ، اللہ کو تو ہر بات کا علم ہے اور وہ ان باتوں کو تمہارے بتلائے بغیر بھی مسلمانوں پر ظاہر فرما سکتا ہے۔

ان میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں کہ جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ کو ہی جانتے ہیں اور صرف گمان اور انکلی ہی پر ہیں۔^(۷۸)

ان لوگوں کے لئے ”ویل“ ہے جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف کی کتے ہیں اور اس طرح دنیا کھاتے ہیں، ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان کی کمالی کو ویل (ہلاکت) اور افسوس ہے۔^(۷۹)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف چند روز جنم میں رہیں گے، ان سے کہو کہ کیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی پروانہ ہے؟^(۸۰) اگر ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرے گا، (ہرگز نہیں) بلکہ تم تو اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے۔^(۸۱)

وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَتْلُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانًا فَلَنْ يَحْشُرُوا
يَتْلُونَ ۝

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ
هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْفَرُوا بِهِ ثُمَّ لَا يُقِيلُوا قَوْلَهُمْ فَمِمَّا
كُتِبَتْ عَلَيْهِمْ يَوْمَ وَيْلٌ لَهُمْ وَمِمَّا يُكْتَبُونَ ۝

وَقَالُوا لَنْ نَمُوتَ النَّارَ إِلَّا أَتَمَّامًا مَعْدُودَةً قُلْ أَتَعَذِّلُونَ
عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا قُلْ لَنْ يَخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَتَمُتُّوْنَ عَلَى
اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

(۱) یہ تو ان کے اہل علم کی باتیں تھیں۔ رہے ان کے ان پڑھ لوگ، وہ کتاب (تورات) سے تو بے خبر ہیں، لیکن وہ آرزو نہیں ضرور رکھتے ہیں اور گمانوں پر ان کا گزارہ ہے، جس میں انہیں ان کے علمائے جہلا کیا ہوا ہے، مثلاً ہم تو اللہ کے چیتے ہیں۔ ہم جنم میں اگر گئے بھی تو صرف چند دن کے لیے اور ہمیں ہمارے بزرگ بخشوا لیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جیسے آج کے جاہل مسلمانوں کو بھی علماء مشائخ نے ایسے ہی حسین جانوں اور پر فریب وعدوں میں پھنسا رکھا ہے۔

(۲) یہ یہود کے علماء کی جسارت اور خوف الہی سے بے نیازی کی وضاحت ہے کہ اپنے ہاتھوں سے مسئلے گھڑتے ہیں اور یہ ہانگ دہل یہ باور کراتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں۔ حدیث کی رو سے ”وَنَزَّلَ“ جنم میں ایک وادی بھی ہے جس کی گہرائی اتنی ہے کہ ایک کافر کو اس کی تک کرنے میں چالیس سال لگیں گے۔ (احمد، ترمذی، ابن حبان والحاکم بخلافہ فتح القدیر) بعض علمائے اس آیت سے قرآن مجید کی فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں۔ آیت کا مصداق صرف وہی لوگ ہیں جو دنیا کمانے کے لیے کلام الہی میں تحریف کرتے اور لوگوں کو مذہب کے نام پر دھوکہ دیتے ہیں۔

(۳) یہود کہتے تھے کہ دنیا کی کل عمر سات ہزار سال ہے اور ہم ہزار سال کے بدلے ایک دن جنم میں رہیں گے اس حساب سے صرف سات دن جنم میں رہیں گے۔ کچھ کہتے تھے کہ ہم نے چالیس دن بچھڑے کی عبادت کی تھی، چالیس دن جنم میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم نے اللہ سے عہد لیا ہے؟ یہ بھی استغنام انکاری ہے۔ یعنی یہ غلط کہتے ہیں اللہ کے ساتھ اس قسم کا کوئی عہد بیان نہیں ہے۔

(۴) یعنی تمہارا یہ دعویٰ کہ ہم اگر جنم میں گئے بھی تو صرف چند دن ہی کے لیے جائیں گے، تمہاری اپنی طرف سے

بَلْ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَاطِبُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْأَشْرَارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۱﴾

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۲﴾

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَٰءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ

إِلَّا اللَّهَ سُبْحَانَ الْوَالِدِينَ إِحْسَانًا ذَٰلِكَ الْقُرْبَىٰ

وَالْيَتَمَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ

إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۸۳﴾

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تَحْمِلُونِ

الْأَنفُسَ الَّتِي فِي دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنتُمْ تَصْهَوْنَ ﴿۸۴﴾

یقیناً جس نے بھی برے کام کئے اور اس کی نافرمانیوں نے اسے گھیر لیا وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے۔ (۸۱)

اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنتی ہیں جو جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۸۲)

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اسی طرح قرابتداروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں کو اچھی باتیں کہنا، نمازیں قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہا کرنا، لیکن تمھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے اور منہ موڑ لیا۔ (۸۳)

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا کہ آپس میں خون نہ بہانا (قتل نہ کرنا) اور آپس والوں کو جلا وطن نہ کرنا، تم نے اقرار کیا اور تم اس کے شہید بنے۔ (۸۴)

ہے اور اس طرح تم اللہ کے ذمے ایسی باتیں لگاتے ہو جن کا تمہیں خود بھی علم نہیں ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنا وہ اصول بیان فرما رہا ہے جس کی رو سے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ نیک و بد کو ان کی نیکی اور بدی کی جزا دے گا۔

(۱) یہ یہود کے دعوے کی تردید کرتے ہوئے جنت و جہنم میں جانے کا اصول بیان کیا جا رہا ہے۔ جس کے نامہ اعمال میں برائیاں ہی برائیاں ہوں گی یعنی کفر و شرک (کہ ان کے ارتکاب کی وجہ سے اگر بعض اچھے عمل بھی کیے ہوں گے تو وہ بھی بے حیثیت رہیں گے) تو وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہیں اور جو ایمان اور عمل صالح سے متصف ہوں گے وہ جنتی اور جو مومن گناہ گار ہوں گے ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہو گا وہ چاہے گا تو اپنے فضل و کرم سے ان کے گناہ معاف فرما کر یا بطور سزا کچھ عرصہ جہنم میں رکھنے کے بعد یا نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے ان کو جنت میں داخل فرما دے گا جیسا کہ یہ باتیں صحیح احادیث سے ثابت ہیں اور اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

(۲) ان آیات میں پھر وہ عہد بیان کیا جا رہا ہے جو بنی اسرائیل سے یا گیا، لیکن اس سے بھی انہوں نے اعراض ہی کیا۔ اس عہد میں اولاً صرف ایک اللہ کی عبادت کی تاکید ہے جو ہر نبی کی بنیادی اور اولین دعوت رہی ہے (جیسا کہ سورۃ الانبیاء آیت ۲۵ اور دیگر آیات سے واضح ہے) اس کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے اللہ کی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کی اطاعت و فرماں برداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید سے واضح کر دیا گیا کہ جس طرح اللہ کی عبادت بہت ضروری ہے اسی طرح اس کے بعد والدین کی اطاعت بھی بہت ضروری ہے اور اس میں کوتاہی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر

ثُمَّ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فِرْعَانَ مِنْكُمْ
مِمن ديارهم تظهِرُونَ عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِنَّ
يَاثُوكَ السُّرَى لَنُذِرُهُمْ وَهُوَ محْزَمٌ عَلَيْكُمْ أَخْرَجْنَاهُم
أَفْتَوْمُونَ بَعْضُ الْكُتُبِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ
مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِنْ لَمْ يَحْذَرِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ
الْآخِرَةِ يُرَدُّونَ إِلَى أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُونَ ﴿٨٥﴾

لیکن پھر بھی تم نے آپس میں قتل کیا اور آپس کے ایک
فرقے کو جلا وطن بھی کیا اور گنہ اور زیادتی کے کاموں
میں ان کے خلاف دوسرے کی طرفداری کی، ہاں جب
وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئے تو تم نے ان کے فدیے
دیئے، لیکن ان کا نکالنا جو تم پر حرام تھا (اس کا کچھ خیال
نہ کیا) کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے
ساتھ کفر کرتے ہو؟^(۱) تم میں سے جو بھی ایسا کرے
اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی اور
قیامت کے دن سخت عذاب کی مار اور اللہ تعالیٰ
تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔ (۸۵)

والدین کی اطاعت کا ذکر کر کے اس کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے، اس کے بعد رشتے داروں، قبیلوں اور مساکین کے ساتھ
حسن سلوک کی تاکید اور حسن گفتار کا حکم ہے۔ اسلام میں بھی ان باتوں کی بڑی تاکید ہے، جیسا کہ احادیث رسوں ﷺ
سے واضح ہے۔ اس عہد میں اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا بھی حکم ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں
عبادتیں پچھلی شریعتوں میں بھی موجود رہی ہیں جن سے ان کی اہمیت واضح ہے۔ اسلام میں بھی یہ دونوں عبادتیں نہایت
اہم ہیں، حتیٰ کہ ان میں سے کسی ایک کے انکار یا اس سے اعراض کو کفر کے مترادف سمجھا گیا ہے، جیسا کہ حضرت ابو بکر
صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کرنے سے واضح ہے۔

(۱) نبی کریم ﷺ کے زمانے میں انصار (جو اسلام سے قبل مشرک تھے) کے دو قبیلے تھے اوس اور خزرج، ان کی آپس
میں آئے دن جنگ رہتی تھی۔ اسی طرح یہود مدینہ کے تین قبیلے تھے، بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ یہ بھی آپس میں
لڑتے رہتے تھے۔ بنو قریظہ اوس کے حلیف (ساتھی) اور بنو قینقاع اور بنو نضیر، خزرج کے حلیف تھے۔ جنگ میں یہ اپنے
اپنے حلیفوں (ساتھیوں) کی مدد کرتے اور اپنے ہی ہم مذہب یہودیوں کو قتل کرتے، ان کے گھروں کو جوتے، اور انہیں جلا
وطن کر دیتے۔ دریاں جاپکے تورات کے مطابق ایسا کرنا ان کے لیے حرام تھا۔ لیکن پھر انہی یہودیوں کو جب وہ مظلوم
ہونے کی وجہ سے قیدی بن جاتے تو فدیہ دے کر چھڑاتے اور کہتے کہ ہمیں تورات میں یہی حکم دیا گیا ہے۔ ان آیات
میں یہودیوں کے اسی کردار کو بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے شریعت کو موسیٰ کی ناک بتالیا تھا، بعض چیزوں پر ایمان دے
اور بعض کو ترک کر دیتے، کسی حکم پر عمل کر لیتے اور کسی وقت شریعت کے حکم کو کوئی اہمیت ہی نہ دیتے۔ قتل، اخراج
اور ایک دوسرے کے خلاف مدد کرنا، ان کی شریعت میں بھی حرام تھا، ان امور کا تو انہوں نے بے محابا ارتکاب کیا اور
فدیہ دے کر چھڑا لینے کا جو حکم تھا، اس پر عمل کر لیا۔ حالانکہ اگر پہلے تین امور کا وہ لحاظ رکھتے تو فدیہ دے کر چھڑانے کی
نوبت ہی نہ آتی۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يَخَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٨٦﴾

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَفَقِّدْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِرَأْسِهِ
وَأَتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتَ وَأَتَيْنَاهُ رُوحَ الْقُدُسِ
أَفْكَلْنَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ
فَتَوَيْفَا كَذِبْتُمْ وَقَوْمًا تَكْفُلُونَ ﴿٨٧﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے خرید لیا ہے، ان کے نہ تو عذاب ہلکے ہوں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔^(۸۶)

ہم نے (حضرت) موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے پیچھے اور رسول بھیجے اور ہم نے (حضرت) عیسیٰ ابن مریم کو روشن دلیلیں دیں اور روح القدس سے ان کی تائید کرا لی۔^(۸۷) لیکن جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف تھی، تم نے جھٹ سے ٹکبر کیا، پس بعض کو تو جھٹلایا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا۔^(۸۷)

(۱) یہ شریعت کے کسی حکم کے مان لینے اور کسی کو نظر انداز کر دینے کی سزا بیان کی جا رہی ہے۔ اس کی مزا دنیا میں عزت و سرفرازی کی جگہ (جو مکمل شریعت پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے) ذلت و رسوائی اور آخرت میں ابدی نعمتوں کے بجائے سخت عذاب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں وہ اطاعت مقبول ہے جو مکمل ہو، بعض بعض باتوں کا مان لینا، یا ان پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ آیت ہم مسلمانوں کو بھی دعوت غور و فکر دے رہی ہے کہ کیسے مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کی وجہ بھی مسلمانوں کا وہی کردار تو نہیں جو مذکورہ آیات میں یہودیوں کا بیان کیا گیا ہے؟

(۲) ﴿وَفَقِّدْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِرَأْسِهِ﴾ کے معنی ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد مسلسل پیغمبر آتے رہے، حتیٰ کہ بنی اسرائیل میں انبیاء کا یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہو گیا۔ ”بیتات“ سے معجزات مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے، جیسے مردوں کو زندہ کرنا، کوڑھی اور اندھے کو صحت یاب کرنا وغیرہ، جن کا ذکر سورہ آل عمران (آیت ۴۹) میں ہے۔ ”رُوحُ الْقُدُسِ“ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، ان کو روح القدس اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ امر نیکوئی سے ظہور میں آئے تھے، جیسا کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ”رُوحُ“ کہا گیا ہے، اور ”الْقُدُسُ“ سے ذات الہی مراد ہے اور اس کی طرف روح کی اضافت تشریفی ہے۔ ابن جریر نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے، کیونکہ الامامة (آیت ۱۰) میں روح القدس اور انجیل دونوں الگ الگ مذکور ہیں (اس لیے روح القدس سے انجیل مراد نہیں ہو سکتی) ایک اور آیت میں حضرت جبریل علیہ السلام کو ”الرُّوحُ الْأَمِينُ“ فرمایا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے حضرت حسان بن علیؓ کے متعلق فرمایا: ”أَيُّهُ رُوحُ الْقُدُسِ“ (اے اللہ روح القدس سے اس کی تائید فرما) ایک دوسری حدیث میں ہے ”وَجِبْرِيلُ مَعَهُ“ (جبریل علیہ السلام تمہارے ساتھ ہیں) معلوم ہوا کہ روح القدس سے مراد حضرت جبریل ہی ہیں، (فتح البیان) ابن کثیر بحوالہ اشرف الحواشی)۔

(۳) جیسے حضرت محمد ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام کو قتل کیا۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفًا بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ
فَقَذَلْنَا مَا يُؤْمِنُونَ ۝

یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف والے ہیں^(۱)
نہیں نہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے انہیں اللہ
تعالیٰ نے ملعون کر دیا ہے، ان کا ایمان بہت ہی تھوڑا
ہے۔^(۲) (۸۸)

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ
وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا
جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَهُ
اللَّهُ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝

اور ان کے پاس جب اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کی
کتاب کو سچا کرنے والی آئی، حالانکہ پہلے یہ خود
(اس کے ذریعہ) کافروں پر فتح چاہتے تھے تو باوجود
آ جانے اور باوجود پہچان لینے کے پھر کفر کرنے لگے،
اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کافروں پر۔ (۸۹)

يَسْمَعُوا أَسْرَارًا يَنْصَبُهَا أَنْفُسُهُمْ أَنْ يُكْفَرُوا بِهَا أَنْزَلَ اللَّهُ بَعْثًا
أَنْ يُكْفَرُوا مِنْ فَضْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ

بہت بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ
کو بیچ ڈالا، وہ انکا کفر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے
نازل شدہ چیز کے ساتھ محض اس بات^(۳) سے جل کر کہ
اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل اپنے جس بندہ پر چاہا نازل فرمایا،

(۱) یعنی ہم پر اسے محمد ﷺ کی خبری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا، جس طرح دوسرے مقام پر ہے۔ ﴿وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفًا﴾
﴿أَمْ السَّجْدَةُ ۝﴾ ”ہمارے دل اس دعوت سے پردے میں ہیں“ جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے۔“
(۲) دلوں پر حق بات کا اثر نہ کرنا، کوئی کفر کی بات نہیں۔ بلکہ یہ تو ملعون ہونے کی علامت ہے، پس ان کا ایمان بھی
تھوڑا ہے (جو عند اللہ نامقبول ہے) یا ان میں ایمان لانے والے کم ہی لوگ ہوں گے۔

(۳) ﴿يَسْتَفْتِحُونَ﴾ کے ایک معنی یہ ہیں غلبہ اور نصرت کی دعا کرتے تھے، یعنی جب یہ یہود مشرکین سے شکست کھ
جاتے تو اللہ سے دعا کرتے ”یا اللہ آخری نبی جلد مبعوث فرما“ تاکہ اس سے مل کر ہم ان مشرکین پر غلبہ حاصل کریں یعنی
اَسْتَفْتَحْ بمعنی اَسْتَنْصِرْ ہے۔ دوسرے معنی خبر دینے کے ہیں۔ اَنَّى يُخْبِرُوكُمْ بِأَنَّهُ سُبُعْتُ یعنی یہودی کافروں
کو خبر دیتے کہ عنقریب نبی کی بعثت ہوگی۔ (فتح القدیر) لیکن بعثت کے بعد علم رکھنے کے باوجود نبوت محمدی پر محض حسد کی
وجہ سے ایمان نہیں لائے، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

(۴) یعنی اس بات کی معرفت کے بعد بھی کہ حضرت محمد رسول ﷺ وہی آخری پیغمبر ہیں، جن کے اوصاف تو رات و
انجیل میں مذکور ہیں اور جن کی وجہ سے ہی اہل کتاب ان کے ایک ”نجات دہندہ“ کے طور پر ٹھہر بھی تھے، لیکن ان پر
محض اس حسد اور حسد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے کہ نبی ﷺ ہماری نسل میں سے کیوں نہ ہوئے، جیسا کہ ہمارا گمان
تھا، یعنی ان کا انکار دلائل پر نہیں، نسل منافرت اور حسد و عناد پر مبنی تھا۔

فَبَاذُوا بُعْضَ عَلِ غَضَبِ وَلَا تَكْفُرُوا مِنْ عَذَابِ
مُهِينٍ ①

اس کے باعث یہ لوگ غضب^(۱) پر غضب کے مستحق ہو گئے اور ان کافروں کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ (۹۰)

وَإِذْ أَوْحَيْنَا لَهُمُ الْإِيمَانَ أَنِ اتَّبِعُوا اللَّهَ قَالُوا وَاتَّبِعُوا
يَمَّا أُتِرْنَا عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ يَمَّا وَدَّآءُكَ وَهُوَ
الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فِئْتِهِ تَقْتُلُونَ
أَنبِيََاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ②

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لاؤ تو کہہ دیتے ہیں کہ جو ہم پر اتاری گئی اس پر ہمارا ایمان ہے۔^(۲) حالانکہ اس کے بعد والی کے ساتھ جو ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے، کفر کرتے ہیں، اچھا ان سے یہ تو دریافت کریں کہ اگر تمہارا ایمان پہلی کتابوں پر ہے تو پھر تم نے اگلے انبیاء کو کیوں قتل کیا؟^(۳) (۹۱)

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ
مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ③

تمہارے پاس تو موسیٰ یہی دلیلیں لے کر آئے لیکن تم نے پھر بھی چمچڑا چو جا^(۴) تم ہو ہی ظالم۔ (۹۲)

وَرَادَّ اخْتَلَفْتُمْ قَوْلَهُ وَرَفَعْنَا قَوْلَكُمْ الْفُتُورَ
خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمِعُوا قَالُوا سَمِعْنَا
وَعَصَيْنَا وَأَشْرَكُوا فِي ثُلُثٍ مِنْهُمْ الْعِجْلُ

جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور کو کھڑا کر دیا (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھامو اور سنو تو انہوں نے کہا، ہم نے سنا اور نافرمانی کی^(۵) اور ان کے

(۱) غضب پر غضب کا مطلب ہے بہت زیادہ غضب۔ کیوں کہ بار بار وہ غضب والے کام کرتے رہے، جیسا کہ تفصیل گزری، اور اب محض حسد کی وجہ سے قرآن اور حضرت محمد ﷺ کا انکار کیا۔

(۲) یعنی تورات پر ہم ایمان رکھتے ہیں یعنی اس کے بعد ہمیں قرآن پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳) یعنی تمہارا تورات پر دعویٰ ایمان بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر تورات پر تمہارا ایمان ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کو تم قتل نہ کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ اب بھی تمہارا انکار محض حسد اور عناد پر مبنی ہے۔

(۴) یہ ان کے انکار اور عناد کی ایک اور دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آیات و اضحات اور دلائل قاطعہ اس بات کی لے کر آئے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن تم نے اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی تنگ کیا اور اللہ واحد کو چھوڑ کر چمچڑے کو معبود بنالیا۔

(۵) یہ کفر و انکار کی انتہا ہے کہ زبان سے تو اقرار کہ سن لیا، یعنی اطاعت کریں گے اور دل میں یہ نیت کہ ہم نے کون سا عمل کرتا ہے؟

يَعْلَمُونَ مَنِ الَّذِي يَشْتَرِي أُنُفُسَكُمْ يُشَرِّىهَا مِثْلَ بَخْسٍ
إِنَّمَا تُكْرَهُانَ كُنْتُمْ مُرُوءِينَ ۝

قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِندَ اللَّهِ خَالِصَةً مِن
دُونِ النَّاسِ فَتَمَتَّعُوا بِالْمَوْتِ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

وَلَن يَتَمَتَّعُوا أَبَدًا بِهَا قَدَّمَتْ آيَةُ يَوْمِهِمْ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاتِهِمْ وَمِنَ
الَّذِينَ أَشْرَكُوا فَوَيْلٌ لَهُمْ لَوْ يَعْلَمُ أَلْفَ مِثْقَلِ

دلوں میں پھڑے کی محبت (گویا) پلا دی گئی^(۱) بسبب ان
کے کفر کے۔^(۲) ان سے کہہ دیجئے کہ تمہارا ایمان
تمہیں برا حکم دے رہا ہے، اگر تم مومن ہو۔ (۹۳)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے ہی
لئے ہے، اللہ کے نزدیک اور کسی کے لئے نہیں، تو آؤ
اپنی سچائی کے ثبوت میں موت طلب کرو۔ (۹۴)

لیکن اپنی کرتوتوں کو دیکھتے ہوئے کبھی بھی موت نہیں
مانگیں گے^(۳) اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے (۹۵)

بلکہ سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حرص اے نبی! آپ
انہیں کو پائیں گے۔ یہ حرص زندگی میں مشرکوں سے
بھی زیادہ ہیں^(۴) ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار

(۱) ایک تو محبت خود ایسی چیز ہوتی ہے کہ انسان کو اندھا اور ہرانا دیتی ہے۔ دوسرے اس کو اشرار (پلا دی گئی) سے تعبیر کیا
گیا، کیوں کہ پانی انسان کے رگ و ریشہ میں خوب دوڑتا ہے جب کہ کھانے کا گزر اس طرح نہیں ہوتا۔ (فتح القدیر)
(۲) یعنی عصیان اور پھڑے کی محبت و عبادت کی وجہ وہ کفر تھا جو ان کے دلوں میں گھر کر چکا تھا۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر دعوت مباہلہ سے کی ہے، یعنی یہودیوں کو کہا گیا کہ اگر تم نبوت
محمدیہ کے انکار اور اللہ سے محبوبیت کے دعوے میں سچے ہو تو مباہلہ کر لو، یعنی اللہ کی بارگاہ میں مسلمان اور یہودی دونوں
ملکر یہ عرض کریں کہ یا اللہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، اسے موت سے ہلکا کر دے، یہی دعوت انہیں سورت جحد
میں بھی دی گئی ہے۔ نجران کے عیسائیوں کو بھی دعوت مباہلہ دی گئی تھی، جیسا کہ آل عمران میں ہے۔ لیکن چوں کہ
یہودی بھی عیسائیوں کی طرح جھوٹے تھے، اس لیے عیسائیوں ہی کی طرح یہودیوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے
فرمایا کہ یہ ہرگز موت کی آرزو (یعنی مباہلہ) نہیں کریں گے۔ حافظ ابن کثیر نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے (تفسیر ابن کثیر)

(۴) موت کی آرزو تو کجا، یہ تو دنیوی زندگی کے تمام لوگوں حتیٰ کہ مشرکین سے بھی زیادہ حرص ہیں، لیکن عمر کی یہ
درازی انہیں عذاب الہی سے بچا نہیں سکے گی۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہودی اپنے ان دعووں میں بکسر جھوٹے تھے
کہ وہ اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں، یا جنت کے مستحق صرف وہی ہیں اور دوسرے جنسی کیوں کہ فی الواقع اگر ایسا ہوتا،
یا کم از کم انہیں اپنے دعووں کی صداقت پر پورا یقین ہوتا، تو یقیناً وہ مباہلہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے، تاکہ ان کی سچائی واضح
اور مسلمانوں کی غلطی آشکارا ہو جاتی۔ مباہلے سے پہلے یہودیوں کا اعراض اور گریز اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ گو
وہ زبان سے اپنے بارے میں خوش کن باتیں کر لیتے تھے، لیکن ان کے دل اصل حقیقت سے آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ
اللہ کی بارگاہ میں جانے کے بعد ان کا حشر وہی ہو گا جو اللہ نے اپنے نافرمانوں کے لیے طے کر رکھا ہے۔

وَمَا هُمْ بِمُتَحَرِّجِينَ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَذِّبَهُ اللَّهُ
بِصَيِّرَاتِهِمَا يَسْمَلُونَ ﴿٩٦﴾

فَلَنْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجَبْرِيِّينَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ
بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَى
لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٩٧﴾

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ
وَمِيكَائِيلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ﴿٩٨﴾

سال کی عمر چاہتا ہے، گو یہ عمر دیا جانا بھی انہیں عذاب
سے نہیں چھڑا سکتا، اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو بخوبی دیکھ
رہا ہے۔ (۹۶)

(اے نبی!) آپ کہہ دیجئے کہ جو جبریل کا دشمن ہو جس
نے آپ کے دل پر پیغام باری تعالیٰ اتارا ہے، جو پیغام
ان کے پاس کی کتاب کی تصدیق کرنے والا اور مومنوں کو
ہدایت اور خوشخبری دینے والا ہے۔ (۹۷)

(تو اللہ بھی اس کا دشمن ہے) جو شخص اللہ کا اور اس کے
فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرائیل اور میکائیل کا
دشمن ہو، ایسے کافروں کا دشمن خود اللہ ہے۔ (۹۸)

(۱) احادیث میں ہے کہ چند یہودی علمائے نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ اگر آپ ﷺ نے ان کا صحیح جواب دے دیا تو
ہم ایمان لے آئیں گے، کیوں کہ نبی کے علاوہ کوئی ان کا جواب نہیں دے سکتا۔ جب آپ ﷺ نے ان کے سوالوں کا
صحیح جواب دے دیا تو انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ پر وحی کون لاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جبریل۔ یہود کہنے لگے:
جبریل تو ہمارا دشمن ہے، وہی تو حرب و قتال اور عذاب لے کر اترتا رہا ہے۔ اور اس بہانے سے آپ ﷺ کی نبوت
ماننے سے انکار کر دیا (ابن کثیر و فتح القدیر)

(۲) یہود کہتے تھے کہ میکائیل ہمارا دوست ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سب میرے مقبول بندے ہیں جو ان کا یا ان میں
سے کسی ایک کا بھی دشمن ہے، وہ اللہ کا بھی دشمن ہے۔ حدیث میں ہے: (مَنْ عَادَى بَيْنَ رِبِّهِ فَقَدْ عَادَى رَسُوْلِهِ بِالْخُرْبِ)
(صحیح بخاری کتاب الرقاق باب التواضع) ”جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی رکھی، اس نے میرے ساتھ اعداں
جنگ کیا ہے“ گو اللہ کے کسی ایک ولی سے دشمنی سارے اولیاء اللہ سے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی دشمنی ہے۔ اس سے
واضح ہوا کہ اولیاء اللہ کی محبت اور ان کی تعظیم نہایت ضروری اور ان سے بغض و عناد اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس
کے خلاف اعلان جنگ فرماتا ہے۔ اولیاء اللہ کون ہیں؟ اس کے لیے ملاحظہ ہو سورہ یونس، آیت ۶۲-۶۳، لیکن محبت
اور تعظیم کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبروں پر گنبد اور قبے بنائے جائیں، ان کی قبروں پر
سالانہ عرس کے نام پر میلوں ٹھیلوں کا اہتمام کیا جائے، ان کے نام کی نذر و نیاز اور قبروں کو غسل دیا جائے اور ان پر
چادریں چڑھائی جائیں اور انہیں حاجت روا، مشکل کشا، نافع و ضار سمجھا جائے، ان کی قبروں پر دست بستہ قیام اور ان
کی چوکھٹوں پر سجدہ کیا جائے وغیرہ، جیسا کہ بد قسمتی سے ”اولیاء اللہ کی محبت“ کے نام پر یہ کاروبار لات و منات فروغ
پذیر ہے۔ حالانکہ یہ ”محبت“ نہیں ہے، ان کی عبادت ہے، جو شرک اور ظلم عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فتنہ عبادت قبور
سے محفوظ رکھے۔

اور یقیناً ہم نے آپ کی طرف روشن دلیل بھیجی ہیں جن کا انکار سوائے بدکاروں کے کوئی نہیں کرتا۔ (۹۹)
یہ لوگ جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کی ایک نہ ایک جماعت اسے توڑ دیتی ہے، بلکہ ان میں سے اکثر ایمان سے خالی ہیں۔ (۱۰۰)

جب کبھی ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا آیا، ان اہل کتاب کے ایک فرقہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دیا گویا جانتے ہی نہ تھے۔^(۱) (۱۰۱)

اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیطان (حضرت) سلیمان کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان نے تو کفر نہ کیا تھا، بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے،^(۲) اور بابل میں ہاروت ماروت دو فرشتوں پر

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ فَتُبَيِّنْهُ لِمَنْ يَعْرِفُهُ الْفَرْسُونَ ۝

أَوْ كَلِمَاتٍ عَهْدٍ وَأَعْهَدَ ابْنَهُ فَمِنْهُمْ مَنْ بَدَّلَ كَلِمَاتِهِمْ لَا يُعِذُّهُمْ ۝

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ بَيِّنَاتٍ مِنْ رَبِّهِمْ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَكْفُرُونَ ۝
ظُهُورَهُمْ كَالْفِهْرِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

وَالشَّعْرُ مَا تَنَزَّلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلُوكِ سُلَيْمَانَ
وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينُ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ
الْكَافِرُ الشَّعْرُ وَمَا أَنْزَلَ عَلَى الشَّيَاطِينِ يَبَاقِلُ

(۱) اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو بہت سی آیات بینات عطا کی ہیں جن کو دیکھ کر یہود کو بھی ایمان لے آنا چاہیے تھا۔ علاوہ ازیں خود ان کی کتاب تورات میں بھی آپ ﷺ کے اوصاف کا ذکر اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کا عہد موجود ہے، لیکن انہوں نے پہلے بھی کسی عہد کی کب پروا کی ہے جو اس عہد کی وہ کریں گے؟ عہد شکنی ان کے ایک گروہ کی ہمیشہ عادت رہی ہے۔ حتیٰ کہ اللہ کی کتاب کو بھی اس طرح پس پشت ڈال دیا، جیسے وہ اسے جانتے ہی نہیں۔

(۲) یعنی ان یہودیوں نے اللہ کی کتاب اور اس کے عہد کی تو کوئی پروا نہیں کی، البتہ شیطان کے پیچھے لگ کر نہ صرف جادو ٹونے پر عمل کرتے رہے، بلکہ یہ دعویٰ کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی (نعوذ باللہ) اللہ کے پیغمبر نہیں تھے بلکہ ایک جادوگر تھے اور جادو کے زور سے ہی حکومت کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، حضرت سلیمان علیہ السلام جادو کا عمل نہیں کرتے تھے، کیوں کہ عمل سحر تو کفر ہے، اس کفر کا ارتکاب حضرت سلیمان علیہ السلام کیوں کر کر سکتے تھے؟ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا سلسلہ بہت عام ہو گیا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے سدباب کے لیے جادو کی کتابیں لے کر اپنی کرسی یا تخت کے نیچے دفن کر دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد ان شیاطین اور جادوگروں نے ان کتابوں کو نکال کر نہ صرف لوگوں کو دکھایا، بلکہ لوگوں کو یہ باور کرایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت و اقتدار کا راز یہی جادو کا عمل تھا اور اسی بنا پر ان ظالموں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی کافر قرار دیا، جس کی تردید اللہ تعالیٰ نے فرمائی (امین کثیر) وغیرہ) واللہ اعلم۔

هَٰذِهِنَّ وَلَدُوتُ وَمَا يَكْفُرُ بِهِنَ مِنَ لَحَائِبٍ عَلَىٰ قُلُوبٍ ۚ إِنَّهُنَّ
 نَحْنُ وَخِتَتُهُنَّ فَلَا تَكْفُرُ ۚ فَيَسْتَعْجِلُونَ مِنْهُمَا مَا يَكْفُرُونَ
 بِهِ بَيْنَ الْمَرءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا لَهُمْ بِمَا يَكْفُرِينَ بِهِ مِنْ
 أَحْتِمَالٍ إِلَّا يُرَادُّوا بِاللَّوۡءِ ۚ وَيَسْتَعْجِلُونَ مَا يَمْضُرُهُمْ
 وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ

جو اتارا گیا تھا^(۱) وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت
 تک نہیں سکھاتے تھے^(۲) جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم
 تو ایک آزمائش ہیں^(۳) تو کفر نہ کر، پھر لوگ ان سے وہ
 سیکھتے جس سے خاوند و بیوی میں جدائی ڈال دیں اور
 دراصل وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان
 نہیں پہنچا سکتے^(۴) یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان

(۱) بعض مفسرین نے زمانہ اُترنے میں ماننا یہ مراد لیا ہے اور ہاروت و ماروت پر کسی چیز کے اترنے کی نفی کی ہے، لیکن
 قرآن کریم کا سیاق اس کی تائید نہیں کرتا۔ اسی لیے ابن جریر وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے (ابن کثیر) اسی طرح ہاروت و
 ماروت کے بارے میں بھی تفسیر میں اسرائیلی روایات کی بھرمار ہے۔ لیکن کوئی صحیح مرفوع روایت اس بارے میں ثابت
 نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی تفصیل کے نہایت اختصار کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا ہے، ہمیں صرف اس پر اور اسی حد
 تک ایمان رکھنا چاہیے (تفسیر ابن کثیر) قرآن کے الفاظ سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باطل میں ہاروت و
 ماروت فرشتوں پر جادو کا علم نازل فرمایا تھا اور اس کا مقصد اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ یہ معلوم ہوتا ہے، تاکہ وہ لوگوں کو
 بتائیں کہ انبیاء عیسیٰ السلام کے ہاتھوں پر ظاہر شدہ معجزے، جادو سے مختلف چیز ہے اور جادو یہ ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کی
 طرف سے ہمیں عطا کیا گیا ہے (اس دور میں جادو عام ہونے کی وجہ سے لوگ انبیاء کو بھی نعوذ باللہ جادوگر اور شعبد باز
 سمجھنے لگے تھے) اسی مغالطے سے لوگوں کو بچانے کے لیے اور بطور امتحان فرشتوں کو نازل فرمایا گیا۔

دوسرا مقصد بنو اسرائیل کی اخلاقی گراؤ کی نشاندہی معلوم ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل کس طرح جادو سیکھنے کے لیے
 ان فرشتوں کے پیچھے پڑے اور یہ بتلانے کے باوجود کہ جادو کفر ہے اور ہم آزمائش کے لیے آئے ہیں، وہ علم سحر حاصل
 کرنے کے لیے ٹوٹے پڑے تھے جس سے انکا مقصد ہتے ہتے گھروں کو اجاڑنا اور میاں بیوی کے درمیان نفرت کی
 دیواریں کھڑی کرنا تھا۔ یعنی یہ ان کے گراؤ، بگاڑ اور فساد کے سلسلے کی ایک اہم کڑی تھی اور اس طرح کے توہمات
 اور اخلاقی گراؤ کسی قوم کی انتہائی بگاڑ کی علامت ہیں۔ اَعَادَ اللہُ مِنْہُ

(۲) یہ ایسے ہی ہے جیسے باطل کی تردید کے لیے، باطل مذاہب کا علم کسی استاذ سے حاصل کیا جائے، استاذ شاگرد کو اس
 یقین دہانی پر باطل مذاہب کا علم سکھائے کہ وہ اس کی تردید کرے گا۔ لیکن علم حاصل کرنے کے بعد وہ خود بد مذہب ہو
 جائے، یا اس کا غلط استعمال کرے تو استاذ اس میں قصور وار نہیں ہوگا۔

(۳) اَنۡیٰۤی بَنۡیَۡنَا سَحۡرَۃًۢ تَبۡلَآءُ وَاجۡتَبٰۤیۡہِ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہِہِمْ ۚ اِنَّ اللّٰہَ فِیۡ کُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ (فتح القدیر)
 (۴) یہ جادو بھی اس وقت تک کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک اللہ کی مشیت اور اس کا اذن نہ ہو۔ اس لیے اس
 کے سیکھنے کا فائدہ بھی کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جادو کے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کو کفر قرار دیا ہے، ہر قسم کی
 خیر کی طلب اور ضرر کے دفع کے لیے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیا جائے، کیوں کہ وہی ہر چیز کا خالق ہے اور

فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ يَبُولِشٌ مَّا شَرَوْا بِهِ
أَنفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۲﴾

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ
لَّو كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۳﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا
وَأَسْمِعُوا وَلْيُكْفِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾

مَّا يَوْفُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُسْكِينِ
أَنْ يُكْرَلَ عَلَيْكُمُ مِنْ خَيْرِكُمْ فَرِيقٌ تَرَكُوهَ وَاللَّهُ يَبْغِضُ
بِرَّحْمَتِهِ مَنْ يَكْفُرْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۱۰۵﴾

مَّا تَسْعُرُونَ أَيُّهُ أَوْ تُنْبِئُوهَا ذَاتِ غُوبٍ مِمَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ
تَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰۶﴾

بہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے، اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ
اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور
وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو فروخت
کر رہے ہیں، کاش کہ یہ جانتے ہوتے۔ (۱۰۲)

اگر یہ لوگ صاحب ایمان متقی بن جاتے تو اللہ تعالیٰ کی
طرف سے بہترین ثواب انہیں ملتا، اگر یہ جانتے ہوتے۔ (۱۰۳)

اے ایمان والو! تم (نبی ﷺ کو) ”راعنا“ نہ کہا کرو، بلکہ
”انظرنا“ کہو، ”یعنی ہماری طرف دیکھئے اور سنئے رہا کرو
اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (۱۰۴)

نہ تو اہل کتاب کے کافر اور نہ مشرکین چاہتے ہیں کہ تم پر
تمہارے رب کی کوئی بھلائی نازل ہو (ان کے اس حسد
سے کیا ہوا) اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت خصوصیت
سے عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ (۱۰۵)

جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں، یا بھلا دیں اس سے بہتر یا
اس جیسی اور لاتے ہیں، کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر
چیز پر قادر ہے۔ (۱۰۶)

کائنات میں ہر کام اسی کی مشیت سے ہوتا ہے۔

(۱) راعنا کے معنی ہیں، ہمارا لحاظ اور خیال کیجئے۔ بات سمجھ میں نہ آئے تو سامع اس لفظ کا استعمال کر کے محکم کو اپنی
طرف متوجہ کرتا تھا، لیکن یہودی اپنے بغض و عناد کی وجہ سے اس لفظ کو تمہارا سا باگڑ کر استعمال کرتے تھے جس سے اس
کے معنی میں تبدیلی اور ان کے جذبہ عناد کی تسلی ہو جاتی، مثلاً وہ کہتے راعینا (ہمارے چرواہے) یا راعنا (احق) وغیرہ،
جیسے وہ سلام علیکم کی بجائے السلام علیکم (تم پر موت آئے) کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ”انظُرْنَا“
کہا کرو۔ اس سے ایک تو یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ ایسے الفاظ جن میں تنقیص و اہانت کا شائبہ ہو، ادب و احترام کے پیش
نظر اور سد ذریعہ کے طور پر ان کا استعمال صحیح نہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ کفار کے ساتھ افعال و اقوال میں
مشابہت اختیار کرنے سے بچا جائے، تاکہ مسلمان ”مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ“ (ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی
لبس الشهرة) وقال الألبانی هذا إسناد حسن، بحوالہ حجاب المرأة ص ۱۰۳ (جو کسی قوم کی مشابہت اختیار
کرے گا وہ انہی میں شمار ہوگا) کی وعید میں داخل نہ ہوں۔

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ قُدْرَةٍ وَلَا تَنْصُرُكُمْ ۝

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَى
مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَتَّبِعِ الْكُفْرَ الْإِنْسَانُ فَقَدْ ضَلَّ
سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝

کیا تجھے علم نہیں کہ زمین و آسمان کا ملک اللہ ہی کے لئے ہے ^(۱) اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی دلی اور مددگار نہیں۔ (۱۰۷)

کیا تم اپنے رسول سے یہی پوچھنا چاہتے ہو جو اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) سے پوچھا گیا تھا؟ ^(۲) (سنو ایمان کو کفر سے بدلنے والا سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے۔ (۱۰۸)

(۱) نسخ کے لغوی معنی تو نقل کرنے کے ہیں، لیکن شرعی اصطلاح میں ایک حکم کو بدل کر دوسرا حکم نازل کرنے کے ہیں۔ یہ نسخ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام کے زمانے میں گئے بن بھائیوں کا آپس میں نکاح جائز تھا، بعد میں اسے حرام کر دیا گیا، وغیرہ، اسی طرح قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے بعض احکام منسوخ فرمائے اور ان کی جگہ نیا حکم نازل فرمایا۔ ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ شاہ ولی اللہ نے ”الغزو الکبیر“ میں ان کی تعداد صرف پانچ بیان کی ہے۔ یہ نسخ تین قسم کا ہے۔ ایک تو مطلقاً نسخ حکم یعنی ایک کو بدل کر دوسرا حکم نازل کر دیا گیا۔ دوسرا ہے نسخ مع التلاوة۔ یعنی پہلے حکم کے الفاظ قرآن مجید میں موجود رکھے گئے ہیں، ان کی تلاوت ہوتی ہے لیکن دوسرا حکم بھی جو بعد میں نازل کیا گیا، قرآن میں موجود ہے، یعنی ناخ اور منسوخ دونوں آیات موجود ہیں۔ نسخ کی ایک تیسری قسم یہ ہے کہ ان کی تلاوت منسوخ کر دی گئی۔ یعنی قرآن کریم میں نبی ﷺ نے انہیں شامل نہیں فرمایا، لیکن ان کا حکم باقی رکھا گیا۔ جیسے ”الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا رَتَبَا فَاَرْجَحُوهُمَا الْبَيْتَةَ“ (سوطا امام مالک) ”شادی شدہ مرد اور عورت اگر زنا کا ارتکاب کریں تو یقیناً انہیں سنگسار کر دیا جائے“ اس آیت میں نسخ کی پہلی دو قسموں کا بیان ہے ﴿مَاتَتْهُنَّ مِنْ بَيْنِهِمَا﴾ میں دوسری قسم اور ﴿أَوْ ذُنِبَهَا﴾ میں پہلی قسم۔ نُسَبَهَا (ہم بھلا دیتے ہیں) کا مطلب ہے کہ اس کا حکم اور تلاوت دونوں اٹھایے جاتے ہیں۔ گویا کہ ہم نے اسے بھلا دیا اور نیا حکم نازل کر دیا۔ یا نبی ﷺ کے قلب سے ہی ہم نے اسے مٹا دیا اور اسے نسیہ منسیا کر دیا گیا۔ یہودی تورات کو ناقابل نسخ قرار دیتے تھے اور قرآن پر بھی انہوں نے بعض احکام کے منسوخ ہونے کی وجہ سے اعتراض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور کہا کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ جو مناسب سمجھے کرے، جس وقت جو حکم اس کی مصلحت و حکمت کے مطابق ہو، اسے نافذ کرے اور جسے چاہے منسوخ کر دے۔ یہ اس کی قدرت ہی کا ایک مظاہرہ ہے۔ بعض قدیم گمراہوں (مثلاً ابو مسلم اصفہانی معتزلی) اور آج کل کے بھی بعض متجددین نے یہودیوں کی طرح قرآن میں نسخ ماننے سے انکار کیا ہے۔ لیکن صحیح بات وہی ہے جو مذکورہ سطروں میں بیان کی گئی ہے، سلف صالحین کا عقیدہ بھی اثبات نسخ ہی رہا ہے۔

(۲) مسلمانوں (صحابہ رضی اللہ عنہم) کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم یہودیوں کی طرح اپنے پیغمبر ﷺ سے ازراہ سرکشی غیر ضروری سوالات مت کیا کرو۔ اس میں اندیشہ کفر ہے۔

وَكَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَدُّوْكُمْ وَيَدُّوْكُمْ مِّنْ بَعْدِ
إِيمَانِكُمْ لَكَارِهُوْنَ أَفْسَادًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ
مَا بَيَّنَّ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْتَصُوا وَأَصْحَابُ أَهْلِ يَاقُ
اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا
إِلَّا أَنْفُسُكُمْ مِّنْ خَيْرٍ يَّذَرُوهَا عِنْدَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ
بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا
أَوْ نَصْرَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا
بُرْهَانَكُمْ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

بَلْ مَن أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ
رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ

ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہو جانے کے
محض حسد و بغض کی بنا پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا
چاہتے ہیں، تم بھی معاف کرو اور چھوڑو یہاں تک کہ
اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت
رکھتا ہے۔ (۱۰۹)

تم نمازیں قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور جو کچھ
بھلائی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے، سب کچھ اللہ کے پاس
پالو گے، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ
رہا ہے۔ (۱۱۰)

یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی نہ
جائے گا، یہ صرف ان کی آرزوئیں ہیں، ان سے کہو کہ
اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو۔ (۱۱۱)

سنو! جو بھی اپنے آپ کو خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے
جھکا دے۔ (۱۱۲) بے شک اسے اس کا رب پورا بدلہ دے
گا، اس پر نہ تو کوئی خوف ہو گا، نہ غم اور اداسی۔ (۱۱۳)

یہود کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں (۱۱۴) اور نصرانی کہتے ہیں

(۱) یہودیوں کو اسلام اور نبی ﷺ سے جو حسد اور عناد تھا اس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو دین اسلام سے پھیرنے کی
مذموم سعی کرتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کو کما جا رہا ہے کہ تم صبر اور درگزر سے کام لیتے ہوئے ان احکام و فرائض اسلام
کو بجالاتے رہو، جن کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔

(۲) یہاں اہل کتاب کے اس غرور اور فریب نفس کو پھر بیان کیا جا رہا ہے جس میں وہ جھٹلاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ
محض ان کی آرزوئیں ہیں جن کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

(۳) ﴿أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ﴾ کا مطلب ہے محض اللہ کی رضا کے لیے کام کرے اور ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ کا مطلب ہے اخلاص کے
ساتھ پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی سنت کے مطابق۔ قبولیت عمل کے لیے یہ دو بنیادی اصول ہیں اور نجات اخروی انہی
اصولوں کے مطابق کیے گئے اعمال صالحہ پر مبنی ہے، نہ کہ محض آرزوؤں پر۔

(۴) یہودی تورات پڑھتے ہیں جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق موجود
ہے، لیکن اس کے باوجود یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکفیر کرتے تھے۔ عیسائیوں کے پاس انجیل موجود ہے جس

لَيْسَتْ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ وَهُمْ يَتَّبِعُونَ الْاِكْتِبَ كَذَلِكَ قَالَ
الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ كَانَهُمْ يَعْلَمُونَ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٦﴾

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ تَنَعَّمْ بِمَسْجِدِ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ
وَسُئِيَ فِي حُرْمَتِهَا أُولَئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا
إِلَّا خَافِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا جُزُؤٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ

کہ یہودی حق پر نہیں، حالانکہ یہ سب لوگ تورات
پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ان ہی جیسی بات بے علم بھی کہتے
ہیں۔^(۱) قیامت کے دن اللہ ان کے اس اختلاف کا فیصلہ
ان کے درمیان کر دے گا۔ (۱۶)

اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی
مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کئے جانے کو روکے^(۲) اور
ان کی بربادی کی کوشش کرے،^(۳) ایسے لوگوں کو خوف
کھاتے ہوئے ہی اس میں جانا چاہئے،^(۴) ان کے لئے دنیا

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے من جند اللہ ہونے کی تصدیق ہے، اس کے باوجود یہ یہودیوں کی تکفیر
کرتے ہیں، یہ گویا اہل کتاب کے دونوں فرقوں کے کفر و عناد اور اپنے بارے میں خوش فہمیوں میں جھگڑا ہونے کو
ظاہر کیا جا رہا ہے۔

(۱) اہل کتاب کے مقابلے میں عرب کے مشرکین ان پڑھ (اُمّیین) تھے، اس لیے انہیں بے علم کہا گیا، لیکن وہ بھی
مشرک ہونے کے باوجود یہود و نصاریٰ کی طرح، اس زعم باطل میں جھگڑاتے کہ وہی حق پر ہیں۔ اسی لیے وہ نبی ﷺ کو
صالی یعنی بے دین کہا کرتے تھے۔

(۲) جن لوگوں نے مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکا، یہ کون ہیں؟ ان کے بارے میں مفسرین کی دو رائے ہیں، ایک
رائے یہ ہے کہ اس سے مراد عیسائی ہیں، جنہوں نے بادشاہ روم کے ساتھ مل کر بیت المقدس میں یہودیوں کو نماز پڑھنے
سے روکا اور اس کی تخریب میں حصہ لیا۔ ابن جریر طبری نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے، لیکن حافظ ابن کثیر نے اس سے
اختلاف کرتے ہوئے اس کا مصداق مشرکین کہہ کر قرار دیا ہے، جنہوں نے ایک تو نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ
رضی اللہ عنہم کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا اور یوں خانہ کعبہ میں مسلمانوں کو عبادت سے روکا۔ پھر صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی
یہی کردار دہرایا اور کہا کہ ہم اپنے آباد اجداد کے قاتلوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، حالانکہ خانہ کعبہ میں
کسی کو عبادت سے روکنے کی اجازت اور روایت نہیں تھی۔

(۳) تخریب اور بربادی صرف یہی نہیں ہے کہ اسے ڈھا دیا جائے اور عمارت کو نقصان پہنچایا جائے، بلکہ ان میں اللہ کی
عبادت اور ذکر سے روکنا، اقامت شریعت اور مظاہر شرک سے پاک کرنے سے منع کرنا بھی تخریب اور اللہ کے گھروں کو
برباد کرنا ہے۔

(۴) یہ الفاظ خبر کے ہیں، لیکن مراد اس سے یہ خواہش ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں ممکن اور غلبہ عطا فرمائے تو تم ان
مشرکین کو اس میں صلح اور جزیے کے بغیر رہنے کی اجازت نہ دینا، چنانچہ جب ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا تو نبی ﷺ نے
اعلان فرمادیا کہ آئندہ سال کعبہ میں کسی مشرک کو حج کرنے کی اور ننگا طواف کرنے کی اجازت نہیں ہوگی اور جس سے

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۳﴾

میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔ (۱۳)

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ قَابِ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰۤى ۚ اَنْتُمْ وُجْهَ اللّٰهِ اِنْ اللّٰهَ وَاَسْمِعُ عَنِیْہٖ ﴿۱۴﴾

اور مشرق اور مغرب کا مالک اللہ ہی ہے۔ تم جہر بھی منہ کرو اور میری اللہ کا منہ ہے ^(۱) اللہ تعالیٰ کشادگی اور وسعت والا اور بڑے علم والا ہے۔ (۱۴)

وَقَالُوۡا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۚ سُبْحٰنَہٗ ۚ بَلْ لَّہٗ مَا یَلٰی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ کُلٌّ لَّہٗ فٰتِنٰتٌ ﴿۱۵﴾

یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے (نہیں بلکہ) وہ پاک ہے زمین و آسمان کی تمام مخلوق اس کی ملکیت میں ہے اور ہر ایک اس کا فرمانبردار ہے۔ (۱۵)

بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِذَا قَضٰی اَمْرًا یَّأْتِیْہَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوۡنُ ﴿۱۶﴾

وہ زمین اور آسمانوں کا ابتدا و پیدائش کرنے والا ہے وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، بس وہ وہیں ہو جاتا ہے۔ ^(۲) (۱۶)

وَقَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَعْلَمُوۡنَ لَوْلَآ یُخْلِیۡنَا اللّٰهُ اَوْ تَاٰتِیۡنَا

اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا کہ خود اللہ تعالیٰ ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا، یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں

جو معاہدہ ہے، معاہدے کی مدت تک اسے یہاں رہنے کی اجازت ہے، بعض نے کہا ہے کہ یہ خوشخبری اور پیش گوئی ہے کہ عنقریب مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے گا اور یہ مشرکین خانہ کعبہ میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں گے کہ ہم نے جو مسلمانوں پر پہلے زیارتیاں کی ہیں، انکے بدلے میں ہمیں سزا سے دوچار یا قتل نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ جلد ہی یہ خوشخبری پوری ہو گئی۔

(۱) ہجرت کے بعد جب مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے تو مسلمانوں کو اس کا رُخ تھا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں اس وقت نازل ہوئی جب بیت المقدس سے پھر خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا تو یہودیوں نے طرح طرح کی باتیں بنائیں، بعض کے نزدیک اس کے نزول کا سبب سفر میں سواری پر نفل نماز پڑھنے کی اجازت ہے کہ سواری کا منہ جہر بھی ہو نماز پڑھ سکتے ہو۔ کبھی چند اسباب جمع ہو جاتے ہیں اور ان سب کے حکم کے لیے ایک ہی آیت نازل ہو جاتی ہے۔ ایسی آیتوں کے شان نزول میں متعدد روایات مروی ہوتی ہیں، کسی روایت میں ایک سبب نزول کا بیان ہوتا ہے اور کسی میں دوسرے کا۔ یہ آیت بھی اسی قسم کی ہے (مفہوم از احسن التفسیر)۔

(۲) یعنی وہ اللہ تو وہ ہے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا وہ مالک ہے، ہر چیز اس کی فرماں بردار ہے، بلکہ آسمان و زمین کا بغیر کسی نمونے کے بنانے والا بھی وہی ہے۔ علاوہ ازیں وہ جو کام کرنا چاہے اس کے لیے اسے صرف لفظ کن کافی ہے۔ ایسی ذات کو بھلا اولاد کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟

اِنَّهُ كَذَلِك قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ
قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ
يُوْقِنُوْنَ ۝۱۳۸

اِنَّا ارْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَنَذِيْرًا ۚ وَلَا تُنْتَلٰ عَنْ
اَصْحَابِ الْجَحِيْمِ ۝۱۳۹

وَلَنْ تَرْضٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتّٰى تَكْفِيَهِمْ مِّثْلَهُمْ
قُلْ اِنْ هٰدٰى اللّٰهُ هُوَ الْهٰدِیْ وَلَیِّنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعْتَ اَهْوَاؤُهُمْ یَبْغُوْنَ
الَّذِیْ جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۗ مَا لَكَ مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ۗ وَلَا تَتَّبِعْ

نہیں آتی؟^(۱) اسی طرح ایسی ہی بات ان کے اگلوں نے
بھی کہی تھی، ان کے اور ان کے دل یکساں ہو گئے۔^(۲)
ہم نے تو یقین والوں کے لئے نشانیاں بیان کر
دیں۔ (۱۳۸)

ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور
ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور جہنمیوں کے بارے میں
آپ سے پرسش نہیں ہوگی۔ (۱۳۹)

آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب
تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں،^(۳)
آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے^(۴) اور
اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم آجانے کے، پھر ان کی
خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی
دلی ہوگا اور نہ مددگار۔^(۵) (۱۴۰)

(۱) اس سے مراد مشرکین عرب ہیں جنہوں نے یہودیوں کی طرح مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے براہ راست گفتگو کیوں
نہیں کرتا، یا کوئی بڑی نشانی کیوں نہیں دکھاتا؟ جسے دیکھ کر ہم مسلمان ہو جائیں جس طرح کہ سورہ بنی اسرائیل (آیت
۹۰ تا ۹۳) میں اور دیگر مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۲) یعنی مشرکین عرب کے دل، کفر و عناد اور انکار و سرکشی میں اپنے ماقبل کے لوگوں کے دلوں کے مشابہ ہو گئے۔ جیسے
سورہ اہزاب میں فرمایا گیا: ﴿كَذٰلِكَ مَا آتٰی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رُّسُلِهِمْ اِلَّا فَاسًا مُّزْجٰلًا ۚ اَتَوٰصٰوْا بِہِمْ اَوْ يَتَّبِعُوْا اٰیٰتِہُمْ فَیَعْلَمُوْا اَنَّہُمْ
سے پسے جو بھی رسول آیا، اس کو لوگوں نے جادوگر یا دیوانہ ہی کہا۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کر جاتے
تھے؟ نہیں یہ سب سرکش لوگ ہیں، یعنی قدر مشترک ان سب میں سرکشی کا جذبہ ہے، اس لیے داعیان حق کے سامنے
نئے نئے مطالبے رکھتے ہیں، یا انہیں دیوانہ گردانتے ہیں۔

(۳) یعنی یہودیت یا نصرانیت اختیار کر لے۔

(۴) جواب اسلام کی صورت میں ہے، جس کی طرف نبی کریم ﷺ دعوت دے رہے ہیں، نہ کہ تحریف شدہ یہودیت
و نصرانیت۔

(۵) یہ اس بات پر دہید ہے کہ علم آجانے کے بعد بھی اگر محض ان پر خود غلط لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ان کی پیروی
کی تو تیرا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ یہ دراصل امت محمدیہ کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ اہل بدعت اور گمراہوں کی خوشنودی کے
لیے وہ بھی ایسا کام نہ کریں، نہ دین میں ہدایت اور بے جا تاویل کا ارتکاب کریں۔

أَلَدَيْنَ أَنفُسُهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَةٍ أُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ
بِهِ وَمَنْ يَنْزُرْ بِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٣﴾

جہنیں ہم نے کتاب دی ہے ^(۱) اور وہ اسے پڑھنے کے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں، ^(۲) وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کرے وہ نقصان والا ہے۔ ^(۳) (۱۱)

يُنَبِّئُ السَّاعَاتِ الْأَوَّلَ أَذْكُرُ وَاتَّقِ اللَّهَ إِنَّكَ كَمِنَ الْمُنْتَظَرِ ۝
فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ عَلَى الْعَيْنِ النَّظِيرِ ۝

اے اولاد یعقوب! میں نے جو نعمتیں تم پر انعام کی ہیں انہیں یاد کرو اور میں نے تو تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دے رکھی تھی۔ (۳۲)

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شِيعَاةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٥٥﴾

اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس کسی نفس کو کچھ
 قائم نہ پہنچا سکے گا، نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ قبول کیا
 جائے گا، نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے گی، نہ ان کی مدد
 کی جائے گی۔ (۱۳)

فَوَاصِلْ أَيْزِهِ رَبُّهُ بِحُلِيِّهِ مَا تَمْتَعُ قَالَ لِي جَالِيكَ
لِي نَاسٍ لِمَا لَهُ قَالَ وَبَيْنَ دُرَّتَيْهِ قَالَ لِي نَاسٍ لِي نَاسٍ

جب ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کے رب نے کئی کئی باتوں سے آزمایا^(۴) اور انہوں نے سب کو پورا کر دیا تو

(۱) اہل کتاب کے ناخلف لوگوں کے مذموم اخلاق و کردار کی ضروری تفصیل کے بعد ان میں جو کچھ لوگ صالح اور اچھے کردار کے تھے، اس آیت میں ان کی خوبیاں اور ان کے مومن ہونے کی خبر دی جا رہی ہے۔ ان میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دیگر افراد ہیں جن کو یہودیوں میں سے قبول اسلام کی توفیق حاصل ہوئی۔

(۲) ”وہ اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح پڑھنے کا حق ہے۔“ کے کئی مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً (۱) خوب توجہ اور غور سے پڑھتے ہیں۔ جنت کا ذکر آتا ہے تو جنت کا سوال کرتے اور جہنم کا ذکر آتا ہے تو اس سے بے پروا ہوجاتے ہیں۔ (۲) اس کے حلال کو حلال، حرام کو حرام سمجھتے اور کلام الہی میں تحریف نہیں کرتے (جیسے دوسرے یہودی کرتے تھے)۔ (۳) اس میں جو کچھ تحریر ہے، لوگوں کو بتلاتے ہیں، اس کی کوئی بات چھپاتے نہیں۔ (۴) اس کی محکم باتوں پر عمل کرتے، تشابہات پر ایمان رکھتے اور جو باتیں سمجھ میں نہیں آتیں، انہیں علامہ حل کراتے ہیں (۵) اس کی ایک ایک بات کا اتباع کرتے ہیں (فتح القدیر) واقعہ یہ ہے کہ حق تلاوت میں یہ سارے ہی منہج داخل ہیں اور ہدایت ایسے ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو مذکورہ باتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۳) اہل کتاب میں سے جو نبی ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں لائے گا، وہ جہنم میں جائے گا۔ کَمَا یُحِبُّ الصَّٰحِیْحُ (ابن کثیر)

(۳) کلمات سے مراد احکام شریعت، مناسک حج، ذبح پسر، ہجرت، نذر، نمود وغیرہ تمام آزمائشیں ہیں، جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام گزارے گئے اور ہر آزمائش میں کامیاب و کامران رہے، جس کے صلے میں امام الناس کے منصب پر

الْقَلِيلِ ۝

اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنادوں گا، عرض کرنے لگے: اور میری اولاد کو،^(۱) فرمایا میرا وعدہ ظالموں سے نہیں۔ (۱۳۳)

ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ثواب اور امن و امان کی جگہ بنایا،^(۲) تم مقام ابراہیم کو چائے نماز مقرر کر لو،^(۳) ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمَّا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَظْمَآءَ إِيَّاهُمْ وَسَبِّحْ أَن طَهَرَ آيَاتِنَا لِّلْعَالَمِينَ وَالْعَلِيِّينَ وَالَّذِينَ الشُّجُودِ ۝

فاز کیے گئے، چنانچہ مسلمان ہی نہیں، یہودی، عیسائی حتیٰ کہ مشرکین عرب سب ہی میں ان کی شخصیت محترم اور پیشوا مانی اور سبھی جاتی ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس خواہش کو پورا فرمایا، جس کا ذکر قرآن مجید میں ہی ہے: ﴿وَجَعَلْنَاهُ لِدِينِهِ قِبْلَتَهُ﴾ (العنکبوت۔ ۲۷) ”ہم نے نبوت اور کتاب کو اس کی اولاد میں کر دیا۔“ پس ہر نبی جسے اللہ نے مبعوث کیا اور ہر کتاب جو ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل فرمائی، اولاد ابراہیم ہی میں یہ سلسلہ رہا۔ (ابن کثیر) اس کے ساتھ ہی یہ فرما کر کہ ”میرا وعدہ ظالموں سے نہیں“ اس امر کی وضاحت فرمادی کہ ابراہیم کی اتنی اونچی شان اور عند اللہ منزلت کے باوجود، اولاد ابراہیم میں سے جو ناخلف اور ظالم و مشرک ہوں گے، ان کی شقاوت و محرومی کو دور کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پیہر زادی کی جزا کا دی ہے۔ اگر ایمان و عمل صالح نہیں، تو پیر زادی اور صاحب زادی کی بارگاہ الہی میں کیا حیثیت ہو گی؟ نبی ﷺ کا فرمان ہے: (مَنْ نَفَا بِوَعْدِهِ نَسَرَخَ بِهِ مَسْخًا) (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن) (جس کو اس کا عمل پیچھے چھوڑ کر، اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکے گا)

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے جو اس کے بانی اول ہیں، بیت اللہ کی دو خصوصیتیں اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمائیں۔ ایک ﴿مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾ (لوگوں کے لئے ثواب کی جگہ) دوسرے معنی ہیں بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ۔ جو ایک مرتبہ بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہو جاتا ہے، دوبارہ سہ بارہ آنے کے لئے بے قرار رہتا ہے۔ یہ ایسا شوق ہے جس کی کبھی تسکین نہیں ہوتی، بلکہ روز افزوں رہتا ہے۔ دوسری خصوصیت ”امن کی جگہ“ یعنی یہاں کسی دشمن کا بھی خوف نہیں رہتا چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ حدود حرم میں کسی دشمن جان سے بدلہ نہیں لیتے تھے۔ اسلام نے اس کے اس احترام کو باقی رکھا، بلکہ اس کی مزید تاکید اور توسیع کی۔

(۳) مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ کرتے رہے۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم کے نشانات ہیں۔ اب اس پتھر کو ایک شیشے میں محفوظ کر دیا گیا ہے، جسے ہر حاجی و معتمر طواف کے دوران ہاتھ دیکھتا ہے۔ اس مقام پر طواف مکمل کرنے کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے: ﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾۔

السلام) سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور احکاف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھو۔ (۱۳۵)

جب ابراہیم نے کہا: اے پروردگار! تو اس جگہ کو امن والا شریعت اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں، پھوس کی روزیاں دے۔^(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دوں گا، پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا، یہ پہنچنے کی جگہ بری ہے۔ (۱۳۶)

ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) کعبہ کی بنیادیں اور دیواریں اٹھاتے جاتے تھے اور کہتے جا رہے تھے کہ ہمارے پروردگار! تو ہم سے قبول فرما، تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (۱۳۷)

اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنی اطاعت گزار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما، تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔ (۱۳۸)

اے ہمارے رب! ان میں انہیں میں سے رسول بھیج^(۲) جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے، انہیں کتاب و

وَإِذْ قَالَ رَبُّهُمْ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ يُلَاقِهِمُ الْوَيْحُ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّوهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَفِيهَا الْعَذَابُ ۝

فَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَائِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعائیں قبول فرمائیں، یہ شہر امن کا گوارہ بھی ہے اور واوی غیر زری (غیر کھیتی والی) ہونے کے باوجود اس میں دنیا بھر کے پھل فروٹ اور ہر قسم کے غنہ کی وہ فراوانی ہے جسے دیکھ کر انسان حیرت و تعجب میں ڈوب جاتا ہے۔

(۲) یہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی آخری دعا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اور دس سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں“ (فتح الربانی، ج ۲، ص ۱۸۱ و ۱۸۹)

الْعَرَبِيَّةُ ۛ

حکمت^(۱) سکھائے اور انہیں پاک کرے^(۲) یقیناً تو غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔ (۱۲۹)

دین ابراہیمی سے وہی بے رنجی کرے گا جو محض بے وقوف ہو، ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکو کاروں میں سے ہے۔^(۳) (۱۳۰)

جب کبھی بھی انہیں ان کے رب نے کہا، فرمانبردار ہو جا، انہوں نے کہا، میں نے رب العالمین کی فرمانبرداری کی۔^(۴) (۱۳۱)

اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کی کہ ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند فرمایا ہے، خبردار! تم مسلمان ہی مرنے۔^(۵) (۱۳۲)

وَمَنْ يُرَغِّبْ عَنْ قِبْلَةِ رَبِّهِمْ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَا فِي الذِّكْرِ ذُلَّيًّا وَرَغَّبْنَا فِي الْأَجْرِ لَكِنَّ الضَّالِّينَ ۝

لَمَّا قَالَ لَهُ رَبِّي أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

وَوَضَّيْ بِعَاقِبَتِهِمْ بَيْنَهُ وَيَعْقُوبَ بْنَ إِدْرِيْنَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝

(۱) کتاب سے مراد قرآن مجید اور حکمت سے مراد حدیث ہے۔ تلاوت آیات کے بعد تعلیم کتاب و حکمت کے بین سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی نفس تلاوت بھی مقصود اور باعث اجر و ثواب ہے۔ تاہم اگر ان کا مفہوم و مطلب بھی سمجھ میں آتا جائے تو سبحان اللہ! سونے پر ساگہ ہے۔ لیکن اگر قرآن کا ترجمہ و مطلب نہیں آتا، تب بھی اس کی تلاوت میں کوئی جہز نہیں ہے۔ تلاوت بجائے خود ایک الگ اور نیک عمل ہے۔ تاہم اس کے مفہیم اور مطالب سمجھنے کی بھی حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے۔

(۲) تلاوت و تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کے بعد آپ ﷺ کی بعثت کا یہ چوتھا مقصد ہے کہ انہیں شرک و توہمات کی آرائشوں سے اور اخلاق و کردار کی کوتاہیوں سے پاک کریں۔

(۳) عربی زبان میں رَغِبَ کا صیغہ عز ہو تو اس کے معنی بے رنجی ہوتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ عظمت و فضیلت بیان فرما رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت میں عطا فرمائی ہے اور یہ بھی وضاحت فرمادی کہ ملت ابراہیم سے اعراض اور بے رنجی بے وقوفوں کا کام ہے، کسی عقل مند سے اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

(۴) یہ فضیلت و برگزیدگی انہیں اس لیے حاصل ہوئی کہ انہوں نے اطاعت و فرماں برداری کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔

(۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت یعقوب علیہ السلام نے الذین کی وصیت اپنی اولاد کو بھی فرمائی جو یہودیت نہیں اسلام ہی ہے، جیسا کہ یہاں بھی اس کی صراحت موجود ہے اور قرآن کریم میں دیگر متعدد مقامات پر بھی اس کی تفصیل آئے گی۔ جیسے ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ آل عمران ۸۵ وغیرہ ”اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے“

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ أَمْرِهِمْ لَمْ تَعْلَمُوا أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَنْزِلُ فِي الْفَجْرِ
يُنْزِلُ فِي الْفَجْرِ مَا تَحْكُمُونَ مِنَ بَعْدِ مَا قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتُمْ الْفَجْرَ
(الْبَقَرَةُ ۱۸۵) وَأَنْتُمْ لَهُ مُّسْلِمُونَ ۝

بَلْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ أَمْرِهِمْ لَمْ تَعْلَمُوا أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَنْزِلُ فِي الْفَجْرِ
يُنْزِلُ فِي الْفَجْرِ مَا تَحْكُمُونَ مِنَ بَعْدِ مَا قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتُمْ الْفَجْرَ
(الْبَقَرَةُ ۱۸۵) وَأَنْتُمْ لَهُ مُّسْلِمُونَ ۝

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ الْمَشْجَرِ ۚ
أَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَنْزِلُ فِي الْفَجْرِ يُنْزِلُ فِي الْفَجْرِ مَا تَحْكُمُونَ ۝

کیا (حضرت) یعقوب کے انتقال کے وقت تم موجود تھے؟ جب ^(۱) انہوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو سب نے جواب دیا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) کے معبود کی جو معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔ (۱۳۳)

یہ جماعت تو گزر چکی جو انہوں نے کیا وہ ان کے لئے ہے اور جو تم کرو گے تمہارے لئے ہے۔ ان کے اعمال کے بارے میں تم نہیں پوچھے جاؤ گے۔ ^(۲) (۱۳۴)

یہ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ تم کو بلکہ صحیح راہ پر ملت ابراہیمی والے ہیں اور ابراہیم خالص اللہ کے پرستار تھے اور مشرک نہ تھے۔ ^(۳) (۱۳۵)

(۱) یہود کو زبردستی کی جا رہی ہے کہ تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ابراہیم و یعقوب (علیہما السلام) نے اپنی اولاد کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی تھی تو کیا تم وصیت کے وقت موجود تھے؟ اگر وہ یہ کہیں کہ موجود تھے تو یہ کذب و زور اور ہتھکنڈا ہوا اور اگر یہ کہیں کہ حاضر نہیں تھے تو ان کا وہ دعویٰ غلط ثابت ہو گیا کیوں کہ انہوں نے جو وصیت کی وہ تو اسلام کی تھی نہ کہ یہودیت یا عیسائیت یا وحیت کی۔ تمام انبیاء کا دین اسلام ہی تھا اگرچہ شریعت اور طریقہ کار میں کچھ اختلاف رہا ہے۔ اس کو نبی ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے (الْأَنْبِيَاءُ نُؤَلِّدُ عَصَائِبَهُمْ، مُشَاهِدُهُمْ شَيْءٌ، وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ) (صحیح بخاری کتاب الأنبياء باب وأذكرهم في الكتاب مريم إذا استبدت من أهلها، "انبياء کی جماعت اور وعلائی ہیں" انکی مائیں مختلف (اور باپ ایک) ہے اور ان کا دین ایک ہی ہے۔"

(۲) یہ بھی یہود کو کہا جا رہا ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد میں جو انبیاء و صالحین ہو گزرے ہیں ان کی طرف نسبت کا کوئی فائدہ نہیں۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے اس کا صلہ انہیں ہی ملے گا، تمہیں نہیں، تمہیں تو وہی کچھ ملے گا جو تم کماؤ گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلاف کی نیکیوں پر اعتماد اور سارا غلط ہے۔ اصل چیز ایمان اور عمل صالح ہی ہے جو پچھلے صالحین کا بھی سرمایہ تھا اور قیامت تک آنے والے انسانوں کی نجات کا بھی واحد ذریعہ ہے۔

(۳) یہودی مسلمانوں کو یہودیت کی اور عیسائی عیسائیت کی دعوت دیتے اور کہتے کہ ہدایت اسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان سے کہو ہدایت ملت ابراہیم کی پیروی میں ہے جو حنیف تھا (یعنی اللہ واحد کا پرستار اور سب سے کٹ کر اسی کی عبادت کرنے والا) اور وہ مشرک نہیں تھا۔ جب کہ یہودیت اور عیسائیت دونوں میں شرک کی آمیزش موجود ہے۔

قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا مِنْ رَبِّهِ
وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا مِنْ رَبِّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا مِنْ رَبِّهِ
وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا مِنْ رَبِّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا مِنْ رَبِّهِ
وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا مِنْ رَبِّهِ ⑥

اے مسلمانو! تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے
اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو
چیز ابراہیم اسماعیل اسحاق یعقوب (علیہم السلام) اور
ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی
جانب سے موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) اور دوسرے
انبیا (علیہم السلام) دیئے گئے۔ ہم ان میں سے کسی کے
درمیان فرق نہیں کرتے، ہم اللہ کے فرمانبردار
ہیں۔^(۱) (۱۳۶)

اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں اور اگر منہ
موڑیں تو وہ صریح اختلاف میں ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے
عنقریب آپ کی کفایت کرے گا^(۲) اور وہ خوب سننے اور
جاننے والا ہے۔ (۱۳۷)

فَإِنْ آمَنُوا بِحُكْمِ رَبِّكَ فَهُمْ أُمَّةٌ مِّمَّنْ آمَنَ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاعِلُونَ
فَإِنْ آمَنُوا بِحُكْمِ رَبِّكَ فَهُمْ أُمَّةٌ مِّمَّنْ آمَنَ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاعِلُونَ
الْعَالِمِينَ ⑦

اور اب بد قسمتی سے مسلمانوں میں بھی شرک کے مظاہر عام ہیں، اسلام کی تعلیمات اگرچہ بحمد اللہ قرآن و حدیث میں
محفوظ ہیں، جن میں توحید کا تصور بالکل بے غبار اور نہایت واضح ہے، جس سے یودیت، عیسائیت اور ثنویت (دو خداؤں
کے قائل مذاہب) سے اسلام کا امتیاز نمایاں ہے لیکن مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے اعمال و عقائد میں جو مشرکانہ
اقدار و تصورات در آئے ہیں، اس نے اسلام کے امتیاز کو دنیا کی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے۔ کیوں کہ غیر مذاہب
والوں کی دسترس براہ راست قرآن و حدیث تک تو نہیں ہو سکتی، وہ تو مسلمانوں کے عمل کو دیکھ کر ہی یہ اندازہ کریں گے
کہ اسلام میں اور دیگر مشرکانہ تصورات سے آلودہ مذاہب کے مابین تو کوئی امتیازی نظر نہیں آتا۔ اگلی آیت میں ایمان کا
معیار بتادیا جا رہا ہے۔

(۱) یعنی ایمان یہ ہے کہ تمام انبیا علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو جو کچھ بھی ملایا نازل ہوا سب پر ایمان لایا
جائے، کسی بھی کتب یا رسول کا انکار نہ کیا جائے۔ کسی ایک کتاب یا نبی کو ماننا، کسی کو نہ ماننا، یہ انبیا کے درمیان تفریق
ہے جس کو اسلام نے جائز نہیں رکھا ہے۔ البتہ عمل اب صرف قرآن کریم کے ہی احکام پر ہو گا۔ پچھلی کتابوں میں لکھی
ہوئی باتوں پر نہیں کیوں کہ ایک تو وہ اصلی حالت میں نہیں رہیں، تحریف شدہ ہیں، دوسرے قرآن نے ان سب کو
منسوخ کر دیا ہے۔

(۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی مذکورہ طریقے پر ایمان لائے تھے، اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مثال دیتے ہوئے کہا جا رہا ہے
کہ اگر وہ اسی طرح ایمان لائے، تو پھر یقیناً وہ ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔
اگر وہ ضد اور اختلاف میں منہ موڑیں گے، تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ان کی سازشیں آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ
عَبِيدُونَ ﴿۱۳۸﴾

قُلْ أَطِيعُوا تِلْكَ الْإِلهَ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَكُنَّا عُمَّالَتَا
وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ غُلَامُونَ ﴿۱۳۹﴾

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى قُلْ إِنَّمَا أَعْلِمُوا بِ
اللَّهِ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ
وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۰﴾

اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے اچھا رنگ کس کا ہو گا؟^(۱) ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ (۱۳۸)
آپ کہہ دیجئے کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو جو ہمارا اور تمہارا رب ہے ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہم تو اسی کے لئے تخلص ہیں۔^(۲) (۱۳۹)

کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ کہہ دو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟^(۳) اللہ کے پاس شہادت چھپانے والے سے زیادہ خالم اور کون ہے؟ اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل

کی کیوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی کفایت کرنے والا ہے۔ چنانچہ چند سالوں میں ہی یہ وعدہ پورا ہوا اور بنو قینقاع اور بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا اور بنو قریظہ قتل کیے گئے۔ تاریخی روایات میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ایک مصحف عثمان ان کی اپنی گود میں تھا اور اس آیت کے جملہ ﴿مَسِيحِينَ يُلْقُوهُمُ اللَّهُ﴾ پر ان کے خون کے چھینٹے گرے بلکہ دھار بھی۔ کہہ جاتا ہے یہ مصحف آج بھی ترکی میں موجود ہے۔

(۱) عیسائیوں نے ایک زرد رنگ کا پنی مقرر کر رکھا ہے جو ہر عیسائی بچے کو بھی اور ہر اس شخص کو بھی دیا جاتا ہے جس کو عیسائی بنانا مقصود ہوتا ہے۔ اس رسم کا نام ان کے ہاں ”پتسمہ“ ہے۔ یہ ان کے نزدیک بہت ضروری ہے اس کے بغیر وہ کسی کو پاک تصور نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور کہا کہ اصل رنگ تو اللہ کا رنگ ہے اس سے بہتر کوئی رنگ نہیں اور اللہ کے رنگ سے مراد وہ دین فطرت یعنی دین اسلام ہے جس کی طرف ہر نبی نے اپنے اپنے دور میں اپنی اپنی امتوں کو دعوت دی۔ یعنی دعوت توحید۔

(۲) کیا تم ہم سے اس بارے میں جھگڑتے ہو کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں اسی کے لیے اخلاص و دنیا زمنندی کے جذبات رکھتے ہیں اور اس کے اوامر کا اتباع اور نواہی سے اجتناب کرتے ہیں حالانکہ وہ ہمارا رب ہی نہیں تمہارا بھی ہے اور تمہیں بھی اس کے ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہیے جو ہم کرتے ہیں اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہمارا عمل ہمارے ساتھ۔ ہم تو اسی کے لیے اخلاص عمل کا اہتمام کرنے والے ہیں۔

(۳) تم کہتے ہو کہ یہ انبیاء اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھی جب کہ اللہ تعالیٰ اس کی نفی فرماتا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ زیادہ علم اللہ کو ہے یا تمہیں؟

نہیں۔^(۱) (۱۳۰)

یہ امت ہے جو گزر چکی، جو انہوں نے کیا ان کے لئے
ہے اور جو تم نے کیا تمہارے لئے، تم ان کے اعمال کے
بارے میں سوال نہ کئے جاؤ گے۔^(۲) (۱۳۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَدْ حَلَّتْ لَكُمْ مَا كُتِبَتْ وَلَكُمْ مَا كُتِبَتْ
وَلَا تَسْأَلُونَهُ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣١﴾

(۱) تمہیں معلوم ہے کہ یہ انبیاء ہودی یا عیسائی نہیں تھے، اسی طرح تمہاری کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی نشانیاں بھی
موجود ہیں، لیکن تم ان شہادتوں کو لوگوں سے چھپا کر ایک بڑے ظلم کا ارتکاب کر رہے ہو جو اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔
(۲) اس آیت میں پھر کسب و عمل کی اہمیت بیان فرما کر بزرگوں کی طرف انتساب یا ان پر اعتماد کو بے فائدہ قرار دیا گیا۔
کیوں کہ میں بظاہر عملہ لم یرع بہ نسبہ اصحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فصل الاجتماع
علی تلاوة القرآن، ”جس کو اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا“ اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھائے گا“ مطلب ہے کہ اسلاف
کی نیکیوں سے تمہیں کوئی فائدہ اور ان کے گناہوں پر تم سے مواخذہ نہیں ہو گا، بلکہ ان کے عملوں کی بابت تم سے یا
تمہارے عملوں کی بابت ان سے نہیں پوچھا جائے گا۔ ﴿وَلَا تَسْأَلُونَهُ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (فاطر - ۱۸) ﴿وَلَنْ لِّئْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾ (النجم - ۳۹) ”کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“ ”انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی سعی اس نے کی۔“

سَيَقُولُ الشُّفَعَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ عَنَّا وَعَلَيْهِمُ الْبَقَرَةُ
كَانُوا عَلَيْهَا قُلُوبًا شُرُكًا وَالْمَقْبُورَاتُ يُعَذِّبُنَّ مِنْ قِبَلِهِ
إِلَٰهٌ جَوَادٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۲۱﴾

عقرب نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے اس
سے انہیں کس چیز نے ہٹایا؟ آپ کہہ دیجئے کہ مشرق و
مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے ^(۱) وہ جسے چاہے سیدھی
راہ کی ہدایت کر دے۔ (۱۳۲)

وَلَذَٰلِكَ جَعَلْنَاهُ آتَةً وَسَطًا لِّتُؤْذِنَهُ عَلَى النَّاسِ وَيُؤْذِنُوا
الرُّسُولَ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۖ وَاجْعَلْنَا الْفِتْنَةَ الْبَيْنَ كُنْتُمْ عَلَيْهَا
إِلَٰهًا تَعْلَمُونَ يَكْفُرُ الرُّسُولُ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقْبَيْهِ
وَإِنْ كَانَتْ لَكُمُ الْيُودُ الْأُنثَىٰ الَّذِيْنَ هَدَىٰ لِلَّهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ
لِيُضِلَّ عِبَادَهُ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۲﴾

ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے ^(۲) تاکہ تم
لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر
گواہ ہو جائیں جس قبلہ پر تم پہلے سے تھے اسے ہم نے
صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم جان میں کہ رسول کا سچا
تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں کے بل پیٹ

(۱) جب آنحضرت ﷺ کے سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو ۱۶، ۱۷ مئی تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، درآں حایکہ آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ خانہ کعبہ کی طرف ہی رخ کر کے نماز پڑھی جائے جو قبلہ ابراہیمی ہے۔ اس کے لیے آپ ﷺ دعا بھی فرماتے اور بار بار آسمان کی طرف نظر بھی اٹھاتے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کا حکم دے دیا جس پر یہودیوں اور منافقین نے شور مچا دیا، حالانکہ نماز اللہ کی ایک عبادت ہے اور عبادت میں عابد کو جس طرح حکم ہوتا ہے، اس طرح کرنے کا وہ پابند ہوتا ہے، اس لیے جس طرف اللہ نے رخ پھیر دیا، اس طرف پھر جانا ضروری تھا۔ علاوہ ازیں جس اللہ کی عبادت کرنی ہے مشرق، مغرب ساری جہتیں اسی کی ہیں، اس لیے جہتوں کی کوئی اہمیت نہیں، ہر جہت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو سکتی ہے، بشرطیکہ اس جہت کو اختیار کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہو۔ تحویل قبلہ کا یہ حکم نماز عصر کے وقت آیا اور عصر کی نماز خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی۔

(۲) وَسَطٌ کے لغوی معنی تو درمیان کے ہیں، لیکن یہ بستر اور افضل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یہاں اسی معنی میں اس کا استعمال ہوا ہے، یعنی جس طرح تمہیں سب سے بستر قبلہ عطا کیا گیا ہے، اسی طرح تمہیں سب سے افضل امت بھی بنایا گیا ہے اور مقصد اس کا یہ ہے کہ تم لوگوں پر گواہی دو۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے ﴿لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شَهِيدًا عَلَى النَّاسِ﴾ (سورہ الحج - ۷۸) ”رسول تم پر اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔“ اس کی وضاحت بعض احادیث میں اس طرح آئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے قیامت والے دن پوچھے گا کہ تم نے میرا پیغام لوگوں تک پہنچایا تھا؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تمہارا کوئی گواہ ہے؟ وہ کہیں گے ہاں محمد ﷺ اور ان کی امت، چنانچہ یہ امت گواہی دے گی۔ اس لیے اس کا ترجمہ عادل بھی کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر) ایک معنی وسط کے اعتدال کے بھی کیے گئے ہیں، یعنی امت معتدل یعنی افراط و تفریط سے پاک۔ یہ اسلام کی تعلیمات کے اعتبار سے ہے کہ اس میں اعتدال ہے، افراط و تفریط نہیں۔

جاتا ہے^(۱) گو یہ کام مشکل ہے، مگر جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے (ان پر کوئی مشکل نہیں) اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان ضائع نہ کرے گا^(۲) اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔ (۱۳۳)

ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اب ہم آپ کو اس قبلہ کی جانب متوجہ کریں گے جس سے آپ خوش ہو جائیں، آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور آپ جہاں کہیں ہوں اپنا منہ اسی طرف پھیرا کریں۔ اہل کتاب کو اس بات کے اللہ کی طرف سے برحق ہونے کا قطعی علم ہے^(۳) اور اللہ تعالیٰ ان اعمال سے غافل نہیں جو یہ کرتے ہیں۔ (۱۳۴)

اور آپ اگرچہ اہل کتاب کو تمام دلیلیں دے دیں لیکن

قَدْ زَيَّرْنَا قُلُوبَكَ وَجَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ قُلُوبًا لَّيْلَتِكَ قَبْلَةً تَرْضَعُهَا قَوْلٌ
وَجَعَلْنَا سَطْرَ السَّجْدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ قَوْلُوا وَجُوهَكُمْ
شَهْرَةً قَوْلَ الْوَيْلِ أُولَئِكَ لِيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ
وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۴﴾

وَلَيْنَ آيَاتِنَا الَّذِينَ أُولُوا الْكِتَابَ لَجِلَ آيَاتِهِمْ فَأَتَيْنَاهُمُ

(۱) یہ تحویل قبلہ کی ایک غرض بیان کی گئی ہے، مومنین صادقین تو رسول اللہ ﷺ کے اشارۃ ایو کے منتظر رہا کرتے تھے، اس لیے ان کے لیے تو ادھر سے ادھر پھر جانا کوئی مشکل معاملہ نہ تھا بلکہ ایک مقام پر تو عین نماز کی حالت میں جب کہ وہ رکوع میں تھے یہ حکم پہنچا تو انہوں نے رکوع ہی میں اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف پھیر لیا۔ یہ مسجد قبلتین (یعنی وہ مسجد جس میں ایک نماز دو قبوں کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی) کہلاتی ہے اور ایسا ہی واقعہ مسجد قبلہ میں بھی ہوا۔ لَعَلَّكُمْ (تاکہ ہم جان لیں) اللہ کو تو پہلے بھی علم تھا، اس کا مطلب ہے تاکہ ہم اہل یقین کو اہل شک سے علیحدہ کر دیں تاکہ لوگوں کے سامنے بھی دونوں قسم کے لوگ واضح ہو جائیں (فتح القدیر)

(۲) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے زمانے میں فوت ہو چکے تھے، یا ہم جتنے عرصے اس طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے ہیں یہ ضائع ہو گئیں، یا شاید ان کا ثواب نہیں ملے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ نمازیں ضائع نہیں ہوں گی، تمہیں پورا ثواب ملے گا۔ یہاں نماز کو ایمان سے تعبیر کر کے یہ بھی واضح کر دیا کہ نماز کے بغیر ایمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایمان تب ہی معتبر ہے جب نماز اور دیگر احکام الہی کی پابندی ہوگی۔

(۳)۔ اہل کتاب کے مختلف صحیفوں میں خانہ کعبہ کے قبلہ آخر الانبیاء ہونے کے واضح اشارات موجود ہیں۔ اس لیے اس کا برحق ہونا انہیں یقینی طور پر معلوم تھا، مگر ان کا نسلی غرور و حسد قبول حق میں رکاوٹ بن گیا۔

وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قَوْلَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قَوْلَ بَعْضٍ
وَلَيْبِ اتَّبَعَتْ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ لَوْحِينَ
الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الْغَالِبِينَ ﴿۵۰﴾

وہ آپ کے قلم کی پیروی نہیں کریں گے^(۱) اور نہ آپ
ان کے قلم کو ماننے والے ہیں^(۲) اور نہ یہ آپس میں
ایک دوسرے کے قلم کو ماننے والے ہیں^(۳) اور اگر
آپ باوجودیکہ آپ کے پاس علم آچکا پھر بھی ان کی
خواہشوں کے پیچھے لگ جائیں تو بالیقین آپ بھی
ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔^(۴) (۱۳۵)

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِشِرْكٍ قَوْمٍ
يَتَّبِعُونَ آيَاتِنَا وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِي شَيْءٍ مَنَافَعٌ قَلِيلٌ
فَلَا يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۱﴾

جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں
جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے، ان کی ایک جماعت حق کو
پہچان کر پھر چھپاتی ہے۔^(۵) (۱۳۶)

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِشِرْكٍ قَوْمٍ
يَتَّبِعُونَ آيَاتِنَا وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِي شَيْءٍ مَنَافَعٌ قَلِيلٌ
فَلَا يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۱﴾

آپ کے رب کی طرف سے یہ سراسر حق ہے، خبردار
آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔^(۶) (۱۳۷)
ہر شخص ایک نہ ایک طرف متوجہ ہو رہا ہے^(۷) تم

وَلِكُلٍّ رُحْمَةٌ مِّنْ مَّوْءَانَا فَاسْتَبِقُوا الْحَيَاتِ إِنَّ مَوَاقِلَهُمْ

(۱) کیوں کہ یہودی مخالفت تو حسد و عناد کی بنا پر ہے، اس لیے دلائل کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ گویا اثر پذیری کے لیے
ضروری ہے کہ انسان کا دل صاف ہو۔

(۲) کیونکہ آپ ﷺ وحی الہی کے پابند ہیں، جب تک آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے ایسا حکم نہ ملے آپ انکے قلم کو
کیوں کراہتیار کر سکتے ہیں۔

(۳) یہود کا قبلہ صخرۃ بیت المقدس اور عیسائیوں کا بیت المقدس کی شرقی جانب ہے۔ جب اہل کتاب کے یہ دو گروہ بھی
ایک قلم پر متفق نہیں تو مسلمانوں سے کیوں یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں ان کی موافقت کریں گے۔

(۴) یہ وعید پہلے بھی گزر چکی ہے، مقصد امت کو متنبہ کرنا ہے کہ قرآن و حدیث کے علم کے باوجود اہل بدعت کے پیچھے
لگنا، ظلم اور گمراہی ہے۔

(۵) یہاں اہل کتاب کے ایک فریق کو حق کے چھپانے کا مجرم قرار دیا گیا ہے، کیوں کہ ان میں ایک فریق عبد اللہ بن
سلام بن مرثدہ جیسے لوگوں کا بھی تھا جو اپنے صدق و صفائے باطنی کی وجہ سے شرف بہ اسلام ہوا۔

(۶) پیغمبر اللہ کی طرف سے جو بھی حکم اترتا ہے، وہ یقیناً حق ہے، اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۷) یعنی ہر مذہب والے نے اپنا پسندیدہ قلم بنا رکھا ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے۔ ایک دوسرا مفہوم
یہ ہے کہ ہر ایک مذہب نے اپنا ایک منہج اور طریقہ بنا رکھا ہے، جیسے قرآن مجید کے دوسرے مقام پر ہے
﴿لِكُلِّ جَمَلَةٍ مِّنْكُمْ شِرْكٌ﴾ ﴿وَمِنْهَا جَاوِلَتْكَ لَهْمُكَ لَمْ يَكُنْ لَكَ وَاحِدَةٌ وَلَكِنْ لِّبَنَاتِكَ﴾ ﴿فِي مَا كُنْتُمْ﴾ ﴿الْمائدة - ۳۸﴾ یعنی اللہ تعالیٰ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا جَعَلْنَا لَكُمُ الْكُفْرَ حَرَامًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَبِيلًا مُبِينًا ۝

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنِ اعْتَصِمْتَ إِلَّا بِنَفْسِكَ فَإِنَّكَ أَكْفَرُ مِنْ ذَلِكَ وَالْمَلَأَ قُلُوبَهُمْ قِلَاسًا وَعَصَىٰ مَوْلَاهُ يَاسِينَ ۝

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ فَلَا يُكُونُ لَكُمْ أَلْتَأْسَ عَلَيْكُمْ حَبْشَةٌ إِلَّا الَّذِينَ يَكْفُرُوا بِهِمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَصَىٰ ۝

نیکوں کی طرف دوڑو۔ جہاں کہیں بھی تم ہو گے، اللہ تمہیں لے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۳۸)
آپ جہاں سے نکلیں اپنا منہ (نماز کے لئے) مسجد حرام کی طرف کر لیا کریں، یہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے، جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں۔ (۱۳۹)

اور جس جگہ سے آپ نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور جہاں کہیں تم ہو اپنے چہرے اسی طرف کیا کرو^(۱) تاکہ لوگوں کی کوئی حجت تم پر باقی نہ رہ جائے^(۲) سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے^(۳) تم ان سے نہ ڈرو^(۴) مجھ ہی سے ڈرو اور تاکہ

نے ہدایت اور ضلالت دونوں کی وضاحت کے بعد انسان کو ان دونوں میں سے کسی کو بھی اختیار کرنے کی جو آزادی دی ہے، اس کی وجہ سے مختلف طریقے اور دستور لوگوں نے بنا لیے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ایک ہی راستے یعنی ہدایت کے راستے پر چلا سکتا تھا، لیکن یہ سب اختیارات کے بغیر ممکن نہ تھا اور اختیار دینے سے مقصود ان کا امتحان ہے۔ اس لیے اے مسلمانو! تم تو خیرات کی طرف سبقت کرو، یعنی نیکی اور بھلائی ہی کے راستے پر گامزن رہو اور یہ وحی الہی اور اتباع رسول ﷺ ہی کا راستہ ہے جس سے دیگر اہل ایمان محروم ہیں۔

(۱) قبلہ کی طرف منہ پھیرنے کا حکم تین مرتبہ دہرایا گیا ہے، یا تو اس کی تاکید اور اہمیت واضح کرنے کے لیے، یا یہ چوں کہ نسخ حکم کا پہلا تجربہ تھا، اس لیے ذہنی خلجان دور کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اسے بار بار دہرا کر دلوں میں راسخ کر دیا جائے، یا تعدد علت کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔ ایک علت نبی ﷺ کی مرضی اور خواہش تھی، وہاں اسے بیان کیا۔ دوسری علت، ہر اہل ملت اور صاحب دعوت کے لیے ایک مستقل مرکز کا وجود ہے، وہاں اسے دہرایا۔ تیسری علت، مخالفین کے اعتراضات کا ازالہ ہے، وہاں اسے بیان کیا گیا ہے (فتح القدیر)

(۲) یعنی اہل کتاب یہ نہ کہہ سکیں کہ ہماری کتابوں میں تو ان کا قبلہ خانہ کعبہ ہے اور نماز یہ بیت المقدس کی طرف پڑھتے ہیں۔

(۳) یہاں طَلَمُوا سے مراد معاندین (عناد رکھنے والے) ہیں یعنی اہل کتب میں سے جو معاندین ہیں، وہ یہ جاننے کے باوجود کہ پیغمبر آخر الزماں ﷺ کا قبلہ خانہ کعبہ ہی ہو گا، وہ بطور عناد کہیں گے کہ بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو اپنا قبلہ بنا کر یہ پیغمبر ﷺ بلا خراسان اپنے آبائی دین ہی کی طرف مائل ہو گیا ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔

(۴) ظالموں سے نہ ڈرو۔ یعنی مشرکوں کی باتوں کی پروا مت کرو۔ انہوں نے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) نے ہمارا قبلہ تو اختیار

میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور اس لئے بھی کہ تم
راہ راست پاؤ (۱۵۰)

جس^(۱) طرح ہم نے تم میں تمہیں میں سے رسول بھیجی جو
ہماری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمہیں
پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت اور وہ چیزیں
سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے۔ (۱۵۱)

اس لئے تم میرا ذکر کرو، میں بھی تمہیں یاد کروں گا، میری
شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو (۱۵۲)

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو، اللہ تعالیٰ
صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ (۱۵۳)

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ
وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ
الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾

کر لیا ہے، عنقریب ہمارا دین بھی اپنا لیں گے۔ ”مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔“ جو حکم میں دیتا رہوں، اس پر بلا خوف عمل
کرتے رہو۔ تحویل قبلہ کو اتمام نعمت اور ہدایت یا منتقلی سے تعبیر فرمایا کہ حکم الہی پر عمل کرنا یقیناً انسان کو انجام و اکرام کا
مستحق بھی بناتا ہے اور ہدایت کی توفیق بھی اسے نصیب ہوتی ہے۔

(۱) کما (جس طرح) کا تعلق ما قبل کلام سے ہے، یعنی یہ اتمام نعمت اور توفیق ہدایت تمہیں اس طرح ملی جس طرح اس
سے پہلے تمہارے اندر تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہارا تزکیہ کرتا، کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا اور جن کا تمہیں
علم نہیں، وہ سکھاتا ہے۔

(۲) پس ان نعمتوں پر تم میرا ذکر اور شکر کرو۔ کفران نعمت مت کرو۔ ذکر کا مطلب ہر وقت اللہ کو یاد کرنا ہے، یعنی اس
کی تسبیح، تحلیل اور بحکیر بلند کرو اور شکر کا مطلب اللہ کی دی ہوئی قوتوں اور توانائیوں کو اس کی اطاعت میں صرف کرنا
ہے۔ خدا داد قوتوں کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کرنا، یہ اللہ کی ناشکر گزاری (کفران نعمت) ہے۔ شکر کرنے پر
مزید احسانات کی نوید اور ناشکری پر عذاب شدید کی وعید ہے۔ ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي
لَشَدِيدٌ﴾ (ابراہیم۔ ۷)

(۳) انسان کی دینی حالتیں ہوتی ہیں آرام و راحت (نعمت) یا تکلیف و پریشانی۔ نعمت میں شکر الہی کی تلقین اور
تکلیف میں صبر اور اللہ سے استعانت کی تاکید ہے۔ حدیث میں ہے ”مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اسے خوشی پہنچتی
ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے۔ دونوں ہی حالتیں اس کے لیے خیر ہیں“ (اصحیح
مسلم کتاب الرہد والرفاق، باب الصوم، کلمہ حیدر حدیث ۳۴۹۹) صبر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محرمات اور
معاصی کے ترک اور اس سے بچنے پر اور لذتوں کے قربان اور عارضی فائدوں کے نقصان پر صبر۔ دوسرا احکام الہیہ کے
بجالانے میں جو مشقتیں اور تکلیفیں آئیں، انہیں صبر و ضبط سے برداشت کرنا۔ بعض لوگوں نے اس کو اس طرح تعبیر کیا

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتُلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَمْيَاتٌ وَلَكِنْ
يُرْسِلُكُمْ فِيهِ ۝۱۵۴

وَلَكُمْ فِي مَنَاسِكِ الْحَجِّ وَالْعُجُوزِ وَنَقِصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ
وَالْأَلْفِيسِ وَالشَّعْرَةِ وَكَثِيرٍ مِنَ الْأَشْيَاءِ ۝۱۵۵

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ مُمِصِبَةٌ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ وَآلَهُ لِيَبْغُوا
رِجْعُونَ ۝۱۵۶

أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ ۝۱۵۷

إِنَّ الصَّلَاةَ وَالزَّكَاةَ وَرِيقَ الْبَيْتِ لَمَنْ حَبَّ الْبَيْتَ لَوَاعَتَمَرُ
فَلَا حُجَّتَ عَلَيْهِمْ أَنْ يَتَلَوْنَ بِهَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا لَمْ يَكُنْ

اور اللہ تعالیٰ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ مت کہو^(۱) وہ
زندہ ہیں، لیکن تم نہیں سمجھتے۔ (۱۵۴)

اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں
گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور
پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری
دے دیجئے (۱۵۵)

جنہیں، جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے
ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی
طرف لوٹنے والے ہیں (۱۵۶)

ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی
لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔^(۲) (۱۵۷)

صفا اور مردہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں،^(۳) اس
لئے بیت اللہ کا حج و عمرہ کرنے والے پر ان کا طواف کر
لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں^(۴) اپنی خوشی سے بھلائی

ہے۔ اللہ کی پسندیدہ باتوں پر عمل کرنا چاہے وہ نفس و بدن پر کتنی ہی گراں ہوں اور اللہ کی ناپسندیدہ باتوں سے بچنا چاہے
خوابشات و لذات اس کو اس کی طرف کتنا ہی کھینچیں۔ (ابن کثیر)۔

(۱) شہدا کو مردہ نہ کہنا، ان کے اعزاز و تکریم کے لیے ہے۔ یہ زندگی برزخ کی زندگی ہے جسے ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ
زندگی علی قدر مراتب انبیاء و مومنین، حتیٰ کہ کفار کو بھی حاصل ہے۔ شہید کی روح اور بعض روایات میں مومن کی روح
بھی ایک پرندے کے جوف (باسینہ) میں جنت میں جہاں چاہتی ہے پھرتی ہے (ابن کثیر، نیز دیکھیے آل عمران۔ ۱۶۹)

(۲) ان آیات میں صبر کرنے والوں کے لیے خوش خبریاں ہیں۔ حدیث میں نقصان کے وقت ﴿إِنَّا لَنُؤْتِيَنَّكَ الْيُسْرَىٰ وَنَجْعُونَ﴾
کے ساتھ ﴿اللَّهُمَّ احْزِنِي فِي مَصِيبَتِي﴾، وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا پڑھنے کی بھی فضیلت اور تاکید آئی ہے۔ (صحیح
مسلم، کتاب الجنائز، باب ما يقال عند المصيبة، حدیث ۹۱۸)

(۳) شَعَائِرُ شَعِيرَةٌ کی جمع ہے، جس کے معنی علامت کے ہیں، یہاں حج کے وہ مناسک (مثلاً موقف، سعی، منحر، ہدی
(قریانی) کو اشعار کرنا وغیرہ) مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔

(۴) صفا اور مردہ کے درمیان سعی کرنا حج کا ایک رکن ہے۔ لیکن قرآن کے الفاظ (کوئی گناہ نہیں) سے بعض صحابہ
اللہ تعالیٰ کو یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ ضروری نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم میں جب یہ بات آئی تو انہوں نے

اللّٰهُ شَآكِرٌ عَلِيمٌ ﴿۱۵۸﴾

کرنے والوں کا اللہ قدر دان ہے اور انہیں خوب جاننے والا ہے۔ (۱۵۸)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بُعْدٍ
فَأَنذَرْتَهُمْ لِنَارٍ فِي الْكِتَابِ وَلَئِنْ يَدْعُهُمْ اللّٰهُ
وَيَدْعُهُمُ الْمَلَائِكَةُ ﴿۱۵۹﴾

جو لوگ ہماری آتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں، ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔ (۱۵۹)

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنَّوْا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ
عَلَيْهِمْ وَأَنَا الْتَوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶۰﴾

مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور بیان کر دیں تو میں ان کی توبہ قبول کر لیتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہوں۔ (۱۶۰)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ لَافِقًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ
لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۶۱﴾

یقیناً جو کفار اپنے کفر میں ہی مر جائیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ (۱۶۱)

فرمایا اگر اس کا یہ مطلب ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا (فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطُوفَ بِهِمَا) (اگر ان کا طواف نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں) پھر اس کی شان نزول بیان فرمائی کہ انصار قبول اسلام سے قبل مٹاء طاغیہ (بت) کے نام کا تلبیہ پکارتے جس کی وہ مثل پہاڑی پر عبادت کرتے تھے اور پھر مکہ پہنچ کر ایسے لوگ صفامروہ کے درمیان سعی کو گناہ سمجھتے تھے مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں کہا گیا کہ صفامروہ کے درمیان سعی گناہ نہیں۔ (اصحیح بخاری، کتاب الحج باب وجوب الصغار والصrouة، بعض حضرات نے اس کا پس منظر اس طرح بیان فرمایا ہے کہ جاہلیت میں مشرکوں نے صفا پہاڑی پر ایک بت (اساف) اور مروہ پہاڑی پر نائلہ بت رکھا ہوا تھا جنہیں وہ سعی کے دوران بوسہ دیتے یا چھوتے۔ جب لوگ مسلمان ہوئے تو ان کے ذہن میں آیا کہ صفامروہ کے درمیان سعی تو شاید گناہ ہو کیوں کہ اسلام سے قبل دو بتوں کی وجہ سے سعی کرتے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس دہم اور غش کو دور فرمادیا۔ اب یہ سعی ضروری ہے جس کا آغاز صفا سے اور خاتمہ مروہ پر ہوتا ہے۔ (ایسر التفاسیر)

(۱)۔ اللہ تعالیٰ نے جو باتیں اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہیں، انہیں چھپانا اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ کے عداد دیگر لعنت کرنے والے بھی اس پر لعنت کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے: «مَنْ سَتَلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ، أَهْلَجَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَلْعَامٍ مِنْ نَارِ» (ابوداؤد، کتاب العلم باب کراہیۃ منع العلم، ومن ترمذی حدیث ۶۵۱ وقال حدیث حسن) "جس سے کوئی ایسی بات پوچھی گئی جس کا اس کو علم تھا اور اس نے اسے چھپایا تو قیامت والے دن آگ کی لگام اس کے منہ میں دی جائے گی۔"

(۲)۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن کی بابت یقینی علم ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے، ان پر لعنت جائز ہے، لیکن ان کے

خَلِيدِينَ فِيهَا لَا يَخَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْقَرُونَ ﴿٢٠﴾

وَالْمُحَرَّمَاتُ اِلَّا ذَاكَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿٢١﴾

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْخِلَافِ الَّتِي بَيْنَ الْهَلَاكِ

وَالْقَاتِ الْبَيْنِ نَجْوً لِّمَنْ يَشَاءُ يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَسْزَلَ اللَّهُ

مِّنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَخْبَاهُ الْبُرْهَانُ بَعْدَ مُوْتَعَا

وَبَتَّى فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالشَّعَابِ

الْمُتَحَرِّينَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَتُومَرُ يَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾

فَوَيْلٌ لِلنَّاسِ مَنِ يَعْجِدُونَ دُونِ اللَّهِ أَنْذَارًا لِّمَنْ يَخْشَى

جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی۔ (۲۰)

تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ^(۱) وہ بہت رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ (۲۱)

آسمانوں اور زمین کی پیدائش رات دن کا ہیر پھیر کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لئے ہوئے سمندوں میں چلنا آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو زندہ کرنا ^(۲) اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا ہواؤں کے رخ بدلنا اور بادل جو آسمان اور زمین کے درمیان سفر ہیں ان میں عقلمندوں کے لئے قدرت الہی کی نشانیاں ہیں۔ (۲۲)

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے

علاوہ کسی بھی بڑے سے بڑے گنہگار مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ ممکن ہے مرنے سے پہلے اس نے توبہ نصوح کر لی ہو یا اللہ نے اس کے دیگر نیک اعمال کی وجہ سے اس کی غلطیوں پر قلم غفور پھیر دیا ہو۔ جس کا علم ہمیں نہیں ہو سکتا۔ البتہ جن بعض معاصی پر لعنت کا لفظ آیا ہے ان کے مرتکبین کی بابت کہا جاسکتا ہے کہ یہ لعنت والے کام کر رہے ہیں ان سے اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو یہ بارگاہ الہی میں طعون قرار پا سکتے ہیں۔

(۱) اس آیت میں پھر دعوت توحید دی گئی ہے۔ یہ دعوت توحید مشرکین مکہ کے لیے ناقابل فہم تھی انہوں نے کہا: ﴿أَجْعَلِ اللَّهُ لَنَا آيَةً وَأَوْفِيَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ هَٰذَا الْقَوْمِ هَٰذَا﴾ (سورہ ص ۵۰) "کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا یہ تو بڑی عجیب بات ہے"۔ اس لیے اگلی آیت میں اس توحید کے دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔

(۲) یہ آیت اس لحاظ سے بڑی جامع ہے کہ کائنات کی تخلیق اور اس کے نظم و تدبیر کے متعلق سات اہم امور کا اس میں یکجا تذکرہ ہے جو کسی اور آیت میں نہیں۔

۱۔ آسمان اور زمین کی پیدائش جن کی وسعت و عظمت محتاج بیان ہی نہیں۔

۲۔ رات اور دن کا یکے بعد دیگرے آنا دن کو روشنی اور رات کو اندھیرا کر دینا تاکہ کاروبار معاش بھی ہو سکے اور آرام بھی۔ پھر رات کا لہبا اور دن کا چھوٹا ہونا اور پھر اس کے برعکس دن کا لہبا اور رات کا چھوٹا ہونا۔

۳۔ سمندر میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا جن کے ذریعے سے تجارتی سفر بھی ہوتے ہیں اور فلوں کے حساب سے

اِنَّهُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّكَوَلَوْ تَرَى الْذِيْنَ ظَلَمُوْا اِذْ
يَرْدُّنَ الْعَذَابَ لَنَ الْفَوْقَةَ يَلُوْجُوْنَ فِيْهَا وَنَاقَ

اِنَّهُ شَهِيدًا لِّلْعَذَابِ ﴿۵۱﴾

اِذْ تَبَرَّأَ الَّذِيْنَ اٰطَعُوْا مِنْ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَرَآهُمُ الْعَذَابَ
وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمُ الْكِتَابَ ﴿۵۲﴾

ہونی چاہئے^(۱) اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت
سخت ہوتے ہیں^(۲) کاش کہ مشرک لوگ جانتے جب کہ
اللہ کے عذاب کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت
اللہ ہی کو ہے اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے (تو
ہرگز شرک نہ کرتے)۔ (۱۴۵)

جس وقت پیشوا لوگ اپنے تابعداروں سے بیزار ہو
جائیں گے اور عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے
اور کل رشتے ٹٹے ٹٹے ٹوٹ جائیں گے۔ (۱۴۶)

سمان رزق و آسائش بھی ایک جگہ سے دو سری جگہ منتقل ہوتا ہے۔

۴۔ بارش جو زمین کی شادابی و روئیدگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔

۵۔ ہر قسم کے جانوروں کی پیدائش، جو نقل و حمل، کھیتی باڑی اور جنگ میں بھی کام میں آتے ہیں اور انسانی خوراک کی
بھی ایک بڑی مقدار ان سے پوری ہوتی ہے۔

۶۔ ہر قسم کی ہوائیں ٹھنڈی بھی، گرم بھی، بار آور بھی اور غیر بار آور بھی، شرقی غریبی بھی اور شمالی جنوبی بھی۔ انسانی زندگی
اور ان کی ضروریات کے مطابق۔

۷۔ بادل جنہیں اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے، برساتا ہے۔ یہ سارے امور کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت پر
دلائل نہیں کرتے؟ یقیناً کرتے ہیں۔ کیا اس تخلیق میں اور اس نظم و تدبیر میں اس کا کوئی شریک ہے؟ نہیں۔ یقیناً
نہیں۔ تو پھر اس کو چھوڑ کر دو مردوں کو معبود اور حاجت روا سمجھنا کہاں کی عقل مندی ہے؟

(۱) مذکورہ دلائل واضح اور براہین قاطعہ کے باوجود ایسے لوگ ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دو مردوں کو اس کا شریک بنا لیتے ہیں
اور ان سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے کرنی چاہیے، بہشت محمدی کے وقت ہی ایسا نہیں تھا، شرک کے
یہ مظاہر آج بھی عام ہیں، بلکہ اسلام کے نام لیواؤں کے اندر بھی یہ بیماری گہر کر گئی ہے، انہوں نے بھی نہ صرف غیر اللہ
اور پیروں، فقیروں اور سجادہ نشینوں کو اپنا ماویٰ و ملجا اور قبضہ حاجات بنا رکھا ہے، بلکہ ان سے ان کی محبت، اللہ سے بھی
زیادہ ہے اور توحید کا وعظ ان کو بھی اسی طرح کھلتا ہے جس طرح مشرکین مکہ کو اس سے تکلیف ہوتی تھی، جس کا نقشہ
اللہ نے اس آیت میں کھینچا ہے ﴿وَلَا تُذَكِّرْهُمُ عَنْ ذُنُوبِهِمْ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِذْ اُذْكِرُ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ اِذَا فُئِ
يَتَّبِعُوْنَ ﴿۴۵﴾ (سورۃ الرومہ ۴۵) ”اور جب تم اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ان کے دل
سکڑ جاتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔“ اِنْ شَآءَتْ ”دلوں کا رنگ ہونا“

(۲) تاہم اہل ایمان کو مشرکین کے برعکس اللہ تعالیٰ ہی سے سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ کیونکہ مشرکین جب سمندر

راہ ہوں۔^(۱) (۱۷۰)

کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جو اپنے چرواہے کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں) وہ ہرے، گونگے اور اندھے ہیں، انہیں عقل نہیں۔^(۲) (۱۷۱)
اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ، پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو، اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو۔^(۳) (۱۷۲)

تم پر مردہ اور (بہا ہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا دوسروں کا نام پکارا گیا ہو حرام ہے^(۴)
پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَسْمَعُ بِنَازِلٍ يُسْمِعُ الْآ

دُعَاءَ وَرَدَّ آذَانَهُمْ بَلْ عُمَى تَعْمَى لَا يَفْقَهُونَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطَّعُوا مِن طَٰئِبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ

وَأَشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ۝

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَيْزِ وَمَا أُوتِيَ بِهٖ

يُغْيِرُ لَوْنَهُ فَمَن أَضْطَرَّ بِهَا بِغَيْرِ ذَلَالٍ وَلَا عَدَاوَةٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

(۱) آج بھی اہل بدعت کو سمجھایا جائے کہ ان بدعات کی دین میں کوئی اصل نہیں تو وہ بھی جواب دیتے ہیں کہ یہ رہیں تو ہمارے آباد اجداد سے چلی آرہی ہیں۔ حالانکہ آباد اجداد بھی دینی بصیرت سے بے بہرہ اور ہدایت سے محروم رہ سکتے ہیں، اس لیے دلائل شریعت کے مقابلے میں آپا پرستی یا اپنے ائمہ و علما کی اتباع غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس دبدل سے نکالے۔

(۲) ان کافروں کی مثال جنہوں نے تقلید آبائیں اپنی عقل و فہم کو معطل کر رکھا ہے، ان جانوروں کی طرح ہے جن کو چرواہا بلاتا اور پکارتا ہے وہ جانور آواز تو سنتے ہیں، لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ انہیں کیوں بلایا اور پکارا جا رہا ہے؟ اسی طرح یہ عقیدین بھی ہرے ہیں کہ حق کی آواز نہیں سنتے، گونگے ہیں کہ حق ان کی زبان سے نہیں نکلتا، اندھے ہیں کہ حق کے دیکھنے سے عاجز ہیں اور بے عقل ہیں کہ دعوت حق اور دعوت توحید و سنت کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہاں دعا سے قریب کی آواز اور ندا سے دور کی آواز مراد ہے۔

(۳) اس میں اہل ایمان کو ان تمام پاکیزہ چیزوں کے کھانے کا حکم ہے جو اللہ نے حلال کی ہیں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کی تاکید ہے۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ اللہ کی حلال کردہ چیزیں ہی پاک اور طیب ہیں، حرام کردہ اشیاء پاک نہیں، چاہے وہ نفس کو کتنی ہی مرغوب ہوں (جیسے اہل یورپ کو سور کا گوشت بڑا مرغوب ہے) دوسرا یہ کہ بتوں کے نام پر منسوب جانوروں اور اشیاء کو مشرکین اپنے اوپر جو حرام کر لیتے تھے (جس کی تفصیل سورۃ الانعام میں ہے) مشرکین کا یہ عمل غلط ہے اور اس طرح ایک حلال چیز حرام نہیں ہوتی، تم ان کی طرح ان کو حرام مت کرو (حرام صرف وہی ہیں جس کی تفصیل اس کے بعد والی آیت میں ہے) تیسرا یہ کہ اگر تم صرف ایک اللہ کے عبادت گزار ہو تو ادائے شکر کا اہتمام کرو۔

(۴) اس آیت میں چار حرام کردہ چیزوں کا ذکر ہے، لیکن اسے کلمہ حصراً (تبعاً) کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جس سے ذہن

غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيُسْتَرُونَ
بِهِ سُنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ
وَلَا يَكَلِمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا تَكَلِّمُهُمْ
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَٰةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ
بِالْمُنْصِفَةِ ۖ قَلِيلًا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝

ذٰلِكَ يَاقَ اَللّٰهُ سَوَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَلَا الْيَمِيْنَ

کرنے والا نہ ہو اس پر ان کے کھانے میں کوئی گناہ
نہیں، اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔ (۱۷۳)
بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب چھپاتے
ہیں اور اسے تھوڑی تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں، یقین
مانو کہ یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، قیامت کے
دن اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہ کرے گا، نہ انہیں پاک
کرے گا، بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (۱۷۴)
یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور
عذاب کو مغفرت کے بدلے خرید لیا ہے، یہ لوگ آگ کا
عذاب کتنا برداشت کرنے والے ہیں۔ (۱۷۵)
ان عذابوں کا باعث یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نئی کتاب

میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حرام صرف یہی چار چیزیں ہیں، جب کہ ان کے علاوہ بھی کئی چیزیں حرام ہیں۔ اس لیے اول
تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ حصر ایک خاص سیاق میں آیا ہے، یعنی مشرکین کے اس فعل کے ضمن میں کہ وہ حلال
جانوروں کو بھی حرام قرار دے لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ حرام نہیں، حرام تو صرف یہ ہیں۔ اس لیے یہ حصر
اضافی ہے، یعنی اس کے علاوہ بھی دیگر محرمات ہیں جو یہاں مذکور نہیں۔ دوسرے حدیث میں دو اوصاف جانوروں کی
صفت و حرمت کے لیے بیان کر دیے گئے ہیں، وہ آیت کی صحیح تفسیر کے طور پر سامنے رہنے چاہئیں۔ درندوں میں ذو
ناب (وہ درندہ جو کچلیوں سے شکار کرے) اور پرندوں میں ذو غلب (جو پنجے سے شکار کرے) حرام ہیں۔ تیسرے جن
جانوروں کی حرمت حدیث سے ثابت ہے، مثلاً گدھا، کتا وغیرہ وہ بھی حرام ہیں، جس سے اس بات کی طرف اشارہ نکلتا
ہے کہ حدیث بھی قرآن کریم کی طرح دین کا ماخذ اور دین میں حجت ہے اور دین دونوں کے ماننے سے مکمل ہوتا ہے، نہ
کہ حدیث کو نظر انداز کر کے، صرف قرآن سے۔ مردہ سے مراد ہر وہ حلال جانور ہے، جو بغیر ذبح کیے طبعی طور پر یا کسی
حادثے سے (جسکی تفصیل المائدہ میں ہے) مر گیا ہو۔ یا شرعی طریقے کے خلاف اسے ذبح کیا گیا ہو، مثلاً گلا گھونٹ دیا
جائے، یا پتھر اور لکڑی وغیرہ سے مارا جائے، یا جس طرح آجکل مشینی ذبح کا طریقہ ہے جس میں جھکے سے مارا جاتا ہے۔
البتہ حدیث میں دو مردار جانور حلال قرار دیئے گئے ہیں۔ ایک مچھلی، دوسری مڈی، وہ اس حکم میت سے مستثنیٰ ہیں۔ خون
سے مراد دم مسفوح ہے یعنی ذبح کے وقت جو خون نکلتا اور بہتا ہے۔ گوشت کے ساتھ جو خون لگا رہ جاتا ہے وہ حلال
ہے۔ یہاں بھی دو خون حدیث کی رو سے حلال ہیں، کچلی اور تلی۔ خنزیر یعنی سور کا گوشت، یہ بے غیرتی میں بدترین
جانور ہے، اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہے وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِجَانُورٍ يٰۤا كُوْنِيْ اور چیز جسے غیر اللہ کے نام پر پکارا جائے۔ اس سے مراد
وہ جانور ہیں جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جائیں۔ جیسے مشرکین عرب لات و عزیٰ وغیرہ کے ناموں پر ذبح کرتے تھے، یا

اٰخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَئِنْ شِئْنَاۙ لَنَعْبُدَنَّ

اتاری اور اس کتاب میں اختلاف کرنے والے یقیناً دور کے خلاف میں ہیں۔ (۱۷۶)

لَئِنْ اَلَيْدُنَا ثُوْلُوْاۙ وَجُوْهُكُمْ رَیْسَ الشُّشُوْی وَالتَّغُوْبِ
وَلَیْکُنَ الْیَوْمَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ الْمَلَکَۃُ وَالْکُتٰبِ

ساری اچھائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں^(۱) بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر

آگ کے نام پر جیسے جوسی کرتے تھے۔

اور اسی میں وہ جانور بھی آجاتے ہیں جو جاہل مسلمان فوت شدہ بزرگوں کی عقیدت و محبت ان کی خوشنودی و تقرب حاصل کرنے کے لیے یا ان سے ڈرتے اور امید رکھتے ہوئے قبروں اور آستانوں پر ذبح کرتے ہیں یا مجاورین کو بزرگوں کی نیاز کے نام پر دے آتے ہیں (جیسے بہت سے بزرگوں کی قبروں پر بورڈ لگے ہوئے ہیں مثلاً ”داتا“ صاحب کی نیاز کے لیے بکرے یہاں جمع کرائے جائیں) ان جانوروں کو چاہے ذبح کے وقت اللہ ہی کا نام لے کر ذبح کیا جائے یہ حرام ہی ہوں گے۔ کیوں کہ اس سے مقصود رضائے الہی نہیں رضائے اہل قبور اور تعظیم لغیر اللہ یا خوف یا رجاء من غیر اللہ (غیر اللہ سے مافوق الاسباب طریقے سے ڈر یا امید ہے جو شرک ہے۔ اسی طریقے سے جانوروں کے علاوہ جو اشیا بھی غیر اللہ کے نام پر نذر نیاز اور چڑھاوے کی ہوں گی حرام ہوں گی جیسے قبروں پر لے جا کر یا وہاں سے خرید کر قبور کے ارد گرد فقرا و مسکین پر دیگوں اور ننگروں کی یا مٹھائی اور پیسوں وغیرہ کی تقسیم یا وہاں صندوقچی میں نذر نیاز کے پیسے ڈالنا یا عرس کے موقع پر وہاں دودھ پہنچانا یہ سب کام حرام اور ناجائز ہیں کیوں کہ یہ سب غیر اللہ کی نذر و نیاز کی صورت ہیں اور نذر بھی۔ نماز، روزہ وغیرہ عبادات کی طرح ایک عبادت ہے اور عبادت کی ہر قسم صرف ایک اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ اسی لیے حدیث میں ہے: ”مَنْ دَخَلَ دَنْجَ لِعَبْرِ اللّٰهِ“ (صحيح الجامع الصغير وزيادته)

الْبَاسِ۔ ج ۲ ص ۴۴۔ جس نے غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیا وہ ملعون ہے۔“

تفسیر عزیزی میں بحوالہ تفسیر خیشاپوری ہے: ”أَخْمَعَ الْمَلَأَةُ لَوْ أَنَّ مُنْجِلًا دَخَلَ دَنْجَ، يُرِيدُ بِدَنْجِهَا انْتَقَرَتْ إِلَى غَيْرِ اللّٰهِ، صَارَ مُرْتَدًّا وَدَنْجُهَا دَنْجُ مُرْتَدٍّ“ (تفسیر عزیزی ص ۳۱ بحوالہ اشرف الحواشی) ”علا کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی جانور غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے ذبح کیا تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ ایک مرتد کا ذبیحہ ہو گا۔“

(۱) یہ آیت قبلے کے ضمن میں ہی نازل ہوئی۔ ایک تو یہودی اپنے قبلے کو (جو بیت المقدس کا مغربی حصہ ہے) اور نصاریٰ اپنے قبلے کو (جو بیت المقدس کا مشرقی حصہ ہے) بڑی اہمیت دے رہے تھے اور اس پر فخر کر رہے تھے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے تحویل قبلہ پر چہ بیگونیاں کر رہے تھے جس سے بعض مسلمان بھی بعض دفعہ کبیدہ خاطر ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، مشرق یا مغرب کی طرف رخ کر لینا بذات خود کوئی نیکی نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف مرکزیت اور اجتماعیت کے حصول کا ایک طریقہ ہے اصل نیکی تو ان عقائد پر ایمان رکھنا ہے جو اللہ نے بیان فرمائے اور ان اعمال و اخلاق کو اپنانا ہے جس کی تاکید اس نے فرمائی ہے۔ پھر آگے ان عقائد و اعمال کا بیان ہے۔ اللہ پر ایمان یہ ہے کہ اسے

وَالْمُحْسِنِينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ
وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّامِعِينَ فِي الرِّقَابِ
وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُتَّقِينَ إِذَا
عَاهَدُوا إِلَىٰ الظَّالِمِينَ فِي الْمَنَاسِكِ وَالضَّرَّاءِ وَبَيْنَ
الْبَتْنِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۰﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيْسَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْخَوْرُ
بِالْخَوْرِ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ مِمَّنْ جُنَّ لَهُ مِنْ أَعْيُنِهِ

قیامت کے دن پر 'فرشتوں پر' کتب اللہ پر اور نبیوں پر
ایمان رکھنے والا ہو جو مال سے محبت کرنے کے باوجود
قرابت داروں، قیہوں، مسکینوں، مسافروں اور سوال
کرنے والے کو دے، غلاموں کو آزاد کرے، نماز کی
پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرے، جب وعدہ کرے تب
اسے پورا کرے، جنگ سنی، دکھ درد اور لڑائی کے وقت
مہر کرے، یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار
ہیں۔ (۱۷۷)

اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا
ہے، آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، عورت
عورت کے بدلے۔^(۱) ہاں جس کسی کو اس کے بھائی کی

اپنی ذات و صفات میں یکساں تمام عیوب سے پاک و منزہ اور قرآن و حدیث میں بیان کردہ تمام صفات باری کو بغیر کسی
تاویل یا تعطیل یا تکلیف کے تسلیم کیا جائے۔ آخرت کے روز جزا ہونے، حشر نشر اور جنت و دوزخ پر یقین رکھا جائے۔
الکتاب، سے مراد تمام آسمانی کتابوں کی صداقت پر ایمان ہے۔ اور فرشتوں کے وجود پر اور تمام پیغمبروں پر یقین رکھا
جائے۔ ان ایمانیات کے ساتھ ان اعمال کو اپنایا جائے جس کی تفصیل اس آیت میں ہے۔ عَنِ حُبِّهِ میں (۱) ضمیر مال کی
طرف راجع ہے، یعنی مال کی محبت کے باوجود مال خرچ کرے۔ النِّسَاء سے ننگ دستی اور شدت فقر نصراً سے
نقصان یا بیماری اور النَّاسِ سے لڑائی اور اس کی شدت مراد ہے۔ ان تینوں حالتوں میں مہر کرنا، یعنی احکامات الہیہ سے
سر مو انحراف نہ کرنا نہایت گھٹن ہوتا ہے اس لیے ان حالتوں کو خاص طور پر بیان فرمایا ہے۔

(۱) زمانہ جاہلیت میں کوئی نظم اور قانون تو تھا نہیں اس لیے زور آور قبیلے کمزور قبیلوں پر جس طرح چاہتے، ظلم و جور کا
ارتکاب کر دیتے۔ ایک ظلم کی شکل یہ تھی کہ کسی طاقت ور قبیلے کا کوئی مرد قتل ہو جاتا تو وہ صرف قاتل کو قتل کرنے کے
بجائے قاتل کے قبیلے کے کئی مردوں کو، بلکہ بسا اوقات پورے قبیلے ہی کو حس نس کرنے کی کوشش کرتے اور عورت
کے بدلے مرد کو اور غلام کے بدلے آزاد کو قتل کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرق و امتیاز کو ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ جو
قاتل ہو گا، قصاص (بدلے) میں اسی کو قتل کیا جائے گا۔ قاتل آزاد ہے تو بدلے میں وہی آزاد، غلام ہے تو بدلے میں وہی
غلام اور عورت ہے تو بدلے میں وہی عورت ہی قتل کی جائے گی، نہ کہ غلام کی جگہ آزاد اور عورت کی جگہ مرد یا ایک
مرد کے بدلے میں متعدد مرد۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مرد اگر عورت کو قتل کر دے تو قصاص میں کوئی عورت قتل
کی جائے گی، یا عورت مرد کو قتل کر دے تو کسی مرد کو قتل کیا جائے گا (جیسا کہ ظاہری الفاظ سے مفہوم نکلتا ہے) بلکہ یہ
الفاظ شان نزول کے اعتبار سے ہیں جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قصاص میں قاتل ہی کو قتل کیا جائے گا، چاہے مرد ہو

ثُمَّ قَاتِلْهُمْ يَوْمَ الْمَعْرُوفِ وَادَّاءِ الْوَيْدِ بِأَحْسَنِ ذَلِكَ تَعْفُونَ
وَلَكُمْ رَحْمَةٌ مِّنْ عِندِي بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٠﴾

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ لَّأُولِي الْأَلْبَابِ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦١﴾

كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا قَتَلْتُمْ أَحَدًا مِّنَ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ خِيَرَةٌ نُّوصِيكُمُ

طرف سے کچھ معافی دے دی جائے اسے بھلائی کی اتباع
کرنی چاہئے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی
چاہئے۔^(۱) تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور
رحمت ہے۔^(۲) اس کے بعد بھی جو سرکشی کرے اسے
دردناک عذاب ہوگا۔^(۳) (۱۷۸)

عقندہ اقصا میں تمہارے لئے زندگی ہے اس باعث
تم (قتل ناحق سے) رکو گے۔^(۴) (۱۷۹)
تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے

یا عورت طاقور ہو یا کمزور۔ اَلْمُسْلِمُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ۔ الحديث (سبب نبی داود: کتاب الجہاد) باب فی
السریة نورد علی اهل العسکر "تمام مسلمانوں کے خون (مرد ہو یا عورت) برابر ہیں۔" گویا آیت کا وہی مفہوم ہے
جو قرآن کریم کی دوسری آیت لا النَّفْسَ بِالْغَنَیْ (المائدہ ۳۵) کا ہے۔ احناف نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا
ہے کہ مسلمان کو کافر کے قصاص میں قتل کیا جائے گا لیکن جمہور علماء اس کے قائل نہیں کیوں کہ حدیث میں وضاحت
ہے۔ لَا یُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ "اصحیح بخاری" کتاب الدیات" باب لا یقتل المسلم بالکافر" "مسلمان" کافر
کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا" (فتح القدیر) مزید دیکھئے آیت ۳۵ سورۃ المائدہ۔

(۱) معافی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک بغیر معاوضہ ملے یعنی دیت لیے بغیر ہی محض رضائے الہی کے لیے معاف کر دینا
دوسری صورت 'قصاص' کی بجائے دیت قبول کر لینا اگر یہ دوسری صورت اختیار کی جائے تو کہا جا رہا ہے کہ طالب دیت
بھلائی کا اتباع کرے۔ وَادَّاءِ الْوَيْدِ بِأَحْسَنِ ذَلِكَ میں قاتل کو کہا جا رہا ہے کہ بغیر تنگ کیے اچھے طریقے سے دیت کی ادائیگی
کرے۔ اویسائے مقتول نے اس کی جان بخشی کر کے اس پر جو احسان کیا ہے اس کا بدلہ احسان ہی کے ساتھ دے۔ وَفَوَقَ
حُزْنِ الْإِنْسَانِ (لَا الْإِنْسَانُ) (الرحمن)

(۲) یہ تخفیف اور رحمت (یعنی قصاص) معافی یا دیت تین صورتیں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص تم پر ہوئی ہے ورنہ
اس سے قبل اہل تورات کے لیے قصاص یا معافی تھی دیت نہیں تھی اور اہل انجیل (عیسائیوں) میں صرف معافی ہی
تھی 'قصاص' تھا نہ دیت۔ (ابن کثیر)

(۳) قبول دیت یا اخذ دیت کے بعد قتل بھی کر دے تو یہ سرکشی اور زیادتی ہے جس کی سزا اسے دنیا و آخرت میں بھگتنی
ہوگی۔

(۴) جب قاتل کو یہ خوف ہو گا کہ میں بھی قصاص میں قتل کر دیا جاؤں گا تو پھر اسے کسی کو قتل کرنے کی جرات نہیں ہو
گی اور جس معاشرے میں یہ قانون قصاص نافذ ہو جاتا ہے وہاں یہ خوف معاشرے کو قتل و خونریزی سے محفوظ رکھتا
ہے جس سے معاشرے میں نہایت امن اور سکون رہتا ہے اس کا مشاہدہ آج بھی سعودی معاشرے میں کیا جاسکتا ہے

لِلَّذِيْنَ وَالِالَّذِيْنَ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلٰى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾

كَمَنْ يَدَّ لَهُ بِعَدُوِّهِ فَاسْمِعْهُ اِنَّهُمْ عَلٰى الَّذِيْنَ
يَبِيْنُ لُوْنُهُ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾

لَمَنْ خَافَ مِنْ نُّوْحٍ جَنَاحًا اَوْ اٰثِمًا فَاَصْلَحْ بَيْنَهُمْ
فَلَا اَثَرَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ
عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت
داروں کے لئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے،^(۱)
پر ہمیز گاروں پر یہ حق اور ثابت ہے۔ (۱۸۰)

اب جو شخص اسے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ
بدلنے والے پر ہی ہو گا، واقعی اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے
والا ہے۔ (۱۸۱)

ہاں جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب داری یا گناہ
کی وصیت کر دینے سے ڈرے^(۲) پس وہ ان میں آپس
میں اصلاح کرادے تو اس پر گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ بخشنے
والا مہربان ہے۔ (۱۸۲)

اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح
تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم تقویٰ
اختیار کرو^(۳) (۱۸۳)

جہاں اسلامی حدود کے نفاذ کی یہ برکات الحمد للہ موجود ہیں۔ کاش دوسرے اسلامی ممالک بھی اسلامی حدود کا نفاذ کر کے
اپنے عوام کو یہ پرسکون زندگی مہیا کر سکیں۔

(۱) وصیت کرنے کا یہ حکم آیت سواریت کے نزول سے پہلے دیا گیا تھا۔ اب یہ منسوخ ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «اِنَّ
اللّٰهَ قَدْ اَعْطٰی كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِّوَارِثٍ» (الموجہ السمس۔ بحوالہ ابن کثیر) ”اللہ تعالیٰ نے ہر حق
والے کو اس کا حق دے دیا ہے (یعنی ورثہ کے حصے مقرر کر دیے ہیں) پس اب کسی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز
نہیں“ البتہ اب ایسے رشتہ داروں کے لیے وصیت کی جاسکتی ہے جو وارث نہ ہوں، یا راہ خیر میں خرچ کرنے کے لیے
کی جاسکتی ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ حد ثلث (ایک تہائی) مال ہے، اس سے زیادہ کی وصیت نہیں کی جاسکتی
(صحیح بخاری، کتاب الفرائض باب مہراث البہنات)

(۲) جَنَاحًا (ما نکل ہونا) کا مطلب ہے غلطی یا بھول سے کسی ایک رشتہ دار کی طرف زیادہ مائل ہو کر دوسروں کی حق تلفی
کرے اور اپنا حصہ مراد ہے جان بوجھ کر ایسا کرے (ایسر التفاسیر) یا اپنا حصہ مراد گناہ کی وصیت ہے جس کا بدلہ اس
پر عمل نہ کرنا ضروری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وصیت میں عدل و انصاف کا اہتمام ضروری ہے، ورنہ دنیا سے جاتے
جاتے بھی ظلم کا ارتکاب، اس کے اخروی نجات کے نقطہ نظر سے سخت خطرناک ہے۔

(۳) صِيَامٌ، صَوْمٌ (روزہ) کا مصدر ہے جس کے شرعی معنی ہیں، صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور
بیوی سے ہم بستری کرنے سے، اللہ کی رضا کے لیے، رکے رہنا، یہ عبادت چوں کہ نفس کی طہارت اور تزکیہ کے لیے

آيَاتِنَا مَعْدُودَاتٌ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ قَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ
فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ
طَعَامُ مَسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ
تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۴﴾

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي فِيهِ الْقُرْآنُ هُنْدًى لِّلنَّاسِ
وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ

گنتی کے چند ہی دن ہیں لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو
یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں گنتی کو پورا کر لے اور
اس کی طاقت رکھنے والے (۲) فدیہ میں ایک مسکین کو
کھانا دیں پھر جو شخص نیکی میں سبقت کرے وہ اسی کے
لئے بہتر ہے (۳) لیکن تمہارے حق میں بہتر کام روزے
رکھنا ہی ہے اگر تم با علم ہو۔ (۱۸۴)

ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا (۴) جو لوگوں کو
ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و

بست اہم ہے اس لیے اسے تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کیا گیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ اور
تقویٰ انسان کے اخلاق و کردار کے سنوارنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

(۱)۔ یہ بیمار اور مسافر کو رخصت دے دی گئی ہے کہ وہ بیماری یا سفر کی وجہ سے رمضان المبارک میں جتنے روزے نہ رکھ
سکے ہوں وہ بعد میں رکھ کر گنتی پوری کر لیں۔

(۲) یَطِيقُونَهُ کا ترجمہ ”بِتَشَقُّقُونَهُ“ نہایت مشقت سے روزہ رکھ سکیں کیا گیا ہے (یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ
عنا سے منقول ہے) امام بخاری نے بھی اسے پسند کیا ہے۔ یعنی جو شخص زیادہ بڑھا پے یا ایسی بیماری کی وجہ سے جس سے
شفایابی کی امید نہ ہو روزہ رکھنے میں مشقت محسوس کرے وہ ایک مسکین کا کھانا بطور فدیہ دے دے لیکن جمہور
مفسرین نے اس کا ترجمہ ”طاقت رکھتے ہیں“ ہی کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں روزے کی عادت نہ
ہونے کی وجہ سے طاقت رکھنے والوں کو بھی رخصت دے دی گئی تھی کہ اگر وہ روزہ نہ رکھیں تو اس کے بدلے ایک
مسکین کو کھانا دے دیا کریں۔ لیکن بعد میں ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الظَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ کے ذریعے اسے منسوخ کر کے ہر
صاحب طاقت کے لیے روزہ فرض کر دیا گیا تاہم زیادہ بڑھے دائمی مریض کے لیے اب بھی یہی حکم ہے کہ وہ فدیہ
دے دیں اور حَمَلَةً (حمل والی) اور شَرِيضَةً (دودھ پلانے والی) عورتیں اگر مشقت محسوس کریں تو وہ مریض کے حکم
میں ہوں گی یعنی وہ روزہ نہ رکھیں اور بعد میں روزے کی قضا دیں (السحفة الأحمودی شرح ترمذی)

(۳) جو خوشی سے ایک مسکین کی بجائے دو یا تین مسکینوں کو کھانا کھلا دے تو اس کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

(۴) رمضان میں نزول قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ مکمل قرآن کسی ایک رمضان میں نازل ہو گیا بلکہ یہ ہے کہ رمضان
کی شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتار دیا گیا اور وہاں بَيِّنَاتُ الْبُحْرَةِ میں رکھ دیا گیا۔ وہاں سے حسب حالات ۲۳
سالوں تک اترتا رہا۔ (ابن کثیر) اس لئے یہ کہنا کہ قرآن رمضان میں ”یا لیلۃ القدر“ یا لیلۃ مبارکہ میں اترتا ہے سب صحیح
ہے کیوں کہ لوح محفوظ سے تو رمضان میں ہی اترتا ہے اور لیلۃ القدر اور لیلۃ مبارکہ یہ ایک ہی رات ہے یعنی قدر کی
رات جو رمضان میں ہی آتی ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ رمضان میں نزول قرآن کا آغاز ہوا اور پہلی

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّهُمْ لَمَّا كَانُوا مِنْكُمْ لَمَنِغْزَاوَةً وَلَئِنْ كُنْتُمْ إِلَّا رِجَالٌ شَاكِرِينَ ۖ
فَإِنْ كُنْتُمْ إِلَّا رِجَالٌ شَاكِرِينَ ۖ وَلَئِنْ كُنْتُمْ إِلَّا رِجَالٌ شَاكِرِينَ ۖ
وَلَئِنْ كُنْتُمْ إِلَّا رِجَالٌ شَاكِرِينَ ۖ

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۵﴾

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ
الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِلِقَائِي ۖ لَعَلَّهُمْ
يَشْكُرُونَ ﴿۱۸۶﴾

باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں، تم میں سے جو شخص اس
مہینہ کو پائے اسے روزہ رکھنا چاہئے، ہاں جو بیمار ہو یا
مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی
چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے،
خفی کا نہیں، وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کر لو اور اللہ
تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بین کرو اور
اس کا شکر کرو۔ (۱۸۵)

جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال
کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر
پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے، قبول
کرتا ہوں^(۱) اس لئے لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ میری
بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی ان کی

وجہ، جو غار حرا میں آئی، وہ رمضان میں آئی۔ اس اعتبار سے قرآن مجید اور رمضان المبارک کا آپس میں نہایت گہرا
تعلق ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ اس ماہ مبارک میں حضرت جبریل علیہ السلام سے قرآن کا دور کیا کرتے تھے اور
جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی آپ ﷺ نے رمضان میں جبریل علیہ السلام کے ساتھ دو مرتبہ دور کیا رمضان کی
تین راتوں (۲۳، ۲۵ اور ۲۷) میں آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو باجماعت قیام اللیل بھی کرایا، جس کو اب تراویح کہ
جاتا ہے (صحیح ترمذی و صحیح ابن ماجہ، البانی) یہ تراویح آٹھ رکعات مع وتر گیارہ رکعات تھیں جس کی صراحت حضرت
جابر رضی اللہ عنہ کی روایت (جو قیام اللیل مروزی وغیرہ میں ہے) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت (صحیح بخاری) میں
موجود ہے۔ نبی ﷺ کا ۲۰ رکعات تراویح پڑھنا کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ چونکہ بعض صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم سے گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھنا ثابت ہے اس وجہ سے محض نقل کی نیت سے بیس رکعتیں یا اس سے کم
یا زیادہ پڑھی جاسکتی ہیں۔

(۱) رمضان المبارک کے احکام و مسائل کے درمیان دعا کا مسئلہ بیان کر کے یہ واضح کر دیا گیا کہ رمضان میں دعا کی بھی
بڑی فضیلت ہے، جس کا خوب اہتمام کرنا چاہیے، خصوصاً انظار کی کے وقت کو قبولیت دعا کا خاص وقت بتلایا گیا ہے
امام احمد، احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، ابن کثیر، تاجم، قبولیت دعا کے لیے ضروری ہے کہ ان آداب و
شرائط کو ملحوظ رکھا جائے جو قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ جن میں سے دو یہاں بیان کیے گئے ہیں، ایک اللہ پر صحیح
معنوں میں ایمان اور دوسرا اس کی اطاعت و فرمانبرداری۔ اسی طرح احادیث میں حرام خوراک سے بچنے اور خشوع و
خضوع کا اہتمام کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

بھلائی کا باعث ہے۔ (۱۸۶)

روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمہارے لئے حلال کیا گیا۔ وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو۔ تمہاری پوشیدہ خیانتوں کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔ اس نے تمہاری توبہ قبول فرما کر تم سے درگزر فرمایا، اب تمہیں ان سے مباشرت کی اور اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی چیز کو تلاش کرنے کی اجازت ہے، تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے۔^(۱) پھر رات تک روزے کو پورا کرو^(۲) اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو۔^(۳) یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں، تم ان کے قریب بھی نہ جاؤ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ سمجھیں۔ (۱۸۷)

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الرَّمَضِ إِلَى نِسَائِكُمْ، هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ، عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَلَوْنَ أَنْفُسَكُمْ فَزَابَ عَنْكُمْ وَخَفَاعَتُكُمْ، قَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَةُ مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ، وَكُنُوا وَاتَّبِعُوا حَتَّىٰ يَكْبِتَ لَكُمْ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ، ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ، وَلَا تُبَاشِرُوا هُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَجِدِ، يَذْكُرُوا لِلَّهِ أَقْسَامًا لَكُمْ أَنْتُمْ وَنِسَاؤُكُمْ لِتَمْلِكُوا لِلنَّاسِ لَعَنَ اللَّهُ الْفَافِقِينَ ۝

(۱)۔ ابتدائے اسلام میں ایک حکم یہ تھا کہ روزہ افطار کرنے کے بعد عشا کی نماز یا سونے تک کھانے پینے اور بیوی سے مباشرت کرنے کی اجازت تھی، سونے کے بعد ان میں سے کوئی کام نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ظاہرات ہے یہ پابندی سخت تھی اور اس پر عمل مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ دونوں پابندیاں اٹھالیں اور افطار سے لے کر صبح صادق تک کھانے پینے اور بیوی سے مباشرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ الرَّمَضُ سے مراد بیوی سے ہم بستری کرنا ہے الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ سے صبح صادق اور الْخَيْطُ الْأَسْوَدُ (سیاہ دھاری) سے مراد رات ہے (ابن کثیر)

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حالت جنابت میں روزہ رکھا جاسکتا ہے، کیوں کہ فجر تک اللہ تعالیٰ نے مذکورہ امور کی اجازت دی ہے اور صبح بخاری و صبح مسلم کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (ابن کثیر)

(۲)۔ یعنی رات ہوتے ہی (غروب شمس کے فوراً بعد) روزہ افطار کرلو۔ تاخیر مت کرو، جیسا کہ حدیث میں بھی روزہ جلد افطار کرنے کی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔ دوسرا یہ کہ وصال مت کرو۔ وصال کا مطلب ہے ایک روزہ افطار کیے بغیر دوسرا روزہ رکھ لیتا۔ اس سے نبی ﷺ نے نہایت سختی سے منع فرمایا ہے۔ (کتب حدیث)

(۳)۔ اعتکاف کی حالت میں بیوی سے مباشرت اور بوس و کنار کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ ملاقات اور بات چیت جائز ہے۔ ﴿عَاكِفُونَ فِي الْمَسَجِدِ﴾ سے استدلال کیا گیا ہے کہ اعتکاف کے لیے مسجد ضروری ہے، چاہے مرد ہو یا عورت۔ ازواج مطہرات نے بھی مسجد میں اعتکاف کیا ہے۔ اس لیے عورتوں کا اپنے گھروں میں اعتکاف بیٹھنا صحیح نہیں۔ ابستہ مسجد میں ان کے لیے ہر چیز کا مردوں سے الگ انتظام کرنا ضروری ہے، تاکہ مردوں سے کسی طرح کا اختلاط نہ ہو، جب

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتَذَلُّوا بِهَا
إِلَى الْحُكَّامِ وَلْيَكُنْوا قَرِيبًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْآهِلَةِ قُلْ مِمَّا رَزَقْنَاكَ لِلنَّاسِ
وَالْعَجِزِ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ
مِمَّا كَسَبْتُمْ فِي ظُورِهِمْ أَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَعْلَمُوا
مِمَّا كَسَبْتُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٩﴾

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَفْقَهُوا
وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾

اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو نہ حاکموں کو
رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم و ستم سے اپنا کر لیا کرو
حالاںکہ تم جانتے ہو۔ (۱۸۸)

لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ
کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں (کی عبادت) کے وقتوں اور حج کے
موسم کے لئے ہے (احرام کی حالت میں) اور گھروں کے
پیچھے سے تمہارا آنا کچھ نیکی نہیں بلکہ نیکی والا وہ ہے جو
مقی ہو۔ اور گھروں میں تو دروازوں میں سے آیا کرو (۱۸۹)

اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (۱۸۹)
لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی
نہ کرو (۱۹۰) اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں
فرماتا۔ (۱۹۰)

تک مسجد میں معقول محفوظ اور مردوں سے بالکل الگ انتظام نہ ہو عورتوں کو مسجد میں احکاف بیٹھنے کی اجازت نہیں
دینا چاہیے اور عورتوں کو بھی اس پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ایک نقلی عبادت ہی ہے جب تک پوری طرح تحفظ نہ
ہو اس نقلی عبادت سے گریز بہتر ہے۔ فقہ کا اصول ہے: (ذَرُ الْفَعَالِ يُقَدِّمُ عَلَى خَلْبِ الْمُصْلَحِ) (مصلح کے
حصول کے مقابلے میں مفاسد سے بچنا اور ان کو ٹالنا زیادہ ضروری ہے)

(۱)۔ ایسے شخص کے بارے میں ہے جس کے پاس کسی کا حق ہو لیکن حق والے کے پاس ثبوت نہ ہو اس کمزوری سے
فائدہ اٹھا کر وہ عدالت یا حاکم مجاز سے اپنے حق میں فیصلہ کروالے اور اس طرح دوسرے کا حق غصب کر لے۔ یہ ظلم
ہے اور حرام ہے۔ عدالت کا فیصلہ ظلم اور حرام کو جائز اور حلال نہیں کر سکتا۔ یہ ظالم عند اللہ مجرم ہو گا۔ (ابن کثیر)

(۲)۔ انصار اور دوسرے عرب جاہلیت میں جب حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے اور پھر کسی خاص ضرورت کے لیے گھر آنے
کی ضرورت پڑ جاتی تو دروازے سے آنے کی بجائے پیچھے سے دیوار پھلانگ کر اندر آتے اس کو وہ نیکی سمجھتے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ نیکی نہیں ہے (اليسر التفسیر)

(۳) اس آیت میں پہلی مرتبہ ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی ہے جو مسلمانوں سے آمادہ قتال رہتے تھے۔ تاہم
زیادتی سے منع فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً مت کرو عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو جن کا جنگ میں
حصہ نہ ہو اسی طرح درخت وغیرہ جلاؤ یا جانوروں کو بغیر مصلحت کے مار ڈالنا بھی زیادتی ہے جن سے بچا جائے۔
(ابن کثیر)

وَأَقْتُلُواهُمْ حَيْثُ تَقْبَلُونَهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ
أَخْرَجُوكُمُ وَالْعِنْتَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تَقْبَلُواهُمْ
عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُفْتَلُواكُمْ فَيُؤْتُوا
مَتْلُوكُمْ فَأَقْتُلُواهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ ۝۴۰

فَإِنِ اسْتَفْهَمُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۴۱
وَقَبِلْتُمُوهُمْ حَتَّى لَا تُكَلُّوا وَفِئْتُهُ لَوْ يَكُونُ الْكَافِرِينَ
بَلْ لَوْ كَانُوا اسْتَفْهَمُوا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝۴۲
الْأَشْهُرُ الْحَرَامُ بِأَشْهُرِ الْحَرَامِ وَالْعُرُومُتِ وَصَلَّحْ كَتَبَ

انہیں مارو جہاں بھی پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں
نے تمہیں نکالا ہے اور (سنو) فتنہ قتل سے زیادہ سخت
ہے ^(۱) اور مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب
تک کہ یہ خود تم سے نہ لڑیں، اگر یہ تم سے لڑیں تو تم
بھی انہیں مارو ^(۲) کافروں کا بدلہ یہی ہے۔ (۱۹۱)

اگر یہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۹۲)
ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے اور اللہ تعالیٰ
کا دین غالب نہ آجائے، اگر یہ رک جائیں (تو تم بھی
رک جاؤ) زیادتی تو صرف ظالموں پر ہی ہے۔ (۱۹۳)

حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں
اور حرمتیں اولے بدلے کی ہیں ^(۳) جو تم پر زیادتی کرے

(۱)۔ مکہ میں مسلمان چوں کہ کمزور اور منتشر تھے، اس لیے کفار سے قتل ممنوع تھا، ہجرت کے بعد مسلمانوں کی ساری
قوت مدینہ میں مجتمع ہو گئی تو پھر ان کو جہاد کی اجازت دے دی گئی۔ ابتداء میں آپ صرف انہی سے لڑتے جو مسلمانوں
سے لڑنے میں پھل کرتے، اس کے بعد اس میں مزید توسیع کر دی گئی اور مسلمانوں نے حسب ضرورت کفار کے علاقوں
میں بھی جا کر جہاد کیا۔ قرآن کریم نے اعتدائے (زیادتی کرنے) سے منع فرمایا، اس لیے نبی کریم ﷺ اپنے لشکر کو تاکید
فرماتے کہ خیانت، بد عہدی اور مشکہ نہ کرنا، نہ بچوں، عورتوں اور گرجوں میں مصروف عبادت درویشوں کو قتل کرنا۔
اسی طرح درختوں کے جلانے اور حیوانات کو بغیر کسی مصلحت کے مارنے سے بھی منع فرماتے (ابن کثیر۔ بحوالہ صحیح مسلم
وغیرہ) ﴿حَيْثُ تَقْبَلُونَهُمْ﴾ (جہاں بھی پاؤ) کا مطلب ہے تَمَكَّنْتُمْ مِنْ قِتَالِهِمْ ان کو قتل کرنے کی قدرت تمہیں
حاصل ہو جائے (ایسرانقاہیر) ﴿وَنَحْنُ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ﴾ یعنی جس طرح کفار نے تمہیں مکہ سے نکالا تھا اسی طرح تم بھی ان
کو مکہ سے نکال باہر کرو۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے انہیں مدت معاہدہ ختم ہونے کے بعد وہاں
سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔ فتنہ سے مراد، کفر و شرک ہے۔ یہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے، اس لیے اس کو ختم
کرنے کے لیے جہاد سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔

(۲)۔ حدود حرم میں قتل منع ہے، لیکن اگر کفار اس کی حرمت کو ملحوظ نہ رکھیں اور تم سے لڑیں تو تمہیں بھی ان سے
لڑنے کی اجازت ہے۔

(۳) ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ جو وہ صحابہؓ کو ساتھ لے کر عمرہ کے لیے گئے تھے، لیکن کفار مکہ نے انہیں مکہ
نہیں جانے دیا اور یہ طے پایا کہ آئندہ سال مسلمان تین دن کے لیے عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ آ سکیں گے۔ یہ

اعْتَدَى عَلَيْكُمْ قَاعَتُهُمْ وَعَلَيْهِمْ مِثْلُ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ
وَالْقَوْلُ لِلَّهِ وَاحْكُمُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۵۵﴾

وَأَنِفُوا إِنِّي سَيِّئُ الْبَدَنِ وَلَا تَقُولُوا إِنِّي تَكَلَّمْتُ الْمَلَائِكَةَ
وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۶﴾

وَأَتَيْنَا الْحَبْرَةَ وَانْعَمَرْنَا وَلَوْ كَانَ أَحْصِيَتْهُمْ مَا اسْتَكْمَلَتْ
مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْمِلُوا زُجْرَهُمْ عَلَى سَبِيلِ الْهَدْيِ يَحْكُمُ
فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ كَاهِنًا أَوْ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا فَمَنْ تَزَوَّجَ
مِنْ هَيْبَةٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمْنُكُمْ فَمَنْ تَزَوَّجَ

تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو تم پر کی ہے اور
اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ
پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ (۱۹۴)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہدایت
میں نہ پڑو^(۱) اور سلوک و احسان کرو، اللہ تعالیٰ احسان
کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۱۹۵)

حج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو^(۲)، ہاں اگر تم
روک لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو، اسے کر ڈالو^(۳) اور
اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک کہ قربانی قربان گاہ تک نہ
پہنچ جائے^(۴) البتہ تم میں سے جو بیمار ہو، یا اس کے سر
میں کوئی تکلیف ہو (جس کی وجہ سے سر منڈالے) تو اس

مہینہ تھا جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ جب دو سرے سال مسلمان حسب معاہدہ اسی مہینے میں عمرہ کرنے
کے لیے جانے گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس دفعہ بھی اگر کفار مکہ اس مہینے کی
حرمت پامال کر کے (گزشتہ سال کی طرح) تمہیں مکہ میں جانے سے روکیں تو تم بھی اس کی حرمت کو نظر انداز کر کے
ان سے بھرپور مقابلہ کرو۔ حرمتوں کو ملحوظ رکھنے میں بدلہ ہے، یعنی وہ حرمت کا خیال رکھیں تو تم بھی رکھو، بصورت دیگر
تم بھی حرمت کو نظر انداز کر کے کفار کو عبرت ناک سبق سکھاؤ (ابن کثیر)

(۱) اس سے بعض لوگوں نے ترک انفاق، بعض نے ترک جہاد اور بعض نے گناہ پر گناہ کیے جانا مراد یہ ہے۔ اور یہ
ساری ہی صورتیں ہدایت کی ہیں، جہاد چھوڑ دو گے، یا جہاد میں اپنا مال صرف کرنے سے گریز کرو گے تو یقیناً دشمن قوی
ہو گا اور تم کمزور۔ نتیجہ جانی ہے۔

(۲) یعنی حج یا عمرے کا احرام باندھ لو تو پھر اس کا پورا کرنا ضروری ہے، چاہے نقلی حج و عمرہ ہو۔ (ایسر القاسم)

(۳) اگر راستے میں دشمن یا شدید بیماری کی وجہ سے رکاوٹ ہو جائے تو ایک جانور (بدی)۔ ایک بکری اور گائے یا اونٹ
کا ساتواں حصہ جو بھی میسر ہو، وہیں ذبح کر کے سر منڈاؤ اور حلال ہو جاؤ، جیسے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے
وہیں حدیبیہ میں قربانیاں ذبح کی تھیں اور حدیبیہ حرم سے باہر ہے (فتح القدیر) اور آئندہ سال اس کی قضا دو جیسے نبی
ﷺ نے ۶ ہجری والے عمرے کی قضا بھی میں دی۔

(۴) اس کا عطف ﴿وَأَتَيْنَا الْحَبْرَةَ﴾ پر ہے اور اس کا تعلق حالت امن سے ہے، یعنی امن کی حالت میں اس وقت تک سر
نہ منڈاؤ (احرام کھول کر حلاں نہ ہو) جب تک تمام متمسک حج پورے نہ کر لو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى اللَّهِ فَتًى مِمَّا اسْتَبَدَّ مِنَ الْأَمْوَالِ فَمَنْ سَبَّحَهُ بِذِكْرِ اللَّهِ فِي هِيَئَةٍ مُسْتَوٍ فَهُوَ كَامِلٌ ذَلِكَ لِتَنْ لَكُمْ أَهْلُهُ خَالِفِي السَّجْدِ الْعَوَامِ وَالْعَوَامِ وَالْعَوَامِ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٠﴾

پر فدیہ ہے 'خواہ روزے رکھ لے' خواہ صدقہ دے دے 'خواہ قربانی کرے' (۱) پس جب تم امن کی حالت میں ہو جاؤ تو جو شخص عمرے سے لے کر حج تک تمتع کرے، پس اسے جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے جسے طاقت ہی نہ ہو وہ تین روزے توجج کے دنوں میں رکھ لے اور سات واپسی میں (۲) یہ پورے دس ہو گئے۔ یہ حکم ان کے لئے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں (۳) لوگو! اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ (۱۹۶)

حج کے مینے مقرر ہیں (۳) اس لئے جو شخص ان میں حج

الْحَبَرِ أَشْهُرُ مَعْلُومَاتٍ لَمَنْ قَرَضَ مِنْهُ الْحَبَرُ فَلَا يَكُنْ

(۱)۔ یعنی اس کو ایسی تکلیف ہو جائے کہ سر کے بال منڈانے پڑ جائیں تو اس کا فدیہ ضروری ہے۔ حدیث کی رو سے ایسا شخص ۶ مسکینوں کو کھانا کھلا دے، یا ایک بکری ذبح کر دے، یا تین دن کے روزے رکھے۔ روزوں کے علاوہ پہلے دو فدیوں کی جگہ کے بارے میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ کھانا اور خون مکہ میں ہی دے، بعض کہتے ہیں کہ روزوں کی طرح اس کے لیے بھی کوئی خاص جگہ متعین نہیں ہے۔ امام شوکانی نے اسی رائے کی تائید کی ہے (فتح القدیر)

(۲) حج کی تین قسمیں ہیں: 'إفراد'۔ صرف حج کی نیت سے احرام باندھنا۔ 'قرآن' حج اور عمرہ دونوں کی ایک ساتھ نیت کر کے احرام باندھنا۔ ان دونوں صورتوں میں تمام مناسک حج کی ادائیگی سے پہلے احرام کھولنا جائز نہیں ہے۔ منع نسیج۔ اس میں بھی حج و عمرہ دونوں کی نیت ہوتی ہے، لیکن پہلے صرف عمرہ کی نیت سے احرام باندھا جاتا ہے اور عمرہ کر کے پھر احرام کھول دیا جاتا ہے اور پھر ۸ ذوالحجہ کو حج کے لیے مکہ سے ہی دوبارہ احرام باندھا جاتا ہے، تمتع کے معنی فائدہ اٹھانے کے ہیں۔ گوگرد میان میں احرام کھول کر فائدہ اٹھالیا جاتا ہے۔ حج قرآن اور حج تمتع دونوں میں ایک ہدی (یعنی ایک بکری یا بھرا اونٹ یا گائے کے ساتویں حصے) کی بھی قربانی دینی پڑتی ہے۔ اس آیت میں اسی حج تمتع کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ تمتع حسب طاقت ۱۰ ذوالحجہ کو ایک جانور کی قربانی دے، اگر قربانی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے ایام حج میں اور سات روزے گھر جا کر رکھے۔ ایام حج جن میں روزے رکھنے ہیں، ۹ ذی الحجہ (یوم عرفات) سے پہلے، یا پھر ایام تشریق ہیں۔ (فتح القدیر)

(۳) یعنی تمتع اور اس کی وجہ سے ہدی یا روزے صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں، مراد اس سے حدود حرم میں یا اتنی مسافت پر رہنے والے ہیں کہ ان کے سفر پر قعر کا اطلاق نہ ہو سکتا ہو۔ (ابن کثیر بحوالہ ابن جریر)

(۴)۔ اور یہ ہیں شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے پہلے دس دن۔ مطلب یہ ہے کہ عمرہ تو سال میں ہر وقت جائز ہے، لیکن حج صرف مخصوص دنوں میں ہی ہوتا ہے، اس لیے اس کا احرام حج کے مہینوں کے علاوہ باندھنا جائز نہیں۔ (ابن کثیر)

وَلَا تُسَوِّى وَلَاجِدَالٍ فِي الْحَيَّةِ وَمَا تَقْعَلُوا مِنْ حَيْثُ يُعَلِّمُهُ
اللَّهُ وَتَزِدُّوهُ فَإِنَّ حَيْثُ الرَّادِّ الْغُلُوُّ
وَالْغُلُوُّ يَأْوِلُ الْأَلْبَابِ ۝

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَسْتَعْمُوا أَفْضَلًا مِنْ رَبِّكُمْ
فَإِذَا أَفْطَسْتُمْ مِنْ عَرَفْتٍ فَادْكُرُوا اللَّهَ عِندَ
الْتَّمَعِ الْخَوَارِ وَادْكُرُوا كَمَا هَذَا كُمْ وَإِنْ
كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَيِّنَ الصَّالِحِينَ ۝

لازم کر لے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے، گناہ
کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے،^(۱) تم جو
نئی کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر
خرچ لے لیا کرو، سب سے بہتر تو اللہ تعالیٰ کا ڈر
ہے^(۲) اور اے حکماء! مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔ (۱۹۷)
تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ
نہیں^(۳) جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام کے پاس
ذکر الہی کرو اور اس کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں
ہدایت دی، حالانکہ تم اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے

مسئلہ حج قرآن یا افراد کا احرام اہل مکہ کے اندر سے ہی باندھیں گے۔ البتہ حج تمتع کی صورت میں عمرے کے احرام
کے لیے حرم سے باہر حل میں جانا ان کے لیے ضروری ہے۔ الصحیح البہاری، کتاب الحج وأبواب العمرة وموط
إمام مالک، اسی طرح آفاق لوگ حج تمتع میں ۸ ذوالحجہ کو مکہ سے ہی احرام باندھیں گے۔ البتہ بعض علما کے نزدیک اہل
مکہ کو عمرے کے احرام کے لیے حدود حرم سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے وہ ہر طرح کے حج اور عمرے
کے لیے اپنی اپنی جگہ سے ہی احرام باندھ سکتے ہیں۔

تبیین۔ حافظ ابن القیم نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قول و عمل سے صرف دو قسم کے عمرے ثابت ہیں۔ ایک وہ
جو حج تمتع کے ساتھ کیا جاسکتا ہے اور دوسرا وہ عمرہ مفردہ جو ایام حج کے علاوہ صرف عمرے کی نیت سے ہی سفر کر کے کیا
جائے۔ باقی حرم سے جا کر کسی قریب ترین حل سے عمرے کے لیے احرام باندھ کر آنا غیر مشروع ہے۔ (انہی کہ جن کے
احوال و ظروف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسے ہوں) (زاو العاد۔ ج ۲، طبع جدید) نوٹ: حدود حرم سے باہر کے علاقے
کو حل اور بیرون میقات سے آنے والے حجاج کو آفاق کہا جاتا ہے۔

(۱) صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حدیث ہے: مَنْ حَجَّ هَذَا النَّبْتَ، فَلَمْ يَزُقْ، وَلَمْ يَفْسُقْ، خَرَجَ مِنْ دُنُوبِهِ
كَيَوْمَ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ۔ (صحیح بخاری، کتاب المحصر، باب قول اللہ عزوجل فلا تفسق) جس نے حج کیا اور
شہوانی باتوں اور فسق و فجور سے بچا، وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اس دن پاک تھا جب اسے اس
کی ماں نے جنا تھا۔

(۲) تقویٰ سے مراد یہاں سوال سے بچنا ہے۔ بعض لوگ بغیر زاد راہ لیے حج کے لیے گھر سے نکل پڑتے اور کہتے کہ ہمارا
اللہ پر توکل ہے۔ اللہ نے توکل کے اس مفہوم کو غلط قرار دیا اور زاد راہ لینے کی تاکید فرمائی۔
(۳) فضل سے مراد تجارت اور کاروبار ہے، یعنی سفر حج میں تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

تھے^(۱) (۱۹۸)

پھر تم اس جگہ سے لوٹو جس جگہ سے سب لوگ لوٹے ہیں^(۲) اور اللہ تعالیٰ سے طلب بخشش کرتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشے والا مہربان ہے۔ (۱۹۹)

پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ^(۳) بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے۔ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ (۲۰۰)

اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں نیکی دے^(۴) اور آخرت میں بھی بھلائی عطا

ثُمَّ أَيْقُضُوا مِنْ حَيْثُ أَقَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا
اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۹۹﴾

فَإِذَا قُضِيَتْ مِنْكُمْ مَنَاسِكُكُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ
كَمَا كُنْتُمْ يَدْعُوهُ إِذْ أَنْتُمْ أَقْرَبُ لِلنَّاسِ
مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي
الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً

(۱) ۹ ذوالحجہ کو زواں آفتاب سے غروب شمس تک میدان عرفات میں وقوف حج کا سب سے اہم رکن ہے جس کی بابت حدیث میں کہا گیا ہے۔ «الْحَجُّ عَرَفَةُ» (عرفات میں وقوف ہی حج ہے) یہاں مغرب کی نماز نہیں پڑھنی ہے بلکہ مزدلفہ پہنچ کر مغرب کی تین رکعات اور عشا کی دو رکعت (قصر) جمع کر کے ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ مزدلفہ ہی کو مشعر حرام کہا گیا ہے کیوں کہ یہ حرم کے اندر ہے۔ یہاں ذکر الہی کی تاکید ہے۔ یہاں رات گزارنی ہے فجر کی نماز عَسْرَ (اندھیرے) میں یعنی اول وقت میں پڑھ کر طلوع آفتاب تک ذکر میں مشغول رہا جائے طلوع آفتاب کے بعد منی جایا جائے۔

(۲) مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق عرفات جانا اور وہاں وقوف کر کے واپس آنا ضروری ہے لیکن عرفات چوں کہ حرم سے باہر ہے اس لیے قریش مکہ عرفات تک نہیں جاتے تھے بلکہ مزدلفہ سے ہی لوٹ آتے تھے چنانچہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جہاں سے سب لوگ لوٹ کر آتے ہیں وہیں سے لوٹ کر آؤ یعنی عرفات سے۔

(۳) عرب کے لوگ حج سے فراغت کے بعد منی میں میلہ لگاتے اور آپلوا جہاد کے کارناموں کا ذکر کرتے مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ جب تم ۱۰ ذوالحجہ کو نکلیاں مارنے قربانی کرنے سرمنڈانے طواف کعبہ اور سعی صفہ و مروہ سے فارغ ہو جاؤ تو اس کے بعد جو تین دن منی میں قیام کرنا ہے تو وہاں خوب اللہ کا ذکر کرو جیسے جاہلیت میں تم اپنے آب کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

(۴) یعنی اعمال خیر کی توفیق یعنی اہل ایمان دنیا میں بھی دنیا طلب نہیں کرتے بلکہ نیکی کی ہی توفیق طلب کرتے ہیں۔ نبی ﷺ کثرت سے یہ دعا پڑھتے تھے۔ طواف کے دوران لوگ ہر چکر کی الگ الگ دعا پڑھتے ہیں جو خود ساختہ ہیں ان کے بجائے طواف کے وقت یہ دعا ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ رکن یحییٰ اور حجر اسود کے درمیان پڑھنا مسنون عمل ہے۔

وَلِي الْأُخْرَىٰ حَسَنَةٌ ۖ وَمِنَ عَذَابِ النَّارِ ۝
أُولَٰئِكَ لَهُمْ تَصْيِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۖ وَاللَّهُ سَرِيعُ
الْحِسَابِ ۝

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن تَعَجَّلَ
فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَن تَأَخَّرَ فَلَا
إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اثْمٌ مِنَ اثْمِ الْغُفْلَةِ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ
الْعَظِيمُ ۝

وَمِنَ النَّارِ مَن يُعْجِلُ قَوْلَهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُجْهِدُ
اللَّهُ عَنْ مَّالِهِ قَلْبَهُ ۖ وَهُوَ آتِلٌ أَلْفَ نَجْمٍ ۝

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ فِي الْآيَاتِ الَّتِي تُبَدِّلُهَا وَيُعْلِمُ
الْعُتْرُقَ وَالنَّجْمَ ۚ وَاللَّهُ لَا يُوجِبُ الْقَسَادَ ۝

وَاذْكُرُوا لَكُمْ إِلَهِ اللَّهِ أَحَدٌ ۚ وَالْمَرْءُ بِأَلْسِنَةٍ

فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے۔ (۲۰۱)
یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ہے اور
اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ (۲۰۲)
اور اللہ تعالیٰ کی یاد ان گنتی کے چند دنوں (ایام تشریق)
میں کرو،^(۱) دو دن کی جلدی کرنے والے پر بھی کوئی گناہ
نہیں، اور جو پیچھے رہ جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں،^(۲)
یہ پرہیزگار کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو
اور جاں رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کئے جاؤ
گے۔ (۲۰۳)

بعض لوگوں کی دنیاوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر
دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا ہے
حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑالو ہے۔^(۳) (۲۰۴)
جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور
کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور
اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتا ہے۔ (۲۰۵)
اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو تکبر اور

(۱)۔ مراد ایام تشریق ہیں، یعنی ۱۱ اور ۱۳ ذوالحجہ۔ ان میں ذکر اٹنی، یعنی بہ آواز بلند تکبیرات مسنون ہیں، صرف فرض نمازوں کے بعد ہی نہیں (جیسا کہ ایک ضعیف حدیث کی بنیاد پر مشہور ہے) بلکہ ہر وقت یہ تکبیرات پڑھی جائیں، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا اِلهَ اِلاَّ اللہ، واللہ اکبر، اللہ اکبر، واللہ الحمد، کنکریاں مارتے وقت ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھنی مسنون ہے۔ (نیل الاوطار۔ ج ۵ ص ۸۶)۔

(۲)۔ ری حمار (حجرات کو کنکریاں مارتا) ۳ دن افضل ہیں، لیکن اگر کوئی دو دن (۱۱ ذوالحجہ) کو کنکریاں مار کر منی سے واپس آجائے تو اس کی بھی اجازت ہے۔

(۳)۔ بعض ضعیف روایات کے مطابق یہ آیت ایک منافق اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن صحیح تربت یہ ہے کہ اس سے مراد سارے ہی منافقین اور منکبیرین ہیں، جن میں یہ مذموم اوصاف پائے جائیں جو قرآن نے اس کے ضمن میں بیان فرمائے ہیں۔

فَتَصِيبُهُ جَهَنَّمُ وَلَيْسَ الْيَوْمَ ⑤

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ

اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْءَوْبَادِ ⑥

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ

كَآلِهِ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ

لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ⑦

تصیب اسے گناہ پر آمادہ کر^(۱) دیتا ہے، ایسے کے لئے بس

جہنم ہی ہے اور یقیناً وہ بدترین جگہ ہے۔ (۲۰۶)

اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی

طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں^(۲) اور اللہ تعالیٰ

اپنے بندوں پر بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔ (۲۰۷)

ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور

شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو^(۳) وہ تمہارا کھلا

دشمن ہے۔ (۲۰۸)

(۱) ﴿أَحَدَثَهُ الْيَوْمَ﴾ (آج ہی) گناہ پر ابھارتا ہے۔ عزت کے معنی غرور و انانیت کے ہیں۔

(۲) یہ آیت کہتے ہیں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ، رومی کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب وہ ہجرت کرنے لگے تو کافروں

نے کہا کہ یہ مال سب یہاں کا کمایا ہوا ہے، اسے ہم ساتھ نہیں لے جانے دیں گے، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے یہ سارا

مال ان کے حوالے کر دیا اور دین ساتھ لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے من کر فرمایا ”صہیب

نے نفع بخش تجارت کی ہے“ دو مرتبہ فرمایا (فتح القدیر) لیکن یہ آیت بھی عام ہے، جو تمام مومنین، متقین اور دنیا کے

مقابلے میں دین کو اور آخرت کو ترجیح دینے والوں کو شامل ہے، کیوں کہ اس قسم کی تمام آیات کے بارے میں، جو کسی

خاص شخص یا واقعہ کے بارے میں نازل ہوئیں یہ اصول ہے (العبرة بمعوم اللفظ لا بخصوص السبب) یعنی

لفظ کے عموم کا اعتبار ہو گا، سبب نزول کے خصوص کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ پس انفس بن شریق (حس کا ذکر پچھلی

آیت میں ہوا) برے کردار کا ایک نمونہ ہے جو ہر اس شخص پر صادق آئے گا جو اس جیسے برے کردار کا حامل ہو گا اور

صہیب رضی اللہ عنہ، خیر اور کمال ایمان کی ایک مثال ہیں ہر اس شخص کے لیے جو ان صفات خیر و کمال سے متصف ہو گا۔

(۳) اہل ایمان کو کہ جا رہا ہے کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ اس طرح نہ کرو کہ جو باتیں تمہاری

مصلحتوں اور خواہشات کے مطابق ہوں، ان پر تو عمل کرو اور دوسرے حکموں کو نظر انداز کر دو۔ اسی طرح جو دین تم

چھوڑ آئے ہو، اس کی باتیں اسلام میں شامل کرنے کی کوشش مت کرو، بلکہ صرف اسلام کو مکمل طور پر اپناؤ۔ اس سے

دین میں بدعات کی بھی نئی کردی گئی اور آج کل کے سیکولر ذہن کی تردید بھی، جو اسلام کو مکمل طور پر اپنانے کے لیے

تیار نہیں، بلکہ دین کو عبادات، یعنی مساجد تک محدود کرنا، اور سیاست اور ایوان حکومت سے دس نکال دینا چاہتا ہے۔

اسی طرح عوام کو بھی سمجھایا جا رہا ہے جو رسوم و رواج اور علاقائی ثقافت و روایات کو پسند کرتے ہیں اور انہیں چھوڑنے

کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، جیسے مرگ اور شادی بیاہ کی مسرفانہ اور ہندوانہ رسوم اور دیگر رواج۔ اور یہ کہ جا رہا ہے کہ

شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو، جو تمہیں مذکورہ خلاف اسلام باتوں کے لیے حسین فلسفے تراش کر پیش کرتا،

برائیوں پر خوش نما غلاف چڑھاتا اور بدعات کو بھی نیکی باور کراتا ہے، تاکہ اس کے دام ہم رنگ زمین میں پھنسے رہو۔

قَالَ زَلَلْتُمْ مَقَامًا بَعْدَ مَا جَاءَتْكُمْ الْمَبِئَاتُ
فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ①

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ لِيُطْلِكَ مِنَ
الْعَمَاءِ وَالْمَلَائِكَةِ وَتُؤْخَى الْأُمُورُ
وَيَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فَيَنْقُضُ الْأَمُورَ ②

مَنْ يَنْتَظِرْ إِلَّا اللَّهَ يَكُنْ مِنَ الْخَائِبِينَ
وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ
فَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ③

رُبَّ بَلَدٍ يَنْتَظِرُ الْغَيْبَ الَّذِينَ يَعْرِفُونَ مِنَ الْكَاذِبِينَ
مَنْ تَوَلَّى الْكَاذِبِينَ فَسَوَاءٌ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
مَنْ يَنْشَأْ بِكُمْ حِسَابٌ ④

اگر تم باوجود تمہارے پاس دلیلیں آجانے کے بھی پھس
جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غلبہ واما اور حکمت والا
ہے۔ (۲۰۹)

کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس خود
اللہ تعالیٰ ابر کے ساتہانوں میں آجائے اور فرشتے بھی اور
کام انتہا تک پہنچا^(۱) دیا جائے اللہ ہی کی طرف تمام کام
لوٹائے جاتے ہیں۔ (۲۱۰)

بنی اسرائیل سے پوچھو تو کہ ہم نے انہیں کس قدر
روشن نشانیاں عطا فرمائیں^(۲) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی
نعمتوں کو اپنے پاس پہنچ جانے کے بعد بدل ڈالے (وہ
جان لے) کہ اللہ تعالیٰ بھی سخت عذابوں والا
ہے۔ (۲۱۱)

کافروں کے لئے دنیا کی زندگی خوب زینت دار کی گئی
ہے، وہ ایمان والوں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں^(۳)،
حالانکہ پرہیزگار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں
گے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا

(۱) یہ یا تو قیامت کا منظر ہے جیسا کہ بعض تفسیری روایات میں ہے۔ (ابن کثیر) یعنی کیا یہ قیامت برپا ہونے کا انتظار کر
رہے ہیں؟ یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے جلو میں اور بادلوں کے سائے میں ان کے سامنے آئے اور
فیصلہ چکائے تب وہ ایمان لائیں گے۔ لیکن ایسا اسلام قابل قبول ہی نہیں، اس لیے قبول اسلام میں تاخیر مت کرو اور
فورا اسلام قبول کر کے اپنی آخرت سنوار لو۔

(۲) مثلاً عصائے موسیٰ جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے جادو گروں کا توڑ کیا، سمندر سے راستہ بنایا، پھر سے بارہ چشے
جاری کیے، بادلوں کا سایہ، من و سلویٰ کا نزول وغیرہ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی
دلیل تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے احکام الہی سے اعراض کیا۔

(۳) نعمت کے بدلنے کا مطلب یہی ہے کہ ایمان کے بدلے انہوں نے کفر اور اعراض کا راستہ اپنایا۔

(۴) چوں کہ مسلمانوں کی اکثریت غریب پر مشتمل تھی جو دنیوی آسائشوں اور سہولتوں سے محروم تھے، اس لیے کافر یعنی
قریش مکہ ان کا مذاق اڑاتے تھے، جیسا کہ اہل ثروت کا ہر دور میں شیوہ رہا ہے۔

ہے۔ (۲۳)

دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے (۲) 'اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دیئے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں' تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے۔ اور صرف ان ہی لوگوں نے جنہیں کتاب دی گئی تھی 'اپنے پاس دلائل آچکنے کے بعد آپس کے بغض و عناد کی وجہ سے اس میں اختلاف کیا' (۳) اس لئے اللہ پاک نے ایمان والوں کی اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنی مشیت سے رہبری کی (۴) اور اللہ

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۖ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيُخَلِّصَ لَهُمْ بَيْنَ الثَّانِي ۚ فِيمَا اختلفوا فِيهِ ۖ وَمَا اختلف فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُولُواْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ بَغْيًا بُيِّنَتْ لَهُمُ قَهْدَى اللَّهِ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ لِمَا اختلفوا فِيهِ ۚ مِنَ الْحَقِّ بِأَذْيِهِ ۚ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

(۱) اہل ایمان کے فقرار سادگی کا کفار جو استہزاء سے اس کا ذکر فرما کر کہا جا رہا ہے کہ قیامت والے دن یہی فقرار اپنے تقویٰ کی بدولت بلند و بالا ہوں گے "بے حساب روزی" کا تعلق آخرت کے علاوہ دنیا سے بھی ہو سکتا ہے کہ چند سالوں کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے ان فقرار پر بھی فتوحات کے دروازے کھول دیئے 'جن سے سامان دنیا اور رزق کی فراوانی ہو گئی۔

(۲) یعنی توحید پر۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام یعنی دس صدیوں تک لوگ توحید پر 'جس کی تعلیم انبیاء دیتے رہے' قائم رہے۔ آیت میں مفسرین صحابہ نے فاختلّفوا محذوف مانا ہے 'یعنی اس کے بعد شیطان کی وسوسہ اندازی سے ان کے اندر اختلاف پیدا ہو گیا اور شرک و مظاہر پرستی عام ہو گئی۔ فَتَنَتْ اس کا عطف فاختلّفوا (جو محذوف ہے) پر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو کتابوں کے ساتھ بھیج دیا' تاکہ وہ لوگوں کے درمیان اختلافات کا فیصلہ اور حق اور توحید کو قائم و واضح کریں (ابن کثیر)

(۳) اختلاف ہمیشہ راہ حق سے انحراف کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس انحراف کا منبع بغض و عناد بنتا ہے 'امت مسلمہ میں بھی جب تک یہ انحراف نہیں آیا' یہ امت اپنی اصل پر قائم اور اختلافات کی شدت سے محفوظ رہی 'لیکن اندھی تقلید اور بدعات نے حق سے گریز کا جو راستہ کھولا' اس سے اختلافات کا دائرہ پھیلا اور بڑھتا ہی چلا گیا' تا آنکہ اتحاد امت ایک ناممکن چیز بن کر رہ گیا ہے مَهْدَى اللَّهُ الْمُسْلِمِينَ۔

(۴) چنانچہ مثلاً اہل کتب نے جمعہ میں اختلاف کیا' یہود نے ہفتہ کو اور نصاریٰ نے اتوار کو اپنا مقدس دن قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جمعے کا دن اختیار کرنے کی ہدایت دے دی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا۔ یہود نے ان کی تکفیر کی اور ان کی والدہ حضرت مریم پر بہتان باندھا' اس کے برعکس عیسائیوں نے ان کو اللہ کا بیٹا اور الہ بنا دیا۔ اللہ نے مسلمانوں کو ان کے بارے میں صحیح موقف اپنانے کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ اللہ کے پیغمبر اور اس کے فرماں بردار بندے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بھی انہوں نے اختلاف کیا' ایک نے

جس کو چاہے سیدھی راہ کی طرف رہبری کرتا ہے۔ (۲۱۳)

کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے۔^(۱) انہیں بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھ کے ایمان والے کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔^(۲) (۲۱۴)

آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے جو مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کے لئے ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے^(۳) اور تم جو کچھ بھلائی کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔ (۲۱۵)

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَهَيَا إِلَهُكُمْ فَتَكُلُوا فِيهَا مِنْ دُونِ الْحَسَنِاتِ الَّتِي كُنْتُمْ تُعْمَلُونَ ۚ وَمَنْ يُؤْمَرْ بِالْعَمَلِ فَلْيُجِدْ فِيهَا صُنُوفًا مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ وَمَنْ يُؤْمَرْ بِالْعَمَلِ فَلْيُجِدْ فِيهَا صُنُوفًا مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ وَمَنْ يُؤْمَرْ بِالْعَمَلِ فَلْيُجِدْ فِيهَا صُنُوفًا مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۚ قُلْ مَا أُنْفِقُ مِنْ خَيْرٍ ۚ قَبْلُ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝

یہودی اور دوسرے نے نصرانی کہا مسلمانوں کو اللہ نے صحیح بات بتلائی کہ وہ ﴿حَنِيفًا مَسْجُودًا﴾ تھے اور اس طرح کے دیگر کئی مسائل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اذن یعنی اپنے فضل سے مسلمانوں کو صراطِ مستقیم دکھائی۔

(۱) ہجرت مدینہ کے بعد جب مسلمانوں کو یہودیوں، منافقوں اور مشرکین عرب سے مختلف قسم کی ایذائیں اور تکلیفیں پہنچیں تو بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ سے شکایت کی جس پر مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ آیت بھی نازل ہوئی اور خود نبی ﷺ نے بھی فرمایا ”تم سے پہلے لوگوں کو ان کے سر سے لے کر پیروں تک آرے سے چیرا گیا اور لوہے کی کنگھی سے ان کے گوشت پوست کو نوچا گیا، لیکن یہ ظلم و تشدد ان کو ان کے دین سے نہیں پھیر سکا“ پھر فرمایا ”اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اس معاملے کو مکمل (یعنی اسلام کو غالب) فرمائے گا۔ یہاں تک کہ ایک سوار منشاء سے حضرموت تک تناسف کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ذرہ نہ ہو گا۔ الحدیث صحیح بخاری، کتاب الکسوف، باب من احتار الصرب والقتل والھوان علی الکفر، مقصد نبی ﷺ کا مسلمانوں کے اندر حوصلہ اور استقامت کا عزم پیدا کرنا تھا۔

(۲) اس لیے وکل ما هو آت فهو قریب (ہر آنے والی چیز قریب ہے) اور اہل ایمان کے لیے اللہ کی مدد یقینی ہے اس لیے وہ قریب ہی ہے۔

(۳) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے استفسار پر مال خرچ کرنے کے اولین مصارف بیان کیے جا رہے ہیں، حتیٰ کہ سب سے زیادہ تندرے والی تعاون کے مستحق ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اتفاق کا یہ حکم صدقاتِ نافذہ سے متعلق ہے، زکوٰۃ سے متعلق

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا
وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ
يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۱﴾

تم پر جہاد فرض کیا گیا گو وہ تمہیں دشوار معلوم ہو، ممکن
ہے کہ تم کسی چیز کو بری جانو اور دراصل وہی تمہارے
لئے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھی
سمجھو، حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو، حقیقی علم اللہ ہی
کو ہے، تم محض بے خبر ہو۔ (۲۱)

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشُّهُرِ الْحَرَامِ فَقَالَ فِيهَا قِتَالٌ فِيهِ
كَيْفٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
وَالْأَخْرَاجُ أَهْلُهُ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ
الْقَتْلِ وَلَا يَرَالُونَ يَفْعَلُونَ لَكُمْ خَلْفًا بِرُءُوسِهِمْ
وَيَنْتَقِمُونَ أَسْتَغَاوْا وَمَنْ يَزِدْكُمْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ

لوگ آپ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی بابت
سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ ان میں لڑائی کرنا بڑا
گناہ ہے، لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اس کے ساتھ کفر
کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو
وہاں سے نکالنا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے
یہ فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے،^(۱) یہ لوگ تم سے

نہیں۔ کیوں کہ ماں باپ پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنی جائز نہیں ہے۔ حضرت میمون بن مہران نے اس آیت کی تلاوت کر
کے فرمایا ”مال خرچ کرنے کی ان جگہوں میں نہ طبلہ سارنگی کا ذکر ہے اور نہ چوٹی تصویروں اور دیواروں پر لٹکائے جانے
والے آرائشی پردوں کا“ مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں پر مال خرچ کرنا ناپسندیدہ اور اسراف ہے۔ افسوس ہے کہ آج یہ
مصرفانہ اور ناپسندیدہ اخراجات ہماری زندگی کا اس طرح لازمی حصہ بن گئے ہیں کہ اس میں کراہت کا کوئی پسو ہی ہماری
نظروں میں نہیں رہا۔

(۱) جہاد کے حکم کی ایک مثال دے کر اہل ایمان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ کے ہر حکم پر عمل کرو، چاہے تمہیں وہ گمراہ
اور ناگوار ہی لگے۔ اس لیے کہ اس کے انجام اور نتیجے کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔ ہو سکتا ہے، اس میں
تمہارے لیے بہتری ہو۔ جیسے جہاد کے نتیجے میں تمہیں فتح و غلبہ، عزت و سر بلندی اور مال و اسباب مل سکتا ہے، اسی
طرح تم جس کو پسند کرو، (یعنی جہاد کے بجائے گمراہی میں رہنا) اس کا نتیجہ تمہارے لیے خطرناک ہو سکتا ہے، یعنی دشمن
تم پر غالب آجائے اور تمہیں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے۔

(۲) رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ یہ چار مہینے زمانہ جاہلیت میں بھی حرمت والے سمجھے جاتے تھے، جن میں قتال و
جدال ناپسندیدہ تھا۔ اسلام نے بھی ان کی حرمت کو برقرار رکھا۔ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک مسلمان فوجی رستے کے
ہاتھوں رجب کے مہینے میں ایک کافر قتل ہو گیا اور بعض کافر قیدی بنا لیے گئے۔ مسلمانوں کے علم میں یہ نہیں تھا کہ
رجب شروع ہو گیا ہے۔ کفار نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ دیکھو یہ حرمت والے مہینے کی حرمت کا بھی خیال نہیں رکھتے،

يَمُوتُ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا
خَالِدُونَ ﴿۲۱۷﴾

لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے
ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں^(۱) اور تم
میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر
کی حالت میں مریں ان کے اعمال دنیوی اور اخروی
سب غارت ہو جائیں گے۔ یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور
ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے۔^(۲) (۲۱۷)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ
اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۱۸﴾

البتہ ایمان لانے والے، ہجرت کرنے والے، اللہ کی راہ
میں جہاد کرنے والے ہی رحمت الہی کے امیدوار ہیں
اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت مہربانی کرنے والا
ہے۔ (۲۱۸)

يَسْتَلُونَكَ عَنِ الْخُمْرِ وَالْبَيِّنَاتِ قُلْ فِيهِمَا إِسْلَامٌ كَبِيرٌ
وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمْ فِيهَا لَكَبِيرٌ مِّنْ نَّفَعِهِمَا

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں
آپ کہہ دیجئے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے^(۳) اور

جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور کہا گیا کہ یقیناً حرمت والے مینے میں قتل بڑا گناہ ہے، لیکن حرمت کی دہائی دینے والوں کو
اپنا عمل نظر نہیں آتا؟ یہ خود اس سے بھی بڑے جرائم کے مرتکب ہیں یہ اللہ کے راستے سے اور مسجد حرام سے لوگوں کو
روکتے ہیں اور وہاں سے مسلمانوں کو نکلنے پر انہوں نے مجبور کر دیا۔ علاوہ ازیں کفر و شرک بجائے خود قتل سے بھی بڑا
گناہ ہے۔ اس لیے اگر مسلمانوں سے غلطی سے ایک آدمی قتل حرمت والے مینے میں ہو گیا تو کیا ہوا؟ اس پر داویلا
کرنے کے بجائے ان کو اپنا نامہ سیاہ بھی تو دیکھ لینا چاہیے۔

(۱) جب یہ اپنی شرارتوں، سازشوں اور تمہیں مرتد بنانے کی کوششوں سے باز آنے والے نہیں تو پھر تم ان سے مقاطعہ
کرنے میں شہر حرام کی وجہ سے کیوں رکے رہو؟

(۲) جو دین اسلام سے پھر جائے، یعنی مرتد ہو جائے (اگر وہ توبہ نہ کرے) تو اس کی دنیوی سزا قتل ہے۔ حدیث میں ہے:
«مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ» (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب لا یعدب بعدد اللہ، آیت میں اس کی اخروی
سزا بیان کی جا رہی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی حالت میں کیے گئے اعمال صالحہ بھی کفر و ارتداد کی وجہ سے
کالعدم ہو جائیں گے اور جس طرح ایمان قبول کرنے سے انسان کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اسی طرح کفر و
ارتداد سے تمام نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ تاہم قرآن کے الفاظ سے واضح ہے کہ جسطرح اعمال اسی وقت ہو گا جب خاتمہ کفر
پر ہو گا، اگر موت سے پہلے تائب ہو جائے گا تو ایسا نہیں ہو گا، یعنی مرتد کی توبہ مقبول ہے۔

(۳) بڑا گناہ تو دین کے اعتبار سے ہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ فِي الْعَقْلِ كَذَلِكَ
يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۰﴾

لوگوں کو اس سے دنیاوی فائدہ بھی ہوتا ہے، لیکن ان کا
گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ^(۱) ہے۔ آپ سے یہ بھی
دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ تو آپ کہہ
دیجئے حاجت سے زائد چیز^(۲) اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے
احکام صاف صاف تمہارے لئے بیان فرما رہا ہے، تاکہ تم
سوچ سمجھ سکو^(۳) (۲۰)

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ
لَّهُمْ خَيْرٌ إِنَّا عُصَاظُمُهُمْ فَقَاتِلُوا لَهُمُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ

دنیا اور آخرت کے امور کو۔ اور تجھ سے یتیموں کے بارے میں
بھی سوال کرتے ہیں^(۴) آپ کہہ دیجئے کہ ان کی خیر خواہی

(۱) فائدوں کا تعلق دنیا سے ہے، مثلاً شراب سے وقتی طور پر بدن میں چستی و مستہی اور بعض ذہنوں میں تیزی آ جاتی
ہے۔ جنسی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے، جس کے لیے اس کا استعمال عام ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی خرید و فروخت نفع
بخش کاروبار ہے۔ جو میں بھی بعض دفعہ آدمی جیت جاتا ہے تو اس کو کچھ مال مل جاتا ہے، لیکن یہ فائدے ان نقصانات و
مفاسد کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے جو انسان کی عقل اور اس کے دین کو ان سے کھینچتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ
”ان کا گناہ“ ان کے فائدوں سے بہت بڑا ہے۔“ اس طرح اس آیت میں شراب اور جو کو حرام تو قرار نہیں دیا گیا، تاہم
اس کے لیے تمہید باندھ دی گئی ہے۔ اس آیت سے ایک بہت اہم اصول یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر چیز میں چاہے وہ کتنی
بھی بری ہو، کچھ نہ کچھ فائدے بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً ریڈیو، ٹی وی اور دیگر اس قسم کی ایجادات ہیں اور لوگ ان کے
بعض فوائد بیان کر کے اپنے نفس کو دھوکہ دے لیتے ہیں۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ فوائد اور نقصانات کا مقابل کیا ہے۔ خاص
طور پر دین و ایمان اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے۔ اگر دینی نقطہ نظر سے نقصانات و مفاسد زیادہ ہیں تو تھوڑے سے
دنوی فائدوں کی خاطر اسے جائز قرار نہیں دیا جائے گا۔

(۲) اس معنی کے اعتبار سے یہ اخلاقی ہدایت ہے، یا پھر یہ حکم ابتدائے اسلام میں دیا گیا، جس پر فرضیت زکوٰۃ کے بعد
عمل ضروری نہیں رہا، تاہم افضل ضرور ہے، یا اس کے معنی ہیں مَا سَهَّلَ وَتَيْسَّرَ وَلَمْ يَشُقَّ عَلَى الْقَلْبِ (فتح القدیر)
”جو آسان اور سہولت سے ہو اور دل پر شاق (گراں) نہ گزرے“ اسلام نے یقیناً اتفاق کی بڑی ترغیب دی ہے۔ لیکن
یہ اعتدال ملحوظ رکھا ہے کہ ایک تو اپنے زیر کفالت افراد کی خبر گیری اور ان کی ضروریات کو مقدم رکھنے کا حکم دیا ہے۔
دوسرے، اس طرح خرچ کرنے سے بھی منع کیا ہے کہ کل کو تمہیں یا تمہارے اہل خاندان کو دوسروں کے آگے دست
سوال دراز کرنا پڑ جائے۔

(۳) جب یتیموں کا مال غلاما کھانے والوں کے لیے وعید نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ڈر گئے اور یتیموں کی ہر چیز
الگ کر دی حتیٰ کہ کھانے پینے کی کوئی چیز بچ جاتی، تو اسے بھی استعمال نہ کرتے اور وہ خراب ہو جاتی، اس ڈر سے کہ کہیں
ہم بھی اس وعید کے مستحق نہ قرار پائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر)

مِنَ الْمُضِلِّينَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْتَبْتُمْ إِنْ اللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦﴾

وَلَا تَتَّبِعُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنَ وَلَئِمَّا يُؤْمِنُوا حَبِيزٌ
مُّشْرِكُوهُ وَلَوْ أَجْمَعَتُمْ وَلَا تُتَّبِعُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا
وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ أُولَٰئِكَ
يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ
بِأَذْنِهِ وَيُؤَيِّتُ الْيَتِيمَ لِلْغَايِسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٧﴾

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَجْنُونِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْرِضُوا إِلَيْهَا فَيَٰ

بہتر ہے، تم اگر ان کا مال اپنے مال میں ملا بھی لو تو وہ تمہارے
بھائی ہیں، بد نیت اور نیک نیت ہر ایک کو اللہ خوب جانتا
ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا،^(۱) یقیناً
اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔ (۲۲۰)

اور شرک کرنے والی عورتوں سے تاوقتیکہ وہ ایمان نہ
لائیں تم نکاح نہ کرو،^(۲) ایمان والی بونڈی بھی شرک کرنے
والی آزاد عورت سے بہت بہتر ہے، گو تمہیں مشرک ہی
اچھی لگتی ہو اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح
میں اپنی عورتوں کو دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں،
ایمان والا غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے، گو مشرک تمہیں
اچھا لگے۔ یہ لوگ جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت
کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف اپنے حکم سے بلاتا
ہے، وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرما رہا ہے، تاکہ
وہ نصیحت حاصل کریں۔ (۲۲۱)

آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، کہہ

(۱) یعنی تمہیں بغرض املاح و بہتری بھی، ان کا مال اپنے مال میں ملانے کی اجازت نہ دیتا۔

(۲) مشرک عورتوں سے مراد بتوں کی پجاری عورتیں ہیں۔ کیوں کہ اہل کتاب (یسودی یا عیسائی) عورتوں سے نکاح کی
اجازت قرآن نے دی ہے۔ البتہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی اہل کتاب مرد سے نہیں ہو سکتا۔ تاہم حضرت عمر
رضی اللہ عنہ نے مصلحتاً اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو ناپسند کیا ہے (ابن کثیر) آیت میں اہل ایمان کو ایمان دار مردوں اور
عورتوں سے نکاح کی تاکید کی گئی ہے اور دین کو نظر انداز کر کے محض حسن و جمال کی بنیاد پر نکاح کرنے کو آخرت کی
بربادی قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”عورت سے چار وجہوں سے نکاح کیا جاتا ہے
مال، حسب نسب، حسن و جمال یا دین کی وجہ سے۔ تم دین دار عورت کا انتخاب کرو۔“ (صحیح بخاری۔ کتاب
النکاح، باب الاکفاء فی الدین۔ و صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب استحباب نکاح ذات الدین۔ اسی
طرح آپ ﷺ نے نیک عورت کو دنیا کی سب سے بہتر متاع قرار دیا ہے۔ فرمایا: عجمو متاع الدنیا المرأة
الصالحة (صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب عجمو متاع الدنیا المرأة الصالحة)

النَّجِيسُ وَلَا تَقْرَبُوا حَتَّى يَطْهَرُوا فَإِذَا تَطَهَّرُوا فَأَوْهُمْ
مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَاضِعِينَ وَيُحِبُّ
الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿۲۳﴾

دیتے تھے کہ وہ گندگی ہے، حالت حیض میں عورتوں سے
الگ رہو^(۱) اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے
قریب نہ جاؤ، ہاں جب وہ پاک ہو جائیں^(۲) تو ان کے
پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی^(۳) ہے
اللہ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا
ہے۔ (۲۳۲)

فَمَا أَكَلْتُمْ حُرَّتْ لَكُمْ فَأَتَوْا حُرَّتَكُمْ أَلَيْسَتْ لَكُمْ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اللَّهُ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُنْفَوَةٌ وَبَيِّنُوا

تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں، اپنی کھیتوں میں
جس طرح چاہو^(۴) آؤ اور اپنے لئے (نیک اعمال) آگے

(۱) بلوغت کے بعد ہر عورت کو ایام ماہواری میں جو خون آتا ہے، اسے حیض کہا جاتا ہے اور بعض دفعہ عادت کے خدف
بیماری کی وجہ سے خون آتا ہے، اسے استحاضہ کہتے ہیں، جس کا حکم حیض سے مختلف ہے۔ حیض کے ایام میں عورت کے لئے
نماز معاف ہے اور روزے رکھنے ممنوع ہیں، تاہم روزوں کی قضا بعد میں ضروری ہے۔ مرد کے لیے صرف ہم بستری
منع ہے، البتہ بوس وکنار جائز ہے۔ اسی طرح عورت ان دنوں میں کھانا پکانا اور دیگر گھر کا ہر کام کر سکتی ہے، لیکن
یہودیوں میں ان دنوں میں عورت کو بالکل نجس سمجھا جاتا تھا، وہ اس کے ساتھ اختلاط اور کھانا پینا بھی جائز نہیں سمجھتے
تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی بابت حضور ﷺ سے پوچھا تو یہ آیت اتری، جس میں صرف جماع کرنے
سے روکا گیا۔ علیحدہ رہنے اور قریب نہ جانے کا مطلب صرف جماع سے ممانعت ہے۔ (ابن کثیر وغیرہ)

(۲) جب وہ پاک ہو جائیں۔ اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں ”ایک خون بند ہو جائے“ یعنی پھر غسل کیے بغیر بھی پاک
ہیں، مرد کے لیے ان سے مباشرت کرنا جائز ہے۔ ابن حزم اور بعض ائمہ اس کے قائل ہیں۔ علامہ ابابلی نے بھی اس
کی تائید کی ہے (آداب الزفاف ص ۷۷) دوسرے معنی ہیں ”خون بند ہونے کے بعد غسل کر کے پاک ہو جائیں۔ اس
دوسرے معنی کے اعتبار سے عورت جب تک غسل نہ کر لے، اس سے مباشرت حرام رہے گی۔ امام شوکانی نے اس کو
رائع قرار دیا ہے (فتح القدیر) ہمارے نزدیک دونوں مسلک قائل عمل ہیں، لیکن دوسرا قائل ترجیح ہے۔

(۳) ”جہاں سے اجازت دی ہے“ یعنی شرمگاہ سے۔ کیوں کہ حالت حیض میں بھی اسی کے استعمال سے روکا گیا تھا اور
اب پاک ہونے کے بعد جو اجازت دی جا رہی ہے تو اس کا مطلب اسی (فرج، شرمگاہ) کی اجازت ہے، نہ کہ کسی اور جگہ
کی۔ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عورت کی دیر کا استعمال حرام ہے، جیسا کہ احادیث میں اس کی مزید صراحت کر دی
گئی ہے۔

(۴) یہودیوں کا خیال تھا کہ اگر عورت کو ہیٹ کے بل لٹا کر (مذنبہ)، مباشرت کی جائے تو بچہ بھیگ پیدا ہوتا ہے۔ اس کی
تروید میں کہا جا رہا ہے کہ مباشرت آگے سے کرو (چٹ لٹا کر) یا پیچھے سے (ہیٹ کے بل) یا کروٹ پر، جس طرح چاہو، جائز
ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر صورت میں عورت کی فرج ہی استعمال ہو۔ بعض لوگ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں

الْمُؤْمِنِينَ ۝

بھیجو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم اس سے ملنے والے ہو اور ایمان والوں کو خوش خبری سنا دیجئے۔ (۲۲۳)

اور اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا (اس طرح) نشانہ نہ بناؤ کہ بھلائی اور پرہیزگاری اور لوگوں کے درمیان کی اصلاح کو چھوڑ بیٹھو^(۱) اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ (۲۲۴)

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ان قسموں پر نہ پکڑے گا جو پختہ نہ ہوں^(۲) ہاں اس کی پکڑ اس چیز پر ہے جو تمہارے دلوں کا فعل ہو، اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بردبار ہے۔ (۲۲۵)

جو لوگ اپنی بیویوں سے (تعلق نہ رکھنے کی) قسمیں کھائیں، ان کے لئے چار مہینے کی مدت^(۳) ہے، پھر اگر وہ لوٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲۲۶)

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا
وَتُضِلُّوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِالْغَفْوَةِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ
بِمَا كَسَبْتُمْ قُلُوبُكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝

لِلَّذِينَ يَذُلُّونَ مِنْ بَنَاتِهِمْ نَرْبُصُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ ۖ وَإِنْ
كَانُوا فَكَاكٍ اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

(جس طرح چاہو) میں تو در بھی آجاتی ہے، لہذا در کا استعمال بھی جائز ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ جب قرآن نے عورت کو کھیتی قرار دیا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ صرف کھیتی کے استعمال کے لئے یہ کہا جا رہا ہے کہ "اپنی کھیتوں میں جس طرح چاہو، آؤ" اور یہ کھیتی (موضع ولعاً) صرف فرج ہے نہ کہ در۔ بہر حال یہ غیر فطری فعل ہے ایسے شخص کو جو اپنی عورت کی در استعمال کرتا ہے ملعون قرار دیا گیا ہے (بحوالہ ابن کثیر وفتح القدیر)

(۱) یعنی غصے میں اس طرح کی قسم مت کھاؤ کہ میں فلاں کے ساتھ نیکی نہیں کروں گا، فلاں سے نہیں بچوں گا، فلاں کے درمیان صلح نہیں کراؤں گا۔ اس قسم کی قسموں کے لئے حدیث میں کہا گیا ہے کہ اگر کھالو تو انہیں توڑ دو اور قسم کا کفارہ ادا کرو (کفارہ قسم کے لئے دیکھیے: سورۃ المائدہ، آیت ۸۹)

(۲) یعنی جو غیر ارادی اور عادت کے طور پر ہوں۔ البتہ عمر اجمعی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے۔

(۳) ینلاء کے معنی قسم کھانے کے ہیں، یعنی کوئی شوہر اگر قسم کھالے کہ اپنی بیوی سے ایک مہینے یا دو مہینے (مثلاً) تعلق نہیں رکھوں گا۔ پھر قسم کی مدت پوری کر کے تعلق قائم کر لیتا ہے تو کوئی کفارہ نہیں، ہاں اگر مدت پوری ہونے سے قبل تعلق قائم کرے گا تو کفارہ قسم ادا کرنا ہو گا۔ اور اگر چار مہینے سے زیادہ مدت کے لئے یا مدت کی تعیین کے بغیر قسم کھاتا ہے تو اس آیت میں ایسے لوگوں کے لئے مدت کا تعین کر دیا گیا ہے کہ وہ چار مہینے گزرنے کے بعد یا تو بیوی سے تعلق قائم کر لیں، یا پھر اسے طلاق دے دیں (اسے چار مہینے سے زیادہ مطلق رکھنے کی اجازت نہیں ہے) پہلی صورت میں اسے

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴﴾

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَدَّنَّ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ شُرُكٍ وَلَا يُحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكُنَّ مِمَّا خَلَقَ اللّٰهُ فِي أَرْعَافِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَتَعُولَهُنَّ أَحَقُّ بِرَدْوِهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلَّهِ جَبَالُوتُهَا ۖ عَلَيْهِمْ ذَرْبَةُ

اور اگر طلاق کا ہی قصد کر لیں ^(۱) تو اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ (۲۴)

طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں، ^(۲) انہیں حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو پیدا کیا ہو اسے چھپائیں، ^(۳) اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو، ان کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹا لینے کے پورے حق دار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔ ^(۴) اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں

کفارہ قسم ادا کرنا ہو گا اور اگر دونوں میں سے کوئی صورت اختیار نہیں کرے گا تو عدالت اس کو دونوں میں سے کسی ایک بات کے اختیار کرنے پر مجبور کرے گی کہ وہ اس سے تعلق قائم کرے 'یا طلاق دے' تاکہ عورت پر ظلم نہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۱) ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ چار مہینے گزرتے ہی از خود طلاق واقع نہیں ہوگی (جیسا کہ بعض علما کا مسلک ہے) بلکہ خاوند کے طلاق دینے سے طلاق ہوگی جس پر اسے عدالت بھی مجبور کرے گی۔ جیسا کہ جمہور علما کا مسلک ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) اس سے وہ مطلقہ عورت مراد ہے جو حاملہ بھی نہ ہو (کیوں کہ حمل والی عورت کی مدت وضع حمل ہے) جسے دخول سے قبل طلاق مل گئی ہو وہ بھی نہ ہو (کیوں کہ اس کی کوئی عدت ہی نہیں ہے) آٹھ مہینے نہ ہو، یعنی جن کو حیض آنا بند ہو گیا ہو (کیوں کہ ان کی عدت تین مہینے ہے) گویا یہاں مذکورہ عورتوں کے علاوہ صرف مدخولہ عورت کی عدت بیان کی جا رہی ہے اور وہ ہے تین قروء۔ جس کے معنی طہریا تین حیض کے ہیں۔ یعنی تین طہریا تین حیض عدت گزار کے وہ دوسری جگہ شادی کرنے کی مجاز ہے۔ سلف نے قروء کے دونوں ہی معنی صحیح قرار دیے ہیں اس لیے دونوں کی گنجائش ہے (ابن کثیر و فتح القدیر)

(۳) اس سے حیض اور حمل دونوں ہی مراد ہیں۔ حیض نہ چھپائیں، مثلاً کہے کہ طلاق کے بعد مجھے ایک یا دو حیض آئے ہیں، درآں حالیکہ اسے تینوں حیض آچکے ہوں۔ مقصد پہلے خاوند کی طرف رجوع کرنا ہو (اگر وہ رجوع کرنا چاہتا ہو) یا اگر رجوع کرنا نہ چاہتی ہو تو یہ کہہ دے کہ مجھے تو تین حیض آچکے ہیں جب کہ واقعہ ایسا نہ ہو، تاکہ خاوند کا حق رجوع ثابت نہ ہو سکے۔ اسی طرح حمل نہ چھپائیں، کیوں کہ اس طرح دوسری جگہ شادی کرنے کی صورت میں نسب میں اختلاط ہو جائے گا۔ نطفہ وہ پہلے خاوند کا ہو گا اور منسوب دوسرے خاوند کی طرف ہو جائے گا۔ یہ سخت کبیرہ گناہ ہے۔

(۴) رجوع کرنے سے خاوند کا مقصد اگر تنگ کرنا نہ ہو تو عدت کے اندر خاوند کو رجوع کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ عورت کے دلی کو اس حق میں رکاوٹ ڈالنے کی اجازت نہیں ہے۔

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۱﴾

جیسے ان پر مردوں کے ہیں اچھائی کے ساتھ۔^(۱) ہاں
مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے
حکمت والا ہے۔ (۲۲۸)

یہ طلاقیں دو مرتبہ^(۲) ہیں، پھر یا تو اچھائی سے روکنا^(۳) یا
عہدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے^(۴) اور تمہیں حلال نہیں
کہ تم نے انہیں جو دے دیا ہے اس میں سے کچھ بھی لو
ہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ

الطَّلَاقُ مَرْطَبٌ، قَامَسَالَهُ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْوِيَةٍ
بِأَحْسَنِ وَلَا يَجِئُ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا
اَتَّخِذْتُمْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُبْدِيَا مَحْدُودَ اللَّهِ

(۱) یعنی دونوں کے حقوق ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، جن کے پورے کرنے کے دونوں شرعاً پابند ہیں، تاہم مرد کو
عورت پر فضیلت یا درجہ حاصل ہے، مثلاً فطری قوتوں میں، جماد کی اجازت میں، میراث کے دوگنا ہونے میں، قوامیت
اور حاکمیت میں اور اختیار طلاق و رجوع (وغیرہ) میں۔

(۲) یعنی وہ طلاق جس میں خاوند کو اعدت کے اندر رجوع کا حق حاصل ہے، وہ دو مرتبہ ہے۔ پہلی مرتبہ طلاق کے بعد
بھی اور دوسری مرتبہ طلاق کے بعد بھی رجوع ہو سکتا ہے۔ تیسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد رجوع کی اجازت نہیں۔
زمانہ جاہلیت میں یہ حق طلاق و رجوع غیر محدود تھا جس سے عورتوں پر بڑا ظلم ہوتا تھا، آدمی بار بار طلاق دے کر رجوع
کرتا رہتا تھا، اس طرح اسے نہ بساتا تھا، نہ آزاد کرتا تھا۔ اللہ نے اس ظلم کا راستہ بند کر دیا۔ اور پہلی یا دوسری مرتبہ
سوچنے اور غور کرنے کی سہولت سے محروم بھی نہیں کیا۔ ورنہ اگر پہلی مرتبہ کی طلاق میں ہی ہمیشہ کے لیے جدائی کا حکم
دے دیا جاتا تو اس سے پیدا ہونے والی معاشرتی مسائل کی پیچیدگیوں کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ
نے "طَلَقَتَا" (دو طلاقیں) نہیں فرمایا، بلکہ الطَّلَاقُ مَرْطَبٌ (طلاق دو مرتبہ) فرمایا، جس سے اس بات کی طرف اشارہ
فرما دیا کہ بیک وقت دو یا تین طلاقیں دینا اور انہیں بیک وقت نافذ کر دینا حکمت الہیہ کے خلاف ہے۔ حکمت الہیہ اسی
بات کی متقاضی ہے کہ ایک مرتبہ طلاق کے بعد (چاہے وہ ایک ہو یا کئی ایک) اور اسی طرح دوسری مرتبہ طلاق کے بعد
(چاہے وہ ایک ہو یا کئی ایک) مرد کو سوچنے سمجھنے اور جلد بازی یا غصے میں کیے گئے کام کے ازالے کا موقع دیا جائے، یہ
حکمت ایک مجلس کی تین طلاقیں کو ایک طلاق رجعی قرار دینے میں ہی باقی رہتی ہے، نہ کہ تینوں کو بیک وقت نافذ کر کے
سوچنے اور غلطی کا ازالہ کرنے کی سہولت سے محروم کر دینے کی صورت میں، (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب مجموعہ
مقالات علیہ بابت۔ ایک مجلس کی تین طلاق۔ اور "اختلاف امت اور صراط مستقیم"۔ نیز معلوم ہونا چاہئے کہ بہت
سے علماء ایک مجلس کی تین طلاقیں کے واقع ہونے ہی کا فتویٰ دیتے ہیں۔

(۳) یعنی رجوع کر کے اچھے طریقے سے اسے بٹانا۔

(۴) یعنی تیسری مرتبہ طلاق دے کر۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ
فِيمَا أَمْتَدَّتْ يَدَهُنَّ لِمَا بَيْنَ يَدَيْكُمْ مِمَّا قَلَّ عِتْدًا وَهَاءَ
وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۰﴾

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ
زَوْجًا خَيْرًا فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ
يَتَرَاجَعَا إِنْ كُنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَبَيْنَ
حُدُودِ اللَّهِ لَمَنَاسِكُهُنَّ لِلَّذِينَ يَأْمُرُونَ

وَأِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

سکے کا خوف ہو، اس لئے اگر تمہیں ڈر ہو کہ یہ دونوں
اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے
کے لئے کچھ دے ڈالے، اس میں دونوں پر گناہ نہیں^(۱)
یہ اللہ کی حدود ہیں خبردار ان سے آگے نہ بڑھنا اور جو
لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں وہ ظالم
ہیں۔ (۲۲۹)

پھر اگر اس کو (تیسری بار) طلاق دے دے تو اب اس کے
لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا
دوسرے سے نکاح نہ کرے، پھر اگر وہ بھی طلاق دے
دے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں کوئی گناہ
نہیں^(۲) بشرطیکہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ
سکیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جنہیں وہ جاننے
والوں کے لئے بیان فرما رہا ہے۔ (۲۳۰)

جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت ختم کرنے پر
آئیں تو اب انہیں اچھی طرح بساؤ، یا بھلائی کے ساتھ

(۱) اس میں خلع کا بیان ہے، یعنی عورت خاوند سے علیحدگی حاصل کرنا چاہے تو اس صورت میں خاوند عورت سے اپنا دیا
ہوا مرد اپس لے سکتا ہے۔ خاوند اگر علیحدگی قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو تو عدالت خاوند کو طلاق دینے کا حکم دے گی اور اگر
وہ اسے نہ مانے تو عدالت نکاح فسخ کر دے گی۔ گویا خلع بذریعہ طلاق بھی ہو سکتا ہے اور بذریعہ فسخ بھی۔ دونوں صورتوں
میں عدت ایک حیض ہے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، الحاکم۔ فتح القدیر) عورت کو یہ حق دینے کے ساتھ ساتھ اس بات کی
بھی سخت تاکید کی گئی ہے کہ عورت بغیر کسی معقول عذر کے خاوند سے علیحدگی یعنی طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر ایسا
کرے گی تو نبی ﷺ نے ایسی عورتوں کے لئے یہ سخت وعید بیان فرمائی ہے کہ وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پائیں گی۔
(ابن کثیر وغیرہ)

(۲) اس طلاق سے تیسری طلاق مراد ہے۔ یعنی تیسری طلاق کے بعد خاوند اب نہ رجوع کر سکتا ہے اور نہ نکاح۔ البتہ
یہ عورت کسی اور جگہ نکاح کر لے اور دوسرا خاوند اپنی مرضی سے اسے طلاق دے دے، یا فوت ہو جائے تو اس کے بعد
زوج اول سے اس کا نکاح جائز ہو گا۔ لیکن اس کے لیے بعض ملکوں میں جو حلالہ کا طریقہ رائج ہے، یہ لعنتی فعل ہے۔
نبی ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور کروانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ حلالہ کی غرض سے کیا گیا نکاح، نکاح نہیں
ہے، زنا کاری ہے۔ اس نکاح سے عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی۔

وَلَا تُشْكُوا لَهَا سِرًّا وَلَا أَعْتَدُوا لَهَا سِرًّا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ
ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ
هُزُوًا ۚ وَادْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ
عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَأَحْلُمَتِ بِكُمْ يَوْمَ الْفِتْنَةِ ۚ وَاللَّهُ
بِالْعَمَلِ عَلِيمٌ ۝

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَمَا لَكُمْ عَلَيْنَهُنَّ فَكْلًا
فَتَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَوْلِيَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا
بَيْنَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعِظُ بِهِ مَنْ
كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۝

الگ کر دو^(۱) اور انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم
و زیادتی کے لئے نہ روکو جو شخص ایسا کرے اس نے
اپنی جان پر ظلم کیا۔ تم اللہ کے احکام کو ہنسی کہیں نہ^(۲)
بناؤ اور اللہ کا احسان جو تم پر ہے یاد کرو اور جو کچھ کتاب و
حکمت اس نے نازل فرمائی ہے جس سے تمہیں نصیحت
کر رہا ہے اسے بھی۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو
اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ (۲۳۱)

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت
پوری کر لیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے
سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق
رضامند ہوں۔^(۳) یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے جنہیں
تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر یقین و

(۱) ﴿الطَّلَاقِ مَرَّتَيْنِ﴾ میں بتلایا گیا تھا کہ دو طلاق تک رجوع کرنے کا اختیار ہے۔ اس آیت میں کہا جا رہا ہے کہ رجوع عدت
کے اندر اندر ہو سکتا ہے عدت گزرنے کے بعد نہیں۔ اس لیے یہ تکرار نہیں ہے جس طرح کہ بظاہر معلوم ہوتی ہے۔
(۲) بعض لوگ مذاق میں طلاق دے دیتے یا نکاح کر لیتے یا آزاد کر دیتے ہیں پھر کہتے کہ میں نے تو مذاق کیا تھا۔ اللہ
نے اسے آیات الہی سے استنزا قرار دیا جس سے مقصود اس سے روکنا ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ مذاق
سے بھی اگر کوئی مذکورہ کام کرے گا تو وہ حقیقت ہی سمجھا جائے گا اور مذاق کی طلاق یا نکاح یا آزادی نافذ ہو جائے گی۔
(تفسیر ابن کثیر)۔

(۳) اس میں مطلقہ عورت کی بابت ایک تیسرا حکم دیا جا رہا ہے وہ یہ کہ عدت گزرنے کے بعد پہلی یا دوسری طلاق کے
بعد اگر سابقہ خاوند بیوی یا بھی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو تم ان کو مست روکو۔ نبی ﷺ کے زمانے میں
ایک ایسا واقعہ ہوا تو عورت کے بھائی نے انکار کر دیا جس پر یہ آیت اتری اصحیح بخاری 'کتاب النکاح' باب
النکاح الاہولی اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ عورت اپنا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ اس کے نکاح کے لیے ولی کی
اجازت اور رضامندی ضروری ہے۔ تب ہی تو اللہ تعالیٰ نے ولیوں کو اپنا حق ولایت غلط طریقے سے استعمال کرنے سے
روکا ہے۔ اس کی مزید تائید حدیث نبوی ﷺ سے ہوتی ہے 'لا ینکح إلا بولی' (ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں) (رواہ
الخمسة إلا النسانی) (رواہ الغلیل ج ۱ ص ۲۳۵ - صحیحہ الألبانی) ایک اور روایت میں ہے۔ 'ایما امرأة
نکحت بغير إذن ولیها فیکاحها باطل فیکاحها باطل فیکاحها باطل' (حوالہ مذکور و صحیحہ
ابن النکاح) جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا پس اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے اس

ذَلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَظْهَرُ وَأَنَّهُ يَعْزِمُ

وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۲﴾

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ
يُعْطِيَ الرِّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ
لَا تُكَلِّفُ نَفْسٌ إِلَّا رِشْقَهَا وَالْأَسْرَارُ وَالْوَالِدَةُ كَالْوَالِدِ كَمَا يُولَدُهَا وَالْمَوْلُودُ

ایمان ہو اس میں تمہاری بہترین صفیٰ اور پاکیزگی ہے۔
اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (۲۳۲)

مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ
دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو اور جن
کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو مطابق
دستور کے ہو۔ (۲۳) ہر شخص اتنی ہی تکلیف دیا جاتا ہے

کا نکاح باطل ہے (حوالہ مذکور) ان احادیث کو علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی 'دیگر محدثین کی طرح' صحیح اور احسن
تسبیح کیا ہے۔ فیض البری 'ج ۳' کتاب النکاح) دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عورت کے ولیوں کو بھی عورت پر جبر
کرنے کی اجازت نہیں بلکہ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورت کی رضامندی کو بھی ضرور ملحوظ رکھیں۔ اگر ولی
عورت کی رضامندی کو نظر انداز کر کے زبردستی نکاح کر دے تو شریعت نے عورت کو بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرائے کا
اختیار دیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ نکاح میں دونوں کی رضامندی حاصل کی جائے کوئی ایک فریق بھی من مانی نہ
کرے۔ اگر عورت من مانے طریقے سے ولی کی اجازت نظر انداز کرے گی تو وہ نکاح ہی صحیح نہیں ہو گا اور ولی زبردستی
کرے گا اور لڑکی کے مفادات کے مقابلے میں اپنے مفادات کو ترجیح دے گا تو عدالت ایسے ولی کو حق و عدالت سے محروم
کر کے ولی بعد کے ذریعے سے یا خود ولی بن کر اس عورت کے نکاح کا فریضہ انجام دے گی۔ «فَإِنْ شَتَّتْهُنَّ عَالِلَتُنَّ
وَلَيْ مِنْ لَّا وَلَيْ لَهَا» (رواء المصنوع)

(۱) اس آیت میں مسئلہ رضاعت کا بیان ہے۔ اس میں پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ جو مدت رضاعت پوری کرنی چاہیے تو
وہ دو سال پورے دودھ پلائے۔ ان الفاظ سے اس سے کم مدت تک دودھ پلانے کی بھی گنجائش نکلتی ہے دوسری بات
یہ معلوم ہوئی کہ مدت رضاعت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے جیسا کہ ترمذی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً
روایت ہے: ((لَا يُخْرَمُ مِنَ الرِّضَاعِ إِلَّا مَا مَنَى الْأَمْعَاءُ مِنَ الْغُذِيِّ وَكَانَ قُلُوبُ الْمَطَامِ)) (الترمذی 'کتاب الرضاع'
باب ما جاء أن الرضاعة لا تحرم إلا في الصغر دون الحوليس) "وہی رضاع (دودھ پلانا) حرمت ثابت کرتا
ہے جو چھاتی سے نکل کر آنٹوں کو پھاڑے اور یہ دودھ چھڑانے (کی مدت) سے پہلے ہو۔" چنانچہ اس مدت کے اندر کوئی
بچہ کسی عورت کا اس طریقہ سے دودھ پلے گا جس سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے تو ان کے درمیان رضاعت کا وہ
رشتہ قائم ہو جائے گا جس کے بعد رضاعی بہن بھائیوں میں آپس میں اسی طرح نکاح حرام ہو گا جس طرح نسبی بہن
بھائیوں میں حرام ہوتا ہے۔ ((يُخْرَمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يُخْرَمُ مِنَ النَّسَبِ)) (صحیح بخاری 'کتاب الشهادات' باب
الشهادة على الأنساب والرضاع المستمض والموت القديم) "رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جائیں
جسے جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔"

(۲) مَوْلُودُ لَہُ سے مراد باپ ہے۔ طلاق ہو جانے کی صورت میں شیر خوار بچے اور اس کی ماں کی کفالت کا مسئلہ ہمارے

لَهُ يُولَدُ ۖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِنْ ذَلِكَ قَوْلٌ آتٍ إِذَا فُصِّلَ عَنْ
تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ذَلِكَ إِذْ تَمَرَّضُوا
تَتَرَضَّعُ لَهُ أَوْلَادُكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذْ سَأَلْتُمُوهُنَّ
بِالْمَعْرُوفِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ
بِالْعَمَلِ ۝۲۰

جتنی اس کی طاقت ہو۔ ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے یا
باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر نہ پہنچایا
جائے۔^(۱) وارث پر بھی اسی جیسی ذمہ داری^(۲)
ہے، پھر اگر دونوں (یعنی ماں باپ) اپنی رضامندی اور
باہمی مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ
نہیں اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ہو تو
بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم ان کو مطابق دستور
کے جو دینا ہو وہ ان کے حوالے کر دو،^(۳) اللہ تعالیٰ سے
ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی
دیکھ بھال کر رہا ہے۔ (۲۳۳)

وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مِنْكُمْ ذِي ذُرِّيَةٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمْ
أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُمَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ
جائیں، وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس (دن)
عدت میں رکھیں،^(۴) پھر جب مدت ختم کر لیں تو جو

معاشرے میں بڑا پیچیدہ بن جاتا ہے اور اس کی وجہ شریعت سے انحراف ہے۔ اگر حکم الہی کے مطابق خاوند اپنی طاقت
کے مطابق مطلقہ عورت کی روٹی کپڑے کا ذمہ دار ہو، جس طرح کہ اس آیت میں کہا جا رہا ہے تو نہایت آسانی سے مسئلہ
حل ہو جاتا ہے۔

(۱) ماں کو تکلیف پہنچانا یہ ہے کہ مثلاً ماں بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہے، مگر ماما کے جذبے کو نظر انداز کر کے بچہ زبردستی
اس سے چھین لیا جائے یا یہ کہ بغیر خرچ کی ذمہ داری اٹھائے، اسے دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے۔ باپ کو تکلیف
پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ ماں دودھ پلانے سے انکار کر دے یا اس کی حیثیت سے زیادہ کا اس سے مالی مطالبہ کرے۔
(۲) باپ کے فوت ہو جانے کی صورت میں یہی ذمہ داری وارثوں کی ہے کہ وہ بچے کی ماں کے حقوق صحیح طریقے سے
ادا کریں، تاکہ نہ عورت کو تکلیف ہو اور نہ بچے کی پرورش اور نگہداشت متاثر ہو۔

(۳) یہ ماں کے علاوہ کسی اور عورت سے دودھ پلوانے کی اجازت ہے بشرطیکہ اس کا ماں واجب (معاوضہ) دستور کے
مطابق ادا کر دیا جائے۔

(۴) یہ عدت وفات ہر عورت کے لیے ہے، چاہے مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، جو ان ہو یا بوڑھی۔ البتہ اس سے حاملہ عورت مستثنیٰ
ہے، کیوں کہ اس کی عدت وضع حمل ہے۔ ﴿وَأُولَٰئِكَ الْأَحْصَاءُ ۚ لَنْ يَفْضَحَ عَنْكُمُ﴾ — (العلاق) ”حمل والی عورتوں کی
مدت وضع حمل ہے۔“ اس عدت وفات میں عورت کو زیب و زینت کی (حتیٰ کہ سرمہ لگانے کی بھی) اور خاوند کے مکان سے
کسی اور جگہ منتقل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ مطلقہ رجعیہ کے لیے عدت کے اندر زیب و زینت ممنوع نہیں ہے اور

فَمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۵۱﴾

اچھلتی کے ساتھ وہ اپنے لئے کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ^(۱) اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے خبردار ہے۔ (۲۳۳)

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَزَمْتُ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَنْ تَبْتَاعُوا بِأَنْفُسِكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَلَمْ تَسْأَلُوهُنَّ وَلَكِنْ لَا تَأْجِدُونَ فِي سَبِيلِ الْإِيمَانِ تَقُولُوا أَقُولَ لَمْ نَعْرِفُوهُمَا وَلَا نَعْرِضُكُمْ غَفَلَةَ الْغَنَاءِ حَالِي يَنْبَغِي الْكِتَابُ لَهْكَ وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَلِيمٌ ﴿۵۲﴾

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارہ کنایہ ان عورتوں سے نکاح کی بابت کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ ارادہ کرو اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم ضرور ان کو یاد کرو گے لیکن تم ان سے پوشیدہ وعدے نہ کرلو ^(۲) ہاں یہ اور بات ہے کہ تم بھلی بات بولا کرو ^(۳) اور عقد نکاح جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے پختہ نہ کرو جان رکھو کہ

مطلقہ بانہ میں اختلاف ہے، بعض جواز کے اور بعض ممانعت کے قائل ہیں۔ (ابن کثیر)

(۱) یعنی عدت گزرنے کے بعد وہ زیب و زینت اختیار کریں اور اولیا کی اجازت و مشاورت سے کسی اور جگہ نکاح کا بندوبست کریں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں اس لیے تم پر بھی (اے عورت کے ولیوں) کوئی گناہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیوہ کے عقد ثانی کو برا سمجھنا چاہیے نہ اس میں رکاوٹ ڈالنی چاہیے۔ جیسا کہ ہندوؤں کے اثرات سے ہمارے معاشرے میں یہ چیز پائی جاتی ہے۔

(۲) یہ بیوہ یا وہ عورت جس کو تین طلاقیں مل چکی ہوں یعنی طلاق بانہ۔ ان کی بابت کہا جا رہا ہے کہ عدت کے دوران ان سے اشارے کنایے میں تو تم نکاح کا پیغام دے سکتے ہو (مثلاً میرا ارادہ شادی کرنے کا ہے) یا میں نیک عورت کی تلاش میں ہوں وغیرہ لیکن ان سے کوئی خفیہ وعدہ مت لو اور نہ مدت گزرنے سے قبل عقد نکاح پختہ کرو۔ لیکن وہ عورت جس کو خاوند نے ایک یا دو طلاقیں دی ہیں اس کو عدت کے اندر اشارے کنایے میں بھی نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں کیوں کہ جب تک عدت نہیں گزر جاتی اس پر خاوند کا ہی حق ہے۔ ممکن ہے خاوند رجوع ہی کر لے۔

مسئلہ: بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جاہل لوگ عدت کے اندر ہی نکاح کر لیتے ہیں اس کی بابت حکم یہ ہے کہ اگر ان کے درمیان ہم بستری نہیں ہوئی ہے تو فوراً ان کے درمیان تفریق کرادی جائے اور اگر ہم بستری ہو گئی ہے تب بھی تفریق تو ضروری ہے تاہم دوبارہ ان کے درمیان (عدت گزرنے کے بعد) نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض علما کی رائے یہ ہے کہ ان کے درمیان اب کبھی باہم نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک دوسرے کے لیے ابد احرام ہیں لیکن جمہور علما ان کے درمیان نکاح کے جواز کے قائل ہیں (تفسیر ابن کثیر)

(۳) اس سے مراد بھی وہی تعریض و کنایہ ہے جس کا حکم پہلے دیا گیا ہے مثلاً میں تیرے معاملے میں رغبت رکھتا ہوں یا ولی سے کہے کہ اس کے نکاح کی بابت فیصلہ کرنے سے قبل مجھے اطلاع ضرور کرنا وغیرہ (ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی باتوں کا بھی علم ہے، تم اس سے خوف کھاتے رہا کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بخشش اور علم والا ہے۔ (۲۳۵)

اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مقرر کئے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں، ہاں انہیں کچھ نہ کچھ فائدہ دو۔ خوشحال اپنے انداز سے اور تنگ دست اپنی طاقت کے مطابق دستور کے مطابق اچھا فائدہ دے۔ بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے۔ (۲۳۶)^(۱)

اور اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقررہ مہر کا آدھا مردے دو، یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں^(۲) یا وہ شخص معاف کر دے جس کے

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً مِّمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ تَعَلَّيْ تَوْسِيَةً ذَٰلِكُمْ وَ عَلَى النِّفَاقِ قَوْلٌ لَا مَقْلَافَ لَهُ لِمَا مَعْرُوفٍ حَقَّ عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝

وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَوَيْسَتْ مِمَّا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يُعْفَوْنَ أَوْ يُعْفُوا الَّذِي بَيْنَهُمَا عَهْدٌ أَوْ نِكَاحٌ فَإِنْ عَفَوْا فَغَرِبَ لِلْعَفْوِ وَلَا تَتَّبِعُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

(۱) یہ اس عورت کی بہت حکم ہے کہ نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں ہوا تھا اور خاوند نے خلوت صحیح یعنی ہم بستری کے بغیر طلاق بھی دے دی تو اسے کچھ نہ کچھ فائدہ دے کر رخصت کرو۔ یہ فائدہ (معد طلاق) ہر شخص کی طاقت کے مطابق ہونا چاہیے۔ خوش حال اپنی حیثیت اور تنگ دست اپنی طاقت کے مطابق دے۔ تاہم محسنین کے لیے ہے یہ ضروری۔ اس معد کی تعیین بھی کی گئی ہے، کسی نے کہا، خادم۔ کسی نے کہا ۵۰۰ درہم۔ کسی نے کہا ایک یا چند سوٹ وغیرہ۔ بہر حال یہ تعیین شریعت کی طرف سے نہیں ہے۔ ہر شخص کو اپنی طاقت کے مطابق دینے کا اختیار اور حکم ہے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ معد طلاق ہر قسم کی طلاق یافتہ عورت کو دینا ضروری ہے، یا خاص اسی عورت کی بابت حکم ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ قرآن کریم کی بعض اور آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہر قسم کی طلاق یافتہ عورت کے لیے ہے، وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔ اس حکم معد میں جو حکمت اور فوائد ہیں، وہ محتاج وضاحت نہیں۔ کئی کشیدگی اور اختلاف کے موقع پر جو طلاق کا سبب ہوتا ہے، احسان کرنا اور عورت کی دلجوئی و دلداری کا اہتمام کرنا، مستقبل کی متوقع خصوصیات کے سد باب کا نہایت اہم دریغ ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں اس احسان و سلوک کے بجائے، مطلقہ کو ایسے برے طریقے سے رخصت کیا جاتا ہے کہ دونوں خاندانوں کے آپس کے تعلقات ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتے ہیں۔

(۲) یہ دوسری صورت ہے کہ مساس (خلوت صحیح) سے قبل ہی طلاق دے دی اور حق مہر بھی مقرر تھا۔ اس صورت میں خاوند کے لیے ضروری ہے کہ نصف مراد کرے۔ الایہ کہ عورت اپنا یہ حق معاف کر دے۔ اس صورت میں خاوند کو کچھ نہیں دینا پڑے گا۔

ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے ^(۱) تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے بہت نزدیک ہے اور آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو 'یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ (۲۳۷)

نمازوں کی حفاظت کرو 'بالخصوص درمیان والی نماز کی ^(۲) اور اللہ تعالیٰ کے لئے باادب کھڑے رہا کرو۔ (۲۳۸)
اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل ہی سہی یا سواری سہی 'ہاں جب امن ہو جائے تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح کہ اسے تمہیں

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ

لُحُوتًا ۝

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ سَارِيَةً قَامُوا لِلَّهِ كَمَا

عَلَّمَكُمْ مَا تَعْلَمُونَ ۝

(۱) اس سے مراد خوند ہے 'کیوں کہ نکاح کی گرہ (اس کا توڑنا اور باقی رکھنا) اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ نصف حق مر معاف کر دے 'یعنی ادا شدہ حق مہر میں سے نصف مرد اپس لینے کی بجائے 'اپنا یہ حق (نصف مہر) معاف کر دے اور پورے کا پورا مہر عورت کو دے دے۔ اس سے آگے آپس میں فضل و احسان کو نہ بھونے کی تاکید کر کے حق مہر میں بھی اسی فضل و احسان کو اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

ملاحظہ بعض نے ﴿يَتَذَكَّرُ الْيَتَامَى﴾ سے عورت کا ولی مراد لیا ہے کہ عورت معاف کر دے یا اس کا ولی معاف کر دے 'لیکن یہ صحیح نہیں۔ ایک تو عورت کے ولی کے ہاتھ میں عقدہ نکاح نہیں 'دوسرے مہر عورت کا حق اور اس کا دل ہے 'اسے معاف کرنے کا حق بھی ولی کو حاصل نہیں۔ اس لیے وہی تفسیر صحیح ہے جو آغاز میں کی گئی ہے (فتح القدیر) ضروری وضاحت: طلاق یافتہ عورتوں کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ جن کا حق مہر بھی مقرر ہے 'خاوند نے جماعت بھی کی ہے ان کو پورا حق مہر دیا جائے گا۔ جیسا کہ آیت ۲۲۹ میں اس کی تفصیل ہے۔ ۲۔ حق مہر بھی مقرر نہیں 'جماعت بھی نہیں کی گئی 'ان کو صرف تعدہ طلاق دیا جائے گا۔ ۳۔ حق مہر مقرر ہے 'لیکن جماعت نہیں کی گئی 'ان کو نصف مہر دینا ضروری ہے (ان دونوں کی تفصیل 'زیر نظر آیت میں ہے) ۴۔ جماعت کی گئی ہے 'لیکن حق مہر مقرر نہیں 'ان کے لیے مہر مثل ہے 'مہر مثل کا مطلب ہے اس عورت کی قوم میں جو رواج ہے 'یا اس بھی عورت کے لیے بالعموم جتنے مہر مقرر کیا جاتا ہو۔ (تیل الاوطار وعون المعبود)

(۲) درمیان والی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے جس کو اس حدیث رسول ﷺ نے متعین کر دیا ہے جس میں آپ ﷺ نے خندق والے دن عصر کی نماز کو صَلَاةٌ وَسَطَىٰ قرار دیا۔ (صحیح بخاری 'کتاب الجہاد' باب الدعاء علی المشرکین بالہریمۃ و صحیح مسلم 'کتاب المساجد' باب الدلیل لمن قال الصلاۃ الوسطیٰ

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً
لَّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْغَوْلِ غَيْرَ خَوَاجٍ قُلْ خَرَجْنَا
لِلْحَيَاةِ عَلَيْكُمْ مِمَّا قَلَّ فِي أَنْفُسِهِمْ مِنْ مَعْرُوفٍ
وَاللَّهُ غَيْرُ رَحِيمٍ ۝

وَالْمُطَلَّاتُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَوَفَّاتِ ۝

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

اللَّهُ تَعَالَى الْوَدِيدُ خَوَّاهُ مِنْ دِيَارِهِمْ ذَهَبَ الْوَدُودُ خَذَرَ النُّبُوتِ
فَقَالَ لَهُمْ اللَّهُ مُؤْتُونَ لَهُ حَيَاتُهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَدَّوْقُضِيلٍ عَلَى
النَّاسِ وَلَكِنَّ الْكُفْرَ النَّاسِ لَا يَتَذَكَّرُونَ ۝

اس بات کی تعلیم دی جسے تم نہیں جانتے تھے۔ (۲۳۹)
جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ
جائیں وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک
فائدہ اٹھائیں (۳) انہیں کوئی نہ نکالے ہاں اگر وہ خود نکل
جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لئے
اچھائی سے کریں، اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم ہے۔ (۲۴۰)
طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیزگاروں پر لازم
ہے۔ (۲۴۱)

اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر ظاہر فرما رہا ہے تاکہ
تم سمجھو۔ (۲۴۲)

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے
اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل
کھڑے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مرجو، پھر

(۱) یعنی دشمن سے خوف کے وقت جس طرح بھی ممکن ہے پیادہ چلتے ہوئے سواری پر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ لو۔ تاہم
جب خوف کی حالت ختم ہو جائے تو پھر اسی طرح نماز پڑھو جس طرح سکھایا گیا ہے۔

(۲) یہ آیت گو ترتیب میں مؤخر ہے مگر منسوخ ہے، مانع آیت پہلے گزر چکی ہے، جس میں عدت و فوات ۳ مہینے ۱۰ دن
تلائی گئی۔ علاوہ ازیں آیت سواریت نے بیویوں کا حصہ بھی مقرر کر دیا ہے، اس لیے اب خاوند کو عورت کے لیے کسی
بھی قسم کی وصیت کرنے کی ضرورت نہیں رہی، نہ رہائش (سکنی) کی اور نہ نان و نفقہ کی۔

(۳) یہ حکم عام ہے جو ہر مطلقہ عورت کو شامل ہے۔ اس میں تفریق کے وقت جس حسن سلوک اور تعییب قلوب کا
اہتمام کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اس کے بے شمار معاشرتی فوائد ہیں۔ کاش مسلمان اس نہایت ہی اہم نصیحت پر عمل
کریں، جسے انہوں نے بالکل فراموش کر رکھا ہے۔ آج کل کے بعض ”مجتہدین“ نے ”متاع“ اور ”مَتَعُونُهُنَّ“ سے یہ
استدس کیا ہے کہ مطلقہ کو اپنی جائیداد میں سے باقاعدہ حصہ دو، یا عمر بھر نان و نفقہ دیتے رہو۔ یہ دونوں باتیں بے بنیاد
ہیں، بھلا جس عورت کو مرد نے نہایت ناپسندیدہ سمجھ کر اپنی زندگی سے ہی خارج کر دیا، وہ ساری عمر کس طرح اس کے
اخراجات کی ادائیگی کے لیے تیار ہو گا؟

انہیں زندہ کر دیا^(۱) بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل والا ہے، لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔ (۲۳۳)

اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سنتا، جانتا ہے۔ (۲۳۴)

ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض^(۲) دے پس اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے، اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۲۳۵)

کیا آپ نے (حضرت) موسیٰ کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا^(۳) جب کہ انہوں نے اپنے پیغمبر

وَقَالُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَعْلَنُوا أَنَّ اللَّهَ سَيُنْجِيهِمْ ۖ

مَنْ ذَا الَّذِي يقرضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۚ وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْطِئُ ۚ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

اللَّهُ تَرَىٰ الْإِسْرَءِيلَ إِن يَرَاهُ يَلَّ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ ۖ إِذْ قَالُوا لِلَّهِ بُعْدٌ ۚ لَأَنَّا كُنَّا نَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ

(۱) یہ واقعہ سابقہ کسی امت کا ہے، جس کی تفصیل کسی صحیح حدیث میں بیان نہیں کی گئی۔ تفسیری روایات میں اسے بنی اسرائیل کے زمانے کا واقعہ اور اس پیغمبر کا نام، جس کی دعا سے انہیں اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ فرمایا، حزقیل بتلایا گیا ہے۔ یہ جہاد میں قتل کے ڈر سے، یا وبائی بیماری طاعون کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، تاکہ موت کے منہ میں جانے سے بچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مار کر ایک تو یہ بتلایا کہ اللہ کی تقدیر سے تم بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ دوسرا یہ کہ انسانوں کی آخری جائے پناہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور وہ تمام انسانوں کو اسی طرح زندہ فرمائے گا جس طرح اللہ نے ان کو مار کر زندہ کر دیا۔ اگلی آیت میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے اس واقعے کے بیان میں یہی حکمت ہے کہ جہاد سے جی مت چڑاؤ، موت و حیات تو اللہ کے قبضے میں ہے اور اس موت کا وقت بھی متعین ہے جسے جہاد سے گریز و فرار کر کے تم ٹال نہیں سکتے۔

(۲) قَرْضٌ حَسَنٌ سے مراد اللہ کی راہ میں اور جہاد میں مال خرچ کرنا ہے یعنی جان کی طرح مالی قربانی میں بھی تامل مت کرو۔ رزق کی کشادگی اور کمی بھی اللہ کے اختیار میں ہے۔ اور وہ دونوں طریقوں سے تمہاری آزمائش کرتا ہے۔ کبھی رزق میں کمی کر کے اور کبھی اس میں فراوانی کر کے۔ پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے تو کمی بھی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اس میں کئی گنا اضافہ فرماتا ہے، کبھی ظاہری طور پر، کبھی معنوی و روحانی طور پر اس میں برکت ڈال کر اور آخرت میں تو یقیناً اس میں اضافہ حیران کن ہو گا۔

(۳) مثلاً کسی قوم کے ان اشراف، سردار اور اہل حل و عقد کو کہا جاتا ہے جو خاص مشیر اور قائد ہوتے ہیں، جن کے دیکھنے سے آنکھیں اور دل رعب سے بھر جاتے ہیں مثلاً کے لغوی معنی (بھرنے کے ہیں) (اسیر القاسم) جس پیغمبر کا یہاں

هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلْاَوْفَاۗءُ قَالُوۡا
وَقَالَتِ الْاُنثٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيۡنَ اِنَّ سَبِيۡلَ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ
دِيَارِنَا وَاَبْنَانَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِيۡلًا
مِّنْهُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ بِالظَّٰلِمِيۡنَ ﴿٢٣٦﴾

سے کہا کہ کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجئے^(۱) تاکہ ہم اللہ کی
راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا کہ ممکن ہے جہاد فرض
ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو، انہوں نے کہا بھلا ہم اللہ
کی راہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں
سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیئے گئے
ہیں۔ پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوائے تھوڑے
سے لوگوں کے سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو
خوب جانتا ہے۔ (۲۳۶)

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوۡتَ مَدِيۡنًا
قَالُوۡا اَلَيْۤسَ اَبُوۡنَا اِلٰىكَ الْمَلِكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَعۡقٰبُ يٰۤاٰدَمَ
وَمِنۡهُ وَلَمْ يَكُنۡ لَّيۡسَۃٌ فِىۡ الدِّیۡنِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَصۡطَفٰهُ
عَلَيْكُمۡ وَرَادَ لَا بُدَّ لَیۡسَۃٌ فِیۡ الْعِلۡمِ وَاِلَیۡهِمۡ وَلَیۡسَۃٌ فِیۡ
مُلۡكِهِمۡ مِّنۡ یَّۤاۤاۤدَمَ وَاِنَّ اللّٰهَ وَاَسَمَ عَلَیۡهِمۡ ﴿٢٣٧﴾

اور انہیں ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو
تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے تو کہنے لگے بھلا اس کی ہم پر
حکومت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے تو بہت زیادہ حق دار
بادشاہت کے ہم ہیں، اس کو تو مالی کشادگی بھی نہیں دی
گئی۔ نبی نے فرمایا سنو، اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر برگزیدہ

ذکر ہے اس کا نام شمویل بتلایا جاتا ہے۔ ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو اسرائیل
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کچھ عرصے تک تو ٹھیک رہے، پھر ان میں انحراف آگیا، دین میں بدعات ایجاد کر لیں۔ حتیٰ
کہ بتوں کی پوجا شروع کر دی۔ انبیاء ان کو روکتے رہے، لیکن یہ معصیت اور شرک سے باز نہیں آئے۔ اس کے نتیجے
میں اللہ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا، جنہوں نے ان کے علاقے بھی چھین لیے اور ان کی ایک بڑی تعداد کو
قیدی بھی بنا لیا، ان میں نبوت وغیرہ کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا، بالآخر بعض لوگوں کی دعاؤں سے شمویل نبی پیدا ہوئے،
جنہوں نے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔ انہوں نے پیغمبر سے یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں جس
کی قیادت میں ہم دشمنوں سے لڑیں۔ پیغمبر نے ان کے سابقہ کردار کے پیش نظر کہا کہ تم مطالبہ تو کر رہے ہو، لیکن میرا
اندازہ یہ ہے کہ تم اپنی بہت پر قائم نہیں رہو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جیسا کہ قرآن نے بیان کیا ہے۔

(۱) نبی کی موجودگی میں بادشاہ مقرر کرنے کا مطالبہ، بادشاہت کے جواز کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر بادشاہت جائز نہ ہوتی تو اللہ
تعالیٰ اس مطالبے کو رد فرما دیتا، لیکن اللہ نے اس معاملے کو رد نہیں فرمایا، بلکہ طالوت کو ان کے لیے بادشاہ مقرر کر دیا، جیسا کہ آگے آ رہا
ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ اگر مطلق العنان نہیں ہے بلکہ وہ احکام الہی کا پابند اور عدل و انصاف کرنے والا ہے تو اس کی بادشاہت
جائز ہی نہیں، بلکہ مطلوب و محبوب بھی ہے۔ مزید دیکھیے سورۃ المائدہ، آیت ۲۰ کا ماحشر۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ
فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا
مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَفَرَّقَهُوا أَلْفًا لِيَلْزَمَهُمْ طَالُوتُ أَصْحَابَهُ
هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِطَالُوتَ وَجُنُودِهِ
قَالَ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ إِنَّهُمْ يَمُنُّونَ أَطَّاعُوا أَوْطَاعَهُمْ مِنْ قَبْلُ وَلَكِنْ كَوَّنُوا
تَلَبُّهُمْ إِنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝۱۷

جب (حضرت) طالوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا سنو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نمر^(۱) سے آزمانے والا ہے، جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے۔ لیکن سوائے چند کے باقی سب نے وہ پانی پی لیا^(۲) (حضرت) طالوت مومنین سمیت جب نمر سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں۔^(۳) لیکن اللہ تعالیٰ کی طاقت پر یقین رکھنے والوں نے کہا، ب اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پالیتی ہیں، اللہ تعالیٰ مہر والوں کے ساتھ ہے۔ (۲۳۹)

جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار ہمیں

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا آفِرْ عَلَيْنَا صَبْرًا
وَتَقَاتِلْ أَفْدَانَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝۱۸

(۱) یہ نمر اردن اور فلسطین کے درمیان ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) اطاعت امیر ہر حال میں ضروری ہے، تاہم دشمن سے معرکہ آرائی کے وقت تو اس کی اہمیت دو چند، بلکہ صد چند ہو جاتی ہے۔ دوسرے جنگ میں کامیابی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ فوجی اس دوران بھوک، پیاس اور دیگر شدائد کو نہایت صبر اور حوصلے سے برداشت کریں۔ چنانچہ ان دونوں باتوں کی تربیت اور امتحان کے لیے طالوت نے کہا کہ نمر پر تھماری پہلی آزمائش ہوگی۔ جس نے پانی پی لیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ لیکن اس سمیہ کے باوجود اکثریت نے پانی پی لیا۔ ان کی تعداد میں مشرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ اسی طرح نہ پینے والوں کی تعداد ۳۱۳ بتلائی گئی ہے، جو اصحاب بدر کی تعداد ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳) ان اہل ایمان نے بھی ابتداً جب دشمن کی بڑی تعداد دیکھی تو اپنی قلیل تعداد کے پیش نظر اس رائے کا اظہار کیا، جس پر ان کے علماء اور ان سے زیادہ پختہ یقین رکھنے والوں نے کہا کہ کامیابی، تعداد کی کثرت اور اسلحہ کی فراوانی پر منحصر نہیں، بلکہ اللہ کی مشیت اور اس کے اذن پر موقوف ہے اور اللہ کی تائید کے لیے صبر کا اہتمام ضروری ہے۔

میر دے، ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔^(۱) (۲۵۰)

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جالوتوں کو شکست دے دی اور (حضرت) داود (علیہ السلام) کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا^(۲) اور اللہ تعالیٰ نے داود (علیہ السلام) کو مملکت و حکمت^(۳) اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔^(۴) (۲۵۱)

هَٰذَا نُمُوهُمَا ذَٰلِكَ قَتْلُ دَاوُدَ جَالُوتَ وَانْشَأَ اللَّهُ الْمُلُوكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُمَا مَا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

(۱) جالوت اس دشمن قوم کا کمانڈر اور سربراہ تھا جس سے طاقت اور ان کے رفقا کا مقابلہ تھا۔ یہ قوم ہمالیہ تھی جو اپنے وقت کی بڑی جنگجو اور بہادر قوم سمجھی جاتی تھی۔ ان کی اسی شہرت کے پیش نظر، عین معرکہ آرائی کے وقت اہل ایمان نے بارگاہ الہی میں مبروہ ثابت اور کفر کے مقابلے میں ایمان کی فتح و کامیابی کی دعا مانگی۔ گویا مادی اسباب کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نصرت الہی کے لیے ایسے موقعوں پر بطور خاص طلبکار رہیں، جیسے جنگ بدر میں نبی ﷺ نے نہایت الحاح و زاری سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور مسلمانوں کی ایک نہایت قلیل تعداد کافروں کی بڑی تعداد پر غالب آئی۔

(۲) حضرت داود علیہ السلام بھی، جو ابھی پیغمبر تھے نہ بادشاہ، اس لشکر طاقت میں ایک سپاہی کے طور پر شامل تھے۔ ان کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے جالوت کا خاتمہ کیا اور ان تھوڑے سے اہل ایمان کے ذریعے سے ایک بڑی قوم کو شکست فاش دلوائی۔

(۳) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو بادشاہت بھی عطا فرمائی اور نبوت بھی۔ حکمت سے بعض نے نبوت، بعض نے صنعت آہن گری اور بعض نے ان امور کی سمجھ مراد لی ہے، جو اس موقعہ جنگ پر اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادے سے فیصلہ کن ثابت ہوئے۔

(۴) اس میں اللہ کی ایک سنت الہی کا بیان ہے کہ وہ انسانوں کے ہی ایک گروہ کے ذریعے سے دوسرے انسانی گروہ کے ظلم اور اقتدار کا خاتمہ فرماتا رہتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا اور کسی ایک ہی گروہ کو ہمیشہ قوت و اختیار سے بہرہ ور کیے رکھتا تو یہ زمین ظلم و فساد سے بھر جاتی۔ اس لیے یہ قانون الہی اہل دنیا کے لیے فضل الہی کا خاص منظر ہے۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ حج کی آیت ۳۸ اور ۴۰ میں بھی فرمایا ہے۔

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ تَنْزِيلُهَا عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ وَإِنَّكَ لَمِنَ
الرُّسُلِ ۝ (۲۵۲)

یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جنہیں ہم حقانیت کے ساتھ
آپ پر پڑھتے ہیں، بالیقین آپ رسولوں میں سے
ہیں (۲۵۲) ^(۱)

(۱) یہ گزشتہ واقعات جو آپ ﷺ پر نازل کردہ کتاب کے ذریعے سے دنیا کو معلوم ہو رہے ہیں، اے محمد (ﷺ) یقیناً
آپ کی رسالت و صداقت کی دلیل ہیں، کیوں کہ آپ ﷺ نے یہ نہ کسی کتاب میں پڑھے ہیں نہ کسی سے سنے ہیں۔
جس سے یہ واضح ہے کہ یہ غیب کی وہ خبریں ہیں جو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ آپ پر نازل فرما رہا ہے۔ قرآن کریم میں متعدد
مقامات پر گزشتہ امتوں کے واقعات کے بیان کو آپ ﷺ کی صداقت کے لیے دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ
 مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ ذَرْبَهُمْ وَأَيْنَا عِيسَى ابْنُ
 مَرْيَمَ الْيَكُونُ وَأَيَّدْنَا لَهُ بِهِ رُوحَ الْقُدُسِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتُلَ
 الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ لَمَنْعُوا
 فَيُتْلَوْهُ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتُلُوا
 وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُؤِيدُ ﴿۱۰۹﴾

یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر
 فضیلت دی ہے،^(۱) ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے
 اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی ہے اور بعض کے درجے بلند
 کئے ہیں، اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو معجزات عطا فرمائے
 اور روح القدس سے ان کی تائید کی۔^(۲) اگر اللہ تعالیٰ
 چاہتا تو ان کے بعد والے اپنے پاس ولیس آجانے کے
 بعد ہرگز آپس میں لڑائی بھڑائی نہ کرتے، لیکن ان لوگوں
 نے اختلاف کیا، ان میں سے بعض تو مومن ہوئے اور
 بعض کافر، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ آپس میں نہ
 لڑتے،^(۳) لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (۲۵۳)

(۱) قرآن نے ایک دوسرے مقام پر بھی اسے بیان کیا ہے ﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا نَحْنُ الْيَهُودَ عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ﴾ (۵۵) ”ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے“ اس لیے اس حقیقت میں تو کوئی شک نہیں۔ البتہ نبی ﷺ نے جو فرمایا ہے ”لَا تُخْبِرُونِي مِنَ الْأَنْبِيَاءِ“ اصحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الاعراف، باب ۳۵۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ، ”تم مجھے انبیاء کے درمیان فضیلت مت دو“ تو اس سے ایک کی دوسرے پر فضیلت کا انکار لازم نہیں آتا بلکہ یہ امت کو انبیاء علیہم السلام کی بابت ادب و احترام سکھایا گیا ہے کہ تمہیں چونکہ تمام باتوں اور ان امتیازات کا جن کی بنا پر انہیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے، پورا علم نہیں ہے۔ اس لیے تم میری فضیلت بھی اس طرح بیان نہ کرنا کہ اس سے دوسرے انبیاء کی کسر شان ہو۔ ورنہ بعض نبیوں کی بعض پر فضیلت اور تمام پیغمبروں پر نبی ﷺ کی فضیلت و اشرفیت مسلمہ اور اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے جو نصوص کتاب و سنت سے ثابت ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے فتح القدیر للشوکانی)

(۲) مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے، مثلاً احیائے موتی (مردوں کو زندہ کرنا) وغیرہ۔ جس کی تفصیل سورۃ آل عمران میں آئے گی۔ روح القدس سے مراد حضرت جبریل ہیں، جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

(۳) اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔ مطلب اس کا یہ نہیں ہے کہ اللہ کے ناز کردہ دین میں اختلاف پسندیدہ ہے۔ یہ اللہ کو سخت ناپسند ہے، اس کی پسند (رضا) تو یہ ہے کہ تمام انسان اس کی ناز کردہ شریعت کو اپنا کرنا، جہنم سے بچ جائیں۔ اسی لیے اس نے کتابیں اتاریں، انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ قائم کیا تا آنکہ نبی کریم ﷺ پر رسالت کا خاتمہ فرمادیا۔ تاہم اس کے بعد بھی خلفاء اور علماء دعا کے ذریعے سے دعوت حق اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا سلسلہ جاری رکھا گیا اور اس کی سخت اہمیت و تاکید بیان فرمائی گئی۔ کس لیے؟ اسی لیے تاکہ لوگ اللہ کے پسندیدہ راستے کو اختیار کریں۔ لیکن چونکہ اس نے ہدایت اور گمراہی دونوں راستوں کی نشان دہی کر کے انسانوں کو

اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی اور شفاعت^(۱) اور کافری ظالم ہیں۔ (۲۵۳)

اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا تھانے والا ہے جسے نہ اونگھ آئے نہ نیند اس کی ملکیت میں زمین اور آسمانوں کی تمام چیزیں ہیں۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے^(۲) اس کی کرسی کی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَعَالَى قُلُوبُكُمْ قَبْلَ أَنْ يُؤْتِيَكُمْ يَوْمَ لَا تَنْفَعُ فِئَةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٥٣﴾

لَهُ الْكَوَالَةُ الْأَمْوَالُ لِمَنْ الْقِيُومَةُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿٢٥٤﴾

کوئی ایک راست اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا ہے بلکہ بطور امتحان اسے اختیار اور ارادہ کی آزادی سے نوازا ہے اس لیے کوئی اس اختیار کا صحیح استعمال کر کے مومن بن جاتا ہے اور کوئی اس اختیار و آزادی کا غلط استعمال کر کے کافر۔ یہ گویا اس کی حکمت و مشیت ہے جو اس کی رضا سے مختلف چیز ہے۔

(۱) یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین اپنے اپنے پیشواؤں یعنی نبیوں، ولیوں، بزرگوں، پیروں، مرشدوں وغیرہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ پر ان کا اتنا اثر ہے کہ وہ اپنی شخصیت کے دباؤ سے اپنے پیروکاروں کے بارے میں جو بات چاہیں اللہ سے منوا سکتے ہیں اور منوا لیتے ہیں۔ اسی کو وہ شفاعت کہتے تھے۔ یعنی ان کا عقیدہ تقریباً وہی تھا جو آج کل کے جاہلوں کا ہے کہ ہمارے بزرگ اللہ کے پاس اڑ کر بیٹھ جائیں گے اور بخشوا کر انھیں گے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے یہاں ایسی کسی شفاعت کا کوئی وجود نہیں۔ پھر اس کے بعد آیت انکری میں اور دوسری متعدد آیات و احادیث میں بتایا گیا کہ اللہ کے یہاں ایک دو سری قسم کی شفاعت بے شک ہوگی، مگر یہ شفاعت وہی لوگ کر سکیں گے۔ جنہیں اللہ اجازت دے گا۔ اور صرف اسی بندے کے بارے میں کر سکیں گے جس کے لیے اللہ اجازت دے گا۔ اور اللہ صرف اور صرف اہل توحید کے بارے میں اجازت دے گا۔ یہ شفاعت فرشتے بھی کریں گے، انبیاء و رسل بھی، اور شہداء صالحین بھی۔ مگر اللہ پر ان میں سے کسی بھی شخصیت کا کوئی دباؤ نہ ہو گا۔ بلکہ اس کے برعکس یہ لوگ خود اللہ کے خوف سے اس قدر لرزاں و ترساں ہوں گے کہ ان کے چہروں کا رنگ اڑ رہا ہو گا۔ ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفَعُونَ﴾ (الأنبياء - ۲۸)۔

(۲) یہ آیت انکری ہے جس کی بڑی فضیلت صحیح احادیث سے ثابت ہے مثلاً یہ آیت قرآن کی اعظم آیت ہے۔ اس کے پڑھنے سے رات کو شیطان سے تحفظ رہتا ہے۔ ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے وغیرہ (ابن کثیر) یہ اللہ

وسعت^(۱) نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت سے نہ ٹھکتا اور نہ اکتاتا ہے، وہ تو بہت بلند اور بہت بڑا ہے (۲۵۵)

دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے،^(۲) اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ

لَا تُكْرِهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الْوُضُوءُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ
بِالْكَاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِبَاطِلِهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ

تعالیٰ کی صفات جلال، اس کی علو شان اور اس کی قدرت و عظمت پر مبنی نہایت جامع آیت ہے۔

(۱) کُزِبَتْ سے بعض نے مَوْضِعٌ قَدْ تَبَيَّنَ (قدم رکھنے کی جگہ) بعض نے علم، بعض نے قدرت و عظمت، بعض نے بادشاہی اور بعض نے عرش مراد لیا ہے۔ لیکن صفات باری تعالیٰ کے بارے میں محدثین اور سلف کا یہ مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات جس طرح قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں، ان کی بغیر تاویل اور کیفیت بیان کیے، ان پر ایمان رکھا جائے۔ اس لیے یہی ایمان رکھنا چاہیے کہ یہ فی الواقع کرسی ہے جو عرش سے الگ ہے۔ اس کی کیفیت کیا ہے، اس پر وہ کس طرح بیٹھتا ہے؟ اس کو ہم بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔

(۲) اس کی شان نزول میں بتایا گیا ہے کہ انصار کے کچھ نوجوان یہودی یا عیسائی ہو گئے تھے، پھر جب یہ انصار مسلمان ہو گئے تو انہوں نے اپنی نوجوان اولاد کو بھی جو یہودی یا عیسائی بن چکے تھے، زبردستی مسلمان بنانا چاہا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ شان نزول کے اس اعتبار سے بعض مفسرین نے اسے اہل کتاب کے لیے خاص مانا ہے یعنی مسلمان مملکت میں رہنے والے اہل کتاب، اگر وہ جزیہ ادا کرتے ہوں، تو انہیں قبول اسلام پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لیکن یہ آیت حکم کے اعتبار سے عام ہے، یعنی کسی پر بھی قبول اسلام کے لیے جبر نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی دونوں کو واضح کر دیا ہے۔ تاہم کفر و شرک کے خاتمے اور باطل کا زور توڑنے کے لیے جہاد ایک الگ اور جبر و اکراہ سے مختلف چیز ہے۔ مقصد معاشرے سے اس قوت کا زور اور دباؤ ختم کرنا ہے جو اللہ کے دین پر عمل اور اس کی تبلیغ کی راہ میں روڑہ بنی ہوئی ہو۔ تاکہ ہر شخص اپنی آزاد مرضی سے چاہے تو اپنے کفر پر قائم رہے اور چاہے تو اسلام میں داخل ہو جائے۔ چونکہ روڑہ بننے والی طاقتیں رہ رہ کر ابھرتی رہیں گی اس لیے جہاد کا حکم اور اس کی ضرورت بھی قیامت تک رہے گی، جیسا کہ حدیث میں ہے: «الْجِهَادُ مَا ضَرَّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ» (جہاد قیامت تک جاری رہے گا) خود نبی ﷺ نے کافروں اور مشرکوں سے جہاد کیا ہے اور فرمایا ہے: «أَمَرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا» (الحدیث)۔ (صحیح بخاری)۔ کتاب الإیمان، باب فین ما یؤاخذوا بالصلوة، ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جہاد کروں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا اقرار نہ کر لیں۔“ اسی طرح سزائے ارتداد (قتل) سے بھی اس آیت کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگ ایسا باور کراتے ہیں)۔ کیونکہ ارتداد کی سزا۔ قتل۔ سے مقصود جبر و اکراہ نہیں ہے بلکہ اسلامی ریاست کی نظریاتی حیثیت کا تحفظ ہے۔ ایک اسلامی مملکت میں ایک کافر کو اپنے کفر پر قائم رہ جانے کی اجازت تو بے شک دی جاسکتی ہے لیکن ایک بار جب وہ اسلام میں داخل ہو جائے تو پھر اس سے بغاوت و انحراف کی

الْوُضْلُ لَا انْقِصَارَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۴

اللَّهُ وَلِىُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ
وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَ لَهُمُ الظُّلُمَاتُ يُخْرِجُوهُمْ مِّنَ النُّورِ
إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝۵

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ حَاجَّوْا بُرْهَانَ رَبِّهِمْ إِنِ أَشَاءَ اللَّهُ
الْمَلَكُ إِذْ قَالَ ابْرَاهِيمَ رَبِّىَ الْكَافِرُ يُبَيِّنُهَا قَالَ أَمَا
أُنْبِئُ وَأُمَيِّنُ قَالَ ابْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالنَّاسِ مِنَ
الشَّرْقِ قَالَتْ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْمَقْرُوبِ فَهُوَ الَّذِى كَفَرَ وَاللَّهُ
لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝۶

أَوْ كَالَّذِى مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَبِهِ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوسِهَا
قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِاللَّهِ بَعْدَ مَوْتِهَا قَامَانَةً اللَّهُ

کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر
ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو کبھی نہ
ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ (۲۵۶)

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے وہ انہیں
اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے اور
کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں۔ وہ انہیں روشنی سے نکال
کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں یہ ہوگ جنہی ہیں
جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔ (۲۵۷)

کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو سلطنت پا کر ابراہیم (علیہ
السلام) سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا
جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو
جلاتا ہے اور مارتا ہے وہ کہنے لگا میں بھی جلتا اور مارتا
ہوں ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اللہ تعالیٰ سورج کو
مشرق کی طرف سے لے آتا ہے تو اسے مغرب کی جانب
سے لے آ۔ اب تو وہ کافر بھونپکا رہ گیا اور اللہ تعالیٰ
ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۲۵۸)

یا اس شخص کے مانند کہ جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو
چھت کے بل اوں دمھی پڑی ہوئی تھی وہ کہنے لگا اس کی

اجازت نہیں دی جاسکتی لہذا وہ خوب سوچ سمجھ کر اسلام لائے۔ کیونکہ اگر یہ اجازت دے دی جاتی تو نظریاتی اساس
منہدم ہو سکتی تھی جس سے نظریاتی انتشار اور فکری اتار کی پھیلتی جو اسلامی معاشرے کے امن کو اور ملک کے استحکام کو
خطرے میں ڈال سکتی تھی۔ اس لیے جس طرح انسانی حقوق کے نام پر قتل، چوری، زنا، ڈاکہ اور حرابہ وغیرہ جرائم کی
اجازت نہیں دی جاسکتی اسی طرح آزادی رائے کے نام پر ایک اسلامی مملکت میں نظریاتی بغاوت (ارتداد) کی اجازت
بھی نہیں دی جاسکتی۔ یہ جبر و اکراہ نہیں ہے۔ بلکہ مرتد کا قتل اسی طرح عین انصاف ہے جس طرح قتل و غارت گری
اور اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت سزائیں دینا عین انصاف ہے۔ ایک کا مقصد ملک کا نظریاتی تحفظ ہے اور
دوسرے کا مقصد ملک کو شرف و فساد سے بچانا ہے اور دونوں ہی مقصد ایک مملکت کے لیے ناگزیر ہیں۔ آج اکثر اسلامی
ممالک ان دونوں ہی مقاصد کو نظر انداز کر کے جن الجبٹوں، دشواریوں اور پریشانیوں سے دوچار ہیں محتاج وضاحت
نہیں۔

مِائَةً عَامٍ ثُمَّ نَحْنُ بِهَا نَظَرٌ ۚ قَالَ لَيْسَتْ بِهَا نِصْفُ يَوْمٍ ۖ اَوْ بَعْضُ يَوْمٍ ۚ قَالَ بَلْ لَيْسَتْ بِمِائَةٍ عَامٍ ۚ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ ۚ لَمْ يَسْتَنْهٖ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى جَمَادِكَ ۚ وَتَجَعَّلَكَ اِلَيْهِ الْاِنْسَانُ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى الْعِظَامِ ۚ كَيْفَ نُنْشِرُهَا ثُمَّ نَكْسُوهُنَّ الْحَمْلًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۚ قَالَ اَعْلَمْتَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟^(۱) تو اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا سو سال کے لئے پھر اسے اٹھایا پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ^(۲) فرمایا بلکہ تو سو سال تک رہا پھر اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔^(۳) (۲۵۹)

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟^(۴) (جناب باری تعالیٰ نے) فرمایا کیا تمہیں

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اَرِنِي الْمَوْتِی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۚ قَالَ بَلْ وَلٰكِنْ لِّيَبْطِیْنَنَّ قُلُوْبُیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ

(۱) اَوْ كَیْدٍ کا عطف پہلے واقعہ پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ نے (پہلے واقعہ کی طرح) اس شخص کے قصے پر نظر نہیں ڈالی جو ایک بستی سے گزرا.... یہ شخص کون تھا؟ اس کی بابت مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ زیادہ مشہور حضرت عزیر کا نام ہے جس کے بعض صحابہ و تابعین قائل ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس سے پہلے کے واقعہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام و نمرود) میں صانع یعنی باری تعالیٰ کا اثبات تھا اور اس دوسرے واقعے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت احیائے موتی کا اثبات ہے کہ جس اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اور اس کے گدھے کو سو سال کے بعد زندہ کر دیا حتیٰ کہ اس کے کھانے پینے کی چیزوں کو بھی خراب نہیں ہونے دیا۔ وہی اللہ تعالیٰ قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ جب وہ سو سال کے بعد زندہ کر سکتا ہے تو ہزاروں سال کے بعد بھی زندہ کرنا اس کے لیے مشکل نہیں۔

(۲) کہا جاتا ہے کہ جب وہ شخص مذکور مرا تھا اس وقت کچھ دن چڑھا ہوا تھا اور جب زندہ ہوا تو ابھی شام نہیں ہوئی تھی اس سے اس نے یہ اندازہ لگایا کہ اگر میں یہاں کل آیا تھا تو ایک دن گزر گیا ہے اور اگر یہ آج ہی کا واقعہ ہے تو دن کا کچھ حصہ ہی گزرا ہے۔ جب کہ واقعہ یہ تھا کہ اس کی موت پر سو سال گزر چکے تھے۔

(۳) یعنی یقین تو مجھے پہلے بھی تھا لیکن اب معنی مشاہدے کے بعد میرے یقین اور علم میں مزید پختگی اور اضافہ ہو گیا ہے۔

(۴) یہ احیائے موتی کا دوسرا واقعہ ہے جو ایک نہایت جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواہش اور ان کے اطمینان قلب کے لیے دکھایا گیا۔ یہ چار پرندے کون کون سے تھے؟ مفسرین نے مختلف نام ذکر کیے ہیں لیکن ناموں کی

جُرءُ اللَّهِ اذْغَمُّنَ يَاتِيَتَكَ سَعِيًا ۚ وَاَعْلَمُ اَنَّ اللَّهَ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٥﴾

مَقُلْ الَّذِيْنَ يَنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللَّهِ يَمَثِلُوْنَ
حَبَّةً اَوْ ثَمَرَةً سَبْعَ سَنَآئِلٍ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ ۚ وَمَا لَهُمْ
وَاللَّهُ يَضَعُ لِمَنْ يَشَاءُ وِزْرًا ۚ وَاللَّهُ وَاَسَعُ حَلِيْمٌ ﴿٢٦﴾

ایمان نہیں؟ جواب دیا ایمان تو ہے لیکن میرے دس کی تسکین ہو جائے گی، فرمایا چار پرند لو، ان کے ٹکڑے کر ڈالو، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں پکارو، تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا ہے (۲۶۰)

جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات ہلیاں نکلیں اور ہر ہالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے (۱) اور اللہ تعالیٰ کشدگی والا اور علم والا ہے (۲۶۱)

تعیین کا کوئی فائدہ نہیں، اس لیے اللہ نے بھی ان کے نام ذکر نہیں کیے۔ بس یہ چار مختلف پرندے تھے۔ فَصْرُهُ کے ایک معنی اَمْنُهُ کیے گئے ہیں یعنی ان کو ”ہلا لے“ (مانوس کر لے) تاکہ زندہ ہونے کے بعد ان کو آسانی سے پہچان لے کہ یہ وہی پرندے ہیں اور کسی قسم کا شک باقی نہ رہے۔ اس معنی کے اعتبار سے پھر اس کے بعد ثُمَّ قَطَعْنَاهُمْ (پھر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر لے) محذوف ماننا پڑے گا۔ دوسرے معنی قَطَعْنَاهُمْ (ٹکڑے ٹکڑے کر لے) کیے گئے ہیں۔ اس صورت میں کچھ محذوف ماننے بغیر معنی واضح ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف پہاڑوں پر ان کے اجزا باہم مل کر رکھ دے، پھر تو آواز دے تو وہ زندہ ہو کر تیرے پاس آجائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بعض جدید و قدیم مفسرین نے (جو صحابہ و تابعین کی تفسیر اور سلف کے منہج و مسلک کو اہمیت نہیں دیتے) فَصْرُهُ کا ترجمہ صرف ”ہلا لے“ کا کیا ہے۔ اور ان کے ٹکڑے کرنے اور پہاڑوں پر ان کے اجزا بکھیرنے اور پھر اللہ کی قدرت سے ان کے جڑنے کو وہ تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں، اس سے واقعے کی ساری اعجازی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور مردے کو زندہ کر دکھانے کا سوال جو کاتوں قائم رہتا ہے۔ حالانکہ اس واقعہ کے ذکر سے مقصود اللہ تعالیٰ کی صفت احیائے موتی اور اس کی قدرت کاملہ کا اثبات ہے۔ ایک حدیث میں ہے نبی ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعے کا تذکرہ کر کے فرمایا اَتَحْزَنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِنِّرَ اٰهِنِيْمَ (اصحیح بخاری، کتاب الشکسور) ”ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کے حق دار ہیں۔“ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا، لہذا ہمیں ان سے زیادہ شک کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ بلکہ مطلب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شک کی نفی ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے احیائے موتی کے مسئلے میں شک نہیں کیا اگر انہوں نے شک کا اظہار کیا ہو تا تو ہم یقیناً شک کرنے میں ان سے زیادہ حق دار ہوتے (مزید وضاحت کے لیے دیکھئے فتح القدیر۔ لشوکانی)

(۱) یہ اخلاق فی سبیل اللہ کی فضیلت ہے۔ اس سے مراد اگر جماد ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جماد میں خرچ کی گئی

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَرْجُوْنَ
مَّا اَنْفَعُوْا مِنْهَا وَلَا اَذٰى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتَّبِعُهَآ اَذٰى
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَلِيْمٌ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى

جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر
اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں^(۱)
ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کچھ خوف
ہے نہ وہ ادا اس ہوں گے۔ (۲۴۳)

نرم بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے
جس کے بعد ایذا رسانی ہو^(۲) اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور
بردار ہے۔ (۲۴۳)

اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر

رقم کا یہ ثواب ہو گا اور اگر اس سے مراد تمام معارف خیر ہیں تو یہ فضیلت نفقات و صدقات فائدہ کی ہو گی اور دیگر
نیکیاں «الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَشْرَافِهَا» (ایک نیکی کا اجر دس گنا) کی ذیل میں آئیں گی۔ (فتح القدیر) گویا نفقات و صدقات کا
عام اجر و ثواب دیگر امور خیر سے زیادہ ہے۔ اتفاق فی سبیل اللہ کی اس اہمیت و فضیلت کی وجہ بھی واضح ہے کہ جب
تک سامان و اسلحہ جنگ کا انتظام نہیں ہو گا فوج کی کارکردگی بھی صفر ہو گی اور مسلمان اور اسلحہ رقم کے بغیر میا نہیں کیے
جاسکتے۔

(۱) اتفاق فی سبیل اللہ کی مذکورہ فضیلت صرف اس شخص کو حاصل ہو گی جو مال خرچ کر کے احسان نہیں جتاتا نہ زبان
سے ایسا کلمہ تحقیر ادا کرتا ہے جس سے کسی غریب محتاج کی عزت نفس مجروح ہو اور وہ تکلیف محسوس کرے۔ کیونکہ یہ
اتنا بڑا جرم ہے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے کلام نہیں فرمائے گا ان میں ایک
احسان جتلانے والا ہے (مسلم، کتاب الإیمان، باب غلظت حرصہم إسمال الإرداء والمن بالعطية)۔

(۲) سائل سے نرمی اور شفقت سے بولنا یا دعائیہ کلمات (اللہ تعالیٰ تجھے بھی اور ہمیں بھی اپنے فضل و کرم سے نوازے
و غیرہ) سے اس کو جواب دینا قول معروف ہے اور مغفرت کا مطلب سائل کے فقر اور اس کی حاجت کا لوگوں کے سامنے
عدم انظار اور اس کی پردہ پوشی ہے اور اگر سائل کے منہ سے کوئی تازیانات نکل جائے تو اس سے چشم پوشی بھی اس
میں شامل ہے۔ یعنی سائل سے نرمی و شفقت اور چشم پوشی پردہ پوشی اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد اس کو
لوگوں میں ذلیل و رسوا کر کے اسے تکلیف پہنچائی جائے۔ اسی لیے حدیث میں کہا گیا ہے «الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ»
(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب بیان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف،) (پاکیزہ کلمہ بھی
صدقہ ہے) نیز نبی ﷺ نے فرمایا «تم کسی بھی معروف (نیکی) کو حقیر مت سمجھو اگرچہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا
ہی ہو۔ «لَا تَخْفِرُوا مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنَّ تَلَقَّى أَحَاكُ بَوَّاحٍ طَلَبِي» (مسلم، کتاب البر، باب استحباب
طلاقة الوجه عند اللقاء)۔

كَالَّذِي يُبْفِقُ مَالَهُ رِيقًا كَالْيَاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تَمَثَّلَتْ لَكُمْ صُفُوٰنٌ عَلَيْهِ ثَرَابٌ فَلَصَّٰبَةٌ
وَإِذَا تَنَزَّعَتْهُ صَلْدٌ لَّا يُفِيْدُنَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللّٰهُ
لَآ يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ⑤

برباد نہ کروا جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے
دکھاوے کے لئے خرچ کرے اور نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان
رکھے نہ قیامت پر اس کی مثال اس صاف پتھر کی طرح
ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو پھر اس پر زور دار مینہ
برسے اور وہ اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے^(۱)
ان ریاکاروں کو اپنی کمائی میں سے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگتی
اور اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو (سیدھی) راہ نہیں
دکھاتا۔ (۲۶۳)

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ اَمْوَالَهُمْ اَتِمَّةً مَّرْمٰتٍ اَللّٰهُ
وَيَسْتَبِشْتٰهُمْ اَنْفُسُهُمْ كَمَثَلِ جَذْوَةٍ بَرَزَتْ اَصَابِعَهَا وَاِذَا
قَامَتْ اَكْثَرُ اَصْفَعِيْنَ قَالَتْ كُنْزُهُنَّهَا وَاِذَا قُطِلَتْ وَاللّٰهُ
يَسْتَعْمِلُوْنَ بَصِيْرًا ⑥

ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی
طلب میں دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ خرچ کرتے
ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی زمین پر ہو^(۲) اور زور دار
بارش اس پر برسے اور وہ اپنا پھل دگنالاوے اور اگر اس
پر بارش نہ بھی برسے تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ
تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ (۲۶۵)

(۱) اس میں ایک تو یہ کہا گیا ہے کہ صدقہ و خیرات کر کے احسان جتلاتا اور تکلیف دہ باتیں کرتا اہل ایمان کا شیوہ نہیں بلکہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جو منافق ہیں اور ریاکاری کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ دوسرے ایسے خرچ کی مثال صاف چٹن کی سی ہے جس پر کچھ مٹی ہو کوئی شخص پیداوار حاصل کرنے کے لئے اس میں بیج بودے لیکن بارش کا ایک جھٹکا پڑتے ہی وہ ساری مٹی اس سے اتر جائے اور وہ پتھر مٹی سے بالکل صاف ہو جائے۔ یعنی جس طرح بارش اس پتھر کے لئے نفع بخش ثابت نہیں ہوئی اسی طرح ریاکار کو بھی اس کے صدقہ کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

(۲) یہ ان اہل ایمان کی مثال ہے جو اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کا خرچ کیا ہو مال اس باغ کی مانند ہے جو پر فضا اور بلند چوٹی پر ہو کہ اگر زور دار بارش ہو تو اپنا پھل دگنلاوے ورنہ ہلکی سی پھوار اور خنم بھی اس کو کافی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس کے نفقات بھی چاہے کم ہو یا زیادہ عند اللہ کئی کئی گنا اجر و ثواب کے باعث ہوں گے جتنے اس زمین کو کہتے ہیں جس میں اتنی کثرت سے درخت ہوں جو زمین کو ڈھانک لیں یا وہ باغ جس کے چاروں طرف باڑھ ہو اور باڑھ کی وجہ سے باغ نظروں سے پوشیدہ ہو۔ یہ جن سے ماخوذ ہے جن اس مخلوق کا نام ہے جو نظر نہیں آتی پیٹ کے نیچے کو جنہیں کہا جاتا ہے کہ وہ بھی نظر نہیں آتا دیوانگی کو جنہوں سے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں بھی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اور جنت کو بھی اس لئے جنت کہتے ہیں کہ وہ نظروں سے مستور ہے۔ رزقہ اونچی زمین کو کہتے ہیں۔ وَاِذَا تَنَزَّعَتْ بَارِشٌ۔

أَيُّدْ أَحَدَكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ جَنِّينَ وَأَعْنَابٍ
 تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ
 وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ مُّضْطَارِعٌ فَأَصَابَهَا
 إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ
 لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۰﴾

کیا تم میں سے کوئی بھی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں
 اور انگوروں کا باغ ہو جس میں سرس بسہ رہی ہوں اور
 ہر قسم کے پھل موجود ہوں اس شخص کا بڑھاپا آگیا ہو
 اس کے ننھے ننھے سے بچے بھی ہوں اور اچانک باغ کو
 گولا لگ جائے جس میں آگ بھی ہو پس وہ باغ جل
 جائے (۲۰) اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیتیں بیان
 کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔ (۲۶۶)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا مِن تِلْكَ الْبَلَاءِ
 مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا
 أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَتَّبِعُوا الْمَنَافِقَ
 إِنَّهُم يَفْعَلُونَ وَلَسْتُمْ بِأَعْيُنِهِمْ إِلَّا أَنْ تُحِيطُوا

اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور زمین میں
 سے تمہارے لئے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ
 کرو (۲۱) ان میں سے بری چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد

(۱) اسی ریاکاری کے نقصانات کو واضح کرنے اور اس سے بچنے کے لیے مزید مثال دی جا رہی ہے کہ جس طرح ایک
 شخص کا باغ ہو جس میں ہر طرح کے پھل ہوں (یعنی اس سے بھرپور آمدنی کی امید ہو) وہ شخص بڑھا ہو جائے اور اس
 کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں (یعنی وہ خود بھی ضعیف پیری اور کیر سنی کی وجہ سے محنت و مشقت سے عاجز ہو چکا ہو اور
 اوراد بھی اس کے بڑھاپے کا سہارا تو کیا؟ خود اپنا بوجھ بھی اٹھانے کے قابل نہ ہو) اس حالت میں تیز و تند ہوائیں چلیں
 اور اس کا سارا باغ جل جائے۔ اب نہ وہ خود دوبارہ اس باغ کو آباد کرنے کے قابل رہا نہ اس کی اوراد۔ یہی حال ان
 ریاکار خرچ کرنے والوں کا قیامت کے دن ہو گا۔ کہ نفاق و ریاکاری کی وجہ سے ان کے سارے اعمال اکارت چھے
 جائیں گے جب کہ وہاں نیکیوں کی شدید ضرورت ہوگی اور دوبارہ اعمال خیر کرنے کی مصلحت و فرصت نہیں ہوگی۔ اللہ
 تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا یہی حال ہو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مثال کا
 مصداق ان لوگوں کو بھی قرار دیا ہے جو ساری عمر نیکیاں کرتے ہیں اور آخر عمر میں شیطان کے جال میں پھنس کر اللہ کے
 نافرمان ہو جاتے ہیں جس سے عمر بھر کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، فتح القدیر،
 لئسوا کالی وتفسیر ابن جریر طبری)۔

(۲) صدقے کی قبولیت کے لیے جس طرح ضروری ہے کہ من وادی اور ریاکاری سے پاک ہو (جیسا کہ گذشتہ آیات
 میں بتایا گیا ہے) اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حلال اور پاکیزہ کمائی سے ہو۔ چاہے وہ کاروبار (تجارت و صنعت) کے
 ذریعے سے ہو یا فصل اور باغات کی پیداوار سے۔ اور یہ جو فرمایا کہ ”خبیث چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا قصد
 مت کرو۔“ تو خبیث سے ایک تو وہ چیزیں مراد ہیں جو غلط کمائی سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں فرماتا۔ حدیث

فِيهِ وَعَاظُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٠﴾

نہ کرنا جسے تم خود لینے والے نہیں ہو، ہاں اگر آنکھیں بند کر لو تو،^(۱) اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور خویوں والا ہے۔ (۲۶۷)

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً أَتَمَنَّةً وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢١﴾

شیطان تمہیں فقیری سے دھمکتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے،^(۲) اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم والا ہے۔ (۲۶۸)

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٢﴾

وہ جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے اور جو شخص حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا^(۳)

میں ہے 'إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا' (اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاک (طال) چیز ہی قبول فرماتا ہے۔) دوسرے ضبیٹ کے معنی ردی اور ٹکی چیز کے ہیں، ردی چیزیں بھی اللہ کی راہ میں خرچ نہ کی جائیں، جیسا کہ آیت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا حُبَبْتُمْ﴾ کا بھی مناد ہے۔ اس کی شان نزول کی روایت میں بتلایا گیا ہے کہ بعض انصار مدینہ خراب اور ٹکی سبجوریں بطور صدقہ مسجد میں دے جاتے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدیر، بحوالہ ترمذی وابن ماجہ وغیرہ)۔

(۱) یعنی جس طرح تم خود ردی چیزیں لینا پسند نہیں کرتے، اسی طرح اللہ کی راہ میں بھی اچھی چیز ہی خرچ کرو۔
(۲) یعنی بھلے کام میں مال خرچ کرنا ہو تو شیطان ڈراتا ہے کہ مفلس اور تلاش ہو جاؤ گے۔ لیکن برے کام پر خرچ کرنا ہو تو ایسے اندیشوں کو نزدیک نہیں سمجھنے دیتا۔ بلکہ ان برے کاموں کو اس طرح سجا اور سنوار کر پیش کرتا ہے اور ان کے لیے فخت آرزوؤں کو اس طرح جگاتا ہے کہ ان پر انسان بڑی سے بڑی رقم بے دھڑک خرچ کر ڈالتا ہے۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ مسجد، مدرسے یا اور کسی کار خیر کے لیے کوئی چندہ لینے پہنچ جائے تو صاحب مال سو، دو سو کے لیے بار بار اپنے حساب کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ اور مانگنے والے کو بسا اوقات کئی کئی بار دوڑاتا اور پلٹاتا ہے۔ لیکن یہی مفص سینما، ٹی وی، وین، شراب، بدکاری اور مقدمے بازی وغیرہ کے جال میں پھنستا ہے تو اپنا مال بے تحاشا خرچ کرتا ہے۔ اور اس سے کسی قسم کی ہچکچاہٹ اور تردد کا ظہور نہیں ہوتا۔

(۳) جَنَّاتٌ سے بعض کے نزدیک، عقل و فہم، علم اور بعض کے نزدیک اصابت رائے، قرآن کے ناسخ و منسوخ کا علم و فہم، قوت فیعلہ اور بعض کے نزدیک صرف سنت یا کتاب و سنت کا علم و فہم ہے یا سارے ہی مفہوم اس کے مصداق میں شامل ہو سکتے ہیں۔ صحیحین وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ ”دو شخصوں پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ اسے راہ حق میں خرچ کرتا ہے۔ دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت دی جس سے وہ فیعلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔“ (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الاعتماد فی العلم والحکمة۔ مسلم، کتاب صلاۃ

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ
قَالَ اللَّهُ يَعْلَمُهَا وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝

إِنْ تُبَدُّوا وَالضَّدَّاءُ فَيَعْبَأُ بِهِمْ وَإِنْ تُخْفَوْهَا
وَتُؤْتُوهُمَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَيَكْفُرُ عَنْكُمْ
مَنْ سَبَّاهُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

لَيْسَ عَلَيْكُمْ حُدُودُهُ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُهْدِي مَنْ يَشَاءُ
وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا يُنْفِكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ
إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفِّ
بِالْخَيْرِ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝

اور نصیحت صرف غفلت ہی حاصل کرتے ہیں۔ (۲۶۹)
تم جتنا کچھ خرچ کرو یعنی خیرات اور جو کچھ نذر مانو^(۱) اسے
اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار
نہیں (۲۷۰)

اگر تم صدقے خیرات کو ظاہر کرو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر
تم اسے پوشیدہ پوشیدہ مسکینوں کو دے دو تو یہ تمہارے
حق میں بہتر ہے،^(۲) اللہ تعالیٰ تمہارے گنہوں کو مٹا دے
گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھنے والا
ہے (۲۷۱)

انہیں ہدایت پر لا کر اکرنا تیرے ذمہ نہیں بلکہ ہدایت
اللہ تعالیٰ دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تم جو بھی چیز اللہ کی
راہ میں دو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے۔ تمہیں صرف
اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب کے لئے ہی خرچ کرنا

المسافرین 'باب فضل من یقوم بالقرآن وبعلمہ۔۔۔

(۱) نذر کا مطلب ہے کہ میرا فلاں کام ہو گیا یا فلاں اتلا سے نجات مل گئی تو میں اللہ کی راہ میں اتنا صدقہ کروں گا۔ اس
نذر کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی ناقریبانی یا ناجائز کام کی نذر مانی ہے تو اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ نذر بھی
نماز روزہ کی طرح عبادت ہے۔ اس لیے اللہ کے سوا کسی اور کے نام کی نذر ماننا اس کی عبادت کرنا ہے جو شرک ہے
جیسا کہ آج کل مشہور قبروں پر نذر نیاز کا یہ سلسلہ عام ہے، اللہ تعالیٰ اس شرک سے بچائے۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں خفیہ طور پر صدقہ کرنا افضل ہے، سوائے کسی ایسی صورت کے کہ علانیہ
صدقہ دینے میں لوگوں کے لیے ترغیب کا پہلو ہو۔ اگر ریاکاری کا جذبہ شامل نہ ہو تو ایسے موقعوں پر پل کرنے والے جو
خاص فضیلت حاصل کر سکتے ہیں، وہ احادیث سے واضح ہے۔ تاہم اس قسم کی مخصوص صورتوں کے علاوہ دیگر مواقع پر
خاصی سے صدقہ و خیرات کرنا ہی بہتر ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو قیامت کے دن عرش الہی کا سایہ
نصیب ہو گا، ان میں ایک وہ شخص بھی ہو گا جس نے اتنے خفیہ طریقے سے صدقہ کیا کہ اس کے دائیں ہاتھ کو بھی یہ پتہ
نہیں چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ صدقے میں اخفا کی فضیلت کو بعض علما نے صرف نفلی صدقات
تک محدود رکھا ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں اظہار کو بہتر سمجھا ہے۔ لیکن قرآن کا عموم صدقات نافلہ اور واجبہ دونوں کو
شامل ہے (ابن کثیر) اور حدیث کا عموم بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

چاہیے تم جو کچھ مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ
تمہیں دیا جائے گا“^(۱) اور تمہارا حق نہ مارا جائے
گا۔ (۲۷۲)

صدقات کے مستحق صرف وہ غریب ہیں جو اللہ کی راہ میں
روک دیئے گئے، جو ملک میں چل پھر نہیں سکتے^(۲) نادان
لوگ ان کی بے سوالی کی وجہ سے انہیں مال دار خیال
کرتے ہیں، آپ ان کے چہرے دیکھ کر قیافہ سے انہیں
پہچان لیں گے وہ لوگوں سے چٹ کر سوال نہیں
کرتے،^(۳) تم جو کچھ مال خرچ کرو تو اللہ تعالیٰ اس کا
جاننے والا ہے۔ (۲۷۳)

يَلْفَقَاهُمُ الَّذِينَ اخْتَصَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْتَسِبُ الْجَاهِلُ
أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ
النَّاسَ الْإِحْقَاقَ وَمَا سُئِفُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ
بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢٧٣﴾

(۱) تفسیری روایات میں اس کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ مسلمان اپنے مشرک رشتے داروں کی مدد کرنا جائز نہیں
سمجھتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہدایت کے راستے پر لگا دینا یہ صرف اللہ کے
اختیار میں ہے۔ دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ تم لوہہ اللہ جو بھی خرچ کرو گے اس کا پورا اجر ملے گا جس سے یہ مظلوم
ہوا کہ غیر مسلم رشتے داروں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنا باعث اجر ہے۔ تاہم زکوٰۃ صرف مسلمانوں کا حق ہے یہ کسی
غیر مسلم کو نہیں دی جاسکتی۔

(۲) اس سے مراد وہ مساجرین ہیں جو مکہ سے مدینہ آئے اور اللہ کے راستے میں ہر چیز سے کٹ گئے۔ دینی علوم حاصل
کرنے والے طلباء اور علماء بھی اس کی ذیل میں آسکتے ہیں۔

(۳) گویا اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ فقر و غربت کے باوجود وہ تَعَفُّف (سوال سے بچنا) اختیار کرتے اور اِنْتِخَاب (چٹ کر
سوال کرنا) سے گریز کرتے ہیں۔ بعض نے الحاف کے معنی کیے ہیں، بالکل سوال نہ کرنا کیونکہ ان کی پہلی صفت عفت
بیان کی گئی ہے (فتح القدیر) اور بعض نے کہا ہے کہ وہ سوال میں الحاح و زاری نہیں کرتے اور جس چیز کی انہیں ضرورت
نہیں ہے اسے لوگوں سے طلب نہیں کرتے۔ اس لیے کہ الحاف یہ ہے کہ ضرورت نہ ہونے کے باوجود (بطور پیشہ)
لوگوں سے مانگے اس مفہوم کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ ”مسکین وہ نہیں ہے جو ایک ایک دو
دو کھجور یا ایک ایک دو دو تھمے کے لیے در در پر جا کر سوال کرتا ہے۔ مسکین تو وہ ہے جو سوال سے بچتا ہے“ پھر نبی
ﷺ نے آیت ﴿لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ الْإِحْقَاقَ﴾ کا حوالہ پیش فرمایا (صحیح بخاری، التفسیر والزکاة)۔ اس لیے پیشہ ور
گداگروں کی بجائے مساجرین، دین کے طلباء اور سفید پوش ضرورت مندوں کا پتہ چلا کر ان کی امداد کرنی چاہیے۔ جو
سوال کرنے سے گریز کرتے ہیں، کیونکہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا انسان کی عزت نفس اور خود داری کے خلاف

جو لوگ اپنے مالوں کو رات دن چھپے کھلے خرچ کرتے ہیں ان کے لئے ان کے رب تعالیٰ کے پاس اجر ہے اور نہ انہیں خوف ہے اور نہ تنگی۔ (۲۷۳)

سود خور^(۱) لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِالْإِثْمِ وَالْهَرَبِ
وَعَلَانِيَةٍ فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٣﴾
الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقْوَمُونَ إِلَّا لَكَيِّفَ عَاقِبُهُمُ اللَّهُ

ہے۔ علاوہ ازیں حدیث میں آتا ہے کہ جس کے پاس مایوسی ہو (یعنی اتنا سلمان ہو جو اس کو کفایت کرتا ہو) لیکن اس کے باوجود وہ لوگوں سے سوال کرے گا تو قیامت والے دن اس کے چہرے پر زخم ہوں گے۔ (رواہ اہل السنن الأربعة۔ ترمذی، کتاب الزکاة) اور بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ ہمیشہ لوگوں سے سوال کرنے والے کے چہرے پر قیامت کے دن گوشت نہیں ہو گا۔ (بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الزکاة، باب من لا یعمل له المسألة ومن یحل له)

(۱) ربو کے لغوی معنی زیادتی اور اضافے کے ہیں۔ اور شریعت میں اس کا اطلاق ربنا انقص اور ربنا تسبیت پر ہوتا ہے۔ ربنا انقص اس سود کو کہتے ہیں جو چھ اشیا میں کی بیشی یا نقد و ادھار کی وجہ سے ہوتا ہے (جس کی تفصیل حدیث میں ہے)۔ مثلاً گندم کا جاڑا گندم سے کرنا ہے تو فرمایا گیا ہے کہ ایک تو برابر برابر ہو۔ دوسرے بذیبہ (باتھوں ہاتھ) ہو۔ اس میں کی بیشی ہوگی تب بھی اور باتھوں ہاتھ ہونے کی بجائے ایک نقد اور دو سرا ادھار یا دونوں ہی ادھار ہوں تب بھی سود ہے) ربنا تسبیت کا مطلب ہے کسی کو (مثلاً) ۶ مینے کے لیے اس شرط پر سو روپے دینا کہ واپسی ۱۲۵ روپے ہو گی۔ ۲۵ روپے ۶ مینے کی مصلحت کے لیے جائیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول میں اسے اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ «كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ ضَعْفَةً فَهُوَ رِبَا» (المعنی القدر شرح الجامع الصغیر ج ۵ ص ۲۸) (قرض پر لیا گیا نفع سود ہے) یہ قرض ذاتی ضرورت کے لیے لیا گیا ہو یا کاروبار کے لیے دونوں قسم کے قرضوں پر لیا گیا سود حرام ہے اور زمانہ جاہلیت میں بھی دونوں قسم کے قرضوں کا رواج تھا۔ شریعت نے بغیر کسی قسم کی تفریق کے دونوں کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ تجارتی قرض (جو عام طور پر بک سے لیا جاتا ہے) اس پر اضافہ 'سود نہیں ہے' اس لیے کہ قرض لینے والا اس سے فائدہ اٹھاتا ہے جس کا کچھ حصہ وہ بک کو یا قرض دہندہ کو لوٹا دیتا ہے تو اس میں کیا قباحت ہے؟ اس کی قباحت ان متجددین کو نظر نہیں آتی جو اس کو جائز قرار دیتا چاہتے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں تو اس میں بڑی قباحتیں ہیں۔ مثلاً قرض لے کر کاروبار کرنے والے کا منافع تو یقینی نہیں ہے۔ بلکہ 'منافع تو کجا اصل رقم کی حفاظت کی بھی ضمانت نہیں ہے۔ بعض دفعہ کاروبار میں ساری رقم ہی ڈوب جاتی ہے۔ جب کہ اس کے برعکس قرض دہندہ (چاہے وہ بک ہو یا کوئی ساہوکار) کا منافع متعین ہے جس کی ادائیگی ہر صورت میں لازمی ہے۔ یہ ظلم کی ایک واضح صورت ہے جسے شریعت اسلامیہ کس طرح جائز قرار دے سکتی ہے؟ علاوہ ازیں شریعت تو اہل ایمان کو معاشرے کے ضرورت مندوں پر بغیر کسی دنیوی غرض و منفعت کے خرچ کرنے کی ترغیب دیتی ہے جس سے معاشرے میں اخوت، بھائی چارے، ہمدردی، تعاون اور شفقت و محبت کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ اس کے برعکس سودی نظام سے سنگ دلی اور

يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَيْمَنِ ذٰلِكَ يَأْتِيهِمْ قَالُوۡا اِنَّمَا الْبَيْعُ
مِثْلُ الْبُرۡنِۙ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنۡ جَاءَكَ
مَوْعَدَةٌ مِّنۡ كِتٰبٍ فَانۡتَهَلۡ قَلۡلًا مِّنۡهَا سَلَفَۙ وَاَصْرُهَا اِلَى اللّٰهِ
وَمَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمۡ فِيۡهَا حٰلِدُونَ ۝۴

يَتَخَبَّطُ اللّٰهُ الرِّبَا وَهُوَ الصَّدَاقُ وَاللّٰهُ لَيُّبُتُ كُلَّ
كَلِمٰةٍ اٰتٰنِيۙ ۝۵

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ

طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر جھٹی بنا دے^(۱)۔
یہ اس لئے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی تو سود ہی
کی طرح ہے^(۲) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا
اور سود کو حرام جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ تعالیٰ کی
نصیحت سن کر رک گیا اس کے لئے وہ ہے جو گزرا^(۳)۔
اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے^(۴) اور جو پھر
دوبارہ (حرام کی طرف) لوٹا وہ جہنمی ہے ایسے لوگ ہمیشہ
یہی اس میں رہیں گے۔ (۲۷۵)

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے^(۵) اور
اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے اور گنہگار سے محبت نہیں
کرتا۔ (۲۷۶)

بے شک جو لوگ ایمان کے ساتھ (سنت کے مطابق)

خود غرضی کو فروغ دیتا ہے۔ ایک سرمائے دار کو اپنے سرمائے کے نفع سے غرض ہوتی ہے چاہے معاشرے میں ضرورت
مند بیماری، بھوک، افلاس سے کراہ رہے ہوں یا بے روزگار اپنی زندگی سے بیزار ہوں۔ شریعت اس شقاوت و سنگدلی کو
کس طرح پسند کر سکتی ہے؟ اس کے اور بہت سے نقصانات ہیں، تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ بہر حال سود مطلقاً حرام
ہے چاہے ذاتی ضرورت کے لیے لے گئے قرضے کا سود ہو یا تجارتی قرضے پر۔

(۱) سود خور کی یہ کیفیت قبر سے اٹھتے وقت یا میدان محشر میں ہوگی۔

(۲) حالانکہ تجارت میں تو نقد رقم اور کسی چیز کا آپس میں تبادلہ ہوتا ہے۔ دوسرے اس میں نفع نقصان کا امکان رہتا
ہے جب کہ سود میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں علاوہ ازیں بیع کو اللہ نے حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ پھر یہ دونوں
ایک کس طرح ہو سکتے ہیں؟

(۳) قبول ایمان یا توبہ کے بعد پچھلے سود پر گرفت نہیں ہوگی۔

(۴) کہ وہ توبہ پر ثابت قدم رکھتا ہے یا سوء عمل اور فسادیت کی وجہ سے اسے حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔
اسی لیے اس کے بعد دوبارہ سود لینے والے کے لیے وعید ہے۔

(۵) یہ سود کی معنوی اور روحانی معنوتوں اور صدقے کی برکتوں کا بیان ہے۔ سود میں بظاہر بڑھوتری نظر آتی ہے لیکن
معنوی حساب سے یا مال (انجم) کے اعتبار سے سودی رقم ہلاکت و بربادی ہی کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف
اب یورپی ماہرین معیشت بھی کرنے لگے ہیں۔

وَأَتُوا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۸۷﴾

نیک کام کرتے ہیں، نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب تعالیٰ کے پاس ہے، ان پر نہ تو کوئی خوف ہے، نہ اداسی اور غم۔ (۲۸۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۸۸﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو، اگر تم سچے ایمان والے ہو۔ (۲۸۸)

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتِغُوا فَتَلُوكُمُ فِي دُورِ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۸۹﴾

اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ،^(۱) ہاں اگر توبہ کر لو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔^(۲) (۲۸۹)

وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۹۰﴾

اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہئے اور صدقہ کرو تو تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے،^(۳) اگر تم میں علم ہو (۲۹۰)

(۱) یہ ایسی سخت وعید ہے جو اور کسی معصیت کے ارتکاب پر نہیں دی گئی۔ اس لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اسلامی مملکت میں جو شخص سود چھوڑنے پر تیار نہ ہو، تو خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سے توبہ کرائے اور باز نہ آنے کی صورت میں اس کی گردن اڑا دے (ابن کثیر)

(۲) تم اگر اصل زر سے زیادہ وصول کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے ظلم ہو گا اور اگر تمہیں اصل زر بھی نہ دیا جائے تو یہ تم پر ظلم ہو گا۔

(۳) زمانہ جاہلیت میں قرض کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں سود و سود، اصل رقم میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا تھا، جس سے وہ تھوڑی سی رقم ایک پہاڑ بن جاتی اور اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کوئی تنگ و ست ہو تو (سود لینا تو درکنار اصل مال لینے میں بھی) آسانی تک اسے مہلت دے دو اور اگر قرض بالکل ہی معاف کر دو تو زیادہ بہتر ہے، احادیث میں بھی اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ کتنا فرق ہے ان دونوں نظاموں میں؟ ایک سراسر ظلم، تنگ دلی اور خود غرضی پر مبنی نظام اور دوسرا ہمدردی، تعاون اور ایک دوسرے کو سہارا دینے والا نظام۔ مسلمان خود ہی اس بابرکت اور پر رحمت نظام الہی کو نہ اپنائیں تو اس میں اسلام کا کیا قصور اور اللہ پر کیا الزام؟ کاش مسلمان اپنے دین کی اہمیت و اقدار کو سمجھ سکیں اور اس پر اپنے نظام زندگی کو استوار کر سکیں۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَىٰ اللَّهِ ثُمَّ تُوَلَّىٰ كُلُّ وَجْهٍ
لِّمَالِكِهِ وَهُوَ لَا يُلْطِفُونَ ﴿٢٠﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا مَكَتُمْ بِدِيَارِكُمْ اِلَىٰ اَجَلٍ مُّسَمًّى
فَاَتَّبِعُوْهُ وَلْيَسَّرْ لَّكُم مَّا كَلَبَ الْاَعْدَىٰ وَلَا يَكَلِّبْ اَنْ
يَّكَلِّبَ لَكُمْ اَعْلَمَ اللّٰهُ فَلْيَكْتَسِبْ وَلِيُبَيِّنْ اِلَىٰ الَّذِيْ عِنْدَ الْعَقْلِ
وَلِيَقْبَلِ اللّٰهُ رِبَّهٗ وَلَا يَبْخُسْ مِنْهُ شَيْئًا قَانَ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ
الْعَقْلُ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَوِيْعُ اَنْ يُبَلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ
فَلْيُيَسِّرْ لَكَ بِالْعَدْلِ وَاَسْتَشْهِدْ وَاَشْهَدِيْنَ مِنْ رِّجَالِكُمْ قَانَ
لَمْ يَكُوْنُوْا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَيْنِ وَكَانَ تَرْضَوْنَ مِنْ
الشَّهَادَةِ اَنْ تَقُوْلَ رَحِمْنَا فَقَدْ كَرِهْنَا خَدْمَهُمَا اِلَّا خَيْرًا
وَلَا يَأْتِ الشَّهَادَةُ اِلَّا اَمَّا دُعَاؤُكُمْ وَلَا تَشْعُرُوْا اَنْ تُكَلِّبُوْهُ

اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف
لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا
بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (۲۸۱)
اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے
میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو (۲۸۱) اور
لکھنے والے کو چاہئے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدس سے
لکھے 'کاتب کو چاہئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ
تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے' پس اسے بھی لکھ دینا چاہئے
اور جس کے ذمہ حق ہو (۲۸۱) وہ لکھوائے اور اپنے اللہ
تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ
گھٹائے نہیں' ہاں جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر
نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس
کا ولی عدل کے ساتھ لکھواوے اور اپنے میں سے دو مرد

(۱) بعض آثار میں ہے کہ یہ قرآن کریم کی آخری آیت ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی اس کے چند دن بعد ہی آپ
دنیا سے رحلت فرما گئے۔ ﷺ (ابن کثیر)

(۲) جب سودی نظام کی سختی سے ممانعت اور صدقات و خیرات کی تاکید بیان کی گئی تو پھر ایسے معاشرے میں دیون
(قرضوں) کی بہت ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ سود تو ویسے ہی حرام ہے اور ہر شخص صدقہ و خیرات کی استطاعت نہیں
رکھتا۔ اسی طرح ہر شخص صدقہ دینا پسند بھی نہیں کرتا۔ پھر اپنی ضروریات و حاجات پوری کرنے کے لیے قرض ہی باقی رہ
جاتا ہے۔ اسی لیے احادیث میں قرض دینے کا بڑا ثواب بیان کیا گیا ہے۔ تاہم قرض جس طرح ایک ناگزیر ضرورت ہے
اس میں بے احتیاطی یا تسہل جھگڑوں کا باعث بھی ہے۔ اس لیے اس آیت میں 'جسے آیۃ الدین کہا جاتا ہے اور جو قرآن
کی سب سے لمبی آیت ہے' اللہ تعالیٰ نے قرض کے سلسلے میں ضروری ہدایات دی ہیں تاکہ یہ ناگزیر ضرورت بڑائی
جھگڑے کا باعث نہ بنے۔ اس کے لیے ایک حکم یہ دیا گیا ہے کہ مدت کا تعین کر لو 'دوسرا یہ کہ اسے لکھ لو' تیسرا یہ کہ اس
پر دو مسلمان مرد کو یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالو۔

(۳) اس سے مراد مقروض ہے یعنی وہ اللہ سے ڈرتا ہو اور رقم کی صحیح تعداد لکھوائے اس میں کمی نہ کرے۔ آگے کہا جا رہا
ہے کہ یہ مقروض اگر کم عقل یا کمزور بچہ یا مجنون ہے تو اس کے ولی کو چاہیے کہ انصاف کے ساتھ لکھوا لے تاکہ
صاحب حق (قرض دینے والے) کو نقصان نہ ہو۔

صَغِيرًا ذَكِيًّا إِلَىٰ أَحَبِّهِ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ
لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۚ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً
تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا
تَكْتُبُوهَا ۚ وَأَشْهَدُوا ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُ فَلَا يُضَارُّ كَاتِبٌ
وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِنْ تَعَلَّوْا فَإِنَّهُ فَتَقٍ بِكُمْ
وَأَعْلَمُ اللَّهُ وَيَعْلَمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

گواہ رکھ لو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں
جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کر لو،^(۱) تاکہ ایک کی
بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے^(۲) اور گواہوں کو
چاہئے کہ وہ جب بلائے جائیں تو انکار نہ کریں اور قرض
کو جس کی مدت مقرر ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو لکھنے میں
کامیابی نہ کرو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف
والی ہے اور گواہی کو بھی درست رکھنے والی اور شک و
شبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے،^(۳) ہاں یہ اور بات
ہے کہ وہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو آپس میں
تم لین دین کر رہے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے میں کوئی
گناہ نہیں۔ خرید و فروخت کے وقت بھی گواہ مقرر کر

(۱) یعنی جن کی دین داری اور عدالت پر تم مطمئن ہو۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کی اس نص سے معلوم ہوا کہ دو عورتوں
کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ نیز مرد کے بغیر صرف ایسی عورت کی گواہی بھی جائز نہیں، سوائے ان معذرت کے جن
پر عورت کے علاوہ کوئی اور مطلع نہیں ہو سکتا۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ مدعی کی ایک قسم کے ساتھ دو عورتوں کی
گواہی پر فیصلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جس طرح ایک مرد گواہ کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہے جب کہ دوسرے گواہ کی جگہ
مدعی قسم کھالے۔ فقہائے احناف کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں، جب کہ محدثین اس کے قائل ہیں، کیونکہ حدیث سے
ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا ثابت ہے اور دو عورتیں جب ایک مرد گواہ کے برابر ہیں تو دو عورتوں اور قسم کے
ساتھ فیصلہ کرنا بھی جائز ہو گا۔ (فتح القدیر)

(۲) یہ ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کو مقرر کرنے کی علت و حکمت ہے۔ یعنی عورت عقل اور یادداشت میں مرد
سے کمزور ہے (جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں بھی عورت کو ناقص العقل کہا گیا ہے) اس میں عورت کے استخفاف اور
فرد تری کا اظہار نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگ باور کراتے ہیں) بلکہ ایک فطری کمزوری کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کی حکمت
و مشیت پر مبنی ہے۔ مکیابرة کوئی اس کو تسلیم نہ کرے تو اور بات ہے۔ لیکن حقائق و واقعات کے اعتبار سے یہ ناقابل
تردید ہے۔

(۳) یہ لکھنے کے فوائد ہیں کہ اس سے انصاف کے تقاضے پورے ہوں گے، گواہی بھی درست رہے گی (کہ گواہ کے فوت
یا غائب ہونے کی صورت میں بھی تحریر کام آئے گی) اور شک و شبہ سے بھی فریقین محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ شک پڑنے
کی صورت میں تحریر دیکھ کر شک دور کر لیا جاسکتا ہے۔

لیا کرو^(۱) اور (یاد رکھو کہ) نہ تو لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو^(۲) اور اگر تم یہ کرو تو یہ تمہاری کھلی نافرمانی ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرو،^(۳) اللہ تمہیں تعیم دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے (۲۸۲)
اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو،^(۴) ہاں اگر آپس میں ایک دوسرے سے مطمئن ہو تو جسے امانت دی گئی ہے وہ اسے ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے۔^(۵) اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اسے چھپالے وہ گنہگار دل والا ہے^(۶) اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (۲۸۳)

وَإِنْ لَّمْ تَكُنْ عَلَىٰ سَفَرٍ لَّمْ يَجِدْ فَكُتِبَ فَرَقَنَ مَقْبُوضَةً فَإِنْ
أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي لُوْثِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ
رَبَّهُ وَلَا تَكُنُوا الشَّاهِدَ وَمَنْ يَلْتَمِسْهَا فَاِنَّهُ إِسْمٌ قَلْبُهُ
وَاللَّهُ يَمَّا تَعْمَلُونَ عَيْنٌ ۝۳

(۱) یہ وہ خرید و فروخت ہے جس میں ادھار ہو یا سودا ملے ہو جانے کے بعد بھی انحراف کا خطرہ ہو۔ ورنہ اس سے پہلے نقد سودے کو لکھنے سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ بعض نے اس بیع سے مکان دکان، باغ یا حیوانات کی بیع مراد لی ہے۔ (ایسر التفاسیر)

(۲) ان کو نقصان پہنچانا یہ ہے کہ دور دراز کے علاقے میں ان کو بلایا جائے کہ جس سے ان کی مصروفیت میں حرج یا کاروبار میں نقصان ہو یا ان کو معمولی بات لکھنے یا اس کی گواہی دینے پر مجبور کیا جائے۔

(۳) یعنی جن باتوں کی تاکید کی گئی ہے، ان پر عمل کرو اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے، ان سے اجتناب کرو۔

(۴) اگر سفر میں قرض کا معاملہ کرنے کی ضرورت پیش آجائے اور وہاں لکھنے والا یا کاغذ پنسل وغیرہ نہ ملے تو اس کی متبادل صورت بتلائی جا رہی ہے کہ قرض لینے والا کوئی چیز دائن (قرض دینے والے) کے پاس رہن (گروی) رکھ دے۔ اس سے گروی کی مشروعیت اور اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی تھی۔ (مجمیع) تاہم اگر مَرْهُونَ (گروی رکھی ہوئی چیز) ایسی ہے جس سے نفع موصول ہوتا ہے تو اس نفع کا حق دار مالک ہو گا نہ کہ دائن۔ البتہ اس پر دائن کا اگر کچھ خرچ ہوتا ہے تو اس سے وہ اپنا خرچہ وصول کر سکتا ہے۔ باقی نفع مالک کو ادا کرنا ضروری ہے۔

(۵) یعنی اگر ایک دوسرے پر اعتماد ہو تو بغیر گروی رکھے بھی ادھار کا معاملہ کر سکتے ہو۔ امانت سے مراد یہاں قرض ہے، اللہ سے ڈرتے ہوئے اسے صحیح طریقے سے ادا کرے۔

(۶) گواہی کا چھپانا کبیرہ گناہ ہے، اس لیے اس پر سخت وعید یہاں قرآن میں اور احادیث میں بھی بیان کی گئی ہے۔ اسی

يَلَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَهُ شُذُومَاتُ
أَنفُسِكُمْ أَتُخْفَوْنَ بِمَا يَكْتُمُ اللَّهُ فَيُفْضِلُ مَنْ
يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ٥

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے۔
تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے تم ظاہر کر دیا چھپاؤ
اللہ تعالیٰ اس کا حساب تم سے لے گا۔^(۱) پھر جسے چاہے

لے صحیح گواہی دینے کی فضیلت بھی بڑی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”وہ سب سے بہتر گواہ ہے جو
گواہی طلب کرنے سے قبل ہی از خود گواہی کے لیے پیش ہو جائے“ ”أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ؟ الْبَدِي يَأْتِي
بِشَهَادَتِهِ قُلَّ أَنْ يُسْأَلَهَا“ (صحیح مسلم، کتاب الأقضية، باب بیان خبر الشهود، ایک دوسری روایت میں
بدترین گواہ کی نشان دہی بھی فرمادی گئی ہے۔ ”أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ الشُّهَدَاءِ؟ الْبَدِي يَشْهَدُونَ قُلَّ أَنْ يُسْتَشْهَدُوا“
(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، مسلم، کتاب فضائل الصحابة) ”کیا میں تمہیں وہ گواہ نہ بتاؤں جو بدترین
گواہ ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جو گواہی طلب کرنے سے قبل ہی گواہی دیتے ہیں“ مطلب ہے یعنی جھوٹی گواہی دے کر گناہ
کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ نیز آیت میں دل کا خاص ذکر کیا گیا ہے اس لیے کہ کتمان دل کا فعل ہے۔ علاوہ ازیں
دل تمام اعضا کا سردار ہے اور یہ ایسا مفعول گوشت ہے کہ اگر یہ صحیح رہے تو سارا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر اس میں فساد
جائے تو سارا جسم فساد کا شکار ہو جاتا ہے۔ ”وَأَلَا أَوَدُّ أَنْ يَبْتَغِيَ غُلَامٌ مِّنَ الْجِنِّ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا مِّنْ أَوْسَاكُم مَّا قَسَدَ الْغُلَامُ، وَإِذَا تَمَسَّدَ
فَسَدَ الْغُلَامُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْفُتْنَةُ“ (صحیح بخاری، کتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه)

(۱) حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام بڑے پریشان ہوئے۔ انہوں نے دربار رسالت میں
حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! نماز، روزہ، زکوٰۃ و جہاد وغیرہ سارے اعمال جن کا ہمیں حکم دیا گیا ہے ہم بجا
دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہماری طاقت سے بالا نہیں ہیں۔ لیکن دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور وسوسوں پر تو ہمارا
اختیار ہی نہیں ہے اور وہ تو انسانی طاقت سے ہی ماوراء ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی محاسبہ کا اعلان فرما دیا ہے۔ نبی
کریم ﷺ نے فرمایا۔ فی الحال تم ”سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا“ ہی کہو۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبہ سمع و طاعت کو دیکھتے ہوئے
اللہ تعالیٰ نے اسے آیت ﴿لَا يَخْلُقُ اللَّهُ فَنَّا إِلَّا مُسْتَعَاذِينَ﴾ (اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں
دیتا) سے منسوخ فرما دیا (ابن کثیر و فتح القدیر) ”مسمیٰ و سنن اربعہ کی یہ حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ ”إِنَّ اللَّهَ تَخَوَّرَ
لِي عَنْ أَثْمِي مَا وَسَّوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ“ (صحیح بخاری، کتاب العتق، باب الخطأ و
النسيان في العتاق۔ و مسلم، کتاب الإيمان، باب تنجاء الله عن حديث النفس) (اللہ تعالیٰ نے میری
امت سے جی میں آنے والی باتوں کو معاف کر دیا ہے۔ البتہ ان پر گرفت ہوگی جن پر عمل کیا جائے یا جن کا انہماک زبان
سے کر دیا جائے) اس سے معلوم ہوا کہ دل میں گزرنے والے خیالات پر محاسبہ نہیں ہوگا صرف ان پر محاسبہ ہو گا جو
پختہ عزم و ارادہ میں ڈھل جائیں یا عمل کا قالب اختیار کر لیں۔ اس کے برعکس امام ابن جریر طبری کا خیال ہے کہ یہ
آیت منسوخ نہیں ہے کیونکہ محاسبہ معاقبہ کو لازم نہیں ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کا بھی محاسبہ کرے
اس کو سزا بھی ضرور دے بلکہ اللہ تعالیٰ محاسبہ تو ہر ایک کا کرے گا لیکن بہت سے لوگ ہوں گے کہ محاسبہ کرنے کے

بخشے اور جسے چاہے سزا دے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۸۴)

رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتری اور مومن بھی ایمان لائے یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے،^(۱) انہوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب! اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے، (۲۸۵)

اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جو نیکی وہ کرے وہ اس کے لئے اور جو برائی وہ

أَمَّنَ الرُّسُلُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا تَفْرِقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝

لَا يَجْعَلُ اللَّهُ لَكُمْ نَفْسًا إِلَّا وُضْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤْخَذْ تَارُونَ لَيْسَ لَنَا أَكُفْرَانًا نُنَاجِي

بعد اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا بلکہ بعض کے ساتھ تو یہ معاملہ فرمائے گا کہ اس کا ایک ایک گنہ یاد کرا کے ان کا اس سے اعتراف کروائے گا اور پھر فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں ان پر پردہ ڈالے رکھا جا آج میں ان کو معاف کرتا ہوں (یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے بحوالہ ابن کثیر) اور بعض علما نے کہا ہے کہ یہاں نسخ اصطلاحی معنی میں نہیں ہے بلکہ بعض دفعہ اسے وضاحت کے معنی میں بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام کے دل میں جو شبہ اس آیت سے پیدا ہوا تھا اسے آیت ﴿لَا يَجْعَلُ اللَّهُ لَكُمْ نَفْسًا﴾ اور حدیث ﴿إِنَّ اللَّهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أَثَمِي...﴾ وغیرہ سے دور کر دیا گیا۔ اس طرح تاریخ منسوخ ماننے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

(۱) اس آیت میں پھر ان ایمانیات کا ذکر ہے جن پر اہل ایمان کو ایمان رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے اگلی آیت ﴿لَا يَجْعَلُ اللَّهُ لَكُمْ﴾ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت اور اس کے فضل و کرم کا تذکرہ ہے کہ اس نے انسانوں کو کسی ایسی بات کا مکلف نہیں کیا ہے جو ان کی طاقت سے بالا ہو۔ ان دونوں آیات کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”جو شخص سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات کو پڑھ لیتا ہے تو یہ اس کو کافی ہو جاتی ہیں“ (صحیح بخاری) ابن کثیر یعنی اس عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے۔ نبی ﷺ کو معراج کی رات جو تین چیزیں ملیں ان میں سے ایک سورہ بقرہ کی یہ آخری دو آیات بھی ہیں۔ (صحیح مسلم) باب فی ذکر سدرۃ المنتهی کئی روایت میں یہ بھی وارد ہے کہ اس سورہ کی آخری آیات آپ ﷺ کو ایک خزانے سے عطا کی گئیں جو عرش الہی کے نیچے ہے۔ اور یہ آیات آپ کے سوا کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں (احمد، مسانی، طبرانی، بیہقی، حاکم دارمی وغیرہ۔ درمنشور حضرت معاذ جریج، اس سورت کے خاتمے پر آمین کہا کرتے تھے۔ (ابن کثیر)

وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْهِمْ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا وَقُنَا وَلَا نُفِئْنَا مَالًا طَاعَةً لِنَا يَهُ وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ﴿٣٨﴾

کرے وہ اس پر ہے، اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا، اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا، اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر، تو ہی ہمارا مالک ہے، ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما۔ (۳۸۶)

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ ۳

سورہ آل عمران مدنی ہے۔ اس میں دو سو آیات اور میں رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلَمْ

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو زندہ اور سب کا تکملہ ہے۔ (۱) (۲)

اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿١﴾

☆ یہ سورت مدنی ہے اس کی تمام آیتیں مختلف اوقات میں ہجرت کے بعد اتری ہیں۔ اور اس کا ابتدائی حصہ یعنی ۸۳ آیات تک عیسائیوں کے وفد نجران کے بارے میں نازل ہوا ہے جو ۹ ہجری میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ عیسائیوں نے آکر نبی ﷺ سے اپنے عیسائی عقائد اور اسلام کے بارے میں مذاکرہ و مباحثہ کیا، جس کا رد کرتے ہوئے انہیں دعوت مباہلہ بھی دی گئی، جسکی تفصیل آگے آئے گی۔ اسی پس منظر میں قرآن کریم کی ان آیات کا مطالعہ کیا جائے۔

(۱) حَبْرٌ اور قَبِيْمٌ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات ہیں جن کا مطلب وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا، اے موت اور فنا نہیں۔ قیوم کا مطلب ساری کائنات کا قائم رکھنے والا، محافظ اور نگران، ساری کائنات اس کی محتاج وہ کسی کا محتاج نہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو اللہ یا ابن اللہ یا تین میں سے ایک مانتے تھے۔ گویا ان کو کہا جا رہا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کی مخلوق ہیں، وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور ان کا زمانہ ولادت بھی تخلیق کائنات سے بہت عرصے بعد کا ہے تو پھر وہ اللہ، یا اللہ کا بیٹا کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اگر تمہارا عقیدہ صحیح ہو تا تو انہیں مخلوق کے بجائے ابوی صفات کا حامل اور قدیم ہونا چاہیے تھا۔ نیز ان پر موت بھی نہیں آنی چاہیے لیکن ایک وقت آئے گا کہ وہ موت سے بھی ہٹ سکتے ہوں گے۔ اور عیسائیوں کے بقول ہٹ سکتے ہو چکے۔ احادیث میں آتا ہے کہ تین آیتوں میں اللہ کا اسم اعظم ہے جس کے ذریعے سے دعا کی جائے تو وہ رد نہیں ہوتی۔ ایک یہی آل عمران کی آیت۔ دوسری آیت انکری میں ﴿اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْقَيُّوْمُ﴾ تیسری سورہ طہ میں ﴿وَحَدَّثَ الْوُجُوْدَ لِنَبِيِّ الْقَيُّوْمِ﴾ (ابن کثیر۔ تفسیر آیت انکری)۔

تَنْزِيلَ عَلَيْنَا الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝

جس نے آپ پر حق کے ساتھ اس کتاب کو نازل
فرمایا ہے،^(۱) جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرنے والی
ہے، اسی نے اس سے پہلے تورات اور انجیل کو اتارا
تھا۔ (۳)

مِّن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ الَّذِينَ كَفَرُوا
بِآيَاتِ اللَّهِ وَلَهُ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

اس سے پہلے لوگوں کو ہدایت کرنے والی بنا کر،^(۲) اور
قرآن بھی اسی نے اتارا،^(۳) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں
سے کفر کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ
تعالیٰ غالب ہے، بدلہ لینے والا ہے۔ (۴)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝

یقیناً اللہ تعالیٰ پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ
نہیں۔ (۵)

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۝ لَآ إِلَهَ إِلَّا
هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

وہ مں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح کی چاہتا
ہے بناتا ہے۔^(۴) اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ
غالب ہے، حکمت والا ہے (۶)

(۱) یعنی اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

(۲) اس سے پہلے انبیاء پر جو کتابیں نازل ہوئیں۔ یہ کتاب اس کی تصدیق کرتی ہے یعنی جو باتیں ان میں درج تھیں، ان
کی صداقت اور ان میں بیان کردہ پیش گوئیوں کا اعتراف کرتی ہے۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ قرآن کہہ بھی اسی
ذات کا نازل کردہ ہے جس نے پہلے بہت سی کتابیں نازل فرمائیں۔ اگر یہ کسی اور کی طرف سے یا انسانی کاوشوں کا نتیجہ
ہو تا تو ان میں باہم مطابقت کے بجائے مخالفت ہوتی۔

(۳) یعنی اپنے اپنے وقت میں تورات اور انجیل بھی یقیناً لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ تھیں، اس لیے کہ ان کے اتارنے کا
مقصد ہی یہی تھا۔ تاہم اس کے بعد ﴿وَنَزَّلَ الْفُرْقَانَ﴾ دوبارہ کہہ کر وضاحت فرمادی۔ کہ مگر اب تورات و انجیل کا دور ختم
ہو گیا، اب قرآن نازل ہو چکا ہے، وہ فرقان ہے اور اب صرف وہی حق و باطل کی پہچان ہے، اس کو سچا مانے بغیر عند اللہ
کوئی مسلمان اور مومن نہیں۔

(۴) خوب صورت یا بد صورت، مذکر یا مؤنث، نیک بخت یا بد بخت، ناقص الخلق یا تام الخلق۔ جب رحم مادر میں یہ
سارے تصرفات صرف اللہ تعالیٰ ہی کرنے والا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کس طرح ہو سکتے ہیں جو خود بھی اسی
مرحلہ تخلیق سے گزر کر دنیا میں آئے ہیں جس کا سلسلہ اللہ نے رحم مادر میں قائم فرمایا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ
 هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ
 زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ
 وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالْوَاسِعُونَ
 فِي الْعِلْمِ يَلْقَوْنَ أَمْثَالَهُ كُلِّ مَثَلٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ
 إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ①

وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تجھ پر کتب اتاری جس میں
 واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتب ہیں اور بعض
 متشابہ آیتیں ہیں۔^(۱) پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ
 تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنے
 کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لئے، حالانکہ ان
 کے حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں
 جانتا^(۲) اور پختہ و مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو
 ان پر ایمان لائے، یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور

(۱) - مُحْكَمَاتٌ سے مراد وہ آیات ہیں جن میں اوامر و نواہی، احکام و مسائل اور قصص و حکایات ہیں جن کا مفہوم واضح
 اور اہل ہے، اور ان کے سمجھنے میں کسی کو اشکال پیش نہیں آتا۔ اس کے برعکس آیاتٌ مُتَشَابِهَاتٌ ہیں مثلاً اللہ کی
 ہستی، قضا و قدر کے مسائل، جنت و دوزخ، ملائکہ وغیرہ یعنی ماوراء عقل حقائق جن کی حقیقت سمجھنے سے عقل انسانی قاصر
 ہو یا ان میں ایسی تاویل کی گنجائش ہو یا کم از کم ایسا ابہام ہو جس سے عوام کو گمراہی میں ڈالنا ممکن ہو۔ اسی لیے آگے کہا
 جا رہا ہے کہ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کے ذریعے سے ”فتنے“
 برپا کرتے ہیں۔ جیسے عیسائی ہیں۔ قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عبد اللہ اور نبی کہا ہے یہ واضح اور محکم بات ہے۔
 لیکن عیسائی اسے چھوڑ کر قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور کلمہ اللہ جو کہا گیا ہے، اس سے اپنے
 گمراہ کن عقائد پر غلط استدلال کرتے ہیں۔ یہی حال اہل بدعت کا ہے۔ قرآن کے واضح عقائد کے برعکس اہل بدعت
 نے جو غلط عقائد گمراہ رکھے ہیں، وہ انہی مُتَشَابِهَاتٌ کو بنیاد بناتے ہیں اور بسا اوقات مُحْكَمَاتٌ کو بھی اپنے فلسفہ
 استدلال کے گورکھ و ہندے سے مُتَشَابِهَاتٌ بنا دیتے ہیں۔ اَعَادَةَ الْقُبُورِ ان کے برعکس صحیح العقیدہ مسلمان
 حکمت پر عمل کرتا ہے اور مُتَشَابِهَاتٌ کے مفہوم کو بھی (اگر اس میں اشتباہ ہو) حکمت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش
 کرتا ہے کیونکہ قرآن نے انہی کو ”اصل کتاب“ قرار دیا ہے۔ جس سے وہ فتنے سے بھی محفوظ رہتا ہے اور عقائد کی
 گمراہی سے بھی جَمَلْنَا اللَّهُ مِنْهُمْ

(۲) تاویل کے ایک معنی تو ہیں ”کسی چیز کی اصل حقیقت“ اس معنی کے اعتبار سے اِلَّا اللہ پر وقف ضروری ہے۔
 کیونکہ ہر چیز کی اصل حقیقت واضح طور پر صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ تاویل کے دوسرے معنی ہیں ”کسی چیز کی تفسیر و
 تعبیر اور بیان و توضیح“ اس اعتبار سے اِلَّا اللہ پر وقف کے بجائے ﴿وَالَّذِينَ هُمْ فِي الْعِلْمِ﴾ پر بھی وقف کیا جا سکتا ہے کیوں
 کہ مضبوط علم والے بھی صحیح تفسیر و توضیح کا علم رکھتے ہیں۔ ”تاویل“ کے یہ دونوں معنی قرآن کریم کے استعمالات
 ثابت ہیں۔ (مفہم از ابن کثیر)

نصیحت تو صرف عمل مند حاصل کرتے ہیں۔ (۷)

اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کروے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے۔ (۸)

اے ہمارے رب! تو یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (۹)

کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے چھڑانے میں کچھ کام نہ آئیں گی، یہ تو جہنم کا ایندھن ہی ہیں۔ (۱۰)

جیسا آل فرعون کا حال ہوا، اور انکا جو ان سے پہلے تھے، انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، پھر اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیا، اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ (۱۱)

کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے^(۱) اور جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ (۱۲)

یقیناً تمہارے لئے عبرت کی نشانی تھی ان دو جماعتوں میں جو گمراہ تھیں، ایک جماعت تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا وہ انہیں اپنی آنکھوں سے اپنے سے دگنا دیکھتے تھے^(۲) اور اللہ تعالیٰ

رَبَّنَا لَا تُخِزْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ
رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَكَابُ ۝

رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ يَوْمَ يُؤْمَرُ لَدَيْكَ بِبِئْرٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ
الْعَهْدَ ۝

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِي عَنْهُمْ مَوَالِيهِمْ وَلَا أَزْوَاجُهُمْ
مِنْ اللَّهِ شَيْئًا ذَٰلِكَ هُمْ وَفُودُ النَّارِ ۝

كَذَٰلِكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَأَخِيذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَعْلَبُونَ وَتُنْفَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ
وَبِئْسَ الْمَقَالُ ۝

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ تَرَوْهُمْ مُقْتَلِينَ فَأَنظَرْنَاهُمْ
يَوْمَ يُؤْتِي السَّحَابَ مِرْرًا فَنظَرْنَاهُمْ فِي ذَٰلِكُمْ لَعْنَةً لَّأُولِي
الْأَبْصَارِ ۝

(۱) یہاں کافروں سے مراد یہودی ہیں۔ اور یہ پیش گوئی جلد ہی پوری ہو گئی۔ چنانچہ بنو قینقاع اور بنو نضیر جلا وطن کیے گئے، بنو قریظہ قتل کیے گئے۔ پھر خیبر فتح ہو گیا اور تمام یہودیوں پر جزیہ عائد کر دیا گیا (فتح القدیر)

(۲) یعنی ہر فریق، دوسرے فریق کو اپنے سے دگنا دیکھتا تھا۔ کافروں کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی، انہیں مسلمان دو ہزار کے قریب دکھائی دیتے تھے۔ مقصد اس سے ان کے دلوں میں مسلمانوں کی دھاک بٹھانا تھا۔ اور مسلمانوں کی تعداد تین سو سے کچھ اوپر (یا ۳۱۳) تھی، انہیں کافر ۶۰۰ اور ۷۰۰ کے درمیان نظر آتے تھے۔ دراصل حایکہ ان کی اصل تعداد

جسے چاہے اپنی مدد سے قوی کرتا ہے۔ یقیناً اس میں آنکھوں والوں کے لئے بڑی مہرت ہے۔ (۱۳)

مرغوب چیزوں کی محبت لوگوں کے لئے مزن کردی گئی ہے، جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور نشاندار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی^(۱) یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانا تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے (۱۴)

رُبَّيْنَ لِلنَّاسِ حُبَّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ
وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ
السَّوْمَةِ وَالْإِتْعَامِ وَالْخَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَاللَّهُ عِنْدَهُ خَيْرُ الْمَاثِبِ ۝

ہزار کے قریب (۳ گن) تھی متعدد اس سے مسلمانوں کے عزم و حوصلہ میں اضافہ کرتا تھا۔ اپنے سے تین گن دیکھ کر ممکن تھا مسلمان مرغوب ہو جاتے۔ جب وہ تین گنا کے بجائے دو گنا نظر آئے تو ان کا حوصلہ پست نہیں ہوا۔ لیکن یہ دگنا دیکھنے کی کیفیت ابتدا میں تھی، پھر جب دونوں گروہ آسنے سامنے صف آرا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے برعکس دونوں کو ایک دوسرے کی نظروں میں کم کر کے دکھایا تاکہ کوئی بھی فریق لڑائی سے گریز نہ کرے بلکہ ہر ایک پیش قدمی کی کوشش کرے (ابن کثیر) یہ تفصیل سورۃ الأنفال۔ آیت ۴۴ میں بیان کی گئی ہے۔ یہ جنگ بدر کا واقعہ ہے جو ہجرت کے بعد دو سرے سال مسلمانوں اور کافروں کے درمیان پیش آیا۔ یہ کئی لحاظ سے نہایت اہم جنگ تھی۔ ایک تو اس لیے کہ یہ پہلی جنگ تھی۔ دوسرے، یہ جنگی منصوبہ بندی کے بغیر ہوئی۔ مسلمان ابو سفیان کے قافلے کے لیے نکلے تھے جو شام سے سامان تجارت لے کر مکہ جا رہا تھا، مگر اطلاع مل جانے کی وجہ سے وہ اپنا قافلہ تو بچا کر لے گیا، لیکن کفار مکہ اپنی طاقت و کثرت کے گھمنڈ میں مسلمانوں پر چڑھ دوڑے اور مقام بدر میں یہ پہلا معرکہ برپا ہوا۔ تیسرے، اس میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد حاصل ہوئی، چوتھے، اس میں کافروں کو عبرت ناک شکست ہوئی، جس سے آئندہ کے لیے کافروں کے حوصلے پست ہو گئے۔

(۱) شہوات سے مراد یہاں مشنہات ہیں یعنی وہ چیزیں جو طبعی طور پر انسان کو مرغوب اور پسندیدہ ہیں۔ اسی لیے ان میں رغبت اور ان کی محبت نا پسندیدہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ اعتدال کے اندر اور شریعت کے دائرے میں رہے۔ ان کی ترمیم بھی اللہ کی طرف سے بطور آزمائش ہے۔ ﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِنَبْلُوَهُمْ﴾ (الکہف۔ ۷) ہم نے زمین پر جو کچھ ہے، اسے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں، سب سے پہلے عورت کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہ ہر بالغ انسان کی سب سے بڑی ضرورت بھی ہے اور سب سے زیادہ مرغوب بھی۔ خود نبی ﷺ کا فرمان ہے: «حُبُّ إِلَهِي النِّسَاءُ وَالطَّيِّبُ» (مسند احمد) «عورت اور خوشبو مجھے محبوب ہیں»۔ اسی طرح نبی ﷺ نے نیک عورت کو «دنیا کی سب سے بہتر متاع» قرار دیا ہے: «خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ» اس لیے اس کی محبت شریعت کے دائرے سے تجاوز نہ کرے تو یہ بہترین رفیق زندگی بھی ہے اور زادِ آخرت بھی۔ ورنہ یہی عورت مرد کے لیے سب سے بڑا فتنہ ہے۔ فرمان رسول ﷺ ہے: «مَا تَرَكْتُ نَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ» (صحیح بخاری کتاب

قُلْ اَوْفُوا بِعَهْدِيْكُمْ عَلٰى مِثْلِ الَّذِيْنَ اَتَّعَوْتُمْ عَلَيْهِمْ
حَدَّثَ تَجَرُّوْا مِنْ عَهْدِكُمْ اَلَّذِيْنَ خَلَدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجُ
مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنْ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِبَصِيْرٍ بِالْعِبَادِ ۝۱۵

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِنَّا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَتَنَا
عَذَابَ النَّارِ ۝۱۶

آپ کہہ دیجئے! کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتاؤں؟ تقویٰ والوں کے لئے ان کے رب تعالیٰ کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے^(۱) اور پاکیزہ بیویاں^(۲) اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، سب بندے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔ (۱۵)

جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لا چکے اس لئے ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ (۱۶)

السکاح 'باب ما یستقی من شؤم المرأة' میرے بعد جو فقہ رو نما ہوں گے 'ان میں مردوں کے لیے سب سے بڑا فتنہ عورتوں کا ہے۔' اسی طرح بیٹوں کی محبت ہے۔ اگر اس سے مقصد مسلمانوں کی قوت میں اضافہ اور بقا و تکثیر نس ہے تو محمود ہے ورنہ مذموم۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: 'اتَرَوْا حُوءَ الْوَدُوْدِ الْوُلُوْدِ؟ فَاِنِّيْ مُكَايِدُ بِكُمْ الْاَمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ' (بہت محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو، اس لیے کہ میں قیامت والے دن دوسری امتوں کے مقابلے میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا) اس آیت سے رہبانیت کی تردید اور تحریک خاندانی منصوبہ بندی کی تردید بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ ہسین جمع ہے۔ مال و دولت سے بھی مقصود قیام معیشت 'صلہ رحمی' صدقہ و خیرات اور اسے امور خیر میں خرچ کرنا اور سوال سے بچنا ہے تاکہ اللہ کی رضا حاصل ہو، تو اس کی محبت بھی عین مطلوب ہے ورنہ مذموم۔ گھوڑوں سے مقصد 'جہاد کی تیاری' دیگر جانوروں سے کھیتی باڑی اور بار برداری کا کام لینا اور زمین سے اس کی پیداوار حاصل کرنا ہو تو یہ سب پسندیدہ ہیں اور اگر مقصود محض دنیا کمنا اور پھر اس پر فخر و غرور کا اظہار کرنا اور یاد الہی سے غافل ہو کر عیش و عشرت سے زندگی گزارنا ہے تو یہ سب مفید چیزیں اس کے لیے وبال جان ثابت ہوں گی۔ فَابْتَغُوا فِئَاطَةً (خزانہ) کی جمع ہے۔ مراد ہے خزانے یعنی سونے چاندی اور مال و دولت کی فراوانی اور کثرت۔ اَلْمُسَوِّتَةُ وہ گھوڑے جو چراگاہ میں چرنے کے لیے چھوڑے گئے ہوں۔ یا جہاد کے لیے تیار کیے گئے ہوں یا نشان زدہ، جن پر امتیاز کے لیے کوئی نشان یا نمبر لگا دیا جائے (فتح القدیر و ابن کثیر)

(۱)۔ اس آیت میں اہل ایمان کو بتلایا جا رہا ہے کہ دنیا کی مذکورہ چیزوں میں ہی مت کھو جانا، بلکہ ان سے بہتر تو وہ زندگی اور اس کی نعمتیں ہیں جو رب کے پاس ہیں، جن کے مستحق اہل تقویٰ ہی ہوں گے۔ اس لیے تم تقویٰ اختیار کرو۔ اگر یہ تمہارے اندر پیدا ہو گیا تو یقیناً تم دین و دنیا کی بھلائیاں اپنے دامن میں سمیٹ لو گے۔

(۲)۔ پاکیزہ، یعنی وہ دنیاوی میل کچیل، حیض و نفاس اور دیگر آلودگیوں سے پاک ہوں گی اور پاک دامن ہوں گی۔ اس سے اگلی دو آیات میں اہل تقویٰ کی صفات کا تذکرہ ہے۔

الظَّالِمِينَ وَالظَّالِمِينَ وَالظَّالِمِينَ وَالظَّالِمِينَ
وَالْمُتَعَفِّينَ بِالْاِسْحَارِ ۝

جو مبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور فرمانبرداری کرنے والے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں۔ (۱۷)

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْيَقِينُ وَأَوَّلُوا الْحَمْدَ
ثَابِتًا بَالِغًا لِّلْأَلَةِ الْإِلَهِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

اللہ تعالیٰ فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں^(۱) اور وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (۱۸)

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَتِ الدِّينِ

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے،^(۲)

(۱)۔ شہادت کے معنی بیان کرنے اور آگاہ کرنے کے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا اور بیان کیا، اس کے ذریعے سے اس نے اپنی وحدانیت کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔ (فتح القدیر) فرشتے اور اہل علم بھی اس کی توحید کی گواہی دیتے ہیں۔ اس میں اہل علم کی بڑی فضیلت اور عظمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور فرشتوں کے ناموں کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا ہے تاہم اس سے مراد صرف وہ اہل علم ہیں جو کتاب و سنت کے علم سے بہرہ ور ہیں (فتح القدیر)

(۲) اسلام وہی دین ہے جس کی دعوت و تعلیم ہر پیغمبر اپنے اپنے دور میں دیتے رہے ہیں اور اب اس کی کامل ترین شکل وہ ہے جسے نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا، جس میں توحید و رسالت اور آخرت پر اس طرح یقین و ایمان رکھنا ہے جس طرح نبی کریم ﷺ نے بتلایا ہے۔ اب محض یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ ایک ہے یا کچھ اچھے عمل کرنا، یہ اسلام نہیں نہ اس سے نجات آخرت ہی ملے گی۔ ایمان و اسلام اور دین یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور صرف اسی ایک معبود کی عبادت کی جائے، محمد رسول اللہ ﷺ سمیت تمام انبیاء پر ایمان لایا جائے۔ اور نبی ﷺ کی ذات پر رسالت کا خاتمہ تسلیم کیا جائے اور ایمانیات کے ساتھ ساتھ وہ عقائد و اعمال اختیار کیے جائیں جو قرآن کریم میں یا حدیث رسول ﷺ میں بیان کیے گئے ہیں۔ اب اس دین اسلام کے سوا کوئی اور دین عند اللہ قبول نہیں ہو گا۔ ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (آل عمران۔ ۸۵) نبی ﷺ کی رسالت پوری انسانیت کے لیے ہے۔ ﴿قُلْ يَٰ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ (الأعراف۔ ۱۵۸) ”کہہ دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ ﴿الْفَرَقَانِ﴾ ”برکتوں والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ جہانوں کا ڈرانے والا ہو“ اور حدیث میں ہے ”نبی ﷺ نے فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے“ جو یہودی یا نصرانی مجھ پر ایمان لائے بغیر فوت ہو گیا“ وہ جنسی ہے۔“ (صحیح مسلم) مزید فرمایا ”بُعِثْتُ إِلَى الْآخِرَةِ وَالْأَوَّلَةِ“ (میں احمر و اسود یعنی تمام انسانوں کے لیے) نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں) اسی لیے آپ ﷺ نے اپنے وقت کے تمام سلاطین اور بادشاہوں کو خطوط تحریر فرمائے جن میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی (صحیحین۔ بحوالہ ابن کثیر)

اَوْتُوا الْكِتَابَ الْاِلَهِنَّ بَعْدَ مَا جَاءَهُمْ الْعِلْمُ بَقِيَّةً
بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ يَأْتِ اللَّهُ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ
الْجَنَابِ ⑮

فَإِنْ سَأَلْتَهُمْ لَقَدْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا فَهُمْ يَكْفُرُونَ
وَإِنَّ إِلَهُكُمْ لَعَلَّكُمْ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۖ
فَإِنْ سَأَلْتَهُمْ لَقَدْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا فَهُمْ يَكْفُرُونَ
وَإِنَّ إِلَهُكُمْ لَعَلَّكُمْ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۖ
وَإِنَّ إِلَهُكُمْ لَعَلَّكُمْ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۖ

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّ
يَعْتَبِرُ عَلَيْهِمْ سَاءَ الْوَسِيلَةِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
يَكْفُرُونَ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَكْفُرُونَ ۖ
الَّذِينَ كَفَرُوا يَكْفُرُونَ ۖ

اور اہل کتاب نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد آپس کی
سرکشی اور حسد کی بنا پر ہی اختلاف کیا ہے ^(۱) اور اللہ
تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ جو بھی کفر کرے ^(۲) اللہ تعالیٰ
اس کا جلد حساب لینے والا ہے۔ (۱۹)

پھر بھی اگر یہ آپ سے جھگڑیں تو آپ کہہ دیں کہ میں اور
میرے تابعداروں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سر تسلیم خم
کر دیا ہے اور اہل کتاب سے اور ان پڑھ لوگوں ^(۳) سے
کہہ دیجئے! کہ کیا تم بھی اطاعت کرتے ہو؟ پس اگر یہ بھی
تابعدار بن جائیں تو یقیناً ہدایت والے ہیں اور اگر یہ
روگردانی کریں تو آپ پر صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ
بندوں کو خوب دیکھ بھال رہا ہے (۲۰)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں اور ناحق
نبیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں اور جو لوگ عدل و انصاف کی
بات کہیں انہیں بھی قتل کر ڈالتے ہیں ^(۴) تو اے نبی!

(۱) ان کے اس باہمی اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو ایک ہی دین کے ماننے والوں نے آپس میں برپا کر رکھا تھا مثلاً
یہودیوں کے باہمی اختلافات اور فرقہ بندیوں، اسی طرح عیسائیوں کے باہمی اختلافات اور فرقہ بندیوں۔ پھر وہ اختلاف بھی
مراد ہے جو اہل کتاب کے درمیان آپس میں تھا۔ اور جس کی بنا پر یہودی نصرانیوں کو اور نصرانی یہودیوں کو کہا کرتے تھے
”تم کسی چیز پر نہیں ہو“۔ نبوت محمدی ﷺ اور نبوت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف بھی اسی ضمن میں آتا
ہے۔ علاوہ ازیں یہ سارے اختلافات دلائل کی بنیاد پر نہیں تھے، محض حسد اور بغض و عناد کی وجہ سے تھے یعنی وہ لوگ
حق کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود محض اپنے خیالی دنیاوی مفاد کے چکر میں غلط بات پر جتے رہتے اور اس کو دین بادر
کراتے تھے۔ تاکہ ان کی ناک بھی اونچی رہے اور ان کا عوامی حلقہ ارادت بھی قائم رہے۔ افسوس آج مسلمان عدا کی
ایک بڑی تعداد ٹھیک ان ہی غلط مقاصد کے لیے ٹھیک اسی غلط ڈگر پر چل رہی ہے۔ حَذَّاهُمُ اللَّهُ وَبَيَّانًا۔

(۲) یہاں ان آیتوں سے مراد وہ آیات ہیں جو اسلام کے دین الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

(۳) ان پڑھ لوگوں سے مراد مشرکین عرب ہیں جو اہل کتاب کے مقابلے میں بالعموم ان پڑھ تھے۔

(۴) یعنی ان کی سرکشی و بغاوت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ صرف نبیوں کو ہی انہوں نے ناحق قتل نہیں کیا بلکہ ان تک کو بھی
قتل کر ڈالا جو عدل و انصاف کی بات کرتے تھے۔ یعنی وہ مومنین مخلصین اور داعیان حق جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا
فریضہ انجام دیتے تھے۔ نبیوں کے ساتھ ان کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت و فضیلت بھی واضح کر دی۔

اُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ حَبَّطْتَ اَعْمَالَهُمْ فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرِيْنَ ۝

اَلَمْ تَرَ اِلََّا الَّذِيْنَ اَوْثَرُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ اِلَى الْكِتَابِ
اَلَّذِيْ يُخْتَلَمُ بِحَنَافِهِمْ فَيَسْتَوِيْ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَمِنْهُمْ شُرَكَاءُ ۝

ذٰلِكَ يَأْتِيَهُمْ قَالُوْا لَنْ نَّمُتَّنَا اِلََّا بِاَيَّامٍ مَّتَدُوْدَةٍ وَهُمْ
فِيْ دِيْنِهِمْ غَاكِلُوْنَ ۝

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنَاهُمْ يَوْمَ لَا نَبِيَّ فِیْهِمْ وَوُعِيَتْ عَنْ اَنْفُسِ
عَاكِفِيْنَ وَهُمْ لَا يَبْلُغُوْنَ ۝

قُلِ الْغَوْرُ لَكَ الْبُذْبُذُ تُوْفِي الْبُذْبُذُ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلُوكَ
وَمَنْ تَشَاءُ وَتُغَيِّرُ مَنْ تَشَاءُ وَتَدْبِلُ مَنْ تَشَاءُ لِيَبْهَتَ الْفٰسِقُوْنَ
اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے (۲۱)

ان کے اعمال دنیا و آخرت میں غارت ہیں اور ان کا کوئی
مددگار نہیں۔ (۲۲)

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں ایک حصہ کتاب کا
دیا گیا ہے وہ اپنے آپس کے فیصلوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی
کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں، پھر بھی ایک جماعت
ان کی منہ پھیر کر لوٹ جاتی ہے (۲۳)

اس کی وجہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہمیں تو گئے پنے چند دن
ہی آگ جلانے کی، ان کی گمراہی گمراہی باتوں نے انہیں
ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا
ہے۔ (۲۴)

پس کیا حال ہو گا جبکہ ہم انہیں اس دن جمع کریں گے؟ جس
کے آنے میں کوئی شک نہیں اور ہر شخص اپنا اپنا کیا پورا پورا
دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ (۲۵)

آپ کہہ دیجئے اے اللہ! اے تمام جہن کے مالک!
تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت
چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے
ذلت دے، تمہارے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں (۲۶)
بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۷)

(۱)۔ ان اہل کتاب سے مراد یہی ہے کہ وہ یہودی ہیں جن کی اکثریت قبول اسلام سے محروم رہی اور وہ اسلام، مسلمانوں
اور نبی ﷺ کے خلاف مکروہ سازشوں میں مصروف رہے تاکہ ان کے دو قبیلے جلاوطن اور ایک قبیلہ قتل کر دیا گیا۔
(۲)۔ یعنی کتاب اللہ کے ماننے سے گریز و اعراض کی وجہ ان کا یہ زعم باطل ہے کہ اول تو وہ جہنم میں جائیں گے ہی نہیں،
اور اگر گئے بھی تو صرف چند دن ہی کے لیے جائیں گے۔ اور انہی من گھڑت باتوں نے انہیں دھوکے اور فریب میں
ڈال رکھا ہے۔

(۳)۔ قیمت والے دن ان کے یہ دعوے اور غلط عقائد کچھ کام نہ آئیں گے اور اللہ تعالیٰ بے لاگ انصاف کے ذریعے
سے ہر نفس کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دے گا، کسی پر ظلم نہیں ہو گا۔

(۴)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قوت و طاقت کا اظہار ہے، شاہ کو گدا بنا دے، گدا کو شاہ بنا دے، تمام اختیارات

تَوَلَّيْهِ الْيَتٰى فِي الْاَهْلٰى وَتَوَلَّاهُ الْاَهْلٰى فِي الْيَتٰى وَغَيْرُهَا مِنَ
مِنَ الْيَتٰى وَغَيْرُهَا مِنَ الْيَتٰى وَغَيْرُهَا مِنَ الْيَتٰى
يَغِيْرُهَا ۝

لَا يَخِيْزُ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوَّلِيَّاءَ مِنْ دُوْنِ
الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ الْاُمَّةِ الْيَتٰى

تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں
لے جاتا ہے،^(۱) تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے
اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے،^(۲) تو ہی ہے
کہ جسے چاہتا ہے بے شمار روزی دیتا ہے۔ (۲۷)

مومنوں کو چاہئے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا
دوست نہ بنائیں^(۳) اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی

کا مالک وہی ہے۔ الْخَيْرُ بَيْنَكَ کی بجائے بَيْنَكَ الْخَيْرُ (خبر کی تقدیم کے ساتھ) سے مقصود تخصیص ہے یعنی تمہارے
بھائیوں صرف تمہارے ہی ہاتھ میں ہیں۔ تمہارے سوا کوئی بھائی دینے والا نہیں۔ ”شر“ کا خالق بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی ہے
لیکن ذکر صرف خیر کا کیا گیا ہے، ”شر“ کا نہیں۔ اس لیے کہ خیر اللہ کا فضل محض ہے، بخلاف شر کے کہ یہ انسان کے اپنے
عمل کا بدلہ ہے جو اسے پہنچتا ہے یا اس لیے کہ شر بھی اس کے قضا و قدر کا حصہ ہے جو خیر کو متضمن ہے، اس اعتبار سے
اس کے تمام افعال خیر ہیں۔ فَأَمْعَالُهُ كُلُّهَا خَيْرٌ (الفتح القدیر)

(۱)۔ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنے کا مطلب موسمی تغیرات ہیں۔ رات لمبی ہوتی ہے تو دن چھوٹا ہو
جاتا ہے اور دوسرے موسم میں اس کے برعکس دن لمبا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ یعنی کبھی رات کا حصہ دن میں اور
کبھی دن کا حصہ رات میں داخل کر دیتا ہے جس سے رات اور دن چھوٹے یا بڑے ہو جاتے ہیں۔

(۲)۔ جیسے نطفہ (مردہ) پہلے زندہ انسان سے نکلتا ہے پھر اس مردہ (نطفہ) سے انسان۔ اسی طرح مردہ انڈے سے پہلے مرغی
اور پھر زندہ مرغی سے انڈہ (مردہ) یا کافر سے مومن اور مومن سے کافر پیدا فرماتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت
معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اپنے اوپر قرض کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم آیت ﴿قُلِ اللّٰهُ يَذَلُّكُمُ﴾
(آل عمران) پڑھ کر یہ دعا کرو (رَحِمَ اللّٰهُ الْاَيُّوْمَ وَالْاَيُّوْمَ وَرَحِمَهُمَا تَعْطِيْ مِنْ نِّشْءٍ مِنْهُمَا وَتَنْسَعُ مِنْ نِّشْءٍ رَّحْمَتِيْ
رَحْمَةً نُّعِيْبِيْ بِهَا عَمْرٌ رَحْمَةً مِنْ سَيِّئِكَ، اللّٰهُمَّ اَعْصِيْ مِنْ الْمَقْرُورِ اَفْضَلَ غَنِي الدُّنْيَا) ایک دوسری روایت میں
ہے کہ ”یہ ایسی دعا ہے کہ تم پر احد پہاڑ جتنا قرض بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ادائیگی کا تمہارے لیے انتظام فرما دے گا۔“
(مجمع الزوائد ۱۰/۱۸۶۔ رجالہ ثقات)

(۳)۔ اویا ولی کی جمع ہے۔ ولی ایسے دوست کو کہتے ہیں جس سے ولی محبت اور خصوصی تعلق ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے
آپ کو اہل ایمان کا ولی قرار دیا ہے۔ ﴿اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (البقرہ ۲۵۷) یعنی ”اللہ اہل ایمان کا ولی ہے۔“ مطلب یہ
ہوا کہ اہل ایمان کو ایک دوسرے سے محبت اور خصوصی تعلق ہے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی (دوست)
ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اہل ایمان کو اس بات سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے کہ وہ کافروں کو اپنا دوست بنائیں۔
کیونکہ کافر اللہ کے بھی دشمن ہیں اور اہل ایمان کے بھی دشمن ہیں۔ تو پھر ان کو دوست بنانے کا جواز کس طرح ہو سکتا
ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، کہ اہل ایمان

اِلَّا اَنْ تَسْتَعُوْا مِنْهُمْ نَفْسًا وَّيَحْيٰى زَكٰوْمُ اللّٰهُ
نَفْسًا مَّا اِلَّا اللّٰهُ الْمَوْجِبُ ۝۳

قُلْ اِنْ تُحِبُّوْا مَا بِيْ صُدُّوْكُمْ اَوْ تَبَدُّوْهُ يَخْلَعَنَّ اللّٰهُ
وَيَعْلَمَنَّ مَا بِي السَّمَوٰتِ وَمَا بِي الْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳

يَوْمَ يَهْدِيْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّخَضَّرًا اِلَّا اَعْيَتْ مِنْ
سُوْرَةٍ تَوَدُّ اَنْ لَّا يَنْبَغِيْهَا وَبَيْنَهَا اَمَدٌ اَبْعَدُ اَوْ يَحْدِثُ لَكُمْ اللّٰهُ
نَفْسًا مِّنْ اللّٰهِ لَا وَفَّيْا لِّلْعَبَادِ ۝۳

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يَتَّبِعْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ
ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳

کسی حمایت میں نہیں مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح
بچاؤ مقصود ہو،^(۱) اور اللہ تعالیٰ خود تمہیں اپنی ذات سے
ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جانا
ہے۔ (۲۸)

کہہ دیجئے! کہ خواہ تم اپنے سینوں کی باتیں چھپاؤ خواہ
ظاہر کرو اللہ تعالیٰ (بہر حال) جانتا ہے، آسمانوں اور زمین
میں جو کچھ ہے سب اسے معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز
پر قادر ہے۔ (۲۹)

جس دن ہر نفس (مخلص) اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی
ہوئی برائیوں کو موجود پالے گا، آرزو کرے گا کہ کاش ا
اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی۔
اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ
اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔ (۳۰)

کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری
تابعداری کرو،^(۲) خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور

کافروں کی موانعت (دوستی) اور ان سے خصوصی تعلق قائم کرنے سے گریز کریں۔ البتہ حسب ضرورت و مصلحت ان
سے صلح و معاہدہ بھی ہو سکتا ہے اور تجارتی لین دین بھی۔ اسی طرح جو کافر، مسلمانوں کے دشمن نہ ہوں، ان سے حسن
سلوک اور مدارات کا معاملہ بھی جائز ہے (جس کی تفصیل سورہ ممتحنہ میں ہے) کیونکہ یہ سارے معاملات، موانعت
(دوستی و محبت) سے مختلف ہے۔

(۱)۔ یہ اجازت ان مسلمانوں کے لیے ہے جو کسی کافر حکومت میں رہتے ہوں کہ ان کے لیے اگر کسی وقت اظہار دوستی
کے بغیر ان کے شر سے بچنا ممکن نہ ہو تو وہ زبان سے ظاہری طور پر دوستی کا اظہار کر سکتے ہیں۔

(۲)۔ یہود اور نصاریٰ دونوں کا دعویٰ تھا کہ ہمیں اللہ سے اور اللہ تعالیٰ کو ہم سے محبت ہے، بالخصوص عیسائیوں نے
حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام کی تعظیم و محبت میں جو اتنا غلو کیا کہ انہیں درجہ الوہیت پر فائز کر دیا، اس کی بابت بھی ان
کا خیال تھا کہ ہم اس طرح اللہ کا قرب اور اس کی رضا و محبت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے دعووں اور خود
ساختہ طریقوں سے اللہ کی محبت اور اس کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کا تو صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ میرے
آخری پیغمبر پر ایمان لاؤ اور اس کا اتباع کرو۔ اس آیت نے تمام دعوے داران محبت کے لیے ایک کسوٹی اور معیار مہیا کر
دیا ہے کہ محبت الہی کا طالب اگر اتباع محمد ﷺ کے ذریعے سے یہ مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے، تو پھر تو یقیناً وہ کامیاب ہے

تمہارے گناہ معاف فرما دے گا^(۱) اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے (۳۱)

کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرو، اگر یہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔^(۲) (۳۲)

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کے لوگوں میں سے آدم (علیہ السلام) کو اور نوح (علیہ السلام) کو، ابراہیم (علیہ السلام) کے خاندان اور عمران کے خاندان کو منتخب فرمایا۔^(۳) (۳۳)

قُلْ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ اِنْ تُوْكَرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ ۝۳۲

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَّ اٰلَ عِيْمٰنَ عَلٰى الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۳

اور اپنے دعوے میں سچا ہے، ورنہ وہ جھوٹا بھی ہے اور اس مقصد کے حصول میں ناکام بھی رہے گا۔ نبی ﷺ کا بھی فرمان ہے ”مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَّنِيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ“ (متفق علیہ) جس نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا معاملہ نہیں ہے۔ یعنی ہمارے بتائے ہوئے طریقے سے مختلف ہے تو وہ مسترد ہے۔“

(۱)۔ یعنی اتباع رسول ﷺ کی وجہ سے تمہارے گناہ ہی معاف نہیں ہوں گے بلکہ تم محب سے محبوب بن جاؤ گے۔ اور یہ کتنا اونچا مقام ہے کہ ہر گاہ الہی میں ایک انسان کو محبوبیت کا مقام مل جائے۔

(۲)۔ اس آیت میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول ﷺ کی پھر تاکید کر کے واضح کر دیا کہ اب نجات اگر ہے تو صرف اطاعت محمدی میں ہے اور اس سے انحراف کفر ہے اور ایسے کافروں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ چاہے وہ اللہ کی محبت اور قرب کے کتنے ہی دعوے دار ہوں۔ اس آیت میں صحیح حدیث کے منکرین اور اتباع رسول ﷺ سے گریز کرنے والوں دونوں کے لیے سخت وعید ہے کیونکہ دونوں ہی اپنے اپنے انداز سے ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں جسے یہاں کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اَعَادَنَا اللّٰهُ يَوْمًا۔

(۳)۔ انبیاء علیہم السلام کے خاندانوں میں دو عمران ہوئے ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے والد اور دوسرے حضرت مریم علیہا السلام کے والد۔ اس آیت میں اکثر مفسرین کے نزدیک یہی دوسرے عمران مراد ہیں اور اس خاندان کو بلند درجہ حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے حاصل ہوا اور حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کا نام مفسرین نے حَنَّة بنت حَافُوْد لکھا ہے (تفسیر قرطبی و ابن کثیر) اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آس عمران کے علاوہ مزید تین خاندانوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وقت میں جہانوں پر نصیحت عطا فرمائی۔ ان میں پہلے حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جنہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی، انہیں مسجود ملائکہ بنایا، اس کا علم انہیں عطا کیا اور انہیں جنت میں رہائش پذیر کیا، جس سے پھر انہیں زمین میں

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرَانَ رَبِّ اِنِّى كُنْتُ نَذِيْتُ لَكَ مَا فِى بَطْنِى
مُعْزَرًا مَّقْتَصِلٌ يَتَنَبَّأُ بِغَايَةِ السَّاعَةِ ۚ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ رِنِّى وَضَعْتُهَا اُنْثٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ
بِمَا وَضَعَتْ ۚ وَ لَيْسَ الذَّكَوٰةُ لَاُنْثٰى ۚ وَاِنِّى سَتِّيتُهَا مَرْمُوءًا
وَاِنِّى اُحِبُّهَا هَآ يٰۤاَنْتَ وَذُرِّيَّتُهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿٣٦﴾

کہ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں^(۱)
اور اللہ تعالیٰ سنا جانتا ہے۔ (۳۴)

جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے میرے رب! میرے
پیٹ میں جو کچھ ہے، اسے میں نے تیرے نام آزاد
کرنے^(۲) کی نذر مانی، تو میری طرف سے قبول فرما! یقیناً
تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے۔ (۳۵)
جب بچی کو جنا تو کہنے لگیں کہ پروردگار! مجھے تو لڑکی ہوئی،
اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور لڑکا
لڑکی جیسا نہیں^(۳) میں نے اس کا نام مریم رکھا،^(۴) میں
اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں
دیتی ہوں۔^(۵) (۳۶)

بھیج دیا گیا جس میں اس کی بہت سی حکمتیں تھیں۔ دوسرے حضرت نوح علیہ السلام ہیں، انہیں اس وقت رسوں بنا کر
بھیجا گیا جب لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنالیا، انہیں عمر طویل عطا کی گئی، انہوں نے اپنی قوم کو سادھے نو سو
سال تبلیغ کی، لیکن چند افراد کے سوا، کوئی آپ پر ایمان نہیں لایا۔ بالآخر آپ کی بددعا سے اہل ایمان کے سوا، دوسرے
تمام لوگوں کو غرق کر دیا گیا۔ آل ابراہیم کو یہ فضیلت عطا کی کہ ان میں انبیاء و سلاطین کا سلسلہ قائم کیا اور بیشتر پیغمبر آپ ہی
کی نسل سے ہوئے۔ حتیٰ کہ علی الاطلاق کائنات میں سب سے افضل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی حضرت ابراہیم علیہ
السلام کے بیٹے، اسمعیل علیہ السلام کی نسل سے ہوئے۔

(۱)۔ یا دوسرے معنی ہیں دین میں ایک دوسرے کے معاون اور مددگار۔

(۲)۔ مُعْزَرًا (تیرے نام آزاد) کا مطلب تیری عبادت گاہ کی خدمت کے لیے وقف۔

(۳)۔ اس جیسے میں حسرت کا اظہار بھی ہے اور عذر بھی۔ حسرت، اس طرح کہ میری امید کے برعکس لڑکی ہوئی ہے اور
عذر، اس طرح کہ نذر سے مقصود تو تیری رضا کے لیے ایک خدمت گار وقف کرنا تھا اور یہ کام ایک مرد ہی زیادہ بہتر
طریقے سے کر سکتا تھا۔ اب جو کچھ بھی ہے تو اسے جانتا ہی ہے۔ (فتح القدیر)

(۴)۔ حافظ ابن کثیر نے اس سے اور احادیث نبوی سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بچے کا نام ولدت کے پہلے روز
رکھنا چاہیے اور ساتویں دن نام رکھنے والی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن حافظ ابن القیم نے تمام احادیث پر بحث کر
کے آخر میں لکھا ہے کہ پہلے روز، تیسرے روز یا ساتویں روز نام رکھا جاسکتا ہے، اس مسئلے میں گنجائش ہے۔ وَالْاَمْرُ بِالْیَدِ
وَرِیْبِغ (تحفۃ المودود)

(۵)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو مس کرتا،

فَقَتَّتْهَا رَبُّهَا بِقَبُولِ حَسَنِ وَاعْتَمَاتِهَا بِاِحْسَانٍ وَكَلَّمَهَا
رَبُّهَا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا
رِزْقًا فَاتَّخَذَ مِنْهُ لَئْلِيْ هَذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ لَا يَحْصِيْهِ ۝

پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا
اور اسے بہترین پرورش دی۔ اس کی خیر خبر لینے والا
زکریا (علیہ السلام) کو بنایا،^(۱) جب کبھی زکریا (علیہ
السلام) ان کے حجرے میں جاتے ان کے پاس روزی
رکھی ہوئی پاتے،^(۲) وہ پوچھتے اے مریم! یہ روزی
تمہارے پاس کہاں سے آئی؟ وہ جواب دیتیں کہ یہ اللہ
تعالیٰ کے پاس سے ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہے
بے شمار روزی دے۔ (۳۷)

هٰذَا لَيْتَ دَعَارٌ لِّرَبِّكَ فَقَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً
مَّطَهَةً ۝ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَا ۝

اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی، کہا
کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد

(چھوٹا) ہے جس سے وہ چھٹا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مس شیطان سے حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے
(یحییٰ علیہ السلام) کو محفوظ رکھا ہے۔ «مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ اِلَّا مَسَّهُ الشَّيْطَانُ حِيْنَ يُّوْلَدُ، فَيَسْتَهْلِكُ صَادِحًا مِنْ
مَّنِّهِ يَّاهُ، اِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا» (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، مسلم کتاب الفضائل)
(۱) حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام کے خالو بھی تھے، اس لیے بھی 'علاوہ ازیں اپنے وقت کے پیغمبر
ہونے کے لحاظ سے بھی وہی سب سے بہتر کفیل بن سکتے تھے جو حضرت مریم علیہا السلام کی مادی ضروریات اور علمی و
اخلاقی تربیت کے تقاضوں کا صحیح اہتمام کر سکتے تھے۔

(۲) میخراث سے مراد حجرہ ہے جس میں حضرت مریم علیہا السلام رہائش پذیر تھیں۔ رزق سے مراد پھل۔ یہ پھل یک تو
غیر موسمی ہوتے، گرمی کے پھل سردی کے موسم میں اور سردی کے گرمی کے موسم میں ان کے کمرے میں موجود
ہوتے، دوسرے حضرت زکریا علیہ السلام یا کوئی اور شخص لا کر دینے والا نہیں تھا۔ اس لیے حضرت زکریا علیہ السلام نے
ازراہ تعجب و حیرت پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے؟ انہوں نے کہا اللہ کی طرف سے۔ یہ گویا حضرت مریم علیہا السلام کی
کرامت تھی۔ معجزہ اور کرامت خرق عادت امور کو کہا جاتا ہے یعنی جو ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہو۔ یہ کسی
نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے معجزہ اور کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں برحق ہیں۔ تاہم
ان کا صدور اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔ نبی یا ولی کے اختیار میں یہ بات نہیں کہ وہ معجزہ اور کرامت
جب چاہے صادر کر دے۔ اس لیے معجزہ اور کرامت اس بات کی توثیق ہوئی ہے کہ یہ حضرات اللہ کی بارگاہ میں خاص
مقام رکھتے ہیں لیکن اس سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ ان مقبولین بارگاہ کے پاس کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار ہے،
جیسا کہ اہل بدعت اولیا کی کرامتوں سے عوام کو یہی کچھ باور کرا کے انہیں شرکیہ عقیدوں میں مبتلا کر دیتے ہیں اس کی
مزید وضاحت بعض معجزات کے ضمن میں آئے گی۔

عطا فرما' بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔ (۳۸)

پس فرشتوں نے انہیں آواز دی 'جب کہ وہ حجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰ کی یقینی خوشخبری دیتا ہے جو ^(۱) اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والا ^(۲) سردار 'ضابط نفس اور نبی ہے نیک لوگوں میں سے۔ (۳۹)

کہنے لگے اے میرے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہو گا؟ میں بالکل بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے ' فرمایا 'اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔ (۴۰) کہنے لگے پروردگار! میرے لئے اس کی کوئی نشانی مقرر کر دے ' فرمایا 'نشانی یہ ہے کہ تین دن تک تو لوگوں سے بات نہ کر سکے گا ' صرف اشارے سے سمجھائے گا ' تو اپنے رب کا ذکر کثرت سے کر اور صبح و شام اسی کی تسبیح بیان ^(۳) کرتا رہا (۴۱)

فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْغُرَابِ
أَنَّ اللَّهَ يَبْشِرُكَ بِصَبِيٍّ مُّصَدِّقًا لِّكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا
وَحْصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

قَالَ رَبِّ اٰلِيْ يٰكُوْنُ لِيْ غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَتْنِي الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ
عَاقِرٌ ۚ قَالَ كَذٰلِكَ اَلَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً ۚ قَالَ اِيْشْكُ الْاَلْحُلُمَ الثَّلَاثِ
كَذٰلِكَ اَتَمَّارُ الْاَمْرِ ۚ وَاذْكُرْ نَبَاكَ كَبِيْرًا وَّسَيِّئًا
بِالْعَيْنِ وَالْاِنْجَارِ ۝

(۱) بے موسیٰ پہل دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں بھی (بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود) یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش اللہ تعالیٰ انہیں بھی اسی طرح اولاد سے نواز دے۔ چنانچہ بے اختیار دعا کے لیے ہاتھ بارگاہ الہی میں اٹھ گئے جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا۔

(۲) اللہ کے کلمے کی تصدیق سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق ہے۔ گویا حضرت یحییٰ 'حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے بڑے ہوئے۔ دونوں آپس میں خالہ زاد تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی تائید کی۔ سید آ کے معنی ہیں سردار حضورؐ کے معنی ہیں 'گناہوں سے پاک یعنی گناہوں کے قریب نہیں پھٹکتے گویا کہ ان کو ان سے روک دیا گیا ہے۔ یعنی حضورؐ بمعنی مَحْصُور۔ بعض نے اس کے معنی نامرد کے کیے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں 'کیونکہ یہ ایک عیب ہے جب کہ یہاں ان کا ذکر مدح اور فضیلت کے طور پر کیا گیا ہے۔

(۳) بڑھاپے میں معجزانہ طور پر اولاد کی خوش خبری سن کر اشتیاق میں اضافہ ہوا اور نشانی معلوم کرنی چاہی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تین دن کے لیے ہماری زبان بند ہو جائے گی۔ جو ہماری طرف سے بطور نشانی ہو گی لیکن تو اس خاموشی میں کثرت سے صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کیا کر۔ تاکہ اس نعمت الہی کا جو تجھے ملنے والی ہے 'شکر ادا ہو۔ یہ گویا سبق دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری طلب کے مطابق تمہیں مزید نعمتوں سے نوازے تو اسی حساب سے اس کا شکر بھی زیادہ سے زیادہ کرو۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰۤهٰرُونَ اِنَّ اِلٰهَكَ اصْطَفٰكَ
وَوَهَّبَكَ وَاصْطَفٰكَ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝

يٰۤهٰرُونَ اٰتٰنِيْ بِرَبِّكَ وَاشْهَدِيْ وَارْكَبِيْ مَعَ الزَّكٰوِيْنَ ۝

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ
اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اِلَيْهِمْ لِيَقُوْلَ مَرْيَمُ وَمَا كُنْتَ
لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝

اور جب فرشتوں نے کہا، اے مریم! اللہ تعالیٰ نے تجھے برگزیدہ کر لیا اور تجھے پاک کر دیا اور سارے جہان کی عورتوں میں سے تیرا انتخاب کر لیا۔^(۱) (۳۲)

اے مریم! تو اپنے رب کی اطاعت کر اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔ (۳۳)

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی سے پہنچاتے ہیں، تو ان کے پاس نہ تھا جب کہ وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ مریم کو ان میں سے کون پالے گا؟ اور نہ تو ان کے جھگڑنے کے وقت ان کے پاس تھا۔^(۲) (۳۴)

(۱)۔ حضرت مریم علیہا السلام کا یہ شرف و فضل ان کے اپنے زمانے کے اعتبار سے ہے کیونکہ صحیح احادیث میں حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی خَيْرُ نِسَائِنَا (سب عورتوں میں بہتر) کہا گیا ہے۔ اور بعض احادیث میں چار عورتوں کو کامل قرار دیا گیا ہے۔ حضرت مریم، حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی)، حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بابت کہا گیا ہے کہ ان کی فضیلت دیگر تمام عورتوں پر ایسے ہے جیسے شہید کو تمام کھانوں پر فوقیت حاصل ہے۔ (ابن کثیر) اور ترمذی کی روایت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ کو بھی فضیلت والی عورتوں میں شامل کیا گیا ہے (ابن کثیر) اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مذکورہ خواتین ان چند عورتوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دیگر عورتوں پر فضیلت اور بزرگی عطا فرمائی، یہ کہ اپنے اپنے زمانے میں فضیلت رکھتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۲)۔ آج کل کے اہل بدعت نے نبی کریم ﷺ کی شان میں غلو عقیدت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے اللہ تعالیٰ کی طرح عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ گمراہ رکھا ہے۔ اس آیت سے ان دونوں عقیدوں کی واضح تردید ہوتی ہے۔

اگر آپ نبی ﷺ عالم الغیب ہوتے تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ ”ہم غیب کی خبریں آپ کو بیان کر رہے ہیں“ کیونکہ جس کو پہلے ہی علم ہو، اس کو اس طرح نہیں کہا جاتا اور اسی طرح حاضر و ناظر کو یہ نہیں کہا جاتا کہ آپ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے جب لوگ قرعہ اندازی کے لیے قلم ڈال رہے تھے۔ قرعہ اندازی کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کے اور بھی کئی خواہش مند تھے۔ ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ لَكَ﴾ سے نبی کریم ﷺ کی رسالت اور آپ کی صداقت کا اثبات بھی ہے جس میں یہودی اور عیسائی شک کرتے تھے کیونکہ وحی شریعت پیغمبر پر ہی آتی ہے، غیر پیغمبر نہیں۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ لَیْسَ بِہٖ اِنَّ اللّٰہَ یَخْتَارُ لِمَن یَّشَآءُ مِنْہٗ دَاسِیۃً
الَّتِیۡ یُخٰیۡرُ عِیۡنَیۡہِۢمۡ اَبۡنَیۡ سَرِیۡحَہٗ وَجِیۡہَیۡہِۢمۡ اَلۡذٰنِیۡنَ
وَ اَلْاٰخِرَۃَ وَ مَنۡ الْمَقۡدُوۡرِیۡنَ ﴿۳۵﴾

وَبَیۡکُمۡ اِنۡتَاسَ فِیۡ اَلْمَقۡدُوۡرِیۡنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۳۶﴾

جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ایک
کلمے^(۱) کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن^(۲)
مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں ذی عزت ہے اور وہ
میرے مقربین میں سے ہے۔ (۳۵)
وہ لوگوں سے اپنے گوارے میں باتیں کرے گا اور ادھیڑ
عمر میں بھی^(۳) اور وہ نیک لوگوں میں سے ہو گا۔ (۳۶)

(۱)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ یعنی کلمۃ اللہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ ان کی ولادت اعجازی شان کی مظہر اور عام
انسانی اصول کے برعکس 'باپ کے بغیر' اللہ کی خاص قدرت اور اس کے کلمہ کن کی تخلیق ہے۔
(۲)۔ مَسِيحٌ مسیح سے ہے اُنْی مَسِيحٌ الازس یعنی کثرت سے زمین کی سیاحت کرنے والا یا اس کے معنی ہاتھ پھیرنے والا
ہے، کیونکہ آپ ہاتھ پھیر کر مریضوں کو باذن اللہ شفا یاب فرماتے تھے۔ ان دونوں معنوں کے اعتبار سے یہ دَعِيۡنٌ
بمعنی فاعل ہے اور قیامت کے قریب ظاہر ہونے والے دجال کو جو مسیح کہا جاتا ہے وہ یا تو بمعنی مفعول یعنی
مَنْسُوحٌ نَعْبَرُ (اس کی ایک آنکھ کالی ہوگی) کے اعتبار سے ہے یا وہ بھی چونکہ کثرت سے دنیا میں پھرے گا اور مکہ اور
ہیمنہ کے سوا ہر جگہ پہنچے گا (بخاری و مسلم) اور بعض روایات میں بیت المقدس کا بھی ذکر ہے اس لیے اسے بھی الْمَسِيحُ
الْمُجْدُّ کہا جاتا ہے۔ عام اہل تفسیر نے عموماً یہی بات درج کی ہے۔ کچھ اور محققین کہتے ہیں کہ مسیح یہود و نصاریٰ کی
اصطلاح میں بڑے مامور من اللہ پیغمبر کو کہتے ہیں یعنی ان کی یہ اصطلاح تقریباً اولوالعزم پیغمبر کے ہم معنی ہے۔ دجال کو
مسیح اس لیے کہا گیا ہے کہ یہود کو جس انقلاب آفریں مسیح کی بشارت دی گئی ہے۔ اور جس کے وہ غلط طور پر اب بھی
منتظر ہیں 'دجال اسی مسیح کے نام پر آئے گا یعنی اپنے آپ کو وہی مسیح قرار دے گا۔ مگر وہ اپنے اس دعویٰ سمیت تمام
دعوؤں میں دجل و فریب کا اتنا بڑا پیکر ہو گا کہ اولین و آخرین میں اس کی کوئی مثال نہ ہوگی اس لیے وہ الدجال کہلائے
گا۔ اور عیسیٰ عجمی زبان کا لفظ ہے۔ بعض کے نزدیک یہ عربی اور عاصِمٌ یَعْمُوسُ سے مشتق ہے جس کے معنی سیاست و
قیادت کے ہیں (قرطبی و فتح القدیر)

(۳)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مَہْدُ (گوارے) میں گنتگو کرنے کا ذکر خود قرآن کریم کی سورہ مریم میں موجود ہے۔
اس کے علاوہ صحیح حدیث میں دو بچوں کا ذکر اور ہے۔ ایک صاحب جریج اور ایک اسرائیلی عورت کا بچہ (صحیح بخاری)
کتاب الانبیاء باب واذ کرنی الکتاب مریم) اس روایت میں جن تین بچوں کا ذکر ہے 'ان سب کا تعلق بنو اسرائیل سے
ہے، کیونکہ ان کے علاوہ صحیح مسلم میں اصحاب الاخذہ دو کے قصے میں بھی شیر خوار بچے کے بولنے کا ذکر ہے۔ اور حضرت
یوسف کی بابت فیصلہ کرنے والے شاہد کے بارے میں جو مشہور ہے کہ وہ بچہ تھا، صحیح نہیں ہے۔ بلکہ وہ دُوْا لِبَحِیۃ
(داڑھی والا) تھا (الضعیف - رقم ۸۸۱) کَہَلٰ (ادھیڑ عمر) میں کلام کرنے کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ جب وہ بڑے ہو
کرو جی اور رسالت سے سرفراز کیے جائیں گے اور بعض نے کہا ہے کہ آپ کا قیامت کے قریب جب آسمان سے نازل

قَالَتْ رَبِّ اَنْ يَكُوْنَ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي مَتْرٌ قَالَ
كَذَلِكَ اللهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ اِذَا هَضَبَ اَمْرًا فَاَتَا يَقُولُ
لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۷﴾

وَبَعَثْنَا اٰدَمَ وَنُوحًا وَابْرٰهِيْمَ وَالْاِسْحٰقَ

وَيَسُوْلٰىلَ بَنِي اِسْرٰءِيْلَ اِنِّىْ قَدْ جَعَلْتُكُمْ اَيُّوْمًا رُّسُلًا
اِنِّىْ اَخْلَقْتُ لَكُمْ مِنَ الطِّيْنِ كَمَا بَدَأْتُ الْاِنْسَانَ فَانْفَعِرُوْا
فَمَيِّكُوْنَ طٰغِيْرًا بٰدِيْنَ فَلَوْ شِئْتُ لَفَعَلْتُ لَكُمْ اِلٰهًا
وَاِنِّىْ السَّمَوٰتِ بٰدِيْنَ اَللّٰهُوَ الَّذِى يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ
وَمَا تَدْرُوْنَ فِىْ شَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ اِلَّا هٰٓؤُلَاءِ
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾

کہنے لگیں الہی مجھے لڑکا کیسے ہو گا؟ حالانکہ مجھے تو کسی
انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا 'فرشتے نے کہا' اسی طرح
اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرتا ہے 'جب کبھی وہ کسی کام کو
کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو
جاتا ہے' (۳۷)

اللہ تعالیٰ اسے لکھتا (۳۸) اور حکمت اور توراۃ اور انجیل
سکھائے گا۔ (۳۸)

اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو گا کہ میں تمہارے
پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں 'میں تمہارے لئے
پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں' (۳۹) پھر اس
میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن
جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں مادر زاد اندھے کو اور
کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں' (۴۰) اور
جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا

ہو گا جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے جو صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے 'تو اس وقت جو وہ اسلام کی تبلیغ کریں گے'
وہ کلام مراد ہے۔ (تفسیر ابن کثیر و قرطبی)

(۱)۔ تمہارا تعجب بجا 'لیکن قدرت الہی کے لئے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے' وہ تو جب چاہے اسباب عادیہ و ظاہریہ کا سلسلہ
ختم کر کے حکم کن سے پلک جمپکتے میں 'جو چاہے کر دے۔

(۲)۔ کتات سے مراد کتابت (لکھنا) ہے۔ جیسا کہ ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے یا انجیل و تورات کے علاوہ کوئی اور کتاب ہے
جس کا علم اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا (قرطبی) یا تورات و انجیل 'الکِتٰبَاتُ اور اَلْبَحْثَةُ کی تفسیر ہے۔

(۳)۔ اَخْلَقْتُ لَكُمْ۔ اَبَى اَصُوْرًا وَاَقْدَرْتُ لَكُمْ (قرطبی) یعنی خلق میں پیدائش کے معنی میں نہیں ہے 'اس پر تو صرف اللہ
تعالیٰ ہی قادر ہے کیونکہ وہی خالق ہے۔ میں اس کے معنی ظاہری شکل و صورت گھڑنے اور بنانے کے ہیں۔

(۴)۔ دوبارہ باذن اللہ (اللہ کے حکم سے) کہنے سے مقصد یہی ہے کہ کوئی شخص اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے کہ میں
خدائی صفات یا اختیارات کا حامل ہوں۔ نہیں 'میں تو اس کا عاجز بندہ اور رسول ہی ہوں۔ یہ جو کچھ میرے ہاتھ پر ظاہر
ہو رہا ہے 'معجزہ ہے جو محض اللہ کے حکم سے صادر ہو رہا ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس
کے زمانے کے حالات کے مطابق معجزے عطا فرمائے تاکہ اس کی صداقت اور بالائری نمایاں ہو سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ

دیتا ہوں اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے، اگر تم ایمان لانے والے ہو۔ (۳۹)

اور میں توراۃ کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور میں اس لئے آیا ہوں کہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں^(۱) اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں، اس لئے تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو (۵۰)

یقین مانو! میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے، تم سب اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔^(۲) (۵۱)

مگر جب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان کا کفر محسوس کر لیا^(۳) تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ کی راہ میں میری مدد کرنے

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَلَأَجِدَنَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي خُيِّرْتُمْ عَلَيْهِ وَجِئْتُكُمْ بِآيَاتٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ غَيْرُ النَّصَارَ اللَّهُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَآشْهَدُ

السلام کے زمانے میں جادوگری کا بڑا زور تھا، انہیں ایسا معجزہ عطا فرمایا گیا جس کے سامنے بڑے بڑے جادوگر اپنا کرب دکھانے میں ناکام رہے جس سے ان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت واضح ہو گئی اور وہ ایمان لے آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا بڑا چرچا تھا، چنانچہ انہیں مردہ کو زندہ کر دینے، مادرِ زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینے کا معجزہ عطا فرمایا گیا جو کوئی بھی بڑا سے بڑا طبیب اپنے فن کے ذریعے سے کرنے پر قادر نہیں تھا۔ ہمارے پیغمبر نبی کریم ﷺ کے دور میں شعر و ادب اور فصاحت و بلاغت کا زور تھا، چنانچہ انہیں قرآن جیسا فصیح دلیخ اور پر اعجاز کلام عطا فرمایا گیا، جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا بھر کے فصحا و بلحا اور اواباد شعرا عاجز رہے اور چیلنج کے باوجود آج تک عاجز ہیں اور قیامت تک عاجز رہیں گے۔ (ابن کثیر)

(۱) اس سے مراد یہ تو وہ بعض چیزیں ہیں جو بطور مزا اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کر دی تھیں یا پھر وہ چیزیں ہیں جو ان کے عدا نے اجتہاد کے ذریعے سے حرام کی تھیں اور اجتہاد میں ان سے غلطی کا ارتکاب ہوا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس غلطی کا ازالہ کر کے انہیں حلال قرار دیا۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی اللہ کی عبادت کرنے میں اور اس کے سامنے ذلت و عاجزی کے اظہار میں میں اور تم دونوں برابر ہیں۔ اس لیے سیدھا راستہ صرف یہ ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

(۳) یعنی ایسی گہری سازشیں اور مقلوک حرکتیں جو کفر یعنی حضرت مسیح کی رسالت کے انکار پر مبنی تھیں۔

يَا قَا مُسْلِمُونَ ۝

والا کون کون ہے؟^(۱) حواریوں^(۲) نے جواب دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہے کہ ہم تابعدار ہیں۔ (۵۲)

اے ہمارے پالنے والے معبود اہم تیری آتاری ہوئی وحی پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی اتباع کی پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے۔ (۵۳)

اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اکرا خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔^(۳) (۵۴)

رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاٰبَعَثْنَا التَّمُوْلَ فَاكْتُمْنَا

مَعَ الشَّٰهِدِيْنَ ۝

وَمَكْرُوْا وَمَكْرَآئِهٖ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَكْرِیْنَ ۝

(۱)۔ بہت سے نبیوں نے اپنی قوم کے ہاتھوں تک آکر ظاہری اسباب کے مطابق اپنی قوم کے باشعور لوگوں سے مدد طلب کی ہے۔ جس طرح خود نبی ﷺ نے بھی ابتدا میں جب قریش آپ کی دعوت کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے تو آپ موسم حج میں لوگوں کو اپنا ساتھی اور مددگار بننے پر آمادہ کرتے تھے تاکہ آپ رب کا کلام لوگوں تک پہنچا سکیں، جس پر انصار نے لبیک کہا اور نبی ﷺ کی انہوں نے قبل ہجرت اور بعد ہجرت مدد کی۔ اسی طرح یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مدد طلب فرمائی۔ یہ وہ مدد نہیں ہے جو مافوق الاسباب طریقے سے طلب کی جاتی ہے کیونکہ وہ تو شرک ہے اور ہر نبی شرک کے سد باب ہی کے لیے آتا رہا ہے، پھر وہ خود شرک کا ارتکاب کس طرح کر سکتے تھے؟ لیکن قبر رستوں کی غلط روش قابل ماتم ہے کہ وہ فوت شدہ اشخاص سے مدد مانگنے کے جواز کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول من الصاری الی اللہ سے استدلال کرتے ہیں؟ مَا نَا شِرْاٰنَا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب فرمائے۔

(۲) حواریوں، حواری کی جمع ہے بمعنی انصار (مددگار) جس طرح نبی ﷺ کا فرمان ہے 'اِنَّ لِكُلِّ نَبِیٍّ حَوَارِیًّا وَحَوَارِیِّ الزُّبُرِ' (اصحیح بخاری کتاب الجہاد باب فضل الطلبة) "ہر نبی کا کوئی مددگار خاص ہوتا ہے اور میرا مددگار زبیرؓ ہے۔"

(۳)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں شام کا علاقہ رومیوں کے زیرِ نگیں تھا، یہاں ان کی طرف سے جو حکمران مقرر تھا وہ کافر تھا۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف اس حکمران کے کان بھر دیے کہ یہ نعوذ باللہ بغیر باپ کے اور فساد ہی ہے وغیرہ وغیرہ۔ حکمران نے ان کے مطالبے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بحفاظت آسمان پر اٹھالیا اور ان کی جگہ ان کے ہم شکل ایک آدمی کو انہوں نے سولی دے دی اور سمجھتے رہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی ہے مگر عربی زبان میں لطیف اور خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں اور اس معنی میں یہاں اللہ تعالیٰ کو خیر الما جریں کہا گیا ہے۔ گویا یہ مکر سیٹی (برا) بھی ہو سکتا ہے اگر غلط مقصد کے لیے ہو اور خیر (اچھا) بھی ہو سکتا ہے اگر اچھے مقصد کے لیے ہو۔

یہ جسے ہم تیرے سامنے پڑھ رہے ہیں آیتیں ہیں اور حکمت والی فصاحت ہیں۔ (۵۸)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال ہو ہو آدم (علیہ السلام) کی مثال ہے جسے مٹی سے بنا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا پس وہ ہو گیا! (۵۹)

تیرے رب کی طرف سے حق یہی ہے خبردار شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔ (۶۰)

اس لئے جو شخص آپ کے پاس اس علم کے آجانے کے بعد بھی آپ سے اس میں جھگڑے تو آپ کہہ دیں کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی اپنی جانوں کو بلا لیں پھر ہم جزی کے ساتھ التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔^(۱) (۶۱)

یقیناً صرف یہی سچا بیان ہے اور کوئی معبود برحق نہیں۔ بجز اللہ تعالیٰ کے اور بے شک غالب اور حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ (۶۲)

ذٰلِكَ سَلٰوَةٌ مِّنَ الْاٰیٰتِ وَ الْذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝۵۸

اِنَّ مَثَلَ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهُ

مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ اَنْتَ قِيْلُوْنَ ۝۵۹

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝۶۰

فَمَنْ حَآجَبَكَ فَيُوْثِقُ رِيْبًا مِّنْ بَعْدِ سَبَآئِكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ

تَعَالَوْا نَدْعُ اٰبَاءَنَا وَ اٰنْسَاءَكُمْ وَ نِسَاءَنَا وَ اَبْنَاؤَكُمْ

وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ تَبَيَّنَ لَكُمْ فَتَجْعَلُ لَعْنَتُ اللّٰهِ

عَلَى الْكَافِرِيْنَ ۝۶۱

اِنَّ هٰذَا لَهٗوَ الْقَصَصِ الْحَقِّ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ

وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶۲

(۱)۔ یہ آیت مباہلہ کہلاتی ہے۔ مباہلہ کے معنی ہیں دو فرق کا ایک دوسرے پر لعنت یعنی بددعا کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جب دو فریقوں میں کسی معاملے کے حق یا باطل ہونے میں اختلاف و نزاع ہو اور دلائل سے وہ ختم ہوتا نظر نہ آتا ہو تو دونوں ہار گاہ الہی میں یہ دعا کریں کہ یا اللہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے اس پر لعنت فرما۔ اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ۹ ہجری میں نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ جو غلو آمیز عقائد رکھتے تھے اس پر بحث و مناظرہ کرنے لگا۔ بلاخرہ آیت نازل ہوئی اور نبی ﷺ نے انہیں مباہلہ کی دعوت دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو بھی ساتھ لیا اور عیسائیوں سے کہا کہ تم بھی اپنے اہل و عیال کو بلاؤ اور پھر مل کر جھوٹے پر لعنت کی بددعا کریں۔ عیسائیوں نے باہم مشورہ کے بعد مباہلہ کرنے سے گریز کیا اور پیش کش کی کہ آپ ہم سے جو چاہتے ہیں ہم دینے کے لیے تیار ہیں چنانچہ نبی ﷺ نے ان پر جزیہ مقرر فرما دیا جس کی وصولی کے لیے آپ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو جنہیں آپ ﷺ نے امین امت کا خطاب عنایت فرمایا تھا ان کے ساتھ بھیجا (مخلص از تفسیر ابن کثیر و فتح القدیر وغیرہ) اس سے اگلی آیت میں اہل کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) کو دعوت توحید دی جا رہی ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝

فَلْيَاْمَلِ الْكِتٰبَ تَعَالٰوَالِ كَلِمَةً سَوْءًا يَّزِيغُهَا وَيُغَيِّرُهَا
اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا وَلَا يَكْفِيْكُمْ بَعْضُكُمْ
بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَعُولُوْا
اَشْهَدُوْا اَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

لَا يَأْمُرُ الْكِتٰبُ اِلٰهًا تَعَالٰوَالِ فِيْ اِلٰهٍ اَوْ اِلٰهٍ اَوْ اِلٰهٍ اَوْ اِلٰهٍ
وَالْاَنْجِيلُ الْاِلٰهِيْنَ تَعَالٰوَالِ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

پھر بھی اگر قبول نہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی صحیح طور پر
فسادیوں کو جاننے والا ہے۔ (۶۳)

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب ایسی انصاف والی بات
کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ
کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو
شریک بنائیں^(۱) نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک
دوسرے کو ہی رب بنائیں۔^(۲) پس اگر وہ منہ پھیر لیں
تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں^(۳) (۶۴)

اے اہل کتاب! تم ابراہیم کی بابت کیوں جھگڑتے ہو
حالانکہ تورات و انجیل تو ان کے بعد نازل کی گئیں کیا تم
پھر بھی نہیں سمجھتے؟^(۴) (۶۵)

(۱) کسی بت کو نہ صلیب کو نہ آگ کو اور نہ کسی اور چیز کو۔ بلکہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں جیسا کہ تمام انبیاء کی
دعوت رہی ہے۔

(۲) یہ ایک تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم نے حضرت مسیح اور حضرت عزیر علیہما السلام کی ربوبیت (رب ہونے)
کا جو عقیدہ گمراہ رکھا ہے یہ غلط ہے وہ رب نہیں ہیں انسان ہی ہیں۔ دوسرا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم نے اپنے
احباب و رہبان کو حلال و حرام کرنے کا جو اختیار دے رکھا ہے یہ بھی ان کو رب بنانا ہے جیسا کہ آیت — ﴿يَا قَوْمِ لَا
تُخْسِنُوْا فَعْلًا﴾ اس پر شاہد ہے یہ بھی صحیح نہیں ہے حلال و حرام کا اختیار بھی صرف اللہ ہی کو ہے۔ (ابن کثیر و فتح القدیر)۔

(۳) صحیح بخاری میں ہے کہ قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق آپ ﷺ نے ہر قل شاہ روم کو مکتوب تحریر فرمایا اور
اس میں اسے اس آیت کے حوالے سے قبول اسلام کی دعوت دی اور اسے کہا کہ تو مسلمان ہو جائے گا تو تجھے دہرا اجر
ملے گا ورنہ ساری رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہو گا۔ «فَاَسْلِمْنَا نَسْلَمَ، اَسْلِمْنَا يُّوْنُسُ اللّٰهُ اٰخَرُكَ مَرْثِيْنِ، فَاِنْ تَوَلَّيْتَ، يٰ اٰ
عَبِيْكَ اِلٰهِيْنَ» صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، ممبر ۱، "اسلام قبول کر لے" سلامتی میں رہے گا۔
اسلام لے آ" اللہ تعالیٰ تجھے دو گنا اجر دے گا۔ لیکن اگر تو نے قبول اسلام سے اعراض کیا تو رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہی ہو
گا۔ "کیونکہ رعایا کے عدم قبول اسلام کا سبب تو ہی ہو گا۔ اس آیت میں مذکور تین نکات۔ جنہی ۱۔ صرف اللہ کی عبادت
کرنا ۲۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ۳۔ اور کسی کو شریعت سازی کا خدائی مقام نہ دینا وہ کلمہ سوا ہے
جس پر اہل کتاب کو اتحاد کی دعوت دی گئی۔ لہذا اس امت کے شیرازہ کو جمع کرنے کے لیے بھی ان ہی تینوں نکات اور
اس کلمہ سوا کو بدرجہ اولیٰ اساس و بنیاد بنانا چاہیے۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑنے کا مطلب یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی دونوں دعویٰ کرتے تھے کہ

هَآءَئِنَّهُمْ هَؤُلَاءُ حَآجِبَتُهُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ
عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ
حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

اِنَّ اَوَّلَ الْاٰثَارِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَكَوْنِيْنَ اَتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا
اَسْبَغُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاٰتَهُ وِلٰيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

وَلَا تَقْلِبْهُ فِىْٓ اَهْلِ الْكِتٰبِ لِيُضِلُّوْكَ ۝
وَمَا يَضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

سنو! تم لوگ اس میں جھگڑ چکے جس کا تمہیں علم تھا پھر
اب اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم ہی
نہیں؟^(۱) اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے^(۲)
ابراہیم تو نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو یک طرفہ
(خالص) مسلمان تھے^(۳) وہ مشرک بھی نہ تھے^(۴) (۶۷)

سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم سے نزدیک تر وہ لوگ ہیں
جنہوں نے ان کا کہا مانا اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان
لائے^(۵) 'مومنوں کا ولی اور سارا اللہ ہی ہے' (۶۸)
اہل کتاب کی ایک جماعت چاہتی ہے کہ تمہیں گمراہ کر
دیں، دراصل وہ خود اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں اور
سمجھتے نہیں۔^(۶) (۶۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر تھے، حالانکہ تورات جس پر یہودی ایمان رکھتے تھے اور انجیل جسے عیسائی مانتے
تھے، دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد نازل ہوئیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی
کس طرح ہو سکتے تھے؟ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا دور
حضرت ابراہیم و عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ تھا (قرطبی)

(۱)۔ تمہارے علم و دیانت کا تو یہ حال ہے کہ جن چیزوں کا تمہیں علم ہے یعنی اپنے دین اور اپنی کتاب کا، اس کی بابت
تمہارے جھگڑے (جس کا ذکر پچھلی آیت میں کیا جا چکا ہے) بے اصل بھی ہیں اور بے عقلی کا مظہر بھی۔ تو پھر تم اس بات
میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں سرے سے علم ہی نہیں ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان اور ان کی ملت
حنیفہ کے بارے میں، جس کی اساس توحید و اخلاص پر ہے۔

(۲)۔ ﴿حَنِيفًا مُّسْلِمًا﴾ (ایک طرفہ خالص مسلمان) یعنی شرک سے بیزار اور صرف خدا کے واحد کے پرستار۔

(۳)۔ اسی لیے قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کو ملت ابراہیمی کا اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے ﴿لَنْ تَجِدَ مِلَّةً اَبْرٰهِيْمَ حَنِيفًا﴾

(انجیل ۱۲۳) علاوہ ازیں حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ وَّلَاةً مِنْ النَّبِيِّينَ وَرِثَةً مِنْهُمْ اَبِي
وَخَبِيْلٌ رَّثِي عَزَّ وَجَلَّ﴾ (ہر نبی کے نبیوں میں سے کچھ دوست ہوتے ہیں، میرے ولی (دوست) ان میں سے میرے باپ
اور میرے رب کے خلیں (ابراہیم علیہ السلام ہیں)۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی (ترمذی بحوالہ ابن کثیر)

(۴)۔ یہ یہودیوں کے اس حسد و بغض کی وضاحت ہے جو وہ اہل ایمان سے رکھتے تھے اور اسی عناد کی وجہ سے مسلمانوں کو گمراہ
کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس طرح وہ خود ہی بے شعوری میں اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں۔

يَا هَٰذَا الْكِتَابُ بِهِ تَنْفَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَآيَاتِهِ
تَشْهَدُونَ ①

يَا هَٰذَا الْكِتَابُ بِهِ تَلْتَمِسُونَ الْحَقَّ يَا بَاطِلٌ وَّتَلْتَمِسُونَ الْحَقَّ
وَأَنْتُمْ تَقْلَبُونَ ②

وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ يَأْتُواكَ ذِئَابُ النَّبِيِّينَ
أَمْ تُؤْتِيهِمُ الْغَارِ وَالْغُرُوحُ أَمْ لَكُم مِّنْ دُونِهَا آلِهَةٌ ③

وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا بِمَا نُنَزِّلُ فَلِرَبِّ الْهَدَىٰ هُدًى اللَّهُ
أَنْ يُؤْتِيَ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيْتُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ④
رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفُتُنَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

اے اہل کتاب تم (باوجود قائل ہونے کے پھر بھی) دانستہ
اللہ کی آیات کا کیوں کفر کر رہے ہو؟ ① (۷۰)

اے اہل کتاب! باوجود جاننے کے حق و باطل کو کیوں خط
لط کر رہے ہو اور کیوں حق کو چھپا رہے ہو؟ ② (۷۱)

اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ ایمان والوں
پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تو ایمان لاؤ اور شام کے
وقت کافر بن جاؤ، تاکہ یہ لوگ بھی پلٹ جائیں۔ ③ (۷۲)

اور سوائے تمہارے دین پر چلنے والوں کے اور کسی کا
یقین نہ کرو۔ ④ (۷۳) آپ کہہ دیجئے کہ بے شک ہدایت تو
اللہ ہی کی ہدایت ہے ⑤ (اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس

① قائل ہونے کا مطلب ہے کہ تمہیں نبی کریم ﷺ کی صداقت و حقانیت کا علم ہے۔

② اس میں یہودیوں کے دو بڑے جرائم کی نشاندہی کر کے انہیں ان سے باز رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے، پہلا جرم
حق و باطل اور سچ اور جھوٹ کو خلط ملط کرنا تاکہ لوگوں پر حق اور باطل واضح نہ ہو سکے۔ دوسرا کتمان حق۔ یعنی نبی کریم
ﷺ کے جو اوصاف و ثورات میں لکھے ہوئے تھے، انہیں لوگوں سے چھپانا، تاکہ نبی ﷺ کی صداقت کم از کم اس اعتبار
سے نمایاں نہ ہو سکے۔ اور یہ دونوں جرم جاننے بوجھتے کرتے تھے جس سے ان کی بد بختی دو چند ہو گئی تھی۔ ان کے
جرائم کی نشان دہی سورہ بقرہ میں بھی کی گئی ہے ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَلْبِسُوا الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ تَقْلَبُونَ﴾ (البقرہ: ۴۲)
”حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ اور حق مت چھپاؤ اور تم جاننے ہو۔“ اہل کتاب کے لفظ کو بعض مفسرین نے عام
رکھا ہے، جس میں یہود و نصاریٰ دونوں شامل ہیں۔ یعنی دونوں کو ان جرائم مذکورہ سے باز رہنے کی تلقین کی گئی
ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد صرف وہ قبائل یہودی ہیں جو مدینے میں رہائش پذیر تھے۔ ہو قریظہ، ہو نصیر، اور بنو
قینقاع۔ زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کا براہ راست انہی سے معاملہ تھا اور یہی نبی ﷺ کی
خصافت میں پیش پیش تھے۔

③ یہ یہودیوں کے ایک اور مکر کا ذکر ہے۔ جس سے وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے تھے کہ انہوں نے باہم طے کیا کہ صبح کو
مسلمان ہو جائیں اور شام کو کافر تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں بھی اپنے اسلام کے بارے میں شک پیدا ہو کہ یہ لوگ قبوس اسد
کے بعد دوبارہ اپنے دین میں واپس چلے گئے ہیں تو ممکن ہے کہ اسلام میں ایسے عیوب اور خامیاں ہوں جو ان کے علم میں آئی ہوں۔
④ یہ آپس میں انہوں نے ایک دوسرے کو کہا کہ تم ظاہری طور پر تو اسلام کا اظہار ضرور کرو لیکن اپنے ہم مذہب
(یہود) کے سوا کسی اور کی بات پر یقین مت رکھنا۔

⑤ یہ ایک جملہ مقررہ ہے جس کا ماقبل اور مابعد سے تعلق نہیں ہے۔ صرف ان کے مکر و حیلہ کی اصل حقیقت اس

وَاللّٰهُ وَاٰسَمُهُ عَلِيْمٌ ۝۴

بات کا بھی یقین نہ کرو) کہ کوئی اس جیسا دیا جائے جیسا تم
دئے گئے ہو،^(۱) یا یہ کہ یہ تم سے تمہارے رب کے پاس
جھگڑا کریں گے، آپ کہہ دیجئے کہ فضل تو اللہ تعالیٰ ہی
کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے اسے دے، اللہ تعالیٰ
وسعت والا اور جاننے والا ہے۔ (۷۳)

وہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص کر لے اور
اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔^(۲) (۷۴)

بعض اہل کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر انہیں تو خزانے کا امین بنا
دے تو بھی وہ تجھے واپس کر دیں اور ان میں سے بعض ایسے
بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيْمِ ۝۵

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنَّا بِهُ يَخْتٰرُ لِيُؤْذِيَ الْاِيْمٰنَ
وَمِنْهُمْ مَنْ اِنْ تَاْمَنَّا بِهٖ يَسٰمُ لَا يُؤْذِيَ الْاِيْمٰنَ

سے واضح کرنا مقصود ہے کہ ان کے حیلوں سے کچھ نہیں ہو گا کیونکہ ہدایت تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کو ہدایت
دے دے یا رہتا چاہے تمہارے حیلے اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔

(۱) یہ بھی یہودیوں کا قول ہے اور اس کا عطف و لائنڈسوا پر ہے۔ یعنی یہ بھی تسلیم مت کرو کہ جس طرح تمہارے اندر نبوت
وغیرہ رہی ہے، یہ کسی اور کو بھی مل سکتی ہے اور اس طرح یہودیت کے سوا کوئی اور دین بھی حق ہو سکتا ہے۔

(۲) اس آیت کے دو معنی بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہود کے بڑے بڑے علماء جب اپنے شاگردوں کو یہ سکھاتے کہ
دن چڑھتے ایمان لاؤ اور دن اترتے کفر کرو تاکہ جو لوگ فی الواقع مسلمان ہیں وہ بھی مذہب ہو کر مرتد ہو جائیں تو ان
شاگردوں کو مزید یہ تاکید کرتے تھے کہ دیکھو صرف ظاہر مسلمان ہونا، حقیقتاً اور واقعہً مسلمان نہ ہو جانا، بلکہ یہودی ہی
رہنا۔ اور یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ جیسا دین، جیسی وحی و شریعت اور جیسا علم و فضل تمہیں دیا گیا ہے ویسا ہی کسی اور کو بھی دیا
جا سکتا ہے، یا تمہارے بجائے کوئی اور حق پر ہے جو تمہارے خلاف اللہ کے نزدیک حجت قائم کر سکتا ہے۔ اور تمہیں غلط
ٹھہرا سکتا ہے۔ اس معنی کی رو سے جملہ معترضہ کو چھوڑ کر عند ربکم تک کل کا کل یہود کا قول ہو گا۔ دوسرے معنی یہ ہیں
کہ اے یہودیو! تم حق کو دبانے اور مٹانے کی یہ ساری حرکتیں اور سازشیں اس لیے کر رہے ہو کہ ایک تمہیں اس بات
کا غم اور جلن ہے کہ جیسا علم و فضل، وحی و شریعت اور دین تمہیں دیا گیا تھا اب ویسا ہی علم و فضل اور دین کسی اور کو
کیوں دے دیا گیا۔ دوسرا تمہیں یہ اندیشہ اور خطرہ بھی ہے کہ اگر حق کی یہ دعوت چنپ گئی، اور اس نے اپنی جڑیں
مضبوط کر لیں تو نہ صرف یہ کہ تمہیں دنیا میں جو جاہ و وقار حاصل ہے وہ جاتا رہے گا۔ بلکہ تم نے جو حق چھپا رکھا ہے
اس کا پردہ بھی فاش ہو جائے گا۔ اور اس بنا پر یہ لوگ اللہ کے نزدیک بھی تمہارے خلاف حجت قائم کر بیٹھیں گے۔
حالانکہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دین و شریعت اللہ کا فضل ہے۔ اور یہ کسی کی میراث نہیں۔ بلکہ وہ اپنا فضل جسے
چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اسے معلوم ہے کہ یہ فضل کس کو دینا چاہیے۔

اَلَا مَذْمُومٌ عَلَيْهِمْ قَالِمًا ذَلِكُمْ يَأْتِيهِمْ قُلُوبًا لَّيْسَ
عَلَيْهِمْ لَازِمٌ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبُ
وَهُمْ يَعْتَمُونَ ﴿٥٠﴾

بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٥١﴾

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا
أُولَٰئِكَ لَفِي خَلَاقٍ لَّهْمُ عَلَى الْآخِرَةِ وَلَا يَكْنُ لَهُمْ لَافٌ وَلَا يَنْظُرُ
إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَزِيدُهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٥٢﴾

نہ کریں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تو اس کے سر پر ہی کھڑا
رہے یہ اس لئے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر ان
جاہلوں (غیر یہودی) کے حق کا کوئی گناہ نہیں یہ لوگ باوجود
جاننے کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہتے ہیں۔ (۷۵)

کیوں نہیں (مواخذہ ہو گا) البتہ جو شخص اپنا قرار پورا
کرے اور پرہیزگاری کرے تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے پرہیز
گاروں سے محبت کرتا ہے۔ (۷۶)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو
تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی
حصہ نہیں اللہ تعالیٰ نہ تو ان سے بات چیت کرے گا نہ ان
کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا
اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (۷۷)

(۱) اُمِّيْن (ان پڑھ۔ جاہل) سے مراد مشرکین عرب ہیں یہود کے خائن لوگ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ چونکہ مشرک ہیں
اس لیے ان کا مال ہڑپ کر لینا جائز ہے اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اللہ
تعالیٰ کس طرح کسی کا مال ہڑپ کر جانے کی اجازت دے سکتا ہے؟ اور بعض تفسیری روایات میں ہے کہ نبی ﷺ نے
بھی یہ سن کر فرمایا کہ ”اللہ کے دشمنوں نے جھوٹ کہا“ زمانہ جاہلیت کی تمام چیزیں میرے قدموں تلے ہیں سوائے امانت
کے کہ وہ ہر صورت میں ادا کی جائے گی چاہے وہ کسی نیکو کار کی ہو یا بدکار کی۔ (ابن کثیر و فتح القدیر) افسوس ہے کہ
یہود کی طرح آج بعض مسلمان بھی مشرکین کا مال ہڑپ کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ دارالحرب کا سود جائز ہے۔ اور حربی
کے مال کے لیے کوئی عصمت نہیں۔

(۲) ”قرار پورا کرے“ کا مطلب وہ عہد پورا کرے جو اہل کتاب سے یا ہرنی کے واسطے سے ان کی امتوں سے نبی ﷺ پر
ایمان لانے کی بابت لیا گیا ہے اور ”پرہیزگاری کرے“ یعنی اللہ تعالیٰ کے محارم سے بچے اور ان باتوں پر عمل کرے جو نبی
ﷺ بیان فرمائیں۔ ایسے لوگ یقیناً مواخذہ الہی سے نہ صرف محفوظ رہیں گے بلکہ محبوب باری تعالیٰ ہوں گے۔

(۳) مذکورہ افراد کے برعکس دوسرے لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ دو طرح کے لوگوں کو شامل ہے ایک تو وہ
لوگ جو عہد الہی اور اپنی قسموں کو پس پشت ڈال کر تھوڑے سے دینی مفادات کے لیے نبی ﷺ پر ایمان نہیں دے۔
دوسرے وہ لوگ ہیں جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا سودا بیچتے یا کسی کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔
مثلاً نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”جو شخص کسی کا مال ہتھیانے کے لیے جھوٹی قسم کھائے وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ
اللہ اس پر غضب ناک ہو گا“ (صحیح بخاری، کتاب المساقاۃ، باب الخصومة فی البتروا القضاء فیہا۔

وَأَنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلُونِ أَلَيْسَتْ لَهُمْ يَكُتِبُ لِيَتَحَسَّبُوا
وَمِنْ الْكُتِبِ وَمَا هُوَ مِنْ كُتِبٍ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ
اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكُتِبِ
وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

یقیناً ان میں ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی
زبان مروڑتا ہے تاکہ تم اسے کتاب ہی کی عبارت خیال
کرو حالانکہ دراصل وہ کتاب میں سے نہیں اور یہ کہتے
بھی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے حالانکہ
دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں وہ تو دانستہ اللہ
تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ (۷۸)

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَ
لَوْ يَقُولُ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّىْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلَكِنْ
كُونُوا زُرِّيَّةً لِّىْ مَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ
تَكْفُرُونَ ۝

کسی ایسے انسان کو جسے اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت اور نبوت
دے، یہ لائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ
تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم
سب رب کے ہو جاؤ، (۷۹) تمہارے کتاب سکھانے کے
باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب۔ (۷۹)

مسلم 'کتاب الایمان' باب وعبد من الشطع حق مسلم (۱) نیز فرمایا تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ نہ کلام کرے گا
نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا ان میں ایک وہ شخص ہے جو جھوٹی
قسم کے ذریعے سے اپنا سودا بیچتا ہے۔ اصحیح مسلم 'کتاب الایمان' باب بھیاں غلط تحویم، بسبال الزاد
متعدد احادیث میں یہ باتیں بیان کی گئی ہیں۔ (ابن کثیر و فتح القدیر)

(۱) یہ یہود کے ان لوگوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے کتاب الہی (تورات) میں نہ صرف تحریف و تبدیلی کی بلکہ دو جرم اور
بھی کیے کہ ایک تو زبان کو مروڑ کر کتاب کے الفاظ پڑھتے جس سے عوام کو خلاف واقعہ تاثر دینے میں وہ کامیاب رہتے۔
دوسرے وہ اپنی خود ساختہ باتوں کو من عند اللہ باور کراتے۔ بد قسمتی سے امت محمدیہ کے مذہبی پیشواؤں میں بھی 'نبی
موسیٰ' کی پیش گوئی و تفسیر سن سن کر کان قنبلتکم (تم اپنے سے پہلی امتوں کی قدم بہ قدم پیروی کر دے) کے مطابق
بکھرت ایسے لوگ ہیں جو دنیوی اغراض یا جماعتی تعصب یا فتنی جمود کی وجہ سے قرآن کریم کے ساتھ بھی یہی معاملہ
کرتے ہیں۔ پڑھتے قرآن کی آیت ہیں اور مسئلہ اپنا خود ساختہ بیان کرتے ہیں۔ عوام سمجھتے ہیں کہ مولوی صاحب نے
مسئلہ قرآن سے بیان کیا ہے وراں حالیکہ اس مسئلے کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یا پھر آیات میں معنوی تحریف و
طبع سازی سے کام لیا جاتا ہے تاکہ باور یہی کرایا جائے کہ یہ من عند اللہ ہے۔ اَعَادَنَا اللّٰهُ مِنۡہُ۔

(۲) یہ عیسائیوں کے ضمن میں کہا جا رہا ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنایا ہوا ہے حالانکہ وہ ایک
انسان تھے جنہیں کتاب و حکمت اور نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا۔ اور ایسا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اللہ کو چھوڑ
کر میرے پجاری اور بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو یہی کہتا ہے کہ رب والے بن جاؤ۔ زُرِّيَّةً رب کی طرف منسوب ہے
الف اور نون کا اضافہ مبالغہ کے لیے ہے۔ (فتح القدیر)

(۳) یعنی کتاب اللہ کی تعلیم و تدریس کے نتیجے میں رب کی شناخت اور رب سے خصوصی ربط و تعلق قائم ہونا چاہیے۔

وَلَا يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَالَكَةَ وَالْبَنِيْنَ
اَدْبَابًا ۚ اَيُّهَا الْمُرُؤَلَةُ يٰۤاَيُّهَا الْكَافِرُ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ۝

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَّا اَنْتُمْ كُفْرًا ۚ
وَاَوْفَاكُمْ نَهْمًا ۚ لَمَّا رَسُوْلًا مَّصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ
لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَتَنْصُرُوْهُ ۚ قَالَ اَقْرَبُكُمْ وَلَا اَخْلَعُ
عَلٰى ذٰلِكُمْ اَصْحٰبِيْ ۚ قَالُوْا اَقْرَبُ نَا ۚ قَالَ فَاَشْهَدُ ۚ
وَاَنَا مَعَكُمْ ۚ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

فَمَنْ تَوَلٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

اور یہ نہیں (ہو سکتا) کہ وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو
رب بنا لینے کا حکم کرے، کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے
کے بعد بھی تمہیں کفر کا حکم دے گا۔^(۸۰)

جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں
کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو
تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لئے اس پر
ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔^(۸۱) فرمایا کہ تم
اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا وعدہ لے رہے ہو؟
سب نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے، فرمایا تو اب گواہ رہو اور
خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں (۸۱)

پس اس کے بعد بھی جو پلٹ جائیں وہ یقیناً پورے

اسی طرح کتاب اللہ کا علم رکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو بھی قرآن کی تعلیم دے۔ اس آیت سے واضح
ہے کہ جب اللہ کے پیغمبروں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیں تو کسی اور کو یہ حق
کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے؟ (تفسیر ابن کثیر)

(۱) یعنی نبیوں اور فرشتوں (یا کسی اور کو) رب والی صفات کا حامل باور کرانا یہ کفر ہے۔ تمہارے مسلمان ہو جانے کے
بعد ایک نبی یہ کام بھل کس طرح کر سکتا ہے؟ کیونکہ نبی کا کام تو ایمان کی دعوت دینا ہے جو اللہ وحدہ شریک کی عبادت کا
نام ہے۔ بعض مفسرین نے اس کی شان نزول میں یہ بات بیان کی ہے کہ بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ سے اس بات کی
اجازت مانگی کہ وہ آپ کو سجدہ کریں۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدیر) اور بعض نے اس کی شان نزول میں یہ کہا
ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے جمع ہو کر نبی ﷺ سے کہا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اس طرح عبادت و
پرستش کریں جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کی پناہ اس بات سے کہ
ہم اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کریں یا کسی کو اس کا حکم دیں، اللہ نے مجھے نہ اس لیے بھیجا ہے نہ اس کا حکم ہی دیا
ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر۔ بحوالہ سیرۃ ابن ہشام)

(۲) یعنی ہر نبی سے یہ وعدہ لیا گیا کہ اس کی زندگی اور دور نبوت میں اگر دوسرا نبی آئے گا تو اس پر ایمان لانا اور اس کی
مدد کرنا ضروری ہوگا، جب نبی کی موجودگی میں آنے والے نئے نبی پر خود اس نبی کو ایمان لانا ضروری ہے تو ان کی امتوں
کے لیے تو اس نئے نبی پر ایمان لانا بطریق اولیٰ ضروری ہے۔ بعض مفسرین نے دَسُوْلًا مَّصَدِّقًا سے الرُّسُلَ کا مفہوم مراد
لیا ہے یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بابت تمام نبیوں سے عہد لیا گیا کہ اگر ان کے دور میں وہ آجائیں تو اپنی نبوت
ختم کر کے ان پر ایمان لانا ہوگا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ پہلے معنی میں ہی یہ دوسرا مفہوم از خود آجاتا ہے۔ اس لیے الفاظ

ماقران ہیں^(۱) (۸۲)

کیا وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا اور دین کی تلاش میں ہیں؟ حالانکہ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ تعالیٰ ہی کے فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے،^(۲) سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (۸۳)

آپ کہہ دیجئے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا ہے اور جو کچھ ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی اولاد پر اتارا گیا اور جو کچھ موسیٰ و عیسیٰ (علیہما السلام) اور دوسرے انبیاء (علیہم السلام) اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے، ان سب پر ایمان لائے،^(۳) ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں

اَفَتَدْعُوْنَ اللّٰهَ يَنْصُرُكُمْ وَلَهٗ مُسْلِمَةٌ مِّنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَالَّذِي يُزْجِعُكُمْ ۝

كُلُّ اُمَّلٍ اِلٰهٍ وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْنَا وَمَا اَنْزَلَ عَلٰى اٰبْرٰهِيْمَ
وَاسْمٰعِيْلَ وَاسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْطٰطِ وَمَا اَفْقٰ مُنٰوٰى
وَءٰدَمَ وَالْحَبَشِيِّۦۖ مِّنْ دُوْنِ مَا لَا يُغْنٰى عَنْ اَحَدٍ مِّنْهُمْ
وَمَنْ لَّهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

قرآن کے اعتبار سے پہلا مفہوم ہی زیادہ صحیح ہے اور اس مفہوم کے لحاظ سے بھی یہ بات واضح ہے کہ نبوت محمدی کے سراج منیر کے بعد کسی بھی نبی کا جرجا نہیں چل سکتا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ تورات کے اور اراق پڑھ رہے تھے تو نبی ﷺ یہ دیکھ کر غضب ناک ہوئے اور فرمایا کہ ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہو کر آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کے پیچھے لگ جاؤ تو یقیناً گمراہ ہو جاؤ گے“ (مسند احمد، بحوالہ ابن کثیر) بہر حال اب قیامت تک واجب الاتباع صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور نجات انہی کی اطاعت میں منحصر ہے نہ کہ کسی امام کی اندھی تقلید یا کسی بزرگ کی بیعت میں۔ جب کسی پیغمبر کا مسکد اب نہیں چل سکتا تو کسی اور کی ذات غیر مشروط اطاعت کی مستحق کیوں کر ہو سکتی ہے؟ اصرار بمعنی عہد اور ذمہ ہے۔

(۱) یہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور دیگر اہل مذاہب کو تنبیہ ہے کہ بعثت محمدی کے بعد بھی ان پر ایمان لانے کے بجائے اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنا اس عہد کے خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے واسطے سے ہر امت سے لیا اور اس عہد سے انحراف کفر ہے۔ فسق یہاں کفر کے معنی میں ہے کیونکہ نبوت محمدی سے انکار صرف فسق نہیں، سراسر کفر ہے۔

(۲) جب آسمان اور زمین کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے باہر نہیں چاہے خوشی سے یا ناخوشی سے۔ تو پھر تم اس کے سامنے قیوں اسلام سے کیوں گریز کرتے ہو؟ اگلی آیات میں ایمان لانے کا طریقہ بتلا کر (کہ ہر نبی اور ہر منزل کتاب پر بغیر تفریق کے ایمان لانا ضروری ہے) پھر کہا جا رہا ہے کہ اسلام کے سوا کوئی اور دین قبول نہیں ہو گا، کسی اور دین کے پیروکاروں کے حصے میں سوائے گھاٹے کے اور کچھ نہیں آئے گا۔

(۳) یعنی تمام سچے نبیوں پر ایمان لانا کہ وہ اپنے اپنے وقت میں اللہ کی طرف سے مبعوث تھے، نیز ان پر جو کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ان کی بابت بھی یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ آسمانی کتابیں تھیں جو واقعی اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔

وَمَنْ يَنْتَبِهْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ
وَمَوْفَى الْأُخْرَى مِنَ الْخَيْرَيْنِ ①

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا
أَنَّا رُسُلُ اللَّهِ حَقًّا وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ②

أُولَئِكَ جَزَاءُهُمْ أَن عَالَمِهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ③

لَا يَلِدِينَ فِيهَا وَلَا يُعْلَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يَنْظُرُونَ ④

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ اللَّهَ
عَلِيمٌ رَحِيمٌ ⑤

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ أَزْدَادُوا كُفْرًا لَنْ
تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ⑥

کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔ (۸۳)

جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین
قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں
میں ہوگا۔ (۸۵)

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے گا جو اپنے ایمان
لانے اور رسول کی حقانیت کی گواہی دینے اور اپنے پاس
روشن دلیلیں آ جانے کے بعد کافر ہو جائیں، اللہ تعالیٰ
ایسے بے انصاف لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا۔ (۸۶)
ان کی تو یہی سزا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی
اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ (۸۷)

جس میں یہ ہمیشہ پڑے رہیں گے، نہ تو ان سے عذاب ہلکا
کیا جائے گا نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ (۸۸)

مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کریں تو بے
شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۸۹) ①

بے شک جو لوگ ② اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کریں
پھر کفر میں بڑھ جائیں، ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی
جائے گی، ③ یہی گمراہ لوگ ہیں۔ (۹۰)

ضروری ہے۔ گواہ عمل صرف قرآن کریم ہی پر ہو گا، کیونکہ قرآن نے کبھی کتابوں کو منسوخ کر دیا۔

(۱) انصار میں سے ایک مسلمان مرتد ہو گیا اور مشرکوں سے جا ملا، لیکن جلد ہی اسے ندامت ہوئی اور اس نے لوگوں کے
ذریعے سے رسول اللہ ﷺ تک پیغام بھجوایا کہ (ہَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ) (کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟) اس پر یہ آیات
نازل ہوئیں۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا اگرچہ بہت سخت ہے کیونکہ اس نے حق کو پہچاننے کے بعد بغض و
عناد اور سرکشی سے حق سے اعراض و انکار کیا۔ تاہم اگر کوئی خلوص دل سے توبہ اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ غفور
ورحیم ہے، اس کی توبہ قابل قبول ہے۔

(۲) اس آیت میں ان کی سزایان کی جارہی ہے جو مرتد ہونے کے بعد توبہ کی توفیق سے محروم رہیں اور کفر پر ان کا انتقال ہو۔

(۳) اس سے وہ توبہ مراد ہے جو موت کے وقت ہو۔ ورنہ توبہ کا دروازہ تو ہر ایک کے لیے ہر وقت کھلا ہے۔ اس سے

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ لَمَّا زَكَلَن يُقْبَلُ
مِنْ أَحَدٍ وَهُمْ قُلُوبُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْ ائْتَدَى بِهِ
أُولَئِكَ لَمْ يُعْطُوا بَأْسًا أَلَيْسَ ذَاكَ ظَاهِرًا مِنْ نُصْرَةِ اللَّهِ

ہاں جو لوگ کفر کریں اور مرتے دم تک کافر رہیں ان میں سے کوئی اگر زمین بھر سونا دے گوئیے میں ہی ہو تو بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ یہی لوگ ہیں جنکے لئے تکلیف دینے والا عذاب ہے اور جن کا کوئی مددگار نہیں۔ (۹۱)

پہلی آیت میں بھی قبولیت توبہ کا اثبات ہے۔ علاوہ ازیں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بار بار توبہ کی اہمیت اور قبولیت کو بیان فرمایا ہے ﴿وَالَّذِينَ يَتَّبِعُوا لِقَاءَ اللَّهِ تَوْبَةً عَنْ عِبَادِهِ﴾ (الشوریٰ - ۴۵) ﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُوا لِقَاءَ اللَّهِ تَوْبَةً عَنْ عِبَادِهِ﴾ (التوبہ - ۱۰۴) ”کیا انہوں نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے“ اور احادیث میں بھی یہ مضمون بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے۔ اس لیے اس آیت سے مراد آخری سانس کی توبہ ہے جو ناجائز ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کے ایک اور مقام پر ہے ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ الشَّيْءَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ﴾ (النساء - ۱۸) ”ان کی توبہ (قبول) نہیں ہے جو برائی کرتے رہتے ہیں“ یہاں تک کہ جب ان میں سے ایک کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے میری توبہ۔“ حدیث میں بھی ہے ((بُذِلَ تَوْبَةُ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُعْرَبْ)) (مسند احمد) ترمذی، بحوالہ فیض القدر، شرح الجامع الصغیر ”اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک اسے موت کا چھوٹ نہ لگے“ یعنی جان کنی کے وقت کی توبہ قبول نہیں۔

(۱) حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ایک جنسی سے کہے گا کہ اگر تیرے پاس دنیا بھر کا سامان ہو تو کیا تو اس عذاب نار کے بدلے اسے دینا پسند کرے گا؟ وہ کہے گا ”ہاں“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تجھ سے اس سے کہیں زیادہ آسان بات کا مطالبہ کیا تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا، مگر تو شرک سے باز نہیں آیا“ (مسند احمد و کذا) اخرجہ ابی ہریرۃ و مسلم۔ ابن کثیر اس سے معلوم ہوا کہ کافر کے لیے جہنم کا دائمی عذاب ہے۔ اس نے اگر دنیا میں کچھ اچھے کام بھی کیے ہوں گے تو کفر کی وجہ سے وہ بھی ضائع ہی جائیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ عبد اللہ بن جعدان کی بیعت پوچھا گیا کہ وہ مہمان نواز، غریب پرور تھا اور غلاموں کو آزاد کرنے والا تھا کیا یہ اعمال اسے نفع دیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”نہیں“ کیونکہ اس نے ایک دن بھی اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگی (صحیح مسلم۔ کتاب الایمان)۔ اسی طرح اگر کوئی شخص وہاں زمین بھر سونا بطور فدیہ دے کر یہ چاہے کہ وہ عذاب جہنم سے بچ جائے تو یہ ممکن نہیں ہو گا۔ اول تو وہاں کسی کے پاس ہو گا ہی کیا؟ اور اگر بالفرض اس کے پاس دنیا بھر کے خزانے ہوں اور انہیں دے کر عذاب سے چھوٹ جانا چاہے تو یہ بھی نہیں ہو گا، کیونکہ اس سے وہ معاوضہ یا فدیہ قبول ہی نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ﴾ (البقرة - ۱۲۳) ”اس سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی سفارش اسے فائدہ پہنچائے گی۔“ (سورۃ ابراہیم - ۳۱) ”اس دن میں کوئی خرید و فروخت ہوگی نہ کوئی دوستی (یعنی کام آئے گی)۔“

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ذُوَالْقُرْبَىٰ
مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ①

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلٰلًا لِّبَنِي إِسْرَآءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ
إِسْرَآءِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَةُ فَمَنْ
فَعَلُوا بِالْتَّوْرَةِ مَا نُكِّلُوا مِنْهَا وَإِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ②

جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں
خرچ نہ کرو گے ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے ① اور تم جو خرچ
کرو اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔ ②

توراة کے نزول سے پہلے (حضرت یعقوب علیہ السلام)
نے جس چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کے سوا تمام
کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے آپ کہہ دیجئے کہ اگر
تم سچ ہو تو توراة لے آؤ اور پڑھ سناؤ۔ ③

① بر (نیکی بھدائی) سے مراد یہاں عمل صالح یا جنت ہے (فتح القدیر) حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی
حضرت ابو طلحہ انصاریؓ پہنچے جو مدینہ میں اصحاب حشیت میں سے تھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور
عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرا باپ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے میں اسے اللہ کی رضا کے لیے صدقہ کرتا
ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ تو بہت نفع بخش مال ہے“ میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر
دو۔ ”چنانچہ آپ ﷺ کے مشورے سے انہوں نے اسے اپنے اقارب اور غم زادوں میں تقسیم کر دیا۔ مسد
احمد، اسی طرح اور بھی متعدد صحابہ نے اپنی پسندیدہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کیں۔ مِمَّا تُحِبُّونَ میں مِنْ تَبِعِیْص
کے لیے ہے یعنی ساری پسندیدہ چیزیں خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ۔ اس لیے کوشش
یہی ہونی چاہیے کہ اچھی چیز صدقہ کی جائے۔ یہ افضل اور اکمل درجہ حاصل کرنے کا طریقہ ہے جس کا مطلب یہ نہیں
ہے کہ کتر چیز اپنی ضرورت سے زائد فالو چیز یا استعمال شدہ پرانی چیز کا صدقہ نہیں کیا جاسکتا یا اس کا اجر نہیں ملے گا۔
اس قسم کی چیزوں کا صدقہ کرنا بھی یقیناً جائز اور باعث اجر ہے گو کمال و فضیلت محبوب چیز کے خرچ کرنے میں ہے۔

② تم جو کچھ بھی خرچ کر دو گے اچھی یا بری چیز اللہ اسے جانتا ہے اس کے مطابق جزا سے نوازے گا۔

③ یہ اور بعد کی دو آیتیں یہود کے اس اعتراض پر نازل ہوئیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ
دین ابراہیمی کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اونٹ کا گوشت بھی کھاتے ہیں جب کہ اونٹ کا گوشت اور اس کا
دودھ دین ابراہیمی میں حرام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہود کا دعویٰ غلط ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں یہ
چیزیں حرام نہیں تھیں۔ ہاں البتہ بعض چیزیں اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں
اور وہ یہی اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ تھا (اس کی ایک وجہ مذکور یا بیماری تھی) اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ فضل
بھی نزولِ تورات سے پہلے کا ہے اس لیے کہ تورات تو حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت یعقوب علیہ السلام کے بہت
بعد نازل ہوئی ہے۔ پھر تم کس طرح مذکورہ دعویٰ کر سکتے ہو؟ علاوہ ازیں تورات میں بعض چیزیں تم (یہودیوں) پر
تمہارے ظلم اور سرکشی کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں۔ (سورۃ الانعام ۴۰- النساء ۱۶۰) اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو
تورات لاؤ اور اسے پڑھ کر سناؤ جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں یہ چیزیں

مَنْ أَقْرَبُ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ قَالُوا لَا
هُمْ الْفٰلِیُونَ ⑤

قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَإِذَا هِيَ بِلَاحِ الْإِزْمِیْمِ خِیْفًا وَمَا كَانَ
مِنَ الشُّرَکِیْنَ ⑥

إِنَّ أَوَّلَ بَیْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِی بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى
لِّلْعٰلَمِیْنَ ⑦

فَبِأَيِّ بَیْتٍ تَتَّبِعُونَ تَعَالَمُ الْبُیُوتِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَنِ
أَبْنَاهُ الَّذِی أَرْسَلَ إِلَیْهِ نَبِیُّهُمُ یَسْمِیهِمْ
كُفْرًا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِیمٌ غَنِ الْعٰلَمِیْنَ ⑧

كُلُّ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَتْلَوْنَ بَآیٰتِ اللَّهِ وَآلِهَهِ
تُحٰثِرُونَ ⑨

اس کے بعد بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان
باندھیں وہی ظالم ہیں۔ (۹۴)

کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے تم سب ابراہیم حنیف کے
ملت کی پیروی کرو جو مشرک نہ تھے۔ (۹۵)

اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہی ہے
جو مکہ (شریف) میں ہے ^(۱) جو تمام دنیا کے لئے برکت و
ہدایت والا ہے۔ (۹۶)

جس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں مقام ابراہیم ہے اس میں
جو آجائے امن والا ہو جاتا ہے ^(۲) اللہ تعالیٰ نے ان
لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج
فرض کر دیا ہے۔ ^(۳) اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ تعالیٰ
(اس سے بلکہ) تمام دنیا سے بے پروا ہے ^(۴) (۹۷)

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم اللہ تعالیٰ کی آیات
کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ

حرام نہیں تمہیں اور تم پر بھی بعض چیزیں حرام کی گئیں تو اس کی وجہ تمہاری ظلم و زیادتی تھی یعنی ان کی حرمت بطور سزا
تھی۔ (تفسیر المفسر)

(۱) یہ یہود کے دوسرے اعتراض کا جواب ہے وہ کہتے تھے کہ بیت المقدس سب سے پہلے عبادت خانہ ہے۔ محمد ﷺ
اور ان کے ساتھیوں نے اپنا قبلہ کیوں بدل لیا؟ اس کے جواب میں کہا گیا تمہارا یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ پہلے گھر جو اللہ کی
عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا ہے وہ ہے جو مکہ میں ہے۔

(۲) اس میں قتال، خون ریزی، شکار حتیٰ کہ درخت تک کا کاٹنا ممنوع ہے (صحیح بخاری)

(۳) ”راہ پا سکتے ہوں“ کا مطلب زاد راہ کی استطاعت اور فراہمی ہے۔ یعنی اتنا خرچ کہ سفر کے اخراجات پورے ہو
جائیں۔ علاوہ ازیں استطاعت کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ راستہ پر امن ہو اور جان و مال محفوظ رہے اسی طرح
یہ بھی ضروری ہے کہ صحت و تندرستی کے لحاظ سے سفر کے قابل ہو۔ نیز عورت کے لیے محرم بھی ضروری ہے۔ فتح
المفسر، یہ آیت ہر صاحب استطاعت کے لیے وجوب حج کی دلیل ہے اور احادیث سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ
یہ عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے (تفسیر ابن کثیر)

(۴) استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے کو قرآن نے ”کفر“ سے تعبیر کیا ہے جس سے حج کی فرضیت میں اور اس کی تاکید
میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ احادیث و آثار میں بھی ایسے شخص کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔ (۹۸)

ان اہل کتاب سے کہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو کیوں روکتے ہو؟ اور اس میں عیب ٹوٹتے ہو، حالانکہ تم خود شہید ہو۔^(۱) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔ (۹۹)

اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کی کسی جماعت کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد مرتد کافر بنا دیں گے۔ (۱۰۰)

(گویہ ظاہر ہے کہ) تم کیسے کفر کر سکتے ہو؟ باوجودیکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں رسول اللہ (ﷺ) موجود ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوط تمام لے^(۲) تو بلاشبہ اسے راہ راست دکھا دی گئی۔ (۱۰۱)

قُلْ يَٰٓأَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ مِمَّنْ
تَبْغُونَهَا عِوَجًا ۖ أَلَمْ تَكُنْ أَهْلَ مَعَالِفٍ ۚ
عَمَّا تَصِفُونَ ﴿۹۹﴾

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُحِبُّوا قُرْبًا مِّنَ الَّذِينَ
أُوتُوا الْكِتَابَ يَرْزُقُوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَكُفِّرُوا ۖ ﴿۱۰۰﴾

وَكَيْفَ تَقْرَأُونَ ۚ وَلَكُمْ تُثْلَىٰ عَلَيْكُمْ ۖ أَلَيْسَ اللَّهُ بِكُمْ رَسُولًا
ۚ وَمَن يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُبِيَ إِلٰ صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿۱۰۱﴾

(۱) یعنی تم جانتے ہو کہ یہ دین اسلام حق ہے اس کے داعی اللہ کے سچے پیغمبر ہیں کیونکہ یہ باتیں ان کتابوں میں درج ہیں جو تمہارے انبیاء پر اتریں اور جنہیں تم پڑھتے ہو۔

(۲) یہودیوں کے مکرو فریب اور ان کی طرف سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی مذموم کوششوں کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم بھی ان کی سازشوں سے ہشیار رہو اور قرآن کی تلاوت کرنے اور رسول اللہ (ﷺ) کے موجود ہونے کے باوجود کہیں یہود کے جال میں نہ پھنس جاؤ۔ اس کا پس منظر تفسیری روایات میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انصار کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج ایک مجلس میں اکٹھے بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے کہ شام بن قیس یہودی ان کے پاس سے گزرا اور ان کا باہمی پیار دیکھ کر جل بھن گیا کہ پہلے یہ ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے اور اب اسلام کی برکت سے باہم شری و شکر ہو گئے ہیں۔ اس نے ایک نوجوان کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ ان کے درمیان جا کر جنگ بھاث کا تذکرہ کرے جو ہجرت سے ذرا پہلے ان کے درمیان برپا ہوئی تھی اور انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف جو رزمیہ اشعار کہے تھے وہ ان کو سنائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا جس پر ان دونوں قبیلوں کے پرانے جذبات پھر بھڑک اٹھے اور ایک دوسرے کو گالی گلوچ دینے لگے یہاں تک کہ ہتھیار اٹھانے کے لیے لٹکار اور پکار شروع ہو گئی۔ اور قریب تھا کہ ان میں باہم قتال بھی شروع ہو جائے کہ اتنے میں نبی (ﷺ) تشریف لے آئے اور انہیں سمجھایا اور وہ باز آگئے اس پر یہ آیات بھی اور جو آگے آ رہی ہیں وہ بھی نازل ہوئیں (تفسیر ابن کثیر، فتح القدیر وغیرہ)۔

(۳) اَعِصَمَ اللہ کے معنی ہیں۔ اللہ کے دین کو مضبوطی سے تمام لینا اور اس کی اطاعت میں کوتاہی نہ کرنا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُوا
إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾

وَاغْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَذَكُّوا يَفْعَلَتِ اللَّهُ
عَلَيْكُمْ ذُلًّا ۚ لَكُمْ أَعْدَاءُ قَالَتْ بَيْنَ يَدَيْكُمْ وَأَصْحَابُكُمْ يَتَغَمَّبُونَ
الْأَوَّلَاءُ وَلَكُمْ عَلَى سَعَاءِ حُفْرَةٌ ۖ مِنْ النَّارِ فَالْتَدَلُّوا
بَيْنَهُمَا كَنْزَ لَافٍ ۚ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرو جتنا اس سے ڈرنا
چاہیے^(۱) اور دیکھو مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔ (۱۰۲)
اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو^(۲) اور
پھوٹ نہ ڈالو^(۳) اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو
یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے
تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پس تم اس کی میرانی
سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آج کے گڑھے کے
کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمہیں بچالیا۔ اللہ تعالیٰ
اسی طرح تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم
ہدایت پاؤ۔ (۱۰۳)

(۱) اس کا مطلب ہے کہ اسلام کے احکام و فرائض پورے طور پر بجالائے جائیں اور منہیات کے قریب نہ جیا جائے۔
بعض کہتے ہیں کہ اس آیت سے صحابہ رضی اللہ عنہم پریشان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ”اللہ سے
اپنی طاقت کے مطابق ڈرو“ نازل فرمادی۔ لیکن اسے ناح کی بجائے اس کی مُسَبِّح (بیان و توضیح کرنے والی) قرار دیا جائے
تو زیادہ صحیح ہے کیونکہ نسخ وہیں ماننا چاہیے جہاں دونوں آیتوں میں جمع و تطبیق ممکن نہ ہو اور یہاں یہ تطبیق ممکن ہے۔
معنی یہ ہوں گے ”اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ مَا اسْتَطَعْتُمْ“ اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اپنی طاقت کے مطابق ڈرنے
کا حق ہے“ (فتح القدیر)

(۲) تقویٰ کے بعد اغْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا۔ ”سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام میں“ کا درس دے کر
واضح کر دیا کہ نجات بھی انہی دو اصولوں میں ہے اور اتحاد بھی انہی پر قائم ہو سکتا اور رہ سکتا ہے۔

(۳) وَلَا تَفَرَّقُوا ”اور پھوٹ نہ ڈالو“ کے ذریعے فرقہ بندی سے روک دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مذکورہ دو
اصولوں سے انحراف کرو گے تو تمہارے درمیان پھوٹ پڑ جائے گی اور تم الگ الگ فرقوں میں بٹ جاؤ گے۔ چنانچہ فرقہ
بندی کی تاریخ دیکھ لیجیے یہی چیز نمایاں ہو کر سامنے آئے گی، قرآن و حدیث کے فہم اور اس کی توضیح و تعبیر میں کچھ باہم
اختلاف، یہ فرقہ بندی کا سبب نہیں ہے۔ یہ اختلاف تو صحابہ و تابعین کے عہد میں بھی تھا لیکن مسلمان فرقوں اور
گروہوں میں تقسیم نہیں ہوئے۔ کیونکہ اس اختلاف کے باوجود سب کا مرکز اطاعت اور محور عقیدت ایک ہی تھا قرآن
اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم لیکن جب شخصیات کے نام پر دیستان فکر معرض وجود میں آئے تو اطاعت و عقیدت کے یہ مرکز
و محور تبدیل ہو گئے۔ اپنی اپنی شخصیات اور ان کے اقوال و افکار اولین حیثیت کے اور اللہ رسول اور ان کے فرمودات
ثانوی حیثیت کے حامل قرار پائے۔ اور ہمیں سے امت مسلمہ کے افتراق کے الجینے کا آغاز ہوا جو دن بہ دن بڑھتا ہی چلا
گیا اور نہایت مستحکم ہو گیا۔

وَلَنْ يَمْلِكُمْ اَمَةٌ تَبْتَغُونَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَا مَرْءُونَ بِالْمَعْرُوفِ
فَبَارِكُوا عَنِ الشُّكْرِ وَاُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۳﴾

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ
الْبَيِّنَاتُ وَاُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۴﴾

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ
وُجُوهُهُمْ اَلْكَرُمُ بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ
بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۰۵﴾

وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَبِهِمْ رَحْمَةُ اللّٰهِ هُمْ فِيهَا
خَالِدُونَ ﴿۱۰۶﴾

تَبَارَكَ اَيْتُ اللّٰهِ تَسْلُوْهَا عَلَيْكَ يَا الْحَقُّ وَمَا اللّٰهُ
يُرِيدُ لُنَّهَا لِنَفْسَيْنِ ﴿۱۰۷﴾

وَذَلُوْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ
الْاُمُوْر ﴿۱۰۸﴾

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی
طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے
کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح و نجات پانے
والے ہیں۔ (۱۰۳)

تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس
روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا^(۱) اور
اختلاف کیا انہیں لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔ (۱۰۴)
جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ^(۲)
سیاہ چہرے والوں (سے کہا جائے گا) کہ کیا تم نے ایمان
لانے کے بعد کفر کیا؟ اب اپنے کفر کا عذاب چکھو۔ (۱۰۵)
اور سفید چہرے والے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل
ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۱۰۶)

اے نبی! ہم ان تعالیٰ آیتوں کی تلاوت آپ پر کر رہے ہیں
اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ لوگوں پر ظلم کرنے کا نہیں۔ (۱۰۷)
اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے
اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں۔ (۱۰۸)

(۱) روشن دلیلیں آ جانے کے بعد تفرقہ ڈالا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلاف و تفرقہ کی وجہ یہ نہ
تھی کہ انہیں حق کا پتہ نہ تھا۔ اور وہ اس کے دلائل سے بے خبر تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے سب کچھ جانتے
ہوئے محض اپنے دنیاوی مفاد اور نفسانی اغراض کے لیے اختلاف و تفرقہ کی راہ پکڑی تھی اور اس پر بے ہوش ہوئے تھے۔
قرآن مجید نے مختلف اسلوب اور پیرائے سے بار بار اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے اور اس سے دور رہنے کی تاکید فرمائی
ہے۔ مگر افسوس کہ اس امت کے تفرقہ بازوں نے بھی ٹھیک یہی روش اختیار کی کہ حق اور اس کی روشن دلیلیں
انہیں خوب اچھی طرح معلوم ہیں۔ مگر وہ اپنی فرقہ بندیوں پر بے ہوش ہوئے ہیں اور اپنی عقل و ذہانت کا سارا جوہر سابقہ
امتوں کی طرح تاویل و تحریف کے کمرہ شغل میں ضائع کر رہے ہیں۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے اہل سنت والجماعت اور اہل بدعت و افتراق مراد لیے ہیں۔ انہیں
کشیروافہ (الغدير) جس سے معلوم ہوا کہ اسلام وہی ہے جس پر اہل سنت و جماعت عمل پیرا ہیں اور اہل بدعت و
اہل افتراق اس نعمت اسلام سے محروم ہیں جو ذریعہ نجات ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ
وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّاهُمْ مِنْهُمْ اَلَّذِيْنَ
وَالَّذِيْنَ لَفِيْهُمْ ۝

لَنْ يَضُرَّكُمْ اِلَّا اَذًى ذَنْ يُّفَاقِلُوْكُمْ يُوْثِقُوْكُمْ
لَا ذَبَّاهُمْ لَا يُنْصَرُونَ ۝

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ تم
نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو،
اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو،^(۱) اگر اہل کتب بھی
ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر تھا، ان میں ایمان والے
بھی ہیں^(۲) لیکن اکثر تو فاسق ہیں۔ (۱۱۰)
یہ تمہیں ستانے کے سوا اور زیادہ کچھ ضرر نہیں پہنچا
سکتے، اگر لڑائی کا موقع آجائے تو پیٹھ موڑیں گے، پھر مرد
نہ کیے جائیں گے۔^(۳) (۱۱۱)

(۱) اس آیت میں امت مسلمہ کو "خیر امت" قرار دیا گیا ہے اور اس کی علت بھی بیان کر دی گئی ہے جو امر بالمعروف نہی
عن المنکر اور ایمان باللہ ہے۔ گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو "خیر امت" ہے، بصورت
دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پا سکتی ہے۔ اس کے بعد اہل کتاب کی مذمت سے بھی اسی نکتے کی وضاحت مقصود و معصوم
ہوتی ہے کہ جو امر بالمعروف و نہی المنکر نہیں کرے گا، وہ بھی اہل کتاب کے مشابہ قرار پائے گا۔ ان کی صفت بین کی گئی
ہے ﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعُوْةٍ﴾ (المائدہ ۷۹) "وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے" اور یہاں اسی
آیت میں ان کی اکثریت کو فاسق کہا گیا ہے۔ امر بالمعروف یہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ اکثر علما کے خیال میں یہ فرض
کفایہ ہے یعنی علما کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ فرض ادا کرتے رہیں کیونکہ معروف و منکر شرعی کا صحیح علم وہی رکھتے ہیں۔
ان کے فریضہ تبلیغ و دعوت کی ادائیگی سے دیگر افراد امت کی طرف سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا۔ جیسے جہاد بھی عام
حالات میں فرض کفایہ ہے یعنی ایک گروہ کی طرف سے ادائیگی سے اس فرض کی ادائیگی ہو جائے گی۔

(۲) جیسے عبداللہ بن سلام، جابرؓ وغیرہ جو مسلمان ہو گئے تھے۔ تاہم ان کی تعداد نہایت قلیل تھی۔ اس لیے "مِنْهُمْ"
میں میں، تنبیض کے لیے ہے۔

(۳) اَذًى (ستانے) سے مراد زبانی بہتان تراشی اور افترا ہے جس سے دل کو وقتی طور پر ضرور تکلیف پہنچتی ہے تاہم
میدان حرب و ضرب میں یہ تمہیں شکست نہیں دے سکیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مدینہ سے بھی یہودیوں کو نکلنا پڑا، پھر
خیبر فتح ہو گیا اور وہاں سے بھی نکلے، اسی طرح شام کے علاقوں میں عیسائیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار
ہونا پڑا تا آنکہ حروب صلیبیہ میں عیسائیوں نے اس کا بدلہ لینے کی کوشش کی اور بیت المقدس پر قابض بھی ہو گئے
مگر اسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۹۰ سال کے بعد واپس کر لیا۔ لیکن اب مسلمانوں کی ایمانی کمزوری کے نتیجہ میں
یہود و نصاریٰ کی مشترکہ سازشوں اور کوششوں سے بیت المقدس پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ تاہم ایک

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلَّةُ اَیْنَ مَا تُقِفُوا اِلَّا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ
وَحَبْلٌ مِّنَ النَّاسِ وَبِأَنۡوَیْقَصِبَ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ
الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ يَآئُهُمْ كَانُوا يَكْفُرُوۡنَ بِآیٰتِ اللّٰهِ
وَقَتْلُوۡنَ الْاَنْبِیَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا
وَكَانُوا یَعْتَدُوۡنَ ۝

لَیْسُوۡا سَوَآءٌ مِّنۡ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قٰیِمَةٌ یَّتَذَلُّوۡنَ
اِلَیۡهِ اللّٰهُ اِنَّهٗ اَعِیۡزٌ اَلِیۡلٌ وَهُمۡ یَسْجُدُوۡنَ ۝

یُؤْمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ یَاۡمُرُوۡنَ
بِالْمَعْرُوۡفِ وَیَنْهَوۡنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُسَبِّحُوۡنَ
فِی الْحَیٰزِیۡتِ وَاُوۡلَیۡئِكَ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ۝

وَمَا یَفْعَلُوۡا مِنْ خَیۡرٍ فَلَنۡ یُكْفِرُوۡهُ وَاِنَّهٗ
عَلِیۡمٌۢ بِالْمُتَّقِیۡنَ ۝

ان پر ہر جگہ ذلت کی مار پڑی، اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ کی یا
لوگوں کی پناہ میں ہوں،^(۱) یہ غضب الہی کے مستحق ہو
گئے اور ان پر فقیری ڈال دی گئی، یہ اس لیے کہ یہ لوگ
اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے تھے اور بے وجہ انبیاء کو
قتل کرتے تھے، یہ بدلہ ہے ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں
کا۔^(۲) (۱۱۲)

یہ سارے کے سارے یکساں نہیں بلکہ ان اہل کتاب
میں ایک جماعت (حق پر) قائم رہنے والی بھی ہے جو
راتوں کے وقت بھی کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور
سجدے بھی کرتے ہیں۔ (۱۱۳)

یہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتے
ہیں، بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے
ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جہد کرتے ہیں۔ یہ نیک
بخت لوگوں میں سے ہیں۔ (۱۱۴)

یہ جو کچھ بھی بھلائیاں کریں ان کی ناکدری نہ کی جائے گی
اور اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔^(۳) (۱۱۵)

وقت آئے گا کہ یہ صورت حال تبدیل ہو جائے گی بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد عیسائیت کا خاتمہ
اور اسلام کا غلبہ یقینی ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے۔ (ابن کثیر)

(۱) یہودیوں پر جو ذلت و مسکنت، غضب الہی کے نتیجے میں مسلط کی گئی ہے، اس سے وقتی طور پر بچاؤ کی دو صورتیں
ہیں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کی پناہ میں آجائیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ یا سدی مملکت
میں جزیہ دے کر ذمی کی حیثیت سے رہنا قبول کر لیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ لوگوں کی پناہ ان کو حاصل ہو جائے
اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اسلامی مملکت کی بجائے عام مسلمان ان کو پناہ دے دیں جیسا کہ ہر
مسلم کو یہ حق حاصل ہے اور اسلامی مملکت کے حکمرانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ ادنیٰ مسلمان کی دی گئی پناہ کو بھی رد
نہ کریں۔ دوسرا یہ کہ کسی بڑی غیر مسلم طاقت کی پشت پناہی ان کو حاصل ہو جائے۔ کیونکہ انہیں عام ہے۔ اس میں
مسلمان اور غیر مسلمان دونوں شامل ہیں۔

(۲) یہ ان کے کروت ہیں جن کی پاداش میں ان پر ذلت مسلط کی گئی۔

(۳) یعنی سارے اہل کتاب ایسے نہیں جن کی مذمت پچھلی آیات میں بیان کی گئی ہے، بلکہ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تَغْنِيَّ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ
فِيْنَ الْاٰلٰتِ شَيْئًا وَّ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١١٦﴾

مَكْلٌ مَا يَنْفَعُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ مِّمَّهَا
مِغْرَاصٰتٌ حَرَتْ قَوْمًا وَلَمْ تَلْمِسْهُمْ فَاَهْلَكْتُهُمْ وَمَا
تَلْمِسُهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنفُسُهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٧﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا وَاٰيٰتِنَا يَنْذَرُكُمْ
لَا يَأْتِيَنَّكُمْ عَذٰبٌ كٰبٍ وَّ ذٰلِكَ مِمَّا عَمِلْتُمْ قَدْ بَدَتْ لَكُمْ الْبَغْضٰۤءُ

کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام
نہ آئیں گی یہ تو جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں
گے۔ (۱۱۶)

یہ کفار جو خرچ اخراجات کریں اس کی مثال یہ ہے کہ
ایک تند ہوا چلی جس میں پالا تھا جو ظالموں کی کھیتی پر پڑا
اور اسے قس قس کر دیا۔ ^(۱) اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم
نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ (۱۱۷)

اے ایمان والو! تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا
اور کسی کو نہ بناؤ۔ ^(۲) (تم تو) نہیں دیکھتے دوسرے لوگ

ہیں، جیسے عبد اللہ بن سلام، اسد بن عبد العلبہ بن سعید اور اسد بن سعید وغیرہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے شرف
اسلام سے نوازا اور ان میں اہل ایمان و تقویٰ والی خوبیاں پائی جاتی ہیں رِصِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ - قَائِمَةُ کے
معنی ہیں، شریعت کی احاطت اور نبی کریم ﷺ کا اتباع کرنے والی پسند و ناپسند کا مطلب، رات کو قیام کرتے یعنی تہجد
پڑھتے اور نمازوں میں تلاوت کرتے ہیں۔ اس مقام پر امر بالمعروف کے معنی بعض نے یہ کیئے ہیں کہ وہ نبی ﷺ پر
ایمان لانے کا حکم دیتے اور آپ ﷺ کی مخالفت کرنے سے روکتے ہیں۔ اسی گروہ کا ذکر آگے بھی کیا گیا ہے۔ ﴿وَذٰلِكَ
مِنْ اٰیٰتِ لِّیْکُمْ لَعْنُ یٰۤوْسُوْنَ بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ وَمَا اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ خٰتِیْنِیْنَ یٰۤاٰی اٰلِ عِمْرٰن ۙ﴾ (آل عمران ۱۹۹)

(۱) قیامت والے دن کافروں کے نہ مال کچھ کام آئیں گے نہ اولاد حتیٰ کہ رفائی اور بظاہر بھلائی کے کاموں پر وہ جو خرچ
کرتے ہیں، وہ بھی بیکار جائیں گے اور ان کی مثال اس سخت پالے کی سی ہے جو ہری بھری کھیتی کو جلا کر خاکستر کر دیتا
ہے، ظالم اس کھیتی کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہوتے اور اس سے نفع کی امید رکھے ہوتے ہیں کہ اچانک ان کی امیدیں
خاک میں مل جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک ایمان نہیں ہو گا، رفائی کاموں پر رقم خرچ کرنے والوں کی
چاہے دنیا میں کتنی ہی شہرت ہو جائے، آخرت میں انہیں ان کا کوئی صلہ نہیں ملے گا، وہاں تو ان کے لیے جہنم کا دائمی
عذاب ہے۔

(۲) یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے۔ یہاں اس کی اہمیت کے پیش نظر پھر دہرایا جا رہا ہے۔ بظاہر، دلی دوست اور رازدار
کو کہ جاتا ہے۔ کافر اور مشرک مسلمانوں کے بارے میں جو جذبات و عزائم رکھتے ہیں، ان میں سے جن کا وہ اظہار کرتے
اور جنہیں اپنے سینوں میں خفی رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب کی نشاندہی فرمادی ہے یہ اور اس قسم کی دیگر آیات
کے پیش نظر ہی علماء و فقہاء نے تحریر کیا ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کو کلیدی مناصب پر فائز کرنا جائز نہیں
ہے۔ مروی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک ذمی (غیر مسلم) کو کاتب (سیکرٹری) رکھ لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے
علم میں یہ بات آئی تو آپ نے انہیں سختی سے ڈانٹا اور فرمایا کہ ”تم انہیں اپنے قریب نہ کرو جب کہ اللہ نے انہیں دور

مِنْ اَتَوَاهِبُهُمْ وَبِاَعْيُنٍ مُّصَدِّقَةٍ اَلْبَصَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ
اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

هَٰذَا نِعْمُ الْاٰیٰةٌ لِّكُمْ وَلَٰكِنْ تَعْذِرُوْنَ عَنْهَا وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
قُلْ هَٰذَا صَوْرَةُ الْاَنْبِیَآءِ ۚ وَاِذَا اَخْلَلُوا عَصَا عَلَیْكُمْ
الْاَنْبِیَآءِ مِنَ الْقَبْلِ قُلْ مَوْثُؤُا بَعِثْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ
بِذٰلِكَ الْفٰتُورِ ۝

اِنْ تَسْتَسْخِرُوْا حَسَنَةً نِّسْءًا فَهِيَ كَالَّذِیْ تَخْتَلِفُ رَاٰیَ
بَیْنَهُمْ ۚ وَیَا قَوْمِ اِنْ تَصْهَرُوْا اَوْ تَنْكِحُوْا اَلَا یُبْصِرُكُمْ كُیْدُكُمْ

تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، وہ تو چاہتے ہیں
کہ تم دکھ میں پڑو^(۱) ان کی عداوت تو خود ان کی زبان
سے بھی ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ
ہے وہ بہت زیادہ ہے، ہم نے تمہارے لیے آیتیں بیان
کر دیں۔ (۱۱۸)

اگر عقلمند ہو (تو غور کرو) ہاں تم تو انہیں چاہتے ہو^(۲) اور
وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، تم پوری کتاب کو مانتے ہو،
(وہ نہیں مانتے پھر محبت کیسی؟) یہ تمہارے سامنے تو
اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن شمالی میں مارے غصہ
کے انگلیاں چباتے ہیں^(۳) کہہ دو کہ اپنے غصہ ہی میں مر
جاؤ، اللہ تعالیٰ دلوں کے راز کو بخوبی جانتا ہے۔ (۱۱۹)

تمہیں اگر بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں ہاں اگر
برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں^(۴) تم اگر صبر کرو اور پرہیز

کر دیا ہے، ان کو عزت نہ بخشو جب کہ اللہ نے انہیں ذلیل کر دیا ہے اور انہیں امین و رازدار مت بناؤ جب کہ اللہ نے
انہیں خائن قرار دیا ہے۔ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا۔ امام قرطبی فرماتے
ہیں۔ "اس زمانے میں اہل کتاب کو سیکر نری اور امین بنانے کی وجہ سے احوال بدل گئے ہیں اور اسی وجہ سے غبی لوگ
سردار اور امرا بن گئے ہیں" (تفسیر قرطبی)۔ بد قسمتی سے آج کے اسلامی ممالک میں بھی قرآن کریم کے اس نہایت اہم
حکم کو اہمیت نہیں دی جا رہی ہے اور اس کے برعکس غیر مسلم بڑے بڑے اہم عہدوں اور کلیدی مناصب پر فائز ہیں جن
کے نقصانات واضح ہیں۔ اگر اسلامی ممالک اپنی داخلی اور خارجی دونوں پالیسیوں میں اس حکم کی رعایت کریں تو یقیناً بہت
سے مفاسد اور نقصانات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

(۱) لَا یَنَالُوْنَ کَوْنًا ہٰی اور کی نہیں کریں گے حالاً کے معنی فساد اور ہلاکت کے ہیں مَا عَبَثُمْ (جس سے تم مشقت اور
تکلیف میں پڑو) عَثَّ بمعنی متشققہ

(۲) تم ان منافقین کی نماز اور اظہار ایمان کی وجہ سے ان کی بابت دھوکے کا شکار ہو جاتے ہو اور ان سے محبت رکھتے ہو۔

(۳) عَصَّ یَعْصُضُ کے معنی دانت سے کاٹنے کے ہیں۔ یہ ان کے غیظ و غضب کی شدت کا بیان ہے، جیسا کہ اگلی آیت

﴿اِنْ تَسْتَسْخِرُوْا﴾ میں بھی ان کی اسی کیفیت کا اظہار ہے۔

(۴) اس میں منافقین کی اس شدید عداوت کا ذکر ہے جو انہیں مومنوں کے ساتھ تھی اور وہ یہ کہ جب مسلمانوں کو

شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُتَوَّى الْمُؤْمِنِينَ مَقَابِدَ
لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

گاری کرو تو ان کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہ دے گا۔ (۱)
تعلیٰ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔ (۱۴۰)
اے نبی! اس وقت کو بھی یاد کرو جب صبح ہی صبح آپ
اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو میدان جنگ میں لڑائی
کے مورچوں پر باقاعدہ (۲) بخارہے تھے اللہ تعالیٰ سننے
جاننے والا ہے۔ (۱۴۱)

خوش حالی میسر آئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو تائید و نصرت ملتی اور مسلمانوں کی تعداد و قوت میں اضافہ ہوتا تو
منافقین کو بہت برا لگتا اور اگر مسلمان قحط سال یا جنگدستی میں مبتلا ہوتے یا اللہ کی مشیت و مصلحت سے دشمن 'وقتی طور
پر مسلمانوں پر غالب آجاتے (جیسے جنگ احد میں ہوا) تو بڑے خوش ہوتے۔ مقصد بتلانے سے یہ ہے کہ جن لوگوں کا یہ
حال ہو 'کیا وہ اس لائق ہو سکتے ہیں کہ مسلمان ان سے محبت کی جنگیں بڑھائیں اور انہیں اپنا رازدان اور دوست
بنائیں؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے بھی دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے (جیسا کہ قرآن کریم کے دوسرے
مقامات پر ہے) اسی لیے کہ وہ بھی مسلمانوں سے نفرت و عداوت رکھتے 'ان کی کامیابیوں سے ناخوش اور ان کی ناکامیوں
سے خوش ہوتے ہیں۔

(۱) یہ ان کے مکر و فریب سے بچنے کا طریقہ اور علاج ہے۔ گویا منافقین اور دیگر اعدائے اسلام و مسلمین کی سازشوں سے بچنے
کے لیے مہر اور تقویٰ نہایت ضروری ہے۔ اس مہر اور تقویٰ کے فقدان نے غیر مسلموں کی سازشوں کو کامیاب بنا رکھا ہے۔
لوگ سمجھتے ہیں کہ کافروں کی یہ کامیابی مادی اسباب و وسائل کی فراوانی اور سائنس و ٹیکنالوجی میں ان کی ترقی کا نتیجہ ہے۔
حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی پستی و زوال کا اصل سبب یہی ہے کہ وہ اپنے دین پر استقامت (جو مہر کا متقاضی ہے) سے
محروم اور تقویٰ سے عاری ہو گئے ہیں جو مسلمان کی کامیابی کی کلید اور تائید الہی کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

(۲) جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد جنگ احد کا واقعہ ہے جو شوال ۳ ہجری میں پیش آیا۔ اس کا پس منظر مختصر یہ
ہے کہ جب جنگ بدر ۲ ہجری میں کفار کو عبرت ناک شکست ہوئی 'ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید ہوئے تو ان
کفار کے لیے یہ بڑی بدنامی کا باعث اور ڈوب مرنے کا مقام تھا۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک زبردست
انتقامی جنگ کی تیاری کی جس میں عورتیں بھی شریک ہوئیں۔ ادھر مسلمانوں کو جب اس کا علم ہوا کہ کافر تین ہزار کی
تعداد میں احد پہاڑ کے قریب خیبر زن ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ وہ مدینہ میں ہی رہ کر
لڑیں یا مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کریں 'بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اندر رہ کر ہی مقابلہ کا مشورہ دیا اور رئیس المنافقین
عبداللہ بن ابی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا۔ لیکن اس کے برعکس بعض پر جوش صحابہ رضی اللہ عنہم نے جنہیں جنگ بدر میں
حصہ لینے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی 'مدینہ سے باہر جا کر لڑنے کی حمایت کی۔ آپ ﷺ اندر حجرے میں تشریف لے گئے

اِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَيْنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى
اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۰﴾

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِدُرَّ اَنْكُرٍ اِذْ لَمْ تَفْقَهُوا اللّٰهَ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۱﴾

اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ تُبَدِّلُوْا رِيْضَتَكُمْ
اَلَنْ يَنْتَبِذَكُمْ مِّنْ اَلَيْبٍ مِّنَ السَّيِّئَةِ مُتَغَيِّبِينَ ﴿۱۲﴾

بَلْ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوا يَأْتِكُمْ مِنْ قُوْرِهِمْ هٰذَا
يُبَدِّلُوْا رِيْضَتَكُمْ عَنْ اَلَيْبٍ مِّنَ السَّيِّئَةِ مُتَغَيِّبِينَ ﴿۱۳﴾

جب تمہاری دو جماعتیں پست ہمتی کا ارادہ کر چکی
تھیں،^(۱) اللہ تعالیٰ ان کا ولی اور مددگار ہے۔^(۲) اور اسی
کی پاک ذات پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔ (۱۲)
جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت تمہاری مدد
فرمائی تھی جبکہ تم نہایت گری ہوئی حالت میں تھے،^(۳)
اس لیے اللہ ہی سے ڈرو! (نہ کسی اور سے) تاکہ تمہیں
شکر گزاری کی توفیق ہو۔ (۱۳)

(اور یہ شکر گزاری باعث نصرت و امداد ہو) جب آپ
مومنوں کو تسلی دے رہے تھے 'کیا آسمان سے تین ہزار
فرشتے اتار کر اللہ تعالیٰ کا تمہاری مدد کرنا تمہیں کافی
نہ ہو گا' (۱۴)

کیوں نہیں بلکہ اگر تم صبر و پرہیزگاری کرو اور یہ
لوگ اسی دم تمہارے پاس آجائیں تو تمہارا رب
تمہاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا^(۱۵) جو

اور جب ہتھیار پہن کر باہر آئے 'دوسری رائے والوں کو نہ امت ہوئی کہ شاید ہم نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی خواہش
کے برعکس باہر نکلنے پر مجبور کر کے ٹھیک نہیں کیا چنانچہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ اگر اندر رہ کر مقابلہ کرنا پسند
فرمائیں تو اندر ہی رہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لباس حرب پہن لینے کے بعد کسی نبی کے لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ کے
فیصلے کے بغیر واپس ہو یا لباس اتارے۔ چنانچہ مسلمان ایک ہزار کی تعداد میں روانہ ہو گئے مگر صبح دم جب مقام شہد پر
پہنچے تو عبد اللہ بن ابی اپنے تین سوساتھیوں سمیت یہ کہہ کر واپس آگیا کہ اس کی رائے نہیں مانی گئی۔ خواہ مخواہ جان
دینے کا کیا فائدہ؟ اس کے اس فیصلے سے وقتی طور پر بعض مسلمان بھی متاثر ہو گئے اور انہوں نے بھی کمزوری کا مظاہرہ
کیا۔ (ابن کثیر)

(۱) یہ اوس اور خزرج کے دو قبیلے (نوحارث اور بنو سلمہ) تھے۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے ان کی مدد کی اور ان کی کمزوری کو دور فرما کر ان کی ہمت باندھ دی۔

(۳) یہ اعتبار قلت تعداد اور قلت سامان کے، کیونکہ جنگ بدر میں مسلمان ۳۱۳ تھے اور یہ بھی بے سروسامان۔ صرف
دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، باقی سب پیدل تھے (ابن کثیر)

(۴) مسلمان بدر کی جانب محض قافلہ قریش پر جو تقریباً نستا تھا چھاپ مارنے نکلے تھے۔ مگر بدر پہنچتے پہنچتے معلوم ہوا کہ مکہ

نشاندار ہوں گے۔^(۱) (۱۳۵)

اور یہ تو محض تمہارے دل کی خوشی اور اطمینان قلب کے لیے ہے، ورنہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمتوں والا ہے۔ (۱۳۶)

(۱) اس اداو النبی کا مقصد یہ تھا کہ اللہ (کافروں کی ایک جماعت کو کٹ دے یا انہیں ذلیل کر ڈالے اور (سارے کے سارے) نامراد ہو کر واپس چلے جائیں^(۲) (۱۳۷)

اے پیغمبر! آپ کے اختیار میں کچھ نہیں،^(۳) اللہ تعالیٰ

وَتَجْعَلُ اللّٰهُ اِلٰهَ الْاٰخِرٰی لَكُمْ وَلَيَقْطَعَنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهِ وَتَمَّا
النَّصْرَ الْاَوَّلٰی مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ﴿۱۳۵﴾

لَيَقْطَعَنَّ طَرَفَیْنِ الْاَیْمِیْنِ لَكُمْ وَتَوْبَتُهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا
مَغْاٰیِبِیْنَ ﴿۱۳۶﴾

لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یَنْصُرْهُمْ

سے مشرکین کا ایک لشکر جبار پورے غیظ و غضب اور جوش و خروش کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں کی صف میں گھبراہٹ، تشویش اور جوش قال کا ماحول پیدا ہو گیا اور انہوں نے رب تعالیٰ سے دعا و فریاد کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک ہزار پھر تین ہزار فرشتے اتارنے کی بشارت دی اور مزید وعدہ کیا کہ اگر تم صبر و تقویٰ پر قائم رہے اور مشرکین اسی حالت غیظ و غضب میں آؤمکے تو فرشتوں کی یہ تعداد پانچ ہزار کر دی جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ مشرکین کا جوش و غضب برقرار نہ رہ سکا۔ (بدر بخینے سے پہلے ہی ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ ایک گروہ مکہ پہنچ گیا اور باقی جو بدر آئے ان میں سے اکثر سرداروں کی رائے تھی کہ لڑائی نہ کی جائے) اس لیے حسب بشارت تین ہزار فرشتے اتارے گئے اور پانچ ہزار کی تعداد پوری کرنے کی ضرورت پیش نہ آ سکی اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ تعداد پوری کی گئی۔

(۱) یعنی پہچان کے لیے ان کی مخصوص علامت ہو گی۔

(۲) یہ اللہ غالب و کار فرما کی مدد کا نتیجہ بتلایا جا رہا ہے۔ سورۃ انفال میں فرشتوں کی تعداد ایک ہزار بتائی گئی ہے ﴿اِذْ تَمْشِيْ غِيٰثُ الرَّحْمٰنِ فَتَنْصُرُكُمْ فَتُغْلِبُ الْمُكْفِرِيْنَ﴾ (الانفال-۹) ”جب تم اپنے رب سے مدد طلب کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہاری فریاد سننے ہوئے کہا کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا“ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے واقعتاً تو ایک ہزار ہی نازل ہوئے اور مسلمانوں کے حوصلے اور قہمتی کے لیے تین ہزار کا اور پھر پانچ ہزار کا مزید مشروط وعدہ کیا گیا۔ پھر حسب حالات مسلمانوں کی قہمتی کے نقطہ نظر سے بھی ان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اس لیے بعض مفسرین کے نزدیک یہ تین ہزار پانچ ہزار فرشتوں کا نزول نہیں ہوا کیونکہ مقصد تو مسلمانوں کے حوصلوں میں اضافہ کرنا تھا، ورنہ اصل مددگار تو اللہ تعالیٰ ہی تھا اور وہ اپنی مدد کے لیے فرشتوں کا یا کسی اور کا محتاج ہی نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کی مدد قربانی اور جنگ بدر میں مسلمانوں کو تاریخی کامیابی حاصل ہوئی، کفر کی طاقت کمزور ہوئی اور کافروں کا گھمنڈ خاک میں مل گیا۔ (البیرواقیہ)

(۳) یعنی ان کافروں کو ہدایت دینا یا ان کے معاملے میں کسی بھی قسم کا فیصلہ کرنا حسب اللہ کے اختیار میں ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جنگ احد میں نبی کریم ﷺ کے دندان مبارک بھی شہید ہو گئے اور چہرہ مبارک بھی زخمی ہوا تو آپ

وَالَّذِينَ ظَلَمُوا ۝

چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے^(۱) یا عذاب دے، کیونکہ وہ ظالم ہیں۔ (۱۳۸)

وَالَّذِينَ ظَلَمُوا السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَا يُغْفِرُ لَهُمْ شَاءَ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو جَبَرٍ ۝

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے، وہ جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے، اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔ (۱۳۹)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بَعْضًا مَضَاعًا وَتُؤْتُوا اللَّهَ لَكُمْ كَمَلًا تَرْضَوْنَ ۝
وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَتَذَكَّرُ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

اے ایمان والو! بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ،^(۲) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تمہیں نجات ملے۔ (۱۴۰)
اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (۱۴۱)

مُتَّقِينَ نے فرمایا ”وہ قوم کس طرح فلاح یاب ہوگی جس نے اپنے نبی کو زخمی کر دیا“ گویا آپ ﷺ نے ان کی ہدایت سے ناامیدی ظاہر فرمائی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی طرح بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعض کفار کے لیے قوت نازلہ کا بھی اہتمام فرمایا جس میں ان کے لیے بددعا فرمائی جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بددعا کا سلسلہ بند فرمادیا۔ (ابن کثیر و فتح القدیر) اس آیت سے ان لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جو نبی کریم ﷺ کو مختار کل قرار دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کو تو اتنا اختیار بھی نہ تھا کہ کسی کو راہ راست پر لگادیں حالانکہ آپ ﷺ اسی راستے کی طرف بلانے کے لیے بھیجے گئے تھے۔

(۱) یہ قبیح جن کے لیے بددعا فرماتے رہے اللہ کی توفیق سے سب مسلمان ہو گئے۔ جن سے معصوم ہوا کہ مختار کل اور عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(۲) چونکہ غزوہ احد میں ناکامی رسول ﷺ کی نافرمانی اور مال دنیا کے لالچ کے سبب ہوئی تھی اس لیے اب طمع دنیا کی سب سے زیادہ بیماری اور مستقل شکل سود سے منع کیا جا رہا ہے اور اطاعت کیشی کی تاکید کی جا رہی ہے اور بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ کا یہ مطلب نہیں بڑھا چڑھا کر نہ ہو تو مطلق سود جائز ہے۔ بلکہ سود کم ہو یا زیادہ مفرد ہو یا مرکب، مطلقاً حرام ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ قید نبی (حرمات) کے لیے بطور شرط نہیں ہے بلکہ واقعی کی رعایت کے طور پر ہے یعنی سود کی اس وقت جو صورت حال تھی اس کا بیان و اظہار ہے۔ زمانہ جاہلیت میں سود کا یہ رواج عام تھا کہ جب ادائیگی کی مدت آ جاتی اور ادائیگی ممکن نہ ہوتی تو مزید مدت میں اضافے کے ساتھ سود میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا جس کی وجہ سے تھوڑی سی رقم بھی بڑھ چڑھ کر کہیں پہنچ جاتی اور ایک عام آدمی کے لیے اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے جس سے تنبیہ بھی مقصود ہے کہ سود خوری سے باز نہ آئے تو یہ فعل حرام تمہیں کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ و رسول سے محرابہ ہے۔

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۳۲﴾

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ
وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۳﴾

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكُظُمِينِ الْغَيْظِ
وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۴﴾

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاجِسَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ
فَاسْتَغْفَرُوا الذُّنُوبَ بِهِمْ وَمَن يَغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ
وَلَنُرِيَنَّكُمْ سَاعَةً مَّا فَعَلْتُمْ وَهُمْ يَعْثُمُونَ ﴿۱۳۵﴾

أُولَٰئِكَ جَزَاءُ مَا كَفَرُوا بِهِمْ وَجَزَاءُ جَهَنَّمَ
مِنْ عَذَابِهَا أَلا تَهْتَكُنَّ مِنْ فِتْنَتِهَا ذُرِّيَّتُهَا
مِنْ عَذَابِهَا أَلا تَهْتَكُنَّ مِنْ فِتْنَتِهَا ذُرِّيَّتُهَا

اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمائیداری کرو تاکہ تم پر
رحم کیا جائے۔ (۱۳۲)

اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف
دوڑو^(۱) جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو
پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (۱۳۳)

جو لوگ آسانی میں اور سختی کے موقع پر بھی اللہ کے راستے
میں خرچ کرتے ہیں،^(۲) غصہ پینے والے اور لوگوں سے
درگزر کرنے والے ہیں،^(۳) اللہ تعالیٰ ان نیک کاروں
سے محبت کرتا ہے۔ (۱۳۴)

جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر
لیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لیے
استغفار کرتے ہیں،^(۴) فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور
کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے
کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے۔ (۱۳۵)

انہیں کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور
جنتیں ہیں جن کے نیچے نہرں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ
رہیں گے، ان نیک کاموں کے کرنے والوں کا ثواب کیا
ہی اچھا ہے۔ (۱۳۶)

(۱) مال و دوست و دنیا کے پیچھے لگ کر آخرت تباہ کرنے کے بجائے اللہ و رسول کی اطاعت کا اور اللہ کی مغفرت اور
اس کی جنت کا راستہ اختیار کرو۔ جو متقین کے لیے اللہ نے تیار کی ہے۔ چنانچہ آگے متقین کی چند خصوصیات بیان
فرمائی ہیں۔

(۲) یعنی محض خوش حالی میں ہی نہیں، تنگ دستی کے موقع پر بھی خرچ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر حال اور ہر
موقع پر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

(۳) یعنی جب غصہ انہیں بھڑکاتا ہے تو اسے پی جاتے ہیں یعنی اس پر عمل نہیں کرتے اور ان کو محاف کر دیتے ہیں جو
ان کے ساتھ برائی کرتے ہیں۔

(۴) یعنی جب ان سے بہ تقاضائے بشریت کسی غلطی یا گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو فوراً توبہ و استغفار کا اہتمام کرتے
ہیں۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَمَنْ زَاغَى الْأَرْضَ
فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ①

هَذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ②

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ
مُؤْمِنِينَ ③

إِنْ يَمْسِكُ الْقَوْمَ فَتْرَةٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَفَرِّضْهَا
وَبَلِّغْ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُذَكِّرُونَ ④

تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گزر چکے ہیں، سو زمین میں
چل پھر کر دیکھ لو کہ (آسمانی تعلیم کے) جھنڈانے والوں کا کیا
انجام ہوا؟^(۱) (۱۳۷)

عام لوگوں کے لیے تو یہ (قرآن) بیان ہے اور
پرہیزگاروں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے۔ (۱۳۸)

تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے،
اگر تم ایمان دار ہو۔^(۲) (۱۳۹)

اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمہارے مخالف لوگ بھی تو ایسے
ہی زخمی ہو چکے ہیں، ہم ان دونوں کو لوگوں کے درمیان
اوتلے بدلتے رہتے ہیں۔^(۳) (حکمت احد) اس لیے تھی

(۱) جنگ احد میں مسلمانوں کا لشکر سات سو افراد پر مشتمل تھا جس میں سے ۵۰ خیر اندازوں کا ایک دستہ آپ نے عبداللہ
ابن جبریلؓ کی قیادت میں ایک پہاڑی پر مقرر فرما دیا اور انہیں تاکید کر دی کہ چاہے ہمیں فتح ہو یا شکست، تم یہاں سے
نہ ہلنا اور تمہارا کام یہ ہے کہ جو گھڑ سوار تمہاری طرف آئے تیروں سے اسے پیچھے دھکیل دینا۔ لیکن جب مسلمان فتح
یاب ہو گئے اور مال و اسباب سیٹھے لگے تو اس دستے میں اختلاف ہو گیا۔ کچھ کہنے لگے کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کا مقصد
تو یہ تھا کہ جب تک جنگ جاری رہے ہمیں جے رہنا، لیکن جب یہ جنگ ختم ہو گئی ہے اور کفار بھاگ رہے ہیں تو یہاں
رہنا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے بھی وہاں سے ہٹ کر مال و اسباب جمع کرنا شروع کر دیا اور وہاں نبی کریم ﷺ
کے فرمان کی اطاعت میں صرف دس آدمی باقی رہ گئے۔ جس سے کافروں نے فائدہ اٹھایا اور ان کے گھڑ سوار پیٹ کر
وہیں سے مسلمانوں کے عقب میں جا پہنچے اور ان پر اچانک حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں میں خوفناک ہرجائی مچ گئی اور وہ غیر
متوقع جملے سے سخت سراپیمہ ہو گئے جس سے مسلمانوں کو قدرتی طور پر بہت تکلیف ہوئی۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ
مسلمانوں کو تسلی دے رہا ہے کہ تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پہلے بھی ایسا ہوتا آیا ہے۔ تاہم
بالآخر تجاہد و ربودی اللہ و رسول کی محذیب کرنے والوں کا ہی مقدر بنی ہے۔

(۲) گزشتہ جنگ میں تمہیں جو نقصان پہنچا ہے، اس سے نہ سست ہو اور نہ اس پر غم کھاؤ کیونکہ اگر تمہارے اندر ایمانی
قوت موجود رہی تو غالب و کامران تم ہی رہو گے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی قوت کا اصل راز اور ان کی کامیابی
کی بنیاد واضح کر دی ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ اس کے بعد مسلمان ہر معرکے میں سرفروہی رہے ہیں۔

(۳) ایک اور انداز سے مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر جنگ احد میں تمہارے کچھ لوگ زخمی ہوئے ہیں تو کیا
ہوا؟ تمہارے مخالف بھی تو (جنگ یدر میں) اور احد کی ابتدا میں اسی طرح زخمی ہو چکے ہیں اور اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے
کہ وہ فتح و شکست کے ایام کو ادلتا بدلتا رہتا ہے۔ کبھی غالب کو مغلوب اور کبھی مغلوب کو غالب کر دیتا ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذُوا مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ①

فَلْيُمَخِّصْ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذُوا مِنَ الْكَافِرِينَ ②

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهِلُوا بِكُمْ وَيَعْلَمَ الظَّالِمِينَ ③

کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہر کر دے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ (۱۳۰)

(یہ وجہ بھی تھی) کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بالکل الگ کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔ (۱۳۱) ①

کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ (۲) حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں۔؟ (۳) ② (۱۳۲)

(۱) احد میں مسلمانوں کو جو عارضی شکست ان کی اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہوئی، اس میں بھی مستقبل کے لیے کئی ممکنہ پنہاں تھیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ آگے بیان فرما رہا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہر کر دے (کیونکہ صبر و استقامت ایمان کا تقاضا ہے) جنگ کی شدتوں اور مصیبتوں میں جنہوں نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا، یقیناً وہ سب مومن ہیں۔ دوسری یہ کہ کچھ لوگوں کو شہادت کے مرتبہ پر فائز کر دے۔ تیسری یہ کہ ایمان والوں کو ان کے گناہوں سے پاک کر دے۔ تنجیض کے ایک معنی اختیار (چن لینا) کے لیے گئے ہیں۔ ایک معنی تطہیر اور ایک معنی تحیض کے لیے گئے ہیں۔ آخری دونوں کا مطلب گناہوں سے پاکی اور خلاصی ہے۔ (فتح القدیر) مرحوم مترجم نے پسے معنی کو اختیار کیا ہے۔ چوتھی یہ کہ کافروں کو مٹا دے۔ وہ اس طرح کہ وقتی فتح یابی سے ان کی سرکشی اور تکبر میں اضافہ ہو گا اور یہی چیز ان کی تباہی و ہلاکت کا سبب بنے گی۔

(۲) یعنی بغیر قتال و شہادت کی آزمائش کے تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ نہیں بلکہ جنت ان لوگوں کو ملے گی جو آزمائش میں پورے اتریں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ هَبَا مِنْ قَبْلِكُمْ مَقَّتْهُمْ النَّاسُ وَانصَرَفُوا وَرُزِقُوا﴾ (البقرة - ۲۱۳) ”کیا تم نے گمان کیا کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر وہ حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے لوگوں پر آئی تھی؟ انہیں شک و سستی اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ خوب ہلائے گئے“ مزید فرمادہ ﴿أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُؤْتُوا اْلآثَانَ أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْقَهُونَ﴾ (العنکبوت - ۲) ”کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ انہیں صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہو گی؟“

(۳) یہ مضمون اس سے پہلے سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یہاں موضوع کی مناسبت سے پھر بیان کیا جا رہا ہے کہ جنت یوں ہی نہیں مل جائے گی، اس کے لیے پہلے تمہیں آزمائش کی بھیجی سے گزارا اور میدان جہاد میں آزمایا جائے گا وہاں نرغہ اعدا میں گھر کر تم سرفروشی اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہو یا نہیں؟

وَلَقَدْ كُذِّبَتْكُمْ مَوْتُ الْمَوْتِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿١﴾

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَلَمْ يَأْتِ أَفْئِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَصُرَ لَهُ شَيْئًا وَسِعَ جُزْءُ اللَّهِ الْكَافِرِينَ ﴿٢﴾

جنگ سے پہلے تو تم شہادت کی آرزو میں تھے^(۱) اب اسے اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا۔^(۲) (۱۳۳)
(حضرت) محمد ﷺ صرف رسول ہی ہیں،^(۳) ان سے پہلے امت سے رسول ہو چکے ہیں، کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں، تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا،^(۴) عنقریب اللہ تعالیٰ

(۱) یہ اشارہ ان صحابہ کرام کے لیے ہے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے ایک احساس محرومی رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ میدان کارزار گرم ہو تو وہ بھی کافروں کی سرکوبی کر کے جہاد کی فضیلت حاصل کریں۔ نبی صحابہ کے لیے جنگ احد میں جوش جہاد سے کام لیتے ہوئے مدینہ سے باہر نکلنے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن جب مسلمانوں کی فتح کافروں کے اچانک حملے سے شکست میں تبدیل ہو گئی (جس کی تفصیل پہلے گزر چکی) تو یہ پر جوش مجاہدین بھی سرسبز شکار ہو گئے اور بعض نے راہ فرار اختیار کی۔ (جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی) اور بہت تھوڑے لوگ ہی ثابت قدم رہے۔ (فتح القدیر) اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ ”تم دشمن سے مدد بھیڑ کر آرزو مت کرو اور اللہ سے عافیت طلب کیا کرو تاہم جب از خود حالات ایسے بن جائیں کہ تمہیں دشمن سے لڑنا پڑ جائے تو پھر ثابت قدم رہو اور یہ بات جان لو کہ جنت کمواروں کے سائے تلے ہے“ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۷)

(۲) رَأَيْتُمُوهُ اور تَنْظُرُونَ۔ دونوں کے ایک ہی معنی یعنی دیکھنے کے ہیں۔ تاکید اور مبالغے کے لیے دو غلط پڑائے گئے ہیں۔ یعنی کمواروں کی چمک، نیزوں کی تیزی، تیروں کی یلغار اور جاں بازوں کی صف آرائی میں تم نے موت کا خوب مشاہدہ کر لیا۔ (ابن کثیر و فتح القدیر)

(۳) محمد ﷺ صرف رسول ہی ہیں ”یعنی ان کا امتیاز بھی وصف رسالت ہی ہے۔ یہ نہیں کہ وہ بشری خصائص سے بالاتر اور خدائی صفات سے متصف ہوں کہ انہیں موت سے دو چار نہ ہونا پڑے۔“

(۴) جنگ احد میں شکست کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کافروں نے یہ افواہ اڑا دی کہ محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے۔ مسلمانوں میں جب یہ خبر پھیلی تو اس سے بعض مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے اور لڑائی سے پیچھے ہٹ گئے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی ﷺ کا کافروں کے ہاتھوں قتل ہو جانا ان پر موت کا وارو ہو جانا کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ پیچھے انبیاء علیہم السلام بھی قتل اور موت سے ہمتا رہ چکے ہیں۔ اگر آپ ﷺ بھی (بالفرض) اس سے دو چار ہو جائیں تو کیا تم اس دین سے ہی پھر جاؤ گے۔ یاد رکھو جو پھر جائے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا، اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ نبی کریم ﷺ کے سانحہ وفات کے وقت جب حضرت عمرؓ شہادت جذبات میں وفات نبوی کا انکار کر رہے تھے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نہایت حکمت سے کام لیتے ہوئے مہر رسول ﷺ کے پہلو میں کھڑے ہو کر انہی آیات کی تلاوت کی جس

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ يَكْتُمُ اللَّهُ الْغَيْبَ وَهُوَ غَلِيظٌ
وَمَنْ يُؤْذِ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُؤْذِ
ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَخَّرَ الشَّيْءَ لِمَنْ يَشَاءُ ۝

وَكَايُنَ مِنْ شَيْءٍ فَتَلَّ مَعَهُ رَيْثِيُونَ كَثِيرٌ مِمَّا
وَهُنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا
وَمَا أَكْتَلُوا وَلَئِنْ يُحِبَّ الْفَاسِقِينَ ۝

وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا
ذُنُوبَنَا وَارْسَلْنَا فِي أَمْرِنَا وَتَبَتِ أَعْدَاؤُنَا
وَأَنْصَرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

فَاتَّخَذَهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحَسَنَ ثَوَابَ الْآخِرَةِ
وَلَئِنْ يُحِبَّ الْمُخْسِرِينَ ۝

شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا (۱۳۴)

بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے کوئی جاندار نہیں مر سکتا مقرر
شدہ وقت لکھا ہوا ہے دنیا کی چاہت والوں کو ہم کچھ دنیا
دے دیتے ہیں اور آخرت کا ثواب چاہنے والوں کو ہم وہ
بھی دیں گے۔ (۱۳۵) اور احسان ماننے والوں کو ہم بہت جلد
نیک بدلہ دیں گے۔ (۱۳۵)

بہت سے نبیوں کے ہم رکاب ہو کر بہت سے اللہ
والے جہاد کر چکے ہیں انہیں بھی اللہ کی راہ میں
تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو انہوں نے امت ہاری نہ
ست رہے اور نہ دے اور اللہ صبر کرنے والوں کو
(بی) چاہتا ہے۔ (۱۳۶)

وہ یہی کہتے رہے کہ اے پروردگار! ہمارے گناہوں کو
بخش دے اور ہم سے ہمارے کاموں میں جو بے جا زیادتی
ہوئی ہے اسے بھی معاف فرما اور ہمیں ثابت قدمی عطا
فرما اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے۔ (۱۳۷)

اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کے
ثواب کی خوبی بھی عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نیک لوگوں
سے محبت کرتا ہے۔ (۱۳۸)

سے حضرت عمرؓ بھی متاثر ہوئے اور انہیں محسوس ہوا کہ یہ آیات ابھی ابھی اتری ہیں۔

(۱) یعنی ثابت قدم رہنے والوں کو جنہوں نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کر کے اللہ کی نعمتوں کا عملی شکر ادا کیا۔

(۲) یہ کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ کرنے والوں کے حوصلوں میں اضافہ کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے کہ موت تو اپنے
وقت پر آکر رہے گی پھر بھاگنے یا بزدلی دکھانے کا کیا فائدہ؟ اسی طرح محض دنیا طلب کرنے سے کچھ دنیا تو مل جاتی ہے
لیکن آخرت میں کچھ نہیں ملے گا اس کے برعکس آخرت کے طالبوں کو آخرت میں اخروی نعمتیں تو ملیں گی ہی دنیا بھی
اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرماتا ہے۔ آگے مزید حوصلہ افزائی اور تسلی کے لیے پچھلے انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کے
صبر اور ثابت قدمی کی مثالیں دی جا رہی ہیں۔

(۳) یعنی ان کو جو جنگ کی شدتوں میں پست بہت نہیں ہوتے اور ضعف اور کمزوری نہیں دکھاتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا
يَرُدُّكُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خِيسِرِينَ ③

بَلَىٰ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ الْمُنِيرِينَ ④

سَنُلْقِيَنَّ فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا
بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا أَوَدَاهُمُ النَّارُ وَ
يَسْئَلُ مَثْوًى الظَّالِمِينَ ⑤

وَلَقَدْ صَدَّقَ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِآذِينِ
حَتَّىٰ رَدَّافِيشُكُمْ وَتَنَزَّاعْتُمْ فِي الْأُممِ وَعَصَيْتُمْ

اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ
تمہیں تمہاری ایزیوں کے بل پلک دیں گے (یعنی تمہیں
مردہ بنادیں گے) پھر تم نامراد ہو جاؤ گے۔ (۱۳۹)
بلکہ اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی بہترین مددگار
ہے۔ (۱۴۰)

ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے
اس وجہ سے کہ یہ اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک
کرتے ہیں جس کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری، (۱۴۱)
ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ان خالوں کی بری جگہ
ہے۔ (۱۴۱)

اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جبکہ تم اس کے
حکم سے انہیں کٹ رہے تھے۔ (۱۴۱) یہاں تک کہ جب تم

(۱) یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے، یہاں پھر دہرایا جا رہا ہے کیونکہ احد کی شکست سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض کفار یا
منافقین مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہے تھے کہ تم اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آؤ۔ ایسے میں مسلمانوں کو کہا گیا کہ
کافروں کی اطاعت ہلاکت و خسران کا باعث ہے۔ کامیابی اللہ کی اطاعت ہی میں ہے اور اس سے بہتر کوئی مددگار نہیں۔
(۲) مسلمانوں کی شکست دیکھتے ہوئے بعض کافروں کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ موقع مسلمانوں کے بالکل خاتمہ کے لیے
بڑا اچھا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ پھر انہیں اپنے اس خیال کو عمل
جامد بنانے کا حوصلہ نہ ہوا (فتح القدیر) صحیحین کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی
ہیں جو مجھ سے قبل کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ نصرت بالزغب مسیرۃ شہید دشمن کے دل میں
ایک مبینہ کی مسافت پر میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا رعب
مستقل طور پر دشمن کے دل میں ڈال دیا گیا تھا۔ اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ
کی امت یعنی مسلمانوں کا رعب بھی مشرکوں پر ڈال دیا گیا ہے اور اس کی وجہ ان کا شرک ہے۔ گویا شرک کرنے والوں
کا دل دوسروں کی ہیبت سے لرزاں و ترساں رہتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جب مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مشرکانہ
عقائد و اعمال میں جمل ہوئی ہے دشمن ان سے مرعوب ہونے کی بجائے وہ دشمنوں سے مرعوب ہیں۔

(۳) اس وعدے سے بعض مفسرین نے تین ہزار اور ۵ ہزار فرشتوں کا نزول مراد لیا ہے لیکن یہ رائے سرے سے صحیح
نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ نزول صرف جنگ بدر کے ساتھ مخصوص تھا۔ باقی رہا وہ وعدہ جو اس آیت میں مذکور

مِنْ بَعْدِ مَا اَرْسَلْتُمْ مَا نَحْبُوْنَ مِنْكُمْ مَنْ يَّرِيْدُ
الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يَّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفْنَا
عَنْهُمْ رِسَالَتَكُمْ وَاَلَقْنَا عَصَاكَ ۚ وَاللّٰهُ
ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اِذْ تَضَوُّوْنَ وَلَا تَنَلُوْنَ عَلَى اَحَدٍ مِنَ الرِّسَالِ

نے پست بہتی اختیار کی اور کام میں جھگڑنے لگے اور
ناقرانی کی^(۱) اس کے بعد کہ اس نے تمہاری چاہت کی
چیز تمہیں دکھادی^(۲) تم میں سے بعض دنیا چاہتے
تھے^(۳) اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا^(۴) تو پھر اس نے
تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے^(۵) اور یقیناً اس
نے تمہاری لغزش سے درگزر فرما دیا اور ایمان والوں پر
اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔^(۶) (۱۵۲)
جب کہ تم چڑھے چلے جا رہے تھے^(۷) اور کسی کی طرف

ہے تو اس سے مراد فتح و نصرت کا وہ عام وعدہ ہے جو اہل اسلام کے لیے اور اس کے رسول کی طرف سے بہت پہلے سے
کیا جا چکا تھا۔ حتیٰ کہ بعض آیتیں مکہ میں نازل ہو چکی تھیں۔ اور اس کے مطابق ابتدائے جنگ میں مسلمان غالب و فاتح
رہے جس کی طرف ﴿اِذْ تَخْسُوْنَهُمْ يٰۤاٰذِيْنَہٗ﴾ سے اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) اس تنازع اور عصیان سے مراد ۵۰ تیر اندازوں کا وہ اختلاف ہے جو فتح و غلبہ دیکھ کر ان کے اندر واقع ہوا اور جس کی
وجہ سے کافروں کو پلٹ کر دوبارہ حملہ آور ہونے کا موقع ملا۔

(۲) اس سے مراد وہ فتح ہے جو ابتدا میں مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھی۔

(۳) یعنی ماں غنیمت جس کے لیے انہوں نے وہ پہاڑی چھوڑ دی جس کے نہ چھوڑنے کی انہیں تاکید کی گئی تھی۔

(۴) وہ لوگ ہیں جنہوں نے مورچہ چھوڑنے سے منع کیا اور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق اسی جگہ ڈنرے رہنے کا
عزم ظاہر کیا۔

(۵) یعنی غلبہ عطا کرنے کے بعد پھر تمہیں شکست دے کر ان کافروں سے پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائے۔

(۶) اس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس شرف و فضل کا اظہار ہے جو ان کی کوتاہیوں کے باوجود اللہ
نے ان پر فرمایا۔ یعنی ان کی غلطیوں کی وضاحت کر کے آئندہ اس کا اعادہ نہ کریں اللہ نے ان کے لیے معافی کا اعلان کر
دیا تاکہ کوئی بد باطن ان پر زبان طعن دراز نہ کرے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہی قرآن کریم میں ان کے لیے عفو عام کا اعلان
فرما دیا تو اب کسی کے لیے طعن و تشنیع کی گنجائش کہاں رہ گئی؟ صحیح بخاری میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک حج کے
موقع پر ایک شخص نے حضرت عثمانؓ پر بعض اعتراضات کیے کہ وہ جنگ بدر میں بیعت رضوان میں شریک نہیں
ہوئے۔ نیز یوم احد میں فرار ہو گئے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ جنگ بدر میں تو انکی اہلیہ (بنت رسول ﷺ)
بیمار تھیں بیعت رضوان کے موقع پر آپ رسول ﷺ کے سفیر بن کر مکہ گئے ہوئے تھے اور یوم احد کے فرار کو اللہ نے

معاف فرما دیا ہے۔ (مختصلاً صحیح بخاری، غزوہ اُحد)

(۷) کفار کے یکبارگی اچانک حملے سے مسلمانوں میں جو بھگدڑ مچی اور مسلمانوں کی اکثریت نے راہ فرار اختیار کی۔ یہ

يَذْخَبُونَ فِي الْحُرْمِ فَأَنشَابَكُمْ ثَغَالِبُهُمْ يَكِيدُوا
تَحْرُوتُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ
وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۵۵﴾

توجہ تک نہیں کرتے تھے اور اللہ کے رسول تمہیں
تمہارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے، بس تمہیں
غم پر غم پہنچا^(۲) تاکہ تم فوت شدہ چیز پر غمگین نہ ہو اور
نہ پہنچنے والی (تکلیف) پر اداس ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے
تمام اعمال سے خبردار ہے۔ (۵۴)

ثُمَّ أُنْزِلَ عَلَيْهِ مِنَ الْقُرْآنِ آيَاتٌ لِّتُفَسِّحَ لَهُ
يَتَنَزَّلُ وَيُطَافِئَةً قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ
قُلْنَ أَجَابِلَهُنَّ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ
الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ

پھر اس نے اس غم کے بعد تم پر امن نازل فرمایا اور تم
میں سے ایک جماعت کو امن کی نیند آنے لگی۔^(۳) ہاں
کچھ وہ لوگ بھی تھے کہ انہیں اپنی جانوں کی پڑی ہوئی
تھی،^(۴) وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ناحق جہالت بھری
بدگمانیاں کر رہے تھے^(۵) اور کہتے تھے کیا میں بھی کسی چیز

اس کا نقشہ بیان کیا جا رہا ہے۔ تَضَعُونَ اِضْعَافَ سے ہے جس کے معنی اپنی رو بھاگے جانے یا وادی کی طرف چڑھے
جانے یا بھاگنے کے ہیں۔ (طبری)

(۱) نبی ﷺ اپنے چند ساتھیوں سمیت پیچھے رہ گئے اور مسلمانوں کو پکارتے رہے۔ «إِنِّي عِنَادَ اللَّهِ» یعنی
بندو! میری طرف لوٹ کر آؤ! اللہ کے بندو میری طرف لوٹ کر آؤ۔ لیکن سراسیمگی کے عالم میں یہ پکار کون سنتا؟
(۲) مَاَنْ لَكُمْ تمہاری کوتاہی کے بدلے میں تمہیں غم پر غم دیا عقاباً بمعنی عِقَاباً عَلَيْنِ عَيْنِ ابْنِ جَرِير اور ابن کثیر کے
اقتیاد کردہ راجح قول کے مطابق پسے غم سے مراد ہے مال غنیمت اور کفار پر فتح و ظفر سے محرومی کا غم اور دوسرے غم
سے مراد ہے مسلمانوں کی شہادت ان کے زخمی ہونے نبی ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی اور آپ ﷺ کی خبر شہادت
سے پہنچنے والا غم۔

(۳) یعنی یہ غم پر غم اس لیے دیا تاکہ تمہارے اندر شہادت برداشت کرنے کی قوت اور عزم و حوصلہ پیدا ہو۔ جب یہ
قوت اور حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر انسان کو فوت شدہ چیز پر غم اور پہنچنے والے شہادت پر ملال نہیں ہوتا۔

(۴) مذکورہ سراسیمگی کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر مسلمانوں پر اپنا فضل فرمایا اور میدان جنگ میں باقی رہ جانے والے
مسلمانوں پر اونگھ مسلط کر دی۔ یہ اونگھ اللہ کی طرف سے سکینت اور نصرت کی دلیل تھی۔ حضرت ابو طلحہؓ پہنچے فرماتے
ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جن پر احد کے دن اونگھ چھائی جا رہی تھی حتیٰ کہ میری تلوار کئی مرتبہ میرے ہاتھ
سے گری میں اسے پکڑتا، وہ پھر گر جاتی پھر پکڑتا اور پھر گر جاتی۔ (صحیح بخاری) لُتُاسَا اُتُتَةً سے بدس ہے۔ «كَفَّةً» واحد
اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے (فتح القدیر)

(۵) اس سے مراد منافقین ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں ان کو تو اپنی جانوں ہی کی فکر تھی۔

(۶) وہ یہ تھیں کہ نبی کریم ﷺ کا معاملہ باطل ہے، یہ جس دین کی دعوت دیتے ہیں اس کا مستقل مخدوش ہے، انہیں

لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ نَأْتَيْنَاهُمْنَ أَفْئَلًا لَّوَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ
لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبَيِّنَ
لَهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَيُخَيِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
بِهَذِهِ الْفُتُورِ ⑤

کا اختیار ہے؟^(۱) آپ کہہ دیجیے کہ کام کل کا کل اللہ کے
اختیار میں ہے،^(۲) یہ لوگ اپنے دلوں کے بھید آپ کو
نہیں بتاتے،^(۳) کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار
ہوتا تو یہاں قتل نہ کیے جاتے۔^(۴) آپ کہہ دیجیے کہ گو
تم اپنے گھروں میں ہوتے پھر بھی جن کی قسمت میں قتل
ہونا تھا وہ تو مقتل کی طرف چل کھڑے ہوتے،^(۵)
اللہ تعالیٰ کو تمہارے سینوں کے اندر کی چیز کا آزمانا اور
جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کو پاک کرنا تھا،^(۶)
اور اللہ تعالیٰ سینوں کے بھید سے آگاہ ہے۔^(۷) (۱۵۳)
تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ دکھائی جس دن
دونوں جماعتوں کی مذبحیڑ ہوئی تھی یہ لوگ اپنے بعض

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مَتْلَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجُنُودُ إِنَّا اسْتَرَكْهُمُ
الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ

اللہ کی مدد ہی حاصل نہیں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۱) جتنی کیا اب ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی فتح و نصرت کا امکان ہے؟ یا یہ کہ کیا ہماری بھی کوئی بات چل سکتی
ہے اور مانی جاسکتی ہے؟

(۲) تمہارے یا دشمن کے اختیار میں نہیں ہے، مدد بھی اسی کی طرف سے آئے گی اور کامیابی بھی اس کے حکم سے ہوگی
اور امر و نہی بھی اسی کا ہوگا۔

(۳) اپنے دلوں میں نفاق چھپائے ہوئے ہیں، ظاہر یہ کرتے ہیں کہ وہ رہنمائی کے طالب ہیں۔

(۴) یہ وہ آپس میں کہتے یا اپنے دل میں کہتے تھے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس قسم کی باتوں کا کیا فائدہ؟ موت تو ہر صورت میں آتی ہے اور اسی جگہ پر آتی ہے جہاں اللہ کی
طرف سے لکھ دی گئی ہے۔ اگر تم گھروں میں بیٹھے ہوتے اور تمہاری موت کسی مقتل میں لکھی ہوتی تو تمہیں قضا ضرور
وہاں پہنچ لے جاتی؟

(۶) یہ جو کچھ ہوا اس سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ تمہارے سینوں کے اندر جو کچھ ہے یعنی ایمان، اسے آزمائے (ماکہ
منافیٰ الگ ہو جائیں) اور پھر تمہارے دلوں کو شیطان و ساس سے پاک کر دے۔

(۷) یعنی اس کو تو علم ہے کہ محض مسلمان کون ہے اور نفاق کا بارہ کس نے اوڑھ رکھا ہے؟ جہاد کی متعدد حکمتوں میں
سے ایک حکمت یہ ہے کہ اس سے مومن اور منافق کھل کر سامنے آ جاتے ہیں جنہیں عام لوگ بھی پھر دیکھ اور پہچان
لیتے ہیں۔

اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۵۵﴾

کرتوتوں کے باعث شیطان کے پھسلانے میں آ گئے^(۱)
لیکن یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا^(۲) اللہ
تعالیٰ ہے بخشنے والا اور تحمل والا۔ (۱۵۵)

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں
نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے حق میں جب کہ وہ سفر
میں ہوں یا جماد میں ہوں، کہا کہ اگر یہ ہمارے پاس
ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے،^(۳) اس کی وجہ یہ
تھی کہ اس خیال کو اللہ تعالیٰ ان کی دلی حسرت کا سبب بنا
وے۔^(۴) اللہ تعالیٰ جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ
تمہارے عمل کو دیکھ رہا ہے۔ (۱۵۶)

قسم ہے اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کیجئے جاؤ یا اپنی
موت مرد تو بے شک اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت اس

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ كَمَا تَقَرُّوهُ وَقَالُوا
لَا خُوفَ عَلَيْنَا هَذَا هُوَ الَّذِي فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُرَىٰ لِّوَكَاةٍ
عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْزَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي
قُلُوبِهِمْ ۚ وَاللَّهُ يُبَيِّنُ ۖ وَاللَّهُ يَمَّا تَعْمَلُونَ
بَصِيرٌ ﴿۱۵۶﴾

وَلَيْنَ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَغَيْرِ ذَٰلِكُمْ
وَرَفَعْنَا خَيْرٌ مِنَّا لِيَجْمَعُونَ ﴿۱۵۷﴾

(۱) یعنی احد میں مسلمانوں سے جو نفرت اور کوتاہی ہوئی اس کی وجہ ان کی پچھلی بعض کمزوریاں تھیں جس کی وجہ سے
شیطان اس روز بھی انہیں پھسلانے میں کامیاب ہو گیا۔ جس طرح بعض سلف کا قول ہے کہ ”نیکی کا بدلہ یہ بھی ہے کہ
اس کے بعد مزید نیکی کی توفیق ملتی ہے اور برائی کا بدلہ یہ ہے کہ اس کے بعد مزید برائی کا راستہ کھلتا اور ہموار ہوتا ہے۔“
(۲) اللہ تعالیٰ صحابہؓ کی مغزشوں، ان کے نتائج اور حکمتوں کے بیان کے بعد پھر اپنی طرف سے ان کے معافی کا
اعلان فرما رہا ہے۔ جس سے ایک تو ان کا محبوب بارگاہ الہی ہو نا واضح ہے اور دوسرے عام مومنین کو تنبیہ ہے کہ ان
مومنین صادقین کو جب اللہ نے معاف فرمادیا ہے تو اب کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ انہیں ہدف ملامت یا تذکرہ تنقید
بنائے۔

(۳) اہل ایمان کو اس فساد عقیدہ سے روکا جا رہا ہے جس کے حامل کفار اور منافقین تھے کیونکہ یہ عقیدہ بزدلی کی بنیاد
ہے اس کے برعکس جب یہ عقیدہ ہو کہ موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے، نیز یہ کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے تو اس
سے انسان کے اندر عزم و حوصلہ اور اللہ کی راہ میں لڑنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

(۴) مذکورہ فساد عقیدہ دلی حسرت کا ہی سبب بنتا ہے کہ اگر وہ سفر یا میدان جنگ میں نہ جاتے بلکہ گھر میں ہی رہتے تو
موت کے آغوش میں جانے سے بچ جاتے۔ درآں حالیکہ موت تو مضبوط قلعوں کے اندر بھی آجاتی ہے، ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا مَا
تَلَّوْنَا يُدْرِكُهُ الْوَيْتُ وَهُوَ يُعْطِيهِ ۚ وَهُوَ غَافِلٌ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ النساء: ۷۸ ”تم جہاں کیس بھی ہو، موت تمہیں پائے گی اگرچہ تم
ہو مضبوط قلعوں میں۔“ اس لیے اس حسرت سے مسلمان ہی بچ سکتے ہیں جن کے عقیدے صحیح ہیں۔

وَلَيْسَ مِنْكُمْ أَوْ قَاتِلَكُمْ إِلَّا إِلَى اللَّهِ تُخْرَجُونَ ﴿٥٠﴾

۷۰۔ ہوتے ہیں۔ یہ جمع کر رہے ہیں۔^(۱۱) (۱۵۷)

بالحقیقہ خواہ تم مر جاؤ یا مار ڈالے جاؤ جمع تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہی کئے جاؤ گے۔ (۱۵۸)

فِيمَا رَحِمَهُ مِنَ الْوَلَدِ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ قَطًا عَليٰ قَلْبِ
لَا لِنَفْسِهِمْ مِنْ خِوَالِكٍ فَأَغْبَىٰ عَنْهُمْ وَأَتَّغَبُ لَهُمْ
وَشَاوَرَهُمْ فِي الْأَمْرِ فَأَذْأَعَرْتُمْ فَنَوَّكِلَ عَلَى الْوَلَدِ
اللَّهُ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿٥١﴾

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بد زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ ان سے درگزر کریں اور ان^(۲) کے لئے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں،^(۳) پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں،^(۴) بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے

(۱) موت تو ہر صورت میں آئی ہے لیکن اگر موت ایسی آئے کہ جس کے بعد انسان اللہ کی مغفرت و رحمت کا مستحق قرار پائے تو یہ دنیا کے مال و اسباب سے بہت بہتر ہے جس کے جمع کرنے میں انسان عمر کھپا دیتا ہے۔ اس لئے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے گریز نہیں اس میں رغبت اور شوق ہونا چاہئے کہ اس طرح رحمت و مغفرت الہی یقینی ہو جاتی ہے بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ہو۔

(۲) نبی ﷺ جو صاحب خلق عظیم تھے 'اللہ تعالیٰ اپنے اس پیغمبر پر ایک احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ آپ ﷺ کے اندر جو نرمی اور ملنسرت ہے یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی کا نتیجہ ہے اور یہ نرمی دعوت و تبلیغ کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اگر آپ ﷺ کے اندر یہ نہ ہوتی بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ تند خواہر سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے قریب ہونے کی بجائے 'آپ ﷺ سے دور بھاگتے۔ اس لئے آپ درگزر سے ہی کام لیتے رہیں۔

(۳) یعنی مسلمانوں کی طیب خاطر کے لئے مشورہ کر لیا کریں۔ اس آیت سے مشاورت کی اہمیت، افادیت اور اس کی ضرورت و مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ مشاورت کا یہ حکم بعض کے نزدیک وجوب کے لئے اور بعض کے نزدیک استحباب کے لئے ہے (ابن کثیر)۔ امام شوکانی لکھتے ہیں ”حکمرانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ علماء سے ایسے معاملات میں مشورہ کریں جن کا انہیں علم نہیں ہے۔ یا ان کے بارے میں انہیں اشکال ہیں۔ فوج کے سربراہوں سے فوجی معاملات میں، سربراہ آدرہ لوگوں سے عوام کے مصالح کے بارے میں اور ماتحت حکام و والیان سے ان کے علاقوں کی ضروریات و ترجیحات کے سلسلے میں مشورہ کریں“۔ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ ایسے حکمران کے وجوب عزل پر کوئی اختلاف نہیں ہے جو اہل علم و اہل دین سے مشورہ نہیں کرتا۔ یہ مشورہ صرف ان معاملات تک محدود ہو گا جن کی بابت شریعت خاموش ہے یا جن کا تعلق انتظامی امور سے ہے۔ (فتح القدیر)

(۳) یعنی مشاورت کے بعد جس پر آپ کی رائے پختہ ہو جائے پھر اللہ پر توکل کر کے اسے کر گزریے۔ اس سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ مشاورت کے بعد بھی آخری فیصلہ حکمران ہی کا ہو گا نہ کہ ارباب مشاورت، ان کی اکثریت کا جیسا

والوں سے محبت کرتا ہے۔ (۱۵۹)

اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ (۱۶۰)

ناممکن ہے کہ نبی سے خیانت ہو جائے^(۱) ہر خیانت کرنے والا خیانت کو لئے ہوئے قیامت کے دن حاضر ہوگا، پھر ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔ (۱۶۱)

کیا پس وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے درپے ہے اس شخص جیسا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی لے کر لوٹتا ہے؟ اور جس کی جگہ جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے۔ (۱۶۲)

اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے الگ الگ درجے ہیں اور ان کے تمام اعمال کو اللہ بخوبی دیکھ رہا ہے۔ (۱۶۳)

بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا^(۲) جو انہیں اس کی

لَنْ يَنْصُرَكُمْ اللَّهُ فَلَائِكَبَ لَكُمْ ذَلِكُمْ لَنْ يَخْدُكُمْ قَبْلَ ذَٰلِكَ
يَنْصُرُكُمْ تَبَعًا وَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

وَمَا كَانَ يَنْبَغِي أَنْ يَقُولَ وَمَنْ يَقُولُ يَأْتِ بِمَا نَعْلَمُ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ لَمْ تَوَلَّ كُلُّ نَفْسٍ نَفْسَهَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

أَفَمَنْ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ لَنْ يَأْخُذَ بِسَخَطٍ مِنَ اللَّهِ وَمَا لَهُ
جَهَنَّمُ أَوْ يَتَسَّ النَّصِيرُ ۝

هُمْ دَرَجَاتٍ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ بِصِعَتِهِمْ يَعْلَمُونَ ۝

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ
يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ

کہ جمہوریت میں ہے۔ دوسری یہ کہ سارا اعتماد توکل اللہ کی ذات پر ہو نہ کہ مشورہ دینے والوں کی عقل و فہم پر۔ اگلی آیت میں بھی توکل علی اللہ کی مزید تاکید ہے۔

(۱) جنگ احد کے دوران جو لوگ 'مورچہ چھوڑ کر مال غنیمت سمیٹنے دوڑ پڑے تھے ان کا خیال تھا کہ اگر ہم نہ چنچے تو سارا مال غنیمت دوسرے لوگ سمیٹ لے جائیں گے اس پر تنبیہ کی جارہی ہے کہ آخر تم نے یہ تصور کیسے کر لیا کہ اس مال میں سے تمہارا حصہ تم کو نہیں دیا جائے گا۔ کیا تمہیں قائد غزوہ محمد ﷺ کی امانت پر اطمینان نہیں۔ یاد رکھو کہ ایک پیغمبر سے کسی قسم کی خیانت کا صدور ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ خیانت 'نبوت کے متافی ہے۔ اگر نبی ہی خائن ہو تو پھر اس کی نبوت پر یقین کیوں کر کیا جاسکتا ہے؟ خیانت بہت بڑا گناہ ہے احادیث میں اس کی سخت مذمت آئی ہے۔

(۲) نبی کے بشر اور انسانوں میں سے ہی ہونے کو اللہ تعالیٰ ایک احسان کے طور پر بیان کر رہا ہے اور فی الواقع یہ احسان عظیم ہے کہ اس طرح ایک تو وہ اپنی قوم کی زبان اور لہجے میں ہی اللہ کا پیغام پہنچائے گا جسے سمجھتا ہر شخص کے لئے آسان

وَلَنْ تَنَالُوا مِنْ قَبْلِ لَيْلٍ ضَلِيلٌ مُبِينٌ ①

آیتیں پڑھ کر سنا تا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت^(۱) سکھاتا ہے 'یقیناً'^(۲) یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (۱۶۴)

(کیا بات ہے) کہ جب تمہیں ایک ایسی تکلیف پہنچی کہ تم اس جیسی دو چند پہنچا چکے^(۳) تو یہ کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آگئی؟ آپ کہہ دیجئے کہ یہ خود تمہاری طرف سے

أَوَلَمْ نَصَابِتْكُمْ مِصْبِيئَةً قَدْ أَصْبَحْتُمْ مِنْهَا قَلْتُمْ أَلَيْسَ هَذَا قَوْلَ مُؤْمِنٍ غِنَىٰ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ②

ہو گا۔ دوسرے 'لوگ ہم جنس ہونے کی وجہ سے اس سے مانوس اور اس کی قریب ہوں گے۔ تیسرے انسان کے لئے انسان' یعنی بشری پیروی تو ممکن ہے لیکن فرشتوں کی پیروی اس کے بس کی بات نہیں اور نہ فرشتہ انسان کے وجدان و شعور کی گمراہیوں اور باریکیوں کا ادراک کر سکتا ہے۔ اس لئے اگر بغیر فرشتوں میں سے ہوتے تو وہ ان ساری خوبیوں سے محروم ہوتے جو تبلیغ و دعوت کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ اس لئے جتنے بھی انبیاء آئے ہیں سب کے سب بشری تھے۔ قرآن نے ان کی بشریت کو خوب کھول کر بیان کیا ہے۔ مثلاً فرمایا ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ﴾ (ہوسف - ۱۰۴) "ہم نے آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے وہ مرد تھے جن پر ہم وحی کرتے تھے" ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنْذَرْنَاهُمْ أَنْظَارًا كَثِيرَةً وَنُفِثْنَاهُمْ فِي الْأَنْوَاقِ﴾ (سورۃ العنکبوت - ۲۰) "ہم نے آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے تھے"۔ اور خود نبی ﷺ کی زبان مبارک سے کسوا یا گیا ﴿قُلْ إِنَّمَا أُنْزِلَتْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رَبِّي﴾ (سورۃ حم السجدة - ۶) "آپ ﷺ کہہ دیجئے میں بھی تو تمہاری طرح صرف بشری ہوں ابنتہ مجھ پر وحی کا نزول ہوتا ہے"۔ آج بہت سے افراد اس چیز کو نہیں سمجھتے اور انحراف کا شکار ہیں۔

(۱) اس آیت میں نبوت کے تین اہم مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔ ۱- تلاوت آیات ۲- تزکیہ ۳- تعلیم کتاب و حکمت۔ تعلیم کتاب میں تلاوت از خود آجاتی ہے، تلاوت کے ساتھ ہی تعلیم ممکن ہے، تلاوت کے بغیر تعلیم کا تصور ہی نہیں۔ اس کے باوجود تلاوت کو الگ ایک مقصد کے طور پر ذکر کیا گیا ہے جس سے اس نکتے کی وضاحت مقصود ہے کہ تلاوت بجائے خود ایک مقدس اور نیک عمل ہے، چاہے پڑھنے والا اس کا مفہوم سمجھے یا نہ سمجھے۔ قرآن کے معانی و مطالب کو سمجھنے کی کوشش کرنا یقیناً ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ لیکن جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہو یا اتنی فہم و استعداد بہم نہ پہنچ جائے، تلاوت قرآن سے اعراض یا غفلت جائز نہیں۔ ترکیب سے مراد عقائد اور اعمال و اخلاق کی اصلاح ہے، جس طرح آپ ﷺ نے انہیں شرک سے ہٹا کر توحید پر لگایا اسی طرح نہایت بد اخلاق اور بد اطوار قوم کو اخلاق و کردار کی رفعتوں سے ہمکنار کر دیا، حکمت سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک حدیث ہے۔

(۲) یہ إِنْ مِثْقَلَةَ ذَرَّةٍ إِنْ هِيَ إِلَّا أَعْيُنُ عِبَادٍ (تحقیق 'یقیناً بلاشبہ') کے معنی ہیں۔

(۳) یعنی احد میں تمہارے ستر آدمی شہید ہوئے تو بدر میں تم نے ستر کافر قتل کئے تھے اور ستر قیدی بنائے تھے۔

وَمَا أَصَابَكُمْ نَوْمَ التَّلَقُّ الْجَمْعُ قَبْلَ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ وَلِيَعْلَمَ
الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٥﴾

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ تَأْتُوا أَتَوْا قَبْلَ أَنْ تَأْذَنَ اللَّهُ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ أَوْ أَذْنَعُوا قَالُوا لَوْ عَلِمُوا قَالُوا لَا تَبْعَنُكُمْ هُنَا لَكُمُ
يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِنْسَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ كَالْثِيَسِ
فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦﴾

الَّذِينَ قَالُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَقَعَدُوا أَلَا تَأْخُذُهُمْ مَا هُم بِفَاعِلُونَ

ہے،^(۱) بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۵)

اور تمہیں جو کچھ اس دن پہنچا جس دن دو جماعتوں میں
مٹ بھینز ہوئی تھی، وہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور اس
لئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہری طور پر جان
لے۔ (۱۶)

اور منافقوں کو بھی معلوم کر لے^(۲) جن سے کہا گیا کہ آؤ
اللہ کی راہ میں جہاد کرو یا کافروں کو ہٹاؤ تو وہ کہنے لگے
کہ اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور ساتھ دیتے^(۳) وہ
اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت قریب تھے^(۴)
اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں
نہیں^(۵) اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے
ہیں۔ (۱۷)

یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کی
بابت کہا کہ اگر وہ بھی ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کئے

(۱) یعنی تساری اس غلطی کی وجہ سے جو رسول اللہ ﷺ کے تاکید کی حکم کے باوجود پہاڑی مورچہ چھوڑ کر قمر نے کی
تھی۔ جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزری کہ اس غلطی کی وجہ سے کافروں کے ایک دستے کو اس درے سے دوبارہ حملہ
کرنے کا موقع مل گیا۔

(۲) یعنی احد میں تمہیں جو کچھ نقصان پہنچا وہ اللہ کے حکم سے ہی پہنچا ہے (تاکہ آئندہ تم اطاعت رسول کا مکمل اہتمام
کرو) علوہ ازیں اس کا ایک مقصد مومنین اور منافقین کو ایک دوسرے سے الگ اور ممتاز کرنا بھی تھا۔

(۳) لڑائی جاننے کا مطلب یہ ہے کہ اگر واقعی آپ لوگ لڑائی لڑنے چل رہے ہوتے تو ہم بھی ساتھ دیتے۔ مگر آپ تو
لڑائی کے بجائے اپنے آپ کو تباہی کے دہانے میں جمو سکتے جا رہے ہیں۔ ایسے غلط کام میں ہم کیوں آپ کا ساتھ دیں۔ یہ
عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے اس لئے کہا کہ ان کی بات نہیں مانی گئی تھی اور اس وقت کہا جب وہ مقام شوط پر
پہنچ کر واپس ہو رہے تھے اور عبداللہ بن حرام انصاری چہچہا انہیں سمجھا بھا کر شریک جنگ کرنے کی کوشش کر رہے
تھے۔ (قد رے تفصیل گزر چکی ہے)

(۴) اپنے نفاق اور ان باتوں کی وجہ سے جو انہوں نے کیں۔

(۵) یعنی زبان سے تو ظاہر کیا جو نہ کور ہوا لیکن دل میں یہ تھا کہ ہماری علیحدگی سے ایک تو مسلمانوں کے اندر بھی ضعف

قَادِرُونَ عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۰﴾

وَالَّذِينَ الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالٌ بَلْ أُعْيَا
عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿۱۱﴾

فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبِشِرُونَ بِالَّذِينَ لَهُ
يَلْقَوْنَ فِيهِمْ خُلَافَتُهُمْ الْأَخَوَفَ عَلَيْهِمْ وَالَّذِينَ يَمْزُقُونَ ﴿۱۲﴾

جاتے۔ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں سے
موت کو ہٹا دو۔^(۱۰) (۱۶۸)

جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں ان کو ہرگز
مردہ نہ سمجھیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کی پاس
روزیاں دیئے جاتے ہیں۔^(۱۱) (۱۶۹)

اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل جو انہیں دے رکھا ہے اس سے
بست خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں ان لوگوں کی
بابت جو اب تک ان سے نہیں ملے ان کے پیچھے
ہیں،^(۱۲) اس پر کہ انہیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ
غمگین ہوں گے۔ (۱۷۰)

پیدا ہو گا۔ دوسرے 'کافروں کو فائدہ ہو گا۔ مقصد اسلام' مسلمانوں اور نبی کریم ﷺ کو نقصان پہنچانا تھا۔

(۱) یہ منافقین کے اس قول کا رد ہے کہ "اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کئے جاتے" اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اگر تم
سچے ہو تو اپنے سے موت ٹال کر دکھاؤ" مطلب یہ ہے کہ تقدیر سے کسی کو مفر نہیں۔ موت بھی جہاں اور جیسے مقدر
ہے وہاں اور اسی صورت میں آکر رہے گی۔ اس لئے جہاد اور اللہ کی راہ میں لڑنے سے گریز و فرار یہ کسی کو موت کے
قلعے سے نہیں بچا سکتا۔

(۲) شہدا کی یہ زندگی حقیقی ہے یا مجازی، یقیناً حقیقی ہے لیکن اس کا شعور اہل دنیا کو نہیں (جیسا کہ قرآن نے وضاحت کر
دی ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ بقرۃ آیت نمبر ۱۵۴) پھر اس زندگی کا مطلب کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں قبروں میں ان کی رو میں
لوٹا دی جاتی ہیں اور وہاں اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جنت کے پھولوں کی خوشبو انہیں
انہیں آتی ہے جن سے ان کے مشام جان معطر رہتے ہیں۔ لیکن حدیث سے ایک تیسری شکل معلوم ہوتی ہے اس لئے
وہی صحیح ہے وہ یہ کہ ان کی رو میں سبز پردوں کے جوف یا سینوں میں داخل کر دی جاتی ہیں اور وہ جنت میں کھاتی پھرتی
اور اسکی نعمتوں سے متمتع ہوتی ہیں (فتح القدیر بحوالہ صحیح مسلم کتاب البارۃ)

(۳) یعنی وہ اہل اسلام جو ان کے پیچھے دنیا میں زندہ ہیں یا معروف جہاد ہیں ان کی بابت وہ خواہش کرتے ہیں کہ کاش وہ
بھی شہادت سے ہمکنار ہو کر یہاں ہم جیسی پر لطف زندگی حاصل کریں۔ شہدائے احد نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا
کہ ہمارے وہ مسلمان بھائی جو دنیا میں زندہ ہیں انہیں ہمارے حالات اور پر مسرت زندگی سے کوئی مطلع کرنے والا ہے؟
تاکہ وہ جنگ و جہاد سے اعراض نہ کریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "میں تمہاری یہ بات ان تک پہنچا دیتا ہوں" اسی سلسلے میں
اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ (مسند احمد ۱ / ۳۶۵-۳۶۶ سنن ابی داؤد کتاب الجہاد) علاوہ ازیں متعدد احادیث

يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلٍ ۚ وَاللَّهُ لَا يُغَيِّرُ أَمْرَ
الْمُؤْمِنِينَ ۝

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِقَوْلِ الرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ
الْقَرْحُ ۚ وَالَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَالْقَوْمَ الْأَعَزَّ بَطِينًا ۝

وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس
سے بھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر کو برباد نہیں
کرتا۔^(۱) (۱۷۱)

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو قبول کیا اس کے
بعد کہ انہیں پورے زخم لگ چکے تھے ان میں سے
جنہوں نے نیکی کی اور پرہیزگاری برتی ان کے لئے بہت
زیادہ اجر ہے۔^(۲) (۱۷۲)

سے شہادت کی فضیلت ثابت ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں فرمایا: مَا مِنْ نَفْسٍ تَمُوتُ، لَهَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ، بِسُرْعَةٍ أَوْ
تَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا بِمَقْتَلٍ مَرَّةٍ أُخْرَىٰ لِمَا يَزِي مِنْ فَضْلِ شَهَادَةٍ
(مسند احمد ۱۲۹۰۳، صحیح مسلم، کتاب الإہارۃ، باب فضل الشہادۃ) ”کوئی مرنے والی جان جس کو اللہ کے ہاں اچھا
مقام حاصل ہے دنیا میں ہونا پسند نہیں کرتی۔ البتہ شہید دنیا میں دوبارہ آنا پسند کرتا ہے تاکہ وہ دوبارہ اللہ کی راہ میں قتل
کیا جائے۔ یہ آرزو وہ اس لیے کرتا ہے کہ شہادت کی فضیلت کا وہ مشاہدہ کر لیتا ہے۔“ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ مجھ
سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تجھے معبود ہے کہ اللہ نے تیرے باپ کو زندہ کیا اور اس سے کہا کہ مجھ سے اپنی کسی
آرزو کا اظہار کر (تاکہ میں اسے پورا کر دوں) تیرے باپ نے جواب دیا کہ میری تو صرف یہی آرزو ہے کہ مجھے دوبارہ
دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ دوبارہ تیری راہ میں مارا جاؤں اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ تو ممکن نہیں ہے اس لیے کہ میرا فیصلہ
ہے کہ یہاں آنے کے بعد کوئی دنیا میں واپس نہیں جاسکتا۔

(۱) یہ استبشار پہلے استبشار کی تاکید اور اس بات کا بیان ہے کہ ان کی خوشی محض خوف و حزن کے فقدان کی ہی وجہ سے
نہیں بلکہ اللہ کی نعمتوں اور اس کے بے پایاں فضل و کرم کی وجہ سے بھی ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے پہلی خوشی کا
تعلق دنیا میں رہ جانے والے بھائیوں کی وجہ سے اور یہ دوسری خوشی اس انعام و اکرام کی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی
طرف سے خود ان پر ہوا۔ (فتح القدیر)

(۲) جب مشرکین جنگ احد سے واپس ہوئے تو راستے میں انہیں خیال آیا کہ ہم نے تو ایک نہایت سنہری موقع ضائع کر
دیا۔ مسلمان شکست خوردگی کی وجہ سے بے حوصلہ اور خوف زدہ تھے۔ ہمیں اس سے فائدہ اٹھا کر مدینہ پر بھرپور حملہ کر
دینا چاہئے تھا تاکہ اسلام کا یہ پودا اپنی سرزمین (مدینہ) سے ہی نیست و نابود ہو جائے۔ اور مدینہ پہنچ کر نبی کریم ﷺ کو
بھی اندیشہ ہوا کہ شاید وہ پھر پلٹ آئیں لہذا آپ ﷺ نے صحابہ کو لڑنے کے لئے آمادہ کیا آپ ﷺ کے کہنے پر صحابہ
باوجود اس بات کے کہ وہ اپنے متحملین و مجروحین کی وجہ سے دل گرفتہ اور محزون و مغموم تھے تیار ہو گئے۔ مسلمانوں کا
یہ قافلہ جب مدینہ سے ۸ میل کے فاصلے پر واقع ”حراء الاسد“ پر پہنچا تو مشرکین کو خوف محسوس ہوا۔ چنانچہ ان کا ارادہ
بدل گیا اور وہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کے بجائے مکہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء بھی

ہے۔ (۱۷۸)

جس حال پر تم ہو اسی پر اللہ ایمان والوں کو نہ چھوڑ دے گا جب تک کہ پاک اور ناپاک کو الگ الگ نہ کر دے،^(۱) اور نہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ تمہیں غیب سے آگاہ کر دے،^(۲) بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کا چاہے انتخاب کر لیتا ہے،^(۳) اس لئے تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو، اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ کرو تو تمہارے لئے بڑا بھاری اجر ہے۔ (۱۷۹)

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَكُنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ دُسُسِهِم مَّنْ يَشَاءُ ۚ فَأَعِزُّوهُ بِاللَّهِ وَبِأَسْمِهِ ۚ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ ۚ أَوْ تَنَفَّوْا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

(۱) اس لئے اللہ تعالیٰ امتلا کی بجلی سے ضرور گزارتا ہے تاکہ اس کے دوست واضح اور دشمن ذلیل ہو جائیں۔ مومن صابر، منافق سے الگ ہو جائے جس طرح احد میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو آزمایا جس سے ان کے ایمان، صبر و ثبات اور جذبہ اطاعت کا اظہار ہوا اور منافقین نے اپنے اوپر جو نفاق کا پردہ ڈال رکھا تھا وہ بے نقاب ہو گیا۔
(۲) یعنی اگر اللہ تعالیٰ اس طرح امتلا کے ذریعے سے لوگوں کے حالات اور ان کے ظاہر و باطن کو نمایاں نہ کرے تو تمہارے پاس کوئی غیب کا علم تو ہے نہیں کہ جس سے تم پر یہ چیزیں منکشف ہو جائیں اور تم جان سکو کہ کون منافق ہے اور کون مومن خالص؟

(۳) ہاں اب اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کا علم عطا فرماتا ہے جس سے بعض دفعہ ان پر منافقین کا اور ان کے حالات اور ان کی سازشوں کا راز فاش ہو جاتا ہے۔ یعنی یہ بھی کسی کسی وقت اور کسی کسی نبی پر ہی ظاہر کیا جاتا ہے۔ ورنہ عام طور پر نبی بھی (جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے) منافقین کے اندرونی نفاق اور ان کے مکر و کید سے بے خبر رہتا ہے (جس طرح کہ سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۹ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اعراب اور اہل مدینہ میں جو منافق ہیں اے پیغمبر! آپ ﷺ ان کو نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں) اس کا دوسرا مضمون یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غیب کا علم ہم صرف اپنے رسولوں کو ہی عطا کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کی منصبی ضرورت ہے۔ اس وحی الہی اور امور غیبیہ کے ذریعے سے ہی وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور اپنے کو اللہ کا رسول ثابت کرتے ہیں؟ اس مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان کیا گیا ہے ﴿عَلَّمَ الْغَيْبَ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۚ إِلَّا مَن ارَادَ مِن قَبْلِ اللَّهِ ۚ﴾

(الحج ۲۰۱، ۲۰۲) ”عالم الغیب (اللہ تعالیٰ ہے) اور وہ اپنے غیب سے پسندیدہ رسولوں کو ہی خبردار کرتا ہے“ ظاہر بات ہے یہ امور غیبیہ وہی ہوتے ہیں جن کا تعلق منصب و قرائض رسالت کی ادائیگی سے ہوتا ہے نہ کہ مآکان و مآینوں جو کچھ ہو چکا اور آئندہ قیامت تک جو ہونے والا ہے ”کا علم۔ جیسا کہ بعض اہل باطل اس طرح کا علم غیب انبیاء عہم اسلام کے لئے اور کچھ اپنے ”اُمہ معصومین“ کے لئے باور کراتے ہیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنشَأَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ وَاللَّهُ يَمُنُّ بِمَا وَعَدَ النَّاسَ ۚ وَاللَّهُ يَمُنُّ بِمَا وَعَدَ النَّاسَ ۚ

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَعِيرٌ وَهُوَ غَنِيٌّ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ مَا قَالُوا وَمَثَلُهُمُ الْإِنْسِيَاءُ يَمِينُ عَقْبٍ ۖ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْعَرِيقِ ۖ

ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ آيَاتِنَا ۚ إِنَّ اللَّهَ قَبِيضٌ ۚ يَفْظِلُ الْغَنِيِّ ۚ

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَمَدُ الْإِيمَانِ لَا تَمُوتُ ۚ يُرْسِلُ حَلِيًّا يَأْتِيَنَا بَقَرَاتٍ تَأْكُلُ الْقَارِءَ ۚ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ

جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لئے بہتر خیال نہ کریں بلکہ وہ ان کے لئے نہایت بدتر ہے، غنقریب قیامت والے دن یہ اپنی کنجوسی کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے، آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ ہی کے لئے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ آگاہ ہے۔ (۱۸۰)

یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قوت بھی سنا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم تو مگر ہیں، ان کے اس قول کو ہم لکھ میں گے۔ اور ان کا انبیاء کو بلا وجہ قتل کرنا بھی، اور ہم ان سے کہیں گے کہ چلے واما عذاب چکھو۔ (۱۸۱)

یہ تمہارے پیش کردہ اعمال کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ (۱۸۲)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ کسی رسول کو نہ مانیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جائے۔ آپ کہہ دیجئے

(۱) اس میں اس بخیل کا بیان کیا گیا ہے جو اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا، حتیٰ کہ اس میں سے فرض زکوٰۃ بھی نہیں نکالتا۔ صحیح بخاری کی حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اس کے مال کو ایک زہرہ اور نہایت خوفناک سانپ بنا کر طوق کی طرح اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا، وہ سانپ اس کی بانٹیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تمہارا مال ہوں، میں تمہارا خزانہ ہوں۔ مَنْ أَنَاءَ اللَّهُ مَالًا فَلَمْ يُؤْذِرْكَ نَهُ، مَثِيلٌ لَهُ شَحَابًا أَفْرَعًا، لَنْ رَبِّتَابًا، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر باب تفسیر آل عمران، کتاب الزکوٰۃ۔ حدیث صحیح ۳۵۱۵

(۲) جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا ۞ مَنْ دَانَ إِلَى يَوْمِ قِيَامَتِهِ فَرَقًا ۚ حَتَّىٰ ۞ (البقرة ۳۳۵) "کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے" تو یہود نے کہا اے محمد (ﷺ) تمہارا رب فقیر ہو گیا ہے کہ اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (ابن کثیر)

(۳) یعنی مذکورہ قول جس میں اللہ کی شان میں گستاخی ہے اور اسی طرح ان کے (اسلاف) کا انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنا، ان کے یہ سارے جرائم اللہ کی بارگاہ میں درج ہیں، جن پر وہ جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے۔

مَنْ قَبْلُ يَأْتِيَنِي وَيَأْتِيَنِي فَلَئِنْ قُلْتُمْ قَوْلَهُمْ
لَنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ مِنْ قَبْلِكَ جَاءُوكَ
بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۝

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أَجُورَكُمْ
يَوْمَ الْحِسَابِ ۚ فَمَنْ رُحِزَ عَنِ النَّارِ وَأُذِيَ
الْجَنَّةُ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا
إِلَّا لَمَتَاعٌ الْعِزُّورِ ۝

کہ اگر تم سچے ہو تو مجھ سے پہلے تمہارے پاس جو رسول
دیگر معجزوں کے ساتھ یہ بھی لائے جسے تم کہہ رہے ہو تو
پھر تم نے انہیں کیوں مار ڈالا؟ (۱۸۳)

پھر بھی اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بھی
بست سے وہ رسول جھٹلائے گئے ہیں جو روشن دلیلیں
مجھنے اور منور کتاب لے کر آئے۔ (۱۸۳)

ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم
اپنے بدلے پورے پورے دیئے جاؤ گے پس جو شخص
آگ سے ہٹا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے
بے شک وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو صرف
دھوکے کی جص^(۱) ہے۔ (۱۸۵)

(۱) اس میں یہودی کی ایک اور بات کی تکذیب کی جا رہی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ تم
صرف اس رسول کو ماننا جس کی دعا پر آسمان سے آگ آئے اور قربانی و صدقات کو جلا ڈالے۔ مطلب یہ تھا کہ اے محمد
(ﷺ) آپ کے ذریعے سے اس معجزے کا چونکہ صدور نہیں ہوا۔ اس لئے بحکم الہی آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان نہ
ہمارے لئے ضروری نہیں ہے حالانکہ پہلے نبیوں میں ایسے نبی بھی آئے کہ جن کی دعا سے آسمان سے آگ آتی اور اہل
ایمان کے صدقات اور قربانیوں کو کھا جاتی۔ جو ایک طرف اس بات کی دلیل ہوتی کہ اللہ کی راہ میں پیش کردہ صدقہ یا
قربانی بارگاہ الہی میں قبول ہو گئی۔ دوسری طرف اس بات کی دلیل ہوتی کہ یہ نبی برحق ہے۔ لیکن ان یہودیوں نے ان
نبیوں اور رسولوں کی بھی تکذیب ہی کی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو پھر تم نے
ایسے پیغمبروں کو کیوں جھٹلایا اور انہیں قتل کیا جو تمہاری طلب کردہ نشانی ہی لے کر آئے تھے“

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کی ان کٹ جھیوں سے بددست نہ
ہوں۔ ایسا معاملہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں کیا جا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آنے
والے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو چکا ہے۔

(۳) اس آیت میں ایک تو اس اہل حقیقت کا بیان ہے کہ موت سے کسی کو مفر نہیں۔ دوسرا یہ کہ دنیا میں جس نے
اچھایا برا جو کچھ کیا ہو گا اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تیسرا کامیابی کا معیار بتلایا گیا ہے کہ کامیاب اصل میں
وہ ہے جس نے دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کر لیا جس کے نتیجے میں وہ جہنم سے دور اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔
چوتھا یہ کہ دنیا کی زندگی سامان فریب ہے جو اس سے دامن بچا کر نکل گیا وہ خوش نصیب اور جو اس کے فریب میں
پھنس گیا وہ ناکام و نامراد ہے۔

لَتَجْزِيَنَّهُمْ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَعْلَمَنَّ
مِنَ الَّذِيْنَ اَوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ذٰلِكَ مِمَّا
اَشْرَكُوْا اَذٰى كَثِيْرًا وَاَنْ تَصِيْرُوْا تَشْعُوْنَ فَاَنْ
ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

وَ اِذَا خَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اَوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهُ
لِلنَّاسِ وَاَلَّا تَكُنُوْا كَفَّةً وَّ ذٰلِكَ مِمَّا ظَهَرَ مِنْهُ

یقیناً تمہارے مالوں اور جانوں سے تمہاری آزمائش کی
جائے گی^(۱) اور یہ بھی یقین ہے کہ تمہیں ان لوگوں کی جو تم
سے پہلے کتاب دیئے گئے اور مشرکوں کی بہت سی دکھ دینے
والی باتیں بھی سننی پڑیں گی اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری
اختیار کرو تو یقیناً یہ بہت بڑی بہت کام ہے۔^(۲) (۱۸۶)

اور اللہ تعالیٰ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے
سب لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے
نہیں، تو پھر بھی ان لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے

(۱) اہل ایمان کو ان کے ایمان کے مطابق آزمانے کا بیان ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۵۵ میں گزر چکا ہے۔ اس
آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ بھی آتا ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے ابھی اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا اور جنگ
بدر بھی نہیں ہوئی تھی کہ نبی ﷺ حضرت سعد بن عبادۃ بن جحش کی عیادت کے لئے بنی حارث بن خزرج میں تشریف لے
گئے۔ راستے میں ایک مجلس میں مشرکین، یہود اور عبداللہ بن ابی وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کی سواری سے جو
گرد اٹھی اس نے اس پر بھی ناگواری کا اظہار کیا اور آپ ﷺ نے انہیں ٹھہر کر قبول اسلام کی دعوت بھی دی جس پر
عبداللہ بن ابی نے گستاخانہ کلمات بھی کہے۔ وہاں بعض مسلمان بھی تھے انہوں نے اس کے برعکس آپ ﷺ کی
حمین فرمائی، قریب تھا کہ ان کے مابین جھگڑا ہو جائے، آپ ﷺ نے ان سب کو خاموش کرایا۔ پھر آپ ﷺ حضرت
سعد بن جحش کے پاس پہنچے تو انہیں بھی یہ واقعہ سنایا جس پر انہوں نے فرمایا کہ عبداللہ بن ابی یہ باتیں اس لئے کرتا ہے کہ
آپ ﷺ کے مدینہ آنے سے قبل یہاں کے باشندگان کو اس کی تاج پوشی کرنی تھی، آپ ﷺ کے آنے سے اس کی
سرکاری کا یہ حسین خواب اوجھڑا رہ گیا جس کا اسے سخت صدمہ ہے اور اس کی یہ باتیں اس کے اس بغض و عناد کا منظر
ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ درگزر ہی سے کام لیں۔ (اصحیح البخاری کتاب العفسیر منہ معصنا)

(۲) اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہ نبی ﷺ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مختلف انداز سے طعن و تشنیع
کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح مشرکین عرب کا حال تھا۔ علاوہ ازیں مدینہ میں آنے کے بعد منافقین بالخصوص ان کا رئیس
عبداللہ بن ابی بھی آپ ﷺ کی شان میں استخفاف کرتا رہتا تھا۔ آپ کے مدینہ آنے سے قبل اہل مدینہ اپنا سردار
بنانے لگے تھے اور اس کے سر پر تاج سیادت رکھنے کی تیاری کھل ہو چکی تھی کہ آپ ﷺ کے آنے سے اس کا یہ سارا
خواب بکھر کر رہ گیا، جس کا اسے شدید صدمہ تھا چنانچہ انتقام کے طور پر بھی یہ شخص آپ کے خلاف سب و شتم کا کوئی
موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا (جیسا کہ صحیح بخاری کے حوالے سے اس کی ضروری تفصیل گزشتہ حاشیہ میں ہی بیان
کی گئی ہے) ان حالات میں مسلمانوں کو غم و درگزر اور صبر اور تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ جس سے

وَأَشْرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبُخْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿١٠﴾

لَا تَحْتَسِبُ الَّذِينَ يَفَرُّ حُوتَ بِمَآ أَتَوُا بِهِمْ يَبْتَغُونَ أَنْ يُنْفِذُوا بِمَآ لَهُمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسِبْنَهُمْ مُّعَاذَ مِنَ الْعَذَابِ ۖ وَأَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١﴾

وَيَذَلُّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٢﴾

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْخِلَافِ الْبَيْنِ وَالْمُعَادِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٣﴾

ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا۔ ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے۔ (۱۸۷)

وہ لوگ جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انہوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریفیں کی جائیں آپ انہیں عذاب سے چھٹکارا میں نہ سمجھئے ان کے لئے تو دردناک عذاب ہے۔ (۱۸۸)

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۸۹)

آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ (۱۹۰)

معلوم ہوا کہ داعیان حق کا اذیتوں اور مشکلات سے دوچار ہونا اس راہ حق کے ناگزیر مرحلوں میں سے ہے اور اس کا علاج صبر فی اللہ، استعانت باللہ اور رجوع الی اللہ کے سوا کچھ نہیں (ابن کثیر)

(۱) اس میں اہل کتاب کو زبردستی کی جارہی ہے کہ ان سے اللہ نے یہ عہد لیا تھا کہ کتاب الہی (تورات اور انجیل) میں جو باتیں درج ہیں اور آخری نبی کی جو صفات ہیں انہیں لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور انہیں چھپائیں گے نہیں۔ لیکن ان لوگوں نے دنیا کے تھوڑے سے مفادات کے لئے اللہ کے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا۔ یہ گویا اہل علم کو تلقین و تنبیہ ہے کہ ان کے ہاں جو علم نافع ہے جس سے لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح ہو سکتی ہو وہ لوگوں تک ضرور پہنچانا چاہئے اور دنیوی اغراض و مفادات کی خاطر ان کو چھپانا بہت بڑا جرم ہے۔ قیامت والے دن ایسے لوگوں کو آگ کی لگام پسنائی جائے گی (مکافی الحدیث)

(۲) اس میں ایسے لوگوں کے لئے سخت وعید ہے جو صرف اپنے واقعی کارناموں پر ہی خوش نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ ان کے کھاتے میں وہ کارنامے بھی درج یا ظاہر کئے جائیں جو انہوں نے نہیں کئے ہوتے۔ یہ بیماری جس طرح عہد رسالت کے بعض لوگوں میں تھی جن کے پیش نظر آیات کا نزول ہوا۔ اسی طرح آج بھی جاہ پسند قسم کے لوگوں اور پروپیگنڈے اور دیگر ہتھکنڈوں کے ذریعے سے بننے والے لیڈروں میں یہ بیماری عام ہے۔ أَعَادَنَا اللَّهُ مِنَهُ

آیت کے سبق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودی کتاب الہی میں تحریف و کتمان کے مجرم تھے مگر وہ اپنے ان کرتوتوں پر خوش ہوتے تھے یہی حال آج کے باطل گردہوں کا بھی ہے وہ بھی لوگوں کو گمراہ کر کے غلط رہنمائی کر کے اور آیات الہی میں معنوی تحریف و تلبیس کر کے بڑے خوش ہوتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اہل حق ہیں اور یہ کہ ان کے دہل و فریب کاری کی انہیں داودی جائے۔ فَأَنذَهُمُ اللَّهُ أَنَّهُ يُؤَذِّكُونُ

(۳) یعنی جو لوگ زمین و آسمان کی تخلیق اور کائنات کے دیگر اسرار و رموز پر غور کرتے ہیں انہیں کائنات کے خالق

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقَعُودًا وَعَلَىٰ بُيُوتِهِمْ
وَيَتَذَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا
خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَنَكَ قَوْمًا عَذَابُ النَّارِ ۝

رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تَدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَمْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ
مِنْ أَنْصَارٍ ۝

جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کمریوں پر لیٹے
ہوئے کرتے ہیں اور آسمانوں و زمین کی پیدائش میں
غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار!
تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا تو پاک ہے پس ہمیں آگ
کے عذاب سے بچالے۔^(۱۹۷)

اے ہمارے پالنے والے! تو جسے جہنم میں ڈالے یقیناً تو
نے اسے رسوا کیا اور ظالموں کا مددگار کوئی نہیں۔ (۱۹۷)

اور اس کے اصل فرمانروا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اتنی طویل و عریض کائنات کا یہ لگا بندھ
نظام جس میں ذرا خلل واقع نہیں ہوتا یقیناً اس کے پیچھے ایک ذات ہے جو اسے چلا رہی اور اس کی تدبیر کر رہی ہے
اور وہ ہے اللہ کی ذات۔ آگے انہی اہل دانش کی صفات کا تذکرہ ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے اور کمریوں پر لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر
کرتے ہیں۔۔۔ حدیث میں آتا ہے کہ اِنْ مِنْ خَلْقِ السَّمَوَاتِ سے لے کر آخر سورت تک یہ آیات نبی کریم ﷺ
رات کو جب تہجد کے لئے اٹھتے تو پڑھتے اور اس کے بعد وضو کرتے (صحیح بخاری کتاب التفسیر - صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ
المسافرین و تہجد باب الدعاء فی صلوٰۃ اللیل و قیامہ)

(۱) ان دس آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی قدرت و طاقت کی چند نشانیاں بیان فرمادی ہیں اور
فرمایا ہے کہ یہ نشانیاں ضرور ہیں لیکن کن کے لیے؟ اہل عقل و دانش کے لئے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس عجائبات تخلیق
اور قدرت الہیہ کو دیکھ کر بھی جس شخص کو باری تعالیٰ کا عرفان حاصل نہ ہو وہ اہل دانش ہی نہیں۔ لیکن یہ الہیہ بھی بڑا
عجیب ہے کہ عالم اسلام میں "دانش ور" سمجھا ہی اس کو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں تشکیک کا شکار ہو۔ دُعا اللہ
وَبَارِئُ الْإِنِّ بِرَجْعُونَ دوسری آیت میں اہل دانش کے ذوق ذکر الہی اور ان کا آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرنے کا
بیان ہے۔ جیسا کہ حدیث میں بھی آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا "کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اگر کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے
تو بیٹھ کر اور بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتے تو کھڑے کے بل لیٹے لیٹے ہی نماز پڑھ لو" (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ) ایسے لوگ جو
ہر وقت اللہ کو یاد کرتے اور رکھتے ہیں اور آسمان و زمین کی تخلیق اور اس کی حکمتوں پر غور کرتے ہیں جن سے خالق
کائنات کی عظمت و قدرت اس کا علم و اختیار اور اس کی رحمت و ربوبیت کی صحیح معرفت انہیں حاصل ہوتی ہے تو وہ
بے اختیار پکار اٹھتے ہیں کہ رب کائنات نے یہ کائنات یوں ہی بے مقصد نہیں بنائی ہے بلکہ اس سے مقصد بندوں کا
امتحان ہے۔ جو امتحان میں کامیاب ہو گیا اس کے لئے ابد الابد تک جنت کی نعمتیں ہیں اور جو ناکام ہوا اس کے لئے
عذاب نار ہے۔ اس لئے وہ عذاب نار سے بچنے کی دعا بھی کرتے ہیں۔ اس کے بعد دہلی تین آیات میں بھی مغفرت اور
قیامت کے دن کی رسوائی سے بچنے کی دعائیں ہیں۔

رَبَّنَا إِنَّا أَسْمِعْنَا مُنَادِيًا يَدْعُو إِلَى الْإِيمَانِ
أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا قَدْ قَرَّبْنَا قُلُوبَنَا وَكُنَّا
وَكُفْرًا عَنْ سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿١٠﴾

رَبَّنَا وَابْتَلْنَا نَا وَعَدْنَا عَلَى رُسُلِنَا وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ
إِنَّكَ لَا تَخْلِفُ الْهِمَامَ ﴿١١﴾

فَأَسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّ زَكَاةً جُيئةَ عَمَلٍ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِمَّنْ
ذَكَرُوا أَنَّنِي بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَأَلَّيْنِ هَاجِرُوا
وَأَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَادُّوا فِي سَبِيلِنَا وَفَقِلُوا
لَا كُفْرَانَ عَنْهُمْ سَبِيلًا لَهُمْ وَلَدَجْنَهُمْ جَدَّتْ عُجْرِي
مِنْ عُجْمَتِ الْأَنْهَارِ تَوَاتَوْا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَ اللَّهُ
عِنْدَ فَخْشِ الثَّوَابِ ﴿١٢﴾

اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ منادی کرنے والا بلا آواز
بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ ہوگا! اپنے رب پر ایمان
لاؤ! پس ہم ایمان لائے۔ یا الہی! اب تو ہمارے گناہ
معاف فرما اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے اور
ہماری موت نیکیوں کے ساتھ کر۔ (۱۰-۱۱)

اے ہمارے پالنے والے مجبور! ہمیں وہ دے جس کا
وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے اور
ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر! یقیناً تو وعدہ خدائی نہیں
کرتا۔ (۱۲)

پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی (۱) کہ تم میں
سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا
عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا، (۲) تم آپس میں ایک
دوسرے کے ہم جنس ہو، (۳) اس لئے وہ لوگ جنہوں
نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور
جنہیں میری راہ میں ایذا دی گئی اور جنہوں نے جہاد کیا
اور شہید کئے گئے، میں ضرور ضرور ان کی برائیاں ان
سے دور کر دوں گا اور بالیقین انہیں ان جنتوں میں لے

(۱) فَأَسْتَجَابَ یہاں أحاب یعنی "قبول فرمائی" کے معنی میں ہے (فتح القدیر)

(۲) مرد ہو یا عورت کی وضاحت اس لئے کر دی کہ اسلام نے بعض معاملات میں مرد اور عورت کے درمیان ان کے
ایک دوسرے سے مختلف فطری اوصاف کی بنا پر جو فرق کیا ہے۔ مثلاً قوامیت و حاکمیت میں، کسب معاش کی ذمہ داری
میں، جہاد میں حصہ لینے میں اور وراثت میں نصف حصہ ملنے میں۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ نیک اعمال کی جزائیں بھی
شہید مرد و عورت کے درمیان کچھ فرق کیا جائے گا۔ نہیں ایسا نہیں ہو گا بلکہ ہر نیکی کا جو اجر ایک مرد کو ملے گا وہ نیکی اگر
ایک عورت کرے گی تو اس کو بھی وہی اجر ملے گا۔

(۳) یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کا مقصد پچھلے نکتے کی ہی وضاحت ہے یعنی اجر و اطاعت میں تم مرد اور عورت ایک ہی
ہو یعنی ایک جیسے ہی ہو۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ
تعالیٰ نے ہجرت کے سلسلے میں عورتوں کا نام نہیں لیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر طبری، ابن کثیر و فتح القدیر)

جاؤں گا جن کے نیچے سرس بس رہی ہیں، یہ ہے ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔ (۱۹۵)

تجھے کافروں کا شروں میں چنا پھرنا فریب میں نہ ڈال دے،^(۱) (۱۹۶)

یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے،^(۲) اس کے بعد ان کا ٹھکانہ تو جہنم ہے اور وہ پری جگہ ہے۔ (۱۹۷)

لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے سرس جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ مسمانی ہے اللہ کی طرف سے اور نیک کاروں کے لئے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر ہے۔^(۳) (۱۹۸)

لَا يَغْرِبُكَ قَلْبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْهَلَاكِ ۝

مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَا لَهُمْ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

يَكُنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَسْأَلُونَ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّذَلِكَ ۝

(۱) خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب پوری امت ہے شروں میں چلے پھرنے سے مراد تجارت و کاروبار کے لئے ایک شر سے دوسرے شر یا ایک ملک سے دوسرے ملک جانا ہے۔ یہ تجارتی سفر و سائل دنیا کی فراوانی اور کاروبار کے وسعت و فروغ کی دلیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، یہ سب کچھ عارضی اور چند روزہ فائدہ ہے، اس سے اہل ایمان کو دھوکہ میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ اصل انجام پر نظر رکھنی چاہئے، جو ایمان سے محرومی کی صورت میں جہنم کا دائمی عذاب ہے جس میں دولت دنیا سے مالا مال یہ کافر مبتلا ہوں گے۔ یہ مضمون اور بھی متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً ﴿مَنْ يَبْذُلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَبْذُلْهُ اللَّهُ لَمْ يَكُنْ لَكَ قَلْبٌ وَلَا يَكُنْ لَكَ قَلْبٌ﴾ (سورۃ المؤمن - ۳) ”اللہ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں، پس ان کا شروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے۔“ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لَا يُفْلِحُونَ﴾ متاع فی الدنیا ثلثا لیسما صرحتہ (سورۃ یونس - ۶۹، ۷۰) ﴿سَيُعَذِّبُهُمْ فَلْيُصْطَلِحُوا إِلَىٰ صَدَاقٍ فَلْيَلْبِذْ﴾ (سورۃ لقمان - ۲۴)

(۲) یعنی یہ دنیا کے وسائل، آسائشیں اور سہولتیں بظاہر کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، درحقیقت متاع قلیل ہی ہیں۔ کیونکہ بالآخر انہیں فنا ہونا ہے اور ان کے بھی فنا ہونے سے پہلے وہ حضرات خود فنا ہو جائیں گے، جو ان کے حصول کی کوششوں میں اللہ کو بھی فراموش کئے رکھتے ہیں اور ہر قسم کے اخلاقی ضابطوں اور اللہ کی حدود کو بھی پاؤں کرتے ہیں۔ (۳) ان کے برعکس جو تقویٰ اور خدا خوفی کی زندگی گزار کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ گو دنیا میں ان کے پاس خدا فراموشوں کی طرح دولت کے انبار اور رزق کی فراوانی نہ رہی ہوگی، مگر وہ اللہ کے مہمان ہوں گے جو تمام کائنات کا

وَأَنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ
وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خَيْرٌ مِنْهُ لَا تَشْعُرُونَ بِأَيْتِ اللَّهِ
تَسْمَاعِيلًا وَلَهُمْ نِعَمٌ عِندَ رَبِّهِمْ إِنَّ اللَّهَ
سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

یقیناً اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر
ایمان لاساتے ہیں اور تمہاری طرف جو اتارا گیا ہے اور ان
کی جانب جو نازل ہوا اس پر بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے
ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر
بیچتے بھی نہیں، ^(۱) ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے،
یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ (۱۹۹)

بِأَيْتِهَا كَذِبُوا أَمْ تَلْهَوْنَ أَصْبِرُوا عَلَىٰ مَا يَأْتِيكُمُ اللَّهُ
وَأَطِيعُوا أَمْرًا وَاحِدًا وَاتَّقُوا اللَّهَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۲۰﴾

اے ایمان والو! تم ثابت قدم رہو ^(۲) اور ایک دوسرے
کو تھامے رکھو اور جہاد کے لئے تیار رہو اور اللہ تعالیٰ
سے ڈرتے رہو تاکہ تم مراد کو پہنچو۔ (۲۰۰)

خالق و مالک ہے اور وہاں ان اہل ایمان (نیک لوگوں) کو جو اجر و صلہ ملے گا، وہ اس سے بہت بہتر ہو گا جو دنیا میں کافروں کو
عارضی طور پر ملتا ہے۔

(۱) اس آیت میں اہل کتاب کے اس گروہ کا ذکر ہے۔ جسے رسول کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا شرف حاصل
ہوا۔ ان کے ایمان اور ایمانی صفات کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوسرے اہل کتاب سے ممتاز کر دیا، جن کا مشن
ہی اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا، آیات الہی میں تحریف و تبلیغ کرنا اور دین کے عارضی در
فانی مفادات کے لئے کتمان علم کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ مومنین اہل کتاب ایسے نہیں ہیں، بلکہ یہ اللہ سے ڈرنے
والے ہیں۔ اللہ کی آیتوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچنے والے نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو عہد و مشرک و نبوی
اغراض کے لئے آیت الہی میں تحریف یا ان کے مفہوم کے بیان میں دجل و تبلیغ سے کام لیتے ہیں، وہ ایمان و تقویٰ
سے محروم ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ آیت میں جن مومنین اہل کتاب کا ذکر ہے، یہود میں سے اس کی تعداد دس
تک بھی نہیں پہنچتی البتہ عیسائی بڑی تعداد میں مسلمان ہوئے اور انہوں نے دین حق کو اپنایا۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۲) صبر کرو یعنی طاعت کے اختیار کرنے اور شہوات و لذات کے ترک کرنے میں اپنے نفس کو مضبوط اور ثابت قدم
رکھو۔ مُصَابِرَةٌ (صابر) جنگ کی شدتوں میں دشمن کے مقابلے میں ڈنٹے رہنا، یہ صبر کی سخت ترین صورت ہے۔ اس
لئے اسے علیحدہ بیان فرمایا۔ زابطہ امیدان جنگ یا محاذ جنگ میں مورچہ بند ہو کر ہمہ وقت چوکنا اور جہاد کے لئے تیار رہنا
مربطہ ہے یہ بھی بڑے عزم و حوصلہ کا کام ہے اسی لئے حدیث میں اس کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے
"رِبَاطُ يَوْمٍ مِثْلُ سِتِّينَ سَنَةٍ" (صحیح بخاری) باب فضل رباط یوم فی سبیل اللہ "اللہ کے راستے
(جہاد) میں ایک دن پڑاؤ ڈالنا۔ (یعنی مورچہ بند ہونا) دنیا و مافیہا سے بہتر ہے" علاوہ ازیں حدیث میں مکارہ (یعنی
ناگواری کے حالات میں) کھل و وضو کرنے، مسجدوں میں زیادہ دور سے چل کر جانے اور نماز کے بعد دوسری نماز کے
انتظار کرنے کو بھی رباط کہا گیا ہے۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الصلوة)۔

سُورَةُ النِّسَاءِ

سورۂ نساء معنی ہے اور اس میں ایک سو پچھتر آیات اور چوبیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ ذَقِيبًا ۝١

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا^(۱) اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ٹاٹے توڑنے سے بھی بچو^(۲) بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔ (۱)

نساء کے معنی ہیں ”عورتیں“ اس سورت میں عورتوں کے بہت سے اہم مسائل کا تذکرہ ہے۔ اس لئے اسے سورۂ نساء کہا جاتا ہے۔

(۱) ”ایک جان“ سے مراد ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں بننا سے وہی ”جان“ یعنی آدم علیہ السلام مراد ہیں یعنی آدم علیہ السلام سے ان کی زوج (بیوی) حضرت حوا کو پیدا کیا۔ حضرت حوا حضرت آدم علیہ السلام سے کس طرح پیدا ہوئیں اس میں اختلاف ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قول مروی ہے کہ حضرت حوا مرد (یعنی آدم علیہ السلام) سے پیدا ہوئیں۔ یعنی ان کی بائیں ہڈی سے۔ ایک حدیث میں کہا گیا ہے۔ **إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ صَلْبِ وَإِنْ أَخْرَجَ شَيْءٌ فِي الصَّنْعِ أَغْلَاءُ** (صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، صحیح مسلم، کتاب الرضاع) کہ ”عورت ہڈی سے پیدا کی گئی ہے اور ہڈی میں سب سے نیچرھا حصہ“ اس کا بالائی حصہ ہے۔ مگر تو اسے سیدھا کرنا چاہیے تو توڑ بیٹھے گا اور اگر تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو کبھی کے ساتھ ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔“ بعض علمائے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول رائے کی تائید کی ہے۔ قرآن کے الفاظ حَقَّقَ مِنْهَا سے اسی موقف کی تائید ہوتی ہے حضرت حوا کی تخلیق اسی نفس واحدہ سے ہوئی ہے جسے آدم کہا جاتا ہے۔

(۲) وَالْأَرْحَامَ کا عطف اللہ پر ہے یعنی رحموں (رشتوں، ناطوں) کو توڑنے سے بھی بچو اَرْحَامَ، رَجَمَ کی جمع ہے مراد رشتے واریاں ہیں جو رحم مادر کی بنیاد پر ہی قائم ہوتی ہیں۔ اس سے محرم اور غیر محرم دونوں رشتے مراد ہیں رشتوں، ناطوں کا توڑنا سخت کبیرہ گناہ ہے جسے قطع رحمی کہتے ہیں۔ احادیث میں قرابت واریوں کو ہر صورت میں قائم رکھنے، ور ان کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تاکید اور نفیلت بیان کی گئی ہے جسے صلہ رحمی کہا جاتا ہے۔

وَالَّذِي يَشْتَرِي أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ
وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ
خُوبًا كَثِيرًا ۝

وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلظَّالِمِينَ عَلَى الْمُتَّقِينَ فَاكِهُوًا
مَّا ظَابَّ لَكُمْ مِنْ نِسَاءٍ مِثْلُ وَثَنٍ
وَرُبَّهٖ ۚ فَإِنْ يَجْعَلَ إِلَّا أَنْفُسَكُمْ أَفَرَأَيْتُمْ
أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ آدَنُ الْأَعْمَالِ ۝

اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور پاک اور حلال چیز
کے بدلے ناپاک اور حرام چیز نہ ہو اور اپنے مالوں کے
ساتھ ان کے مال ملا کر کھانا جاؤ بے شک یہ بہت بڑا گناہ
ہے۔^(۱) (۲)

اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم
انصاف نہ رکھ سکو گے تو اور عورتوں میں سے جو بھی
تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کرو دو دو تین تین
چار چار سے لیکن اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف
ہو تو ایک ہی کافی ہے یا تمہاری ملکیت کی بونڈی^(۲) یہ
زیادہ قریب ہے کہ (ایسا کرنے سے ناانصافی اور) ایک

(۱) یتیم جب بالغ اور باشعور ہو جائیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دو۔ خبیث سے گھنیا چیزیں اور طیب سے عمدہ چیزیں مرد ہیں
یعنی ایسا نہ کرو کہ ان کے مال سے اچھی چیزیں لے لو اور محض گنتی پوری کرنے کے لئے گھنیا چیزیں ان کے بدلے میں رکھ دو۔
ان گھنیا چیزوں کو خبیث (ناپاک) اور عمدہ چیزوں کو طیب (پاک) سے تعبیر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس طرح بد نہ کیا جائے
جو اگرچہ اصل میں تو طیب (پاک اور حلال) ہے لیکن تمہاری اس بددیانتی نے اس میں خبیث داخل کر دی اور وہ اب طیب
نہیں رہا بلکہ تمہارے حق میں وہ خبیث (ناپاک اور حرام) ہو گیا۔ اسی طرح بددیانتی سے ان کا مال اپنے مال میں ملا کر کھانا بھی
ممنوع ہے ورنہ اگر مقصد خیر خواہی ہو تو ان کے مال کو اپنے مال میں ملانا جائز ہے۔

(۲) اس کی تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح مروی ہے کہ صاحب حیثیت اور صاحب جمال یتیم لڑکی کسی
ولی کے زیر پرورش ہوتی تو وہ اس کے مال اور حسن و جمال کی وجہ سے اس سے شادی تو کر لیتا لیکن اس کو دوسری
عورتوں کی طرح پورا حق مہر نہ دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظلم سے روکا کہ اگر تم گھر کی یتیم بچیوں کے ساتھ نصف نہیں
کر سکتے تو تم ان سے نکاح ہی مت کرو تمہارے لئے دوسری عورتوں سے نکاح کرنے کا راستہ کھلے ہے (صحیح بخاری)
کتاب التفسیر بلکہ ایک کے بجائے دو سے تین سے حتیٰ کہ چار عورتوں تک سے تم نکاح کر سکتے ہو بشرطیکہ ان کے
درمیان انصاف کے تقاضے پورے کر سکو۔ ورنہ ایک سے ہی نکاح کر دیا اس کے بجائے لونڈی پر گزارا کرو۔ اس آیت
سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان مرد (اگر وہ ضرورت مند ہے) تو چار عورتیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔
لیکن اس سے زیادہ نہیں جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کی مزید صراحت اور تحدید کر دی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے
جو چار سے زائد شادیاں کیں وہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہے جس پر کسی امتی کے لئے عمل کرنا
جائز نہیں۔ (ابن کثیر)

طرف جھک پڑنے سے بچ جاؤ۔^(۱) (۳)

اور عورتوں کو ان کے سر راضی خوشی دے دو، ہاں اگر وہ خود اپنی خوشی سے کچھ مرچھوڑ دیں تو اسے شوق سے خوش ہو کر کھالو۔ (۴)

بے عقل لوگوں کو اپنا مال نہ دے دو، جس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے، ہاں انہیں اس مال سے کھلاؤ، پلاؤ، پہناؤ اور کھاؤ اور انہیں معقولیت سے نرم بات کہو۔ (۵)

اور یتیموں کو ان کے بالغ ہو جانے تک سدھارتے اور آزماتے رہو پھر اگر ان میں تم ہو شیاری اور حسن تدبیر پاؤ تو انہیں ان کے مال سوئپ دو اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کر دو، مال داروں کو چاہئے کہ (ان کے مال سے) بچتے رہیں، ہاں مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق واجبی طور سے کھالے، پھر جب انہیں ان کے مال سوئپ تو گواہ بنا لو، دراصل حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔^(۲) (۶)

وَالْوَالِدَاتُ لِلْبَنَاتِ نِصْلَهُنَّ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَبْنَاءُ وَلِلْبَنَاتِ نِصْلَهُنَّ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَبْنَاءُ وَلِلْبَنَاتِ نِصْلَهُنَّ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَبْنَاءُ

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَمًا وَادْرَؤهُم بِهَا وَاکْنُؤْهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝

وَابْتَغُوا الْيَتِيمَ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ نُشُودًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۚ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِالنَّاسِ حَسِبًا ۝

(۱) یعنی ایک ہی عورت سے شادی کرنا کافی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی صورت میں انصاف کا اہتمام بہت مشکل ہے جس کی طرف قلبی میلان زیادہ ہو گا، ضروریات زندگی کی فراہمی میں زیادہ توجہ بھی اسی کی طرف ہو گی۔ یوں بیویوں کے درمیان وہ انصاف کرنے میں ناکام رہے گا اور اللہ کے ہاں مجرم قرار پائے گا۔ قرآن نے اس حقیقت کو دوسرے مقام پر نہایت بلیقانہ انداز میں اس طرح بیان فرمایا ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ تَوَّعَدْتُمْ فَلَا تَبْلِغُوا إِلَى الْمَيْمَنِ مَقْتَدِرُوهَا كَالْمُعْقَوَاتِ﴾ اسودۃ النساء ۱۲۹ ”اور تم ہرگز اس بات کی طاقت نہ رکھو گے کہ بیویوں کے درمیان انصاف کر سکو“ اگرچہ تم اس کا اہتمام کرو۔ (اس لئے اتنا تو کرو) کہ ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسری بیویوں کو بیچ ادھر میں لٹکا رکھو۔“ اس سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ شادی کرنا اور بیویوں کے ساتھ انصاف نہ کرنا نامناسب اور نہایت خطرناک ہے۔

(۲) یتیموں کے ماں کے بارے میں ضروری ہدایات دینے کے بعد یہ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک یتیم کا مال

لِلَّذِينَ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ
وَالنِّسَاءُ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ
مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ، نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ
وَالْمَسْكِينُ فَأُولُو الْقُرْبَىٰ مِنْهُمْ وَهُوَ مِنْهُمْ
قَوْلًا مَّفْرُوضًا ۝

وَالْيَتَامَىٰ الَّذِينَ تَوَرَّكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّتُهُ

ماں باپ اور خویش و اقارب کے ترکہ میں مردوں کا حصہ
بھی ہے اور عورتوں کا بھی۔ (جو ماں باپ اور خویش و
اقارب چھوڑ کر مرے) خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ (اس میں)
حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔^(۱) (۷)

اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور مسکین
آجائیں تو تم اس میں سے چھوڑا ہوا حصہ انہیں بھی دے دو
اور ان سے نرمی سے بولو۔^(۲) (۸)

اور چاہئے کہ وہ اس بات سے ڈریں کہ اگر وہ خود اپنے
بچے (نعمے) یا تو اس بچے چھوڑ جاتے جن کے ضائع ہو

تمہارے پاس رہا، تم نے اس کی کس طرح حفاظت کی اور جب مال ان کے سپرد کیا تو اس میں کوئی کمی بیشی یا کسی قسم کی
تبدیلی کی یا نہیں؟ عام لوگوں کو تو تمہاری امانت داری یا خیانت کا شاید پتہ نہ چلے۔ لیکن اللہ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ
یقیناً جب تم اس کی بارگاہ میں جاؤ گے تو تم سے حساب لے گا۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ یہ بہت ذمہ داری کا کام
ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”ابوذر! میں تمہیں ضعیف دیکھتا ہوں اور تمہارے لئے وہی چیز پسند کرتا
ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں“ تم دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بنانا کہ کسی یتیم کے مال کا دلی اور سرپرست“ (صحیح مسلم،
کتاب الإمارة)

(۱) اسلام سے قبل ایک یہ ظلم بھی روا رکھا جاتا تھا کہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا اور
صرف بڑے لڑکے جو لڑنے کے قابل ہوتے سارے مال کے وارث قرار پاتے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ
مردوں کی طرح عورتیں اور بچے بچیاں اپنے والدین اور اقارب کے مال میں حصہ دار ہوں گی، انہیں محروم نہیں کیا
جائے گا۔ تاہم یہ الگ بات ہے کہ لڑکی کا حصہ لڑکے کے حصے سے نصف ہے (جیسا کہ ۴ آیات کے بعد مذکور ہے) یہ
عورت پر ظلم نہیں ہے نہ اس کا استخفاف ہے بلکہ اسلام کا یہ قانون میراث عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق
ہے۔ کیونکہ عورت کو اسلام نے معاش کی ذمہ داری سے فارغ رکھا ہے اور مرد کو اس کا کفیل بنایا ہے۔ عدوہ ازہیں
عورت کے پاس مہر کی صورت میں مال آتا ہے جو ایک مرد ہی اسے ادا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے عورت کے مقابلے میں مرد
پر کئی گنا زیادہ مالی ذمہ داریاں ہیں۔ اس لئے اگر عورت کا حصہ نصف کے بجائے مرد کے برابر ہوتا تو یہ مرد پر ظلم ہوتا۔
لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی پر بھی ظلم نہیں کیا ہے کیونکہ وہ عادل بھی ہے اور حکیم بھی۔

(۲) اسے بعض علماء نے آیت میراث سے منسوخ قرار دیا ہے لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ ایک بہت ہی اہم
اخلاقی ہدایت ہے۔ کہ امداد کے مستحق رشتے داروں میں سے جو لوگ وراثت میں حصہ دار نہ ہوں انہیں بھی تقسیم کے وقت
کچھ دے دو۔ نیز ان سے بات بھی پیار و محبت کے انداز میں کرو۔ دولت کو آتے ہوئے دیکھ کر قارون و فرعون نہ بنو۔

يُضْعَفُ خَاسِرًا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ
وَلْيَعْلُوا قَوْلًا سَابِقًا ①

إِنَّ الْكَافِرِينَ يَكُونُونَ أَمْوَالَ الْمُتَّقِينَ ظِلْمًا إِنَّهُمْ
يَكُونُونَ فِي بُطُونِهِمْ ثَمَرًا وَيَصْطَلُونَ سَجِيرًا ②

يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي ذُلِّكُمْ وَلَازِكُمْ مِثْلَ حَظِّ الْأَشْيَاءِ وَإِنْ كُنْ
نِسَاءً فَمَوْقُ الْأَنْثَرَيْنِ فَكُلْنَ مِنْ ثَمَرِهِمَا تَرْلًا وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا
الرِّضْفُ وَلَا تَبْوِيهُنَّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الشُّدُسَ وَمِنْ ثَمَرِهِمَا

جانے کا اندیشہ رہتا ہے، (تو ان کی چاہت کیا ہوتی) پس
اللہ تعالیٰ سے ڈر کر چچی تلی بات کما کریں۔ (۹)
جو لوگ ناحق ظلم سے قیہوں کا مال کھا جاتے ہیں، وہ اپنے
پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں
جائیں گے۔ (۱۰)

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے
کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے (۱۱) اور اگر
صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال
مترکہ کا دو تہائی ملے گا۔ (۱۲) اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو

(۱) بعض مفسرین کے نزدیک اس کے مخاطب اوصیا ہیں (جن کو وصیت کی جاتی ہے) ان کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ ان
کے زیر کفالت جو یتیم ہیں ان کے ساتھ وہ ایسا سلوک کریں جو وہ اپنے بچوں کے ساتھ اپنے مرنے کے بعد کیا جانا پسند
کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کے مخاطب عام لوگ ہیں کہ وہ قیہوں اور دیگر چھوٹے بچوں کے ساتھ اچھا سلوک
کریں، قطع نظر اس کے کہ وہ ان کی زیر کفالت ہیں یا نہیں بعض کے نزدیک اس کے مخاطب وہ ہیں جو قریب امرگ کے
پاس بیٹھے ہوں، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ مرنے والے کو اچھی باتیں سمجھائیں تاکہ وہ نہ حق اللہ میں کوتاہی کر سکے نہ
حقوق بنی آدم میں اور وصیت میں وہ ان دونوں باتوں کو ملحوظ رکھے۔ اگر وہ خوب صاحب حیثیت ہے تو ایک تہائی مال کی
وصیت ایسے لوگوں کے حق میں ضرور کرے جو اس کے قریبی رشتہ داروں میں غریب اور مستحق امداد ہیں یا پھر کسی دینی
مقصد اور ادارے پر خرچ کرنے کی وصیت کرے تاکہ یہ مال اس کے لئے زاد آخرت بن جائے اور اگر وہ صاحب
حیثیت نہیں ہے تو اسے تہائی مال میں وصیت کرنے سے روکا جائے تاکہ اس کے اہل خانہ بعد میں مفلسی اور احتیاج
سے دوچار نہ ہوں۔ اسی طرح کوئی اپنے ورثہ کو محروم کرنا چاہے تو اس سے اس کو منع کیا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ
اگر ان کے بعد ان کے بچے فہر وفاقہ سے دوچار ہو جائیں تو اس کے تصور سے ان پر کیا گزرے گی۔ اس تفصیل سے
مذکورہ سارے ہی مخاطبین اس کا مصداق ہیں۔ (تفسیر قرطبی و فتح القدیر)

(۲) اس کی حکمت اور اس کا معنی بر عدل و انصاف ہونا ہم واضح کر آئے ہیں۔ ورثہ میں لڑکی اور لڑکے دونوں ہوں تو پھر
اس اصول کے مطابق تقسیم ہوگی۔ لڑکے چھوٹے ہوں یا بڑے، اسی طرح لڑکیاں چھوٹی ہوں یا بڑی سب وارث ہوں
گی۔ حتیٰ کہ جنس (مال کے پیٹ میں زیر پرورش بچہ) بھی وارث ہو گا۔ البتہ کافر اولاد وارث نہ ہوگی۔

(۳) یعنی بیٹا کوئی نہ ہو تو مال کا دو تہائی (یعنی کل مال کے تین حصے کر کے دو حصے) دو سے زائد لڑکیوں کو دیئے جائیں گے
اور اگر صرف دو ہی لڑکیاں ہوں، تب بھی انہیں دو تہائی حصہ ہی دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ سعد بن

كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ كُنْ يَتْنُ لَهُ وَلَدٌ وَوَصَّيَّةُ أَبَوَيْهِ فَلْيَتَّخِذْهُ
 فَإِنْ كَانَ لَهَا أَخَوَاتٌ فَلْيَتَّخِذْهُنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِ
 يُؤْتِيَهُنَّ بِمَا أَوْصَى (بِأَوْكُوهُ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَاتَنَدِرُونَّ أَنْتُمْ أَقْرَبُ
 لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةٌ مِنَ اللَّهِ فَإِنْ اللَّهُ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ⑤

اس کے لئے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ میں سے ہر
 ایک کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ
 ہے، اگر اس (میت) کی اولاد ہو^(۱) اور اگر اولاد نہ ہو اور
 ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لئے تیسرا
 حصہ ہے،^(۲) ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر
 اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔^(۳) یہ حصے اس وصیت (کی

ربیع الثانی) میں شہید ہو گئے اور ان کی دو لڑکیاں تھیں۔ مگر سعد کے سارے مال پر ان کے ایک بھائی نے قبضہ کر لیا تو
 نبی ﷺ نے ان دونوں لڑکیوں کو ان کے چچا سے دو ٹکٹ مال دلوا دیا (ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، کتاب الفرائض)۔ عداوہ
 ازہر سورۃ نساء کے آخر میں بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی مرنے والے کی وارث صرف دو بہنیں ہوں تو ان کے لئے بھی دو
 تہائی حصہ ہے لہذا جب دو بہنیں دو تہائی مال کی وارث ہوں گی تو دو بیٹیاں بطریق اولیٰ دو تہائی مال کی وارث ہوں گی جس
 طرح دو بہنوں سے زیادہ ہونے کی صورت میں انہیں دو سے زیادہ بیٹیوں کے حکم میں رکھا گیا ہے (فتح القدیر)۔ خدا ص
 مطلب یہ ہوا کہ دو یا دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو دونوں صورتوں میں مال متروکہ سے دو تہائی لڑکیوں کا حصہ ہو گا۔ باقی
 مال عصبہ میں تقسیم ہو گا۔

(۱) ماں باپ کے حصے کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ یہ پہلی صورت ہے کہ مرنے والے کی اگر اور بھی ہو تو مرنے
 والے کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ایک ایک سدس ملے گا یعنی باقی دو تہائی مال اولاد پر تقسیم ہو جائے گا البتہ اگر
 مرنے والے کی اولاد میں صرف ایک بیٹی ہو تو اس میں سے چونکہ صرف نصف مال (یعنی چھ حصوں میں سے ۳ حصے) بیٹی
 کے ہوں گے اور ایک سدس (چھٹا حصہ) ماں کو اور ایک سدس باپ کو دینے کے بعد مزید ایک سدس باقی بچ جائے گا اس
 لئے بچنے والا یہ سدس بطور عصبہ باپ کے حصہ میں جائے گا یعنی اس صورت میں باپ کو دو سدس ملیں گے، ایک باپ
 کی حیثیت سے دوسرے عصبہ ہونے کی حیثیت سے۔

(۲) یہ دوسری صورت ہے کہ مرنے والے کی اولاد نہیں ہے (یا در ہے کہ پوتا پوتی بھی اولاد میں اجماعاً شامل ہیں) اس صورت
 میں ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے اور باقی دو حصے (جو ماں کے حصے میں دو گنا ہیں) باپ کو بطور عصبہ ملیں گے اور اگر ماں باپ کے
 ساتھ مرنے والے مرد کی بیوی یا مرنے والی عورت کا شوہر بھی زندہ ہے تو راجح قول کے مطابق بیوی یا شوہر کا حصہ (جس کی
 تفصیل آ رہی ہے) نکال کر باقی ماندہ مال میں سے ماں کے لئے ٹکٹ (تیسرا حصہ) اور باقی باپ کے لئے ہو گا۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ مرنے والے کے بھائی بہن زندہ ہیں۔ وہ بھائی چاہے گئے (یعنی انہوں
 یعنی ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہوں۔ یا باپ ایک ہو، مائیں مختلف ہوں یعنی علاقائی بھائی بہن ہوں یا ماں ایک ہو، باپ
 مختلف ہوں یعنی اخیانی بھائی بہن ہوں۔ اگرچہ یہ بھائی بہن میت کے باپ کی موجودگی میں وراثت کے حق دار نہیں ہوں
 گے۔ لیکن ماں کے لئے جب (نقصان کا سبب) بن جائیں گے یعنی جب ایک سے زیادہ ہوں گے تو ماں کے ٹکٹ

تکمیل) کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد، تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے،^(۱) یہ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں بے شک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے۔ (۱۱)

تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مرس اور ان کی اولاد نہ ہو تو آدموں آدھ تمہارا ہے اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے مال میں سے تمہارے لیے چوتھائی حصہ ہے۔^(۲) اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد۔ اور جو (ترک) تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کے لیے چوتھائی ہے، اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انہیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا،^(۳) اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔ اور جن کی میراث مل جاتی ہے وہ مرد یا عورت کلالہ ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمُ اللَّائِي لَمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لهنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِنَّ يُوصِيْنَ بِهِنَّ وَذِيْنَ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكَنَّ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّلُثُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِنَّ يُوصُون بِهِنَّ أَوْ ذِيْنَ وَلَهُنَّ وَلَدٌ كَانَ رَجُلٌ يُورِثُ كَهْلَةً أَوْ امْرَأَةً وَلَهُ أَرْوَاغٌ فَإِنْ أَتَتْهَا فَلِكُلٍّ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا الشُّلُوسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنَ بَعْدِ وَصِيَّتِهِ يُوْصِيْنَ بِهِنَّ أَوْ ذِيْنَ عَمِيْرُ مَضَلَّةٍ وَصِيَّتُهُ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿۱۱﴾

(تیسرے حصے) کو سمدس (چھپے حصے) میں تبدیل کر دیں گے۔ باقی سارا مال (۶/۵) باپ کے حصہ میں چلا جائے گا۔ بشرطیکہ کوئی اور وارث نہ ہو۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک دو بھائیوں کا بھی وہی حکم ہے جو دو سے زیادہ بھائیوں کا مذکور ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک بھائی یا بہن ہو تو اس صورت میں مال میں ماں کا حصہ ثلث پر قرار رہے گا۔ وہ سمدس میں تبدیل نہیں ہو گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۱) اس لئے تم اپنی سمجھ کے مطابق وراثت تقسیم مت کرو بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق جس کا بھت حصہ مقرر کر دیا گیا ہے وہ ان کو دو۔

(۲) اولاد کی عدم موجودگی میں بیٹے کی اولاد یعنی پوتے بھی اولاد کے حکم میں ہیں، اس پر امت کے علما کا اجماع ہے (فتح القدیر وابن کثیر) اسی طرح مرنے والے شوہر کی اولاد خواہ اس کی وارث ہونے والی موجودہ بیوی سے ہو یا کسی اور بیوی سے۔ اسی طرح مرنے والی عورت کی اولاد اس کے وارث ہونے والے موجودہ خاوند سے ہو یا پہلے کے کسی خاوند سے۔

(۳) بیوی اگر ایک ہوگی تب بھی اسے چوتھا یا آٹھواں حصہ ملے گا۔ اگر زیادہ ہوں گی تب بھی یہی حصہ ان کے درمیان

ہو،^(۱) اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو^(۲) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک تمائی میں سب شریک ہیں،^(۳) اس وصیت کے بعد جو کی جائے اور قرض کے بعد^(۴) جب کہ اوروں

تقسیم ہو گا، ایک ایک کو چوتھائی یا آٹھواں حصہ نہیں ملے گا، یہ بھی اجماعی مسئلہ ہے (فتح القدیر)

(۱) کلام سے مراد وہ میت ہے جس کا باپ ہو نہ بیٹا۔ یہ اکیلے سے مشتق ہے۔ اکیلے کی چیز کو کہتے ہیں جو کہ سر کو اس کے اطراف (کناروں) سے گھیر لے۔ کلام کو بھی کلام اس لئے کہتے ہیں کہ اصول و فروع کے اعتبار سے تو اس کا وارث نہ بنے لیکن اطراف و جوانب سے وارث قرار پا جائے (فتح القدیر و ابن کثیر) اور کہا جاتا ہے کہ کلام کل سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تھک جانا۔ گویا اس شخص تک پہنچتے پہنچتے سلسلہ نسل و نسب تھک گیا اور آگے نہ چل سکا۔

(۲) اس سے مراد اخیانی بہن بھائی ہیں جن کی ماں ایک ہو باپ الگ الگ کیونکہ معنی بھائی بہن یا علاتی بہن بھائی کا حصہ میراث اس طرح نہیں ہے اور اس کا بیان اسی سورت کے اخیر میں آ رہا ہے اور یہ مسئلہ بھی اجماعی ہے (فتح القدیر) اور دراصل نسل کے لئے مرد و زن ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِهَتِهِمْ﴾ کا قانون چلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیٹے بیٹیوں کے لئے اس جگہ اور بہن بھائیوں کے لئے آخری آیت نساء میں ہر دو جگہ یہی قانون ہے البتہ صرف ماں کی اولاد میں چونکہ نسل کا حصہ نہیں ہوتا اس لئے وہاں ہر ایک کو برابر کا حصہ دیا جاتا ہے۔ بہر حال ایک بھائی یا ایک بہن کی صورت میں ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

(۳) ایک سے زیادہ ہونے کی صورت میں یہ سب ایک تمائی حصے میں شریک ہوں گے۔ نیز ان میں مذکر اور مؤنث کے اعتبار سے بھی فرق نہیں کیا جائے گا۔ بلا تفریق سب کو مساوی حصہ ملے گا، مرد ہو یا عورت۔

ملفوظ: ماں زاد یعنی اخیانی بھائی بعض احکام میں دوسرے وارثوں سے مختلف ہیں۔ ۱۔ یہ صرف اپنی ماں کی وجہ سے وارث ہوتے ہیں۔ ۲۔ ان کے مرد اور عورت حصے میں مساوی ہوں گے۔ ۳۔ یہ اس وقت وارث ہوں گے جب کہ میت کلام ہو۔ پس باپ دادا بیٹا اور پوتے وغیرہ کی موجودگی میں یہ وارث نہیں ہوں گے۔ ۴۔ ان کے مرد و عورت کتنے بھی زیادہ ہوں، ان کا حصہ ثلث (ایک تمائی) سے زیادہ نہیں ہو گا اور جیسا کہ اوپر کہا گیا ان کو اپنے مرنے والے اخیانی بھائی سے جو مال ملے گا اس میں مرد اور عورت کا حصہ برابر ہو گا یہ نہیں کہ مرد کو عورت سے دو گنا دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں یہی فیصلہ کیا تھا اور امام ذہری فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ یقیناً اس وقت ہی کیا ہو گا جب ان کے پاس نبی ﷺ کی کوئی حدیث ہوگی۔ (ابن کثیر)

(۴) میراث کے احکام بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ تیسری مرتبہ کہا جا رہا ہے کہ ورثے کی تقسیم وصیت پر عمل کرنے اور فرض کی ادائیگی کے بعد کی جائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں باتوں پر عمل کرنا کتنا ضروری ہے۔ پھر اس پر بھی اتفاق ہے کہ سب سے پہلے قرضوں کی ادائیگی کی جائے گی اور وصیت پر عمل اس کے بعد کیا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ

کا نقصان نہ کیا گیا ہو^(۱) یہ مقرر کیا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ دانا ہے بردبار۔ (۱۲)

یہ حدیں اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرے گا اسے اللہ تعالیٰ جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ (۱۳)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا ایسوں ہی کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔ (۱۴)

تمساری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ طلب کرو اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو یہاں تک کہ موت ان کی عمریں پوری کر دے^(۲) یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور

بِذَلِكَ حَدُّوا اللّٰهُ وَمَنْ يُطِيعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

وَمَنْ يُخِصِ اللّٰهُ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝

وَالَّذِي يَأْتِيَنَّكَ الْفَاحِشَةُ مِنْ بُنَاتِكَ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسَكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۝

لے تینوں جگہ وصیت کا ذکر دین (قرض) سے پہلے کیا حالانکہ ترتیب کے اعتبار سے دین کا ذکر پہلے ہونا چاہئے تھا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی کو تو لوگ اہمیت دیتے ہیں نہ بھی دیں تو لینے والے زبردستی بھی وصول کر لیتے ہیں۔ لیکن وصیت پر عمل کرنے کو غیر ضروری سمجھا جاتا ہے اور اکثر لوگ اس معاملے میں تساہل یا تخلف سے کام لیتے ہیں۔ اس لئے وصیت کا پہلے ذکر فرما کر اس کی اہمیت واضح کر دی گئی۔ (روح المعانی)

ملاحظہ: اگر بیوی کا حق مراد نہ کیا گیا ہو تو وہ بھی دین (قرض) میں شمار ہو گا اور اس کی ادائیگی بھی وراثت کی تقسیم سے پہلے ضروری ہے۔ نیز عورت کا حصہ شرعی اس مر کے علاوہ ہو گا۔

(۱) بایں طور کہ وصیت کے ذریعے سے کسی وارث کو محروم کر دیا جائے یا کسی کا حصہ گھٹا بڑھا دیا جائے یا یوں ہی وارثوں کو نقصان پہنچائے کے لئے کہہ دے کہ فلاں شخص سے میں نے اتنا قرض لیا ہے درآں حایکہ کچھ بھی نہ لیا ہو۔ گویا اضرار کا تعلق وصیت اور دین دونوں سے ہے اور دونوں کے ذریعے سے نقصان پہنچانا ممنوع اور کبیرہ گناہ ہے۔ نیز یہی وصیت بھی باطل ہوگی۔

(۲) یہ بدکار عورتوں کی بدکاری کی وہ سزا ہے جو ابتدائے اسلام میں جب کہ زنا کی سزا متعین نہیں ہوئی تھی عارضی

راستہ نکالے۔^(۱۵)

تم میں سے جو دو افراد ایسا کام کریں^(۳) انھیں ایذا دو^(۴)
اگر وہ توبہ اور اصلاح کر لیں تو ان سے منہ پھیر لو، بے
شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا
ہے۔ (۱۶)

اللہ تعالیٰ صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو بوجہ
نادانی کوئی برائی کر گزریں پھر جلد اس سے باز آ جائیں
اور توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی توبہ قبول کرتا ہے
اللہ تعالیٰ بڑے علم والا حکمت والا ہے۔ (۱۷)

ان کی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک
کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جائے تو کہہ

وَالَّذِينَ يَأْتِيَنَّهُا مِنْكُمْ فَأَذْهَبْنَا قُلُوبَهُنَّ فَأَنْبَاوْنَ أَصْلَحَ
فَاغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ
ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ
عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّى
يَذَاقُوا أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ ابْنُ سُنَيْتٍ النَّوْ

طور پر مقرر کی گئی تھی ہاں یہ بھی یاد رہے کہ عربی زبان میں ایک سے دس تک کی گنتی میں یہ مسند اصول ہے کہ عدد
نہ کر ہو گا تو معدود مونث اور عدد مونث ہو گا تو معدود مذکر۔ یہاں اربعہ (یعنی ۴ کا عدد) مونث ہے اس لئے اس کا معدود
جو یہاں ذکر نہیں کیا گیا اور محذوف ہے 'یقیناً مذکر آئے گا اور وہ ہے رجال یعنی اربعہ رجال جس سے یہ بات واضح طور پر
معصوم ہوتی ہے کہ اثبات زنا کے لئے چار مرد گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ گویا جس طرح زنا کی سزا سخت مقرر کی گئی ہے
اس کے اثبات کے لئے گواہوں کی کڑی شرط عائد کر دی گئی ہے یعنی چار مسلمان مرد یعنی گواہ اس کے بغیر شرعی سزا کا
اثبات ممکن نہیں ہو گا۔

(۱) اس راستے سے مراد زنا کی وہ سزا ہے جو بعد میں مقرر کی گئی یعنی شادی شدہ زنا کار مرد و عورت کے لئے رجم
اور غیر شادی شدہ بدکار مرد و عورت کے لئے سو سو کوڑے کی سزا۔ (جس کی تفصیل سورہ نور اور احادیث صحیحہ میں
موجود ہے)

(۲) بعض نے اس سے اغلام بازی مراد لی ہے یعنی عمل نواطت۔ دو مردوں کا ہی آپس میں بد فعلی کرنا اور بعض نے اس
سے بکرہ مرد و عورت مراد لئے ہیں اور اس سے قبل کی آیت کو انہوں نے محضت یعنی شادی شدہ کے ساتھ خاص کیا ہے
اور بعض نے اس تشبیہ کے سمیٹنے سے مرد اور عورت مراد لئے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ وہ بکرہ ہوں یا شادی شدہ۔ ابن
جریر طبری نے دوسرے مفہوم یعنی بکرہ (مرد و عورت) کو ترجیح دی ہے۔ اور پہلی آیت میں بیان کردہ سزا کو نبی ﷺ کی
بتلائی ہوئی سزا سزائے رجم سے اور اس آیت میں بیان کردہ سزا کو سورہ نور میں بیان کردہ سو کوڑے کی سزا سے منسوخ
قرار دیا ہے۔ (تفسیر طبری)

(۳) یعنی زبان سے زجر و توبخ اور ملامت یا ہاتھ سے کچھ زد و کوب کر لینا۔ اب یہ منسوخ ہے جیسا کہ گزر رہا۔

وَالَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَرَاءُ ۖ أُولَٰئِكَ
أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَجْعَلُوا لَكُمْ أَسْرَارًا ۚ كَذِبًا وَلَا
تَعْصِلُوا مَنَاسِكَتَ ۚ هِيَ رَحْمَةٌ مِنَّا إِلَيْكُمْ ۖ وَإِن يُبَاحِشْهُ
بِمَا حَشَىٰ مُمْتَطًى ۖ وَغَايِرُ مِمَّا فِي الْكِتَابِ ۚ وَلَٰكِن كَرِهْتَ مُمْتَطًى
فَعَسَىٰ أَن تَلُوهُمَا ذِيَابًا مِّنَ النَّارِ ۚ إِنَّ اللَّهَ ذُو عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝

وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۚ
فَلَا تَأْخُذْ بَعِثَاتِ الْفُتَيَانِ ۚ لَّهُنَّ خِمَاطُ الْوَدَّاعِ ۚ وَهُنَّ
فِي الْغَارِ ۚ

دے کہ میں نے اب توبہ کی^(۱) اور ان کی توبہ بھی قبول
نہیں جو کفر پر ہی مرجائیں، یہی لوگ ہیں جن کے لئے
ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۱۸)

ایمان والو! تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو
ورثے میں لے بیٹھو^(۲) انہیں اس لئے روک نہ رکھو کہ جو
تم نے انہیں دے رکھا ہے، اس میں سے کچھ لے لو^(۳) ہاں
یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی اور بے حیائی کریں^(۴)
ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بود و باش رکھو گو تم انہیں
ناپسند کرو لیکن بست ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور
اللہ تعالیٰ اس میں بہت سی بھلائی کر دے۔ (۱۹)

اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا ہی چاہو اور
ان میں سے کسی کو تم نے خزانہ کا خزانہ دے رکھا ہو تو بھی

(۱) اس سے واضح ہے کہ موت کے وقت کی گئی توبہ غیر مقبول ہے، جس طرح کہ حدیث میں بھی آتا ہے اس کی ضروری
تفصیل آل عمران کی آیت ۹۰ میں گزر چکی ہے۔

(۲) اسلام سے قبل عورت پر ایک یہ ظلم بھی ہوتا تھا کہ شوہر کے مرجانے پر اس کے گھر کے لوگ اس کے دل کی طرح
اس کی عورت کے بھی زبردستی وارث بن بیٹھتے تھے اور خود اپنی مرضی سے، اس کی رضامندی کے بغیر اس سے نکاح کر
لیتے یا اپنے بھائی، بھتیجے سے اس کا نکاح کر دیتے، حتیٰ کہ سوتیلے بیٹے بھی مرنے والے باپ کی عورت سے نکاح کر لیتا یا
اگر چاہتے تو اسے کسی بھی جگہ نکاح کرنے کی اجازت نہ دیتے اور وہ ساری عمریں ہی گزارنے پر مجبور ہوتی۔ اسلام نے
ظلم کے ان تمام طریقوں سے منع فرما دیا۔

(۳) ایک ظلم یہ بھی عورت پر کیا جاتا تھا کہ اگر خاوند کو وہ پسند نہ ہوتی اور وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تو از خود
اس کو طلاق نہ دیتا (جس طرح ایسی صورت میں اسلام نے طلاق کی اجازت دی ہے) بلکہ اسے خوب تنگ کرتا، تاکہ وہ
مجبور ہو کر حق مرد یا جو کچھ خاوند نے اسے دیا ہو، اسے از خود واپس کر کے اس سے خلاصی حاصل کرنے کو ترجیح دے۔ اسلام
نے اس حرکت کو بھی ظلم قرار دیا ہے۔

(۴) کھلی برائی سے مراد بد کاری یا بد زبانی اور نافرمانی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں البتہ یہ اجازت دی گئی ہے کہ خاوند
اس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرے کہ وہ اس کا دیا ہوا مال یا حق مرد واپس کر کے خلع کرانے پر مجبور ہو جائے جیسا کہ خلع
کی صورت میں خاوند کو حق مرد واپس لینے کا حق دیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۲۹)

(۵) یہ بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کا وہ حکم ہے جس کی قرآن نے بڑی تاکید کی ہے اور احادیث میں بھی نبی ﷺ نے اس

وَأَنَّمَا تُحِبُّنَا ①

اس میں سے کچھ نہ لو^(۱) کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے۔ (۲۰)

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمُ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْتُ مِنْكُمْ يَمِينَ ②

تم اسے کیسے لے لو گے حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو^(۳) اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے۔ (۲۱)

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ

کی بڑی وضاحت اور تاکید کی ہے۔ ایک حدیث میں آیت کے اسی مفہوم کو یوں بیان کیا گیا ہے «لَا يَنْكِحُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِلَّا سَبِيحًا مِنْهَا حُلْفًا، رَضِيَ مِنْهَا آخَرُهُ» (صحیح مسلم۔ کتاب الرضاع) ”مومن مرد شوہرا مومنہ عورت (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی ایک عادت اسے ناپسند ہے تو اس کی دوسری عادت پسندیدہ بھی ہو گی“ مطلب یہ ہے کہ بے حیائی اور نشو و نصیان کے علاوہ اگر بیوی میں کچھ اور کوتاہیاں ہوں جن کی وجہ سے خود اسے ناپسند کرتا ہو تو اسے جد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے طلاق نہ دے بلکہ مہر اور برداشت سے کام لے ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں سے اس کے لئے خیر کثیر پیدا فرماوے یعنی نیک اولاد دے دے یا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے کاروبار میں برکت ڈال دے۔ وغیرہ وغیرہ۔ افسوس ہے کہ مسلمان قرآن وحدیث کی ان ہدایات کے برعکس ذرا ذرا سی باتوں میں اپنی بیویوں کو طلاق دے ڈالتے ہیں اور اس طرح اسلام کے عطا کردہ حق طلاق کو نہایت ظالمانہ طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ حق تو انتہائی ناگزیر حالات میں استعمال کے لئے دیا گیا تھا نہ کہ گھرا جاؤں عورتوں پر ظلم کرنے اور بچوں کی زندگیاں خراب کرنے کے لئے۔ علاوہ ازیں اس طرح یہ اسلام کی بدنامی کا بھی باعث بنتے ہیں کہ اسلام نے مرد کو طلاق کا حق دے کر عورت پر ظلم کرنے کا اختیار اسے دے دیا۔ یوں اسلام کی ایک بہت بڑی خوبی کو خرابی اور ظلم باور کرایا جاتا ہے۔

(۱) خود طلاق دینے کی صورت میں حق مرد اپس لینے سے نہایت سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے۔ فَنِّظَارُ خَزَائِنِ أَرْمَالٍ کثیر کو کہتے ہیں یعنی کتنا بھی حق مرد یا ہو واپس نہیں لے سکتے۔ اگر ایسا کر دے تو یہ ظلم (ہستان) اور کھلا گناہ ہو گا۔

(۲) ”ایک دوسرے سے مل چکے ہو“ کا مطلب ہم بستری ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے کنایہ میں بیان فرمایا ہے۔

(۳) ”مضبوط عہد و پیمان“ سے وہ عہد مراد ہے جو نکاح کے وقت مرد سے لیا جاتا ہے کہ تم ”اے اچھے طریقے سے آباد کرنا یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا“

(۴) زمانہ جاہلیت میں سوتیلے بیٹے اپنے باپ کی بیوی سے (یعنی سوتیلی ماں سے) نکاح کر لیتے تھے اس سے روکا جا رہا ہے کہ یہ بہت ہی بے حیائی کا کام ہے۔ ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ﴾ کا عموم ایسی عورت سے نکاح کو ممنوع قرار دیتا ہے جس سے س کے باپ نے نکاح کیا لیکن دخول سے قبل ہی طلاق دے دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ بات مردی ہے۔ اور علما اسی کے قائل ہیں (تفسیر طبری)

إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿۲۱﴾

حَرِّمْتُ عَلَيْكُمْ أَنْهَضَكُمْ وَبَنَاتَكُمْ وَأَخَوَاتَكُمْ وَخَالَاتَكُمْ
وَبَنَاتِ الْأَخِ وَبَنَاتِ الْأَخِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّائِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ
مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَزَبَايِكُمُ اللَّائِي فِي جُحُورِكُمْ
مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّائِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ كُنْتُمْ تَوَادَّخْتُمْ بِهِنَّ
فَكُحْبَانَةٌ عَلَيْكُمْ وَخَالَاتُ آبَائِكُمُ اللَّائِي مِنْ أَصْلَابِكُمْ
وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ
كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۲۲﴾

اور بغض کا سبب ہے اور بڑی بری راہ ہے۔ (۲۲)
حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری لڑکیاں اور
تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالاتیں اور
بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں اور تمہاری وہ مائیں
جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک
بہنیں اور تمہاری ساس اور تمہاری وہ پرورش کردہ لڑکیاں
جو تمہاری گود میں ہیں، تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم
دخول کر چکے ہو، ہاں اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو تم پر
کوئی گناہ نہیں اور تمہارے صلیبی گئے بیٹوں کی بیویاں اور

(۱) جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، ان کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ ان میں سات محرمات نسب، سات رضاعی در چار
سسرالی بھی ہیں۔ ان کے علاوہ حدیث رسول سے ثابت ہے کہ بھتیجی اور پھوپھی اور بھانجی اور خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا
حرام ہے۔ سات نسبی محرمات میں مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالاتیں، بھتیجی اور بھانجی ہیں اور سات رضاعی محرمات
میں رضاعی، مائیں، رضاعی بیٹیاں، رضاعی بہنیں، رضاعی پھوپھیاں، رضاعی خالاتیں، رضاعی بھتیجیاں اور رضاعی بھانجیاں اور
سسرالی محرمات میں ساس، ربائب (مذلولہ بیوی کی پہلے خاوند سے لڑکیاں) سوا اور دو سنگی بہنوں کا جمع کرنا ہے۔ ان کے علاوہ باپ
کی منکوحہ (جس کا ذکر اس سے پہلی آیات میں ہے) اور حدیث کے مطابق بیوی جب تک عقد نکاح میں ہے اس کی پھوپھی اور
اس کی خالہ اور اس کی بھتیجی اور اس کی بھانجی سے بھی نکاح حرام ہے۔ محرمات نسبی کی تفصیل۔ اُمہات (مائیں) میں ماؤں کی
مائیں (نانیاں) ان کی دادیاں اور باپ کی مائیں (دادیاں) پر دادیاں اور ان سے آگے تک) شامل ہیں۔ نَسَات (بیٹیاں) میں
پوتیاں، نواسیاں اور پوتیوں، نواسیوں کی بیٹیاں (نیچے تک) شامل ہیں۔ زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی، بیٹی میں شامل ہے یا نہیں
اس میں اختلاف ہے۔ اگر ملاش اسے بیٹی میں شامل کرتے ہیں اور اس سے نکاح کو حرام سمجھتے ہیں۔ ابیہ امام شافعی کہتے
ہیں کہ وہ بنت شرعی نہیں ہے۔ پس جس طرح ﴿يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي آوِلَادِكُمْ﴾ (اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد میں مال متروکہ تقسیم کرنے کا
حکم دیتا ہے) میں داخل نہیں اور بالا جماع وہ وارث نہیں۔ اسی طرح وہ اس آیت میں بھی داخل نہیں۔ واللہ اعلم (بن کثیر)
أَخَوَاتٌ (بہنیں) یعنی ہوں یا اخائی و علاتی عَمَّاتٌ (پھوپھیاں) اس میں باپ کی سب مذکور اصول یعنی نانا، دادا کی تینوں قسموں
کی بہنیں شامل ہیں۔ خَالَاتٌ (خالاتیں) اس میں ماں کی سب سونٹ اصول (یعنی ثانی دادی) کی تینوں قسموں کی بہنیں شامل
ہیں۔ بھتیجیاں اس میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد بواسطہ اور بلاواسطہ (یا صلیبی و فرعی) شامل ہیں۔ بھانجیاں اس میں تینوں
قسم کی بہنوں کی اولاد بواسطہ و بلاواسطہ یا صلیبی و فرعی) شامل ہیں۔

تمہارا دودھ بہنوں کا جمع کرنا ہاں جو گزر چکا سو گزر چکا یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲۳)

قسم دوم 'محرمات رضاعیہ': رضاعی ماں جس کا دودھ تم نے مدت رضاعت (یعنی دو سال) کے اندر پیا ہو۔ رضاعی بہن 'دوہ عورت جسکو تمہاری حقیقی یا رضاعی ماں نے دودھ پلایا' تمہارے ساتھ پلایا یا تم سے پہلے یا بعد تمہارے اور بہن بھائیوں کے ساتھ پلایا۔ یا جس عورت کی حقیقی یا رضاعی ماں نے تمہیں دودھ پلایا، چاہے مختلف اوقات میں پلایا ہو۔ رضاعت سے بھی وہ تمام رشتے حرام ہو جائیں گے جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رضاعی ماں بننے والی عورت کی نسبی و رضاعی اولاد دودھ پینے والے بچے کی بہن بھائی 'اس عورت کا شوہر اس کا باپ اور اس مرد کی بہنیں' اس کی پھوپھی یاں 'اس عورت کی بہنیں' خالائیں اور اس عورت کے جینھ 'دیور' اس کے رضاعی چچا 'تیا بن جائیں گے اور اس دودھ پینے والے بچے کی نسبی بہن بھائی وغیرہ اس گھرانہ پر رضاعت کی بنا پر حرام نہ ہوں گے۔

قسم سوم سسرالی محرمات: بیوی کی ماں یعنی ساس (اس میں بیوی کی مانی دادی بھی داخل ہے) اگر کسی عورت سے نکاح کر کے بغیر ہم بستری کے ہی طلاق دے دی ہو تب بھی اس کی ماں (ساس) سے نکاح حرام ہو گا۔ البتہ کسی عورت سے نکاح کر کے اسے بغیر مباشرت کے طلاق دے دی ہو تو اس کی لڑکی سے اس کا نکاح جائز ہو گا۔ (فتح القدیر)

رَبِیْنَةُ بیوی کے پہلے خاوند سے لڑکی۔ اسکی حرمت مشروط ہے یعنی اس کی ماں سے اگر مباشرت کر لی گئی ہوگی تو ربیبہ سے نکاح حرام 'بصورت دیگر عدل ہو گا۔ مَحْضُورَتُہ (وہ ربیبہ جو تمہاری گود میں پرورش پائیں) یہ قید غالب احوال کے اعتبار سے ہے بطور شرط کے نہیں ہے۔ اگر یہ لڑکی کسی اور جگہ بھی زیر پرورش یا مقیم ہوگی۔ تب بھی اس سے نکاح حرام ہو گا۔ حَلَالُہ یہ حَبِیْنَةُ کی جمع ہے یہ محل محل (اترنا) سے حَبِیْنَةُ کے وزن پر بمعنی قَاعِلَیَہ ہے۔ بیوی کو طہید اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کا محل (جائے قیام) خاوند کے ساتھ ہی ہوتا ہے یعنی جہاں خاوند اترتا یا قیام کرتا ہے یہ بھی وہیں اترتی یا قیام کرتی ہے۔ بیٹوں میں پوتے نواسے بھی داخل ہیں یعنی انکی بیویوں سے بھی نکاح حرام ہو گا۔ اسی طرح رضاعی اولاد کے جوڑے بھی حرام ہوں گے مِنْ اَصْلَابِکُمْ (تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویوں کی قید سے یہ واضح ہو گیا کہ لے پالک بیٹوں کی بیویوں سے نکاح حرام نہیں ہے۔ دو بہنیں (رضاعی ہوں یا نسبی) ان سے بیک وقت نکاح حرام ہے۔ البتہ ایک کی وفات کے بعد یہ طلاق کی صورت میں عدت گزرنے کے بعد دوسری بہن سے نکاح جائز ہے۔ اسی طرح چار بیویوں میں سے ایک کو طلاق دینے سے پانچویں نکاح کی اجازت نہیں جب تک طلاق یا فتہ عورت عدت سے فارغ نہ ہو جائے۔

ملحوظہ زنا سے حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے بدکاری کی تو اس بدکاری کی وجہ سے وہ عورت اس پر حرام نہیں ہوگی اسی طرح اگر اپنی بیوی کی ماں (ساس) سے یا اسکی بیٹی سے (جو دوسرے خاوند سے ہو) زنا کر لے گا تو اسکی بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی (دلائل کے لئے دیکھئے 'فتح القدیر') اصناف اور دیگر بعض علما کی رائے میں زنا کاری سے بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔ اول الذکر مسلک کی تائید بعض احادیث سے ہوتی ہے۔

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ يَحْتَبِ
 اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا ذَرَأْتُمْ مِنْهُ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ
 الْمُحْصَنِينَ عِبْرَةً لِمَنْ يَتَّقِيهِمْ وَمِنْهُمْ فَاتَّوَفَوْهُنَّ
 بِأُجُورِهِنَّ قَبِيضَةً وَلِأَجْنَاءَ عَلَيْكُمْ وَمَا تَرْضَوْنَ مِنْهُنَّ
 الْقِيَاصُ وَإِنْ سَاءَ مَا عَمِلْتُمْ ۝

اور (حرام کی گئیں) شوہر والی عورتیں مگر وہ جو تمہاری
 ملکیت میں آجائیں،^(۱) اللہ تعالیٰ نے یہ احکام تم پر فرض
 کر دیئے ہیں، اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں
 تمہارے لیے حلال کی گئیں کہ اپنے مال کے ہر سے تم
 ان سے نکاح کرنا چاہو ہر سے کام سے بچنے کے لیے نہ کہ
 شہوت رانی کرنے کے لئے،^(۲) اس لیے جن سے تم

(۱) قرآن کریم میں، حصّان چار معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ (۱) شادی (۲) آزادی (۳) پاک دامن (۴) اور اسلام۔ اس
 اعتبار سے محصنات کے چار مطلب ہیں (۱) شادی شدہ عورتیں (۲) آزاد عورتیں (۳) پاک دامن عورتیں (۴) اور مسلمان
 عورتیں۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ جب بعض جنگوں میں کافروں کی عورتیں بھی
 مسلمانوں کی قید میں آگئیں تو مسلمانوں نے ان سے ہم بستری کرنے میں کراہت محسوس کی کیونکہ وہ شادی شدہ تھیں۔
 صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا جس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر) جس سے یہ معلوم ہوا کہ جنگ میں حاصل
 ہونے والی کافر عورتیں، جب مسلمانوں کی لونڈیاں بن جائیں تو شادی شدہ ہونے کے باوجود ان سے مباشرت کرنا جائز
 ہے۔ البتہ استبرائے رحم ضروری ہے۔ یعنی ایک حیض آنے کے بعد یا حاملہ ہیں تو وضع حمل کے بعد ان سے جنسی تعلق
 قائم کیا جائے۔

لونڈی کا مسئلہ: نزول قرآن کے وقت غلام اور لونڈیوں کا سلسلہ عام تھا جسے قرآن نے بند نہیں کیا، البتہ ان کے بارے
 میں ایسی حکمت عملی اختیار کی گئی کہ جس سے غلاموں اور لونڈیوں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں حاصل ہوں تاکہ غلامی کی
 حوصلہ شکنی ہو۔ اس کے دو ذریعے تھے۔ ایک تو بعض خاندان صدیوں سے ایسے چلے آ رہے تھے کہ ان کے مرد اور
 عورت فروخت کر دیئے جاتے تھے۔ یہی خریدے ہوئے مرد و عورت غلام اور لونڈی کہلاتے تھے۔ مالک کو ان سے ہر
 طرح کے استمتاع (فائدہ اٹھانے) کا حق حاصل ہوتا تھا۔ دوسرا ذریعہ جنگ میں قیدیوں والا تھا کہ کافروں کی قیدی
 عورتوں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور وہ ان کی لونڈیاں بن کر ان کے پاس رہتی تھیں۔ قیدیوں کے لیے یہ
 بہترین حل تھا۔ کیونکہ اگر انہیں معاشرے میں یوں ہی آزاد چھوڑ دیا جاتا تو معاشرے میں ان کے ذریعے سے فساد پیدا
 ہوتا، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب ”الرق فی الاسلام“ اسلام میں غلامی کی حقیقت از مولانا سعید احمد اکبر آبادی، بہر
 حال مسلمان شادی شدہ عورتیں تو ویسے ہی حرام ہیں تاہم کافر عورتیں بھی حرام ہی ہیں الا یہ کہ وہ مسلمانوں کی ملکیت
 میں آجائیں۔ اس صورت میں استبرائے رحم کے بعد وہ ان کے لیے حلال ہیں۔

(۲) یعنی مذکورہ محرّمات قرآنی اور حدیثی کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ چار چیزیں اس میں
 ہوں۔ اول یہ کہ طلب کرو اَنْ تَسْتَوُوا یعنی دونوں طرف سے ایجاب و قبول ہو۔ دوسری یہ کہ مال یعنی مراد کرنا قبول
 کرو۔ تیسری یہ کہ ان کو شادی کی قید (دامنی قبضہ) میں لانا مقصود ہو۔ صرف شہوت رانی غرض نہ ہو (جیسے زنا میں یا اس

قائدہ اشہاد انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مردے دو^(۱) اور مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو طے کر لو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں^(۲) بے شک اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔ (۲۴)

اور تم میں سے جس کسی کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی پوری وسعت و طاقت نہ ہو تو وہ مسلمان لونڈیوں سے جن کے تم مالک ہو (اپنا نکاح کر لے) اللہ تمہارے اعمال کو بخوبی جاننے والا ہے، تم سب آپس میں ایک ہی تو ہو، اس لئے ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر لو،^(۳) اور قاعدہ کے مطابق ان کے مہر ان کو دو، وہ پاک و امن ہوں نہ کہ علانیہ بدکاری کرنے والیاں، نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں، پس جب یہ لونڈیاں نکاح میں آجائیں پھر اگر وہ بے حیائی کا کام کریں تو انہیں

وَمَنْ لَمْ يَسْطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمَحْضَنَةَ الْفُؤُؤُتَ
فَمَنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فِتْنَةٍ الْفُؤُؤُتِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ
بِمَا نَسَاكُمْ مِنْ بَعْضِكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَأَلْهِمُوهُنَّ بِأَذْنِ
أَهْلِهِنَّ وَأَتَوْهُنَّ أَجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْضَنَةٌ غَيْرُ مُسِيغَةٍ
وَلَا مُتَعَدِّتٍ أَغْدَانٍ فَإِذَا أَحْبَبْنَ فَإِنْ أَتَيْنَ بِغَارِ حَشَا
فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْضَنَةِ مِنَ الْعَذَابِ ذَلِكَ
لِأَنَّهُنَّ خَتَنَ الْعِتِّ وَمِنْكُمْ وَلَنْ تَصِيرُوا سَوَاءً لَكُمْ
وَاللَّهُ عَزَّوَجَلَّ رَحِيمٌ ۝

متد میں ہوتا ہے جو شیعوں میں رائج ہے یعنی جنسی خواہش کی تسکین کے لیے چند روز یا چند گھنٹوں کا نکاح)۔ چوتھی یہ کہ چھپی یاری دوستی نہ ہو بلکہ گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہو۔ یہ چاروں شرطیں اس آیت سے مستفاد ہیں۔ اس سے جہاں شیعوں کے متد کا بطلان ہوتا ہے وہیں مروجہ حلالہ کا بھی ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس کا مقصد بھی عورت کو نکاح کی دائمی قید میں لانا نہیں ہوتا بلکہ عرفایہ صرف ایک رات کے لیے مقرر اور معهود ذہنی ہے۔

(۱) یہ اس امر کی تاکید ہے کہ جن عورتوں سے تم نکاح شرعی کے ذریعے سے استمتاع اور تلذذ کرو۔ انہیں ان کا مقرر کردہ مضرور ادا کرو۔

(۲) اس میں آپس کی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

ملحوظہ "استمتاع" کے لفظ سے شیعہ حضرات نکاح متد کا اثبات کرتے ہیں۔ حالانکہ اس سے مراد نکاح کے بعد صحبت و مباشرت کا استمتاع ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ البتہ متد ابتدائے اسلام میں جائز رہا ہے اور اس کا جواز اس آیت کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ اس رواج کی بنیاد پر تھا جو اسلام سے قبل چلا آ رہا تھا۔ پھر نبی ﷺ نے نہایت واضح احفاظ میں اسے قیامت تک کے لیے حرام کر دیا۔

(۳) اس سے معلوم ہوا کہ لونڈیوں کا مالک ہی لونڈیوں کا ولی ہے، لونڈی کا کسی جگہ نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح غلام بھی اپنے مالک کی اجازت کے بغیر کسی جگہ نکاح نہیں کر سکتا۔

إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ⑤

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدُوًّا وَغُلَبًا فَقَتَلْ نَفْسَهُ تَارًا وَكَانَ
ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ⑥

إِنْ جَنَّبُوا كِبَارًا تَهْمُونَ عَنْهُ لَكُمْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتُكُمْ
وَنَذِّحُكُمْ لَكُمْ خَلَا كَرِيمًا ⑦

وَلَا تَتَّبِعُوا مَا أَفَضَلَ اللَّهُ بِهِ تَعَفُّكُمْ بَلْ بَعْضٌ لِلزَّهَالِ نَصِيبٌ
مِمَّا كَتَبُوا لِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا كَتَبَ وَسَعَوْا اللَّهُ

ہو خرید و فروخت^(۱) اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو^(۲) یقیناً
اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے۔ (۲۹)

اور جو شخص یہ (نافرمانیاں) سرکشی اور ظلم سے
کرے گا^(۳) تو عنقریب ہم اس کو آگ میں داخل کریں
گے۔ اور یہ اللہ پر آسان ہے۔ (۳۰)

اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تم کو
منع کیا جاتا^(۴) ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ دور کر دیں
گے اور عزت و بزرگی کی جگہ داخل کریں گے۔ (۳۱)

اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے
تم میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے۔ مردوں کا
اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے

کیا ہے جیسے قمار، ربا وغیرہ۔ اسی طرح ممنوع اور حرام چیزوں کا کاروبار کرنا بھی باطل میں شامل ہے۔ مثلاً بلا ضرورت
فونوگرافی، ریڈیو، ٹی وی سی آر، ویڈیو فلمیں اور فحش کیسٹس وغیرہ۔ ان کا بیانا، بیچنا، مرمت کرنا سب ناجائز ہے۔

(۱) اس کے لیے بھی شرط یہ ہے کہ یہ لین دین حلال اشیاء کا ہو۔ حرام اشیاء کا کاروبار باہمی رضامندی کے باوجود ناجائز ہی
رہے گا۔ علاوہ انہیں رضامندی میں خیار مجلس کا مسئلہ بھی آجاتا ہے یعنی جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں سودا
فسخ کرنے کا اختیار رہے گا جیسا کہ حدیث میں ہے السَّعْيَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَنْفَرِقَا (صحيح بخاری و مسلم۔ کتاب
لبوع ”دونوں باہم سودا کرنے والوں کو جب تک جدا نہ ہوں اختیار ہے۔“

(۲) اس سے مراد خودکشی بھی ہو سکتی جو کبیرہ گناہ ہے اور ارتکاب معصیت بھی جو ہلاکت کا باعث ہے اور کسی مسلمان
کو قتل کرنا بھی کیونکہ مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں۔ اس لیے اس کا قتل بھی ایسا ہی ہے جیسے اپنے آپ کو قتل کیا۔

(۳) یعنی منہیات کا ارتکاب، جانتے ہو جتنے ظلم و تعدی سے کرے گا۔

(۴) کبیرہ گناہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ گناہ ہیں جن پر حد مقرر ہے، بعض کے نزدیک وہ گناہ جس
پر قرآن میں یا حدیث میں سخت وعید یا لعنت آئی ہے، بعض کہتے ہیں ہر وہ کام جس سے اللہ نے یا اس کے رسول نے
بطور تحریم کے روکا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بات بھی کسی گناہ میں پائی جائے تو وہ کبیرہ ہے۔

احادیث میں مختلف کبیرہ گناہوں کا ذکر ہے جنہیں بعض علما نے ایک کتاب میں جمع بھی کیا ہے۔ جیسے الکبائر للبدھبی،
المروء حرع، اقتراف الکبائر للہیتمی وغیرہ۔ یہاں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ جو مسلمان کبیرہ گناہوں میں شریک
عقوق و ابدین، جھوٹ وغیرہ سے اجتناب کرے گا تو ہم اس کے صغیرہ گناہ معاف کر دیں گے۔ سورہ نجم میں بھی یہ

مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو^(۱) یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ (۳۲)

وَالَّذِينَ جَعَلْنَا مَوَازٍ وَمَشَارِزَ أُولَٰئِكَ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ نَعَقَذَتْ يَمَانُهُمْ فَآتُوهُمْ نَفْسَهُمْ فَلَا عُنْدَ اللَّهِ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝

میں باپ یا قرابت دار جو چھوڑ مرس اس کے وارث ہم نے ہر شخص کے مقرر کر دیئے ہیں^(۲) اور جن سے تم نے اپنے ہاتھوں معاہدہ کیا ہے انہیں ان کا حصہ دو^(۳) حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے۔ (۳۳)

مضمون بیان کیا گیا ہے 'ابست وہاں کبار کے ساتھ فواحش (بے حیائی کے کاموں) سے اجتناب کو بھی صغیرہ گناہوں کی معافی کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں صغیرہ گناہوں پر اصرار و مداومت بھی صغیرہ گناہوں کو کبار بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح اجتناب کبار کے ساتھ احکام و فرائض اسلام کی پابندی اور اعمال صالحہ کا اہتمام بھی نہایت ضروری ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شریعت کے اس مزاج کو سمجھ لیا تھا اس لئے انہوں نے صرف وعدہ مغفرت پر ہی تکیہ نہیں کیا بلکہ مغفرت و رحمت الہی کے یقینی حصول کے لئے مذکورہ تمام ہی باتوں کا اہتمام کیا۔ جب کہ ہمارا دامن عمل سے تو خالی ہے لیکن ہمارے قلب امیدوں اور آرزوؤں سے معمور ہیں۔

(۱) اس کی شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ مرد جہاد میں حصہ لیتے ہیں اور شہادت پاتے ہیں۔ ہم عورتیں ان فضیلت والے کاموں سے محروم ہیں۔ ہماری میراث بھی مردوں سے نصف ہے۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۳۲۲) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے جو جسمانی قوت و طاقت اپنی حکمت و ارادہ کے مطابق عطا کی ہے اور جس کی بنیاد پر وہ جہاد بھی کرتے ہیں اور دیگر بیرونی کاموں میں حصہ لیتے ہیں۔ یہ ان کے لئے اللہ کا خاص عطیہ ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے عورتوں کو مردانہ صلاحیتوں کے کام کرنے کی آرزو نہیں کرنی چاہیے۔ البتہ اللہ کی اطاعت اور نیکی کے کاموں میں خوب حصہ لینا چاہیے اور اس میدان میں وہ جو کچھ کما سکیں گی 'مردوں کی طرح' ان کا پورا پورا صلہ انہیں ملے گا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرنا چاہیے کیونکہ مرد اور عورت کے درمیان استعداد صلاحیت اور قوت کار کا جو فرق ہے 'وہ تو قدرت کا ایک اٹل فیصلہ ہے جو محض آرزو سے تبدیل نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس کے فضل سے کسب و محنت میں رہ جانے والی کی کا ازارہ ہو سکتا ہے۔

(۲) مَوَازِیْن 'مَوَازِیْن کی جمع ہے۔ مَوَازِیْن کے کئی معنی ہیں دوست 'آزاد کردہ غلام' بچپا زاد 'یزوی'۔ لیکن یہاں اس سے مراد ورثا ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مرد عورت جو کچھ چھوڑ جائیں گے 'اس کے وارث ان کے ماں باپ اور دیگر قریبی رشتہ دار ہوں گے۔

(۳) اس آیت کے محکم یا منسوخ ہونے کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن جریر طبری وغیرہ اسے غیر منسوخ

الْجَالِ قَوْمُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا قَضَى اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى
بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَإِنْ أُفْلِسُوا فَبِئْسَ خِطَابٌ

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے
ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ
مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں^(۱) پس نیک

(محکم) مانتے ہیں اور اَیْمَانُکُمْ (معاہدہ) سے مراد وہ حلف اور معاہدہ لیتے ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کے لیے اسلام سے
قبل دو اشخاص یا دو قبیلوں کے درمیان ہوا اور اسلام کے بعد بھی وہ چلا آ رہا تھا۔ نَصِبْنَهُمْ (حصہ) سے مراد اسی حلف اور
معاہدے کی پابندی کے مطابق تعاون و تناصر کا حصہ ہے اور ابن کثیر اور دیگر مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے۔
کیونکہ اَیْمَانُکُمْ سے ان کے نزدیک وہ معاہدہ ہے جو ہجرت کے بعد ایک انصاری اور مہاجر کے درمیان اخوت کی
صورت میں ہوا تھا۔ اس میں ایک مہاجر 'انصاری کے مال کا اس کے رشتہ داروں کی بجائے' وارث ہوتا تھا لیکن یہ
چونکہ ایک عارضی انتظام تھا اس لیے پھر ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بَعَثْنَا فِي نَبِيِّهِمْ﴾ (الأنفال-۵۵) "رشتے دار اللہ
کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں" نازل فرما کر اسے منسوخ کر دیا گیا۔ اب ﴿فَأَتَوْهُم بِبَيِّنَاتٍ﴾ سے
مراد دوستی و محبت اور ایک دوسرے کی مدد ہے اور بطور وصیت کچھ دے دینا بھی اس میں شامل ہے۔ مولات عقد
مولات حنف یا مولات اخوت میں اب وراثت کا تصور نہیں ہو گا۔ اہل علم کے ایک گروہ نے اس سے مراد ایسے دو
فخصوں کو لیا جن میں سے کم از کم ایک لا وارث ہے۔ اور ایک دوسرے فخص سے یہ ملے کرتا ہے کہ میں تمہارا مولی
ہوں۔ اگر کوئی جنایت کروں تو میری مدد کرنا اور اگر مارا جاؤں تو میری دیت لے لینا۔ اس لا وارث کی وفات کے بعد اس
کا مال مذکورہ فخص لے گا۔ بشرطیکہ واقعتاً اس کا کوئی وارث نہ ہو۔ بعض دوسرے اہل علم نے اس آیت کا ایک اور معنی
بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ﴿وَالَّذِينَ تَحَقَّتْ لِيْمَانُهُ﴾ سے مراد بیوی اور شوہر ہیں اور اس کا عطف الْأَقْرَبُونَ پر ہے۔ معنی
یہ ہیں کہ "ماں باپ نے" قرابت داروں نے اور جن کو تمہارا عہد و پیمان آپس میں باندھ چکا ہے (یعنی شوہر یا بیوی) نبیوں
نے جو کچھ چھوڑا اس کے حقدار یعنی حصے دار ہم نے مقرر کر دیئے ہیں۔ لہذا ان حقداروں کو ان کے حصے دے دو" گویا
پچھے آیت میراث میں تفصیلاً جو حصے بیان کئے گئے تھے یہاں اجمالاً ان کی ادائیگی کی تاکید مزید کی گئی ہے۔

(۱) اس میں مرد کی حاکمیت و قوامیت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک وہی ہے جو مردانہ قوت و دماغی صحتیت ہے
جس میں مرد عورت سے خلقی طور پر ممتاز ہے۔ دوسری وجہ کسی ہے جس کا مکلف شریعت نے مرد کو بنایا ہے اور
عورت کو اس کی فطری کمزوری اور مخصوص تعلیمات کی وجہ سے جنہیں اسلام نے عورت کی عفت و حیا اور اس کے
تقدس کے تحفظ کے لیے ضروری قرار دیا ہے 'عورت کو معاشی جھمیوں سے دور رکھا ہے۔ عورت کی سربراہی کے
خلاف قرآن کریم کی یہ نص قطعی بالکل واضح ہے جس کی تائید صحیح بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جس میں نبی
کریم ﷺ نے فرمایا ہے "وہ قوم ہرگز فلاح یاب نہیں ہوگی جس نے اپنے امور ایک عورت کے سپرد کر دیئے۔"

لَتَقْبَلَ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ وَالَّذِي عَمَّا قَوْلٍ لِّمُؤْمِنَةٍ قِيعُوهُنَّ
وَالْمُحْصَنَاتُ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ إِنْ أَطَعْتَكُمْ
فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

فرمانبردار عورتیں خاوند کی عدم موجودگی میں بہ حفاظت
الٰہی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں اور جن عورتوں کی
نافرمانی اور بد دماغی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو
اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مار کی سزا دو
پھر اگر وہ تابعداری کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ
کرو،^(۱) بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور پڑائی والا
ہے (۳۴)

وَرَنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَأَبْعُثُوا حُكَمَاةً مِّنْ أَهْلِكُمْ
وَحُكَمَاةً مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان آپس کی ان بن کا
خوف ہو تو ایک منصف مرد واہوں میں سے اور ایک
عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو،^(۲) اگر یہ دونوں
صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں میں عاپ کر دے گا،
یقیناً اللہ تعالیٰ پورے علم والا پوری خبر والا ہے۔ (۳۵)

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو
شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرو

(۱) نافرمانی کی صورت میں عورت کو سمجھانے کے لیے سب سے پہلے وعظ و نصیحت کا نمبر ہے، دوسرے نمبر ان سے
واقع اور عارضی عیحدگی ہے جو سمجھ دار عورت کے لیے بہت بڑی تنبیہ ہے۔ اس سے بھی نہ سمجھے تو بالکل سی مار کی
اجازت ہے۔ لیکن یہ مار و حشیانہ اور ظالمانہ نہ ہو جیسا کہ جاہل لوگوں کا وطیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ
نے اس ظلم کی اجازت کسی مرد کو نہیں دی ہے۔ اگر وہ اصلاح کر لے تو پھر راستہ تلاش نہ کرو یعنی مار پیٹ نہ کرو تنگ نہ
کرو، یا طلاق نہ دو، گویا حلاق بالکل آخری مرحلہ ہے جب کوئی اور چارہ کار باقی نہ رہے۔ لیکن مرد اس حق کو بھی بہت
ناجائز طریقے سے استعمال کرتے ہیں اور ذرا ذرا سی بات میں فوراً طلاق دے ڈالتے ہیں اور اپنی زندگی بھی برباد کرتے
ہیں، عورت کی بھی اور بچے ہوں تو ان کی بھی۔

(۲) گھر کے اندر مذکورہ تینوں طریقے کار گر ثابت نہ ہوں تو یہ چوتھا طریقہ ہے اور اس کی بابت کہا کہ حکمین (فیصلہ کرنے
والے) اگر مخلص ہوں گے تو یقیناً ان کی سعی اصلاح کامیاب ہوگی۔ تاہم ناکامی کی صورت میں حکمین کو تفریق بین
الزوجین یعنی طلاق کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض اس کو حاکم مجاز کے حکم یا زوجین کے توکیل
بالفرقہ (جدائی کے نئے وکیل بنانا) کے ساتھ مشروط کرتے ہیں اور جمہور علما اس کے بغیر اس اختیار کے قائل ہیں۔
(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر طبری، فتح القدیر تفسیر ابن کثیر)

وَالَّذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَاهِدِ الْقُرْبَىٰ
وَالْجَاهِدِ الْجَنُبَ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنُبِ وَإِنَّ السَّيِّئِلَ وَمَا
مَلَكَتْ أَيْمَانُ كَفَرًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ
غَفَّلاً غَافِلًا ۝

الَّذِينَ يَخْلَوْنَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبَغْيِ وَيَكْتُمُونَ
مَا أَنَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ
عَذَابًا مُهِينًا ۝

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ آمَوُا هُمْ رِجَالُ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ
بِأَنفُسِهِمْ وَلَا يَأْتُونَ الْاِخْوَةَ وَمَنْ يَكُنِ الشَّقِيقُ

اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے
اور قربت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے ^(۱) اور
پہلو کے ساتھی سے ^(۲) اور راہ کے مسافر سے اور ان
سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں (غلام کنیز) ^(۳) یقیناً
اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں
فرماتا۔ ^(۴) (۳۶)

جو لوگ خود بخلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخلی
کرنے کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو اپنا فضل انہیں
دے رکھا ہے اسے چھپا لیتے ہیں ہم نے ان کافروں کے
لئے ذلت کی مارتیار کر رکھی ہے۔ (۳۷)

اور جو لوگ اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ
کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان
نہیں رکھتے اور جس کا ہم نشین اور ساتھی شیطان ہو ^(۵)

(۱) الْقُرْبَى الْقُرْبَىٰ قربت دار پڑوسی کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں ایسا پڑوسی جس سے قربت داری
نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ پڑوسی سے بہ حیثیت پڑوسی کے حسن سلوک کیا جائے وہ رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار جس طرح
کہ احادیث میں بھی اس کی بڑی تاکید بیان کی گئی ہے۔

(۲) اس سے مراد رفیق سفر، شریک کار، بیوی اور وہ شخص ہے جو فائدے کی امید پر کسی کی قربت و ہم نشینی اختیار
کرے۔ بلکہ اس کی تعریف میں وہ لوگ بھی آسکتے ہیں جنہیں تحصیل علم، تعلم صناعت (کوئی کام سیکھنے) کے لیے یا کسی
کاروباری سلسلے میں آپ کے پاس بیٹھنے کا موقع ملے۔ (فتح القدیر)

(۳) اس میں گھر، دکان اور کارخانوں، طوں کے ملازم اور نوکر چاکر بھی آجاتے ہیں۔ غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی
بڑی تاکید احادیث میں آئی ہے۔

(۴) فخر و غرور اور تکبر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے بلکہ ایک حدیث میں یہاں تک آتا ہے کہ ”وہ شخص جنت میں نہیں
جائے گا جس کے دل میں رائی کے ایک دانے کے برابر بھی کبر ہو گا۔“ (صحیح مسلم کتاب الایمان، باب تحریم تکبر و بیانہ
حدیث نمبر ۹) یہاں کبر کی بطور خاص مذمت سے یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور جن جن لوگوں سے حسن
سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ اس پر عمل دینی شخص کر سکتا ہے جس کا دل کبر سے خالی ہو گا۔ متکبر اور مغرور شخص صحیح
معنوں میں نہ حق عبادت ادا کر سکتا ہے اور نہ اپنوں اور بیگانوں کے ساتھ حسن سلوک کا اہتمام۔

(۵) بخل (یعنی اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا) یا خرچ تو کرنا لیکن ریاکاری یعنی نمود و نمائش کے لیے کرنا۔ یہ دونوں باتیں

لَهُ قَرِينًا مَّا قَدَرْنَا ۝

وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَانْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۝

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْمُنَافِقِينَ ۚ إِنَّكَ كُنْتَ تَضَعِفُهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَاكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝

وہ بدترین ساتھی ہے۔ (۳۸)

بھلا ان کا کیا نقصان تھا اگر یہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ نے جو انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے، اللہ تعالیٰ انہیں خوب جاننے والا ہے۔ (۳۹)

بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اسے دوگنی کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب دیتا ہے۔ (۴۰)

پس کیا حال ہو گا جس وقت کہ ہر امت میں سے ایک گواہ ہم لائیں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ (۴۱)

اللہ کو سخت ناپسند ہیں اور ان کی خدمت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ یہاں قرآن کریم میں ان دونوں باتوں کو کافروں کا شیوہ اور ان لوگوں کا طریقہ بتا دیا گیا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور شیطان ان کا ساتھی ہے۔

(۱) ہر امت میں سے اس کا پیغمبر اللہ کی بارگاہ میں گواہی دے گا کہ یا اللہ! ہم نے تو تیرا پیغام اپنی قوم کو پہنچا دیا تھا، اب انہوں نے نہیں مانا تو ہمارا کیا قصور؟ پھر ان سب پر نبی کریم ﷺ گواہی دیں گے کہ یا اللہ! یہ سچے ہیں۔ آپ ﷺ یہ گواہی اس قرآن کی وجہ سے دیں گے جو آپ ﷺ پر نازل ہوا اور جس میں گزشتہ انبیاء اور ان کی قوموں کی سرگزشت بھی حسب ضرورت بیان کی گئی ہے۔ یہ ایک سخت مقام ہو گا، اس کا تصور ہی لرزہ بر اندام کر دینے والا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن سننے کی خواہش ظاہر فرمائی، وہ سنتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا بس اب کافی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ (صحیح بخاری، فضائل القرآن، بعض لوگ کہتے ہیں کہ گواہی دہی دے سکتا ہے جو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اس لیے وہ ”شہید“ (گواہ) کے معنی ”حاضر ناظر“ کے کرتے ہیں اور یوں نبی ﷺ کو ”حاضر ناظر“ یا در کراتے ہیں۔ لیکن نبی ﷺ کو حاضر ناظر سمجھنا، یہ آپ ﷺ کو اللہ کی صفت میں شریک کرنا ہے جو شرک ہے کیوں کہ حاضر ناظر صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ ”شہید“ کے لفظ سے ان کا استدلال اپنے اندر کوئی قوت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ شہادت یقینی علم کی بنیاد پر بھی ہوتی ہے اور قرآن میں بیان کردہ حقائق و واقعات سے زیادہ یقینی علم کس کا ہو سکتا ہے؟ اسی یقینی علم کی بنیاد پر خود امت محمدیہ کو بھی قرآن نے ﷺ عَلٰی النَّبِیِّ ﴿﴾ تمام کائنات کے لوگوں پر گواہ) کہا ہے۔ اگر گواہی کے لیے حاضر ناظر ہونا ضروری ہے تو پھر امت محمدیہ کے ہر فرد کو حاضر ناظر بنانا پڑے گا۔ ہر حال نبی ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ شرکاذن اور بے بنیاد ہے۔ اَعَادَ اللَّهُ مِنِّہُ

يَوْمَئِذٍ يَوْمَ الدِّينِ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿٦٠﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَءُوا الْقُرْآنَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٦١﴾

جس روز کافر اور رسول کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش! انہیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔ (۶۰)
اے ایمان والو! جب تم نشے میں مست ہو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ^(۱) جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو اور جنابت کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کر لو^(۲) ہاں اگر راہ چلتے گزر جانے والے ہو تو اور بات ہے^(۳) اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اپنے منہ اور اپنے ہاتھ مل لو۔^(۴) بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔ (۶۱)

(۱) یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا کہ ابھی شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک دعوت میں شراب نوشی کے بعد جب نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو نشے میں قرآن کے الفاظ بھی امام صاحب غلط پڑھ گئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے ترمذی 'تفسیر سورۃ النساء') جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نشے کی حالت میں نماز مت پڑھا کرو۔ گویا اس وقت صرف نماز کے وقت کے قریب شراب نوشی سے منع کیا گیا۔ بالکل ممانعت اور حرمت کا حکم اس کے بعد نازل ہوا۔ (یہ شراب کی بابت دو سرائح حکم ہے جو مشروط ہے)

(۲) یعنی ناپاکی کی حالت میں بھی نماز مت پڑھو۔ کیونکہ نماز کے لیے طہارت ضروری ہے۔

(۳) اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسافری کی حالت میں اگر پانی نہ ملے تو جنابت کی حالت میں ہی نماز پڑھ لو (جیسا کہ بعض نے کہا ہے) بلکہ جمہور علماء کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں تم مسجد کے اندر مت بیٹھو! ابتداء مسجد کے اندر سے گزرنے کی ضرورت پڑے تو گزر سکتے ہو بعض صحابہ کے مکان اس طرح تھے کہ انہیں ہر صورت میں مسجد نبوی کے اندر سے گزر کر جانا پڑتا تھا۔ یہ رخصت ان ہی کے پیش نظر دی گئی ہے۔ (ابن کثیر) ورنہ مسافر کا حکم آگے آ رہا ہے۔

(۴) بیمار سے مراد وہ بیمار ہے جسے وضو کرنے سے نقصان یا بیماری میں اضافے کا اندیشہ ہو۔ (۲) مسافر عام ہے 'المسافر' کیا ہو یا مختصر۔ اگر پانی دستیاب نہ ہو تو تیمم کرنے کی اجازت ہے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں یہ اجازت تو تیمم کو بھی حاصل ہے 'لیکن بیمار اور مسافر کو چونکہ اس قسم کی ضرورت عام طور پر پیش آتی تھی اس لیے بطور خاص ان کے لیے

لَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أَوْتُوا نَهْيًا إِلَى الْكِتَابِ يَنْشَرُونَ
الضَّلَّةَ وَيُرِيدُونَ أَنْ تَفْضُلُوا السَّبِيلَ ﴿٣٤﴾

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ وَكَفَى بِاللَّهِ وَلِيًّا ۖ وَكَفَى
بِاللَّهِ نَصِيرًا ﴿٣٥﴾

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُخَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ
وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأَنفَعَنَا سَمْعُ بَعْضِهِمْ
وَوَاعِدَاتُ الْآخَرِينَ ۚ وَاللَّهُ يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لِيَكُونُوا فِي
أَعْيُنِهِمْ فَطُغْيَانًا لِلدِّينِ ۖ وَلَوْ أَنَّكُمْ فَالُوا آمِنَةً
وَأَطَعْنَا وَأَسَمِعْنَا وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمًا
وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٣٦﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا؟ جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا
گیا ہے وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی
راہ سے ہٹک جاؤ۔ (۳۴)

اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جاننے والا ہے اور
اللہ تعالیٰ کا دوست ہونا کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کا مددگار ہونا
بس ہے۔ (۳۵)

بعض یہود کلمات کو ان کی ٹھیک جگہ سے ہیر پھیر کر دیتے
ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور سن اس
کے بغیر کہ تو سنا جائے^(۱) اور ہماری رعایت کرا (لیکن اس
کنسے میں) اپنی زبان کو بچ دیتے ہیں اور دین میں طعنہ
دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے
فرمانبرداری کی اور آپ سنئے اور ہمیں دیکھئے تو یہ ان کے
لئے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب تھا، لیکن اللہ تعالیٰ
نے ان کے کفر کی وجہ سے انہیں عنت کی ہے۔ پس یہ

اجازت بیان کر دی گئی ہے۔ (۳) قضائے حاجت سے آنے والا (۴) اور بیوی سے مباشرت کرنے والا، ان کو بھی پانی نہ
سننے کی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی مرتبہ ہاتھ زمین پر مار کر کھائی
تک دونوں ہاتھ ایک دوسرے پر پھیر لے۔ (کنہیوں تک ضروری نہیں) اور منہ پر بھی پھیر لے قَالَ بِي النَّبِيِّ
اصْرَئِيلَ لِلنَّوَجَةِ وَالْكَافِينَ ۖ اسعد احمد۔ عمار علیہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۳ نبی ﷺ نے تیمم کے بارے میں فرمایا کہ
یہ دونوں پتھلیوں اور چترے کے لیے ایک ہی مرتبہ مارنا ہے۔ ﴿صَوِّبًا اَلْطَّيِّبًا﴾ سے مراد "پاک مٹی" ہے۔ زمین سے
نکلنے والی ہر چیز نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ حدیث میں اس کی مزید وضاحت کر دی گئی ہے۔ ﴿جُعِلَتْ تَرَابُهَا لَنَا
طَهُورًا اِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ﴾ صحیح مسلم۔ کتاب المساجد، جب ہمیں پانی نہ ملے تو زمین کی مٹی ہمارے لیے
پاکیزگی کا ذریعہ بنا دی گئی ہے۔

(۱) یہودیوں کی خباثتوں اور شرارتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ "ہم نے سنا" کے ساتھ ہی کہہ دیتے لیکن ہم نافرمانی
کریں گے یعنی اطاعت نہیں کریں گے۔ یہ دل میں کہتے یا اپنے ساتھیوں سے کہتے یا شوخ، ہشمانہ جہارت کا ارتکاب
کرتے ہوئے منہ پر کہتے۔ اسی طرح غیرِ مُسْمِع (تیری بات نہ سنی جائے) یہ بددعا کے طور پر کہتے یعنی تیری بات
مقبول نہ ہو۔ زَعْنَا کی بابت دیکھئے سورۃ البقرۃ آیت ۱۰۳ کا حاشیہ۔

بست ہی کم ایمان لاتے ہیں،^(۱) (۳۶)

اے اہل کتاب! جو کچھ ہم نے نازل فرمایا ہے جو اس کی بھی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے، اس پر ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انہیں لوٹا کر پیٹھ کی طرف کر دیں،^(۲) یا ان پر لعنت بھیجیں جیسے ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کی^(۳) اور ہے اللہ تعالیٰ کا کام کیا گیا۔^(۴) (۳۷)

یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے^(۵) اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بہت بڑا گناہ اور برہمن باندھا۔^(۶) (۳۸)

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی اور ستائش خود کرتے ہیں؟ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پاکیزہ کرتا ہے، کسی پر ایک دھاگے کے برابر ظلم نہ کیا جائے گا۔^(۷) (۳۹)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْكِتَابُ آمَنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلُ أَنْ تَقُولَ دُعَاءُ الْفَرِّقَةِ عَلَىٰ أَذْبَارِهِمْ أَوْ لَعْنَةُ اللَّهِ لِمَا أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ مُتَعَذِّبًا ۝

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ۝

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ اللَّهُ يُرْسِلُ مِنْ يَشَاءُ وَلَا يَتْلُونَ تَفْهِيمًا ۝

(۱) یعنی ایمان لانے والے بہت ہی قلیل ہیں۔ پہلے گزر چکا ہے کہ یہود میں سے ایمان لانے والوں کی تعداد دوس تک بھی نہیں پہنچتی۔ یا یہ معنی ہیں کہ بہت ہی کم باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ جب کہ ایمان نافع یہ ہے کہ سب باتوں پر ایمان لایا جائے۔

(۲) یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں تمہارے کرتوتوں کی پاداش میں یہ سزا دے سکتا ہے۔

(۳) یہ قصہ سورہ اعراف میں آئے گا، کچھ اشارہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ یعنی تم بھی ان کی طرح ملعون قرار پا سکتے ہو۔

(۴) یعنی جب وہ کسی بات کا حکم کر دے تو نہ کوئی اس کی مخالفت کر سکتا ہے اور نہ اسے روک ہی سکتا ہے۔

(۵) یعنی ایسے گناہ جن سے مومن توبہ کیے بغیر ہی مر جائیں، اللہ تعالیٰ اگر کسی کے لیے چاہے گا تو بغیر کسی قسم کی سزا دیئے معاف فرما دے گا اور بہت سوں کو سزا کے بعد اور بہت سوں کو نبی ﷺ کی شفاعت پر معاف فرما دے گا۔ لیکن شرک کسی صورت میں معاف نہیں ہو گا کیونکہ شرک پر اللہ نے جنت حرام کر دی ہے۔

(۶) دوسرے مقام پر فرمایا ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (نعمان) ”شرک ظلم عظیم ہے“ حدیث میں اسے سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ أَكْبَرُ الْكِبَايِرِ الشِّرْكَ بِاللَّهِ

(۷) یہود اپنے منہ میاں منہ بچتے تھے مثلاً ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں وغیرہ اللہ نے فرمایا ترکیہ کا اختیار بھی

أَنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَكَفَىٰ بِهِ
إِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٠﴾

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أَوْتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ
بِالْغَيْبِ وَالطَّاعُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ
أَهْدَىٰ مِنَ الْغَايِينَ أَمْ لَا نَأْتِيهِمْ بَأْسًا وَلَا هَؤُلَاءِ ﴿٥١﴾

دیکھو یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر کس طرح جھوٹ باندھتے
ہیں ^(۱) اور یہ (حرکت) صریح گناہ ہونے کے لئے کافی
ہے۔ ^(۲) (۵۰)

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا
ہے؟ جو بت کا اور باطل معبود کا اعتقاد رکھتے ہیں اور
کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں
سے زیادہ راہ راست پر ہیں۔ ^(۳) (۵۱)

اللہ کو ہے اور اس کا علم بھی اسی کو ہے۔ فہمیل مجبور کی تمغلی کے کٹاؤ پر جو دھاگے یا سوت کی طرح نکلتا یا دکھائی دیتا ہے
اس کو کہا جاتا ہے۔ یعنی اتنا سا ظلم بھی نہیں کیا جائے گا۔
(۱) یعنی مذکورہ دعوائے تزکیہ کر کے۔

(۲) یعنی ان کی یہ حرکت اپنی پاکیزگی کا ادعا ان کے کذب و افتراء کے لیے کافی ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت اور اس کی
شان نزول کی روایات سے معلوم ہوا کہ ایک دوسرے کی مدح و توصیف بالخصوص تزکیہ نفوس کا دعویٰ کرنا صحیح اور جائز
نہیں۔ اسی بات کو قرآن کریم کے دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا گیا۔ ﴿لَا تَزُولُ أَلْسِنَتُهُم مِّنَ الْحَقِّ﴾
(السجۃ ۳۲) ”اپنے نفوس کی پاکیزگی اور ستائش مت کرو“ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، تم میں متقی کون ہے؟“ حدیث میں ہے
حضرت مقدادؓ بیان کرتے ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم تعریف کرنے والوں کے چروں پر مٹی ڈال
دیں“ اَنْ نَّحْثُوْهُم بِوُحُوْهِ الْمَذَاجِيْنِ الشَّرَابِ (صحیح مسلم کتاب الزہد) ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ
نے ایک آدمی کو ایک دوسرے آدمی کی تعریف کرتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”وَنَحْنُكَ قَطَعْتَ عُنُقَ
صَاحِبِكَ“ ”انفوس ہے تجھ پر تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی“ پھر فرمایا کہ ”اگر تم میں سے کسی کو کسی کی لامحالہ
تعریف کرنی ہے تو اس طرح کہا کرے اُخْبِیْہُ کَذَا میں اسے اس طرح گمان کرتا ہوں۔ اللہ پر کسی کا تزکیہ بیان نہ
کرے۔“ (اصحیح بخاری کتاب الشهادات والأدب۔ مسلم کتاب الزہد)

(۳) اس آیت میں یہودیوں کے ایک اور فعل پر تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ اہل کتاب ہونے کے باوجود یہ جنت
(بت کاہن یا ساحر) ادعطاءوت (جموٹے معبودوں) پر ایمان رکھتے اور کفار کہہ کو مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ سمجھتے
ہیں۔ جنت کے یہ سارے مذکورہ معنی کیے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے ”اِنَّ الْبَعِیَافَةَ وَالطَّرِیْقَ وَالطَّیْرَةَ مِنْ
النَّجِسِ“ (مسند اُمی داود، کتاب الطب) ”پرندے اڑا کر، خط کھینچ کر، بدخل اور بدشگون لینا یہ جنت سے ہیں۔“ یعنی
یہ سب شیطانی کام ہیں اور یہودی میں بھی یہ چیزیں عام تھیں۔ طاعوت کے ایک معنی شیطان بھی کیے گئے ہیں۔ دراصل
معبودان باطل کی پرستش، شیطان ہی کی پیروی ہے۔ اس لیے شیطان بھی یقیناً طاغوت میں شامل ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ يَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۝

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِنَ الْمَالِ فَإِذَا يُنْفِقُونَ فَاذْكُرُوا النَّاسَ نَفِيرًا ۝

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ۝

فِيمَنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ وَيَمْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَلَئِنْ يَجْعَلُوا سَوِيًّا ۝

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كَلْبًا نَظِيمًا

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور جسے اللہ تعالیٰ لعنت کر دے، تو اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔ (۵۲)

کیا ان کا کوئی حصہ سلطنت میں ہے؟ اگر ایسا ہو تو پھر یہ کسی کو ایک کجور کی تمغلی کے شکاف کے برابر بھی کچھ نہ دیں گے۔ (۵۳)

یا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے، پس ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت بھی دی ہے اور بڑی سلطنت بھی عطا فرمائی ہے۔ (۵۴)

پھر ان میں سے بعض نے تو اس کتاب کو مانا اور بعض اس سے رک گئے، (۵۵) اور جنم کا جانا کٹی ہے۔ (۵۵)

جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا، انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے (۵۶) جب ان کی کھائیں پک جائیں گی ہم

(۱) یہ استفہام انکاری ہے یعنی بادشاہی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اگر اس میں ان کا کچھ حصہ ہوتا تو یہ یہود اتنے بخیل ہیں کہ لوگوں کو بالخصوص حضرت محمد ﷺ کو اتنا بھی نہ دیتے جس سے کجور کی تمغلی کا شکاف ہی پر ہو جاتا۔ نَفِيرًا اس نقطے کو کہتے ہیں جو کجور کی تمغلی کے اوپر ہوتا ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) ام (یا) بل کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے یعنی بلکہ یہ اس بات پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو چھوڑ کر دو سروں میں نبی (یعنی آخری نبی) کیوں بنایا؟ نبوت اللہ کا سب سے بڑا فضل ہے۔

(۳) یعنی بنی اسرائیل کو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت اور آل میں سے ہیں، ہم نے نبوت بھی دی اور بڑی سلطنت و بادشاہی بھی۔ پھر بھی یہود کے یہ سارے لوگ ان پر ایمان نہیں لائے۔ کچھ ایمان لائے اور کچھ نے اعراض کیا۔ مطلب یہ ہے کہ اے محمد ﷺ! اگر یہ آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لارہے ہیں تو کوئی انوکھی بات نہیں ہے ان کی تو تاریخ ہی نبیوں کی تکذیب سے بھری ہوئی ہے حتیٰ کہ اپنی نسل کے نبیوں پر بھی یہ ایمان نہیں لائے۔ بعض نے تم نبی میں ہا کا مرجع نبی ﷺ کو بتلایا ہے یعنی ان یہود میں سے کچھ نبی ﷺ پر ایمان لائے اور کچھ نے انکار کیا۔ ان منکرین نبوت کا انجام جہنم ہے۔

(۴) یعنی جہنم میں اہل کتاب کے منکرین ہی نہیں جائیں گے بلکہ دیگر تمام کفار کا ٹھکانہ بھی جہنم ہی ہے۔

جُلُودُهُمْ بِكَ لَنْهُمْ جُلُودًا غَيْرَ هَٰذِهِ وَلَوْ أَنَّ اللَّهَ كَانَ عَيْنًا حَكِيمًا ﴿۵۶﴾

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَمْ يَكُنْ فِيهَا آفٌ وَلَا عِلٌّ وَمُظْمَرٌ وَسَنُدْخِلُهُمْ غُلَامًا حَسَنًا ﴿۵۷﴾

ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں،^(۱) یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ (۵۶)
اور جو لوگ ایمان لائے اور شائستہ اعمال کئے^(۲) ہم عنقریب انہیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ان کے لئے وہاں صاف ستھری بیویاں ہوں گی اور ہم انہیں گھنی چھاؤں (اور پوری راحت) میں لے جائیں گے۔ (۵۷)^(۳)

(۱) یہ جہنم کے عذاب کی سختی، تسلسل اور دوام کا بیان ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول بعض آثار میں بتلایا گیا ہے۔ کھالوں کی یہ تبدیلی دن میں بیسیوں بلکہ سینکڑوں مرتبہ عمل میں آئے گی اور مسند احمد کی روایت کی رو سے جہنمی جہنم میں اتنے فریہ ہو جائیں گے کہ ان کے کانوں کی لو سے پیچھے گردن تک کا فاصلہ سات سو سال کی مسافت جتن ہو گا، ان کی کھال کی موٹائی ستر یاشت اور واڑھ احد پہاڑ جتنی ہو گی۔

(۲) کفار کے مقابلے میں اہل ایمان کے لیے جو ابدی نعمتیں ہیں، ان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن وہ اہل ایمان جو اعمال صالحہ کی دولت سے بالامال ہوں گے۔ جَعَلَ اللَّهُ مِنْهُمْ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر جگہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا ذکر کر کے واضح کر دیا کہ ان کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایمان، عمل صالح کے بغیر ایسے ہی ہے جیسے پھول ہو مگر خوشبو کے بغیر، درخت ہو لیکن بے ثمر۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور خیر القرون کے دوسرے مسلمانوں نے اس نکتے کو سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ ان کی زندگیاں ایمان کے پھل۔ اعمال صالحہ۔ سے بالامال تھیں۔ اس دور میں بے عمل یا بد عمل کے ساتھ ایمان کا تصور ہی نہیں تھا۔ اس کے برعکس آج ایمان صرف زبانی جمع خرچ کا نام رہ گیا ہے۔ اعمال صالحہ سے دعوے داران ایمان کا دامن خالی ہے۔ هَذَا اللَّهُ تَعَالَى اسی طرح اگر کوئی شخص ایسے عمل کرتا ہے جو اعمال صالحہ کی ذیل میں آتے ہیں۔ مثلاً راست بازی، امانت و دیانت، ہمدردی و غم گساری اور دیگر اخلاقی خوبیاں۔ لیکن ایمان کی دولت سے یہ محروم ہے تو اس کے یہ اعمال، دنیا میں تو اس کی شہرت و نیک نامی کا زریعہ ثابت ہو سکتے ہیں لیکن اللہ کی بارگاہ میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو گی اس لیے کہ ان کا سرچشمہ ایمان نہیں ہے جو اچھے اعمال کو عند اللہ بار آور بناتا ہے بلکہ صرف اور صرف دنیوی مفادات یا قومی اخلاق و عادات ان کی بنیاد ہے۔

(۳) گھنی، گہری، عمدہ اور پاکیزہ چھاؤں جس کو ترجمہ میں ”پوری راحت“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے ”جنت میں ایک درخت ہے جس کا سایہ اتنا ہے کہ ایک سوار سو سال میں بھی اسے طے نہیں کر سکے گا یہ شجرۃ الخلد ہے۔

مسند احمد، جلد ۲، ص ۲۵۵، وأصله في البخاري، كتاب بدء الخلق باب معبر، ۸، ما جاء في صفة الجنة وأهلها مخلوقة

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَعْلَمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝

اللہ تعالیٰ تمہیں تاکید کرتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ^(۱) اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو^(۲) یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔^(۳) بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے، دیکھتا ہے۔ (۵۸)

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔^(۴) پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأَطِيعُوا الْأَمْرَ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ

(۱) اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت حضرت عثمان بن طلحہؓ کی شان میں 'جو خاندانی طور پر خانہ کعبہ کے دربان و کلید بردار تھے' آ رہے تھے 'ناز ہوئی ہے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں تشریف لائے تو طواف وغیرہ کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہؓ کو جو صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہو چکے تھے 'طلب فرمایا اور انہیں خانہ کعبہ کی چابیاں دے کر فرمایا "یہ تمہاری چابیاں ہیں آج کا دن و قافور نیکی کا دن ہے" (ابن کثیر، آیت کا یہ سبب نزول اگرچہ خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے اور اس کے مخاطب عوام اور حکام دونوں ہیں۔ دونوں کو تاکید ہے کہ امانتیں انہیں پہنچاؤ جو امانتوں کے اہل ہیں۔ اس میں ایک تو وہ امانتیں شامل ہیں جو کسی نہ کسی کے پاس رکھوائی ہوں۔ ان میں خیانت نہ کی جائے بلکہ یہ بحفاظت عند الطلب لوٹادی جائیں۔ دوسرے عہدے اور مناصب اہل لوگوں کو دیئے جائیں 'محض سیاسی بنیاد یا نسلی و وطنی بنیاد یا قربابت و خاندان کی بنیاد یا کوئی سسٹم کی بنیاد پر عہدہ و منصب دینا اس آیت کے خلاف ہے۔

(۲) اس میں حکام کو بطور خاص عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔ "حاکم جب تک ظلم نہ کرے" اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ ظلم کا ارتکاب شروع کر دیتا ہے تو اللہ اسے اس کے اپنے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الأحکام)

(۳) یعنی امانتیں اہل لوگوں کے سپرد کرنا اور عدل و انصاف مہیا کرنا۔

(۴) اولوالامر (اپنے میں سے اختیار والے) سے مراد بعض کے نزدیک امراد حکام اور بعض کے نزدیک علماء و فقہا ہیں مفہوم کے اعتبار سے دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اصل اطاعت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے کیونکہ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (اعراف-۵۳) "خبردار مخلوق بھی اسی کی ہے" حکم بھی اسی کا ہے ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (یوسف-۳۰) "حکم صرف اللہ ہی کا ہے" لیکن چونکہ رسول ﷺ خالص منشاء الہی کا مظہر اور اس کی مرضیات کا نمائندہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ رسول ﷺ کے حکم کو بھی مستقل طور پر واجب الطاعت قرار دیا اور فرمایا کہ رسول ﷺ

وَالرُّسُولَ إِنْ كُنْتُمْ تُوْمِنُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ
ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ
وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِهِ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا كَلِمَاتِ الْفُلَاحِشَةِ

تو اسے بولنا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف اگر
تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ
بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔ (۵۹)^(۱)
کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ
جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے آتا رہا گیا ہے اس

کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔ ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ طَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: ۸۰) ”جس نے رسول کی اطاعت
کی اس نے اللہ کی اطاعت کی“ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث بھی اسی طرح دین کا ماخذ ہے جس طرح
قرآن کریم۔ تاہم امراد حکام کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ وہ یا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا نفاذ
کرتے ہیں۔ یا امت کے اجتماعی مصالح کا انتظام اور نگرہداشت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امراد حکام کی اطاعت
اگرچہ ضروری ہے لیکن وہ علیٰ انطلاق نہیں بلکہ مشروط ہے اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ۔ اسی لیے اَطِيعُوا
اللہ کے بعد اَطِيعُوا الرَّسُولَ تو کہا کیونکہ یہ دونوں اطاعتیں مستقل اور واجب ہیں لیکن اَطِيعُوا اَوْھٰی الْاَمْرِ نہیں کہا
کیونکہ اَوْھٰی الْاَمْرِ کی اطاعت مستقل نہیں اور حدیث میں بھی کہا گیا ہے۔ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَلِيقِ
ولہذا الکتاب فی حدیث صحیح۔ مشکوٰۃ معبر ۳۶۶ فی لفظ لمسلم لا طاعة فی معصية الله کتاب
الإمامۃ باب وجوب طاعة الأئمة فی غیر معصية حدیث معبر ۸۳۰ اور: إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ (صحیح
بخاری کتاب الأحکام باب معبر ۴) السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ لِلْإِمَامِ مَا لَمْ تَكُنْ مَعْصِيَةً ”معصیت میں اطاعت
نہیں“ اطاعت صرف معروف میں ہے۔ ”یہی حال علماء فقہاء کا بھی ہے۔ (اگر اولوالامر میں ان کو بھی شمل کیا جائے) یعنی
ان کی اطاعت اس لیے کرنی ہوگی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام و فرمودات بیان کرتے ہیں اور اس کے دین کی
طرف ارشاد و ہدایت اور رہنمائی کا کام کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علماء فقہاء بھی دینی امور و معاملات میں حکام کی
طرح یقیناً مرجع عوام ہیں۔ لیکن ان کی اطاعت بھی صرف اس وقت تک کی جائے گی جب تک کہ عوام کو صرف اللہ اور
اس کے رسول ﷺ کی بات بتلائیں لیکن اگر وہ اس سے انحراف کریں تو عوام کے لیے ان کی اطاعت بھی ضروری
نہیں بلکہ انحراف کی صورت میں جانتے بوجھے ان کی اطاعت کرنا سخت معصیت اور گناہ ہے۔

(۱) اللہ کی طرف لوٹانے سے مراد قرآن کریم اور رسول ﷺ سے مراد اب حدیث رسول ہے۔ یہ تنازعات کے ختم
کرنے کے لیے ایک بہترین اصول بتا دیا گیا ہے اس اصول سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی تیسری شخصیت کی اطاعت
واجب نہیں جس طرح تقلید محض یا تقلید معین کے قائلین نے ایک تیسری اطاعت کو واجب قرار دے رکھا ہے اور
اسی تیسری اطاعت نے جو قرآن کی اس آیت کے صریح مخالف ہے، مسلمانوں کو امت متحدہ کی بجائے امت منشرعہ بنا
رکھا ہے اور ان کے اتحاد کو تقریباً ناممکن بنا دیا ہے۔

وَقَدْ أَمَرُوا أَنْ يَكْفَرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝

پر ان کا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے۔ (۶۰)

وَلَا يَقِيلُ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتُ الْمُتْلِفِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۝

ان سے جب کہی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف آؤ تو آپ دیکھ لیں گے کہ یہ منافق آپ سے منہ پھیر کر رہ جاتے ہیں۔ (۶۱)

فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا كَيْدٌ مِّنْ آلِ اللَّهِ ثُمَّ جَاءُوا ذُوكَ يُخَفِّفُونَ قِيلَ إِنَّهُمْ إِذَا جَاءُوا أَحْسَنًا وَتَوَفِّيْنَا ۝

پھر کیا بات ہے کہ جب ان پر ان کے کروت کے باعث کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو پھر یہ آپ کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل ملاپ ہی کا تھا۔ (۶۲)

أَوَلَيْكَ الَّذِينَ يَسْعَوْنَ اللَّهُ مَآفِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۝

یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں کا بھید اللہ تعالیٰ پر بخوبی روشن ہے، آپ ان سے چشم پوشی کیجئے، انہیں نصیحت کرتے رہیئے اور انہیں وہ بات کہئے جو ان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو۔ (۶۳)

(۱) یہ آیات ایسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں جو اپنا فیصلہ عدالت میں لے جانے کے بجائے سردارانِ یسودیا سردارانِ قریش کی طرف لے جانا چاہتے تھے۔ تاہم اس کا حکم عام ہے اور اس میں تمام وہ لوگ شامل ہیں جو کتاب و سنت سے اعراض کرتے ہیں اور اپنے فیصلوں کے لئے ان دونوں کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف جاتے ہیں۔ ورنہ مسلمانوں کا حال تو یہ ہوتا ہے ﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى طُلُوٍّ وَمَنْعُولِهِمْ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ (انور-۵۱) کہ جب انہیں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو وہ کہتے ہیں کہ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ایسے ہی لوگوں کے بارے میں آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتْلِفُونَ﴾ ”یہی لوگ کامیاب ہیں“۔

(۲) یعنی جب اپنے اس کروت کی وجہ سے عتاب الہی کا شکار ہو کر مصیبتوں میں پھنستے ہیں تو پھر آ کر کہتے ہیں کہ کسی دوسری جگہ جانے سے مقصد یہ نہیں تھا کہ وہاں سے ہم فیصلہ کروائیں یا آپ ﷺ سے زیادہ ہمیں وہاں انصاف ملے گا بلکہ مقصد صلح اور ملاپ کرنا تھا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ ہم ان کے دلوں کے تمام بھیدوں سے واقف ہیں (جس پر ہم انہیں جزا دیں گے) لیکن

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝

ہم نے ہر ہر رسول کو صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے اور اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، تیرے پاس آ جاتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کرتے،^(۱) تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔ (۶۴)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُخْلُوكَ فِئْتًا جَزَءَ بَيْنَهُمْ ثَمَرًا لَا يَبْدُوَانِ أَفَلَا تَفْقَهُونَ ۝

سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں^(۲) (۶۵)

اے پیغمبر! آپ ان کے ظاہر کو سامنے رکھتے ہوئے درگزر ہی فرمائیے اور وعظ و نصیحت اور قول بلیغ کے ذریعے سے ان کے اندر کی اصلاح کی کوشش جاری رکھئے! جس سے یہ معلوم ہوا کہ دشمنوں کی سازش کو عنود درگزر، وعظ و نصیحت اور قول بلیغ کے ذریعے سے ہی ناکام بنانے کی سعی کی جانی چاہیے۔

(۱) مغفرت کے لئے بارگاہ الہی میں ہی توبہ و استغفار ضروری اور کافی ہے۔ لیکن یہاں ان کو کہا گیا کہ اے پیغمبر! وہ تیرے پاس آتے اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور تو بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتا۔ یہ اس لئے کہ چونکہ انہوں نے فصل خصومات (جھگڑوں کے فیصلے) کے لئے دوسروں کی طرف رجوع کر کے آپ ﷺ کا استخفاف کیا تھا۔ اس لئے اس کے ازالے کے لئے آپ ﷺ کے پاس آنے کی تاکید کی۔

(۲) اس آیت کی شان نزول میں ایک یہودی اور مسلمان کا واقعہ عموماً بیان کیا جاتا ہے جو بارگاہ رسالت سے فیصلے کے باوجود حضرت عمرؓ سے فیصلہ کروانے گیا جس پر حضرت عمرؓ نے اس مسلمان کا سر قلم کر دیا۔ لیکن سند ایہ واقعہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ ابن کثیر نے بھی وضاحت کی ہے۔ صحیح واقعہ جو اس آیت کے نزول کا سبب ہے وہ یہ ہے کہ حضرت زبیرؓ کا جو رسول اللہ ﷺ کے چھوٹے زادے تھے۔ اور ایک آدمی کا کھیت کو سیراب کرنے والے (ٹالے) کے پانی پر جھگڑا ہو گیا۔ معاملہ نبی ﷺ تک پہنچا آپ ﷺ نے صورت حال کا جائزہ لے کر جو فیصلہ دیا تو وہ اتفاق سے حضرت زبیرؓ کے حق میں تھا جس پر دوسرے آدمی نے کہا کہ آپ ﷺ نے یہ فیصلہ اس لئے کیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کا چھوٹے زادے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (صحیح بخاری تفسیر سورة النساء) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ نبی ﷺ کی کسی بات یا فیصلے سے اختلاف تو کجا، دل میں اعتراض بھی محسوس کرنا ایمان کے منافی ہے۔ یہ آیت بھی منکرین حدیث کے لیے

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ اقْتُلُوا
مَنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ
فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ حَيْرَانَهُمْ وَأَسَدًا تَتَبِعْنَا ۝

وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مِنْ لَدُنْكَ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

وَلَهَذَا يُنْهَى عَنْ سَرَاةٍ مُسْتَقِيمًا ۝

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ
اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ
وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝

اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر
ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اسے ان میں سے
بہت ہی کم لوگ بجالاتے اور اگر یہ وہی کریں جس کی
انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً یہی ان کے لئے بہتر اور
بہت زیادہ مضبوطی والا ہو۔^(۶۶)

اور تب تو انہیں ہم اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں۔ (۶۷)
اور یقیناً انہیں راہ راست دکھا دیں۔ (۶۸)

اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی
فرمانبرداری کرے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ
تعالیٰ نے انعام کیا ہے جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور
نیک لوگ یہ بہترین رفیق ہیں۔^(۶۹)

تو ہے ہی دیگر افراد کے لئے بھی لمحہ فکریہ ہے جو قول امام کے مقابلے میں حدیث صحیح سے انقباض ہی محسوس نہیں کرتے
بلکہ یا تو کلمے لفظوں میں اسے ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ یا اس کی دور انداز کار تاویل کر کے یا نقد راویوں کو ضعیف باور
کرا کے مسترد کرنے کی مذموم سعی کرتے ہیں۔

(۱) آیت میں انہی کا فرمان قسم کے لوگوں کی جہلت رویہ کی طرف اشارہ کر کے کہا جا رہا ہے کہ اگر انہیں حکم دیا جا کہ
ایک دوسرے کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو جب یہ آسان باتوں پر عمل نہیں کر سکے تو اس پر عمل کس طرح
کر سکتے تھے؟ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق ان کی بابت فرمایا ہے جو یقیناً واقعات کے مطابق ہے۔ مطلب یہ ہے
کہ سخت حکموں پر عمل تو یقیناً مشکل ہے لیکن اللہ تعالیٰ بہت شفیق اور مہربان ہے اس کے احکامات بھی آسان ہیں۔
اس لیے اگر وہ ان حکموں پر چلیں جن کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے لیے بہتر اور طاہرہ قدامت کا باعث ہو۔
کیونکہ ایمان اطاعت سے زیادہ اور معصیت سے کم ہوتا ہے۔ نیکی سے نیکی کا راستہ کھلتا اور بدی سے بدی متولد ہوتی
ہے۔ یعنی اس کا راستہ کشادہ اور آسان ہوتا ہے۔

(۲) اللہ دروس کی اطاعت کا صلہ بتلایا جا رہا ہے اس لیے حدیث میں آتا ہے «الْعَمْرُؤُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ» (صحیح بخاری
کتاب الآداب باب معبر ۱۰۷ علامۃ حب اللہ عروجہ مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب باب المعرفۃ مع من أحب
حدیث معبر ۱۱۴۰) آدمی انہی کے ساتھ ہو گا جن سے اس کو محبت ہوگی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ «صحابہ
النبی ﷺ کو جتنی خوشی اس فرمان رسول کو سن کر ہوئی اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی۔» کیونکہ وہ جنت میں بھی رسول اللہ
ﷺ کی رفاقت پسند کرتے تھے۔ اس کی شان نزول کی روایات میں بتایا گیا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے

ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عِلْمًا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا احْذَرُوا جُذُرَكُمْ فَاتَّقُوا

ثُبَاتِ آبَائِهِمْ وَأُمَمَهُمْ ۝

وَإِنْ يَنْتَحِزِبُوا لَكُمْ كَبِيرَتَيْنِ فَإِنْ أَصَابَكُمْ مُصِيبَةٌ قَالِ

قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْنَا ۝

وَلَمَّا أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللَّهِ لِيَقُولُوا كَأَن لَّمْ

يَكُن بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَلْبِسْنِي كُنْتُ مَعَهُمْ

یہ فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ
جاننے والا۔ (۷۰)

اے مسلمانو! اپنے بچاؤ کا سامان لے لو^(۱) پھر گروہ گروہ
بن کر کوچ کرو یا سب کے سب اکٹھے ہو کر نکل کھڑے
ہو! (۷۱)

اور یقیناً تم میں بعض وہ بھی ہیں جو پس و پیش کرتے
ہیں،^(۲) پھر اگر تمہیں کوئی نقصان ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں
کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ
موجود نہ تھا۔ (۷۲)

اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی فضل^(۳) مل جائے تو اس
طرح کہ گویا تم میں ان میں دوستی تھی ہی نہیں،^(۴) کہتے

یہ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا اور ہمیں اس سے فروتر مقام ہی ملے گا اور یوں
ہم آپ ﷺ کی اس محبت و رفاقت اور دیدار سے محروم رہیں گے جو ہمیں دنیا میں حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ
آیت اتار کر ان کی نفس کا سامان فرمایا۔ (ابن کثیر) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بطور خاص نبی ﷺ سے جنت میں رفاقت کی
درخواست کی وَأَسَأَلْتُ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ جس پر نبی ﷺ نے انہیں کثرت سے نفلی نماز پڑھنے کی تاکید فرمائی
«فَاعِينِي عَلَىٰ تَفِيكِ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ» (صحیح مسلم: کتاب الصلوٰۃ باب فضل السجود والحث علیہ
حدیث نمبر ۳۸۸) "پس تم کثرت سجدہ کے ساتھ میری مدد کرو۔" علاوہ ازیں ایک اور حدیث ہے۔ «الْثَّاجِرُ الصَّدُوقُ
الْأَمْسِيُّ مَعَ لَسِيْنٍ وَالصِّدِّيقَيْنِ وَالشُّهَدَاءِ» (ترمذی: کتاب الجمع باب ما جاء فی النجاء وتسمیة النبی
ﷺ بإمامہم، راست باز، امانت دار تاجرانبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہو گا۔ "صدقیت" کمال ایمان و کمال اطاعت
کا نام ہے، نبوت کے بعد اس کا مقام ہے امت محمدیہ میں اس مقام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے سب سے ممتاز ہیں۔
اور اسی لیے بالاتفاق غیر انبیاء میں وہ نبی ﷺ کے بعد افضل ہیں، صالح وہ ہے جو اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کا مل
طور پر ادا کرے اور ان میں کوتاہی نہ کرے۔

(۱) جِذْرُكُمْ (اپنا بچاؤ اختیار کرو) اسلحہ اور سامان جنگ اور دیگر ذرائع سے۔

(۲) یہ منافقین کا ذکر ہے۔ پس و پیش کا مطلب، جہاد میں جانے سے گریز کرتے اور پیچھے رہ جاتے ہیں۔

(۳) یعنی جنگ میں فتح و غلبہ اور غنیمت۔

(۴) یعنی گویا وہ تمہارے اہل دین میں سے ہی نہیں بلکہ اجنبی ہیں۔

كَأَنَّهُمْ قَوْمٌ عَظِيمًا ۝

جس کاش! میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو بڑی کامیابی کو پہنچتا۔^(۱) (۷۳)

پس جو لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچ چکے ہیں،^(۲) انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا چاہئے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پا لے یا غالب آجائے، یقیناً ہم اسے بہت بڑا ثواب عنایت فرمائیں گے۔ (۷۴)

بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتواں مردوں، عورتوں اور ننھے ننھے بچوں کے چھٹکارے کے لئے جہاد نہ کرو؟ جو یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی ہستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لئے خود اپنے پاس سے حمایتی مقرر کر دے اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا۔^(۳) (۷۵)

فَلْيَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغِيبْ فَهُوَ نُوْبُهُمْ عَجْرًا عَظِيمًا ۝

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمُ أَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۖ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝

(۱) یعنی اس غیبت سے حصہ حاصل کرتا جو اہل دنیا کاسب سے اہم مقصد ہوتا ہے۔

(۲) شَرَىٰ يَنْبَرِي کے معنی بیچنے کے بھی آتے ہیں اور خریدنے کے بھی۔ متن میں پہلا ترجمہ اختیار کیا گیا ہے اس اعتبار سے فَلْيَقَاتِلْ کا فاعل ﴿الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا﴾ بنے گا لیکن اگر اس کے معنی خریدنے کے کیے جائیں تو اس صورت میں لُذِينَ مفعول بنے گا اور فَلْيَقَاتِلْ کا فاعل، الْمُؤْمِنُ النَّابِرُ (راہ جہاد میں کوچ کرنے والے مومن، محذوف ہو گا۔ مومن ان لوگوں سے لڑیں جنہوں نے آخرت بیچ کر دنیا خرید لی۔ یعنی جنہوں نے دنیا کے تھوڑے سے مال کی خاطر اپنے دین کو فروخت کر دیا۔ مراد منافقین اور کافرین ہوں گے۔ (ابن کثیر نے یہی مفہوم بیان کیا ہے)

(۳) ظالموں کی ہستی سے مراد (نزل کے اعتبار سے) مکہ ہے۔ ہجرت کے بعد وہاں باقی رہ جانے والے مسلمان خاص طور پر بوڑھے مرد، عورتیں اور بچے، کافروں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر اللہ کی بارگاہ میں مدد کی دعا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ تم ان مستضعفین کو کفار سے نجات دلانے کے لیے جہاد کیوں نہیں کرتے؟ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے علما نے کہا کہ جس علاقے میں مسلمان اس طرح ظلم و ستم کا شکار اور نرغہ کفار میں گھرے ہوئے ہوں تو دوسرے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کو کافروں کے ظلم و ستم سے بچانے کے لیے جہاد کریں۔ یہ جہاد کی دوسری قسم ہے۔ پہلی قسم ہے اِعْلَاءَ كَلِمَةِ اللَّهِ یعنی دین کی نشر و اشاعت اور كَلِمَةِ اللَّهِ کے غلبے کے لیے لڑنا جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں اور مابعد کی آیت میں ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا يَفْعَلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
يَفْعَلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ
إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۝

جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد
کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ
کے سوا اوروں کی راہ میں لڑتے ہیں۔^(۱) پس تم شیطان
کے دوستوں سے جنگ کرو یقین مانو کہ شیطانی حیلہ
(بالکل بودا اور) سخت کمزور ہے۔^(۲) (۷۶)

الَّذِينَ آمَنُوا يَفْعَلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
يَفْعَلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ
إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۝

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں حکم کیا گیا تھا کہ اپنے
ہاتھوں کو روکے رکھو اور نمازیں پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا
کرتے رہو۔ پھر جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا تو اسی وقت
ان کی ایک جماعت لوگوں سے اس قدر ڈرنے لگی جیسے
اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے
اے ہمارے رب اتنے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟^(۳)

(۱) مومن اور کافر دونوں کو جنگوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن دونوں کے مقاصد جنگ میں عظیم فرق ہے مومن
اللہ کے لئے لڑتا ہے، محض طلب دنیا یا ہوس ملک گیری کی خاطر نہیں۔ جب کہ کافر کا مقصد ہی دنیا اور اس کے مفادات
ہوتے ہیں۔

(۲) مومنوں کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ طاعنوں کی مقاصد کے لئے حیلے اور مکر کمزور ہوتے ہیں ان کے ظاہری اسباب کی
فراوانی اور کثرت تعداد سے مت ڈرو تمہاری ایمانی قوت اور عزم جہاد کے مقابلے میں شیطان کے یہ حیلے نہیں ٹھہر
سکتے۔

(۳) مکے میں مسلمان چونکہ تعداد اور وسائل کے اعتبار سے لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ اس لئے مسلمانوں کی خواہش کے
باوجود انہیں قتال سے روکے رکھا گیا اور دو باتوں کی تاکید کی جاتی رہی ایک یہ کہ کافروں کے ظالمانہ رویے کو صبر اور حوصلے
سے برداشت کریں اور غمخوار گزر سے کام لیں۔ دوسرے یہ کہ نماز زکوٰۃ اور دیگر عبادات و تعلیمات پر عمل کا اہتمام کریں تا
کہ اللہ تعالیٰ سے ربط و تعلق مضبوط بنیادوں پر استوار ہو جائے۔ لیکن ہجرت کے بعد جب مدینہ میں مسلمانوں کی طاقت مجتمع
ہو گئی تو پھر انہیں قتال کی اجازت دے دی گئی اور جب اجازت دے دی گئی تو بعض لوگوں نے کمزوری اور پست ہمتی کا اظہار
کیا۔ اس پر آیت میں کمی دور کی ان کی آرزو یا دولا کر کہا جا رہا ہے کہ اب یہ مسلمان حکم جہاد سن کر خوف زدہ کیوں ہو رہے ہیں
جب کہ یہ حکم جہاد خود ان کی اپنی خواہش کے مطابق ہے۔ آیت قرآن میں تحریف: آیت کا پہلا حصہ جس میں تَحَفُّ اُنْدِی
(لڑائی سے ہاتھ روکے رکھنے) کا حکم ہے۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز میں رکوع سے اٹھتے وقت رفع
الیدین نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کی حالت میں ہاتھوں کو روک رکھنے کا حکم دیا ہے۔ یہ ایک

مَتَاعَ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا يُظْلَمُونَ
فَتِيلًا ۝

اِنَّ مَا تَكْتُمُوْنَ لِذِكْرِ الْمَوْتِ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوجٍ
مُّشَاهِدَةً لَّانْ تُصِيبَهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوْا هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
وَاِنْ تُصِيبَهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوْا هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ قُلْ كُلُّ
مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ
حَدِيْثًا ۝

کیوں ہمیں تھوڑی سی زندگی اور نہ جینے دی؟^(۱) آپ
کہہ دیجئے کہ دنیا کی سود مندی تو بہت ہی کم ہے اور پرہیز
گاروں کے لئے تو آخرت ہی بہتر ہے اور تم پر ایک
دعا گے کے برابر بھی ستم روانہ رکھا جائے گا۔ (۷۷)
تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آ پکڑے گی، گو تم
مضبوط قلعوں میں ہو^(۲) اور اگر انہیں کوئی بھلائی متی
ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر
کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ تیری طرف
سے ہے۔^(۳) انہیں کہہ دو کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی
طرف سے ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات سمجھنے

انتہائی غلط اور روایات استدلال ہے۔ اس کے لئے ان صاحب نے آیت کے الفاظ میں بھی تحریف کی اور معنی میں بھی۔ یعنی
لفظی اور معنوی دونوں قسم کے تحریف سے کام لیا ہے۔

(۱) اس کا دوسرا ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے کہ اس حکم کو کچھ اور مدت کے لئے موخر کیوں نہ کر دیا یعنی اجل قریب سے مراد
موت یا فرض جہاد کی مدت ہے۔ (المفسرین کشمیر)

(۲) ایسے کمزور مسلمانوں کو سمجھانے کے لئے کہا جا رہا ہے کہ ایک تو یہ دنیا فانی اور اس کا فائدہ عارضی ہے جس کے لئے
تم کچھ مصلحت طلب کر رہے ہو۔ اس کے مقابلے میں آخرت بہت بہتر اور پائیدار ہے جس کے اطاعت الہی کے حصے میں
تم سزاوار ہو گے۔ دوسرے یہ کہ جہاد کرو یا نہ کرو، موت تو اپنے وقت پر آکر رہے گی چاہے تم مضبوط قلعوں میں بند ہو
کر بیٹھ جاؤ پھر جہاد سے گریز کا کیا فائدہ؟ مضبوط برجوں سے مراد مضبوط اور بلند دیواراں فیصلوں والے قلعے ہیں۔

ملاحظہ بعض مسلمانوں کا چونکہ یہ خوف بھی طبعی تھا۔ اسی طرح تاخیر کی خواہش بھی بطور اعتراض یا انکار نہ تھی،
بلکہ طبعی خوف کا ایک منطقی نتیجہ تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا اور نہایت مضبوط در کھل سے انہیں
سہارا اور حوصلہ دیا۔

(۳) یہاں سے پھر منافقین کی باتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ سابقہ امت کے منکرین کی طرح انہوں نے بھی کہا کہ بھلائی (خوش
حالی، غنے کی پیداوار، مال و اولاد کی فراوانی وغیرہ) اللہ کی طرف سے ہے اور برائی (فقر، سالی، مال و دولت میں کمی وغیرہ)
اے محمد (ﷺ)! تیری طرف سے ہے یعنی تیرے دین اختیار کرنے کے نتیجے میں یہ ابتلا آئی۔ جس طرح حضرت موسیٰ
علیہ السلام اور قوم فرعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”جب ان کو بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ ہمارے لیے
ہے (یعنی ہم اس کے مستحق ہیں) اور جب ان کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں
سے بد شکونی پکڑتے ہیں“ (یعنی نعوذ باللہ ان کی نحوست کا نتیجہ بتلاتے ہیں)“ (الأعراف-۱۳۱)

کے بھی قریب نہیں۔^(۷۸)

تجھے جو بھلائی ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے^(۲)
اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے
ہے،^(۳) ہم نے تجھے تمام لوگوں کو پیغام پہنچانے والا بنا کر
بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے۔ (۷۹)

اس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو اطاعت کرے اسی
نے اللہ تعالیٰ کی فرما جبرداری کی اور جو منہ پھیر لے تو ہم
نے آپ کو کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ (۸۰)

یہ کہتے تو ہیں کہ اطاعت ہے، پھر جب آپ کے پاس سے
اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں کی ایک جماعت، جو بات
آپ نے یا اس نے کسی ہے اس کے خلاف راتوں کو
مشورے کرتی ہے،^(۴) ان کی راتوں کی بات چیت اللہ
لکھ رہا ہے، تو آپ ان سے منہ پھیر لیں اور اللہ پر

مَا أَصَابَكُمْ مِنْ حَسْتَةٍ فَمِنْ اللَّهِ وَإِنْ آصَابَكُمْ مِنْ حَسْتَةٍ فَمِنْ نَفْسِكُمْ وَأَنْتُمْ لِلنَّاسِ رَسُولُونَ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى فُمًّْا
أَوْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا ۝

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَدُوا مِنْ عَذَابِكَ بَرَأْنَاهُمْ
وَمِنْهُمْ غَيْرَ الْكَاذِبِينَ قُلْ وَاللَّهِ يَكْتُبُ مَا يُبْهَتُونَ فَأَنْزِلُ
عَنْهُمْ وَتُوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَلِيًّا ۝

(۱) یعنی بھلائی اور برائی دونوں اللہ کی طرف سے ہی ہے لیکن یہ لوگ قلت فہم و علم اور کثرت جہل و ظلم کی وجہ سے
اس بات کو سمجھ نہیں پاتے۔

(۲) یعنی اس کے فضل و کرم سے ہے یعنی کسی نیکی یا اطاعت کا صلہ نہیں ہے۔ کیونکہ نیکی کی توفیق بھی دینے والا اللہ
تعالیٰ ہی ہے۔ علاوہ ازیں اسکی نعمتیں اتنی بے پایاں ہیں کہ ایک انسان کی عبادت و طاعت اس کے مقابلے میں کوئی
حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ اسی لیے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا جنت میں جو بھی جائے گا، محض اللہ کی رحمت سے
جائے گا (اپنے عمل کی وجہ سے نہیں) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ولایت آپ ﷺ بھی اللہ کی رحمت کے
بغیر جنت میں نہیں جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ہاں جب تک اللہ مجھے بھی اپنے دامن رحمت میں نہیں ڈھانک
لے گا جنت میں نہیں جاؤں گا۔“ (اصحیح بخاری کتاب الرقاق باب القصد والمداومة علی العمل - ۸)

(۳) یہ برائی بھی اگرچہ اللہ کی مشیت سے ہی آتی ہے۔ جیسا کہ کل من عبد اللہ سے واضح ہے لیکن یہ برائی کسی گناہ
کی عقوبت یا اس کا بدلہ ہوتی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ یہ تمہارے نفس سے ہے یعنی تمہاری غلطیوں، کوتاہیوں اور گنہوں
کا نتیجہ ہے۔ جس طرح فرمایا ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾ (الشوریٰ ۳۰)

”تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے اپنے عملوں کا نتیجہ ہے اور بہت سے گناہ تو معاف ہی فرما دیتا ہے۔“

(۴) یعنی یہ منافقین آپ ﷺ کی مجلس میں جو باتیں ظاہر کرتے ہیں۔ راتوں کو ان کے برعکس باتیں کرتے اور

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ

لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ

إِلَى الرُّسُولِ وَاللَّيْ أُولَا الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ

مِنْهُمْ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ وَرَحْمَتُهُ لَفُتِنُوا الشَّيْطَانُ

إِلَّا قَلِيلًا ۝

بمحرورہ رکھیں، اللہ تعالیٰ کُلّی کار ساز ہے۔ (۸۱)

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔^(۱) (۸۲)

جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں^(۲) اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو محدودے چند کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے۔ (۸۳)

سازشوں کے جال بنتے ہیں۔ آپ ﷺ ان سے اعراض کریں اور اللہ پر توکل کریں۔ ان کی باتیں اور سازشیں آپ ﷺ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی کیونکہ آپ کا وکیل اور کار ساز اللہ ہے۔

(۱) قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے اس میں غور و تدبیر کی تاکید کی جا رہی ہے اور اس کی صداقت جانچنے کے لئے ایک معیار بھی بتلایا گیا ہے کہ اگر یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہوتا (جیسا کہ کفار کا خیال ہے) تو اس کے مضامین اور بیان کردہ واقعات میں تعارض و تناقض ہوتا۔ کیونکہ ایک تو یہ کوئی چھوٹی سے کتاب نہیں ہے۔ ایک ضخیم اور مفصل کتاب ہے جس کا ہر حصہ اعجاز و بلاغت میں ممتاز ہے۔ حالانکہ انسان کی بنائی ہوئی بڑی تصنیف میں زبان کا معیار اور اس کی فصاحت و بلاغت قائم نہیں رہتی۔ دوسرے اس میں پچھلی قوموں کے واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ جنہیں اللہ علام الغیوب کے سوا کوئی اور بیان نہیں کر سکتا۔ تیسرے ان حکایات و قصص میں نہ باہمی تعارض و تضاد ہے اور نہ ان کا چھوٹے سے چھوٹا کوئی جزئیہ قرآن کی کسی اصل سے ٹکراتا ہے۔ حالانکہ ایک انسان گزشتہ واقعات بیان کرے تو تسلسل کی کڑیاں ٹوٹ ٹوٹ جاتی ہیں اور ان کی تفصیلات میں تعارض و تضاد واقع ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کے ان تمام انسانی کوتاہیوں سے مبرا ہونے کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ یقیناً کلام الہی ہے جو اس نے فرشتے کے ذریعے سے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔

(۲) یہ بعض کمزور اور جلد باز مسلمانوں کا رویہ، ان کی اصلاح کی غرض سے بیان کیا جا رہا ہے۔ امن کی خبر سے مراد مسلمانوں کی کامیابی اور دشمن کی ہلاکت و شکست کی خبر ہے۔ (جس کو سن کر امن اور اطمینان کی لہر دوڑ جاتی ہے اور جس کے نتیجے میں بعض دفعہ ضرورت سے زیادہ پراعتمادی پیدا ہو جاتی ہے جو نقصان کا باعث بن سکتی ہے) اور خوف کی خبر

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضْ
الْمُؤْمِنِينَ عَلَى اللَّهِ أَنْ يَقُولُوا آمَنَ الْكَاذِبُونَ كَفَرُوا وَاللَّهُ أَشَدُّ
بِالْآثَامِ وَاشَدُّ تَنْكِيلًا ۝

تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا رہ، تجھے صرف تیری ذات
کی نسبت حکم دیا جاتا ہے، ہاں ایمان والوں کو رغبت
دلاتا رہ، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو
روک دے اور اللہ تعالیٰ سخت قوت والا ہے اور سزا
دینے میں بھی سخت ہے۔ (۸۴)

مَنْ يُضْمَرَ شَمَاعَهُ حَسَنَةٌ يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِمَّا أَوْمَنَ بِشَمَاعِهِ
شَمَاعُهُ سِبْطٌ يَكُنْ لَهُ كُنْ مِمَّا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
مُعْتَدًا ۝

جو شخص کسی نیکی یا بھلے کام کی سفارش کرے، اسے بھی
اس کا کچھ حصہ ملے گا اور جو برائی اور بدی کی سفارش
کرے اس کے لئے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے اور
اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (۸۵)

وَلَا تُخَيِّبُهُمْ فِي حَيَاتِهِمْ فَخَيَّبُوا بِأَحْسَنِ مِمَّا أَوْزَدُوا وَهَلْ لَانَ اللَّهُ
كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ۝

اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب
دو یا انہی الفاظ کو لو تادو،^(۱) بے شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا
حساب لینے والا ہے۔ (۸۶)

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، لَمْ يَحْضَرْكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لِأَرْبَبٍ فِيهِ
وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ۝

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں وہ تم
سب کو یقیناً قیامت کے دن جمع کرے گا، جس کے
(آنے) میں کوئی شک نہیں، اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات
والا اور کون ہو گا۔ (۸۷)

سے مراد مسلمانوں کی شکست اور ان کے قتل و ہلاکت کی خبر ہے (جس سے مسلمانوں میں افسردگی پھیلنے اور ان کے
حوصلے پست ہونے کا امکان ہوتا ہے) اس لیے انہیں کہا جا رہا ہے کہ اس قسم کی خبریں چاہے امن کی ہوں یا خوف کی
انہیں سن کر عام لوگوں میں پھیلانے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا دو یا اہل علم و تحقیق میں انہیں پہنچا دو تاکہ
وہ یہ دیکھیں کہ یہ خبر صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے تو اس وقت اس سے مسلمانوں کا باخبر ہونا مفید ہے یا بے خبر رہنا نفع
ہے؟ یہ احوں ویسے تو عام حالات میں بھی بڑا اہم اور نہایت مفید ہے لیکن عین حالت جنگ میں تو اس کی اہمیت و افادیت
بہت ہی زیادہ ہے۔ اس سبب کا مادہ سبب ہے سبب اس پانی کو کہتے ہیں جو کنواں کھودتے وقت سب سے پہلے نکلتا ہے۔
اسی لیے اس سبب سبب تحقیق اور بات کی ترہ تک پہنچنے کو کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر)

(۱) نَجِيَّةٌ اصل میں نَجِيَّةٌ (نَجْلَةٌ) ہے۔ یا کے یا میں ادغام کے بعد نَجِيَّةٌ ہو گئی۔ اس کے معنی ہیں۔ درازی عمر کی
دعا، لدُّعَاءُ بِالْحَيَاةِ، یہاں یہ سلام کرنے کے معنی میں ہے۔ (فتح القدیر) زیادہ اچھا جواب دینے کی تفسیر حدیث میں اس
طرح آئی ہے کہ السلام علیکم کے جواب میں درحمتہ اللہ کا اضافہ اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے جواب میں وبراکۃ کا اضافہ

قَبَالِكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ وَفَتَنَ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا
أَتَرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ
فَلَنْ يَجْعَلَ لَهُ سَبِيلًا ۝

تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ
ہو رہے ہو؟^(۱) انہیں تو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ
تعالیٰ نے اندھا کر دیا ہے۔^(۲) اب کیا تم یہ منصوبے
باندھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے گمراہ کئے ہوؤں کو تم راہ
راست پر لا کھڑا کرو، جسے اللہ تعالیٰ راہ بھلا دے تو ہرگز
اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔^(۳) (۸۸)

وَذُوَالْوَلَدِ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا
تَسْجُدُوا مِنْهُمْ أَفْلِيَاءَ تَخَفُ بِمَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ
تَوَلَّوْا فَعَدُوهُمْ وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ

ان کی تو چاہت ہے کہ جس طرح کے کافر وہ ہیں تم بھی
ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ، پس
جب تک یہ اسلام کی خاطر وطن نہ چھوڑیں ان میں سے
کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ،^(۴) پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو

کر دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے تو پھر اضافے کے بغیر انہی الفاظ میں جواب دیا جائے۔ اس
کشمکش ایک اور حدیث میں ہے کہ صرف السلام علیکم کہنے سے دس نیکیاں اس کے ساتھ ورحمۃ اللہ کہنے سے بیس
نیکیاں اور برکات بھی کہنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ امسند احمد، جلد ۲، ص ۳۳۹، ۳۴۰ یاد رہے کہ یہ حکم مسلمانوں
کے لیے ہے، یعنی ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کو سلام کرے۔ لیکن اہل ذمہ یعنی یہود و نصاریٰ کو سلام کرنا ہو تو
ایک تو ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے۔ دوسرے اضافہ نہ کیا جائے بلکہ صرف وعلیکم کے ساتھ جواب دیا جائے۔
(صحیح بخاری، کتاب الامیدان، مسلم، کتاب السلام)

(۱) یہ استفہام انکار کے لئے ہے، یعنی تمہارے درمیان ان منافقین کے بارے میں اختلاف نہیں ہونا چاہئے تھا۔ ان
منافقین سے مراد وہ ہیں جو احد کی جنگ میں مدینہ سے کچھ دور جا کر واپس آ گئے تھے کہ ہماری بات نہیں مانی گئی۔ (صحیح
بخاری سورۃ النساء صحیح مسلم کتاب المنافقین) جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ ان منافقین کے بارے میں اس
وقت مسلمانوں کے دو گروہ بن گئے، ایک گروہ کا کہنا تھا کہ ہمیں ان منافقین سے (بھی) لڑنا چاہئے۔ دوسرا گروہ اسے
مصلحت کے خلاف سمجھتا تھا۔

(۲) کَسَبُوا (اعمال) سے مراد رسول کی مخالفت اور جہاد سے اعراض ہے اَزْكَسَهُمْ اندھا کر دیا۔ یعنی جس کفر و
ظلمات سے نکلے تھے اسی میں مبتلا کر دیا، یا اس کے سبب ہلاک کر دیا۔

(۳) جس کو اللہ گمراہ کر دے یعنی مسلسل کفر و عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دے، انہیں کوئی راہ یاب نہیں کر سکتا۔

(۴) ہجرت (ترک وطن) اس بات کی دلیل ہوگی کہ اب یہ مخلص مسلمان بن گئے ہیں۔ اس صورت میں ان سے دوستی
اور محبت جائز ہوگی۔

وَلَا تَكُونُوا مِنْهُمْ قَلِيلًا وَلَا بَصِيرًا ۝

انہیں پکڑو^(۱) اور قتل کرو جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں،^(۲) خبردار! ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا۔ (۸۹)

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مَبِيتٌ أَوْ جَاءَؤُكُمْ بِحَبْرٍ صُدُّوهُمْ عَنْ يَفَاتِلُوكُمْ أَوْ يُفَاتِلُوا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَطَّخَهُمْ عَلَيْهِمْ لَفَقَتَلُوكُمْ فَلْيُبَيِّنُوا لِي مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمہارا معاملہ ہو چکا ہے یا جو تمہارے پاس اس حالت میں آئیں کہ تم سے جنگ کرنے سے بھی تنگ دل ہیں اور اپنی قوم سے بھی جنگ کرنے سے تنگ دل ہیں^(۳) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے،^(۴) پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری جانب صلح کا پیغام ڈالیں،^(۵) تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان پر کوئی راہ لڑائی کی نہیں کی۔ (۹۰)

(۱) یعنی جب تمہیں ان پر قدرت و طاقت حاصل ہو جائے۔

(۲) مل ہو یا حرم۔

(۳) یعنی جن سے لڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس سے دو قسم کے لوگ مستثنیٰ ہیں۔ ایک وہ لوگ جو ایسی قوم سے ربط و تعلق رکھتے ہیں یعنی ایسی قوم کے فرد ہیں یا اس کی پناہ میں ہیں جس قوم سے تمہارا معاملہ ہے۔ دوسرے وہ جو تمہارے پاس اس حال میں آتے ہیں کہ ان کے سینے اس بات سے تنگ ہیں کہ وہ اپنی قوم سے مل کر تم سے یا تم سے مل کر اپنی قوم سے جنگ کریں یعنی تمہاری حمایت میں لڑنا پسند کرتے ہیں نہ تمہاری مخالفت میں۔

(۴) یعنی یہ اللہ کا احسان ہے کہ ان کو لڑائی سے الگ کر دیا ورنہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے دل میں بھی اپنی قوم کی حمایت میں لڑنے کا خیال پیدا کر دیتا تو یقیناً وہ بھی تم سے لڑتے۔ اس لئے اگر واقعی یہ لوگ جنگ سے کنارہ کش رہیں تو تم بھی ان کے خلاف کوئی اقدام مت کرو۔

(۵) کنارہ کش رہیں نہ لڑیں، تمہاری جانب صلح کا پیغام ڈالیں، سب کا مضمون ایک ہی ہے۔ تاکید اور وضاحت کے لیے تین الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ تاکہ مسلمان ان کے بارے میں محتاط رہیں کیونکہ جو جنگ و قتال سے پہلے ہی علیحدہ ہیں اور ان کی یہ علیحدگی مسلمانوں کے مفاد میں بھی ہے، اسی لیے اس کو اللہ تعالیٰ نے بطور امتحان اور احسان کے ذکر کیا ہے، تو ان کے بارے میں چھیڑ چھاڑ کا رویہ یا غیر محتاط طرز عمل ان کے اندر بھی مخالفت و خصامت کا جذبہ بیدار کر سکتا ہے جو مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس لیے جب تک وہ مذکورہ حال پر قائم رہیں، ان سے مت لڑو! اس کی مثال وہ

كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوِّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَضْرِبُ رِقَبَهُ مُؤْمِنَةً فَإِنْ
كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ حُرَّتَانِ فَبِإِيهِنَّ مَثَلَةٌ لِيَأْتِيَهُ
وَعَجْزٌ رِقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِإِسَاءِ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ
تُوبَةً مِنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَلِيظَ الْعِقَابِ ۝۱۴

مسلمان کو بلا قصد مار ڈالے، اس پر ایک مسلمان غلام کی
گردن آزاد کرنا اور مقتول کے عزیزوں کو خون بہا پہنچانا
ہے۔^(۱) ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ بطور صدقہ
معاف کر دیں^(۲) اور اگر مقتول تمہاری دشمن قوم کا ہو
اور ہو وہ مسلمان، تو صرف ایک مومن غلام کی گردن
آزاد کرنی لازمی ہے۔^(۳) اور اگر مقتول اس قوم سے ہو
کہ تم میں اور ان میں عداوت بیان ہے تو خون بہا لازم
ہے، جو اس کے کنبے والوں کو پہنچایا جائے اور ایک
مسلمان غلام کا آزاد کرنا بھی (ضروری ہے)،^(۴) پس جو

(۱) یہ قتل خطا کا جرمانہ بیان کیا جا رہا ہے جو دو چیزیں ہیں۔ ایک بطور کفارہ و استغفار ہے۔ یعنی مسلمان غلام کی گردن
آزاد کرنا اور دوسری چیز بطور حق العباد کے ہے اور وہ ہے 'دِیْت' (خون بہا)۔ مقتول کے خون کے بدلے میں جو چیز مقتول
کے وارثوں کو دی جائے وہ دیت ہے۔ اور دیت کی مقدار احادیث کی رو سے سواونٹ یا اس کے مساوی قیمت سونے،
چاندی یا کرنسی کی شکل میں ہوگی۔

ملحوظہ خیال رہے کہ قتل عمد میں قصاص یا دیت مطلقہ ہے اور دیت مطلقہ کی مقدار سواونٹ ہے جو عمر اور وصف
کے لحاظ سے تین قسم یا تین معیار کے ہوں گے۔ جب کہ قتل خطا میں صرف دیت ہے۔ قصاص نہیں ہے۔ اس دیت کی
مقدار سواونٹ ہے مگر معیار اتنا کڑا نہیں۔ علاوہ ازیں اس دیت کی قیمت سنن ابی داؤد کی حدیث میں ۸۰۰ سو درہار یا ۸
ہزار درہم اور ترمذی کی روایت میں بارہ ہزار درہم بتلائی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں
قیمت دیت میں کمی بیشی اور مختلف پیشوں والوں کے اعتبار سے اس کی مختلف نوعیتیں مقرر فرمائی تھیں (إِدْوَاء الْعَبْدِ
جلد ۱۸، جس کا مطلب یہ ہے کہ اصل دیت (سواونٹ) کی بنیاد پر اس کی قیمت ہر دور کے اعتبار سے مقرر کی جائے گی۔
(تفصیل کے لئے شروح حدیث و کتب فقہ ملاحظہ ہوں)

(۲) معاف کر دینے کو صدقہ سے تعبیر کرنے سے مقصد معافی کی ترغیب دینا ہے۔

(۳) یعنی اس صورت میں دیت نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ بعض نے یہ بیان کی ہے کہ کیونکہ اس کے وارث حربی کافر
ہیں، اس لئے وہ مسلمان کی دیت لینے کے حق دار نہیں۔ بعض نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس مسلمان نے اسلام قبول
کرنے کے بعد چونکہ ہجرت نہیں کی، جب کہ ہجرت کی اس وقت بڑی تاکید تھی۔ اس کو تباہی کی وجہ سے اس کے خون
کی حرمت کم ہے۔ (فتح القدیر)

(۴) یہ ایک تیسری صورت ہے، اس میں بھی وہی کفارہ اور دیت ہے جو پہلی صورت میں ہے، بعض نے کہا ہے کہ اگر

نہ پائے اس کے ذمے دو مہینے کے لگاتار روزے
ہیں،^(۱) اللہ تعالیٰ سے بخشوانے کے لئے اور اللہ تعالیٰ
بخوبی جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (۹۲)
اور جو کوئی کسی مومن کو قصدِ قتل کر ڈالے، اس کی سزا
دو زخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا
غضب ہے،^(۲) اے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس
کے لئے بڑا عذاب تیار رکھا ہے۔^(۳) (۹۳)

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ
عَلَيْهِ وَلَعْنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿۹۲﴾

مقتول معابد (ذمی) ہو تو اس کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہوگی، کیونکہ حدیث میں کافر کی دیت مسلمان کی دیت
سے نصف بیان کی گئی ہے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس تیسری صورت میں بھی مقتول مسلمان ہی کا
حکم بیان کیا جا رہا ہے۔

(۱) یعنی اگر گردن آزاد کرنے کی استطاعت نہ ہو تو پہلی صورت اور اس آخری صورت میں دیت کے ساتھ مسلسل لگاتار (بغیر
ٹانفہ کے) دو مہینے کے روزے ہیں۔ اگر درمیان میں ٹانفہ ہو گیا تو نئے سرے سے روزے رکھنے ضروری ہوں گے۔
البتہ عذر شرعی کی وجہ سے ٹانفہ ہونے کی صورت میں نئے سرے سے روزے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسے حیض، نفاس
یا شدید بیماری، جو روزہ رکھنے میں مانع ہو۔ سفر کے عذر شرعی ہونے میں اختلاف ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) یہ قتل عمد کی سزا ہے۔ قتل کی تین قسمیں ہیں۔ قتلِ خطا (جس کا ذکر ماقبل کی آیت میں ہے) (۳) قتلِ شبہ عمد جو
حدیث سے ثابت ہے۔ (۴) قتلِ عمد جس کا مطلب ہے، ارادہ اور نیت سے کسی کو قتل کرنا اور اس کے لیے وہ آلہ
استعمال کرنا جس سے فی الواقع عادی قتل کیا جا رہا ہے جیسے تلوار، خنجر وغیرہ۔ آیت میں مومن کے قتل پر نہایت سخت وعید
بیان کی گئی ہے۔ مثلاً اس کی سزا جہنم ہے، جس میں ہمیشہ رہنا ہو گا، نیز اللہ کا غضب اور اس کی لعنت اور عذابِ عظیم بھی
ہو گا۔ اتنی سخت سزائیں بیک وقت کسی بھی گناہ کی بیان نہیں کی گئیں۔ جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مومن کو
قتل کرنا اللہ کے ہاں کتنا بڑا جرم ہے۔ احادیث میں بھی اس کی سخت مذمت اور اس پر سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

(۳) مومن کے قاتل کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟ بعض علما کو یہ سخت وعیدوں کے پیش نظر قبولِ توبہ کے قائل نہیں۔
لیکن قرآن و حدیث کی نصوص سے واضح ہے کہ خالص توبہ سے ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے۔ ﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَفَعَلَ
عَمَلًا صَالِحًا﴾ (انفراق ۷۰) اور دیگر آیات توبہ عام ہیں۔ ہر گناہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا یا بہت بڑا توبہ انصوح سے اس کی
معافی ممکن ہے۔ یہاں اس کی سزا جہنم جو بیان کی گئی ہے اس کا مطلب ہے کہ اگر اس نے توبہ نہیں کی تو اس کی یہ سزا
ہے جو اللہ تعالیٰ اس جرم پر اسے دے سکتا ہے۔ اسی طرح توبہ نہ کرنے کی صورت میں خود (ہمیشہ جہنم میں رہنے) کا
مطلب بھی مُكْتَبٌ طَوِيلٌ (لمبی مدت) ہے۔ کیونکہ جہنم میں خلود کافروں اور مشرکوں کے لیے ہی ہے۔ عداوہ ازیں قتل کا
تعلق اگرچہ حقوق العباد سے ہے جو توبہ سے بھی ساقط نہیں ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بھی اس کی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَعُفْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَقَاتِلُوا
وَلَا تَقُولُوا إِنَّمَا أَفْعَأْنَا إِلَيْنَا السَّلَاحَ لَشَتَّ مُؤْمِنَاتُ تَتَّقُونَ عَرَضَ
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا قَتَلْنَا اللَّهُ مَعَكُمْ كَثِيرًا مِمَّنْ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ
لَمَنَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَقَاتِلُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٥١﴾

رَأَيْتُمُ الْمُجَاهِدِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَمْ يَرَوْا الْقُوَّةَ وَالْمُجَاهِدُونَ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً تَوْكَلاً وَعَدَ اللَّهُ
الْمُحْسِنِينَ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٥٢﴾

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جا رہے ہو تو
تحقیق کر لیا کرو اور جو تم سے سلام علیک کرے تم اسے یہ
نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں۔^(۱) تم دنیاوی زندگی کے
اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سی
غنیمتیں ہیں۔^(۲) پہلے تم بھی ایسے ہی تھے 'پھر اللہ تعالیٰ
نے تم پر احسان کیا لہذا تم ضرور تحقیق و تفتیش کر لیا کرو'
بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ (۹۴)

اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے
مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر
نہیں۔^(۳) اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے
والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے درجوں میں
بہت فضیلت دے رکھی ہے اور یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر

حفاظی اور ازالہ فرما سکتا ہے اس طرح مقتول کو بھی بدلہ مل جائے گا اور قاتل کی بھی معافی ہو جائے گی۔ (فتح القدیر و ابن کثیر)
(۱) احادیث میں آتا ہے کہ بعض صحابہ کسی علاقے سے گزرے جہاں ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا، مسلمانوں کو دیکھ کر
چرواہے نے سلام کیا، بعض صحابہ نے سمجھا کہ شاید وہ جان بچانے کے لئے اپنے کو مسلمان ظاہر کر رہا ہے۔ چنانچہ انہوں
نے بغیر تحقیق کئے اسے قتل کر ڈالا اور بکریاں (بطور مال غنیمت) لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ جس
پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (اصحیح بخاری، ترمذی، تفسیر مسودۃ النساء) بعض روایات میں آتا ہے کہ نبی ﷺ
نے یہ بھی فرمایا کہ مکہ میں پہلے تم بھی اس چرواہے کی طرح ایمان چھپانے پر مجبور تھے (اصحیح بخاری، کتاب
الذہبات) مطلب یہ تھا کہ اس قتل کا کوئی جواز نہیں تھا۔

(۲) یعنی تیسری چند بکریاں اس مقتول سے حاصل ہو گئیں، یہ کچھ بھی نہیں، اللہ کے پاس اس سے کیسی زیادہ بہتر غنیمتیں ہیں
جو اللہ و رسول کی اطاعت کی وجہ سے تیسری دنیا میں بھی مل سکتی ہیں اور آخرت میں تو ان کا مٹنا یقینی ہے۔

(۳) جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور گھروں میں بیٹھ رہنے والے برابر نہیں تو حضرت
عبداللہ بن ام مکتومؓ (ناپیدا صحابی) وغیرہ نے عرض کیا کہ ہم تو معذور ہیں جس کی وجہ سے ہم جہاد میں حصہ لینے سے
محروم ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ گھر میں بیٹھ رہنے کی وجہ سے جہاد میں حصہ لینے والوں کے برابر ہم اجر و ثواب حاصل نہیں کر
سکیں گے ورنہ آج ہمارا گھر میں بیٹھ رہنا بطور شوق یا جان کی حفاظت کے نہیں ہے بلکہ عذر شرعی کی وجہ سے ہے۔
اس پر اللہ تعالیٰ نے ﴿غَيْرَ ذُلِّ الْقُوَّةِ﴾ (بغیر عذر کے) کا استثناء نازل فرما دیا یعنی عذر کے ساتھ بیٹھ رہنے والے مجاہدین کے
ساتھ اجر میں برابر کے شریک ہیں کیونکہ حَسَنَهُمُ الْعُذْرُ "ان کو عذر نے روکا ہوا ہے" (صحیح بخاری، کتاب الجہاد)

ایک کو خوبی اور اچھائی کا وعدہ دیا،^(۱) ہے لیکن مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بست بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے۔ (۹۵)

اپنی طرف سے مرتبے کی بھی اور بخشش کی بھی اور رحمت کی بھی اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (۹۶)

جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں 'تم کس حال میں تھے؟'^(۲) یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے۔^(۳) فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ پہنچنے کی بری جگہ ہے۔ (۹۷)

ذَرَّخْتُمْ يَنَّهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً لَّوْكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٩٥﴾

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا لِمُكَّةَ النَّبِيِّ طَالِبِينَ أَنِّيهِمْ قَالُوا فِيهِمْ كُفْرًا قَالُوا لَكُمَا مُسْتَضْعِفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا لَكُمَا تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ مَّهَابِرُهَا فِيهَا قَالُوا لَيْتَ مَا دُونَهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٦﴾

(۱) یعنی جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو جو فضیلت حاصل ہوگی 'جہاد میں حصہ نہ لینے والے اگرچہ اس سے محروم رہیں گے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے دونوں کے ساتھ ہی بھلائی کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ اس سے علانے استدلال کیا ہے کہ عام حالات میں جہاد فرض عین نہیں 'فرض کفایہ ہے۔ یعنی اگر بقدر ضرورت آدمی جہاد میں حصہ لے لیں تو اس عداوت کے دوسرے لوگوں کی طرف سے بھی یہ فرض ادا شدہ سمجھا جائے گا۔

(۲) یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مکہ اور اس کے قرب و جوار میں مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن انہوں نے اپنے آبائی علاقے اور خاندان پھوڑ کر ہجرت کرنے سے گریز کیا۔ جب کہ مسلمانوں کی قوت کو ایک جگہ مجتمع کرنے کے لئے ہجرت کا نہایت تاکید حکم مسلمانوں کو دیا جا چکا تھا۔ اس لئے جن لوگوں نے ہجرت کے حکم پر عمل نہیں کیا ان کو یہاں ظالم قرار دیا گیا ہے اور ان کا ٹھکانہ جہنم بتلایا گیا ہے۔ جس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حالات و ظروف کے اعتبار سے اسلام کے بعض احکام کفر یا اسلام کے مترادف بن جاتے ہیں جیسے اس موقع پر ہجرت اسلام اور اس سے گریز کفر کے مترادف قرار پایا۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ ایسے دارالکفر سے ہجرت کرنا فرض ہے جہاں اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا مشکل اور وہاں رہنا کفر اور اہل کفر کی حوصلہ افزائی کا باعث ہو۔

(۳) یہاں ارض (جگہ) سے مراد شان نزول کے اعتبار سے مکہ اور اس کا قرب و جوار ہے اور آگے ارض اللہ سے مراد مدینہ ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے یعنی پہلی جگہ سے مراد ارض کفار ہوگی۔ جہاں اسلام پر عمل مشکل ہو اور ارض اللہ سے مراد ہر وہ جگہ ہوگی جہاں انسان اللہ کے دین پر عمل کرنے کی غرض سے ہجرت کر کے جائے۔

إِلَّا الْمُسْتَضْعِفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ
لَا يَسْتُطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾
قَالُوا لَيْتَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَغْفُو عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ
غَفُورًا غَفُورًا ﴿٩٩﴾

وَمَنْ يُهَاجِرْ فُتًى سَبِيلَ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ
مَرْغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ
مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ
فَقَدْ وَفَّى أَجْرَهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٠٠﴾

مگر جو مرد عورتیں اور بچے بے بس ہیں جنہیں نہ تو کسی
چارہ کار کی طاقت اور نہ کسی راستے کا علم ہے۔ (۹۸)
بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر کرے، اللہ
تعالیٰ درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔ (۹۹)
جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن کو چھوڑے گا وہ زمین میں
بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور کشادگی بھی، (۱۰۰)
اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی
اللہ علیہ وسلم) کی طرف نکل کھڑا ہوا پھر اسے موت نے
آپکڑا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو
گیا، (۱۰۱) اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۰۰)

(۱) یہ ان مردوں، عورتوں اور بچوں کو ہجرت سے مستثنیٰ کرنے کا حکم ہے جو اس کے وسائل سے محروم اور راستے سے
بھی بے خبر تھے۔ بچے اگرچہ شرعی احکام کے مکلف نہیں ہوتے لیکن یہاں ان کا ذکر ہجرت کی اہمیت کو واضح کرنے کے
لئے کیا گیا ہے کہ بچے تک بھی ہجرت کریں یا پھر یہاں بچوں سے مراد قریب البلوغت بچے ہوں گے۔

(۲) اس میں ہجرت کی ترغیب اور مشرکین سے مفارقت اختیار کرنے کی تلقین ہے۔ مَرَاغَمًا کے معنی جگہ 'جائے قیام
یا جائے پناہ ہے۔ اور سَعَةً سے رزق یا جگہوں اور ملکوں کی کشادگی و فراخی ہے۔

(۳) اس میں نیت کے مطابق اجر و ثواب ملنے کی یقین دہانی ہے چاہے موت کی وجہ سے وہ اس عمل کے مکمل کرنے سے
قاصر رہا ہو۔ جیسا کہ گزشتہ امتوں میں سے ایک سوا افراد کے قاتل کا واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ جو توبہ کے لئے
نیکیوں کی ایک ہستی میں جا رہا تھا کہ راستے میں موت آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے نیکیوں کی ہستی کو 'بہ نسبت دوسری ہستی کے
قریب تر کر دیا جس کی وجہ سے اسے ملائکہ رحمت اپنے ساتھ لے گئے اصحیح بخاری، کتاب الاشیاء باب
ما ذکر عنہ بنی اسرائیل صبر ۵۰ و مسلم کتاب التوبۃ باب قبول توبۃ الفاسق وان کثر فسقه، اسی طرح جو
فحص ہجرت کی نیت سے گھر سے نکلے لیکن راستے میں ہی اسے موت آ جائے تو اسے اللہ کی طرف سے ہجرت کا ثواب
ضرور ملے گا، گواہی وہ ہجرت کے عمل کو پایہ تکمیل تک بھی نہ پہنچا سکا ہو۔ جیسے حدیث میں بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے
فرمایا: «بِمَا لَا غَمَالَ بَالِيَتْ» "علموں کا دار و مدار نیکیوں پر ہے" «وَأَنَا لَنْكُلُ أَمْرِي بِمَا تَوَيَّ» آدمی کے لئے وہی ہے جس
کی اس نے نیت کی "جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہجرت کی پس اس کی ہجرت ان ہی کے لئے ہے
اور جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کی نیت سے ہجرت کی پس اس کی ہجرت اسی کے لئے ہے
جس نیت سے اس نے ہجرت کی" اصحیح بخاری، باب بدء الوحي و مسلم، کتاب الإمارة، یہ حکم عام ہے جو
دین کے ہر کام کو شامل ہے۔ یعنی اس کو کرتے وقت اللہ کی رضا پیش نظر ہوگی تو وہ مقبول ورنہ مردود ہوگا۔

جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں، اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے،^(۱) یقیناً کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ (۱۰۱)

جب تم ان میں ہو اور ان کے لئے نماز کھڑی کرو تو چاہئے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ اپنے ہتھیار لئے کھڑی ہو، پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ ہٹ کر تمہارے پیچھے آ جائیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ آ جائے اور تیرے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا ہتھیار اور اپنے ہتھیار لئے رہے، کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے بے خبر ہو جاؤ، تو وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں،^(۲) ہاں اپنے ہتھیار

وَإِذَا أَمَرْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلْيَسْ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ أَكْثَرُ الظَّالِمِينَ
كُفَرُوا إِنَّ الْكُفْرَ مِنْ كَانُوا لَكُمْ عِنْدَ آمِنِينَ ۝
وَإِذَا كُنْتُمْ فِيهِمْ فَأَقِمْ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا بَأْسِلِحَتِهِمْ وَقَدْ أَمَرْتُمْ أَنْ يَتَّخِذُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلَتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا بِأَسْلِحَتِهِمْ وَأَتِيتُكُمْ مَكَّةَ وَأَنْتُمْ لَسْتُمْ فِيكُمْ كُفَرُوا وَالَّذِينَ يَقُولُونَ عَنْ صَلَاتِكُمْ وَآمِنَتْكُمْ فَيُؤْمِنُونَ عَلَيْكُمْ مِثْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ

(۱) اس میں حالت سفر میں نماز قصر کرنے (دو گناہ ادا کرنے) کی اجازت دی جا رہی ہے۔ "إِنْ جُفِتُمْ" اگر تمہیں ڈر ہو۔ غالب احوال کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ اس وقت پورا عرب دار الحرب بنا ہوا تھا۔ کسی طرف کا بھی سفر خطرات سے خالی نہیں تھا۔ یعنی یہ شرط نہیں ہے کہ سفر میں خوف ہو تو قصر کی اجازت ہے۔ جیسے قرآن مجید میں اور بھی بعض مقامات پر اس قسم کی قیدیں بیان کی گئی ہیں جو انسانی حوالے کے اعتبار سے مثلاً ﴿لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ﴾ (النور-۳۳) تم اپنی لونگیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ اس سے بچنا چاہیں۔ "چونکہ بچنا چاہتی تھیں" اس لئے اللہ نے اسے بیان فرمادیا۔ یہ نہیں ہے کہ اگر وہ بدکاری پر آمادہ ہوں تو پھر تمہارے لئے یہ جائز ہے کہ تم ان سے بدکاری کرو الیا کرو ﴿وَلَا يَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ﴾ (النساء-۴۳) بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم کے ذہن میں بھی یہ اشکال آیا کہ اب تو اسن ہے، ہمیں سفر میں نماز قصر نہیں کرنی چاہئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا "یہ اللہ کی طرف سے تمہارے لئے صدقہ ہے" اس کے صدقے کو قبول کرو۔ "اسند احمد جلد ۱ ص ۲۵ و ۳۶ صحیح مسلم کتاب المسافین اور دیگر کتب حدیث)

مصحوطہ سفر کی مسافت اور ایام قصر کی تعیین میں کافی اختلاف ہے۔ امام شوکانی نے ۳ فرسخ (یعنی ۹ کوس) والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ (نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۲۰) اسی طرح بہت سے محققین علماء اس بات کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ دوران سفر کسی ایک مقام پر تین یا چار دن سے زیادہ قیام کی نیت نہ ہو اور اگر اس سے زیادہ قیام کی نیت ہو تو پھر نماز قصر کی اجازت نہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مرعاة المفاتیح)

(۲) اس آیت میں صلوة الخوف کی اجازت بلکہ حکم دیا جا رہا ہے۔ صلوة الخوف کے معنی ہیں خوف کی نماز۔ یہ اس وقت

وَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا اللّٰهَ يَٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ فَاعْبُدُوْهُ ۚ

وَاعْبُدُوْا وَاحِدًا ۚ لَّكُم مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اَعْزٰبٌ اَلِيْمَةٌ ۝۱۰۲
 وَاعْبُدُوْهُ ۚ فَاعْبُدُوْا اللّٰهَ يَٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ فَاعْبُدُوْهُ ۚ
 فَاعْبُدُوْهُ ۚ فَاعْبُدُوْا اللّٰهَ يَٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ فَاعْبُدُوْهُ ۚ

اتار رکھنے میں اس وقت تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تمہیں تکلیف ہو یا بوجہ بارش کے یا سبب بیمار ہو جانے کے اور اپنے بچاؤ کی چیزیں ساتھ لئے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے منکروں کے لئے ذلت کی مارتیار کر رکھی ہے۔ (۱۰۲)

پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھتے اور لیئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو^(۱) اور جب اطمینان پاؤ تو نماز قائم کرو^(۲) یقیناً نماز مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے^(۳) (۱۰۳)

مشروع ہے جب مسلمان اور کافروں کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل جنگ کے لئے تیار کھڑی ہوں اور ایک لمبے کی بھی غفلت مسلمانوں کے لئے سخت خطرناک ثابت ہو سکتی ہو۔ ایسے حالات میں اگر نماز کا وقت ہو جائے تو صلوة الخوف پڑھنے کا حکم ہے جس کی مختلف صورتیں حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً فوج دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک حصہ دشمن کے باقاعدہ مقابل کھڑا رہا تاکہ کافروں کو حملہ کرنے کی جسارت نہ ہو اور ایک حصہ نے آکر نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب یہ حصہ نماز سے فارغ ہو گیا تو پہلے کی جگہ مورچہ زن ہو گیا اور مورچہ زن حصہ نماز کے لئے آیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں حصوں کو ایک ایک رکعت نماز پڑھائی اس طرح آپ ﷺ کی دو رکعت اور باقی فوجیوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔ بعض میں آتا ہے کہ دو دو رکعات پڑھائیں اس طرح آپ کی چار رکعت اور فوجیوں کی دو دو رکعت ہوئیں اور بعض میں آتا ہے کہ ایک رکعت پڑھ کر اتمیات کی طرح بیٹھے رہے فوجیوں نے کھڑے ہو کر اپنے طور پر ایک رکعت اور پڑھ کر دو رکعات پوری کیں اور دشمن کے سامنے جا کر ڈٹ گئے۔ دوسرے حصہ نے آکر نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی آپ ﷺ نے انہیں بھی ایک رکعت پڑھائی اور اتمیات میں بیٹھ گئے اور اس وقت تک بیٹھے رہے جب تک فوجیوں نے دوسری رکعت پوری نہیں کر لی۔ پھر ان کے ساتھ آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا۔ اس طرح آپ ﷺ کی بھی دو رکعت اور فوج کے دونوں حصوں کی بھی دو رکعات ہوئیں۔ (دیکھئے کتب حدیث)

(۱) مراد یہی خوف کی نماز ہے اس میں چونکہ تخفیف کر دی گئی ہے اس لئے اس کی طلانی کے لئے کہا جا رہے کہ کھڑے بیٹھے لیئے اللہ کا ذکر کرتے رہو۔

(۲) اس سے مراد ہے کہ جب خوف اور جنگ کی حالت ختم ہو جائے تو پھر نماز کو اس کے اس طریقے کے مطابق پڑھنا ہے جو عام حالات میں پڑھی جاتی ہے۔

(۳) اس میں نماز کو مقررہ وقت میں پڑھنے کی تاکید ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر شرعی عذر کے دو نمازوں کو جمع کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح کم از کم ایک نماز غیر وقت میں پڑھی جائے گی جو اس آیت کے خلاف ہے۔

وَلَا يَهْتَوِي اِسْتِغَاةَ الْقَوْمِ الَّذِي تَكُونُوا اَتَا الْمُؤْمِنِ
قَائِلُهُمْ يَا لِمُؤْمِنٍ كَمَا تَا الْمُؤْمِنِ وَتَرْجُونَ مِنَ اللّٰهِ مَا
لَا يَرْجُونَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٣﴾

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَنْزَلْنَا
اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِلْمُفْسِدِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٤﴾

ان لوگوں کا پیچھا کرنے سے ہارے دل ہو کر بیٹھ نہ
رہو! ^(۱) اگر تمہیں بے آرامی ہوتی ہے تو انہیں بھی
تمہاری طرح بے آرامی ہوتی ہے اور تم اللہ تعالیٰ سے وہ
امیدیں رکھتے ہو جو امیدیں انہیں نہیں ^(۲) اور اللہ
تعالیٰ دانا اور حکیم ہے۔ (۱۰۳)

یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل
فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو
جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے ^(۳) اور خیانت کرنے
والوں ^(۴) کے حمایتی نہ بنو۔ (۱۰۵)

(۱) یعنی اپنے دشمن کے تعاقب کرنے میں کمزوری مت دکھاؤ، بلکہ ان کے خلاف بھرپور جدوجہد کرو اور گھات لگا کر بیٹھو!
(۲) یعنی زخم تو تمہیں بھی اور انہیں بھی دونوں کو پہنچے ہیں لیکن ان زخموں پر تمہیں تو اللہ سے اجر کی امید ہے لیکن وہ
اس کی امید نہیں رکھتے۔ اس لئے اجر آخرت کے حصول کے لئے جو محنت و کوشش تم کر سکتے ہو وہ کافر نہیں کر سکتے۔
(۳) ان آیات (۱۰۳ سے ۱۱۳ تک) کی شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ انصار کے قبیلہ بنی ظفر میں ایک شخص طعمہ یا بشیر
بن ابیرق نے ایک انصاری کی ذرہ چرائی، جب اس کا چرچا ہوا اور اس کو اپنی چوری کے بے نقاب ہونے کا خطرہ محسوس
ہوا تو اس نے وہ ذرہ ایک یہودی کے گھر پھینک دی اور بنی ظفر کے کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر بنی مِثْلَہ کی خدمت میں
پہنچ گیا، ان سب نے کہا کہ ذرہ چوری کرنے والا فلاں یہودی ہے۔ یہودی بنی مِثْلَہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس
نے کہا کہ بنی ابیرق نے ذرہ چوری کر کے میرے گھر پھینک دی ہے۔ بنی ظفر اور بنی ابیرق (طعمہ یا بشیر وغیرہ) ہشیار تھے
اور بنی مِثْلَہ کو باور کراتے رہے کہ چور یہودی ہی ہے اور وہ طعمہ پر الزام لگانے میں جھوٹا ہے۔ بنی مِثْلَہ بھی ان کی
چکنی چیزیں باتوں سے متاثر ہو گئے اور قریب تھا کہ اس انصاری کو چوری کے الزام سے بری کر کے یہودی پر چوری کی فرد
جرم عائد فرمادیتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ جس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ بنی مِثْلَہ بھی بہ حیثیت
ایک انسان کے غلط فہمی میں پڑ سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوتی کہ آپ عالم الغیب نہیں تھے، ورنہ آپ مِثْلَہ پر
فوراً صورتیں واضح ہو جاتی۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی حفاظت فرماتا ہے اور اگر کبھی حق کے
پوشیدہ رہ جانے اور اس سے ادھر ادھر ہو جانے کا مرحلہ آجائے تو فوراً اللہ تعالیٰ اسے متنبہ فرمادیتا اور اس کی اصلاح فرما
دیتا ہے جیسا کہ عصمت انبیا کا تقاضا ہے۔ یہ وہ مقام عصمت ہے جو انبیا کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں۔

(۴) اس سے مراد بنی ابیرق ہیں۔ جنہوں نے چوری خود کی لیکن اپنی چوب زبانی سے یہودی کو چور باور کراانے پر تلے
ہوئے تھے۔ اگلی آیات میں بھی ان کے اور ان کے حمایتیوں کے غلط کردار کو نمایاں کر کے بنی مِثْلَہ کو خبردار کیا جا رہا ہے۔

وَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيهِمْ مَنصُورًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُجِيبُ مَنْ كَانَ حَزَانًا أَرْثِمًا ۝

يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝

هَآؤُلَآءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَكِلِهِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگوا^(۱) بے شک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ (۱۰۶)

اور ان کی طرف سے جھگڑا نہ کرو جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں، یقیناً دعا باز گنہگار اللہ تعالیٰ کو اچھا نہیں لگتا۔ (۱۰۷)

وہ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں، (لیکن) اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے، وہ راتوں کے وقت جب کہ اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں اس وقت بھی اللہ ان کے پاس ہوتا ہے، ان کے تمام اعمال کو وہ گھیرے ہوئے ہے۔ (۱۰۸)

ہاں تو یہ ہو تم لوگ کہ دنیا میں تم نے ان کی حمایت کی لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن ان کی حمایت کون کرے گا؟ اور وہ کون ہے جو ان کا وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا؟^(۲) (۱۰۹)

جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا مہربانی کرنے والا پائے گا۔ (۱۱۰)

(۱) یعنی بغیر تحقیق کئے آپ ﷺ نے جو خیانت کرنے والوں کی حمایت کی ہے، اس پر اللہ سے مغفرت طلب کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فریقین میں سے جب تک کسی کی بابت پورا یقین نہ ہو کہ وہ حق پر ہے، اس کی حمایت و کالت کرنا جائز نہیں۔ عداوہ ازیں اگر کوئی فریق دھوکے اور فریب اور اپنی چرب زبانی سے عدالت یا حاکم مجاز سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لے گا در آں حایکہ وہ صاحب حق نہ ہو تو ایسے فیصلے کی عند اللہ کوئی اہمیت نہیں۔ اس بات کو نبی ﷺ نے ایک حدیث میں اس طرح بیان فرمایا خیر دار! میں ایک انسان ہی ہوں اور جس طرح میں سنتا ہوں، اسی کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہوں۔ ممکن ہے ایک شخص اپنی دلیل و حجت پیش کرنے میں تیز طرار اور ہشیار ہو اور میں اس کی گفتگو سے متاثر ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں در آنحایکہ وہ حق پر نہ ہو اور اس طرح میں دوسرے مسلمان کا حق اسے دے دوں، اسے یاد رکھنا چاہئے کہ یہ آگ کا ٹکڑا ہے۔ یہ اس کی مرضی ہے کہ اسے لے لے یا چھوڑ دے۔ (اصحیح بخاری، کتاب الشہادۃ والحیل والأحكام۔ صحیح مسلم، کتاب الأقضية)

(۲) یعنی جب اس گنہ کی وجہ سے اس کا مؤاخذہ ہو گا تو کون اللہ کی گرفت سے اسے بچا سکے گا؟

وَمَنْ يَكْتُمِبْ إِثْمَهَا لَهَا كَيْفَ سَلَبَةٍ كَمَا عَلَّمَ اللَّهُ وَكَانَ اللَّهُ
عَلِيمًا حَكِيمًا ①

وَمَنْ يَكْتُمِبْ خَطِيئَتَهُ أَوْ إثمًا كَانَ يُزَمُّ بِهِ بَرًّا فَقَدْ أَخْطَأَ
بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا ②

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ لَطَائِفُ عَيْنِكَ
أَنْ يَبْصُرَكَ وَمَا يُبْصِرُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَتَبَصَّرُونَكَ مِنْ
نَفْسٍ ③ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ
مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ④

اور جو گناہ کرتا ہے اس کا بوجھ اسی پر ہے ^(۱) اور اللہ بخوبی
جاننے والا اور پوری حکمت والا ہے۔ (۱۱۱)
اور جو شخص کوئی گناہ یا خطا کر کے کسی بے گناہ کے ذمہ
تھوپ دے، اس نے بہت بڑا بہتان اٹھایا اور کھلا گناہ
کیا۔ ^(۲) (۱۱۲)

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم تجھ پر نہ ہوتا تو ان کی ایک
جماعت نے تو تجھے بے گناہی کا قصد کر ہی لیا تھا، ^(۳) مگر
دراصل یہ اپنے آپ کو ہی گمراہ کرتے ہیں، یہ تیرا کچھ
نہیں بگاڑ سکتے، اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب و حکمت اتاری
ہے اور تجھے وہ سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا تھا ^(۴) اور اللہ
تعالیٰ کا تجھ پر بڑا بھاری فضل ہے۔ (۱۱۳)

(۱) اس مضمون کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَا تُؤْخَذُ بِذُنُوبِ الْغَافِقِينَ﴾ (بنی اسرائیل - ۵۰) ”کوئی بوجھ
اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا“ یعنی کوئی کسی کا ذمہ دار نہیں ہوگا، ہر نفس کو وہی کچھ ملے گا جو وہ کما کر
ساتھ لے گیا ہوگا۔

(۲) جس طرح بنو امیہ نے کیا کہ چوری خود کی اور تمہاری کسی اور پر دھردی۔ یہ ذر و توح عام ہے۔ جو بنو امیہ کو بھی
شامل ہے اور ان کو بھی جو ان کی سی بد خصلتوں کے حامل اور ان جیسے برے کاموں کے مرتکب ہوں گے۔

(۳) یہ اللہ تعالیٰ کی اس خاص حفاظت و نگرانی کا ذکر ہے جس کا اہتمام انبیاء علیہم السلام کے لئے فرمایا ہے جو انبیاء پر اللہ
کے فضل خاص اور اس کی رحمت خاصہ کا مظہر ہے۔ طائفہ (جماعت) سے مراد وہ لوگ ہیں جو بنو امیہ کی حمایت میں
رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کی صفائی پیش کر رہے تھے جس سے یہ اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ نبی ﷺ اس شخص کو
چوری کے الزام سے بری کر دیں گے، جو فی الواقع چور تھا۔

(۴) یہ دوسرے فضل و احسان کا تذکرہ ہے جو آپ ﷺ پر کتاب و حکمت (سنت) نازل فرما کر اور ضروری باتوں کا علم دے کر
فرمایا گیا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا مَّا تَكُنْ تُبْقِي نَافِلًا﴾ (اشوری - ۵۲)
”اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف (قرآن لے کر) ایک فرشتہ اپنے حکم سے تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا
ہے؟“ ﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُلْقِيَ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ﴾ (القصص - ۸۶) ”اور تجھے یہ توقع نہیں تھی کہ تجھ

پر کتاب اتاری جائے گی، مگر تیرے رب کی رحمت سے (یہ کتاب اتاری گئی)“ ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ نے
آپ ﷺ پر فضل و احسان فرمایا اور کتاب و حکمت بھی عطا فرمائی، ان کے علاوہ دیگر بہت سی باتوں کا آپ ﷺ کو علم

لَا خَيْرَ فِي لَيْثِهِمْ ثُمَّ نَبَّؤُهُمْ إِلَّا مَنْ آمَنَ بَصَدَقَةٌ أَوْ
مَعْرُوفٌ أَوْ إِصْلَاحٌ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ
ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ
الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ

ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں کوئی خیر نہیں، ^(۱) ہاں! بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے ^(۲) اور جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادہ سے یہ کام کرے ^(۳) اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے ^(۴) (۴۳)

جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر

دیا گیا جن سے آپ ﷺ بے خبر تھے۔ یہ بھی گویا آپ ﷺ کے عالم الغیب ہونے کی نفی ہے کیونکہ جو خود عالم الغیب ہو، اسے تو کسی اور سے علم حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور جسے دوسرے سے معلومات حاصل ہوں، وحی کے ذریعے سے یا کسی اور طریقے سے وہ عالم الغیب نہیں ہوتا۔

(۱) نجسوی (سرکوشی) سے مراد وہ باتیں ہیں جو منافقین آپس میں مسلمانوں کے خلاف یا ایک دوسرے کے خلاف کرتے تھے۔
(۲) یعنی صدقہ خیرات 'معروف' (جو ہر قسم کی نیکی کو شامل ہے) اور اصلاح بین الناس کے بارے میں مشورے، خیر پر مبنی ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں بھی ان امور کی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے۔

(۳) کیونکہ اگر اخصاص (یعنی رضائے الٰہی کا مقصد) نہیں ہو گا تو بڑے سے بڑا عمل بھی نہ صرف ضائع جائے گا بلکہ وہاں جان بن جائے گا۔ لعمرو باللہ من الریاء والنفاق۔

(۴) احادیث میں اعمال نہ کوہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اللہ کی راہ میں حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ بھی اہم پڑ جتنا ہو جائے گا صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، نیک بات کی اشاعت بھی بڑی فضیلت ہے۔ اسی طرح رشتے داروں، دوستوں اور باہم ناراض دیگر لوگوں کے درمیان صلح کرانا بہت بڑا عمل ہے۔ ایک حدیث میں اسے نفلی روزوں، نفلی نمازوں اور نفلی صدقات و خیرات سے بھی افضل بتلایا گیا ہے۔ فرمایا: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلِ مِنْ ذَرَخَةِ الصَّيِّمِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟» قَالُوا: بَلَىٰ. قَالَ: «إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ». قَالَ: «وَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْخَالِقَةُ» (ابوداؤد کتاب الأدب۔ ترمذی، کتاب البر و منہ أحمد ۶/۴۴۳، ۴۴۵) حتیٰ کہ صلح کرانے والے کو جھوٹ تک بولنے کی اجازت دے دی گئی تاکہ اسے ایک دوسرے کو قریب لانے کے لئے دروغ مصلحت آمیز کی ضرورت پڑے تو وہ اس میں بھی تامل نہ کرے۔ «لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ، فَيَنْصِبُ خَيْرًا أَوْ يَقُولُ خَيْرًا» (بخاری، کتاب المصلح مسلم والترمذی، کتاب البر۔ ابوداؤد، کتاب الأدب) "وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے اچھی بات بھیلایا یا اچھی بات کرتا ہے۔"

مَا تَوَلَّ وَنُصِبَ بِهِ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ
لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ يَأْتِ بِتَلْوٍ فَقَدْ ضَلَّ
ضَلَالًا بَعِيدًا ۝

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنشَاءً وَإِنْ يَدْعُونَ
إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ۝

دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں
گے،^(۱) وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔ (۱۱۵)

اسے اللہ تعالیٰ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک
مقرر کیا جائے، ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے
معاف فرما دیتا ہے اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا
بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ (۱۱۶)

یہ تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو پکارتے
ہیں^(۲) اور دراصل یہ صرف سرکش شیطان کو
پوچھتے ہیں۔^(۳) (۱۱۷)

(۱) ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور مومنین کا راست چھوڑ کر کسی اور راستے کی پیروی،
دینِ اسلام سے خروج ہے جس پر یہاں جہنم کی وعید بیان فرمائی گئی ہے۔ مومنین سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو دین
اسلام کے اولین پیرو اور اس کی تعلیمات کا کامل نمونہ تھے۔ اور ان آیات کے نزول کے وقت جن کے سوا کوئی گروہ
مومنین موجود نہ تھا کہ وہ مراد ہو۔ اس لئے رسول ﷺ کی مخالفت اور غیر سبیل المومنین کا اتباع دونوں حقیقت میں
ایک ہی چیز کا نام ہے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے اور منہاج سے انحراف بھی کفر و ضلال ہی ہے۔ بعض علما
نے سبیل المومنین سے مراد اجماع امت لیا یعنی اجماع امت سے انحراف بھی کفر ہے۔ اجماع امت کا مطلب ہے کسی
مسئلے میں امت کے تمام علماء و فقہاء کا اتفاق۔ یا کسی مسئلے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق یہ دونوں صورتیں اجماع امت کی
ہیں اور دونوں کا انکار یا ان میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق تو بہت سے مسائل میں ملتا
ہے یعنی اجماع کی یہ صورت تو ملتی ہے۔ لیکن اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد کسی مسئلے میں پوری امت کے اجماع و اتفاق
کے دعوے تو بہت سے مسائل میں کئے گئے ہیں لیکن فی الحقیقت ایسے اجماعی مسائل بہت ہی کم ہیں۔ جن میں فی الواقع
امت کے تمام علماء و فقہاء کا اتفاق ہو۔ تاہم ایسے جو مسائل بھی ہیں، ان کا انکار بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کے انکار کی
طرح، کفر ہے۔ اس لئے کہ صحیح حدیث میں ہے ”اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر اکھا نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ
کا ہاتھ ہے۔“ (صحیح ترمذی للآلبانی جلد نمبر ۱۷۵۹)

(۲) اِنَاث (عورتیں) سے مراد یا تو وہ بت ہیں جن کے نام موٹ تھے جیسے لات، عزی، مناة، نائلہ وغیرہ۔ یا مراد فرشتے
ہیں۔ کیونکہ مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔

(۳) جنوں، فرشتوں اور دیگر ہستیوں کی عبادت دراصل شیطان کی عبادت ہے۔ کیونکہ شیطان ہی انسان کو اللہ کے در
سے چھڑا کر دو سروں کے آستانوں اور چوکنوں پر جھکا تا ہے، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

لَعَنَهُ اللَّهُ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَجِيبًا
مَفْرُوضًا ۝

جسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اس نے بیڑا اٹھایا ہے کہ
تیرے بندوں میں سے میں مقرر شدہ حصہ لے کر رہوں
گا۔^(۱) (۱۸)

وَلَا أُصَلِّتُهُمْ وَلَا أُمْنِيَّتُهُمْ وَلَا أَمْرُهُمْ فَلْيَمْنِكُنْ أَذَانَ
الْأَنْعَامِ وَلَا أَمْرُهُمْ فَلْيَنْعَزِرْ خَلْقَ اللَّهِ وَمَنْ يَتَّبِعِ
الشَّيْطَانَ وَلْيَتَّخِذْ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَتًى خَيْرَ خُفْرًا تَابِعِنَا ۝

اور انہیں راہ سے ہٹاتا رہوں گا اور باطل امیدیں دلاتا
رہوں گا^(۲) اور انہیں سکھاؤں گا کہ جانوروں کے کان چیر
دیں^(۳) اور ان سے کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی
صورت کو بگاڑیں^(۴) سنو! جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان
کو اپنا رفیق بنائے گا وہ صریح نقصان میں ڈوبے گا۔ (۱۹)

يَعِدُّهُمْ وَيُؤْمِنُهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝

وہ ان سے زبانی وعدے کرتا رہے گا اور سبز باغ دکھاتا
رہے گا (مگر یاد رکھو!) شیطان کے جو وعدے ان سے ہیں
وہ سراسر فریب کاریاں ہیں۔ (۲۰)

أُولَٰئِكَ مَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَجِيًّا ۝

یہ وہ لوگ ہیں جن کی جگہ جہنم ہے، جہاں سے انہیں
چھٹکارا نہ ملے گا۔ (۲۱)

(۱) مقرر شدہ حصہ سے مراد وہ نذر و نیاز بھی ہو سکتی ہے جو مشرکین اپنے بتوں اور قبروں میں مدفون اشخاص کے نام
ٹکاتے ہیں اور جہنیوں کا وہ کونہ بھی ہو سکتا ہے جنہیں شیطان گمراہ کر کے اپنے ساتھ جہنم میں لے جائے گا۔
(۲) یہ وہ باطل امیدیں ہیں جو شیطان کے دوسروں اور دخل اندازی سے پیدا ہوتی اور انسانوں کی گمراہی کا سبب بنتی ہیں۔
(۳) یہ بکیرہ اور سائبہ جانوروں کی علامتیں اور صورتیں ہیں۔ مشرکین ان کو بتوں کے نام وقف کرتے تو شناخت کے
لئے ان کا کان وغیرہ چیر دیا کرتے تھے۔

(۴) تَنْبِيْزٌ حَقِيقِیُّ اللہ (اللہ کی تخلیق کو بدلنا) کی کئی صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہی جس کا ابھی یہاں ذکر ہوا یعنی کان
وغیرہ کاٹنا، چیرنا، سوراخ کرنا، ان کے علاوہ اور کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج، پتھر اور آگ وغیرہ اشیاء
مختلف مقاصد کے لئے بنائی ہیں، لیکن مشرکین نے ان کے مقصد تخلیق کو بدل کر ان کو معبود بنالیا۔ یا تغیر کا مطلب تغیر
فطرت ہے، یا صحت و حرمت میں تبدیلی ہے۔ وغیرہ۔ اسی تغیر میں مردوں کی نس بندی کر کے اور اسی طرح عورتوں کے
آپریشن کر کے انہیں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دیتا۔ میک اپ کے نام پر ابدوؤں کے بال وغیرہ اکھاڑ کر
اپنی صورتوں کو مسح کرنا اور وشم (یعنی گودنے گدوانا) وغیرہ بھی شامل ہے۔ یہ سب شیطانی کام ہیں جن سے بچنا ضروری
ہے۔ البتہ جانوروں کو اس لئے خسی کرنا کہ ان سے زیادہ اشتغال ہو سکے یا ان کا گوشت زیادہ بہتر ہو سکے یا اسی قسم کا کوئی
اور صحیح مقصد ہو تو جائز ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خسی جانور قربانی میں ذبح فرمائے
ہیں۔ اگر جانور کو خسی کرنے کا جواز نہ ہوتا تو آپ ﷺ ان کی قربانی نہ کرتے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَعْدَ اللَّهِ
حَقًّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۝

اور جو ایمان لائیں اور بھلے کام کریں ہم انہیں ان
جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں
جہاں یہ ابد الابد رہیں گے یہ ہے اللہ کا وعدہ جو سراسر
سچا ہے اور کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے زیادہ سچا
ہو؟ (۱۲۲)

لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانَةِ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ
سُوًّا يُجْزَ بِهِ وَلَا يُجْزَلُ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا
وَلَا يُصِيرُ ۝

حقیقت حال نہ تو تمہاری آرزو کے مطابق ہے اور نہ اہل
کتاب کی امیدوں پر موقوف ہے جو برا کرے گا اسکی
سزا پائے گا اور کسی کو نہ پائے گا جو اس کی حمایت و مدد
اللہ کے پاس کر سکے۔ (۱۲۳)

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أُولَٰئِكَ يَرْجُوهُمْ
وَلِلَّهِ يَدُ الْخُلُوفِ الْيَمْنَىٰ وَالشَّامَىٰ لَا يَفْصِلُون ۝

جو ایمان والا ہو مرد ہو یا عورت اور وہ نیک اعمال کرے
یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کعبور کی کشمکش
کے شگاف برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا۔ (۱۲۴)

وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

(۱) شیطانی وعدے تو سراسر دھوکہ اور فریب ہیں لیکن اس کے مقابلہ میں اللہ کے وعدے جو اس نے اہل ایمان سے
کئے ہیں سچے اور برحق ہیں اور اللہ سے زیادہ سچا کون ہو سکتا ہے؟ لیکن انسان کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ یہ بچوں کی بات
کو کم مانتا ہے اور جھوٹوں کے پیچھے زیادہ چلتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ شیطانی چیزوں کا چلن عام ہے اور ربانی کاموں کو
اقتدار کرنے والے ہر دور میں اور ہر جگہ کم ہی رہے ہیں اور کم ہی ہیں ﴿وَقِيلَ لِمَنْ عَدُوٌّ الشُّكُورُ﴾ (سبا-۱۳) ”میرے
شکر گزار بدھے کم ہی ہیں“

(۲) جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اہل کتاب اپنے متعلق بڑی خوش فہمیوں میں مبتلا تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے پھر ان کی
خوش فہمیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کی کامیابی محض امیدوں اور آرزوؤں سے نہیں ملے گی۔ اس کے
لئے تو ایمان اور عمل صالح کی پونجی ضروری ہے۔ اگر اس کے برعکس ناش اعمال میں برائیاں ہوں گی تو اسے ہر صورت
میں اس کی سزا بھگتنی ہو گی وہاں کوئی ایسا دوست یا مددگار نہیں ہو گا جو برائی کی سزا سے بچا سکے۔ آیت میں اہل کتاب
کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی خطاب فرمایا ہے تاکہ وہ بھی یہود و نصاریٰ کی سی غلط فہمیوں، خوش فہمیوں اور
عمل سے خالی آرزوؤں اور تمنائوں سے اپنا دامن بچا کر رکھیں۔ لیکن افسوس مسلمان اس تنبیہ کے باوجود انہیں خام
خیالیوں میں مبتلا ہو گئے جن میں سابقہ امتیں گرفتار ہوئیں۔ اور آج بے عملی اور بد عملی مسلمان کا بھی شعار بنی ہوئی
ہے اور اس کے باوجود وہ امت مرحومہ کہلانے پر مصر ہے۔ هَذَا اللَّهُ تَعَالَىٰ

وَأَتَتْهُ رَيْلَةُ ابْنُ رَيْمٍ حَبِيبًا وَأَتَتْهُ ابْنُ رَيْمٍ حَبِيبًا ۝

وَمَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّخِطًا ۝

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُعَيِّنُ لَهُمْ فِيهِمْ وَمَا يُثَلِّ عَلَيْهِمْ فِي الْكِتَابِ فِي نَيْمِ النِّسَاءِ السَّخَى لَا تُؤْتُونَهُمْ مَا لَيْسَ لَهُمْ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُمْ وَالْمُسْتَظْفَعِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَإِنْ تُقَامُوا لِلْيَتَامَى

کے تابع کر دے اور ہو بھی نیکو کار' ساتھ ہی یکسوئی والے ابراہیم کے دین کی پیروی کر رہا ہو اور ابراہیم (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنالیا ہے^(۱) (۳۵) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔ (۳۶)

آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں^(۲) آپ کہہ دیجئے کہ خود اللہ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے اور قرآن کی وہ آیتیں جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں پڑھی جاتی ہیں جنہیں ان کا مقرر حق تم نہیں دیتے^(۳) اور انہیں اپنے نکاح میں لانے کی

(۱) یہاں کامیابی کا ایک معیار اور اس کا ایک نمونہ بیان کیا جا رہا ہے۔ معیار یہ ہے کہ اپنے کو اللہ کے سپرد کر دے، محسن بن جائے اور ملت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرے اور نمونہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا۔ خلیل کے معنی ہیں کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس طرح راسخ ہو جائے کہ کسی اور کے لئے اس میں جگہ نہ رہے۔ خلیل (بروزن فعل) بمعنی فاعل ہے جیسے علیم بمعنی عالم اور بعض کہتے ہیں کہ بمعنی مفعول ہے۔ جیسے حبیب بمعنی محبوب اور حضرت ابراہیم علیہ السلام یقیناً اللہ کے محب بھی تھے اور محبوب بھی علیہ الصلوٰۃ والسلام (فتح القدیر)۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے "اللہ نے مجھے بھی خلیل بنایا ہے جس طرح اس نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا" (صحیح مسلم، کتاب المساجد)

(۲) عورتوں کے بارے میں جو سوالات ہوتے رہتے تھے یہاں سے ان کے جوابات دیئے جا رہے ہیں۔

(۳) وَمَا يُثَلِّ عَلَيْهِمْ — اس کا عطف اللہ بِعَيْنِهِمْ — پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کی بابت وضاحت فرماتا ہے اور کتاب اللہ کی وہ آیات وضاحت کرتی ہیں جو اس سے قبل یتیم لڑکیوں کے بارے میں نازل ہو چکی ہیں۔ مراد ہے سورہ نساء کی آیت ۳ جس میں ان لوگوں کو اس بے انصافی سے روکا گیا ہے کہ وہ یتیم لڑکی سے ان کے حسن و جمال کی وجہ سے شادی تو کر لیتے تھے لیکن مرثیٰ دینے سے گریز کرتے تھے۔

بِالْقِسْطِ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ۝

رغبت رکھتے ہو^(۱) اور کمزور بچوں کے بارے میں^(۲) اور اس بارے میں کہ یتیموں کی کارگزاری انصاف کے ساتھ کرو۔^(۳) تم جو نیک کام کرو، بے شبہ اللہ اسے پوری طرح جانتے والا ہے۔ (۴۷)

اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بددماغی اور بے پرواہی کا خوف ہو تو دونوں آپس میں جو صلح کر لیں اس میں کسی پر کوئی گناہ نہیں۔^(۴) صلح بہت بہتر چیز ہے، طبع ہر ہر نفس

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ

(۱) اس کے دو ترجمے کئے گئے ہیں، ایک تو یہی جو مرحوم مترجم نے کیا ہے، اس میں فی کالفظ مخدوف ہے۔ اس کا دوسرا ترجمہ عن کالفظ مخدوف مان کر کیا گیا ہے یعنی تَزْعُمُونَ عَنْ أَنْ تَنْكِحُوهُمْ، ”تمہیں ان سے نکاح کرنے کی رغبت نہ ہو“ رغب کا صلہ عن آئے تو معنی اعراض اور بے رغبتی کے ہوتے ہیں۔ جیسے ﴿وَمَنْ يُزَيِّغْ عَنْ ذِكْرِهِ﴾ میں ہے یہ گویا دوسری صورت بیان کی گئی ہے کہ یتیم لڑکی بعض دفعہ بد صورت ہوتی تو اس کے ولی یا اس کے ساتھ وراثت میں شریک دوسرے ورثہ خود بھی اس کے ساتھ نکاح کرنا پسند نہ کرتے اور کسی دوسری جگہ بھی اس کا نکاح نہ کرتے، تاکہ کوئی اور شخص اس کے حصہ جائیداد میں شریک نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی صورت کی طرح ظلم کی اس دوسری صورت سے بھی منع فرمایا۔

(۲) اس کا عطف بتامی النساء پر ہے۔ یعنی (وَمَا يُلْقِیْ عَلَیْكُمْ فِي بَنَائِیِ النِّسَاءِ دِہِی الْمُسْتَضْعِفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ) ”یتیم لڑکیوں کے بارے میں تم پر جو پڑھا جاتا ہے (سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳) اور کمزور بچوں کی بہت جو پڑھا جاتا ہے“ اس سے مراد قرآن کا حکم ﴿يُؤْصِلُكَ اللَّهُ فِي ذُلٍّ أَوْ كَرٍّ﴾ ہے جس میں بیٹوں کے ساتھ بیٹیوں کو بھی وراثت میں حصہ دار بنایا گیا۔ جب کہ زمانہ جاہلیت میں صرف بڑے لڑکوں کو ہی وارث سمجھا جاتا تھا، چھوٹے کمزور بچے اور عورتیں وراثت سے محروم ہوتی تھیں۔ شریعت نے سب کو وارث قرار دیا۔

(۳) اس کا عطف بھی بتامی النساء پر ہے۔ یعنی کتاب اللہ کا یہ حکم بھی تم پر پڑھا جاتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو۔ یتیم بچی صاحب جمال ہو تب بھی اور بد صورت ہو تب بھی۔ دونوں صورتوں میں انصاف کرو (جیسا کہ تفصیل گزری)

(۴) خاوند اگر کسی وجہ سے اپنی بیوی کو ناپسند کرے اور اس سے دور رہنا (نشوز) اور اعراض کرنا معمول بنالے یا ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں کسی کم تر خوب صورت بیوی سے اعراض کرے تو عورت اپنا کچھ حق چھوڑ کر (مہر سے یا نان و نفقہ سے یا باری سے) خاوند سے مصالحت کر لے تو اس مصالحت میں خاوند یا بیوی پر کوئی گناہ نہیں۔ کیونکہ صلح بہر حال بہتر ہے۔ حضرت ام المومنین سودة بنت العاص نے بھی بڑھاپے میں اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے یہ کہ دی تھی جسے نبی ﷺ نے قبول فرمایا تھا۔ (صحیح بخاری و مسلم۔ کتاب النکاح)

كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ جَبِئًا ۝

میں شامل کر دی گئی ہے۔^(۱) اگر تم اچھا سلوک کرو اور پرہیزگاری کرو تو تم جو کر رہے ہو اس پر اللہ تعالیٰ پوری طرح خبردار ہے۔ (۱۳۸)

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْبُدُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ
فَلَا تَقِيلُوا كُلَّ السَّيْلِ فَتَنْدُوهُمَا كَالْمَلَكَةِ فُلَانٍ تَضِلُّهُمَا
وَتَنْتَعُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو گے تم اس کی کتنی ہی خواہش و کوشش کر لو، اس لئے بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو اوجھڑ لگتی ہوئی نہ چھوڑو^(۲) اور اگر تم اصلاح کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔ (۱۳۹)

وَلَنْ يَتَعَفَّرَ فَإِنَّ اللَّهَ كُلَّامِينَ سَعَتِهِ ۝ وَكَانَ
اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ۝

اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا،^(۳) اللہ تعالیٰ وسعت والا حکمت والا ہے۔ (۱۴۰)

(۱) شج بخل اور طمع کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد اپنا اپنا مفاد ہے جو ہر نفس کو عزیز ہوتا ہے یعنی ہر نفس اپنے مفاد میں بخل اور طمع سے کام لیتا ہے۔

(۲) یہ ایک دوسری صورت ہے کہ ایک شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو دلی تعلق اور محبت میں وہ سب کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ محبت فعل قلب ہے جس پر کسی کو اختیار نہیں ہے۔ خود نبی ﷺ کو بھی اپنی بیویوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ خواہش کے باوجود انصاف نہ کرنے سے مطلب یہی قلبی میلان اور محبت میں عدم مساوات ہے۔ اگر یہ قلبی محبت ظاہری حقوق کی مساوات میں مانع نہ بنے تو عند اللہ قابل مؤاخذہ نہیں۔ جس طرح کہ نبی ﷺ نے اس کائنات عمدہ نمونہ پیش فرمایا۔ لیکن اکثر لوگ اس قلبی محبت کی وجہ سے دوسری بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں ہمت کو تابی کرتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی ”محبوب بیوی“ کی طرح دوسری بیویوں کے حقوق ادا نہیں کرتے اور انہیں معلقہ (درمیان میں لٹکی ہوئی) بنا کر رکھ چھوڑتے ہیں، نہ انہیں طلاق دیتے ہیں نہ حقوق زوجیت ادا کرتے ہیں۔ یہ انتہائی ظلم ہے جس سے یہاں روکا گیا ہے اور نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے ”جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف ہی مائل ہو (یعنی دوسری کو نظر انداز کئے رکھے) تو قیامت کے دن وہ اس طرح آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ (یعنی نصف) ساقط ہو گا۔ (ترمذی، کتاب النکاح)

(۳) یہ تیسری صورت ہے کہ کوشش کے باوجود اگر نباہ کی صورت نہ بنے تو پھر طلاق کے ذریعے سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ ممکن ہے علیحدگی کے بعد مرد کو مطلوبہ صفات والی بیوی اور عورت کو مطلوبہ صفات والا مرد مل جائے۔ اسلام میں طلاق

وَلَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ وَلَنْ تَكُونُوا
فَاقًا لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ
غَنِيًّا حَمِيدًا ﴿۳۱﴾

وَلَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا
وَكُنِيْلًا ﴿۳۲﴾

إِنْ يَشَاءُ يُخَذِّبْكُمْ أَيْنَ مَا يُرِيدُ وَيَأْتِ بِآخِرِينَ وَكَانَ
اللَّهُ عَلَ ذَٰلِكَ قَدِيرًا ﴿۳۳﴾

مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ مَوْكَّانًا اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿۳۴﴾

زمین اور آسمانوں کی ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں
ہے اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب
دیئے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم کیا ہے کہ اللہ سے
ڈرتے رہو اور اگر تم کفر کرو تو یاد رکھو کہ اللہ کے لئے
ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور
اللہ بہت بے نیاز اور تعریف کیا گیا ہے۔ (۳۱)

اللہ کے اختیار میں ہیں آسمانوں کی سب چیزیں اور زمین
کی بھی اور اللہ کارساز کافی ہے۔ (۳۲)

اگر اسے منظور ہو تو اے لوگو! وہ تم سب کو لے جائے
اور دوسروں کو لے آئے اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت
رکھنے والا ہے۔ (۳۳)

جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہو تو (یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ کے
پاس تو دنیا اور آخرت (دونوں) کا ثواب موجود ہے (۳۴) اور
اللہ تعالیٰ بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔ (۳۴)

کو اگرچہ سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے اَنْعَصُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَافِ (رواہ ابو داؤد مشکوٰۃ، "طلاق حلال
تو ہے لیکن یہ ایسا حلال ہے جو اللہ کو سخت ناپسند ہے" اس کے باوجود اللہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ اس لئے کہ بعض دفعہ
حالات ایسے موڑ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا اور فریقین کی بہتری اسی میں ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے
علیحدگی اختیار کریں۔ مذکورہ حدیث میں صحت اسناد کے اعتبار سے اگرچہ ضعیف ہے تاہم قرآن و سنت کی نصوص سے یہ واضح
ہے کہ یہ حق اسی وقت استعمل کرنا چاہئے جب نباہ کی کوئی صورت کسی طرح بھی نہ مل سکے۔

مصحوظہ حدیث مذکور اَنْعَصُ الْحَلَالِ کو شیخ البانی نے ضعیف قرار دیا ہے (ارواء الغلیل، نمبر ۳۰۳۰) تاہم
عذر شرعی کے بغیر طلاق کے ناپسندیدہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

(۱) یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ و کاملہ کا اظہار ہے جب کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَنْ تَكُونُوا يَسْتَبْدِلُونَ قُوتَنَا
غَيْرَ قُوَّتِنَا لَا يَكُونُوا امْتًا لَكُمْ﴾ (محمد-۳۸) "اگر تم پھر دو گے تو وہ تمہاری جگہ اوروں کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح
کے نہیں ہوں گے"

(۲) جیسے کوئی شخص جہاد صرف مال غنیمت کے حصول کے لئے کرے تو کتنی نادانی کی بات ہے۔ جب اللہ تعالیٰ دنیا و
آخرت دونوں کا ثواب عطا فرمانے پر قادر ہے تو پھر اس سے ایک ہی چیز کیوں طلب کی جائے؟ انسان دونوں ہی کا طالب
کیوں نہ بنے؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ هَذَا آدَابُ اللَّهِ
وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوَالِدٌ ذِينَ وَالْأَقْرَبُونَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا
أَوْ فَقِيرًا فَآلَهُ أُولَىٰ بِهِنَّ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا
وَلَنْ تَمْلَأُوا أَوْ تَقْصُرُوا وَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ①

اے ایمان والو! عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے
والے اور خوشنودی مولا کے لئے سچی گواہی دینے والے
بن جاؤ، گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں
باپ کے یا رشتہ دار عزیزوں کے،^(۱) وہ غنص اگر امیر ہو
تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق
ہے،^(۲) اس لئے تم خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر
انصاف نہ چھوڑ دینا^(۳) اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلو
حسی کی^(۴) تو جان لو کہ جو کچھ تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس
سے پوری طرح باخبر ہے۔ (۱۳۵)

(۱) اس میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو عدل و انصاف قائم کرنے اور حق کے مطابق گواہی دینے کی تاکید فرما رہا ہے چاہے
اس کی وجہ سے انہیں یا ان کے والدین اور رشتہ داروں کو نقصان ہی اٹھانا پڑے۔ اس لئے کہ حق سب پر حاکم ہے اور
سب پر مقدم ہے۔

(۲) یعنی کسی مال دار کی مالداری کی وجہ سے رعایت کی جائے نہ کسی فقیر کے فقر کا اندیشہ تمہیں سچی بات کہنے سے
روکے بلکہ اللہ ان دونوں سے تمہارے زیادہ قریب اور مقدم ہے۔

(۳) یعنی خواہش نفس، عصبیت یا بغض تمہیں انصاف کرنے سے نہ روک دے۔ جیسے دوسرے مقام پر
فرمایا ﴿وَلَا تَجْرِمَنَّهُمْ سُنَّةَ قَوْمٍ عَلَىٰ أَفْسَوْسَةٍ﴾ (المائدہ ۸۰) ”تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے
کہ تم انصاف نہ کرو۔“

(۴) تَلَوُذٌ لہٰی سے ہے جو تحریف اور جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کو کہا جاتا ہے۔ مطلب شہادت میں تحریف و تغیر ہے
اور اعراض سے مراد شہادت کا کتمان (چھپانا) اور اس کا ترک کرنا ہے۔ ان دونوں باتوں سے بھی روکا گیا ہے۔ اس آیت
میں عدل و انصاف کی تاکید اور اس کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے ان کا اہتمام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً:

☆ ہر حال میں عدل کرو اس سے سرمو انحراف نہ کرو، کسی ملامت گر کی ملامت اور کوئی اور محرک اس میں رکاوٹ نہ
بنے۔ بلکہ اس کے قیام میں تم ایک دوسرے کے معاون اور دست و بازو بنو

☆ صرف اللہ کی رضا تمہارے پیش نظر ہو، کیونکہ اس صورت میں تم تحریف، تبدیل اور کتمان سے گریز کرو گے اور
تمہارا فیصلہ عدل کی میزان میں پورا اترے گا۔

☆ عدل و انصاف کی زد اگر تم پر یا تمہارے والدین پر یا دیگر قریبی رشتہ داروں پر بھی پڑے تب بھی تم پروا مت کرو
اور اپنی اور ان کی رعایت کے مقابلے میں عدل کے تقاضوں کو اہمیت دو۔

☆ کسی مال دار کی اس کی تو عمر کی وجہ سے رعایت نہ کرو اور کسی تنگ دست کے فقر سے خوف مت کھاؤ کیونکہ وہی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ
عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ
وَمَلِئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا
بَعِيدًا ۝

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں، ایمان لاؤ! جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے فرشتوں سے اور اسکی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ (۱۳۶)

جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے پھر کفر کیا، پھر ایمان لا کر پھر کفر کیا، پھر اپنے کفر میں بڑھ گئے، اللہ تعالیٰ یقیناً انہیں نہ بخشے گا اور نہ انہیں راہ ہدایت سمجھائے گا۔ (۱۳۷)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ أَرَادُوا
كَفْرًا أَفَعَلَى اللَّهِ يُغْفَرُ لَهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

جانتا ہے کہ ان دونوں کی بہتری کس میں ہے؟

☆ فیصلے میں خواہش نفس، عصبیت اور دشمنی آڑے نہیں آنی چاہئے۔ بلکہ ان سب کو نظر انداز کر کے بے رنگ عدس کرو۔ عدس کا یہ اہتمام جس معاشرے میں ہو گا وہاں امن و سکون اور اللہ کی طرف سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو گا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس نکتے کو بھی خوب سمجھ لیا تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی بابت آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں خیر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہ وہاں کے بچلوں اور فصلوں کا تحنیہ لگا کر آئیں۔ یہودیوں نے انہیں رشوت کی پیشکش کی تاکہ وہ کچھ نرمی سے کام لیں۔ انہوں نے فرمایا ”اللہ کی قسم“ میں اس کی طرف سے نمائندہ بن کر آیا ہوں جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور تم میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہو۔ لیکن اپنے محبوب کی محبت اور تمہاری دشمنی مجھے اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتی کہ میں تمہارے معاملے میں انصاف نہ کروں۔“ یہ سن کر انہوں نے کہا ”اسی عدل کی وجہ سے آسمان و زمین کا یہ نظام قائم ہے“ (تفسیر ابن کثیر)

(۱) ایمان والوں کو ایمان لانے کی تاکید، تحصیل حاصل والی بات نہیں، بلکہ کمال ایمان اور اس پر استقرار و اثبات کا حکم ہے۔ جیسے ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِشَيْءٍ﴾ کا مفہوم ہے۔

(۲) بعض مفسرین نے اس سے مراد یہود لئے ہیں۔ یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے، لیکن حضرت عزیر علیہ السلام کا انکار کیا، پھر حضرت عزیر علیہ السلام پر ایمان لائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا۔ پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا بھی انکار کیا اور بعض نے اس سے مراد منافقین لئے ہیں، چونکہ مقصد ان کا مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا، اس لئے وہ بار بار اپنی مسلمانی کا ڈھونگ رچاتے تھے بالآخر کفر و ضلالت میں اتنے بڑھ گئے کہ ان کی ہدایت کی امید منقطع ہو گئی۔

يُخَيِّرُ الْمُؤْمِنِينَ يَا أَيُّهَا الرَّحْمَنُ لَمَنْ عَدَا بَابُ الْبَيْتِ ۝

وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الْكُفْرَ مِنْ أَقْبَانِ دُونَ الْمُؤْمِنِينَ
يَتَّبِعُونَ عَنْهُمْ الْوَرَّةَ فَإِنَّ الْوَرَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۝

وَقَدْ تَرَكَلْ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ
بِهَا وَيَتَّبِعُوا بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي
حَدِيثٍ غَيْرَةٍ لَكُمْ إِذَا مِثْلُكُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ
الْمُؤْمِنِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ۝

منافقوں کو اس امر کی خبر پہنچا دو کہ ان کے لئے دردناک
عذاب یقینی ہے۔ (۳۸)

جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو
دوست بناتے پھرتے ہیں،^(۱) کیا ان کے پاس عزت کی
تلاش میں جاتے ہیں؟ (تو یاد رکھیں کہ) عزت تو ساری
کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔^(۲) (۳۹)

اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا
ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے
ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع
میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ
اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی
جیسے ہو،^(۳) یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں
کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ (۴۰)

(۱) جس طرح سورہ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ منافقین کافروں کے پاس جا کر یہی کہتے تھے کہ ہم تو حقیقت میں
تمہارے ہی ساتھی ہیں، مسلمانوں سے تو ہم یوں ہی استہزا کرتے ہیں۔

(۲) یعنی عزت کافروں کے ساتھ موالات و محبت سے نہیں ملے گی، کیونکہ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے اور وہ عزت
اپنے ماننے والوں کو ہی عطا فرماتا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدِ الْوَرَّةَ فَلِلَّهِ الْوَرَّةُ جَمِيعًا﴾ (فاطر ۱۰) ”جو
عزت کا طالب ہے، تو (اسے) سمجھ لینا چاہیے کہ عزت سب کی سب اللہ کے لئے ہے“ اور فرمایا
﴿وَلِلَّهِ الْوَرَّةُ كُلُّهَا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلِذَلِكَ الْمُتَّبِعِينَ لَا تَقْعُدُوا﴾ (النفاقون ۸) ”عزت اللہ کے لئے ہے اس کے رسول
کے لئے ہے اور مومنین کے لئے ہے لیکن منافق نہیں جانتے۔“ یعنی وہ فتنے کے ذریعے سے اور کافروں سے دوستی
کے ذریعے سے عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ درآں حالیکہ یہ طریقہ ذلت و خواری کا ہے، عزت کا نہیں۔

(۳) یعنی منع کرنے کے باوجود اگر تم ایسی مجلسوں میں جہاں آیات الہی کا استہزا کیا جاتا ہو بیٹھو گے اور اس پر نکیر نہیں
کرو گے تو پھر تم بھی گناہ میں ان کے برابر ہو گے۔ جیسے ایک حدیث میں آتا ہے کہ ”جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر
ایمان رکھتا ہے، وہ اس دعوت میں شریک نہ ہو جس میں شراب کا دور چلے۔“ (مسند احمد جلد ۲ ص ۲۰ جلد ۳ ص ۳۲۹)
اس سے معلوم ہوا کہ ایسی مجلسوں اور اجتماعات میں شریک ہونا جن میں اللہ و رسول ﷺ کے احکام کا قول یا عمل
مذاق اڑا جاتا ہو، جیسے آج کل امر، فیشن، انبل اور مغرب زدہ حلقوں میں بالعموم ایسا ہوتا ہے یا شادی بیاہ اور سالگرہ
وغیرہ کی تقریبات میں کیا جاتا ہے، سخت گناہ ہے۔ ﴿لَكُمْ إِذَا مِثْلُكُمْ﴾ کی وعید قرآنی اہل ایمان کے اندر کچکی طاری کر

لَا يُؤْمِنُ يَتَرَتَّبُونَ يَكْمُ ۖ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ شِرْكَاءُ مِنَ اللَّهِ قَالُوا
 أَلَمْ تَكُنْ مَعَكُمْ وَلَنْ يَكْفُرَ بِنِصْبِكَ ۚ قَالُوا أَلَمْ
 نَسْتَحِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعَكُمُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ قَالُوا يَعْلَمُ بَيْنَكُمْ
 يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۝

إِنَّ الشَّافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۖ وَإِذَا قَامُوا

یہ لوگ تمہارے انجام کار کا انتظار کرتے رہتے ہیں پھر
 اگر تمہیں اللہ فتح دے تو یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے
 ساتھی نہیں اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ مل جائے تو
 (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور
 کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ بچایا
 تھا؟^(۱) پس قیامت میں خود اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان
 فیصلہ کرے گا^(۲) اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر
 ہرگز راہ نہ دے گا۔^(۳) (۱۳۱)

بے شک منافق اللہ سے چالبازیاں کر رہے ہیں اور وہ

رہنے کے لئے کافی ہے بشرطیکہ دل کے اندر ایمان ہو۔

(۱) یعنی ہم تم پر غالب آنے لگے تھے لیکن تمہیں اپنا ساتھی سمجھ کر چھوڑ دیا اور مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر ہم نے تمہیں
 مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچایا۔ مطلب یہ کہ تمہیں غلبہ ہماری اس دوغلی پالیسی کے نتیجے میں حاصل ہوا ہے۔ جو ہم نے
 مسلمانوں میں ظاہری طور پر شامل ہو کر اپنائے رکھی۔ لیکن درپردہ ان کو نقصان پہنچانے میں ہم نے کوئی کوتاہی اور کمی
 نہیں کی تا آنکہ تم ان پر غالب آگئے۔ یہ منافقین کا قول ہے جو انہوں نے کافروں سے کہا۔

(۲) یعنی دنیا میں تم نے دھوکے اور فریب سے وقتی طور پر کچھ کامیابی حاصل کر لی۔ لیکن قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کا
 فیصلہ ان باطنی جذبات و کیفیات کی روشنی میں ہو گا جنہیں تم سینوں میں چھپائے ہوئے تھے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو
 سینوں کے رازوں کو بھی خوب جانتا ہے اور پھر اس پر جو وہ سزا دے گا تو معلوم ہو گا کہ دنیا میں منافقت اختیار کر کے
 نہایت خسارے کا سودا کیا تھا جس پر جہنم کا دائمی عذاب بھگتنا ہو گا۔ اَعَادَنَا اللَّهُ مِنْهُ

(۳) یعنی غلبہ نہ دے گا۔ اس کے مختلف مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ (۱) اہل اسلام کا یہ غلبہ قیامت والے دن ہو گا (۲) محنت اور
 دلائل کے اعتبار سے کافر مسلمانوں پر غالب نہیں آسکتے۔ (۳) کافروں کا ایسا غلبہ نہیں ہو گا کہ مسلمان کی دولت و شوکت کا
 بالکل ہی خاتمہ ہو جائے گا اور وہ حرف غلط کی طرح دنیا کے نقشے سے ہی محو ہو جائیں۔ ایک حدیث صحیح سے بھی اس مفہوم کی
 تائید ہوتی ہے (۴) جب تک مسلمان اپنے دین کے عامل، باطل سے غیر راضی اور منکرات سے روکنے والے رہیں گے کافر
 ان پر غالب نہ آسکیں گے۔ امام ابن العربی فرماتے ہیں کہ ”یہ سب سے عمدہ معنی ہے“ کیونکہ اللہ تعالیٰ کافرمان ہے۔

﴿وَمَا آتَاكُم مِّنْ فَضِيلَةٍ فَلْيَاكِبْ لِئَلَّا تَكُونَ مِنَ الْخَالِفِينَ﴾ (الشوریٰ: ۳۰) ”اور جو معیشت تم پر واقع ہوتی ہے سو تمہارے اپنے
 فطرت کی وجہ سے“ (فتح القدیر) گویا مسلمانوں کی مغلوبیت ان کی اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ ہے۔

إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَتَالِي يَوْمَ تَوْنِ النَّاسِ وَلَا يَذْكُرُونَ
اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

انہیں اس چالبازی کا بدلہ دینے والا ہے^(۱) اور جب نماز کو
کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کالبی کی حالت میں کھڑے
ہوتے ہیں^(۲) صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں^(۳) اور یاد
الہی تو یونہی ہی برائے نام کرتے ہیں۔^(۴) (۱۳۲)

ثُمَّ يَنْتَهِينَ بِبَيْنِ ذَلِكَ أَلَّا إِلَى هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَى هَؤُلَاءِ وَمَنْ
يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ يَهْدِيَهُ رَبُّهُ أَبَدًا ۝

وہ درمیان میں ہی معلق ڈنگا رہے ہیں نہ پورے ان کی
طرف نہ صحیح طور پر ان کی طرف^(۵) اور جسے اللہ تعالیٰ
گمراہی میں ڈال دے تو تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے
گا۔ (۱۳۳)

(۱) اس کی مختصر توضیح سورہ بقرہ کے آغاز میں ہو چکی ہے۔

(۲) نماز اسلام کا اہم ترین رکن اور اشرف ترین فرض ہے اور اس میں بھی وہ کالبی اور سستی کا مظاہرہ کرتے تھے کیونکہ
ان کا قلب ایمان، خشیت الہی اور غلو ص سے محروم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عشا اور فجر کی نماز بطور خاص ان پرست بھاری
تھی جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «أَنْفَلُ الصَّلَاةَ عَلَى الْمُتَأَفِّقِينَ صَلَاةَ الْعِشَاءِ وَصَلَاةَ الصُّبْحِ»۔ (صحیح
بخاری، مواہب اللسلوة - صحیح مسلم، کتاب المساجد، "منافق پر عشا اور فجر کی نماز سب سے زیادہ
بھاری ہے۔"

(۳) یہ نماز بھی وہ صرف ریاکاری اور دکھاوے کے لئے پڑھتے تھے تاکہ مسلمانوں کو فریب دے سکیں۔

(۴) اللہ کا ذکر تو برائے نام کرتے ہیں یا نماز مختصر سی پڑھتے ہیں ای لا یصلون إِلَّا صَلَاةً قَلِيلَةً جب نماز اخلاص، خشیت
الہی اور خشوع سے خالی ہو تو اطمینان سے نماز کی ادائیگی نہایت گراں ہوتی ہے۔ جیسا کہ ﴿وَأَتَاهُمُ الْبُكْرَةَ وَالْآخِرَةَ﴾
(البقرہ - ۳۵) سے واضح ہے۔ حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: "یہ منافق کی نماز ہے" یہ منافق کی نماز ہے "یہ
منافق کی نماز ہے کہ بیٹھ ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے" یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان
(یعنی غروب کے قریب) ہو جاتا ہے تو اٹھتا ہے اور چار ٹھونکیں مار لیتا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب المساجد -
موطا کتاب القرآن)

(۵) کافروں کے پاس جاتے ہیں تو ان کے ساتھ اور مومنوں کے پاس آتے ہیں تو ان کے ساتھ دوستی اور تعلق کا اظہار
کرتے ہیں۔ ظاہر آ و باطن وہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں نہ کافروں کے ساتھ۔ ظاہر ان کا مسلمانوں کے ساتھ ہے تو باطن
کافروں کے ساتھ اور بعض منافق تو کفر و ایمان کے درمیان متحیر اور تذبذب ہی کا شکار رہتے تھے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے
"منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو جفتی کے لئے دو ریوڑوں کے درمیان متروک رہتی ہے" (بکرے کی تلاش میں)
بکری ایک ریوڑ کی طرف جاتی ہے، کبھی دوسرے کی طرف" (صحیح مسلم، کتاب المساجد)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا الَّذِينَ يَكْفُرُونَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ يَدْعُونَ أَنْ يَنْهَضُوا بِكُمْ أَعْلَانًا
ثُمَّ يَكْفُرُونَ ۝

إِنَّ الشَّافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الرَّاقِعِ مِنَ الظَّالِمِينَ لَنَبْذَنَّهُمْ
لَهُمْ نَصِيبٌ ۝

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاتَّخَذُوا بِاللَّهِ وَآخِلَصُوا
وَبَيْنَهُمْ قَوْلٌ لَّيْسَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ وَسَوْفَ يُؤْتِي
اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنَّ شُكْرَكُمْ أَمْتًا وَمَنْ شَكَرَ
اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ۝

اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ
بنانا، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی صاف
حجت قائم کر لو۔^(۱) (۱۳۳)

منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں
گے،^(۲) ناممکن ہے کہ تو ان کا کوئی مددگار پالے۔ (۱۳۵)

ہاں جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور اللہ تعالیٰ پر کامل
یقین رکھیں اور خالص اللہ ہی کے لئے دینداری کریں تو
یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں،^(۳) اللہ تعالیٰ مومنوں کو
بہت بڑا اجر دے گا۔ (۱۳۶)

اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم شکر
گزاری کرتے رہو اور اور با ایمان رہو،^(۴) اللہ تعالیٰ
بہت قدر کرنے والا اور پورا علم رکھنے والا ہے۔^(۵) (۱۳۷)

(۱) یعنی اللہ نے تمہیں کافروں کی دوستی سے منع فرمایا ہے۔ اب اگر تم دوستی کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کو
یہ دلیل مہیا کر رہے ہو کہ وہ تمہیں بھی سزا دے سکے (یعنی معصیت الہی اور حکم عدولی کی وجہ سے)

(۲) جہنم کا سب سے نچلا طبقہ ہاویہ کہلاتا ہے۔ اُعَادْنَا اللہ مِنْهَا منافقین کی مذکورہ عادات و صفات سے ہم سب
مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ بچائے۔

(۳) یعنی منافقین میں سے جو ان چار چیزوں کا خلوص دل سے اہتمام کرے گا، وہ جہنم میں جانے کے بجائے جنت میں
اہل ایمان کے ساتھ ہو گا۔

(۴) شکر گزاری کا مطلب ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق برائیوں سے اجتناب اور عمل صالح کا اہتمام کرنا۔ یہ گویا اللہ کی
نعمتوں کا عملی شکر ہے اور ایمان سے مراد اللہ کی توحید و ربوبیت پر اور نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت
پر ایمان ہے۔

(۵) یعنی جو اس کا شکر کرے گا، وہ قدر کرے گا، جو دل سے ایمان لائے گا، وہ اس کو جان لے گا اور اس کے مطابق وہ
بہترین جزا سے نوازے گا۔

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوَاهِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ
وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ﴿۱۸﴾

إِنْ تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُعْفَوْا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ
عَفُوًّا قَدِيرًا ﴿۱۹﴾

برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں
فرماتا مگر مظلوم کو اجازت ہے ^(۱) اور اللہ تعالیٰ خوب سنتا
جانتا ہے۔ (۱۳۸)

اگر تم کسی نیکی کو علانیہ کرو یا پوشیدہ یا کسی برائی سے
درگزر کرو ^(۲) پس یقیناً اللہ تعالیٰ پوری معافی کرنے والا
اور پوری قدرت والا ہے۔ (۱۳۹)

(۱) شریعت نے تاکید کی ہے کہ کسی کے اندر برائی دیکھو تو اس کا چرچا نہ کرو بلکہ تنہائی میں اس کو سمجھاؤ، اسے کہ کوئی
دینی مصلحت ہو۔ اسی طرح کھلے عام اور علی الاطلاق برائی کرنا بھی سخت ناپسندیدہ ہے۔ ایک تو برائی کا ارتکاب دینے ہی
منوع ہے، چاہے پردے کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرا اسے برسرعام کیا جائے یہ مزید ایک جرم ہے اور اس کی وجہ
سے اس برائی کا جرم دو چند بلکہ وہ چند بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن کے الفاظ مذکورہ دونوں قسم کی برائیوں کے اظہار سے
ممانعت کو شامل ہیں اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی شخص کو اس کی کردہ یا ناکردہ حرکت پر برا بھلا کہا جائے۔ البتہ
اس سے ایک استثناء ہے کہ ظالم کے ظلم کو تم لوگوں کے سامنے بیان کر سکتے ہو۔ جس سے ایک فائدہ یہ متوقع ہے کہ شاید
وہ ظلم سے باز آجائے یا اس کی صفائی کی سعی کرے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس سے بچ کر رہیں۔ حدیث میں آتا ہے
کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہنا کہ مجھے میرا پڑوسی ایذا دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے
فرمایا ”تم اپنا سامان نکال کر باہر راستے میں رکھ دو“ اس نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ جو بھی گزرتا اس سے پوچھتا وہ پڑوسی کے
خالانہ رویے کی وضاحت کرتا تو سن کر ہر روز اس پر لعنت ملامت کرتا۔ پڑوسی نے یہ صورت حال دیکھ کر معذرت کر لی
اور آئندہ کے لیے ایذا نہ پہنچانے کا فیصلہ کر لیا اور اس سے اپنا سامان اندر رکھنے کی التجا کی۔ (سنن ابی داؤد۔ کتاب
الأدب)

(۲) کوئی شخص کسی کے ساتھ ظلم یا برائی کا ارتکاب کرے تو شریعت نے اس حد تک بدلہ لینے کی اجازت دی ہے۔ جس
حد تک اس پر ظلم ہوا ہے۔ الْمُسْتَبَابِ مَا قَالَا، فَعَلَى الْبَادِي، مَا لَمْ يَتَّخِذِ الْمَظْلُومُ (صحيح مسلم، کتاب
البر والصلة والآداب، باب السب من السباب، حدیث نمبر ۳۵۸۷) ”آپس میں گالی گلوچ کرنے والے دو شخص جو کچھ
کہیں اس کا گناہ پھل کرنے والے پر ہے (بشرطیکہ) مظلوم (یعنی جسے پہلے گالی دی گئی اور اس نے جواب میں گالی دی)
زیادتی نہ کرے۔“ لیکن بدلہ لینے کی اجازت کے ساتھ ساتھ معافی اور درگزر کو زیادہ پسند فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود
باوجود قدرت کاملہ کے غصہ و درگزر سے کلام لینے والا ہے۔ اس لیے فرمایا ﴿ وَخَزَّوْاْ سَيِّئَاتِهِمْ سَيِّئَاتِهِمْ تَتَشَابَهُنَّ فَنَّ عَقَاوْاْ أَصْلَاحَهُ
فَأَخْرِجُوْهُ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ ﴾ (اشوری، ۳۰) برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے مگر جو درگزر کرے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر
اللہ کے ذمے ہے اور حدیث میں بھی ہے ”معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ عزت میں اضافہ فرماتا ہے۔“ صحیح مسلم کتاب
البر والعتل والآداب باب استیجاب العفو والتواضع۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُؤْمِنُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا
بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنُكْفِرُ بِبَعْضٍ
وَيُرِيدُونَ أَنْ يُتَّخَذَ وَابِعٌ ذَلِكُمْ سَبِيلًا ۝

أُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ
عَذَابًا شَدِيدًا ۝

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ
أُولَئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمُ اللَّهُ أَجْرًا كَثِيرًا ۝

يَسْأَلُ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابَتَيْنِ السَّمَاءِ
فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَى الْأَكْبَرِينَ ذَلِكَ فَقَالُوا إِنَّا اللَّهُ جَهْرَةً
فَأَخَذْنَا لَهُمُ الصُّفُوفَ يَطْلُبُهَا شُعْرًا تَخَذُوا وَالْوَجَلِ

جو لوگ اللہ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر
کرتے ہیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے
رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور جو لوگ کہتے ہیں
کہ بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور
چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس کے بین بین کوئی راہ
نکالیں۔ (۱۵۰)

یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں،^(۱) اور کافروں کے
لئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے۔ (۱۵۱)

اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام پیغمبروں پر ایمان
لا تے ہیں اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے، یہ
ہیں جنہیں اللہ ان کو پورا ثواب دے گا،^(۲) اور اللہ بڑی
مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔ (۱۵۲)

آپ سے یہ اہل کتاب درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان
کے پاس کوئی آسمانی کتاب لائیں،^(۳) حضرت موسیٰ (علیہ
السلام) سے تو انہوں نے اس سے بہت بڑی درخواست

(۱) اہل کتاب کے متعلق پہلے گزر چکا ہے کہ وہ بعض نبیوں کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں۔ جیسے یہود نے حضرت عیسیٰ
علیہ السلام و حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور عیسائیوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ
انبیاء علیہم السلام کے درمیان تفریق کرنے والے یہ بکے کافر ہیں۔

(۲) یہ ایمانداروں کا شیوہ بتلایا کہ وہ سب انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھتے ہیں۔ جس طرح مسلمان ہیں کہ وہ کسی بھی نبی
کا انکار نہیں کرتے۔ اس آیت سے بھی ”وحدت ادیان“ کی نفی ہوتی ہے جس کے قائلین کے نزدیک رسالت محمدیہ پر
ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ اور وہ ان غیر مسلموں کو بھی نجات یافتہ سمجھتے ہیں جو اپنے تصورات کے مطابق ایمان باللہ
رکھتے ہیں۔ لیکن قرآن کی اس آیت نے واضح کر دیا کہ ایمان باللہ کے ساتھ رسالت محمدیہ پر ایمان نہ بھی ضروری ہے۔
اگر اس آخری رسالت کا انکار ہو گا تو اس انکار کے ساتھ ایمان باللہ غیر معتبر اور نامقبول ہے (مزید دیکھیے سورۃ البقرہ کی
آیت نمبر ۶۲ کا حاشیہ)

(۳) یعنی جس طرح موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے اور تختیوں پر لکھی ہوئی تورات لے کر آئے اسی طرح آپ بھی
آسمان پر جا کر لکھا ہوا قرآن مجید لے کر آئیں۔ یہ مطالبہ محض عناد و نحوہ اور تعنت کی بنا پر تھا۔

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ فَعَتَوْنَ عَنْ
ذَلِكَ وَابْتِغَاوْا مِ مَّا سَلَطْنَا مَعْنَنَا ۝

کی تھی کہ ہمیں حکم کھلا اللہ تعالیٰ کو دکھا دے، پس ان کے اس ظلم کے باعث ان پر کڑا کے کی بجلی آپڑی پھر باوجودیکہ ان کے پاس بہت دلیلیں پہنچ چکی تھیں انہوں نے پھڑپھڑے کو اپنا معبود بنا لیا، لیکن ہم نے یہ بھی معاف فرما دیا اور ہم نے موسیٰ کو کھلا غلبہ (اور صریح دلیل) عنایت فرمائی۔ (۱۵۳)

اور ان کا قول لینے کے لیے ہم نے ان کے سروں پر طور پہاڑ لاکھڑا کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ سجدہ کرتے ہوئے دروازے میں جاؤ اور یہ بھی فرمایا کہ ہفتہ کے دن میں تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے سخت سے سخت قول و قرار لیے۔ (۱۵۴)

(یہ سزا تھی) بہ سبب ان کی عہد شکنی کے اور احکام الہی کے ساتھ کفر کرنے کے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالنے کے،^(۱) اور اس سبب سے کہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے۔ حالانکہ دراصل ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مرگادی ہے، اس لیے یہ قدر قلیل ہی ایمان لاتے ہیں۔ (۱۵۵)

اور ان کے کفر کے باعث اور مریم پر بہت بڑا ہتھان باندھنے کے باعث۔^(۲) (۱۵۶)

اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا حالانکہ نہ تو انہوں نے اسے

وَرَفَعْنَا قُورَاقَهُمُ الظُّلُمَاتِ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ وَكَلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا
الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا
مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۝

فَمَا نَقِضْهُمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسٍ ۖ وَأَغْرَقْنَا
يَعْقُوبَ وَجْهَ قَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلَّتْ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ
فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

وَلَعَنَّاهُمْ وَقَوْلُهُمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ نَحْنُ نَحْنُ عَظِيمًا ۝

وَقَوْلُهُمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ
اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ

(۱) تقدیری عبارت یوں ہوگی بِسَفْصِهِمْ مِثْلَافَهُمْ لَعَنَّاهُمْ یعنی ہم نے ان کے نقض میثاق، کفر بآیات اللہ اور قتل انبیاء وغیرہ کی وجہ سے ان پر لعنت کی یا سزا دی۔

(۲) اس سے مراد یوسف نجار کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام پر بدکاری کی قسمت ہے۔ آج بھی بعض نام نہاد محققین اس ہتھان عظیم کو ایک ”حقیقت ثابتہ“ باور کرا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ یوسف نجار (نَعُوذُ بِاللَّهِ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا اور یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ کے معجزانہ ولادت کا بھی انکار کرتے ہیں۔

وَالَّذِينَ احْتَلَفُوا فِيهِ لَقَدْ شَقَّ مِنْهُ
مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعُ الْكُلْبِ
وَمَا تَقْلُوبُهُ يُوَفِّيَانَا ۝

بَيْنُ رِزْقَةِ اللَّهِ الْآيَةُ وَكَانَ اللَّهُ تَعَالَى حَكِيمًا ۝

قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا^(۱) بلکہ ان کے لیے ان (عیسیٰ) کا
شبیب بنا دیا گیا تھا۔^(۲) یقین جانو کہ حضرت عیسیٰ (علیہ
السلام) کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے
بارے میں شک میں ہیں، انہیں اس کا کوئی یقین نہیں۔ بجز
تعمینی باتوں پر عمل کرنے کے^(۳) اتنا یقینی ہے کہ انہوں
نے انہیں قتل نہیں کیا۔ (۱۵۷)

بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھایا^(۴) اور اللہ بڑا

(۱) اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی قتل کرنے میں کامیاب ہو سکے نہ سولی چڑھانے میں۔ جیسا
کہ ان کا منصوبہ تھا۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۵۵ کے حاشیے میں مختصر تفصیل گزر چکی ہے۔

(۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کی سازش کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے حواریوں کو
جن کی تعداد ۱۲ یا ۱۷ تھی جمع کیا اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص میری جگہ قتل ہونے کے لیے تیار ہے؟ تاکہ اللہ تعالیٰ
کی طرف سے اس کی شکل و صورت میری جیسی بنادی جائے۔ ایک نوجوان اس کے لیے تیار ہو گیا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کو وہاں سے آسمان پر اٹھالیا گیا۔ بعد میں یہودی آئے اور انہوں نے اس نوجوان کو لے جا کر سولی پر چڑھا دیا
جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا۔ یہودی یہی سمجھتے رہے کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی ہے
در آں حالیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت وہاں موجود ہی نہ تھے وہ زندہ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے جا
چکے تھے۔ (ابن کثیر و فتح القدیر)

(۳) عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل شخص کو قتل کرنے کے بعد ایک گروہ تو یہی کہتا رہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا
جب کہ دوسرا گروہ جسے یہ اندازہ ہو گیا کہ مصلوب شخص عیسیٰ علیہ السلام نہیں کوئی اور ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
قتل اور مصلوب ہونے کا انکار کرتا رہا۔ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر جاتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔
بعض کہتے ہیں کہ اس اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو خود عیسائیوں کے منطوق یہ فرقے نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام جسم کے
لحاظ سے تو سولی دے دیئے گئے لیکن لاہوت (خداوندی) کے اعتبار سے نہیں۔ لہذا یہ فرقے نے کہا کہ یہ قتل و مصلوب ناسوت اور
لاہوت دونوں اعتبار سے مکمل طور پر ہوا ہے (فتح القدیر) بہر حال وہ اختلاف تردد اور شک کا شکار رہے۔

(۴) یہ نص صریح ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھایا
اور متواتر صحیح احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ یہ احادیث حدیث کی تمام کتابوں کے علاوہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں
بھی وارد ہیں۔ ان احادیث میں آسمان پر اٹھائے جانے کے علاوہ قیامت کے قریب ان کے نزول کا اور دیگر بہت سی باتوں
کا تذکرہ ہے۔ امام ابن کثیر یہ تمام روایات ذکر کر کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں ”پس یہ احادیث رسول اللہ ﷺ سے

زبردست اور پوری حکمتوں والا ہے۔^(۱) (۱۵۸)
 اہل کتاب میں ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو حضرت عیسیٰ (علیہ
 السلام) کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے^(۲) اور

فَلَنْ يَمُنَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ
 وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿۱۵۸﴾

متواتر ہیں۔ ان کے راویوں میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عثمان بن ابی العاصؓ، ابو امامہؓ، نواس بن
 سمعانؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، مجمع بن جاریہؓ، ابی سریحہؓ اور حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان احادیث میں آپ
 کے نزول کی صفت اور جگہ کا بیان ہے، آپ علیہ السلام دمشق میں منارہ شرقیہ کے پاس اس وقت اتریں گے جب
 فجر کی نماز کے لیے اقامت ہو رہی ہوگی۔ آپ خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب توڑ دیں گے، جزیہ معاف کر دیں گے،
 ان کے دور میں سب مسلمان ہو جائیں گے، دجال کا قتل بھی آپ کے ہاتھوں سے ہو گا اور یاجوج و ماجوج کا ظہور
 و فساد بھی آپ کی موجودگی میں ہو گا، بالآخر آپ ہی کی بددعا سے ان کی ہلاکت واقع ہوگی۔

(۱) وہ زبردست اور غالب ہے، اس کے ارادہ اور مشیت کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور جو اس کی پناہ میں آجائے، اسے کوئی
 نقصان نہیں پہنچا سکتا اور وہ حکیم بھی ہے، وہ جو فیصلہ بھی کرتا ہے، حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

(۲) قَبْلَ مَوْتِهِ میں ”ہ“ کی ضمیر کا مرجع بعض مفسرین کے نزدیک اہل کتاب (نصاری) ہیں اور مضرب یہ کہ ہر عیسائی
 موت کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے۔ گو موت کے وقت کا ایمان نافع نہیں۔ لیکن سلف اور اکثر
 مفسرین کے نزدیک اس کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب ان کا دوبارہ دنیا میں نزول ہو گا اور
 وہ دجال کو قتل کر کے اسلام کا بول بالا کریں گے تو اس وقت جتنے یہودی اور عیسائی ہوں گے ان کو بھی قتل کر ڈالیں گے
 اور روئے زمین پر مسلمان کے سوا کوئی اور باقی نہ بچے گا اس طرح اس دنیا میں جتنے بھی اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ
 السلام پر ایمان لانے والے ہیں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان لا کر اس دنیا سے گزر چکیں
 گے۔ خواہ ان کا ایمان کسی بھی ذہننگ کا ہو۔ صحیح احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس
 ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ضرور ایک وقت آئے گا کہ تم میں ابن مریم حاکم و عادل بن کرناڑ ہوں گے،
 وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ اٹھادیں گے اور مال کی اتنی بہتات ہو جائے گی کہ کوئی اسے قبول
 کرنے والا نہیں ہو گا۔ (یعنی صدقہ خیرات لینے والا کوئی نہیں ہو گا) حتیٰ کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہو گا۔ پھر حضرت
 ابو ہریرہؓ فرماتے اگر تم چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو ﴿فَلَنْ يَمُنَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ (صحیح
 بخاری۔ کتاب النِّسَاء) یہ احادیث اتنی کثرت سے آئی ہیں کہ انہیں تواتر کا درجہ حاصل ہے اور انہی متواتر صحیح
 روایات کی بنیاد پر اہلسنت کے تمام مکاتب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور قیامت
 کے قریب دنیا میں ان کا نزول ہو گا اور دجال کا اور تمام ادیان کا خاتمہ فرما کر اسلام کو غالب فرمائیں گے۔ یاجوج و ماجوج کا
 خروج بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی موجودگی میں ہو گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے ہی اس فتنے
 کا بھی خاتمہ ہو گا جیسا کہ احادیث سے واضح ہے۔

فَيُظْهِرُ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَزْمًا عَلَيْهِمْ طَبَعٌ أُجِلَّتْ لَهُمْ
وَيُصَدِّقُهُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ۝

وَآخِذْهُمْ بِالْزُبُرِ وَقَدْ نَبُو عَنْهُمْ وَأُظْهِرْ أَمْوَالَهُمْ
بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

لَيْسَ الرِّسْمُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ
بِمَآئِزِلَ إِلَهِكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُعِينِينَ الصَّلَاةَ
وَالْمُؤْمِنُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِعَلَمِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَٰئِكَ
سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے۔ (۱۵۹)^(۱)
جو نفیس چیزیں ان کے لیے حلال کی گئی تھیں وہ ہم نے ان
پر حرام کر دیں ان کے ظلم کے باعث اور اللہ تعالیٰ کی راہ
سے اکثر لوگوں کو روکنے کے باعث۔ (۱۶۰)^(۲)

اور سود جس سے منع کیے گئے تھے اسے لینے کے باعث
اور لوگوں کا مال ناحق مار کھانے کے باعث اور ان میں جو
کفار ہیں ہم نے ان کے لیے المناک عذاب مہیا کر رکھا
ہے۔ (۱۶۱)

لیکن ان میں سے جو کامل اور مضبوط علم والے ہیں (۳)
اور ایمان والے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی
طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا اور نمازوں
کو قائم رکھنے والے ہیں (۴) اور زکوٰۃ کے ادا کرنے
والے ہیں (۵) اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان
رکھنے والے ہیں (۶) یہ ہیں جنہیں ہم بہت بڑے اجر عطا
فرمائیں گے۔ (۱۶۲)

(۱) یہ گواہی اپنی پہلی زندگی کے حالات سے متعلق ہو گی۔ جیسا کہ سورۃ مائدہ کے آخر میں وضاحت ہے ﴿وَلَكُنْ

عَلَيْهِمْ شَهِيدًا بِمَا كُنْتُمْ فَعُولُونَ﴾ ”میں جب تک ان میں موجود رہا“ ان کے حالات سے باخبر رہا“

(۲) یعنی ان کے ان جرائم و معاصی کی وجہ سے بطور سزا بہت سی حلال چیزیں ہم نے ان پر حرام کر دی تھیں۔ (جن کی
تفصیل سورۃ الانعام ۱۳۶ میں ہے)

(۳) ان سے مراد عبد اللہ بن سلام، جریر، وغیرہ ہیں جو یہودیوں میں سے مسلمان ہو گئے تھے۔

(۴) ان سے مراد بھی وہ اہل ایمان ہیں جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہوئے یا پھر مہاجرین و انصار مراد ہیں۔ یعنی
شریعت کا پختہ علم رکھنے والے اور کمال ایمان سے متصف لوگ ان معاصی کے ارتکاب سے بچتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ
ناپسند فرماتا ہے۔

(۵) اس سے مراد زکوٰۃ اموال ہے یا زکوٰۃ نفوس یعنی اپنے اخلاق و کردار کی تطہیر اور ان کا تزکیہ کرنا یا دونوں ہی مراد ہیں۔

(۶) یعنی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نیز بعثت بعد الموت اور علموں پر جزا و سزا کا یقین
رکھتے ہیں۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالذِّكْرِ مِنْ بَعْدِهِ
وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ
وَاتَّبَعْنَا دَاوُدَ وَزُلَيْكَةَ ۝

وَمَا لَكُمْ إِذْ أَخَذْنَا مِنْ بُنِي إِسْرَءِيلَ عَهْدَ أَنَّكُمْ
تَعْبُدُونَ اللَّهَ فَقَالُوا لَا عِشْيَانُ لَنَا ۚ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
وَكَانُوا كَافِرِينَ ۝

یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ
نوح (علیہ السلام) اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف
کی اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور
یعقوب اور ان کی اولاد پر اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس
اور ہارون اور سلیمان کی طرف۔^(۱) اور ہم نے داود
(علیم السلام) کو زیور عطا فرمایا۔ (۱۶۳)

اور آپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم
نے آپ سے بیان کیے ہیں^(۲) اور بہت سے رسولوں کے
نہیں بھی کیے^(۳) اور موسیٰ (علیہ السلام) سے اللہ تعالیٰ
نے صاف طور پر کلام کیا۔^(۴) (۱۶۴)

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی
انسان پر اللہ تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا اور یوں نبی مکیہ کی وحی و رسالت سے بھی انکار کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی
(ابن کثیر) جس میں مذکورہ قول کا رد کرتے ہوئے رسالت محمدیہ ﷺ کا اثبات کیا گیا ہے۔

(۲) جن نبیوں اور رسولوں کے اسمائے گرامی اور ان کے واقعات قرآن کریم میں بیان کیے گئے ہیں ان کی تعداد ۲۵:۲۳
ہے۔ (۱) آدم (۲) اور یس (۳) نوح (۴) ہود (۵) صالح (۶) ابراہیم (۷) لوط (۸) اسماعیل (۹) اسحاق (۱۰) یعقوب (۱۱) یوسف
(۱۲) ایوب (۱۳) شعیب (۱۴) موسیٰ (۱۵) ہارون (۱۶) یونس (۱۷) داود (۱۸) سلیمان (۱۹) الیاس (۲۰) یسوع (۲۱) زکریا (۲۲) یحییٰ
(۲۳) عیسیٰ (۲۴) زوال کفیل۔ (اکثر مفسرین کے نزدیک) (۲۵) حضرت محمد صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلیم اجمعین۔

(۳) جن انبیاء و رسل کے نام اور واقعات قرآن میں بیان نہیں کیے گئے ان کی تعداد کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا
ہے۔ ایک حدیث میں جو بہت مشہور ہے ایک لاکھ ۲۳ ہزار اور ایک حدیث میں ۸ ہزار تعداد بتلائی گئی ہے۔ لیکن یہ
روایات سخت ضعیف ہیں۔ قرآن و حدیث سے صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار و حالات میں مبشرین و منذرین
(انبیاء) آتے رہے ہیں۔ بالآخر یہ سلسلہ نبوت حضرت محمد ﷺ پر ختم فرما دیا گیا۔ آپ سے پہلے کتنے نبی آئے؟ ان کی صحیح
تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تاہم آپ ﷺ کے بعد جتنے بھی دعوے داران نبوت ہو گزرے یا ہوں گے سب کے
سب راجل اور کذاب ہیں اور ان کی جمہوری نبوت پر ایمان لانے والے دائرۃ اسلام سے خارج ہیں اور امت محمدیہ سے
الگ ایک متوازی امت ہیں۔ جیسے امت بابیہ، بہائیہ اور امت مرزائیہ وغیرہ۔ اسی طرح مرزا قادیانی کو مسیح موعود، نئے
والے لاہوری مرزائی بھی۔

(۴) یہ موسیٰ علیہ السلام کی وہ خاص صفت ہے جس میں وہ دوسرے انبیاء سے ممتاز ہیں۔ صحیح ابن حبان کی ایک روایت

رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِيَلَا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٢٠﴾

لَٰكِنَ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْنَا أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ وَكُلٌّ بِاللَّهُ شَهِيدًا ﴿٢١﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٢٢﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا يَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿٢٣﴾

إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٢٤﴾

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرُّسُولُ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ فَامِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ

ہم نے انہیں رسول بنایا ہے، خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے^(۱) تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر رہ نہ جائے^(۲)۔ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور بڑا با حکمت ہے۔ (۱۶۵)

جو کچھ آپ کی طرف اتارا ہے اس کی بابت خود اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ اسے اپنے علم سے اتارا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بطور گواہ کافی ہے۔ (۱۶۶)

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے اوروں کو روکا وہ یقیناً گمراہی میں دور نکل گئے۔ (۱۶۷)

جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، انہیں اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز نہ بخشے گا اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے گا۔^(۳) (۱۶۸)

بجز جنہم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے، اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے۔ (۱۶۹)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر رسول آگیا ہے، پس تم ایمان لاؤ تاکہ تمہارے لئے بہتری ہو اور اگر تم کافر ہو گئے تو اللہ ہی کی ہے ہر وہ

کی رو سے امام ابن کثیر نے اس صفت ہم کلامی میں حضرت آدم علیہ السلام و حضرت محمد ﷺ کو بھی شریک دیا ہے۔

الغیر اس کثیر برآیت ﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ﴾

(۱) ایمان والوں کو جنت اور اس کی نعمتوں کی خوشخبری دینا اور کافروں کو اللہ کے عذاب اور بھڑکتی ہوئی جہنم سے ڈرانا۔

(۲) یعنی نبوت یا انذار و تبشیر کا یہ سلسلہ ہم نے اس لیے قائم فرمایا کہ کسی کے پاس یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمیں تو تیرا پیغام پہنچایا نہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بَعْدَ مَا بَيَّنَّنَا لَبُتْنَا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْنَا إِلَيْنَا رَسُولًا فَنُثَبِّتُكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُدْرِكَ دَعْوَى ﴾ (طہ ۱۳۰) ”اگر ہم ان کو پیغمبر (کے بھیجنے سے) پہلے ہی ہدک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم ذلیل و رسوا ہونے سے بچ سکتے تھے“

(۳) کیونکہ مسلسل کفر اور ظلم کا ارتکاب کر کے انہوں نے اپنے دلوں کو سیاہ کر لیا ہے جس سے اب ان کی ہدایت و مغفرت کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔

وَالْأَرْضُ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

جیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے،^(۱) اور اللہ وانا ہے حکمت والا ہے۔ (۱۷۰)

اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ^(۲) اور اللہ پر بجز حق کے اور کچھ نہ کہو، مسیح عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) تو صرف اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کے کلمہ (کن سے پیدا شدہ) ہیں جسے مریم (علیہا السلام)

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَةٌ أُلْقِيَ بِهَا إِلَى مَرْيَمَ فَرُؤُوسُهُ فَالْمُتَوَايَا لِلَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا

(۱) یعنی تمہارے کفر سے اللہ کا کیا بگڑے گا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا ﴿لَنْ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا أَبَدًا﴾ (ابراہیم-۸) ”اگر تم اور روئے زمین پر بسنے والے سب کے سب کفر کا راستہ اختیار کریں تو وہ اللہ کا کیا باگزیرے؟ یقیناً اللہ تعالیٰ تو بے پروا تعریف کیا گیا ہے۔“ اور حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اے میرے بندو! اگر تمہارے اول و آخر تمام انسان اور جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے تو اس سے میری بادشاہی میں اضافہ نہیں ہو گا اور اگر تمہارے اول و آخر اور انس و جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے بڑا نافرمان ہو تو اس سے میری بادشاہی میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تم سب ایک میدان میں جمع ہو جاؤ اور مجھ سے سوال کرو اور میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کروں تو اس سے میرے خزانے میں اتنی ہی کمی ہوگی جتنی سوئی کے سمندر میں ڈبو کر نکالنے سے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔“ (صحیح مسلم، کتاب البیرو، باب المحرم، الظلم)

(۲) غُلُو کا مطلب ہے کسی چیز کو اس کی حد سے بڑھا دینا۔ جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی وادہ کے بارے میں کیا کہ انہیں رسالت و بندگی کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کر دیا اور ان کی اللہ کی طرح عبادت کرنے لگے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو بھی غلو کا مظاہرہ کرتے ہوئے، معصوم بناؤ والا اور ان کو حرام و حلال کے اختیار سے نوازدیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿يَا حَبْرَاءُ احْبِسْ رَهْمَهُمْ وَرَفِئْنَا لَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (التوبہ-۳۱) ”انہوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا۔“ یہ رب بنانا حدیث کے مطابق ان کے حلال کیے کو حلال اور حرام کیے کو حرام سمجھنا تھا۔ دراصل حایک یہ اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے لیکن اہل کتاب نے یہ حق بھی اپنے علما وغیرہ کو دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل کتاب کو دین میں اسی غلو سے منع فرمایا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی عیسائیوں کے اس غلو کے پیش نظر اپنے بارے میں اپنی امت کو متنبہ فرمایا۔ ﴿لَا تَطْرُدُوْنِي كَمَا أَطْرَدَ الصَّارِي عِيسَىٰ مِنْ مَّرْتَمٍ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ، فَتَقُولُوا عِذَاللَّهِ وَرَسُولُهُ﴾ (صحیح بخاری - کتاب الانبیاء، مسند احمد جلد ۱، صفحہ ۲۳ نیز دیکھئے مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۵۳) ”تم مجھے اس طرح حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بڑھایا، میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، پس تم مجھے اس کا بندہ اور رسول ہی کہتا“ لیکن افسوس امت محمدیہ اس کے باوجود بھی اس غلو سے محفوظ نہ رہ سکی جس میں عیسائی مبتلا ہوئے اور امت محمدیہ نے بھی اپنے پیغمبر کو بلکہ نیک بندوں تک کو

تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۖ انْتَهُوا خِيَرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ إِلَهٌ وَاحِدٌ ۚ
سُبْحَنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۚ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي
الْأَرْضِ ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿١٦﴾

کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح^(۱) میں
اس لیے تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور نہ
کہو کہ اللہ تین ہیں^(۲) اس سے باز آ جاؤ کہ تمہارے
لیے بہتری ہے اللہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی
ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو اسی کے
لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں
ہے۔ اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا۔ (۱۷)

صبح (علیہ السلام) کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی تنگ و عار
یا تکبر و انکار ہرگز ہو ہی نہیں سکتا اور نہ مقرب فرشتوں
کو^(۳) اس کی بندگی سے جو بھی دل چاہے اور تکبر و
انکار کرے اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا اپنی طرف جمع
کرے گا۔ (۱۷)

لَنْ يَسْتَكْبِفَ السَّيِّئُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ
الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَكْبِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ ۖ وَسْتَكَفِرْ
فَيَسْتَشْرِكْهُ (أَيْ جَوْعًا) ﴿١٧﴾

خدا کی صفات سے متعفن ٹھہرا دیا جو دراصل عیسائیوں کا وطیرہ تھا۔ اسی طرح علماء فقہاء کو بھی دین کا شارح اور مفسر بننے
کے بجائے ان کو شارح (شریعت سازی کا اختیار رکھنے والے) بنادیا ہے۔ فَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ صحیح فرمایا نہیں کہ
نے التَّبَعُ سَنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَذُّوْا الثُّغْلَ بِالثُّغْلِ ”جس طرح ایک جو تادو سرے جوتے کے برابر ہوتا ہے“
بالکل اسی طرح تم پچھلی امتوں کی پیروی کرو گے ”یعنی ان کے قدم بہ قدم چلو گے۔

(۱) کَلِمَةُ اللَّهِ کا مطلب یہ ہے کہ لفظ حق سے باپ کے بغیر ان کی تخلیق ہوئی اور یہ لفظ حضرت جبریل علیہ السلام کے
ذریعے سے حضرت مریم علیہا السلام تک پہنچایا گیا۔ روح اللہ کا مطلب وہ صفحہ (پھونک) ہے جو حضرت جبریل علیہ
السلام نے اللہ کے حکم سے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونکا جسے اللہ تعالیٰ نے باپ کے نطفہ کے قائم مقام
کر دیا۔ یوں عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ بھی ہیں جو فرشتے نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا اور اس کی وہ روح
ہیں جسے لے کر جبریل علیہ السلام مریم علیہا السلام کی طرف بھیجے گئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۲) عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں۔ بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ، بعض اللہ کا شریک اور بعض اللہ کا بیٹا مانتے
ہیں۔ پھر جو اللہ مانتے ہیں وہ اَقْبَانِیْمُ ثَلَاثَةٌ (تین خداؤں) کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ثالث ثلاثہ (تین سے ایک)
ہونے کے قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ تین خدا کہنے سے باز آ جاؤ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے۔

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بعض لوگوں نے فرشتوں کو بھی خدائی میں شریک ٹھہرا رکھا تھا اللہ تعالیٰ فرما رہا
ہے کہ یہ تو سب کے سب اللہ کے بندے ہیں اور اس سے انہیں قطعاً کوئی انکار نہیں ہے۔ تم انہیں اللہ یا اس کی
الوہیت میں شریک کس بنیاد پر بناتے ہو؟

پس جو لوگ ایمان لائے ہیں اور شائستہ اعمال کئے ہیں ان کو ان کا پورا پورا ثواب عنایت فرمائے گا اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دے گا^(۱) اور جن لوگوں نے ننگ و عار اور سرکشی اور انکار کیا^(۲) انہیں المناک عذاب دے گا^(۳) اور وہ اپنے لئے سوائے اللہ کے کوئی حمایتی اور امداد کرنے والا نہ پائیں گے۔ (۱۷۳)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے سند اور دلیل آ پہنچی^(۴) اور ہم نے تمہاری جانب واضح اور صاف نور اتار دیا ہے۔^(۵) (۱۷۴)

پس جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اسے مضبوط پکڑ لیا، انہیں تو وہ عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں لے لے گا اور انہیں اپنی طرف کی راہ راست دکھا دے گا۔ (۱۷۵)

آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ (خود) تمہیں کلامہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو اور ایک بہن ہو تو اس

فَاتَا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مَوْفَىٰ وَعْدَهُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ يُزَيِّدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنَفُوا وَاسْتَكَفَرُوا كَيْدَهُمْ عَنِ آيَاتِ الْيُسَاءِ وَلَا يُعِدُّونَ لَهُمْ مِنَ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ۝

فَاتَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِمْ فَسَيَرْجِيهِمْ رَبُّهُمْ رَحْمَةً وَكَفُلًا ۝ قَدْ جَاءَكُمْ نُورٌ وَالْيُكُوفُ لَكُمْ مُتَوَقِّعًا ۝

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَامِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ اُخْتُ فَأُولَٰئِكَ يَتُفَّصِّلُ مَا تَرَكَ، وَهُوَ يَرِيهَا

(۱) بعض نے اس "زیادہ" سے مراد یہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو شفاعت کا حق عطا فرمائے گا، یہ اذن شفاعت پاکر جن کی بابت اللہ چاہے گا یہ شفاعت کریں گے۔

(۲) یعنی اللہ کی عبادت و اطاعت سے رکے رہے اور اس سے انکار و تکبر کرتے رہے۔

(۳) جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دُخْرًا﴾ (المومن - ۶۰)

"بے شک جو لوگ میری عبادت سے استکبار (انکار و تکبر) کرتے ہیں، یقیناً ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔"

(۴) برہان، ایسی دلیل قاطعہ جس کے بعد کسی کو عذر کی گنجائش نہ رہے اور ایسی حجت جس سے ان کے شبہات زائل ہو جائیں، اسی لیے آگے اسے نور سے تعبیر فرمایا۔

(۵) اس سے مراد قرآن کریم ہے جو کفر و شرک کی تاریکیوں میں ہدایت کا نور ہے۔ ضلالت کی پگھلندوں میں صراط مستقیم اور جبل اللہ النہین ہے۔ پس اس کے مطابق ایمان لانے والے اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے مستحق ہوں گے۔

إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الشُّلُّنُ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا أَرْحَاقًا فَلِلْأَوَّلَىٰ قِلْدٌ كَمَا مِثْلُ حَقِّ الْأُثْنَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَصَلُّوا عَلَىٰ وَلَدٍ مِنْكُمْ عَلَيْهِ ۝

کے لئے چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ہے^(۱) اور وہ بھائی اس بن کا وارث ہو گا اگر اس کے اوماد نہ ہو۔^(۲) پس اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں کل چھوڑے ہوئے کا دو تہائی ملے گا۔^(۳) اور اگر کئی شخص اس ناطے کے ہیں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کے لئے حصہ ہے مثل دو عورتوں کے،^(۴) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بیان فرما رہا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تم بسک جاؤ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔ (۱۷۶)

(۱) کَلَالۃ کے بارے میں پہلے مکرر چکا ہے کہ اس مرنے والے کو کہا جاتا ہے جس کا باپ ہو نہ بیٹا۔ یہاں پھر اس کی میراث کا ذکر ہو رہا ہے۔ بعض لوگوں نے کلالہ اس شخص کو قرار دیا ہے جس کا صرف بیٹا نہ ہو۔ یعنی باپ موجود ہو، لیکن یہ صحیح نہیں۔ کلالہ کی پہلی تعریف ہی صحیح ہے۔ کیونکہ باپ کی موجودگی میں بن سرے سے وارث ہی نہیں ہوتی۔ باپ اس کے حق میں حاجب بن جاتا ہے۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر اس کی بن ہو تو وہ اس کے نصف مال کی وارث ہوگی۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کلالہ وہ ہے کہ بیٹے کے ساتھ جس کا باپ بھی نہ ہو۔ یوں بیٹے کی نفی تو نص سے ثابت ہے اور باپ کی نفی اشارۃ النص سے ثابت ہو جاتی ہے۔

ٹھونٹہ : بیٹے سے مراد بیٹا اور پوتا دونوں ہیں۔ اسی طرح بن بن سے مراد سگی بن یا علقاتی (باپ شریک) بن ہے (ایسر التفاسیر) احادیث سے ثابت ہے کہ کلالہ کی بن کے ساتھ بیٹی کی موجودگی میں بیٹی کو نصف اور بن کو نصف اور بیٹی اور پوتی کی موجودگی میں بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس (چھٹا حصہ) اور بن کو باقی یعنی ٹکٹ دیا گیا۔ (فتح القدیر وابن کثیر) اس سے معلوم ہوا کہ مرنے والے کی اولاد موجود ہو تو بن کو بحیثیت ذوی الفروض کچھ نہیں ملے گا۔ اب اگر وہ اولاد بیٹا ہو تو کسی اور حیثیت سے بھی کچھ نہیں ملے گا۔ اور اگر بیٹی ہو تو بن اس کے ساتھ عصب ہو جائے گی اور منافع لے لے گی۔ یہ منافع ایک بیٹی کی موجودگی میں نصف اور ایک سے زائد کی موجودگی میں ٹکٹ ہو گا۔

(۲) اسی طرح باپ بھی نہ ہو۔ اس لئے کہ باپ بھائی سے قریب ہے، باپ کی موجودگی میں بھائی وارث ہی نہیں ہوتا اگر اس کلالہ عورت کا خاوند یا کوئی ماں جایا بھائی ہو گا تو ان کا حصہ نکالنے کے بعد باقی مال کا وارث بھائی قرار پائے گا۔ (ابن کثیر)

(۳) یہی حکم دو سے زائد بنوں کی صورت میں بھی ہو گا۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ کلالہ شخص کی دو یا دو سے زائد بہنیں ہوں تو انہیں کل مال کا دو تہائی حصہ ملے گا۔

(۴) یعنی کلالہ کے وارث ٹھونٹہ (مرد اور عورت دونوں) ہوں تو پھر ”ایک مرد دو عورت کے برابر“ کے اصول پر ورثے کی تقسیم ہوگی۔

سُورَةُ الْمَائِدَةِ

سورہ مائدہ دہنی ہے اس میں ایک سو میں آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۚ أُخْلِفْتُ لَكُمْ بَيْعَتُ الْأَنْفَامِ الْأَمَانَةَ عَلَيْهِمْ غَيْرُ مُبْلِغٍ الصِّدْقِ وَأَمْنُهُمْ مَلَأَ اللَّهُ بِقُلُوبِهِمْ مَا يُرِيدُ ۝

اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو^(۱) تمہارے لئے موبیٰ چوپائے حلال کئے گئے ہیں^(۲)۔ بجز ان کے جن کے نام پڑھ کر سنا دیئے جائیں گے^(۳) مگر حالت احرام میں شکار کو حلال جاننے والے نہ بننا یقیناً اللہ جو چاہے حکم کرتا ہے۔ (۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا شُعَاعَ بَرِّاطِ وَلَا الظُّمُورِ

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے شعاع کی بے حرمتی نہ کرو^(۴)

(۱) عُقُودُ عَقْد کی جمع ہے جس کے معنی گرہ لگانے کے ہیں۔ اس کا استعمال کسی چیز میں گرہ لگانے کے لئے بھی ہوتا ہے اور پختہ عہد و پیمان کرنے پر بھی۔ یہاں اس سے مراد احکام الہی ہیں جن کا اللہ نے انسانوں کو مکلف ٹھہرایا ہے اور عہد و پیمان و معاملات بھی ہیں جو انسان آپس میں کرتے ہیں۔ دونوں کا ایضا ضروری ہے۔

(۲) بَيْعَتُہُ چوپائے (چار ٹانگوں والے جانور) کو کہا جاتا ہے۔ اس کا مادہ بَيْعٌ، بَيْعَتٌ، بَيْعَاتٌ ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ ان کی کھٹگو اور عقل و فہم میں چونکہ ابہام ہے اس لیے ان کو بَيْعَتُہُ کہا جاتا ہے۔ اَنْتَامُ اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ کو کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی ہال میں نرمی ہوتی ہے۔ یہ بَيْعَتُہُ اَلْاَنْتَامِ نر اور مادہ مل کر آٹھ قسمیں ہیں جن کی تفصیل سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۴۳ میں آئے گی علاوہ ازیں جو جانور وحشی کہلاتے ہیں مثلاً ہرن، نیل گائے وغیرہ جن کا عموماً شکار کیا جاتا ہے یہ بھی حلال ہیں۔ البتہ حالت احرام میں ان کا اور دیگر پرندوں کا شکار ممنوع ہے۔ سنت میں بیان کردہ اصول کی رو سے جو جانور ذُو نَاب اور جو پرندے ذُو مِخْلَب نہیں ہیں وہ سب حلال ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۷۳ کے حاشیے میں تفصیل گزر چکی ہے۔ ذُو نَاب کا مطلب ہے وہ جانور جو اپنے کھلی کے دانت سے اپنا شکار پکڑتا ہو اور چیرتا ہو مثلاً شیر، چیتا، کتا، بھیڑیا وغیرہ اور ذُو مِخْلَب کا مطلب ہے وہ پرندہ جو اپنے پنجے سے اپنا شکار چھینتا پکڑتا ہو۔ مثلاً شکر، باز، شاہین، عقاب وغیرہ۔

(۳) ان کی تفصیل آیت نمبر ۳ میں آ رہی ہے۔

(۴) شُعَاعِز، شَعْبِزہ کی جمع ہے اس سے مراد حرمت اللہ ہیں (جن کی تعظیم و حرمت اللہ نے مقرر فرمائی ہے) بعض نے اسے عام رکھا ہے اور بعض کے نزدیک یہاں حج و عمرے کے مناسک مراد ہیں یعنی ان کی بے حرمتی اور بے توقیری نہ کرو۔ اسی طرح حج و عمرے کی ادائیگی میں کسی کے درمیان رکاوٹ بھی مت بنو کہ یہ بھی بے حرمتی ہی ہے۔

وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا أَيْنَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ يَنْتَقُونَ
فَصَلَاتِهِمْ رِبْهُهُمْ وِرْثُهَا وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا
وَلَا يَجُوزُ مِنْكُمْ شَتَانٌ قَوْمٌ أَنْ صَدُّوا عَنْ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ
تَعْتَدُوا وَادْعُوا نُوا عَلَى الْبِرِّ وَالْتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِلْهِ
وَالْعَدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑤

نہ ادب والے مبینوں کی^(۱) نہ حرم میں قربان ہونے والے
اور بچے پسنائے گئے جانوروں کی جو کعبہ کو جا رہے ہوں^(۲)
اور نہ ان لوگوں کی جو بیت اللہ کے قصد سے اپنے رب
تعلیٰ کے فضل اور اس کی رضا جوئی کی نیت سے جا رہے
ہوں^(۳) ہاں جب تم احرام اتار ڈالو تو شکار کھیل سکتے
ہو^(۴) جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا ان
کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے
گزر جاؤ^(۵) نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے
کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں

(۱) ﴿الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ مراد اس سے جس ہے یعنی حرمت والے چاروں مبینوں (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) کی
حرمت برقرار رکھو اور ان میں قتال مت کرو۔ بعض نے اس سے صرف ایک مہینہ یعنی ماہ ذوالحجہ (حج کا مہینہ) مراد لیا
ہے۔ بعض نے اس حکم کو ﴿كَانُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ سے منسوخ مانتا ہے۔ مگر اس کی ضرورت نہیں۔
دونوں احکام کے اپنے اپنے دائرے ہیں جن میں تعارض نہیں۔

(۲) هَدْيٌ ایسے جانور کو کہا جاتا ہے جو حاجی حرم میں قربان کرنے کے لئے ساتھ لے جاتے تھے۔ فَلَا يَدْخُلُ ذِكْرُ الْجَمْعِ
جو گلے کے پنے کو کہا جاتا ہے، یہاں حج یا عمرہ کے موقع پر قربان کئے جانے والے ان جانوروں کو مراد لیا گیا ہے۔ جن کے
گلوں میں علامت اور نشانی کے طور پر جوتے یا پنے ڈال دیئے جاتے تھے پس فَلَانَہ سے مقصود وہی جانور ہوئے جنہیں
حرم لے جایا جاتا تھا۔ یہ ہدیٰ کی مزید تاکید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان جانوروں کو کسی سے چھینا جائے نہ ان کے حرم
تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ کھڑی کی جائے۔

(۳) یعنی حج و عمرے کی نیت سے یا تجارت و کاروبار کی غرض سے حرم جانے والوں کو مت روکو نہ انہیں تنگ کرو۔
بعض مفسرین کے نزدیک یہ احکام اس وقت کے ہیں جب مسلمان اور مشرک اکٹھے حج و عمرہ کرتے تھے۔ لیکن جب آیت
﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْهُ﴾ (التوبہ: ۲۸) ”مشرکین تو پید ہیں“ پس اس
برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں“ نازل ہو گئی تو مشرکین کی حد تک یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ بعض کے
ز نزدیک یہ آیت محکم یعنی غیر منسوخ ہے اور یہ حکم مسلمانوں کے بارے میں ہے۔ (فتح القدیر)

(۴) یہاں امراباحت یعنی جواز بتلانے کے لیے ہے۔ یعنی جب تم احرام کھول دو تو شکار کرنا تمہارے لیے جائز ہے۔

(۵) یعنی گو تمہیں ان مشرکین نے ۶ ہجری میں مسجد حرام میں جانے سے روک دیا تھا لیکن تم ان کے اس روکنے کی وجہ
سے ان کے ساتھ زیادتی والا رویہ اختیار مت کرنا۔ دشمن کے ساتھ بھی ظلم اور غلو کا سبق دیا جا رہا ہے۔

مرد نہ کرو^(۱) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، ہے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دیتے والا ہے۔ (۲)

تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا گیا ہو^(۳) اور جو گلا گھسنے سے مرا ہو^(۴) اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو^(۵) اور جو اونچی جگہ سے گر کر مر گیا ہو^(۶) اور جسے درندوں نے سینگ مارنے سے مر گیا ہو^(۷) اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو^(۸) لیکن اسے تم ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں^(۹)

حُرِّمَتْ عَلَيْكَ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ
اللَّهِ بِهِ وَالْمَنْحَرَةُ وَالْمُتَوَدَّةُ وَالْمَنْزَلِيُّ وَالطَّيْحَةُ وَمَا
أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُو نَبْضٍ عَلَى النُّصْبِ وَلَنْ تَسْتَقْسِمُوا
بِالْآلَةِ ذِكْرًا لَكُمْ فَتَقُولُوا لِمَنْ كَفَرْنَا مِنْكُمْ إِنَّمَا كُنَّا
فَلَا تَحْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَسْمَعْتُ

(۱) یہ ایک نہایت اہم اصول بیان کر دیا گیا ہے۔ جو ایک مسلمان کے لیے قدم قدم پر رہنمائی مہیا کر سکتا ہے۔ کاش مسلمان اس اصول کو اپنا سکیں۔

(۲) یہاں سے ان محرمات کا ذکر شروع ہو رہا ہے جن کا حوالہ سورت کے آغاز میں دیا گیا ہے۔ آیت کا اتنا حصہ سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ (دیکھیے آیت نمبر ۱۷۳)

(۳) گلا کوئی شخص گھونٹ دے یا کسی چیز میں پھنس کر خود گلا گھٹ جائے۔ دونوں صورتوں میں مردہ جانور حرام ہے۔

(۴) کسی نے پتھر لاٹھی یا کوئی اور چیز ماری جس سے وہ بغیر ذبح کیے مر گیا۔ زمانہ جاہلیت میں ایسے جانوروں کو کھایا جاتا تھا۔ شریعت نے منع کر دیا۔

بندوق کا شکار: بندوق کا شکار کیے ہوئے جانور کے بارے میں علما کے درمیان اختلاف ہے۔ امام شوکانی نے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے بندوق کے شکار کو حلال قرار دیا ہے۔ (فتح القدیر) یعنی اگر بسم اللہ پڑھ کر گولی چدائی گئی اور شکار ذبح سے پہلے ہی مر گیا تو اس کا کھانا اس قول کے مطابق حلال ہے۔

(۵) چاہے خود مر گیا ہو یا کسی نے پھاڑ وغیرہ سے دھکا دے کر مر گیا ہو۔

(۶) مَطْبُوحَةٌ، منطوخۃ کے معنی میں ہے۔ یعنی کسی نے اسے نکر ماری اور بغیر ذبح کیے وہ مر گیا۔

(۷) یعنی شیر، چیتا اور بھیڑ وغیرہ جسے ذوات (کھیلوں سے شکار کرنے والے درندوں میں سے کسی نے) اسے کھایا ہو اور وہ مر گیا ہو۔ زمانہ جاہلیت میں مرجانے کے باوجود ایسے جانور کو کھایا جاتا تھا۔

(۸) جمہور مفسرین کے نزدیک یہ اشتباہ تمام مذکورہ جانوروں کے لیے ہے یعنی مَطْبُوحَةٌ، مَتَوَدَّةٌ، مَنَزَلِيٌّ اور درندوں کا کھایا ہوا، اگر تم انہیں اس حال میں پالو کہ ان میں زندگی کے آثار موجود ہوں اور پھر تم انہیں شرعی طریقے سے ذبح کر لو تو تمہارے لیے ان کا کھانا حلال ہو گا۔ زندگی کی علامت یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت جانور بھڑکے اور ٹانگیں مارے۔ اگر چھری پھیرتے وقت یہ اضطراب و حرکت نہ ہو تو سمجھ لو یہ مردہ ہے۔ ذبح کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ

عَلَيْكُمْ يَتَّبِعُونَ وَذُفِيتُ لَكُمْ الْإِسْلَامُ دِينًا لَكُمْ أَصْطَلَقَ فِي
فَلَمَّا صَوَّرَ غَيْرَ مَهْلِكٍ إِلَّا نَوَافِلَ اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑤

اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو ^(۱) اور یہ بھی کہ قرعہ کے تیروں کے ذریعے فال گیری کرو ^(۲) یہ سب بدترین گناہ ہیں ' آج کفار تمہارے دین سے ناامید ہو گئے ' خبردار! تم ان سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا ' آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھر پور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔ پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے قرار ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے۔ ^(۳)

پڑھ کر تیز دھار آلے سے اس کا گلا اس طرح کاٹا جائے کہ رگیں کٹ جائیں۔ ذبح کے علاوہ نحر بھی مشروع ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے جانور کے لمبے پر چھری ماری جائے (اونٹ کو نحر کیا جاتا ہے) جس سے نخرہ اور خون کی خاص رگیں کٹ جاتی ہیں اور سارا خون بہہ جاتا ہے۔

(۱) مشرکین اپنے بتوں کے قریب پھریا کوئی چیز نصب کر کے ایک خاص جگہ ' بناتے تھے۔ جسے نُعُت (تھان یا آستانہ) کہتے تھے۔ اسی پر وہ بتوں کے نام نذر کئے گئے جانوروں کو ذبح کرتے تھے یعنی یہ ﴿وَمَا لَئِنْ يَدْعُوا إِلَىٰ لَعْنَةِ اللَّهِ﴾ ہی کی ایک شکل تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آستانوں ' مقبروں اور درگاہوں پر ' جن لوگ طلب حاجات کے لئے جاتے ہیں اور وہاں مدفون افراد کی خوشنودی کے لئے جانور (مرغا، بکرا وغیرہ) ذبح کرتے ہیں ' یا پکی ہوئی دھکیں تقسیم کرتے ہیں ' ان کا کھانا حرام ہے یہ ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ میں داخل ہیں۔

(۲) ﴿وَلَنْ تَشْفِقُوا بِالْآذَانِ﴾ کے دو معنی کیے گئے ہیں ایک تیروں کے ذریعے تقسیم کرنا دوسرے ' تیروں کے ذریعہ قسمت معلوم کرنا ' پس معنی کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ جوئے وغیرہ میں ذبح شدہ جانور کی تقسیم کے لیے یہ تیر ہوتے تھے جس میں کسی کو کچھ مل جاتا ' کوئی محروم رہ جاتا۔ دوسرے ' معنی کی رو سے کہا گیا ہے کہ اِزْلَام سے مراد تیر ہیں جن سے وہ کسی کام کا آغاز کرتے وقت فال لیا کرتے تھے۔ انہوں نے تین قسم کے تیر بنا رکھے تھے۔ ایک اَفْعَل (کرا دوسرے میں لَا تَفْعَل (نہ کر) اور تیسرے میں کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اَفْعَل والا تیر نکل آتا تو وہ کام کر لیا جاتا ' لَا تَفْعَل والا نکلتا تو نہ کرتے اور تیسرا تیر نکل آتا تو پھر دوبارہ فال نکالتے۔ یہ بھی گویا کمانت اور اسْتِغْنَادَاتُ بَغَيْرِ اللَّهِ کی شکل ہے اس لیے اسے بھی حرام کر دیا گیا استقسام کے معنی طلب قسمت ہیں۔ یعنی تیروں سے قسمت طلب کرتے تھے۔

(۳) یہ بھوک کی اضطراری کیفیت میں نہ کہ وہ محرمات کے کھانے کی اجازت ہے بشرطیکہ مقصد اللہ کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنا نہ ہو ' صرف جان بچانا مطلوب ہو۔

يَسْتَلُونَكَ مَاذَا حَلَلْ لَهُمْ قُلْ حَلَلْتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ
الْبُحَارِ مَكَلِيدِينَ تَعْلَمُونَ هُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَمَلُوا مِنَّا
أَسْكَنَ عَلَيْكُمْ وَادْكُرُوا لَاسْمِ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَانْعُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ
سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لئے کیا کچھ حلال
ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تمام پاک چیزیں تمہارے لئے
حلال کی گئی ہیں،^(۱) اور جن شکار کھیلنے والے جانوروں
کو تم نے سدھار کھا ہے یعنی جنہیں تم تھوڑا بہت وہ
سکھاتے ہو جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے
رکھی ہے^(۲) پس جس شکار کو وہ تمہارے لئے پکڑ کر
روک رکھیں تو تم اس سے کھاؤ اور اس پر اللہ تعالیٰ کے
نام کا ذکر کر لیا کرو۔^(۳) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو
یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ (۴)

کل پاکیزہ چیزیں آج تمہارے لئے حلال کی گئیں اور اہل
کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے^(۵) اور تمہارا ذبیحہ
ان کے لئے حلال ہے اور پاک دامن مسلمان عورتیں
اور جو لوگ تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں ان کی پاک

الْيَوْمَ حَلَلْتُ لَكُمْ الْفُلُكَيْنِ وَطَعَامَ الْبَنَاتَيْنِ أُولَئِكَ الْكُتُبُ حَلَلْتُ
لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حَلَلْتُ لَكُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ
مِنَ الْبَنَاتِ أُولَئِكَ الْكُتُبُ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا أَلَيْسَ لَكُمْ مِنَ الْخَوَارِجِ

(۱) اس سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جو حلال ہیں۔ ہر حلال طیب ہے اور ہر حرام خبیث۔

(۲) خَوَارِجُ، خَارِجُ کی جمع ہے جو کاسب (کمانے والا) کے معنی میں ہے۔ مراد شکاری کتا، باز، چیتا، شکار اور دیگر شکاری
پرندے اور درندے ہیں۔ مُكَلِّدِينَ کا مطلب ہے شکار پر چھوڑنے سے پہلے ان کو شکار کے لیے سدھایا گیا ہو۔
سدھانے کا مطلب ہے جب اسے شکار پر چھوڑا جائے۔ تو دوڑتا ہوا جائے جب روک دیا جائے تو رک جائے اور ہلایا
جائے تو واپس آجائے۔

(۳) ایسے سدھائے ہوئے جانوروں کا شکار کیا ہوا جانور دو شرطوں کے ساتھ حلال ہے۔ ایک یہ کہ اسے شکار کے لیے
چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ لی گئی ہو۔ دوسری یہ کہ شکاری جانور شکار کر کے اپنے مالک کے لیے رکھ چھوڑے اور اسی کا
انتظار کرے خود نہ کھائے۔ حتیٰ کہ اگر اس نے اسے مار بھی ڈالا ہو تب بھی وہ مقتول شکار شدہ جانور حلال ہو گا بشرطیکہ
اس کے شکار میں سدھائے اور چھوڑے ہوئے جانور کے علاوہ کسی اور جانور کی شرکت نہ ہو۔ (اصحیح بحاری)
کتاب الذبائح والصيد مسلم، کتاب الصيد

(۴) اہل کتاب کا وہی ذبیحہ حلال ہو گا جس میں خون بہہ گیا ہو۔ گویا ان کا مشینی ذبیحہ حلال نہیں ہے، کیونکہ اس میں
خون بہنے کی ایک بنیادی شرط مفقود ہے۔

تَحْصِينَ غَيْرِ مُسْفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِينَ أَحْدَانٍ وَمَنْ يَكْفُرْ
بِالْإِسْلَامِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْغَايِبِينَ ۝

دامن عورتیں بھی حلال ہیں ^(۱) جب کہ تم ان کے مراداً
کرو۔ اس طرح کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کر دینے نہیں کہ
علانیہ زنا کرو یا پوشیدہ بدکاری کرو، منکرین ایمان کے
اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ ہارنے
والوں میں سے ہیں۔ (۵)

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ کو،
اور اپنے ہاتھوں کو کھنیوں سمیت دھو لو ^(۲) اپنے سروں
کا مسح کرو ^(۳) اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھو لو ^(۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا
وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَجْزُلَكُمْ
إِلَى الْكَعْبَيْنِ قَدَانِ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطْفَرُوا ثُمَّ كُنْتُمْ

(۱) اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت کے ساتھ ایک تو پاکدامن کی قید ہے، جو آج کل اکثر اہل کتاب کی
عورتوں میں مفقود ہے۔ دوسرے، اس کے بعد فرمایا گیا جو ایمان کے ساتھ کفر کرے، اس کے عمل برباد ہو گئے۔ اس
سے یہ تنبیہ مقصود ہے کہ اگر ایسی عورت سے نکاح کرنے میں ایمان کے ضیاع کا اندیشہ ہو تو بہت ہی خسارہ کا سودا ہو گا
اور آج کل اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح میں ایمان کو جو شدید خطرات لاحق ہوتے ہیں، محتاج وضاحت نہیں۔ درآں
حالیکہ ایمان کو بچانا فرض ہے۔ ایک جائز کام کے لیے فرض کو خطرے میں نہیں ڈالا جاسکتا۔ اس لیے اسکا جواز بھی اس
وقت تک ناقابل عمل رہے گا، جب تک مذکورہ دونوں چیزیں مفقود نہ ہو جائیں۔ علاوہ ازیں آج کل کے اہل کتاب
ویسے بھی اپنے دین سے بالکل ہی بیگانہ بلکہ بیزار اور باغی ہیں۔ اس حالت میں کیا وہ واقعی اہل کتاب میں شمار بھی ہو سکتے
ہیں؟ واللہ اعلم۔

(۲) ”منہ دھو“ یعنی ایک ایک ”دو دو یا تین تین مرتبہ دونوں ہتھیلیاں دھونے“ کلی کرنے، ٹاک میں پانی ڈال کر
جھاڑنے کے بعد۔ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ منہ دھونے کے بعد ہاتھوں کو کھنیوں سمیت دھو دیا جائے۔
(۳) مسح پورے سر کا کیا جائے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اپنے ہاتھ آگے سے پیچھے گدی تک لے جائے اور پھر
وہاں سے آگے کو دائے جہاں سے شروع کیا تھا۔ اسی کے ساتھ کانوں کا مسح کر لے۔ اگر سر پر پگڑی یا عمامہ ہو تو حدیث
کی رو سے موزوں کی طرح اس پر بھی مسح جائز ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الطہارۃ) علاوہ ازیں ایک مرتبہ ہی اس طرح مسح
کر لینا کافی ہے۔

(۴) أَرْجُلُكُمْ کا عطف وُجُوهُكُمْ پر ہے یعنی اپنے پیر ٹخنوں تک دھو! اور اگر موزے یا جرابیں پہنی ہوئی ہیں
(بشرطیکہ وضو کی حالت میں پہنی ہوں) تو حدیث کی رو سے پیر دھونے کی بجائے جرابوں پر مسح بھی جائز ہے۔

ملحوظہ ۱۔ اگر پیسے سے با وضو ہو تو نیا وضو کرنا ضروری نہیں۔ تاہم ہر نماز کے لیے تازہ وضو بہتر ہے۔ ۲۔ وضو سے
پہلے نیت فرض ہے۔ ۳۔ وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنی بھی ضروری ہے۔ ۴۔ واڑھی گھنی ہو تو اس کا دخل کیا جائے۔

مَرْضًی أَوْ عَلَ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ
أَوْ لَسْتُمْ عَلَى الْمَنَاءِ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَمِطُوا أَيْدِيَكُمْ
عَلَيْهَا فَمَا سَحَابُوا مِنْهُ وَلَكُمْ عَلَيْكُمْ مِّنْهُ مَا يَرَى اللَّهُ
لِيُجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرِّهِ وَلَئِنْ يُرِيدُ لِيُظْهِرَكُمْ
لِئِيَّةٍ نَّعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵﴾

وَذُكِّرُوا نِعْمَةً اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَبَيْنَا قَهُ الَّذِي
وَالْفُكْمُ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا

اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کر لو،^(۱) ہاں اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی حاجت ضروری سے فارغ ہو کر آیا ہو، یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تمیم کر لو، اسے اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر مل لو،^(۲) اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا،^(۳) بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے،^(۴) تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو۔ (۶)

تم پر اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں نازل ہوئی ہیں انہیں یاد رکھو اور اس کے اس عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ ہوا ہے

۵۔ اعضا کو ترتیب وار دھویا جائے۔ ۶۔ ان کے درمیان فاصلہ نہ کیا جائے۔ یعنی ایک عضو دھونے کے بعد دوسرے عضو کے دھونے میں دیر نہ کی جائے۔ بلکہ سب اعضا تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے دھوئے جائیں۔ ۷۔ اعضاء و ضو میں سے کسی بھی عضو کا کوئی حصہ خشک نہ رہے، ورنہ وضو نہیں ہو گا۔ ۸۔ کوئی عضو بھی تین مرتبہ سے زیادہ نہ دھویا جائے۔ ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، فتح القدیر، والیسر التفاسیر)

(۱) جنابت سے مراد وہ ناپاکی ہے جو احتلام یا یبوی سے ہم بستری کرنے کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہے اور اسی حکم میں حیض اور نفاس بھی داخل ہے۔ جب حیض یا نفاس کا خون بند ہو جائے تو پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے طہارت یعنی غسل ضروری ہے۔ البتہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی اجازت ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ (فتح القدیر، والیسر التفاسیر)

(۲) اس کی مختصر تشریح اور تیمم کا طریقہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳۳ میں گزر چکا ہے۔ صحیح بخاری میں اس کی شان نزول کی بابت آتا ہے کہ ایک سفر میں بیداء کے مقام پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا جس کی وجہ سے وہاں رکنا یا رکے رہنا پڑا۔ صبح کی نماز کے لیے لوگوں کے پاس پانی نہ تھا اور تلاش ہوئی تو پانی دستیاب بھی نہیں ہوا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں تیمم کی اجازت دی گئی ہے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے آیت من کر کما آل ابی بکر! تمہاری وجہ سے اللہ نے لوگوں کے لیے برکتیں نازل فرمائی ہیں اور یہ تمہاری کوئی پہلی برکت نہیں ہے۔ (تم لوگوں کے لیے سراپا برکت ہو۔) (صحیح بخاری۔ سورۃ المائدہ)

(۳) اسی لیے تیمم کی اجازت مرحمت فرمادی ہے۔

(۴) اسی لیے حدیث میں وضو کرنے کے بعد دعا کرنے کی ترغیب ہے۔ دعاؤں کی کتابوں سے یہ دعا یاد کر لی جائے۔

جبکہ تم نے کہا ہم نے سنا اور مانا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو 'یقیناً اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے۔ (۷)
اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ' راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ' کسی قوم کی عداوت حمیس خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے' (۸)
عدل کیا کرو جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے' اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ (۸)

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کے لئے وسیع مغفرت اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔ (۹)

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھٹلایا وہ روزِ نخی ہیں۔ (۱۰)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو احسان تم پر کیا ہے اسے یاد کرو جب کہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا' (۱۱) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ (۱۲)

وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ
بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ عَلَى
لَا تَعْدِلُوا إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۲

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ
مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝۳

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ
الْجَحِيمِ ۝۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا لَكُمْ إِعْتَمَدَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ
إِذْ هُمْ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ
أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُونَ ۝۵

(۱-۲) پہلے جملے کی تشریح سورۃ النساء آیت نمبر ۱۳۵ میں اور دوسرے جملہ کی سورۃ المائدہ کے آغاز میں گزر چکی ہے۔
نبی کریم ﷺ کے نزدیک عادلانہ گواہی کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے جو حدیث میں آتا ہے
حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرے باپ نے مجھے عطیہ دیا تو میری والدہ نے کہا اس عطیے پر آپ جب تک اللہ کے
رسول کو گواہ نہیں بنائیں گے میں راضی نہیں ہوں گی۔ چنانچہ میرے والد نبی ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ
نے پوچھا کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اسی طرح کا عطیہ دیا ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ
سے ڈرو! اور اولاد کے درمیان انصاف کرو" اور فرمایا کہ "میں ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا" (صحیح بخاری و مسلم
کتاب الہبہ)

(۳) اس کی شان نزول میں مفسرین نے متعدد واقعات بیان کیے ہیں۔ مثلاً اس اعرابی کا واقعہ کہ رسول اللہ ﷺ ایک
سفر سے واپسی پر ایک درخت کے سائے میں آرام فرما تھے 'تکوار درخت سے لٹکی ہوئی تھی۔ اس اعرابی نے تکوار پکڑ کر

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَرْتُمْ أَوْفِرْتُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝

اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا ^(۱) اور انہی میں سے بارہ سردار ہم نے مقرر فرمائے ^(۲) اور اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نماز قائم رکھو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں کو مانتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ کو بہتر قرض دیتے رہو گے تو یقیناً میں تمہاری برائیاں تم سے دور رکھوں گا اور تمہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں۔ اب اس عہد و پیمان کے بعد بھی تم میں سے جو انکاری ہو جائے وہ یقیناً راہ راست سے ہٹک گیا۔ (۱۳)

آپ ﷺ پر سنت لی اور کہنے لگا۔ اے محمد (ﷺ) آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے بدتمیز فرمایا "اللہ" (یعنی اللہ بچائے گا) یہ کہتا تھا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ بعض کہتے ہیں کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کے خلاف 'جب کہ آپ ﷺ وہاں تشریف فرماتے' دھوکہ اور فریب سے نقصان پہنچانے کی سازش تیار کی تھی، جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بچایا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک مسلمان کے ہاتھوں غلط فہمی سے جو دو عامری شخص قتل ہو گئے تھے، ان کی دہشت کی ادائیگی میں یہودیوں کے قبیلے بنو نضیر سے حسب معاہدہ جو تعاون لینا تھا، اس کے لئے نبی کریم ﷺ اپنے رفقاء سمیت وہاں تشریف لے گئے اور ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے یہ سازش تیار کی کہ اوپر سے چکی کا پتھر آپ ﷺ پر گرا دیا جائے، جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع فرما دیا۔ ممکن ہے کہ ان سارے ہی واقعات کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہو۔ کیونکہ ایک آیت کے نزول کے کئی اسباب و عوامل ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، ایسرانغما، سورۃ فتح القدیر)

(۱) جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو وہ عہد اور میثاق پورا کرنے کی تاکید کی جو اس نے حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے لیا اور انہیں قیام حق اور شہادت عدل کا حکم دیا اور انہیں وہ انعامات یاد کرائے جو ان پر ظاہر و باطن ہونے اور بالخصوص یہ بات کہ انہیں حق و صواب کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی تو اب اس مقام پر اس عہد کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا اور جس میں وہ ناکام رہے۔ یہ گویا بالواسطہ مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ تم بھی کہیں بنو اسرائیل کی طرح عہد و میثاق کو پاں کرنا شروع نہ کرو۔

(۲) اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جبائہ سے قتال کے لئے تیار ہوئے تو انہوں نے اپنی قوم کے بارہ قبیلوں پر بارہ نقیب مقرر فرما دیئے تاکہ وہ انہیں جنگ کے لئے تیار بھی کریں، ان کی قیادت و رہنمائی بھی کریں اور دیگر معاملات کا انتظام بھی کریں۔

فَيَمَّا تَقِضُهِمْ فَيَقْضِيهِمْ لَعْنُهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ
 قِيسَةً يُحْزِنُونَ لِحَكِيمَةٍ مِنْ قَوَائِمِهِمْ وَتَسْمُوا
 حَقَّائِمًا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ
 مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَأَعْفُ عَنْهُمْ
 وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُغْفِرِينَ ⑤

پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت
 نازل فرمادی اور ان کے دل سخت کر دیئے کہ وہ کلام کو
 اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں^(۱) اور جو کچھ نصیحت
 انہیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے،^(۲) ان کی
 ایک نہ ایک خیانت پر تجھے اطلاع ملتی ہی رہے گی^(۳) ہاں
 تھوڑے سے ایسے نہیں بھی ہیں^(۴) پس تو انہیں معاف
 کرنا جا اور درگزر کرتا رہ،^(۵) بے شک اللہ تعالیٰ احسان
 کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (۳)

(۱) یعنی اتنے انتظامات اور عہد مواعید کے باوجود بنو اسرائیل نے عہد شکنی کی، جس کی بنا پر وہ لعنت الہی کے مستحق بنے۔
 اس لعنت کے دنیوی نتائج یہ سامنے آئے کہ ایک، ان کے دل سخت کر دیئے گئے جس سے ان کے دل اثر پذیری سے
 محروم ہو گئے اور انبیاء کے وعظ و نصیحت ان کے لئے بے کار ہو گئے، دوسرے، یہ کہ وہ کلمات الہی میں تحریف کرنے لگ
 گئے۔ یہ تحریف لفظی اور معنوی دونوں طرح کی ہوتی تھی جو اس بات کی دلیل تھی کہ ان کی عقل و فہم میں کجی آگئی ہے
 اور ان کی جساتوں میں بھی بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے کہ اللہ کی آیتوں تک میں تصرف کرنے سے انہیں گریز نہیں۔
 بد قسمتی سے اس قسوت قلبی اور کلمات الہی میں تحریف سے امت محمدیہ کے افراد بھی محفوظ نہیں رہے۔ مسلمان کہلانے
 والے عوام نہیں خواص بھی، جلاہی نہیں علما بھی، ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ وعظ و نصیحت اور احکام الہی کی یاد دہانی
 ان کے لئے بیکار ہے، وہ سن کر ان سے ذرا اثر قبول نہیں کرتے اور جن غفلتوں اور کوتاہیوں کا وہ شکار ہیں، ان سے
 تائب نہیں ہوتے۔ اسی طرح اپنی بدعات، خود ساختہ مروجات اور اپنے تاویلات باطلہ کے اثبات کے لئے کلام الہی میں
 تحریف کر ڈالتے ہیں۔

(۲) یہ تیسرا نتیجہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ احکام الہی پر عمل کرنے میں انہیں کوئی رغبت اور دلچسپی نہیں رہی بلکہ بے
 عملی اور بد عملی ان کا شعار بن گئی اور وہ ہستی کے اس مقام پر پہنچ گئے کہ ان کے دل سلیم رہے نہ ان کی فطرت مستقیم۔
 (۳) یعنی شذر، خیانت اور کفر ان کے کردار کا جزو بن گیا ہے جس کے نمونے ہر وقت آپ کے سامنے آتے رہیں گے۔
 (۴) یہ تھوڑے سے لوگ وہی ہیں جو یہودیوں میں سے مسلمان ہو گئے تھے اور ان کی تعداد دس سے بھی کم تھی۔
 (۵) غفور درگزر کا یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جب لڑنے کی اجازت نہیں تھی۔ بعد میں اس کی جگہ حکم دیا گیا ﴿فَاذْكُوا الدِّينَ
 الْكُفْرُ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (التوبہ-۲۹) ”ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے“ بعض
 کے نزدیک غفور درگزر کا یہ حکم منسوخ نہیں ہے۔ یہ بجائے خود ایک اہم حکم ہے، حالات و ظروف کے مطابق اسے بھی اختیار
 کیا جاسکتا ہے اور اس سے بھی بعض دفعہ وہ نتائج حاصل ہو جاتے ہیں جن کے لئے قتال کا حکم ہے۔

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ
فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَسَوْفَ
يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٥﴾

اور جو اپنے آپ کو نصرانی کہتے ہیں^(۱) ہم نے ان سے بھی
عہد بیان لیا، انہوں نے بھی اس کا بڑا حصہ فراموش کر
دیا جو انہیں نصیحت کی گئی تھی، تو ہم نے بھی ان کے
آپس میں بغض و عداوت ڈال دی جو تاقیامت
رہے گی^(۲) اور جو کچھ یہ کرتے تھے عنقریب اللہ تعالیٰ
انہیں سب بتا دے گا۔ (۱۳)

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ
كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ
وَيَعْلَمُ غَكُمْ كِتَابَ نُوْرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ
وَكِتَابٌ مُبِينٌ ﴿٦﴾

اے اہل کتاب! یقیناً تمہارے پاس ہمارا رسول (صلی اللہ
علیہ وسلم) آچکا جو تمہارے سامنے کتاب اللہ کی بکثرت ایسی
باتیں ظاہر کر رہا ہے جنہیں تم چھپا رہے تھے^(۳) اور بہت سی
باتوں سے درگزر کرتا ہے، تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف
سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے۔^(۴) (۱۵)

(۱) نصاریٰ نصرۃ "مدد" سے ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوال ﴿مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ؟﴾ "اللہ کے دین میں کون
میرا مددگار ہے؟" کے جواب میں ان کے چند مخلص پیروکاروں نے جواب دیا تھا ﴿مَنْ أَنْصَارُ اللَّهِ؟﴾ "ہم اللہ کے مددگار
ہیں" اسی سے ماخوذ ہے۔ یہ بھی یہودی طرح اہل کتاب ہیں۔ ان سے بھی اللہ نے عہد لیا، لیکن انہوں نے بھی اس کی
پرواہ نہیں کی، اس کے نتیجے میں ان کے دل بھی اثر پذیری سے خالی اور ان کے کردار کھوکھلے ہو گئے۔

(۲) یہ عہد الہی سے انحراف اور بے عملی کی وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر قیامت تک کے لیے مسلط کر دی
گئی۔ چنانچہ عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں جو ایک دوسرے سے شدید نفرت و عناد رکھتے اور ایک دوسرے کی تکفیر کرتے
ہیں اور ایک دوسرے کے معبد میں عبادت نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ پر بھی یہ سزا مسلط کر دی گئی
ہے۔ یہ امت بھی کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے، جن کے درمیان شدید اختلافات اور نفرت و عناد کی دیواریں حائل ہیں۔
اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

(۳) یعنی انہوں نے تورات و انجیل میں جو تبدیلیاں اور تحریفات کیں، انہیں طشت ازبام کیا اور جن کو وہ چھپاتے تھے،
ظاہر کیا جیسے سزائے رجم۔ جیسا کہ احادیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

(۴) نُور اور بَيِّنَات ثَبِيْنٌ دونوں سے مراد قرآن کریم ہے ان کے درمیان واو، مغایرت مصداق نہیں مغایرت معنی کے
لئے ہے اور یہ عطف تفسیری ہے جس کی واضح دلیل قرآن کریم کی اگلی آیت ہے جس میں کہا جا رہا ہے يُهْدِيْ بِهٖ اللّٰهُ
"کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے" اگر نور اور کتاب یہ دو الگ الگ چیزیں ہوتیں تو اغاظہ بَہْدِي
بِہٖ اللّٰهُ ہوتے "یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ذریعے سے ہدایت فرماتا ہے" قرآن کریم کی اس نص سے واضح ہو گیا
کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد ایک ہی چیز یعنی قرآن کریم ہے۔ یہ نہیں ہے کہ نور سے آنحضرت ﷺ اور

يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ مَجْزِلَ
التَّسْلِيمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ
وَيَهْدِيَهُمْ لِرِجَالٍ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ⑤

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ
مَرْيَمَ قُلْ تَمَنَّيْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الَّذِينَ يُكْفَرُونَ
يُكْفَرُ لِمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ وَآلِهِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ
جَبَلٌ أَوْ نُجَّةٌ أَوْ شَيْءٌ مِمَّا يَخْلُقُ فَمَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَظِيمٌ ⑥

قَدْ يَدْرُ ⑤

جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ انہیں جو رضائے رب کے
درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتاتا ہے اور اپنی توفیق سے
اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ
راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے۔ (۱۶)

یقیناً وہ وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح
ابن مریم ہے، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ
مسیح بن مریم اور اس کی والدہ اور روئے زمین کے سب
لوگوں کو ہلاک کر دیتا چاہے تو کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر کچھ
بھی اختیار رکھتا ہو؟ آسمانوں و زمین اور دونوں کے
درمیان کا کل ملک اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، وہ جو چاہتا ہے
پیدا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۷) ⑥

کتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ جیسا کہ وہ اہل بدعت باور کراتے ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی بابت نوز میں نوز
اللہ کا عقیدہ گمراہ رکھا ہے۔ اور آپ ﷺ کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح اس خانہ ساز عقیدے کے اثبات کے
لئے ایک حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے سب سے پہلے نبی ﷺ کا نور پیدا کیا اور پھر اس نور سے ساری کائنات
پیدا کی۔ حالانکہ یہ حدیث حدیث کے کسی بھی مستند مجموعے میں موجود نہیں ہے علاوہ ازیں یہ اس صحیح حدیث کے بھی
خلاف ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا، اِنْ اَرَّوْا مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ یہ روایت ترمذی اور
ابو داؤد میں ہے۔ محدث البانی لکھتے ہیں (فَالْحَدِيثُ صَحِيحٌ بَلَا رَيْبٍ، وَهُوَ مِنَ الْأَدْنَى الطَّاهِرَةِ عَنِ نُطْلَانِ
الْحَدِيثِ الْمَشْهُورِ (أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورَ نَبِيِّكَ يَا حَبِيبُ)) (التعليقات المشكوك: جلد ۱ ص ۳۴) ”مشہور حدیث
چاہے کہ اللہ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا، باطل ہے۔ (خلاصہ ترجمہ)

(۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور ملکیت تامہ کا بیان فرمایا ہے۔ مقصد عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت
مسیح کا رد و ابطال ہے۔ حضرت مسیح کے عین اللہ ہونے کے قائل پہلے تو کچھ ہی لوگ تھے یعنی ایک ہی فرقہ۔ یعقوبیہ۔ کا
یہ عقیدہ تھا لیکن اب تقریباً تمام عیسائی الوہیت مسیح کے کسی نہ کسی انداز سے قائل ہیں۔ اسی لیے مسیحیت میں اب
عقیدہ تثلیث یا اقامت ثلاثہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ بہر حال قرآن نے اس مقام پر تصریح کر دی کہ کسی پیغمبر اور
رسول کو الٰہی صفات سے متصف قرار دینا کفر صریح ہے۔ اس کفر کا ارتکاب عیسائیوں نے، حضرت مسیح کو اللہ قرار دے
کر کیا، اگر کوئی اور گروہ یا فرقہ کسی اور پیغمبر کو بشریت و رسالت کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کرے گا تو وہ
بھی اسی کفر کا ارتکاب کرے گا، مَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هَذِهِ الْعَقِيدَةِ الْعَاسِيَةِ.

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ عَنْ آبَائِنَا اللَّهُ وَآبَائَنَا كُلٌّ قَلْبُهُ
يَعْبُدُ بَعْدَ تَوْبِهِمْ بَلْ أَنْتُمْ بِشِرِّ مَنَ خَلْقٍ تَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ
وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَلَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں،^(۱) آپ کہہ دیجئے کہ پھر تمہیں تمہارے گناہوں کے باعث اللہ کیوں سزا دیتا ہے؟^(۲) نہیں بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان ہو وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب کرتا ہے،^(۳) زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اسی کی طرف لوٹتا ہے۔ (۱۸)

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُم مَّا كُنْتُمْ عَلَىٰ
الزُّلُمِ أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ وَقَدْ جَاءَكُمْ
بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

اے اہل کتاب! بالیقین ہمارا رسول تمہارے پاس رسولوں کی آمد کے ایک وقفے کے بعد آپہنچا ہے۔ جو تمہارے لئے صاف صاف بیان کر رہا ہے کہ تمہاری یہ بات نہ رہ جائے کہ ہمارے پاس تو کوئی بھلائی، برائی، سنانے والا آیا ہی نہیں، پس اب تو یقیناً خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا آپہنچا^(۱) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۹)

(۱) یہودیوں نے حضرت عزیر کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہا۔ اور اپنے آپ کو بھی ابن اللہ (اللہ کے بیٹے) اور اس کا محبوب قرار دے لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں ایک لفظ محذوف ہے یعنی اَنْشَأُ اَبْنَاءَ اللّٰهِ ہم ”اللہ کے بیٹوں (عزیر و مسیح) کے پیروکار ہیں“ دونوں مفہوموں میں سے کوئی سا بھی مفہوم مراد لیا جائے اس سے ان کے تفاخر اور اللہ کے بارے میں بے جا اعتماد کا اظہار ہوتا ہے جس کی اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں۔

(۲) اس میں ان کے مذکورہ تفاخر کا بے بنیاد ہونا واضح کر دیا گیا کہ اگر تم واقعی اللہ کے محبوب اور چہیتے ہوتے یا محبوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تم جو چاہو کرو اللہ تعالیٰ تم سے باز پرس ہی نہیں کرے گا تو پھر اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے گناہوں کی پاداش میں سزا کیوں دیتا رہا ہے؟ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی بارگاہ میں فیصلہ دعوؤں کی بنیاد پر نہیں ہوتا نہ قیامت والے دن ہو گا، بلکہ وہ تو ایمان و تقویٰ اور عمل دیکھتا ہے اور دنیا میں بھی اسی کی روشنی میں فیصلہ فرماتا ہے اور قیامت والے دن بھی اسی اصول پر فیصلہ ہو گا۔

(۳) تاہم یہ عذاب یا مغفرت کا فیصلہ اسی سنت اللہ کے مطابق ہو گا جس کی اس نے وضاحت فرمادی ہے کہ اہل ایمان کے لئے مغفرت اور اہل کفر و فسق کے لئے عذاب، تمام انسانوں کا فیصلہ اسی کے مطابق ہو گا۔ اے اہل کتاب! تم بھی اسی کی پیدا کردہ مخلوق یعنی انسان ہو۔ تمہاری بابت فیصلہ دیکر انسانی مخلوق سے مختلف کیوں کر ہو گا؟

(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان جو تقریباً ۵۷۰/۶۰۰ سال کا فاصلہ ہے یہ

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقْوِمُوا ذِكْرَ الْفِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
لِذْجَعَلْ فِتْنَتَكُمْ آيَاتٍ وَجَعَلَكُمْ شُكَّاءًا لِّأَنفُسِكُمْ مَا لَمْ
يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ۝

اور یاد کرو موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا: اے
میری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ذکر کرو کہ
اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنادیا^(۱)
اور تمہیں وہ دیا جو تمام عالم میں کسی کو نہیں دیا۔^(۲) (۲۰)
اے میری قوم والو! اس مقدس زمین^(۳) میں داخل ہو جاؤ

يُقْوِمُوا دُخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ

زمانہ فترت کلاتا ہے۔ اہل کتاب کو کہا جا رہا ہے کہ اس فترت کے بعد ہم نے اپنا آخری رسول ﷺ بھیج دیا ہے۔ اب
تم یہ بھی نہ کہہ سکو گے کہ ہمارے پاس تو کوئی بشیر و نذیر پیغمبر ہی نہیں آیا۔

(۱) بیشتر انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہی ہوئے ہیں جن کا سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم کر دیا گیا اور آخری پیغمبر بنو
اسماعیل سے ہوئے ﷺ۔ اسی طرح متعدد بادشاہ بھی بنی اسرائیل میں ہوئے اور بعض نبیوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے
ملوکیت (بادشاہت) سے نوازا۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبوت کی طرح ملوکیت
(بادشاہت) بھی اللہ کا انعام ہے جسے علی الاطلاق برا سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔ اگر ملوکیت بری چیز ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی
نبی کو بادشاہ نہ بناتا۔ اس کا ذکر انعام کے طور پر فرماتا جیسا کہ یہاں ہے آج کل مغربی جمہوریت کا کاہل اس طرح ذہنوں
پر مسلط ہے اور شاطران مغرب نے اس کا افسوس اس طرح پھونکا ہے کہ مغربی افکار کے اسرائیل یہ ست ہی نہیں بلکہ
اصحاب جب و دستار بھی ہیں۔ بہر حال ملوکیت یا مخصی حکومت اگر بادشاہ اور حکمران عادل و متقی ہو تو جمہوریت سے ہزار
درجے بہتر ہے۔

(۲) یہ اشارہ ہے ان انعامات اور معجزات کی طرف جن سے بنی اسرائیل نوازے گئے۔ جیسے من و سبویٰ کا نزول،
بادلوں کا سایہ، فرعون سے نجات کے لیے دریا سے راستہ بنانا۔ وغیرہ۔ اس لحاظ سے یہ قوم اپنے زمانے میں فضیلت اور
اونچے مقام کی حامل تھی لیکن پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی رسالت و بعثت کے بعد اب یہ مقام فضیلت امت
محمدیہ کو حاصل ہو گیا ہے۔ ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا آدَمَ الْأَوَّلَ الْأَوَّلَ﴾ آل عمران۔ تم بہترین امت ہو جسے نوع انسانی کے لیے
بنایا گیا ہے لیکن یہ بھی مشروط ہے اس مقصد کی تکمیل کے ساتھ جو اسی آیت میں بیان کر دیا گیا ہے۔
﴿تَأْمُرُونَ بِالْعَدْلِ وَتُحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا﴾ (تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر
ایمان رکھتے ہو) اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اس مقصد کے لیے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ اپنے خیر امت ہونے
کا اعزاز برقرار رکھ سکے۔

(۳) بنو اسرائیل کے مورث اعلیٰ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مسکن بیت المقدس تھا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام
کے امارت مصر کے زمانے میں یہ لوگ مصر جا کر آباد ہو گئے تھے اور پھر تب سے اس وقت تک مصر ہی میں رہے جب
تک کہ موسیٰ علیہ السلام انہیں راتوں رات (فرعون سے چھپ کر) مصر سے نکال نہیں لے گئے۔ اس وقت بیت
المقدس پر علاقہ کی حکمرانی تھی جو ایک بہادر قوم تھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر بیت المقدس جا کر آباد

وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰی اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا لِحٰیۤبِكُمْ ۝۶۱

قَالُوْا يٰۤمُوسٰى اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبّٰرِیْنَ ۚ وَلَئِنْ نُّدْخِلُهَاۤ
حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ؕ قَالْ یَخْرُجُوْا مِنْهَا ؕ قَالَا ذٰلِکَ لَیْسَ

قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا
اَدْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ؕ اِذَا دَخَلْتُمُْوْهُ فَاَنْتُمْ عَلَیۤیۡهِمْ ؕ
وَعَلَّ اللّٰهُ فِتْنٰکُمْ لَآ اَنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیۡنَ ۝۶۲

قَالُوْا یٰۤمُوسٰى اِنَّ لَکَۤ اٰتًا فَاِذَا مَوٰی فِیْهَا فَاذْهَبْ
اَنْتَ وَرَبِّکَ فَتَآیَاۤکُمَا هُنَا فَبَعْدُوْۤنَ ۝۶۳

جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نام لکھ دی ہے ^(۱) اور اپنی پشت
کے بل روگردانی نہ کرو ^(۲) لہٰذا پھر نقصان میں جا پڑو۔ (۶۱)

انہوں نے جواب دیا کہ اے موسیٰ وہاں تو زور آور
سرکش لوگ ہیں اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہ
جائیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے ہاں اگر وہ وہاں سے
نکل جائیں پھر تو ہم (بخوشی) چلے جائیں گے۔ ^(۳) (۶۲)

دو شخصوں نے جو خدا ترس لوگوں میں سے تھے جن پر
اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہا کہ تم ان کے پاس دروازے میں تو
پہنچ جاؤ دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غائب آ جاؤ
گے اور تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ
رکھنا چاہیے۔ ^(۴) (۶۳)

قوم نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! جب تک وہ وہاں ہیں
تب تک ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے اس لئے تم اور
تمہارا پروردگار جا کر دونوں ہی لا بھڑو ہم یہیں بیٹھے
ہوئے ہیں۔ ^(۵) (۶۴)

ہونے کا عزم کیا تو اس کے لیے وہاں قابض عمائد سے جہاد ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو
اس ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا اور نصرت الہی کی بشارت بھی سنائی۔ لیکن اس کے باوجود ہوا اسرائیل عمائد
سے لڑنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ (ابن کثیر)

(۱) اس سے مراد وہی فتح و نصرت ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کی صورت میں ان سے کر رکھا تھا۔

(۲) یعنی جہاد سے اعراض مت کرو۔

(۳) بنو اسرائیل عمائد کی بہادری کی شہرت سے مرعوب ہو گئے اور پہلے مرحلے پر ہی ہمت ہار بیٹھے۔ اور جہاد سے
دست بردار ہو گئے۔ اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی کوئی پرواہ کی اور نہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ نصرت پر
یقین کیا۔ اور وہاں جانے سے صاف انکار کر دیا۔

(۴) قوم موسیٰ علیہ السلام میں سے صرف یہ دو شخص صحیح معنوں میں ایماندار نکلے جنہیں نصرت الہی پر یقین تھا انہوں
نے قوم کو سمجھایا کہ تم ہمت تو کرو پھر دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں غلبہ عطا فرماتا ہے۔

(۵) لیکن اس کے باوجود بنی اسرائیل نے بدترین بزدلی، سوء ادبی اور تمرد و سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ تو اور
تیرا رب جا کر لڑے۔ اس کے برعکس جب جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو انہوں

قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرِقْ بَيْنَنَا
وَبَيْنَ الْقَوِيمِ الْفَاقِينَ ۝

قَالَ فَإِنَّا خَازِنَةٌ عَلَيْكُمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتَّبِعُونَ
فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوِيمِ الْفَاقِينَ ۝

وَأَتَىٰ عَلَيْهِمْ تِبَاعُنَّ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ
مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ

موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے اے اللہ! مجھے تو مجزا اپنے اور
میرے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں پس تو ہم
میں اور ان نافرمانوں میں جدا کی کر دے۔^(۱) (۲۵)

ارشاد ہوا کہ اب زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر
دی گئی ہے یہ خانہ بدوش ادھر ادھر سرگرداں پھرتے
رہیں گے^(۲) اس لئے تم ان فاقوں کے بارے میں
غمگین نہ ہونا۔^(۳) (۲۶)

آدم (علیہ السلام) کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی
انہیں سنا دو^(۴) ان دونوں نے ایک نذرانہ پیش کیا ان

نے قلت تعداد و قلت وسائل کے باوجود جماد میں حصہ لینے کے لیے بھرپور عزم کا اظہار کیا اور یہ بھی کہا کہ "یا رسول
اللہ! ہم آپ کو اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا۔" (صحیح بخاری۔
کتاب الحمازی والخصایر)

(۱) اس میں نافرمان قوم کے مقابلے میں اپنی بے بسی کا اظہار بھی ہے اور براءت کا اعلان بھی۔

(۲) یہ میدان تیرہ کھاتا ہے جس میں چالیس سال یہ قوم اپنی نافرمانی اور جماد سے اعراض کی وجہ سے سرگرداں رہی۔
اس میدان میں اس کے باوجود ان پر من و سلویٰ کا نزول ہوا جس سے اکتا کر انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ روز روز
ایک ہی کھانا کھا کر ہمارا جی بھر گیا ہے۔ اپنے رب سے دعا کر کہ وہ مختلف قسم کی سبزیاں اور دایں ہمارے لیے پیدا
فرمائے۔ ہمیں ان پر بادلوں کا سایہ ہوا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاشی مارنے سے بارہ قبیلوں کے لیے بارہ چشمے
جاری ہوئے اور اس طرح کے دیگر انعامات ہوتے رہے۔ چالیس سال بعد پھر ایسے حالات پیدا کیے گئے کہ یہ بیت
المقدس کے اندر داخل ہوئے۔

(۳) پیغمبر دعوت و تبلیغ کے باوجود جب دیکھتا ہے کہ میری قوم سیدھا راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں جس میں اس کے
لئے دین و دنیا کی سعادتیں اور بھائیاں ہیں تو فطری طور پر اس کو سخت افسوس اور دلی قلق ہوتا ہے۔ یہی نبی ﷺ کا بھی حال
ہوتا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ فرمایا ہے۔ لیکن آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کر کے
کہا جا رہا ہے کہ جب تو نے فریضہ تبلیغ ادا کر دیا اور پیغام الہی لوگوں تک پہنچا دیا اور اپنی قوم کو ایک عظیم الشان کامیابی کے نقطہ
آغاز پر لا کھڑا کیا۔ لیکن اب وہ اپنی دونں ہمتی اور بددعا کی سبب تیری بات ماننے کو تیار نہیں تو تو اپنے فرض سے سبک دوش ہو
گیا اور اب تجھے ان کے بارے میں غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایسے موقع پر غمگینی تو ایک فطری چیز ہے۔ لیکن مراد
اس تسلی سے یہ ہے کہ تبلیغ و دعوت کے بعد اب تم عند اللہ بری الذمہ ہو۔

(۴) آدم علیہ السلام کے ان دو بیٹوں کے نام ہابیل اور قابیل تھے۔

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝

میں سے ایک کی نذر تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی^(۱) تو وہ کہنے لگا کہ میں تجھے مار ہی ڈاؤں گا اس نے کہا اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے۔ (۲۷)

گو تو میرے قتل کے لئے دست درازی کرے لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا میں تو اللہ تعالیٰ پروردگار عالم سے خوف کھاتا ہوں۔ (۲۸)

میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنے گناہ اپنے سر پر رکھ لے^(۲) اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔ (۲۹)

پس اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر

لَهُنَّ بَطَنٌ إِلَىٰ يَدِّكَ يَحْمِلْنَ مَا أَنَا بِسَاطِئِيكَ إِلَيْكَ
بِأَقْسَاكَ إِلَيْنِ أَخَذَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝

إِنِّي أُرِيدُ أَنْ سَبِّحَ بِآيَاتِهِ وَيُؤْتِيكَ فَتَكُونَ مِنْ
أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝

فَطَرَعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

(۱) یہ نذر یا قربانی کس لیے پیش کی گئی؟ اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں۔ البتہ مشہور یہ ہے کہ ابتدا میں حضرت آدم و حوا کے طلاق سے بیک وقت لڑکا اور لڑکی پیدا ہوئی۔ دوسرے حمل سے پھر لڑکا لڑکی ہوتی ایک حمل کے بہن بھائی کا نکاح دوسرے حمل کے بہن بھائی سے کر دیا جاتا۔ ہاتل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن بد صورت تھی جب کہ قاتیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن خوبصورت تھی۔ اس وقت کے اصول کے مطابق ہاتل کا نکاح قاتیل کی بہن کے ساتھ اور قاتیل کا نکاح ہاتل کی بہن کے ساتھ ہونا تھا۔ لیکن قاتیل چاہتا تھا کہ وہ ہاتل کے بہن کی بجائے اپنی ہی بہن کے ساتھ جو خوبصورت تھی نکاح کرے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھا بالآخر حضرت آدم علیہ السلام نے دونوں کو بارگاہ الہی میں قربانیاں پیش کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جس کی قربانی قبول ہو جائے گی قاتیل کی بہن کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ ہاتل کی قربانی قبول ہو گئی یعنی آسمان سے آگ آئی اور اسے کھا گئی جو اس کے قبول ہونے کی دلیل تھی۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ویسے ہی دونوں بھائیوں نے اپنے اپنے طور پر اللہ کی بارگاہ میں نذر پیش کی ہاتل نے ایک عمدہ ذبیہ کی قربانی اور قاتیل نے گندم کی بلی قربانی میں پیش کی ہاتل کی قربانی قبول ہونے پر قاتیل حسد کا شکار ہو گیا۔

(۲) میرے گناہ کا مطلب قتل کا وہ گناہ ہے جو مجھے اس وقت ہوتا جب میں تجھے قتل کرتا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ کرام نے پوچھا قاتل کا جہنم میں جانا تو سمجھ میں آتا ہے مقتول جہنم میں کیوں جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا حریص تھا۔ (صحیح بخاری)

دیا اور اس نے اسے قتل کر ڈالا جس سے نقصان پاسنے والوں میں سے ہو گیا۔^(۱) (۳۰)

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوئے کو بھیجا جو زمین کھود رہا تھا تاکہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی نعش کو چھپا دے وہ کہنے لگا ہائے افسوس کیا میں ایسا کرنے سے بھی گیا گزرا ہو گیا کہ اس کوئے کی طرح اپنے بھائی کی ماش کو دفن دیتا؟ پھر تو (بڑا ہی) پشیمان اور شرمندہ ہو گیا۔ (۳۱)

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد بچانے والا ہو قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا^(۲) اور ان کے پاس

فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُخَبِّرَهُ كَيْفَ يُؤَادِرُ سَوْءَ آخِيهِ وَقَالَ يُؤَادِرُنِي أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ فَأُوَادِرِيَ سَوْءَ آخِي فَأَصْبَحَ مِنَ الشَّوْكَانِ ﴿٣٠﴾

مِنْ آخِيهِ ذَلِكَ لَكُنَّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَآءِيلَ آتَةً مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَ ثَعْمَرُ رُسُلَنَا بَآلِي يُثَيْبٍ مُتَعَرِّقًا كَثِيرًا مِمَّا بَعْدَ

(۱) چنانچہ حدیث میں آتا ہے «لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ مُلْتَمًا إِلَّا كَانَ عَلَىٰ ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلُ كِفْلٌ مِنْ ذَنْبِهَا لِأَنَّهُ كَانَ أَوَّلَ مَنْ سُرِّ الْقَتْلُ» (صحیح بخاری، کتاب الأسماء و مسلم، کتاب القصاص) جو قتل بھی ظلماً ہوتا ہے (قاتل کے ساتھ) اس کے خون ناحق کا بوجھ آدم کے اس پہلے بیٹے پر بھی ہوتا ہے کیونکہ یہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا کام کیا "امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ "طہریات یہ معلوم ہوتی ہے کہ قاتل کو ہاتھ کے قتل ناحق کی سزا دنیا میں ہی فوری طور پر دے دی گئی تھی۔" حدیث میں آتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا "مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجِّلَ اللَّهُ عُقُوبَتَهُ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَذْخِرُ لَصَاحِبِهِ فِي الْآخِرَةِ مِنْ النَّفْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ" (ابوداؤد، کتاب الأدب۔ اس صاحبہ کتاب المرہد ومسند أحمد ۳۶-۳۸) "یعنی (ظلم و زیادتی) اور قطع رحمی یہ دونوں گناہ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے مرتکبین کو دنیا میں ہی جلد سزا دے دے تاہم آخرت کی سزا اس کے علاوہ اس کے لیے ذخیرہ ہوگی جو انہیں وہاں بھگتنی ہوگی" اور قاتل میں یہ دونوں گناہ جمع ہو گئے تھے۔ "فَبَاثِلَ اللَّهُ وَإِنَّا إِلَيْهِ وَاجِعُونَ (ابن کثیر)

(۲) اس قتل ناحق کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانی جان کی قدر و قیمت کو واضح کرنے کے لیے بنو اسرائیل پر یہ حکم نازل فرمایا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ کے ہاں انسانی خون کی کتنی اہمیت اور تکریم ہے اور یہ اصول صرف بنی اسرائیل ہی کے لیے نہیں تھا اسلام کی تعلیمات کے مطابق بھی یہ اصول ہمیشہ کے لیے ہے۔ سلیمان بن ربیع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن (بصری) سے پوچھا یہ آیت ہمارے لیے بھی ہے جس طرح بنو اسرائیل کے لیے تھی "انہوں نے فرمایا "ہاں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بنو اسرائیل کے خون اللہ کے ہاں ہمارے خونوں سے زیادہ قابل احترام نہیں تھے" (تفسیر ابن کثیر)

ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْوُفُونَ ﴿٣٢﴾

ہمارے بہت سے رسول ظاہر دلیلیں لے کر آئے لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں کے اکثر لوگ زمین میں ظلم و زیادتی اور زبردستی کرنے والے ہی رہے۔^(۱) (۳۲)

جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں، یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے،^(۲) یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری اور آخرت میں ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے۔ (۳۳)

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَادِّثُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيُهُمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُشْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ جُزْءٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾

(۱) اس میں یہود کو زجر و توبیخ ہے کہ ان کے پاس انبیاء دلائل و براہین لے کر آتے رہے۔ لیکن ان کا رویہ ہمیشہ حد سے تجاوز کرنے والا ہی رہا۔ اس میں گویا نبی ﷺ کو قتل دی جا رہی ہے کہ یہ آپ کو قتل کرنے اور نقصان پہنچانے کی جو سازشیں کرتے رہتے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ان کی ساری تاریخ ہی مکرو فساد سے بھری ہوئی ہے۔ آپ بہر حال اللہ پر بھروسہ رکھیں جو خیر اما کریں ہے۔ تمام سازشوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

(۲) اس کی شان نزول کی بابت آتا ہے کہ عکل اور عرینہ قبیلے کے کچھ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ آئے، انہیں مدینہ کی آب و ہوا اس نہ آئی تو نبی ﷺ نے انہیں مدینہ سے باہر، جہاں صدقے کے اونٹ تھے، بھیج دیا کہ ان کا دودھ اور پیشاب پر اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائے گا۔ چنانچہ چند روز میں وہ ٹھیک ہو گئے لیکن اس کے بعد انہوں نے اونٹوں کے رکھوالے اور چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہٹا کر لے گئے۔ جب نبی ﷺ کو اس امر کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے ان کے پیچھے آدمی دوڑائے جو انہیں اونٹوں سمیت پکڑ لائے۔ نبی ﷺ نے ان کے ہاتھ پیر مخالف جانب سے کاٹ ڈالے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروائیں، (کیونکہ انہوں نے بھی چرواہے کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا) پھر انہیں دھوپ میں ڈال دیا گیا حتیٰ کہ وہیں مر گئے۔ صحیح بخاری میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ انہوں نے چوری بھی کی، قتل بھی کیا، ایمان لانے کے بعد کفر بھی کیا اور اللہ و رسول کے ساتھ محاربہ بھی اصحیح بخاری کتاب الدیات والطلب والنفسیر۔ صحیح مسلم کتاب القسامۃ یہ آیت محاربہ کہلاتی ہے۔ اس کا حکم عام ہے یعنی مسلمانوں اور کافروں دونوں کو شامل ہے۔ محاربہ کا مطلب ہے۔ کسی منظم اور مسلح جتنے کا اسلامی حکومت کے دائرے میں یا اس کے قریب صحرا وغیرہ میں راہ چلنے قاتلوں اور افراد اور گروہوں پر حملے کرنا، قتل و غارت گری کرنا، سلب و نهب، اغوا اور آہور ریزی کرنا وغیرہ اس کی جو سزا نہیں بیان کی گئی ہیں، اہم (خلیفۃ وقت) کو اختیار ہے کہ ان میں سے جو سزا مناسب سمجھے، دے۔ بعض لوگ کہتے ہیں اگر محاربین نے قتل و سلب کیا اور وہشت گردی کی تو انہیں قتل اور سولی کی سزا دی جائے گی اور جس نے صرف قتل کیا،

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْرَأَ عَلَيْهِمُ
فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣٤﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ
الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا بِأَنْفُسِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُونَ ﴿٣٥﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَوْ كُنُّهُمْ شَرِّ الْأَرْضِ

ہاں جو لوگ اس سے پہلے توبہ کر لیں کہ تم ان پر
قابو پاؤ (۱) تو یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی بخشش اور
رحم و کرم والا ہے۔ (۳۴)

مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب تلاش
کرو (۲) اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمہارا بھلا
ہو۔ (۳۵)

یقین مانو کہ کافروں کے لئے اگر وہ سب کچھ ہو جو ساری

مال نہیں لیا، اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے قتل کیا اور مال بھی چھینا، اس کا ایک دایاں ہاتھ اور بائیں پاؤں یا بائیں ہاتھ
اور دایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔ اور جس نے نہ قتل کیا نہ مال لیا، صرف دہشت گردی کی اسے جلا وطن کر دیا جائے گا۔
لیکن امام شوکانی فرماتے ہیں پہلی بات صحیح ہے کہ سزا دینے میں امام کو اختیار حاصل ہے۔ (فتح القدیر)

(۱) یعنی گرفتار ہونے سے پہلے اگر وہ توبہ کر کے اسلامی حکومت کی اطاعت کا اعلان کر دیں تو پھر انہیں معاف کر دیا جائے
گا، نہ کورہ سزائیں نہیں دی جائیں گی۔ لیکن پھر اس امر میں اختلاف ہے کہ سزاؤں کی معافی کے ساتھ انہوں نے قتل کر
کے یا مال لوٹ کر یا آہرہ ریزی کر کے بندوں پر جو دست درازی کی یہ جرائم بھی معاف ہو جائیں گے یا ان کا بدلہ لیا
جائے گا، بعض علما کے نزدیک یہ معاف نہیں ہوں گے بلکہ ان کا قصاص لیا جائے گا۔ امام شوکانی اور امام ابن کثیر کا رجحان
اس طرف ہے کہ مطلقاً انہیں معاف کر دیا جائے گا اور اسی کو ظاہر آیت کا متقاضی بتلایا ہے۔ البتہ گرفتاری کے بعد توبہ
سے جرائم معاف نہیں ہوں گے۔ وہ مستحق سزا ہوں گے۔ (فتح القدیر و ابن کثیر)

(۲) وسیلہ کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو کسی مقصود کے حصول یا اس کے قرب کا ذریعہ ہو۔ ”اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ
تلاش کرو“ کا مطلب ہو گا ایسے اعمال اختیار کرو جس سے تمہیں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہو جائے۔ امام
شوکانی فرماتے ہیں ((إِنَّ الْوَسِيلَةَ - النِّبْيَ هِيَ الْفِرْقَةُ تَصْدُقُ عَلَى النَّفْوَى وَعَلَى غَيْرِهَا مِنْ حِصَالِ الْخَيْرِ، أَلَسَيِّ
بِنَقَرُ الْعِبَادُ بَهَا إِلَى رَبِّهِمْ)) ”وسیلہ جو قربت کے معنی میں ہے“ تقویٰ اور دیگر خصال خیرہ صادق آتا ہے جن کے
ذریعے سے بندے اپنے رب کا قرب حاصل کرتے ہیں“ اسی طرح منہیات و محرمات کے اجتناب سے بھی اللہ کا قرب
حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے منہیات و محرمات کا ترک بھی قرب الہی کا وسیلہ ہے۔ لیکن جہالوں نے اس حقیقی وسیلے کو چھوڑ
کر قبروں میں مدفون لوگوں کو اپنا وسیلہ سمجھ لیا ہے جس کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ البتہ حدیث میں اس مقام
محمود کو بھی وسیلہ کہا گیا ہے جو جنت میں نبی ﷺ کو عطا فرمایا جائے گا۔ اسی لئے آپ نے فرمایا جو اذان کے بعد میرے
لئے یہ دعائے وسیلہ کرے گا وہ میری شفاعت کا مستحق ہو گا صحیح بخاری۔ کتاب الاذان، صحیح مسلم،
کتاب الصلوٰۃ، دعائے وسیلہ جو اذان کے بعد پڑھنی مستون ہے ”اللَّهُمَّ اَرَبَّ هِدِ الدُّعْوَةَ الثَّامَّةَ، وَالصَّلَاةَ
الْقَائِمَةَ، اَنْتَ مُحَمَّدٌ الْوَسِيلَةُ وَالْفَضِيلَةُ وَانَعْتَ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ“۔

زمین میں ہے بلکہ اسی کے مثل اور بھی ہو اور وہ اس سب کو قیامت کے دن کے عذاب کے بدلے فدیے میں دیتا چاہیں تو بھی ناممکن ہے کہ ان کا فدیہ قبول کر لیا جائے ان کے لئے تو دردناک عذاب ہی ہے۔^(۱) (۳۶)
یہ چاہیں گے کہ دوزخ میں سے نکل جائیں لیکن یہ ہرگز اس میں سے نہ نکل سکیں گے ان کے لئے تو دواہی عذاب ہیں۔^(۲) (۳۷)

چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو۔^(۳) یہ بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے کیا عذاب اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ قوت و حکمت والا ہے۔ (۳۸)
جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹتا ہے^(۴)

جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ يَفْتَنُ وَاِيَهُ مِنْ عَذَابٍ يُؤْمِرُ
الْقِسْمَةَ مَا تَقْبَلُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ ۝

يُرِيدُونَ اَنْ يُخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ
وَهِيَآ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّصِیْبٌ ۝

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَاۗءُ مَا كَسَبَا
تَكَۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِيْمٌ ۝

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهِۦ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوبُ
عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(۱) حدیث میں آتا ہے کہ ایک جنسی کو جہنم سے نکال کر اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا ”تو نے اپنی آرام گاہ کیسی پائی؟“ وہ کہے گا ”بدترین آرام گاہ“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ”کیا تو زمین بھر سونا فدیہ دے کر اس سے چھٹکارا حاصل کرنا پسند کرے گا؟“ وہ اثبات میں جواب دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تو دنیا میں اس سے بھی بہت کم کا تجھ سے مطالبہ کیا تھا تو نے وہاں اس کی پروا نہیں کی اور اسے دوبارہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا (صحیح مسلم ’صفۃ القیامۃ‘ صحیح بخاری ’کتاب الرقاق والانبیاء‘)

(۲) یہ آیت کافروں کے حق میں ہے، کیونکہ مومنوں کو بالآخر سزا کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

(۳) بعض فقہا ظاہری کے نزدیک سرقہ کا یہ حکم عام ہے چوری تھوڑی سی چیز کی ہو یا زیادہ کی۔ اسی طرح وہ حرز (محفوظ جگہ) میں رکھی ہو یا غیر حرز میں۔ ہر صورت میں چوری کی سزا دی جائے گی۔ جب کہ دوسرے فقہا اس کے لیے حرز اور نصاب کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ پھر نصاب کی تعیین میں ان کے مابین اختلاف ہے۔ محدثین کے نزدیک نصاب ربع دینار یا تین درہم (یا ان کے مساوی قیمت کی چیز) ہے اس سے کم چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح ہاتھ رسخ (پنچوں) سے کاٹے جائیں گے۔ کنسی یا کندھے سے نہیں۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ (تفصیلات کے لیے کتب حدیث و فقہ اور فقہاء کا مطالعہ کیا جائے)

(۴) اس توبہ سے مراد عند اللہ قبول توبہ ہے۔ یہ نہیں کہ توبہ سے چوری یا کسی اور قابل حد جرم کی سزا معاف ہو جائے گی۔ حدود توبہ سے معاف نہیں ہوں گی۔

سَمِعُونَ يَكْذِبَ أَتْلُونَ لِمَنْحَتٍ قَوْلَ جَاءُوا فَاخْلُفُوا
بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ قَوْلَ تَعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ
شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
الْقَاسِطِينَ ﴿۳۲﴾

وَكَيْفَ يُحْكُمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ
بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۳﴾

یہ کان لگا کر جھوٹ کے سننے والے^(۱) اور جی بھر کر
حرام کے کھانے والے ہیں، اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو
تمہیں اختیار ہے خواہ ان کے آپس کا فیصلہ کرو خواہ ان کو
ٹال دو، اگر تم ان سے منہ بھی پھیرو گے تو بھی یہ تم کو
ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے، اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان
میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، یقیناً عدل والوں
کے ساتھ اللہ محبت رکھتا ہے۔ (۳۲)

(تعجب کی بات ہے کہ) وہ کیسے اپنے پاس تورات ہوتے
ہوئے جس میں احکام الہی ہیں تم کو منصف بناتے ہیں پھر
اس کے بعد بھی پھر جاتے ہیں، دراصل یہ ایمان و یقین
والے ہیں ہی نہیں۔ (۳۳)

نہیں گے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہودی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے،
آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تورات میں رجم کی بابت کیا ہے؟ انہوں نے کہا تورات میں زنا کی سزا کوڑے مارنا اور
رسوا کرنا ہے۔ عبداللہ بن سلام جہیز نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو، تورات میں رجم کا حکم موجود ہے، جہاں تورات روئے
تورات مذکورہ پڑھنے لگے تو آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی آیات پڑھ دیں۔ عبداللہ بن سلام جہیز نے کہا ہاتھ
اٹھاؤ، ہاتھ اٹھایا تو وہاں آیت رجم تھی۔ بلاخر انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ محمد ﷺ سچ کہتے ہیں، تورات میں آیت رجم
موجود ہے۔ چنانچہ دونوں زانیوں کو سنگسار کر دیا گیا۔ (ملاحظہ ہو صحیحین و دیگر کتب حدیث) ایک دوسرا واقعہ اس طرح
بیان کیا جاتا ہے کہ یہود کا ایک قبیلہ اپنے آپ کو دوسرے یہودی قبیلے سے زیادہ معزز اور محترم سمجھتا تھا اور اسی کے
مطابق اپنے مقتول کی دیت سود سن اور دوسرے قبیلے کے مقتول کی پچاس سن مقرر کر رکھی تھی۔ جب نبی ﷺ مدینہ
تشریف لائے تو یہود کے دوسرے قبیلے کو کچھ حوصلہ ہوا جس کے مقتول کی دیت نصف تھی اور اس نے دیت سود سن
دینے سے انکار کر دیا۔ قریب تھا کہ ان کے درمیان اس مسئلے پر لڑائی چھڑ جاتی، لیکن ان کے کچھ ار لوگ نبی ﷺ
سے فیصلہ کرانے پر رضامند ہو گئے اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں سے ایک آیت میں قصاص میں برابری کا
حکم دیا گیا ہے۔ (یہ روایت مسند احمد میں ہے جس کی سند کو شیخ احمد شاکر نے صحیح کہا ہے۔ مسند احمد جلد ۱ ص ۲۳۶۔
حدیث نمبر ۲۲۱۳) ام ابن کثیر فرماتے ہیں ممکن ہے دونوں سبب ایک ہی وقت میں جمع ہو گئے ہوں اور ان سب کے لیے
ان آیات کا نزول ہوا ہو (ابن کثیر)

(۱) سَمَاعُونَ کے معنی ”بہت زیادہ سننے والے“ اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، جاسوسی کرنے کے لیے زیادہ باتیں سننا یا
دوسروں کی باتیں ماننے اور قبول کرنے کے لیے سنا۔ بعض مفسرین نے پہلے معنی مراد لیے ہیں اور بعض نے دوسرے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا
الْيَهُودُ الَّذِينَ آسَلُوا بِإِذْنِ اللَّهِ هَذَا الزَّبُتِيُّونَ
وَالْأَصْيَارُ يَمَا اسْتَعْفُظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا
عَلَيْهِ مُتَّهَمِينَ فَلَا تَعْلَمُوا النَّاسَ وَالْأَعْيُنَ وَلَا تَشْعُرُوا
بِأَيْتِي لَمَّا قَلِيلًا وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ
قَالَ لَيْتَ هُمْ الْكَافِرُونَ ۝

ہم نے تورات نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت و نور ہے،
یہودیوں میں^(۱) اسی تورات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ماننے
والے انبیاء (علیہم السلام)^(۲) اور اہل اللہ اور علمائے فیصلے کرتے
تھے کیونکہ انہیں اللہ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا
گیا تھا۔^(۳) اور وہ اس پر اقراری گواہ تھے^(۴) اب تمہیں
چاہیے کہ لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو، میری
آیتوں کو تھوڑے تھوڑے سول پر نہ بیچو،^(۵) جو لوگ اللہ
کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ (پورے اور
بخت) کافر ہیں۔^(۶) (۳۴)

اور ہم نے یہودیوں کے ذمہ تورات میں یہ بات مقرر کر
دی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ
اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور
دانت کے بدلے دانت اور خاص زخموں کا بھی

وَلَتَبْنِيَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنْ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ
بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ
بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ

(۱) ﴿يَا يَهُودُ مَنْ هَذَا﴾ اس کا تعلق بِنَحْمُ سے ہے۔ یعنی یہودیوں سے متعلق فیصلے کرتے تھے۔

(۲) آسَلُوا یہ نبیین کی صفت بیان کی کہ وہ سارے انبیاء دین اسلام ہی کے پیرو کار تھے جس کی طرف محمد ﷺ
دعوت دے رہے ہیں۔ یعنی تمام پیغمبروں کا دین ایک ہی رہا ہے۔ اسلام جس کی بنیادی دعوت یہ تھی کہ ایک اللہ کی
عبادت کی جائے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ ہر نبی نے سب سے پہلے اپنی قوم کو یہی دعوت توحید
واخلاص پیش کی ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُولٍ إِلَّا نَحْنُ إِلَهُ أَلَمْ تَعْلَمُوا﴾ (الأنبياء: ۲۰) ہم نے
آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کو یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تم سب میری ہی عبادت
کرو۔ اسی کو قرآن میں اللہ بھی کہا گیا ہے۔ جیسا کہ سورہ شوریٰ کی آیت ۱۳ ﴿تَبَارَكَ الَّذِي مَلَأَ الْفُجَّارَ مِنَ الْبَنِي إِسْرَءِيلَ مَا وَدَّعُوا وَبَدَّلُوا

(۳) چنانچہ انہوں نے تورات میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا جس طرح بعد میں لوگوں نے کیا۔

(۴) کہ یہ کتاب کی بیشی سے محفوظ ہے اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

(۵) یعنی لوگوں سے ڈر کر تورات کے اصل احکام پر وہ مت ڈالو نہ دنیا کے تھوڑے سے مفادات کے لیے ان میں رد
وبدل کرو۔

(۶) پھر تم کیسے ایمان کے بدلے کفر پر راضی ہو گئے ہو؟

كَفَّارَةً لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٣٥﴾

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ مِّمَّا مَّصَدَّقَ آيَاتِنَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾

بدلہ ہے،^(۱) پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے، اور جو لوگ اللہ کے ناز کے ہوئے کے مطابق حکم نہ کریں، وہی لوگ ظالم ہیں۔^(۲) (۳۵) اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والے تھے^(۳) اور ہم نے انہیں انجیل عطا فرمائی جس میں نور اور ہدایت تھی اور وہ اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی

(۱) جب تورات میں جان کے بدلے جان اور زخموں میں قصاص کا حکم دیا گیا تھا تو پھر یہودیوں کے ایک قبیلے، بنو نضیر کا دوسرے قبیلے (بنو قریظہ) کے ساتھ اس کے برعکس معاملہ کرنا اور اپنے مقتول کی ریت دوسرے قبیلے کے مقتول کی بہ نسبت دوگنا رکھنے کا کیا جواز ہے؟ جیسا کہ اس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزری۔

(۲) یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جس قبیلے نے مذکورہ فیصلہ کیا تھا، یہ اللہ کے نازل کردہ حکم کے خلاف تھا اور اس طرح انہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا۔ گویا انسان اس بات کا مکلف ہے کہ وہ احکامات الہی کو اپنائے، اسی کے مطابق فیصلے کرے اور زندگی کے تمام معاملات میں اس سے رہنمائی حاصل کرے، اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو بارگاہ الہی میں ظالم تصور ہو گا، فاسق تصور ہو گا اور کافر تصور ہو گا۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے تینوں نفاذ استعمال کر کے اپنے غضب اور ناراضگی کا بھرپور اظہار فرمادیا۔ اس کے بعد بھی انسان اپنے ہی خود ساختہ قوانین یا اپنی خواہشات ہی کو اہمیت دے تو اس سے زیادہ بد قسمتی کیا ہوگی؟

ملحوظہ: علمائے اصولیین نے لکھا ہے کہ پچھلی شریعت کا حکم، اگر اللہ نے برقرار رکھا ہے تو ہمارے لیے بھی اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور اس آیت میں بیان کردہ حکم غیر منسوخ ہے اس لیے یہ بھی شریعت اسلامیہ ہی کے احکام ہیں جیسا کہ احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اسی طرح احادیث سے ﴿التَّقْوَىٰ يَٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ (جان، بدلے جان کے) کے عموم سے دو صورتیں خارج ہوں گی۔ کہ کوئی مسلمان اگر کسی کافر کو قتل کر دے تو قصاص میں اس کافر کے بدلے مسلمان کو، اسی طرح غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، فتح الباری و نیل الاوطار وغیرہ)

(۳) یعنی انبیائے سابقین کے فوراً بعد، متصل ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا جو اپنے سے پہلے نازل شدہ کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے، اس کی تکذیب کرنے والے نہیں، جو اس بات کی دلیل تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے بچے رسول ہیں اور اسی اللہ کے فرستادہ ہیں جس نے تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی، تو اس کے باوجود بھی یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی بلکہ ان کی تکفیر اور تنقیص و اہانت کی۔

تصدیق کرتی تھی اور وہ سراسر ہدایت و نصیحت تھی پارہا
لوگوں کے لئے۔^(۱) (۳۶)

اور انجیل والوں کو بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ
انجیل میں نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق حکم کریں^(۲) اور
جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ سے ہی حکم نہ کریں وہ (بدکار)
فاسق ہیں۔ (۳۷)

اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتب نازل
فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی
ہے اور ان کی محافظ ہے۔^(۳) اس لئے آپ ان کے
آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے

وَلِيَعْلَمَ أَهْلُ الْاِنْجِيلِ بِمَا اَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَمَنْ كَفَرَ بِمَا
اَنْزَلَ اللَّهُ فَاولئك هم الفاسقون ﴿۳۷﴾

وَاَنْزَلْنَا اَيْنِكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
الْكِتَابِ وَمُهَيِّئًا عَلَيْهِ قَوْلَكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللَّهُ
وَلَا تَسْتَفْتِيَهُمْ فَاَنْتَ عَنَّا جَاهِلٌ ذَا الَّذِي الْحَقُّ لِحُكْمِنَا

(۱) یعنی جس طرح تورات اپنے وقت میں لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ تھی۔ اسی طرح انجیل کے نزول کے بعد اب
یہی حیثیت انجیل کو حاصل ہو گئی اور پھر قرآن کریم کے نزول کے بعد تورات و انجیل اور دیگر صحیفہ آسمانی پر عمل
منسوخ ہو گیا اور ہدایت و نجات کا واحد ذریعہ قرآن کریم رہ گیا اور اسی پر اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں کا سلسلہ ختم فرمادیا۔
یہ گویا اسی بات کا اعلان ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی فلاح و کامیابی اسی قرآن سے وابستہ ہے۔ جو اس
سے جڑ گیا، سرخورد رہے گا۔ جو کٹ گیا ناکامی و نامرادی اس کا مقدر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ”وحدت ادیان“ کا فلسفہ
بکسر غلط ہے، حق ہر دور میں ایک ہی رہا ہے، متعدد نہیں۔ حق کے سوا دوسری چیزیں باطل ہیں۔ تورات اپنے دور کا حق
تھی، اس کے بعد انجیل اپنے دور کا حق تھی انجیل کے نزول کے بعد تورات پر عمل کرنا جائز نہیں تھا۔ اور جب قرآن
نازل ہو گیا تو انجیل منسوخ ہو گئی، انجیل پر عمل کرنا جائز نہیں رہا اور صرف قرآن ہی واحد نظام عمل اور نجات کے لئے
قابل عمل رہ گیا۔ اس پر ایمان لائے بغیر یعنی نبوت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو تسلیم کئے بغیر نجات ممکن نہیں۔ مزید
ملاحظہ ہو، سورہ بقرہ آیت ۶۳ کا حاشیہ۔

(۲) اہل انجیل کو یہ حکم اس وقت تک تھا جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ تھا۔ نبی مصلحؑ کی بعثت کے
بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دور نبوت بھی ختم ہو گیا۔ اور انجیل کی پیروی کا حکم بھی۔ اب ایماندار وہی سمجھا جائے گا جو
رسالت محمدی پر ایمان لائے گا اور قرآن کریم کی اتباع کرے گا۔

(۳) ہر آسمانی کتاب اپنے سے ماقبل کتاب کی مصدق رہی ہے جس طرح قرآن پچھلی تمام کتابوں کا مصدق ہے اور
تصدیق کا مطلب ہے کہ یہ ساری کتابیں فی الواقع اللہ کی نازل کردہ ہیں۔ لیکن قرآن مصدق ہونے کے ساتھ ساتھ
مُتَنَبِّہٌ (محافظ، امین، شاہد اور حاکم) بھی ہے۔ یعنی پچھلی کتابوں میں چونکہ تحریف و تغیر بھی ہوئی ہے اس لئے قرآن کا
فیصلہ ناطق ہو گا جس کو یہ صحیح قرار دے گا وہی صحیح ہے۔ باقی باطل ہے۔

إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَأَعْلَمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ كَافِرِينَ
بَعْضُ دُئُوبِهِمْ ذُلُّ كَثِيرٍ مِّنَ النَّاسِ
كَفِيَّةٌ ۝

أَعْلَمَ الْمَاهِلَةَ يَبْقُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ
حُكْمًا الْقَوْمُ يُؤْتُونَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَالْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أُولَٰئِكَ
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَاِنَّهُ مِنْهُمْ
إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

کے اتارے ہوئے کسی حکم سے اور ادھر نہ کریں، اگر
یہ لوگ منہ پھیر لیں تو یقین کریں کہ اللہ کا ارادہ یہی ہے
کہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے ہی ڈالے
اور اکثر لوگ نافرمان ہی ہوتے ہیں۔ (۳۹)

کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں (۱) یقین
رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور
حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟۔ (۵۰)

اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ (۲) یہ تو
آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (۳) تم میں
سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک
انہی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست
نہیں دکھاتا۔ (۵) (۵۱)

(۱) اب قرآن اور اسلام کے سوا سب جاہلیت ہے، کیا یہ اب بھی روشنی اور ہدایت (اسلام) کو چھوڑ کر جاہلیت ہی کے
مٹلاشی اور طالب ہیں؟ یہ استفہام، انکار اور توہین کے لیے ہے اور ”فا“ لفظ مقدر پر عطف ہے اور معنی ہیں ”و بغير صون
عن حُكْمِكَ يَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَتَتَوَلَّوْنَ هَٰٓؤُلَاءِ بَنَتُوا حُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ“ ”تیرے اس فیصلے سے جو اللہ نے تجھ پر
ناز کیا ہے یہ اعراض کرتے اور پیٹھ پھیرتے ہیں اور جاہلیت کے طریقوں کے مٹلاشی ہیں“ (فتح القدیر)

(۲) حدیث میں آتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا ((اَنْتُمْ النَّاسُ اِلَى اللَّهِ غَرْ وَحَلَّ ثَلَاثَةٌ شَتَمَ فِي الْإِسْلَامِ شَتَا الْجَاهِلِيَّةِ،
و طَابَ ذِمَّ امْرِئٍ مَعَهُ حَقٌّ لِّرَبِّهِ دِمَةٌ)) (صحیح بخاری۔ کتاب الدیات) ”اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص وہ
ہے جو اسلام میں جاہلیت کے طریقے کا مٹلاشی ہو اور جو ناحق کسی کا خون بہانے کا طالب ہو“

(۳) اس میں یہود و نصاریٰ سے موالات و محبت کا رشتہ قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے جو اسلام کے اور مسلمانوں کے
دشمن ہیں اور اس پر اتنی سخت وعید بیان فرمائی کہ جو ان سے دوستی رکھے گا وہ انہی میں سے سمجھا جائے گا۔ (مزید دیکھیے
سورۃ آل عمران آیت ۲۸ اور آیت ۸۸ کا ماحشر)

(۴) قرآن کی اس بیان کردہ حقیقت کا مشاہدہ ہر شخص کر سکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا اگرچہ آپس میں عقائد کے لحاظ سے
شدید اختلاف اور باہمی بغض و عناد ہے، لیکن اس کے باوجود یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک دوسرے کے معاون
بازو اور محافظ ہیں۔

(۵) ان آیات کی شان نزول میں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت انصاریؓ، اور رئیس المنافقین عبد اللہ
بن ابی دونوں ہی عہد جاہلیت سے یہود کے حلیف چلے آ رہے تھے۔ جب بدر میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو عبد اللہ

فَقَرَأَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضًا يُسَارِعُونَ فِيهِمْ
يَقُولُونَ نَحْشَى أَنْ تُصِيبَنَا آيَةٌ فَفَعَلَ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ
بِالْفَتْحِ وَأَوَّامِتٍ وَعِنْدَهُ فَيْضُ الْمَوْلَاةِ مَا أَسْرَوْا
فِي الْفَتْحِ مِنْهُمْ نَبِيِّنَ ﴿٥١﴾

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهْلَاءَ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِأَنَّهُ
جَهْدُ أَيَّامِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَّا كَانُوا خَطَّ أَهْلَاءَهُمْ
فَأَصْبَحُوا خَبِيرِينَ ﴿٥٢﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي
اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ذَلِكُمْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعْرَافًا

آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے ^(۱) وہ
دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں
خطرہ ہے، ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے ^(۲) بہت
محکم ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے۔ ^(۳) یا اپنے پاس
سے کوئی اور چیز لائے ^(۴) پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی
ہوئی باتوں پر (بے طرح) تادم ہونے لگیں گے۔ (۵۱)

اور ایمان والے کہیں گے، کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے
مبالغہ سے اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم
تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال غارت ہوئے اور یہ
ناکام ہو گئے۔ (۵۲)

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر
جائے ^(۵) تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ
کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی ^(۶)

بن ابی نے بھی اسلام کا اظہار کیا۔ اور بنو قینقاع کے یہودیوں نے تھوڑے ہی دنوں بعد فتنہ برپا کیا اور وہ کس لئے گئے،
جس پر حضرت عبادہ بن جحش نے تو اپنے یہودی حلیفوں سے اعلان براءت کر دیا۔ لیکن عبد اللہ بن ابی نے اس کے برعکس
یہودیوں کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

(۱) اس سے مراد نفاق ہے۔ یعنی منافقین یہودیوں سے محبت اور دوستی میں جلدی کر رہے ہیں۔

(۲) یعنی مسلمانوں کو شکست ہو جائے اور اس کی وجہ سے ہمیں بھی کچھ نقصان اٹھانا پڑے۔ یہودیوں سے دوستی ہوگی تو
ایسے موقع پر ہمارے بڑے کام آئے گی۔

(۳) یعنی مسلمانوں کو۔

(۴) یہود و نصاریٰ پر جزیہ عائد کر دے یہ اشارہ ہے بنو قریظہ کے قتل اور ان کی اولاد کے قیدی بنانے اور بنو نضیر کی جلا
وطنی وغیرہ کی طرف، جس کا وقوع مستقبل قریب میں ہی ہوا۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق فرمایا، جس کا وقوع نبی کریم ﷺ کی وفات کے فوراً بعد ہوا۔ اس فتنہ ارتداد کے
خاتمے کا شرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو حاصل ہوا۔

(۶) مرتدین کے مقابلے میں جس قوم کو اللہ تعالیٰ کھڑا کرے گا ان کی ۴ نمایاں صفات بیان کی جا رہی ہیں۔ ۱۔ اللہ سے
محبت کرنا اور اس کا محبوب ہونا۔ ۲۔ اہل ایمان کے لیے نرم اور کفار پر سخت ہونا۔ ۳۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ ۴۔ اور

عَلَى الْكَافِرِينَ، يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تَخَافُوهَ
لَوْمَةً لَّابِيهٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ
وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝

وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں
گے کفار پر، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت
کرنے والے کی ملامت کی پروا بھی نہ کریں گے،^(۱) یہ
ہے اللہ تعالیٰ کا فضل جسے چاہے دے، اللہ تعالیٰ بڑی
وسعت والا اور زبردست علم والا ہے۔ (۵۴)

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ
الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ ذُكُّوا ۝

(مسلمانو!) تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اس کا رسول
ہے اور ایمان والے ہیں^(۲) جو نمازوں کی پابندی کرتے
ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع (خشوع و
خضوع) کرنے والے ہیں۔ (۵۵)

وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ
اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور
مسلمانوں سے دوستی کرے، وہ یقین مانے کہ اللہ تعالیٰ کی
جماعت ہی غالب رہے گی۔^(۳) (۵۶)

اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت سے نہ ڈرنا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان صفات اور خوبیوں کا مظہر اتم
تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت کی سعادتوں سے مشرف فرمایا اور دنیا میں ہی اپنی رضامندی کی سند سے نواز
دیا۔

(۱) یہ ان اہل ایمان کی چوتھی صفت ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت و فرماں برداری میں انہیں کسی ملامت کرنے والے کی
لامت کی پروا نہ ہوگی۔ یہ بھی بڑی اہم صفت ہے۔ معاشرے میں جن برائیوں کا جلن عام ہو جائے، ان کے خلاف
نکی پر استقامت اور اللہ کے حکموں کی اطاعت اس صفت کے بغیر ممکن نہیں۔ ورنہ کتنے ہی لوگ ہیں جو برائی، معصیت
الہی اور معاشرتی خرابیوں سے اپنا دامن بچانا چاہتے ہیں لیکن ملامت گروں کا مقابلہ کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتے۔
نتیجتاً وہ ان برائیوں کی دندل سے نکل نہیں پاتے اور حق و باطل سے بچنے کی توفیق سے محروم ہی رہتے ہیں۔ اسی لیے
آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کو مذکورہ صفات حاصل ہو جائیں تو یہ اللہ کا ان پر خاص فضل ہے۔

(۲) جب یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع فرمایا گیا تو اب اس سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ پھر وہ دوستی کن سے کریں؟
فرمایا کہ اہل ایمان کے دوست سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول ہیں اور پھر ان کے ماننے والے اہل ایمان ہیں۔
آگے ان کی مزید صفات بیان کی جا رہی ہیں۔

(۳) یہ حِزْبُ اللہ (اللہ کی جماعت) کی نشاندہی اور اس کے غلبے کی نوید سنائی جا رہی ہے۔ حزب اللہ وہی ہے جس کا
تعلق صرف اللہ، رسول اور مومنین سے ہو اور کافروں، مشرکوں اور یہود و نصاریٰ سے چاہے وہ ان کے قریبی رشتے دار

مسلمانو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو
بہی کھیل بنائے ہوئے ہیں (خواہ) وہ ان میں سے ہوں جو
تم سے پہلے کتاب دیئے گئے یا کفار ہوں^(۱) اگر تم مومن
ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ (۵۷)

اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو وہ اسے بہی کھیل
فہمرا لیتے ہیں۔^(۲) یہ اس واسطے کہ بے عقل
ہیں۔ (۵۸)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا الَّذِينَ يَكُونُوا أَوْلِيَاءَ الَّذِينَ كَفَرُوا
وَأُولَئِكَ أَوْلِيَاءُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَأَلْبَسُوا عَلَيْهِمُ الْمَنَاقِبَ
وَمَا فِي قُلُوبِهِم مِّنْ حَقٍّ لِّئَلَّا يُصِلُوا إِلَى حَتٍّ وَلِيُكَلِّمُوا
بِهِمُ السَّادَۃَ ۚ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ﴿٥٧﴾

وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوا مِنْكُمْ هَضْبَةً وَمِنْهُمْ
فُتْرَةٌ يَوْمَ الْمَعْيَادِ ﴿٥٨﴾

ہوں، وہ محبت و موالیات کا تعلق نہ رکھیں۔ جیسا کہ سورۃ مجادلہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ ”تم اللہ اور یوم آخرت پر
ایمان رکھنے والوں کو ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ ایسے لوگوں سے محبت رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہوں“
چاہے وہ ان کے باپ ہوں، ان کے بیٹے ہوں، ان کے بھائی ہوں یا ان کے خاندان اور قبیلے کے لوگ ہوں ”پھر خوشخبری
دی گئی کہ ”یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان ہے اور جنہیں اللہ کی مدد حاصل ہے“ انہیں ہی اللہ تعالیٰ جنت میں
داخل فرمائے گا..... اور یہی حزب اللہ ہے، کامیابی جس کا مقدر ہے۔“ (سورۃ مجادلہ آخری آیت)

(۱) اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ اور کفار سے مشرکین مراد ہیں۔ یہاں پھر یہی تاکید کی گئی ہے کہ دین کو کھیل مذاق بنانے
والے چونکہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں، اس لیے ان کے ساتھ اہل ایمان کی دوستی نہیں ہونی چاہیے۔

(۲) حدیث میں آتا ہے کہ جب شیطان اذان کی آواز سنتا ہے تو گوزارتا ہوا بھاگ جاتا ہے، جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو
پھر آ جاتا ہے، تکبیر کے وقت پھر پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے، جب تکبیر ختم ہو جاتی ہے تو پھر آ کر نمازیوں کے دلوں میں
دوسے پیدا کرتا ہے۔ الحدیث اصحیح بخاری۔ کتاب الاذان، صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، شیطان ہی کی
طرح شیطان کے پروکاروں کو اذان کی آواز اچھی نہیں لگتی، اس لیے وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی
معلوم ہوا کہ حدیث رسول ﷺ بھی قرآن کی طرح دین کا مأخذ اور اسی طرح حجت ہے۔ کیونکہ قرآن نے نماز کے لیے
”نہا“ کا تو ذکر کیا ہے لیکن یہ ”نہا“ کس طرح دی جائے گی؟ اس کے الفاظ کیا ہوں گے؟ یہ قرآن کریم میں کیسے نہیں
ہے۔ یہ چیزیں حدیث سے ثابت ہیں، جو اس کی حجت اور مأخذ دین ہونے پر دلیل ہیں۔ حجت حدیث کا مطلب حدیث
کے مأخذ دین اور حجت شرعیہ ہونے کا مطلب ہے، کہ جس طرح قرآن کریم کی نص سے ثابت ہونے والے احکام و
فرائض پر عمل کرنا ضروری اور ان کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہونے والے احکام کا ماننا
بھی فرض، ان پر عمل کرنا ضروری اور ان کا انکار کفر ہے۔ تاہم حدیث کا صحیح مرفوع اور متصل ہونا ضروری ہے۔ صحیح
حدیث چاہے متواتر ہو یا آحاد، قولی ہو، فعلی ہو یا تقریری۔ یہ سب قابل عمل ہیں۔ حدیث کا خبر واحد کی بنیاد پر یا قرآن
سے زائد ہونے کی بنیاد پر یا ائمہ کے قیاس و اجتہادات کی بنیاد پر یا راوی کی عدم فقہانیت کے دعویٰ کی بنیاد پر یا عقلی

قُلْ يَٰمَعْزِلِ الْكِتَٰبِ مَلٰٓئِكَةُ ۖ إِنَّا نَقُلُّهُ ۚ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِ ۚ وَإِنَّ الْآيَاتِ لَكُمۡ لَٰفِهُونَ ۝

آپ کہہ دیجئے اے یہودیو اور نصرانیو! تم ہم سے صرف اس وجہ سے دشمنیاں کر رہے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہماری جانب نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ اس سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ایمان لائے ہیں اور اس لئے بھی کہ تم میں اکثر فاسق ہیں۔ (۵۹)

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةٍ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ لَعْنَتِهِۦ ۖ اللّٰهُ وَغَضَبَ عَلَيْهِۖ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ ۖ وَعَبَدَ الطَّاغُوتِ ۚ اُولٰٓئِكَ سَرُّ مَكَاٰنًا ۚ وَاَصْلُ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيلِ ۝

کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں؟ کہ اس سے بھی زیادہ برے اجر پانے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون ہے؟ وہ جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور اس پر وہ غصہ ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور سور بنا دیا اور جنہوں نے مجہودان باطل کی پرستش کی، یہی لوگ بدتر درجے والے ہیں اور یہی راہ راست سے بہت زیادہ بھٹکنے والے ہیں۔^(۶۰)

وَرَدَّ اِجَابَتُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوْا بِالْكَفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝

اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر لئے ہوئے ہی آئے تھے اور اسی کفر کے ساتھ ہی گئے بھی اور یہ جو کچھ چھپا رہے ہیں اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔^(۶۱)

استحالی کی بنیاد پر یا اسی قسم کے دیگر دعوؤں کی بنیاد پر رد کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ سب حدیث سے اعراض کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) یعنی تم تو (اے اہل کتاب!) ہم سے یوں ہی ناراض ہو جب کہ ہمارا قصور اس کے سوا کوئی نہیں کہ ہم اللہ پر اور قرآن کریم اور اس سے قبل اتاری گئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیا یہ بھی کوئی قصور یا عیب ہے؟ یعنی یہ عیب اور مذمت والی بات نہیں، جیسا کہ تم نے سمجھ لیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ اشتنا منقطع ہے۔ البتہ ہم تمہیں بتلاتے ہیں کہ بدترین لوگ اور گمراہ ترین لوگ، جو نفرت اور مذمت کے قابل ہیں، کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہوا اور جن میں سے بعض کو اللہ نے بندر اور سور بنا دیا اور جنہوں نے طاغوت کی پوجا کی۔ اور اس آئینے میں تم اپنا چہرہ اور کردار دیکھو کہ یہ کن کی تاریخ ہے اور کون لوگ ہیں؟ کیا یہ تم ہی نہیں ہو؟

(۲) یہ منافقین کا ذکر ہے۔ جو نبی ﷺ کی خدمت میں کفر کے ساتھ ہی آتے ہیں اور اسی کفر کے ساتھ واپس چلے جاتے ہیں، آپ ﷺ کی صحبت اور آپ کے وعظ و نصیحت کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوتا۔ کیوں کہ دل میں تو کفر چھپا ہوتا

وَقَدْ كُتِبَ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهِمْ فِي الْإِسْمِ وَالْعُدْوَانِ
وَأَكْلِهِمْ الشَّحْتِ لَيْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑤

لَوْلَا يَنْتَهُمُ الزَّالِمُونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمْ
الْإِسْمُ وَأَكْلِهِمُ الشَّحْتِ لَيْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ⑥

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلِجُوبِهَا
قَالُوا بَلْ يَدُهُ مَبْسُوطَةٌ لَيْفٌ كَيْفَ يَشَاءُ وَلَئِنْ كُنْتُمْ
مِنْهُمْ مَسْأَلُونَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَاللَّيْلَ لَيْسَ لَهُمُ
الْعُدَاوَةُ وَالْبَعْضَاءُ إِلَى يَوْمِ الْبَيْعَةِ قُلْنَا آؤُفُّوا وَأَنَارُوا

آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر گنہ گاروں کی
طرف اور ظلم و زیادتی کی طرف اور مال حرام کھانے کی
طرف لپک رہے ہیں جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ نہایت
برے کام ہیں۔ (۶۳)

انہیں ان کے عابد و عالم جھوٹ باتوں کے کہنے اور حرام
چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ بے شک برا
کام ہے جو یہ کر رہے ہیں۔ (۶۴) ①

اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے
ہیں۔ (۲) انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کے
اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اللہ تعالیٰ
کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ جس طرح چاہتا ہے
خرچ کرتا ہے اور جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی

ہے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری سے مقصد ہدایت کا حصول نہیں، بلکہ دھوکہ اور فریب دینا ہوتا ہے۔ تو
پھر ایسی حاضری سے فائدہ بھی کیا ہو سکتا ہے؟

(۱) یہ علماء مشائخ دین اور عباد و زہاد پر نکیر ہے کہ عوام کی اکثریت تمہارے سامنے فسق و فجور اور حرام خوری کا ارتکاب
کرتی ہے لیکن تم انہیں منع نہیں کرتے۔ ایسے حالات میں تمہاری یہ خاموشی بہت بڑا جرم ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے
کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کتنی اہمیت اور اس کے ترک پر کتنی سخت وعید ہے۔ جیسا کہ احادیث میں بھی یہ
مضمون وضاحت اور کثرت سے بیان کیا گیا ہے۔

(۲) یہ وہی بات ہے جو سورہ آل عمران کی آیت ۱۸۱ میں کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنی راہ میں خرچ کرنے کی
ترغیب دی اور اسے اللہ کو قرض حسن دینے سے تعبیر کیا تو ان یہودیوں نے کہا کہ ”اللہ تعالیٰ تو فقیر ہے“ لوگوں سے
قرض مانگ رہا ہے اور وہ تعبیر کے اس حسن کو نہ سمجھ سکے جو اس میں پنہاں تھا۔ یعنی سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اور اللہ
کے دیئے ہوئے میں سے کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر دینا کوئی قرض نہیں ہے۔ لیکن یہ اس کی کمال مرئی ہے کہ وہ
اس پر بھی خوب اجر عطا فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک ایک دانے کو سات سات سودانے تک بڑھا دیتا ہے۔ اور اسے قرض
حسن سے اسی لیے تعبیر فرمایا کہ جتنا تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے کئی گنا تمہیں واپس لوٹائے گا۔ مَغْلُوبَةٌ کے معنی
بِجَلَّةً (بکل واسلے) کیے گئے ہیں۔ یعنی یہود کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اللہ کے ہاتھ واقعتاً بندھے ہوئے ہیں، بلکہ ان کا
مقصد یہ تھا کہ اس نے اپنے ہاتھ خرچ کرنے سے روکے ہوئے ہیں۔ (ابن کثیر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہاتھ تو انہی کے

لِلْحَرْبِ أَطْعَمَهُمُ اللَّهُ وَسَعَوْا فِي الْأَرْضِ قَسَادًا ۖ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿۶۲﴾

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكُنَّا عَنْهُمْ سَبِيلًا ۖ
وَلَا دُخَانَ لَهُمْ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ ﴿۶۳﴾

وَلَوْ أَنَّهُمْ آتَمُوا نُزُلَهُ الْقَوْمِ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أَنزَلْنَا لَهُمْ مِنَ

جانب سے اتارا جاتا ہے وہ ان میں سے اکثر کو تو سرکشی اور کفر میں اور بڑھا دیتا ہے اور ہم نے ان میں آپس میں ہی قیامت تک کے لئے عداوت اور بغض ڈال دیا ہے، وہ جب کبھی لڑائی کی آگ کو بھڑکانا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے بڑھا دیتا ہے،^(۱) یہ ملک بحر میں شروفساد مچاتے پھرتے ہیں^(۲) اور اللہ تعالیٰ فساد یوں سے محبت نہیں کرتا۔ (۶۳) اور اگر یہ اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے^(۳) تو ہم ان کی تمام برائیاں معاف فرما دیتے اور ضرور انہیں راحت و آرام کی جنتوں میں لے جاتے۔ (۶۵)

اور اگر یہ لوگ توراۃ و انجیل اور ان کی جانب جو کچھ اللہ

بندھے ہوئے ہیں یعنی بخلی انہی کا شیوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوتے ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے۔ خرچ کرتا ہے۔ وہ ربیع الفضل اور جبریل العطاء ہے، تمام خزانے اسی کے پاس ہیں۔ نیز اس نے اپنی مخلوقات کے لئے تمام حاجات و ضروریات کا انتظام کیا ہوا ہے، ہمیں رات یا دن کو، سفر میں اور حضر میں اور دیگر تمام احوال میں جن جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے یا پڑ سکتی ہے، سب وہی مہیا کرتا ہے۔ ﴿وَالَّذِينَ مِنْ حُلَىٰ مَائِكَ الْيَوْمَ فَلَنْ تَغْلِبَهُمْ لَهُمْ جُنُودٌ فَلَا يَخْشَوْنَ﴾ (سورۃ ابراہیم ۳۴) ”تم نے جو کچھ اس سے مانگا، وہ اس نے تمہیں دیا، اللہ کی نعمتیں اتنی ہیں کہ تم گن نہیں سکتے، انسان ہی نادان اور نہایت ناشکرا ہے۔“ حدیث میں بھی ہے نبی ﷺ نے فرمایا ”اللہ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات دن خرچ کرتا ہے لیکن کوئی کی نہیں آتی، ذرا دیکھو تو، جب سے آسمان و زمین اس نے پیدا کیے ہیں وہ خرچ کر رہا ہے لیکن اس کے ہاتھ کے خزانے میں کی نہیں آئی۔۔۔ البخاری، کتاب التوحید“

باب وکان عرشہ علی الماء۔ مسلم، کتاب الوکلوۃ، باب البحث علی النعقہ

(۱) یعنی یہ جب بھی آپ کے خلاف کوئی سازش کرتے یا لڑائی کے اسباب مہیا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو باطل کر دیتا اور ان کی سازش کو انہی پر الٹا دیتا ہے اور ان کو ”چاہ کن را چاہ در پیش“ کی سی صورتحال سے دو چار کر دیتا ہے۔

(۲) ان کی عادت ثانیہ ہے کہ ہمیشہ زمین میں فساد پھیلانے کی مذموم کوششیں کرتے ہیں دراب حایکہ اللہ تعالیٰ منفدین کو پسند نہیں فرماتا۔

(۳) یعنی وہ ایمان، جس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے، ان میں سب سے اہم محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا

زِيَهُمْ لَا كُلُوا مِنْ فَوَاحِشِهِمْ وَمِنْ عَثَرِ أَرْجُلِهِمْ وَمِنْهُمْ
أُمَّةٌ مُنْتَصِفَةٌ يُدْعِيهِمْ إِلَى صِدْقٍ مِمَّا سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ لِيَعْلَمِ النَّاسُ الْآيَاتُ الَّتِي مِنْ رَبِّكَ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ
فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ

تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، ان کے پورے
پابند رہتے ^(۱) تو یہ لوگ اپنے اوپر سے اور نیچے سے
روزیاں پاتے اور کھاتے، ^(۲) ایک جماعت تو ان میں سے
درمیانہ روش کی ہے، باقی ان میں سے بہت سے لوگوں
کے برے اعمال ہیں۔ ^(۳) (۶۱)

اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی
جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ
کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی ^(۴) اور آپ کو

ہے، جیسا کہ ان پر نازل شدہ کتابوں میں بھی ان کو اس کا حکم دیا گیا ہے۔ وَاتَّقُوا اور اللہ کی معاصی سے بچتے، جن میں
سب سے اہم وہ شرک ہے جس میں وہ جتلا ہیں اور وہ مجہود ہے جو آخری رسول کے ساتھ وہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔

(۱) تورات اور انجیل کے پابند رہنے کا مطلب، ان کے ان احکام کی پابندی ہے جو ان میں انہیں دیئے گئے، اور انہی میں
ایک حکم آخری نبی پر ایمان لانا بھی تھا۔ اور وَمَا أُنزِلَ سے مراد تمام آسمانی کتب پر ایمان لانا ہے جن میں قرآن کریم بھی
شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اسلام قبول کر لیتے۔

(۲) اوپر نیچے کا ذکر یا تو بطور مبالغہ ہے، یعنی کثرت سے اور انواع و اقسام کے رزق اللہ تعالیٰ مہیا فرماتا۔ یا اوپر سے مراد
آسمان ہے یعنی حسب ضرورت خوب بارشیں برساتا اور ”نیچے“ سے مراد زمین ہے۔ یعنی زمین اس بارش کو اپنے اندر
جذب کر کے خوب پیداوار دیتی۔ نتیجتاً شادابی اور خوش حالی کا دور دورہ ہو جاتا۔ جس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا
﴿ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْعُرَى اسْتَأْذَنُوا فَاتَّقُوا اللَّهَ لَجَئْتُمْ مِنْكُمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ﴾ (الأعراف - ۹۶) اگر بستیوں والے ایمان
لائے ہوتے اور انہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہوتا تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکات کے (دروازے) کھول دیتے۔“

(۳) لیکن ان کی اکثریت نے ایمان کا یہ راستہ اختیار نہیں کیا اور وہ اپنے کفر پر مصر اور رسالت محمدی سے انکار پر اڑے
ہوئے ہیں۔ اسی اصرار اور انکار کو میں برے اعمال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ درمیانہ روش کی ایک جماعت سے مراد
عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے ۱۹۸ افراد ہیں جو یوم مدینہ میں سے مسلمان ہوئے۔

(۴) اس حکم کا مفاد یہ ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، بلا کم و کاست اور بلا خوف و ہمت، تم آپ لوگوں تک
پہنچا دیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”جو شخص یہ گمان کرے کہ نبی ﷺ نے
کچھ چھپا لیا، اس نے یقیناً جھوٹ کہا۔“ (صحیح بخاری - ۳۸۵۵) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی جب سوال کیا گیا کہ
تمہارے پاس قرآن کے علاوہ وحی کے ذریعے سے نازل شدہ کوئی بات ہے؟ تو انہوں نے قسم کھا کر نفی فرمائی اور فرمایا لَا
فَهَمًا يُغَيِّبُهُ اللَّهُ رَجُلًا (البتہ قرآن کا فہم ہے جسے اللہ تعالیٰ کسی کو بھی عطا فرمادے) (صحیح بخاری - معجم ۳ - ۱۱)

لَا تُحِبُّوا الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝

اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچالے گا^(۱) بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۶۷)

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! تم دراصل کسی چیز پر نہیں جب تک کہ تورات و انجیل کو اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے قائم نہ کرو جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے اترا ہے وہ ان میں سے بہتوں کو شرارت اور انکار میں اور بھی بڑھائے گا ہی^(۲) تو آپ ان کافروں پر غمگین نہ ہوں۔ (۶۸)

قُلْ يَاقَوْمِ الْكِتَابِ اسْمِعُوا عَلٰی شَيْءٍ مِّنْ تَقِيْمُوا التَّوْرَةَ وَالْاِنْجِيلَ وَمَا اَنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ مَا اَنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ فَطَعْنُوْا فَاَوْفَرُوْا ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ۝

اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کے ایک لاکھ یا ایک لاکھ چالیس ہزار کے جم غفیر میں فرمایا "تم میرے بارے میں کیا کہو گے؟" انہوں نے کہا (نَحْنُذُ اَنْتَ قَدْ بَقَعْتَ، وَادَّبْتَ، وَنَعَضْتَ) (ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام دیا اور ادا کر دیا اور خیر خواہی فرمادی۔) آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اَللّٰهُمَّ هَلْ بَقَعْتُ (تمن مرتبہ) یا اَللّٰهُمَّ فَاشْهَدْ (تمن مرتبہ) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ الیسی صلی اللہ علیہ وسلم، "یعنی اے اللہ! میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا تو گواہ رہ، تو گواہ رہ، تو گواہ رہ۔"

(۱) یہ حفاظت اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طریقہ پر بھی فرمائی اور دنیاوی اسباب کے تحت بھی دنیاوی اسباب کے تحت اس آیت کے نزول سے بہت قبل اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کے بچا ابو طالب کے دل میں آپ کی طبعی محبت ڈال دی اور وہ آپ کی حفاظت کرتے رہے، ان کا کفر پر قائم رہنا بھی شاید انہی اسباب کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ اگر وہ مسلمان ہو جاتے تو شاید سرداران قریش کے دل میں ان کی وہ اہمیت و عظمت نہ رہتی جو ان کے ہم مذہب ہونے کی صورت میں آخر وقت تک رہی۔ پھر ان کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض سرداران قریش کے ذریعہ پھر انصار مدینہ کے ذریعے سے آپ کا تحفظ فرمایا۔ پھر جب یہ آیت نازل ہو گئی تو آپ نے تحفظ کے ظاہری اسباب (پیرے وغیرہ) اٹھوا دیے۔ اس کے بعد بارہا غمگین خطرے پیش آئے لیکن اللہ نے حفاظت فرمائی۔ چنانچہ وحی کے ذریعے سے اللہ نے وقتاً فوقتاً یہودیوں کے مکرو کید سے مطلع فرما کر خاص خطرے کے مواقع پر بچایا اور گھمسان کی جنگوں میں کفار کے انتہائی پر خطر حملوں سے بھی آپ کو محفوظ رکھا۔ ذَلِكْ مِنْ فَضْلِهِ وَفَضْلُهُ بِمَا شَاءَ، وَلَا يَزِيْذُ قَدْرُ اللهِ وَقَصَاةُ اَحَدٍ وَلَا يَغْلِبُهُ وَهُوَ الْغَلِيْبُ الْعَلِيْمُ

(۲) یہ ہدایت اور گمراہی اس اصول کے مطابق ہے جو سنت اللہ رہی ہے۔ یعنی جس طرح بعض اعماس و اشیا سے اہل ایمان کے ایمان و تصدیق، عمل صالح اور علم نافع میں اضافہ ہوتا ہے، اسی طرح معاصی اور تہرہ سے کفر و طغیان میں

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِقُونَ وَالْفَاسِقُونَ
مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَلَىٰ صَالِحَاتٍ فَلَا حُوقَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يُعْزَلُونَ ﴿٦٩﴾

لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَارْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رَسُولًا قُلْنَا
إِذَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُهُمْ فَرِيضًا لَّذِكُمْ
وَمَا يَتَّقُونَ ﴿٧٠﴾

وَعَسَوْا إِلَّا لَوْ أَنَّهُمْ فَعَمُوا وَأَصْلَحُوا لَتَبَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
فَعَمُوا وَأَصْلَحُوا لَئِنْ رِوَيْتُهُمْ وَاللَّهُ بِصِيْرَتِهِمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧١﴾

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ

مسلمان، یہودی، ستارہ پرست اور نصرانی کوئی ہو، جو بھی
اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک
عمل کرے وہ محض بے خوف رہے گا اور بالکل بے غم
ہو جائے گا۔^(۱) (۶۹)

ہم نے بالیقین بنو اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور ان کی
طرف رسولوں کو بھیجا، جب کبھی رسول ان کے پاس وہ
احکام لے کر آئے جو ان کی اپنی فشا کے خلاف تھے تو
انہوں نے ان کی ایک جماعت کی تکذیب کی اور ایک
جماعت کو قتل کر دیا۔ (۷۰)

اور سمجھ بیٹھے کہ کوئی پکار نہ ہوگی، پس اندھے بہرے بن
بیٹھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی، اس کے بعد
بھی ان میں سے اکثر اندھے بہرے ہو گئے۔^(۲) اللہ
تعالیٰ ان کے اعمال کو بخوبی دیکھنے والا ہے۔ (۷۱)

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن

زیادتی ہوتی ہے۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمایا ہے۔ مثلاً ﴿فَلِلَّذِينَ آمَنُوا
هُدًى وَبُشْرًا وَالَّذِينَ لَا يَأْمَنُونَ بِلِلَّهِمْ وَعُقُوبَةً﴾ ﴿٦٩﴾ ﴿إِنَّمَا السَّابِقُونَ السَّابِقُونَ﴾ ﴿٧٠﴾ ﴿وَمَا يَتَّقُونَ﴾ ﴿٧١﴾
وہیجئے یہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں
گرائی (بہرائی) ہے اور یہ ان پر اندھا پن ہے۔ گرائی کے سبب ان کو (گویا) دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔
﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ الْقُرْآنِ مَاءً مَّوْشًى وَنَجَّيْنَا الْفَارُوقَ﴾ ﴿٧٢﴾ ﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ الْقُرْآنِ مَاءً مَّوْشًى وَنَجَّيْنَا الْفَارُوقَ﴾ ﴿٧٣﴾
سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان
ہی بڑھتا ہے۔

(۱) یہ وہی مضمون ہے جو سورہ بقرہ کی آیت ۶۲ میں بیان ہوا ہے، اسے دیکھ لیا جائے۔

(۲) یعنی سمجھے یہ تھے کہ کوئی سزا مرتب نہ ہوگی۔ لیکن مذکورہ اصول الہی کے مطابق یہ سزا مرتب ہوئی کہ یہ حق کے
دیکھنے سے مزید اندھے اور حق کے سننے سے مزید بہرے ہو گئے اور توبہ کے بعد پھر بھی عمل انہوں نے دہرایا ہے تو اس
کی وہی سزا بھی دوبارہ مرتب ہوئی۔

الْبَيْتِ يَذِيقُ سِرَّاهُ يَلْ اَعْبُدُ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكَوْنَا
مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَزَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ
وَمَا لَهُ لَلْكَافِرِ وَالْمُشْرِكِينَ مِنْ اَنْصَافٍ ۝

مریم علی اللہ ہے ^(۱) حالانکہ خود مسیح نے ان سے کہا تھا کہ
اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور
تمہارا سب کا رب ہے، ^(۲) یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے
ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر
دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد
کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔ ^(۳) (۷۴)

وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا، اللہ تین میں
کا تیسرا ہے، ^(۴) دراصل سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثَةٌ وَامَّا لِلَّهِ
إِلَٰهٌ وَاحِدٌ قُلْ لِمَ تَقُولُونَ لِمَنْ تَكْفُرُونَ لَيْسَ لِلَّهِ الْإِلَٰهَ الْثَلَاثَةُ كُفْرًا

(۱) یہی مضمون آیت نمبر ۱ میں بھی گزر چکا ہے۔ یہاں اہل کتاب کی گمراہیوں کے ذکر میں اس کا پھر ذکر فرمایا۔ اس میں
ان کے اس فرقے کے کفر کا اظہار ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے عین اللہ ہونے کا قائل ہے۔

(۲) چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یعنی مسیح ابن مریم علیہما السلام نے عالم شیر خوارگی میں (اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب کہ
بچے اس عمر میں قوت گوئی نہیں رکھتے) سب سے پہلے اپنی زبان سے اپنی عبودیت ہی کا اظہار فرمایا، ﴿إِلٰہِیْ سُبْحٰنَکَ اَللّٰہُ﴾
اشہی الکتاب وجعلنی نبیا ﴿۱﴾ سورہ مریم ۳۰، ”میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں“ مجھے اس نے کتاب بھی عطا
کی ہے، ”حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ نہیں کہا، میں اللہ ہوں یا اللہ کا بیٹا ہوں۔ صرف یہ کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔
اور عمر کولت میں بھی انہوں نے یہی دعوت دی ﴿إِنَّ اللّٰهَ رَاقٍ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ﴾ ﴿۱﴾ (آل عمران ۵۱)
یہ وہی الفاظ ہیں جو ماں کی گود میں بھی کہے تھے (ملاحظہ ہو سورہ مریم ۳۶) اور جب قیامت کے قریب ان کا آسمان
سے نزول ہو گا، جس کی خبر صحیح احادیث میں دی گئی ہے اور جس پر اہل سنت کا اجماع ہے، تب بھی وہ نبی مریم کی
تعمید کے مطابق لوگوں کو اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت کی طرف ہی بلائیں گے، نہ کہ اپنی عبادت کی طرف۔

(۳) حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی بندگی اور رسالت کا اظہار اللہ کے حکم اور مشیت سے اس وقت بھی فرمایا تھا جب وہ ماں
کی گود میں یعنی شیر خوارگی کی حالت میں تھے۔ پھر سن کولت میں یہ اعلان فرمایا۔ اور ساتھ ہی شرک کی شاعت و قباہت بھی
بیان فرمادی کہ مشرک پر جنت حرام ہے اور اس کا کوئی مددگار بھی نہیں ہو گا جو اسے جہنم سے نکال دے، جیسا کہ مشرکین سمجھتے ہیں۔
(۴) یہ عیسائیوں کے دوسرے فرقے کا ذکر ہے جو تین خداؤں کا قائل ہے، جن کو وہ آقاہم ثلاثہ کہتے ہیں۔ ان کی تعبیر و
تشریح میں اگرچہ خود ان کے مابین اختلاف ہے۔ تاہم صحیح بات یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ، انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ
السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہما السلام کو بھی الہ (معبود) قرار دے لیا ہے، جیسا کہ قرآن نے صراحت کی ہے،
اللہ تعالیٰ قیامت والے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گا۔ ﴿وَلَقَدْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکِیْنِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ ذُوْنَ اَلْحَمْدِ﴾

مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑤

نہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہ رہے تو ان میں سے جو کفر پر رہیں گے، انہیں المناک عذاب ضرور پہنچے گا۔ (۷۳)

یہ لوگ کیوں اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں جھکتے اور کیوں استغفار نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ تو بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے۔ (۷۴)

مسح ابن مریم سوا پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں، اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں^(۱) دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے،^(۲) آپ دیکھئے کہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے ہیں پھر غور کیجیے کہ کس طرح وہ پھرے جاتے ہیں۔ (۷۵)

آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے کسی نقصان کے مالک ہیں نہ کسی نفع کے اللہ

أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑥

مَا أَلَمَسَهُ مِنْهُمْ إِلَّا بِرَسُولٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأَنَّهُ هَدَىٰ نَبِيَّهُ مَكَانَ بَابِ الْأَيْمَنِ الْفَلَاحِ أَنْظُرْ كَيْفَ يُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ لِنُظَرِ أَلَىٰ يَوْمَئِذٍ ⑦

فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي هُوَ مَلِكٌ قَدِيمٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأَلَمَسَهُ اللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ⑧

(المائدة - ۶) کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالینا؟ اس سے معلوم ہوا کہ یحییٰ اور مریم، علیہما السلام ان دونوں کو عیسائوں نے الہ بنایا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں تین میں کا تیرا کہلایا، پسے عقیدے کی طرح اللہ تعالیٰ نے اسے بھی کفر سے تعبیر فرمایا۔

(۱) حَبِيبَةُ کے معنی مومنہ اور ولیدہ کے ہیں یعنی وہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں اور ان کی تصدیق کرنے والوں میں سے تھیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بیٹہ (پیغمبر) نہیں تھیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں کو وہ ہم ہوا ہے اور انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام سمیت حضرت سارہ (ام اسحاق علیہ السلام) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بیٹہ قرار دیا ہے۔ استدلال اس بات سے کیا ہے کہ اول الذکر دونوں سے فرشتوں نے آکر گفتگو کی اور حضرت ام موسیٰ کو خود اللہ تعالیٰ نے وحی کی۔ یہ گفتگو اور وحی نبوت کی دلیل ہے۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ دلیل ایسی نہیں جو قرآن کی نص صریح کا مقابلہ کر سکے۔ قرآن نے صراحت کی ہے کہ ہم نے جتنے رسول بھی بھیجے وہ مرد تھے۔ (سورہ یوسف - ۱۰۹)

(۲) یہ حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام دونوں کی الوہیت (الہ ہونے) کی نفی اور بشریت کی دلیل ہے۔ کیونکہ کھانا پینا، یہ انسانی حوائج و ضروریات میں سے ہے۔ جو الہ ہو وہ تو ان چیزوں سے ماوراء الملک و راء الوراء ہوتا ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْتَوُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ
وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ
وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ
وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا

ہی خوب سنئے اور پوری طرح جاننے والا ہے۔ (۷۶)

کہہ دیجئے اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو اور
زیادتی نہ کرو (۳) اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی
پیروی نہ کرو جو پہلے سے بہک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا
بھی چکے ہیں (۴) اور سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔ (۷۷)
بنی اسرائیل کے کافروں پر (حضرت) داود (علیہ السلام)
اور (حضرت) عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی زبانی لعنت
کی گئی (۵) اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد
سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ (۷۸)

آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے

(۱) یہ مشرکوں کی کم عقلی کی وضاحت کی جا رہی ہے کہ ایسوں کو انہوں نے معبود بنا رکھا ہے جو کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ
نقصان، بلکہ نفع نقصان پہنچاتا تو کہا، وہ تو کسی کی بات سننے اور کسی کا حال جاننے کی ہی قدرت نہیں رکھتے۔ یہ قدرت
صرف اللہ ہی کے اندر ہے۔ اس لیے حاجت روا مشکل کشا بھی صرف وہی ہے۔

(۲) یعنی اتباع حق میں حد سے تجاوز نہ کرو اور جن کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے، اس میں مبالغہ کر کے انہیں منصب نبوت سے اٹھا
کر مقام ابوبیت پر فائز مت کرو، جیسے حضرت مسیح علیہ السلام کے معاملے میں تم نے کیا۔ غلو ہر دور میں شرک اور گمراہی کا سب
ب سے بڑا ذریعہ رہا ہے۔ انسان کو جس سے عقیدت و محبت ہوتی ہے، وہ اس کی شان میں خوب مبالغہ کرتا ہے۔ وہ امام اور دینی
قائد ہے تو اس کو پیغمبر کی طرح معصوم سمجھتا اور پیغمبر کو خدائی صفات سے متصف ماننا عام بات ہے، بد قسمتی سے مسلمان بھی اس
غلو سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ انہوں نے بعض ائمہ کی شان میں بھی غلو کیا اور ان کی رائے اور قول، حتیٰ کہ ان کی طرف
منسوب فتویٰ اور فقہ کو بھی حدیث رسول ﷺ کے مقابلے میں ترجیح دے دی۔

(۳) یعنی اپنے سے پہلے لوگوں کے پیچھے مت لگو، جو ایک نبی کو الہ بنا کر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔
(۴) یعنی زبور میں جو حضرت داود علیہ السلام پر اور انجیل میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور اب یہی لعنت
قرآن کریم کے ذریعے سے ان پر کی جا رہی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ لعنت کا مطلب اللہ کی
رحمت اور خیر سے دوری ہے۔

(۵) یہ لعنت کے اسباب ہیں ۱- عصیان، یعنی واجبات کا ترک اور محرمات کا ارتکاب کر کے۔ انہوں نے اللہ کی نافرمانی
کی ۲- اور اغیاءۃ، یعنی دین میں غلو اور بدعات ایجاد کر کے انہوں نے حد سے تجاوز کیا۔

يَفْعَلُونَ ①

تھے روکتے نہ تھے^(۱) جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا۔ (۷۹)

ان میں سے بہت سے لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں جو کچھ انہوں نے اپنے لیے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت برا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔^(۲) (۸۰)

اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور نبی پر اور جو نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان ہوتا تو یہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے، لیکن ان میں کے اکثر لوگ فاسق ہیں۔^(۳) (۸۱)

یقیناً آپ ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے^(۴) اور ایمان والوں سے سب

تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَئِنْ لَمْ يَنْقُضِ اللَّهُ لَهُمْ آبَتَهُمْ أَنْ يَكُونُوا مِلًّا عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ لَهُمْ خُلْدٌ ۝

وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِآلِهَتِهِمْ وَآلِهَتِهِمْ مَا اتَّخَذُوا آلِهَتَهُمْ آلِهَةً وَلَئِنْ كُنْتُمْ إِذْ تَقُولُونَ لَمْ تَجِدُوا لَكُمْ مِنَ النَّاسِ عِدَاوَةً إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِالْهُدَىٰ ۝

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْهُدَىٰ وَلَمْ يَجِدُوا لَكُمْ مِنَ النَّاسِ عِدَاوَةً إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِالْهُدَىٰ ۝

(۱) اس پر متضاد یہ کہ وہ ایک دوسرے کو برائی سے روکتے نہیں تھے۔ جو بجائے خود ایک بہت بڑا جرم ہے۔ بعض مفسرین نے اسی ترک نہی کو حصیان اور اعتدال قرار دیا ہے جو لعنت کا سبب بنا۔ ہر حال دونوں صورتوں میں برائی کو دیکھتے ہوئے برائی سے نہ روکنا بہت بڑا جرم اور لعنت و غضب الہی کا سبب ہے۔ حدیث میں بھی اس جرم پر بڑی سخت وعیدیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ”سب سے پہلا نقص جو بنی اسرائیل میں داخل ہوا یہ تھا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو برائی کرتے ہوئے دیکھتا تو کہتا اللہ سے ڈر اور یہ برائی چھوڑ دے“ یہ تیرے لیے جائز نہیں۔ لیکن دوسرے روز پھر اسی کے ساتھ اسے کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے میں کوئی عاری یا شرم محسوس نہ ہوتی (یعنی اس کا ہم نوالہ وہم ہمالہ اور ہم نشین بن جاتا) درآں حالیکہ ایمان کا تقاضا اس سے نفرت اور ترک تعلق تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان آپس میں عداوت ڈال دی اور وہ لعنت الہی کے مستحق قرار پائے پھر فرمایا کہ ”اللہ کی قسم! تم ضرور لوگوں کو نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکا کرو“ ظالم کا ہاتھ پکڑ لیا کرو (ورنہ تمہارا حال بھی یہی ہو گا)۔۔۔۔۔“ (الحصن: أبو داؤد۔ کتاب الصلاح ص ۳۳۶، ایک دوسری روایت میں اس فریضے کے ترک پر یہ وعید سنائی گئی ہے کہ تم عذاب الہی کے مستحق بن جاؤ گے پھر تم اللہ سے دعائیں بھی مانگو گے تو قبول نہیں ہوں گی۔) (مسند احمد جلد ۵۔ ص ۳۸۸)

(۲) یہ اہل کفر سے دوستانہ تعلق کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہو اور اسی ناراضی کا نتیجہ جہنم کا دائمی عذاب ہے۔

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے اندر صحیح مسنون میں ایمان ہو گا وہ کافروں سے کبھی دوستی نہیں کرے گا۔

(۴) اس لیے کہ یہودیوں کے اندر عداوت و خود حق سے اعراض و استکبار اور اہل علم و ایمان کی تفتیش کا جذبہ بہت زیادہ

لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ذَٰلِكَ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ كَفَرُوا
لَا يَسْتَلْذِقُونَ ۝

سے زیادہ دوستی کے قریب آپ یقیناً انہیں پائیں گے جو
اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں 'یہ اس لیے کہ ان میں علما
اور عبادت کے لیے گوشہ نشین افراد پائے جاتے ہیں اور
اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔' (۸۲)

جاتا ہے 'یہی وجہ ہے کہ نبیوں کا قتل اور ان کی تکذیب ان کا شعار رہا ہے' حتیٰ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے قتل
کی بھی کئی مرتبہ سازش کی 'آپ ﷺ پر جادو بھی کیا اور ہر طرح نقصان پہنچانے کی مذموم سعی کی۔ اور اس معاملے میں
مشرکین کا حال بھی یہی ہے۔

(۱) دُھبَان سے مراد نیک 'عبادت گزار اور گوشہ نشین لوگ اور قَبِيْلَيْن سے مراد علما و خطباء ہیں 'یعنی ان عیسائیوں
میں علم و تواضع ہے' اس لیے ان میں یہودیوں کی طرح محمود و استکبار نہیں ہے۔ علاوہ ازیں دین مسیحی میں نرمی اور
غفور درگزر کی تعلیم کو امتیازی حیثیت حاصل ہے 'حتیٰ کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ کوئی تمہارے دائیں رخسار پر
مارے تو بائیں رخسار بھی اس کو پیش کر دو۔ یعنی لڑومت۔ ان وجوہ سے یہ مسلمانوں کے 'بہ نسبت یہودیوں کے زیادہ
قریب ہیں۔ عیسائیوں کا یہ وصف یہودیوں کے مقابلے میں ہے۔ تاہم جہاں تک اسلام و خشنی کا تعلق ہے 'کم و بیش کے
کچھ فرق کے ساتھ 'اسلام کے خلاف یہ عناد عیسائیوں میں بھی موجود ہے' جیسا کہ صلیب و ہلال کی صدیوں پر محیط
معرکہ آرائی سے واضح ہے اور جس کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔ اور اب تو اسلام کے خلاف یہودی اور عیسائی دونوں ہی
مل کر سرگرم عمل ہیں۔ اسی لیے قرآن نے دونوں سے ہی دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنُهُمْ
تَفِيضٌ مِنَ الدَّمْعِ وَمَا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا اسْكُنَا
وَلَكِنَّا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝

وَمَا كُنَّا لَأَن نُلْمِهُمْ بِأَنَّهُمْ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا
رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ۝

اور جب وہ رسول کی طرف نازل کردہ (کلام) کو سنتے ہیں تو
آپ ان کی آنکھیں آنسو سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس
سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا وہ کہتے ہیں کہ اے
ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے پس تو ہم کو بھی ان لوگوں
کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرتے ہیں۔ (۸۳)

اور ہمارے پاس کون سا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو
حق ہم کو پہنچا ہے اس پر ایمان نہ لائیں اور ہم اس بات
کی امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی
رفاقت میں داخل کر دے گا۔ (۸۳)

(۱) جیشے میں 'جہاں مسلمان کی زندگی میں دو مرتبہ ہجرت کر کے گئے۔ اَضْحَمَةُ نجاشی کی حکومت تھی یہ عیسائی مملکت
تھی۔ یہ آیات جیشے میں رہنے والے عیسائیوں ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں تاہم روایت کی رو سے نبی ﷺ نے
حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ کو اپنا مکتوب دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا جو انہوں نے جا کر اسے سنایا 'نجاشی نے وہ
مکتوب سن کر جیشے میں موجود مساجد میں اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کو اپنے پاس بلایا اور اپنے علماء اور عباد و زہاد
(قبیلین) کو بھی جمع کر لیا پھر حضرت جعفرؓ کو قرآن کریم پڑھنے کا حکم دیا۔ حضرت جعفرؓ نے سورۃ مریم پڑھی
جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اعجازی ولادت اور ان کی عبدیت و رسالت کا ذکر ہے جسے سن کر وہ بڑے متاثر
ہوئے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور ایمان لے آئے۔ بعض کہتے ہیں کہ نجاشی نے اپنے کچھ علمانی مسلمانوں کے
پاس بھیجے تھے جب آپ ﷺ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا تو بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور
ایمان لے آئے۔ (فتح القدیر) آیات میں قرآن کریم سن کر ان پر جو اثر ہوا اس کا نقش کھینچا گیا ہے اور ان کے ایمان لانے
کا ذکر ہے قرآن کریم میں بعض اور مقامات پر اس قسم کے عیسائیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ﴿ثُمَّ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ لَقَدْ
يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خَشَعُوا أَصْنَانَهُمْ﴾ (سورۃ آل عمران ۱۰۱) "یقیناً اہل کتاب میں کچھ ایسے لوگ
بھی ہیں جو اللہ پر اور اس کتاب پر جو تم پر نازل ہوئی اور اس پر جو ان پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے
عاجزی کرتے ہیں" وغیرہا میں الآیات اور حدیث میں آتا ہے کہ جب نجاشی کی موت کی خبر نبی ﷺ کو پہنچی تو آپ
ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ جیشے میں تمہارے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے اس کی نماز جنازہ پڑھو! چنانچہ ایک صحرا
میں آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ (غائبانہ) ادا فرمائی۔ صحیح بخاری: مناقب الأنصار و کتاب الجہاد۔
صحیح مسلم: کتاب الجہاد، ایک اور حدیث میں ایسے اہل کتاب کی بابت جو نبی ﷺ کی نبوت پر ایمان لائے
بتلایا گیا ہے کہ انہیں دو گنا اجر ملے گا (بخاری: کتاب العلم و کتاب السکاح)

فَأَنذَرَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَذِبَ نَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَلِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْمُفْسِدِينَ ۝

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّجْمِ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَبِيبَ مَا حَلَلَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا سَاءَ أَتَقُوا اللَّهَ الْذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝

اس لئے ان کو اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی وجہ سے ایسے باغ دے گا جن کے نیچے سرس جاری ہوں گی یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے۔ (۸۵)
اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلاتے رہے وہ لوگ دوزخ والے ہیں۔ (۸۶)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو ^(۱) اور حد سے آگے مت نکلو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۸۷)

اور اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ (۸۸)

(۱) حدیث میں آتا ہے ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آکر کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! جب میں گوشت کھاتا ہوں تو نفسانی شہوت کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس لئے میں نے اپنے اوپر گوشت حرام کر لیا ہے، جس پر آیت نازل ہوئی۔ صحیح ترمذی۔ لائسنس، جلد ۳ ص ۱۳۹ اسی طرح سبب نزول کے علاوہ دیگر روایات سے ثابت ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم زہد و عبادت کی غرض سے بعض حلال چیزوں سے (مثلاً عورت سے نکاح کرنے، رات کے وقت سونے، دن کے وقت کھانے پینے سے) اجتناب کرنا چاہتے تھے۔ نبی ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے انہیں منع فرمایا۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی بیوی سے کنارہ کشی اختیار کی ہوئی تھی، ان کی بیوی کی شکایت پر آپ ﷺ نے انہیں بھی اس سے روکا۔ (کتب حدیث) بہر حال اس آیت اور احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ کسی بھی چیز کو حرام کر لینا یا اس سے ویسے ہی پرہیز کرنا جائز نہیں ہے چاہے اس کا تعلق ماکروت و مشروبات سے ہو یا لباس سے ہو یا مرغوبات و جائز خواہشات سے۔

مسئلہ:- اس طرح اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے گا تو وہ حرام نہیں ہوگی، سوائے عورت کے۔ البتہ اس صورت میں بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا ہو گا اور بعض کے نزدیک کفارہ ضروری نہیں۔ امام شوکانی کہتے ہیں کہ احادیث صحیحہ سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے کسی کو بھی کفارہ یمین ادا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے قسم کا کفارہ بیان فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی حلال چیز کو حرام کر لینا، یہ قسم کھانے کے مرتبے میں ہے جو تکفیر (یعنی کفارہ ادا کرنے) کا مستقاضی ہے۔ لیکن یہ استدلال احادیث صحیحہ کی موجودگی میں محل نظر ہے۔ فالصَّحِيحُ مَا قَالَهُ الشَّوْكَانِيُّ

لَا يُؤْخَذُكُمْ اللَّهُ بِالْعُثُوفِ أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤْخَذُكُمْ
بِمُعْذَتِكُمُ الْإِنْسَانِ لَكَفَّارَتُهُ أَطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ
مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَذْكَو ثَمَرًا أَوْ عَجِزَ رِقَبَةٍ
فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ
إِذَا احْتَلْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ
آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ①

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْغَنَمُ وَالْبَقَرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَاجُ
رِجْسٌ مِنْ عَيْنِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ②

اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں میں لغو قسم پر تم سے مواخذہ
نہیں فرماتا لیکن مواخذہ اس پر فرماتا ہے کہ تم جن قسموں
کو مضبوط کر دو۔^(۱) اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا
ہے اوسط درجے کا جو اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو^(۲)
ان کو کپڑا دینا^(۳) یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا ہے^(۴)
اور جس کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں^(۵) یہ
تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم قسم کھاؤ اور اپنی
قسموں کا خیال رکھو! اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے
اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔ (۸۹)

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جو اور تھان اور
فال نکالنے کے پانے کے تیرے سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں

(۱) قسم جس کو عربی میں حلف یا بیعت کہتے ہیں جن کی جمع اخلاف اور ایمان ہے تین قسم کی ہیں۔ ۱۔ لغو ۲۔ عموماً ۳۔
مُعْذَتٌ لغو: وہ قسم ہے جو انسان بات بات میں عادتاً بغیر ارادہ اور نیت کے کھاتا رہتا ہے۔ اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔
عموماً: وہ جمعی قسم ہے جو انسان دھوکہ اور فریب دینے کے لئے کھائے۔ یہ کبیرہ گناہ بلکہ اکبر الکبائر ہے۔ لیکن اس پر
کفارہ نہیں۔ مُعْذَتٌ وہ قسم ہے جو انسان اپنی بات میں تاکید اور پختگی کے لئے ارادۃً اور نیتاً کھائے ایسی قسم اگر توڑے
گا تو اس کا وہ کفارہ ہے جو آگے آیت میں بیان کیا جا رہا ہے۔

(۲) اس کھانے کی مقدار میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے اس لئے اختلاف ہے۔ البتہ امام شافعی نے اس حدیث سے
استدلال کرتے ہوئے جس میں رمضان میں روزے کی حالت میں بیوی سے ہم بستری کرنے والے کے کفارہ کا ذکر ہے
ایک ۷ (تقریباً ۱۰/چھٹانک) فی مسکین خوراک قرار دی ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے اس شخص کو کفارۃً جمع ادا کرنے کے
لئے ۱۵ صاع کھجوریں دی تھیں جنہیں ساتھ مسکینوں پر تقسیم کرنا تھا۔ ایک صاع میں ۳ ½ ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے
بغیر سالن کے دس مسکینوں کے لئے دس ۷ (یعنی سوا چھ سیرا چھ کلو) خوراک کفارہ ہوگی۔ (ابن کثیر)

(۳) لباس کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بظاہر مراد جوڑا ہے جس میں انسان نماز پڑھ سکے۔ بعض علما خوراک اور
لباس دونوں کے لئے عرف کو معتبر قرار دیتے ہیں۔ (حاشیہ ابن کثیر تحت آیت زیر بحث)

(۴) بعض علما قتل خطا کی دیت پر قیاس کرتے ہوئے لونڈی غلام کے لئے ایمان کی شرط عائد کرتے ہیں۔ امام شوکانی کہتے
ہیں آیت میں عموم ہے مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے۔

(۵) یعنی جس کو نہ کوہ تینوں چیزوں میں سے کسی کی طاقت نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے یہ روزے اس کی قسم
کا کفارہ ہو جائیں گے۔ بعض علما پے درپے روزے رکھنے کے قائل ہیں اور بعض کے نزدیک دونوں طرح جائز ہیں۔

رَتَمًا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ
فِي اَنْفُسِكُمْ وَالشَّيْرُ وَيَصُدُّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ
اَنْتُمْ فَاهِقُونَ ﴿۹۰﴾

وَاطِيعُوا اللّٰهَ وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا اَنْ تَوَلُّوْهُ عَصَا اللّٰهِ
عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلَدَةُ الْمُهَيِّیْ ﴿۹۱﴾

لَيْسَ عَلَی الْاَیْمٰنِ اَمْنٌ وَّاعْمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا ظَهَرُوا
اِذَا مَا اتَّقَوْا وَاْمُنُوْا بِعِلْمِ الصّٰلِحٰتِ تَبَرَّأْتُمْ اَنْفُسِكُمْ وَاْمُنُوْا تَتَّقُوا

ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو۔ (۹۰)

شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے
سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کرا دے
اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے (۹۰)
اب بھی باز آ جاؤ۔ (۹۱)

اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی
اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو۔ اگر اعراض کرو گے
تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف
صاف پہنچانا ہے۔ (۹۲)

ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے
ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے

(۱) یہ شراب کے بارے میں تیسرا حکم ہے۔ پہلے اور دوسرے حکم میں صاف طور پر ممانعت نہیں فرمائی گئی۔ لیکن یہاں
اسے اور اس کے ساتھ 'جوا پرستش' گاہوں یا تھانوں اور فال کے تیروں کو جس (پلیدی) اور شیطانی کام قرار دے کر صاف
لفظوں میں ان سے اجتناب کا حکم دے دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت میں شراب اور جوا کے مزید نقصانات بیان کر
کے سوال کیا گیا ہے کہ اب بھی باز آؤ گے یا نہیں؟ جس سے مقصود اہل ایمان کی آزمائش ہے۔ چنانچہ جو اہل ایمان تھے
وہ تو نشانے الٹی سمجھ گئے اور اس کی قطعی حرمت کے قائل ہو گئے۔ اور کہا اَنْتَبٰہًا رَبَّنَا "اے رب ہم باز آ گئے"
(مسند احمد جلد ۲، صفحہ ۳۵) لیکن آج کل کے بعض "دانثور" کہتے ہیں کہ اللہ نے شراب کو حرام کہاں قرار دیا
ہے؟

ہر اس عمل و دانش پیلیدہ گریست

یعنی شراب کو جس (پلیدی) اور شیطانی عمل قرار دے کر اس سے اجتناب کا حکم دینا نیز اس اجتناب کو باعث فلاح قرار
دینا ان "مجتہدین" کے نزدیک حرمت کے لئے کافی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک پلیدی کام بھی جائز ہے
شیطانی کام بھی جائز ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ اجتناب کا حکم دے 'وہ بھی جائز ہے اور جس کی بابت کہے کہ اس کا
ار کتاب عدم فلاح اور اس کا ترک فلاح کا باعث ہے 'وہ بھی جائز ہے۔ اِنَّا هَدٰی وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰاجِعُوْنَ۔

(۲) یہ شراب اور جوا کے مزید معاشرتی اور دینی نقصانات ہیں جو محتاج وضاحت نہیں ہیں۔ اسی لئے شراب کو ام
النجائث کہا جاتا ہے اور جوا بھی ایسی بری لت ہے کہ یہ انسان کو کسی کام کا نہیں چھوڑتی اور بسا اوقات رئیس زادوں اور
پشتینی جاگیرداروں کو مفلس و فلاش بنا دیتی ہے۔ اَعَادَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ۔

وَأَحْسِنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۳﴾

ہوں جبکہ وہ لوگ تقویٰ رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیزگاری کرتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیزگاری کرتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں، اللہ ایسے نیکو کاروں سے محبت رکھتا ہے۔^(۱) (۹۳)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ قدرے شکار سے تمہارا امتحان کرے گا^(۲) جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے^(۳) تاکہ اللہ تعالیٰ معلوم کر لے کہ کون شخص اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے سو جو شخص اس کے بعد حد سے نکلے گا اس کے واسطے دروناک سزا ہے۔ (۹۴)

اے ایمان والو! (وحشی) شکار کو قتل مت کرو جب کہ تم حالت احرام میں ہو۔^(۴) اور جو شخص تم میں سے اس کو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْلُغُوا إِلَى الْقَصِيدِ أَن تَبْكُوا يَدًا وَمَا حُلْمٌ يَعْلَمُهُ اللَّهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ فَالْقَبِيلَ قَبِيلٌ وَتَعْدَ ذَلِكَ قَلِيلٌ ۚ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۹۴﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الْقِصِدَ وَنَأْتُمْ حُرْمًا مِمَّنْ قَدْ تَلَكَّوْا فَتَعْتَدُ وَفَجَّرَ مِثْلَ مَا قَتَلْتُمْ بَيْنَ الْغَيْمِ يُجْلَوْنَ بِهِ ذُرَا عَنَّا

(۱) حرمت شراب کے بعد بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ہمارے کئی ساتھی جنگوں میں شہید یا ویسے ہی فوت ہو گئے۔ جب کہ وہ شراب پیتے رہے ہیں۔ تو اس آیت میں اس شبہ کا ازالہ کر دیا گیا کہ ان کا خاتمہ ایمان و تقویٰ پر ہی ہوا ہے کیونکہ شراب اس وقت تک حرام نہیں ہوئی تھی۔

(۲) شکار عربوں کی معاش کا ایک اہم عنصر تھا اس لئے حالت احرام میں اس کی ممانعت کر کے ان کا امتحان لیا گیا۔ خاص طور پر مدینہ میں قیام کے دوران کثرت سے شکار صحابہ رضی اللہ عنہم کے قریب آتے، لیکن انہی ایام میں ان ۴ آیات کا نزول ہوا جن میں اس سے متعلق احکام بیان فرمائے گئے۔

(۳) قریب کا شکار یا چھوٹے جانور عام طور پر ہاتھ ہی سے پکڑ لئے جاتے ہیں اور دور کے یا بڑے جانوروں کے لئے تیر اور نیزے استعمال ہوتے تھے۔ اس لئے صرف ان دونوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن مراد یہ ہے کہ جس طرح بھی اور جس چیز سے بھی شکار کیا جائے، احرام کی حالت میں ممنوع ہے۔

(۴) اہم شافعی نے اس سے مراد، صرف ان جانوروں کا قتل لیا ہے جو ماکول اللحم ہیں یعنی جو کھانے کے کام میں آتے ہیں۔ دوسرے بری جانوروں کا قتل وہ جائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن جمہور علما کے نزدیک اس میں کوئی تفریق نہیں، ماکول اور غیر ماکول دونوں قسم کے جانور اس میں شامل ہیں۔ البتہ ان موذی جانوروں کا قتل جائز ہے جن کا استئصال احادیث میں آیا ہے اور وہ پانچ ہیں کوا، چیل، بچھو، چوہا اور باؤلا کتا۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما یسد للبحر

يَتْلُوهُ هَذِهِ الْكَلْبَةُ أَوْ كَفَّارَةُ طَعَامِ مَسْكِينٍ أَوْ عَدَلٍ
ذَلِكَ صِيَامًا لِلدُّنَى وَبِالْأَمْرِ عَمَّا لِلَّهِ عَمَلَتْ وَمَنْ عَادَ
فَيَنْتَقِ اللَّهَ مِنْهُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ⑤

جان بوجھ کر قتل کرے گا^(۱) تو اس پر فدیہ واجب ہو گا جو
کہ مساوی ہو گا اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا
ہے^(۲) جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں^(۳)
خواہ وہ فدیہ خاص چوپایوں میں سے ہو جو نیاز کے طور پر
کعبہ تک پہنچایا جائے^(۴) اور خواہ کفارہ مساکین کو دے
دیا جائے اور خواہ اس کے برابر روزے رکھ لئے
جائیں^(۵) تاکہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے، اللہ

وغیرہ فضلہ من الدواب فی الحلال والحرم، وموطا امام مالک، حضرت نافع سے سانپ کے بارے میں سواں کیا گیا
تو انہوں نے فرمایا، اس کے قتل میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔ (ابن کثیر) اور امام احمد اور امام مالک اور دیگر علما نے
بھیڑے، درندے، چیتے اور شیر کو کلب عتور (کاننے والے کتے) میں شامل کر کے حالت احرام میں ان کے قتل کی بھی
اجازت دی ہے۔ (ابن کثیر)

(۱) ”جان بوجھ کر“ کے الفاظ سے بعض علما نے یہ استدلال کیا ہے کہ بغیر ارادہ کے یعنی بھوں کر قتل کر دے تو اس کے
لئے فدیہ نہیں ہے۔ لیکن جمہور علما کے نزدیک بھول کر یا غلطی سے بھی قتل ہو جائے تو فدیہ واجب ہو گا۔ متعینہذا کی قید
غالب احوال کے اعتبار سے ہے بطور شرط نہیں ہے۔

(۲) مساوی جانور (یا اس جیسے جانور) سے مراد خلقت یعنی قد و قامت میں مساوی ہونا ہے۔ قیمت میں مساوی ہونا نہیں
ہے، جیسا کہ احناف کا مسلک ہے۔ مثلاً اگر ہرن کو قتل کیا ہے تو اس کی مثل (مساوی) بکری ہے۔ گائے کی مثل نیل
گائے ہے۔ وغیرہ۔ ابتہ جس جانور کا مثل نہ مل سکا ہو وہاں اس کی قیمت بطور فدیہ لے کر مکہ پہنچادی جائے گی۔

(۳) کہ مقتول جانور کی مثل (مساوی) فلاں جانور ہے اور اگر وہ غیر مثل ہے یا مثل دستیاب نہیں ہے تو اس کی اتنی
قیمت ہے۔ اس قیمت سے غلہ خرید کر مکہ کے مساکین میں فی مسکین ایک مد کے حساب سے تقسیم کر دیا جائے گا۔ احناف
کے نزدیک فی مسکین دو مد ہیں۔

(۴) یہ فدیہ، جانور یا اس کی قیمت کعبہ پہنچائی جائے گی اور کعبہ سے مراد حرم ہے، (فتح القدیر) یعنی ان کی تقسیم حرم مکہ
کی حدود میں رہنے والے مساکین پر ہوگی۔

(۵) او (یا) تحبیر کے لئے ہے یعنی کفارہ، اطعام مساکین ہو یا اس کے برابر روزے۔ دونوں میں سے کسی ایک پر عمل
کرنا جائز ہے۔ مقتول جانور کے حساب سے طعام میں جس طرح کی بیشی ہوگی، روزوں میں بھی کی بیشی ہوگی۔ مثلاً
محرم (احرام والے) نے ہرن قتل کیا ہے تو اس کی مثل بکری ہے، یہ فدیہ حرم مکہ میں ذبح کیا جائے گا، اگر یہ نہ ملے
تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک قول کے مطابق چھ مساکین کو کھانا یا تین دن کے روزے رکھنے ہوں گے، اگر اس نے بارہ
سنگھا، سا بھریا اس جیسا کوئی جانور قتل کیا ہے تو اس کی مثل گائے ہے، اگر یہ دستیاب نہ ہو یا اس کی طاقت نہ ہو تو بیس

تعالیٰ نے گزشتہ کو معاف کر دیا اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا تو اللہ انتقام لے گا اور اللہ زیر دست ہے انتقام لینے والا۔ (۹۵)

تمہارے لئے دریا کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے۔^(۱) تمہارے فائدہ کے واسطے اور مسافروں کے واسطے اور خشکی کا شکار پکڑنا تمہارے لئے حرام کیا گیا ہے جب تک تم حالت احرام میں رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔ (۹۶)

اللہ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دے دیا اور عزت والے مہینہ کو بھی اور حرم میں قربانی ہونے والے جانور کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے ہوں^(۲) یہ اس لئے تاکہ تم اس بات کا یقین کرو کہ بے شک اللہ تمام آسمانوں اور زمین کے اندر کی چیزوں کا علم رکھتا ہے اور بے شک اللہ سب چیزوں کو خوب جانتا ہے۔ (۹۷)

أَجَلٌ لَّكُمْ صَيْدٌ، أَبْحَرُ وَطَعْمُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلَيْتَارَةً وَخَيْرٌ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا ذُمَّهُ حَرُمًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي فِي إِلَهِيهِ تُخْشَرُونَ ﴿۹۶﴾

جَعَلَ اللَّهُ لِلْكَعْبَةِ الْبَيْتِ الْحَرَامِ فِيمَا بَيْنَ النَّاسِ وَالشَّهَرِ الْحَرَامِ وَالْمَهْدَى وَالْقَلْبَةَ الْكَلْبَةَ ذَلِكَ لِيَنْتَعِلُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۹۷﴾

مسکین کو کھانا یا مہینے دن کے روزے رکھنے ہوں گے۔ یا ایسا جانور (شتر مرغ یا گور خرو وغیرہ) قتل کیا ہے جس کی مثل اونٹ ہے تو اس کی عدم دستیابی کی صورت میں ۳۰ مسکین کو کھانا یا ۳۰ دن کے روزے رکھنے ہوں گے۔ (ابن کثیر)

(۱) صَبْدٌ سے مراد زندہ جانور اور طَعْمٌ سے مراد وہ مردہ (مچھلی وغیرہ) ہے جسے سمندر یا دریا باہر پھینک دے یا پانی کے اوپر آجائے۔ جس طرح کہ حدیث میں بھی وضاحت ہے کہ سمندر کا مردار حلال ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ تفسیر ابن کثیر اور نیل الاوطار وغیرہ)

(۲) کعبہ کو ایست الحرام اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی حدود میں شکار کرنا درخت کا ٹٹا وغیرہ حرام ہیں۔ اسی طرح اس میں اگر باپ کے قاتل سے بھی سامنا ہو جاتا تو اس سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ اسے قِتَامًا لِلنَّاسِ (لوگوں کے قیام اور گزران کا باعث) قرار دیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اس کے ذریعے سے اہل مکہ کا نظم و انصرام بھی صحیح ہے اور ان کی معاشی ضروریات کی فراہمی کا ذریعہ بھی ہے۔ اسی طرح حرمت والے مہینے (رجب ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم) اور حرم میں جانے والے جانور (حدی اور قلائد) بھی قِتَامًا لِلنَّاسِ ہیں کہ تمام چیزوں سے بھی اہل مکہ کو مذکورہ فوائد حاصل ہوتے تھے۔

تم یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ سزا بھی سخت دینے والا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا بھی ہے۔ (۹۸) رسول کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو۔ (۹۹)

آپ فرما دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں گو آپ کو ناپاک کی کثرت بھلی لگتی ہو ^(۱) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اسے عقل مند و ناکم تم کامیاب ہو۔ (۱۰۰) اسے ایمان والو ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں اور اگر تم زندہ نزد قرآن میں ان باتوں کو پوچھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی ^(۲) سوالات گزشتہ اللہ نے معاف کر دیئے اور اللہ بڑی مغفرت والا بڑے حلم والا ہے۔ (۱۰۱) ایسی باتیں تم سے پہلے اور لوگوں نے بھی پوچھی تھیں پھر ان باتوں کے منکر ہو گئے۔ ^(۳) (۱۰۲)

إِعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۹۸﴾

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿۹۹﴾

قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَتْ كَثَرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أَهْلَ الْأَنْبَاءِ لَعَلَّكُمْ تُفْحَشُونَ ﴿۱۰۰﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسْأَلُوا وَإِنْ تُسْأَلُوا عَنْهَا حَتَّى يُقَالَ الْفَرَانِ تَبْذُلُوا لَكُمْ عَقَبًا اللَّهُ عَقَبَهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۱۰۱﴾

قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ﴿۱۰۲﴾

(۱) خبیث (ناپاک) سے مراد حرام یا کافرا گناہ گار یا ردی۔ طیب (پاک) سے مراد حلال یا مومن یا فرماں بردار اور عمدہ چیز ہے یا یہ سارے ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس چیز میں خبیث (ناپاک) ہوگی وہ کفر ہو، فسق و فجور ہو، اشیا و اقوال ہوں، کثرت کے باوجود وہ ان چیزوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے جن میں پاکیزگی ہو۔ یہ دونوں کسی صورت میں برابر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ خبیث کی وجہ سے اس چیز کی منفعت اور برکت ختم ہو جاتی ہے جب کہ جس چیز میں پاکیزگی ہو گی اس سے اس کی منفعت اور برکت میں اضافہ ہو گا۔

(۲) یہ ممانعت نزول قرآن کے وقت تھی۔ خود نبی ﷺ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کو زیادہ سوالات کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ”مسلمانوں میں وہ سب سے بڑا مجرم ہے جس کے سوال کرنے کی وجہ سے کوئی چیز حرام کر دی گئی درآں حالیکہ اس سے قبل وہ حلال تھی۔“ اصحیح بخاری، نمبر ۲۸۹۷، صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب توقیرہ ﷺ وتركہ ﷺ (کشاف و سوال)۔

(۳) کہیں اس کو تابی کے مرکب تم بھی نہ ہو جاؤ۔ جس طرح ایک مرتبہ نبی ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے“ ایک شخص نے سوال کیا؟ ”کیا ہر سال؟“ آپ ﷺ خاموش رہے، اس نے تین مرتبہ سوال دہرایا، پھر آپ

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَلِيمَةٍ وَلَا وَهْلَةٍ وَلَا حَامٍ
وَلَكِنَّ الْبُيُوتَ كَفَرُوا يَعْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبُ
وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۰۳﴾

اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وھیلہ کو اور نہ حام کو^(۱) لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے۔ (۱۰۳)

مفسرین نے فرمایا کہ ”اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور اگر ایسا ہو جاتا تو ہر سال حج کرنا تمہارے لئے ممکن نہ ہوتا۔“ (صحیح مسلم، کتاب الحج حدیث نمبر ۳۱۲) و مسند أحمد، سنن أبی داود، نسائی، ابن ماجہ اسی لئے بعض مفسرین نے عَفَا اللَّهُ عَنْهَا کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ جس چیز کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں نہیں کیا ہے، پس وہ ان چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ نے معاف کر دیا ہے۔ پس تم بھی ان کی بابت خاموش رہو، جس طرح وہ خاموش رہا۔ (ابن کثیر) ایک حدیث میں نبی ﷺ نے اس مضموم کو بایں الفاظ بیان فرمایا: دَرَوْسَ تَرَكْنَاهُ، فَإِنَّمَا أَهْلَكْتَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَثْرَةُ سُؤَالِهِمْ، وَأَخْتِلَافُهُمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ (صحیح مسلم، کتاب رِجَالِ مَدَنُوكِ) ”تمہیں جن چیزوں کی بابت نہیں بتایا گیا، تم مجھ سے ان کی بابت سوال مت کرو، اس لئے کہ تم سے پہلی امتوں کی ہلاکت کا سبب ان کا کثرت سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف بھی تھا۔“

(۱) یہ ان جانوروں کی قسمیں ہیں جو اہل عرب اپنے بتوں کی نذر کر دیا کرتے تھے۔ ان کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ حضرت سعید بن مسیبؒ سے صحیح بخاری میں اس کی تفسیر حسب ذیل نقل کی گئی ہے۔ نَحِيرَةُ وہ جانور جس کا دودھ دوہنا چھوڑ دیا جاتا اور کہا جاتا کہ یہ بتوں کے لئے ہے۔ چنانچہ کوئی شخص اس کے تھنوں کو ہاتھ نہ لگاتا۔ سَائِبَةُ وہ جانور جسے وہ بتوں کے لئے آزاد چھوڑ دیتے تھے اسے نہ سواری کے لئے استعمال کرتے نہ بار برداری کے لئے۔ وَصْبَةُ وہ اونٹنی جس سے پہلی مرتبہ مادہ پیدا ہوتی اور اس کے بعد پھر دوبارہ بھی مادہ ہی پیدا ہوتی۔ (یعنی ایک مادہ کے بعد دوسری مادہ مل گئی، ان کے درمیان کسی نہ سے تفریق نہیں ہوتی) ایسی اونٹنی کو بھی وہ بتوں کے لئے آزاد چھوڑ دیتے تھے اور حَام وہ زاونٹ ہے جس کی نسل سے کئی بچے ہو چکے ہوتے۔ (اور نسل کافی بڑھ جاتی) تو اس سے بھی بار برداری یا سواری کا کام نہ لیتے اور بتوں کے لئے چھوڑ دیتے اور اسے وہ حامی کہتے۔“ اسی روایت میں یہ حدیث بھی بیان کی گئی ہے کہ سب سے پہلے بتوں کے جانور آزاد چھوڑنے والا شخص عمرو بن عامر خزاعی تھا۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ ”میں نے اسے جہنم میں انٹریاں کھینچتے ہوئے دیکھا“ (صحیح بخاری۔ تفسیر سورة الصافات، آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو اس طرح مشروع نہیں کیا ہے، کیونکہ اس نے تو نذر و نیاز صرف اپنے لیے خاص کر رکھی ہے۔ بتوں کے لئے یہ نذر و نیاز کے طریقے مشرکوں نے ایجاد کئے ہیں اور بتوں اور معبودان باطل کے نام پر جانور چھوڑنے اور نذر و نیاز پیش کرنے کا یہ سلسلہ آج بھی مشرکوں میں بلکہ بہت سے نام نہاد مسلمانوں میں بھی قائم و جاری ہے۔ آمَّا ذَٰلِكَ اللَّهُ مِنْهُ

وَرَدَّاقِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا
حَسْبُنَا مَا عَلَى آبَائِنَاِ أَوَّلُ كَانَ أَيْأُوهُمْ لَافَعُونَ
سَيِّئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ①

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام
نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول کی طرف رجوع
کرو تو کہتے ہیں کہ ہم کو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے
بڑوں کو پایا، کیا اگرچہ ان کے بڑے نہ کچھ سمجھ رکھتے
ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔ (۱۰۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا تَقُولُوا مَن صَلَّٰ إِذَا
اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ فَرَحْنَاهُمْ فِيمَا كُنْتُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ②

اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب تم راہِ راست پر چل
رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے اس سے تمہارا کوئی نقصان
نہیں۔^(۱) اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے پھر وہ تم
سب کو تلاوے گا جو کچھ تم سب کرتے تھے۔ (۱۰۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةٌ بَيْنَكُمْ إِذَا
جِئْتُمُ الْوَعْدَةَ اثْنَيْنِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ خَيْرٍ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ
أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ الْأَرْضُ فَاصَّابَتْكُمْ مُّصِيبَةُ الْوَعْدِ

اے ایمان والو! تمہارے آپس میں دو شخص کا گواہ ہونا
مناسب ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے اور
وصیت کرنے کا وقت ہو وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار
ہوں خواہ تم میں سے ہوں^(۲) یا غیر لوگوں میں سے دو

(۱) بعض لوگوں کے ذہن میں ظاہری الفاظ سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ اپنی اصلاح اگر کر لی جائے تو کافی ہے۔ امر بالمعروف
ونہی عن المنکر ضروری نہیں ہے۔ لیکن یہ مطلب صحیح نہیں ہے کیونکہ امر بالمعروف کا فریضہ بھی نہایت اہم ہے۔ اگر
ایک مسلمان یہ فریضہ ہی ترک کر دے گا تو اس کا تارک ہدایت پر قائم رہنے والا کب رہے گا؟ جب کہ قرآن نے اِذَا
اهْتَدَيْتُمْ (جب تم خود ہدایت پر چل رہے ہو) کی شرط عائد کی ہے۔ اسی لئے جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں
یہ بات آئی تو انہوں نے فرمایا کہ ”لوگو! تم آیت کو غلط جگہ استعمال کر رہے ہو“ میں نے تو نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا
ہے کہ ”جب لوگ برائی ہوتے ہوئے دیکھ لیں اور اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے
عذاب کی گرفت میں لے لے“ (مسند احمد، جلد ۱ ص ۵۷۷، ص ۵۷۸، مسند ابوداؤد، ص ۴۳۸) اس لئے آیت
کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تمہارے سمجھانے کے باوجود اگر لوگ نیکی کا راستہ اختیار نہ کریں یا برائی سے باز نہ آئیں تو
تمہارے لئے یہ نقصان وہ نہیں ہے جب کہ تم خود نیکی پر قائم اور برائی سے مجتنب ہو۔ البتہ ایک صورت میں امر
بالمعروف ونہی عن المنکر کا ترک جائز ہے کہ جب کوئی شخص اپنے اندر اس کی طاقت نہ پائے اور اس سے اس کی جان کو
خطرہ ہے۔ اس صورت میں فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ کے تحت اس کی گنجائش ہے۔ آیت
بھی اس صورت کی متحمل ہے۔

(۲) ”تم میں سے ہوں“ کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے ہوں اور بعض نے کہا ہے کہ مؤمن

تَحْسَبُوهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَخَبِيرِينَ يَأْتِيهِ إِنْ ارْتَبْتُمْ
لَا تَشْتَرِي بِهِ نَفْسًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَلَا تَكْتُمُ شَهَادَةً
الَّتِي أَنْتَ آدَارُهَا بَيْنَ الْأَشْيَاءِ ۝

فحص ہوں اگر تم کہیں سفر میں گئے ہو اور تمہیں موت
آجائے^(۱) اگر تم کو شبہ ہو تو ان دونوں کو بعد نماز روک دو
پھر دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اس قسم کے عوض
کوئی نفع نہیں لینا چاہتے^(۲) اگرچہ کوئی قرابت دار بھی ہو
اور اللہ تعالیٰ کی بات کو ہم پوشیدہ نہ کریں گے، ہم اس
حالت میں سخت گنہگار ہوں گے۔ (۱۰۶)

وَإِنْ عُدَّتُمْ عَلَىٰ أَنْتُمْ اسْتَعْمَلُوا شِرَارَ مَا تَعْمَلُونَ يَوْمَ مَقَامِهِمَا
مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَیٰنَ فَيَقْبِضُونَ يَأْتِيهِ
لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا إِلَّا لِلَّذِیْنَ
لَیْسَ الظُّلُمَاتِ ۝

پھر اگر اس کی اطلاع ہو کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے
مرکب ہوئے ہیں^(۳) تو ان لوگوں میں سے جن کے
مقابلہ میں گناہ کا ارتکاب ہوا تھا اور دو شخص جو سب میں
قریب تر ہیں جہاں وہ دونوں کھڑے ہوئے تھے^(۴) یہ
دونوں کھڑے ہوں پھر دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ
بایقین ہماری یہ قسم ان دونوں کی اس قسم سے زیادہ
راست ہے اور ہم نے ذرا تجاوز نہیں کیا، ہم اس حالت
میں سخت ظالم ہوں گے۔ (۱۰۷)

(وصیت کرنے والے) کے قبیلے سے ہوں۔ اسی طرح ﴿الْأَخْرَجَ مِنْ خَیْطِهِ﴾ میں دو مفہوم ہوں گے یعنی من خَیْطِهِ سے
مراد یا غیر مسلم (اہل کتاب) ہوں گے یا موصی کے قبیلے کے علاوہ کسی اور قبیلے سے۔

(۱) یعنی سفر میں کوئی ایسا شدید بیمار ہو جائے کہ جس سے زندہ نہ بچنے کی امید نہ ہو تو وہ سفر میں دو عادل گواہ بنا کر جو وصیت
کرنا چاہے کر دے۔

(۲) یعنی مرنے والے مؤمن کے ورثہ کو شک پڑ جائے کہ ان اوصیاء نے مال میں خیانت یا تبدیلی کی ہے تو وہ نماز کے بعد
یعنی لوگوں کی موجودگی میں ان سے قسم لیں اور وہ قسم کھا کے کہیں ہم اپنی قسم کے عوض دنیا کا کوئی فائدہ حاصل نہیں کر
رہے ہیں۔ یعنی جمہوری قسم نہیں کھا رہے ہیں۔

(۳) یعنی جمہوری قسمیں کھائیں ہیں۔

(۴) اُولَیِّیْنَ، اُولَیِّیْنَ کا تفسیر ہے، مراد ہے میت یعنی موصی (وصیت کرنے والے) کے قریب ترین دو رشتے دار ﴿وَمِنَ
الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ﴾ کا مطلب یہ ہے جن کے مقابلے پر گناہ کا ارتکاب ہوا تھا یعنی جمہوری قسم کا ارتکاب کر کے ان کو
سننے والا مال ہزپ کر یا تھا۔ اُولَیِّیْنَ یہ یا تو مِمَّا مَبْتَدَا مَحْذُوف کی خبر ہے یا یَقْبِضُونَ یا أَخْرَجَ کی ضمیر سے بدل ہے۔ یعنی
یہ دو قریبی رشتے دار ان کی جمہوری قسموں کے مقابلے میں اپنی قسم دیں گے۔

ذَلِكَ أَذَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ وَجْهِهَا وَيَخْلُقُوا أَنْ
تُرَدَّ أَيْمَانُ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ وَأَنْفَعُوا اللَّهَ وَأَسْمَعُوا اللَّهَ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

یہ قریب ذریعہ ہے اس امر کا کہ وہ لوگ واقعہ کو ٹھیک
طور پر ظاہر کریں یا اس بات سے ڈر جائیں کہ ان سے
قسمیں لینے کے بعد قسمیں الٹی پڑ جائیں گی^(۱) اور اللہ
تعالیٰ سے ڈرو اور سنو! اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو
ہدایت نہیں کرتا۔ (۱۰۸)

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِّبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ
لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝

جس روز اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو جمع کرے گا پھر ارشاد
فرمائے گا کہ تم کو کیا جواب ملا تھا وہ عرض کریں گے کہ
ہم کو کچھ خبر نہیں^(۲) تو ہی بے شک پوشیدہ باتوں کو پورا
جاننے والا ہے۔ (۱۰۹)

(۱) یہ اس فائدے کا ذکر ہے جو اس حکم میں پنہاں ہے جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے وہ یہ کہ یہ طریقہ اختیار کرنے میں اوسیا
صحیح صحیح گواہی دیں گے کیونکہ انہیں خطرہ ہو گا کہ اگر ہم نے خیانت یا دروغ گوئی یا تبدیلی کا ارتکاب کیا تو یہ کاروائیاں
خود ہم پر الٹ سکتی ہیں۔ اس واقعہ کی شان نزول میں بدیل بن ابی مریم کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ شام تجارت کی
غرض سے گئے وہاں بیمار اور قریب المرگ ہو گئے ان کے پاس سامان اور چاندی کا ایک پیالہ تھا جو انہوں نے دو
میسائیوں کے سپرد کر کے اپنے رشتہ داروں تک پہنچانے کی وصیت کر دی اور خود فوت ہو گئے یہ دونوں وصی جب واپس
آئے تو پیالہ تو انہوں نے بچ کر پیے آپس میں تقسیم کر لئے اور باقی سامان و رٹا کو پہنچا دیا۔ سامان میں ایک رقعہ بھی تھا
جس میں سامان کی فہرست تھی جس کی رو سے چاندی کا پیالہ کم تھا ان سے کہا گیا تو انہوں نے جھوٹی قسم کھالی لیکن بعد
میں پتہ چل گیا کہ وہ پیالہ انہوں نے فلاں صراف کو بیچا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان غیر مسلموں کے مقابلے میں قسمیں کھا
کر ان سے پیالے کی رقم وصول کی۔ یہ روایت تو سند اضعیف ہے۔ (ترمذی معبر ۳۰۵۵ بحوالہ تحقیق احمد شاکر۔
معبر تاہم ایک دوسری سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مختصراً یہ مروی ہے جسے علامہ البانی نے صحیح قرار دیا
ہے۔ (صحیح ترمذی جلد ۳ نمبر ۳۳۳۹)

(۲) انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی قوموں نے اچھا برا جو بھی معاملہ کیا اس کا علم تو یقیناً انہیں ہو گا لیکن وہ اپنے علم
کی نفی یا تو محشر کی ہولناکیوں اور اللہ جل جلالہ کی ہیبت و عظمت کی وجہ سے کریں گے یا اس کا تعلق ان کی وفات کے بعد
کے حالات سے ہو گا۔ علاوہ ازیں باطنی امور کا علم تو کلیتاً صرف اللہ ہی کو ہے۔ اسی لئے وہ کہیں گے علام الغیوب تو تو ہی
ہے نہ کہ ہم۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و رسل عالم الغیب نہیں ہوتے عالم الغیب صرف ایک اللہ کی ذات ہے۔ انبیاء
کو جتنا کچھ بھی علم ہوتا ہے اولاً تو اس کا تعلق ان امور سے ہوتا ہے جو فرائض رسالت کی ادائیگی کے لئے ضروری
ہوتے ہیں۔ ثانیاً ان سے بھی ان کو بذریعہ وحی ہی آگاہ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ عالم الغیب وہ ہوتا ہے جس کو ہر چیز کا علم ذاتی

إِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيشِي أَيْنَ تَرْتَمُونَ إِذْ تَرْتَمِينَ عَلَيْكَ وَعَلَى
وَالِدَيْكَ إِذْ آتَيْتُكَ بِرُوحِي الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ النَّاسُ
فِي الْمَهْدِ وَكَلَّمَكَ الْكَلْبُ وَابْنُكَ وَالتَّوْرَةَ
وَالْإِنْجِيلَ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ الطَّيِّبِينَ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ
بِإِذْنِي فَمَنْعَهُمْ فِيمَا فَعَلُوا طَيْرًا بِإِذْنِي وَتَنْبِئُ
الْأَكْثَمَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّاسِ
وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ
بِالْبَيْتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّهُمْ كَانُوا
فِي الْإِسْلَامِ مُؤْمِنِينَ ○

جب کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوا ہے، جب میں نے تم کو روح القدس^(۱) سے مائید دی۔ تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گود میں بھی^(۲) اور بڑی عمر میں بھی اور جب کہ میں نے تم کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی^(۳) اور جب کہ تم میرے حکم سے گارے سے ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے وہ پرند بن جاتا تھا میرے حکم سے اور تم اچھا کر دیتے تھے مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب کہ تم مردوں کو نکال کر کھڑا کر لیتے تھے میرے حکم سے^(۴) اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا جب تم ان کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے^(۵) پھر ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا تھا کہ بجز کھلے جادو کے یہ اور کچھ بھی نہیں۔^(۶) (۱۱۰)

طور پر ہو نہ کہ کسی کے بتلانے پر اور جس کو بتلانے پر کسی چیز کا علم حاصل ہو اسے عالم الغیب نہیں کہا جاتا نہ وہ عالم الغیب ہوتا ہی ہے۔ فافهم وتدبر ولا تكون من الغافلين

(۱) اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۸ میں گزرا۔

(۲) گود میں اس وقت کلام کیا جب حضرت مریم علیہا السلام اپنے اس نو مولود (بچے) کو لے کر اپنی قوم میں آئیں اور انہوں نے اس بچے کو دیکھ کر تعجب کا اظہار اور اس کی بابت استفسار کیا تو اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شیر خوارگی کے عالم میں کلام کیا اور بڑی عمر میں کلام سے مراد نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد دعوت و تبلیغ ہے۔

(۳) اس کی وضاحت سورہ آل عمران کی آیت ۴۸ میں گزر چکی ہے۔

(۴) ان معجزات کا ذکر بھی مذکورہ سورت کی آیت ۴۹ میں گزر چکا ہے۔

(۵) یہ اشارہ ہے اس سازش کی طرف جو یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے اور سولی دینے کے لئے تیار کی تھی۔ جس سے اللہ نے بچا کر انہیں آسمان پر اٹھالیا تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ سورہ آل عمران آیت ۵۳۔

(۶) ہر نبی کے مخالفین آیات الہی اور معجزات دیکھ کر انہیں جادوئی قرار دیتے رہے ہیں۔ حالانکہ جادو تو شعبہ بازی کا ایک فن ہے جس سے انبیاء عظیم السلام کو کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں انبیاء کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے معجزات

وَإِذَا أُوحِيَتْ إِلَى الْخَوَارِجِ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي
قَالُوا إِنَّا كُنَّا شَاهِدَ بَأْسِنَا مَسْلُومُونَ ﴿١٠﴾

اور جب کہ میں نے حواریین کو حکم دیا ^(۱) کہ تم مجھ پر اور
میرے رسول پر ایمان لاؤ، انہوں نے کہا کہ ہم ایمان
لائے اور آپ شہید رہئے کہ ہم پورے قریبوں پر
ہیں۔ (۱۱)

إِذْ قَالَ الْخَوَارِجُ يُعِيسِي ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ
رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ قَالَ
الْعَوَالِقُ إِنَّكُمْ لَمُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾

وہ وقت یاد کے قائل ہے جب کہ حواریوں نے عرض کیا
کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا آپ کا رب ایسا کر سکتا ہے کہ
ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل فرمادے؟ ^(۲) آپ نے

قادر مطلق، اللہ جبارک و تعالیٰ کی قدرت و طاقت کا مظہر ہوتے تھے، کیونکہ وہ اللہ ہی کے حکم سے اور اس کی مشیت
و قدرت سے ہوتے تھے۔ کسی نبی کے اختیار میں یہ نہیں تھا کہ وہ جب چاہتا اللہ کے حکم اور مشیت کے بغیر کوئی معجزہ
صادر کر کے دکھا دیتا، اسی لئے یہاں بھی دیکھ لیجئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہر معجزے کے ساتھ اللہ نے چار مرتبہ
یہ فرمایا ”بِإِذْنِ“ کہ ”ہر معجزہ میرے حکم سے ہوا ہے۔“ یہی وجہ ہے کہ جب نبی ﷺ سے مشرکین مکہ نے مختلف
معجزات کے دکھانے کا مطالبہ کیا جس کی تفصیل سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۹۱-۹۳ میں ذکر کی گئی ہے تو اس کے جواب
میں نبی ﷺ نے یہی فرمایا ﴿يُحَاكِمُونَكَ مِنْ أَتَمِّ الْأَقْبَرِ﴾ ”میرا رب پاک ہے (یعنی وہ تو اس کمزوری سے
پاک ہے کہ وہ یہ چیزیں نہ دکھائے، وہ تو دکھا سکتا ہے لیکن اس کی حکمت اس کی مقتضی ہے یا نہیں؟) کب مقتضی ہو
گی؟ اس کا علم اسی کو ہے اور اسی کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے (لیکن میں تو صرف بشر اور رسول ہوں)“ یعنی میرے اندر یہ
معجزات دکھانے کی اپنے طور پر طاقت نہیں ہے۔ بہر حال انبیاء کے معجزات کا جادو سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا
تو جادوگر اس کا توڑ مہیا کر لیتے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے ثابت ہے کہ دنیا بھر کے جمع شدہ بڑے
بڑے جادوگر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا توڑ نہ کر سکے اور جب ان کو معجزہ اور جادو کا فرق واضح طور پر
معلوم ہو گیا تو وہ مسلمان ہو گئے۔

(۱) خَوَارِجِین سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ پیروکار ہیں جو ان پر ایمان لائے اور ان کے ساتھی اور مددگار
بنے۔ ان کی تعداد ۱۴ بیان کی جاتی ہے۔ وحی سے مراد یہاں وہ وحی نہیں ہے جو بذریعہ فرشتہ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتی
تھی بلکہ یہ وحی الہام ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض لوگوں کے دلوں میں اتھا کر دی جاتی ہے، جیسے حضرت موسیٰ
علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم علیہا السلام کو اسی قسم کا الہام ہوا جسے قرآن نے وحی ہی سے تعبیر کیا ہے۔

(۲) مَائِدَةٌ ایسے برتن (سینی، پلیٹ یا ٹرے وغیرہ) کو کہتے ہیں جس میں کھانا ہو۔ اسی لئے دسترخوان بھی اس کا ترجمہ کر لیا
جاتا ہے کیونکہ اس پر بھی کھانا چنا ہوتا ہے۔ سورت کا نام بھی اسی مناسبت سے ہے کہ اس میں اس کا ذکر ہے خَوَارِجِین
نے مزید اطمینان قلب کے لیے یہ مطالبہ کیا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اخیائے موتی کے مشاہدے کی
خواہش ظاہر فرمائی تھی۔

قَالُوا ائْتِنَا بِآيَاتِنَا مِنْهَا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ
صَدَقْتُنَا وَنَكُونُ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۱۷﴾

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ مَرْبُّنَا إِنَّا كُنَّا مِنَ الْمَلَأِ
نَ كُنَّا عِبَادًا لِّإِلَهِكُمْ وَإِلَهِكُمْ وَآيَةً مِنْكُمْ وَارْزُقْنَا
وَإَنْتُمْ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿۱۸﴾

فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔ (۱۷)
وہ بولے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور
ہمارے دلوں کو پورا اطمینان ہو جائے اور ہمارا یہ یقین
اور بڑھ جائے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے اور ہم
کو اسی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔ (۱۸)

عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ اے ہمارے
پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما کہ وہ ہمارے
لئے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد کے ہیں سب کے
لئے ایک خوشی کی بات ہو جائے (۱۸) اور تیری طرف

(۱) یعنی یہ سوال مت کرو، ممکن ہے یہ تمہاری آزمائش کا سبب بن جائے کیونکہ حسب طلب معجزہ دکھائے جانے کے بعد
اس قوم کی طرف سے ایمان میں کمزوری عذاب کا باعث بن سکتی ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس
مطالبے سے روکا اور انہیں اللہ سے ڈرایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے وحی کے لفظ سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت
مریم نبیہؑ تمہیں اس لئے کہ ان پر بھی اللہ کی طرف سے وحی آئی تھی صحیح نہیں۔ اس لئے کہ یہ وحی 'وحی الہام ہی
تھی' جیسے یہاں ﴿وَاحْيَيْنَا إِلَى التَّوَارِيثِ﴾ میں ہے یہ وحی رسالت نہیں ہے۔

(۲) اسلامی شریعتوں میں عید کا مطلب یہ نہیں رہا ہے کہ قومی تموار کا ایک دن ہو جس میں تمام اخلاقی قیود اور شریعت
کے ضابطوں کو پامال کرتے ہوئے بے ہنگم طریقے سے طرب و مسرت کا اظہار کیا جائے چرائیاں کیا جائے اور جشن منایا
جائے جیسا کہ آج کل اس کا یہی مفہوم سمجھ لیا گیا ہے اور اسی کے مطابق تموار منائے جاتے ہیں۔ بلکہ آسمانی شریعتوں
میں اس کی حیثیت ایک ملی تقریب کی ہوتی ہے جس کا اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس روز پوری ملت اجتماعی طور پر اللہ
تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس کی بحکیم و تحمید کے ذمے بلند کرے۔ یہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس دن کو عید
بنانے کی جس خواہش کا اظہار کیا ہے اس سے ان کا مطلب یہی ہے کہ ہم تعریف و تجلیل اور بحکیم و تحمید کریں۔ بعض اہل
بدعت اس "عید ماندہ" سے "عید میلاد" کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ اول تو یہ ہماری شریعت سے پہلے کی شریعت
کا واقعہ ہے جسے اگر اسلام برقرار رکھنا چاہتا تو وضاحت کر دی جاتی۔ دوسرے یہ پیغمبر کی زبان سے "عید" بنانے کی
خواہش کا اظہار ہوا تھا اور پیغمبر بھی اللہ کے حکم سے شرعی احکام بیان کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ تیسرے عید کا مفہوم
و مطلب بھی وہ ہوتا ہے جو مذکورہ بالا سطروں میں بیان کیا گیا ہے۔ جب کہ "عید میلاد" میں ان میں سے کوئی بات بھی
نہیں ہے۔ لہذا "عید میلاد" کے بدعت ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اسلام میں صرف دو ہی عیدیں ہیں جو
اسلام نے مقرر کی ہیں 'عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ ان کے علاوہ کوئی تیسری عید نہیں ہے۔

سے ایک نشانی ہو جائے اور تو ہم کو رزق عطا فرما دے اور تو سب عطا کرنے والوں سے اچھا ہے۔ (۱۱۴)

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہ کھانا تم لوگوں پر نازل کرنے والا ہوں، پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد ناحق شناسی کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا۔^(۱) (۱۱۵)

قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنِزِّلُ الْمَائِدَاتُ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿١١٥﴾

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ اللہ کے معبود قرار دے لو؟^(۲) عیسیٰ عرض کریں گے کہ میں تو تجھ کو منزہ

وَلَمَّا قَالَ اللَّهُ يُعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ كُنْتَ تُلَاقِلُنَّ الْإِنسَانِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّنْ يَكُونُوا لِي أَقْوَامًا لَّيْسَ لِي بِهِمْ قُوَّةٌ قُلْتُمْ فَقَدْ عَلِمْتُمْ تَعْلَمُونَ إِنِّي تَقِيحِي

(۱) یہ تائید (خوان طعام) آسمان سے اترایا نہیں؟ اس کی بابت کوئی صحیح اور صریح مرفوع حدیث نہیں۔ جسور عالم (امام شوکانی اور امام ابن جریر طبری سمیت) اس کے نزول کے قائل ہیں اور ان کا استدلال قرآن کے الفاظ ﴿إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ﴾ سے ہے کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو یقیناً سچا ہے لیکن اسے اللہ کی طرف سے یقینی وعدہ قرار دینا اس لئے صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ اگلے الفاظ مَن يَكْفُرْ اس وعدے کو مشروط ہونے کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس لئے دوسرے علما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ شرط سن کر انہوں نے کہا کہ پھر ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ جس کے بعد اس کا نزول نہیں ہوا۔ امام ابن کثیر نے ان آثار کی اسانید کو جو امام مجاہد اور حضرت حسن بن بصری سے منقول ہیں، صحیح قرار دیا ہے۔ نیز کہا ہے کہ ان آثار کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نزول مائدہ کی کوئی شرت عیسائیوں میں ہے نہ ان کی کتابوں میں درج ہے۔ حالانکہ اگر یہ نازل ہوا ہوتا تو اسے ان کے ہاں مشہور بھی ہونا چاہئے تھا اور کتابوں میں بھی تو اترے یا کم از کم آحاد سے نقل ہونا چاہئے تھا۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

(۲) یہ سواں قیامت والے دن ہو گا اور مقصد اس سے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود بنالینے والوں کی زبرد تو بخ ہے کہ جن کو تم معبود اور حاجت روا سمجھتے تھے، وہ تو خود اللہ کی بارگاہ میں جواب دہ ہیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کو بھی اللہ (معبود) بنایا ہے۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ بن دؤب اللہ (اللہ کے سوا معبود) وہی نہیں ہیں جنہیں مشرکین نے پتھریا لکڑی کی صورتوں کی شکل میں بنا کر ان کی پوجا کی، جس طرح کہ آج کل کے قبر پرست علما اپنے عوام کو یہ باور کرا کے مغالطہ دیتے ہیں۔ بلکہ وہ اللہ کے نیک بندے بھی بن دؤب اللہ میں شامل ہیں جن کی لوگوں نے کسی بھی انداز سے عبادت کی۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم کی عیسائیوں نے کی۔

وَلَا تَسْمِعُوا نَافِثَ نَفْسِكُمْ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝

سمجھتا ہوں، مجھ کو کسی طرح زبانہ تھا کہ میں ایسی بات
کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں، اگر میں نے کہا
ہو گا تو تجھ کو اس کا علم ہو گا۔ تو تو میرے دل کے اندر کی
بات بھی جانتا ہے اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے اس
کو نہیں جانتا۔^(۱) تمام غیبیوں کا جاننے والا تو ہی
ہے۔ (۲۶)

میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو تو
نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو
جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔^(۲) میں ان
پر گواہ رہا جب تک ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا
لیا تو تو ہی ان پر مطلع رہا۔^(۳) اور تو ہر چیز کی پوری خبر
رکھتا ہے۔ (۲۷)

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَّا أُمِرْتُ بِهِ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ
وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَلَّيْتُمُ لَكُنْتُمْ
أَنْتُمْ لِرَبِّبِهِمْ وَأَنْتُمْ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہتے واضح الفاظ میں اپنی بابت علم غیب کی نفی فرما رہے ہیں۔

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توحید و عبادت رب کی یہ دعوت عالم شیرخوارگی میں بھی دی، جیسا کہ سورہ مریم میں
ہے اور عمر جوانی و کولت میں بھی۔

(۳) نَوَيْتُنِي کا مطلب ہے جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا جیسا کہ اس کی تفصیل سورہ آل عمران کی آیت ۵۵ میں
گزر چکی ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ پیغمبروں کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ کی طرف سے انہیں عطا کیا جاتا
ہے یا جس کا مشاہدہ وہ اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں سے کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کو کسی بات کا علم نہیں ہوتا۔ جب
کہ عالم غیب وہ ہوتا ہے جسے بغیر کسی کے بتلائے ہر چیز کا علم ہوتا ہے اور اس کا علم ازل سے ابد تک پر محیط ہوتا ہے۔
یہ صفت علم اللہ کے سوا کسی اور کے اندر نہیں۔ اس لئے عالم غیب صرف ایک اللہ ہی کی ذات ہے۔ اس کے علاوہ
کوئی عالم غیب نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ میدان محشر میں نبی ﷺ کی طرف آپ کے کچھ امتی آنے لگیں گے تو
فرشتے ان کو پکڑ کر دو مری طرف لے جائیں گے، آپ ﷺ فرمائیں گے ان کو آنے دو یہ تو میرے امتی ہیں، فرشتے
آپ کو بتلائیں گے، إِنَّكَ لَا تَذَرُنِي مَا أَخَذْتُكَ نَعْدَكَ (اے محمد ﷺ) آپ ﷺ نہیں جانتے کہ آپ ﷺ کے بعد
انہوں نے دین میں کیا کیا بدعتیں ایجاد کیں، ”جب آپ ﷺ یہ سنیں گے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بھی اس وقت
یہی کہوں گا جو العبد الصالح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا) ﴿ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَلَّيْتُمُ لَكُنْتُمْ أَنْتُمْ لِرَبِّبِهِمْ ﴾

﴿ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ المائدہ و کتاب الانبیاء صحیح مسلم، باب فناء الدنیا

و بیان الحشر یوم القیامۃ)

إِنْ نَعَدَ بِهِمْ وَأَنَّهُمْ عِبَادٌ لَّكَ إِنَّ تَغْيِرَ لَهُمْ فَاكُنْتَ
الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۸﴾

قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا
عَنْهُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۹﴾

يَلْبَسُونَ الثَّمَرَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ وَهُمْ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرُونَ ﴿۲۰﴾

سُورَةُ الْأَنْعَامِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾

أَشْهَدُ بِاللَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ
وَالنُّورَ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿۲﴾

اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو
معاف فرما دے تو تو زبردست ہے حکمت والا ہے۔ (۱۸)

اللہ ارشاد فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے ان
کا سچا ہونا ان کے کام آئے گا (۱۹) ان کو باغ میں گے جن کے
نیچے سرس جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ سے راضی اور
خوش ہیں یہ بڑی (بھاری) کامیابی ہے۔ (۱۹)

اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان
چیزوں کی جو ان میں موجود ہیں اور وہ ہر شے پر پوری
قدرت رکھتا ہے۔ (۲۰)

سورۃ انعام کی ہے اس میں ایک سو پینسٹھ آیتیں اور
میں رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو کہ نہایت مہربان بڑا
رحم والا ہے۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں کو اور
زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور کو بنایا (۲) پھر بھی کافر

(۱) یعنی مطلب یہ کہ یا اللہ ان کا معاملہ تیری مشیت کے سپرد ہے اس لئے کہ تو مَعَالِ لَہِ یُرِیدُ بھی ہے (جو چاہے کر
سکتا ہے) اور تجھ سے کوئی باز پرس کرنے والا بھی نہیں ہے۔ ﴿لَا یَسْأَلُ عَنْهَا فَعَلٌ وَهُمْ یَسْأَلُونَ﴾ (الأنعام: ۳۳)
”اللہ جو کچھ کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں ہوگی“ لوگوں سے ان کے کاموں کی باز پرس ہوگی۔ ”گویا آیت میں اللہ کے
سامنے بندوں کی عاجزی و بے بسی کا اظہار بھی ہے اور اللہ کی عظمت و جلالت اور اس کے قادر مطلق اور مختار کل ہونے
کا بیان بھی اور پھر ان دونوں باتوں کے حوالے سے غفور مغفرت کی التجا بھی۔ سبحان اللہ! کیسی عجیب و غریب آیت ہے۔ اسی
لئے حدیث میں آتا ہے کہ ایک رات نبی ﷺ پر نوافل میں اس آیت کو پڑھتے ہوئے ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بار بار
ہر رکعت میں اسے ہی پڑھتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ (مسند احمد جلد ۵ ص ۱۳۹)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں یَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ تَوْحِيدُهُمْ وہ دن ایسا ہوگا کہ
صرف توحید ہی موحدین کو نفع پہنچائے گی، یعنی مشرکین کی معافی اور مغفرت کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

(۳) ظلمات سے رات کی تاریکی اور نور سے دن کی روشنی یا کفر کی تاریکی اور ایمان کی روشنی مراد ہے۔ نور کے

لوگ (غیر اللہ کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔^(۱) وہ ایسا ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا^(۲) پھر ایک وقت معین کیا^(۳) اور (دوسرا) معین وقت خاص اللہ ہی کے نزدیک ہے^(۴) پھر بھی تم شک رکھتے ہو۔^(۵) اور وہی ہے معبود برحق آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی 'وہ تمہارے پوشیدہ احوال کو بھی اور تمہارے ظاہر احوال کو بھی جانتا ہے اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو اس کو بھی جانتا ہے۔^(۶) (۳)

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلَكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ
عِنْدَ اللَّهِ أَنْتُمْ مَعْرُوفُونَ ⑤

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ ذِي الْعَرْشِ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ⑥

مقابلے میں ظلمات کو جمع ذکر کیا گیا ہے 'اس لئے کہ ظلمات کے اسباب بھی بہت سے ہیں اور اس کی انواع بھی متعدد ہیں اور نور کا ذکر بطور جنس ہے جو اپنی تمام انواع کو شامل ہے۔ (فتح القدیر) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ ہدایت اور ایمان کا راستہ ایک ہی ہے 'چار یا پانچ یا متعدد نہیں ہیں' اس لئے نور کو واحد ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) یعنی اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

(۲) یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو 'جو تمہاری اصل ہیں اور جن سے تم سب نکلے ہو۔ اس کا ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم جو خوراک اور غذائیں کھاتے ہو 'سب زمین سے پیدا ہوتی ہیں اور انہی غذاؤں سے نطفہ بنتا ہے جو رحمہ دور میں جا کر تخلیق انسانی کا باعث بنتا ہے۔ اس لحاظ سے گویا تمہاری پیدائش مٹی سے ہوئی۔

(۳) یعنی موت کا وقت۔

(۴) یعنی آخرت کا وقت 'اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ گویا پہلی اجل سے مراد پیدائش سے لے کر موت تک انسان کی عمر ہے اور دوسری اجل مسمیٰ ہے۔ مراد انسان کی موت سے لے کر وقوع قیامت تک دنیا کی کل عمر ہے 'جس کے بعد وہ زوال و فنا سے دو چار ہو جائے گی اور ایک دوسری دنیا یعنی آخرت کی زندگی کا آغاز ہو جائے گا۔

(۵) یعنی قیامت کے وقوع میں جیسا کہ کفار و مشرکین کما کرتے تھے کہ جب ہم مرکز مٹی میں مل جائیں گے تو کس طرح ہمیں دوبارہ زندہ کیا جاسکے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا دوبارہ بھی وہی اللہ تمہیں زندہ کرے گا (سورۃ یسین)

(۶) اہل سنت یعنی سلف کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود تو عرش پر ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے لیکن اپنے علم کے لحاظ سے ہر جگہ ہے یعنی اس کے علم و خبر سے کوئی چیز باہر نہیں۔ البتہ بعض گمراہ فرقے اللہ تعالیٰ کو عرش پر نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور وہ اس آیت سے اپنے اس عقیدے کا اثبات کرتے ہیں۔ لیکن یہ عقیدہ جس طرح غلط ہے یہ استدلال بھی صحیح نہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات جس کو آسمانوں اور زمین میں اللہ کہہ کر پکارا جاتا ہے اور آسمانوں اور زمین میں جس کی حکمرانی ہے اور آسمانوں اور زمین میں جس کو معبود برحق سمجھا اور

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۵﴾

فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ هُمْ أَنْبَاؤُنَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۶﴾

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قُرْبٍ مَكَانَهُمْ فِي الْأَرْضِ
مَالَهُمْ فِيكُمْ لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا وَجَعَلْنَا
الْأَنْهَارَ سَخِرَافًا مِنْ تَحْتِهِمْ فَاسْأَلْنَاهُمْ يَوْمَ نُوحِيهِمْ وَأَنْشَأْنَا
مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا أُخَرَ فَيَنظُرُونَ ﴿۷﴾

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ كُلِّ فَتْرَةٍ لَيُذَكِّرُنَا فَلَمَّسُوا بِآيَاتِنَا فَوَقَّارًا
الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَنْ نَنْزِلَ إِلَّا بِهِمْ قُرُونًا أُخَرَ فَيَنظُرُونَ ﴿۸﴾

اور ان کے پاس کوئی نشانی بھی ان کے رب کی نشانیوں
میں سے نہیں آتی مگر وہ اس سے اعراض ہی کرتے
ہیں۔ (۴)

انہوں نے اس نئی کتاب کو بھی جھٹلایا جب کہ وہ ان کے
پاس پہنچی سو جلدی ہی ان کو خبر مل جائے گی اس چیز کی
جس کے ساتھ یہ لوگ استہزا کیا کرتے تھے۔ (۵)

کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی
جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کو ہم نے دنیا میں ایسی
قوت دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی اور ہم نے ان پر
خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے سے
نہرں جاری کیں۔ پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے
سبب ہلاک کر ڈالا (۶) اور ان کے بعد دوسری جماعتوں کو
پیدا کر دیا۔ (۷)

اور اگر ہم کافروں پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل فرماتے
پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی

مانا جاتا ہے، وہ اللہ تمہارے پوشیدہ اور ظاہر اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو سب کو جانتا ہے۔ (فتح القدیر) اس کی اور بھی
بعض توجیہات کی گئی ہیں جنہیں اہل علم تفسیروں میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ مثلاً تفسیر طبری وابن کثیر وغیرہ۔

(۱) یعنی اس اعراض اور تکذیب کا دہال انہیں پہنچے گا اس وقت انہیں احساس ہو گا کہ کاش! ہم اس کتب برحق کی
تکذیب اور اس کا استہزاء نہ کرتے۔

(۲) یعنی جب گناہوں کی پاداش میں تم سے پہلی امتوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں در آں حالیکہ وہ طاقت و قوت میں بھی تم
سے کہیں زیادہ تھیں اور خوش حالی اور وسائل رزق کی فراوانی میں بھی تم سے بہت بڑھ کر تھیں تو تمہیں ہلاک کرنا
ہمارے لئے کیا مشکل ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی قوم کی محض مادی ترقی اور خوش حالی سے یہ نہیں سمجھ لینا
چاہئے کہ وہ بہت کامیاب و کامران ہے۔ یہ استدراج و امثال کی وہ صورتیں ہیں جو بطور امتحان اللہ تعالیٰ قوموں کو عطا
فرماتا ہے۔ لیکن جب یہ سہولت عمل ختم ہو جاتی ہے تو پھر یہ ساری ترقیاں اور خوش حالیاں انہیں اللہ کے عذاب سے
بچانے میں کامیاب نہیں ہوتیں۔

(۳) تاکہ انہیں بھی پچھلی قوموں کی طرح آزمائیں۔

یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو ہے۔^(۱) (۷)

اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا۔ پھر ان کو ذرا مصلحت نہ دی جاتی۔^(۲) (۸)

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَائِدَةٌ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُذِّبُوا
الْمُرْتَدِّينَ ۝

(۱) یہ ان کے عناد و محو اور مکاریہ کا اظہار ہے کہ اتنے واضح نوشتہ الہی کے باوجود وہ اسے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں گے اور اسے ایک ساحرانہ کرب قرار دیں گے۔ جیسے قرآن مجید کے دوسری مقام پر فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرِضُونَ ۚ لَقَالُوا أَن سَائِجِرَاتُ الْبَلَدِ عَن قَوْمٍ مُّسَوِّفُونَ ۚ﴾ (الحجر ۱۵، ۱۶) ”اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں چڑھنے بھی لگ جائیں تب بھی کہیں گے ہماری آنکھیں متوالی ہو گئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے“ ﴿فَلَنُتِمِدَّنَّ أَفْعَايُنَا فَنُفَوِّنَّهُنَّ لِصَالِحِينَ ۚ﴾ (الطہور ۳۳) ”اور اگر وہ آسمان سے گرتا ہوا ٹکڑا بھی دیکھ لیں تو کہیں گے کہ یہ بے بادل ہیں“۔ یعنی عذاب الہی کی کوئی نہ کوئی ایسی توجیہ کریں گے کہ جس میں مشیت الہی کا کوئی دخل انہیں تسلیم کرنا نہ پڑے۔ حلال کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے جتنے بھی انبیاء و رسل بھیجے وہ انسانوں میں سے ہی تھے اور ہر قوم میں اسی کے ایک فرد کو وحی و رسالت سے نوازا دیا جاتا تھا۔ یہ اس لئے کہ اس کے بغیر کوئی رسول فریضہ تبلیغ و دعوت ادا ہی نہیں کر سکتا تھا مثلاً اگر فرشتوں کو اللہ تعالیٰ رسول بنا کر بھیجتا تو ایک تو وہ انسانی زبان میں گفتگو ہی نہ کر پاتے دوسرے وہ انسانی جذبات سے عاری ہونے کی وجہ سے انسان کے مختلف حالات میں مختلف کیفیات و جذبات کے سمجھنے سے بھی قاصر رہتے۔ ایسی صورت میں ہدایت و رہنمائی کا فریضہ کس طرح انجام دے سکتے تھے؟ اس لئے اللہ تعالیٰ کا انسانوں پر ایک بڑا احسان ہے کہ اس نے انسانوں کو ہی نبی اور رسول بنایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے بطور احسان ہی قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ﴾ (آل عمران ۱۶۴) ”اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب کہ انہی کی جانوں میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا“ لیکن پیغمبروں کی بشریت کافروں کے لیے حیرت و استعجاب کا باعث رہی۔ وہ سمجھتے تھے کہ رسول انسانوں میں سے نہیں، فرشتوں میں سے ہوتا چاہئے گویا ان کے نزدیک بشریت رسالت کے شایان شان نہیں تھی۔ جیسا کہ آج کل کے اہل بدعت بھی یہی سمجھتے ہیں۔ تَفَانَهُتْ فَلَوْ يُنْزِلُہُمْ اہل کفر و شرک، رسولوں کی بشریت کا تو انکار کر نہیں سکتے تھے، کیونکہ وہ ان کے خاندان، حسب نسب ہر چیز سے واقف ہوتے تھے لیکن رسالت کا وہ انکار کرتے رہے۔ جبکہ آج کل کے اہل بدعت رسالت کا انکار تو نہیں کرتے لیکن بشریت کو رسالت کے منافی سمجھنے کی وجہ سے رسولوں کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرما رہا ہے کہ اگر ہم کافروں کے مطالبے پر کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے، اس رسول کی تصدیق کے

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِ مِمَّا يَلْبَسُونَ ﴿٩﴾

وَلَقَدْ اسْتَفْهِمُوا بِرُسُلِهِمْ قَوْلَ مَا تَقُولُونَ
يَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُنَافِقُونَ ﴿١٠﴾

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِينَ ﴿١١﴾

قُلْ لَيْسَ مَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ قُلُوبُكُمْ نَكَّبَ عَلَى
نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ لَنَجْعَلَ الْأُنْثَىٰ لِلزَّكَوٰةِ وَلَآ يُؤْتَىٰ
الْأُنْثَىٰ خَيْرًا مِّنْ أَلْفِ مِائَةٍ لَهُمْ لَآ يُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾

اور اگر ہم اس کو فرشتہ تجویز کرتے تو ہم اس کو آدمی ہی
بناتے اور ہمارے اس فعل سے پھر ان پر وہی اشکال ہوتا
جو اب اشکال کر رہے ہیں۔ (۹)

اور واقعی آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان کے ساتھ
بھی استہزا کیا گیا ہے۔ پھر جن لوگوں نے ان سے مذاق
کیا تھا ان کو اس عذاب نے آگھیرا جس کا تسخیر اڑاتے
تھے۔ (۱۰)

آپ فرما دیجئے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو پھر دیکھ لو کہ
کمزور کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ (۱۱)

آپ کہئے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے یہ
سب کس کی ملکیت ہے، آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ ہی
کی ملکیت ہے، اللہ نے سرکاری فرمانا اپنے اوپر لازم فرمایا
ہے (۱۲) تم کو اللہ قیامت کے روز جمع کرے گا، اس میں
کوئی شک نہیں، جن لوگوں نے اپنے آپ کو گھاسنے میں
ڈالا ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (۱۳)

لئے ہم کوئی فرشتہ نازل کر دیتے (جیسا کہ یہاں یہی بات بیان کی گئی ہے) اور پھر وہ اس پر ایمان نہ لاتے تو انہیں مسرت
دیئے بغیر ہلاک کر دیا جاتا۔

(۱) یعنی اگر ہم فرشتے ہی کو رسول ﷺ بنا کر بھیجے کافیصلہ کرتے تو ظاہر بات ہے کہ وہ فرشتے کی اصل شکل میں تو آئیں
سکتا تھا، کیونکہ اس طرح انسان اس سے خوف زدہ ہونے اور قریب و مانوس ہونے کے بجائے دور بھاگتے اس لئے
ناگزیر تھا کہ اسے انسانی شکل میں بھیجا جاتا۔ لیکن یہ تمہارے لیڈر پھر یہی اعتراض اور شبہ پیش کرتے کہ یہ تو انسان ہی
ہے، جو اس وقت بھی وہ رسول کی بشریت کے حوالے سے پیش کر رہے ہیں تو پھر فرشتے کے بھیجے کا بھی کیا فائدہ؟

(۲) جس طرح حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ”جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو عرش پر یہ لکھ دیا اِنَّ رَحْمَتِي
تَغِيْبُ غَضَبِي (صحیح بخاری) کتاب التوحید“ وبدء الخلق“ مسلم کتاب التوبة“ ”یقیناً میری رحمت
میرے غضب پر غالب ہے“ لیکن یہ رحمت قیامت والے دن صرف اہل ایمان کے لئے ہوگی، کافروں کے لئے رب
سخت غضب ناک ہو گا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو اس کی رحمت یقیناً عام ہے، جس سے مومن اور کافر نیک اور بد
فرماں بردار اور نافرمان سب ہی فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کی بھی روزی نافرمانی کرنے کی وجہ سے بند

اور اللہ ہی کی ملک ہیں وہ سب کچھ جورات میں اور
دن میں رہتی ہیں اور وہی بڑا سننے والا بڑا جاننے والا
ہے۔ (۱۳)

آپ کہتے کہ کیا اللہ کے سوا جو کہ آسمانوں اور زمین کا
پیدا کرنے والا ہے اور جو کہ کھانے کو دیتا ہے اور اس کو
کوئی کھانے کو نہیں دیتا اور کسی کو معبود قرار دے^(۱)
آپ فرمادیجئے کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے
میں اسلام قبول کروں اور تو مشرکین میں سے ہرگز نہ
ہوگا۔ (۱۴)

آپ کہہ دیجئے کہ میں اگر اپنے رب کا کسانہ مانوں تو میں
ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔^(۲) (۱۵)
جس شخص سے اس روز وہ عذاب ہٹا دیا جائے تو اس پر
اللہ نے بڑا رحم کیا اور یہ صریح کامیابی ہے۔^(۳) (۱۶)
اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا دور
کرنے والا سوا اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ اور اگر تجھ

وَلَا مَا سَكَنَ فِي الْغَيْبِ وَلَهُ الْغَيْبُ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾

قُلْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ اَعِيْذُ وَنِيْلًا قَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ
يُظْلِمُ وَلَا يُظْلَمُ قُلْ اِنِّيْ اَمَرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَقْلَ مَنْ
اَسْلَمَ وَلَا اَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾

قُلْ اِنِّيْ اَتَّخِذُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

مَنْ يُصِرْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْنَا وَذٰلِكَ
الْقَوِيُّ الْمُؤْمِنُ ﴿۱۶﴾

وَإِنْ يَسْأَلْكَ اللَّهُ بِشَيْءٍ فَلَا تَحْشَفْ لَهُ إِلَّا هُوَ وَلَنْ

نہیں کرتا لیکن اس کی رحمت کا یہ عموم صرف دنیا کی حد تک ہے۔ آخرت میں جو کہ دارالجزا ہے وہاں اللہ کی صفت
عدل کا کامل ظہور ہو گا جس کے نتیجے میں اہل ایمان و ایمان رحمت میں جگہ پائیں گے اور اہل کفر و فسق جہنم کے دائمی
عذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔ اسی لئے قرآن میں فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَدَعَيْنِيْ وَبَعَثَ كُلُّ شَيْءٍ فَسَاكُنْهُمْ اَلَّذِيْنَ يَنْتَعُوْنَ
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوٰةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِآيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ — (الانعام ۱۵۶) اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے۔ تو وہ رحمت
ان لوگوں کے نام ضرور نکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔
(۱) دُور سے مراد یہاں معبود ہے جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے ورنہ دوست بنانا تو جائز ہے۔

(۲) یعنی اگر میں نے بھی رب کی نافرمانی کرتے ہوئے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود بنالیا تو میں بھی اللہ کے عذاب سے
نہیں بچ سکوں گا۔

(۳) جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿مَنْ رَّحِمْنَا مِنْ النَّاسِ وَادْخُلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ كَازَ﴾ (آل عمران - ۱۸۵) ”جو آگ سے
دور اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا“ اس لئے کہ کامیابی خسارے سے بچ جانے اور نفع حاصل کر لینے کا
نام ہے۔ اور جنت سے بڑھ کر نفع کیا ہو گا؟

يَسْمَعُكَ بِغَيْرِ قَوْلٍ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑤

وَهُوَ الْقَاهِرُ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ⑥ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْحَمِيدُ ⑦

قُلْ أَيْ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلْ اللَّهُ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ⑧
وَأَوْحِيَ إِلَيْنَا هَذَا الْقُرْآنَ لِإِذْنِ رَبِّهِ ⑨ وَمَنْ يَكْفُرْ أَفْسِكُ
لَتَشْهَدَنَّ أَنَّ مَعَ اللَّهِ الْإِلَٰهَ ⑩ أُخْرَى قُلْ لَا أَشْهَدُ قُلْ إِنَّمَا
هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنِّي بَرَأءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ⑪

کو اللہ تعالیٰ کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ (۱۷)

اور وہی اللہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے برتر ہے (۱۸)
اور وہی بڑی حکمت والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے۔ (۱۹)

آپ کیے کہ سب سے بڑی چیز گواہی دینے کے لئے کون ہے 'آپ کیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے' (۲۰) اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراؤں (۲۱) کیا تم سچ مچ جی جی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں 'آپ کہہ دیجئے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرما دیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں تمہارے شرک سے ہزار ہوں۔ (۲۲)

(۱) یعنی نفع و ضرر کا مالک 'کائنات میں ہر طرح کا تصرف کرنے والا صرف اللہ ہے اور اس کے حکم و قضا کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے۔ ایک حدیث میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ اللّٰهُمَّ لَا مَنَاعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيٍّ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْتَعِ ذَا الْجَبَدِ مِنْكَ الْجَدُّ (صحیح بخاری 'کتاب الاعتصام والقدر والدعوات۔ مسلم کتاب الصلوٰۃ والمساجد') جس کو تو دے اس کو کوئی روکنے والا نہیں 'اور جس سے تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں اور کسی صاحب حیثیت کو اس کی حیثیت تیرے مقابلے میں نفع نہیں پہنچا سکتی "نبی ﷺ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

(۲) یعنی تمام گردنیں اس کے سامنے جھکی ہوئی ہیں 'بڑے بڑے جابر لوگ اس کے سامنے بے بس ہیں 'وہ ہر چیز پر غالب ہے اور تمام کائنات اس کی مطیع ہے وہ اپنے ہر کام میں حکیم ہے اور ہر چیز سے باخبر ہے 'پس اسے معلوم ہے کہ اس کے احسان و عطا کا کون مستحق ہے اور کون غیر مستحق۔

(۳) یعنی اللہ تعالیٰ ہی اپنی وحدانیت اور ربوبیت کا سب سے بڑا گواہ ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی گواہ نہیں۔

(۴) ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اب جس کے پاس بھی یہ قرآن پہنچ جائے۔ اگر وہ سچا تابع رسول ہے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ بھی لوگوں کو اللہ کی طرف اسی طرح بلائے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی اور اس طرح ڈرائے جس طرح آپ ﷺ نے لوگوں کو ڈرایا۔ (ابن کثیر)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ لوگ رسول کو پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو گھائے میں ڈالا ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔^(۲۰)

اور اس سے زیادہ بے انصاف کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اللہ کی آیات کو جھوٹا بتلائے^(۲۱) ایسے بے انصافوں کو کامیابی نہ ہوگی۔^(۲۲)

اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم ان تمام خلائق کو جمع کریں گے، پھر ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تمہارے وہ شرکا جن کے معبود ہونے کا تم دعویٰ کرتے تھے کہاں گئے؟۔^(۲۳)

الَّذِينَ اتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ
الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ
لَأُقْلِعُ الْقُلُوبَ ﴿٢١﴾

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَبِينًا نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا آيِنَ
شُرَكَاءُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾

(۱) بغیر فوٹہ میں ضمیر کا مرجع رسول ﷺ ہیں یعنی اہل کتاب آپ ﷺ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی صفات ان کی کتابوں میں بیان کی گئی تھیں اور ان صفات کی وجہ سے وہ آخری نبی کے منظر بھی تھے۔ اس لئے اب ان میں سے ایمان نہ لانے والے سخت خسارے میں ہیں کیونکہ یہ علم رکھتے ہوئے بھی انکار کر رہے ہیں۔

فَإِنْ كُنْتَ لَا تَذَرِي فِتْنًا مَّصِيبَةً • وَإِنْ كُنْتَ تَذَرِي فَاَلْمُصِيبَةُ أَعْظَمُ.

(اگر تجھے علم نہیں ہے تو یہ بھی اگرچہ مصیبت ہی ہے تاہم اگر علم ہے تو پھر زیادہ بڑی مصیبت ہے)

(۲) یعنی جس طرح اللہ پر جھوٹ گھڑنے والا (یعنی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا) سب سے بڑا ظالم ہے اسی طرح وہ بھی بڑا ظالم ہے جو اللہ کی آیات اور اس کے سچے رسول کی تکذیب کرے۔ جھوٹے دعوائے نبوت پر اتنی سخت وعید کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ متعدد لوگوں نے ہر دور میں نبوت کے جھوٹے دعوے کئے ہیں اور یوں یقیناً نبی ﷺ کی یہ پیش گوئی پوری ہو گئی کہ تمیں جھوٹے دجال ہونگے۔ ہر ایک کا دعویٰ ہو گا کہ وہ نبی ہے۔ گذشتہ صدی میں بھی قادیان کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آج اس کے پیروکار اسے اس لئے سچائی اور بعض مسیح موعود ماننے ہیں کہ اسے ایک قلیل تعداد نبی مانتی ہے۔ حالانکہ کچھ لوگوں کا کسی جھوٹے کو سچا مان لینا اس کی سچائی کی دلیل نہیں بن سکتا۔ صداقت کے لئے تو قرآن وحدیث کے واضح دلائل کی ضرورت ہے۔

(۳) جب یہ دونوں ہی ظالم ہیں تو نہ مغتری (جھوٹ گھڑنے والا) کامیاب ہو گا اور نہ کذب (جھٹلانے والا) اس لئے ضروری ہے کہ ہر ایک اپنے انجام پر اچھی طرح غور کر لے۔

لَمْ يَكُنْ يَسْمَعُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبَّنَا أَنْتَ
مُشْرِكِينَ ۝

أَنْظُرْ كَيْفَ كَذَّبُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَصَلَّ عَنْهُمْ
مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا مَلَقَ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ
يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَلَا يَرْوُكُلُ أَيْ لَا يُؤْمِنُوا
بِمَا حَقَّقْنَا إِذَا جَاءَهُمْ لُبَّاءٌ لَوْ أَنَّكَ يَقُولُ الْبَاقُونَ كَقَوْلِ الْإِن
هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝

پھر ان کے شرک کا انجام اس کے سوا اور کچھ بھی نہ ہو گا
کہ وہ یوں کہیں گے کہ قسم اللہ کی اپنے پروردگار کی ہم
مشرک نہ تھے۔^(۱) (۲۳)

زرا دیکھو تو انہوں نے کس طرح جھوٹ بولا اپنی جانوں پر
اور جن چیزوں کو وہ جھوٹ موٹ تراشا کرتے تھے وہ
سب غائب ہو گئے۔^(۲) (۲۴)

اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے
ہیں^(۳) اور ہم نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال رکھا ہے اس
سے کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ
دے رکھی ہے^(۴) اور اگر وہ لوگ تمام دلائل کو دیکھ لیں
تو بھی ان پر کبھی ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ جب یہ
لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ

(۱) فتنہ کے ایک معنی حجت اور ایک معنی معذرت کے لئے گئے ہیں۔ بالآخر یہ حجت یا معذرت پیش کر کے چھٹکارا حاصل
کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہم تو مشرک ہی نہ تھے۔ اور امام ابن جریر نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں ثُمَّ لَمْ يَكُنْ
قَبْلَهُمْ عِنْدَ رَبِّنَا بِأَنَّهُمْ اخْتَارُوا بِمَا سَلَفَ مِنْهُمُ مِنَ الشِّرْكِ بِاللَّهِ — (جب ہم انہیں سوال کی بھٹی میں
جھونکیں گے تو دنیا میں انہوں نے جو شرک کیا اس کی معذرت کے لئے یہ کہے بغیر ان کے لئے چارہ نہیں ہو گا کہ ہم تو
مشرک ہی نہ تھے) یہاں یہ اشکال پیش نہ آئے کہ وہاں تو انسانوں کے ہاتھ پیر گواہی دیں گے اور زبانوں پر تو مرس لگادی
جائیں گی پھر یہ انکار کس طرح کریں گے؟ اس کا جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ دیا ہے کہ جب مشرکین دیکھیں
گے کہ اہل توحید مسلمان جنت میں جا رہے ہیں تو یہ باہم مشورہ کر کے اپنے شرک کرنے سے ہی انکار کر دیں گے۔ تب
اللہ تعالیٰ ان کے سونہوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں جو کچھ انہوں نے کیا ہو گا اس کی گواہی دیں گے اور پھر یہ
اللہ سے کوئی بات چھپانے پر قادر نہ ہو سکیں گے۔ (ابن کثیر)

(۲) لیکن وہاں اس کذب صریح کا کوئی فائدہ انہیں نہیں ہو گا جس طرح بعض دفعہ دنیا میں انسان ایسا محسوس کرتا ہے۔
اسی طرح ان کے معبودان باطل بھی جن کو وہ اللہ کا شریک اپنا سمجھتی و مددگار اور سفارشی سمجھتے تھے غائب ہوں گے اور
وہاں ان پر شرک کی حقیقت واضح ہو گی لیکن وہاں اس کے ازالے کی کوئی صورت نہیں ہو گی۔

(۳) یعنی یہ مشرکین آپ کے پاس آکر قرآن تو سنتے ہیں لیکن چونکہ مقصد طلب ہدایت نہیں اس لئے بے فائدہ ہے۔
(۴) علاوہ انہیں شجرۂ اعلیٰ کُفْرِہُمْ ان کے کفر کے نتیجے میں ان کے دلوں پر بھی ہم نے پردے ڈال دیئے ہیں اور
ان کے کانوں میں ڈاٹ جس کی وجہ سے ان کے دل حق بات سمجھنے سے قاصر اور ان کے کان حق کو سننے سے عاجز ہیں۔

جھڑتے ہیں، یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے چلی آ رہی ہیں۔^(۱) (۲۵)

اور یہ لوگ اس سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور دور رہتے ہیں^(۲) اور یہ لوگ اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور کچھ خبر نہیں رکھتے۔^(۳) (۲۶)

اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائیں^(۴) تو کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیئے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو جھوٹا نہ بتلائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔^(۵) (۲۷)

بلکہ جس چیز کو اس کے قتل چھپایا کرتے تھے وہ ان کے سامنے آگئی ہے^(۶) اور اگر یہ لوگ پھر واپس بھیج دیئے

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْهَوْنَ عَنْهُ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَبِأَشَرُونَ ۝

وَلَوْ تَرَى إِذْ وَقَعُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا لَوْلَا بَعَثْنَا نَارًا وَلَا تَنْكِبُ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَلَوْ كُنَّا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

بَلْ يَدَّبَعُوا اللَّهَ مُتَوَكِّلِينَ ۝ وَلَوْ رَدُّوا عَاذُوا

(۱) اب وہ گمراہی کی ایسی دلدل میں پھنس گئے ہیں کہ بڑے سے بڑا معجزہ بھی دیکھ لیں تب بھی ایمان لانے کی توفیق سے محروم رہیں گے اور ان کا عناد و محمد انا بڑھ گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کو پہلے لوگوں کی بے سند کہانیاں کہتے ہیں۔

(۲) یعنی عام لوگوں کو آپ ﷺ سے اور قرآن سے روکتے ہیں تاکہ وہ ایمان نہ لائیں اور خود بھی دور دور رہتے ہیں۔

(۳) لیکن لوگوں کو روکنا اور خود بھی دور رہنا اس سے ہمارا یا ہمارے پیغمبر ﷺ کا کیا بگڑے گا؟ اس طرح کے کام کر کے وہ خود ہی بے شعوری میں اپنی ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں۔

(۴) یہاں نیر کا جواب محذوف ہے تقدیری عبارت یوں ہوگی ”تو آپ کو ہولناک منظر نظر آئے گا“

(۵) لیکن وہاں سے دوبارہ دنیا میں آنا ممکن ہی نہیں ہو گا کہ وہ اپنی اس آرزو کی تکمیل کر سکیں۔ کافروں کی اس آرزو کا

قرآن نے متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ مثلاً ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ﴾ ﴿قَالَ اخْسَوْفُنَا وَلَا تَحْكُمُوا﴾ ﴿الْمُؤْمِنُونَ ۱۰۷﴾

”اے ہمارے رب! ہمیں اس جہنم سے نکال لے اگر ہم دوبارہ تیری نافرمانی کریں تو یقیناً

ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا“ اسی میں ذلیل و خوار پڑے رہو“ مجھ سے بات نہ کرو“ ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ﴾

﴿الْمُؤْمِنُونَ ۱۰۷﴾ ”اے ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا“ ایسے ہمیں دوبارہ دنیا

میں بھیج دے تاکہ ہم نیک عمل کریں“ اب ہمیں یقین آگیا ہے۔

(۶) بتل جو اصرار (یعنی پہلی بات سے گریز کرنے) کے لئے آتا ہے۔ اس کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) ان

کے لئے وہ کفر اور عناد و تکذیب ظاہر ہو جائے گی جو اس سے قبل وہ دنیا یا آخرت میں چھپاتے تھے۔ یعنی جس کا انکار

لِيَمَّا نَسُوا عَنَّهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۳۸﴾

وَقَالُوا إِنَّمَا الْإِنشَاءُ الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ
بِمُعْصِيَيْنَ ﴿۳۹﴾

وَلَوْ تَرَى إِذْ يَقُولُ أَصْلَ رَبِّهِمْ قَالَ الْيَاسُ هَذَا إِلَهُي
قَالُوا بَلْ وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا
كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۴۰﴾

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا اللَّهُ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ
السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا ائْتِنَا عَلٰى مَا كُنَّا فِيهَا وَهُمْ
يَكْفُرُونَ أَفَذَرْنَاهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ كَلَسَاءً مَا يَرْجُونَ ﴿۴۱﴾

جائیں تب بھی یہ وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع
کیا گیا تھا اور یقیناً یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ (۳۸)

اور یہ کہتے ہیں کہ صرف یہی دنیاوی زندگی ہماری زندگی
ہے اور ہم زندہ نہ کئے جائیں گے۔ (۳۹)

اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب یہ اپنے رب کے
سامنے کھڑے کئے جائیں گے۔ اللہ فرمائے گا کہ کیا یہ امر
واقعی نہیں ہے؟ وہ کہیں گے بے شک قسم اپنے رب
کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اب اپنے کفر کے عوض
عذاب چکھو۔ (۴۰)

بے شک خسارہ میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے
ملنے کی تکذیب کی، یہاں تک کہ جب وہ معین وقت ان
پر دفعتاً آ پہنچے گا، کہیں گے کہ ہائے افسوس ہماری کوتاہی
پر جو اس کے بارے میں ہوئی اور حاست ان کی یہ ہوگی
کہ وہ اپنے بار اپنی ٹینگوں پر لادے ہوں گے، خوب سن
لو کہ بری ہوگی وہ چیز جس کو وہ لادیں گے۔ (۴۱)

کرتے تھے جیسے وہاں بھی ابتداء کس کے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ (ہم تو مشرک ہی نہ تھے) (۲) یا رسول اللہ ﷺ اور قرآن
کریم کی صداقت کا علم جو ان کے دلوں میں تھا، لیکن اپنے پیروکاروں سے چھپاتے تھے۔ وہاں ظاہر ہو جائے گا۔ (۳) یہ
منافقین کا وہ نفاق وہاں ظاہر ہو جائے گا جسے وہ دنیا میں اہل ایمان سے چھپاتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۱) یعنی دوبارہ دنیا میں آنے کی خواہش ایمان لانے کے لئے نہیں، صرف عذاب سے بچنے کے لئے ہے، جو ان پر قیامت
کے دن ظاہر ہو جائے گا اور جس کا وہ معاویہ کر لیں گے ورنہ اگر یہ دنیا میں دوبارہ بھیج دیئے جائیں تب بھی یہ وہی کچھ
کریں گے جو پہلے کرتے رہے ہیں۔

(۲) یہ بغث تغذ لغوت (مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے) کا انکار ہے جو ہر کافر کرتا ہے اور اس حقیقت سے انکار ہی
در اصل ان کے کفر و عصیان کی سب سے بڑی وجہ ہے ورنہ اگر انسان کے دل میں صحیح معنوں میں اس عقیدہ آخرت کی
صداقت راسخ ہو جائے تو کفر و عصیان کے راستے سے فوراً تائب ہو جائے۔

(۳) یعنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لینے کے بعد تو وہ اعتراف کر لیں گے کہ آخرت کی زندگی واقعی برحق ہے۔ لیکن وہاں
اس اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ اب تو اپنے کفر کے بدلے میں عذاب کا مزہ چکھو۔

(۴) اللہ کی ملاقات کی تکذیب کرنے والے جس خسارے اور نامرادی سے دوچار ہوں گے اپنی کوتاہیوں پر جس طرح

وَمَا الْحَيَوةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَلَذَٰلِكَ أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا
يَقُولُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۳۲﴾

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الْكَذِبُ يَقُولُونَ وَلَوْ لَأَمَرْنَا

لَا يَكِيدُونَكَ وَلِيَكَنَّ الظَّالِمِينَ يَأْتِي اللَّهُ بِحَدِيثٍ ﴿۳۳﴾

وَلَقَدْ كَذَّبَتْ بُسْرَةُ مِنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كَانُوا

وَإِذْ وَاحٍ إِلَىٰ آبَائِهِمْ تَضُرُّهُمْ وَأَولَادُهُمْ لَكُلِّمَتِ اللَّهُ

وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ شِيعَائِهِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۴﴾

اور دنیاوی زندگی تو کچھ بھی نہیں، بجز لہو و لعب کے۔
اور دار آخرت متقیوں کے لئے بہتر ہے۔ کیا تم سوچتے
سمجھتے نہیں ہو۔ (۳۲)

ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کے اقوال مغموم
کرتے ہیں، سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن یہ
ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ (۳۳)

اور بت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی بھی
کذب کی جا چکی ہے سو انہوں نے اس پر صبر ہی کیا، ان
کی کذب کی گئی اور ان کو ایذا نہیں پہنچائی گئیں یہاں
تک کہ ہماری امداد ان کو پہنچی (۳۴) اور اللہ کی باتوں کا کوئی

نادم ہوں گے اور برے اعمال کا جو بوجھ اپنے اوپر لادے ہوں گے آیت میں اس کا نقش کھینچا گیا ہے مَرْمَضًا يَبْهًا میں
ضمیر الساعۃ کی طرف راجع ہے یعنی قیامت کی تیاری اور تصدیق کے معاملے میں جو کوتاہی ہم سے ہوئی۔ یا الضُّعْفُ
(سودا) کی طرف راجع ہے، جو اگرچہ عبارت میں موجود نہیں ہے لیکن سیاق اس پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ نقصان
سودے میں ہی ہوتا ہے اور مراد اس سودے سے وہ ہے جو ایمان کے بدلے کفر خرید کر انہوں نے کیا۔ یعنی یہ سودا کر
کے ہم نے سخت کوتاہی کی یا عینہ کی طرف راجع ہے یعنی ہم نے اپنی زندگی میں برائیوں اور کفر و شرک کا ارتکاب
کر کے جو کوتاہی کیں۔ (فتح القدیر)

(۱) نبی ﷺ کو کفار کی طرف سے اپنی کذب کی وجہ سے جو غم و حزن پہنچتا اس کے ازالے اور آپ کی تسلی کے لئے
فرمایا جا رہا ہے کہ یہ کذب آپ کی نہیں۔ (آپ کو تو وہ صادق و امین مانتے ہیں) دراصل یہ آیات الہی کی کذب ہے
اور یہ ایک ظلم ہے۔ جس کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں۔ ترمذی وغیرہ کی ایک روایت میں ہے کہ ابو جہل نے ایک بار
رسول اللہ ﷺ سے کہا اے محمد ﷺ! ہم تم کو نہیں بلکہ جو کچھ تم لے کر آئے ہو اس کو جھٹلاتے ہیں۔ اس پر یہ
آیت نازل ہوئی۔ ترمذی کی یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے لیکن دوسری صحیح روایات سے اس امر کی تصدیق ہوتی
ہے کہ کفار مکہ نبی ﷺ کی امانت و دیانت اور صداقت کے قائل تھے، لیکن اس کے باوجود وہ آپ ﷺ کی رسالت پر
ایمان لانے سے گریزاں رہے۔ آج بھی جو لوگ نبی ﷺ کے حسن اخلاق، رفعت کردار اور امانت و صداقت کو تو خوب
جموم جموم کر بیان کرتے اور اس موضوع پر فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتے ہیں لیکن اتباع رسول ﷺ میں وہ
انقباض محسوس کرتے آپ کی بات کے مقابلے میں فقہ و قیاس اور اقوال ائمہ کو ترجیح دیتے ہیں، انہیں سوچنا چاہیے کہ یہ
کس کا کردار ہے جسے انہوں نے اپنایا ہوا ہے؟

(۲) نبی ﷺ کی مزید تسلی کے لئے کہا جا رہا ہے کہ یہ پہلا واقعہ نہیں ہے کہ کافر اللہ کے پیغمبر کا انکار کر رہے ہیں بلکہ

بدلنے والا نہیں^(۱) اور آپ کے پاس بعض پیغمبروں کے بعض خبریں پہنچ چکی ہیں۔^(۲) (۳۳)

اور اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو پھر کوئی معجزہ لے آؤ تو کرو اور اگر اللہ کو منظور ہو تو ان سب کو راہ راست پر جمع کر دیتا^(۳) سو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے۔^(۴) (۳۵)

وَلَنْ كَانَ كِبُرُكَ عَلَيْكَ رِعَاضُهُمْ قَالِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَمْلِكُنَا
نَفْقَاتِ الْاَرْضِ أَوْ مُسْلَمَاتِ السَّمَاءِ فَنَنْبِذَهُمْ وَأَيُّكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ
لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهَدْيِ وَلَا تُلَوِّشَ مِنَ الْيُودِينَ ۝

اس سے پہلے بھی بت سے رسول گزر چکے ہیں جن کی تکذیب کی جاتی رہی ہے۔ پس آپ بھی ان کی اقتدا کرتے ہوئے اسی طرح مبرا اور حوصلے سے کام لیں جس طرح انہوں نے تکذیب اور ایذا پر صبر سے کام لیا، حتیٰ کہ آپ کے پاس بھی اسی طرح ہماری مدد آجائے، جس طرح پہلے رسولوں کی ہم نے مدد کی اور ہم اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے۔ ہم نے وعدہ کیا ہوا ہے ﴿وَاللَّهُ مُدْرِكُ الْيَمِينِ﴾ (المؤمن - ۵۱) ”یقیناً ہم اپنے پیغمبروں اور اہل ایمان کی مدد کریں گے“ ﴿كَتَبَ اللَّهُ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ﴾ (المجادلہ - ۲۱) ”اللہ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے“ وَغَيْرَ هَٰئِهِ لَا يَأْتِ (مَثَلًا الصَّافَات - ۱۷۱، ۱۷۲)

(۱) بلکہ اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا کہ آپ کافروں پر غالب و منصور رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۲) جن سے واضح ہے کہ ابتدا میں گوان کی قوموں نے انہیں جھٹلایا، انہیں ایذا میں پہنچائیں اور ان کے لئے عرصہ حیات تنگ کر دیا، لیکن بالآخر اللہ کی نصرت سے کامیابی و کامرانی اور نجات ابدی انہی کا مقدر رہی۔

(۳) نبی ﷺ کو معاندین و کافریں کی تکذیب سے جو گرائی اور مشقت ہوتی تھی، اسی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر سے ہوتا ہی تھا اور اللہ کے حکم کے بغیر آپ ان کو قبول اسلام پر آمادہ نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ اگر آپ کوئی سرنگ کھود کر یا آسمان پر سیڑھی لگا کر بھی کوئی نشانی ان کو لا کر دکھادیں، تو اس کو آپ کے لیے ایسا کرنا محال ہے اور اگر بالفرض آپ ایسا کر دکھائیں بھی تو یہ ایمان لانے کے نہیں۔ کیوں کہ ان کا ایمان نہ رہا، اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت ہے جس کا مکمل احاطہ انسانی عقل و فہم نہیں کر سکتے۔ البتہ جس کی ایک ظاہری حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اختیار و ارادے کی آزادی دے کر آزما رہا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام انسانوں کو ہدایت کے ایک راستے پر لگا دینا مشکل کام نہ تھا، اس کے لیے لفظ ”تَنْبِذُ“ سے پلک جھپکتے ہیں یہ کام ہو سکتا ہے۔

(۴) یعنی آپ ان کے کفر، زیادہ حسرت و افسوس نہ کریں کیونکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت و تقدیر سے ہے، اس لیے اسے اللہ ہی کے سپرد کر دیں، وہی اس کی حکمت و مصلحت کو بہتر سمجھتا ہے۔

إِنَّمَا يَسْمِعُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ وَالْمَوْتَى يَسْمِعُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ
إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ
يُنْزِلَ آيَةً وَلَٰكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا ظَلِيمٍ إِلَّا جَاءَهُ الْآيَةُ
أَمَّا لَكُمْ مِمَّا قُتِلَ فِي الْكُفِّ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ
لَمْ يَرْوِهِمُ بَحْرُ مَوْتٍ ﴿٣٨﴾

وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں۔^(۱) اور مردوں کو
اللہ زندہ کر کے اٹھائے گا پھر سب اللہ ہی کی طرف لائے
جائیں گے۔ (۳۶)

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ کیوں نہیں
نازل کیا گیا ان کے رب کی طرف سے آپ فرما دیجئے کہ
اللہ تعالیٰ کو بے شک پوری قدرت ہے اس پر کہ وہ معجزہ
نازل فرمادے^(۲) لیکن ان میں اکثر بے خبر ہیں۔^(۳) (۳۷)

اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے
قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے
ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمہاری طرح
کے گروہ نہ ہوں،^(۴) ہم نے دفتر میں کوئی چیز
نہیں چھوڑی^(۵) پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع
کیے جائیں گے۔^(۶) (۳۸)

(۱) اور ان کافروں کی حیثیت تو ایسی ہے جیسے مردوں کی ہوتی ہے جس طرح وہ سننے اور سمجھنے کی قدرت سے محروم ہیں یہ
بھی چونکہ اپنی عقل و فہم سے حق کو سمجھنے کا کام نہیں لیتے اس لیے یہ بھی مردہ ہی ہیں۔

(۲) یعنی ایسا معجزہ جو ان کو ایمان لانے پر مجبور کر دے جیسے ان کی آنکھوں کے سامنے فرشتہ اترے یا پہاڑ ان پر اٹھا کر بلند کر
دیا جائے جس طرح بنی اسرائیل پر کیا گیا۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ تو یقیناً ایسا کر سکتا ہے لیکن اس نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ پھر
انسانوں کے اہل کفر کا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے مطالبے پر اگر کوئی معجزہ دکھلایا جاتا اور پھر بھی وہ ایمان نہ دیتے تو پھر
فوراً انہیں اسی دنیا ہی میں سخت سزا دے دی جاتی۔ یوں گویا اللہ کی اس حکمت میں بھی انہی کا دنیاوی فائدہ ہے۔

(۳) جو اللہ کے حکم و مشیت کی حکمت بالغہ کا ادراک نہیں کر سکتے۔

(۴) یعنی انہیں بھی اللہ نے اسی طرح پیدا فرمایا جس طرح تمہیں پیدا کیا اسی طرح انہیں روزی دیتا ہے جس طرح
تمہیں دیتا ہے اور تمہاری ہی طرح وہ بھی اس کی قدرت و علم کے تحت داخل ہیں۔

(۵) کتاب (دفتر) سے مراد لوح محفوظ ہے۔ یعنی وہاں ہر چیز درج ہے یا مراد قرآن ہے جس میں اجمالاً یا تفصیلاً دین کے ہر
معاملے پر روشنی ڈالی گئی ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (السجدة - ۸۹)

ہم نے آپ پر ایسی کتاب اتاری ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ ”یہاں پر سیاق کے لحاظ سے پہلے معنی اقرب ہے۔

(۶) یعنی تمام مذکورہ گروہ اکٹھے کیے جائیں گے۔ اس سے علا کے ایک گروہ نے استدلال کیا ہے کہ جس طرح تمام
انسانوں کو زندہ کر کے ان کا حساب کتاب لیا جائے گا جانوروں اور دیگر تمام مخلوقات کو بھی زندہ کر کے ان کا بھی حساب

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ضَلُّوا وَلَهُمْ فِي الْعَذَابِ مَنْشَأٌ ۖ
يُضِلُّهُ وَمِنْ بُشَا يُجْعَلُهُمْ عَلَىٰ جَوَاطِبٍ مُّسْتَبِيتَةٍ ۝

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْهُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ
تَدْعُونَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

بَلَدًا يَأْتِيهِ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنَّ سَاءَ
مَنْشَأُكُمْ ۝

اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں وہ تو
طرح طرح کی ظلمتوں میں بہرے گونگے ہو رہے ہیں،
اللہ جس کو چاہے بے راہ کر دے اور وہ جس کو چاہے
سیدھی راہ پر لگا دے۔ (۳۹)

آپ کہئے کہ اپنا حال تو بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا کوئی عذاب
آپڑے یا تم پر قیامت ہی آپہنچے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور
کو پکارو گے۔ اگر تم سچے ہو۔ (۴۰)

بلکہ خاص اسی کو پکارو گے، پھر جس کے لئے تم پکارو گے
اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے اور جن کو تم شریک
فہمراہتے ہو ان سب کو بھول بھال جاؤ گے۔ (۴۱)

کتاب ہو گا۔ جس طرح ایک حدیث میں بھی نبی ﷺ نے فرمایا، کسی سینک والی بکری نے اگر بغیر سینک والی بکری پر کوئی
زیادتی کی ہوگی تو قیامت والے دن سینک والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا۔ (صحیح مسلم۔ شعبہ ۱۹۹) بعض علما نے
حشر سے مراد صرف موت لی ہے۔ یعنی سب کو موت آئے گی۔ اور بعض علما نے کہا ہے کہ یہاں حشر سے مراد کفار کا حشر
ہے۔ اور درمیان میں مزید جو باتیں آئی ہیں، وہ جملہ معترضہ کے طور پر ہیں۔ اور حدیث مذکور (جس میں بکری سے بدلہ
لے جانے کا ذکر ہے) بطور تمثیل ہے جس سے مقصد قیامت کے حساب و کتاب کی اہمیت و عظمت کو واضح کرتا ہے۔ یا یہ
کہ حیوانات میں سے صرف ظالم اور مظلوم کو زندہ کر کے ظالم سے مظلوم کو بدلہ دلایا جائے گا۔ پھر دونوں معدوم کر
دیئے جائیں گے۔ (فتح القدیر وغیرہ) اس کی تائید بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

(۱) آیات الہی کی تکذیب کرنے والے چونکہ اپنے کانوں سے حق بات سنتے نہیں اور اپنی زبانوں سے حق بات بولتے
نہیں، اس لیے وہ ایسے ہی ہیں جیسے گونگے اور بہرے ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ کفر و ضلالت کی تاریکیوں میں بھی
گہرے ہوئے ہیں۔ اس لیے انہیں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جس سے ان کی اصلاح ہو سکے۔ پس ان کے حواس گویا
مسلوب ہو گئے جن سے کسی حال میں وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ پھر فرمایا: تمام اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ جسے چاہے
گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر لگا دے۔ لیکن اس کا یہ فیصلہ یوں ہی اہل شپ نہیں ہو جاتا بلکہ عدل و انصاف
کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے، گمراہ اسی کو کرتا ہے جو خود گمراہی میں پھنسا ہوتا ہے اور اس سے نکلنے کی وہ سعی کرتا ہے
نہ نکلنے کو وہ پسند ہی کرتا ہے۔ (مزید دیکھئے سورہ بقرہ آیت ۲۶ کا حاشیہ)

(۲) اَرَأَيْتُمْ میں کاف اور میم خطاب کے لیے ہے اس کے معنی اخبروہ (مجھے بتلاؤ یا خبر دو) کے ہیں۔ اس مضمون کو
بھی قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے (دیکھئے سورہ بقرہ آیت ۱۲۵ کا حاشیہ) اس کا مطلب یہ ہوا کہ توحید انسانی فطرت

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَآخَذْنَا مِنْهُمُ الْبِلَاءَ وَالْضَّرَّاءَ
لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ﴿۳۱﴾

فَقَوْلًا إِذْ جَاءَهُمْ بِلَاءٌ فَاسْتَضَرَّعُوا وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ
لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۲﴾

فَلَمَّا نَسُوا مَا كُنُوا رَبُّهُمْ يَتَّخِذْنَ عَلَيْهِمْ بَابًا ذَلِيلًا
ثُمَّ إِذَا فِيهِ جُؤَاهِمَا آوُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ
مُقْبَسُونَ ﴿۳۳﴾

فَقُطِعَ دَائِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَإِنَّمَا تَذَكَّرُونَ
رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۴﴾

اور ہم نے اور امتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے
گزر چکی ہیں پیغمبر بھیجے تھے سو ہم نے ان کو تنگہ سستی اور
پیماری سے پکڑا تاکہ وہ اظہارِ عجز کر سکیں۔ (۳۱)

سو جب ان کو ہماری سزا پہنچی تھی تو انہوں نے عاجزی
کیوں نہیں اختیار کی؟ لیکن ان کے قلوب سخت ہو گئے
اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے خیال میں آراستہ
کر دیا۔^(۱) (۳۲)

پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو
نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے
کشادہ کر دیے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان
کو ملی تھیں وہ خوب اتر آ گئے ہم نے ان کو دفعتاً پکڑ لیا
پھر تو وہ بالکل مایوس ہو گئے۔ (۳۳)

پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جو
تمام عالم کا پروردگار ہے۔^(۲) (۳۴)

کی آواز ہے۔ انسان ماحول یا آباد اجداد کی تخلیق ناسدید میں مشرکانہ عقائد و اعمال میں جٹا رہتا ہے اور غیر اللہ کو اپنا
حاجت روا و مشکل کشا سمجھتا رہتا ہے، نذر نیاز بھی انہی کے نام کی نکالتا ہے، لیکن جب کسی اختلا سے دوچار ہوتا ہے تو پھر
یہ سب بھول جاتا ہے اور فطرت ان سب پر غالب آ جاتی ہے اور بے اختیار انسان پھر اسی ذات کو پکارتا ہے جس کو پکارنا
چاہیے۔ کاش لوگ اسی فطرت پر قائم رہیں کہ نجات اخروی تو مکمل طور پر اسی صدائے فطرت یعنی توحید کے اختیار
کرنے میں ہی ہے۔

(۱) قومیں جب اخلاق و کردار کی پستی میں جٹا ہو کر اپنے دلوں کو رنگ آلود کر لیتی ہیں تو اس وقت اللہ کے عذاب بھی
انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے اور جھنجھوڑنے میں ناکام رہتے ہیں۔ پھر ان کے ہاتھ طلب مغفرت کے لیے اللہ کے
سامنے نہیں اٹھتے، ان کے دل اس کی بارگاہ میں نہیں جھکتے اور ان کے رخ اصلاح کی طرف نہیں مڑتے۔ بلکہ اپنی بد
اعمالیوں پر تاویلات و توجیہات کے حسین غلاف چڑھا کر اپنے دل کو مطمئن کر لیتی ہیں۔ اس آیت میں ایسی ہی قوموں کا
وہ کردار بیان کیا گیا ہے جسے شیطان نے ان کے لیے خوبصورت بنا دیا ہوتا ہے۔

(۲) اس میں خدا فراموش قوموں کی بابت اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ ہم بعض دفعہ وقتی طور پر ایسی قوموں پر دنیا کی
آسائشوں اور فراوانیوں کے دروازے کھول دیتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ اس میں خوب مگن ہو جاتی ہیں اور اپنی
مادی خوش حالی و ترقی پر اترانے لگ جاتی ہیں تو پھر ہم اچانک انہیں اپنے مواخذے کی گرفت میں لے لیتے ہیں اور ان کی

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَبَصَارَكُمْ وَخَنَعَ
عَلَّ قُلُوبَكُمْ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِهِ أَنْظَرُ كَيْفَ تَعْرِفُونَ
الَّذِينَ لَهُمْ هُمْ يَصْدِقُونَ ﴿٣٦﴾

آپ کہتے کہ یہ بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سماعت اور
بصارت بالکل لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو
اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود ہے کہ یہ تم کو پھر دے
دے۔ آپ دیکھئے تو ہم کس طرح دلائل کو مختلف
پہلوؤں سے پیش کر رہے ہیں پھر بھی یہ اعراض کرتے
ہیں۔^(۱) (۳۶)

قُلْ أَرَأَيْتُمْ كُنْزَ الْكُفْرِ عَذَابُ اللَّهِ بَاقٍ أَوْ جَهَنَّمَ هَلْ
يُغْنِيكَ إِلَّا الْقَوْمُ الظَّالِمُونَ ﴿٣٧﴾

آپ کہتے کہ یہ بتاؤ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آپزے
خواہ اچانک یا اعلانیہ تو کیا مجز عالم لوگوں کے اور بھی کوئی
ہلاک کیا جائے گا۔^(۲) (۳۷)

جز ہی کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ حدیث میں بھی آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نافرمانیوں کے
باوجود کسی کو اس کی خواہشات کے مطابق دنیا دے رہا ہے تو یہ "استدراج" (ڈھیل ریتا) ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت
تلاوت فرمائی۔ (مسند احمد، جلد ۲، صفحہ ۱۳۵) قرآن کریم کی اس آیت اور حدیث نبوی ﷺ سے معلوم ہوا کہ
دنوی ترقی اور خوش حالی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جس فرد یا قوم کو یہ حاصل ہو تو وہ اللہ کی چیتا ہے اور اللہ تعالیٰ
اس سے خوش ہے، جیسا کہ بعض لوگ ایسا سمجھتے ہیں بلکہ بعض تو انہیں ﴿إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُعْطِيهَا لِمَن يَشَاءُ﴾
(الانبیاء ۱۰۷) کا مصداق قرار دے کر انہیں "اللہ کے نیک بندے" تک قرار دیتے ہیں۔ ایسا سمجھنا اور کسنا غلط ہے، گمراہ
قوموں یا افراد کی دنیوی خوش حالی، امتلا اور ملت کے طور پر ہے نہ کہ یہ ان کے کفر و معاصی کا صلہ ہے۔

(۱) آنکھیں، کان اور دس، یہ انسان کے نہایت اہم اعضاء و جوارح ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر وہ چاہے تو ان کی وہ
خصوصیات سلب کر لے جو اللہ نے ان کے اندر رکھی ہیں یعنی سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی خصوصیات، جس طرح کافروں کے
یہ اعضاء ان خصوصیات سے محروم ہوتے ہیں۔ یا اگر وہ چاہے تو اعضاء کو پیسے ہی ختم کر دے، وہ دونوں ہی باتوں پر قادر
ہے، اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا، مگر یہ کہ وہ خود کسی کو بچانا چاہے۔ آیات کو مختلف پہلوؤں سے پیش کرنے کا
مطلب ہے کبھی انذار و تبشیر اور ترغیب و ترہیب کے ذریعے سے، اور کبھی کسی اور ذریعے سے۔

(۲) نَعْنَاءُ (بے خبری) سے مراد رات اور جَہَنَّمَ (خبرداری) سے دن مراد ہے، جسے سورۃ یونس میں ﴿بَيْنَا وَبَيْنَهُمَا﴾
(سورۃ یونس - ۵۰) سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی دن کو عذاب آجائے یا رات کو۔ یا پھر نَعْنَاءُ وہ عذاب ہے جو اچانک بغیر تمہید
اور مقدمات کے آجائے اور جَہَنَّمَ وہ عذاب جو تمہید اور مقدمات کے بعد آئے۔ یہ عذاب جو قوموں کی ہلاکت کے لیے
آتا ہے۔ ان ہی پر آتا ہے جو ظالم ہوتی ہیں یعنی کفر و طغیان اور معصیت الہی میں حد سے تجاوز کر جاتی ہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْآيَاتِ وَأَمَّا الَّذِينَ لَا يَمُنُونَ فَمَن مِّنْهُمْ
وَأَصْلَهُمْ فَلَا حُفُوفَ عَلَيْهِمْ وَلَا تُحْمَلُونَ ۝

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَتَذَكَّرُ لَهُمُ الْعَذَابُ يَوْمَ كَانُوا
يَعْتَفُونَ ۝

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ
وَلَا أَقُولُ لَكُمْ أَنِّي مَلَائِكُ اللَّهِ إِلَّا مَا يَؤْتِيَنِي ۚ قُلْ
مَنْ يَسْتَوِ الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ۝

اور ہم پیغمبروں کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ
بشارت دیں اور ڈرائیں^(۱) پھر جو ایمان لے آئے اور
درستی کر لے سوان لوگوں پر کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ
مغوم ہوں گے۔^(۲) (۳۸)

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلائیں ان کو عذاب
پہنچے گا جو اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں۔^(۳) (۳۹)
آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے
پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور
نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو
صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اس کا اتباع کرتا
ہوں^(۴) آپ کہئے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہو سکتا
ہے۔^(۵) سو کیا تم غور نہیں کرتے؟ (۵۰)

(۱) وہ اطاعت گزاروں کو ان نعمتوں اور اجر جزیل کی خوش خبری دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے جنت کی صورت میں ان کے
لیے تیار کر رکھا ہے اور نافرمانوں کو ان عذابوں سے ڈراتے ہیں جو اللہ نے ان کے لیے جہنم کی صورت میں تیار کیے
ہوئے ہیں۔

(۲) مستقبل (یعنی آخرت) میں پیش آنے والے حالات کا انہیں اندیشہ نہیں اور اپنے پیچھے دنیا میں جو کچھ چھوڑ آئے یا
دنیا کی جو آسودگیاں وہ حاصل نہ کر سکے اس پر وہ مغوم نہیں ہوں گے کیونکہ دونوں جہانوں میں ان کا ولی اور کارساز وہ
رب ہے جو دونوں ہی جہانوں کا رب ہے۔

(۳) یعنی ان کو عذاب اس لیے پہنچے گا کہ انہوں نے تکفیر و تکذیب کا راستہ اختیار کیا اللہ کی اطاعت اور اس کے اوامر
کی پرواہ نہیں کی اور اس کے محارم و منہای کا ارتکاب بلکہ اس کی حرمتوں کو پامال کیا۔

(۴) میرے پاس اللہ کے خزانے بھی نہیں (جس سے مراد ہر طرح کی قدرت و طاقت ہے) کہ میں تمہیں اللہ کے اذن و
مشیت کے بغیر کوئی ایسا بڑا معجزہ صادر کر کے دکھا سکوں جیسا کہ تم چاہتے ہو جسے دیکھ کر تمہیں میری صداقت کا یقین ہو
جائے۔ میرے پاس غیب کا علم بھی نہیں کہ مستقبل میں پیش آنے والے حالات سے میں تمہیں مطلع کر دوں مجھے
فرشتہ ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کہ تم مجھے ایسے خرق عادات امور پر مجبور کرو جو انسانی طاقت سے بالا ہوں۔ میں تو صرف
اس وحی کا پیرو ہوں جو مجھ پر نازل ہوتی ہے اور اس میں حدیث بھی شامل ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا اُزینتُ لِقَاءَ
وَسَلُّهُ مَعَهُ ”مجھے قرآن کے ساتھ اس کی مثل بھی دیا گیا یہ مثل حدیث رسول ﷺ ہی ہے۔

(۵) یہ استغمام انکار کے لیے ہے یعنی اندھا اور بینا، گمراہ اور ہدایت یافتہ اور مومن و کافر برابر نہیں ہو سکتے۔

وَأَنذِرْهُمُ الَّذِينَ يَخْلَفُونَ أَنِ يُخْسِرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥١﴾

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ تَتَّطَرَّدُ لَهُمْ فَنُكُلُونَ مِنَ الطَّيِّبِينَ ﴿٥٢﴾

وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا لَعْظَمَهُم بِبَعْضِ لَيْقُولِهِمْ أَهْلَآةَ مَنْ اتَّخَذُوا عَلَيْهِمْ مِن بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿٥٣﴾

اور ایسے لوگوں کو ڈرائیے جو اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کئے جائیں گے کہ جتنے غیر اللہ ہیں نہ کوئی ان کا مددگار ہو گا اور نہ کوئی شفیع ہو گا اس امید پر کہ وہ ڈر جائیں۔ (۵۱)

اور ان لوگوں کو نہ نکالے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں، خاص اسی کی رضامندی کا قصد رکھتے ہیں۔ ان کا حساب ذرا بھی آپ کے متعلق نہیں اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں کہ آپ ان کو نکال دیں۔ ورنہ آپ ظلم کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (۵۲)

اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ سوگ کما کریں کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے۔ (۵۳) کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ شکر

(۱) یعنی انذار کا فائدہ ایسے ہی لوگوں کو ہو سکتا ہے، ورنہ جو بعث بعد الموت اور حشر و نشر یقین ہی نہیں رکھتے، وہ اپنے کفر و مجود پر ہی قائم رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں ان اہل کتب اور کافروں اور مشرکوں کا رد بھی ہے جو اپنے آپ اور اپنے بتوں کو اپنا سفارشی سمجھتے تھے۔ نیز کار ساز اور سفارشی نہیں ہو گا کا مطلب، یعنی ان کے لیے جو عذاب جہنم کے مستحق قرار پائے ہوئے ہوں گے۔ ورنہ مومنوں کے لیے تو اللہ نیک بندے، اللہ کے حکم سے سفارش کریں گے۔ یعنی شفاعت کی نفی اہل کفر و شرک کے لیے ہے اور اس کا اثبات ان کے لیے جو گناہ گار مومن و مومنا ہوں گے، اسی طرح دونوں قسم کی آیات میں کوئی تعارض بھی نہیں رہتا۔

(۲) یعنی یہ بے سہارا اور غریب مسلمان جو بڑے اخلاص سے رات دن اپنے رب کو پکارتے ہیں یعنی اس کی عبادت کرتے ہیں، آپ مشرکین کے اس طعن یا مطالبہ سے کہ اے محمد! (ﷺ) تمہارے ارد گرد تو غریب و فقرا کا ہی ہجوم رہتا ہے ذرا انہیں ہٹاؤ تو ہم بھی تمہارے ساتھ بیٹھیں، ان غریب کو اپنے سے دور نہ کرنا بالخصوص جب کہ آپ کا کوئی حساب ان کے متعلق نہیں اور ان کا آپ کے متعلق نہیں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو یہ ظلم ہو گا جو آپ کے شایان شان نہیں۔ مقصد امت کو سمجھانا ہے کہ بے وسائل لوگوں کو حقیر سمجھنا یا ان کی صحبت سے گریز کرنا اور ان سے وابستگی نہ رکھنا، یہ نادانوں کا کام ہے۔ اہل ایمان کا نہیں۔ اہل ایمان تو اہل ایمان سے محبت رکھتے ہیں چاہے وہ غریب اور مسکین ہی کیوں نہ ہوں۔

(۳) ابتدا میں اکثر غریب، غلام قسم کے لوگ ہی مسلمان ہوئے تھے۔ اس لیے یہی چیز رؤسائے کفار کی آزمائش کا ذریعہ

گزاروں کو خوب جانتا ہے۔^(۱) (۵۳)

اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو (یوں) کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہے^(۲) تمہارے رب نے میرانی فرماتا اپنے ذمہ مقرر کر لیا ہے^(۳) کہ جو شخص تم میں سے برا کام کر بیٹھے جہالت سے بھر وہ اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح رکھے تو اللہ (کی یہ شان ہے کہ وہ) بڑی مغفرت کرنے والا ہے بڑی رحمت والا ہے۔^(۴) (۵۴)

اسی طرح ہم آیات کی تفصیل کرتے رہتے ہیں اور تاکہ مجرمین کا طریقہ ظاہر ہو جائے۔ (۵۵)

وَلَا تَأْسَ بِمُؤْمِنِي وَلَا أَجَلٍ لَّكَ الْيَوْمَ وَلَا يَوْمَئِذٍ لَّكَ سَلَامٌ عَلَيْهِمْ كَتَبَ رَبُّكَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ إِنَّكَ مِنْ عِندِ رَبِّكَ مُتَوَكِّلٌ ۖ تَبَارَكَ تَعَالَى مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَأَصْلَحْ قَاتِلَ الَّذِينَ عَفَوْتَ عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ۝

وَلَا تَأْسَ بِمُؤْمِنِي وَلَا تَأْسَ بِمُؤْمِنِي سَمِيعُ الْمُجْرِمِينَ ۝

بن گئی اور وہ ان غریبوں کا مذاق بھی اڑاتے اور جن پر ان کا بس چلتا، انہیں تعذیب و اذیت سے بھی دو چار کرتے اور کہتے کہ کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان فرمایا ہے؟ مقصد ان کا یہ تھا کہ ایمان اور اسلام اگر واقعی اللہ کا احسان ہوتا تو یہ سب سے پہلے ہم پر ہوتا، جس طرح وہ سرے مقام پر فرمایا ﴿لَوْ كَانَ خِزْيَانًا مَّخْفُونًا﴾ (الاحقاف۔ ۱۱) ”اگر یہ بہتر چیز ہوتی تو اس کے قبول کرنے میں یہ ہم سے سبقت نہ کرتے“ یعنی ان ضعفا کے مقابلے میں ہم پہلے مسلمان ہوتے۔

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ ظاہری چمک دمک، غماغم باٹھ اور ریمسانہ کو فرد غیرہ نہیں دیکھتا، وہ تو دلوں کی کیفیت کو دیکھتا ہے اور اس اعتبار سے وہ جانتا ہے کہ اس کے شکر گزار بندے اور حق شناس کون ہیں؟ پس اس نے جن کے اندر شکر گزاری کی خوبی دیکھی، انہیں ایمان کی سعادت سے سرفراز کر دیا جس طرح حدیث میں آتا ہے۔ ”اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور تمہارے رنگ نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دل اور تمہارے عمل دیکھتا ہے۔“ (صحیح مسلم، کتاب البیہ، باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ واحقاقہ ودمہ وحرصہ)

(۲) یعنی ان پر سلام کر کے یا ان کے سلام کا جواب دے کر ان کی تکمیل اور قدر افزائی کریں۔

(۳) اور انہیں خوشخبری دیں کہ تفضل و احسان کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر گزار بندوں پر اپنی رحمت کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات سے فارغ ہو گیا تو اس نے عرش پر لکھ دیا ﴿بَارِئٌ رَّحِيمٌ نَفِیْتُ عَصَبِي﴾ (صحیح بخاری و مسلم) ”میری رحمت، میرے غضب پر غالب ہے۔“

(۴) اس میں بھی اہل ایمان کے لیے بشارت ہے کیونکہ ان ہی کی یہ صفت ہے کہ اگر نادانی سے یا بہ تقاضائے بشریت کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں تو پھر فوراً توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔ گناہ پر اصرار اور دوام اور توبہ و انابت سے اعراض نہیں کرتے۔

قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
قُلْ لَا أَشْهَدُ أَهْوَاءَهُمْ قَدْ صَلَتُ إِذَا وَمَا أَنَا مِنَ
الْمُهْتَمِينَ ۝

قُلْ إِنِّي عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَكَذَّبْنَاهُ مِنْ مَّا عِندِي مَا
تَسْتَعْمِلُونَ بِهِ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ يَفْضُلُ الْحَقُّ وَهُوَ
خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ۝

قُلْ لَوْ أَنَّ عِندِي مَا تَسْتَعْمِلُونَ بِهِ لَفُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي
وَبَيْنَكُمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کی گئی ہے کہ ان
کی عبادت کروں جن کو تم لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پکارتے
ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہشات کی اتباع نہ
کروں گا کیوں کہ اس حالت میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا
اور راہ راست پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا۔ (۵۶)

آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو ایک دلیل ہے میرے
رب کی طرف سے (۳) اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو
جس چیز کی تم جلد بازی کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں۔
حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے (۳) اللہ تعالیٰ واقعی بات
کو بتلا دیتا ہے (۳) اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی
ہے۔ (۵۷)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم
تقاضا کر رہے ہو تو میرا اور تمہارا ہا ہی قصہ فیصل (۵) ہو

(۱) یعنی اگر میں بھی تمہاری طرح اللہ کی عبادت کرنے کے بجائے تمہاری خواہشات کے مطابق غیر اللہ کی عبادت شروع کر
دوں تو یقیناً میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا۔ مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت پر شش سب سے بڑی گمراہی ہے لیکن بد قسمتی سے
یہ گمراہی اتنی ہی عام بھی ہے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد اس میں مبتلا ہے۔ هَذِهِمُ اللَّهُ تَعَالَى ۔

(۲) مراد وہ شریعت ہے جو وحی کے ذریعے سے آپ ﷺ پر نازل کی گئی جس میں توحید کو اولین حیثیت حاصل ہے۔
وَإِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورَتِكُمْ وَلَا إِلَى أَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ (صحیح مسلم و مسند
احمد ۲/۲۸۵-۲۸۶) ابن ماجہ "کتاب الزہد" باب القناعة

(۳) تمام کائنات پر اللہ ہی کا حکم چلتا ہے اور تمام معاملات اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اس لیے تم جو چاہتے ہو کہ جلد ہی اللہ
کا عذاب تم پر آجائے تاکہ تمہیں میری صداقت یا کذب کا پتہ چل جائے تو یہ بھی اللہ ہی کے اختیار میں ہے وہ اگر
چاہے تو تمہاری خواہش کے مطابق جلدی عذاب بھیج کر تمہیں متنبہ یا تباہ کر دے اور چاہے تو اس وقت تک تمہیں
مسلت دے جب تک اس کی حکمت اس کی مقتضی ہو۔

(۴) يَقْضُ فِصْصٌ سے ہے یعنی يَقْضُ فِصْصَ الْحَقِّ (حق باتیں بیان کرتا یا بتلاتا ہے) یا فِصْرَ أَزْوَ (کسی کے پیچھے
پیروی کرتا) سے ہے یعنی يَتَّبِعُ الْحَقَّ فِيمَا يَنْحَكُمُ بِهِ (اپنے فیصلوں میں وہ حق کی پیروی کرتا ہے یعنی حق کے مطابق
فیصلے کرتا ہے)۔ (فتح القدیر)

(۵) یعنی اگر اللہ تعالیٰ میرے طلب کرنے پر فوراً عذاب بھیج دیتا یا اللہ تعالیٰ میرے اختیار میں یہ چیز دے دیتا تو پھر

وَعِنْدًا مَّفَازٍ الْعَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا مَنُوعٌ يَعْلَمُ مَا فِي الْبُزْءِ الْبُزْءِ مَا
تَقَطُّ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةَ فِي ظِلْمَتِ الْأَرْضِ وَلَا نَفْثٍ
وَلَا نَابٍ إِلَّا كَتَبَ مُبِينٌ ﴿٥٨﴾

چکا ہوتا اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (۵۸)
اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں (خزانے)
ان کو کوئی نہیں جانتا، بجز اللہ کے۔ اور وہ تمام چیزوں کو
جانتا ہے جو کچھ شکل میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں
اور کوئی پتا نہیں مگر تا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی
دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر
اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں
ہیں۔ (۵۹)^(۱)

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ تَابِجَرَحَتُمْ بِاللَّهَادِ
تَوَفَّاكُم فِيهِ لِيُقَضَىٰ جَلَّ شَيْءٌ تَقَرَّ إِلَيْهِ مَرَجُكُمْ لَكُمْ

اور وہ ایسا ہے کہ رات میں تمہاری روح کو (ایک گونہ)
قبض کر دیتا ہے^(۲) اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو

تمہاری خواہش کے مطابق عذاب بھیج کر جلد ہی فیصلہ کر دیا جاتا۔ لیکن یہ معاملہ چونکہ کلینا اللہ کی مشیت پر موقوف ہے
اس لیے اس نے مجھے اس کا اختیار دیا ہے اور نہ ہی ممکن ہے کہ میری درخواست پر فوراً عذاب نازل فرمادے۔
ضروری وضاحت: حدیث میں جو آتا ہے کہ ایک موقع پر اللہ کے حکم سے پہاڑوں کا فرشتہ نبی ﷺ کے خدمت میں
آیا اور اس نے کہا کہ اگر آپ ﷺ حکم دیں تو میں ساری آبادی کو دونوں پہاڑوں کے درمیان کچل دوں آپ ﷺ
نے فرمایا۔ ”نہیں“ بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نفسوں سے اللہ کی عبادت کرنے والا پیدا فرمائے گا جو اس کے
ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے“ (صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب إذا قال أحدكم آمین
والملائكة في السماء۔۔۔ و صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب ما لقی النبی من أذى المشركين یہ
حدیث آیت زیر وضاحت کے خلاف نہیں ہے، جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ آیت میں عذاب طلب کرنے
پر عذاب دینے کا اظہار ہے جب کہ اس حدیث میں مشرکین کے طلب کیے بغیر صرف ان کی ایذا دہی کی وجہ سے ان پر
عذاب بھیجنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے جسے آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔

(۱) ”يَتَوَفَّاكُم“ سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے غیب
کے سارے خزانے اسی کے پاس ہیں، اس لیے کفار و مشرکین اور معاندین کو کب عذاب دیا جائے؟ اس کا علم بھی صرف
اسی کو ہے اور وہی اپنی حکمت کے مطابق اس کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ مغارع الغیب پانچ ہیں
قیامت کا علم، بارش کا نزول، رحم مادر میں پلنے والا بچہ، آئندہ کل میں پیش آنے والے واقعات، اور موت کہاں آئے
گی۔ ان پانچوں امور کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الأنعام)

(۲) یہاں نیند کو وفات سے تعبیر کیا گیا ہے، اسی لیے اسے وفات اصغر اور موت کو وفات اکبر کہا جاتا ہے۔ (وفات کی
وضاحت کے لیے دیکھیے آل عمران کی آیت ۵۵ کا حاشیہ)

يُذَكِّرُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾

جانتا ہے پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے ^(۱) تاکہ میعاد معین تمام کر دی جائے ^(۲) پھر اسی کی طرف تم کو جاتا ہے ^(۳) پھر تم کو بتلائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ (۶۰)

وَهُوَ الْعَلِيُّ فَوقَ عِبَادِهِ وَيُوسِئِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ﴿٦١﴾

اور وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے برتر ہے اور تم پر نگہداشت رکھنے والے بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آپہنچتی ہے اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔ ^(۴) (۶۱)

ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقَّ أَلَا لَهُ الْخُلُوعُ وَهُوَ أَمَرُهُ الْحُسْبِينُ ﴿٦٢﴾

پھر سب اپنے مالک حقیقی کے پاس لائے جائیں گے۔ ^(۵) خوب سن لو فیصلہ اللہ ہی کا ہو گا اور وہ بہت جلد حساب لے گا۔ (۶۲)

(۱) یعنی دن کے وقت روح واپس لوٹا کر زندہ کر دیتا ہے۔

(۲) یعنی یہ سلسلہ شب و روز اور وفاتِ اصغر سے ہلکا کر ہو کر دن کو پھر اٹھ کھڑے ہونے کا معمول انسان کی وفاتِ اکبر تک جاری رہے گا۔

(۳) یعنی پھر قیامت والے دن زندہ ہو کر سب کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔

(۴) یعنی اپنے اس مفوضہ کام میں اور روح کی حفاظت میں بلکہ وہ فرشتہ مرنے والا اگر نیک ہوتا ہے تو اس کی روح جبین میں اور اگر بد ہوتا ہے تو سببین میں بھیج دیتا ہے۔

(۵) آیت میں ردوا (لوٹائے جائیں گے) کا مرجع بعض نے فرشتوں کو قرار دیا ہے یعنی قبض روح کے بعد فرشتے اللہ کی بارگاہ میں بوٹ جاتے ہیں۔ اور بعض نے اس کا مرجع تمام لوگوں کو بتایا ہے۔ یعنی سب لوگ حشر کے بعد اللہ کی بارگاہ میں لوٹائے جائیں گے (پیش کیے جائیں گے) اور پھر وہ سب کا فیصلہ فرمائے گا۔ آیت میں روح قبض کرنے والے فرشتوں کو رسل (جمع کے صیغہ کے ساتھ) بیان کیا گیا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح قبض کرنے والا فرشتہ ایک نہیں متعدد ہیں۔ اس کی توجیہ بعض مفسرین نے اس طرح کی ہے کہ قرآن مجید میں روح قبض کرنے کی نسبت اللہ کی طرف بھی ہے۔ ﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا﴾ (البقرہ ۴۲) ”اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روہیں قبض کر لیتا ہے“ اور اس کی نسبت ایک فرشتہ (ملک الموت) کی طرف بھی کی گئی ہے۔ ﴿فَلْيَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَ بِكُمْ﴾ (الم السجدہ-۱۱) ”کہہ دو تمہاری روہیں وہ فرشتہ موت قبض کرتا ہے جو تمہارے لیے مقرر کیا گیا ہے“ اور اس کی نسبت متعدد فرشتوں کی طرف بھی کی گئی ہے جیسا کہ اس مقام پر ہے اور اسی طرح سورہ نساء آیت ۹۷ اور انعام آیت ۹۳ میں بھی ہے۔ اس لیے اللہ کی طرف اس کی نسبت اس لحاظ سے ہے کہ وہی اصل آمر

قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَنْصَرِفُونَ
وَتُخْفِيهِمْ أَنْجُسًا مِنْ هَذِهِ لَمَّا كُنْتُمْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝

قُلْ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْ هَذِهِ وَأَمِنْ كُلِّ غَمٍّ لَكُمْ تَوَكُّلُونَ ۝

قُلْ هُوَ الْعَادُّ رُحْلًا أَنْ يَنْبَغَتْ عَلَيْكُمْ عَذَابَاتُنْ فَوْقَكُمْ
أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبَسَكُمْ شِيْعًاؤُا يُزَيِّنُ بَعْضُكُمْ
بِأَنفُسِ بَعْضٍ أَنْظَرَكُمْ لِمُؤَلِّفِ الْأَنْفُسِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

آپ کیسے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کی
ظلمات سے نجات دیتا ہے۔ تم اس کو پکارتے ہو گڑگڑا کر
اور چپکے چپکے کہ اگر تو ہم کو ان سے نجات دے دے تو
ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (۶۳)
آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے اور
ہر غم سے تم بھر بھی شرک کرنے لگتے ہو۔ (۶۴)

آپ کہتے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب
تمہارے اوپر سے بھیج دے^(۱) یا تمہارے پاؤں تلے
سے^(۲) یا کہ تم کو گردہ گردہ کر کے سب کو بھڑا دے اور
تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھا دے۔^(۳) آپ
دیکھیے تو سہی ہم کس طرح دلائل مختلف پہلوؤں سے
بیان کرتے ہیں شاید وہ سمجھ جائیں۔ (۶۵)

(حکم دینے والا) بلکہ فاعلی حقیقی ہے۔ متعدد فرشتوں کی طرف نسبت اس لحاظ سے ہے کہ وہ ملک الموت کے مددگار ہیں
وہ رگوں، شریانوں، پھلوں سے روح نکالنے اور اس کا تعلق ان تمام چیزوں سے کاٹنے کا کام کرتے ہیں اور ملک الموت کی
طرف نسبت کے معنی یہ ہیں کہ پھر آخر میں وہ روح قبض کر کے آسمانوں کی طرف لے جاتا ہے۔ انفس روح
المعانی جلد ۵۔ صفحہ ۱۲۵، حافظ ابن کثیر، امام شوکانی اور جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ملک الموت ایک ہی
ہے جیسا کہ سورۃ الم السجدۃ کی آیت سے اور مسند احمد (جلد ۲، صفحہ ۲۸۷) میں حضرت براہ بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے
معلوم ہوتا ہے اور جہاں جمع کے معنی میں ان کا ذکر ہے تو وہ اس کے اعوان و انصار ہیں۔ اور بعض آثار میں ملک
الموت کا نام ”عزرائیل“ بتلایا گیا ہے۔ انفس براہین کثیر۔ الم السجدۃ۔ واللہ اعلم۔

(۱) یعنی آسمان سے جیسے بارش کی کثرت یا ہوا پتھر کے ذریعے سے عذاب۔ یا امراد حکام کی طرف سے ظلم و ستم۔

(۲) جیسے دھنسیا جانا، طوفانی سیلاب، جس میں سب کچھ غرق ہو جائے۔ یا مراد ہے ماتحتوں، غلاموں اور نوکروں چاکروں
کی طرف سے عذاب کہ وہ بد دیانت اور خائن ہو جائیں۔

(۳) يَلْبَسُكُمْ أَنَّى يَخْلُطُ أَمْزَجُكُمْ تَمَارِے معاملے کو خلط ملط یا مشتبہ کر دے جس کی وجہ سے تم گروہوں اور جماعتوں
میں بٹ جاؤ۔ وَيُزَيِّنُ، أَنَّى يَغْتَلِبُ بَعْضُكُمْ تَغْضًا فَيُزَيِّنُ كُلُّ طَائِفَةٍ الْآخَرَى أَلَمْ تَحْرَبْ تَمَارِے ایک دوسرے کو
قفل کرے۔ اس طرح ہر گردہ دوسرے گردہ کو لڑائی کا مزہ چکھائے (ایسر القاسم) حدیث میں آتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں۔ ۱۔ میری امت غرق کے ذریعے ہلاک نہ کی جائے۔ ۲۔ قحط عام کے
ذریعے اس کی تباہی نہ ہو۔ ۳۔ آپس میں ان کی لڑائی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی دو دعائیں قبول فرمائیں۔ اور تیسری دعا

وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۚ قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ۝

لِكُلِّ نَبِيٍّ مُّنتَصَرٌ وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي بَيْنِنَا فَأُغْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّهُمْ يُضِلُّونَكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدَ بَعْدَ النِّكَاحِ مَعَ الْقَوَارِيظِ ۝

وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ جُنَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ وَلَكِنْ ذَكِّرُوا لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝

اور آپ کی قوم^(۱) اس کی تکذیب کرتی ہے حالانکہ وہ یقینی ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم پر تعینات نہیں کیا گیا ہوں۔^(۲) (۲۶)

ہر خبر (کے وقوع) کا ایک وقت ہے اور جد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا۔ (۲۷)

اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنہہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر آپ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں۔^(۳) (۲۸)

اور جو لوگ پرہیزگار ہیں ان پر ان کی باز پرس کا کوئی اثر نہ پہنچے گا^(۴) اور لیکن ان کے ذمہ نصیحت کر دینا ہے شاید

سے مجھے روک دیا۔ (صحیح مسلم، نمبر ۳۲۱۶) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ امت محمدیہ میں اختلاف و استغراق واقع ہو گا اور اس کی وجہ اللہ کی نافرمانی اور قرآن و حدیث سے اعراض ہو گا جس کے نتیجے میں عذاب کی اس صورت سے امت محمدیہ بھی محفوظ نہ رہ سکے گی۔ گویا اس کا تعلق اس سنت اللہ سے ہے جو قوموں کے اخلاق و کردار کے بارے میں ہمیشہ رہی ہے۔ جس میں تبدیلی ممکن نہیں ﴿فَلَنْ تَجْعَلَ لِمَنْتَ اللَّهُ تَبْدِيلًا وَلَنْ يَجْعَلَ لِمَنْتَ اللَّهُ تَبْدِيلًا﴾ (الماطرہ: ۴۳)

(۱) یہ کا مرجع قرآن ہے یا عذاب (فتح القدیر)

(۲) یعنی مجھے اس امر کا حکم نہیں کیا گیا ہے کہ میں تمہیں ہدایت کے راستے پر لگا کر ہی چھوڑوں۔ بلکہ میرا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے ﴿مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ﴾ (الکہف: ۲۹)

(۳) آیت میں خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب امت مسلمہ کا ہر فرد ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک تاکیدی حکم ہے جسے قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ سورہ نساء آیت نمبر ۱۳ میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے۔ اس سے ہر وہ مجلس مراد ہے جہاں اللہ رسول کے احکام کا مذاق اڑایا جا رہا ہو یا عملاً ان کا استخفاف کیا جا رہا ہو یا اہل بدعت و اہل زلیغ اپنی تاویلات و رکیک اور توجہات مخفیہ کے ذریعے سے آیات الہی کو توڑ مروڑ رہے ہوں۔ ایسی مجالس میں غلط باتوں پر تنقید کرنے اور کلمہ حق بلند کرنے کی نیت سے تو شرکت جائز ہے، بصورت دیگر سخت گناہ اور غضب الہی کا باعث ہے۔

(۴) بن جسدہم کا تعلق آیات الہی کا استہزا کرنے والوں سے ہے۔ یعنی جو لوگ ایسی مجالس سے اجتناب کریں گے، تو استہزا یا آیات اللہ کا جو گناہ، استہزا کرنے والوں کو ملے گا وہ اس گناہ سے محفوظ رہیں گے۔

وہ بھی تقویٰ اختیار کریں۔^(۱) (۶۹)

اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے اور اس قرآن کے ذریعہ سے نصیحت بھی کرتے رہیں تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب (اس طرح) نہ پھنس جائے^(۲) کہ کوئی غیر اللہ اس کا نہ مددگار ہو اور نہ سفارشی اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس سے نہ لیا جائے۔^(۳) ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب پھنس گئے، ان کے لیے نہایت تیز گرم پانی پینے کے لئے ہو گا اور دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب۔ (۷۰)

آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیز کو پکاریں کہ نہ وہ ہم کو نفع پہنچائے اور نہ ہم کو نقصان پہنچائے اور کیا ہم اٹے پھر جائیں اس کے بعد کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کر دی ہے، جیسے کوئی شخص ہو کہ

وَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لُغُوبًا ۖ وَلَهُمْ أَعْرَافُهُمُ الْغَيْبِ
الدُّنْيَا ۖ ذِكْرِيَّةٌ ۖ أَنْ تُبْسَلَ لِنَفْسٍ يَمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا
مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعَةٌ ۖ وَإِنْ تَعْدِلْ كُلُّ عَدِيلٍ
لَأَنُفِخَ مِنْهَا لِلْوَيْلِ ۖ الَّذِينَ ابْتِغَوْا بِهَا كُتُبًا ۖ لَهُمْ
شَرَابٌ مِنْ حَمِيمٍ ۖ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ يَكُونُوا يَكْفُرُونَ ۝

قُلْ أَتَدْعُونَ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَمَبْرُؤُكُمْ
أَفْقَائِنَا ۖ بَعْدَ إِذْ هَدَيْنَا اللَّهَ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِينُ
فِي الْأَرْضِ حَيْرَانًا ۚ لَآ أَصْحَابٌ يَدْعُونَهُ إِلَى الْهُدَى ۚ انْفِرْنَا

(۱) یعنی اجتنب و علیحدگی کے باوجود وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ حتی المقدور ادا کرتے رہیں۔ شاید وہ بھی اپنی اس حرکت سے باز آجائیں۔

(۲) تُسْتَسَلُّ، ای لِنَفْسٍ تُسْتَسَلُّ نَفْسُ کے اصل معنی تو منع کے ہیں، اسی سے ہے شُجَاعٌ نَابِلٌ لیکن یہاں اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں ۱۔ تُسْتَلَّمُ (سو پ دیئے جائیں) ۲۔ تَنْضَعُ (سوا کر دیا جائے) ۳۔ تَوَاحَدُ (مواخذہ کیا جائے) ۴۔ شُعَارَى (بدلہ دیا جائے) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ سب کے معنی قریب قریب ایک ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہیں اس قرآن کے ذریعے سے نصیحت کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس کو جو اس نے کمایا، اس کے بدلے ہدایت کے سپرد کر دیا جائے۔ یا رسوائی اس کا مقدر بن جائے یا وہ مواخذہ اور مجازات کی گرفت میں آجائے۔ ان تمام مفہوم کو فاضل مترجم نے ”پھنس نہ جائے“ سے تعبیر کیا ہے۔

(۳) دنیا میں انسان عام طور پر کسی دوست کی مدد یا کسی کی سفارش سے یا مالی معاوضہ دے کر چھوٹ جاتا ہے۔ لیکن آخرت میں یہ تینوں ذریعے کام نہیں آئیں گے۔ وہاں کافروں کا کوئی دوست نہ ہو گا جو انہیں اللہ کی گرفت سے بچالے نہ کوئی سفارشی ہو گا جو انہیں عذاب الہی سے نجات دلا دے اور نہ کسی کے پاس معاوضہ دینے کے لیے کچھ ہو گا اگر بالفرض ہو بھی تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا کہ وہ دے کر چھوٹ جائے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔

قُلْ لَنْ هُدَىٰ اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ وَأَمَّا الْبُذُرُ فَلَهُ الْفَلَاحُ ۚ ﴿١١﴾

اس کو شیطانوں نے کہیں جنگل میں بے راہ کر دیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو، اس کے کچھ ساتھی بھی ہوں کہ وہ اس کو ٹھیک راستہ کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آ۔^(۱) آپ کہہ دیجئے کہ یقینی بات ہے کہ راہ راست وہ خاص اللہ ہی کی راہ ہے^(۲) اور ہم کو یہ حکم ہوا ہے کہ ہم پروردگار عالم کے پورے مطیع ہو جائیں۔ (۱۱)

اور یہ کہ نماز کی پابندی کرو اور اس سے ڈرو^(۳) اور وہی ہے جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے۔ (۱۲)

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا^(۴)

وَأَنْ يَّقِيمُوا الصَّلَاةَ وَهُمْ آتُونَ ۚ ﴿١٢﴾

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ وَيَوْمَ

(۱) یہ ان لوگوں کی مثال بیان فرمائی ہے جو ایمان کے بعد کفر اور توحید کے بعد شرک کی طرف لوٹ جائیں۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے کہ ایک شخص اپنے ان ساتھیوں سے چھڑ جائے جو سیدھے راستے پر جا رہے ہوں۔ اور پھڑ جانے والا جنگلوں میں حیران و پریشان بھٹکتا پھرتا ہو، ساتھی اسے بلا رہے ہوں لیکن حیرانی میں اسے کچھ بھائی نہ دے رہا ہو۔ یا جنات کے نرغے میں پھنس جانے کے باعث صحیح راستے کی طرف مراجعت اس کے لیے ممکن نہ رہی ہو۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک اختیار کر کے جو گمراہ ہو گیا ہے، وہ بھٹکے ہوئے راہی کی طرح ہدایت کی طرف نہیں آ سکتا۔ ہاں البتہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہدایت مقدر کر دی ہے تو یقیناً اللہ کی توفیق سے وہ راہ یاب ہو جائے گا۔ کیونکہ ہدایت پر چلا دینا اسی کا کام ہے۔ جیسے دوسرے مقامات پر فرمایا گیا۔ ﴿قُلْ لِلَّهِ الْإِتْدَارُ مَنْ يَفْضُلْ وَمَا لَهُمْ لِيُضَيِّقُوا﴾ (المحل ۱۲) ”اگر تو ان کی ہدایت کی خواہش رکھتا ہے (تو کیا؟) بے شک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا، جس کو وہ گمراہ کر دے اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہو گا۔“ لیکن یہ ہدایت اور گمراہی اسی اصول کے تحت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بنایا ہوا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ یوں ہی جسے چاہے گمراہ اور جسے چاہے راہ یاب کرے۔ جیسا کہ اس کی وضاحت متعدد جگہ کی جا چکی ہے۔

(۳) وَأَنْ يَّقِيمُوا الصَّلَاةَ کا عطف بِلِسْلِمٍ پر ہے یعنی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العالمین کے مطیع ہو جائیں اور یہ کہ ہم نماز قائم کریں اور اس سے ڈریں۔ تسلیم و انقیاد الہی کے بعد سب سے پہلا حکم اقامتِ صلوٰۃ کا دیا گیا ہے جس سے نماز کی اہمیت واضح ہے اور اس کے بعد تقویٰ کا حکم ہے کہ نماز کی پابندی تقویٰ اور خشوع کے بغیر ممکن نہیں ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُوا إِلَى الْغَيْبِ﴾ (البقرة ۱۷۵)

(۴) حق کے ساتھ یا باندہ پیدا کیا، یعنی ان کو عبث اور بے فائدہ (کھیل کود کے طور پر) پیدا نہیں کیا، بلکہ ایک خاص مقصد کے لیے کائنات کی تخلیق فرمائی ہے اور وہ یہ کہ اس اللہ کو یاد رکھا اور اس کا شکر ادا کیا جائے۔ جس نے یہ سب کچھ بنایا۔

يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنفَخُ
فِي الصُّورِ عَلَيْهِمُ النَّفِثُ وَالْقَهَادَةُ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْحَيُّزُ ۝

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبْنَيْهِ إِذْ رَاكَ أَتَيْتُكَ بِطَيِّبَاتٍ لِّأَكُلَ
أَرْزَاقِكَ وَقَوْمَكَ فِي صَلَاحٍ طَيِّبٍ ۝

وَكَذَلِكَ نُبَيِّنُ لِّإِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ
مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝

اور ^(۱) جس وقت اللہ تعالیٰ اتنا کہہ دے گا تو ہو جائیں وہ
ہو پڑے گا۔ اس کا کتنا حق اور با اثر ہے۔ اور ساری
حکومت خاص اسی کی ہو گی جب کہ صور میں پھونک
ماری جائے گی ^(۲) وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور
ظاہر چیزوں کا اور وہی ہے بڑی حکمت والا پوری خبر رکھنے
والا۔ (۷۳)

اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قائل ہے جب ابراہیم (علیہ
السلام) نے اپنے باپ آذر ^(۳) سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو
معبود قرار دیتا ہے؟ بے شک میں تجھ کو اور تیری ساری
قوم کو صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ (۷۴)

اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں
اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں اور تاکہ کامل یقین کرنے
والوں سے ہو جائیں ^(۴) (۷۵)

(۱) یَوْمَ فعل مہذوف وَاذْكُرْ یا وَاتَّقُوا کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی اس دن کو یاد کرو یا اس دن سے ڈرو کہ اس کے
لفظ کُنْ (ہو جا) سے وہ جو چاہے گا ہو جائے گا۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حساب کتاب کے کشن مراحل بھی
بڑی سرعت کے ساتھ طے ہو جائیں گے۔ لیکن کن کے لیے؟ ایمان داروں کے لیے۔ دوسروں کو تو یہ دن ہزار سال یا
پچاس ہزار سال کی طرح بھاری لگے گا۔

(۲) صُوْرٌ سے مراد وہ زسنگ یا بگل ہے جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ ”اسرافیل اسے منہ میں لیے اور اپنی پیشانی
جھکائے“ حکم الہی کے حکم کھڑے ہیں کہ جب انہیں کہا جائے تو اس میں پھونک دیں“ (ابن کثیر) ابوداؤد اور ترمذی میں
ہے الصور قرن منفع لہ (نمبر ۷۴۲۳-۳۰۳۰ و ۳۲۳۳) ”صور ایک قرن (زسنگ) ہے جس میں پھونکا جائے گا“
بعض علما کے نزدیک تین نفع ہوں گے نَفْعَةُ الصُّقْرِ (جس سے تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے) نَفْعَةُ الْعَنَابِ
جس سے تمام لوگ فنا ہو جائیں گے نَفْعَةُ الْإِنْسَانِ جس سے تمام انسان دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ بعض علما آخری دو
نفعوں کے ہی قائل ہیں۔

(۳) مورخین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے دو نام ذکر کرتے ہیں ”آذر اور تارخ۔ ممکن ہے دو سرانام لقب
ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ آذر آپ کے چچا کا نام تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں اس لیے کہ قرآن نے آذر کو حضرت ابراہیم علیہ
السلام کے باپ کے طور پر ذکر کیا ہے لہذا یہی صحیح ہے۔

(۴) مَلَكُوتٌ، مبالغہ کا صیغہ ہے جیسے زَعْفٌ سے زَعْبُوتٌ اور زَعْبٌ سے زَعْبُوتٌ اس سے مراد مخلوقات ہے جیسا کہ

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَا كَوْكَبًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ
قَالَ لَا أُحِبُّ الْإِنْسَانَ ۝

فَلَمَّا رَا الْقَمَرَ بَازِعًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ
كُنْتُ مُدْرِكًا لِّهَذَا الْكَوْنِ لَكُونُ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۝

فَلَمَّا رَا النَّجْمَ بَازِعَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا الْكَبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ
قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي بَرَأْتُكُمْ مِنَ الْكُفْرِ مَا تَحِبُّونَ ۝

پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھا گئی تو انہوں نے ایک
ستارہ دیکھا آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے مگر جب وہ
غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہو جانے
والوں سے محبت نہیں رکھتا^(۱) (۷۶)

پھر جب چاند کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے
لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو
میرے رب نے ہدایت نہ کی تو میں گمراہ لوگوں میں شامل
ہو جاؤں گا۔ (۷۷)

پھر جب آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ^(۲) یہ میرا رب
ہے یہ تو سب سے بڑا ہے پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو
آپ نے فرمایا بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار
ہوں۔^(۳) (۷۸)

ترجمہ میں یہی مفہوم اختیار کیا گیا ہے۔ یا ربوبیت والوہیت ہے یعنی ہم نے اس کو یہ دکھائی اور اس کی معرفت کی توفیق
دی۔ یہ مطلب ہے کہ عرش سے لے کر اسفل ارض تک کا ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو مکاشفہ و مشاہدہ کرایا۔ (فتح
القدیر)

(۱) یعنی غروب ہونے والے معبودوں کو پسند نہیں کرتا اس لیے کہ غروب، تغیر حال پر دلالت کرتا ہے جو حادث ہونے
کی دلیل ہے اور جو حادث ہو معبود نہیں ہو سکتا۔

(۲) شَمْسُ (سورج) عربی میں مؤنث ہے۔ لیکن اسم اشارہ مذکر ہے۔ مراد الطالع ہے یعنی یہ طلوع ہونے والا سورج، میرا
رب ہے۔ کیونکہ یہ سب سے بڑا ہے۔ جس طرح کہ سورج پرستوں کو مغالطہ لگا اور وہ اس کی پرستش کرتے ہیں۔
(۳) اجماع ساریہ میں سورج سب سے بڑا اور سب سے زیادہ روشن ہے اور انسانی زندگی کے بقا و وجود کے لیے اس کی اہمیت
و افادیت محتاج وضاحت نہیں۔ اسی لیے مظاہر پرستوں میں سورج کی پرستش عام رہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام
نے نہایت لطیف پیرائے میں چاند سورج کے پجاریوں پر ان کے معبودوں کی بے حیثیتی کو واضح فرمایا۔

(۳) یعنی ان تمام چیزوں سے جن کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو میں بیزار ہوں۔ اس لیے کہ
ان میں تبدیلی آتی رہتی ہے، کبھی طلوع ہوتے، کبھی غروب ہوتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مخلوق ہیں اور ان
کا خالق کوئی اور ہے جس کے حکم کے یہ تابع ہیں۔ جب یہ خود مخلوق اور کسی کے تابع ہیں تو کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر
کس طرح قادر ہو سکتے ہیں؟

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِينَ فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا
أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ①

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِينَ فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا
أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ①

میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں^(۱) جس نے آسمانوں
اور زمین کو پیدا کیا یکسو ہو کر اور میں شرک کرنے والوں
میں سے نہیں ہوں۔ (۷۹)

اور ان سے ان کی قوم نے حجت کرنا شروع کیا،^(۲) آپ
نے فرمایا کیا تم اللہ کے کے معاملہ میں مجھ سے حجت
کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھ کو طریقہ بتا دیا ہے اور میں
ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو
نہیں ڈرتا ہوں اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے میرا
پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے کیا تم
پھر بھی خیال نہیں کرتے۔ (۸۰)

اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک
بنایا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے

وَكَيْفَ أَخَانُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخْفَؤْنَ أَلَمْ تَأْسِفُوا بِلَهُ
مَا تَدْعُونَ بِهِ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَانْظُرْ يَوْمَ الْفُرْقَانِ أَأَبْطَلُ الْكَافِرِينَ

مشہور ہے کہ اس وقت کے بادشاہ نمود نے اپنے ایک خواب اور کاہنوں کی تعبیر کی وجہ سے نومولود لڑکوں کو قتل کرنے
کا حکم دے رکھا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی انہی ایام میں پیدا ہوئے جس کی وجہ سے انہیں ایک غار میں رکھا گیا
تاکہ نمود اور اس کے کارندوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ جائیں۔ وہیں غار میں جب کچھ شعور آیا اور چاند سورج
دیکھے تو یہ تاثرات ظاہر فرمائے، لیکن یہ غار والی بات مستند نہیں ہے۔ قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم سے
گفتگو اور مکالمے کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ باتیں کی ہیں اسی لیے آخر میں قوم سے خطاب کر کے فرمایا
کہ میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے بیزار ہوں۔ اور مقصد اس مکالمے سے معبودان باطل کی اصل حقیقت کی
وضاحت تھی۔

(۱) رخ یا چہرے کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ چہرے سے ہی انسان کی اصل شناخت ہوتی ہے، مراد اس سے شخص ہی ہوتا
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری عبادت اور توحید سے مقصود اللہ عزوجل ہے جو آسمان و زمین کا خالق ہے۔

(۲) جب قوم نے توحید کا یہ وعظ سنا جس میں ان کے خود ساختہ معبودوں کی تردید بھی تھی تو انہوں نے بھی اپنے دلائل
دینے شروع کیے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مشرکین نے بھی اپنے شرک کے لیے کچھ نہ کچھ دلائل تراش رکھے تھے۔ جس
کا مشاہدہ آج بھی کیا جاسکتا ہے۔ جتنے بھی مشرکانہ عقائد رکھنے والے گروہ ہیں سب نے اپنے اپنے عوام کو مطمئن کرنے
اور رکھنے کے لیے ایسے ”سارے“ تلاش کر رکھے ہیں جن کو وہ ”دلائل“ سمجھتے ہیں یا جن سے کم از کم دام تزییر میں
پھنسے ہوئے عوام کو جال میں پھنسانے رکھا جاسکتا ہے۔

إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، سو ان دو جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے^(۱) اگر تم خبر رکھتے ہو۔ (۸۱)

جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہ راست پر چل رہے ہیں۔ (۸۲)^(۲)

اور یہ ہماری حجت تھی وہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی^(۳) ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے۔ (۸۳)

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ ۝

وَلَمَّا جَعَلْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ قَوْمًا ۖ رَفَعْنَا دَرَجَتِهِ فِي أَنْشَاءِ الْآزْوَاجِ ۖ رَبَّنَا بِكَ يَتَكَبَّرُ الْفَاسِقُونَ ۝

(۱) یعنی مومن اور مشرک میں سے؟ مومن کے پاس تو توحید کے بھرپور دلائل ہیں، جب کہ مشرک کے پاس اللہ کی اتاری ہوئی کوئی دلیل نہیں، صرف ادھام باطلہ ہیں یا دور از کار تاویلات۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امن اور نجات کا مستحق کون ہوگا؟

(۲) آیت میں یہاں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ظلم کا عام مطلب (کو تابی، غلطی، منہا، زیادتی وغیرہ) سمجھا، جس سے وہ پریشان ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر کہنے لگے اَیُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ہم میں سے کون شخص ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اس سے وہ ظلم مراد نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ اس سے مراد شرک ہے۔ جس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کھنکھاتا تھا ﴿إِنَّ الْيَتِيمَ لِلْظُلْمِ عَظِيمٌ﴾ القمصان - ۱۲ یقیناً شرک ظلم عظیم ہے“ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الأنعام)۔

(۳) یعنی توحید الہی پر ایسی حجت اور دلیل، جس کا کوئی جواب ابراہیم علیہ السلام کی قوم سے نہ بن پڑا۔ اور وہ بعض کے نزدیک یہ قول تھا ﴿وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُ وَلَٰعَنَّا قَوْمٌ لَّا نَشْرِكُ بِآلِهَتِنَا آلَةً شَيْئًا وَنَحْنُ بِعِلْمِ رَبِّنَا أَنَا وَإِنَّ الْفِرْعَوْنَ لَظَالِمٌ ۖ﴾ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی تصدیق فرمائی اور کہا ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾۔

وَوَهَبْنَا لَذِي الشَّقِّ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا
مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ
وَمُوسَى وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٥﴾

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَعِيسَى وَإِلْيَاسَ كُلًّا مِمَّن الصَّالِحِينَ ﴿٥٦﴾

وَالِإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيُوسُفَ وَهُنَالِكَ أَفْضَلُنَا
عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٥٧﴾

اور ہم نے ان کو اسحاق دیا اور یعقوب ^(۱) ہر ایک کو ہم
نے ہدایت کی اور پہلے زمانہ میں ہم نے نوح کو ہدایت کی
اور ان کی اولاد میں سے ^(۲) داود کو اور سلیمان کو اور
ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو اور اسی
طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں (۸۳)
اور (نیز) زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو ^(۳) اور الیاس کو
سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ (۸۵)
اور نیز اسماعیل کو اور۔ یسح کو اور یونس کو اور لوط کو اور ہر
ایک کو تمام جہان والوں پر ہم نے فضیلت دی۔ (۸۶)

(۱) یعنی بڑھاپے میں جب کہ وہ اولاد سے ناامید ہو گئے تھے جیسا کہ سورہ ہود آیت ۷۲، ۷۳ میں ہے پھر بیٹے کے
ساتھ ایسے پوتے کی بھی بشارت دی جو یعقوب (علیہ السلام) ہو گا جس کے معنی میں یہ مفہوم شامل ہے کہ اس کے بعد
ان کی اولاد کا سلسلہ چلے گا اس لیے کہ یہ عقب (پچھے) سے مشتق ہے۔

(۲) ذُرِّيَّتِهِ میں ضمیر کا مرجع بعض مفسرین نے حضرت نوح علیہ السلام کو قرار دیا ہے کیونکہ وہی اقرب ہیں۔ یعنی
حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے داود اور سلیمان علیہما السلام کو۔ اور بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو۔
اس لیے کہ ساری گفتگو انہی کے ضمن میں ہو رہی ہے۔ لیکن اس صورت میں یہ اشکال پیش آتا ہے کہ پھر "نوح علیہ
السلام" کا ذکر اس فرست میں نہیں آنا چاہیے تھا کیونکہ وہ ذریت ابراہیم علیہ السلام میں سے نہیں ہیں۔ وہ ان کے
بھائی ہاران بن آذر کے بیٹے یعنی ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام 'نوح علیہ السلام کے باپ
نہیں' چچا ہیں۔ لیکن بطور تخطیب انہیں بھی ذریت ابراہیم علیہ السلام میں شمار کر لیا گیا ہے۔ اس کی ایک اور مثال
قرآن مجید میں ہے۔ جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اولاد یعقوب علیہ السلام کے آبا میں شمار کیا گیا ہے جب کہ وہ ان
کے چچا تھے۔ (دیکھیے سورہ بقرہ آیت ۱۳۳)

(۳) عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر حضرت نوح علیہ السلام یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اس لیے کیا گیا ہے (حالانکہ
ان کا باپ نہیں تھا) کہ رُک کی اولاد بھی ذریت رجا میں ہی شمار ہوتی ہے۔ جس طرح نبی ﷺ نے حضرت حسن مہذب
(اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے) کو اپنا بیٹا فرمایا "إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ
مُتَشَكِّبِي عَطِيئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ" (صحیح بخاری کتاب الصلح باب قول النبی للحسن بن علی
ابنی ہذا سید) (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر)

وَمِنَ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَرَحْوَانِهِمْ وَآخِثِينَ لَهُمْ وَهَدِيَّهُمْ
إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

ذَلِكِ هَدَى اللَّهُ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَلَوْ
أَشْرَكُوا لَغِطَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

أُولَئِكَ الَّذِينَ اتَّيَبَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِثْقَالَ وَالْقُبُورَةَ ۖ وَكَانَ
يَكْفُرُ بِهَا مَوْلَاهُ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَيْسُوا
بِعَالِمِينَ ۝

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فِيمَنْ هَدَاهُمْ أَفْتَدَاهُ
فَلَا تَسْمَعُوا عَلَيْهِ بُحْرَانًا هُوَ الْأَذْكُرُ

اور نیز ان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ
بھائیوں کو^(۱) اور ہم نے ان کو مقبول بنایا اور ہم نے ان
کو راہ راست کی ہدایت کی۔ (۸۷)

اللہ کی ہدایت ہی ہے جس کے ذریعہ اپنے بندوں میں
سے جس کو چاہے اس کی ہدایت کرتا ہے اور اگر فرضاً یہ
حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ
سب اکارت ہو جاتے۔^(۲) (۸۸)

یہ لوگ ایسے تھے کہ ہم نے ان کو کتاب اور حکمت اور
نبوت عطا کی تھی سو اگر یہ لوگ نبوت کا انکار کریں^(۳) تو
ہم نے اس کے لیے ایسے بہت سے لوگ مقرر کر دیئے
ہیں جو اس کے منکر نہیں ہیں^(۴) (۸۹)

یہی لوگ ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی سو
آپ بھی ان ہی کے طریق پر چلیے^(۵) آپ کہہ دیجیے کہ میں

(۱) آبا سے اصول اور ذریات سے فروغ مراد ہیں۔ یعنی ان کے اصول و فروغ اور اخوان میں سے بھی بہت سوں کو ہم
نے مقام اجنبی اور ہدایت سے نوازا۔ اجنبیہ کے معنی ہیں جن لینا اور اپنے خاص بندوں میں شمار کرنا اور ان کے ساتھ
ملا لینا۔ یہ جَبِثُ الْمَاءِ فِي الْحَوْضِ (میں نے حوض میں پانی جمع کر لیا) سے مشتق ہے۔ پس اجنبیہ کا مطلب ہو گا
اپنے خاص بندوں میں ملا لینا۔ اضبطاء تخلص اور اختیار بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔ جس کا مفعول مصطفیٰ (مجتبیٰ)
تخلص اور مختار ہے۔ (فتح القدیر)

(۲) اشارہ انبیاء کے اسمائے گرامی ذکر کر کے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے اگر یہ حضرات بھی شرک کا ارتکاب کر لیتے تو ان کے سارے
اعمال برباد ہو جاتے۔ جس طرح دوسرے مقام پر نبی ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَئِنْ شَرَكْتَ
لَيَجْعَلَنَّ عَمَلَكَ﴾ (الرسمہ۔ ۱۶) ”اے پیغمبر! اگر تو نے بھی شرک کیا تو تیرے سارے عمل برباد ہو جائیں گے۔“ حالانکہ
پیغمبروں سے شرک کا صدور ممکن نہیں۔ مقصد امتوں کو شرک کی خطرناکی اور ہلاکت خیزی سے آگاہ کرنا ہے۔

(۳) اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے مخالفین، مشرکین اور کفار ہیں۔

(۴) اس سے مراد مہاجرین و انصار اور قیامت تک آنے والے ایماندار ہیں۔

(۵) اس سے مراد انبیاء مذکورین ہیں۔ ان کی اقتدا کا حکم مسئلہ توحید میں اور ان احکام و شرائع میں ہے جو منسوخ نہیں

٢
٤٠

تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا ^(۱) یہ تو صرف قدم
جہان والوں کے واسطے ایک نصیحت ہے۔ ^(۲) (۹۰)

اور ان لوگوں نے اللہ کی جیسی قدر کرنا واجب تھی ویسی قدر نہ کی جب کہ یوں کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر کوئی چیز نازل نہیں کی^(۳) آپ یہ کیجئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ لائے تھے جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لیے وہ ہدایت ہے جس کو تم نے ان متفرق

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ
مِّن شَيْءٍ ۚ قُلْ مَنْ أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا
وَهُدًى لِّبَنَائِمِ يَعْلُمُونَ الْفَرَائِيسَ بِهَدْيِهِ وَتَنَزَّلُ الْغُلُوفُ
وَعَيْنُهُمْ تَالُمُ نَعْلَمُونَ ۚ أَنَّهُمْ لَا يَأْتُونَهُ قُلِ اللَّهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ

ہوئے۔ (فتح القدیر) کیونکہ اصول دین تمام شریعتوں میں ایک ہی رہے ہیں لہٰذا شرائع اور مناج میں کچھ کچھ اختلاف رہا۔ جیسا کہ آیت ﴿ثُمَّ رَخَّضْنَا إِلَيْكَ مِمَّا يَنِيعُونَ مِنْ الذِّبْنِ مَا رَافَعْنَا بِهِ نَجْعًا﴾ (الشوریٰ - ۱۳) سے واضح ہے۔

(۱) یعنی تبلیغ و دعوت کا، کیونکہ مجھے اس کا وہ صلہ ہی کافی ہے جو آخرت میں عند اللہ ملے گا۔

(۳) جہاں والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔ پس یہ قرآن انہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی عطا کرے گا اور منکالت کی پگھلائیوں سے نکال کر ایمان کی صراطِ مستقیم پر گامزن کر دے گا۔ بشرطیکہ کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہے، ورنہ رعب ویدہ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے۔ والا معاملہ ہو گا۔

(۳) فَعَدُوّ کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں اور یہ کسی چیز کی اصل حقیقت جاننے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مشرکین کہہ ارسال رسل اور انزال کتب کا انکار کرتے ہیں، جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ انہیں اللہ کی صحیح معرفت ہی حاصل نہیں ورنہ وہ ان چیزوں کا انکار نہ کرتے۔ علاوہ انہیں اسی عدم معرفت الہی کی وجہ سے وہ نبوت و رسالت کی معرفت سے بھی قاصر رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ کسی انسان پر اللہ کا کلام کس طرح نازل ہو سکتا ہے؟ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿كَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا اِلٰى نَبِيٍّ مِّنْهُمُوْلًا اَنْذِيْرًا﴾ (ہونس ۲) ”کیا یہ بات لوگوں کے لیے باعث تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک آدمی پر وحی نازل کر کے اسے لوگوں کو ڈرانے پر مامور کر دیا ہے؟“ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَمَاعِنَتُمُ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِالْاٰیٰتِ الْهٰكِيَةِ اِلَّا اَنْ قَالُوْا اَبَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا مِّثْلًا لِّمُؤَلٰٓئِمًا﴾ (اسی اسوائیل ۱۴) ہدایت آجانے کے بعد لوگ اسے قبول کرنے سے اس لیے رک گئے کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے؟“ اس کی کچھ تفصیل اس سے قبل آیت نمبر ۸ کے حاشیے میں بھی گزر چکی ہے۔ آیت زیر وضاحت میں بھی انہوں نے اپنے اسی خیال کی بنیاد پر اس بات کی نفی کی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی کتاب نازل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ایسی بات ہے تو ان سے پوچھو! موسیٰ علیہ السلام پر تو رات کس نے نازل کی تھی؟ (جس کو یہ بھی مانتے ہیں)

فِي خُوضِهِمْ يَلْعَبُونَ ①

اور اراق میں رکھ چھوڑا^(۱) ہے جن کو ظاہر کرتے ہو اور بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو اور تم کو بہت سی ایسی باتیں بتائی گئی ہیں جن کو تم نہ جانتے تھے اور نہ تمہارے بڑے۔^(۲) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے نازل فرمایا ہے^(۳) پھر ان کو ان کے خرافات میں کھیلتے رہنے دیجئے (۹۱)

اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے ناز کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے 'اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور تاکہ آپ مکہ والوں کو اور آس پاس والوں کو ڈرائیں۔ اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور وہ اپنی نماز پر مداومت رکھتے ہیں۔ (۴۷)

اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جسوٹ تسمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی اور

وَهَذَا كَيْتَبُ أَنْزَلْنَاهُ بِرَأْسِ الْمُصْحَفِ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتَنْذِرَ
أُمَّةً تَقْرَأُ مِنْ حَوْلِهَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ
وَهُمْ عَلَى صُلَاحٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ اتَّخَذَ آلِهَةً مِثْلَ اللَّهِ فَقَالَ إِنَّ آيَةَ اللَّهِ لَأُنْزِلُ إِلَيْهِ السُّورَةَ فَنُفِثَ فِي السُّورَةِ فَأَتَاهُمُ الْبُرْجَانِ فَكُلَا مِنْهُمَا فَمِنْ أَمْثَلِ الْعَمَلِ وَإِنِّي أَخَذْتُ الذِّكْرَ مِنْ آلِهِمْ فَأُنْزِلُ فِي السُّورَةِ الْغُلَامَ الْمُرْسَلَ فَتَوَلَّى الرَّجُلُ الَّذِي فَتَنَهُ أُخَاهُ الْمُرْسَلَ إِذْ لَمْ يَكُنْ مِنَ الْغُلَامَةِ فَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّكَ الْغَلِيظِ

(۱) آیت کی مذکورہ تفسیر کے مطابق اب یہود سے خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم اس کتاب کو متفرق اور اراق میں رکھتے ہو جن میں سے جس کو چاہتے ہو 'ظاہر کر دیتے ہو اور جن کو چاہتے ہو 'چھپا لیتے ہو۔ جیسے رجم کا مسئلہ یا نبی ﷺ کی صفات کا مسئلہ ہے۔ حافظ ابن کثیر اور امام ابن جریر طبری وغیرہ نے یَنْجَعِلُونَهُ اور یُنْذِرُونَهَا صیغہ غائب کے ساتھ والی قراءت کو ترجیح دی ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ یہ کی آیت ہے۔ 'اس میں یہود سے خطاب کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور بعض مفسرین نے پوری آیت کو ہی یہود سے متعلق قرار دیا ہے اور اس میں سرے سے نبوت و رسالت کا جو نکار ہے اسے یہود کی ہٹ دھرمی 'ضد اور عناد پر مبنی قول قرار دیا ہے۔ گویا اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کی تین رائے ہیں۔ ایک پوری آیت کو یہود سے 'دوسرے پوری آیت کو مشرکین سے متعلق اور تیسرے آیت کے ابتدائی حصے کو مشرکین سے متعلق اور یَنْجَعِلُونَهُ سے یہود سے متعلق قرار دیتے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

(۲) یہود سے متعلق ماننے کی صورت میں اس کی تفسیر ہوگی کہ تورات کے ذریعے سے ہمیں بتائی گئیں، بصورت دیگر قرآن کے ذریعے سے۔

(۳) یہ مَؤَلَّوْنَ (کس نے اتارا) کا جواب ہے۔

اَيُّهُمْ اَخِيْزًا اَنْفُسُهُمُ الْيَوْمَ يَخْرُجُونَ عَذَابِ الْهُونِ بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ عَلَى اَللّٰهِ عِيْرًا لِّمَنْ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهِ
تَكْفُرُوْنَ ﴿٩٦﴾

جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ نے نازل کیا ہے اسی طرح کام میں بھی لاتا ہوں اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ ہاں اپنی جانیں لگا لو۔ آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی^(۱) اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی باتیں لگاتے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔^(۲) (۹۶)

اور تم ہمارے پاس تھا تھا آگئے^(۳) جس طرح ہم نے اول بار تم کو پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے اور ہم تو تمہارے ہمراہ تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی

وَلَقَدْ يَحْتَمِلُوْنَ مُرَادٰى كَمَا خَلَقْتُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرْكْتُمْ
تَاَخُوْلَكُمْ وَاَزَاظُهُمْ لَكُمْ وَمَا تَرٰى مَعَكُمْ شَفَعَاءَ كُفَرِ الْاٰمِنِ
رَعَيْنُوْا اَنْهُمْ فِيْكُمْ تَرْكُوْا اَلَقَدْ لَقِطْتُمْ بَيْنَكُمْ وَصْلَ عَنْكُمْ

(۱) ظالم سے مراد ہر ظالم ہے اور اس میں کتب الہی کا انکار کرنے والے اور جھوٹے مدعیان نبوت سب سے پہلے شامل ہیں۔ عَمَرَات سے موت کی سختیوں مراد ہیں۔ ”فرشتے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے۔“ یعنی جان نکالنے کے لیے۔ الْيَوْمَ (آج) سے مراد قبض روح کا دن ہے اور یہی عذاب کے آغاز کا وقت بھی ہے جس کا مبداء قبر ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عذاب قبر برحق ہے۔ ورنہ ہاتھ پھیلانے اور جان نکالنے کا حکم دینے کے ساتھ اس بات کے کہنے کے کوئی معنی نہیں کہ آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ خیال رہے قبر سے مراد برزخ کی زندگی ہے۔ یعنی دنیا کی زندگی کے بعد اور آخرت کی زندگی سے قبل یہ ایک درمیان کی زندگی ہے جس کا عرصہ انسان کی موت سے قیامت کے وقوع تک ہے۔ یہ برزخی زندگی کہلاتی ہے۔ چاہے اسے کسی درندے نے کھالیا ہو اس کی لاش سمندر کی موجوں کی نذر ہو گئی ہو یا اسے جلا کر رکھ دیا گیا ہو قبر میں دفن دیا گیا ہو۔ یہ برزخ کی زندگی ہے جس میں عذاب دینے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔

(۲) اللہ کے ذمے جھوٹی باتیں لگانے میں انزال کتب اور ارسال رسل کا انکار بھی ہے اور جھوٹا دعوائے نبوت بھی ہے۔ اسی طرح نبوت و رسالت کا انکار و انکبار ہے۔ ان دونوں وجوہ سے انہیں ذلت و رسوائی کا عذاب دیا جائے گا۔

(۳) مُرَادٰى مُرَادٰى جمع ہے جس طرح سُنْكَارٰى سُنْكَارٰى کی اور كُنْكَالٰى كُنْكَالٰى کی جمع ہے۔ مطلب ہے کہ تم علیحدہ علیحدہ ایک ایک کر کے میرے پاس آؤ گے۔ تمہارے ساتھ نہ مال ہو گا نہ اولاد اور نہ وہ معبود جن کو تم نے اللہ کا شریک اور اپنا مددگار سمجھ رکھا تھا۔ یعنی ان میں سے کوئی چیز بھی تمہیں فائدہ پہنچانے پر قادر نہ ہوگی۔ اگلے جملوں میں انہی امور کی مزید وضاحت ہے۔

مَا كُنْتُمْ تَرْغَبُونَ ﴿۱۷﴾

إِنَّ اللَّهَ فُلٌ لِّلْغَیْبِ وَالتَّوْحَىٰ يُخْرِجُ الْغَیْبَ مِنَ الْغَیْبِ وَتُخْرِجُ
الْغَیْبَ مِنَ الْغَیْبِ ذٰلِكَ اللَّهُ فَالْیٰ نُوَدِّعُونَ ﴿۱۸﴾

فَإِنَّ الْإِصْبَارَ وَجَعَلَ الْبَلَّ سَكْنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حَسْبَانَا
ذٰلِكَ تَعْبِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِیمِ ﴿۱۹﴾

نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں
شریک ہیں۔ واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا
اور وہ تمہارا دعویٰ سب تم سے گیا گزرا ہوا۔ (۱۷)

بے شک اللہ تعالیٰ دانہ کو اور گھٹلیوں کو پھاڑنے والا
ہے^(۱) وہ جاندار کو بے جان سے نکال لاتا ہے^(۲) اور وہ
بے جان کو جاندار سے نکالنے والا ہے^(۳) اللہ تعالیٰ یہ
ہے سو تم کہاں لئے چلے جا رہے ہو۔ (۱۸)

وہ صبح کا نکالنے والا ہے^(۴) اور اس نے رات کو راحت
کی چیز بنایا ہے^(۵) اور سورج اور چاند کو حساب سے رکھا
ہے۔^(۶) یہ ٹھہرائی بات ہے ایسی ذات کی جو کہ قادر ہے

(۱) یہاں سے اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت اور کاریگری کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ دانے (حب) اور
گھٹلی (نواة) جمع سوی کو جسے کاشت کار زمین کی بے میں دبا دیتا ہے پھاڑ کر اس سے انواع و اقسام کے درخت پیدا فرماتا
ہے۔ زمین ایک ہوتی ہے پانی بھی جس سے کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں ایک ہی ہوتا ہے۔ لیکن جس جس چیز کے وہ
دانے یا گھٹلیاں ہوتی ہیں۔ اس کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ مختلف قسم کے غلوں اور پھلوں کے درخت ان سے پیدا فرمادیتا
ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا بھی کوئی ہے جو یہ کام کرتا ہو یا کر سکتا ہو؟

(۲) یعنی دانے اور گھٹلیوں سے درخت اگا دیتا ہے جس میں زندگی ہوتی ہے اور وہ بڑھتا پھیلتا اور پھل یا غنہ دیتا ہے یہ
وہ خوشبودار رنگ رنگ کے پھول ہوتے ہیں جن کو دیکھ یا سونگھ کر انسان فرحت و انبساط محسوس کرتا یا نطفے اور انڈے
سے انسان اور حیوانات پیدا کرتا ہے۔

(۳) یعنی حیوانات سے انڈے جو مردہ کے حکم میں ہیں۔ حی اور میت کی تعبیر مومن اور کافر سے بھی کی گئی ہے یعنی
مومن کے گھر میں کافر اور کافر کے گھر میں مومن پیدا کر دیتا ہے۔

(۴) اندھیرے اور روشنی کا خالق بھی وہی ہے۔ وہ رات کی تاریکی سے صبح روشن پیدا کرتا ہے جس سے ہر چیز روشن
ہو جاتی ہے۔

(۵) یعنی رات کو تاریکیوں میں بدل دیتا ہے تاکہ لوگ روشنی کی تمام مصروفیات ترک کر کے آرام کر سکیں۔

(۶) یعنی دونوں کے لیے ایک حساب بھی مقدر ہے جس میں کوئی تغیر و اضطراب نہیں ہوتا بلکہ دونوں کی اپنی اپنی
منزلیں ہیں جن پر وہ گرمی اور سردی میں رواں رہتے ہیں۔ جس کی بنیاد پر سردی میں دن چھوٹے اور راتیں لمبی اور

بڑے علم والا ہے۔ (۹۶)

اور وہ ایسا ہے جس نے ہمارے لئے ستاروں کو پیدا کیا تاکہ تم ان کے ذریعہ سے اندھیروں میں، خشکی میں اور دریا میں بھی راستہ معلوم کر سکو۔^(۱) بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو خبر رکھتے ہیں۔ (۹۷)

اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ چندے رہنے کی^(۲) بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ان لوگوں کے لئے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ (۹۸)

اور وہ ایسا ہے جس نے آسمان سے پانی برسیا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کے نبات کو نکالا^(۳) پھر ہم نے

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتٍ لَّيْلٍ وَالْبَحْرِ قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿٩٧﴾

وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا مِّنْهُ جَبَاةً فَتَرَكْنَا فِيهَا مِنِ الثَّمَرِ

گرمی میں اس کے برعکس دن لیے اور راتیں چھوٹی ہو جاتی ہیں۔ جس کی تفصیل سورہ یونس۔ ۵، سورہ یونس ۳۰ اور سورہ اعراف ۵۴ میں بھی بیان کی گئی ہے۔

(۱) ستاروں کا یہاں یہ ایک فائدہ اور مقصد بیان کیا گیا ہے، ان کے دو مقصد اور ہیں جو دوسرے مقام پر بیان کیے گئے ہیں۔ آسمانوں کی زینت اور شیطانوں کی مرمت۔ دُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ - یعنی شیطان آسمان پر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ ان پر شعلہ بن کر گرتے ہیں۔ بعض سلف کا قول ہے مَنِ اعْتَقَدَ فِي هَذِهِ النُّجُومِ غَيْرَ ثَلَاثٍ، فَقَدْ أَخْطَأَ وَكَذَّبَ عَنِّي اللَّهُ ان تین باتوں کے علاوہ ان ستاروں کے بارے میں اگر کوئی شخص کوئی اور عقیدہ رکھتا ہے تو وہ غلطی پر ہے اور اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے ملک میں جو علم نجوم کا چرچا ہے جس میں ستاروں کے ذریعے سے مستقبل کے حالات اور انسانی زندگی یا کائنات میں ان کے اثرات بتانے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، وہ

بے بنیاد بھی ہے اور شریعت کے خلاف بھی۔ چنانچہ ایک حدیث میں اسے جادوئی کا ایک شعبہ (صہ) بتلایا گیا ہے۔ مَنِ افْتَنَسَ عِلْمًا مِّنَ النُّجُومِ افْتَنَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ (حسہ الالبانی صحیح ابی داؤد رقم ۳۱۰۵)

(۲) اکثر مفسرین کے نزدیک مُسْتَقَرٌّ سے رحم مادر اور مُسْتَوْدَعٌ سے صلب پدر مراد ہے (فتح القدیر ابن کثیر) (۳) یہاں سے اس کی ایک اور عجیب صنعت (کارگیری) کا بیان ہو رہا ہے یعنی بارش کا پانی۔ جس سے وہ ہر قسم کے

مِنْ طَلْعِهَا قَنَازٌ ذَابِيَةٌ وَجَذَبٌ مِنَ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ
وَالزُّمَانُ مَثَلُهَا وَغَيْرُ مَثَلٍ لِّهَا أَنْظُرُوا إِلَى ثَمَرِهَا
إِذَا أَشْرَبُوا بِغِصَنِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٩٩﴾

اس سے سبز شاخ نکالی^(۱) مگر اس سے ہم اوپر تلے دانے
چڑھے ہوئے نکالتے ہیں^(۲) اور کھجور کے درختوں سے
یعنی ان کے گچھے میں سے 'خوشے' ہیں جو نیچے کو لٹکے
جاتے ہیں^(۳) اور انگوروں کے باغ اور زیتون^(۴) اور انار
کہ بعض ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور کچھ
ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہوتے۔^(۵) ہر ایک
کے پھل کو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اس کے پکنے کو
دیکھو ان میں دلائل ہیں^(۶) ان لوگوں کے لئے جو ایمان
رکھتے ہیں۔ (۹۹)

وَجَعَلُوا لِكُلِّ شَرْعَاءٍ لِّجْنَ وَخَلَقْنَاهُمْ وَخَرَقْنَاهُ بَيْنَ وَبَيْنَ
بَعْدَ عَلَيْهِمْ سَمْعَهُ وَفَعَلَ كَمَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٠﴾

اور لوگوں نے شیاطین کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دے
رکھا ہے حالانکہ ان لوگوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور
ان لوگوں نے اللہ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں بلا سند

درخت پیدا فرماتا ہے۔

(۱) اس سے مراد وہ سبز شاخیں اور کونپلیں ہیں جو زمین میں دبے ہوئے دانے سے اللہ تعالیٰ زمین کے اوپر ظاہر فرماتا
ہے 'پھر وہ پودا یا درخت نشوونما پاتا ہے۔

(۲) یعنی ان سبز شاخوں سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں۔ جس طرح گندم اور چاول کی باسیں ہوتی
ہیں۔ مراد یہ سب غلہ جات ہیں مثلاً جو 'جوار' 'باجرہ' مکی گندم اور چاول وغیرہ۔

(۳) قَنَازٌ ذَابِيَةٌ کی جمع ہے جیسے صِنَوٌ اور صِنَوَاتٌ ہے۔ مراد خوشے ہیں۔ طَلْعٌ وہ گابھایا گچھا ہے جو کھجور کی ابتدائی
شکل ہے 'مکی بڑھ کر خوشہ بنتا ہے اور پھر وہ رطب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ذَابِيَةٌ سے مراد وہ خوشے ہیں جو قریب
ہوں۔ اور کچھ خوشے دور بھی ہوتے ہیں جن تک ہاتھ نہیں پہنچتے۔ بطور امتنان دانۃ کا ذکر فرمادیا ہے 'مطلب ہے۔
مِنْهَا ذَابِيَةٌ وَمِنْهَا بَعِيدَةٌ (کچھ خوشے قریب ہیں اور کچھ دور) بَعِيدَةٌ محذوف ہے۔ (فتح القدیر)

(۴) جنات زیتون اور زیتون یہ سب منصوب ہیں 'جن کا عطف نبات پر ہے۔ یعنی فَأَخْرَجْنَا بِهِ جَنَّاتٍ یعنی ہارش کے
پانی سے ہم نے انگوروں کے باغات اور زیتون اور انار پیدا کیے۔

(۵) یعنی بعض اوصاف میں یہ باہم ملتے جلتے ہیں اور بعض میں ملتے جلتے نہیں ہیں۔ یا ان کے پتے ایک دوسرے سے
ملتے ہیں۔ پھل نہیں ملتے 'یا شکل میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں لیکن مزے اور ذائقے میں باہم مختلف ہیں۔

(۶) یعنی مذکورہ تمام چیزوں میں خالق کائنات کے کمال قدرت اور اس کی حکمت و رحمت کے دلائل ہیں۔

تراش رکھی ہیں اور وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جو یہ کرتے ہیں۔ (۱۰۰)

وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اللہ تعالیٰ کے اولاد کہاں ہو سکتی ہے حالانکہ اس کے کوئی بیوی تو ہے نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا^(۱) اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ (۱۰۱)

یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب! اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، تو تم اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کار ساز ہے۔ (۱۰۲)

اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی^(۲) اور وہ سب

بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ

(۱) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کے پیدا کرنے میں واحد ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اسی طرح وہ اس لائق ہے کہ اس اکیلے کی عبادت کی جائے، عبادت میں کسی اور کو شریک نہ بنایا جائے۔ لیکن لوگوں نے اس ذات واحد کو چھوڑ کر جنوں کو اس کا شریک بنا رکھا ہے، حالانکہ وہ خود اللہ کے پیدا کردہ ہیں۔ مشرکین عبادت تو بتوں کی یا قبروں میں مدفون اشخاص کی کرتے ہیں لیکن یہاں کہا گیا ہے کہ انہوں نے جنات کو اللہ کا شریک بنایا ہوا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جنات سے مراد شیاطین ہیں اور شیاطین کے کہنے سے ہی شرک کیا جاتا ہے اس لیے گویا شیطان ہی کی عبادت کی جاتی ہے۔ اس مضمون کو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے مثلاً سورہ نساء - ۱۱۷، سورہ مریم - ۳۳، سورہ یٰسین ۶۰، سورہ سبا - ۳۱۔

(۲) أَبْصَارٌ نَصْرٌ (نگاہ) کی جمع ہے یعنی انسان کی آنکھیں اللہ کی حقیقت کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتیں۔ اور اگر اس سے مراد رویت بصری ہو تو اس کا تعلق دنیا سے ہو گا یعنی دنیا کی آنکھ سے کوئی اللہ کو نہیں دیکھ سکتا۔ تاہم یہ صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے کہ قیامت والے دن اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور جنت میں بھی اس کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ اس لیے معتزلہ کا اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا، دنیا میں نہ آخرت میں، صحیح نہیں۔ کیونکہ اس نفی کا تعلق صرف دنیا سے ہے۔ اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتی تھیں، جس شخص نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ نبی ﷺ نے (شب معراج میں) اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے، اس نے قطعاً جھوٹ بولا ہے۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الأنعام) کیونکہ اس آیت کی رو سے پیغمبر سمیت کوئی بھی اللہ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہے۔ البتہ آخرت کی زندگی میں یہ دیدار ممکن ہو گا۔ جیسے دوسرے مقام پر قرآن نے اس کا اثبات فرمایا۔ ﴿وَجِئُوا قَوْمَكُم بِآيَاتِنَا فَتَأْمُرَهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ أَنْظَرَهُمُ﴾ (الغالبۃ) کئی چہرے اس دن تروتازہ

التَّحِيذُ ۝

نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بین باخبر ہے۔ (۱۰۳)

اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بنی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں سو جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا،^(۱) اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں۔^(۲) (۱۰۴)

اور ہم اس طور پر دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ یہ یوں کہیں کہ آپ نے کسی سے پڑھ لیا ہے^(۳) اور تاکہ ہم اس کو دانشمندوں کے لئے خوب ظاہر کر دیں۔ (۱۰۵)

آپ خود اس طریق پر چلتے رہئے جس کی وحی آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے، اللہ

قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ۝

وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

إِنَّمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنْ نَبِيِّكَ إِنَّ إِلَهَ الْأَمْوَ وَالْآخِرِضِ
عَنِ الشُّرَكِيِّينَ ۝

ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔“

(۱) بَصَائِرُ بَصِيرَةٌ کی جمع ہے۔ جو اصل میں دل کی روشنی کا نام ہے۔ یہاں مراد وہ دلائل و براہین ہیں جو قرآن نے جگہ جگہ اور بار بار بیان کیے ہیں اور جنہیں نبی ﷺ نے بھی احادیث میں بیان فرمایا ہے۔ جو ان دلائل کو دیکھ کر ہدایت کا راستہ اپنالے گا اس میں اسی کا فائدہ ہے، نہیں اپنائے گا تو اسی کا نقصان ہے۔ جیسے فرمایا ﴿مَنْ أَهْتَدَىٰ فَأَنَا لِيَهْتَدِي بِفَيْهِ وَمَنْ ضَلَّ فَلَا يَهْتَدِي حَتَّىٰ﴾ (بنی اسرائیل - ۱۵) اس کا مطلب بھی وہی ہے جو زیر وضاحت آیت کا ہے۔

(۲) بلکہ صرف مبلغ، داعی اور بشیر و نذیر ہوں۔ راہ دکھانا میرا کام ہے، راہ پر چلا دینا یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

(۳) یعنی ہم توحید اور اس کے دلائل کو اس طرح کھول کھول کر اور مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں کہ مشرکین یہ کہنے لگتے ہیں کہ محمد ﷺ (مصلحتاً) کہیں سے پڑھ کر اور سیکھ کر آیا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ هَذَا إِلَّا إِلَهٌ مُنْجُوهُ وَإِنَّمَا تَأْتِيهِمْ قَوْمٌ مِّنْ غَيْرِهِمْ أَفَكَذَّبُوا ۚ وَقَالَ الْأَسَاطِيرُ الْأُولَىٰ ۚ﴾ (العرش - ۲۵)

”کافروں نے کہا، یہ قرآن تو اس کا اپنا گھڑا ہوا ہے، جس پر دوسروں نے بھی اس کی مدد کی ہے۔ یہ لوگ ایسا دعویٰ کر کے ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔ نیز انہوں نے کہا کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، جس کو اس نے لکھ رکھا ہے۔“ حالانکہ بات یہ نہیں ہے، جس طرح یہ سمجھتے یا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ مقصد اس تفصیل سے سمجھ دار لوگوں کے لیے تبیین و تشریح ہے تاکہ ان پر حجت پوری ہو جائے۔

تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور مشرکین کی طرف خیال نہ کیجئے۔ (۱۰۶)

اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے^(۱) اور ہم نے آپ کو ان کا نگران نہیں بنایا۔ اور نہ آپ ان پر مختار ہیں!^(۲) (۱۰۷)

اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ سوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے^(۳) ہم نے اسی طرح ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے۔ پھر اپنے رب ہی کے پاس ان کو جانا ہے سو وہ ان کو بتلا دے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے۔ (۱۰۸)

اور ان لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ^(۴) اگر ان کے پاس کوئی نشانی آجائے^(۵) تو

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا ۚ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝

وَلَا تَسْأَلُوا النَّبِيَّ يَذْخَبَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَبُولًا ۚ اللَّهُ عَذَابُ الْبَاقِينَ ۚ كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْآيَةُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشِيرُكُمْ إِلَّا نَحْنُ إِذَا

(۱) اس نکتے کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے کہ اللہ کی مشیت اور چیز ہے اور اس کی رضا اور اس کی رضا تو اسی میں ہے کہ اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے۔ تاہم اس نے اس پر انسانوں کو مجبور نہیں کیا کیونکہ جبر کی صورت میں انسان کی آزمائش نہ ہوتی، ورنہ اللہ تعالیٰ کے پاس تو ایسے اختیارات ہیں کہ وہ چاہے تو کوئی انسان شرک کرنے پر قادر ہی نہ ہو سکے۔ (مزید دیکھئے سورۃ بقرہ آیت ۲۵۳ اور سورۃ الانعام آیت ۳۵ کا ماحشر)

(۲) یہ مضمون بھی قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مقصد نبی ﷺ کی داعیانہ اور مبلغانہ حیثیت کی وضاحت ہے جو منصب رسالت کا تقاضا ہے اور آپ صرف اسی حد تک مکلف تھے۔ اس سے زیادہ آپ کے پاس اگر اختیارات ہوتے تو آپ اپنے محسن چچا ابو طالب کو ضرور مسلمان کر لیتے، جن کے قبول اسلام کی آپ شدید خواہش رکھتے تھے۔

(۳) یہ سد ذریعہ کے اس اصول پر جہی ہے کہ اگر ایک مباح کام اس سے بھی زیادہ بڑی خرابی کا سبب بنتا ہو تو وہاں اس مباح کام کا ترک رائج اور بہتر ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ تم کسی کے ماں باپ کو گالی مت دو کہ اس طرح تم خود اپنے والدین کے لیے گالی کا سبب بن جاؤ گے (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان الکسائر وأكبرها) ام شواکلی لکھتے ہیں یہ آیت سد ذرائع کے لیے اصل اصل ہے۔ (فتح القدیر)

(۴) جَهْدُ أَيْمَانِهِمْ، اِنِّي. خَلَعُوا أَيْمَانًا مُّؤَكَّدَةً بڑی تاکید سے قسمیں کھائیں۔

(۵) یعنی کوئی بڑا معجزہ جو ان کی خواہش کے مطابق ہو، جیسے عصائے موسیٰ علیہ السلام، احیائے موتی اور ناز و شہود

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

وہ ضرور ہی اس پر ایمان لے آئیں گے، آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں سب اللہ کے قبضہ میں ہیں^(۱) اور تم کو اس کی کیا خبر کہ وہ نشانیاں جس وقت آجائیں گی یہ لوگ تب بھی ایمان نہ لائیں گے۔ (۱۰۹)

اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا کہ یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے^(۲) اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے۔ (۱۱۰)

وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

و غیرہ جیسا۔

(۱) ان کا یہ مطالبہ خرق عادت تعنت و عناد کے طور پر ہے، طلب ہدایت کی نیت سے نہیں ہے۔ تاہم ان نشانیوں کا ظہور تمام تر اللہ کے اختیار میں ہے، وہ چاہے تو ان کا مطالبہ پورا کر دے۔ بعض مرسل روایات میں ہے کہ کفار مکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ صفا پہاڑ سونے کا بنا دیا جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے، جس پر جبریل علیہ السلام نے آکر کہا کہ اگر اس کے بعد بھی یہ ایمان نہ رہے تو پھر انہیں ہلاک کر دیا جائے گا، جسے نبی ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔ (ابن کثیر)۔

(۲) اس کا مطلب ہے کہ جب پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے تو اس کا وبال ان پر اس طرح پڑا کہ آئندہ بھی ان کے ایمان لانے کا امکان ختم ہو گیا۔ دلوں اور نگاہوں کو پھیر دینے کا یہی مفہوم ہے۔ (ابن کثیر)

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ السَّمٰوٰتِ وَ
حَسَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قَبْلًا مَا كَانُوا يَنْصَرِفُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ
اللّٰهُ وَلَٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ يَجْحَلُوْنَ ۝

اور اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے^(۱) اور ان
سے مروے باتیں کرنے لگتے^(۲) اور ہم تمام موجودات کو
ان کے پاس ان کی آنکھوں کے رو برو لا کر جمع کر دیتے
ہیں^(۳) تب بھی یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاتے ہاں اگر اللہ
ہی چاہے تو اور بات ہے لیکن ان میں زیادہ لوگ جہالت
کی باتیں کرتے ہیں۔^(۴)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطٰنِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ
يُوْحٰى بِغَضَبِہُمْ اِلٰی بَعْضِ رُحُوْفِ الْقَوْلِ غَوُوْرًا وَّلَوْ شَآءَ
رَبُّنَا مَا فَعَلُوْا وَذَرٰہُمْ وَمَا يَفْعَلُوْنَ ۝

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان
پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن،^(۵) جن میں سے
بعض بعضوں کو چکنی چڑی باتوں کا دوسرے ڈالتے رہتے
تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں^(۶) اور اگر اللہ تعالیٰ

(۱) جیسا کہ وہ بار بار اس کا مطالبہ ہمارے پیغمبر سے کرتے ہیں۔

(۲) اور وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کر دیتے۔

(۳) دوسرا مفہوم اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو نشانیاں وہ طلب کرتے ہیں، وہ سب ان کے رو برو پیش کر دیتے۔ اور
ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر چیز جمع ہو کر گردہ در گردہ یہ گواہی دے کہ پیغمبروں کا سلسلہ برحق ہے تو ان تمام
نشانوں اور مطالبوں کے پورا کر دینے کے باوجود یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ مگر جس کو اللہ چاہے۔ اسی مفہوم کی یہ آیت بھی
ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّقَتْ لَیْكُمُ الْکِتٰبَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ * وَلَوْ جَاءَ ظَنُّکُمْ اِلٰی یٰۤاٰیٰہِ الْعٰدٰی اِلَّا لَیْلَۃٌ﴾ (سورۃ یونس ۹۶-۹۷)
”جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو گئی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے، اگرچہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانی آجائے یہاں
تک کہ وہ دروٹا ک غلاب دیکھ لیں۔“

(۴) اور یہ جہالت کی باتیں ہی ان کے اور حق قبول کرنے کے درمیان حائل ہیں۔ اگر جہالت کا پردہ اٹھ جائے تو شاید
حق ان کی سمجھ میں آجائے اور پھر اللہ کی مشیت سے حق کو اپنا بھی لیں۔

(۵) یہ وہی بات ہے جو مختلف انداز میں رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لیے فرمائی گئی ہے کہ آپ سے پہلے جتنے بھی انبیا
گزرے، ان کی تکذیب کی گئی، انہیں ایذا نہیں دی گئیں وغیرہ وغیرہ۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے صبر اور
حوصلے سے کام لیا، آپ بھی ان دشمنان حق کے مقابلے میں صبر و استقامت کا مظاہرہ فرمائیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا
کہ شیطان کے پروکار جنوں میں سے بھی ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ اور یہ وہ ہیں جو دونوں گروہوں میں سے
سرکش، باغی اور متکبر قسم کے ہیں۔

(۶) وخبی خفیہ بات کو کہتے ہیں یعنی انسانوں اور جنوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو چال بازیوں اور حیلے سکھاتے

چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے ^(۱) سوان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں اس کو آپ رہنے دیجئے۔ (۱۱۳)

اور تاکہ اس کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تاکہ اس کو پسند کر لیں اور تاکہ مرتکب ہو جائیں ان امور کے جن کے وہ مرتکب ہوتے تھے۔ ^(۲) (۱۱۳)

تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے اس کے مضامین خوب صاف صاف بیان کئے گئے ہیں اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ بھیجی گئی ہے سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ ^(۳) (۱۱۳)

آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے، ^(۴) اس کے کلام کا کوئی بدلنے والا

وَلَيَقْبَلَنَّ إِلَيْهِ الْيَدَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ
وَلَيَرْضَوْهُ وَلَيَقْبُرُوا مَاهُمْ مُقْتَرُونَ ﴿١١٣﴾

أَفَقَدْ آتَيْنَا بَيِّنَاتٍ لَّكَ وَمَا وَدَّ أَنْزَلَ إِلَيْكَ الْكِتَابَ
مُفَصَّلًا وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنْقَلَبٌ
مِّنْ رَبِّكَ يَأْتِيكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١١٤﴾

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ
وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١١٥﴾

ہیں۔ تاکہ لوگوں کو دھوکے اور فریب میں مبتلا کر سکیں۔ یہ بات عام مشاہدے میں بھی آئی ہے کہ شیطانی کاموں میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ خوب بڑھ چڑھ کر تعاون کرتے ہیں جسکی وجہ سے برائی بہت جلدی فروغ پا جاتی ہے۔

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ تو ان شیطانی ہنکندوں کو ناکام بنانے پر قادر ہے لیکن وہ بالجبر ایسا نہیں کرے گا کیونکہ ایسا کرنا اس کے نظام اور اصول کے خلاف ہے جو اس نے اپنی مشیت کے تحت اختیار کیا ہے جس کی حکمتیں وہ بہتر جانتا ہے۔

(۲) یعنی شیطانی وسوس کا شکار وہی لوگ ہوتے ہیں اور وہی اسے پسند کرتے اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جس حساب سے لوگوں کے اندر عقیدہ آخرت کے بارے میں ضعف پیدا ہو رہا ہے اسی حساب سے لوگ شیطانی جال میں پھنس رہے ہیں۔

(۳) آپ کو خطاب کر کے دراصل امت کو تعلیم دی جا رہی ہے۔

(۴) اخبار و واقعات کے لحاظ سے سچا ہے اور احکام و مسائل کے اعتبار سے عادل ہے یعنی اس کا ہر امر اور نہی عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ کیونکہ اس نے انہی باتوں کا حکم دیا ہے جن میں انسانوں کا فائدہ ہے اور انہی چیزوں سے روکا ہے جن

نہیں^(۱) اور وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔^(۲) (۱۱۵)
 اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا
 ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں وہ
 محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں
 کرتے ہیں۔^(۳) (۱۱۶)

بالتین آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ
 سے بے راہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے
 جو اس کی راہ پر چلتے ہیں۔ (۱۱۷)

سو جس جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے اس میں سے
 کھاؤ اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو۔^(۴) (۱۱۸)

وَإِنْ تَطِعُوا أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
 إِنَّ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَلَهُمْ أَجِيرٌ صُورٌ ۝

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ
 بِالْمُنْتَهِيْنَ ۝

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ لَكُمْ عَلَيْهِ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

میں نقصان اور فساد ہے۔ گو انسان اپنی نادانی یا اغوائے شیطانی کی وجہ سے اس حقیقت کو نہ سمجھ سکیں۔

(۱) یعنی کوئی ایسا نہیں جو رب کے کسی حکم میں تبدیلی کر دے، کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں۔

(۲) یعنی بندوں کے اقوال سننے والا اور ان کی ایک ایک حرکت واداکو جاننے والا ہے اور وہ اس کے مطابق ہر ایک کو جزا دے گا۔

(۳) قرآن کی اس بیان کردہ حقیقت کا بھی واقعے کے طور پر ہر دور میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ مُؤْمِنِينَ﴾ (سورۃ یوسف: ۱۰۳) ”آپ کی خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں“۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق و صداقت کے راستے پر چلنے والے لوگ ہمیشہ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ جس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ حق و باطل کا معیار، دلائل و براہین ہیں، لوگوں کی اکثریت و اقلیت نہیں۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ جس بات کو اکثریت نے اختیار کیا ہوا ہو، وہ حق ہو اور اقلیت میں رہنے والے باطل پر ہوں۔ بلکہ مذکورہ حقیقت قرآنی کی رو سے یہ زیادہ ممکن ہے کہ اہل حق تعداد کے لحاظ سے اقلیت میں ہوں اور اہل باطل اکثریت میں۔ جس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت ۳ فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا، باقی سب جہنمی۔ اور اس جنتی فرقے کی نشانی آپ ﷺ نے یہ بیان فرمائی کہ جو مَنَ اَنَّ عَلَيْهِ رَاصِحَابِي ”میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلنے والا ہوگا“ (ابوداؤد کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ، نمبر ۴۵۹۱۔ ترمذی، کتاب الإیمان، باب ما جاء فی الفراق هذه الأمة وقد حسنه الترمذی فی بعض النسخ وأقره الألبانی فی الطحاویۃ، حدیث نمبر ۱۳۳)

(۴) یعنی جس جانور پر شکار کرتے وقت یا ذبح یا نحر کرتے وقت اللہ کا نام لیا جائے، اسے کھال و بشرطیکہ وہ ان جانوروں میں سے ہوں جن کا کھانا مباح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس جانور پر عہد ان موقعوں پر اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ حلال

وَمَا لَكُمْ إِلَّا أَنْتُمْ مِمَّا دُكِرْتُمْ إِنَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ وَفَدَّ قَتْلُ
لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرُّرْتُمْ إِلَيْهِ وَإِنْ كُنْتُمْ
لَيْضَلُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ يُخَالِفُونَ إِنْ رَيْبُكُمْ هُوَ أَعْلَمُ
بِالْمُضْتَبِّينَ ۝۱۱۹

اور آخر کیا وجہ ہے کہ تم ایسے جانوروں میں سے نہ کھاؤ جس پر
اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی
تفصیل بتادی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے^(۱) مگر وہ بھی جب
تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہے اور یہ یقینی بات ہے
کہ ہمت سے آدمی اپنے خیالات پر بلا کسی سند کے گمراہ
کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ حد سے
نکل جانے والوں کو خوب جانتا ہے۔ (۱۱۹)

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِلَهِ وَبَاطِنَهُ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ
سَيَجْزِيهِمْ سَاءُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۱۲۰

اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی
چھوڑ دو۔ بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے
کئے کی عنقریب سزا ملے گی۔ (۱۲۰)

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا دُكِرْتُمْ عَلَيْكُمْ وَلَا تَلْبَسُوا وَلَا تَلْبَسُوا
وَلَا تَلْبَسُوا مِمَّا دُكِرْتُمْ عَلَيْكُمْ وَلَا تَلْبَسُوا مِمَّا دُكِرْتُمْ عَلَيْكُمْ

اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ
لیا گیا ہو اور یہ کام نافرمانی کا ہے^(۲) اور یقیناً شیاطین اپنے

وطیب نہیں ابنتہ اس سے ایسی صورت مستفی ہے کہ جس میں یہ التباس ہو کہ ذبح کے وقت ذبح کرنے والے نے اللہ کا
نام یا نہیں؟ اس میں حکم یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر اسے کھاؤ۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول
اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں (اس سے مراد وہ اعرابی تھے جو نئے نئے مسلمان
ہوئے تھے اور اسلامی تعلیم و تربیت سے پوری طرح بہرہ ور بھی نہیں تھے) ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے اللہ کا نام یا یا
نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوا (اصحیح بخاری۔ باب دبیحة الأعراب مسمیة ۵۵۰) ”تم اللہ
کا نام لے کر اسے کھاؤ“ یعنی التباس (شبہ) کی صورت میں یہ رخصت ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر قسم کے جانور کا
گوشت بسم اللہ پڑھ لینے سے حلال ہو جائے گا۔ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی منڈیوں اور
دکانوں پر ملنے والا گوشت حلال ہے۔ ہاں اگر کسی کو وہم اور التباس ہو تو وہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لے۔

(۱) جس کی تفصیل اسی سورت میں آگے آرہی ہے اس کے علاوہ بھی اور سورتوں نیز احادیث میں محرمات کی تفصیل
بیان کر دی گئی ہے۔ ان کے علاوہ باقی حلال ہیں اور حرام جانور بھی عند الاضطرار سد رمق کی حد تک جائز ہیں۔

(۲) یعنی عدا اللہ کا نام جس جانور پر نہ لیا گیا اس کا کھانا فسق اور ناجائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے یہی
معنی بیان کئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ”بھول جانے والے کو قاسق نہیں کہا جاتا“ اور امام بخاری کا رجحان بھی یہی ہے اور یہی
احناف کا مسلک ہے تاہم امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ دونوں صورتوں میں حلال ہے چاہے وہ اللہ کا نام
لے یا عدا اچھوڑ دے اور وہ وَإِنَّهُ لَیَعْلَنُ کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے جانور سے متعلق قرار دیتے ہیں۔

الشَّيْطٰنِ لِيُوْحٰوَنَ اِلٰى اُوْلٰٓئِكَ فَاِذَا جَادُوْهُمْ قُوْلُوْا
اَطَعْتُمْهُمْ اِنَّكُمْ لَشٰرِكُوْنَ ۝

اَوْ مَن كَانَ مِيْنًا فَاَخِيْبْنٰهُ وَجَعَلْنٰا لَهُ نُوْرًا يَّشٰىءُ بِهٖ
فِي النَّارِ كَمَنْ مَّمَّلَهُ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا
كَذٰلِكَ نُفِيْكَ الْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰا فِى كُلِّ قَرْيَةٍ اَكْبَرًا مِّنْهُمْ وَمِنَ الْيٰسُرٰى

دوستوں کے دل میں ڈالتے ہیں تاکہ یہ تم سے جدال
کریں^(۱) اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً
تم مشرک ہو جاؤ گے۔ (۱۳۱)

ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور
ہم نے اس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اس کو لئے
ہوئے آدمیوں میں چلنا پھرتا ہے۔ کیا ایسا شخص اس
شخص کی طرح ہو سکتا ہے؟ جو تاریکیوں سے نکل ہی
نہیں پاتا۔^(۲) اسی طرح کافروں کو ان کے اعمال خوش نما
معلوم ہوا کرتے ہیں۔ (۱۳۲)

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو
جرائم کا مرتکب بنایا تاکہ وہ لوگ وہاں فریب کریں۔^(۳)

(۱) شیطان نے اپنے ساتھیوں کے ذریعے سے یہ بات پھیلائی کہ یہ مسلمان اللہ کے ذبح کئے ہوئے جانور (یعنی مردہ) کو تو
حرام اور اپنے ہاتھ سے ذبح شدہ کو حلال قرار دیتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کو ماننے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا کہ شیطان اور اس کے دوستوں کے دوسوں کے پیچھے مت لگو، جو جانور مردہ ہے یعنی بغیر ذبح کئے مرگیا (سوائے
سمندری میت کے کہ وہ حلال ہے) اس پر چونکہ اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس لئے اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

(۲) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافر کو میت (مردہ) اور مومن کو حی (زندہ) قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ کافر کفر و ضدت کی
تاریکیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے اور اس سے نکل ہی نہیں پاتا جس کا نتیجہ ہلاکت و بربادی ہے اور مومن کے دس کو اللہ تعالیٰ
ایمان کے ذریعے سے زندہ فرما دیتا ہے جس سے زندگی کی راہیں اس کے لئے روشن ہو جاتی ہیں اور وہ ایمان و ہدایت
کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ کامیابی و کامرانی ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جو حسب ذیل آیات میں بیان کیا گیا
ہے۔ ﴿ اِنَّهٗ وَلِىُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلِى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الظُّلُمٰتُ يَخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلِى الظُّلُمٰتِ ﴾

(سورۃ البقرہ: ۲۵۷) ﴿ مَثَلُ الْفٰرِیْقَیْنِ کَمَثَلِ الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ السَّیِّئُوْنَ مَثَلًا ﴾ (سورۃ ہود: ۲۴) اور
﴿ وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ * وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ * وَلَا الظِّلُّ وَلَا النُّوْرُ * وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَلَا الْاَبْصٰرُ ﴾ (سورۃ

فاطر: ۱۷)

(۳) آکابر، انکس کی جمع ہے، مراد کافروں اور فاسقوں کے سرغنہ اور کڑھنچ ہیں کیونکہ یہی انبیاء اور داعیان حق کی
مخالفت میں پیش پیش ہوتے ہیں اور عام لوگ تو صرف ان کے پیچھے گٹنے والے ہوتے ہیں اس لئے ان کا بطور خاص ذکر
کیا ہے۔ علاوہ ازیں ایسے لوگ عام طور پر دنیاوی دولت اور خاندانی وجاہت کے اعتبار سے بھی نمایاں ہوتے ہیں اس

فِيهَا وَمَا يَكْفُرُونَ إِلَّا بِأَنفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٣٠﴾

وَرَدَّاجَاءَ لَهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّى نُؤْتَى مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ يَدْرِي مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٣١﴾

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصْعَقُ فِي السَّمَاءِ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٢﴾

وَلَهُدَايَ صِرَاطٍ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿٣٣﴾

اور وہ لوگ اپنے ہی ساتھ فریب کر رہے ہیں اور ان کو ذرا خبر نہیں۔ (۱۳۳)^(۱)

اور جب ان کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے (۱۳۴)^(۲) اس موقع کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے؟ (۱۳۵)^(۳) عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے جرم کیا ہے اللہ کے پاس پہنچ کر ذلت پہنچے گی اور ان کی شرارتوں کے مقابلے میں مزائے سخت۔ (۱۳۶)

سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہے اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو بے راہ رکھنا چاہے اس کے سینہ کو بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے (۱۳۷)^(۴) اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر ٹپا کی مسلط کر دیتا ہے۔ (۱۳۸)^(۵)

اور یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے ان آیتوں کو صاف صاف بیان کر دیا۔ (۱۳۹)

لئے مخالفت حق میں بھی ممتاز ہوتے ہیں (یہی مضمون سورہ سبا کی آیات ۳۱ تا ۳۳ سورہ زخرف ۲۳۔ سورہ نوح ۲۲ وغیرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے)۔

(۱) یعنی ان کی اپنی شرارت کا وبال اور اسی طرح ان کے پیچھے لگنے والے لوگوں کا وبال انہی پر پڑے گا (مزید دیکھئے سورہ عنکبوت ۱۳۔ سورہ نمل ۲۵)

(۲) یعنی ان کے پاس بھی فرشتے وحی لے کر آئیں اور ان کے سروں پر بھی نبوت و رسالت کا تاج رکھا جائے۔

(۳) یعنی یہ فیصلہ کرنا کہ کس کو نبی بنایا جائے؟ یہ تو اللہ ہی کا کام ہے کیونکہ وہی ہر بات کی حکمت و مصلحت کو جانتا ہے اور اسے ہی معلوم ہے کہ کون اس منصب کا اہل ہے؟ مکہ کا کوئی چودھری و رئیس یا جناب عبد اللہ و حضرت آمنہ کا درجہ تیم؟

(۴) یعنی جس طرح زور لگا کر آسمان پر چڑھنا ممکن نہیں ہے اسی طرح جس شخص کے سینے کو اللہ تعالیٰ تنگ کر دے اس میں توحید اور ایمان کا داخلہ ممکن نہیں ہے۔ (۵) یعنی جس طرح سینہ تنگ کر دیتا ہے اسی طرح جس میں جلا کر دیتا ہے۔ جس سے مراد پلیدی یا عذاب یا شیطان کا تسلط ہے۔

لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يُهْمُونَ ۚ مَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ﴿۳۸﴾

وَيَوْمَ يُخْشَرُهُمْ جَمِيعًا يَتَخَشَّعُونَ الْعِزَّ قَدْ اسْتَكْبَرُوا
مِنَ الْإِنْسِ وَقَالَ أُولَئِكَ لَكُمْ مِنَ الْإِنْسِ رَبٌّ اسْتَمْتِعَ
بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَيْنَنَا عَهْدٌ أَلَدِي أَجَلْتُمْ لَنَا قَالَ
الَّذِي رُمِيَ بِكُمْ خَلِدِينَ فِيهَا أَلَا مَتَاءُ إِنَّهُ وَإِنْ
رَزَقَكَ حِكْمَةً عَلَيْهِ ۚ ﴿۳۹﴾

ان لوگوں کے واسطے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر
ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے ان کے اعمال
کی وجہ سے۔^(۱) (۳۷)

اور جس روز اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو جمع کرے گا، (کے
گا) اے جماعت جنات کی اتم نے انسانوں میں سے بہت
سے اپنا لیے^(۲) جو انسان ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے
تھے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم میں ایک
نے دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا^(۳) اور ہم اپنی
اس معین میعاد تک آپہنچے جو تو نے ہمارے لئے
معین فرمائی،^(۴) اللہ فرمائے گا کہ تم سب کا ٹھکانہ
دوزخ ہے جس میں ہمیشہ رہو گے، ہاں اگر اللہ ہی کو

(۱) یعنی جس طرح دنیا میں اہل ایمان کفر و ضلالت کے کج راستوں سے بچ کر ایمان و ہدایت کی صراط مستقیم پر گامزن
رہے، اب آخرت میں بھی ان کے لئے سلامتی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کا، ان کے نیک عملوں کی وجہ سے دوست
اور کار ساز ہے۔

(۲) یعنی انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو تم نے گمراہ کر کے اپنا پیرو کار بنالیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے سورۃ نبیین میں
فرمایا، ”اے بنی آدم کیا میں نے تمہیں خبردار نہیں کر دیا تھا کہ تم شیطان کی پوجا مت کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ
کہ تم صرف میری عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے اور اس شیطان نے تمہاری ایک بہت بڑی تعداد کو گمراہ کر دیا ہے کیا
پس تم نہیں سمجھتے؟ (نبیین - ۶۰ / ۶۳)

(۳) جنوں اور انسانوں نے ایک دوسرے سے کیا فائدہ حاصل کیا؟ اس کے دو مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ جنوں کا انسانوں سے
فائدہ اٹھانا ان کو اپنا پیرو کار بنانا کران سے ملنا حاصل کرنا ہے اور انسانوں کا جنوں سے فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ شیطانوں نے گناہوں
کو ان کے لئے خوبصورت بنا دیا جسے انہوں نے قبول کیا اور گناہوں کی لذت میں پھنسے رہے۔ دو سرا مفہوم یہ ہے کہ انسان ان
غیبی خبروں کی تصدیق کرتے رہے جو شیاطین و جنات کی طرف سے کمالات کے طور پر پھیلائی جاتی تھیں۔ یہ گویا جنات نے
انسانوں کو بے وقوف بنا کر فائدہ اٹھایا اور انسانوں کا فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ انسان جنات کی بیان کردہ جھوٹی یا انکلی پچو باتوں سے
لطف اندوز ہوتے اور کاہن قسم کے لوگ ان سے دنیاوی مفادات حاصل کرتے رہے۔

(۴) یعنی قیامت واقع ہو گئی جسے ہم دنیا میں نہیں مانتے تھے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب جہنم تمہارا
دامنی ٹھکانہ ہے۔

منظور ہو تو دوسری بات ہے۔^(۱) بے شک آپ کا رب
بڑی حکمت والا بڑا علم والا ہے۔ (۱۲۸)

اور اسی طرح ہم نے بعض کفار کو بعض کے قریب
رکھیں گے ان کے اعمال کے سبب۔^(۲) (۱۲۹)

اے جنت اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس تم میں
سے ہی پیغمبر نہیں آئے تھے،^(۳) جو تم سے میرے احکام
بیان کرتے اور تم کو اس آج کے دن کی خبر دیتے؟ وہ سب
عرض کریں گے کہ ہم اپنے اوپر اقرار کرتے ہیں اور ان کو
دنیاوی زندگی نے بھول میں ڈالے رکھا اور یہ لوگ اقرار
کرنے والے ہوں گے کہ وہ کافر تھے۔^(۴) (۱۳۰)

یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب کسی بہتی دالوں کو کفر

وَكَذَلِكَ نُورِ بَعْضَ الْفَاسِقِينَ بَعْضًا يَمَّا كَانُوا
يَكْفُرُونَ ﴿١٢٨﴾

يَمْعُرُ الرِّجْنَ وَالْإِنِّشَ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ
يَقُصُّونَ عَلَيْكُمُ آيَاتِي وَيُزِدُونَكُمُ إِفْهَاءً يَوْمَكُمْ
هَذَا قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ نَفْسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ
الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿١٢٩﴾

ذَلِكَ أَنْ لَّمْ يَكُنْ رُبُّكَ مُهَيْبًا تَقْرَأُ بِطَنِهِمْ وَأَهْلُهُمْ

(۱) اور اللہ کی مشیت کفار کے لئے جہنم کا دائمی عذاب ہی ہے جس کی اس نے بار بار قرآن کریم میں وضاحت کی ہے۔
مناہیں اس سے کسی کو مغالطے کا شکار نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ احسن اللہ تعالیٰ کے مطلق ارادہ کے بیان کے لئے ہے جسے
کسی چیز کے ساتھ متعین نہیں کیا جاسکتا اس لئے اگر وہ کفار کو جہنم سے نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے اس سے نہ وہ عاجز ہے
نہ کوئی دوسرا روکنے والا۔ (المیزان التفاسیر)

(۲) یعنی جہنم میں جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح ہم نے انسانوں اور جنوں کو ایک
دوسرے کا ساتھی اور مددگار بنایا (جیسا کہ گذشتہ آیت میں گذرا) اسی طرح ہم ظالموں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں ایک
ظالم کو دوسرے ظالم پر ہم مسلط کر دیتے ہیں اس طرح ایک ظالم دوسرے ظالم کو ہلاک و تباہ کرتا ہے اور ایک ظالم کا
انقام دوسرے ظالم سے لے لیتے ہیں۔

(۳) رسالت و نبوت کے معاملے میں جنت انسانوں کے ہی تابع ہیں ورنہ جنت میں الگ نبی نہیں آئے ابتر رسولوں کا
پیغام پہنچانے والے اور مندرجین جنت میں ہوتے رہے ہیں جو اپنی قوم کے جنوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں
اور دیتے ہیں۔ لیکن ایک خیال یہ بھی ہے کہ چونکہ جنت کا وجود انسان کے پہلے سے ہی ہے تو ان کی ہدایت کے لئے
انھیں میں سے کوئی نبی آیا ہو گا پھر آدم علیہ السلام کے وجود کے بعد ہو سکتا ہے وہ انسانی جمیوں کے تابع رہے ہوں 'ابتر
نبی کریم ﷺ کی رسالت ہر حال تمام جن دانس کے لئے ہے اس میں کوئی شبہ نہیں

(۴) میدان حشر میں کافر مختلف پینترے بدلیں گے 'کبھی اپنے مشرک ہونے کا انکار کریں گے (الانعام ۲۳) اور کبھی
اقرار کئے بغیر چارہ نہیں ہو گا' جیسے یہاں ان کا اقرار نقل کیا گیا ہے۔

غَفِلُونَ ﴿۳۱﴾

وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِّنْ أَعْمَالِهِمْ مَّوَارِثُكَ يَخْلَفُونَ
عَمَّا يَتَّبِعُونَ ﴿۳۲﴾

وَرَبُّكَ الْعَلِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ
وَيَسْتَخْلِفْ مِن بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاءُ ۖ كَمَا أَنتَ خَالِقُ قَوْمِ
ذُرِّيَّةِ قَوْمِ الْخَوَارِجِ ﴿۳۳﴾

إِن مَّا تَوْعَدُونَ لَأَن يَأْتِيَنَّكُمْ مُّتَعَجِّزِينَ ﴿۳۴﴾

فَنُفِوْهُمُ اغْمِلُوا ۖ لَّكُم مَّا تَكْتُمُونَ إِنِّي عَلِيمٌ خَفُوفٌ

کے سبب ایسی حالت میں ہلاک نہیں کرتا کہ اس ہستی کے رہنے والے ^(۱) بے خبر ہوں۔ (۱۳۱)
اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے سبب ورے ملیں گے اور آپ کا رب ^(۲) ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ (۱۳۲)

اور آپ کا رب بالکل غنی ہے رحمت والا ہے۔ ^(۳) اگر وہ چاہے تو تم سب کو اٹھالے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ آباد کر دے جیسا کہ تم کو ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا ہے۔ ^(۴) (۱۳۳)

جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ بے شک آنے والی چیز ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے۔ ^(۵) (۱۳۴)

آپ یہ فرما دیجئے کہ اے میری قوم! تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں، ^(۶) سواب جلد ہی

(۱) یعنی رسولوں کے ذریعے سے جب تک اپنی محنت قائم نہیں کر دیتا ہلاک نہیں کرتا جیسا کہ یہی بات سورہ فاطر آیت ۲۴- سورہ نمل ۲۶- سورہ بنی اسرائیل ۱۵ اور سورہ ملک ۸ وغیرہ میں بیان کی گئی ہے۔

(۲) یعنی ہر انسان اور جن کے ان کے باہمی درجات میں عملوں کے مطابق فرق و تفاوت ہو گا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات بھی انسانوں کی طرح جنتی اور جہنمی ہوں گے۔

(۳) وہ غنی (بے نیاز) ہے اپنی مخلوقات سے۔ ان کا محتاج ہے نہ ان کی عبادتوں کا ضرورت مند ہے ان کا ایمان اس کے لئے نفع مند ہے نہ ان کا کفر اس کے لئے ضرر رساں لیکن اس شان غنا کے ساتھ وہ اپنی مخلوق کے لئے رحیم بھی ہے۔ اس کی بے نیازی اپنی مخلوق پر رحمت کرنے میں مانع نہیں ہے۔

(۴) یہ اس کی بے پناہ قوت اور غیر محدود قدرت کا اظہار ہے۔ جس طرح پچھلی کئی قوموں کو اس نے حرف غلط کی طرح مٹا دیا اور ان کی جگہ نئی قوموں کو اٹھا کر لایا وہ اب بھی اس بات پر قادر ہے کہ جب چاہے تمہیں نیست و نابود کر دے اور تمہاری جگہ ایسی قوم پیدا کر دے جو تم جیسی نہ ہو۔ (مزید ملاحظہ ہو سورہ نساء ۱۳۳- سورہ ابراہیم ۲۰- سورہ فاطر ۱۵- سورہ محمد ﴿سُورَةُ مُحَمَّدٍ﴾ ۳۸)

(۵) اس سے مراد قیامت ہے۔ ”اور تم عاجز نہیں کر سکتے“ کا مطلب ہے کہ وہ تمہیں دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے چاہے تم مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو چکے ہو۔

(۶) یہ کفر اور معصیت پر قائم رہنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ سخت وعید ہے جیسا کہ اگلے الفاظ سے بھی واضح ہے۔

تَعْلَمُونَ مَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ
إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۳۵﴾

تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ اس عالم کا انجام کار کس کے
لیے نافع ہو گا۔ یہ یقینی بات ہے کہ حق تلفی کرنے والوں
کو کبھی فلاح نہ ہوگی۔^(۱) (۳۵)

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْعُرُثِ وَالْزُرْعَةِ بَيْنًا
فَقَالُوا هَذَا لِلَّذِينَ يَرْبُّوهُمْ وَهَذَا لِلشُّرَكَائِ
فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ
بِإِلَهِهِمْ يَصِلُ إِلَى شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۳۶﴾

اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ہیں ان
لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعم
خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا
ہے،^(۲) پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ
کی طرف نہیں پہنچتی^(۳) اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ
ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے^(۴) کیا برا فیصلہ وہ
کرتے ہیں۔ (۳۶)

وَكَذَلِكَ زَيْنٌ لِّكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتَلَ

اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے

جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ غُلَاظِلَةٌ مِّنْ ظُلُمَاتٍ تَمُوتُ لَهَا غُلَامٌ﴾ ﴿وَالْأَشْرَارُ﴾ ﴿مَنْظُورُونَ﴾ ﴿سُورَةُ
هُود: ۱۲۱-۱۲۲﴾ جو ایمان نہیں لاتے، ان سے کہہ دیجئے! کہ تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ ہم بھی عمل کرتے ہیں اور انتظار کرو ہم
بھی منتظر ہیں۔

(۱) جیسا کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ سچا کر دکھایا، ۸ / ہجری میں مکہ فتح ہو گیا اور اس کے فتح
کے بعد عرب قبائل جو در جو جن مسلمان ہونا شروع ہو گئے اور پورا جزیرہ عرب مسلمانوں کے زیرِ قلمیں آ گیا اور یہ دائرہ
پھر پھیلتا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔

(۲) اس آیت میں مشرکوں کے اس عقیدہ و عمل کا ایک نمونہ بتلایا گیا ہے جو انہوں نے اپنے طور پر گھڑ رکھے تھے۔ وہ
زمینی پیداوار اور مال مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ کے لئے اور کچھ اپنے خود ساختہ معبودوں کے لئے مقرر کر لیتے۔
اللہ کے حصے کو مسمانوں، فخر اور صلہ رومی پر خرچ کرتے اور بتوں کے حصے کو بتوں کے مجاہدین اور ان کی ضروریات پر
خرچ کرتے۔ پھر اگر بتوں کے مقررہ حصے میں توقع کے مطابق پیداوار نہ ہوتی تو اللہ کے حصے میں سے نکال کر اس میں
شامل کر لیتے اور اس کے برعکس معاملہ ہوتا تو بتوں کے حصے میں سے نہ نکالتے اور کہتے کہ اللہ تو غنی ہے۔

(۳) یعنی اللہ کے حصے میں کمی کی صورت میں بتوں کے مقررہ حصے میں سے تو صدقات و خیرات نہ کرتے۔
(۴) ہیں اگر بتوں کے مقررہ حصے میں کمی ہو جاتی تو وہ اللہ کے مقررہ حصے سے لے کر بتوں کے مصالح اور ضروریات پر
خرچ کر لیتے۔ یعنی اللہ کے مقابلے میں بتوں کی عقلیت اور ان کا خوف ان کے دلوں میں زیادہ تھا جس کا مشاہدہ آج کے
مشرکین کے رویے سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاءُ لَهُمْ لِيَرُدُّوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَعَلَّوْا قَدْرَهُمْ وَمَا يَفْعَلُونَ ﴿۳۷﴾

وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْتُ حُنُوجَ لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ تَشَاءُ يَرْغِبُهُمْ وَالْأَنْعَامُ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامُ لَا يَذْكُرُونَ سُبْحَانَ اللَّهِ عَلَيْهَا أَفْتِرَاءٌ عَلَيْهِمْ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۳۸﴾

معبودوں نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مستحسن بنا رکھا ہے^(۱) تاکہ وہ ان کو برباد کریں اور تاکہ ان کے دین کو ان پر مشتبہ کر دیں^(۲) اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو یہ ایسا کام نہ کرتے^(۳) تو آپ ان کو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں یونہی رہنے دیجئے (۱۳۷)

اور وہ اپنے خیال پر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کچھ مواشی ہیں اور کھیت ہیں جن کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں ان کو کوئی نہیں کھا سکتا سوائے ان کے جن کو ہم چاہیں^(۴) اور مواشی ہیں جن پر سواری یا بار برداری حرام کر دی گئی^(۵) اور کچھ مواشی ہیں جن پر یہ بوگ اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر۔^(۶) ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کے افترا کی سزا دیئے دیتا ہے۔ (۱۳۸)

(۱) یہ اشارہ ہے ان کے بچوں کے زندہ درگور کر دینے یا بتوں کی بھینٹ چڑھانے کی طرف۔

(۲) یعنی ان کے دین میں شرک کی آمیزش کر دیں۔

(۳) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے اختیارات اور قدرت سے ان کے ارادہ و اختیار کی آزادی کو سلب کر لیتا تو پھر یقیناً یہ وہ کام نہ کرتے جو مذکور ہوئے لیکن ایسا کرنا چونکہ جبر ہوتا جس میں انسان کی آزمائش نہیں ہو سکتی تھی جب کہ اللہ تعالیٰ انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دے کر آزماتا چاہتا ہے اس لئے اللہ نے جبر نہیں فرمایا۔

(۴) اس میں ان کی جاہلی شریعت اور اباطیل کی تین صورتیں اور بیان فرمائی ہیں۔ حیض (بمعنی منع) اگرچہ مصدر ہے لیکن مفعول یعنی منع حیض (منوع) کے معنی میں ہے۔ یہ پہلی صورت ہے کہ یہ جانور یا فلاں کھیت کی پیداوار ان کا استعمال ممنوع ہے۔ اسے صرف وہی کھائے گا جسے ہم اجازت دیں گے۔ یہ اجازت بتوں کے خادم اور مجاورین ہی کے لئے ہوتی۔

(۵) یہ دوسری صورت ہے کہ وہ مختلف قسم کے جانوروں کو اپنے بتوں کے نام آزاد چھوڑ دیتے جن سے وہ بار برداری یا سواری کا کام نہ لیتے۔ جیسے بحیضہ و غیرہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

(۶) یہ تیسری صورت ہے کہ وہ ذبح کرتے وقت صرف اپنے بتوں کا نام لیتے اللہ کا نام نہ لیتے۔ بعض نے اس کا مضموم یہ بیان کیا ہے کہ ان جانوروں پر بیٹھ کر وہ حج کے لئے نہ جاتے۔ بہر حال یہ ساری صورتیں گھڑی ہوئی توان کی اپنی تھیں لیکن وہ اللہ پر افترا باندھتے یعنی یہ باور کراتے کہ اللہ کے حکم سے ہی ہم سب کچھ کر رہے ہیں۔

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُنُورِنَا
وَمَحْزُومٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا إِنَّ يَكُونُ مِثْقَلُ قَتْلِهِمْ فِيهِ
شُرَكَاءٌ سَيُجْزَوْنَ بِهِمْ وَصَفُّهُمْ أَلَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۳۹﴾

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ
عِلْمٍ وَحَزَنًا مَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ قَدْ
ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۴۰﴾

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ
مَّعْرُوشَاتٍ وَالْأَمْثَلِ وَالزَّرْعِ مُخْتَلِفًا أَكْثَرُهُ
وَالزَّيْتُونِ وَالزَّيْتَانِ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ

اور وہ کہتے ہیں کہ جو چیز ان مواشی کے پیٹ میں ہے وہ
خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر
حرام ہے۔ اور اگر وہ مردہ ہے تو اس میں سب برابر ہیں۔^(۱)
ابھی اللہ ان کو ان کی غلط بیانی کی سزا دیئے دیتا ہے^(۲) بلاشبہ
وہ حکمت والا ہے اور وہ بڑا علم والا ہے۔ (۳۹)

واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اوماد کو
محض براہ حماقت بلا کسی سند کے قتل کر ڈالا اور جو چیزیں
ان کو اللہ نے کھانے پینے کو دی تھیں ان کو حرام کر لیا
محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر۔ بے شک یہ لوگ
گمراہی میں پڑ گئے اور کبھی راہ راست پر چلنے والے
نہیں ہوئے۔ (۴۰)

اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کئے وہ بھی جو ٹیوں پر
چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹیوں پر نہیں چڑھائے
جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن میں کھانے کی
چیزیں مختلف طور کی ہوتی ہیں^(۳) اور زیتون اور انار جو باہم

(۱) یہ ایک اور شکل ہے کہ جو جانور وہ اپنے بتوں کے نام وقف کرتے، ان میں سے بعض کے بارے میں کہتے کہ ان کا
دودھ اور ان کے پیٹ سے پیدا ہونے والا زندہ بچہ صرف ہمارے مردوں کے لئے حلال ہے، عورتوں کے لئے حرام
ہے۔ ہاں اگر بچہ مردہ پیدا ہو تا تو پھر اس کے کھانے میں مرد و عورت برابر ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو غلط بیانی کرتے ہیں اور اللہ پر افترا باندھتے ہیں، ان پر عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں سزا دے
گا۔ وہ اپنے فیصلوں میں حکیم ہے اور اپنے بندوں کے بارے میں پوری طرح علم رکھنے والا ہے اور اپنے علم و حکمت کے
مطابق وہ جزا و سزا کا اہتمام فرمائے گا۔

(۳) مَعْرُوشَاتٍ کا مادہ عَرَضٌ ہے جس کے معنی بلند کرنے اور اٹھانے کے ہیں۔ مراد معروضات سے بعض درختوں کی
وہ بھلیں ہیں جو ٹیوں (جھپروں، منڈیروں وغیرہ) پر چڑھائی جاتی ہیں، جیسے انجور اور بعض ترکاریوں کی بھلیں ہیں۔ اور
غیر معروضات، وہ درخت ہیں جن کی بھلیں اوپر نہیں چڑھائی جاتیں بلکہ زمین پر ہی پھیلتی ہیں، جیسے خربوزہ اور تربوز
وغیرہ کی بھلیں ہیں یا وہ تنے دار درخت ہیں جو تنہا کی شکل میں نہیں ہوتے۔ یہ تمام بھلیں، درخت اور کھجور کے درخت
اور کھیتیاں، جن کے ذائقے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اور زیتون و انار، ان سب کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ
حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿۱۰﴾

وَمِنَ الْأَنْعَامِ حُمُولُهُ وَفَرَسٌ كَلْبًا يَمْرَزُ كُلُّهُ
لِللَّهِ لَا تَسْبَحُوا مَطْوِيَّ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمُ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿۱۱﴾

ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے
کے مشابہ نہیں ہوتے،^(۱۰) ان سب کے پھلوں میں سے
کھاؤ جب وہ نکل آئے اور اس میں جو حق واجب ہے وہ
اسکے کاٹنے کے دن دیا کرو^(۱۱) اور حد سے^(۱۲) مت گزرو
یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔^(۱۳)
اور مواشی میں اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے^(۱۴)
(پیدا کیے) جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے کھاؤ^(۱۵) اور شیطان
کے قدم بقدم مت چلو،^(۱۶) بلا شک وہ تمہارا صریح دشمن
ہے۔ (۱۴۲)

(۱) اس کے لئے دیکھئے آیت ۹۹ کا حاشیہ۔

(۲) یعنی جب کھیت سے غلہ کاٹ کر صاف کر لو اور پھل درختوں سے توڑ لو، تو اس کا حق ادا کرو۔ اس حق سے مراد بعض
علماء کے نزدیک نفلی صدقہ ہے اور بعض کے نزدیک صدقہ واجبہ یعنی عشر دسواں حصہ (اگر زمین بارانی ہو) یا نصف عشر
یعنی بیسواں حصہ (اگر زمین کنوئیں، ٹنڈب دہل یا نسری پانی سے سیراب کی جاتی ہو)

(۳) یعنی صدقہ و خیرات میں بھی حد سے تجاوز نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ کل کو تم ضرورت مند ہو جاؤ۔ بعض کہتے ہیں اس کا
تعلق حکام سے ہے یعنی صدقات و زکوٰۃ کی وصولی میں حد سے تجاوز نہ کرو اور امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ سیاق آیت کی
رو سے زیادہ صحیح یہ بات لگتی ہے کہ کھانے میں اسراف مت کرو کیونکہ بسیار خوری عقل اور جسم دونوں کے لئے مضر
ہے۔ اسراف کے یہ سارے ہی مفہوم اپنی اپنی جگہ درست ہیں، اس لئے سارے ہی مفہوم مراد ہو سکتے ہیں۔ دوسرے
مقامات پر اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے میں بھی اسراف سے منع فرمایا ہے، جس سے واضح ہے کہ کھانے پینے میں بھی اعتدال
بست ضروری اور اس سے تجاوز اللہ کی نافرمانی ہے۔ آج کل مسلمانوں نے اس اسراف کو اپنی امارت کے انہماک کی
علامت بنا لیا ہے۔ فَإِنَّ اللَّهَ وَإِنَّا إِلَهُهِ وَاجْتَعُونِ۔

(۴) اس لئے اسراف کسی چیز میں بھی پسندیدہ نہیں ہے، صدقہ و خیرات دینے میں نہ کسی اور چیز میں۔ ہر چیز میں اعتدال
اور میانہ روی مطلوب و محبوب ہے اور اسی کی تاکید کی گئی ہے۔

(۵) حُمُولُهُ (بوجھ اٹھانے والے) سے مراد اونٹ، تیل، گدھا، خچر وغیرہ ہیں جو بار برداری کے کام میں آتے ہیں اور
فَرَسٌ سے مراد زمین سے لگے ہوئے جانور۔ جیسے بکری وغیرہ جس کا تم دودھ پیتے یا گوشت کھاتے ہو۔

(۶) یعنی پھلوں، کھیتوں اور چوپایوں سے۔ ان سب کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور ان کو تمہارے لئے خوراک بنایا ہے۔

(۷) جس طرح مشرکین اس کے پیچھے لگ گئے اور حلال جانوروں کو بھی اپنے اوپر حرام کر لیا گویا اللہ کی حلال کردہ چیز کو
حرام یا حرام کو حلال کر لیتا، یہ شیطان کی بیروی ہے۔

ثَلَاثِينَ أَزْوَاجًا مِنَ النَّسَاءِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْرُوفَاتِ
قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ حَرَّمَ أَمْرَ الْأَنْثَيْنِ أَمَّا اسْتَمْلَتْ عَلَيْهِ
أَرْحَامُ الْأَنْثَيْنِ يُتَشَوَّفُ بِعَلْمِهِ إِنْ كُنْتُمْ ضِدِّ قَوْلِهِ ۝

وَمِنْ لَا يَلِ اسْتَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ
تُحِبُّونَ أَمْرَ الْأَنْثَيْنِ أَمَّا اسْتَمْلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأَنْثَيْنِ
أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَضَعَكُمُ اللَّهُ فِي بَرْحَمٍ أَظْلَمُ مِنْ
الْفَقْرِ حَلَّ اللَّهُ كَذِبًا لِيَصِلَ النَّاسُ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِلَى اللَّهِ

(پیدا کیے) آٹھ زروادہ^(۱) یعنی بھیڑ میں دو قسم اور بکری
میں دو قسم^(۲) آپ کیے کہ کیا اللہ نے ان دونوں نروں کو
حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو؟ یا اس کو جس کو دونوں مادہ
پیٹ میں لئے ہوئے ہوں؟^(۳) تم مجھ کو کسی دلیل سے تو
بتاؤ اگر سچے ہو۔^(۴) (۳۳)

اور اونٹ میں دو قسم اور گائے میں دو قسم^(۵) آپ کیے
کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا
دونوں مادہ کو؟ یا اس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لئے
ہوئے ہوں؟ کیا تم حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم
کو اس کا حکم دیا؟^(۶) تو اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو

(۱) یعنی اُنسَا ثَلَاثِينَ أَزْوَاجٍ (اسی اللہ نے آٹھ زوج پیدا کئے) أَزْوَاجٍ، زَوْج کی جمع ہے۔ ایک ہی جنس کے نر اور مادہ کو
زوج (جوڑا) کہا جاتا ہے اور ان دونوں کے ایک ایک فرد کو بھی زوج کہہ لیا جاتا ہے کیونکہ ہر ایک دو سرے کے لئے
زوج ہوتا ہے۔ قرآن کے اس مقام پر بھی ازواج افراد ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی ۸ افراد اللہ نے پیدا کئے۔
جو باہم ایک دو سرے کا جوڑا ہیں۔ یہ نہیں کہ زوج (معنی جوڑے) پیدا کئے کیوں کہ اس طرح تعداد ۸ کے بجائے ۱۶ ہو
جائے گی جو آیت کے اگلے حصہ کے مطابق نہیں ہے۔

(۲) یہ ثَلَاثِينَ سے بدل ہے اور مراد دو قسم سے نر اور مادہ ہے یعنی بھیڑ سے نر اور مادہ اور بکری سے نر اور مادہ پیدا کئے
(بھیڑ میں ہی دنبہ چھترا بھی شامل ہے)

(۳) مشرکین جو بعض جانوروں کو اپنے طور پر ہی حرام کر لیتے تھے اس کے حوالے سے اللہ تعالیٰ پوچھ رہا ہے کہ اللہ
تعالیٰ نے ان کے نروں کو حرام کیا ہے یا مادوں کو یا اس بچے کو جو دونوں مادوں کے پیٹ میں ہیں؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ
نے تو کسی کو بھی حرام نہیں کیا ہے۔

(۴) تمہارے پاس حرام قرار دینے کی کوئی یقینی دلیل ہے تو پیش کرو کہ بَحِيرَةً، سَائِبَةً وَصَيْلَةً اور حَامٍ وغیرہ اس
دلیل کی بنیاد پر حرام ہیں۔

(۵) یہ بھی ثَلَاثِينَ سے بدل ہے اور یہاں بھی دو دو قسم سے دونوں کے نر اور مادہ مراد ہیں اور یوں یہ آٹھ قسمیں
پوری ہو گئیں۔

(۶) یعنی تم جو بعض جانوروں کو حرام قرار دیتے ہو کیا جب اللہ نے ان کی حرمت کا حکم دیا تو تم اس کے پاس موجود تھے؟
مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تو ان کی حرمت کا کوئی حکم ہی نہیں دیا۔ یہ سب تمہارا افتراء ہے اور اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٣٤﴾

اللہ تعالیٰ پر بلا دلیل جھوٹی تسمت لگائے،^(۱) تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو راستہ نہیں دکھلاتا۔ (۳۴)

قُلْ لَا آيِدُ فِي مَا أَوْحَىٰ إِلَيَّ مُخَرَّمًا عَلَىٰ طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ
إِلَّا أَنْ يَكُونَ مِثْقَلُ ذَرَّةٍ مِّنَ عِلْمٍ عِنْدَ اللَّهِ
وَخُذْ مِنْهُ قُلُوبًا رَّجُولًا مِّنْهُمْ
أَوْ فَسِقًا كَثِيرًا أَوْ يَتَّبِعُوا أَحْكَامَ
الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِهِ ۚ إِنَّ عَذَابَ اللَّهِ
كَبِيرٌ ﴿٣٥﴾

آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ان میں تو میں کوئی حرام نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے، مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا کہ بہت ہو یا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو، کیوں کہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو۔^(۲) پھر جو شخص مجبور ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو واقعی آپ کا رب غفور الرحیم ہے۔ (۳۵)

(۱) یعنی یہی سب سے بڑا ظالم ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن لُحی کو جہنم میں اپنی انتزیاں کھینچتے ہوئے دیکھا، اس نے سب سے پہلے بتوں کے نام پر وید اور حام وغیرہ جانور چھوڑنے کا سلسلہ شروع کیا تھا، صحیح بخاری، تفسیر سورة المائدة۔ صحیح مسلم، کتاب الحجة، باب الساريد خيلها الجبارون والحجة يدخلها الضعفاء، امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ عمرو بن لُحی، خزاعہ قبیلے کے سرداروں میں سے تھا جو جہنم قبیلے کے بعد خانہ کعبہ کا والی بنا تھا، اس نے سب سے پہلے دین ابراہیمی میں تبدیلی کی اور حجاز میں بت قائم کر کے لوگوں کو ان کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور مشرکانہ رسمیں جاری کیں (ابن کثیر) بہر حال مقصود آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آٹھ قسم کے جانور پیدا کر کے بندوں پر احسان فرمایا ہے، ان میں سے بعض جانوروں کو اپنی طرف سے حرام کر لینا، اللہ کے احسان کو رد کرنا بھی ہے اور شرک کا ارتکاب بھی۔

(۲) اس آیت میں جن چار محرمات کا ذکر ہے، اس کی ضروری تفصیل سورہ بقرہ ۱۷۳ کے حاشیے میں گذر چکی ہے۔ یہاں یہ نکتہ مزید قابل وضاحت ہے کہ ان چار محرمات کا ذکر کلامِ حصر سے کیا گیا ہے، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان چار قسموں کے علاوہ باقی تمام جانور حلال ہیں۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ ان چار کے علاوہ اور جانور بھی شریعت میں حرام ہیں، پھر یہاں حصر کیوں کیا گیا ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ اس سے قبل مشرکین کے جاہلانہ طریقوں اور ان کے رد کا بیان چلا آ رہا ہے۔ ان ہی میں بعض جانوروں کا بھی ذکر آیا ہے جو انہوں نے اپنے طور پر حرام کر رکھے تھے، اس سیاق اور ضمن میں یہ کہا جا رہا ہے کہ مجھ پر جو وحی کی گئی ہے اس میں تو اس سے مقصود مشرکین کے حرام کردہ جانوروں کی حلت ہے یعنی وہ حرام نہیں ہیں کیونکہ اللہ نے جن محرمات کا ذکر کیا ہے ان میں تو وہ شامل ہی نہیں ہیں۔ اگر وہ حرام ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کا بھی ذکر ضرور کرتا۔ امام شوکانی نے اس کی توجیہ اس طرح کی ہے کہ اگر یہ آیت مکی نہ ہوتی تو پھر یقیناً

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَزَمْنَا كُلَّ ذِي ظُلْفٍ وَمِنَ الْبَقَرِ
وَلَفَنَاهُمْ حَزَمًا عَلَيْهِمْ شُحُومُهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ
ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ
ذَلِكَ جَزَاءُ لَهُمْ بِغْيِهِمْ وَإِنَّ الصَّالِحِينَ ۝

وَإِنْ كَذَّبُوا فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ
بِأَسْمَاءِ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ۝

اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے
تھے ^(۱) اور گائے اور بکری میں سے ان دونوں کی چربیاں
ان پر ہم نے حرام کر دی تھیں مگر وہ جو ان کی پشت پر یا
انتڑیوں میں لگی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہو۔ ^(۲) ان کی
شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی ^(۳) اور ہم
یقیناً سچے ہیں۔ ^(۴) (۱۳۶)

پھر اگر یہ آپ کو کاذب کہیں تو آپ فرما دیجئے کہ تمہارا
رب بڑی وسیع رحمت والا ہے ^(۵) اور اس کا عذاب مجرم
لوگوں سے نہ ٹلے گا۔ ^(۶) (۱۳۷)

محرمات کا حصر قابل تسلیم تھا لیکن چونکہ اس کے بعد خود قرآن نے المائدہ میں بعض اور محرمات کا ذکر کیا ہے اور نبی
ﷺ نے بھی کچھ محرمات بیان فرمائیں ہیں تو اب وہ بھی ان میں شامل ہوں گے۔ اس کے علاوہ نبی ﷺ نے پرندوں
اور درندوں کے صفت و حرمت معلوم کرنے کے لئے دو اصول بیان فرمادیئے ہیں جن کی وضاحت بھی مذکورہ محولہ حاشیہ
میں موجود ہے۔ اَوْ فِئْسًا كَاعْطَفَ لَحْمٍ خِنْزِيرٍ پر ہے۔ اس لئے منصوب ہے 'معنی ہیں آئی ذُبِحَ عَلَى الْأَضْنَامِ' "وہ
جانور جو بتوں کے نام پر یا ان کے تھانوں پر ان کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ذبح کئے جائیں" یعنی ایسے جانوروں پر گو
عند الذبح اللہ کا نام یا جائے تب بھی حرام ہوں گے کیونکہ ان سے اللہ کا تقرب نہیں 'غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنا مقصود
ہے۔ فسق رب کی اطاعت سے خروج کا نام ہے۔ رب نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جانور ذبح کیا جائے اور
صرف اسی کے تقرب و نیاز کے لئے کیا جائے اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو یہی فسق اور شرک ہے۔

(۱) ناخن والے جانور سے مراد وہ ہاتھ والے جانور ہیں جن کی انگلیاں پھنی ہوئی یعنی جدا جدا نہ ہوں۔ جیسے اونٹ 'شتر
مرغ' بلخ' قاز' گائے اور بکری وغیرہ۔ ایسے سب چرند پرند حرام تھے۔ گویا صرف وہ جانور اور پرندے ان کے لئے حلال
تھے جن کے پنچے کھلے ہوں۔

(۲) یعنی جو چربی گائے یا بکری کی پشت پر ہو (یا دنبے کی چمکتی ہو) یا انتڑیوں (یا اوجھ) یا ہڈیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ چربی
کی یہ مقدار حلال تھی۔

(۳) یہ چیزیں ہم نے بطور سزا ان پر حرام کی تھیں یعنی یہود کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ یہ چیزیں حضرت یعقوب علیہ السلام
نے اپنے اوپر حرام کی ہوئی تھیں اور ہم تو ان کے اتباع میں ان کو حرام سمجھتے ہیں۔

(۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود یقیناً اپنے مذکورہ دعوے میں جھوٹے ہیں۔

(۵) اس لئے تکذیب کے باوجود عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

(۶) یعنی مسلت دینے کا مطلب ہمیشہ کے لئے عذاب الہی سے محفوظ ہونا نہیں ہے۔ وہ جب بھی عذاب دینے کا فیصلہ

سَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَفْرَكْنَا وَلَا
آبَاؤُنَا وَلَا حَمَمْنَا مِن شَيْءٍ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ
مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا آبَاءَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ
مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُمْ لَنُبَلِّغَنَّكُمْ إِلَّا الْقَلِيلَ وَلَن
أَنْتُمْ الْأَخِرُّونَ ﴿١٣٨﴾

قُلْ قَبْلَهُ نُجُتِ الْبَالِغَةُ فَتَوْشَاءُ لَهَذَا لَمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٣٩﴾

قُلْ هَلْ شَهِدَ آتَمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ
حَرَّمَ هَذَا قُلْ شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدُ مَعَهُمْ وَلَا تَقْعُ
أَهْوَاءُ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِالْآخِرَةِ وَهُمْ يَرْجِعُونَ إِلَىٰ قُلُوبِهِمْ يَفْعَلُونَ ﴿١٤٠﴾

یہ مشرکین (یوں) کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا
تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم
کسی چیز کو حرام کہہ سکتے۔^(۱) اسی طرح جو لوگ ان سے
پہلے ہو چکے ہیں انہوں نے بھی تکذیب کی تھی یہاں تک
کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔^(۲) آپ کہیے
کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو ہمارے
روبرو ظاہر کرو۔^(۳) تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو
اور تم بالکل بالکل سے باتیں بناتے ہو۔ (۱۳۸)

آپ کہیے کہ بس پوری حجت اللہ ہی کی رہی۔ پھر اگر وہ
چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لے آتا۔ (۱۳۹)

آپ کہیے کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس بات پر شہادت
دیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کر دیا ہے،^(۴) پھر اگر
وہ گواہی دے دیں تو آپ اس کی شہادت^(۵) نہ دیجئے اور
ایسے لوگوں کے باطل خیالات کا اتباع مت کیجئے! جو
ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور وہ جو آخرت پر
ایمان نہیں رکھتے اور وہ اپنے رب کے برابر دوسروں کو
ٹھہراتے ہیں۔^(۶) (۱۴۰)

کرے گا تو پھر اسے کوئی جمل نہیں سکے گا۔

(۱) یہ وہی مغالطہ ہے جو مشیت الہی اور رضائے الہی کو ہم معنی سمجھ لینے کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک
دوسرے سے مختلف ہیں۔ جس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اس مغالطے کا ازالہ اس طرح فرمایا کہ اگر یہ شرک اللہ کی رضا کا مظہر تھا تو پھر ان پر عذاب کیوں آیا؟
عذاب الہی اس بات کی دلیل ہے کہ مشیت اور چیز ہے اور رضائے الہی اور چیز۔

(۳) جتنی اپنے دعوے پر تمہارے پاس دلیل ہے تو پیش کرو لیکن ان کے پاس دلیل کہاں؟ وہاں تو صرف ادہام و غنوں
ہی ہیں۔

(۴) یعنی وہ جانور جن کو مشرکین حرام قرار دیئے ہوئے تھے۔

(۵) کیوں کہ ان کے پاس سوائے کذب و افتراء کے کچھ نہیں۔

(۶) یعنی اس کا عدیل (برابر کا) ٹھہرا کر شرک کرتے ہیں۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ عَلَيْكُمْ أَن تَشْرَبُوا
شَيْئًا مِّنْ دِمَائِ الْبَشَرِ إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ
إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نُرْزِقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرُبُوا الْعَوَاجِشَ مِمَّا
ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا
بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۵﴾

آپ کیجئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن
(یعنی جن کی مخالفت) کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرما
دیا ہے^(۱) وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت
نہراؤ^(۲) اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو^(۳) اور اپنی
اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کرو۔ ہم تم کو اور ان کو
رزق دیتے ہیں^(۴) اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان
کے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ علانیہ ہوں خواہ پوشیدہ
اور جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو
قتل مت کرو^(۵) ہاں مگر حق کے ساتھ^(۶) ان کا تم کو تاکید
حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔ (۱۵۱)

(۱) یعنی حرام وہ نہیں ہیں جن کو تم نے بلا دلیل مآ آئزل اللہ، محض اپنے اوہام باطلہ اور فتنوں فاسدہ کی بنیاد پر حرام قرار دے
رکھا ہے۔ بلکہ حرام تو وہ چیزیں ہیں جن کو تمہارے رب نے حرام کیا ہے۔ کیونکہ تمہارا پیدا کرنے والا اور تمہارا پالنے والا وہی ہے
اور ہر چیز کا علم بھی اسی کے پاس ہے۔ اس لئے اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے حلال اور جس چیز کو چاہے حرام
کرے۔ چنانچہ میں تمہیں ان باتوں کی تفصیل بتلاتا ہوں جن کی تاکید تمہارے رب نے کی ہے۔

(۲) اَلَا تُشْرِكُوا سے پہلے اَوْصَاكُم مَّحْذُوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ اس کے ساتھ کسی
چیز کو تم شریک مت نہراؤ۔ شرک سب سے بڑا گناہ ہے جس کے لئے معافی نہیں، شرک پر جنت حرام اور دوزخ
واجب ہے۔ قرآن مجید میں یہ ساری چیزیں مختلف انداز سے بار بار بیان ہوئی ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ نے بھی احادیث
میں ان کو تفصیل اور وضاحت سے بیان فرمادیا ہے اس کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ لوگ شیطان کے ہکاوے میں آکر
شرک کا عام ارتکاب کرتے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی توحید و اطاعت کے بعد یہاں بھی (اور قرآن کے دوسرے مقامات پر بھی) والدین کے ساتھ حسن
سلوک کا حکم دیا گیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اطاعت رب کے بعد اطاعت والدین کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر
کسی نے اس ربوبیت صغریٰ (والدین کی اطاعت اور ان سے حسن سلوک) کے تقاضے پورے نہیں کئے تو وہ ربوبیت
کبریٰ کے تقاضے بھی پورے کرنے میں ناکام رہے گا۔

(۴) زمانہ جاہلیت کا یہ فعل قبیح آج کل منہج ولادت یا خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے پوری دنیا میں زور و شور سے
جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

(۵) یعنی قصاص کے طور پر نہ صرف جائز ہے بلکہ اگر مقتول کے وارث معاف نہ کریں تو یہ قتل نہایت ضروری ہے۔
﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ﴾ (البقرة-۱۷۹) ”قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔“

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَيْثِ وَالْإِيمَانِ يَالْأُسْدِ الْأَكْبَفِ
نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَأَدْفِنُوهُمْ وَأَقْبِلُوا لَوْلَا كَانَ ذَا قُرْبَىٰ
وَبِعَهْدِ اللَّهِ وَأَوْفُوا ذِكْرًا لَّكُمْ وَهَضَبًا لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٥٠﴾

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَالْتَمِذُوا وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن رشد کو پہنچ جائے^(۱) اور ٹاپ تول پوری پوری کرو، انصاف کے ساتھ^(۲) ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔^(۳) اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو، گو وہ شخص قرابت داری ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا اس کو پورا کرو، ان کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکید کر رکھا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔ (۵۰)

اور یہ کہ یہ دین^(۴) میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو^(۵) اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں

(۱) جس یتیم کی کفالت تمہاری ذمہ داری قرار پائے تو اس کی ہر طرح خیر خواہی کرنا تمہارا فرض ہے۔ اسی خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ اگر اس کے اس مال سے یعنی وراثت میں سے اس کو حصہ ملا ہے، چاہے وہ نقدی کی صورت میں ہو یا زمین اور جائیداد کی صورت میں، تاہم ابھی وہ اس کی حفاظت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس کے مال کی اس وقت تک پورے غلو سے حفاظت کی جائے جب تک وہ بلوغت اور شعور کی عمر کو نہ پہنچ جائے۔ یہ نہ ہو کہ کفالت کے نام پر اس کی عمر شعور سے پہلے ہی اس کے مال یا جائیداد کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔

(۲) ٹاپ تول میں کمی کرنا، لیتے وقت تو پورا ٹاپ یا تول کر لینا، مگر دیتے وقت ایسا نہ کرنا بلکہ ڈنڈی مار کر دوسرے کو کم دینا، یہ نہایت پست اور اخلاق سے گری ہوئی بات ہے۔ قوم شعیب میں یہی اخلاقی بیماری تھی جو ان کی تباہی کے من جملہ اسباب میں سے تھی۔

(۳) یہاں اس بات کے بیان سے یہ مقصد ہے کہ جن باتوں کی تاکید کر رہے ہیں، یہ ایسے نہیں ہیں کہ جن پر عمل کرنا مشکل ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم ان کا حکم ہی نہ دیتے۔ اس لئے کہ طاقت سے بڑھ کر ہم کسی کو ملکیت ہی نہیں ٹھہراتے۔ اس لئے اگر نجات اخروی اور دنیا میں بھی عزت و سرفرازی چاہتے ہو تو ان احکام الہی پر عمل کرو اور ان سے گریز مت کرو۔

(۴) ہذا (یہ) سے مراد قرآن مجید یا دین اسلام یا وہ احکام ہیں جو بطور خاص اس سورت میں بیان کئے گئے ہیں اور وہ ہیں توحید، معاد اور رسالت۔ اور یہی اسلام کے اصول ثلاثہ ہیں جن کے گرد پورا دین گھومتا ہے۔ اس لئے جو بھی مراد لیا جائے مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔

(۵) صراط مستقیم کو واحد کے صیغے سے بیان فرمایا کیونکہ اللہ کی یا قرآن کی یا رسول اللہ ﷺ کی راہ ایک ہی ہے۔ ایک سے زیادہ نہیں۔ اس لئے پیروی صرف اسی ایک راہ کی کرنی ہے کسی اور کی نہیں۔ یہی ملت مسلمہ کی وحدت و اجتماع کی بنیاد ہے جس سے ہٹ کر یہ امت مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئی ہے۔ حالانکہ اسے تاکید کی گئی ہے

تَتَقَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَضَعُ لَكُمْ لَعْنَةً ۖ تَتَخَفُونَ ۝

تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکید کی حکم دیا ہے تاکہ تم پر بیزارگاری اختیار کرو۔ (۱۵۳)

ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْصَىٰ وَنَفَّيْنَا
لِلْحَمْلِ شَتَّىٰ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يُلَاقُوا رَبَّهُمْ يُؤْمِنُونَ ۝

پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی تھی جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر نکتہ پوری ہو اور سب احکام کی تفصیل ہو جائے اور رہنمائی ہو اور رحمت ہو تاکہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے پر یقین لائیں۔ (۱۵۴)

وَهَذَا كِتَابُنَا أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكًا فَذَبِّعُوهُ وَاقْتُلُوا آلَ لَكُمْ
ثُرَيحُونَ ۝

اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر و برکت والی، سو اس کا اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو۔ (۱۵۵)

أَن تَقُولُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِن قَبْلِنَا
وَلَا نَكُن لَّكُم بِلَاغًا ۝

کہیں تم لوگ یوں نہ کہو کہ کتاب تو صرف ہم سے پہلے جو دو فرقے تھے ان پر نازل ہوئی تھی، اور ہم ان

کہ ”دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔“ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَأَن يَخْشَوُا النَّاسَ وَلَا يَخْشَوُا اللَّهَ﴾ (السجود) ”دین کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو“ گویا اختلاف اور تفرق کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اسی بات کو حدیث میں نبی ﷺ نے اس طرح واضح فرمایا کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ ”یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے۔“ اور چند خطوط اس کی دائیں اور بائیں جانب کھینچے اور فرمایا ”یہ راستے ہیں جن پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور وہ ان کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی جو زیر وضاحت ہے۔ (مسند احمد، جلد ۱، ص ۳۶۵، ۳۳۵۔ احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے دیکھئے مسند احمد بہ تعلیق احمد شاکر نمبر ۳۳۴۲) بلکہ ابن ماجہ کی روایت میں صراحت ہے کہ دو دو خط داہنے اور بائیں کھینچے۔ یعنی کل چار خطوط کھینچے اور انہیں شیطان کا راستہ بتلایا۔

(۱) قرآن کریم کا یہ اسلوب ہے جو متعدد جگہ دہرایا گیا ہے کہ جہاں قرآن کا ذکر ہوتا ہے تو وہاں تو رات کا اور جہاں تو رات کا ذکر ہو وہاں قرآن کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں حافظ ابن کثیر نے نقل کی ہیں۔ اسی اسلوب کے مطابق یہاں تو رات کا اور اس کے اس وصف کا بیان ہے کہ وہ بھی اپنے دور کی ایک جامع کتاب تھی جس میں ان کی دینی ضروریات کی تمام باتیں تفصیل سے بیان کی گئی تھیں اور وہ ہدایت و رحمت کا باعث تھی۔

(۲) اس سے مراد قرآن مجید ہے جس میں دین و دنیا کی برکتیں اور بھلائیاں ہیں۔

(۳) یعنی یہ قرآن اس لئے اتارا تاکہ تم یہ نہ کہو۔ دو فرقوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

کے پڑھنے پڑھانے سے محض بے خبر تھے۔^(۱) (۱۵۶)

یا یوں نہ کہو کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے بھی زیادہ راہ راست پر ہوتے۔ سو اب تمہارے پاس تمہارے رب کے پاس سے ایک کتاب واضح اور رہنمائی کا ذریعہ اور رحمت آ چکی ہے۔^(۲) اب اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو ہماری ان آیتوں کو جھوٹا بتائے اور اس سے روکے۔^(۳) ہم جلد ہی ان لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں سے روکتے ہیں ان کے اس روکنے کے سبب سخت سزا دیں گے۔ (۱۵۷)

کیا یہ لوگ صرف اس امر کے خضر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا ان کے پاس آپ کا رب آئے یا آپ کے رب کی کوئی (بڑی) نشانی آئے؟^(۴) جس روز آپ کے رب

أَوْفَوْا لَوَ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لَتَكْفُرَ أَهْلُ دِينِهِمْ
فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ مِمَّنْ
أَظْلَمُوا مِمَّنْ كَذَبَ بَيِّنَاتِ اللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا سَبَّوْهُ
الَّذِينَ يَصْدِفُونَ عَنْ آيَاتِنَا سُوءَ الْعَذَابِ بِمَا
كَانُوا يُصْذِفُونَ ﴿۱۵۷﴾

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْيِيدَهُمْ مِنْ رَبِّكَ أَوْ يَأْتِي
بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا

(۱) اس لئے کہ وہ ہماری زبان میں نہ تھی۔ چنانچہ اس عذر کو قرآن عربی میں اتار کر ختم کر دیا۔

(۲) گویا یہ عذر بھی تم نہیں کر سکتے۔

(۳) یعنی کتاب ہدایت و رحمت کے نزول کے بعد اب جو شخص ہدایت (اسلام) کا راستہ اختیار کر کے رحمت الہی کا مستحق نہیں بنتا، بلکہ تکذیب و اعراض کا راستہ اپناتا ہے، تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ صَدَفَ کے معنی اعراض کرنے کے بھی کئے گئے ہیں اور دو سروں کو روکنے کے بھی۔

(۴) قرآن مجید کے نزول اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کے ذریعے سے ہم نے حجت قائم کر دی ہے۔ اب بھی اگر یہ اپنی گمراہی سے باز نہیں آتے تو کیا یہ اس بات کے خضر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یعنی ان کی رو میں قبض کرنے کے لئے، اس وقت یہ ایمان لائیں گے؟ یا آپ کا رب ان کے پاس آئے، یعنی قیامت برپا ہو جائے اور وہ اللہ کے رو برو پیش کئے جائیں۔ اس وقت یہ ایمان لائیں گے؟ یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آئے۔ جیسے قیامت کے قریب سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہو گا۔ تو اس قسم کی بڑی نشانی دیکھ کر یہ ایمان لائیں گے؟ اگلے جیسے میں وضاحت کی جا رہی ہے کہ اگر یہ اس انتظار میں ہیں تو بہت ہی نادانی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ بڑی نشانی کے ظہور کے بعد کافر کا ایمان اور فاسق و فاجر شخص کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ صحیح حدیث ہے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ سورج (مشرق کے بجائے) مغرب سے طلوع ہو پس جب ایسا ہو گا اور لوگ اسے مغرب سے طلوع ہوتے دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے“ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ﴾ یعنی اس وقت ایمان لانا کسی کو نفع نہیں دے گا جو اس سے قبل ایمان نہ لایا ہو گا (صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ الأنعام)

إِيْمَانَهُ لَوْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ وَكُنْتُمْ فِرَاقًا بَيْنًا خَيْرٌ لِّقُلِ
اَتُحْضَرُونَ ۝۵۰

اِنَّ الْكَافِرِيْنَ قَدْ قَرَّبُوْا ذُنُوْبَهُمْ وَكَانُوْا شَيْعًا لِّتِ بِمَنْهُمْ فِى شَيْءٍ
اِنَّهُمْ اَمْرٌ مَّعًا اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يَنْجِيْهُمْ مِمَّا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۵۱

مَنْ جَاءَ بِاَلْسِنَةٍ نَّجِيَةٍ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِاَلْسِنَةٍ
فَاَلَا يَجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُخْلَلُوْنَ ۝۵۲

کی کوئی بڑی نشانی آپہنچے گی، کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے
کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا۔^(۱) یا اس نے
اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔^(۲) آپ فرمادیتے
کہ تم مختصر رہو، ہم بھی مختصر ہیں۔^(۳) (۱۵۸)

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور
گروہ گروہ بن گئے،^(۴) آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں
بس ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے۔ پھر ان کو ان
کا کیا ہوا جتلا دیں گے۔ (۱۵۹)

جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس گنا میں
کے^(۵) اور جو شخص برا کام کرے گا اس کو اس کے برابر
ہی سزا ملے گی^(۶) اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہو گا۔ (۱۶۰)

(۱) یعنی کافر کا ایمان فائدہ مند، یعنی قبول نہیں ہو گا۔

(۲) اس کا مطلب ہے کہ کوئی گناہ گار مومن گناہوں سے توبہ کرے گا تو اس وقت اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس
کے بعد عمل صالح غیر مقبول ہو گا۔ جیسا کہ احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔

(۳) یہ ایمان نہ لانے والوں اور توبہ نہ کرنے والوں کے لئے تمہید و وعید ہے۔ قرآن کریم میں یہی مضمون سورہ محمد
۱۱۸ اور سورہ مومن ۸۳، ۸۵ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۴) اس سے بعض لوگ یہود و نصاریٰ مراد لیتے ہیں جو مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ بعض مشرکین مراد لیتے
ہیں کہ کچھ مشرک ملائکہ کی، کچھ ستاروں کی، کچھ مختلف جوں کی عبادت کرتے تھے۔ لیکن یہ آیت عام ہے کفار و مشرکین
سمیت وہ سب لوگ اس میں داخل ہیں جو اللہ کے دین کو اور رسول اللہ ﷺ کے راستے کو چھوڑ کر دوسرے دین یا
دوسرے طریقے کو اختیار کر کے تفرق و تحزب کا راستہ اپناتے ہیں۔ شیعتا کے معنی فرقے اور گروہ، اور یہ بات ہر اس
قوم پر صادق آتی ہے جو دین کے معاملے میں مجتمع تھی لیکن پھر ان کے مختلف افراد نے اپنے کسی بڑے کی رائے کو ہی
مستند اور حرف آخر قرار دے کر اپنا راستہ الگ کر لیا، چاہے وہ رائے حق و صواب کے خلاف ہی ہو (فتح القدیر)

(۵) یہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و احسان کا بیان ہے جو اہل ایمان کے ساتھ وہ کرے گا کہ ایک نیکی کا بدلہ دس نیکیوں کے
برابر عطا فرمائے گا۔ یہ کم از کم اجر ہے۔ ورنہ قرآن اور احادیث دونوں سے ثابت ہے کہ بعض نیکیوں کا اجر کئی کئی سو گنا
بلکہ ہزاروں گنا تک ملے گا۔

(۶) یعنی جن گناہوں کی سزا مقرر نہیں ہے، اور اس کے ارتکاب کے بعد اس نے اس سے توبہ بھی نہیں کی یا اس کی نیکیاں
اس کی برائیوں پر غالب نہ آئیں، یا اللہ نے اپنے فضل خاص سے اسے معاف نہیں فرمادیا (کیونکہ ان تمام صورتوں میں

قُلْ إِنِّي هَدَىٰ رَبِّيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۚ وَبَيْنَاقِمًا مِّثْلَهُ
إِسْرَافِيَةً خَافِئًا ۚ وَكَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

لَا أُشْرِكُ بِهِ لَهُ وَبَيْنَاقِمًا مِّثْلَهُ ۚ وَلَئِنِّي كُنْتُ مِنَ الْمُتَّبِعِينَ ۝

قُلْ أَغْنَىٰ اللَّهُ عَنْيَ رِزْقُ رَبِّي ۚ وَرَبِّيَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۚ
وَلَا يُزِيدُهُ قُوَّةً ۚ وَرَبِّيَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۚ

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا
راستہ بتا دیا ہے کہ وہ ایک دین مستحکم ہے جو طریقہ ہے
ابراہیم (علیہ السلام) کا جو اللہ کی طرف یکسو تھے۔ اور وہ
شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ (۱۲۱)

آپ فرما دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری
عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنایہ سب خالص اللہ ہی کا
ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔ (۱۲۲)

اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور
میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔ (۱۲۳)

آپ فرما دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب
بنانے کے لئے تلاش کروں حالانکہ وہ مالک ہے ہر
چیز کا (۱۲۴) اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا

مجازات کا قانون بروئے عمل نہیں آئے گا تو پھر اللہ تعالیٰ ایسی برائی کی سزا دے گا اور اس کے برابر ہی دے گا۔

(۱) توحید الوہیت کی یہی دعوت تمام انبیاء نے دی جس طرح یہاں آخری پیغمبر کی زبان مبارک سے کھلوا دیا گیا کہ ”مجھے
اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔“ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ہم نے آپ سے
پہلے جتنے بھی انبیاء بھیجے سب کو یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو“ (الانبیاء - ۲۵)
چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہ اعلان فرمایا ﴿وَأُثِرْتُ أَنَا الْأَوَّلُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ (ہونس - ۷۶) حضرت ابراہیم علیہ
السلام کے بارے میں آیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں کہا کہ اَسْلِمَ (فرمانبردار ہو جا) تو انہوں نے فرمایا ﴿أَسْلَمْتُ بِرَبِّ
الْعَالَمِينَ﴾ (البقرة - ۱۲۸) ”میں رب العالمین کے لئے مسلمان یعنی فرمانبردار ہو گیا“ حضرت ابراہیم علیہ السلام و یعقوب
علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا إِلَّا مَا تَرَوْهُ مُسْلِمِينَ﴾ (البقرة - ۱۳۲) ”تمہیں موت اسلام پر آنی
چاہیے“ حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا فرمائی ﴿تَوَلَّيْتُ مَسْلَمًا﴾ (یوسف - ۱۰۱) ”مجھے اسلام کی حالت میں دنیا سے
اٹھانا۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا ﴿فَتَقَبَّلُوهُمْ وَقَلُّوا إِنَّا لَمُسْلِمُونَ﴾ (یوسف - ۸۳) اگر تم مسلمان
ہو تو اسی اللہ پر بھروسہ کرو۔“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے کہا ﴿وَأَشْهَدُ بِأَنَّكَ مُسْلِمُونَ﴾ (المائدة - ۱۱۱) اسی
طرح اور بھی تمام انبیاء اور ان کے قلمس پیروکاروں نے اسی اسلام کو اپنایا جس میں توحید الوہیت کو بنیادی حیثیت حاصل
تھی۔ گو بعض بعض شرعی احکام ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

(۲) یہاں رب سے مراد وہی الہ ماننا ہے جس کا انکار مشرکین کرتے رہے ہیں اور جو اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے۔ لیکن

فَيَسْأَلُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَبُونَ ۝

ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔^(۱) پھر تم سب کو اپنے رب کی پاس جانا ہو گا۔ پھر وہ تم کو جٹائے گا جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے۔^(۲) (۱۶۴) اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا^(۳) اور ایک کا دوسرے پر رتبہ بڑھایا تاکہ تم کو آزمائے ان چیزوں میں جو تم کو دی ہیں۔^(۴) بالیقین آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بالیقین وہ واقعی بڑی مغفرت کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ (۱۶۵)

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَوَعَدَ نَعَصَمَ فَوْقَ بَعْضِ دَرَجَاتٍ لِّيَسْأَلَكُمْ فِي مَا كُنْتُمْ عَنْ رَبِّكُمْ سَرِيعُ الْعَقَابِ ۝ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

سورۃ اعراف کی ہے اس میں دو سو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

يُؤْتِيكَ الْاِغْرَافِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يَسْمُوهُ الرِّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

المص۔ (۱)

النَّص ۝

یہ ایک کتاب ہے جو آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ سے ڈرائیں سو آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہو^(۵) اور نصیحت ہے ایمان

كُتِبَ اَنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي صُدُورِكَ حَسْرَةٌ مِنْهُ اَلَمْ يَنْذِرْهُمْ وَفِي قُلُوبِهِمُ الْمُنُومُ ۝

مشرکین اس کی ربوبیت کو تو مانتے تھے۔ اور اس میں کسی کو شریک نہیں گردانتے تھے لیکن اس کی الوہیت میں شریک ٹھہراتے تھے۔

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کا پورا اہتمام فرمائے گا اور جس نے۔ اچھایا برا۔ جو کچھ کیا ہو گا اس کے مطابق جزا و سزا دے گا نیکی پر اچھی جزا اور بدی پر سزا دے گا اور ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالے گا۔
(۲) اس لیے اگر تم اس دعوت توحید کو نہیں مانتے جو تمام انبیاء کی مشترکہ دعوت رہی ہے تو تم اپنا کام کیسے جاؤ ہم اپنا کیسے جاتے ہیں۔ قیامت والے دن اللہ کی بارگاہ میں ہی ہمارا تمہارا فیصلہ ہو گا۔

(۳) یعنی حکمران بنا کر اختیارات سے نوازا۔ یا ایک کے بعد دوسرے کو اس کا وارث (خلیفہ) بنایا۔

(۴) یعنی فقر و غنا، علم و جہل، صحت اور بیماری، جس کو جو کچھ دیا ہے اسی میں اس کی آزمائش ہے۔

(۵) یعنی اس کے ابلاغ سے آپ کا دل تنگ نہ ہو کہ کہیں کافر میری تکذیب نہ کریں اور مجھے ایذا نہ پہنچائیں اس لئے

والوں کے لئے۔ (۲)

تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے ^(۱) اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔ (۳)

اور بہت بستیوں کو ہم نے تباہ کر دیا اور ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت پہنچایا ایسی حالت میں کہ وہ دوپہر کے وقت آرام میں تھے۔ ^(۲) (۴)

سو جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا اس وقت ان کے منہ سے بجز اس کے اور کوئی بات نہ نکلی کہ واقعی ہم ظالم تھے۔ ^(۳) (۵)

پھر ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے اور ہم پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے۔ ^(۴) (۶)

إِصْبَحُوا مَآ أَشْرَكُوا إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مِمَّا تَدَّكُرُونَ ۝

وَلَكُمْ مِنْ قَرْبَةٍ أَهْلُكُمْ فَأَجَابُوا مَا بَشَرْنَا نَاثًا أَوْفَعَهُ قَالُوا لَوْ ۝

فَمَا كَانَ دَعْوَانَهُمْ إِذْ جَاءَهُمْ نَارُنَا إِلَّا أَنْ قَالُوا لَئِنْ كُنَّا ظَالِمِينَ ۝

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۝

کہ اللہ آپ کا حافظ و ناصر ہے یا حرج شک کے معنی میں ہے یعنی اس کے منزل من اللہ ہونے کے بارے میں آپ اپنے سینے میں شک محسوس نہ کریں۔ یہ نبی بطور تقریر ہے اور اصل مخاطب امت ہے کہ وہ شک نہ کرے۔

(۱) جو اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یعنی حدیث کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں قرآن اور اس کی مثل اس کے ساتھ دیا گیا ہوں۔“ ان دونوں کا اتباع ضروری ہے۔ ان کے علاوہ کسی کا اتباع ضروری نہیں بلکہ ان کا انکار لازمی ہے۔ جیسا کہ اگلے فقرے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی پیروی مت کرو۔ جس طرح زمانہ جاہلیت میں سرداروں اور نجومیوں کاہنوں کی بات کو ہی اہمیت دی جاتی تھی کہ حلال و حرام میں بھی ان کو سند تسلیم کیا جاتا تھا۔

(۲) فَأَتِلُونَ فَبُئِلُوا سے ہے جو دوپہر کے وقت استراحت (آرام کرنے) کو کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا عذاب اچانک ایسے وقتوں میں آیا جب وہ آرام و راحت کے لئے بے خبر بستروں میں آسودہ خواب تھے۔

(۳) لیکن عذاب آجانے کے بعد ایسے اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں۔ جیسا کہ پہلے وضاحت گذر چکی ہے ﴿مَكَرَيْتُمْ﴾ يَنْفَعُهُمْ إِنَّمَا تَزَالُ تَزَاوَرُ بَاطِلًا ﴿الْمُؤْمِنُونَ﴾ ۸۵ جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو اس وقت ان کا ایمان لانا ان کے لئے نفع مند نہیں ہوا۔“

(۴) امتوں سے یہ پوچھا جائے گا کہ تمہارے پاس پیغمبر آئے تھے؟ انہوں نے تمہیں ہمارا پیغام پہنچایا تھا؟ وہاں وہ جواب

فَلَنَنْقُضَنَّ عَلَيْهِمْ بِرْهَانًا ۖ وَمَا كُنَّا غَالِبِينَ ۝

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ بِالْحَقِّ ۖ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ
بِمَا كَانُوا يَافِكُمُون ۝

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ
فَلَوْلَا مَا تَسْكُرُونَ ۝

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا

پھر ہم چونکہ پوری خبر رکھتے ہیں ان کے رویہ و بیان کر
دیں گے۔^(۱) اور ہم کچھ بے خبر نہ تھے۔ (۷)

اور اس روز وزن بھی برحق ہے پھر جس شخص کا پلا
بھاری ہو گا سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے۔ (۸)

اور جس شخص کا پلا ہلکا ہو گا سو یہ وہ لوگ ہوں گے
جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا بسبب اس کے کہ ہماری
آنجوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔^(۲) (۹)

اور بے شک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور
ہم نے تمہارے لئے اس میں سامان رزق پیدا کیا، تم
لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ (۱۰)

اور ہم نے تم کو پیدا کیا،^(۳) پھر ہم ہی نے تمہاری

دیں گے کہ ہاں یا اللہ تیرے پیغمبر تو یقیناً ہمارے پاس آئے تھے لیکن ہماری ہی قسمت پھوٹی تھی کہ ہم نے ان کی پروا
نہیں کی اور پیغمبروں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ہمارا پیغام اپنی امتوں کو پہنچایا تھا؟ اور انہوں نے اس کے مقابلے میں کیا
ردیہ اختیار کیا؟ پیغمبر اس سوال کا جواب دیں گے۔ جس کی تفصیل قرآن مجید کے مختلف مقامات پر موجود ہے۔

(۱) چونکہ ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کا علم رکھتے ہیں اس لئے ہم پھر دونوں (امتیوں اور پیغمبروں) کے سامنے ساری باتیں
بیان کریں گے اور جو کچھ انہوں نے کیا ہو گا، ان کے سامنے رکھ دیں گے۔

(۲) ان آیات میں وزن اعمال کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے جو قیامت والے دن ہو گا اور جسے قرآن کریم میں بھی متعدد جگہ
اور احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ترازو میں اعمال تولے جائیں گے، جس کا نیکیوں والا پلڑا
بھاری ہو گا، وہ کامیاب ہو گا اور جس کا بدیوں والا پلڑا بھاری ہو گا، وہ ناکام ہو گا۔ یہ اعمال کس طرح تولے جائیں گے
جب کہ یہ اعراض ہیں یعنی ان کا ظاہری وجود اور جسم نہیں ہے؟ اس بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت
والے دن ان کو اجسام میں تبدیل فرما دے گا اور ان کا وزن ہو گا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ وہ صحیفے اور رجسٹر تولے
جائیں گے جن میں انسان کے اعمال درج ہوں گے۔ تیسری رائے یہ ہے کہ خود صاحب عمل کو تولایا جائے گا۔ تینوں
مسکوکوں واہوں کے پاس اپنے مسلک کی حمایت میں صحیح احادیث و آثار موجود ہیں، اس لئے امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ
تینوں ہی باتیں صحیح ہو سکتی ہیں ممکن ہے کبھی اعمال، کبھی صحیفے اور کبھی صاحب عمل کو تولایا جائے (وہ کل کے لئے دیکھئے
تفسیر ابن کثیر) بہر حال میزان اور وزن اعمال کا مسئلہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اس کا انکار یا اس کی تاویل گمراہی
ہے۔ اور موجودہ دور میں تو اس کے انکار کی اب مزید کوئی گنجائش نہیں کہ بے وزن چیزیں بھی تولی جانے لگی ہیں۔

(۳) خَلَقْنَاكُمْ میں ضمیر اگرچہ جمع کی ہے لیکن مراد ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

إِلَّا مَرْسُودًا وَلَا إِلَا بِيَدِ مَنْ لَمْ يَكُنْ مِنَ الْغَافِقِينَ ⑥

صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ (۱۱)

قَالَ مَا مَنَعَكَ آلَا تُسْجِدُ إِذْ أُمِرْتُ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ⑦

حق تعالیٰ نے فرمایا تو جو سجدہ نہیں کرتا تو تجھ کو اس سے کون امر مانع ہے، (۱۲) جبکہ میں تجھ کو حکم دے چکا کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے۔ (۱۳) (۱۲) حق تعالیٰ نے فرمایا تو آسمان سے اتر (۱۳) تجھ کو کوئی حق

قَالَ فَأَمِيطْ مِنْهَا إِنَّمَا يُكَلِّفُونَ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ

(۱) اَلَا نَسْجُدُ میں لازماً ہے یعنی اَنْ نَسْجُدَ (تجھے سجدہ کرنے سے کس نے روکا؟) یا عبارت محذوف ہے یعنی ”تجھے کس چیز نے اس بات پر مجبور کیا کہ تو سجدہ نہ کرے“ (ابن کثیر روح القدس) شیطان ’فرشتوں میں سے نہیں تھا‘ بلکہ خود قرآن کی صراحت کے بموجب وہ جنات میں سے تھا۔ (الکہف ۱۵۰) لیکن آسمان پر فرشتوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اس سجدہ حکم میں شامل تھا جو اللہ نے فرشتوں کو دیا تھا۔ اسی لئے اس سے باز پرس بھی ہوئی اور اس پر عتاب بھی نازل ہوا۔ اگر وہ اس حکم میں شامل ہی نہ ہوتا تو اس سے باز پرس ہوتی نہ وہ رائدہ درگاہ قرار پاتا۔

(۲) شیطان کا یہ عذر ”عذر گناہ بدتر از گناہ“ کا آئینہ دار ہے۔ ایک تو اس کا یہ سمجھنا کہ افضل کو منقول کی تعظیم کا حکم نہیں دیا جاسکتا، غلط ہے۔ اس لئے کہ اصل چیز تو اللہ کا حکم ہے، اس کے حکم کے مقابلے میں افضل وغیر افضل کی بحث اللہ سے سر تابی ہے۔ دوسرے، اس نے بہتر ہونے کی دلیل یہ دی کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے۔ لیکن اس نے اس شرف و عظمت کو نظر انداز کر دیا جو حضرت آدم علیہ السلام کو حاصل ہوا کہ اللہ نے انہیں اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونکی۔ اس شرف کے مقابلے میں دنیا کی کوئی چیز بھی ہو سکتی ہے؟ تیسرا، نفس کے مقابلے میں قیاس سے کام لیا، جو کسی بھی اللہ کو ماننے والے کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں اس کا قیاس بھی قیاس فاسد تھا۔ آگ، مٹی سے کس طرح بہتر ہے؟ آگ میں سوائے تیزی، بھڑکنے اور جلانے کے کیا ہے؟ جب کہ مٹی میں سکون اور ثبات ہے، اس میں نبات و نمو، زیادتی اور اصلاح کی صلاحیت ہے۔ یہ صفات آگ سے بہر حال بہتر اور زیادہ مفید ہیں۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شیطان کی تخلیق آگ سے ہوئی۔ جیسا کہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ ”فرشتے نور سے، ابلیس آگ کی لپٹ سے اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔“ (صحیح مسلم کتاب البرہد باب فی احادیث منفردہ)

(۳) مِنْهَا کی ضمیر کا مرجع اکثر مفسرین نے جنت کو قرار دیا ہے اور بعض نے اس مرتبہ کو جو ملکوت اعلیٰ میں اسے حاصل تھا۔ فاضل مترجم نے اسی دوسرے مفہوم کے مطابق آسمان ترجمہ کیا ہے۔

مِنَ الصَّغِيرَاتِ ۝

حاصل نہیں کہ تو آسمان میں رہ کر تکبر کرے سو نکل ہے
شک تو ذیلیوں میں سے ہے۔ (۱۳)

قَالَ أَتُطِئُونَ إِلًا يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۝

اس نے کہا کہ مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن
تک۔ (۱۴)

قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ۝

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی۔ (۱۵)

قَالَ فَمَا تَتْلَوْنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَبِينَ ۝

اس نے کہا بسبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ
کیا ہے (۱۶) میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لئے آپ
کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ (۱۶)

لَقَدْ لَعَنَّاهُ مِنْ بَيْنِ الْأَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ

شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَتْرُكَهُمْ شَاكِرِينَ ۝

پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے
پچھے سے بھی اور ان کی داہنی جانب سے بھی اور ان کی
بائیں جانب سے بھی (۱۷) اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر
گزار نہ پائے گا۔ (۱۷)

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْذُورًا يُدْرِكُ الْهَٰؤُلَاءِ يَوْمَ تَبْعَكَ عَنْهُمْ الرَّحْمَنُ

حَقَّهُمْ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ ۝

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا
جو شخص ان میں سے تیرا کتنا مانے گا میں ضرور تم سب
سے جہنم کو بھر دوں گا۔ (۱۸)

(۱) اللہ کے حکم کے مقابلے میں تکبر کرنے والا احترام و تعظیم کا نہیں 'ذلت و خواری کا مستحق ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اس کی خواہش کے مطابق اسے مہلت عطا فرمادی جو اس کی حکمت 'ارادے اور مشیت کے مطابق
تھی جس کا پورا علم اسی کو ہے۔ تاہم ایک حکمت یہ نظر آتی ہے کہ اس طرح اپنے بندوں کی وہ آزمائش کر سکے گا کہ کون
رحمان کا بندہ بنتا ہے اور کون شیطان کا پیاری؟

(۳) گمراہ تو وہ اللہ کی نکوئی مشیت کے تحت ہوا۔ لیکن اس نے اسے بھی مشرکوں کی طرح الزام بتایا 'جس طرح وہ کہتے
تھے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے۔

(۴) مطلب یہ ہے کہ ہر خیر اور شر کے راستے پر میں بیٹھوں گا۔ خیر سے ان کو روکوں گا اور شر کو ان کی نظروں میں
پسندیدہ بنا کر ان کو اختیار کرنے کی ترغیب دوں گا۔

(۵) شاکرین کے دوسرے معنی شَوَّحِدِينَ کے کئے گئے ہیں۔ یعنی اکثر لوگوں کو میں شرک میں مبتلا کر دوں گا۔ شیطان
نے اپنا یہ گمان فی الواقع سچا کر دکھایا ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (سورۃ

سجۃ: ۳۰) شیطان نے اپنا گمان سچا کر دکھایا اور مومنوں کے ایک گروہ کو چھوڑ کر سب لوگ اس کے پیچھے لگ گئے۔
اسی لئے احادیث میں شیطان سے بڑا مانگنے کی اور قرآن میں اس کے مکروکید سے بچنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔

وَيَا أَدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا
وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ
سَوَائِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ
إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ۝

وَقَالَ لَهُمَا آيَةُ الْكَافِرِينَ ۝

فَذَلَّلَهُمَا بِهَؤُلَاءِ آيَاتِهِمَا وَقَالَ تَلَمَّسَا الشَّجَرَةَ بَلَّتْمَا سَوَائِهِمَا وَطُوعًا

اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بیوی
جنت میں رہو۔ پھر جس جگہ سے چاہو دونوں کھاؤ اور
اس درخت کے پاس مت جاؤ^(۱) ورنہ تم دونوں ظالموں
میں سے ہو جاؤ گے۔ (۱۹)

پھر شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ^(۲) ڈالا کہ
ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھیں دونوں
کے روبرو بے پردہ^(۳) کر دے اور کہنے لگا کہ تمہارے رب
نے تم دونوں کو اس درخت سے اور کسی سبب سے منع
نہیں فرمایا، مگر محض اس وجہ سے کہ تم دونوں کہیں فرشتے
ہو جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (۲۰)
اور ان دونوں کے روبرو قسم کھالی کہ یقین جانیئے میں تم
دونوں کا خیر خواہ ہوں۔^(۴) (۲۱)

سو ان دونوں کو فریب سے بچنے^(۵) لے آیا پس ان

(۱) یعنی صرف اس ایک درخت کو چھوڑ کہ جہاں سے اور جتنا چاہو کھاؤ۔ ایک درخت کا پھل کھانے کی پابندی آزمائش
کے طور پر عائد کر دی۔

(۲) وَسْوَسَ اور وسوساں ذکر لے اور ذلزال کے وزن پر ہے۔ پست آواز اور نفس کی بات۔ شیطان دس میں جو بری
باتیں ڈالتا ہے اس کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔

(۳) یعنی شیطان کا مقصد اس بکاوے سے حضرت آدم و حوا کو اس لباس جنت سے محروم کر کے انہیں شرمندہ کرنا تھا جو
انہیں جنت میں پہننے کے لئے دیا گیا تھا سو آت 'سَوَاءٌ' (شرم گاہ) کی جمع ہے۔ شرم گاہ کو سَوَاءٌ سے اس نئے تعبیر کیا گیا
ہے کہ اس کے ظاہر ہونے کو برا سمجھا جاتا ہے۔

(۴) جنت کی جو نعمتیں اور آسائشیں حضرت آدم علیہ السلام و حوا کو حاصل تھیں اس کے حوالے سے شیطان نے
دونوں کو ہلایا اور یہ جھوٹ بولا کہ اللہ ہمیں ہمیشہ جنت میں رکھنا نہیں چاہتا اسی لئے اس درخت کا پھل کھانے سے
منع فرمایا ہے کیونکہ اس کی تاثیر یہ ہے کہ جو اسے کھا لیتا ہے وہ فرشتہ بن جاتا ہے یا دائمی زندگی اسے حاصل ہو جاتی
ہے پھر قسم کھا کر اپنا خیر خواہ ہونا بھی ظاہر کیا جس سے حضرت آدم علیہ السلام و حوا متاثر ہو گئے اس لئے کہ اللہ والے
اللہ کے نام پر آسانی سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

(۵) تَذَلُّیَّةٌ اور إِذْلَامٌ کے معنی ہیں کسی چیز کو اوپر سے نیچے چھوڑ دینا۔ گویا شیطان ان کو مرتبہ علیا سے اتار کر منہج درخت کا
پھل کھانے تک لے آیا۔

يَخْتَصِمِينَ عَلَيْهِمْ مِنَ وَرَقِ الْجَنَّةِ وَتَأْذِيهِمْ أَشَدُّ مِنْكُمْ
عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ وَأَقْلَلُ لِكُلِّ الْفِتْنَةِ لَكُمْ عَذَابُهُمْ ۝

دونوں نے جب درخت کو چکھا دونوں کی شرمگاہیں ایک
دوسرے کے روہو بے پردہ ہو گئیں اور دونوں اپنے اوپر
جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے ^(۱) اور ان کے رب
نے ان کو پکارا کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ
کر چکا تھا اور یہ نہ کہہ چکا کہ شیطان تمہارا صریح دشمن
ہے؟۔ ^(۲) (۲۲)

قَالُوا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ
الْخَاسِرِينَ ۝

دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا
اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ
کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو
جائیں گے۔ ^(۳) (۲۳)

قَالَ أَفَبَطَلُوا فَعِظُكُمْ لِمَعْنُ عَذُّو وَلَعَلَّكُمْ فِي الْأَرْضِ

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ نیچے ایسی حالت میں جاؤ کہ تم باہم
ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے واسطے

(۱) یہ اس معصیت کا اثر ظاہر ہوا جو آدم علیہ السلام و حوا سے غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر ہوئی اور پھر دونوں
مارے شرم کے جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر اپنی شرم گاہ چھپانے لگے۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اس سے قبل انہیں اللہ
تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا نورانی لباس ملا ہوا تھا جو اگرچہ غیر مرئی تھا لیکن ایک دوسرے کی شرم گاہ کے لئے ساتر (پردہ
پوش) تھا۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی اس تنبیہ کے باوجود تم شیطان کے وسوسوں کا شکار ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کے جال بڑے حسین اور
دلچسپ ہوتے ہیں اور جن سے بچنے کے لئے بڑی کاوش و محنت اور ہر وقت اس سے چوکنار رہنے کی ضرورت ہے۔

(۳) توبہ و استغفار کے یہ دسی کلمات ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے سیکھے جیسا کہ سورہ بقرہ
آیت ۳۷ میں صراحت ہے (دیکھئے آیت مذکورہ کا حاشیہ) گویا شیطان نے اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا تو اس کے بعد وہ
اس پر نہ صرف اڑ گیا بلکہ اس کے جواز و اثبات میں عقلی و قیاسی دلائل دینے لگا۔ نتیجتاً وہ راندہ و رگاہ اور ہمیشہ کے لئے
مہمون قرار پایا اور حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی غلطی پر ندامت و پشیمانی کا اظہار اور بارگاہ الہی میں توبہ و استغفار کا
اجتماع کیا۔ تو اللہ کی رحمت و مغفرت کے مستحق قرار پائے۔ یوں گویا دونوں راستوں کی نشان دہی ہو گئی 'شیطانی راستے کی
بھی اور اللہ والوں کے راستے کی بھی۔ گناہ کر کے اس پر اترانا' اصرار کرنا اور اس کو صحیح ثابت کرنے کے لئے "دراکل"
کے انبار فراہم کرنا 'شیطانی راستہ ہے۔ اور گناہ کے بعد احساس ندامت سے مغلوب ہو کر بارگاہ الہی میں جھک جانا اور
توبہ و استغفار کا اہتمام کرنا 'بندگان الہی کا راستہ ہے۔ اللہم! اجعلنا منہم

مُسْتَقَرًّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿۳۱﴾

زمین میں رہنے کی جگہ ہے اور نفع حاصل کرتا ہے ایک وقت تک۔ (۳۱)

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿۳۲﴾

فرمایا تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا ہے اور وہاں ہی مرنا ہے اور اسی میں سے پھر نکالے جاؤ گے۔ (۳۲)

يَبْنَیْ اَدمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ بَابًا یُّوَلِّیْ سَوَآئِلَکَ وَرِیْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّکُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اے آدم (علیہ السلام) کی اولاد ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہاری شرم گاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے ^(۱) اور تقوے کا لباس ^(۲) یہ اس سے بڑھ کر ہے۔ ^(۳) یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں۔ (۳۳)

یَبْنَیْ اَدمَ لَا یَقِیْتُ لَکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَا اَخْبَرَ اَبُو یٰسَعَدٍ مِنَ الْجَمْعِ یَخْبُرُ عَنْهُمْ اِلَّا سَمَآءَ الْیَوْمِ تَمْسُوْنَا اِنَّہٗ یُرِیْکُمْ هُوَ وَفِیْہٖ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَہُمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیْطٰنَ اَوَّلِیًّا لِّلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۴﴾

اے اولاد آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے باہر کر دیا ایسی حالت میں ان کا لباس بھی اتروا دیا تاکہ وہ ان کو ان کی شرم گاہیں دکھائے۔ وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو۔ ^(۴) ہم نے

(۱) سَوَآئِلُ: جسم کے وہ حصے جنہیں چھپانا ضروری ہے۔ جیسے شرم گاہ اور رِیْشَا وہ لباس جو حسن و رعنائی کے لئے پہن جائے۔ گویا لباس کی پہلی قسم ضروریات سے اور دوسری قسم مکملہ و اضافہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسموں کے لباس کے لئے سلمان اور مواد پیدا فرمایا۔

(۲) اس سے مراد بعض کے نزدیک وہ لباس ہے جو حقیقی قیامت والے دن پہنیں گے۔ بعض کے نزدیک ایمان، بعض کے نزدیک عمل صالح، خشیت الہی وغیرہ ہیں۔ مفہوم سب کا تقریباً ایک ہے کہ ایسا لباس جسے پہن کر انسان تکبر کرنے کے بجائے اللہ سے ڈرے اور ایمان و عمل صالح کے تقاضوں کا اہتمام کرے۔

(۳) اس سے یہ مفہوم بھی نکلا ہے کہ زیب و زینت اور آرائش کے لئے بھی اگرچہ لباس پہننا جائز ہے۔ تاہم لباس میں ایسی سادگی زیادہ پسندیدہ ہے جو انسان کے زہد و ورع اور تقویٰ کی مظہر ہو۔ علاوہ ازیں نیا لباس پہن کر یہ دعا بھی پڑھی جائے، کیونکہ نبی ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَآثِرَ اَدْرِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَ اَنْخَسْتُ بِہٖ فِیْ حَیَاتِیْ (ترمذی، ابواب الدعوات۔ اس ماجہ، کتاب اللباس، باب ما یقول الرجل (دالیں لبوساً جدیداً) تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے ایسا لباس پہنایا جس سے میں اپنا ستر چھپا لوں اور اپنی زندگی میں اس سے زینت حاصل کروں۔)

(۴) اس میں اہل ایمان کو شیطان اور اس کے قبیلے یعنی چیلے چانٹوں سے ڈرایا گیا ہے کہ کہیں وہ تمہاری غفلت اور

مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ؕ كَذَّبَ أَكْثَرُ
تَعْوِدُونَ ﴿٣٩﴾

اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو^(۱) اور
اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کرو کہ اس عبادت کو خالص
اللہ ہی کے واسطے رکھو۔ تم کو اللہ نے جس طرح شروع میں
پیدا کیا تھا اسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے۔ (۳۹)

فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ ؕ إِنَّهُمْ
اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ اللَّهِ
وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٤٠﴾

بعض لوگوں کو اللہ نے ہدایت دی ہے اور بعض پر گمراہی
طاقت ہو گئی ہے۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر
شیطانوں کو دوست بنا لیا ہے اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ
راست پر ہیں۔ (۴۰)

يَنبَغِي أَدْمُغُنُّوا رُءُوسَكُمْ جُنْدَ ظُلُمٍ مَّسْجِدٍ وَطَلُّوا وَاشْرَبُوا وَلَا
تُكْرِمُوا إِلَهًا إِلَّا كَيْحُبِّ الشُّرَافِينَ ﴿٤١﴾

اے اولاد آدم! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس
پن لیا کرو۔^(۲) اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت
نکلو۔ بے شک اللہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں
کرتا۔^(۳) (۴۱)

فَمَنْ مَّرَزَمَنَاتُ اللَّهِ إِلَهٍ أُخْرَىٰ لِيُؤَادِيَهُ وَالظَّالِمِينَ

آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے اسباب

(۱) امام شوکانی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ”اپنی نمازوں میں اپنا رخ قبلے کی طرف کر لو“ چاہے تم کسی بھی مسجد
میں ہو“ اور امام ابن کثیر نے اس سے استقامت بمعنی متابعت رسول مراد لی ہے اور اگلے جملے سے اخذ صمد اور کہ ہے
کہ ہر عمل کی مقبولیت کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہو اور دوسرے خالص رضائے الہی کے لئے ہو۔
آیت میں ان باتوں کی تاکید کی گئی ہے۔

(۲) آیت میں زینت سے مراد لباس ہے۔ اس کا سبب نزول بھی مشرکین کے ننگے طواف سے متعلق ہے۔ اس لئے
انہیں کہا گیا کہ لباس پہن کر اللہ کی عبادت کرو اور طواف کرو۔

(۳) اِسْرَافٌ (حد سے نکل جانا) کسی چیز میں حتیٰ کہ کھانے پینے میں بھی ناپسندیدہ ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے
فرمایا ”جو چاہو“ کھاؤ۔ جو چاہو پینو البتہ دو باتوں سے گریز کرو۔ اسراف اور تکبر سے (صحیح بخاری) کتاب
اللباس باب قول اللہ تعالیٰ قل من حرم ربة اللہ، بعض سلف کا قول ہے ”اللہ تعالیٰ نے ﴿طَلُّوا وَاشْرَبُوا﴾
وَلَا تُكْرِمُوا﴾ اس آدمی آیت میں ساری طب جمع فرمادی ہے۔ (ابن کثیر)

بعض کہتے ہیں زینت سے وہ لباس مراد ہے جو آرائش کے لئے پہنا جائے۔ جس سے ان کے نزدیک نماز اور طواف کے
وقت تزکین کا حکم نکلتا ہے۔ اس آیت سے نماز میں ستر عورت کے وجوب پر بھی استدلال کیا گیا ہے بلکہ احادیث کی رو
سے ستر عورت (گھٹنوں سے لے کر ناف تک کے حصے کو ڈھانپنا) ہر حال میں ضروری ہے چاہے آدمی خلوت میں ہی ہو۔
(فتح القدیر) جمعہ اور عید کے دن خوشبو کا استعمال بھی مستحب ہے کہ یہ بھی زینت کا حصہ ہے۔ (ابن کثیر)

الَّذِينَ قُلُوا هِيَ الْيَتِيمَانِ امْنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً
يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ تَفْضِلُ الَّذِينَ يَقُولُونَ بِعَلَمُونَ ﴿۳۱﴾

زینت کو 'جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے
اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا
ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ یہ اشیا اس طور پر کہ قیامت کے
روز خالص ہوں گی اہل ایمان کے لئے 'دنوی زندگی میں
مومنوں کے لئے بھی ہیں۔^(۱) ہم اسی طرح تمام آیات کو
کچھ داموں کے واسطے صاف صاف بیان کرتے
ہیں۔ (۳۲)

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ ذَاتِ الْفَوَاحِشِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنٌ وَالْإِثْمُ
وَلَبِغَىٰ بَغْيٍ أَتَقْتِرُونَ عَلَىٰ الْيَتِيمِ أَذْهَبُوا بِتِجَارَتِهِ بِهٌ خَسَفًا

آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے
ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں^(۲) اور جو پوشیدہ ہیں
اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو^(۳) اور

(۱) مشرکین نے جس طرح طواف کے وقت لباس پہننے کو ناپسندیدہ قرار دے رکھا تھا اسی طرح بعض حلال چیزیں بھی
بطور تقرب الہی اپنے اوپر حرام کر لی تھیں (جیسا کہ بعض صوفیا بھی ایسا کرتے ہیں) نیز بہت سی حلال چیزیں اپنے بتوں کے
نام وقف کر دینے کی وجہ سے حرام گردانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لوگوں کی زینت کے لئے (مثلاً لباس وغیرہ) اور
کھانے کی عمدہ چیزیں بنائی ہیں 'انہیں کون حرام کرنے والا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے حرام کر لینے سے اللہ کی
حدل کردہ چیزیں حرام نہیں ہو جائیں گی 'وہ حلال ہی رہیں گی۔ یہ حلال و طیب چیزیں اصلاً اللہ نے اہل ایمان ہی کے لئے
بنائی ہیں۔ گو کافر بھی ان سے فیض یاب اور محتج ہو لیتے ہیں بلکہ بعض دفعہ دنیوی چیزوں اور آسائشوں کے حصول میں
وہ مسلمانوں سے زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں لیکن یہ بات صحیح اور عارضی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نیکوئی مشیت اور
حکمت ہے۔ تاہم قیامت والے دن یہ نعمتیں صرف اہل ایمان کے لئے ہوں گی کیونکہ کافروں پر جس طرح جنت حرام
ہوگی 'اسی طرح ماکولات و مشروبات بھی حرام ہوں گے۔

(۲) علانیہ فحش باتوں سے مراد بعض کے نزدیک طوائفوں کے اڈوں پر جا کر بد کاری اور پوشیدہ سے مراد کسی 'مگرل
فریڈ' سے خصوصی تعلق قائم کرنا ہے۔ بعض کے نزدیک اول الذکر سے مراد محرموں سے نکاح کرنا ہے جو ممنوع ہے۔
صحیح بات یہ ہے کہ یہ کسی ایک صورت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے اور ہر قسم کی ظاہری بے حیائی کو شامل ہے
(جیسے فلمیں 'ڈرامے' ٹی وی 'وی سی آر' فحش اخبارات و رسائل 'رقص و سرود اور مجرموں کی محفلیں' عورتوں کی بے
پردگی اور مردوں سے ان کا بے باکانہ اختلاط 'سندی اور شادی کی رسموں میں بے حیائی کے کھلے عام مظاہر وغیرہ' یہ سب
فواحش ظاہرہ ہیں۔ (أَعَادَنَا اللَّهُ مِنْهَا)۔

(۳) گناہ 'اللہ کی نافرمانی کا نام ہے اور ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا "گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور لوگوں

وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾

اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگا دو جس کو تم جانتے نہیں۔ (۳۱)

وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَهُ آجَلًا وَعَذَابًا ۚ إِنَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ سَاعَةً
وَلَا يَسْتَعْتِبُونَ ﴿۳۲﴾

اور ہر گروہ کے لئے ایک میعاد معین^(۱) ہے سو جس وقت انکی میعاد معین آجائے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ (۳۲)

يَهَيِّئُ اللَّهُ إِنشَاءً لِّيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيُذْخِرَ لَكُمْ فِيهَا حَقَّ
النَّفْسِ وَالْأَمْوَالِ ۚ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۳﴾

اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس پیغمبر آئیں جو تم ہی میں سے ہوں جو میرے احکام تم سے بیان کریں تو جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور درستی کرے سو ان لوگوں پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔^(۲) (۳۳)

اور جو لوگ ہمارے ان احکام کو جھٹلائیں اور ان سے تکبر کریں وہ لوگ دوزخ والے ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔^(۳) (۳۴)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ
هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۵﴾

کے اس پر مطلع ہونے کو تو برا سمجھے (صحیح مسلم کتاب البر) بعض کہتے ہیں گناہ وہ ہے جس کا اثر کرنیوالے کی اپنی ذات تک محدود ہو اور بغی یہ ہے کہ اس کے اثرات دوسروں تک بھی پہنچیں یہاں بغی کے ساتھ بغیر الحق کا مطلب 'ناحق' ظلم و زیادتی مثلاً لوگوں کا حق غصب کر لینا کسی کا مال ہتھیالینا ناجائز مارنا دینا اور سب و شتم کر کے بے عزتی کرنا وغیرہ ہے۔

(۱) میعاد معین سے مراد وہ مہلت عمل ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ ہر گروہ کو آزمانے کے لئے عطا فرماتا ہے کہ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے یا اس کی بغاوت و سرکشی میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ یہ مہلت بعض دفعہ ان کی پوری زندگیوں تک ممتد ہوتی ہے۔ یعنی دنیوی زندگی میں وہ گرفت نہیں فرماتا بلکہ صرف آخرت میں ہی وہ سزا دے گا ان کی اجل مسمی قیامت کا دن ہی ہے اور جن کو دنیا میں وہ عذاب سے دوچار کر دیتا ہے ان کی اجل مسمی وہ ہے جب ان کا شواخذہ فرماتا ہے۔

(۲) یہ ان اہل ایمان کا حسن انجام بیان کیا گیا ہے جو تقویٰ اور عمل صالح سے آراستہ ہوں گے۔ قرآن نے ایمان کے ساتھ 'اکثر جگہ' عمل صالح کا ذکر ضرور کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عند اللہ ایمان وہی معتبر ہے جس کے ساتھ عمل بھی ہو گا۔

(۳) اس میں اہل ایمان کے برعکس ان لوگوں کا برا انجام بیان کیا گیا ہے جو اللہ کے احکام کی تکذیب اور ان کے مقابلے

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ
أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُمْ مِنَ الْعَذَابِ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ
رُسُلُنَا يَتَوَقَّوْنَهُمْ قَالُوا أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدَّعُونَ مِنْ
دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَهُمْ شَرٌّ وَّاعِلٌ أَلْفِیْهِمْ
كَانُوا كَافِرِينَ ۝

سو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر
جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتائے، ان لوگوں
کے نصیب کا جو کچھ کتاب سے ہے وہ ان کو مل
جائے گا^(۱) یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے
ہوئے فرشتے ان کی جان قبض کرنے آئیں گے تو کہیں
گے کہ وہ کہاں گئے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت
کرتے تھے، وہ کہیں گے کہ ہم سے سب غائب ہو گئے
اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کریں گے۔ (۳۷)

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جو فرقے تم سے پہلے گزر چکے
ہیں جنات میں سے بھی اور آدمیوں میں سے بھی، ان
کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ۔ جس وقت بھی کوئی
جماعت داخل ہوگی اپنی دوسری جماعت کو لعنت
کرے گی^(۲) یہاں تک کہ جب اس میں سب جمع ہو

قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْعِینِ وَالدِّینِ
فِي النَّارِ طَعَامٌ لَّهُمْ لَعْنَتْ أُمَّتُهَا حَتَّىٰ إِذَا لُكُوا فِيهَا
جَمِيعًا قَالَتْ أَسْرَفْتُمْ دَارَ لَكُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَصْلُكُمْ فَأَرْسَلْنَا
عَنَّا بَاقِیَاتٍ مِنَ النَّارِ قَالَتْ لِكُلِّ صُفْعَةٍ

میں انگبار کرتے ہیں۔ اہل ایمان اور اہل کفر دونوں کا انجام بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اس کردار کو نہائیں
جس کا انجام اچھا ہے اور اس کردار سے بھیجیں جس کا انجام برا ہے۔

(۱) اس کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں۔ ایک معنی عمل 'رزق اور عمر کے کئے گئے ہیں۔ یعنی ان کے مقدر میں جو عمر
اور رزق ہے اسے پورا کر لینے اور یعنی عمر ہے اس کو گزار لینے کے بعد بلا آخر موت سے ہمکنار ہوں گے۔ اسی کے ہم
معنی یہ آیت ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَفْتُرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يَفْلَحُونَ﴾ ﴿مَتَّعْنَاهُ فِي الدُّنْيَا نَفَقَاتِهَا لَنَّا مَرْجُمَةٌ﴾ ﴿الْآيَةُ
ہولنس۔ ۷۶﴾، "جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے، دنیا کا چند روزہ فائدہ اٹھا کر بالآخر
ہمارے پاس ہی انہیں لوٹ کر آتا ہے۔"

(۲) اُمَم، اُمۃ کی جمع ہے۔ مراد وہ فرقے اور گروہ ہیں جو کفر و شقاق اور شرک و تکذیب میں ایک جیسے ہوں گے۔ یعنی
بمعنی مع بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی تم سے پہلے انسانوں اور جنوں میں جو گروہ تم جیسے یہاں آچکے ہیں ان کے ساتھ جہنم میں
داخل ہو جاؤ یا ان میں شامل ہو جاؤ۔

(۳) ﴿لَعْنَتْ أُمَّتُهَا﴾ اپنی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی۔ اُخْتِ بہن کو کہتے ہیں۔ ایک جماعت (امت) کو دوسری
جماعت (امت) کی بہن بہ اعتبار دین یا گمراہی کے کہا گیا۔ یعنی دونوں ہی ایک غلط مذہب کے پیرو یا گمراہ تھے یا جہنم کے
ساتھی ہونے کے اعتبار سے ان کو ایک دوسری کی بہن قرار دیا گیا ہے۔

وَلَكِنْ لَّاسْتَكْبَرُوا ۝

جائیں گے^(۱) تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کی نسبت
 کہیں گے^(۲) کہ ہمارے پروردگار ہم کو ان لوگوں نے
 گمراہ کیا تھا سو ان کو دوزخ کا عذاب دوگنا دے۔^(۳) اللہ
 تعالیٰ فرمائے گا کہ سب ہی کا دوگنا ہے،^(۴) لیکن تم کو خبر
 نہیں۔ (۳۸)

اور پہلے لوگ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ پھر تم کو ہم پر
 کوئی فوقیت نہیں سو تم بھی اپنی کمائی کے بدلے میں
 عذاب کا مزہ چکھو۔ (۳۹)

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا
 ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں
 گے^(۵) اور وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب

وَقَالَتْ اُولٰٓئِهٖمُ لِحُزْنِهِمْ مَّا كَانَ لَكُمْ عَلَيْهِمْ مِنْ فَضْلٍ
 فَذُقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْبُرُونَ ۝

لَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْعُدُوْهُ
 اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَخْرُجَ الْجَمْعُ فِي

(۱) اِذَا رُكُّوْا کے معنی ہیں نڈار کھوا جب ایک دوسرے کو ملیں گے اور باہم اکٹھے ہوں گے۔

(۲) اٰخِرٰی (پچھلے) سے مراد بعد میں داخل ہونے والے اور اٰوَّلٰی (پہلے) سے مراد ان سے پہلے داخل ہونے والے ہیں۔ یا
 اٰخِرٰی سے اٰتِیَّاع (پیروکار) اور اٰوَّلٰی سے مَتَّبِع (پیروکار اور سردار ہیں۔ ان کا جرم چونکہ زیادہ شدید ہے کہ خود بھی راہ حق سے
 دور رہے اور دوسروں کو بھی کوشش کر کے اس سے دور رکھا اس لئے یہ اپنے اتباع سے پہلے جہنم میں جائیں گے۔

(۳) جس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ جنسی کہیں گے۔ ﴿وَيَتَنَازَعُوْنَ اَلْاَعْدَابَ فَلَا تُفَعَّلُوْنَ اَللَّيْمٰتُ﴾ ۝
 ﴿يَتَنَازَعُوْنَ اَلْاَعْدَابَ فَلَا تُفَعَّلُوْنَ اَللَّيْمٰتُ﴾ (الأعراب - ۶۷، ۶۸) ”اے ہمارے رب! ہم تو اپنے سرداروں اور
 بڑوں کے پیچھے لگے رہے، پس انہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے گمراہ کیا، یا اللہ ان کو دوگنا عذاب دے اور ان
 کو بڑی لعنت کر“

(۴) یعنی اب ایک دوسرے کو طعنے دینے کوئے اور ایک دوسرے پر الزام دھرنے سے کوئی فائدہ نہیں، تم سب ہی اپنی
 اپنی جگہ بڑے مجرم ہو اور تم سب ہی دو گئے عذاب کے مستحق ہو۔ اتباع اور متبوعین کا یہ مکالمہ سورہ سبہ ۳۱، ۳۲ میں
 بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۵) اس سے بعض نے اعمال، بعض نے ارواح اور بعض نے دعا مراد لی ہے۔ یعنی ان کے عملوں، یا روحوں یا دعا کے
 لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے، یعنی اعمال اور دعا قبول نہیں ہوتی اور روہیں واپس زمین میں لوٹا دی جاتی
 ہیں (جیسا کہ مسند احمد، جلد ۲ / صفحہ ۳۶۳، ۳۶۵ کی ایک حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے) امام شوکانی فرماتے ہیں کہ تینوں
 ہی چیزیں مراد ہو سکتی ہیں۔

سَيَجْعَلُكَ وَكَذَلِكَ تُجْزَى الْمُجْرِمِينَ ﴿٣٠﴾

لَهُمْ فِي جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ حَوَافِّهَا نَاصِيَةٌ وَكَذَلِكَ تُجْزَى
الظَّالِمِينَ ﴿٣١﴾

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا يَجْعَلُ اللَّهُ لَكُمْ خِيفَةً أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٢﴾

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ تُجْزَى مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ

تک کہ اونٹ سوئی کے تاکہ کے اندر سے نہ چلا جائے^(۱)
اور ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ (۳۰)
ان کے لئے آتش دوزخ کا بچھونا ہو گا اور ان کے اوپر
(اسی کا) اوڑھنا ہو گا^(۲) اور ہم ایسے ظالموں کو ایسی ہی سزا
دیتے ہیں۔ (۳۱)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ہم
کسی شخص کو اس کی قدرت سے زیادہ کسی کا مکلف نہیں
بناتے^(۳) وہی لوگ جنت والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ
رہیں گے۔ (۳۲)

اور جو کچھ ان کے دلوں میں (کینہ) تھا ہم اس کو دور کر
دیں گے۔^(۴) ان کے نیچے سرس جاری ہوں گی۔ اور وہ

(۱) یہ تعلق بالحق ہے جس طرح اونٹ کا سوئی کے تاکہ سے گذرنا ممکن نہیں اسی طرح اہل کفر کا جنت میں داخلہ
ممکن نہیں۔ اونٹ کی مثال بیان فرمائی اس لئے کہ اونٹ عربوں میں متعارف تھا اور جسمانی اعتبار سے ایک بڑا جانور تھا۔
اور سوئی کا تاکہ (سوراخ) یہ اپنے باریک اور تنگ ہونے کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ ان دونوں کے ذکر نے اس تعلق
بالحال کے مفہوم کو غایت درجہ واضح کر دیا ہے۔ تعلق بالحال کا مطلب ہے ایسی چیز کے ساتھ مشروط کر دینا جو ناممکن
ہو۔ جیسے اونٹ سوئی کے تاکہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اب کسی چیز کے وقوع کو اونٹ کے سوئی کے تاکہ میں داخل
ہونے کے ساتھ مشروط کر دینا، تعلق بالحال ہے۔

(۲) خواہش، عاشقہ کی جمع ہے۔ ڈھانپ لینے والی۔ یعنی آگ ہی ان کا اوڑھنا ہو گا یعنی اوپر سے بھی آگ نے ان کو
ڈھانپا یعنی گھیرا ہو گا۔

(۳) یہ جملہ معترضہ ہے جس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ ایمان اور عمل صالح، یہ ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ جو انسانی طاقت
سے زیادہ ہوں اور انسان ان پر عمل کرنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں۔ بلکہ ہر انسان ان کو بہ آسانی اپنا سکتا ہے اور ان
کے متعینات کو بروئے عمل لاسکتا ہے۔

(۴) جل اس کہنے اور بغض کو کہا جاتا ہے جو سینوں میں مستور ہو۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت پر یہ انعام بھی فرمائے گا کہ ان
کے سینوں میں ایک دوسرے کے خلاف بغض و عداوت کے جو جذبات ہوں گے وہ دور کر دے گا پھر ان کے دس ایک
دوسرے کے بارے میں آئینے کی طرح صاف ہو جائیں گے کسی کے بارے میں دل میں کوئی کدورت اور عداوت نہیں
رہے گی۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اہل جنت کے درمیان درجات و منازل کا جو تفاوت ہو گا اس پر وہ
ایک دوسرے سے حسد نہیں کریں گے۔ پہلے مفہوم کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے کہ جنتیوں کو جنت اور دوزخ

وَقَالُوا لِمَنْدَلَهُ الَّذِي هَذَا يَوْمَنَا وَمَا كُنَّا لِنُفْتِنِي لَوْلَا
أَنْ هَذَا مَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ مِنَّا بِالْحَقِّ وَنُودُوا أَنْ
يَكْفُرُوا بِالْجَنَّةِ أَوْ رِثَ مُوَفَّاءَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٠﴾

لوگ کہیں گے کہ اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم
کو اس مقام تک پہنچایا اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی اگر
اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتا۔^(۱) واقعی ہمارے رب کے پیغمبر
سچی باتیں لے کر آئے تھے۔ اور ان سے پکار کر کہا جائے
گا کہ اس جنت کے تم وارث بنائے گئے ہو اپنے اعمال
کے بدلے۔^(۲) (۳۳)

وَنَادَى أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا
رَبُّنَا حَقًّا قَهْلًا وَجَدْتُمْ تَأْوِيلَهُمْ حَقًّا قَالُوا لَوْ أَنَّمَا أَفَادَنْ
مُؤْمِنُونَ يُبَيِّنُكُمْ أَنَّ كَعْنَهُ اللَّهُ وَعَلَى الظَّالِمِينَ ﴿٣١﴾

اور اہل جنت اہل دوزخ کو پکاریں گے کہ ہم سے جو
ہمارے رب نے وعدہ فرمایا تھا ہم نے تو اسکو واقعہ کے
مطابق پایا سو تم سے جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا تم
نے بھی اس کو واقعہ کے مطابق پایا؟^(۳) وہ کہیں گے ہاں

کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا اور ان کے درمیان آپس کی جو زیادتیاں ہوں گی ایک دوسرے کو ان کا بدلہ دیا
دلایا جائے گا حتیٰ کہ جب وہ بالکل پاک صاف ہو جائیں گے تو پھر انہیں جنت میں داخلے کی اجازت دے دی جائے گی
(صحیح بخاری۔ کتاب المظالم، باب قصاص المظالم۔) جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی رہنمائییں ہیں جو یہ سی رقاہت میں ان
کے درمیان ہوئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے ”مجھے امید ہے کہ میں عثمان رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ ان لوگوں
میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنَ الْيَمِينِ﴾ (ابن کثیر)

(۱) یعنی یہ ہدایت جس سے ہمیں ایمان اور عمل صالح کی زندگی نصیب ہوئی اور پھر انہیں بارگاہ الہی میں قبولیت کا درجہ
بھی حاصل ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے اور اس کا فضل ہے۔ اگر یہ رحمت اور فضل الہی نہ ہوتا تو ہم یہاں
تک نہ پہنچ سکتے۔ اسی مفہوم کی یہ حدیث ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تم میں سے کسی
کو محض اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوگی۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا
یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میں بھی اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا جب تک کہ
رحمت الہی مجھے اپنے دامن میں نہیں سمیٹ لے گی۔“ صحیح بخاری، کتاب المرقا، باب القصد والمداومة
على العمل۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، باب لمن يدخل أحد الجنة بعمله۔

(۲) یہ تصریح کچھ بات اور حدیث مذکور کے متافی نہیں۔ اس لئے کہ نیک عمل کی توفیق بھی بجائے خود اللہ کا فضل
واحسان ہے۔

(۳) یہی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں جو کافروں کے گئے تھے اور ان کی لاشیں ایک کنوئیں میں پھینک دی گئی
تھیں۔ انہیں خطاب کرتے ہوئے کہی تھی جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا ”آپ ایسے لوگوں سے خطاب فرما رہے ہیں

پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان میں پکارے گا کہ
اللہ کی مار ہو ان ظالموں پر۔ (۴۳)

جو اللہ کی راہ سے اعراض کرتے تھے اور اس میں کبھی
تلاش کرتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر
تھے۔ (۴۵)

اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی^(۱) اور اعراف کے
اوپر بہت سے آدمی ہوں گے وہ سوگ^(۲) ہر ایک کو ان کے
قیافہ سے پہچانیں گے^(۳) اور اہل جنت کو پکار کر کہیں گے
السلام علیکم! ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہیں
ہوئے ہوں گے اور اس کے امیدوار ہوں گے۔^(۴) (۴۶)
اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف پھریں گی تو
کہیں گے اے ہمارے رب! ہم کو ان ظالم لوگوں کے
ساتھ شامل نہ کر۔ (۴۷)

الَّذِينَ يَصْلُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَتَّبِعُونَ هَاجَاتِهِمْ
بِالْخَيْرِ كَيْفَ زَنَ ۝

وَيَنْهَضُونَ جَانِبَ وَعَلِ الْأَعْرَافِ يَجَالُ يَعْرِفُونَ كَلَّابَهُمْ
وَنَادَا الصَّعْبَ الْجَنَّةَ أَنْ سَلِّمْ عَلَيْكَ لَمْ يَدْخُلُوهَا
وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۝

وَالَّذِينَ هُمْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءُ الْعَذَابِ قَالُوا رَبِّ نَالَا
تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

جو ہلاک ہو چکے ہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ کی قسم“ میں انہیں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں“
لیکن اب وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے“ (صحیح مسلم - کتاب الجنة) باب عرض مقعد السميت من
الجنة أو النار والبخاري - کتاب المغازی - باب قتل أبي جهل،

(۱) ”ان دونوں کے درمیان“ سے مراد جنت دوزخ کے درمیان یا کافروں اور مومنوں کے درمیان ہے۔ حجاب
(آڑ) سے وہ فیصل (دیوار) مراد ہے جس کا ذکر سورہ حدید میں ہے۔ ﴿فَقُورٍ يَتَّبِعُهُمْ بِنُورِهِمْ هَابٌ﴾ (الحديد ۱۳) ”پس
ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی“ جس میں ایک دروازہ ہوگا“ یہی اعراف کی دیوار ہے۔

(۲) یہ کون ہوں گے؟ ان کی تعیین میں مفسرین کے درمیان خاصا اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ وہ سوگ ہوں
گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ ان کی نیکیاں جہنم میں جانے سے اور برائیاں جنت میں جانے سے مانع ہوں
گی اور یوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعی فیصلہ ہونے تک وہ درمیان میں معلق رہیں گے۔

(۳) سینچا کے معنی علامت کے ہیں۔ جنتیوں کے چہرے روشن اور تروتازہ اور جہنمیوں کے چہرے سیاہ اور آنکھیں
نیلی ہوں گی۔ اس طرح وہ دونوں قسم کے لوگوں کو پہچان لیں گے۔

(۴) یہاں يَنْظُرُونَ کے معنی بعض لوگوں نے يَتَلَمَّحُونَ کے کئے ہیں یعنی ان کو علم ہو گا کہ وہ عنقریب جنت میں
داخل کر دیئے جائیں گے۔

وَنَادَى أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ بِجَلَّالٍ يَعْرِفُونَ نَجْمَهُمْ قَالُوا
مَا آتَيْنَا عَنْكُمْ جَنَّتُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْكَرُونَ ۝

اور اہل اعراف بہت سے آدمیوں کو جن کو کہ ان کے
قیافہ سے پہچانیں گے پکاریں گے کہیں گے کہ تمہاری
جماعت اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا تمہارے کچھ کام نہ
آیا۔^(۱) (۳۸)

أَهْلُوا الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَشَاءُ اللَّهُ يَرْحَمَهُمْ أَذْخَلُوا الْجَنَّةَ
لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا أَتْنَمُ عَذْرُونَ ۝

کیا یہ وہی ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے
تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر^(۲) رحمت نہ کرے گا، ان کو یوں
حکم ہو گا کہ جاؤ جنت میں تم پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ تم
مغموم ہو گے۔ (۳۹)

وَنَادَى أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِضُوا عَلَيْنَا مِنَ
الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَزَمَهُمَا عَمَلُ
الْكَافِرِينَ ۝

اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے
اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دو یا اور ہی کچھ دے دو، جو اللہ
نے تم کو دے رکھا ہے۔ جنت والے کہیں گے کہ اللہ
تعالیٰ نے دونوں چیزوں کی کافروں کے لئے بندش کر دی
ہے۔^(۳) (۵۰)

الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَضَهُمُ الْحَيَوةُ الدُّنْيَا
قَالُوا نَفْسُهُمْ كَمَا تَنصَوْنَ الْبَنَاءَ يَوْمَهُمْ هَذَا وَمَا كَانُوا يَتَنَفَّسُونَ ۝

جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو لہو و لعب بنا رکھا تھا اور
جن کو دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ سو ہم
(بھی) آج کے روز ان کا نام بھول جائیں گے جیسا کہ وہ

(۱) یہ اہل دوزخ ہوں گے جن کو اصحاب الاعراف ان کی علامتوں سے پہچان لیں گے اور وہ اپنے جتنے اور دوسری چیزوں
پر جو گنہگار کرتے تھے اس کے حوالے سے انہیں یاد دلائیں گے کہ یہ چیزیں تمہارے کچھ کام نہ آئیں۔

(۲) اس سے مراد وہ اہل ایمان ہیں جو دنیا میں غریب و مسکین اور مفلس و نادار قسم کے تھے جن کا استہزاء کورہ منکبرین
اڑایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر یہ اللہ کے محبوب ہوتے تو ان کا دنیا میں یہ حال ہوتا؟ پھر مزید جسارت کرتے
ہوئے دعویٰ کرتے کہ قیامت والے دن بھی اللہ کی رحمت ہم پر ہوگی (جس طرح دنیا میں ہو رہی ہے) نہ کہ ان پر۔
بعض نے اس کا قائل اصحاب الاعراف کو بتلایا ہے اور بعض کہتے ہیں جب اصحاب الاعراف جہنمیوں کو یہ کہیں گے
”تمہارا جتنہ اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا تمہارے کچھ کام نہ آیا“ تو اس وقت اللہ کی طرف سے جنتیوں کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ ”یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھاتے تھے کہ ان پر اللہ کی رحمت نہیں ہو
گی۔“ (تفسیر ابن کثیر)

(۳) جس طرح پہلے گزر چکا ہے کہ کھانے پینے کی نعمتیں قیامت والے دن صرف اہل ایمان کے لئے ہوں گی۔
﴿خَالِصَةُ يَوْمِ الْقِيَمَةِ﴾ (آیت نمبر ۳۲) یہاں اس کی مزید وضاحت جنتیوں کی زبان سے کر دی گئی ہے۔

اس دن کو بھول^(۱) گئے اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ (۵۱)

اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچا دی ہے جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے بہت واضح کر کے بیان کر دیا ہے،^(۲) وہ ذریعہ ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لائے ہیں۔ (۵۲)

ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف اس کے اخیر نتیجہ کا انتظار ہے،^(۳) جس روز اسکا اخیر نتیجہ پیش آئے گا اور اس روز جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے

وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَضَّلْنَاهُ عَلَىٰ كُلِّ مَدَنٍ ۚ وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۱﴾

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلَهُ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا بِالْحَقِّ

(۱) حدیث میں آتا ہے 'قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اس قسم کے بندے سے کہے گا "کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیئے تھے؟ تجھے عزت و اکرام سے نہیں نوازا تھا؟ کیا اونٹ اور گھوڑے تیرے تابع نہیں کر دیئے تھے؟ اور کیا تو سرداری کرتے ہوئے لوگوں سے چٹکی وصول نہیں کرتا تھا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں؟ یا اللہ یہ سب باتیں صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا "کیا تو میری ملاقات کا یقین رکھتا تھا؟ وہ کہے گا۔ نہیں "اللہ تعالیٰ فرمائے گا "پس جس طرح تو مجھے بھولا رہا" آج میں تجھے بھول جاتا ہوں" (صحیح مسلم۔ کتاب الزہد) قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کو نہو و لعب بنانے والے وہی ہوتے ہیں جو دنیا کے فریب میں جلا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دلوں سے چونکہ آخرت کی فکر اور اللہ کا خوف نکل جاتا ہے۔ اس لئے وہ دین میں بھی اپنی طرف سے جو چاہتے ہیں، اضافہ کر لیتے ہیں اور دین کے جس حصے کو چاہتے ہیں عملاً کالعدم کر دیتے ہیں یا انہیں کھیل کود کا رنگ دے دیتے ہیں۔ اس لیے دین میں اپنی طرف سے ہدایت کا اضافہ کر کے انہی کو اصل اہمیت دینا (جیسا کہ اہل بدعت کا شیوہ ہے) یہ بہت بڑا جرم ہے، کیونکہ اس سے دین کھیل کود دین کر رہ جاتا ہے اور احکام و فرائض پر عمل کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔

(۲) یہ اللہ تعالیٰ جنسیوں کے ضمن میں ہی فرما رہا ہے کہ ہم نے تو اپنے علم کامل کے مطابق ایسی کتاب بھیج دی تھی جس میں ہر چیز کو کھول کر بیان کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا، تو ان کی بد قسمتی، ورنہ جو لوگ اس کتاب پر ایمان لے آئے، وہ ہدایت و رحمت الہی سے فیض یاب ہوئے گویا ہم نے تو ﴿وَمَا لَكُمْ مَعِذَتَيْنِ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا﴾ (سورۃ انبیاء اسرائیل-۱۵) "جب تک ہم رسول بھیج کر اتمام حجت نہیں کر دیتے، ہم عذاب نہیں دیتے" کے مطابق اہتمام کر دیا تھا۔

(۳) تاویل کا مطلب ہے، کسی چیز کی اصل حقیقت اور انجام۔ یعنی کتاب الہی کے ذریعے سے وعدے، وعید اور جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان تو کر دیا گیا تھا۔ لیکن یہ اس دنیا کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے خطر تھے، سو اب وہ انجام ان کے سامنے آگیا۔

قَوْلَ لَتَأْتِيَ شُفَعَاءُ فَيَشْفَعُونَ لَنَا أَوْ يَرْدُّ فَعْمَلٌ غَيْرُ الَّذِي
كُنَّا نَعْمَلُ قَدْ خَيْرُوا أَنْفُسَهُمْ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا
يَعْتَرُونَ ﴿٥٣﴾

ہوئے تھے یوں کہیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر
آجی جی باتیں لائے تھے، سواب کیا کوئی ہمارا سفارشی ہے
کہ وہ ہماری سفارش کر دے یا کیا ہم پھر واپس بھیجے جا
سکتے ہیں تاکہ ہم لوگ ان اعمال کے جن کو ہم کیا کرتے
تھے برخلاف دوسرے اعمال کریں۔ بے شک ان لوگوں
نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا اور یہ جو جو باتیں
تراشتے تھے سب گم ہو گئیں۔^(۱) (۵۳)

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ
أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ

بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں
اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا ہے،^(۲) پھر عرش پر قائم
ہوا۔^(۳) وہ شب سے دن کو ایسے طور پر چھپا دیتا ہے کہ

(۱) یعنی یہ جس انجام کے خطر تھے اس کے سامنے آجانے کے بعد اعتراف حق کرنے یا دوبارہ دنیا میں بھیجے جانے کی
آرزو اور کسی سفارشی کی تلاش، یہ سب بے فائدہ ہوں گی۔ وہ معبود بھی ان سے گم ہو جائیں گے جن کی وہ اللہ کو چھوڑ
کر عبادت کرتے تھے وہ ان کی مدد کر سکیں گے نہ سفارش اور نہ عذاب جنم سے چھڑای سکیں گے۔

(۲) یہ چھ دن اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ ہیں۔ جمعہ کے دن ہی حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ ہفتے
والے دن کہتے ہیں کوئی تخلیق نہیں ہوئی اسی لئے اسے یوم السبت کہا جاتا ہے۔ کیونکہ سبت کے معنی قطع (کانٹے) کے
ہیں یعنی اس دن تخلیق کا کام قطع ہو گیا۔ پھر اس دن سے کیا مراد ہے؟ ہماری دنیا کا دن جو طلوع شمس سے شروع ہوتا
ہے اور غروب شمس پر ختم ہو جاتا ہے۔ یا یہ دن ہزار سال کے برابر ہے؟ جس طرح کہ اللہ کے یہاں کے دن کی گنتی
ہے، یا جس طرح قیامت کے دن کے بارے میں آتا ہے۔ بظاہر یہ دوسری بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک تو
اس وقت سورج چاند کا یہ نظام ہی نہیں تھا، آسمان و زمین کی تخلیق کے بعد ہی یہ نظام قائم ہوا دوسرے یہ عالم بدلا واقعہ
ہے جس کو دنیا سے کوئی نسبت نہیں ہے، اس لئے اس دن کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم قطعیت کے
ساتھ کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ تو لفظ کُن سے سب کچھ پیدا کر سکتا تھا، اس کے باوجود اس نے ہر چیز
کو الگ الگ تدریج کے ساتھ بنایا اس کی بھی اصل حکمت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تاہم بعض علمائے اس کی ایک حکمت
لوگوں کو آرام و قار اور تدریج کے ساتھ کام کرنے کا سبق دینا بتلائی ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

(۳) اُسْتَوَىٰ کے معنی عواور استقرار کے ہیں سلف نے بلا کیف و بلا تشبیہ یہی معنی مراد لئے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر
بلند اور مستقر ہے۔ لیکن کس طرح، کس کیفیت کے ساتھ، اسے ہم بیان نہیں کر سکتے نہ کسی کے ساتھ تشبیہ ہی دے
سکتے ہیں۔ نعیم بن حاد کا قول ہے ”جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دے اس نے بھی کفر کیا اور جس نے اللہ کی اپنے
بارے میں بیان کر دہ کسی بات کا انکار کیا، اس نے بھی کفر کیا“ اور اللہ کے بارے میں اس کی یا اس کے رسول کی بیان

حَيْثُ شَاءَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مَعْرُوبًا يَا أَيُّهَا الْأَلْمُحَقُّ وَالْأَمْرُ تَبَرُّكُ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٤﴾

وہ شب اس دن کو جلدی سے آگئی ہے ^(۱) اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا بڑی خوبیوں سے بھرا ہوا ہے اللہ جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔ (۵۴)

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٥٥﴾

تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کی کرو گڑگڑا کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی۔ واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں۔ (۵۵)

وَلَا تُشْفِقُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ وَضْعِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾

اور دنیا میں اس کے بعد کہ اس کی درستی کر دی گئی ہے فساد مت پھیلاؤ اور تم اللہ کی عبادت کرو اس سے ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے نزدیک ہے۔ ^(۲) (۵۶)

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا لِّبَنِي يَدَيَّ رَحْمَتِهِ

اور وہ ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں ^(۳) یہاں تک کہ جب

کردہ بات کو بیان کرنا تشبیہ نہیں ہے۔ اس لئے جو باتیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں نص سے ثابت ہیں ان پر بلا تاویل اور بلا کیف و تشبیہ ایمان رکھنا ضروری ہے۔ (ابن کثیر)

(۱) حَیْثُ شَاءَ کے معنی ہیں نہایت تیزی سے اور مطلب ہے کہ ایک کے بعد دوسرا فوراً آجاتا ہے۔ یعنی دن کی روشنی آتی ہے تو رات کی تاریکی فوراً کافور ہو جاتی ہے اور رات آتی ہے تو دن کا اجالا ختم ہو جاتا ہے اور سب دور و نزدیک سیاہی چھا جاتی ہے۔

(۲) ان آیات میں چار چیزوں کی تلقین کی گئی ہے ۱۔ اللہ تعالیٰ سے آہ و زاری اور خفیہ طریقے سے دعا کی جائے۔ جس طرح کہ حدیث میں بھی آتا ہے۔ ”لوگو! اپنے نفس کے ساتھ نرمی کرو (یعنی آواز پست رکھو) تم جس کو پکار رہے ہو وہ ہمارا ہے نہ غائب“ وہ تمہاری دعائیں سننے والا اور قریب ہے اصحیح بخاری ’کتاب الدعوات‘ باب الدعاء بالدعاء، علا عقبہ۔ ومسلم۔ کتاب الحجۃ‘ باب استصحاب خفض الصوت بالذکر

۲۔ دعا میں زیادتی نہ کی جائے یعنی اپنی حیثیت اور مرتبے سے بڑھ کر دعا نہ کی جائے۔ ۳۔ اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلایا جائے یعنی اللہ کی نافرمانیاں کر کے فساد پھیلانے میں حصہ نہ لیا جائے۔ ۴۔ اس کے عذاب کا ڈر بھی دل میں ہو اور اس کی رحمت کی امید بھی۔ اس طریقے سے دعا کرنے والے محسنین ہیں۔ یقیناً اللہ کی رحمت ان کے قریب ہے۔

(۳) اپنی الوہیت و ربوبیت کے اثبات میں اللہ تعالیٰ مزید دلائل بیان فرما کر پھر اس سے احیاء موتی کا اثبات فرما رہا ہے

حَتَّىٰ إِذَا أَفْلَحْتَ مَتَابًا يَفْعَالًا سُقْنَهُ لِبَيْتِكَ مَقِيَّتًا
فَأَنْزَلْنَاهُ يَوْمَ الْمَاءِ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ
كَذَٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٥٧﴾

وہ ہوا میں بھاری بادلوں کو اٹھالیتی ہیں،^(۱) تو ہم اس بادل
کو کسی خشک سرزمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں، پھر
اس بادل سے پانی برساتے ہیں پھر اس پانی سے ہر قسم کے
پھل نکالتے ہیں۔^(۲) یوں ہی ہم مردوں کو نکال کھڑا کریں
گے تاکہ تم سمجھو۔^(۳) (۵۷)

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرِجُ نَبَاتَهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ
لَا يَخْرِجُ إِلَّا كَذِبًا كَذَٰلِكَ نُصَوِّرُ الْأَنبِيَآءَ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥٨﴾

اور جو ستھری سرزمین ہوتی ہے اس کی پیداوار تو اللہ کے
حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس کی پیداوار
بست کم نکلتی ہے،^(۱) اسی طرح ہم دلائل کو طرح طرح
سے بیان کرتے ہیں، ان لوگوں کے لئے جو شکر کرتے
ہیں۔ (۵۸)

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا

ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو

بَشَرًا نَّبِیُّنَیْزِیٰ جَعْلٌ ہر رَحْمَةً سے مراد میں سَطَرَ (بارش) ہے یعنی بارش سے پہلے وہ ٹھنڈی ہوا میں چلاتا ہے جو بارش کی
لوہد ہوتی ہیں۔

(۱) بھاری بادل سے مراد پانی سے بھرے ہوئے بادل ہیں۔

(۲) ہر قسم کے پھل جو رنگوں میں، ذائقوں میں، خوشبوؤں میں اور شکل و صورت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

(۳) جس طرح ہم پانی کے ذریعے سے مردہ زمین میں روئیدگی پیدا کر دیتے ہیں اور وہ انواع و اقسام کے غلے اور پھل
پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح قیامت والے دن تمام انسانوں کو جو مٹی میں مل کر مٹی ہو چکے ہوں گے، ہم دوبارہ زندہ کریں
گے اور پھر ان کا حساب لیں گے۔

(۴) علاوہ ازیں یہ تمثیل بھی ہو سکتی ہے۔ اَلْبَلَدُ الطَّيِّبُ سے مراد مربع الفہم اور اَلْبَلَدُ الْخَبِیْثُ سے کُند زمین،
وعظ و نصیحت قبول کرنے والا دل اور اس کے برعکس دل۔ قلب مومن یا پاکیزہ انسان اور ناپاک انسان۔
مومن، پاکیزہ انسان اور وعظ و نصیحت قبول کرنے والا دل بارش کو قبول کرنے والی زمین کی طرح، آیات الہی کو سن کر
ایمان و عمل صالح میں مزید پختہ ہوتا ہے اور دوسرا دل اس کے برعکس زمین شور کی طرح ہے جو بارش کا پانی قبول ہی
نہیں کرتی یا کرتی ہے تو برائے نام جس سے پیداوار بھی نکلی اور برائے نام ہوتی ہے۔ اسی کو ایک حدیث میں اس طرح
بیان کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ”مجھے اللہ تعالیٰ نے جو علم و ہدایت دے کر بھیجا ہے، اس کی مثال اس
موسلاہار بارش کی طرح ہے جو زمین پر برسی۔ اس کے جو حصے زر خیز تھے، انہوں نے پانی کو اپنے اندر جذب کر کے چارہ
اور گھاس خوب اگایا (یعنی بھرپور پیداوار دی) اور اس کے بعض حصے سخت تھے، جنہوں نے پانی کو تو روک لیا (اندر جذب

لَكُمْ مِنَ الْعَذَابِ إِنَّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ⑤

انہوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے قائل نہیں، مجھ کو تمہارے لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ (۵۹)

قَالَ الْمَلَأُونَ قَوْمَهُ إِنْكَارًا لِّرَبِّكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ⑥

ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کہا کہ ہم تم کو صریح غلطی میں دیکھتے ہیں۔ (۶۰)

قَالَ يَقُومُ لَيْسَ فِي ضَلَالَةٍ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ⑦

انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ میں تو ذرا بھی گمراہی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا رسول ہوں۔ (۶۱)

أَتَبْلُغُهُمْ رَسُولَاتُ رَّبِّي وَأُصَوِّرُكُمْ وَأُفَكِّكُمْ ⑧

تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جن کی تم کو خبر نہیں۔ (۶۲)

اللَّهُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ⑨

أَوْ يَحْمِلُونَ جَاءَ لَكُمْ فِي بُرْءٍ مِّنْ رَبِّكُمْ عَلَى رُءُوسِهِمْ ⑩

اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا ہے، کوئی نصیحت کی بات آگئی تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تاکہ تم ڈر جاؤ (۶۳) اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (۶۴)

يُنَادِيكُمْ وَلِيَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ⑪

نہیں ہوا) تاہم اس سے بھی لوگوں نے قائمہ انصاف خود بھی پیا۔ کھیتوں کو بھی سیراب کیا اور کاشت کاری کی اور زمین کا کچھ حصہ بالکل چنیل تھا جس نے پانی روکا اور نہ کچھ اگایا۔ پس یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے اللہ کی دین میں سمجھ حاصل کی اور اللہ نے مجھے جس چیز کے ساتھ بھیجا اس سے اس نے نفع اٹھایا پس خود بھی علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی سکھایا اور مثال اس شخص کی بھی ہے جس نے کچھ نہیں سیکھا اور نہ وہ ہدایت ہی قبول کی جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الفصل من علم وعلم

(۱) شرک اس طرح انسانی عقل کو مآؤف کر دیتا ہے کہ انسان کو ہدایت، گمراہی اور گمراہی ہدایت نظر آتی ہے۔ چنانچہ قوم نوح کی بھی یہی قلبی مابیت ہوئی، ان کو حضرت نوح علیہ السلام، جو اللہ کی توحید کی طرف اپنی قوم کو دعوت دے رہے تھے، نعوذ باللہ گمراہ نظر آتے تھے۔

تھا جو ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

(۲) حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان دس قرون یا دس پشتوں کا فاصلہ ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے کچھ پہلے تک تمام لوگ اسلام پر قائم چلے آ رہے تھے پھر سب سے پہلے توحید سے انحراف اس طرح آیا کہ اس قوم

فَكَذَّبُوهُ فَأَعْيَيْنَاهُ الْذِّينَ مَعَهُ فِي الْغُلَّتِ وَأَعْرَفْنَا
الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ۝

سو وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوح
(علیہ السلام) کو اور ان کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے
بچالیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو
ہم نے غرق کر دیا۔ بے شک وہ لوگ اندھے ہو رہے
تھے۔^(۱) (۶۴)

وَالَّذِينَ آمَنُوا هُمُ الَّذِينَ يَقُولُ آمَنُوا بِاللَّهِ مَا لَكُم
مِنْ إِلَهِ غَيْرِهِ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ
السلام) کو بھیجا۔^(۲) انہوں نے فرمایا اے میری قوم! تم
اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں،
سو کیا تم نہیں ڈرتے۔ (۶۵)

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرُكَ فِي
سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَذِبِينَ ۝

ان کی قوم میں جو بڑے لوگ کافر تھے انہوں نے کہا ہم تم
کو کم عقلی میں دیکھتے ہیں۔^(۳) اور ہم بے شک تم کو
جھوٹے لوگوں میں سمجھتے ہیں۔ (۶۶)

قَالَ يَقُولُونَ لَيْسَ بِسَفَاهَةٍ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِنْ

انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ میں ذرا بھی کم

کے صالحین فوت ہو گئے تو ان کے عقیدت مندوں نے ان پر سجدہ گاہیں (عبادت خانے) قائم کر دیں اور ان کی تصویریں بھی
وہاں لٹکادیں، مقصد ان کا یہ تھا کہ اس طرح ان کی یاد سے وہ بھی اللہ کا ذکر کریں گے اور ذکر الہی میں ان کی مشابہت اختیار کریں
گے۔ جب کچھ وقت گزرا تو انہوں نے ان تصویروں کے مجسمے بنادیئے اور پھر کچھ اور عرصہ گزرنے کے بعد یہ مجسمے بتوں کی
شکل اختیار کر گئے اور ان کی پوجا پاٹ شروع ہو گئی اور قوم نوح کے یہ صالحین و ذُشُوعِ يَعْقُوبِ، يٰعُوثُ اور نَسْرُ مَعْبُودِينَ
گئے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان میں نبی بنا کر بھیجا جنہوں نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی۔ لیکن
تھوڑے سے لوگوں کے سوا کسی نے آپ کی تبلیغ کا اثر قبول نہیں کیا بلکہ اہل ایمان کے سوا سب کو غرق کر دیا گیا۔ اس آیت
میں بتلایا جا رہا ہے کہ قوم نوح نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ ان ہی میں کا ایک آدمی نبی بن کر آیا جو انہیں اللہ کے عذاب
سے ڈرا رہا ہے؟ یعنی ان کے خیال میں نبوت کے لئے انسان موزوں نہیں۔

(۱) یعنی حق سے حق کو دیکھتے تھے نہ اسے اپنانے کے لئے تیار تھے۔

(۲) یہ قوم عاد، عاد اولیٰ ہے جن کی رہائش یمن میں ریٹکے پہاڑوں میں تھی اور اپنی قوت و طاقت میں بے مثال تھی۔ ان
کی طرف حضرت ہود علیہ السلام جو اسی قوم کے ایک فرد تھے، نبی بن کر آئے۔

(۳) یہ کم عقلی ان کے نزدیک یہ تھی کہ بتوں کو چھوڑ کر جن کی عبادت ان کے آبا و اجداد سے ہوتی آ رہی تھی، الہ
واحد کی عبادت کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔

رَبِّ الْخَلْقِينَ ۝

عقلی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔ (۶۷)

تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا امانتدار خیر خواہ ہوں۔ (۶۸)

اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا ہے کوئی نصیحت کی بات آگئی تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ نے تم کو قوم نوح کے بعد جانچیں بنایا اور ذیل ذول میں تم کو پھیلاؤ زیادہ دیا^(۱) سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم کو فلاح ہو۔ (۶۹)

انہوں نے کہا کہ کیا آپ ہمارے پاس اس واسطے آئے ہیں کہ ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ان کو چھوڑ دیں^(۲) پس ہم کو جس عذاب کی دھمکی دیتے ہو اس کو ہمارے پاس منگوا دو اگر تم سچے ہو۔^(۳) (۷۰)

أَتُفَكِّرُمْ رُسُلِي رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ۝

أَوْ عَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَ تَكْوِيذُكُمْ رَبِّكُمْ عَلَى رَجُلٍ مِنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَأَذْكُرُوا الَّذِي جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِي قَوْمُ نُوحٍ وَرَادَّكُمْ فِي الْخَلْقِ بَعْضُهُمْ ذَاكُرُوا الْآيَةَ اللَّهُ لَعَلَّكُمْ تَتْلَحُون ۝

قَالُوا آجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَلَيْتَ إِيَّانَا عَجِدْتَ نَارًا لَكُنْتَ مِنَ الضَّالِّينَ ۝

(۱) ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت فرمایا ﴿لَتُزِيلَنَّ عَنْهُمْ فِي الْبَلَادِ﴾ (الفجر-۸) ”اس جیسی قوت والی قوم پیدا نہیں کی گئی“ اپنی اسی قوت کے گھمنڈ میں جلا ہو کر اس نے کہا مِّنْ أَشَدِّ مِثْلٍ قُوَّةً ”ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے بہت زیادہ قوت والا ہے“ (م سجدہ-۱۵)

(۲) آباؤ اجداد کی تقلید پروردگار کی بنیاد ری ہے۔ قوم علوانے بھی یہی ”دلیل“ پیش کی اور شرک کو چھوڑ کر توحید کا راستہ اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ بد قسمتی سے مسلمانوں میں بھی اپنے بیوں کی تقلید کی یہ بیماری عام ہے۔

(۳) جس طرح قریش نے بھی رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید کے جواب میں کہا تھا۔ ﴿اللَّهُمَّ إِنَّ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا جُمُوحًا مِنَ السَّمَاءِ أَوْ اسْقِنَا بَعْدَ آبِ الْغَمْرِ﴾ (الأنفال-۳۲) ”اے اللہ! اگر یہ حق ہے تیری طرف سے تو ہم پر آسمان سے پھروں کی بارش برسایا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر بھیج دے“۔ یعنی شرک کرتے کرتے مشرک کی مت بھی ماری جاتی ہے۔ حالانکہ عقل مندی کا تقاضا یہ تھا کہ یہ کہا جاتا یا اللہ اگر یہ سچ ہے اور تیری ہی طرف سے ہے تو ہمیں اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرما۔ بہر حال قوم علوانے اپنے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام سے کہہ دیا کہ اگر تو سچا ہے تو اپنے اللہ سے کہہ جس عذاب سے وہ ڈراتا ہے ”بھیج دے“۔

قَالَ قَدْ وَقَعَتْ عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ رَجْسٌ وَغَضَبٌ
أَتَجَادِلُونِي فِي أَسْمَاءٍ سَيِّئَةٍ مِمَّا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مِمَّا
نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ فَأَنْتُمْ تَنْتَظِرُونَ ①

انہوں نے فرمایا کہ بس اب تم پر اللہ کی طرف سے
عذاب^(۱) اور غضب آیا ہی چاہتا ہے کیا تم مجھ سے ایسے
ناموں کے باب میں جھگڑتے ہو^(۲) جن کو تم نے اور
تمہارے باپ دادوں نے ٹھہرا لیا ہے؟ ان کے معبود
ہونے کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں بھیجی۔ سو تم منتظر ہو
میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ (۷۱)

فَأَجْبَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ
الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ②

غرض ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت
سے بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے
ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے نہ
تھے۔^(۳) (۷۲)

ذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ إِذَا أَقَامُوا الصَّلَاةَ إِذَا خُتِمَتِ
لَهُمُ مِنَ الْوَعْدِ قَدْ جَاءَ ثَلَاثُ بَيِّنَاتٍ مِّنْ رَبِّكُمْ

اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام)
کو بھیجا۔^(۴) انہوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی

(۱) رَجْسُ کے معنی تو پلیدی کے ہیں۔ لیکن یہاں یہ مقلوب (بدلا ہوا) ہے رَحْسُ ہے۔ جس کے معنی عذاب کے ہیں۔ یا
پھر رَجْسُ یہاں ناراضی اور غضب کے معنی میں ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) اس سے مراد وہ نام ہیں جو انہوں نے اپنے معبودوں کے رکھے ہوئے تھے مثلاً صَدَا صُفُوْدُ، حَبَا، وغیرہ جیسے قوم
نوح کے پانچ بت تھے جن کے نام اللہ نے قرآن میں ذکر کئے ہیں جیسے مشرکین عرب کے بتوں کے نام تھے۔ لَآثَ، عَزْزٰی
سَنَآثَ، حَبَلٌ وغیرہ یا جیسے آج کل کے شرکانہ عقائد و اعمال میں طوٹ لوگوں نے نام رکھے ہوئے ہیں۔ مثلاً ”داتا گنج
بخش“ ”خواجہ غریب نواز“ ”بابا فرید شکر گنج“ ”مشکل کش“ وغیرہ جن کے معبود یا مشکل کشا داتا گنج بخش وغیرہ ہونے کی کوئی
دلیل ان لوگوں کے پاس نہیں ہے۔

(۳) اس قوم پر بادئہ کا عذاب آیا جو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل جاری رہا جس نے ہر چیز کو تس تس کر کے
رکھ دیا اور یہ قوم عاد کے لوگ جنہیں اپنی قوت پر بڑا ناز تھا ان کے لاشے کھجور کے کٹے ہوئے تنوں کی طرح زمین پر
پڑے نظر آتے تھے۔ (دیکھئے سورۃ الحاقۃ ۶-۸، سورۃ حمود ۵۳-۵۶، سورۃ احقاف ۲۳-۲۵ وغیرہا من آیات)

(۴) یہ ثمود، حجاز اور شام کے درمیان وادی القرئی میں رہائش پذیر تھے۔ ۹ ہجری میں تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ
ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ان کے مساکن اور وادی سے گزر ہوا جس پر آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا
کہ معذب قوموں کے علاقے سے گزرو تو روتے ہوئے یعنی عذاب الہی سے بچنا مانگتے ہوئے گزرو! صحیح بخاری
کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی مواضع الخسف صحیح مسلم کتاب الرہد باب لا تدحدوا مساکن

هَذِهِ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةٌ فَذُرُّوْهَا تَاْكُلْ فِيْ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمْسُوْهَا سِتْوَةً فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ الْاَلِيْمِ ۝

عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی ہے۔ یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اسکو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کہ کہیں تم کو دردناک عذاب آپکڑے۔ (۷۳)

وَ اذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَ بَوَّأَكُمْ فِي الْاَرْضِ ثَمَنِيْذُوْنَ مِنْ سُهْلٍ لَهَا فُصُوْرًا وَ تَنْجِيْثُوْنَ الْجِبَالِ يَنْوِيْنًا فَاذْكُرُوْا الْاٰلَةَ اللّٰهِ وَلَا تَعْتُوْا فِي الْاَرْضِ مُغَيْبِيْنَ ۝

اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا اور تم کو زمین پر رہنے کا ٹھکانا دیا کہ نرم زمین پر محل بناتے ہو^(۱) اور پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں گھر بناتے ہو^(۲) سو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔^(۳) (۷۴)

قَالَ الْمَلَا الْاٰلِيْنَ اَسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهِ يٰ لَيْدِيْنَ اَسْتَظِيْعُوْا لِيْنَ اَمِنْ مِنْهُمْ اَقْعَلَمُوْنَ اِنْ ضِيْعًا فُرْسَلٌ مِنْ رَبِّهِ قَالُوْا اِنَّا بِنَا اَرْسِلَ يٰه

ان کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انہوں نے غریب لوگوں سے جو کہ ان میں سے ایمان لے آئے تھے پوچھا کیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ صالح (علیہ السلام) اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ

الديس ظلموا انفسهم الا ان تكسوا باكين، ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے۔ یہ عاد کے بعد کا واقعہ ہے۔ انہوں نے اپنے پیغمبر سے مطالبہ کیا کہ پتھر کی چٹان سے ایک اونٹنی نکال کر دکھا جسے ہم نکلتے ہوئے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے عہد لیا کہ اس کے بعد بھی اگر ایمان نہ لائے تو وہ ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبے پر اونٹنی ظاہر فرمادی۔ اس اونٹنی کی بہت انہیں تاکید کر دی گئی کہ اسی بری نیت سے کوئی شخص ہاتھ نہ لگائے ورنہ عذاب الہی کی گرفت میں آجاؤ گے۔ لیکن ان ظالموں نے اس اونٹنی کو بھی قتل کر ڈالا جس کے تین دن بعد انہیں چنگھاڑا صَبْحَةً سخت چیخ اور رَجْفَةً زلزلہ کے عذاب سے ہدک کر دیا گیا جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔

(۱) اس کا مطلب ہے کہ نرم زمین سے مٹی لے لے کر اینٹیں تیار کرتے ہو اور ان اینٹوں سے محل جیسے آج بھی بھٹوں پر اسی طرح مٹی سے اینٹیں تیار کی جاتی ہیں۔

(۲) یہ ان کی قوت صلابت بدن اور مہارت فن کا اظہار ہے۔

(۳) یعنی ان نعمتوں پر اللہ کا شکر کرو اور اس کی اطاعت کا راستہ اختیار کرو نہ کہ کفران نعمت اور معصیت کا ارتکاب کر کے فساد پھیلاؤ۔

مُؤْمِنُونَ ۝

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِينَ آمَنُوا كَافِرُونَ ۝

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَسْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا
يُضِلُّهُمْ أَصْحَابُنَا وَمَا تَفْعِلُنَّ إِن كُنتَ مِنَ
الْمُوسِلِينَ ۝

فَأَحَدَتْهُمْ الرِّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَمِيعِينَ ۝

فَقَوْلَ عَنْهُمْ وَقَالَ يَاقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَحْتُكُمْ رَسُولَ رَبِّ
وَلَقَدْ صَعْتُ لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُؤْمِنُونَ بِالْمُحْصِنِينَ ۝

وَلَوْ ظَنَرْتُمْ أَنَّ لِقَوْمَكُمُ الْفَاحِشَةَ مَا نَبَتْكُمْ
بِهِمْ مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝

بے شک ہم تو اس پر پورا یقین رکھتے ہیں جو ان کو دے
کر بھیجا گیا ہے۔^(۷) (۷۵)

وہ تکبر لوگ کہنے لگے کہ تم جس بات پر یقین لائے
ہوئے ہو ہم تو اس کے منکر ہیں۔^(۸) (۷۶)

پس انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار
کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح! جس
کی آپ ہم کو دھمکی دیتے تھے اس کو منگوائیے اگر آپ
پیغمبر ہیں۔ (۷۷)

پس ان کو زلزلہ نے آکھڑا^(۹) اور وہ اپنے گھروں میں
اونڈھے کے اونڈھے پڑے رہ گئے۔ (۷۸)

اس وقت (صالح علیہ السلام) ان سے منہ موڑ کر چلے اور
فرمانے لگے کہ اے میری قوم! میں نے تو تم کو اپنے
پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی
لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔ (۷۹)

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو بھیجا^(۱۰) جبکہ انہوں نے اپنی
قوم سے فرمایا کہ تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے
کسی نے دنیا جہان والوں میں سے نہیں کیا۔ (۸۰)

(۱) یعنی جو دعوت توحید وہ لے کر آئے ہیں وہ چونکہ فطرت کی آواز ہے ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ باقی رہی یہ
بات کہ صالح واقعی اللہ کے رسول ہیں؟ جو ان کا سوال تھا اس سے ان اہل ایمان نے تعرض ہی نہیں کیا۔ کیونکہ ان کے
رسول من اللہ ہونے کو وہ بحث کے قائل ہی نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک ان کی رسالت ایک مسلسلہ حقیقت
و صداقت تھی۔ جیسا کہ فی الواقع تھی۔

(۲) اس معقول جواب کے باوجود وہ اپنے اےکبار اور انکار پر اڑے رہے۔

(۳) یہاں زحفت (زلزلے) کا ذکر ہے۔ دوسرے مقام پر صَنِيعَةٌ (چیخ) کا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں قسم کا
عذاب ان پر آیا۔ اوپر سے سخت چیخ اور نیچے سے زلزلہ۔ ان دونوں عذابوں نے انہیں قس قس کر کے رکھ دیا۔

(۴) یہ یا تو ہلاکت سے قبل کا خطاب ہے یا پھر ہلاکت کے بعد اسی طرح کا خطاب ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے
جنگ بدر ختم ہونے کے بعد قلیب بدر میں مشرکین کی لاشوں سے خطاب فرمایا تھا۔

(۵) حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والوں

إِنَّمَا لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ ۝
بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّشْرِقُونَ ۝

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ
مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ۝

تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو^(۱) عورتوں کو
چھوڑ کر،^(۲) بلکہ تم تو حدیسی سے گزر گئے ہو^(۳) (۸۱)
اور ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا، بجز اس کے کہ
آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال
دو۔ یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔^(۴) (۸۲)

میں سے تھے پھر خود ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک علاقے میں نبی بنا کر بھیجا۔ یہ علاقہ اردن اور بیت المقدس کے درمیان
تھا جسے سدوم کہا جاتا ہے۔ یہ زمین سرسبز و شاداب تھی اور یہاں ہر طرح کے غلے اور پھوس کی کثرت تھی۔ قرآن نے
اس جگہ کو مِثْرَیْنِکَ یا مِثْرَیْنِکَ کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے غالباً سب سے پہلے یہ دعوت
توحید کے ساتھ ہی (جو ہر نبی کی بنیادی دعوت تھی اور سب سے پہلے وہ اسی کی دعوت اپنی قوم کو دیتے تھے۔ جیسا کہ
پچھلے نبیوں کے حالات میں جن کا ذکر ابھی گذرا ہے) دیکھا جاسکتا ہے۔) جو دو سری بڑی خرابی مردوں سے ساتھ بد فعلی
قوم لوط میں تھی اس کی شاعت و قباحت بیان فرمائی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جسے دنیا میں
سب سے پہلے اسی قوم لوط نے کیا اس گناہ کا نام ہی لواطت پڑ گیا۔ اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ پہلے قوم کو اس جرم کی
خطرناکی سے آگاہ کیا جائے۔ علاوہ ازیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے دعوت توحید بھی یہاں پہنچ چکی ہو گی۔
لواطت کی سزا میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک اس کی وہی سزا ہے جو زنا کی ہے یعنی مجرم اگر
شادی شدہ ہو تو رجم، غیر شادی شدہ ہو تو سو کوڑے۔ بعض کے نزدیک اس کی سزا ہی رجم ہے چاہے مجرم کیسا بھی ہو
اور بعض کے نزدیک فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر دینا چاہئے۔ البتہ امام ابو حنیفہ صرف تعزیری سزا کے قائل ہیں
حد کے نہیں (محلفۃ الاحوذی جلد ۵ ص ۱۷۷)

(۱) یعنی مردوں کے پاس تم اس بے حیائی کے کام کے لئے محض شہوت رانی کی غرض سے آتے ہو اس کے علاوہ تمہاری
اور کوئی غرض ایسی نہیں ہوتی جو موافق عقل ہو۔ اس لحاظ سے وہ بالکل بہائم کی طرح تھے جو محض شہوت رانی کے لئے
ایک دوسرے پر چڑھتے ہیں۔

(۲) جو قضائے شہوت کا اصل محل اور حصول لذت کی اصل جگہ ہے۔ یہ ان کی فطرت کے مسخ ہونے کی طرف اشارہ
ہے، یعنی اللہ نے مرد کی جنسی لذت کی تسکین کے لئے عورت کی شرم گاہ کو اس کا محل اور موضع بنایا ہے اور ان خالموں
نے اس سے تجاوز کر کے مرد کی دیر کو اس کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

(۳) لیکن اب اسی فطرت صحیحہ سے انحراف اور حدودِ الٰہی سے تجاوز کو مغرب کی ”مذہب“ قوموں نے اختیار کر لیا ہے
تو یہ انسانوں کا ”بنیادی حق“ قرار پایا ہے جس سے روکنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ اب وہاں لواطت کو
قانونی تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔ اور یہ سرے سے جرم ہی نہیں رہا۔ فَإِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ

(۴) یہ حضرت لوط کو بستی سے نکالنے کی علت ہے۔ باقی ان کی پاکیزگی کا اظہار یا تو حقیقت کے طور پر ہے اور مقصد ان

فَأَعْيَبْنَاهُ وَأَهْلَلْنَا أَسْرَاتَهُ كَانَتْ
مِنَ الْغَافِلِينَ ۝

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا قَاتِلًا كَيْفَ كَانَ عَذَابُهُ
الْمُتَوَكِّلِينَ ۝

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ أَهْلِ شُعَيْبٍ قَالُوا يَقُومُوا لِعِبَادَةِ اللَّهِ
مَا لَكُمْ كُفْرًا بِاللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ تَكْفُرُ بَيْنَهُ مِنْ
رَبِّكُمْ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْهَيْزَانَ وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ
أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا

سو ہم نے لوط (علیہ السلام) کو اور ان کے گھروالوں کو بچا
لیا۔ بجز ان کی بیوی کے کہ وہ ان ہی لوگوں میں رہی جو
عذاب میں رہ گئے تھے۔ (۸۳)

اور ہم نے ان پر خاص طرح کا مینہ (۳) برسایا پس دیکھو تو
سہی ان مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟ (۸۴)

اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ
السلام) کو بھیجا۔ (۳) انہوں نے فرمایا اے میری قوم اتم اللہ
کی عبادت کرو اسکے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، تمہارے
پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آپکی
ہے۔ پس تم ناپ اور تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان

کا یہ ہوا کہ یہ لوگ اس برائی سے بچنا چاہتے ہیں، اس لئے ہنتر ہے کہ یہ ہمارے ساتھ ہماری ہستی ہی میں نہ رہیں یا استغرا
اور حسمفر کے طور پر انہوں نے ایسا کیا۔

(۱) إِنَّهَا كَانَتْ مِنَ الْبَاقِينَ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ یعنی وہ ان لوگوں میں باقی رہ گئی جن پر اللہ کا عذاب آیا۔ کیونکہ وہ بھی
مسلمان نہیں تھی اور اس کی ہمدردیاں بھی مجرمین کے ساتھ تھیں بعض نے اس کا ترجمہ ”ہلاک ہونے والوں میں سے“
کیا ہے۔ لیکن یہ لازمی معنی ہیں، اصل معنی وہی ہیں۔

(۲) یہ خاص طرح کا مینہ کیا تھا؟ پتھروں کا مینہ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارًا فَتَوَسَّخُوا﴾
﴿تَفْضُؤُونَ﴾ (حدود-۸۴) ”ہم نے ان پر تہ بہ تہ پتھروں کی بارش برسائی“ اس سے پہلے فرمایا ﴿جَعَلْنَا عَلَيْهِمْ سَائِلَةً﴾
”ہم نے اس ہستی کو الٹ کر نیچے اوپر کر دیا“۔

(۳) یعنی اسے محمد (ﷺ) اذیکھئے تو سہی، جو لوگ علانیہ اللہ کی معاصی کا ارتکاب اور پیغمبروں کی تکذیب کرتے ہیں، ان
کا انجام کیا ہوتا ہے؟

(۴) مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے یا پوتے کا نام تھا، پھر انہی کی نسل پر بنی قبیلے کا نام بھی مدین اور جس ہستی
میں یہ رہائش پذیر تھے، اس کا نام بھی مدین پڑ گیا۔ یوں اس کا اطلاق قبیلے اور ہستی دونوں پر ہوتا ہے۔ یہ ہستی حجاز کے
راستے میں ”معان“ کے قریب ہے۔ انہی کو قرآن میں دوسرے مقام پر أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ (بن کے رہنے والے) بھی
کہا گیا ہے۔ ان کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے۔ (دیکھئے الشعراء ۶۷ کا حاشیہ)

طحاوی: ہر نبی کو اس قوم کا بھائی کہا گیا ہے، جس کا مطلب اسی قوم اور قبیلے کا فرد ہے، جس کو بعض جگہ دَسُّوْا مِنْهُمْ یَا مَنِ
أَنْفُسِهِمْ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور مطلب ان سب کا یہ ہے کہ رسول اور نبی انسانوں میں سے ہی ایک انسان ہوتا ہے جسے
اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لئے جن لیتا ہے اور وحی کے ذریعے سے اس پر اپنی کتاب اور احکام نازل فرماتا ہے۔

ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

کی چیزیں کم کر کے مت^(۱) دو اور روئے زمین میں اس کے بعد کہ اسکی درستی کر دی گئی 'فساد مت پھیلاؤ' یہ تمہارے لئے نافع ہے اگر تم تصدیق کرو۔ (۸۵)

اور تم سڑکوں پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان لانے والے کو دھمکیاں دو اور اللہ کی راہ سے روکو اور اس میں کجی کی تلاش میں لگے رہو۔^(۲) اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم کم تھے پھر اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا اور دیکھو کہ کیسا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا۔ (۸۶)

اور اگر تم میں سے کچھ لوگ اس حکم پر جس کو دے کر مجھ کو بھیجا گیا ایمان لے آئے ہیں اور کچھ ایمان نہیں لائے ہیں تو ذرا ٹھہر جاؤ ایہاں تک کہ ہمارے درمیان اللہ فیصلہ کئے دیتا ہے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے^(۳)۔ (۸۷)

وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنِ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا حِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا فَكَفَّرْكُمْ وَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝

وَأَن كَانَ ظَلُوفُهُ مَنُكَّرًا مَّنُوعًا يَأْتِيهِ الرِّسَالَتُ بِهِ وَظُلُوفُهُ مُؤَمِّنًا وَاقْصِرُوا حَتَّىٰ يَخُصَّكُمْ اللَّهُ تَيْمَنًا وَهُوَ خَيْرُ الْخُكْمِينَ ۝

(۱) دعوت توحید کے بعد اس قوم میں ناپ تول میں کمی کی جو بڑی خرابی تھی اس سے اسے منع فرمایا اور پورا پورا ناپ اور تول کر دینے کی تلقین کی۔ یہ کوتاہی بھی بہت خطرناک ہے جس سے اس قوم کی اخلاقی پستی اور گمراہی کا پتہ چلتا ہے جس کے اندر یہ ہو۔ یہ بدترین خیانت ہے کہ پیسے پورے لئے جائیں اور چیز کم دی جائے۔ اسی لئے سورہ مطففین میں ایسے لوگوں کی ہلاکت کی خبر دی گئی ہے۔

(۲) اللہ کے راستے سے روکنے کے لئے اللہ کے راستے میں کبھی تلاش کرنا۔ یہ ہر دور کے نافرمانوں کا محبوب مشغلہ رہا ہے جس کے نمونے آج کل کے متجددین اور فرنگیت زہد وگوں میں بھی نظر آتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ عدوہ ازیں راستے میں بیٹھنے کے اور بھی کئی مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً لوگوں کو ستانے کے لئے بیٹھنا جیسے عام طور پر اوباش قسم کے لوگوں کا شیوہ ہے۔ یا حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف جانے والے راستوں میں بیٹھنا کہ ان کے پاس جانے والوں کو روکیں اور ان سے انہیں بدعنوان کریں جیسے قریش مکہ کرتے تھے یا دین کے راستوں پر بیٹھنا اور اس راہ پر چنے والوں کو روکنا۔ یوں لوٹ مار کی غرض سے ناکوں پر بیٹھنا تاکہ آنے جانے والوں کا مال سب کر لیں۔ یا بعض کے نزدیک محصول اور چٹائی وصول کرنے کے لئے ان کا راستوں پر بیٹھنا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ سارے ہی مفہوم صحیح ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ یہ سب ہی کچھ کرتے ہوں (فتح القدیر)۔

(۳) کفر پر صبر کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ اسکے لئے تمہید اور سخت وعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اہل حق کا اہل باطل پر فتح و غلبہ ہی ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿فَلْيَصْطَرِبُوا إِنَّا مَعَهُمْ مُّذُنْصُونَ﴾ (النورہ- ۱۵۲)

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ
يَشْعَبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن قَوْمِنَا أَولَئِكَ نَعُودُنَّ فِي يَمِينِنَا
قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كُوهِينَ ۝

ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب! ہم
آپ کو اور جو آپ کے ہمراہ ایمان والے ہیں ان کو اپنی
بستی سے نکال دیں گے الا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں پھر
آ جاؤ۔ ^(۱) شعیب (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ کیا ہم
تمہارے مذہب میں آ جائیں گو ہم اس کو مکروہ ہی سمجھتے
ہوں۔ ^(۲) (۸۸)

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِن عُدْنَا فِي مِلْكِكُمْ بَعْدَ إِذْ جَعَلْنَا
اللَّهُ مِنهَا وَمَا يَكُونُ لَنَا أَن نَّعُودَ فِيهَا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا
وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا إِنَّمَا نَقْنَطُ مِنَّا
وَبَيْنَ قَوْمِنَا يَانِثِقُ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ۝

ہم تو اللہ تعالیٰ پر بڑی جھوٹی تسمت لگانے والے ہو
جائیں گے اگر ہم تمہارے دین میں آ جائیں اس کے
بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے نجات دی ^(۳) اور ہم
سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں پھر آ جائیں
لیکن ہاں یہ کہ اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے مقدر کیا
ہو۔ ^(۴) ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے، ہم اللہ ہی پر

(۱) ان سرداروں کے تکبر اور سرکشی کا اندازہ کیجئے کہ انہوں نے ایمان و توحید کی دعوت کو ہی رد نہیں کیا بلکہ اس سے
بھی تجاوز کر کے اللہ کے پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والوں کو دھمکی دی کہ یا تو اپنے آبائی مذہب پر واپس آ جاؤ، نہیں تو
ہم تمہیں یہاں سے نکال دیں گے۔ اہل ایمان کے اپنے سابق مذہب کی طرف واپسی کی بات تو قابل فہم ہے، کیونکہ
انہوں نے کفر چھوڑ کر ایمان اختیار کیا تھا۔ لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی ملت آبائی کی طرف لوٹنے کی دعوت اس
حافظ سے تھی کہ وہ انہیں بھی نبوت اور تبلیغ و دعوت سے پہلے اپنا مذہب ہی سمجھتے تھے، گو حقیقتاً ایسا نہ ہو۔ یا بطور
تخلیص انہیں بھی شامل کر لیا ہو۔

(۲) یہ سوال مقدر کا جواب ہے اور ہمزہ انکار کے لیے اور واو حالہ ہے۔ یعنی کیا تم ہمیں اپنے مذہب کی طرف لوٹاؤ گے
یا ہمیں اپنے بستی سے نکال دو گے در آں حالیکہ ہم اس مذہب کی طرف لوٹنا اور اس بستی سے نکلنا پسند نہ کرتے ہوں؟
مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ تم ہمیں ان میں سے کسی ایک بات کے اختیار کرنے پر مجبور
کرو۔

(۳) یعنی اگر ہم دوبارہ اس دین آبائی کی طرف لوٹ آئے، جس سے اللہ نے ہمیں نجات دی، تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ
ہم نے ایمان و توحید کی دعوت سے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا؟ مطلب یہ تھا کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ہماری طرف سے
ایسا ہو۔

(۴) اپنا عزم ظاہر کرنے کے بعد معاملہ اللہ کی مشیت کے سپرد کر دیا۔ یعنی ہم تو اپنی رضا مندی سے اب کفر کی طرف

بھروسہ رکھتے ہیں۔^(۱) اے ہمارے پروردگار! ہمارے
اور ہماری قوم کے درمیان حق کے موافق فیصلہ کر دے
اور تو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔^(۲) (۸۹)
اور ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم شعیب
(علیہ السلام) کی راہ پر چلو گے تو بے شک بڑا نقصان اٹھو
گے۔^(۳) (۹۰)

پس ان کو زلزلے نے آ پکڑا سو وہ اپنے گھروں میں
اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔^(۴) (۹۱)
جنہوں نے شعیب (علیہ السلام) کی تکذیب کی تھی
ان کی یہ حالت ہو گئی جیسے ان گھروں میں کبھی ہے ہی

وَقَالَ لَمَلَأَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِيَنِ أَبْنَعَمُ شُعَيْبًا
إِنَّمَا إِذَا الْخَبَرُونَ ①

فَاتَّخَذَتْهُمْ رَجْفَةٌ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جُثَيِّثٌ ②

الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا لَمَعْنًا ③

نہیں لوٹ سکتے۔ ہاں اگر اللہ چاہے تو بات اور ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ﴿حَتَّىٰ يَلِيَّهَ أَجْمَعُونَ فِي سَبْعَةِ آفَافٍ﴾ کی طرح
تعلیق بالحوال ہے۔

(۱) کہ وہ ہمیں ایمان پر ثابت رکھے گا اور ہمارے اور کفر و اہل کفر کے درمیان حائل رہے گا، ہم پر اپنی نعمت کا اترام
فرمائے گا اور اپنے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

(۲) اور اللہ جب فیصلہ کر لیتا ہے تو وہ یہی ہوتا ہے کہ اہل ایمان کو بچا کر مکہ بین اور مشکبرین کو ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ گویا
عذاب الہی کے نزول کا مطالبہ ہے۔

(۳) اپنے آہالیٰ مذہب کو چھوڑنا اور تاپ تول میں کمی نہ کرنا، یہ ان کے نزدیک خسارے والی بات تھی درآں حایکہ ان
دونوں باتوں میں ان ہی کا فائدہ تھا۔ لیکن دنیا والوں کی نظر میں تو نفع عاجل (دنیا میں فوراً حاصل ہو جانے والا نفع) ہی سب
کچھ ہوتا ہے جو تاپ تول میں ڈنڈی مار کر انہیں حاصل ہو رہا تھا، وہ اہل ایمان کی طرح آخرت کے نفع آجل (دیر میں
ملنے والے نفع) کے لیے اسے کیوں چھوڑتے؟۔

(۴) یہاں رَجْفَةٌ (زلزلہ) کا لفظ آیا ہے اور سورہ ہود آیت ۹۴ میں صَبِيحَةٌ (صبح) کا لفظ ہے اور سورہ شعراء۔ ۱۸۹ میں
طَلَّةٌ (بادل کا سایہ) کے الفاظ ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ عذاب میں ساری ہی چیزوں کا اجتماع ہوا۔ یعنی سائے والے
دن ان پر عذاب آیا۔ پہلے بادل نے ان پر سایہ کیا جس میں شعلے چنگاریاں اور آگ کے بھسمو کے تھے، پھر آسمان سے
سخت چیخ آئی اور زمین سے بھونچال، جس سے ان کی رو میں پرواز کر گئیں اور بے جان لاشے ہو کر پرندوں کی طرح
گتھنوں میں منہ دے کر اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔

شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْغَافِرِينَ ﴿٩٢﴾

مَتَوَلَّ عَنْهُمْ وَقَالَ يَ قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَتِي رَبِّي
وَتَصَدَّقْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ آسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿٩٣﴾

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْأَسَاءِ
وَالْفَقَرَاءِ لَعَلَّهُمْ يَضُرَّعُونَ ﴿٩٤﴾

لَقَدْ بَدَّلْنَا مَكْثَانَ الشَّيْءِ الْمُحْسَنِ حَتَّىٰ عَفَا وَقَالُوا قَدْ مَسَّ
آبَاءَنَا الْقَارِعُ وَالشَّرَّاءُ فَأَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩٥﴾

نہ تھے۔^(۱) جنہوں نے شعیب (علیہ السلام) کی تکذیب کی
تھی وہی خسارے میں پڑ گئے۔^(۲) (۹۲)

اس وقت شعیب (علیہ السلام) ان سے منہ موڑ کر چلے
اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم! میں نے تم کو اپنے
پروردگار کے احکام پہنچا دیئے تھے اور میں نے
تمہاری خیر خواہی کی۔ پھر میں ان کافر لوگوں پر کیوں
رنج کروں۔^(۳) (۹۳)

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ وہاں کے
رہنے والوں کو ہم نے سختی اور تکلیف میں نہ پکڑا ہو تاکہ
وہ گزر گزائیں۔^(۴) (۹۴)

پھر ہم نے اس بد حال کی جگہ خوش حالی بدل دی یہاں
تک کہ ان کو خوب ترقی ہوئی اور کہنے لگے کہ ہمارے آبا
واجداد کو بھی تنگی اور راحت پیش آئی تھی تو ہم نے ان
کو دفعۃً پکڑ لیا^(۵) اور ان کو خبر بھی نہ تھی۔ (۹۵)

(۱) یعنی جس بستی سے یہ اللہ کے رسول اور ان کے پیروکاروں کو نکالنے پر تلے ہوئے تھے اللہ کی طرف سے عذاب
نازل ہونے کے بعد ایسے ہو گئے جیسے وہ یہاں رہتے ہی نہ تھے۔

(۲) یعنی خسارے میں وہی لوگ رہے جنہوں نے پیغمبر کی تکذیب کی نہ کہ پیغمبر اور ان پر ایمان لانے والے۔ اور خسارہ
بھی دونوں جہانوں میں۔ دنیا میں بھی ذلت کا عذاب چکھا اور آخرت میں اس سے کہیں زیادہ عذاب شدید ان کے لیے
تیار ہے۔

(۳) عذاب و تباہی کے بعد جب وہ وہاں سے چلے تو انہوں نے وفور جذبات میں یہ باتیں کہیں۔ اور ساتھ ہی کہا کہ
جب میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا اور اللہ کا پیغام ان تک پہنچا دیا تو اب میں ایسے لوگوں پر افسوس کروں تو کیوں کروں؟ جو
اس کے باوجود اپنے کفر اور شرک پر ڈلے رہے۔

(۴) بِنَاسَاءٍ وہ تکلیفیں جو انسان کے بدن کو لاحق ہوں یعنی بیماری اور صرّاء سے مراد فقر و تنگ دستی۔ مطلب یہ ہے کہ
جس کسی بستی میں بھی ہم نے رسول بھیجا انہوں نے اس کی تکذیب کی جس کی پاداش میں ہم نے ان کو بیماری اور محتاجی
میں مبتلا کر دیا جس سے مقصد یہ تھا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں اور اس کی بارگاہ میں گزر گزائیں۔

(۵) یعنی فقر و بیماری کے ابتلا سے بھی جب ان کے اندر رجوع الی اللہ کا داعیہ پیدا نہیں ہوا تو ہم نے ان کی تنگ دستی کو
خوش حالی سے اور بیماری کو صحت و عافیت سے بدل دیا تاکہ وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ لیکن اس انقلاب حال سے بھی

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ
مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم
بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۹﴾

أَفَأَمِّنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيِّنًا وَهُمْ
تَآبِتُونَ ﴿۱۰﴾

أَوَآمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى
وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿۱۱﴾

أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ
الْغَافِرُونَ ﴿۱۲﴾

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور
پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی
برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے
ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔ (۹۶)

کیا پھر بھی ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے
فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب شب کے وقت آ
پڑے جس وقت وہ سوتے ہوں۔ (۹۷)

اور کیا ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر
ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آپڑے جس
وقت کہ وہ اپنے کھیلوں میں مشغول ہوں۔ (۹۸)

کیا یہ وہ اللہ کی اس پکڑ سے بے فکر ہو گئے۔ سو اللہ کی
پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت ہی آگئی ہو اور کوئی
بے فکر نہیں ہو گا۔^(۱۱) (۹۹)

ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی اور انہوں نے کہا کہ یہ تو ہمیشہ سے ہی ہوتا چلا آ رہا ہے کہ کبھی تنگی آگئی کبھی خوش حالی
آگئی، کبھی بیماری تو کبھی صحت، کبھی فقری تو کبھی امیری۔ یعنی تنگ دستی کا پہلا علاج ان کے لیے موثر ثابت ہوا، نہ خوش
حالی، ان کے اصلاح احوال کے لیے کارگر ثابت ہوئی۔ وہ اسے لیل و نہار کی گردش ہی سمجھتے رہے اور اس کے پیچھے کار
فرما قدرت الہی اور اس کے ارادہ کو سمجھنے میں ناکام رہے تو ہم نے پھر انہیں اچانک اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا۔
اسی لیے حدیث میں مومنوں کا معاملہ اس کے برعکس بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ وہ آرام و راحت ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرتے
ہیں اور تکلیف پہنچنے پر صبر سے کام لیتے ہیں، یوں دونوں ہی حالتیں ان کے لیے خیر اور اجر کا باعث ہوتی ہیں۔ (اصحیح
مسلم۔ کتاب الزہد باب المؤمن أمره كله خيرا)

(۱) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ بیان فرمایا ہے کہ ایمان و تقویٰ ایسی چیز ہے کہ جس بستی کے لوگ اسے اپنا پس تو
ان پر اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے یعنی حسب ضرورت انہیں آسمان سے بارش مہیا
فرماتا ہے اور زمین اس سے سیراب ہو کر خوب پیداوار دیتی ہے۔ نتیجتاً خوش حالی و فراوانی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔
لیکن اس کے برعکس تکذیب اور کفر کا راستہ اختیار کرنے پر قومیں اللہ کے عذاب کی مستحق ٹھہر جاتی ہیں، پھر پتہ نہیں
ہو تا کہ شب و روز کی کس گھڑی میں عذاب آجائے اور ہنسی کھینچی بستیوں کو آن واحد میں کھنڈر بنا کر رکھ دے۔ اس
لیے اللہ کی ان تدبیروں سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔ اس بے خوفی کا نتیجہ سوائے خسارے کے اور کچھ نہیں۔ متنبہ
کے مفہوم کی وضاحت کے لیے دیکھیے سورہ آل عمران آیت ۵۴ کا حاشیہ۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرْتَوُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أُمَّهَاتِهِمْ
أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ بِذُرِّيَّتِهِمْ وَنُطْقِهِمْ عَلَى قُلُوبِهِمْ
فَلَمْ يَلْمَعُونَ ۝

اور کیا ان لوگوں کو جو زمین کے وارث ہوئے وہاں کے
لوگوں کی ہلاکت کے بعد (ان واقعات مذکورہ نے) یہ بات
نہیں بتلائی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے جرائم کے سبب ان
کو ہلاک کر ڈالیں اور ہم ان کے دلوں پر بند لگا دیں، پس
وہ نہ سن سکیں۔^(۱) (۱۰۰)

بَلْكَ الْقَرْيَ تَفْعَلْ عَلَيْكَ مِنْ أُمَّهَاتِهِمْ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ
كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ۝

ان بستیوں کے کچھ کچھ قصے ہم آپ سے بیان کر رہے
ہیں اور ان سب کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے کر
آئے،^(۲) پھر جس چیز کو انہوں نے ابتدا میں جھوٹا کہہ دیا
یہ بات نہ ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے،^(۳) اللہ تعالیٰ اسی
طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتا ہے۔ (۱۰۱)

(۱) یعنی گناہوں کے نتیجے میں عذاب ہی نہیں آتا، دلوں پر بھی قفل لگ جاتے ہیں، پھر بڑے بڑے عذاب بھی انہیں
خواب غفلت سے بیدار نہیں کر پاتے۔ دیگر بعض مقالات کی طرح یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ بیان فرمایا ہے کہ
جس طرح گزشتہ قوموں کو ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کیا، ہم چاہیں تو تمہیں بھی تمہارے کرتوتوں کی وجہ
سے ہلاک کر دیں اور دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ مسلسل گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دی
جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق کی آواز کے لیے ان کے کان بند ہو جاتے ہیں۔ پھر انذار اور وعظ و نصیحت ان
کے لئے بیکار ہو جاتے ہیں۔ آیت میں ہدایت تبيين (وضاحت) کے معنی میں ہے، اسی لئے لام کے ساتھ متعدی ہے۔
أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ یعنی کیا ان پر یہ بات واضح نہیں ہوئی۔

(۲) جس طرح گزشتہ صفحات میں چند انبیاء کا ذکر گزرا۔ بَيِّنَات سے مراد دلائل و براہین اور معجزات دونوں ہیں۔ مقصد
یہ ہے کہ رسولوں کے ذریعے سے جب تک ہم نے حجت تمام نہیں کر دی، ہم نے انہیں ہلاک نہیں کیا۔ کیونکہ ﴿وَمَا كُنَّا
مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ اسی اسرائیل ۱۵ ”جب تک ہم رسول نہیں بھیج دیتے۔ عذاب نازل نہیں کرتے۔“

(۳) اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ یوم میثاق کو جب ان سے عہد لیا گیا تھا تو یہ اللہ کے علم میں ایمان لانے والے نہ
تھے، اس لیے جب ان کے پاس رسول آئے تو اللہ کے علم کے مطابق ایمان نہیں لائے۔ کیونکہ ان کی تقدیر میں ہی ایمان
نہیں تھا جسے اللہ نے اپنے علم کے مطابق لکھ دیا تھا۔ جس کو حدیث میں فُكِّلُ مُبْتَلًى لِمَا خُلِقَ لَهُ (اصحیح بخاری)
تفسیر سورۃ العنکبوت سے تعبیر کیا گیا ہے دو سرا مفہوم یہ ہے کہ جب پیغمبران کے پاس آئے تو وہ اس وجہ سے ان پر
ایمان نہیں لائے کہ وہ اس سے قبل حق کی تکذیب کر چکے تھے۔ گویا ابتداءً جس چیز کی وہ تکذیب کر چکے تھے، یہی گناہ
ان کے عدم ایمان کا سبب بن گیا اور ایمان لانے کی توفیق ان سے سلب کر لی گئی، اسی کو اگلے جیسے میں مرہانے سے تعبیر
کیا گیا ہے۔ ﴿وَمَا يَشْعُرُونَ أَتَىٰ لَهُمْ أَهْلُهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ * وَتَقَرَّبَ أَقْبَدُ نَعْمَةً وَأَهْلًا لَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ ﴿

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ وَإِنْ وَجَدْنَا
الْأَكْثَرَهُمْ لَفِي ضَلَالٍ عَظِيمٍ ۝

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَلَكَرِهَ
قَطْلَهُمْ إِنَّهَا قَانِظَةٌ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝

وَقَالَ مُوسَىٰ يُعْرَضُونَ عَلَيْكَ رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى الْمُلُوكِ إِلَّا الْحَقَّ قَدْ جُنِئْتُمُ بِهِمْ
مِنْ رَبِّكُمْ فَاتَّبِعْ مَعِيَ إِنِّي أَنَا رَسُولُكَ ۝

اور اکثر لوگوں میں ہم نے وقائے عہد نہ دیکھا ^(۱) اور ہم
نے اکثر لوگوں کو بے حکم ہی پایا۔ (۱۰۲)

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنے دلائل
دے کر فرعون اور اس کے امرا کے پاس بھیجا، ^(۲) مگر ان
لوگوں نے ان کا بالکل حق ادا نہ کیا۔ سو دیکھئے ان
مفسدوں کا کیا انجام ہوا؟ ^(۳) (۱۰۳)

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے فرعون! میں
رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں۔ (۱۰۴)

میرے لئے یہی شایان ہے کہ مجھ کو اللہ کی طرف
کوئی بات منسوب نہ کروں، میں تمہارے پاس تمہارے
رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل بھی لایا ہوں، ^(۴) سو تو
بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔ ^(۵) (۱۰۵)

(الانعام ۱۰۱-۱۰۵) ”اور جیسے کیا معلوم ہے یہ تو ایسے (بد بخت) ہیں کہ ان کے پاس نشانیاں بھی آجائیں تب بھی ایمان نہ لائیں
اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ
لائیں گے)۔“

(۱) اس سے بعض نے عہد الست، جو عالم ارواح میں لیا گیا تھا، بعض نے عذاب ٹالنے کے لیے پیغمبروں سے جو عہد
کرتے تھے، وہ عہد اور بعض نے عام عہد مراد لیا ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے کرتے تھے۔ اور یہ عہد شکنی، چاہے
وہ کسی بھی قسم کی ہو، فسق ہی ہے۔

(۲) یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر شروع ہو رہا ہے جو مذکورہ انبیاء کے بعد آئے جو جیل القدر پیغمبر تھے،
جنہیں فرعون مصر اور اس کی قوم کی طرف دلائل و معجزات دے کر بھیجا گیا تھا۔

(۳) یعنی انہیں فرق کر دیا گیا جیسا کہ آگے آئے گا۔

(۴) جو اس بات کی دلیل ہے کہ میں واقعی اللہ کی طرف سے مقرر کردہ رسول ہوں۔ اس معجزے اور بڑی دلیل کی
تفصیل بھی آگے آ رہی ہے۔

(۵) بنی اسرائیل، جن کا اصل مسکن شام کا علاقہ تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر چلے گئے تھے اور پھر
وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ فرعون نے ان کو غلام بنالیا تھا اور ان پر طرح طرح کے مظالم کرتا تھا، جس کی تفصیل پہلے سورۃ
بقرہ میں گزر چکی ہے اور آئندہ بھی آئے گی۔ فرعون اور اس کے درباری امرا نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَلَا يَمَانُ كُنْتَ مِنَ
الضَّالِّينَ ۝

فَاُلْقِ عَصَاكَ فَلَا اِهْوَئُ ثَمَانٍ يُبَيِّنُ ۝

وَمَزَعَنِي ۚ فَلَا اِهْوَئُ بَيْنَ يَدَيْهِ يُدَلِّلُنِي ۝

قَالَ الْمَلٰٓئِكُ قَوْمُ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا السَّحِرُ عَلِيمٌ ۝

لِيُرِيْدَ اَنْ يُخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَتَاٰ اَتَاْمُوْنَ ۝

قَالُوْا اَرْجِهْ وَاَخَاۗءُ وَاَزْوَاجُ الْمَلَائِكِ الْخٰشِعِيْنَ ۝

يَا لَوْلَا بَلَطُ سِحْرِ عَلِيمٍ ۝

فرعون نے کہا، اگر آپ کوئی معجزہ لے کر آئے ہیں تو اس
کو اب پیش کیجئے! اگر آپ سچے ہیں۔ (۱۰۶)

پس آپ نے اپنا عصا ڈال دیا، سو دفعتاً وہ صاف ایک
اڑو حابیں گیا۔ (۱۰۷)

اور اپنا ہاتھ باہر نکالا سو وہ یکایک سب دیکھنے والوں کے
رو بروست ہی چمکتا ہوا ہو گیا۔ (۱۰۸)

قوم فرعون میں جو سردار لوگ تھے انہوں نے کہا کہ
واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادو گر ہے۔ (۱۰۹)

یہ چاہتا ہے کہ تم کو تمہاری سرزمین سے باہر کر دے سو
تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو۔ (۱۱۰)

انہوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی کو مہلت
دیجئے اور شہروں میں ہر کاروں کو بھیج دیجئے۔ (۱۱۱)

کہ وہ سب ماہر جادو گروں کو آپ کے پاس ما کر حاضر کر
دیں۔ (۱۱۲)

دعوت کو ٹھکرا دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے یہ دوسرا مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دے تاکہ یہ
اپنے آبائی مسکن میں جا کر عزت و احترام کی زندگی گزاریں اور اللہ کی عبادت کریں۔

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے جو دو بڑے معجزے انہیں عطا فرمائے تھے، اپنی صداقت کے لیے انہیں پیش کر دیے۔

(۲) معجزے دیکھ کر ایمان لانے کے بجائے فرعون کے درباریوں نے اسے جادو قرار دے کر یہ کہہ دیا کہ یہ تو بڑا ماہر
جادو گر ہے جس سے اس کا مقصد تمہاری حکومت کو ختم کرنا ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا
بڑا زور اور اس کا عام چلن تھا، اس لیے انہوں نے معجزات کو بھی جادو سمجھا، جن میں سرے سے انسان کا دخل ہی نہیں
ہوتا۔ خالص اللہ کی مشیت سے ظہور میں آتے ہیں۔ تاہم اس عنوان سے فرعون کے درباریوں کے لیے حضرت موسیٰ
علیہ السلام کے بارے میں فرعون کو ہسکانے کا موقع مل گیا۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو گری کو بڑا عروج حاصل تھا۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے
پیش کردہ معجزات کو بھی انہوں نے جادو سمجھا اور جادو کے ذریعے سے اس کا توڑ مہیا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جس طرح
دوسرے مقام پر فرمایا کہ فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا ”اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تو چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے
زور سے ہمیں ہماری زمین سے نکال دے؟“ پس ہم بھی اس جیسا جادو تیرے مقابلے میں لائیں گے، اس کے لیے کسی

وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَكْبَرَ إِنْ كُنَّا نَحْنُ
الْغَالِبِينَ ﴿٥٩﴾

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُخْلَبِينَ ﴿٦٠﴾

قَالُوا لِمُوسَى إِمَّا أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ عَنَّا الْمُقْلَبِينَ ﴿٦١﴾

قَالَ أَلَمْؤَا قُلْنَا الْقَوْمَ السَّحَرَاءُ أَعَيْنَ النَّاسِ وَاسْتَغْفِرُوكُمْ
وَجَاءُوا بِسُحُورِهِمْ ﴿٦٢﴾

اور وہ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے، کہنے لگے کہ
اگر ہم غالب آئے تو ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا؟ (۵۹)
فرعون نے کہا کہ ہاں اور تم مقرب لوگوں میں داخل ہو
جاؤ گے۔ (۶۰)

ان ساحروں نے عرض کیا کہ اسے موسیٰ! خواہ آپ ڈالنے
اور یا ہم ہی ڈالیں؟ (۶۱)

(موسیٰ علیہ السلام) نے فرمایا کہ تم ہی ڈالو، (۶۲) پس جب
انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور ان پر ہیبت
غالب کر دی اور ایک طرح کا بڑا جادو دکھایا۔ (۶۳)

ہموار جگہ اور وقت کا ہم تعین کر لیں جس کی دونوں پابندی کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ نوروز کا دن اور
چاشت کا وقت ہے، اس حساب سے لوگ جمع ہو جائیں۔ (سورۃ طہ - ۵۷-۵۹)

(۱) جادوگر، چون کہ طالب دنیا تھے، دنیا کمانے کے لیے ہی شعبہ بازی کا فن سیکھتے تھے، اس لیے انہوں نے موقع غنیمت
جانا کہ اس وقت تو بادشاہ کو ہماری ضرورت لاحق ہوئی ہے، کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ اجرت
حاصل کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا مطالبہ اجرت، کامیابی کی صورت میں پیش کر دیا، جس پر فرعون نے کہا کہ اجرت
ہی نہیں بلکہ تم میرے مقربین میں بھی شامل ہو جاؤ گے۔

(۲) جادوگروں نے یہ اختیار اپنے آپ پر مکمل اعتماد کرنے کی وجہ سے دیا۔ انہیں پورا یقین تھا کہ ہمارے جادو کے
مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ، جسے وہ ایک کرتب ہی سمجھتے تھے، کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور اگر موسیٰ علیہ السلام
کو پسے اپنے کرتب دکھانے کا موقع دے بھی دیا تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا، ہم اس کے کرتب کا توڑ بہر
صورت مہیا کر لیں گے۔

(۳) لیکن موسیٰ علیہ السلام چونکہ اللہ کے رسول تھے اور اللہ کی تائید انہیں حاصل تھی، اس لیے انہیں اپنے اللہ کی مدد
کا یقین تھا، لہذا انہوں نے بغیر کسی خوف اور تامل کے جادوگروں سے کہا کہ پہلے تم جو دکھانا چاہتے ہو، دکھاؤ، علاوہ ازیں
اس میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ جادوگروں کے پیش کردہ جادو کا توڑ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے
معجزانہ انداز میں پیش ہو گا تو یہ لوگوں کے لیے زیادہ متاثر کن ہو گا، جس سے ان کی صداقت واضح تر ہوگی اور لوگوں
کے لیے ایمان لانا سہل ہو جائے گا۔

(۴) بعض آثار میں بتایا گیا ہے کہ یہ جادوگر ۷۰ ہزار کی تعداد میں تھے۔ بظاہر یہ تعداد مبالغے سے خالی نہیں، جن میں
سے ہر ایک نے ایک ایک رسی اور ایک ایک لاشی میدان میں پھینکی، جو دیکھنے والوں کو دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔
یہ گویا بزم خولش بہت بڑا جادو تھا جو انہوں نے پیش کیا۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ
مَا يَأْتِيكَُونَ ۝

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

فَغُلِبُوا هُنَاكَ وَانْقَلَبُوا ضَيْرِينَ ۝

وَالْيَقَ السَّحَرَةُ سَجِدِينَ ۝

قَالُوا الْمَثَلُ بَيْنَ الْعَالَمِينَ ۝

رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝

قَالَ فِرْعَوْنُ الْمَنْثَرِيهِ قَبْلَ أَنْ أَذِنَ لَكَ مِنْ هَذَا
لَمْ تَكُنْ تَكُونُ فِي الْمَدِينَةِ لِتُكَلِّمُنَا بِهَا أَهْلَهَا فَتَقُفَ
نَعْلَمُونَ ۝

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ اپنا عصا ڈال
دیجئے! سو عصا کا ڈالنا تھا کہ اس نے ان کے سارے بے
بنائے کھیل کو ٹنگنا شروع کیا۔^(۱) (۱۸۷)

پس حق ظاہر ہو گیا اور انہوں نے جو کچھ بنایا تھا سب جاتا
رہا۔ (۱۸۸)

پس وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہو کر
پھرے۔ (۱۸۹)

اور وہ جو ساحر تھے سجدہ میں گر گئے۔ (۱۹۰)

کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر۔^(۲) (۱۹۱)

جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے۔^(۳) (۱۹۲)

فرعون کہنے لگا کہ تم موسیٰ پر ایمان لائے ہو بغیر اس کے
کہ میں تم کو اجازت دوں؟ بے شک یہ سازش تھی جس
پر تمہارا عمل درآمد ہوا ہے اس شہر میں تاکہ تم سب اس
شہر سے یہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو۔ سو اب تم
کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے۔^(۴) (۱۹۳)

(۱) لیکن یہ جو کچھ بھی تھا، ایک تخیل، شعبہ بازی اور جادو تھا جو حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام
کے، غمی ڈالتے ہی سب کچھ ختم ہو گیا اور لا غمی نے ایک خوفناک اثر دھم کی شکل اختیار کر کے سب کچھ نگل لیا۔

(۲) جادو گروں نے جو جادو کے فن اور اس کی اصل حقیقت کو جانتے تھے، یہ دیکھا تو سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے
جو کچھ یہاں پیش کیا ہے، جادو نہیں ہے، یہ واقعی اللہ کا نمائندہ ہے اور اللہ کی مدد سے ہی اس نے یہ معجزہ پیش کیا ہے۔
جس نے آن واحد میں ہم سب کے کرتبوں پر پانی پھیر دیا۔ چنانچہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اعلان کر
دیا۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ باطل، باطل ہے چاہے اس پر کتنے ہی حسین غلاف چڑھالے جائیں اور حق، حق ہے
چاہے اس پر کتنے ہی پردے ڈال دیئے جائیں، تاہم حق کا ڈنگاںج کر رہتا ہے۔

(۳) سجدے میں گر کر انہوں نے رب العالمین پر ایمان لانے کا اعلان کیا جس سے فرعونوں کو مغالطہ ہو سکتا تھا کہ یہ
سجدہ فرعون کو کیا گیا ہے جس کی الوہیت کے وہ قائل تھے، اس لئے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا
رب کہہ کر واضح کر دیا کہ یہ سجدہ ہم جہانوں کے رب کو ہی کر رہے ہیں۔ لوگوں کے خود ساختہ کسی رب کو نہیں۔

(۴) یہ جو کچھ ہوا، فرعون کے لیے بڑا حیران کن اور تعجب خیز تھا، اس لیے اسے اور تو کچھ نہیں سوجھا، اس نے یہی کہہ

لَا قِطْعَنَ آيِدِيكُمْ وَأَرْجُلُكُمْ مِنْ خِلَافِ ثُمَّ لَا صِلَافَ لَكُمْ
أَجْمَعِينَ ۝

قَالُوا إِنَّا نَرَى رَبَّنَا مُتَعَبِينَ ۝

وَمَا تَسْأَلُهُمْ إِنَّا لَنَافِيَا بِمَا لَمْ يَرْبُّنَا رَبَّنَا وَجَاءَنَا رَبُّنَا
أَقْبَرُ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوْفَقًا مُتَمِلِينَ ۝

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَدْرُسُونِي وَقَوْمَهُ
لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذْكُرُكَ وَإِلَهُتَكَ قَالَ سَنَقْبَلُ

میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے
پاؤں کانوں گا۔ پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔^(۱) (۱۳۳)
انہوں نے جواب دیا کہ ہم (مرکر) اپنے مالک ہی کے پاس
جائیں گے۔^(۲) (۱۳۵)

اور تو نے ہم میں کوئی عیب دیکھا ہے۔ بجز اس کے کہ ہم
اپنے رب کے احکام پر ایمان لے آئے۔^(۳) جب وہ
ہمارے پاس آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے
اوپر صبر کا فیضان فرما۔^(۴) اور ہماری جان حالت اسلام پر
نکال۔^(۵) (۱۳۶)

اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ
(علیہ السلام) اور ان کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے کہ
وہ ملک میں فساد کرتے پھریں۔^(۶) اور وہ آپ کو اور آپ

دیا کہ تم سب آپس میں ملے ہوئے ہو اور اس کا مقصد ہمارے اقتدار کا خاتمہ ہے۔ اچھا اس کا انجام غنقریب تمہیں
معلوم ہو جائے گا۔

(۱) یعنی دایاں پاؤں اور بایاں ہاتھ یا بایاں پاؤں اور دایاں ہاتھ پھر یہی نہیں سولی پر چڑھا کر تمہیں نشان عبرت بھی بنادوں گا۔
(۲) اس کا ایک مضموم تو یہ ہے کہ اگر تو ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا تو تجھے بھی اس بات کے لیے تیار رہنا چاہیے
کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تجھے اس جرم کی سخت سزا دے گا اس لیے کہ ہم سب کو مرکر اسی کے پاس جاتا ہے اس
کی سزا سے کون بچ سکتا ہے؟ گویا فرعون کے عذاب دنیا کے مقابلے میں اسے عذاب آخرت سے ڈرایا گیا ہے۔ دوسرا
مضموم یہ ہے کہ موت تو ہمیں آتی ہی آتی ہے اس سے کیا فرق پڑے گا کہ موت سولی پر آئے یا کسی اور طریقے سے؟
(۳) یعنی تیرے نزدیک ہمارا بھی عیب ہے۔ جس پر تو ہم سے ناراض ہو گیا ہے اور ہمیں سزا دینے پر قائل کیا ہے۔ دریاں
حالیکہ یہ سرے سے عیب ہی نہیں ہے۔ یہ تو خوبی ہے بہت بڑی خوبی کہ جب حقیقت ہمارے سامنے واضح ہو کر آگئی تو
ہم نے اس کے مقابلے میں تمام دنیاوی مفادات ٹھکرا دیئے اور حقیقت کو اپنا لیا۔ پھر انہوں نے اپنا روئے سخن فرعون
سے پھیر کر اللہ کی طرف کر لیا اور اس کی بارگاہ میں دست بدعا ہو گئے۔

(۴) تاکہ ہم تیرے اس دشمن کے عذاب کو برداشت کر لیں اور حق میں متغلب اور ایمان پر ثابت قدم رہیں۔

(۵) اس دنیاوی آزمائش سے ہمارے اندر ایمان سے انحراف آنے نہ کسی اور فتنے میں ہم جمل ہوں۔

(۶) یہ ہر دور کے مفسدین کا شیوہ رہا ہے کہ وہ اللہ والوں کو فساد کی اور ان کی دعوت ایمان و توحید کو فساد سے تعبیر کرتے
ہیں۔ فرعونوں نے بھی یہی کہا۔

أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَكْفِيْهُمْ نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿٣٥﴾

کے معبودوں کو ترک کئے رہیں۔^(۱) فرعون نے کہا کہ ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم کو ان پر ہر طرح کا زور ہے۔^(۲) (۳۷)

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٦﴾

موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا اللہ تعالیٰ کا سارا حاصل کرو اور صبر کرو۔ یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے وہ مالک بنا دے اور آخر کامیابی ان ہی کی ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔^(۳) (۳۸)

قَالُوا اَوْفِ يٰۤاٰمِنٌ قَبْلَ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا يَخْتَلِفُنَا ۚ قَالَ اَعْصِ رِبِّيْكُمْ اَنْ يُّهْبِكَ عَذُوْلُكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٧﴾

قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی^(۴) اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔^(۵) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ بہت جلد اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا خلیفہ بنا

(۱) فرعون کو بھی اگرچہ دعوائے ربوبیت تھا ﴿ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی ﴾ میں تمہارا بڑا رب ہوں۔ (وہ کہا کرتا تھا) لیکن دوسرے چھوٹے چھوٹے معبود بھی تھے جن کے ذریعے سے لوگ فرعون کا تقرب حاصل کرتے تھے۔

(۲) ہمارے اس انتظام میں یہ رکاوٹ نہیں ڈال سکتے۔ قتلِ ابناء کا یہ پروگرام فرعونوں کے کہنے سے بنایا گیا اس سے قبل بھی جب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت نہیں ہوئی تھی، موسیٰ علیہ السلام کے بعد از ولادت خاتے کے بے اس نے بنی اسرائیل کے نومولود بچوں کو قتل کرنا شروع کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد ان کو بچانے کی یہ تدبیر کی کہ موسیٰ علیہ السلام کو خود فرعون کے محل میں پہنچا کر اسی کی گود میں ان کی پرورش کروائی۔ فَلْيَلْهُ الْمَكْرُ جَمِيْعًا

(۳) جب فرعون کی طرف سے دوبارہ اس ظلم کا آغاز ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ سے مدد حاصل کرنے اور صبر کرنے کی تلقین کی اور تسلی دی کہ اگر تم صحیح رہے تو زمین کا اقتدار بالآخر تمہیں ہی ملے گا۔

(۴) یہ اشارہ ہے ان مظالم کی طرف جو ولادت موسیٰ علیہ السلام سے قبل ان پر ہوتے رہے۔

(۵) جاودہ گردوں کے واقعے کے بعد ظلم و ستم کا یہ نیا دور ہے، جو موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد شروع ہوا۔

دے گا پھر تمہارا طرز عمل دیکھے گا۔^(۱) (۱۳۹)

اور ہم نے فرعون والوں کو جلا کیا قحط سالی میں اور پھسوں کی کم پیداواری میں، تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔^(۲) (۱۳۰)

سو جب ان پر خوشحالی آ جاتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لئے ہونا ہی چاہیے اور اگر ان کو کوئی بد حالی پیش آتی تو موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے۔^(۳) یاد رکھو کہ ان کی نحوست اللہ تعالیٰ کے پاس ہے،^(۴) لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۱۳۱)

اور یوں کہتے کہی ہی بات ہمارے سامنے لاؤ کہ ان کے ذریعہ سے ہم پر جادو چلاؤ جب بھی ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے۔^(۵) (۱۳۲)

وَلَقَدْ أَخَذَ آلَ فِرْعَوْنَ بِالْبَنِينَ وَنَمِضُوا مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعْنَهُمْ رَبُّكَ وَنَقِصَ مِنَ قَاتِلِهِمْ هَتَافًا وَقَالُوا النَّاسُ كَاذِبُونَ ۖ وَإِنْ نُسَبِّحُكَ بِحَمْدِكَ يَطْفِرُ ذُرِّيَّتُهُ ۖ وَنَمِضُوا مِنْ مَعْنَاةٍ إِلَّا إِنْ تَأْمُرْهُمْ بِغَيْرِ ذَلِكَ ۖ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِيُذْخِرَ بِهَا قَوْمًا مِمَّنْ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں، بہت جلد اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کر کے زمین میں تمہیں اقتدار عطا فرمائے گا۔ اور پھر تمہاری آزمائش کا ایک نیا دور شروع ہو گا۔ ابھی تو تکلیفوں کے ذریعے سے آزمائے جا رہے ہو، پھر انعام و اکرام کی بارش کر کے اور اختیار و اقتدار سے بہرہ مند کر کے تمہیں آزمایا جائے گا۔

(۲) آل فِرْعَوْنَ سے مراد فرعون کی قوم ہے۔ اور بَنِينَ سے قحط سالی۔ یعنی بارش کے فقدان اور درختوں میں کیزے وغیرہ لگ جانے سے پیداوار میں کمی۔ متعدد اس آزمائش سے یہ تھا کہ اس ظلم اور استکبار سے باز آ جائیں جس میں وہ مبتلا تھے۔

(۳) حَسَنَةً (جھلائی) سے مراد غلے اور پھلوں کی فراوانی اور سَبِّحَتَہ (برائی) سے اس کے برعکس اور قحط سالی اور پیداوار میں کمی۔ حَسَنَةً کا سارا کریمہ خود لے لیتے کہ یہ ہماری محنت کا ثمرہ ہے اور بد حالی کا سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان والوں کو قرار دیتے کہ یہ تم لوگوں کی نحوست کے اثرات ہمارے ملک پر پڑ رہے ہیں۔

(۴) طَائِفَتُہ کے معنی ہیں ”اڑنے والا“ یعنی پرندہ۔ چوں کہ پرندے کے بائیں یا دائیں اڑنے سے وہ لوگ نیک فالی یا بد فالی یا کرتے تھے۔ اس لیے یہ لفظ مطلق قائل کے لیے بھی استعمال ہونے لگ گیا اور یہاں یہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خیر و شر جو خوش حال یا قحط سالی کی وجہ سے انہیں پہنچتا ہے اس کے اسباب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکار اس کا سبب نہیں۔ ﴿طَائِفَتُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ﴾ کا مطلب ہو گا کہ ان کی بد شگون کی سبب اللہ کے علم میں ہے اور وہ ان کا کفر و انکار ہے نہ کہ کچھ اور۔ یا اللہ کی طرف سے ہے اور اس کی وجہ ان کا کفر ہے۔

(۵) یہ اسی کفر و مجذوم کا اظہار ہے جس میں وہ مبتلا تھے اور معجزات و آیات الہی کو اب بھی وہ جادوگری یا دکر کرتے یا کراتے تھے۔

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجُرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ
وَالذَّمَارَ ابْتُغِثْ لَهُمْ فَاسَتْكَلُوا وَكَانُوا
قَوْمًا مُّخْرِجِينَ ۝

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا لَوْ أَنَّا سَمِعْنَا دُعَاءَ رَبِّك يَمَّا
عَهَدَ عِنْدَكَ لَإِنَّا كُنْهَدْنَا عَنْكُمَا لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ
وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۝

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرِّجْزَ لَآ أَجَلَ لَهُمْ بَلِغُوا إِذَا
هُم يَنْكَلُونَ ۝

پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور گھن کا کیرا اور
مینڈک اور خون کہ یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے۔^(۱)
سو وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ کچھ تھے ہی جرائم
پیشہ۔ (۱۳۳)

اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے کہ اے
موسیٰ! ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر
دیجئے! جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے، اگر
آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں تو ہم ضرور ضرور آپ
کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو
بھی (رہا کر کے) آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔ (۱۳۴)

پھر جب ان سے اس عذاب کو ایک خاص وقت تک کہ
اس تک ان کو پہنچنا تھا ہٹا دیتے، تو وہ فوراً ہی عہد شکنی
کرنے لگتے۔^(۲) (۱۳۵)

(۱) طوفان سے سیلاب یا کثرت بارش، جس سے ہر چیز غرق ہو گئی، یا کثرت اسوات مراد ہے، جس سے ہر گھر میں ماتم بہا ہو گیا۔
حَرَآءُ ٹڈی کو کہتے ہیں، ٹڈی دل کا حملہ فصلوں کی ویرانی کے لیے مشہور ہے۔ یہ ٹڈیاں ان کے غلوں اور پھلوں کی فصلوں کو کھا
کر چٹ کر جاتیں۔ قُمَّل سے مراد جوں ہیں جو انسان کے جسم، کپڑے اور بالوں میں ہو جاتی ہیں یا گھن کا کیرا ہے جو غلے میں لگ
جاتا ہے تو اس کے بیشتر حصے کو ختم کر دیتا ہے۔ جوؤں سے انسان کو گھن بھی آتی ہے اور اس کی کثرت سے سخت پریشانی بھی۔ اور
جب یہ بطور عذاب ہوں تو اس سے لاحق ہونے والی پریشانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح گھن کا عذاب بھی معیشت کو
کھوکھلا کر دینے کے لیے کافی ہے۔ ضَفَادِعُ، ضَفَدَعَةُ کی جمع ہے یہ مینڈک کو کہتے ہیں جو پانی اور جو ہڑوں، پھپھڑوں میں ہوتا
ہے۔ یہ مینڈک ان کے کھانوں میں، بستروں میں، ابلے ہوئے غلوں میں غرض ہر جگہ اور ہر طرف مینڈک ہی مینڈک ہو گئے،
جس سے ان کا کھانا پینا، سونا اور آرام کرنا حرام ہو گیا۔ دَم (خون) سے مراد ہے پانی کا خون بن جانا، یوں پانی پینا ان کے لیے ناممکن
ہو گیا۔ بعض نے خون سے مراد نکسیر کی بیماری لی ہے۔ یعنی ہر شخص کی ناک سے خون جاری ہو گیا آیاتِ مُعَصَّلَاتِ یہ کھلے
کھلے اور جدا جدا معجزے تھے، جو وقفے وقفے سے ان کے پاس آئے۔

(۲) یعنی ایک عذاب آتا تو اس سے تنگ آ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتے، ان کی دعا سے وہ ٹل جاتا تو ایمان نہ لے
کے بجائے، پھر اس کفر و شرک پر جے رجتے۔ پھر دو سرا عذاب آ جاتا تو پھر اسی طرح کرتے۔ یوں کچھ کچھ دفعوں سے پانچ
عذاب ان پر آئے۔ لیکن ان کے دلوں میں جو رعونت اور دماغوں میں جو تکبر تھا، وہ حق کی راہ میں ان کے لیے زنجیر بننا
رہا اور اتنی اتنی واضح نشانیاں دیکھنے کے باوجود وہ ایمان کی دولت سے محروم ہی رہے۔

فَأَسْتَقْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ يَأْتُهُمُ كَذُبًا
يَأْتِيَانَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۝

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضَعُونَ مَشَارِقَ
الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ
الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَآءِيلَ ۖ هَٰذَا صَبْرُكُمْ ۚ وَذَمُّوا
مَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۚ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا لَيَعْبُدُونَ ۝

پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا یعنی ان کو دریا میں غرق کر دیا
اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان
سے بالکل ہی غفلت کرتے تھے۔ (۱۳۶)

اور ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کئے جاتے
تھے۔ (۲) اس سرزمین کے پورے پچھم کا مالک بنادیا جس
میں ہم نے برکت رکھی ہے (۳) اور آپ کے رب کا نیک
وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا
ہو گیا (۴) اور ہم نے فرعون کے اور اس کی قوم کے ساتھ
پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں

(۱) اتنی بڑی بڑی نشانیوں کے باوجود وہ ایمان لانے کے لیے اور خواب غفلت سے بیدار ہونے کے لیے تیار نہیں
ہوئے۔ بالآخر انہیں دریا میں غرق کر دیا گیا جس کی تفصیل قرآن مجید کے مختلف مقامات پر موجود ہے۔

(۲) یعنی بنی اسرائیل کو جن کو فرعون نے غلام بنا رکھا تھا اور ان پر ظلم روا رکھتا تھا۔ اس بنا پر وہ فی الواقع مصر میں کمزور
سمجھے جاتے تھے کیونکہ مغلوب اور غلام تھے۔ لیکن جب اللہ نے چاہا تو اسی مغلوب اور غلام قوم کو زمین کا وارث بنادیا۔
﴿ وَثَبِّتْنَا لَكَ تِلْكَ الْأَرْضَ وَنَحْنُ مُقِيمُونَ ﴾ (آل عمران-۲۶)

(۳) زمین سے مراد شام کا علاقہ فلسطین ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عمالقہ کے بعد بنی اسرائیل کو غلبہ عطا فرمایا شام میں بنی
اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کی وفات کے بعد اس وقت گئے جب حضرت یوشع بن نون نے عمالقہ کو
فکست دے کر بنی اسرائیل کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔ اور زمین کے ان حصوں میں برکتیں رکھیں یعنی شام کے علاقے
میں۔ جو بکثرت انبیاء کا مسکن و مدفن رہا اور ظاہری شادابی و خوش حالی میں بھی ممتاز ہے۔ یعنی ظاہری و باطنی دونوں قسم کی
برکتوں سے یہ زمین مالا مال رہی ہے۔ مشارق مشرق کی جمع اور مغارب مغرب کی جمع ہے۔ حالانکہ مشرق اور مغرب ایک ایک
ہی ہیں۔ جمع سے مراد اس ارض بابرکت کے مشرق اور مغرب ہی جہے ہیں یعنی جہات مشرق و مغرب۔

(۴) یہ وعدہ یہی ہے جو اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی آیت ۱۲۸ و ۱۲۹ میں فرمایا گیا ہے اور سورہ قصص
میں بھی۔ ﴿ وَثَبِّتْنَا لَكَ تِلْكَ الْأَرْضَ وَنَحْنُ مُقِيمُونَ ﴾ ﴿ وَثَبِّتْنَا لَكَ تِلْكَ الْأَرْضَ وَنَحْنُ مُقِيمُونَ ﴾ ﴿ وَثَبِّتْنَا لَكَ تِلْكَ الْأَرْضَ وَنَحْنُ مُقِيمُونَ ﴾
﴿ الْفَصَص ۱۶۵ ﴾ ہم چاہتے ہیں کہ ان پر احسان کریں جو زمین میں
کمزور سمجھے جاتے ہیں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ملک کا وارث کریں اور ملک میں ان کو قوت و طاقت دیں اور فرعون و
ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھادیں جس سے وہ ڈرتے ہیں اور یہ فضل و احسان اس صبر کی وجہ سے ہوا جس کا
مظاہرہ انہوں نے فرعون کی مظالم کے مقابلے میں کیا۔

بجواتے تھے 'سب کو درہم درہم کر دیا۔' (۱۳۷)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا۔ پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں سے لگے بیٹھے تھے، کہنے لگے اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی ایک معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہ معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے۔ (۱۳۸)

یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ کیا جائے گا اور ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے۔ (۱۳۹)

فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو تمہارا معبود تجویز کر دوں؟ حالانکہ اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فوقیت دی ہے۔ (۱۴۰)

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے بچالیا جو تم کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ

وَجَوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ يَمْكُمُونَ
عَلَى أَنْصَارِهِمْ لَهْمٌ قَالُوا يُمُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ
إِلَٰهَةٌ قَالُوا إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَبْهَلُونَ ﴿۱۳۸﴾

إِنَّ هَؤُلَاءِ مَثَبُ رَمَاسٍ فِيهِ يَخْضَغُونَ يَدَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۹﴾

قَالَ أَعْيَضُوا بِلِلَّهِ إِلَٰهِيكُمْ إِلَٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى
الْعَالَمِينَ ﴿۱۴۰﴾

وَإِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ
يَقْتُلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَٰلِكُمْ
بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۱۴۱﴾

(۱) مصنوعات سے مراد کارخانے، عمارتیں اور ہتھیار وغیرہ ہیں اور بَغْرِ شُونَ (جو وہ بلند کرتے تھے) سے مراد اونچی اونچی عمارتیں بھی ہو سکتی ہیں اور انجوروں وغیرہ کے باغات بھی جو وہ چھپروں پر پھیلاتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی شرعی عمارتیں، ہتھیار اور دیگر سامان بھی تباہ کر دیا اور ان کے باغات بھی۔

(۲) اس سے بڑی جہالت اور نادانی کیا ہو گی کہ جس اللہ نے انہیں فرعون جیسے بڑے دشمن سے نہ صرف نجات دی، بلکہ ان کی آنکھوں کے سامنے اسے اس کے لشکر سمیت غرق کر دیا اور انہیں معجزانہ طریق سے دریا عبور کروایا۔ وہ دریا پار کرتے ہی اس اللہ کو بھول کر پتھر کے خود تراشیدہ معبود تلاش کرنے لگ گئے۔ کہتے ہیں کہ یہ بت گائے کی شکل کے تھے جو پتھر کی بنی ہوئی تھیں۔

(۳) یعنی یہ مورتیوں کے پجاری جن کے حال نے تمہیں بھی دھوکے میں ڈال دیا، ان کا مقدر تباہی اور ان کا یہ فعل باطل اور خسارے کا باعث ہے۔

(۴) کیا جس اللہ نے تم پر اتنے احسانات کیے اور تمہیں جانوں پر فضیلت بھی عطا کی، اسے چھوڑ کر میں تمہارے لیے پتھر اور لکڑی کے تراشے ہوئے بت تلاش کروں؟ یعنی یہ ناشکری اور احسان ناشناسی میں کس طرح کر سکتا ہوں؟ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے مزید احسانات کا تذکرہ ہے۔

چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی۔^(۱) (۱۳۱)

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس رات مزید سے ان تیس راتوں کو پورا کیا۔ سو ان کے پروردگار کا وقت پورے چالیس رات کا ہو گیا۔^(۲) اور موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے بھائی ہارون (علیہ السلام) سے کہا کہ میرے بعد ان کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بد نظم لوگوں کی رائے پر عمل مت کرنا۔^(۳) (۱۳۲)

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! اپنا دیدار مجھ کو کرا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے^(۴) لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو

وَوَعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَمْنَاهَا بِعَشْرِ مِائَاتٍ ۚ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَرُونَ اشْفَعِنِي إِلَىٰ قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ۝

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ ۚ قَالَ رَبِّ أَرِنِي ۚ أَنْظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَنْ نَرَاكَ وَلَكِن نُنْظِرُكَ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ نَرِيكَ ۖ فَاذْكُرْ مَا كُنَّا نَعْمَلُ لَكَ لِلْجَبَلِ جَمَلًا ۚ ذَكَرًا وَخَرَّ مُوسَىٰ سُجَّدًا فَلَمَّ أَفَاقِي ۚ قَالَ سُبْحَنَكَ ثُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

(۱) یہ وہی آزمائشیں ہیں جن کا ذکر سورہ بقرہ میں بھی مکرر اور سورہ ابراہیم میں بھی آئے گا۔

(۲) فرعون اور اس کے لشکر کے غرق کے بعد ضرورت لاحق ہوئی کہ بنی اسرائیل کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کوئی کتاب انہیں دی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کے لیے کوہ طور پر بلایا، جس میں دس راتوں کا اضافہ کر کے اسے چالیس کر دیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جاتے وقت حضرت ہارون علیہ السلام کو جو ان کے بھائی بھی تھے اور نبی بھی اپنا جانشین مقرر کر دیا تاکہ وہ بنی اسرائیل کی ہدایت و اصلاح کا کام کرتے رہیں اور انہیں ہر قسم کے فساد سے بچائیں۔ اس آیت میں یہی بیان کیا گیا ہے۔

(۳) حضرت ہارون علیہ السلام خود نبی تھے اور اصلاح کا کام ان کے فرائض منصبی میں شامل تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں محض تذکیر و تنبیہ کے طور پر یہ نصیحتیں کیں، میقات سے یہاں مراد وقت معین ہے۔

(۴) جب موسیٰ علیہ السلام طور پر گئے اور وہاں اللہ نے ان سے براہ راست گفتگو کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اللہ کو دیکھنے کا بھی شوق پیدا ہوا اور اپنے اس شوق کا اظہار رَبِّ اَرِنِي کہہ کر کیا۔ جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لَنْ نَرَاكَ "تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا" اس سے استدلال کرتے ہوئے معزلہ نے کہا کہ لَنْ نَقْیُ تَابِیْدَ (ہمیشہ کی نفی) کے لیے آتا ہے۔ اس لیے اللہ کا دیدار نہ دنیا میں ممکن ہے نہ آخرت میں۔ لیکن معزلہ کا یہ مسلک صحیح احادیث

گئے۔ پس جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس کے پرچے اڑا دیئے اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے۔^(۱) پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا 'بے شک آپ کی ذات منزہ ہے میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والا ہوں۔'^(۲) (۱۳۳)

ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ! میں نے پیغمبری اور اپنی ہرکلامی سے اور لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے تو جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے اس کو لو اور شکر کرو۔^(۳) (۱۳۴)

اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل ان کو لکھ کر دی،^(۴) تم ان کو پوری طاقت سے

قَالَ يُوسُفُ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِي وَبَعْلَامِي ۖ فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَلَكِنَّ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝

وَلَقَدْ آتَيْنَا لَهٗ فِي الْكُلُوبِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا ۚ لِكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا

کے خلاف ہے۔ متواتر صحیح اور قوی روایات سے ثابت ہے کہ قیامت والے دن اہل ایمان اللہ کو دیکھیں گے اور جنت میں بھی دیدار الہی سے مشرف ہوں گے۔ تمام اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے۔ اس نفی روایت کا تعلق صرف دنیا سے ہے۔ دنیا میں کوئی انسانی آنکھ اللہ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہے۔ لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ ان آنکھوں میں اتنی قوت پیدا فرمادے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلوے کو برداشت کر سکے۔

(۱) یعنی وہ پہاڑ بھی رب کی تجلی کو برداشت نہ کر سکا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حدیث میں آتا ہے کہ "قیامت والے دن سب لوگ بے ہوش ہوں گے" (یہ بے ہوشی امام ابن کثیر کے بقول میدان محشر میں اس وقت ہو گی جب اللہ تعالیٰ فیصلے کرنے کے لیے نزول اجلال فرمائے گا) اور جب ہوش میں آئیں گے تو میں ہوش میں آنے والوں میں سب سے پہلا شخص ہوں گا، میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا انہیں کوہ طور کی بے ہوشی کے بدلے میں میدان محشر کی بے ہوشی سے مستثنیٰ رکھا گیا۔"

(صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ الاعراف۔ صحیح مسلم، باب فضائل موسیٰ علیہ السلام)

(۲) تیری عظمت و جلالت کا اور اس بات کا کہ میں تیرا عاجز بندہ ہوں، دنیا میں تیرے دیدار کا تحمل نہیں ہو سکتا۔

(۳) یہ ہم کلامی کا دوسرا موقع تھا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مشرف کیا گیا۔ اس سے قبل جب آگ لینے گئے تھے تو اللہ نے ہم کلامی سے نوازا تھا اور پیغمبری عطا فرمائی تھی۔

(۴) گویا تورات تختیوں کی شکل میں عطا فرمائی گئی جس میں ان کے لیے دینی احکام، امر و نہی اور ترغیب و ترہیب کی پوری تفصیل تھی۔

يَا حَسْبُهَا سَادِرُكُمْ دَارُ الْفَيْعِينَ ۝

پکڑ لو اور اپنی قوم کو حکم کرو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر عمل کریں^(۱) اب بہت جلد تم لوگوں کو ان بے حکموں کا مقام دکھلاتا ہوں۔^(۲) (۱۳۵)

میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں اور اگر تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہ لائیں^(۳) اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں۔^(۴) یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے غافل رہے۔^(۵) (۱۳۶)

سَاصُوفُ عَنْ آيَتِي الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ يَقُولُوا الْحَقُّ وَآنَ يَرَوْنَ كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوهَا وَإِنْ يَرَوْا سَيِّئًا لَّنْ يُشِيرُوا لَا يَخْذُلُوهُ سَيِّئًا وَلَا يَرْوُ السَّيِّئَ يَخْذُلُوهُ سَيِّئًا ذَلِكَ يَأْتِيهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۝

(۱) یعنی رخصتوں کی ہی تلاش میں نہ رہیں جیسا کہ سولت پسندوں کا حال ہوتا ہے۔

(۲) مقام (دار) سے مراد یا تو انجام یعنی ہلاکت ہے یا اس کا مطلب ہے کہ فاسقوں کے ملک پر تمہیں حکمرانی عطا کروں گا اور اس سے مراد ملک شام ہے جس پر اس وقت عثماني تھی۔ جو اللہ کے نافرمان تھے۔ (ابن کثیر)
(۳) تکبر کا مطلب ہے اللہ کی آیات و احکام کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور لوگوں کو حقیر گردانا۔ یہ تکبر انسان کے لیے زیبا نہیں۔ کیونکہ اللہ خالق ہے اور وہ اس کی مخلوق۔ مخلوق ہو کر خالق کا مقابلہ کرنا اور اس کے احکام و ہدایات سے اعراض و غفلت کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اسی لیے تکبر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ اس آیت میں تکبر کا نتیجہ بتلایا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں آیات الہی سے دور ہی رکھتا ہے اور پھر وہ اتنے دور ہو جاتے ہیں کہ کسی طرح کی بھی نشانی انہیں حق کی طرف لانے میں کامیاب نہیں ہوتی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَيْدُكَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ و﴿وَلَوْ جَاءَهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾ (سورہ یونس - ۹۶-۹۷) جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو گئی وہ ایمان نہیں لائیں گے چاہے ان کے پاس ہر طرح کی نشانی آجائے۔ حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔

(۴) اس میں احکام الہی سے اعراض کرنے والوں کی ایک اور عادت یا نفسیات کا بیان ہے کہ ہدایت کی کوئی بات ان کے سامنے آئے تو اسے تو نہیں مانتے البتہ گمراہی کی کوئی چیز دیکھتے ہیں تو اسے فوراً اپنا لیتے اور راہ عمل بنا بیٹے ہیں۔ قرآن کریم کی بیان کردہ اس حقیقت کا ہر دور میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ آج ہم بھی ہر جگہ اور ہر معاشرے میں حتیٰ کہ مسلمان معاشروں میں بھی یہی کچھ دیکھ رہے ہیں کہ نیکی منہ چھپائے پھر رہی ہے اور بدی کو ہر کوئی لپک لپک کر اختیار کر رہا ہے۔

(۵) یہ اس بات کا سبب بتلایا جا رہا ہے کہ لوگ نیکی کے مقابلے میں بدی کو اور حق کے مقابلے میں باطل کو کیوں زیادہ اختیار کرتے ہیں؟ یہ سبب ہے آیات الہی کی تکذیب اور ان سے غفلت و اعراض کا۔ یہ ہر معاشرے میں عام ہے۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ
أَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ لِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۷﴾

وَالَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ مِنْ أَجْلِهُمْ كَتَبْنَا بَئِذٍ
لَهُمُ الْخُورَاءَ لَمْ يَرَوْا إِلَهًا وَلَا يُلَاحِظُونَ أُولَئِكَ
الَّذِينَ كَانُوا يَخْلِبُونَ ﴿۱۳۸﴾

وَلَمَّا سَقَطَ فِي أَيْدِيهِمْ ذُرَاؤُا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا إِلَى الْوَا
لِئِنْ لَمْ يَرْجِعْنَا دُرَّتَانَا وَيَغْفِرُوا لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ
الْخَاسِرِينَ ﴿۱۳۹﴾

اور یہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور قیامت کے
پیش آنے کو جھٹلایا ان کے سب کام غارت گئے۔ ان کو
وہی سزا دی جائے گی جو کچھ یہ کرتے تھے۔ (۱۳۷)

اور موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم نے ان کے بعد اپنے
زیوروں کا ایک ٹھنڈا معبود ٹھہرایا جو کہ ایک قاب تھا
جس میں ایک آواز تھی۔ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ
ان سے بات نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو کوئی راہ بتلاتا تھا
اس کو انہوں نے معبود قرار دیا اور بڑی بے انصافی کا کام
کیا۔ (۱۳۸)

اور جب نام ہوئے (۱۳۹) اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ بوگ
گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم
نہ کرے اور ہمارا گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے
گزرے ہو جائیں گے۔ (۱۳۹)

(۱) اس میں آیات الہی کی تکذیب اور آخرت کا انکار کرنے والوں کا انجام بتلایا گیا ہے کہ چونکہ ان کے عمل کی اساس
عدل و حق نہیں، ظلم و باطل ہے۔ اس لیے ان کے نامہ اعمال میں شرعی شر ہو گا جس کی کوئی قیمت اللہ کے ہاں نہ ہو
گی۔ ہاں اس شر کا بدلہ ان کو وہاں ضرور دیا جائے گا۔

(۲) موسیٰ علیہ السلام جب چالیس راتوں کے لیے کوہ طور پر گئے تو پیچھے سے سامری نامی شخص نے سونے کے زیورات
اکٹھے کر کے ایک ٹھنڈا تیار کیا جس میں اس نے جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی مٹی بھی، جو س نے
سنہال کر رکھی ہوئی تھی شامل کر دی، جس میں اللہ نے زندگی کی تاثیر رکھی تھی، جس کی وجہ سے ٹھنڈا کچھ تیل کی
آواز نکالتا تھا۔ (گو واضح کلام کرنے اور رہنمائی کرنے سے عاجز تھا جیسا کہ قرآن کے الفاظ واضح کر رہے ہیں) اس میں
اختلاف ہے کہ وہ فی الواقع گوشت پوست کا ٹھنڈا بن گیا تھا یا تھادہ سونے کا ہی۔ لیکن کسی طریقے سے اس میں ہوا
داخل ہوتی تو گائے، تیل کی سی آواز اس میں سے نکلتی۔ (ابن کثیر) اس آواز سے سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا کہ
تمہارا معبود تو یہ ہے، موسیٰ علیہ السلام بھول گئے ہیں اور وہ معبود کی تلاش میں کوہ طور پر گئے ہیں۔ (یہ واقعہ سورہ طہ میں
آئے گا)

(۳) سَقَطَ فِي أَيْدِيهِمْ محاورہ ہے جس کے معنی نام ہونا ہیں، یہ ندامت موسیٰ علیہ السلام کی واپس کے بعد ہوئی،
جب انہوں نے آکر اس پر ان کی زبرد توجہ کی، جیسا کہ سورہ طہ میں ہے۔ یہاں اسے مقدم اس لیے کر دیا گیا ہے کہ ان
کا فعل اور قول اکٹھا ہو جائے۔ (فتح القدیر)

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي أَعْمَلْتُمْ أَمْرًا لَّا تُؤْتَوْنَ بِهِ ثَوَابًا وَلَا تَكُونُونَ فِيهِ أَبَدًا قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا لِمَا عَلَّمْنَاكَ مِنْ هَٰذَا شَيْءٌ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُمُوهُ فَتَفْعَلُونَنِي فَلَا تَتُوبُونَ إِلَيَّ إِنَّكُمْ كَانْتُمْ فِي يَدَيْهِ أَفْعَالًا ۚ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ①

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف واپس آئے غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے تو فرمایا کہ تم نے میرے بعد یہ بڑی بری جانشینی کی؟ کیا اپنے رب کے حکم سے پہلے ہی تم نے جلد بازی کر لی؟ اور جلدی سے تختیاں ایک طرف رکھیں^(۱) اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر ان کو اپنی طرف کھینچنے لگے۔ ہارون (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے مل جاؤ! ان لوگوں نے مجھ کو بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں^(۲) تو تم مجھ پر دشمنوں کو مت ہنسنا^(۳) اور مجھ کو ان ظالموں کے ذیل میں مت شمار کرو۔^(۴) (۱۵۰)

(۱) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آکر دیکھا کہ وہ پچھڑے کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں تو سخت غضب ناک ہوئے اور جلدی میں تختیاں بھی جو کوہ طور سے لائے تھے ایسے طور پر رکھیں کہ دیکھنے والوں کو محسوس ہوا کہ انہوں نے نیچے پھینک دی ہیں جسے قرآن نے ”ڈال دیں“ سے تعبیر کیا ہے۔ تاہم اگر پھینک بھی دی ہوں تو اس میں سوء ادبی نہیں کیونکہ مقصد ان کا تختیوں کی بے ادبی نہیں تھا بلکہ دینی غیرت و حمیت میں بے خود ہو کر غیر اختیاری طور پر ان سے یہ فعل سرزد ہوا۔

(۲) حضرت ہارون علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام آپس میں شکے بھائی تھے لیکن یہاں حضرت ہارون علیہ السلام نے ”ماں جائے“ اس لیے کہا کہ اس لفظ میں پیار اور نرمی کا پلو زیادہ ہے۔

(۳) حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ اپنا عذر پیش کیا جس کی وجہ سے وہ قوم کو شرک جیسے جرم عظیم سے روکنے میں ناکام رہے۔ ایک اپنی کمزوری اور دوسرا بنی اسرائیل کا عناد اور سرکشی کہ وہ انہیں قتل تک کر دینے پر آمادہ ہو گئے تھے اور انہیں اپنی جان بچانے کے لیے خاموش ہونا پڑا جس کی اجازت ایسے موقعوں پر اللہ نے دی ہے۔

(۴) میری ہی سرزنش کرنے سے دشمن خوش ہوں گے جب کہ یہ موقع تو دشمنوں کی سرکوبی اور ان سے اپنی قوم کو بچانے کا ہے۔

(۵) اور ویسے بھی عقیدہ و عمل میں مجھے کس طرح ان کے ساتھ شمار کیا جاسکتا ہے؟ میں نے نہ شرک کا ارتکاب کیا نہ اس کی اجازت دی نہ اس پر خوش ہوا صرف خاموش رہا اور اس کے لیے بھی میرے پاس معقول عذر موجود ہے پھر میرا شمار ظالموں (مشرکوں) کے ساتھ کس طرح ہو سکتا ہے؟ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا مانگی۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِإِسْرَافِي وَأَدْخِلْنِي رَحْمَتَكَ وَأَنْتَ
أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٥١﴾

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الصُّوْلَةَ سَبِيلًا لَّهُمْ عَذَابٌ ثَلَاثُ أَصْنَافٍ
فِي السُّعُورِ الدُّنْيَا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُفْسِدِينَ ﴿١٥٢﴾

وَالَّذِينَ عَمِلُوا الشَّيْءَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا وَاسْتَغْفَرُوا
رَبَّهُمْ رَبُّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَنْقُوْرَ رَحِيمُهُ ﴿١٥٣﴾

وَلَقَدْ سَبَّكَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبَ أَخَذَ الْوَلَدِ وَفِي نُحْتِهَا
هُدًى وَرَحْمَةً لِّلَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿١٥٤﴾

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے رب! میری
خطا معاف فرما اور میرے بھائی کی بھی اور ہم دونوں کو
اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں
سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (۱۵۱)

بے شک جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی ہے ان پر بہت
جلد ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت اس
دنوی زندگی ہی میں پڑے گی (۱) اور ہم افترا پردازوں کو
ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ (۲) (۱۵۲)

اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کئے پھر وہ ان کے بعد توبہ کر
لیں اور ایمان لے آئیں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد گناہ
معاف کر دینے والا رحمت کرنے والا ہے۔ (۳) (۱۵۳)

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ فرد ہوا تو ان تختیوں کو
اٹھالیا اور ان کے مضامین میں (۴) ان لوگوں کے لئے جو
اپنے رب سے ڈرتے تھے ہدایت اور رحمت تھی۔ (۵) (۱۵۴)

(۱) اللہ کا غضب یہ تھا کہ توبہ کے لیے قتل ضروری قرار پایا۔ اور اس سے قبل جب تک جیتے رہے ذلت و رسوائی کے
وہ مستحق قرار پائے۔

(۲) اور یہ سزا ان ہی کے لیے خاص نہیں ہے جو بھی اللہ پر افترا کرتا ہے اس کو ہم یہی سزا دیتے ہیں۔

(۳) ہاں جنہوں نے توبہ کر لی ان کے لیے اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ معلوم ہوا کہ توبہ سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے
بشرطیکہ خالص توبہ ہو۔

(۴) نُسْخَةٌ، مُعْلَنَةٌ کے وزن پر بمعنی مفعول ہے۔ یہ اس اصل کو بھی کہتے ہیں جس سے نقل کیا جائے اور نقل شدہ کو
بھی نسخہ کہہ دیا جاتا ہے۔ یہاں نسخہ سے مراد یہاں تو وہ اصل الواح ہیں جن پر تورات لکھی گئی تھی یا اس سے مراد وہ دوسرا
نسخہ ہے جو تختیاں زور سے بھینکنے کی وجہ سے ٹوٹ جانے کے بعد اس سے نقل کر کے تیار کیا گیا تھا۔ تاہم صحیح بات پہلی
ہی لگتی ہے۔ کیونکہ آگے چل کر آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان ”تختیوں کو اٹھالیا“ جس سے معلوم ہوتا ہے
کہ تختیاں ٹوٹی نہیں تھیں۔ بہر حال اس کا مراد ہی مفہوم ”مضامین“ ہے جو ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے۔

(۵) تورات کو بھی قرآن کریم کی طرح انہی لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت قرار دیا گیا ہے جو اللہ سے ڈرنے والے
ہیں کیونکہ اصل فائدہ آسمانی کتابوں سے ایسے ہی لوگوں کو ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ تو چونکہ اپنے کانوں کو حق کے سننے
سے آنکھوں کو حق کے دیکھنے سے بند کئے ہوئے ہوتے ہیں اس چشمہ فیض سے وہ بالعموم محروم ہی رہتے ہیں۔

وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا يُوَفِّيهِمْ مَا قَالُوا خَلَصْنَا مِنْكَ
الرَّجْفَةَ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمْ مِنْ قَبْلِ وَآيَا أَنُفِّلَكُنَا
بِمَا فَعَلَ الشُّعْرَاءُ مِنَّا إِنَّ هَذَا لَشَتَّى لَكُنْتَ تُؤْمِنُ بِمَا مَن
تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا
وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ﴿٥٠﴾

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے ستر آدمی اپنی قوم میں سے ہمارے وقت معین کے لئے منتخب کئے، سو جب ان کو زلزلہ نے آچکڑا^(۱) تو موسیٰ (علیہ السلام) عرض کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار! اگر تجھ کو یہ منظور ہوتا تو اس سے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتا۔ کیا تو ہم میں سے چند بے وقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دے گا؟ یہ واقعہ محض تیری طرف سے ایک امتحان ہے، ایسے امتحانات سے جس کو تو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور جس کو چاہے ہدایت پر قائم رکھے۔ تو ہی تو ہمارا کارساز ہے پس ہم پر مغفرت اور رحمت فرما اور تو سب معافی دینے والوں سے زیادہ اچھا ہے۔^(۲) (۱۵۵)

(۱) ان ستر آدمیوں کی تفصیل اگلے حاشیے میں آ رہی ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ستر آدمی چنے اور انہیں کوہ طور پر لے گئے، جہاں بطور عذاب انہیں ہلاک کر دیا گیا، جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔

(۲) بنی اسرائیل کے یہ ستر آدمی کون تھے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کے احکام انہیں سنائے تو انہوں نے کہا ہم کیسے یقین کر لیں کہ یہ کتاب واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل شدہ ہے؟ ہم تو جب تک خود اللہ تعالیٰ کو کلام کرتے ہوئے نہ سن لیں، اسے نہیں مانیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ستر برگزیدہ آدمیوں کا انتخاب کیا اور انہیں کوہ طور پر لے گئے۔ وہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہکلام ہوا جسے ان لوگوں نے بھی سنا۔ لیکن وہاں انہوں نے ایک نیا مطالبہ کر دیا کہ ہم تو جب تک اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھیں گے، ایمان نہیں لائیں گے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں جو پوری قوم کی طرف سے چمچڑے کی عبادت کے جرم عظیم کی توبہ اور معذرت کے لیے کوہ طور پر لے جائے گئے تھے اور وہاں جا کر انہوں نے اللہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ تیسری رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں کہ جنہوں نے بنی اسرائیل کو چمچڑے کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا لیکن انہیں اس سے منع نہیں کیا۔ ایک چوتھی رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں جنہیں اللہ کے حکم سے کوہ طور پر لے جانے کے لیے چنا گیا تھا، وہاں جا کر انہوں نے اللہ سے دعائیں کیں۔ جن میں ایک دعا یہ بھی تھی کہ ”یا اللہ ہمیں تو وہ کچھ عطا فرما، جو اس سے قبل تو نے کسی کو عطا نہیں کیا اور نہ آئندہ وہ کسی کو عطا کرنا۔“ اللہ تعالیٰ کو یہ دعا پسند نہیں آئی، جس پر وہ زلزلے کے ذریعے سے ہلاک کر دیئے گئے۔ زیادہ مفسرین دوسری رائے کے قائل ہیں اور انہوں نے وہی واقعہ قرار دیا ہے جس کا ذکر سورہ بقرہ آیت ۵۶ میں آیا ہے۔ جہاں ان پر صاعقہ (بجلی کی کڑک) سے موت وارد

وَأَكْتُبُ لَكَ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هَذَا نَأْتِيكَ قَالَ عَذَابٌ أُصِيبَ بِهِ مَنْ أَشَاءَ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُمُهَا لِلَّذِينَ يَسْمَعُونَ دُرُودًا زَكَاةً وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٠﴾

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ الْيَقِيْنَ الْاٰخِرَ الَّذِيْ يَخْدُوْنَهُ مَكْتُوبًا يَنْدُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْاِنْجِيْلِ بِاَمْرِهِمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُجِلُّ لَهُمُ الْعُقُوْبَتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْغِيْبَتِ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اَصْرَهُمْ وَالْاَثْلَ الَّذِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ قَالَ الَّذِيْنَ

اور ہم لوگوں کے نام دنیا میں بھی نیک حالی لکھ دے اور آخرت میں بھی ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔^(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنا عذاب اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے۔^(۲) تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ (۱۵۶)

جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔^(۳) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں^(۴) اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے^(۵) ان کو دور کرتے

ہونے کا ذکر ہے اور یہاں رَحْمَةً (زلزلے) سے موت کا ذکر ہے۔ اس کی توجیہ میں کہا گیا ہے کہ ممکن ہے دونوں ہی عذاب آئے ہوں اوپر سے بجلی کی کڑک اور نیچے سے زلزلہ۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا و التجا کے بعد کہ اگر ان کو ہلاک ہی کرنا تھا تو اس سے قبل اس وقت ہلاک کرتا جب یہ پھنڑے کی عبادت میں مصروف تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا۔

(۱) یعنی توبہ کرتے ہیں۔

(۲) یہ اس کی وسعت رحمت ہی ہے کہ دنیا میں صلح وفاق اور مومن و کافر دونوں ہی اس کی رحمت سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے ”اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ۱۰۰ حصے ہیں۔ یہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے کہ جس سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی اور وحشی جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں اور اس نے اپنی رحمت کے ۹۹ حصے اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم۔ نمبر ۴۱۰۸ و ابی داؤد ماجہ۔ نمبر ۴۲۱۳

(۳) یہ آیت بھی اس امر کی وضاحت کے لیے نص قطعی کی حیثیت رکھتی ہے کہ رسالت محمدیہ پر ایمان لائے بغیر نجات اخروی ممکن نہیں اور ایمان ہی معتبر ہے جس کی تفصیلات محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ اس آیت سے بھی تصور ”وحدت ادیان“ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

(۴) معروف، وہ ہے جسے شریعت نے اچھا اور منکر، وہ ہے جسے شریعت نے برا قرار دیا ہے۔

(۵) یہ بوجھ اور طوق وہ ہیں جو بھجلی شریعت میں تھے، مثلاً نفس کے بدلے نفس کا قتل ضروری تھا، (دست یا معافی نہیں

الْمَتَوَاتِبِ وَعَزَّزُوا وَنَصَرُوا وَاسْمَعُوا التَّوَارِثَ
الَّذِي نَزَلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵۰﴾

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا
يَا كَذِبِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَيُّ
وَيُؤْتِي مَا يَشَاءُ قَالُوا يَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَلَيْسَ الْكَذِبُ
يُؤْتِي مِنَ اللَّهِ وَكَذَّبُوهُ وَأَنَّهُمْ كَانُوا لَعَنَةً تَهْتَدُونَ ﴿۵۱﴾

ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی
حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا
اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ
پوری فلاح پانے والے ہیں۔ (۱۵۷)

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس
اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں، جس کی بادشاہی تمام آسمانوں
اور زمین میں ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق
نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو اللہ
تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر جو کہ اللہ تعالیٰ پر
اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو

تھی) یا جس کپڑے کو نجاست لگ جاتی اس کا قطع کرنا ضروری تھا، شریعت اسلامیہ نے اسے صرف دھونے کا حکم دیا۔
جس طرح قصاص میں دیت اور معافی کی بھی اجازت دی۔ وغیرہ اور آپ ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ ”مجھے آسان دین
خفیفی کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔“ (مسند احمد جلد ۵ ص ۶۶۶ جلد ۶ ص ۱۳۳) لیکن افسوس! اس امت نے اپنے
طور پر رسوم و رواج کے بہت سے بوجھ اپنے اوپر لاد لیے ہیں اور جاہلیت کے طوق زیب لگو کر لیے ہیں جن سے شادی
اور مرگ دونوں مذاہب بن گئے ہیں۔ هَذَا هَا اللَّهُ تَعَالَىٰ

(۱) ان آخری الفاظ سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے کہ کامیاب وہی لوگ ہوں گے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر
ایمان لانے والے اور ان کی پیروی کرنے والے ہوں گے۔ جو رسالت محمدیہ پر ایمان نہیں، نہیں گے وہ کامیاب نہیں،
خاسر اور ناکام ہوں گے۔ علاوہ ازیں کامیابی سے مراد بھی آخرت کی کامیابی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی قوم رسالت محمدیہ
پر ایمان نہ رکھتی ہو اور اسے دنیاوی خوش حالی و فراوانی حاصل ہو۔ جس طرح اس وقت مغربی اور یورپی اور دیگر بعض
قوموں کا حال ہے کہ وہ عیسائی یا یہودی یا کافر و مشرک ہونے کے باوجود دنیاوی ترقی اور خوش حالی میں ممتاز ہیں۔ لیکن ان
کی یہ ترقی عارضی و بطور امتحان و استدراج ہے۔ یہ ان کی اخروی کامیابی کی ضمانت یا علامت نہیں۔ اسی طرح ﴿وَوَاسْمَعُوا
التَّوَارِثَ الَّذِي نَزَلَ مَعَهُ﴾ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ المائدہ کی آیت ۱۵ میں نور سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ (جیسا
وہاں بھی وضاحت کی گئی تھی) کیوں کہ جو نور آپ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے، وہ قرآن مجید ہی ہے۔ اس لیے اس ”نور“
سے خود نبی کریم ﷺ کی ذات مراد نہیں ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ آب کی صفات میں ایک صفت نور بھی ہے۔
جس سے کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوئیں۔ لیکن آپ کے نوری صفت ہونے سے آپ کا نُورٌ مِّنْ نُورِ اللَّهِ ہونا
ثابت نہیں ہو سکتا، جس طرح اہل بدعت یہ ثابت کرتے ہیں۔ (مزید دیکھئے سورۃ المائدہ آیت ۱۵ کا حاشیہ)

وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ
يَعْتَلُونَ ۝

وَقَطَعْنَاهُمْ اِثْنَيْ عَشَرَ سَبَاطًا مِّمَّا وَادَّعَيْنَا اِلَىٰ
مُوسَىٰ اِلَّا اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ اَن يَضْرِبَ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ
فَاَنْجَسَتْ مِنْهُ اِثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ
مَّشْرَبَهُمْ وَكَلَمْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ
الْمَنَّٰ وَالتَّلْوِيَّ فَكَلُوا مِنْ طَيْبَتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ
مَّا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

ماکہ تم راہ پر آ جاؤ۔^(۱) (۱۵۸)

اور قوم موسیٰ میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے مطابق ہدایت کرتی ہے اور اسی کے مطابق انصاف بھی کرتی ہے۔^(۲) (۱۵۹)

اور ہم نے ان کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے سب کی الگ الگ جماعت مقرر کر دی^(۳) اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا جب کہ ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا کہ اپنے عصا کو فلاں پتھر پر مارو پس فوراً اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع معلوم کر لیا۔ اور ہم نے ان پر ابر کو سایہ ٹھکن کیا اور ان کو من و سلویٰ (ترجمین اور شیریں) پہنچائیں، کھاؤ نفیس چیزوں

(۱) یہ آیت بھی رسالت محمدیہ کی عالم گیر رسالت کے اثبات میں بالکل واضح ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اے کائنات کے انسانو! میں سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یوں آپ ﷺ پوری بنی نوع انسانی کے نجات دہندہ اور رسول ہیں۔ اب نجات اور ہدایت نہ عیسائیت میں ہے نہ یہودیت میں نہ کسی اور مذہب میں۔ نجات اور ہدایت اگر ہے تو صرف اسلام کے اپنانے اور اسے ہی اختیار کرنے میں ہے۔ اس آیت میں اور اس سے پہلی آیت میں بھی آپ ﷺ کو الہی الامی کہا گیا ہے۔ یہ آپ کی ایک خاص صفت ہے۔ اہی کے معنی ہیں ان پڑھ۔ یعنی آپ نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذہ نہیں کیے کسی سے کسی قسم کی تعلیم حاصل نہیں کی۔ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے جو قرآن کریم پیش کیا، اس کے اعجاز و بلاغت کے سامنے دنیا بھر کے فصحاء بلغاء جز آگئے اور آپ نے جو تعلیمات پیش کیں، ان کی صداقت و حقانیت کی ایک دنیا معترف ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ واقعی اللہ کے سچے رسول ہیں ورنہ ایک ای نہ ایسا قرآن پیش کر سکتا ہے اور نہ ایسی تعلیمات بیان کر سکتا ہے جو عدل و انصاف کا بہترین نمونہ اور انسانیت کی فلاح و کامرانی کے لیے ناگزیر ہیں، انہیں اپنائے بغیر دنیا حقیقی امن و سکون اور راحت و عافیت سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔

(۲) اس سے مراد وہی چند لوگ ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے، عبد اللہ بن سلام وغیرہ۔ وَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

(۳) اَسْبَاطٌ، سِبْطُ کی جمع ہے۔ بمعنی پوتا۔ یہاں اسباط قبائل کے معنی میں ہیں۔ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں سے بارہ قبیلے معرض وجود میں آئے، ہر قبیلے پر اللہ تعالیٰ نے ایک ایک نقیب (نگران) بھی مقرر فرما دیا تھا، ﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا﴾ (المائدہ- ۱۲) یہاں اللہ تعالیٰ ان بارہ قبیلوں کے بعض بعض صفات میں ایک دوسرے سے ممتاز ہونے کی بنا پر ان کے الگ الگ گروہ ہونے کو بطور امتحان کے ذکر فرما رہا ہے۔

سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔ (۱۶۰)

اور جب ان کو حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس آبادی میں جا کر رہو اور کھاؤ اس سے جس جگہ تم رغبت کرو اور زبان سے یہ کہتے جانا کہ توبہ ہے اور جھکے جھکے دروازہ میں داخل ہونا ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے۔ جو لوگ نیک کام کریں گے ان کو مزید برآں اور دیں گے۔ (۱۶۱)

سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس کی ان سے فرمائش کی گئی تھی اس پر ہم نے ان پر ایک آفت سادی بھیجی اس وجہ سے کہ وہ حکم کو ضائع کرتے تھے۔^(۱) (۱۶۲)

اور آپ ان لوگوں سے،^(۲) اس بستی والوں کا^(۳) جو کہ دریائے (شور) کے قریب آباد تھے اس وقت کا حال پوچھئے جب کہ وہ ہفتہ کے بارے میں حد سے نکل رہے تھے جب کہ ان کے ہفتہ کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر ان کے سامنے آتی تھیں اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں ہم ان کی اس طرح پر آزمائش کرتے تھے اس سبب سے کہ وہ بے حکمی کیا

وَأَذَقِلْ لَهُمْ أَهْلَهُمْ اسْكُنُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُونَ وَقُولُوا هَذِهِ قُودُ الْبَابِ مُبْعَدًا تُذْهِبُ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ سَبْعِينَ مِائَةَ أَلْفًا ۖ عَسَىٰ

قَبَسَلِ الَّذِينَ كَلَّمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِنْ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلُمُونَ ﴿١٦١﴾

وَسَلَّمْنَاهُمْ مِنَ الْقَرْيَةِ الْغَيِّ كَانَتْ حَاضِرَةً الْيَوْمِ إِذْ يَعْتَدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَاقًا يَوْمَ لَا يُفْتَنُونَ إِلَّا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٢﴾

(۱) ۱۶۰ تا ۱۶۲ آیات میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں یہ وہ ہیں جو پارہ الم 'سورہ بقرہ کے آغاز میں بیان کی گئی ہیں۔ وہاں ان کی تفصیل ملاحظہ فرمائی جائے۔

(۲) 'مَنْ' ضمیر سے مراد یہود ہیں۔ یعنی ان سے پوچھئے۔ اس میں یہودیوں کو یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ اس واقعے کا علم نبی کریم ﷺ کو بھی ہے جو آپ ﷺ کی صداقت کی دلیل ہے 'کیونکہ اللہ کی طرف سے وحی کے بغیر آپ ﷺ کو اس واقعے کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔

(۳) اس بستی کی تعیین میں اختلاف ہے 'کوئی اس کا نام ایلہ کوئی طبرہ کوئی ایلیا اور کوئی شام کی کوئی بستی 'جو مسند رکے قریب تھی' بتاتا ہے۔ مفسرین کا زیادہ رجحان "ایلہ" کی طرف ہے جو مدین اور کورہ طور کے درمیان دریائے قلم کے ساحل پر تھی۔

کرتے تھے۔^(۱) (۱۶۳)

اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ بالکل ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت سزا دینے والا ہے؟^(۲) انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور اس لئے کہ شاید یہ ڈر جائیں۔ (۱۶۴)

سو جب وہ اس کو بھول گئے جو ان کو سمجھایا جاتا تھا^(۳) تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچالیا جو اس بری عادت سے منع کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو جو کہ زیادتی کرتے تھے ایک

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا لَّهُمْ مُّهِلْكُهُمْ أَوْ مَعَذَرُهُمْ إِذَا تَأَنَّبْنَا يَمُودًا أَمْ تَدْعُوهُمْ إِلَىٰ رَيْبِكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَفُونَ ﴿١٦٣﴾

فَلَمَّا تَوَسَّوْا فَنُفِخَ بِالسُّؤْفَاءِ الْيَبِينِ الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْهُنَاءِ وَآخِذًا بِالَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَدَابِ رَبِّهِمْ يُكَادُونَ ﴿١٦٤﴾

(۱) حَبْنَاءُ حُونَتْ (مچھلی) کی جمع ہے۔ شُرْعًا شَارِعٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں پانی کے اوپر ابھرا بھر کر آنے والیوں۔ یہ یہودیوں کے اس واقعے کی طرف اشارہ ہیں جس میں انہیں ہفتے والے دن مچھلیوں کا شکار کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ لیکن بطور آزمائش ہفتے والے دن مچھلیاں کثرت سے آئیں اور پانی کے اوپر ظاہر ہو کر انہیں دعوت شکار دیتیں۔ اور جب یہ دن گزر جاتا تو اس طرح نہ آئیں۔ بالآخر یہودیوں نے ایک حیلہ کر کے حکم الہی سے تجاوز کیا کہ گڑھے کھود دیے تاکہ مچھلیاں اس میں پھنسی رہیں اور جب ہفتے کا دن گزر جاتا تو پھر انہیں پکڑ لیتے۔

(۲) اس جماعت سے صالحین کی وہ جماعت مراد ہے جو اس حیلے کا ارتکاب بھی نہیں کرتی تھی اور حیلہ گردوں کو سمجھا سمجھ کر ان کی اصلاح سے مایوس بھی ہو گئی تھی۔ تاہم کچھ اور لوگ بھی سمجھانے والے تھے جو اسیں وعظ و نصیحت کرتے تھے۔ صالحین کی یہ جماعت انہیں یہ کہتی کہ ایسے لوگوں کو وعظ و نصیحت کا کیا فائدہ جن کی قسمت میں ہلاکت و عذاب الہی ہے۔ یا اس جماعت سے وہی نافرمان اور تجاوز کرنے والے مراد ہیں، جب ان کو وعظ کرنے والے نصیحت کرتے تو یہ کہتے کہ جب تمہارے خیال میں ہلاکت یا عذاب الہی ہمارا مقدر ہے تو پھر ہمیں کیوں وعظ کرتے ہو؟ تو وہ جواب دیتے کہ ایک تو اپنے رب کے سامنے معذرت پیش کرنے کے لیے تاکہ ہم تو اللہ کی گرفت سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ معصیت الہی کا ارتکاب ہوتے ہوئے دیکھنا اور پھر اسے روکنے کی کوشش نہ کرنا بھی جرم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی گرفت ہو سکتی ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ شاید یہ لوگ حکم الہی سے تجاوز کرنے سے باز ہی آجائیں۔ پس تفسیر کی رو سے یہ تین جماعتیں ہوئیں۔ ۱۔ نافرمان اور شکار کرنے والی جماعت ۲۔ وہ جماعت جو بالکل کنارہ کش ہو گئی نہ وہ نافرمانوں میں تھی نہ منع کرنے والوں میں ۳۔ وہ جماعت جو نافرمان بھی نہیں تھی۔ اور بالکل کنارہ کش بھی نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ نافرمانوں کو منع کرتی تھی۔ دوسری تفسیر کی رو سے یہ دو جماعتیں ہوں گی۔ ایک نافرمانوں کی اور دوسری منع کرنے والوں کی۔

(۳) یعنی وعظ و نصیحت کی انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی اور نافرمانی پر اڑے رہے۔

تخت عذاب میں پکڑ لیا اس وجہ سے کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے۔^(۱) (۲۵)

یعنی جب وہ جس کلم سے ان کو منع کیا گیا تھا اس میں حد سے نکل گئے تو ہم نے ان کو کہہ دیا تم ذلیل بندہ بن جاؤ۔^(۲) (۲۶)

اور وہ وقت یاد کرنا چاہئے کہ آپ کے رب نے یہ بات بتلا دی کہ وہ ان یہود پر قیامت تک ایسے شخص کو ضرور مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سزائے شدید کی تکلیف پہنچاتا رہے گا،^(۳) بلاشبہ آپ کا رب جلدی ہی سزا دے دیتا ہے اور بلاشبہ وہ واقعی بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا ہے۔^(۴) (۱۶۷)

اور ہم نے دنیا میں ان کی مختلف جماعتیں کر دیں۔ بعض ان میں نیک تھے اور بعض ان میں اور طرح تھے اور ہم

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝

وَلَا تَأْذَنَ رَبُّكَ لِمَنْ عَلَىٰ ظُهُورِهِ يَوْرُ الْقِيَمَةِ مَنْ يَكُومُهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۝ وَلَا تَلْفُتْهُمْ زَجْرُكُمْ ۝

وَقَطَعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَسْمَاءً مِنْهُمْ الضَّالُّونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَلِكَ وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالشَّجَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝

(۱) یعنی وہ ظالم بھی تھے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا ارتکاب کر کے انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور انہیں جہنم کا اہل بنایا اور فاسق بھی کہ اللہ کے حکموں سے سرکائی کو انہوں نے اپنا شیوہ اور طریقہ بنالیا۔

(۲) عَتَوْا کے معنی ہیں، جنہوں نے اللہ کی نافرمانی میں حد سے تجاوز کیا۔ مفسرین کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ نجات پانے والے صرف وہی تھے جو منع کرتے تھے اور باقی دونوں عذاب الہی کی زد میں آئے؟ یا زد میں آنے والے صرف معصیت کار تھے؟ اور باقی دو جماعتیں نجات پانے والی تھیں؟ امام ابن کثیر نے دوسری رائے کو ترجیح دی ہے۔

(۳) نَادَى، يَذَانُ، مَعْنَى إِغْلَامٍ (خبر دینا، بتلا دینا) سے باب تَعْلَل ہے۔ یعنی وہ وقت بھی یاد کرو! جب آپ کے رب نے ان یہودیوں کو اچھی طرح باخبر کر دیا یا بتلا دیا تھا لِيَنْتَشِرُوا میں لام تاکید ہے جو قسم کے معنی کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی قسم کھا کر نہایت تاکید کے ساتھ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سخت عذاب میں مبتلا رکھیں گے چنانچہ یہودیوں کی پوری تاریخ اسی ذلت و سکت اور غلامی و محکوم کی تاریخ ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دی ہے۔ اسرائیل کی موجودہ حکومت قرآن کی بیان کردہ اس حقیقت کے خلاف نہیں ہے اس لیے کہ وہ قرآن ہی کے بیان کردہ احشَا وَحَسَلِ مِنَ النَّاسِ کی منظر ہے جو قرآنی حقیقت کے خلاف نہیں بلکہ اس کی مؤید ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے آل عمران۔ ۷۲ کا حاشیہ)

(۴) یعنی اگر ان میں سے کوئی توبہ کر کے مسلمان ہو جائے گا تو وہ اس ذلت و سوء عذاب سے بچ جائے گا۔

ان کو خوش حالیوں اور بد حالیوں سے آزماتے رہے کہ شاید باز آجائیں۔^(۱) (۱۸)

پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے^(۲) کہ کتاب کو ان سے حاصل کیا وہ اس دنیائے فانی کا مال متاع لے لیتے ہیں^(۳) اور کہتے ہیں کہ ہماری ضرورت مغفرت ہو جائے گی^(۴) حالانکہ اگر ان کے پاس ویسا ہی مال متاع آنے لگے تو اس کو بھی لے لیں گے۔ کیا ان سے اس کتاب کے اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ کی طرف بجز حق بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کریں،^(۵) اور انہوں نے اس کتاب میں جو کچھ تھا اس کو پڑھ لیا^(۶) اور آخرت والا گھرانہ لوگوں کے لئے بہتر ہے جو تقویٰ رکھتے ہیں پھر کیا تم نہیں سمجھتے۔ (۱۹)

اور جو لوگ کتاب کے پابند ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں، ہم ایسے لوگوں کا جو اپنی اصلاح کریں ثواب ضائع نہ کریں گے۔^(۷) (۱۷۰)

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَلَا يَأْتِيهِمْ عَرَضٌ مِثْلُهُ يَأْخُذُونَ وَاللَّهُ يُؤْخِذُ عَنِ النَّاسِ الْكِتَابَ أَنْ لَا يَقُولُوا عِلَّ الْغُلَامِ الْحَقُّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ وَفَلَدُوا الْوَصْفَةَ حَتَّىٰ ذُكِرُوا بِهَا لِيَسْأَلُوا أَهْلَ الْقُرْآنِ أَفَلَاقُولُونَ ﴿۱۸﴾

وَالَّذِينَ يُتَذَكَّرُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِذَا لَمْ يَمْسِكُوا كُفَّوا الْقُلُوبَ ۚ وَالَّذِينَ يُتَذَكَّرُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِذَا لَمْ يَمْسِكُوا كُفَّوا الْقُلُوبَ ۚ وَالَّذِينَ يُتَذَكَّرُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِذَا لَمْ يَمْسِكُوا كُفَّوا الْقُلُوبَ ۚ

(۱) اس میں یہود کے خلف گروہوں میں بٹ جانے اور ان میں سے بعض کے نیک ہونے کا ذکر ہے۔ اور ان کو دونوں طریقوں سے آزمائے جانے کا بیان ہے کہ شاید وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں اور اللہ کی طرف رجوع کریں۔

(۲) خَلَفَ (لام پر فتح کے ساتھ) اولاد صالح کو اور خَلَفَ (يَسْكُونُ اللَّام) ملائق اولاد کو کہتے ہیں۔ اردو میں بھی ناخلف کی ترکیب ملائق اولاد کے معنی میں مستعمل ہے۔

(۳) اَدْنَىٰ، دُنُو (قریب) سے ماخوذ ہے یعنی قریب کا مال حاصل کرتے ہیں جس سے دنیا مراد ہے یا یہ دُنُو سے ماخوذ ہے جس سے مراد حقیر اور گرا پڑا مال ہے۔ مطلب دونوں سے ان کے دنیا کے مال و متاع کے حرم کی وضاحت ہے۔

(۴) یعنی طالب دنیا ہونے کے باوجود مغفرت کی امید رکھتے ہیں۔ جیسے آج کل کے مسلمانوں کا بھی حال ہے۔

(۵) اس کے باوجود وہ اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنے سے باز نہیں آتے مثلاً وہی مغفرت کی بات جو اوپر گزری۔

(۶) اس کا ایک دوسرا مفہوم ملنا بھی ہو سکتا ہے جیسے دَرَسَتِ الرِّبْعُ الْاَثَارَ (ہوا نے نشانات مٹا ڈالے) یعنی کتاب کی باتوں کو مٹا ڈالا، مٹھ کر دیا یعنی ان پر عمل ترک کر دیا۔

(۷) ان لوگوں میں سے جو تقویٰ کا راستہ اختیار کر لیں کتاب کو مضبوطی سے تمام لیں جس سے مراد اصلی تورات ہے

وَلَا تَقْنَأُ الْجَبَلُ قَوْلَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ يُهْمُهُ
خُنْ وَأَمَّا الْيَتِيمَ يُقْوِي وَيُؤْتِيهِ مَالًا مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٥﴾

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ
ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ
بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنَّا نَقُولُ مَا يُؤْتِيهِ
الرَّقِيبُ إِذَا قُلْنَا عَنْ هَذَا زَعَيْنٌ ﴿١٦﴾

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر
ساتباں کی طرح ان کے اوپر معلق کر دیا اور ان کو یقین ہو گیا
کہ اب ان پر گرا اور کہا کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے
اسے مضبوطی کے ساتھ قبول کرو اور یاد رکھو جو احکام اس
میں ہیں اس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔^(۱) (۱۷۱)

اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی
اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے معلق اقرار کیا کہ میں
تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں اہم
سب گواہ بنتے ہیں۔^(۲) تاکہ تم لوگ قیامت کے روزیوں نہ
کو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔ (۱۷۲)

اور جس پر عمل کرتے ہوئے نبوت محمدی پر ایمان لے آئیں 'نماز وغیرہ کی پابندی کریں' تو اللہ ایسے مصدقین کا اجر ضائع
نہیں کرے گا۔ اس میں ان اہل کتاب (سیاق کلام سے یہاں بطور خاص یہود) کا ذکر ہے جو تقویٰ تمسک بالکتاب اور
اقامت صلوٰۃ کا اہتمام کریں اور ان کے لیے آخرت کی خوش خبری ہے۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں
اور رسالت محمدیہ پر ایمان لے آئیں۔ کیونکہ اب پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائے بغیر نجات
اخروی ممکن نہیں۔

(۱) یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس تورات لائے اور اس کے احکام ان کو سنائے۔ تو
انہوں نے پھر حسب عادت ان پر عمل کرنے سے انکار و اعراض کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر پہاڑ کو بلند کر دیا کہ تم پر
مگر اگر تمہیں کچل دیا جائے گا جس سے ڈرتے ہوئے انہوں نے تورات پر عمل کرنے کا عہد کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ رفع
جبل کا یہ واقعہ ان کے مطالبے پر پیش آیا جب انہوں نے کہا کہ ہم تورات پر عمل اس وقت کریں گے جب اللہ تعالیٰ
پہاڑ کو ہمارے اوپر بند کر کے دکھائے۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ یہاں مطلق پہاڑ کا ذکر
ہے۔ لیکن اس سے قبل سورہ بقرہ آیت ۶۳ اور آیت ۹۳ میں دو جگہ اس واقعہ کا ذکر آیا ہے وہاں اس کا نام صراحت
کے ساتھ کہ طور بتلایا گیا ہے۔

(۲) یہ عَهْدِ اَلْنَسْتُ کہلاتا ہے جو اَلْنَسْتُ بِرَبِّكُمْ سے بنی ہوئی ترکیب ہے۔ یہ عہد حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے
بعد ان کی پشت سے ہونے والی تمام اولاد سے لیا گیا۔ اس کی تفصیل ایک صحیح حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ "عرفہ
والے دن نعمان جبکہ میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب آدم سے عہد (ميثاق) لیا۔ پس آدم کی پشت سے ان کی ہونے والی تمام
اولاد کو نکالا اور اس کو اپنے سامنے پھیلا دیا اور ان سے پوچھا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟" سب نے کہا "بلیٰ،
شہدنا" "کیوں نہیں۔ ہم سب رب ہونے کی گواہی دیتے ہیں"۔ (مسند احمد۔ جلد ۱ ص ۷۷ والحاکم۔ جلد

أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ الْبَاقُونَ مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّن بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٥٠﴾

وَكَذَٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ الْأَنبِيَاءَ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ يُرْجَعُونَ ﴿٥١﴾

وَأَنزِلْ عَلَيْهِم نَبَأَ الذِّيقَةِ إِن مِّنَ الْيَتَامَىٰ فَاتْلُوهَا إِن مِّنَ الْغَافِلِينَ ﴿٥٢﴾

وَلَوْ شِئْنَا لَوفَقْنَا لَهُمُ لَنَكَلْتُمَا إِلَى الْأَرْضِ وَنَاصِبَةٍ هَوًى فَتَشْتَلُّ كَذٰلِكَ لَنُكَلِّبَنَّ لَهُمُ الْمُحَلِّبِينَ عَلَيْهِمْ يَلْمِزُوكَ

یا یوں کہو کہ پہلے پہلے شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا اور ہم ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے، سو کیا ان غلط راہ والوں کے فعل پر تو ہم کو ہلاکت میں ڈال دے گا؟^(۱) (۱۷۳)

ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں اور تاکہ وہ باز آجائیں۔ (۱۷۴)

اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے کہ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔^(۲) (۱۷۵)

اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی

۱۔ ص ۲۴۲، 'و صحیحہ و الفہمہ الدہسی، امام شوکانی اس حدیث کی بابت لکھتے ہیں: 'وإِسْنَادُهُ لَا مَطْفَعٌ بِهِ (فتح القدیر) "اس کی سند میں کوئی طعن نہیں" نیز امام شوکانی فرماتے ہیں۔ "یہ عالم ذر کہلاتا ہے اس کی یہی تفسیر صحیح اور حق ہے جس سے عدول اور کسی اور مفہوم کی طرف جانا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ مرفوع حدیث اور آثار صحابہ سے ثابت ہے اور اسے مجاز پر بھی محمول کرنا جائز نہیں ہے۔" بہر حال اللہ کی ربوبیت کی یہ گواہی ہر انسان کی فطرت میں ودیعت ہے۔ اسی مفہوم کو رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ "ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جس طرح جانور کا بچہ صحیح مسلم پیدا ہوتا ہے، اس کا ناک، کان کٹ نہیں ہوتا۔" (صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز و مسلم۔ کتاب القدر اور صحیح مسلم کی روایت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "میں نے اپنے بندوں کو حنیف (اللہ کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہونے والا) پیدا کیا ہے۔ پس شیطان ان کو ان کے دین، فطری) سے گمراہ کر دیتا ہے۔ الحدیث (صحیح مسلم۔ کتاب الحجۃ) یہ فطرت یا دین فطرت، یہی رب کی توحید اور اس کی نازل کردہ شریعت ہے جو اب اسلام کی صورت میں محفوظ اور موجود ہے۔

(۱) یعنی ہم نے یہ اخذ عہد اور اپنی ربوبیت کی گواہی اس لیے لی تاکہ تم یہ عذر پیش نہ کر سکو کہ ہم تو غافل تھے یا ہمارے باپ و ادا شرک کرتے آئے تھے، یہ عذر قیامت والے دن بارگاہ الہی میں مسوع نہیں ہوں گے۔

(۲) مفسرین نے اسے کسی ایک متعین شخص سے متعلق قرار دیا ہے جسے کتاب الہی کا علم حاصل تھا لیکن پھر وہ دنیا اور شیطان کے پیچھے لگ کر گمراہ ہو گیا۔ تاہم اس کی تعین میں کوئی مستند بات مروی بھی نہیں۔ اس لیے اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ عام ہے اور ایسے افراد ہر دور میں ہوتے رہے ہیں جو بھی اس صفت کا حامل ہو گا، وہ اس کا مصداق قرار پائے گا۔

أَوْ تَرَكَهُ يَلْهَثٌ ذَلِكُمْ مِثْلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا
بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۰﴾

سَاءَ مَثَلًا لِّلْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا وَانْتَفَاهُمْ كَانُوا
يُفْهِمُونَ ﴿۱۱﴾

مَنْ يُهْدِ اللَّهُ فِتْنَةً لِّمُتَّبِعِيٍّ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ
فِتْنَةً لِّمُتَّبِعِيٍّ ﴿۱۲﴾

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كُتُبًا مِّنَ الْقُرْآنِ وَالْزُكْرِ لَعَلَّهُمْ يَلْقَوْنَ
يُفْهِمُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَذْنَ
لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَانُوا لَمِنَ الْقَوْمِ
الَّذِينَ كَذَبُوا ﴿۱۳﴾

نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا سو اس کی حالت کتے کی
سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس
کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے^(۱) یہی حالت ان لوگوں کی
ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو آپ اس حال
کو بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں۔^(۲) (۱۷۶)
ان لوگوں کی حالت بھی بری حالت ہے^(۳) جو ہماری
آیات کو جھٹلاتے ہیں اور وہ اپنا نقصان کرتے
ہیں۔ (۱۷۷)

جس کو اللہ ہدایت کرتا ہے سو ہدایت پانے والا وہی ہوتا
ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے سو ایسے ہی لوگ خسارے
میں پڑنے والے ہیں۔^(۴) (۱۷۸)

اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے
لئے پیدا کئے ہیں،^(۵) جن کے دل ایسے ہیں جن سے
نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں
دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے۔
یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی

(۱) لہٹ کتے ہیں تھکاوٹ یا پیاس وغیرہ کی وجہ سے زبان کے باہر نکالنے کو۔ کتے کی یہ عادت ہے کہ تم اسے ڈانڈو ڈپٹو یا
اس کے حال پر چھوڑ دو، دونوں حالتوں میں وہ بھونکنے سے باز نہیں آتا، اسی طرح اس کی یہ عادت بھی ہے کہ وہ شکم میر
ہو یا بھوکا، تندرست ہو یا بیمار، تھکا ماندہ ہو یا توانا، ہر حال میں زبان باہر نکالے ہانپتا رہتا ہے۔ یہی حال ایسے شخص کا ہے
اسے وعظ کرو یا نہ کرو، اس کا حال ایک ہی رہے گا اور دنیا کے مال و متاع کے لیے اس کی رال ٹپکتی رہے گی۔

(۲) اور اس قسم کے لوگوں سے عبرت حاصل کر کے، گمراہی سے بچیں اور حق کو اپنائیں۔

(۳) مثلاً تمیز ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی سَاءَ مَثَلًا مِثْلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا۔

(۴) یہ اس کے قانون مشیت کا بیان ہے جس کی وضاحت پہلے دو تین مرتبہ کی جا چکی ہے۔

(۵) اس کا تعلق تقدیر سے ہے۔ یعنی ہر انسان اور جن کی بابت اللہ کو علم تھا کہ وہ دنیا میں جا کر اچھے یا بُرے کیا عمل
کرے گا، اس کے مطابق اس نے لکھ رکھا ہے۔ یہاں انہی دوزخیوں کا ذکر ہے جنہیں اللہ کے علم کے مطابق دوزخ
والے ہی کام کرنے تھے۔ آگے ان کی مزید صفات بیان کر کے بتا دیا گیا کہ جن لوگوں کے اندر یہ چیزیں اسی انداز میں ہوں
جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے، تو سمجھ لو کہ اس کا انجام برا ہے۔

زیادہ گمراہ ہیں۔^(۱) یہی لوگ غافل ہیں۔ (۱۷۹)

اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں سوان ناموں سے
اللہ ہی کو موسوم کیا کرو^(۲) اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی
نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں^(۳) ان
لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔ (۱۸۰)

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوْا الْكُفْرَ ۚ يُلْحِدُوْنَ
فَإِسْمَآئِيْہِ سُبْحٰنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

(۱) یعنی دل 'آنکھ' کان یہ چیزیں اللہ نے اس لیے دی ہیں کہ انسان ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے پروردگار کو سمجھے
اس کی آیت کا مشاہدہ کرے اور حق کی بات کو غور سے سمجھے۔ لیکن جو شخص ان مشاعرے سے یہ کام نہیں لیتا وہ گویا ان
سے عدم انتفاع (فائدہ نہ اٹھانے) میں چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔ اس لیے کہ چوپایے تو پھر بھی
اپنے نفع نقصان کا کچھ شعور رکھتے ہیں اور نفع والی چیزوں سے نفع اٹھاتے اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچ کر رہتے
ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اعراض کرنے والے شخص کے اندر تو یہ تمیز کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے کہ
اس کے لیے مفید چیز کون سی ہے اور مضر کون سی؟ اسی لیے اگلے جملے میں انہیں غافل بھی کہا گیا ہے۔

(۲) حُسْنُ الْأَسْمَاءِ کی تائید ہے۔ اللہ کے ان اچھے ناموں سے مراد اللہ کے وہ نام ہیں جن سے اس کی مختلف صفات
اس کی عظمت و جلالت اور اس کی قدرت و طاقت کا اظہار ہوتا ہے۔ محکم کی حدیث میں ان کی تعداد ۹۹ (ایک کم سو)
بتائی گئی۔ اور فرمایا کہ "جو ان کو شمار کرے گا جنت میں داخل ہو گا" اللہ تعالیٰ طاق ہے طاق کو پسند فرماتا ہے۔"
(بخاری 'کتاب الدعوات' باب للہ ما شئت اسمہ واحد۔ "مسلم 'کتاب الذکر' باب فی أسماء اللہ تعالیٰ
وفضل من أخصها) شمار کرنے کا مطلب ہے 'ان پر ایمان لانا' یا ان کو گنتا اور انہیں ایک ایک کر کے بطور تبرک
اخلاص کے ساتھ پڑھنا یا ان کا حفظ ان کے معانی کا جاننا اور ان سے اپنے کو متصف کرنا۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ 'کتاب
الدعوات' باب أسماء اللہ تعالیٰ) بعض روایات میں ان ۹۹ ناموں کو ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ روایات ضعیف ہیں اور علمائے
انہیں مرجع قرار دیا ہے یعنی راویوں کا اضافہ۔ وہ نبی ﷺ کی حدیث کا حصہ نہیں ہیں۔ نیز علمائے یہ بھی وضاحت کی
ہے کہ اللہ کے ناموں کی تعداد ۹۹ میں مختصر نہیں ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ ہیں۔ (ابن کثیر فتح القدیر)

(۳) الحاد کے معنی ہیں کسی ایک طرف مائل ہونا۔ اسی سے لحد ہے جو اس قبر کو کہا جاتا ہے جو ایک طرف بنائی جاتی ہے۔
دین میں الحاد اختیار کرنے کا مطلب کج روی اور گمراہی اختیار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد (کج روی) کی تین
صورتمیں ہیں۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں تبدیلی کر دی جائے۔ جیسے مشرکین نے کیا۔ مثلاً اللہ کے ذاتی نام سے اپنے
ایک بت کا نام لات اور اس کے صفاتی ناموں عربیٰ سے عَزَّیٰ بَیٰلَیَا۔ ۲۔ یا اللہ کے ناموں میں اپنی طرف سے اضافے کر
لینا جس کا حکم اللہ نے نہیں دیا۔ ۳۔ یا اس کے ناموں میں کسی ایک ہی مخصوص نام سے پکارا
جائے اور دوسرے صفاتی ناموں سے پکارنے کو برا سمجھا جائے۔ (فتح القدیر) اللہ کے ناموں میں الحاد کی ایک صورت یہ
بھی ہے کہ ان میں تاویل یا تعطیل یا تشبیہ سے کام لیا جائے (ایسر التفاسیر) جس طرح معتزلہ، معتزلہ اور مشبہ وغیرہ گمراہ

وَمَنْ خَلَقْنَا امَةً يَعْبُدُونِ يَأْتِيهِمْ رِجَالُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْكُمُونَ ﴿١٨١﴾

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٢﴾

وَأَمِلْ لَهُمُ الزُّبُرُ الْبَدِيعُ ﴿١٨٣﴾

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا يَصَاحِبُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٤﴾

أَوَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَلٰئِكَةِ الرَّحْمٰنِ شَيْءٌ ۚ اِنْ عَنِ اَنْ يَكُوْنُوْا فِىْ قُرْبٍ ۙ اَجَلُهُمْ اِلٰىٰى حٰدِيْثٍ ۚ بَعْدَ اٰیٰتِ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٥﴾

اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتی ہے اور اس کے موافق انصاف بھی کرتی ہے۔ (۱۸۱)

اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو بتدریج (گرفت میں) لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں۔ (۱۸۲)

اور ان کو صلت دیتا ہوں بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔ (۱۸۳)

کیا ان لوگوں نے اس بات پر غور نہ کیا کہ ان کے ساتھی کو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والے ہیں۔ (۱۸۴)

اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور دوسری چیزوں میں جو اللہ نے پیدا کی ہیں اور اس بات میں کہ ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی آ پہنچی ہو۔ (۱۸۵) پھر قرآن کے بعد کون سی بات پر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟ (۱۸۵)

فرتوں کا طریقہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان سب سے بچ کر رہو۔

(۱) یہ وہی استدراج و امسال ہے جو بطور امتحان اللہ تعالیٰ افراد اور قوموں کو دیتا ہے۔ پھر جب اس کی مشیت مؤاخذہ کرنے کی ہوتی ہے تو کوئی اس سے بچانے پر قادر نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کی تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

(۲) صاحب سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے جن کی بابت مشرکین کبھی ساحر اور کبھی مجنون (نعوذ باللہ) کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تمہارے عدم تفکر کا نتیجہ ہے۔ وہ تو ہمارا پیغامبر ہے جو ہمارے احکام پہنچانے والا اور ان سے غفلت و اعراض کرنے والوں کو ڈرانے والا ہے۔

(۳) مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں پر بھی اگر یہ غور کریں تو یقیناً یہ اللہ پر ایمان لے آئیں، اس کے رسول کی تصدیق اور اس کی اطاعت اختیار کریں اور انہوں نے جو اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں انہیں چھوڑ دیں اور اس بات سے ڈریں کہ انہیں موت اس حال میں آجائے کہ وہ کفر پر قائم ہوں۔

(۴) حدیث سے مراد یہاں قرآن کریم ہے۔ یعنی نبی ﷺ کے انذار و تنہید اور قرآن کریم کے بعد بھی اگر یہ ایمان نہ لائیں تو ان سے بڑھ کر انہیں ڈرانے والی چیز اور کیا ہوگی جو اللہ کی طرف سے نازل ہو اور پھر یہ اس پر ایمان لائیں؟

مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ
يَعْمَهُونَ ۝

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِمُهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ
رَبِّي لَا يُجِيبُهُ إِلَّا الْقَلِيلُ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا يَسْأَلُكُمْ
إِلَّا أَنَّهُ يَسْأَلُونَكُمُ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ
وَلَكِنَّ أَكْثَر النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی راہ پر نہیں لا
سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے
چھوڑ دیتا ہے۔ (۱۸۶)

یہ لوگ آپ سے قیامت^(۱) کے متعلق سوال کرتے ہیں
کہ اس کا وقوع کب ہو گا؟^(۲) آپ فرما دیجئے کہ اس کا
علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے^(۳) اس کے
وقت پر اس کو سوا اللہ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا۔ وہ
آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری (حادثہ) ہو گا^(۴) وہ تم پر
محض اچانک آ پڑے گی۔ وہ آپ سے اس طرح پوچھتے
ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں۔^(۵) آپ
فرما دیجئے کہ اس کا علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے لیکن
اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۱۸۷)

آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی
نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا، مگر اتنا ہی کہ جتنا
اللہ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں
بست سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا
میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ
كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَا سْتَلْزَمْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ
الشُّوْءُ لَئِنْ آتَانِيَ اللَّهُ نِزْلًا مِّنْ سَمَوَاتِهِ لَتَكُونُ قَوْمِ الْمُنْذَرِينَ ۝

(۱) سَاعَةُ کے معنی گھڑی (الحد یا پل) کے ہیں۔ قیامت کو ساعت اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ اچانک اس طرح آ جائے
گی کہ پل بھر میں ساری کائنات درہم برہم ہو جائے گی یا سرعت حساب کے اعتبار سے قیامت کی گھڑی کو ساعت
سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۲) أَوْسَى يُزَيِّنُ کے معنی اثبات و وقوع کے ہیں، یعنی کب یہ قیامت ثابت یا واقع ہو گی؟

(۳) یعنی اس کا یقینی علم نہ کسی فرشتے کو ہے نہ کسی نبی کو، اللہ کے سوا اس کا علم کسی کے پاس نہیں، وہی اس کو اپنے
وقت پر ظاہر فرمائے گا۔

(۴) اس کے ایک دوسرے معنی ہیں۔ اس کا علم آسمان اور زمین والوں پر بھاری ہے، کیونکہ وہ مخفی ہے اور مخفی چیز
دلوں پر بھاری ہوتی ہے۔

(۵) حَيْثُ کہتے ہیں پیچھے پڑ کر سوال کرنے اور تحقیق کرنے کو۔ یعنی یہ آپ ﷺ سے قیامت کے بارے میں اس طرح
سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ نے رب کے پیچھے پڑ کر اس کی بابت ضروری علم حاصل کر رکھا ہے۔

لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔^(۱) (۱۸۸)

وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے تم کو ایک تن واحد سے پیدا کیا^(۲) اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا^(۳) تاکہ وہ اس اپنے جوڑے سے انس حاصل کرے^(۴) پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو^(۵) اس کو حمل رہ گیا ہلکا سا۔ سو وہ

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا مِثْلَ بَقَرَتٍ يُبَاهٍ
فَلَمَّا أَنْفَلَتْ دَعَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَنُكَفِّرَنَّ
مِنَ الشَّيْءِ ۝

(۱) یہ آیت اس بات میں کتنی واضح ہے کہ نبی ﷺ کو عالم الغیب نہیں۔ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے۔ لیکن ظلم اور جمالت کی انتہا ہے کہ اس کے باوجود اہل بدعت آپ ﷺ کو عالم الغیب باور کراتے ہیں۔ حالانکہ بعض جنگوں میں آپ کے دندان مبارک بھی شہید ہوئے، آپ ﷺ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہوا، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قوم کیسے فلاح یاب ہوگی جس نے اپنے نبی کے سر کو زخمی کر دیا، کتب حدیث میں یہ واقعات بھی اور ذیل کے واقعات بھی درج ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ہمت لگی تو آپ پورا ایک مہینہ سخت مضطرب اور نہایت پریشان رہے۔ ایک یہودی عورت نے آپ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا، جسے آپ نے بھی تناول فرمایا اور صحابہ نے بھی، حتیٰ کہ بعض صحابہ تو کھانے کے زہر سے ہلاک ہی ہو گئے اور خود نبی ﷺ عمر بھر اس زہر کے اثرات محسوس فرماتے رہے۔ یہ اور اس قسم کے متعدد واقعات ہیں جن سے واضح ہے کہ آپ کو عدم علم کی وجہ سے تکلیف پہنچی، نقصان اٹھانا پڑا، جس سے قرآن کی بیان کردہ حقیقت کا اثبات ہوتا ہے کہ ”اگر میں غیب جانتا ہوتا تو مجھے کوئی مضرت نہ پہنچتی۔“

(۲) ابتدا یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے۔ اسی لیے ان کو انسان اول اور ابوالبشر کہا جاتا ہے۔

(۳) اس سے مراد حضرت حوا ہیں، جو حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ بنیں۔ ان کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، جس طرح کہ منہا کی ضمیر سے، جو نفس واحدہ کی طرف راجع ہے، واضح ہے (مزید دیکھئے سورۃ نساء آیت ۱ کا حاشیہ)۔
(۴) یعنی اس سے اطمینان و سکون حاصل کرے۔ اس لیے کہ ایک جنس اپنے ہی ہم جنس سے صحیح معنوں میں مانوس اور قریب ہو سکتی ہے جو سکون حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ قربت کے بغیر یہ ممکن ہی نہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ (روم-۲۱) ”اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے (یا تمہاری جنس ہی میں سے) جوڑے پیدا کیے، تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان اس نے پیار و محبت رکھ دی“ یعنی اللہ نے مرد اور عورت دونوں کے اندر ایک دوسرے کے لیے جو جذبات اور کشش رکھی ہے، فطرت کے یہ تقاضے وہ جوڑا بن کر پورا کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے قرب و انس حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ جو باہمی پیار میں بیوی کے درمیان ہوتا ہے وہ دنیا میں کسی اور کے ساتھ نہیں ہوتا۔

(۵) یعنی یہ نسل انسانی اس طرح بڑھی اور آگے چل کر جب ان میں سے ایک زوج یعنی میاں بیوی نے ایک دوسرے سے قربت کی۔ تَغَشَّاهَا کے معنی بیوی سے ہم بستری کرنا ہیں۔ یعنی وطی کرنے کے لیے ڈھانپنا۔

اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی،^(۱) پھر جب وہ بو جھل ہو گئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے جو ان کا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر تو نے ہم کو صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے۔^(۲) (۱۸۹)

سو جب اللہ نے دونوں کو صحیح سالم اولاد دے دی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے،^(۳) سو اللہ پاک ہے ان کے شرک سے۔ (۱۹۰)

کیا ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہ کر سکیں اور وہ خود ہی پیدا کئے گئے ہوں۔ (۱۹۱)

اور وہ ان کو کسی قسم کی مدد نہیں دے سکتے اور وہ خود بھی مدد نہیں کر سکتے۔ (۱۹۲)

اور اگر تم ان کو کوئی بات بتلانے کو پکارو تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں^(۴) تمہارے اعتبار سے دونوں امر برابر ہیں خواہ تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو۔ (۱۹۳)

فَلَمَّا اتَّخَذْتُمَا صَاحِبًا وَجَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَلَّىٰ اللَّهُ عَنَّا يَتِرُونَ ﴿۱۸۹﴾

أَيُّتِرُونَ مَا لَا يَخْلُقُ مِنَّا وَهُمْ يَعْبَهُونَ ﴿۱۹۰﴾

وَلَا يَسْتَفِيدُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿۱۹۱﴾

وَأَن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ تَوَاتُعَيْنَاكُمْ أَذْعُونَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْقِصُوا مَثُورًا ﴿۱۹۲﴾

(۱) یعنی حمل کے ابتدائی ایام میں حتیٰ کہ نطفے سے علقۃ اور علقۃ سے مُضَغَّة بننے تک 'حمل خفیف ہی رہتا ہے' محسوس بھی نہیں ہوتا اور عورت کو زیادہ گرانی بھی نہیں ہوتی۔

(۲) بو جھل ہو جانے سے مراد 'جب بچہ پیٹ میں بڑا ہو جاتا ہے تو جوں جوں ولادت کا وقت قریب آتا جاتا ہے' والدین کے دل میں خطرات اور توہمات پیدا ہوتے جاتے ہیں (بالخصوص جب عورت کو انحراف کی بیماری ہو) تو انسانی فطرت ہے کہ خطرات میں وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے 'چنانچہ وہ دونوں اللہ سے دعائیں کرتے ہیں اور شکر گزاری کا عہد کرتے ہیں۔

(۳) شریک قرار دینے سے مراد یا تو بچے کا نام ایسا رکھنا ہے، مثلاً امام بخش، پیراں دہ، عبد شمس، بندہ علی، وغیرہ، جس سے یہ اظہار ہوتا ہو کہ یہ بچہ فلاں بزرگ، فلاں پیر کی (نخود پھند) نظر کرم کا نتیجہ ہے۔ یا پھر اپنے اس عقیدے کا اظہار کرے کہ ہم فلاں بزرگ یا فلاں قبر پر گئے تھے جس کے نتیجے میں یہ بچہ پیدا ہوا ہے۔ یا کسی مردہ کے نام کی نذر نیا ز دے یا بچے کو کسی قبر پر لے جا کر اس کا معاہدہں نکائے کہ ان کے طفیل بچہ ہوا ہے۔ یہ ساری صورتیں اللہ کا شریک ٹھہرانے کی ہیں 'جو بد قسمتی سے مسلمان عوام میں بھی عام ہیں۔ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ شرک کی تردید فرما رہا ہے۔

(۴) یعنی تمہاری بتلائی ہوئی بات پر عمل نہیں کریں گے۔ ایک دوسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ اگر تم ان سے رشد و ہدایت طلب کرو، تو وہ تمہاری بات نہیں مانیں گے، نہ تمہیں کوئی جواب ہی دیں گے (فتح القدیر)

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا أُمَّنُوا كَلِمَةً
فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا الْكَلِمَةَ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۰﴾

أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا كَلِمَةً لَا تَظُنُّونَ بِهَا أَمْرًا لَهُمْ
أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْرًا لَهُمْ إِذَا نُسِيتُ لَهُمْ يَمْشُونَ بِهَا كَلِمَةً
أَدْعُوا شُرَكَاءَ كَلِمَةٍ تُفَكِّدُونِ فَلَا تُنْظَرُونَ ﴿۳۱﴾

إِنَّ وَلِيَ اللَّهِ الْكَوْبَىٰ نَزَلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَكْتُبُ الصَّالِحِينَ ﴿۳۲﴾

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ نَدْعَاكُمْ وَلَا
أَنفُسُهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿۳۳﴾

واقعی تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم
ہی جیسے بندے ہیں^(۱) سو تم ان کو پکارو پھر ان کو چاہئے کہ
تمہارا کہنا کرویں اگر تم سچے ہو۔ (۱۹۳)

کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں یا ان کے ہاتھ
ہیں جن سے وہ کسی چیز کو تھام سکیں 'یا ان کی آنکھیں ہیں
جن سے وہ دیکھتے ہوں 'یا ان کے کان ہیں جن سے وہ
سننے ہیں^(۲) آپ کہہ دیجئے! تم اپنے سب شرکا کو بلا
لو، پھر میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو پھر مجھ کو ذرا مہلت
مت دو۔^(۳) (۱۹۵)

یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل
فرمائی اور وہ نیک بندوں کی مدد کرتا ہے۔ (۱۹۶)
اور تم جن لوگوں کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ
تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے
ہیں۔^(۴) (۱۹۷)

(۱) یعنی جب وہ زندہ تھے۔ بلکہ اب تو تم خود ان سے زیادہ کامل ہو 'اب وہ دیکھ نہیں سکتے' تم دیکھتے ہو۔ وہ سن نہیں
سکتے' تم سننے ہو۔ وہ کسی کی بات سمجھ نہیں سکتے' تم سمجھتے ہو۔ وہ جواب نہیں دے سکتے' تم دیتے ہو۔ اس سے معصوم ہوا
کہ مشرکین 'جن کی مورتیاں بنا کر پوجتے تھے' وہ بھی پہلے اللہ کے بندے یعنی انسان ہی تھے 'جیسے حضرت نوح علیہ السلام
کی قوم کے پانچ بیٹوں کی بابت صحیح بخاری میں صراحت موجود ہے کہ وہ اللہ کے نیک بندے تھے۔

(۲) یعنی اب ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے پاس موجود نہیں ہے۔ مرنے کے ساتھ ہی دیکھنے 'سننے' سمجھنے اور چمنے کی
طاقت ختم ہو گئی۔ اب ان کی طرف منسوب یا تو پتھریا لکڑی کی خود تراشیدہ مورتیاں ہیں یا گنبد 'قبر' اور آستانے ہیں جو
ان کی قبروں پر بنا لیے گئے اور یوں استخوانِ فردشی کا کاروبار فروغ پذیر ہے۔ حطر

اگرچہ میرے آدم 'جواں ہیں لات و ملت

(۳) یعنی اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ یہ تمہارے مددگار ہیں تو ان سے کہو کہ میرے خلاف تدبیر کریں۔

(۴) جو اپنی مدد آپ کرنے پر قادر نہ ہوں 'وہ بھلا دوسروں کی مدد کیا کریں گے؟

جو خود محتاج ہووے دوسرے کا
بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

وَأَنْ تَذْكُرُوهُ إِلَى الْهَدَىٰ لِكَيْتَمُوتُوا وَتَرَأَوْهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ
وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۹﴾

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿۲۰﴾

وَأَتَاكَ يَزْعَمُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعًا فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۱﴾

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الصُّوْرَةَ طَافٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذْكُرُوا
فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ ﴿۲۲﴾

اور ان کو اگر کوئی بات بتلانے کو پکارو تو اس کو نہ
سنیں ^(۱) اور ان کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ
رہے ہیں اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔ (۱۹۸)

آپ درگزر کو اختیار کریں ^(۲) نیک کام کی تعلیم دیں ^(۳)
اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جائیں۔ ^(۴) (۱۹۹)

اور اگر آپ کو کوئی دوسرا شیطان کی طرف سے آنے
لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے ^(۵) بلاشبہ وہ خوب سننے والا
خوب جاننے والا ہے۔ (۲۰۰)

یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان
کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو

(۱) اس کا وہی مفہوم ہے جو آیت ۱۹۳ کا ہے۔

(۲) بعض علما نے اس کے معنی کیے ہیں خُذْ مَا عَمَّا لَكَ مِنْ أَمْوَالِهِمْ أَيَّ مَا فَضَّلَ یعنی "جو ضرورت سے زائد مال
ہو، وہ لے لو" اور یہ زکوٰۃ کی فرضیت سے قبل کا حکم ہے۔ (المنہج البیاض، جلد ۸، ص ۳۰۵) لیکن دوسرے مفسرین نے
اس سے اخلاقی ہدایت یعنی عفو و درگزر مراد لیا ہے اور امام ابن جریر اور امام بخاری وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔
چنانچہ امام بخاری نے اس کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ عیینہ بن حمن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی
خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر ان پر تنقید کرنے لگے کہ آپ ہمیں نہ پوری عطا دیتے ہیں اور نہ ہمارے درمیان
انصاف کرتے ہیں جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غضب ناک ہوئے "یہ صورت حال دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشیر حبن قیس
نے (جو عیینہ کے بھتیجے تھے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی ﷺ کو حکم فرمایا تھا۔ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ
بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ درگزر کو اختیار کیجئے اور نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے۔" اور یہ بھی
جاہلوں میں سے ہے "جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درگزر فرمادیا۔ وَكَانَ وَقَافًا عِنْدَ كِتَابِ اللَّهِ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ
کی کتاب کا حکم سن کر فوراً گردن خم کر دینے والے تھے۔" (اصحیح بخاری۔ تفسیر سورة الاعراف اس کی تائید
ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں ظلم کے مقابلے میں معاف کر دینے، قطع رحمی کے مقابلے میں صلہ رحمی اور برائی
کے بدلے احسان کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

(۳) عُرْفٌ سے مراد معروف یعنی نیکی ہے۔

(۴) یعنی جب آپ نیکی کا حکم دینے میں اتمام حجت کر چکیں اور پھر بھی وہ نہ مانیں تو ان سے اعراض فرمائیں اور ان کے
جھگڑوں اور حماقتوں کا جواب نہ دیں۔

(۵) اور اس موقع پر اگر آپ کو شیطان اشتغال میں لانے کی کوشش کرے تو آپ اللہ کی پناہ طلب فرمائیں۔

وَأَخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ﴿۳۰﴾

وَأَذِّنْ لِلْعَذَابِ أَنَّهُمْ بِآيَاتِهِ أَجْتَنَّبَهَا قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُمْ بِمَا يَأْتِيكُمْ مِنَ الْقُرْآنِ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۳۱﴾

وَأَذِّنْ لِلْعَذَابِ أَنَّهُمْ بِآيَاتِهِ أَجْتَنَّبَهَا قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُمْ بِمَا يَأْتِيكُمْ مِنَ الْقُرْآنِ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۳۱﴾

ایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔^(۱) (۲۰۱)

اور جو شیاطین کے تابع ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچ لے جاتے ہیں پس وہ باز نہیں آتے۔^(۲) (۲۰۲)

اور جب آپ کوئی معجزہ ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ یہ معجزہ کیوں نہ لائے؟^(۳) آپ فرما دیجئے کہ میں اس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے حکم بھیجا گیا ہے یہ گویا بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔^(۴) (۲۰۳)

اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو۔^(۵) (۲۰۴)

(۱) اس میں اہل تقویٰ کی بابت بتلایا گیا ہے کہ وہ شیطان سے چوکنار رہتے ہیں۔ طائف یا لیمت اس تخیل کو کہتے ہیں جو دس میں آئے یا خواب میں نظر آئے۔ یہاں اسے شیطانی دوسے کے معنی میں استعمال کیا گیا، کیونکہ دوسرے شیطانی بھی خیالی تصورات کے مشابہ ہے۔ (فتح القدیر)

(۲) یعنی شیطان کافروں کو گمراہی کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں، پھر وہ کافر (گمراہی کی طرف جانے میں) یا شیطان انکو لے جانے میں کوتاہی کی نہیں کرتے۔ یعنی لَا يُقْصِرُونَ کا قائل کافر بھی بن سکتے ہیں اور إِخْوَانُ الْكُفَّارِ شیاطین بھی۔

(۳) مراد ایسا معجزہ ہے جو ان کے کہنے پر ان کی خواہش کے مطابق ظاہر کر کے دکھایا جائے۔ جیسے ان کے بعض مطالبات سورہ بنی اسرائیل، آیت ۹۰-۹۳ میں بیان کیے گئے ہیں۔

(۴) لَوْلَا أَجْتَنَّبَهَا کے معنی ہیں 'تو اپنے پاس سے ہی کیوں نہیں بٹالتا؟' اس کے جواب میں بتلایا گیا کہ آپ فرمادیں 'معجزات پیش کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے میں تو صرف وحی الہی کا پیروکار ہوں۔ ہاں البتہ یہ قرآن جو میرے پاس آیا ہے' یہ بجائے خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے بھاری (دلائل و براہین) اور ہدایت و رحمت ہے۔ بشرطیکہ کوئی ایمان لائے والا ہو۔

(۵) یہ ان کافروں کو کہا جا رہا ہے جو قرآن کی تلاوت کرتے وقت شور کرتے تھے اور اپنے ساتھیوں کو کہتے تھے ﴿لَا تَسْمَعُوا مِنْ الْقُرْآنِ وَالْقَوَا فِيهِ﴾ احکم المسجد ۱۶۶ یہ قرآن مت سنو اور شور کرو "ان سے کہا گیا کہ اس کے بجائے تم اگر غور سے سنو اور خاموش رہو تو شاید اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت سے نواز دے۔ اور یوں تم رحمت الہی کے مستحق بن جاؤ۔

بعض ائمہ دین اسے عام مراد لیتے ہیں یعنی جب بھی قرآن پڑھا جائے 'چاہے نماز ہو یا غیر نماز' سب کو خاموشی سے قرآن

اور اے شخص! اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور اہل غفلت میں سے مت ہونا۔ (۲۰۵)

یقیناً جو تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ (۲۰۶)

وَأَذْكُرُكَ بِذَنبِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدَوْنُ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ ۝

إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِمْ وَيَسَبِّحُونَ لَهُ مَا يَمْجُدُونَ ۝



سُورَةُ الْأَنْفَالِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ فَأَتُوا

سورہ انفال مدنی ہے اور اس کی پچھتر آیات اور دس رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم کرنے والا ہے

یہ لوگ آپ سے غنیمتوں کا حکم دریافت کرتے ہیں^(۱)

سننے کا حکم ہے اور پھر وہ اس عموم سے استدلال کرتے ہوئے جہری نمازوں میں مقتدی کے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو بھی اس قرآنی حکم کے خلاف بتاتے ہیں۔ لیکن دوسرے علما کی رائے یہ ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی تاکید نبی ﷺ سے صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ ان کے نزدیک اس آیت کو صرف کفار کے متعلق ہی سمجھنا صحیح ہے جیسا کہ اس کے مکی ہونے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن اگر اسے عام سمجھا جائے تب بھی اس عموم سے نبی ﷺ نے مقتدیوں کو خارج فرما دیا اور یوں قرآن کے اس عموم کے باوجود جہری نمازوں میں مقتدیوں کا سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہو گا۔ کیونکہ قرآن کے اس عموم کی یہ تخصیص صحیح و قوی احادیث سے ثابت ہے۔ بنا بریں جس طرح اور بعض عموماً قرآنی کی تخصیص احادیث کی بنیاد پر تسلیم کی جاتی ہے مثلاً آیت ﴿أَرْبَعَةٌ وَالزَّانِي فَلْيُلَاحِظْ﴾ (النور ۲۰) کے عموم سے شادی شدہ زانی کا اخراج اور (السارق والسارقة) کے عموم سے ایسے چور کا اخراج یا تخصیص جس نے ربل و نثار سے کم مالیت کی چیز چوری کی ہو یا چوری شدہ چیز 'حرز میں نہ رکھی ہو۔ وغیرہ۔ اسی طرح ﴿فَلْيَسْمَعُوا أَهْلَهُمْ وَكُلُّهُمْ﴾ کے عمومی حکم سے مقتدی خارج ہوں گے اور ان کے لیے جہری نمازوں میں بھی سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہو گا کیونکہ نبی ﷺ نے اس کی تاکید فرمائی ہے (جیسا کہ سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں یہ احادیث بیان کی گئی ہیں)

(۱) أَنْفَالٌ، نَفْلٌ کی جمع ہے جس کے معنی زیادہ کے ہیں یہ اس مال و اسباب کو کہا جاتا ہے جو کافروں کے ساتھ جنگ میں ہاتھ لگے جسے غنیمت بھی کہا جاتا ہے اسے نفل (زیادہ) اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ان چیزوں میں سے ایک ہے جو پچھلی امتوں پر حرام تھیں۔ یہ گویا امت محمدیہ پر ایک زائد چیز حلال کی گئی ہے یا اس لیے کہ یہ جوہر کے اجر سے (جو آخرت میں ملے گا) ایک زائد چیز ہے جو بعض دفعہ دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔

اللّٰهُ وَاصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

آپ فرما دیجئے کہ یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی ہیں^(۱) سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔^(۲) (۱)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ رَزَقُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَكَانَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا رَزَقُوْا مِنْهُ اِيْثًا رَّادُوْهُ اِيْمَانًا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتیں ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔^(۳) (۲)

(۱) یعنی اس کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں۔ اللہ کا رسول اللہ کے حکم سے اسے تقسیم فرمائے گا۔ نہ کہ تم آپس میں جس طرح چاہو اسے تقسیم کر لو۔

(۲) اس کا مطلب یہ ہوا کہ مذکورہ تینوں باتوں پر عمل کے بغیر ایمان مکمل نہیں۔ اس سے تقویٰ اصطلاح ذات الہیہ اور اللہ اور رسول کی اطاعت کی اہمیت واضح ہے۔ خاص طور پر مال غنیمت کی تقسیم میں ان تینوں امور پر عمل نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ مال کی تقسیم میں باہمی فساد کا بھی شدید اندیشہ رہتا ہے اس کے علاج کے لیے اصطلاح ذات الہیہ پر زور دیا۔ ہیرا پھیری اور خیانت کا بھی امکان رہتا ہے اس کے لیے تقویٰ کا حکم دیا۔ اس کے باوجود بھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس کا حل اللہ اور رسول کی اطاعت میں مضمر ہے۔

(۳) ان آیات میں اہل ایمان کی ۳ صفات بیان کی گئی ہیں۔ ۱۔ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں نہ کہ صرف اللہ کی یعنی قرآن کی۔ ۲۔ اللہ کا ذکر سن کر اللہ کی جلالت و عظمت سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں ۳۔ تلاوت قرآن سے ان کے ایمانوں میں اضافہ ہوتا ہے (جس سے معلوم ہوا کہ ایمان میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے جیسا کہ محدثین کا مسلک ہے) ۴۔ اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ توکل کا مطلب ہے کہ ظاہری اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ یعنی اسباب سے اعراض و گریز بھی نہیں کرتے کیونکہ انہیں اختیار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے ہی دیا ہے لیکن اسباب ظاہری کو ہی سب کچھ نہیں سمجھ لیتے بلکہ ان کا یہ یقین ہوتا ہے کہ اصل کار فرما مشیت الہی ہی ہے اس لیے جب تک اللہ کی مشیت بھی نہیں ہوگی یہ ظاہری اسباب کچھ نہیں کر سکیں گے اور اس یقین و اعتماد کی بنیاد پر پھر وہ اللہ کی مدد و اعانت حاصل کرنے سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوتے۔ آگے ان کی مزید صفات کا تذکرہ ہے اور ان صفات کے حاملین کے لیے اللہ کی طرف سے سچے مومن ہونے کا سرثقیلیٹ اور مغفرت و رحمت الہی اور رزق کریم کی نوید ہے۔ جَعَلْنَا اللّٰهَ مِنْهُمْ (اللہ تعالیٰ ہمیں ان میں شمار فرمائے)۔

جنگ بدر کا پس منظر: جنگ بدر جو ۲ ہجری میں ہوئی کافروں کے ساتھ مسلمانوں کی پہلی جنگ تھی۔ عدوہ ازیں یہ

جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (۳)

سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔ (۴)

جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ آپ کو روانہ کیا ^(۱) اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔ ^(۲) (۵)

وہ اس حق کے بارے میں اس کے بعد کہ اس کا

الَّذِينَ يُبَيِّتُونَ الْمَسْجِدَ وَنَحْنُ نُبَيِّتُهُمْ لِيُؤْمِنُوا ۚ

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ
وَمَغْفِرَةٌ ۖ وَزِيَادَةٌ ۚ كَذٰلِكَ يَكْفِرُ ۝

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ
الْمُؤْمِنِينَ لَكَاذِبُونَ ۝

يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ ۚ كَذٰلِكَ يُكَذِّبُوكَ إِلَى الْيَوْمِ

منصوبہ بندی اور تیاری کے بغیر اچانک ہوئی۔ نیز بے سرو سامانی کی وجہ سے بعض مسلمان ذہنی طور پر اس کے بے تیار بھی نہیں تھے۔ مختصراً اس کا پس منظر اس طرح ہے کہ ابوسفیان کی (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) سرکردگی میں ایک تجارتی قافلہ شام سے مکہ جا رہا تھا، چونکہ مسلمانوں کا بھی بہت سامان و اسباب ہجرت کی وجہ سے مکہ رہ گیا تھا، یہ کافروں نے چھین لیا تھا، نیز کافروں کی قوت و شوکت کو توڑنا بھی مقصد تھا، ان تمام باتوں کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اس تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا اور مسلمان اس نیت سے مدینہ سے چل پڑے۔ ابوسفیان کو بھی اس امر کی اطلاع مل گئی۔ چنانچہ انہوں نے ایک تو اپنا راستہ تبدیل کر لیا۔ دوسرے مکہ اطلاع بھگوادی جس کی بنا پر ابو جہل ایک لشکر لے کر اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے بدر کی جانب چل پڑا، نبی ﷺ کو اس صورت حال کا علم ہوا تو صحابہ کرام کے سامنے معاملہ رکھ دیا اور اللہ کا وعدہ بھی بتلایا کہ ان دونوں (تجارتی قافلہ اور لشکر) میں سے ایک چیز تمہیں ضرور حاصل ہوگی۔ ہم پھر بھی لڑائی میں بعض صحابہ نے تردد کا اظہار اور تجارتی قافلے کے تعاقب کا مشورہ دیا، جب کہ دوسرے تمام صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لڑنے میں بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ اسی پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئیں۔

(۱) یعنی جس طرح مال غنیمت کی تقسیم کا معاملہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا باعث بنا ہوا تھا۔ پھر اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حوالہ کر دیا گیا تو اسی میں مسلمانوں کی بہتری تھی، اسی طرح آپ کا مدینہ سے نکلنا اور پھر آگے چل کر تجارتی قافلے کے بجائے لشکر قریش سے ٹکرائی ہو جانا، بعض طبائع کے لیے ناگوار تھا، لیکن اس میں بھی بالآخر فائدہ مسلمانوں ہی کا ہو گا۔

(۲) یہ ناگواری لشکر قریش سے لڑنے کے معاملے میں تھی، جس کا اظہار چند ایک افراد کی طرف سے ہوا اور اس کی وجہ بھی صرف بے سرو سامانی تھی۔ اس کا تعلق مدینہ سے نکلنے سے نہیں ہے۔

وَمَنْ يَنْظُرُونَ ۝

ظہور ہو گیا تھا^(۱) آپ سے اس طرح جھگڑ رہے تھے کہ گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لئے جاتا ہے اور وہ دیکھ رہے ہیں۔^(۲)

اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو! جب کہ اللہ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی^(۳) اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آجائے^(۴) اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے اور ان کافروں کی جزا کاٹ دے۔^(۵)

تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے گو یہ مجرم لوگ ٹہپندی کریں۔^(۶)

اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے 'پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سہیلی کی تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو لگاتار چلے آئیں گے۔'^(۷)

وَمَنْ يَعِدُ اللَّهُ إِنَّهُ إِحْدَى الْفَافَتَيْنِ أَنَّهُمَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنْ غَيْرَ ذَٰلِكَ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَيِّقَ الْحَقَّ يَكْلَمْتَهُ وَيَقْطَعُ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝

يُخَيِّقُ الْحَقَّ وَيَنْهَلُ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُؤْمِنُونَ ۝

إِذْ تَسْتَعِينُونَ زَكَاةً فَاسْتَجَبَ لَكُمْ إِنِّي مُبْدِي لَكُمْ بَالِغٍ فِيمَ الْبَلَاءِ مُرْدُوهُ ۝

(۱) یعنی یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ قافلہ توجیح کر نکل گیا ہے اور اب لشکر قریش ہی سامنے ہے جس سے لڑائی ناگزیر ہے۔

(۲) یہ بے سرو سامانی کی حالت میں لڑنے کی وجہ سے بعض مسلمانوں کی جو کیفیت تھیں 'اس کا اظہار ہے۔

(۳) یعنی یہ تو تجارتی قافلہ تمہیں مل جائے گا جس سے تمہیں بغیر لڑائی کے وافر مال و اسباب مل جائے گا' بصورت دیگر لشکر قریش سے تمہارا مقابلہ ہو گا اور تمہیں غلبہ ہو گا اور مال غنیمت ملے گا۔

(۴) یعنی تجارتی قافلہ تاکہ بغیر لڑے مال ہاتھ آجائے۔

(۵) لیکن اللہ اس کے برعکس یہ چاہتا تھا کہ لشکر قریش سے تمہاری جنگ ہو تاکہ کفر کی قوت و شوکت ٹوٹ جائے گو یہ امر مجرموں (شُرکوں) کے لیے ناگوار ہی ہو۔

(۶) اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی جب کہ کافر اس سے ۳ گنا (یعنی ہزار کے قریب) تھے 'پھر مسلمان نئے اور بے سرو سامان تھے جب کہ کافروں کے پاس اسلحے کی بھی فراوانی تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں کا سارا صرف اللہ ہی کی ذات تھی جس سے وہ گزر گزار کر مدد کی فریادیں کر رہے تھے۔ خود نبی کریم ﷺ الگ ایک خیمے میں نہایت الخاح و زاری سے مصروف دعا تھے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب المغازی) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دعائیں قبول کیں اور ایک ہزار فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے مسلسل لگاتار مسلمانوں کی مدد کے لیے آ گئے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ الْإِبْتِغَىٰ وَلَاطِمَةً يَه قُلُوبَكُمْ وَمَا النَّصْرَ إِلَّا
مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

إِذْ يُخَيِّطُكُمُ النَّفَاسَ أَمَةً وَمَنْهُ وَيَبْرَأَ عَلَيْكُمُ مِنَ
السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ
الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنْ مَعَكُمْ فَاتِمُوا الَّذِينَ آمَنُوا
سَائِلِينَ فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعُوبَ فَأَضْمُوا فُتُوقِ
الْأَعْنَاقِ وَأَضْمُوا أَمْنَهُمْ كُلِّ بَنَانٍ ۝

اور اللہ تعالیٰ نے یہ اعداد محض اس لئے کی کہ
بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو قرار ہو جائے
اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے ^(۱) جو کہ
زبردست حکمت والا ہے۔ (۱۰)

اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا
اپنی طرف سے چین دینے کے لئے ^(۲) اور تم پر آسمان
سے پانی برسا رہا تھا کہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو پاک کر
دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے ^(۳) اور
تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جما
دے۔ ^(۴) (۱۱)

اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم
دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں سو تم ایمان والوں کی
ہمت بڑھاؤ میں ابھی کفار کے قلوب میں رعب ڈالے
دیتا ہوں، ^(۵) سو تم گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو

(۱) یعنی فرشتوں کا نزول تو صرف خوش خبری اور تمہارے دلوں کے اطمینان کے لیے تھا، ورنہ اصل مدد تو اللہ کی طرف
سے تھی، جو فرشتوں کے بغیر بھی تمہاری مدد کر سکتا تھا تاہم اس سے یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ فرشتوں نے عمل جنگ میں
حصہ نہیں لیا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ میں فرشتوں نے عملی حصہ لیا اور کئی کافروں کو انہوں نے ہی تیغ کیا،
دیکھئے اصحیح بخاری و صحیح مسلم کتاب المغازی و فضائل الصحابة،

(۲) جنگ احد کی طرح جنگ بدر میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اونگھ طاری کر دی، جس سے ان کے دلوں کے بوجھ
ہلکے ہو گئے اور اطمینان و سکون کی ایک خاص کیفیت ان پر طاری ہو گئی۔

(۳) تیسرا انعام یہ کیا کہ بارش نازل فرمادی، جس سے ایک تو رتیلی زمین میں نقل و حرکت آسان ہو گئی۔ دوسرے وضو
و طہارت میں آسانی ہو گئی۔ تیسرے اس سے شیطانی وسوسوں کا ازالہ فرما دیا گیا جو وہ اہل ایمان کے دلوں میں ڈال رہا تھا
کہ تم اللہ کے نیک بندے ہوتے ہوئے بھی پانی سے دور ہو، دوسرے جنابت کی حالت میں تم لڑو گے تو کیسے اللہ کی
رحمت و نصرت تمہیں حاصل ہوگی؟ تیسرے تم یہاں سے ہو، جب کہ تمہارے دشمن سیراب ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۴) یہ چوتھا انعام ہے جو دلوں اور قدموں کو مضبوط کر کے کیا گیا۔

(۵) یہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے سے اور خاص اپنی طرف سے جس جس حقیقہ سے مسلمانوں کی بدر میں مدد
فرمائی اس کا بیان ہے۔

مارو۔^(۱۳)

یہ اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔^(۱۴)

سو یہ سزا چکھو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے جہنم کا عذاب مقرر ہی ہے۔^(۱۵)

اے ایمان والو! جب تم کافروں سے دو بدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا۔^(۱۶)

اور جو شخص ان سے اس موقع پر پشت پھیرے گا مگرہاں جو لڑائی کے لئے چیترا بدلتا ہو یا جو (اپنی) جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنیٰ ہے۔^(۱۷) باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آ جائے گا اور اس کا

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوا ۚ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحَفًا فَلَا تُولُوهُمُ الْاُدْبَارَ ۝

وَمَنْ يُولِهِمْ يُؤْهِدْهُ ذُبُورًا إِلَّا مَتَحَرِّفًا لِّبَتَالٍ
أَوْ مَتَحَرِّفًا لِّبَتَالٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ
وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

(۱) بَنَاب۔ ہاتھوں اور پیروں کے پور۔ یعنی ان کی انگلیوں کے اطراف (کنارے) یہ اطراف کاٹ دیئے جائیں تو ظاہر ہے کہ وہ معذور ہو جائیں گے۔ اس طرح وہ ہاتھوں سے تھوڑا چلانے کے اور پیروں سے بھاگنے کے قابل نہیں رہیں گے۔

(۲) زَحَفًا کے معنی ہیں ایک دوسرے کے مقابل اور دو بدو ہونا۔ یعنی مسلمان اور کافر جب ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہوں تو پیٹھ پھیر کر بھاگنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے اَجْبِثُوا السَّبْعَ الْمَوْنِقَاتِ ”سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو“ ان سات میں ایک وَالْثَّوَلِي يَوْمَ الرِّخْفِ ”مقابلے والے دن پیٹھ پھیر جانا ہے“

(صحیح بخاری، نمبر ۲۷۶۱ کتاب الوصایا وصحیح مسلم، کتاب الایمان)

(۳) گزشتہ آیت میں پیٹھ پھیرنے سے جو منع کیا گیا ہے، دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں، ایک تحریف کی اور دوسری تمیز کی۔ تحریف کے معنی ہیں ایک طرف پھر جانا۔ یعنی لڑائی میں جنگی چال کے طور پر یا دشمن کو دھوکے میں ڈالنے کی غرض سے لڑناڑنا، ایک طرف پھر جائے دشمن یہ سمجھے کہ شاید یہ فکست خوردہ ہو کر بھاگ رہا ہے لیکن پھر وہ ایک دم چیترا بدل کر اچانک دشمن پر حملہ کر دے۔ یہ پیٹھ پھیرنا نہیں ہے بلکہ یہ جنگی چال ہے جو بعض دفعہ ضروری اور مفید ہوتی ہے۔ تحریف کے معنی ملے اور پناہ لینے کے ہیں۔ کوئی مجاہد لڑناڑنا تھارہ جائے تو بہ لطائف الحیل میدان جنگ سے ایک طرف ہو جائے تاکہ وہ اپنی جماعت کی طرف پناہ حاصل کرے اور اس کی مدد سے دوبارہ حملہ کرے۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتُمْ إِذْ رَمَيْتُمْ
وَلَكِنَّ اللَّهَ رَفَعَهُ وَلِيُصْلِحَ الْمُؤْمِنِينَ وَمِنَ بَلَاءِ حَسَنَاتِ
اللَّهِ سَمِعْتُمْ عَلَيْهِ ۝

ذَلِكَ وَأَنَّ اللَّهَ مُؤِثِّرٌ كَثِيرٌ ۝

إِنْ كُنْتُمْ تَحِبُّونَ فَبِئْسَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝
لَكُمْ دُونُ الْعُقَدِ وَلَكُمْ نَفْسِي عَنْكُمْ وَنَفْسِي عَنْكُمْ
كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

ٹھکانہ دوزخ ہو گا وہ بہت ہی بری جگہ ہے ^(۱) (۱۶)
سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو
قتل کیا۔ ^(۲) اور آپ نے خاک کی مٹی نہیں پھینکی بلکہ
اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی ^(۳) اور تاکہ مسلمانوں کو اپنی
طرف سے ان کی محنت کا خوب عوض دے ^(۴) بلاشبہ اللہ
تعالیٰ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ (۱۷)

(ایک بات تو) یہ ہوئی اور (دوسری بات یہ ہے) اللہ تعالیٰ
کو کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنا تھا۔ ^(۵) (۱۸)

اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تمہارے سامنے آ
موجود ہوا ^(۶) اور اگر باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے نہایت
خوب ہے اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی پھر وہی
کام کریں گے اور تمہاری جمیعت تمہارے ذرا بھی کام نہ

(۱) یعنی مذکورہ دو صورتوں کے علاوہ کوئی شخص میدان جنگ سے چنہ پھیرے گا، اس کے لیے یہ سخت وعید ہے۔

(۲) یعنی جنگ بدر کی ساری صورت حال تمہارے سامنے رکھ دی گئی ہے اور جس جس طرح اللہ نے تمہاری وہاں مدد
فرمائی، اس کی وضاحت کے بعد تم یہ نہ سمجھ لینا کہ کافروں کا قتل، یہ تمہارا کارنامہ ہے۔ نہیں بلکہ یہ اللہ کی اس مدد کا
نتیجہ ہے جس کی وجہ سے تمہیں یہ طاقت حاصل ہوئی۔ اس لیے دراصل انہیں قتل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

(۳) جنگ بدر میں نبی ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹی بھر کر کافروں کی طرف پھینکی تھی جسے ایک تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے
مومنوں اور آنکھوں تک پہنچا دیا اور دوسرے، اس میں یہ تاثیر پیدا فرمادی کہ اس سے ان کی آنکھیں چند ہی گھنٹوں میں
کچھ بھائی نہیں رہتا تھا، یہ معجزہ بھی جو اس وقت اللہ کی مدد سے ظاہر ہوا، مسلمانوں کی کامیابی میں بہت مددگار ثابت ہوا۔ اللہ
تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے پیغمبر! کنکریاں بے شک آپ نے پھینکی تھیں، لیکن اس میں تاثیر ہم نے پیدا کی تھی، اگر ہم اس میں یہ
تاثیر پیدا نہ کرتے تو یہ کنکریاں کیا کر سکتی تھیں؟ اس لیے یہ بھی دراصل ہمارا ہی کام تھا کہ آپ کا۔

(۴) بلاء یہاں نعمت کے معنی میں ہے۔ یعنی اللہ کی یہ تائید و نصرت، اللہ کا انعام ہے جو مومنوں پر ہوا۔

(۵) دوسرا مقصد اس کا کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنا اور ان کی قوت و شوکت کو توڑنا تھا۔

(۶) ابو جہل وغیرہ رؤسائے قریش نے مکہ سے نکلنے وقت دعا کی تھی کہ ”یا اللہ ہم میں سے جو تیرا زیادہ نافرمان اور قاطع
رحم ہے، کل کو تو اسے ہلاک کر دے“ اپنے طور پر وہ مسلمانوں کو قاطع رحم اور نافرمان سمجھتے تھے، اس لیے اس قسم کی
دعا کی۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمادی تو اللہ تعالیٰ ان کافروں سے کہہ رہا ہے کہ تم فتح یعنی حق اور
باطل کے درمیان فیصلہ طلب کر رہے تھے تو وہ فیصلہ تو سامنے آچکا ہے، اس لیے اب تم کفر سے باز آ جاؤ، تو تمہارے

آئے گی گو کتنی زیادہ ہو اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ (۱۹)

اے ایمان والو! اللہ کا اور اس کے رسول کا کھانا تو اور اس (کا کھانا منے) سے روگردانی مت کرو سنتے جانتے ہوئے۔ (۲۰)

اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو نا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سنتے (سناتے کچھ) نہیں۔^(۱) (۲۱)

بے شک بدترین خلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں گو نگے ہیں جو کہ (ذرا) نہیں سمجھتے۔^(۲) (۲۲)

اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتا تو ان کو سننے کی توفیق دے دیتا^(۳) اور اگر ان کو اب سنا دے تو ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے۔^(۴) (۲۳)

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالاؤ جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلائے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا
عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ۝

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝

إِنْ شَرَّ لِدَآءِيبٍ يَعْتَدِيهِ الشُّرُكُ الْبُكْرُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ مِنْهُمْ خَيْرًا لَاسْمَعَهُمْ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ
لَتَوَلَّوْا وَهُمْ شَرُّ مُضُنَّ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ إِذَا

لے بہتر ہے اور اگر پھر تم دوبارہ مسلمانوں کے مقابلے میں آؤ گے تو ہم بھی دوبارہ ان کی مدد کریں گے اور تمہاری جماعت کثرت کے باوجود تمہارے کچھ کام نہ آئے گی۔

(۱) یعنی سن لینے کے باوجود عمل نہ کرنا یہ کافروں کا طریقہ ہے، تم اس رویے سے بچو۔ اگلی آیت میں ایسے ہی لوگوں کو بہرہ گوں کا غیر عاقل اور بدترین خلاق قرار دیا گیا ہے۔ ذواتِ ذابۃ کی جمع ہے جو بھی زمین پر چلنے پھرنے والی چیز ہے وہ دابتہ ہے۔ مراد مخلوقات ہے۔ یعنی یہ سب سے بدترین جو حق کے معاملے میں بہرے گوں گئے اور غیر عاقل ہیں۔

(۲) اسی بات کو قرآن کریم میں دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ ﴿لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْإِصْنَانِ الَّذِي لَوْ كَانُوا عَلِيمًا لَظَنُّوا أَنَّهُم مُّخْرَجُونَ ۚ﴾ (الأعراف ۷۱) ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں یہ چوپائے کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ یہ لوگ (اللہ سے) بے خبر ہیں۔

(۳) یعنی ان کے سامع کو نافع بنا کر ان کو فہم صحیح عطا فرمادیا جس سے وہ حق کو قبول کر لیتے اور اسے اپنا لیتے۔ لیکن چونکہ ان کے اندر خیر یعنی حق کی طلب ہی نہیں ہے اس لیے وہ فہم صحیح سے ہی محروم ہیں۔

(۴) پہلے سامع سے مراد سامع نافع ہے۔ اس دوسرے سامع سے مراد مطلق سامع ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ انہیں حق بات سنوا بھی دے تو چونکہ ان کے اندر حق کی طلب ہی نہیں ہے اس لیے وہ بدستور اس سے اعراض ہی کریں گے۔

دَعَاكُمْ لِمَا يُخْبِتُكُمْ وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ
الْمَرَّةِ وَفَلْيِهِ وَأَنَّهُ إِلَهُكُمْ تُخْشَرُونَ ﴿۲۴﴾

وَأَعْلَمُوا أَنَّهُ لَا تَنْصِبُكَ الدِّينِ ظَلَمُوا أَيْمَنَكُمْ
خَاصَّةً وَعَلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

ہوں۔^(۱) اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آدمی کے اور اس
کے قلب کے درمیان آڑ بن جایا کرتا ہے^(۲) اور بلاشبہ
تم سب کو اللہ ہی کے پاس جمع ہوتا ہے۔ (۲۴)
اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص کر صرف ان ہی
لوگوں پر واقع نہ ہو گا جو تم میں سے ان گناہوں کے
مرکب ہوئے ہیں^(۳) اور یہ جان رکھو کہ اللہ سخت سزا
دینے والا ہے (۲۵)

(۱) لِمَا يُخْبِتُكُمْ ایسی چیزوں کی طرف جس سے تمہیں زندگی ملے۔ بعض نے اس سے جہاد مراد لیا ہے کہ اس میں
تمہاری زندگی کا سرو سامان ہے۔ بعض نے قرآن کے ادا مرد نوای اور احکام شرعیہ مراد لیے ہیں جن میں جہاد بھی آجاتا
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ اور رسول ﷺ کی بات مانو اور اس پر عمل کرو اسی میں تمہاری زندگی ہے۔
(۲) یعنی موت وارد کر کے جس کا مزہ ہر نفس کو چکھنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قبل اس کے کہ تمہیں موت آجائے اللہ
اور رسول کی بات مانو اور اس پر عمل کر لو۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے دل کے جس طرح قریب ہے اس
میں اسے بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔
امام ابن جریر نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے دلوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور جب چاہتا ہے ان
کے اور ان کے دلوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ انسان اس کی مشیت کے بغیر کسی چیز کو پا نہیں سکتا۔ بعض
نے اسے جنگ بدر سے متعلق قرار دیا ہے کہ مسلمان دشمن کی کثرت سے خوف زدہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے دلوں کے
درمیان حائل ہو کر مسلمانوں کے دلوں میں موجود خوف کو امن سے بدل دیا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ آیت کے یہ
سارے ہی مفہوم مراد ہو سکتے ہیں (فتح القدیر) امام ابن جریر نے بیان کردہ مفہوم کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن
میں دین پر ثابت قدمی کی دعائیں کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”بنی آدم
کے دل ایک دس کی طرح رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں انہیں جس طرح چاہتا ہے پھیرتا رہتا ہے“ پھر آپ
ﷺ نے یہ دعا پڑھی۔ اَللّٰهُمَّ مَصْرِفَ الْقُلُوبِ، صَرِّفْ قُلُوبَنَا اِلَى طَاعَتِكَ اَصْحٰیحِ مُسْلِم۔ کتاب القدور
باب تصريف الله تعالى القلوب كيف شاء اے دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف
پھیر دے۔ بعض روایات میں قَتَّنَتْ قُلُوبِي عَلٰی دِيْنِكَ (سنن ترمذی۔ أبواب القدس) کے الفاظ ہیں۔

(۳) اس سے مراد یا تو بندوں کا ایک دوسرے پر تسلط ہے جو بلا تخصیص عام و خاص پر ظلم کرتے ہیں یا وہ عام عذاب ہیں جو
کثرت بارش یا سیلاب وغیرہ ارضی و سماوی آفات کی صورت میں آتے ہیں اور نیک و بد سب ان سے متاثر ہوتے ہیں یا
بعض احادیث میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ترک کی وجہ سے عذاب کی جو وعید بیان کی گئی ہے وہ مراد ہے۔

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ عَتَا فُتُونَ
أَنْ يَتَّخِظَكُمْ النَّاسُ قَاوِمَكُمْ وَيَأْتِيَهُمْ نَصْرُهُمْ وَيَزِدَّكُمْ
مِنَ الظَّالِمِينَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٣٠﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا
أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٣١﴾

وَاذْكُرُوا أَنَّكُمْ كُنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ
عَتَا فُتُونَ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٣٢﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا
أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾

اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم زمین میں قلیل تھے کمزور شمار کئے جاتے تھے۔ اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو لوگ نوج کھسوت نہ لیں، سو اللہ نے تم کو رہنے کی جگہ دی اور تم کو اپنی نصرت سے قوت دی اور تم کو نصیب نصیب چیزیں عطا فرمائیں تاکہ تم شکر کرو۔^(۱) (۳۶)

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (کے حقوق) میں جانتے ہوئے خیانت مت کرو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خیانت مت کرو۔^(۲) (۳۷)

اور تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے۔^(۳) اور اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر ہے۔ (۳۸)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے

(۱) اس میں کئی زندگی کے شہائد و خطرات کا بیان اور اس کے بعد مدنی زندگی میں مسلمان جس آرام و راحت اور آسودگی سے بفضل الہی ہمکنار ہوئے، اس کا تذکرہ ہے۔

(۲) اللہ اور رسول کے حقوق میں خیانت یہ ہے کہ جلوت میں اللہ اور رسول ﷺ کا تابع دار بن کر رہے اور خلوت میں اس کے برعکس معصیت کار۔ اسی طرح یہ بھی خیانت ہے کہ فرائض میں سے کسی فرض کا ترک اور نواہی میں سے کسی بات کا ارتکاب کیا جائے۔ اور ﴿وَتَخُونُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ کا مطلب ایک شخص دوسرے کے پاس جو امانت رکھواتا ہے اس میں خیانت نہ کرے۔ نبی ﷺ نے بھی امانت کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ اپنے اکثر خطبوں میں یہ ضرور ارشاد فرماتے تھے: لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ (مسند احمد جلد ۳ ص ۳۵) وقال الألبانی حدیث جید تعلیقات الألبانی علی مشکوٰۃ: ”اس کا ایمان نہیں“ جس کے اندر امانت کی پاسداری نہیں اور اس کا دین نہیں“ جس کے اندر عہد کی پابندی کا احساس نہیں۔“

(۳) مال اور اولاد کی محبت ہی عام طور پر انسان کو خیانت پر اور اللہ اور رسول کی اطاعت سے گریز پر مجبور کرتی ہے۔ اس لیے ان کو فتنہ (آزمائش) قرار دیا گیا ہے، یعنی اس کے ذریعے سے انسان کی آزمائش ہوتی ہے کہ ان کی محبت میں امانت اور اطاعت کے تقاضے پورے کرتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ پورے کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ اس آزمائش میں کامیاب ہے۔ بصورت دیگر ناکام۔ اس صورت میں یہی مال اور اولاد اس کے لیے عذاب الہی کا باعث بن جائیں گے۔

وَيَكْفُرُ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرُ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ①

وَإِذْ يَبْكُرُكَ رَبُّكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ
أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ
خَبِيرُ الْمَكِيدِينَ ②

وَإِذْ اسْتُلْ عَلَيْهِمُ آيَاتُنَا فَأَلَا تَنبَهُنَّ
لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ
الْأَوَّلِينَ ③

وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ

گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ
بڑے فضل والا ہے۔ (۲۹) ①

اور اس واقعہ کا بھی ذکر کیجئے! جب کہ کافر لوگ آپ کی
نسبت تدبیر سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر لیں، یا آپ
کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو خارج وطن کر دیں (۳۰) ② اور وہ تو
اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور
سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ ہے۔ (۳۱) ③

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو
کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو اس کے برابر
ہم بھی کہہ دیں، یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں
ہیں جو پہلوں سے معقول چلی آ رہی ہیں۔ (۳۱)

اور جب کہ ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن

(۱) تعوی کا مطلب ہے، 'ادامرالی کی مخالفت اور اس کے مٹانے کے ارتکاب سے بچنا۔ اور فرقان کے کئی معنی بیان کیے
گئے ہیں مثلاً ایسی چیز جس سے حق و باطل کے درمیان فرق کیا جاسکے۔ مطلب یہ ہے کہ تعوی کی بدولت دس مضبوط
بصیرت تیز تر اور ہدایت کا راستہ واضح تر ہو جاتا ہے، جس سے انسان کو ہر ایسے موقع پر، جب عام انسان التباس و
اشتباہ کی وادیوں میں بھٹک رہے ہوں، صراطِ مستقیم کی توفیق مل جاتی ہے۔ علاوہ ازیں فتح و نصرت اور نجات و مخرج
بھی اس کے معنی کیے گئے ہیں۔ اور سارے ہی معانی مراد ہو سکتے ہیں، کیونکہ تعوی سے یقیناً یہ سارے ہی فوائد حاصل
ہوتے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ تکفیر سیئات، مغفرت ذنوب اور فضل عظیم بھی حاصل ہوتا ہے۔

(۲) یہ اس سازش کا تذکرہ ہے جو رؤسائے مکہ نے ایک رات دارالندوہ میں تیار کی تھی اور بالآخر یہ طے پایا تھا کہ
مختلف قبیلوں کے نوجوانوں کو آپ کے قتل پر مامور کیا جائے تاکہ کسی ایک کو قتل کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے بلکہ
دست دے کر جان چھوٹ جائے۔

(۳) چنانچہ اس سازش کے تحت ایک رات یہ نوجوان آپ کے گھر کے باہر اس انتظار میں کھڑے رہے کہ آپ ﷺ
باہر نکلیں تو آپ کا کام تمام کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سازش سے آگاہ فرمادیا اور آپ ﷺ نے گھر سے
باہر نکلنے وقت مٹی کی ایک مٹھی لی اور ان کے سروں پر ڈالتے ہوئے نکل گئے، کسی کو آپ ﷺ کے نکلنے کا پتہ ہی نہیں
لگا، حتیٰ کہ آپ عار و ثور میں پہنچ گئے۔ یہ کافروں کے مقابلے میں اللہ کی تدبیر تھی۔ جس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں کر سکتا۔
(مکر کے معنی کے لیے دیکھیے: آل عمران - ۵۴ کا حاشیہ)

فَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارًا مِّنَ السَّمَاءِ يَوْمَ تَبَايَعْتُمْ
بِعَذَابِ يَوْمِهِ ۝

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ
مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

وَمَا لَهُمْ آلَاءَ يَعْذِبُهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ إِنَّ أَوْلِيَاءَهُ إِلَّا الْمُتَفَقُّونَ
وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً
وَتَضَائِبَةً فَبَدَّوْهُ الْعَذَابَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝

آپ کی طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پھر برسا
یا ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کر دے۔ (۳۲)

اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ کے ہوتے
ہوئے ان کو عذاب دے^(۱) اور اللہ ان کو عذاب نہ دے گا
اس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے ہوں۔^(۲) (۳۳)

اور ان میں کیا بات ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ سزا نہ دے
حالانکہ وہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں جب کہ وہ
لوگ اس مسجد کے متولی نہیں۔ اس کے متولی تو سوا
متقیوں کے اور اشخاص نہیں لیکن ان میں اکثر لوگ علم
نہیں رکھتے۔^(۳) (۳۴)

اور ان کی نماز کعبہ کے پاس صرف یہ تھی بیٹھیں بجانا اور
تالیں بجانا۔^(۴) سو اپنے کفر کے سبب اس عذاب
کا مزہ چکھو۔ (۳۵)

(۱) یعنی پیغمبر کی موجودگی میں قوم پر عذاب نہیں آتا اس لحاظ سے آپ ﷺ کا وجود گرامی بھی ان کے حفظ و امان کا سبب تھا۔
(۲) اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آئندہ مسلمان ہو کر استغفار کریں گے یا یہ کہ طواف کرتے وقت مشرکین غُفْرَانُكَ رَبَّنَا غُفْرَانُكَ کہا کرتے تھے۔

(۳) یعنی وہ مشرکین اپنے آپ کو مسجد حرام (خانہ کعبہ) کا متولی سمجھتے تھے اور اس اعتبار سے جس کو چاہتے طواف کی
اجازت دیتے اور جس کو چاہتے نہ دیتے۔ چنانچہ مسلمانوں کو بھی وہ مسجد حرام میں آنے سے روکتے تھے۔ دراصل حالیکہ وہ
اس کے متولی ہی نہیں تھے 'نَحْكُمَا' (زبردستی) بنے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا 'اس کے متولی تو متقی افراد ہی بن
سکتے ہیں نہ کہ مشرک۔ علاوہ ازیں اس آیت میں جس عذاب کا ذکر ہے 'اس سے مراد فتح کہ ہے جو مشرکین کے لیے
عذاب الیم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے قبل کی آیت میں جس عذاب کی نفی ہے 'جو پیغمبر کی موجودگی یا استغفار کرتے
رہنے کی وجہ سے نہیں آتا' اس سے مراد عذاب استیصال اور ہلاکت کلی ہے۔ عبرت و تنبیہ کے طور پر چھوٹے موٹے
عذاب اس کے منافی نہیں۔

(۴) مشرکین جس طرح بیت اللہ کا نِکاح طواف کرتے تھے اسی طرح طواف کے دوران وہ انگلیاں منہ میں ڈال کر بیٹھیاں
اور ہاتھوں سے تالیں بجاتے۔ اس کو بھی وہ عبادت اور نیکی تصور کرتے تھے 'جس طرح آج بھی جاہل صوفی مسجدوں اور
آستانوں میں رقص کرتے 'ذحول پٹیتے اور دھمالیں ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں۔ یہی ہماری نماز اور عبادت ہے۔ ناچ ناچ کر
ہم اپنے پیار (اللہ) کو منالیں گے نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ هَذِهِ الْحُرَاقَاتِ۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدَّوْا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُعَذِّبُهُمْ اللَّهُ لِيَكُونَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ۖ كُفُّوا ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُخْشَرُونَ ﴿٣٦﴾

يُمَيِّزُ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلُ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ نَعِصٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلُهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿٣٧﴾

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَدْنُوهُمْ يُعَذِّبُهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ ۚ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنتُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾

بلاشبک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہی رہیں گے، پھر وہ مال ان کے حق میں باعث حسرت ہو جائیں گے۔ پھر مغلوب ہو جائیں گے اور کافر لوگوں کو دوزخ کی طرف جمع کیا جائے گا۔ (۳۶)

تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے (۳۷) اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے، پس ان سب کو اکٹھا ڈھیر کر دے پھر ان سب کو جہنم میں ڈال دے۔ ایسے لوگ پورے خسارے میں ہیں۔ (۳۸)

آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ لوگ باز آجائیں تو ان کے سارے گناہ جو پہلے ہو چکے ہیں

(۱) جب قریش مکہ کو بدر میں شکست ہوئی اور ان کے شکست خوردہ اصحاب مکہ واپس گئے۔ ادھر سے ابو سفیان بھی اپنا تجارتی قافلہ لے کر وہیں پہنچ چکے تھے تو کچھ لوگ، جن کے باپ، بیٹے یا بھائی اس جنگ میں مارے گئے تھے، ابو سفیان اور جن کا اس تجارتی سامان میں حصہ تھا، ان کے پاس گئے اور ان سے استدعا کی کہ وہ اس مال کو مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے استعمال کریں۔ مسلمانوں نے ہمیں بڑا سخت نقصان پہنچایا ہے اس لیے ان سے انتقامی جنگ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انہی لوگوں یا اسی قسم کا کردار اپنانے والوں کے بارے میں فرمایا کہ بے شک یہ لوگ اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنے کے لیے اپنا مال خرچ کر لیں لیکن ان کے حصے میں سوائے حسرت اور مغلوبیت کے کچھ نہیں آئے گا اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔

(۲) یہ علیحدگی یا تو آخرت میں ہوگی کہ اہل سعادت کو اہل شقاوت سے الگ کر دیا جائے گا، جیسا کہ فرمایا: ﴿وَأَمَّا أَثِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ يُكَفِّرُونَ﴾ (سورۃ یونس ۵۵) ”اے منہ گارو! آج الگ ہو جاؤ“ یعنی نیک لوگوں سے اور مجرموں یعنی کافروں، مشرکوں اور نافرمانوں کو اکٹھا کر کے سب کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ یا پھر اس کا تعلق دنیا سے ہے اور لام تعدیل کے لیے ہے۔ یعنی کافر اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے جو مال خرچ کر رہے ہیں، ہم ان کو ایسا کرنے کا موقع دیں گے، کہ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ خبیث کو طیب سے، کافر کو مومن سے اور منافق کو مخلص سے علیحدہ کر دے۔ اس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے، کفار کے ذریعے سے ہم تمہاری آزمائش کریں گے، وہ تم سے لڑیں گے اور ہم انہیں ان کے مال بھی لڑائی پر خرچ کرنے کی قدرت دیں گے تاکہ خبیث، طیب سے ممتاز ہو جائے۔ پھر وہ خبیث کو ایک دوسرے سے ملا دے گا یعنی سب کو جمع کر دے گا۔ (ابن کثیر)

سب معاف کر دیئے جائیں گے^(۱) اور اگر اپنی وہی عادت رکھیں گے تو (کفار) سابقین کے حق میں قانون نافذ ہو چکا ہے۔^(۳۸)

اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ نہ رہے۔^(۳۹) اور دین اللہ ہی کا ہو جائے،^(۴۰) پھر اگر یہ باز آ جائیں تو اللہ تعالیٰ ان اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔^(۴۱)

اور اگر روگردانی کریں^(۴۲) تو یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے،^(۴۳) وہ بہت اچھا کارساز ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔^(۴۴)

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ
بِلَدِّ الْقَوْمِ إِنَّهُمْ هُمُ الْفَاقُونَ ۝

وَأِنْ تَوَلَّوْا فَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاهُمْ يَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ
وَيَنْفَعُ الْمُتَوَلِّينَ ۝

(۱) باز آ جانے کا مطلب 'مسلمان ہونا ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی ہے "جس نے اسلام قبول کر کے نیکی کا راستہ اپنا لیا" اس سے اس کے ان گناہوں کی باز پرس نہیں ہوگی جو اس نے جاہلیت میں کیے ہوں گے اور جس نے اسد م لا کر بھی برائی نہ چھوڑی 'اس سے اگلے پچھلے سب عملوں کا مؤاخذہ ہوگا۔" (صحیح بخاری، کتاب استنابہ المومنین۔ و صحیح مسلم۔ کتاب الإيمان، باب هل یؤاخذ بأعمال الجاہلیۃ، ایک اور حدیث میں ہے الإسلام یجئ ما قبلہ (مسند أحمد۔ جلد ۲، ص ۱۱۱) "اسلام ما قبل کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے"۔

(۲) یعنی اگر وہ اپنے کفر و عناد پر قائم رہے تو جلد یا بدیر عذاب الہی کے مورد بن کر رہیں گے۔

(۳) فتنہ سے مراد شرک ہے۔ یعنی اس وقت تک جہاد جاری رکھو جب تک شرک کا خاتمہ نہ ہو جائے۔

(۴) یعنی اللہ کی توحید کا پھر براچار دانگ عالم میں لہرا جائے۔

(۵) یعنی تمہارے لیے ان کا ظاہری اسلام ہی کافی ہے 'باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو، کیونکہ اس کو ظاہر و باطن ہر چیز کا علم ہے۔

(۶) یعنی اسلام قبول نہ کریں اور اپنے کفر اور تمہاری مخالفت پر مصر رہیں۔

(۷) یعنی تمہارے دشمنوں پر تمہارا مددگار اور تمہارا حامی و محافظ ہے۔

(۸) پس کامیاب بھی وہی ہو گا جس کا موٹی اللہ ہو، اور غالب بھی وہی ہو گا جس کا مددگار وہ ہو۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّذِي وَسَّهْ وَ
لِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْحَنِ
الْتِمِلِ إِنَّ كُنْتُمْ تَشْكُرُونَ وَآتَاكَ اللَّهُ مَتَّعًا
الْعُرُقَاتِ يَوْمَ التَّغَىٰ الْجَمْعِينَ وَظَلَّ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

جان لو کہ تم جس قسم کی جو کچھ غنیمت حاصل کرو^(۱) اس
میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کا ہے اور رسول کا اور
قرابت داروں کا اور یتیموں اور مسکینوں کا اور مسافروں
کا^(۲) اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس چیز پر جو ہم نے
اپنے بندے پر اس دن اتارا ہے^(۳) جو دن حق و باطل
کی جدائی کا تھا^(۴) جس دن دو فوجیں بھڑکی تھیں^(۵)
اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۴۱)

(۱) غنیمت سے مراد وہ مال ہے جو کافروں سے کافروں پر لڑائی میں فتح و غلبہ حاصل ہونے کے بعد حاصل ہو۔ پہلی
امتوں میں اس کے لیے یہ طریقہ تھا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد کافروں سے حاصل کردہ سارا مال ایک جگہ ڈھیر کر دیا جاتا
آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا کر بھسم کر ڈالتی۔ لیکن امت مسلمہ کے لیے یہ مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔ اور جو مال بغیر
لڑائی کے صلح کے ذریعے یا جزیہ و خراج سے وصول ہو اسے فبیہ کہا جاتا ہے۔ کبھی غنیمت کو بھی فبیہ سے تعبیر کر لیا جاتا
ہے۔ من شئہ سے مراد جو کچھ بھی ہو۔ یعنی تھوڑا ہو یا زیادہ، قیمتی ہو یا معمولی سب کو جمع کر کے اس کی تقسیم حسب
ضابطہ کی جائے گی۔ کسی سپاہی کو اس میں سے کوئی چیز تقسیم سے قبل اپنے پاس رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۲) اللہ کا لفظ تو بطور تبرک نیز اس لیے ہے کہ ہر چیز کا اصل مالک وہی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔ مراد اللہ اور اس
کے رسول کے حصہ سے ایک ہی ہے یعنی سارے مال غنیمت کے پانچ حصے کر کے چار حصے تو ان مجاہدین میں تقسیم کیے
جائیں گے جنہوں نے جنگ میں حصہ لیا۔ ان میں بھی پیادہ کو ایک حصہ اور سوار کو تین گنا حصہ ملے گا۔ پانچواں حصہ جسے
عرب میں خمس کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس کے پھر پانچ حصے کیے جائیں گے۔ ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
(اور آپ ﷺ کے بعد اسے مفاد عامہ میں خرچ کیا جائے گا) جیسا کہ خود آپ ﷺ بھی یہ حصہ مسلمانوں پر ہی خرچ
فرماتے تھے بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا بھی ہے۔ وَالْخُمْسُ مَرْدُودٌ عَلَيْكُمْ (مس السنائی وصحیحہ لألب سی سی
صحیح السنائی / ۳۸۵۸- ومسد أحمد جلد ۵- ص ۳۱۹) یعنی ”میرا جو پانچواں حصہ ہے وہ بھی مسلمانوں کے
مصارف پر ہی خرچ ہوتا ہے“ دو سرا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا پھر یتیموں اور مسکینوں اور
مسافروں کا۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ خمس حسب ضرورت خرچ کیا جائے گا۔

(۳) اس نزول سے مراد فرشتوں کا اور آیات الہی (معجزات وغیرہ) کا نزول ہے جو بدر میں ہوا۔

(۴) بدر کی جنگ ۲/ ہجری ۱/ رمضان المبارک کو ہوئی۔ اس دن کو یوم الفرقان اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ کافروں اور
مسلمانوں کے درمیان پہلی جنگ تھی اور مسلمانوں کو فتح و غلبہ دے کر واضح کر دیا گیا کہ اسلام حق ہے اور کفر و شرک
باطل ہے۔

(۵) یعنی مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں۔

إِذْ أَسْرَى الْغَدُودَ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْغَدُودِ الْقُصُوفِ وَ
السَّرَكَبِ اسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَأَخْلَفْتُمُنِي
الْبَيْعَةَ وَلَكِنْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِيَهْلِكَ
مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ
وَرَأَى اللَّهُ أَسْمَاءَ عَلَيْهِ ۝

إِذْ يُرِيكُمُ اللَّهُ فِي مَتَابَعِكُمْ قَلِيلًا وَلَوْ أَرَاكُمْ
كَثِيرًا لَفُتِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأُمُورِ وَلَكِنَّ
اللَّهَ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝

جب کہ تم پاس والے کنارے پر تھے اور وہ دور والے
کنارے پر تھے ^(۱) اور قافلہ تم سے پیچھے تھا۔ ^(۲) اگر تم
آپس میں وعدے کرتے تو یقیناً تم وقت معین پر پہنچنے میں
مخلف ہو جاتے۔ ^(۳) لیکن اللہ کو تو ایک کام کر ہی ڈالنا تھا
جو مقرر ہو چکا تھا تاکہ جو ہلاک ہو، دلیل پر (یعنی یقین
جان کر) ہلاک ہو اور جو زندہ رہے، وہ بھی دلیل پر (حق
پہچان کر) زندہ رہے۔ ^(۴) بیشک اللہ بہت سننے والا خوب
جاننے والا ہے۔ (۳۲)

جب کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے تیرے خواب میں ان کی تعداد
کم دکھائی، اگر ان کی زیادتی دکھاتا تو تم بزدل ہو جاتے
اور اس کام کے بارے میں آپس میں اختلاف کرتے
لیکن اللہ تعالیٰ نے بچالیا، وہ دلوں کے بھیدوں سے خوب
آگاہ ہے۔ ^(۵) (۳۳)

(۱) دنیا، دُنُو سے ہے، بمعنی قریب۔ مراد ہے وہ کنارہ جو مدینہ شہر کے قریب تھا۔ قصویٰ کہتے ہیں دور کو۔ کافر اس کنارے پر
تھے جو مدینہ سے نسبتاً دور تھا۔

(۲) اس سے مراد وہ تجارتی قافلہ ہے جو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں شام سے مکہ جا رہا تھا اور جسے حاصل
کرنے کے لیے ہی دراصل مسلمان اس طرف آئے تھے۔ یہ پاڑ سے بہت دور مغرب کی طرف نشیب میں تھا، جب کہ
بدر کا مقام، جہاں جنگ ہوئی، بلندی پر تھا۔

(۳) یعنی اگر جنگ کے لیے باقاعدہ دن اور تاریخ کا ایک دوسرے کے ساتھ وعدہ یا اعلان ہو تا تو ممکن بلکہ یقین تھا کہ
کوئی فریق لڑائی کے بغیر ہی پسپائی اختیار کر لیتا لیکن چونکہ اس جنگ کا ہونا اللہ نے لکھ رکھا تھا، اس لیے ایسے اسباب پیدا
کر دیئے گئے کہ دونوں فریق بدر کے مقام پر ایک دوسرے کے مقابل بغیر جنگی وعدہ و وعید کے، صف آرا ہو جائیں۔

(۴) یہ علت ہے اللہ کی اس تقدیری مشیت کی جس کے تحت بدر میں فریقین کا اجتماع ہوا، تاکہ جو ایمان پر زندہ رہے تو
وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے اور اسے یقین ہو کہ اسلام حق ہے کیونکہ اس کی حقانیت کا مشاہدہ وہ بدر میں کر چکا ہے اور
جو کفر کے ساتھ ہلاک ہو تو وہ بھی دلیل کے ساتھ ہلاک ہو کیونکہ اس پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ مشرکین کا راستہ گمراہی اور
باطل کا راستہ ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کافروں کی تعداد تھوڑی دکھائی اور وہی تعداد آپ نے صحابہ کرام

وَإِذْ يَرْكَبُوهُمْ إِيذَ الْفَتْحِ فِي أَعْيُنِهِمْ فَلَمَّا وَفَّقَ اللَّهُ
فِي أَعْيُنِهِمْ لِقَاصِي اللَّهِ أَمْرًا كَانَ مَعْمُولًا ۖ وَإِلَى اللَّهِ
رُجُوعُ الْأُمُورِ ﴿٣٠﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذِ الْيَقِيْنَةُ فَاتَتْهُمُ فَإِذَا ذُكِرُوا
اللَّهُ كَثِيرًا أَعْلَوْكُمْ تَقِيْحُونَ ﴿٣١﴾

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرِسُوْلَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَعُشَلُوا وَتَذَهَبَ
رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الطَّيِّبِينَ ﴿٣٢﴾

جبکہ اس نے بوقت ملاقات انہیں تمہاری نگاہوں میں بہت
کم دکھائے اور تمہیں ان کی نگاہوں میں کم دکھائے ^(۱) تاکہ
اللہ تعالیٰ اس کام کو انجام تک پہنچا دے جو کرنا ہی تھا ^(۲) اور
سب کام اللہ ہی کی طرف پھیرے جاتے ہیں۔ (۳۴)

اے ایمان والو! جب تم کسی مخالف فوج سے بھڑ جاؤ تو
ثابت قدم رہو اور بکھرتے ہو تو یاد کرو تاکہ تمہیں
کامیابی حاصل ہو۔ ^(۳۵)

اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے
رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور
تمہاری ہوا اکڑ جائے گی اور صبر و سہار رکھو، یقیناً اللہ
تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ^(۳۶)

کے سامنے بیان فرمائی، جس سے ان کے حوصلے بڑھ گئے، اگر اس کے برعکس کافروں کی تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو صحابہ
میں پست ہمتی پیدا ہونے اور باہمی اختلاف کا اندیشہ تھا۔ لیکن اللہ نے ان دونوں باتوں سے بچایا۔

(۱) تاکہ وہ کافر بھی تم سے خوف کھا کر پیچھے نہ ہٹیں۔ پہلا واقعہ خواب کا تھا اور یہ دکھانا عین قتال کے وقت تھا، جیسا کہ
اغلاظ قرآنی سے واضح ہے۔ تاہم یہ معاملہ ابتدا میں تھا۔ لیکن جب باقاعدہ لڑائی شروع ہو گئی تو پھر کافروں کو مسلمان اپنے
سے دو گن نظر آتے تھے۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے۔ بعد میں زیادہ دکھانے کی حکمت یہ نظر
آتی ہے کہ کثرت دیکھ کر ان کے اندر مسلمانوں کا خوف اور دہشت بیٹھ جائے، جس سے ان کے اندر بزدلی اور پست
ہمتی پیدا ہو، اس کے برعکس پہلے کم دکھانے میں حکمت یہ تھی کہ وہ لڑنے سے گریز نہ کریں۔

(۲) اس سب کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہوا تھا، وہ پورا ہو جائے۔ اس لیے اس نے اس کے اسباب پیدا فرمادیے۔

(۳) اب مسلمانوں کو لڑائی کے وہ آداب بتائے جا رہے ہیں جن کو دشمن سے مقابلے کے وقت ملحوظ رکھنا ضروری ہے
سب سے پہلی بات ثبات قدمی اور استقلال ہے، کیونکہ اس کے بغیر میدان جنگ میں ٹھہرنا ممکن ہی نہیں ہے تاہم اس
سے تحریف اور تمیز کی وہ دونوں صورتیں مستثنیٰ ہوں گی جن کی پہلے وضاحت کی جا چکی ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ ثبات قدمی
کے لیے بھی تحریف یا تمیز ناگزیر ہوتا ہے۔ دوسری ہدایت یہ کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ تاکہ مسلمان اگر تھوڑے ہوں
تو اللہ کی مدد کے طالب رہیں اور اللہ بھی کثرت ذکر کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ رہے اور اگر مسلمان تعداد میں زیادہ
ہوں تو کثرت کی وجہ سے ان کے اندر عجب اور غرور پیدا نہ ہو، بلکہ اصل توجہ اللہ کی امداد پر ہی رہے۔

(۴) تیسری ہدایت اللہ اور رسول کی اطاعت، ظاہر بات ہے ان ناذک حالات میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کتنی سخت
خطرناک ہو سکتی ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کے لیے ویسے تو ہر حالت میں اللہ اور رسول کی اطاعت ضروری ہے۔ تاہم

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَّبُوا مِنْ دُونِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ
النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ بِمَا
يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

وَأَذَرْنَا لَهُمُ الشَّيْطَانَ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَغَالِبَ لَكُمْ
الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَأَنَا جَارُكُمْ فَلَمَّا تَرَ آيَاتَ الْيَوْمِ
تَكْصُ عَلَى عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا كَانُوا يَفْعَلُونَ
إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

ان لوگوں جیسے نہ بنو جو اتراتے ہوئے اور لوگوں میں خود
نمائی کرتے ہوئے اپنے گھروں سے چلے اور اللہ کی راہ
سے روکتے تھے،^(۱) جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے گھیر
لینے والا ہے۔ (۳۷)

جبکہ ان کے اعمال کو شیطان انہیں ذہنت دار دکھا رہا تھا
اور کہہ رہا تھا کہ لوگوں میں سے کوئی بھی آج تم پر غلبہ
نہیں آ سکتا، میں خود بھی تمہارا حمایتی ہوں لیکن جب
دونوں جماعتیں نمودار ہوئیں تو اپنی ایزیوں کے بل پیچھے
ہٹ گیا اور کہنے لگا میں تو تم سے بری ہوں۔ میں وہ دیکھ
رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے۔^(۲) میں اللہ سے ڈرتا
ہوں،^(۳) اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ (۳۸)

میدان جنگ میں اس کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے اور اس موقع پر تھوڑی سی بھی نافرمانی اللہ کی مدد سے محرومی کا باعث
بن سکتی ہے۔ چوتھی ہدایت کہ آپس میں تنازع اور اختلاف نہ کرو، اس سے تم بزدل ہو جاؤ گے اور ہوا اکھڑ جائے گی۔
اور پنجویں ہدایت کہ مہر کروا یعنی جنگ میں کتنی بھی شدت آجائے اور تمہیں کتنے بھی کٹھن مراحل سے گزرنا پڑے
لیکن صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک حدیث میں فرمایا۔ ”وگوا دشمن سے مذہبھیز کی
آرزو مت کرو اور اللہ سے عافیت مانگا کرو تاہم جب کبھی دشمن سے لڑائی کا موقع پیدا ہو جائے تو صبر کرو (یعنی جم کر لڑو،
اور جان لو کہ جنت تمہاروں کے سائے تلے ہے“ (اصحیح بخاری کتاب الجہاد، باب کما لبس لیس علیہ
علیہ وسلم یقاتل أول النهار آخر القتال حتی تروى الشمس)

(۱) مشرکین مکہ، جب اپنے قافلے کی حفاظت اور لڑائی کی نیت سے نکلے، تو بڑے اتراتے اور فخر و غرور کرتے ہوئے
نکلے، مسلمانوں کو اس کا فرائضیوے سے روکا گیا ہے۔

(۲) مشرکین جب مکہ سے روانہ ہوئے تو انہیں اپنے حریف قبیلے بنی بکر بن کنانہ سے اندیشہ تھا کہ وہ پیچھے سے نہیں
نقصان نہ پہنچائے، چنانچہ شیطان سرادہ بن مالک کی صورت بنا کر آیا، جو بنی بکر بن کنانہ کے ایک سردار تھے، اور انہیں نہ
صرف فتح و غلبہ کی بشارت دی بلکہ اپنی حمایت کا بھی پورا یقین دلایا۔ لیکن جب ملائکہ کی صورت میں امداد الہی سے نظر
آئی تو ایزیوں کے بل بھاگ کھڑا ہوا۔

(۳) اللہ کا خوف تو اس کے دل میں کیا ہونا تھا؟ تاہم اسے یقین ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کو اللہ کی خاص مدد حاصل ہے
مشرکین ان کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکیں گے۔

(۴) ممکن ہے یہ شیطان کے کلام کا حصہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے جملہ مستانہ ہو۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ غَرَّ هَؤُلَاءِ دِينُهُمْ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَكَّلُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى الْمَلَائِكَةِ يَعْزِزُوهُمْ
وَجُوعَاهُمْ وَيَأْبَارُهُمْ فَوْذَوْهُمَا عَذَابُ الْخَرِيقِ ﴿۱۱﴾

ذَيْتَ بِمَا قَدْ مَتَّ أَبْدَانُكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ
بَطْلًا مِّنْ عِندِهِ ﴿۱۲﴾

جبکہ منافق کہہ رہے تھے اور وہ بھی جن کے دوس میں روگ تھا ^(۱۱) کہ انہیں تو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے ^(۱۲) جو بھی اللہ پر بھروسہ کرے اللہ تعالیٰ بلاشبہ و شبہ غلبے والا اور حکمت والا ہے۔ ^(۱۳) (۴۹)

کاش کہ تو دیکھتا جب کہ فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں ان کے منہ پر اور سرخوں پر مار مارتے ہیں (اور کہتے ہیں) تم جلنے کا عذاب چکھو۔ ^(۱۴) (۵۰)

یہ بسبب ان کلموں کے جو تمہارے ہاتھوں نے پہلے ہی بھیج رکھا ہے بیشک اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ ^(۱۵) (۵۱)

(۱) اس سے مراد یا تو وہ مسلمان ہیں جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور مسلمانوں کی کامیابی کے بارے میں انہیں شک تھا یا اس سے مراد مشرکین ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ مہینہ میں رہنے والے یہودی مراد ہوں۔

(۲) یعنی ان کی تعداد تو دیکھو اور سرور مسلمان کا جو حال ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ لیکن یہ مقابلہ کرنے چاہے ہیں مشرکین کہ سے جو تعداد میں بھی ان سے کہیں زیادہ ہیں اور ہر طرح کے سامان حرب اور وسائل سے مالا مال بھی۔ معصوم ہوتا ہے کہ ان کے دین نے ان کو دھوکے اور فریب میں ڈال دیا ہے۔ اور یہ سوئی سی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان اہل دنیا کو اہل ایمان کے عزم و ثبات کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جن کا توکل اللہ کی ذات پر ہے جو غالب ہے یعنی اپنے پر بھروسہ کرنے والوں کو وہ بے سارا نہیں چھوڑتا اور حکیم بھی ہے اس کے ہر فعل میں حکمت بالغہ ہے جس کے اور اک سے انسانی عقلیں قاصر ہیں۔

(۴) بعض مفسرین نے اسے جنگ بدر میں قتل ہونے والے مشرکین کی بابت قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب مشرکین مسلمانوں کی طرف آتے تو مسلمان ان کے چروں پر تلواریں مارتے جس سے بچنے کے لیے وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے تو فرشتے ان کی دہروں پر تلواریں مارتے لیکن یہ آیت عام ہے جو ہر کافر و مشرک کو شامل ہے اور مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتے ان کے مونہوں اور پشتوں (یا دیروں یعنی چوڑوں) پر مارتے ہیں جس طرح سورۃ النعم میں بھی فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَالْمَلَائِكَةُ يَطْلُوْنَ اَنْفُسَهُمْ﴾ (آیت ۹۳) ”فرشتے ان کو مارنے کے لیے ہاتھ دراز کرتے ہیں“ اور بعض کے نزدیک فرشتوں کی یہ مار قیامت والے دن جہنم کی طرف لے جاتے ہوئے ہوگی اور دار و غشت جہنم کہے گا ”تم جلنے کا عذاب چکھو“

(۵) یہ ضرب و عذاب تمہارے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ تو عادل ہے جو ہر قسم کے ظلم و جور سے پاک ہے۔ حدیث قدسی میں بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے میرے بندو! میں

مثل فرعونوں کے حال کے اور ان سے اگلوں کے،^(۱) انہوں نے اللہ کی آیتوں سے کفر کیا پس اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث انہیں پکڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ یقیناً قوت والا اور سخت عذاب والا ہے۔ (۵۲)

یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کسی قوم پر کوئی نعمت انعام فرما کر پھر بدل دے جب تک کہ وہ خود اپنی اس حالت کو نہ بدل دیں جو کہ ان کی اپنی تھی^(۲) اور یہ کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (۵۳)

مثل حالت فرعونوں کے اور ان سے پہلے کے لوگوں کے کہ انہوں نے اپنے رب کی باتیں جھٹلائیں۔ پس ان کے گناہوں کے باعث ہم نے انہیں برباد کیا اور فرعونوں کو ڈبو دیا۔ یہ سارے ظالم تھے۔^(۳) (۵۴)

تمام جانداروں سے بدتر، اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو کفر

كَذَابٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَآلِهِمْ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۵۲

ذِكْرَ يَاقُوتَ اللَّهِ لَهُ يَذْكُرُ مَعْرَاضَهُنَّ أَنْعَمَ عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُعَيِّرُوهُمَا بِأَنْفُسِهِمْ وَأَنَّ اللَّهَ سَبِيْعٌ عَلَيْهِمْ ۝۵۳

كَذَابٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَآلِهِمْ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ فَأَمْلَأْنَاهُمُ ذُنُوبَهُمْ وَاعْرِضْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَكُلَّ كَاثِرٍ ظَالِمِينَ ۝۵۴

إِنَّ شَرَّ الدَّوَالِ وَأَقْبَعُنَا اللَّهُ الْكَاثِرِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝۵۵

نے اپنے نفس پر ظلم حرام کیا ہے اور میں نے اسے تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے پس تم ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو میں نے شمار کر کے رکھے ہوئے ہیں پس جو اپنے اعمال میں بھڑکی پائے اس پر اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے برعکس پائے تو وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔ (اصحیح مسلم کتاب البر باب لعنہم الظلم)

(۱) ذنوب کے معنی ہیں عادت۔ کاف تشبیہ کے لیے ہے۔ یعنی ان مشرکین کی عادت یا حال اللہ کے پیغمبروں کے جھٹلانے میں اسی طرح ہے جس طرح فرعون اور اس سے قبل دیگر کذبین کی عادت یا حال تھا۔

(۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی قوم کفرانِ نعمت کا راستہ اختیار کر کے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سے اعراض کر کے اپنے احوال و اخلاق کو نہیں بدل لیتی اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں کا دروازہ بند نہیں فرماتا۔ دوسرے مظلوموں میں اللہ تعالیٰ گناہوں کی وجہ سے اپنی نعمتیں سلب فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا مستحق بننے کے لیے ضروری ہے کہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔ گویا تبدیلی کا مطلب یہی ہے کہ قوم گناہوں کو چھوڑ کر اطاعتِ الہی کا راستہ اختیار کرے۔

(۳) یہ اسی بات کی تاکید ہے جو پہلے گزری، البتہ اس میں ہلاکت کی صورت کا اضافہ ہے کہ انہیں غرق کر دیا گیا علاوہ انہوں نے واضح کر دیا کہ اللہ نے ان کو غرق کر کے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ اللہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا ﴿وَمَا يَكُنْ بِظَالِمٍ لِلْعَمَلِ﴾ (ختم السبحة ۴۶)

کریں، پھر وہ ایمان نہ لائیں۔^(۱) (۵۵)

جن سے آپ نے عہد بیان کر لیا پھر بھی وہ اپنے عہد بیان کو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور بالکل پرہیز نہیں کرتے۔^(۲) (۵۶)

پس جب کبھی تو لڑائی میں ان پر غلبہ آجائے انہیں ایسی مار مار کر ان کے پچھلے بھی بھاگ کھڑے ہوں^(۳) ہو سکتا ہے کہ وہ عبرت حاصل کریں۔ (۵۷)

اور اگر تجھے کسی قوم کی خیانت کا ڈر ہو تو برابری کی حالت میں ان کا عہد نامہ توڑ دے،^(۴) اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔^(۵) (۵۸)

کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ بھاگ نکلے۔ یقیناً وہ عاجز نہیں کر سکتے۔ (۵۹)

تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری

الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ۝

وَأَمَّا تَتَّقُهُمْ فِي الْقَرْبِ مَقَرِّهِمْ مَنِ خَلَقَهُمْ لَمْ يَكُنْ لَكَ قُوَّةٌ ۝

وَأَمَّا تَتَّقُونَ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةٌ فَأَيُّ الذِّلِّ لِيَهُمْ عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَكَيْدُ الْكَافِرِينَ ۝

وَلَا يَجْعَلُ اللَّهُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَبْقًا عَلَيْهِمْ لِيُفْجَرُوا ۝

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَذُرِّبُوا الْخَيْلَ

(۱) شَرُّ النَّاسِ (لوگوں میں سب سے بدتر) کے بجائے انہیں شَرُّ الذَّوَابِ کہا گیا ہے۔ جو لغوی معنی کے لحاظ سے تو انسانوں اور چوپایوں وغیرہ سب پر بولا جاتا ہے۔ لیکن عام طور پر اس کا استعمال چوپایوں کے لیے ہوتا ہے۔ گویا کافروں کا تعلق انسانوں سے ہی نہیں۔ کفر کا ارتکاب کر کے وہ جانور بلکہ جانوروں میں بھی سب سے بدتر جانور بن گئے ہیں۔

(۲) یہ کافروں ہی کی ایک عادت بیان کی گئی ہے کہ ہر بار نقض عہد کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس کے عواقب سے ذرا نہیں ڈرتے۔ بعض لوگوں نے اس سے یہودیوں کے قبیلے بنو قریظہ کو مراد لیا ہے، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاہدہ تھا کہ وہ کافروں کی مدد نہیں کریں گے لیکن انہوں نے اس کی پاسداری نہیں کی۔

(۳) شَرِّ ذِيهِم کا مطلب ہے کہ ان کو ایسی مار مار کر جس سے ان کے پیچھے ان کے حمایتیوں اور ساتھیوں میں بھگدڑ مچ جائے، حتیٰ کہ وہ آپ کی طرف اس اندیشے سے رخ ہی نہ کریں کہ کہیں ان کا بھی وہی حشر نہ ہو جو ان کے پیش روؤں کا ہوا ہے۔

(۴) خیانت سے مراد ہے معاہدہ قوم سے نقض عہد کا خطرہ۔ اور عَلٰی سَوَاءٍ (برابری کی حالت میں) کا مطلب ہے کہ انہیں باقاعدہ مطلع کیا جائے کہ آئندہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں۔ تاکہ دونوں فریق اپنے اپنے طور پر اپنی حفاظت کے ذمہ دار ہوں، کوئی ایک فریق لاطعلی اور مخالفی میں نہ مارا جائے۔

(۵) یعنی یہ نقض عہد اگر مسلمانوں کی طرف سے بھی ہو تو یہ خیانت ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان معاہدہ تھا۔ جب معاہدے کی مدت ختم ہونے کے قریب آئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے

تَرَاهُمْ يَوْمَ عَدُوِّ اللَّهِ وَعَدَاؤُكُمْ وَآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ
لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَأَمَّا تَتَّبِعُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ يَوْمَ يُكْرَمُ أَنْتُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَنْظُرُونَ ۝

وَلَنْ جَنَّتُ السَّلَامُ فَاجْنَعُ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ
هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

وَلَنْ يُرِيدَ وَأَنْ يَخْذَ عَوْلَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي
أَيَّدَكَ بِتُفْعَلٍ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ۝

وَأَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ جَبِينًا مَا أَلْفَتْ

کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی^(۱) کہ اس سے تم اللہ کے
اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے سوا اوروں
کو بھی، جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں خوب جان رہا
ہے جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں صرف کرو گے وہ تمہیں
پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا۔ (۶۰)

اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف
جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ،^(۲) یقیناً وہ بہت سننے
جانتے والا ہے۔ (۶۱)

اگر وہ تجھ سے دعا بازی کرنا چاہیں گے تو اللہ تجھے کافی
ہے، اسی نے اپنی مدد سے اور مومنوں سے تیری تائید
کی ہے۔ (۶۲)

ان کے دلوں میں باہمی الفت بھی اسی نے ڈالی ہے۔ زمین

روم کی سرزمین کے قریب اپنی فوجیں جمع کرنا شروع کر دیں۔ مقصد یہ تھا کہ معاہدے کی مدت ختم ہوتے ہی رومیوں پر
حملہ کر دیا جائے۔ ایک صحابی حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کے علم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ تیاری آئی تو انہوں نے
اسے غدر سے تعبیر فرمایا اور ایک حدیث رسول بیان فرما کر اسے معاہدے کی خلاف ورزی قرار دیا، جس پر حضرت معاویہ
رضی اللہ عنہ نے اپنی فوجیں واپس بلا لیں۔ اسناد احمد جلد ۵، ص ۱۱۱۔ ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی الإمام یسکون
بیمہ وبیس العدو وعہد فیسیر بحوہ (الیہ) ترمذی أبواب السیر باب ما جاء فی الغدر

(۱) قوۃ کی تفسیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یعنی تیر اندازی (صحیح مسلم کتاب الإمارة باب فصل
الرمی والحث علیہ) و دیگر کتب حدیث، کیونکہ اس دور میں یہ بہت بڑا جنگی ہتھیار اور نہایت اہم فن تھا جس
طرح گھوڑے جنگ کے لیے ناگزیر ضرورت تھے، جیسا کہ اس آیت سے بھی واضح ہے۔ لیکن اب تیر اندازی اور
گھوڑوں کی یہ جنگی اہمیت اور افادیت و ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لیے ﴿وَلَعَلَّ وَاللَّهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ کے تحت آج کل
کے جنگی ہتھیاروں (مثلاً میزائل، ٹینک، بم اور جنگی جہاز اور بحری جنگ کے لیے آبدوزیں وغیرہ) کی تیاری ضروری ہے۔
(۲) یعنی اگر حالات جنگ کے بجائے صلح کے متقاضی ہوں اور دشمن بھی مائل بہ صلح ہو تو صلح کرینے میں کوئی حرج
نہیں اگر صلح سے دشمن کا مقصد دھوکہ اور فریب ہو، تب بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں، اللہ پر بھروسہ رکھیں، یقیناً اللہ
دشمن کے فریب سے بھی محفوظ رکھے گا، اور وہ آپ کو کافی ہے۔ لیکن صلح کی یہ اجازت ایسے حالات میں ہے جب
مسلمان کمزور ہوں اور صلح میں اسلام اور مسلمانوں کا مفاد ہو۔ لیکن جب معاملہ اس کے برعکس ہو، مسلمان قوت و

يَبَيِّنَ فُلُوۡهُمۡۙ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَفَ يَبَيِّنُهُۥ لَآئِهٖ عَزِيزٌ حَكِيۡمٌ ۝۱۰

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ حَسِبْتُمْ اَنَّهٗ وَ مَنۡ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيۡنَ ۝۱۱

يَاۤاَيُّهَا النَّبِيُّ خُذْ مَنۡ يَخۡصُ الْمُؤْمِنِيۡنَ عَلَی الْوُقۡتَالِ اِنَّ يَكُنۡ مِّنۡكُمْ

میں جو کچھ ہے تو اگر سارا کا سارا بھی خرچ کر ڈالتو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتا۔ یہ تو اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی ہے ^(۱) وہ غالب حکمتوں والا ہے۔ (۶۳) اے نبی! تجھے اللہ کافی ہے اور ان مومنوں کو جو تیری پیروی کر رہے ہیں۔ (۶۴)

اے نبی! ایمان والوں کو جہاد کا شوق دلاؤ ^(۲) اگر تم میں

وسل میں ممتاز ہوں اور کافر کمزور اور ہزیمت خور وہ تو اس صورت میں صلح کے بجائے کافروں کی قوت و شوکت کو توڑنا ضروری ہے۔ (سورہ محمد-۳۵) ﴿وَقَاتِلُوۡهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوۡنُوۡا فِتْنَةًۭ وَذٰلَکَۙ الَّذِیۡنَ كَلَّمَلُوۡهُ﴾ (الأنفال-۳۹)

(۱) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں پر جو احسانات فرمائے، ان میں سے ایک بڑے احسان کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ نبی ﷺ کی مومنین کے ذریعے سے مدد فرمائی، وہ آپ کے دست و بازو اور محافظ و معاون بن گئے۔ مومنین پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے درمیان پہلے جو عداوت تھی، اسے محبت و الفت میں تبدیل فرمادیا۔ پہلے وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، اب ایک دوسرے کے جانثار بن گئے، پہلے ایک دوسرے کے دلی دشمن تھے، اب آپس میں رحیم و شفیق ہو گئے۔ صدیوں پرانی باہمی عداوتوں کو اس طرح ختم کر کے، باہم پیار اور محبت پیدا کر دیتا، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور اس کی قدرت و مشیت کی کار فرمائی تھی، ورنہ یہ ایسا کام تھا کہ دنیا بھر کے خزانے بھی اس پر خرچ کر دیئے جاتے تب بھی یہ گوہر مقصود حاصل نہ ہوتا، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کا ذکر سورہ آل عمران ۱۰۳ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اَلْفَلَتۡ بَيْنَ فُلُوۡكُمۡ﴾ میں بھی فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غنائم حنین کے موقع پر انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ”اے جماعت انصار! کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تمہیں ہدایت نصیب فرمائی۔ تم محتاج تھے، اللہ نے تمہیں میرے ذریعے سے خوش حال کر دیا اور تم ایک دوسرے سے الگ الگ تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تمہیں آپس میں جوڑ دیا“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو بات کہتے، انصار اس کے جواب میں یہی کہتے ”اللہ و رَسُوْلُهُ اَمْرٌ“ ”اللہ اور اس کے رسول کے احسانات اس سے کہیں زیادہ ہیں“ (صحیح بخاری، کتاب المہاجر، باب غرۃ الطائف، صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب إعطاء المسؤلۃ فلو بہم علی الاسلام)

(۲) نغیر مص کے معنی ہیں ترغیب میں مبالغہ کرنا یعنی خوب رغبت دلانا اور شوق پیدا کرنا۔ چنانچہ اس کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے قبل صحابہ کو جہاد کی ترغیب دیتے اور اس کی فضیلت بیان فرماتے۔ جیسا کہ بدر کے موقع پر ”جب مشرکین اپنی بھاری تعداد اور بھرپور وسائل کے ساتھ میدان میں آ موجود ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا ”ایسی جنت میں جانے کے لیے کھڑے ہو جاؤ“ جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے“ ایک صحابی عمر بن حنظلہ نے کہا ”اس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے؟“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہاں“ اس پر بخ کی کہ یعنی

عَشْرُونَ صَبْرُونَ يَعْلَبُونَ مَا تَتَّبِعُونَ وَلَنْ يَكُنْ مِنْكُمْ
مِائَةٌ يَغْلِبُوا الْقَائِمِينَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ
لَا يَفْعَلُونَ ۝

بیس بھی صبر کرنے والے ہوں گے، تو دو سو پر غالب
رہیں گے۔ اور اگر تم میں ایک سو ہوں گے تو ایک ہزار
کافروں پر غالب رہیں گے^(۱) اس واسطے کہ وہ بے سمجھ
لوگ ہیں۔ (۶۵)

أَلَنْ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ صَاعِدًا وَلَنْ يَكُنْ
مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مَا تَتَّبِعُونَ وَلَنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ
يَغْلِبُوا أَلْفًا بِأَذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝

اچھا اب اللہ تمہارا بوجھ ہلکا کرتا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ
تم میں ناتوانی ہے، پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے
والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم
میں سے ایک ہزار ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو
ہزار پر غالب رہیں گے،^(۲) اللہ صبر کرنے والوں کے
ساتھ ہے۔^(۳) (۶۶)

مَا كَانَ لِذِي أَنْ يَكُونَ لَهَا آسَرَىٰ حَتَّىٰ يَنْفَعَنَّ فِي الْأَرْضِ
يُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

نبی کے ہاتھ میں قیدی نہیں چاہئیں جب تک کہ ملک میں
اچھی خونریزی کی جنگ نہ ہو جائے۔ تم تو دنیا کے مال
چاہتے ہو اور اللہ کا ارادہ آخرت کا ہے^(۴) اور اللہ زور
آور با حکمت ہے۔ (۶۷)

خوشی کا اظہار کیا اور یہ امید ظاہر کی کہ میں بھی جنت میں جانے والوں میں سے ہوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”تم اس میں
جانے والوں میں سے ہو گے۔“ چنانچہ انہوں نے اپنی تلوار کی میان توڑ ڈالی اور کھجوریں نکال کر کھانے لگے، پھر جو بچیں
ہاتھ سے پھینک دیں اور کہیں۔ ”ان کے کھانے تک میں زندہ رہا تو یہ تو طویل زندگی ہوگی“ پھر آگے بڑھے، ورنہ شجاعت
دینے لگے، حتیٰ کہ عروس شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم کتاب الإمارة باب ثبوت
الجنة للنهيد)

(۱) یہ مسلمانوں کے لیے بشارت ہے کہ تمہارے ثابت قدمی سے لڑنے والے بیس مجاہد دو سو پر اور سو ایک ہزار پر
غالب رہیں گے۔

(۲) پچھلا حکم صحابہ رضی اللہ عنہم پر گراں گزرا، کیونکہ اس کا مطلب تھا، ایک مسلمان دس کافروں کے لیے، بیس دو سو
کے لیے اور سو ایک ہزار کے لیے کافی ہیں اور کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی اتنی تعداد ہو تو جہاد فرض اور اس
سے گریز ناجائز ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تخفیف فرما کر ایک اور دس کا تناسب کم کر کے ایک اور دو کا تناسب کر
دیا (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الأنفال) اب اس تناسب پر جہاد ضروری اور اس سے کم پر غیر ضروری ہے۔

(۳) یہ کہہ کر صبر و ثبات قدمی کی اہمیت بیان فرمادی کہ اللہ کی مدد حاصل کرنے کے لیے اس کا اہتمام ضروری ہے۔

(۴) جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنا لیے گئے۔ یہ کفر و اسلام کا چونکہ پہلا معرکہ تھا اس لیے قیدیوں

قُلْ لَا يَكُفُّ عَنْ اللَّهِ سَبَقَ لَكُمْ فِي مَا أَخَذْتُمْ
عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

اگر پہلے ہی سے اللہ کی طرف سے بات لکھی ہوئی نہ
ہوتی^(۱) تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس بارے میں تمہیں کوئی
بڑی سزا ہوئی۔ (۶۸)

فَقُلْ إِنَّمَا غَنِمْتُ مِمَّا حَلَّلَ اللَّهُ لَنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ
غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

پس جو کچھ حلال اور پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے،
خوب کھاؤ پو^(۲) اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ
غفور و رحیم ہے۔ (۶۹)

کے بارے میں کیا طرز عمل اختیار کیا جائے؟ ان کی بابت احکام پوری طرح واضح نہیں تھے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے ان ستر قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟ ان کو قتل کر دیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے؟ جواز کی
حد تک دونوں ہی باتوں کی گنجائش تھی۔ اسی لیے دونوں ہی باتیں زیر غور آئیں۔ لیکن بعض دفعہ جواز و عدم جواز سے
قطع نظر حالات و ظروف کے اعتبار سے زیادہ بہتر صورت اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں بھی ضرورت زیادہ
بہتر صورت اختیار کرنے کی تھی۔ لیکن جواز کو سامنے رکھتے ہوئے کم تر صورت اختیار کر لی گئی، جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف
سے عقاب نازل ہوا۔ مشورے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے یہ مشورہ دیا کہ کفر کی قوت و شوکت توڑنے کے لیے
ضروری ہے کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے، کیونکہ یہ کفر اور کافروں کے سرفتنے ہیں، یہ آزاد ہو کر اسلام اور مسلمانوں
کے خلاف زیادہ سازشیں کریں گے۔ جبکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی رائے اس کے برعکس یہ تھی کہ فدیہ لے کر انہیں
چھوڑ دیا جائے اور اس مال سے آئندہ جنگ کی تیاری کی جائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی رائے کو پسند فرمایا جس
پر یہ اور اس کے بعد کی آیات نازل ہوئیں ﴿حَقِّقْ مِثْقَلُونَ فِي الْأَنْفُسِ﴾ کا مطلب ہے کہ اگر ملک میں کفر کا غلبہ ہے (جیسا
کہ اس وقت عرب میں کفر کا غلبہ تھا) تو کافروں کی خون ریزی کر کے کفر کی قوت کو توڑنا ضروری ہے۔ اس نکتے کو نظر
انداز کر کے تم نے جو فدیہ قبول کیا ہے تو گویا، زیادہ بہتر صورت کو چھوڑ کر کم تر صورت کو اختیار کیا ہے جو تمہاری غلطی
ہے۔ بعد میں جب کفر کا غلبہ ختم ہو گیا تو قیدیوں کے بارے میں امام وقت کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ چاہے تو قتل کر دے،
فدیہ لے کر چھوڑ دے یا مسلمان قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کر لے اور چاہے تو ان کو غلام بنالے، حالات و ظروف کے
مطابق کوئی بھی صورت اختیار کرنا جائز ہے۔

(۱) اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ لکھی ہوئی بات کیا تھی؟ بعض نے کہا کہ اس سے مال غنیمت کی صحت مراد ہے یعنی
چونکہ یہ نوشتہ تقدیر تھا کہ مسلمانوں کے لیے مال غنیمت حلال ہو گا، اس لیے تم نے فدیہ لے کر ایک جائز کام ہی کیا ہے۔ اگر ایسا
نہ ہو تو فدیہ لینے کی وجہ سے تمہیں عذاب عظیم پہنچتا۔ بعض نے اہل بدر کی معفرت اس سے مراد لی ہے، بعض نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کو عذاب میں مانع ہونا مراد لیا ہے وغیرہ۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے فتح القدیر)

(۲) اس میں مال غنیمت کی حلت و پاکیزگی کو بیان کر کے فدیہ کا جواز بیان فرما دیا گیا۔ جس سے اس امر کی تائید ہوتی ہے
کہ ”لکھی ہوئی بات“ سے مراد شاید یہی حلت غنائم ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُلْ لَيْسَ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَشْيَاءِ إِنْ يُعْلِمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا فَيُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُجِدَّتْ بِكُمْ أَنْفُسُكُمْ وَيُغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ①

اے نبی! اپنے ہاتھ تلے کے قیدیوں سے کہہ دو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں نیک نیتی دیکھے گا^(۱) تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا^(۲) اور پھر گناہ بھی معاف فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۷۰)

وَأَنْ يُزِيدُوا وَخِيَاَتَكَ فَقَدْ خَالَاهُ مِنْ قَبْلُ فَأَمَنَ مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ②

اور اگر وہ تجھ سے خیانت کا خیال کریں گے تو یہ تو اس سے پہلے خود اللہ کی خیانت کر چکے ہیں آخر اس نے انہیں گرفتار کر دیا،^(۳) اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ (۷۱)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ لِأَسْوَاحِ الْإِسْلَامِ وَآتَوْا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ أَوْ لَهَآ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٌ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّنْ وَلَا تَتَّبِعُهُمْ مِن شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجِرُوا وَإِنْ اسْتَفْرَضُوا فِى الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ وَاللَّهُ بِمَا

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مانوس اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا^(۴) اور جن لوگوں نے ان کو پناہ دی اور مدد کی^(۵) یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں^(۶) اور جو ایمان تو لائے ہیں لیکن ہجرت نہیں کی تمہارے لیے ان کی کچھ بھی رفاقت نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔^(۷) ہاں اگر وہ تم سے دین

(۱) یعنی ایمان و اسلام لانے کی نیت اور اسے قبول کرنے کا جذبہ۔

(۲) یعنی جو فدیہ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں اللہ تعالیٰ قبول اسلام کے بعد عطا فرما دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ جو ان قیدیوں میں تھے مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد اللہ نے انہیں دنیوی مال و دوست سے بھی خوب نوازا۔

(۳) یعنی زبان سے تو اظہار اسلام کر دیں لیکن مقصد دھوکہ دینا ہو تو اس سے قبل انہوں نے کفر و شرک کا ارتکاب کر کے کیا حاصل کیا؟ یہی کہ وہ مسلمانوں کے قیدی بن گئے اس لیے آئندہ بھی اگر وہ شرک کے راستے پر قائم رہے تو اس سے مزید ذلت و رسوائی کے سوا انہیں کچھ اور حاصل نہیں ہو گا۔

(۴) یہ صحابہ ماجرین کہلاتے ہیں جو فضیلت میں صحابہ میں اول نمبر ہیں۔

(۵) یہ انصار کہلاتے ہیں۔ یہ فضیلت میں دوسرے نمبر ہیں۔

(۶) یعنی ایک دوسرے کے حمایتی اور مددگار ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ جیسا کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک ماجر اور ایک ایک انصاری کے درمیان رشتہ اخوت قائم فرمایا تھا حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے وارث بھی بنتے تھے (بعد میں وراثت کا حکم منسوخ ہو گیا)۔

(۷) یہ صحابہ کی تیسری قسم ہے جو ماجرین و انصار کے علاوہ ہیں۔ یہ مسلمان ہونے کے بعد اپنے ہی علاقوں اور قبیلوں

تَعْمَلُونَ بَعْضٌ ۝

کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے^(۱) سوائے ان لوگوں کے کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے^(۲) تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ خوب دیکھتا ہے۔ (۷۲)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَتَوَلَّوْا بَعْضُ الْاَقْصَاۃِ مَلِكُ يَوْمَئِذٍ
الْزَفِیۡفُ ۝

کافر آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ ہو گا اور زبردست فساد ہو جائے گا۔^(۳) (۷۳)

وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ لِی سَبِیْلِ اللّٰهِ
وَالَّذِیۡنَ اٰوَاۤءُ وَتَوَلَّوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَّهُمْ
مَّغْفِرَةٌ ۙ وَرِزْقٌ كَرِیۡمٌ ۝

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد پہنچائی۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔^(۴) (۷۴)

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنْۢ بَعْدِ وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ لَآ اُولٰٓئِكَ
وَسَلَّمَ ۙ وَاُولٰٓئِكَ اَمَّا بَعْضُهُمْ اُولٰٓئِیۡ فَبَعْضٌ فِیۡ كِتٰبِ اللّٰهِ
اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیۡمٌ ۝

اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا۔ پس یہ لوگ بھی تم میں سے ہی ہیں^(۵) اور رشتے ٹاٹے والے ان میں سے بعض بعض

میں مقیم رہے۔ اس لیے فرمایا کہ تمہاری حمایت یا وراثت کے وہ مستحق نہیں۔

(۱) مشرکین کے خلاف اگر ان کو تمہاری مدد کی ضرورت پیش آجائے تو پھر ان کی مدد کرنا ضروری ہے۔

(۲) ہاں اگر وہ تم سے ایسی قوم کے خلاف مدد کے خواہش مند ہوں کہ تمہارے اور ان کے درمیان صلح کا اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہے تو پھر ان مسلمانوں کی حمایت کے مقابلے میں معاہدے کی پاسداری زیادہ ضروری ہے۔

(۳) یعنی جس طرح کافر ایک دوسرے کے دوست اور حمایتی ہیں اسی طرح اگر تم نے بھی ایمان کی بنیاد پر ایک دوسرے کی حمایت اور کافروں سے عدم مداخلت نہ کی تو پھر بڑا فتنہ اور فساد ہو گا۔ اور وہ یہ کہ مومن اور کافر کے باہمی اختلاف اور محبت و مداخلت سے دین کے معاملے میں اشتباہ اور مداخلت پیدا ہو گی۔ بعض نے ﴿بَعْضُهُمْ اُولٰٓئِیۡ فَبَعْضٌ﴾ سے 'وارث ہونا مراد لیا ہے۔ یعنی کافر ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کسی کافر کا اور کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہے۔ جیسا کہ احادیث میں اسے وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر تم وراثت میں کفر و ایمان کو نظر انداز کر کے محض قربت کو سامنے رکھو گے تو اس سے بڑا فتنہ اور فساد پیدا ہو گا۔

(۴) یہ ماجرین و انصار کے انہی دو گروہوں کا تذکرہ ہے جو پہلے بھی گزرا ہے۔ یہاں دوبارہ ان کا ذکر ان کی فضیلت کے سلسلے میں ہے۔ جب کہ پہلے ان کا ذکر آپس میں ایک دوسرے کی حمایت و نصرت کا وجوب بیان کرنے کے لیے تھا۔

(۵) یہ ایک چوتھے گروہ کا ذکر ہے جو فضیلت میں پہلے دو گروہوں کے بعد اور تیسرے گروہ سے (جنہوں نے ہجرت

سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کے حکم میں،^(۱) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ (۷۵)

سورہ توبہ مٹی ہے اور اس میں ایک سو انیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے بیزاری کا اعلان ہے۔^(۲) ان مشرکوں کے بارے میں جن سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا۔ (۱)

پس (اے مشرک!) تم ملک میں چار مہینے تک تو چل پھر لو،^(۳) جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

بِرَأْيِ اللَّهِ وَرَأْيِ رَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

فَيَسْخَرُوا لَكُم مِّنْ دِينِكُمْ وَأَعْلَمُوا تَكْمِيلَهُ يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَلْجَمُ

نہیں کی تھی، پہلے ہے۔

(۱) اخوت یا حلف کی بنیاد پر وراثت میں جو حصہ وار بنے تھے، اس آیت سے اس کو منسوخ کر دیا گیا اب وراثت صرف وہی ہوں گے جو نسبی اور سسرالی رشتوں میں منسلک ہوں گے۔ اللہ کی کتاب یا اللہ کے حکم سے مراد یہ ہے کہ لوح محفوظ میں اصل حکم ہی تھا۔ لیکن اخوت کی بنیاد پر صرف عارضی طور پر ایک دوسرے کا وارث بنادیا گیا تھا، جو اب ضرورت ختم ہونے پر غیر ضروری ہو گیا اور اصل حکم نافذ کر دیا گیا۔

☆ وجہ تسمیہ: اس کے مفسرین نے متعدد نام ذکر کئے ہیں لیکن زیادہ مشہور دو ہیں۔ ایک توبہ، اس لیے کہ اس میں بعض مومنین کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے۔ دوسرا نام براءت ہے۔ اس لیے کہ اس میں مشرکین سے براءت کا اعلان عام ہے۔ یہ قرآن مجید کی واحد سورت ہے جس کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم درج نہیں ہے۔ اس کی بھی متعدد وجوہات کتب تفسیر میں درج ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سورہ انفال اور سورہ توبہ ان دونوں کے مضامین میں بڑی یکسانیت پائی جاتی ہے، یہ سورت گویا سورہ انفال کا تہہ یا بقیہ ہے۔ یہ سات بڑی سورتوں میں ساتویں بڑی سورت ہے جنہیں سبع طوال کہا جاتا ہے۔

(۲) فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور دیگر صحابہ کو قرآن کریم کی یہ آیات اور یہ احکام دے کر بھیجا تاکہ وہ مکے میں ان کا عام اعلان کر دیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق اعلان کر دیا کہ کوئی شخص بیت اللہ کا عریاں طواف نہیں کرے گا، بلکہ آئندہ سال سے کسی مشرک کو بیت اللہ کے حج کی ہی اجازت نہیں ہوگی۔ (صحیح بخاری کتاب الصلاة، باب ما یسرم من العورة مسم کتاب الصحیح باب لا یحج المہت المشرك)

(۳) یہ اعلان براءت ان مشرکین کے لیے تھا جن سے غیر مؤقت معاہدہ تھا یا چار مہینے سے کم کا تھا یا جن سے چار مہینے سے زیادہ ایک خاص مدت تک تھا لیکن ان کی طرف سے عہد کی پاسداری کا اہتمام نہیں تھا۔ ان سب کو چار مہینے مکہ میں

وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ⑤

وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ
اللَّهَ بَرُّ لِيٍّ مِمَّنِ الْمُشْرِكِينَ ۖ وَرَسُولُهُ ۚ فَإِنْ تُبْتِغُوا فَهَوْاْ خَيْرٌ
لَّكُمْ ۚ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَوْا ۚ إِنَّكُمْ عِندَ اللَّهِ ذَوِلُّوْنَ
الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَذَابٌ أَلِيمٌ ⑥

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوا
شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَيْلَهُمْ أَحَدًا فَأَتَيْنَاهُمُ عَهْدَهُمْ
إِلَىٰ مَدْيَنَ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ⑦

اور یہ (بھی یاد رہے) کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔^(۱) (۲)

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو بڑے حج کے دن^(۲) صاف اطلاع ہے کہ اللہ مشرکوں سے بیزار ہے اور اس کا رسول بھی، اگر اب بھی تم توبہ کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ تم اللہ کو ہرا نہیں سکتے۔ اور کافروں کو دکھ کی مار کی خبر پہنچا دیجئے۔ (۳)

بجز ان مشرکوں کے جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے اور انہوں نے تمہیں ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچایا نہ کسی کی تمہارے خلاف مدد کی ہے تو تم بھی ان کے معاہدے کی مدت ان کے ساتھ پوری کرو،^(۳) اللہ تعالیٰ پر ہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔ (۴)

رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس مدت کے اندر اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو انہیں یہاں رہنے کی اجازت ہو گی، بصورت دیگر ان کے لیے ضروری ہو گا کہ وہ چار مہینے کے بعد جزیرہ عرب سے نکل جائیں، اگر دونوں صورتوں میں سے وہ کوئی بھی اختیار نہیں کریں گے تو وہ حربی کافر شمار ہوں گے، جن سے لڑنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہو گا تاکہ جزیرہ عرب کفر و شرک کی تاریکیوں سے صاف ہو جائے۔

(۱) یعنی یہ مسلمان اس لیے نہیں دی جا رہی ہے کہ فی الحال تمہارے خلاف کارروائی ممکن نہیں ہے بلکہ اس سے مقصد صرف تمہاری بھلائی اور خیر خواہی ہے تاکہ جو توبہ کر کے مسلمان ہونا چاہے، وہ مسلمان ہو جائے۔ ورنہ یاد رکھو کہ تمہاری بابت اللہ کی جو تقدیر و مشیت ہے، اسے تم ٹال نہیں سکتے اور اللہ کی طرف سے مسلط ذلت و رسوائی سے تم بچ نہیں سکتے۔

(۲) صحیحین (بخاری و مسلم) اور دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ یوم حج اکبر سے مراد یوم النحر (۱۰ ذوالحجہ) کا دن ہے (ترمذی، مسند، ۹۵، بخاری، مسند، ۳۹۵، مسلم، مسند، ۹۸۳) اسی دن منیٰ میں اعلانِ براءت سنایا گیا۔ ۱۰ ذوالحجہ کو حج اکبر کا دن اسی لیے کہا گیا کہ اس دن حج کے سب سے زیادہ اور اہم مناسک ادا کئے جاتے ہیں۔ اور عوام عمرے کو حج اصغر کہا کرتے تھے۔ اس لیے عمرے سے ممتاز کرنے کے لیے حج کو حج اکبر کہا گیا۔ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ حج جمعہ والے دن آئے، وہ حج اکبر ہے، یہ بے اصل بات ہے۔

(۳) یہ مشرکین کی چوتھی قسم ہے۔ ان سے جتنی مدت کا معاہدہ تھا، اس مدت تک انہیں رہنے کی اجازت دے دی گئی،

فَإِذَا اسْتَدْحَرَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمَ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ
وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوا مِنْهُمْ وَاصْطُرُوا لَهُمْ وَأَقْعُدُوا
لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ إِنَّا تَابْنَا وَآقَامُوا الصَّلَاةَ وَ
آتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑤

پھر حرمت والے مہینوں^(۱) کے گزرتے ہی مشرکوں کو
جہاں پاؤ قتل کرو^(۲) انہیں گرفتار کرو^(۳) ان کا ہی صرہ کر
لو اور ان کی تاک میں ہر گھائی میں جا بیٹھو^(۴) ہاں اگر وہ
توبہ کر لیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ ادا کرنے
لگیں تو تم ان کی راہیں چھوڑ دو۔^(۵) یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے
والا مہربان ہے۔ (۵)

کیونکہ انہوں نے معاہدے کی پاسداری کی اور اس کے خلاف کوئی حرکت نہیں کی، اس لیے مسلمانوں کے لیے بھی اس
کی پاسداری کو ضروری قرار دیا گیا۔

(۱) ان حرمت والے مہینوں سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ایک رائے تو یہ ہے کہ اس سے مراد وہی چار مہینے
ہیں جو حرمت والے ہیں۔ یعنی رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ اور اعلان براءت ۱۰/ ذوالحجہ کو کیا گیا۔ اس اعتبار سے
گویا اعلان کے بعد پچاس دن کی مہلت انہیں دی گئی۔ کیونکہ حرمت والے مہینوں کے گزرنے کے بعد مشرکین کو
پکڑنے اور قتل کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہاں اَشْهُرُ حُرُم سے مراد وہ حرمت
والے مہینے نہیں ہیں بلکہ ۱۰ ذوالحجہ سے لے کر ۱۰ ربیع الثانی تک کے چار مہینے مراد ہیں۔ انہیں اَشْهُرُ حُرُم اس لیے کہا گیا
ہے کہ اعلان براءت کی رو سے ان چار مہینوں میں ان مشرکین سے لڑنے اور ان کے خدف کسی اقدام کی اجازت نہیں
تھی۔ اعلان براءت کی رو سے یہ تاویل مناسب معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) بعض مفسرین نے اس حکم کو عام رکھا ہے یعنی حل یا حرم میں، جہاں بھی پاؤ قتل کرو۔ اور بعض مفسرین نے
﴿وَلَا تَقْلُتُمُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْأَخْرَاجِ حَتَّى يُفْتَلُوْكُمْ فَيَبْذُلُوْا قَانُفُلُوْكُمْ﴾ (البقرة ۱۹۱) مسجد حرام کے
پاس ان سے مت لڑو! یہاں تک کہ وہ خود تم سے لڑیں، اگر وہ لڑیں تو پھر تمہیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے، اس
آیت سے تخصیص کی ہے اور صرف حدود حرم سے باہر حل میں قتل کرنے کی اجازت دی ہے۔ (ابن کثیر)

(۳) یعنی انہیں قیدی بنا لویا قتل کرو۔

(۴) یعنی اس بات پر اکتفا نہ کرو کہ وہ تمہیں کہیں ملیں تو تم کارروائی کرو۔ بلکہ جہاں جہاں ان کے حصار، قلعے اور پناہ
گاہیں ہیں، وہاں وہاں ان کی گھات میں رہو۔ حتیٰ کہ تمہاری اجازت کے بغیر ان کے لیے نقل و حرکت ممکن نہ رہے۔

(۵) یعنی کوئی کارروائی ان کے خلاف نہ کی جائے، کیونکہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ گویا قیوں اسام کے بعد اقامت صلوة
اور ادائے زکوٰۃ کا اہتمام ضروری ہے، اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی ترک کرتا ہے تو وہ مسلمان نہیں سمجھا
جائے گا۔ جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ماضین زکوٰۃ کے خلاف اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے جہاد کیا
اور فرمایا وَاللّٰهِ لَا قَاتِلَ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ اَمْنَعُ عَلَيْهِ اَسْوَالُهُ مَشْكُوَةٌ كِتَابُ الْمَرْكُؤَةِ فَصَلِّ

وَأَنَّ أَحَدَ قَبِيلِ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجَرَهُ حَتَّى يَسْمَعَ
كَلِمَ اللَّهِ فَيُبَيِّنَ لَهُ مَا مَنَعَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ
لَّا يَعْلَمُونَ ۝

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ
إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدُوا عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا
لَهُمْ فَاَسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ الْمُتَّقِينَ ۝

كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُونَ عَلَيْكُمْ لَا يَرْبُوا فِيكُمْ إِلَّا لِأَذَمَّةٍ
يَرْضَوْنَ لَكُمْ يَا قَوْمِ أَهْلَ الْبَيْتِ قُلُوبُهُمْ نَوَّاسَةٌ لَهُمْ

اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ طلب کرے تو تو
اسے پناہ دے دے یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے پھر
اسے اپنی جائے امن تک پہنچا دے۔^(۱) یہ اس لیے کہ یہ
لوگ بے علم ہیں۔^(۲) (۶)

مشرکوں کے لئے عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک
کیسے رہ سکتا ہے سوائے ان کے جن سے تم نے
عہد وہیمان مسجد حرام کے پاس کیا ہے،^(۳) جب تک وہ
لوگ تم سے معاہدہ نبھائیں تم بھی ان سے وفاداری کرو
اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت رکھتا ہے۔^(۴) (۷)

ان کے وعدوں کا کیا اعتبار ان کا اگر تم پر غلبہ ہو جائے تو
نہ یہ قرابت داری کا خیال کریں نہ عہد وہیمان کا^(۵) اپنی

حالت، "اللہ کی قسم میں ان لوگوں سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کریں گے۔" یعنی نماز تو پڑھیں
لیکن زکوٰۃ ادا کرنے سے گریز کریں۔

(۱) اس آیت میں مذکورہ حربی کافروں کے بارے میں ایک رخصت دی گئی کہ اگر کوئی کافر پناہ طلب کرے تو اسے پناہ
دے دو یعنی اسے اپنی حفظ و امان میں رکھو تاکہ کوئی مسلمان اسے قتل نہ کر سکے۔ اور تاکہ اسے اللہ کی باتیں سننے اور
اسلام کے سمجھنے کا موقع ملے، ممکن ہے اس طرح اسے توبہ اور قبول اسلام کی توفیق مل جائے۔ لیکن اگر وہ کلام اللہ سننے
کے باوجود مسلمان نہیں ہوتا تو اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی امان کی پاسداری آخر تک کرنی
ہے، جب تک وہ اپنے مشترک بخیریت واپس نہیں پہنچ جاتا، اس کی جان کی حفاظت تمہاری ذمہ داری ہے۔

(۲) یعنی پناہ کے طلب گاروں کو پناہ کی رخصت اس لیے دی گئی ہے کہ یہ بے علم لوگ ہیں۔ ممکن ہے اللہ اور رسول کی
باتیں ان کے علم میں آئیں اور مسلمانوں کا اخلاق و کردار وہ دیکھیں تو اسلام کی حقانیت و صداقت کے وہ قائل ہو
جائیں اور اسلام قبول کر کے آخرت کے عذاب سے بچ جائیں۔ جس طرح صلح حدیبیہ کے بعد بہت سے کافر امان طلب
کر کے مدینہ آتے جاتے رہے تو انہیں مسلمانوں کے اخلاق و کردار کے مشاہدے سے اسلام کے سمجھنے میں بڑی مدد ملی
اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

(۳) یہ استفہام نفی کے لیے ہے، یعنی جن مشرکین سے تمہارا معاہدہ ہے، ان کے علاوہ اب کسی سے معاہدہ باقی نہیں رہا ہے۔

(۴) یعنی عہد کی پاسداری اللہ کے ہاں بہت پسندیدہ امر ہے اس لیے معاملے میں احتیاط ضروری ہے۔

(۵) کَیْفَ، پھر بطور تاکید، نفی کے لیے ہے۔ اِلَّا کے معنی قرابت (رشتہ داری) اور ذِقَّة کے معنی عہد کے ہیں۔ یعنی ان

فَيُسْقُونَ ۝

رَشْتَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا قَصْدًا وَاعْنِ سَيِّئِهِمْ
رَتَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

لَا يَرْفَعُونَ فِي مَسْجِدِ اللَّهِ إِلَّا ذِكْرَهُ وَأَوَّلِيكَ
هُمُ الْمُحْتَدُونَ ۝

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُ
الَّذِينَ لَا يَرْفَعُونَ فِي مَسْجِدِ اللَّهِ إِلَّا ذِكْرَهُ ۝

زبانوں سے تو تمہیں پرچار ہے ہیں لیکن ان کے دل
نہیں مانتے ان میں سے اکثر تو فاسق ہیں۔ (۸)

انہوں نے اللہ کی آیتوں کو بہت کم قیمت پر بیچ دیا اور اس
کی راہ سے روکا۔ بہت برا ہے جو یہ کر رہے ہیں۔ (۹)

یہ تو کسی مسلمان کے حق میں کسی رشتہ داری کا یا عہد کا
مطلق لحاظ نہیں کرتے یہ ہیں ہی حد سے گزرنے
والے۔ (۱۰)

اب بھی اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور
زکوٰۃ دیتے رہیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔ (۱۱) ہم تو
جاننے والوں کے لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر
رہے ہیں۔ (۱۲)

مشرکین کی زبانی باتوں کا کیا اعتبار جب کہ ان کا یہ حال ہے کہ اگر یہ تم پر غالب آجائیں تو کسی قرابت اور عہد کا پس
نہیں کریں گے۔ بعض مفسرین کے نزدیک پہلا کیف مشرکین کے لیے ہے اور دوسرے سے یہودی مراد ہیں کیونکہ ان
کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو کم قیمت پر بیچ دیتے ہیں۔ اور یہ وہی یہودیوں ہی کا رہا ہے۔
(۱) بار بار وضاحت سے مقصود مشرکین اور یہودی کی اسلام دشمنی اور ان کے سینوں میں مخفی عداوت کے جذبات کو بے
نقاب کرنا ہے۔

(۲) نماز توحید و رسالت کے اقرار کے بعد اسلام کا سب سے اہم رکن ہے جو اللہ کا حق ہے اس میں اللہ کی عبادت
کے مختلف پہلو ہیں۔ اس میں دست بستہ قیام ہے رکوع و سجود ہے دعا و مناجات ہے اللہ کی عظمت و جلالت کا اور اپنی
عاجزی و بے کسی کا اظہار ہے۔ عبادت کی یہ ساری صورتیں اور قسمیں صرف اللہ کے لیے خاص ہیں۔ نماز کے بعد دوسرا
اہم فریضہ زکوٰۃ ہے جس میں عبادتی پہلو کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی شامل ہیں۔ زکوٰۃ سے معاشرے کے اور زکوٰۃ
دینے والے کے قبیلے کے ضرورت مند مفلس و نادار اور معذور و محتاج لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی لیے حدیث میں بھی
شہادت کے بعد ان ہی دو چیزوں کو نمایاں کر کے بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مجھے فہم دیا گیا ہے
کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ
علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں“ صحیح بخاری کتاب الإیمان باب فیہما
وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ مُسْلِمٌ کتاب الإیمان باب الأمر بقتال الناس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول
ہے۔ ومن لم یبرث فلا صلوة لہ (حوالہ مذکورہ) ”جس نے زکوٰۃ نہیں دی اس کی نماز بھی نہیں“

وَأَن تَكُونُوا آيْمَانَهُمْ مِن بَعْدِ عَهْدِهِمْ
وَتَطْعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا آيْمَةَ الْكَافِرِ
إِنَّهُمْ لَا آيْمَانَ لَكُمْ بِعَهْدِهِمْ يَنْتَهُونَ ۝۱۰

أَلَا تَعْلَمُونَ قَوْمًا تَكُونُوا آيْمَانَهُمْ وَهَؤُلَاءِ
يُخَاوِعُوا الرِّسُولَ وَهُمْ بَدَأُوا قَوْلَ مَنَاقِبَةٍ
أَقْبَلُوا لَهُمْ قَائِلِينَ إِنَّهُمْ يُكْفَرُونَ ۝۱۱

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِمَا يُبَدِّلُكُمْ وَيُخَيِّدُهُمْ وَيَقْطَعُكُمْ عَلَيْهِمْ

اگر یہ لوگ عہد و پیمان کے بعد بھی اپنی قسموں کو توڑ دیں
اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم بھی ان
سرداران کفر سے بھڑ جاؤ۔ ان کی قسمیں ^(۱) کوئی چیز نہیں
ممکن ہے کہ اس طرح وہ بھی باز آجائیں۔ (۱۲)

تم ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے کیوں تیار نہیں
ہو تے ^(۲) جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور پیغمبر کو جلا
وطن کرنے کی فکر میں ہیں ^(۳) اور خود ہی اول بار انہوں
نے تم سے چھینز کی ہے۔ ^(۴) کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ
ہی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کا ڈر رکھو بشرطیکہ تم ایمان
والے ہو۔ (۱۳)

ان سے تم جنگ کرو اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں

(۱) آيْمَتُهُمْ کی جمع ہے جس کے معنی قسم کے ہیں۔ ائمہ امام کی جمع ہے۔ مراد پیشوا اور یزید ہیں۔ مطلب یہ ہے
کہ اگر یہ لوگ عہد توڑ دیں اور دین میں طعن کریں تو ظاہری طور پر یہ قسمیں بھی کھائیں تو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار
نہیں۔ کفر کے ان پیشواؤں سے لڑائی کرو۔ ممکن ہے اس طرح اپنے کفر سے یہ باز آجائیں۔ اس سے حناف نے استدلال
کیا ہے کہ ذی (اسلامی مملکت میں رہائش پذیر غیر مسلم) اگر نقض عہد نہیں کرتا۔ البتہ دین اسلام میں طعن کرتا ہے تو
اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن نے اس سے قتال کے لیے دو چیزیں ذکر کی ہیں اس لیے جب تک دونوں
چیزوں کا صدور نہیں ہو گا وہ قتال کا مستحق نہیں ہو گا۔ لیکن امام مالک، امام شافعی اور دیگر علماء طعن فی الدین کو نقض عہد
بھی قرار دیتے ہیں۔ اس لیے ان کے نزدیک اس میں دونوں ہی چیزیں آجاتی ہیں لہذا اس ذی کا قتل جائز ہے اسی طرح
نقض عہد کی صورت میں بھی قتل جائز ہے۔ (فتح القدیر)

(۲) آلا حرف تفضیف ہے جس سے رغبت دلانی جاتی ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دے رہا ہے۔

(۳) اس سے مراد دار اندودہ کی وہ مشاورت ہے جس میں رؤسائے مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلا وطن کرنے کا قید
کرنے یا قتل کرنے کی تجویزوں پر غور کیا۔

(۴) اس سے مراد یا تو بدر کی جنگ میں مشرکین مکہ کا رویہ ہے کہ وہ اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لیے گئے لیکن
اس کے باوجود کہ انہوں نے دیکھ لیا کہ وہ قافلہ بچ کر نکل گیا ہے وہ بدر کے مقام پر مسلمانوں سے لڑنے کی تیاری کرتے
اور چھیل خانی کرتے رہے جس کے نتیجے میں بالآخر جنگ ہو کر رہی۔ یا اس سے مراد قبیلہ بنی بکر کی وہ امداد ہے جو قریش نے
ان کی کی جب کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف قبیلہ خزاعہ پر چڑھائی کی تھی وراں حایکہ قریش کی
یہ امداد معاہدے کی خلاف ورزی تھی۔

وَيَتُوبُ صُدُورُ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٠﴾

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١١﴾

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَقْلِبْهُمُ اللَّهُ الْآذِينَ جَهَنَّمَ مَكُودٌ لَّهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٢﴾ وَلَا تُؤْمِنُ أَوَّلِيَّةُ وَلَا آخِرِيَّةُ وَلَا الَّذِينَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عِلٌّ وَلَغْوٌ وَأَعْتَابٌ ﴿١٣﴾

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَى

عذاب دے گا، انہیں ذلیل و رسوا کرے گا، تمہیں ان پر مدد دے گا اور مسلمانوں کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا۔ (۱۳)
اور ان کے دل کا غم و غصہ دور کرے گا،^(۱۱) اور وہ جس کی طرف چاہتا ہے رحمت سے توجہ فرماتا ہے۔ اللہ جانتا ہو جتنا حکمت والا ہے۔ (۱۵)

کیا تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے^(۱۲) حالانکہ اب تک اللہ نے تم میں سے انہیں ممتاز نہیں کیا جو مجاہد ہیں^(۱۳) اور جنہوں نے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا۔^(۱۴) اللہ خوب خبردار ہے جو تم کر رہے ہو۔^(۱۵) (۱۶)

لائق نہیں کہ مشرک اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں۔ در آں حایکہ وہ خود اپنے کفر کے آپ ہی گواہ ہیں،^(۱۶) ان

(۱) یعنی جب مسلمان کمزور تھے تو یہ مشرکین ان پر ظلم و ستم کرتے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے دس ان کی طرف سے بڑے دکھی اور مجروح تھے۔ جب تمہارے ہاتھوں وہ قتل ہوں گے اور ذلت و رسوائی ان کے حصے میں آئے گی تو فطری بات ہے کہ اس سے مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کے کلیجے ٹھنڈے اور دلوں کا غصہ فرو ہو گا۔

(۲) یعنی بغیر امتحان اور آزمائش کے۔

(۳) گویا جہاد کے ذریعے امتحان لیا گیا۔

(۴) ذلیخۃ، گھرے اور دلی دوست کو کہتے ہیں مسلمانوں کو چونکہ اللہ اور رسول کے دشمنوں سے محبت کرنے اور دوستانہ تعلقات رکھنے سے بھی منع کیا گیا تھا، لہذا یہ بھی آزمائش کا ایک ذریعہ تھا، جس سے مخلص مومنوں کو دوسروں سے ممتاز کیا گیا۔

(۵) مطلب یہ ہے کہ اللہ کو تو پہلے ہی ہر چیز کا علم ہے۔ لیکن جہاد کی حکمت یہ ہے کہ اس سے مخلص اور غیر مخلص، فرماں بردار اور نافرمان بندے نمایں ہو کر سامنے آجاتے ہیں، جنہیں ہر شخص دیکھ اور پہچان لیتا ہے

(۶) مَسَاجِدَ اللَّهِ سے مراد مسجد حرام ہے جمع کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا کہ یہ تمام مساجد کا قبلہ و مرکز ہے یہ عربوں میں واحد کے لیے بھی جمع کا استعمال جائز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے گھر (یعنی مسجد حرام) کو تعمیر آباد کرنا یہ ایمان والوں کا کام ہے نہ کہ ان کا جو کفر و شرک کا ارتکاب اور اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ جیسے وہ تبلیہ میں کہا کرتے تھے لَتَبْكُ الْآشِرِيكَ لَكَ، إِلَّا شَرِيكَآ هُوَ لَكَ، نَعْبُدُكَ وَمَا نَعْبُدُكَ إِلَّا شَرِيكَآ هُوَ لَكَ، يَا ابْنَ التَّلْبِيَةِ یا اس سے مراد وہ

أَنْفُسِهِمْ بِاللَّغْوِ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰﴾

لَا يَأْتِيَنَّكَ السَّجْدَةُ مِنَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَتَمَنَّحْ إِلَّا اللَّهُ فَغُفِرَ لَهُ أَتُوبَ لَكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ التَّائِبِينَ ﴿۱۱﴾

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۲﴾

کے اعمال غارت و اکارت ہیں، اور وہ دائمی طور پر جہنمی ہیں۔ (۱۰)

اللہ کی مسجدوں کی رونق و آبادی تو ان کے حصے میں ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں، نمازوں کے پابند ہوں، زکوٰۃ دیتے ہوں، اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں، توقع ہے کہ یہی لوگ یقیناً ہدایت یافتہ ہیں۔ (۱۱)

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلا دینا اور مسجد حرام کی خدمت کرنا اس کے برابر کر دیا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہ اللہ کے نزدیک برابر کے نہیں (۱۲) اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت

اعتراف ہے جو ہر مذہب وا کرتا ہے کہ میں یہودی، نصرانی، صابی یا مشرک ہوں (فتح القدیر)

(۱) یعنی ان کے وہ عمل جو بظاہر نیک لگتے ہیں، جیسے طواف و عمرہ اور حاجیوں کی خدمت وغیرہ۔ کیونکہ ایمان کے بغیر یہ اعمال ایسے درخت کی طرح ہیں جو بے ثمر ہیں یا ان پھولوں کی طرح ہیں جن میں خوشبو نہیں ہے۔

(۲) جس طرح حدیث میں بھی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَنَادَى الْمَسْجِدَ، فَاسْهَرُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ (ترمذی، تفسیر سورة التوبة) ”جب تم دیکھو کہ ایک آدمی مسجد میں پابندی سے آتا ہے تو تم اس کے ایمان کی گواہی دو۔“ قرآن کریم میں یہاں بھی ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بعد جن اعمال کا ذکر کیا گیا ہے، وہ نماز، زکوٰۃ اور خشیت الہی ہے۔ جس سے نماز، زکوٰۃ اور تقویٰ کی اہمیت واضح ہے۔

(۳) مشرکین حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال کا جو کام کرتے تھے، اس پر انہیں بڑا فخر تھا اور اس کے مقابے میں وہ ایمان و جہاد کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے جس کا اہتمام مسلمانوں کے اندر تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم سقايت حاج اور عمارت مسجد حرام کو ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر سمجھتے ہو؟ یاد رکھو! اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں۔ بلکہ مشرک کا کوئی عمل بھی مقبول نہیں، چاہے وہ صورتِ خیر ہی ہو۔ جیسا کہ اس سے پہلی آیت کے جملے ﴿حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ﴾ میں واضح کیا جا چکا ہے۔ بعض روایت میں اس کا سبب نزول مسلمانوں کی آپس میں ایک گفتگو کو بتایا گیا ہے کہ ایک روز منبر نبوی کے قریب کچھ مسلمان جمع تھے، ان میں سے ایک نے کہا کہ اسلام لانے کے بعد میرے نزدیک سب سے بڑا عمل حاجیوں کو پانی پلانا ہے۔ دوسرے نے کہا، ”مسجد حرام کو آباد کرنا ہے۔ تیسرے نے کہا، ”بلکہ جہاد فی سبیل اللہ ان تمام عملوں سے بہتر ہے جو تم نے بیان کیے ہیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب انہیں اس طرح باہم تکرار کرتے ہوئے سنا تو انہیں ڈانٹا اور فرمایا کہ منبر رسول ﷺ کے پاس آؤ انہیں اونچی مت کرو۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ راوی حدیث حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں جمعہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی آپس کی

نہیں دیتا۔^(۱۹)

جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی، اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا وہ اللہ کے ہاں بہت بڑے مرتبہ والے ہیں، اور یہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔ (۲۰)

انہیں ان کا رب خوشخبری دیتا ہے اپنی رحمت کی اور رضامندی کی اور جنتوں کی، ان کے لیے وہاں دواہی نعمت ہے۔ (۲۱)

وہاں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اللہ کے پاس یقیناً بہت بڑے ثواب ہیں۔^(۲۲)

اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان سے زیادہ عزیز رکھیں۔ تم میں سے جو بھی ان سے محبت رکھے گا وہ پورا گنہگار

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ لِلدِّينِ سَبِيلَ اللَّهِ
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ
هُمْ الْفَائِزُونَ ۝

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا
نُفُوسٌ مُّقِيمَةٌ ۝

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَكْبَرُ عَظِيمٌ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ
أَوْلِيَاءَ إِنْ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ
فَإُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

اس گفتگو کی بابت استفسار کیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اصحیح مسلم کتاب الإمامۃ، باب فضل الشہادۃ فی سبیل اللہ، جس میں گویا یہ واضح کر دیا گیا کہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور جہاد فی سبیل اللہ، سب سے زیادہ اہمیت و فضیلت والے عمل ہیں۔ گفتگو کے حوالے سے اصل اہمیت و فضیلت تو جہاد کی بیان کرنی تھی لیکن ایمان باللہ کے بغیر چونکہ کوئی بھی عمل مقبول نہیں، اس لیے پہلے اسے بیان کیا گیا۔ بہر حال اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں۔ دوسرا، یہ معلوم ہوا کہ اس کا سبب نزول مشرکین کے مزعومات فاسدہ کے علاوہ خود مسلمانوں کا بھی اپنے اپنے طور پر بعض غلطیوں کو بعض پر زیادہ اہمیت دینا تھا، جب کہ یہ کام شارع کا ہے نہ کہ مومنوں کا۔ مومنوں کا کام تو ہر اس بات پر عمل کرنا ہے جو اللہ اور رسول کی طرف سے انہیں بتلائی جائے۔

(۱) یعنی یہ لوگ چاہے کیسے بھی دعوے کریں، حقیقت میں ظالم ہیں یعنی مشرک ہیں، اس لیے کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ اس ظلم کی وجہ سے یہ ہدایت الہی سے محروم ہیں۔ اس لیے ان کا اور مسلمانوں کا، جو ہدایت الہی سے بہرہ ور ہیں، آپس میں کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔

(۲) ان آیات میں ان اہل ایمان کی فضیلت بیان کی گئی جنہوں نے ہجرت کی اور اپنی جان مال کے ساتھ جہاد میں حصہ لیا۔ فرمایا: اللہ کے ہاں انہی کا درجہ سب سے بلند ہے اور یہی کامیاب ہیں، یہی اللہ کی رحمت و رضامندی اور دائمی نعمتوں کے مستحق ہیں نہ کہ وہ جو خود اپنے منہ میاں مٹھو بختے اور اپنے آبائی طور طریقوں کو ہی ایمان باللہ کے مقابلے میں عزیز رکھتے ہیں۔

ظالم ہے۔^(۱) (۲۳)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے مکائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب لے آئے۔ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔^(۲) (۲۴)

یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سے میدانوں میں تمہیں فتح دی ہے اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جب کہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا لیکن اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ

مُنَ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ مُّكْتَسَبَةٌ وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرْتَفِعُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاجِدٍ كَثِيرَةٍ ۚ وَقَوْمُ الْحَنِينِ إِذْ أَعْتَبْتُمْ كَرْهِيكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ

(۱) یہ وہی مضمون ہے جو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو۔ سورۃ آل عمران آیت ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹

وَلَيْسَ تَوْبَتُهُمْ بِرَبِّهِمْ ۝۱۰

فَإِنَّ تَوْبَةَ اللَّهِ سَكَنَتْهُ عَلَى رَسُولِهِ وَمَلَائِكَتِهِ
وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا
وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝۱۱

فَتَعَبَتْ تَوْبَةُ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ قَتَلَهُ - وَاللَّهُ
عَلِيمٌ ذَكِيٌّ ۝۱۲

دیا بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہو گئی پھر تم
پیٹھ پھیر کر مڑ گئے۔ (۲۵)

پھر اللہ نے اپنی طرف کی تسکین اپنے نبی پر اور
مومنوں پر اتاری اور اپنے وہ لشکر بھیجے جنہیں تم دیکھ
نہیں رہے تھے اور کافروں کو پوری سزا دی۔ ان کفار
کا یہی بدلہ تھا۔ (۲۶)

پھر اس کے بعد بھی جس پر چاہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی
توجہ فرمائے گا^(۱) اللہ ہی بخشش و مہربانی کرنے والا ہے۔ (۲۷)

سکتا ہے۔ جس طرح کہ آخری الفاظ تہدید سے واضح ہے۔ احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس مضمون کو
وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”یا رسول اللہ! مجھے آپ اپنے نفس کے سوا ہر
چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”جب تک میں اس کے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں“
اس وقت تک وہ مومن نہیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ”پس واللہ! اب آپ مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب
ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اے عمر! اب تم مومن ہو۔“ (صحیح بخاری کتاب الایمان والحدود باب کیف
کان یحیی السبی صلی اللہ علیہ وسلم، ایک دوسری روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”قسم ہے اس
دات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے“ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں جب تک میں اس کو اس
کے والد سے اس کی اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“ (صحیح بخاری کتاب الایمان
باب حب الرسول ﷺ من الایمان، و مسلم کتاب الایمان، باب بیان عصال من اتصف بہم وجد حلاوة
الایمان ایک اور حدیث میں جہاد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ”جب تم تبعِ عینہ (کسی کو مدت معینہ کے لیے چیز
ادھار دے کر پھر اس سے کم قیمت پر خرید لینا) اختیار کر لو گے اور گالیوں کی دھم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی و قانع ہو جاؤ
گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط فرما دے گا جس سے تم اس وقت تک نہ نکل سکو گے“
جب تک اپنے دین کی طرف نہیں لوٹو گے (ابوداؤد، کتاب البیوع، باب البیوع عن العینة مسند أحمد
جلد ۲ ص ۴۲)

(۱) حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے۔ یہاں ہواؤں اور نفیغ رہتے تھے یہ دونوں قبیلے تیر اندازی میں
مشہور تھے۔ یہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تیاری کر رہے تھے جس کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تو آپ ۱۲
ہزار کا لشکر لے کر ان قبیلوں سے جنگ کے لیے حنین تشریف لے گئے یہ فتح مکہ کے ۱۸، ۱۹ دن بعد شوال کا واقعہ ہے
مذکورہ قبیلوں نے بھرپور تیاری کر رکھی تھی اور مختلف کمین گاہوں میں تیر اندازوں کو مقرر کر دیا تھا۔ ادھر مسلمانوں میں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الشُّرُكُونَ نجسٌ فَلَا يَقْرَبُوا
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ مَا بَعَثَ اللَّهُ هَذَا قَوْلَ إِنْ خِفْتُمْ عِيْلَةً
فَتَوَقَّ عِيْلَتَكُمْ إِنَّ اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ لَنَشْكُرَ إِنْ أَلَّفَ
عَلَيْكُمْ حَاجَتَكُمْ ۝۹

اے ایمان والو! بے شک مشرک بالکل ہی ناپاک
ہیں^(۱) وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ
پہنچنے پائیں^(۲) اگر تمہیں مفلسی کا خوف ہے تو اللہ
تمہیں دولت مند کر دے گا اپنے فضل سے اگر

یہ عجب پیدا ہو گیا کہ آج کم از کم قلت کی وجہ سے ہم مغلوب نہیں ہوں گے۔ یعنی اللہ کی مدد کے بجائے اپنی کثرت
تعداد پر اعتماد زیادہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ عجب اور یہ کلمہ پسند نہیں آیا۔ نتیجتاً جب ہوازن کے تیر اندازوں نے مختلف کمین
گاہوں سے مسلمانوں کے لشکر پر یک بارگی تیر اندازی کی تو اس غیر متوقع اور اچانک تیروں کی بوچھاڑ سے مسلمانوں کے
قدم اکٹڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سو کے قریب مسلمان رہ
گئے۔ آپ ﷺ مسلمانوں کو پکار رہے تھے ”اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ“ میں اللہ کا رسول ہوں“ کبھی یہ رجز یہ کلمہ
پڑھتے اَنْ اَسْبِيْ لَا حَيٰثَ - اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ پھر آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو (جو نہایت بلند آواز تھے)
حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کو جمع کرنے کے لیے آواز دیں۔ چنانچہ ان کی ندا سن کر مسلمان سخت پشیمان ہوئے اور دوبارہ
میدان میں آگئے اور پھر اس طرح جم کر لڑے کہ اللہ نے فتح عطا فرمائی اللہ تعالیٰ کی بھی مدد پھر اس طرح حاصل ہوئی کہ
ایک تو ان پر سکینت نازل فرمائی گئی جس سے ان کے دلوں سے دشمن کا خوف دور ہو گیا۔ دوسرے فرشتوں کا نزول
ہوا۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے چھ ہزار کافروں کو قیدی بنایا (جنہیں بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست پر چھوڑ
دیا گیا) اور بہت سہ مال غنیمت حاصل ہوا۔ جنگ کے بعد ان کے بست سے سردار بھی مسلمان ہو گئے۔ یہاں ۳ آیات میں
اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کا مختصر ذکر فرمایا ہے۔

(۱) مشرک کے نجس (پلید، ناپاک) ہونے کا مطلب ’عقائد و اعمال کے لحاظ سے ناپاک ہونا ہے۔ بعض کے نزدیک مشرک
ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے ناپاک ہے۔ کیونکہ وہ طہارت (صفائی و پاکیزگی) کا اس طرح اہتمام نہیں کرتا جس کا حکم
شریعت نے دیا ہے۔

(۲) یہ وہی حکم ہے جو سن ۹ ہجری میں اعلان براءت کے ساتھ کیا گیا تھا جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے یہ ممانعت
بعض کے نزدیک صرف مسجد حرام کے لیے ہے ورنہ حسب ضرورت مشرکین دیگر مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں۔ جس
طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھے رکھا تھا حتیٰ کہ اللہ نے
ان کے دل میں اسلام کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ڈال دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ علاوہ ازیں اکثر صحابہ کے
نزدیک یہاں مسجد حرام سے مراد ’پورا حرم‘ ہے یعنی حدود حرم کے اندر مشرک کا داخلہ ممنوع ہے۔ بعض آثار کی بنیاد پر
اس حکم سے ذی اور خدام کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس سے استدلال کرتے ہوئے اپنے
دور حکومت میں یہود و نصاریٰ کو بھی مسلمانوں کی مسجدوں میں داخلے سے ممانعت کا حکم جاری فرمایا تھا (ابن کثیر)

چاہے ^(۱) اللہ علم و حکمت والا ہے۔ (۲۸)

ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ شے کو حرام نہیں جانتے نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ ذلیل و خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔ ^(۲) (۲۹)

یہود کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے۔ اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے اللہ انہیں عارت کرے وہ کیسے پٹائے جاتے ہیں۔ (۳۰)

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے ^(۳) اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ
دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا
الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى
الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ
يُضَاهَوْنَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ
قَبْلِ قَاتِلُهُمُ اللَّهُ أَتَى يُؤْتَلُونَ ۝

أَتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ
دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا

(۱) مشرکین کی ممانعت سے بعض مسلمانوں کے دل میں یہ خیال آیا کہ حج کے موسم میں زیادہ اجتماع کی وجہ سے جو تجارت ہوتی ہے یہ متاثر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا 'اس مفلسی (یعنی کاروبار کی کمی) سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے' اللہ تعالیٰ عنقریب اپنے فضل سے تمہیں غنی کر دے گا چنانچہ فتوحات کی وجہ سے کثرت سے مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا اور پھر بہ تدریج سارا عرب بھی مسلمان ہو گیا اور حج کے موسم میں حاجیوں کی ریل پل پھر اسی طرح ہو گئی جس طرح پہلے تھی بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہو گئی اور جو مسلسل روز افزوں ہی ہے۔

(۲) مشرکین سے قتال عام کے حکم کے بعد اس آیت میں یہود و نصاریٰ سے قتال کا حکم دیا جا رہا ہے، اگر وہ اسلام نہ قبول کریں یا پھر وہ جزیہ دے کر مسلمانوں کی ماتحتی میں رہنا قبول کر لیں۔ جزیہ 'ایک متعین رقم ہے جو سالانہ ایسے غیر مسموموں سے لی جاتی ہے جو کسی اسلامی مملکت میں رہائش پذیر ہوں۔ اس کے بدلے میں ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی مملکت کی ہوتی ہے۔ یہود و نصاریٰ باوجود اس بات کے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے ان کی بابت کہا گیا کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے اس سے یہ واضح کر دیا گیا کہ انسان جب تک اللہ پر اس طرح ایمان نہ رکھے جس طرح اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے بتلایا ہے اس وقت تک اس کا ایمان باللہ قابل اعتبار نہیں اور یہ بھی واضح ہے کہ ان کے ایمان باللہ کو غیر معتبر اس لیے قرار دیا گیا کہ یہود و نصاریٰ نے حضرت عزیر و حضرت مسیح علیہما السلام کی انبیت (یعنی بیٹا ہونے کا) اور الوہیت کا عقیدہ گھڑ لیا تھا جیسا کہ اگلی آیت میں ان کے اس عقیدے کا اظہار ہے۔

(۳) اس کی تفسیر حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی

إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا ۚ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ
سُبْحَنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۱۰﴾

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ الْتَّوْبَةِ يَا قَوْمِ هَٰذَا وَبَيَّأَنُ
اللَّهُ رَٰلَآ أَن يُشِيعَ نُورُهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿۱۱﴾

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ
يُظَاهِرُهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿۱۲﴾

انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرتے سے۔ (۳۱)

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ انکاری ہے مگر اسی بات کا کہ اپنا نور پورا کرے گو کافر ناخوش رہیں۔ (۳۲) (۱)

اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے اور تمام مذہبوں پر غالب کر دے (۲)

اللہ علیہ وسلم سے یہ آیت سن کر عرض کیا کہ یہود و نصاریٰ نے تو اپنے عطا کی کبھی عبادت نہیں کی، پھر یہ کیوں کہا گیا کہ انہوں نے ان کو رب بنا لیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی۔ لیکن یہ بات تو ہے تا کہ ان کے علمائے جس کو حلال قرار دے دیا“ اس کو انہوں نے حلال اور جس چیز کو حرام کر دیا، اس کو حرام ہی سمجھا۔ یہی ان کی عبادت کرتا ہے۔“ (صحیح لمصنفی، للآلہاسی، ص ۲۷۷) کیونکہ حرام و حلال کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ یہی حق اگر کوئی شخص کسی اور کے اندر تسلیم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کو اپنا رب بنا لیا ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کے لیے بڑی تنبیہ ہے جنہوں نے اپنے اپنے پیشواؤں کو تحلیل و تحریم کا منصب دے رکھا ہے اور ان کے اقوال کے مقابلے میں وہ نصوص قرآن و حدیث کو بھی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

(۱) یعنی اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے، یہود و نصاریٰ اور مشرکین چاہتے ہیں کہ اپنے جہال و افترا سے اسے منادیں۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص سورج کی شعاعوں کو یا چاند کی روشنی کو اپنی چھوٹوں سے بجھا دے۔ پس! جس طرح یہ ناممکن ہے، اسی طرح جو دین حق اللہ نے اپنے رسول کو دے کر بھیجا ہے اس کا منانا بھی ناممکن ہے۔ وہ تمام دینوں پر غالب آکر رہے گا۔ جیسا کہ اگلے جیسے میں اللہ نے فرمایا۔ کافر کے نفی معنی ہیں چھپنے والا اسی لیے رات کو بھی ”کافر“ کہا جاتا ہے کہ وہ تمام چیزوں کو اپنے اندھیروں میں چھپا لیتی ہے۔ کاشت کار کو بھی ”کافر“ کہتے ہیں کیونکہ وہ غلے کے دانوں کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔ گویا کافر بھی اللہ کے نور کو چھپانا چاہتے ہیں یا اپنے دلوں میں کفر و نفاق اور مسلمانوں اور اسلام کے خلاف بغض و عناد چھپائے ہوئے ہیں۔ اس لیے انہیں کافر کہا جاتا ہے۔

(۲) دلائل و براہین کے لحاظ سے تو یہ غلبہ ہر وقت حاصل ہے تاہم جب مسلمانوں نے دین پر عمل کیا تو انہیں دنیوی غلبہ بھی حاصل ہوا۔ اور اب بھی مسلمان اگر اپنے دین کے عامل بن جائیں تو ان کا غلبہ یقینی ہے اس لیے کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ حزب اللہ ہی غالب و فاتح ہو گا۔ شرط یہی ہے کہ مسلمان حزب اللہ بن جائیں۔

اگرچہ مشرک برائیاں۔ (۳۳)

اے ایمان والو! اکثر علما اور عابد، لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں^(۱) اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجئے۔^(۲) (۳۳)

جس دن اس خزانے کو آتش دوزخ میں تپا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پسلو اور قمیصیں داغی جائیں گی (ان سے کہا جائے گا) یہ ہے جسے تم نے اپنے لیے خزانہ بنا کر رکھا تھا۔ پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو۔ (۳۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَثَارِ وَالزُّهْمَانِ لَيَاْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْتُمُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُوَفُّوْنَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝

يَوْمَ يُخَالِصُ عَلَيْهِمُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيَتَكَلَّمُ بِمَا بَاطِلُهَا هُمٌ وَحُتُونُهُمْ وَهُمْ هُمْ هَذَا مَا كُنْتُمْ لَا تَفْقَهُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ۝

(۱) اُخْتَارَ، جنم کی جمع ہے۔ یہ ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بات کو خوبصورت طریقے سے پیش کرنے کا سہقہ رکھتا ہو۔ خوبصورت اور منقش کپڑے کو نونٹ مختار کہا جاتا ہے مراد علمائے یود ہیں۔ رہبان راہب کی جمع ہے جو رہنہ سے مشتق ہے۔ اس سے مراد علمائے نصاریٰ ہیں بعض کے نزدیک یہ صوفیائے نصاریٰ ہیں۔ علما کے لیے ان کے ہاں فَنِيْسَبِيْن کا لفظ ہے۔ یہ دونوں ایک تو کلام اللہ میں تحریف و تغیر کر کے لوگوں کی خواہشات کے مطابق مسئلے بتاتے اور یوں لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں دوسرے اس طرح لوگوں سے مال اٹھتے جو ان کے لیے باطل اور حرام تھا۔ بد قسمتی سے امت سے علمائے مسلمین کا بھی یہی حال ہے اور یوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کا مصداق ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا لَتَشْبَعَنَّ سَنَةٌ مِّنْ كَذَانٍ قَتَلَكُمْ اصْحَابُ بَحَارِي كِتَابِ الْاِعْتَصَامِ مِیْنِ نَبِی صَلِی مَدِ علیہ وسلم کا یہ فرمان باب کا عنوان ہے) ”تم کچیل امتوں کے طور طریقوں کی ضرور پیروی کرو گے۔“

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ زکوٰۃ کے حکم سے پہلے کا حکم ہے۔ زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے کے بعد زکوٰۃ کو اللہ تعالیٰ نے مال کی طہارت کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ اس لیے علما فرماتے ہیں کہ جس مال سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز نہیں ہے اور جس مال سے زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز (خزانہ) ہے جس پر یہ قرآنی وعید ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ”جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا قیامت والے دن اس کے مال کو آگ کی تختیاں بنا دیا جائے گا۔“ جس سے اس کے دونوں پسلوں کو پیشانی کو اور کمر کو داغا جائے گا یہ دن پچاس ہزار سال کا ہو گا اور لوگوں کے فیصلے ہو جائے تک اس کا یہی حال رہے گا اس کے بعد جنت یا جہنم میں اسے لے جایا جائے گا اصحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب اِیْم مَاعِ الزکوٰۃ) یہ بگڑے ہوئے علما اور صوفیا کے بعد بگڑے ہوئے اہل سرمایہ ہیں تیوں طبقے عوام کے بگاڑ میں سب سے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ اَللّٰهُمَّ! اَحْفَظْنَا مِنْهُمْ

إِنَّ عَذَابَ الشُّهُودِ عِنْدَ اللَّهِ أَشَدُّ عَذَابًا مُّهِمًّا ۚ
يَكْتُبُ اللَّهُ يَوْمَ تَخْلَقُ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ مِائَةً
أَرْبَعَةَ خُمْرٍ ۚ ذَلِكَ الْيَوْمُ الْقِيَمَةُ ۚ فَلَا تَنْظُرُوا
فِيهِمْ أَنْفُسَكُمْ ۚ وَتَأْتُوا الْمُسْهِرِينَ ۚ كَأَنَّهُمْ
يُقَاتِلُونَ لَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝

إِنَّهَا الْيَوْمَ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا

میںوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے،
اسی دن سے جب سے آسمان و زمین کو اس نے پیدا کیا
ہے ان میں سے چار حرمت و ادب کے ہیں۔^(۱) یہی
درست دین ہے،^(۲) تم ان میںوں میں اپنی جانوں پر ظلم
نہ کرو^(۳) اور تم تمام مشرکوں سے جہاد کرو جیسے کہ وہ تم
سب سے لڑتے ہیں^(۴) اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ
متقیوں کے ساتھ ہے۔ (۳۶)

میںوں کا آگے پیچھے کر دینا کفر کی زیادتی ہے^(۵) اس سے

(۱) فی کتاب اللہ سے مراد لوح محفوظ یعنی تقدیر الہی ہے۔ یعنی ابتداء آفرینش سے ہی اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے مقرر فرمائے ہیں،
جن میں چار حرمت والے ہیں جن میں قتال و جدال کی بالخصوص ممانعت ہے۔ اسی بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس
طرح بیان فرمایا ہے کہ ”زمانہ گھوم گھما کر پھر اسی حالت پر آگیا ہے جس حالت پر اس وقت تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کی
تخلیق فرمائی۔ سال بارہ مہینوں کا ہے، جن میں چار حرمت والے ہیں، تین پے در پے۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا
رجب معزز، جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے“ (صحیح بخاری، کتاب المغاسم، سورۃ توبہ و صحیح
مسلم، کتاب القسامۃ، باب تہلیلہ تحریم الدماء، زمانہ اسی حالت پر آگیا ہے کا مطلب، مشرکین عرب میںوں
میں جو تہذیب و تمدن کرتے تھے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، اس کا خاتمہ ہے۔

(۲) یعنی ان میںوں کا اسی ترتیب سے ہونا، جو اللہ نے رکھی ہے اور جن میں چار حرمت والے ہیں۔ اور یہی حساب صحیح
اور عدد مکمل ہے۔

(۳) یعنی ان حرمت والے میںوں میں قتال کر کے ان کی حرمت پامال کر کے اور اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کر کے۔

(۴) لیکن حرمت والے مہینے گزرنے کے بعد الایہ کہ وہ لڑنے پر مجبور کر دیں، پھر حرمت والے میںوں میں بھی
تمہارے لیے لڑنا جائز ہو گا۔

(۵) نسیئہ کے معنی پیچھے کرنے کے ہیں۔ عربوں میں بھی حرمت والے میںوں میں قتال و جدال اور بوٹ مار کو سخت
ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن مسلسل تین مہینے ان کی حرمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے، قتل و غارت سے اجتناب، ان کے لیے
بہت مشکل تھا۔ اس لیے اس کا حل انہوں نے یہ نکال رکھا تھا کہ جس حرمت والے مہینے میں وہ قتل و غارت گری کرنا
چاہتے، اس میں وہ کر لیتے اور اعلان کر دیتے کہ اس کی جگہ فلاں مہینہ حرمت والا ہو گا۔ مثلاً محرم کے مہینے کی حرمت توڑ
کر اس کی جگہ صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیتے، اس طرح حرمت والے میںوں میں وہ تقدیم و تاخیر اور اس بدل
کرتے رہتے تھے۔ اس کو نسیئہ کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت فرمایا کہ یہ کفر میں زیادتی ہے کیونکہ اس، دل بدل

يُحْيُونَہَ عَامًا وَیُہْیِیْمُوہُ عَامًا لِّیُؤْتُوا عِبَادَہٗ مَا حَزَمَ
اللّٰہُ فِیْہِ لَوْ مَا حَزَمَ اللّٰہُ زُتْرَہُمْ لَہُمْ سُورَۃٌ اَعْمَالِہُمْ وَاللّٰہُ
لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ ۝

وہ لوگ گمراہی میں ڈالے جاتے ہیں جو کافر ہیں۔ ایک
سال تو اسے حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال اسی کو
حرمت والا کر لیتے ہیں کہ اللہ نے جو حرمت رکھی ہے
اس کے شمار میں تو موافقت کر لیں^(۱) پھر اسے حلال بنا
لیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے انہیں ان کے برے کام
بھلے دکھا دیئے گئے ہیں اور قوم کفار کی اللہ رہنمائی
نہیں فرماتا۔ (۳۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ
اللّٰہِ أَنْتُمْ قُلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ارْضِبْنَاهُمْ بِأَمْوَالِہِ الدُّنْيَا مِنْ
الْآخِرَةِ قَمَا مَتَّاعٌ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا
جاتا ہے کہ چلو اللہ کے راستے میں کوچ کرو تو تم زمین سے
لگے جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے عوض دنیا کی زندگی پر
بی رحمہ گئے ہو۔ سنو! دنیا کی زندگی تو آخرت کے مقابلے
میں کچھ یونہی ہی ہے۔ (۳۸)

إِلَّا تَنْفِرُوا يَأْتِ عَذَابُ اللَّهِ عَذَابًا يُسَبِّحُ بِقَوْلِہُمْ غَيْرُكُمْ
وَلَا تَنْصُرُوہُمْ شَيْئًا وَاللّٰہُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

اگر تم نے کوچ نہ کیا تو تمہیں اللہ تعالیٰ دردناک سزا
دے گا اور تمہارے سوا اور لوگوں کو بدل لائے گا، تم
اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے^(۲) اور اللہ ہر چیز
پر قادر ہے۔ (۳۹)

سے مقصود لڑائی اور دنیاوی مفادات کے حصول کے سوا کچھ نہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے خاتمے
کا اعلان یہ کہہ کر فرما دیا کہ زمانہ گھوم گھما کر اپنی اصلی حالت میں آگیا ہے۔ یعنی اب آئندہ مہینوں کی یہ ترتیب اسی طرح
رہے گی جس طرح ابتدائے کائنات سے چلی آ رہی ہے۔

(۱) یعنی ایک مہینے کی حرمت توڑ کر اس کی جگہ دوسرے مہینے کو حرمت والا قرار دینے سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اللہ
تعالیٰ نے جو چار مہینے حرمت والے رکھے ہیں ان کی گنتی پوری رہے، یعنی گنتی پوری کرنے میں اللہ کی موافقت کرتے
تھے لیکن اللہ نے قتل و جدال اور غارت گری سے جو منع کیا تھا اس کی انہیں کوئی پروا نہ تھی بلکہ انہی خالمانہ
کارروائیوں کے لیے ہی وہ اول بدل کرتے تھے۔

(۲) روم کے عیسائی بادشاہ ہرقل کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف لڑائی کی تیاری کر رہا ہے۔ چنانچہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے لیے تیاری کا حکم دے دیا۔ یہ شوال سن ۹ ہجری کا واقعہ ہے۔ موسم سخت گرمی کا
تھا اور سفر بہت لمبا تھا۔ بعض مسلمانوں اور منافقین پر یہ حکم گراں گزرا جس کا اظہار اس آیت میں کیا گیا ہے اور انہیں

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا
ثَانِيًا أَثْنَيْنِ إِذْ هَمَّا فِي الْعَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ
لَا تَخَافْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ
وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ لَكُمُ الْيَمِينَ الْيَمِينَ الْيَمِينَ
الْيَمِينَ وَكَذَلِكَ اللَّهُ يَهْدِي الْقُلُوبَ الْغَافِلِينَ ۝۱۰

إِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَالْحَاكِمُونَ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْتُمْ

اگر تم ان (نبی ﷺ) کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی مدد کی
اس وقت جبکہ انھیں کافروں نے (دیس سے) نکال دیا تھا، دو
میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں عار میں تھے جب یہ اپنے
ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے،^(۱)
پس جناب باری نے اپنی طرف سے تسکین اس پر نازل فرما
کر ان لشکروں سے اس کی مدد کی جنہیں تم نے دیکھا ہی
نہیں،^(۲) اس نے کافروں کی بات پست کر دی اور بند و عزیز
تو اللہ کا کلمہ ہی ہے،^(۳) اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔ (۴۰)
نکل کھڑے ہو جاؤ ہلکے پھلکے ہو تو بھی اور بھاری بھر کم ہو

زجر و توبیح کی گئی ہے۔ یہ جنگ جو کھلائی ہے جو حقیقت میں ہوئی نہیں۔ ۲۰ روز مسلمان ملک شام کے قریب تبوک
میں رہ کر واپس آ گئے۔ اس کو پیش احمرہ کہا جاتا ہے کیونکہ اس لیے سفر میں اس لشکر کو کافی دقتوں اور پریشانیوں کا سامنا
کرنا پڑا تھا۔ اِذْ فَتَنَهُمْ یعنی سستی کرتے اور پیچھے رہنا چاہتے ہو۔ اس کا مظاہرہ بعض لوگوں کی طرف سے ہوا لیکن اس کو
منسوب سب کی طرف کر دیا گیا۔ (فتح القدیر)

(۱) جہاد سے پیچھے رہنے یا اس سے جان چھڑانے والوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری
مدد کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی مدد اس وقت بھی کی جب اس نے عار میں پناہ لی تھی اور اپنے ساتھی
(یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے کہا تھا ”غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے“ اس کی تفصیل حدیث میں آئی ہے۔ ابوبکر
صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”جب ہم عار میں تھے تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اگر ان مشرکین نے جو
ہمارے تعاقب میں ہیں، اپنے قدموں پر نظر ڈالی تو یقیناً ہمیں دیکھ لیں گے“ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ مَا ظَنَنْتَ بِأَثْنَيْنِ اللَّهُ نَالِشَهُمَا اصْحَبِ صِدْقَ التَّوْبَةِ“ اے ابوبکر! تمہارا ان دو کے
بارے میں کیا خیال ہے، جن کا تیسرا اللہ ہے، یعنی اللہ کی مدد اور اس کی نصرت جن کے شامل حال ہے۔

(۲) یہ مدد کی وہ دو صورتیں بیان فرمائی ہیں جن سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد قرآنی معنی ایک سکینت
دوسری فرشتوں کی تائید۔

(۳) کافروں کے کلمے سے شرک اور کلمہ اللہ سے توحید مراد ہے جس طرح ایک حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا ایک شخص ہمدانی کے جو ہر دکھانے کے لیے لڑتا ہے، ایک قبائلی عصیت و حیت
میں لڑتا ہے، ایک اور ریاکاری کے لیے لڑتا ہے۔ ان میں سے فی سبیل اللہ لڑنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا ”جو اس
لیے لڑتا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے“ وہ فی سبیل اللہ ہے۔“ (اصحیح بخاری، کتاب العلم، باب من سأل وهو

قائم عالما جالسا ومسلم، کتاب الإمامۃ، باب من قاتل لتكون كلمته الله هي العليا

فَيَسِيْبُ اللّٰهُ ذٰلِكَمُ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا اَلَا تَعْلَمُوْنَ
وَلٰكِنْ بَعْدَتْ عَنْهُمْ اِلْتِمَاعُهُمْ وَلَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ
لَوْ اَسْتَطَعْنَا لَعَرَّجْنَا مَعَكُمْ لِيُؤْكَلُوْنَ اَنْفُسُهُمْ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ ۝

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ اِلٰمٌ اَذْنَبْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَّبِعَكَ
الْاِنْسَانُ صَدَقُوا وَعَلَّمَ الْكَاذِبِيْنَ ۝

تو بھی^(۱) اور راہ رب میں اپنی مال و جان سے جہاد کرو
میں تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم میں علم ہو۔ (۳۱)

اگر جلد وصول ہونے والا مال و اسباب ہو تا^(۲) اور ہلکا سا سفر
ہو تا تو یہ ضرور آپ کے پیچھے ہو لیتے^(۳) لیکن ان پر تو دوری
اور دراز کی مشکل پڑ گئی۔ اب تو یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے
کہ اگر ہم میں قوت و طاقت ہوتی تو ہم یقیناً آپ کے ساتھ
نکلے^(۴) یہ اپنی جانوں کو خود ہی ہلاکت میں ڈال رہے ہیں^(۵)

ان کے جھوٹا ہونے کا سچا علم اللہ کو ہے۔ (۳۲)
اللہ تجھے معاف فرما دے تو نے انہیں کیوں اجازت دے
دی؟ بغیر اس کے کہ تیرے سامنے سچے لوگ کھل جائیں
اور تو جھوٹے لوگوں کو بھی جان لے۔ (۳۳)

(۱) اس کے مختلف مفہوم بیان کیے گئے ہیں مثلاً انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر۔ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ غریب ہو یا امیر۔
جوان ہو یا بوڑھا۔ پیادہ ہو یا سوار۔ عیال دار ہو یا اہل و عیال کے بغیر۔ وہ پیش قدمی کرنے والوں میں سے ہو یا پیچھے شکر
میں شامل۔ اہم شوکانی فرماتے ہیں۔ آیت کا حاصل تمام معانی پر ہو سکتا ہے اس لیے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ”تم کوچ
کرو“ چاہے نقل و حرکت تم پر بھاری ہو یا ہلکی۔ اور اس مفہوم میں مذکورہ تمام مفایم آجاتے ہیں۔

(۲) یہاں سے ان لوگوں کا بیان شروع ہو رہا ہے جنہوں نے عذر معذرت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے
لی تھی وراں حایکہ ان کے پاس حقیقت میں کوئی عذر نہیں تھا۔ عرصہ سے مراد جو دنیوی منافع سامنے آئیں مطلب
ہے مال غنیمت۔

(۳) یعنی آپ ﷺ کے ساتھ شریک جہاد ہوتے۔ لیکن سفر کی دوری نے انہیں جیلے تراشنے پر مجبور کر دیا۔

(۴) یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر۔ کیونکہ جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے۔

(۵) یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا جا رہا ہے کہ جہاد میں عدم شرکت کی اجازت مانگنے والوں کو تو نے کیوں بغیر یہ
تحقیق کیے کہ اس کے پاس معقول عذر بھی ہے یا نہیں؟ اجازت دے دی؟ لیکن اس تو بخ میں بھی پیار کا پسو غالب ہے
اس لیے اس کو تابی پر معافی کی وضاحت پہلے کر دی گئی ہے۔ یاد رہے یہ تنبیہ اس لیے کی گئی ہے کہ اجازت دینے میں
عجلت کی گئی اور پورے طور پر تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ورنہ تحقیق کے بعد ضرورت مندوں کو اجازت دینے کی
آپ کو اجازت حاصل تھی۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے ﴿فَاِذَا اسْتَاذَنُوْا لِرِجَالٍ يُّغِيْثُ سَاۡبِقَهُمْ فَاَذْنَبْتُمْ لَهُمْ﴾ (السورۃ ۱۲)
”جب یہ لوگ تجھ سے اپنے بعض کاموں کی وجہ سے اجازت مانگیں تو جس کو تو چاہے اجازت دے دے۔“ جس کو
چاہے ”کا مطلب یہ ہے جس کے پاس معقول عذر ہو اسے اجازت دینے کا حق تجھے حاصل ہے۔“

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ
بِالْمُتَعَبِينَ ۝

إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا
يَتَرَدَّدُونَ ۝

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوبَ لَأَمَدُ وَالَهُ عُدَّتْ وَلَكِنْ هُمْ
إِلَهُ انْتِهَانًا لَهُمْ فَكَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا
مَعَ الْقَاعِدِينَ ۝

اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان و یقین رکھنے والے تو
مال اور جانی جہاد سے رک رہنے کی کبھی بھی تجھ سے
اجازت طلب نہیں کریں گے^(۱) اور اللہ تعالیٰ پر ہیز
گاروں کو خوب جانتا ہے۔ (۳۴)

یہ اجازت تو تجھ سے وہی طلب کرتے ہیں جنہیں نہ اللہ
پر ایمان ہے نہ آخرت کے دن کا یقین ہے جن کے دل
شک میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنے شک میں ہی
سرگرداں ہیں۔^(۲) (۳۵)

اگر ان کا ارادہ جہاد کے لیے نکلنے کا ہوتا تو وہ اس سفر
کے لیے سلمان کی تیاری کر رکھتے^(۳) لیکن اللہ کو ان
کا اٹھنا پسند ہی نہ تھا اس لیے انہیں حرکت سے ہی

(۱) یہ مخلص ایمان داروں کا کردار بیان کیا گیا ہے بلکہ ان کی تو عادت یہ ہے کہ وہ نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اور بڑھ
چڑھ کر جہاد میں حصہ لیتے ہیں۔

(۲) یہ ان منافقین کا بیان ہے جنہوں نے جھوٹے حیلے تراش کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں نہ جانے کی
اجازت طلب کر لی تھی۔ ان کی بابت کہا گیا ہے کہ یہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ
اسی عدم ایمان نے انہیں جہاد سے گریز پر مجبور کیا ہے۔ اگر ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہوتا تو نہ جہاد سے یہ بھاگتے نہ
شکوک و شبہات ان کے دلوں میں پیدا ہوتے۔

لمحلو: خیال رہے کہ اس جہاد میں شرکت کے معاملے میں مسلمانوں کی چار قسمیں تھیں۔

پہلی قسم: وہ مسلمان جو بلا تامل تیار ہو گئے۔ دوسرے: وہ جنہیں ابتداءً تردد ہوا اور ان کے دل ڈولے 'لیکن پھر جلد ہی
اس تردد سے نکل آئے۔ تیسرے: وہ جو ضعف اور بیماری یا سواری اور سفر خرچ نہ ہونے کی وجہ سے فی الواقع جانے
سے معذور تھے اور جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی تھی۔ (ان کا ذکر آیت ۹۱-۹۲ میں ہے) چوتھی قسم: وہ جو
محض کابلی کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو انہوں نے اپنے گنہ کا اعتراف
کر کے اپنے آپ کو توبہ اور سزا کے لیے پیش کر دیا۔ ان کے علاوہ باقی منافقین اور ان کے جاسوس تھے یہاں مسلمانوں
کے پیسے گروہ اور منافقین کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کی باقی تین قسموں کا بیان آگے چل کر آئے گا

(۳) یہ انہی منافقین کے بارے میں کہا جا رہا ہے جنہوں نے جھوٹ بول کر اجازت حاصل کی تھی کہ اگر وہ جہاد میں
جانے کا ارادہ رکھتے تو یقیناً اس کے لیے تیاری کرتے۔

روک دیا^(۱) اور کہہ دیا گیا کہ تم بیٹھے والوں کے ساتھ بیٹھے ہی رہو۔^(۲) (۳۶)

اگر یہ تم میں مل کر نکلتے بھی تو تمہارے لیے سوائے فساد کے اور کوئی چیز نہ بڑھاتے^(۳) بلکہ تمہارے درمیان خوب گھوڑے دوڑا دیتے اور تم میں فتنے ڈالنے کی تلاش میں رہتے^(۴) ان کے ماننے والے خود تم میں موجود ہیں^(۵) اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ (۳۷)

یہ تو اس سے پہلے بھی فتنے کی تلاش کرتے رہے ہیں اور تیرے لیے کاموں کو الٹ پلٹ کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آپنچا اور اللہ کا حکم غالب آگیا^(۶) باوجودیکہ وہ ناخوشی میں ہی رہے۔^(۷) (۳۸)

لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَرًا
وَلَا أَوْضَعُوا خِلَافَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ
وَفِيكُمْ سَمْعُونُ لَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمُ الْظَّالِمِينَ ۝

لَقَدْ اهْتَفَمُوا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ
حَتَّىٰ حَادَّ الْحَقُّ وَقَلَّهَ أَمْرًا لَّهُ وَهُمْ كَرِيمُونَ ۝

(۱) فَتَنَهُمْ کے معنی ہیں انکو روک دیا یعنی پیچھے رہنا ان کے لیے پسندیدہ بنا دیا گیا پس وہ ست ہو گئے اور مسلمانوں کے ساتھ نہیں نکلے (ایسر القاسر) مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علم میں ان کی شرارتیں اور سازشیں تھیں اس لیے اللہ کی تقدیری مشیت یہی تھی کہ وہ نہ جائیں۔

(۲) یہ یا تو اسی مشیت الہی کی تعبیر ہے جو تقدیر انکسی ہوئی تھی۔ یا بطور ناراضی اور غضب کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کہا گیا ہے کہ اچھا ٹھیک ہے تم عورتوں بچوں بیماروں اور بوڑھوں کی صف میں شامل ہو کر ان کی طرح گھروں میں بیٹھ رہو۔

(۳) یہ منافقین اگر اسامی لشکر کے ساتھ شریک ہوتے تو یہ غلط رائے اور مشورے دے کر مسلمانوں میں انتشار ہی کا باعث بنتے۔

(۴) ابْصَاح کے معنی ہوتے ہیں اپنی سواری کو تیزی سے دوڑانا۔ مطلب یہ ہے کہ چغل خوری وغیرہ کے ذریعے سے تمہارے اندر فتنہ برپا کرنے میں وہ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے اور فتنے سے مطلب اتحاد کو پارہ پارہ کر دینا اور ان کے مابین باہمی عداوت و نفرت پیدا کر دینا ہے۔

(۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین کی جاسوسی کرنے والے کچھ لوگ مومنین کے ساتھ بھی لشکر میں موجود تھے جو منافقین کو مسلمانوں کی خبریں پہنچایا کرتے تھے۔

(۶) اسی لیے اس نے گزشتہ اور آئندہ امور کی تمہیں اطلاع دے دی ہے اور یہ بھی بتلادیا ہے کہ یہ منافقین جو ساتھ نہیں گئے تو تمہارے حق میں اچھا ہی ہوا اگر یہ جانتے تو یہ یہ خرابیاں ان کی وجہ سے پیدا ہوتیں

(۷) یعنی یہ منافقین تو جب سے آپ مدینہ میں آئے ہیں آپ کے خلاف فتنے تلاش کرنے اور معاملات کو بگاڑنے میں

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَكْفُرْ بِي ۖ اَلَا بِي
التَّيْبَتُ سَقَطُوا ۚ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُعْبِطَةٌ بِالْكَفْرِ ۝۱۰

اِنَّ تُصِيبَكَ حَسَنَةٌ فَسُؤْمُرْ ۚ وَاِنْ تُصِيبَكَ مُصِيبَةٌ
يَقُولُوا قَدْ اَعَدْنَاْ اَمْرًا مِّنْ قَبْلُ ۚ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ
فَرِحُونَ ۝۱۱

قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلَانَا ۚ
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝۱۲

ان میں سے کوئی تو کہتا ہے مجھے اجازت دیجئے مجھے فتنے
میں نہ ڈالے، آگاہ رہو وہ تو فتنے میں پڑ چکے ہیں اور یقیناً
دوزخ کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔^(۱) (۳۹)

آپ کو اگر کوئی بھلائی مل جائے تو انہیں برا لگتا ہے اور
کوئی برائی پہنچ جائے تو یہ کہتے ہیں ہم نے تو اپنا معاملہ
پہلے سے ہی درست کر لیا تھا، پھر تو بڑے ہی اتراتے
ہوئے لوٹتے ہیں۔^(۲) (۵۰)

آپ کہہ دیجئے کہ ہمیں سوائے اللہ کے ہمارے حق میں
لکھے ہوئے کہ کوئی چیز پہنچ ہی نہیں سکتی وہ ہمارا کارساز
اور مولیٰ ہے۔ مومنوں کو تو اللہ کی ذات پاک پر ہی
بھروسہ کرنا چاہیے۔^(۳) (۵۱)

سرگرم رہے ہیں۔ حتیٰ کہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و غلبہ عطا فرمادیا، جو ان کے لیے بہت ہی ناگوار تھا۔ اسی طرح جنگ احد
کے موقع پر بھی ان منافقین نے راستے سے ہی واپس ہو کر مشکلات پیدا کرنے کی اور اس کے بعد بھی ہر موقع پر ہلکاڑکی
کوششیں کرتے رہے۔ حتیٰ کہ کس فتح ہو گیا اور اکثر عرب مسلمان ہو گئے جس پر کف حسرت و افسوس مل رہے ہیں۔

(۱) ”مجھے فتنے میں نہ ڈالے“ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اگر آپ مجھے اجازت نہیں دیں گے تو مجھے بغیر اجازت رکنے پر
سخت گناہ ہو گا۔ اس اعتبار سے فتنہ گناہ کے معنی میں ہو گا۔ یعنی مجھے گناہ میں نہ ڈالے ”دوسرا مطلب فتنے کا“ ہر گت ہے
یعنی مجھے ساتھ لے جا کر ہلاکت میں نہ ڈالیں کہا جاتا ہے کہ جد بن قیس نے عرض کیا کہ مجھے ساتھ نہ لے جائیں ’روم کی
عورتوں کو دیکھ کر میں صبر نہ کر سکوں گا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رخ پھیر لیا اور اجازت دے دی۔ بعد میں یہ
آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”فتنے میں تو وہ گر چکے ہیں“ یعنی جہاد سے پیچھے رہنا اور اس سے گریز کرنا بجائے
خود ایک فتنہ اور سخت گناہ کا کام ہے جس میں یہ ملوث ہی ہیں۔ اور مرنے کے بعد جہنم ان کو گھیر لینے والی ہے جس سے
فرار کا کوئی راستہ ان کے لیے نہیں ہو گا

(۲) سیاق کلام کے اعتبار سے حسنہ سے یہاں کامیابی اور غنیمت اور سببت سے ناکامی، شکست اور اسی قسم کے
نقصانات جو جنگ میں متوقع ہوتے ہیں، مراد ہیں۔ اس میں ان کے اس خبث باطنی کا اظہار ہے جو منافقین کے دلوں میں
تھا۔ اس لیے کہ مصیبت پر خوش ہونا اور بھلائی حاصل ہونے پر رنج و تکلیف محسوس کرنا غایت عداوت کی دلیل ہے

(۳) یہ منافقین کے جواب میں مسلمانوں کے صبر و ثبات اور حوصلے کے لیے فرمایا جا رہا ہے۔ کیونکہ جب انسان کو یہ
معلوم ہو کہ اللہ کی طرف سے ہر صورت میں ہونا ہے اور جو بھی مصیبت یا بھلائی ہمیں پہنچتی ہے، اسی تقدیر
الہی کا حصہ ہے، تو انسان کے لیے مصیبت کا برداشت کرنا آسان اور اس کے حوصلے میں اضافے کا سبب ہوتا ہے۔

قُلْ هَلْ تَرْتَضُونَ مِنَّا إِلَّا أَحَدَى الْمُحْسِنِينَ
وَمَنْ تَرْضَى يَكُنْ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ
مِنْ عَذَابِهِ أَوْ يَأْتِيَنَّكُمْ فَتَرْضَوْا إِنَّا مُعَلِّمُونَ
مُتَرَضُونَ ۝

قُلْ أَلَمْ تَكُونُوا أَطْرَعًا أَوْ كَرِهًا لَنْ يُتَقَبَلَ مِنْكُمْ زَكَاةٌ
تُؤْمِنُونَ بِهَا ۝

وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقَبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا
بِآيَاتِهِ وَبِرُسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الْقُدُومَةَ إِلَّا وَهُمْ
كُسَالَى وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ۝

کہہ دیجئے کہ تم ہمارے بارے میں جس چیز کا انتظار کر رہے ہو وہ دو بھلائیوں میں سے ایک ہے ^(۱) اور ہم تمہارے حق میں اس کا انتظار کرتے ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے کوئی سزا تمہیں دے یا ہمارے ہاتھوں سے ^(۲) پس ایک طرف تم مختار ہو دوسری جانب تمہارے ساتھ ہم بھی مختار ہیں۔ (۵۲)

کہہ دیجئے کہ تم خوشی یا ناخوشی کسی طرح بھی خرچ کرو قبول تو ہرگز نہ کیا جائے گا ^(۳) یقیناً تم فاسق لوگ ہو۔ (۵۳)

کوئی سبب ان کے خرچ کی قبولیت کے نہ ہونے کا اس کے سوا نہیں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور بڑی کالی سے ہی نماز کو آتے ہیں اور برے دل سے ہی خرچ کرتے ہیں۔ ^(۴) (۵۴)

(۱) یعنی کامیابی یا شادمانی ان دونوں میں سے جو چیز بھی ہمیں حاصل ہو ہمارے لیے حسد (بھلائی) ہے۔

(۲) یعنی ہم تمہارے بارے میں دو برائیوں میں سے ایک برائی کا انتظار کر رہے ہیں کہ یا تو آسمان سے اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل فرمائے جس سے تم ہلاک ہو جاؤ یا ہمارے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ تمہیں (قتل کرنے) یا قیدی بننے وغیرہ قسم کی سزائیں دے۔ وہ دونوں باتوں پر قادر ہے۔

(۳) اَنْفِقُوا امر کا صیغہ ہے۔ لیکن یہاں یہ یا تو شرط اور جزا کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر تم خرچ کرو گے تو قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ امر بمعنی خبر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں باتیں برابر ہیں 'خرچ کرو یا نہ کرو۔ اپنی مرضی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے' تب بھی نامقبول ہے۔ کیونکہ قبولیت کے لیے ایمان شرط اول ہے اور وہی تمہارے اندر مفقود ہے اور ناخوشی سے خرچ کیا ہوا مال 'اللہ کے ہاں ویسے ہی مردود ہے' اس لیے کہ وہاں قصد صحیح موجود نہیں ہے جو قبولیت کے لیے ضروری ہے۔ یہ آیت بھی اسی طرح ہے جس طرح یہ ہے ﴿ اِسْتَفْزِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ (العنقۃ ۸۰) آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (یعنی دونوں باتیں برابر ہیں)

(۴) اس میں ان کے صدقات کے عدم قبول کی تین دلیل بیان کی گئی ہیں۔ ایک ان کا کفر و فسق۔ دوسرا 'کالی سے نماز پڑھنا' اس لیے کہ وہ نماز پر ثواب کی امید رکھتے ہیں اور نہ ہی اس کے ترک کی سزا سے انہیں کوئی خوف ہے کیونکہ رجا اور خوف 'یہ بھی ایمان کی علامت ہے جس سے یہ محروم ہیں۔ اور تیسرا کراہت سے خرچ کرنا۔ اور جس کام میں دل کی رضائے ہو وہ قبول کس طرح ہو سکتا ہے؟ بہرحال یہ قیوں وجوہات ایسی ہیں کہ ان میں سے ایک ایک وجہ بھی عمل کی نامقبولیت کے لیے کافی ہے۔ چہ جائیکہ تینوں وجوہات جہاں جمع ہو جائیں تو اس عمل کے مردود بارگاہ الہی ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟

كَلَّا تَعْلَمُكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ
بِمَا فِي الصُّلُوبِ الذُّنُوبِ وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كُدُّونَ ۝

وَيَعْلَمُونَ بِأَنَّهُم لَكُمْ لَيْسَ لَكُمْ وَمَا هُمْ بِكُمْ وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ
يُفْرِقُونَ ۝

لَوْ يَخْتَرُونَ مَلَجًا أَوْ مَغْرَبًا أَوْ مُدًّا خَلَا لَوْ كَوَّلُوا لَيْسَ
وَهُمْ يَجْعَلُونَ ۝

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا
رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا مِنْهَا إِنْهَاءَهُمْ يَسْعَوْنَ ۝

پس آپ کو ان کے مال و اولاد تعجب میں نہ ڈال
دیں۔^(۱) اللہ کی چاہت یہی ہے کہ اس سے انھیں دنیا کی
زندگی میں ہی سزا دے^(۲) اور ان کے کفری کی حالت
میں ان کی جانیں نکل جائیں۔^(۳) (۵۵)

یہ اللہ کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ یہ تمہاری جماعت کے
لوگ ہیں، حالانکہ وہ دراصل تمہارے نہیں بات صرف
اتنی ہے کہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں۔^(۴) (۵۶)

اگر یہ کوئی بچاؤ کی جگہ یا کوئی غاریا کوئی بھی سرگھسانے کی
جگہ پالیں تو ابھی اس طرف لگام توڑ کر اٹنے بھاگ
چھوٹیں۔^(۵) (۵۷)

ان میں وہ بھی ہیں جو خیراتی مال کی تقسیم کے بارے میں
آپ پر عیب رکھتے ہیں،^(۶) اگر انھیں اس میں سے مل

(۱) اس لیے کہ یہ سب بطور آزمائش ہے۔ جس طرح فرمایا ﴿وَلَا تَلْمِزْهُمْ عَیْبَکَ إِلَى مَآئِکُمْ تَابَہُمْ أَذْوَاجُہُمْ وَہُمْ ذُرِّیۃُ الصُّلُوبِ
الذُّنُوبِۃِ یَسْتَفْہِمُونَہُمْ فِیہِ﴾ (طہ ۳۱) ”اور کئی طرح کے لوگوں کو جو ہم نے دنیا زندگی میں آزمائش کی چیزوں سے
بہرہ مند کیا ہے، تاکہ ان کی آزمائش کریں، ان پر نگاہ نہ کرنا۔“ اور فرمایا ﴿اَلَمْ یَجْعَلْ لَّہُمْ اٰیٰتِیۡنَہُمْ مِنْ تٰوٰلِیِّ وَتَنْفِیۡنَ﴾ ﴿نَسُوۡا
لَعَنَہُ الْہٰٓیۡطُ الَّذِیۡنَ یَلٰٓئِیۡہُمُ الرُّوۡحُ﴾ (المؤمنون ۵۶) کیا لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد
دیتے ہیں (تو اس سے) ان کی بھلائی میں ہم جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔“

(۲) امام ابن کثیر اور امام ابن جریر طبری نے اس سے زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ مراد لیا ہے۔ یعنی ان منافقین سے زکوٰۃ
و صدقات تو (جو وہ مسلمان ظاہر کرنے کے لیے دیتے ہیں) دنیا میں قبول کر لے جائیں تاکہ اس طریقے سے ان کو مالی مار
بھی دنیا میں دی جائے۔

(۳) تاہم ان کی موت کفری کی حالت میں آئے گی۔ اس لیے کہ وہ اللہ کے پیغمبر کو صدق دل سے ماننے کے لیے تیار
نہیں اور اپنے کفر و انفاق پر ہی بدستور قائم و مصر ہیں۔

(۴) اس ڈر اور خوف کی وجہ سے جمہوری قسمیں کھا کر یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم بھی تم میں سے ہی ہیں
(۵) یعنی نہایت تیزی سے دوڑ کر وہ ان پناہ گاہوں میں چلے جائیں، اس لیے کہ تم سے ان کا جتن کچھ بھی تحقق ہے، وہ
محبت و خلوص پر نہیں، عناد، نفرت اور کراہت پر ہے۔

(۶) یہ ان کی ایک اور بہت بڑی کوتاہی کا بیان ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کو (نہوڑ بانہد)
صدقات و غنائم کی تقسیم میں غیر منصف باور کراتے، جس طرح ابن ذی النون مصرعہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ﷺ

جائے تو خوش ہیں اور اگر اس میں سے نہ ملتا تو فراموش
کھڑے ہوئے۔^(۵۸)

اگر یہ لوگ اللہ اور رسول کے دیئے ہوئے پر خوش
رہتے اور کہہ دیتے کہ اللہ ہمیں کافی ہے اللہ ہمیں اپنے
فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی ہم تو اللہ کی ذات
سے ہی توقع رکھنے والے ہیں۔ (۵۹)

صدقے صرف فقیروں^(۶) کے لیے ہیں اور مسکینوں کے
لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان کے
لیے جن کے دل پر چائے جاتے ہوں اور گردن چھڑانے
میں اور قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا
حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ
إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴿۵۹﴾

إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُعْتَزِّينَ عَلَيْهَا
وَالْمُؤْتَفَقِينَ قُلُوبُهُمْ فِي الرِّقَابِ وَالْفَرِيقِينَ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ وَالْبَيْنَ السَّبِيلِ فَرِيصَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ

ایک مرتبہ تقسیم فرما رہے تھے کہ اس نے کہا ”انصاف سے کام لیجئے“ آپ ﷺ نے فرمایا ”افسوس ہے تجھ پر“ اگر میں
ہی انصاف نہیں کروں گا تو پھر اور کون کرے گا؟“ الحدیث، صحیح بخاری، کتاب المساقب، باب علامات النبوة
صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب ذکر الخواص (....)

(۱) گویا اس الزام تراشی کا مقصد محض مالی مفادات کا حصول تھا کہ اس طرح ان سے ڈرتے ہوئے انہیں زیادہ حصہ دیا
جائے یا وہ مستحق ہوں یا نہ ہوں، انہیں حصہ ضرور دیا جائے۔

(۲) اس آیت میں اس طعن کا دروازہ بند کرنے کے لیے صدقات کے مستحق لوگوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ صدقات سے
مراد یہاں صدقات واجبہ یعنی زکوٰۃ ہے۔ آیت کا آغاز اپنا سے کیا گیا ہے جو قصر کے مینوں میں سے ہے اور اصدقات
میں دم تعریف جنس کے لیے ہے۔ یعنی صدقات کی یہ جنس (زکوٰۃ) ان آٹھ قسموں میں مقصور ہے جن کا ذکر آیت میں
ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور مصرف پر زکوٰۃ کی رقم کا استعمال صحیح نہیں۔ اہل علم کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ
ان آٹھوں مصارف پر تقسیم کرنا ضروری ہے یا ان میں سے جس مصرف یا مصارف پر امام یا زکوٰۃ ادا کرنے والا مناسب
سمجھے، حسب ضرورت خرچ کر سکتا ہے۔ امام شافعی وغیرہ پہلی رائے کے قائل ہیں اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ وغیرہ
دوسری رائے کے۔ اور یہ دوسری رائے ہی زیادہ صحیح ہے۔ امام شافعی کی رائے کی رو سے زکوٰۃ کی رقم آٹھوں مصارف
پر خرچ کرنا ضروری ہے، یعنی اقتضائے ضرورت اور مصالح دیکھے بغیر رقم کے آٹھ حصے کر کے آٹھوں جگہ پر کچھ کچھ رقم
خرچ کی جائے۔ جبکہ دوسری رائے کے مطابق ضرورت اور مصالح کا اعتبار ضروری ہے، جس مصرف پر رقم خرچ کرنے
کی زیادہ ضرورت یا مصالح کسی ایک مصرف پر خرچ کرنے کے مقتضی ہوں، تو وہاں ضرورت اور مصالح کے
 لحاظ سے زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جائے گی، چاہے دوسرے مصارف پر خرچ کرنے کے لیے رقم نہ بچے اس رائے میں جو
معقولیت ہے وہ پہلی رائے میں نہیں ہے۔

عَلَيْكُمْ حَيْثُ ①

راہرو مسافروں کے لیے،^(۱) فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ (۶۰)

(۱) ان مصارف ثانیہ کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔

۲۱۔ فقیر اور مسکین چونکہ قریب قریب ہیں اور ایک کا اطلاق دوسرے پر بھی ہوتا ہے یعنی فقیر کو مسکین اور مسکین کو فقیر کہہ لیا جاتا ہے۔ اس لیے ان کی الگ الگ تعریف میں خاصا اختلاف ہے۔ تاہم دونوں کے مفہوم میں یہ بات تو قطعی ہے کہ جو حاجت مند ہوں اور اپنی حاجت و ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مطلوبہ رقم اور وسائل سے محروم ہوں ان کو فقیر اور مسکین کہا جاتا ہے۔ مسکین کی تعریف میں ایک حدیث آتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مسکین وہ گھومنے پھرنے والا نہیں ہے جو ایک ایک یا دو دو لقمے یا کھجور کے لیے گھر گھر پھرتا ہے بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال بھی نہ ہو جو اسے بے نیاز کر دے نہ وہ ایسی مسکنت اپنے اوپر طاری رکھے کہ لوگ غریب اور مستحق سمجھ کر اس پر صدقہ کریں اور نہ خود لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے۔“ (صحیح بخاری و مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ) حدیث میں گویا اصل مسکین شخص مذکور کو قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مسکین کی تعریف یہ منقول ہے کہ جو گداگر ہو، گھوم پھر کر اور لوگوں کے پیچھے پڑ کر تلٹا ہو۔ اور فقیر وہ ہے جو نادار ہونے کے باوجود سوال سے بچے اور لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرے (ابن کثیر)

۳۔ عاقلین سے مراد حکومت کے وہ اہل کار ہیں جو زکوٰۃ و صدقات کی وصولی و تقسیم اور اس کے حساب و کتاب پر مامور ہوں۔
۴۔ مؤلفۃ القلوب ایک تو وہ کافر ہے جو کچھ کچھ اسلام کی طرف مائل ہو اور اس کی امداد کرنے پر یہ امید ہو کہ وہ مسلمان ہو جائے گا۔ دوسرے وہ نو مسلم افراد ہیں جن کو اسلام پر مضبوطی سے قائم رکھنے کے لیے امداد دینے کی ضرورت ہو۔ تیسرے وہ افراد بھی ہیں جن کو امداد دینے کی صورت میں یہ امید ہو کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے سے روکیں گے اور اس طرح وہ قریب کے کمزور مسلمانوں کا تحفظ کریں۔ یہ اور اس قسم کی دیگر صورتیں تالیف قلب کی ہیں جن پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔ چاہے مذکورہ افراد مال دار ہی ہوں۔ احناف کے نزدیک یہ مصرف ختم ہو گیا ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ حالات و ظروف کے مطابق ہر دور میں اس مصرف پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے۔

۵۔ گردنیں آزاد کرانے میں۔ بعض علما نے اس سے صرف مکاتب غلام مراد لیے ہیں۔ اور دیگر علما نے مکاتب و غیر مکاتب ہر قسم کے غلام مراد لیے ہیں۔ امام شوکلانی نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔

۶۔ غار میں سے ایک تو وہ مقروض مراد ہیں جو اپنے اہل و عیال کے ٹان و نفقہ اور ضروریات زندگی فراہم کرنے میں لوگوں کے زیر بار ہو گئے اور ان کے پاس نقد رقم بھی نہیں ہے اور ایسا مسلمان بھی نہیں ہے جسے بیچ کر وہ قرض ادا کر سکیں۔ دوسرے وہ ذمہ دار اصحاب ضمانت ہیں جنہوں نے کسی کی ضمانت دی اور پھر وہ اس کی ادائیگی کے ذمہ دار قرار پا گئے یا کسی کی فصل تباہ یا کاروبار خسارے کا شکار ہو گیا اور اس بنیاد پر وہ مقروض ہو گیا۔ ان سب افراد کی زکوٰۃ کی مدد سے امداد کرنا جائز ہے۔

۷۔ فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے۔ یعنی جنگی سالان و ضروریات اور مجاہد (چاہے وہ مالدار ہی ہو) پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے۔ اور احادیث میں آتا ہے کہ حج اور عمرہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ اسی طرح بعض علما کے نزدیک تسبیح و

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أَذْنٌ
أَذْنٌ خَيْرٌ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ بِالْمُؤْمِنِينَ
وَرَحْمَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ
رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

يَحْفَظُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ يُرْضَوْنَ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ
أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْا إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ
نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ۝

يَحْدَرُ الْمُشْرِكُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ
بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ قُلِ اسْتَغْفِرُوا إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ
مَّا تَخْفَوْنَ ۝

وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخْوَفُ وَنَلْعَبُ قُلِ
يَا آلِهَةُ وَايَاتِهِ وَرَسُولُهُ كُنْتُمْ كَمَا تَقُولُونَ ۝

ان میں سے وہ بھی ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے
ہیں کان کا کچا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ وہ کان تمہارے بھلے
کے لیے ہے ^(۱) وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مسلمانوں کی
بات کا یقین کرتا ہے اور تم میں سے جو اہل ایمان ہیں یہ
ان کے لیے رحمت ہے، رسول اللہ (ﷺ) کو جو لوگ
ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دکھ کی مار ہے۔ (۶۱)

محض تمہیں خوش کرنے کے لیے تمہارے سامنے اللہ کی
قسمیں کھا جاتے ہیں حالانکہ اگر یہ ایمان دار ہوتے تو اللہ
اور اس کا رسول رضامند کرنے کے زیادہ مستحق تھے۔ (۶۲)
کیا یہ نہیں جانتے کہ جو بھی اللہ کی اور اس کے رسول کی
مخالفت کرے گا اس کے لیے یقیناً دوزخ کی آگ ہے جس
میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے، یہ زبردست رسوائی ہے۔ (۶۳)
منافقوں کو ہر وقت اس بات کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں
مسلمانوں پر کوئی سورت نہ اترے جو ان کے دلوں کی
باتیں انہیں بتلا دے۔ کہہ دیجئے کہ تم مذاق اڑاتے رہو،
یقیناً اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈر
دبک رہے ہو۔ (۶۴)

اگر آپ ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو
یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ کہہ دیجئے کہ اللہ
اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق

دعوت بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے کیونکہ اس سے بھی مقصد، جہاد کی طرح، اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔

۸۔ آسِ السَّبِيلِ سے مراد مسافر ہے۔ یعنی اگر کوئی مسافر سفر میں مستحق امداد ہو گیا ہے تو چاہے وہ اپنے گھریا وطن میں
صاحب حیثیت ہی ہو، اس کی امداد زکوٰۃ کی رقم سے کی جاسکتی ہے۔

(۱) یہاں سے پھر منافقین کا ذکر ہو رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک ہرزہ سرائی انہوں نے یہ کہ یہ کان کا
کچا (ہلکا) ہے، مطلب ہے کہ یہ ہر ایک کی بات سن لیتا ہے (یہ گویا آپ ﷺ کے حلم و کرم اور غفور صبح کی صفت سے
ان کو دھوکہ ہوا) اللہ نے فرمایا کہ نہیں، ہمارا پیغمبر شرفِ فساد کی کوئی بات نہیں سنتا جو بھی سنتا ہے، تمہارے لیے اس میں
خیر اور بھلائی ہے۔

کے لیے رہ گئے ہیں؟^(۱) (۶۵)

تم بمانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے،^(۲) اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں سے درگزر بھی کر لیں^(۳) تو کچھ لوگوں کو ان کے جرم کی سنگین سزا بھی دیں گے۔^(۴) (۶۶)

تمام منافق مرد و عورت آپس میں ایک ہی ہیں،^(۵) یہ بری باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں،^(۶) یہ اللہ کو بھوس گئے اللہ نے انھیں بھلا دیا۔^(۷) بیشک منافق ہی فاسق و بد کردار ہیں۔ (۶۷)

لَا تَقْنَبُوا قُلُوبَكُمْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِنَّ نَعْفَ عَنْ
حَالِنَا مِنْكُمْ نَعْدِبُ ظَافَةً يَأْتِيهِمْ كَانُوا
مُخْرِمِينَ ۝

الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ
بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ
أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ
هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

(۱) منافقین آیات الہی کا مذاق اڑاتے، مومنین کا استہزاء کرتے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کہنے سے گریز نہ کرتے جس کی اطلاع کسی نہ کسی طریقے سے بعض مسلمانوں کو اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو جاتی۔ لیکن جب ان سے پوچھا جاتا تو صاف مکر جاتے اور کہتے کہ ہم تو یوں ہی آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہنسی مذاق کے لیے کیا تمہارے سامنے اللہ اور اس کی آیات اور اس کا رسول ہی رہ گیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اگر مقصد تمہارا آپس میں ہنسی مذاق ہی ہوتا تو اس میں اللہ، اس کی آیات و رسول درمیان میں کیوں آتا۔ یہ یقیناً تمہارے اس خبیث اور نفاق کا اظہار ہے جو آیات الہی اور ہمارے پیغمبر کے خلاف تمہارے دلوں میں موجود ہے۔

(۲) یعنی تم جو ایمان ظاہر کرتے رہے ہو۔ اللہ اور رسول کے استہزاء کے بعد اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ دس تو وہ بھی نفاق پر ہی مبنی تھی۔ تاہم اس کی بدولت ظاہری طور پر مسلمانوں میں تمہارا شمار ہوتا تھا اب اس کی بھی منجوش ختم ہو گئی ہے۔

(۳) اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جنہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور انہوں نے توبہ کر لی اور مخلص مسلمان بن گئے۔ (۴) یہ وہ لوگ ہیں جنہیں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوئی اور کفر و نفاق پر اڑے رہے۔ اسی لیے اس عذاب کی علت بھی بیان کر دی گئی ہے کہ وہ مجرم تھے۔

(۵) منافقین، جو حلف اٹھا کر مسلمانوں کو بلور کراتے تھے کہ ”ہم تم ہی میں سے ہیں“ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی کہ ایمان والوں سے ان کا کیا تعلق؟ البتہ یہ سب منافق، چاہے مرد ہوں یا عورتیں، ایک ہی ہیں۔ یعنی کفر و نفاق میں ایک

دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ آگے ان کی صفات بیان کی جا رہی ہیں جو مومنین کی صفات کے بالکل الٹ اور برعکس ہیں (۶) اس سے مراد بخل ہے۔ یعنی مومن کی صفت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے اور منافق کی اس کے برعکس بخل، یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز کرنا ہے۔

(۷) یعنی اللہ تعالیٰ بھی ان سے ایسا معاملہ کرے گا کہ گویا اس نے انہیں بھلا دیا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا

وَعَدَ اللَّهُ الْمُنِيفِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْكَافِرَ نَارَ جَهَنَّمَ
خَالِدًا فِيهَا مِنْ فِيهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعْنَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ
عَذَابٌ مُبِينٌ ۝

اللہ تعالیٰ ان منافق مردوں، عورتوں اور کافروں سے جہنم
کی آگ کا وعدہ کر چکا ہے جہاں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں،
وہی انھیں کافی ہے ان پر اللہ کی پھنکار ہے، اور ان ہی
کے لیے دائمی عذاب ہے۔ (۶۸)

كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَآثَرًا
أَمْوَالُهُمْ وَأَوْفَادُهُمْ اسْتَغْنَوْا بِمَلَاقِيهِمْ فَاسْتَمْتَمُوا
بِمَلَاقِيهِمْ كَمَا اسْتَمْتَمَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِمَلَاقِيهِمْ
وَحُطَّتْ كَالَّذِينَ خَالَفُوا وَآلِهِمْ حَيْثُ أَغْنَىٰ الْعُمَرَىٰ
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُخْسِرُونَ ۝

مثل ان لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے،^(۱) تم میں سے وہ زیادہ
قوت والے تھے اور زیادہ مال و اولاد والے تھے پس وہ اپنا
دینی حصہ برت گئے پھر تم نے بھی اپنا حصہ برت لیا،^(۲) جیسے تم
سے پہلے کے لوگ اپنے حصے سے فائدہ مند ہوئے تھے اور
تم نے بھی اسی طرح مذاقانہ بحث کی جیسے کہ انہوں نے کی
تھی۔^(۳) ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہو گئے۔
یہی لوگ نقصان پانے والے ہیں^(۴) (۶۹)

﴿الْيَوْمَ نَنفُسُكُمْ كَمَا يَتَّبِعُونَ لِقَاءَ رَبِّهِمْ هَٰذَا﴾ (سورة الجاثية ۳۲) ”آج ہم تمہیں اسی طرح بھادیں گے جس طرح تم
ہماری ملاقات کے اس دن کو بھولے ہوئے تھے۔“ مطلب یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے دنیا میں اللہ کے احکامات کو
چھوڑے رکھا، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے محروم رکھے گا۔ گویا نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی
طرف علم بلاغت کے اصول مشاکلت کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ اللہ کی ذات نسیان سے پاک ہے (فتح القدیر)
(۱) یعنی تمہارا حال بھی اعمال اور انجام کے اعتبار سے ام ماضیہ کے کافروں جیسا ہی ہے۔ اب غائب کی بجائے ’منافقین
سے خطاب کیا جا رہا ہے۔

(۲) خلاق کا دوسرا ترجمہ دنیوی حصہ بھی کیا گیا ہے۔ یعنی تمہاری تقدیر میں دنیا کا جتنا حصہ لکھ دیا گیا ہے ’وہ برت لو‘ جس
طرح تم سے پہلے لوگوں نے اپنا حصہ برتا اور پھر موت یا عذاب سے ہم کنار ہو گئے۔

(۳) یعنی آیات الہی اور اللہ کے پیغمبروں کی تکذیب کے لیے۔ یاد دہرا مضموم ہے کہ دنیا کے اسباب اور سود و لعب میں
جس طرح وہ گمن رہے، تمہارا بھی یہی حال ہے۔ آیت میں پہلے لوگوں سے مراد اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ہیں۔ جیسے
ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم اپنے سے
پیسے لوگوں کے طریقوں کی ضرور متابعت کرو گے۔ بالشت یہ بالشت، ذراع یہ ذراع اور ہاتھ یہ ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر وہ
کسی گاوہ کے بل میں گھسے ہوں تو تم بھی ضرور گھسو گے۔ لوگوں نے پوچھا، کیا اس سے آپ کی مراد اہل کتاب ہیں؟ آپ
نے فرمایا، اور کون؟“ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام مسلم، کتاب العلم۔ البتہ ہاتھ یہ ہاتھ، ذراع یہ ذراع کے
اغلاظ ان میں نہیں ہیں۔ یہ تفسیر طبری میں منقول ایک اثر میں ہے۔

(۴) اُولَٰئِكَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو مذکورہ صفات و عادات کے حامل ہیں، شبہیں بھی اور شبہ بہم بھی۔ یعنی جس طرح وہ خاسر

أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ
وَأَمُودٌ وَاقْتَرِبَ إِلَهُهُمْ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ وَالنُّؤَافِلُ
أَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ
كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ①

کیا انھیں اپنے سے پہلے لوگوں کی خبریں نہیں پہنچیں؟
قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور
اہل مؤتفکات (الٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والے) کی،^(۱)
ان کے پاس ان کے پیغمبر دلیلیں لے کر پہنچے،^(۲) اللہ ایسا
نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے بلکہ انہوں نے خود ہی اپنے اوپر
ظلم کیا۔^(۳) (۷۰)

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ
يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

مومن مرد و عورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار و
معاون اور) دوست ہیں،^(۴) وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں

و نامراد ہے، تم بھی اسی طرح رہو گے۔ حالانکہ وہ قوت میں تم سے زیادہ سخت اور مال و اولاد میں بھی بہت زیادہ تھے۔ اس کے باوجود وہ عذاب الہی سے نہ بچ سکے تو تم جو ان سے ہر لحاظ سے کم ہو، کس طرح اللہ کی گرفت سے بچ سکتے ہو۔

(۱) یہاں ان چھ قوموں کا حوالہ دیا گیا ہے جن کا مسکن ملک شام رہا ہے۔ یہ بلاد عرب کے قریب ہے اور ان کی کچھ باتیں انہوں نے شاید آباد اجداد سے سنی بھی ہوں۔ قوم نوح، جو طوفان میں غرق کر دی گئی۔ قوم عاد، جو قوت و طاقت میں ممتاز ہونے کے باوجود بادِ تند سے ہلاک کر دی گئی۔ قوم ثمود، جسے آسمانی چغ سے ہلاک کیا گیا۔ قوم ابراہیم، جس کے بادشاہ نمrod بن کنعان بن کوش کو پچھر سے مروا دیا گیا۔ اصحاب مدین (حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم)، جنہیں چغ، زلزلہ اور بادوں کے سائے کے عذاب سے ہلاک کیا گیا۔ اور اہل مؤتفکات۔ اس سے مراد قوم لوط ہے جن کی بستی کا نام ”سدوم“ تھا۔ انشاک کے معنی ہیں انقلاب۔ الٹ پلٹ دینا۔ ان پر ایک تو آسمان سے پتھر برسائے گئے۔ دوسرے ان کی بستی کو اوپر اٹھا کر نیچے پھینکا گیا جس سے پوری بستی اوپر نیچے ہو گئی اس اعتبار سے انہیں اصحاب مؤتفکات کہا جاتا ہے۔

(۲) ان سب قوموں کے پاس ان کے پیغمبر جو ان ہی کی قوم کا ایک فرد ہوتا تھا، آئے۔ لیکن انہوں نے ان کی باتوں کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔ بلکہ تکذیب اور عناد کا راستہ اختیار کیا، جس کا نتیجہ بلائے عذاب الہی کی شکل میں نکلا۔

(۳) یعنی یہ عذاب ان کے ظلم پر استمرار اور دوام کا نتیجہ ہے۔ یوں ہی بلا وجہ عذاب الہی کا شکار نہیں ہوئے۔

(۴) منافقین کی صفت نہ مومنہ کے مقابلے میں مومنین کی صفات محمودہ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ پہلی صفت وہ ایک دوسرے کے دوست، معاون و غم خوار ہیں۔ جس طرح حدیث میں ہے: «الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالنَّسِیَانِ، یُسَدُّ نَعَصَهُ بَعْضُهُ»

اصحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ: باب تشبیهک الأَصَابِعِ فِی الْمَسْجِدِ وَغَیْرِهِ مسلم: باب تَرَاحِمِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَتَعَاطُفِهِمْ وَتَعَاضُدِهِمْ ”مومن“ مومن کے لیے ایک دیوار کی طرح ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کی مضبوطی کا ذریعہ ہے۔“ دوسری حدیث میں فرمایا: «مَثَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی تَوَآدِّهِمْ، وَتَرَاحِمِهِمْ، كَمَثَلِ الْخَشِدِ الْوَاحِدِ إِذَا اشْتَكَی مِنْهُ عَصُوهُ، تَدَاغَى لَهُ سَائِرُ الْخَشِدِ بِالْحُحْمِ وَالسَّهْرِ» (اصحیح مسلم: باب مَذْکُورُ) والبخاری کتاب الأدب: باب رَحْمَةِ السَّاسِ وَالْمُهَانِمِ ”مومنوں کی مثال“ آپس میں ایک دوسرے کے

وَيُفِيْمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ
اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ
اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝۱۰

اور برائیوں سے روکتے ہیں^(۱) نمازوں کو پابندی سے بجا لاتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں^(۲) یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا بیشک اللہ غلبے والا حکمت والا ہے۔ (۱۱)

وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكَنٌ كَرِيمٌ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ
يُفْرِسُونَ مِنْ أَلْبَانٍ أَبْهَرٍ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝۱۱

ان ایمان دار مردوں اور عورتوں سے اللہ نے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نرس نرس لے رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ ہمیش رہنے والے ہیں اور ان صاف ستھرے پاکیزہ محلات^(۳) کا جو ان بیشکی والی جنتوں میں ہیں اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے^(۴) یہی زبردست کامیابی ہے۔ (۱۲)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْكُفَّارَ وَالْمُشْفِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد جاری رکھو^(۵)

ساتھ محبت کرنے اور رحم کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے کہ جب جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم تپ کا شکار ہو جاتا ہے اور بیدار رہتا ہے۔

(۱) یہ اہل ایمان کی دوسری خاص صفت ہے معروف وہ ہے جسے شریعت نے معروف (یعنی نیکی اور بھلائی) اور منکر وہ ہے جسے شریعت نے منکر (یعنی برا) قرار دیا ہے۔ نہ کہ وہ جسے لوگ اچھا یا برا کہیں۔

(۲) نماز، حقوق اللہ میں نمایاں تر من عبادت ہے اور زکوٰۃ، حقوق العباد کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے ان دونوں کا بطور خاص تذکرہ کر کے فرمادیا گیا کہ وہ ہر معاملے میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

(۳) جو موتی اور یا قوت سے تیار کیے گئے ہوں گے۔ عدن کے کئی معنی کیے گئے ہیں۔ ایک معنی بیشکی کے ہیں۔

(۴) حدیث میں بھی آتا ہے کہ جنت کی تمام نعمتوں کے بعد اہل جنت کو سب سے بڑی نعمت رضائے الہی کی صورت میں ملے گی۔ (صحیح بخاری و مسلم کتاب الرقاق و کتاب الجنة)

(۵) اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار اور منافقین سے جہاد اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کی مخاطب آپ ﷺ کی امت ہے۔ کافروں کے ساتھ منافقین سے بھی جہاد کرنے کا جو حکم ہے اس کی بابت اختلاف ہے۔ ایک رائے تو یہی ہے کہ اگر منافقین کا فساد اور ان کی سازشیں بے نقاب ہو جائیں تو ان سے بھی اسی طرح جہاد کیا جائے جس طرح کافروں سے کیا جاتا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ منافقین سے جہاد یہ ہے کہ انہیں زبان سے وعظ و نصیحت کی جائے۔ یا وہ اخلاقی جرائم کا ارتکاب کریں تو ان پر حدود نافذ کی جائیں۔ تیسری رائے یہ ہے کہ جہاد کا حکم کفار سے متعلق ہے اور سختی کرنے کا منافقین سے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ان آراء میں آپس میں کوئی تضاد اور منادات نہیں اس لیے کہ حالات و ظروف کے مطابق ان میں سے کسی بھی رائے پر عمل کرنا جائز ہے۔

وَمَا وَهُمْ جَهَنَّمُ مِنَ الْمَحْضَرِّ ۝

يَعْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا
بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَتُوا إِلَٰهًا آخَرَ يَتْلُو بَنَاتُهُنَّ بِأَفْهَامٍ خَلِيلَةٍ
أَعْنَهُنَّ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ لَئِنْ يَشَاءُوا لَنُكَفِّرَنَّ
لَهُمْ وَلَئِنْ يَسْكُوتُوا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ

اور ان پر سخت ہو جاؤ^(۱) ان کی اصلی جگہ دوزخ ہے جو
نہایت بدترین جگہ ہے۔^(۲) (۷۳)
یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا،
حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکل چکا ہے اور یہ
اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں^(۳) اور انہوں نے اس
کام کا قصد بھی کیا جو پورا نہ کر سکے۔^(۴) یہ صرف اسی بات کا
انتقام لے رہے ہیں کہ انھیں اللہ نے اپنے فضل سے اور
اس کے رسول (ﷺ) نے دولت مند کر دیا،^(۵) اگر یہ اب

(۱) فلکۃ رافۃ کی ضد ہے جس کے معنی نرمی اور شفقت کرنے کے ہیں۔ اس اعتبار سے صفت کے معنی سختی اور قوت سے
دشمنوں کے خلاف اقدام ہے۔ محض زبان کی سختی مراد نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ
کے ہی خلاف ہے اسے آپ ﷺ اختیار کر سکتے تھے نہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کا حکم آپ کو مل سکتا تھا۔

(۲) جہاد اور سختی کے حکم کا تعلق دنیا سے ہے۔ آخرت میں ان کے لیے جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے۔

(۳) مفسرین نے اس کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کیے ہیں جن میں منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
شن میں گستاخانہ کلمات کہے۔ جسے بعض مسلمانوں نے سن لیا اور انہوں نے آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا، لیکن آپ
کے استفسار پر کمر گئے بلکہ حلف تک اٹھا لیا کہ انہوں نے ایسی بات نہیں کی۔ جس پر یہ آیت اتری۔ اس سے یہ بھی معلوم
ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا کفر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شن میں گستاخی کرنے والا
مسلمان نہیں رہ سکتا۔

(۴) اس کی بابت بھی بعض واقعات نقل کیے گئے ہیں۔ مثلاً تبوک سے واپسی پر منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے خداف ایک سازش کی جس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے کہ دس بارہ منافقین ایک گھانی میں آپ کے پیچھے لگ
گئے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باقی لشکر سے الگ تقریباً تنہا گزر رہے تھے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ آپ پر حملہ کر
کے آپ کا کام تمام کر دیں گے اس کی اطلاع وحی کے ذریعے سے آپ کو دے دی گئی، جس سے آپ نے بچاؤ کر لیا۔

(۵) مسلمانوں کی ہجرت کے بعد مدینہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی تھی جس کی وجہ سے وہاں تجارت اور کاروبار کو
بھی فروغ ملا اور اہل مدینہ کی معاشی حالت بہت اچھی ہو گئی۔ منافقین مدینہ کو بھی اس سے خوب فائدہ حاصل ہوا۔ اللہ
تعالیٰ اس آیت میں یہی فرما رہا ہے کہ کیا ان کو اس بات کی ناراضی ہے کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے غنی بنا دیا ہے؟
یعنی یہ ناراضی اور غضب والی بات تو نہیں بلکہ ان کو تو اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے انہیں فقر و تنگ دستی سے
نکال کر خوش حال بنا دیا۔

ملفوظہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس لیے ہے کہ اس غنا اور توغری کا ظہری سبب

وَلَيْزِلَ الصَّيْغُ ۝

بھی توبہ کر لیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے اور اگر منہ موڑے رہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور زمین بھر میں ان کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ کھڑا ہوگا۔ (۷۴)

ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے مل دے گا تو ہم ضرور صدقہ و خیرات کریں گے اور پکی طرح نیکو کاروں میں ہو جائیں گے۔ (۷۵)

لیکن جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا تو یہ اس میں بخلی کرنے لگے اور ٹال مٹول کر کے منہ موڑ لیا۔^(۱) (۷۶)

پس اس کی سزا میں اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اللہ سے ملنے کے دنوں تک کیونکہ انہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدے کا خلاف کیا اور کیوں کہ جھوٹ بولتے رہے۔ (۷۷)

کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کا بعید اور ان کی سرگوشی سب معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ غیب کی تمام باتوں سے خبردار ہے۔^(۲) (۷۸)

جو لوگ ان مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں جو دل کھوں کر خیرات کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جنہیں سوائے اپنی محنت مزدوری کے اور کچھ میسر ہی نہیں پس یہ ان کا

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ اِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلٍ لَّنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

لَمَّا اٰتٰنَا مِنْ فَضْلٍ يَخْلُوْا اِيْهِ وَيَكُوْنُوْنَ لَهُمْ مِّنْهُ مَخْضُوْنٌ ۝

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا اِنِ اٰتٰوْهُم مَّا يَلْفُوْنَهُ يَمَّا اٰخَلَفُوْا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝

اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلٰمُ الْغُیُوْبِ ۝

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُتَّقِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نبی بنی تھی ورنہ حقیقت میں غنی بنانے والے تو اللہ تعالیٰ ہی تھے۔ اس لیے آیت میں من فضلہ واحد کی تفسیر ہے کہ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں غنی کر دیا

(۱) اس آیت کو بعض مفسرین نے ایک صحابی حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری کے بارے میں قرار دیا ہے۔ لیکن سند ایہ صحیح نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس میں بھی منافقین کا ایک اور کردار بیان کیا گیا ہے۔

(۲) اس میں ان منافقین کے لیے سخت وعید ہے جو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتے ہیں اور پھر اس کی پروا نہیں کرتے گویا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مخفی باتوں اور بعیدوں کو نہیں جانتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے کیونکہ وہ تو علام الغیوب ہے۔ غیب کی تمام باتوں سے باخبر ہے۔

قَبِيحُونَ وَهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

اِسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً

قُلْنَ لَا نَغْفِرُ لَهُمْ ذٰلِكَ يَٰ اَكْثَمُ كُفْرًا وَاِيَّا هٰؤُلَاءِ وَاَسْمٰى

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

ذائق اڑاتے ہیں^(۱) اللہ بھی ان سے تمسخر کرتا ہے^(۲)
انہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۷۹)

ان کے لیے تو استغفار کریا نہ کر۔ اگر تو ستر مرتبہ بھی
ان کے لیے استغفار کرے تو بھی اللہ انہیں ہرگز نہ
بخشنے گا^(۳) یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے اور اس
کے رسول سے کفر کیا ہے^(۴) ایسے فاسق لوگوں کو رب
کریم ہدایت نہیں دیتا۔^(۵) (۸۰)

(۱) مُطَوِّعِينَ کے معنی ہیں 'صدقات واجبہ کے علاوہ اپنی خوشی سے مزید اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے۔ "جہد" کے
معنی محنت و مشقت کے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو مال دار تو نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود اپنی محنت و مشقت سے کمائے
ہوئے تھوڑے سے مال میں سے بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ آیت میں منافقین کی ایک اور نہایت قبیح حرکت کا
ذکر کیا جا رہا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ وغیرہ کے موقع پر مسلمانوں سے چندے کی اپیل فرماتے تو
مسلمان آپ کی اپیل پر لبیک کہتے ہوئے حسب استطاعت اس میں حصہ لیتے۔ کسی کے پاس زیادہ مال ہوتا، وہ زیادہ صدقہ
دیتا جس کے پاس تھوڑا ہوتا، وہ تھوڑا دیتا۔ یہ منافقین دونوں قسم کے مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے۔ زیادہ دینے والوں کی
ہدایت کہتے کہ اس کا مقصد ریاکاری اور نمود و نمائش ہے اور تھوڑا دینے والوں کو کہتے کہ تیرے اس ماں سے کیا بنے گا؟ یا
اللہ تعالیٰ تیرے اس صدقے سے بے نیاز ہے۔ (صحیح بخاری تفسیر سورہ توبہ۔ مسلم کتاب الرکوع باب
الحمل اجرة بصدق بها، یوں وہ منافقین مسلمانوں کا استہزا کرتے اور مذاق اڑاتے۔

(۲) یعنی مومنین سے استہزا کا بدلہ انہیں اس طرح دیتا ہے کہ انہیں ذلیل و رسوا کرتا ہے۔ اس کا تعلق باب مشاکلت
سے ہے جو علم بلاغت کا ایک اصول ہے یا یہ بددعا ہے اللہ تعالیٰ ان سے بھی اسی طرح استہزا کا معاملہ کرے جس طرح یہ
مسلمانوں کے ساتھ استہزا کرتے ہیں۔ (فتح القدیر)

(۳) ستر کا عدد مبالغے اور تکثیر کے لیے ہے۔ یعنی تو کتنی ہی کثرت سے ان کے لیے استغفار کر لے، اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز
معاف نہیں فرمائے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرنے پر ان کو معافی مل جائے گی۔

(۴) یہ عدم مغفرت کی علت بیان کر دی گئی ہے تاکہ لوگ کسی کی سفارش کی امید نہ رہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح کی
پونجی لے کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اگر یہ زادِ آخرت کسی کے پاس نہیں ہو گا تو ایسے کافروں اور نافرمانوں کی کوئی
شفاعت ہی نہیں کرے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے لیے شفاعت کی اجازت ہی نہیں دے گا

(۵) اس ہدایت سے مراد وہ ہدایت ہے جو انسان کو مطلوب (ایمان) تک پہنچا دیتی ہے۔ ورنہ ہدایت بمعنی رہنمائی یعنی
راستے کی نشان دہی۔ اس کا اتمام تو دنیا میں ہر مومن و کافر کے لیے کر دیا گیا ہے ﴿لَا مَهْدِيْنَہٗ الشَّيْطٰنُ اِنَّمَا يَشْكُرُ الْوٰسِطٰ
تُغُوْرُ﴾ (الدھر ۳) ﴿وَهَدِيْنٰهُ الْجَنَّتَيْنِ﴾ (البلد ۱۰) اور ہم نے اس کو (خیر و شر کے) کے دونوں رستے دکھادیئے ہیں

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْتَوُوا فِي الْحَرْبِ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۝

بیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ (ﷺ) کے جانے کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں^(۱) انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرنا پسند رکھا اور انہوں نے کہہ دیا کہ اس گرمی میں مت نکلو۔ کہہ دیجئے کہ دوزخ کی آگ بہت ہی سخت گرم ہے کاش کہ وہ سمجھتے ہوتے۔^(۲) (۸۱)

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءُ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

پس انھیں چاہیے کہ بہت کم انھیں اور بہت زیادہ روئیں^(۳) بدلے میں اس کے جو یہ کرتے تھے۔ (۸۲) پس اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ان کی کسی جماعت^(۴) کی طرف ٹوٹا کر واپس لے آئے پھر یہ آپ سے میدان جنگ میں نکلنے کی اجازت طلب کریں^(۵) تو آپ کہہ دیجئے کہ تم میرے ساتھ ہرگز چل نہیں سکتے اور نہ میرے ساتھ تم دشمنوں سے لڑائی کر سکتے ہو۔ تم نے پہلی مرتبہ ہی بیٹھ رہنے کو پسند کیا تھا^(۶) پس تم بیچھے رہ جانے والوں میں ہی

فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاسْتَأْذِنْهُمْ لِمُحْذَرٍ قَتَلَ مَنْ عَفَرُوا مَعَ إِبْنِ آدَمَ وَلَنْ تَنَالُوا مَعِيَ عِدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَانْعَدُوا مَعَ الْخُلَفَاءِ ۝

(۱) یہ ان منافقین کا ذکر ہے جو تبوک میں نہیں گئے اور جموں نے غزیرہ پیش کر کے اجازت حاصل کر لی۔ غزیرہ کے معنی ہیں بیچھے یا مخالفت۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد آپ کے بیچھے یا آپ کی مخالفت میں مدینہ میں بیٹھے رہے۔

(۲) یعنی اگر ان کو یہ علم ہو کہ جہنم کی آگ کی گرمی کے مقابلے میں دنیا کی گرمی کوئی حیثیت نہیں رکھتی تو وہ کبھی بیچھے نہ رہتے۔ حدیث میں آتا ہے کہ دنیا کی یہ آگ جہنم کی آگ کا ۷۰ حصہ ہے۔ یعنی جہنم کی آگ کی شدت دنیا کی آگ سے ۷۰ حصے زیادہ ہے (صحیح بخاری۔ بدء الخلق باب صفة النار اللهم احفظنا منها)

(۳) قَلِيلًا اور كَثِيرًا یا تو مصدریت (یعنی صَحْحًا قَلِيلًا اور بُكَاءٌ كَثِيرًا یا عَرَفِتَ یعنی رَدَّتْ قَلِيلًا وَرَدَّتْ كَثِيرًا) کی بنیاد پر منصوب ہے۔ اور امر کے دونوں صیغے بمعنی خبر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ انہیں گے تو تھوڑا اور روئیں گے بہت زیادہ۔

(۴) منافقین کی جماعت مراد ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت تبوک سے مدینہ واپس لے آئے جہاں یہ بیچھے رہ جانے والے منافقین بھی ہیں۔

(۵) یعنی کسی اور جنگ کے لیے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کریں۔

(۶) یہ آئندہ ساتھ نہ لے جانے کی علت ہے کہ تم پہلی مرتبہ ساتھ نہیں گئے۔ لہذا اب تم اس لائق نہیں کہ تمہیں کسی بھی جنگ میں ساتھ لے جایا جائے۔

بیٹھے رہو۔^(۱) (۸۳)

ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کے جنازے کی ہرگز نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔^(۲) یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور مرتے دم تک بدکار بے اطاعت رہے ہیں۔^(۳) (۸۴)

آپ کو ان کے مال و اولاد کچھ بھی بھیس نہ لگیں اللہ کی چاہت یہی ہے کہ انہیں ان چیزوں سے دنیوی سزا دے اور یہ اپنی جانیں نکلنے تک کافر ہی رہیں۔ (۸۵)

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنَابُوا ۚ وَهُمْ فِي سُبُوتٍ ۝

وَلَا تُصِيبُكَ أَمْوَالُهُمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الرِّسَالَةُ ۚ إِنَّ اللَّهَ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِمَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ۝

(۱) یعنی اب تمہاری اوقات یہی ہے کہ تم عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو، جو جنگ میں شرکت کرنے کے بجائے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت اس لیے دی گئی ہے کہ ان کے اس ہم و غم اور حسرت میں اور اضافہ ہو جو انہیں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے تھا۔ (اگر تھا)

(۲) یہ آیت اگرچہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس کا حکم عام ہے۔ ہر شخص جس کی موت کفر و نفاق پر ہو، وہ اس میں شامل ہے۔ اس کی شان نزول یہ ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہو گیا تو اس کے بیٹے عبداللہ (جو مسلمان اور باپ ہی کے ہم نام تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ایک تو آپ (بطور تبرک) اپنی قیص عتایت فرمادیں تاکہ میں اپنے باپ کو اس میں کفنادوں۔ دوسرا آپ اس کی نماز جنازہ پڑھادیں۔ آپ نے قیص بھی عتایت فرمادی اور نماز جنازہ پڑھانے کے لیے بھی تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھانے سے روکا ہے، آپ کیوں اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے" یعنی روکا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اگر تو ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کرے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں فرمائے گا" تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ ان کے لیے استغفار کر لوں گا" چنانچہ آپ نے نماز جنازہ پڑھادی۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر آئندہ کے لیے منافقین کے حق میں دعائے مغفرت کی قطعی ممانعت فرمادی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ براءت و مسلم، کتاب صفات المنافقین وأحكامهم)

(۳) یہ نماز جنازہ اور دعائے مغفرت نہ کرنے کی علت ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کا خاتمہ کفر و فسق پر ہو، ان کی نہ نماز جنازہ پڑھنی چاہیے اور نہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنی جائز ہے۔ ایک حدیث میں تو یہاں تک آتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان پہنچے تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن ابی کو دفنایا جا چکا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے قبر سے نکلوا دیا اور اپنے گھٹنوں پر رکھ کر اس پر اپنا لعاب دہن تھوکا، اپنی قیص اسے پرنائی (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب لبس القميص وكتاب الجنائز صحيح مسلم، كتاب صفات المنافقین وأحكامهم)

وَلَاذَّكَرْتُ سُوْرَةَ أَنْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَهُ رُسُوْلُوْهُ
اَسْتَاذَنْتُكَ اَوَّلُوْا الْقَوْلَ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا لَنُكَلِّمَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۰

جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے دولت مندوں کا ایک طبقہ آپ کے پاس آکر یہ کہہ کر رخصت لے لیتا ہے کہ ہمیں تو بیٹھے رہنے والوں میں ہی چھوڑ دیجئے۔^(۱) (۸۶)

یہ تو خانہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر رہ گئے اور ان کے دلوں پر مر لگا دی گئی اب وہ کچھ سمجھ عقل نہیں رکھتے۔^(۲) (۸۷)

لیکن خود رسول (ﷺ) اور اس کے ساتھ کے ایمان والے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں، یہی لوگ بھلائیوں والے ہیں اور یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔ (۸۸)

انہی کے لیے اللہ نے وہ جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔^(۳) (۸۹)

رَضُوْا بِأَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْغَوَالِبِ وَطَبَقَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۱۱

لٰكِنَ الرُّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ جٰهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنْفُسِهِمْ وَأُوْلٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُوْلٰئِكَ
هُمُ الْمُنْفَعُوْنَ ۝۱۲

اَمَّا اللّٰهُ لَعَلَّهُمْ جَنَّتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ
فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۳

جس سے معلوم ہوا کہ جو ایمان سے محروم ہو گا، اسے دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت کی دعائے مغفرت اور اس کی شفاعت بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔

(۱) یہ انہی منافقین کا ذکر ہے جنہوں نے حیلے تراش کر پیچھے رہنا پسند کیا اَوَّلُوْا الْقَوْلَ سے مراد ہے صاحب حیثیت، اس دار طبقہ، یعنی اس طبقے کو پیچھے تو نہیں رہنا چاہیے تھا، کیونکہ اس کے پاس اللہ کا وہاں سب کچھ موجود تھا۔ فَعَبِدُوْا سے مراد بعض مجبور یوں کے تحت گھروں میں رک جانے والے افراد ہیں، جیسا کہ اگلی آیت میں ان کو حَوَائِفُ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو حَالِفَةٌ کی جمع ہے۔ یعنی پیچھے رہنے والی عورتیں۔

(۲) دلوں پر مر لگا جانا، یہ مسلسل گناہوں کا نتیجہ ہوتا ہے جس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے، اس کے بعد انسان سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہو جاتا ہے۔

(۳) ان منافقین کے برعکس اہل ایمان کا رویہ یہ ہے کہ وہ اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، اللہ کی راہ میں انہیں اپنی جانوں کی پروا ہے اور نہ مالوں کی۔ ان کے نزدیک اللہ کا حکم سب پر بالاتر ہے۔ انہی کے لیے خیرات ہیں یعنی آخرت کی بھلائیاں اور جنت کی نعمتیں۔ اور بعض کے نزدیک دین و دنیا کے منافع اور یہی لوگ فلاح یاب اور فوز عظیم کے حامل ہوں گے۔

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ
كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ①

بادیہ نشینوں میں سے عذر والے لوگ حاضر ہوئے کہ
انہیں رخصت دے دی جائے اور وہ بیٹھ رہے جنہوں
نے اللہ سے اور اس کے رسول سے جھوٹی باتیں بنائی
تھیں۔ اب تو ان میں جتنے کفار ہیں انہیں دکھ دینے والی
مار پہنچ کر رہے گی۔^(۹۰)

لَيْسَ عَلَى الضَّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ
لَا يُعِدُّونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا انْصَرَفُوا إِلَىٰ
مَأْثَلِهِمْ مِنَ الْقُتُبِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ ذَكِيٌّ ②

ضعیفوں پر اور بیماروں پر اور ان پر جن کے پاس خرچ
کرنے کو کچھ بھی نہیں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ اللہ اور
اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں، ایسے نیک
کاروں پر الزام کی کوئی راہ نہیں، اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت و
رحمت والا ہے۔^(۹۱)

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَلَّوْا لِيَتَحِمَّلَهُمْ قُلْتُ لَا أَجِدُ
مِمَّا أَحْمَلُهُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيَنُهُمْ تَلَفِيفٌ ۚ مِنَ الذَّمِّ

ہاں ان پر بھی کوئی حرج نہیں جو آپ کے پاس آتے ہیں
کہ آپ انہیں سواری میا کر دیں تو آپ جواب دیتے

(۱) ان مُعَذِّرِينَ کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ شر سے دور رہنے والے وہ
اعرابی ہیں جنہوں نے جھوٹے عذر پیش کر کے اجازت حاصل کی۔ دوسری قسم ان میں وہ تھی جنہوں نے آکر عذر پیش
کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی اور بیٹھے رہے۔ اس طرح گویا آیت میں منافقین کے دو گروہوں کا تذکرہ ہے اور
عذاب الیم کی وعید میں دونوں شامل ہیں اور منہم سے جھوٹے عذر پیش کرنے والے اور بیٹھ رہنے والے دونوں مراد
ہوں گے اور دوسرے مفسرین نے مُعَذِّرُونَ سے مراد ایسے بادیہ نشین مسلمان لیے ہیں جنہوں نے معقول عذر پیش کر
کے اجازت لی تھی۔ اور مُعَذِّرُونَ ان کے نزدیک اصل میں مُعَذِّرُونَ ہے۔ تاکہ ذال میں مدغم کر دیا گیا ہے اور معتذر
کے معنی ہیں، واقعی عذر رکھنے والا۔ اس اعتبار سے آیت کے اگلے جملے میں منافقین کا تذکرہ ہے اور آیت میں دو
گروہوں کا ذکر ہے، پہلے جملے میں ان مسلمانوں کا جن کے پاس واقعی عذر تھے اور دوسرے منافقین، جو بغیر عذر پیش کیے
بیٹھے رہے اور آیت کے آخری حصے میں جو وعید ہے، اسی دوسرے گروہ کے لیے ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

(۲) اس آیت میں ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو واقعی معذور تھے اور ان کا عذر بھی واضح تھا۔ مثلاً: ۱۔ ضعیف و ناتواں یعنی
بوڑھے قسم کے لوگ، اور نابینا یا لنگڑے وغیرہ معذورین بھی اسی ذیل میں آجاتے ہیں۔ بعض نے ان کو بیماروں میں شامل
کیا ہے۔ ۲۔ بیمار ۳۔ جن کے پاس جہاد کے اخراجات نہیں تھے اور بیت المال بھی ان کے اخراجات کا متحمل نہیں تھا۔ اللہ
اور رسول کی خیر خواہی سے مراد ہے، جہاد کی ان کے دلوں میں تڑپ، مجاہدین سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ اور رسول
کے دشمنوں سے عداوت، اور حتی الامکان اللہ اور رسول کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں ایسے محسنین، اگر جہاد میں
شرکت کرنے سے معذور ہوں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔

حَزَنًا أَلَّا يَحِدُوا أَمَّا يَتَفَقَّهُونَ ﴿٩١﴾

ہیں کہ میں تو تمہاری سواری کے لیے کچھ بھی نہیں پاتا، تو وہ رنج و غم سے اپنی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں کہ انھیں خرچ کرنے کے لیے کچھ بھی میسر نہیں۔^(۹۱)

إِنَّمَا الْبَيْتُ عَلَى الدَّيْنِ يَسْتَأْذِنُكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ
رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْغَوَايِ وَأَطَعُوا اللَّهَ عَلَى
قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩٢﴾

بیشک انھیں لوگوں پر راہ الزام ہے جو باوجود دولت مند ہونے کے آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ یہ خانہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر خوش ہیں اور ان کے دلوں پر مر خداوندی لگ چکی ہے جس سے وہ محض بے علم ہو گئے ہیں۔^(۹۲)

(۱) یہ مسلمانوں کے ایک دوسرے گروہ کا ذکر ہے جن کے پاس اپنی سواریاں بھی نہیں تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں سواریاں پیش کرنے سے معذرت کی جس پر انہیں اتنا صدمہ ہوا کہ بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ رضی اللہ عنہم۔ گویا قلعہ مسلمان جو کسی بھی لحاظ سے معقول عذر رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کہ ہر خطا ہر باطن سے باخبر ہے، ان کو جہاد میں شرکت سے مستثنیٰ کر دیا۔ بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان معذورین کے بارے میں جہاد میں شریک لوگوں سے فرمایا کہ ”تمہارے پیچھے مدینے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ تم جس وادی کو بھی طے کرتے ہو اور جس راستے پر بھی چلتے ہو، تمہارے ساتھ وہ اجر میں برابر کے شریک ہیں“ صحابہ کرام نے پوچھا۔ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے جب کہ وہ مدینے میں بیٹھے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ (اصحیح بخاری کتاب الجہاد، باب من حبسه العذر عن الغزو، وصحیح مسلم، کتاب الامار، باب لواب من حبسه عن الغزو مرض...) ”عذر نے ان کو وہاں روک دیا ہے“۔

(۲) یہ منافقین ہیں جن کا تذکرہ آیت ۸۶، ۸۷ میں گزرا۔ یہاں دوبارہ ان کا ذکر قلعہ مسلمانوں کے مقابلے میں ہوا ہے کہ تَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ بِأَصْدَادِهَا کہ چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ حَوَالِئُ، حَالِفَةُ کی جمع ہے (پیچھے رہنے والی) مراد عورتیں، بچے، معذور اور شدید بیمار اور بوڑھے ہیں جو جنگ میں شرکت سے معذور ہیں۔ لَا يَعْلَمُونَ کا مطلب ہے وہ نہیں جانتے کہ پیچھے رہنا کتنا بڑا جرم ہے، ورنہ شاید وہ رسول ﷺ سے پیچھے نہ رہتے۔

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَذِرُونَ لَنَا نُؤْمِنُ لَكُمْ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَكُمْ وَ سَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ قَدْ رَدُّوْنَ إِلَىٰ عِلِّيِّ الْعَلِيِّ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٥﴾

سَيَحْفِظُونَ يَدَكَ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لَعْنُوا عَنْهُمْ قَالُوا كُفُّوا عَنَّا قُلْ لَكُمْ عَذَابُكُمْ وَأَنَا عَذَابُكُمْ وَنُؤْمِنُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٦﴾

يَحْفِظُونَ لَكُمْ لَعْنُوا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٩٧﴾

یہ لوگ تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ عذر پیش مت کرو ہم بھی تم کو سچا نہ سمجھیں گے، اللہ تعالیٰ ہم کو تمہاری خبر دے چکا ہے اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول تمہاری کارگزاری دیکھ میں گے پھر ایسے کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے پھر وہ تم کو بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ (۹۴)

ہاں وہ اب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھا جائیں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تاکہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ سو تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ وہ لوگ بالکل گندے ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے ان کاموں کے بدلے جنہیں وہ کیا کرتے تھے۔ (۹۵)

یہ اس لیے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ سو اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تو ایسے فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔^(۱) (۹۶)

(۱) ان تین آیات میں ان منافقین کا ذکر ہے جو ہوک کے سفر میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو بغیرت واپسی پر اپنے عذر پیش کر کے ان کی نظروں میں وفادار بننا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب تم ان کے پاس آؤ گے تو یہ عذر پیش کریں گے، تم ان سے کہہ دو کہ ہمارے سامنے عذر پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اصل حالات سے ہمیں باخبر کر دیا ہے۔ اب تمہارے جھوٹے عذروں کا ہم اعتبار کس طرح کر سکتے ہیں؟ البتہ ان عذروں کی حقیقت مستقبل قریب میں مزید واضح ہو جائے گی، تمہارا عمل جسے اللہ تعالیٰ بھی دیکھ رہا ہے اور رسول ﷺ کی نظر بھی اس پر ہے، تمہارے عذروں کی حقیقت کو خود بے نقاب کر دے گا۔ اور اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو پھر بھی فریب اور مغالطہ دینے میں کامیاب رہے تو بالآخر ایک وقت وہ تو آئے گا ہی، جب تم ایسی ذات کی بارگاہ میں حاضر کئے جاؤ گے جو ظاہر و باطن ہر چیز کو خوب جانتی ہے۔ اسے تو تم بہر صورت دھوکہ نہیں دے سکتے، وہ اللہ تمہارا سارا کچا چٹھا تمہارے سامنے کھول کر رکھ دے گا۔ دوسری آیت میں فرمایا کہ تمہارے لوٹنے پر یہ قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے اعراض یعنی درگزر کر دو۔ پس تم انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ یہ لوگ اپنے عقائد و اعمال کے لحاظ سے پلید ہیں، انہوں نے جو کچھ کیا ہے۔ اس کا بدلہ جہنم ہی ہے تیسری آیت میں فرمایا۔ یہ تمہیں راضی کرنے کے لیے قسمیں کھائیں گے۔ لیکن ان نادانوں کو یہ پتہ نہیں کہ اگر تم ان سے راضی ہو بھی

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا
حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۵۰﴾

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَيَكْتَثِرُ
بِكُذِّ الدِّينِ ۚ وَآخَرُ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَاللَّهُ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۱﴾

دیسائی لوگ کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں ^(۱) اور ان کو ایسا ہونا ہی چاہیے کہ ان کو ان احکام کا علم نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ^(۲) ہیں اور اللہ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ (۹۷)

اور ان دیہاتیوں میں سے بعض ^(۳) ایسے ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو جرمانہ سمجھتے ہیں ^(۴) اور تم مسلمانوں کے واسطے برے وقت کے خطر رہتے ہیں ^(۵)، برا وقت ان ہی پر پڑنے والا ہے ^(۶) اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (۹۸)

جاؤ تو انہوں نے جس فسق یعنی اطاعت الہی سے گریز و فرار کا راستہ اختیار کیا ہے اس کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ ان سے راضی کیوں کر ہو سکتا ہے؟

(۱) مذکورہ آیات میں ان منافقین کا تذکرہ تھا جو مدینہ شہر میں رہائش پذیر تھے۔ اور کچھ منافقین وہ بھی تھے جو باد یہ نشین یعنی مدینہ کے باہر دیہاتوں میں رہتے تھے، دیہات کے ان باشندوں کو اعراب کہا جاتا ہے جو اعرابی کی جمع ہے۔ شہروں کے اخلاق و کردار کے مقابلے میں جس طرح ان کے اخلاق و کردار میں درشتی اور کھردرا پن زیادہ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح ان میں جو کافر و منافق تھے وہ کفر و نفاق میں بھی شہروں سے زیادہ سخت اور احکام شریعت سے زیادہ بے خبر تھے۔ اس آیت میں انہی کا تذکرہ اور ان کے اسی کردار کی وضاحت ہے۔ بعض احادیث سے بھی ان کے کردار پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً ایک موقع پر کچھ اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے پوچھا اَنْتُمْ لَنْ تَكُونُوا صِبْيَانًا نَكُنْكُمْ "کیا تم اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہو؟" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا "ہاں" انہوں نے کہا "واللہ! ہم تو بوسہ نہیں دیتے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا "اگر اللہ نے تمہارے دلوں سے رحم و شفقت کا جذبہ نکال دیا ہے تو میرا اس میں کیا اختیار ہے؟" صحیح بخاری کتاب الادب، باب رحمة الولد وتغلبه ومعافاته

صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمة الله صلى الله عليه وسلم الصبيان والعيال

(۲) اس کی وجہ یہ ہے کہ چوں کہ وہ شہر سے دور رہتے ہیں اور اللہ اور رسول ﷺ کی باتیں سننے کا اتفاق ان کو نہیں ہوتا۔

(۳) اب ان دیہاتیوں کی دو قسمیں بیان کی جا رہی ہیں یہ پہلی قسم ہے۔

(۴) عَزْمٌ تاوان اور جرمانے کو کہتے ہیں۔ یعنی ایسا خرچ ہو جو انسان کو نہایت ناگواری سے ناچار کرنا پڑ جاتا ہے

(۵) دَوَائِرُ دَآئِرَةُ کی جمع ہے، گردش زمانہ یعنی مصائب و آلام یعنی وہ خطر رہتے ہیں کہ مسلمان زمانے کی گردشوں یعنی مصائب کا شکار ہوں۔

(۶) یہ بددعا یا خبر ہے کہ زمانے کی گردش ان پر ہی پڑے۔ کیونکہ وہی اس کے مستحق ہیں۔

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّبِعُ
مَا يُنْفِقُ قَرِيبٌ عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتُ الرَّسُولِ أَلَا
إِنَّهَا تُرَبُّهُ لَهُمْ سَيِّدٌ عَلَيْهِمْ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ إِنَّ
اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۹۹﴾

اور بعض اہل رسالت میں ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر
اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ
کرتے ہیں اس کو عند اللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ
اور رسول کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں،^(۱) یاد رکھو کہ ان کا
یہ خرچ کرنا بیشک ان کے لیے موجب قربت ہے، ان کو
اللہ تعالیٰ ضرور اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔^(۲) اللہ
تعالیٰ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔ (۹۹)

وَالشَّاقُونَ الْأُولُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ
اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ

اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے
لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں^(۳) اللہ ان سب

(۱) یہ اعراب کی دوسری قسم ہے جن کو اللہ نے شر سے دور رہنے کے باوجود اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی توفیق
عطا فرمائی۔ اور اس ایمان کی بدولت ان سے وہ جماعت بھی دور فرمادی جو بدویت کی وجہ سے اہل بادیت میں عام طور پر
ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کردہ مال کو جرمانہ سمجھنے کے بجائے اللہ کے قرب کا اور رسول ﷺ کی دعائیں
لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہ اشارہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل کی طرف جو صدقہ دینے والوں کے
بارے میں آپ ﷺ کا تھا۔ یعنی آپ ﷺ ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ایک
صدقہ لانے والے کے لیے آپ ﷺ نے دعا فرمائی اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى (صحیح بخاری نمبر ۴۱۶۶) صحیح
مسلم (نمبر ۷۵۶) اے اللہ! ابو اوفیٰ کی آل پر رحمت نازل فرما۔

(۲) یہ خوش خبری ہے کہ اللہ کا قرب انہیں حاصل ہے اور اللہ کی رحمت کے وہ مستحق ہیں۔

(۳) اس میں تین گروہوں کا ذکر ہے۔ ایک مہاجرین کا جنہوں نے دین کی خاطر اللہ اور رسول ﷺ کے حکم پر مکہ
اور دیگر علاقوں سے ہجرت کی اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ آگئے۔ دوسرے انصار جو مدینہ میں رہائش پذیر تھے۔
انہوں نے ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کی مدد اور حفاظت فرمائی اور مدینہ آنے والے مہاجرین کی بھی خوب پذیرائی اور
تواضع کی۔ اور اپنا سب کچھ ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہاں ان دونوں گروہوں کے سابقین اولون کا ذکر فرمایا ہے
یعنی دونوں گروہوں میں سے وہ افراد جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں سب سے پہلے سبقت کی۔ اس کی تعریف میں
اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک سابقین اولون وہ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ یعنی
تحويل قبلہ سے پہلے مسلمان ہونے والے مہاجرین و انصار۔ بعض کے نزدیک یہ وہ صحابہ اللہ علیہم السلام ہیں جو حدیبیہ میں بیعت
رضوان میں حاضر تھے۔ بعض کے نزدیک یہ اہل بدر ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ سارے ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ تیسری
قسم وہ ہے جو ان مہاجرین و انصار کے خلوص اور احسان کے ساتھ پیرو کار ہیں اس کردہ سے مراد بعض کے نزدیک
اصطلاحی تابعین ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا لیکن صحابہ کرام اللہ علیہم السلام کی محبت سے شرف ہوئے

جَنَّتْ غَيْرِي نَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خُلِيدٌ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ الْقَوْرُ
الْعَظِيمُ ۝

وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ ۚ وَمِنْ أَهْلِ
الْمَدِينَةِ مُمْرِرَةٌ وَاعِلَى الْفِتَاقِ ۚ تَعْلَمُونَهُم مَّنْ
تَعْلَمُهُمْ مُنْمَدٍ ۚ لَهُمْ مَّرْتَبَتَيْنِ ۚ تَعْرِفُونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ۝

سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ
نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے
نہرس جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے^(۱) یہ بڑی
کامیابی ہے۔ (۱۰۰)

اور کچھ تمہارے گرد و پیش والوں میں اور کچھ مدینے
والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق پر اڑے^(۲) ہوئے
ہیں، آپ ان کو نہیں جانتے،^(۳) ان کو ہم جانتے ہیں ہم
ان کو دہری سزا دیں گے،^(۴) پھر وہ بڑے بھاری عذاب
کی طرف بھیجے جائیں گے۔ (۱۰۱)

اور بعض نے اسے عام رکھا ہے یعنی قیامت تک جتنے بھی انصار و مہاجرین سے محبت رکھنے والے اور ان کے نقش قدم
پر چلنے والے مسلمان ہیں، وہ اس میں شامل ہیں۔ ان میں اصطلاحی تابعین بھی آجاتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔ کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی نیکیاں قبول فرمائیں، ان کی بشری لغزشوں کو معاف
فرما دیا اور وہ ان پر ناراض نہیں۔ کیوں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے لیے جنت اور جنت کی نعمتوں کی بشارت کیوں دی
جاتی؟ جو اسی آیت میں دی گئی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ رضائے الہی موثقت اور عارضی نہیں، بلکہ دائمی ہے
اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو مرتد ہو جانا تھا (جیسا کہ ایک باطل ٹولے کا عقیدہ ہے) تو
اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی بشارت سے نہ نوازتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اللہ نے ان کی ساری لغزشیں معاف
فرمادیں تو اب تنقیص و تنقید کے طور پر ان کی کوتاہیوں کا تذکرہ کرنا کسی مسلمان کی شان کے رفق نہیں۔ نیز یہ بھی
معلوم ہوا کہ ان کی محبت اور پیروی رضائے الہی کا ذریعہ ہے اور ان سے عداوت اور بغض و عناد رضائے الہی سے
محرومی کا باعث ہے۔ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔

(۲) مَرَدٌ اور مَرْدٌ کے معنی ہیں۔ نرمی، طاعت (چکناہٹ) اور تجرد۔ چنانچہ اس شاخ کو جو بغیر پتے کے ہو، وہ گھوڑا جو بغیر
بال کے ہو، وہ لڑکا جس کے چہرے پر بال نہ ہوں، ان سب کو آمردہ کہا جاتا ہے اور شیشے کو صَرَحٌ مَرْدٌ آبی مَرْدٌ کہا جاتا
ہے۔ مَرْدٌ وَاعِلَى الْفِتَاقِ کے معنی ہوں گے تَجَرَّدُوا عَلَى الْفِتَاقِ، گویا انہوں نے نفاق کے لیے اپنے آپ کو خالص اور
تھا کر لیا، یعنی اس پر ان کا اصرار اور استمرار ہے۔

(۳) کتنے واضح الفاظ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی ہے۔ کاش اہل بدعت کو قرآن سمجھنے کی توفیق نصیب ہو۔

(۴) اس سے مراد بعض کے نزدیک دنیا کی ذلت و رسوائی اور پھر آخرت کا عذاب ہے اور بعض کے نزدیک دنیا میں ہی
دہری سزا ہے۔

وَالْآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرًا مَسِيئًا
عَسَىٰ اللَّهُ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۰﴾

اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے اقراری ہیں^(۱)
جنہوں نے ملے جلے عمل کیے تھے، کچھ بھلے اور
کچھ برے۔^(۲) اللہ سے امید ہے کہ ان کی توبہ قبول
فرمائے۔^(۳) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والا بڑی
رحمت والا ہے۔ (۱۰۲)

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ
عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۱﴾

آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے، جس کے
ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں اور ان کے لیے
دعا کیجئے،^(۴) بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجب اطمینان
ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتا ہے خوب جانتا ہے۔ (۱۰۳)

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ
الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲﴾

کیا ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول
کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے^(۵) اور یہ کہ

(۱) یہ وہ مخلص مسلمان ہیں جو بغیر عذر کے محض تساہل کی وجہ سے توبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے
بلکہ بعد میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور اعتراف منہا کر لیا۔

(۲) بھلے سے مراد وہ اعمال صالحہ ہیں جو جہاد میں پیچھے رہ جانے سے پہلے وہ کرتے رہے ہیں جن میں مختلف جنگوں میں
شرکت بھی ہے اور ”کچھ برے“ سے مراد یہی توبہ کے موقع پر ان کا پیچھے رہنا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے امید، یقین کا فائدہ دیتی ہے جیسی اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رجوع فرما کر ان کے اعتراف
گناہ کو توبہ کے قائم مقام قرار دے کر انہیں معاف فرمادیا۔

(۴) یہ حکم عام ہے۔ صدقے سے مراد فرضی صدقہ یعنی زکوٰۃ بھی ہو سکتی ہے اور نفلی صدقہ بھی۔ نبی ﷺ کو مکہ جا رہا
ہے کہ اس کے ذریعے سے آپ مسلمانوں کی تطہیر اور ان کا تزکیہ فرمادیں۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ و
صدقات انسان کے اخلاق و کردار کی طہارت و پاکیزگی کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔ علاوہ ازیں صدقے کو صدقہ اسی سے کہا جاتا
ہے کہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خرچ کرنے والا اپنے دعوائے ایمان میں صادق ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی
کہ صدقہ وصول کرنے والے کو صدقہ دینے والے کے حق میں دعائے خیر کرنی چاہیے۔ جس طرح یہاں اللہ تعالیٰ نے
اپنے پیغمبر ﷺ کو دعا کرنے کا حکم دیا اور آپ ﷺ اس کے مطابق دعا فرمایا کرتے تھے۔ اس حکم کے عموم سے یہ
استدلال بھی کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی امام وقت کی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی اس سے انکار کرے تو حضرت ابوبکر صدیق
رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کی روشنی میں اس کے خلاف جہاد ضروری ہے۔ (ابن کثیر)

(۵) صدقات قبول فرماتا ہے کا مطلب (بشرطیکہ وہ حلال کمائی سے ہو) اس میں اضافہ فرماتا ہے۔ جس طرح حدیث میں
آیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ تمہارے صدقے کی اس طرح پرورش کرتا ہے جس طرح تم میں

اللہ ہی توبہ قبول کرنے میں اور رحمت کرنے میں کامل ہے۔ (۱۰۴)

کہہ دیجئے کہ تم عمل کیے جاؤ تمہارے عمل اللہ خود دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے (بھی دیکھ لیں گے) اور ضرور تم کو ایسے کے پاس جانا ہے جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ سو وہ تم کو تمہارا سب کیا ہوا بتا دے گا۔ (۱۰۵)

اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی ہے (۳) ان کو سزا دے گا (۴) یا ان کی توبہ قبول کر لے گا (۳) اور اللہ خوب جاننے والا ہے بڑا حکمت والا ہے۔ (۱۰۶)

اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے ان اغراض کے لیے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کی باتیں کریں اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا سلمان کریں جو اس سے پہلے سے اللہ اور رسوں کا مخالف ہے (۵) اور قسمیں کھا جائیں گے کہ بجز بھلائی کے اور

وَقَدْ أَعْمَلُوا فَعَسَىٰ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُكُمْ وَيَسْئَلُكَ وَالْمُؤْمِنُونَ
وَيَسْأَلُونَكَ إِلَىٰ عَلَيْهِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيَقُولُ مَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۵﴾

وَالَّذِينَ مَرَجَوْا لِأَمْرِ اللَّهِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بِهِمْ وَأَمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰۶﴾

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَتَفْتِيرًا لِلْبَنِينَ
الْمُؤْمِنِينَ وَالنَّصَادِ الْإِنَّمَا حَارِبَ اللَّهِ وَرَسُولَهُ مِنَ
قَبْلُ وَلْيَحْلِفُوا إِنَّ أَرْضَنَا إِلَّا الضُّعْفَىٰ وَأَنَّهُ يَنْتَهَدِ
إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۰۷﴾

سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کے بچے کی پرورش کرتا ہے، حتیٰ کہ ایک کھجور کے برابر صدقہ (بڑھ بڑھ کر) احد پہاڑ کی مثل ہو جاتا ہے۔" (صحیح بخاری کتاب الرکوة، 'مسلم' کتاب الرکوة)

(۱) روایت کا مطلب دیکھنا اور جاننا ہے۔ یعنی تمہارے عملوں کو اللہ تعالیٰ ہی نہیں دیکھتا، بلکہ ان کا علم اللہ کے رسوں اور مومنوں کو بھی (بذریعہ وحی) ہو جاتا ہے۔ (یہ منافقین ہی کے ضمن میں کہا جا رہا ہے) اس مفہوم کی آیت پہلے بھی گزر چکی ہے۔ یہاں مومنین کا بھی اضافہ ہے جن کو اللہ کے رسول ﷺ کے بتلانے سے علم ہو جاتا ہے۔

(۲) جنگ تبوک میں پیچھے رہنے والے ایک تو منافق تھے، دوسرے وہ جو بلا عذر پیچھے رہ گئے تھے۔ اور اسوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تھا لیکن انہیں معافی عطا نہیں کی گئی تھی۔ اس آیت میں اسی گروہ کا ذکر ہے جن کے معاملے کو مؤخر کر دیا گیا تھا۔ (یہ تین افراد تھے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے)

(۳) اگر وہ اپنی غلطی پر مصر رہے۔

(۴) اگر وہ خالص توبہ کر لیں گے۔

(۵) اس میں منافقین کی ایک اور نہایت قبیح حرکت کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک مسجد بنائی۔ اور نبی ﷺ کو یہ باور

ہماری کچھ نیت نہیں اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔^(۱) (۱۰۷)

آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔^(۲) البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔^(۳) اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں۔^(۴) اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (۱۰۸)

پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے پر اور اللہ کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ

لَا تَعْرِفِيهِ أَبَدًا لَسَجْدًا أَسَسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ
أَحَقُّ أَنْ تَعْمُرَ فِيهِ وَفِيهِ رِجَالٌ يُجِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ
يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ②

أَحَقُّ أَنْ تَعْمُرَ فِيهِ أَعَلَى تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِجَالٍ خَيْرٌ
أَمْ مَنْ أَسَسَ بُنْيَانَهُ عَلَى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي

کرایا کہ بارش، سردی اور اس قسم کے موقعوں پر بیماروں اور کمزوروں کو زیادہ دور جانے میں وقت پیش آتی ہے۔ ان کی سہولت کے لیے ہم نے یہ مسجد بنائی ہے۔ آپ ﷺ وہاں چل کر نماز پڑھیں تاکہ ہمیں برکت حاصل ہو۔ آپ ﷺ اس وقت تبوک کے لیے پاہ رکاب تھے آپ ﷺ نے واپسی پر نماز پڑھنے کا وعدہ فرمایا۔ لیکن واپسی پر وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے اصل مقاصد کو بے نقاب کر دیا کہ اس سے وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانا، کفر پھیلانا، مسلمانوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرنا، اور اللہ اور رسول ﷺ کے دشمنوں کے لیے کمین گاہ مہیا کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فریب دینا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے کمزور فریب سے بچایا اور فرمایا کہ ان کی نیت صحیح نہیں اور یہ جو کچھ ظاہر کر رہے ہیں اس میں جھوٹے ہیں۔

(۲) یعنی آپ ﷺ نے وہاں جا کر نماز پڑھنے کا جو وعدہ فرمایا ہے اس کے مطابق وہاں جا کر نماز نہ پڑھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ وہاں نماز نہیں پڑھی بلکہ اپنے چند ساتھیوں کو بھیج کر وہ مسجد ڈھادی اور اسے ختم کر دیا۔ اس سے علما نے استدعا کیا ہے کہ جو مسجد اللہ کی عبادت کے بجائے مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے کی غرض سے بنائی جائے وہ مسجد ضار ہے اس کو ڈھادیا جائے تاکہ مسلمانوں میں تفریق و انتشار پیدا نہ ہو۔

(۳) اس سے مراد کون سی مسجد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے مسجد قبا اور بعض نے مسجد نبوی ﷺ قرار دیا ہے۔ سلف کی ایک ایک جماعت دونوں کی قائل رہی ہے امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آیت سے اگر مسجد قبا مراد ہے تو بعض احادیث میں مسجد نبوی کو ﴿أَسَسَ عَلَى التَّقْوَىٰ﴾ کا مصداق قرار دیا گیا ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں۔ اس لیے کہ اگر مسجد قبا کے اندر یہ صفت پائی جاتی ہے کہ اول یوم سے ہی اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے تو مسجد نبوی تو بطریق اولیٰ اس صفت کی حامل اور اس کی مصداق ہے۔

(۴) حدیث میں آتا ہے کہ اس سے مراد اہل قبا ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طہارت کی تعریف فرمائی ہے تم کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم ڈھیلے استعمال کرے کے ساتھ ساتھ پانی بھی استعمال

ثَارِجَهُمْ وَانَّهُ لَا يَقْبَلُ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

مخمس کہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھٹی کے کنارے پر جو کہ گرنے ہی کو ہو، رکھی ہو، پھر وہ اس کو لے کر آتش و دوزخ میں گر پڑے،^(۱) اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو سمجھ ہی نہیں دیتا۔ (۱۰۹)

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

ان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں شک کی بنیاد پر (کائنات بن کر) کھٹکتی رہے گی، ہاں مگر ان کے دل ہی اگر پاش پاش ہو جائیں^(۲) تو خیر اور اللہ تعالیٰ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ (۱۱۰)

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَمُوتُونَ وَ يُقَاتِلُونَ سَوْعَدًا عَلَيْهِ حَقَّ الْتُورَةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔^(۳) وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تو رات میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے،^(۴) تو تم لوگ اپنی

کرتے ہیں۔ (بحوالہ ابن کثیر) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ایسی قدیم مساجد میں نماز پڑھنا مستحب ہے جو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی غرض سے تعمیر کی گئی ہوں، نیز صالحین کی جماعت اور ایسے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے جو مکمل وضو کرنے اور طہارت و پاکیزگی کا صحیح صحیح اہتمام کرنے والے ہوں۔

(۱) اس میں مومن اور منافق کے عمل کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ مومن کا عمل اللہ کے تقویٰ پر اور اس کی رضا مندی کے لیے ہوتا ہے، جب کہ منافق کا عمل ریاکاری اور فساد پر مبنی ہوتا ہے، جو اس حصہ زمین کی طرح ہے جس کے نیچے سے وادی کا پانی گزرتا ہے اور مٹی کو ساتھ بھالے جاتا ہے۔ وہ حصہ نیچے سے کھوکھلا رہ جاتا ہے جس پر کوئی تعمیر کر لی جائے تو فوراً گر پڑے گی۔ ان منافقین کا مسجد بنانے کا عمل بھی ایسا ہی ہے جو انہیں جہنم میں ساتھ لے کرے گا۔

(۲) دل پاش پاش ہو جائیں، کا مطلب موت سے ہم کنار ہونا ہے۔ یعنی موت تک یہ عمارت ان کے دلوں میں مزید شک و نفاق پیدا کرنے کا ذریعہ بنی رہے گی، جس طرح کہ چھڑے کے پجاریوں میں چھڑے کی محبت رچ بس گئی تھی

(۳) یہ اللہ تعالیٰ کے ایک خاص فضل و کرم کا بیان ہے کہ اس نے مومنوں کو، ان کے جان و مال کے عوض، جو انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیے، جنت عطا فرمادی، جب کہ یہ جان و مال بھی اسی کا عطیہ ہے، پھر قیمت اور معاوضہ بھی جو عطا کیا یعنی جنت۔ وہ نہایت ہی بیش قیمت ہے۔

(۴) یہ اسی سودے کی تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سچا وعدہ پچھلی کتابوں میں بھی اور قرآن میں بھی کیا ہے اور اللہ سے

مَا تَسْتَبِينَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ①

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ
وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ
إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ②

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى
يُسَبِّحَ لَهُمْ مَا يَتْلُونَ إِنَّ اللَّهَ بَظُنِّى
عَلِيمٌ ③

رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے
بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔^(۱) (۵۴۳)

اور ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت
مانگنا وہ صرف وعدہ کے سبب سے تھا جو انہوں نے اس سے
وعدہ کر لیا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ اللہ کا
دشمن ہے تو وہ اس سے محض بے تعلق ہو گئے،^(۲) واقعی
ابراہیم (علیہ السلام) بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔^(۳) (۵۴۴)

اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت کر کے بعد میں
گمراہ کر دے جب تک کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ
بتلا دے جن سے وہ بچیں^(۴) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو

(۱) اس کی تفسیر صحیح بخاری میں اس طرح ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار ابوطالب کا آخری وقت آیا
تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے جبکہ ان کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ
ﷺ نے فرمایا ”بچا جان لا إله إلا الله پڑھ لیں“ تاکہ میں اللہ کے ہاں آپ کے لیے حجت پیش کر سکوں، ابو جہل اور
عبد اللہ بن ابی امیہ نے کہا ”اے ابوطالب کیا عبد المطلب کے مذہب سے انحراف کرو گے؟“ (یعنی مرتے وقت یہ کیا
کرنے لگے ہو؟ حتیٰ کہ اسی حال میں ان کا انتقال ہو گیا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف
سے مجھے روک نہیں دیا جائے گا“ میں آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں
مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر، سورۃ التوبۃ) اور
سورۃ قصص کی آیت ۵۶ ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ بھی اسی سلسلے میں نازل ہوئی۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کی اجازت طلب فرمائی، جس پر یہ آیت نازل ہوئی
(مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۵) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مشرک قوم کے لیے جو دعا فرمائی تھی اللَّهُمَّ اغْفِرْ
لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ”یا اللہ میری قوم بے علم ہے اس کی مغفرت فرما دے“ یہ آیت کے منافی نہیں ہے۔ اس
لیے کہ اس کا مطلب ان کے لیے ہدایت کی دعا ہے۔ یعنی وہ میرے مقام و مرتبہ سے نا آشنا ہے، اسے ہدایت سے نواز
دے تاکہ وہ مغفرت کی اہل ہو جائے۔ اور زندہ کفار و مشرکین کے لیے ہدایت کی دعا کرنی جائز ہے۔

(۲) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی جب یہ بات واضح ہو گئی کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے اور جنسی ہے تو انہوں
نے اس سے اظہارِ براءت کر دیا اور اس کے بعد مغفرت کی دعا نہیں کی۔

(۳) اور ابتدا میں باپ کے لیے مغفرت کی دعا بھی اپنے اسی مزاج کی نرمی اور علمی کی وجہ سے کی تھی۔

(۴) جب اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے حق میں مغفرت کی دعا کرنے سے روکا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو جنہوں نے ایسا کیا تھا،

خوب جانتا ہے۔ (۱۱۵)

بلاشبہ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں۔ وہی جلاتا اور مارتا ہے اور تمہارا اللہ کے سوانہ کوئی یار ہے اور نہ کوئی مددگار ہے۔ (۱۱۶)

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جسوں نے ایسی جنگی کے وقت پیغمبر کا ساتھ دیا،^(۱) اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا۔^(۲) پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت ہی شفیع مہربان ہے۔ (۱۱۷)

اور تین شخصوں کے حال پر بھی جن کا معاملہ متوی چھوڑ دیا گیا تھا۔^(۳) یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی

إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعْطِي وَيُمْسِكُ وَمَا لَهُ حِطٌّ مِنْ ذُنُوبِ الْفُلُوفِ قَبْلِي وَلَا تَنْصِيرُ ۝

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوا فِي سَاعَةِ الْمُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَاذَرْتُمْ قُلُوبَ قُرَيْشٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝

وَعَلِ الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلِفُوا نَحْنُ إِذَا ضَاغَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاغَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ

یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ ایسا کر کے انہوں نے گمراہی کا کام تو نہیں کیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب تک پہنچنے والے کاموں کی وضاحت نہیں فرماتا اس وقت تک اس پر مؤاخذہ بھی نہیں فرماتا نہ اسے گمراہی قرار دیتا ہے البتہ جب ان کاموں سے نہیں بچتا جن سے روکا جا چکا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دیتا ہے۔ اس لیے جن لوگوں نے اس حکم سے قبل اپنے فوت شدہ مشرک رشتے داروں کے لیے مغفرت کی دعائیں کی ہیں ان کا مؤاخذہ نہیں ہو گا کیونکہ انہیں مسئلے کا اس وقت علم ہی نہیں تھا۔

(۱) جنگ تبوک کے سفر کا وقت قرار دیا۔ اس لیے کہ ایک تو موسم سخت گرمی کا تھا۔ دوسرے فصلیں تیار تھیں۔ تیسرے سفر خاصا لمبا تھا اور چوتھے وسائل کی بھی کمی تھی۔ اسی لیے اسے «حَيْشُ الْمُسْرَةِ» (جنگی کا قافلہ یا لشکر) کہا جاتا ہے۔ توبہ کے لیے ضروری نہیں ہے کہ پہلے گناہ یا غلطی کا ارتکاب ہو۔ اس کے بغیر بھی رفع درجات اور غیر شعوری طور پر ہو جانے والی کوتاہیوں کے لیے توبہ ہوتی ہے۔ یہاں مہاجرین و انصار کے اس پہلے گروہ کی توبہ اسی مفہوم میں ہے جنہوں نے بلاتامل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم جہاد پر لبیک کہا۔

(۲) یہ اس دوسرے گروہ کا ذکر ہے جسے مذکورہ وجہ سے ابتداءً ۱۰۰ ہوا لیکن پھر جلد ہی وہ اس کیفیت سے نکل آیا اور بخوشی جہاد میں شریک ہوا۔ دلوں میں تزلزل سے مراد دین کے بارے میں کوئی تزلزل یا شبہ نہیں ہے بلکہ مذکورہ دنیاوی اسباب کی وجہ سے شریک جہاد ہونے میں جو تذبذب اور تردد تھا وہ مراد ہے۔

(۳) حَيْفُوا کا وہی مطلب ہے جو مُزْخَجُونَ کا ہے یعنی جن کا معاملہ مؤخر اور ملتوی ہو گیا تھا اور پچاس دن کے بعد انکی توبہ قبول ہوئی۔ یہ تین صحابہ تھے کعب بن مالک، مراد بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم۔ یہ تینوں نہایت مخلص

لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ
اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١١٥﴾

کے ان پر تنگ ہونے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے^(۱) اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی، بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی تاکہ وہ آئندہ بھی توبہ کر سکیں۔ ﴿۱۱۵﴾ بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا بڑا رحم والا ہے۔ (۱۱۸)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور بچو کے ساتھ رہو۔ ﴿۱۱۹﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتُونََا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿١١٩﴾

مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گرد و پیش ہیں ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ کو چھوڑ کر پیچھے رہ جائیں^(۲) اور نہ یہ کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز

نَا كَانَ لِأَقْبَلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ خَوَّلَهُمْ مِنَ الْأَنْغَارِ
أَنْ يَتَخَفَتُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ
نَفْسِهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ

مسلمان تھے۔ اس سے قبل ہر غزوے میں یہ شریک ہوتے رہے۔ اس غزوہ تبوک میں صرف تساہل شریک نہیں ہوئے۔ بعد میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ تو سوچا کہ ایک غلطی (پیچھے رہنے کی) تو ہو ہی گئی ہے۔ لیکن اب منافقین کی طرح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جھوٹا عذر پیش کرنے کی غلطی نہیں کریں گے۔ چنانچہ حاضر خدمت ہو کر اپنی غلطی کا صاف اعتراف کر لیا اور اس کی سزا کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ نبی ﷺ نے انکے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا کہ وہ انکے بارے میں کوئی حکم نازل فرمائے گا۔ تاہم اس دوران آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان تینوں افراد سے تعلق قائم رکھنے حتیٰ کہ بات چیت تک کرنے سے روک دیا۔ اور چالیس راتوں کے بعد انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اپنی بیویوں سے بھی دور رہیں چنانچہ بیویوں سے بھی جدائی عمل میں آگئی مزید دس دن گزرے تو توبہ قبول کر لی گئی اور مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (اس واقعے کی پوری تفصیل حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو 'صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوة تبوك' مسلم کتاب التوبة باب حديث توبه كعب بن مالك)

(۱) یہ ان ایام کی کیفیت کا بیان ہے جس سے سوشل بائیکاٹ کی وجہ سے انہیں گزرنا پڑا۔

(۲) یعنی پچاس دن کے بعد اللہ نے ان کی آہ و زاری اور توبہ قبول فرمائی۔

(۳) سچائی ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان تینوں صحابہ کی غلطی نہ صرف معاف فرمادی بلکہ ان کی توبہ کو قرآن بنا کر نازل فرما دیا رضی اللہ عنہم ورضوانہ۔ اس لیے مومنین کو حکم دیا گیا کہ اللہ سے ڈرو اور بچو کے ساتھ رہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے اندر تقویٰ (یعنی اللہ کا خوف) ہو گا وہ سچا بھی ہو گا اور جو جھوٹا ہو گا سمجھ لو کہ اس کا دل تقویٰ سے خالی ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ مومن سے کچھ اور کوتاہیوں کا صدور تو ہو سکتا ہے لیکن وہ جھوٹا نہیں ہوتا۔

(۴) جنگ تبوک میں شرکت کے لیے چونکہ عام منادی کر دی گئی تھی اس لیے معذورین، بوڑھے اور دیگر شرعی عذر

وَلَا عَصَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطْنُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ
الْكَفَّارَ وَلَا يَمْنَأُونَ مِنْ عَذَابِنَا إِلَّا الَّذِينَ لَكُمْ بِهِ
عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِلُّ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥﴾

سمجھیں^(۱) یہ اس سبب سے کہ^(۲) ان کو اللہ کی راہ میں
جو پیاس لگی اور جو تکان پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو
کسی ایسی جگہ چلے جو کفار کے لیے موجب غیظ ہوا ہو^(۳)
اور دشمنوں کی جو کچھ خبری^(۴) ان سب پر ان کے نام
(ایک ایک) نیک کام لکھا گیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ
مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (۱۳۰)

وَكَيْفَ يُعْطُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ
وَادِيًا إِلَّا كَتَبَ لَهُمْ بَخْسُهُمْ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا

اور جو کچھ چھوٹا بڑا انہوں نے خرچ کیا اور جتنے
میدان ان کو طے کرنے پڑے^(۵) یہ سب بھی ان

رکھنے والوں کے علاوہ سب کے لیے اس میں شرکت ضروری تھی لیکن پھر بھی جو مکان مدینہ یا اطراف مدینہ میں سے
اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی زبردستی کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے تھا۔

(۱) یعنی یہ بھی ان کے لیے زیبا نہیں کہ خود اپنی جانوں کا تحفظ کر لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے
تحفظ کا انہیں خیال نہ ہو۔ بلکہ انہیں رسول ﷺ کے ساتھ رہ کر اپنے سے زیادہ ان کے تحفظ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

(۲) ذیل سے پیچھے نہ رہنے کی علت بیان کی جا رہی ہے۔ یعنی انہیں اس لیے پیچھے نہیں رہنا چاہیے کہ اللہ کی راہ میں
انہیں جو پیاس، تھکاوٹ، بھوک پہنچے گی یا ایسے اقدامات جن سے کافروں کے غیظ و غضب میں اضافہ ہو گا اسی طرح
دشمنوں کے آدمیوں کو قتل یا ان کو قیدی بناؤ گے۔ یہ سب کے سب کام عمل صالح لکھے جائیں گے یعنی عمل صالح صرف
یہی نہیں ہے کہ آدمی مسجد میں یا کسی ایک گوشے میں بیٹھ کر نوافل، عبادت، ذکر الہی وغیرہ کرے بلکہ جہاد میں پیش آنے
والی ہر تکلیف اور پریشانی حتیٰ کہ وہ کاروائیاں بھی جن سے دشمن کے دلوں میں خوف پیدا ہو یا غیظ بھڑکے ان میں سے
ہر ایک چیز اللہ کے ہاں عمل صالح لکھی جائے گی۔ اس لیے محض شوق عبادت میں بھی جہاد سے گریز صحیح نہیں چاہیے
بغیر عذر کے ہی آدمی جہاد سے جی چرائے؟

(۳) اس سے مراد پیادہ یا گھوڑوں وغیرہ پر سوار ہو کر ایسے علاقوں سے گزرنا ہے کہ ان کے قدموں کی چاپوں اور
گھوڑوں کی ٹاپوں سے دشمن کے دلوں پر لرزہ طاری ہو جائے اور ان کی آتش غیظ بھڑک اٹھے۔

(۴) ﴿وَلَا يَمْنَأُونَ مِنْ عَذَابِنَا﴾ (التوبة: ۲۰) دشمن سے کوئی چیز لیتے ہیں یا ان کی خبر لیتے ہیں سے مراد ان کے آدمیوں
کو قتل یا قیدی کرتے ہیں یا انہیں شکست سے دوچار کرتے اور مال غنیمت حاصل کرتے ہیں۔

(۵) پہاڑوں کے درمیان کے میدان اور پانی کی گزرگاہ کو وادی کہتے ہیں۔ مراد یہاں مطلق وادیاں اور علاقے ہیں۔ یعنی اللہ کی
راہ میں تھوڑا یا زیادہ جتنا بھی خرچ کرو گے اسی طرح جتنے بھی میدان یا علاقے طے کرو گے (یعنی جہاد میں تھوڑا یا زیادہ سفر کرو
گے) یہ سب نیکیاں تمہارے نامہ اعمال میں درج ہوں گی جن پر اللہ تعالیٰ اچھا سا اچھا بدلہ عطا فرمائے گا

يَعْتَذِرُونَ ﴿۱۱﴾

کے نام لکھا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کا انجھے سے اچھا بدلہ دے۔ (۱۳۱)

اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس آئیں، ڈرائیں تاکہ وہ ڈر جائیں۔^(۱۱) (۱۳۲)

اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں^(۱۲) اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۱﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ

(۱) بعض مفسرین کے نزدیک اس کا تعلق بھی حکم جہاد سے ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ پچھل آیات میں جب پیچھے رہنے والوں کے لیے سخت وعید اور زجر و توبیخ بیان کی گئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے محتاط ہو گئے اور جب بھی جہاد کا مرحلہ آتا تو سب کے سب اس میں شریک ہونے کی کوشش کرتے۔ آیت میں انہیں حکم دیا گیا کہ ہر جہاد اس نوعیت کا نہیں ہو تاکہ جس میں ہر شخص کی شرکت ضروری ہو (جیسا کہ جو کہ میں ضروری تھا) بلکہ ایک گروہ کی ہی شرکت کافی ہے۔ ان کے نزدیک لِيَتَفَقَّهُوا کا مطلب پیچھے رہ جانے والا طائفہ ہے۔ یعنی ایک گروہ جہاد پر چلا جائے وَتَنفِقُوا طَائِفَةٌ (یہ محذوف ہو گا) اور ایک گروہ پیچھے رہے جو دین کا علم حاصل کرے اور جب مجاہدین واپس آئیں تو انہیں بھی احکام دین سے آگاہ کر کے انہیں ڈرائیں۔ دوسری تفسیر اس کی یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق جہاد سے نہیں ہے بلکہ اس میں علم دین سیکھنے کی اہمیت کا بیان اس کی ترغیب اور طریقہ کی وضاحت ہے اور وہ یہ کہ ہر بڑی جماعت یا قبیلے میں سے کچھ لوگ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اپنا گھریا چھوڑیں اور مدارس و مراکز علم میں جا کر اسے حاصل کریں اور پھر آکر اپنی قوم میں وعظ و نصیحت کریں۔ دین میں متفقہ حاصل کرنے کا مطلب اوامر و نواہی کا علم حاصل کرنا ہے تاکہ اوامر النہی کو بجا رکھے اور نواہی سے دامن کشاں رہے اور اپنی قوم کے اندر بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے۔

(۲) اس میں کافروں سے لڑنے کا ایک اہم اصول بیان کیا گیا ہے کہ الْأَوَّلُ فَلَاوُلُّ اور الْأَخِيرُ فَلَاخِيرُ کے مطابق کافروں سے جہاد کرنا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے جزیرہ عرب میں آباد مشرکین سے قتال کیا جب ان سے فارغ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے کہ طائف، یمن، یمامہ، ہجر، خیبر، حضرموت وغیرہ اقالیم پر مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمادیا اور عرب کے سارے قبائل فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے تو پھر اہل کتاب سے قتال کا آغاز فرمادیا اور ہجری میں رومیوں سے قتال کے لیے تیوک تشریف لے گئے جو جزیرہ عرب سے قریب ہے۔ اسی کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفائے راشدین نے روم کے عیسائیوں سے قتال فرمایا اور ایران کے مجوسیوں سے جنگ کی۔

الْمُتَّعِينَ ۝

چاہیے۔^(۱) اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔ (۱۳۳)

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کیا ہے؟^(۲) سو جو لوگ ایمان والے ہیں اس سورت نے ان کے ایمان کو زیادہ کیا ہے اور وہ خوش ہو رہے ہیں۔^(۳) (۱۳۴)

اور جن کے دلوں میں روگ ہے اس سورت نے ان میں ان کی گندگی کے ساتھ اور گندگی بڑھا دی اور وہ حالت کفر ہی میں مر گئے۔^(۴) (۱۳۵)

وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَّن يَقُولُ أَيْنَ لَهُمْ
زَادَتْهُمْ هِذَا إِيمَانًا فَمَا الَّذِينَ آمَنُوا فَرَادَتْهُمْ
إِيمَانًا وَمَنْ يَسْتَفْهِرُونَ ۝

وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا
إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَا تَوَدَّاهُمْ كُفْرًا ۝

(۱) یعنی کافروں کے لیے 'مسلمانوں کے دلوں میں نرمی نہیں سختی ہونی چاہیے جیسا کہ ﴿أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رَحِيمًا بِنِعْمَتِهِمْ﴾ (الفصح ۴۱) صحابہ کی صفت بیان کی گئی۔ اسی طرح ﴿وَأُولَٰئِكَ عَلَى الْكُفْرِ يُرِيدُونَ﴾ (المائدہ ۵۳) اہل ایمان کی صفت ہے۔

(۲) اس سورت میں منافقین کے کردار کی جو نقاب کشائی کی گئی ہے یہ آیات اس کا بقید اور تہہ ہیں۔ اس میں بتلایا جا رہا ہے کہ جب ان کی غیر موجودگی میں کوئی سورت یا اس کا کوئی حصہ نازل ہوتا اور ان کے علم میں بات آتی تو وہ استہزا اور مذاق کے طور پر آپس میں ایک دوسرے سے کہتے کہ اس سے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ ہو رہا ہے؟

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا 'جو بھی سورت اترتی ہے اس سے اہل ایمان کے ایمان میں ضرور اضافہ ہوتا ہے اور وہ اپنے ایمان کے اضافے پر خوش ہوتے ہیں۔ یہ آیت بھی اس بات پر دلیل ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے جس طرح کہ محدثین کا مسلک ہے۔

(۴) روگ سے مراد نفاق اور آیات الہی کے بارے میں شکوک و شبہات ہیں۔ فرمایا: البتہ یہ سورت منافقین کو ان کے نفاق اور خبث میں اور بڑھاتی ہے اور وہ اپنے کفر و نفاق میں اس طرح پختہ تر ہو جاتے ہیں کہ انہیں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی اور کفر ہی ان کا خاتمہ ہوتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا کہ "ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لیے شفا اور رحمت ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان سے ظالموں کے خسارے میں اضافہ ہی فرماتا ہے" (بنی اسرائیل ۸۲) یہ گویا ان کی بد بختی کی انتہا ہے کہ جس سے لوگوں کے دل ہدایت پاتے ہیں۔ وہی باتیں ان کی مصلحت و ہدایت کا باعث ثابت ہوتی ہیں جس طرح کسی شخص کا مزاج اور معدہ بگڑ جائے تو وہی غذا اُس 'جن سے روگ قوت اور لذت حاصل کرتے ہیں' اس کی بیماری میں مزید بگاڑ اور خرابی کا باعث بنتی ہیں۔

اور کیا ان کو نہیں دکھائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں^(۱) پھر بھی نہ توبہ کرتے اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔ (۱۳۶)

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک دو سرے کو دیکھنے لگتے ہیں کہ تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں پھر چل دیتے ہیں^(۲) اللہ تعالیٰ نے ان کا دل پھیر دیا ہے اس وجہ سے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں۔^(۳) (۱۳۷)

تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں^(۴) جن کو تمہاری معصرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے^(۵) جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں^(۶) ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی

أَوَلَا يَسْرُونَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي ظُلْمٍ عَظِيمٍ ۖ أَوَلَا يَسْتَوُونَ لَمْ يَلْبِسُوا إِلَهُهُمْ صُورَةً ۖ وَلَا هُمْ يَذْكُرُونَ ۝

وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ لَّفَرُّعُضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضِ أَهْلِهَا يَقُولُ بَيْنَ يَدَيْهِمْ قَوْلٌ مِّنْ آيَاتِنَا يَقُولُ لَا يَحْزَنُونَ ۖ وَلَا يَسْتَوُونَ ۖ لَمَّا لَبِثُوا فِي غُرُوبٍ مِّنْهُ ۖ لَئِنْ لَّمْ يَرْجِعُوا إِلَىٰ آيَاتِنَا أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ ۖ

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ يَأْتِيهِمْ بَيِّنَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأَوَّلُكُمْ تَبَعُهُ ۖ

(۱) يُفْتَنُونَ کے معنی ہیں۔ آزمائے جاتے ہیں۔ آفت سے مراد یا تو آسانی آفات ہیں مثلاً قحط سالی وغیرہ (مگر یہ بعید ہے) یا جسمانی بیماریاں اور تکالیف ہیں یا غزوات ہیں جن میں شرکت کے موقع پر ان کی آزمائش ہوتی تھی۔ سبق کلام کے اعتبار سے یہ مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

(۲) یعنی ان کی موجودگی میں سورت نازل ہوتی جس میں منافقین کی شرارتوں اور سازشوں کی طرف اشارہ ہوتا تو پھر یہ دیکھ کر کہ مسلمان انہیں دیکھ تو نہیں رہے خاموشی سے کھسک جاتے۔

(۳) یعنی آیت الہی میں غور و تدبر نہ کرنے کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں کو خیر اور ہدایت سے پھیر دیا ہے۔

(۴) سورت کے آخر میں مسلمانوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں جو احسان عظیم فرمایا گیا اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ آپ ﷺ کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ تمہاری جنس سے یعنی جنس بشریت سے ہیں (وہ نور یا کچھ اور نہیں) جیسا کہ فساد عقیدہ کے شکار لوگ عوام کو اس قسم کے گورکھ دھندے میں پھنساتے ہیں۔

(۵) عَنْتُ ایسی چیزیں جن سے انسان کو تکلیف ہو اس میں دنیاوی مشقتیں اور اخروی عذاب دونوں آجاتے ہیں اس پیغمبر پر تمہاری ہر قسم کی تکلیف و مشقت گراں گزرتی ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں آسمان دین حنیفی دے کر بھیجا گیا ہوں“ (مسند احمد - جلد ۵ - ص ۲۶۱ - جلد ۶ ص ۲۳۳) ایک اور حدیث میں فرمایا۔ إِنَّ هَذَا الَّذِي يُسْرُو بِي شَكٌّ فِي دِينِ آسَانَ هِيَ - (صحيح بخاری - کتاب الإیمان)

(۶) تمہاری ہدایت اور تمہاری دنیوی و اخروی منفعت کے خواہش مند ہیں۔ اور تمہارا جہنم میں جانا پسند نہیں فرماتے اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں تمہیں تمہاری پشتوں سے پکڑ پکڑ کر کھینچتا ہوں لیکن تم مجھ سے دامن چھڑا کر زبردستی نار جہنم میں داخل ہوتے ہو۔“ (صحيح بخاری - کتاب الرقاق باب نمبر ۱۳۶) (الانتہاء من المعاصی)

فَلَنْ تَوَلَّوْا قُلُوبَكُمْ حِينَئِذٍ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، عَلَيْهِ
تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝

شفیق اور مہربان ہیں۔^(۱) (۱۳۸)

پھر اگر روگردانی کریں^(۲) تو آپ کہہ دیجئے کہ میرے
لیے اللہ کافی ہے،^(۳) اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔
میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا
مالک ہے۔^(۴) (۱۳۹)

يُونُسُ يُونُسُ

سورہ یونس کی ہے اور اس کی ایک سو نو آیتیں ہیں اور
گیارہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

شروع کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت
مہربان بڑا رحم والا ہے۔

الْوَسْطَىٰ آيَةُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۝

الر۔ یہ پر حکمت کتاب کی آیتیں ہیں۔^(۵) (۱)
کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب^(۶) ہوا کہ ہم نے ان

أَكَانَ يَدْنًا لِّسَ بَعْبًا لِّأَنْ أَوْسَمًا إِلَىٰ رَجُلٍ مِنْهُمْ أَنْ لَّنْزِلَ الشَّامِ

(۱)۔ یہ آپ کی جو تھی صفت بیان کی گئی ہے۔ یہ ساری خوبیاں آپ کے اعلیٰ اخلاق اور کریمانہ صفات کی مظہر ہیں۔ یقیناً
آپ ﷺ صاحب عبق عظیم ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔
(۲) یعنی آپ کی لائی ہوئی شریعت اور دین رحمت سے۔
(۳) جو کفر و اعراض کرنے والوں کے مکروکید سے مجھے بچالے گا۔

(۴) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ آیت حَسْبِيَ اللَّهُ (الآیۃ) صبح اور شام سات سات مرتبہ پڑھ لے
گا، اللہ تعالیٰ اس کے ہجوم (فکر و مشکلات) کو کافی ہو جائے گا۔ (سنن ابی داود۔ نمبر ۱۵۰۸)
☆ یہ سورت مکی ہے۔ البتہ اس کی دو آیات اور بعض نے تین آیات کو مدنی قرار دیا ہے۔ (فتح القدیر)

(۵) الْحَكِيمُ کتاب جنی قرآن مجید کی صفت ہے۔ اس کے ایک تو وہی معنی ہیں جو ترجمے میں اختیار کیے گئے ہیں۔ اس
کے اور بھی کئی معنی کئے گئے ہیں۔ مثلاً الْمُحْكَمُ یعنی حلال و حرام اور حدود و احکام میں محکم (مضبوط) ہے۔ حکیم بمعنی
حاکم۔ یعنی اختلافات میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے والی کتاب (البقرۃ۔ ۲۳) حکیم بمعنی محکوم فیہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے
اس میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کیے ہیں۔

(۶) استغماہ انکار تعجب کے لیے ہے، جس میں توبیخ کا پہلو بھی شامل ہے۔ یعنی اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ
تعالیٰ نے انسانوں میں سے ہی ایک آدمی کو وحی و رسالت کے لیے چن لیا، کیونکہ ان کے ہم جنس ہونے کی وجہ سے وہ
صحیح معنوں میں ان کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ اگر وہ کسی اور جنس سے ہوتا تو فرشتہ یا جن ہوتا، اور دونوں ہی صورتوں میں

وَكَيْفَ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَهُمْ قَدَمٌ صَدَقَ عَنْ رَبِّهِمْ قَالَ
لَكَرُودَ أَنْ هَذَا لَنَجْرُهُمْ ①

إِنْ رَبُّكُمْ لَهُ الْكِبَرُ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ
ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأُمُورَ مَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا مَعِنَا
بَعْدَ إِذْنِهِ ذَلِكَ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ②

میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ سب
آدمیوں کو ڈرایئے اور جو ایمان لے آئے ان کو یہ
خوشخبری سنائیے کہ ان کے رب کے پاس ان کو پورا اجر و
مرتبہ^(۱) ملے گا۔ کافروں نے کہا کہ یہ شخص تو بلاشبہ صریح
جادوگر ہے۔^(۲)

بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین
کو چھ روز میں پیدا کر دیا پھر عرش پر قائم ہوا^(۳) وہ ہر کام
کی تدبیر کرتا ہے۔^(۴) اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس
کے پاس سفارش کرنے والا نہیں^(۵) ایسا اللہ تمہارا رب
ہے سو تم اس کی عبادت کرو،^(۶) کیا تم پھر بھی نصیحت
نہیں سیکھتے۔^(۷)

رسالت کا اصل مقصد فوت ہو جاتا اس لیے کہ انسان اس سے مانوس ہونے کے بجائے وحشت محسوس کرتے۔
دوسرے ان کے لیے اس کو دیکھنا بھی ممکن نہ ہوتا۔ اور اگر ہم کسی جن یا فرشتے کو انسانی قالب میں بھیجتے تو پھر وہی
اعتراض آتا کہ یہ تو ہماری طرح کا ہی انسان ہے۔ اس لیے ان کے اس تعجب میں کوئی معقولیت نہیں ہے۔
(۱) ﴿قَدَمٌ صَدَقَ﴾ کا مطلب 'بلند مرتبہ' اجر حسن اور وہ اعمال صالحہ ہیں جو ایک مومن آگے بھیجتا ہے۔
(۲) کافروں کو جب انکار کے لیے کوئی اور بات نہیں سوجھتی تو یہ کہہ کر جھٹکارا حاصل کر لیتے کہ یہ تو جادوگر ہے۔ نعوذ باللہ۔
(۳) اس کی وضاحت کے لیے دیکھئے سورۃ اعراف آیت ۵۴ کا حاشیہ۔

(۴) یعنی آسمان و زمین کی تخلیق کر کے اس نے ان کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ساری کائنات کا نظم و تدبیر وہ اس
طرح کر رہا ہے کہ کبھی کسی کا آپس میں تصادم نہیں ہوا ہر چیز اس کے حکم پر اپنے اپنے کام میں مصروف ہے
(۵) مشرکین و کفار جو اصل مخاطب تھے ان کا عقیدہ تھا کہ یہ بت جن کی وہ عبادت کرتے تھے اللہ کے ہاں ان کی
شفاعت کریں گے اور ان کو اللہ کے عذاب سے چھڑوائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہاں اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کو
سفارش کرنے کی اجازت ہی نہیں ہوگی۔ اور یہ اجازت بھی صرف انہی لوگوں کے لیے ہوگی جن کے لیے اللہ تعالیٰ پسند
فرمائے گا ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْضَاهُ﴾ (الأنبياء: ۲۸) ﴿لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ لَوْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرَهُ وَطَعْنُوا فِي عَصَاهُ﴾ (الحج: ۲۶)

(۶) یعنی ایسا اللہ جو کائنات کا خالق بھی ہے اور اس کا مدبر و منتظم بھی علاوہ ازیں تمام اختیارات کا بھی کلی طور پر وہی
مالک ہے وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا أَنَّهُ يَبْدُو الْفَلَاقَ ثُمَّ
يُبِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْغِنَى
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا
يَكْفُرُونَ ⑤

تم سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے، اللہ نے سچا وعدہ کر رکھا ہے۔ بیشک وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا تاکہ ایسے لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے انصاف کے ساتھ جزا دے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے واسطے کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور دردناک عذاب ہو گا ان کے کفر کی وجہ سے۔^(۱) (۳)

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ
لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ
يُقِصُّ لَآيَاتِ يَقُولُ يَوْمَ يُعْلَمُونَ ⑥

وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا^(۲) اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔^(۳) اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں۔ وہ یہ دلائل ان کو صاف صاف بتا رہا ہے جو دانش رکھتے ہیں۔ (۵)

(۱) اس آیت میں قیامت کے وقوع، بارگاہ الہی میں سب کی حاضری، اور جزا و سزا کا بیان ہے۔ یہ مضمون قرآن کریم میں مختلف اسلوب سے متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔

(۲) ضِيَاءٌ ضَوْءٌ کے ہم معنی ہے۔ مضاف یہاں محذوف ہے دَاتٌ ضِيَاءٍ وَالْقَمَرَ دَا نُورٍ سورج کو چمکنے والا اور چاند کو نور والا بنایا۔ یا پھر انہیں مبالغے پر محمول کیا جائے گویا کہ یہ بذات خود ضیا اور نور ہیں۔ آسمان و زمین کی تخلیق اور ان کی تدبیر کے ذکر کے بعد بطور مثال کچھ اور چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کا تعلق تدبیر کائنات سے ہے، جس میں سورج اور چاند کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ سورج کی حرارت و تپش اور اس کی روشنی کس قدر ناگزیر ہے اس سے ہر بشور آدمی واقف ہے۔ اسی طرح چاند کی نورانیت کا جو لطف اور اس کے فوائد ہیں، وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ حکم کا خیال ہے کہ سورج کی روشنی بالذات ہے اور چاند کی نورانیت بالعرض ہے جو سورج کی روشنی سے مستفاد ہے (فتح القدیر) واللہ اعلم بالصواب۔

(۳) یعنی ہم نے چاند کی چال کی منزلیں مقرر کر دی ہیں ان منزلوں سے مراد وہ مسافت ہے جو وہ ایک رات اور ایک دن میں اپنی مخصوص حرکت یا چال کے ساتھ طے کرتا ہے۔ یہ ۲۸ منزلیں ہیں۔ ہر رات کو ایک منزل پر پہنچتا ہے جس میں کبھی خطا نہیں ہوتی۔ پہلی منزلوں میں وہ چھوٹا اور باریک نظر آتا ہے، پھر بتدریج بڑا ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ چودھویں شب یا چودھویں منزل پر وہ مکمل (بدر کمال) ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ سکڑتا اور باریک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ آخر میں ایک یا دو راتیں چھپا رہتا ہے۔ اور پھر ہلال بن کر طلوع ہو جاتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم برسوں کی گنتی

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ①

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُرْجُونَ لِقَاءَ تَابٍ وَرَضُوا بِأَحْيَاةِ الدُّنْيَا
وَأَطَاعُوا أَوْثَارَهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ②

أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ لِمَا نَنْتَهِزُ بِهَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ③

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِي اللَّهُ رَبُّهُم
بِأَمْرٍ لَهُمْ فَعَنَّا مِنْ قَبْلِهِمُ الْأَنْفُسُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ④

دَعْوُهُمْ فِيهَا يُسَبِّحُكَ اللَّهُمَّ وَنَحْنُ نَسْتَعِينُكَ فِيهَا سَلَامٌ وَأَنْفُسُ

بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور
اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان
سب میں ان لوگوں کے واسطے دلائل ہیں جو اللہ کا ذکر
رکھتے ہیں۔ (۶)

جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں ہے اور وہ
دنوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں
اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔ (۷)

ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کی وجہ سے
دورِ رخ ہے۔ (۸)

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان
کا رب ان کو ان کے ایمان کے سبب ان کے مقصد تک
پہنچا دے گا^(۱) نعمت کے باغوں میں جن کے نیچے نہریں
جاری ہوں گی۔ (۹)

ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی ”سبحان اللہ“^(۲) اور ان کا

اور حسب معلوم کر سکو۔ یعنی چاند کی ان منازل اور رفتار سے ہی سینے اور سال بنتے ہیں جن سے تمہیں ہر چیز کا حساب
کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ یعنی سال ۱۲ مہینے کا، مہینہ ۲۹، ۳۰ دن کا۔ ایک دن ۲۴ گھنٹے یعنی رات اور دن کا۔ جو ایام استوا
میں ۱۲، ۱۲ گھنٹے اور سردی گرمی میں کم و بیش ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں دنیوی منافع اور کاروبار ہی ان منازلِ قمر سے وابستہ
نہیں۔ دینی منافع بھی اس سے حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طلوعِ ہلال سے حج، صیام، رمضان، اشہر حرم اور دیگر عبادات کی
تعیین ہوتی ہے جن کا اہتمام ایک مومن کرتا ہے۔

(۱) اس کے ایک دوسرے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ دنیا میں ایمان کے سبب قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان کے لیے پل
صراط سے گزرنا آسان فرما دے گا، اس صورت میں یہ ”با“ بیست کے لیے ہے۔ بعض کے نزدیک یہ استعانت کے لیے
ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ان کے لیے ایک نور مہیا فرمائے گا جس کی روشنی میں وہ چلیں
گے، جیسا کہ سورۃ حدید میں اس کا ذکر آتا ہے۔

(۲) یعنی اہل جنت، اللہ کی حمد و تسبیح میں ہر وقت رطب اللسان رہیں گے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ”اہل جنت
کی زبانوں پر تسبیح و تحمید کا اس طرح الہام ہو گا جس طرح سانس کا الہام کیا جاتا ہے“ (صحیح مسلم، کتاب الحجة
وصفة نعيمها، باب فی صفات الجنة وأهلها ونسبهم فیها بکرة وعشیا) یعنی جس طرح بے اختیار
سانس کی آمد و رفت رہتی ہے، اسی طرح اہل جنت کی زبانوں پر بغیر اہتمام کے حمد و تسبیح الہی کے ترانے رہیں گے۔

دَعَوْهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾

وَلَوْ يَعْلَمُ اللَّهُ لِسَانَ الشَّارِطَةِ لَعَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقَضَىٰ إِلَهُهُمْ أَجَلَهُمْ فَتَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَ تَالِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١﴾

وَلَا أَمْسَ الْإِنْسَانَ الظُّرْدَعَانَا لِحَبِيبِهِ أَوْ قَاعًا أَوْ قَالِمًا ۖ فَلَمَّا كَفَتْنَا عَنْهُ حُزْرَهُ مَرَّكَانَ كَرِهْنَا إِلَىٰ ضَرْبِ مَسَّةٍ كَذَلِكَ يُؤَيِّنُ لِلْمُشْرِكِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢﴾

یا اہی سلام یہ ہو گا "اسلام علیکم" (۱) اور ان کی خیر بات یہ ہو گی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہان کا رب ہے۔ (۱۰)

اور اگر اللہ لوگوں پر جلدی سے نقصان واقع کر دیا کرتا جس طرح وہ فائدہ کے لیے جلدی مچاتے ہیں تو ان کا وعدہ کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا۔ (۱۱) سو ہم ان لوگوں کو جن کو ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں ہے ان کے حال پر چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔ (۱۲)

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے لینے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے اپنی تکلیف کے لیے جو اسے پہنچی تھی کبھی ہمیں

(۱) یعنی ایک دوسرے کو اس طرح سلام کریں گے، نیز فرشتے بھی انہیں سلام عرض کریں گے۔

(۲) اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح انسان خیر کے طلب کرنے میں جلدی کرتا ہے، اسی طرح وہ شر (عذاب) کے طلب کرنے میں بھی جلدی مچاتا ہے، اللہ کے پیغمبروں سے کہتا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لے کر آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ان کے اس مطالبے کے مطابق ہم جلدی عذاب بھیج دیتے تو کبھی کے یہ موت اور ہلاکت سے دوچار ہو چکے ہوتے۔ لیکن ہم مہلت دے کر انہیں پورا موقع دیتے ہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ جس طرح انسان اپنے لیے خیر اور بھلائی کی دعائیں مانگتا ہے جنہیں ہم قبول کرتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان غصے یا تنگی میں ہوتا ہے تو اپنے لیے اور اپنی اولاد وغیرہ کے لیے بددعائیں کرتا ہے، جنہیں ہم اس لیے نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ زبان سے تو ہلاکت مانگ رہا ہے، مگر اس کے دل میں ایسا ارادہ نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم انسانوں کی بددعاؤں کے مطابق انہیں فوراً ہلاکت سے دوچار کرنا شروع کر دیں، تو پھر جلد ہی یہ لوگ موت اور تباہی سے ہمتا کر ہو جایا کریں اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ "تم اپنے لیے، اپنی اولاد کے لیے اور اپنے مال و کاروبار کے لیے بددعائیں مت کیا کرو، کیس ایسا نہ ہو کہ تمہاری بددعائیں، اس گھڑی کو پالیں، جس میں اللہ کی طرف سے دعائیں قبول کی جاتی ہیں، پس وہ تمہاری بددعائیں قبول فرما لے۔" (مسند ابی داؤد، کتاب الوتر، باب الہی عن أن يدعو الإنسان على أهله وماله

ومسلم، کتاب الرہد، فی حدیث جابر الطویل)

پکارا ہی نہ تھا^(۱) ان حد سے گزرنے والوں کے اعمال کو ان کے لیے اسی طرح خوشنما بنا دیا گیا ہے۔^(۲) (۱۲)

اور ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر بھی دلائل لے کر آئے اور وہ ایسے کب تھے کہ ایمان لے آتے؟ ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔^(۳) (۱۳)

پھر ان کے بعد ہم نے دنیا میں بجائے ان کے تم کو جانٹیں کیا^(۴) تاکہ ہم دیکھ لیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو۔ (۱۴)

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں^(۵) جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی

وَلَعَدُّ أَمَلُنَا الْفُرُونَ مِنْ قَبْلِكُمْ لِنَظْلُمُوا وَجَعَلْنَاهُمْ
رُسُلَهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كُنَّا إِلَهُ يَوْمُنَا كَذَلِكَ يَجْزِي
الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٥﴾

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ
تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

وَلَقَدْ أَشْخَلَّ عَلَيْهِمْ إِذَا ثُنَّا بَكِنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَمْ يَرْجُوا
لِقَاءَنَا تَأْوِيلًا يَوْمَئِذٍ إِنَّ غَيْرَ هَذَا أَوْ بَدَلَ لَهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي
أَنْ أَدْعُو لَهُمْ وَلَوْ كُنْتُ غَافِلًا مِمَّا يَدْعُونَ إِلَىٰ

(۱) یہ انسان کی اس حالت کا تذکرہ ہے جو انسانوں کی اکثریت کا شیوہ ہے۔ بلکہ بہت سے اللہ کے ماننے والے بھی اس کو تابی کا عام ارتکاب کرتے ہیں کہ مصیبت کے وقت تو خوب اللہ اللہ ہو رہا ہے دعائیں کی جا رہی ہیں توبہ و استغفار کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ مصیبت کا وہ کڑا وقت نکال دیتا ہے تو پھر بارگاہ الہی میں دعا و تضرع سے بھی غافل ہو جاتے ہیں اور اللہ نے ان کی دعائیں قبول کر کے انہیں جس ابتلا اور مصیبت سے نجات دی اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کی بھی توفیق انہیں نصیب نہیں ہوتی۔

(۲) یہ ترکین عمل بطور آزمائش اور صلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے دوسروں کے ذریعے سے شیطان کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے اور انسان کے اس نفس کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے جو انسان کو برائی پر آمادہ کرتا ہے ﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ﴾ (یوسف ۵۳) تاہم اس کا شکار ہوتے وہی لوگ ہیں جو حد سے گزر جانے والے ہیں۔ یہاں معنی یہ ہوئے کہ ان کے لیے دعا سے اعراض شکر الہی سے غفلت اور شہوات و خواہشات کے ساتھ اشتغال کو مزین کر دیا گیا ہے۔ (فتح القدیر)

(۳) یہ کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ گزشتہ امتوں کی طرح تم بھی ہلاکت سے دوچار ہو سکتے ہو۔

(۴) خدا نف خفیہ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں گزشتہ امتوں کا جانٹیں۔ یا ایک دوسرے کا جانٹیں

(۵) یعنی جو اللہ تعالیٰ کی الوہیت و وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔

إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ①

دوسرا قرآن لائیے ^(۱) یا اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے۔
آپ (ﷺ) یوں کہہ دیجئے کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں
اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں ^(۲) بس میں تو اسی کا
اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے پہنچا ہے
اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن
کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ ^(۳) (۱۵)

قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُمْ عَلَيْهِمْ قُرْآنًا وَلَا أَذِّنُكُمْ بِهَا فَقَدْ
لَكُمُ فِيهَا غَمْرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ②

آپ یوں کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو نہ تو میں تم کو
وہ پڑھ کر سنا تا اور نہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی اطلاع دیتا ^(۴)
کیونکہ میں اس سے پہلے تو ایک بڑے حصہ عمر تک تم میں
رہ چکا ہوں۔ پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ ^(۵) (۱۶)

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ
إِنَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الضَّالِّينَ ③

سو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ
باندھے یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتلائے یقیناً ایسے مجرموں
کو اصلاً فلاح نہ ہوگی۔ (۱۷)

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ

اور یہ لوگ اللہ کے سوا ^(۶) ایسی چیزوں کی عبادت

(۱) مطلب یہ ہے کہ یا تو اس قرآن مجید کی جگہ قرآن ہی دو سرالائیں یا پھر اس میں ہماری حسب خواہش تبدیلی کر دیں۔

(۲) یعنی مجھ سے دونوں باتیں ممکن نہیں میرے اختیار میں ہی نہیں۔

(۳) یہ اس کی مزید تاکید ہے۔ میں تو صرف اسی بات کا پیرو ہوں جو اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل ہوتی ہے۔ اس میں کسی
کی بیشی کا میں ارتکاب کروں گا تو یوم عظیم کے عذاب سے میں محفوظ نہیں رہ سکتا۔

(۴) یعنی سارا معاملہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہ چاہتا تو میں نہ تمہیں پڑھ کر سنا تا نہ تمہیں اس کی کوئی اطلاع ہی
ہوتی۔ بعض نے اَدْرَاكُمْ بِہ کے معنی کیے ہیں اَعْلَمَكُمْ بِہ عَلٰی لِسَانِہ کہ وہ تم کو میری زبانی اس قرآن کی بابت کچھ
د بتلاتا۔

(۵) اور تم بھی جانتے ہو کہ دعوائے نبوت سے قبل چالیس سال میں نے تمہارے اندر گزارے ہیں۔ کیا میں نے کسی
استاذ سے کچھ سیکھا ہے؟ اسی طرح تم میری امانت و صداقت کے بھی قائل رہے ہو۔ کیا اب یہ ممکن ہے کہ میں اللہ پر
افترا باندھنا شروع کر دوں؟ مطلب ان دونوں باتوں کا یہ ہے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے نہ میں نے کسی سے سن
یا سیکھ کر اسے بیان کیا ہے اور نہ یوں ہی جھوٹ موٹ اسے اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

(۶) یعنی اللہ کی عبادت سے تجاوز کر کے نہ کہ بالظہر اللہ کی عبادت ترک کر کے۔ کیونکہ مشرکین اللہ کی عبادت کرتے
تھے۔ اور غیر اللہ کی بھی۔

وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَتَشْفَعُونَ
 اللَّهُ يَمَّا لَا يَعْزِمُكَ السَّمُوتُ وَلَا فِي الْأَرْضِ
 سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ⑤

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلَا
 كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفُتِحَ بَيْنَهُمْ فِيمَا هُمْ
 يَفْتَلِكُونَ ⑤

وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ

کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچ سکیں اور نہ ان کو نفع
 پہنچا سکیں^(۱) اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے
 سفارشی ہیں۔^(۲) آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی
 چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ
 آسمانوں میں اور نہ زمین میں،^(۳) وہ پاک اور برتر ہے
 ان لوگوں کے شرک سے۔^(۴) (۱۸)

اور تمام لوگ ایک ہی امت کے تھے پھر انہوں نے اختلاف
 پیدا کر لیا^(۵) اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی
 طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف
 کر رہے ہیں ان کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہوتا۔^(۶) (۱۹)
 اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کی جانب

(۱) جب کہ معبود کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے اطاعت گزاروں کو بدلہ اور اپنے نافرمانوں کو سزا دینے پر قادر ہو۔

(۲) یعنی ان کی سفارش سے اللہ ہماری ضرورتیں پوری کر دیتا ہے۔ ہماری بگڑی بنا دیتا ہے یا ہمارے دشمن کی بنی ہوئی
 بگاڑ دیتا ہے۔ یعنی شرکین بھی اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے تھے ان کو نفع ضرر میں مستقل نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنے
 اور اللہ کے درمیان واسطہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔

(۳) یعنی اللہ کو تو اس بات کا علم نہیں کہ اس کا کوئی شریک بھی ہے یا اس کی بارگاہ میں سفارشی بھی ہوں گے؟ گویا یہ
 شرکین اللہ کو خبر دیتے ہیں کہ تجھے کو خبر نہیں۔ لیکن ہم تجھے بتلاتے ہیں کہ تیرے شریک بھی ہیں اور سفارشی بھی ہیں جو
 اپنے عقیدت مندوں کی سفارش کریں گے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شرکین کی یہ باتیں بے اصل ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور برتر ہے۔

(۵) یعنی یہ شرک، لوگوں کی اپنی ایجاد ہے۔ ورنہ پہلے پہل اس کا کوئی وجود نہیں تھا تمام لوگ ایک ہی دین اور ایک ہی
 طریقے پر تھے اور وہ اسلام ہے جس میں توحید کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام تک لوگ اسی توحید پر
 قائم رہے۔ پھر ان میں اختلاف ہو گیا اور کچھ لوگوں نے اللہ کے ساتھ، دوسروں کو بھی معبود، حاجت روا اور مشکل کشا
 سمجھنا شروع کر دیا۔

(۶) یعنی اگر اللہ کا یہ فیصلہ نہ ہوتا کہ اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیتا ہے، اسی طرح اس نے مخلوق کے لیے
 ایک وقت موعود کا تعین نہ کیا ہوتا تو یقیناً وہ ان کے بائیں اختلافات کا فیصلہ اور مومنوں کو سعادت مند اور کافروں کو
 عذاب و مشقت میں مبتلا کر چکا ہوتا۔

قُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ بِلَهِ فَإِنَّظِرُوا إِلَيَّ مَعَكُمْ
مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ①

وَإِذَا أَدْعَاكَ النَّاسُ وَجْهَكَ مِنْ بَعْضِ صَرَخَاتِهِمْ إِذَا لَهُمْ نُكُورٌ
فِي آيَاتِنَا قُلْ اللَّهُ أَسْرَعُ نَكْرًا إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا لَكُمْ نُكُورٌ ②

هُوَ الَّذِي يُسَبِّحُكَ فِي الْبُحْرِ وَالصُّبْحِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتَ فِي الْعَلْدِ وَ
جَوْنٍ بِمَعْرِزٍ يُجِبُّ كَلِمَةَ وَفِرْخَانٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ لُحُوعًا صَفًّ

سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوتی؟^(۱) سو آپ فرما دیجئے کہ غیب کی خبر صرف اللہ کو ہے^(۲) سو تم بھی منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ (۲۰)

اور جب ہم لوگوں کو اس امر کے بعد کہ ان پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں^(۳) تو وہ فوراً ہی ہماری آیتوں کے بارے میں چالیں چلنے لگتے ہیں،^(۴) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ چال چلنے میں تم سے زیادہ تیز ہے،^(۵) بالیقین ہمارے فرشتے تمہاری سب چالوں کو لکھ رہے ہیں۔ (۲۱)

وہ اللہ ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں چلاتا ہے،^(۶) یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور وہ

(۱) اس سے مراد کوئی بڑا اور واضح معجزہ ہے، جیسے قوم ثمود کے لیے اونٹنی کا ظہور ہوا۔ ان کے لیے صفا پہاڑی کو سونے کا یا ککے کے پہاڑوں کو ختم کر کے ان کی جگہ سرس اور باغات بنانے کا یا اور اس قسم کا کوئی معجزہ صادر کر کے دکھایا جائے۔

(۲) یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی خواہشات کے مطابق وہ معجزے تو ظاہر کر کے دکھلا سکتا ہے۔ لیکن اس کے بعد بھی اگر وہ ایمان نہ لائے تو پھر اللہ کا قانون یہ ہے کہ ایسی قوم کو فوراً وہ ہلاک کر دیتا ہے۔ اس لیے اس بات کا علم صرف اسی کو ہے کہ کسی قوم کے لیے اس کی خواہشات کے مطابق معجزے ظاہر کر دینا، اس کے حق میں بہتر ہے یا نہیں؟ اور سی طرح اس بات کا علم بھی صرف اسی کو ہے کہ ان کے مطلوبہ معجزے اگر ان کو نہ دکھائے گئے تو انہیں کتنی مصلحت دی جائے گی؟ اسی لیے آگے فرمایا، ”تم بھی انتظار کرو“ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔“

(۳) مصیبت کے بعد نعمت کا مطلب ہے، تنگی، قحط سالی اور آلام و مصائب کے بعد، رزق کی فراوانی، اسباب معیشت کی ارزانی وغیرہ۔

(۴) اس کا مطلب ہے کہ وہ ہماری ان نعمتوں کی قدر اور ان پر اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ کفر و شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یعنی یہ ان کی وہ بری تدبیر ہے جو وہ اللہ کی نعمتوں کے مقابلے میں اختیار کرتے ہیں۔

(۵) یعنی اللہ کی تدبیر ان سے کہیں زیادہ تیز ہے جو وہ اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ ان کا مؤاخذہ کرنے پر قادر ہے، وہ جب چاہے ان کی گرفت کر سکتا ہے، فوراً بھی اور اگر اس کی حکمت تاخیر کی مقتضی ہو تو بعد میں بھی۔ مگر عربی زبان میں خفیہ تدبیر اور حکمت عملی کو کہتے ہیں، جو اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی۔ یہاں اللہ کی عقوبت اور گرفت کو مکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۶) يُسَبِّحُكُمْ ”وہ تمہیں چلاتا، چلنے پھرنے اور سیر کرنے کی توفیق دیتا ہے۔“ خشکی میں۔“ یعنی اس نے تمہیں قدم عطا

وَمَا لَهُمُ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا
اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ لَئِنْ أَخَذْتُمَا مِنْ هَذِهِ لَتَكُونَنَّ
مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٢٢﴾

کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ سے لے کر چلتی
ہیں اور وہ لوگ ان سے خوش ہوتے ہیں ان پر ایک
جھونکا سخت ہوا کا آتا ہے اور ہر طرف سے ان پر موجیں
اٹھتی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ (برے)
آگھرے^(۱) (اس وقت) سب خالص اعتقاد کر کے اللہ
ہی کو پکارتے ہیں^(۲) کہ اگر تو ہم کو اس سے بچالے تو ہم
ضرور شکر گزار بن جائیں گے۔ (۲۲)

کیے جن سے تم چلتے ہو 'سواریاں میاں کیں' جن پر سوار ہو کر دور دراز کے سفر کرتے ہو۔ "اور سمندر میں" یعنی اللہ نے
تمہیں کشتیاں اور جہاز بنانے کی عقل اور سمجھ دی 'تم نے وہ بنائیں اور ان کے ذریعے سے سمندروں کا سفر کرتے ہو۔
(۱) أُحِيطَ بِهِمْ کا مطلب ہے 'جس طرح دشمن کسی قوم یا شہر کا احاطہ یعنی محاصرہ کر لیتا ہے اور پھر وہ دشمن کے رحم و
کرم پر ہوتے ہیں' اسی طرح وہ جب سخت ہواؤں کے تھمیزوں اور عظیم خیز موجوں میں گھر جاتے ہیں اور موت ان کو
سامنے نظر آتی ہے۔

(۲) یعنی پھر وہ دعائیں غیر اللہ کی ملاوٹ نہیں کرتے جس طرح عام حالات میں کرتے ہیں۔ عام حالات میں تو وہ کہتے ہیں
کہ یہ بزرگ بھی اللہ کے بندے ہیں 'انہیں بھی اللہ نے اختیارات سے نوازا رکھا ہے اور انہی کے ذریعے سے ہم اللہ کا
قرب تلاش کرتے ہیں۔ لیکن جب اس طرح شدائد میں گھر جاتے ہیں تو یہ سارے شیطانی فلسفے بھول جاتے ہیں اور
صرف اللہ یاد رہ جاتا ہے اور پھر صرف اسی کو پکارتے ہیں۔ اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ انسان کی فطرت میں
اللہ واحد کی طرف رجوع کا جذبہ و ولایت کیا گیا ہے۔ انسان ماحول سے متاثر ہو کر اس جذبے یا فطرت کو دبا دیتا ہے لیکن
مصیبت میں یہ جذبہ ابھر آتا ہے اور یہ فطرت عود کر آتی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ توحید 'فطرت انسانی کی آواز اور
اصل چیز ہے' جس سے انسان کو انحراف نہیں کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اس سے انحراف فطرت سے انحراف ہے جو سراسر
گمراہی ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مشرکین 'جب اس طرح مصائب میں گھر جاتے تو وہ اپنے خود ساختہ معبودوں
کے بجائے' صرف ایک اللہ کو پکارتے تھے چنانچہ حضرت عکرمہ بن ابی جہلؓ کے بارے میں آتا ہے کہ جب مکہ فتح ہو
گیا تو یہ وہاں سے فرار ہو گئے۔ باہر کسی جگہ جانے کے لیے کشتی میں سوار ہوئے 'تو کشتی طوفانی ہواؤں کی زد میں آگئی'
جس پر ملاح نے کشتی میں سوار لوگوں سے کہا کہ آج اللہ واحد سے دعا کرو 'تمہیں اس طوفان سے اس کے سوا کوئی نجات
دینے والا نہیں ہے۔ حضرت عکرمہؓ کہتے ہیں 'میں نے سوچا اگر سمندر میں نجات دینے والا صرف ایک اللہ ہے تو خشکی
میں بھی یقیناً نجات دینے والا وہی ہے۔ اور یہی بات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کر لیا اگر
یہاں سے میں زندہ بچ کر نکل گیا تو مکہ واپس جا کر اسلام قبول کر لوں گا۔ چنانچہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے رضی اللہ عنہ (مسند نسائی، ابوداؤد، نمبر ۲۸۸۳۔ و ذکرہ الألبانی فی

فَلَمَّا أَتَيْنَاهُمْ إِذِ الْمَطَرُ يُمْشِقُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ بِآيَاتِنَا النَّاسِ
إِنَّمَا يَعْتَبِرُكُم عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ فَتَنَاءَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ
فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٣﴾

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَلَا تَلْكُطُ
بِهِ ثَبَاتٌ الْأَرْضُ وَمَعَائِنَا كُلُّ النَّاسِ وَالْآعَامُ حَتَّىٰ إِذَا
لَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ
قَادِرُونَ عَلَيْهَا إِنَّمَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا
حَصِيدًا كَمَا كَانَ لَهُمْ تَلَكُنَ يَا لَأَمِيسُ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ
الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْتَزُّونَ ﴿٢٤﴾

پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو بچا لیتا ہے تو فوراً ہی وہ زمین میں
ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں ^(۱) اے لوگو! یہ تمہاری سرکشی
تمہارے لیے وبال ہونے والی ہے ^(۲) دنیاوی زندگی کے
(چند) فائدے ہیں 'پھر ہمارے پاس تم کو آتا ہے پھر ہم سب
تمہارا کیا ہوا تم کو بتا دیں گے۔ (۲۳)

پس دنیاوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان
سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کی نباتات 'جن کو آدمی
اور چوپائے کھاتے ہیں' خوب گنجان ہو کر نکلی۔ یہاں تک
کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس
کی خوب زیبائش ہو گئی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا
کہ اب ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے تو دن میں یا رات
میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حکم (عذاب) آپڑا سو ہم
نے اس کو ایسا صاف کر دیا ^(۳) کہ گویا کل وہ موجود ہی نہ
تھی۔ ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں
ایسے لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں۔ (۲۴)

”الصحيحه“ نمبر ۴۲، لیکن انفس! امت محمدیہ کے عوام اس طرح شرک میں پھنسے ہوئے ہیں کہ شداہد و آدم
میں بھی وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے کے بجائے 'فوت شدہ بزرگوں کو ہی مشکل کشا سمجھتے اور انہی کو مدد کے لیے
پکارتے ہیں۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ آہ! فَلْيَنْتَبِذْ عَلَى الْإِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَاطِلًا
(۱) یہ انسان کی اسی ناشکری کی عادت کا ذکر ہے جس کا تذکرہ ابھی آیت ۱۲ میں بھی مکرر اور قرآن میں اور بھی متعدد
مقامات پر اللہ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا 'تم یہ ناشکری اور سرکشی کر لو' چار روزہ متاع زندگی سے فائدہ اٹھا کر بالآخر حمیس ہمارے ہی
پاس آتا ہے 'پھر ہم حمیس' جو کچھ تم کرتے رہے ہو گے' بتلائیں گے یعنی ان پر سزا دیں گے۔

(۳) حَصِيدًا فَعِيل بمعنى مفعول ہے آتی: مَخْصُودًا یعنی ایسی کھیتی ہے جسے کاٹ کر ایک طرف رکھ دیا گیا ہو اور کھیت
صاف ہو گیا ہو۔ دنیا کی زندگی کو اس طرح کھیتی سے تشبیہ دے کر اس کے عارضی پن اور ناپائیداری کو واضح کیا گیا ہے کہ
کھیتی بھی بارش کے پانی سے نشوونما پاتی اور سرسبز و شاداب ہوتی ہے لیکن اس کے بعد اسے کاٹ کر فنا کے گھٹا اتار دیا
جاتا ہے۔

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ
إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ⑤

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْخَيْرَ وَزِيَادَةً وَلَكُمْ فِي يَوْمِهِمْ فَتْرَةٌ وَلَا
ذَلَّةٌ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ⑥

وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِسَيِّئَةٍ لَّا تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ
مَّا لَهُمْ فِي لَدُنْهِ مِنْ عَاصِمٍ كَأَمْثَلِ الْأَغْشِيَةِ وَجُوهُهُمْ قُطَعًا
مِنَ الْبَيْلِ مُطْلَأٌ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ⑦

وَيَوْمَ نَخْتَرُ لَهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ
أَنْتُمْ وَمَلَائِكُكُمْ قَدْ تَلَّانَا يَنْهَضُهُمْ قَالُوا شُرَكَائُنَا هُمْ

اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گمر کی طرف تم کو بلاتا ہے اور جس
کو چاہتا ہے راہ راست پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔ (۲۵)
جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی ہے اور
مزید برآں بھی^(۱) اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی
اور نہ ذلت، یہ لوگ جنت میں رہنے والے ہیں وہ اس
میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۶)

اور جن لوگوں نے بد کام کیے ان کی بدی کی سزا اس کے برابر
ملے گی^(۲) اور ان کو ذلت چھائے گی، ان کو اللہ تعالیٰ سے
کوئی نہ بچا سکے گا۔^(۳) گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات
کے پرت کے پرت لپیٹ دیے گئے ہیں۔^(۴) یہ لوگ دوزخ
میں رہنے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۷)

اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس روز ہم ان سب
کو جمع کریں گے^(۵) پھر مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور

(۱) اس زیادہ کے کئی مضموم بیان کیے گئے ہیں لیکن حدیث میں اس کی تفسیر دیدار باری تعالیٰ سے کی گئی ہے جس سے
اہل جنت کو جنت اور جنت کی نعمتیں دینے کے بعد، مشرف کیا جائے گا۔ (صحیح مسلم کتاب الإیمان باب إثبات
رؤية المؤمنين في الآخرة لهم)

(۲) گزشتہ آیت میں اہل جنت کا تذکرہ تھا، اس میں بتلایا گیا تھا کہ انہیں ان کے نیک عملوں کی جزا کئی کئی گنا ملے گی اور
پھر مزید دیدار الہی سے نوازے جائیں گے۔ اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ برائی کا بدلہ برائی کے مثل ہی ملے گا۔
سپینات سے مراد کفر و شرک اور دیگر معاصی ہیں۔

(۳) جس طرح کہ اہل ایمان کو بچانے والا اللہ تعالیٰ ہو گا اسی طرح انہیں اس روز اپنے فضل خاص سے نوازے گا، وہ ازیں
ان کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو شفاعت کی اجازت بھی دے گا، جن کی شفاعت بھی وہ قبول فرمائے گا۔

(۴) یہ مباہلہ ہے کہ ان کے چہرے اتنے سخت سیاہ ہوں گے۔ اس کے برعکس اہل ایمان کے چہرے تروتازہ اور
روشن ہوں گے جس طرح سورہ آل عمران، آیت ۱۰۶ ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ الآية سورہ عبس ۳۸
اور سورہ قیامت میں ہے۔

(۵) جَمِيعًا سے مراد ازل سے اب تک کے تمام اہل زمین و آسمان اور جنات ہیں، سب کو اللہ تعالیٰ جمع فرمائے گا جس
طرح کہ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ لَهُمْ أَسَدًا﴾ (الکہف ۴۷) ”ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے“
کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔“

مَا كُنْتُمْ اِيَّاَنَا تَعْبُدُونَ ﴿۳۸﴾

تمہارے شریک اپنی جگہ ٹھہرو^(۱) پھر ہم ان کے آپس میں پھوٹ ڈال دیں گے^(۲) اور ان کے وہ شرکاء کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ (۳۸)

سو ہمارے تمہارے درمیان اللہ کافی ہے گواہ کے طور پر کہ ہم کو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی۔^(۳) (۳۹)

اس مقام پر ہر شخص اپنے اگلے کیے ہوئے کاموں کی جانچ کر لے گا^(۴) اور یہ لوگ اللہ کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ جھوٹ باندھا کرتے تھے سب ان سے غائب ہو جائیں گے۔^(۵) (۴۰)

قُلْ يَا اَهْلَ شَيْعَةِ اَبَيْتَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا لَعَنُ عِبَادِكُمْ لَعْنَةً ﴿۳۹﴾

هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَّا اَسْلَمَتْ وَرُدُّا لِّلّٰهِ مَوْلَاهُمْ الْحَقُّ وَصَلَّى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۴۰﴾

(۱) ان کے مقابلے میں اہل ایمان کو دو سری طرف کر دیا جائے گا۔ یعنی اہل ایمان اور اہل کفر و شرک دونوں کو الگ الگ ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا جائے گا۔ جیسے فرمایا ﴿وَامَّا لَآلِیُومَآئِہِ الْغٰیثِیْنَ﴾ اسودۃ بنت سہلؓ ﴿یَوْمَہِذِ یَقْدَحُنَّ﴾ (الروم ۳۳) اس دن لوگ گروہوں میں بٹ جائیں گے یعنی دو گروہوں میں۔ آئی بِصَبْرٍ وَّ ذٰلِ صَبْرٍ (ابن کثیر)

(۲) یعنی دنیا میں ان کے درمیان آپس میں جو خصوصی تعلق تھا وہ ختم کر دیا جائے گا اور یہ ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے اور ان کے معبود اس بات کا انکار کریں گے کہ یہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے ان کو مدد کے لیے پکارتے تھے ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے تھے۔

(۳) یہ انکار کی وجہ ہے کہ ہمیں تو کچھ پتہ ہی نہیں تم کیا کچھ کرتے تھے اور ہم جھوٹ بول رہے ہوں تو ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور وہ کافی ہے اس کی گواہی کے بعد کسی اور ثبوت کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔ یہ آیت اس بات پر نص صریح ہے کہ مشرکین جن کو مدد کے لیے پکارتے تھے وہ محض پتھر کی سورتیاں نہیں تھیں جس طرح کہ آج کل کے قبر پرست اپنی قبر پرستی کو جائز ثابت کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ اس قسم کی آیات تو بتوں کے لیے ہیں بلکہ وہ عقل و شعور رکھنے والے افراد ہی ہوتے تھے جن کے مرنے کے بعد لوگ ان کے مجتہد اور بت بنا کر پوجنے شروع کر دیتے تھے۔ جس طرح کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے طرز عمل سے بھی ثابت ہے جس کی تصریح صحیح بخاری میں موجود ہے۔ دو سرا یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد انسان کتنا بھی نیک ہو حتیٰ کہ نبی و رسول ہو اسے دنیا کے حالات کا علم نہیں ہوتا۔ اس کے متبعین اور عقیدت مند اسے مدد کے لیے پکارتے ہیں اس کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں اس کی قبر پر میلے ٹھیلے کا انتظام کرتے ہیں لیکن وہ بے خبر ہوتا ہے اور ان تمام چیزوں کا انکار ایسے لوگ قیامت والے دن کریں گے۔ یہی بات سورۃ احقاف آیت ۶۵ میں بھی بیان کی گئی ہے۔

(۴) یعنی جان لے گا یا مزہ چکھ لے گا۔

(۵) یعنی کوئی معبود اور ”مشکل کشا“ وہاں کام نہیں آئے گا کوئی کسی کی مشکل کشائی پر قادر نہیں ہو گا۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَأَنْتُمْ تَبْلُغُونَ
وَالْأَبْصَارُ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ
أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾

قَدْ لَكُمْ اللَّهُ عِلْمُ الْغُيُوبِ ۚ فَمَاذَا بَعَدَ الْحَقُّ إِلَّا الْفُتْلُ ۚ فَأَنْتُمْ
تُضَرِّفُونَ ﴿٣١﴾

كَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَتَنُوا اللَّهَ
لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٢﴾

قُلْ عَلَّ مِنْ طَرَفِكُمْ مَنْ يَبْدُو الْفُلُقُ ثُمَّ يُؤَيِّدُهُ قُلَى اللَّهِ
يَبْدُو الْفُلُقُ ثُمَّ يُؤَيِّدُهُ قَالُوا تَوْفَلُونَ ﴿٣٣﴾

آپ کیجئے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے
رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر
پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے
نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو
تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ
”اللہ“^(۱) تو ان سے کیجئے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے۔ (۳۱)

سو یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا رب حقیقی ہے۔ پھر
حق کے بعد اور کیا رہ گیا، بجز گمراہی کے، پھر کہاں
پھرے جاتے ہو؟^(۲) (۳۲)

اسی طرح آپ کے رب کی یہ بات کہ یہ ایمان نہ
لائیں گے، تمام فاسق لوگوں کے حق میں ثابت ہو
چکی ہے۔^(۳) (۳۳)

آپ یوں کیجئے کہ کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے جو
پہلی بار بھی پیدا کرے، پھر دوبارہ بھی پیدا کرے؟ آپ
کہہ دیجئے کہ اللہ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ

(۱) اس آیت سے بھی واضح ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کی مالکیت، خالقیت، ربوبیت اور اس کے مدبرانہ امور ہونے کو
حسیم کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود چونکہ وہ اس کی الوہیت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ
نے انہیں جہنم کا ابدی حق قرار دیا۔ آج کل کے مدعیان ایمان بھی اسی توحید الوہیت کے منکر ہیں۔ فَتَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ
(هَذَا هُمُ اللَّهُ تَعَالَى)۔

(۲) یعنی رب اور الہ (معبود) تو یہی ہے، جس کے بارے میں تمہیں خود اعتراف ہے کہ ہر چیز کا خالق، مالک اور مدبر وہی
ہے، پھر اس معبود کو چھوڑ کر جو تم دوسرے معبود بنائے پھرتے ہو، وہ گمراہی کے سوا کچھ نہیں تمہاری سمجھ میں یہ بات
کیوں نہیں آتی؟ تم کہاں پھرے جاتے ہو؟

(۳) جتنی جس طرح یہ مشرکین تمام تر اعتراف کے باوجود اپنے شرک پر قائم ہیں اور اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں،
اسی طرح تیرے رب کی یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ غلط راستہ چھوڑ کر صحیح راستہ
اختیار کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں تو ہدایت اور ایمان انہیں کس طرح نصیب ہو سکتا ہے؟ یہ وہی بات ہے جسے
دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے ﴿وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ (الزمر، ۷) ”لیکن عذاب کی بات
کافروں پر ثابت ہو گئی۔“

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي
لِلْحَقِّ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمْ لَا يَهْدِي
إِلَّا أَنْ يَهْدِي مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝

وَمَا يَنْبَغِيكَ الْأَمْثَلُ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا
إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ لِمَا يُفْعَلُونَ ۝

بھی پیدا کرے گا۔ پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟ (۳۳)
آپ کہئے کہ تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ حق کا
راستہ بتاتا ہو؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی حق کا راستہ بتاتا
ہے۔ (۳۴) تو پھر آیا جو شخص حق کا راستہ بتاتا ہو وہ زیادہ
اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو بغیر بتائے خود ہی
راستہ نہ سوجھے؟ (۳۵) پس تم کو کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے
کرتے ہو۔ (۳۵)

اور ان میں سے اکثر لوگ صرف گمان پر چل رہے ہیں۔ یقیناً
گمان 'حق' (کی معرفت) میں کچھ بھی کام نہیں دے سکتا (۳۶)
یہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً اللہ کو سب خبر ہے۔ (۳۶)

(۱) مشرکین کے شرک کے کھوکھلے پن کو واضح کرنے کے لیے ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ بخلاؤ جنہیں تم اللہ کا شریک
گردانتے ہو کیا انہوں نے اس کائنات کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے؟ یا دوبارہ اسے پیدا کرنے پر قادر ہیں؟ نہیں یقیناً نہیں۔
پہلی مرتبہ بھی پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے اور روز قیامت دوبارہ وہی سب کو زندہ کرے گا۔ تو پھر تم ہدایت کا راستہ چھوڑ
کر کہاں پھرے جا رہے ہو؟

(۲) یعنی بھٹکے ہوئے مسافرین راہ کو راستہ بتانے والا اور دلوں کو گمراہی سے ہدایت کی طرف پھیرنے والا بھی اللہ تعالیٰ
ہی ہے۔ ان کے شرکاء میں سے کوئی ایسا نہیں جو یہ کام کر سکے۔

(۳) یعنی پھر پیروی کے رُتق کون ہے؟ وہ شخص جو دیکھتا سنتا اور لوگوں کی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے؟ یا وہ جو اندھے
اور بہرے ہونے کی وجہ سے خود راستے پر چل بھی نہیں سکتا جب تک کہ دوسرے لوگ اسے راستے پر نہ ڈال دیں یا
ہاتھ پکڑ کر نہ لے جائیں؟

(۴) یعنی تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے؟ تم کس طرح اللہ کو اور اس کی مخلوق کو برابر ٹھہرائے جا رہے ہو؟ اور اللہ کے
ساتھ تم دوسروں کو بھی شریک عبادت بنا رہے ہو؟ جب کہ ان دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اسی ایک اللہ کو معبود ماننا
جائے اور عبادت کی تمام قسمیں صرف اسی کے لیے خاص مانی جائیں۔

(۵) لیکن بات یہ ہے کہ لوگ محض اٹکل پچو باتوں پر چلنے والے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ دلائل کے مقابلے میں اوہام و
خیالات اور غن و گمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ قرآن میں ظن 'یقین' اور گمان دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے یہاں
دوسرا معنی مراد ہے۔

(۶) یعنی اس ہٹ دھرمی کی وہ سزا دے گا۔ کہ دلائل نہ رکھنے کے باوجود یہ محض اوہام باطلہ اور فتنوں فاسدہ کے پیچھے
لگے رہے اور عقل و فہم سے ذرا کام نہ لیا۔

وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ
تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ
مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٥﴾

اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اللہ (کی وحی) کے بغیر (اپنے ہی سے) گھڑ لیا گیا ہو۔ بلکہ یہ تو (ان کتابوں کی) تصدیق کرنے والا ہے جو اس کے قبل (نازل) ہو چکی ہیں ^(۱) اور کتاب (احکام ضروریہ) کی تفصیل بیان کرنے والا ہے ^(۲) اس میں کوئی بات شک کی نہیں ^(۳) کہ رب العالمین کی طرف سے ہے ^(۴)۔ (۳۷)

أَمْ يَتْلُونَ آفَاتِهِ كُلٌّ فَأَلَّوْا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٦﴾

کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تو پھر تم اس کے مثل ایک ہی سورت ماؤ اور جن جن غیر اللہ کو بلا سکو بلاؤ اگر تم سچے ہو۔ ^(۵) (۳۸) بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے ^(۶) اور ہنوز ان کو اس کا خیر نتیجہ نہیں ملا۔ ^(۷)

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَهُمْ يُحْصِيظُوهُ عَلَيْهِمْ وَلَكِنَّا بآيَاتِهِمْ تَاوِيلًا
كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

(۱) جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن گھڑا ہوا نہیں ہے بلکہ اسی ذات کا نازل کردہ ہے جس نے پچھلی کتابیں نازل فرمائی تھیں۔

(۲) یعنی حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تفصیل بیان کرنے والا۔

(۳) اس کی تعلیمات میں اس کے بیان کردہ قصص و واقعات میں اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں۔

(۴) یہ سب باتیں واضح کرتی ہیں کہ یہ رب العالمین ہی کی طرف سے نازل ہوا ہے جو ماضی اور مستقبل کو جاننے والا ہے۔

(۵) ان تمام حقائق و دلائل کے بعد بھی اگر تمہارا دعویٰ یہی ہے کہ یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گھڑ ہوا ہے تو وہ بھی تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہے تمہاری زبان بھی اسی کی طرح عربی ہے۔ وہ تو ایک ہے تم اگر اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم دنیا بھر کے ادیبوں، فصحاء و بلغا کو اور اہل علم و اہل قلم کو جمع کر لو اور اس قرآن کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کے مثل بنا کر پیش کر دو۔ قرآن کریم کا یہ چیلنج آج تک باقی ہے اس کا جواب نہیں ملا۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ قرآن کسی انسانی کاوش کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ فی الواقع کلام الہی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا ہے۔

(۶) یعنی قرآن میں تدبیر اور اس کے معانی پر غور کیے بغیر اس کی تکذیب پر قتل گئے۔

(۷) یعنی قرآن نے جو پچھلے واقعات اور مستقبل کے امکانات بیان کئے ہیں اس کی پوری سچائی اور حقیقت بھی ان پر واضح نہیں ہوئی اس کے بغیر ہی تکذیب شروع کر دی یا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ انہوں نے قرآن پر کماحقہ تدبیر کئے بغیر ہی اس کی تکذیب کر دی حالانکہ اگر وہ صحیح معنوں میں اس پر تدبیر کرتے اور ان امور پر غور کرتے جو اس کے کلام الہی

عَذَابُهُ الْظَلِيمِينَ ۝

وَمِنْهُمْ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهِ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ
بِالْغَافِينَ ۝وَاِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِيُحْيِيَ الْمَيِّتَ وَلَكُمْ عَلَيْكُمْ اَنْتُمْ بَرُّتُمْ
وَمِنَّا اَعْمَلُ وَاَنَا بَرٌّ وَمِنَّا تَعْمَلُونَ ۝وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَعِمُونَ بِكَ اَفَاَنْتَ تُسَبِّحُ الضُّمَمُ وَلَوْ كَانُوا
لَا يَعْقِلُونَ ۝

جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں اسی طرح انہوں نے بھی
جھٹلایا تھا سو دیکھ لیجئے ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟ (۳۹)
اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اس پر ایمان لے آئیں
گے اور بعض ایسے ہیں کہ اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ اور
آپ کا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔ (۴۰)

اور اگر آپ کو جھٹلاتے رہیں تو یہ کہہ دیجئے کہ میرے لیے
میرا عمل اور تمہارے لیے تمہارا عمل، تم میرے عمل سے
بری ہو اور میں تمہارے عمل سے بری ہوں۔ (۴۱)

اور ان میں بعض ایسے ہیں جو آپ کی طرف کان
لگائے بیٹھے ہیں۔ کیا آپ بہروں کو سناتے ہیں گو ان کو
کچھ بھی نہ ہو؟ (۴۲)

ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو یقیناً اس کے فہم اور معانی کے دروازے ان پر کھل جاتے۔ اس صورت میں تاویل کے
معنی قرآن کریم کے اسرار و معارف اور لطائف و معانی کے واضح ہو جانے کے ہوں گے۔

(۱) یہ ان کفار و مشرکین کو تنبیہ و تنذیر ہے۔ کہ تمہاری طرح کج چلی قوموں نے بھی آیات الہی کی تکذیب کی تو دیکھو
ان کا کیا انجام ہوا؟ اگر تم اس تکذیب سے باز نہ آئے تو تمہارا انجام بھی اس سے مختلف نہیں ہو گا۔

(۲) وہ خوب جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے؟ اسے ہدایت سے نواز دیتا ہے۔ اور گمراہی کا مستحق کون ہے؟ اس کے
لیے گمراہی کا راستہ چوہٹ کھول دیتا ہے۔ وہ عادل ہے، اس کے کسی کام میں ظلم کا شائبہ نہیں۔ جو جس بات کا مستحق ہوتا
ہے، اس کے مطابق وہ چیز اس کو عطا کر دیتا ہے۔

(۳) یعنی تمام تر سمجھانے اور دلائل پیش کرنے کے بعد بھی اگر وہ جھٹلانے سے باز نہ آئیں تو پھر آپ یہ کہہ دیں
مطلب یہ ہے کہ میرا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے، سو وہ میں کر چکا ہوں۔ اب نہ تم میرے عمل کے ذمہ دار ہو، نہ میں
تمہارے عمل کا سب کو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے، وہاں ہر شخص سے اس کے اچھے یا برے عمل کی باز پرس ہوگی۔ یہ
وہی بات ہے جو ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۖ لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ﴾ میں ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان الفاظ
میں کہی تھی۔ ﴿اِنَّا كُنَّا مِنْكُمْ وَاَمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَمَا تَكُنَّ اِلٰهَةً ۖ اَلَيْسَ بِالْمَعْتَبَةِ ۙ﴾ ”بے شک ہم تم سے اور جن
جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں، ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں۔“

(۴) یعنی ظاہری طور پر وہ قرآن تو سنتے ہیں، لیکن سینے کا مقصد جو نیک طلب ہدایت نہیں، اس لیے انہیں اسی طرح کوئی
فائدہ نہیں ہوتا، جس طرح ایک بہرے کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بالخصوص جب بہرا غیر عاقل بھی ہو۔ کیونکہ عقل مند بہرہ
پھر بھی اشاروں سے کچھ سمجھ لیتا ہے۔ لیکن ان کی مثال تو غیر عاقل بہرے کی طرح ہے جو بالکل ہی بے بہرہ رہتا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ فَإِذَا تَوَدَّى الْغَمَىٰ ذَلُّكَ أَتَوْا
لَا يُبْصِرُونَ ﴿٣٥﴾

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الشَّيْقَاطَ وَلَكِنَّ الْقَوْمَ أَنفُسَهُمْ
يَهْدِيُونَ ﴿٣٦﴾

وَيَوْمَ يُنْفَخُ عَنْهُمْ كَانُوا يُبْكَتُونَ إِلَّا سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ
بَيْنَهُمْ قَدْ خَبِرَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا
مُؤْمِنِينَ ﴿٣٧﴾

اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کو تک رسہ ہیں۔ پھر
کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھانا چاہتے ہیں گو ان کو
بصیرت بھی نہ ہو؟ ﴿۳۳﴾

یہ یعنی بات ہے کہ اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا لیکن
لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ﴿۳۴﴾

اور ان کو وہ دن یاد دلایئے جس میں اللہ ان کو (اپنے حضور)
جمع کرے گا (تو ان کو ایسا محسوس ہوگا) کہ گویا وہ (دنیا میں)
سارے دن کی ایک آدھ گھڑی رہے ہوں گے ﴿۳۵﴾ اور آپس
میں ایک دوسرے کو پہچاننے کو ٹھہرے ہوں ﴿۳۶﴾۔ واقعی
خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے پاس جانے

(۱) اسی طرح بعض لوگ آپ کی طرف دیکھتے ہیں، لیکن مقصد ان کا بھی چونکہ کچھ اور ہوتا ہے، اس لیے انہیں بھی اس
طرح کوئی فائدہ نہیں ہوتا، جس طرح ایک اندھے کو نہیں ہوتا۔ بالخصوص وہ اندھا جو بصارت کے ساتھ بصیرت سے بھی
محروم ہو۔ کیونکہ بعض اندھے، جنہیں دل کی بصیرت حاصل ہوتی ہے، وہ آنکھوں کی بصارت سے محروم ہونے کے
باوجود، بہت کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی اندھا جو دل کی بصیرت سے بھی محروم ہو۔ مقصد
ان باتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی ہے۔ جس طرح ایک حکیم اور طبیب کو جب معلوم ہو جائے کہ مریض علاج
کرنے میں سنجیدہ نہیں اور وہ میری ہدایات اور علاج کی پروا نہیں کرتا، تو وہ اسے نظر انداز کر دیتا ہے اور وہ اس پر اپنا
وقت صرف کرنا پسند نہیں کرتا۔

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے تو انہیں ساری صلاحیتوں سے نوازا ہے، آنکھیں بھی دی ہیں، جن سے دیکھ سکتے ہیں، کان دیئے
ہیں، جن سے سن سکتے ہیں، عقل و بصیرت دی ہے جن سے حق اور باطل اور جھوٹ اور سچ کے درمیان تمیز کر سکتے ہیں۔
لیکن اگر ان صلاحیتوں کا صحیح استعمال کر کے وہ حق کا راستہ نہیں اپناتے، تو پھر یہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے تو ان پر کوئی ظلم نہیں کیا ہے۔

(۳) یعنی محشر کی سختیوں دیکھ کر انہیں دنیا کی ساری لذتیں بھول جائیں گی اور دنیا کی زندگی انہیں ایسے معلوم ہو گی گویا
وہ دنیا میں ایک آدھ گھڑی ہی رہے ہیں۔ ﴿لَعَلَّيْكُمْ تَوَلَّوْا عَذَابَ اللَّهِ أَوْ أَتَمُّنَا﴾ (النارعات ۳۶)

(۴) محشر میں مختلف حالتیں ہوں گی، جنہیں قرآن میں مختلف جگہوں پر بیان کیا گیا ہے، ایک وقت یہ بھی ہو گا جب ایک
دوسرے کو پہچانیں گے، بعض مواقع ایسے آئیں گے کہ آپس میں ایک دوسرے پر گمراہی کا الزام دھریں گے، اور بعض
موقعوں پر ایسی دہشت طاری ہو گی کہ ﴿فَلَا أَتَّصِبُ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَّبِعُونَ﴾ (المؤمنون ۱۰) کہ ”آپس میں ایک
دوسرے کی رشتہ داریوں کا پتہ ہو گا اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔“

وَأَنَّا نُرِيكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ لَوْ تَوَفَّيْنَاكَ فَأَلَيْنَا
مَرْجِعَهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿٣٥﴾

وَبِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ
بِالْوَسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٣٦﴾

کو جھٹلایا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔ (۳۵)
اور جس کا ان سے ہم وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ
تھوڑا سا اگر ہم آپ کو دکھلا دیں یا (ان کے ظہور سے پہلے)
ہم آپ کو وفات دے دیں، سو ہمارے پاس تو ان کو آنا ہی
ہے۔ پھر اللہ ان کے سب افعال پر گواہ ہے۔ (۳۶)
اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے، سو جب ان کا وہ
رسول آچکتا ہے ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا
ہے، (۳۷) اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ (۳۷)

(۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم ان کفار کے بارے میں جو وعدے کر رہے ہیں کہ اگر انہوں نے کفر و شرک
پر اصرار جاری رکھا تو ان پر بھی اسی طرح عذاب الہی آسکتا ہے۔ جس طرح پچھلی قوموں پر آیا، ان میں سے بعض اگر ہم
آپ کی زندگی میں بھیج دیں تو یہ بھی ممکن ہے، جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ لیکن اگر آپ اس سے پہلے ہی
دنیا سے اٹھالے گئے، تب بھی کوئی بات نہیں، ان کافروں کو بلا آخر ہمارے ہی پاس آنا ہے۔ ان کے سارے اعمال و احوال
کی ہمیں اطلاع ہے، وہاں یہ ہمارے عذاب سے کس طرح بچ سکیں گے؟ یعنی دنیا میں تو ہماری مخصوص حکمت کی وجہ
سے ممکن ہے کہ عذاب سے بچ جائیں لیکن آخرت میں تو ان کے لیے ہمارے عذاب سے بچنا ممکن ہی نہیں ہو گا کیونکہ
قیامت کے وقوع کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ وہاں اطاعت گزاروں کو ان کی اطاعت کا صلہ اور نافرمانوں کو ان کی نافرمانی کی
سزا دی جائے۔

(۲) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہر امت میں ہم رسول بھیجتے رہے۔ اور جب رسول اپنا فریضہ تبلیغ ادا کر چکتا تو پھر ان
کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیتے۔ یعنی پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والوں کو بچا لیتے اور دوسروں کو ہدک کر
دیتے۔ کیونکہ ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ يَحْثُرَ رَسُولًا﴾ ایسی اسرائیل ۱۵ ”اور ہماری عادت نہیں کہ رسول بھیجنے سے
پہلے ہی عذاب دینے لگیں۔“ اور اس فیصلے میں ان پر کوئی ظلم نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ ظلم تو تب ہوتا جب بغیر گناہ کے اس پر
عذاب بھیج دیا جاتا یا بغیر حجت تمام کئے، ان کا مؤاخذہ کر لیا جاتا۔ (فتح القدیر) دو سرا مفہوم اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کا
تعلق قیامت سے ہے یعنی قیامت والے دن ہر امت جب اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوگی، تو اس امت میں بھیجا گیا رسول
بھی ساتھ ہو گا۔ سب کے اعمال نامے بھی ہوں گے اور فرشتے بھی بطور گواہ پیش ہوں گے۔ اور یوں ہر امت اور اس کے
رسول کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ امت محمدیہ کا فیصلہ سب سے پہلے کیا
جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا ”ہم اگرچہ سب کے بعد آنے والے ہیں، لیکن قیامت کو سب سے آگے ہوں گے“ اور تمام
مخلوقات سے پہلے ہمارا فیصلہ کیا جائے گا۔۔۔ صحیح مسلم کتاب الجمعة، باب ہدایہ ہذہ الامة لیوم
الجمعة، (تفسیر ابن کثیر)

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۸﴾

قُلْ لَا أَمْرٌ لِّبَشَرٍ مِّثْلُ مَا أَفْعَلُ إِلَّا بِأَمْرِ اللَّهِ لَئِنْ أَتَاكُمْ مِنْهُ آيَاتٌ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهَا إِنَّ سَاعَةَ اللَّهِ لَا تَأْتِي سَاعَةً وَلَا يَسْتَعْمِلُونَ ﴿۳۹﴾

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيِّنَاتٍ أَوْ هَلَكًا ثَوِيًّا مَاذَا يَنْتَفِعُونَ مِنْهُ الْمُتَكِبُونَ ﴿۴۰﴾

أَنزِلْنَا مَا وَقَعْنَا مِنْهُ بِالْآلَمِينَ وَقَدْ كُنْتُمْ مِنْهُمْ عَلِيمِينَ ﴿۴۱﴾

لَقَدْ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْغُلِيِّ هَلْ تُخَفَّفُونَ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہو گا؟ اگر تم سچے ہو۔ (۳۸)

آپ فرمادیتے کہ میں اپنی ذات کے لیے تو کسی نفع کا اور کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہی نہیں مگر جتنا اللہ کو منظور ہو۔ ہر امت کے لیے ایک معین وقت ہے جب ان کا وہ معین وقت آپہنچتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔ (۳۹) (۴۰)

آپ فرمادیتے کہ یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو آپڑے یا دن کو تو عذاب میں کون سی چیز ایسی ہے کہ مجرم لوگ اس کو جلدی مانگ رہے ہیں۔ (۴۱)

کیا پھر جب وہ آہی پڑے گا اس پر ایمان لاؤ گے۔ ہاں اب مانا (۴۱) حالانکہ تم اس کی جلدی مچایا کرتے تھے۔ (۵۱) پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ تم کو تو

(۱) یہ مشرکین کے عذاب الہی مانگنے پر کہا جا رہا ہے کہ میں تو اپنے نفس کے لیے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ چہ جائیکہ میں کسی دوسرے کو نقصان یا نفع پہنچا سکوں۔ ہاں یہ سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنی مشیت کے مطابق ہی کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ نے ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہو ہے اس وقت موعود تک وہ صلت دیتا ہے۔ لیکن جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر وہ ایک گھڑی پیچھے ہو سکتے ہیں نہ آگے سرک سکتے ہیں۔

تنبیہ یہاں یہ بات نہایت اہم ہے کہ جب افضل المخلوق سید المرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں تو آپ کے بعد انسانوں میں اور کون سی ہستی ایسی ہو سکتی ہے جو کسی کی حاجت برآری اور مشکل کشائی پر قادر ہو؟ اسی طرح خود اللہ کے پیغمبر سے مدد مانگنا ان سے فریاد کرنا "یا رسول اللہ مدد" اور "اعنسی یا رسول اللہ" وغیرہ الفاظ سے استعاذہ و استعانت کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ قرآن کی اس آیت اور اس قسم کی دیگر واضح تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ یہ شرک کی ذیل میں آتا ہے۔ فَتَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ هَذَا۔

(۲) یعنی عذاب تو ایک نہایت ہی ناپسندیدہ چیز ہے جس سے دل نفرت کرتے اور طبیعتیں انکار کرتی ہیں پھر یہ اس میں کیا خوبی دیکھتے ہیں کہ اسے جلدی طلب کرتے ہیں؟

(۳) لیکن عذاب آنے کے بعد ماننے کا کیا فائدہ؟

إِلَيْهَا لَنْتُمْ تَكْبِرُونَ ﴿٥١﴾

وَيَسْتَكْبِرُونَ تَكْبَرُ قُلُوبُهُمْ بِذُنُوبِهِمْ إِنَّ تَكْبَرُ تَكْبَرُونَ ﴿٥٢﴾

وَلَوْ أَنَّ كُلَّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَتَتْ بِهِ وَأَسْرَأَ التَّالُفُ
لَهُنَّ أَزْوَاجُ الْعَذَابِ وَفُضِّلَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٥٣﴾إِنَّا إِنَّمَا مَنَافٍ لِّلْمُتَّكِلِينَ وَالْأَرْضُ الْآرِثُ وَعَدَا لِقَوْلِهِمْ
وَكَيْفَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِسْطُ لَمَّا ظَلَمُوا وَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٤﴾

هُوَ الَّذِي وَابَّيْتُ بِالْأَيْمِ أَنْ تُرْجَعُونَ ﴿٥٥﴾

تمہارے کیے کا ہی بدلہ ملا ہے۔ (۵۲)

اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا عذاب واقعی سچ ہے؟^(۱) آپ فرما دیجئے کہ ہاں قسم ہے میرے رب کی وہ واقعی سچ ہے اور تم کسی طرح اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ (۵۳)اور اگر ہر جان جس نے ظلم (شرک) کیا ہے کے پاس اتنا ہو کہ ساری زمین بھر جائے تب بھی اس کو دے کر اپنی جان بچانے لگے^(۲) اور جب عذاب کو دیکھیں گے تو پشیمانی کو پوشیدہ رکھیں گے۔ اور ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہو گا۔ اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔ (۵۴)یاد رکھو کہ جتنی چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب اللہ ہی کی ملک ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن بہت سے آدمی ظلم ہی نہیں رکھتے۔ (۵۵)
وہی جن ڈالتا ہے وہی جان نکالتا ہے اور تم سب اسی کے پاس لائے جاؤ گے۔^(۳) (۵۶)

(۱) یعنی وہ پوچھتے ہیں کہ یہ معاد قیامت اور انسانوں کے مٹی ہو جانے کے بعد ان کا دوبارہ جی اٹھنا ایک برحق بات ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیغمبر! ان سے کہہ دیجئے کہ تمہارا مٹی ہو کر مٹی میں مل جانا اللہ تعالیٰ کو دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز نہیں کر سکتا۔ اس لیے یقیناً یہ ہو کر رہے گا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت کی نظیر قرآن میں مزید صرف ۲ آیتیں ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا ہے کہ وہ قسم کھا کر معاد کے وقوع کا اعلان کریں۔ ایک سورہ سبأ آیت ۳ اور دوسرے سورہ تغابن آیت ۷۔

(۲) یعنی اگر دنیا بھر کا خزانہ دے کر وہ عذاب سے چھوٹ جائے تو دینے کے لیے آمادہ ہو گا۔ لیکن وہاں کسی کے پاس ہو گا ہی کیا؟ مطلب یہ ہے کہ عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہو گی۔

(۳) ان آیات میں آسمان و زمین کے درمیان ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی ملکیت تامہ وعدہ الہی کے برحق ہونے زندگی اور موت پر اس کے اختیار اور اس کی بارگاہ میں سب کی حاضری کا بیان ہے جس سے مقصد گزشتہ باتوں ہی کی تائید و توضیح ہے کہ جو ذات اتنے اختیارات کی مالک ہے اس کی گرفت سے بچ کر کوئی کہاں جاسکتا ہے؟ اور اس نے حسب کتاب کے لیے جو ایک دن مقرر کیا ہوا ہے اسے کون ٹال سکتا ہے؟ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے وہ ایک دن ضرور آئے گا اور ہر نیک و بد کو اس کے عملوں کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی۔

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے ^(۱) اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لیے شفا ہے ^(۲) اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے۔ ^(۳) (۵۷)

آپ کہہ دیجئے کہ بس لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے۔ ^(۴) وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں۔ (۵۸)

آپ کہیے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لیے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا۔ ^(۵) آپ پوچھئے کہ کیا تم کو اللہ نے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبِقَاءُكُمْ فِي الصُّدُورِ وَهَدَىٰ وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ قَدْ لَئِكَ فُلِقُوا حَافِظًا مَّوَحِّيًا مِّنَّا يَجْعَلُونَ ۝

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنَ الرِّزْقِ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ لِّلَّهِ الْوَنُ لَكُمْ أَمْرٌ عَلَىٰ آلِهِ تَعْتَرُونَ ۝

(۱) یعنی جو قرآن کو دل کی توجہ سے پڑھے اور اس کے معانی و مطالب پر غور کرے، اس کے لیے قرآن نصیحت ہے۔ وعظ کے اصل معنی ہیں عواقب و نتائج کی یاد دہانی، چاہے ترغیب کے ذریعے سے ہو یا ترہیب سے۔ اور وعظ کی مثال، طبیب کی طرح ہے جو مریض کو ان چیزوں سے روکتا ہے جو اس کے جسم و صحت کے لیے نقصان دہ ہوں۔ اس طرح قرآن بھی ترغیب و ترہیب دونوں طریقوں سے وعظ و نصیحت کرتا ہے اور ان نتائج سے آگاہ کرتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں دوچار ہونا پڑے گا اور ان کاموں سے روکتا ہے جن سے انسان کی اخروی زندگی برباد ہو سکتی ہے۔

(۲) یعنی دلوں میں توحید و رسالت اور عقائد حقہ کے بارے میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، ان کا ازالہ اور کفر و غفاق کی جو گندگی و پلیدی ہوتی ہے، اسے صاف کرتا ہے۔

(۳) یہ قرآن مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے۔ ویسے تو یہ قرآن سارے جہان دلوں کے لیے ہدایت و رحمت کا ذریعہ ہے لیکن چونکہ اس سے فیض یاب صرف اہل ایمان ہی ہوتے ہیں، اس لیے یہاں صرف انہی کے لیے اسے ہدایت و رحمت قرار دیا گیا ہے، اس مضمون کو قرآن کریم میں سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۸۲ اور سورۃ المائدۃ، آیت ۴۴ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (نیز ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں)

(۴) خوشی، اس کیفیت کا نام ہے جو کسی مطلوب چیز کے حصول پر انسان اپنے دل میں محسوس کرتا ہے، اہل ایمان کو کہا جا رہا ہے کہ یہ قرآن اللہ کا خاص فضل اور اس کی رحمت ہے، اس پر اہل ایمان کو خوش ہونا چاہیے یعنی ان کے دلوں میں فرحت اور اطمینان کی کیفیت ہونی چاہیے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خوشی کے اظہار کے لیے جیسے جلوسوں کا، چراغاں کا اور اس قسم کے غلط کام اور اسراف بے جا کا اہتمام کرو۔ جیسا کہ آج کل اہل بدعت اس آیت سے ”جشن عید میلاد“ اور اس کی غلط رسوم کا جواز ثابت کرتے ہیں۔

(۵) اس سے مراد وہی بعض جانوروں کا حرام کرنا ہے جو مشرکین اپنے جوں کے ناموں پر چھوڑ کر کیا کرتے تھے، جس کی

حکم دیا تھا یا اللہ پر افترا ہی کرتے ہو؟ (۵۹)

اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ افترا باندھتے ہیں ان کا قیامت کی نسبت کیا گمان ہے؟^(۱) واقعی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہے^(۲) لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے۔^(۳) (۶۰)

اور آپ کسی حال میں ہوں اور منجملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور جو کام بھی کرتے ہوں ہم کو سب کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو۔ اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ کوئی چیز بڑی مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے^(۴) (۶۱)

وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَمُوتُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٥٩﴾

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا لَنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا أَتُنَبِّئُونَنَا فِيهِ وَوَمَا يَعْرِزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦٠﴾

تفصیل سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے۔

(۱) یعنی قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان سے کیا معاملہ فرمائے گا۔

(۲) کہ وہ انسانوں کا دنیا میں فوراً مؤاخذہ نہیں کرتا بلکہ اس کے لیے ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کی نعمتیں بلا تفریق مومن و کافر سب کو دیتا ہے۔ یا جو چیزیں انسانوں کے لیے مفید اور ضروری ہیں انہیں حلال اور جائز قرار دیا ہے انہیں حرام نہیں کیا۔

(۳) یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے یا اس کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کر لیتے ہیں۔

(۴) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ تمام مخلوقات کے احوال سے واقف ہے اور ہر لحظہ اور ہر گھڑی انسانوں پر اس کی نظر ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی بڑی چھوٹی چیز اس سے مخفی نہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو اس سے قبل سورۃ الانعام آیت ۵۹ میں گزر چکا ہے کہ ”اسی کے پاس غیب کے خزانے ہیں جنہیں وہی جانتا ہے۔ اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جس نے مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں ہے مگر کتاب مبین میں (لکھی ہوئی) ہے“ اسی طرح سورۃ الانعام کی آیت ۳۸ اور سورۃ ہود کی آیت ۶ میں بھی اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے جب واقعہ یہ ہے کہ وہ آسمان و زمین میں موجود اشیاء کی حرکتوں کو جانتا ہے تو وہ انسانوں اور جنوں کی ان حرکات و اعمال سے کیوں کر بے خبر رہ سکتا ہے جو اللہ کی عبادت کے مکلف اور مامور ہیں؟

الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٠﴾

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٦١﴾

لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا يَتَغَيَّرُ
لِكَيْفَتِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْغَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٢﴾

وَلَا يَحْزَنُكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا
هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٣﴾

یاد رکھو اللہ کے دوستوں^(۱) پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ
غمگین ہوتے ہیں۔^(۲) (۶۲)

یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (برائیوں سے) پرہیز
رکھتے ہیں۔ (۶۳)

ان کے لیے دنیاوی زندگی میں بھی^(۳) اور آخرت میں
بھی خوش خبری ہے اللہ تعالیٰ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا
نہیں کرتا۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ (۶۴)

اور آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں۔ تمام تر غلبہ اللہ
ہی کے لیے ہے وہ سنبھالتا ہے۔ (۶۵)

(۱) نافرمانوں کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فرماں برداروں کا ذکر فرما رہا ہے اور وہ ہیں اولیاء اللہ۔ اولیاء ولی کی جمع ہے جس کے
معنی لغت میں قریب کے ہیں۔ اس اعتبار سے اولیاء اللہ کے معنی ہوں گے وہ سچے اور مخلص مومن جنہوں نے اللہ کی
اطاعت اور معاصی سے اجتناب کر کے اللہ کا قرب حاصل کر لیا۔ اسی لیے اگلی آیت میں خود اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی
تعریف ان اخلاص سے بیان فرمائی جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ اور ایمان و تقویٰ ہی اللہ کے قرب کی
بنیاد اور اہم ترین ذریعہ ہے اس لحاظ سے ہر متقی مومن اللہ کا ولی ہے۔ لوگ ولایت کے لیے اظہار کرامت کو ضروری
سمجھتے ہیں۔ اور پھر وہ اپنے بنائے ہوئے ولیوں کے لیے جھوٹی جی کرامتیں مشہور کرتے ہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔
کرامت کا ولایت سے چولی دامن کا ساتھ ہے نہ اس کے لیے شرط۔ یہ ایک الگ چیز ہے کہ اگر کسی سے کرامت ظاہر ہو
جائے تو اللہ کی مشیت ہے اس میں اس بزرگ کی مشیت شامل نہیں ہے۔ لیکن کسی متقی مومن اور متبع سنت سے
کرامت کا ظہور ہو یا نہ ہو۔ اس کی ولایت میں کوئی شک نہیں۔

(۲) خوف کا تعلق مستقبل سے ہے اور غم (حزن) کا ماضی سے مطلب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے زندگی خدا خونی کے
ساتھ گزاری ہوتی ہے۔ اس لیے قیامت کی ہولناکیوں کا اتنا خوف ان پر نہیں ہو گا جس طرح دوسروں کو ہو گا بلکہ وہ
اپنے ایمان و تقویٰ کی وجہ سے اللہ کی رحمت و فضل خاص کے امیدوار اور اس کے ساتھ حسن ظن رکھنے والے ہوں
گے۔ اسی طرح دنیا میں وہ جو کچھ چھوڑ گئے ہوں گے یا دنیا کی لذتیں انہیں حاصل نہ ہو سکی ہوں گی ان پر انہیں کوئی
حزن و ملال نہیں ہو گا۔ ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ دنیا میں جو مطلوبہ چیزیں انہیں نہ ہیں اس پر وہ غم و حزن کا
مظاہرہ نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ سب اللہ کی قضاء و تقدیر ہے۔ جس سے ان کے دلوں میں کوئی کدورت پیدا
نہیں ہوتی بلکہ ان کے دل قضائے الہی پر مسرور و مطمئن رہتے ہیں۔

(۳) دنیا میں خوشخبری سے مراد روئے صادق ہیں یا وہ خوش خبری ہے جو موت کے وقت فرشتے ایک مومن کو دیتے
ہیں جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءُ لَهُمْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٥٠﴾

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٥١﴾

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ هُوَ الْغَنِيُّ لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ إِنْ عِندَكُم مِّن مَّلَاحِنَ يَهْدُوا أَتَعْمَلُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٥٢﴾

یاد رکھو کہ جتنے کچھ آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں یہ سب اللہ ہی کے ہیں اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کر رہے ہیں کس چیز کی اتباع کر رہے ہیں۔ محض بے سند خیال کی اتباع کر رہے ہیں اور محض اٹھیس لگا رہے ہیں۔^(۶۶)

وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن بھی اس طور پر بنایا کہ دیکھنے بھانسنے کا ذریعہ ہے، تحقیق اس میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں۔ (۶۷)

وہ کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ سبحان اللہ! وہ تو کسی کا محتاج نہیں^(۶۸) اسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔^(۶۹) تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں۔ کیا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے۔ (۶۸)

(۱) یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا کسی دلیل کی بنیاد پر نہیں۔ بلکہ یہ محض ظن و تخمین اور رائے و قیاس کی کرشمہ سازی ہے۔ آج اگر انسان اپنے قوائے عقل و فہم کو صحیح طریقے سے استعمال میں لائے تو یقیناً اس پر یہ واضح ہو سکتا ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور جس طرح وہ آسمان و زمین کی تخلیق میں واحد ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو پھر عبادت میں دوسرے کیوں کر اس کے شریک ہو سکتے ہیں؟

(۲) اور جو کسی کا محتاج نہ ہو، اسے اولاد کی بھی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اولاد تو سارے کے لیے ہی ہوتی ہے اور جب وہ سارے کا محتاج نہیں تو پھر اسے اولاد کی کیا ضرورت؟

(۳) جب آسمان و زمین کی ہر چیز اسی کی ہے تو ہر چیز اسی کی مملوک اور غلام ہوئی۔ پھر اسے اولاد کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اولاد کی ضرورت تو اسے ہوتی ہے، جسے کچھ مدد اور سہارے کی ضرورت ہو۔ اور جس کا حکم آسمان و زمین کی ہر چیز پر چلتا ہو، اسے کیا ضرورت لاحق ہو سکتی ہے؟ علاوہ ازیں اولاد کی ضرورت وہ شخص بھی محسوس کرتا ہے جو اپنے بعد مملوکات کا وارث دیکھنا یا بنانا پسند کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو تو فاعلی نہیں ہے اس لیے اللہ کے لیے اور و قرار دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿كَذَٰلِكَ السَّمُوتُ يَنْفَعُونَ مِنْهُ وَيَتَشَقَّى الْأَرْضُ مِنْ رِّيحِهِ هَٰذَا ۖ إِنَّ دَعْوَةَ الْغَافِلِينَ لَكُذَّٰبٌ ۖ﴾ (مریم: ۶۰) ”اس بات سے کہ وہ کہتے ہیں رحمن کی اولاد ہے، قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہو جائے اور پھاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔“

قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾

مَتَاعُ الدُّنْيَا أَشَقُّ لَنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُنْزِلُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَتَّبِعُونَ كَانُوكُمْ كَانُوكُمْ قَتْلًا مِمَّنْ تَقْتُلُونَ فَاتَّبَعُوا أَمْرَهُمْ وَكَانَ ثَوْدًا لَكُمْ L

آپ کہہ دیجئے کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ افرا کرتے ہیں،^(۱) وہ کامیاب نہ ہوں گے۔^(۲) (۶۹)
یہ دنیا میں تھوڑا سا عیش ہے پھر ہمارے پاس ان کو آنا ہے پھر ہم ان کو ان کے کفر کے بدلے سخت عذاب چکھائیں گے۔ (۷۰)

اور آپ ان کو نوح (علیہ السلام) کا قصہ پڑھ کر سنائیے جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم کو میرا رہنا اور احکام الہی کی نصیحت کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے تو میرا تو اللہ ہی پر بھروسہ ہے۔ تم اپنی تدبیر مع اپنے شرکا کے پختہ کر لو^(۳) پھر تمہاری تدبیر تمہاری گھٹن کا باعث نہ ہونی چاہیے۔^(۴) پھر میرے ساتھ کر گزرو اور مجھ کو مہلت نہ دو۔ (۷۱)

پھر بھی اگر تم اعراض ہی کیے جاؤ تو میں نے تم سے کوئی

قَاتَن تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفِرْكَ

(۱) افرا کے معنی جھوٹی بات کہنے کے ہیں۔ اس کے بعد مزید ”جھوٹ“ کا اضافہ تاکید کے لیے ہے۔

(۲) اس سے واضح ہے کہ کامیابی سے مراد آخرت کی کامیابی یعنی اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے بچ جانا ہے محض دنیا کی عارضی خوش حالی کامیابی نہیں۔ جیسا کہ بت سے لوگ کافروں کی عارضی خوش حالی سے مغالطے کا اور شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں اسی لیے اگلی آیت میں فرمایا کہ ”یہ دنیا میں تھوڑا سا عیش کر لیں پھر ہمارے ہی پاس ان کو آنا ہے“ یعنی یہ دنیا کا عیش آخرت کے مقابلے میں نہایت قلیل اور تھوڑا سا ہے جو شمار میں نہیں۔ اس کے بعد انہیں عذاب شدید سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس لیے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ کافروں، مشرکوں اور اللہ کے نافرمانوں کی دنیاوی خوشحالی اور مادی ترقیاں یہ اس بات کی دلیل نہیں ہیں کہ یہ قومیں کامیاب ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے۔ یہ مادی کامیابیاں ان کی جلد مسلسل کاثرہ ہیں جو اسباب ظاہری کے مطابق ہر اس قوم کو حاصل ہو سکتی ہیں جو اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کی طرح محنت کرے گی چاہے وہ مومن ہو یا کافر۔ علاوہ ازیں یہ عارضی کامیابیاں اللہ کے قانون مہلت کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہیں۔ جس کی وضاحت اس سے قبل بعض جگہ ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔

(۳) یعنی جن کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے ان کی مدد بھی حاصل کر لو (اگر وہ تمہارے زعم کے مطابق تمہاری مدد کر سکتے ہیں)

(۴) غمّۃ کے دو سرے معنی ہیں ابہام اور پوشیدگی۔ یعنی میرے خلاف تمہاری تدبیر واضح اور غیر مبہم ہونی چاہیے

وَأَمَرْتُ أَنْ آتُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ⑤

معاوضہ تو نہیں مانگا،^(۱) میرا معاوضہ تو صرف اللہ ہی کے
ذمہ ہے اور مجھ کو حکم کیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں
سے رہوں۔^(۲) (۷۲)

فَكَذَّبُوهُ فَتَبَيَّنَهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلَانِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلْقًا
وَأَعْرِفْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَنْظَرْنَاهُمْ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُتَذَكِّرِينَ ⑥

سودہ لوگ ان کو جھٹلاتے رہے^(۳) پس ہم نے ان کو اور
جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو نجات دی اور ان کو
جانشین بنایا^(۴) اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا
ان کو غرق کر دیا۔ سودیکھنا چاہیے کیسا انجام ہوا ان لوگوں
کا جو ڈرائے جا چکے تھے۔ (۷۳)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمُ رَسُولًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ
فَمَا كَانُوا يَلْقَوْنَ إِلَّا كِبَادًا بُرْهَانًا مِنْ قَبْلِ كَذَلِكَ نُنْظِرُ عَلَى
قُلُوبِ الْمُتَذَكِّرِينَ ⑦

پھر نوح (علیہ السلام) کے بعد ہم نے اور رسولوں کو ان کی
قوموں کی طرف بھیجا سودہ ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر
آئے^(۵) پس جس چیز کو انہوں نے اوس میں جھوٹا کہہ دیا یہ
نہ ہوا کہ پھر اس کو مان لیتے۔^(۶) اللہ تعالیٰ اسی طرح حد سے

(۱) کہ جس کی وجہ سے تم یہ تمست مگاسکو کہ دعوائے نبوت سے اس کا مقصد تو مال و دولت کا اکٹھا کرنا ہے۔
(۲) حضرت نوح علیہ السلام کے اس قول سے بھی معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کا دین اسلام ہی رہا ہے۔ گو شرائع مختلف اور
منابع متعدد رہے۔ جیسا کہ آیت ﴿لَا تَخْلُقُ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾ (المائدہ ۴۸) سے واضح ہے۔ لیکن دین سب
کا اسلام تھا، ملاحظہ ہو سورۃ النمل ۹۱، سورۃ البقرۃ ۱۳۱-۱۳۲، سورۃ یوسف ۱۰۱، سورۃ یونس ۸۴، سورۃ اعراف ۱۲۶،
سورۃ النمل ۴۴، سورۃ المائدۃ ۴۴ اور ۱۱۱ اور سورۃ الانعام ۱۶۳، ۱۶۴

(۳) یعنی قوم نوح علیہ السلام نے تمام تر وعظ و نصیحت کے باوجود تکذیب کا راستہ نہیں چھوڑا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے
حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ایک کشتی میں بٹھا کر بچا لیا اور باقی سب کو حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ
اسلام کے ایک بیٹے کو بھی غرق کر دیا۔

(۴) یعنی زمین میں ان بچنے والوں کو ان سے پہلے کے لوگوں کا جانشین بنایا، پھر انسانوں کی آئندہ نسل انہی لوگوں
بالخصوص حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سے چلی، اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔

(۵) یعنی ایسے دلائل و معجزات لے کر آئے جو اس بات پر دلالت کرتے تھے کہ واقعی یہ اللہ کے سچے رسول ہیں جنہیں
اللہ تعالیٰ نے ہدایت و رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔

(۶) لیکن یہ امتیں رسولوں کی دعوت پر ایمان نہیں لائیں، محض اس لیے کہ جب اول اول یہ رسول ان کے پاس آئے
تو فوراً بغیر غورو فکر کئے، ان کا انکار کر دیا۔ اور یہ پہلی مرتبہ کا انکار ان کے لیے مستقل حجاب بن گیا اور وہ بھی سوچتے
رہے کہ ہم تو پہلے انکار کر چکے ہیں، اب اس کو کیا ماننا؟ نتیجتاً ایمان سے وہ محروم رہے

بڑھنے والوں کے دلوں پر بند لگا رہا ہے۔^(۱) (۷۴)

پھر ان پیغمبروں کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو^(۲) فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا۔^(۳) سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ مجرم قوم تھے۔^(۴) (۷۵)

پھر جب ان کو ہمارے پاس سے صحیح دلیل پہنچی تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یقیناً یہ صریح جادو ہے۔^(۵) (۷۶)

موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم اس صحیح دلیل کی نسبت جب کہ وہ تمہارے پاس پہنچی ایسی بات کہتے ہو کیا یہ جادو ہے، حالانکہ جادو گر کامیاب نہیں ہوا کرتے۔^(۶) (۷۷)

وہ لوگ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس بے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقہ سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے باپ

نُوحًا مِّنْ بَنِي آدَمَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ
بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ۝

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِندِنَا قَالُوا إِنَّ هَٰذَا سِحْرٌ مُّؤْتَمِنٌ ۝

قَالَ مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ أَيَسْهُوَ هَٰذَا أَوَّلَ لَيْلٍ
الْحُجُورِ ۝

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَكَ وَنَعْبُدَ آبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمُ
الْكِبَرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا هُمْ بِلَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝

(۱) یعنی جس طرح ان گزشتہ قوموں پر ان کے کفر و تکذیب کی وجہ سے مرس لگتی رہی ہیں اسی طرح آئندہ بھی جو قوم رسولوں کو جھٹلائے گی اور اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گی، ان کے دلوں پر مرس لگتی رہے گی اور ہدایت سے وہ اسی طرح محروم رہے گی، جس طرح گزشتہ قومیں محروم رہیں۔

(۲) رسولوں کے عمومی ذکر کے بعد، حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر کیا جا رہا ہے، دراصل ہائیکہ رسوں کے تحت میں وہ بھی آجاتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا شمار جمیل القدر رسولوں میں ہوتا ہے اس لیے خصوصی طور پر ان کا الگ ذکر فرمایا۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ معجزات، بالخصوص نو آیات بینات، جن کا ذکر اللہ نے سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۰۱ میں کیا ہے۔ مشہور ہیں۔

(۴) یعنی چونکہ وہ بڑے بڑے جرائم اور گناہوں کے عادی تھے۔ اس لیے انہوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے رسول کے ساتھ بھی استکبار کا معاملہ کیا۔ کیونکہ ایک گناہ، دوسرے گناہ کا ذریعہ بنتا اور گناہوں پر اصرار بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کی جرات پیدا کر دیتا ہے۔

(۵) جب انکار کے لیے کوئی معقول دلیل نہیں ہوتی تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے

(۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، ذرا سوچو تو سہی، حق کی دعوت اور صحیح بات کو تم جادو کہتے ہو، بھلا یہ جادو ہے؟ جادو گر تو کامیاب ہی نہیں ہوتے۔ یعنی مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے اور ناپسندیدہ انجام سے بچنے میں وہ ناکام ہی رہتے ہیں۔ اور میں تو اللہ کا رسوں ہوں، مجھے اللہ کی مدد حاصل ہے اور اس کی طرف سے مجھے معجزات اور آیات بینات عطا کی گئی ہیں مجھے سحر و ساحری کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور اللہ کے عطا کردہ معجزات کے مقابلے میں اس کی حیثیت ہی کیا ہے؟

واہوں کو پایا ہے اور تم دونوں کو دنیا میں بڑائی مل جائے^(۱) اور ہم تم دونوں کو کبھی نہ مانیں گے۔ (۷۸)
اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس تمام ماہر جادو گروں کو حاضر کرو۔ (۷۹)

پھر جب جادو گر آئے تو موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو۔ (۸۰)
سو جب انہوں نے ڈالا تو موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ جو کچھ تم لائے ہو جادو ہے۔ یعنی بات ہے کہ اللہ اس کو ابھی درہم برہم کیے دیتا ہے^(۲) اللہ ایسے فسادوں کا کام بننے نہیں دیتا۔^(۳) (۸۱)

اور اللہ تعالیٰ حق کو اپنے فرمان سے^(۴) ثابت کر دیتا ہے گو مجرم کیسا ہی ناگوار سمجھیں۔ (۸۲)
پس موسیٰ (علیہ السلام) پر ان کی قوم میں سے صرف قدرے

وَقَالَ فِرْعَوْنُ الْمَلُوفُ بِالْجَنِّ سِحْرٌ عِلْمٌ

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُخْلِقُونَ

لَقَدْ آتَيْنَاكَ مِثْلَهُ وَلَكِنْ أَنْتُمْ أَنْتُمُ الْبَاطِلُونَ

إِنَّ اللَّهَ لَكَبِيرٌ عَلَى الْمُجْرِمِينَ

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ

فَمَا آتَىٰ يُونُسَ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ

(۱) یہ منکرین کی دیگر کٹ جھیاں ہیں جو دلائل سے عاجز آکر پیش کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ تم ہمیں ہمارے آباء و اجداد کے راستے سے ہٹانا چاہتے ہو، دوسرے یہ کہ ہمیں جادو و ریاست حاصل ہے، اسے ہم سے چھین کر خود اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہو۔ اس لیے ہم تو کبھی بھی تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔ یعنی تقلید آباء پر اصرار اور دنیوی جہ و مرتبت کی خواہش نے انہیں ایمان لانے سے روک رکھا۔ اس کے بعد آگے وہی قصہ ہے کہ فرعون نے ماہر جادو گروں کو بلایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادو گروں کا مقابلہ ہوا، جیسا کہ سورہ اعراف میں گزرا اور سورہ طہ میں بھی اس کی کچھ تفصیل آئے گی۔

(۲) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بھلا جموت بھی، سچ کے مقابلے میں کامیاب ہو سکتا ہے؟ جادو گروں نے چاہے وہ اپنے فن میں کتنے ہی درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، جو کچھ پیش کیا، وہ جادو ہی تھا اور نظری شعبہ بازی ہی تھی اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنا عصا پھینکا تو اس نے ساری شعبہ بازیوں کو آن واحد میں ختم کر دیا۔

(۳) اور یہ جادو گر بھی منسحق تھے۔ جنہوں نے محض دنیا کمانے کے لیے جادو گری کا فن سیکھا ہوا تھا اور جادو کے کرتب دکھا کر لوگوں کو بے وقوف بناتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل فساد کو کس طرح سنوار سکتا تھا؟

(۴) یا کلمات سے مراد وہ دلائل و براہین ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی کتابوں میں اتار رہا ہے جو پیغمبروں کو وہ عطا فرماتا تھا۔ وہ معجزات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے انبیاء کے ہاتھوں سے صادر ہوتے تھے، یا اللہ کا وہ حکم ہے جو وہ لفظ کُن سے صادر فرماتا ہے۔

وَمَا يَهْدِيهِمْ عَنْ يَفْقَهُهُمْ قُلُوبَ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَآلِهِ
لَهُنَّ الشُّرَفِيُّونَ ۝

وَقَالَ مُوسَى يٰقَوْمِ إِنِّي كُنْتُ مِنْكُمْ فَأَلْهِمُوا بِالنَّاسِ فَتَعْبَهُوا تَوَكَّلُوا إِن
كُنْتُمْ قٰسِيِينَ ۝

فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ
الظٰلِمِيْنَ ۝

قلیل آدمی ایمان لائے^(۱) وہ بھی فرعون سے اور اپنے حکام
سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں ان کو تکلیف پہنچائے^(۲) اور
واقع میں فرعون اس ملک میں زور رکھتا تھا اور یہ بھی بات
تھی کہ وہ حد سے باہر ہو جاتا تھا۔^(۳) (۸۳)

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ پر
ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو اگر تم مسلمان ہو۔^(۴) (۸۴)
انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا۔ اے
ہمارے پروردگار! ہم کو ان ظالموں کے لئے فتنہ نہ بنا۔ (۸۵)

(۱) قوم کے "و" کے مرجع میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے اس کا مرجع حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔
کیونکہ آیت میں ضمیر سے پہلے انہی کا ذکر ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھوڑے سے آدمی ایمان لائے۔
لیکن امام ابن کثیر وغیرہ نے اس کا مرجع فرعون کو قرار دیا ہے۔ یعنی فرعون کی قوم میں سے تھوڑے سے لوگ ایمان
لائے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے لوگ تو ایک رسول اور نجات دہندہ کے انتظار میں تھے جو حضرت موسیٰ
علیہ السلام کی صورت میں انہیں مل گئے اور اس اعتبار سے سارے بنی اسرائیل (سوائے قارون کے) ان پر ایمان رکھتے
تھے۔ اس لیے صحیح بات یہی ہے کہ ﴿ذُرِّيَّةٖمِّنْ قَوْمِهِ﴾ سے مراد 'فرعون کی قوم سے تھوڑے سے لوگ ہیں' جو حضرت
موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ انہی میں سے اس کی بیوی (حضرت آسیہ) بھی ہیں۔

(۲) قرآن کریم کی یہ صراحت بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ ایمان لانے والے تھوڑے سے لوگ فرعون کی قوم
میں سے تھے کیونکہ انہی کو فرعون اور اس کے درباریوں اور حکام سے تکلیف پہنچائے جانے کا ڈر تھا۔ بنی اسرائیل
ویسے تو فرعون کی غلامی و محکومی کی ذلت ایک عرصے سے برداشت کر رہے تھے۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے
اس کا کوئی تعلق نہیں تھا نہ انہیں اس وجہ سے مزید تکلیف کا اندیشہ تھا۔

(۳) اور ایمان لانے والے اس کے اسی ظلم و ستم کی عادت سے خوف زدہ تھے۔

(۴) بنی اسرائیل 'فرعون کی طرف سے جس ذلت و رسوائی کا شکار تھے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد بھی
اس میں کمی نہیں آئی 'اس لیے وہ سخت پریشان تھے' بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے یہ تک کہہ دیا 'اے
موسیٰ! جس طرح تیرے آنے سے پہلے ہم فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے تکلیفوں میں مبتلا تھے' تیرے آنے کے
بعد بھی ہمارا یہی حال ہے۔ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا تھا کہ امید ہے کہ میرا رب جلد ہی تمہارے
دشمن کو ہلاک کر دے گا۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ تم صرف ایک اللہ سے مدد چاہو اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ
چھوڑو۔ (ملاحظہ ہو 'سورۃ الاعراف آیات ۱۲۸-۱۲۹) یہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تلقین کی کہ اگر تم اللہ
کے سچے فرمانبردار ہو تو اسی پر توکل کرو۔

وَيَعْتَذِرُونَ بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ①

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا
بِمِصْرَ بُيُوتًا وَأَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ رِبَاطًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ
وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاتَّبِعُوا أَمْرًا مُّسْتَقِيمًا ②

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّنَا إِنَّكَ اتَّيْتَنَا بِفِرْعَوْنَ وَهَارُونَ
وَأَمَّا الْآلُ الْكَافِرَةُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ فَهُمْ أَتَمُّ
أُمَّةٍ عَلَىٰ الْبَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَىٰ مَا جَاءَكَ مِنْ
بَيْنِ يَدَيْهِ ③

اور ہم کو اپنی رحمت سے ان کافر لوگوں سے نجات
دے۔ (۸۶)

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے بھائی کے پاس
وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے ان لوگوں کے لیے مصر میں
گھر برقرار رکھو اور تم سب اپنے انہی گھروں کو نماز
پڑھنے کی جگہ قرار دے لو (۲) اور نماز کے پابند رہو اور
آپ مسلمانوں کو بشارت دے دیں۔ (۸۷)

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا اے ہمارے رب! تو
نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامانِ زینت اور
طرح طرح کے مال دنیاوی زندگی میں دیئے۔ اے ہمارے
رب! (اسی واسطے دیئے ہیں کہ) وہ تیری راہ سے گمراہ
کریں۔ اے ہمارے رب! انکے مالوں کو نیست و نابود کر
دے اور انکے دلوں کو سخت کر دے (۳) سو یہ ایمان نہ مانے
پائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔ (۸۸)

(۱) اللہ پر توکل کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے بارگاہِ الہی میں دعائیں بھی کیں۔ اور یقیناً اہل ایمان کے لیے یہ ایک
ہست بڑا امتیاز بھی ہے اور سارا بھی۔

(۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں کو ہی مسجدیں بنالو اور ان کا رخ اپنے قبلے (بیت المقدس) کی طرف کرو۔ تاکہ
تمہیں عبادت کرنے کے لیے باہر کینسوں وغیرہ میں جانے کی ضرورت ہی نہ رہے، جہاں تمہیں فرعون کے کارندوں
کے ظلم و ستم کا ڈر رہتا ہے۔

(۳) جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ فرعون اور اس کی قوم پر وعظ و نصیحت کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا اور اس طرح معجزات
دیکھ کر بھی ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ تو پھر ان کے حق میں بددعا فرمائی، جسے اللہ نے یہاں نقل فرمایا ہے۔

(۴) یعنی اگر یہ ایمان لائیں بھی تو عذاب دیکھنے کے بعد لائیں، جو ان کے لیے نفع بخش نہیں ہو گا یہاں ذہن میں یہ اشکال
نہیں آنا چاہیے کہ پیغمبر تو ہدایت کی دعا کرتے ہیں نہ کہ ہلاکت کی بددعا۔ اس لیے کہ دعوت و تبلیغ اور ہر طرح سے اتمامِ حجت
کے بعد جب یہ واضح ہو جائے کہ اب ایمان لانے کی کوئی امید باقی نہیں رہی ہے تو پھر آخری چارہ کار یہی رہ جاتا ہے کہ اس
قوم کے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ یہ گویا اللہ کی مشیت ہی ہوتی ہے جو بے اختیار پیغمبر کی زبان پر جاری ہو جاتی ہے۔
جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے بھی ساڑھے نو سو سال تبلیغ کرنے کے بعد بالآخر اپنی قوم کے بارے میں بددعا فرمائی،

قَالَ قَدْ أُجِيبْتُ دَعْوَتُكُمْ فَاسْتَقِيمُوا وَلَا تَلِغِينَ سِبِيلَ
الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ⑤

وَجَوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَءِيلَ الْفُرْقَانَ نَتْلُوهُمْ فِرْعَوْنَ وَجُودًا بَيْنًا
وَعَدًّا وَاحْفَظِي إِذَا أَدْرَكَهُ الْعَرْقُ قَالَ أَمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا
الَّذِي أَمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَءِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ⑥

الَّذِينَ وَقَدْ عَصَيْنَتْ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ⑦

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی، سو تم
عابت قدم رہو^(۱) اور ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم
نہیں۔^(۲) (۸۹)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا^(۳) پھر ان
کے پیچھے پیچھے فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ظلم اور زیادتی
کے ارادہ سے چلا یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا^(۴) تو کہنے
لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان
لائے ہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں مسلمانوں
میں سے ہوں۔ (۹۰)

(جواب دیا گیا کہ) اب ایمان لاتا ہے؟ اور پہلے سرکشی

﴿ رَبِّ لَكَ نَدَرْنَا وَلَكُنَّا مِنَ الْجَاهِلِينَ ذَاكِرًا ﴾ (سورہ ۲۱) ”اے رب زمین پر ایک کافر کو بھی بسانہ رہنے دے۔“

(۱) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اپنی بددعا پر قائم رہنا چاہے اس کے ظہور میں تاخیر ہو جائے۔ کیونکہ تہرری دعا تو یقیناً قبول
کر لی گئی ہے لیکن ہم اسے عملی جامہ کب پہنائیں گے؟ یہ خالص ہماری مشیت و حکمت پر موقوف ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین
نے بیان کیا ہے کہ اس بددعا کے چالیس سال بعد فرعون اور اس کی قوم ہلاک کی گئی اور بددعا کے مطابق فرعون جب ڈوبنے لگا
تو اس وقت اس نے ایمان لانے کا اعلان کیا جس کا اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ تم اپنی تبیخ و
دعوت بنی اسرائیل کی بدایت و رہنمائی اور اس کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کی جدوجہد جاری رکھو۔

(۲) یعنی جو لوگ اللہ کی سنت، اس کے قانون، اور اس کی مصلحتوں اور حکمتوں کو نہیں جانتے، تم ان کی طرح مت ہونا
بلکہ اب انتظار اور صبر کرو اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق جلد یا بدیر اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔ کیوں کہ
وہ وعدہ خلائی نہیں کرتا۔

(۳) یعنی سمندر کو پھاڑ کر اس میں خشک راستہ بنا دیا۔ (جس طرح کہ سورہ بقرہ آیت ۵۰ میں گزرا اور مزید تفصیل سورہ
شعراء میں آئے گی) اور چھپس ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔

(۴) یعنی اللہ کے حکم سے معجزانہ طریق پر بنے ہوئے خشک راستے پر جس پر چل کر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم نے
سمندر پار کیا تھا، فرعون اور اس کا لشکر بھی سمندر پار کرنے کی غرض سے چلنا شروع ہو گیا۔ مقصد یہ تھا کہ موسیٰ علیہ
السلام بنی اسرائیل کو جو میری غلامی سے نجات دلانے کے لیے راتوں رات لے آیا تو اسے دوبارہ قید غلامی میں لے لیا جائے
جب فرعون اور اس کا لشکر اس سمندری راستے میں داخل ہو گیا تو اللہ نے سمندر کو حسب سابق جاری ہو جانے کا حکم
دے دیا۔ نتیجتاً فرعون سمیت سب کے سب غرق دریا ہو گئے۔

کرتا رہا اور مفسدوں میں داخل رہا۔^(۹۱) سو آج ہم صرف حمیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تو ان کے لیے نشان عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں^(۹۲) اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری نشانوں سے غافل ہیں۔^(۹۳) اور ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا رہنے کو دیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔ سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم پہنچ گیا۔^(۹۴) یقینی بات ہے کہ آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔^(۹۵)

پھر اگر آپ اس کی طرف سے شک میں ہوں جس کو ہم نے آپ کے پاس بھیجا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ دیکھیے جو آپ سے پہلی کتابوں کو پڑھتے ہیں۔ بیشک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سچی کتاب آئی ہے۔ آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔^(۹۶)

قَالِیَوْمَ نُخْفِیْكَ بِهَدَنِكَ لَسْتُ لَیْسُ خَلَقَكَ اِیَّهٗ وَكَثِیْرًا
مِّنَ النَّاسِ عَنِ اٰیٰتِنَا لَغٰیِلُوْنَ ﴿۹۱﴾

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِیَ اِسْرٰٓءِیْلَ مَبْوَا صَدِیْقٍ فَرَدَدْنٰهُمْ مِّنَ
الْخِیْبَةِ قَبْلَ اَخْتِلَافُوْا حَتّٰی جَاؤُھُمُ الْاِلٰھُ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ
بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیَمَةِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾

وَ اِنۡ لَّمْ تَیْنِیْ شَیْءٌ مِّمَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ فَتَعٰیلِ الَّذِیْنَ یَعْرٰوْنَ
الْکِتٰبَ مِیْنۡ قَبْلِکَ لَقَدْ جَاؤُا لَکَ الْحَقُّ مِیْنۡ رَبِّکَ فَلَا تَلُوْثُوْا
مِنَ الْمُتَدْرِیْنَ ﴿۹۳﴾

(۱) اللہ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ اب ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ جب ایمان لانے کا وقت تھا، اس وقت تو نافرمانیوں اور فساد انگیزیوں میں مبتلا رہا۔

(۲) جب فرعون غرق ہو گیا تو اس کی موت کا بہت سے لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا، اس نے اس کی لاش کو باہر خشکی پر پھینک دیا، جس کا مشاہدہ پھر سب نے کیا۔ مشہور ہے کہ آج بھی یہ لاش مصر کے عجائب خانے میں محفوظ ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

(۳) یعنی ایک تو اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے، آپس میں اختلاف شروع کر دیا، پھر یہ اختلاف بھی، علمی اور جہالت کی وجہ سے نہیں کیا، بلکہ علم آجانے کے بعد کیا۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ اختلاف محض عناد اور تکبر کی بنیاد پر تھا۔

(۴) یہ خطاب یا تو عام انسانوں کو ہے یا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے امت کو تعظیم دی جا رہی ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو توحی کے بارے میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ”جو کتاب پڑھتے ہیں“ ان سے پوچھ لیں، ”کا مطلب ہے کہ قرآن مجید سے پہلے کی آسمانی کتابیں“ (تورات و انجیل وغیرہ) یعنی جن کے پاس یہ کتابیں موجود ہیں ان سے اس قرآن کی بابت معلوم کریں کیونکہ ان میں اس کی نشانیاں اور آخری پیغمبر کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا آيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونُوا مِنَ
الْخَاسِرِينَ ﴿٥٥﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَيْهِمْ كَيْدُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٦﴾

وَلَوْ جَاءَهُمْ مُّسْكِرٌ كَأَيْسَرِ الْعَذَابِ أَذِلَّةٌ ﴿٥٧﴾

فَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَفُتِنُوا فَنَنْصَبُ لَهُمْ آيَاتِنَا فَكَذَّبُوا عَنْهَا ﴿٥٨﴾

اور نہ ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی
آیتوں کو جھٹلایا، کہیں آپ خسارہ پانے والوں میں سے نہ
ہو جائیں۔^(۱) (۹۵)

یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی بات ثابت
ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ (۹۶)

گو ان کے پاس تمام نشانیاں پہنچ جائیں جب تک کہ وہ
دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔^(۲) (۹۷)

چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا اس کو نافع ہوتا
سوائے یونس (علیہ السلام) کی قوم کے۔^(۳) جب وہ ایمان

(۱) یہ بھی دراصل مخاطب امت کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تکذیب کا راستہ خسران اور تباہی کا راستہ ہے۔

(۲) یہ وہی لوگ ہیں جو کفر و مصیبت الہی میں اتنے غرق ہو چکے ہوتے ہیں کہ کوئی وعظ ان پر اثر نہیں کرتا اور کوئی
دلیل ان کے لیے کارگر نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ نافرمانیاں کر کر کے قبول حق کی فطری استعداد و صلاحیت کو وہ ختم کر لئے
ہوتے ہیں، ان کی آنکھیں اگر کھلتی ہیں تو اس وقت جب عذاب الہی ان کے سروں پر آجاتا ہے تب وہ ایمان اللہ کی
بارگاہ میں قبول نہیں ہوتا۔ ﴿فَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَفُتِنُوا فَنَنْصَبُ لَهُمْ آيَاتِنَا فَكَذَّبُوا عَنْهَا﴾ (الحسوم: ۱۸۵) ”جب وہ ہمارا عذاب دیکھ
چکے (اس وقت) ان کے ایمان نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا۔“

(۳) لَوْلَا یہاں تخفیف کے لیے حَلَّ کے معنی میں ہے یعنی جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا، ان میں کوئی ایک بستی بھی ایسی
کیوں نہ ہوئی جو ایسا ایمان لاتی جو اس کے لیے فائدہ مند ہوتا، ہاں صرف یونس علیہ السلام کی قوم ایسی ہوئی ہے کہ جب وہ
ایمان لے آئی تو اللہ نے اس سے عذاب دور کر دیا۔ اس کا مختصر یہ منظر یہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کی تبلیغ
و دعوت سے ان کی قوم متاثر نہیں ہو رہی تو انہوں نے اپنی قوم میں اعلان کر دیا کہ فلاں فلاں دن تم پر عذاب آجائے گا اور خود
وہاں سے نکل گئے۔ جب عذاب بادل کی طرح ان پر اتر آیا تو وہ بچوں، عورتوں حتیٰ کہ جانوروں سمیت ایک میہ ان میں جمع ہو
گئے اور اللہ کی بارگاہ میں عاجزی و انکساری اور توبہ و استغفار شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرما کر ان سے عذاب
ہٹال دیا، حضرت یونس علیہ السلام آنے جانے والے مسافروں سے اپنی قوم کا حال معلوم کرتے رہتے تھے انہیں جب معلوم ہوا
کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم سے عذاب ہٹال دیا ہے تو انہوں نے اپنی تکذیب کے بعد اس قوم میں جانا پسند نہیں کیا بلکہ ان سے
تاراج ہو کر وہ کسی اور طرف روانہ ہو گئے، جس پر وہ کشتی کا واقعہ پیش آیا (جس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی)۔ (فتح القدیر)
البتہ مفسرین کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ قوم یونس ایمان کب لائی؟ عذاب دیکھ کر لائی؟ جب کہ ایمان لانا نافع نہیں
ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس قانون سے مستثنیٰ کر کے اس کے ایمان کو قبول کر لیا۔ یا ابھی عذاب نہیں آیا تھا یعنی وہ

لَقَدْ آمَنُوا كَثَمْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَمَكْنَعْنَاهُمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۝

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مِنَ فِي الْأَرْضِ كُلَّ النَّاسِ أَفَأَنْتَ تَكْفُرُ
النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا امُؤْمِنِينَ ۝

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُوَظَّنَّ أَنْ لَا إِذْنُ لِلَّهِ وَفَعَلَ الْيَتِيمَ
عَلَىٰ الْكَافِرِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝

قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا تُنْفِقُونَ الْإِنِ
وَاللَّذُرْغَنَ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝

لے آئے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی
میں ان پر سے ٹال دیا اور ان کو ایک وقت (خاص) تک
کے لیے زندگی سے فائدہ اٹھانے (کا موقع) دیا۔ (۹۸)
اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ
سب کے سب ایمان لے آتے، (۹۹) تو کیا آپ لوگوں پر
زبردستی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ وہ مومن ہی ہو
جائیں۔ (۹۹)

حالانکہ کسی شخص کا ایمان لانا اللہ کے حکم کے بغیر ممکن
نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بے عقل لوگوں پر گندگی ڈال دیتا
ہے۔ (۱۰۰)

آپ کہہ دیجئے کہ تم غور کرو کہ کیا چیزیں آسمانوں میں اور
زمین میں ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کو نشانیں

مرحلہ نہیں آیا تھا کہ جب ایمان نافع نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن کریم نے قوم یونس کا الہ کے ساتھ جو اشتراک کیا ہے وہ یہی تفسیر کی
تائید کرتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(۱) قرآن نے دنیوی عذاب کے دور کرنے کی صراحت تو کی ہے، اخروی عذاب کی بابت صراحت نہیں کی، اس لیے
بعض مفسرین کے خیال میں اخروی عذاب ان سے ختم نہیں کیا گیا۔ لیکن جب قرآن نے یہ وضاحت کر دی کہ دنیوی
عذاب ایمان لانے کی وجہ سے ٹالا گیا تھا، تو پھر اخروی عذاب کی بابت صراحت کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی ہے۔
کیوں کہ اخروی عذاب کا فیصلہ تو ایمان اور عدم ایمان کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے۔ اگر ایمان لانے کے بعد قوم یونس اپنے
ایمان پر قائم رہی ہو گی، (جس کی صراحت یہاں نہیں ہے) تو یقیناً وہ اخروی عذاب سے بھی محفوظ رہے گی۔ البتہ
بصورت دیگر عذاب سے بچنا صرف دنیا کی حد تک ہی ہو گا۔ واللہ اعلم۔

(۲) لیکن اللہ نے ایسا نہیں چاہا، کیونکہ یہ اس کی اس حکمت و مصلحت کے خلاف ہے، جسے مکمل طور پر وہی جانتا ہے۔ یہ اس
لیے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید خواہش ہوتی تھی کہ سب مسلمان ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ نہیں ہو
سکتا کیونکہ مشیت الہی جو حکمت ہائے اور مصلحت راہ پر مبنی ہے، اس کی متغی نہیں۔ اس لیے آگے فرمایا کہ آپ لوگوں کو
زبردستی ایمان لانے پر کیسے مجبور کر سکتے ہیں؟ جب کہ آپ کے اندر اس کی طاقت ہے نہ اس کے آپ مکلف ہی ہیں۔

(۳) گندگی سے مراد عذاب یا کفر ہے۔ یعنی جو لوگ اللہ کی آیات پر غور نہیں کرتے، وہ کفر میں ہی مبتلا رہتے ہیں اور
یوں عذاب کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

اور دھمکیاں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتیں۔ (۱۰۱)

سو وہ لوگ صرف ان لوگوں کے سے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اچھا تو تم انتظار میں رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔ (۱۰۲)^(۱)

پھر ہم اپنے پیغمبروں کو اور ایمان والوں کو بچا لیتے تھے، اسی طرح ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔ (۱۰۳)

آپ کہہ دیجئے^(۲) کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو تو میں ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو،^(۳) لیکن ہاں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے۔^(۴) اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔ (۱۰۴)

اور یہ کہ اپنا رخ یکسو ہو کر (اس) دین کی طرف کر

فَعَلَّ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ آيَاتِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ قَاتِلُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿١٠٢﴾

فَعَزَّيْنِي رُسُلَنَا وَالدِّينَ لَسْنَا كَذَلِكَ ۖ حَقَّ عَلَيْنَا فِيهِمُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَكَّلُ وَأُؤْتِرُ أَنْ أَلُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٤﴾

وَأَنْ أَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ

(۱) یعنی یہ لوگ 'جن پر کوئی دلیل اور دھمکی اثر انداز نہیں ہوتی' لہذا ایمان نہیں لاتے۔ کیا اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے ساتھ بھی وہی تاریخ دہرائی جائے جن سے پچھلی امتیں گزر چکی ہیں۔ یعنی اہل ایمان کو بچا کر (جیسا کہ انکی آیت میں صراحت ہے) باقی سب کو ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ اگر اسی بات کا انتظار ہے تو ٹھیک ہے 'تم بھی انتظار کرو' میں بھی انتظار کر رہا ہوں۔

(۲) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرما رہا ہے کہ آپ تمام لوگوں پر یہ واضح کر دیں کہ میرا طریقہ اور مشرکین کا طریقہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

(۳) یعنی اگر تم میرے دین کے بارے میں شک کرتے ہو، جس میں صرف ایک اللہ کی عبادت ہے تو یہی دین حق ہے نہ کہ کوئی اور تو یاد رکھو کہ میں ان معبودوں کی کبھی اور کسی حال میں عبادت نہیں کروں گا جن کی تم کرتے ہو۔

(۴) یعنی موت و حیات اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی لیے جب وہ چاہے تمہیں ہلاک کر سکتا ہے، کیونکہ انسانوں کی جانیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

الْمُشْرِكِينَ ⑤

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِنْ الظَّالِمِينَ ⑥

وَلَنْ يَسْأَلَ اللَّهُ بِغُفْرَانِكَ لَوْلَا كَيْفَ لَكَ الْغُفْرَانُ يُرِيدُ أَنْ يَغْفِرَ لَكَ ذُنُوبَكَ لَافْضِلُهُ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ⑦

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدَى فَإِنَّمَا يَنْتَعِلُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ

لینا،^(۱) اور کبھی مشرکوں میں سے نہ ہونا۔ (۱۰۵)

اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا جو تجھ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی ضرر پہنچا سکے۔ پھر اگر ایسا کیا تو تم اس حالت میں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔^(۲) (۱۰۶)

اور اگر تم کو اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے اور کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں^(۳) وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے پھرا کر دے اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والا ہے۔ (۱۰۷)

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف سے پہنچ چکا ہے،^(۴) اس لیے جو شخص راہ راست پر آجائے سو وہ اپنے واسطے راہ راست پر آئے

(۱) حَبِيفُ کے معنی ہیں۔ ایک سو، یعنی ہر دین کو چھوڑ کر صرف دین اسلام کو اپنانا اور ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف ایک اللہ کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہونا۔

(۲) یعنی اگر اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کو آپ پکاریں گے جو کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں تو یہ ظلم کا ارتکاب ہو گا۔ ظلم کے معنی ہیں وَضَعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهِ کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھ دینا۔ عبادت چوتھے صرف اس اللہ کا حق ہے جس نے تمام کائنات بنائی ہے اور تمام اسباب حیات بھی وہی مہیا کرتا ہے تو اس مستحق عبادت ذات کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا گویا عبادت کا نہایت ہی غلط استعمال ہے۔ اسی لیے شرک کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں بھی خطاب اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اصل مخاطب افراد انسانی اور امت محمدیہ ہے۔

(۳) خیر کو یہاں فضل سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جو بھلائی کا معاملہ فرماتا ہے، اعمال کے اعتبار سے اگرچہ بندے اس کے مستحق نہیں لیکن یہ محض اس کا فضل ہے کہ وہ اعمال سے قطع نظر کرتے ہوئے، انسانوں پر پھر بھی رحم و کرم فرماتا ہے۔

(۴) حق سے مراد قرآن اور دین اسلام ہے جس میں توحید الہی اور رسالت محمدیہ پر ایمان نہایت ضروری ہے۔

عَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكَ بِرَكِيبٍ ۝

وَالَّذِي مَأْيُوتِي إِلَيْكَ وَأَصْبَحَ حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ
الْعَاكِفِينَ ۝

يُونُسُ ۝

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

گا^(۱) اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا اسی پر
پڑے گا^(۲) اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا۔^(۳) (۱۰۸)

اور آپ اس کی اتباع کرتے رہیے جو کچھ آپ کے پاس
دئی بھیجی جاتی ہے اور مبر کیجئے^(۴) یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر
دے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھا ہے۔^(۵) (۱۰۹)

سورۃ ہود کی ہے اور اس کی ایک سو تیس آیتیں اور
دس رکوع ہیں

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا
رحم والا ہے۔

(۱) یعنی اس کا فائدہ اسی کو ہو گا کہ قیامت والے دن اللہ کے عذاب سے بچ جائے گا۔

(۲) یعنی اس کا نقصان اور وبال اسی پر پڑے گا کہ قیامت کو جنم کی آگ میں جلے گا۔ گویا کوئی ہدایت کا راستہ اپنائے گا تو
اس سے کوئی اللہ کی طاقت میں اضافہ نہیں ہو جائے گا اور اگر کوئی کفر و ملامت کو اختیار کرے گا تو اس سے اللہ کی
حکومت و طاقت میں کوئی فرق واقع نہیں ہو جائے گا۔ گویا ایمان و ہدایت کی ترغیب اور کفر و ملامت سے بچنے کی تاکید و
ترہیب دونوں سے مقصد انسانوں ہی کی بھلائی اور خیر خواہی ہے۔ اللہ کی اپنی کوئی غرض نہیں ہے۔

(۳) یعنی یہ ذمہ داری مجھے نہیں سونپی گئی ہے کہ میں ہر صورت میں تمہیں مسلمان بنا کر چھوڑوں بلکہ میں تو صرف بشر
اور نذیر اور مبلغ اور داعی ہوں۔ میرا کام صرف اہل ایمان کو خوشخبری دینا، نافرمانوں کو اللہ کے عذاب اور اس کے
مواخذے سے ڈرانا اور اللہ کے پیغام کی دعوت و تبلیغ ہے۔ کوئی اس دعوت کو مان کر ایمان لاتا ہے تو ٹھیک ہے، کوئی
نہیں مانتا تو میں اس بات کا مکلف نہیں ہوں کہ اس سے زبردستی منوا کر چھوڑوں۔

(۴) اللہ تعالیٰ جس چیز کی دئی کرے، اسے مضبوطی سے پکڑ لیں، جس کا امر کرے، اسے عمل میں لائیں، جس سے روکے،
رک جائیں اور کسی چیز میں کوتاہی نہ کریں۔ اور وحی کی اطاعت و اتباع میں جو تکلیفیں آئیں، مخالفین کی طرف سے جو
ایذا آئیں پہنچیں اور تبلیغ و دعوت کی راہ میں جن دشواریوں سے گزرنا پڑے، ان پر مبر کریں اور ثابت قدمی سے سب کا مقابلہ
کریں۔

(۵) کیونکہ اس کا علم بھی کامل ہے، اس کی قدرت و طاقت بھی وسیع ہے اور اس کی رحمت بھی عام ہے۔ اس لیے اس
سے زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟

☆ اس سورت میں بھی ان قوموں کا تذکرہ ہے جو آیات الہی اور پیغمبروں کی تکذیب کر کے عذاب الہی کا شہ نہ بنیں اور
تاریخ کے صفحات سے یا تو حرف غلط کی طرح مٹ گئیں، یا اوراق تاریخ پر عبرت کا نمونہ بنی موجود ہیں اسی لیے حدیث

الر' یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں حکم کی گئی ہیں^(۱) پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں^(۲) ایک حکیم باخبر کی طرف سے۔^(۳) (۱)

یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو میں تم کو اللہ کی طرف سے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔ (۲)

اور یہ کہ تم لوگ اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ پھر اسی کی طرف متوجہ رہو وہ تم کو وقت مقرر تک اچھا سامان^(۴) (زندگی) دے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا۔ اور اگر تم لوگ اعراض کرتے رہے تو مجھ کو تمہارے لیے ایک بڑے دن^(۵) کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ (۳)

تم کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ (۴)

الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْكُمْ لَئِنْ مُنِيَ عَنْكُمْ فُجُورَكُمْ لَعَنَّا إِيَّاهُ إِنَّ اللَّهَ يَكُونُ لَكُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝

لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَذْتُ الْعَهْدَ مِنْكُمْ أَنْ تَعْبُدُونِي ۝

وَإِنْ سَأَلْتُمْ عَنِ النَّبِيِّ فَقُلُوا إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ فَاعْبُدُوا اللَّهَ ۝
أَجِبْ مُسْأَلَهُمْ فِي مَا سَأَلْتَهُمْ لَعَلَّ فَضْلَهُ يُدْرِكُ الْيُوسُفَ ۝
أَتَأْتُونَ النَّبِيَّ وَلَمْ تُخِشُوا اللَّهَ الَّذِي تَعْبُدُونَ ۝

إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ وَمُوَعَّلٌ لَكُمْ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ۝

میں آتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا بات ہے آپ بوڑھے سے نظر آتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”مجھے سورۃ ہود واقعہ عم یقساء لون اور اذا الشمس کورت وغیرہ نے بوڑھا کر دیا ہے۔“ (ترمذی - نمبر ۳۲۹ - صحیح ترمذی لا لبانی ۳/ ۱۱۳)

(۱) یعنی الفاظ و نظم کے اعتبار سے اتنی حکم اور پختہ ہیں کہ ان کی ترکیب اور معنی میں کوئی خلل نہیں۔

(۲) پھر اس میں احکام و شرائع، مواعظ و قصص، عقائد و ایمانیات اور آداب و اخلاق جس طرح وضاحت اور تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، پیچیدگی کتابوں میں اس کی نظیر نہیں آئی۔

(۳) یعنی اپنے اقوال میں حکیم ہے اس لیے اس کی طرف سے نازل کردہ باتیں حکمت سے خالی نہیں اور وہ خبر بھی ہے یعنی تمام محاطات اور ان کے انجام سے باخبر ہے۔ اس لیے اس کی باتوں پر عمل کرنے سے ہی انسان برے انجام سے بچ سکتا ہے۔

(۴) یہاں اس سامان دنیا کو جس کو قرآن نے عام طور پر ”متاع غرور“ دھوکے کا سامان۔ کہا ہے، یہاں اسے ”متاع حسن“ قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو آخرت سے غافل ہو کر متاع دنیا سے استفادہ کر لے گا اس کے لیے یہ متاع غرور ہے، کیونکہ اس کے بعد اسے برے انجام سے دوچار ہونا ہے اور جو آخرت کی تیاری کے ساتھ ساتھ اس سے فائدہ اٹھائے گا اس کے لیے یہ چند روزہ سامان زندگی متاع حسن ہے کیونکہ اس نے اسے اللہ کے احکام کے مطابق برتا ہے۔

(۵) بڑے دن سے مراد قیامت کا دن ہے۔

الَّذِينَ يَدْعُونَ يَدْعُونَ ضُرُورًا وَلَسْتَ تَخَوُّهُمْ إِنَّهُمْ يَدْعُونَ
 رَبَّهُمْ يَدْعُونَ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِمْ عِلْمٌ وَإِنَّهُمْ عَلَىٰ بَاطِلٍ
 الْمُنَادِرِ ۝

یاد رکھو وہ لوگ اپنے سینوں کو دہرا کیے دیتے ہیں مگر
 اپنی باتیں (اللہ) سے چھپا سکیں۔^(۱) یاد رکھو کہ وہ لوگ
 جس وقت اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں وہ اس وقت بھی سب
 جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔
 بالیقین وہ دلوں کے اندر کی باتیں جانتا ہے۔ (۵)

(۱) اس کی شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے اس لیے اس کے مفہوم میں بھی اختلاف ہے۔ تاہم صحیح بخاری (تفسیر سورہ
 ہود) میں بیان کر رہے ہیں کہ یہ ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو غیبی حیا کی وجہ سے
 قضائے حاجت اور بیوی سے ہم بستری کے وقت برہنہ ہونا پسند نہیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے اس لیے ایسے
 موقعوں پر وہ شرم گاہ کو چھپانے کے لیے اپنے سینوں کو دہرا کر لیتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ رات کو اندھیرے میں جب وہ بستروں
 میں اپنے آپ کو کپڑوں میں ڈھانپ لیتے تھے تو اس وقت بھی وہ ان کو دیکھتا اور ان کی چھپی اور علانیہ باتوں کو جانتا ہے مطلب
 یہ کہ شرم و حیا کا جذبہ اپنی جگہ بہت اچھا ہے لیکن اس میں اتنا غلو اور افراط بھی صحیح نہیں اس لیے کہ جس ذات کی خاطر وہ ایسا
 کرتے ہیں اس سے تو پھر بھی وہ نہیں چھپ سکتے تو پھر اس طرح کے تکلف کا کیا فائدہ؟

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رُحُوتُهَا
وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ①

وَمَا كَانَ مِنْ خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فِي سَاعَةٍ إِلَّا أَمْرٌ وَكَانَ
عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ يَمِيلُ لَكُمْ الْكُلُّ أَحْسَنُ عَمَلًا وَلَئِنْ قُلْتُمْ
إِنَّكُمْ مَقْبُوءُونَ مِنَ اللَّهِ الْمُتَوَاتِرُ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ
هَذَا إِلَّا كِبْرُؤُنَا ②

زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی
روزیاں اللہ تعالیٰ پر ہیں^(۱) وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ
کو جانتا ہے اور ان کے سوچے جانے^(۲) کی جگہ کو بھی
سب کچھ واضح کتاب میں موجود ہے۔ (۶)

اللہ ہی وہ ہے جس نے چھ دن میں آسمان و زمین کو پیدا کیا
اور اس کا عرش پانی پر تھا^(۳) تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم
میں سے اچھے عمل والا کون ہے^(۴) اگر آپ ان سے
کہیں کہ تم لوگ مرنے کے بعد اٹھا کھڑے کیے جاؤ گے تو
کافر لوگ پلٹ کر جواب دیں گے کہ یہ تو نرا صاف
صاف جالو ہی ہے۔ (۷)

(۱) یعنی وہ کفیل اور ذمے دار ہے۔ زمین پر چلنے والی ہر مخلوق، انسان ہو یا جن، چرند ہو یا پرند، چھوٹی ہو یا بڑی، بحری ہو یا
بری۔ ہر ایک کو اس کی نوعی یا جنسی ضروریات کے مطابق وہ خوراک مہیا کرتا ہے۔

(۲) مستقر اور مستودع کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ختم ہائے سیر (یعنی زمین میں چل پھر کر جہاں رک
جائے) مستقر ہے اور جس کو ٹھکانہ بنائے وہ مستودع ہے۔ بعض کے نزدیک رحم مادر مستقر اور باپ کی صلب مستودع ہے
اور بعض کے نزدیک زندگی میں انسان یا حیوان جہاں رہائش پذیر ہو، وہ اس کا مستقر ہے اور جہاں مرنے کے بعد دفن ہو،
وہ مستودع ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) امام شوکانی کہتے ہیں، مستقر سے مراد رحم مادر اور مستودع سے وہ حصہ زمین ہے جس
میں دفن ہو اور امام حاکم کی ایک روایت کی بنیاد پر اسی کو ترجیح دی ہے۔ بہر حال جو بھی مطلب لیا جائے، آیت کا مضمون
واضح ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کے مستقر و مستودع کا علم ہے، اس لیے وہ ہر ایک کو روزی پہنچانے پر قادر ہے
اور ذمے دار ہے اور وہ اپنی ذمے داری پوری کرتا ہے۔

(۳) یہی بات صحیح احادیث میں بھی بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی
تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل، مخلوقات کی تقدیر لکھی، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا“۔ (صحیح مسلم، کتاب
المقدار نیز دیکھئے، صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق)

(۴) یعنی یہ آسمان و زمین یوں ہی عبث اور بلا مقصد نہیں بنائے، بلکہ اس سے مقصود انسانوں (اور جنوں) کی آزمائش ہے
کہ کون اچھے اعمال کرتا ہے؟

ملحوظہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کون زیادہ عمل کرتا ہے بلکہ فرمایا کون زیادہ اچھے عمل کرتا ہے اس لیے کہ اچھا
عمل وہ ہوتا ہے جو صرف رضائے الہی کی خاطر ہو اور دوسرا یہ کہ وہ سنت کے مطابق ہو۔ ان دو شرطوں میں سے ایک شرط بھی
فوت ہو جائے گی تو وہ اچھا عمل نہیں رہے گا، پھر وہ چاہے کتنا بھی زیادہ ہو، اللہ کے ہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

وَلَيْنَ أَخْرَجْنَاهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰ أَتَقْتِدُونَ لِقَوْلِ
مَا يَحْكُمُ الْأَوَّلُونَ مَا يَنْتَهِمُ لَيْسَ مَعُودًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ
مَا كَانُوا بِمِثْقَالِ ذَرَّةٍ يَسْتَهْزِءُونَ ①

وَلَيْنَ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ رَدَدْنَاهَا عَلَيْهِ إِنَّهُ
لَيَكُونُ لَكُفُورًا ②

وَلَيْنَ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَاءٍ مِّثْلُهَا لَيَكُونُ لَذَابِ
النَّيِّبَاتِ عَذَابًا إِنَّهُ لَكَفُورٌ فَكُفُورٌ ③

اور اگر ہم ان سے عذاب کو گئی جتنی مدت تک کے لیے
پیچھے ڈال دیں تو یہ ضرور پکارا نہیں گے کہ عذاب کو کون
سی چیز روکے ہوئے ہے، سنو! جس دن وہ ان کے پاس
آئے گا پھر ان سے ملنے والا نہیں پھر تو جس چیز کی ہنسی
اڑا رہے تھے وہ انہیں گھبرائے گی۔^(۸)

اگر ہم انسان کو اپنی کسی نعمت کا ذائقہ چکھا کر پھر اسے
اس سے لے لیں تو وہ بہت ہی ناامید اور بڑا ہی ناشکرا بن
جاتا ہے۔^(۹)

اور اگر ہم اسے کوئی نعمت چکھائیں اس سختی کے بعد جو
اسے پہنچ چکی تھی تو وہ کہنے لگتا ہے کہ بس برائیاں مجھ
سے جاتی رہیں^(۱۰) یقیناً وہ بڑا ہی اترائے والا شیخی خور
ہے۔^(۱۱)

(۱) یہاں استعمال (جلد طلب کرنے) کو استہزا سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ وہ استعمال بطور استہزا ہی ہوتا تھا۔ بہرحال مقصود یہ
سمجھانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاخیر پر انسان کو غفلت میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے اس کی گرفت کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔
(۲) انسانوں میں عام طور پر جو مذموم صفات پائی جاتی ہیں اس میں اور اگلی آیت میں ان کا بیان ہے۔ ناامیدی کا تعلق
مستقبل سے ہے اور ناشکری کا ماضی و حال سے۔

(۳) یعنی سمجھتا ہے کہ غنیمتوں کا دور گزر گیا ہے اب اسے کوئی تکلیف نہیں آئے گی۔

أَمَّةٌ کے مختلف مفہوم: آیت نمبر ۸ میں اُمّة کا لفظ آیا ہے۔ یہ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف مفہوم میں استعمال
ہوا ہے۔ یہ ام سے مشتق ہے جس کے معنی قصد کے ہیں۔ یہاں اس کے معنی اس وقت اور مدت کے ہیں جو نزول
عذاب کے لیے مقصود ہے (فتح القدیر) سورہ یوسف کی آیت ۳۵ ﴿وَلَا تَوَسَّطُ لِقَائِهِ﴾ میں بھی یہی مفہوم ہے اس کے علاوہ
جن معنوں میں اس کا استعمال ہوا ہے ان میں ایک امام و پیشوا ہے۔ جیسے ﴿إِنَّا بَعَثْنَا فِي الْأُمَمِ﴾ (السجۃ ۲۰) مت اور
دین ہے جیسے ﴿إِنَّا وَجَدْنَاهَا مُتَّحِلَةً لِأَمَّةٍ﴾ (الرہوف ۳۳) جماعت اور طاقت ہے جیسے ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مَاءً مَّذِينًا وَجَعَلْنَاهُ
أَمَّةً مِنَ النَّاسِ﴾ (القصص ۳۳) ﴿وَمِنْ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ﴾ (الأعراف ۱۵۹) وغیرہ وہ مخصوص گروہ یا قوم ہے جس کی طرف
کوئی رسول مبعوث ہو۔ ﴿وَيُحْيِي الْأَمَّةَ تَرْسُولًا﴾ (یوسف ۴۷) اس کو امت دعوت بھی کہتے ہیں۔ اور اسی طرح پیغمبر ایمان
لانے والوں کو بھی امت یا امت اتباع یا امت اجابت کہا جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

(۴) یعنی جو کچھ اس کے پاس ہے اس پر اترتا اور دوسروں پر فخر و غرور کا اظہار کرتا ہے۔ تاہم ان صفات مذمومہ سے
اہل ایمان اور صاحب اعمال صالحہ مستثنیٰ ہیں جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ
مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝

قُلْ لَّكَ تَابُوتُ نَحْضُ مَا يُؤْتِي إِلَيْكَ وَصَلَاتُ يَوْمٍ
صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابٌ أَوْجَاءُ مَعَهُ
مَلَكٌ إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ مُفْتَرِيَاتٌ
ادْعُوا مَنِ اسْتَعْتَبْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

سوائے ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نیک کاموں میں لگے
رہتے ہیں۔ انہی لوگوں کے لیے بخشش بھی ہے اور بہت
بڑا نیک^(۱) بدلہ بھی۔ (۱۱)

پس شاید کہ آپ اس وحی کے کسی حصے کو چھوڑ دینے
والے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی جاتی ہے اور اس
سے آپ کا دل تنگ ہے، صرف ان کی اس بات پر کہ
اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اترتا؟ یا اس کے ساتھ کوئی
فرشتہ ہی آتا، سن لیجئے! آپ تو صرف ڈرانے والے ہی
ہیں^(۲) اور ہر چیز کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے۔ (۱۲)

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اسی نے گھڑا ہے۔ جواب
دیتے ہیں کہ پھر تم بھی اسی کے مثل دس سو قلم گھڑی ہوئی
لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے چاہو اپنے ساتھ بلا بھی لو اگر
تم سچے ہو۔^(۳) (۱۳)

(۱) یعنی اہل ایمان، راحت و فراغت ہو یا تنگی اور مصیبت، دونوں حالتوں میں اللہ کے احکام کے مطابق طرز عمل اختیار
کرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ
میں میری جان ہے“ اللہ تعالیٰ مومن کے لیے جو بھی فیصلہ فرماتا ہے اس میں اس کے لیے بہتری کا پسو ہوتا ہے۔ اگر اس
کو راحت پہنچتی ہے تو اس پر اللہ کا شکر کرتا ہے جو اس کے لیے بہتر (یعنی اجر کا باعث) ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچتی
ہے تو صبر کرتا ہے یہ بھی اس کے لیے بہتر (یعنی اجر و ثواب کا باعث) ہے یہ امتیاز ایک مومن کے سوا کسی کو حاصل
نہیں۔ (صحیح مسلم، کتاب الرہل، باب المؤمن امورہ کملہ عیبر، اور ایک اور حدیث میں فرمایا کہ ”مومن کو
جو بھی فکر و غم اور تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ اسے کانٹا چھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی غصیوں معاف فرماتا
ہے۔“ (مسند احمد، جلد ۳، ص ۴) سورۃ معارج کی آیات ۱۹، ۲۲ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(۲) مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کہتے رہتے تھے کہ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں ہوتا یا اس کی طرف
کوئی خزانہ کیوں نہیں اتار دیا جاتا۔ (الفورقان، ۸۰) ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا ”ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ آپ کی بابت جو
باتیں کہتے ہیں ان سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے“ (سورۃ الحجر، ۹۸) اس آیت میں انہی باتوں کے حوالے سے کہا جا رہا ہے کہ
شاید آپ کا سینہ تنگ ہو اور کچھ باتیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہیں اور وہ مشرکین پر گراں گزرتی ہیں، ممکن ہے آپ وہ
انہیں سنا پسند نہ کریں۔ آپ کا کام صرف انذار و تبلیغ ہے، وہ آپ ہر صورت میں کئے جائیں۔

(۳) امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے چیلنج دیا کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ

قَالُوا يَنْتَظِرُونَ الْكُفْرَ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ وَإِنْ لَكَ آيَةٌ إِلَّا أَنْتَ الْإِلَهُ الْوَحِيدُ ۝

پھر اگر وہ تمہاری اس بات کو قبول نہ کریں تو تم یقین سے جان لو کہ یہ قرآن اللہ کے علم کے ساتھ اتارا گیا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پس کیا تم مسلمان ہوتے ہو؟^(۱۳)

مَنْ كَانَ يَرْيِدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزُيِّنَتْ لَهُ فِيهَا أَمْثَلُ الثَّمَرَاتِ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ يَرْتَضَوْنَ بِهِنَّ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت پر فریفتہ ہوا چاہتا ہو ہم ایسوں کو ان کے کل اعمال (کا بدلہ) ہمیں بھرپور پہنچا دیتے ہیں اور یہاں انہیں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ (۱۵) ہاں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں اور جو کچھ انہوں نے یہاں کیا ہو گا وہاں سب اکارت ہے اور جو کچھ ان کے اعمال تھے سب برہلو ہونے والے ہیں۔^(۱۶)

أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَخِطَّمَا صَعَقُوا فِيهَا وَبُطِلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

و مسلم) کا بنایا ہوا قرآن ہے، تو اس کی نظیر پیش کر کے دکھا دو، اور تم جس کی چاہو، مدد حاصل کر لو، لیکن تم بھی ایسے نہیں کر سکو گے۔ فرمایا: ﴿قُلْ لَكُمْ أَجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْإِنْسُ وَالْإِنْسُ لَنْ يَأْتُوا بِشَيْءٍ هَذَا الْقُرْآنُ لَأَنْتُمْ لَا تَأْتُونَ بِشَيْءٍ وَلَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (یسی اسراہیل ۸۸) "اعلان کر دیجئے! کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل مانا چاہیں، تو ان سب سے اس کے مثل لانا مشکل ہے، گو وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔" اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ چیلنج دیا کہ پورا قرآن بنا کر پیش نہیں کر سکتے تو دس سورتیں ہی بنا کر پیش کر دو۔ جیسا کہ اس مقام پر ہے۔ پھر تیسرے نمبر پر چیلنج دیا کہ چلو ایک سورت بنا کر پیش کر دو جیسا کہ سورہ یونس کی آیت ۳۹ اور سورہ بقرہ کے آغاز میں فرمایا (تفسیر ابن کثیر، زیر بحث آیت سورہ یونس) اور اس بناء پر آخری چیلنج یہ ہو سکتا ہے کہ اس جیسی ایک بات ہی بنا کر پیش کر دو۔ ﴿قُلْ إِنَّا بِشَيْءٍ مُتَخَلِّفِينَ إِنْ كُنَّا مُصَدِّقِينَ﴾ (الطہور: ۳۴) مگر ترتیب نزول سے چیلنج کی اس ترتیب کی تائید نہیں ہوتی۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

(۱) یعنی کیا اس کے بعد بھی کہ تم اس چیلنج کا جواب دینے سے قاصر ہو، یہ ماننے کے لیے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے، آمادہ نہیں ہو اور نہ مسلمان ہونے کے لیے تیار ہو؟

(۲) ان دو آیات کے بارے میں بعض کا خیال ہے کہ اس میں اہل ریا کا ذکر ہے، بعض کے نزدیک اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور بعض کے نزدیک اس میں طالبان دنیا کا ذکر ہے۔ کیونکہ دنیا دار بھی جو بعض اچھے عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی جزا نہیں دنیا میں دے دیتا ہے، آخرت میں ان کے لیے سوائے عذاب کے اور کچھ نہیں ہو گا۔ اسی مضمون کو قرآن مجید میں سورہ بنی اسرائیل، آیات ۱۸، ۲۱ اور سورہ شوریٰ، آیت ۲۰ میں بیان کیا گیا ہے۔

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ يَدَيْنِهِ مِزَانٌ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابٌ مُّؤَيَّدٌ إِمَامًا وَرَحْمَةً أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿١٠﴾
مِثْلَهُ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾

کیا وہ شخص جو اپنے رب کے پاس کی دلیل پر ہو اور اس کے ساتھ اللہ کی طرف کا گواہ ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (گواہ ہو) جو پیشوا اور رحمت ہے (اور اس کے برابر ہو سکتا ہے؟)۔ (۱۰) یہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں (۱۱) اور تمام فرقوں میں سے جو بھی اس کا منکر ہو اس کے آخری وعدے کی جگہ جہنم (۱۲) ہے، پس تو اس میں کسی قسم کے شبہ میں نہ رہ، یقیناً یہ تیرے رب کی جانب سے سراسر برحق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان لانے والے

(۱) منکرین اور کافرین کے مقابلے میں اہل فطرت اور اہل ایمان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ ”اپنے رب کی طرف سے دیں“ سے مراد وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا ہے اور وہ ہے اللہ واحد کا اعتراف اور اسی کی عبادت۔ جس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کافرانہ ہے کہ ”ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے“ پس اس کے بعد اس کے ماں باپ اسے یودی، نصرانی، یا مجوسی بنادیتے ہیں۔۔۔“ (صحیح بخاری کتاب الجہاد و المسلمین، کتاب الفتن یتلوا) کے معنی ہیں، اس کے پیچھے۔ یعنی اس کے ساتھ اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی ہو گواہ سے مراد قرآن، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو اس فطرت صحیح کی طرف دعوت دیتے اور اس کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اور اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات بھی جو پیشوا بھی ہے اور رحمت کا سبب بھی ہے۔ یعنی یہ کتاب موسیٰ علیہ السلام بھی قرآن پر ایمان لانے کی طرف رہنمائی کرنے والی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک وہ شخص ہے جو منکر و کافر ہے اور اس کے مقابلے میں ایک دوسرا شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل پر قائم ہے، اس پر ایک گواہ (قرآن) یا پیغمبر اسلام ﷺ بھی ہے، اسی طرح اس سے قبل نازل ہونے والی کتب، تورات، میں بھی اس کے لیے پیشوائی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اور وہ ایمان لے آتا ہے کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک مومن ہے اور دوسرا کافر۔ ایک ہر طرح کے دلائل سے لیس ہے دوسرا بالکل خالی ہے۔

(۲) یعنی جن کے اندر مذکورہ اوصاف پائے جائیں گے وہ قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے۔
(۳) تمام فرقوں سے مراد، روئے زمین پر پائے جانے والے مذاہب ہیں، یودی، عیسائی، زرتشتی، بدھ مت، مجوسی اور مشرکین و کفار وغیرہم، جو بھی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے گا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جسے اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے ”قسم ہے، اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس امت کے جس یودی، یا عیسائی نے بھی میری نبوت کی بابت سنا اور پھر مجھ پر ایمان نہیں لایا، وہ جہنم میں جائے گا“ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالة نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم إلی جمیع الناس) یہ مضمون اس سے قبل سورہ بقرہ، آیت ۶۲ اور سورہ نساء آیت ۱۵۰، ۱۵۲ میں بھی گزر چکا ہے۔

نہیں ہوتے۔^(۱) (۱۷)

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے^(۲) یہ لوگ اپنے پروردگار کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور سارے گواہ کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ باندھا، خبردار ہو کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔^(۳) (۱۸)

جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کر لیتے ہیں۔^(۴) یہی آخرت کے منکر ہیں۔ (۱۹)

نہ یہ لوگ دنیا میں اللہ کو ہراسے اور نہ ان کا کوئی حمایتی اللہ کے سوا ہوا، ان کے لیے عذاب دگنا کیا جائے گا نہ یہ سننے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ یہ دیکھتے ہی تھے۔^(۵) (۲۰)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۝

أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ مَعْرِضٌ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ يُضَاعِفُ لَهُمْ الْعَذَابَ مَا كَانُوا يَسْتَظِيمُونَ ۝ السَّمْعُ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ۝

(۱) یہ وہی مضمون ہے جو قرآن مجید کے مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ ﴿وَمَا أَتَيْنَا لَوْلَا عَرْشُتُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ — (سورہ یوسف - ۱۰۳) ”تیری خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے“ ﴿وَلَقَدْ مَكَّنَّا عَفْيَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِمْ فَلَهُمْ نَاصِرَةٌ﴾ (الْأَنْفِيقَاتِ الْمُؤْمِنِينَ) (سورہ صبا - ۲۰) ”ابلیس نے اپنا گمان سچا کر دکھایا، مومنوں کے ایک گروہ کے سوا سب اس کے پیروکار بن گئے۔“

(۲) یعنی جن کو اللہ نے کائنات میں تصرف کرنے کا یا آخرت میں شفاعت کا اختیار نہیں دیا ہے، ان کی بابت یہ کہا جائے کہ اللہ نے انہیں یہ اختیار دیا ہے۔

(۳) حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح آتی ہے کہ ”قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ایک مومن سے اس کے گناہوں کا اقرار و اعتراف کروائے گا کہ تجھے معلوم ہے کہ تو نے فلاں گناہ بھی کیا تھا، فلاں بھی کیا تھا، وہ مومن کے گناہ ہاں ٹھیک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے ان گناہوں پر دنیا میں بھی پردہ ڈالے رکھا تھا، جا آج بھی انہیں معاف کرتا ہوں۔ لیکن دوسرے لوگ یا کافروں کا معاملہ ایسا ہو گا کہ انہیں گواہوں کے سامنے پکارا جائے گا اور گواہ یہ گواہی دیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔“ (صحیح بخاری تفسیر سورہ ہود)

(۴) یعنی لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے اس میں کجیاں تلاش کرتے اور لوگوں کو اس سے متنفر کرتے ہیں۔

(۵) یعنی ان کا حق سے اعراض اور بغض اس انتہا پر پہنچا ہوا تھا کہ یہ اسے سننے اور دیکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے تھے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے ان کو کان اور آنکھیں تو دی تھیں لیکن انہوں نے ان سے حق کی بات نہ سنی اور نہ دیکھی۔ گویا ﴿فَمَا آخَرُهُمْ سَمِعُوهُمْ وَلَا بَصَرُ لَهُمْ وَلَا أَفْئِدَةٌ لَهُمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ (سورہ الاحقاف - ۱۸) ”نہ ان کے کانوں نے انہیں کوئی فائدہ پہنچایا، نہ ان کی آنکھوں اور دلوں نے“ کیونکہ وہ حق کے سننے سے برے اور حق کے دیکھنے سے اندھے بنے رہے۔“

أُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۲۱﴾

لَا خَيْرَ لَهُمْ فِي الْأَجْرَةِ وَالْآخِرُونَ ﴿۲۲﴾

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَحْبَبُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ
أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۳﴾

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَصْحَىٰ وَالضُّعْفَىٰ وَالْبَصِيرَ وَالسُّعْفَىٰ هَلْ
يَسْتَوِينَ مَثَلًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۴﴾

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِلَىٰ أَنْ يَخُذَ أَلْفًا مِّنْهُمْ

أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنَّي لَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

یہی ہیں جنہوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا اور وہ سب کچھ
ان سے کھو گیا جو انہوں نے گمراہ رکھا تھا۔ (۲۱)

بیشک یہی لوگ آخرت میں زیاں کار ہوں گے۔ (۲۲)

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی
نیک کیے اور اپنے پالنے والے کی طرف جھکتے رہے
وہی جنت میں جانے والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ ہی رہنے
والے ہیں۔ (۲۳)

ان دونوں فرقوں کی مثال اندھے، بہرے اور دیکھنے سننے
والے جیسی ہے۔ کیا یہ دونوں مثال میں برابر ہیں؟ کیا
پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ (۲۴)

یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف
رسول بنا کر بھیجا کہ میں تمہیں صاف صاف ہوشیار کر
دینے والا ہوں۔ (۲۵)

کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو، (۲۶) مجھے تو تم پر

جس طرح کہ وہ جہنم میں داخل ہوتے ہوئے کہیں گے ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ (الحمد: ۱۰)
”اگر ہم سنتے اور عقل سے کام لیتے تو آج جہنم میں نہ جاتے۔“

(۱) کچھ آیات میں مومنین اور کافرین اور سعادت مندوں اور بد بختوں دونوں کا تذکرہ فرمایا۔ اب اس میں دونوں کی
مثال بیان فرما کر دونوں کی حقیقت کو مزید واضح کیا جا رہا ہے۔ فرمایا ”ایک کی مثال اندھے اور بہرے کی طرح ہے اور
دوسرے کی مثال دیکھنے اور سننے والے کی طرح۔ کافر دنیا میں حق کا دوسرے زیادہ دیکھنے سے محروم اور آخرت میں نجات کے
راستے سے بے بہرہ“ اسی طرح حق کے دلائل سننے سے بے بہرہ ہوتا ہے اسی لیے ایسی باتوں سے محروم رہتا ہے جو اس
کے لیے مفید ہوں۔ اس کے برعکس مومن سمجھ دار، حق کو دیکھنے والا اور حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا ہوتا ہے۔
چنانچہ وہ حق اور خیر کی پیروی کرتا ہے، دلائل کو سنتا اور ان کے ذریعے سے شہادت کا ازالہ کرتا اور باطل سے اجتناب
کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ استفہام نفی کے لئے ہے۔ یعنی دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جیسے دوسرے مقام پر
فرمایا ﴿لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ (سورة الحشر: ۲۰) ”جنتی دوزخی برابر نہیں
ہو سکتے۔ جنتی تو کامیاب ہونے والے ہیں“ ایک اور مقام پر اسے اس طرح بیان فرمایا ”اندھا اور دیکھنے والا برابر
نہیں۔ اندھے اور روشنی، سایہ اور دھوپ برابر نہیں، زندے اور مردے برابر نہیں۔“ (سورة طہ: ۱۰۱)

(۲) یہ وہی دعوت توحید ہے جو ہر نبی نے آکر اپنی اپنی قوم کو دی۔ جس طرح فرمایا ﴿وَمَا رِسَالَاتِي إِلَّا

الَّذِينَ

لَقَدْ قَالَ الْمَلَائِكَةُ لَكَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا تَزِدُّ إِلَّا عُتْرًا
يُثَلَّثُوا وَمَا تَزِدُّ إِلَّا عُتْرًا هُمْ لَا يَدْرُونَ
بِأَدْوَى الزَّاهِي وَمَا نَزَلْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلِ نَفْسِكَ
كَذِبِينَ

وردناک دن کے عذاب کا خوف^(۱) ہے۔ (۳۶)

اس کی قوم کے کافروں کے سرداروں نے جواب دیا کہ
ہم تو تجھے اپنے جیسا انسان ہی دیکھتے ہیں^(۲) اور تیرے
تابعداروں کو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سوگ واضح طور پر
سوائے بچ^(۳) لوگوں کے^(۴) اور کوئی نہیں جو بے سوچے
کچھ (تمہاری پیروی کر رہے ہیں) ہم تو تمہاری کسی قسم
کی برتری اپنے اوپر نہیں دیکھ رہے بلکہ ہم تو تمہیں
جھوٹا سمجھ رہے ہیں۔ (۳۷)

لَوْحٌ إِلَيْهِ آتُوهُ لَإِنَّا لَنَافِعُونَ ﴿١٥﴾ (الأنبياء: ۱۵) ”جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی کی کہ
میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری ہی عبادت کرو۔“

(۱) یعنی اگر مجھ پر ایمان نہیں لائے اور اس دعوت توحید کو نہیں اپنایا تو عذاب الہی سے نہیں بچ سکو گے۔
(۲) یہ وہی شبہ ہے جس کی پہلے کئی جگہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ کافروں کے نزدیک بشریت کے ساتھ نبوت و رسالت کا
اجتماع بڑا عجیب تھا جس طرح آج کے اہل بدعت کو بھی عجیب لگتا ہے اور وہ بشریت رسول ﷺ سے انکار کرتے ہیں۔
(۳) حق کی تاریخ میں یہ بات بھی ہر دور میں سامنے آتی رہی ہے کہ ابتداء میں اس کو اپنانے والے ہمیشہ وہ لوگ ہوتے
جنہیں معاشرے میں بے نوا اور کم تر سمجھا جاتا تھا اور صاحب حیثیت اور خوش حال طبقہ اس سے محروم رہتا۔ حتیٰ کہ یہ
چیز پیغمبروں کے پیروکاروں کی علامت بن گئی۔ چنانچہ جب شاہ روم ہرقل نے حضرت ابوسفیانؓ سے نبی صلی اللہ علیہ
و سلم کی بابت باتیں پوچھیں تو اس میں ان سے ایک بات یہ بھی پوچھی کہ ”اس کے پیروکار معاشرے کے معزز کچھ
جانے والے لوگ ہیں یا کمزور لوگ؟“ تو حضرت ابوسفیانؓ نے جواب میں کہا ”کمزور لوگ۔“ جس پر ہرقل نے کہا
”رسولوں کے پیروکار یہی لوگ ہوتے ہیں“ (صحیح بخاری حدیث نمبر ۷) قرآن کریم میں بھی وضاحت کی گئی ہے کہ خوش
حال طبقہ ہی سب سے پہلے پیغمبروں کی تکذیب کرتا رہا ہے۔ (سورہ زخرف- ۲۳) اور یہ اہل ایمان کی دنیوی حیثیت تھی
اور جس کے اعتبار سے اہل کفر انہیں حقیر اور کم تر سمجھتے تھے ”ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ حق کے پیروکار معزز اور اشراف
ہیں چاہے وہ مال و دولت کے اعتبار سے فروتر ہی ہوں اور حق کا انکار کرنے والے حقیر اور بے حیثیت ہیں چاہے وہ
دنیوی اعتبار سے مال دار ہی ہوں۔“

(۴) اہل ایمان چونکہ اللہ اور رسول کے احکام کے مقابلے میں اپنی عقل و دانش اور رائے کا استعمال نہیں کرتے اس
لیے اہل باطل یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بے سوچ سمجھ والے ہیں کہ اللہ کا رسول انہیں جس طرف موڑ دیتا ہے یہ مڑ جاتے ہیں
جس چیز سے روک دیتا ہے رک جاتے ہیں۔ یہ بھی اہل ایمان کی ایک بڑی خوبی بلکہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ لیکن اہل
کفر و باطل کے نزدیک یہ خوبی بھی ”عیب“ ہے۔

ہے؟^(۱) کیا تم کچھ بھی نصیحت نہیں پکڑتے۔ (۳۰)

میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں،
(سنو!) میں غیب کا علم بھی نہیں رکھتا، نہ میں یہ کہتا ہوں
کہ میں کوئی فرشتہ ہوں، نہ میرا یہ قول ہے کہ جن پر
تمہاری نگاہیں ذلت سے پڑ رہی ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کوئی
نعت دے گا ہی نہیں،^(۲) ان کے دل میں جو ہے اسے
اللہ ہی خوب جانتا ہے، اگر میں ایسی بات کہوں تو یقیناً میرا
شمار ظالموں میں ہو جائے گا۔^(۳) (۳۱)

(قوم کے لوگوں نے) کہا اے نوح! تو نے ہم سے بحث کر
لی اور خوب بحث کر لی۔^(۴) اب تو جس چیز سے ہمیں
دھمکا رہا ہے وہی ہمارے پاس لے آ، اگر تو بچوں میں
ہے۔^(۵) (۳۲)

جواب دیا کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ ہی لائے گا اگر وہ چاہے
اور ہاں تم اسے ہرانے والے نہیں ہو۔^(۶) (۳۳)

وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ وَلَا
أَقُولُ إِنِّي نَذِيرٌ لِلَّذِينَ يُزَيِّدُونَ آيَاتِنَا لَعْنَةً لَّنْ يُوْثِقَهُمُ
اللَّهُ خَيْرٌ أَلَمْ يَأْتِ الْفِتْنَةَ بَآئِنًا فَتُفْهِمَ إِلَّا إِذَا لَبِثَ
الظَّالِمِينَ ۝

قَالُوا يَنْبَغِي لَنَّا أَنْ نَكُونَ بِجَدَلِنَا فَآيَاتِنَا مُقَدِّمًا
إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ۝

قَالَ إِنَّمَا إِلَهُ الْبَنِيكُمْ إِلَهُ اللَّهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ وَآلَتُهُمْ مُّخْتَصِرِينَ ۝

(۱) گویا ایسے لوگوں کو اپنے سے دور کرنا، اللہ کے غضب اور ناراضی کا باعث ہے۔

(۲) بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو انہیں ایمان کی صورت میں خیر عظیم عطا کر رکھا ہے اور جس کی بنیاد پر وہ آخرت میں بھی جنت
کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ چاہے گا تو بلند مرتبے سے ہمکنار ہوں گے۔ گویا تمہارا ان
کو حقیر سمجھنا ان کے لیے کسی نقصان کا باعث نہیں، البتہ تم ہی عند اللہ مجرم ٹھہرو گے کہ اللہ کے نیک بندوں کو، جن کا
اللہ کے ہاں بڑا مقام ہے، تم حقیر اور فردمایہ سمجھتے ہو۔

(۳) کیونکہ میں ان کی بابت ایسی بات کہوں جس کا مجھے علم نہیں، صرف اللہ جانتا ہے، تو یہ ظلم ہے۔

(۴) لیکن اس کے باوجود ہم ایمان نہیں لائے۔

(۵) یہ وہی حماقت ہے جس کا ارتکاب گمراہ قومیں کرتی آئی ہیں کہ وہ اپنے پیغمبر سے کتنی رسی ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو ہم
پر عذاب نازل کروا کر ہمیں تباہ کروادے۔ حالانکہ ان میں عقل ہوتی، تو وہ کہتیں کہ اگر تو سچا ہے اور واقعی اللہ کا رسول
ہے، تو ہمارے لیے بھی دعا کر کہ اللہ تعالیٰ ہمارا سینہ بھی کھول دے تاکہ ہم اسے اپنالیں۔

(۶) یعنی عذاب کا آنا خالص اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، یہ نہیں ہے کہ جب میں چاہوں، تم پر عذاب آجائے۔ تاہم
جب اللہ عذاب کا فیصلہ کر لے گا یا بھیج دے گا، تو پھر اس کو کوئی عاجز کرنے والا نہیں ہے

وَلَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَمِيرٌ إِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغَيِّرَ مَا هُوَ قَائِلٌ وَلَئِنْ شِئْتُمْ لَغَوَيْنَ ۝

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَيْنَاهُ قُلْ إِنْ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَىٰ إِجْرَائِي وَإِنَّا بِبَرِّئٍ مِمَّا نَكْتُمُونَ ۝

وَأَدْعِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَتَّبِعُهُمْ بَٰرًا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

تمہیں میری خیر خواہی کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر میں کتنی ہی تمہاری خیر خواہی کیوں نہ چاہوں، بشرطیکہ اللہ کا ارادہ تمہیں گمراہ کرنے کا ہو،^(۱) وہی تم سب کا پروردگار ہے^(۲) اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۳۳)

کیا یہ کہتے ہیں کہ اسے خود اسی نے گھڑ لیا ہے؟ تو جواب دے کہ اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہو تو میرا گناہ مجھ پر ہے اور میں ان گناہوں سے بری ہوں جو تم کر رہے ہو۔^(۳) (۳۵)

نوح کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے ان کے سوا اور کوئی اب ایمان لائے گا ہی نہیں، پس تو ان کے کاموں پر غصہ نہ ہو۔^(۴) (۳۶)

(۱) اِنْعَوَاءً بمعنی اضلال (گمراہ کرنا) ہے۔ یعنی تمہارا کفر و محمود اگر اس مقام پر پہنچ چکا ہے، جہاں سے کسی انسان کا پٹ کر آنا اور ہدایت کو اپنا لینا ناممکن ہے، تو اسی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرگاہوں کا کہا جاتا ہے، جس کے بعد ہدایت کی کوئی امید باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم بھی اسی خطرناک موڑ تک پہنچ چکے ہو تو پھر میں تمہاری خیر خواہی بھی کرنی چاہوں یعنی ہدایت پر لانے کی اور زیادہ کوششیں کروں، تو یہ کوشش اور خیر خواہی تمہارے لیے مفید نہیں، کیونکہ تم گمراہی کے آخری مقام پر پہنچ چکے ہو۔

(۲) ہدایت اور گمراہی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، جہاں وہ تمہیں تمہارے عملوں کی جزا دے گا۔ نیکوں کو ان کے نیک عمل کی جزا اور بروں کو ان کی برائی کی سزا دے گا۔

(۳) بعض مفسرین کے نزدیک یہ مکالمہ قوم نوح علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ہوا اور بعض کا خیال ہے کہ یہ جملہ معترضہ کے طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ کے درمیان ہونے والی گفتگو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ قرآن میرا گھڑا ہوا ہے اور میں اللہ کی طرف منسوب کرنے میں جھوٹا ہوں تو یہ میرا جرم ہے، اس کی سزا میں ہی بھگتوں گا۔ لیکن تم جو کچھ کر رہے ہو، جس سے میں بری ہوں، اس کا بھی تمہیں پتہ ہے؟ اس کا وبال تو مجھ پر نہیں، تم پر ہی پڑے گا کیا اس کی بھی تمہیں کچھ فکر ہے؟

(۴) یہ اس وقت کہا گیا کہ جب قوم نوح علیہ السلام نے عذاب کا مطالبہ کیا اور حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں دعا کی کہ یا رب! زمین پر ایک کافر بھی بسنے والا نہ رہنے دے۔ اللہ نے فرمایا، اب مزید کوئی ایمان نہیں لائے گا، تو ان پر غم مت کھا۔

وَأَصْنَمُ الْفُلْكِ يَأْمُرُنَا وَوَحْيُنَا وَلَا تَفْطِنُنِي فِي
الَّذِينَ كَلَّمُوا إِنَّهُمْ مُفْرَقُونَ ﴿٣٥﴾

اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری
وحی سے تیار کر^(۱) اور ظالموں کے بارے میں ہم سے
کوئی بات چیت نہ کرو وہ پانی میں ڈبو دیے جانے والے
ہیں۔^(۲) (۳۷)

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكَلَّمَا مَرْعَاهُ مَلَائِكُنْ قَوْمَهُ يَنْجُوا مِنْهُ
قَالَ إِنَّكُمْ تُعْزِرُونَ آلَكُمْ فَمِذَا تُفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

وہ (نوح) کشتی بنانے لگے ان کی قوم کے جو سردار ان کے
پاس سے گزرتے وہ ان کا مذاق اڑاتے^(۳) وہ کہتے اگر تم
ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی تم پر ایک دن نہیں کے
جیسے تم ہم پر ہتے ہو۔ (۳۸)

هَؤُلَاءِ يَصْنَعُونَ مَنْ يَأْتِيهِمْ عَذَابٌ مُبْتَلًى وَيُجِبُونَ عَلَيْهِ
عَذَابٌ مُبْتَلًى ﴿٣٧﴾

تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا
ہے جو اسے رسوا کرے اور اس پر ہینگلی کی سزا^(۴) اتر
آئے۔ (۳۹)

حَقُّهُ إِذَا هُمْ آمُرُهُمْ وَأَنَّا لِلْعَنَاءِ قُلْنَا أَسْخَرْنَا مِنْهُم

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تور ایلنے لگا^(۵) ہم
نے کہا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے (جنداروں میں سے)

(۱) "یعنی ہماری آنکھوں کے سامنے" اور "ہماری دیکھ بھال میں" اس آیت میں اللہ رب اعزت کے لئے صفت
"عین" کا اثبات ہے جس پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ اور "ہماری وحی سے" کا مطلب اس کے طوں و عرض وغیرہ کی جو
کیفیات ہم نے بتلائی ہیں اس طرح اسے بتا۔ اس مقام پر بعض مفسرین نے کشتی کے طول و عرض اس کی منزلوں اور
کس قسم کی ککڑی اور دیگر سامان اس میں استعمال کیا گیا اس کی تفصیل بیان کی ہے جو ظاہریات ہے کہ کسی مستند فہم پر
مبنی نہیں ہے۔ اس کی پوری تفصیل کا صحیح علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

(۲) بعض نے اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے اور ان کی اہلیہ کو لیا ہے جو مومن نہیں تھے اور غرق ہونے
والوں میں سے تھے۔ بعض نے اس سے غرق ہونے والی پوری قوم مراد لی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے کوئی
صلحت طلب مت کرنا کیونکہ اب ان کے ہلاک ہونے کا وقت آگیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ ان کی ہدایت کے لیے جدی
نہ کریں وقت مقرر میں یہ سب غرق ہو جائیں گے (فتح القدیر)

(۳) مثلاً کہتے "نوح! نبی جتنے بنے اب بڑھتی بن گئے ہو؟ یا اسے نوح! خشکی میں کشتی کس لیے تیار کر رہے ہو؟

(۴) اس سے مراد جہنم کا داغی عذاب ہے جو اس دنیوی عذاب کے بعد ان کے لیے تیار ہے۔

(۵) اس سے بعض نے روٹی پکانے والے تور بعض نے مخصوص جگہیں مثلاً عین البوردہ اور بعض نے سطح زمین مراد
لی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اسی آخری مفہوم کو ترجیح دی ہے یعنی ساری زمین ہی چشموں کی طرح ابل پڑی اوپر سے آسمان
کی بارش نے رسی سہی کسر پوری کر دی۔

رَوَّجَيْنِ الشَّيْءِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ
وَمَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ۝

جوڑے (یعنی) دو (جانور، ایک نر اور ایک مادہ) سوار کرا لے^(۱) اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی 'سوائے ان کے جن پر پہلے سے بات پڑ چکی ہے'^(۲) اور سب ایمان والوں کو بھی،^(۳) اس کے ساتھ ایمان لانے والے بہت ہی کم تھے۔^(۴) (۴۰)

وَقَالَ ارْكَبُوا مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِمُ اللَّهُ يَخْرُجُهَا وَيُخْلِقُهَا إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ
رَحِيمٌ ۝

نوح علیہ السلام نے کہا، اس کشتی میں بیٹھ جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے،^(۵) یقیناً میرا رب بڑی بخشش اور بڑے رحم والا ہے۔ (۴۱)

وَهُیَ تَجْرِي بِمَعْرِفَةِ مَوَدَّتِ كَالْجِبَالِ تَوَلَّى نُوحُ الْإِثْمَانَةَ

وہ کشتی ایسی جیسی پہاڑوں جیسی موجوں میں لے کر جا رہی

(۱) اس سے مراد مذکر اور مؤنث یعنی نر اور مادہ ہے۔ اس طرح ہر ذی روح مخلوق کا جوڑا کشتی میں رکھ لیا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ ہاتھ بھی رکھے گئے تھے۔ واللہ اعلم۔

(۲) یعنی جن کا غرق ہونا تقدیر الہی میں ثبت ہے۔ اس سے مراد عام کفار ہیں، یا یہ اعتناء اُھْلَکَ سے ہے یعنی اپنے گھر والوں کو بھی کشتی میں سوار کرا لے، سوائے ان کے جن پر اللہ کی بات سبقت کر گئی ہے یعنی ایک بیٹا (کنعان یا۔ یام) اور حضرت نوح علیہ السلام کی اہلیہ (وَاِیْلَہُ) یہ دونوں کافر تھے، ان کو کشتی میں بیٹھنے والوں سے مشق کر دیا گیا۔

(۳) یعنی سب اہل ایمان کو کشتی میں سوار کرا لے۔

(۴) بعض نے ان کی کل تعداد (مرد اور عورت ملا کر) ۸۰ اور بعض نے اس سے بھی کم بتلائی ہے۔ ان میں حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے جو ایمان لانے والوں میں شامل تھے، سام، حام، یا فث اور ان کی بیویاں اور چوتھی بیوی، یام کی تھی، جو کافرت تھیں، لیکن اس کی بیوی مسلمان ہونے کی وجہ سے کشتی میں سوار تھی۔ (ابن کثیر)

(۵) یعنی اللہ ہی کے نام سے اس کا پانی کی سطح پر چلنا اور اسی کے نام پر اس کا ٹھہرنا ہے۔ اس سے ایک مقصد اہل ایمان کو تسلی اور حوصلہ دینا بھی تھا کہ بلا خوف و خطر کشتی میں سوار ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ ہی اس کشتی کا محافظ اور نگران ہے، اسی کے حکم سے چلے گی اور اسی کے حکم سے ٹھہرے گی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا کہ "اے نوح! جب تو اور تیرے ساتھی کشتی میں آرام سے بیٹھ جائیں تو کہو۔ ﴿الْمُتَّقِلُونَ الَّذِیْنَ یُحْمَلُونَ الْقَوْمَ الظَّالِمِیْنَ﴾ • وَقُلْ رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبَارَکًا وَاَنْتَ حَسْبُ الْمُنِیْبِیْنَ﴾ (المؤمنون ۲۸) "سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی اور کہہ کہ اے میرے رب! مجھے بابرکت اتارنا اتار اور تو ہی بہتر اتارنے والا ہے۔"

بعض علما نے کشتی یا سواری پر بیٹھتے وقت ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا خُذُوا زِبْرَکُمْ مِنْ اٰمَامِکُمْ وَارْکَبُوا مِنْ جَنْبِیْکُمْ﴾ کا پڑھنا مستحب قرار دیا ہے مگر حدیث سے ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَہٗ مُقَرَّبٰتٌ • وَاَنْتَ اِلٰی رَبِّکَ لَکَافِلُوْنَ﴾ پڑھنا ثابت ہے

وَكَانَ لِي مَعْزِلٌ يَنْفَعُ أَزْكَبَ مَعْنًا وَلَا تَعْلَمُ الْكُفْرِينَ ﴿٣١﴾

قَالَ سَلَوْتُ إِلَى جِبَلٍ يَكُونُنِي مِنَ الْمَاءِ قَالَ لِحَاصِمٍ
الْيَوْمَ مِنَ أَمْرِ اللَّهِ الْأَمَنُ وَكَيْفَ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ
مِنَ الْمُنْتَفِقِينَ ﴿٣٢﴾

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَبَسِّطِي أَفْلَحِي وَغِيضَ اللَّهُ

تھی^(۱) اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے بڑے کو جو ایک کنارے پر
تھا، پکار کر کہا کہ اے میرے پیارے بچے ہمارے ساتھ
سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ رہ۔^(۲) (۳۲)

اس نے جواب دیا کہ میں تو کسی بڑے پہاڑ کی طرف پناہ
میں آ جاؤں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا،^(۳) نوح علیہ السلام
نے کہا آج اللہ کے امر سے بچانے والا کوئی نہیں،
صرف وہی بچیں گے جن پر اللہ کا رحم ہو۔ اسی وقت ان
دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے
والوں میں سے ہو گیا۔^(۴) (۳۳)

فرما دیا گیا کہ اے زمین اپنے پانی کو نگل جا^(۵) اور اے
آسمان بس کر تھم جا، اسی وقت پانی سکھا دیا گیا اور کام پورا

(۱) یعنی جب زمین پر پانی تھا، حتیٰ کہ پہاڑ بھی پانی میں ڈوبے ہوئے تھے، یہ کشتی حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے
ساتھیوں کو اپنے دامن میں سیٹھے، اللہ کے حکم سے اور اس کی حفاظت میں پہاڑ کی طرح رواں دواں تھی۔ درنہ اتنے
طوفانی پانی میں کشتی کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے؟ اسی لیے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسے بطور احسان ذکر فرمایا۔
﴿إِنَّا لَنَاطِقُوا الْمَكَّةَ حَمَلْنَاكَ فِي الْهَابِيَةِ • لِنَجْعَلَنَّكَ نَذِيرًا وَنُنَبِّئُكَ آيَاتِنَا وَآيَاتِنَا﴾ «العنكبوت: ۱۲۸» جب پانی میں طغیانی آگئی تو
اس وقت ہم نے تمہیں کشتی میں چڑھالیا تاکہ اسے تمہارے لیے نصیحت اور یادگار بنادیں اور تاکہ یاد رکھنے والے کان
اسے یاد رکھیں۔

﴿وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ آلُوَاهٍ وَوُضِعَ • عَجْرِي بِأَعْيُنِنَا خَزَائِنُ كَانَ كَبِيرًا﴾ «القمر: ۱۳» اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی کشتی
میں سوار کر لیا، جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ بدلہ اس کی طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا۔

(۲) یہ حضرت نوح علیہ السلام کا چوتھا بیٹا تھا جس کا لقب کنعان اور نام ”یام“ تھا، اسے حضرت نوح علیہ السلام نے
دعوت دی کہ مسلمان ہو جا اور کافروں کے ساتھ شامل رہ کر غرق ہونے والوں میں سے مت ہو۔

(۳) اس کا خیال تھا کہ کسی بڑے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر میں پناہ حاصل کر لوں گا، وہاں پانی کیوں کر پہنچ سکے گا؟

(۴) باپ بیٹے کے درمیان یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک طوفانی موج نے اسے اپنی طغیانی کی زد میں لے لیا۔

(۵) لگنا، کا استعمال جانور کے لیے ہوتا ہے کہ وہ اپنے منہ کی خوراک کو نگل جاتا ہے۔ یہاں پانی کے خشک ہونے کو نگل
جانے سے تعبیر کرنے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ پانی بتدریج خشک نہیں ہوا تھا بلکہ اللہ کے حکم سے زمین نے سارا
پانی رشتہً اس طرح اپنے اندر نگل لیا جس طرح جانور لقمہ نگل جاتا ہے۔

وَقَتَّى الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ فَقِيلَ بَعْدَ الْفَقْرِ
الظَّالِمِينَ ۝

وَنَادَى نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ
وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَكَمِينَ ۝

قَالَ لَنُوحِرَنَّكَ لِيَمُنَّ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا
كُفْلَ لَكَ بِمَا عَمِلْتَ إِنَّكَ عَمَلْتَ لَنَا ۝

کر دیا گیا^(۱) اور کشتی ”جودی“ نامی^(۲) پہاڑ پر جا لگی اور
فرما دیا گیا کہ ظالم لوگوں پر لعنت نازل ہو۔^(۳) (۴۴)
نوح علیہ السلام نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ
میرے رب میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے ہے
یقیناً تیرا وعدہ بالکل سچا ہے اور تو تمام حاکموں سے
بہتر حاکم ہے۔^(۴) (۴۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح یقیناً وہ تیرے گھرانے سے
نہیں ہے،^(۵) اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہیں^(۶) تجھے
ہرگز وہ چیز نہ مانگنی چاہیے جس کا تجھے مطمع نہ ہو۔^(۷)

(۱) یعنی تمام کافروں کو غرق آب کر دیا گیا۔

(۲) جودی پہاڑ کا نام ہے جو بقول بعض موصول کے قریب ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بھی اسی کے قریب آباد تھی۔

(۳) مُعَذِّبٌ یہ ہلاکت اور لعنت الہی کے معنی میں ہے اور قرآن کریم میں بطور خاص غضب الہی کی مستحق بننے والی
قوموں کے لیے اسے کئی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔

(۴) حضرت نوح علیہ السلام نے غالباً شفقت پوری کے جذبے سے مغلوب ہو کر بارگاہ الہی میں یہ دعا کی اور بعض کہتے
ہیں کہ انہیں یہ خیال تھا کہ شاید یہ مسلمان ہو جائے گا، اس لیے اس کے بارے میں یہ استدعا کی۔

(۵) حضرت نوح علیہ السلام نے قرابت نسبی کا لحاظ کرتے ہوئے اسے اپنا بیٹا قرار دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کی بنیاد پر
قرابت دین کے اعتبار سے اس بات کی نفی فرمائی کہ وہ تیرے گھرانے سے ہے۔ اس لیے کہ ایک نبی کا اصل گھرانہ تو وہی
ہے جو اس پر ایمان لائے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اور اگر کوئی ایمان نہ لائے تو چاہے وہ نبی کا باپ ہو، بیٹا ہو یا بیوی، وہ نبی
کے گھرانے کا فرد نہیں۔

(۶) یہ اللہ تعالیٰ نے اس کی علت بیان فرمادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس ایمان اور عمل صالح نہیں ہو گا،
اسے اللہ کے عذاب سے اللہ کا پیغمبر بھی بچانے پر قادر نہیں۔ آج کل لوگ پیروں، فقیروں اور سجادہ نشینوں سے وابستگی
کو ہی نجات کے لیے کافی سمجھتے ہیں اور عمل صالح کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے حالانکہ جب عمل صالح کے بغیر نبی سے
نسبی قرابت بھی کام نہیں آتی، تو یہ وابستگیاں کیا کام آسکتی ہیں؟

(۷) اس سے معلوم ہوا کہ نبی عالم الغیب نہیں ہوتا، اس کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اسے
عطا فرما دیتا ہے۔ اگر حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے سے علم ہوتا کہ ان کی درخواست قبول نہیں ہوگی تو یقیناً وہ اس سے
پرہیز فرماتے۔

میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے اپنا شمار کرانے سے باز رہے۔^(۱) (۳۶)

نوح نے کہا میرے پالتار میں تیری ہی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ تجھ سے وہ مانگوں جس کا مجھے علم ہی نہ ہو اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور تو مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں خسارہ پانے والوں میں ہو جاؤں گا۔^(۲) (۳۷)

فرما دیا گیا کہ اے نوح! ہماری جانب سے سماعتی اور ان برکتوں کے ساتھ اتر^(۳) جو تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ کی بہت سی جماعتوں پر^(۴) اور بہت سی وہ امتیں ہوں گی جنہیں ہم فائدہ تو ضرور پہنچائیں گے لیکن پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔^(۵) (۳۸)

یہ خبریں غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کی وحی ہم آپ کی طرف کرتے ہیں انہیں اس سے پہلے آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم^(۶) اس لیے آپ مبر

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَتَّخِذْنِي وَسْوَءَ مَخْرُجٍ ۝۱۲

قَالَ نوحُ اقْبِضْ بِاسْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ۝۱۳
وَقَمِّنْ مَعَكَ وَالْمَرْءُ سَمِيْعٌ لِّقَوْمِهِ ۝۱۴

كَذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ۝۱۵

(۱) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام کو نصیحت ہے جس کا مقصد ان کو اس مقام بند پر فخر کرنا ہے جو علمائے عالمین کے لیے اللہ کی بارگاہ میں ہے۔

(۲) جب حضرت نوح علیہ السلام یہ بات جان گئے کہ ان کا سوال واقع کے مطابق نہیں تھا تو فوراً اس سے رجوع فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت و مغفرت کے طالب ہوئے۔

(۳) یہ اترنا کشتی سے یا اس پہاڑ سے ہے جس پر کشتی جا کر ٹھہر گئی تھی۔

(۴) اس سے مراد یہ تودہ گردہ ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے یا آئندہ ہونے والے وہ گردہ ہیں جو ان کی نسل سے ہونے والے تھے اگلے فقرے کے پیش نظر یہی دوسرا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

(۵) یہ وہ گردہ ہیں جو کشتی میں بچ جانے والوں کی نسل سے قیامت تک ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں کو دنیا کی چند روزہ زندگی گزارنے کے لیے ہم دنیا کا ساز و سامان ضرور دیں گے لیکن بالآخر عذاب الہم سے دوچار ہوں گے

(۶) یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور آپ سے علم غیب کی نفی کی جارہی ہے کہ یہ غیب کی خبریں ہیں جن سے ہم آپ کو خبردار کر رہے ہیں ورنہ آپ اور آپ کی قوم ان سے لاعلم تھی۔

کرتے رہیں (یقین مانیں) کہ انجام کار پر ہیزگاروں کے لیے ہی ہے۔^(۱) (۳۹)

اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو ہم^(۲) نے بھیجا اس نے کہا میری قوم والو! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تم تو صرف بتان باندھ رہے ہو۔^(۳) (۵۰)

اے میری قوم! میں تم سے اس کی کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے تو کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے۔^(۴) (۵۱)

اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے پائے والے سے اپنی تفصیروں کی معافی طلب کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو تاکہ وہ برسنے والے بادل تم پر بھیج دے اور

وَالِیَّ عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ یَقَوْمِ احْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غِیْرَکَ إِنَّ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿۵۰﴾

یَقَوْمِ لَا أَسْأَلُکُمْ عَلَیْهِ أَجْرًا إِنْ أَجْرِی إِلَّا عَلَی الَّذِی فَطَرَنِي أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۵۱﴾

وَبَقَوْمِ اسْتَغْفِرُ وَارْتَبُکُمْ ثُمَّ تَوَلَّوْا إِلَیْهِ یُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَیْکُمْ مِذْرَارًا وَبِزَکَیْهِ قُوَّةٌ إِلَی قُوتِکُمْ وَلَاسَتْوَلَّوْا

(۱) یعنی آپ ﷺ کی قوم آپ کی جو تکذیب کر رہی ہے اور آپ ﷺ کو ایذا نہیں پہنچا رہی ہے اس پر صبر سے کام لیجئے اس لیے کہ ہم آپ کے مددگار ہیں اور حسن انجام آپ کے اور آپ کے پیروکاروں کے لیے ہی ہے جو تقویٰ کی صفت سے متصف ہیں۔ عاقبت دنیا و آخرت کے اچھے انجام کو کہتے ہیں۔ اس میں متعین کے لیے بڑی بشارت ہے کہ ابتدا میں چاہے انہیں کتنا بھی مشکلات سے دوچار ہونا پڑے تاہم بالآخر اللہ کی مدد و نصرت اور حسن انجام کے وہی مستحق ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ آمَنُوا فِی الْحَیْوةِ الدُّنْیَا وَنُؤْتُهُمُ النِّجَاحَ﴾ (الحجرات ۵) یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد زندگانی دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہو گئے۔

﴿وَلَقَدْ سَمِعَتْ حَیْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ الْمَرْسَلِیْنَ ﴿۱﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ﴿۲﴾ وَإِنْ جُنَدُكَ بِالْغَمِّ الْغَالِبُونَ ﴿۳﴾﴾ (الصفات ۷۳) اور اہل بیت ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لیے صادر ہو چکا ہے کہ وہ مغفرو منصور ہوں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب اور برتر رہے گا۔

(۲) بھائی سے مراد انہی ہی کی قوم کا ایک فرد۔

(۳) یعنی اللہ کے ساتھ دو سروں کو شریک ٹھہرا کر تم اللہ پر بھوث باندھ رہے ہو۔

(۴) اور یہ نہیں سمجھتے کہ جو بغیر اجرت اور لالچ کے حمیس اللہ کی طرف بلا رہا ہے وہ تمہارا خیر خواہ ہے۔ آیت میں یَا قَوْمِ اسے دعوت کا ایک طریق کار معلوم ہوتا ہے یعنی بجائے یہ کہنے کے ”اے کافرو“ ”اے مشرکو“ ”اے میری قوم سے مخاطب کیا گیا ہے۔“

مِنْ دُونِهِ يُكَيِّدُ ذُنُوبَ جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظَرُونَ ﴿٥٥﴾

إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبَّكُم مَّا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ
أَخِذُوا بِصَبْرٍ إِنَّا رَبُّكَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَعَدَّ إِلَهُنَّ لَمَمًا أَلَمْ يَسْئَلْ بِهِ إِلَهُكُمْ وَيَسْأَلِكُمْ
رَبُّكُمْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا إِنَّا رَبُّكَ عَلَى
كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾

وَلَقَدْ جَاءَنَا بُرْهَانَ الْهُدَىٰ وَالْذِّكْرِ أَمْثَلُ مَعَاذٍ بِرَحْمَةِ رَبِّنَا

اچھا تم سب مل کر میرے خلاف چالیں چل لو اور مجھے
بالکل مہلت بھی نہ دو۔^(۱) (۵۵)

میرا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ہے، جو میرا اور تم
سب کا پروردگار ہے جتنے بھی پاؤں دھرنے والے ہیں
سب کی پیشانی وہی تھامے ہوئے^(۲) ہے۔ یقیناً میرا رب
بالکل صحیح راہ پر ہے۔^(۳) (۵۶)

پس اگر تم روگردانی کرو تو کرو میں تو تمہیں وہ پیغام پہنچا
چکا جو دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا تھا۔^(۴) میرا رب
تمہارے قائم مقام اور لوگوں کو کر دے گا اور تم اس کا
کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے،^(۵) یقیناً میرا پروردگار ہر چیز پر
نکسان ہے۔^(۶) (۵۷)

اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے ہود کو اور اس کے
مسلمان ساتھیوں کو اپنی خاص رحمت سے نجات عطا

(۱) اور اگر تمہیں میری بات پر یقین نہیں ہے بلکہ تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ بت کچھ کر سکتے ہیں تو نوا میں
حاضر ہوں، تم اور تمہارے معبود سب مل کر میرے خلاف کچھ کر کے دکھاؤ۔ مزید اس سے نبی کے اس انداز کا پتہ چلتا ہے
کہ وہ کس قدر بصیرت پر ہوتا ہے کہ اسے اپنے حق پر ہونے کا یقین ہوتا ہے۔

(۲) یعنی جس ذات کے ہاتھ میں ہر چیز کا قبضہ و تصرف ہے، وہ وہی ذات ہے جو میرا اور تمہارا رب ہے، میرا توکل اسی پر
ہے۔ مقصد ان اشخاص سے حضرت ہود علیہ السلام کا یہ ہے کہ جن کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے، ان پر بھی اللہ ہی کا
قبضہ و تصرف ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ جو چاہے کر سکتا ہے، وہ کسی کا کچھ نہیں کر سکتے۔

(۳) یعنی وہ جو توحید کی دعوت دے رہا ہے یقیناً یہ دعوت ہی صراطِ مستقیم ہے، اسی پر چل کر نجات اور کامیابی سے ہم
کنار ہو سکتے ہو اور اس صراطِ مستقیم سے اعراض و انحراف تباہی و بربادی کا باعث ہے۔

(۴) یعنی اس کے بعد میری ذمہ داری ختم اور تم پر حجت تمام ہو گئی۔

(۵) یعنی تمہیں تباہ کر کے تمہاری زمینوں اور املاک کا وہ دو سروں کو مالک بنادے، تو وہ ایسا کرنے پر قادر ہے اور تم اس
کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ بلکہ وہ اپنی مشیت و حکمت کے مطابق ایسا کرتا رہتا ہے۔

(۶) یقیناً وہ مجھے تمہارے مکرو فریب اور سازشوں سے بھی محفوظ رکھے گا اور شیطانِ چالوں سے بھی بچائے گا علاوہ ازیں
ہر نیک و بد کو ان کے اعمال کے مطابق اچھی اور بری جزا بھی دے گا۔

وَيَحْتَنُفُهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝۱۰

فرمائی اور ہم نے ان سب کو سخت عذاب سے بچا لیا۔^(۱) (۵۸)

وَلَيْكَ عَادٌ جَدُّ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَخَصَّ وَارِسُهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝۱۱

یہ تھی قوم عاد جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی^(۲) نافرمانی کی اور ہر ایک سرکش نافرمان کے حکم کی تابعداری کی۔^(۳) (۵۹)

وَاتَّبَعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا الْفِتْنَةَ وَقَوْمَ الْقِيَمَةِ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا بِالْكَوْمِ الْأَبْعَدِ الْعَادِ قَوْمُ هُودٍ ۝۱۲

دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی^(۴) دیکھ لو قوم عاد نے اپنے رب سے کفر کیا، ہود کی قوم عاد پر دوری ہو۔^(۵) (۶۰)

وَلِلْهُودِ أَخَاهُمْ صَيْحًا قَالَ يَقَوْمِ اتَّقُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا^(۶) اس

(۱) سخت عذاب سے مراد وہی الزنج العقیقہ تیز آندھی کا عذاب ہے جس کے ذریعے سے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد کو ہلاک کیا گیا اور جس سے حضرت ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا گیا۔

(۲) عاد کی طرف صرف ایک نبی حضرت ہود علیہ السلام ہی بھیجے گئے تھے یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ کے رسولوں کی نافرمانی کی۔ اس سے یا تو یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ ایک رسول کی تکذیب یہ گویا تمام رسولوں کی تکذیب ہے۔ کیونکہ تمام رسولوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ یہ قوم اپنے کفر و انکار میں اتنی آگے بڑھ چکی تھی کہ حضرت ہود علیہ السلام کے بعد اگر ہم اس قوم میں متعدد رسول بھی بھیجتے تو یہ قوم ان سب کی تکذیب ہی کرتی۔ اور اس سے قطعاً یہ امید نہیں تھی کہ وہ کسی بھی رسول پر ایمان لے آئی۔ یا ہو سکتا ہے کہ اور بھی انبیاء بھیجے گئے ہوں اور اس قوم نے ہر ایک کی تکذیب کی۔

(۳) یعنی اللہ کے پیغمبروں کی تو تکذیب کی لیکن جو لوگ اللہ کے حکموں سے سرکشی کرنے والے اور نافرمان تھے ان کی اس قوم نے پیروی کی۔

(۴) لَعْنَةُ کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے دوری، امور خیر سے محرومی اور لوگوں کی طرف سے ملامت و بیزاری۔ دنیا میں یہ لعنت اس طرح کہ اہل ایمان میں ان کا ذکر ہمیشہ ملامت و بیزاری کے انداز میں ہو گا اور قیامت میں اس طرح کہ وہاں علی رؤوس الاشباد ذلت و رسوائی سے دوچار اور عذاب الہی میں مبتلا ہوں گے۔

(۵) نَعْدًا کا یہ لفظ رحمت سے دوری اور لعنت ہلاکت کے معنی کے لیے ہے، جیسا کہ اس سے قبل بھی وضاحت کی جا چکی ہے۔

(۶) وَإِلَى ثَمُودَ عطف ہے ما قبل پر۔ یعنی وَأَرْسَلْنَا إِلَى ثَمُودَ ہم نے ثمود کی طرف بھیجا۔ یہ قوم تیوک اور مدینہ کے درمیان مدائن صالح (حجر) میں رہائش پذیر تھی اور یہ قوم عاد کے بعد ہوئی۔ حضرت صالح علیہ السلام کو یہاں بھی ثمود کا بھائی کہا ہے جس سے مراد انہی کے خاندان اور قبیلے کا ایک فرد ہے۔

غَيْرًا هَؤُلَاءِ كَرِهَ مِنَ الْأَرْضِ وَأَسْتَغْفِرُكُمْ مِمَّا فَعَلْتُمْ بِرُءُوسِهِمْ
تَقُولُوا إِلَهِائِنَا إِنَّ رَبَّنَا قَرِيبٌ مُجِيبٌ ۝

نے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے
سوا تمہارا کوئی معبود نہیں^(۱) اسی نے تمہیں زمین
سے پیدا کیا ہے^(۲) اور اسی نے اس زمین میں
تمہیں بسایا ہے^(۳) پس تم اس سے معافی طلب کرو
اور اس کی طرف رجوع کرو۔ بیشک میرا رب قریب اور
دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔ (۶۱)

قَالُوا بَلْ أَتَيْنَاهُم بِبَيِّنَاتٍ مِنْ رَبِّهِمْ قَالُوا لَئِنْ كُنَّا لَبَشِيرًا
بِعِبَادِهِمْ إِنَّ رَبَّنَا لَأَعْلَمُ الْغُيُوبَ ۝

انہوں نے کہا اے صالح! اس سے پہلے تو ہم تجھ سے
بہت کچھ امیدیں لگائے ہوئے تھے، کیا تو ہمیں ان کی
عبادتوں سے روک رہا ہے جن کی عبادت ہمارے باپ
دادا کرتے چلے آئے، ہمیں تو اس دین میں حیران کن
شک ہے جس کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے۔^(۴) (۶۲)

قَالَ يَقُولُونَ بَيِّنَاتٍ مِنْ رَبِّهِمْ قَالُوا لَئِنْ كُنَّا لَبَشِيرًا
بِعِبَادِهِمْ إِنَّ رَبَّنَا لَأَعْلَمُ الْغُيُوبَ ۝

اس نے جواب دیا کہ اے میری قوم کے لوگو! اگرچہ تو
اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی مضبوط دلیل پر ہوا
اور اس نے مجھے اپنے پاس کی رحمت عطا کی ہو،^(۵) پھر

(۱) حضرت صالح علیہ السلام نے بھی سب سے پہلے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی، جس طرح کہ تمام انبیاء کا طریق رہا ہے۔

(۲) یعنی ابتداء تمہیں زمین سے پیدا کیا، وہ اس طرح کہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی اور تمام
انسان صلب آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے یوں گویا تمام انسانوں کی پیدائش زمین سے ہوئی۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم جو کچھ
کھاتے ہو، سب زمین ہی سے پیدا ہوتا ہے اور اسی خوراک سے وہ نطفہ بنتا ہے۔ جو رحم مادر میں جا کر وجود انسانی کا
باعث ہوتا ہے۔

(۳) یعنی تمہارے اندر زمین کو بسانے اور آباد کرنے کی استعداد و صلاحیت پیدا کی، جس سے تم رہائش کے لیے مکان تعمیر
کرتے، خوراک کے لیے کاشت کاری کرتے اور دیگر ضروریات زندگی مہیا کرنے کے لیے صنعت و حرفت سے کام لیتے ہو۔

(۴) یعنی پیغمبر اپنی قوم میں چونکہ اخلاق و کردار اور امانت و دیانت میں ممتاز ہوتا ہے، اس لیے قوم کی اس سے اچھی
امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ اسی اعتبار سے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے بھی ان سے یہ کہا۔ لیکن دعوت توحید دیتے
ہی ان کی امیدوں کا یہ مرکز، ان کی آنکھوں کا کاشا بن گیا اور اس دین میں شک کا اظہار کیا جس کی طرف حضرت صالح
علیہ السلام انہیں بلا رہے تھے یعنی دین توحید۔

(۵) بَيِّنَاتٍ سے مراد وہ ایمان و یقین ہے، جو اللہ تعالیٰ پیغمبر کو عطا فرماتا ہے اور رحمت سے نبوت۔ جیسا کہ پہلے وضاحت
گزر چکی ہے۔

اگر میں نے اس کی نافرمانی کر^(۱) لی تو کون ہے جو اس کے مقابلے میں میری مدد کرے؟ تم تو میرا نقصان ہی بڑھا رہے ہو۔^(۶۳)

اور اے میری قوم والو! یہ اللہ کی بھیجی ہوئی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے ایک معجزہ ہے اب تم اسے اللہ کی زمین میں کھاتی ہوئی چھوڑ دو اور اسے کسی طرح کی ایذا نہ پہنچاؤ ورنہ فوری عذاب تمہیں پکڑ لے گا۔^(۶۴)

پھر بھی ان لوگوں نے اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے، اس پر صالح نے کہا کہ اچھا تم اپنے گھروں میں تین تین دن تک تو رہ سہ لو، یہ وعدہ جموٹا نہیں ہے۔^(۶۵)

پھر جب ہمارا فرمان آپہنچا،^(۵) ہم نے صالح کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے اس سے بھی بچایا اور اس دن کی رسوائی سے بھی۔ یقیناً تیرا رب نہایت توانا اور غالب ہے۔^(۶۶)

وَيَقُولُ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ الَّتِي يَنْهَى عَنْكُمُ رَافِعُهَا كُلًّا فِي أَنْفُسِ النَّاسِ وَلَا تَمْسُوهَا إِنَّهُ كَانَ مِنْ عَذَابٍ قَرِيبٍ ۝

لَعَنَ رَافِعُهَا وَقَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّهَا نَاقَةٌ آتَاكُمْ ذِكْرًا وَاعْتَمِدُوا عَلَىٰ رِجْلَيْهَا وَلَا تُحْسِنُوا ۝

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَحْنُ الْغَالِبُونَ ۝ وَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ۝ وَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ۝ وَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ۝ وَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ۝

(۱) نافرمانی سے مراد یہ ہے کہ اگر میں تمہیں حق کی طرف اور اللہ واحد کی عبادت کی طرف بلانا چھوڑ دوں، جیسا کہ تم چاہتے ہو۔

(۲) یعنی اگر میں ایسا کروں تو تم مجھے کوئی فائدہ تو نہیں پہنچا سکتے، البتہ اس طرح تم میرے نقصان و خسارے میں ہی اضافہ کرو گے۔

(۳) یہ وہی اونٹنی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے کہنے پر ان کی آنکھوں کے سامنے ایک پہاڑ یا ایک چٹان سے برآمد فرمائی۔ اسی لیے اسے 'نَاقَةُ اللَّهِ' (اللہ کی اونٹنی) کہا گیا ہے کیونکہ یہ خالص اللہ کے حکم سے معجزانہ طور پر نہ کوہ خلاف عادت طریقے سے ظاہر ہوئی تھی۔ اس کی بابت انہیں تاکید کر دی گئی تھی کہ اسے ایذا نہ پہنچانا، ورنہ تم عذاب الہی کی گرفت میں آ جاؤ گے۔

(۴) لیکن ان ظالموں نے اس زبردست معجزے کے باوجود نہ صرف ایمان لانے سے گریز کیا بلکہ حکم الہی سے صریح سرکشی کرتے ہوئے اسے مار ڈالا، جس کے بعد انہیں تین دن کی مہلت دے دی گئی کہ تین دن کے بعد تمہیں عذاب کے ذریعے سے ہلاک کر دیا جائے گا۔

(۵) اس سے مراد وہی عذاب ہے جو وعدے کے مطابق چوتھے دن آیا اور حضرت صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کے سوا سب کو ہلاک کر دیا گیا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا نُوحَ الصَّحِيفَةَ فَأَصْبَحَ ابْنُ دِيَارِهِمْ جاثِمًا ۝

كَانَ يُرَبِّعُوا فِيهَا الزَّالِقَ شُودَ الْفَرْدَانِ لَهُمْ أَلْبَعْدُ ۝
لَشُودَ ۝

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا قَالِ سَلَامٌ
فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَهُ بِعِثَابِ مَخِيلٍ ۝

اور ظالموں کو بڑے زور کی چنگھاڑنے آدھو چا^(۱) پھر تو وہ
اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے۔^(۲) (۶۷)
ایسے کہ گویا وہ وہاں کبھی آباد ہی نہ تھے^(۳) آگاہ رہو کہ
قوم ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا۔ سن لو ان ثمودیوں
پر پھٹکار ہے۔ (۶۸)

اور ہمارے بھیجے ہوئے پیغامبر ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر
پہنچے^(۴) اور سلام کہا^(۵) انہوں نے بھی جواب سلام دیا^(۶)
اور بغیر کسی تاخیر کے گائے کا بھنا ہوا اچھڑالے آئے۔^(۷) (۶۹)

(۱) یہ عذاب صَبْحَةُ (صبح) زور کی کڑک کی صورت میں آیا، بعض کے نزدیک یہ حضرت جبریل علیہ السلام کی صبح تھی
اور بعض کے نزدیک آسمان سے آئی تھی۔ جس سے ان کے دل پارہ پارہ ہو گئے اور ان کی موت واقع ہو گئی اس کے بعد
یا اس کے ساتھ ہی بھونچال (رَجْفَةٌ) بھی آیا، جس نے سب کچھ دبا دیا (جیسا کہ سورۃ اعراف ۷۸ میں ﴿فَلَقَدْ أَهْلَكْتُمُ
الرَّجْفَةَ﴾ کے الفاظ ہیں۔

(۲) جس طرح پرندہ مرنے کے بعد زمین پر مٹی کے ساتھ پڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ موت سے ہم کنار ہو کر منہ کے بل
زمین پر پڑے رہے۔

(۳) ان کی بستی یا خود یہ لوگ یا دونوں ہی اس طرح حرف غلط کی طرح مٹا دیئے گئے گویا وہ کبھی وہاں آباد ہی نہ تھے۔
(۴) یہ دراصل حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے قصے کا ایک حصہ ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم
علیہ السلام کے چچا زاد بھائی تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بستی بصرہ میت کے جنوب مشرق میں تھی جبکہ حضرت ابراہیم
علیہ السلام فلسطین میں مقیم تھے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ تو ان کی طرف فرشتے
بھیجے گئے۔ یہ فرشتے قوم لوط علیہ السلام کی طرف جاتے ہوئے راستے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ٹھہرے اور
انہیں بیٹے کی بشارت دی۔

(۵) یعنی سَلَّمْنَا عَلَيْكَ سَلَامًا ”ہم آپ کو سلام عرض کرتے ہیں۔“

(۶) جس طرح پسا سلام ایک فعل مقدر کے ساتھ منصوب تھا۔ اسی طرح یہ سَلَامٌ مبتدا یا خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے،
عبارت ہوگی اَمْرُكُمْ سَلَامٌ یا عَلَيْكُمْ سَلَامٌ

(۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھ پائے کہ یہ فرشتے ہیں جو انسانی صورت میں آئے ہیں اور
کھانے پینے سے معذور ہیں، بلکہ انہوں نے انہیں مہمان سمجھا اور فوراً مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے بھنا ہوا اچھڑالا کر ان کی
خدمت میں پیش کر دیا۔ نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ مہمان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں بلکہ جو موجود ہو حاضر خدمت کر دیا
جائے۔

فَتَنَادَىٰ آلُ يَهُودَ لَا تَفْعَلُوا لَئِيْلَ كَيْدٍ هُمْ وَأَوَّحَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً
قَالُوا لَا تَعْصُوا آلَ يَاسِينَ إِنَّهُمْ كَافِرُونَ ۝

وَأَمْرًا لَهُ قَائِمَةٌ فَصَجَّكَتْ فَكَّرْنَاهَا يَاسِقَاقَ وَمِنْ دَرَاهِ
إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۝

قَالَتْ يَوْنُسَ إِنِّي أَمْرٌ آتٍ ۚ هَذَا يَبْدُو أَنَّهُ عَصِيٌّ إِنَّا هَذَا
لَنَنصُرُهُ عَصِيبٌ ۝

قَالُوا اتَّعَصَجِينَ مِنَ آمْرِ اللَّهِ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّ

اب جو دیکھا کہ ان کے تو ہاتھ بھی اس کی طرف نہیں
پہنچ رہے تو ان سے اجنبیت محسوس کر کے دل ہی دل
میں ان سے خوف کرنے لگے، انہوں نے کہا ڈرو نہیں
ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ (۷۰)
اس کی بیوی جو کمزری ہوئی تھی وہ ہنس پڑی، (۷۱) تو ہم نے
اسے اسحاق کی اور اسحاق کے بیچھے یعقوب کی خوشخبری
دی۔ (۷۲)

وہ کہنے لگی ہائے میری کم بختی! میرے ہاں اودھ کیسے ہو
سکتی ہے میں خود بڑھیا اور یہ میرے خاوند بھی بہت بڑی
عمر کے ہیں یہ تو یقیناً بڑی عجیب بات ہے! (۷۳)
فرشتوں نے کہا کیا تو اللہ کی قدرت سے تعجب کر
رہی ہے؟ تم پر اے اس گھر کے لوگو اللہ کی رحمت

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھ رہے ہیں تو انہیں خوف محسوس
ہوا۔ کہتے ہیں کہ ان کے ہاں یہ چیز معروف تھی کہ آئے ہوئے مہمان اگر ضیافت سے فائدہ نہ اٹھاتے تو سمجھا جاتا تھا کہ
آئے والے مہمان کسی اچھی نیت سے نہیں آئے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے پیغمبروں کو غیب کا علم نہیں
ہوتا۔ اگر ابراہیم علیہ السلام غیب دان ہوتے تو بھنا ہوا چھڑا بھی نہ لاتے اور ان سے خوف بھی محسوس نہ کرتے۔

(۲) اس خوف کو فرشتوں نے محسوس کیا، یا تو ان آثار سے جو ایسے موقعوں پر انسان کے چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں، یا
اپنی گفتگو میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا اظہار فرمایا، جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے ﴿رَأَاهُمْ وَهَلَكُوا﴾
﴿الْحَجَرِ ۝۵۲﴾ ”ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔“ چنانچہ فرشتوں نے کہا ڈرو نہیں، آپ جو سمجھ رہے ہیں، ہم وہ نہیں ہیں،
بلکہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور ہم قوم لوط علیہ السلام کی طرف جا رہے ہیں۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ کیوں نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ قوم لوط علیہ السلام کی فساد انگیزیوں سے وہ بھی
آگاہ تھیں، ان کی ہدایت کی خبر سے انہوں نے سرت محسوس کی۔ بعض کہتے ہیں اس لیے ہنسی آئی کہ دیکھو آسمانوں سے
ان کی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور یہ قوم غفلت کا شکار ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تقدیم و تاخیر ہے اور اس ہنسنے کا
تعلق اس بشارت سے ہے جو فرشتوں نے اس بوڑھے جوڑے کو دی۔ واللہ اعلم۔

(۴) یہ اہلیہ حضرت سارہ تھیں، جو خود بھی بوڑھی تھیں اور ان کے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی بوڑھے تھے،
اس لیے تعجب ایک فطری امر تھا، جس کا اظہار ان سے ہوا۔

(۵) یہ استعظام انکار کے لیے ہے۔ یعنی تو اللہ تعالیٰ کے تضاد قدر پر کس طرح تعجب کا اظہار کرتی ہے جبکہ اس کے لیے کوئی چیز

الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ①

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَلَّتْ بِهِ السَّمَرُ يُجَادِلُنَا
فِي قَوْمِ لُوطٍ ②

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ③

يَا إِبْرَاهِيمُ اقْصُصْ عَلَيْنَا هَذَا إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُكَ وَانْتَهَمُ
الْبَيْتُ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ④

وَلَمَّا جَاءَتْ لُوطُ بِاتَيْنِي بِهِمْ وَصَاقِي بِهِمْ ذُرْعًا وَقَالَ
هَذَا يَوْمُ عَصِيبٍ ⑤

اور اس کی برکتیں نازل ہوں،^(۱) بیشک اللہ حمد و ثنا کا
سزاوار اور بڑی شان والا ہے۔ (۷۳)

جب ابراہیم کا ڈر خوف جاتا رہا اور اسے بشارت بھی
پہنچ چکی تو ہم سے قوم لوط کے بارے میں کہنے سننے
لگے۔^(۲) (۷۴)

یقیناً ابراہیم بہت تحمل والے نرم دل اور اللہ کی جانب
جھکنے والے تھے۔ (۷۵)

اے ابراہیم! اس خیال کو چھوڑ دیجئے، آپ کے رب کا
حکم آپ پہنچا ہے، اور ان پر نہ ٹالے جانے والا عذاب ضرور
آنے والا ہے۔^(۳) (۷۶)

جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان
کی وجہ سے بہت غمگین ہو گئے اور دس ہی دن میں
کڑھنے لگے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مصیبت کا
دن^(۴) ہے۔ (۷۷)

مشکل نہیں۔ اور نہ وہ اسباب عادیہ ہی کا محتاج ہے، وہ تو جو چاہے اس کے لفظ کن (ہو جا) سے معرض وجود میں آجاتا ہے۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ کو یہاں فرشتوں نے ”اہل بیت“ سے یاد کیا اور دوسرے ان کے لیے جمع
مذکر مخاطب (مَلَبِّكُمْ) کا صیغہ استعمال کیا۔ جس سے ایک بات تو یہ ثابت ہو گئی کہ ”اہل بیت“ میں سب سے پہلے انسان
کی بیوی شامل ہوتی ہے۔ دوسری یہ کہ ”اہل بیت“ کے لیے جمع مذکر کے صیغہ کا استعمال بھی جائز ہے۔ جیسا کہ سورۃ
٢٣ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو بھی اہل بیت کہا ہے اور انہیں جمع مذکر
کے صیغے سے مخاطب بھی کیا ہے۔

(۲) اس مجادلے سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا کہ جس بہتی کو تم ہلاک کرنے جا
رہے ہو اسی میں حضرت لوط علیہ السلام بھی موجود ہیں۔ جس پر فرشتوں نے کہا ”ہم جانتے ہیں کہ لوط علیہ السلام بھی
وہاں رہتے ہیں۔ لیکن ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو سوائے ان کی بیوی کے بچالیں گے۔“ (العنکبوت-۳۲)

(۳) یہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ اب اس بحث و تکرار کا کوئی فائدہ نہیں، اسے چھوڑیے اللہ کا وہ حکم
(ہدایت کا) آپ کا ہے، جو اللہ کے ہاں مقدمہ تھا۔ اور اب یہ عذاب نہ کسی کے مجادلے سے رکے گا نہ کسی کی دعا سے ٹلے گا۔

(۴) حضرت لوط علیہ السلام کی اس سخت پریشانی کی وجہ مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ یہ فرشتے نو عمر نوجوانوں کی شکل میں
آئے تھے، جو بے ریش تھے، جس سے حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کی عادت قبیحہ کے پیش نظر سخت خطرہ محسوس

وَجَاءَهُمْ قَوْمُهُ يَهُرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ
السَّيِّئَاتِ قَالَ يَنْفِرُ هَؤُلَاءِ بِأَنِّي هُنَّ الْفَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ
وَلَا تُخْرَوْنِ فِي ضَيْفِي أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ زَكِيٌّ ۝

اور اس کی قوم دوڑتی ہوئی اس کے پاس آ پہنچی وہ تو پہلے
ہی سے بد کاریوں میں مبتلا تھی^(۱) لوط علیہ السلام نے کہا
اے قوم کے لوگو! یہ ہیں میری بیٹیاں جو تمہارے لیے
ہست ہی پاکیزہ ہیں^(۲) اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے
مسمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں ایک
بھی بھلا آدمی نہیں۔^(۳) (۷۸)

قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَالَنَا فِي بَنَاتِنَا مِنْ حَيْثُ وَإِنَّكَ
لَتَعْلَمُو مَا يُرِيدُ ۝

انہوں نے جواب دیا کہ تو بخوبی جانتا ہے کہ ہمیں تو تیری
بیٹیوں پر کوئی حق نہیں ہے اور تو ہماری اصلی چاہت سے
بخوبی واقف ہے۔^(۴) (۷۹)

قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةٌ أَلْذَوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ ۝

لوط علیہ السلام نے کہا کاش کہ مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے

کیا۔ کیونکہ ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ آنے والے یہ نوجوان 'مسمان' نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو اس
قوم کو ہلاک کرنے کے لیے ہی آئے ہیں۔

(۱) جب اغلام بازی کے ان مریضوں کو پتہ چلا کہ چند خیرہ نوجوان لوط علیہ السلام کے گھر آئے ہیں تو دوڑے ہوئے
آئے اور انہیں اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کیا تاکہ ان سے اپنی غلط خواہشات پوری کریں۔

(۲) یعنی تمہیں اگر جنسی خواہش ہی کی تسکین مقصود ہے تو اس کے لیے میری اپنی بیٹیاں موجود ہیں، جن سے تم نکاح کر
لو اور اپنا مقصد پورا کر لو۔ یہ تمہارے لیے ہر طرح سے بہتر ہے۔ بعض نے کہا کہ بنات سے مراد عام عورتیں ہیں اور
انہیں اپنی لڑکیاں اس لیے کہا ہے کہ پیغمبر اپنی امت کے لیے بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کام کے لیے
عورتیں موجود ہیں، ان سے نکاح کرو اور اپنا مقصد پورا کرو! (ابن کثیر)

(۳) یعنی میرے گھر آئے مسمانوں کے ساتھ زیادتی اور زبردستی کر کے مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں ایک آدمی بھی ایسا
سمجھدار نہیں ہے، جو میزبانی کے تقاضوں اور اس کی نزاکت کو سمجھ سکے؟ اور تمہیں اپنے برے ارادوں سے روک
سکے؟ حضرت لوط علیہ السلام نے یہ ساری باتیں اس بنیاد پر کہیں کہ وہ ان فرشتوں کو فی الواقعہ نووارد مسافر اور مسمان ہی
سمجھتے رہے۔ اس لیے وہ بجا طور پر ان کی حفاظت کو اپنی عزت و وقار کے لیے ضروری سمجھتے رہے۔ اگر ان کو پتہ چل جاتا
یا وہ عالم الغیب ہوتے، تو ظاہریات ہے کہ انہیں یہ پریشانی ہرگز لاحق نہ ہوتی، جو انہیں ہوئی اور جس کا نقشہ یہاں قرآن
مجید نے کھینچا ہے۔

(۴) یعنی ایک جائز اور فطری طریقے کو انہوں نے بالکل رد کر دیا اور غیر فطری کام اور بے حیائی پر اصرار کیا، جس سے اندازہ
لگایا جاسکتا ہے کہ وہ قوم اپنی اس بے حیائی کی عادت خبیثہ میں کتنی آگے جا چکی تھی اور کس قدر اندھ سی ہو گئی تھی۔

کی قوت ہوتی یا میں کسی زبردست کا آسرا پکڑ پاتا۔^(۸۰)
اب فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے
بھیجے ہوئے ہیں ناممکن ہے کہ یہ تجھ تک پہنچ جائیں پس
تو اپنے گھروالوں کو لے کر کچھ رات رہے نکل کھڑا ہو۔
تم میں سے کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہیے، بجز تیری
بیوی کے، اس لیے کہ اسے بھی وہی پہنچے وانا ہے جو ان
سب کو پہنچے گا، یقیناً ان کے وعدے کا وقت صبح کا ہے، کیا
صبح بالکل قریب نہیں۔^(۸۱)

پھر جب ہمارا حکم آپہنچا، ہم نے اس بہستی کو زیر کر دیا
اوپر کا حصہ نیچے کر دیا اور ان پر کنکر لیے پتھر برسائے جو
بہت تھے۔^(۸۲)

تیرے رب کی طرف سے نشان دار تھے اور وہ ان
ظالموں سے کچھ بھی دور نہ تھے۔^(۸۳)

قَالُوا لِنُوطِئَا رَسُولَ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ فَأَسْرِ
بِأَهْلِكَ بِظِلِّ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَمِثْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا
أَمْرًا تَكُنْ إِنَّهُ مُجِيبُ سَأَلِكَ إِنَّمَا أَصَابَكُمْ مَوْعِدُ الصُّبْحِ
أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ۝

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَاقًا وَنُحَاهَا وَامْطَرْنَا عَلَيْهَا
حِجَارًا مِّنْ سِجِّيلٍ فَانْظُرُوا ۝

مُسَوَّمَةً بِعِندِ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ۝

(۱) قوت سے اپنے دست و بازو اور اپنے وسائل کی قوت یا اولاد کی قوت مراد ہے اور رکن شدید (مضبوط آسرا) سے
خاندان، قبیلہ یا اسی قسم کا کوئی مضبوط سہارا مراد ہے۔ یعنی نہایت سبے بسی کے عالم میں آرزو کر رہے ہیں کہ کاش امیر سے
اپنے پاس کوئی قوت ہوتی یا کسی خاندان اور قبیلے کی پناہ اور مدد مجھے حاصل ہوتی تو آج مجھے مہمانوں کی وجہ سے یہ زست و
رسوائی نہ ہوتی، میں ان بد قماشوں سے نمٹ لیتا اور مہمانوں کی حفاظت کر لیتا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی یہ آرزو، اللہ
تعالیٰ پر توکل کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ ظاہری اسباب کے مطابق ہے۔ اور توکل علی اللہ کا صحیح مفہوم و مطلب بھی یہی ہے
کہ پہلے تمام ظاہری اسباب و وسائل بروئے کار لائے جائیں اور پھر اللہ پر توکل کیا جائے۔ یہ توکل کا نہایت غلط مفہوم
ہے کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جاؤ اور کہو کہ ہمارا بھروسہ اللہ پر ہے۔ اس لیے حضرت لوط علیہ السلام نے جو کچھ کہا، ظاہری
اسباب کے اعتبار سے بالکل بجا کہا۔ جس سے یہ بات معلوم ہوتی کہ اللہ کا پیغمبر جس طرح عالم الغیب نہیں ہوتا، اسی طرح
وہ مختار کل بھی نہیں ہوتا، (جیسا کہ آج کل لوگوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا ہے) اگر نبی دنیا میں اتنی رات سے بہرہ ور ہوتے تو
یقیناً حضرت لوط علیہ السلام اپنی بے بسی کا اور اس آرزو کا اظہار نہ کرتے جو انہوں نے مذکورہ الفاظ میں کیا۔

(۲) جب فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی بے بسی اور ان کی قوم کی سرکشی کا مشاہدہ کر لیا تو بولے، اے لوط!
گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہم تک تو کیا، اب یہ تجھ تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اب رات کے ایک حصے میں، سوائے
بیوی کے، اپنے گھروالوں کو لے کر یہاں سے نکل جا! صبح ہوتے ہی اس بہستی کو ہلاک کر دیا جائے گا۔

(۳) اس آیت میں بھی کا مرجع بعض مفسرین کے نزدیک وہ نشان زدہ کنکر لیے پتھر ہیں جو ان پر برسائے گئے اور بعض

وَالْمَدِينِ أَخْلَاهُمْ مُنْجِبًا قَالَ يُعْقَرُونَ أَغْبُدُوا اللَّهَ
مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَنْتُمْ تَقْسُمُونَ أَلَمْ يَكُنْ
وَالْهَيْزَانِ أَنْ أَرْسَلَكُمْ عَلَيْهِمْ قَارِئًا نَحَاتُ عَلَيْكُمْ
عَذَابَ يَوْمٍ مُجِيبٍ ۝

اور ہم نے مدین والوں^(۱) کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور تم ناپ توں میں بھی کمی نہ کرو^(۲) میں تو تمہیں آسودہ حال دیکھ رہا ہوں^(۳) اور مجھے تم پر گھبرنے والے دن کے عذاب کا خوف (بھی) ہے۔^(۴) (۸۳)

اے میری قوم! ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کرو لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو^(۵) اور زمین میں فساد

وَيُعْقَرُونَ أَوْ ذُكُوا أَلَمْ يَكُنْ وَالْهَيْزَانِ يَأْتِيهِمْ وَلَا تَتَّبِعُوا
النَّاسَ أَشْيَاءَ اللَّهُمَّ وَلَا تَتَّبِعُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝

کے نزدیک اس کا مرجع وہ بستیاں ہیں جو ہلاک کی گئیں اور جو شام اور صبح کے درمیان تمہیں اور ظالمین سے مراد مشرکین مکہ اور دیگر مکذبین ہیں۔ مقصد ان کو ذرا ناہے کہ تمہارا حشر بھی دیا ہو سکتا ہے جس سے گزشتہ قومیں دو چار ہوئیں۔

(۱) مدین کی تحقیق کے لیے دیکھئے سورۃ الاعراف آیت ۸۵ کا حاشیہ۔

(۲) توحید کی دعوت دینے کے بعد اس قوم میں جو نمایاں اخلاقی خرابی۔ ناپ تول میں کمی۔ کی تھی اس سے انہیں منع فرمایا۔ ان کا معمول یہ بن چکا تھا کہ جب ان کے پاس فروخت کنندہ (بائع) اپنی چیز لے کر آتا تو اس سے ناپ اور توں میں زائد چیز لیتے اور جب خریدار (مشتري) کو کوئی چیز فروخت کرتے تو ناپ میں بھی کمی کر کے دیتے اور تول میں بھی اندی مار لیتے۔

(۳) یہ اس منع کرنے کی علت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فضل کر رہا ہے اور اس نے تمہیں آسودگی اور مال و دولت سے نوازا ہے تو پھر تم یہ قبیح حرکت کیوں کرتے ہو؟

(۴) یہ دوسری علت ہے کہ اگر تم اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے تو پھر اندیشہ ہے کہ قیامت والے دن کے عذاب سے تم نہ بچ سکو۔ گھبرنے والے دن سے مراد قیامت کا دن ہے کہ اس دن کوئی گناہ گار مٹاؤ اللہ سے بچ سکے گا نہ بھاگ کر کہیں چھپ سکے گا۔

(۵) انبیاء علیہم السلام کی دعوت دو اہم بنیادوں پر مشتمل ہوتی ہے ۱۔ حقوق اللہ کی ادائیگی ۲۔ حقوق العباد کی ادائیگی۔ اول الذکر کی طرف لفظ اعْبُدُوا اللہ اور آخر الذکر کی جانب وَلَا تَقْسُمُوا أَلَمْ يَكُنْ سے اشارہ کیا گیا اور اب تاکید کے طور پر انہیں انصاف کے ساتھ پورا پورا ناپ تول کا حکم دیا جا رہا ہے اور لوگوں کو چیزیں کم کر کے دینے سے منع کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بھی ایک بہت بڑا جرم ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایک پوری سورت میں اس جرم کی شناخت و قباحت اور اس کی اخروی سزا بیان فرمائی ہے۔ ﴿وَيَلْعَنُ الْمُطْغَفِينَ﴾ ﴿الَّذِينَ إِذَا الْتَمَزُوا قَالُوا أَسَاقِلُ﴾ ﴿يَسْتَوْفُونَ﴾ ﴿وَأَذَاكُلُوهُمْ كُؤُوزًا﴾ ﴿وَهُمْ يُجْرَبُونَ﴾ (سورۃ المطففين ۱-۳) ”مطففين کے لیے ہلاکت ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر کے دیتے ہیں۔“

اور خرابی نہ مچاؤ۔^(۸۵)

اللہ تعالیٰ کا حلال کیا ہوا جو بیچ رہے تمہارے لیے بہت ہی
بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو،^(۸۶) میں تم پر کچھ تمہیں
(اور وارفتہ) نہیں ہوں۔^(۸۷)

انہوں نے جواب دیا کہ اے شعیب! کیا تیری صلاۃ^(۸۸)
تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے
معبودوں کو چھوڑ دیں اور ہم اپنے مانوں میں جو کچھ چاہیں
اس کا کرنا بھی چھوڑ دیں^(۸۹) تو تو بڑا ہی باوقار اور نیک
چلن آدمی ہے۔^(۹۰)

کہا اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف
سے روشن دلیل لیے ہوئے ہوں اور اس نے مجھے اپنے
پاس سے بہترین روزی دے رکھی ہے،^(۹۱) میرا یہ ارادہ

بَقِيتُ اللّٰهَ خَيْرٌ لِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ؕ وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ
بِحَفِيْظٍ ۝۱۰

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصْلُوْكَ تَأْمُرُكَ اَنْ تَنْتَرِكَ مَا يَعْهَدُ اٰبَاؤُنَا
اَوْ اَنْ تَفْعَلَ فِىْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَآءُ اِنَّكَ لَآتِى الْكَذِبِ
الرَّشِيْدُ ۝۱۱

قَالَ يٰقَوْمِ اِنَّهُ يَنْتَوِيْزُ اَنْ يَّبِيْعَ عَلٰى بَيْتِنَا مِنْ رِّبِّىْ وَدَّرَقَتْنِىْ
وَمِنْهُ رَزَقًا حَسَنًا وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا

(۱) اللہ کی نافرمانی سے، بالخصوص جن کا تعلق حقوق العباد سے ہو، جیسے یہاں ٹاپ تول کی کمی بیشی میں ہے، زمین میں یقیناً
فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے جس سے انہیں منع کیا گیا۔

(۲) بَقِيتُ اللّٰهَ سے مراد وہ نفع ہے جو ٹاپ تول میں کسی قسم کی کمی کیے بغیر دیانت داری کے ساتھ سودا دینے کے بعد
حاصل ہو۔ یہ چونکہ حلال و طیب ہے اور خیر و برکت بھی اسی میں ہے، اس لیے اللہ کا بقیہ قرار دیا گیا ہے۔

(۳) یعنی میں تمہیں صرف تبلیغ کر سکتا ہوں اور وہ اللہ کے حکم سے کر رہا ہوں۔ لیکن برائیوں سے میں تمہیں روک
دوں یا اس پر سزا دوں، یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ ان دونوں باتوں کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔

(۴) صَلَوٰۃ سے مراد عبادت، دین یا عطاوت ہے۔

(۵) اس سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک زکوٰۃ و صدقات ہیں جس کا حکم ہر آسمانی مذہب میں دیا گیا ہے۔ اللہ کے حکم
سے زکوٰۃ و صدقات کا اخراج اللہ کے نافرمانوں پر نہایت شاق گزرتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم اپنی محنت و سیاق
سے مال کماتے ہیں تو اس کے خرچ کرنے یا نہ کرنے میں ہم پر پابندی کیوں ہو؟ اور اس کا کچھ حصہ ایک مخصوص مد کے
لیے نکالنے پر ہمیں مجبور کیوں کیا جائے؟ اسی طریقے سے کمائی اور تجارت میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی پابندی بھی
ایسے لوگوں پر نہایت گراں گزرتی ہے، ممکن ہے ٹاپ تول میں کمی سے روکنے کو بھی انہوں نے اپنے مالی تصرفات میں
داخل و در معقولات سمجھا ہو۔ اور ان الفاظ میں اس سے انکار کیا ہو۔ دونوں ہی مفہوم اس کے صحیح ہیں۔

(۶) حضرت شعیب علیہ السلام کے لیے یہ الفاظ انہوں نے بطور استہزا کئے۔

(۷) رزق حسن کا دوسرا مفہوم نبوت بھی بیان کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر)

أَنَّهُمْ كُفَرُوا عَنْهُ إِنَّا لَنُبِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُمْ
وَمَا تَكُونُ يُقِينُ إِلَّا بِإِلَهِكَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ
أُؤْتِيكَ ۝

بالکل نہیں کہ تمہارا خلاف کر کے خود اس چیز کی طرف
جھک جاؤں جس سے تمہیں روک رہا ہوں،^(۱) میرا ارادہ
تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہی ہے۔^(۲) میری توفیق
اللہ ہی کی مدد سے ہے،^(۳) اسی پر میرا بھروسہ ہے اور
اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ (۸۸)

وَيَقَوْمٍ لَا يُخْبِرُونَكَ عَنْ آلِهِمْ لِيَرْجِئَ اللَّهُ لَكَ أَهْلَ
قَوْمِ نُوحٍ أَوْ قَوْمِ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ بِكُمْ
بَشِيرٌ ۝

اور اے میری قوم (کے لوگو!) کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کو
میری مخالفت ان عذابوں کا مستحق بنادے جو قوم نوح اور
قوم ہود اور قوم صالح کو پہنچے ہیں۔ اور قوم لوط تو تم سے
کچھ دور نہیں۔^(۴) (۸۹)

وَأَسْتَغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

تم اپنے رب سے استغفار کرو اور اس کی طرف توبہ کرو،
یقین مانو کہ میرا رب بڑی مہربانی والا اور بہت محبت کرنے
والا ہے۔ (۹۰)

قَالُوا يَشْعِبُ مَا نَفَقَهُ كَثِيرًا يَمَّا أَتَوْا وَإِنَّا لَنَرُّكَ
فِيْنَا صَوِيْفًا أَوْ تُولَآءِ لَطْمُكَ لِرَجْسِكَ وَمَا لَنَا بِكَ بِعَيْنِنَا ۝

انہوں نے کہا اے شعیب اتیری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ
میں ہی نہیں آتیں^(۵) اور ہم تو تجھے اپنے اندر بہت کمزور
پاتے ہیں،^(۶) اگر تیرے قبیلے کا خیال نہ ہوتا تو ہم تو تجھے
سنگسار کر دیتے،^(۷) اور ہم تجھے کوئی حیثیت والی ہستی

(۱) یعنی جس کام سے میں تمہیں روکوں، تم سے خلاف ہو کر وہ میں خود کروں، ایسا نہیں ہو سکتا۔

(۲) میں تمہیں جس کام کے کرنے یا جس سے رکنے کا حکم دیتا ہوں، اس سے مقصد اپنی مقدور بھر تمہاری اصلاح ہی ہے۔

(۳) یعنی حق تک پہنچنے کا جو میرا ارادہ ہے، وہ اللہ کی توفیق سے ہی ممکن ہے، اس لیے تمام معاملات میں میرا بھروسہ اسی پر ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

(۴) یعنی ان کی جگہ تم سے دور نہیں، یا اس سبب میں تم سے دور نہیں جو ان کے عذاب کا موجب بنا۔

(۵) یہ یا تو انہوں نے بطور مذاق اور تحقیر کہا دراصل حایکہ ان کی باتیں ان کے لیے ناقابل فہم نہیں تھیں۔ اس صورت میں یہاں فہم کی نفی مجازاً ہوگی۔ یا ان کا مقصد ان باتوں کے سمجھنے سے معذوری کا اظہار ہے جن کا تعلق غیب سے ہے۔

مثلاً بعث بعد الموت، حشر نشر، جنت و دوزخ وغیرہ اس لحاظ سے، فہم کی نفی حقیقتاً ہوگی

(۶) یہ کمزوری جسمانی لحاظ سے تھی، جیسا کہ بعض کا خیال ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بینائی کمزور تھی یا وہ نحیف و لاغر جسم کے تھے یا اس اعتبار سے انہیں کمزور کہا کہ وہ خود بھی مخالفین سے تمام مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔

(۷) حضرت شعیب علیہ السلام کا قبیلہ کہا جاتا ہے کہ ان کا پشتیان نہیں تھا، لیکن وہ قبیلہ چونکہ کفر و شرک میں اپنی ہی

نہیں گئے۔^(۹۱)

انہوں نے جواب دیا کہ اے میری قوم کے لوگو! کیا تمہارے نزدیک میرے قبیلے کے لوگ اللہ سے بھی زیادہ ذی عزت ہیں کہ تم نے اسے پس پشت ڈال دیا ہے^(۹۲) یقیناً میرا رب جو کچھ تم کر رہے ہو سب کو گھیرے ہوئے ہے۔^(۹۳)

اے میری قوم کے لوگو! اب تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں، تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس کے پاس وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے اور کون ہے جو جھوٹا ہے۔ تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔^(۹۴)

جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا ہم نے شعیب کو اور ان کے ساتھ (تمام) مومنوں کو اپنی خاص رحمت سے نجات بخشی اور ظالموں کو سخت چنگھڑ کے عذاب

قَالَ يَوْمَئِذٍ هَاطِلٌ غَمْرًا عَلَىٰ كُرْسِيِّ مَنْ اَنَابَ وَاَتَّخَذَ شُرَكَاءَ
وَلَا يَكْفُرُ لَهُمْ يَوْمَئِذٍ رَّبٌّ يَمَّا تَعْمَلُونَ عَذَابٌ

وَيَقَوْمٌ سَمِعُوا لَوْلَا سَكَاةُ لِي عَائِلٍ سَوَاءٌ تَعْمَلُونَ
مَنْ يَأْتِيهِمْ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَارْتَبُوا لِي
مَعَكُمْ تَعْتَبُ ۝

وَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا لَشُعْبَانَ وَالدِّينَ اٰمَنُوْا مَعَهُ رَحْمَةً
مِّنَّا وَاتَّخَذَتِ الدِّينَ كَلَمُوا الْفِتْنَةَ فَاَصْبَحُوا

قوم کے ساتھ تھا اس لیے اپنے ہم مذہب ہونے کی وجہ سے اس قبیلے کا لحاظ بہر حال حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے اور انہیں نقصان پہنچانے میں مانع تھا۔

(۱) لیکن چونکہ میرے قبیلے کی حیثیت بہر حال ہمارے دلوں میں موجود ہے اس لیے ہم درگزر سے کام لے رہے ہیں۔
(۲) کہ تم مجھے تو میرے قبیلے کی وجہ سے نظر انداز کر رہے ہو۔ لیکن جس اللہ نے مجھے منصب نبوت سے نوازا ہے اس کی کوئی عظمت اور اس منصب کا کوئی احترام تمہارے دلوں میں نہیں ہے اور اسے تم نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہاں حضرت شعیب علیہ السلام نے اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنِي (مجھ سے زیادہ ذی عزت) کی بجائے اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ (اللہ سے زیادہ ذی عزت) کہا جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ نبی کی توہین یہ دراصل اللہ کی توہین ہے۔ اس لیے کہ نبی اللہ کا مبعوث ہوتا ہے اور اسی اعتبار سے اب علمائے حق کی توہین اور ان کو حقیر سمجھنا یہ اللہ کے دین کی توہین اور اس کا استخفاف ہے اس لیے کہ وہ اللہ کے دین کے نمائندے ہیں۔ وَاتَّخَذْتُكُمْ مِّنْ حَاکِمٍ رَّحِمٌ اللّٰهُ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے اس معاملے کو جسے لے کر اس نے مجھے بھیجا ہے اسے تم نے پس پشت ڈال دیا ہے اور اس کی کوئی پروا تم نے نہیں کی۔

(۳) جب انہوں نے دیکھا کہ یہ قوم اپنے کفر و شرک پر مصر ہے اور وعظ و نصیحت کا بھی کوئی اثر ان پر نہیں ہو رہا تو کہا اچھا تم اپنی ڈگر پر چلتے رہو، عنقریب تمہیں جھوٹے سچے کا اور اس بات کا کہ رسوا کن عذاب کا مستحق کون ہے^(۹۵) معلوم ہو جائے گا۔

وَيَا رِجْلَيْهِمَا ۝

نے دھر دیو چا^(۱) جس سے وہ اپنے گھروں میں اونٹھے
پڑے ہوئے ہو گئے۔ (۹۳)

كَانَ لَمْ يَنْتَوِ افْتِهَا الْاَبْعَدُ الْبَدَيْنِ كَمَا بَعْدَتْ لَمْ يُوْدُ ۝

گویا کہ وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے، آگاہ رہو
مدین کے لیے بھی ویسی ہی دوری^(۲) ہو جیسی دوری ثمود
کو ہوئی۔ (۹۵)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوسٰى بِآيٰتِنَا وَسُلٰطِيْنٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور یقیناً ہم نے ہی موسیٰ کو اپنی آیات اور روشن دلیلوں
کے ساتھ بھیجا تھا۔^(۳) (۹۶)

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاِيْهِ فَاتَّبَعُوْا اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَا
اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۝

فرعون اور اس کے سرداروں^(۴) کی طرف، پھر بھی ان
لوگوں نے فرعون کے احکام کی پیروی کی اور فرعون کا
کوئی حکم درست تھا ہی نہیں۔^(۵) (۹۷)

يَقْدُرُ قَوْمُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْدَهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ الْوَرْدُ
الْمَوْزُوْدُ ۝

وہ تو قیامت کے دن اپنی قوم کا پیش رو ہو کر ان سب کو
دوزخ میں جا کھڑا کرے گا،^(۶) وہ بہت ہی برا
گھاٹ^(۷) ہے جس پر لاکھڑے کیے جائیں گے۔ (۹۸)

(۱) اس جج سے ان کے دل پارہ پارہ ہو گئے اور ان کی موت واقع ہو گئی اور اس کے مقابلہ ہی بھونچال بھی آیا، جیسا کہ
سورۃ اعراف-۹۱ اور سورۃ غلبہ ۷۰-۳ میں ہے۔

(۲) یعنی لعنت، پہنکار، اللہ کی رحمت سے محرومی اور دوری۔

(۳) آیت سے بعض کے نزدیک تورات اور سلطان مبین سے معجزات مراد ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آیات سے
آیات تسعہ اور سلطان مبین (روشن دلیل) سے عصا مراد ہے۔ عصا اگرچہ آیات تسعہ میں شامل ہے لیکن یہ معجزہ چونکہ
نہایت ہی عظیم الشان تھا اس لیے اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

(۴) مملّۃ قوم کے اشراف اور ممتاز قسم کے لوگوں کو کہا جاتا ہے۔ (اس کی تشریح پہلے مکرر چکی ہے) فرعون کے ساتھ
اس کے دربار کے ممتاز لوگوں کا نام اس لیے لیا گیا ہے کہ اشراف قوم ہی ہر معاملے کے ذمے دار ہوتے تھے اور قوم ان
ہی کے پیچھے چلتی تھی۔ اگر یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتے تو یقیناً فرعون کی ساری قوم ایمان لے آتی۔

(۵) رَشِيْدٌ ذی رشد کے معنی میں ہے۔ یعنی بات تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رشد و ہدایت والی تھی، لیکن اسے ان
لوگوں نے رد کر دیا اور فرعون کی بات جو رشد و ہدایت سے دور تھی اس کی انہوں نے پیروی کی۔

(۶) یعنی فرعون، جس طرح دنیا میں ان کا رہبر اور پیش رو تھا، قیامت والے دن بھی یہ آگے آگے ہی ہو گا اور اپنی قوم
کو اپنی قیادت میں جہنم میں لے کر جائے گا۔

(۷) وزڈ پانی کے گھاٹ کو کہتے ہیں، جہاں پیاسے جا کر اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ لیکن یہاں جہنم کو درکھا گیا ہے، موزوڈ وہ مقام یا

وَاتَّبِعُوا فِي هَذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الرَّجْعَةِ يَرَوْهُ الَّذِينَ
الْمَرْفُودُونَ ﴿۱۱﴾

ذَلِكُمْ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَرَىٰ نَقُصُّهُ عَلَيْكَ مِنْهَا قَدْ أَتَيْتُمْ وَحَصِيدُ ﴿۱۲﴾

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ
الْمَالُ الْمَكْنُونُ يَذُوقُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ شَرِّ لَوْلَجَاءُ لَعْنَةُ
رَبِّكَ وَأَمَّا زَادُوهُمْ عُزْرَتَيْنِ ﴿۱۳﴾

وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْغَرَىٰ وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ
أَخْذًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ شَدِيدٌ ﴿۱۴﴾

ان پر تو اس دنیا میں بھی لعنت چٹکادی گئی اور قیامت کے
دن بھی ^(۱) برا انعام ہے جو دیا گیا۔ ^(۲) (۹۹)

بستیوں کی یہ بعض خبریں جنہیں ہم تیرے سامنے بیان
فرما رہے ہیں ان میں سے بعض تو موجود ہیں اور بعض
(کی فصلیں) کٹ گئی ہیں۔ ^(۳) (۱۰۰)

ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، ^(۴) بلکہ خود انہوں نے ہی
اپنے اوپر ظلم کیا، ^(۵) اور انہیں ان کے معبودوں نے کوئی
فائدہ نہ پہنچایا جتنیس وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے جب
کہ تیرے پروردگار کا حکم آپنچا، بلکہ اور ان کا نقصان ہی
انہوں نے بڑھا دیا۔ ^(۶) (۱۰۱)

تیرے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جب کہ وہ
بستیوں کے رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے بیشک اس کی
پکڑ دکھ دینے والی اور نہایت سخت ہے۔ ^(۷) (۱۰۲)

کھاٹ یعنی جہنم جس میں لوگ لے جائے جائیں گے یعنی جگہ بھی بری اور جانے والے بھی برے۔ اَعَادَنَا اللّٰهُ مِنْهَا
(۱) لَعْنَةُ سے پھنکار اور رحمت الہی سے دوری و محرومی ہے گویا دنیا میں بھی وہ رحمت الہیہ سے محروم اور آخرت میں
بھی اس سے محروم ہی رہیں گے اگر ایمان نہ لائے۔

(۲) رَفَعْنَا انْعَامَ اور علیے کو کہا جاتا ہے۔ یہاں لعنت کو رفد کہا گیا ہے۔ اسی لیے اسے برا انعام قرار دیا گیا۔ مَرْفُودٌ سے مراد
وہ انعام جو کسی کو دیا جائے۔ یہ الرفد کی تاکید ہے۔

(۳) قَائِمٌ سے مراد وہ بستیاں جو اپنی چھتوں پر قائم ہیں اور حَصِيدٌ بمعنی محسود سے مراد وہ بستیاں جو کئی ہوئی
کمیتوں کی طرح نابود ہو گئیں۔ یعنی جن گزشتہ بستیوں کے واقعات ہم بیان کر رہے ہیں ان میں سے بعض تو اب بھی
موجود ہیں جن کے آثار و کھنڈرات نشانِ عبرت ہیں اور بعض بالکل ہی صفحہ ہستی سے معدوم ہو گئیں اور ان کا وجود
صرف تاریخ کے صفحات پر باقی رہ گیا ہے۔

(۴) ان کو عذاب اور ہلاکت سے دوچار کر کے۔

(۵) کفر و معاصی کا ارتکاب کر کے۔

(۶) جب کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ انہیں نقصان سے بچائیں گے اور فائدہ پہنچائیں گے۔ لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو واضح ہو
گیا کہ ان کا یہ عقیدہ فاسد تھا اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ اللہ کے سوا کوئی کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔

(۷) یعنی جس طرح گزشتہ بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے جہاد و برباد کیا آئندہ بھی وہ ظالموں کی اسی طرح گرفت کرنے پر قادر ہے۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْكَفْرِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ
تُجْمَعُ أَلِهَ النَّاسِ ۚ وَذَٰلِكَ يَوْمُ قِسْطِ هُودٍ ۝

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ
أُنِيبُ ۝

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلُمُ النَّفْسُ إِلَّا بِآيَاتِهِ ۚ قَبْلَهُ شَيْءٌ
وَسَبْعٌ ۝

كَأَنَّمَا الْإِنْسَانُ شَفْعُ الْفَارِغِ لَمْ يَمُضْ فِيهَا زَوْجٌ
وَسَبْعٌ ۝

خَلِيدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ ۚ (الْمَشَارِقُ رُبُّكَ

یقیناً اس میں ^(۱) ان لوگوں کے لیے نشان عبرت ہے جو
قیامت کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ وہ دن جس میں سب
لوگ جمع کیے جائیں گے اور وہ دن ہے جس میں
سب حاضر کیے جائیں گے۔ ^(۲) (۱۰۳)

اسے ہم جو ملوثی کرتے ہیں وہ صرف ایک مدت معین
تک ہے۔ ^(۳) (۱۰۴)

جس دن وہ آجائے گی مجال نہ ہوگی کہ اللہ کی اجازت کے
بغیر کوئی بات بھی کر ^(۴) لے سوان میں کوئی بد بخت ہوگا
اور کوئی نیک بخت۔ (۱۰۵)

لیکن جو بد بخت ہوئے وہ دوزخ میں ہوں گے وہاں چھینیں
کے چلائیں گے۔ (۱۰۶)

وہ وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تک آسمان و زمین
برقرار رہیں ^(۵) سوائے اس وقت کے جو تمہارا رب

حدیث میں آتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إِنَّ اللَّهَ لَيُعَذِّبُ لِلطَّالِمِ حَتَّىٰ إِذَا أَحَدُهُ لَمْ يُفْلِسْهُ اللَّهُ تَعَالَىٰ يَقِينًا هَٰذَا
کو ملت رہتا ہے لیکن جب اس کی گرفت کرنے پر آتا ہے تو پھر اس طرح اچانک کرتا ہے کہ پھر ملت نہیں دیتا۔

(۱) یعنی مؤاخذہ الٰہی میں یا ان واقعات میں جو عبرت و موعظت کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔

(۲) یعنی حساب اور بدلے کے لیے۔

(۳) یعنی قیامت کے دن میں تاخیر کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے لیے ایک وقت معین کیا ہوا
ہے۔ جب وہ وقت مقرر آجائے گا تو ایک لمحے کی تاخیر نہیں ہوگی۔

(۴) گفتگو نہ کرنے سے مراد کسی کو اللہ تعالیٰ سے کسی طرح کی بات یا شفاعت کرنے کی ہمت نہیں ہوگی۔ ان یہ کہ وہ
اجازت دے دے۔ طویل حدیث شفاعت میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا
الرَّسُولُ وَذَوُو الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ، اللَّهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ (صحیح بخاری کتاب الإيمان، باب فصل السجود،
ومسلم، کتاب الإيمان، باب معرفة طريق الرؤية، ”اس دن انبیاء کے علاوہ کسی کو گفتگو کی ہمت نہ ہوگی اور انبیاء
کی زبان پر بھی اس دن صرف یہی ہوگا کہ یا اللہ! ہمیں بچالے، ہمیں بچالے“

(۵) ان الفاظ سے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ کافروں کے لیے جہنم کا عذاب دائمی نہیں ہے بلکہ موقت ہے یعنی
اس وقت تک رہے گا جب تک آسمان و زمین رہیں گے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ یہاں مَا دَامَتِ السَّمُوتُ

إِنَّ رَبَّكَ فَاعِلٌ لِّمَا يُرِيدُ ۝

چاہے۔^(۱) یقیناً تیرا رب جو کچھ چاہے کر گزرتا ہے۔ (۱۰۷)

لیکن جو نیک بخت کیسے گئے وہ جنت میں ہوں گے جہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین باقی رہے مگر جو تیرا پروردگار چاہے۔^(۲) یہ بے انتہا بخشش ہے۔^(۳) (۱۰۸)

وَأَمَّا الَّذِينَ سُودُوا فَمِنْ أَجْلِ عَصَاكَ ۚ الَّذِينَ فِيهَا مَا كَانُوا يَلْمُوكَ
وَالْأَرْضُ لِلَّهِ أَطَاعَتْهُ ۖ وَكَانَ عَصَاكَ خَيْرًا لِّكَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ فَاعِلًا ۝

وَالَّذِينَ فِيهَا مِنْ لَّدُنْكَ أَهْلٌ ۚ وَكَانَ اللَّهُ فَاعِلًا ۝ اہل عرب کے روزمرہ کی گفتگو اور محاورے کے مطابق نازل ہوا ہے۔ عربوں کی عادت تھی کہ جب کسی چیز کا دوام ثابت کرنا مقصود ہو تا تو وہ کہتے تھے کہ ہَذَا ذَاتُنَا ذَوَاتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (یہ چیز اسی طرح ہمیشہ رہے گی جس طرح آسمان و زمین کا دوام ہے) اسی محاورے کو قرآن کریم میں استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کفر و شرک جہنم میں ہمیشہ رہیں گے جس کو قرآن نے متعدد جگہ ﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ ایک دوسرا مفہوم اس کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آسمان و زمین سے مراد جس ہے۔ یعنی دنیا کے آسمان و زمین اور ہیں جو فنا ہو جائیں گے لیکن آخرت کے آسمان و زمین ان کے علاوہ اور ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے ﴿يَوْمَ يُبَدِّلُ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالُ وَأَنْتُمْ عَلَيْهَا قَائِمُونَ﴾ اس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل لے لے جائیں گے) اور آخرت کے یہ آسمان و زمین جنت اور دوزخ کی طرح ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت میں یہی آسمان و زمین مراد ہے نہ کہ دنیا کے آسمان و زمین جو فنا ہو جائیں گے۔ (ابن کثیر) ان دونوں مفہوموں میں سے کوئی بھی مفہوم مراد لے لیا جائے آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے اور وہ اشکال پیدا نہیں ہوتا جو مذکور ہوا۔ امام شوکانی نے اس کے اور بھی کئی مفہوم بیان کیے ہیں جنہیں اہل علم ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ (فتح القدیر)

(۱) اس اشتیاء کے بھی کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ صحیح مفہوم یہی ہے کہ یہ اشتیاء ان گناہ گاروں کے لیے ہے جو اہل توحید و اہل ایمان ہوں گے۔ اس اعتبار سے اس سے ماقبل آیت میں شیعہ کا لفظ عام یعنی کافر اور عاصی دونوں کو شامل ہو گا اور ﴿لَا مَنَافَةَ لَهُمْ﴾ سے عاصی مومنوں کا اشتیاء ہو جائے گا۔ اور مَنَافَةً میں مَنَافَةً کے معنی میں ہے۔

(۲) یہ اشتیاء بھی عصاة اہل ایمان کے لیے ہے۔ یعنی دیگر جنتیوں کی طرح یہ نافرمان مومن ہمیشہ سے جنت میں نہیں رہیں ہوں گے۔ بلکہ ابتداء میں ان کا کچھ عرصہ جہنم میں گزرے گا اور پھر انہما اور اہل ایمان کی سفارش سے ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا جیسا کہ احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے۔

(۳) غیر مجزوز کے معنی ہیں غیر مقطوع۔ یعنی نہ ختم ہونے والی عطاء۔ اس جملے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جن گناہ گاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا یہ دخول عارضی نہیں ہمیشہ کے لیے ہو گا اور تمام ضعیفی ہمیشہ اللہ کی عطاء اور اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اس میں کبھی انقطاع نہیں ہو گا۔

اس لئے آپ ان چیزوں سے شک و شبہ میں نہ رہیں جنہیں یہ لوگ پوج رہے ہیں، ان کی پوج تو اس طرح ہے جس طرح ان کے باپ دادوں کی اس سے پہلے تھی۔ ہم ان سب کو ان کا پورا پورا حصہ بغیر کسی کمی کے دینے والے ہی ہیں۔^(۱) (۱۰۹)

یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی۔ پھر اس میں اختلاف کیا گیا،^(۲) اگر پہلے ہی آپ کے رب کی بات صادر نہ ہو گئی ہوتی تو یقیناً ان کا فیصلہ کر دیا جاتا،^(۳) انہیں تو اس میں سخت شبہ ہے۔ (۱۱۰)

یقیناً ان میں سے ہر ایک جب ان کے روبرو جائے گا تو آپ کا رب اسے اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ بیشک وہ جو کر رہے ہیں ان سے وہ باخبر ہے۔ (۱۱۱)

پس آپ جے رہئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ توبہ کر چکے ہیں، خبردار تم حد سے نہ بڑھنا،^(۴) اللہ تمہارے تمام اعمال کا دیکھنے والا ہے۔ (۱۱۲)

فَلَا تَكْفُرْ فِي دِينِكَ وَمَا يَعْبُدُ هَؤُلَاءَ مَا يَعْبُدُونَ وَإِنَّا لَكَاثِمُونَ
يَعْبُدُونَ أَبَاءَهُمْ مِنْ قَبْلُ وَإِنَّا لَمُوقِفُهُمْ لَصِيبُهُمْ خَيْرٌ
مَنْفُوضٍ ۝

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ ذَلِكُمْ وَلَا تَتْلُوهُ
سَجْدَتٍ مِنْ رَبِّكَ لَقَدْ أُفْضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ
مُزِينٍ ۝

ذَلِكَ لِكُلِّ قَوْمٍ لِيُوقِفَهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ
خَبِيرٌ ۝

فَاسْتَوُوا كَمَا أُمِرْتُمْ وَمِنْ تَابِ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

(۱) اس سے مراد وہ عذاب ہے جس کے وہ مستحق ہوں گے، اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

(۲) یعنی کسی نے اس کتاب کو مانا اور کسی نے نہیں مانا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ پچھلے انبیاء کے ساتھ بھی یہ معاملہ ہوتا آیا ہے، کچھ لوگ ان پر ایمان لانے والے ہوتے اور دوسرے تکذیب کرنے والے۔ اس لیے آپ اپنی تکذیب سے نہ گھبراہٹیں۔

(۳) اس سے مراد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے ان کے لیے عذاب کا ایک وقت مقرر کیا ہوا نہ ہوتا تو وہ انہیں فوراً ہلاک کر ڈالتا۔

(۴) اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو ایک تو استقامت کی تلقین کی جا رہی ہے، جو دشمن کے مقابلے کے لیے ایک بہت بڑا ہتھیار ہے۔ دوسرے طغیان یعنی بغی (حد سے بڑھ جانے) سے روکا گیا ہے، جو اہل ایمان کی اخلاقی قوت اور رفعت کردار کے لیے بہت ضروری ہے۔ حتیٰ کہ یہ تجاوز دشمن کے ساتھ معاملہ کرتے وقت بھی جائز نہیں ہے۔

وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَعَلْتُمْ نَارًا مِثْلَ النَّارِ وَمَنِ الظَّالِمِينَ دُونَ
اللَّهُ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿۱۱﴾

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي الْبُكْرَةِ وَالْعَاقِرِ الْبُكْرَةِ لِكُلِّ الْحَسَنَةِ
يُذْهِبُ النَّجَسَاتِ ذَٰلِكَ فُكْرِي لِلَّذِ كُفِّنَ ﴿۱۲﴾

وَأَصِيرُ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْهَاسِينَ ﴿۱۳﴾

دیکھو ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا ورنہ تمہیں بھی (دوزخ
کی) آگ لگ جائے گی^(۱) اور اللہ کے سوا اور تمہارا مددگار
نہ کھڑا ہو سکے گا ورنہ تم مدد دیے جاؤ گے۔ (۱۱۳)

دن کے دونوں سروں میں نماز برپا رکھ اور رات کی کئی
ساعتوں میں بھی^(۲) یقیناً نیکیاں برائیاں کو دور کر دیتی
ہیں۔^(۳) یہ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے
لئے۔ (۱۱۴)

آپ صبر کرتے رہیے یقیناً اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا
اجر ضائع نہیں کرتا۔ (۱۱۵)

(۱) اس کا مطلب ہے کہ ظالموں کے ساتھ نرمی اور مداریت کرتے ہوئے ان سے مدد حاصل مت کرو۔ اس سے ان کو یہ
تأثر ملے گا کہ گویا تم ان کی دوسری باتوں کو بھی پسند کرتے ہو۔ اس طرح یہ تمہارا ایک بڑا جرم بن جائے گا جو تمہیں بھی
ان کے ساتھ 'مار جنم' کا مستحق بنا سکتا ہے۔ اس سے ظالم حکمرانوں کے ساتھ ربط و تعلق کی بھی ممانعت نکلتی ہے۔ الایہ
کہ مصلحت عامہ یا دینی منافع متقاضی ہوں۔ ایسی صورت میں دل سے نفرت رکھتے ہوئے ان سے ربط و تعلق کی اجازت
ہو گی۔ جیسا کہ بعض احادیث سے واضح ہے۔

(۲) "دونوں سروں" سے مراد بعض نے صبح اور مغرب، بعض نے صرف عشاء اور بعض نے عشاء اور مغرب دونوں کا
وقت مراد لیا ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ آیت معراج سے قبل نازل ہوئی ہو، جس میں پانچ نمازیں
فرض کی گئیں۔ کیونکہ اس سے قبل صرف دو ہی نمازیں ضروری تھیں، ایک طلوع شمس سے قبل اور ایک غروب سے
قبل اور رات کے پچھلے پہر میں نماز تہجد۔ پھر نماز تہجد امت سے معاف کر دی گئی، پھر اس کا وجوب بقول بعض آپ
ﷺ سے بھی ساقط کر دیا گیا۔ (ابن کثیر) وَاللَّهُ أَعْلَمُ

(۳) جس طرح کہ احادیث میں بھی اسے صراحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ مثلاً پانچ نمازیں، جمعہ دوسرے جمعہ تک
اور رمضان دوسرے رمضان تک، ان کے مابین ہونے والے گناہوں کو دور کرنے والے ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے
اجتناب کیا جائے۔ (صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب الصلوات الخمس والجمعة والجمعة إلى الجمعة)
ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بَلَّاءُ! اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر بڑی نمر ہو وہ
روزانہ اس میں پانچ مرتبہ نہاتا ہو، کیا اس کے بعد اس کے جسم پر میل پکھیل باقی رہے گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہما نے عرض کیا
"نہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "اسی طرح پانچ نمازیں ہیں، ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ گناہوں اور خطوں کو مٹا دیتا
ہے" بخاری کتاب الحوائط باب الصلوات الخمس كفارة ومسلم کتاب المساجد باب المشی
إلى الصلوة لمحي به الخطايا وترفع به الدرجات)

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكَ أُولُوا بَيْنَةٍ يَنْهَوْنَ
عَنِ النَّسَاوِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَجَعْنَاهُمْ
وَأَتَتْهُمُ الذُّلُومُ كَلِمَاتٍ فَاتَّبَعُوا فِيهَا وَكَانُوا
مُخْبِرِينَ ①

پس کیوں نہ تم سے پہلے زمانے کے لوگوں میں سے
ایسے اہل خیر لوگ ہوئے جو زمین میں فساد پھیلانے
سے روکتے، سوائے ان چند کے جنہیں ہم نے ان
میں سے نجات دی تھی،^(۱) ظالم لوگ تو اس چیز کے
پیچھے پڑ گئے جس میں انہیں آسودگی دی گئی تھی اور وہ
گنہگار تھے۔^(۲) (۱۱۶)

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُعَذِّبَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَعْلَاهَا
مُصْلِحُونَ ②

آپ کا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ظلم سے ہلاک کر
دے اور وہاں کے لوگ نیکوکار ہوں۔ (۱۱۷)

اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی راہ پر
ایک گروہ کر دیتا۔ وہ تو برابر اختلاف کرنے والے ہی رہیں
گے۔ (۱۱۸)

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَرِ الْأُنَاسُ
لُحُوعًا ③

بجز ان کے جن پر آپ کا رب رحم فرمائے، انہیں تو اسی لیے
پیدا کیا ہے،^(۳) اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہے کہ
میں جنم کو جنوں اور انسانوں سب سے پر کروں گا۔^(۴) (۱۱۹)

إِلَّا آمَنَ تَجْعَزُ رَبُّكَ وَلَئِنَّكَ خَلَقْتَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ
رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْإِنْسَانِ أَجْمَعِينَ ④

(۱) یعنی گزشتہ امتوں میں سے ایسے نیک لوگ کیوں نہ ہوئے جو اہل شر اور اہل منکر کو شر، منکرات اور فساد سے
روکتے؟ پھر فرمایا، ایسے لوگ تھے تو سب، لیکن بہت تھوڑے۔ جنہیں ہم نے اس وقت نجات دے دی، جب دوسروں کو
عذاب کے ذریعے سے ہلاک کیا گیا۔

(۲) یعنی یہ ظالم، اپنے ظلم پر قائم اور اپنی مہوشیوں میں مست رہے حتیٰ کہ عذاب نے انہیں آیا۔

(۳) ”اسی لیے“ کا مطلب بعض نے اختلاف اور بعض نے رحمت بیا ہے۔ دونوں صورتوں میں مفہوم یہ ہو گا کہ ہم نے
انسانوں کو آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے۔ جو سن حق سے اختلاف کا راستہ اختیار کرے گا، وہ آزمائش میں ناکام اور جو اسے
اپنا لے گا، وہ کامیاب اور رحمت الہی کا مستحق ہو گا۔

(۴) یعنی اللہ کی تقدیر اور قضاء میں یہ بات ثبت ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جنت کے اور کچھ ایسے ہوں گے جو جہنم کے
مستحق ہوں گے اور جنت و جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھر دیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے، ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
”جنت اور دوزخ آپس میں جھگڑا پڑیں، جنت نے کہا، کیا بات ہے کہ میرے اندر وہی لوگ آئیں گے جو کمزور اور معاشرے
کے گرے پڑے لوگ ہوں گے؟“ جہنم نے کہا، ”میرے اندر تو بڑے بڑے جبار اور منکبر قسم کے لوگ ہوں گے۔“ اللہ تعالیٰ
نے جنت سے فرمایا، ”تو میری رحمت کی منظر ہے، تمہارے ذریعے سے میں جس پر چاہوں اتنا رحم کروں۔ اور جہنم سے اللہ تعالیٰ

وَلَا تَقْصُصْ عَلَيْهِ مِنْ آيَاتِ الْكِتَابِ مَا كُنْتَ بِهٖ مُخْبِرًا
وَحَدَّثَ فِي هَٰذَا الْحَقِّ وَمَوْعِظَةً وَدَلِيلًا لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٠﴾

وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ عَمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ
إِنَّا عَمِلُونَا ۖ ﴿١٢١﴾

وَأَسْطَرُوا إِلَيْنَا مَسْطَرُونَ ﴿٣٦﴾

وَقُلُوا عِبَادُ الصُّلَواتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ يُزِجُ الْإِشْرَ كُلَّهُ وَاعْبُدُوا
وَكُلُوا عَلَيْهِ وَمَا تَرَكَ بَعْدَافِلٍ عَامِلُونَ ﴿٥٠﴾

میرزا یوسف

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

الرَّيْلُ الْيَتُّ الْكُتُبُ الْيَتُّ

رسولوں کے سب احوال ہم آپ کے سامنے آپ کے دل کی تسکین کے لیے بیان فرما رہے ہیں۔ آپ کے پاس اس سورت میں بھی حق پہنچ چکا جو نصیحت و وعظ ہے مومنوں کے لیے۔ (۱۳۰)

ایمان نہ لانے والوں سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے طور پر عمل کیے جاؤ ہم بھی عمل میں مشغول ہیں۔ (۱۲۱)
اور تم بھی انتظار کرو ہم بھی مٹھ رہے ہیں۔ (۱۲۲)^(۱)

زمینوں اور آسمانوں کا علم غیب اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، تمام معاملات کا رجوع بھی اسی کی جانب ہے، پس تجھے اسی کی عبادت کرنی چاہیے اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں۔ (۱۲۳)

سورۃ یوسف کی ہے اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الر' یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ (۱)

نے فرمایا تو میرے عذاب کی منظر ہے تیرے ذریعے سے میں جس کو چاہوں سزا دوں۔ اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ دونوں کو بھر دے گا۔ جنت میں ہمیشہ اس کا فضل ہو گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا فرمائے گا جو جنت کے باقی ماندہ رقبے میں رہے گی۔ اور جہنم، جہنمیوں کی کثرت کے باوجود ﴿قُلْ مِّنْ حِزْبٍ﴾ کا لغو بلند کرے گی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا جس پر جہنم پکار اٹھے گی۔ قَطُّ قَطُّ، وَعِزَّتِكَ ”بس، بس“ تیری عزت و جلال کی قسم“ (صحیح بخاری کتاب التوحید، باب ما جاء في قوله تعالى إِنْ رَحِمَ اللَّهُ قُرَيْبًا مِنَ الْمُحْسِنِينَ، وتفسير سورة ق۔ مسلم کتاب الجنة، باب ما جاء في قوله تعالى إِنْ رَحِمَ اللَّهُ قُرَيْبًا مِنَ الْمُحْسِنِينَ)

(۱) یعنی غنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ حسن انجام کس کے حصے میں آتا ہے اور یہ بھی معصوم ہو جائے گا کہ ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوں گے۔ چنانچہ یہ وعدہ جلد ہی پورا ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا اور پورا جزیرہ عرب اسلام کے زیرِ حکم آگیا۔

كُوْنُهَا وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ رَاٰهُمْ فِي سَجْدٍ ۝

قَالَ يٰٓأَيُّهَا لَقُصُصْ رُءُؤَاآءَكَ عَلٰٓى اٰخُوْتِكَ فَيَكْبُرُ ۝ اَلَمْ يَكُنْ اَنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسٰنِ عَدُوًّا مُّبِيْنٌ ۝

وَكَذٰلِكَ يَخْتَبِرُكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِّنْ تَاْوِيْلِ
لِّاٰحَادِيْثٍ وَيُخَبِّرُكَ عَنْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَا اَنْتَ مَخْمٰ
عَلٰٓى اٰبُوْتِكَ مِّنْ قَبْلِ اِبْرٰهِيْمَ وَاسْحٰقَ اِنَّ رَبَّكَ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

میں نے گیارہ ستاروں کو اور سورج چاند کو ^(۱) دیکھا کہ وہ
سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ (۳)

یعقوب علیہ السلام نے کہا پیارے بچے! اپنے اس خواب
کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ
کوئی فریب کاری کریں، ^(۲) شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے۔ ^(۳) (۵)
اور اسی طرح ^(۴) تجھے تیرا پروردگار برگزیدہ کرے گا اور
تجھے معاملہ فہمی (یا خوابوں کی تعبیر) بھی سکھائے گا اور اپنی
نعت تجھے بھرپور عطا فرمائے گا ^(۵) اور یعقوب کے گھر
والوں کو بھی ^(۶) جیسے کہ اس نے اس سے پہلے تیرے
دادا اور پردادا یعنی ابراہیم و اسحاق کو بھی بھرپور اپنی نعت

(۱) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں جو گیارہ ہی تھے اور چاند
سورج سے مراد ماں اور باپ ہیں اور خواب کی تعبیر چالیس یا اسی سال کے بعد اس وقت سامنے آئی جب یہ سارے بھائی
اپنے والدین سمیت مصر گئے اور وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے جیسا کہ یہ تفصیل سورت
کے آخر میں آئے گی۔

(۲) حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب سے اندازہ لگایا کہ ان کا یہ بیٹا عظمت شان کا حامل ہو گا، اس لیے انہیں
اندیشہ ہوا کہ یہ خواب سن کر اس کے دوسرے بھائی بھی اس کی عظمت کا اندازہ کر کے کہیں اسے نقصان نہ پہنچائیں،
بتائیں انہوں نے یہ خواب بیان کرنے سے منع فرمادیا۔

(۳) یہ بھائیوں کے کمر فریب کی وجہ بیان فرمادی کہ شیطان چونکہ انسان کا ازلی دشمن ہے۔ اس لیے وہ انسانوں کو
برکانے، گمراہ کرنے اور انہیں حسد و بغض میں مبتلا کرنے میں ہر وقت کوشاں اور تاک میں رہتا ہے۔ چنانچہ یہ شیطان کے
لیے بڑا اچھا موقع تھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف بھائیوں کے دلوں میں حسد و بغض کی آگ بھڑکادے۔
جیسا کہ فی الواقع بعد میں اس نے ایسا ہی کیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا اندیشہ درست ثابت ہوا۔

(۴) یعنی جس طرح تجھے تیرے رب نے نہایت عظمت والا خواب دکھانے کے لیے جن لیا، اسی طرح تیرا رب تجھے
برگزیدگی بھی عطا کرے گا اور خوابوں کی تعبیر سکھائے گا۔ تَاْوِيْلُ الْاَحَادِيْثِ کے اصل معنی باتوں کی ترہ تک پہنچنا ہے۔
یہاں خواب کی تعبیر مراد ہے۔

(۵) اس سے مراد نبوت ہے جو یوسف علیہ السلام کو عطا کی گئی۔ یا وہ انعامات ہیں جن سے مصر میں یوسف علیہ السلام
نوازے گئے۔

(۶) اس سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی، ان کی اولاد وغیرہم ہیں، جو بعد میں انعامات الہی کے مستحق بنے

دی، یقیناً تیرا رب بہت بڑے علم والا اور زبردست حکمت والا ہے۔ (۶)

یقیناً یوسف اور اس کے بھائیوں میں دریافت کرنے والوں کے لئے (بڑی) نشانیاں^(۱) ہیں۔ (۷)

جب کہ انہوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی^(۲) بہ نسبت ہمارے باپ کو بہت زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم (طاقتور) جماعت^(۳) ہیں، کوئی شک نہیں کہ ہمارے ابا صریح غلطی میں ہیں۔ (۸)

یوسف کو تو ماری ڈالو یا اسے کسی (نامعلوم) جگہ پھینک دو کہ تمہارے والد کا رخ صرف تمہاری طرف ہی ہو جائے۔ اس کے بعد تم نیک ہو جانا۔ (۹)

ان میں سے ایک نے کہا یوسف کو قتل تو نہ کرو بلکہ اسے کسی اندھے کنوئیں (کی نہ) میں ڈال دو کہ^(۴) اسے کوئی (آتا جاتا) قافلہ اٹھا لے جائے اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یوں کرو۔ (۱۰)

لَقَدْ كَانَ لِلْيُوسُفَ وَالْحُوتَةِ آيَاتٌ لِّتَذَكَّرَ

يَذْكُرُوا الْيُوسُفَ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا

وَعَنْ غَضَبَةٍ إِنَّ آيَاتِنَا لِلْمُؤْمِنِينَ

يَا قَتْلُوا يُوسُفَ أَوْ خَرِّجُوهُ أََرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهَهُ

وَيَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ

قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَالْحُوتَةَ فِي غَيْبَتِ الْغَيْبِ

يَلْتَقِطُهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ مُعِينِينَ

(۱) یعنی اس قصے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت کی بڑی نشانیاں ہیں۔ بعض مفسرین نے یہاں ان بھائیوں کے نام اور ان کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔

(۲) "اس کا بھائی" سے مراد بنیامین ہے۔

(۳) یعنی ہم دس بھائی طاقتور جماعت اور اکثریت میں ہیں، جب کہ یوسف علیہ السلام اور بنیامین (جن کی ماں یاکین امگ تھیں) صرف دو ہیں، اس کے باوجود باپ کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں۔

(۴) یہاں ضلال سے مراد وہ غلطی ہے جو ان کے زعم کے مطابق باپ سے یوسف علیہ السلام اور بنیامین سے زیادہ محبت کی صورت میں صادر ہوئی۔

(۵) اس سے مراد تائب ہو جانا ہے یعنی کنوئیں میں ڈال کر یا قتل کر کے اللہ سے اس گناہ کے لیے توبہ کریں گے۔

(۶) جُبُّ کنوئیں کو اور غِيَابَةُ اس کی نہ اور گہرائی کو کہتے ہیں۔ کنواں ویسے بھی گہرا ہی ہوتا ہے اور اس میں گری ہوئی چیز کسی کو نظر نہیں آتی۔ جب اس کے ساتھ کنوئیں کی گہرائی کا بھی ذکر کیا تو گویا مہا بنے کا اظہار کیا۔

(۷) یعنی آنے جانے والے نووارد مسافر، جب پانی کی تلاش میں کنوئیں پر آئیں گے تو ممکن ہے کسی کے علم میں آجائے کہ کنوئیں میں کوئی انسان گرا ہوا ہے اور وہ اسے نکال کر اپنے ساتھ لے جائیں۔ یہ تجویز ایک بھائی نے ازراہ شفقت

قَالُوا يَا أَبَا نَاهٍ إِنَّكَ لَأَنْتَ عَلَیْ يُونُسَ وَإِنَّهُ
لَمَيِّتٌ ۖ ۝۱۱

أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَزُودُ وَيَلْعَبُ وَإِنَّكَ لَهُ لَحَافِظُونَ ۝۱۲

قَالَ إِنِّي لَخَشِئْتُ أَنْ يُزَيَّنَ لَكُمْ هَذِهِ الْوُحُوشُ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ
الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ ۝۱۳

قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ
إِنَّا إِذَا الْغُيُبُونَ ۝۱۴

فَلَمَّا زَاغُوا يَهُودِيَهُ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غِيَابِ الْجُبِّ
وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَجِّيَنَّهُمْ إِنَّمَا مَرْغَبُنَا لَبِئْسَ الْمُفْسِدُونَ ۝۱۵

انہوں نے کہا ابا! آخر آپ یوسف (علیہ السلام) کے
بارے میں ہم پر اعتبار کیوں نہیں کرتے ہم تو اس کے خیر
خواہ ہیں۔^(۱)

کل آپ اسے ضرور ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ خوب
کھائے پئے اور کھیلے،^(۲) اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار
ہیں۔^(۳)

(یعقوب علیہ السلام نے) کہا اسے تمہارا لے جانا مجھے تو
سخت صدمہ دے گا اور مجھے یہ بھی کھٹکا لگا رہے گا کہ
تمہاری غفلت میں اسے بھیڑیا کھا جائے۔^(۴)

انہوں نے جواب دیا کہ ہم جیسی (زور آور) جماعت کی
موجودگی میں بھی اگر اسے بھیڑیا کھا جائے تو ہم بالکل بچتے
ہی ہوئے۔^(۵)

پھر جب اسے لے چلے اور سب نے مل کر ٹھان لیا کہ
اسے غیر آباد گمرے کنوئیں کی تہ میں پھینک دیں، ہم
نے یوسف (علیہ السلام) کی طرف وحی کی کہ یقیناً (وقت

پیش کی۔ قتل کے مقابلے میں یہ تجویز واقعتاً ہمدردی کے جذبات ہی کی حامل ہے۔ بھائیوں کی آتش حسد اتنی بھڑکی ہوئی
تھی کہ یہ تجویز بھی اس نے ڈرتے ڈرتے ہی پیش کی کہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہی تو یہ کام اس طرح کر لو۔

(۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس سے قبل بھی برادران یوسف علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ
لے جانے کی کوشش کی ہوگی اور باپ نے انکار کر دیا ہو گا۔

(۲) کھیل اور تفریح کا رجحان انسان کی فطرت میں داخل ہے اسی لیے جائز کھیل اور تفریح پر اللہ تعالیٰ نے کسی دور
میں بھی پابندی عائد نہیں کی۔ اسلام میں بھی ان کی اجازت ہے لیکن مشروط۔ یعنی ایسے کھیل اور تفریح جائز ہیں جن میں
شرعی قباحت نہ ہو یا محرمات تک پہنچنے کا ذریعہ نہ بنیں۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی کھیل کود کی حد تک کوئی
اعتراض نہیں کیا۔ البتہ یہ خدشہ ظاہر کیا کہ تم کھیل کود میں مدہوش ہو جاؤ اور اسے بھیڑیا کھا جائے۔ کیوں کہ کھلے
میدانوں اور صحراؤں میں وہاں بھیڑیے عام تھے۔

(۳) یہ باپ کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اتنے بھائیوں کی موجودگی میں بھیڑیا یوسف علیہ
السلام کو کھا جائے۔

آ رہا ہے کہ) تو انہیں اس ماجرا کی خبر اس حال میں دے گا کہ وہ جانتے ہی نہ ہوں۔^(۱۵)

اور عشاء کے وقت (وہ سب) اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے پہنچے۔^(۱۶)

اور کہنے لگے کہ اباجان ہم تو آپس میں دوڑ میں لگ گئے اور یوسف (علیہ السلام) کو ہم نے اسباب کے پاس چھوڑا پس اسے بھیڑیا کھا گیا، آپ تو ہماری بات نہیں مانیں گے، گو ہم بالکل سچے ہی ہوں۔^(۱۷)

اور یوسف کے کرتے کو جھوٹ موٹ کے خون سے خون آلود بھی کر لائے تھے، باپ نے کہا یوں نہیں، بلکہ تم نے اپنے دل ہی سے ایک بات بنالی ہے۔ پس صبر ہی بہتر^(۱۸)

وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ۝

قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذُهِبْنَا نَسِيْقٌ وَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتْلَعِنَا فَكَلَّمَهُ الْغَائِبُ وَإِنَّا أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ۝

وَجَاءُوا عَلَى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ مَوْلَئِكُمْ لَذُوْا نَفْسِكُمْ أَمرًا فَعَصَيْتُمْ جَهَنَّمَ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ

(۱) قرآن کریم نہایت اختصار کے ساتھ واقعہ بیان کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق انہوں نے یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینک دیا، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تسلی اور حوصلے کے لئے وحی کی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہم تیری حفاظت ہی نہیں کریں گے بلکہ ایسے بند مقام پر تجھے فائز کریں گے کہ یہ بھائی بھیک مانگتے ہوئے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے اور پھر تو انہیں بتائے گا کہ تم نے اپنے ایک بھائی کے ساتھ اس طرح کاسنگ دلائے معاملہ کیا تھا، جسے سن کر وہ حیران اور پشیمان ہو جائیں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت اگرچہ بچے تھے، لیکن جو بچے نبوت پر سرفراز ہونے والے ہوں، ان پر بچپن میں بھی وحی آجاتی ہے جیسے حضرت عیسیٰ و یحییٰ وغیرہم علیم السلام پر آئی۔

(۲) یعنی اگر ہم آپ کے نزدیک ثقہ اور اہل صدق ہوتے، تب بھی یوسف علیہ السلام کے معاملے میں آپ ہماری بات کی تصدیق نہ کرتے، اب تو ویسے ہی ہماری حیثیت متهم اور مشکوک افراد کی سی ہے، اب آپ کس طرح ہماری بات کی تصدیق کر لیں گے؟

(۳) کہتے ہیں کہ ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے یوسف علیہ السلام کی قمیص خون میں لت پت کر لی اور یہ بھوس گئے کہ بھیڑیا اگر یوسف علیہ السلام کو کھاتا تو قمیص کو بھی تو پھٹنا تھا، قمیص ثابت کی ثابت ہی تھی، جس کو دیکھ کر عداوہ ازیں حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب اور فراست نبوت سے اندازہ لگا کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس طرح پیش نہیں آیا ہے جو تم بیان کر رہے ہو، بلکہ تم نے اپنے دلوں سے ہی یہ بات بنالی ہے۔ تاہم چونکہ جو ہونا تھا، ہو چکا تھا، حضرت یعقوب اس کی تفصیل سے بے خبر تھے، اس لیے سوائے صبر کے کوئی چارہ اور اللہ کی مدد کے علاوہ کوئی سارا نہ تھا۔

عَلَى مَا تَصِفُونَ ⑤

ہے اور تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے مدد کی طلب ہے۔^(۱) (۱۸)

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَةً قَالَ
يُيْسِرِي هَذَا عَظْمٌ ۖ وَاسْرَوْهُ بِضَاعَتُهُمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ
بِصَائِمٌ ⑥

اور ایک قافلہ آیا اور انہوں نے اپنے پانی مانے والے کو بھیجا اس نے اپنا ڈول لٹکادیا کہنے لگا واہ واہ خوشی کی بات ہے یہ تو ایک لڑکا ہے،^(۲) انہوں نے اسے مال تجارت قرار دے کر چھپا^(۳) دیا اور اللہ تعالیٰ اس سے باخبر تھا جو

(۱) منافقین نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حسرت لگائی تو انہوں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انہماک و ارشاد کے جواب میں فرمایا تھا وَاللَّهِ لَا أَحْذِلُنِي وَلَا لَكُمْ مَنَافَا إِلَّا أَنَا يُوسُفُ ﴿۱۸﴾ فَصَبَّرَ جَبِينُ ۖ وَاللَّهُ الشَّكِيمُ عَلٰی مَا تَصِفُونَ ﴿۱۹﴾ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ یوسف) ”اللہ کی قسم میں اپنے اور آپ لوگوں کے لیے وہی مثال پاتی ہوں جس سے یوسف علیہ السلام کے باپ یعقوب علیہ السلام کو سابقہ پیش آیا تھا اور انہوں نے فَصَبَّرَ جَبِينُ کہہ کر صبر کا راستہ اختیار کیا تھا“ یعنی میرے لیے بھی سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔

(۲) وارد اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلے کے لیے پانی وغیرہ کا انتظام کرنے کی غرض سے قافلے کے آگے آگے چلتا ہے۔ تاکہ مناسب جگہ دیکھ کر قافلے کو ٹھہرایا جاسکے۔ یہ وارد (قافلے کے لیے پانی لانے والا) جب کنویں پر آیا اور اپنا ڈول نیچے لٹکایا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی رسی پکڑ لی وارد نے ایک خوش شکل بچہ دیکھا تو اسے اوپر کھینچ لیا اور بڑا خوش ہوا۔

(۳) بِضَاعَتُهُ: سامان تجارت کو کہتے ہیں اسرؤہ کا فاعل کون ہے؟ یعنی یوسف کو سامان تجارت سمجھ کر چھپانے والا کون ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن کثیر نے برادران یوسف علیہ السلام کو فاعل قرار دیا ہے مطلب یہ ہے کہ جب ڈول کے ساتھ یوسف علیہ السلام بھی کنویں سے باہر نکل آئے تو وہاں یہ بھائی بھی موجود تھے تاہم انہوں نے اصل حقیقت کو چھپائے رکھا یہ نہیں کہا کہ یہ ہمارا بھائی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی قتل کے اندیشے سے اپنا بھائی ہونا ظاہر نہیں کیا بلکہ بھائیوں نے انہیں فروختنی قرار دیا تو خاموش رہے اور اپنا فروخت ہونا پسند کر لیا۔ چنانچہ اس وارد نے اہل قافلہ کو خوش خبری سنائی کہ ایک بچہ فروخت ہو رہا ہے۔ مگر یہ بات سیاق سے میل کھاتی نظر نہیں آتی۔ ان کے برخلاف امام شوکانی نے اسرؤہ کا فاعل وارد اور اس کے ساتھیوں کو قرار دیا ہے کہ انہوں نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ بچہ کنویں سے نکلا ہے کیونکہ اس طرح تمام اہل قافلہ اس ”سامان تجارت“ میں شریک ہو جاتے بلکہ اہل قافلہ کو انہوں نے جا کر یہ بتلایا کہ کنویں کے مالکوں نے یہ بچہ ان کے سپرد کیا ہے تاکہ اسے وہ مصر جا کر بیچ دیں۔ مگر اقرب ترین بات یہ ہے کہ اہل قافلہ نے بچے کو سامان تجارت قرار دے کر چھپالیا کہ کہیں اس کے عزیز و اقارب اس کی تلاش میں نہ آجائیں۔ اور یوں لینے کے دینے پڑ جائیں کیونکہ بچہ ہونا اور کنویں میں پلایا جانا اس بات کی علامت ہے کہ وہ کہیں قریب ہی کا رہنے والا ہے اور کھیلنے کو دتے آگرا ہے۔

وہ کر رہے^(۱) تھے۔ (۱۹)

اور انہوں^(۲) نے اسے بہت ہی ہلکی قیمت پر گنتی کے چند درہموں پر ہی بیچ ڈالا، وہ تو یوسف کے بارے میں بہت ہی بے رغبت تھے۔ (۲۰)^(۳)

مصر والوں میں سے جس نے اسے خریدا تھا اس نے اپنی بیوی^(۴) سے کہا کہ اسے بہت عزت و احترام کے ساتھ رکھو، بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا اسے ہم اپنا بیٹا ہی بنالیں، یوں ہم نے مصر کی سرزمین میں یوسف کا قدم جما^(۵) دیا کہ ہم اسے خواب کی تعبیر کا کچھ علم سکھا دیں۔ اللہ اپنے ارادے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں۔ (۲۱)

اور جب (یوسف) چنگلی کی عمر کو پہنچ گئے ہم نے اسے

وَمَسْرُوعًا يَشْتَرِيهِمْ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۖ وَكَانُوا يَخْلِفُونَ
مِنْ الرُّكُودِينَ ۝

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ
عَلَى أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۖ وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ
فِي الْأَرْضِ ۖ وَنُفَعِلُهُ مِنَ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۖ وَاللَّهُ غَالِبٌ
عَلَى الْأَمْرِ ۖ وَلَئِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۖ وَكَذَلِكَ

(۱) یعنی یوسف علیہ السلام کے ساتھ یہ جو کچھ ہو رہا تھا اللہ کو اس کا علم تھا۔ لیکن اللہ نے یہ سب کچھ اس لیے ہونے دیا کہ تقدیر الہی بروئے کار آئے۔ علاوہ ازیں اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو بتلا رہا ہے کہ آپ کی قوم کے لوگ یقیناً ایذا پہنچا رہے ہیں اور میں انہیں اس سے روکنے پر قادر بھی ہوں۔ لیکن میں اسی طرح انہیں مہلت دے رہا ہوں جس طرح برادران یوسف علیہ السلام کو مہلت دی تھی۔ اور پھر بالآخر میں نے یوسف علیہ السلام کو مصر کے تخت پر جابٹھایا اور اس کے بھائیوں کو عاجز دلا چار کر کے اس کے دربار میں کھڑا کر دیا۔ اسے پیغمبر ایک وقت آئے گا کہ آپ بھی اسی طرح سرخرو ہوں گے اور یہ سرداران قریش آپ کے اشارہ ابرو اور جنبش لب کے خنجر ہوں گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر یہ وقت جلد ہی آپہنچا۔

(۲) بھائیوں یا دوسری تفسیر کی رو سے اہل قافلہ نے بیچا۔

(۳) کیونکہ گری پڑی چیز انسان کو یوں ہی بغیر کسی محنت کے مل جاتی ہے اس لیے چاہے وہ کتنی بھی قیمتی ہو اس کی صحیح قدر و قیمت انسان پر واضح نہیں ہوتی۔

(۴) کہا جاتا ہے کہ مصر پر اس وقت ریان بن ولید حکمران تھا اور یہ عزیز مصر جس نے یوسف علیہ السلام کو خریدا اس کا وزیر خزانہ تھا اس کی بیوی کا نام بعض نے راعیل اور بعض نے زلیخا بتلایا ہے واللہ اعلم۔

(۵) یعنی جس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو کنویں سے ظالم بھائیوں سے نجات دی اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو سرزمین مصر میں ایک معقول اچھا ٹھکانہ عطا کیا۔

يُحْزِنُ الْمُتَحِينِينَ ﴿٢٢﴾

قوت فیصلہ اور علم دیا^(۱) ہم نیک کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ (۲۲)

اس عورت نے جس کے گھر میں یوسف تھے، یوسف کو بھلانا پھسلانا شروع کیا کہ وہ اپنے نفس کی نگرانی چھوڑ دے اور دروازے بند کر کے کہنے لگی ہو آجؤ۔ یوسف نے کہا اللہ کی پناہ وہ میرا رب ہے، مجھے اس نے بہت اچھی طرح رکھا ہے۔ بے انصافی کرنے والوں کا بھلا نہیں ہوتا۔^(۲) (۲۳)

اس عورت نے یوسف کی طرف کا قصد کیا اور یوسف اس^(۳) کا قصد کرتے اگر وہ اپنے پروردگار کی دلیل نہ

وَرَادَتْهُ اَلَّذِي هُوَ بِبَيْتِهَاعَنِ نَفْسِهٖ وَعَلَقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْبْ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّ رَبِّيَ اَحْسَنُ شَرًّا اِنَّهُ لَا يُفْعِلُ الْفٰسِقُونَ ﴿٢٣﴾

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا بُرْهَانَ رَبِّهٖ

(۱) یعنی نبوت یا نبوت سے قبل کی داتائی اور قوت فیصلہ۔

(۲) یہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک نیا امتحان شروع ہوا۔ عزیز مصر کی بیوی، جس کو اس کے خاوند نے تاکید کی تھی کہ یوسف علیہ السلام کو اکرام و احترام کے ساتھ رکھے، وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر فریفت ہو گئی اور انہیں دعوت گناہ دینے لگی، جسے حضرت یوسف علیہ السلام نے ٹھکرا دیا۔

(۳) بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ﴿لَوْلَا اَنْ رَّا بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ کا تعلق، قبل یعنی ﴿وَهَمَّ بِهَا﴾ سے نہیں بلکہ اس کا جواب محذوف ہے یعنی "لَوْلَا اَنْ رَاى بُرْهَانَ رَبِّهٖ لَفَعَلَ مَا هُمْ بِهٖ" ترجمہ یہ ہو گا کہ اگر یوسف علیہ السلام اللہ کی دلیل نہ دیکھتے تو جس چیز کا قصد کیا تھا وہ کر گزرتے۔ یہ ترجمہ اکثر مفسرین کی تفسیر کے مطابق ہے۔ اور جن لوگوں نے اسے لَوْلَا کے ساتھ جوڑ کر یہ معنی بیان کئے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے قصد ہی نہیں کیا، ان مفسرین نے اسے عربی اسلوب کے خلاف قرار دیا ہے۔ اور یہ معنی بیان کئے ہیں کہ قصد تو یوسف علیہ السلام نے بھی کر لیا تھا لیکن ایک تو یہ اختیار ہی نہیں تھا بلکہ عزیز مصر کی بیوی کی ترغیب اور دباؤ اس میں شامل تھا۔ دوسرے یہ کہ گناہ کا قصد کر لینا عصمت کے خلاف نہیں ہے، اس پر عمل کرنا عصمت کے خلاف ہے، فتح القدیر، ابن کثیر، مگر محققین اہل تفسیر نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ یوسف علیہ السلام بھی اس کا قصد کر لیتے۔ اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھے ہوتے۔ یعنی انہوں نے اپنے رب کی برہان دیکھ رکھی تھی۔ اس لیے عزیز مصر کی بیوی کا قصد ہی نہیں کیا۔ بلکہ دعوت گناہ دینے ہی کا ارشہ ﴿مَعَاذَ اللّٰهِ﴾ الخ، البتہ قصد نہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ نفس میں پہچان اور تحریک ہی پیدا نہیں ہوئی، پہچان اور تحریک پیدا ہو جانا، الگ بات ہے۔ اور قصد کر لینا الگ بات ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر سرے سے پہچان اور تحریک ہی پیدا نہ ہو تو ایسے شخص کا گناہ سے بچ جانا کوئی کمال نہیں۔ کمال تو تب ہی ہے کہ نفس کے اندر داعیہ اور تحریک پیدا ہو اور پھر انسان اس پر کنٹرول کرے اور گناہ سے بچ جائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی کمال صبر و ضبط کا بے مثال نمونہ پیش فرمایا۔

كَذَلِكَ يَصُورُ عَنْهُ الشَّوْءَ وَالْفَحْشَاءَ بِرَأْيِهِ مِنْ
عِبَادِنَا الْمُتَطَهِّرِينَ ۝

وَأَسْتَبْقَى الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرِهِ أَلْتَبَا
سَيِّدَهَا كَذَا الْبَابِ قَالَتْ مَا حَزَاؤُنِي أَنْ آتَا بِأَقْلَبِكَ
لَوْ إِلَّا أَنْ يُنَجِّنَ أَوْعَذَابِ أَلِيمٍ ۝

قَالَ هِيَ رَأَوْدُ ثَنِي عَنْ ثَنِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا

دیکھتے،^(۱) یونہی ہوا اس واسطے کہ ہم اس سے برائی اور
بے حیائی دور کر دیں۔^(۲) بیشک وہ ہمارے چنے ہوئے
بندوں میں سے تھا۔ (۲۴)

دونوں دروازے کی طرف دوڑے^(۳) اور اس عورت
نے یوسف کا کرتا پیچھے کی طرف سے کھینچ کر پھاڑ ڈالا اور
دروازے کے پاس ہی عورت کا شوہر دونوں کو مل گیا تو
کہنے لگی جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے
بس اس کی سزا یہی ہے کہ اسے قید کر دیا جائے یا اور کوئی
دردناک سزا دی جائے۔^(۴) (۲۵)

یوسف نے کہا یہ عورت ہی مجھے پھسلارہی تھی،^(۵) اور
عورت کے قبیلے ہی کے ایک شخص نے گواہی^(۶) دی کہ

(۱) یہاں پہلی تفسیر کی بناء پر لونا کا جواب محذوف ہے 'لَفَعَلَ مَا هَمَّ بِهِ' یعنی اگر یوسف علیہ السلام رب کی برہان نہ
دیکھتے تو جو قصد کیا تھا 'کر گزرتے' یہ برہان کیا تھی؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رب کی طرف سے کوئی
ایسی چیز آپ کو دکھائی گئی کہ اسے دیکھ کر آپ نفس کے دائیئے کے دبائے اور رو کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ
اپنے پیغمبروں کی اسی طرح حفاظت فرماتا ہے۔

(۲) یعنی جس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو برہان دکھا کر 'برائی یا اس کے ارادے سے بچالیا' اسی طرح ہم نے اسے
ہر معاملے میں برائی اور بے حیائی کی باتوں سے دور رکھنے کا اہتمام کیا۔ کیونکہ وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔

(۳) جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ عورت برائی کے ارتکاب پر مصر ہے، تو وہ باہر نکلنے کے لیے
دروازے کی طرف دوڑے 'یوسف علیہ السلام کے پیچھے انہیں پکڑنے کے لیے عورت بھی دوڑی۔ یوں دونوں
دروازے کی طرف لپکے اور دوڑے۔

(۴) یعنی خاوند کو دیکھتے ہی خود مصوم بن گئی اور مجرم تمام تر یوسف علیہ السلام کو قرار دے کر ان کے لیے سزا بھی تجویز
کردی۔ حالانکہ صورت حال اس کے برعکس تھی 'مجرم خود تھی' جب کہ حضرت یوسف علیہ السلام بالکل بے گناہ اور اس
برائی سے بچنے کے خواہش مند اور اس کے لیے کوشاں تھے۔

(۵) حضرت یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ وہ عورت تمام الزام ان پر دھر رہی ہے تو صورت حال واضح کر دی اور
کہا کہ مجھے برائی پر مجبور کرنے والی یہی ہے۔ میں اس سے بچنے کے لیے باہر دروازے کی طرف بھاگتا ہوا آیا ہوں۔

(۶) یہ انہی کے خاندان کا کوئی سمجھ دار آدمی تھا جس نے یہ فیصلہ کیا۔ فیصلے کو یہاں شہادت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا 'کیوں

اگر اس کا کرتا آگے سے پھنسا ہوا ہو تو عورت بھی ہے اور یوسف جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔ (۲۶)
 اور اگر اس کا کرتا پیچھے کی جانب سے پھاڑا گیا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف بچوں میں سے ہے۔ (۲۷)
 خاوند نے جو دیکھا کہ یوسف کا کرتا پیٹھ کی جانب سے پھاڑا گیا ہے تو صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم عورتوں کی چال بازی ہے، بیشک تمہاری چال بازی بہت بڑی ہے۔ (۲۸)^(۱)

یوسف اب اس بات کو آتی جاتی کرو^(۲) اور (اے عورت) تو اپنے گناہ سے توبہ کر، بیشک تو گنہگاروں میں سے ہے۔ (۲۹)^(۳)

اور شرکی عورتوں میں چہ چاہونے لگا کہ عزیز کی بیوی اپنے (جوان) غلام کو اپنا مطلب نکالنے کے لیے بھانے پھسلانے میں لگی رہتی ہے، ان کے دل میں یوسف کی محبت بیٹھ گئی ہے، ہمارے خیال میں تو وہ صریح گمراہی میں ہے۔ (۳۰)^(۴)

إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝

وَلِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝

فَلْيَتَّزِ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۝

يُوسُفُ أَخْبِرْ عَنْ هَذَا وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ إِنَّكَ مِنْ الْغَافِلِينَ ۝

وَقَالَ يَسُوفاً إِنِّي الْمَيِّتَةُ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝

کہ معاملہ ابھی تحقیق طلب تھا۔ شیر خوار بچے کی شہادت والی بات مستند روایات سے ثابت نہیں۔ مجھ میں تین شیر خوار بچوں کے بات کرنے کی حدیث ہے جن میں یہ چوتھا نہیں ہے جس کا ذکر اس مقام پر کیا جاتا ہے۔

(۱) یہ عزیز مصر کا قول ہے جو اس نے اپنی بیوی کی حرکت قبیحہ دیکھ کر عورتوں کی بابت کہا۔ یہ نہ اللہ کا قول ہے اور نہ ہر عورت کے بارے میں صحیح۔ اس لیے اسے ہر عورت پر چسپاں کرنا اور اس بنیاد پر عورت کو مکرو فریب کا پتلا پادہ کرانا قرآن کا ہرگز فضا نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض لوگ اس جملے سے عورت کے بارے میں یہ تاثر دیتے ہیں۔

(۲) یعنی اس کا چہ چامت کرو۔

(۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز مصر حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی واضح ہو گئی تھی

(۴) جس طرح خوشبو کو پردوں سے چھپایا نہیں جاسکتا، عشق و محبت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے گو عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اسے نظر انداز کرنے کی تلقین کی اور یقیناً آپ کی زبان مبارک پر اس کا کبھی ذکر بھی نہیں آیا ہو گا، اس کے باوجود یہ واقعہ جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا اور زنان مصر میں اس کا چہ چام ہو گیا، عورتیں تعجب کرنے لگیں کہ عشق کرنا ہی تھا تو کسی بیکر حسن و جمال سے کیا جاتا، یہ کیا اپنے ہی غلام پر زلیخا فریفتہ ہو گئی، یہ تو اس کی بہت ہی نادانی ہے

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكًا
وَاتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا
رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ هَذَا بَشَرًا
إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿۵﴾

اس نے جب ان کی اس پر فریب غیبت کا حال سنا تو انہیں بلوا بھیجا^(۱) اور ان کے لیے ایک مجلس مرتب^(۲) کی اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دی۔ اور کہا اے یوسف! ان کے سامنے چلے آؤ^(۳) ان عورتوں نے جب اسے دیکھا تو بہت بڑا جانا اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے^(۴) اور زبان سے نکل گیا کہ حاشا للہ! یہ انسان تو ہرگز نہیں^(۵) یہ تو یقیناً کوئی بہت ہی بزرگ فرشتہ ہے۔^(۵) (۳۱)

(۱) زنان مصر کی عاتبانہ باتوں اور طعن و ملامت کو مکر سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی وجہ بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ ان عورتوں کو بھی یوسف کے بے مثال حسن و جمال کی اطلاعات پہنچ چکی تھیں۔ چنانچہ وہ اس پیکر حسن کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ چنانچہ وہ اپنے اس مکر (خفیہ تدبیر) میں کامیاب ہو گئیں اور امراۃ العزیز نے یہ بتلانے کے لیے کہ میں جس پر فریفتہ ہوئی ہوں، محض ایک غلام یا عام آدمی نہیں ہے بلکہ ظاہر و باطن کے ایسے حسن سے آراستہ ہے کہ اسے دیکھ کر نقد دل و جان ہار جانا کوئی انصوفی بات نہیں، ان عورتوں کی ضیافت کا اہتمام کیا اور انہیں دعوت طعام دی۔

(۲) یعنی ایسی نشست گاہیں بنائیں جن میں نیکے لگے ہوئے تھے جیسا کہ آج کل بھی عربوں میں ایسی فرشی نشست گاہیں عام ہیں حتیٰ کہ ہوٹلوں اور ریستورانوں میں بھی ان کا اہتمام ہے۔

(۳) یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کو پہلے چھپائے رکھا، جب سب عورتوں نے ہاتھوں میں چھریاں پکڑ لیں تو امراۃ العزیز (زلیخا) نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مجلس میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔

(۴) یعنی حسن یوسف علیہ السلام کی جلوہ آرائی دیکھ کر ایک تو ان کی عظمت و جلال شان کا اعتراف کیا اور دوسرے ان پر بے خودی و وارفتگی کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ چھریاں اپنے ہی ہاتھوں پر چلا لیں جس سے ان کے ہاتھ زخمی اور خون آلودہ ہو گئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نصف حسن دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الإصراء)

(۵) اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ فرشتے شکل و صورت میں انسان سے بہتر یا افضل ہیں۔ کیونکہ فرشتوں کو تو انسانوں نے دیکھا ہی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں انسان کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں صراحت کی ہے کہ ہم نے اسے احسن تقویم (بہترین انداز) میں پیدا کیا ہے۔ ان عورتوں نے بشریت کی نفی محض اس لیے کی کہ انہوں نے حسن و جمال کا ایک ایسا پیکر دیکھا تھا جو انسانی شکل میں کبھی ان کی نظروں سے نہیں گزرا تھا اور انہوں نے فرشتہ اس لیے قرار دیا کہ عام انسان یہی سمجھتا ہے کہ فرشتے ذات و صفات کے لحاظ سے ایسی شکل رکھتے ہیں جو انسانی شکل سے بالاتر ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء کی غیر معمولی خصوصیات و امتیازات کی بناء پر انہیں انسانیت سے نکال کر نورانی مخلوق قرار دینا ہر دور کے ایسے لوگوں کا شیوہ رہا ہے جو نبوت اور اس کے مقام سے نا آشنا ہوتے ہیں۔

قَالَتْ فَذِلِكُنَ الَّذِي لُمْتُنِي فِيهِ وَلَقَدْ آوَدْتُ عَنْ نَفْسِي
فَأَسْتَصْنَمُ وَلَئِنْ كَرِهْتُ لِمَا آسَأُ لِيُفْعَلَ
وَلِيَكُونَا مِنَ الضَّعِيفِينَ ۝

اس وقت عزیز مصر کی بیوی نے کہا، 'میں نے جن کے
بارے میں تم مجھے طعن دے رہی تھیں' (۱) میں نے ہر چند
اس سے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا لیکن یہ بال بال بچا رہا
اور جو کچھ میں اس سے کہہ رہی ہوں اگر یہ نہ کرے گا تو
یقیناً یہ قید کر دیا جائے گا اور بیشک یہ بہت ہی بے عزت
ہو گا۔ (۳۲) (۲)

قَالَ رَبِّ الْجِنَّ أَخْبَرُ إِلًا وَمَا يَدْعُونَ إِلًا
وَلَا تَصِفُ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصَبُ إِلَهُنَّ وَاللَّيْلِ
مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝

یوسف علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! جس
بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اس سے تو
مجھے جیل خانہ بہت پسند ہے، اگر تو نے ان کا فن فریب
مجھ سے دور نہ کیا تو میں تو ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا
اور بالکل نادانوں میں جا لوں گا۔ (۳۳) (۳)

فَأَسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ
السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی اور ان عورتوں
کے داؤ چُپ اس سے پھیر دیے، یقیناً وہ سننے والے جاننے والا
ہے۔ (۳۴) (۴)

لَقَدْ بَدَأَ الْهُدُودُ مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوْا الْآيَاتِ لِيَسْجُنَنَّهُ فَحَىٰ حَيْثُ ۝

پھر ان تمام نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد بھی انہیں یہی
مصلحت معلوم ہوئی کہ یوسف کو کچھ مدت کے لیے قید

(۱) جب امراۃ العزیز نے دیکھا کہ اس کی چال کامیاب رہی ہے اور عورتیں یوسف علیہ السلام کے جلوۂ حسن آراء سے
مبہوت و مدہوش ہو گئیں تو کہنے لگی کہ اس کی ایک جھلک سے تمہارا یہ حال ہو گیا ہے تو کیا تم اب بھی مجھے اس کی محبت
میں گرفتار ہونے پر طعنہ زنی کرو گی؟ یہی وہ غلام ہے جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی ہو۔

(۲) عورتوں کی یہ مدہوشی دیکھ کر اس کو مزید حوصلہ ہو گیا اور شرم و حیا کے سارے حجاب دور کر کے اس نے اپنے برے
ارادے کا ایک مرتبہ پھر اظہار کیا۔

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دعا اپنے دل میں کی۔ اس لیے کہ ایک مومن کے لیے دعا بھی ایک اختیار ہے۔

حدیث میں آتا ہے، 'سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن عرش کا سایہ عطا فرمائے گا۔ ان میں سے ایک وہ شخص
ہے جسے ایک ایسی عورت دعوت گناہ دے جو حسن و جمال سے بھی آراستہ ہو اور جاہ و منصب کی بھی حامل ہو۔ لیکن وہ
اس کے جواب میں یہ کہہ دے کہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں'۔ (اصحیح بخاری کتاب الأدان، باب من جلس فی

المسجد ينتظر الصلوة والفضل المساجد ومسلم کتاب الرکوة باب فضل إخفاء الصدقة،

خانہ میں رکھیں۔^(۱) (۳۵)

اس کے ساتھ ہی دو اور جوان بھی جیل خانے میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو شراب پھونکتے دیکھا ہے اور دوسرے نے کہا میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جسے پرندے کھا رہے ہیں، ہمیں آپ اس کی تعبیر بتائیے، ہمیں تو آپ خوابوں والے شخص دکھائی دیتے ہیں۔^(۲) (۳۶)

یوسف نے کہا تمہیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی میں تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ سب اس علم کی بدولت ہے جو مجھے میرے رب نے سکھایا ہے،^(۳) میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّبْطَيْنِ فَبَيَّنَ تِلْكَ لَحْمَ خَيْرِ الْأَنْعَامِ وَخُبْرًا
وَقَالَ الْأَخْرَجَ الْأَخِيَّ أَيْمَنُ قُوَّةٍ رَأَيْتُ خُبْرًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ
نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٦﴾

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا بَبْئَالِكُمَا بِتَأْوِيلِهِ
قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذَلِكُمَا وَنَاصِيَاتُكُمَا فِي رَبِّ إِنْ تَكُنَّ مَلَكَ
قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُدًى الْآخِرَ هُمْ كَاذِبُونَ ﴿٣٧﴾

(۱) عفت و پاک دامنی واضح ہو جانے کے باوجود یوسف علیہ السلام کو حوالہ زنداں کرنے میں یہی مصلحت ان کے پیش نظر ہو سکتی تھی کہ عزیز مصر حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی بیوی سے دور رکھنا چاہتا ہو گا تاکہ وہ دوبارہ یوسف علیہ السلام کو اپنے دام میں پھنسانے کی کوشش نہ کرے جیسا کہ وہ ایسا ارادہ رکھتی تھی۔

(۲) یہ دونوں نوجوان شاہی دربار سے متعلق تھے۔ ایک شراب پلانے پر مامور تھا اور دوسرا نان پالنے پر۔ کسی حرکت پر دونوں کو پس دیوار زنداں کر دیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے، دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت تقویٰ و راست بازی اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے جیل میں دیگر تمام قیدیوں سے ممتاز تھے۔ علاوہ ازیں خوابوں کی تعبیر کا خصوصی علم اور ملکہ اللہ نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ ان دونوں نے خواب دیکھا تو قدرتی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف انہوں نے رجوع کیا اور کہا ہمیں آپ محسنین میں سے نظر آتے ہیں۔ ہمیں ہمارے خوابوں کی تعبیر بتلائیں۔ محسن کے ایک معنی بعض نے یہ بھی کئے ہیں کہ خواب کی تعبیر آپ اچھی کر لیتے ہیں۔

(۳) یعنی میں جو تعبیر بتاؤں گا وہ کائنات اور نجومیوں کی طرح غن و تخمین پر مبنی نہیں ہوگی، جس میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ بلکہ میری تعبیر یقینی علم پر مبنی ہوگی جو اللہ کی طرف سے مجھے عطا کیا گیا ہے، جس میں غلطی کا امکان ہی نہیں ہے۔

منکر ہیں۔^(۱) (۳۷)

میں اپنے باپ دادوں کے دین کا پابند ہوں، یعنی ابراہیم واسحاق اور یعقوب کے دین کا،^(۲) ہمیں ہرگز یہ سزاوار نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں،^(۳) ہم پر اور تمام اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے، لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔ (۳۸)

اے میرے قید خانے کے ساتھیو! ^(۴) کیا متفرق کئی ایک پروردگار بہتر ہیں؟ ^(۵) یا ایک اللہ زبردست طاقت ور؟ (۳۹)

اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود ہی گھڑ لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی،^(۶) فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اس کا

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نَشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ذَلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَر النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۷﴾

يُصَادِقِي السَّجْنِ ۖ أَرَأَيْتَ مُتَّفَرِّقُونَ خَيْرًا مِّمَّ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۸﴾

مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهِ مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ لَّيْسَ إِلٰهًا إِلَّا يَلْفُؤْكُمْ أَمْرًا تَعْبُدُونَ ۚ إِلَّا إِلٰهَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ

(۱) یہ الہام اور علم الہی (جن سے آپ کو نوازا گیا) کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا جو اللہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ کے یہ اعانات مجھ پر ہوئے۔

(۲) اجداد کو بھی آباء کہا، اس لیے کہ وہ بھی آباء ہی ہیں۔ پھر ترتیب میں بھی جد اعلیٰ (ابراہیم علیہ السلام) پھر جد اقرب (اسحاق علیہ السلام) اور پھر باپ (یعقوب علیہ السلام) کا ذکر کیا۔ یعنی پہلے، پہلی اصل، پھر دوسری اصل اور پھر تیسری اصل بیان کی۔

(۳) وہی توحید کی دعوت اور شرک کی تردید ہے جو ہر نبی کی بنیادی اور اولین تعلیم اور دعوت ہوتی تھی۔

(۴) قید خانے کے ساتھی، اس لیے قرار دیا کہ یہ سب ایک عرصے سے جیل میں محبوس چلے آ رہے تھے۔

(۵) تفرق ذات، صفات اور عدد کے لحاظ سے ہے۔ یعنی وہ رب، جو ذات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے متفرق، صفات میں ایک دوسرے سے مختلف، اور تعداد میں باہم متماثل ہیں۔ وہ بہتر ہیں یا وہ اللہ، جو اپنی ذات و صفات میں متفرد ہے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ سب پر غالب اور حکمران ہے؟

(۶) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ان کا نام معبود تم نے خود ہی رکھ لیا ہے، دریاں حالیکہ وہ معبود ہیں نہ ان کی بابت کوئی دلیل اللہ نے اتاری ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان معبودوں کے جو مختلف نام تم نے تجویز کر رکھے ہیں، مثلاً خواجہ

الَّتَايَسَ رَايَعَمُونَ ⑤

فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دین درست^(۱) ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔^(۲) (۳۰)

اے میرے قید خانے کے رفیقو! ^(۳) تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا،^(۴) لیکن دوسرا سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کھائیں گے،^(۵) تم دونوں جس کے بارے میں تحقیق کر رہے تھے اس کام کا فیصلہ کر دیا گیا۔^(۶) (۳۱)

اور جس کی نسبت یوسف کا گمان تھا کہ ان دونوں میں سے یہ چھوٹ جائے گا اس سے کہا کہ اپنے بادشاہ سے میرا ذکر بھی کرو، پھر اسے شیطان نے اپنے بادشاہ سے

يَصَاحِبِي الْيَتْبَعِي أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا
وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الْطَيْرُ مِنْ رَأْسِهِ فَظَنَّ
الْأَمْرَ أَتَىٰ فِيهِ فَلَمَّا تَفَتَّتْ بِهِ ⑥

وَقَالَ يَلَيْدِي هَٰذَا نَجْرُ مَنَّهُمَا أَذْكُرْنِي بِعِندَ
رَبِّكَ فَأَنَّهُ اسْتَمْنَنَ فَاذْكُرْنِي بِالنَّجْنِ

غریب نواز، سچ بخش، کرنی والا، کرامت والا وغیرہ یہ سب تمہارے خود ساختہ ہیں، ان کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری۔

(۱) یہی دین، جس کی طرف میں تمہیں بلا رہا ہوں، جس میں صرف ایک اللہ کی عبادت ہے، درست اور قیم ہے جس کا حکم اللہ نے دیا ہے۔

(۲) جس کی وجہ سے اکثر لوگ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، ﴿وَمَا يُوَسِّسُ الْإِنَّمَانُ إِلَّا لِنَفْسِهِمْ﴾ اسودہ یوسف ۱۰۰، "ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں"۔ اور فرمایا ﴿وَمَا الْإِنَّمَانُ إِلَّا لِنَفْسِهِمْ﴾ اسودہ یوسف ۱۰۳، "اے پیغمبر تیری خواہش کے باوجود اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں"۔

(۳) توحید کا دعوٰی کرنے کے بعد اب حضرت یوسف علیہ السلام ان کے بیان کردہ خوابوں کی تعبیر بیان فرما رہے ہیں۔

(۴) یہ وہ شخص ہے جس نے خواب میں اپنے کو انگور کا شیرہ تیار کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ تاہم آپ نے دونوں میں سے کسی ایک کی تعیین نہیں کی تاکہ مرنے والا پہلے ہی غم و حزن میں مبتلا نہ ہو جائے۔

(۵) یہ وہ شخص ہے جس نے اپنے سر پر خواب میں روٹیاں اٹھائے دیکھا تھا۔

(۶) یعنی تقدیر الہی میں پہلے سے یہ بات ثبت ہے اور جو تعبیر میں نے بتلائی ہے، لا محالہ واقع ہو کر رہے گی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خواب" جب تک اس کی تعبیر نہ کی جائے، پرندے کے چوسا پر ہے۔ جب اس کی تعبیر کر دی جائے تو وہ واقع ہو جاتا ہے۔ (مسند احمد، بحوالہ ابن کثیر)

بِضْعَةٍ سِتِينَ ۝

ذکر کرنا بھلا دیا اور یوسف نے کئی سال قید خانے میں ہی کاٹے۔^(۱) (۳۲)

بادشاہ نے کہا، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات سوئی تازی فریہ گائیں ہیں جن کو سات لاغر دہلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیاں ہیں ہری ہری اور دوسری سات بالکل خشک۔ اے درباریو! میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو۔ (۳۳)

انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو اڑتے اڑاتے پریشان خواب ہیں اور ایسے شوریدہ پریشان خوابوں کی تعبیر جاننے والے ہم نہیں۔^(۲) (۳۴)

ان دو قیدیوں میں سے جو رہا ہوا تھا اسے مدت کے بعد یاد آگیا اور کہنے لگا میں تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا مجھے جانے کی اجازت دیجئے۔^(۳) (۳۵)

وَقَالَ الْعَبْدُ إِنِّي كُنتُ فِي مَنَاسِكٍ يَوْمَئِذٍ ۖ فَرَأَيْتُ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلْنَ سَبْعَ عِجَافٍ ۖ وَسَبْعَ سُتَبِلٍ خُضِرٍ وَأَخْرَجَتْ يَأْكُلْنَ لِمَا أَتَتْهُنَّ فِي زُرِّي ۚ قَالَ إِنَّ لَكَ لَأَرْزُقُكَ يَا تَعْبُورُونَ ۝

قَالُوا أَصْنَافٌ أَحْلَامٍ ۖ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعِلْمٍ ۝

وَقَالَ الَّذِي نَجَّاهُمَا وَكَانَ بَعْدَ أَهْلَةٍ ۖ إِنَّا نَحْمِلُهُمَا بِالْأُبْطُلِ ۖ فَارْتَمِلُوهُمَا ۝

(۱) بِضْعٌ کا لفظ تیس سے لے کر نو تک کے عدد کے لیے بولا جاتا ہے۔ وہب بن منہ کا قول ہے۔ حضرت یوب علیہ السلام آزاد کش میں اور یوسف علیہ السلام قید خانے میں سات سال رہے اور بخت نصر کا عذاب بھی سات سال رہا۔ اور بعض کے نزدیک بارہ سال اور بعض کے نزدیک چودہ سال قید خانے میں رہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) أَصْنَافٌ ضَعْفٌ کی جمع ہے جس کے معنی گھاس کے گٹھے کے ہیں۔ أَحْلَامٌ حُلُمٌ (معنی خواب) کی جمع ہے۔ اضماع کے معنی ہوں گے خواب ہائے پریشان یا خیالات منتشرہ جن کی کوئی تعبیر نہ ہو۔ یہ خواب اس بادشاہ کو آیا عزیز مصر جس کا وزیر تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اس خواب کے ذریعے سے یوسف علیہ السلام کی رہائی عمل میں لانی تھی۔ چنانچہ بادشاہ کے درباریوں، کاہنوں اور نجومیوں نے اس خواب پریشان کی تعبیر بتلانے سے بجز کا اظہار کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ نجومیوں کے اس قوس کا مطلب مطلقاً علم تعبیر کی نفی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ علم تعبیر سے وہ بے خبر نہیں تھے نہ اس کی انہوں نے نفی کی، انہوں نے صرف اس خواب کی تعبیر بتلانے سے لاعلمی کا اظہار کیا۔

(۳) یہ قید کے دو ساتھیوں میں سے ایک نجات پانے والا تھا جسے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا تاکہ میری بھی رہائی کی صورت بن سکے۔ اسے اچانک یاد آیا اور اس نے کہا کہ مجھے مہلت دو، میں تمہیں آکر

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَتَيْتَنِي سَبْعَ بَقَرَاتٍ مِثْلَ
يَأْكُلْنَ سَبْعَ عَجَائٍ وَسَبْعُ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخْرَى
يَسْتَلْعِلُّ أَرْجَحُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٣٥﴾

قَالَ رَزَّاقُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَاخِلًا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرَوْهُ
فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا نَاكَلُوا ﴿٣٦﴾

ثُمَّ بَاتِيَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ نَبْعَ سِنِينَ لَا يَأْكُلْنَ مِمَّا قَدْ قَضَيْتُمْ لَهُمْ
إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَخْتَارُونَ ﴿٣٧﴾

ثُمَّ بَاتِيَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامًا فِيهِ يُغْلَتُ النَّاسُ وَفِيهِ
يُصْعَقُونَ ﴿٣٨﴾

اے یوسف! اے بہت بڑے بچے یوسف! آپ ہمیں
اس خواب کی تعبیر بتائیے کہ سات موٹی تازی گائیں
ہیں جنہیں سات دہلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات
بالکل سبز خوشے ہیں اور سات ہی دوسرے بھی بالکل
خشک ہیں، تاکہ میں واپس جا کر ان لوگوں سے کہوں کہ وہ
سب جان لیں۔ (۳۶)

یوسف نے جواب دیا کہ تم سات سال تک پے در پے
لگانا رہو عادت غلہ بویا کرنا، اور فصل کاٹ کر اسے
بالیوں سمیت ہی رہنے دینا سوائے اپنے کھانے کی تھوڑی
سی مقدار کے۔ (۳۷)

اس کے بعد سات سال نہایت سخت قحط کے آئیں گے
وہ اس غلے کو کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لیے ذخیرہ
رکھ چھوڑا تھا،^(۱) سوائے اس تھوڑے سے کے جو تم
روک رکھتے ہو۔^(۲) (۳۸)

اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر خوب
بارش برسائی جائے گی اور اس میں (شیرہ انگور بھی) خوب

اس کی تعبیر بتا ہوں۔ چنانچہ وہ نکل کر سیدھا یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا، اور خواب کی تفصیل بتا کر اس کی تعبیر کی
بابت پوچھا۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم تعبیر سے بھی نوازا تھا۔ اس لیے وہ اس خواب کی یہ تک فوراً پہنچ گئے
انہوں نے موٹی تازہ سات گایوں سے ایسے سات سال مراد لیے جن میں خوب پیداوار ہوگی، اور سات دہلی پتلی گایوں
سے اس کے برعکس سات سال خشک سالی کے۔ اسی طرح سات سبز خوشوں سے مراد لیا کہ زمین خوب پیداوار دے گی
اور سات خشک خوشوں کا مطلب یہ ہے کہ ان سات سالوں میں زمین کی پیداوار نہیں ہوگی اور پھر اس کے لیے تدبیر
بھی بتائی کہ سات سال تم متواتر کاشتکاری کرو اور جو غلہ تیار ہو، اسے کاٹ کر بالیوں سمیت ہی سنبھال کر رکھو
تاکہ ان میں غلہ زیادہ محفوظ رہے، پھر جب سات سال قحط کے آئیں گے تو یہ غلہ تمہارے کام آئے گا جس کا
ذخیرہ تم اب کرو گے۔

(۲) مِمَّا تَخْتَارُونَ سے مراد وہ دانے ہیں جو دوبارہ کاشت کے لیے محفوظ کر لیے جاتے ہیں۔

نچوڑیں گے۔^(۱) (۳۹)

اور بادشاہ نے کہا یوسف کو میرے پاس لاؤ^(۲) جب قاصد یوسف کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا حقیقی واقعہ کیا ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے^(۳) تھے؟ ان کے حیلے کو (صحیح طور پر) جاننے والا میرا پروردگار ہی ہے۔ (۵۰)

بادشاہ نے پوچھا اے عورت! اس وقت کا صحیح واقعہ کیا ہے جب تم داؤ فریب کر کے یوسف کو اس کی دلی منشا سے ہرکاتا چاہتی تھیں؟ انہوں نے صاف جواب دیا کہ معاذ اللہ ہم نے یوسف میں کوئی برائی نہیں^(۴) پائی، پھر تو عزیز کی بیوی بھی بول اٹھی کہ اب تو سچی بات نھر آئی۔ میں نے ہی اسے درغلایا تھا، اس کے جی سے اور یقیناً وہ بچوں میں

وَقَالَ الْمَلِكُ الْتَوَيْتُمْ بِهِ فَمَا جَاءَ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسَنُفَعُّهُ مَا بِهَآلِ الْفِتْنَةِ لَنَنْصَلِفَنَّ ۖ
أَيُّكُمْ يَفْعَلُ لَنْ رَدُّنَا بَعْضَهُمُ عَلَىٰ بَعْضٍ ۖ ۝

قَالَ مَا خَطْبُكُمْ إِذْ رَأَوْتُمْ يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَسَانَا عَذِيبُهُ مِنْ سُوءِ قَالَتِ امْرَأَتُ الْفِرْيَوْنِ لَقَدْ فَضَّلَ الْفِتْنَةِ مَا عَسَانَا ۖ ۝

(۱) یعنی قحط کے سات سال گزرنے کے بعد پھر خوب بارش ہوگی جس کے نتیجے میں کثرت سے پیداوار ہوگی اور تم انگوروں سے اس کا شیرہ نچوڑو گے، زیتون سے تیل نکالو گے اور جانوروں سے دودھ دوہو گے۔ خواب کی اس تعبیر کو خواب سے کیسی لطیف مناسبت حاصل ہے جسے صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ ایسا صحیح وجدان، ذوق سیم اور ملکہ راسخ عطا فرما دے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ جب وہ شخص تعبیر دریافت کر کے بادشاہ کے پاس گیا اور اسے تعبیر بتلائی تو وہ اس تعبیر سے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی بتلائی ہوئی تعبیر سے بڑا متاثر ہوا اور اس نے یہ اندازہ لگا لیا کہ یہ شخص جسے ایک عرصے سے حوالہ زنداں کیا ہوا ہے، غیر معمولی علم و فضل اور اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے انہیں دربار میں پیش کرنے کا حکم دیا۔

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بادشاہ اب مائل بہ کرم ہے، تو انہوں نے اس طرح محض عنایت خسروانہ سے جیل سے نکلنے کو پسند نہیں فرمایا، بلکہ اپنے کردار کی رفعت اور پاک دامنی کے اثبات کو ترجیح دی تاکہ دنیا کے سامنے آپ کے کردار کا حسن اور اس کی بلندی واضح ہو جائے کیونکہ داعی الی اللہ کے لیے یہ عفت و پاک بازی اور رفعت کردار بہت ضروری ہے۔

(۴) بادشاہ کے استفسار پر تمام عورتوں نے یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا اعتراف کیا۔

سے ہے۔^(۱) (۵۱)

(یوسف علیہ السلام نے کہا) یہ اس واسطے کہ (عزیز) جان لے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہیں کی^(۲) اور یہ بھی کہ اللہ دغا بازوں کے ہتھکنڈے چلنے نہیں دیتا۔^(۳) (۵۲)

ذَلِيلٌ يَعْلَمُ أَنَّ لَمْ أَخْشَ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي
كَيْدَ السَّاعِينَ ۝

(۱) اب امرأۃ العزیز (زلیخا) کے لیے بھی یہ اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں رہا کہ یوسف علیہ السلام بے قصور ہے اور یہ پیش دستی میری ہی طرف سے ہوئی تھی اس فرشتہ صفت انسان کا اس لغزش سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲) جب جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ ساری تفصیل بتلائی گئی تو اسے سن کر یوسف علیہ السلام نے یہ کہا اور بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ کے پاس جا کر انہوں نے یہ کہا اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ بھی زلیخا کا ہی قول ہے اور مطلب یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کی غیر موجودگی میں بھی اسے غلط طور پر قسم کر کے خیانت کا ارتکاب نہیں کرتی بلکہ امانت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی غلطی کا اعتراف کرتی ہوں یا یہ مطلب ہے کہ میں نے اپنے خاوند کی خیانت نہیں کی اور کسی بڑے گناہ میں واقع نہیں ہوئی امام ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

(۳) کہ وہ اپنے کمرہ فریب میں ہمیشہ کامیاب ہی رہیں بلکہ ان کا اثر محدود اور عارضی ہوتا ہے۔ بالآخر حقیقت حق اور اہل حق ہی کی ہوتی ہے، گو عارضی طور پر اہل حق کو آزمائشوں سے گزرنا پڑے۔

وَمَا آتَيْنِي نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا
مَدْرَجَةً بِرَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑤

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أُنْصِفُ بِهِ سَتَقْبِلُهُ لِيُفِيضَ لِي مِمَّا كَلَّمْتَهُ
قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ⑥

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهَا ⑦

میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتا۔^(۱) بیشک نفس تو
برائی پر ابھارنے والا ہی ہے،^(۲) مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی
اپنا رحم کرے،^(۳) یقیناً میرا پالنے والا بڑی بخشش کرنے
والا اور بہت مہربانی فرمانے والا ہے۔ (۵۳)

بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے
خاص کاموں کے لیے مقرر کر لوں،^(۴) پھر جب اس سے
بات چیت کی تو کہنے لگا کہ آپ ہمارے ہاں آج سے ذی
عزت اور امانت دار ہیں۔^(۵) (۵۴)

(یوسف نے) کہا آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے،^(۶)

(۱) اسے اگر حضرت یوسف علیہ السلام کا قول تسلیم کیا جائے تو بطور کسر نفسی کے ہے، ورنہ صاف ظاہر ہے کہ ان کی
پاک دامنی ہر طرح سے ثابت ہو چکی تھی۔ اور اگر یہ عزیزہ مصر کا قول ہے (جیسا کہ امام ابن کثیر کا خیال ہے) تو یہ
حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ اس نے اپنے گناہ کا اور یوسف علیہ السلام کو بسلانے اور پھسلانے کا اعتراف کر لیا۔

(۲) یہ اس نے اپنی غلطی کی توجیہ یا اس کی علت بیان کی کہ انسان کا نفس ہی ایسا ہے کہ اسے برائی پر ابھارتا اور اس پر
آمدہ کرتا ہے۔

(۳) یعنی نفس کی شرارتوں سے وہی بچتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ
تعالیٰ نے بچالیا۔

(۴) جب بادشاہ (ریان بن ولید) پر یوسف علیہ السلام کے علم و فضل کے ساتھ ان کے کردار کی رفعت اور پاک دامنی
بھی واضح ہو گئی تو اس نے حکم دیا کہ انہیں میرے سامنے پیش کرو، میں انہیں اپنے لیے منتخب کرنا یعنی اپنا مصاحب اور
مشیر خاص بنانا چاہتا ہوں۔

(۵) مَبْكِينٌ مرتبہ والا، آمِنٌ رموز مملکت کا راز دان۔

(۶) خَزَائِنُ - خزانہ کی جمع ہے۔ خزانہ ایسی جگہ کو کہتے ہیں جس میں چیزیں محفوظ کی جاتی ہیں۔ زمین کے خزانوں سے
مراد وہ گودام ہیں جہاں غلہ جمع کیا جاتا تھا۔ اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش اس لیے ظاہر کی کہ مستقبل قریب
میں (خواب کی تعبیر کی رو سے) جو قحط سالی کے ایام آنے والے ہیں، اس سے نمٹنے کے لیے مناسب انتظامات کئے جائیں
اور غلے کی معقوں مقدار بچا کر رکھی جاسکے۔ عام حالات میں اگرچہ عمدہ و منصب کی طلب جائز نہیں ہے۔ لیکن حضرت
یوسف علیہ السلام کے اس اقدام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاص حالات میں اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ قوم اور ملک
کو جو خطرات درپیش ہیں اور ان سے نمٹنے کی اچھی صلاحیتیں میرے اندر موجود ہیں جو دوسروں میں نہیں ہیں تو وہ اپنی

میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں۔^(۱) (۵۵)

اسی طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو ملک کا قبضہ دے دیا۔ کہ وہ جہاں کہیں چاہے رہے سے،^(۲) ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں۔ ہم نیکو کاروں کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔^(۳) (۵۶)

یقیناً ایمان داروں اور پرہیزگاروں کا اخروی اجر بہت ہی بہتر ہے۔ (۵۷)

یوسف کے بھائی آئے اور یوسف کے پاس گئے تو اس نے انہیں پہچان لیا اور انہوں نے اسے نہ پہچانا۔^(۴) (۵۸)

وَكَذَلِكَ مَكْنَأُ يُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَّبِعُوا مَهْلِكِيَّتُ يَشَاءُ
نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُصِيبُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝

وَلَا أَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝

وَجَاءَ إِخْوَتَا يُوسُفَ فَدَخَلَا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمَا وَهُوَ
لَهُمْ مُنْكَرٌ ۝

اہلیت کے مطابق اس مخصوص عہدے اور منصب کی طلب کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت یوسف علیہ السلام نے تو سرے سے عہدہ و منصب طلب ہی نہیں کیا، البتہ جب بادشاہ مصر نے انہیں اس کی پیشکش کی تو پھر ایسے عہدے کی خواہش کی جس میں انہوں نے ملک اور قوم کی خدمت کا پہلو نمایاں دیکھا۔

(۱) حَفِظْتُ میں اس کی اس طرح حفاظت کروں گا کہ اسے کسی بھی غیر ضروری مصرف میں خرچ نہیں کروں گا، عَلَيْنَا اس کو جمع کرنے اور خرچ کرنے اور اس کے رکھنے اور نکالنے کا بخوبی علم رکھتا ہوں۔

(۲) یعنی ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین میں ایسی قدرت و طاقت عطا کی کہ بادشاہ وہی کچھ کرتا جس کا حکم حضرت یوسف علیہ السلام کرتے، اور سرزمین مصر میں اس طرح تصرف کرتے جس طرح انسان اپنے گھر میں کرتا ہے اور جہاں چاہتے، وہ رہتے، پورا مصر ان کے زیرِ تکیں تھا۔

(۳) یہ گواہی ہے کہ ان کے اس صبر کا جو بھائیوں کے ظلم و ستم پر انہوں نے کیا اور اس ثابت قدمی کا جو زلیخا کی دعوتِ گمراہی کے مقابلے میں اختیار کی اور اس اولوالعزیز کا جو قید خانے کی زندگی میں اپنائے رکھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ منصب وہی تھا جس پر اس سے پہلے وہ عزیز مصر فائز تھا، جس کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو درغلاے کی مذموم سعی کی تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ سے مسلمان ہو گیا تھا۔ اسی طرح بعض نے یہ کہا ہے کہ عزیز مصر، جس کا نام اظفیر تھا، فوت ہو گیا تو اس کے بعد زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے ہو گیا اور دو بچے بھی ہوئے، ایک کا نام افرانیم اور دوسرے کا نام میثاق تھا، افرانیم ہی یوشع بن نون اور حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی رحمت کے والد تھے۔ (تفسیر ابن کثیر) لیکن یہ بات کسی مستند روایت سے ثابت نہیں اس لیے نکاح وان بات صحیح معلوم نہیں ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اس عورت سے جس کردار کا مظاہرہ ہوا، اس کے ہوتے ہوئے ایک نبی کے حرم سے اس کی وابستگی، نہایت نامناسب بات لگتی ہے۔

(۴) یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب خوش حال کے سات سال گزرنے کے بعد قحط سالی شروع ہو گئی جس نے ملک مصر

وَلَمَّا تَخَذُوا مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُ فَقَالَ الثَّانِي يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ مِنْ أَيْنَ لَا تَحْتَسِبُونَ ۝

فَإِنْ لَّمْ تَأْتُوا بِنَبَأٍ فَلَا يَكُنْ لَكُمْ عَذَابِي وَلَا تَفْرَحُونَ ۝

قَالُوا اسْتِزْأُوا دُعَانَهُ تَبَاهُؤُا لِنَاكَ لَعْنُوكُمْ ۝

وَقَالَ لِفَتَاهِهِ اجْعَلُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ رِجَالًا مُعَذِّبًا

جب انہیں ان کا اسباب مہیا کر دیا تو کہا کہ تم میرے پاس اپنے اس بھائی کو بھی لانا جو تمہارے باپ سے ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں ہوں بھی بہترین میزبانی کرنے والوں میں۔^(۵۹)

پس اگر تم اسے لے کر پاس نہ آئے تو میری طرف سے تمہیں کوئی ناپ بھی نہ ملے گا بلکہ تم میرے قریب بھی نہ پہنچنا۔^(۶۰)

انہوں نے کہا اچھا ہم اس کے باپ کو اس کی بابت پھسلانیں گے اور پوری کوشش کریں گے۔^(۶۱)

اپنے خدمت گاروں سے کہا کہ^(۶۲) ان کی پونجی انہی کی

کے تمام عداوتوں اور شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، حتیٰ کہ کنعان تک بھی اس کے اثرات جا پہنچے، جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی رہائش پذیر تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے حسن تدبیر سے اس قحط سالی سے نمٹنے کے جو انتظامات کیے تھے، وہ کام آئے اور ہر طرف سے لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس غنہ لینے کے لیے آرہے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ شہرت کنعان تک بھی پہنچی کہ مصر کا بادشاہ اس طرح غنہ فروخت کر رہا ہے۔ چنانچہ باپ کے حکم پر یہ برادران یوسف علیہ السلام بھی گھر کی پونجی لے کر غلے کے حصوں کے لیے دربار شاہی میں پہنچ گئے، جہاں حضرت یوسف علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ جنہیں یہ بھائی تو نہ پہچان سکے لیکن یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے انجان بن کر جب اپنے بھائیوں سے باتیں پوچھیں تو انہوں نے جہاں اور سب کچھ بتایا، یہ بھی بتا دیا کہ ہم دس بھائی اس وقت یہاں موجود ہیں۔ لیکن ہمارے دو علاقے بھائی (یعنی دوسری ماں سے) اور بھی ہیں، ان میں سے ایک تو جنگل میں ہلاک ہو گیا اور اس کے دوسرے بھائی کو والد نے اپنی تسلی کے لیے اپنے پاس رکھا ہے، اسے ہمارے ساتھ نہیں بھیجا۔ جس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ آئندہ اسے بھی ساتھ لے کر آنا۔ دیکھتے نہیں کہ میں ناپ بھی پورا دیتا ہوں اور مہمان نوازی اور خاطر بردارت بھی خوب کرتا ہوں۔

(۲) ترغیب کے ساتھ یہ دھمکی ہے کہ اگر گیارہویں بھائی کو ساتھ نہ لائے تو نہ تمہیں غلہ ملے گا نہ میری طرف سے اس خاطر بردارت کا اہتمام ہو گا۔

(۳) یعنی ہم اپنے باپ کو اس بھائی کو لانے کے لیے پھسلانیں گے اور ہمیں امید ہے کہ ہم اس میں کامیاب ہوں گے

(۴) فِتْنًا (نوجوانوں) سے مراد یہاں وہ نوکر چاکر اور خادم و غلام ہیں جو دربار شاہی میں مامور تھے

بوریوں میں رکھ دو^(۱) کہ جب لوٹ کر اپنے اہل و عیال میں جائیں اور پونجیوں کو پہچان لیں تو بہت ممکن ہے کہ یہ پھر لوٹ کر آئیں۔ (۶۳)

جب یہ لوگ لوٹ کر اپنے والد کے پاس گئے تو کہنے لگے کہ ہم سے تو غلہ کا ٹپ روک لیا گیا۔^(۲) اب آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیجئے کہ ہم پیانہ بھر کر لائیں ہم اس کی نگہبانی کے ذمہ دار ہیں۔ (۶۴)

(یعقوب علیہ السلام نے) کہا کہ مجھے تو اس کی بابت تمہارا بس ویسا ہی اعتبار ہے جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تھا،^(۳) بس اللہ ہی بہترین حافظ ہے اور وہ سب مہمانوں سے بڑا مہمان ہے۔^(۴) (۶۵)

جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا تو اپنا سرمایہ موجود پایا جو ان کی جانب لوٹا دیا گیا تھا۔ کہنے لگے اے ہمارے باپ ہمیں اور کیا چاہیے۔^(۵) دیکھئے تو یہ ہمارا سرمایہ بھی ہمیں

يَعْرِفُونَ تِلْكَ الْأَنْعَامَ بِآيَاتِنَا وَمِنَ الْأَنْعَامِ يَنْزِعُونَ ۝

فَمَتَّارِجِعُو إِلَىٰ آيَاتِهِمْ قَالُوا يَا بَنِي آدَمَ إِنَّا فَتِنَا الْكَافِرِينَ ۝
فَأَرْسَلَ مَعَنَا آخَانَا لِنُكَلِّمَ وَآدَاةَ الْخَفِظُونَ ۝

قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمَنْتُمْ عَلَىٰ آبَائِهِ مِنْ قَبْلُ
قَالَ لَهُ خَيْرٌ مِنْ خَلْقٍ وَهُوَ رَحِمُ الرَّحِيمِينَ ۝

وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ
قَالُوا يَا بَنِي آدَمَ لَا تَبْغِينَ هَذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا وَنَبِغِزْ

(۱) اس سے مراد وہ پونجی ہے جو غلہ خریدنے کے لیے برادران یوسف علیہ السلام ساتھ لائے تھے رَحَالٌ (کبادے) سے مراد ان کا سامان ہے۔ پونجی، چپکے سے ان کے سامانوں میں اس لیے رکھوادی کہ ممکن ہے دوبارہ آنے کے لیے ان کے پاس مزید پونجی نہ ہو تو یہی پونجی لے کر آجائیں۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ آئندہ کے لیے غلہ بنیامین کے بھیجنے کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر یہ ساتھ نہیں جائے گا تو غلہ نہیں ملے گا۔ اس لیے اسے ضرور ساتھ بھیجیں تاکہ ہمیں دوبارہ بھی اسی طرح غلہ مل سکے جس طرح اس دفعہ مل ہے۔ اور اس طرح کا اندیشہ نہ کریں جو یوسف علیہ السلام کو بھیجئے ہوئے کیا تھا، ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

(۳) یعنی تم نے یوسف علیہ السلام کو بھی ساتھ لے جاتے وقت اسی طرح حفاظت کا وعدہ کیا تھا لیکن جو کچھ ہوا وہ سامنے ہے۔ اب میں تمہارا کس طرح اعتبار کروں؟

(۴) تاہم چونکہ غلے کی ضرورت شدید تھی اس لیے اندیشے کے باوجود بنیامین کو ساتھ بھیجنے سے انکار مناسب نہیں سمجھا اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسے بھیجئے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

(۵) یعنی بادشاہ کے اس حسن سلوک کے بعد کہ اس نے ہماری خاطر تواضع بھی خوب کی اور ہماری پونجی بھی واپس کر دی، اور ہمیں کیا چاہیے؟

واپس لوٹا دیا گیا ہے۔ ہم اپنے خاندان کو رسد لادیں گے اور اپنے بھائی کی نگرانی رکھیں گے اور ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ زیادہ لائیں گے۔^(۱) یہ ٹاپ تو بہت آسان ہے۔^(۲) (۶۵)

یعقوب (علیہ السلام) نے کہا! میں تو اسے ہرگز ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ کو بیچ میں رکھ کر مجھے قول و قرار نہ دو کہ تم اسے میرے پاس پہنچا دو گے، سوائے اس ایک صورت کے کہ تم سب گرفتار کر لیے جاؤ۔^(۳) جب انہوں نے پکا قول قرار دے دیا تو انہوں نے کہا کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔ (۶۶)

اور (یعقوب علیہ السلام) نے کہا اے میرے بچو! تم سب ایک دروازے سے نہ جانا بلکہ کئی جدا جدا دروازوں میں سے داخل ہونا۔^(۴) میں اللہ کی طرف سے آنے والی کسی

أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَنَا وَنَزِدُكَ كَيْلَ بَعِيرٍ ذَلِكُ كَيْلُ يَسِيرٍ ۝

قَالَ لَنْ أَرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِي مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لِيَأْتِيَنَّكُمْ لِئَلَّا أَنْ يُخَاطَبَكُمْ فَلَئِنْ آتَوُكُمْ مِنْهُمُ فَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ نَقُولُ وَكُنْ ۝

وَقَالَ يَبْنَئِي لَأَتَدْخُلُوهُنَّ بِأَبٍ وَاجِبٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ وَمَا أُخِيبُ عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِنْ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

(۱) کیونکہ فی کس ایک اونٹ جتنا بوجھ اٹھا سکتا تھا غلہ دیا جاتا تھا، بنیامین کی وجہ سے ایک اونٹ کے بوجھ بھر غلہ مزید ملتا۔
(۲) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بادشاہ کے لئے ایک بار شتر غلہ کوئی مشکل بات نہیں ہے، آسان ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ذلک کا اشارہ اس غلے کی طرف ہے جو ساتھ لائے تھے اور بِبَيْرٍ بمعنی قلیل ہے۔ یعنی جو غلہ ہم ساتھ لائے ہیں قلیل ہے، بنیامین کے ساتھ جانے سے ہمیں کچھ غلہ اور مل جائے گا تو اچھی ہی بات ہے، ہماری ضرورت زیادہ بہتر طریقے سے پوری ہو سکے گی۔

(۳) یعنی تمہیں اجتماعی مصیبت پیش آجائے یا تم سب ہلاک یا گرفتار ہو جاؤ جس سے خلاصی پر تم قادر نہ ہو، تو اور بات ہے، اس صورت میں تم معذور ہو گے۔

(۴) جب بنیامین سمیت گیارہ بھائی مصر جانے لگے تو یہ ہدایت دی، کیونکہ ایک ہی باپ کے گیارہ بیٹے جو قد و قامت اور شکل و صورت میں بھی ممتاز ہوں، جب اکٹھے ایک ہی جگہ یا ایک ساتھ کہیں سے گزریں تو عموماً انہیں لوگ تعجب یا حسد کی نظر سے دیکھتے ہیں اور یہی چیز نظر لگنے کا باعث بنتی ہے۔ چنانچہ انہیں نظریہ سے پہچانے کے لیے بطور تدبیر یہ حکم دیا۔ ”نظر کا لگ جانا حق ہے۔“ جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے مثلاً اَلْعَيْنُ حَقٌّ ”نظر کا لگ جانا حق ہے۔“ صحیح بخاری، کتاب الطب، باب العين حق، وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب الطب والمرض والرقي، اور آپ ﷺ نے نظریہ سے بچنے کے لیے دعائیہ کلمات بھی اپنی امت کو بتلائے ہیں مثلاً فرمایا کہ

الْمُتَوَكِّلُونَ ۝

وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ مَا كَانَ يُعْتَبَرُ
عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا رَجَا فِي نَفْسٍ يَعْتُوبُ
قَضَاهَا وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لَمَّا عَلِمَهَا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا
أَخُوكَ فَلَا تَهِشْ بِمَا كَانَوَا يَعْمَلُونَ ۝

چیز کو تم سے ٹال نہیں سکتا۔ حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے۔^(۱) میرا کامل بھروسہ اسی پر ہے اور ہر ایک بھروسہ کرنے والے کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ (۶۷)

جب وہ انہی راستوں سے جن کا حکم ان کے والد نے انہیں دیا تھا، گئے۔ کچھ نہ تھا کہ اللہ نے جو بات مقرر کر دی ہے وہ اس سے انہیں ذرا بھی بچالے۔ مگر یعقوب (علیہ السلام) کے دل میں ایک خیال (پیدا ہوا) جسے اس نے پورا کر لیا،^(۲) بلاشبہ وہ ہمارے سکھائے ہوئے علم کا عالم تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔^(۳) (۶۸)

یہ سب جب یوسف کے پاس پہنچ گئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس بٹھالیا اور کہا کہ میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں، پس یہ جو کچھ کرتے رہے اس کا کچھ رنج نہ کر۔^(۴) (۶۹)

جب ہمیں کوئی چیز اچھی لگے تو نَزَّكَ اللہ کو۔ صوطا امام مالک: باب الوضوء من العیس تعلیقات مشکوٰۃ: الباسی۔ معبر ۱۳۸۰ جس کی نظر لگے اس کو کہا جائے کہ غسل کرے اور اس کے غسل کا یہ پانی اس شخص کے سر اور جسم پر ڈالا جائے جس کو نظر لگی ہو، (حوالہ مذکور) اسی طرح ﴿ مَا شَاءَ اللہ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللہ ﴾ پڑھنا قرآن سے ثابت ہے (سورہ کف ۳۹) ﴿ قُلْ أَتُؤَدُّرِبُ الْفَلَنَ ﴾ اور ﴿ قُلْ أَتُؤَدُّرِبُ الثَّلَاسِ ﴾ نظر کے لیے بطور دم پڑھنا چاہیے۔ جامع ترمذی أبواب الطب باب ما جاء فی الرقية بالمعوذتین

(۱) یعنی یہ تاکید بطور ظاہری اسباب احتیاط اور تدبیر کے ہے جسے اختیار کرنے کا انسانوں کو حکم دیا گیا ہے۔ تاہم اس سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر و قضاء میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ ہو گا وہی جو اس کی قضا کے مطابق اس کا حکم ہو گا۔
(۲) یعنی اس تدبیر سے اللہ کی تقدیر کو ٹالا نہیں جاسکتا تھا۔ تاہم حضرت یعقوب علیہ السلام کے پی میں جو (نظریہ لگ جانے کا) اندیشہ تھا اس کے پیش نظر انہوں نے ایسا کیا۔

(۳) یعنی یہ تدبیر وحی الہی کی روشنی میں تھی اور یہ عقیدہ بھی کہ حذر (احتیاطی تدبیر) قدر کو نہیں بدل سکتی، اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے علم پر مبنی تھا جس سے اکثر لوگ بے بہرہ ہیں۔

(۴) بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دودو آدمیوں کو ایک ایک کمرے میں ٹھہرایا گیا یوں بنیامین جب اکیسے رہ گئے تو یوسف علیہ السلام نے انہیں تنہا ایک کمرے میں رکھا اور پھر خلوت میں ان سے باتیں کیں اور انہیں پچھل باتیں بتلا کر کہا کہ ان بھائیوں نے میرے ساتھ جو کچھ کیا اس پر رنج نہ کر اور بعض کہتے ہیں کہ بنیامین کو روکنے کے لیے جو حیلہ اختیار کرنا تھا اس سے بھی انہیں آگاہ کر دیا تھا تاکہ وہ پریشان نہ ہوں۔ (ابن کثیر)

قَلَّمَاجَهَرُ هُمْ بِجَهَرٍ هِمْ جَعَلَ التَّيْقَايَةَ فِي رَحِيلِ
أَخِيهِ ثُمَّ أَذِنَ مُؤَدِّونَ آيَتَهَا الْعِزِّ لَكُمْ لَسِرْقُونَ ①

قَالُوا وَقَبِلُوا عَلَيْهِمْ مَا ذَنْبُهُمْ فَقَبِلُوا ②

قَالُوا أَنْفَقُوا مِائَاتَ أَمْشَاتٍ وَلَئِنْ جَاءَ بِهِ جُنْدٌ
بَعِيرٌ وَأَنَّا لَهُمْ رِزْقٌ ③

قَالُوا إِنَّهُمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مِثْلَ الْغُلُوبِ فِي الْأَرْضِ وَمَا
كُنَّا سَاقِينَ ④

قَالُوا فَهَذَا أَذَلٌّ لَكُمْ كَذِبِينَ ⑤

پھر جب انہیں ان کا سامان اسباب ٹھیک ٹھاک کر کے دیا
تو اپنے بھائی کے اسباب میں پانی پینے کا پیالہ^(۱) رکھ دیا۔ پھر
ایک آواز دینے والے نے پکار کر کہا کہ اے قافلے^(۲)
والو! تم لوگ تو چور ہو۔^(۳) (۷۰)

انہوں نے ان کی طرف منہ پھیر کر کہا کہ تمہاری کیا چیز
کھوئی گئی ہے؟ (۷۱)

جواب دیا کہ شاہی پیانہ گم ہے جو اسے لے آئے اسے
ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ ملے گا۔ اس وعدے کا میں
ضامن ہوں۔^(۴) (۷۲)

انہوں نے کہا اللہ کی قسم! تم کو خوب علم ہے کہ ہم
ملک میں فساد پھیلانے کے لیے نہیں آئے اور نہ ہم
چور ہیں۔^(۵) (۷۳)

انہوں نے کہا اچھا چور کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے
ہو؟^(۶) (۷۴)

(۱) مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ ستایہ (پانی پینے کا برتن) سونے یا چاندی کا تھا پانی پینے کے علاوہ غلہ ٹاپنے کا کام بھی اس
سے لیا جاتا تھا۔ اسے چپکے سے بیٹامین کے سامان میں رکھ دیا گیا۔

(۲) العیبر اصل ان اونٹوں، گدھوں یا خمر کو کہا جاتا ہے جن پر غلہ لاد کر لے جایا جاتا ہے۔ یہاں مراد اصحاب العیبر یعنی
قافلے والے ہیں۔

(۳) چوری کی یہ نسبت اپنی جگہ صحیح تھی کیونکہ منادی حضرت یوسف علیہ السلام کے اس سوچے سمجھے منصوبے سے آگاہ
نہیں تھا یا اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا حال تو چوروں کا سا ہے کہ بادشاہ کا پیالہ، بادشاہ کی رضامندی کے بغیر تمہارے
سامان کے اندر ہے۔

(۴) یعنی میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ تفتیش سے قبل ہی جو شخص یہ جام شاہی ہمارے حوالے کر دے گا تو اسے
انعام یا اجرت کے طور پر اتنا غلہ دیا جائے گا جو ایک اونٹ اٹھا سکے۔

(۵) برادران یوسف علیہ السلام چونکہ اس منصوبے سے بے خبر تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام نے تیار کیا تھا اس
لیے قسم کھ کر انہوں نے اپنے چور ہونے کی اور زمین میں فساد برپا کرنے کی نفی کی۔

(۶) یعنی اگر تمہارے سامان میں وہ شاہی پیالہ مل گیا تو پھر اس کی کیا سزا ہوگی؟

قَالُوا جَزَاؤُهُ مِمَّنْ دُونِكَ رَحِمَهُ فَعَوْزَؤُهُ كَذَلِكَ
تَجْعَلُ الْغُيُوبِينَ ⑤

فَبَدَأَ بِآيَاتِهِمْ قَبْلَ رَوْعِهِمْ أَخْبَىٰ شَرًّا أَلَمْ تَكُنْ أَتَىٰ
مِنْ رَوْعِهِمْ أَخْبَىٰ كَذِبًا يَكِيدُ الْيُوسُفُ مَا كَانَ
لِأَحَدٍ عِوَاذُ فِي دِينِ الْمَيْمَنَةِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ تَرْفَعُ
دَرَجَاتٍ مَّنْ تَشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عِلْمُهُ ⑥

قَالُوا إِنَّ يَسُوفَ فَقَدْ مَرَّقَ أَمْرَهُ مِنْ قَبْلُ فَاسْرَحَا
يُوسُفَ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِي لَهُمْ قَالَ إِنَّهُ مُتْرَكًا

جواب دیا کہ اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے اسباب میں
سے پایا جائے وہی اس کا بدلہ ہے۔ ^(۱) ہم تو ایسے ظالموں کو
یہی سزا دیا کرتے ہیں۔ ^(۲) (۷۵)

پس یوسف نے ان کے سامان کی تلاش شروع کی، اپنے
بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے، پھر اس پیمانہ کو اپنے
بھائی کے سامان (زمنیل) سے نکالا۔ ^(۳) ہم نے یوسف کے
لیے اسی طرح یہ تدبیر کی۔ ^(۴) اس بادشاہ کے قانون کی رو
سے یہ اپنے بھائی کو نہ لے سکتا تھا ^(۵) مگر یہ کہ اللہ کو منظور
ہو۔ ہم جس کے چاہیں درجے بلند کر دیں، ^(۶) ہر ذی علم پر
فوقیت رکھنے والا اور سراوی علم موجود ہے۔ ^(۷) (۷۶)

انہوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی (تو کوئی تعجب
کی بات نہیں) اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے۔ ^(۸)

(۱) یعنی چور کو کچھ عرصے کے لیے اس شخص کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ جس کی اس نے چوری کی ہوتی تھی۔ یہ حضرت
یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں سزا تھی، جس کے مطابق یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ سزا تجویز کی۔

(۲) یہ قول بھی برادران یوسف علیہ السلام ہی کا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ یوسف علیہ السلام کے مصاحبین کا قول ہے کہ
انہوں نے کہا کہ ہم بھی ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ لیکن آیت کا اگلا ٹکڑا کہ ”بادشاہ کے دین میں وہ اپنے بھائی کو
پکڑ نہ سکتے تھے“ اس قول کی نفی کرتا ہے۔

(۳) پہلے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی، آخر میں بنیامین کا سامان دیکھا تاکہ انہیں شبہ نہ ہو کہ یہ کوئی سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔

(۴) یعنی ہم نے وحی کے ذریعے سے یوسف علیہ السلام کو یہ تدبیر سمجھائی اس سے معلوم ہوا کہ کسی صحیح غرض کے لیے
ایسا طریقہ اختیار کرنا جس کی ظاہری صورت حیلہ اور کید کی ہو، جائز ہے بشرطیکہ وہ طریقہ کسی نفس شرعی کے خلاف نہ
ہو۔ (فتح القدیر)

(۵) یعنی بادشاہ کا مصر میں جو قانون اور دستور رائج تھا، اس کی رو سے بنیامین کو اس طرح روکنا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے
انہوں نے اہل قافلہ سے ہی پوچھا کہ بتاؤ! اس جرم کی کیا سزا ہو؟

(۶) جس طرح یوسف علیہ السلام کو اپنی عنایات اور مہربانیوں سے بلند مرتبہ عطا کیا۔

(۷) یعنی ہر عالم سے بڑھ کر کوئی نہ کوئی عالم ہوتا ہے اس لیے کوئی صاحب علم اس دعوے میں مبتلا نہ ہو کہ میں ہی اپنے وقت کا
سب سے بڑا عالم ہوں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب علم کے اوپر ایک عظیم یعنی اللہ تعالیٰ ہے

(۸) یہ انہوں نے اپنی پاکیزگی و شرافت کے اظہار کے لیے کہا۔ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین، ان کے گئے

وَاللَّهُ أَكْبَرُ ۖ يَسْتَصْفُونَ ﴿۵۰﴾

قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ أَبَا نَحْسٍ خُفِيََّا كَيْدًا أَخَذَ
أَحَدًا مِّنَّا مَكَانَهُ إِنَّا نَنزِفُكَ مِنَ الْمُعْجِنِينَ ﴿۵۱﴾

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَن وَجَدْنَا مَتَاعًا عِنْدَهُ
إِنَّا إِذَا ظَلَمْنَا لَظَلِمُونَ ﴿۵۲﴾

فَمَنَّا اسْتَخِفُّونَا مِنَّا فَخَلَصُوا نَجِيًّا قَالَ كَبِيرُهُمْ

یوسف (علیہ السلام) نے اس بات کو اپنے دل میں رکھ لیا اور ان کے سامنے بالکل ظاہر نہ کیا۔ کہا کہ تم بدتر جگہ میں ہو^(۱) اور جو تم بیان کرتے ہو اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ (۷۷)
انہوں نے کہا کہ اے عزیز مصر! (۲) اس کے والد بہت بڑی عمر کے بالکل بوڑھے شخص ہیں۔ آپ اس کے بدلے ہم میں سے کسی کو لے لیجئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بڑے نیک نفس ہیں۔ (۳) (۷۸)

یوسف (علیہ السلام) نے کہ ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے کی گرفتاری کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں! ایسا کرنے سے تو ہم یقیناً ناانصافی کرنے والے ہو جائیں گے۔ (۴) (۷۹)

جب یہ اس سے مایوس ہو گئے تو تنہائی میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے۔ (۵) ان میں جو سب سے بڑا تھا اس نے کہا

اور حقیقی بھائی نہیں تھے، علاقائی بھائی تھے۔ بعض مفسرین نے یوسف علیہ السلام کی چوری کے لیے دور از کار باتیں نقل کی ہیں جو کسی مستند ماخذ پر مبنی نہیں ہیں۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے کو تو نہایت بااخلاق اور باکردار باور کرایا اور یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو کمزور کردار کا اور دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے، انہیں چور اور بے ایمان ثابت کرنے کی کوشش کی۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قول سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کی طرف چوری کے انتساب میں صریح کذب بیانی کا ارتکاب کیا۔

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر اس لیے کہا کہ اس وقت اصل اختیارات حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے پاس تھے، بادشاہ صرف برائے نام ہی فرماں روا ہے مصر تھا۔

(۳) باپ تو یقیناً بوڑھے ہی تھے، لیکن یہاں ان کا اصل مقصد بنیامین کو چھڑانا تھا، ان کے ذہن میں وہی یوسف علیہ السلام والی بات تھی کہ کہیں ہمیں پھر دوبارہ بنیامین کے بغیر باپ کے پاس نہ جانا پڑے اور باپ ہم سے کہیں کہ تم نے میرے بنیامین کو بھی یوسف علیہ السلام کی طرح کہیں گم کر دیا۔ اس لیے یوسف علیہ السلام کے احسانات کے حوالے سے یہ بات کی کہ شاید وہ یہ احسان بھی کر دیں کہ بنیامین کو تو چھوڑ دیں اور اس کی جگہ کسی اور بھائی کو رکھ دیں۔

(۴) یہ جواب اس لیے دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا اصل مقصد تو بنیامین ہی کو روکا تھا۔

(۵) کیونکہ بنیامین کو چھوڑ کر جانا، ان کے لیے نہایت کنھن مرحلہ تھا، وہ باپ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے تھے اس

أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ إِنَّا كُنَّا قَدْ خَذَلْنَا عَنْكُمْ مُوَيْسَىٰ
 الْكَذَّابَ قَبْلَ مَا قَرَعْتُمْ فِي يُوسُفَ قُلْنَ أَبُو
 الْأَرْضِ حَتَّىٰ يَأْتِيَ الْإِنِّي أَوْعِيَكُمْ اللَّهُ لِي وَهُوَ
 خَيْرُ الْوَعِيِينَ ۝

إِرْجِعُوا إِلَىٰ آبَائِكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانِي إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ
 وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ
 حَافِظِينَ ۝

وَسُئِلَ الْقُرَيْبَةُ الْكُفَىٰ كُنَّ فِيهَا وَالْعِزَّةُ الَّتِي أَقْبَلْنَا
 فِيهَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝

تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کی
 قسم لے کر پختہ قول قرار لیا ہے اور اس سے پہلے یوسف
 کے بارے میں تم کو تباہی کر چکے ہو۔ پس میں تو اس
 سرزمین سے نہ ٹلوں گا جب تک کہ والد صاحب خود مجھے
 اجازت نہ دیں ^(۱) یا اللہ تعالیٰ میرے اس معاملے کا فیصلہ
 کر دے، وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ ^(۲) (۸۰)

تم سب والد صاحب کی خدمت میں واپس جاؤ اور کہو کہ
 اباجی! آپ کے صاحبزادے نے چوری کی اور ہم نے وہی
 گواہی دی تھی جو ہم جانتے تھے۔ ^(۳) ہم کچھ غیب کی
 حفاظت کرنے والے نہ تھے۔ ^(۴) (۸۱)

آپ اس شہر کے لوگوں سے دریافت فرم لیں جہاں ہم
 تھے اور اس قافلہ سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم
 آئے ہیں اور یقیناً ہم بالکل سچے ہیں۔ ^(۵) (۸۲)

لیے باہم مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؟

(۱) اس بڑے بھائی نے اس صورت حال میں باپ کا سامنے کرنے کی اپنے اندر سکت اور ہمت نہیں پائی تو صاف کہہ دیا
 کہ میں تو یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک خود والد صاحب تفتیش کر کے میری بے گنہی کا یقین نہ کر
 لیں اور مجھے آنے کی اجازت نہ دیں۔

(۲) اللہ میرے لیے معاملہ فیصلہ کر دے۔ کا مطلب یہ ہے کہ کسی طرح یوسف علیہ السلام (عزیز مصر) بنیامین کو چھوڑ
 دے اور میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اتنی قوت عطا کر دے کہ میں بنیامین
 کو تلوار یعنی طاقت کے ذریعے سے چھڑوا کر اپنے ساتھ لے جاؤں۔

(۳) یعنی ہم نے جو عہد کیا تھا کہ ہم بنیامین کو یہ حفاظت واپس لے آئیں گے تو یہ ہم نے اپنے علم کے مطابق عہد کیا
 تھا بعد میں جو واقعہ پیش آیا اور جس کی وجہ سے بنیامین کو ہمیں چھوڑنا پڑا یہ تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ دوسرا
 مطلب یہ ہے کہ ہم نے چوری کی جو سزا بیان کی تھی کہ چور کو ہی چوری کے بدلے میں رکھ لیا جائے تو یہ سزا ہم نے
 اپنے علم کے مطابق ہی تجویز کی تھی اس میں کسی قسم کی بدعتی شامل نہیں تھی۔ لیکن پھر یہ اتفاق کی بات تھی کہ جب
 سامان کی تلاش کی گئی تو مسروقہ کنوڑا بنیامین کے سامان سے نکل آیا۔

(۴) یعنی مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے ہم بے خبر تھے۔

(۵) الْقُرَيْبَةُ سے مراد مصر ہے جہاں وہ غلہ لینے گئے تھے مطلب اہل مصر ہیں۔ اسی طرح وَالْعِزَّةُ سے مراد اصحاب اعیر یعنی

قَالَ لَنْ سَأَلْتُ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ أَمْزًا فَصَبْرًا جَوِيدًا
عَنِ اللَّهِ نَ تَأْتِيَنِي بِهِمْ جَبِينًا إِنَّهُ هُوَ
الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝

وَسَأَلَ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَعْدُ عَلَى يُوسُفَ وَأَبِيصَتْ
عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۝

قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَوَانِدْ كُرِّيُوسُفَ حَتَّى تَكُونَ حَرَصًا
أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ۝

قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ
اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

(یعقوب علیہ السلام نے) کہا یہ تو نہیں، بلکہ تم نے اپنی
طرف سے بات بتائی،^(۱) پس اب صبری، ہمت ہے۔ قریب
ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس ہی پہنچا دے۔^(۲)
وہ ہی علم و حکمت والا ہے۔ (۸۳)

پھر ان سے منہ پھیر لیا اور کہا ہائے یوسف! ان کی
آنکھیں بوجہ رنج و غم کے سفید ہو چکی تھیں^(۳) اور وہ
غم کو دبائے ہوئے تھے۔ (۸۴)

بیٹوں نے کہا واللہ! آپ ہمیشہ یوسف کی یاد ہی میں لگے رہیں
گے یہاں تک کہ تھل جائیں یا ختم ہی ہو جائیں۔^(۴) (۸۵)
انہوں نے کہا کہ میں تو اپنی پریشانوں اور رنج کی فریاد اللہ
ہی سے کر رہا ہوں، مجھے اللہ کی طرف سے وہ باتیں

اہل قافلہ ہیں۔ آپ مصر جا کر اہل مصر سے اور اس قافلے والوں سے جو ہمارے ساتھ آیا ہے، پوچھ لیں کہ ہم جو کچھ
بیان کر رہے ہیں، وہ سچ ہے، اس میں جھوٹ کی کوئی آمیزش نہیں ہے۔

(۱) حضرت یعقوب علیہ السلام چونکہ حقیقت حال سے بے خبر تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی وحی کے ذریعے سے انہیں
حقیقت واقعہ سے آگاہ نہیں فرمایا۔ اس لیے وہ بھی سمجھے کہ میرے ان بیٹوں نے جس طرح اس سے قبل یوسف علیہ
السلام کے معاملے میں اپنی طرف سے بات گھڑ کر بیان کی تھی، اب پھر اسی طرح انہوں نے اپنی طرف سے بات بتائی
ہے۔ بنیامین کے ساتھ انہوں نے کیا معاملہ کیا ہے؟ اس کا یقینی علم تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس نہیں تھا، تاہم
یوسف علیہ السلام کے واقعے پر قیاس کرتے ہوئے ان کی طرف سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں بجا طور پر
شک و شبہات تھے۔

(۲) اب پھر سوائے مصر کے کوئی چارہ نہیں تھا، تاہم مصر کے ساتھ امید کا دامن بھی نہیں چھوڑا، جیبت سے مراد
یوسف علیہ السلام، بنیامین اور وہ بڑا بیٹا ہے جو مارے شرم کے وہیں مصر میں رک گیا تھا کہ یا تو والد صاحب مجھے اسی طرح
آنے کی اجازت دے دیں یا پھر میں کسی طریقے سے بنیامین کو ساتھ لے کر آؤں گا۔

(۳) یعنی اس تازہ صدمے نے یوسف علیہ السلام کی جدائی کے قدیم صدمے کو بھی تازہ کر دیا۔

(۴) یعنی آنکھوں کی سیاہی، مارے غم کے، سفیدی میں بدل گئی تھی۔

(۵) حَرَضَ اس جسمانی عارضے یا ضعف عقل کو کہتے ہیں جو بڑھاپے، عشق یا بے درپے صدمات کی وجہ سے انسان کو
راحت ہوتا ہے، یوسف علیہ السلام کے ذکر سے بھائیوں کی آتش حسد پھر بھڑک اٹھی، اور اپنے باپ کو یہ کہا۔

معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔^(۸۶)

میرے پیارے بچو! تم جاؤ اور یوسف (علیہ السلام) کی اور اس کے بھائی کی پوری طرح تلاش کرو^(۸۷) اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ یقیناً رب کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں۔^(۸۸)

پھر جب یہ لوگ یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے^(۸۹) تو کہنے لگے کہ اے عزیز! ہم کو اور ہمارے خاندان کو دکھ پہنچا ہے۔^(۹۰) ہم حقیر پونجی مائے ہیں پس آپ ہمیں پورے غلہ کا ٹاپ دیجئے^(۹۱) اور ہم پر خیرات کیجئے^(۹۲) اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو بدلہ دیتا ہے۔^(۹۳) یوسف نے کہا جانتے بھی ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ اپنی نادانی کی حالت میں کیا کیا؟^(۹۴)

يَسِّرْ اِذْ هَبُوْا فَمَتَحْتُمْوَا مِنْ يُّوسُفَ وَآخِيْهِ وَلَا تَاْتِيْكُمُ
مِنْ رَّبِّكُمْ اِنَّهُ لَا يَأْتِيَنَّ مِنْ رَّبِّكُمْ اِلَّا الْقَوْمُ
الْكٰفِرُوْنَ ۝

مِمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يَا يٰهٰذَا الْعَزِيْزُ مَسًّا وَاَهْنٰا
الْاَضْرُ وَاَجْنٰا بِضَاعَةٍ مُّزْحَضَةٍ قَاوُوْا لَنَا الْكَيْدَ
وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا اِنَّ اِلٰهَكَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝

قَالَ مَنْ عِمْنَكُمْ مَا فَصَلْتُمْ يُّوسُفَ وَآخِيْهِ
اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَ ۝

(۱) اس سے مراد یا تو وہ خراب ہے جس کی بابت انہیں یقین تھا کہ اس کی تعبیر ضرور سامنے آئے گی اور وہ یوسف علیہ السلام کو سجدہ کریں گے یا ان کا یہ یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ موجود ہیں اور اس سے زندگی میں ضرور ملاقات ہوگی۔

(۲) چنانچہ اسی یقین سے سرشار ہو کر انہوں نے اپنے بیٹوں کو یہ حکم دیا۔

(۳) جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ يَقْنَطْ مِنْ رِّحْقَةٍ زَيْتَةٍ اِلَّا الضَّالُّوْنَ ﴿۵۰﴾ ”مگر وہ لوگ ہی اللہ کی رحمت سے ناامید ہوتے ہیں“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو سخت سے سخت حالات میں بھی صبر و رضا کا اور اللہ کی رحمت و اسدہ کی امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

(۴) یہ تیسری مرتبہ ان کا مصر جانا ہے۔

(۵) یعنی غلہ لینے کے لیے ہم جو ٹمن (قیمت) لے کر آئے ہیں وہ نہایت قلیل اور حقیر ہے۔

(۶) یعنی ہماری حقیر پونجی کو نہ دیکھیں، ہمیں اس کے بدلے میں پورا ٹاپ دیں۔

(۷) یعنی ہماری حقیر پونجی قبول کر کے ہم پر احسان اور خیرات کریں۔ اور بعض مفسرین نے اس کے معنی کیے ہیں کہ ہمارے بھائی بیباکین کو آزاد کر کے ہم پر احسان فرمائیں۔

(۸) جب انہوں نے نہایت عاجزی کے انداز میں صدقہ و خیرات یا بھائی کی رہائی کی اپیل کی تو ساتھ ہی باپ کے بڑھاپے، ضعف اور بیٹے کی جدائی کے صدمے کا بھی ذکر کیا، جس سے یوسف علیہ السلام کا دل بھر آیا، آنکھیں نمناک ہو گئیں اور انکشافِ حال پر مجبور ہو گئے۔ تاہم بھائیوں کی زیادتیوں کے ذکر کے ساتھ ہی اخلاق کریمانہ کا بھی اظہار فرما دیا کہ یہ کام تم نے ایسی حالت میں کیا جب تم جاہل اور نادان تھے۔

قَالُوا رَبَّنَا لَئِنْ لَمْ يَنْصُرْنَا اللَّهُ لَكُنَّا مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝
قَالَ اللَّهُ عَلَيْهِ سَلَامٌ مِّنْ رَبِّهِ وَيُعْطِيكَ اللَّهُ مَا تَشَاءُ ۝
لَا يُضِيقُكَ فِيهِ سَبِيلٌ ۝

قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ اِشْرَكْنَا بِاللَّهِ عَالِفًا ۝
لَعَلَّكُمْ تَهْتَبُونَ ۝

قَالَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ
أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝

اِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَاَلْفُواهُ عَلَىٰ وُجُوهِ اِيَّانَا
بَصِيرَةً ۝ وَتُؤْتِي بِاَهْلِيكُمْ اَمْنًا ۝

انہوں نے کہا کیا (واقعی) تو ہی یوسف (علیہ السلام) ہے۔^(۱) جواب دیا کہ ہاں میں یوسف (علیہ السلام) ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر فضل و کرم کیا۔ بات یہ ہے کہ جو بھی پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کسی نیکو کار کا اجر ضائع نہیں کرتا۔^(۲) (۹۰)

انہوں نے کہا اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے تجھے ہم پر برتری دی ہے اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ ہم خطا کرتے تھے۔^(۳) (۹۱)

جواب دیا آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔^(۴) اللہ تمہیں بخشے، وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔ (۹۲)

میرا یہ کرتا تم لے جاؤ اور اسے میرے والد کے منہ پر ڈال دو کہ وہ دیکھنے لگیں،^(۵) اور آج میں اور اپنے تمام

(۱) بھائیوں نے جب عزیز مصر کی زبان سے اس یوسف علیہ السلام کا تذکرہ سنا جسے انہوں نے بچپن میں کنعان کے ایک تاریک کنویں میں پھینک دیا تھا، تو وہ حیران بھی ہوئے اور غور سے دیکھنے پر مجبور بھی کہ کہیں ہم سے ہم کلام بادشاہ یوسف علیہ السلام ہی تو نہیں؟ ورنہ یوسف علیہ السلام کے قصے کا اسے کس طرح علم ہو سکتا ہے؟ چنانچہ انہوں نے سوال کیا کہ کیا تو یوسف علیہ السلام ہی تو نہیں؟

(۲) سوال کے جواب میں اقرار و اعتراف کے ساتھ 'اللہ کے احسان کا ذکر اور صبر و تقویٰ کے نتائج حسنہ بھی بیان کر کے بتلادیا کہ تم نے تو مجھے ہلاک کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ کنویں سے نجات عطا فرمائی، بلکہ مصر کی فرماں روائی بھی عطا فرمادی اور یہ نتیجہ ہے اس صبر اور تقویٰ کا جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مجھے دی۔

(۳) بھائیوں نے جب یوسف علیہ السلام کی یہ شان دیکھی تو اپنی غلطی اور کوتاہی کا اعتراف کر لیا

(۴) حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی بغیر اندہ غم و درگزر سے کام لیتے ہوئے فرما دیا کہ جو ہوا، سو ہوا۔ آج تمہیں کوئی سرزنش اور ملامت نہیں کی جائے گی۔ فتح مکہ والے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ کے ان کفار اور سرداران قریش کو جو آپ کے خون کے پیاسے تھے اور آپ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی تھیں، یہی الفاظ ارشاد فرما کر انہیں معاف فرما دیا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۵) قمیص کے چرے پر پڑنے سے آنکھوں کی بینائی کا بحال ہونا، ایک اعجاز اور کرامت کے طور پر تھا۔

خاندان کو میرے پاس لے آؤ۔^(۹۳)

جب یہ قافلہ جدا ہوا تو ان کے والد نے کہا کہ مجھے تو یوسف کی خوشبو آ رہی ہے اگر تم مجھے سٹھایا ہوا قرار نہ دو۔^(۹۴)

وہ کہنے لگے کہ واللہ آپ اپنے اسی پرالے خط^(۹۵) میں جلا ہیں۔ (۹۵)

جب خوشخبری دینے والے نے پہنچ کر ان کے منہ پر وہ کرتا ڈالا اسی وقت وہ پھر سے چن ہو گئے۔^(۹۶) کیا میں تم سے نہ کہا کرتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔^(۹۷)

انہوں نے کہا اباجی! آپ ہمارے لیے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے بیشک ہم قصور وار ہیں۔ (۹۷)

کہا اچھا میں جلد ہی تمہارے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا،^(۹۸) وہ بہت بڑا بخشش والا اور نہایت مہربانی

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفَتِنُوا مِنِّي ۖ

قَالُوا يَا لَيْتَنَا نَمُوتُ أَوْ لَا نَحْيَا ۖ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُونَ ۖ

فَلَمَّا أَتَى الْبَنِيَّ قَالَ سَتَقْبَلُونَ مِنْ رَبِّكُمْ أَجْرًا ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۖ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُونَ ۖ

قَالُوا يَا لَيْتَنَا نَمُوتُ أَوْ لَا نَحْيَا ۖ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُونَ ۖ

قَالَ سَوْفَ أَسْتَفْتِي لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۖ

(۱) یہ یوسف علیہ السلام نے اپنے پورے خاندان کو مصر آنے کی دعوت دی۔

(۲) ادھر یہ قیص لے کر قافلہ مصر سے چلا اور ادھر حضرت یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعجاز کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنے لگ گئی۔ یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ اللہ کے پیغمبر کو بھی جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع نہ پہنچے پیغمبر بے خبر ہوتا ہے، چاہے بیٹا اپنے شر کے کسی کنوئیں ہی میں کیوں نہ ہو؟ اور جب اللہ انتظام فرمادے تو پھر مصر جیسے دور دراز کے علاقے سے بھی بیٹے کی خوشبو آ جاتی ہے۔

(۳) ضَلَّان سے مراد 'دالمانہ محبت کی وہ دار فکلی ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ بیٹے کہنے لگے، ابھی تک آپ اسی پرانی غلطی یعنی یوسف علیہ السلام کی محبت میں گرفتار ہیں۔ اتنا حویل عرصہ گزر جانے کے باوجود یوسف علیہ السلام کی محبت دل سے نہیں گئی۔

(۴) یعنی جب وہ خوش خبری دینے والا آیا اور آکر وہ قیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دی تو اس سے معجزانہ طور پر ان کی بینائی بحال ہو گئی۔

(۵) کیونکہ میرے پاس ایک ذریعہ علم وحی بھی ہے جو تم میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔ اس وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو حالات سے حسب مشیت و مصلحت آگاہ کرتا رہتا ہے۔

(۶) فی الفور مغفرت کی دعا کرنے کے بجائے دعا کرنے کا وعدہ فرمایا، مقصد یہ تھا کہ رات کے پچھلے پہر میں جو اللہ کے

کرنے والا ہے۔ (۹۸)

جب یہ سارا گھرانہ یوسف کے پاس پہنچ گیا تو یوسف نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی^(۱) اور کہا کہ اللہ کو منظور ہے تو آپ سب امن وامان کے ساتھ مصر میں آؤ۔ (۹۹)

اور اپنے تخت پر اپنے ماں باپ^(۲) کو اونچا بٹھایا اور سب اس کے سامنے سجدے میں گر گئے۔^(۳) تب کہا کہ اباجی! یہ میرے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے^(۴) میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا، اس نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا جب کہ مجھے جیل خانے سے نکالا^(۵) اور آپ لوگوں کو صحرا سے لے آیا^(۶) اس اختلاف کے بعد جو شیطان نے

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰی يُوسُفَ اٰوٰی اِلَيْهِ اَبُوهُ وَوَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ لَنْ شَاۤءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝۹۹

وَرَفَعَ اَبُوهُ عَلَی الْعَرْشِ وَخُذُوْا لَهٗ سُجَّدًا وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا نَبِيُّ لَدُنٰىكَ مِنْ قَبْلُ ۚ قَدْ جَعَلْنَا رَدَّكَ حَقًّا وَقَدْ اٰخَرَجْنٰی مِنَ السِّبْطِ وَجَاءَ بِكَ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ اَنْ تَرٰۤى الشَّيْطٰنَ بَيِّنٰتٍ وَتَبَيَّنَ لَّخَوٰیۤاۡنَ رَبِّیْ لَصِیْفٌ ۚ لِمَ اٰتٰۤىٰكَ اِنَّهُ هُوَ

خاص بندوں کا اللہ کی عبادت کرنے کا خاص وقت ہوتا ہے، اللہ سے ان کی مغفرت کی دعا کروں گا۔ دوسری بات یہ کہ بھائیوں کی زیادتی یوسف علیہ السلام پر تھی۔ ان سے مشورہ لینا ضروری تھا۔ اس لئے انہوں نے تاخیر کی اور فوراً مغفرت کی دعا نہیں کی۔

(۱) یعنی عزت و احترام کے ساتھ انہیں اپنے پاس جگہ دی اور ان کا خوب اکرام کیا۔

(۲) بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ سوتیلی ماں اور سگی خالہ تھیں کیونکہ یوسف علیہ السلام کی حقیقی ماں بنیامین کی ولادت کے بعد فوت ہو گئی تھیں، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کی وفات کے بعد اس کی ہمشیرہ سے نکاح کر لیا تھا۔ یہی خالہ اب حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ مصر گئی تھیں (فتح القدیر) لیکن امام ابن جریر طبری نے اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی والدہ فوت نہیں ہوئی تھیں اور وہی حقیقی والدہ ساتھ تھیں۔ (ابن کثیر)

(۳) بعض نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ادب و تعظیم کے طور پر یوسف علیہ السلام کے سامنے جھک گئے۔ لیکن ﴿وَخُذُوْا لَهٗ سُجَّدًا﴾ کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ وہ زمین پر یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہوئے۔ یعنی یہ سجدہ، سجدہ ہی کے معنی میں ہے۔ تاہم یہ سجدہ، تعظیمی ہے سجدہ عبادت نہیں اور سجدہ تعظیمی حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا۔ اسلام میں شرک کے سد باب کے لیے سجدہ تعظیمی کو بھی حرام کر دیا گیا ہے اور اب سجدہ تعظیمی بھی کسی کے لیے جائز نہیں۔

(۴) یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا۔ اتنی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد بالآخر اس کی یہ تعبیر سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تخت شہنشاہی پر بٹھایا اور والدین سمیت تمام بھائیوں نے انہیں سجدہ کیا۔

(۵) اللہ کے احسانات میں کنویں سے نکلنے کا ذکر نہیں کیا تاکہ بھائی شرمندہ نہ ہوں۔ یہ اخلاق نبوی ہے۔

(۶) مصر جیسے متمدن علاقے کے مقابلے میں کنعان کی حیثیت ایک صحرا کی تھی، اس لیے اسے بدو سے تعبیر کیا۔

الْعَلِيمُ الْعَلِيمُ ①

مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ڈال دیا تھا۔^(۱) میرا رب جو چاہے اس کے لیے بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ اور وہ بہت علم و حکمت والا ہے۔ (۱۰۰)

اے میرے پروردگار! تو نے مجھے ملک عطا فرمایا^(۲) اور تو نے مجھے خواب کی تعبیر سکھائی۔^(۳) اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا و آخرت میں میرا ولی (دوست) اور کارساز ہے، تو مجھے اسلام کی حالت میں فوت کر اور نیکیوں میں ملا دے۔^(۴) (۱۰۱)

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ آپ ان کے پاس نہ تھے جب کہ انہوں نے اپنی بات ٹھان لی تھی اور وہ فریب کرنے لگے تھے۔^(۵) (۱۰۲)

رَبِّ قَدْ أَنْتَبَيْتَنِي مِنَ الْمُنْذِرِ وَ عَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَأَطِيعْ أَمْرَ اللَّهِ وَ أَمْرَ رَبِّي الذِّكْرَ وَ الْخَيْرَ تَوَلَّيْتُ مُسْلِمًا وَ الْعِشْقَ بِالْضَلِيلِينَ ②

ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَ هُمْ يَمْكُرُونَ ③

(۱) یہ بھی اخذ کر لیا کہ ایک نمونہ ہے کہ بھائیوں کو ذرا مورد الزام نہیں ٹھہرایا اور شیطان کو اس کا رستی کا باعث قرار دیا۔

(۲) یعنی ملک مصر کی فرمانروائی عطا فرمائی، جیسا کہ تفصیل مگزری۔

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے، جن پر اللہ کی طرف سے وحی کا نزول ہوتا اور خاص خاص باتوں کا علم انہیں عطا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس علم نبوت کی روشنی میں پیغمبر خوابوں کی تعبیر بھی صحیح طور پر کر لیتے تھے، تاہم معصوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس فن تعبیر میں خصوصی ملکہ حاصل تھا، جیسا کہ قید کے ساتھیوں کے خواب کی اور سات موٹی گایوں کے خواب کی تعبیر سے مگزری۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام پر جو احسانات کیے، انہیں یاد کر کے اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کا تذکرہ کر کے دعا فرما رہے ہیں کہ جب مجھے موت آئے تو اسلام کی حالت میں آئے اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ اس سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے آبا و اجداد، حضرت ابراہیم و اسحاق علیہما السلام وغیرہ مراد ہیں، بعض لوگوں کو اس دعا سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی دعا مانگی۔ حالانکہ یہ موت کی دعا نہیں ہے، آخر وقت تک اسلام پر استقامت کی دعا ہے۔

(۵) یعنی یوسف علیہ السلام کے ساتھ، جب کہ انہیں کنویں میں پھینک آئے یا مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں یعنی ان کو یہ کہہ کر کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑنا کھا گیا ہے اور یہ اس کی قمیص ہے، جو خون میں لت پت ہے۔ ان کے ساتھ فریب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر بھی اس بات کی نفی فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم تھا۔ لیکن یہ نفی مطلق علم کی نہیں ہے، کیونکہ اللہ نے وحی کے ذریعے سے آپ کو آگاہ فرمادیا۔ یہ نفی مشاہدے کی ہے کہ اس

وَمَا أَكْثَرُ سَائِسٍ وَلَوْ حَصَصْتُ بِمُؤْمِنِينَ ⑤

وَمَا نَسْنَأُهُمْ مَكِيدُو مِنْ أَجْرِيَانِ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ⑥

وَكَايُنْ مِنْ أَيْدِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَكُونُونَ

عَلَيْهَا وَمُعْصِيَاتُكُمْ تُرْجَوْنَ ⑦

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ⑧

گو آپ لاکھ چاہیں لیکن اکثر لوگ ایمان دار نہ ہوں گے۔^(۱) (۱۰۳)

آپ ان سے اس پر کوئی اجرت طلب نہیں کر رہے ہیں۔^(۲) یہ تو تمام دنیا کے لیے نری نصیحت ہی نصیحت ہے۔^(۳) (۱۰۴)

آسمانوں اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ جن سے یہ منہ موڑے گزر جاتے ہیں۔^(۴) (۱۰۵)

ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں۔^(۵) (۱۰۶)

وقت آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ اسی طرح ایسے لوگوں سے بھی آپ کا رابطہ و تعلق نہیں رہا ہے جن سے آپ نے سنا ہو۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آپ کو اس واقعہ غیب کی خبر دی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی مقامات پر اسی طرح علم غیب اور مشاہدے کی نفی فرمائی ہے۔ (مثلاً ملاحظہ ہو 'سورۃ آل عمران' ۷، ۳۳، القصص ۲۵، ۳۶، سورۃ ص ۶۹-۷۰)

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو پچھلے واقعات سے آگاہ فرما رہا ہے تاکہ لوگ ان سے عبرت پکڑیں اور اللہ کے پیغمبروں کا راستہ اختیار کر کے نجات ابدی کے مستحق بن جائیں لیکن اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے کیونکہ وہ گزشتہ قوموں کے واقعات تو سنتے ہیں لیکن عبرت پذیری کے لیے نہیں صرف دلچسپی اور لذت کے لئے۔ اس لیے وہ ایمان سے محروم ہی رہتے ہیں۔

(۲) کہ جس سے ان کو یہ شبہ ہو کہ یہ دعوائے نبوت تو صرف پیسے جمع کرنے کا بہانہ ہے۔

(۳) تاکہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں اور اپنی دنیا و آخرت سنوار لیں۔ اب دنیا کے لوگ اگر اس سے آنکھیں پھیرے رکھیں اور اس سے ہدایت حاصل نہ کریں تو لوگوں کا تصور اور ان کی بد قسمتی ہے 'قرآن تو فی الواقع اہل دنیا کی ہدایت اور نصیحت ہی کے لیے آیا ہے۔'

مگر نہ بیند بود شہو چشم چشم آفتاب را چہ گناہ

(۴) آسمان و زمین کی پیدائش اور ان میں بے شمار چیزوں کا وجود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک خالق و صانع ہے جس نے ان چیزوں کو وجود بخشا ہے اور ایک مدبر ہے جو ان کا ایسا انتظام کر رہا ہے کہ صدیوں سے یہ نظام چل رہا ہے اور ان میں کبھی آپس میں ٹکراؤ اور تصادم نہیں ہوا ہے۔ لیکن لوگ ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے یوں ہی گزر جاتے ہیں ان پر غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ان سے رب کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔

(۵) یہ وہ حقیقت ہے جسے قرآن نے بڑی وضاحت کے ساتھ متعدد جگہ بیان فرمایا ہے کہ یہ مشرکین یہ تو مانتے ہیں کہ

أَفَأَمْسُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ
أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ⑤

فَإِنَّ هَذِهِ سَبِيلُ اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ
اتَّبَعْنِي وَبُخِّنَ اللَّهُ وَالْكَافِرِينَ ⑥

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيَ إِلَيْهِمْ مِنْ أَمْرِ الْغُيُوبِ
أَنَّهُمْ يَسِيرُونَ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَفَلَا يَعْلَمُونَ ⑦

کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان
کے پاس اللہ کے عذابوں میں سے کوئی عام عذاب
آجائے یا ان پر اچانک قیامت لوٹ پڑے اور وہ بے
خبری ہوں۔ (۱۰۷)

آپ کہہ دیجئے میری راہ یہی ہے۔ میں اور میرے متبعین
اللہ کی طرف جا رہے ہیں، پورے یقین اور اعتماد کے
ساتھ۔^(۱) اور اللہ پاک ہے^(۲) اور میں مشرکوں میں
نہیں۔ (۱۰۸)

آپ سے پہلے ہم نے بستی وادوں میں جتنے رسوں بھیجے
ہیں سب مردی تھے جن کی طرف ہم وحی نازل فرماتے
تھے۔^(۳) کیا زمین میں چل پھر کر انہوں نے دیکھا نہیں کہ
ان سے پہلے کے لوگوں کا کیسا کچھ انجام ہوا؟ یقیناً آخرت
کا گھر ہیز گاروں کے لیے بہت ہی بہتر ہے، کیا پھر بھی تم
نہیں سمجھتے۔ (۱۰۹)

آسمان و زمین کا خالق، مالک، رازق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود عبادت میں اللہ کے ساتھ
دوسروں کو بھی شریک ٹھہرا لیتے ہیں اور یوں اکثر لوگ مشرک ہیں۔ یعنی ہر دور میں لوگ توحید ربوبیت کے تو قائل رہے
ہیں لیکن توحید الوہیت ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ آج کے قبر پرستوں کا شرک بھی یہی ہے کہ وہ قبروں میں مدفون
بزرگوں کو صفات الوہیت کا حامل سمجھ کر انہیں مدد کے لیے پکارتے بھی ہیں اور عبادت کے کئی مراسم بھی ان کے لیے بجا
لاتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

(۱) یعنی یہ توحید کی راہ ہی میری راہ ہے بلکہ ہر پیغمبر کی راہ یہی ہے، اسی کی طرف میں اور میرے پیروکار پورے یقین
اور دلائل شری کے ساتھ لوگوں کو بلا رہے ہیں۔

(۲) یعنی میں اس کی تنزیہ و تقدیس بیان کرتا ہوں اس بات سے کہ اس کا کوئی شریک، نظیر، مثل یا وزیر و مشیر یا اولاد اور
پیوی ہو۔ وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔

(۳) یہ آیت اس بات پر نفل ہے کہ تمام نبی مردی ہوئے ہیں، عورتوں میں سے کسی کو نبوت کا مقام نہیں ملا، اسی طرح
ان کا تعلق قریہ سے تھا، جو قصبہ دیہات اور شہر سب کو شامل ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اہل بادیہ (صحرائے نشینوں) میں سے
نہیں تھا۔ کیونکہ اہل بادیہ نسبتاً طبیعت کے سخت اور اخلاق کے کھردرے ہوتے ہیں اور شہری ان کی نسبت نرم دھیمے اور
بااخلاق ہوتے ہیں اور یہ خوبیاں نبوت کے لیے ضروری ہیں۔

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَرَ الرُّسُلُ وَظَنُوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ
نَصْرُنَا فَنُصِرُوا فَغَضِبُوا ۚ وَأَنزَلْنَا سُورَةَ الْقَوْمِ
الْمُكَذِّبِينَ ۝

یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہونے لگے ^(۱) اور وہ (قوم کے لوگ) خیال کرنے لگے کہ انہیں جھوٹ کہا گیا۔ ^(۲) فوراً ہی ہماری مدد ان کے پاس آ پہنچی ^(۳) جسے ہم نے چاہا اسے نجات دی گئی۔ ^(۴) بات یہ ہے کہ ہمارا عذاب گناہ گاروں سے واپس نہیں کیا جاتا۔ ^(۵)

ان کے بیان میں عقل والوں کے لیے یقیناً نصیحت اور عبرت ہے 'یہ قرآن جھوٹ بتائی ہوئی بات نہیں بلکہ یہ تصدیق ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے کی ہیں کھول کھول کر بیان کرنے والا ہے ہر چیز کو اور ہدایت اور رحمت ہے ایمان دار لوگوں کے لیے۔' ^(۶) (۱۱)

لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۚ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

(۱) یہ مایوسی اپنی قوم کے ایمان لانے کے سلسلے میں ہوئی۔

(۲) قراءات کے اعتبار سے اس آیت کی کئی مفہوم بیان کئے گئے ہیں لیکن سب سے مناسب مفہوم یہ ہے کہ ظنوا کا فاعل قوم یعنی کفار کو قرار دیا جائے یعنی کفار عذاب کی دھمکی پر پہلے تو ڈرے لیکن جب زیادہ تاخیر ہوئی تو خیال کیا کہ عذاب تو آتا نہیں ہے (جیسا کہ پیغمبر کی طرف سے دعویٰ ہو رہا ہے) اور نہ آتا نظری آتا ہے 'معلوم ہوتا ہے کہ نبیوں سے بھی یوں ہی جھوٹا وعدہ کیا گیا ہے۔ مطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ آپ کی قوم پر عذاب میں جو تاخیر ہو رہی ہے اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پچھلی قوموں پر بھی عذاب میں بڑی بڑی تاخیر رہا رکھی گئی ہے اور اللہ کی مشیت و حکمت کے مطابق انہیں خوب خوب سہلت دی گئی 'حتیٰ کہ رسول اپنی قوم کے ایمان سے مایوس ہو گئے اور لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ شاید انہیں عذاب کا یوں ہی جھوٹا سوٹ کہہ دیا گیا ہے۔

(۳) اس میں دراصل اللہ تعالیٰ کے اس قانون مصلحت کا بیان ہے 'جو وہ نافرمانوں کو دیتا ہے' حتیٰ کہ اس بارے میں وہ اپنے پیغمبروں کی خواہش کے برعکس بھی زیادہ سے زیادہ مصلحت عطا کرتا ہے 'جلدی نہیں کرتا' یہاں تک کہ بعض دفعہ پیغمبر کے ماننے والے بھی عذاب سے مایوس ہو کر یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ ان سے یوں ہی جھوٹا سوٹ کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ محض ایسے وسوسے کا پیدا ہونا ایمان کی مٹائی نہیں ہے۔

(۴) یہ نجات پانے والے اہل ایمان ہی ہوتے تھے۔

(۵) یعنی یہ قرآن جس میں یہ قصہ یوسف علیہ السلام اور دیگر قوموں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں کوئی گھڑا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ یہ پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور اس میں دین کے بارے میں ساری ضروری باتوں کی تفصیل ہے اور ایمان داروں کے لیے ہدایت و رحمت۔

سُورَةُ الرَّعْدِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الْقَوْمِ تِلْكَ الْبُكَاءُ الْكُتِبَ وَالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ
وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ۚ إِنَّ سَئِدَ عَلَى
الْعَرْشِ وَصَفَّ السَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ
يُبَيِّنُ لَكُمْ بَعْضَ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ يَلْقَاهُمْ رَبُّكُمْ تَوَقُّونَ ①

سورہ رعد مدنی ہے اور اس میں تینتالیس آیات اور
چھ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا
رحم والا ہے۔

ال م ر۔ یہ قرآن کی آیتیں ہیں، اور جو کچھ آپ کی
طرف آپ کے رب کی جانب سے اتارا جاتا ہے، سب
حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ (۱)

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بند کر رکھا
ہے کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ پھر وہ عرش پر قرار پکڑے
ہوئے ہے (۱) اسی نے سورج اور چاند کو ماتحتی میں لگا رکھا
ہے۔ ہر ایک میعاد معین پر گشت کر رہا ہے، (۲) وہی کام کی

(۱) استواء علی العرش کا مفہوم اس سے قبل بیان ہو چکا ہے۔ کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا عرش پر قرار پکڑنا ہے۔ محدثین کا
میں مسلک ہے وہ اس کی تاویل نہیں کرتے، جیسے بعض دوسرے گروہ اس میں اور دیگر صفات الہی میں تاویل کرتے ہیں۔
تاہم محدثین کہتے ہیں کہ اس کی کیفیت نہ بیان کی جاسکتی ہے اور نہ اسے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ لیس
﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ ۱۷)

(۲) اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ یہ ایک وقت مقرر تک یعنی قیامت تک اللہ کے حکم سے چلتے رہیں گے، جیسا کہ فرمایا
﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ ۚ أُولَٰئِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ (ہنسیس ۳۸) اور سورج اپنے ٹھہرنے کے وقت تک چل رہا
ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ چاند اور سورج دونوں اپنی اپنی منزلوں پر رواں دواں رہتے ہیں، سورج اپنا
دورہ ایک سال میں اور چاند ایک ماہ میں مکمل کر لیتا ہے۔ جس طرح فرمایا ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّانَةً مُنَابِلَةً﴾ (ہنسیس ۳۹) ہم نے
چاند کی منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ سات بڑے بڑے سیارے ہیں جن میں سے دو چاند اور سورج ہیں۔ یہاں صرف ان دو
کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہی دو سب سے زیادہ بڑے اور اہم ہیں۔ جب یہ دونوں بھی اللہ کے حکم کے تابع ہیں تو دوسرے
سیارے تو بطریق اولیٰ اس کے تابع ہونگے۔ اور جب یہ اللہ کے حکم کے تابع ہیں تو یہ معبود نہیں ہو سکتے، معبود تو وہی ہے
جس نے ان کو مقرر کیا ہوا ہے۔ اس لیے فرمایا ﴿لَا تَجْعَلُوا لِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالنُّجُومِ وَالْأَشْيَاءِ خَلْقَةً ۚ إِن كُنْتُمْ إِلَّا تَتَّبِعُونَ﴾
(حم السجدہ : ۳۷) ”سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو، اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا،
اگر تم صرف اس کی عبادت کرنا چاہتے ہو۔“ ﴿وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَمُخَرَّبَاتُهَا أَعْمَالُ﴾ (الأعراف ۵۳) ”سورج
چاند اور تارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔“

تدبیر کرتا ہے وہ اپنے نشانات کھول کھول کر بیان کر رہا ہے کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کر لو۔ (۲)

اسی نے زمین پھیلا کر بچھا دی ہے اور اس میں پہاڑ اور سرس پیدا کر دی ہیں۔^(۱) اور اس میں ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے دوہرے دوہرے پیدا کر دیے ہیں۔^(۲) وہ رات کو دن سے چھپا دیتا ہے۔ یقیناً غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۳)

اور زمین میں مختلف کھڑے ایک دوسرے سے نکلنے لگاتے ہیں۔^(۳) اور انگوڑوں کے باغات ہیں اور کھیت ہیں اور کھجوروں کے درخت ہیں، شاخ دار اور بعض ایسے ہیں۔^(۴) جو بے شاخ ہیں سب ایک ہی پانی پلائے جاتے ہیں۔ پھر بھی ہم ایک کو ایک پر پھلوں میں برتری دیتے ہیں۔^(۵) اس میں عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۴)

وَمَا آتَيْنِي مَكَدًا الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا رُجُومًا تُصَلِّي الْأَيْلَ الْتَمَازَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْتَكِرُونَ ۝

وَمَا آتَيْنِي مَكَدًا الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا رُجُومًا تُصَلِّي الْأَيْلَ الْتَمَازَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْتَكِرُونَ ۝

(۱) زمین کے طول و عرض کا اندازہ بھی عام لوگوں کے لیے مشکل ہے اور بلند و بالا پہاڑوں کے ذریعے سے زمین میں گویا میخیں گاڑی ہیں، 'سروں' دریاؤں اور چشموں کا ایسا سلسلہ قائم کیا کہ جس سے انسان خود بھی سیراب ہوتے ہیں اور اپنے کھیتوں کو بھی سیراب کرتے ہیں جن سے انواع و اقسام کے غلے اور پھل پیدا ہوتے ہیں، جن کی شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف اور ذائقے بھی جدا گانہ ہوتے ہیں۔

(۲) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ نرا اور مادہ دونوں بنائے۔ جیسا کہ موجودہ تحقیقات نے بھی اس کی تصدیق کر دی ہے۔ دوسرا مطلب (جوڑے جوڑے کا) یہ ہے کہ ٹینھا اور کھن، سرد اور گرم، سیاہ اور سفید اور ذائقہ دار و بد ذائقہ، اس طرح ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد قسمیں پیدا کیں۔

(۳) متعبروت - ایک دوسرے کے قریب اور متصل یعنی زمین کا ایک حصہ شاداب اور زرخیز ہے۔ خوب پیداوار دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی زمین شور ہے، جس میں کسی قسم کی بھی پیداوار نہیں ہوتی۔

(۴) صنواں کے ایک معنی ملے ہوئے اور غیر 'صنواں' کے جدا جدا کیے گئے ہیں۔ دوسرا معنی 'صنواں' ایک درخت، جس کی کئی شاخیں اور تنے ہوں، جیسے انار، انجیر اور بعض کھجوریں۔ اور غیر 'صنواں' جو اس طرح نہ ہو بلکہ ایک ہی تنے والا ہو۔

(۵) یعنی زمین بھی ایک، پانی، ہوا بھی ایک۔ لیکن پھل اور غلہ مختلف قسم کے اور ان کے ذائقے اور شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف۔

وَاِنْ تَجِبْ فَجِبْ قَوْلُهُمْ اِذَا كُنَّا تُرَابًا اَنْ لَّنِ حَسَنٌ
بَصِيْبَةٌ اُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَهُمْ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اَعْمَا فِئَهُمْ وَاُولَئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ ۝

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْثِيْنَةِ قَبْلَ الْمُسْتَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِمُ الْمَثَلَتُ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى
ظُلُمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اگر تجھے تعجب ہو تو واقعی ان کا یہ کہنا عجیب ہے کہ کیا
جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش میں ہوں
گے؟^(۱) یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار سے
کفر کیا۔ یہی ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے۔ اور
یہی ہیں جو جہنم کے رہنے والے ہیں جو اس میں ہمیشہ
ہمیشہ رہیں گے۔ (۵)

اور جو تجھ سے (سزا کی طلبی میں) جلدی کر رہے ہیں راحت
سے پہلے ہی یقیناً ان سے پہلے سزائیں (بطور مثال) گزر چکی
ہیں،^(۲) اور بیشک تیرا رب البتہ بخشنے والا ہے لوگوں کے بے
جا ظلم پر بھی۔^(۳) اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ تیرا رب بڑی
تخت سزا دینے والا بھی ہے۔^(۴) (۶)

(۱) یعنی جس ذات نے پہلی مرتبہ پیدا کیا اس کے لئے دوبارہ اس چیز کا بنانا کوئی مشکل کام نہیں۔ لیکن کفار یہ عجیب بات
کہتے ہیں کہ دوبارہ ہم کیسے پیدا کیے جائیں گے؟

(۲) یعنی عذاب الہی سے قوموں اور ہستیوں کی تباہی کی کئی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں اس کے باوجود یہ عذاب جلدی مانگتے ہیں؟
یہ کفار کے جواب میں کہا گیا جو کہتے تھے کہ اے پیغمبر! اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب ہم پر لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے۔

(۳) یعنی لوگوں کے ظلم و معصیت کے باوجود وہ عذاب میں جلدی نہیں کرتا بلکہ صلت دیتا ہے اور بعض دفعہ تو اتنی
تاخیر کرتا ہے کہ معاملہ قیامت پر چھوڑ دیتا ہے۔ یہ اس کے ظلم و کرم اور غفور و کریم کا نتیجہ ہے ورنہ اگر وہ فوراً مواخذہ
کرنے اور عذاب دینے پر آجائے تو روئے زمین پر کوئی انسان ہی باقی نہ رہے۔ ﴿وَلَوْ لَوِیْضًا اِذَا لَفِئَتِ السَّاسِ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَزَلٰ
عَلٰی ظُلُمِهِمْ اَمِنْ دَابِّیْ﴾ (سورۃ طہ ۲۵) اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب وارد گیر فرمانے لگتا تو
روئے زمین پر ایک تنفس کو نہ چھوڑتا۔

(۴) یہ اللہ کی دوسری صفت کا بیان ہے تاکہ انسان صرف ایک ہی پہلو پر نظر نہ رکھے اس کے دوسرے پہلو کو بھی
دیکھتا رہے۔ کیونکہ ایک ہی رخ اور ایک ہی پہلو کو مسلسل دیکھتے رہنے سے بہت سی چیزیں او جھل رہ جاتی ہیں۔ اسی لیے
قرآن کریم میں جہاں اللہ کی صفت رحیمی و غفوری کا بیان ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کی دوسری صفت قہری و
جباری کا بیان بھی ملتا ہے جیسا کہ یہاں بھی ہے تاکہ رجا (امید) اور خوف دونوں پہلو سامنے رہیں کیونکہ اگر امید ہی
امید سامنے رہے تو انسان معصیت الہی پر دلیر ہو جاتا ہے اور اگر خوف ہی خوف ہو وقت دل و دماغ پر مسط رہے تو اللہ
کی رحمت سے مایوسی ہو جاتی ہے اور دونوں ہی باتیں غلط اور انسان کے لیے تباہ کن ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے وَالْاِیْمَانُ

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتُ نَبِيٍّ
إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ ۚ يَكْفُرُ قَوْمٌ بِهِ ۚ

اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے
کوئی نشانی (معجزہ) کیوں نہیں اتاری گئی۔ بات یہ ہے کہ
آپ تو صرف آگاہ کرنے والے ہیں^(۱) اور ہر قوم کے
لئے ہادی ہے۔^(۲) (۷)

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ كُلَّ شَيْءٍ آتٍ
وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَ بَيْتِنَا ۚ

ماورائے شکر میں جو کچھ رکھتی ہے اسے اللہ بخوبی جانتا
ہے^(۳) اور بیت کا گھنٹا بڑھتا بھی^(۴) ہر چیز اس کے پاس
اندازے سے ہے۔^(۵) (۸)

عَلَيْهِ الْعَيْبُ وَاللَّهُ يَدْعُو الْكِبَرُ الْمُتَعَالِ ۚ

ظاہر پوشیدہ کا وہ عالم ہے (سب سے) بڑا اور (سب سے)
بلند و بالا۔ (۹)

بَيْنَ الْخَوَافِ وَالرَّجَاءِ ”ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے“ یعنی دونوں باتوں کے درمیان اعتدال و توازن کا نام
ایمان ہے۔ انسان اللہ کے عذاب کے خوف سے بے پرواہ ہو اور نہ اس کی رحمت سے مایوس۔ (اس مضمون کے ملاحظہ
کے لیے دیکھیے سورۃ الأنعام، ۳۷- سورۃ الأعراف، ۱۷۷- سورۃ النجم، ۳۹-۵۰)۔

(۱) ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے حالات و ضروریات اور اپنی مشیت و مصلحت کے مطابق کچھ نشانیاں اور معجزات عطا فرمائے۔
لیکن کافر اپنے حسبِ نشانہ معجزات کے طالب ہوتے رہے ہیں۔ جیسے کفار مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے کہ کوہ صفا کو
سونے کا بنا دیا جائے یا پہاڑوں کی جگہ سرس اور چشمنے جاری ہو جائیں وغیرہ وغیرہ جب ان کی خواہش کے مطابق معجزہ
صادر کر کے نہ دکھایا جاتا تو کہتے کہ اس پر کوئی نشان (معجزہ) نازل کیوں نہیں کیا گیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیغمبر! تیرا کام
صرف انذار و تبلیغ ہے۔ وہ تو کرتا رہ۔ کوئی ماننے نہ مانے اس سے تجھے کوئی غرض نہیں اس لیے کہ ہدایت دینا یہ ہمارا
کام ہے۔ تیرا کام راستہ دکھانا ہے اس راستے پر چلا دینا یہ تیرا نہیں ہمارا کام ہے۔

(۲) یعنی ہر قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہادی ضرور بھیجا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قوموں نے ہدایت کا
راستہ اپنا یا نہیں اپنایا۔ لیکن سیدھے راستے کی نشاندہی کرنے کے لیے پیغمبر ہر قوم کے اندر ضرور آیا ﴿وَلَقَدْ مِّنْ آيَاتٍ
لَّا تَدْرِيهَا تَدْرِئُونَ﴾ (طہ ۱۳) ”ہر امت میں ایک نذیر ضرور آیا ہے۔“

(۳) رحم ہمارے میں کیا ہے؟ نہ ہے یا مادہ خوب صورت ہے یا بد صورت؟ نیک ہے یا بد؟ طویل العمر ہے یا قصیر العمر؟ یہ
سب باتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

(۴) اس سے مراد حمل کی مدت ہے جو عام طور پر تو ۹ مہینے ہوتی ہے لیکن کثرتِ بوحسب بھی ہے کسی وقت یہ مدت ۱۰ مہینے
اور کسی وقت ۸ مہینے ہو جاتی ہے اس کا علم بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

(۵) یعنی کسی کی زندگی کتنی ہے؟ اسے رزق سے کتنا حصہ ملے گا؟ اس کا پورا اندازہ اللہ کو ہے

سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَتَى الْقَوْلَ مِنْ جَهْرٍ وَمَنْ هُوَ
مُسْتَخْفٍ يَأْتِيهِمْ سِرًّا بِاللَّيْلِ ۝

لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ
مَنْ أَمَرَ ابْنَ آدَمَ أَنْ يَنْقُرْ مَا يُقُومُ حَتَّى يُعْذِرُوا مَا
يَأْتِيهِمْ فَإِنْ آوَاكَ اللَّهُ بِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ لَهُ وَمَا لَهُمْ
مِنْ دُونِهِ مِنْ ذِي ۝

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ حَوَافًا وَمَعَا وَيُنْزِلُ السَّحَابَ
الْبَحَالُ ۝

وَيَسْجُدُ الرُّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ
الْبَرْقَ قَبْلُ صَيْبٍ يَهْمَا مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ يُجَادِلُونَ
بِالْإِلَهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ ۝

تم میں سے کسی کا اپنی بات کو چھپا کر کہنا اور بتاؤ از بلند اسے
کہنا اور جو رات کو چھپا ہوا ہو اور جو دن میں چل رہا ہو
سب اللہ پر برابر و یکساں ہیں۔ (۱۰)

اس کے پسے دار (۱۱) انسان کے آگے پیچھے مقرر ہیں جو
اللہ کے حکم سے اس کی نمکبانی کرتے ہیں۔ کسی قوم کی
حالت اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اسے نہ
بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے۔ (۱۲) اللہ تعالیٰ جب کسی
قوم کی سزا کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ بدلا نہیں کرتا اور
سوائے اس کے کوئی بھی ان کا کارساز نہیں۔ (۱۳)

وہ اللہ ہی ہے جو تمہیں بجلی کی چمک ڈرانے اور امید
دلانے کے لیے دکھاتا ہے (۱۴) اور بھاری بادلوں کو پیدا
کرتا ہے۔ (۱۵)

گرج اس کی تسبیح و تعریف کرتی ہے اور فرشتے بھی اس
کے خوف سے۔ (۱۶) وہی آسمان سے بجلیاں گراتا ہے اور
جس پر چاہتا ہے اس پر ڈالتا ہے (۱۷) کفار اللہ کی بابت لڑ
جھگڑ رہے ہیں اور اللہ سخت قوت والا ہے۔ (۱۸)

(۱) مُعَقِّبَاتٌ، شُعْبَاتٌ کی جمع ہے۔ ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے، مراد فرشتے ہیں جو باری باری ایک دوسرے
کے بعد آتے ہیں۔ دن کے فرشتے جاتے ہیں تو شام کے آجاتے ہیں شام کے جاتے ہیں تو دن کے آجاتے ہیں۔

(۲) اس کی تشریح کے لیے دیکھئے سورہ انفال آیت ۵۳ کا حاشیہ۔

(۳) جس سے راہ گیر مسافر ڈرتے ہیں اور گھروں میں مقیم کسان اور کاشت کار اس کی برکت و منفعت کی امید رکھتے ہیں۔

(۴) بھاری بادلوں سے مراد وہ بادل ہیں جن میں بارش کا پانی ہوتا ہے۔

(۵) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿فَلَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ أَكْثَرًا مِمَّا تَفْسِدُونَ﴾ (اسی اسماعیل ۱۳) ”ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے“

(۶) یعنی اس کے ذریعے سے جس کو چاہتا ہے ہلاک کر ڈالتا ہے۔

(۷) مِحَالٌ کے معنی قوت، مؤاخذہ اور تدبیر وغیرہ کے کیے گئے ہیں۔ یعنی وہ بڑی قوت والا نہایت مؤاخذہ کرنے والا اور
تدبیر کرنے والا ہے۔

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْمَعُونَ
لَهُمْ شَيْءٌ إِلَّا كَيْسِطٌ لِّقِيَمِهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَهُ فَإِذَا هُوَ
بِمَالِكِهِ وَمَا أَعَادُ الْكَلِمَةَ إِلَّا لِلَّذِي أَصْلَبَ ⑤

اسی کو پکارنا حق ہے۔^(۱) جو لوگ اوروں کو اس کے سوا
پکارتے ہیں وہ ان (کی پکار) کا کچھ بھی جواب نہیں دیتے
مگر جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف
پھیلانے ہوئے ہو کہ اس کے منہ میں پڑ جائے حالانکہ وہ
پانی اس کے منہ میں پہنچنے والا نہیں،^(۲) ان منکروں کی
جتنی پکار ہے سب گمراہی میں ہے۔^(۳)

اللہ ہی کے لیے زمین اور آسمانوں کی سب مخلوق خوشی
اور ناخوشی سے سجدہ کرتی ہے اور ان کے سائے بھی صبح و
شام۔^(۴)

وَالَّذِينَ يَسْجُدُونَ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا
وَأَسْلَابًا بِالْعُدْوَى وَالْأَصَالِ ⑥

(۱) یعنی خوف اور امید کے وقت اسی ایک اللہ کو پکارنا صحیح ہے کیونکہ وہی ہر ایک کی پکار سنتا اور قبول فرماتا ہے یا
دعوت 'عبادت کے معنی میں ہے یعنی 'اسی کی عبادت حق اور صحیح ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، کیونکہ
کائنات کا خالق 'مالک اور مدبر صرف وہی ہے اس لیے عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے۔

(۲) یعنی جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دور سے پانی کی
طرف اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلا کر پانی سے کہے کہ تو میرے منہ تک آجا، ظاہر بات ہے کہ پانی جامد چیز ہے، اسے پتہ ہی
نہیں کہ ہتھیلیاں پھیلانے والے کی حاجت کیا ہے؟ اور نہ اسے یہ پتہ ہے کہ وہ مجھ سے اپنے منہ تک پہنچنے کا مطالبہ کر
رہا ہے۔ اور نہ اس میں یہ قدرت ہے کہ اپنی جگہ سے حرکت کر کے اس کے ہاتھ یا منہ تک پہنچ جائے۔ اسی طرح یہ
مشرک 'اللہ کے سوا' جن کو پکارتے ہیں 'انہیں نہ یہ پتہ ہے کہ کوئی انہیں پکار رہا ہے اور اس کی فلاں حاجت ہے۔ اور نہ
اس حاجت روائی کی ان میں قدرت ہی ہے۔

(۳) اور بے فائدہ بھی ہے۔ کیونکہ اس سے ان کو کوئی نفع نہیں ہو گا۔

(۴) اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کا بیان ہے کہ ہر چیز پر اس کا غلبہ ہے اور ہر چیز اس کے تحت اور اس کے
سامنے سجدہ ریز ہے، چاہے مومنوں کی طرح خوشی سے کرے یا مشرکوں کی طرح ناخوشی سے اور ان کے سائے بھی صبح و
شام سجدہ کرتے ہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ﴾^(۱) "سورة الحبل ۴۸" "کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے، ان کے
سائے داہنے اور بائیں سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں اور وہ عاجزی کرتے ہیں۔" اس سجدے کی کیفیت کیا ہے؟
یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ یا دوسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ کافر سمیت تمام مخلوق اللہ کے حکم کے تابع ہے، کسی میں اس
سے مرتابی کی مجال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو صحت دے، بیمار کرے، غنی کر دے یا فقیر بنا دے، زندگی دے یا موت سے

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ اللَّهُ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ
مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا مَمْلُوكُونَ لِأَتْنِيهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا
قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي
الظُّلُمَةُ وَالنُّورُ أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ
فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ
الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

آپ پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟
کہہ دیجئے! اللہ۔^(۱) کہہ دیجئے! کیا تم پھر بھی اس کے سوا
اوروں کو حمایتی بنا رہے ہو جو خود اپنی جان کے بھی بھلے
برے کا اختیار نہیں رکھتے۔^(۲) کہہ دیجئے کہ کیا اندھا اور
جنا برابر ہو سکتا ہے؟ یا کیا اندھیریاں اور روشنی برابر ہو
سکتی ہے۔^(۳) کیا جنہیں یہ اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں
انہوں نے بھی اللہ کی طرح مخلوق پیدا کی ہے کہ ان کی
نظر میں پیدائش مشتبہ ہو گئی ہو کہہ دیجئے کہ صرف اللہ
ہی تمام چیزوں کا خالق ہے وہ اکیلا ہے^(۴) اور زبردست
غالب ہے۔ (۴)

اسی نے آسمان سے پانی برسایا پھر اپنی اپنی وسعت کے
مطابق نالے بہہ نکلے۔^(۵) پھر پانی کے ریے نے اوپر

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا
فَانْتَمَلَت الشَّيْلُ زَبَدًا رَابِعًا وَمِمَّا يُؤْتُونَ

ہمکنہ کرے۔ ان تکوینی احکام میں کسی کافر کو بھی مجال انکار نہیں۔

(۱) یہاں توحید کی زبان سے اقرار ہے۔ لیکن قرآن کے دوسرے مقامات سے واضح ہے کہ مشرکین کا جواب بھی یہی ہوتا تھا۔
(۲) یعنی جب تمہیں اقرار و اعتراف ہے کہ آسمان و زمین کا رب اللہ ہے جو تمام اختیارات کا بلا شرکت غیر مالک ہے تو
پھر تم اسے چھوڑ کر ایسوں کو کیوں اپنا دوست اور حمایتی سمجھتے ہو جو اپنی بابت بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔
(۳) یعنی جس طرح اندھا اور جتنا برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح موصد اور مشرک برابر نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ موصد کا
دل توحید کی بصیرت سے معمور ہے جب کہ مشرک اس سے محروم ہے۔ موصد کی آنکھیں ہیں، وہ توحید کا نور دیکھتا ہے
اور مشرک کو یہ نور توحید نظر نہیں آتا، اس لیے وہ اندھا ہے۔ اسی طرح جس طرح اندھیروں اور روشنی برابر نہیں ہو
سکتی۔ ایک اللہ کا پجاری، جس کا دل نورانیت سے بھرا ہوا ہے، اور ایک مشرک، جو جہالت و توہمات کے اندھیروں میں
بھٹک رہا ہے، برابر نہیں ہو سکتے؟

(۴) یعنی ایسی بات نہیں ہے کہ یہ کسی شے کا شکار ہو گئے ہوں بلکہ یہ مانتے ہیں کہ ہر چیز کا خالق صرف اور صرف اللہ ہی ہے۔
(۵) بِقَدَرِهَا (وسعت کے مطابق) کا مطلب ہے۔ نالے یعنی وادی (دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ) تک ہو تو کم پانی،
کشاہد ہو تو زیادہ پانی اٹھاتی ہے۔ یعنی نزول قرآن کو جو ہدایت اور بیان کا جامع ہے، بارش کے نزول سے تشبیہ دی ہے۔
اس لیے کہ قرآن کا نفع بھی بارش کے نفع کی طرح عام ہے۔ اور وادیوں کو تشبیہ دی ہے دلوں کے ساتھ اس لیے کہ
وادیوں (نالوں) میں پانی جا کر ٹھہرتا ہے، جس طرح قرآن اور ایمان مومنوں کے دلوں میں قرار پکڑتا ہے۔

عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ جَزَاءٍ أَوْ مَتَاعٍ رَبِّدْ مِثْلَهُ
كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا
الرَّبُّدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۚ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ
فَيَمَكِّنُ فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۝

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ اُنْصَحُوا لِنَفْسِهِمْ لَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا لَوْ
لَهُمْ نَارُ الْأَرْضِ جَمِيعًا مِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِمْ فَلَهُمْ
نُورُ السَّابِقِ ۚ وَنُورُهُمْ جَمَعْتُمْ بَيْنَهُمْ لِيُبْهِمُوا ۝

چڑھے جھاگ کو اٹھالیا،^(۱) اور اس چیز میں بھی جس کو
آگ میں ڈال کر پتاتے ہیں زیور یا ساز و سامان کے لیے
اسی طرح کے جھاگ ہیں،^(۲) اسی طرح اللہ تعالیٰ حق و
باطل کی مثال بیان فرماتا ہے،^(۳) اب جھاگ تو ناکارہ
ہو کر چلا جاتا ہے،^(۴) لیکن جو لوگوں کو نفع دینے والی چیز
ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے،^(۵) اللہ تعالیٰ اسی طرح
مثالیں بیان فرماتا ہے۔^(۶) (۱۷)

جن لوگوں نے اپنے رب کے حکم کی بجا آوری کی ان
کے لیے بھلائی ہے اور جن لوگوں نے اس کی حکم
برداری نہ کی اگر ان کے لیے زمین میں جو کچھ ہے سب
کچھ ہو اور اسی کے ساتھ ویسا ہی اور بھی ہو تو وہ سب

(۱) اس جھاگ سے جو پانی کے اوپر آ جاتا ہے اور جو محض اور ختم ہو جاتا ہے اور ہوا میں جسے اڑالے جاتی ہیں کفر مراد
ہے جو جھاگ ہی کی طرح اڑ جانے والا اور ختم ہو جانے والا ہے۔

(۲) یہ دوسری مثال ہے کہ تانبے، پتیل، سیسے یا سونے چاندی کو زیور یا سامان وغیرہ بنانے کے لیے آگ میں پتایا جاتا ہے تو اس
پر بھی جھاگ آ جاتا ہے۔ اس جھاگ سے مراد میل پکیل ہے جو ان دھاتوں کے اندر ہوتا ہے۔ آگ میں پتانے سے وہ جھاگ کی
شکل میں اوپر آ جاتا ہے۔ پھر یہ جھاگ بھی دیکھتے دیکھتے ختم ہو جاتا ہے اور دھات اصل شکل میں باقی رہ جاتی ہے۔

(۳) یعنی جب حق اور باطل کا آپس میں اجتماع اور ٹکراؤ ہوتا ہے تو باطل کو اسی طرح ثبات اور دوام نہیں ہوتا جس
طرح سیلابی ریلے کا جھاگ پانی کے ساتھ دھاتوں کا جھاگ جن کو آگ میں پتایا جاتا ہے دھاتوں کے ساتھ باقی نہیں
رہتا۔ بلکہ محض اور ختم ہو جاتا ہے۔

(۴) یعنی اس سے کوئی نفع نہیں ہوتا کیوں کہ جھاگ پانی یا دھات کے ساتھ باقی رہتا ہی نہیں ہے بلکہ آہستہ آہستہ بیٹھ
جاتا ہے یا ہوا میں اسے اڑالے جاتی ہیں۔ باطل کی مثال بھی جھاگ ہی کی طرح ہے۔

(۵) یعنی پانی اور سونا چاندی، تانبا، پتیل وغیرہ یہ چیزیں باقی رہتی ہیں جن سے لوگ محتج اور فیض یاب ہوتے ہیں۔ اسی
طرح حق باقی رہتا ہے جس کے وجود کو بھی زوال نہیں اور جس کا نفع بھی دائمی ہے۔

(۶) یعنی بات کو سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے جیسے یہاں دو مثالیں بیان فرمائیں اور
اسی طرح سورہ بقرہ کے آغاز میں منافقین کے لیے مثالیں بیان فرمائیں۔ اسی طرح سورہ نور آیات ۳۹-۴۰ میں کافروں
کے لیے دو مثالیں بیان فرمائیں اور احادیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مثالوں کے ذریعے سے لوگوں کو بہت سی

کچھ اپنے بدلے میں دے دیں۔^(۱) یہی ہیں جن کے لیے
براحساب ہے^(۲) اور جن کا ٹھکانہ جہنم ہے جو بہت بری
جگہ ہے۔ (۱۸)

کیا وہ ایک شخص جو یہ علم رکھتا ہو کہ آپ کی طرف آپ
کے رب کی جانب سے جو اتارا گیا ہے وہ حق ہے اس
شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھا ہو^(۳) نصیحت تو وہی قبول
کرتے ہیں جو عقلمند ہوں۔^(۴) (۱۹)

جو اللہ کے عہد (وہیمان) کو پورا کرتے ہیں^(۵) اور قول و
قرار کو توڑتے نہیں۔^(۶) (۲۰)

اور اللہ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ اسے
جوڑتے ہیں^(۷) اور وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور
حساب کی سختی کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ (۲۱)

أَمَّنْ يَعْلَمُ الْغَيْبَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ مَن هُوَ أَعْيُنُ
الْمَآيَةِ ذُرُؤُا الْآلِبَابِ ۝

الَّذِينَ يُؤْتُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْيَمِينَ ۝

وَالَّذِينَ يَعْمَلُونَ مَعَ آيَاتِنَا إِنَّهُ يُوْصَلُ وَيُخْشَوْنَ رَبَّهُمْ
وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ۝

باتیں سمجھائیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر ابن کثیر)
(۱) یہ مضمون اس سے قبل بھی دو تین جگہ گزر چکا ہے۔

(۲) کیونکہ ان سے ہر چھوٹے بڑے عمل کا حساب لیا جائے گا اور ان کا معاملہ مَن يُؤْفَسُ الْحِسَابُ عُذْبٌ (جس سے
حساب میں جرح کی گئی اس کا بچتا مشکل ہو گا) وہ عذاب سے دو چار ہو کر رہے گا) کا آئینہ دار ہو گا۔ اسی لیے آگے فرمایا
اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

(۳) یعنی ایک وہ شخص جو قرآن کی حقانیت و صداقت پر یقین رکھتا ہو اور دوسرا اندھا ہو یعنی اسے قرآن کی صداقت
میں شک ہو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ استفہام انکار کے لیے ہے یعنی یہ دونوں اسی طرح برابر نہیں ہو سکتے جس
طرح جھاگ اور پانی یا سونا، تانبا اور اس کی میل پکیل برابر نہیں ہو سکتے۔

(۴) یعنی جن کے پاس قلب سلیم اور عقل صحیح نہ ہو اور جنہوں نے اپنے دلوں کو گنہ گاروں کے رنگ سے آلودہ اور اپنی
عقلوں کو خراب کر لیا ہو وہ اس قرآن سے نصیحت حاصل ہی نہیں کر سکتے۔

(۵) یہ اہل دانش کی صفات بیان کی جا رہی ہیں۔ اللہ کے عہد سے مراد اس کے احکام (اوامر و نواہی) ہیں جنہیں وہ بجا
لائے ہیں۔ یا وہ عہد ہے جو عہدِ اُلفت کہلاتا ہے جس کی تفصیل سورۃ اعراف میں گزر چکی ہے۔

(۶) اس سے مراد وہ باہمی معاہدے اور وعدے ہیں جو انسان آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہیں یا وہ جو ان کے دور
ان کے رب کے درمیان ہیں۔

(۷) یعنی رشتوں اور قراہتوں کو توڑتے نہیں ہیں بلکہ ان کو جوڑتے اور صلہ رحمی کرتے ہیں۔

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا
مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ النَّبِيَّةِ
أُولَٰئِكَ أَهْمُ الْعَالِيَةِ ۝

اور وہ اپنے رب کی رضامندی کی طلب کے لیے صبر کرتے ہیں^(۱) اور نمازوں کو برابر قائم رکھتے ہیں^(۲) اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اسے چھپے کھلے خرچ کرتے ہیں^(۳) اور برائی کو بھی بھلائی سے مائلتے ہیں^(۴) ان ہی کے لیے عاقبت کا گھر ہے۔^(۵) (۲۲)

جَبَلْتُمْ عَدُوًّا يَدْعُونَ إِلَيْهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ
وَذُرِّيَّتِهِمْ وَاللَّهُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۝

بیشہ رہنے کے باغات^(۶) جہاں یہ خود جائیں گے اور ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولادوں میں سے بھی جو نیکو کار ہوں گے^(۷) ان کے پاس فرشتے ہر ہر دروازے سے آئیں گے۔ (۲۳)

(۱) اللہ کی نافرمانیوں اور گناہوں سے بچتے ہیں۔ یہ صبر کی ایک قسم ہے۔ تکلیفوں اور آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں۔ یہ دوسری قسم ہے۔ اہل دانش دونوں قسم کا صبر کرتے ہیں۔

(۲) ان کی حدود و مواظبت، خشوع و خضوع اور اعتدال ارکان کے ساتھ۔ نہ کہ اپنے من مانے طریقے سے۔

(۳) یعنی جہاں جہاں اور جب جب بھی خرچ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اپنوں اور بیگانوں میں اور خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں۔

(۴) یعنی ان کے ساتھ کوئی برائی سے پیش آتا ہے تو وہ اس کا جواب اچھائی سے دیتے ہیں یا غفور و رکر اور صبر جمیل سے کام لیتے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿يَذُوقُوا الْعَذَابَ يَوْمَ يُنَادِي الْمَلِكُ نَبِيَّتُكَ وَعَدَاوَةُ كَانَتْ تَلَىٰ حَبِيبَةٍ﴾ احسن السجدة ۳۴ ”برائی کا جواب ایسے طریقے سے دو جو اچھا ہو (اگر تم ایسا کرو گے) تو وہ شخص جو تمہارا دشمن ہے ایسا ہو جائے گا گویا وہ تمہارا گمراہ دوست ہے“

(۵) یعنی جو ان اعلیٰ اخلاق کے حامل اور مذکورہ خوبیوں سے متصف ہوں گے ان کے لیے عاقبت کا گھر ہے۔

(۶) عدن کے معنی ہیں اقامت۔ یعنی ہمیشہ رہنے والے باغات۔

(۷) یعنی اس طرح نیک قرابت داروں کو آپس میں جمع کر دے گا تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں حتیٰ کہ ادنیٰ درجے کے جنتی کو اعلیٰ درجہ عطا فرما دے گا تاکہ وہ اپنے قرابت دار کے ساتھ جمع ہو جائے فرمایا

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الطور ۲۰)

”اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی تو ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ان کے عملوں سے ہم کچھ گھٹائیں گے نہیں۔“ اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ نیک رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ جنت میں جمع فرما دے گا وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس ایمان اور عمل صالح کی پونجی نہیں ہوگی تو وہ جنت میں نہیں جائے گا چاہے اس کے دوسرے نہایت قریبی رشتہ دار جنت میں چلے گئے ہوں کیونکہ جنت میں داخلہ

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَدَّقْتُمْ بَعْدَ عُقْبَى الدَّارِ ۝

وَالَّذِينَ يَبْقُوتُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ
مَا آتَاهُمُ بِهِ أَنْ يُؤْتَلَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ
لَهُمْ الْعَذَابُ وَأَلَّامٌ سَوَاءٌ الدَّارِ ۝

أَلَمْ يَسْطَرِ اللَّهُ لَكُمْ الْيَوْمَ نَصْرًا وَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ الْيَوْمَ
الْحَيَاةُ إِلَّا فِي الْيَوْمِ وَالْآخِرَةِ ۝

کیس گے کہ تم پر سلامتی ہو، صبر کے بدلے، کیا ہی اچھا
(بدلہ) ہے اس دار آخرت کا۔ (۲۴)

اور جو اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے
ہیں اور جن چیزوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے
انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان
کے لیے لعنتیں ہیں اور ان کے لیے برا گھر ہے۔ (۲۵)

اللہ تعالیٰ جس کی روزی چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور
گھٹاتا ہے (۲) یہ تو دنیا کی زندگی میں مست ہو گئے۔ (۳)
حالانکہ دنیا آخرت کے مقابلے میں نہایت (حقیر) پونجی
ہے۔ (۲۶)

حسب نسب کی بنیاد پر نہیں، ایمان و عمل کی بنیاد پر ہو گا، مَنْ يَتَّخِذْ عَمَلَهُ ثَمًّا يَسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ، (صحیح مسلم
کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن) جسے اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا، اس کا نسب اسے
آگے نہیں بڑھائے گا۔

(۱) یہ نیکوں کے ساتھ بروں کا حشر بیان فرمادیا تاکہ انسان اس حشر سے بچنے کی کوشش کرے۔

(۲) جب کافروں اور مشرکوں کے لیے یہ کہا کہ ان کے لیے برا گھر ہے، تو ذہن میں یہ اشکال آسکتا ہے کہ دنیا میں تو
انہیں ہر طرح کی آسائشیں اور سہولتیں میاں ہیں۔ اس کے ازالے کے لیے فرمایا کہ دنیوی اسباب اور رزق کی کمی بیشی یہ
اللہ کے اختیار میں ہے وہ اپنی حکمت و مشیت، جس کو صرف وہی جانتا ہے، کے مطابق کسی کو زیادہ دیتا ہے کسی کو کم۔
رزق کی فراوانی، اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہے اور کسی کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر
ناراض ہے۔

(۳) کسی کو اگر دنیا کا مال زیادہ مل رہا ہے، باوجودیکہ وہ اللہ کا فرمان ہے تو یہ مقام فرحت و مسرت نہیں، کیوں کہ یہ
استدراج ہے، مہلت ہے پتہ نہیں کب یہ مہلت ختم ہو جائے اور اللہ کی پکڑ کے شکنجے میں آجائے۔

(۴) حدیث میں آتا ہے کہ دنیا کی حیثیت، آخرت کے مقابلے میں اس طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں
ڈال کر نکالے، تو دیکھے سمندر کے پانی کے مقابلے میں اس کی انگلی میں کتنا پانی آیا ہے؟ (صحیح مسلم، کتاب
الجنة، باب قضاء الدنيا وبيان الحشر يوم القيامة)، ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا مگر بکری کے ایک مردہ بچے کے پاس سے ہوا، تو اسے دیکھ کر آپ نے فرمایا، اللہ کی قسم دنیا، اللہ کے نزدیک اس سے
بھی زیادہ حقیر ہے جتنا یہ مردہ، اپنے مالکوں کے نزدیک اس وقت حقیر تھا جب انہوں نے اسے پھینکا۔ (صحیح مسلم،

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ لِلَّهِ
بُيُوتًا مِمَّنْ يَشَاءُ وَيَعْبُدُ إِلَهَهُ مِنَ آتَابِ ۝

الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَلَهَّوْنَ فِي أَهْلِهِمْ بِحُلِيِّمْ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّرَبِّكَ
الَّذِينَ تَتَلَهَّوْنَ فِي أَهْلِهِمْ بِحُلِيِّمْ ۚ ۝

الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَلَهَّوْنَ فِي أَهْلِهِمْ بِحُلِيِّمْ ۚ ۝

كَذَلِكَ أَرْسَلْنَا فِي آيَاتِهِ قَدْ خَلَقْنَا مِنْ قَبْلُ مَا مِثْلَهُ لَعَلَّكُمْ
عَلَيْكُمْ الْيَقِينُ ۚ وَتِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الَّتِي كُنَّا نُخَوِّفُ لِقَاءَ
الَّذِينَ كَفَرُوا بِهَا عَذَابَ الْبَارِئِ ۚ إِنَّهُمْ فِيهَا لَمُتَلَهِّوْنَ ۝

کافر کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشانی (معجزہ) کیوں نازل نہیں
کیا گیا؟ جواب دے دیجئے کہ جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے کر
دیتا ہے اور جو اس کی طرف جھکے اسے راستہ دکھا دیتا
ہے۔ (۲۷)

جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان
حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو
تسل حاصل ہوتی ہے۔ (۲۸)

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام بھی کیے ان
کے لیے خوشحالی ہے (۲۹) اور بہترین ٹھکانا۔ (۲۹)

اسی طرح ہم نے آپ کو اس امت میں بھیجا ہے (۳۰) جس
سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں کہ آپ انہیں
ہماری طرف سے جو وحی آپ پر اتری ہے پڑھ کر سنائیے
یہ اللہ رحمن کے منکر ہیں (۳۱) آپ کہہ دیجئے کہ میرا
پالنے والا تو وہی ہے اس کے سوا اور حقیقت کوئی بھی سائق
عبادت نہیں (۳۲) اسی کے اوپر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی
جانب میرا رجوع ہے۔ (۳۰)

(۱) اللہ کے ذکر سے مراد اس کی توحید کا بیان ہے جس سے مشرکوں کے دلوں میں انقباض پیدا ہو جاتا ہے یا اس کی
عبادت، تلاوت قرآن، نوافل اور دعا و مناجات ہے جو اہل ایمان کے دلوں کی خوراک ہے یا اس کے احکام و فرامین کی
اطاعت و بجا آوری ہے جس کے بغیر اہل ایمان و تقویٰ بے قرار رہتے ہیں۔

(۲) طوبی کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً خیر، حسنی، کرامت، رشک، جنت میں مخصوص درخت یا مخصوص مقام
وغیرہ۔ منہوم سب کا ایک ہی ہے یعنی جنت میں اچھا مقام اور اس کی نعمتیں اور لذتیں۔

(۳) جس طرح ہم نے آپ کو تبلیغ رسالت کے لیے بھیجا ہے اسی طرح آپ سے پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجے تھے
ان کی بھی اسی طرح تکذیب کی گئی جس طرح آپ کی گئی اور جس طرح تکذیب کے نتیجے میں وہ قومیں عذاب اسی سے
دوچار ہوئیں انہیں بھی اس انجام سے بے فکر نہیں رہنا چاہیے۔

(۴) مشرکین کہہ رحمن کے لفظ سے بڑا بد کہتے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی جب بسم اللہ الرحمن الرحیم کے الفاظ
لکھے گئے تو انہوں نے کہا یہ رحمن رحیم کیا ہے؟ ہم نہیں جانتے۔ (ابن کثیر)

(۵) یعنی رحمن، میرا وہ رب ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُلِعَتْ بِهِ الرُّسُ
أَوْ قُلِعَتْ بِهِ السُّورُ مِنْ أَلْفٍ مِثْقَالٍ فَآخِذِينَ الَّذِينَ لَمْ يُؤْمِنُوا
بِآيَاتِنَا اللَّهُ لَهْدَى النَّاسَ جَمِيعًا وَلَا تَزَالُ الْوَيْلُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا لَنُصِيبَهُمْ
بِمَصْرُوفٍ قَارِعَةٍ أَوْ نَعْتَلُ قُرْبَانًا نَارًا مَوْجِعَةً يَأْتِي وَعَذَابُهُمْ
لَهُ أَكْثَفُ الْوَيْلِ ۝

اگر (بالفرض) کسی قرآن (آسانی کتاب) کے ذریعہ
پہاڑ چلا دیے جاتے یا زمین ٹکڑے ٹکڑے کر دی جاتی یا
مردوں سے باتیں کرا دی جاتیں (پھر بھی وہ ایمان نہ
لائے) بات یہ ہے کہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے^(۱)
تو کیا ایمان والوں کو اس بات پر دل جمعی نہیں کہ اگر اللہ
تعالیٰ چاہے تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دے۔ کفار کو تو
ان کے کفر کے بدلے ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی سخت سزا پہنچتی
رہے گی یا ان کے مکالوں کے قریب نازل ہوتی
رہے گی^(۲) تاوقتیکہ وعدہ الہی آپہنچے۔^(۳) یقیناً اللہ تعالیٰ
وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (۳۱)

وَلَقَدْ بَشَّرْنَا مُوسَىٰ بِرَبِّهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُ الْوَيْلُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا
أَخَذُوا لَهُمْ مَقْبَلًا كَانَ عَقَابُهُ ۝

یقیناً آپ سے پہلے کے پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا تھا اور
میں نے بھی کافروں کو ذلیل دی تھی پھر انہیں پکڑ لیا تھا
پس میرا عذاب کیسا رہا؟^(۴) (۳۲)

(۱) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ہر آسانی کتاب کو قرآن کہا جاتا ہے جس طرح کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ”حضرت
داود علیہ السلام“ جانور کو تیار کرنے کا حکم دیتے اور اتنی دیر میں ایک مرتبہ قرآن کا ورد کر لیتے۔“ (اصحیح بخاری
کتاب الأسبغ، باب قول اللہ تعالیٰ وَاَنبِیَا دَاوُدَ رَسُوْلًا) یہاں ظاہر بات ہے قرآن سے مراد زبور ہے۔ مطلب آیت
کا یہ ہے کہ اگر پہلے کوئی آسانی کتاب ایسی نازل ہوئی ہوتی کہ جسے سن کر پہاڑ رواں دواں ہو جاتے یا زمین کی مسافت
طے ہو جاتی یا مردے بول اٹھتے تو قرآن کریم کے اندر یہ خصوصیت بدرجہ اولیٰ موجود ہوتی، کیونکہ یہ اعجاز و بدعت میں
چھپی تمام کتابوں سے فائق ہے۔ اور بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر اس قرآن کے ذریعے سے یہ معجزات
ظاہر ہوتے تب بھی یہ کفار ایمان نہ لاتے، کیوں کہ ایمان لانے لانا یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، معجزوں پر نہیں۔ اسی
لئے فرمایا، سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

(۲) جو ان کے مشاہدے یا علم میں ضرور آئے گی تاکہ وہ عبرت پکڑ سکیں۔

(۳) یعنی قیامت واقع ہو جائے یا اہل اسلام کو قطعی فتح و غلبہ حاصل ہو جائے۔

(۴) حدیث میں بھی آتا ہے ”اِنَّ اللّٰهَ لَیَبْلِغُ لِلْعٰلَمِیْنَ حَتّٰی اِذَا اَخَذَهُ لَمْ یُفْلِتْهُ“ ”اللہ تعالیٰ ظالم کو مصلحت دیے جاتا
ہے حتیٰ کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔“ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی

أَفَمَنْ هُوَ قَاهٍ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ
قُلْ مَن مَّنْهُمْ أَتَىٰ عَلَىٰ الْإِنْسَانِ الْأَرْضَ الْأَمْلَقَةَ مِنَ الْفُتُورِ
بَلْ يُزَيِّنُ لِلنَّاسِ أَلْفَوْا مَكَرَهُمْ وَصَدُّوا عَنِ السَّبِيلِ وَمَنْ
يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾

آیا وہ اللہ جو تمہاری کرنے والا ہے ہر شخص کی اس کے
کیے ہوئے اعمال پر^(۱) ان لوگوں نے اللہ کے شریک
ٹھہرائے ہیں کہہ دیجئے ذرا ان کے نام تو لو^(۲) کیا تم اللہ
کو وہ باتیں بتاتے ہو جو وہ زمین میں جانتا ہی نہیں یا
صرف اوپری اوپری باتیں بتا رہے^(۳) ہو بات اصل یہ
ہے کہ کفر کرنے والوں کے لئے ان کے مکر سجادے گئے
ہیں^(۴) اور وہ صحیح راہ سے روک دیئے گئے ہیں اور
جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو راہ دکھانے والا
کوئی نہیں۔^(۵) (۳۳)

﴿وَكَذَلِكَ لَعَنَّا دَارَ الْفُتُورِ﴾ سورۃ ہود-۱۰۰: ”اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہے
جب وہ ظلم کی مرتکب ہستیوں کو پکڑتا ہے۔ یقیناً اس کی پکڑ بہت ہی الم ناک اور سخت ہے۔“ (اصحیح بحاری تفسیر
سورۃ ہود و مسلم کتاب البر باب نحویم الظلم)

(۱) یہاں اس کا جواب محذوف ہے۔ یعنی کیا اللہ رب العزت اور وہ معبودان باطل برابر ہو سکتے ہیں جن کی یہ عبادت
کرتے ہیں جو کسی کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان پہنچانے پر نہ وہ دیکھتے ہیں اور نہ عقل و شعور سے بہرہ ور ہیں۔
(۲) یعنی ہمیں بھی تو بتاؤ تاکہ انہیں پہچان سکیں اس لیے کہ ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ اس لیے آگے فرمایا۔ کیا تم
اللہ کو وہ باتیں بتاتے ہو جو وہ زمین میں جانتا ہی نہیں یعنی ان کا وجود ہی نہیں۔ اس لیے کہ اگر زمین میں ان کا وجود ہوتا
تو اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ضرور ہوتا اس پر تو کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

(۳) یہاں ظاہر ظن کے معنی میں ہے یعنی یا یہ صرف ان کی ظنی باتیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم ان باتوں کی عبادت اس
گمان پر کرتے ہو کہ یہ نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں اور تم نے ان کے نام بھی معبود رکھے ہوئے ہیں حالانکہ ”یہ تمہارے
اور تمہارے باپوں کے رکھے ہوئے نام ہیں جن کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری۔ یہ صرف گمان اور خواہش نفس کی
پیروی کرتے ہیں۔“ (النجم: ۳۳)

(۴) مکر سے مراد ان کے وہ غلط عقائد و اعمال ہیں جن میں شیطان نے ان کو پھنسا رکھا ہے شیطان نے گمراہیوں پر بھی
حسین غلاف چڑھا رکھے ہیں۔

(۵) جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَمَنْ يُؤْمَرْ بِاللَّهِ فَيُعْتَصِمْ فَلَنْ تُشْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا﴾ (سورۃ المائدہ: ۴۰) ”جس کو
اللہ گمراہ کرنے کا ارادہ کر لے تو اللہ سے اس کے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا“ اور فرمایا ﴿إِنْ تَحِضُّ عَلٰی هٰذَا فَلْيَمْلِكْ لِلَّهِ
لَا تُهْدِي مِّنْ يُضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ لُّصِيۡقٍ﴾ (سورۃ السجۃ: ۳۷) ”اگر تم ان کی ہدایت کی خواہش رکھتے ہو تو (یاد رکھو) اللہ
تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے وہ گمراہ کرتا ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔“

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ وَمَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِن دَافِعٍ ۝۳۴

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلُّهَا دَائِمٌ وَّظِلُّهَا تِلْكَ عُذَّتِ الْيَتَامَى الْيَتَامَى اتَّقُوا وَعَذِبَ الْكَافِرِينَ الشَّارِ ۝۳۵

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا الْكَذِبَ يَفْرَحُونَ مَّا أَتَىٰ لَئِكَ وَفِي الْعَذَابِ مَن يَلْكُمُ بَعْضُهُمْ قُلُوبُ الْآخَرِينَ ۝۳۶

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے^(۱) اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی زیادہ سخت ہے۔^(۲) انہیں اللہ کے غضب سے بچانے والا کوئی بھی نہیں۔^(۳۴)

اس جنت کی صفت: جس کا وعدہ پرہیزگاروں کو دیا گیا ہے یہ ہے کہ اس کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اس کامیوہ بھیجی والا ہے اور اس کا سایہ بھی۔ یہ ہے انجام پرہیزگاروں کا،^(۳۵) اور کافروں کا انجام کارود زخ ہے۔^(۳۵)

جنہیں ہم نے کتاب دی ہے^(۳) وہ تو جو کچھ آپ پر اتارا جاتا ہے اس سے خوش ہوتے ہیں^(۵) اور دوسرے فرقے اس کی بعض باتوں کے منکر ہیں۔^(۶) آپ اعلان کر دیجئے کہ مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شریک نہ کروں، میں اسی کی طرف بلا رہا ہوں اور اسی کی جانب میرا لوٹنا ہے۔^(۳۶)

(۱) اس سے مراد قتل اور اسیری ہے جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں ان کافروں کے حصے میں آتی ہے۔

(۲) جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لعان کرنے والے جوڑے سے فرمایا تھا: «إِنَّ عَذَابَ الذُّبَابِ أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ» (اصحیح مسلم کتاب اللعان) «دنیا کا عذاب عذاب آخرت سے بہت ہلکا ہے» علاوہ ازیں دنیا کا عذاب (جیسا کچھ اور جہنم کچھ بھی ہو) عارضی اور فانی ہے اور آخرت کا عذاب دائمی ہے اسے زوال و فنا نہیں۔ مزید برآں جہنم کی آگ دنیا کی آگ کی نسبت ۷۰ گنا تیز ہے۔ اور اسی طرح دوسری چیزیں ہیں۔ اس لیے عذاب کے سخت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

(۳) اہل کفار کے انجام بد کے ساتھ اہل ایمان کا حسن انجام بیان فرمادیا تاکہ جنت کے حصول میں رغبت اور شوق پیدا ہو، اس مقام پر امام ابن کثیر نے جنت کی نعمتوں، لذتوں اور ان کی خصوصی کیفیات پر مشتمل احادیث بیان فرمائی ہیں جنہیں وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

(۴) اس سے مراد مسلمان ہیں اور مطلب ہے جو قرآن کے مقتضایہ عمل کرتے ہیں۔

(۵) یعنی قرآن کے صدق کے دلائل و شواہد دیکھ کر مزید خوش ہوتے ہیں۔

(۶) اس سے مراد یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین ہیں۔ بعض کے نزدیک کتاب سے مراد تورات و انجیل ہے، ان میں سے جو مسلمان ہوئے وہ خوش ہوتے ہیں اور انکار کرنے والے وہ یہود و نصاریٰ ہیں جو مسلمان نہیں ہوئے۔

وَكَذَلِكَ أَنزَلْنَاهُ حُكْمًا وَعَرَبِيًّا وَذَلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ
بَعْدَ مَا جَاءَ تِلْكَ مِنَ الْغُلُوبِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ دَلِيلٍ
وَلَا وَاقٍ ۝

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَنْزُلًا جَاءَ
وَذُرِّيَّةً مَوْمِنًا كَانِ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَهُ رِيبٌ إِلَّا بِإِذْنِ
اللَّهِ لِيُخْلِلَ أَهْلَ كِتَابٍ ۝

اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان کا فرمان
اتارا ہے۔^(۱) اگر آپ نے ان کی خواہشوں^(۲) کی
پیروی کر لی اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آپکا
ہے^(۳) تو اللہ (کے عذابوں) سے آپ کو کوئی حمایت
ملے گا اور نہ بچانے والا۔^(۴) (۳۷)

ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور
ہم نے ان سب کو بیوی بچوں والا بنایا تھا،^(۵) کسی رسول
سے نہیں ہو سکا کہ کوئی نشانی بغیر اللہ کی اجازت کے لے

(۱) یعنی جس طرح آپ سے پہلے رسولوں پر کتابیں مقامی زبانوں میں نازل کیں، اسی طرح آپ پر قرآن ہم نے عربی
زبان میں اتارا، اس لیے کہ آپ کے مخاطب اولین اہل عرب ہیں، جو صرف عربی زبان ہی جانتے ہیں۔ اگر یہ قرآن کسی
اور زبان میں نازل ہوتا تو ان کی سمجھ سے بالا ہوتا اور قبول ہدایت میں ان کے لیے عذر بن جاتا۔ ہم نے قرآن کو عربی میں
اتار کر یہ عذر بھی دور کر دیا۔

(۲) اس سے مراد اہل کتاب کی بعض وہ خواہشیں ہیں جو وہ چاہتے تھے کہ پیغمبر آخر الزمان انہیں اختیار کریں۔ مثلاً بیت
المقدس کو ہمیشہ کے لیے قبلہ بنائے رکھنا اور ان کے معتقدات کی مخالفت نہ کرنا وغیرہ۔

(۳) اس سے مراد وہ علم ہے جو وحی کے ذریعے سے آپ کو عطا کیا گیا جس میں اہل کتاب کے معتقدات کی حقیقت بھی
آپ پر واضح کر دی گئی۔

(۴) یہ دراصل امت کے اہل علم کو تنبیہ ہے کہ وہ دنیا کے عارضی مفادات کی خاطر قرآن و حدیث کے واضح احکام
کے مقابلے میں لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ لگیں، اگر وہ ایسا کریں گے تو انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی
نہیں ہو گا۔

(۵) یعنی آپ سمیت جتنے بھی رسول اور نبی آئے، سب بشری تھے، جن کا اپنا خاندان اور قبیلہ تھا اور بیوی بچے تھے، وہ
فرشتے تھے نہ انسانی شکل میں کوئی نوری مخلوق۔ بلکہ جنس بشری میں سے تھے۔ کیونکہ اگر وہ فرشتے ہوتے تو انسانوں کے
لیے ان سے مانوس ہونا اور ان کے قریب ہونا ناممکن تھا، جس سے ان کو بھیجنے کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا اور اگر وہ
فرشتے، بشری جامے میں آتے، تو دنیا میں نہ ان کا خاندان اور قبیلہ ہوتا اور نہ ان کے بیوی بچے ہوتے جس سے یہ
معلوم ہوا کہ تمام انبیاء یہ حیثیت جنس کے، بشری تھے، بشری شکل میں فرشتے یا کوئی نوری مخلوق نہیں تھے، مذکورہ آیت
میں آرواح سے رہبانیت کی تردید اور ذریت سے خاندانی منصوبہ بندی کی تردید بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ ذریت جمع ہے کم از
کم تین ہوں گے۔

آئے۔^(۱) ہر مقررہ وعدے کی ایک لکھت ہے۔^(۲) (۳۸)

اللہ جو چاہے مٹا دے اور جو چاہے ثابت رکھے، لوح محفوظ اسی کے پاس ہے۔^(۳) (۳۹)

ان سے کیے ہوئے وعدوں میں سے کوئی اگر ہم آپ کو دکھادیں یا آپ کو ہم فوت کریں تو آپ پر تو صرف پہنچا دینا ہی ہے۔ حساب تو ہمارے ذمہ ہی ہے۔ (۴۰)

کیا وہ نہیں دیکھتے؟ کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے

يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُنْثِي ۚ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ۝

وَإِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَقَّعَنَّكَ
فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ وَاللَّهُ يَحْكُمُ

(۱) یعنی معجزات کا صدور، رسولوں کے اختیار میں نہیں کہ جب ان سے مطالبہ کیا جائے تو وہ اسے صادر کر کے دکھادیں بلکہ یہ کلیتہاً اللہ کے اختیار میں ہے وہ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے کہ معجزے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس طرح اور کب دکھایا جائے؟

(۲) یعنی اللہ نے جس چیز کا بھی وعدہ کیا ہے، اس کا ایک وقت مقرر ہے، اس وقت موعود پر اس کا وقوع ہو کر رہے گا، اس لیے کہ اللہ کا وعدہ خلاف نہیں ہوتا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل عبارت لِكُلِّ كِتَابٍ أَجَلٌ ہے۔ اور مطلب ہے کہ ہر وہ امر جسے اللہ نے لکھ رکھا ہے، اس کا ایک وقت مقرر ہے۔ جیسی معاملہ کفار کے ارادے اور نفاذ پر نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔

(۳) اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ وہ جس حکم کو چاہے منسوخ کر دے اور جسے چاہے باقی رکھے۔ دوسرے معنی ہیں کہ اس نے جو تقدیر لکھ رکھی ہے، اس میں وہ محو و اثبات کرتا رہتا ہے، اسی کے پاس لوح محفوظ ہے۔ اس کی تائید بعض احادیث و آثار سے ہوتی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں آتا ہے کہ "آدی گناہوں کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے" دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے اور صلہ رحمی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے " (مسند احمد جلد ۵، ص ۷۷۷) بعض صحابہ سے یہ دعا منقول ہے: "اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنا أَشَقِيَاءَ فَأَمَحُنا وَارْتَبْتَنا سَعْدَاءَ، وَإِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنا سَعْدَاءَ فَأَتَسْتَأْ، فَإِنَّكَ تَمْحُو مَا تَشَاءُ وَتَنْثِي وَعِنْدَكَ أُمُّ الْكِتَابِ" حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ دوران طواف روتے ہوئے یہ دعا پڑھتے "اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ كَتَبْتَ عَلَيَّ شِقْوَةً أَوْ ذَنْبًا فَأَمَحْهُ، فَإِنَّكَ تَمْحُو مَا تَشَاءُ وَتَنْثِي، وَعِنْدَكَ أُمُّ الْكِتَابِ، فَاجْعَلْهُ سَعَادَةً وَمَغْفِرَةً" (ابن کثیر) "اے اللہ اگر تو نے مجھ پر بد بختی اور گناہ لکھا ہے تو اسے مٹا دے، اس لیے کہ تو جو چاہے مٹائے اور جو چاہے باقی رکھے، تیرے پاس ہی لوح محفوظ ہے، پس تو بد بختی کو سعادت اور مغفرت سے بدل دے" اس مفہوم پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ حدیث میں تو آتا ہے جَعَلَ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ (صحیح بخاری نمبر ۵۰۷۶) "جو کچھ ہونے والا ہے، قلم اسے لکھ کر خشک ہو چکا ہے"۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ محو و اثبات بھی منجملہ قضا و تقدیر ہی کے ہے۔ (فتح القدیر)

لَا مُعَقَّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعٌ يُحْسِبُ ⑤

گھٹاتے چلے آرہے ہیں،^(۱) اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے احکام پیچھے ڈالنے والا نہیں،^(۲) وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ (۳۱)

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَفَلْتَهُ الْكَرْهُنَ يَتَقَلَّبُ مَا تَكْتَبُ كُلُّ نَفْسٍ وَسَيَعْلَمُ الْكُفْرُ لِمَنْ عَفَى الذَّالِمَ ⑥

ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنی مکاری میں کمی نہ کی تھی، لیکن تمام تدبیریں اللہ ہی کی ہیں،^(۳) جو شخص جو کچھ کر رہا ہے اللہ کے علم میں ہے۔^(۴) کافروں کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ (اس) جہان کی جزا کس کے لئے ہے؟ (۳۲)

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ أَوْ بِغَيْرِهَا بَنِي وَبَنِيكُمْ وَمَنْ يَمْنُنْ بِكُمْ يَعْلَمُ الْكَتِبُ ⑦

یہ کافر کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول نہیں۔ آپ جواب دیجئے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ گواہی دینے والا کافی ہے^(۵) اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔^(۶) (۳۳)

يُؤْتِيهِمُ الْإِلَٰهَ الْبَرَّاءَ

سورۃ ابراہیم کی ہے اور اس کی ہاون آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ⑧

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے۔

(۱) یعنی عرب کی سرزمین مشرکین پر بتدریج تنگ ہو رہی ہے اور اسلام کو غلبہ و عروج حاصل ہو رہا ہے۔

(۲) یعنی کوئی اللہ کے حکموں کو رد نہیں کر سکتا۔

(۳) یعنی مشرکین مکہ سے قبل بھی لوگ رسولوں کے مقابلے میں مکر کرتے رہے ہیں، لیکن اللہ کی تدبیر کے مقابلے میں ان کی کوئی تدبیر اور حیلہ کارگر نہیں ہوا، اسی طرح آئندہ بھی ان کا کوئی کمر اللہ کی مشیت کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا۔

(۴) وہ اس کے مطابق جزا اور سزا دے گا، نیک کو اس کی نیکی کی جزا اور بد کو اس کی بدی کی سزا۔

(۵) پس وہ جانتا ہے کہ میں اس کا سچا رسول اور اس کے پیغام کا داعی ہوں اور تم جھوٹے ہو۔

(۶) کتاب سے مراد جنس کتاب ہے اور مراد تورات اور انجیل کا علم ہے۔ یعنی اہل کتاب میں سے وہ لوگ جو مسلمان ہو گئے ہیں، جیسے عبد اللہ بن سلام، سلمان فارسی اور تمیم داری وغیرہم رضی اللہ عنہم یعنی یہ بھی جانتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ عرب کے مشرکین اہم معاملات میں اہل کتاب کی طرف رجوع کرتے اور ان سے پوچھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی فرمائی کہ اہل کتاب جانتے ہیں، ان سے تم پوچھ لو۔ بعض کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد قرآن ہے اور حاملین علم کتاب، مسلمان ہیں۔ اور بعض نے کتاب سے مراد لوح محفوظ لی ہے۔ یعنی جس کے پاس لوح محفوظ کا علم ہے یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ۔ مگر پہلا مفہوم زیادہ درست ہے۔

الرَّسُولِ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخَوِّجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى
النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝

اللَّهُ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ذُو الْعَرْشِ الْمُبِينُ
مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الْعَلِيمَ الَّذِي عَمِلَ الْأَعْمَارَ وَيَصُدُّ عَنْ
سَبِيلِ اللَّهِ وَيَعْتَنِي أَمْرَهُ خَلْقُ ضَلِيلٍ لَعِينٍ ۝

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رُسُلٍ إِلَّا يَشَارِكُ فِيهِ لَعْنَةُ اللَّهِ
فِي ظُلُمَاتِهِ مَنْ خَلَقَ أَوْ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

اگر ایہ عالی شان کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ
آپ لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف لائیں، ان
کے پروردگار کے حکم^(۱) سے، زبردست اور تعریفوں والے
اللہ کی طرف۔ (۱)

جس اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور
کافروں کے لیے تو سخت عذاب کی خرابی ہے۔ (۲)
جو آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کو پسند رکھتے ہیں
اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں ٹیڑھ پن پیدا
کرنا چاہتے ہیں۔^(۳) یہی لوگ پرلے درجے کی گمراہی میں
ہیں۔^(۴) (۳)

ہم نے ہر ہر نبی کو اس کی قومی زبان میں ہی بھیجا ہے تاکہ
ان کے سامنے وضاحت سے بیان کر دے۔^(۵) اب اللہ
جسے چاہے گمراہ کر دے، اور جسے چاہے راہ دکھا دے، وہ

(۱) جس طرح دوسرے مقام پر بھی اللہ نے فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدٍ آيَاتٍ فَتَيَقَّنُ لِيُخَوِّجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ (سورۃ الحديد: ۵) ”وہی ذات ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل فرماتی ہے تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لائے۔“ ﴿أَنَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ (البقرة: ۲۵۷) ”اللہ ایمان داروں کا دوست ہے، وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے۔“

(۲) یعنی پیغمبر کا کام ہدایت کا راستہ دکھانا ہے لیکن اگر کوئی اس راستے کو اختیار کر لیتا ہے تو یہ صرف اللہ کے حکم اور مشیت سے ہوتا ہے کیونکہ اصل ہادی وہی ہے۔ اس کی مشیت اگر نہ ہو، تو پیغمبر کتنا بھی وعظ و نصیحت کر لے، لوگ ہدایت کا راستہ اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوتے، جس کی متعدد مثالیں انبیائے سابقین میں موجود ہیں اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم باوجود شدید خواہش کے اپنے مہمان چچا ابوطالب کو مسلمان نہ کر سکے۔

(۳) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں لوگوں کو بدظن کرنے کے لیے مین میکہ نکالتے اور انہیں مسخ کر کے پیش کرتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اپنی اغراض و خواہشات کے مطابق اس میں تبدیلی کرنا چاہتے ہیں۔ (۴) اس لیے کہ ان میں مذکورہ متعدد خرابیاں جمع ہو گئی ہیں۔ مثلاً آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دینا، اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنا اور اسلام میں کجی تلاش کرنا۔

(۵) پھر جب اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا پر یہ احسان فرمایا کہ ان کی ہدایت کے لیے کتابیں نازل کیں اور رسول بھیجے، تو اس احسان کی تکمیل اس طرح فرمائی کہ ہر رسول کو قومی زبان میں بھیجا تاکہ کسی کو ہدایت کا راستہ سمجھنے میں وقت نہ ہو۔

غلبہ اور حکمت والا ہے۔^(۱) (۳)

(یاد رکھو جب کہ) ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ تو اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی میں نکال^(۲) اور انہیں اللہ کے احسانات یاد دلا۔^(۳) اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک صبر شکر کرنے والے کے لیے۔^(۴) (۵)

جس وقت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کے وہ احسانات یاد کرو جو اس نے تم پر کیے ہیں، جبکہ اس نے تمہیں فرعونوں سے نجات دی جو تمہیں بڑے دکھ پہنچاتے تھے۔ تمہارے لڑکوں کو قتل کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑتے تھے، اس میں تمہارے رب کی طرف سے تم پر بہت بڑی آزمائش^(۵) تھی۔ (۶)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِنَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ①

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَخْرَجَكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ السُّوءِ أَلْغَدَابِ وَيَذَبَحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَضَيُّونَ نِسَاءَكُمْ فِي ذُلِّكُمْ سَلَاةٍ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٍ ②

(۱) لیکن اس بیان و تشریح کے باوجود یہ امت اسے طے کی جسے اللہ چاہے گا۔

(۲) یعنی جس طرح اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو اپنی قوم کی طرف بھیجا اور کتاب نازل کی، تاکہ آپ اپنی قوم کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لائیں۔ اسی طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو معجزات و دلائل دے کر ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ تاکہ وہ انہیں کفر و جہل کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی عطا کریں۔ آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے، یاد وہ نو معجزات ہیں جن کا ذکر سورہ زمر میں کیا گیا ہے۔

(۳) آیات اللہ سے مراد اللہ کے وہ احسانات ہیں جو بنی اسرائیل پر کیے گئے جن کی تفصیل پسے کئی مرتبہ گزر چکی ہے۔ یا ایام و قائع کے معنی میں ہے یعنی وہ واقعات ان کو یاد دلا جن سے وہ گزر چکے ہیں جن میں ان پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات ہوئے۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ یہاں بھی آرہا ہے۔

(۴) صبر اور شکر یہ دو بڑی خوبیاں ہیں اور ایمان کا مدار ان پر ہے۔ اس لیے یہاں صرف ان دو کا تذکرہ کیا گیا ہے دونوں مباحث کے بیچ ہیں۔ صابر، صبر کرنے والا۔ شکور، بہت شکر کرنے والا۔ اور صبر کو شکر پر مقدم کیا ہے۔ اس لیے کہ شکر، صبر کا نتیجہ ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جس امر کا بھی فیصلہ کرے، وہ اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے، اگر اسے تکلیف پہنچے اور وہ صبر کرے تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے اور اگر اسے کوئی خوشی پہنچے، وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے۔“

(صحیح مسلم، کتاب الرہد، باب ”المؤمن أمرہ کلمہ خیر“)

(۵) یعنی جس طرح یہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی اسی طرح اس سے نجات اللہ کا بہت بڑا احسان تھا۔ اسی لیے بعض مترجمین نے بَلَاءَ کا ترجمہ آزمائش اور بعض نے احسان کیا ہے۔

وَأَذِّنْ تَادُونَ رَبُّكُمْ لِيَنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ①

اور جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ^(۱) کر دیا کہ اگر تم شکر گزاری کرو گے تو بیشک میں تمہیں زیادہ^(۲) دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے۔^(۳) (۷)

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ نَاكُفًا وَأَنَا نَكُفٌ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَأَنْتَ اللَّهُ لَعَنَ الْكَافِيْنَ حَيْدٌ ②

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ اگر تم سب اور روئے زمین کے تمام انسان اللہ کی ناشکری کریں تو بھی اللہ بے نیاز اور تعریفوں^(۳) والا ہے۔ (۸)

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادُ

کیا تمہارے پاس تم سے پہلے کے لوگوں کی خبریں نہیں

(۱) تَادُونَ کے معنی اَعْلَمْتُمْ بُوْعِدِي لَكُمْ اس نے اپنے وعدے سے تمہیں آگاہ اور خبردار کر دیا ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ قسم کے معنی میں ہو یعنی جب تمہارے رب نے اپنی عزت و جلال اور کبریائی کی قسم کھا کر کہا۔ (ابن کثیر)
(۲) نعت پر شکر کرنے پر مزید انعامات سے نوازوں گا۔

(۳) اس کا مطلب یہ ہوا کہ کفرانِ نعت (ناشکری) اللہ کو سخت ناپسند ہے جس پر اس نے سخت عذاب کی وعید بیان فرمائی ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ عورتوں کی اکثریت اپنے خاوندوں کی ناشکری کرنے کی وجہ سے جہنم میں جائے گی۔ (صحیح مسلم، العیدیں أوائل کتاب الصلوٰۃ)

(۴) مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کی شکر گزاری کرے گا تو اس میں اسی کا فائدہ ہے۔ ناشکری کرے گا تو اللہ کا اس میں کیا نقصان ہے؟ وہ تو بے نیاز ہے۔ سارا جہان ناشکر گزار ہو جائے تو اس کا کیا بگڑے گا؟ جس طرح حدیث قدسی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَا عِبَادِيَ! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجَنَّتُمْ، كَانُوا عَلَىٰ أَنْفِي قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ، مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا، يَا عِبَادِيَ! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجَنَّتُمْ، كَانُوا عَلَىٰ أَنْفِي قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ، مَا نَقَصَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا، يَا عِبَادِيَ! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجَنَّتُمْ، قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ، فَسَأَلُونِي فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْأَلَتَهُ، مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا، إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْيَمِينُ إِذَا أُذِجِلَ فِي السَّخَرِ (صحیح مسلم، کتاب الجہنم، باب تحریم الظلم) ”اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور اسی طرح تمام انسان اور جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو“ (یعنی کوئی بھی نافرمان نہ رہے) تو اس سے میری حکومت اور بادشاہی میں اضافہ نہیں ہو گا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اول و آخر اور تمام انسان اور جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے بڑا نافرمان اور فاجر ہو تو اس سے میری حکومت اور بادشاہی میں کوئی کمی واقع نہیں ہو گی۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اول و آخر اور انسان و جن سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور مجھ سے سوال کریں پس میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کروں تو اس سے میرے خزانے اور بادشاہی میں اتنی ہی کمی ہو گی جتنی سوئی کے سمندر میں ڈبو کر نکلنے سے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔“ فَسُنْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ

وَتَسُوْدُ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ثَلَاثُ اَلْفِ سَلْسَلَةٍ مِّنْ دُوْنِهِمْ ۚ وَاللّٰهُ يَخۡبُرُ السَّعۡیَ ۚ اِنَّ اِلٰهَهُمْ رُسُلُهُمْ بِالۡبَيِّنٰتِ ۚ فَرَدُّوا۟ اِلٰی رَبِّهِمۡ فَاَنۡقَضُوْهُمۡ ۚ وَقَالُوا۟ اِنَّا لَنَرٰۤیۡنَا۟ اِلٰهَهُمۡ یَهۡبِطُۙ اِلَیۡنَا اِلَیۡمَ ۚ فَاَلۡیٰی شَیۡفٌ مِّمَّا تَدَّعٰیۤہُ ۚ اَنۡتَۤہِیۡ ۙ مُّوۡسٰی ۙ

آئیں؟ یعنی قوم نوح کی اور عاد و ثمود کی اور ان کے بعد والوں کی جنہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا، ان کے پاس ان کے رسول معجزے لائے، لیکن انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دبا لیے^(۱) اور صاف کہہ دیا کہ جو کچھ تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو ہمیں تو اس میں بڑا بھاری شبہ^(۲) ہے (۹)

ان کے رسولوں نے انہیں کہا کہ کیا حق تعالیٰ کے بارے میں تمہیں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے وہ تو تمہیں اس لیے بلا رہا ہے کہ تمہارے تمام گناہ معاف فرما دے^(۳) اور ایک مقرر وقت تک تمہیں مہلت عطا فرمائے، انہوں نے کہا کہ تم تو ہم جیسے ہی انسان ہو^(۴) تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان خداؤں کی عبادت سے روک دو جن کی عبادت ہمارے باپ

قَالَتۡ رُسُلُهُمۡ اِنۡیۡ اِلٰہُ شَکٌّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ یَدۡعُوۡکُمۡ لِیَغۡیۡرَ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ ۚ وَیُوۡحِیۡۤہُ اِلَیۡ اَہۡلِیۡ مُنۡسَیۡ ۚ قَالَوۡا۟ اِنۡنَا لَکَۤہُ الْاَکْثَرُ ۚ وَشَکَّ اَنۡ یَّرۡیٰۤہُ ۚ وَنَآءَمَّا کَانَ یَعۡبُدُ اٰہَاۡؤُنَا فَانۡتَوٰۤا۟ نَاۡسِلٰطِیۡنَ ۚ

(۱) مفسرین نے اس کے مختلف معانی بیان کیے ہیں۔ ۱۔ مثلاً انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں رکھ لیے اور کہا کہ ہمارے تو صرف ایک ہی جواب ہے کہ ہم تمہاری رسالت کے منکر ہیں۔ ۲۔ انہوں نے اپنی انگلیوں سے اپنے مونہوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ خاموش رہو اور یہ جو پیغام لے کر آئے ہیں ان کی طرف توجہ مت کرو۔ ۳۔ انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر استہزا اور تعجب کے طور پر رکھ لیے جس طرح کوئی شخص ہنسی ضبط کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ ۴۔ انہوں نے اپنے ہاتھ رسولوں کے مونہوں پر رکھ کر کہا خاموش رہو۔ ۵۔ بطور غیظ و غضب کے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں لے لیے۔ جس طرح منافقین کی بابت دوسرے مقام پر آتا ہے۔ ﴿عَصُوۡا عَلَیۡکُمُ الرَّاۡسِلَیۡنَ مِنَ النَّبِیِّیۡنَ﴾ (آل عمران ۱۱۹) ”وہ تم پر اپنی انگلیاں غیظ و غضب سے کاٹتے ہیں“ اہم شوکانی اور اہم طبری نے اسی آخری معنی کو ترجیح دی ہے۔

(۲) مُوۡسٰی، یعنی ایسا شک کہ جس سے نفس سخت قلق اور اضطراب میں مبتلا ہے۔

(۳) یعنی تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمان و زمین کا خالق ہے۔ علاوہ ازیں وہ ایمان و توحید کی دعوت بھی صرف اس لیے دے رہا ہے کہ تمہیں گناہوں سے پاک کر دے۔ اس کے باوجود تم اس خالق ارض و سما کو ماننے کے لیے تیار نہیں اور اس کی دعوت سے تمہیں انکار ہے؟

(۴) یہ وہی اشکال ہے جو کافروں کو پیش آتا رہا کہ انسان ہو کر کس طرح کوئی وحی الہی اور نبوت و رسالت کا مستحق ہو سکتا ہے؟

دادا کرتے رہے۔^(۱) اچھا تو ہمارے سامنے کوئی کھلی دلیل پیش کرو۔^(۲) (۱۰)

ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا کہ یہ تو ج ہے کہ ہم تم جیسے ہی انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔^(۳) اللہ کے حکم کے بغیر ہماری مجال نہیں کہ ہم کوئی معجزہ تمہیں دکھائیں^(۴) اور ایمان والوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔^(۵) (۱۱)

آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ رکھیں جبکہ اسی نے ہمیں ہماری راہیں بھائی ہیں۔ واللہ جو ایذا تمہیں تمہیں دو گے ہم ان پر صبر ہی کریں گے۔ توکل کرنے والوں کو یہی لائق ہے کہ اللہ ہی پر توکل کریں۔^(۶) (۱۲)

کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں ملک بدر

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ هُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَمَا كَانَ لَنَا اَنْ نَّأْتِيَكُمْ بِالْبَلَدِ اِلَّا بِاِذْنِ اللَّهِ وَعَلَىٰ الْوَعْدِ ۚ فَيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۰﴾

وَمَا لَنَا اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدَانَا ۚ سُبُلَنَا وَلَنَصِيرَنَّ عَلَىٰ مَا اَدَّيْتُمُونَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۱۱﴾

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ اَرْضِنَا اَوْ

(۱) یہ دوسری رکاوٹ ہے کہ ہم ان معبودوں کی عبادت کس طرح چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے رہے ہیں؟ جب کہ تمہارا مقصد ہمیں ان کی عبادت سے ہٹا کر الہ واحد کی عبادت پر لگانا ہے۔

(۲) دلائل و معجزات تو ہر نبی کے ساتھ ہوتے تھے اس سے مراد ایسی دلیل یا معجزہ ہے جس کے دیکھنے کے وہ آرزو مند ہوتے تھے جیسے مشرکین کہ نے حضور ﷺ سے مختلف قسم کے معجزات طلب کیے تھے جس کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل میں آئے گا۔

(۳) رسولوں نے پہلے اشکال کا جواب دیا کہ یقیناً ہم تمہارے جیسے بشری ہیں۔ لیکن تمہارا یہ سمجھنا غلط ہے کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہدایت کے لیے انسانوں میں سے ہی بعض انسانوں کو وحی و رسالت کے لیے چن لیتا ہے اور تم سب میں سے یہ احسان اللہ نے ہم پر فرمایا ہے۔

(۴) ان کے حسب منشا معجزے کے سلسلے میں رسولوں نے جواب دیا کہ معجزے کا صدور ہمارے اختیار میں نہیں یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

(۵) یہاں مومنین سے مراد اولاً خود انبیاء ہیں یعنی ہمیں سارا بھروسہ اللہ پر ہی رکھنا چاہیے۔ جیسا کہ آگے فرمایا ”آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ رکھیں۔“

(۶) کہ وہی کفار کی شرارتوں اور سفاکتوں سے بچانے والا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم سے معجزات طلب نہ کریں اللہ پر توکل کریں اس کی مشیت ہوگی تو معجزہ ظاہر فرمادے گا ورنہ نہیں۔

لَتَعُوذُنَّ فِي مِلْكِنَا، فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَكُمُ الْكَيْدَ
الطَّيِّبِينَ ﴿١٣﴾

وَلَنُرِيَنَّكُمْ الْاَرْضَ مِنۢ مَّحْدٍ هُنَا ذٰلِكَ لَعَنَ خَافَ
مَقَامِي وَخَافَ مَقَامِي ﴿١٤﴾

وَأَسْتَفْهِمُوا وَخَافَ كُلُّ جَبَلٍ عِندِي ﴿١٥﴾

مِنْ قَدَابِهِمْ جَعَلُوا وَيَسْتَفْهِمُوا مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ ﴿١٦﴾

کر دیں گے یا تم پھر سے ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ۔ تو
ان کے پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ان
ظالموں کو ہی عارت کر دیں گے۔ (۱۳)

اور ان کے بعد ہم خود تمہیں اس زمین میں بسائیں گے۔ (۱۴)
یہ ہے ان کے لیے جو میرے سامنے کھڑے ہونے کا ڈر
رکھیں اور میری وعید سے خوفزدہ رہیں۔ (۱۵)

اور انہوں نے فیصلہ طلب کیا (۱۶) اور تمام سرکش ضدی
لوگ نامراد ہو گئے۔ (۱۷)

اس کے سامنے دوزخ ہے جہاں وہ پیپ کا پانی پیا جائے

(۱) جیسے اور بھی کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ لِكُلِّ اٰیۡتِنَا التَّوۡسِیۡنَۃَ﴾ ﴿اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمُنۡصَرِفُونَ﴾ ﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَآلَهُمُ الْغُلٰیۡیُونَ﴾ ﴿اسوۃ الصافات ۷۷﴾ اور پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے ان بندوں کے حق میں جو رسول ہیں کہ بے شک وہ منصور اور کامیاب ہوں گے اور ہمارا لشکر بھی غالب ہو گا ﴿لَقَدْ اٰتٰیہُ الْوَحٰیۡۃَ اَنۡ اَنۡزِلَ عَلَیْہِ الْمَجٰدِلَۃَ﴾ ﴿اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب ہوں گے۔﴾

(۲) یہ مضمون بھی اللہ نے کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے مثلاً ﴿وَلَقَدْ کَتَبْنَاۤی الرُّسُلَ مِنْۢ بَعْدِ اٰلِ اٰدَمَ اَنَّ اِلَیۡہِمْ اِلٰہٌ وَاحِدٌ﴾ ﴿الہٰیۡکُوۡنُ﴾ ﴿..... الہٰیۡکُوۡنُ﴾ ﴿مزیہ دیکھئے سورۃ الاعراف- ۱۳۸- ۱۳۷﴾ چنانچہ اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی آپ کو بادل نخواستہ کئے سے نکلنا پڑا لیکن چند سالوں کے بعد ہی آپ فاتحانہ کئے میں داخل ہوئے اور آپ کو نکلنے پر مجبور کرنے والے ظالم مشرکین سر جھکائے کھڑے آپ کے اشارۃ ابرو کے خطر تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے خلق عظیم کا مظاہرہ کرتے ہوئے ﴿لَا تُزِیۡرُ عَلَیۡکُمۡ کُمۡ﴾ کہہ کر سب کو معاف فرمادیا۔ صَلَوَاتُ اللہ وَسَلَامُہُ عَلَیْہِ۔

(۳) جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَمَّا خَافَ تَمَاقُطُہُۃَ نَفۡیِ النَّفۡسِ مِنَ النَّہۡیِ﴾ ﴿فَاَنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَآوِیۡ﴾ ﴿السَّاعٰتِ ۳۰﴾ ﴿جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکے رکھا یقیناً جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔﴾ ﴿وَلَمَّا خَافَ تَمَاقُطُہُۃَ جَنَّٰتِہِۃِ﴾ ﴿الروح ۳۱﴾ ﴿جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔﴾

(۴) اس کا فاعل ظالم مشرک بھی ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے بلا سحر اللہ سے فیصلہ طلب کیا۔ یعنی اگر یہ رسول ہے ہیں تو یا اللہ ہم کو اپنے عذاب کے ذریعے سے ہلاک کر دے جیسے مشرکین کہہ نے کہا۔ ﴿اَلَاۤیۡہِمْ اِلٰہٌ اِلَّا مَا کَانَ لَہُمَا هُوَ الْحَقُّ مِنْۢ مَّحْدٍ﴾ ﴿فَاَمۡطَرۡ عَلَیۡہِۡمَا مَیۡۃَ اَنۡہٰۤیۡۃٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَوْ اٰتٰیہُۡمَا بَعۡدَ اٰیِہِۡۃِ﴾ ﴿سورۃ الانعزال ۳۲﴾ اور جب کہ ان لوگوں نے کہا اے اللہ اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کر دے یا

گ۔^(۱۱)

جسے بمثل گھونٹ گھونٹ پئے گا۔ پھر بھی اسے گلے سے اتار نہ سکے گا اور اسے ہر جگہ سے موت آتی دکھائی دے گی لیکن وہ مرنے والا نہیں۔^(۱۲) پھر اس کے پیچھے بھی سخت عذاب ہے۔ (۱۷)

ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے پالنے والے سے کفر کیا، ان کے اعمال مثل اس راکھ کے ہیں جس پر تیز ہوا آندھی والے دن چلے۔^(۱۳) جو بھی انہوں نے کیا اس میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے، یہی دور کی گمراہی ہے۔ (۱۸)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو بہترین تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لائے۔ (۱۹)

اللہ پر یہ کام کچھ بھی مشکل نہیں۔^(۲۰) سب کے سب اللہ کے سامنے رو برو کھڑے ہوں گے۔^(۲۱) اس وقت کمزور لوگ بڑائی والوں سے کہیں گے کہ ہم تو

يَتَجَرَّمُهُ وَلَا يَكَادُ يُبْعَثُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُمْ بِبَيِّنَاتٍ مِنْ قَوْلِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ۝

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كُومًا يَشْتَدُّ مِنْهُ الْزَيْفُ يُوفُونَ غَاصِقًا لَا يَقْدِرُونَ وَمَا كُتِبُوا عَلٰى شَيْءٍ ذَلِكَ هُوَ الصَّلٰى الْبَعِيْدُ ۝

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَمٰى اِنْ يَشَآءُ يَنْفِثُ مِنْكُمْ وَيَاْتُ بِغُلَآءٍ جَدِيْدٍ ۝

وَمَا ذٰلِكَ عَلٰى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝ وَرَزَقُوْهُم مِّنْهُم مَّا كَانُوْا يَلْمِزُوْنَ اَلَمْ نَجْعَلْهُم مِّنْ اٰنْهٰ اَسْلَمُوْا اَلَمْ نَكْنِمْ اَنْفُسَهُمْ فَاِنْ كُنْتُمْ تُغْنَوْنَ عَنْهَا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ

جس طرح جنگ بدر کے موقع پر بھی مشرکین مکہ نے اسی قسم کی آرزو کی تھی جس کا ذکر اللہ نے (الأنعام - ۱۹) میں کیا ہے۔ یا اس کا نافع رسول ہوں کہ انہوں نے اللہ سے فتح و نصرت کی دعائیں کیں، جنہیں اللہ نے قبول کیا۔

(۱) صَدِيْدٌ پیپ اور خون جو جنمیوں کے گوشت اور ان کی کھالوں سے بہا ہو گا۔ بعض احادیث میں اسے اَعْصَارٌ اَہْلِ النَّارِ (مسند احمد جلد ۵، صفحہ ۱۷۱) (جنمیوں کے جسم سے نچوڑا ہوا) اور بعض احادیث میں ہے کہ یہ صدید اتنا گرم اور کھولتا ہوا ہو گا کہ ان کے منہ کے قریب پہنچتے ہی ان کے چہرے کی کھال جھل کر گر پڑے گی اور اس کا ایک گھونٹ پیتے ہی ان کے پیٹ کی آنتیں پخانے کے راستے باہر نکل پڑیں گی اَعَادَنَا اللّٰهُ مِنْهُ

(۲) یعنی انواع و اقسام کے عذاب جگہ جگہ کر دہ موت کی آرزو کرے گا۔ لیکن 'موت وہاں کہاں؟ وہاں تو اسی طرح دائمی عذاب ہو گا۔

(۳) قیامت والے دن کافروں کے عملوں کا بھی یہی حال ہو گا کہ اس کا کوئی اجر و ثواب انہیں نہیں ملے گا
(۴) یعنی اگر تم کافر، منافقوں سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ تمہیں ہلاک کر کے تمہاری جگہ نئی مخلوق پیدا کر دے۔ (یہی مضمون اللہ نے سورۃ فاطر ۱۵، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳ میں بھی بیان کیا ہے)
(۵) یعنی سب میدان محشر میں اللہ کے رو برو ہوں گے، کوئی کہیں چھپ نہ سکے گا۔

شَيْءٌ قَالُوا لَوْ هَدَانَا اللَّهُ لَهَدَيْنَاكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجْرُنَا أَمْ
صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ عِشْيٍ ۝

تمہارے تابع دار تھے، تو کیا تم اللہ کے عذابوں میں سے کچھ
عذاب ہم سے دور کر سکتے والے ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ
اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی ضرور تمہاری رہنمائی
کرتے، اب تو ہم پر بے قراری کرنا اور صبر کرنا دونوں ہی
برابر ہے ہمارے لیے کوئی چھٹکارا نہیں۔^(۲۱)

وَقَدْ لَشِينُوا عَهْدَهُ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ
وَوَعَدَكُمْ فَانْفَضَّكُمْ وَهُمْ كَانُوا عَلَىٰ عَهْدِهِمْ سُلْطٰنُ
إِلَّا أَنْ دَعَوْتَكُمْ فَأَسْتَجِبْتُمْ ۖ فَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُنْذَرِ
أَنْفُسَكُمْ ۖ مَا آتَاكُمْ مِنْهُمُ الْغُلَامُ وَمَا كُنْتُمْ بِتُحْقِقُونَ
إِن كَفَرْتُمْ
بِمَا أَنْشَرْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُلَاقِيَنَّ الْفُلَيْمِينَ لَهُمُ

جب اور کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا تو شیطان^(۲۲) کہے گا کہ
اللہ نے تو تمہیں سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے تم سے جو
وعدے کیے تھے ان کا خلاف کیا،^(۲۳) میرا تم پر کوئی دباؤ تو
تھا ہی نہیں،^(۲۴) ہاں میں نے تمہیں پکارا اور تم نے میری
مان لی،^(۲۵) پس تم مجھے الزام نہ لگاؤ بلکہ خود اپنے آپ کو

(۱) بعض کہتے ہیں کہ جنسی آپس میں کہیں گے کہ جنتیوں کو جنت اس لیے ملی کہ وہ اللہ کے سامنے روتے اور گڑگڑاتے
تھے، آؤ ہم بھی اللہ کی بارگاہ میں آہ و زاری کریں چنانچہ وہ روئیں گے اور خوب آہ و زاری کریں گے۔ لیکن اس کا کوئی
فائدہ نہیں ہو گا، پھر کہیں گے کہ جنتیوں کو جنت ان کے صبر کرنے کی وجہ سے ملی، چلو ہم بھی صبر کرتے ہیں، پھر وہ صبر کا
بھرپور مظاہرہ کریں گے، لیکن اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہو گا، پس اس وقت وہ کہیں گے کہ ہم صبر کریں یا جزع و فزع،
اب چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ یہ ان کی باہمی گفتگو جنم کے اندر ہوگی۔ قرآن کریم میں اس کو اور بھی کئی جگہ بیان
کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ مومن ۷۷-۴۸، سورۃ اعراف ۳۸-۳۹، سورۃ الاحزاب ۶۶-۶۸، اس کے علاوہ وہ آپس میں
جھگڑیں گے بھی اور ایک دوسرے پر گمراہ کرنے کا الزام دھریں گے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جھگڑا میدان محشر میں ہو
گا۔ اس کی مزید تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورۃ سبا ۳۱-۳۳ میں بیان فرمائی ہے۔

(۲) یعنی اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر و شرک جنم میں چلے جائیں گے تو شیطان جنمیوں سے کہے گا۔
(۳) اللہ نے جو وعدے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے کئے تھے کہ نجات میرے پیغمبروں پر ایمان لانے میں ہے، وہ حق
تھے ان کے مقابلے میں میرے وعدے تو سراسر دھوکہ اور فریب تھے۔ جس طرح اللہ نے فرمایا ﴿يَعِدُهُمْ فَلَيَكُونُوا لَهُمْ عَذَابًا﴾
﴿الْبَاءِ ۱۲۰﴾ ”شیطان ان سے وعدے کرتا اور آرزوئیں دلاتا ہے لیکن شیطان کے یہ
وعدے محض دھوکہ ہیں۔“

(۴) دو سرا یہ کہ میری باتوں میں کوئی دلیل و حجت نہیں ہوتی تھی، نہ میرا کوئی دباؤ ہی تم پر تھا۔
(۵) ہاں میری صرف دعوت اور پکار تھی، تم نے میری بے دلیل پکار کو تو مان لیا اور پیغمبروں کی دلیل و حجت سے بھرپور
باتوں کو رد کر دیا۔

عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

ملامت کرو^(۱) نہ میں تمہارا فریاد رس اور نہ تم میری فریاد کو پہنچنے والے^(۲) میں تو سرے سے مانتا ہی نہیں کہ تم مجھے اس سے پہلے اللہ کا شریک مانتے رہے^(۳) یقیناً ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔^(۴) (۲۲)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ ان جنتوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں جہاں انہیں پہنچا دی جائے گی اپنے رب کے حکم سے۔^(۵) جہاں ان کا خیر مقدم سلام سے ہو گا۔^(۶) (۲۳)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ بات کی مثال کس طرح بیان فرمائی، مثال ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ مضبوط ہے اور جس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔^(۷) (۲۴)

جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت اپنے پھل پھرتا رہتا ہے^(۸)

وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ صَوَّبَ اللَّهُ مَثَلًا طَبَقَةً كَشَجَرَةٍ طَبَقَةً أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝

لَوْ أَنَّىٰ أَعْلَمُ كُلَّ شَيْءٍ بِإِذْنِ رَبِّهِمَا وَيَصُوبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ

(۱) اس لیے کہ قصور سارا تمہارا اپنا ہی ہے، تم نے عقل و شعور سے ذرا کام نہ لیا، دلائل واضحہ کو تم نے نظر انداز کر دیا اور مجرد غوے کے پیچھے لگے رہے، جس کی پشت پر کوئی دلیل نہیں تھی۔

(۲) یعنی نہ میں تمہیں اس عذاب سے نکلوا سکتا ہوں جس میں تم مبتلا ہو اور نہ تم اس قہر و غضب سے مجھے بچا سکتے ہو جو اللہ کی طرف سے مجھ پر ہے۔

(۳) مجھے اس بات سے بھی انکار ہے کہ میں اللہ کا شریک ہوں، اگر تم مجھے یا کسی اور کو اللہ کا شریک گردانتے رہے تو تمہاری اپنی غلطی اور نادانی تھی، جس اللہ نے ساری کائنات بنائی تھی اور اس کی تدبیر بھی وہی کرتا رہا، بھلا اس کا کوئی شریک کیوں کر ہو سکتا تھا؟

(۴) بعض کہتے ہیں کہ یہ جملہ بھی شیطان ہی کا ہے اور یہ اس کے مذکورہ خطبے کا تہہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شیطان کا کلام مِنْ قَبْلُ پر ختم ہو گیا، یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

(۵) یہ اہل شقاوت و اہل کفر کے مقابلے میں اہل سعادت اور اہل ایمان کا تذکرہ ہے۔ ان کا ذکر ان کے ساتھ اس سے کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کے اندر اہل ایمان والا کردار اپنانے کا شوق و رغبت پیدا ہو۔

(۶) یعنی آپس میں ان کا تحفہ ایک دوسرے کو سلام کرنا ہو گا۔ علاوہ ازیں فرشتے بھی ہر دروازے سے داخل ہو کر انہیں سلام عرض کریں گے۔

(۷) اس کا مطلب ہے کہ مومن کی مثال اس درخت کی طرح ہے جو گرمی ہو یا سردی ہر وقت پھل دیتا ہے۔ اسی طرح مومن کے اعمال صاف شب و روز کے لمحات میں ہر آن اور ہر گھڑی آسمان کی طرف لے جاتے جاتے ہیں کَلِمَةً طَبَقَةً سے

لِلثَّالِثِ لَعَنَهُمُ رَبُّكَ وَكَذَٰلِكَ ۝

وَمَثَلُ خَيْثُؤٍ خَيْثُؤٍ كَثَرَةٍ خَيْثُؤٍ لَّجُتَتْ مِنْ
فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ سَبِيلًا لِّلَّهِ مَا يَشَاءُ ۝

ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے مثالیں بیان فرماتا
ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (۲۵)

اور ٹاپاک بات کی مثال گندے درخت جیسی ہے جو زمین
کے کچھ ہی اوپر سے اکھاڑ لیا گیا۔ اسے کچھ ثبات تو ہے
نہیں۔^(۱) (۲۶)

ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا
ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی^(۲) ہاں
ناانصاف لوگوں کو اللہ ہمکا دیتا ہے اور اللہ جو چاہے کر
گزرے۔ (۲۷)

اسلام 'یا لا الہ الا اللہ اور شجرہ طیبہ سے مجبور کاد رخت مراد ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (صحیح بخاری
کتاب العلم باب الفہم فی العلم ومسلم کتاب صفة القيامة باب مثل المؤمن مثل النخلة
(۱) کلمہ خیش سے مراد کفر اور شجرہ خیش سے حنظل (اندرائن) کاد رخت مراد ہے۔ جس کی جڑ زمین کے اوپر ہی ہوتی
ہے اور ذرا سے اشارے سے اکڑ جاتی ہے۔ یعنی کافر کے اعمال بالکل بے حیثیت ہیں۔ نہ وہ آسمان پر چڑھتے ہیں نہ اللہ
کی بارگاہ میں وہ قبولیت کاد رجہ پاتے ہیں۔

(۲) اس کی تفسیر حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ "موت کے بعد قبر میں جب مسلمان سے سواں کیا جاتا ہے تو وہ
جواب میں اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ پس
یہی مطلب ہے اللہ کے اس فرمان ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ کا صحیح بخاری تفسیر سورۃ ابراہیم و صحیح
مسلم کتاب الجنة وصفة نعمتها باب عرض مقعد الميت عليه والنبات عذاب القبر ایک اور حدیث
میں ہے کہ "جب بندے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی چلے جاتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا
ہے۔ پس اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے اٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں تیری کیا رائے
ہے وہ مومن ہوتا ہے تو جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ فرشتے اسے جہنم کا ٹھکانہ دکھاتے
ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے اس کی جگہ تیرے لیے جنت میں ٹھکانہ بنا دیا ہے۔ پس وہ دونوں ٹھکانے دیکھتا ہے اور اس کی
قبر ستر ہاتھ کشادہ کر دی جاتی ہے اور اس کی قبر کو قیامت تک نعمتوں سے بھر دیا جاتا ہے۔" (صحیح مسلم باب مذکور) ایک
اثر میں ہے اس سے پوچھا جاتا ہے مَنْ رِثْلُكَ؟ مَا دِينُكَ؟ مَنْ بَيْتُكَ؟ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا
تغیر کون ہے؟ پس اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدمی عطا فرماتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے رَبِّيَ اللَّهُ (میرا رب اللہ ہے) وَدِينِي
لِإِسْلَامٍ (میرا دین اسلام ہے) وَبَيْتِي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (اور میرے تغیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں)۔
(تفسیر ابن کثیر)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَآخَلَوْا قَوْمَهُمْ
ذَا الْبَوَارِ ۖ

جَعَلُوا نِعْمَتَهُمْ وَأَنْبُشَ الْقَرَارِ ۖ

وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ

قُلْ تَتَّبِعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ ۖ

قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَنُسِفُوا

مِمَّا ذَرَّ لَهُمْ وَسَاءَ مَا يَحْكُمُونَ مِنَ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ

يَوْمُ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ وَلَا جِئِلٌ ۖ

أَلَمْ يَكُنْ لِلَّذِينَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ

مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتَخْرُجُ بِهِ مِنَ الشَّجَرِ نَيْرٌ فَأَكُلُ

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّحْلَ الْبَقِيرَ فِي الْبَقْرِ يَا أَيُّهَا وَسَخَّرَ

کیا آپ نے ان کی طرف نظر نہیں ڈالی جنہوں نے اللہ
کی نعمت کے بدلے ناشکری کی اور اپنی قوم کو ہلاکت کے
گھر میں لا آتارا۔^(۱) (۲۸)

یعنی دوزخ میں جس میں یہ سب جائیں گے جو بدترین
ٹھکانا ہے۔ (۲۹)

انہوں نے اللہ کے ہمسریا لیے کہ لوگوں کو اللہ کی راہ
سے بھگائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ خیر مزے کر لو تمہاری
پازگشت تو آخر جہنم ہی ہے۔^(۲) (۳۰)

میرے ایمان والے بندوں سے کہہ دیجئے کہ نمازوں کو قائم
رکھیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں
سے کچھ نہ کچھ پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے رہیں اس
سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید و فروخت ہو
گی نہ دوستی اور محبت۔^(۳) (۳۱)

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور
آسمانوں سے بارش برسا کر اس کے ذریعے سے تمہاری
روزی کے لیے پھل نکالے ہیں اور کشتیوں کو تمہارے بس

(۱) اس کی تفسیر صحیح بخاری میں ہے کہ اس سے مراد کفار کہہ ہیں (بخاری۔ تفسیر سورۃ ابراہیم) جنہوں نے رسالت محمدیہ
کا انکار کر کے اور جنگ بدر میں مسلمانوں سے لڑ کر اپنے لوگوں کو ہلاک کر دیا تاہم اپنے مفہوم کے اعتبار سے یہ عام ہے
اور مطلب یہ ہو گا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رحمت للعالمین اور لوگوں کے لیے نعمت الیہ بنا کر
بھیجا پس جس نے اس نعمت کی قدر کی اسے قبول کیا اس نے شکر ادا کیا وہ جنتی ہو گیا اور جس نے اس نعمت کو رد کر
دیا اور کفر اختیار کیے رکھا وہ جہنمی قرار پایا۔

(۲) یہ تمہید و توطیہ ہے کہ دنیا میں تم جو کچھ چاہو کر لو مگر کب تک؟ بالآخر تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔

(۳) نماز کو قائم کرنے کا مطلب ہے کہ اسے اپنے وقت پر اور تبدیل ارکان کے ساتھ اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا
کیا جائے جس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ انفق کا مطلب ہے کہ زکوٰۃ ادا کی جائے اقارب کے ساتھ
صلہ رحمی کی جائے اور دیگر ضرورت مندوں پر احسان کیا جائے۔ یہ نہیں کہ صرف اپنی ذات اور اپنی ضروریات پر تو بلا
در برف خوب خرچ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی جگہوں پر خرچ کرنے سے گریز کیا جائے۔ قیامت کا دن ایسا ہو گا کہ
جہاں نہ خرید و فروخت ممکن ہوگی نہ کوئی دوستی ہی کسی کے کام آئے گی۔

لَكُمْ الْأَنْهَارُ ۝

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ

الْأَيْلَ وَالنَّجَارَ ۝

وَاللَّهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الْإِنسَانَ

لَا تَشْكُرْ ۚ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَقَلِيلٌ مِّنْ كَذَّابٍ ۝

میں کر دیا ہے کہ دریاؤں میں اس کے حکم سے چلیں پھریں اسی نے ندیاں اور نریں تمہارے اختیار میں کر دی ہیں۔^(۱) (۳۲)

اسی نے تمہارے لیے سورج چاند کو مسخر کر دیا ہے کہ برابر ہی چل رہے ہیں^(۲) اور رات دن کو بھی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔^(۳) (۳۳)

اسی نے تمہیں تمہاری منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے رکھا ہے۔^(۴) اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے۔^(۵) یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔^(۶) (۳۴)

(۱) اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پر جو انعامات کئے ہیں ان میں سے بعض کا تذکرہ یہاں کیا جا رہا ہے۔ فرمایا آسمان کو چھت اور زمین کو بچھو نابنایا۔ آسمان سے بارش نازل فرما کر مختلف قسم کے درخت اور فصلیں اگائیں جن میں لذت و قوت کے لیے میوے اور فروٹ بھی ہیں اور انواع و اقسام کے غلے بھی جن کے رنگ اور شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ذائقے خوشبو اور فوائد بھی مختلف ہیں۔ کشتیوں اور جہازوں کو خدمت میں لگا دیا کہ وہ تلاطم خیز موجوں پر چلتے ہیں انسانوں کو بھی ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچاتے ہیں اور سامان تجارت بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں۔ زمینوں اور پہاڑوں سے چشمے اور نریں جاری کر دیں تاکہ تم بھی سیراب ہو اور اپنے کھیتوں کو بھی سیراب کرو۔

(۲) یعنی مسلسل چلتے رہتے ہیں کبھی ٹھہرتے نہیں رات کو نہ دن کو۔ علاوہ ازیں ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہیں لیکن کبھی ان کا باہمی تصادم اور ٹکراؤ نہیں ہوتا۔

(۳) رات اور دن ان کا باہمی تفاوت جاری رہتا ہے۔ کبھی رات دن کا کچھ حصے لے کر لمبی ہو جاتی ہے اور کبھی دن رات کا کچھ حصہ لے کر لمبا ہو جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ ابتدائے کائنات سے چل رہا ہے اس میں یک سر مو فرق نہیں آیا۔ (۴) یعنی اس نے تمہاری ضرورت کی تمام چیزیں مہیا کیں جو تم اس سے طلب کرتے ہو۔ اور بعض کہتے ہیں جسے تم طلب کرتے ہو وہ بھی دیتا ہے اور جسے نہیں مانگتے لیکن اسے پتہ ہے کہ وہ تمہاری ضرورت ہے وہ بھی دیتا ہے۔ غرض تمہیں زندگی گزارنے کی تمام سہولتیں فراہم کرتا ہے۔

(۵) یعنی اللہ کی نعمتیں ان گنت ہیں انہیں کوئی حیطہ شمار میں ہی نہیں لا سکتا۔ چہ جائیکہ کوئی ان نعمتوں کے شکر کا حق ادا کر سکے۔ ایک اثر میں حضرت داود علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا ”اے رب! میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں؟ جب کہ شکر بجائے خود تیری طرف سے مجھ پر ایک نعمت ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اے داود! اب تو نے میرا شکر ادا کر دیا جب کہ تو نے یہ اعتراف کر لیا کہ اللہ میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں۔“ (تفسیر ابن کثیر)

(۶) اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے سے غفلت کی وجہ سے انسان اپنے نفس کے ساتھ ظلم اور بے انصافی کرتا ہے۔ بالخصوص کافر جو بالکل ہی اللہ سے غافل ہے۔

وَاذْ قَالِ اِنَّهُ يُرِيكَ الْجَعَلَ هَذَا الْبَيْتَ اِمَامًا
وَابْتِنِي وَبِنِي اَنْ تَعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝

رَبِّ اِنَّهُمْ صَلَّوْا كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۝ فَمَنْ
تَبِعَنِي فَاِنَّهُ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ عَمُوْرٌ
رَّجِيْمٌ ۝

رَبَّنَا اِنَّا اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِي
زُرْعَةٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا
الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ اَفْهَمًا مِّنَ النَّاسِ تَفْهِيْمًا ۝

(ابراہیم کی یہ دعا بھی یاد کرو) جب انہوں نے کہا کہ اے
میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنادے^(۱) اور مجھے
اور میری اولاد کو بت پرستی سے پناہ دے۔ (۳۵)
اے میرے پالنے والے معبود! انہوں نے بہت سے
لوگوں کو راہ سے بھٹکا دیا ہے۔^(۲) پس میری تابعداری
کرنے والا میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بہت
بی معاف اور کرم کرنے والا ہے۔ (۳۶)

اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد^(۳) اس بے
کھیتی کی وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی
ہے۔ اے ہمارے پروردگار! یہ اس لیے کہ وہ نماز قائم
رکھیں،^(۴) پس تو کچھ لوگوں^(۵) کے دلوں کو ان کی طرف

(۱) "اس شہر" سے مراد مکہ ہے۔ دیگر دعاؤں سے قبل یہ دعا کی کہ اے امن والا بنادے اس لیے کہ، من ہو گا تو گوگ دوسری
نعمتوں سے بھی صحیح معنوں میں متمتع ہو سکیں گے اور نہ امن و سکون کے بغیر تمام آسائشوں اور رسولوں کے باوجود خوف اور
دہشت کے سائے انسان کو مضطرب اور پریشان رکھتے ہیں۔ جیسے آج کل کے عام معاشروں کا حال ہے۔ سوائے سعودی عرب
کے۔ وہاں اس دعا کی برکت سے اور اسلامی حدود کے نفاذ سے آج بھی ایک مثالی امن قائم ہے۔ صَافَا اللہ عَنْ الشُّرُوْدِ
وَالْعَتَنِ یہاں انعامات الہیہ کے ضمن میں اسے بیان فرما کر اشارہ کر دیا کہ قریش جہاں اللہ کے دیگر انعامات سے غافل ہیں۔ اس
خصوصی انعام سے بھی غافل ہیں کہ اس نے انہیں مکہ جیسے امن والے شہر کا باشندہ بنایا۔

(۲) گمراہ کرنے کی نسبت ان پتھری مورتیوں کی طرف کی جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے باوجود اس بات کے کہ وہ
غیر عاقل ہیں، کیونکہ وہ گمراہی کا باعث تھیں اور ہیں۔

(۳) مِنْ ذُرِّيَّتِيْ میں من تبعیض کے لیے ہے یعنی بعض اولاد۔ کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ صلیبی بیٹے
تھے جن میں سے صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں بسایا۔ (فتح القدیر)
(۴) عبادات میں سے صرف نماز کا ذکر کیا جس سے نماز کی اہمیت واضح ہے۔

(۵) یہاں بھی من تبعیض کے لیے ہے۔ کہ کچھ لوگ مراد اس سے مسلمان ہیں۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ کس طرح دنیا بھر
کے مسلمان مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے ہیں اور حج کے علاوہ بھی سارا سال یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ
السلام اَفْتَدَا النَّاسَ (لوگوں کے دلوں) کہتے تو عیسائی، یہودی، مجوسی اور دیگر تمام لوگ مکہ پہنچتے مِّنَ النَّاسِ کے مِّنَ نے
اس دعا کو مسلمانوں تک محدود کر دیا۔ (ابن کثیر)

وَأَنْزِلْهُمْ مِنَ الشَّجَرِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿۳۷﴾

رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا عَلَنُ وَمَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ﴿۳۸﴾

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ
وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۹﴾

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ذُرِّيَّتًا
مُتَّقِينَ ﴿۴۰﴾

رَبَّنَا اغْنِ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِي فِي بَيْنِنَا
وَلِغَنَاقِ الْيَتَامَىٰ ﴿۴۱﴾

ما مل کر دے۔ اور انہیں پھلوں کی روزیاں عنایت فرما^(۱)
تاکہ یہ شکرگزاری کریں۔ (۳۷)

اے ہمارے پروردگار! تو خوب جانتا ہے جو ہم چھپائیں
اور جو ظاہر کریں۔ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ پر پوشیدہ
نہیں۔^(۲) (۳۸)

اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل و
اسحاق (علیہما السلام) عطا فرمائے۔ کچھ شک نہیں کہ میرا
پالنہار اللہ دعاؤں کا سننے والا ہے۔ (۳۹)

اے میرے پالنے والے! مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد
سے بھی^(۳) اے ہمارے رب میری دعا قبول فرما۔ (۴۰)

اے ہمارے پروردگار! مجھے بخش دے اور میرے ماں
باپ کو بھی بخش^(۴) اور دیگر مومنوں کو بھی بخش جس دن

(۱) اس دعا کی تاثیر بھی دیکھ لی جائے کہ مکہ جیسی بے آب و گیاہ سرزمین میں 'جہاں کوئی پھل وار درخت نہیں' دنیا بھر
کے پھل اور میوے نہایت فراوانی کے ساتھ میاں ہیں اور حج کے موقع پر بھی 'جب کہ لاکھوں افراد مزید وہاں پہنچ جاتے
ہیں' پھلوں کی فراوانی میں کوئی کمی نہیں آتی — وَهَذَا مِنْ لَطْفِ اللَّهِ تَعَالَى وَتَكْوِينِهِ وَرَحْمَتِهِ وَتَرْكِيهِ، اَسْتِجَابَةً
لِخَلْقِهِ اِنْزَاهِهِمْ - عَلَيْهِ السَّلَامُ کما جاتا ہے کہ یہ دعا خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد مانگی 'جب کہ پہلی دعا (امن و امان) بنا
دے' اس وقت مانگی 'جب اپنی اہلیہ اور شیرخوار بچے اسماعیل کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر وہاں چھوڑ کر چلے گئے۔' (ابن کثیر)

(۲) مطلب یہ ہے کہ میری دعا کے مقصد کو تو بخوبی جانتا ہے 'اس شر والوں کے لیے دعا سے اصل مقصد تیری رضا ہے تو
تو ہر چیز کی حقیقت کو خوب جانتا ہے' آسمان و زمین کی کوئی چیز تجھ سے مخفی نہیں۔

(۳) اپنے ساتھ اپنی اولاد کے لیے بھی دعا مانگی 'جیسے اس سے قبل بھی اپنے ساتھ اپنی اولاد کے لیے بھی یہ دعا مانگی کہ
انہیں پتھر کی صورتوں کو پوجنے سے بچا کر رکھنا۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے دین کے داعیوں کو اپنے گھروالوں کی
ہدایت اور ان کی دینی تعلیم و تربیت سے غافل نہیں رہنا چاہیے بلکہ تبلیغ و دعوت میں انہیں اولیت دینی چاہیے۔ جیسا
کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم دیا ﴿وَالَّذِينَ يَعْبُدُونَكَ الْأَقْلَبِينَ﴾
(الشعراء: ۲۱۳) "اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے!"۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت کی جب کہ ابھی ان پر اپنے باپ کا عذو^(۱) اللہ ہونا واضح نہیں ہوا تھا
جب یہ واضح ہو گیا کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے اظہار براءت کر دیا۔ اس لیے کہ مشرکین کے لیے دعا کرنا جائز
نہیں چاہے وہ قرابت قریہ ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔

حساب ہونے لگے۔ (۳۱)

انسانوں کے اعمال سے اللہ کو غافل نہ سمجھو وہ تو انہیں اس دن تک سہلت دے دئے ہوئے ہے جس دن آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ (۳۲) (۱)

وہ اپنے سر اوپر اٹھائے دوڑ بھاگ کر رہے ہوں گے، (۲) خود اپنی طرف بھی ان کی نگاہیں نہ لوٹیں گی اور ان کے دل خالی اور اڑے ہوئے ہوں گے۔ (۳۳) (۳)

لوگوں کو اس دن سے ہوشیار کر دے جب کہ ان کے پاس عذاب آجائے گا اور ظالم کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں بہت تھوڑے قریب کے وقت تک کی ہی سہلت دے کہ ہم تیری تبلیغ مان لیں اور تیرے پیغمبروں کی تابعداری میں لگ جائیں۔ کیا تم اس سے پہلے بھی قسمیں نہیں کھا رہے تھے کہ تمہارے لیے دنیا سے ملنا ہی نہیں۔ (۳۴) (۴)

اور کیا تم ان لوگوں کے گھروں میں رہتے سیتے نہ تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور کیا تم پر وہ معاملہ کھلا نہیں کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا کچھ کیا۔ ہم نے (تو تمہارے سمجھانے کو) بہت سی مثالیں بیان کر دی تھیں۔ (۳۵) (۵)

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ؕ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ؕ

مُهْطِعِينَ مُقْنِعِينَ رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفَدَتْهُمْ أَهْوَاؤُهُمْ ۖ

وَأَنذِرَ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ يَقُولُ الَّذِينَ قَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرِنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نَّحْبِ دَعْوَتِكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ لَأُولِنَا نَزْلَؤُنَا أَفْسَلُ مِمَّنْ قَبْلُ بِاللَّامِينَ ۚ

وَسَلَّمْتُمْ فِي مَسْجِدِ الَّذِينَ ظَلَمُوا إِلَهُكُمْ وَبَيَّنَّ لَكُمُ الْكِتَابَ فَقَلَّمْنَا بِهِمْ وَقَبَضْنَا لَكُمُ الْآمَالَ ؕ

(۱) یعنی قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے۔ اگر دنیا میں اللہ نے کسی کو زیادہ سہلت دے دی اور اس کے مرنے تک اس کا مواخذہ نہیں کیا تو قیامت کے دن تو وہ مواخذہ الہی سے نہیں بچ سکے گا جو کافروں کے لیے اتنا ہولناک دن ہو گا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

(۲) مُهْطِعِينَ تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے۔ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿مُهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ﴾ «القمر ۸» "بلانے والے کی طرف دوڑیں گے" مُقْنِعِينَ رُءُوسِهِمْ حیرت سے ان کے سر اٹھے ہوئے ہوں گے۔

(۳) جو ہولناکیاں وہ دیکھیں گے اور جو فکر اور خوف اپنے بارے میں انہیں ہو گا ان کے پیش نظر ان کی آنکھیں ایک لحظہ کے لیے بھی پست نہیں ہوں گی اور کثرت خوف سے ان کے دل گرے ہوئے اور خالی ہوں گے۔

(۴) یعنی دنیا میں تم قسمیں کھا کھا کر کہہ کرتے تھے کہ کوئی حساب کتاب اور جنت و دوزخ نہیں اور دوبارہ کے زندہ ہونا ہے

(۵) یعنی عبرت کے لیے ہم نے تو ان پچھلی قوموں کے واقعات بیان کر دیئے ہیں جن کے گھروں میں اب تم آباد ہو اور

سَرَابِلُهُمْ مِّنْ قِطْرَانٍ وَتَفْشَىٰ وَجُوهُهُمْ النَّارُ ۖ

لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

هَذَا بَلَدُ الْيَنَّايسِ وَلَيْسَ دُنَا بِهِ وَلَيْعَلَّكُمْ أَتَاهُمُ الْوَالِدُ وَاحِدٌ
قَلِيلٌ كَرَّأَوْا الْآلِيَابِ ۝

سُورَةُ الْحَجَرِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الرَّسَدُ تَلَفَ آيَةُ الْكِتَابِ وَقُرْآنُ ثَمِينٍ ۝

ان کے لباس گندھک کے ہوں گے^(۱) اور آگ ان کے
چہروں پر بھی چڑھی ہوئی ہوگی۔ (۵۰)

یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے
اعمال کا بدلہ دے، بیشک اللہ تعالیٰ کو حساب لینے کچھ دیر
نہیں لگنے کی۔ (۵۱)

یہ قرآن^(۲) تمام لوگوں کے لیے اطلاع نامہ ہے کہ اس کے
ذریعہ سے وہ ہوشیار کر دیے جائیں اور بخوبی معلوم کریں کہ
اللہ ایک ہی معبود ہے اور تاکہ عقلمند لوگ سوچ سمجھ لیں۔ (۵۲)

سورہ حجر کی ہے اور اس کی ننانوے آیتیں ہیں اور
چھ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان
بڑا رحم والا ہے۔

ار یہ کتاب الہی کی آیتیں ہیں اور رکھلے اور روشن قرآن
کی۔^(۳) (۱)

«يُخْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ أَرْضٍ بَيْضَاءَ غَفَرَاءَ، كَقُرْصَةِ النَّعْنَعِ لَبَسَ فِيهَا عِلْمٌ لِأَخِيهِ» (صحیح مسلم)
صفة القيامة 'باب فی البعث والسنون' 'قیامت والے دن لوگ سفید بھوری زمین پر اکٹھے ہوں گے جو میدہ کی
روٹی کی طرح ہوگی۔ اس میں کسی کا کوئی جھنڈا (یا علامتی نشان) نہیں ہوگا۔' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ جب یہ
آسمان و زمین بدل دیئے جائیں گے تو پھر لوگ اس دن کہاں ہوں گے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صراط پر" یعنی
پل صراط پر۔ (حوالہ مذکور) ایک یہودی کے استفسار پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "لوگ اس دن پل کے قریب اندھیرے
میں ہوں گے۔" (صحیح مسلم کتاب الحیض 'باب بیان صفة منی الرجل)

(۱) جو آگ سے فوراً بھڑک اٹھتی ہے۔ علاوہ ازیں آگ نے ان کے چہروں کو بھی ڈھانکا ہوا ہوگا۔

(۲) یہ اشارہ قرآن کی طرف ہے، یا پچھلی تفصیلات کی طرف جو ﴿وَلَا تَخْشَوْنَ اللَّهَ عَافِيَا﴾ سے بیان کی گئی ہیں۔

(۳) کتب اور قرآن مبین سے مراد قرآن کریم ہی ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ جس طرح
﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ (العنکبوت: ۱۸) میں نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن کریم ہی
ہے۔ قرآن کریم کی تکمیل تخم شان کے لیے ہے یعنی یہ قرآن کامل اور نہایت حکمت و شان والا ہے۔

وہ بھی وقت ہو گا کہ کافر اپنے مسلمان ہونے کی آرزو کریں گے۔^(۱) (۲)

آپ انہیں کھاتا، نفع اٹھاتا اور (جھوٹی) امیدوں میں مشغول ہوتا چھوڑ دیجئے یہ خود بھی جان لیں گے۔^(۲) (۳)

کسی بستی کو ہم نے ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے لیے مقررہ نوشتہ تھا۔ (۴)

کوئی گروہ اپنی موت سے نہ آگے بڑھتا ہے نہ پیچھے رہتا ہے۔^(۳) (۵)

انہوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے یقیناً تو کوئی دیوانہ ہے۔ (۶)

اگر تو سچا ہی ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا۔^(۴) (۷)

ہم فرشتوں کو حق کے ساتھ ہی اتارتے ہیں اور اس وقت وہ مہلت دیے گئے نہیں ہوتے۔^(۵) (۸)

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ①

ذَرَهُمْ يَآكُلُوا وَيَشْتَبِعُوا وَيُلْهِمُهُمُ الْآمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ②

وَمَا أَمْنُنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ ③

مَا تَسْبِيحٌ مِنْ أُمَّةٍ جَاءَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ④

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ⑤

لَوْ مَا تَأْتِينَا يَا مَلَكُوتُ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ⑥

مَا نُنَزِّلُ السُّورَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذَا مُنْظَرِينَ ⑦

(۱) یہ آرزو کب کریں گے؟ موت کے وقت، جب فرشتے انہیں جہنم کی آگ دکھاتے ہیں یا جب جہنم میں چلے جائیں گے یا اس وقت جب گناہ گار ایمانداروں کو کچھ عرصہ بطور سزا جہنم میں رکھنے کے بعد جہنم سے نکال جائے گا یا میدان محشر میں جہاں حساب کتاب ہو رہا ہو گا اور کافر دیکھیں گے کہ مسلمان جنت میں جا رہے ہیں تو آرزو کریں گے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے رُبَمَا اصل میں تو تکثیر کے لیے ہے لیکن کبھی تفتیل کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی طرف سے یہ آرزو ہر موقع پر ہوتی رہے گی لیکن اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

(۲) یہ تمہید و توجہ ہے کہ یہ کافر و مشرک اپنے کفر و شرک سے باز نہیں آ رہے ہیں تو انہیں چھوڑ دیجئے، یہ دنیوی لذتوں سے محظوظ ہو لیں اور اپنی امیدیں بر لائیں، عنقریب انہیں اپنے کفر و شرک کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

(۳) جس بستی کو بھی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کرتے ہیں، تو فوراً ہلاک نہیں کر ڈالتے بلکہ ہم ایک وقت مقرر کئے ہوئے ہیں، اس وقت تک اس بستی والوں کو مہلت دے دی جاتی ہے لیکن جب وہ مقررہ وقت آ جاتا ہے تو انہیں ہلاک کر دیا جاتا ہے پھر وہ اس سے آگے یا پیچھے نہیں ہوتے۔

(۴) یہ کافروں کے کفر و عناد کا بیان ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ کہتے اور کہتے کہ اگر تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سچا ہے تو اپنے اللہ سے کہہ کہ وہ فرشتے ہمارے پاس بھیجے تاکہ وہ تیری رسالت کی تصدیق کریں یا ہمیں ہلاک کر دیں

(۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتے ہم حق کے ساتھ ہی بھیجتے ہیں یعنی جب ہماری حکمت و مشیت عذاب بھیجے کی مقتضی

ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔^(۹)

ہم نے آپ سے پہلے اگلی امتوں میں بھی اپنے رسوں (برابر) بھیجے۔^(۱۰)

اور (لیکن) جو بھی رسول آتا وہ اس کا مذاق اڑاتے۔^(۱۱) گناہ گاروں کے دلوں میں ہم اسی طرح یہی رچا دیا کرتے ہیں۔^(۱۲)

وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور یقیناً انہوں کا طریقہ گزرا ہوا ہے۔^(۱۳)

إِنَّا نَحْنُ مَوْلَاُ الدِّينِ وَإِنَّا لَخَوَافُونَ ۝

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِبَعِ الْأَوَّلِينَ ۝

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝

كَذَلِكَ نَسْلُكُ فِي قُلُوبِ الْمُغِيبِينَ ۝

لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَلَقَدْ خَلَقْتُ سُنَّةَ الْأَوَّلِينَ ۝

ہوتی ہے تو پھر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور پھر وہ سہلت نہیں دیے جاتے 'فور اہلاک کر دیے جاتے ہیں۔
(۱) یعنی اس کو دوست بروزمانہ سے اور تحریف و تغیر سے بچانا یہ ہمارا کام ہے۔ چنانچہ قرآن آج تک اسی طرح محفوظ ہے جس طرح یہ اتر تھا، مگر وہ فرقے اپنے اپنے گمراہانہ عقائد کے اثبات کے لیے اس کی آیات میں معنوی تحریف تو کرتے رہے ہیں اور آج بھی کرتے ہیں لیکن پچھلی کتابوں کی طرح یہ لفظی تحریف اور تغیر سے محفوظ ہے۔ علاوہ ازیں اہل حق کی ایک جماعت بھی تحریفات معنوی کا پروہ چاک کرنے کے لیے ہر دور میں موجود رہی ہے، جو ان کے گمراہانہ عقائد اور غلط استدلال کے تار و پود بکھیرتی رہی ہے اور آج بھی وہ اس محاذ پر سرگرم عمل ہے۔ علاوہ ازیں قرآن کو یہاں "ذکر" (نصیحت) کے غلط سے تعبیر کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے اہل جہان کے لیے "ذکر" (یاد دہانی اور نصیحت) ہونے کے پسو کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تابندہ نقوش اور آپ کے فرمودات کو بھی محفوظ کر کے 'قیمت تک کے لیے باقی رکھا گیا ہے۔ گویا قرآن کریم اور سیرت نبوی ﷺ کے حوالے سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا راستہ ہمیشہ کے لیے کھل ہوا ہے۔ یہ شرف اور محفوظیت کا مقام پچھلی کسی بھی کتاب اور رسول کو حاصل نہیں ہوا۔

(۲) یہ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قلبی دی جا رہی ہے کہ صرف آپ ہی کی تکذیب نہیں کی گئی، ہر رسوں کے ساتھ اس کی قوم نے یہی معاملہ کیا ہے۔

(۳) یعنی کفر اور رسوں کا استہزاء مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں یا رچا دیتے ہیں 'یہ نسبت اللہ نے اپنی طرف اس لیے کی کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے گو ان کا یہ فعل ان کی مسلسل معصیت کے نتیجے میں اللہ کی مشیت سے روٹتا ہوا۔

(۴) یعنی ان کے ہلاک کرنے کا وہی طریقہ ہے جو اللہ نے پہلے سے مقرر کر رکھا ہے کہ تکذیب و استہزاء کے بعد وہ قوموں کو ہلاک کرتا رہا ہے۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا مِنْهُ وَيَعْرِجُونَ ﴿٦٠﴾

لَقَالُوا إِنَّمَا كُنُوتٌ بَصَائِلُ بَابِلَ عَنْ قَوْمٍ مَّسْخُورُونَ ﴿٦١﴾

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَرَبُّنَا إِلَهُ الْمَشْرِقَيْنِ ﴿٦٢﴾

وَحَظَّيْنَاهُمَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿٦٣﴾

إِلَّا مِمَّنْ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ يَشَهِدُ بَيِّنٌ ﴿٦٤﴾

اور اگر ہم ان پر آسمان کا دروازہ کھول بھی دیں اور یہ وہاں چڑھنے بھی لگ جائیں (۱۳)

تب بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا گیا ہے۔ (۱۵)

یقیناً ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں (۱۶) اور دیکھنے والوں کے لیے اسے سجا دیا گیا ہے۔ (۱۷)

اور اسے ہر مردود شیطان سے محفوظ رکھا ہے۔ (۱۷) ہاں مگر جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرے اس کے پیچھے

(۱) یعنی ان کا کفر و عناد اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ فرشتوں کا نزول تو رہا ایک طرف اگر خود ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جائیں اور یہ ان دروازوں سے آسمان پر آئیں جائیں تب بھی انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آئے اور رسولوں کی تصدیق نہ کریں بلکہ یہ کہیں کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے یا ہم پر جادو کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ہم ایسا محسوس کر رہے ہیں کہ ہم آسمان پر آ جا رہے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

(۲) بُرُوجُ بُرُوح کی جمع ہے جس کے معنی ظہور کے ہیں۔ اسی سے تَرْجُح ہے جو عورت کے اظہار زینت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں آسمان کے ستاروں کو بُرُوج کہا گیا ہے کیوں کہ وہ بھی بلند اور ظاہر ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بُرُوج سے مراد شمس و قمر اور دیگر سیاروں کی منزلیں ہیں جو ان کے لیے مقرر ہیں۔ اور یہ ۱۲ ہیں 'حمل' 'ثور' 'جوزاء' 'سرطان' 'اسد' 'منبہ' 'میزان' 'عقرب' 'قوس' 'جدی' 'دلو' 'حوت'۔ عرب ان سیاروں کی منزلوں اور ان کے ذریعے سے موسم کا حال معلوم کرتے تھے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں البتہ ان سے تغیر پذیر ہونے والے واقعات و حوادث جاننے کا دعویٰ کرنا جیسے آج کل بھی جاہلوں میں اس کا خاصا چرچا ہے۔ اور لوگوں کی قسمتوں کو ان کے ذریعے سے دیکھا اور سمجھا جاتا ہے۔ ان کا کوئی تعلق دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات و حوادث سے نہیں ہوتا جو کچھ بھی ہوتا ہے صرف مشیت الہی ہی سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ان برجوں یا ستاروں کا ذکر اپنی قدرت اور بے مثال صنعت کے طور پر کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ واضح کیا ہے کہ یہ آسمان کی زینت بھی ہیں۔

(۳) رَجِيمٌ مَّرْجُومٌ کے معنی میں ہے۔ رَجْمٌ کے معنی سنگسار کرنے یعنی پتھر مارنے کے ہیں۔ شیطان کو رَجِيمٌ اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ جب آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتا تو آسمان سے شهاب ثاقب اس پر ٹوٹ کر گرتے پھر رَجِيمٌ ملعون و مردود کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے کیوں کہ جسے سنگسار کیا جاتا ہے اسے ہر طرف سے لعنت ملامت بھی کی جاتی ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ ہم نے آسمانوں کی حفاظت فرمائی ہر شیطان رَجِيمٌ سے۔ یعنی ان ستاروں کے ذریعے سے کیوں کہ یہ شیطان کو مار کر بھاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

دھکتا ہوا (کھلا شعلہ) لگتا ہے۔^(۱۸)

اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا ہے اور اس پر (اٹل) پاڑ ڈال دیئے ہیں اور اس میں ہم نے ہر چیز ایک معین مقدار سے اگادی ہے۔^(۱۹)

اور اسی میں ہم نے تمہاری روزیاں بنا دی ہیں^(۲۰) اور جنہیں تم روزی دینے والے نہیں ہو۔^(۲۱)

اور جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب کے خزانے ہمارے پاس ہیں^(۲۲) اور ہم ہر چیز کو اس کے مقررہ انداز سے اتارتے ہیں۔^(۲۳)

وَلَا رِزْقَ مَدَدُهَا وَالْقَيْنَا فِيهَا رِزْقًا وَأَنْبَتْنَا فِيهَا
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مُّزَوَّجًا ۝

وَجَعَلْنَا الْكُوفُوتَ مَعَالِيَهُمْ وَسَنَ لِّسْتُكُلِهِمْ رِزْقًا ۝

وَأَنَّ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۝

(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین آسمانوں پر باتیں سننے کے لیے جاتے ہیں جن پر شہاب ثاقب ٹوٹ کر گرتے ہیں جن سے کچھ تو جل مر جاتے ہیں اور کچھ بچ جاتے ہیں اور بعض سن آتے ہیں۔ حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح آئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ”جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اسے سن کر اپنے پر یا بازو پھڑپھڑاتے ہیں“ (عز و مسکن کے اظہار کے طور پر) گویا وہ کسی چنان پر زنجیر کی آواز ہے۔ پھر جب فرشتوں کے دلوں سے اللہ کا خوف دور ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں اس نے جو کہ حق کہا اور وہ بند اور بڑا ہے (اس کے بعد اللہ کا وہ فیصلہ اوپر سے نیچے تک یکے بعد دیگرے سنایا جاتا ہے) اس موقع پر شیطان چوری چھپے بات سنتے ہیں۔ اور یہ چوری چھپے بات سننے والے شیطان تمہارے فاصلے سے ایک دوسرے کے اوپر ہوتے ہیں اور وہ ایک آدھ کلمہ سن کر اپنے دوست نجوی یا کاہن کے کان میں پھونک دیتے ہیں وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر لوگوں کو بیان کرتا ہے“ (طحاوی۔ صحیح بخاری تفسیر سورۃ حجر)

(۲) مُزَوَّجًا بمعنی مَعْلُومٌ یا بہ اندازہ یعنی حسب ضرورت۔

(۳) مَعَالِيَهُمْ، مَعَالِیُّہُ کی جمع ہے۔ یعنی زمین میں تمہاری معیشت اور گزران کے لیے بیشتر اسباب و وسائل پیدا کر دیے۔

(۴) اس سے مراد نوکر چاکر غلام اور جانور ہیں۔ یعنی جانوروں کو تمہارے تابع کر دیا ہے جن پر تم سواری بھی کرتے ہو سہان بھی لاد کر لے جاتے ہو اور انہیں ذبح کر کے کھا بھی لیتے ہو۔ غلام لونڈیاں ہیں جن سے تم خدمت گزاری کا کام لیتے ہو۔ یہ اگرچہ سب تمہارے ماتحت ہیں اور تم ان کے چارے اور خوراک وغیرہ کا انتظام بھی کرتے ہو لیکن حقیقت میں ان کا رازق اللہ تعالیٰ ہے تم نہیں ہو۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ تم ان کے رازق ہو اگر تم انہیں کھانا نہیں دو گے تو بھوکے مر جائیں گے۔

(۵) بعض نے خزانوں سے مراد بارش لی ہے کیونکہ بارش ہی پیداوار کا ذریعہ ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد تمام کائنات کے خزانے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ حسب مشیت و ارادہ عدم سے وجود میں لاتا رہتا ہے۔

وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ فَاْتَرَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً
فَاتَّقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا كُنْتُمْ لَهُ بِمُعْزِزِينَ ﴿۳۲﴾

وَإِنَّا لَنَعْنُ فُقٍ وَنُيِّتُ وَنَحْنُ الْوَيْثُونَ ﴿۳۳﴾

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمُ وَلَقَدْ عَلِمْنَا
الْمُسْتَأْخِرِينَ ﴿۳۴﴾

وَلَنْ رَبَّكَ هُوَ بِعَشْرَةِ أَسْمَاءٍ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۳۵﴾

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ
مَسْنُونٍ ﴿۳۶﴾

وَلِجَانٍ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السُّجُورِ ﴿۳۷﴾

اور ہم بھیجتے ہیں بوجھل ہوائیں،^(۱) پھر آسمان سے پانی
برسا کر وہ تمہیں چلاتے ہیں اور تم اس کا ذخیرہ کرنے
والے نہیں ہو۔^(۳۲)

ہم ہی جلاتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی (بالآخر)
وارث ہیں۔^(۳۳)

اور تم میں سے آگے بڑھنے والے اور پیچھے ہٹنے والے
بھی ہمارے علم میں ہیں۔^(۳۴)

آپ کا رب سب لوگوں کو جمع کرے گا یقیناً وہ بڑی
حکمتوں والا بڑے علم والا ہے۔^(۳۵)

یقیناً ہم نے انسان کو کالی اور سڑی ہوئی کھنکھاتی مٹی سے
پیدا فرمایا ہے۔^(۳۶)

اور اس سے پہلے جنات کو ہم نے لو والی آگ^(۳۷) سے
پیدا کیا۔^(۳۷)

(۱) ہواؤں کو بوجھل 'اس لیے کہا کہ یہ ان بادلوں کو اٹھاتی ہیں جن میں پانی ہوتا ہے۔ جس طرح لَفْحَةٌ صافہ، دھنکی کو
کہا جاتا ہے جو ہیٹ میں بچہ اٹھائے ہوتی ہے۔

(۲) یعنی یہ پانی جو ہم اتارتے ہیں اسے تم ذخیرہ کر کے رکھنے پر بھی قادر نہیں ہو۔ یہ ہماری ہی قدرت و رحمت ہے کہ
ہم اس پانی کو چشموں، کنوؤں اور نہروں کے ذریعے سے محفوظ رکھتے ہیں، ورنہ اگر ہم چاہیں تو پانی کی سطح اتنی نیچی کر دیں
کہ چشموں اور کنوؤں سے پانی لینا تمہارے لیے ممکن نہ رہے، جس طرح بعض علاقوں میں اللہ تعالیٰ بعض دفعہ اپنی
قدرت کا نمونہ دکھاتا ہے اَللّٰهُمَّ اَحْفَظْنَا مِنْهُ۔

(۳) مٹی کی مختلف حالتوں کے اعتبار سے اس کے مختلف نام ہیں۔ خشک مٹی، تراب، بھیگی ہوئی طیس، گوندھی ہوئی بدبودار
(حَمَإٍ مَسْنُونٍ) یہ حَمَإٍ مَسْنُونٍ خشک ہو کر کھن کھن بولنے لگے تو صَلْصَالٍ اور جب اسے آگ میں پکایا جائے تو فَخَّارٌ
(ٹھیکری) کہلاتی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا جس طرح تذکرہ فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم خاکی کا
پتلا حَمَإٍ مَسْنُونٍ (گوندھی ہوئی، سڑی ہوئی، بدبودار) مٹی سے بنایا گیا، جب وہ سوکھ کر کھن کھن کرنے لگا (یعنی مسعال) ہو
گیا تو اس میں روح پھونکی گئی، اسی صَلْصَالٍ کو قرآن میں دوسری جگہ فَخَّارٌ (فخار کی مانند) کہا گیا ہے۔ ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ
مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ (الرحمن ۴) "پیدا کیا انسان کو کھنکھاتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا"

(۴) جن کو جن اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ سورہ رَحْمٰن میں جنات کی تخلیق ﴿مِنْ نَّارٍ مِنْ تَلٰوٰیذٍ﴾

وَاذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلٰصَلٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّنُوْنٍ ۝۱۰

فَاٰذَنُوْنٰهُ وَفَخَّخْتُ فِيْهِ مِّنْ نُورٍ فَاَعْمٰوْا لَهٗ سَجِيْدًا ۝۱۱

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اٰجَعُوْنَ ۝۱۲
اِلَّا اِبٰلِیْسَ اَنۡ اَنۡ یَّکُوْنَ مَعَ السَّٰجِدِيْنَ ۝۱۳

قَالَ اِبٰلِیْسُ مَا لَکَ اَلَّا تَکُوْنُ مَعَ السَّٰجِدِيْنَ ۝۱۴

قَالَ لَآ اَتٰکُنۡ لِّاَسْجُدَ لِیَسَّۤیْءٍ خَلَقْتَهُ مِّنْ صَلٰصَلٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّنُوْنٍ ۝۱۵

قَالَ فَاحْرَبْنِیْ مِنْهَا فَاَنۡذَرْتُکَ رَجِیْمًا ۝۱۶

فَاِنَّکَ مَلٰٓئِکَۃُ اللّٰحِظَةِ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ۝۱۷

اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک انسان کو کالی اور سڑی ہوئی کھٹکاتی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں۔ (۲۸)

تو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔ (۲۹)

چنانچہ تمام فرشتوں نے سب کے سب نے سجدہ کر لیا۔ (۳۰)
مگر ابلیس کے۔ کہ اس نے سجدہ کرنے والوں میں شمولیت کرنے سے (صاف) انکار کر دیا۔ (۳۱)

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ (۳۲)

وہ بولا کہ میں ایسا نہیں کہ اس انسان کو سجدہ کروں جسے تو نے کالی اور سڑی ہوئی کھٹکاتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (۳۳)

فرمایا اب تو بہشت سے نکل جا کیوں کہ تو رائدہ درگاہ ہے۔ (۳۴)

اور تجھ پر میری پھٹکار ہے قیامت کے دن تک۔ (۳۵)

سے بتلای گئی ہے اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بھی کہا گیا ہے: «حُلِقَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ نُورٍ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِنْ نَّارٍ وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَکُمْ» (کتاب الوہد: باب فی احادیث منصرفۃ، اس اعتبار سے دوالی آگ یا آگ کے شعلے کا ایک ہی مطلب ہو گا۔

(۱) سجدے کا یہ حکم بطور تعظیم کے تھا، عبادت کے طور پر نہیں۔ اور یہ چونکہ اللہ کا حکم تھا اس لیے اس کے وجوب میں کوئی شک نہیں۔ تاہم شریعت محمدیہ میں بطور تعظیم بھی کسی کے لیے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) شیطان نے انکار کی وجہ حضرت آدم علیہ السلام کا خاکی اور بشر ہونا بتلایا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان اور بشر کو اس کی بشریت کی بنا پر حقیر اور کم تر سمجھنا یہ شیطان کا فلسفہ ہے، جو اہل حق کا عقیدہ نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اہل حق انبیاء علیہم السلام کی بشریت کے منکر نہیں، اس لیے کہ ان کی بشریت کو خود قرآن کریم نے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں بشریت سے ان کی عظمت اور شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۳۷﴾

قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿۳۸﴾

إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿۳۹﴾

قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي

الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴۰﴾

لِلْأَعْبَادِ ذِكْرٌ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ ﴿۴۱﴾

قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَوِيٌّ ﴿۴۲﴾

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ

اتَّعَلَكَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿۴۳﴾

وَأَنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْجِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴۴﴾

لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْشُورٌ ﴿۴۵﴾

کہنے لگا کہ اے میرے رب! مجھے اس دن تک کی ذمیل
دے کہ لوگ دوبارہ اٹھا کھڑے کیے جائیں۔ (۳۷)

فرمایا کہ اچھا تو ان میں سے ہے جنہیں مہلت ملی
ہے۔ (۳۸)

روز مقرر کے وقت تک کی۔ (۳۸)

(شیطان نے) کہا کہ اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے
گمراہ کیا ہے مجھے بھی قسم ہے کہ میں بھی زمین میں ان
کے لئے معاصی کو مزین کروں گا اور ان سب کو ہکاؤں گا
بھی۔ (۳۹)

سوائے تیرے ان بندوں کے جو منتخب کر لیے گئے
ہیں۔ (۴۰)

ارشاد ہوا کہ ہاں یہی مجھ تک پہنچنے کی سیدھی راہ
ہے۔ (۴۱)

میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں، (۴۲) لیکن ہاں جو گمراہ
لوگ تیری پیروی کریں۔ (۴۲)

یقیناً ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے۔ (۴۳)
جس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لیے ان

(۱) یعنی تم سب کو بالآخر میرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، جنہوں نے میرا اور میرے رسولوں کا اتباع کیا ہو گا، میں انہیں
اچھی جزا دوں گا اور جو شیطان کے پیچھے لگ کر گمراہی کے راستے پر چلتا رہا ہو گا اسے سخت سزا دوں گا جو جہنم کی صورت
میں تیار ہے۔

(۲) یعنی میرے نیک بندوں پر تیرا ڈاؤ نہیں چلے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے کوئی گناہ ہی سرزد نہیں ہو گا، بلکہ
مطلب یہ ہے کہ ان سے ایسا گناہ نہیں ہو گا کہ جس کے بعد وہ نامور اور تائب نہ ہوں کیوں کہ وہی گناہ انسان کی ہلاکت کا
باعث ہے کہ جس کے بعد انسان کے اندر ندامت کا احساس اور توبہ و انابت الی اللہ کا داعیہ پیدا نہ ہو۔ ایسے گناہ کے بعد
ہی انسان گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے، اور بالآخر دائمی تباہی و ہلاکت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اور اہل ایمان کی صفت یہ
ہے کہ گناہ پر اصرار نہیں کرتے بلکہ فوراً توبہ کر کے آئندہ کے لیے اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۳) یعنی جتنے بھی تیرے پیروکار ہوں گے، سب جہنم کا عید من بنیں گے۔

کا ایک حصہ بنا ہوا ہے۔^(۱) (۳۴)

پرہیز گار جنتی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔^(۲) (۳۵)

(ان سے کہا جائے گا) سلامتی اور امن کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔^(۳) (۳۶)

ان کے دلوں میں جو کچھ رنجش و کینہ تھا، ہم سب کچھ نکال دیں گے،^(۴) وہ بھائی بھائی بنے ہوئے ایک دوسرے کے آنے سانسے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ (۳۷)

نہ تو وہاں انہیں کوئی تکلیف چھو سکتی ہے اور نہ وہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے۔ (۳۸)

میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں۔ (۳۹)

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝

أَدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ أُعِينٍ ۝

وَسَرَعَتَا إِلَىٰ صُدُورِهِمَا فِيهَا الْخَوَانِعُ ۝
سُورَةُ الْمُتَفِيلِينَ ۝

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا فِجْجًا ۝

يَتَذَكَّرُونَ فِيهَا الْقَوْلِ الرَّجِئِ ۝

(۱) یعنی ہر دروازہ مخصوص قسم کے لوگوں کے لیے خاص ہو گا۔ مثلاً ایک دروازہ مشرکوں کے لیے، ایک دہروں کے لیے، ایک زندیقوں کے لیے، ایک زانیوں، سود خوروں، چوروں اور ڈاکوؤں کے لیے وغیرہ وغیرہ۔ یا سات دروازوں سے مراد سات طبق اور درجے ہیں۔ پہلا طبق یا درجہ جہنم ہے، دوسرا نعلی، پھر حطہ، پھر سعیر، پھر سقر، پھر جحیم، پھر ہادیہ، سب سے اوپر والے درجہ موحدین کے لیے ہو گا۔ جنہیں کچھ عرصہ سزا دینے کے بعد یا سفارش پر نکال لیا جائے گا۔ دوسرے میں یہودی، تیسرے میں عیسائی، چوتھے میں صابی، پانچویں میں مجوسی، چھٹے میں مشرکین اور ساتویں میں منافقین ہوں گے۔ سب سے اوپر والے درجے کا نام جہنم ہے اس کے بعد اسی ترتیب سے نام ہیں۔ (فتح القدیر)

(۲) جہنم اور اہل جہنم کے بعد جنت اور اہل جنت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے تاکہ جنت میں جانے کی ترغیب ہو۔ متقین سے مراد شرک سے بچنے والے موحدین ہیں اور بعض کے نزدیک وہ اہل ایمان جو تمام معاصی سے بچتے رہے۔ حَتَّاتٍ سے مراد باغات اور عیون سے نرس مراد ہیں۔ یہ باغات اور نرس یا تو تمام متقین کے لیے مشترک ہوں گی، یا ہر ایک کے لیے الگ الگ باغات اور نرس یا ایک ایک باغ اور نرس ہو گی۔

(۳) سلامتی ہر قسم کی آفات سے اور امن ہر قسم کے خوف سے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو یا فرشتے اہل جنت کو سلامتی کی دعا دیں گے۔ یا اللہ کی طرف سے ان کی سلامتی اور امن کا اعلان ہو گا۔

(۴) دنیا میں ان کے درمیان جو آپس میں حسد اور بغض و عداوت کے جذبات رہے ہوں گے، وہ ان کے سینوں سے نکال دیے جائیں گے اور ایک دوسرے کے بارے میں ان کے دل آئینے کی طرح صاف اور شفاف ہوں گے۔

وَأَنَّ عَذَابَ هَؤُلَاءِ الْعَذَابِ الْاَلِيمِ ۝

وَيَذَرُهُمْ عَنْ صَيْفٍ رَافِعٍ ۝

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ۝

قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نَحْنُ الْمَكِيدُونَ ۝

قَالَ أَتَشْرِكُونَ عَلَىٰ آلِ مَرْثِيٍّ الْكَبِيرِ قِيمَ

تَعْبِيرُونَ ۝

قَالُوا بَشَرٌ مِّثْلَ الْبَاقِي فَلَا تَكُن مِّنَ الْقَاطِلِينَ ۝

قَالَ وَمَنْ يَقْضِ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّي إِلَّا الضَّالُّونَ ۝

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝

قَالُوا إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۝

اور ساتھ ہی میرے عذاب بھی نہایت دردناک ہیں۔ (۵۰)

انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا (بھی) حال سناؤ۔ (۵۱)

کہ جب انہوں نے ان کے پاس آکر سلام کہا تو انہوں

نے کہا کہ ہم کو تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ (۵۲)^(۱)

انہوں نے کہا ڈرو نہیں، ہم تجھے ایک صاحب علم فرزند

کی بشارت دیتے ہیں۔ (۵۳)

کہا، کیا اس بڑھاپے کے آجانے کے بعد تم مجھے خوشخبری

دیتے ہو ایہ خوشخبری تم کیسے دے رہے ہو؟ (۵۴)

انہوں نے کہا ہم آپ کو بالکل سچی خوشخبری سناتے ہیں

آپ مایوس لوگوں میں شامل نہ ہوں۔ (۵۵)^(۲)

کہا اپنے رب تعالیٰ کی رحمت سے ناامید تو صرف گمراہ

اور شکے ہوئے لوگ ہی ہوتے ہیں۔ (۵۶)^(۳)

پوچھا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتوں) تمہارا ایسا کیا اہم

کام ہے؟ (۵۷)^(۴)

انہوں نے جواب دیا کہ ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے

ہیں۔ (۵۸)

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان فرشتوں سے ڈر اس لیے محسوس ہوا کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تیار کردہ بھنا ہوا پھڑا نہیں کھایا، جیسا کہ سورۃ ہود میں تفصیل گزری۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبروں کو بھی غیب کا علم نہیں ہوتا، اگر پیغمبر عالم الغیب ہوتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ جاتے کہ آنے والے مہمان فرشتے ہیں اور ان کے لیے کھانا تیار کرنے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ فرشتے انسانوں کی طرح کھانے پینے کے محتاج نہیں ہیں۔

(۲) کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو خلاف نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں وہ ہر بات پر قادر ہے، کوئی بات اس کے لیے ناممکن نہیں۔

(۳) یعنی اولاد کے ہونے پر میں جو تعجب اور حیرت کا اظہار کر رہا ہوں تو صرف اپنے بڑھاپے کی وجہ سے کر رہا ہوں یہ بات نہیں ہے کہ میں اپنے رب کی رحمت سے ناامید ہوں۔ رب کی رحمت سے ناامید تو گمراہ لوگ ہی ہوتے ہیں۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان فرشتوں کی گفتگو سے اندازہ لگا لیا کہ یہ صرف اولاد کی بشارت دینے ہی نہیں

آئے ہیں بلکہ ان کی آمد کا اصل مقصد کوئی اور ہے۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا۔

إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمَجْعُومٌ لِّجُنُودِنَا ۝

إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا إِنَّهَا لَمِنَ الْغَافِلِينَ ۝

فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ بِالْمُرْسَلِينَ ۝

قَالَ رَبِّمُومٌ مُّشْكِرُونَ ۝

قَالُوا بَلْ يَمُنُّ بِمَا كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝

وَآتَيْنَكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝

فَأَنشَأْنَا لَكَ يَوْمَئِذٍ نَضْحَةً أَدْبَارَهُمْ

وَلَا يَذْكُرُونَ مِمَّا كَانُوا أَحَدًا وَامْتَصُوا حَيْثُ تَوَمَّوْنَ ۝

وَقَضَيْنَا إِلَيْكَ ذَٰلِكَ الْكُرْآنَ دَٰبِرَهُمْ وَأَنفُسَهُمْ

مُضْمِرِينَ ۝

وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ۝

مگر خاندان لوط کہ ہم ان سب کو تو ضرور بچائیں گے۔ (۵۹)

سوائے اس (لوط) کی بیوی کے کہ ہم نے اسے رکنے اور

باقی رہ جانے والوں میں مقرر کر دیا ہے۔ (۶۰)

جب بھیجے ہوئے فرشتے آل لوط کے پاس پہنچے۔ (۶۱)

تو انہوں (لوط علیہ السلام) نے کہا تم لوگ تو کچھ انجان

سے معلوم ہو رہے ہو۔ (۶۲)

انہوں نے کہا نہیں بلکہ ہم تیرے پاس وہ چیز لائے ہیں

جس میں یہ لوگ شک شبہ کر رہے تھے۔ (۶۳)

ہم تو تیرے پاس (صریح) حق لائے ہیں اور ہیں بھی بالکل

سچے۔ (۶۴)

اب تو اپنے خاندان سمیت اس رات کے کسی حصہ میں

چل دے اور آپ ان کے پیچھے رہنا، (۳) اور (خبردار) تم

میں سے کوئی (پیچھے) مڑ کر بھی نہ دیکھے اور جہاں کا تمہیں

حکم کیا جا رہا ہے وہاں چلے جانا۔ (۶۵)

اور ہم نے اس کی طرف اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ صبح ہوتے

ہوتے ان لوگوں کی جڑیں کاٹ دی جائیں گی۔ (۶۶)

اور شرعاً لے خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔ (۶۷)

(۱) یہ فرشتے حسین نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام کے لیے بالکل انجان تھے اس لیے انہوں نے ان سے اجنبیت اور بیگانگی کا اظہار کیا۔

(۲) یعنی عذاب الہی۔ جس میں تیری قوم کو شک ہے کہ وہ ابھی سکتا ہے؟

(۳) اس صریح حق سے بھی عذاب مراد ہے جس کے لیے وہ بھیجے گئے تھے اس لیے انہوں نے کہا ہم ہیں بھی بالکل

سچے۔ یعنی عذاب کی جو بات ہم کر رہے ہیں اس میں سچے ہیں۔ اب اس قوم کی تباہی کا وقت بالکل قریب آ پہنچا ہے۔

(۴) تاکہ کوئی مومن پیچھے نہ رہے، تو ان کو آگے کرتا رہے۔

(۵) یعنی لوط علیہ السلام کو وحی کے ذریعے سے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ صبح ہونے تک ان لوگوں کی جڑیں کاٹ دی

جائیں گی، یا دایرہ سے مراد وہ آخری آدمی ہے جو باقی رہ جائے گا، فرمایا، وہ بھی صبح ہونے تک ہڈک کر دیا جائے گا۔

(۶) اور تو حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں قوم کی ہلاکت کا یہ فیصلہ ہو رہا تھا اور تو قوم لوط کو پتہ چلا کہ لوط علیہ السلام

قَالَ إِنَّ هَؤُلَاءِ ضَلُّوا صَبِيحًا فَلَا تَنْصَحُونِ ۝

وَأَنصَحُوا اللَّهَ وَلَا تَحْزَنُوا ۝

قَالُوا أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعَجَمِيِّينَ ۝

قَالَ هَؤُلَاءِ سَابِقُوا إِن كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ۝

لَعَنَ رَبُّكَ إِيَّاهُمْ لِقَدْ كُنتُمْ فِيهِمْ بِغُفُورًا ۝

فَاتَّخَذَتْهُمْ السَّيِّئَةُ مَلَائِكَةً ۝

(لوط علیہ السلام نے) کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں تم مجھے رسوانہ کرو۔^(۶۸)

اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے رسوانہ کرو۔^(۶۹)

وہ بولے کیا ہم نے تجھے دنیا بھر (کی ٹھیکیداری) سے منع نہیں کر رکھا؟^(۷۰)

(لوط علیہ السلام نے) کہا اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یہ میری بچیاں موجود ہیں۔^(۷۱)

تیری عمر کی قسم! وہ تو اپنی بدمستی میں سرگرداں تھے۔^(۷۲)

پس سورج نکلنے نکلنے انہیں ایک بڑے زور کی آواز نے

کے گھر میں خوش شکل نوجوان مہمان آئے ہیں تو اپنی امد پرستی کی وجہ سے بڑے خوش ہوئے اور خوشی خوشی حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ ان نوجوانوں کو ان کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ ان سے بے حیائی کا ارتکاب کر کے اپنی تسکین کر سکیں۔

(۱) حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ مہمان ہیں انہیں میں کس طرح تمہارے سپرد کر سکتا ہوں اس میں تو میری رسوائی ہے۔

(۲) انہوں نے ڈھٹائی اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اے لوط اتوان اجنبیوں کا کیا لگتا ہے؟ اور کیوں ان کی حمایت کرتا ہے؟ کیا ہم نے تجھے منع نہیں کیا ہے کہ اجنبیوں کی حمایت نہ کیا کر یا ان کو اپنا مہمان نہ بنایا کر یا یہ ساری گفتگو اس وقت ہوئی جب کہ حضرت لوط علیہ السلام کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ اجنبی مہمان اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور وہ اسی ثانیہ قیام کو تباہ کرنے کے لیے آئے ہیں جو ان فرشتوں کے ساتھ بد فعلی کے لیے معر تھی جیسا کہ سورہ ہود میں یہ تفصیل مگر چکی ہے۔ یہاں ان کے فرشتے ہونے کا ذکر پہلے آگیا ہے۔

(۳) یعنی ان سے تم نکاح کرو یا پھر اپنی قوم کی عورتوں کو اپنی بیٹیاں کما یعنی تم عورتوں سے نکاح کرو یا جن کے حبانہ عقد میں عورتیں ہیں وہ ان سے اپنی خواہش پوری کریں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرما کر ان کی زندگی کی قسم کھا رہا ہے جس سے آپ کا شرف و فضل واضح ہے۔ تاہم کسی اور کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو حاکم مطلق ہے وہ جس کی چاہے قسم کھائے اس سے کون پوچھنے والا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح شراب کے نشے میں دھت انسان کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے اسی طرح یہ اپنی بدمستی اور گمراہی میں اتنے سرگرداں تھے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی، تنی معقول بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔

پکڑ لیا۔^(۷۳)

بالآخر ہم نے اس شہر کو اوپر تلے کر دیا^(۷۴) اور ان لوگوں پر
کنکر والے پتھر^(۷۵) برسائے۔ (۷۴)

بلاشبہ بصیرت والوں کے لیے^(۷۶) اس میں بہت سی
نشانیاں ہیں۔ (۷۵)

یہ بستی ایسی راہ پر ہے جو برابر چلتی رہتی (عام گزرگاہ)
ہے۔^(۷۷) (۷۶)

اور اس میں ایمان والوں کے لیے بڑی نشانی ہے۔ (۷۷)
ایک بستی کے رہنے والے بھی بڑے عالم تھے۔^(۷۸) (۷۸)

فَجَعَلْنَا عَلَيْهِمُ سَائِغًا وَآمِنًا عَلَيْهِمْ جَارًا

مِنْ يَجْتَلِ ۝

إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّمُتَوَسِّمِينَ ۝

وَأَنَّهُمُ الْمَسِينُ يُقْبَلُونَ ۝

إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ لِّمُؤْمِنِينَ ۝

وَأَن كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَغُلِيلِينَ ۝

(۱) ایک چنگڑ نے جب کہ سورج طلوع ہو چکا تھا ان کا خاتمہ کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ زور دار آواز حضرت جبرائیل علیہ السلام کی تھی۔

(۲) کہا جاتا ہے کہ ان کی بستیوں کو زمین سے اٹھا کر اوپر آسمان پر لے جایا گیا اور وہاں سے ان کو ان کر زمین پر پھینک دیا گیا۔ یوں اوپر والا حصہ نیچے اور نیچلا حصہ اوپر کر کے ۷۰ واپلا کر دیا گیا اور کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد محض اس بستی کا چھوٹا سمیت زمین بوس ہو جاتا ہے۔

(۳) اس کے بعد ان پر کنکر قسم کے مخصوص پتھر برسائے گئے۔ اس طرح گویا تین قسم کے غذاؤں سے انہیں دوچار کر کے نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔

(۴) گہری نظر سے جائزہ لینے اور غور و فکر کرنے والوں کو مُتَوَسِّمِينَ کہا جاتا ہے۔ مُتَوَسِّمِينَ کے لیے اس واقعے میں عبرت کے پہلو اور نشانیاں ہیں۔

(۵) مراد شاہراہ عام ہے۔ یعنی قوم لوط کی بستیاں مدینے سے شام کو جاتے ہوئے راستے میں پڑتی ہیں۔ ہر آنے جانے والے کو انہی بستیوں سے گزر کر جانا پڑتا ہے۔ کہتے ہیں یہ پانچ بستیاں تھیں۔ سَدُومُ (یہ مرکزی بستی تھی) صَفِیْثُ، صَعُوْثُ، عَمْرُوتُ اور دُؤْمُ، کہا جاتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے اپنے بازو پر انہیں اٹھایا اور آسمان پر چڑھ گئے حتیٰ کہ آسمان والوں نے ان کے کتوں کے بھونکنے اور مرغوں کے بولنے کی آوازیں سنیں اور پھر ان کو زمین پر دے مارا (ابن کثیر) مگر اس بات کی کوئی سند نہیں ہے۔

(۶) اَیْکَةُ گھنے درخت کو کہتے ہیں۔ اس بستی میں گھنے درخت ہوں گے اس لیے انہیں أَصْحَابُ الْأَیْکَةِ (بن یا جنگل والے) کہا گیا ہے۔ مراد اس سے قوم شعیب ہے اور ان کا زمانہ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد ہے اور ان کا علاقہ حجاز اور شام کے درمیان قوم لوط کی بستیوں کے قریب ہی تھا۔ اسے مدین کہا جاتا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے یا پوتے

فَلَنَقُومَنَّهُمْ وَرَأَيْنَاهُمَا بِمَا كُفِرْتُمَا ۝۴۱

وَلَقَدْ كَتَبْنَا عَلَىٰ آلِهِمُ الْمُؤْمِنِينَ ۝
وَأَنبَأْنَاهُمُ الْبُشْرَىٰ فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝

وَكَانُوا يَنْجُتُونَ مِنَ الْهَبَالِ ۝۴۲

فَلَمَّا كَثُرَتْهُمْ أَصْحَابُ الْمُنَافِقِينَ ۝

لَمَّا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَتَاعُهُمْ ذُنُوبُهُمْ ۝
وَمَا خَلَقْنَا السَّحَابَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ
وَرَأَى السَّامِعُ لَآئِنَهُ فَاظْهَرَ الْقَضَاءُ الْعَبِيدَ ۝

جن سے (آخر) ہم نے انتقام لے ہی لیا۔ یہ دونوں شر
کلمے (عام) راستے پر ہیں۔^(۷۹)

اور حجر والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔^(۸۰)
اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں بھی عطا فرمائیں (لیکن)
تاہم وہ ان سے روگردانی ہی کرتے رہے۔^(۸۱)

یہ لوگ پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے تھے بے
خوف ہو کر۔^(۸۲)

آخر انہیں بھی صبح ہوتے ہوتے چنگھڑنے آدھوچا۔^(۸۳)
پس ان کی کسی تدبیر و عمل نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔^(۸۴)
ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی سب
چیزوں کو حق کے ساتھ ہی پیدا فرمایا ہے،^(۸۵) اور قیامت

کا نام تھا اور اسی کے نام پر بستی کا نام پڑ گیا تھا۔ ان کا ظلم یہ تھا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے تھے، رہنبری ان کا شیوہ
اور کم تولد اور کم ناپ ان کا وطیرہ تھا، ان پر جب عذاب آیا تو ایک تو بادل ان پر سایہ فلک ہو گیا پھر چنگھاڑ اور بھونچال نے
مل کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(۱) اِطَامَ ثَمُودَ کے معنی بھی شاہراہ عام کے ہیں، جہاں سے شب و روز لوگ گزرتے ہیں۔ دونوں شر سے مراد قوم ہود کا
شر اور قوم شعیب کا مسکن۔ مدین۔ مراد ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہی تھے۔

(۲) حجر حضرت صالح علیہ السلام کی قوم۔ ثمود کی بستیوں کا نام تھا۔ انہیں اَصْحَابُ الْحِجْر (حجر والے) کہا گیا ہے۔ یہ بستی
مدینہ اور تبوک کے درمیان تھی۔ انہوں نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا
”انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا، یہ اس لیے کہ ایک پیغمبر کی تکذیب ایسے ہی ہے جیسے سارے پیغمبروں کی تکذیب۔“

(۳) ان نشانوں میں وہ اونٹنی بھی تھی جو ان کے کہنے پر ایک چٹان سے بطور معجزہ ظاہر کی گئی تھی، لیکن ظالموں نے
اسے بھی قتل کر ڈالا۔

(۴) یعنی بغیر کسی خوف یا احتیاج کے پہاڑ تراش لیا کرتے تھے۔ ۹ ہجری میں تبوک جاتے ہوئے جب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اس بستی سے گزرے تو آپ ﷺ نے سر پر کپڑا لپیٹ لیا اور اپنی سواری کو تیز کر لیا اور صحابہ سے فرمایا کہ
روتے ہوئے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس بستی سے گزرو (ابن کثیر) صحیح بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت
ہے۔ نمبر ۳۳۳، مسلم نمبر ۲۲۸۵۔

(۵) حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں کہا کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آجائے گا چنانچہ چوتھے روز ان پر یہ عذاب آگیا۔
(۶) حق سے مراد وہ فوائد و مصالح ہیں جو آسمان و زمین کی پیدائش سے مقصود ہیں یا حق سے مراد محسن (نیکو کار) کو س

ضرور ضرور آنے والی ہے۔ پس تو حسن و خوبی (اور اچھائی) سے درگزر کر لے۔ (۸۵)

یقیناً تیرا پروردگار ہی پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ (۸۶)

یقیناً ہم نے آپ کو سات آیتیں دے رکھی ہیں ^(۱) کہ دہرائی جاتی ہیں اور عظیم قرآن بھی دے رکھا ہے۔ (۸۷) آپ ہرگز اپنی نظرس اس چیز کی طرف نہ دوڑائیں جس سے ہم نے ان میں سے کئی قسم کے لوگوں کو بہرہ مند کر رکھا ہے نہ ان پر آپ افسوس کریں اور مومنوں کے لیے اپنے بازو جھکائے رہیں۔ ^(۲) (۸۸)

اور کہہ دیجئے کہ میں تو کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ (۸۹) جیسے کہ ہم نے ان تقسیم کرنے والوں پر اتارا۔ ^(۳) (۹۰)

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ ۝

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَلِ وَالْقُرْآنِ الْعَظِيمِ ۝

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَخَفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ۝
كَبُرَ أَتْرُكْنَا مَعْلَ لَمُتَّيْنِ ۝

کی نیکی کا اور بدکار کو اس کی برائی کا بدلہ دینا ہے۔ جس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا ”اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے تاکہ وہ ہر دو کو ان کی برائیوں کا اور نیکیوں کو ان کی نیکی کا بدلہ دے (انجیم ۳۱)“
(۱) سَبْعًا مَثَلِیْن سے مراد کیا ہے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد سورۃ فاتحہ ہے۔ یہ سات آیتیں ہیں اور جو ہر نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں (مثالی کے معنی بار بار دہرانے کے کیے گئے ہیں) حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ یہ سب مثالی اور قرآن عظیم ہے جو میں دیا گیا ہوں (صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ الحجر) ایک اور حدیث میں فرمایا ”أُمُّ الْقُرْآنِ هِيَ السُّنْعُ الْمَثَلَانِ وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ“ (حوالہ مذکور) سورۃ فاتحہ قرآن کا ایک جزء ہے اس لیے قرآن عظیم کا ذکر بھی ساتھ ہی کیا گیا ہے۔

(۲) یعنی ہم نے سورۃ فاتحہ اور قرآن عظیم جیسی نعمتیں آپ کو عطا کی ہیں اس لیے دنیا اور اس کی زینتیں اور ان مختلف قسم کے اہل دنیا کی طرف نظر نہ دوڑائیں جن کو دنیائے فانی کی عارضی چیزیں ہم نے دی ہیں اور وہ جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں اس پر غم نہ کھائیں اور مومنوں کے لیے اپنے بازو جھکائے رہیں یعنی ان کے لیے نرمی اور محبت کا رویہ اپنائیں۔ اس محاورہ کی اصل یہ ہے کہ جب پرندہ اپنے بچوں کو اپنے سایہ شفقت میں لیتا ہے تو ان کو اپنے بازوؤں یعنی پروں میں لے لیتا ہے۔ یوں یہ ترکیب نرمی، پیار و محبت کا رویہ اپنانے کے مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔

(۳) بعض مفسرین کے نزدیک أَتْرُكْنَا کا مفعول الْعَذَابُ محذوف ہے۔ معنی یہ ہیں کہ میں تمہیں کھول کر ڈرانے والا

الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِصْيَانًا ①

قَوْلِكَ لَسْتَ لَهُمْ أَجْمَعِينَ ②

عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ③

فَأَصْدَقُ بِمَا نُفِيسُوا أَعْرَضُوا عَنْ الْمُتَذَكِّرِينَ ④

رَبَّنَا أَلَمِنَّا أَنْ لَمْ نُصَبِّهِمْ ⑤

الَّذِينَ يَعْصُونَ مَعَ اللَّهِ أَلَهُ الْخُرُوفَاتِ يُعْلَمُونَ ⑥

وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنَّكَ يَصِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ⑦

فَتَبِعْ صِدْقَ نَبِيِّكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ⑧

وَأَعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ⑨

جنہوں نے اس کتاب الہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ (۹۱)

قسم ہے تمہارے پالنے والے کی! ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے۔ (۹۲)

ہر اس چیز کی جو وہ کرتے تھے۔ (۹۳)

پس آپ ^(۱) اس حکم کو جو آپ کو کیا جا رہا ہے کھول کر سنا دیجئے! اور مشرکوں سے منہ پھیر لیجئے۔ (۹۴)

آپ سے جو لوگ مسخر اپن کرتے ہیں ان کی سزا کے لیے ہم کافی ہیں۔ (۹۵)

جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود مقرر کرتے ہیں انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ (۹۶)

ہمیں خوب علم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔ (۹۷)

آپ اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بیان کرتے رہیں اور سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جائیں۔ (۹۸)

اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔ ^(۲) (۹۹)

ہوں عذاب سے، مثل اس عذاب کے جو مُفْتَسِحِينَ پر نازل ہوا مُفْتَسِحِينَ کون ہیں؟ جنہوں نے کتاب الہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے قریش کی قوم مراد ہے جنہوں نے اللہ کی کتاب کو تقسیم کر دیا، اس کے بعض حصے کو شعر، بعض کو سحر (جادو) بعض کو کائنات اور بعض کو اساطیر الاولین (پہلوں کی کہانیاں) قرار دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ مُفْتَسِحِينَ سے اہل کتاب اور قرآن سے مراد تورات و انجیل ہیں۔ انہوں نے ان آسمانی کتابوں کو متفرق اجزا میں بانٹ دیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے جنہوں نے آپس میں قسم کھائی تھی کہ صالح علیہ السلام اور ان کے گھروالوں کو رات کے اندھیرے میں قتل کر دیں گے۔ ﴿فَتَقَاتِلُوْا اللّٰهَ وَلَنُثَبِّتَنَّهٗٓ ذٰلَکَہٗ﴾ النمل ۳۹ اور آسمانی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا عِصْيَانًا کے ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ اس کی بعض باتوں پر ایمان رکھنا اور بعض کے ساتھ کفر کرنا۔

(۱) اَصْدَقُ کے معنی ہیں کھوں کر بیان کرنا، اس آیت کے نزول سے قبل آپ چھپ کر تبلیغ فرماتے تھے، اس کے بعد آپ نے کھلم کھلا تبلیغ شروع کر دی۔ (فتح القدیر)

(۲) مشرکین آپ کو ساحر، مجنون، کاہن وغیرہ کہتے جس سے بشری جبلت کی وجہ سے آپ کبیدہ خاطر ہوتے، اللہ تعالیٰ

سُورَةُ التَّحْلِيلِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَنْیَ اَمْرًا لِّیْ وَلَا تَسْتَعِیْزُوْهُ سُبْحَتَهُ وَتَقَلُّ عَمَّا
یُشِیْرُوْنَ ۝

یَنْزِلُ الْمَلَائِکَةُ بِالزُّوْرِ مِنْ اَمْرِ عَلَیْ مَنْ یَّقَا
مِنْ عِبَادِهِ اَنْ اَنْذِرُوْا نَفْسَکُمْ اِلَآ اِنَّا کَاٰتِلُوْنَ ①

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَقَلُّ عَمَّا یُشِیْرُوْنَ ②

سورہ نحل کی ہے اور اس کی ایک سو اٹھائیس آیتیں اور
سولہ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا
رحم والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم آپہنچا اب اس کی جلدی نہ مچو۔^(۱) تمام
پاکی اس کے لیے ہے وہ برتر ہے ان سب سے جنہیں یہ
اللہ کے نزدیک شریک بتلاتے ہیں۔^(۱)

وہی فرشتوں کو اپنی وحی^(۲) دے کر اپنے حکم سے اپنے
بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے^(۳) اتارتا ہے کہ تم
لوگوں کو آگاہ کر دو کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں پس
تم مجھ سے ڈرو۔^(۴)

اسی نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا^(۵) وہ
اس سے بری ہے جو شرک کرتے ہیں۔^(۶)

نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ حمد و ثنا کریں نماز پڑھیں اور اپنے رب کی عبادت کریں اس سے آپ کو قلبی سکون
بھی ملے گا اور اللہ کی مدد بھی حاصل ہوگی سجدے سے یہاں نماز اور یقین سے مراد موت ہے۔

(۱) اس سے مراد قیامت ہے یعنی وہ قیامت قریب آگئی ہے جسے تم دور سمجھتے تھے پس جلدی نہ مچاؤ یا وہ عذاب مراد ہے جسے
شریکین طلب کرتے تھے۔ اے مستقبل کے بجائے ماضی کے صیغے سے بیان کیا کیوں کہ اس کا وقوع یقینی ہے۔

(۲) رُوح سے مراد وحی ہے جیسا کہ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر ہے۔ ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوحًا مِنْ اَمْرِنَا مَا تَلَٰتِ تَذٰیقِ
مَا كُتِبَ وَلَا اِلَٰهَ اِلَّا اَنْتَ﴾ (الشوریٰ ۵۲) اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے وحی کی اس سے پہلے آپ کو علم نہیں
تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔

(۳) مراد انبیاء علیہم السلام ہیں جن پر وحی نازل ہوتی ہے جس طرح اللہ نے فرمایا ﴿اِنَّہٗ اَخْلَقَ لَکُمْ لَحٰیثَ تَعْمَلُ بِسَانَہٗ﴾
(الانعام۔ ۱۲۳) ”اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کہاں اپنی رسالت رکھے۔“ ﴿یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ لَیُنْذِرَ
یَوْمَ التَّلَاقِ﴾ (المؤمن۔ ۵) ”وہ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے وحی ڈالتا یعنی نازل فرماتا ہے تاکہ وہ
ملاقات والے (قیامت کے) دن سے لوگوں کو ڈرائے۔“

(۴) یعنی محض تمہارے اور کھیل کود کے طور پر نہیں پیدا کیا بلکہ ایک مقصد پیش نظر ہے اور وہ ہے جز و سزا جیسا کہ ابھی
تفصیل گزری۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْقَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ۝

وَاللَّعَلَّكُمْ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ

وَمِنْهَا تَكُلُونَ ۝

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرْجَعُونَ وَحِينَ تُسْرَحُونَ ۝

وَتَجِدُ فِيهَا لَكُمْ إِلَىٰ بَكَدٍ ثُمَّ تَكُونُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْبَيْتِ

الْأَوَّلِ إِن رَّبُّكُمْ لَرَوْفٌ رَّحِيمٌ ۝

وَالْحَيْلُ وَالْبُغَالُ وَالْحَمِيرُ يَتَرَبَّصُّونَهَا وَزِينَةٌ

اس نے انسان کو نطق سے پیدا کیا پھر وہ صریح جھگڑا لو بن بیٹھا۔^(۱) (۳)

اسی نے چوپائے پیدا کیے جن میں تمہارے لیے گرمی کے لباس ہیں اور بھی بست سے نفع ہیں^(۲) اور بعض تمہارے کھانے کے کام آتے ہیں۔ (۵)

اور ان میں تمہاری رونق بھی ہے جب چر کر لاؤ تب بھی اور جب چرانے لے جاؤ تب بھی۔^(۳) (۶)

اور وہ تمہارے بوجھ ان شہروں تک اٹھالے جاتے ہیں جہاں تم بغیر آدمی جان کیے پہنچ ہی نہیں سکتے تھے۔ یقیناً تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور نہایت مہربان ہے۔ (۷)

گھوڑوں کو 'خجروں' کو 'گدھوں' کو اس نے پیدا کیا کہ تم ان کی سواری لو اور وہ باعث زینت بھی ہیں۔^(۴) اور بھی

(۱) یعنی ایک جادہ چیز سے جو ایک جاندار کے اندر سے نکلتی ہے جسے منی کہا جاتا ہے۔ اسے مختلف اطوار سے گزار کر ایک مکمل صورت دی جاتی ہے پھر اس میں اللہ تعالیٰ روح پھونکتا ہے اور ماں کے پیٹ سے نکال کر اس دنیا میں دیتا ہے جس میں وہ زندگی گزارتا ہے لیکن جب اسے شعور آتا ہے تو اسی رب کے معاملے میں جھگڑتا اس کا انکار کرتا یا اس کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔

(۲) اسی احسان کے ساتھ دوسرے احسان کا ذکر فرمایا کہ چوپائے (اونٹ، گائے اور بکریاں) بھی اسی نے پیدا کیے جن کے بالوں اور اون سے تم گرم کپڑے تیار کر کے گرمی حاصل کرتے ہو۔ اسی طرح ان سے دیگر منافع حاصل کرتے ہو مثلاً ان سے دودھ حاصل کرتے ہو ان پر سواری کرتے اور سامان لاتے ہو ان کے ذریعے سے ہل چلاتے اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہو وغیرہ وغیرہ۔

(۳) تَرِیْحُونَ جب شام کو چر اگا ہوں سے چر کر گھر لاؤ نَسْرَحُونَ جب صبح چرانے کے لیے لے جاؤ ان دونوں وقتوں میں یہ لوگوں کی نظروں میں آتے ہیں جس سے تمہارے حسن و جمال میں اضافہ ہوتا ہے ان دونوں اوقات کے علاوہ وہ نظروں سے اوجھل رہتے یا ہاڑوں میں بند رہتے ہیں۔

(۴) یعنی ان کی پیدائش کا اصل مقصد اور فائدہ تو ان پر سواری کرنا ہے تاہم یہ زینت کا بھی باعث ہیں۔ گھوڑے 'خجروں' اور گدھوں کے الگ ذکر کرنے سے بعض فقہانے استدلال کیا ہے کہ گھوڑا بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح گدھا اور خچر۔ علاوہ ازیں کھانے والے چوپایوں کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ اس لیے اس آیت میں جن تین جانوروں کا ذکر ہے یہ صرف

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

وہ ایسی بہت چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم بھی نہیں۔^(۸)

اور اللہ پر سیدھی راہ کا بتا دینا ہے^(۹) اور بعض ٹیڑھی راہیں ہیں، اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لگا دیتا۔^(۱۰)

وہی تمہارے فائدے کے لیے آسمان سے پانی برساتا ہے جسے تم پیتے بھی ہو اور اسی سے اگے ہوئے درختوں کو تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو۔ (۱۰)

وَعَلَّ اللَّهُ قَصْدُ التَّيْسِلِ وَفِيهَا جَاءَ بِرُؤُوسِهِمْ لَهَاذِكُمْ أَحْيَيْنَ ۝

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ۝

رکوب (سواری) کے لیے ہے۔ لیکن یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں کہ صحیح احادیث سے گھوڑے کی حلت ثابت ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے۔ أَذِنَ فِيهِ لُحُومُ الْخَيْلِ (صحیح بخاری، کتاب الدبائح، باب لحوم الخيل) و مسلم (کتاب الصيد، باب فی اكل لحوم الخيل) علاوہ ازیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں خیبر اور مدینہ میں گھوڑا ذبح کر کے اس کا گوشت پکایا اور کھایا۔ آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا (ملاحظہ ہو صحیح مسلم، باب مذکور) و مسند احمد، ج ۳، ص ۳۵۶، ابو داؤد کتاب الاطعمه، باب فی اكل لحوم الخيل) اسی لیے جمہور علماء اور سلف و خلف کی اکثریت گھوڑے کی حلت کی قائل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) یہاں گھوڑے کا ذکر محض سواری کے ضمن میں اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کا غالب ترین استعمال اسی مقصد کے لیے ہے، وہ ساری دنیا میں ہمیشہ اتنا گراں اور قیمتی ہوا کرتا ہے کہ خوراک کے طور پر اس کا استعمال بہت ہی نادر ہے۔ بھیڑ بکری کی طرح اس کو خوراک کے لیے ذبح نہیں کیا جاتا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کو بلا دلیل حرام ٹھہرا دیا جائے۔

(۱) زمین کے زیریں حصے میں، اسی طرح سمندر میں، اور بے آب و گیاہ صحراؤں اور جنگلوں میں اللہ تعالیٰ مخلوق پیدا فرماتا رہتا ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں اور اسی میں انسان کی بنائی ہوئی وہ چیزیں بھی آجاتی ہیں جو اللہ کے دیئے ہوئے دماغ اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اسی کی پیدا کردہ چیزوں کو مختلف انداز میں جو ڈکروہ تیار کرتا ہے، مثلاً بس، کار، ریل گاڑی، جہاز اور ہوائی جہاز اور اس طرح کی بے شمار چیزیں اور جو مستقبل میں متوقع ہیں۔

(۲) اس کے ایک دوسرے معنی ہیں ”اور اللہ ہی پر ہے سیدھی راہ“ یعنی اس کا بیان کرنا۔ چنانچہ اس نے اسے بیان فرما دیا اور ہدایت اور ضلالت دونوں کو واضح کر دیا، اسی لیے آگے فرمایا کہ بعض راہیں ٹیڑھی ہیں یعنی گمراہی کی ہیں۔

(۳) لیکن اس میں چوں کہ جبر ہوتا اور انسان کی آزمائش نہ ہوتی، اس لیے اللہ نے اپنی مشیت سے سب کو مجبور نہیں کیا، بلکہ دونوں راستوں کی نشاندہی کر کے، انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے۔

يُثَبِّتُ لَكُمْ فِيهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّجِيلَ
وَالْأَعْنَابَ وَهَنَ كُلِّ الثَّمَرَاتِ إِنَّ فِي ذَلِكَ
لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١٠﴾

وَصَحَّرَ لَكُمْ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
وَالنَّجْمُومُ مَسْعُورَاتٌ بِأَمْرِ رَبِّكَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً
لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١١﴾

وَمَا أَفَاءَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُغْتَلَبًا إِلَّا نَزَلْنَا
ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢﴾

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لَكُمْ دَافِعِي الْمَوَاطِنَ
وَلَا تَنَزَّاعُ لَهُ مِنْهُ يُجْلِي عَنَّا سُحُوبًا يَدُورُ
فِيهَا الْغُلُوكُ مَوَاطِنَ فِيهِ وَلَقَدْ رَفَعْنَا مِنْ فَضْلِهِ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٣﴾

اسی سے وہ تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور
انگور اور ہر قسم کے پھل آگاتا ہے بے شک ان لوگوں
کے لیے تو اس میں بڑی نشانی ہے ^(۱۰) جو غور و فکر کرتے
ہیں۔ (۱۱)

اسی نے رات دن اور سورج چاند کو تمہارے لیے تابع کر
دیا ہے اور ستارے بھی اسی کے حکم کے ماتحت ہیں۔ یقیناً
اس میں عقلمند لوگوں کے لیے کئی ایک نشانیاں موجود
ہیں۔ ^(۱۲) (۱۳)

اور بھی بہت سی چیزیں طرح طرح کے رنگ روپ کی
اس نے تمہارے لیے زمین پر پھیلا رکھی ہیں۔ بیشک
نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے اس میں بڑی بھاری
نشانی ہے۔ ^(۱۳) (۱۴)

اور دریا بھی اسی نے تمہارے بس میں کر دیے ہیں کہ تم
اس میں سے (نکلا ہوا) تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے
اپنے پسنے کے زیورات نکال سکو اور تم دیکھتے ہو کہ
کشتیاں اس میں پانی چرتی ہوئی (چلتی) ہیں اور اس لیے
بھی کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور ہو سکتا ہے کہ تم شکر
گزاری بھی کرو۔ ^(۱۴) (۱۵)

(۱) اس میں بارش کے وہ فوائد بیان کیے گئے ہیں جو ہر شخص کے مشاہدے اور تجربے کا حصہ ہیں وہ محتاج وضاحت
نہیں۔ نیز ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

(۲) کس طرح رات اور دن چھوٹے بڑے ہوتے ہیں، چاند اور سورج کس طرح اپنی اپنی منزلوں کی طرف رواں دواں
رہتے ہیں اور ان میں کبھی فرق واقع نہیں ہوتا، ستارے کس طرح آسمان کی زینت اور رات کے اندھیروں میں بھٹکے
ہوئے مسافروں کے لیے دلیل راہ ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور سلطنت عظیمہ پر دلالت کرتے ہیں۔

(۳) یعنی زمین میں اللہ نے جو معدنیات، نباتات، جمادات اور حیوانات اور ان کے منافع اور خواص پیدا کیے ہیں، ان
میں بھی نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

(۴) اس میں سمندر کی تلاطم خیز موجوں کو انسان کے تابع کر دینے کے بیان کے ساتھ، اس کے تین فوائد بھی ذکر کیے

وَالْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا
لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥﴾

وَعَلَيْتُمْ وَبِالْجِبْرِ هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿١٦﴾

أَفَسُ يُخْلَقُ لَكُمْ لِيَخْلُقَ أَفْلاكُمْ كُرُون ﴿١٧﴾

وَأَن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ اللَّهَ لَعَمْرُؤٌ جَبِيءٌ ﴿١٨﴾

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُشْرُونَ وَمَا تُعِينُونَ ﴿١٩﴾

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا
وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٠﴾

اور اس نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیے ہیں تاکہ تمہیں لے
کر چلے نہ،^(۱) اور نہریں اور راہیں بنا دیں تاکہ تم منزل
مقصود کو پہنچو۔^(۲) (۱۵)

اور بھی بہت سی نشانیاں مقرر فرمائیں۔ اور ستاروں سے
بھی لوگ راہ حاصل کرتے ہیں۔ (۱۶)

تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس جیسا ہے جو پیدا نہیں کر سکتا؟
کیا تم بالکل نہیں سوچتے؟^(۳) (۱۷)

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو تم اسے نہیں کر
سکتے۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۸)

اور جو کچھ تم چھپاؤ اور ظاہر کرو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا
ہے۔^(۴) (۱۹)

اور جن جن کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں وہ
کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ وہ خود پیدا کیے ہوئے

ہیں۔ ایک یہ کہ تم اس سے مچھلی کی شکل میں تازہ گوشت کھاتے ہو (اور مچھلی مردہ بھی ہو تب بھی حلال ہے۔ علاوہ ازیں
حالت احرام میں بھی اس کو شکار کرنا حلال ہے۔) دوسرے اس سے تم موتی، سیپیاں اور جواہر نکالتے ہو، جن سے تم
زیور بناتے ہو۔ تیسرے اس میں تم کشتیاں اور جہاز چلاتے ہو، جن کے ذریعے سے تم ایک ملک سے دوسرے ملک میں
جاتے ہو، تجارتی سامان بھی لاتے، لے جاتے ہو، جس سے تمہیں اللہ کا فضل حاصل ہوتا ہے جس پر تمہیں اللہ کا شکر
گزار ہونا چاہیے۔

(۱) یہ پہاڑوں کا فائدہ بیان کیا جا رہا ہے اور اللہ کا ایک احسان عظیم بھی، کیونکہ اگر زمین ہلٹی رہتی تو اس میں سکونت
ممکن ہی نہ رہتی۔ اس کا اندازہ ان زلزلوں سے کیا جاسکتا ہے جو چند سیکنڈوں اور لمحوں کے لیے آتے ہیں، لیکن کس
طرح وہ بڑی بڑی مضبوط عمارتوں کو بوند زمین اور شہروں کو کھنڈروں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

(۲) نہروں کا سلسلہ بھی عجیب ہے، کہاں سے وہ شروع ہوتی ہیں اور کہاں کہاں، دائیں بائیں، شمال جنوب، مشرق و
مغرب ہر جہت کو سیراب کرتی ہیں۔ اسی طرح راستے بنائے، جن کے ذریعے سے تم منزل مقصود پر پہنچتے ہو۔

(۳) ان تمام نعمتوں سے توحید کی اہمیت کو اجاگر فرمایا کہ اللہ تو ان تمام چیزوں کا خالق ہے، لیکن اس کو چھوڑ کر جن کی تم
عبادت کرتے ہو، انہوں نے بھی کچھ پیدا کیا ہے؟ نہیں، بلکہ وہ تو خود اللہ کی مخلوق ہیں پھر بھلا خالق اور مخلوق کس طرح
برابر ہو سکتے ہیں؟ جبکہ تم نے انہیں معبود بنا کر اللہ کا برابر ٹھہرا رکھا ہے۔ کیا تم ذرا نہیں سوچتے؟

(۴) اور اس کے مطابق وہ قیامت والے دن جزا اور سزا دے گا نیک کو نیکی کی جزا اور بد کو اس کی بدی کی سزا

ہیں۔^(۲۰)

مردے ہیں زندہ نہیں،^(۲۱) انہیں تو یہ بھی شعور نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔^(۲۲)

تم سب کا معبود صرف اللہ تعالیٰ اکیلا ہے اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل منکر ہیں اور وہ خود تکبر سے بھرے ہوئے ہیں۔^(۲۳)

بے شک و شبہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جسے وہ لوگ چھپاتے ہیں اور جسے ظاہر کرتے ہیں، بخوبی جانتا ہے۔ وہ غور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔^(۲۴)

ان سے جب دریافت کیا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار

أَسْوَآتٍ غَيْرِ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿۲۰﴾

إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكَرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿۲۱﴾

لَا حِزْمَ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُشْرُونَ وَمَا يُغْنِيُونَ إِنَّهُ لَا يَرْضَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۲۲﴾

وَلَا يَقْبَلُ لَهُمْ مَادًّا أَتَرَىٰ رَبُّكُمْ قَالُوا أَسَاطِيرُ

(۱) اس میں ایک چیز کا اضافہ ہے یعنی صفت کمال (خالقیت) کی نفی کے ساتھ نقصان یعنی کمی (عدم خالقیت) کا اثبات۔ (فتح القدیر)

(۲) مردہ سے مراد وہ جماد (پتھر) بھی ہیں جو بے جان اور بے شعور ہیں۔ اور فوت شدہ صالحین بھی ہیں۔ کیوں کہ مرنے کے بعد اٹھایا جاتا (جس کا انہیں شعور نہیں) وہ توحید کے بجائے صالحین ہی پر صادق آسکتا ہے۔ ان کو صرف مردہ ہی نہیں کہا بلکہ مزید وضاحت فرمادی کہ ”وہ زندہ نہیں ہیں“ اس سے قبر پرستوں کا بھی واضح رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ قبروں میں مدفون مردہ نہیں زندہ ہیں۔ اور ہم زندوں کو ہی پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ موت وارد ہونے کے بعد دنیوی زندگی کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی نہ دنیا سے ان کا کوئی تعلق ہی باقی رہتا ہے۔

(۳) پھر ان سے نفع کی اور ثواب و جزا کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟

(۴) یعنی ایک الہ کا ماننا منکرین اور مشرکین کے لیے بہت مشکل ہے۔ وہ کہتے ہیں ﴿تَجَسَّلَ اللَّهُ لَهَا تَوَاجِدًا فَإِنْ هَذَا الشَّيْءُ عُجَابٌ﴾ (ص ۵) ”اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود کر دیا ہے یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے“ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَرَدَّ ذِكْرَ اللَّهِ وَتَدَامَرَّتْ قُلُوبُ الْكَافِرِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِّرُوا بِهِ لَا يَتَذَكَّرُونَ ۖ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رُدًّا﴾ (المرم ۳۵) ”جب ایک الہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو منکرین آخرت کے دل تنگ ہو جاتے ہیں اور جب اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہوتے ہیں۔“

(۵) اَسْتَكْبَرُوا کا مطلب ہوتا ہے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے صحیح اور حق بات کا انکار کر دینا اور دوسروں کو حقیر و کمتر سمجھنا۔ کبر کی یہی تعریف حدیث میں بیان کی گئی۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحريم الكبر و بيهانه، یہ کبر و غور اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ حدیث میں ہے کہ ”وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی کبر ہو گا۔“ (حوالہ مذکور)

الْأَقْلَبُ ۝

نے کیا نازل فرمایا ہے؟ تو جواب دیتے ہیں کہ اگلوں کی کمائیاں ہیں۔^(۱) (۲۳)

اسی کا نتیجہ ہو گا کہ قیامت کے دن یہ لوگ اپنے پورے بوجھ کے ساتھ ہی ان کے بوجھ کے بھی حصے دار ہوں گے جنہیں بے علمی سے گمراہ کرتے رہے۔ دیکھو تو کیسا برا بوجھ اٹھا رہے ہیں۔^(۲) (۲۵)

ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی مکر کیا تھا، (آخر) اللہ نے (ان کے منصوبوں) کی عمارتوں کو جڑوں سے اکھیر دیا اور ان (کے سروں) پر (ان کی) چھتیں اوپر سے گر پڑیں،^(۳) اور ان کے پاس عذاب دہاں سے آگیا جہاں کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔^(۴) (۲۶)

پھر قیامت والے دن بھی اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے گا اور فرمائے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے

لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمِمَّنْ أَوْزَارُ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ أَلِيسَ مَا يَزِرُونَ ۝

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَإِنَّ اللَّهَ بَدِّلَ آثَهُمْ مِنَ الْقَوَائِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ الشَّقَقُ مِنْ قُوَّتِهِمْ وَأَتَتْهُمْ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْغِزَىٰ

(۱) یعنی اعراض اور استہزا کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ مکذبین جواب دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو کچھ نہیں اتارا، اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں جو پڑھ کر سنا رہا ہے، وہ تو پہلے لوگوں کی کمائیاں ہیں جو کہیں سے من کر بیان کرتا ہے۔

(۲) یعنی ان کی زبانوں سے یہ بات اللہ تعالیٰ نے نکلوائی تاکہ وہ اپنے بوجھوں کے ساتھ دو سروں کا بوجھ بھی اٹھائیں۔ جس طرح کہ حدیث میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس شخص کو ان تمام لوگوں کا اجر بھی ملے گا جو اس کی دعوت پر ہدایت کا راستہ اپنائیں گے اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا تو اس کو ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بار بھی اٹھانا پڑے گا جو اس کی دعوت پر گمراہ ہوئے۔“ (ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب لروم السنۃ)

(۳) بعض مفسرین اسرائیلی روایات کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ اس سے مراد نمرود یا بخت نصر ہے، جنہوں نے آسمان پر کسی طرح چڑھ کر اللہ کے خلاف مکر کیا، لیکن وہ ناکام واپس آئے اور بعض مفسرین کے خیال میں یہ ایک تمثیل ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ کے ساتھ کفر اور شرک کرنے والوں کے عمل اسی طرح برباد ہوں گے جس طرح کسی کے مکان کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں اور وہ چھت سمیت گر پڑے۔ مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مقصود ان قوموں کے انجام کی طرف اشارہ کرنا ہے جن قوموں نے پیغمبروں کی تکذیب پر اصرار کیا اور بالآخر عذاب الہی میں گرفتار ہو کر اپنے گھروں سمیت تباہ ہو گئے، مثلاً قوم عاد و قوم لوط وغیرہ۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ﴾ (الحشر ۲)

(۴) ”پس اللہ (کا عذاب) ان کے پاس ایسی جگہ سے آیا جہاں سے ان کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔“

الْيَوْمَ وَالْآخِرَةَ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝

بارے میں تم لڑتے جھگڑتے تھے،^(۱) جنہیں علم دیا گیا تھا وہ پکارا نہیں گئے^(۲) کہ آج تو کافروں کو رسوائی اور برائی چٹ گئی۔ (۳۷)

الَّذِينَ تَتَوَفَّوهُمْ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيۤنَ۾ۡ فَالْقَوْلَ السَّلٰمَ
مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ شَيْءٍ ۚ لَٰنَ اَعْلٰهٖ عَلَيْهِمۡ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

وہ جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، فرشتے جب ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں اس وقت وہ جھک جاتے ہیں کہ ہم برائی نہیں کرتے تھے۔^(۳) کیوں نہیں؟ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ تم کرتے تھے۔^(۴) (۳۸)

فَاذْخُلُوا۟ الْاَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۤنَ فِيْهَاۤ لَكُمْ فِيْهَا
مَنْطَوٰى الْمَثٰبٰتِ ۚ ۝

پس اب تو بیٹھنے والے کے طور پر تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ،^(۵) پس کیا ہی برا ٹھکانا ہے غور کرنے والوں کا۔ (۳۹)

(۱) یعنی یہ تو وہ عذاب تھے جو دنیا میں ان پر آئے اور قیامت والے دن اللہ تعالیٰ انہیں اس طرح ذلیل و رسوا کرے گا کہ ان سے پوچھے گا تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جو تم نے میرے لیے ٹھہرا رکھے تھے، اور جن کی وجہ سے تم مومنوں سے لڑتے جھگڑتے تھے۔

(۲) یعنی جن کو دین کا علم تھا وہ دین کے پابند تھے وہ جواب دیں گے۔

(۳) یہ مشرک خاندانوں کی موت کے وقت کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے جب فرشتے ان کی رو میں قبض کرتے ہیں تو وہ صلح کی بات ڈالتے ہیں یعنی سب و طاعت اور عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تو برائی نہیں کرتے تھے۔ جس طرح میدان محشر میں اللہ کے روبرو بھی جھوٹی قسمیں کھائیں گے اور کہیں گے — وَاللّٰهُ رَبُّنَا اَنَّا شٰہِدُکُمْ بِالْاٰثَعَمِ ۚ ”اللہ کی قسم، ہم مشرک نہیں تھے“ دوسرے مقام پر فرمایا ”جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھ کر اپنے پاس جمع کرے گا تو اللہ کے سامنے بھی یہ اسی طرح (جھوٹی) قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں۔ (المجادلہ: ۱۸)

(۴) فرشتے جواب دیں گے کیوں نہیں؟ یعنی تم جھوٹ بولتے ہو، تمہاری تو ساری عمری برائیوں میں گزری ہے اور اللہ کے پاس تمہارے سارے عملوں کا ریکارڈ محفوظ ہے، تمہارے اس انکار سے اب کیا بے گا؟

(۵) امام ابن کثیر فرماتے ہیں، ان کی موت کے فوراً بعد ان کی رو میں جہنم میں چلی جاتی ہیں اور ان کے جسم قبر میں رہتے ہیں (جہاں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کلمہ سے جسم و روح میں بعد کے باوجود ان میں ایک گوند تعلق پیدا کر کے ان کو عذاب دیتا ہے، اور صبح و شام ان پر آگ پیش کی جاتی ہے) پھر جب قیامت برپا ہوگی تو ان کی رو میں ان کے جسموں میں بوٹ آئیں گی اور ہمیشہ کے لیے یہ جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلْتُ عَلَيْكُمْ قَالُوا خَيْرٌ
لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ
خَيْرٌ وَأَنْتُمْ كَالْمُفْضِلِينَ ﴿٥٠﴾

جَعَلْتُ عَذِينَ يَدْعُلُونَهَا عَجْرِي مِنْ عَجْمِهَا الْأَنْهَارُ لَهَا فِيهَا
مَا يَشَاءُونَ كَذَلِكَ نَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴿٥٠﴾

الَّذِينَ تَتَوَلَّوْهُمْ الْمَلِكَةُ ظَالِمِينَ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْهِمْ
ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٧﴾

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرٌ رَبِّكَ
كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ رَبَّاهُمْ اللَّهُ وَلَكِنْ

اور پرہیز گاروں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا ہے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اچھے سے اچھا۔ جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لیے اس دنیا میں بھلائی ہے، اور یقیناً آخرت کا گھر تو بہت ہی بہتر ہے، اور کیا ہی خوب رہیز گاروں کا گھر ہے۔ (۳۰)

ہیشگی والے باغات جہاں وہ جائیں گے جن کے نیچے
نہیں بہہ رہی ہیں، جو کچھ یہ طلب کریں گے وہاں ان
کے لیے موجود ہوگا۔ پرہیزگاروں کو اللہ تعالیٰ اسی طرح
بدلے عطا فرماتا ہے۔ (۳۱)

وہ جن کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں کہتے ہیں کہ تمہارے لیے سلامتی ہی سلامتی ہے،^(۱) جاؤ جنت میں اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔^(۲) (۳۳)

کیا یہ اسی بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا تیرے رب کا حکم آجائے؟^{۳۱} اب یہی

(۱) ان آیت میں ظالم مشرکوں کے مقابلے میں اہل ایمان و تقویٰ کا کردار اور ان کا حسن انجام بیان فرمایا گیا ہے۔
جَمَعَهُمُ اللَّهُ مِنْهُمْ، آمِينَ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ

(۲) سورۃ اعراف کی آیت ۴۳ کے تحت یہ حدیث گزر چکی ہے کہ کوئی شخص بھی محض اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا، جب تک اللہ کی رحمت نہیں ہوگی۔ لیکن یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنے عملوں کے بدلے جنت میں داخل ہو جاؤ، تو ان میں دراصل کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ اللہ کی رحمت کے حصول کے لیے اعمال صالحہ ضروری ہیں۔ گویا عمل صالح، اللہ کی رحمت کا ذریعہ ہے، اس لیے عمل کی اہمیت بھی بجائے خود مسلم ہے، اس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، اس کے بغیر آخرت میں اللہ کی رحمت مل ہی نہیں سکتی۔ اس لیے حدیث مذکور کا مضموم بھی اپنی جگہ صحیح ہے اور عمل کی اہمیت بھی اپنی جگہ برقرار ہے۔ اسی لیے ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ صحیح مسلم، کتاب الیمر، باب تحریم ظلم المسلم

(۳) یعنی کیا یہ بھی اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب فرشتے ان کی روحمیں قبض کریں گے یا رب کا حکم (یعنی عذاب یا قیامت) آجائے۔

كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۳۲﴾

ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان سے پہلے تھے۔^(۱) ان پر اللہ تعالیٰ نے کوئی ظلم نہیں کیا^(۲) بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔^(۳) (۳۲)

فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۳۳﴾

پس ان کے برے اعمال کے نتیجے انہیں مل گئے اور جس کی ہنسی اڑاتے تھے اس نے ان کو گھیر لیا۔^(۴) (۳۳)

مشرک لوگوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے سوا کسی اور کی عبادت ہی نہ کرتے نہ اس کے فرمان کے بغیر کسی چیز کو حرام کرتے۔ یہی فعل ان سے پہلے کے لوگوں کا رہا۔ تو رسولوں پر تو صرف کھلم کھلا پیغم کا پتھارنا ہے۔^(۵) (۳۵)

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَزْمٌ مِمَّا يَفْتِنُونَا كَذَلِكَ قَوْلُ الَّذِينَ مِنَ قَبْلِهِمْ قُلْ عَلَى التَّوْحِيدِ إِلَّا الْبَلَاءُ نَبِينٌ ﴿۳۴﴾

(۱) یعنی اس طرح سرکشی اور معصیت ان سے پہلے لوگوں نے اختیار کیے رکھی جس پر وہ غضب الہی کے مستحق بنے۔
(۲) اس لیے کہ اللہ نے تو ان کے لیے کوئی عذریٰ باقی نہیں چھوڑا۔ رسولوں کو بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر ان پر جنت تمام کر دی۔

(۳) یعنی رسولوں کی مخالفت اور ان کی تکذیب کر کے خود ہی انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔
(۴) یعنی جب رسول ان سے کہتے کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو اللہ کا عذاب آجائے گا۔ تو یہ استہزاء کے طور پر کہتے کہ جا اپنے اللہ سے کہ وہ عذاب بھیج کر ہمیں تباہ کر دے۔ چنانچہ اس عذاب نے انہیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے پھر اس سے بچاؤ کا کوئی راستہ ان کے پاس نہیں رہا۔

(۵) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ایک وہم اور مغالطے کا ازالہ فرمایا ہے وہ کہتے تھے کہ ہم جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں یا اس کے حکم کے بغیر ہی کچھ چیزوں کو حرام کر لیتے ہیں اگر ہماری یہ باتیں غلط ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ہمیں ان چیزوں سے روک دیوں نہیں دیتا وہ اگر چاہے تو ہم ان کاموں کو کر ہی نہیں سکتے۔ اگر وہ نہیں روکتا تو اس کا مطلب ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس کی مشیت کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا ازالہ ”رسولوں کا کام صرف پتھارنا ہے“ کہہ کر فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارا یہ گمان صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے روکا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو تمہیں ان شرکانہ امور سے بڑی سختی سے روکا ہے۔ اسی لیے وہ ہر قوم میں رسول بھیجتا اور کتابیں نازل کرتا رہا ہے اور ہر نبی نے آکر سب سے پہلے اپنی قوم کو شرک ہی سے بچانے کی کوشش کی ہے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر گز یہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ شرک کریں کیونکہ اگر اسے یہ پسند ہوتا تو اس کی تردید کے لیے وہ رسول کیوں بھیجتا؟ لیکن اس کے باوجود اگر تم نے رسولوں کی تکذیب کر کے شرک کا

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ
وَلَجَبْدُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَن هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ
مَن حَقَّتْ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ فَنَزَّلْنَا فِي الْآخِرِ فَأَنظَرُوا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝

إِن تَحْزَنْ عَلَىٰ هُدًىٰ مِّنْهُم فَلِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَن يُضِلُّ
وَمَا لَهُمْ مِّن لَّصِيْرِينَ ۝

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ آيْمَانِهِمْ لَا يَمُرُّونَ إِلَّا بِمَوْتٍ
بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِمْ حَقًّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَالنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی
عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔ پس
بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض پر
گمراہی ثابت ہو گئی،^(۱) پس تم خود زمین میں چل پھر کر
دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ (۳۶)

گو آپ ان کی ہدایت کے خواہش مند رہے ہیں لیکن
اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کر دے اور نہ
ان کا کوئی مددگار ہوتا ہے۔^(۲) (۳۷)

وہ لوگ بڑی سخت سخت قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ
مردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ نہیں کرے گا۔^(۳) کیوں نہیں
ضرور زندہ کرے گا یہ تو اس کا برحق لازمی وعدہ ہے
لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔^(۴) (۳۸)

راستہ اختیار کیا اور اللہ نے اپنی مشیت نگوینہ کے تحت قہراً و جبراً تمہیں اس سے نہیں روکا، تو یہ تو اس کی اس حکمت و
مصمت کا ایک حصہ ہے جس کے تحت اس نے انسانوں کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے۔ کیوں کہ اس کے بغیر ان کی
آزمائش ممکن ہی نہ تھی۔ ہمارے رسول ہمارا پیغام تم تک پہنچا کر یہی سمجھاتے رہے کہ اس آزادی کا غلط استعمال نہ کرو
بلکہ اللہ کی رضا کے مطابق اسے استعمال کرو! ہمارے رسول یہی کچھ کر سکتے تھے جو انہوں نے کیا۔ اور تم نے شرک کر
کے آزادی کا غلط استعمال کیا جس کی سزا دائمی عذاب ہے۔

(۱) مذکورہ شبہ کے ازالے کے لیے مزید فرمایا کہ ہم نے تو ہر امت میں رسول بھیجا اور یہ پیغام ان کے ذریعے سے پہنچایا
کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ لیکن جن پر گمراہی ثابت ہو چکی تھی انہوں نے اس کی پرواہ ہی نہ کی۔

(۲) اس میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔ اے پیغمبر! تیری خواہش یقیناً یہی ہے کہ یہ سب ہدایت کا راستہ اپنائیں لیکن تو انہیں
انہی کے تحت جو گمراہ ہو گئے ہیں ان کو تو ہدایت کے راستے پر نہیں چلا سکتا، یہ تو اپنے آخری انجام کو پہنچ کر ہی رہیں
گے، جہاں ان کا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔

(۳) کیوں کہ مٹی میں مل جانے کے بعد ان کا دوبارہ جی اٹھنا، انہیں مشکل اور ناممکن نظر آتا تھا۔ اسی لیے رسول جب
انہیں بعث بعد الموت کی بابت کہتا ہے تو اسے جھٹلاتے ہیں اس کی تصدیق نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس یعنی دوبارہ
زندہ نہ ہونے پر قسمیں کھاتے ہیں، قسمیں بھی بڑی تاکید اور یقین کے ساتھ۔

(۴) اسی جہالت اور سہ علم کی وجہ سے رسولوں کی تکذیب و مخالفت کرتے ہوئے دریائے کفر میں ڈوب جاتے ہیں۔

لَيَسْمِعَنَّ لَهُمُ الَّذِي يُخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلَيَعْلَمَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
أَنَّهُمْ كَانُوا كَذِبِينَ ﴿۳۹﴾

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۴۰﴾

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا إِلَى اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ
فِي دُنْيَا حَسَنَةٍ وَلَا جُزْأَ الْآخِرَةِ الْآخِرَةَ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۴۱﴾

اس لیے بھی کہ یہ لوگ جس چیز میں اختلاف کرتے تھے
اسے اللہ تعالیٰ صاف بیان کر دے اور اس لیے بھی کہ
خود کافرا اپنا جھوٹا ہونا جان لیں۔ (۳۹)

ہم جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو صرف ہمارا یہ کہہ
دینا ہوتا ہے کہ ہو جائے پس وہ ہو جاتی ہے۔ (۴۰)

جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد اللہ کی راہ
میں ترک وطن کیا ہے (۴۱) ہم انہیں بہتر سے بہتر ٹھکانا دنیا
میں عطا فرمائیں گے (۴۱) اور آخرت کا ثواب تو بہت ہی
بڑا ہے (۴۱) لہذا کہ لوگ اس سے واقف ہوتے۔ (۴۱)

(۱) یہ وقوع قیامت کی حکمت و علت بیان کی جا رہی ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ ان چیزوں میں فیصلہ فرمائے گا جن میں لوگ
دنیا میں اختلاف کرتے تھے اور اہل حق اور اہل تقویٰ کو اچھی جزا اور اہل کفر و فسق کو ان کے برے عملوں کی سزا دے
گا۔ نیز اس دن اہل کفر بھی یہ بات واضح ہو جائے گی کہ وہ قیامت کے عدم وقوع پر جو قسمیں کھاتے تھے ان میں وہ
جھوٹے تھے۔

(۲) جنی لوگوں کے نزدیک قیامت کا ہونا کتنا بھی مشکل یا ناممکن ہو مگر اللہ کے لیے تو کوئی مشکل نہیں اسے زمین و
آسمان ڈھانے کے لیے مزدوروں، انجینئروں اور مستریوں اور دیگر آلات و وسائل کی ضرورت نہیں۔ اسے تو صرف لفظ
کس کہنا ہے اس کے لفظ کس سے پلک جھپکتے میں قیامت برپا ہو جائے گی ﴿وَمَا أَمْرُنَا بِشَيْءٍ إِلَّا كَلِمَةٍ الْبَصِيرُ أَوْهَمُوْهُ
أَقْرَبُ﴾ (النحل: ۷۷) ”قیامت کا معاملہ پلک جھپکتے یا اس سے بھی کم مدت میں واقع ہو جائے گا“۔

(۳) ہجرت کا مطلب ہے اللہ کے دین کے لیے اللہ کی رضا کی خاطر اپنا وطن اپنے رشتے دار اور دوست احباب چھوڑ کر
ایسے علاقے میں چلے جانا جہاں آسانی سے اللہ کے دین پر عمل ہو سکے۔ اس آیت میں ان ہی مہاجرین کی فضیلت بیان
فرمائی گئی ہے یہ آیت عام ہے جو تمام مہاجرین کو شامل ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ان مہاجرین کے بارے میں نازل
ہوئی ہو جو اپنی قوم کی ایذاؤں سے تنگ آکر حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔ ان کی تعداد عورتوں سمیت ایک سو یا اس سے زیادہ
تھی جن میں حضرت عثمان غنیؓ اور ان کی زوجہ سو خیر رسول ﷺ۔ حضرت رقیہؓ بھی تھیں۔

(۴) اس سے رزق طیب اور بعض نے مدینہ مراوا لیا ہے جو مسلمانوں کا مرکز بنا امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ دونوں
قولوں میں منافات نہیں ہے۔ اس لیے کہ جن لوگوں نے اپنے کاروبار اور گھریلو چھوڑ کر ہجرت کی تھی اللہ تعالیٰ نے دنیا
میں ہی ان کا نعم البدل عطا فرمایا رزق طیب بھی دیا اور پورے عرب پر انہیں اقتدار و ممکن عطا فرمایا۔

(۵) حضرت عمرؓ نے جب مہاجرین و انصار کے وظیفے مقرر کیے تو ہر مہاجر کو وظیفہ دیتے ہوئے فرمایا۔ هَذَا مَا وَعَدَكَ

الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۳۲﴾

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجَا لِكُلِّ إِيمَانٍ فَنَقُلُوا آمَنَ
الَّذِينَ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَوَكَّلْتُمْ عَلَىٰ أَعْيُنِنَا
مَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مَدِينٌ ﴿۳۴﴾

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْبِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ
أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۳۵﴾

أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقْلُوبِهِمْ فَمَا لَهُمْ مَدِينٌ ﴿۳۶﴾

وہ جنہوں نے دامن صبر نہ چھوڑا اور اپنے پالنے والے
ہی پر بھروسہ کرتے رہے۔ (۳۲)

آپ سے پہلے بھی ہم مردوں کو ہی بھیجتے رہے، جن کی
جانب وحی اتارا کرتے تھے پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل
علم سے دریافت کر لو۔ (۳۳)

دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ 'یہ ذکر' (کتاب) ہم نے آپ
کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو ناز فرمایا گیا
ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں 'شاید کہ وہ
غور و فکر کریں۔ (۳۴)

بدترین داؤد کھچ کرنے والے کیا اس بات سے بے خوف
ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان
کے پاس ایسی جگہ سے عذاب آجائے جہاں کا انہیں وہم
گمان بھی نہ ہو۔ (۳۵)

یا انہیں چلتے پھرتے پکڑ لے۔ (۳۶) یہ کسی صورت میں اللہ
تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ (۳۶)

اللہ فی الدُّنْیَا "یہ وہ ہے جس کا اللہ نے دنیا میں وعدہ کیا ہے" وَمَا أَذْخَرَ لَكَ فِي الْآخِرَةِ أَفْصَلَ "اور
آخرت میں تیرے لیے جو ذخیرہ ہے" وہ اس سے کہیں بہتر ہے" (ابن کثیر)

(۱) أَهْلُ الذِّكْرِ سے مراد اہل کتاب ہیں جو بچھلے انبیاء اور ان کی تاریخ سے واقف تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے جتنے بھی
رسول بھیجے وہ انسان ہی تھے اس لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اگر انسان ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں کہ تم
ان کی بشریت کی وجہ سے ان کی رسالت کا انکار کر دو۔ اگر تمہیں شک ہے تو اہل کتاب سے پوچھ لو کہ بچھلے انبیاء بشر تھے یا
ملائکہ؟ اگر وہ فرشتے تھے تو پھر بے شک انکار کر دینا، اگر وہ بھی سب انسان ہی تھے تو پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی رسالت کا محض بشریت کی وجہ سے انکار کیوں؟

(۲) اس کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں، مثلاً ۱۔ جب تم تجارت اور کاروبار کے لیے سفر پر جاؤ ۲۔ جب تم کاروبار کو فروغ
دینے کے لیے مختلف جیلے اور طریقے اختیار کرو ۳۔ یا رات کو آرام کرنے کے لیے اپنے بستروں پر جاؤ۔ یہ تَقْلُبُ کے
مختلف مفہوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے ان صورتوں میں بھی تمہارا مؤاخذہ کر سکتا ہے۔

یا انہیں ڈرا دھمکا کر پکڑ لے،^(۱) پس یقیناً تمہارا پروردگار
اعلیٰ شفقت اور انتہائی رحم والا ہے۔^(۲) (۳۷)

کیا انہوں نے اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں
دیکھا؟ کہ اس کے سائے دائیں بائیں جھک جھک کر اللہ
تعالیٰ کے سامنے سر بسجود ہوتے اور عاجزی کا اظہار کرتے
ہیں۔^(۳) (۳۸)

یقیناً آسمان و زمین کے کل جاندار اور تمام فرشتے اللہ
تعالیٰ کے سامنے سجدے کرتے ہیں اور ذرا بھی تکبر نہیں
کرتے۔ (۳۹)

اور اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے، پکپاتے رہتے ہیں^(۴)
اور جو حکم مل جائے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔^(۵) (۴۰)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرما چکا ہے کہ دو معبود نہ بناؤ۔ معبود تو
صرف وہی اکیلا ہے،^(۶) پس تم سب صرف میرا ہی ڈر
خوف رکھو۔ (۵۱)

أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى تَخَوُّبٍ فَإِنَّ رَبَّهُم لَعَزِيزٌ ذُو جَبَرٍ ۝

أَوَلَمْ يَرَوْا نَالِي مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَّبِعُونَ أَفْئِدَتَهُمْ
الْيَمِينِ وَالشَّمَايِلَ سَجْدًا لِلَّهِ وَهُمْ ذُجِرُونَ ۝

وَلِلَّهِ سَجْدٌ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ
وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝



يَسْأَلُونَ رَبَّهُمْ مِمَّنْ قُوَّةٌ وَيَقُولُونَ مَالِيَ مَرْوُونَ ۝

وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ
وَالَّذِينَ قَالُوا هُنَّ ۝

(۱) تَخَوُّبٍ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے سے ہی دل میں عذاب اور مؤاخذے کا ڈر ہو۔ جس طرح بعض دفعہ
انسان کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، تو خوف محسوس کرتا ہے کہ کیسے اللہ میری گرفت نہ کر لے چنانچہ بعض دفعہ
اس طرح بھی مؤاخذہ ہوتا ہے۔

(۲) کہ وہ گناہوں پر فوراً مؤاخذہ نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے اور اس مہلت سے بہت سے لوگوں کو توبہ و استغفار کی
توفیق بھی نصیب ہو جاتی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کی جلالت شان کا بیان ہے کہ ہر چیز اس کے سامنے جھکی ہوئی اور مطیع ہے۔
جہادات ہوں یا حیوانات یا جن و انسان اور ملائکہ۔ ہر وہ چیز جس کا سایہ ہے اور اس کا سایہ دائیں بائیں جھکتا ہے تو وہ صبح و
شام اپنے سائے کے ساتھ اللہ کو سجدہ کرتی ہے۔ امام مجاہد فرماتے ہیں جب سورج ڈھلتا ہے تو ہر چیز اللہ کے سامنے سجدہ
ریز ہو جاتی ہے۔

(۴) اللہ کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

(۵) اللہ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے بلکہ جس کا حکم دیا جاتا ہے، بجالاتے ہیں، جس سے منع کیا جاتا ہے، اس سے
دور رہتے ہیں۔

(۶) کیوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں۔ اگر آسمان و زمین میں دو معبود ہوتے تو نظام عالم قائم ہی نہیں رہ سکتا

وَلَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ الدِّينُ وَاصِبًا
أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَعْبُودُونَ ۝

وَمَا يَكُم مِّنْ نَّعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ فَتُغَادِ أَخْتَكُمْ لَئِنْ قَالْتُمْ
تَعْبُدُونَ ۝

لَئِنْ أَكْثَفَ الصَّدَقَاتُ إِذْ اقْبَلْتُم مِّنْكُمْ يَوْمَ تَمُوتُونَ ۝

لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ فَيَمَتَّعُوا فَسُوفَ تَعْلَمُونَ ۝

آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور
اسی کی عبادت لازم ہے^(۱) کیا پھر تم اس کے سوا اوروں
سے ڈرتے ہو؟ (۵۲)

تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اسی کی دی ہوئی
ہیں^(۲) اب بھی جب تمہیں کوئی مصیبت پیش آجائے تو
اسی کی طرف نالہ و فریاد کرتے ہو۔ (۵۳)^(۳)

اور جہاں اس نے وہ مصیبت تم سے دفع کر دی تم میں
سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگ
جاتے ہیں۔ (۵۴)

کہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں۔^(۴) اچھا کچھ
فائدہ اٹھاؤ آخر کار تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا۔ (۵۵)^(۵)

تھا یہ فساد اور خرابی کا شکار ہو چکا ہوتا ﴿لَوْ كَانَ فِئْتِنًا الْإِلَٰهَ لَقَسَدْنَا﴾ ﴿الأنبياء ۲۲﴾ اس لیے ثنویت (دو
خداؤں) کا عقیدہ جس کے مجوسی حامل رہے ہیں یا تعدد الہ (بہت سارے معبودوں) کا عقیدہ جس کے اکثر مشرکین
قائل رہے ہیں یہ سب باطل ہیں جب کائنات کا خالق ایک ہے اور وہی بلا شرکت غیرے تمام کائنات کا نظم و نسق چلا
رہا ہے تو معبود بھی صرف وہی ہے جو اکیلا ہے۔ دو یا دو سے زیادہ نہیں ہیں۔

(۱) اسی کی عبادت و اطاعت دائمی اور لازم ہے و اصیب کے معنی پہنچگی کے ہیں ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ﴾ الصافات ۱۰ ”ان
کے لیے عذاب ہے ہمیشہ کا“ اور اس کا وہی مطلب ہے جو دوسرے مقامات پر بیان کیا گیا ہے — ﴿فَلْيُحْمَدِ الْإِلَٰهَ مُخْلِصًا لَهُ
الدِّينَ﴾ ﴿الأنبياء ۲۱﴾ ”پس اللہ کی عبادت کرو“ اسی کے لیے بندگی کو خالص کرتے ہوئے خبردار
اسی کے لیے خالص بندگی ہے۔“

(۲) جب سب نعمتوں کا دینے والا صرف ایک اللہ ہے تو پھر عبادت کسی اور کی کیوں؟

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ایک ہونے کا عقیدہ قلب و وجدان کی گہرائیوں میں راسخ ہے جو اس وقت ابھر کر
سامنے آجاتا ہے جب ہر طرف سے مایوسی کے بادل گہرے ہو جاتے ہیں۔

(۴) لیکن انسان بھی کتنا ناشکرا ہے کہ تکلیف (بیماری، تنگ دستی اور نقصان وغیرہ) کے دور ہوتے ہی وہ پھر رب کے
ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔

(۵) یہ اس طرح ہی ہے جیسے اس سے قبل فرمایا تھا ﴿قُلْ تَسُبُّواْ ذَانَ مَٰصِيَّتِكُمْ إِلَى التَّٰلِثِ﴾ ﴿إبراهيم ۳۰﴾ ”چند روزہ
زندگی میں فائدہ اٹھاؤ یا آخر تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔“

بَلَدَيْنِ لَكَؤُمُوتُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوَةِ وَيَوْمَ الْمَثَلِ
الْأَعْلَى وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ①

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ انْشَاسٍ بَطُنَ فِيهِ جَنَّتُمْ تَرَكْتُمْ عَلَيْهَا مِثْرًا وَلَكِنْ
يُؤَيِّرُهَا لَيْلٌ فَجَسْمٌ فَادْجَارًا أَجْلُكُمْ لَا يَسْتَأْجِرُونَ
سَاعَةً وَلَا يَسْتَأْجِرُونَ ②

آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کی ہی بری مثال ہے،^(۱)
اللہ کے لیے تو بہت ہی بلند صفت ہے، وہ بڑا ہی غالب
اور باحکمت ہے۔^(۲) (۶۰)

اگر لوگوں کے گناہ پر اللہ تعالیٰ ان کی گرفت کرتا تو روئے
زمین پر ایک بھی جاندار باقی نہ رہتا،^(۳) لیکن وہ تو انہیں
ایک وقت مقرر تک ڈھیل دیتا ہے،^(۴) جب ان کا وہ
وقت آجاتا ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور
نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ (۶۱)

برایہ فیصلہ کرتے ہیں؟ یہاں یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ بھی لڑکوں کے مقابلے میں لڑکی کو حقیر اور کم تر سمجھتا ہے۔
نہیں، اللہ کے نزدیک لڑکے لڑکی میں کوئی تمیز نہیں ہے نہ جنس کی بنیاد پر حقارت اور برتری کا تصور اس کے ہاں ہے۔
یہاں تو صرف عربوں کی اس ناانصافی اور سراسر غیر معقول رویے کی وضاحت مقصود ہے، جو انہوں نے اللہ کے ساتھ
اختیار کیا تھا ورنہ حلالاں کہ اللہ کی برتری اور فوقیت کے وہ بھی قائل تھے۔ جس کا منطقی نتیجہ تو یہ تھا کہ جو چیز یہ اپنے لیے
پسند نہیں کرتے، اللہ کے لیے بھی اسے جوہر نہ کرتے لیکن انہوں نے اس کے برعکس کیا۔ یہاں صرف اسی ناانصافی کی
وضاحت کی گئی ہے۔

(۱) یعنی کافروں کے برے اعمال بیان کیے گئے ہیں انہی کے لیے بری مثال یا صفت ہے یعنی جمل اور کفر کی صفت۔ یا یہ مطلب
ہے کہ اللہ کی جویوی اور اولاد یہ ٹھہراتے ہیں، یہ بری مثال ہے جو یہ منکرین آخرت اللہ کے لیے بیان کرتے ہیں۔

(۲) یعنی اس کی ہر صفت، مخلوق کے مقابلے میں اعلیٰ و برتر ہے، مثلاً اس کا علم وسیع ہے، اس کی قدرت امتناعی ہے، اس کی
جوہ و عطا بے نظیر ہے۔ و علیٰ ہذا القیاس یا یہ مطلب ہے کہ وہ قادر ہے، خالق ہے، رازق اور سمیع و بصیر ہے وغیرہ (فتح القدیر) یا
بری مثال کا مطلب نقص، کوتاہی ہے اور مثل اعلیٰ کا مطلب، کمال مطلق، ہر لحاظ سے اللہ کے لیے ہے۔ (ابن کثیر)

(۳) یہ اس کا حکم ہے اور اس کی حکمت و مصلحت کا تقاضا کہ وہ اپنی نافرمانیاں دیکھتا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی نعمتیں سلب
کرتا ہے نہ فوری مؤاخذہ ہی کرتا ہے حلالاں کہ اگر ارتکاب معصیت کے ساتھ ہی وہ مؤاخذہ کرنا شروع کر دے تو ظلم و
معصیت اور کفر و شرک اتنا عام ہے کہ روئے زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہے کیوں کہ جب برائی عام ہو جائے تو پھر
عذاب عام میں نیک لوگ بھی ہلاک کر دیئے جاتے ہیں تاہم آخرت میں وہ عند اللہ سرخرو رہیں گے جیسا کہ حدیث میں
وضاحت آتی ہے (ملاحظہ ہو صحیح بخاری۔ نمبر ۲۱۱۸، ۲۱۱۹، ۲۲۰۶، ۲۲۱۰)

(۴) یہ اس حکمت کا بیان ہے جس کے تحت وہ ایک خاص وقت تک صلت دیتا ہے تاکہ ایک تو ان کے لیے کوئی عذر
باقی نہ رہے۔ دوسرے، ان کی اولاد میں سے کچھ ایماندار نکل آئیں

اور وہ اپنے لیے جو ناپسند رکھتے ہیں اللہ کے لیے ثابت کرتے ہیں^(۱) اور ان کی زبانیں جھوٹی باتیں بیان کرتی ہیں کہ ان کے لیے خوبی ہے۔^(۲) انہیں نہیں 'دراصل ان کے لیے آگ ہے اور یہ دوزخیوں کے پیش رو ہیں۔' (۶۳)^(۳)

واللہ! ہم نے تجھ سے پہلے کی امتوں کی طرف بھی اپنے رسول بھیجے لیکن شیطان نے ان کے اعمال بد ان کی نگاہوں میں آراستہ کر دیئے،^(۴) وہ شیطان آج بھی ان کا رفیق بنا ہوا ہے^(۵) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۶۳)

اس کتاب کو ہم نے آپ پر اس لیے اتارا ہے کہ آپ ان کے لیے ہر اس چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں^(۶) اور یہ ایمان داروں کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔ (۶۳)

اور اللہ آسمان سے پانی برسا کر اس سے زمین کو اس کی

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْفُرُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكُذْبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ لَاحِرًا مَّا إِنَّ لَهُمُ الشَّارِدَ أَلَهُمْ مُفْرَطُونَ ﴿٦٣﴾

ثُمَّ لَوْ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ قَرِيبًا لَّهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَىٰ لَهُمْ قَهْرٌ وَآخِزُهُمُ الْيَوْمَ وَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٤﴾

وَمَا أُنزِلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الْآيَاتِ الَّتِي هُمْ يَخْتَلِفُونَ فِيهَا وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٦٥﴾

وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْيَرَ بِهِ الْخَضِرَ بَيْنَ يَدَيْهِ

(۱) یعنی بیٹیاں۔ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے۔

(۲) یہ ان کی دوسری خرابی کا بیان ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ ناانصافی کا معاملہ کرتے ہیں ان کی زبانیں یہ جھوٹ بولتی ہیں کہ ان کا انجام اچھا ہے 'ان کے لئے بھلائیاں ہیں اور دنیا کی طرح ان کی آخرت بھی اچھی ہوگی۔

(۳) یعنی یقیناً ان کا انجام "اچھا" ہے۔ اور وہ ہے جہنم کی آگ۔ جس میں وہ دوزخیوں کے پیش رو یعنی پہلے جانے والے ہوں گے۔ فَرَطُ کے یہی معنی حدیث سے بھی ثابت ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دَنَا مَرَطُكُمْ عَلَى الْخَوْضِ! (اصحیح بخاری، نمبر ۶۵۸۴، 'مسلم'، نمبر ۱۷۹۳) "میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں گا"۔ ایک دوسرے معنی مُفْرَطُونَ کے یہ کیے گئے ہیں کہ انہیں جہنم میں ڈال کر فراموش کر دیا جائے گا۔

(۴) جس کی وجہ سے انہوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی جس طرح اے پیغمبر قریش مکہ تیری تکذیب کر رہے ہیں۔

(۵) الْيَوْمَ سے یا تو زمانہ دنیا مراد ہے، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے، یا اس سے مراد آخرت ہے کہ وہاں بھی یہ ان کا ساتھی ہو گا۔ یا وَلِبَنِيهِمْ میں ہم کا مرجع کفار کہ ہیں۔ یعنی یہی شیطان جس نے پچھلی امتوں کو گمراہ کیا، آج وہ ان کفار مکہ کا دوست ہے اور انہیں تکذیب رسالت پر مجبور کر رہا ہے۔

(۶) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منصب بیان کیا گیا کہ عقائد و احکام شریعہ کے سلسلے میں یہود و نصاریٰ کے درمیان اور اسی طرح مجوسیوں اور مشرکین کے درمیان اور دیگر اہل ادیان کے درمیان جو باہم اختلاف ہے، اس کی اس طرح تفصیل بیان فرمائیں کہ حق اور باطل واضح ہو جائے تاکہ لوگ حق کو اختیار اور باطل سے اجتناب کریں۔

ذَلِكَ لَأَيِّ الْقَوْمِ يَسْمَعُونَ ﴿٥٠﴾

وَأَنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً لِّمَنِ تَبَوَّاهُ مِنْ بَيْنِ قَوْمٍ وَدِمَ لَبَدًا خَالِصًا لِّمَا لِلَّذِينَ يَرِيحُونَ ﴿٥١﴾

وَمِنْ شَرِّبِ الْغَنِيِّ وَالْعَتَلَبِ تَحْتِدُونَ مِنْهُ سَكْرًا وَرِزْقًا حَسَنًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَأَيِّ الْقَوْمِ يَعْبِلُونَ ﴿٥٢﴾

وَأَوْصِي رَبَّنَا إِلَى الْغَنِيِّ مِنَ الْهَبَالِ بَيِّنَاتًا وَمِنْ الشَّجَرَةِ كَأَنَّهُمْ يَتَنَبَّهُونَ ﴿٥٣﴾

لَهُمْ كُلٌّ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ فَاسْأَلْكَ سُبُلَ رَبِّكَ ذُلًّا وَخُورًا مِنْ بَطْنِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ رَيْحٌ غُلِيظٌ لِّأَنَّ فِي ذَلِكَ

موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو سنیں۔ (۶۵)

تمہارے لیے تو چوپایوں^(۱) میں بھی بڑی عبرت ہے کہ ہم تمہیں اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے اسی میں سے گوبر اور لو کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے سستا پچتا ہے۔^(۲) (۶۶)

اور کھجور اور انگور کے درختوں کے پھلوں سے تم شراب بنا لیتے ہو^(۳) اور عمدہ روزی بھی۔ جو لوگ عقل رکھتے ہیں ان کے لیے تو اس میں بہت بڑی نشانی ہے۔ (۶۷)

آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات^(۴) ڈال دی کہ پہاڑوں میں درختوں اور لوگوں کی بنائی ہوئی اونچی اونچی ٹیوں میں اپنے گھر (چھتے) بنا۔ (۶۸)

اور ہر طرح کے میوے کھا اور اپنے رب کی آسان راہوں میں چلتی پھرتی رہ، ان کے پیٹ سے رنگ برنگ

(۱) أَنْعَام (چوپائے) سے اونٹ، گائے، بکری (اور بھیڑ، دنبہ) مراد ہوتے ہیں۔

(۲) یہ چوپائے جو کچھ کھاتے ہیں، معدے میں جاتا ہے، اسی خوراک سے دودھ، خون، گوبر اور پیشاب بنتا ہے، خون، رگوں میں اور دودھ، تھنوں میں اسی طرح گوبر اور پیشاب اپنے اپنے مخرج میں نکل ہو جاتا ہے اور دودھ میں نہ خون کی رنگت شامل ہوتی ہے نہ گوبر پیشاب کی بدبو۔ سفید اور شفاف دودھ باہر آتا ہے جو نہایت آسانی سے حلق سے نیچے اتر جاتا ہے۔

(۳) یہ آیت اس وقت اتری تھی جب شراب حرام نہیں تھی، اس لیے حلال چیزوں کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن اس میں مہکرا کے بعد رِزْقاً حَسَناً ہے، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شراب رِزْقِ حَسَنِ نہیں ہے۔ نیز یہ سورت مکی ہے، جس میں شراب کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار ہے۔ پھر مدنی سورتوں میں بتدریج اس کی حرمت نازل ہو گئی۔

(۴) دُخْبٰی سے مراد الہام اور وہ کچھ بوجھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی طبعی ضروریات کی تکمیل کے لیے حیوانات کو بھی عطا کی ہے۔

لَا يَأْتِيَهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ①

کا مشروب نکلتا ہے،^(۱) جس کے رنگ مختلف ہیں^(۲) اور جس میں لوگوں کے لیے شفا^(۳) ہے غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں بھی بہت بڑی نشانی ہے۔ (۶۹)

اللہ تعالیٰ نے ہی تم سب کو پیدا کیا ہے وہی پھر تمہیں فوت کرے گا، تم میں ایسے بھی ہیں جو بدترین عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ بہت کچھ جاننے بوجھنے کے بعد بھی نہ جانیں۔^(۴) بیشک اللہ دانا اور توانا ہے۔ (۷۰)

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَوَفِّكُمْ وَيَرْزُقُ إِلَى الْآزَالِ
الْعُصْرَىٰ لَا يَتَذَكَّرُ بَعْدَ عِلْمِهِ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ②

(۱) شہد کی مکھی پسے پہاڑوں میں، درختوں میں انسانی عمارتوں کی بلند یوں پر اپنا سمدس خانہ اور بھتہ اس طرح بناتی ہے کہ درمیان میں کوئی شکاف نہیں رہتا۔ پھر وہ باغوں، جنگلوں، داویوں اور پہاڑوں میں گھومتی پھرتی ہے اور ہر قسم کے پھلوں کا جس اپنے پیٹ میں جمع کرتی ہے اور پھر انہی راہوں سے، جہاں جہاں سے وہ گزرتی ہے، واپس لوٹتی ہے اور اپنے چھتے میں آکر بیٹھ جاتی ہے، جہاں اس کے منہ یا در سے وہ شہد نکلتا ہے جسے قرآن نے ”شراب“ سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی مشروب روح افزا۔

(۲) کوئی سرخ، کوئی سفید، کوئی نیلا اور کوئی زرد رنگ کا۔ جس قسم کے پھلوں اور کھیتوں سے وہ خوراک حاصل کرتی ہے، اسی حساب سے اس کا رنگ اور ذائقہ بھی مختلف ہوتا ہے۔

(۳) شفا میں تنگیز تعلیم کے لیے ہے۔ یعنی بہت سے امراض کے لیے شہد میں شفا ہے۔ یہ نہیں کہ مطلقاً ہر بیماری کا علاج ہے۔ علمائے طب نے بھی صراحت کی ہے کہ شہد یقیناً ایک شفا بخش قدرتی مشروب ہے۔ لیکن مخصوص بیماریوں کے لیے نہ کہ ہر بیماری کے لیے۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو طوا (منشی چیز) اور شہد پسند تھا۔ (اصحیح بخاری، کتاب لأشربة باب شراب المحلوہ والعسل) ایک دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا ”تمن چیزوں میں شفا ہے۔ قصد کھلوانے (پچھنے لگانے) میں، شہد کے پینے میں اور آگ سے دافنے میں۔ لیکن میں اپنی امت کو داغ لگوانے سے منع کرتا ہوں“ (بخاری، باب الدواء بالعسل) حدیث میں ایک واقعہ بھی آتا ہے۔ ”اسال (دست) کے مرض میں آپ ﷺ نے شہد استعمال کرنے کا مشورہ دیا، جس سے دستوں میں اضافہ ہو گیا، آکر بتلایا گیا، تو دوبارہ آپ ﷺ نے شہد پینے کا مشورہ دیا، جس سے مزید فضلات خارج ہوئے اور گھردالے کبھے کہ شاید مرض میں اضافہ ہو گیا ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ فرمایا اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا بیٹ جھوٹا ہے، جا اور اسے شہد پلا، چنانچہ تیسری مرتبہ میں اسے شفا کا ملہ حاصل ہو گئی۔ (بخاری، باب دواء المبطون ومسلم، کتاب السلام، باب التداوی بسقی العسل)

(۴) جب انسان طبعی عمر سے تجاوز کر جاتا ہے تو پھر اس کا حافظہ بھی کمزور ہو جاتا اور بعض دفعہ عقل بھی مایوس اور وہ

وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِينَ
فُضِّلُوا بِرِزْقِي رَزَقْنَاهُمْ عَلَىٰ مَا مُلْكُوا إِلَّا أَنَّهُمْ فَهُمْ فِي سَوَاءٍ أَيْبَتُهُ
اللَّهُ يَجْحَدُونَ ﴿۱﴾

اللہ تعالیٰ ہی نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر روزی
میں زیادتی دے رکھی ہے، پس جنہیں زیادتی دی گئی ہے
وہ اپنی روزی اپنے ماتحت غلاموں کو نہیں دیتے کہ وہ اور
یہ اس میں برابر ہو جائیں،^(۱) تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں
کے منکر ہو رہے ہیں؟^(۲) (۷۴)

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لَّتَمُنَ
أَزْوَاجُكُمْ بَيْنَ وَجْهَةٍ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ
أَقْبَالَ طَائِفٍ يُؤْمِنُونَ وَيُبَغِّتُونَ اللَّهُ هُمْ يَكْفُرُونَ ﴿۲﴾

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تم میں سے ہی تمہاری
بیویاں پیدا کیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے
تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور تمہیں اچھی
اچھی چیزیں کھانے کو دیں۔ کیا پھر بھی لوگ باطل پر
ایمان لائیں گے؟^(۳) اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی
ناشکری کریں گے؟^(۴) (۷۵)

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا وَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۳﴾

اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو
آسمانوں اور زمین سے انہیں کچھ بھی تو روزی نہیں دے
سکتے اور نہ کچھ قدرت رکھتے ہیں۔^(۴) (۷۶)

فَلَا تَضْحَكُوا بِمَا لَكُمْ مِنَ الرِّمَالِ رَأَيْتُمْ أَنَّهُ يَعْلَمُ وَأَنَّكُمْ

پس اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں مت بناؤ،^(۵) اللہ تعالیٰ

نادان بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔ یہی ارذل العمر ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پناہ مانگی ہے۔

(۱) یعنی جب تم اپنے غلاموں کو اتنا مال اور اسباب دنیا نہیں دیتے کہ وہ تمہارے برابر ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کب یہ پسند
کرے گا کہ تم کچھ لوگوں کو جو اللہ ہی کے بندے اور غلام ہیں اللہ کا شریک اور اس کے برابر قرار دے دو اس آیت
سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاشی لحاظ سے انسانوں میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے فطری نظام کے
مطابق ہے۔ اسے جبری قوانین کے ذریعہ ختم نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ اشتراکی نظام میں ہے۔ یعنی معاشی مساوات کی غیر
فطری کوشش کے بجائے ہر کسی کو معاشی میدان میں کسب معاش کے لیے مساوی طور پر دوڑ دھوپ کے مواقع میسر
ہونے چاہئیں۔

(۲) کہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے غیر اللہ کے لیے نذر نیاز نکالتے ہیں اور یوں کفران نعمت کرتے ہیں۔

(۳) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ان انعامات کا تذکرہ کر کے جو آیت میں مذکور ہیں سوال کر رہا ہے کہ سب کچھ دینے والا تو اللہ
ہے لیکن یہ اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں اور دوسروں کا ہی کھانا کھاتے ہیں۔

(۴) یعنی اللہ کو چھوڑ کر عبادت بھی ایسے لوگوں کی کرتے ہیں جن کے پاس کسی چیز کا اختیار نہیں ہے۔

(۵) جس طرح مشرکین مثالیں دیتے ہیں کہ بادشاہ سے ملنا ہو یا اس سے کوئی کام ہو تو کوئی براہ راست بادشاہ سے نہیں

لَا تَعْلَمُونَ ۝

قَرَّبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَمَنْ
 رَزَقْنَاهُ مِنْ شَأْنٍ فَاعْتَدَا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ يَمْزُوا جَهَنَّمَ
 هَلْ يَنْتَوْنَ الْعَبْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

وَقَرَّبَ اللَّهُ مَثَلًا تَجْلِيْنِ أَحَدُهُمَا ابْنُكَ لَا يَقْدِرُ
 عَلَى شَيْءٍ فَوُهِوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ أَيْنَمَا يُوَجِّعُهَا لَا يَتَّخِذُ
 هَلْ يَنْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَى حَرْطٍ
 مُسْتَقِيمٍ ۝

خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (۷۴)
 اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک غلام ہے
 دوسرے کی ملکیت کا جو کسی بات کا اختیار نہیں رکھتا اور
 ایک اور شخص ہے جسے ہم نے اپنے پاس سے معقول
 روزی دے رکھی ہے جس میں سے وہ چھپے کھلے خرچ کرتا
 ہے۔ کیا یہ سب برابر ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے
 سب تعریف ہے بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ (۷۵)
 اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرماتا ہے، (۷۶) دو شخصوں کی
 جن میں سے ایک تو گونگا ہے اور کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا
 بلکہ وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے کہیں بھی اسے بھیجے وہ کوئی
 بھلائی نہیں لاتا کیا یہ اور وہ جو عدل کا حکم دیتا ہے (۷۷) اور

مل سکتا اسے پسے بادشاہ کے مقربین سے رابطہ کرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں جا کر بادشاہ تک اس کی رسائی ہوتی ہے۔ اسی طرح
 اللہ کی ذات بھی بہت اعلیٰ اور اونچی ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے ہم ان معبودوں کو ذریعہ بناتے ہیں یا بزرگوں کا وسیعہ
 پکڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تم اللہ کو اپنے پر قیاس مت کرو نہ اس قسم کی مثالیں دو۔ اس لیے کہ وہ تو واحد ہے اس
 کی کوئی مثال ہی نہیں ہے۔ پھر بادشاہ نہ تو عالم الغیب ہے نہ حاضر و ناظر نہ سچ و بصیر۔ کہ وہ بغیر کسی ذریعے کے رعایا
 کے حالات و ضروریات سے آگاہ ہو جائے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ تو ظاہر و باطن اور حاضر و غائب ہر چیز کا علم رکھتا ہے رات
 کی تاریکیوں میں ہونے والے کاموں کو بھی دیکھتا ہے اور ہر ایک کی فریاد سننے پر بھی قادر ہے۔ بھلا ایک انسانی بادشاہ اور
 حاکم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تقابل اور موازنہ؟

(۱) بعض کہتے ہیں کہ یہ غلام اور آزاد کی مثال ہے کہ پہلا شخص غلام اور دوسرا آزاد ہے۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔
 بعض کہتے ہیں کہ یہ مومن اور کافر کی مثال ہے۔ پہلا کافر اور دوسرا مومن ہے۔ یہ برابر نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اللہ
 تعالیٰ اور اصنام (معبودان باطلہ) کی مثال ہے پہلے سے مراد اصنام اور دوسرے سے اللہ ہے۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔
 مطلب یہی ہے کہ ایک غلام اور آزاد باوجود اس بات کہ دونوں انسان ہیں دونوں اللہ کی مخلوق ہیں اور بھی بہت سی
 چیزیں دونوں کے درمیان مشترک ہیں اس کے باوجود رتبہ و شرف اور فضل و منزلت میں تم دونوں کو برابر نہیں سمجھتے۔
 تو اللہ تعالیٰ اور پھر کی ایک سو رتی یا قبر کی ڈھیری یہ دونوں کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟

(۲) یہ ایک اور مثال ہے جو پہلے سے زیادہ واضح ہے۔

(۳) اور ہر کام کرنے پر قادر ہے کیوں کہ ہر بات بولتا اور سمجھتا ہے اور ہے بھی سیدھی راہ پر یعنی دینِ توہم اور سیرتِ
 صاف پر۔ یعنی افراط و تفریط سے پاک۔ جس طرح یہ دونوں برابر نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ اور وہ چیزیں جن کو لوگ اللہ کا

ہے بھی سیدھی راہ پر برابر ہو سکتے ہیں؟ (۷۶)

آسمانوں اور زمین کا غیب صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔^(۱) اور قیامت کا امر تو ایسا ہی ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا، بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔^(۲) (۷۷)

اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا ہے کہ اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے،^(۳) اسی نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے^(۴) تاکہ تم شکر گزاری کرو۔^(۵) (۷۸)

وَبَلَدُ غَيْبِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا

كَلِمَةٍ لِّبَصِيرَةٍ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ إِنَّ اللَّهَ عَلَّ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ

تَشْكُرُونَ ۝

شریک فہمراہے ہیں برابر نہیں ہو سکتے۔

(۱) یعنی آسمان و زمین میں جو چیزیں غائب ہیں اور وہ بے شمار ہیں اور انہی میں قیامت کا علم ہے۔ ان کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ اس لیے عبادت کے لائق بھی صرف ایک اللہ ہے نہ کہ وہ اصنام یا فوت شدہ اشخاص جن کو کسی چیز کا علم نہیں نہ وہ کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر ہی قادر ہیں۔

(۲) یعنی اس کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے کہ یہ وسیع و عریض کائنات اس کے حکم سے پلک جھپکنے میں بلکہ اس سے بھی کم لمحے میں تباہ و برباد ہو جائے گی۔ یہ بات بطور مبالغہ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت واقعہ ہے کیونکہ اس کی قدرت غیر متناہی ہے جس کا ہم اندازہ ہی نہیں کر سکتے اس کے ایک لفظ کُن سے وہ سب کچھ ہو جاتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ تو یہ قیامت بھی اس کے کُن (ہو جا) کہنے سے برپا ہو جائے گی۔

(۳) شَيْئًا، نکرہ ہے تم کچھ نہیں جانتے تھے نہ سعادت و شقاوت کو نہ فائدے اور نقصان کو۔

(۴) تاکہ کانوں کے ذریعے سے تم آوازیں سنو، آنکھوں کے ذریعے سے چیزوں کو دیکھو اور دل، یعنی عقل (کیوں کہ عقل کا مرکز دماغ ہے) دماغ سے چیزوں کے درمیان تمیز کر سکو اور نفع و نقصان پہچان سکو، جوں جوں انسان بڑا ہوتا ہے، ان قوی و حواس میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ جب انسان شعور اور بلوغت کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس کی یہ صلاحیتیں بھی قوی ہو جاتی ہیں، حتیٰ کہ پھر کمال کو پہنچ جاتی ہیں۔

(۵) یعنی یہ صلاحیتیں اور قوتیں اللہ تعالیٰ نے اس لیے عطا کی ہیں کہ انسان ان اعضاء و ارجح کو اس طرح استعمال کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ ان سے اللہ کی عبادت و اطاعت کرے۔ یہی اللہ کی ان نعمتوں کا عملی شکر ہے۔ حدیث میں آتا ہے ”میرا بندہ جن چیزوں کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سب سے محبوب وہ چیزیں ہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہیں۔ علاوہ ازیں نوافل کے ذریعے سے بھی وہ میرا زیادہ قرب حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے“

کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو تابع فرمان ہو کر فضا میں ہیں، جنہیں بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی اور تھامے ہوئے نہیں،^(۱) بیشک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ (۷۹)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں میں سکونت کی جگہ بنا دی ہے اور اسی نے تمہارے لیے چوپایوں کی کھالوں کے گھر بنا دیے ہیں، جنہیں تم ہلکا پھلکا پاتے ہو اپنے کوچ کے دن اور اپنے ٹھہرنے کے دن بھی،^(۲) اور ان کی اون اور روؤں اور بالوں سے بھی اس نے بہت سے سلمان اور ایک وقت مقررہ تک کے لیے فائدہ کی چیزیں بنائیں۔^(۳) (۸۰)

لَمْ يَرْوِ الْقَطْرِ سُخْرِي فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يَسْكُنُ إِلَّا اللَّهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ①

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ جُنُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ رِقَابَتِكُمْ ۚ وَمِنْ أَصْوَفِهَا أَوْبَارُهَا وَأَشْعَارُهَا إِنَّهَا وَامِتٌ شَاةٌ إِلَىٰ جِبْتٍ ②

حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور مجھ سے کسی چیز سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع)

اس حدیث کا بعض لوگ غلط مفہوم لے کر اولیاء اللہ کو خدا کی اختیارات کا حامل باور کراتے ہیں۔ حالانکہ حدیث کا واضح مطلب یہ ہے کہ جب بندہ اپنی اطاعت و عبادت اللہ کے لیے خالص کر لیتا ہے تو اس کا ہر کام صرف اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے، اپنے کانوں سے وہی بات سنتا اور اپنی آنکھوں سے وہی چیز دیکھتا ہے جس کی اللہ نے اجازت دی ہے، جس چیز کو ہاتھ سے پکڑتا ہے یا پیروں سے چل کر اس کی طرف جاتا ہے تو وہ وہی چیز ہوتی ہے جس کو شریعت نے روا رکھا ہے۔ وہ ان کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہیں کرتا بلکہ صرف اطاعت میں استعمال کرتا ہے۔

(۱) یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے پرندوں کو اس طرح اڑنے کی اور ہواؤں کو انہیں اپنے دوش پر اٹھائے رکھنے کی طاقت بخشی۔

(۲) یعنی چمڑے کے خیمے، جنہیں تم سفر میں آسانی کے ساتھ اٹھائے پھرتے ہو، اور جہاں ضرورت پڑتی ہے اسے تن کر موسم کی شدتوں سے اپنے کو محفوظ کر لیتے ہو۔

(۳) اَصْوَفٌ صُوفٌ کی جمع۔ بھیڑ کی اون اَوْبَارٌ، دَبَرٌ کی جمع، اونٹ کے بال، اَشْعَارٌ شَعْرٌ کی جمع۔ رنبے اور بکری کے بال۔ ان سے کئی قسم کی چیزیں تیار ہوتی ہیں، جن سے انسان کو مال بھی حاصل ہوتا ہے اور ان سے ایک وقت تک فائدہ بھی اٹھاتا ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّنَّا خَلْقًا بَلَدًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ بَنِي اٰدَمَ نَافِلًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ سَرَابِیْلِ تَفِيْئُكُمْ تَفِيْئُكُمْ الْخَمْرُ وَنَمْرُیْلِ
تَفِيْئُكُمْ بِاَسْنَمِكُمْ كَذٰلِكَ يُفَصِّلُ اٰیٰتِهٖ عَلٰی كَلِمَةٍ
لَّعَلَّكُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اللہ ہی نے تمہارے لیے اپنی پیدا کردہ چیزوں میں سے
سائے بنائے ہیں ^(۱) اور اسی نے تمہارے لیے پہاڑوں
میں غار بنائے ہیں اور اسی نے تمہارے لیے کرتے بنائے
ہیں جو تمہیں گرمی سے بچائیں اور ایسے کرتے بھی جو
تمہیں لڑائی کے وقت کام آئیں۔ ^(۲) وہ اسی طرح اپنی
پوری پوری نعمتیں دے رہا ہے کہ تم حکم بردار بن
جاؤ۔ (۸۱)

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلَاءُ الْمَیْمُنُ ۝

پھر بھی اگر یہ منہ موڑے رہیں تو آپ پر صرف کھول کر
تبلیغ کر دینا ہی ہے۔ (۸۲)

یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یَنکُرُوْنَهَا وَاٰلِیٰہُمْ
الْکُفْرُ ۚ وَن ۝

یہ اللہ کی نعمتیں جانتے پہچانتے ہوئے بھی ان کے
منکر ہو رہے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر ناشکرے
ہیں۔ ^(۳) (۸۳)

وَيَوْمَ نَنفَعُ مِّنْ کُلِّ اُمَّةٍ شَہِیْدًا ثُمَّ لَا یُؤْذَنُ
لِلْکٰفِرِیْنَ کُفْرًا وَاُولٰٓئِہُمُ یُسْتَعْتَبُوْنَ ۝

اور جس دن ہم ہر امت میں سے گواہ کھڑا کریں گے ^(۴)
پھر کافروں کو نہ اجازت دی جائے گی اور نہ ان سے توبہ
کرنے کو کہا جائے گا۔ (۸۴)

(۱) یعنی درخت جن سے سایہ حاصل کیا جاتا ہے۔

(۲) یعنی اون اور روٹی کے کرتے جو عام پہننے میں آتے ہیں اور لوہے کی زر ہیں اور خود جو جنگوں میں پہنی جاتی ہیں۔

(۳) یعنی اس بات کو جانتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ ساری نعمتیں پیدا کرنے والا اور ان کو استعمال میں لانے کی صلاحیتیں عطا
کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، پھر بھی اللہ کا انکار کرتے ہیں اور اکثر ناشکری کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی
عبادت کرتے ہیں۔

(۴) یعنی ہر امت پر اس امت کا پیغمبر گواہی دے گا کہ انہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کی پروا نہیں
کی ان کافروں کو عذر پیش کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی اس لیے کہ ان کے پاس حقیقت میں کوئی عذر یا
جھٹ ہو گی ہی نہیں نہ ان سے رجوع یا عتاب دور کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ کیوں کہ اس کی ضرورت بھی اس وقت
پیش آتی ہے جب کسی کو معجائش دینا مقصود ہو لَا یُسْتَعْتَبُوْنَ کے ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے کہ انہیں اپنے رب کو
راضی کرنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ کیوں کہ وہ موقع تو ان کو دنیا میں دیا جا چکا ہے جو دارالعمل ہے۔ آخرت تو دارالعمل
نہیں وہ تو دارالجزا ہے وہاں تو اس چیز کا بدلہ ملے گا جو انسان دنیا سے کر کے گیا ہو گا وہاں کچھ کرنے کا موقع کسی کو نہیں
ملے گا۔

وَاذَرَاكَ الْكَافِرِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٨٥﴾

اور جب یہ ظالم عذاب دیکھ لیں گے پھر نہ تو ان سے ہلکا کیا جائے گا اور نہ وہ ڈھیل دیے جائیں گے۔ (۸۵)

وَاذَرَاكَ الْكَافِرِينَ أَشْرَكُوا مَعَ اللَّهِ فَأَوَارَتْ بَنَاتُهُمْ أَشْرَكَائِهِمْ فَاتَّبَعَ عَذَابُهُمْ دُورًا ﴿٨٦﴾

اور جب مشرکین اپنے شریکوں کو دیکھ لیں گے تو کہیں گے اے ہمارے پروردگار! یہی ہمارے وہ شریک ہیں جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے، پس وہ انہیں جواب دیں گے کہ تم بالکل ہی جھوٹے ہو۔ (۸۶)

وَالْقَوْمَ إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ لَا تَسْلَمُ مِنْهُمْ وَلَا تَنْفَعُهُمْ مَا كَانُوا يَفْعَرُونَ ﴿٨٧﴾

اس دن وہ سب (عاجز ہو کر) اللہ کے سامنے اطاعت کا اقرار پیش کریں گے اور جو بہتان بازی کیا کرتے تھے وہ سب ان سے گم ہو جائے گی۔ (۸۷)

(۱) ہلکانہ کرنے کا مطلب 'درمیان میں کوئی وقفہ نہیں ہو گا' عذاب اور مسلسل بلا توقف عذاب ہو گا۔ اور نہ ڈھیل دیے جائیں گے یعنی 'ان کو فوراً آگاہوں سے بچا کر اور زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا یا توبہ کا موقع نہیں دیا جائے گا' کیوں کہ آخرت عمل کی جگہ نہیں 'جزا کا مقام ہے۔

(۲) معبودان باطلہ کی پوجا کرنے والے اپنے اس دعوے میں جھوٹے تو نہیں ہوں گے۔ لیکن وہ شرکاء جن کو یہ اللہ کا شریک گردانتے تھے، کہیں گے یہ جھوٹے ہیں۔ یہ یا تو شرکت کی نفی ہے یعنی ہمیں اللہ کا شریک ٹھہرانے میں یہ جھوٹے ہیں، بھلا اللہ کا شریک کون ہو سکتا ہے؟ یا اس لیے انہیں جھوٹا قرار دیں گے کہ وہ ان کی عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔ جس طرح قرآن کریم نے متعدد جگہ اس بات کو بیان فرمایا ہے۔ مثلاً ﴿فَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا وَيَتَذَكَّرُ الَّذِينَ كَانُوا يُشْرِكُونَ﴾ (سورۃ ہوس ۳۹) "ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ بطور گواہ کافی ہے کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے کہ تم ہماری عبادت کرتے تھے" (مزید دیکھئے سورۃ الاحقاف آیت ۶۵-۶۶، سورۃ مریم ۸۱-۸۲، سورۃ العنکبوت ۲۵، سورۃ الکہف ۵۲۔ وَغَيْرَ هَٰؤُلَاءِ مِنَ الْآيَاتِ اِيكٍ يٰٓمُطْلَبُ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے تمہیں اپنی عبادت کرنے کے لیے کبھی نہیں کہا تھا، اس لیے تم ہی جھوٹے ہو۔ یہ شرکاء اگر جبر و شجر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں قوت گویائی عطا فرمائے گا، جنات و شیاطین ہوں گے تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے اور اگر اللہ کے نیک بندے ہوں گے، جس طرح کہ متعدد صحابہ و ائمہ اور اولیاء اللہ کو لوگ مدد کے لیے پکارتے ہیں، ان کے نام کی نذر نیا زودیتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر ان کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح کسی معبود کی 'خوف و رجا کے جذبات کے ساتھ' کی جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو میدان محشر میں ہی بری فرما دے گا اور ان کی عبادت کرنے والوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا سوال اور ان کا جواب سورۃ مائدہ کے آخر میں مذکور ہے۔

جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ہم انہیں عذاب پر عذاب بدھاتے جائیں گے،^(۱) یہ بدلہ ہو گا ان کی فتنہ پردازیوں کا۔ (۸۸)

اور جس دن ہم ہر امت میں انہی میں سے ان کے مقابلے پر گواہ کھڑا کریں گے اور تجھے ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے^(۲) اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا شفیق بیان ہے،^(۳) اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے۔ (۸۹)

اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے،^(۴) وہ خود تمہیں سمجھیں کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔ (۹۰)

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زُذِّقُوا عَذَابًا
فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ۝

وَيَوْمَ نَخْتِفُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ
وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَى هَؤُلَاءِ وَتَرْتَأَى عَلَى الْكَتَابِ
بِتَجْمِئَاتِ كُلِّ قَوْمٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى
لِلْمُسْلِمِينَ ۝

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَايَ ذِي
الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝

(۱) جس طرح جنت میں اہل ایمان کے درجات مختلف ہوں گے اسی طرح جہنم میں کفار کے عذاب میں تفاوت ہو گا۔ جو گمراہ ہونے کے ساتھ دوسروں کی گمراہی کا سبب بنے ہوں گے ان کا عذاب دوسروں کی نسبت شدید تر ہو گا۔

(۲) یعنی ہر نبی اپنی امت پر گواہی دے گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے لوگ انبیاء کی بابت گواہی دیں گے کہ یہ سچے ہیں، انہوں نے یقیناً تمہارا پیغام پہنچا دیا تھا۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ النساء

(۳) کتاب سے مراد اللہ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات (احادیث) ہیں۔ اپنی احادیث کو بھی اللہ کے رسول نے ”کتاب اللہ“ قرار دیا ہے، جیسا کہ قصہ عیسیٰ وغیرہ میں ہے (ملاحظہ ہو صحیح بخاری، کتاب المحاربین باب هل يأمر الإمام رجلاً فمضرب الحد غائباً عنه، کتاب الصلوٰۃ باب ذکر البيع والشراء عندی المبر فی المسجد اور ہر چیز کا مطلب ہے، ماضی اور مستقبل کی وہ خبریں جن کا علم ضروری اور مفید ہے۔ اسی طرح حرام و حلال کی تفصیلات اور وہ باتیں جن کے دین و دنیا اور معاش و معاد کے معاملات میں انسان محتاج ہیں۔ قرآن و حدیث دونوں میں یہ سب چیزیں واضح کر دی گئی ہیں۔

(۴) عدل کے مشہور معنی انصاف کرنے کے ہیں۔ یعنی اپنوں اور بیگانوں سب کے ساتھ انصاف کیا جائے، کسی کے ساتھ دشمنی یا عناد یا محبت یا قرابت کی وجہ سے، انصاف کے تقاضے مجروح نہ ہوں۔ ایک دوسرے معنی اعتدال کے ہیں یعنی کسی

وَأُولَٰئِكَ يَتَعَمَّدُ اللَّهُ وَإِذَا غَمَضْتُمْ لَا تَخْفَضُوا زِينَتَكُمْ
بَعْدَ تَوَكُّدِكُمْ هَٰذَا وَقَدْ جَعَلَكُمْ اللَّهُ حَلِيلَكُمْ كَيْفَ لَا إِنَّ اللَّهَ
يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ①

اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم آپس میں قوس و
قرار کرو اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو
حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو ① تم جو کچھ
کرتے ہو اللہ اس کو بخوبی جان رہا ہے۔ (۹۱)

معاملے میں بھی افراط یا تفریط کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ دین کے معاملے میں بھی۔ کیوں کہ دین میں افراط کا نتیجہ غلو
ہے جو سخت مذموم ہے اور تفریط دین میں کوتاہی ہے یہ بھی ناپسندیدہ ہے۔

احسان کے ایک معنی حسن سلوک، عفو و درگزر اور معاف کر دینے کے ہیں۔ دوسرے معنی تحفص کے ہیں یعنی حق واجب
سے زیادہ دینا یا عمل واجب سے زیادہ عمل کرنا۔ مثلاً کسی کام کی مزدوری سو روپے ملے ہے لیکن دیتے وقت ۲۰۰ روپے
زیادہ دے دینا، ملے شدہ سو روپے کی ادائیگی حق واجب ہے اور یہ عدل ہے۔ مزید ۲۰ روپے یہ احسان ہے۔ عدل سے
بھی معاشرے میں امن قائم ہوتا ہے لیکن احسان سے مزید خوش گواری اور اپنائیت و فدائیت کے جذبات نشوونما پاتے
ہیں۔ اور فرائض کی ادائیگی کے ساتھ نوافل کا اہتمام، عمل واجب سے زیادہ عمل ہے جس سے اللہ کا قرب خصوصی
حاصل ہوتا ہے۔ احسان کے ایک تیسرے معنی اخلاص، عمل اور حسن عبادت ہے جس کو حدیث میں «أَلَّا تَعْلَمَ اللَّهُ
كَأَنَّكَ تَرَاهُ» (اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ «إِنِّي أَنَا ذِي الْقُرْبَىٰ» (رشتے
داروں کا حق ادا کرنا یعنی ان کی امداد کرنا ہے) اسے حدیث میں صلوٰۃ رحمی کہا گیا ہے اور اس کی نہایت تاکید احادیث میں
بیان کی گئی ہے۔ عدل و احسان کے بعد اس کا الگ سے ذکر یہ بھی صلوٰۃ رحمی کی اہمیت کو واضح کر رہا ہے۔ فُخْشَاءُ سے
مراد بے حیائی کے کام ہیں۔ آج کل بے حیائی اتنی عام ہو گئی ہے کہ اس کا نام تہذیب، ترقی اور آرٹ قرار پا گیا ہے یا
"تفریح" کے نام پر اس کا جواز تسلیم کر لیا گیا ہے۔ تاہم محض خوشنالی لیل لگا لینے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدل سکتی،
اسی طرح شریعت اسلامیہ نے زنا اور اس کے مقدمات کو رقص و سرود، بے پردگی اور فیشن پرستی کو اور مرد و زن کے
بے باک نہ اختلاط اور مخلوط معاشرت اور دیگر اس قسم کی خرافات کو بے حیائی ہی قرار دیا ہے، ان کا کتنا بھی اچھا نام رکھ لیا
جائے مغرب سے درآمد شدہ یہ خباثتیں جائز قرار نہیں پاسکتیں۔ مشکوٰۃ ہر وہ کام ہے جسے شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے
اور بغنی کا مطلب ظلم و زیادتی کا ارتکاب۔ ایک حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ قطع رحمی اور بغنی یہ دونوں جرم اللہ کو
اسنے ناپسند ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (آخرت کے علاوہ) دنیا میں بھی ان کی فوری سزا کا امکان غالب رہتا ہے۔ (ابن
ماجرہ کتاب الزہد باب البغنی)

(۱) قسم ایک تو وہ ہے جو کسی عہد و پیمان کے وقت اسے مزید پختہ کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو
انسان اپنے طور پر کسی وقت کھا لیتا ہے کہ میں فلاں کام کروں گا یا نہیں کروں گا۔ یہاں آیت میں اس انداز قسم مراد ہے
کہ تم نے قسم کھا کر اللہ کو ضامن بنالیا ہے۔ اب اسے نہیں توڑنا بلکہ اس عہد و پیمان کو پورا کرنا ہے جس پر تم نے قسم

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَقَصَتْ خَزَايَاهُمْ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ
 أَنْكَارًا تَتَعَذَّبُونَ لِأَيَّامٍ تَخْلَعُ بِهَا لَبُاسُهُمْ أَنْ
 تَكُونُ آيَةً لَهَا مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لِيُنْذِرَ بِهِ وَيُكَفِّرَ بِهِ
 لِكُلِّ يَوْمٍ زَلِيلَةً مَا كُنتُمْ فِيهِ تَحْتَفُونَ ﴿٩٢﴾

اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت
 مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا،^(۱)
 کہ تم اپنی قسموں کو آپس کے مکر کا باعث ٹھہراؤ،^(۲) اس
 لیے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بدھا چڑھا ہو
 جائے۔^(۳) بات صرف یہی ہے کہ اس عہد سے اللہ
 تمہیں آزار رہا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے لیے قیامت
 کے دن ہر اس چیز کو کھول کر بیان کر دے گا جس میں تم
 اختلاف کر رہے تھے۔ (۹۲)

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُبَيِّنُ
 لِمَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَلِيُفْلِحَ عَمَّا
 كُنتُمْ تَصْتَلُونَ ﴿٩٣﴾

اگر اللہ چاہتا تم سب کو ایک ہی گروہ بنا دیتا لیکن وہ جسے
 چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے، یقیناً تم
 جو کچھ کر رہے ہو اس کے بارے میں باز پرس کی جانے
 والی ہے۔ (۹۳)

وَلَا تَتَعَذَّبُوا لِأَيَّامٍ تَخْلَعُ بِهَا لَبُاسُكُمْ فَتَبْذُلُوا
 ثِيَابَكُمْ وَتَكُونُوا الْتَوَابِئَاصِدَ ذُنُوبَكُمْ عَنْ سُبُلِ اللَّهِ

اور تم اپنی قسموں کو آپس کی دغا بازی کا بہانہ نہ بناؤ۔
 پھر تو تمہارے قدم اپنی مضبوطی کے بعد ڈگمگا جائیں
 گے اور تمہیں سخت سزا برداشت کرنا پڑے گی

کھائی ہے۔ کیوں کہ ثانی الذکر قسم کی بابت تو حدیث میں حکم دیا گیا ہے کہ "کوئی شخص کسی کام کی بابت قسم کھالے پھر وہ
 دیکھے کہ زیادہ خیر و سری چیز میں ہے (یعنی قسم کے خلاف کرنے میں ہے) تو وہ بہتری والے کام کو اختیار کرے اور قسم کو
 توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرے"۔ (صحیح مسلم نمبر ۱۷۷۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی یہی تھا۔ صحیح
 بخاری نمبر ۶۶۳۳، مسلم نمبر ۱۷۷۲

(۱) یعنی مؤکد بہ حلف عہد کو توڑ دینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی عورت سوت کاتنے کے بعد اسے خود ہی ٹکڑے ٹکڑے کر
 ڈالے۔ یہ تمثیل ہے۔

(۲) یعنی دھوکہ اور فریب دینے کا ذریعہ بناؤ۔

(۳) آذنی کے معنی اکثر کے ہیں یعنی جب تم دیکھو کہ اب تم زیادہ ہو گئے ہو تو اپنے زعم کثرت میں حلف توڑ دو جب کہ
 قسم اور معاہدے کے وقت وہ گروہ کمزور تھا لیکن کمزوری کے باوجود وہ مطمئن تھا کہ معاہدے کی وجہ سے ہمیں نقصان
 نہیں پہنچایا جائے گا۔ لیکن تم غرور اور نقص عہد کر کے نقصان پہنچاؤ۔ زمانہ جاہلیت میں اخلاقی پستی کی وجہ سے اس قسم کی
 عہد شکنی عام تھی، مسلمانوں کو اس اخلاقی پستی سے روکا گیا ہے۔

وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ قُلُوبَ لَدٍّ اِنْ شِئْتُمْ اِنَّكُمْ لَعِنْدَ اللَّهِ

حَاوِلُونَ ۝

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ

صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْشَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

فَلَنَجْزِيَنَّهُ حَسَبَ عَمَلِهِ خَيْرًا ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ

مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

وَإِذَا أَقْرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَوِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ

الرَّجِيمِ ۝

کیونکہ تم نے اللہ کی راہ سے روک دیا اور تمہیں بڑا
تخت عذاب ہو گا۔^(۹۳)

تم اللہ کے عہد کو تھوڑے مول کے بدلے نہ بیچ دیا کرو۔
یاد رکھو اللہ کے پاس کی چیز ہی تمہارے لیے بہتر ہے
بشرطیکہ تم میں علم ہو۔ (۹۵)

تمہارے پاس جو کچھ ہے سب فانی ہے اور اللہ تعالیٰ کے
پاس جو کچھ ہے باقی ہے۔ اور صبر کرنے والوں کو ہم بھلے
اعمال کا بہترین بدلہ ضرور عطا فرمائیں گے۔ (۹۶)

جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن
باایمان ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا
فرمائیں گے۔^(۹۷) اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی
انہیں ضرور ضرور دیں گے۔ (۹۷)

قرآن پڑھنے کے وقت راندے ہوئے شیطان سے اللہ
کی پناہ طلب کرو۔^(۹۸)

(۱) مسلمانوں کو دوبارہ مذکورہ عہد شکنی سے روکا جا رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری اس اخلاقی پستی سے کسی کے قدم
ڈگ جائیں اور کافر تمہارا یہ رویہ دیکھ کر قبول اسلام سے رک جائیں اور یوں تم لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے
کے مجرم اور سزا کے مستحق بن جاؤ۔ بعض مفسرین نے اِنَّمَا يَجْنِي (یعنی قسم) کی جمع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی بیعت مراد لی ہے۔ یعنی نبی کی بیعت توڑ کر پھر مرتد نہ ہو جانا، تمہارے ارتداد کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی قبوں اسلام
سے رک جائیں گے اور یوں تم دگنے عذاب کے مستحق قرار پاؤ گے۔ (فتح القدیر)

(۲) حیات طیبہ (بہتر زندگی) سے مراد دنیا کی زندگی ہے، اس لیے کہ آخرت کی زندگی کا ذکر اگلے جیسے میں ہے اور
مطلب یہ ہے کہ ایک مومن باکردار کو صالحانہ اور متعینانہ زندگی گزارنے اور اللہ کی عبادت و اطاعت اور زہد و قناعت
میں جو لذت و حلاوت محسوس ہوتی ہے، وہ ایک کافر اور نافرمان کو دنیا بھر کی آسائشوں اور سہولتوں کے باوجود میسر نہیں
آتی، بلکہ وہ ایک گونہ قلق و اضطراب کا شکار رہتا ہے۔ ﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا﴾ (طہ ۱۲۴) جس
نے میری یاد سے اعراض کیا۔ اس کا گزر ان جگہ والا ہو گا۔

(۳) خطاب اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن مخاطب ساری امت ہے یعنی تلاوت کے آغاز میں اَعُوذُ بِاللَّهِ
مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھا جائے۔

إِنَّهُ لَكَيْسٌ لَهُ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلٰى رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُونَ ﴿۹۹﴾

إِنَّمَا سُلْطٰنُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَكَّلُونَ وَالَّذِينَ

هُمْ بِهِ مُشِيرُونَ ﴿۱۰۰﴾

وَلَا يَدْرَأُ لَكُنَايَةُ مَنَّانِ الْيَهُودِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَنْتُمْ لَأَعْيُنَكُمْ ﴿۱۰۱﴾

فَلَنْ تَزَالَ رُؤُوسُ الْقُدَّاسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ يَسْتَكْبِرُ

الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۱۰۲﴾

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّئَلَّا يُبَيِّنَ

ایمان والوں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھنے والوں پر
اس کا زور مطلقاً نہیں چلتا۔ (۹۹)

ہاں اس کا غلبہ ان پر تو یقیناً ہے جو اسی سے رفاقت کریں
اور اسے اللہ کا شریک ٹھہرائیں۔ (۱۰۰)

اور جب ہم کسی آیت کی جگہ دوسری آیت بدن دیتے
ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نازل فرماتا ہے اسے وہ خوب
جانتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ تو توستان باز ہے۔ بات یہ ہے
کہ ان میں سے اکثر جانتے ہی نہیں۔ (۱۰۱)

کہہ دیجئے کہ اسے آپ کے رب کی طرف سے جبرائیل
حق کے ساتھ لے کر آئے ہیں (۱۰۲) تاکہ ایمان والوں کو
اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے (۱۰۳) اور مسلمانوں کی
رہنمائی اور بشارت ہو جائے۔ (۱۰۴)

ہمیں بخوبی علم ہے کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ اسے تو ایک

(۱) یعنی ایک حکم منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم نازل کرتے ہیں جس کی حکمت و مصلحت اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے
اور اس کے مطابق وہ احکام میں رد و بدل فرماتا ہے تو کافر کہتے ہیں کہ یہ کلام اے محمد؟ (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرا اپنا گھڑا
ہوا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو اس طرح نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے اکثر لوگ بے علم ہیں اس لیے یہ شیخ
کی حکمتیں اور مصلحتیں کیا جانیں۔ (مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ آیت ۱۰۶ کا حاشیہ)

(۲) یعنی یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا گھڑا ہوا نہیں ہے بلکہ اسے حضرت جبریل علیہ السلام جیسے پاکیزہ ہستی نے
سچائی کے ساتھ رب کی طرف سے اتارا ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر ہے ﴿تَنْزِيلُ الْكِتَابِ بِالْحَقِّ﴾ ﴿عَلَى قَلْبِكَ﴾
الشُّعْرَاءِ۔ (۱۰۳) ﴿۱۰۴﴾ اسے الروح الامین (جبریل علیہ السلام) نے تیرے دل پر اتارا ہے۔

(۳) اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ناسخ اور منسوخ دونوں رب کی طرف سے ہیں۔ علاوہ ازیں نسخ کے مصلح بھی جب ان
کے سامنے آتے ہیں تو ان کے اندر مزید ثابت قدمی اور ایمان میں رسوخ پیدا ہوتا ہے۔

(۴) اور یہ قرآن مسلمانوں کے لیے ہدایت اور بشارت کا ذریعہ ہے کیوں کہ قرآن بھی بارش کی طرح ہے جس سے
بعض زمینیں خوب شاداب ہوتی ہیں اور بعض میں خار و خش کے سوا کچھ نہیں اگتا۔ مومن کا دل طاہر اور شفاف ہے جو
قرآن کی برکت سے اور ایمان کے نور سے منور ہو جاتا ہے اور کافر کا دل زمین شور کی طرح ہے جو کفر و ضلالت کی
تاریکیوں سے بھرا ہوا ہے جس کا قرآن کی ضیا پاشیاں بھی بے اثر رہتی ہیں۔

آدی سکھاتا ہے^(۱) اس کی زبان جس کی طرف یہ نسبت کر رہے ہیں عجی ہے اور یہ قرآن تو صاف عربی زبان میں ہے۔^(۲) (۱۰۳)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے انہیں اللہ کی طرف سے بھی رہنمائی نہیں ہوتی اور ان کے لیے المناک عذاب ہیں۔ (۱۰۴)

جھوٹ افترا تو وہی باندھتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں ہوتا۔ یہی لوگ جھوٹے ہیں۔^(۳) (۱۰۵)

جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے، بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر رقرار ہو،^(۴) مگر جو لوگ کھلے دل سے کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے سب سے بڑا عذاب ہے۔^(۵) (۱۰۶)

يُجْعَدُونَ اَلَيْهِمْ اَعْجِبُ وَهَذَا اَلِلسَانُ عَرَبِيٌّ مُّثِينٌ ۝

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ لَا يَهْدِيْهُمُ اللّٰهُ وَلَا اَنَّهُمْ عَذَابُ الْاَلَمِ ۝

وَمَا يَنْفَعُ الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ ۝
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مِنْ اَكْرَهٍ وَقَلْبُهٗ مُّطْمَئِنٌّ بِاَلَا اِيْمَانٍ وَلٰكِنْ شَرَّ مَا لَكَفَرْنَا صَدْرًا
فَصَدَّقَهُمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

(۱) بعض غلام تھے جو تورات و انجیل سے واقف تھے، پہلے وہ یہودی یا یہودی تھے پھر مسلمان ہو گئے ان کی زبان بھی غیر فصیح تھی۔ مشرکین کہہ کتے تھے کہ فلاں غلام محمد کو قرآن سکھاتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ یہ جس آدی یا آدمیوں کا نام لیتے ہیں وہ تو عربی زبان بھی فصاحت کے ساتھ نہیں بول سکتے جب کہ قرآن تو ایسی صاف عربی زبان میں ہے جو فصاحت و بلاغت اور اعجاز بیان میں بے نظیر ہے اور چیلنج کے باوجود اس کی مثل ایک سورت بھی بنا کر پیش نہیں کی جاسکتی دنیا بھر کے فصحاء و بلغاء اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ عرب اس شخص کو عجی (کوٹا) کہتے تھے جو فصیح و بلیغ زبان بولنے سے قاصر ہوتا تھا اور غیر عربی کو بھی عجی کہا جاتا ہے کہ عجی زبانیں بھی فصاحت و بلاغت میں عربی زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

(۳) اور ہمارا پیغمبر تو ایمانداروں کا سردار اور ان کا قائد ہے، وہ کس طرح اللہ پر افترا باندھ سکتا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اس پر نازل نہ ہوئی ہو اور وہ یوں ہی کہہ دے کہ یہ کتاب مجھ پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ اس لیے جھوٹا ہمارا پیغمبر نہیں، یہ خود جھوٹے ہیں جو قرآن کے منزل من اللہ ہونے کے منکر ہیں۔

(۴) اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ جان بچانے کے لیے تو لا یا فعلاً کفر کا ارتکاب کر لے، جب کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، تو وہ کافر نہیں ہو گا نہ اس کی بیوی اس سے جدا ہوگی اور نہ اس پر دیگر احکام کفر کو ہوں گے قَالَ الْقَوَّطِيّ: (فتح القدیر)

(۵) یہ ارتداد کی سزا ہے کہ وہ غضب الہی اور عذاب عظیم کے مستحق ہوں گے اور اس کی دنیوی سزا قتل ہے جیسا کہ

ذٰلِكَ يٰۤاَنۡفُسُ اسْتَغۡثِثُوۡا الْحَيٰوةَ الدُّنَيَا عَلٰى الْاٰخِرَةِ ۚ
وَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الْقَوْمَ الْكَافِرِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ طَلَبَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَسَمِعِیۡهِمْ وَابۡصَلٰۤیۡهِمْ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾

لَا حَیۡرَ اَنۡهَمۡ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾

ثُمَّ اَنَّ رَبَّكَ لَبَدِیۡنَ ۚ هَاجِرُوۡا مِنْۢ بَعۡدِ مَا قَبِلْتُمَۡا
ثُمَّ جَعَلُوۡا وَصَبْرُوۡا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعۡدِهَا
لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۱۰﴾

یَوْمَ تَأْتِیٰ كُلُّۭ نَفۡسٍ مُّجَادِلٌ عَنْ نَّفۡسِهَا وَتُوۡفٰی

یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے
زیادہ محبوب رکھا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں کو راہ راست
نہیں دکھاتا۔^(۱۰۷)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور جن کے کانوں پر اور
جن کی آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور یہی لوگ
غافل ہیں۔^(۱۰۸)

کچھ شک نہیں کہ یہی لوگ آخرت میں سخت نقصان
اٹھانے والے ہیں۔^(۱۰۹)

جن لوگوں نے فتنوں میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت
کی پھر جہاد کیا اور صبر کا ثبوت دیا بیشک تیرا پروردگار
ان باتوں کے بعد انہیں بخشنے والا اور مہربانیاں کرنے
والا ہے۔^(۱۱۰)

جس دن ہر شخص اپنی ذات کے لیے لڑتا جھگڑتا آئے^(۱۱۱) اور

حدیث میں ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سورہ بقرہ، آیت ۲۱۷ اور آیت ۲۵۶ کا حاشیہ)

(۱) یہ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے (مرتد ہو جانے) کی علت ہے کہ انہیں ایک تو دنیا محبوب ہے۔ دوسرے اللہ کے ہاں
یہ ہدایت کے قابل ہی نہیں ہیں۔

(۲) پس یہ وعظ و نصیحت کی باتیں سنتے ہیں نہ انہیں سمجھتے ہیں اور نہ وہ نشانیاں ہی دیکھتے ہیں جو انہیں حق کی طرف لے
جانے وال ہیں۔ بلکہ یہ ایسی غفلت میں مبتلا ہیں جس نے ہدایت کے راستے ان کے لیے مسدود کر دیے ہیں۔

(۳) یہ کہے کے ان مسلمانوں کا تذکرہ ہے جو کمزور تھے اور قبول اسلام کی وجہ سے کفار کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے رہے۔
بلآخر انہیں ہجرت کا حکم دیا گیا تو اپنے خویش و اقارب، وطن مالوف اور مال و جائیداد سب کچھ چھوڑ کر حبشہ یا مدینہ چلے
گئے، پھر جب کفار کے ساتھ معرکہ آرائی کا مرحلہ آیا تو مردانہ وار لڑے اور جہاد میں بھرپور حصہ لیا اور پھر اس کی راہ کی
شدتوں اور الم ناکیوں کو صبر کے ساتھ برداشت کیا۔ ان تمام باتوں کے بعد یقیناً تیرا رب ان کے لیے غفور و رحیم ہے یعنی
رب کی مغفرت و رحمت کے حصول کے لیے ایمان اور اعمال صالحہ کی ضرورت ہے، جیسا کہ مذکورہ مہاجرین نے ایمان و
عمل کا عمدہ نمونہ پیش کیا تو رب کی رحمت و مغفرت سے وہ شاد کام ہوئے۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْہُمْ وَرَضُوا عَنْہُ۔

(۴) یعنی کوئی اور کسی کی حمایت میں آگے نہیں آئے گا نہ باپ، نہ بھائی، نہ بیٹا، نہ بیوی نہ کوئی اور۔ بلکہ ایک دوسرے
سے بھاگیں گے۔ بھائی بھائی سے، بیٹے، ماں باپ سے، خاوند، بیوی سے بھاگے گا۔ ہر شخص کو صرف اپنی فکر ہوگی جو اسے

كُلٌّ تَغِيْرُ مَا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرِيْبَةً كَانَتْ اٰمَنَةً مِّنْطَبِئَةٍ
يَّاتِيْنَهَا رِيْذْقُهَا رَغَدًا مِّنْ مَّكَانٍ مَّكَانٍ فَكَفَّرَتْ بِآنْفِئِهِ
اللّٰهُ فَاِذَا رَآهَآ اللّٰهُ يَبْسُوسَ الْجُبُوْبَ وَالْخَوَافَ يَبَاكَوْا
يَضْنَعُوْنَ ۝

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ
العَذَابُ وَهُمْ ضَالُّوْنَ ۝

ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا
اور لوگوں پر (مطلقاً) ظلم نہ کیا جائے گا۔ (۱۱)

اللہ تعالیٰ اس بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو پورے امن
و اطمینان سے تھی اس کی روزی اس کے پاس با فراغت
ہر جگہ سے چلی آرہی تھی۔ پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی
نعمتوں کا کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھوک اور ڈر کا مزہ
چکھایا جو بدلہ تھا ان کے کرتوتوں کا۔ (۱۲)

ان کے پاس انہی میں سے رسول پہنچی پھر بھی انہوں نے
اسے جھٹلایا پس انہیں عذاب نے آدھ چا' اور وہ تھے
بی ظالم۔ (۱۳)

دوسرے سے بے پرواہ کر دے گی ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تَتَذَكَّرُوْنَ﴾ افس ۱۳۷ ”ان میں سے ہر ایک کو اس
دن ایک ایسا مشغلہ ہو گا جو اسے مشغول رکھنے کے لیے کافی ہو گا۔“

(۱) یعنی نیکی کے ثواب میں کمی کر دی جائے اور برائی کے بدلے میں زیادتی کر دی جائے۔ ایسا نہیں ہو گا۔ کسی پر ادنیٰ سا
ظلم بھی نہیں ہو گا۔ برائی کا اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا کسی برائی کا ہو گا۔ البتہ نیکی کی جزا اللہ تعالیٰ خوب بڑھا چڑھا کر دے گا اور
یہ اس کے فضل و کرم کا مظاہرہ ہو گا جو قیامت والے دن اہل ایمان کے لیے ہو گا۔ جَعَلْنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ

(۲) اکثر مفسرین نے اس قریہ (بستی) سے مراد مکہ لیا ہے۔ یعنی اس میں مکہ اور اہل مکہ کا حال بیان کیا گیا ہے اور یہ اس
وقت ہوا جب اللہ کے رسول نے ان کے لیے بد دعا فرمائی: ﴿اللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰی مِصْرَؕ وَاجْعَلْهَا عَلَيْنِمْ
بِسَبِيْنِ كَسِيْبٍ بُؤْسًا﴾ (بخاری۔ صحیحہ۔ ۴۸۲۱۔ مسلم۔ صحیحہ۔ ۲۱۵۶) ”اے اللہ (مصر) قبیلے پر اپنی سخت گرفت فرما اور
ان پر اس طرح قحط سہلی مسلط کر دے جس طرح حضرت یوسف کے زمانے میں مصر میں ہوئی۔“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مکے
کے امن کو خوف سے اور خوش حالی کو بھوک سے بدل دیا۔ حتیٰ کہ ان کا یہ حال ہو گیا کہ ہڈیاں اور درختوں کے پتے کھا
کر انہیں گزارہ کرنا پڑا۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ غیر معین بستی ہے اور تمثیل کے طور پر یہ بات یوں کی گئی ہے۔
کہ کفرانِ نعمت کرنے والے لوگوں کا یہ حال ہو گا وہ جہاں بھی ہوں اور جب بھی ہوں۔ اس کے اس عموم سے مسور
مفسرین کو بھی انکار نہیں ہے ”گو نزول کا سبب ان کے نزدیک خاص ہے الْعِزْرَةُ بِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوْصِ
السَّبَبِ

(۳) اس عذاب سے مراد وہی عذاب خوف و بھوک ہے جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں ہے ”یا اس سے مراد کافروں
کا وہ قتل ہے جو جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا۔“

جو کچھ حلال اور پاکیزہ روزی اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔^(۱) (۱۳۳)

تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا جائے حرام ہیں^(۲) پھر

فَكُلُوا مِمَّا ذَرَأَ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاشْكُرُوا
يُعْصِمَ اللَّهُ لِمَنِ كُنْتُمْ إِتَاكَ تَعْبُدُونَ ﴿۱۳۳﴾

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَيْزِ
وَمَا أُؤْتِيَ لِيُغَيَّرَ اللَّهُ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ

(۱) اس کا مطلب یہ ہوا کہ حلال و طیب چیزوں سے تجاوز کر کے حرام اور خبیث چیزوں کا استعمال اور اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا یہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہے۔

(۲) یہ آیت اس سے قبل تین مرتبہ پہلے بھی گزر چکی ہے۔ سورۃ البقرہ ۱۷۳۔ المائدہ ۳۔ الانعام ۱۴۵ میں۔ یہ چوتھا مقام ہے جہاں اللہ نے اسے پھر بیان فرمایا ہے۔ اس میں لفظ 'إِنَّمَا' حصر کے لیے ہے۔ لیکن یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے یعنی نئی طہین کے عقیدے اور خیال کو سامنے رکھتے ہوئے حصر لایا گیا ہے۔ ورنہ دوسرے جانور اور درندے وغیرہ بھی حرام ہیں' البتہ ان آیات سے یہ واضح ہے کہ ان میں جن چار محرمات کا ذکر ہے' اللہ تعالیٰ ان سے مسلمانوں کو نہایت تاکید کے ساتھ بچانا چاہتا ہے۔ اس کی ضروری تشریح گزشتہ مقامات پر کی جا چکی ہے' تاہم اس میں ﴿وَمَا أُؤْتِيَ لِيُغَيَّرَ اللَّهُ بِهِ﴾ (جس چیز پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا جائے) جو چوتھی قسم ہے۔ اس کے منہج میں تاویلات رکھیکہ اور توجہات بعیدہ سے کام لے کر شرک کے لیے چور دروازہ تلاش کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس کی مزید وضاحت پیش خدمت ہے۔

جو جانور غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا جائے' اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے تقرب اور اس کی خوشنودی کے لیے اسے ذبح کیا جائے اور ذبح کرتے وقت نام بھی اسی بت یا بزرگ کا لیا جائے' بزم خویش جس کو راضی کرنا مقصود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مقصود تو غیر اللہ کا تقرب ہی ہو لیکن ذبح اللہ کے نام پر ہی کیا جائے جس طرح کہ قبر پرستوں میں یہ سلسلہ عام ہے۔ وہ جانوروں کو بزرگوں کے لیے نامزد تو کرتے ہیں۔ مثلاً یہ بکرا فلاں پیر کا ہے' یہ گائے فلاں پیر کی ہے' یہ جانور گیارہویں کے لیے یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی کے لیے ہے' وغیرہ وغیرہ۔ اور ان کو وہ پیشہ اللہ پڑھ کر ہی ذبح کرتے ہیں۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ پہلی صورت تو یقیناً حرام ہے لیکن یہ دوسری صورت حرام نہیں' بلکہ جائز ہے کیوں کہ یہ غیر اللہ کے نام پر ذبح نہیں کیا گیا ہے اور یوں شرک کا راستہ کھول دیا گیا ہے حالانکہ فقہانے اس دوسری صورت کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ یہ بھی ﴿وَمَا أُؤْتِيَ لِيُغَيَّرَ اللَّهُ بِهِ﴾ میں داخل ہے۔ چنانچہ حاشیہ بیضاوی میں ہے "ہر وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے' حرام ہے" اگرچہ ذبح کے وقت اس پر اللہ ہی کا نام یا جائے۔ اس لیے کہ علما کا اتفاق ہے کہ کوئی مسلمان اگر غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی غرض سے جانور ذبح کرے گا تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہو گا" اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب در مختار میں ہے "کسی حاکم اور کسی طرح کسی بڑے کی آمد پر (حسن خلق یا شرعی ضیافت کی نیت سے نہیں بلکہ اس کی رضامندی اور اس کی تعظیم کے طور پر) جانور ذبح کیا

قَالَ اللَّهُ عَفْوَ رَّحِيمٌ ۝

اگر کوئی شخص بے بس کر دیا جائے نہ وہ خواہشمند ہو اور نہ حد سے گزرنے والا ہو تو یقیناً اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (۱۱۵)

کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کہ وہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لو،^(۱) سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔ (۱۱۶)

انہیں بہت معمولی فائدہ ملتا ہے اور ان کے لیے ہی دروناک عذاب ہے۔ (۱۱۷)

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَلٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُقْبَلُ عَمَلُهُمْ ۝

مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

جائے تو وہ حرام ہو گا، اس لیے کہ ﴿وَمَا أَهْلِ الْغَنَى وَالْغَنَى﴾ میں داخل ہے اگرچہ اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو اور عدم شای نے اس کی تائید کی ہے۔ (کتاب الذبائح طبع قدیم ۱۳۷۷ھ ص ۲۷۷- فتاویٰ شامی ج ۵ ص ۲۰۳ مطبع مبینہ مصر) البتہ بعض فقہاء اس دوسری صورت کو ﴿وَمَا أَهْلِ الْغَنَى وَالْغَنَى﴾ کا مدلول اور اس میں داخل نہیں سمجھتے اور اشتراک علت (تقرب لغیر اللہ) کی وجہ سے اسے حرام سمجھتے ہیں۔ گویا حرمت میں کوئی اختلاف نہیں۔ صرف استدلال و احتجاج کے طریقے میں اختلاف ہے۔ علاوہ ازیں یہ دوسری صورت ﴿وَمَا أَهْلِ الْغَنَى وَالْغَنَى﴾ (جو بتوں کے پاس یا تھانوں پر ذبح کیے جائیں) میں بھی داخل ہے، جسے سورۃ المائدہ میں محرمات میں ذکر کیا گیا ہے اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آستانوں، درباروں اور تھانوں پر ذبح کیے گئے جانور حرام ہیں، اس لیے کہ وہاں ذبح کرنے کا یا وہاں لے جا کر تقسیم کرنے کا مقصد تَقَرُّبٌ لِغَيْرِ اللَّهِ (اللہ کے سوا دوسروں کی رضا اور تقرب حاصل کرنا) ہی ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: "ایک شخص نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ میں بوانہ جگہ میں اونٹ ذبح کروں گا آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا وہاں زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی؟ لوگوں نے بتدیا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ وہاں ان کی عیدوں میں سے کوئی عید تو نہیں منائی جاتی تھی؟ لوگوں نے اس کی بھی نفی کی، تو آپ ﷺ نے سائل کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔" (ابوداؤد، کتاب الايمان والصدقات باب ما يؤمر به من وفاء الصدقات اس سے معلوم ہوا کہ بتوں کے ہٹائے جانے کے بعد بھی غیر آباد آستانوں پر جا کر جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہے چہ جائیکہ ان آستانوں اور درباروں پر جا کر ذبح کیے جائیں جو پرستش اور نذر و نیاز کے لیے مرجع عوام ہیں۔ اَعَادَنَا اللَّهُ مِنهُ .

(۱) یہ اشارہ ہے ان جانوروں کی طرف جو وہ بتوں کے نام وقف کر کے ان کو اپنے لیے حرام کر لیتے تھے، جیسے بحیرہ، سائبہ، وید اور حام وغیرہ۔ (دیکھئے المائدہ ۱۱۰۳ اور الانعام ۱۳۹-۱۴۱ کے حواشی۔)

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَزَنًا مَّا قَصَصْنَا عَلَيْكَ
مِنْ قَبْلُ وَمَا عَلَّمْنَاهُمْ دِينَ كَانُوا اتَّخَذُوا
يُظَلِّمُونَ ﴿۱۱۸﴾

لَقَدْ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ يٰٓأَيُّهَا الْمَوْءِدَةُ
بَعْدَ ذَلِكَ وَآفَكُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَعَزِيزٌ
﴿۱۱۹﴾

إِنَّ رَبَّهُمْ كَانَ أَمَنَةً قَالُوا لَوْ كُنَّا حَنِيفًا
لَا نَكْفُرُ بِالْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۰﴾

شَاكِرُوا الْإِنْعَامَ إِنْ كُنْتُمْ مُسْتَشْعِرِينَ ﴿۱۲۱﴾

وَالَّذِينَ فِي الدِّينِ أَحْسَنَ ذِكْرًا فِي الْأَخِرَةِ
لَهُمْ أَجْرٌ كَثِيرٌ ﴿۱۲۲﴾

لَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ تَبْعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۳﴾

إِنَّمَا جُعِلَ الْقَبُولُ عَلَى الْبَنِينَ لِيُحْتَفَتُوا بِأَيُّهَا رَبُّكَ

اور یہودیوں پر جو کچھ ہم نے حرام کیا تھا اسے ہم پہلے ہی
سے آپ کو سنا چکے ہیں،^(۱) ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ
وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ (۱۱۸)

جو کوئی جماعت سے برے عمل کر لے پھر توبہ کر لے اور
اصلاح بھی کر لے تو پھر آپ کا رب بلا شک و شبہ بڑی
بخشش کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے۔ (۱۱۹)

بیشک ابراہیم پیشوا^(۲) اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور ایک
طرفہ غلط تھے۔ وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (۱۲۰)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اللہ نے
انہیں اپنا برگزیدہ کر لیا تھا اور انہیں راہ راست بجا
دی تھی۔ (۱۲۱)

ہم نے اسے دنیا میں بھی بہتری دی تھی اور بیشک وہ
آخرت میں بھی نیکو کاروں میں ہیں۔ (۱۲۲)

پھر ہم نے آپ کی جانب وحی بھیجی کہ آپ ملت ابراہیم
حنیف کی پیروی کریں،^(۳) جو مشرکوں میں سے نہ
تھے۔ (۱۲۳)

ہفتے کے دن کی عظمت تو صرف ان لوگوں کے ذمے

(۱) دیکھئے سورۃ الانعام ۱۳۶ کا حاشیہ، نیز سورۃ نساء ۱۲۰ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

(۲) اُنْفُ کے معنی پیشوا اور قائد کے بھی ہیں، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے اور امت بمعنی امت بھی ہے، اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وجود ایک امت کے برابر تھا۔ (امت کے معانی کے لیے سورۃ ہود ۸ کا حاشیہ دیکھئے)

(۳) مِلَّة کے معنی ہیں، ایمادین جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کے ذریعے لوگوں کے لیے مشروع اور ضروری قرار دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس بات کے کہ آپ تمام انبیاء سمیت اولاد آدم کے سردار ہیں، آپ کو ملت ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امتیازی اور خصوصی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ویسے اصول میں تمام انبیاء کی شریعت اور ملت ایک ہی رہی ہے جس میں رسالت کے ساتھ توحید و معاد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

لِيُكَفِّرَ بِهِمْ تُورَ الْقِيَمَةِ مِمَّا كَانُوا فِيهِ يَخْتَفُونَ ﴿٢٧﴾

یہ ضروری کی گئی تھی جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا،^(۱) بات یہ ہے کہ آپ کا پروردگار خود ہی ان میں ان کے اختلاف کا فیصلہ قیامت کے دن کرے گا۔ (۱۴۳)

لَا تُدْعَى إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالنُّوعِطَةِ الْحَسَنَةِ
وَجَادِ لَهُمْ يَا أَيْتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ
بِمَنْ صَلَّى عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُنْتَدِينَ ﴿١٠﴾

اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے،^(۲) یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے ہٹنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے۔^(۳) (۳۵)

وَأَن تَبْتَغُواْ أَجْزَآءَ مَّا عٰمَرْتُمُوْهُ وَلَٰكِن
صَبْرَتُمْ لَهَا وَخَبْرَ الْبَاصِرِيْنَ ﴿٣٦﴾

اور اگر بدلہ لو بھی تو بالکل اتنا ہی جتنا صدمہ تمہیں پہنچایا گیا ہو اور اگر صبر کر لو تو بے شک صابروں کے لیے یہی

(۱) اس اختلاف کی نوعیت کیا ہے؟ اس کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے جمعہ کا دن مقرر فرمایا تھا، لیکن بنو اسرائیل نے ان سے اختلاف کیا اور ہفتے کا دن تعظیم و عبادت کے لیے پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، 'موسیٰ! انہوں نے جو دن پسند کیا ہے، وہی دن ان کے لئے رہنے دو۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ تعظیم کے لیے ہفتے میں کوئی ایک دن متعین کر لو۔ جس کے تعین میں ان کے درمیان اختلاف ہوا۔ پس یہود نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر ہفتے کا دن اور نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کر لیا۔ اور جمعہ کے دن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نصاریٰ نے اتوار کا دن یہودیوں کی مخالفت کے جذبے سے اپنے لیے مقرر کیا تھا، اسی طرح عبادت کے لیے انہوں نے اپنے کو یہودیوں سے الگ رکھنے کے لیے صغریٰ بیت المقدس کی شرقی جانب کو بطور قبلہ اختیار کیا۔ جمعہ کا دن اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے مقرر کیے جانے کا ذکر حدیث میں موجود ہے (ملاحظہ ہو۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب ہدایۃ ہذہ الامۃ لیوم الجمعة، و مسلم کتاب و باب مذکور)

(۲) اس میں تبلیغ و دعوت کے اصول بیان کیے گئے ہیں جو حکمت، موقع، حسنہ اور رفیق و ملائمت پر مبنی ہیں۔ جدال، باک، حسن، درشتی اور تلخی سے بچتے ہوئے نرم و مشفقانہ لب و لہجہ اختیار کرنا ہے۔

(۳) یعنی آپ کا کام مذکورہ اصولوں کے مطابق وعظ و تبلیغ ہے، ہدایت کے راستے پر چلا دینا، یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے، اور وہ جانتا ہے کہ ہدایت قبول کرنے والا کون ہے اور کون نہیں؟

بہتر ہے۔^(۱) (۱۳۶)

آپ صبر کریں بغیر توفیق الہی کے آپ صبر کر ہی نہیں سکتے اور ان کے حال پر رنجیدہ نہ ہوں اور جو مکرو فریب یہ کرتے رہتے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہوں۔^(۲) (۱۳۷)

یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ پر ہیز گاروں اور نیک کاروں کے ساتھ ہے۔ (۱۳۸)

وَصَبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ
فِي ضَلٰلٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿۱۳۶﴾

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ﴿۱۳۷﴾

(۱) اس میں اگرچہ بدرہ لینے کی اجازت ہے بشرطیکہ تجاوز نہ ہو، ورنہ یہ خود ظالم ہو جائے گا، تاہم معاف کر دینے اور صبر اختیار کرنے کو زیادہ بہتر قرار دیا گیا ہے۔

(۲) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے مکروں کے مقابلے میں اہل ایمان و تقویٰ اور محسنین کے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ اللہ ہو، اسے اہل دنیا کی سازشیں نقصان نہیں پہنچا سکتیں، جیسا کہ مابعد کی آیت میں ہے۔

سُبْحَنَ الَّذِي ۱۷

سورہ بنی اسرائیل کی ہے اور اس کی ایک سو گیارہ آیتیں
اور بارہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

بڑے مہربان اور سب سے زیادہ رحم کرنے والے اللہ
کے نام سے شروع کر رہا ہوں۔

سُبْحَنَ الَّذِي اسْمٰی بِصَدِّ لَیْلَاتِنَ الْمَسْجِدِ
الْمَعْرُورِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِیْہِ مِنْ

پاک ہے ^(۱) وہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندے ^(۲) کو رات ہی
رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ ^(۳) تک لے گیا جس
کے آس پاس ہم نے برکت دے ^(۴) رکھی ہے اس لیے

☆ یہ سورت کی ہے۔ اسے سورۃ الاسراء بھی کہتے ہیں اس لیے کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسراء (رات کو
مسجد اقصیٰ لے جانے) کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورۃ کف
مریم اور بنی اسرائیل یہ عتاق اول میں سے ہیں اور میرے عتاق میں سے ہیں "تفسیر سورۃ بنی اسرائیل، عتاق
عینی، (قدیم) کی جمع ہے اور نِلَاؤُ نَالِدُ کی جمع ہے۔ نالہ بھی قدیم مال کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سورتیں ان قدیم
سورتوں میں سے ہیں جو مکے میں اول اول نازل ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو بنی اسرائیل اور سورۃ
زمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (مسند احمد، جلد ۶ ص ۱۲۶۸۔ ترمذی نمبر ۲۲۲۰۵-۲۲۲۰۶ وصحیحہ، الالبانی ص ۱۲
الصحیحۃ نمبر ۲۲۲۰۶ جلد ۱۲)

(۱) سُبْحَانَ، سَبَّحَ یَسْبُحُ کا مصدر ہے۔ معنی میں اَنْزَلَ اللہ تَنْزِیْہًا یعنی میں اللہ کی ہر نقص سے تنزیہ اور براءت
کرتا ہوں۔ عام طور پر اس کا استعمال ایسے موقعوں پر ہوتا ہے جب کسی عظیم الشان واقعے کا ذکر ہو۔ مطلب یہ ہوتا ہے
کہ لوگوں کے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے یہ واقعہ کتنا بھی محال ہو، اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں، اس لیے کہ
وہ اسباب کا پابند نہیں۔ وہ تو لفظ حق سے چمک جھپکتے ہیں جو چاہے کر سکتا ہے۔ اسباب تو انسانوں کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
ان پابندیوں اور کوتاہیوں سے پاک ہے۔

(۲) اِسْرَآءُ کے معنی ہوتے ہیں رات کو لے جانا۔ آگے لَیْلَاتِنَ اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ رات کی قلت واضح ہو جائے
اس لیے وہ کمرہ ہے۔ یعنی رات کے ایک حصے یا تھوڑے سے حصے میں۔ یعنی چالیس راتوں کا یہ دور دراز کا سفر پوری
رات میں بھی نہیں بلکہ رات کے ایک قلیل حصے میں طے ہوا۔

(۳) اَقْصٰی، دور کو کہتے ہیں بیت المقدس، جو القدس یا ایلایاء (قدیم نام) شہر میں ہے اور فلسطین میں واقع ہے، مکے سے
القدس تک مسافت ۳۰ دن کی ہے، اس اعتبار سے مسجد حرام کے مقابلے میں بیت المقدس کو مسجد اقصیٰ (دور کی مسجد) کہا گیا ہے

(۴) یہ علاقہ قدرتی نیروں اور پھلوں کی کثرت اور انبیاء کا مسکن و مدفن ہونے کے لحاظ سے ممتاز ہے، اس لیے اسے
بارکت قرار دیا گیا ہے۔

اٰیٰتِہٖ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○

وَ اٰتٰیْنَا مُوسٰی السِّعْبَ وَ جَعَلْنٰہُ هٰدِیً لِّبَنِیْ اِسْرٰءِیْلَ

اَلَا تَتَّخِذُ دٰوِیْنَ دُوْنِیْ وَ کَیْۤا ①

ذُرِّیَّۃً مِّنْ حَمَلٰتِنَا مَعَ نُوْحٍ اِنَّہٗ کَانَ عِبْدًا شَکُوْرًا ②

کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں^(۱)
یقیناً اللہ تعالیٰ ہی خوب سننے دیکھنے والا ہے۔ (۱)

ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے
ہدایت بنا دیا کہ تم میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بنانا۔ (۲)
اے ان لوگوں کی اولاد! جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ
سوار کر دیا تھا وہ ہمارا بڑا ہی شکر گزار بندہ تھا۔^(۳) (۳)

(۱) یہ اس سیر کا مقصد ہے تاکہ ہم اپنے اس بندے کو جانبائت اور آیات کبریٰ دکھائیں۔ جن میں سے ایک آیت اور
معجزہ یہ سفر بھی ہے کہ اتنا لمبا سفر رات کے ایک قلیل حصے میں ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معراج ہوئی۔ یعنی
آسمانوں پر لے جایا گیا وہاں مختلف آسمانوں پر انبیاء عظیم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں اور سدرة المنتہی پر جو عرش سے نیچے
ساتویں آسمان پر ہے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے نماز اور دیگر بعض چیزیں عطا کیں۔ جس کی تفصیلات صحیح احادیث
میں بیان ہوئی ہیں اور صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک امت کے اکثر علماء و فقہاء اس بات کے قائل چلے آ رہے ہیں کہ
یہ معراج بِحَسْبِہِ الْعَصْرِیٰ حالت بیداری میں ہوئی ہے۔ یہ خواب یا روحانی سیر اور مشاہدہ نہیں ہے بلکہ معنی
مشاہدہ ہے جو اللہ نے اپنی قدرت کلمہ سے اپنے پیغمبر کو کرایا ہے۔ اس معراج کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ اسراء کہلاتا ہے
جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے اور جو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کا نام ہے یہاں پہنچنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ بیت المقدس سے پھر آپ کو آسمانوں پر لے جایا گیا یہ اس سفر کا دوسرا حصہ ہے جسے
معراج کہا جاتا ہے۔ اس کا کچھ تذکرہ سورہ نجم میں کیا گیا ہے اور باقی تفصیلات احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ عام طور پر اس
پورے سفر کو ”معراج“ سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے۔ معراج سیڑھی کو کہتے ہیں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک
سے نکلے ہوئے الفاظ عَرَجَ بِی اِلَی السَّمَاءِ (مجھے آسمان پر لے جایا یا چڑھایا گیا) سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ اس سفر کا یہ دوسرا
حصہ پہلے سے بھی زیادہ اہم اور عظیم الشان ہے اس لیے معراج کا لفظ ہی زیادہ مشہور ہو گیا۔ اس کی تاریخ میں اختلاف
ہے۔ تاہم اس میں اتفاق ہے کہ یہ ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے۔ بعض کہتے ہیں ایک سال قبل اور بعض کہتے ہیں کئی سال
قبل یہ واقعہ پیش آیا۔ اسی طرح مہینے اور اس کی تاریخ میں اختلاف ہے کوئی ربیع الاول کی ۱۷ یا ۲۷ کوئی رجب کی ۲۷
اور بعض کوئی اور مہینہ اور اس کی تاریخ بتلاتے ہیں۔ (فتح القدیر)

(۲) طوفان نوح علیہ السلام کے بعد نسل انسانی نوح علیہ السلام کے ان بیٹوں کی نسل سے ہے جو کشتی نوح علیہ السلام میں
سوار ہوئے تھے اور طوفان سے بچ گئے تھے۔ اس لیے بنو اسرائیل کو خطاب کر کے کہا گیا کہ تمہارا باپ نوح علیہ السلام۔
اللہ کا بہت شکر گزار بندہ تھا۔ تم بھی اپنے باپ کی طرح شکر گزاری کا راست اختیار کرو اور ہم نے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کو رسول بنا کر بھیجا ہے ان کا انکار کر کے کفرانِ نعمت مت کرو!

ہم نے بنو اسرائیل کے لیے ان کی کتاب میں صاف فیصلہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دوبار فساد برپا کرو گے اور تم بڑی زبردست زیادتیاں کرو گے۔ (۳)

ان دونوں وعدوں میں سے پہلے کے آتے ہی ہم نے تمہارے مقابلہ پر اپنے بندے بھیج دیئے جو بڑے ہی لڑاکے تھے۔ پس وہ تمہارے گھروں کے اندر تک پھیل گئے اور اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوتا ہی تھا۔ (۵)

پھر ہم نے ان پر تمہارا غلبہ دے کر تمہارے دن پھیرے اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کی اور تمہیں بڑے جتنے والا بنادیا۔ (۶)

اگر تم نے اچھے کام کیے تو خود اپنے ہی فائدہ کے لیے اور اگر تم نے برائیاں کیں تو بھی اپنے ہی لیے پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے دوسرے بندوں کو بھیج دیا تاکہ وہ تمہارے چرے بگاڑ دیں اور پہلی دفعہ کی طرح پھر اسی مسجد میں گھس جائیں۔ اور جس جس چیز پر قابو پائیں توڑ پھوڑ کر جڑ سے اکھاڑ دیں۔ (۷)

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآئِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسٍ ۖ فَلْيُقْسِمْ الْإِنسَانُ لَهُم ۖ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝

لَعَنَّا زَكَرِيَّا لَكُمُ الْكِرْمَةُ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ كَثِيرٍ ۖ وَجَعَلْنَا لَكُمْ لُغْتًا عَرَبِيًّا ۝

إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنُتُمْ لَا تَنْفَعُكُمْ عَنْ ذُنُوبِكُمْ فَلَعْنَا ۖ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسٍ ۖ فَلْيُقْسِمْ الْإِنسَانُ لَهُمْ ۖ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝

(۱) یہ اشارہ ہے اس ذلت و تنہائی کی طرف جو بائبل کے فرماں روا بخت نصر کے ہاتھوں حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً چھ سو سال قبل یودیوں پر یرو ظلم میں نازل ہوئی۔ اس نے بے دریغ یودیوں کو قتل کیا اور ایک بڑی تعداد کو غلام بنایا اور یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے اللہ کے نبی حضرت شعیبا علیہ السلام کو قتل یا حضرت ارمیا علیہ السلام کو قید کیا اور تورات کے احکام کی خلاف ورزی اور معاصی کا ارتکاب کر کے فساد فی الارض کے مجرم بنے۔ بعض کہتے ہیں کہ بخت نصر کے بجائے جالوت کو اللہ تعالیٰ نے بطور سزا ان پر مسلط کیا جس نے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ حتیٰ کہ جالوت کی قیادت میں حضرت داود علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا۔

(۲) یعنی بخت نصر یا جالوت کے قتل کے بعد ہم نے تمہیں پھر مال اور دولت عینوں اور جاہ و حشمت سے نوازا جب کہ یہ ساری چیزیں تم سے چھن چکی تھیں۔ اور تمہیں پھر زیادہ جتنے والا اور طاقت ور بنادیا۔

(۳) یہ دوسری مرتبہ انہوں نے فساد برپا کیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو قتل کر دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کے درپے رہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھا کر ان سے بچالیا۔ اس کے نتیجے میں پھر رومی بادشاہ ٹیٹس کو اللہ نے ان پر

امید ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے۔ ہاں اگر تم پھر بھی وہی کرنے لگے تو ہم بھی دوبارہ ایسا ہی کریں^(۱) گے اور ہم نے منکروں کا قید خانہ جہنم کو بنا رکھا ہے۔^(۲) (۸)

یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ (۹)

اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۱۰)

اور انسان برائی کی دعائیں مانگنے لگتا ہے بالکل اس کی اپنی بھلائی کی دعا کی طرح انسان ہے ہی بڑا جلد باز۔^(۳) (۱۱)

ہم نے رات اور دن کو اپنی قدرت کی نشانیاں بنائی ہیں رات کی نشانی کو تو ہم نے بے نور کر دیا ہے اور دن کی نشانی کو روشن بنایا ہے تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر

عَنِ رَبِّكَ اَنْ يَّرْسَلَ اَنْ تُدْعُوْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ
لِلْكَافِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يُقَدِّمُ الْبَيِّنٰتِ لِيَّ اَقُوْمُوْا يَتَذَكَّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ
الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنْ لَّهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝

وَ اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

وَيَسْأَلُ الْاِنْسَانُ بِالْغَيْبِ دُعَاؤًا بِالْغَيْبِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ مُجْرَمًا ۝

وَجَعَلْنَا الْاَيُّوْمَ وَالْاَيُّوْمَ اَيَّتَيْنِ تُمَآرَيْنَ الْاَيُّوْمَ وَالْاَيُّوْمَ
الَّتِيْ تُمَآرَيْنَ اَيَّتَيْنِ تُمَآرَيْنَ الْاَيُّوْمَ وَالْاَيُّوْمَ اَيَّتَيْنِ تُمَآرَيْنَ

مسلط کر دیا اس نے یروہم پر حملہ کر کے ان کے کھٹے کے پٹے لگا دیے اور بہت سوں کو قیدی بنالیا ان کے امواں لوٹ لیے مذہبی صحیفوں کو پاؤں تلے روندنا اور بیت المقدس اور ہیکل سلیمانی کو تاراج کیا اور انہیں ہمیشہ کے لیے بیت المقدس سے جد وطن کر دیا۔ اور یوں ان کی ذلت و رسوائی کا خوب خوب سامان کیا۔ یہ جہاں ۷۰ء میں ان پر آئی۔

(۱) یہ انہیں تنبیہ کی کہ اگر تم نے اصلاح کر لی تو اللہ کی رحمت کے مستحق ہو گے۔ جس کا مطلب دنیا و آخرت کی سرخ روئی اور کامیابی ہے اور اگر دوبارہ اللہ کی مافرمائی کا راستہ اختیار کر کے تم نے فساد فی الارض کا ارتکاب کیا تو ہم پھر تمہیں اسی طرح ذلت و رسوائی سے دوچار کر دیں گے جیسے اس سے قبل دو مرتبہ ہم تمہارے ساتھ یہ معاملہ کر چکے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا یہ یہود اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے اور وہی کردار رسالت محمدیہ کے بارے میں دہرایا جو رسالت موسوی اور رسالت عیسیٰ میں ادا کر چکے تھے جس کے نتیجے میں یہ یہودی تیسری مرتبہ مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوئے اور بعد رسوائی انہیں مدینے اور خیبر سے نکلنا پڑا۔

(۲) یعنی اس دنیا کی رسوائی کے بعد آخرت میں جہنم کی سزا اور اس کا عذاب الگ ہے جو وہاں انہیں بھگتنا ہو گا

(۳) انسان چونکہ جلد باز اور بے حوصلہ ہے اس لیے جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو اپنی ہلاکت کے لیے اسی طرح بددعا کرتا ہے جس طرح بھلائی کے لیے اپنے رب سے دعائیں کرتا ہے یہ تو رب کا فضل و کرم ہے کہ وہ اس کی بددعاؤں کو قبول نہیں کرتا یہی مضمون سورہ یونس آیت ۱۱ میں گزر چکا ہے

وَالْحَسَابَ وَكُلُّ شَيْءٍ فَضْلُهُ تَنْصِيلًا ③

وَكُلُّ رِئْسَالٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِفَةً فِي عُسْفِهِ وَيُنْخِرُ لَهُ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا ④

إِذَا كُشِفَ عَنْكَ يَوْمَ يَسْمُوكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ⑤

مَنْ أَهْتَدَى بِآيَاتِنَا يَتَّبِعْهُ لِنُفِيسِهِ وَهُمْ هُنَّ الْأَنْزِلُوفُ عَلَيْهَا
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ

سکو اور اس لیے بھی کہ برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر
سکو^(۱) اور ہر چیز کو ہم نے خوب تفصیل سے بیان فرما
دیا ہے۔^(۲) (۱۲)

ہم نے ہر انسان کی برائی بھائی کو اس کے گلے لگا دیا
ہے^(۳) اور بروز قیامت ہم اس کے سامنے اس کا نامہ
اعمال نکالیں گے جسے وہ اپنے اوپر کھلا ہوا پالے گا۔ (۱۳)
اے خود ہی اپنی کتاب آپ پڑھ لے۔ آج تو تو آپ ہی
اپنا خود حساب لینے کو کافی ہے۔ (۱۴)

جو راہ راست حاصل کر لے وہ خود اپنے ہی بھلے کے لیے
راہ یافتہ ہوتا ہے اور جو بھٹک جائے اس کا بوجھ اسی کے
اوپر ہے، کوئی بوجھ والا کسی اور کا بوجھ اپنے اوپر نہ لاوے
گا^(۴) اور ہماری سنت نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی

(۱) یعنی رات کو بے نور چنی تاریک کر دیا تاکہ تم آرام کر سکو اور تساری دن بھر کی تھکاوٹ دور ہو جائے اور دن کو
روشن بنایا تاکہ کسب معاش کے ذریعے سے تم رب کا فضل تلاش کرو۔ علاوہ ازیں رات اور دن کا ایک دو سرفائدہ یہ
ہے کہ اس طرح ہفتوں، مہینوں اور برسوں کا شمار اور حساب تم کر سکو، اس حساب کے بھی بے شمار فوائد ہیں۔ اگر رات
کے بعد دن اور دن کے بعد رات نہ آتی بلکہ ہمیشہ رات ہی رات یا دن ہی دن رہتا تو ہمیں آرام و سکون کا یا کاروبار
کرنے کا موقع نہ ملتا اور اسی طرح مہینوں اور سالوں کا حساب بھی ممکن نہ رہتا۔

(۲) یعنی انسان کے لیے دین اور دنیا کی ضروری باتیں سب کھول کر ہم نے بیان کر دی ہیں تاکہ ان سے انسان فائدہ
اٹھائیں، اپنی دنیا بھی سنواریں اور آخرت کی بھی فکر اور اس کے لیے تیاری کریں۔

(۳) طَائِفَہ کے معنی پرندہ کے ہیں اور عُنُقُ کے معنی گردن کے۔ امام ابن کثیر نے طَائِفَہ سے مراد انسان کے عمل لیے ہیں۔
فِي عُنُقِهِ کا مطلب ہے، اس کے اچھے یا برے عمل، جس پر اس کو اچھی یا بری جزا دی جائے گی، گلے کے ہار کی طرح اس
کے ساتھ ہوں گے۔ یعنی اس کا ہر عمل لکھا جا رہا ہے، اللہ کے ہاں اس کا پورا ریکارڈ محفوظ ہو گا۔ قیامت والے دن اس
کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور امام شوکانی نے طَائِفَہ سے مراد انسان کی قسمت لی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے
مطابق پہلے سے لکھ دی ہے، جسے سعادت مند اور اللہ کا مطیع ہونا تھا وہ اللہ کو معلوم تھا اور جسے نافرمان ہونا تھا وہ بھی اس
کے علم میں تھا، یہی قسمت (سعادت مندی یا بد بختی) ہر انسان کے ساتھ گلے کے ہار کی طرح چنی ہوئی ہے۔ اسی کے
مطابق اس کے عمل ہوں گے اور قیامت والے دن اسی کے مطابق فیصلے ہوں گے۔

(۴) اہل جو ضال (گمراہ) مضل (گمراہ کرنے والے) بھی ہوں گے، انہیں اپنی گمراہی کے بوجھ کے ساتھ، ان کے گناہوں کا

وَسَوَّلًا ①

وَدَّارَدْنَا أَنْ تُعَذِّبَ قَوْمَهُ آمَنَّا مُتَوَكِّفِينَ فَفَسَّخْنَا بِهَا
فَقَحْشَ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَذَمَّرْنَاهَا تَذْمِيرًا ②

عذاب کرنے لگیں۔^(۱) (۱۵)

اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو وہاں
کے خوشحال لوگوں کو (کچھ) حکم دیتے ہیں اور وہ اس بستی
میں کھلی نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو ان پر (عذاب کی) بات
ثابت ہو جاتی ہے پھر ہم اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔^(۲) (۱۶)

بار بھی (بغیر ان کے گناہوں میں کمی کیے) اغما پڑے گا جو ان کی کوششوں سے گمراہ ہوئے ہوں گے، جیسا کہ قرآن کے
دوسرے مقامات اور احادیث سے واضح ہے۔ یہ دراصل ان کے اپنے ہی گناہوں کا بار ہو گا جو دوسروں کو گمراہ کر کے
انہوں نے کمایا ہو گا۔

(۱) بعض مفسرین نے اس سے صرف دنیوی عذاب مراد لیا ہے۔ یعنی آخرت کے عذاب سے مستثنیٰ نہیں ہوں گے، لیکن
قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے پوچھے گا کہ کیا تمہارے پاس میرے رسوں نہیں
آئے تھے؟ جس پر وہ اثبات میں جواب دیں گے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارسال و رسل اور ازال کتب کے بغیر وہ
کسی کو عذاب نہیں دے گا۔ تاہم اس کا فیصلہ کہ کس قوم یا کس فرد تک اس کا پیغام نہیں پہنچا، قیامت والے دن وہ خود
ہی فرمائے گا، وہاں یقیناً کسی کے ساتھ ظلم نہیں ہو گا۔ اسی طرح ہر پاگل، فاجر العقل اور زمانہ فترت یعنی دو نبیوں کے
درمیانی زمانے میں فوت ہونے والے لوگوں کا مسئلہ ہے، ان کی بابت بعض روایات میں آتا ہے کہ قیامت والے دن
اللہ تعالیٰ ان کی طرف فرشتے بھیجے گا اور وہ انہیں کہیں گے کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ، اگر وہ اللہ کے اس حکم کو مان کر جہنم
میں داخل ہو جائیں گے تو جہنم ان کے لیے گل و گلزار بن جائے گی، بصورت دیگر انہیں گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا
جائے گا، مسند احمد ج ۲ ص ۲۴، وہیں حبان ج ۱ ص ۲۲۱ علامہ البانی نے صحیح الجامع الصغیر ص ۸۸
میں اسے (ذکر کیا ہے) چھوٹے بچوں کی بابت اختلاف ہے۔ مسلمانوں کے بچے تو جنت میں ہی جائیں گے، البتہ کفار و
مشرکین کے بچوں میں اختلاف ہے، کوئی توقف کا، کوئی جنت میں جانے کا اور کوئی جہنم میں جانے کا قائل ہے، امام ابن
کثیر نے کہا ہے کہ میدان محشر میں ان کا امتحان لیا جائے گا، جو اللہ کے حکم کی اطاعت اختیار کرے گا، وہ جنت میں اور جو
نافرمانی کرے گا، جہنم میں جائے گا، امام ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ اس سے متضاد روایات میں
تطبیق بھی ہو جاتی ہے (تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر ملاحظہ کیجئے) مگر صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ
مشرکین کے بچے بھی جنت میں جائیں گے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۳ : ۳۲۵۱ : ۳۲۸) مع الفتح

(۲) اس میں وہ اصول بتلایا گیا ہے جس کی رو سے قوموں کی ہلاکت کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ ان کا خوش حال طبقہ
اللہ کے حکموں کی نافرمانی شروع کر دیتا ہے اور انہی کی تقلید پھر دوسرے لوگ کرتے ہیں، یوں اس قوم میں اللہ کی
نافرمانی عام ہو جاتی ہے اور وہ مستحق عذاب قرار پا جاتی ہے۔

وَكَمْ أَفْلَكُنَّ مِنَ الْفُرُوقِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ۖ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ
هَذَا نُوبٌ عَبَاسًا ۖ خَبِيرٌ بِصَبْرًا ۝

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا
لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مِمَّا مَتَّعْنَاهُ ۖ قَلِيلًا مِّنْ ذَلِكَ ۖ

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ
سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝

كَلَّا إِنَّ مَوْلَاهُ وَهُوَ آوِيٌّ عِلَّاهُ ۖ إِنَّكَ عِنْدَ رَبِّكَ
مَنْظُورٌ ۝

أَنظُرْ كَيْفَ فَكَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ وَلَآخِرَةُ الْآيَةِ دَعَابَةٌ
وَالْأُولَىٰ نَجِيلٌ ۝

ہم نے نوح کے بعد بھی بہت سی قومیں ہلاک کیں^(۱) اور
تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار اور
خوب دیکھنے بھالنے والا ہے۔ (۱۷)

جس کا ارادہ صرف اس جلدی والی دنیا (فوری فائدہ) کا ہی ہو
اسے ہم یہاں جس قدر جس کے لیے چاہیں سر دست دیتے
ہیں بلا آخر اس کے لیے ہم جہنم مقرر کر دیتے ہیں جہاں وہ
بُرے حالوں و حکارہ ہوا داخل ہو گا۔^(۲) (۱۸)

اور جس کا ارادہ آخرت کا ہو اور جیسی کوشش اس کے
لیے ہونی چاہیے 'وہ کرتا بھی ہو اور وہ پایمان بھی ہو'
پس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی اللہ کے ہاں پوری
قدروانی کی جائے گی۔^(۳) (۱۹)

ہر ایک کو ہم ہم پہنچائے جاتے ہیں انہیں بھی اور انہیں
بھی تیرے پروردگار کے انعامات میں سے۔ تیرے
پروردگار کی بخشش رکی ہوئی نہیں ہے۔^(۴) (۲۰)

دیکھ لے کہ ان میں ایک کو ایک پر ہم نے کس طرح فضیلت
دے رکھی ہے اور آخرت تو درجوں میں اور بھی بڑھ کر ہے
اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے۔^(۵) (۲۱)

(۱) وہ بھی اسی اصول ہلاکت کے تحت ہی ہلاک ہوئیں۔

(۲) یعنی دنیا کے ہر طالب کو دنیا نہیں ملتی 'صرف اسی کو ملتی ہے جس کو ہم چاہیں' پھر اس کو بھی اتنی دنیا نہیں ملتی جتنی وہ چاہتا
ہے بلکہ اتنی ہی ملتی ہے جتنی ہم اس کے لیے فیصلہ کریں۔ لیکن اس دنیا طلبی کا نتیجہ جہنم کا دائمی عذاب اور اس کی رسوائی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے ہاں قدروانی کے لیے تین چیزیں یہاں بیان کی گئی ہیں۔ ارادہ آخرت 'یعنی اخلاص اور اللہ کی رضا
جوئی ۲۔ ایسی کوشش جو اس کے لائق ہو۔ یعنی سنت کے مطابق ۳۔ ایمان۔ کیونکہ اس کے بغیر تو کوئی عمل بھی قابل
النفات نہیں۔ یعنی قیویت عمل کے لیے ایمان کے ساتھ اخلاص اور سنت نبوی کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

(۴) یعنی دنیا کا رزق اور اس کی آسائشیں ہم بلا تفریق مومن اور کافر 'طالب دنیا اور طالب آخرت سب کو دیتے ہیں۔
اللہ کی نعمتیں کسی سے بھی روکی نہیں جاتیں۔

(۵) تاہم دنیا کی یہ چیزیں کسی کو کم 'کسی کو زیادہ ملتی ہیں' اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق یہ روزی تقسیم فرماتا

لَا تَحْمِلْ مَعَ الْوَالِدَيْنِ إِسْمًا فَتُنَفَّرَ عَنْ سَعْيِكَ فَرْغًا مَدًّا وَلَا تَقْرَبْ

وَقَصِ رَيْبَكَ أَتَى تَبَدُّدًا وَلَا تَتَّبِعْهُ إِلَّا رِيَاءً وَلَا تَتَّبِعْهُ إِلَّا رِيَاءً
وَعَنْدَكَ الْكِبَرُ أَحَدُهُمَا أَزْكَىٰ وَلَهُمَا فَلَاقِلْ لَّهُمَا أَفْ وَلَا تَقْرَبْهُمَا
وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝

وَاصْفُصْ لِّمَا جَاءَكَ لَدُنَّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْنِي
كَمَا رَحِمْتَ صَبِيغًا ۝

اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہرا کہ آخرش تو برے
حالوں بے کس ہو کر بیٹھ رہے گا۔ (۲۲)

اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس
کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ
احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا یہ
دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ
کہنا نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب و
احترام سے بات چیت کرنا۔ (۲۳)

اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا
بازو پست رکھے رکھنا (۲۴) اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے
پروردگار! ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا انہوں نے میرے
بچپن میں میری پرورش کی ہے۔ (۲۴)

ہے۔ تاہم آخرت میں درجات کا یہ تفاضل زیادہ واضح اور نمایاں ہو گا اور وہ اس طرح کہ اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر
جہنم میں جائیں گے۔

(۱) اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا
ہے جس سے والدین کی اطاعت ان کی خدمت اور ان کے ادب و احترام کی اہمیت واضح ہے۔ گویا ربوبیت اسی کے
تفاضل کے ساتھ اطاعت والدین کے تقاضوں کی ادائیگی ضروری ہے۔ احادیث میں بھی اس کی اہمیت اور تاکید کو خوب
واضح کر دیا گیا ہے پھر بڑھاپے میں بطور خاص ان کے سامنے ”ہوں“ تک کہنے اور ان کو ڈانٹنے ڈپٹنے سے منع کیا ہے
کیونکہ بڑھاپے میں والدین تو کمزور، بے بس اور لاچار ہو جاتے ہیں جب کہ اولاد جوان اور وساکل معاش پر قابض و
متصرف ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں جوانی کے دیوانی جذبات اور بڑھاپے کے سرد و گرم چشیدہ تجربات میں تصادم ہوتا ہے۔ ان
حالات میں والدین کے ادب و احترام کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا بہت ہی مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ تاہم اللہ کے ہاں سرخ رو
وہی ہو گا جو ان تقاضوں کو ملحوظ رکھے گا۔

(۲) پرندہ جب اپنے بچوں کو اپنے سایہ شفقت میں لیتا ہے تو ان کے لیے اپنے بازو پست کر دیتا ہے یعنی تو بھی والدین
کے ساتھ اسی طرح اچھا اور پر شفقت معاملہ کرنا اور ان کی اسی طرح کفالت کر جس طرح انہوں نے بچپن میں تیری کی۔ یا
یہ معنی ہیں کہ جب پرندہ اڑنے اور بلند ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے بازو پھیلا لیتا اور جب نیچے اترتا ہے تو بازوؤں کو
پست کر لیتا ہے۔ اس اعتبار سے بازوؤں کے پست کرنے کے معنی والدین کے سامنے تواضع اور عاجزی کا اظہار کرنے
کے ہوں گے۔

رَبِّكَ اَعْلَمُ بِمَا فِي قُلُوبِكُمْ ۚ لَنْ تَنُوكُوا صٰلِحِيْنَ وَاِنَّكَ كَاَن
لَّا تَلٰهِيَن غَفُوْرًا ۝۲۰

وَاِنَّ الْعَرْشَ حَقُّهُ وَالْمَكِيْنَ وَاَمِنَ النَّبِيْل
وَلَا تَبْدِيْ رَبِّيْۤ اَبْرًا ۝۲۱

اِنَّ الْمُبْدِيْنَ كَالْوَالِدِيْنَ الشَّيْطٰنُ وَاَنَّ الشَّيْطٰنَ
يَدِيْۤهٖ لَغَوْرًا ۝۲۲

وَاِنَّ الْغِيْضَ مِنْ عَنَمِۤ اٰتِيَا وَرَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا
فَعَلَّ لَهُمْ قَوْلًا نَّبِيْرًا ۝۲۳

جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے تمہارا رب بخوبی
جاتا ہے اگر تم نیک ہو تو وہ تو رجوع کرنے والوں کو
بخشنے والا ہے۔ (۲۵)

اور رشتے داروں کا اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا
کرتے رہو^(۱) اور اسراف اور بیجا خرچ سے بچو۔ (۲۶)

بیجا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان
اپنے پروردگار کا بڑا عی ناشکر ہے۔ (۲۷)^(۲)

اور اگر تجھے ان سے منہ پھیر لینا پڑے اپنے رب کی اس
رحمت کی جستجو میں جس کی تو امید رکھتا ہے تو بھی تجھے
چاہیے کہ عہدگی اور نرمی سے انہیں سمجھا دے^(۳) (۲۸)

(۱) قرآن کریم کے ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ غریب رشتے داروں، مساکین اور ضرورت مند مسافروں کی امداد کر کے ان پر احسان نہیں جتنا ناچاہیے کیونکہ یہ ان پر احسان نہیں ہے بلکہ مال کا وہ حق ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اصحاب مال کے ہاں میں مذکورہ ضرورت مندوں کا رکھا ہے اگر صاحب مال یہ حق ادا نہیں کرے گا تو عند اللہ مجرم ہو گا۔ گویا یہ حق کی ادائیگی ہے نہ کہ کسی پر احسان۔ علاوہ ازیں رشتے داروں کے پہلے ذکر سے ان کی اولیت اور اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔ رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے جس کی اسلام میں بڑی تاکید ہے۔

(۲) تَنْذِيْرُ کی اصل بذر (بج) ہے جس طرح زمین میں جج ڈالتے ہوئے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ صحیح جگہ پر پڑ رہا ہے یا اس سے ادھر ادھر۔ بلکہ کسان جج ڈالے چلا جاتا ہے۔ تَنْذِيْرُ (فصل خرچی) بھی یہی ہے کہ انسان اپنا مال حج کی طرح ڈالتا پھرے اور خرچ کرنے میں حد شرعی سے تجاوز کرے اور بعض کہتے ہیں کہ تہذیر کے معنی ناجائز امور میں خرچ کرنا ہیں چاہے تمہارا ہی ہو۔ ہمارے خیال میں دونوں ہی صورتیں تہذیر میں آجاتی ہیں۔ اور یہ اتنا برا عمل ہے کہ اس کے مرتکب کو شیطان سے مماثلت نامہ ہے اور شیطان کی مماثلت سے بچنا چاہیے وہ کسی ایک ہی خصلت میں ہو انسان کے لیے واجب ہے۔ پھر شیطان کو کُفُوْر (بست ناشکر) کہہ کر مزید بچنے کی تاکید کر دی ہے کہ اگر تم شیطان کی مماثلت اختیار کرو گے تو تم بھی اس کی طرح کُفُوْر قرار دے دیئے جاؤ گے۔ (فتح القدیر)

(۳) یعنی مالی استطاعت کے فقدان کی وجہ سے جس کے دور ہونے کی اور کشائش رزق کی تو اپنے رب سے امید رکھتے ہیں۔ اگر تجھے غریب رشتے داروں، مسکینوں اور ضرورت مندوں سے اعراض کرنا یعنی اظہار معذرت کرنا پڑے تو نرمی اور عہدگی کے ساتھ معذرت کر، یعنی جواب بھی دیا جائے تو نرمی اور پیار و محبت کے لہجے میں نہ کہ ترشی اور بد اخلاقی کے ساتھ جیسا کہ عام طور پر لوگ ضرورت مندوں اور غریبوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ
فَتَقْعِدَ كُفْرًا تَحْسُرًا ۝

إِنَّ ذَٰلِكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ
خَبِيرًا بَصِيرًا ۝

وَلَا تَعْتَلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ
وَرَبِّنَا لَأَمَّا لَأُولَٰئِكَ أَهْلُ غَضَبٍ عَظِيمٍ ۝

اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے
بالکل ہی کھول دے کہ پھر حاسمت کیا ہو اور ماندہ بیٹھ
جائے۔ (۲۹)

یقیناً تیرا رب جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کرتا ہے
اور جس کے لیے چاہے تنگ۔ (۳۰) یقیناً وہ اپنے بندوں
سے باخبر اور خوب دیکھنے والا ہے۔ (۳۱)

اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو نہ مار ڈالو! ان کو
اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ یقیناً ان کا قتل کرنا کبیرہ
گناہ ہے۔ (۳۲)

(۱) گزشتہ آیت میں انکار کرنے کا ادب بیان فرمایا اب انفاق کا ادب بیان کیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان نہ بخل
کرے کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر بھی خرچ نہ کرے اور نہ فضول خرچی ہی کرے کہ اپنی وسعت اور
محبوب نش دیکھے بغیر ہی بے دریغ خرچ کرتا رہے۔ بخل کا نتیجہ یہ ہو گا کہ انسان طوم، یعنی قابل ملامت و مذمت قرار پائے گا
اور فضول خرچی کے نتیجے میں محسور (تھکا ہارا اور بچھڑانے والا) محسور اس جانور کو کہتے ہیں جو چل چل کر تھک چکا اور
چلنے سے عاجز ہو چکا ہو۔ فضول خرچی کرنے والا بھی بالآخر خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا
ہوا نہ رکھ، یہ کنایہ ہے بخل سے اور ”نہ اسے بالکل ہی کھول دے“ یہ کنایہ ہے فضول خرچی سے۔ مَتَوَاتٌ مُّخْشَرًا
لَفْظٌ نَّشْرٌ مُّرْتَبِّتٌ ہے یعنی طوم، بخل کا اور محسور فضول خرچی کا نتیجہ ہے۔

(۲) اس میں اہل ایمان کے لیے تسلی ہے کہ ان کے پاس وسائل رزق کی فراوانی نہیں ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں
ہے کہ اللہ کے ہاں ان کا مقام نہیں ہے بلکہ یہ رزق کی وسعت یا کمی اس کا تعلق اللہ کی حکمت و مصیبت سے ہے جسے
صرف وہی جانتا ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کو قارون بنا دے اور اپنوں کو اتنا ہی دے کہ جس سے یہ مشکل وہ اپنا گزارہ کر
سکیں۔ یہ اس کی مشیت ہے۔ جس کو وہ زیادہ دے، وہ اس کا محبوب نہیں اور قوت لایموت کا مالک اس کا مغضوب نہیں۔

(۳) یہ آیت سورۃ الانعام ۱۵۱ میں بھی گزر چکی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے بعد
جس گناہ کو سب سے بڑا قرار دیا وہ یہی ہے کہ ”أَنَّ تَقْضَلَ وَلَٰذَٰكَ خَشْيَةً أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ“۔ (اصحیح بخاری)
تفسیر سورۃ البقرۃ و کتاب الادب، مسلم، کتاب التوحید، باب فلا تجعلوا اللہ انداداً، ”کہ تو اپنی اولاد کو
اس ڈر سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔“ آج کل قتل اولاد کا گناہ عظیم نہایت منظم طریقے سے اور خاندانی
منصوب ہندی کے حسین عنوان سے پوری دنیا میں ہو رہا ہے اور مرد حضرات ”بہتر تعلیم و تربیت“ کے نام پر اور خواتین
اپنے ”حسن“ کو برقرار رکھنے کے لیے اس جرم کا عام ارتکاب کر رہی ہیں اَعَادَنَا اللہُ مِنہُ ۔

خبردار زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیوں کہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی بری راہ ہے۔^(۱) (۳۲)

اور کسی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے ہرگز ناحق قتل نہ کرنا^(۲) اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے پس اسے چاہیے کہ مار ڈالنے میں زیادتی نہ کرے بیشک وہ مدد کیا گیا ہے۔^(۳) (۳۳)

اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ بجز اس طریقہ کے جو بہت ہی بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی بلوغت کو پہنچ جائے^(۴) اور وعدے پورے کرو کیونکہ قول و قرار کی باز

وَلَا تَقْرَبُوا زَنًا كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ۝

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ
مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيهِ سُلْطٰنًا فَاذْكُرَفِي الْاَقْتِلَ
اِنَّهٗ كَانَ مُنْصُوْرًا ۝

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالْحَقِّ هِيَ تَحْسِبُ عَنِّي بَيِّنَةً
اَشْكُرُ اَوْ اَكْفُرُ اِلَّا الْعَهْدُ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝

(۱) اس دم میں زنا چونکہ بہت بڑا جرم ہے، اتنا بڑا کہ کوئی شادی شدہ مرد یا عورت اس کا ارتکاب کر لے تو اسے اسلامی معاشرے میں زندہ رہنے کا ہی حق نہیں ہے۔ پھر اسے کموار کے ایک وار سے مار دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ حکم ہے کہ پتھر مار مار کر اس کی زندگی کا خاتمہ کیا جائے تاکہ وہ معاشرے میں نشانِ عبرت بن جائے۔ اس لیے یہاں فرمایا کہ زنا کے قریب مت جاؤ، یعنی اس کے دواعی اور اسباب سے بھی بچ کر رہو، مثلاً غیر محرم عورت کو دیکھنا، ان سے اختلاط و کلام کی راہیں پیدا کرنا، اسی طرح عورتوں کا بے پردہ اور بن سنور کر گھروں سے باہر نکلنا وغیرہ ان تمام امور سے اجتناب ضروری ہے تاکہ اس بے حیائی سے بچا جاسکے۔

(۲) حق کے ساتھ قتل کرنے کا مطلب قصاص میں قتل کرنا ہے، جس کو انسانی معاشرے کی زندگی اور امن و سکون کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح شادی شدہ زانی اور مرتد کو قتل کرنے کا حکم ہے۔

(۳) یعنی مقتول کے وارثوں کو یہ حق یا غلبہ یا طاقت دی گئی ہے کہ وہ قاتل کو حاکم وقت کے شرعی فیصلہ کے بعد قصاص میں قتل کر دیں یا اس سے ویت لے لیں یا معاف کر دیں۔ اور اگر قصاص ہی لینا ہے تو اس میں زیادتی نہ کریں کہ ایک کے بدلے میں دو یا تین چار کو مار دیں، یا اس کا مثلہ کر کے یا عذاب دے دے کر ماریں، مقتول کا وارث، منصور ہے یعنی امراء و حکام کو اس کی مدد کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اس لیے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے نہ یہ کہ زیادتی کا ارتکاب کر کے اللہ کی ناشکری کرے۔

(۴) کسی کی جان کو ناجائز طریقے سے ضائع کرنے کی ممانعت کے بعد، اختلافِ مال (مال کے ضائع کرنے) سے روکا جا رہا ہے اور اس میں یتیم کا مال سب سے زیادہ اہم ہے، اس لیے فرمایا کہ یتیم کے بالغ ہونے تک اس کے مال کو ایسے طریقے سے استعمال کرو، جس میں اس کا فائدہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ سوچے سمجھے بغیر ایسے کاروبار میں لگا دو کہ وہ ضائع یا خسارے سے دوچار ہو جائے۔ یا عمر شعور سے پہلے تم اسے اثر ڈالو۔

پرس ہونے والی ہے۔^(۳۳)

اور جب ناپے لگو تو بھر پور پیمانے سے ناپو اور سیدھی ترازو سے تولاکرو۔ یہی بہتر ہے^(۳۴) اور انجم کے لحاظ سے بھی بہت اچھا ہے۔^(۳۵)

جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت^(۳۶)۔ کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے۔^(۳۷)

اور زمین میں اکڑ کر نہ چل کہ نہ تو زمین کو پھڑکتا ہے اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے۔^(۳۸) ان سب کاموں کی برائی تیرے رب کے نزدیک (سخت) ناپسند ہے۔^(۳۹)

یہ بھی منجملہ اس وحی کے ہے جو تیری جانب تیرے رب نے حکمت سے اتاری ہے تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كُنْتُمْ وَزِنَ الْوَيْزَ الْمُسْتَقِيمَ
ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْنُونًا ۝

وَلَا تَمْسِسْ فِي الْأَرْضِ مَرَّةً إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَمْلُكَ الْجِبَالَ كُفُورًا ۝

كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۝

ذَلِكَ وَمِمَّا أَوْحَى إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ

(۱) عہد سے وہ میثاق بھی مراد ہے جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہے اور وہ بھی جو انسان آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ دونوں قسم کے عہدوں کا پورا کرنا ضروری ہے اور نقص عہد کی صورت میں باز پرس ہوگی۔
(۲) اجر و ثواب کے لحاظ سے بہتر ہے علاوہ ازیں لوگوں کے اندر اعتماد پیدا کرنے میں بھی ناپ تول میں دیانت داری مفید ہے۔

(۳) قَفَا يَنْقُضُ کے معنی ہیں پیچھے لگنا۔ یعنی جس چیز کا علم نہیں اس کے پیچھے مت لگو، یعنی بدگمانی مت کرو کسی کی نوبت میں مت رہو اسی طرح جس چیز کا علم نہیں اس پر عمل مت کرو۔

(۴) یعنی جس چیز کے پیچھے تم پڑو گے اس کے متعلق کان سے سوال ہو گا کہ کیا اس نے سنا تھا، آنکھ سے سوال ہو گا کہ کیا اس نے دیکھا تھا اور دل سے سوال ہو گا کیا اس نے جانتا تھا؟ کیوں کہ یہی تینوں علم کا ذریعہ ہیں۔ یعنی ان اعضا کو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن قوت گویائی عطا فرمائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا۔

(۵) اتر کر اور اکڑ کر چلنا اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ قارون کو اسی بنا پر اس کے گھر اور خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ (القصاص - ۸۱) حدیث میں آتا ہے ”ایک شخص دو چادریں اپنے اکڑ کر چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک دھنسا چلا جائے گا۔“

اصحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم التباحت فی الممشی مع إصحابہ بضمہاء اللہ تعالیٰ کو تو واضح اور عاجزی پسند ہے۔

(۶) یعنی جو باتیں مذکور ہوئیں ان میں جو بری ہیں جن سے منع کیا گیا ہے وہ ناپسندیدہ ہیں۔

اللَّهُ إِلَهًا حَرَفْتَلْفِي فِي حَمَلِهِمْ مَلُومًا مَدْحُورًا ③

أَفَأَصْفُكُمْ رَبُّكُمُ بِالْبَشِيرِ وَالنَّذِيرِ إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ④

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا وَيُذَكِّرُوا لَأَعْلَمُ ⑤

قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذِ الْأَشْفَا إِلَى الْعَرْشِ سَبِيلًا ⑥

سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا ⑦

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَنْ تَنفِكُ

معبود نہ بنانا کہ ملامت خوردہ اور راندہ درگاہ ہو کر دوزخ میں ڈال دیا جائے۔ (۳۹)

کیا بیٹوں کے لیے تو اللہ نے تمہیں چھانٹ لیا اور خود اپنے لیے فرشتوں کو لڑکیاں بنالیں؟ بیشک تم بہت بڑا بول بول رہے ہو۔ (۴۰)

ہم نے تو اس قرآن میں ہر طرح بیان^(۱) فرما دیا کہ لوگ سمجھ جائیں لیکن اس سے انہیں تو نفرت ہی بڑھتی ہے۔ (۴۱)

کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسے کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو ضرور وہ اب تک مالک عرش کی جانب راہ ڈھونڈ نکالتے۔^(۲) (۴۲)

جو کچھ یہ کہتے ہیں اس سے وہ پاک اور بالاتر بہت دور اور بہت بلند ہے۔^(۳) (۴۳)

ساتوں آسمان اور زمین اور جو بھی ان میں ہے اسی کی تسبیح کر رہے ہیں۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے

(۱) ہر طرح کا مطلب ہے، وعظ و نصیحت، دلائل و بینات ترغیب و ترہیب اور امثال و واقعات، ہر طریقے سے بار بار سمجھایا گیا ہے تاکہ وہ سمجھ جائیں، لیکن وہ کفر و شرک کی تاریکیوں میں اس طرح پھنسے ہوئے ہیں کہ وہ حق کے قریب ہونے کی بجائے اس سے اور زیادہ دور ہو گئے ہیں۔ اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ قرآن جادو، کمانت اور شاعری ہے، پھر وہ اس قرآن سے کس طرح راہ یاب ہوں؟ کیونکہ قرآن کی مثال بارش کی ہے کہ اچھی زمین پر پڑے تو وہ بارش سے شاداب ہو جاتی ہے اور اگر وہ گندی ہے تو بارش سے بدبو میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

(۲) اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر لشکر کشی کر کے غلبہ و قوت حاصل کر لیتا ہے، اسی طرح یہ دوسرے معبود بھی اللہ پر غلبے کی کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے۔ اور اب تک ایسا نہیں ہوا، جب کہ ان معبودوں کو پوجتے ہوئے صدیاں گزر گئی ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود ہی نہیں، کوئی باختیار ہستی ہی نہیں، کوئی نافع و ضار ہی نہیں۔ دوسرے معنی ہیں کہ وہ اب تک اللہ کا قرب حاصل کر چکے ہوتے اور یہ مشرکین جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے ذریعے سے وہ اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں، انہیں بھی وہ اللہ کے قریب کر چکے ہوتے۔

(۳) یعنی واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کی بابت جو کہتے ہیں کہ اسکے شریک ہیں، اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک اور بہت بلند ہے۔

إِلَّا نَسْتَعِذُّ بِحُجَّتِهِ وَلَكِنْ لَا تَقْضُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ
حَلِيمًا غَفُورًا ۝

وَلَقَدْ أَقْرَأْتُ الْقُرْآنَ حَجَلَيْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْبَرِّ
لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ إِنْ جَاءَانَا بُشُورٌ ۝

وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِذَا
ذُكِرَتْ رَحْمَتِي فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُاءُ وَلَوْ عَلِمَ آدَامُ بَارِئَهُمْ تَقْوَرًا ۝

ساتھ یاد نہ کرتی ہو۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ تم اس کی تسبیح سمجھ
نہیں سکتے۔^(۱) وہ بڑا بڑا اور بخشنے والا ہے۔ (۳۴)

تو جب قرآن پڑھتا ہے ہم تیرے اور ان لوگوں کے
درمیان جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ایک پوشیدہ حجب
ڈال دیتے ہیں۔^(۲) (۳۵)

اور ان کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ
اسے سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ اور جب تو
صرف اللہ ہی کا ذکر اس کی توحید کے ساتھ اس قرآن
میں کرتا ہے تو وہ روگردانی کرتے پیٹھ پھیر کر بھاگ

(۱) یعنی سب اسی کے مطیع اور اپنے اپنے انداز میں اس کی تسبیح و تحمید میں مصروف ہیں۔ گو ہم ان کی تسبیح و تحمید کو نہ
سمجھ سکیں۔ اس کی تائید بعض اور آیات قرآنی سے بھی ہوتی ہے مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے۔
﴿إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَمِيِّ وَالْشَّجَرُ أَذًا ۖ وَسُورَةُ ص ۱۸﴾ ”ہم نے پہاڑوں کو داؤد علیہ السلام کے تابع کر دیا“
بس وہ شام کو اور صبح کو اس کے ساتھ اللہ کی تسبیح (پاکی) بیان کرتے ہیں۔“ بعض پتھروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے
فرمایا ﴿وَأَنَّ مِنْهَا لَمَنَافِعَ طَائِفِينَ خَشْيَةَ اللَّهِ ۖ﴾ (البقرة ۷۳) ”اور بعض اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔“ بعض صحابہ
رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ انہوں نے کھانے سے تسبیح کی
آواز سنی، (صحیح بخاری کتاب المناقب نمبر ۳۵۷۹) ایک اور حدیث سے ثابت ہے کہ چونیہاں اللہ کی تسبیح
کرتی ہیں۔ (بخاری نمبر ۳۰۱۹، مسلم نمبر ۷۵۹) اسی طرح جس سننے کے ساتھ ٹیک لگا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے ”جب لکڑی کا منبر بن گیا اور اسے آپ ﷺ نے چھوڑ دیا تو بچے کی طرح اس سے
رونے کی آواز آتی تھی۔ (بخاری نمبر ۳۵۸۳) کے میں ایک پتھر تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہم کیا کرتا تھا۔
(صحیح مسلم نمبر ۷۸۲) ان آیات و صحیح احادیث سے واضح ہے کہ جمادات و نباتات کے اندر بھی ایک مخصوص
قسم کا شعور موجود ہے جسے گو ہم نہ سمجھ سکیں مگر وہ اس شعور کی بنا پر اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے
مراد تسبیح دلالت ہے یعنی یہ چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام کائنات کا خالق اور ہر چیز پر قادر صرف اللہ تعالیٰ
ہے۔“

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ * تَذَكُّرٌ عَلَىٰ أَنَّهُ وَاحِدٌ

”ہر چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے“ لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے کہ تسبیح اپنے حقیقی معنی میں ہے۔“
(۲) مَسْنُودٌ بمعنی سائبر (بالغ اور حائل) ہے یا مستور عن الأبصار (آنکھوں سے اوجھل) پس وہ اسے دیکھتے نہیں۔ اس کے
باوجود ان کے اور ہدایت کے درمیان حجاب ہے۔

کھڑے ہوتے ہیں۔^(۱۱) (۳۶)

جس غرض سے وہ لوگ اسے سنتے ہیں ان (کی نیوٹوں) سے ہم خوب آگاہ ہیں، جب یہ آپ کی طرف کان لگائے ہوئے ہوتے ہیں تب بھی اور جب یہ مشورہ کرتے ہیں تب بھی جب کہ یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم اس کی تابعداری میں لگے ہوئے ہو جن پر جودو^(۱۲) کر دیا گیا ہے۔ (۳۷)

دیکھیں تو سہی، آپ کے لیے کیا کیا مثالیں بیان کرتے ہیں، پس وہ ہمک رہے ہیں۔ اب تو راہ پانا ان کے بس میں نہیں رہا۔^(۱۳) (۳۸)

انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور (مٹی ہو کر) ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو پیدا کر کے پھر دوبارہ اٹھا کر کھڑے کر دیئے جائیں گے۔ (۳۹)

جواب دیجئے کہ تم پھر بن جاؤ یا لوہا۔^(۱۴) (۴۰)

یا کوئی اور ایسی خلقت جو تمہارے دلوں میں بہت ہی سخت معلوم ہو،^(۱۵) پھر وہ یہ پوچھیں کہ کون ہے جو دوبارہ ہماری زندگی لوٹائے؟ آپ جواب دے دیں کہ وہی

عَنْ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَعْمُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّكُمْ تَعْلَمُونَ
إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنَّا تَعْلَمُونَ إِلَّا جَلْدًا مِّنْهُ ۖ

أَنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ لَكَ الْأَمْثَالَ فَاصْلُوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۖ

وَقَالُوا مَرَدًا لَّنَا عِظَامًا وَرَفَاثًا إِنَّا لَنَبْعَثُوهُمْ
خَلْقًا جَدِيدًا ۖ

قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ۖ

أَوْ خَشَعًا مِّمَّا يَكْبُرُونَ فِي صُدُورِهِمْ هُمُ السَّيْفُ وَلَوْ أَنَّ
يُفْعِدُنَا قُلُوبَ الَّذِينَ قُتِلُوا كَمَا أَوَّلَ مَرَّةٍ قَسِينُمْ فَلْيَنْصُرُوا إِلَيْنَا

(۱) اَکِنَّة، یکناد کی جمع ہے، ایسا پردہ جو دلوں پر پڑ جائے۔ وَفَرَّ کَانُوں میں ایسا نقل یا ڈاٹ جو قرآن کے سننے میں مانع ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے دس قرآن کے سمجھنے سے قاصر اور کھن قرآن سن کر ہدایت قبول کرنے سے عاجز ہیں۔ اور اللہ کی توحید سے تو انہیں اتنی نفرت ہے کہ اسے سن کر تو بھاگ ہی کھڑے ہوتے ہیں، ان افعال کی نسبت اللہ کی طرف، بہ اعتبار طلق کے ہے۔ ورنہ ہدایت سے یہ محرومی ان کے جود و عناوی کا نتیجہ تھا۔

(۲) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سحر زدہ سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہوئے قرآن سنتے اور آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں، اس لیے ہدایت سے محروم ہی رہتے ہیں۔

(۳) کبھی سحر، کبھی مسح، کبھی مجنون اور کبھی کاہن کہتے ہیں، پس اس طرح گمراہ ہو رہے ہیں، ہدایت کا راستہ انہیں کس طرح ملے؟

(۴) جو مٹی اور ہڈیوں سے زیادہ سخت ہے اور جس میں زندگی کے آثار پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے۔

(۵) یعنی اس سے بھی زیادہ سخت چیز، جو تمہارے علم میں ہو، وہ بن جاؤ اور پھر پوچھو کہ کون زندہ کرے گا؟

رُؤُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ الَّذِي ۖ اِنْ يَكُونُ قَرِيبًا ۝

اللہ جس نے تمہیں اول بار پیدا کیا، اس پر وہ اپنے سر ہلا ہلا کر آپ سے دریافت کریں گے کہ اچھا یہ ہے کب؟ تو آپ جواب دے دیں کہ کیا عجب کہ وہ (ساعت) قریب ہی آن لگی ہو۔ (۵۱)^(۲)

يَوْمَ يَدْعُؤُهُمْ فَتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهِ ۖ وَتَقُولُونَ بَلٰۤىَ ۙ قَلِيْلًا ۝

جس دن وہ تمہیں^(۳) بلائے گا تم اس کی تعریف کرتے ہوئے قلیل ارشاد کرو گے اور گمان کرو گے کہ تمہارا رہنا بہت ہی تھوڑا ہے۔ (۵۲)^(۴)

وَقُلْ لِّمَنَادِيْ يَقُولُوْا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْشَأَ نَجْمًا ۙ سِيَّهْرًا ۙ الشَّيْطٰنُ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝

اور میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں^(۵) کیونکہ شیطان آپس میں فساد ڈالتا ہے۔^(۶) بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ (۵۳)

(۱) اَنْغَضَ بِنِغْصُ کے معنی ہیں 'سر ہلانا۔ یعنی استہزاء کے طور پر سر ہلا کر وہ کہیں گے کہ یہ دوبارہ زندگی کب ہوگی؟

(۲) قریب کا مطلب ہے 'ہونے والی چیز کُلُّ مَا هُوَ اَت فَهُوَ قَرِيبٌ' ہر وقوع پذیر ہونے والی چیز 'قریب' ہے اور عسی بھی قرآن میں یقین اور واجب الوقوع کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی قیامت کا وقوع یقینی اور ضروری ہے۔

(۳) "بلائے گا" کا مطلب ہے قبروں سے زندہ کر کے اپنی بارگاہ میں حاضر کرے گا، تم اس کی حمد کرتے ہوئے قلیل ارشاد کرو گے یا اسے پہچانتے ہوئے اس کے پاس حاضر ہو جاؤ گے۔

(۴) وہاں یہ دنیا کی زندگی بالکل تھوڑی معلوم ہوگی ﴿كَانَ لَكُمْ يَوْمَ تَبٰیذُوْنَهَا الْقَدْرُ شَوَّالًا مِّنْ ثَمَرَاتِهَا﴾ (السارحات ۳۶) "جب قیامت کو دیکھ لیں گے تو دنیا کی زندگی انہیں ایسے لگے گی گویا اس میں ایک شام یا ایک صبح رہے ہیں۔" اسی مضمون کو دیگر مقامات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ طہ ۱۰۲-۱۰۳-الروم ۵۵-المؤمنون ۱۱۲-۱۱۳۔ بعض کہتے ہیں کہ پہلا نغف ہو گا، تو سب مردے قبروں میں زندہ ہو جائیں گے۔ پھر دوسرے نغفے پر میدان محشر میں حساب کتاب کے لیے اکٹھے ہوں گے۔ دونوں نغفوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہو گا اور اس فاصلے میں انہیں کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا وہ سو جائیں گے۔ دوسرے نغفے پر انھیں گے تو کہیں گے۔ "افسوس" ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھایا ہے؟" (سورہ یٰسین-۵۲) (فتح القدیر) پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔

(۵) یعنی آپس میں گفتگو کرتے وقت زبان کو احتیاط سے استعمال کریں، اچھے کلمات بولیں، اسی طرح کفار و مشرکین اور اہل کتاب سے اگر مخالفت کی ضرورت پیش آجائے تو ان سے بھی مشفقانہ اور نرم لہجے میں گفتگو کریں۔

(۶) زبان کی ذرا سی بے اعتدالی سے شیطان جو تمہارا کھلا اور ازلی دشمن ہے، تمہارے درمیان آپس میں فساد ڈوا سکتا ہے، یا کفار و مشرکین کے دلوں میں تمہارے لیے زیادہ بغض و عناد پیدا کر سکتا ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

رَبَّكَ اعْلَمْ بَلَاۤءٌ يُّنَزَّلُ مِنْكُمْ اُولٰٓئِكَ يَشَاقِقُ بِكُم مَّا ارْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكَيْلًا ②

وَرَبِّكَ اعْلَمُ بِهِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلَىٰ بَعْضٍ وَآتَيْنَاۤ اِلٰهَ زَكَوٰٓءًا ③

فَلْيَاۤدْعُوْا الَّذِيْنَ رَحِمْنٰهُ مِنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَسْتَكْبِرُوْنَ كُتِبَ الصَّوْرُ عَلَيْكُمْ فَلَا تُخَوِّفُوْا ④

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَتَّبِعُوْنَ اِلٰى نَارِهِمُ الْوَسِيْلَةَ اِنَّهُمْ اَقْرَبُ وَرَوَّحُوْنَ رَحْمَتَهُ وَهَٰذَا لَوْنُ عَذَابِنَا اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ

تمہارا رب تم سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ جاننے والا ہے، وہ اگر چاہے تو تم پر رحم کر دے یا اگر وہ چاہے تمہیں عذاب دے۔^(۱) ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار ٹھہرا کر نہیں بھیجا۔^(۲) (۵۳)

آسمانوں و زمین میں جو بھی ہے آپ کا رب سب کو بخوبی جانتا ہے۔ ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر بہتری اور برتری دی ہے^(۳) اور داد و کو زور ہم نے عطا فرمائی ہے۔ (۵۵)

کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم معبود سمجھ رہے ہو انہیں پکارو لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔ (۵۶)

جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں^(۴) (بات بھی یہی ہے) کہ

نے فرمایا۔ ”تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی (مسلمان) کی طرف ہتھیار کے ساتھ اشارہ نہ کرے“ اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ شیطان شاید اس کے ہاتھ سے وہ ہتھیار چلوا دے (اور وہ اس مسلمان بھائی کو جا گئے، جس سے اس کی موت واقع ہو جائے) پس وہ جہنم کے گڑھے میں جا کرے۔“ (صحیح بخاری کتاب الفتن باب من حمل علیہا السلاح فلیس منہ صحیح مسلم کتاب البر باب السہمی عن الإشارة بالسلاح)

(۱) اگر خطاب مشرکین سے ہو تو رحم کے معنی قبول اسلام کی توفیق کے ہوں گے اور عذاب سے مراد شرک پر ہی موت ہے، جس پر وہ عذاب کے مستحق ہوں گے اور اگر خطاب مومنین سے ہو تو رحم کے معنی ہوں گے کہ وہ کفار سے تمہاری حفاظت فرمائے گا اور عذاب کا مطلب ہے کفار کا مسلمانوں پر غلبہ و تسلط۔

(۲) کہ آپ انہیں ضرور کفر کی دلیل سے نکالیں یا ان کے کفر پر جتنے رہنے پر آپ سے باز پرس ہو۔

(۳) یہ مضمون ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ میں بھی گزر چکا ہے۔ یہاں دوبارہ کفار مکہ کے جواب میں یہ مضمون دہرایا گیا ہے، جو کہتے تھے کہ کیا اللہ کو رسالت کے لیے یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ملا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کسی کو رسالت کے لیے منتخب کرنا اور کسی ایک نبی کو دوسرے پر فضیلت دینا، یہ اللہ کے ہی اختیار میں ہے

(۴) مذکورہ آیت میں مِنْ دُوْنِ اللّٰہ سے مراد فرشتوں اور بزرگوں کی وہ تصویریں اور مجسمے ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے یا

كَانَ مَحْدُوْرًا ⑤

وَلَنْ مِنْ قُوْرَةٍ اِلَّا عَنْ مُّهِیْئُوْهَا قَلَّ یَوْمَ الْقِیَمَةِ
اَوْ مُّعَذِّبُوْهَا عَلٰٓا شَدِیْدًا كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ⑥

وَمَا مَعَنَا مِنْ رُّسُوْلٍ اِلَّا اٰتٰی الْاٰیٰتِ الْاَوَّلٰتِ
وَاَنْتَبٰهُنَّ اِلٰٓا فَاٰتٰی مُّسَجِّرَةً فَلَکُمُوْا بِهَا وَرُتُوْلٌ

تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے۔ (۵۷)
یعنی بھی بستیاں ہیں ہم قیامت کے دن سے پہلے پہلے یا تو
انہیں ہلاک کر دینے والے ہیں یا سخت تر سزا دینے
والے ہیں۔ یہ تو کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔ (۵۸)^(۱)
ہمیں نشانات (معجزات) کے نازل کرنے سے روک
صرف اسی کی ہے کہ اگلے لوگ انہیں جھٹلا چکے ہیں۔^(۲)
ہم نے ثمودیوں کو بطور بصیرت کے اونٹنی دی لیکن

حضرت عزیر و مسیح علیہما السلام ہیں جنہیں یہودی اور عیسائی ابن اللہ کہتے اور انہیں الوہی صفات کا حامل مانتے تھے، یہ وہ جنات
ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے اور مشرکین ان کی عبادت کرتے تھے۔ اس لیے کہ اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ یہ تو خود اپنے رب
کا قرب تلاش کرنے کی جستجو میں رہتے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور یہ صفت
جہادات (پتھروں) میں نہیں ہو سکتی۔ اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی
ہے) وہ صرف پتھر کی صورتیں ہی نہیں تھیں، بلکہ اللہ کے وہ بندے بھی تھے جن میں سے کچھ فرشتے، کچھ صالحین، کچھ انبیاء اور
کچھ جنات تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کی بابت فرمایا کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے، نہ کسی سے تکلیف دور کر سکتے ہیں نہ کسی کی حالت بدس
سکتے ہیں۔ ”اپنے رب کے قرب کی جستجو میں رہتے ہیں“ کا مطلب اعمال صالحہ کے ذریعے سے اللہ کا قرب ڈھونڈتے ہیں۔ یہی
اوسیلہ ہے جسے قرآن نے بیان کیا ہے۔ وہ نہیں ہے جسے قبر پرست بیان کرتے ہیں کہ فوت شدہ اشخاص کے نام کی نذر نیا دو
ان کی قبروں پر غلاف چڑھاؤ اور میلے ٹھیلے چھاؤ اور ان سے استمداد و استعاذہ کرو۔ کیونکہ یہ وسیلہ نہیں، یہ تو ان کی عبادت ہے
جو شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔

(۱) کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات طے شدہ ہے، جو لوح محفوظ میں
لکھی ہوئی ہے کہ ہم کافروں کی ہر بستی کو یا تو موت کے ذریعے سے ہلاک کر دیں گے اور بستی سے مراد بستی کے
باشندگان ہیں اور ہلاکت کی وجہ ان کا کفر و شرک اور ظلم و طغیان ہے۔ علاوہ ازیں یہ ہلاکت قیامت سے قبل وقوع پذیر
ہوگی، ورنہ قیامت کے دن تو بلا تفریق ہر بستی ہی شکست و ریخت کا شکار ہو جائے گی۔

(۲) یہ آیت اس وقت اتری جب کفار مکہ نے مطالبہ کیا کہ کوہ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے یا کچے کے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا
دیئے جائیں تاکہ وہاں کاشت کاری ممکن ہو سکے، جس پر اللہ تعالیٰ نے جبریل کے ذریعے سے پیغام بھیجا کہ ان کے
مطالبات ہم پورے کرنے کے لیے تیار ہیں، لیکن اگر اس کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائے تو پھر ان کی ہلاکت یقینی ہے۔ پھر
انہیں مصلحت نہیں دی جائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی بات کو پسند فرمایا کہ ان کا مطالبہ پورا نہ کیا جائے تاکہ
یہ یقینی ہلاکت سے بچ جائیں۔ (مسند احمد، ج ۱ ص ۲۵۸۔ وقال أحمد شاکر فی تعلیقه علی المسند (۲۳۳)
مسندہ صحیح) اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی مضمون بیان فرمایا ہے کہ ان کی خواہش کے مطابق نشانیں اتار

قَالَ ارْجِعْ هَذَا الْكُوفَى كَوْمَتٌ عَلَىٰ لَيْسَ آخِرَتِنِ إِلَىٰ يَوْمِ
الْبَيْعَةِ لَأَحْتَنِيَنَّكَ دَيْرَ بَيْتَةٍ إِلَّا قَلِيلًا ۝۶۲

قَالَ أَذْهَبَ فَمَنْ يَبْعَكَ مِنْهُمْ فَإِنْ جَعَلَهُمْ جَرَّافًا
جَرَّافًا مَوْفُورًا ۝۶۳

وَأَسْتَفِيزُ مِنْ اسْتَطَعَتْ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجِيبَ
عَلَيْهِمْ بِصَوْتِكَ وَرَجِيبُكَ وَشَايِدَ كَهْفِ الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ
وَعَدَهُمْ وَنَايِبُ هُمْ الشَّيْطَانُ الْاَغْرُورًا ۝۶۴

اچھا دیکھ لے اسے تو نے مجھ پر بزرگی تو دی ہے، لیکن
اگر مجھے بھی قیامت تک تو نے ڈھیل دی تو میں اس
کی اولاد کو بجز بہت تھوڑے لوگوں کے اپنے بس^(۱)
میں کر لوں گا۔ (۶۲)

ارشاد ہوا کہ جان میں سے جو بھی تیرا تابعدار ہو جائے گا
تو تم سب کی سزا جنم ہے جو پورا پورا بدلہ ہے۔ (۶۳)
ان میں سے تو جسے بھی اپنی آواز سے بھانپ کے بھکا^(۲) لے
اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لے^(۳) اور ان کے
مال اور اولاد میں سے اپنا بھی سا بھاگ لے^(۴) اور انہیں
(جھوٹے) وعدے دے لے۔^(۵) ان سے جتنے بھی
وعدے شیطان کے ہوتے ہیں سب کے سب سراسر
فریب ہیں۔^(۶) (۶۴)

(۱) یعنی اس پر غلبہ حاصل کروں گا اور اسے جس طرح چاہوں گا گمراہ کروں گا۔ البتہ تھوڑے سے لوگ میرے دائرے
سے بچ جائیں گے۔ آدم علیہ السلام و ابلیس کا یہ قصہ اس سے قلیل سورہ بقرہ، اعراف اور حجر میں گزر چکا ہے۔ یہاں
چوتھی مرتبہ اسے بیان کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں سورہ کہف، طہ اور سورہ ص میں بھی اس کا ذکر آئے گا۔
(۲) آواز سے مراد پر فریب و دھوکا یا گمانے، موسیقی اور لہو و لعب کے دیگر آلات ہیں جن کے ذریعے سے شیطان بکثرت
لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔

(۳) ان لشکروں سے مراد انسانوں اور جنوں کے وہ سوار اور پیادے لشکر ہیں جو شیطان کے چیلے اور اس کے پیروکار ہیں اور
شیطان ہی کی طرح انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں یا مراد ہے ہر ممکن ذرائع جو شیطان گمراہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

(۴) مال میں شیطان کی مشارکت کا مطلب حرام ذریعے سے مال کمانا اور حرام طریقے سے خرچ کرنا ہے اور اسی طرح
موسیثیوں کو جنوں کے ناموں پر وقف کر دینا مثلاً بحیرہ، سائبہ وغیرہ۔ اور اولاد میں شرکت کا مطلب 'زنا کاری' عبد اللات و
عبد العزیٰ وغیرہ نام رکھنا، غیر اسلامی طریقے سے ان کی تربیت کرنا کہ وہ برے اخلاق و کردار کے حامل ہوں، ان کو تنگ
دستی کے خوف سے ہلاک یا زندہ درگور کر دینا، اولاد کو نجوسی، یہودی و نصرانی وغیرہ بنانا اور بغیر مسنون دعا پڑھے بیوی سے
ہم بستری کرنا وغیرہ ہے۔ ان تمام صورتوں میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے۔

(۵) کہ کوئی جنت و دوزخ نہیں ہے یا مرنے کے بعد دوبارہ زندگی نہیں ہے وغیرہ۔

(۶) عُرُور (فریب) کا مطلب ہوتا ہے غلط کام کو اس طرح مزین کر کے دکھانا کہ وہ اچھا اور درست لگے۔

میرے بچے بندوں پر تمہارا کوئی قابو اور بس نہیں۔^(۱) تمہارا رب کار سازی کرنے والا کافی ہے۔^(۲) (۶۵)

تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے لیے دریا میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ وہ تمہارے اوپر بہت ہی مہربان ہے۔^(۳) (۶۶)

اور سمندروں میں مصیبت پہنچتے ہی جنہیں تم پکارتے تھے سب گم ہو جاتے ہیں صرف وہی اللہ باقی رہ جاتا ہے۔ پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔^(۴) (۶۷)

تو کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ تمہیں خشکی کی طرف (لے جا کر زمین) میں دھنسا دے یا تم پر پتھروں کی آندھی بھیج دے۔^(۵) پھر تم اپنے لیے کسی نمکبان کو نہ پا سکو۔ (۶۸)

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ پھر تمہیں دوبارہ دریا کے سفر میں لے آئے اور تم پر تیز و تند

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَكَلَّمْتُ بَرِّيكَ وَيَكْلِفُ ۝

رَبُّكَ الَّذِي يُزِيلُ لَكَ الْبَحْرَ لِتَتَّبِعُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا يَتَّكِفُ ۚ فَلَمَّا نَجَّيْكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝

أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يُخْصِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ الْأُخْرَىٰ ۚ صَبَّحَهُمُ جَنْبٌ نَّهْمًا لَّيْلًا ۚ وَلَكُمْ فِي الْبَرِّ مَوَاقِدُ ۚ

أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعَيِّدَ لَكُمْ فِيهِ نَارًا تَلْغَوْنَ فِيهَا ۚ فَبِمَا

(۱) بندوں کی نسبت اپنی طرف کی 'یہ بطور شرف اور اعزاز کے ہے' جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے خاص بندوں کو شیطان ہلکانے میں ناکام رہتا ہے۔

(۲) یعنی جو صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بن جاتا ہے، اسی پر اعتماد اور توکل کرتا ہے تو اللہ بھی اس کا دوست اور کار ساز بن جاتا ہے۔

(۳) یہ اس کا فضل اور رحمت ہی ہے کہ اس نے سمندر کو انسانوں کے تابع کر دیا ہے اور وہ اس پر کشتیاں اور جہاز چد کر ایک ملک سے دوسرے ملک میں آتے جاتے اور کاروبار کرتے ہیں نیز اس نے ان چیزوں کی طرف رہنمائی بھی فرمائی جن میں بندوں کے لیے منافع اور مصالح ہیں۔

(۴) یہ مضمون پہلے بھی کئی جگہ گزر چکا ہے۔

(۵) یعنی سمندر سے نکلنے کے بعد تم جو اللہ کو بھول جاتے ہو تو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ خشکی میں بھی تمہاری گرفت کر سکتا ہے، تمہیں وہ زمین میں دھنسا سکتا ہے یا پتھروں کی بارش کر کے تمہیں ہلاک کر سکتا ہے، جس طرح بعض گزشتہ قوموں کو اس نے اس طرح ہلاک کیا۔

عَلَيْكُمْ قَاصِفٌ مِّنَ الزَّيْجِ يُعِيرُكُمْ بِمَا أَكْفَرْتُمْ
لَهُمُ الْاَعْمَالُ وَلَكُمْ مَّكِينًا ۝۱۹

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَجَعَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ رِزْقًا مِّنَ
الْغَيْثِ وَقَضَيْنَاهُمْ عَلَىٰ كَيْدِهِمْ مِّنْ خَلْقًا تَفْضِيلًا ۝۲۰

ہواؤں کے جھونکے بھیج دے اور تمہارے کفر کے باعث
تمہیں ڈبو دے۔ پھر تم اپنے لیے ہم پر اس کا دعویٰ (بیچھا)
کرنے والا کسی کو نہ پاؤ گے۔^(۱۹)

یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی^(۲۰) اور انہیں
خشکی اور تری کی سواریاں^(۲۱) دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں
کی روزیاں^(۲۲) دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں
فضیلت عطا فرمائی۔^(۲۰)

(۱) قَاصِفٌ ایسی تند و تیز سمندری ہوا جو کشتیوں کو توڑ دے اور انہیں ڈبو دے۔ تَبٰیحًا انتقام لینے والی بیچھا کرنے والا
یعنی تمہارے ڈوب جانے کے بعد ہم سے پوچھے کہ تو نے ہمارے بندوں کو کیوں ڈبویا؟ مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ
سمندر سے بہ خیریت نکلنے کے بعد کیا تمہیں دوبارہ سمندر میں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی؟ اور وہاں وہ تمہیں
گرداب بلا میں نہیں پھنسا سکتا؟

(۲) یہ شرف اور فضل بہ حیثیت انسان کے ہر انسان کو حاصل ہے چاہے مومن ہو یا کافر۔ کیونکہ یہ شرف دوسری
مخلوقات، حیوانات، جمادات و نباتات وغیرہ کے مقابلے میں ہے۔ اور یہ شرف متعدد اعتبار سے ہے۔ جس طرح کی شکل و
صورت، قد و قامت اور ہیئت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے، وہ کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں۔ جو عقل انسان کو
دی گئی ہے، جس کے ذریعے سے اس نے اپنے آرام و راحت کے لیے بے شمار چیزیں ایجاد کیں، حیوانات وغیرہ اس سے
محروم ہیں۔ علاوہ ازیں اسی عقل سے وہ غلط و صحیح، مفید و مضر اور حسین و قبیح کے درمیان تمیز کرنے پر قادر ہے۔ اسی
عقل کے ذریعے سے وہ اللہ کی دیگر مخلوقات سے فائدہ اٹھاتا اور انہیں اپنے تابع رکھتا ہے۔ اسی عقل و شعور سے وہ ایسی
عمارتن تعمیر کرتا، ایسے لباس ایجاد کرتا اور ایسی چیزیں تیار کرتا ہے، جو اسے گرمی کی حرارت سے اور سردی کی برودت
سے اور موسم کی دیگر شدتوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ علاوہ ازیں کائنات کی تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت پر
لگا رکھا ہے۔ چاند، سورج، ہوا، پانی اور دیگر بے شمار چیزیں ہیں جن سے انسان فیض یاب ہو رہا ہے

(۳) خشکی میں وہ گھوڑوں، فخریوں، گدھوں، اونٹوں اور اپنی تیار کردہ سواریوں (ریلیں، گاڑیاں، بسیں، ہوائی جہاز،
سائیکل اور موٹر سائیکل وغیرہ) پر سوار ہوتا ہے اور اسی طرح سمندر میں کشتیاں اور جہاز ہیں جن پر وہ سوار ہوتا ہے اور
سلمان لاتا لے جاتا ہے۔

(۴) انسان کی خوراک کے لیے جو غلہ جات، میوے اور پھل اس نے پیدا کیے ہیں اور ان میں جو جو لذتیں، ذائقے اور
قوتیں رکھیں ہیں۔ انواع و اقسام کے یہ کھانے، یہ لذیذ و مرغوب پھل اور یہ قوت بخش اور مفرح مرکبات و مشروبات
اور خمیرے اور مجنونات، انسان کے علاوہ اور کس مخلوق کو حاصل ہیں؟

(۵) مذکورہ تفصیل سے انسان کی بہت سی مخلوقات پر، فضیلت اور برتری واضح ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوهُ أَتَانِسُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَكُم مِّنَ اللَّهِ مَكْتُبَةٌ يَوْمَ يَوْمَ

نَادِيكَ يَوْمَ يَوْمَ يَوْمَ يَوْمَ وَلَا يَطْلُبُونَ فَنِيلاً ①

وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى

وَأَضَلُّ سَبِيلًا ②

فَلَنْ كَذَّبَ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ

لِنَعْلَمَ بَرِيءًا عَلَى غَيْرِهِ قَوْلًا زَاهِدًا ③

وَلَوْلَا أَن تَبْتَاعُوا لَفَدَيْتُمْ بُرُكَاةَ اللَّهِ بِثَمَنٍ بَخِيلٍ ④

إِذَا لَدَقْنَاكَ صُغِفَ الْخَبِيرُ وَصُغِفَ السَّمَاءُ فَتُؤَلَّاهُ لَدَقْنَاكَ

عَلَيْنَا نَصِيرًا ⑤

جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے پیشوا سمیت ^(۱) بلائیں

گے۔ پھر جن کا بھی اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دے دیا گیا

وہ تو شوق سے اپنا نامہ اعمال پڑھنے لگیں گے اور دھاگے

کے برابر (ذره برابر) بھی ظلم نہ کیے جائیں گے۔ ^(۲) (۷۱)

اور جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا، وہ آخرت میں بھی

اندھا اور راستے سے بہت ہی بھٹکا ہوا رہے گا۔ ^(۳) (۷۲)

یہ لوگ آپ کو اس وحی سے جو ہم نے آپ پر اتاری

ہے بھگانا چاہتے کہ آپ اس کے سوا کچھ اور ہی

ہمارے نام سے گزر گزائیں، تب تو آپ کو یہ ہوگا اپنا

دلی دوست بنا لیتے۔ (۷۳)

اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بہت ممکن تھا کہ ان

کی طرف قدرے قلیل مائل ہو ہی جاتے۔ ^(۴) (۷۴)

پھر تو ہم بھی آپ کو دو ہر اعذاب دنیا کا کرتے اور دو ہر اسی

موت کا ^(۵) پھر آپ تو اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کسی

کو مددگار بھی نہ پاتے۔ (۷۵)

(۱) اِئْتَام کے معنی پیشوا، لیڈر اور قائد کے ہیں، یہاں اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس

سے مراد پیغمبر ہے یعنی ہر امت کو اس کے پیغمبر کے حوالے سے پکارا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں، اس سے آسمانی کتاب مراد

ہے جو انبیاء کے ساتھ نازل ہوتی رہیں۔ یعنی اے اہل تورات! اے اہل انجیل! اور اے اہل قرآن! وغیرہ کہہ کے پکارا

جائے گا۔ بعض کہتے ہیں یہاں "امام" سے مراد نامہ اعمال ہے یعنی ہر شخص کو جب بلایا جائے گا تو اس کا نامہ اعمال اس

کے ساتھ ہو گا اور اس کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اسی رائے کو امام ابن کثیر اور امام شوکانی نے ترجیح دی ہے۔

(۲) فَنِيْلُ اس جملی یا تہاگے کو کہتے ہیں جو کجیور کی محضلی میں ہوتا ہے یعنی ذرہ برابر ظلم نہیں ہو گا۔

(۳) اَعْمٰی (اندھا) سے مراد دل کا اندھا ہے یعنی جو دنیا میں حق کے دیکھنے، سمجھنے اور اسے قبول کرنے سے محروم رہا، وہ

آخرت میں اندھا، اور رب کے خصوصی فضل و کرم سے محروم رہے گا۔

(۴) اس میں اس عصمت کا بیان ہے جو اللہ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ

مشرکین اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتے تھے، لیکن اللہ نے آپ ﷺ کو ان سے بچایا اور آپ

ﷺ ذرا بھی ان کی طرف نہیں جھکے۔

(۵) اس سے معلوم ہوا کہ سزا قدر و منزلت کے مطابق ہوتی ہے۔

وَلَنْ كَاذِبًا يَنْفِرُ مِنْكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجَ مِنْهَا
وَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَ الْإِنْسَانَ ۝

سُبْحَانَكَ قَدْ أَتَيْنَاكَ مِنْ رَبِّنَا وَلَا نَعْبُدُ إِلَّاكَ ۝

أَقْبِرِ الصَّلَاةَ لِلْأُولَى السَّيِّئَةِ إِلَى عَشَى الْيَوْمِ وَقُرْآنَ الْعَجْرِ
إِنَّ قُرْآنَ الْعَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝

یہ تو آپ کے قدم اس سرزمین سے اکھاڑنے ہی لگے
تھے کہ آپ کو اس سے نکال دیں۔^(۱) پھر یہ بھی آپ کے
بعد بہت ہی کم ٹھہراتے۔^(۲) (۷۶)

ایسا ہی دستور ان کا تھا جو آپ سے پہلے رسوں ہم نے
بھیجے^(۳) اور آپ ہمارے دستور میں کبھی رد و بدل نہ
پائیں گے۔^(۴) (۷۷)

نماز کو قائم کریں آفتاب کے ڈھلنے سے لے کر رات کی
تاریکی تک^(۵) اور فجر کا قرآن پڑھنا بھی یقیناً فجر کے وقت
کا قرآن پڑھنا حاضر کیا گیا ہے۔^(۶) (۷۸)

(۱) یہ اس سازش کی طرف اشارہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے سے نکالنے کے لیے قریش مکہ نے تیار کی تھی جس سے اللہ نے آپ کو بچالیا۔

(۲) یعنی اگر اپنے منصوبے کے مطابق یہ آپ کو مکے سے نکال دیتے تو یہ بھی اس کے بعد زیادہ دیر نہ رہتے یعنی عذاب الہی کی گرفت میں آجاتے۔

(۳) یعنی یہ دستور پرانا چلا آ رہا ہے جو آپ ﷺ سے پہلے رسولوں کے لیے بھی برتا جاتا رہا ہے کہ جب ان کی قوموں نے انہیں اپنے وطن سے نکال دیا یا انہیں نکلنے پر مجبور کر دیا تو پھر وہ قومیں بھی اللہ کے عذاب سے محفوظ نہ رہیں۔

(۴) چنانچہ اہل مکہ کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد ہی میدان بدر میں وہ ہجرت ناک زلت و شکست سے دوچار ہوئے اور چھ سال بعد ۸ ہجری میں مکہ ہی فتح ہو گیا اور اس ذلت و ہزیمت کے بعد وہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔

(۵) ذُلُوكُ کے معنی زوال (آفتاب ڈھلنے) کے اور عَشَى کے معنی تاریکی کے ہیں۔ آفتاب کے ڈھلنے کے بعد 'ظہر اور عصر کی نماز اور رات کی تاریکی تک سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور قرآن الفجر سے مراد فجر کی نماز ہے۔ قرآن نماز کے معنی میں ہے۔ اس کو قرآن سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ فجر میں قراءت لمبی ہوتی ہے اس طرح اس آیت میں پانچوں فرض نمازوں کا اجمالی ذکر آجاتا ہے۔ جن کی تفصیلات احادیث میں ملتی ہیں اور جو امت کے عملی تواتر سے بھی ثابت ہیں۔

(۶) یعنی اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں بلکہ دن کے فرشتوں اور رات کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ بنی اسرائیل) ایک اور حدیث میں ہے کہ رات والے فرشتے جب اللہ کے پاس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ خود خوب جانتا ہے "تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟" فرشتے

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسُجِّدْ لَهُ وَأَوْبِدْ لَكَ تَلَوِّعًا لِّتُحْصِيَ أَن تَبِيعَتَكَ
رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝۱۹

وَقُلْ رَبِّ اجْعَلْ لِّي مَدْخَلَ مِصْرِي وَمُخْرَجًا مِّنْهُ
وَجْعَلْ لِّي مِنْ لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا ۝۲۰

رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت
کریں^(۱) یہ زیادتی آپ کے لیے^(۲) ہے عنقریب آپ کا
رب آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا۔^(۳) (۷۹)
اور دعا کیا کریں کہ اے میرے پروردگار مجھے جہاں
لے جا اچھی طرح لے جا اور جہاں سے نکال اچھی
طرح نکال اور میرے لیے اپنے پاس سے غلبہ اور
امداد مقرر فرما دے۔^(۴) (۸۰)

کہتے ہیں کہ ”جب ہم ان کے پاس گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس سے آئے ہیں
تو انہیں نماز پڑھتے ہوئے ہی چھوڑ کر آئے ہیں۔“ (البحاری کتاب الموالیت باب فصل صلوة العصر
ومسلم باب فصل صلائی الصبح والعصر والمحافظة علیہما)

(۱) بعض کہتے ہیں تہجد اہل اہل میں سے ہے جس کے معنی سونے کے بھی ہیں اور نیند سے بیدار ہونے کے بھی۔ اور یہاں یہی
دوسرے معنی ہیں کہ رات کو سو کر اٹھیں اور نوافل پڑھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بھوک کے اصل معنی تو رات کے سونے کے ہی
ہیں لیکن باب تغفل میں جانے سے اس میں تجنب کے معنی پیدا ہو گئے۔ جیسے ناکم کے معنی ہیں اس نے گناہ سے اجتناب کیا
یا بچا۔ اسی طرح تہجد کے معنی ہوں گے سونے سے بچنا اور مستہجنڈ وہ ہوگا جو رات کو سونے سے بچا اور قیام کیا۔ بہر حال تہجد کا
مفہوم رات کے پچھلے پراٹھ کر نوافل پڑھنا ہے۔ ساری رات قیام اللیل کرنا خلاف سنت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات
کے پہلے حصے میں سوتے اور پچھلے حصے میں اٹھ کر تہجد پڑھتے۔ یہی طریقہ سنت ہے۔

(۲) بعض نے اس کے معنی کیے ہیں یہ ایک زائد فرض ہے جو آپ کے لیے خاص ہے اس طرح وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم پر تہجد بھی اسی طرح فرض تھی جس طرح پانچ نمازیں فرض تھیں۔ البتہ امت کے لیے تہجد کی نماز فرض
نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نافلة (زائد) کا مطلب یہ ہے کہ یہ تہجد کی نماز آپ ﷺ کے رفع درجات کے لیے زائد چیز
ہے کیونکہ آپ ﷺ تو مغفور الذنب ہیں جب کہ امتیوں کے لیے یہ اور دیگر اعمال خیر کفارة سینات ہیں۔ اور بعض
کہتے ہیں کہ نافلة نافلہ ہی ہے یعنی نہ آپ ﷺ پر فرض تھی نہ آپ ﷺ کی امت پر۔ یہ ایک زائد عبادت ہے جس
کی فضیلت یقیناً بہت ہے اور اس وقت اللہ اپنی عبادت سے بڑا خوش ہوتا ہے تاہم یہ نماز فرض و واجب نہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم پر تھی اور نہ آپ ﷺ کی امت پر ہی فرض ہے۔

(۳) یہ وہ مقام ہے جو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے گا اور اس مقام پر ہی آپ ﷺ
وہ شفاعت عظمیٰ فرمائیں گے جس کے بعد لوگوں کا حساب کتاب ہوگا۔

(۴) بعض کہتے ہیں کہ یہ ہجرت کے موقع پر نازل ہوئی جب کہ آپ کو مدینے میں داخل ہونے اور مکہ سے نکلنے کا
مسئلہ درپیش تھا بعض کہتے ہیں اس کے معنی ہیں مجھے سچائی کے ساتھ موت دینا اور سچائی کے ساتھ قیامت والے دن

اور اعلان کر دے کہ حق آپکا اور ناحق نابود ہو گیا۔ یقیناً باطل تھا بھی نابود ہونے والا۔^(۸۱)

یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لیے تو سراسر شفا اور رحمت ہے۔ ہاں ظالموں کو بجز نقصان کے اور کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔^(۸۲)

اور انسان پر جب ہم اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ بدل لیتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔^(۸۳)

کہہ دیجئے کہ ہر شخص اپنے طریقہ پر عامل ہے جو پوری ہدایت کے راستے پر ہیں انہیں تمہارا رب ہی بخوبی جاننے والا ہے۔^(۸۴)

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ۝

وَرَدَّ الْأَنْفُسَ إِلَىٰ الْإِنْسَانِ عَٰثِرُضًا مَّا بِهَا نَبِيْهٌ ۚ وَإِذَا مَنَّهُ الشُّرُكُ كَانَ يُؤْمِنُ ۝

قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلِهِ ۖ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنٍ مُّوَاهِدٍ يَّهْدِي سَبِيلًا ۝

انہنا۔ بعض کہتے ہیں کہ مجھے قبر میں سجاد داخل کرنا اور قیامت کے دن جب قبر سے اٹھائے تو سچائی کے ساتھ قبر سے نکالنا وغیرہ۔ اہم شوکانی فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ دعا ہے اس لیے اس کے عموم میں یہ سب باتیں آجاتی ہیں۔

(۱) حدیث میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں تین سو ساٹھ بیت تھے آپ ﷺ کے ہاتھ میں چھری تھی، آپ ﷺ چھری کی نوک سے ان بتوں کو مارتے جاتے اور ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ اور ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبِيدُ الْبَاطِلُ وَمَا يُبِيدُ﴾ پڑھتے جاتے اصحیح بخاری، تفسیر سی اسرائیل و کتب المطالم، باب هل تكسر الدنان التي فيها الخمر، ومسلم الجهاد، باب إزالة الأصنام من حول الكعبة،

(۲) اس مفہوم کی آیت سورہ یونس ۵۷ میں گزر چکی ہے اس کا حاشیہ ملاحظہ فرمایا جائے۔

(۳) اس میں انسان کی اس حالت و کیفیت کا ذکر ہے جس میں وہ عام طور پر خوش حالی کے وقت اور تکلیف کے وقت جھٹا ہوتا ہے۔ خوش حالی میں وہ اللہ کو بھول جاتا ہے اور تکلیف میں مایوس ہو جاتا ہے۔ لیکن اہل ایمان کا معاملہ دونوں حالتوں میں اس سے مختلف ہوتا ہے۔ دیکھئے سورہ ہود کی آیات ۹-۱۱ کے حواشی۔

(۴) اس میں مشرکین کے لیے تہدید و وعید ہے اور اس کا وہی مفہوم ہے جو سورہ ہود کی آیت ۱۳۱-۱۳۲ کا ہے ﴿وَقُلْ لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ مَثَلٌ ذُو الْعُقَدِ ۖ يُرْتَبَدُّونَ ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خٰسِرُونَ﴾ — شاکِلۃ کے معنی نیت، دین، طریقے اور مزاج و طبیعت کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس میں کافر کے لیے ذم اور مومن کے لیے مدح کا پہلو ہے، کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ ہر انسان ایسا عمل کرتا ہے جو اس کے اس اخلاق و کردار پر مبنی ہوتا ہے جو اس کی عادت و طبیعت ہوتی ہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الزُّوْجِ قُلِ الزُّوْجُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي
وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝

وَلَكِنْ شِئْنَا لَنَذَكِّرَ بِأَلَمِ يَوْمٍ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كِتَابًا
لَّا تُحَدِّثُكَ بِهِ خَبَرًا ۝

إِلَّا رَحْمَةً مِن رَّبِّكَ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَافٍ ۝

قُلْ لَّيْسَ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا
الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝

وَأَقْدَصَ وَفَنَّا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ
ثُمَّ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا عُقُورًا ۝

اور یہ لوگ آپ سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں،
آپ جواب دے دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم
سے ہے اور تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔^(۸۵)

اور اگر ہم چاہیں تو جو وحی آپ کی طرف ہم نے اتاری
ہے سب سلب کر لیں،^(۸۶) پھر آپ کو اس کے لیے
ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی میسر نہ آ سکے۔^(۸۷)

سوائے آپ کے رب کی رحمت کے،^(۸۸) یقیناً آپ پر اس
کا بڑا ہی فضل ہے۔ (۸۷)

کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس
قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل
لانا ناممکن ہے گو وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے مددگار
بھی بن جائیں۔^(۸۹)

ہم نے تو اس قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کے لیے ہر
طرح سے تمام مثالیں بیان کر دی ہیں، مگر اکثر لوگ انکار

(۱) روح، وہ لطیف شے ہے جو کسی کو نظر تو نہیں آتی لیکن ہر جاندار کی قوت و توانائی اسی روح کے اندر مضمر ہے۔ اس
کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ یہودیوں نے بھی ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی بابت پوچھا
تو یہ آیت اتری، اصحیح بخاری، تفسیر سورة بنی اسرائیل و مسلم، کتاب صفة القيامة والجنة
والنار، باب سؤال اليهود النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الروح، آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا علم اللہ کے
علم کے مقابلے میں قلیل ہے، اور یہ روح جس کے بارے میں تم پوچھ رہے ہو، اس کا علم تو اللہ نے انبیاء سمیت کسی کو
بھی نہیں دیا ہے۔ بس اتنا سمجھو کہ یہ میرے رب کا امر (حکم) ہے۔ یا میرے رب کی شان میں سے ہے جس کی حقیقت کو
صرف وہی جانتا ہے۔

(۲) یعنی وحی کے ذریعے سے جو تمہارا بہت علم دیا گیا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے بھی سلب کر لے یعنی دس سے محو کر
دے یا کتاب سے ہی مٹا دے۔

(۳) جو دوبارہ اس وحی کو آپ کی طرف لوٹا دے۔

(۴) کہ اس نے نازل کردہ وحی کو سلب نہیں کیا یا وحی الہی سے آپ ﷺ کو مشرف فرمایا۔

(۵) قرآن مجید سے متعلق یہ چیلنج اس سے قبل بھی کئی جگہ گزر چکا ہے۔ یہ چیلنج آج تک تشنہ جواب ہے۔

سے باز نہیں آتے۔^(۱) (۸۹)

انہوں نے کہا^(۲) کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان لانے کے نہیں
تاو قتیکہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ
کر دیں۔ (۹۰)

یا خود آپ کے لیے ہی کوئی باغ ہو کھجوروں اور انگوروں
کا اور اس کے درمیان آپ بہت سی سرس جاری کر
دکھائیں۔ (۹۱)

یا آپ آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں جیسا
کہ آپ کا گمان ہے یا آپ خود اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو
ہمارے سامنے لاکھڑا کریں۔^(۳) (۹۲)

یا آپ کے اپنے لیے کوئی سونے^(۴) کا گھر ہو جائے یا آپ
آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم تو آپ کے چڑھ جانے کا بھی
اس وقت تک ہرگز یقین نہیں کریں گے جب تک کہ آپ
ہم پر کوئی کتاب نہ اتار لائیں جسے ہم خود پڑھ لیں^(۵) آپ
جواب دے دیں کہ میرا پروردگار پاک ہے میں تو صرف
ایک انسان ہی ہوں جو رسول بنایا گیا ہوں۔^(۶) (۹۳)

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ النَّارِ ۖ

أَوْ تَكُونُ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّجْمٍ تُنْقَبُ بِهِنَّ

الْأَنْهَارُ حُلَّةً ۖ فَاصْبِرْ ۖ

أَوْ نُفِطِ السَّمَاءَ كَمَا زُفِعَتْ عَلَيْكَ كَمَا أَتَانِي يَأْمُرُ

وَالْمَلَائِكَةُ قَبِيلًا ۖ

أَوْ يَكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ ذُرِّهِ فِي السَّمَاءِ وَلَوْ نَوَيْتُ

لِرَبِّكَ حَقْلًا لَّخَرْنَا عَنْكَ النَّفْثَةَ قُلْ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

كُنْتُ الْأَوَّلُ نَسُوءًا ۖ

(۱) یہ آیت اسی سورت کے شروع میں بھی گزر چکی ہے۔

(۲) ایمان لانے کے لیے قریش مکہ نے یہ مطالبات پیش کیے۔

(۳) یعنی ہمارے رد ہوا اگر کھڑے ہو جائیں اور ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

(۴) ذُرِّهِ کے اصل معنی ذہبت کے ہیں مَزْنِ چیز کو کہتے ہیں۔ لیکن یہاں اس کے معنی سونے کے ہیں۔

(۵) یعنی ہم میں سے ہر شخص اسے صاف صاف خود پڑھ سکتا ہو۔

(۶) مطلب یہ ہے کہ میرے رب کے اندر تو ہر طرح کی طاقت ہے، وہ چاہے تو تمہارے مطالبے آن واحد میں لفظ

”کُنْ“ سے پورے فرمادے۔ لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو (تمہاری طرح) ایک بشری ہوں۔ کیا کوئی بشران چیزوں

پر قادر ہے؟ جو مجھ سے ان کا مطالبہ کرتے ہو۔ ہاں، اس کے ساتھ میں اللہ کا رسول بھی ہوں۔ لیکن رسوں کا کام صرف

اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، سو وہ میں نے پہنچا دیا اور پہنچا رہا ہوں۔ لوگوں کے مطالبات پر معجزات ظاہر کر کے دکھانا یہ رسالت کا

حصہ نہیں ہے۔ البتہ اگر اللہ چاہے تو صدق رسالت کے لیے ایک آدھ معجزہ دکھا دیا جاتا ہے لیکن لوگوں کی خواہشات پر

وَمَآ مَسَّهُ النَّاسُ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمْ الْهُدَى (۱۴)
قَالُوا أَأَبْعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ۝

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يُنْشَوْنَ مُطَهَّرِينَ لَنَزَّلْنَا
عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا ۝

قُلْ كُنْ بِاللَّهِ شَهِيدًا إِنِّي وَبَيْنَكُمْ آيَةٌ كَانَ يَسْلُوهُ
خَيْرٌ أَوْ شَرٌّ ۝

وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ
أُولِيَاءَ مِنْ دُونِهِ وَكَثُرَ لِمَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلَى وَجُوهِهِمْ عُمَيَّا
وَبَلَمَّا وَضَعْنَا مَا وَنُفَعْنَاهُمْ كُلَّمَا غَبَّتْ ذُنُوبُهُمْ سَبَّحُوا ۝

لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکنے کے بعد ایمان سے روکنے
والی صرف یہی چیز رہی کہ انہوں نے کہا کیا اللہ نے ایک
انسان کو ہی رسول بنا کر بھیجا؟^(۱۴)

آپ کہہ دیں کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور
رہتے بستے ہوتے تو ہم بھی ان کے پاس کسی آسمانی فرشتے
ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔^(۱۵)

کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کا
گواہ ہونا کافی ہے۔^(۱۶) وہ اپنے بندوں سے خوب آگاہ اور
بخوبی دیکھنے والا ہے۔^(۱۷)

اللہ جس کی رہنمائی کرے وہ تو ہدایت یافتہ ہے اور جسے
وہ راہ سے بھٹکا دے ناممکن ہے کہ تو اس کا مددگار اس
کے سوا کسی اور کو پائے^(۱۸) ایسے لوگوں کا ہم بروز
قیامت اوندھے منہ حشر کریں گے^(۱۹) دراصل حالیکہ وہ

اگر معجزے دکھانے شروع کر دیئے جائیں تو یہ سلسلہ تو کیس بھی جا کر نہیں رک سکے گا، ہر آدمی اپنی خواہش کے مطابق
نیا معجزہ دیکھنے کا آرزو مند ہو گا اور رسول پھر اسی کام پر لگا رہے گا، تبلیغ و دعوت کا اصل کام ٹھپ ہو جائے گا۔ اس لیے
معجزات کا صدور صرف اللہ کی مشیت سے ہی ممکن ہے اور اس کی مشیت اس حکمت و مصلحت کے مطابق ہوتی ہے،
جس کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔ میں بھی اس کی مشیت میں دخل اندازی کا مجاز نہیں۔

(۱) یعنی کسی انسان کا رسول ہونا، کفار و مشرکین کے لیے سخت تعجب کی بات تھی، وہ یہ بت مانتے ہی نہیں تھے کہ
ہمارے جیسا انسان جو ہماری طرح چلتا پھرتا ہے، ہماری طرح کھاتا پیتا ہے، ہماری طرح انسانی رشتوں میں غسلک ہے، وہ
رسول بن جائے۔ یہی استعجاب ان کے ایمان میں مانع رہا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب زمین میں انسان بستے ہیں تو ان کی ہدایت کے لیے رسول بھی انسان ہی ہوں گے، غیر انسان
رسول انسانوں کی ہدایت کا فریضہ انجام دے ہی نہیں سکتا۔ ہاں اگر زمین میں فرشتے بستے ہوتے تو ان کے لیے رسول بھی
یقیناً فرشتے ہی ہوتے۔

(۳) جیسی میرے ذمے جو تبلیغ و دعوت تھی، وہ میں نے پہنچادی، اس بارے میں میرے اور تمہارے درمیان اللہ کا گواہ
ہونا کافی ہے، کیونکہ ہر چیز کا فیصلہ اسی کو کرنا ہے۔

(۴) میری تبلیغ و دعوت سے کون ایمان لاتا ہے، کون نہیں، یہ بھی اللہ کے اختیار میں ہے، میرا کام صرف تبلیغ ہی ہے۔

(۵) حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تعجب کا اظہار کیا کہ اوندھے منہ کس طرح حشر ہو گا؟ نبی صلی اللہ علیہ

کہہ دیجئے کہ اگر بالفرض تم میرے رب کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک بن جاتے تو تم اس وقت بھی اس کے خرچ ہو جانے^(۱) کے خوف سے اس کو روکے رکھتے اور انسان ہے ہی تنگ دل۔ (۱۰۰)

ہم نے موسیٰ کو نو معجزے^(۲) بالکل صاف صاف عطا فرمائے تو خود ہی بنی اسرائیل سے پوچھ لے کہ جب وہ ان کے پاس پہنچے تو فرعون بولا کہ اے موسیٰ! میرے خیال میں تو تجھ پر جادو کر دیا گیا ہے۔ (۱۰۱)

قُلْ لَّوْا نَسْتَعِیْذُ بِرَبِّیْ اِذَا لَمْ یَسْأَلْکُمْ خَشِیۃَ الْاِنْفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ مُتُورًا ۝

وَلَقَدْ اَتٰیْنَا مُوسٰی بِسِتِّ اٰیٰتٍ فَتَوَلَّیْ سِرًّا عَلٰی اٰیٰتِنَا ۝ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَافْتَنٰکَ یٰمُوسٰی فَتَسْتَعِیْذُ ۝

(۱) خَشِیۃَ الْاِنْفَاقِ کا مطلب ہے خَشِیۃَ اَنْ یُنْفِقُوْا فِیْغَیْرُوْا ”اس خوف سے کہ خرچ کر کے ختم کر ڈالیں گے“ اس کے بعد فقیر ہو جائیں گے۔“ حالانکہ یہ خزانہ الٰہی ہے جو ختم ہونے والا نہیں۔ لیکن چونکہ انسان تنگ دل واقع ہوا ہے اس لیے بخل سے کام لیتا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَمْ لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ اِلَّا یُؤْتِی النَّاسَ نَقِیْرًا ﴿۱۵۳﴾ ”الساء ۱۵۳“ یعنی ”ان کو اگر اللہ کی بادشاہی میں سے کچھ حصہ مل جائے تو یہ لوگوں کو کچھ نہ دیں“ نقیر کھجور کی حنظل میں جو گڑھا ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں یعنی قی برابر بھی کسی کو نہ دیں۔ یہ تو اللہ کی مہربانی اور اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اپنے خزانوں کے منہ لوگوں کے لیے کھولے ہوئے ہیں۔ جس طرح حدیث میں ہے ”اللہ کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں۔ وہ رات دن خرچ کرتا ہے“ لیکن اس میں کوئی کمی نہیں آتی۔ ذرا دیکھو تو سہی جب سے آسمان و زمین اس نے پیدا کیے ہیں کس قدر خرچ کیا ہو گا۔ لیکن اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس میں کمی نہیں۔ (وہ بھرے کے بھرے ہیں) (البخاری کتاب التوحید باب وکان عرشہ علی الماء مسلم کتاب الرکوع باب اللعن علی السفیة وبشیر المصنف بالخلف)

(۲) وہ نو معجزے ہیں۔ ہاتھ، لاشعی، قحط سالی، نقص ثمرات، طوفان، جراد (مڈی دل)، قمل (کھل جو نہیں) ضفادع (مینڈک) اور خون۔ امام حسن بھری کہتے ہیں کہ قحط سالی اور نقص ثمرات ایک ہی چیز ہے اور نواں معجزہ، غمی کا جادو گروں کی شعبہ بازی کو نکل جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے علاوہ بھی معجزات دیئے گئے تھے مثلاً، غمی کا پتھر مارنا جس سے بارہ چشمے ظاہر ہو گئے تھے۔ بادلوں کا سلیہ کرنا، من و سلوی وغیرہ۔ لیکن یہاں آیات تسعہ سے صرف وہی نو معجزات مراد ہیں جن کا مشاہدہ فرعون اور اس کی قوم نے کیا۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اِنْفَاقٍ بَخِیْر (سمندر کا پھٹ کر راستہ بن جانا) کو بھی ان نو معجزات میں شمار کیا ہے اور قحط سالی اور نقص ثمرات کو ایک معجزہ شمار کیا ہے ترمذی کی ایک روایت میں آیات تسعہ کی تفصیل اس سے مختلف بیان کی گئی ہے۔ لیکن سند اوہ روایت ضعیف ہے اس لیے آیات تسعہ سے مراد یہی مذکورہ معجزات ہیں۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّي أَنَا أَنزَلُ هَؤُلَاءِ الْآرَاتِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ
ذَاتِ لُكُلٍ لَّيْلَتَكُمْ يُفْرِعُونَ مَبُورًا ①

موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ تو تجھے علم ہو چکا ہے کہ آسمان و
زمین کے پروردگار ہی نے یہ معجزے دکھائے، سمجھانے
کو نازل فرمائے ہیں، اے فرعون! میں تو سمجھ رہا ہوں کہ
تو یقیناً برباد و ہلاک کیا گیا ہے۔ (۱۰۲)

فَإِذَا أَنْ يُسْتَوَىٰ هُمُومِ الْأَرْضِ فَأَعْرِضُوا عَنْ مَعَهُ جَمِيعًا ②

آخر فرعون نے بختہ ارادہ کر لیا کہ انہیں زمین سے ہی
اکھڑے تو ہم نے خود اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو
غرق کر دیا۔ (۱۰۳)

وَقُلْنَا مَنْ بَعْدَ بِلَقِي إِبْرَاهِيمَ تِلْكَ الْأَرْضُ فَآذَابَهُ
وَمَدَّ الْإِصْرَ فَنُتَابِكُمْ لَقِيْنَا ③

اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرما دیا کہ اس
سرزمین^(۱) پر تم رہو سو۔ ہاں جب آخرت کا وعدہ آئے گا
ہم تم سب کو سمیٹ اور لپیٹ کر لے آئیں گے۔ (۱۰۴)

وَالْحَقِّ أَنزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَا أَلْمَسْتُمْ إِلَّا الْمَغِيرَةَ وَتَذِيرًا ④

اور ہم نے اس قرآن کو حق کے ساتھ اتارا اور یہ بھی
حق کے ساتھ اترا۔^(۲) ہم نے آپ کو صرف خوشخبری
سنانے والا اور ڈرانے والا^(۳) بنا کر بھیجا ہے۔ (۱۰۵)

وَقُلْنَا قَرَفْنَاهُ بِتَقْوَاهُ عَلَى الْكَافِرِينَ عَلَى كُفْرِهِمْ وَنَزَلْنَاهُ سُبْرًا ⑤

قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لیے اتارا^(۴) ہے
کہ آپ اسے بہ مہلت لوگوں کو سنائیں اور ہم نے خود
بھی اسے بتدریج نازل فرمایا۔ (۱۰۶)

(۱) بظاہر اس سرزمین سے مراد مصر ہے جس سے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نکالنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر
تاریخ بنی اسرائیل کی شہادت یہ ہے کہ وہ مصر سے نکلنے کے بعد دوبارہ مصر نہیں گئے بلکہ چالیس سال میدان تیرہ میں
گزار کر فلسطین میں داخل ہوئے۔ اس کی شہادت سورہ اعراف وغیرہ میں قرآن کے بیان سے بھی ملتی ہے۔ اس لیے صحیح
یہی ہے کہ اس سے مراد فلسطین کی سرزمین ہے۔

(۲) یعنی بہ حفاظت آپ تک پہنچ گیا اس میں راستے میں کوئی کمی بیشی اور کوئی تبدیلی اور آمیزش نہیں کی گئی۔ اس لیے
کہ اس کو ہانے والا فرشتہ شَدِيدُ الْقُوَى، الْأَمِينُ، الْأَمِينُ اور الْمُطَاعُ فِي الْمَلَا الْأَعْلَى ہے یہ وہ صفات ہیں جو
حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔

(۳) مُبَشِّرًا اطاعت گزار مومن کے لیے اور نَذِيرًا کافران کے لیے۔

(۴) قَرَفْنَاهُ کے ایک دوسرے معنی بَيَّنَّاهُ وَأَوْضَحْنَاهُ (یعنی اسے کھول کر یا وضاحت سے بیان کر دیا ہے) بھی کیے گئے ہیں۔

کہہ دیجئے اتم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان کے پاس تو جب بھی اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔^(۱۰۷)

اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے، ہمارے رب کا وعدہ بلا شک و شبہ پورا ہو کر رہے^(۱۰۸) والا ہی ہے۔^(۱۰۸) وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور یہ قرآن ان کی عاجزی اور خشوع اور خضوع بڑھا دیتا ہے۔^(۱۰۹)

کہہ دیجئے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رَحْمَن کہہ کر جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔^(۱۱۰) نہ تو تو اپنی نماز بست بلند آواز سے پڑھ اور نہ بالکل پوشیدہ بلکہ اس کے درمیان کا راستہ تلاش کر لے۔^(۱۱۰)

قُلِ اِمْنُوْا بِاَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الدِّيْنَ اَوْ تَوَالِحُكُمْ مِنْ مَّبْنٰۤیْہٖ اِذَا یُحْثَلِ عَلَیْہِمۡ یَخْرُوْنَ لِاَلَاذِقَالِیۡنَ سَجْدًا ۝

وَقَالُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنْ کَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝

وَيَخْرُوْنَ لِاَلَاذِقَالِیۡنَ یَسْبُکُوْنَ وَیَزِیْدُہُمْ حُتُوْمًا ۝

قُلِ ادْعُوْا اللّٰہَ اَوْ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیُّمَا تَدْعُوْا فَلِلّٰہِ الْاِسْمُ الْحُسْنٰی وَلَا تَحْمِلُوْا وِجَالَہٗ وَلَا تَخَافُوْاہَا وَابْتَغُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِيْلًا ۝

(۱) جیسی وہ عمارتوں نے نزول قرآن سے قبل کتب سابقہ پڑھی ہیں اور وہ وحی کی حقیقت اور رسالت کی علامات سے واقف ہیں، وہ سجدہ ریز ہوتے ہیں، اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ انہیں آخری رسول ﷺ کی پہچان کی توفیق دی اور قرآن و رسالت پر ایمان لانے کی سعادت نصیب فرمائی۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ یہ کفار مکہ جو ہر چیز سے ناواقف ہیں، اگر یہ ایمان نہیں لاتے، تو آپ پر وہ نہ کریں اس لیے کہ جو اہل علم ہیں اور وحی و رسالت کی حقیقت سے آشنا ہیں وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں بلکہ قرآن سن کر وہ بارگاہ الہی میں سجدہ ریز ہو گئے ہیں۔ اور اس کی پاکیزگی بیان کرتے اور رب کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں۔

(۳) ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑنے کا دوبارہ ذکر کیا، کیونکہ پہلا سجدہ اللہ کی تعظیم و تہذیب کے لیے اور بطور شکر تھا اور قرآن سن کر جو خشیت و رقت ان پر طاری ہوئی اور اس کی تاثیر و اعجاز سے جس درجہ وہ متاثر ہوئے، اس نے دوبارہ انہیں سجدہ ریز کر دیا۔

(۴) جس طرح کہ پہلے گزر چکا ہے کہ مشرکین مکہ کے لیے اللہ کا صفتی نام ”رَحْمَن“ یا ”رَحِیْم“ نامانوس تھا اور بعض آثار میں آتا ہے کہ بعض مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یا رَحْمَن و رَحِیْم کے الفاظ سنے تو کہہ کہ ہمیں تو یہ کہتا ہے کہ صرف ایک اللہ کو پکارو اور خود دو معبودوں کو پکار رہا ہے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر)

(۵) اس کی شان نزول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ مکے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھپ

وَقُلِ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ لَمْ يَجْعَلُوا لَدُنْهُمْ شَرِيكًَا
فِي الْمُلْكِ وَالَّذِينَ وَلَوْ مِنْ الَّذِينَ وَلَكُوا نَكِيرًا ۝

اور یہ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں
جو نہ اولاد رکھتا ہے نہ اپنی بادشاہت میں کسی کو شریک
و ساتھ ہی رکھتا ہے اور نہ وہ کمزور ہے کہ اسے کسی
محتاج کی ضرورت ہو اور تو اس کی پوری پوری بڑائی
بیان کرتا رہے۔ (۱۸)

سُورَةُ الْكَهْفِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

سورہ کف کی ہے اور اس میں ایک سو دس آیات اور
بارہ رکوع ہیں۔

بڑے مہربان اور سب سے زیادہ رحم کرنے والے اللہ
کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ
لَهُ عِوَجًا ۝

تمام تعریفیں اسی اللہ کے لیے سزاوار ہیں جس نے اپنے
بندے پر یہ قرآن اتارا اور اس میں کوئی کسر باقی نہ

کر رہتے تھے جب اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے تو آواز قہر سے بلند فرما لیتے، مشرکین قرآن سن کر قرآن کو اور اللہ کو سب و
شتم کرتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اپنی آواز کو اتنا اونچا نہ کرو کہ مشرکین سن کر قرآن کو برا بھلا کہیں اور نہ آواز اتنی پست کرو کہ
صحابہ اللہ ﷺ بھی نہ سن سکیں۔ (بخاری المصحف، باب قول اللہ تعالیٰ أَمَرَهُ بِعَلَمِهِ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ
وَمُسْلِم، الصلاة، باب التوسط في القراءة، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے کہ ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا
گزر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوا تو دیکھا کہ وہ پست آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی
دیکھنے کا اتفاق ہوا تو وہ اونچی آواز سے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے دونوں سے پوچھا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے
فرمایا، میں جس سے مصروف مناجات تھا، وہ میری آواز سن رہا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرا مقصد سوتوں کو جگانا
اور شیطان کو بھگانا تھا۔ آپ ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اپنی آواز قہر سے بلند کرو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا، اپنی
آواز کچھ پست رکھو، مشکوٰۃ، باب صلوة الليل، بحوالہ ابو داؤد ترمذی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت دعا
کے بارے میں نازل ہوئی ہے، (بخاری و مسلم، بحوالہ فتح القدیر)

☆ کف کے معنی غار کے ہیں۔ اس میں اصحاب کف کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس لیے اسے سورہ کف کہا جاتا ہے
اس کی ابتدائی دس آیات اور آخری دس آیات کی فضیلت احادیث میں بیان کی گئی ہے کہ جو ان کو یاد کرے اور پڑھے
گا، وہ قنہ و جال سے محفوظ رہے گا، (صحیح مسلم، فضل سورة الكهف) اور جو اس کی تلاوت جمعے کے دن کرے
گا تو آئندہ جمعے تک اس کے لیے ایک خاص نور کی روشنی رہے گی، (مستدرک حاکم، ۲، ۳۶۸، صحیحہ، الالبانی)

چھوڑی۔^(۱)

بلکہ ہر طرح سے ٹھیک ٹھاک رکھا تاکہ اپنے^(۲) پاس کی سخت سزا سے ہوشیار کر دے اور ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو خوشخبریاں سنا دے کہ ان کے لیے بہترین بدلہ ہے۔^(۳)

جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔^(۴)
اور ان لوگوں کو بھی ڈرا دے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے۔^(۵)

درحقیقت نہ تو خود انہیں اس کا علم ہے نہ ان کے باپ دادوں کو۔ یہ تہمت^(۶) بڑی بری ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے وہ نرا جھوٹ بک رہے ہیں۔^(۷)
پس اگر یہ لوگ اس بات^(۸) پر ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے؟^(۹)

قَيِّمُوا لِنَبِيِّكُمْ رَبَّاسْتَدِينًا امِنْ لَّدُنْهُ وَيَخَوِّفُ الْمُؤْمِنِينَ
الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الضَّالِّينَ اَنْ لَّهُمْ اَجْرٌ لَّحَقًا ۝

ثَاكِيْنٌ فِيْهِ وَابَدًا ۝

وَيُنْذِرُ الْاٰثِمِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝

مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لَبَّاسًا يَّهْمُكَ بَرَكَاتُ كُلِّ مَنۡ

تَخْرُجُ مِنْ اَنْوَابِهِمْ اَنْ يَقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝

فَلَعَلَّكَ بَاطِلٌ مُّفْتَضِلٌ عَلٰٓى اٰيٰتِنَا يُخَوِّفُ ۝

بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسْفًا ۝

فی صحیح الجامع الصغیر نمبر ۱۶۷۰ اس کے پڑھنے سے گھر میں سکینت و برکت نازل ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی جب نے سورہ کف پڑھی گھر میں ایک جانور بھی تھا وہ بدکنا شروع ہو گیا انہوں نے غور سے دیکھا کہ کیا بات ہے؟ تو انہیں ایک ہون نظر آیا جس نے انہیں ڈھانپ رکھا تھا صحابی پہچانے اس واقعے کا ذکر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے پڑھا کرو۔ قرآن پڑھتے وقت سکینت نازل ہوتی ہے۔ "اصحیح بخاری فضل سورۃ الکھف۔ مسلم کتاب الصلوۃ باب مزل السکینۃ بقراءۃ القرآن"

(۱) یا کوئی کجی اور راہ اعتدال سے انحراف اس میں نہیں رکھا بلکہ اسے قیم یعنی سیدھا رکھا۔ یا قیم کے معنی ہندوں کے دینی و دنیوی مصالح کی رعایت و حفاظت کرنے والی کتاب۔

(۲) مِنْ لَّدُنْہُ جو اس اللہ کی طرف سے صادر یا نازل ہونے والا ہے۔

(۳) جیسے یہودیوں، عیسائیوں اور بعض مشرکین (فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں) کا عقیدہ ہے۔

(۴) اس کلمہ (تہمت) سے مراد یہی ہے کہ اللہ کی اولاد ہے جو نرا جھوٹ ہے۔

(۵) بِہٰذَا الْحَدِيْثِ (اس بات) سے مراد قرآن کریم ہے کفار کے ایمان لانے کی جتنی شدید خواہش آپ ﷺ رکھتے تھے اور ان کے اعراض و گریز سے آپ ﷺ کو جو سخت تکلیف ہوتی تھی اس میں آپ ﷺ کی اسی کیفیت اور جذبہ کا اظہار ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِنَبْلُوهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝

وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ۝

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِن آيَاتِنَا عَجَبًا ۝

إِذَا أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رِزْقًا وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رِجَالًا ۝

روئے زمین پر جو کچھ ^(۱) ہے ہم نے اسے زمین کی رونق کا باعث بنایا ہے کہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون نیک اعمال والا ہے۔ (۷)

اس پر جو کچھ ہے ہم اسے ایک ہموار صاف میدان کر ڈالنے والے ہیں۔ ^(۲) (۸)

کیا تو اپنے خیال میں غار اور کتبے والوں کو ہماری نشانیوں میں سے کوئی بہت عجیب نشانی سمجھ رہا ہے؟ ^(۳) (۹)

ان چند نوجوانوں نے جب غار میں پناہ لی تو دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لیے راہ یابی کو آسان کر دے۔ ^(۴) (۱۰)

(۱) روئے زمین پر جو کچھ ہے 'ميوانات' جمادات 'نباتات' معدنیات اور دیگر مرفون خزانے' یہ سب دنیا کی زینت اور اس کی رونق ہیں۔

(۲) صَعِيدًا صاف میدان 'جُرُزًا بالکل ہموار' جس میں کوئی درخت وغیرہ نہ ہو۔ یعنی ایک وقت آئے گا کہ یہ دنیا اپنی تمام تر رونقوں سمیت فنا ہو جائے گی اور روئے زمین ایک چٹیل اور ہموار میدان کی طرح ہو جائے گی 'اس کے بعد ہم نیک و بد کو ان کے عملوں کے مطابق جزا دیں گے۔

(۳) یعنی یہ واحد بڑی اور عجیب نشانی نہیں ہے۔ بلکہ ہماری ہر نشانی ہی عجیب ہے۔ یہ آسمان و زمین کی پیدائش اور اس کا نظام 'شمس و قمر اور کواکب کی تغیر' رات اور دن کا آنا جانا اور دیگر بے شمار نشانیاں 'کیا کم تعجب انگیز ہیں کھف' اس غار کو کہتے ہیں جو پہاڑ میں ہوتا ہے 'رقیم' بعض کے نزدیک اس بستی کا نام ہے جہاں سے یہ نوجوان گئے تھے 'بعض کہتے ہیں اس پہاڑ کا نام ہے جس میں غار واقع تھا بعض کہتے ہیں رَقِيمُ بمعنی مَرْقُومٌ ہے اور یہ ایک تختی ہے لوہے یا سیسے کی 'جس میں اصحاب کف کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ اسے رَقِيمُ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اس پر نام تحریر ہیں۔ حالیہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ جس پہاڑ میں یہ غار واقع ہے اس کے قریب ہی ایک آبادی ہے جسے اب الرقیب کہا جاتا ہے جو مرور زمانہ کے سبب الرقیم کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

(۴) یہ وہی نوجوان ہیں جنہیں اصحاب کف کہا گیا (تفصیل آگے آ رہی ہے) انہوں نے جب اپنے دین کو بچاتے ہوئے غار میں پناہ لی تو یہ دعا کی۔ اصحاب کف کے اس قصے میں نوجوانوں کے لیے بڑا سبق ہے 'آج کل کے نوجوانوں کا بیشتر وقت فضولیات میں برباد ہوتا ہے اور اللہ کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ کاش! آج کے مسلمان نوجوان اپنی جوانیوں کو اللہ کی عبادت میں صرف کریں۔

پس ہم نے ان کے کانوں پر گنتی کے کئی سال تک اسی عار میں پردے ڈال دیے۔^(۱)

پھر ہم نے انہیں اٹھا کھڑا کیا کہ ہم یہ معلوم کر لیں کہ دونوں گروہ میں سے اس امتحانی مدت کو جو انہوں نے گزاری کس نے زیادہ^(۲) یاد رکھی ہے۔^(۱۲)

ہم ان کا صحیح واقعہ تیرے سامنے بیان فرما رہے ہیں۔ یہ چند نوجوان^(۳) اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں ترقی دی تھی۔^(۱۳)

ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیے^(۴) تھے جبکہ یہ اٹھ

قَضَرْنَا عَلَيْهِمْ لُبًّا وَكُفَّ عَنْ سَمْعِهِمْ وَعَيْنُهُمْ وَأَسَدْنَا

لَهُمْ بَنِينَ يُغْلَبُونَ عَلَيْهِمْ وَأَمْوَالُ الْآلِ يَأْتِيهِمْ أَفْجَاءً

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ إِنَّهُمْ فِتْنَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ
وَرَزَقْنَا لَهُم مِّن دُونِ آلِهِمْ

قَدْ بَطَلَّ تِلْكَ الْأُمُورُ فَلَمْ تُغْنِ عَنْهُمْ قُدْرَتُهُمْ وَذُرِّيَّاتُهُمْ

(۱) یعنی کانوں پر پردے ڈال کر ان کے کانوں کو بند کر دیا تاکہ باہر کی آوازوں سے ان کی فیند میں غفل نہ پڑے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے انہیں گہری فیند سلا دیا۔

(۲) ان دو گروہوں سے مراد اختلاف کرنے والے لوگ ہیں۔ یہ یا تو اسی دور کے لوگ تھے جن کے درمیان ان کی بابت اختلاف ہوا، یا بعد رسالت کے مومن و کافر مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اصحاب کھف ہی ہیں ان کے دو گروہ بن گئے تھے۔ ایک کہتا تھا کہ ہم اتنا عرصہ سوئے رہے۔ دوسرا اس کی نفی کرتا اور فریق اول سے کم و بیش مدت بتلاتا۔

(۳) اب اجمال کے بعد تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ یہ نوجوان بعض کہتے ہیں عیسائیت کے پیروکار تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ کہتے ہیں ایک بادشاہ تھا 'وقیانوس' جو لوگوں کو بتوں کی عبادت کرنے اور ان کے نام کی نذر نیاز دینے کی ترغیب دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان چند نوجوانوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ عبادت کے لائق تو صرف ایک اللہ ہی ہے جو آسمان و زمین کا خالق اور کائنات کا رب ہے۔ نتیجہ جمع قلت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد ۹ یا اس سے بھی کم تھی۔ یہ الگ ہو کر کسی ایک جگہ اللہ واحد کی عبادت کرتے آہستہ آہستہ لوگوں میں ان کے عقیدہ توحید کا چرچا ہوا تو بادشاہ تک بت پہنچ گئی اور اس نے انہیں اپنے دربار میں طلب کر کے ان سے پوچھا تو وہاں انہوں نے برملا اللہ کی توحید بیان کی بالآخر پھر بادشاہ اور اپنی مشرک قوم کے ڈر سے اپنے دین کو بچانے کے لیے آبادی سے دور ایک پہاڑ کے عار میں پناہ گزین ہو گئے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی اور وہ تین سو نو (۳۰۹) سال وہاں سوئے رہے۔

(۴) یعنی ہجرت کرنے کی وجہ سے اپنے خویش و اقارب کی جدائی اور عیش و راحت کی زندگی سے محرومی کا جو صدمہ انہیں اٹھانا پڑا، ہم نے ان کے دل کو مضبوط کر دیا تاکہ وہ ان شدائد کو برداشت کر لیں۔ نیز حق گوئی کا فریضہ بھی جرات اور حوصلے سے ادا کر سکیں۔

وَالْأَرْضِ لَنُتَدْعُوَنَّ دُونَهُ الْأَعْدَدُ فَلَئَاذَا شِئْنَا ۝

هَؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً لَّا يَأْتِيهِمْ

بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ فَمَن أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۝

وَإِذْ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَصَيْعَهُمْ ذُرِّيٰهُ فَأَذٰلَى الْكَهْفَ

يَسْتَرْكِبُكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَّحْمَتِهِ وَيُخَوِّفُ لَكُمْ مِنْ أَمْرِهِمْ فَرَفَقًا ۝

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَوْرُءَ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ

وَإِذَا غَرَبَتْ تَقَرَّبُ مِنْهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ ذَلِكَ

مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّاهُمْ الْهُتَدٰى وَمَنْ يُضِلِلْ

کھڑے ہوئے^(۱) اور کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے، ناممکن ہے کہ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکاریں اگر ایسا کیا تو ہم نے نہایت ہی غلط بات کہی۔^(۲) (۱۳)

یہ ہے ہماری قوم جس نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں۔ ان کی خدائی کی یہ کوئی صاف دلیل کیوں پیش نہیں کرتے اللہ پر جھوٹ افترا باندھنے والے سے زیادہ ظالم کون ہے؟ (۱۵)

جبکہ تم ان سے اور اللہ کے سوا ان کے اور معبودوں سے کنارہ کش ہو گئے تو اب تم کسی غار میں^(۳) جا بیٹھو، تمہارا رب تم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے لیے تمہارے کام میں سولت مہیا کر دے گا۔ (۱۶)

آپ دیکھیں گے کہ آفتاب بوقت طلوع ان کے غار سے دائیں جانب کو جھک جاتا ہے اور بوقت غروب ان کے بائیں جانب کھڑا جاتا ہے اور وہ اس غار کی کشادہ جگہ میں ہیں۔^(۴) یہ اللہ کی نشانیوں میں سے

(۱) اس قیام سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک وہ ظہری ہے جو بادشاہ کے دربار میں ان کی ہوئی اور بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر انہوں نے توحید کا یہ وعظ بیان کیا، بعض کہتے ہیں کہ شر سے باہر آپس میں ہی کھڑے ایک دوسرے کو توحید کی وہ بات سنائی جو فردا فردا اللہ کی طرف سے ان کے دلوں میں ڈالی گئی اور یوں اہل توحید باہم اکٹھے ہو گئے۔

(۲) شِعْطًا کے معنی جھوٹ کے یا حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔

(۳) یعنی جب تم نے اپنی قوم کے معبودوں سے کنارہ کشی کر لی ہے تو اب جسمانی طور پر بھی ان سے علیحدگی اختیار کر لو۔ یہ اصحاب کف نے آپس میں کہا چنانچہ اس کے بعد وہ ایک غار میں جا چھپے جب ان کے غائب ہونے کی خبر مشہور ہوئی تو تلاش کیا گیا، لیکن وہ اسی طرح ناکام رہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں کفار مکہ غار ثور تک پہنچ جانے کے باوجود جس میں آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود تھے ناکام رہے تھے۔

(۴) یعنی سورج طلوع کے وقت دائیں جانب کو اور غروب کے وقت بائیں جانب کو کھڑا کے نکل جاتا اور یوں دونوں وقتوں میں ان پر دھوپ نہ پڑتی، حالانکہ وہ غار میں کشادہ جگہ پر محو استراحت تھے۔ فَجْوَةٍ کے معنی ہیں کشادہ جگہ۔

قُلْنَ تَجِدَلَهُ وَيَا مُرْسِدًا ۝

ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ جس کی رہبری فرمائے وہ راہِ راست پر ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے ناممکن ہے کہ آپ اس کا کوئی کارساز اور رہنما پا سکیں۔ (۲) (۱۷)

آپ خیال کرتے کہ وہ بیدار ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے، (۳) خود ہم ہی انہیں دائیں بائیں کروٹیں دلایا کرتے تھے، (۴) ان کا کتا بھی چوکھٹ پر اپنے ہاتھ پھیلانے ہوئے تھا۔ اگر آپ جھانک کر انہیں دیکھنا چاہتے تو ضرور اٹنے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور ان کے رعب سے آپ پر دہشت چھا جاتی۔ (۵) (۱۸)

اسی طرح ہم نے انہیں جگا کر اٹھا دیا (۶) تاکہ آپس میں پوچھ سمجھ کریں۔ ایک کہنے والے نے کہا کہ کیوں بھی تم کتنی دیر ٹھہرے رہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم۔ (۷) کہنے لگے کہ تمہارے ٹھہرے

وَنَحْنُ لَهُمْ آيَاتٌ وَأَمْ رُوذُودٌ ۝ وَتِلْكَ هُمُ ذَاتُ الْيَمِينِ
وَذَاتُ الْشِّمَالِ ۝ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَيْبِ ۝ لَوِ اتَّخَذَ
عَلَيْهِمْ لَوْلِيَةً مِنْهُمْ لَفَرَّقُوا وَلِئَلَّيْنِ مِنْهُمْ رُغْبًا ۝

وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِنِشَآءٍ لِّوَالِدَيْنَاهُمْ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ
كَمْ لَكُمْ يَوْمًا قَالُوا الْيَوْمَ نَوْمًا أَوْ بَعْضُ يَوْمٍ قَالُوا رَجَلٌ
أَعْلَمُ بِمَا لَيْسَ لَهُ قَاتِلُوا أَحَدَكَمُ يَوْمَ تَقَعُكُمْ هَذِهِ

(۱) یعنی سورج کا اس طرح نکل جانا کہ باوجود کھلی جگہ ہونے کے وہاں دھوپ نہ پڑے اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔

(۲) جیسے دقیا نوس بادشاہ اور اس کے بیروکار ہدایت سے محروم رہے تو کوئی انہیں راہِ یاب نہیں کر سکا۔

(۳) أَبْقَاظ، بَقِط کی جمع اور رُوذُود، رَافِد کی جمع ہے وہ بیدار اس لیے محسوس ہوتے تھے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوتی تھیں جس طرح جاگنے والے شخص کی ہوتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ زیادہ کروٹیں بدلنے کی وجہ سے وہ بیدار بیدار نظر آتے تھے۔

(۴) تاکہ ان کے جسموں کو مٹی نہ کھا جائے۔

(۵) یہ ان کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام تھا تاکہ کوئی ان کے قریب نہ جاسکے

(۶) یعنی جس طرح ہم نے انہیں اپنی قدرت سے سلاوا تھا اسی طرح تین سو نو سال کے بعد ہم نے انہیں اٹھا دیا اور اس حال میں اٹھا دیا کہ ان کے جسم اسی طرح صحیح تھے جس طرح تین سو سال قبل سوتے وقت تھے اسی لیے آپس میں ایک دوسرے سے انہوں نے سوال کیا۔

(۷) گویا جس وقت وہ غار میں داخل ہوئے صبح کا پہلا پہر تھا اور جب بیدار ہوئے تو دن کا آخری پہر تھا یوں وہ سمجھے کہ شاید ہم ایک دن یا اس سے بھی کم دن کا کچھ حصہ سوئے رہے۔

إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ يَتِمَّ آتَاكِ طَعَامًا فَلْيَاكُلْ وَرَبِّي
يُنْهَ وَلِيَّتْ لَكُمْ وَلَا يَشْعُرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ۝

إِنَّمَا إِنَّ يَنْظُرُوا عَلَيْكُمْ يُجْجَمُوا أَوْ يُبْعِدُوا وَكَفَى
فِي سَكِينِهِمْ وَلَنْ تُنْفِكُوا أَهْلًا ۝

وَكَذَلِكَ أَعِزَّنَا عَلَيْهِمْ لِجَعَلْنَا آتَاكَ وَعَدًا لِلَّهِ وَحَقٌّ
وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا أَذِيْتَنَّا رَعُونَ

رہنے کا بخوبی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔^(۱) اب تو تم اپنے
میں سے کسی کو اپنی یہ چاندی دے کر شر بھیجو وہ خوب
دیکھ بھال لے کہ شر کا کون سا کھانا پاکیزہ تر ہے،^(۲) پھر
اسی میں سے تمہارے کھانے کے لیے لے آئے اور وہ
بہت احتیاط اور نرمی برتتے اور کسی کو تمہاری خبر نہ
ہونے دے۔^(۳) (۱۹)

اگر یہ کافر تم پر غلبہ پالیں تو تمہیں سنگسار کر دیں گے یا
تمہیں پھر اپنے دین میں لوٹالیں گے اور پھر تم کبھی بھی
کامیاب نہ ہو سکو گے۔^(۴) (۲۰)

ہم نے اس طرح لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ کر^(۵)
دیا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور

(۱) تاہم کثرت نوم کی وجہ سے وہ سخت تردد میں رہے اور بالآخر معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا کہ وہی صحیح مدت جانتا ہے۔

(۲) بیدار ہونے کے بعد، خوراک جو انسان کی سب سے اہم ضرورت ہے، اس کا سرو سامان کرنے کی فکر، حق ہوئی۔

(۳) احتیاط اور نرمی کی تاکید اسی اندیشے کے پیش نظر کی، جس کی وجہ سے وہ شر سے نکل کر ایک دیرانے میں آئے
تھے۔ اسے تاکید کی کہ کہیں اس کے رویے سے شر والوں کو ہمارا علم نہ ہو جائے اور کوئی نئی افتاد ہم پر نہ آپڑے، جیسا کہ
اگلی آیت میں ہے۔

(۴) یعنی آخرت کی جس کامیابی کے لیے ہم نے یہ صعوبت، مشقت برداشت کی، ظاہر بات ہے کہ اگر اہل شر نے ہمیں
مجبور کر کے پھر آباؤی دین کی طرف لوٹا دیا، تو ہمارا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا، ہماری محنت بھی برباد جائے گی اور ہم نہ
دین کے رہیں گے نہ دنیا کے۔

(۵) یعنی جس طرح ہم نے انہیں سلا یا اور جگایا، اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ کر دیا۔ بعض روایات
کے مطابق یہ آگاہی اس طرح ہوئی کہ جب اصحاب کف کا ایک ساتھی چاندی کا وہ سکہ لے کر شر گیا، جو تین سو سال
قبل کے بادشاہ دقیانوس کے زمانے کا تھا اور وہ سکہ اس نے ایک دکاندار کو دیا، تو وہ حیران ہوا، اس نے ساتھ کی دکان
والے کو دکھایا، وہ بھی دیکھ کر حیران ہوا، جب کہ اصحاب کف کا ساتھی یہ کہتا رہا کہ میں اسی شر کا باشندہ ہوں اور کل ہی
یہاں سے گیا ہوں، لیکن اس ”کل“ کو تین صدیاں گزر چکی تھیں، لوگ کس طرح اس کی بات مان لیتے؟ لوگوں کو شبہ
گزر رہا کہ کہیں اس شخص کو مدفون خزانہ نہ ملا ہو۔ شدہ شدہ بات بادشاہ یا حاکم مجاز تک پہنچی اور اس ساتھی کی مدد سے وہ
غار تک پہنچا اور اصحاب کف سے ملاقات کی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر وہیں وفات دیدی (ابن کثیر)

بَيَّنَّهُمْ أَمْرُهُمْ فَقَالُوا ثَلَاثَةٌ عَلَيْهِمْ ذُنُوبٌ رَبَّنَا
 أَعْمُوهُمْ قَالِ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ
 لَسْتَ جِدِّنَ عَلَيْهِمْ مَجْدٌ ⑤

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ
 سَادُسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجَبًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَلَاثُهُمْ

قیامت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔^(۱) جبکہ وہ اپنے
 امر میں آپس میں اختلاف کر رہے^(۲) تھے کہنے لگے
 ان کے غار پر ایک عمارت بنالو۔^(۳) ان کا رب ہی
 ان کے حال کا زیادہ عالم^(۴) ہے۔ جن لوگوں نے ان
 کے بارے میں غلبہ پایا وہ کہنے لگے کہ ہم تو ان کے
 آس پاس مسجد بنا لیں گے۔^(۵) (۲۱)

کچھ لوگ تو کہیں گے کہ اصحاب کف تین تھے اور
 چوتھا ان کا کتا تھا۔ کچھ کہیں گے کہ پانچ تھے اور چھ
 ان کا کتا تھا۔^(۶) غیب کی باتوں میں اٹکل (کے تیرنے)

(۱) یعنی اصحاب کف کے اس واقعے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ قیامت کے وقوع اور بعث بعد الموت کا وعدہ الہی سچا
 ہے۔ منکرین کے لیے اس واقعے میں اللہ کی قدرت کا ایک نمونہ موجود ہے۔

(۲) اِذْ یا تو طرف ہے اَعْتَرْنَا کا یعنی ہم نے انہیں اس وقت ان کے حال سے آگاہ کیا جب وہ بعث بعد الموت یا وقوع
 قیامت کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے یا یہاں اَذْخَرُ مَحْذُوف ہے یعنی وہ وقت یاد کرو جب وہ آپس میں جھگڑ
 رہے تھے۔

(۳) یہ کہنے والے کون تھے بعض کہتے ہیں کہ اس وقت کے اہل ایمان تھے بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ اور اس کے ساتھی
 تھے جب جا کر انہوں نے ملاقات کی اور اس کے بعد اللہ نے انہیں پھر سلا دیا تو بادشاہ اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ
 ان کی حفاظت کے لیے ایک عمارت بنا دی جائے۔

(۴) جھگڑا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی بابت صحیح علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

(۵) یہ غلبہ حاصل کرنے والے اہل ایمان تھے یا اہل کفر و شرک؟ شوکانی نے پہلی رائے کو ترجیح دی ہے اور ابن کثیر نے
 دوسری رائے کو۔ کیونکہ صالحین کی قبروں پر مسجدیں تعمیر کرنا اللہ کو پسند نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَلَعَنَ
 اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ (البخاری) کتاب الجنائز باب
 ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور۔ ومسلم کتاب المساجد واتخاذ الصور فيها) ”اللہ تعالیٰ یہود و
 نصاریٰ پر لعنت فرمائے جنہوں نے اپنے پیغمبروں اور صالحین کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں
 عراق میں حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر دریافت ہوئی تو آپ نے حکم دیا کہ اسے چھپا کر عام قبروں جیسا کر دیا جائے۔
 تاکہ لوگوں کے علم میں نہ آئے کہ فلاں قبر فلاں پیغمبر کی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۶) یہ کہنے والے اور ان کی مختلف تعداد بتلانے والے عمد رسالت کے مؤمن اور کافر تھے خصوصاً اہل کتاب جو کتب
 ساویہ سے آگاہی اور علم کا دعویٰ رکھتے تھے۔

كَلِمَةً فَلَمْ يَرْوِ عَنْهُمْ مَا يَتَدَلُّ عَلَيْهِ إِلَّا قَلِيلٌ
فَلَا تَأْخُذْ بِهِ إِلَّا مَوَازِئَ طَلُوفٍ وَلَا تَسْتَفْتِ
بِهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۝

وَلَا تَقُولْ لِمَنْ يُدْعَىٰ لِلَّهِ فَإِذَا دُعِيَ فَقُلْ ۝

إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَادْكُزْ نَفْسَكَ إِذَا دُعِيتَ وَقُلْ عَنِّي

چلاتے ہیں،^(۱) کچھ کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں
ان کا کتا^(۲) ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار ان
کی تعداد کو بخوبی جانتے والا ہے، انہیں بہت ہی کم لوگ
جانتے ہیں۔^(۳) پس آپ ان کے مقدمے میں صرف
سرسری گفتگو ہی کریں^(۴) اور ان میں سے کسی سے ان
کے بارے میں پوچھ گچھ بھی نہ کریں۔^(۵) (۲۲)
اور ہرگز ہرگز کسی کام پر یوں نہ کہنا کہ میں اسے کل
کروں گا۔ (۲۳)

مگر ساتھ ہی انشاء اللہ کہہ لینا۔^(۶) اور جب بھی بھولے

(۱) یعنی علم، ان میں سے کسی کے پاس نہیں ہے، جس طرح بغیر دیکھے کوئی پتھر مارے، یہ بھی اسی طرح انکل بچہ باتیں کر رہے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے صرف تین قول بیان فرمائے، پہلے دو قولوں کو رَجَمًا بِالْعَنَبِ (ظن و تخمین) کہہ کر ان کو کمزور رائے قرار دیا اور اس تیسرے قول کا ذکر اس کے بعد کیا جس سے بعض اہل تفسیر نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ انداز اس قول کی صحت کی دلیل ہے اور فی الواقع ان کی اتنی ہی تعداد تھی (ابن کثیر)

(۳) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے میں بھی ان کم لوگوں میں سے ہوں جو یہ جانتے ہیں کہ اصحاب کف کی تعداد کتنی تھی؟ وہ صرف سات تھے جیسا کہ تیسرے قول میں بتلایا گیا ہے (ابن کثیر)

(۴) یعنی صرف ان ہی باتوں پر اکتفاء کریں جن کی اطلاع آپ کو وحی کے ذریعے سے کر دی گئی ہے۔ یا تعین عدد میں بحث و تکرار نہ کریں، صرف یہ کہہ دیں کہ اس تعین کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۵) یعنی بحث کرنے والوں سے ان کی بابت کچھ نہ پوچھیں، اس لیے کہ جس سے پوچھا جائے، اس کو پوچھنے والے سے زیادہ علم ہونا چاہیے، جب کہ یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو پھر بھی یقینی علم کا ایک ذریعہ وحی موجود ہے، جب کہ دوسروں کے پاس ظنون و ادہام کے سوا کچھ نہیں۔

(۶) مفسرین کہتے ہیں کہ یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین باتیں پوچھی تھیں، روح کی حقیقت کیا ہے اور اصحاب کف اور ذوالقرنین کون تھے؟ کہتے ہیں کہ یہی سوالات اس سورت کے نزول کا سبب بنے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں کل جواب دوں گا، لیکن اس کے بعد ۵۷ دن تک جبریل وحی لے کر نہیں آئے۔ پھر جب آئے تو اللہ تعالیٰ نے

اِنْ يَهْدِيَنَّ رَبِّيْ لِأَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝۱۰

اپنے پروردگار کی یاد کر لیا کرنا^(۱) اور کہتے رہنا کہ مجھے پوری امید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے بھی زیادہ ہدایت کے قریب کی بات کی رہبری کرے۔^(۲) (۲۳)
وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال تک رہے اور نو سال اور زیادہ گزارے۔^(۳) (۲۵)

وَلَيْسُوا فِيْ كُفْرِهِمْ ثَلَاثًا وَمَا يَتَّبِعِيْنَ وَاَزْدًا ذُوْا اَيْتَاعًا ۝۱۱

آپ کہہ دیں اللہ ہی کو ان کے ٹھہرے رہنے کی مدت کا بخوبی علم ہے، آسمانوں اور زمینوں کا غیب صرف اسی کو حاصل ہے وہ کیا ہی اچھا دیکھنے سننے والا ہے۔^(۴) سوائے اللہ کے ان کا کوئی مددگار نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ (۲۶)

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَيْسُوا۟ لَهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اَبْصَرُیْہِ وَاَسْمِعُ مَا لَمْ یَمْسُ مِنْ دُوْنِہٖ مِنْ شَیْءٍ
وَلَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖۤ اَحَدًا ۝۱۲

تیری جانب جو تیرے رب کی کتاب وحی کی گئی ہے اسے

وَاَشْلُ مَا اَوْحٰی اِلَیْکَ مِنْ کِتٰبٍ رَبِّکَ لَمُبْدِلٍ لِّکَلِمٰتِہٖۤ

ان شاء اللہ کہنے کا یہ حکم دیا۔ آیت میں کل (غدا) سے مراد مستقبل ہے یعنی جب بھی مستقبل قریب یا بعید میں کوئی کام کرنے کا عزم کرو تو ان شاء اللہ ضرور کما کرو۔ کیونکہ انسان کو تو پتہ نہیں کہ وہ جس بات کا عزم ظاہر کر رہا ہے، اس کی توفیق بھی اسے اللہ کی مشیت سے ملتی ہے یا نہیں؟

(۱) یعنی اگر کلام یا وعدہ کرتے وقت ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ، تو جس وقت بھی یاد آجائے ان شاء اللہ کہہ لو، یا پھر رب کو یاد کرنے کا مطلب، اس کی تسبیح و تحمید اور اس سے استغفار ہے۔

(۲) یعنی میں جس کا عزم ظاہر کر رہا ہوں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ بہتر اور مفید کام کی طرف میری رہنمائی فرمادے۔

(۳) جمہور مفسرین نے اسے اللہ کا قول قرار دیا ہے۔ شمسی حساب سے ۳۰۰ اور قمری حساب سے ۳۰۹ سال بنتے ہیں۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہ انہی لوگوں کا قول ہے جو ان کی مختلف تعداد بتلاتے تھے، جس کی دلیل اللہ کا یہ قول ہے ”اللہ ہی کو ان کے ٹھہرے رہنے کی مدت کا بخوبی علم ہے“ جس کا مطلب وہ مذکورہ مدت کی نفی لیتے ہیں۔ لیکن جمہور کی تفسیر کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ اہل کتاب یا کوئی اور، اس بتلائی ہوئی مدت سے اختلاف کرے، تو آپ ان سے کہہ دیں کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ جب اس نے تین سو نو سال مدت بتلائی ہے تو یہی صحیح ہے کیونکہ وہی جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت غار میں رہے؟

(۴) یہ اللہ کی صفت علم و خبری کی مزید وضاحت ہے۔

وَلَنْ يَجْعَلَ مِنْ دُونِهِ مَلٰٓئِكَةً ۝

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاۃِ
وَالْعِشِیِّ یُرِیۡدُوْنَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عِیۡنُکَ عَنْهُمْ
تُرِیۡدُ زِیۡنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا
قَلْبَهُ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَتْهُوۡهُ ۚ وَاَنَّ اَسْرٰٓءَ فُرُطًا ۝

پڑھتا رہ،^(۱) اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں تو اس کے سوا ہرگز ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہ پائے گا۔^(۲) (۲۷)
اور اپنے آپ کو انہیں کے ساتھ رکھا کر جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں اور اسی کے چہرے کے ارادے رکھتے ہیں (رضامندی چاہتے ہیں) 'خبردار اتیری نگاہیں ان سے نہ ہٹنے پائیں' کہ دنیوی زندگی کے ٹھاٹھ کے ارادے میں لگ جا۔ دیکھ اس کا کتنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے۔^(۵) (۲۸)

(۱) ویسے تو یہ حکم عام ہے کہ جس چیز کی بھی وحی آپ ﷺ کی طرف کی جائے اس کی تلاوت فرمائیں اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں۔ لیکن اصحاب کف کے قصبے کے خاتمے پر اس حکم سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصحاب کف کے بارے میں لوگ جو چاہیں کہتے پھریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں اپنی کتاب میں جو کچھ اور جتنا کچھ بیان فرما دیا ہے وہی صحیح ہے وہی لوگوں کو پڑھ کر سنا دیجئے اس سے زیادہ دیگر باتوں کی طرف دھیان نہ دیجئے۔

(۲) یعنی اگر اسے بیان کرنے سے گریز و انحراف کیا یا اس کے کلمات میں تغیر و تبدیلی کی کوشش کی تو اللہ سے آپ کو بچانے والا کوئی نہیں ہو گا۔ خطاب اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، لیکن اصل مخاطب امت ہے۔

(۳) یہ وہی حکم ہے جو اس سے قبل سورۃ الانعام ۵۲ میں گزر چکا ہے۔ مراد ان سے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو غریب اور کمزور تھے جن کے ساتھ بیٹھنا اشراف قریش کو گوارا نہ تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چھ آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے میرے علاوہ بلال، ابن مسعود، ایک ہڈی اور دو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تھے۔ قریش مکہ نے خواہش ظاہر کی کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دو تاکہ ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کی بات سنیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں آیا کہ چلو شاید میری بات سننے سے ان کے دلوں کی دنیا بدل جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سختی کے ساتھ ایسا کرنے سے منع فرما دیا اصحیح مسلم فضائل الصحابة 'باب فصل سعد بن ابی وقاص'۔

(۴) یعنی ان کو دور کر کے آپ اصحاب شرف و اہل غنی کو اپنے قریب کرنا چاہتے ہیں؟

(۵) مُرْطًا اگر افراط سے ہو تو معنی ہوں گے حد سے تجاوز اور اگر تفریط سے ہو تو معنی ہوں گے کہ ان کا کام تفریط پر مبنی ہے جس کا نتیجہ ضیاع اور ہلاکت ہے۔

وَكُلُّ الْعَشِ مِنْ رَبِّكَ فَتَمَنِّ شَاءَ قَلِيلٌ وَمَنْ شَاءَ
فَلْيَكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ
سُرَادِقُهَا وَإِنْ يَسْتَفِيضُوا يَغْتَابُوا بَيْنَهُ
يَشْتَوِي السُّجُودَ يُبْسَلُ الشَّرَابِ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ۝

اور اعلان کروے کہ یہ سراسر برحق قرآن تمہارے رب
کی طرف سے ہے۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے
کفر کرے۔ ظالموں کے لیے ہم نے وہ آگ تیار کر رکھی ہے
جس کی قہقہیں انہیں گھیر لیں گی۔ اگر وہ فریاد رسی چاہیں گے
تو ان کی فریاد رسی اس پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تھچٹ
جیسا ہو گا جو چہرے بھون دے گا بڑا ہی برا پانی ہے اور بڑی
بری آرام گاہ (دورخ) ہے۔ (۲۹)

إِنَّ الْغَايِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّ الْأَنْفُسَ لَا تُضِلُّهُ
أَحْسَنَ عَمَلًا ۝

یقیناً جو لوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں تو ہم
کسی نیک عمل کرنے والے کا ثواب ضائع نہیں
کرتے۔ (۳۰)

أُولَئِكَ لَهُمْ جَنَّاتٌ مَعْدِنٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا
خُضْرًا غَيْرَ مُتَغَيِّرَةٍ وَشَجَرًا فِيهَا عِلٌّ
الَّذِي لَهُمْ فِيهَا ثَوَابٌ وَحَسْبَتْ مُرْتَفَقًا ۝

ان کے لیے ہمیشگی والی جنتیں ہیں، ان کے نیچے سے نہریں
جاری ہوں گی، وہاں یہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں
گے (۲) اور سبز رنگ کے نرم و باریک اور موٹے ریشم
کے لباس پہنیں گے، (۳) وہاں تختوں کے اوپر ٹکیے لگائے
ہوئے ہوں گے۔ کیا خوب بدلہ ہے، اور کس قدر عمدہ
آرام گاہ ہے۔ (۳۱)

وَأَعْرَضْنَا عَنْهُمْ مَشَاجِدَ يُجِلُّونَ جَعَلْنَا الْأَعْدَاءَ جَنَّاتٍ

اور انہیں ان دو شخصوں کی مثال بھی سنا دے (۳) جن میں

(۱) قرآن کے انداز بیان کے مطابق جنہوں کے ذکر کے بعد اہل جنت کا تذکرہ ہے تاکہ لوگوں کے اندر جنت حاصل
کرنے کا شوق و رغبت پیدا ہو۔

(۲) زمانہ نزول قرآن اور اس سے ما قبل رواج تھا کہ بادشاہ، رؤسا اور سرداران قبائل اپنے ہاتھوں میں سونے کے
کڑے پہنتے تھے، جس سے ان کی امتیازی حیثیت نمایاں ہوتی تھی۔ اہل جنت کو بھی جنت میں کڑے پہنائے جائیں گے۔

(۳) سُندس، باریک ریشم اور استنبز، موٹا ریشم۔ دنیا میں مردوں کے لیے سونا اور ریشمی لباس ممنوع ہیں، جو لوگ
اس حکم پر عمل کرتے ہوئے دنیا میں ان محرمات سے اجتناب کریں گے، انہیں جنت میں یہ ساری چیزیں میسر ہوں گی۔

وہاں کوئی چیز ممنوع نہیں ہوگی بلکہ اہل جنت جس چیز کی خواہش کریں گے، وہ موجود ہوگی۔ وَلَكُمُ فِيهَا مَا تَشْتَهُونَ اَنْفُسُكُمْ
وَلَكُمُ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ﴿﴾ ”جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب جنت میں موجود ہے“

(۴) مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ دو شخص کون تھے؟ اللہ تعالیٰ نے تعظیم کے لیے بطور مثال ان کا تذکرہ کیا ہے

مِنْ أَعْنَابٍ وَخَفَتُهُمْ أَبْخُلٍ وَجَعَلْنَاهُمْ نَارًا ۝

يَكَلِّتُ الْوَجَلَيْنِ إِنَّا أَكْهَمْنَا لَوْ تَنْظُرُونَ مَتَىٰ تَعْلَمُونَ فَخَجَرْنَا
يَخْلَعُهَا نُحُورًا ۝

وَكَانَ لَهُ شِجْرًا فَعَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحْذَرُ أَنَا
أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ۝

وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ
أَن تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا ۝

وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّدِّدْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَكِيدَنَّ

سے ایک کو ہم نے دو باغ انگوروں کے دے رکھے تھے اور
جنہیں کھجوروں کے درختوں سے ہم نے گھیر رکھا^(۱) تھا اور
دونوں کے درمیان کھیتی لگا رکھی تھی۔^(۲) (۳۲)

دونوں باغ اپنا پھل خوب لائے اور اس میں کسی طرح کی
کمی نہ کی^(۳) اور ہم نے ان باغوں کے درمیان سرسری
کر رکھی تھی۔^(۴) (۳۳)

الفرض اس کے پاس میوے تھے 'ایک دن اس نے باتوں
ہی باتوں میں اپنے ساتھی^(۵) سے کہا کہ میں تجھ سے زیادہ
مالدار ہوں اور تجھے^(۶) کے اعتبار سے بھی زیادہ مضبوط
ہوں۔ (۳۴)

اور یہ اپنے باغ میں گیا اور تھا اپنی جان پر ظلم کرنے والا۔
کہنے لگا کہ میں خیال نہیں کر سکتا کہ کسی وقت بھی یہ برباد
ہو جائے۔ (۳۵)

اور نہ میں قیامت کو قائم ہونے والی خیال کرتا ہوں اور
اگر (بالفرض) میں اپنے رب کی طرف لوٹا یا بھی گیا تو یقیناً

یا واقعی دو شخص ایسے تھے؟ اگر تھے تو یہ بنی اسرائیل میں گزرے ہیں یا اہل مکہ میں سے تھے 'ان میں ایک مؤمن اور
دوسرا کافر تھا۔

(۱) جس طرح چار دیواری کے ذریعے سے حفاظت کی جاتی ہے 'اس طرح ان باغوں کے چاروں طرف کھجوروں کے
درخت تھے 'جو باڑ اور چار دیواری کا کام دیتے تھے۔

(۲) یعنی دونوں باغوں کے درمیان کھیتی تھی جن سے غلہ جات کی فصلیں حاصل کی جاتی تھیں۔ یوں دونوں باغ غلے اور
میووں کے جامع تھے۔

(۳) یعنی اپنی پیداوار میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے بلکہ بھرپور پیداوار دیتے تھے۔

(۴) تاکہ باغوں کو سیراب کرنے میں کوئی انقطاع واقع نہ ہو۔ یا بارانی علاقوں کی طرح بارش کے محتاج نہ رہیں۔

(۵) یعنی باغوں کے مالک نے 'جو کافر تھا' اپنے ساتھی سے کہا جو مؤمن تھا۔

(۶) نَفَرًا (جتنے) سے مراد اولاد اور نوکر چاکر ہیں۔

خَيْرَ مِمَّا مَتَّعْنَاهُمْ ۝

قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي
خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّكَ رَجُلًا ۝

لَكِنَّهُ هُوَ اللَّهُ رَبُّكَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ۝

میں (اس لوٹنے کی جگہ) اس سے بھی زیادہ^(۱) بہتر
پاؤں گا۔ (۳۶)

اس کے ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ کیا
تو اس (معبود) سے کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا
کیا۔ پھر نطفے سے پھر تجھے پورا آدمی بنا دیا۔^(۲) (۳۷)

لیکن میں تو عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار
ہے میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں
گا۔^(۳) (۳۸)

(۱) یعنی وہ کافر عجب اور غرور میں ہی جلا نہیں ہوا بلکہ اس کی مدہوشی اور مستقبل کی حسین اور لمبی امیدوں نے اسے
اللہ کی گرفت اور مکافات عمل سے بالکل غافل کر دیا۔ علاوہ ازیں اس نے قیامت کا ہی انکار کر دیا، پھر ڈھٹائی کا مظاہرہ
کرتے ہوئے کہا کہ اگر قیامت برپا ہوئی بھی تو وہاں بھی حسن انجام میرا مقدر ہو گا۔ جن کافرو طفیان حد سے تجاوز کر جاتا
ہے وہ مست مئے پندار ہو کر ایسے ہی حکمرانہ دعوے کرتے ہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ
رَبِّيَ إِذْ قَالَ لِي عِندَهُ لِلْحُسْنَىٰ﴾ (احسن السجدہ: ۵۰) ”اگر مجھے رب کی طرف لوٹایا گیا تو وہاں بھی میرے لیے اچھائیاں
ہی ہیں۔“ ﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رَبِّيَ إِذْ قَالَ لِي عِندَهُ لِلْحُسْنَىٰ مَا أَفْذَلْنَا﴾ (مریم: ۷۷) ”کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے
ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور دعویٰ کیا کہ آخرت میں بھی مجھے مال و اولاد سے نوازا جائے گا۔“

(۲) اس کی یہ باتیں سن کر اس کے مومن ساتھی نے اس کو وعظ و تبلیغ کے انداز میں سمجھایا کہ تو اپنے خالق کے ساتھ
کفر کا ارتکاب کر رہا ہے جس نے تجھے مٹی اور قطرہ پانی (مٹی) سے پیدا کیا۔ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام چونکہ مٹی
سے بنائے گئے تھے اس لیے انسانوں کی اصل مٹی ہی ہوئی۔ پھر قرہی سبب وہ نطفہ بنا جو باپ کی صلب سے نکل کر رحم
مادر میں گیا وہاں نو مینے اس کی پرورش کی۔ پھر اسے پورا انسان بنا کر ماں کے پیٹ سے نکالا۔ بعض کے نزدیک مٹی سے
پیدا ہونے کا مطلب ہے کہ انسان جو خوراک کھاتا ہے وہ سب زمین سے یعنی مٹی سے ہی حاصل ہوتی ہے اسی
خوراک سے وہ نطفہ بنتا ہے جو عورت کے رحم میں جا کر انسان کی پیدائش کا ذریعہ بنتا ہے۔ یوں بھی ہر انسان کی اصل
مٹی ہی قرار پاتی ہے۔ ناشکرے انسان کو اس کی اصل یاد دلانا اسے اس کے خالق اور رب کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے
کہ تو اپنی حقیقت اور اصل پر غور کر اور پھر رب کے ان احسانات کو دیکھ کہ تجھے اس نے کیا کچھ بنا دیا اور اس عمل
تخلیق میں کوئی اس کا شریک اور مددگار نہیں ہے یہ سب کچھ کرنے والا صرف اور صرف وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کو
ماننے کے لیے تویار نہیں ہے۔ آہ کس قدر یہ انسان ناشکرا ہے؟

(۳) یعنی میں تیری طرح کی بات نہیں کروں گا بلکہ میں تو اللہ کی ربوبیت اور اس کی وحدانیت کا اقرار و اعتراف کرتا

وَلَوْلَا اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ
اِنْ تَرَىٰ اَنَّا اَقْلَمْنَا مِنْكَ مَا لَا وُلْدًا ۝۱۰

فَعَسَىٰ رَبِّيْٓ اَنْ يُؤْتِيَنِي خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ
عَلَيْهَا حُمَلًا تَرَىٰ اَلْمَنَارَ فَتُضَيِّعُ صَعِيدًا رَّالٰهَا ۝۱۱

اَوْ يُضَيِّعَ مَا وُكِّلَ عَلَيْهِ فَلَئِنْ سَأَلْتَهُ لَهٗ طَلَبًا ۝۱۲

وَاُحِيطَ بِشَمِيرٍ ۚ فَاصْبِرْ يُقَالِبْ كَفْيُوْهُ عَلٰى مَا اَنْعَمَ فِيْهَا
وَهُوَ خَاطِبٌ عَلٰى عُرْوَتِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ

تو نے اپنے باغ میں جاتے وقت کیوں نہ کہا کہ اللہ کا چاہا
ہونے والا ہے، کوئی طاقت نہیں مگر اللہ کی مدد^(۱) سے
اگر تو مجھے مال و اولاد میں اپنے سے کم دیکھ رہا ہے۔ (۳۹)
بست ممکن ہے کہ میرا رب مجھے تیرے اس باغ سے بھی
بہتر دے^(۲) اور اس پر آسمانی عذاب بھیج دے تو یہ چنیل
اور چکنا میدان بن جائے۔^(۳) (۴۰)

یا اس کا پانی نیچے اتر جائے اور تیرے بس میں نہ رہے کہ
تو اسے ڈھونڈھ لائے۔^(۴) (۴۱)

اور اس کے (سارے) پھل گھیر لیے گئے،^(۵) پس وہ اپنے
اس خرچ پر جو اس نے اس میں کیا تھا اپنے ہاتھ ملنے^(۶)
لگا اور وہ باغ تو اوندھا لٹا پڑا تھا^(۷) اور (وہ شخص) یہ کہہ

ہوں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا ساتھی مشرک ہی تھا۔

(۱) اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا طریقہ بتلاتے ہوئے کہا کہ باغ میں داخل ہوتے وقت سرکشی اور غرور کا مظاہرہ
کرنے کے بجائے یہ کہا ہوتا، مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یعنی جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے، وہ چاہے تو
اسے باقی رکھے اور چاہے تو فنا کر دے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ جس کو کسی کا مال، اولاد یا حس اچھا لگے تو
اسے مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھنا چاہیے۔ (تفسیر ابن کثیر بحوالہ مسند ابی یعلیٰ)

(۲) دنیا میں یا آخرت میں۔ یا دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں۔

(۳) حُسْبَان، غُفْرَان کے وزن پر۔ حساب سے ہے یعنی ایسا عذاب، جو کسی کے کرتوتوں کے نتیجے میں آئے۔ یعنی
آسمانی عذاب کے ذریعے سے وہ محاسبہ کر لے۔ اور یہ جگہ جہاں اس وقت سرسبز و شاداب باغ ہے، بیٹھیں اور چکنا
میدان بن جائے۔

(۴) یاد دہانی میں جو نسر ہے جو باغ کی شادابی اور زرخیزی کا باعث ہے، اس کے پانی کو اتنا گھرا کر دے کہ اس سے پانی کا
حصول ہی ناممکن ہو جائے۔ اور جہاں پانی زیادہ گہرائی میں چلا جائے تو پھر وہاں بڑے بڑے ہارس پاور کی موٹریں اور
مشینیں بھی پانی کو اوپر کھینچ لانے میں ناکام رہتی ہیں۔

(۵) یہ کنایہ ہے ہلاکت و فنا سے۔ یعنی اس کا سارا باغ ہلاک کر ڈالا گیا۔

(۶) یعنی باغ کی تعمیر و اصلاح اور کاشت کاری کے اخراجات پر کف افسوس ملنے لگا۔ ہاتھ ملنا کنایہ ہے ندامت سے۔

(۷) یعنی جن چھتوں، چھروں پر انگوروں کی پیلیں تھیں، وہ سب زمین پر آ رہیں اور انگوروں کی ساری فصل تباہ ہو گئی۔

الْمَالِ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَةُ
الطَّيِّبَةُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ تَوَابًا وَخَيْرًا مِمَّا ۝۳۶

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَادِيَةً وَنَحْنُ نَحْمِلُهَا
فَلَمْ نَقْدِرْ مِنْهُمْ آخِذًا ۝۳۷

مال و اولاد تو دنیا کی ہی زینت ہے،^(۱) اور (ہاں) البتہ باقی
رہنے والی نیکیاں^(۲) تیرے رب کے نزدیک از روئے
ثواب اور (آئندہ کی) اچھی توقع کے بہت بہتر ہیں۔ (۳۶)
اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے^(۳) اور زمین کو تو
صاف کھلی ہوئی دیکھے گا اور تمام لوگوں کو ہم اکٹھا کریں گے
ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑیں گے۔^(۴) (۳۷)

ہوئے پودوں اور درختوں پر جب آسمان سے بارش برسی ہے تو پانی سے مل کر کھیتی لے لیا اٹھتی ہے، پودے اور درخت
حیات نو سے شاداب ہو جاتے ہیں۔ لیکن پھر ایک وقت آتا ہے کہ کھیتی سوکھ جاتی ہے۔ پانی کے عدم دستیابی کی وجہ سے یہ
فصل پک جانے کے سبب۔ تو پھر ہوائیں اس کو اڑائے پھرتی ہیں۔ ہوا کا ایک جھونکا کسی اسے دائیں جانب اور کبھی بائیں
جانب جھکا دیتا ہے۔ دنیا کی زندگی بھی ہوا کے ایک جھونکے یا پانی کے بلبلے یا کھیتی ہی کی طرح ہے، جو اپنی چند روزہ بہار دکھا
کر فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔ اور یہ سارے تصرفات اس ہستی کے ہاتھ میں ہیں جو ایک ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ
تعالیٰ نے دنیا کی یہ مثال قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان فرمائی ہے۔ (مثلاً سورہ یونس ۲۵، سورہ زمر ۲۱، سورہ حدید ۵۰
وغیرہا من الآیات۔)

(۱) اس میں ان اہل دنیا کا رد ہے جو دنیا کے مال و اسباب، قبیلہ و خاندان اور آل و اولاد پر فخر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا،
یہ چیزیں تو دنیائے فانی کی عارضی زینت ہیں۔ آخرت میں یہ چیزیں کچھ کام نہیں آئیں گی۔ اسی لیے اس سے آگے فرمایا
کہ آخرت میں کام آنے والے عمل تو وہ ہیں جو باقی رہنے والے ہیں۔

(۲) باقیات صالحات (باقی رہنے والی نیکیاں) کون سی یا کون کون سی ہیں؟ کسی نے نماز کو، کسی نے تحمید و تسبیح اور تحمید
تہلیل کو اور کسی نے بعض اور اعمال خیر کو اس کا مصداق قرار دیا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ عام ہے اور تمام نیکیوں کو
شامل ہے۔ تمام فرائض و واجبات اور سنن و نوافل سب باقیات صالحات ہیں بلکہ منہیات سے اجتناب بھی ایک عمل
صالح ہے، جس پر عند اللہ اجر و ثواب کی امید ہے۔

(۳) یہ قیامت کی ہولناکیوں اور بڑے بڑے واقعات کا بیان ہے۔ پہاڑوں کو چلائیں گے کا مطلب، پہاڑ اپنی جگہ سے
ہٹ جائیں گے اور دھنی ہوئی روٹی کی طرح اڑ جائیں گے۔ ﴿وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنفُوشِ﴾۔ (الفارعة ۵،) اور
پہاڑ ایسے ہوں گے جیسے دھکی ہوئی رنگین اون، مزید دیکھئے سورہ طور ۱۰۹، سورہ نمل ۸۸، سورہ طہ ۱۰۵، ۱۰۷، زمین
سے جب پہاڑ جیسی مضبوط چیزیں ختم ہو جائیں گی، تو مکانات، درخت اور اسی طرح کی دیگر چیزیں کس طرح اپنا وجود
برقرار رکھ سکیں گی؟ اسی لیے آگے فرمایا، ”تو زمین کو صاف کھلی ہوئی دیکھے گا۔“

(۴) یعنی اولین و آخرین، چھوٹے بڑے، کافر و مؤمن سب کو جمع کریں گے، کوئی زمین کی تہ میں پڑا نہ رہ جائے گا اور نہ
قبر سے نکل کر کسی جگہ چھپ سکے گا۔

اَفَتَعْبُدُوْنَہٗ وَذُرِّيَّتَہٗ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُونِہُمْ
لَکُمْ عَذَابٌ بِمَا تَعْبُدُوْنَ ۝۵۰

مَا اَشْهَدُ لَہُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ
الْغُلُوْبِ ۚ وَمَا کُنْتُ مُتَحِدًا بِالْمُضِلِّیْنَ عَصٰۗۤہَا ۝۵۱

وَيَوْمَ یَقُوْلُ نَادُوْا شُرَکَآءَیَ الَّذِیْنَ رَزَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِہُمْ
فَلَا یَسْتَجِیْبُوْا لَہُمْ وَجَعَلْنَا بَیْنَہُمْ مَّوْبِقًا ۝۵۲

اسے اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بنا رہے
ہو؟ حالانکہ وہ تم سب کا دشمن ہے۔^(۱) ایسے ظالموں کا کیا
ہی برابر ہے۔^(۲) (۵۰)

میں نے انہیں آسمانوں و زمین کی پیدائش کے وقت
موجود نہیں رکھا تھا اور نہ خود ان کی اپنی پیدائش
میں،^(۳) اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے
والا بھی نہیں۔^(۴) (۵۱)

اور جس دن وہ فرمائے گا کہ تمہارے خیال میں جو میرے
شریک تھے انہیں پکارو ایہ پکاریں گے لیکن ان میں سے
کوئی بھی جواب نہ دے گا ہم ان کے درمیان ہلاکت کا
سلمان کر دیں گے۔^(۵) (۵۲)

(۱) یعنی کیا تمہارے لیے یہ صحیح ہے کہ تم ایسے شخص کو اور اس کی ذریت کو دوست بناؤ جو تمہارے باپ آدم علیہ السلام
کا دشمن، تمہارا دشمن اور تمہارے رب کا دشمن ہے اور اللہ کو چھوڑ کر اس شیطان کی اطاعت کرو؟

(۲) ایک دوسرا ترجمہ اس کا یہ کیا گیا ہے ”ظالموں نے کیا ہی برابر اختیار کیا ہے۔“ یعنی اللہ کی اطاعت اور اسکی دوستی کو چھوڑ
کر شیطان کی اطاعت اور اسکی دوستی جو اختیار کی ہے تو یہ بہت ہی برابر ہے جسے ان ظالموں نے اپنایا ہے۔

(۳) یعنی آسمان و زمین کی پیدائش اور اس کی تدبیر میں، بلکہ خود ان شیاطین کی پیدائش میں ہم نے ان سے یا ان میں
سے کسی ایک سے کوئی مدد حاصل نہیں کی، یہ تو اس وقت موجود بھی نہیں تھے۔ پھر تم اس شیطان اور اس کی ذریت کی
پوجا یا ان کی اطاعت کیوں کرتے ہو؟ اور میری عبادت و اطاعت سے تمہیں گریز کیوں ہے؟ جب کہ یہ مخلوق ہیں اور
میں ان سب کا خالق ہوں۔

(۴) اور بفرض محال اگر میں کسی کو مددگار بناتا، بھی تو ان کو کیسے بناتا، جب کہ یہ میرے بندوں کو گمراہ کر کے میری جنت
اور میری رضا سے روکتے ہیں۔

(۵) متونق کے ایک معنی حجب (پردے اور آڑ) کے ہیں۔ یعنی ان کے درمیان پردہ اور فاصلہ کر دیا جائے گا، کیونکہ ان
کے مابین آپس میں عداوت ہوگی۔ نیز اس لیے کہ عرصہ محشر میں یہ ایک دوسرے کو نہ مل سکیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جہنم
میں پیپ اور خون کی مخصوص وادی ہے۔ اور بعض نے اس کا ترجمہ ملک کیا ہے جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے یعنی یہ
مشرک اور ان کے مزعومہ معبود، یہ ایک دوسرے کو مل ہی نہیں سکیں گے کیوں کہ ان کے درمیان ہلاکت کا سلمان اور
ہولناک چیزیں ہوں گی۔

وَمَا الْمُجْرِمُونَ الشَّاكِرُونَ أَفَلَمْ تُؤَافِقُوهُمْ وَأَلْمَزْتَهُمْ
عَنْهَا مَصْرِفًا ۝

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذِهِ الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ
وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرُ شُكْرًا ۝

وَمَا مَنَعَهُ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَى وَيَتَغَفَرُوا
رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَقْلِيَّةِ أَوْ يَأْتِيَهُمُ
الْعَذَابُ قُبُلًا ۝

وَمَا تُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ
وَيُجَادُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا يَا بَاطِلُ إِنِّي جُحُودٌ
بِهِ الْحَقُّ وَاتَّقِ اللَّهَ وَابْتَغِ الْوَسِيلَةَ ۝

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا
وَلَبَّى بِفِئَتِهِمْ إِيدَاءً إِنَّا جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً

اور گنہگار جنم کو دیکھ کر سمجھ لیں گے کہ وہ اسی میں
جھوٹے جانے والے ہیں لیکن اس سے بچنے کی جگہ نہ
پائیں گے۔ (۵۳)

ہم نے اس قرآن میں ہر ہر طریقے سے تمام کی تمام
مثالی لوگوں کے لیے بیان کر دی ہیں لیکن انسان سب
سے زیادہ جھگڑالو ہے۔ (۵۴)

لوگوں کے پاس ہدایت آپکنے کے بعد انہیں ایمان لانے اور
اپنے رب سے استغفار کرنے سے صرف اسی چیز نے روکا
کہ اگلے لوگوں کا معاملہ انہیں بھی پیش آئے (۵۵) یا ان
کے سامنے کھلم کھلا عذاب آمو جو ہو جائے۔ (۵۵)

ہم تو اپنے رسولوں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ وہ
خوشخبریاں سنا دیں اور ڈرا دیں۔ کافر لوگ باطل کے
سارے جھگڑتے ہیں اور (چاہتے ہیں کہ) اس سے حق کو
لڑکھڑا دیں انہوں نے میری آیتوں کو اور جس چیز سے
ڈرایا جائے اسے مذاق بنا ڈالا ہے۔ (۵۶)

اس نے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ جسے اس کے رب کی
آیتوں سے نصیحت کی جائے وہ پھر بھی منہ موڑے رہے

(۱) جس طرح بعض روایات میں ہے کہ کافر ابھی چالیس سال کی مسافت پر ہو گا کہ یقین کر لے گا کہ جنم ہی اس کا ٹھکانا
ہے (مسند احمد، جلد ۳، ص ۷۵)

(۲) یعنی ہم نے انسانوں کو حق کا راستہ سمجھانے کے لیے قرآن میں ہر طریقہ استعمال کیا ہے، وعظ و تذکیر، امثال و
واقعات اور دلائل و براہین، علاوہ ازیں انہیں بار بار اور مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ لیکن انسان چونکہ سخت جھگڑالو
ہے اس لیے وعظ و نصیحت کا اس پر اثر ہوتا ہے اور نہ دلائل و براہین اس کے لیے کارگر۔

(۳) یعنی تکذیب کی صورت میں ان پر بھی اسی طرح عذاب آئے جیسے پہلے لوگوں پر آیا۔

(۴) یعنی یہ اہل مکہ ایمان لانے کے لیے ان دو باتوں میں سے کسی ایک کے خطر ہیں۔ لیکن ان عقل کے اندھوں کو یہ
پتہ نہیں کہ اس کے بعد ایمان کی کوئی حیثیت ہی نہیں یا اس کے بعد ایمان لانے کا ان کو موقع ہی کب ملے گا؟

(۵) اور اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑانا، یہ تکذیب کی بدترین قسم ہے۔ اسی طرح جدال با باطل کے ذریعے سے (یعنی باطل

أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَإِنْ تَدْعُهُمْ
إِلَى الْهُدَى فَلَنْ يُهْتَدُوا إِذَا أَبَدُوا ۝

اور جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھا ہے اسے
بھول جائے، بیشک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال
دیئے ہیں کہ وہ اسے (نہ) سمجھیں اور ان کے کانوں میں
گرانی ہے، گو تو انہیں ہدایت کی طرف بلاتا رہے، لیکن
یہ کبھی بھی ہدایت نہیں پائے^(۱) کے۔ (۵۷)

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كُتِبُوا
لَعَجَلْتُمْ لَهُمُ الْعَذَابَ بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَنْ يَجْعُدُوا
بِهِنَّ دُفْعًا مَوْيلًا ۝

تیرا پروردگار بہت ہی بخشش والا اور مہربانی والا ہے
وہ اگر ان کے اعمال کی سزا میں پکڑے تو بیشک انہیں
جلد ہی عذاب کر دے، بلکہ ان کے لیے ایک وعدہ
کی گھڑی مقرر ہے جس سے وہ سرکنے کی ہرگز جگہ
نہیں پائیں گے۔^(۲) (۵۸)

وَلَمَّا كَانَتْ هُمْ مَعَ آفَلَكُنَا لَمَّا كُنَّا وَجَعَلْنَا لِمَوْلَاكَ مَوْعِدًا ۝

یہ ہیں وہ بستیاں جنہیں ہم نے ان کے مظالم کی بنا پر
غارت کر دیا اور ان کی تباہی کی بھی ہم نے ایک میعاد

طریقہ اختیار کر کے) حق کو باطل ثابت کرنے کی سعی کرنا بھی نہایت مذموم حرکت ہے۔ اسی مجادلہ بالباطل کی ایک
صورت یہ ہے جو کافر رسولوں کو یہ کہہ کر ان کی رسالت کا انکار کر دیتے رہے کہ تم تو ہمارے جیسے ہی انسان ہو ﴿مَنْ آتَاكُمْ
إِلَّا بِشُرِّ مِثْلِنَا﴾ ۱۵۔ ہم تمہیں رسول کس طرح تسلیم کر لیں؟ ذخص کے اصل معنی پھسلنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے
ذَحَضْتُ رَجُلُهُ (اس کا پیر پھسل گیا) یہاں سے یہ کسی چیز کے زوال (ٹلنے) اور بطلان کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔
کہتے ہیں۔ ذَحَضْتُ حُجَّتَهُ دُخُوضًا اِي تَطَلَّتْ (اس کی حجت باطل ہو گئی) اس لحاظ سے اَذَحَضَ يَذْحِضُ کے معنی
ہوں گے باطل کرنا (فتح القدیر)

(۱) یعنی ان کے اس ظلم عظیم کی وجہ سے کہ انہوں نے رب کی آیات سے اعراض کیا اور اپنے کرتوتوں کو بھولے رہے،
ان کے دلوں پر ایسے پردے اور ان کے کانوں پر ایسے بوجھ ڈال دیئے گئے ہیں جس سے قرآن کا سمجھنا سنا اور اس سے
ہدایت قبول کرنا ان کے لیے ناممکن ہو گیا۔ ان کو کتنا بھی ہدایت کی طرف بلالو، یہ کبھی بھی ہدایت کا راستہ اپنانے کے لیے
تیار نہیں ہوں گے۔

(۲) یعنی یہ تو رب غفور کی رحمت ہے کہ وہ گناہ پر فوراً گرفت نہیں فرماتا، بلکہ مصلحت دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پاداش
عمل میں ہر شخص ہی عذاب الہی کے شکنجے میں کسا ہوتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جب مصلحت عمل ختم ہو جاتی ہے اور ہدایت
کا وہ وقت آ جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ مقرر کئے ہوتا ہے تو پھر فرار کا کوئی راستہ اور بچاؤ کی کوئی سبیل ان کے لیے نہیں
رہتی۔ مَوِيلٌ کے معنی ہیں جائے پناہ، راہ فرار۔

مقرر کر رکھی تھی۔^(۱) (۵۹)

جبکہ موسیٰ نے اپنے نوجوان^(۲) سے کہا کہ میں تو چلتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے^(۳) سنگم پر پہنچوں خواہ مجھے سالہا سال چلنا پڑے۔^(۴) (۶۰)

جب وہ دونوں دریا کے سنگم پر پہنچے وہاں اپنی مچلی بھول گئے جس نے دریا میں سرنگ جیسا اپنا راستہ بنالیا۔ (۶۱)

وَاِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَتْلٰهٖ لَا اَبْرَحُ حَتّٰى اَبْلُغَ جَمْعَ الْبَحْرَيْنِ
اَوْ اَمْضٰى حَقْبًا ۝

قُلْنَا اَبْلُغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا نَبَيًّا ثُمَّ اُنۡفَخْنَا بِالسَّيۡفَةِ
فِي الْبَحْرَيْنِ ۝

(۱) اس سے مراد 'عاو ثمود اور حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام وغیرہ کی قومیں ہیں جو اہل حجاز کے قریب اور ان کے راستوں میں ہی تھیں۔ انہیں بھی اگرچہ ان کے ظلم کے سبب ہی ہلاک کیا گیا لیکن ہدایت سے پہلے انہیں پورا موقع دیا گیا اور جب یہ بات واضح ہو گئی کہ ان کا ظلم و ظفیان اس حد کو پہنچ گیا ہے، جہاں سے ہدایت کے راستے بالکل مسدود ہو جاتے ہیں اور ان سے خیر اور بھلائی کی امید باقی نہیں رہی، تو پھر ان کی مہلت عمل ختم اور تباہی کا وقت شروع ہو گیا۔ پھر انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔ یا اہل دنیا کے لیے عبرت کا نمونہ بنا دیا گیا۔ یہ دراصل اہل مکہ کو سمجھا جا رہا ہے کہ تم ہمارے آخری پیغمبر اور اشرف المرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رہے ہو، تم یہ نہ سمجھنا کہ تمہیں جو مہلت مل رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں کوئی پوچھنے والا نہیں بلکہ یہ مہلت تو سنت اللہ ہے جو ایک وقت موعود تک ہر فرد، گروہ اور قوم کو وہ عطا کرتا ہے۔ جب یہ مدت ختم ہو جائے گی اور تم اپنے کفر و عناد سے باز نہیں آؤ گے تو پھر تمہارا حشر بھی اس سے مختلف نہیں ہو گا جو تم سے پہلی قوموں کا ہو چکا ہے۔

(۲) نوجوان سے مراد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔

(۳) اس مقام کی تعیین کسی یقینی ذریعہ سے نہیں ہو سکی ہے تاہم قرآن کا اقتضا یہ ہے کہ اس سے مراد صحرائے سینا کا وہ جنوبی راس ہے جہاں خلیج عقبہ اور خلیج سویس دونوں آکر ملتے اور بحر احمر میں ضم ہو جاتے ہیں۔ دوسرے مقامات جن کا ذکر مفسرین نے کیا ہے ان پر سرے سے مجمع البحرین کی تعبیر ہی صادق نہیں آتی۔

(۴) حَقْبُ کے ایک معنی ۵۰ یا ۸۰ سال اور دوسرے معنی غیر معین مدت کے ہیں۔ یہاں یہی دو سرائع مراد ہے۔ یعنی جب تک میں مجمع البحرین (جہاں دونوں سمندر ملتے ہیں) نہیں پہنچ جاؤں گا، چلتا رہوں گا اور سفر جاری رکھوں گا، چاہے کتنا بھی عرصہ لگ جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سفر کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ انہوں نے ایک موقع پر ایک سائل کے جواب میں یہ کہہ دیا کہ اس وقت مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ جملہ پسند نہیں آیا اور وحی کے ذریعے سے انہیں مطلع کیا کہ ہمارا ایک بندہ (خضر) ہے جو تجھ سے بھی بڑا عالم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ یا اللہ اس سے ملاقات کس طرح ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، 'جہاں دونوں سمندر ملتے ہیں' وہیں ہمارا وہ

فَلَمَّا جَاؤَا قَالُوا لِقَتْنَا رَبَّنَا فَانْقَضَتْ قِيَمَاتُنَا سَرِيرًا
هَذَا نَصَبًا ۝

قَالَ ارْجِعْ اِذَا رَاٰ اِلَ الصَّخْرَةَ فَاِنَّ فِيْهَا لَمُتًا
وَمَا اَنْتَ بِبَيِّنَةٍ اِلَّا الظُّهْمُ اَنْ اَذْكُرُوْا وَاَتَّخِذْ سَبِيْلَهُ
فِي الْبَحْرِ جَهَنَّمَ ۝

قَالَ ذٰلِكَ مَا لَمْ يَنْبُؤْكَ اَنْتَ وَرَبُّكَ اَعْلَى الْاَرْشَامَا قَصَصًا ۝

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَيْنَاهُ وَحْيًا مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ

جب یہ دونوں وہاں سے آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے
نوجوان سے کہا کہ لا ہمارا کھانا دے ہمیں تو اپنے اس سفر
سے سخت تکلیف اٹھائی پڑی۔ (۶۲)

اس نے جواب دیا کہ کیا آپ نے دیکھا بھی؟ جبکہ ہم پتھر
سے ٹیک لگا کر آرام کر رہے تھے وہیں میں مچھلی بھوس گیا
تھا، دراصل شیطان نے ہی مجھے بھلا دیا کہ میں آپ سے
اس کا ذکر کروں۔ اس مچھلی نے ایک انوکھے طور پر
دریا^(۱) میں اپنا راستہ بنالیا۔ (۶۳)

موسیٰ نے کہا یہی تھا جس کی تلاش میں ہم تھے چنانچہ وہیں
سے اپنے قدموں کے نشان ڈھونڈتے ہوئے واپس^(۲)
لوٹے۔ (۶۴)

پس ہمارے بندوں میں سے ایک بندے^(۳) کو پایا جسے

بندہ بھی ہو گا۔ نیز فرمایا کہ مچھلی ساتھ لے جاؤ، جہاں مچھلی تمہاری نوکری (ذنبیل) سے نکل کر غائب ہو جائے تو سمجھ لینا کہ
یہی مقام ہے (بخاری، سورہ کف) چنانچہ اس حکم کے مطابق انہوں نے ایک مچھلی لی اور سفر شروع کر دیا۔

(۱) یعنی مچھلی زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے سمندر میں سرنگ کی طرح راستہ بنادیا۔ حضرت
یوشع علیہ السلام نے مچھلی کو سمندر میں جاتے اور راستہ بنتے ہوئے دیکھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتانا بھول
گئے۔ حتیٰ کہ آرام کر کے وہاں سے پھر سفر شروع کر دیا، اس دن اور اس کے بعد رات سفر کر کے جب دوسرے دن
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھکاوٹ اور بھوک محسوس ہوئی، تو اپنے جوان ساتھی سے کہا کہ لاؤ بھی کھانا، کھانا کھائیں۔
اس نے کہا، مچھلی تو، جہاں ہم نے پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کیا تھا، وہاں زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی تھی اور وہاں عجب
طریقے سے اس نے اپنا راستہ بنایا تھا، جس کا میں آپ سے تذکرہ کرنا بھول گیا۔ اور شیطان نے مجھے بھلا دیا۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، اللہ کے بندے! جہاں مچھلی زندہ ہو کر غائب ہوئی تھی، وہی تو ہمارا مطلوبہ مقام تھا،
جس کی تلاش میں ہم سفر کر رہے ہیں۔ چنانچہ اپنے نشانات قدم دیکھتے ہوئے پیچھے لوٹے اور اسی مجمع البحرین پر واپس
آگئے۔ فَصَصًا کے معنی ہیں پیچھے لگنا، پیچھے پیچھے چلنا۔ یعنی نشانات قدم کو دیکھتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔

(۳) اس بندے سے مراد حضرت خضر ہیں، جیسا کہ صحیح احادیث میں صراحت ہے۔ خضر کے معنی سرسبز اور شاداب کے
ہیں، یہ ایک مرتبہ سفید زمین پر بیٹھے تو وہ حصہ زمین ان کے نیچے سے سرسبز ہو کر لہلہانے لگا، اسی وجہ سے ان کا نام خضر
پڑ گیا (صحیح بخاری، تفسیر سورہ کف)

مِنْ لَدُنَّا عَلَمًا ۝

قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَعْبُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِي
مِمَّا مَلَئَتْ رُشْدًا ۝

قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝
وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۝

قَالَ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۝

قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُخْبِرَ
لَكَ مِنْهُ خَبْرًا ۝

ہم نے اپنے پاس کی خاص رحمت^(۱) عطا فرما رکھی تھی اور
اسے اپنے پاس سے خاص^(۲) علم سکھا رکھا تھا۔ (۶۵)
اس سے موسیٰ نے کہا کہ میں آپ کی تابعداری کروں؟
کہ آپ مجھے اس نیک علم کو سکھا دیں جو آپ کو
سکھایا گیا ہے۔ (۶۶)

اس نے کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔ (۶۷)
اور جس چیز کو آپ نے اپنے علم میں^(۳) نہ لیا ہو اس پر
صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟ (۶۸)

موسیٰ نے جواب دیا کہ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے
والا پائیں گے اور کسی بات میں میں آپ کی نافرمانی نہ
کروں گا۔ (۶۹)

اس نے کہا اچھا اگر آپ میرے ساتھ ہی چلنے پر اصرار
کرتے ہیں تو یاد رہے کسی چیز کی نسبت مجھ سے کچھ نہ
پوچھنا جب تک کہ میں خود اس کی نسبت کوئی تذکرہ نہ
کروں۔ (۷۰)

(۱) رَحْمَةً سے بعض مفسرین نے وہ خصوصی انعامات مراد لیے ہیں جو اللہ نے اپنے اس خاص بندے پر فرمائے اور اکثر
مفسرین نے اس سے مراد نبوت لی ہے۔

(۲) اس سے علم نبوت کے علاوہ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بہرہ ور تھے، بعض نکوئی امور کا علم ہے جس
سے اللہ تعالیٰ نے صرف حضرت خضر کو نوازا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی وہ علم نہیں تھا۔ اس سے استدلال
کرتے ہوئے بعض صوفیاء دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو 'جو نبی نہیں ہوتے' علم لدنی سے نوازتا ہے، جو بغیر
استاد کے محض مبداء فیض کی کرم گستری کا نتیجہ ہوتا ہے اور یہ باطنی علم، شریعت کے ظاہری علم سے 'جو قرآن و حدیث
کی صورت میں موجود ہے' مختلف بلکہ بعض دفعہ اس کے مخالف اور معارض ہوتا ہے لیکن یہ استدلال اس لیے صحیح
نہیں کہ حضرت خضر کی بابت تو اللہ تعالیٰ نے خود ان کو علم خاص دیئے جانے کی صراحت کر دی ہے، جب کہ کسی اور کے
لیے ایسی صراحت کہیں نہیں اگر اس کو عام کر دیا جائے تو پھر ہر شعبہ باز اس قسم کا دعویٰ کر سکتا ہے، چنانچہ اس طبقے میں
یہ دعوے عام ہی ہیں۔ اس لیے ایسے دعوؤں کی کوئی حیثیت نہیں۔

(۳) یعنی جس کا پورا علم نہ ہو۔

قَالُوا لَقَدْ أَهْلَكْنَا وَلَمْ نَكُنْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ۚ قَالُوا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِمْرًا ①

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْعَوْا مَعِيَ صَبْرًا ②

قَالَ لَا تُؤْخَذُ بِمَا نَصِبْتُ وَلَا تُزْهِقُنِي مِنْ أَمْرِي
عُزْرًا ③

قَالُوا لَقَدْ أَهْلَكْنَا وَلَمْ نَكُنْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ۚ قَالُوا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِمْرًا ④

پھر وہ دونوں چلے، یہاں تک کہ ایک کشتی میں سوار ہوئے، تو اس نے کشتی کے تختے توڑ دیئے، موسیٰ نے کہا کیا آپ اسے توڑ رہے ہیں تاکہ کشتی والوں کو ڈوبو دیں، یہ تو آپ نے بڑی (خطرناک) ہمت کر دی۔^(۱) (۷۱)

اس نے جواب دیا کہ میں نے تو پہلے ہی تجھ سے کہہ دیا تھا کہ تو میرے ساتھ ہرگز مبرنہ کر سکے گا۔ (۷۲)

موسیٰ نے جواب دیا کہ میری بھوس پر مجھے نہ پکڑیے اور مجھے اپنے کام میں غلگی میں نہ ڈالے۔^(۲) (۷۳)

پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ ایک^(۳) لڑکے کو پایا، اس نے اسے مار ڈالا، موسیٰ نے کہا کہ کیا آپ نے ایک پاک جان کو بغیر کسی جان کے عوض مار ڈالا؟ بیشک آپ نے تو بڑی ناہندیدہ حرکت کی۔^(۴) (۷۴)

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ اس علم خاص کی خبر نہیں تھی جس کی بنا پر خطر نے کشتی کے تختے توڑ دیئے تھے، اس لیے مبرنہ کر سکے اور اپنے علم و فہم کے مطابق اسے نہایت ہولناک کام قرار دیا، منرا کے معنی ہیں الذابغة العظيمة "بڑا ہیبت ناک کام"۔

(۲) یعنی میرے ساتھ میرا معاملہ کریں، سختی کا نہیں۔

(۳) غلام سے مراد بالغ جوان بھی ہو سکتا ہے اور نابالغ بچہ بھی۔

(۴) نكروا، قطعاً منکروا لا یعرف فی الشرع ایسا بڑا برا کام، جس کی شریعت میں معجائز نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں آنکرو من الامر الاول پہلے کام (کشتی کے تختے توڑنے) سے زیادہ برا کام۔ اس لیے کہ قتل ایسا کام ہے جس کا تدارک اور ازالہ ممکن نہیں۔ جب کہ کشتی کے تختے اکھڑوینا ایسا کام ہے جس کا تدارک اور ازالہ کیا جاسکتا ہے۔ بعض نے اس کے معنی کیے ہیں، پہلے کام سے کم تر اقل من الامر اس لیے کہ ایک جان کو قتل کرنا سارے کشتی والوں کو ڈوب دینے سے کم تر ہے۔ (فتح القدیر) لیکن پہلا مفہوم ہی انب ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو علم شریعت حاصل تھا، اس کی رو سے حضرت خضر کا یہ کام بہر حال خلاف شرع تھا، جس کی وجہ سے انہوں نے اعتراض کیا اور اسے نہایت برا کام قرار دیا۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ⑤

قَالَ اِنْ سَاَلْتَنِي عَنْ مَثِيٍّ فَاَعَدَّهَا فَلَاصُحْبَتِي قَدْ بَلَغْتَ
مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ⑥

فَاَنْطَلَقَا حَتَّىٰ اِذَا اَتَيَا اَهْلًا مِنْ قَوْمٍ لَّسْتَظْمًا اَهْلُهَا قَالُوْا اَنْ
يُضَيِّقُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُرِيدُ اَنْ يَنْقَضَ
فَاَقَامُوْهُمَا قَالَ لَوْ لَبِثْتَ لَخِذْتُ عَلَيْهِمْ جُزْءًا ⑦

قَالَ هٰذَا فِرْعٰوْنُ بَنِيۤىٕ وَبَنُوْهُ تَسٰوٰتُكَ تَاُوِيْلُ مَا لَوْ تَسْتَظْفِرُ

وہ کہنے لگے کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے
مہراہ رہ کر ہرگز مہر نہیں کر سکتے۔ (۷۵)

موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا اگر اب اس کے بعد
میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں تو بیشک
آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، یقیناً آپ میری طرف
سے (حد) عذر^(۱) کو پہنچ چکے۔ (۷۶)

پھر دونوں چلے ایک گاؤں والوں کے پاس آکر ان سے
کھانا طلب کیا تو انہوں نے ان کی مہمانداری سے صاف
انکار کر دیا،^(۲) دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گراہی
چاہتی تھی، اس نے اسے ٹھیک اور درست^(۳) کر دیا،
موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے اگر آپ چاہتے تو اس پر
اجرت لے لیتے۔^(۴) (۷۷)

اس نے کہا بس یہ جدائی ہے میرے اور تیرے درمیان،^(۵)

(۱) یعنی اب اگر سوال کروں تو اپنی مصاحبت کے شرف سے مجھے محروم کر دیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا، اس ہے
کہ آپ کے پاس معقول عذر ہو گا۔

(۲) یعنی یہ بخیلوں اور لٹیروں کی بستی تھی کہ مہمانوں کی مہمان نوازی سے ہی انکار کر دیا، وہاں حایکے مسافروں کو کھانا
کھانا اور مہمان نوازی کرنا ہر شریعت کی اخلاقی تعلیمات کا اہم حصہ رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مہمان نوازی
اور اکرام ضیعت کو ایمان کا تقاضا قرار دیا ہے۔ فرمایا: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، فَلْيُكْرِمْ صَبِيغَهُ، فَيُصِصْ
الْقَدِيرُ شرح الجامع الصغير ۲۰۹/۵، ”جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ مہمان کی عزت و
تکریم کرے۔“

(۳) حضرت خضر نے اس دیوار کو ہاتھ لگایا اور اللہ کے حکم سے وہ معجزانہ طور پر سیدھی ہو گئی۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی
روایت سے واضح ہے۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام، جو اہل بستی کے رویے سے پہلے ہی کبیہہ خاطر تھے، حضرت خضر کے اس بلا معاوضہ
احسان پر خاموش نہ رہ سکے اور بول پڑے کہ جب ان بستی والوں نے ہماری مسافرت، ضرورت مندی اور شرف و فضل
کسی چیز کا بھی لحاظ نہیں کیا تو یہ لوگ کب اس لائق ہیں کہ ان کے ساتھ احسان کیا جائے؟

(۵) حضرت خضر نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام، یہ تیسرا موقع ہے کہ تو مہر نہیں کر سکا اور اب خود تیرے کہنے کے مطابق
میں تجھے ساتھ رکھنے سے معذور ہوں۔

عَلَيْهِ صَلَوَاتُ ۝

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ
أَنْ أَعْبُدَهَا وَكَانَ وَرَاءَ هُمُ نَافِثٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝

وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِنَا لَهُمْ أَنْ يَقُولَا هُمَا طَغِيَانَا
وَالْقَوْمُ ۝

اب میں تھے ان باتوں کی اصلیت بھی بتا دوں گا جس پر تجھ
سے صبر نہ ہو سکا۔ (۷۸)

کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کاج کرتے
تھے۔ میں نے اس میں کچھ توڑ پھوڑ کرنے کا ارادہ کر لیا
کیونکہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک (صحیح مسلم)
کشتی کو جبراً ضبط کر لیتا تھا۔ (۷۹)

اور اس لڑکے کے ماں باپ ایمان والے تھے۔ ہمیں
خوف ہوا کہ کہیں یہ انہیں اپنی سرکشی اور کفر سے عاجز و
پریشان نہ کر دے۔ (۸۰)

(۱) لیکن جدائی سے قبل حضرت خضر نے تینوں واقعات کی حقیقت سے انہیں آگاہ اور باخبر کرنا ضروری خیال کیا تاکہ
موسیٰ علیہ اسلام کسی مفالے کا شکار نہ رہیں اور وہ یہ سمجھ لیں کہ علم نبوت اور ہے جس سے انہیں نوازا گیا ہے اور
بعض نکوئی امور کا علم اور ہے جو اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت حضرت خضر کو دیا گیا ہے اور اسی کے مطابق انہوں
نے ایسے کام کیے جو علم شریعت کی رو سے جائز نہیں تھے اور اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ اسلام بجا طور پر ان پر خاموش
نہیں رہ سکے تھے۔ انہی نکوئی امور کی انجام دہی کی وجہ سے بعض اہل علم کی رائے ہے کہ حضرت خضر انسانوں میں سے
نہیں تھے اور اسی لیے وہ ان کی نبوت و رسالت یا ولایت کی بحث میں نہیں پڑتے کیوں کہ یہ سارے من صلب تو انسانوں
کے ساتھ ہی خاص رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ فرشتے تھے لیکن اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی کو بعض نکوئی امور سے مطلع
کر کے ان کے ذریعے سے وہ کام کروالے تو اس میں بھی کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔ جب وہ صاحب وحی خود اس امر کی
وضاحت کر دے کہ میں نے یہ کام اللہ کے حکم سے ہی کیے ہیں تو گو بظاہر وہ خلاف شریعت ہی نظر آتے ہوں لیکن جب
ان کا تعلق ہی نکوئی امور سے ہے تو وہاں جواز اور عدم جواز کی بحث ہی غیر ضروری ہے۔ جیسے نکوئی احکامات کے تحت
کوئی بیمار ہوتا ہے کوئی مرتا ہے کسی کا کاروبار تباہ ہو جاتا ہے قوموں پر عذاب آتا ہے ان میں سے بعض کام بعض دفعہ
بہ اذن الہی فرشتے ہی کرتے ہیں تو جس طرح یہ امور آج تک کسی کو خلاف شریعت نظر نہیں آئے۔ اسی طرح حضرت
خضر کے ذریعے سے وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا تعلق بھی چوں کہ امور تکوینیہ سے ہے اس لیے انہیں شریعت
کی ترازو میں تو سنا ہی غیر صحیح ہے۔ البتہ اب وحی و نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد کسی شخص کا اس قسم کا دعویٰ ہرگز
صحیح اور قابل تسلیم نہیں ہو گا جیسا کہ حضرت خضر سے منقول ہے کیوں کہ حضرت خضر کا معبود تو نص قرآنی سے ثابت
ہے اس لیے مجال انکار نہیں۔ لیکن اب جو بھی اس قسم کا دعویٰ یا عمل کرے گا اس کا انکار لازمی اور ضروری ہے کیوں
کہ اب وہ یقینی ذریعہ علم موجود نہیں ہے جس سے اس کے دعوے اور عمل کی حقیقت واضح ہو سکے

اس لیے ہم نے چاہا کہ انہیں ان کا پروردگار اس کے بدلے اس سے بہتر پاکیزگی والا اور اس سے زیادہ محبت اور پیار والا پکے عنایت فرمائے۔ (۸۱)

دیوار کا قصہ یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم بچے ہیں جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن ہے، ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا تو تیرے رب کی چاہت تھی کہ یہ دونوں یتیم اپنی جوانی کی عمر میں آکر اپنا یہ خزانہ تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے نکال لیں، میں نے اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کیا،^(۱) یہ تھی اصل حقیقت ان واقعات کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔ (۸۲)

آپ سے ذوالقرنین کا واقعہ یہ لوگ دریافت کر رہے ہیں،^(۲) آپ کہہ دیجئے کہ میں ان کا تھوڑا سا حال تمہیں پڑھ کر سنا تا ہوں۔ (۸۳)

فَارَدْنَاكَ اَنْ يُبَدِّلَهُمَا رُحْمًا خَيْرًا مِنْهُ لَوْ كُنَّا وَاقِفًا رَحْمًا ۝

وَاَمَّا الْيَتِيمَ الَّذِي كَانَ لِعَلْمَيْنٍ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزُهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَسْلُقَا أَشَدُّهُمَا ذُخْرًا فَكَرِهْنَاهُ لِزَخْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ وَمَا ضَلَّتْ عَنْ أَمْرِي ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝

وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ۝

(۱) حضرت خضر کی نبوت کے قائلین کی یہ دوسری دلیل ہے جس سے وہ نبوت خضر کا اثبات کرتے ہیں۔ کیونکہ کسی بھی غیر نبی کے پاس اس قسم کی وحی نہیں آتی کہ وہ اتنے اتنے اہم کام کسی اشارہ غیبی پر کروے، نہ کسی غیر نبی کا ایسا اشارہ غیبی قابل عمل ہی ہے۔ نبوت خضر کی طرح حیات خضر بھی ایک حلقے میں مختلف فیہ ہے اور حیات خضر کے قائلین بہت سے لوگوں کی ملاقاتیں حضرت خضر سے ثابت کرتے ہیں اور پھر ان سے ان کے اب تک زندہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں لیکن جس طرح حضرت خضر کی زندگی پر کوئی نص شرعی نہیں ہے، اسی طریقے سے لوگوں کے مکاشفات یا حالت بیداری یا نوم میں حضرت خضر سے ملنے کے دعوے بھی قابل تسلیم نہیں۔ جب ان کا حلیہ ہی مستند ذریعے سے منقول نہیں ہے تو ان کی شناخت کس طرح ممکن ہے؟ اور کیوں کر یقین کیا جاسکتا ہے کہ جن بزرگوں نے ملنے کے دعوے کیے ہیں، واقعی ان کی ملاقات خضر موسیٰ علیہ السلام سے ہی ہوئی ہے، خضر کے نام سے انہیں کسی نے دھوکہ اور فریب میں مبتلا نہیں کیا۔

(۲) یہ مشرکین کے اس تیسرے سوال کا جواب ہے جو یہودیوں کے کہنے پر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے تھے ذوالقرنین کے لفظی معنی دو سیگوں والے کے ہیں۔ یہ نام اس لیے پڑا کہ فی الواقع اس کے سر پر دو سیگ تھے یا اس لیے کہ اس نے مشرق و مغرب دنیا کے دونوں کناروں پر پہنچ کر سورج کے قرن یعنی اس کی شعاع کا مشاہدہ کیا، بعض کہتے ہیں کہ اس کے سر پر بالوں کی دو لٹیں تھیں، قرن بالوں کی لٹ کو بھی کہتے ہیں۔ یعنی دونوں یا دو مینڈھیوں یا دو زلفوں دار۔ قدیم مفسرین نے بالعموم اس کا مصداق سکندر رومی کو قرار دیا ہے جس کی فتوحات کا دائرہ مشرق و مغرب تک پھیلا

إِنَّمَا مَثَلُهَا فِي الْأَرْضِ وَاتَّبِعْهُ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ سَبَبًا ①

فَاتَّبِعْ سَبَبًا ②

حَتَّىٰ يَدْرَأَيْكَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجِدَّهَا تَقَرَّبُ فِي عَيْنِ حِمَّةٍ

ہم نے اسے زمین میں قوت عطا فرمائی تھی اور اسے ہر چیز کے ^(۱) سلمان بھی علت کر دیے تھے۔ (۸۴)
وہ ایک راہ کے پیچھے لگا۔ ^(۲) (۸۵)

یہاں تک کہ سورج ڈوبنے کی جگہ پہنچ گیا اور اسے ایک دلدل کے چشے میں غروب ہوتا ہوا پایا ^(۳) اور اس چشے

ہوا تھا۔ لیکن جدید مفسرین جدید تاریخی معلومات کی روشنی میں اس سے اتفاق نہیں کرتے بالخصوص سورنا اور انکلام آزاد مرحوم نے اس پر جو داد تحقیق دی ہے اور اس شخص کی دریافت میں جو محنت و کاوش کی ہے وہ نہایت قابل قدر ہے۔ ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے ۱۔ کہ اس ذوالقرنین کی بابت قرآن نے صراحت کی ہے کہ وہ ایسا حکمران تھا جس کو اللہ نے اسباب و وسائل کی فراوانی سے نوازا تھا ۲۔ وہ مشرق اور مغربی ممالک کو فتح کرتا ہوا ایک ایسے پہاڑی درے پر پہنچا جس کی دوسری طرف یاجوج اور ماجوج تھے۔ ۳۔ اس نے وہاں یاجوج ماجوج کا راستہ بند کرنے کے لیے ایک نہایت محکم بند تعمیر کیا ۴۔ وہ عادی اللہ کو ماننے والا اور آخرت پر ایمان رکھنے والا تھا ۵۔ وہ نفس پرست اور مال و دولت کا حریص نہیں تھا۔ مولانا مرحوم فرماتے ہیں کہ ان خصوصیات کا حامل صرف فارس کا وہ عظیم حکمران ہے جسے یونانی سائرس، عبرانی خورس، اور عرب کیمرو کے نام سے پکارتے ہیں اس کا دور حکمرانی ۵۳۹ قبل مسیح ہے۔ نیز فرماتے ہیں ۱۸۳۸ء میں سائرس کے ایک مجسمے کا بھی انکشاف ہوا جس میں سائرس کا جسم اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اس کے دونوں طرف عقاب کی طرح پر لٹکے ہوئے ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینک ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر ترجمان القرآن ج ۱ ص ۳۹۹-۴۰۰ طبع قدیم) واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) سَبَب کے اصلی معنی رسی کے ہیں اس کا اطلاق ایسے ذریعے اور وسیلے پر ہوتا ہے جو حصول مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس اعتبار سے سَبَب کے معنی ہیں ہم نے اسے ایسے ساز و سامان اور وسائل مہیا کیے جن سے کام لے کر اس نے فتوحات حاصل کیں دشمنوں کا غرور خاک میں ملایا اور ظالم حکمرانوں کو نیست و نابود کیا۔

(۲) دوسرے سبب کے معنی راستے کے کیے گئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے وسائل سے مزید وسائل تیار اور مہیا کیے جس طرح اللہ کے پیدا کردہ لوہے سے مختلف قسم کے ہتھیار اور اسی طرح دیگر خام مواد سے بہت سی اشیائیں بنائی جاتی ہیں۔

(۳) عَيْن سے مراد چشمہ یا سمندر ہے۔ حَبْتٌ کچڑ، دلدل، وَجَدَ (پایا) یعنی دیکھا یا محسوس کیا۔ مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین جب مغربی جہت میں ملک پر ملک فتح کرتا ہوا اس مقام پر پہنچ گیا۔ جہاں آخری آبادی تھی وہاں گدے لے پانی کا چشمہ یا سمندر تھا جو نیچے سے سیاہ معلوم ہوتا تھا اسے ایسا محسوس ہوا کہ گویا سورج اس چشے میں ڈوب رہا ہے ساحل سمندر سے یا دور سے جس کے آگے حد نظر تک کچھ نہ ہو غروب شمس کا نظارہ کرنے والوں کو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ سورج سمندر میں یا زمین میں ڈوب رہا ہے حالانکہ وہ اپنے مقام آسمان پر ہی ہوتا ہے۔

وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا قُلْنَا يَبْنَؤُا الْقُرْنَيْنِ إِنَّمَا أَنْ
تُعَذِّبَ وَإِنَّمَا أَنْ تَجْعَدَ فِيهِمْ حُسْنًا ۝

قَالَ إِنَّمَا مِنْ ظَلَمٍ فَسَوْفَ نَعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ
عَذَابًا نَّكَرًا ۝

وَأَتَا مِنْ أَمَنْ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءُ الْحُسْنَىٰ وَسَنَقُولُ لَهُ
مِنْ أَمْرِنَا يُنْزِلًا ۝

ثُمَّ أَتَيْنَا نَبِيًّا ۝

حَقِّي إِذْ أَبْلَغَ مَطْلِعُ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَمْ يَلْعَلْ
لَهُمْ مِنْ دُونِهَا يَسْتَرْوُونَ ۝

كَذَلِكَ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝

کے پاس ایک قوم کو بھی پایا، ہم نے فرما دیا ^(۱) کہ اسے
ذوالقرنین! یا تو تو انہیں تکلیف پہنچائے یا ان کے
بارے میں تو کوئی بہترین روش اختیار کرے۔ ^(۲) (۸۶)
اس نے کہا کہ جو ظلم کرے گا اسے تو ہم بھی اب سزا دیں
گے ^(۳) پھر وہ اپنے پروردگار کی طرف موٹایا جائے گا اور
وہ اسے سخت تر عذاب دے گا۔ (۸۷)

ہاں جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرے اس کے لیے تو
بدلے میں بھلائی ہے اور ہم اسے اپنے کام میں بھی
آسانی ہی کا حکم دیں گے۔ (۸۸)
پھر وہ اور راہ کے پیچھے لگا۔ ^(۴) (۸۹)

یہاں تک کہ جب سورج نکلنے کی جگہ تک پہنچا تو اسے
ایک ایسی قوم پر ٹکٹا پایا کہ ان کے لیے ہم نے اس سے
اور کوئی اوٹ نہیں بنائی۔ ^(۵) (۹۰)

واقعہ ایسا ہی ہے اور ہم نے اس کے پاس کی کل خبروں کا
احاطہ ^(۶) کر رکھا ہے۔ (۹۱)

(۱) قُلْنَا (ہم نے کہا) بذریعہ وحی اسی سے بعض علما نے ان کی نبوت پر استدلال کیا ہے۔ اور جو ان کی نبوت کے قائل
نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس وقت کے پیغمبر کے ذریعے سے ہم نے اس سے کہا۔

(۲) یعنی ہم نے اس قوم پر غلبہ دے کر اختیار دے دیا کہ چاہے تو اسے قتل کرے اور قیدی بنائے یا ندیہ دے کر یا بطور
احسان چھوڑ دے۔

(۳) یعنی جو کفر و شرک پر جمار ہے گا اسے ہم سزا دیں گے یعنی پچھلی غلطیوں پر مواخذہ نہیں ہو گا۔

(۴) یعنی اب مغرب سے مشرق کی طرف سفر اختیار کیا۔

(۵) یعنی ایسی جگہ پہنچ گیا جو مشرقی جانب کی آخری آبادی تھی اسی کو مطلع الشمس کہا گیا ہے۔ جہاں اس نے ایسی قوم
دیکھی جو مکانوں میں رہنے کی بجائے میدانوں اور صحراؤں میں بیراکیے ہوئے لباس سے بھی آزاد تھی۔ یہ مطلب ہے
ان کے اور سورج کے درمیان کوئی پردہ اور اوٹ نہیں تھی۔ سورج ان کے ننگے جسموں پر طلوع ہوتا۔

(۶) یعنی ذوالقرنین کی بابت ہم نے جو بیان کیا ہے وہ اسی طرح ہے کہ پہلے وہ منہائے مغرب اور پھر منہائے مشرق میں
پہنچا اور ہمیں اس کی تمام صلاحیتوں، اسباب و وسائل اور دیگر تمام باتوں کا پورا علم ہے۔

لَمْ أَتِبْ سَبِيًّا ۝۱۰

حَقِّي إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِنَا قَوْمًا يَخَافُونَ

يَقْفَهُونَ قَوْلًا ۝۱۱

قَالُوا يَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّا يَا جُوعَ وَمَا جُوعَ مُفْسِدُونَ فِي

لَا تُضِي قَهْلَ فَعَمَلْ لَكَ خَرَجًا عَلَّ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَنَا

وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝۱۲

قَالَ مَا مَكِّي فِيهِ رِيٌّ خَيْرٌ فَأَيُّنُونِي بِعَوْنِ اللَّهِ أَجْعَلَ بَيْنَكُمْ

وَبَيْنَهُمْ رَدًّا مَّا ۝۱۳

الْثَوْنِ زُبُرًا لَعَنِي حَقِّي إِذَا سَاوَى بَيْنَ الصَّدَقَيْنِ قَالَ انصُتُوا

حَقِّي إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ الْثَوْنِ أَفْخِرُ عَلَيْهِ يَطْرَأُ ۝۱۴

وہ پھر ایک سفر کے سامان میں لگا۔^(۱) (۹۲)

یہاں تک کہ جب دو دیواروں^(۲) کے درمیان پہنچا ان دونوں کے پرے اس نے ایک ایسی قوم پائی جو بات سمجھنے کے قریب بھی نہ تھی۔^(۳) (۹۳)

انہوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین! ^(۴) یا جوج ماجوج اس ملک میں (بڑے بھاری) فساد ہی ہیں،^(۵) تو کیا ہم آپ کے لیے کچھ خرچ کا انتظام کر دیں؟ (اس شرط پر کہ) آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دیں۔ (۹۴)

اس نے جواب دیا کہ میرے اختیار میں میرے پروردگار نے جو دے رکھا ہے وہی بہتر ہے، تم صرف قوت^(۶) طاقت سے میری مدد کرو۔ (۹۵)

میں تم میں اور ان میں مضبوط حجاب بنا دیتا ہوں۔ مجھے لوہے کی چادریں لا دو۔ یہاں تک کہ جب ان دونوں پہاڑوں کے درمیان دیوار برابر کر دی^(۷) تو حکم دیا کہ آگ تیز جلاؤ تاوقتیکہ لوہے کی ان چادروں کو بالکل

(۱) یعنی اب اس کا رخ کسی اور طرف ہو گیا۔

(۲) اس سے مراد دو پہاڑ ہیں جو ایک دوسرے کے مقابل تھے، ان کے درمیان کھائی تھی جس سے یا جوج ماجوج ادھر آبادی میں آجاتے اور اودھم مچاتے اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتے۔

(۳) یعنی اپنی زبان کے سوا کسی اور کی زبان نہیں سمجھتی تھی۔

(۴) ذوالقرنین سے یہ خطاب یا تو کسی ترجمان کے ذریعے ہوا ہو گا یا اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو جو خصوصی اسباب و مسائل مہیا فرمائے تھے، انہی میں مختلف زبانوں کا علم بھی ہو سکتا ہے اور یوں یہ خطاب براہ راست بھی ہو سکتا ہے۔

(۵) یا جوج ماجوج یہ دو قومیں ہیں اور حدیث صحیح کے مطابق نسل انسانی میں سے ہیں اور ان کی تعداد دوسری انسانوں کے مقابلے میں زیادہ ہوگی اور انہی سے جہنم زیادہ بھرے گی (صحیح بخاری تفسیر سورہ الحج والبرقائ)

باب إن دلولة الساعة شيء عظيم. ومسلم: كتاب الإيمان، باب "قوله يقول الله لا آدم" أخرجه بعث النار

(۶) قوت سے مراد یعنی تم مجھے تعمیراتی سامان اور رجال کا مہیا کرو

(۷) بَيْنَ الصَّدَقَيْنِ یعنی دونوں پہاڑوں کے سروں کے درمیان جو خلا تھا اسے لوہے کی چھوٹی چھوٹی چادروں سے پر کر دیا

آگ کر دیا، تو فرمایا میرے پاس لاؤ اس پر پکھلا ہوا
تانبا ڈال دوں۔^(۱) (۹۶)

پس تو ان میں اس دیوار کے اوپر چڑھنے کی طاقت تھی
اور نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکتے تھے۔ (۹۷)

کہا یہ صرف میرے رب کی مہربانی ہے ہاں جب میرے
رب کا وعدہ آئے گا تو اسے زمین بوس کر دے گا،^(۲)
بیشک میرے رب کا وعدہ سچا اور حق ہے۔ (۹۸)

فَمَا اسْتَطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوا وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ۝

قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي فَاذْجَبُوا وَاعْتَذِرْ بِنَجْوَاهُمْ
وَمَا كَانَ وَعْدُ رَبِّي لَكُمْ كَذِبًا ۝

(۱) فِعْطَرًا۔ پکھد ہوا سیسہ یا بوبایا تانبا۔ یعنی لوہے کی چادروں کو خوب گرم کر کے ان پر پکھد ہوا بوبایا تانبا یا سیسہ ڈالنے سے
وہ پہاڑی ورہ یا راستہ ایسا مضبوط ہو گیا کہ اسے عبور کر کے یا توڑ کر یا جوج و ماجوج کا دھردل سری انسانی آہدیوں میں آنا
ناممکن ہو گیا۔

(۲) یعنی یہ دیوار اگرچہ بڑی مضبوط بنا دی گئی جس کے اوپر چڑھ کر یا اس میں سوراخ کر کے یا جوج و ماجوج کا دھردل آنا
ممکن نہیں ہے لیکن جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر کے زمین کے برابر کر دے گا، اس وعدے
سے مراد قیامت کے قریب یا جوج و ماجوج کا ظہور ہے جیسا کہ احادیث میں ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے اس دیوار میں تھوڑے سے سوراخ کو فتنے کے قریب ہونے سے تعبیر فرمایا (صحیح بخاری، نمبر ۳۳۳۶، 'مسلم'
نمبر ۲۲۰۸) ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ وہ ہر روز اس دیوار کو کھودتے ہیں اور پھر کل کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن
جب اللہ کی مشیت ان کے خروج کی ہوگی تو پھر وہ کہیں گے کل ان شاء اللہ اس کو کھودیں گے اور پھر دوسرے دن وہ
اس سے نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ زمین میں فساد پھیلانے کے حتیٰ کہ لوگ قلعہ بند ہو جائیں گے، یہ آسمانوں پر
تیر پھینکیں گے جو خون آلودہ لٹیں گے، بلا آخر اللہ تعالیٰ ان کی گدیوں پر ایسا کیزا پیدا فرمادے گا جس سے ان کی ہدایت
واقع ہو جائے گی۔ اسناد احمد ۱۲ / ۵۱۱، جامع ترمذی نمبر ۳۱۵۳، والاحادیث الصحیحة للالبانی نمبر
۱۴۳۵، صحیح مسلم میں نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت میں صراحت ہے کہ یا جوج و ماجوج کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کے نزول کے بعد ان کی موجودگی میں ہو گا، کتاب العنص وأشراف الساعة، باب ذکر الدجال، جس سے ان حضرات
کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ تاتاریوں کا مسلمانوں پر حملہ یا منگول ترک جن میں سے چنگیز بھی تھا یا روسی یا چینی
قومیں یہی یا جوج و ماجوج ہیں، جن کا ظہور ہو چکا یا مغربی قومیں ان کا مصداق ہیں کہ پوری دنیا میں ان کا غلبہ و تسلط ہے۔
یہ سب باتیں غلط ہیں کیوں کہ ان کے غلبے سے سیاسی غلبہ مراد نہیں ہے بلکہ قتل و غارت گری اور شر و فساد کا وہ عارضی
غلبہ ہے جس کا مقابلہ کرنے کی طاقت مسلمانوں میں نہیں ہوگی، تاہم پھر وہابی مرض سے سب کے سب آن واحد میں
مترے اجل بن جائیں گے۔

وَتَرْكِبُنَا لَهُم بِوُجُوهِكُمْ يَوْمَئِذٍ بَعْضُ فِي الصُّورِ
فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ۝۹۹

وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرْضًا ۝

يَا الَّذِينَ كَانَتْ آيَاتُنَا فِي عِطَائِهِمْ عَنْ ذِكْرُنَا وَكَانُوا
لَا يَنْتَظِعُونَ سَمْعًا ۝

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ
دُونِ أَوْلِيَائِهِمْ إِنَّا لَنَاقِلُنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ۝

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝

الَّذِينَ ضَلَّ سَبِيلُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يُحْسِبُونَ
أَنَّهُمْ يُخْرِجُونَ صُنْعًا ۝

أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ

اس دن ہم انہیں آپس میں ایک دوسرے میں گڈمڈ
ہوتے ہوئے چھوڑ دیں گے اور صور پھونک دیا جائے گا
پس سب کو اکٹھا کر کے ہم جمع کر لیں گے۔ (۹۹)
اس دن ہم جہنم کو (بھی) کافروں کے سامنے لاکھڑا کر دیں
گے۔ (۱۰۰)

جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھی اور (ا) مر
حق) سن بھی نہیں سکتے تھے۔ (۱۰۱)

کیا کافر یہ خیال کیے بیٹھے ہیں؟ کہ میرے سوا وہ میرے
بندوں کو اپنا حمایتی بنا لیں گے؟ (سنو) ہم نے تو ان کفار کی
مصافی کے لیے جہنم کو تیار کر رکھا ہے۔ (۱۰۲)

کہہ دیجئے کہ اگر (تم کو تو) میں تمہیں بتا دوں کہ باعتبار
اعمال سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ (۱۰۳)

وہ ہیں کہ جنگی دنیوی زندگی کی تمام تر کوششیں بیکار ہو گئیں اور
وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔ (۱۰۴)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور
اس کی ملاقات سے کفر کیا، (۱۰۵) اس لیے ان کے اعمال

(۱) حَسِبَ، بمعنی ظن ہے اور عِبَادِي (میرے بندوں) سے مراد ملائکہ، مسیح علیہ اسلام اور دیگر صالحین ہیں جن کو
حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جاتا ہے، اسی طرح شیاطین و جنات ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔ اور استغناء زجر و توبخ
کے لیے ہے۔ یعنی غیر اللہ کے یہ بیماری کیا یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر اور میرے بندوں کی عبادت کر کے ان کی
حمایت سے میرے عذاب سے بچ جائیں گے؟ یہ ناممکن ہے، ہم نے تو ان کافروں کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے جس میں
جانے سے ان کو وہ بندے نہیں روک سکیں گے جن کی یہ عبادت کرتے اور ان کو اپنا حمایتی سمجھتے ہیں۔

(۲) یعنی اعمال ان کے ایسے ہیں جو اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہیں، لیکن بزعم خویش سمجھتے ہیں کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے
ہیں۔ اس سے مراد کون ہیں؟ بعض کہتے ہیں، 'یہود و نصاریٰ ہیں' بعض کہتے ہیں خوارج اور دیگر اہل بدعت ہیں، بعض
کہتے ہیں کہ مشرکین ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ آیت عام ہے جس میں ہر وہ فرد اور گروہ شامل ہے جس کے اندر مذکورہ
صفت ہوں گی۔ آگے ایسے ہی لوگوں کی بابت مزید وعیدیں بیان کی جا رہی ہیں۔

(۳) رب کی آیات سے مراد توحید کے وہ دلائل ہیں جو کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ آیات شرعی ہیں جو اس نے

اَعْمَالُهُمْ وَلَا تُقِيمُ لَهُمْ مَوَاقِفَهُمْ وَزَنَا ۝

ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمَ اَلَمْ تَرَوْا وَاعْتَدُوا الْيَقِيْنَ وَرُسُلٌ مُّرْسَلُوْنَ ۝

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّٰتُ الْوَارِثَةِ فِيْهَا ۝

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَمُوتُوْنَ عَنْهَا جَوْلًا ۝

قُلْ لَّوْكَانَ الْبَشَرُ مَادًّا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَآتَوْا السَّعٰرَ قَبْلَ اَنْ يَّمُنُوْا ۝

عارت ہو گئے پس قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن قائم نہ کریں گے۔^(۱۰۵)

حال یہ ہے کہ ان کا بدلہ جنم ہے کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کو مذاق میں اڑایا۔ (۱۰۶)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی اچھے کیے یقیناً ان کے لیے افرادِ مس^(۱۰۷) کے باغات کی مسمانی ہے۔ (۱۰۷) جہاں وہ ہمیشہ رہا کریں گے جس جگہ کو بدلنے کا کبھی بھی ان کا ارادہ ہی نہ ہو گا۔^(۱۰۸)

کہہ دیجئے کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے^(۱۰۹) لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو وہ بھی میرے رب کی

اپنی کتابوں میں نازل کیں اور پیغمبروں نے ان کی تبلیغ و توضیح کی۔ اور رب کی ملاقات سے کفر کا مطلب آخرت کی زندگی اور دوبارہ جی اٹھنے سے انکار ہے۔

(۱) یعنی ہمارے ہاں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی یا یہ مطلب ہے کہ ہم ان کے لیے میزان کا اہتمام ہی نہیں کریں گے کہ جس میں ان کے اعمال تولے جائیں، اس لیے کہ اعمال تو ان موعدین کے تولے جائیں گے جن کے نامہ اعمال میں نیکیاں اور برائیاں دونوں ہوں گی، جب کہ ان کے نامہ اعمال، مسنت سے بالکل خالی ہوں گے جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ”قیامت والے دن مونا تازہ آدمی آئے گا“ اللہ کے ہاں اس کا اتنا وزن نہیں ہو گا جتنا پچھر کے پر کا ہوتا ہے، پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ (صحیح بخاری۔ سورۃ الکہف)

(۲) جنتِ افرادِ مس، جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جب بھی تم اللہ سے جنت کا سوال کرو تو افرادِ مس کا سوال کرو“ اس لیے کہ وہ جنت کا اعلیٰ حصہ ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں پھونتی ہیں۔

(السجاری کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی السماء)

(۳) یعنی اہل جنت، جنت اور اس کی نعمتوں سے کبھی نہ اکتائیں گے کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور جگہ منتقل ہونے کی خواہش ظاہر کریں۔

(۴) کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم محیط، اس کی حکمتیں اور وہ دلائل و براہین ہیں جو اس کی وحدانیت پر دال ہیں انسانی عقلیں ان سب کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور دنیا بھر کے درختوں کے قلم بن جائیں اور سارے سمندر بلکہ ان کی مثل اور بھی سمندر ہوں، وہ سب سیاہی میں بدل جائیں، قلم کھس جائیں گے اور سیاہی ختم ہو جائے گی، لیکن رب کے کلمات اور اس کی حکمتیں ضبط تحریر میں نہیں آسکیں گی۔

كَلِمَاتٍ رَبِّي وَلَوْ جِئْتُ بِشَيْءٍ مِّدَّةٍ ①

قُلْ إِنَّمَا أَدْعِيكُمْ لِتَعْبُدُوا اللَّهَ الَّذِي هُوَ الْوَاحِدُ ۖ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۖ لَهُ كُنُوزٌ غَيْرُ مَعْدُودَةٍ ۚ لَئِنْ سَأَلْتُمْ عِلْمَ غُيُوبِهِ لَنُفَصِّلَنَّ لَكُمْ مِنْهُ نَبَأَ بَعْضِهَا وَلَئِنْ سَأَلْتُمْ عَنِ الْيَوْمِ الْآخِرِ لَنُبَشِّرَنَّكُمْ بِهِ ۚ إِنَّكُمْ فِي الْيَوْمِ الْآخِرِ لَمَعْرُودُونَ ۝

باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا، گو ہم اسی جیسا اور بھی اس کی مدد میں لے آئیں۔ (۱۰۹)
آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔^(۱) (ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے،^(۲) تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت^(۳) میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔ (۱۱۰)

سُورَةُ الْاٰنْكَارِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

كُلُّهُنَّ ۝ وَذَكَرَ حَبِيبَتِ رَبِّكَ عَبْدًا وَكِيدًا ②

سورہ مویم کی ہے اور اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔
شروع کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
کمیصص۔ (۱) یہ ہے تیرے پروردگار کی اس مہربانی کا ذکر جو اس نے اپنے بندے زکریا^(۲) پر کی تھی۔ (۲)

(۱) اس لیے میں بھی رب کی باتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

(۲) البتہ مجھے یہ امتیاز حاصل ہے کہ مجھ پر وحی الہی آتی ہے۔ اسی وحی کی بدولت میں نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق اللہ کی طرف سے نازل کردہ وہ باتیں بیان کی ہیں جن پر مردِ ایام کی دینر تمہیں پڑی ہوئی تھیں، ان کی حقیقت افسانوں میں کم ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں اس وحی میں سب سے اہم حکم یہ دیا گیا ہے کہ تم سب کا معبود صرف ایک ہے۔
(۳) عمل صالح وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو، یعنی جو اپنے رب کی ملاقات کا یقین رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ ہر عمل سنت نبوی کے مطابق کرے۔ اور دوسرے، اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس لیے کہ بدعت اور شرک دونوں ہی جہلِ اعمیٰ کا سبب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔

☆ ہجرت حبشہ کے واقعات میں بیان کیا گیا ہے کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور اسکے معاصین اور امرا کے سامنے جب سورہ مریم کا ابتدائی حصہ حضرت جعفر بن ابی طالب جو پڑھ کر سنایا تو ان سب کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور نجاشی نے کہا کہ یہ قرآن اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو لے کر آئے ہیں، یہ سب ایک ہی مشعل کی کرنیں ہیں (فتح القدیر)

(۳) حضرت زکریا علیہ السلام، انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ یہ بڑھتی تھی اور یہی پیشہ ان کا ذریعہ آمدنی تھا۔

اِذْ تَادِي رَبِّهٖ يَدًا مَّخْفِيَةً ۝

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَمَّ الْعَطْمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَیْئًا وَّلَا اَنْتَ

بَدُّ عَلَیْكَ رَبِّ شَیْئًا ۝

وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَ كَا نَتِ الْمَرْآئِیْنَ عَاقِرًا

لَقَهَبٍ مِنْ لَدُنْكَ وَ كَلَّا ۝

یٰرَبِّیْ رَعِیْتُ مِنْ اِلٰی یَعْقُوبَ وَ اَجَلْتُ رَبِّ رَءُوْفًا ۝

یٰرَبِّیْ اِنَّا كُنَّا نَعْبُدُکَ بِعُلْمِیْنَا مِمَّا یَعْنِیْ لَمْ نَحْمِلْ لَکَ مِنْ قَبْلِ

سَبِّیْنًا ۝

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ یٰلُکُنْ لِّیْ عِلْمٌ وَ کَا نَتِ الْمَرْآئِیْنَ عَاقِرًا

جبکہ اس نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی تھی۔ (۳)

کہ اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے، (۲) لیکن میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا۔ (۳)

مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے، (۴) میری بیوی بھی بانجھ ہے پس تو مجھے اپنے پاس سے (۵)

وارث عطا فرما۔ (۵)

جو میرا بھی وارث ہو اور یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان کا بھی جانشین اور میرے رب! تو اسے مقبول بندہ بنا لے۔ (۶)

اے زکریا! ہم تجھے ایک بچے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے، ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام بھی کسی کو نہیں کیا۔ (۷)

زکریا (علیہ السلام) کہنے لگے میرے رب! میرے ہاں لڑکا

(صحیح مسلم، باب من فضائل زکریا)

(۱) خفیہ دعا اس لیے کی کہ ایک تو یہ اللہ کو زیادہ پسند ہے کیوں کہ اس میں تضرع و انابت اور خشوع و خضوع زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ انہیں یہ قوف نہ قرار دیں کہ یہ بڑھاپا بڑھاپے میں اولاد مانگ رہا ہے جب کہ اولاد کے تمام ظاہری امکانات ختم ہو چکے ہیں۔

(۲) یعنی جس طرح لکڑی آگ سے بھڑک اٹھتی ہے اسی طرح میرا سر بالوں کی سفیدی سے بھڑک اٹھا ہے مراد ضعف و کبر (بڑھاپے) کا اظہار ہے۔

(۳) اور اسی لیے ظاہری اسباب کے فقدان کے باوجود تجھ سے اولاد مانگ رہا ہوں۔

(۴) اس ڈر سے مراد یہ ہے کہ اگر میرا کوئی وارث میری سند و عطا و ارشاد نہیں سنبھالے گا تو میرے قرابت داروں میں اور تو کوئی اس سند کا اہل نہیں ہے۔ نتیجتاً میرے قرابت دار بھی تیرے راستے سے گریز و انحراف نہ اختیار کریں۔

(۵) ”اپنے پاس سے“ کا مطلب یہی ہے کہ گو ظاہری اسباب اس کے ختم ہو چکے ہیں، لیکن تو اپنے فضل خاص سے مجھے اولاد سے نوازا دے۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے نہ صرف دعا قبول فرمائی بلکہ اس کا نام بھی تجویز فرمادیا۔

وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ①

قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّئٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ
مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُن شَيْئًا ②

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ
ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ③

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَدْبَىٰ آلِهَهُمْ أَن سَمِعُوهُ

کیسے ہو گا' جب کہ میری بیوی بانجھ اور میں خود بڑھاپے
کے انتہائی ضعف کو پہنچ چکا ہوں۔^(۸)

ارشاد ہوا کہ وعدہ اسی طرح ہو چکا 'تیرے رب نے فرما
دیا ہے کہ مجھ پر تو یہ بالکل آسان ہے اور تو خود جبکہ کچھ
نہ تھا میں تجھے پیدا کر چکا ہوں۔^(۹)

کہنے لگے میرے پروردگار میرے لیے کوئی علامت مقرر
فرما دے 'ارشاد ہوا کہ تیرے لیے علامت یہ ہے کہ
باوجود بھلا چنگا ہونے کے تو تین راتوں تک کسی شخص
سے بول نہ سکے گا۔^(۱۰)

اب زکریا (علیہ السلام) اپنے حجرے^(۱۱) سے نکل کر اپنی
قوم کے پاس آکر انہیں اشارہ کرتے ہیں کہ تم صبح و شام

(۱) عَاقِرٌ اس عورت کو بھی کہتے ہیں جو بڑھاپے کی وجہ سے اولاد بننے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی ہو اور اس کو بھی
کہتے ہیں جو شروع سے ہی بانجھ ہو۔ یہاں یہ دوسرے معنی میں ہی ہے۔ جو لکڑی سوکھ جائے اسے عِتِيًّا کہتے ہیں۔ مراد
بڑھاپے کا آخری درجہ ہے جس میں ہڈیاں اکڑ جاتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میری بیوی تو جوانی سے ہی بانجھ ہے اور میں
بڑھاپے کے انتہائی آخری درجے پر پہنچ چکا ہوں 'اب اولاد کیسے ممکن ہے؟ کہا جاتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی
اہلیہ کا نام اشع بنت فاقود بن میل ہے اور یہ حضرت حذہ (والدہ مریم) کی بہن ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح قول یہ لگتا ہے کہ
اشع بھی حضرت عمران کی دختر ہیں جو حضرت مریم کے والد تھے۔ یوں حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ حدیث صحیح سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ (فتح القدیر)

(۲) فرشتوں نے حضرت زکریا کا تعجب دور کرنے کے لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بیٹا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے جس کے
مطابق یقیناً تجھے بیٹا ملے گا اور یہ اللہ کے لیے قطعاً مشکل کام نہیں ہے کیوں کہ جب وہ تجھے نیست سے ہست کر سکتا ہے
تو تجھے ظاہری اسباب سے ہست کر بیٹا بھی دے سکتا ہے۔

(۳) راتوں سے مراد 'دن اور رات ہیں اور سَوِيًّا کا مطلب ہے بالکل ٹھیک ٹھاک 'تندرست' یعنی ایسی کوئی بیماری
نہیں ہو گی جو تجھے بولنے سے روک دے۔ لیکن اس کے باوجود تیری زبان سے گفتگو نہ ہو سکے تو سمجھ بیٹا کہ خوش خبری
کے دن قریب آگئے ہیں۔

(۴) مِخْرَآت سے مراد وہ حجرہ ہے جس میں وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ یہ حُرُوت سے ہے جس کے معنی لڑائی کے ہیں۔
گویا عبادت گاہ میں رہ کر اللہ کی عبادت کرنا ایسے ہے گویا وہ شیطان سے لڑ رہا ہے۔

لُزُومًا وَعَظِيمًا ①

يَسْتَعِي حُذِّ الْكِتَابِ بِمُؤَدَّةٍ وَأَتَيْنَهُ الْحُكْمَ صَبِيحًا ②

وَحَسَنًا مِّنْ كُدُنَا وَزُكُوفًا وَكَانَ تَوْبَةً ③

وَبَرَّابِ الدِّينِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ④

وَسَلَّمَ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ مَيِّتَ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ⑤

وَذَكَرْنَا لِكُنْزٍ مَّرْمُومٍ لِّمَا تَبَيَّنَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا

اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو۔ (۱۱)

”اے بچی! میری کتاب (۱۲) کو مضبوطی سے تھم لے“ اور ہم نے اسے لڑکھن ہی سے دانائی عطا فرمادی۔ (۱۳)

اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی بھی (۱۴) وہ پرہیزگار شخص تھا۔ (۱۵)

اور اپنے ماں باپ سے نیک سلوک کرنے والا تھا وہ سرکش اور گناہ گار نہ تھا۔ (۱۶)

اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔ (۱۷)

اس کتاب میں مریم کا بھی واقعہ بیان کر۔ جبکہ وہ اپنے گھر

(۱) صبح و شام اللہ کی تسبیح سے مراد عصر اور فجر کی نماز ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان دو وقتوں میں اللہ کی تسبیح و تحمید اور تنزیہ کا خصوصی اہتمام کرو۔

(۲) یعنی اللہ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو بچی علیہ السلام عطا فرمایا اور جب وہ کچھ بڑا ہوا تو ابھی بچہ ہی تھا اسے اللہ نے کتاب کو مضبوطی سے پکڑنے یعنی اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ کتاب سے مراد تو رات ہے یا ان پر مخصوص نازل کردہ کوئی کتاب ہے جس کا اب ہمیں علم نہیں۔

(۳) حُكْمٌ سے مراد دانائی، عقل، شعور کتاب میں درج احکام دینیہ کی سمجھ، علم و عمل کی جامعیت یا نبوت مراد ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اس امر میں کوئی مانع نہیں ہے کہ حکم میں یہ ساری ہی چیزیں داخل ہوں۔

(۴) حَسَنًا، شفقت، مہربانی، یعنی ہم نے اس کو والدین اور اقربا پر شفقت و مہربانی کرنے کا جذبہ اور اسے نفس کی آلائشوں اور گناہوں سے پاکیزگی و طہارت بھی عطا کی۔

(۵) یعنی اپنے ماں باپ کی یا اپنے رب کی نافرمانی کرنے والا نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے دس میں وادین کے لیے شفقت و محبت کا اور ان کی اطاعت و خدمت اور حسن سلوک کا جذبہ اللہ تعالیٰ پیدا فرمادے تو یہ اس کا خاص فضل و کرم ہے اور اس کے برعکس جذبہ یا رویہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل خاص سے محرومی کا نتیجہ ہے۔

(۶) تین مواقع انسان کے لیے سخت و حشت ناک ہوتے ہیں: ۱۔ جب انسان رحم مادر سے باہر آتا ہے ۲۔ جب موت کا شکنجہ اسے اپنی گرفت میں لیتا ہے ۳۔ اور جب اسے قبر سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو وہ اپنے کو میدانِ محشر کی ہون کیوں میں گھرا ہوا پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان تینوں جگہوں میں اس کے لیے ہماری طرف سے سلامتی اور امان ہے بعض اہل بدعت اس آیت سے یوم ولادت پر ”عید میلاد“ کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ لیکن کوئی ان سے پوچھے تو پھر یوم وفات پر ”عید وفات“ یا

شَرْقِيًّا ①

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا
فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ②

قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ③

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ④

قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَوْ
أَشَاءُ بَعِيًّا ⑤

کے لوگوں سے علیحدہ ہو کر مشرقی جانب آئیں۔ (۱۶)

اور ان لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا، (۱۷) پھر ہم نے اس
کے پاس اپنی روح (جبرائیل علیہ السلام) کو بھیجا پس وہ
اس کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ (۱۷)یہ کہنے لگیں میں تجھ سے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو
کچھ بھی اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ (۱۸)اس نے جواب دیا کہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں
تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں۔ (۱۹)کہنے لگیں بھلا میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے تو کسی
انسان کا ہاتھ تک نہیں لگا اور نہ میں بدکار ہوں۔ (۲۰)

”عید ممات“ بھی منانی ضروری ہوئی۔ کیوں کہ جس طرح یوم ولادت کے لیے ”سلام“ ہے یوم وفات کے لیے بھی سلام ہے۔ اگر محض لفظ ”سلام“ سے ”عید میلاد“ کا اثبات ممکن ہے تو پھر اسی لفظ سے ”عید وفات“ کا بھی اثبات ہوتا ہے۔ لیکن یہاں وفات کی عید تو کجا سرے سے وفات و ممات ہی کا انکار ہے۔ یعنی وفات نبوی ﷺ کا انکار کر کے نص قرآنی کا تو انکار کرتے ہی ہیں خود اپنے استدس کی رو سے بھی آیت کے ایک جز کو تو مانتے ہیں اور اسی آیت کے دو سرے جز سے ان ہی کے استدس کی روشنی میں جو ثابت ہوتا ہے اس کا انکار ہے۔ ﴿الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ الْكَافِرَاتُ وَالْمُؤْمِنَاتُ الْكَافِرَاتُ﴾ (البقرة: ۸۵) ”کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟“

(۱) یہ علیحدگی اور حجاب (پردہ) اللہ کی عبادت کی غرض سے تھا تاکہ انہیں کوئی نہ دیکھے اور یکسو حاصل رہے یہاں حجب کے لیے۔ اور مشرقی مکان سے مراد بیت المقدس کی مشرقی جانب ہے۔

(۲) دُوح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں جنہیں کامل انسانی شکل میں حضرت مریم کی طرف بھیجا گیا، حضرت مریم نے جب دیکھا کہ ایک شخص بے دھڑک اندر آیا ہے تو ڈر گئیں کہ یہ بری نیت سے نہ آیا ہو۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا میں وہ نہیں ہوں جو تو گمان کر رہی ہے بلکہ تیرے رب کا قاصد ہوں اور یہ خوش خبری دینے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے لڑکا عطا فرمائے گا، بعض قراءتوں میں لَيْسَ صِفَةً غَائِبَ ہے متکلم کا صیغہ (جو موجودہ قراءت میں ہے) اس لیے بولا کہ ظاہری اسباب کے لحاظ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری تھی جس سے باذن اللہ ان کو حمل ٹھہر گیا تھا۔ اس لیے ہمہ کا انتساب اپنی طرف کر لیا۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کا قول ہو اور یہاں حکایتاً نقل ہوا ہو۔ اس اعتبار سے تقدیر کلام یوں ہوگی ”أَزْسَلْنِي، يَقُولُ لَكَ أَزْسَلْتُ دَسُؤْلِي إِلَيْكَ لَأَهَتْ لَكِ“ (بسم النعماسمیر یعنی ”اللہ نے مجھے تیرے لیے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ میں نے تیری طرف اپنا قاصد یہ

قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ هَيْئَةٍ وَلَنَنصِلَنَّ آيَةً
لِّدَعَائِرٍ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝

فَنَحْنُ لَهُ فَاَنْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَوِيًّا ۝

فَلَجَّأَهَا إِلَىٰ الْمَعَاظِ إِلَىٰ جَذْرِ الْعُتْقَةِ قَالَتْ يَلَيْفَنِي مِنْكَ
قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مِّنْ سَيِّئَاتِي ۝

فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَا تَعْرِفِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكَ
تَحْتَكَ سَبِيلًا ۝

وَهُزِّي أَلَيْسَ بِجَذْرِ الْعُتْقَةِ لُحُوقًا حَكِيمًا

اس نے کہا بات تو یہی ہے،^(۱) لیکن تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ وہ مجھ پر بہت ہی آسان ہے ہم تو اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیں^(۲) گے اور اپنی خاص رحمت،^(۳) یہ تو ایک طے شدہ بات ہے۔^(۴) (۲۱)
پس وہ حمل سے ہو گئیں اور اسی وجہ سے وہ یکسو ہو کر ایک دور کی جگہ چلی گئیں۔ (۲۲)

پھر رد زہ اسے ایک کجور کے تنے کے نیچے لے آیا بولی کاش! میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور لوگوں کی یاد سے بھی بھولی بھری ہو جاتی۔^(۵) (۲۳)

اتنے میں اسے نیچے سے ہی آواز دی کہ آزرده خاطر نہ ہو تیرے رب نے تیرے پاؤں تلے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔ (۲۴)

اور اس کجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا یہ تیرے سامنے

بتلانے کے لیے بھیجا ہے کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بچہ عطا کروں گا۔ اس طرح حذف اور تقدیر کلام قرآن میں کئی جگہ ہے۔
(۱) یعنی یہ بات تو صحیح ہے کہ تجھے مرد سے مقاربت کا کوئی موقعہ نہیں ملا ہے، جائز طریقے سے نہ ناجائز طریقے سے۔ جب کہ حمل کے لیے علوانیہ ضروری ہے۔

(۲) یعنی میں اسباب عادیہ کا محتاج نہیں ہوں، میرے لیے یہ بالکل آسان ہے اور ہم اسے اپنی قدرت تحقیق کے لیے نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے قبل ہم نے تمہارے باپ آدم کو مرد اور عورت کے بغیر اور تمہاری ماں حوا کو صرف مرد سے پیدا کیا اور اب عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر کے جو تہی شکل میں بھی پیدا کرنے پر اپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور وہ ہے صرف عورت کے بطن سے بغیر مرد کے پیدا کرنا۔ ہم تخلیق کی چاروں صورتوں پر قادر ہیں

(۳) اس سے مراد نبوت ہے جو اللہ کی رحمت خاص ہے اور ان کے لیے بھی جو اس نبوت پر ایمان لائیں گے۔
(۴) یہ اسی کلام کا تہمہ ہے جو جبرائیل علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے نقل کیا ہے۔ یعنی یہ اعجازی تحقیق۔ تو اللہ کے علم اور اس کی قدرت و مشیت میں مقدر ہے۔

(۵) موت کی آرزو اس ڈر سے کی کہ میں بچے کے مسئلے پر لوگوں کو کس طرح مطمئن کر سکوں گی، جب کہ میری بات کی کوئی تصدیق کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہو گا اور یہ تصور بھی روح فرستاقہ کہ کہاں میری شہرت ایک عابدہ و زاہدہ کے طور پر ہے اور اس کے بعد لوگوں کی نظروں میں بدکار ٹھہروں گی۔

رُطِبًا بَعِيْنًا ۝

فَكَيْلٌ وَاشْرَبُّنَا وَقَرِيْنًا قَوَّامَاتٍ مِّنَ الْبَشَرِ اِحْدًا
فَقَوْلِيْ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اَكْلُمَ الْيَوْمَ لَيْسِيًّا ۝

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحِيْلَةً ۚ قَالُوْا اَيْسَرَ لَمَّا جَعَلْتَ لَيْسِيًّا ۙ

يَا لَيْسَتِ لَهْرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْلَہٗ اَمْرًا سُوْءًا وَّمَا كَانَتْ اُمَّكَ بَعِيْنًا ۙ

فَاَشَارَتْ اِلَيْہٖا قَالُوْا كَيْفَ نَحْمِلُہٗ مِنْ كَانَ فِي الْہٰمِ ذٰہِيًّا ۝

قَالَ اِنِّيْ عِبْدُ اللّٰهِ اَشِدِّي الْكَيْلَ وَجَعَلْنِيْ بَعِيْنًا ۝

تو تازہ کی کھجوریں گرا دے گا۔^(۱) (۲۵)اب چین سے کھاپی اور آنکھیں ٹھنڈی رکھ،^(۲) اگر تجھے
کوئی انسان نظر پڑ جائے تو کہہ^(۳) دنیا کہ میں نے اللہ
رضن کے نام کا روزہ مان رکھا ہے۔ میں آج کسی شخص
سے بات نہ کروں گی۔ (۲۶)اب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو لیے ہوئے وہ اپنی قوم
کے پاس آئیں۔ سب کہنے لگے مریم تو نے بڑی بری
حرکت کی۔ (۲۷)اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ
تیری ماں بدکار تھی۔ (۲۸)مریم نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ سب کہنے لگے کہ
لو بھلا ہم گود کے بچے سے باتیں کیسے کریں؟ (۲۹)بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے
کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا پیغمبر بنایا^(۵) ہے۔ (۳۰)

(۱) سَرِبًا چھوٹی نہریا پانی کا چشمہ۔ یعنی بطور کرامت اور خرق عادت اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے پاؤں تلے پینے کے لیے پانی کا اور کھانے کے لیے ایک سوکھے ہوئے درخت میں پکی ہوئی تازہ کھجوروں کا انتظام کر دیا۔ ندادینے والے حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے جنہوں نے وادی کے نیچے سے آواز دی اور کہا جاتا ہے کہ سَرِبٌ بمعنی سردار ہے اور اس سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور انہی نے حضرت مریم کو نیچے سے آواز دی تھی۔

(۲) یعنی کھجوریں کھا، چشمے کا پانی پی اور بچے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر۔

(۳) یہ کہنا بھی اشارے سے تھا، زبان سے نہیں علاوہ ازیں ان کے ہاں روزے کا مطلب ہی کھانے اور بولنے سے پرہیز تھا۔

(۴) ہارون سے مراد ممکن ہے ان کا کوئی بیٹی یا علاقائی بھائی ہو، یہ بھی ممکن ہے ہارون سے مراد ہارون رسوں (برادر موسیٰ علیہ السلام) ہی ہوں اور عربوں کی طرح ان کی نسبت اخوت ہارون کی طرف کر دی جیسے کہا جاتا ہے يَا اَخَانَا عِيسٰی يَا اَخَا الْغُرَبِ وغیرہ یا تقویٰ و پاکیزگی اور عبادت میں حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح انہیں سمجھتے ہوئے انہیں مشابہت اور مشابہت میں اخت ہارون کہا ہو اس کی مثالیں قرآن کریم میں بھی موجود ہیں (السر التعمیر و ابن کثیر)

(۵) یعنی تھو قدر ہی میں اللہ نے میرے لیے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ وہ مجھے کتاب اور نبوت سے نوازے گا۔

وَجَعَلُوا مِنْكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَذَكَّرُوا أَتَىٰ بِهَا لُحْمًا وَأَرْجًا مِّمَّنْ يَمِيزُ الْفَقِيرَ وَالْغَنِيَّ ۚ
مَا دُمْتُ حَيًّا ۝

وَبَرَّ الْوَالِدَ ۚ وَلَمْ يَجْعَلْ لِّي جَنًّا أَشَقِيًّا ۝

وَالشَّاهِدُ عَلَىٰ يَوْمٍ أَهْلًا ۚ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ
حَيًّا ۝

ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝

مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحَنَهُ إِذَا تَقَضَّىٰ أَمْرًا
فَأَمَّا يَقُولُ لَهٗ لَكُنْ فَيَكُونُ ۝

اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے^(۱) جہاں بھی میں ہوں
اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک بھی
میں زندہ رہوں۔ (۳۱)

اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے^(۲) اور
مجھے سرکش اور بد بخت نہیں کیا۔^(۳) (۳۲)

اور مجھ پر میری پیدائش کے دن اور میری موت کے دن
اور جس دن کہ میں دوبارہ زندہ کھڑا کیا جاؤں گا، سلام ہی
سلام ہے۔ (۳۳)

یہ ہے صحیح واقعہ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کا، یہی ہے وہ
حق بات جس میں لوگ شک و شبہ میں مبتلا ہیں۔^(۴) (۳۴)

اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا ناقص نہیں، وہ تو بالکل پاک
ذات ہے، وہ تو جب کسی کام کے سرانجام دینے کا ارادہ
کرتا ہے تو اسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتا

(۱) اللہ کے دین میں ثابت قدم، یا ہر چیز میں زیادتی، علو اور کاسیابی میرا مقدر ہے یا لوگوں کے لیے نافع، معصم خیر
معروف کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا۔ (فتح القدیر)

(۲) صرف والدہ کے ساتھ حسن سلوک کے ذکر سے بھی واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے
ایک اعجازی شان کی حامل ہے، ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرح، تَرَا بَوَالِدَيْنِ (ماں باپ
کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا) کہتے، یہ نہ کہتے کہ میں ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہوں۔

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ماں باپ کا خدمت گزار اور اطاعت شعار نہیں ہوتا، اس کی فطرت میں سرکشی اور
قسمت میں بد بختی لکھی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ساری گفتگو ماضی کے صیغوں میں کی ہے حالانکہ ان تمام
باتوں کا تعلق مستقبل سے تھا، کیوں کہ ابھی تو وہ شیر خوار بچہ ہی تھے۔ یہ اس لیے کہ یہ اللہ کی تقدیر کے ایسے اہل فیصلے
تھے کہ گواہی یہ معرض ظہور میں نہیں آئے تھے لیکن ان کا وقوع اسی طرح یقینی تھا جس طرح ماضی کے گزرے ہوئے
واقعات شک و شبہ سے بالا ہوتے ہیں۔

(۴) یعنی یہ ہیں وہ صفات جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام متصف تھے نہ کہ ان صفات کے حامل، جو نصاریٰ نے غلو کر
کے ان کے بارے میں باور کرائیں اور نہ ایسے جو یہودیوں نے تفریط و تنقیص سے کام لیتے ہوئے ان کی بہت کم اور
یہی حق بات ہے جس میں لوگ خواہ مخواہ شک کرتے ہیں۔

ہے۔^(۳۵)

میرا اور تم سب کا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم سب اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔ (۳۶)
پھر یہ فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے،^(۳۷) پس کافروں کے لیے ”ویل“ ہے ایک بڑے (سخت) دن کی حاضری سے۔^(۳۸) (۳۷)

کیا خوب دیکھنے سننے والے ہوں گے اس دن جبکہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے،^(۳۹) لیکن آج تو یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ (۳۸)
تو انہیں اس رنج و افسوس کے دن^(۴۰) کا ڈر سنا دے جبکہ کام انجام کو پہنچا دیا جائے گا،^(۴۱) اور یہ لوگ غفلت اور

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ فَاعْبُدُوْا هٰذَا صِرَاطٌ

مُسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَقُوْا لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

مَشْهَدٍ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾

اَسْمِعْهُمْ وَاَبْعِدْ يَوْمَ يَأْتُوْنَ تَالِكِيْنَ الْظُلُمُوْنَ الْيَوْمَ

فِيْ صَلَٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَمَلٍ مُّضْمٍ

(۱) جس اللہ کی یہ شان اور قدرت ہو اسے بھلا اولاد کی کیا ضرورت ہے؟ اور اسی طرح اس کے لیے بطور باپ کے پیدا کر دینا کون سا مشکل امر ہے۔ گویا جو اللہ کے لیے اولاد طلب کرتے ہیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اعجازی وادت سے انکار کرتے ہیں، وہ دراصل اللہ کی قدرت و طاقت کے منکر ہیں۔

(۲) یہاں الاحزاب سے مراد اہل کتاب کے فرقے اور خود عیسائیوں کے فرقے ہیں۔ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں باہم اختلاف کیا۔ یہود نے کہا کہ وہ جاوگر اور ولد الزنا۔ یعنی یوسف نجار کے بیٹے ہیں نصاریٰ کے مسیحیہ (پروٹسٹنٹ) فرقے نے کہا کہ وہ ابن اللہ ہیں، ملکیہ یا سلطانیہ (کیٹولک) فرقے نے کہا وہ ثَالِثُ فَلَاثَةِ (تین خداؤں میں سے تیسرے) ہیں اور تیسرے فرقے یعقوبیہ (آرتھوڈکس) نے کہا وہ اللہ ہیں۔ پس یہودیوں نے تعریض اور تقصیر کی عیسائیوں نے افراط و غلو (ایسرالٹاسیر، فتح القدیر)

(۳) ان کافروں کے لیے جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس طرح اختلاف اور افراط و تفریط کا ارتکاب کیا، قیامت والے دن جب وہاں حاضر ہوں گے، ہلاکت ہے۔

(۴) یہ تعجب کے صیغے ہیں، یعنی دنیا میں تو یہ حق کے دیکھنے اور سننے سے اندھے اور بہرے رہے لیکن آخرت میں یہ کیا خوب دیکھنے اور سننے والے ہوں گے؟ لیکن وہاں یہ دیکھنا سننا کس کام کا؟

(۵) روز قیامت کو یوم حسرت کہا اس لیے کہ اس روز سب ہی حسرت کریں گے۔ بدکار حسرت کریں گے کہ کاش انہوں نے برائیاں نہ کی ہوتیں اور نیکو کار اس بات پر حسرت کریں گے کہ انہوں نے اور زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کیں؟

(۶) یعنی حساب کتاب کر کے صحیفہ لپیٹ دیے جائیں گے اور جہنمی جنت میں اور جہنمی جہنم میں چھ جائیں گے۔ حدیث

لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۹﴾

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِنَّا يُرْجَعُونَ ﴿۴۰﴾

وَأَذْكُرُ الْكِتَابَ الْغَيْبِ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ﴿۴۱﴾

إِذْ قَالَ لِأَسْبَغِ يَابِسَ لِي تَعْبُدُ مَا لَا يَمُوتُ وَلَا تَجِدُ لَافِيًا
عَنْكَ شَيْئًا ﴿۴۲﴾

يَا بَتِّ لِي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْغَيْبِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاكْتُمْنِي

أَهْلَكَ وَهَلَكَ أَسْوَأَ أَهْلًا

بے ایمانی میں ہی رہ جائیں گے۔ (۳۹)

خود زمین کے اور تمام زمین والوں کے وارث ہم ہی
ہوں گے اور سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹا کر لائے
جائیں گے۔ (۴۰)اس کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ بیان کر چٹک
وہ بڑی سچائی والے پیغمبر تھے۔ (۴۱)جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اباجن! آپ ان کی
پوجا پاٹ کیوں کر رہے ہیں جو نہ سنیں نہ دیکھیں؟ نہ
آپ کو کچھ بھی فائدہ پہنچا سکیں۔ (۴۲)میرے مہربان باپ! آپ دیکھیے میرے پاس وہ علم آیا
ہے جو آپ کے پاس آیا ہی نہیں، (۴۱) تو آپ میری ہی
مانیں میں بالکل سیدھی راہ کی طرف آپ کی رہبری

میں آتا ہے کہ اس کے بعد موت کو ایک سینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا، جنتیوں اور دوزخیوں دونوں سے پوچھا جائے گا 'اسے پہچانتے ہو' یہ کیا ہے؟ وہ کہیں گے 'ہاں یہ موت ہے پھر ان کے سامنے اسے ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا کہ اے اہل جنت! تمہارے لیے جنت کی زندگی ہمیشہ کے لیے ہے' اب موت نہیں آئے گی۔ دوزخیوں سے کہا جائے گا اے دوزخو! تمہارے لیے یہ دوزخ کا عذاب دائمی ہے' اب موت نہیں آئے گی۔ (اصحیح بخاری، سورۃ مريم، ومسلم، کتاب الجنة، باب الاربعة حجاب الجبارون۔۔۔)

(۱) صِدِّيقٌ صِدْقٌ (سچائی) سے متعلق کا صیغہ ہے۔ بہت راست باز، یعنی جس کے قول و عمل میں مطابقت اور راست بازی اس کا شعار ہو۔ صدیقیت کا یہ مقام نبوت کے بعد سب سے اعلیٰ ہے ہر نبی اور رسول بھی اپنے وقت کا سب سے بڑا راست باز اور صداقت شعار ہوتا ہے اس لیے وہ صدیق بھی ہوتا ہے۔ تاہم ہر صدیق 'نبی نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں حضرت مریم کو صدیقہ کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تقویٰ و طہارت اور راست بازی میں بہت اونچے مقام پر فائز تھیں تاہم نبیہ نہیں تھیں۔ امت محمدیہ میں بھی صدیقین ہیں۔ اور ان میں سرفہرست حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں جو انبیاء کے بعد امت میں خیر البشر تسلیم کیے گئے ہیں۔ وَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

(۲) جس سے مجھے اللہ کی معرفت اور اس کا یقین حاصل ہوا، بحث بعد الموت اور غیر اللہ کے پیغمبروں کے لیے دائمی عذاب کا علم ہوا۔

کروں گا۔^(۱) (۳۳)

میرے اباجان آپ شیطان کی پرستش سے باز
آجائیں شیطان تو رحم و کرم والے اللہ تعالیٰ کا بڑا
عی نافرمان ہے۔^(۲) (۳۴)

اباجان! مجھے خوف لگا ہوا ہے کہ کہیں آپ پر کوئی
عذاب الہی نہ آپڑے کہ آپ شیطان کے ساتھی
بن جائیں۔^(۳) (۳۵)

اس نے جواب دیا کہ اے ابراہیم! کیا تو ہمارے معبودوں
سے روگردانی کر رہا ہے۔ سن اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے
پتھروں سے مار ڈالوں گا، جا ایک مدت دراز تک مجھ سے
الگ رہ۔^(۴) (۳۶)

کما اچھا تم پر سلام ہو،^(۵) میں تو اپنے پروردگار سے

يَا اِبْرٰهِيْمُ اتَّخَذَ الشَّيْطٰنُ اِيْنَ الشَّيْطٰنَ كَاَنْ لِّلرَّحْمٰنِ حِصْنًا ۝

يَا كَذٰبُ اِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يَّسْتَفْزِكَ عَذَابُ بَيْنِ الرَّحْمٰنِ
فَتَكُوْنُ لِّلشَّيْطٰنِ وَاِيًّا ۝

قَالَ رَبُّكَ اتَّبَعْنِىْ يٰ اِبْرٰهِيْمُ لَعَلَّكَ تَمْتَدُّ لَكَ رَحْمَتُكَ
وَاَنْتَ تَزْكٰى ۝

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سُبْحٰنَكَ رَبِّىْ اِنَّكَ كَاَنْ تَرٰى حِيفًا ۝

(۱) جو آپ کو سعادت ابدی اور نجات سے ہمکنار کر دے گی۔

(۲) یعنی شیطان کے دوسرے اور اس کے ہمکاروں سے آپ جو ایسے جوں کی پرستش کرتے ہیں جو سننے دیکھنے کی طاقت رکھتے ہیں نہ نفع نقصان پہنچانے کی قدرت، تو یہ دراصل شیطان ہی کی پرستش ہے۔ جو اللہ کا نافرمان ہے اور دوسروں کو بھی اللہ کا نافرمان بنا کر ان کو اپنے جیسا ہی بنانے پر تیار ہوتا ہے۔

(۳) اگر آپ اپنے شرک و کفر پر باقی رہے اور اسی حال میں آپ کو موت آگئی، تو عذاب الہی سے آپ کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔ یا دنیا میں ہی آپ عذاب کا شکار نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر ہمیشہ کے لیے راندہ بارگاہ الہی ہو جائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے ادب و احترام کے تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے، نہایت شفقت اور پیار کے لہجے میں باپ کو توحید کا وعظ سنایا۔ لیکن توحید کا یہ سبق کتنے ہی شیریں اور نرم لہجے میں بیان کیا جائے، مشرک کے لیے ناقابل برداشت ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ مشرک باپ نے اس نرمی اور پیار کے جواب میں نہایت درشتی اور سختی کے ساتھ موحد بیٹے کو کما کما اگر تو میرے معبودوں سے روگردانی کرنے سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔

(۴) مَدِيْہٌ، دراز مدت، ایک عرصہ۔ دوسرے معنی اس کے صحیح و سالم کے کئے گئے ہیں۔ یعنی مجھے میرے حال پر چھوڑ دے، کہیں مجھ سے اپنے ہاتھ پیر نہ تڑوا لیتا۔

(۵) یہ سلام تحیہ نہیں ہے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کرتا ہے بلکہ ترک مخالفت کا اظہار ہے جیسے — ﴿وَلَا تَخَاطَبُوْهُمُ الْبَٰغِيْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ (الفرقان: ۶۰) ”جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ

تمہاری بخشش کی دعا کرتا رہوں گا^(۱) وہ مجھ پر حد درجہ مہربان ہے۔ (۳۷)

میں تو تمہیں بھی اور جن جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو انہیں بھی سب کو چھوڑ رہا ہوں۔ صرف اپنے پروردگار کو پکارتا رہوں گا مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دعا مانگ کر محروم نہ رہوں گا۔ (۳۸)

جب ابراہیم (علیہ السلام) ان سب کو اور اللہ کے سوا ان کے سب معبودوں کو چھوڑ چکے تو ہم نے انہیں اسحاق و یعقوب (علیہما السلام) عطا فرمائے^(۲) اور دونوں کو نبی بنا دیا۔ (۳۹)

اور ان سب کو ہم نے اپنی بہت سی رحمتیں^(۳) عطا فرمائیں اور ہم نے ان کے ذکر جمیل کو بلند درجے کا کر دیا۔^(۴) (۵۰)

وَأَعِزُّ لَكُمْ وَفَاتِكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي مُخْلِئًا
الْكَوْنِ بِدُعَائِي رَبِّي شَيْئًا ۝

فَلَمَّا أَتَيْنَاهُ هَمَزُوا بِعَبْدُونَ مِّنْ دُونِ اللَّهِ
وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝

وَوَهَبْنَا لَهُم مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيمًا ۝

سلام ہے۔" میں اہل ایمان اور ہندوگان الٰہی کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔

(۱) یہ اس وقت کہا تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مشرک کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کی ممانعت کا علم نہیں تھا جب یہ علم ہوا تو آپ نے دعا کا سلسلہ موقوف کر دیا (التوبہ: ۱۱۳)

(۲) حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر بھی بیٹے کے ساتھ اور بیٹے ہی کی طرح کیا۔ مطلب یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام توحید الٰہی کی خاطر باپ کو گھر کو اور اپنے وطن ہلوف کو چھوڑ کر دیار قدس کی طرف ہجرت کر گئے تو ہم نے انہیں اسحاق و یعقوب علیہما السلام سے نوازا تاکہ ان کی انس و محبت باپ کی جدائی کا صدمہ بھلا دے۔

(۳) یعنی نبوت کے علاوہ بھی اور بہت سی رحمتیں ہم نے انہیں عطا کیں مثلاً مال، مزید اولاد اور پھر اسی سلسلہ نسب میں عرصہ دراز تک نبوت کے سلسلے کو جاری رکھنا یہ سب سے بڑی رحمت تھی جو ان پر ہوئی اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء کہلاتے ہیں۔

(۴) لِسَانَ صِدْقٍ سے مراد ثنائے حسن اور ذکر جمیل ہے۔ لسان کی اضافت صدق کی طرف کی اور پھر اس کا وصف علو بیان کیا جس سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ بندوں کی زبانوں پر جو ان کا ذکر جمیل رہتا ہے تو وہ واقعی اس کے مستحق ہیں۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ تمام ادیانِ سماویہ کو ماننے والے بلکہ مشرکین بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا تذکرہ

وَأَذِّنْ لِلْكَتِيبِ مُوسَى إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ٥

وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ۝

وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا ﴿٢٥﴾

وَأَذِّنْ لِي الْكِتَابَ إِسْمُوعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ
وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿٥٠﴾

وَكَانَ يَأْمُرُهُمْ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ هُندَرُهُ مَرْصِيًّا ۝

وَذَكَرْنَا الْيَكْتَبَ إِذْ رَفَعْنَا إِنَّهُ كَانَ صَدِيقًا نَجِيًّا ﴿٣١﴾

وَرَفَعْنَا مَكَالًا عَلَيْهِ ⑮

أُولَئِكَ الَّذِينَ أَعْتَمَدَهُ عَلَيْهِم مِّنَ الْمُتَّقِينَ
أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ لَمَّا جَاءُوكَ قَالُوا إِنَّ آلَ مَرْيَمَ عَلَىٰ آلِكَ
بِغِيٍّ

اس قرآن میں موسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر بھی کر، جو چنا ہوا ^(۱) اور رسول اور نبی تھا۔ (۵۱)

ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے ندا کی اور راز گوئی کرتے ہوئے اسے قریب کر لیا۔ (۵۳)

اور اپنی خاص مہمانی سے اس کے بھائی کو نبی بنا کر عطا فرمایا۔ (۵۳)

اس کتب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا واقعہ بھی بیان کر دہ بڑا ہی وعدے کا سچا تھا اور تھا بھی رسول اور نبی۔ (۵۴)

وہ اپنے گھروالوں کو برابر نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور تھا بھی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پسندیدہ اور مقبول۔ (۵۵)

اور اس کتاب میں اور یس (علیہ السلام) کا بھی ذکر کر دیا
بھی نیک کردار پیغمبر تھا۔ (۵۶)

ہم نے اسے بلند مقام پر اٹھالیا۔^(۲) (۵۷)

یہی وہ انبیاء ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل و کرم کیا جو اولادِ آدم میں سے ہیں اور ان لوگوں کی نسل سے ہیں جنہیں

بڑے اچھے الفاظ میں اور نہایت ادب و احترام سے کرتے ہیں۔ یہ نبوت و اولاد کے بعد ایک اور انعام ہے جو ہجرت فی سبیل اللہ کی وجہ سے انہیں حاصل ہوا۔

(۱) مُخْلِصٌ، مُضْطَلَعٌ، مُخْتَلَبٌ اور مُخْتَلَفٌ، چاروں الفاظ کا مفہوم ایک ہے۔ یعنی رسالت و پیامبری کے لیے چنا ہوا، پسندیدہ، فاضل، رسول، بمعنی مرسل ہے (بھیجا ہوا) اور نبی کے معنی، اللہ کا پیغام لوگوں کو سنانے والا، داعی الہی کی خبر دینے والا، تاہم مفہوم دونوں کا ایک ہے کہ اللہ جس بندے کو لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے چن لیتا ہے اور اسے اپنی وحی سے نوازتا ہے، اسے رسول اور نبی کہا جاتا ہے۔ زمانہ قدیم سے اہل علم میں ایک بحث یہ چلی آرہی ہے کہ آیا ان دونوں میں فرق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ فرق کرنے والے بالعموم کہتے ہیں کہ، صاحب شریعت یا صاحب کتاب کو رسول اور نبی کہا جاتا ہے اور جو پیغمبر اپنے سابقہ پیغمبر کی کتاب یا شریعت کے مطابق ہی لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتا رہا، وہ صرف نبی ہے، رسول نہیں۔ تاہم قرآن کریم میں ان کا اطلاق ایک دوسرے پر بھی ہوا ہے اور بعض جگہ متقابل بھی آئے ہیں۔ مثلاً سورۃ الحج آیت ۵۲ میں۔

(۲) حضرت ادریس علیہ السلام کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے نبی تھے اور حضرت نوح علیہ السلام کے

وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَحَمَّيْنَا إِدَّ تَتْلِي عَيْنِهِمْ آيَاتِ الرَّحْمَنِ
حَزُوا سَجْدًا وَبِكَيْتٍ ۝



ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ کشتی میں چڑھالیا تھا،
اور اولاد ابراہیم و یعقوب سے اور ہماری طرف سے راہ
یافتہ اور ہمارے پسندیدہ لوگوں میں سے۔ ان کے سامنے
جب اللہ رحمان کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی تھی یہ سجدہ
کرتے اور روتے گز گزاتے گر پڑتے تھے۔ (۵۸)

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا
الشَّهْوَةَ فَنُفُوهُ يَلْقَوْنَ عَذَابًا ۝

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انہوں نے نماز
ضائع کر دی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے، سو ان
کا نقصان ان کے آگے آئے گا۔ (۵۹)

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا قَدْ خَلُونا
الْجَنَّةَ وَلَا يَطْمَئِنُّونَ شَيْئًا ۝

بجز ان کے جو توبہ کر لیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل
کریں۔ ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کی ذرا
سی بھی حق تلف نہ کی جائے گی۔ (۶۰)

یا ان کے والد کے دادا تھے، انہوں نے ہی سب سے پہلے کپڑے سینے، رفعت مکان سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین نے
اس کا مفہوم دُفِعَ إِلَى السَّمَاءِ سمجھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح انہیں بھی آسمان پر اٹھایا گیا۔ لیکن قرآن
کے الفاظ اس مفہوم کے لیے صریح نہیں ہیں اور کسی صحیح حدیث میں بھی یہ بیان نہیں ہوا۔ البتہ اسرائیل روایات میں
ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر ملتا ہے جو اس مفہوم کے اثبات کے لیے کافی نہیں۔ اس لیے زیادہ صحیح بات یہی
معلوم ہوتی ہے کہ اس سے مراد مرتبت کی وہ بلندی ہے جو نبوت سے سرفراز کر کے انہیں عطا کی گئی۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

(۱)۔ گویا اللہ کی آیات کو سن کر رقت اور بکا کی کیفیت کا طاری ہو جانا اور عظمت الہی کے آگے سجدہ ریز ہو جانا، بندگان
الہی کی خاص علامت ہے۔ سجدہ تلاوت کی مسنون دعا یہ ہے: سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ، وَصَوَّرَهُ، وَشَقَّ سَمْعَهُ
وَبَصَرَهُ، بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، بحوالہ مشکوٰۃ، باب سجود القرآن) بعض روایات میں اضافہ ہے۔
فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْعَالَمِينَ (ہون المحمود ج ۱ ص ۱۰۳)

(۲) انعام یافتہ بندگان الہی کا تذکرہ کرنے کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ان کے برعکس اللہ کے احکام سے
غفلت و اعراض کرنے والے ہیں۔ نماز کے ضائع کرنے سے مراد یا تو بالکل نماز کا ترک ہے جو کفر ہے یا ان کے اوقات کو
ضائع کرنا ہے یعنی وقت پر نماز نہ پڑھنا، جب جی چاہا نماز پڑھ لی، یا بلا عذر اکٹھی کر کے پڑھنا یا کبھی دو، کبھی چار، کبھی ایک
اور کبھی پانچوں نمازیں۔ یہ بھی تمام صورتیں نماز کو ضائع کرنے کی ہیں جس کا مرتکب سخت گناہ گار اور آیت میں بیان
کردہ وعید کا سزاوار ہو سکتا ہے۔ عیناً کے معنی ہلاکت، انجام بد کے ہیں یا جہنم کی ایک واوی کا نام ہے۔

(۳) یعنی جو توبہ کر کے ترک صلوٰۃ اور اتباع شہوات سے باز آجائیں اور ایمان و عمل صالح کے تقاضوں کا اہتمام کریں

حَدَّثَ عَذِيبٌ يَأْتِي وَعَدَ الرَّحْمَنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ
إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ نَبِيًّا ۝

پیشگی والی جنتوں میں جن کا عاقبتانہ وعدہ ^(۱) اللہ مہربان نے
اپنے بندوں سے کیا ہے۔ بیشک اس کا وعدہ پورا ہونے
والا ہی ہے۔ (۶۱)

كَسَبَتْهُمْ فِيهَا لِقَاءُ الْإِسْلَامِ وَالْهُمُورُ وَفُتُورُهَا
بَلَدًا وَعَشِيرَةً ۝

وہ لوگ وہاں کوئی لغو بات نہ سنیں گے صرف سلام ہی
سلام سنیں ^(۲) گئے ان کے لیے وہاں صبح شام ان کا رزق
ہو گا۔ ^(۳) (۶۲)

يَذُوقُ الْجَنَّةَ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝

یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے
انہیں بناتے ہیں جو متقی ہوں۔ (۶۳)

وَمَا نُنَزِّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا
وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ وَمَا كَانَ رَأْيُكَ تَبَيُّنًا ۝

ہم بغیر تیرے رب کے حکم کے اتر نہیں سکتے ^(۴) ہمارے
آگے پیچھے اور ان کے درمیان کی کل چیزیں اسی کی
ملکیت میں ہیں تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں۔ (۶۴)

رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ

آسمانوں کا زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب

تو ایسے لوگ مذکورہ انجام بد سے محفوظ اور جنت کے مستحق ہوں گے۔

(۱) یعنی یہ ان کے ایمان و یقین کی پیشگی ہے کہ انہوں نے جنت کو دیکھا بھی نہیں صرف اللہ کے غائبانہ وعدے پر ہی
اس کے حصول کے لیے ایمان و تقویٰ کا راستہ اختیار کیا۔

(۲) یعنی فرشتے بھی انہیں ہر طرف سے سلام کریں گے اور اہل جنت بھی آپس میں ایک دوسرے کو کثرت سے سلام یہاں
کریں گے۔

(۳) امام احمد نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ جنت میں رات اور دن نہیں ہوں گے صرف اجلائی اجار اور روشنی ہی
روشنی ہوگی۔ حدیث میں ہے ”جنت میں داخل ہونے والے پہلے گروہ کی شکلیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں
گی وہاں انہیں تھوک آئے گا نہ رینٹ اور نہ بول و براز۔ ان کے برتن اور کنگھیاں سونے کی ہوں گی ان کا بخور
خوشبودار (لکڑی) ہوگی۔ ان کا پینہ کستوری (کی طرح) ہو گا ہر جنتی کی دو بیویاں ہوں گی ان کی پنڈیوں کا گودا ان کے
گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا ان کے حسن و جمال کی وجہ سے۔ ان میں باہم بغض اور اختلاف نہیں ہو گا ان کے
دل ایک دس کی طرح ہوں گے صبح و شام اللہ کی تسبیح کریں گے (صحیح بخاری۔ بدء المخلوق باب ما جاء فی
صفة الجنة وابها مخلوقه ومسلم کتاب الجنة باب فی صفات الجنة وأهلها)

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام سے زیادہ اور جلدی جلدی ملاقات کی خواہش ظاہر فرمائی
جس پر یہ آیت اتری (صحیح بخاری، تفسیر سورہ مریم)

وَأَصْحَابُ الْعِبَادَةِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَيِّئًا ۝

کارب وہی ہے تو اسی کی بندگی کر اور اس کی عبادت پر
جم جا۔ کیا تیرے علم میں اس کا ہمنام ہم پلہ کوئی اور بھی
ہے؟^(۱) (۶۵)

وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ إِنَّا فَاكِنَّا لَسَوْفَ نَخْرُجُ حَيًّا ۝

انسان کہتا^(۲) ہے کہ جب میں مرجوؤں گا تو کیا پھر زندہ کر
کے نکالا جاؤں گا؟^(۳) (۶۶)

أَوَلَيْدَلُوا الْإِنْسَانَ أَتَاخَفُنَّهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝

کیا یہ انسان اتنا بھی یاد نہیں رکھتا کہ ہم نے اسے اس
نے پہلے پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔^(۴) (۶۷)

لَوَرَبِّكَ لَنَحْضَرَنَّهُمْ وَلِئِيْنِمْ لَنَحْضَرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ

تیرے پروردگار کی قسم! ہم انہیں اور شیطانوں کو جمع کر
کے ضرور ضرور جنم کے ارد گرد گھٹنوں کے بل گرے
ہوئے حاضر کر دیں گے۔^(۵) (۶۸)

جَہَنَّمَ ۝

(۱) یعنی نہیں ہے، جب اس کی مثل کوئی اور نہیں تو پھر عبادت بھی کسی اور کی جائز نہیں۔

(۲) انسان سے مراد یہاں کافر بہ حیثیت جنس کے ہے، جو قیامت کے وقوع اور بحث بعد الموت کے قائل نہیں۔

(۳) استفہام، انکار کے لیے ہے۔ یعنی جب میں بوسیدہ اور مٹی میں رل مل جاؤں گا تو مجھے دوبارہ کس طرح نیا وجود عطا
کر دیا جائے گا؟ یعنی ایسا ممکن نہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ جب پہلی مرتبہ بغیر نمونے کے ہم نے انسان کو پیدا کر دیا، تو دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لیے
کیوں کر مشکل ہو گا؟ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مشکل ہے یا دوبارہ اسے پیدا کرنا؟ انسان کتنا نادان اور خود فراموش ہے؟ اسی
خود فراموشی نے اسے خدا فراموش بنا دیا ہے۔

(۵) جہنم، جہنم کی جمع ہے جہنم یتغثو سے۔ جہنم گھٹنوں کے بل گرنے والے کو کہتے ہیں۔ یہ ص ہے۔ یعنی ہم
دوبارہ انہیں کو نہیں بلکہ ان شیاطین کو بھی زندہ کریں گے جنہوں نے ان کو گمراہ کیا تھا یا جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ پھر
ہم ان سب کو اس ص میں جنم کے گرد جمع کر دیں گے کہ یہ محشر کی ہولناکیوں اور حساب کے خوف سے گھٹنوں کے بل
بیٹھے ہوں گے۔ حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ابن آدم میری تکذیب کرتا ہے۔ حالاں کہ یہ اس کے راق
نہیں۔ ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے حالاں کہ اسے یہ زیب نہیں دیتا۔ اس کا میری تکذیب کرنا تو یہ ہے کہ وہ میری بابت یہ
کہتا ہے کہ اللہ ہرگز مجھے اس طرح دوبارہ زندہ نہیں کرے گا جس طرح اس نے مجھے پہلی مرتبہ پیدا کیا حالاں کہ میرے
لیے پہلی مرتبہ پیدا کرنا دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے (یعنی مشکل اگر ہے تو پہلی مرتبہ پیدا کرنا ہے نہ
کہ دوسری مرتبہ) اور اس کا مجھے ایذا پہنچانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے میری اولاد ہے، حالاں کہ میں ایک ہوں، بے نیاز ہوں،
نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ خود جنا گیا ہوں اور میرا کوئی ہمسر نہیں ہے۔“ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ اخلاص)

لَمْ يَسْتَرْعِنْ مِنْ كُلِّ يَشْعَقَةٍ أُنْهَمُ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتْبًا ۝

لَمْ لَنْعُنْ أَعْلَمُوا بِأَنْدَرِينَ هُمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ ۝

وَلَنْ يَنْفَكُوا وَلَٰكِنْ هُمْ مُعْتَصِفُونَ ۝

لَمْ يَسْخِ الْكُفْرُ لِقَوْلِهِمْ أَتَيْنَاهُمُ بِالْبَيِّنَاتِ ۝

وَلَا تَنْفَكُ عَلَيْهِمْ اِيتَانِيَتْ قَالَ الْكُفْرُ كَقَوْلِ الْكُفْرِ ۝

اَمْوَالُ الْغَنِيِّمْ خَيْرٌ مَقَامًا وَاحْسَنُ نَدِيًّا ۝

ہم پھر ہر ہر گروہ سے انہیں الگ نکال کھڑا کریں گے جو اللہ رحمن سے بہت اکڑے اکڑے پھرتے تھے۔^(۶۹)
پھر ہم انہیں بھی خوب جانتے ہیں جو جنم کے داخلے کے زیادہ سزاوار ہیں۔^(۷۰)

تم میں سے ہر ایک وہاں ضرور وارد ہونے والا ہے یہ تیرے پروردگار کے ذمے قطعی فیصل شدہ امر ہے۔ (۷۱)
پھر ہم پرہیز گاروں کو تو بچالیں گے اور نافرمانوں کو اسی میں گھسنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔^(۷۲)

جب ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں بتاؤ ہم تم دونوں جماعتوں میں سے کس کا مرتبہ زیادہ ہے؟ اور کس کی مجلس شاندار ہے؟^(۷۳)

(۱) عِتْبًا، بھی عتبا، یَعْتَبُو سے عتبت کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں بہت سرکش اور متمرد۔ مطلب یہ ہے کہ ہر گمراہ فرقے کے بڑے بڑے سرکشوں اور لیڈروں کو ہم الگ کر لیں گے اور ان کو اکٹھا کر کے جنم میں پھینک دیں گے۔ کیوں کہ یہ قائلین دوسرے جہنیوں کے مقابلے میں سزا و عقوبت کے زیادہ سزاوار ہیں۔ جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

(۲) صَبِيْكَ، مصدر ساعی ہے صَلَّی بَصَلَّی کا، معنی ہیں داخل ہونا۔ یعنی جنم میں داخل ہونے اور اس میں جہنم کے کون زیادہ مستحق ہیں ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔

(۳) اس کی تفسیر صحیح احادیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جنم کے اوپر پل بنایا جائے گا جس میں سے ہر مومن و کافر کو گزرنا ہو گا۔ مومن تو اپنے اپنے اعمال کے مطابق جلد یا بدیر گزر جائیں گے، کچھ تو پلک جھپکتے میں، کچھ بجلی اور ہوا کی طرح، کچھ پرندوں کی طرح اور کچھ عمدہ گھوڑوں اور دیگر سواریوں کی طرح گزر جائیں گے یوں کچھ بالکل صحیح سالم، کچھ زخمی تاہم پل عبور کریں گے کچھ جنم میں گر پڑیں گے جنہیں بعد میں شفاعت کے ذریعے سے نکال لیا جائے گا۔ لیکن کافر اس پل کو عبور کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے اور سب جنم میں گر پڑیں گے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ ”جس کے تین بچے بلوغت سے پہلے وفات پا گئے اسے آگ نہیں چھوئے گی، مگر صرف قسم طلاس کرنے کے لیے۔“ (البخاری کتاب الجنائز، ومسلم کتاب الجبر) یہ قسم وہی ہے جسے اس آیت میں حَتْمًا مَقْضِيًّا (قطعی فیصل شدہ امر) کہا گیا ہے۔ یعنی اس کا ورود جنم میں صرف پل پر سے گزرنے کی حد تک ہی ہو گا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے ابن کثیر و امیر القاسم)

(۴) یعنی قرآنی دعوت کا مقابلہ یہ کفار مکہ نقرا مسلمین اور اغنیائے قریش اور ان کی مجلسوں اور مکانوں کے باہمی

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَانًا وَقَوْمِيَا ۝

فُلٌ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَاةِ فَلْيَسُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدًّا ۚ حَتَّىٰ
إِذَا دُأْوُوا لِلْعَذَابِ وَإِنَّ السَّاعَةَ فَيَعْلَمُونَ
مَنْ هُوَ أَزْهَقَانَا وَأَضْمَعُ جُنْدًا ۝

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى وَالْبَيْقِيتُ الصَّلَاحُ
خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَرَدًّا ۝

أَقْرَبَتْ إِلَيْنِي كَفَرًا يَأْتِيَتُنَا وَقَالَ لَأَوْ تَتَّبِعَنَّ
مَالًا فَوَلَدًا ۝

ہم تو ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو غارت کر چکے ہیں
جو ساز و سامان اور نام و نمود میں ^(۱) ان سے بڑھ چڑھ کر
تھیں۔ (۷۴)

کہہ دیجئے! جو گمراہی میں ہوتا اللہ رحمن اس کو خوب لمبی
مہلت دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ ان چیزوں کو دیکھ لیں
جن کا وعدہ کیے جاتے ہیں یعنی عذاب یا قیامت کو، اس
وقت ان کو صحیح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ کون برے
مرتبے والا اور کس کا جتنا کمزور ہے۔ ^(۲) (۷۵)

اور ہدایت یافتہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت میں بڑھاتا
ہے، ^(۳) اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے
نزدیک ثواب کے لحاظ سے اور انجام کے لحاظ سے
بہت ہی بہتر ہیں۔ ^(۴) (۷۶)

کیا تو نے اسے بھی دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا
اور کہا کہ مجھے تو مال و اولاد ضرور ہی دی جائے گی۔ (۷۷)

موازنے سے کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں عمار، بلال، صہیب رضی اللہ عنہم جیسے فقیر لوگ ہیں، ان کا دارالاشوری دار
ارقم ہے۔ جب کہ کافروں میں ابو جہل، نضر بن حارث، عقبہ، شیبہ وغیرہ جیسے رئیس اور ان کی عالی شان کوٹھیاں اور
مکانات ہیں، ان کی اجتماع گاہ (دارالندوہ) بہت عمدہ ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا، دنیا کی یہ چیزیں ایسی نہیں ہیں کہ ان پر فخر و ناز کیا جائے، یا ان کو دیکھ کر حق و باطل کا فیصلہ کیا
جائے۔ یہ چیزیں تو تم سے پہلی امتوں کے پاس تھیں، لیکن تکذیب حق کی پاداش میں انہیں ہلاک کر دیا گیا، دنیا کا یہ مال و
اسباب انہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکا۔

(۲) علوہ ازیں یہ چیزیں گمراہوں اور کافروں کو مہلت کے طور پر بھی ملتی ہیں، اس لیے یہ کوئی معیار نہیں۔ اصل اچھے
برے کا یہ تو اس وقت پہلے کا، جب مہلت عمل ختم ہو جائے گی اور اللہ کا عذاب انہیں آگھرے گا یا قیامت برپا ہو جائے
گی۔ لیکن اس وقت کا علم، کوئی فائدہ نہیں دے گا، کیوں کہ وہاں ازالے اور تدارک کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

(۳) اس میں ایک دوسرے اصول کا ذکر ہے کہ جس طرح قرآن سے، جن کے دلوں میں کفر و شرک اور ضدت کا
روگ ہے، ان کی شقاوت و ضلالت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، اسی طرح اہل ایمان کے دل ایمان و ہدایت میں اور پختہ
ہو جاتے ہیں۔

(۴) اس میں فقرا مسلمین کو تسلی ہے کہ کفار و مشرکین جن مال و اسباب پر فخر کرتے ہیں، وہ سب فنا کے گھاٹ اتر

أَقْلَمَ الْعَيْبَ أَمْ أَتَخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۝
كَلَّا سَكَتُ مَن يَقُولُ وَعَدُ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝

وَنُورُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝

وَأَتَّخِذُوا مِن دُونِ اللَّهِ إِلَهًا لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۝

كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِوَسَائِدِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝

أَلَمْ نَرَاكَ أَتَيْنَا لَظِيظِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤْوُهُمْ أَزْوَاجًا ۝

کیا وہ غیب پر مطلع ہے یا اللہ کا کوئی وعدہ لے چکا ہے؟ (۷۸)
ہرگز نہیں، یہ جو بھی کہہ رہا ہے ہم اسے ضرور لکھ لیں گے،
اور اس کے لیے عذاب بڑھائے چلے جائیں گے۔ (۷۹)
یہ جن چیزوں کو کہہ رہا ہے اسے ہم اس کے بعد
لے لیں گے۔ اور یہ تو بالکل اکیلا ہی ہمارے سامنے
حاضر ہوگا۔^(۱) (۸۰)

انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں کہ وہ
ان کے لیے باعث عزت ہوں۔ (۸۱)
لیکن ایسا ہرگز ہونا نہیں۔ وہ تو ان کی پوجا سے منکر ہو جائیں
گے، اور ان کے دشمن^(۲) بن جائیں گے۔ (۸۲)
کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم کافروں کے پاس شیطانوں کو

جائیں گے اور تم جو نیک اعمال کرتے ہو، یہ ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں جن کا اجر و ثواب تمہیں اپنے رب کے ہاں ملے گا
اور ان کا بہترین صلہ اور نفع تمہاری طرف لوٹے گا۔

(۱) ان آیات کی شان نزول میں بتلایا گیا ہے۔ کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا والد عاص بن وائل جو اسلام کے شدید
دشمنوں میں سے تھا۔ اس کے ذمے حضرت خباب بن ارت کا قرضہ تھا جو آہن گرمی کا کام کرتے تھے۔ حضرت خباب
رضی اللہ عنہ نے اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر نہیں کرے گا،
میں تجھے تیری رقم نہیں دوں گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کام تو تو مرکز دوبارہ زندہ ہو جائے تب بھی نہیں کروں گا۔ اس نے
کہا، اچھا پھر ایسے ہی سی، جب مجھے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا اور وہاں بھی مجھے مال و اولاد سے نوازا جائے گا تو
وہاں میں یہ رقم ادا کروں گا صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ذکر القیمس والحداد، وتفسیر سورة مريم
مسلم، صفة القيامة، باب سؤال اليهود عن الروح اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو دعویٰ کر رہا ہے کیا اس کے پاس
غیب کا علم ہے کہ وہاں بھی اس کے پاس مال اور اولاد ہو گی؟ یا اللہ سے اس کا کوئی عہد ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ
صرف تعلق اور آیات الہی کا استہزاء و تمسخر ہے، یہ جس مال و اولاد کی بات کر رہا ہے اس کے وارث تو ہم ہیں یعنی مرنے
کے ساتھ ہی ان سے اس کا تعلق ختم ہو جائے گا اور ہماری بارگاہ میں یہ اکیلا آئے گا، نہ مال ساتھ ہو گا نہ اولاد اور نہ کوئی
جستہ۔ البتہ عذاب ہو گا جو اس کے لیے اور ان جیسے دیگر لوگوں کے لیے ہم بڑھاتے رہیں گے۔

(۲) عِزًّا کا مطلب ہے یہ معبود ان کے لیے عزت کا باعث اور مددگار ہوں گے اور صِدًّا کے معنی ہیں، دشمن، جھٹلانے
والے اور ان کے خدف دوسروں کے مددگار۔ یعنی یہ معبود ان کے گمان کے برعکس ان کے حمایتی ہونے کی بجائے، ان
کے دشمن، ان کو جھٹلانے والے اور ان کے خلاف ہوں گے۔

فَلَا تَحْمِلْ عَلَيْهِمْ إِمَاعًا لَهُمْ عَذَابٌ ۝

يَوْمَ نَحْمِلُ الشَّقِيقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا ۝

وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَى جَهَنَّمَ وَفْدًا ۝

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۝

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۝

لَعَنَ جَنَّتُمْ كَيْفَ إِذَا ۝

تَكَادُ السَّمُوتُ يَنْفَطَرُونَ مِنْهُ وَتَشَقُّ الْأَرْضُ وَتَضْحَكُ السَّمَاءُ ۝

أَنْ دَعَا لِلْعَذَابِ وَلَدًا ۝

بھیجتے ہیں جو انہیں خوب اکساتے ہیں۔ (۸۳)

تو ان کے بارے میں جلدی نہ کر، ہم تو خود ہی ان کے لیے مدت شماری کر رہے ہیں۔ (۸۴)

جس دن ہم پر ہیز گاروں کو اللہ رحمان کی طرف بطور مہمان کے جمع کریں گے۔ (۸۵)

اور گناہ گاروں کو سخت پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہانک لے جائیں گے۔ (۸۶)

کسی کو شفاعت کا اختیار نہ ہو گا سوائے ان کے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی قول قرار لے لیا ہے۔ (۸۷)
ان کا قول تو یہ ہے کہ اللہ رحمن نے بھی اولاد اختیار کی ہے۔ (۸۸)

یقیناً تم بہت بری اور بھاری چیز لائے ہو۔ (۸۹)
قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزے ریزے ہو جائیں۔ (۹۰)

کہ وہ رحمان کی اولاد ثابت کرنے بیٹھے۔ (۹۱)

(۱) یعنی گمراہ کرتے، بہکاتے اور مصیبت کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں۔

(۲) اور جب وہ مہلت ختم ہو جائے گی تو عذاب الہی کے مورد بن جائیں گے۔ آپ کو جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳) وَفْدًا، وَفْدُ کی جمع ہے جیسے رَجَبٌ، وَاجِبُ کی جمع ہے 'مطلب یہ ہے کہ انہیں اونٹوں، گھوڑوں پر سوار کرا کے نہایت عزت و احترام سے جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ وَفْدًا کے معنی پیاسے۔ اس کے برعکس مجرمین کو بھوکا پیاسا جہنم میں ہانک دیا جائے گا۔

(۴) قول و قرار (عہد) کا مطلب ایمان و تقویٰ ہے۔ یعنی اہل ایمان و تقویٰ میں سے جن کو اللہ شفاعت کرنے کی اجازت دے گا، وہی شفاعت کریں گے، ان کے سوا کسی کو شفاعت کرنے کی اجازت بھی نہیں ہوگی۔

(۵) إِذَا کے معنی بہت، بھیاںک معاملہ اور ذابیت (بھاری چیز اور بڑی مصیبت) کے ہیں۔ یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اللہ کی اولاد قرار دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس سے آسمان و زمین پھٹ سکتے ہیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو سکتے ہیں۔

وَالَّذِينَ الرَّحْمَنُ لَمْ يَجْعَلْ لَهُمْ الرَّحْمَنَ ۝

إِنَّ هُنَّ مِنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا إِلَى الرَّحْمَنِ عَبْدًا ۝

لَقَدْ أَحْطَيْنَاهُمْ وَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا ۝

وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْوَعْدَةِ قَرْدًا ۝

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ اللَّهُ لَهُمُ الرَّحْمَنَ ۝

وَدًّا ۝

وَلَا تَمَآ يَتَرَبَّعُ بِلِسَانِكَ إِلَّا يَتَّبِعُهُ الشَّيْطَانُ وَمِنْهُ

شانِ رَحْمَنِ کے لائق نہیں کہ وہ اولاد رکھے۔ (۹۲)

آسمان و زمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام

بن کر ہی آنے والے ہیں۔ (۹۳)

ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے اور سب کو پوری طرح

گن بھی رکھا ہے۔ (۹۴)

یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اس کے

پاس حاضر ہونے والے ہیں۔ (۹۵)

بیشک جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے شائستہ اعمال کیے

ہیں ان کے لیے اللہ رَحْمَنِ محبت پیدا کر دے گا۔ (۹۶)

ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں بہت ہی آسان کر دیا

ہے (۹۷) کہ تو اس کے ذریعہ سے پرہیزگاروں کو خوشخبری

(۱) جب سب اللہ کے غلام اور اس کے عاجز بندے ہیں تو پھر اسے اولاد کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور یہ اس کے لائق بھی نہیں ہے۔

(۲) یعنی آدم سے لے کر صبح قیامت تک جتنے بھی انسان جن ہیں سب کو اس نے گن رکھا ہے سب اس کے قابو اور گرفت میں ہیں کوئی اس سے مخفی ہے نہ مخفی رہ ہی سکتا ہے۔

(۳) یعنی کوئی کسی کا مددگار نہیں ہو گا نہ مال ہی وہاں کچھ کام آئے گا۔ ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ﴾ (الشعراء ۸۸) ”اس دن نہ مال نفع دے گا نہ بیٹے“ ہر شخص کو تنہا اپنا اپنا حساب دینا پڑے گا اور جن کی بابت انسان دنیا میں یہ سمجھتا ہے کہ یہ میرے وہاں حمایتی اور مددگار ہوں گے وہاں سب غائب ہو جائیں گے۔ کوئی کسی کی مدد کے لیے حاضر نہیں ہو گا۔

(۴) جتنی دنیا میں لوگوں کے دلوں میں اس کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے محبت پیدا کر دے گا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے ”جب اللہ تعالیٰ کسی (نیک) بندے کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو اللہ جبرائیل علیہ السلام کو کہتا ہے ”میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ پس جبرائیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنی شروع کر دیتے ہیں پھر جبرائیل علیہ السلام آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے محبت کرتا ہے پس تمام آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین میں اس کے لیے قبولیت اور پذیرائی رکھ دی جاتی ہے“ (اصحیح بخاری کتاب الأدب باب الممقّت من اللہ تعالیٰ)

(۵) قرآن کو آسان کرنے کا مطلب اس زبان میں آنا ہے جس کو بغیر جاننا تھا یعنی عربی زبان میں پھر اس کے مضمون کا کھلا ہوا واضح اور صاف ہونا ہے۔

یہ قَوْمًا لَّدَا ⑤

وَكُرْهُلِكُمْ أَفَلَا تَعْلَمُونَ قَوْمٌ مَلَّ عُثْرٌ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ
أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ⑥دے اور جھگڑالو^(۱) لوگوں کو ڈرا دے۔ (۹۷)ہم نے ان سے پہلے بہت سی جماعتیں تباہ کر دی ہیں کیا
ان میں سے ایک کی بھی آہٹ تو پاتا ہے یا ان کی آواز کی
بھٹک بھی تیرے کان میں پڑتی ہے؟^(۲) (۹۸)

سُورَةُ طه

سورہ ط کی ہے اور اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور
آٹھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ⑦

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمایت رحم والا ہے۔

طہ ① مَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ⑧

طہ۔ (۱) ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لیے نہیں اتارا کہ تو
مشقت میں پڑ جائے۔^(۳) (۲)

إِلَّا أَنذِرَ لِمَن يَخْشَى ⑨

بلکہ اس کی نصیحت کے لیے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ (۳)
اس کا اتارنا اس کی طرف سے ہے جس نے زمین کو اور
بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ (۴)

تَنزِيلًا لِّمَن يَخْشَى خَلْقَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ الْعُلَى ⑩

(۱) لَّدَا کی جمع کے معنی جھگڑالو کے ہیں مراد کفار و مشرکین ہیں۔

(۲) احساس کے معنی ہیں اِلْإِذْرَاكَ بِالْحَسَنِ حس کے ذریعے سے ادراک حاصل کرنا۔ یعنی کیا تو ان کو آنکھوں سے دیکھ
سکتا یا ہاتھوں سے چھو سکتا ہے؟ استغمام انکاری ہے۔ یعنی ان کا جو دعویٰ دنیا میں نہیں ہے کہ تو انہیں دیکھ یا چھو سکے رنخ
صوت خفی کو کہتے ہیں یا ان کی ہلکی سی آواز ہی تجھے کیسے سنائی دے سکے۔☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول اسلام کے متعدد اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ بعض تاریخ و سیر کی روایات میں اپنی بہن اور
بنوئی کے گھر میں سورہ ط کا سننا اور اس سے متاثر ہونا بھی مذکور ہے (فتح القدیر)(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو اس لیے نہیں اتارا کہ تو ان کے کفر پر فرط مأسفہ اور ان کے عدم ایمان پر
حسرت سے اپنے آپ کو مشقت میں ڈال لے اور غم میں پڑ جائے جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے۔ ﴿فَلَعَلَّكَ
بَالِغٌ إِلَيْكَ عَلَىٰ أَنْذَارٍ مِّمَّنْ كَرِهْتَ لِيُذَيِّبَ اللَّهُ سَائِرَ الْبَالِغِينَ﴾ — الکہف ۱۰ ”پس اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو
کیا ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے“ بلکہ ہم نے تو قرآن کو نصیحت اور یاد دہانی کے لیے اتارا ہے
تاکہ ہر انسان کے تحت الشعور میں ہماری توحید کا جو جذبہ چھپا ہوا ہے واضح اور نمایاں ہو جائے گویا یہاں شفاء عطاء
اور نعت کے معنی میں ہے یعنی تکلیف اور تھکاوٹ۔

أَلَرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى ⑤

لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
وَمَا تَحْتَ الثَّرَى ⑥

فَإِنْ تَجَهَّرَ بِالنَّوْلِ فَإِنَّهُ يَسْمَعُ الْتَرَاخُفَ ⑦

إِنَّهُ لَكَ إِلَهٌ الْإِلَهِاتُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ⑧

وَهَلْ أَمَّاكَ حَدِيثُ مُوسَى ⑨

إِذْ رَأَيْنَا أَفْقَالَ لَيْلِيهِمْ أَمْشَكُوا لِي أَنْتَ نَارًا تَلْعَلُ
إِيتَيْنَاهُمْ مِنْهَا نَعِيمٌ أَوْ آتَيْنَاهُ عَلَى الثَّارِ هَدًى ⑩

جو رحمن ہے عرش پر قائم ہے۔^(۱) (۵)

جس کی ملکیت آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے
درمیان اور (کرۂ خاک) کے نیچے کی ہر ایک چیز پر
ہے۔^(۲) (۶)

اگر تو اونچی بات کہے تو وہ تو ہر ایک پوشیدہ، بلکہ پوشیدہ
سے پوشیدہ چیز کو بھی بخوبی جانتا ہے۔^(۳) (۷)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بہترین نام اسی
کے ہیں۔^(۴) (۸)

تجھے موسیٰ (علیہ السلام) کا قصہ بھی معلوم ہے؟ (۹)

جبکہ اس نے آگ دیکھ کر اپنے گھروالوں سے کہا کہ تم
ذرا سی دیر ٹھہر جاؤ مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ بہت ممکن
ہے کہ میں اس کا کوئی انگارہ تمہارے پاس پاؤں یا آگ
کے پاس سے راستے کی اطلاع پاؤں۔^(۱۰) (۱۰)

(۱) بغیر کسی حد بندی اور کیفیت بیان کرنے کے 'جس طرح کہ اس کی شان کے لائق ہے یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہے' لیکن کس طرح اور کیسے؟ یہ کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔

(۲) ثَرَى کے معنی ہیں اسفل السافلین یعنی زمین کا سب سے نچلا حصہ۔

(۳) یعنی اللہ کا ذکر یا اس سے دعا اونچی آواز میں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ تو پوشیدہ سے پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے یا اخفی کے معنی ہیں کہ اللہ تو ان باتوں کو بھی جانتا ہے جن کو اس نے تقدیر میں لکھ دیا اور ابھی تک لوگوں سے اس کو مخفی رکھا ہے۔ یعنی قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا اسے علم ہے۔

(۴) یعنی معبود بھی وہی ہے جو مذکورہ صفات سے متصف ہے اور بہترین نام بھی اسی کے ہیں جن سے اس کو پکارا جاتا ہے۔ نہ معبود اس کے سوا کوئی اور ہے اور نہ اس کے سے اسمائے حسنیٰ ہی کسی کے ہیں۔ پس اسی کی صحیح معرفت حاصل کر کے اسی سے ڈرایا جائے اسی سے محبت رکھی جائے اسی پر ایمان لایا جائے اور اسی کی اطاعت کی جائے۔ تاکہ انسان جب اس کی بارگاہ میں واپس جائے تو وہاں شرمسار نہ ہو بلکہ اس کی رحمت و مغفرت سے شاد کام اور اس کی رضا سے سعادت مند ہو۔

(۵) یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی بیوی کے ہمراہ (جو ایک قور کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر نیک اختر تھیں) اپنی والدہ کی طرف واپس جا رہے تھے اندھیری رات تھی اور راستہ بھی نامعلوم اور بعض مفسرین کے بقول بیوی کی زچگی کا وقت بالکل قریب تھا اور انہیں حرارت کی ضرورت تھی یا سردی

فَلَمَّا آتَاهُمَا نُوْرٌ يُّمُوْنِي ۝

اِنَّ اَنَا رَبُّكَ فَاعْبُدْنِي اِنَّكَ يٰۤاَلُوْدُ الْمُعْتَدِي ۝

طُوًى ۝

وَ اَنَا اخْرَجْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝

اِنۡشِئْ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِي وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ

لِذِكْرِي ۝

جب وہ وہاں پہنچے تو آواز دی گئی ^(۱) اے موسیٰ! (۱۱)

یقیناً میں ہی تیرا پروردگار ہوں تو اپنی جوتیاں اتار دے ^(۲) کیونکہ تو پاک میدان طویٰ میں ہے۔ ^(۳) (۱۲)

اور میں نے تجھے منتخب کر لیا ہے ^(۴) اب جو وحی کی جائے اسے کان لگا کر سن۔ (۱۳)

پیشک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا عبادت کے مانق اور کوئی نہیں پس تو میری ہی عبادت کر ^(۵) اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ۔ ^(۶) (۱۴)

کی وجہ سے گرمی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اتنے میں دور سے انہیں آگ کے شعلے بندھتے ہوئے نظر آئے۔ گھر والوں سے یعنی بیوی سے (یا بعض کہتے ہیں خادم اور بچہ بھی تھا اسی لیے جمع کا لفظ استعمال فرمایا) کہا تم یہاں ٹھہرو شاید میں آگ کا کوئی شعلہ وہاں سے لے آؤں یا تم از کم وہاں سے راستے کی نشان دہی ہی ہو جائے۔

(۱) موسیٰ علیہ السلام جب آگ والی جگہ پر پہنچے تو وہاں ایک درخت سے (جیسا کہ سورہ قصص ۳۰ میں صراحت ہے، آواز آئی۔

(۲) جوتیاں اتارنے کا حکم اس لیے دیا کہ اس میں تواضع کا اظہار اور شرف و تکریم کا پہلو زیادہ ہے 'بعض کہتے ہیں کہ وہ ایسے گدھے کی کھال کی بنی ہوئی تھیں جو غیر مدبوغ تھی۔ کیوں کہ جانور کی کھال دباغت کے بعد ہی پاک ہوتی ہے 'مگر یہ قوس محل نظر ہے۔ دباغت کے بغیر جوتیاں کیوں کر بن سکتی ہیں؟ یا وادی کی پاکیزگی اس کا سبب تھا جیسا کہ قرآن کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے۔ تاہم اس کے دو پہلو ہیں۔ یہ حکم وادی کی تعظیم کے لیے تھا یا اس لیے کہ وادی کی پاکیزگی کے اثرات نیکے پیر ہونے کی صورت میں موسیٰ علیہ السلام کے اندر زیادہ جذب ہو سکیں۔ واللہ اعلم۔

(۳) طویٰ وادی کا نام ہے 'اسے بعض نے منصرف اور بعض نے غیر منصرف کہا ہے۔ (فتح القدیر)

(۴) یعنی نبوت و رسالت اور ہمکلامی کے لیے۔

(۵) یعنی تکلیفات شرعیہ میں یہ سب سے پہلا اور سب سے اہم حکم ہے جس کا ہر انسان مکلف ہے۔ علاوہ ازیں جب الوہیت کا مستحق بھی وہی ہے تو عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے۔

(۶) عبادت کے بعد نماز کا خصوصی حکم دیا۔ حالاں کہ عبادت میں نماز بھی شامل تھی 'تاکہ اس کی وہ اہمیت واضح ہو جائے جیسے کہ اس کی ہے۔ لیدخبری کا ایک مطلب یہ ہے کہ تو مجھے یاد کرے 'اس لیے کہ یاد کرنے کا طریقہ عبادت ہے اور عبادت میں نماز کو خصوصی اہمیت و فضیلت حاصل ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب بھی میں تجھے یاد آجائوں نماز پڑھ یعنی اگر کسی وقت غفلت 'ذہول یا غیہ کا غلبہ ہو تو اس کیفیت سے نکلتے ہی اور میری یاد آتے ہی نماز پڑھ۔ جس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو نماز سے سو جائے یا بھول جائے" تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ جب بھی اسے یاد آئے

إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لَنُجْزِيَ كُلَّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى ⑤

فَلَا يَصُدُّكَ عَنْهَا مَنْ لَوُؤْلُومٍ بِهَا وَاتَّبِعْ هَوَاهُ فَتَرْدَى ⑥

وَمَا لَكَ بِحَبِيبِكَ مُوسَى ⑦

قَالَ مِنْ عَصَايَ الْتَوَكُّؤُا عَلَيْهَا وَأَمْسِكْ بِعَاقِلِ عَاقِلِي وَلِي قِتْنًا مَازِلٍ أُخْرَى ⑧

قَالَ أَلَيْسَ الْيَتُوسَى ⑨

فَالْقِسْمَا إِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَى ⑩

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَحْضُفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَى ⑪

وَلَهُمْ مَوْدِدَةٌ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَمْوِيهِ بَيْضَةً مِّنْ غَيْرِ مَوْدِدَةٍ أُخْرَى ⑫

لِيُزِيلَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ⑬

قیامت یقیناً آنے والی ہے جسے میں پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو وہ بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی ہو۔ (۱۵) پس اب اس کے یقین سے تجھے کوئی ایسا شخص روک نہ دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہو، ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا۔ (۱۶)

اے موسیٰ! تیرے اس دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ (۱۷) جواب دیا کہ یہ میری لاشعی ہے جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور جس سے میں اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑ لیا کرتا ہوں اور بھی اس میں مجھے بہت سے فائدے ہیں۔ (۱۸)

فرمایا اے موسیٰ! اسے ہاتھ سے نیچے ڈال دے۔ (۱۹) ڈالتے ہی وہ سانپ بن کر دوڑنے لگی۔ (۲۰) فرمایا بے خوف ہو کر اسے پکڑ لے، ہم اسے اسی پہلی سی صورت میں دوبارہ لا دیں گے۔ (۲۱)

اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں ڈال لے تو وہ سفید چمکتا ہوا ہو کر نکلے گا، لیکن بغیر کسی عیب (اور روگ) کے (۲۲) یہ دوسرا معجزہ ہے۔ (۲۳)

یہ اس لیے کہ ہم تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھانا چاہتے ہیں۔ (۲۴)

پڑھ لے۔ " (صحیح بخاری، کتاب المواقیت، باب من نسی صلوة فليصل إذا ذكرها، ومسلم، کتاب المساجد، باب قضاء الصلوة الغائبة)

(۱) اس لیے کہ آخرت پر یقین کرنے سے یا اس کے ذکر و مراقبے سے گریز، دونوں ہی باتیں ہلاکت کا باعث ہیں۔

(۲) یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ عطا کیا گیا جو عصائے موسیٰ علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے۔

(۳) بغیر عیب اور روگ کے، کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کا اس طرح سفید اور چمک دار ہو کر نکلے، کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہے جیسا کہ برص کے مریض کی چمڑی سفید ہو جاتی ہے۔ بلکہ یہ دوسرا معجزہ ہے جو ہم تجھے عطا کر رہے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر ان دونوں معجزوں کا ذکر کر کے فرمایا ﴿فَلَنُفَصِّلَنَّ مِنْ تَبِكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ﴾ القصص-۳۲ "پس یہ دو دلیل ہیں حیرے پر دروگار کی طرف سے، فرعون اور اس کے سرداروں کے لیے۔"

اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَاٰهُ ظَلَمًا ۝

اب تو فرعون کی طرف جا اس نے بڑی سرکشی مچا رکھی ہے۔^(۱) (۲۳)

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میرے پروردگار! میرا سینہ میرے لیے کھول دے۔ (۲۵)

وَيَسِّرْ لِّيْٓ اَمْرِيْ ۝

اور میرے کام کو مجھ پر آسان کر دے۔ (۲۶)

وَاجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً مِّنْ لَّدُنِّيْ ۝

اور میری زبان کی گرہ بھی کھول دے۔ (۲۷)

يَفْقَهُوا قَوْلِيْ ۝

تاکہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں۔ (۲۸)

وَاجْعَلْ لِّيْ ذُرِّيَّاتٍ اٰمِيْنَ ۝

اور میرا ذریعہ میرے کنبے میں سے کر دے۔ (۲۹)

هٰرُونَ اَخِيْ ۝

یعنی میرے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو۔ (۳۰)

اَسَدُودِيْہٖ اَزْدِيْ ۝

تو اس سے میری کمر کس دے۔ (۳۱)

وَشَرِيْكَہٗ فِیْ اٰمِيْنَ ۝

اور اے میرا شریک کار کر دے۔^(۲) (۳۲)

(۱) فرعون کا ذکر اس لیے کیا کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور اس پر طرح طرح کے ظلم روا رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں اس کی سرکشی و طغیانی بھی بہت بڑھ گئی تھی حتیٰ کہ وہ دعویٰ کرنے لگا تھا ﴿ اَنَا رَبُّکُمْ ۚ﴾ "میں تمہارا بلند تر رب ہوں۔"

(۲) کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے شاہی محل میں زیر پرورش تھے تو بھجور یا موتی کے بجائے آگ کا انگارہ منہ میں ڈال لیا تھا جس سے ان کی زبان جل گئی اور اس میں کچھ لگنت پیدا ہو گئی۔ (ابن کثیر) جب اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ فرعون کے پاس جا کر میرا پیغام پہنچاؤ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں دو باتیں آئیں، ایک تو یہ کہ وہ بڑا جبار اور متکبر بادشاہ ہے بلکہ رب ہونے تک کا دعویٰ کر رہا ہے۔ دوسرا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اس کی قوم کا ایک آدمی، راہ گیا تھا اور جس کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی جان بچانے کے لیے وہاں سے نکلنا پڑا تھا۔ یعنی ایک فرعون کی عظمت و جباریت کا خوف اور دوسرا اپنے ہاتھوں ہونے والے واقعہ کا اندیشہ۔ اور ان دونوں پر زائد تیسری بات، زبان میں لگنت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ یا اللہ! "میرا سینہ کھول دے تاکہ میں رسالت کا بوجھ اٹھا سکوں" میرے کام کو آسان فرما دے یعنی جو مہم مجھے درپیش ہے اس میں میری مدد فرما اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ فرعون کے سامنے میں پوری وضاحت سے تیرا پیغام پہنچا سکوں اور اگر ضرورت پیش آئے تو اپنا دفاع بھی کر سکوں۔ اس کے ساتھ یہ دعا بھی کی کہ میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو (کہتے ہیں کہ یہ عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے) بطور معین اور مددگار میرا ذریعہ اور شریک کار بنا دے۔ ورنہ شواہد کے معنی میں ہے یعنی بوجھ اٹھانے والا۔ جس طرح ایک وزیر بادشاہ کا بوجھ اٹھاتا ہے اور امور مملکت میں اس کا مشیر ہوتا ہے۔ اسی طرح ہارون علیہ السلام میرا مشیر اور بوجھ اٹھانے والا ساتھی ہو۔

كُلُّ مُسَبِّحٍ كَثِيرًا ۝

وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ۝

إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَعِيرًا ۝

قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يٰمُوسَىٰ ۝

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۝

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مَا يُوْحَىٰ ۝

أَن قَدْ فِئُونِي الثَّابُوتَ فَاقْبِضُونِي الْيَوْمَ فَلْيُلْقِهِ الْيَوْمَ

بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوِّي وَعَدُوْلُهُ فَوَلِّتْ عَلَيْكَ عَيْنَهُ

مِيْقَةً فَلْيُصْنَعْ عَلَيَّ يَوْمِي ۝

تاکہ ہم دونوں بکثرت تیری تسبیح بیان کریں۔ (۳۳)

اور بکثرت تیری یاد کریں۔ (۳۳) ^(۱)

بیشک تو ہمیں خوب دیکھنے بھالنے والا ہے۔ (۳۵) ^(۲)

جناب باری تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ تیرے تمام سوالات

پورے کر دیے گئے۔ (۳۶) ^(۳)

ہم نے تو تجھ پر ایک بار اور بھی بڑا احسان کیا ہے۔ (۳۷) ^(۴)

جبکہ ہم نے تیری ماں کو وہ الام کیا جس کا ذکر اب کیا

جا رہا ہے۔ (۳۸)

کہ تو اسے صندوق میں بند کر کے دریا میں چھوڑ دے،

پس دریا اسے کنارے لا ڈالے گا اور میرا اور خود اس کا

دشمن اسے لے لے گا۔ (۵) اور میں نے اپنی طرف کی

خاص محبت و مقبولیت تجھ پر ڈال دی۔ (۶) تاکہ تیری

(۱) یہ دعاؤں کی علت بیان کی کہ اس طرح ہم تبلیغ رسالت کے ساتھ ساتھ تیری تسبیح اور تیرا ذکر بھی زیادہ کر سکیں۔

(۲) یعنی تجھے سارے حالات کا علم ہے اور بچپن میں جس طرح تو نے ہم پر احسان کیے اب بھی اپنے احسانات سے ہمیں محروم نہ رکھ۔

(۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ 'اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کی لکنت کو بھی دور فرما دیا ہو گا۔ اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے چوں کہ پوری لکنت دور کرنے کی دعائیں کی تھی اس لیے کچھ باقی رہ گئی تھی۔ باقی رہ فرعون کا یہ کہنا ﴿وَلَا يَجَاذِبُونِ﴾ (الرعد ۵۲) "یہ تو صاف بول بھی نہیں سکتا" یہ ان کی تنقیص گزشتہ کیفیت کے اعتبار سے ہے (المیزان التفسیر)

(۴) قبولیت دعا کی خوشخبری کے ساتھ 'مزید تسل اور حوصلے کے لیے اللہ تعالیٰ بچپن کے اس احسان کا ذکر فرما رہا ہے جب موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے قتل کے اندیشے سے اللہ کے حکم سے (یعنی القائے الہی) سے انہیں جب وہ شیر خوار بچے تھے تابوت میں ڈال کر دریا کے سپرد کر دیا تھا۔

(۵) مراد فرعون ہے جو اللہ کا بھی دشمن اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی دشمن تھا۔ یعنی لکڑی کا وہ تابوت تیرا ہوا جب شاہی محل کے کنارے پہنچا تو اسے باہر نکال کر دیکھا گیا تو اس میں ایک معصوم بچہ تھا فرعون نے اپنی بیوی کی خواہش پر پرورش کے لیے شاہی محل میں رکھ لیا۔

(۶) یعنی فرعون کے دل میں ڈال دی یا عام لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی۔

إِذْ تَسْتَبِيحُ أَهْلَكَ فَقَتُولُ هَلْ أَذِلَّكُمْ عَلَىٰ مَنْ يَكْفُلُهُ
فَوَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمَمٍ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَوَقَّعْنَا
فِيهَا فَتْنَيْنِكَ مِنَ الْعَوْدِ وَقَدْ نَكَّرَ قَوْلُنَا ۚ فَلَمَّا فَتَنَّا
بِالْأَهْلِ مَدِينَةَ لَمَّا جَاءَتْ عَلَىٰ قَدْحٍ يُبَاسِي ۖ

پرورش میری آنکھوں کے سامنے^(۱) لگی جائے۔ (۳۹)
(یاد کر) جبکہ تیری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ
اگر تم کہو تو میں اسے بتا دوں جو اس کی نمکبانی کرے،^(۲)
اس تدبیر سے ہم نے تجھے پھر تیری ماں کے پاس پہنچایا کہ
اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمگین نہ ہو۔ اور تو
نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا^(۳) اس پر بھی ہم نے تجھے غم
سے بچالیا، غرض ہم نے تجھے اچھی طرح آزمایا۔^(۴) پھر تو
کئی سال تک مدین کے لوگوں میں ٹھہرا رہا،^(۵) پھر تقدیر

(۱) چنانچہ اللہ کی قدرت کا اور اس کی حفاظت و نمکبانی کا کمال اور کرشمہ دیکھئے کہ جس بچے کی خاطر فرعون بے شمار
بچوں کو قتل کروا چکا ہے، تاکہ وہ زندہ نہ رہے، اسی بچے کو اللہ تعالیٰ اس کی گود میں پلوار رہا ہے، اور ماں اپنے بچے کو دودھ
پلا رہی ہے، لیکن اس کی اجرت بھی موسیٰ علیہ السلام کے اسی دشمن فرعون سے وصول کر رہی ہے۔ فَتَنَّا بِهَا
الْجَبْرُوتِ وَالْمَلَائِكُوتِ وَالْكَهْنِ بَاءَ وَالْعِظْمَاءِ

(۲) یہ اس وقت ہوا، جب ماں نے تابوت سمندر میں پھینک دیا تو بیٹی سے کہا، ذرا دیکھتی رہو، یہ کہاں کنارے لگتا ہے
اور کیا معاملہ اس کے ساتھ ہوتا ہے؟ جب اللہ کی مشیت سے موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں پہنچ گئے، شیر خوارگی
کا عالم تھا، چنانچہ دودھ پلانے والی عورتوں اور آیاؤں کو بلایا گیا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کسی کا دودھ نہ پیتے۔ موسیٰ علیہ
اسلام کی بہن خاموشی سے سارا منظر دیکھ رہی تھی، بالآخر اس نے کہا میں تمہیں ایسی عورت بتا دیتی ہوں جو تمہاری یہ
مشکل دور کر دے گی، انہوں نے کہا ٹھیک ہے، چنانچہ وہ اپنی ماں کو، جو موسیٰ علیہ السلام کی بھی ماں تھی، بلوائی۔ جب ماں
نے بیٹے کو چھاتی سے لگایا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی تدبیر و مشیت سے غٹاٹھٹ دودھ پینا شروع کر دیا۔

(۳) یہ ایک دوسرے احسان کا ذکر ہے، جب موسیٰ علیہ السلام سے غیر ارادی طور پر ایک فرعون صرف گھونسنہ مارنے
سے مر گیا، جس کا ذکر سورہ قصص میں آئے گا۔

(۴) فَتْنٌ، دوخ اور خروج کی طرح مصدر ہے یعنی ابْتَلَانَاكَ ابْتِلَاءً یعنی ہم نے تجھے خوب آزمایا۔ یا یہ جمع ہے فتنة
کی۔ جیسے حَجْرَةٌ کی حَجْرٌ اور نَذْرَةٌ کی نَذْرٌ جمع ہے۔ یعنی ہم نے تجھے کئی مرتبہ یا بار بار آزمایا یا آزمائشوں سے نکالا۔ مثلاً
جو سال بچوں کے قتل کا تھا، تجھے پیدا کیا، تیری ماں نے تجھے سمندر کی موجوں کے سپرد کر دیا، تمام دایاؤں کا دودھ تجھ پر
حرام کر دیا، تو نے فرعون کی داڑھی پکڑ لی تھی، جس پر اس نے تیرے قتل کا ارادہ کر لیا تھا، تیرے ہاتھوں قبلی کا قتل ہو
گیا، وغیرہ ان تمام مواقع آزمائش میں ہم ہی تیری مدد اور چارہ سازی کرتے رہے۔

(۵) جی فرعون کے غیر ارادی قتل کے بعد تو یہاں سے نکل کر مدین چلا گیا اور وہاں کئی سال رہا۔

انہی کے مطابق اے ^(۱) موسیٰ! تو آیا۔ (۳۰)

اور میں نے تجھے خاص اپنی ذات کے لیے پسند فرمالیا۔ (۳۱)

اب تو اپنے بھائی سمیت میری نشانیاں ہمراہ لیے ہوئے جا اور خبردار میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔ ^(۲) (۳۲)

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اسنے بڑی سرکشی کی ہے۔ (۳۳)

اے نرمی ^(۳) سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔ (۳۴)

دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں خوف ہے کہ کہیں فرعون ہم پر کوئی زیادتی نہ کرے یا اپنی سرکشی میں بڑھ نہ جائے۔ (۳۵)

جواب ملا کہ تم مطلقاً خوف نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں اور مستند دیکھتا رہوں گا۔ ^(۴) (۳۶)

تم اس کے پاس جا کر کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے پیغمبر ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے ان کی سزائیں موقوف کر۔ ہم تو تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی اسی کے لیے ہے جو ہدایت کا پابند ^(۵) ہو جائے۔ (۳۷)

وَاصْطَلَعْتَ لَعْنَتِي ۝

إِذْ هَبْتَ أَنْتَ وَأَخْلَدْتَ بَالِيْنِ وَلَا تَنْتَابِيْ ذِكْرِيْ ۝

إِذْ هَبَّ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۝

فَقَوْلَاهُ قَوْلَ الْكَافِرِ إِنَّكَ إِلَهُنَّ الْأُولَىٰ ۝

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُقْرَظَ عَلَيْنَا وَ أَنْ يُطْلَعَ ۝

قَالَ لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمِعُ وَأَذِي ۝

فَأَنبِئْهُ قَوْلَ الْكَافِرِ إِنَّهُ سَئُلُوكَ عَنْ تَابِعِيٍّ

إِسْرَآءِيلَ وَلَا تُخَذِّلْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكَ

وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ ۝

(۱) یعنی ایسے وقت میں تو آیا جو وقت میں نے اپنے فیصلے اور تقدیر میں تجھ سے ہم کلامی اور نبوت کے لیے لکھا ہوا تھا۔ یا

قَدَر سے مراد عمر ہے یعنی عمر کے اس مرحلے میں آیا جو نبوت کے لیے موزوں ہے یعنی چالیس سال کی عمر میں۔

(۲) اس میں داعیان الی اللہ کے لیے بڑا سبق ہے کہ انہیں کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔

(۳) یہ وصف بھی داعیان کے لیے بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ سختی سے لوگ بدکتے اور دور بھاگتے ہیں اور نرمی سے قریب آتے اور متاثر ہوتے ہیں اگر وہ ہدایت قبول کرنے والے ہوتے ہیں۔

(۴) تم فرعون کو جا کر کہو کہ اس کے جواب میں جو وہ کہے گا میں وہ سنتا اور تمہارے اور اس کے طرز عمل کو دیکھتا رہوں گا۔ اس کے مطابق میں تمہاری مدد اور اس کی چالوں کو ناکام کروں گا اس لیے اس کے پاس جاؤ تردد کی کوئی ضرورت نہیں

(۵) یہ سلام تحیہ نہیں ہے بلکہ امن و سلامتی کی طرف دعوت ہے۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام مکتوب میں لکھا تھا 'اَسْلِمْنَا نَسْلَمُ' (اسلام قبول کر لے) سلامتی میں رہے گا اسی طرح مکتوب کے شروع

إِنَّا قَدْ أُوتِجَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى ۝

قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا إِنَّمَا تَنبَأُ

قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَسْخَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ۝

قَالَ فَمَنْ رَبُّ الْغُوثَيْنِ الْأُولَىٰ ۝

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّكَ فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَىٰ ۝

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَاسْلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا

ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے اور روگردانی کرے اس کے لیے عذاب ہے۔ (۳۸)

فرعون نے پوچھا کہ اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ (۳۹)

جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک کو اس کی خاص صورت، شکل عنایت فرمائی پھر راہ بھا دی۔ (۵۰)

اس نے کہا اچھا یہ تو بتاؤ اگلے زمانے والوں کا رب کیا ہوتا ہے۔ (۵۱)

جواب دیا کہ ان کا علم میرے رب کے ہاں کتب میں موجود ہے، نہ تو میرا رب غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔ (۵۲)

اسی نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا ہے اور اس میں تمہارے چلنے کے لیے راستے بنائے ہیں اور آسمان سے

میں آپ نے ﴿وَلَقَدْ عَلِمْنَا عَلَىٰ آلِهَتِهِ الْهَدَىٰ﴾ بھی تحریر فرمایا، (ابن کثیر) اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کو مکتوب یا مجلس میں مخاطب کرنا ہو تو اسے انہی الفاظ میں سلام کہا جائے جو مشروط ہے ہدایت کے اپنانے کے ساتھ۔

(۱) مثلاً جو شکل و صورت انسان کے مناسب حال تھی وہ اسے جو جانوروں کے مطابق تھی وہ جانوروں کو عطا فرمائی۔ ”راہ بھائی“ کا مطلب ہر مخلوق کو اس کی طبعی ضروریات کے مطابق رہن سن، کھانے پینے اور بود و باش کا طریقہ سمجھا دیا، اس کے مطابق ہر مخلوق سامان زندگی فراہم کرتی اور حیات مستعار کے دن گزارتی ہے۔

(۲) فرعون نے بات کا رخ دوسری طرف پھیرنے کے لیے یہ سوال کیا، یعنی پہلے لوگ جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہوئے دنیا سے چلے گئے، ان کا حال کیا ہو گا؟

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا، ان کا علم نہ تجھے ہے نہ مجھے۔ البتہ ان کا علم میرے رب کو ہے جو اس کے پاس کتب میں موجود ہے وہ اس کے مطابق ان کو جزا و سزا دے گا، پھر اس کا علم اس طرح ہر چیز کو محیط ہے کہ اس کی نظر سے کوئی چھوٹی بڑی چیز او جھل نہیں ہو سکتی، نہ اسے نسیان ہی لاحق ہوتا ہے جب کہ مخلوق کے علم میں دونوں نقص موجود ہیں۔ ایک تو ان کا علم محیط کل نہیں، بلکہ ناقص ہے۔ دوسرے، علم کے بعد وہ بھول بھی سکتے ہیں، میرا رب ان دونوں نقصوں سے پاک ہے آگے رب کی مزید صفات بیان کی جا رہی ہیں۔

پانی بھی وہی برساتا ہے، پھر اس برسات کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔ (۵۳)
تم خود کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ۔^(۱) کچھ شک نہیں کہ اس میں عقلمندوں کے لیے^(۲) بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۵۴)

اسی زمین میں سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ تم سب^(۳) کو نکال کھڑا کریں گے۔ (۵۵)

ہم نے اسے اپنی سب نشانیاں دکھادیں لیکن پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کر دیا۔ (۵۶)

کہنے لگا اے موسیٰ! کیا تو اسی لیے آیا ہے کہ ہمیں اپنے جادو کے زور سے ہمارے ملک سے باہر نکال دے۔^(۴) (۵۷)

اچھا ہم بھی تیرے مقابلے میں اسی جیسے جادو ضرور لائیں

وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ ثَبَاتٍ ۖ شَعَىٰ ۝۵۳

كُلُوا وَارْعَوْا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ ۝۵۴

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ۝۵۵

وَلَعَدَّ آزِبَتُهُ لِيُتَنَّاكَ لَهَوًا فَلَذَّبَ وَآبَىٰ ۝۵۶

قَالَ أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ حَتَّىٰ أَنْصِتَ بِلِسَانِكَ وَمَا نَسِيتُ ۝۵۷

قُلْنَا إِنَّمِيتُكَ بِصُورَتِهِ ۖ فَاجْعَلْ سِتْرًا لِّبَنَاتِكَ

(۱) یعنی ان انواع و اقسام کی پیداوار میں کچھ چیزیں تمہاری خوراک اور لذت و فرحت کا سامان ہیں اور کچھ تمہارے چوپایوں اور جانوروں کے لیے ہیں۔

(۲) نُہیۃ کی جمع ہے، بمعنی عقل، أُولُو النُّہی عقل والے۔ عقل کو نُہیۃ اور عقل مند کو دُو نُہیۃ، اس بے کما جاتا ہے کہ بالآخر انہی کی رائے پر معاملہ انتہا پذیر ہوتا ہے، یا اس لیے کہ یہ نفس کو گناہوں سے روکتے ہیں، یُنہَوْنَ النَّفْسَ عَنِ الْفَوَاحِشِ (الفتح القدیر)

(۳) بعض روایات میں دفنانے کے بعد تین مٹھیاں (یا کبے) مٹی ڈالتے وقت اس آیت کا پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ لیکن سند ایہ روایات ضعیف ہیں۔ تاہم آیت کے بغیر تین پلین ڈالنے والی روایت جو ابن ماجہ میں ہے، صحیح ہے، اس لیے دفنانے کے بعد دونوں ہاتھوں سے تین تین مرتبہ مٹی ڈالنے کو عطا نے مستحب قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب الجنائز صفحہ ۱۵۲ و ارواء الغلیل نمبر ۲۵۱ ج ۳ ص ۲۰۰، کلاھما للآلبانی

(۴) جب فرعون کو دلائل واضحہ کے ساتھ وہ معجزات بھی دکھائے گئے، جو عصا اور ید بیضا کی صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے، تو فرعون نے اسے جادو کا کرتب سمجھا اور کہنے لگا، اچھا تو ہمیں اس جادو کے زور سے ہماری زمین سے نکالنا چاہتا ہے؟

مَوْعِدًا اِلَّا خِلْفَةً عَنْ وَلَا اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ①

گئے، پس تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدے کا وقت مقرر کر لے،^(۱) مگر نہ ہم اس کا خلاف کریں اور نہ تو صاف میدان میں مقابلہ ہو۔^(۲) (۵۸)

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ وَاَنْ يُّخْشِيَ النَّاسُ خَشْيًا ②

موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ زینت اور جشن کے دن^(۳) کا وعدہ ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے ہی جمع ہو جائیں۔ (۵۹)

فَقَوْلِ فِرْعَوْنُ قَسَمَ لَكَ زَيْنَتِي ③

پس فرعون لوٹ گیا اور اس نے اپنے ہتھکنڈے جمع کیے پھر آگیا۔^(۴) (۶۰)

قَالَ لَهْمُ مُوسٰى وَيَلَكُمْ لَا تَقْتُلُوا هٰذَا الَّذِى كُنَّا

موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے کہا تمہاری شامت آچکی، اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افتراء نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذابوں سے ملایا میٹ کر دے، یاد رکھو وہ کبھی کامیاب نہ ہو گا جس نے جھوٹی بات گھڑی۔^(۵) (۶۱)

قَسَمْتُمْ لَكُمْ يَدَايَايَ وَقَدْ خَابَ مِنْ اَفْتَرٰى ④

پس یہ لوگ آپس کے مشوروں میں مختلف رائے ہو گئے اور چسپ کر چپکے چپکے مشورہ کرنے لگے۔^(۶) (۶۲)

فَلَمَّا رَاَ اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَمَرُوا الشَّجْوٰى ⑤

کہنے لگے یہ دونوں محض جادوگر ہیں اور ان کا پختہ ارادہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال

قَالُوْا اِنْ هٰذِهِ لَيَسْرِنَ يٰرَبِّنَا اَنْ يُّخْرِجَهُمْ مِّنْ

(۱) مَوْعِدٌ مصدر ہے یا اگر ظرف ہے تو زمان اور مکان دونوں مراد ہو سکتے ہیں کہ کوئی جگہ اور دن مقرر کر لے۔

(۲) مَكَانًا سُوًى صاف ہموار جگہ، جہاں ہونے والے مقابلے کو ہر شخص آسانی سے دیکھ سکے یا ایسی برابر کی جگہ، جہاں فریقین سولت سے پہنچ سکیں۔

(۳) اس سے مراد نور روز یا کوئی اور سالانہ میلے یا جشن کا دن ہے جسے وہ عید کے طور پر مناتے تھے۔

(۴) یعنی مختلف شہروں سے ماہر جادوگروں کو جمع کر کے اجتماع گاہ میں آگیا۔

(۵) جب فرعون اجتماع گاہ میں جادوگروں کو مقابلے کی ترغیب دے رہا اور ان کو انعامات اور قرب خصوصی سے نوازنے کا اظہار کر رہا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی مقابلے سے پہلے انہیں وعظ کیا اور ان کے موجودہ رویے پر انہیں عذاب الہی سے ڈرایا۔

(۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وعظ سے ان میں باہم کچھ اختلاف ہوا اور بعض چپکے چپکے کہنے لگے کہ یہ واقعی اللہ کا نبی ہی نہ ہو، اس کی گفتگو تو جادوگروں والی نہیں پیغمبرانہ لگتی ہے۔ بعض نے اس کے برعکس رائے کا اظہار کیا۔

أَنْصَلُّكُمْ بِغَيْرِهِمَا وَيَدَّ قَبَائِطِرُ نَفْسِكُمُ الْمَثَل ⑤

فَأَجِيبُوا كَيْدَكُمْ ثُمَّ اسْتَوِصُوا وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنْ اسْتَعْلَى ⑥

قَالُوا يَمْوَسَّىٰ إِنَّمَا أَنْ تُلْقِيَ وَإِنَّا أَنْ نَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْفَى ⑦

قَالَ بَلْ أَلْفُوا فَإِذَا جَاءَ اللَّهُمَّ وَجْهَهُمْ يُغَيِّرُ الْيَوْمَ مِنْ يَجْرِمُ
أَلْهَامُ ⑧

فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةُ مُوسَى ⑨

فَلَمَّا لَاحَظْتَ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَخْلَى ⑩

باہر کریں اور تمہارے بہترین مذہب کو برباد کریں۔^(۱) (۶۳)

تو تم بھی اپنا کوئی داؤ اٹھانے رکھو، پھر صف بندی کر کے
آؤ۔ جو آج غالب آگیا وہی بازی لے گیا۔ (۶۴)

کہنے لگے کہ اے موسیٰ! یا تو پہلے ڈال یا ہم پہلے ڈالنے
والے بن جائیں۔ (۶۵)

جواب دیا کہ نہیں تم ہی پہلے ڈالو۔^(۲) اب تو موسیٰ (علیہ
السلام) کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں
ان کے جادو کے زور سے دوڑ بھاگ رہی ہیں۔^(۳) (۶۶)

پس موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے دل ہی دل میں ڈر
محسوس کیا۔ (۶۷)

ہم نے فرمایا کچھ خوف نہ کر یقیناً تو ہی غالب اور برتر رہے

(۱) مَثَلوں، طَرِيقَةُ کی صفت ہے۔ یہ اَمَثَل کی تائید ہے، افضل کے معنی میں مطلب یہ ہے کہ اگر یہ دونوں بھائی
اپنے ”جادو“ کے زور سے غالب آگئے، تو سادات و اشراف اس کی طرف مائل ہو جائیں گے، جس سے ہمارا اقتدار
خطرے میں اور ان کے اقتدار کا امکان بڑھ جائے گا۔ علاوہ ازیں ہمارا بہترین طریقہ یا مذہب اسے بھی یہ ختم کر دیں گے۔
یعنی اپنے مشرکانہ مذہب کو بھی انہوں نے ”بہترین“ قرار دیا۔ جیسا کہ آج بھی ہر باطل مذہب اور فرقے کے پیروکار اسی
زعم فاسد میں مبتلا ہیں۔ سچ فرمایا اللہ نے ﴿كُلُّ جُودٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَيُحْشَوْنَ﴾ (الروم ۱۳۲) ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے اس
پر رہتے رہا ہے۔“

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں پہلے اپنا کرتب دکھانے کے لیے کہا، تاکہ ان پر یہ واضح ہو جائے کہ وہ جادو گروں
کی اتنی بڑی تعداد سے جو فرعون جمع کر کے لے آیا ہے، اور اسی طرح ان کے ساحرانہ کمال اور کرتبوں سے خوف زدہ
نہیں ہیں۔ دوسرے ان کی ساحرانہ شعبہ بازیوں، جب معجزۃ الہی سے چشم زدن میں ہنسا، مَشْهُوداً ہو جائیں گی، تو اس کا
بہت اچھا اثر پڑے گا اور جادو گر یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ یہ جادو نہیں ہے، واقعی اسے اللہ کی تائید حاصل ہے
کہ آن داہد میں اس کی ایک دُشمنی ہمارے سارے کرتبوں کو نکل گئی؟

(۳) قرآن کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسیاں اور لکڑیاں حقیقتاً سانپ نہیں بنی تھیں، بلکہ جادو کے زور سے
ایب محسوس ہوتا تھا، جیسے سمیریم کے ذریعے سے نظربندی کر دی جاتی ہے۔ تاہم اس کا اثر یہ ضرور ہوتا ہے کہ عارضی
اور وقتی طور پر دیکھنے والوں پر ایک دہشت طاری ہو جاتی ہے، گوشتے کی حقیقت تبدیل نہ ہو۔ دوسری بات یہ معلوم
ہوئی کہ جادو کتنا بھی اونچے درجے کا ہو، وہ شے کی حقیقت تبدیل نہیں کر سکتا۔

گ۔ (۶۸)^(۱)

اور تیرے دائیں ہاتھ میں جو ہے اسے ڈال دے کہ ان کی تمام کاریگری کو وہ نکل جائے انہوں نے جو کچھ بنایا ہے یہ صرف جادو گروں کے کرتب ہیں اور جادو گر کہیں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔ (۶۹)

اب تو تمام جادو گر سجدے میں گر پڑے اور پکار اٹھے کہ ہم تو ہارون اور موسیٰ (علیہما السلام) کے رب پر ایمان لائے۔ (۷۰)

فرعون کہنے لگا کہ کیا میری اجازت سے پہلے ہی تم اس پر ایمان لے آئے؟ یقیناً یہی تمہارا وہ بڑا بزرگ ہے جس نے

وَالَّذِي مَأْتِي بِبَنِيكَ تَلْقَفُ مَا صَنَعُوا إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدٌ سَیْرٌ
وَلَا يُغْنِيهِ السَّارُ حَيْثُ أَثَرٌ ۝

فَالَّذِي السَّعَرَةُ سَجَدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ ۝

قَالَ إِنَّكُمْ لَقَبَلْتُمْ لِقَاءَ إِلَهِكُمْ الَّذِي ضَلَّكُمْ

(۱) اس دہشت ناک منظر کو دیکھ کر اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خوف محسوس کیا تو یہ ایک طبعی چیز تھی جو کس نبوت کے منافی ہے نہ عصمت کے۔ کیوں کہ نبی بھی بشری ہوتا ہے اور بشریت کے طبعی تقاضوں سے نہ وہ بالا ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح انبیاء کو دیگر انسانی عوارض لاحق ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں اسی طرح وہ جادو سے بھی متاثر ہو سکتے ہیں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہودیوں نے جادو کیا تھا جس کے کچھ اثرات آپ محسوس کرتے تھے اس سے بھی منصب نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا کیوں کہ اس سے کار نبوت متاثر نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ نبی کی حفاظت فرماتا ہے اور جادو سے وحی یا فریضہ رسالت کی ادائیگی کو متاثر نہیں ہونے دیتا۔ اور ممکن ہے کہ یہ خوف اس لیے ہو کہ میری لاشی ڈانسنے سے قبل ہی کہیں لوگ ان کرتبوں اور شعبہ بازیوں سے متاثر نہ ہو جائیں لیکن اغلب ہے کہ یہ خوف اس لیے ہوا کہ ان جادو گروں نے بھی جو کرتب دکھایا وہ لاشیوں کے ذریعے سے ہی دکھایا جب کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی لاشی ہی تھی جسے انھیں زمین پر پھینکنا تھا موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خیال آیا کہ دیکھنے والے اس سے شے اور مخالطے میں نہ پڑ جائیں اور وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ دونوں نے ایک ہی قسم کا جادو پیش کیا اس لیے یہ فیصلہ کیسے ہو کہ کون سا جادو ہے کون سا معجزہ؟ کون غالب ہے کون مغلوب؟ گویا جادو اور معجزے کا جو فرق واضح کرنا مقصود ہے وہ مذکورہ مخالطے کی وجہ سے حاصل نہ ہو سکے گا اس سے معصوم ہوا کہ انبیاء کو بسا اوقات یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ ان کے ہاتھ پر کس نوعیت کا معجزہ ظہور پذیر ہونے والا ہے خود معجزہ کو ظاہر کرنے پر قدرت تو دور کی بات ہے یہ تو محض اللہ کا کام ہے کہ وہ انبیاء کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرمائے بہر حال موسیٰ علیہ السلام کے اس اندیشے اور خوف کو دور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ (علیہ السلام) کسی بھی لحاظ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے تو ہی غائب رہے گا اس جملے سے طبعی خوف اور دیگر اندیشوں سب کا ہی ازالہ فرمادیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ اگلی آیات میں ہے۔

الْبَعْرِ فَلَا قَطْعَ مِنْ آيِدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا وَصِيَّةَ لَكُمْ
فِي جُلُودِ الشَّعْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ إِنَّا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْلَى ①

قَالُوا لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنْ الْبَغْيِ وَالَّذِي قَطَعْنَا
فَأَنْتَ مَا أَنْتَ قَائِمٌ إِنَّمَا أَنْفُسُنَا لَهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ②

إِنَّا أَمَّاؤُكُمْ إِنَّا لَنُفْقِرُكُمْ إِنَّا لَنُفْقِرُكُمْ إِنَّا لَنُفْقِرُكُمْ
مِنَ النَّحْرِ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْلَى ③

تم سب کو جادو سکھایا ہے (سن لو) میں تمہارے ہاتھ پاؤں
الٹے سیدھے (۱) کٹوا کر تم سب کو کھجور کے تنوں میں سولی پر
لٹکوا دوں گا اور تمہیں پوری طرح معلوم ہو جائے گا کہ ہم
میں سے کس کی مار زیادہ سخت اور دیر پا ہے۔ (۱۱)

انہوں نے جواب دیا کہ ناممکن ہے کہ ہم تجھے ترجیح دیں
ان دلیلوں پر جو ہمارے سامنے آچکیں اور اس اللہ پر
جس نے ہمیں پیدا کیا ہے (۲) اب تو جو کچھ کرنے والا
ہے کر گزر تو جو کچھ بھی حکم چلا سکتا ہے وہ اسی دنیوی (۳)
زندگی میں ہی ہے۔ (۱۲)

ہم (اس امید سے) اپنے پروردگار پر ایمان لائے کہ وہ
ہماری خطائیں معاف فرمادے اور (خاص کر) جادوگری
(کا گناہ) جس پر تم نے ہمیں مجبور کیا ہے (۴) اللہ ہی بہتر

(۱) مِنْ خِلَافٍ (الٹے سیدھے) کا مطلب ہے سیدھا ہاتھ تو بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ تو سیدھا پاؤں۔

(۲) یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب وَالَّذِي قَطَعْنَا کا عطف مَا جَاءَنَا پر ہو۔ اور یہ بھی صحیح ہے۔ تاہم بعض مفسرین
نے اسے قسم قرار دیا ہے۔ یعنی قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا، ہم تجھے ان دلیلوں پر ترجیح نہیں دیں گے جو
ہمارے سامنے آچکیں۔

(۳) یعنی تیرے بس میں جو کچھ ہے، وہ کر لے، ہمیں معلوم ہے کہ تیرا بس صرف اس دنیا میں ہی چل سکتا ہے۔ جب کہ
ہم جس پروردگار پر ایمان لائے ہیں اس کی حکمرانی تو دنیا و آخرت دونوں جگہوں پر ہے۔ مرنے کے بعد ہم تیری حکمرانی
اور تیرے ظلم و ستم سے توجہ جائیں گے، کیوں کہ جسموں سے روح کے نکل جانے کے بعد تیرا اختیار ختم ہو جائے گا۔
لیکن اگر ہم اپنے رب کے نافرمان رہے تو ہم مرنے کے بعد بھی رب کے اختیار سے باہر نہیں نکل سکتے، وہ ہمیں سخت
عذاب دینے پر قادر ہے۔ رب پر ایمان لانے کے بعد ایک مومن کی زندگی میں جو عظیم انقلاب آتا اور دنیا کی بے ثباتی اور
آخرت کی دائمی زندگی پر جس طرح یقین ہونا چاہیے اور پھر اس عقیدہ و ایمان پر جو تکلیفیں آئیں، انہیں جس حوصلہ و
مہر اور عزم و استقامت سے برداشت کرنا چاہیے، جادو گروں نے اس کا ایک بہترین نمونہ پیش کیا کہ ایمان لانے سے
قبل کس طرح وہ فرعون سے انعامات اور دنیاوی جاہ و منصب کے طالب تھے، لیکن ایمان لانے کے بعد کوئی ترغیب و
تحریش انہیں متزلزل کر سکی، نہ تشدید و تعذیب کی دھمکیاں انہیں ایمان سے منحرف کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

(۴) دوسرا ترجمہ اس کا یہ ہے کہ ”ہماری وہ غلطیاں بھی معاف فرمادے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے مقابلے میں تیرے

اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔^(۱) (۷۳)

بات یہی ہے کہ جو بھی گنہگار بن کر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہو گا اس کے لیے دوزخ ہے، جہاں نہ موت ہوگی اور نہ زندگی۔^(۲) (۷۴)

اور جو بھی اس کے پاس ایمان کی حالت میں حاضر ہو گا اور اس نے اعمال بھی نیک کیے ہوں گے اس کے لیے بلند و بالا درجے ہیں۔ (۷۵)

بیوقوفی والی جنتیں جن کے نیچے سرس لہرس لے رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔ یہی انعام ہے ہر اس شخص کا جو پاک ہوا۔^(۳) (۷۶)

ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تو راتوں رات میرے بندوں کو لے چل،^(۴) اور ان کے لیے دریا میں خشک راستہ بنالے،^(۵) پھر نہ تجھے کسی کے

إِنَّ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجِيبًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ۝

وَمَن يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ۝

جَنَّاتُ عَدْنٍ مَّا يُزْوَجُونَ فِيهَا الْأَزْوَاجُ حُلِيلَاتٍ فِيهَا وَظِلٌّ جَارٍ مِّن تَحْتِهَا وَأَنْهَارٌ خَالِدِينَ فِيهَا ۝

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اسْبِرْ بِعِبَادِي قَضِيبٌ لَّهُمْ طَرِيقٌ إِلَى الْبَحْرِ يَبَسًا لَا تَخَفْ دَرَكَاؤُا نَّاسِكِي ۝

مجبور کرنے پر ہم نے عمل جادو کی صورت میں کہیں۔ "اس صورت میں مَا أَخْرَجْنَا كَاعْطَفَ خَطَابَانِ پر ہو گا۔

(۱) یہ فرعون کے الفاظ: ﴿وَتَجْعَلُنَّ أَيْنَا لِقَاءَ عَذَابِكَا إِنَّفِي﴾ کا جواب ہے کہ اے فرعون! تو جو سخت ترین عذاب کی ہمیں دھمکی دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمیں اجر و ثواب ملے گا وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر اور پائیدار ہے۔

(۲) یعنی عذاب سے تنگ آکر موت کی آرزو کریں گے، تو موت نہیں آئے گی اور رات دن عذاب میں مبتلا رہنا، کھانے پینے کو زقوم جیسے تلخ درخت اور جہنمیوں کے جسوں سے نچڑا ہوا خون اور پیپ ملنا، یہ کوئی زندگی ہوگی؟ لِّلَّهُمْ أَجْرُنَا مِن عَذَابٍ جَهَنَّمَ۔

(۳) جہنمیوں کے مقابلے میں اہل ایمان کو جو جنت کی پر آسائش زندگی ملے گی، اس کا ذکر فرمایا اور واضح کر دیا کہ اس کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو ایمان لانے کے بعد اس کے تقاضے بھی پورے کریں گے یعنی ایمان صالحہ اختیار اور اپنے نفس کو گناہوں کی آلودگی سے پاک کریں گے۔ اس لیے کہ ایمان زبان سے صرف چند کلمات ادا کر دینے کا نام نہیں ہے بلکہ عقیدہ و عمل کے مجموعے کا نام ہے۔

(۴) جب فرعون ایمان بھی نہیں لایا اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کرنے پر آمادہ نہیں ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا۔

(۵) اس کی تفصیل سورۃ الشعراء میں آئے گی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے سمندر میں لاشیں ماری، جس سے

آپکو نے کا خطرہ ہو گا نہ ڈر۔^(۱) (۷۷)

فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا تعاقب کیا پھر تودریا
ان سب پر چھا گیا جیسا کچھ چھا جانے والا تھا۔^(۲) (۷۸)

فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں ڈال دیا اور سیدھا
راستہ نہ دکھایا۔^(۳) (۷۹)

اے بنی اسرائیل! دیکھو ہم نے تمہیں تمہارے دشمن
سے نجات دی اور تم سے کوہ طور کی دائیں طرف کا
وعدہ^(۴) کیا اور تم پر من و سلوئی اتارا۔^(۵) (۸۰)

تم ہماری دی ہوئی پاکیزہ روزی کھاؤ اور اس میں حد سے
آگے نہ بڑھو۔^(۶) ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہو گا اور

فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ نَاعْتِهِمْ ۝

وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَهْدَىٰ ۝

يٰۤاِسْرٰٓءٰلَٓٓءِٓ قَدْ اٰتٰمَنَّاكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَاَعٰدَانَكُمْ
جَاۤءَ الطُّورَ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰۤى وَالسَّلٰوٰۤى ۝

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا نَزَّلْنٰكُمْ وَلَا تَطْعَمُوْا مِنْهٖ قَبِيْحًا
عَلَيْكُمْ غَضَبِىْ ۚ وَمَنْ يَّعْمَلْ عَلَيْهِ غَضَبِىْ

سمندر میں گزرنے کے لیے خشک راستہ بن گیا۔

(۱) خطرہ فرعون اور اس کے لشکر کا اور ڈر پانی میں ڈوبنے کا۔

(۲) یعنی اس خشک راستے پر جب فرعون اور اس کا لشکر چلنے لگا تو اللہ نے سمندر کو حکم دیا کہ حسب سابق رواں دواں
ہو جا، چنانچہ وہ خشک راستہ چشم زدن میں پانی کی موجوں میں تبدیل ہو گیا اور فرعون سمیت سارا لشکر غرق ہو گیا
غَشِيَهُمْ کے معنی ہیں علاؤہم وَاَصَابَهُمْ سمندر کا پانی ان پر غالب آگیا۔ مَا غَشِيَهُمْ یہ تکرار تعظیم و تسویل یعنی
ہولناکی کے بیان کے لیے ہے۔ یا اس کے معنی ہیں ”جو کہ مشہور و معروف ہے۔“

(۳) اس لیے کہ سمندر میں غرق ہونا ان کا مقدر تھا۔

(۴) وَآَعٰدْنَاكُمْ میں ضمیر جمع مخاطب کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تمہیں یعنی تمہارے
نمائندے بھی ساتھ لے کر آئیں تاکہ تمہارے سامنے ہی ہم موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہوں یا ضمیر جمع اس لیے دئی
گئی کہ کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کو بلانا بنی اسرائیل ہی کی خاطر اور انہی کی ہدایت و رہنمائی کے لیے تھا۔

(۵) مَنْ وَاَسْلَوٰۤى کے نزول کا واقعہ سورہ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ مَنْ کوئی میٹھی چیز تھی جو آسمان سے نازل ہوتی
تھی اور سَلَوٰۤى سے مراد شیر پرندے ہیں جو کثرت سے ان کے پاس آتے اور وہ حسب ضرورت انہیں پکڑ کر پکاتے اور
کھا لیتے۔ (ابن کثیر)

(۶) طَيِّبَات کے معنی ہیں تجاوز کرنا۔ یعنی حلال اور جائز چیزوں کو چھوڑ کر حرام اور ناجائز چیزوں کی طرف تجاوز مت کرو یا
اللہ کی نعمتوں کا انکار کر کے یا کفرانِ نعمت کا ارتکاب کر کے یا منعم کی نافرمانی کر کے حد سے تجاوز نہ کرو ان تمام مضمومات
پر طغیان کا لفظ صادق آتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ طغیان کا مفہوم ہے ضرورت و حاجت سے زیادہ پرندے پکڑنا۔
یعنی حاجت کے مطابق پرندے پکڑو اور اس سے تجاوز مت کرو۔

فَقَدْ هَمَّى ①

وَأَنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

لَعَنَّا هَمْدِي ②

وَمَا أَصْبَلْتُمْ عَنْ قَوْمِكُمْ يَمُوتُونَ ③

قَالَ هُمْ أَوْلَاءُ عَلَى أَشِيرِي وَغِيْلَتُهُ الْبَيْتُ

رَبِّهِمْ مَرْضَى ④

قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ

وَأَصْلَهُمُ السَّامِرِيُّ ⑤

فَرَجَعَهُ مُوسَى إِلَى قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ لَقَدْ

جس پر میرا غضب نازل ہو جائے وہ یقیناً تباہ ہوا۔ (۸۱)

ہاں بیشک میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں ایمان لائیں نیک عمل کریں اور راہِ راست پر بھی رہیں۔ (۸۲)

اے موسیٰ! تجھے اپنی قوم سے (غافل کر کے) کون سی چیز جلدی لے آئی؟ (۸۳)

کہا کہ وہ لوگ بھی میرے پیچھے ہی پیچھے ہیں اور میں نے اے رب! تیری طرف جلدی اس لیے کی کہ تو خوش ہو جائے۔ (۸۴)

فرمایا اہم نے تیری قوم کو تیرے پیچھے آزمائش میں ڈال دیا اور انہیں سامری نے برباد کیا ہے۔ (۸۵)

پس موسیٰ (علیہ السلام) سخت غضبناک ہو کر رنج کے ساتھ واپس لوٹے اور کہنے لگے کہ اے میری قوم! والو! کیا تم سے

(۱) دوسرے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ وہ ہادیہ یعنی جنم میں گرا۔ ہادیہ جنم کا پچلا حصہ ہے یعنی جنم کی گہرائی والے حصے کا مستحق ہو گیا۔

(۲) یعنی مغفرت الہی کا مستحق بننے کے لیے چار چیزیں ضروری ہیں۔ کفر و شرک اور معاصی سے توبہ، ایمان، عمل صالح اور راہِ راست پر چلنے رہنا یعنی استقامت حتیٰ کہ ایمان ہی پر اسے موت آئے اور نہ ظاہریات ہے کہ توبہ و ایمان کے بعد اگر اس نے پھر شرک و کفر کا راستہ اختیار کر لیا، حتیٰ کہ موت بھی اسے کفر و شرک پر ہی آئے تو مغفرت الہی کے بجائے عذاب کا مستحق ہو گا۔

(۳) سمندر پار کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے سربراہ اور وہ لوگوں کو ساتھ لے کر کوہ طور کی طرف چلے لیکن رب کے شوقِ ملاقات میں تیز رفتاری سے ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ کر اکیلے ہی طور پر پہنچ گئے، سو اسے جواب دیا، مجھے تو تیری رضا کی طلب اور اس کی جلدی تھی۔ وہ لوگ میرے پیچھے ہی آرہے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرے پیچھے آرہے ہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ میرے پیچھے کوہ طور کے قریب ہی ہیں اور وہاں میری واپسی کے منتظر ہیں۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سامری نامی شخص نے بنی اسرائیل کو بھڑا پوجنے پر لگا دیا، جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے طور پر موسیٰ علیہ السلام کو دی کہ سامری نے تو تیری قوم کو گمراہ کر دیا ہے۔ فتنے میں ڈالنے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف بہ حیثیت خالق کے کی ہے، ورنہ اس گمراہی کا سبب تو سامری ہی تھا جیسا کہ أَصْلَهُمُ السَّامِرِيُّ سے واضح ہے۔

اَلَّذِيْذِكُمْ رَبُّكُمْ وَعَدَا حَسَنًا اَفَاظَالُ عَلَيْنَا اَلْعَهْدُ
اَمَّا اَزْ نَشْرَ اَنْ يَحُولَ عَلَيْنَا غَضَبٌ مِّنْ رَبِّكَ
فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ۝

قَالُوْا مَا اَخْلَفْنَا مَّوْعِدَكَ سُبْحٰنَا وَلٰكِنَّا جٰئِلُنَا اَوْزَارًا مِّنْ رِّبٰةِ
الْقَوْمِ فَقَدْ مَّهًا ذٰلِكَ اَلْعٰی السَّامِرٰی ۝

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِبْرًا حَسَدًا اَلِهَ حَوَارِ قَالُوْا هٰذَا اِلٰهُكُمْ
وَالِهَ مُوسٰی فَاَتٰی ۝

اَفَا لَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُوْهُمُ اِلٰهُهُمْ قَوْلًا وَلَا تَمِيْنًا
لَّهُمْ صٰرُوْا اَوْ لَا تَفْعٰلًا ۝

تمہارے پروردگار نے نیک وعدہ نہیں کیا^(۱) تھا؟ کیا اس کی
مدت تھیس لمبی معلوم ہوئی؟^(۲) بلکہ تمہارا ارادہ ہی یہ ہے
کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب نازل ہو؟ کہ تم نے
میرے وعدے کا خلاف کیا۔^(۳) (۸۶)

انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے
ساتھ وعدے کا خلاف نہیں کیا۔^(۴) بلکہ ہم پر زیورات
قوم کے جو بوجھ لاد دیے گئے تھے انہیں ہم نے ڈال دیا
اور اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیے۔ (۸۷)

پھر اس نے لوگوں کے لیے ایک چھڑا نکال کر کیا یعنی
چھڑے کا بت جس کی گائے کی سی آواز بھی تھی پھر کہنے
لگے کہ یہی تمہارا بھی معبود ہے^(۵) اور موسیٰ کا بھی، لیکن
موسیٰ بھول گیا ہے۔ (۸۸)

کیا یہ گمراہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ تو ان کی بات کا
جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ ان کے کسی برے بھٹے

(۱) اس سے مراد جنت کا نفع و ظفر کا وعدہ ہے اگر وہ دین پر قائم رہے یا تورات عطا کرنے کا وعدہ ہے جس کے لیے طور
پر انہیں بلایا گیا تھا۔

(۲) کیا اس عہد کو مدت دراز گزر گئی تھی کہ تم بھول گئے اور چھڑے کی پوجا شروع کر دی۔

(۳) قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ ان کی طور سے واپسی تک وہ اللہ کی اطاعت و عبادت پر قائم رہیں گے یا یہ
وعدہ تھا کہ ہم بھی طور پر آپ کے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ لیکن راستے میں ہی رک کر انہوں نے گوسالہ پرستی شروع کر دی۔

(۴) یعنی ہم نے اپنے اختیار سے یہ کام نہیں کیا بلکہ یہ غلطی ہم سے اضطراری طور پر ہو گئی آگے اس کی وجہ بیان کی۔

(۵) زینۃ سے زیورات اور القوم سے قوم فرعون مراد ہے۔ کہتے ہیں یہ زیورات انہوں نے فرعونوں سے عاریتاً لیے

تھے اسی لیے انہیں اَوْزَار وِزْر (بوجھ) کی جمع کہا گیا ہے کیوں کہ یہ ان کے لیے جائز نہیں تھے چنانچہ انہیں جمع کر کے

ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا سامری نے بھی (جو مسلمانوں کے بعض گمراہ فرقوں کی طرح) گمراہ تھا کچھ ڈالا (اور وہ مٹی

تھی جیسا کہ آگے صراحت ہے) پھر اس نے تمام زیورات کو تپا کر ایک طرح کا چھڑا بنا دیا کہ جس میں ہوا کے اندر باہر

آنے جانے سے ایک قسم کی آواز پیدا ہوتی تھی۔ اس آواز سے اس نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام تو گمراہ

ہو گئے ہیں کہ وہ اللہ سے مننے کے لیے طور پر گئے ہیں جب کہ تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود تو یہ ہے۔

کا اختیار رکھتا ہے۔^(۱) (۸۹)

اور ہارون (علیہ السلام) نے اس سے پہلے ہی ان سے کہہ دیا تھا اے میری قوم والو! اس پچھڑے سے تو صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے، تمہارا حقیقی پروردگار تو اللہ رحمن ہی ہے، پس تم سب میری تابعداری کرو۔ اور میری بات مانتے چلے جاؤ۔^(۲) (۹۰)

انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی واپسی تک تو ہم اسی کے مجاور بنے بیٹھے رہیں گے۔^(۳) (۹۱)
موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے اے ہارون! انہیں گمراہ ہوتا ہوا دیکھتے ہوئے تجھے کس چیز نے روکا تھا۔ (۹۲)
کہ تو میرے پیچھے نہ آیا۔ کیا تو بھی میرے فرمان کا نافرمان بن بیٹھا۔^(۴) (۹۳)

ہارون (علیہ السلام) نے کہا اے میرے ماں جائے بھائی! میری داڑھی نہ پکڑا اور سر کے بال نہ کھینچ، مجھے تو صرف یہ خیال دامن گیر ہوا کہ کہیں آپ یہ (نہ) فرمائیں^(۵) کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ يَقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ فَاتَّبِعُونِي وَاطِيعُوا اَمْرِي ①

قَالُوا لَنْ نَبْرَحَ عَنْكَ عَلَيْنَا حَتَّىٰ يُرْجِعَ اِلَيْنَا مُوسٰى ②

قَالَ يَهُودُ مَا مَنَّكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْا ③

اَلَا تَتَّبِعُنَّ اَمْرِي ④

قَالَ يَسُوْرًا لَّا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرِاسِيْ اِنِّيْ خَشِيتُ اَنْ تَقُوْلَ كَزَقَمْتْ بَيْنَ بَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ⑤

(۱) اللہ تعالیٰ نے ان کی جمالت و نادانی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان عقل کے اندھوں کو اتنا بھی سیں پتہ چلا کہ یہ پچھڑا کوئی جواب دے سکتا ہے، نہ نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہے۔ جب کہ معبود تو وہی ہو سکتا ہے جو ہر ایک کی فریاد سننے پر نفع و نقصان پہنچانے پر اور حاجت برآری پر قادر ہو۔

(۲) حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ اس وقت کہا جب یہ قوم سامری کے پیچھے لگ کر پچھڑے کی عبادت میں لگ گئی۔

(۳) اسرائیلیوں کو یہ گوسالہ اتنا اچھا لگا کہ ہارون علیہ السلام کی بات کی بھی پروا نہیں کی اور اس کی تعظیم و عبادت چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

(۴) یعنی اگر انہوں نے تیری بات ماننے سے انکار کر دیا تھا، تو تجھ کو فوراً میرے پیچھے کوہ طور پر آکر مجھے بتلانا چاہیے تھا۔ تو نے بھی میرے حکم کی پروا نہیں کی۔ یعنی جانشینی کا صحیح حق ادا نہیں کیا۔

(۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو شرک کی گمراہی میں دیکھ کر سخت غضب ناک تھے اور سمجھتے تھے کہ شاید اس میں ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کی جن کو وہ اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے، مداخلت کا بھی دخل ہو، اس لیے سخت غصے میں ہارون

قَالَ فَمَا غَطَّبَكَ يَسَارِيءُ ⑤

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً

مِنْ أَكْثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ⑥

قَالَ فَادْعَبْ وَأَنَّ لَكَ فِي الْحَيَوةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ

میری بات کا انتظار نہ کیا۔^(۱) (۹۳)

موسیٰ (علیہ السلام) نے پوچھا سامری تیرا کیا معاملہ ہے۔ (۹۵)

اس نے جواب دیا کہ مجھے وہ چیز دکھائی دی جو انہیں دکھائی نہیں دی تو میں نے فرستادہ الہی کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی اسے اس میں ڈال دیا^(۲) اسی طرح میرے دل نے یہ بات میرے لیے بھلی بنا دی۔ (۹۶)

کہا اچھا جا دنیا کی زندگی میں تیری سزا یہی ہے کہ تو کتا رہے کہ مجھے نہ چھوٹا^(۳) اور ایک اور بھی وعدہ تیرے

علیہ السلام کی داڑھی اور سر پکڑ کر انہیں جھنجھوڑنا اور پوچھنا شروع کیا جس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں اتنا سخت رویہ اپنانے سے روکا۔

(۱) سورۃ اعراف میں حضرت ہارون علیہ السلام کا جواب یہ نقل ہوا ہے کہ ”قوم نے مجھے کمزور خیال کیا اور میرے قتل کے درپے ہو گئی“ (آیت-۱۳۲) جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی ذمہ داری پوری طرح نبھائی اور انہیں سمجھانے اور گواہی پرستی سے روکنے میں مدد اہنت اور کوتاہی نہیں کی۔ لیکن معاملے کو اس حد تک نہیں جانے دیا کہ خانہ جنگی شروع ہو جائے کیونکہ ہارون علیہ السلام کے قتل کا مطلب پھر ان کے حامیوں اور مخالفوں میں آپس میں خونی تصادم ہوتا اور بنی اسرائیل واضح طور پر دو گروہوں میں بٹ جاتے جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چوں کہ خود وہاں موجود نہ تھے اس لیے اس صورت حال کی نزاکت سے بے خبر تھے اسی بنا پر حضرت ہارون علیہ السلام کو انہوں نے سخت ست کیا۔ لیکن پھر وضاحت پر وہ اصل مجرم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس لیے یہ استدلال صحیح نہیں (جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں) کہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی خاطر شرکیہ امور اور باطل چیزوں کو بھی برداشت کر لینا چاہیے۔ کیوں کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے نہ ایسا کیا ہی ہے نہ ان کے قول کا یہ مطلب ہی ہے۔

(۲) جمہور مفسرین نے الرسول سے مراد جبرائیل علیہ السلام لیے ہیں اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کو گزرتے ہوئے سامری نے دیکھا اور اس کے قدموں کے نیچے کی مٹی اس نے سنبھال کر رکھ لی جس میں کچھ خرق عادت اثرات تھے۔ اس مٹی کی مٹھی اس نے پچھلے ہوئے زیورات یا پھنڑے میں ڈالی تو اس میں سے ایک قسم کی آواز نکلی شروع ہو گئی جو ان کے نفع کا باعث بن گئی۔

(۳) یعنی عمر بھر تو یہی کتا رہے گا کہ مجھ سے دور رہو مجھے نہ چھوٹا اس لیے کہ اسے چھوتے ہی چھوٹنے والا بھی اور یہ سامری بھی دونوں بخار میں مبتلا ہو جاتے۔ اس لیے جب یہ کسی انسان کو دیکھتا تو فوراً چیخ اٹھتا کہ لا مِسَاسَ کہا جاتا ہے کہ

وَأَن لَّمْ تَوْعِدْ أَن تَخْلِفَنَّهُ وَأَنْظُرْ إِلَى الْيَوْمِ الَّذِي طَلَبْتَ
عَلَيْهِ عَاكِفًا لِّلْعَرَفَةِ لِمَا كُنْتَ سَفَنَةً فِي الدِّينِ نَسَمًا ۝

إِنَّمَا إِلَهُ الْكَوْكَبَاتِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝

كَذَٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاء مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ آتَيْنَاكَ
مِنْ قَدْ مَاتَ وَكَوَلَّا ۝

مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَفُوزُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۝

ساتھ ہے جو تجھ سے ہرگز نہ ملے گا،^(۱) اور اب تو اپنے
اس معبود کو بھی دیکھ لینا جس کا اعتکاف کیے ہوئے تھے کہ
ہم اسے جلا کر دریا میں ریزہ ریزہ اڑا دیں گے۔^(۲) (۹۷)

اصل بات یہی ہے کہ تم سب کا معبود برحق صرف اللہ ہی
ہے اس کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں۔ اس کا علم
تمام چیزوں پر حاوی ہے۔ (۹۸)

اسی طرح ہم تیرے^(۳) سامنے پسے کی گزری ہوئی
وارداتیں بیان فرما رہے ہیں اور یقیناً ہم تجھے اپنے پاس
سے نصیحت عطا فرما چکے ہیں۔^(۴) (۹۹)

اس سے جو منہ پھیر لے گا^(۵) وہ یقیناً قیامت کے دن اپنا
بھاری بوجھ لاوے ہوئے ہو گا۔^(۶) (۱۰۰)

پھر یہ انسانوں کی ہستی سے نکل کر جنگل میں چلا گیا، جہاں جانوروں کے ساتھ اس کی زندگی گزری اور یوں عبرت کا نمونہ
بنادیا۔ گویا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے جو شخص جتنا زیادہ حیلہ و فن اور کمزور فربہ اختیار کرے گا، دنیا و آخرت میں اس
کی سزا بھی اسی حساب سے شدید تر اور نہایت عبرت ناک ہوگی۔

(۱) یعنی آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے جو ہر صورت بھگتنا پڑے گا۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ شرک کے آثار ختم کرنا بلکہ ان کا نام و نشان تک مٹا ڈالنا، چاہے ان کی نسبت کتنی ہی مقدس
ہستیوں کی طرف ہو، تو ہیں نہیں، جیسا کہ اہل بدعت، قبر پرست اور تعزیر پرست باور کراتے ہیں، بلکہ یہ توحید کا فٹ اور
دلی غیرت کا تقاضا ہے۔ جیسے اس واقعے میں اس اُتَر الرُّسُول کو نہیں دیکھا گیا، جس سے ظاہری طور پر روحانی برکات کا
مشاہدہ بھی کیا گیا، اس کے باوجود اس کی پروا نہیں کی گئی، اس لیے کہ وہ شرک کا زریعہ بن گیا تھا۔

(۳) یعنی جس طرح ہم نے فرعون و موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے، اسی طرح انبیائے سابق کے حالات ہم آپ پر
بیان کر رہے ہیں تاکہ آپ ان سے باخبر ہوں، اور ان میں جو عبرت کے پہلو ہوں، انہیں لوگوں کے سامنے نمایاں کریں
تاکہ لوگ اس کی روشنی میں صحیح رویہ اختیار کریں۔

(۴) نصیحت (ذکر) سے مراد قرآن عظیم ہے۔ جس سے بندہ اپنے رب کو یاد کرتا، ہدایت اختیار کرتا اور نجات و سعادت کا
راستہ اپناتا ہے۔

(۵) یعنی اس پر ایمان نہیں لائے گا اور اس میں جو کچھ درج ہے، اس پر عمل نہیں کرے گا۔

(۶) یعنی گنہ عظیم اس لیے کہ اس کا نامہ اعمال، نیکیوں سے خالی اور برائیوں سے پر ہو گا

خَبِيرٌ فِيهِ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَلَاۓ

يَوْمَ يُنْفَخُ الصُّورُ وَنَحْنُ الْمَغْرُومِينَ يَوْمَئِذٍ

يَبْعَثُونَ فِيهِمُ لِبَنِي إِسْرٰٓءٰٓءَ لَا عَشْرًا

عَنْ أَعْلٰٓمٍ يَأْتُوا لَوْلَٔ اِذْ يَقُولُ الْمَلَائِكَةُ طَرِيقَهُ اِنْ
لِبَنِي إِسْرٰٓءٰٓءَ لَا يُوۡفَوْنَ

وَيَسْأَلُونَ عَنِ الْبَيْتِ الَّذِي كَانُوا فِيْهِ يَسْتَفْتٰٓوْنَ

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا

لَا تَرٰى فِيْهَا عِصْيٰٓءَ اَوْ اٰمَنًا

جس میں ہمیشہ ہی رہے گا،^(۱) اور ان کے لیے قیامت کے
دن (بڑا) برا بوجھ ہے۔ (۱۰۱)

جس دن صور^(۲) پھونکا جائے گا اور گناہ گاروں کو ہم اس
دن (دہشت کی وجہ سے) نیلی پیلی آنکھوں کے ساتھ گھیر
لائیں گے۔ (۱۰۲)

وہ آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے^(۳) ہوں گے کہ ہم تو (دنیا
میں) صرف دس دن ہی رہے۔ (۱۰۳)

جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اس کی حقیقت سے ہم باخبر ہیں
ان میں سب سے زیادہ اچھی راہ^(۴) والا کہہ رہا ہو گا کہ
تم تو صرف ایک ہی دن رہے۔ (۱۰۴)

وہ آپ سے پہاڑوں کی نسبت سوال کرتے ہیں تو آپ
کہہ دیں کہ انہیں میرا رب ربزہ ربزہ کر کے اڑا دے
گا۔ (۱۰۵)

اور زمین کو بالکل ہموار صاف میدان کر کے
چھوڑے گا۔ (۱۰۶)

جس میں تو نہ کہیں موڑ توڑ دیکھے گا نہ اونچ نیچ (۱۰۷)

(۱) جس سے وہ بچ نہ سکے گا نہ بھاگ ہی سکے گا۔

(۲) صُور سے مراد وہ قُرْن (نرسنگا) ہے جس میں اسرافیل علیہ السلام اللہ کے حکم سے پھونک دے گی تو قیامت برپا
ہو جائے گی (مسند احمد ۲/ ۱۹۱) ایک اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اسرافیل علیہ السلام نے قرن کا
لقمہ بنایا ہوا ہے“ (یعنی اسے منہ لگائے کھڑا ہے) پیشانی جھکائی یا موڑی ہوئی ہے رب کے حکم کے انتظار میں ہے کہ کب
اسے حکم دیا جائے اور وہ اس میں پھونک مار دے ”ترمذی ابواب صفة القيامة باب ما جاء في الصور حضرت
اسرافیل علیہ السلام کے پہلے نفعی سے سب پر موت طاری ہو جائے گی اور دوسرے نفعی سے بحکم الہی سب زندہ اور
میدان محشر میں جمع ہو جائیں گے۔ آیت میں یہی دو سرا نفع مراد ہے۔

(۳) شدت ہول اور دہشت کی وجہ سے ایک دوسرے سے چپکے چپکے باتیں کریں گے۔

(۴) یعنی سب سے زیادہ عاقل اور سمجھ دار۔ یعنی دنیا کی زندگی انہیں چند دن بلکہ گھڑی دو گھڑی کی محسوس ہوگی۔ جس
طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَيَوْمَ نَقُومُ السَّاعَةَ يُخَيِّرُ الْمُغْرَمُونَ اَلَا يَلْمِزُ اَنۡفُسَهُمْ﴾ (الروم ۵۵)

يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ اِلٰى عَوَجٍ لَهُ وَخَشَعَتِ
الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝

يَوْمَئِذٍ لَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا لِمَنْ اِذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَخِيَ
لَهُ قَوْلًا ۝

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْهُ ۝

وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ وَقَدْ خَابَ مَن حَمَلَ ثِمْلًا ۝

جس دن لوگ پکارنے والے کے پیچھے چلیں^(۱) گے جس
میں کوئی کجی نہ ہوگی^(۲) اور اللہ رخص کے سامنے تمام
آوازیں پست ہو جائیں گی سوائے کھسر پھسر کے تجھے کچھ
بھی سنائی نہ دے گا۔^(۳) (۱۰۸)

اس دن سفارش کچھ کام نہ آئے گی مگر جسے رخص حکم
دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔^(۴) (۱۰۹)

جو کچھ ان کے آگے پیچھے ہے اسے اللہ ہی جانتا ہے مخلوق
کا علم اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔^(۵) (۱۱۰)

تمام چہرے اس زندہ اور قائم دائم مدبر اللہ کے سامنے

”جس دن قیامت برپا ہوگی“ کافر قسمیں کھا کر کہیں گے کہ وہ (دنیا میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔“ یہی مضمون
اور بھی متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ فاطر ۷۷-۳۔ سورۃ المؤمنون ۱۱۳-۱۱۲۔ سورۃ انعامات وغیرہ۔ مطلب یہی ہے
کہ فانی زندگی کو باقی رہنے والی زندگی پر ترجیح نہ دی جائے۔

(۱) یعنی جس دن اونچے نیچے پہاڑ وادیاں، فلک بوس عمارتیں، سب صاف ہو جائیں گی، سمندر اور دریا خشک ہو
جائیں گے، اور ساری زمین صاف چٹیل میدان ہو جائے گی۔ پھر ایک آواز آئے گی، جس کے پیچھے سارے لوگ لگ
جائیں گے یعنی جس طرف وہ داعی بلائے گا، جائیں گے۔
(۲) یعنی اس داعی سے اور ہر ادھر نہیں ہوں گے۔

(۳) یعنی مکمل سناٹا ہو گا سوائے قدموں کی آہٹ اور کھسر پھسر کے کچھ سنائی نہیں دے گا۔

(۴) یعنی اس دن کسی کی سفارش کسی کو فائدہ نہیں پہنچائے گی، سوائے ان کے جن کو رخص شفاعت کرنے کی اجازت
دے گا، اور وہ بھی ہر کسی کی سفارش نہیں کریں گے بلکہ صرف ان کی سفارش کریں گے جن کی بابت سفارش کو اللہ
پسند فرمائے گا۔ اور یہ کون لوگ ہوں گے؟ صرف اہل توحید، جن کے حق میں اللہ تعالیٰ سفارش کرنے کی اجازت دے گا۔
یہ مضمون قرآن میں متعدد جگہ بیان فرمایا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ نجم ۲۶۔ سورۃ انبیاء ۲۸۔ سورۃ سبا ۲۳۔ سورۃ انبا ۳۸ اور
آیت الکرسی۔

(۵) گزشتہ آیت میں شفاعت کے لیے جو اصول بیان فرمایا گیا ہے، اس میں اس کی وجہ اور علت بیان کر دی گئی ہے کہ چوں کہ
اللہ کے سوا کسی کو بھی کسی کی بابت پورا علم نہیں ہے کہ کون کتنا بداجر ہے؟ اور وہ اس بات کا مستحق ہے بھی یا نہیں؟ کہ اس کی
سفارش کی جاسکے؟ اس لیے اس بات کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا کہ کون کون لوگ انبیاء و صلحا کی سفارش کے مستحق ہیں؟
کیوں کہ ہر شخص کے جرائم کی نوعیت و کیفیت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ جان ہی سکتا ہے۔

کمال عاجزی سے جھکے ہوئے ہوں گے، یقیناً وہ برباد ہوا جس نے ظلم لاد لیا۔^(۱) (۱۱۱)

اور جو نیک اعمال کرے اور ایمان والا بھی ہو تو نہ اسے بے انصافی کا کھٹکا ہو گا نہ حق تلفی کا۔^(۲) (۱۱۲)

اسی طرح ہم نے تجھ پر عربی قرآن نازل فرمایا ہے اور طرح طرح سے اس میں ڈر کا بیان سنایا ہے تاکہ لوگ پرہیزگار بن جائیں یا ان کے دل میں سوچ سمجھ تو پیدا کرے۔^(۳) (۱۱۳)

پس اللہ عالی شان والا سچا اور حقیقی بادشاہ^(۴) ہے۔ تو قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کر اس سے پہلے کہ تیری طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ پوری کی جائے،^(۵) ہاں یہ دعا

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الظُّلُمَاتِ فَاَوْفُوا بِعَهْدِكُمْ وَلَا تُلْغُوا عَهْدَكُمْ

وَكَذَلِكَ اَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَرْفَعُونَ اَوْ يُخْذِلُونَ اَلَمْ يَذْكُرُوا ۝

فَتَقَرَّبَ إِلَهُ الْبَيْتِ فَقَالَ لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُلْ رَبِّ ارْزُقْنِي عِلْمًا ۝

(۱) اس لیے کہ اس روز اللہ تعالیٰ مکمل انصاف فرمائے گا اور ہر صاحب حق کو اس کا حق دلوائے گا۔ حتیٰ کہ اگر ایک سینک والی بکری نے بغیر سینک والی بکری پر ظلم کیا ہو گا تو اس کا بھی بدلہ دلایا جائے گا۔ (صحیح مسلم، کتاب البر، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۳۵) اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حدیث میں یہ بھی فرمایا ہے، "لَتُؤَدَّ الْحُقُوقَ إِلَىٰ أَهْلِهَا" "ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دو" ورنہ قیامت کو دینا پڑے گا۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا، "إِنَّا نَحْمِلُ الظُّلْمَ، فَإِنْ أَظْلَمَ ظُلْمًا بِيَوْمٍ لِّقِيَامَةِ" (صحیح مسلم، کتاب مذکور، باب تحريم الظلم، "ظلم سے بچو اس لیے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں کا باعث ہو گا" سب سے نامراد وہ شخص ہو گا جس نے شرک کا بوجھ بھی اپنے اوپر لاد رکھا ہو گا، اس لیے کہ شرک ظلم عظیم بھی ہے اور ناقابل معافی بھی۔

(۲) بے انصافی یہ ہے کہ اس پر دوسروں کے گناہوں کا بوجھ بھی ڈال دیا جائے اور حق تلفی یہ ہے کہ نیکوں کا اجر کم دیا جائے۔ یہ دونوں باتیں وہاں نہیں ہوں گی۔

(۳) یعنی گناہ، محرمات اور فواحش کے ارتکاب سے باز آجائیں۔

(۴) یعنی اطاعت اور قرب حاصل کرنے کا شوق یا بچھل امتوں کے حالات و واقعات سے عبرت حاصل کرنے کا جذبہ ان کے اندر پیدا کر دے۔

(۵) جس کا وعدہ اور وعید حق ہے، جنت و دوزخ حق ہے اور اس کی ہر بات حق ہے۔

(۶) جبرائیل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے اور سناتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی جلدی جلدی ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے کہ کہیں کچھ حصہ بھول نہ جائیں، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور تاکید کی کہ غور سے، پہلے وحی کو سنیں، اس

کر کہ پروردگار! میرا علم بڑھا۔^(۱) (۱۱۴)

ہم نے آدم کو پہلے ہی تاکید حکم دے دیا تھا لیکن وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں کوئی عزم نہیں پایا۔^(۲) (۱۱۵)
اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے کیا اس نے صاف انکار کر دیا۔ (۱۱۶)

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلِ قَتْلِ قَبِيلِهِ أَنْ يَسْجُدَ ۖ

وَلَقَدْ قَبَّلْنَا لِلْبَيْتِ كَلِمَةً اسْجُودًا لِلَّهِ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ ۖ

گویا دکرانا اور دل میں ٹھہرنا یہ ہمارا کام ہے جیسا کہ سورۃ قیامت میں آئے گا۔

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادتی علم کی دعا فرماتے رہیں۔ اس میں علما کے لیے بھی نصیحت ہے کہ وہ فتویٰ میں پوری تحقیق اور غور سے کام میں جلد بازی سے نہیں اور علم میں اضافے کی صورتیں اختیار کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ علاوہ ازیں علم سے مراد قرآن و حدیث کا علم ہے۔ قرآن میں اسی کو علم سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان کے حاملین کو علاوہ دیگر چیزوں کا علم جو انسان کسب معاش کے لیے حاصل کرتا ہے وہ سب فن ہیں ہنر ہیں اور صنعت و حرفت ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس علم کے لیے دعا فرماتے تھے وہ وحی و رسالت ہی کا علم ہے جو قرآن و حدیث میں محفوظ ہے جس سے انسان کا ربط و تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوتا اس کے اخلاق و کردار کی اصلاح ہوتی اور اللہ کی رضا و عدم رضا کا پتہ چلتا ہے۔ ایسی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ہے جو آپ پڑھا کرتے تھے — «اللَّهُمَّ أَنْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي، وَاعْلَمْنِي مَا يَنْفَعُنِي، وَارْزُقْنِي جِلْمًا، وَارْحَمْنِي اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ حَالٍ» (ابن ماجہ، باب الاستفعا بالعلم والعمل، المقدمة،

(۲) نسیان (بھول جانا) ہر انسان کی سرشت میں داخل ہے اور ارادے کی کمزوری یعنی فقدان عزم۔ یہ بھی انسانی طبائع میں بالعموم پائی جاتی ہے۔ یہ دونوں کمزوریاں ہی شیطان کے وسوسوں میں پھنس جانے کا باعث بنتی ہیں۔ اگر ان کمزوریوں میں اللہ کے حکم سے بغاوت و سرکشی کا جذبہ اور اللہ کی نافرمانی کا عزم معمم شامل نہ ہو تو بھولوں اور ضعف ارادہ سے ہونے والی غلطی عصمت و کمال نبوت کے منافی نہیں کیوں کہ اس کے بعد انسان فوراً ادا ہو کر اللہ کی بارگاہ میں جھک جاتا اور توبہ و استغفار میں مصروف ہو جاتا ہے۔ (جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی کیا) حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے سمجھایا تھا کہ شیطان تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے یہ تمہیں جنت سے نہ نکلوا دے۔ یہی وہ بات ہے جسے یہاں عہد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آدم علیہ السلام اس عہد کو بھول گئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک درخت کے قریب جانے یعنی اس سے کچھ کھانے سے منع فرمایا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں یہ بات تھی کہ وہ اس درخت کے قریب نہیں جائیں گے۔ لیکن جب شیطان نے اللہ کی قسمیں کھا کر انہیں یہ باور کرایا کہ اس کا پھل تو یہ تاخیر رکھتا ہے کہ جو کھا لیتا ہے اسے زندگی جاوداں اور دائمی بادشاہت مل جاتی ہے۔ تو ارادے پر قائم نہ رہ سکے اور اس فقدان عزم کی وجہ سے شیطانی وسوسے کا شکار ہو گئے۔

قُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا وَمَآءُكَ وَلَوْ وَجَّهَكَ فَلَا تَخْرُجَنَّكَ
مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى ①

إِنَّكَ لَا تَعْمَلُ فِيهَا وَلَا تَعْمَلُ ②
وَأَنَّكَ لَا تَظُنُّوْنَ فِيهَا وَلَا تَفْهَمُ ③

فَوَسَّوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا دُمُّهُلْ أَذْكَ عَلَى شَجَرَةٍ
الْخُبْرِ وَتَذْكَ لَآبِلِ ④

فَكَلَامَهُمَا قَبَلَتْ لَهُمَا سَوَآئُهُمَا وَطِفَتْ بِغَضَبٍ عَلَيْهِمَا
مِنْ دَرَجَةِ الْجَنَّةِ وَعَصَى أَمْرَ رَبِّهِ فَقَوَى ⑤

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَى ⑥

تو ہم نے کہا اے آدم! یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے
(خیال رکھنا) ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا
دے کہ تو مصیبت میں پڑ جائے۔ ① (۱۱۷)

یہاں تو تجھے یہ آرام ہے کہ نہ تو بھوکا ہوتا ہے نہ تنگ۔ ② (۱۱۸)
اور نہ تو یہاں پیاسا ہوتا ہے نہ دھوپ سے تکلیف اٹھاتا
ہے۔ ③ (۱۱۹)

لیکن شیطان نے اسے دوسرا ڈالا، کہنے لگا کہ کیا میں تجھے
دائمی زندگی کا درخت اور بادشاہت بتاؤں کہ جو کبھی
پرانی نہ ہو۔ ④ (۱۲۰)

چنانچہ ان دونوں نے اس درخت سے کچھ کھا لیا پس ان
کے ستر کھل گئے اور بہشت کے پتے اپنے اوپر ٹانگے
لگے۔ آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس
ہمک گیا۔ ⑤ (۱۲۱)

پھر اس کے رب نے نوازا، اس کی توبہ قبول کی اور اس
کی رہنمائی کی۔ ⑥ (۱۲۲)

(۱) یہ شقا، محنت و مشقت کے معنی میں ہے، یعنی جنت میں کھانے پینے، لباس اور مسکن کی جو سولتیں بغیر کسی محنت کے
حاصل ہیں۔ جنت سے نکل جانے کی صورت میں ان چاروں چیزوں کے لیے محنت و مشقت کرنی پڑے گی، جس طرح کہ
ہر انسان کو دنیا میں ان بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لیے محنت کرنی پڑی ہے۔ علاوہ ازیں صرف آدم علیہ السلام سے
کہا گیا کہ تو محنت و مشقت میں پڑ جائے گا۔ دونوں کو نہیں کہا گیا حلال کہ درخت کا پھل کھانے والے آدم علیہ السلام و
خوادوں ہی تھے۔ اس لیے کہ اصل مخاطب آدم ہی تھے۔ نیز بنیادی ضروریات کی فراہمی بھی مرد ہی کی ذمہ داری ہے،
عورت کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو اس محنت و مشقت سے بچا کر گھر کی ملکہ کا اعزاز عطا فرمایا ہے۔ لیکن آج عورت
کو یہ ”اعزاز الہی“ ”طوق غلامی“ نظر آتا ہے، جس سے آزاد ہونے کے لیے وہ بے قرار اور مصروف جہد ہے آہ!
انگوائے شیطانی بھی کتنا موثر اور اس کا جال بھی کتنا حسین اور دقربیب ہے۔

(۲) یعنی درخت کا پھل کھا کر نافرمانی کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مطلوب یا راہ راست سے ہمک گیا۔

(۳) اس سے بعض لوگ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے مذکورہ عصیان کا صدور، نبوت
سے قبل ہوا، اور نبوت سے اس کے بعد آپ کو نوازا گیا۔ لیکن ہم نے گزشتہ صفحے میں اس ”معصیت“ کی جو حقیقت

قَالَ فَبَطَلْ مِنْهَا جَبِيئَةً بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ قَامَا يَتَّبِعُهُ
مَتَى هَدَىٰ فَمَنْ اتَّبَعَهُ هَدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْغَىٰ ⑤

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا
وَعُشْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ⑥

قَالَ رَبِّ لِمَ حَزَنْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ⑦

قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنسىٰ ⑧

وَكَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِآيَاتِ رَبِّهِ وَلَقَدْ آتَىٰ
الْأَخْيَرَ أَشَدُّ وَأَبْشٰ ⑨

فرمایا، تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ تم آپس میں ایک
دوسرے کے دشمن ہو، اب تمہارے پاس جب کبھی
میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی
کریں نہ تو وہ ہلکے گانہ تکلیف میں پڑے گا۔ (۱۲۳)

اور (ہاں) جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی
زندگی تنگی میں رہے گی،^(۱) اور ہم اسے بروز قیامت
اندھا کر کے اٹھائیں گے۔^(۲) (۱۲۴)

وہ کہے گا کہ الٹی! مجھے تو نے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا؟
حالانکہ میں تو دیکھتا بھالتا تھا۔ (۱۲۵)

(جواب ملے گا کہ) اسی طرح ہونا چاہیے تھا تو میری آئی
ہوئی آیتوں کو بھول گیا تو آج تو بھی بھلا دیا جاتا ہے۔ (۱۲۶)
ہم ایسا ہی بدلہ ہر اس شخص کو دیا کرتے ہیں جو حد سے
گزر جائے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے،
اور بیشک آخرت کا عذاب نہایت ہی سخت اور باقی رہنے
والا ہے۔ (۱۲۷)

بیان کی ہے، وہ عصمت کے منافی نہیں رہتی۔ کیوں کہ ایسا سو و نسیان، جس کا تعلق تبلیغ رسالت اور تشریع سے نہ ہو،
بلکہ ذاتی افعال سے ہو اور اس میں بھی اس کا سبب ضعف ارادہ ہو تو یہ دراصل وہ معصیت ہی نہیں ہے، جس کی بنا پر
انسان غضب الہی کا مستحق بنتا ہے۔ اس پر جو معصیت کا اطلاق کیا گیا ہے تو محض ان کی عظمت شان اور مقام بلند کی وجہ
سے کہ بڑوں کی معمولی غلطی کو بھی بڑا سمجھ لیا جاتا ہے، اس لیے آیت کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نے اس کے بعد اسے
نبوت کے لیے چن لیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ندامت اور توبہ کے بعد ہم نے اسے پھر مقام اجبار پر فائز کر دیا، جو پہلے انہیں
حاصل تھا۔ ان کو زمین پر اتارنے کا فیصلہ ہماری مشیت اور حکمت و مصلحت پر مبنی تھا، اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ
ہمارا عتاب ہے جو آدم پر نازل ہوا ہے۔

(۱) اس تنگی سے بعض نے عذاب قبر اور بعض نے وہ قلق و اضطراب، بے چینی اور بے کلی مراد لی ہے جس میں اللہ کی
یاد سے غافل ہوئے ہوئے دولت مند جھلا رہتے ہیں۔

(۲) اس سے مراد فی الواقع آنکھوں سے اندھا ہونا ہے یا پھر بصیرت سے محرومی مراد ہے یعنی وہاں اس کو کوئی ایسی دلیل
نہیں سوجھے گی جسے پیش کر کے وہ عذاب سے چھوٹ سکے۔

اَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٖمْ كُرْسٰى اَعْلٰى اَقْبَابِكُمْ مِّنَ الْعَرْشِ يَتَّبِعُوْنَ
فِيْ سُبُوْحِكُمْ مَّا لَكُمْ فِيْ ذٰلِكَ اَلَيْتِ لَوْلَا اَللّٰهُ ۝۳۰

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزِمَامِ وَاٰجِلٍ مُّسْحٰى ۝۳۱

فَاَصْبَحَ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَيَسْتَعْرِضُوْنَ بِكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ
وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اَنۡتَ اِيَّ الْاَيْلِ قَسِيْعًا وَاَلَمَرَاتِ الْاَنْهَارِ
لَعَلَّكَ تَرْظٰى ۝۳۲

کیا ان کی رہبری اس بات نے بھی نہیں کی کہ ہم نے ان
سے پہلے بہت سی بستیاں ہلاک کر دی ہیں جن کے رہنے
سنے کی جگہ یہ چل پھر رہے ہیں۔ یقیناً اس میں عقلمندوں
کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۱۳۸)

اگر تیرے رب کی بات پہلے ہی سے مقرر شدہ اور وقت
معیین کر دہ نہ ہوتا تو اسی وقت عذاب آچھتا۔^(۱) (۱۳۹)

پس ان کی باتوں پر صبر کر اور اپنے پروردگار کی تسبیح اور
تعریف بیان کرتا رہ 'سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے
ڈوبنے سے پہلے' رات کے مختلف وقتوں میں بھی اور دن
کے حصوں میں بھی تسبیح کرتا رہ،^(۲) بہت ممکن ہے کہ تو
راضی ہو جائے۔^(۳) (۱۴۰)

(۱) یعنی یہ کذبین اور مشرکین کہہ دیکھتے نہیں کہ ان سے پہلے کئی امتیں گزر چکی ہیں جن کے یہ جانشین ہیں اور ان کی
رہائش گاہوں سے گزر کر آگے جاتے ہیں انہیں ہم اسی کذب کی وجہ سے ہلاک کر چکے ہیں جن کے عبرت ناک انجام
میں اہل عقل و دانش کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ لیکن یہ اہل کہ ان سے آنکھیں بند کئے ہوئے انہی کی روش اپنائے
ہوئے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہ فیصلہ نہ کیا ہو، کہ وہ تمام حجت کے بغیر اور اس مدت کے آنے سے پہلے جو وہ
مہلت کے لیے کسی قوم کو عطا فرماتا ہے، کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔ تو فوراً انہیں عذاب الہی آچھتا اور یہ ہلاکت سے دوچار
ہو چکے ہوتے۔ مطلب یہ ہے کہ کذب رسالت کے باوجود اگر ان پر اب تک عذاب نہیں آیا تو یہ نہ سمجھیں کہ آئندہ
بھی نہیں آئے گا بلکہ ابھی ان کو اللہ کی طرف سے مہلت ملی ہوئی ہے، جیسا کہ وہ ہر قوم کو دیتا ہے۔ مہلت عمل ختم ہو
جانے کے بعد ان کو عذاب الہی سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا۔

(۲) بعض مفسرین کے نزدیک تسبیح سے مراد نماز ہے اور وہ اس سے پانچ نمازیں مراد لیتے ہیں۔ طلوع شمس سے قبل فجر
غروب سے قبل عصر رات کی گھڑیوں سے مغرب و عشا اور اطراف انہار سے ظہر کی نماز مراد ہے کیوں کہ ظہر کا وقت
یہ نمازوں کا طرف آخر اور نماز آخر کا طرف اول ہے۔ اور بعض کے نزدیک ان اوقات میں ویسے ہی اللہ کی تسبیح و تحمید
ہے جس میں نماز، تلاوت، ذکر و اذکار، دعا و مناجات اور نوافل سب داخل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ان مشرکین کی
کذب سے بدل نہ ہوں۔ اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا، ان کی گرفت فرمائے گا۔

(۳) یہ متعلق ہے فسخ سے۔ یعنی ان اوقات میں تسبیح کریں، یہ امید رکھتے ہوئے کہ اللہ کے ہاں آپ کو وہ مقام و
درجہ حاصل ہو جائے گا جس سے آپ کا نفس راضی ہو جائے۔

وَلَا تَمُنَّ بِعَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَاهُ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ وَهَرَمَ
الْحَيَاةَ الدُّنْيَا هُمْ أَهْلُهَا وَيَذِقُ مَرْيَتَكَ خَيْرٌ وَأَبْقَى ⑤

وَأَمَّا أَنْتَ يَا صَلُوفَ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا - لَا تَسْتَلْكَ
يَذِقُ أَهْلُهَا نَزْوَتَكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى ⑥

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِنْ رَبِّهِ أَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةٌ
مِنَّا فِي الْفُحْشِ الْأَوَّلَى ⑦

اور اپنی نگاہیں ہر گزان چیزوں کی طرف نہ دوڑانا جو ہم نے
ان میں سے مختلف لوگوں کو آزمائش دنیا کی دے رکھی ہیں
تاکہ انہیں اس میں آزمائیں^(۱) تیرے رب کا دیا ہوا ہی
(بہت) بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے۔^(۲) (۱۳۱)

اپنے گھرانے کے لوگوں پر نماز کی تاکید رکھ اور خود بھی
اس پر جمارہ^(۳) ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے بلکہ ہم
خود تجھے روزی دیتے ہیں آخر میں بول بالا پر ہیزگاری ہی
کا ہے۔ (۱۳۲)

انہوں نے کہا کہ یہ نبی ہمارے پاس اپنے پروردگار کی
طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں مایا؟^(۴) کیا ان کے پاس
اکلی کتابوں کی واضح دلیل نہیں پہنچی؟^(۵) (۱۳۳)

(۱) یہ وہی مضمون ہے جو اس سے قبل سورۃ آل عمران ۱۹۶-۱۹۷ سورۃ النحر ۸۷-۸۸ اور سورۃ الکہف ۷۷ وغیرہ میں
بیان ہوا ہے۔

(۲) اس سے مراد آخرت کا اجر و ثواب ہے جو دنیا کے مال و اسباب سے بہتر بھی ہے اور اس کے مقابلے میں باقی رہنے
والا بھی۔ حدیث ایلاء میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ ایک
کھری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور بے سرو سامانی کا یہ عالم کہ گھر میں چڑے کی دو چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا 'عمر کیا بات ہے' روتے کیوں ہو؟
عرض کیا یا رسول اللہ اقصیٰ کسرئی کس طرح آرام و راحت کی زندگی گزار رہے ہیں اور آپ کا باوجود اس بات کے کہ
آپ افضل الخلق ہیں یہ حال ہے؟ فرمایا 'عمر کیا تم اب تک شک میں ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے آرام کی چیزیں دنیا
میں ہی دے دی گئی ہیں۔' یعنی آخرت میں ان کے لیے کچھ نہیں ہو گا۔ (صحیح بخاری 'سورۃ التحريم' مسلم باب
الایلاء)

(۳) اس خطاب میں ساری امت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے۔ یعنی مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود بھی
نماز کی پابندی کرے اور اپنے گھروالوں کو بھی نماز کی تاکید کرتا رہے۔

(۴) یعنی ان کی خواہش کے مطابق نشانی جیسے شہود کے لیے اونٹنی ظاہر کی گئی تھی۔

(۵) ان سے مراد تورات، انجیل اور زبور وغیرہ ہیں۔ یعنی کیا ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات موجود نہیں ہیں
جن سے ان کی نبوت کی تصدیق ہوتی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ کیا ان کے پاس پچھلی قوموں کے یہ حالات نہیں پہنچے کہ

وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَمَالُوا
رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْنَا إِلَيْنَا رَسُولًا فَنُثَبِّهِهُنَّ إِلَيْكَ
مِن قَبْلِ أَنْ نَبْذُلَ وَغْزًى ۝۱۳۴

قُلْ كُلُّ شَيْءٍ قَدْرٌ فَتَرَوْهُم مُّوَا ۝ فَسَيَلْمُونَ
مَنْ أَضَلُّبُ الْوَصْرَاجِ السُّوِي وَمِنْ لَهْدَى ۝۱۳۵

اور اگر ہم اس سے ^(۱) پہلے ہی انہیں عذاب سے ہلاک کر
دیتے تو یقیناً یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے
ہمارے پاس اپنا رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم تیری آیتوں
کی تابعداری کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذیل و رسوا
ہوتے۔ (۱۳۴)

کہہ دیجئے! ہر ایک انجام کا مظہر ^(۲) ہے پس تم بھی انتظار
میں رہو۔ ابھی ابھی قطعاً جان لو گے کہ راہ راست
والے کون ہیں اور کون راہ یافتہ ہیں۔ ^(۳) (۱۳۵)

انہوں نے جب اپنی حسب خواہش معجزے کا مطالبہ کیا اور وہ انہیں دکھا دیا گیا لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے تو
انہیں ہلاک کر دیا گیا۔

(۱) مراد آخر الزماں پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(۲) یعنی مسلمان اور کافروں اس انتظار میں ہیں کہ دیکھو کفر غالب رہتا ہے یا اسلام غالب آتا ہے؟

(۳) اس کا علم تمہیں اس سے ہو جائے گا کہ اللہ کی مدد سے کامیاب اور سرخرو کون ہوتا ہے؟ چنانچہ یہ کامیابی
مسلمانوں کے حصے میں آئی جس سے واضح ہو گیا کہ اسلام ہی سیدھا راستہ اور اس کے حاملین ہی ہدایت یافتہ ہیں۔

سُوْرَةُ الْاٰیٰتِیَّۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ

مُعْرِضُونَ ۝

مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُبَدِّلٍ اِلَّا تَسْتَكْبِرُوْا

وَهُمْ يَلْعَنُوْنَ ۝

اَلْهٰیۃ قُلُوْبُهُمْ وَاسْرَوْ الْعَبْوٰی الَّذِیْنَ ظَنُّوْا هٰذَا

اِلَّا بُرْهٰنًا مِّنْكَ اَفْتَاۗتُوْنَ السَّعٰوۃَ اَنْتُمْ تُجْرُوْنَ ۝

قُلْ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

سورۃ انبیاء کی ہے اور اس میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آگیا ^(۱) پھر بھی وہ بے خبری میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ ^(۲)

ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے اسے وہ کھیل کود میں ہی سنتے ہیں۔ ^(۳)

ان کے دل بالکل غافل ہیں اور ان خالوں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں کہ وہ تم ہی جیسا انسان ہے پھر کیا وجہ ہے جو تم آنکھوں دیکھتے جادو میں آجاتے ہو۔ ^(۴)

پیغمبر نے کہا میرا پروردگار ہر اس بات کو جو زمین و آسمان میں ہے بخوبی جانتا ہے وہ بہت ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ ^(۵)

(۱) وقت حساب سے مراد قیامت ہے جو ہر گھڑی قریب سے قریب تر ہو رہی ہے۔ اور وہ ہر چیز جو آنے والی ہے قریب ہے۔ اور ہر انسان کی موت بجائے خود اس کے لیے قیامت ہے۔ علاوہ ازیں گزرے ہوئے زمانے کے لحاظ سے بھی قیامت قریب ہے کیونکہ جتنا زمانہ گزر چکا ہے۔ باقی رہ جانے والا زمانہ اس سے کم ہے۔

(۲) یعنی اس کی تیری سے غافل دنیا کی زمینوں میں کم اور ایمان کے تقاضوں سے بے خبر ہیں۔

(۳) یعنی قرآن جو وقت فوق حسب حالات و ضروریات نیا نیا اترتا رہتا ہے وہ اگرچہ انہی کی نصیحت کے لیے اترتا ہے لیکن وہ اسے اس طرح سنتے ہیں جیسے وہ اس سے استہزاء مذاق اور کھیل کر رہے ہوں یعنی اس میں تدریس و غور و فکر نہیں کرتے۔

(۴) یعنی نبی کا بھرواناں کے لیے ناقابل قبول ہے پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ تم دیکھ نہیں رہے کہ یہ تو جادوگر ہے تم اس کے جادو میں دیکھتے بھالتے کیوں سمجھتے ہو؟

(۵) وہ تمام بندوں کی باتیں سنتا ہے اور سب کے اعمال سے واقف ہے تم جو جھوٹ بکتے ہو اسے سن رہا ہے اور میری سچائی کو اور جو دعوت تمہیں دے رہا ہوں اس کی حقیقت کو خوب جانتا ہے۔

بَن قُلُوبَ أَصْفَاتِ أَخْلَاقِهِ بَلْ أَفْتَرَهُ بَلْ هُوَ كَذِبٌ أَفْتَرَا
بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ①

مَا أَصْنَعْتَ فَيَنْصُرُنَا مِنَ قُوَّةِهِ أَهْلُكُمْ فَأَنْتُمْ يُرْسَلُونَ ②

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ
الذِّكْرِ لَنْتَنصُرَهُمْ لَافْعَلُونَ ③

انتاہی نہیں بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ یہ قرآن پر اگندہ خوابوں کا مجموعہ ہے بلکہ اس نے از خود اسے گھڑیا ہے بلکہ یہ شاعر^(۱) ہے 'ورنہ ہمارے سامنے یہ کوئی ایسی نشانی مانتے جیسے کہ اگلے پیغمبر بھیجے گئے' تھے۔ (۵)

ان سے پہلے جتنی بستیاں ہم نے اجاڑیں سب ایمان سے خالی تھیں۔ تو کیا اب یہ ایمان لائیں گے۔ (۶)^(۳) تجھ سے پہلے بھی جتنے پیغمبر ہم نے بھیجے سبھی مرد تھے (۳) جن کی طرف ہم وحی اتارتے تھے پس تم اہل کتاب سے پوچھو اگر خود تمہیں علم نہ ہو۔ (۷)^(۵)

(۱) ان سرگوشی کرنے والے خالموں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ کہا کہ یہ قرآن تو پریشان خواب کی طرح پر اگندہ افکار کا مجموعہ 'بلکہ اس کا اپنا گھڑا ہوا ہے' بلکہ یہ شاعر ہے اور یہ قرآن کتاب ہدایت نہیں 'شاعری ہے۔ یعنی کسی ایک بات پر ان کو قرار نہیں ہے۔ ہر روز ایک نیا پیغمبر بدلتے اور نئی سے نئی الزام تراشی کرتے ہیں۔
(۲) یعنی جس طرح ثمود کے لیے ادغنی 'موسیٰ علیہ السلام کے لیے عصا اور ید بیضا وغیرہ۔

(۳) یعنی ان سے پہلے جتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں 'یہ نہیں ہوا کہ ان کی حسب خواہش معجزہ دکھلانے پر وہ ایمان لے آئی ہوں 'بلکہ معجزہ دیکھ لینے کے باوجود وہ ایمان نہیں لائیں 'جس کے نتیجے میں ہلاکت ان کا مقدر بنی۔ تو کیا اگر اہل مکہ کو ان کی خواہش کے مطابق کوئی نشانی دکھلا دی جائے 'تو وہ ایمان لے آئیں گے؟ نہیں 'ہرگز نہیں۔ یہ بھی تکذیب و عناد کے راستے پر ہی بدستور گامزن رہیں گے۔

(۴) یعنی تمام نبی مرد انسان تھے 'نہ کوئی غیر انسان کبھی نبی آیا اور نہ غیر مرد گویا نبوت انسانوں کے ساتھ اور انسانوں میں بھی مردوں کے ساتھ ہی خاص رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی عورت نبی نہیں بنی۔ اس لیے کہ نبوت بھی ان فرائض میں سے ہے جو عورت کے طبعی اور فطری دائرہ عمل سے خارج ہے۔

(۵) أَهْلَ الذِّكْرِ (اہل علم) سے مراد اہل کتاب ہیں 'جو سابقہ آسمانی کتابوں کا علم رکھتے تھے 'ان سے پوچھو کہ پچھلے انبیاء جو ہو گزرے ہیں 'وہ انسان تھے یا غیر انسان؟ وہ تمہیں بتلائیں گے کہ تمام انبیاء انسان ہی تھے۔ اس سے بعض حضرات "تقلید" کا اثبات کرتے ہیں۔ جو غلط ہے۔ "تقلید یہ ہے کہ ایک معین شخص 'اور اس کی طرف منسوب ایک معین فقہ کو مرجع بنایا جائے اور اسی پر عمل کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ بغیر دلیل کے اس بات کو تسلیم کیا جائے جب کہ آیت میں اہل الذکر سے مراد کوئی متعین شخص نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ عالم ہے جو تورات و انجیل کا علم رکھتا تھا۔ اس سے تو تقلید شخص کی نفی ہوتی ہے؟ اس میں تو علما کی طرف رجوع کرنے کی تاکید ہے 'جو عوام کے لیے ناگزیر ہے 'جس سے کسی کو

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا آلَا يَكُونُ اطْعَامًا وَمَا كَانُوا

حَلِيلِينَ ①

لَوْ صَدَقْنَاهُم الْوَعْدَ فَأَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَشَاءُ وَأَهْلَكْنَا

لَشَرِينًا ②

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ فَلَا تَتَّبِعُوا

ذِكْرًا قَصَصْنَا مِنْ قَبْلِهِ وَأَنْتُمْ تَابِعُونَ ③

قَوْمًا آخَرِينَ ④

فَلَمَّا حَسَبُوا بِأَسَافَةٍ هُمُ مِنْهَا يُدْعَوُونَ ⑤

ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔^(۸)

پھر ہم نے ان سے کیے ہوئے سب وعدے سچ کیے انہیں اور جن جن کو ہم نے چاہا نجات عطا فرمائی اور حد سے نکل جانے والوں کو عارت کر دیا۔^(۹)

یقیناً ہم نے تمہاری جانب کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمہارے لیے ذکر ہے، کیا پھر بھی تم عقل نہیں رکھتے؟^(۱۰)

اور بہت سی بستیاں ہم نے تباہ کر دیں^(۱۱) جو ظالم تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوم کو پیدا کر دیا۔^(۱۲) جب انہوں نے ہمارے عذاب کا احساس کر لیا تو لگے اس سے بھاگنے۔^(۱۳)

مجال انکار نہیں ہے۔ نہ کہ کسی ایک ہی شخصیت کا دامن پکڑ لینے کا حکم۔ علاوہ ازیں تورات و انجیل، منصوص کتابیں تھیں یا انسانوں کی خود ساختہ تفسیر؟ اگر وہ آسمانی کتابیں تھیں تو مطلب یہ ہوا کہ عطا کے ذریعے سے نصوح شریعت معلوم کریں، جو آیت کا صحیح مفہوم ہے۔

(۱) بلکہ وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور موت سے ہم کنار ہو کر راہ گیران عالم بھا بھی ہوئے، یہ انبیاء کی بشریت ہی کی دلیل دی جا رہی ہے۔

(۲) یعنی وعدے کے مطابق نبیوں کو اور اہل ایمان کو نجات عطا کی اور حد سے تجاوز کرنے والے یعنی کفار و مشرکین کو ہم نے ہلاک کر دیا۔

(۳) قَصَصَ کے معنی ہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دینا اور کَمَّ صیغہ تکثیر ہے۔ یعنی کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا، توڑ پھوڑ کر رکھ دیا، جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ”قوم نوح کے بعد ہم نے کتنی ہی بستیاں ہلاک کر دیں“۔ (سورۃ ہٰجیٰ ۱۷-۱۸)

(۴) احساس کے معنی ہیں، جو اس کے ذریعے سے اور اک کر لیتا۔ یعنی جب انہوں نے عذاب یا اس کے آثار کو آتے ہوئے آنکھوں سے دیکھ لیا، یا کڑک گرج کی آواز سن کر معلوم کر لیا، تو اس سے بچنے کے لیے راہ فرار ڈھونڈنے لگے۔ دُخَصْر کے معنی ہوتے ہیں کہ آدمی گھوڑے وغیرہ پر بیٹھ کر اس کو دوڑانے کے لیے ایڑ لگائے۔ ہمیں سے یہ بھاگنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أَنتُمْ مُرْسِلُونَ ۖ وَسْئَلُكُمْ لَعَنُوكُمُ تَسْلُونَ ﴿۱۰﴾

قَالُوا وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا طَيِّبَةً ﴿۱۱﴾

فَمَا زِلْزَالَتِكَ دَعَوْهُمْ حَتَّىٰ جَعَلَهُمْ حَصِيدًا خَمِيدًا ﴿۱۲﴾

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا الْيُسْبِينَ ﴿۱۳﴾

لَوْ أَرَادْنَا أَنْ تُلْقُوا لَهُمُ الْاِتِّخَذُوا مِنْ لَدُنَّا عَذَابًا يُؤْتُونَ ﴿۱۴﴾

بھاگ دوڑ نہ کرو ^(۱۰) اور جہاں تمہیں آسودگی دی گئی تھی وہیں واپس لوٹو اور اپنے مکانات کی طرف ^(۱۱) جاؤ تاکہ تم سے سوال تو کر لیا جائے۔ ^(۱۲)

کنسے لگے ہائے ہماری خرابی! بیشک ہم ظالم تھے۔ ^(۱۳) پھر تو ان کا یہی قول رہا ^(۱۴) یہاں تک کہ ہم نے انہیں جڑ سے کٹی ہوئی کھیتی اور بھٹی پڑی آگ کی طرح کر دیا۔ ^(۱۵)

ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیلے ہوئے نہیں بنایا۔ ^(۱۶) اگر ہم یوں ہی کھیل تماشے کا ارادہ کرتے تو اسے اپنے پاس سے ہی بنا ^(۱۷) لیتے، اگر ہم کرنے والے ہی ہوتے۔ ^(۱۸)

(۱) یہ فرشتوں نے ندادی یا مومنوں نے استہزاء کے طور پر کہا۔

(۲) جہنمی جو نعمتیں اور آسائشیں تمہیں حاصل تھیں جو تمہارے کفر اور سرکشی کا باعث تھیں اور وہ مکانات جن میں تم رہتے تھے اور جن کی خوبصورتی اور پائیداری پر فخر کرتے تھے ان کی طرف پلٹو۔

(۳) اور عذاب کے بعد تمہارا حال احوال تو پوچھ لیا جائے کہ تم پر یہ کیا جاتی، کس طرح جتی اور کیوں جتی؟ یہ سوال بطور طنز اور مذاق کے ہے، ورنہ ہلاکت کے شکیبے میں کسے جانے کے بعد وہ جواب دینے کی پوزیشن میں ہی کب رہتے تھے؟

(۴) یعنی جب تک زندگی کے آثار ان کے اندر رہے، وہ اعتراف ظلم کرتے رہے۔

(۵) حَصِيدٌ، کٹی ہوئی کھیتی کو اور خَمِيدٌ آگ کے بجھ جانے کو کہتے ہیں۔ یعنی بالآخر وہ کٹی ہوئی کھیتی اور بھٹی ہوئی آگ کی طرح راکھ کا ڈھیر ہو گئے، کوئی تاب و توانائی اور حس و حرکت ان کے اندر نہ رہی۔

(۶) بلکہ اس کے کئی مقاصد اور حکمتیں ہیں، مثلاً بندے میرا ذکر و شکر کریں، نیکیوں کو نیکیوں کی جزا اور بدوں کو بدیوں کی سزا دی جائے۔ وغیرہ۔

(۷) یعنی اپنے پاس سے ہی کچھ چیزیں کھیل کے لیے بنا لیتے اور اپنا شوق پورا کر لیتے۔ اتنی لمبی چوڑی کائنات بنانے کی اور پھر اس میں ذی روح اور ذی شعور مخلوق بنانے کی کیا ضرورت تھی؟

(۸) ”اگر ہم کرنے والے ہی ہوتے۔“ عربی اسلوب کے اعتبار سے یہ زیادہ صحیح ہے بہ نسبت اس ترجمہ کے کہ ”ہم کرنے والے ہی نہیں“ (فتح القدیر)

بَلْ تَقْتَرِبُ يَالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ
وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا قَتَلْتُمْ ۝

وَلَمْ يَكُنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَتَذَكَّرُونَ
عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يُسْتَخِيرُونَ ۝

يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۝

أَمْ يَتَّخِذُوا إِلَهًا مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ يَخْلُقُونَ ۝

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلَ إِلَهَةٍ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَتُخْبَخِئُ الْمَلَائِكَةُ
عَلَى الْعَرْشِ عَمَّا يُصِفُونَ ۝

بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر پھینک مارتے ہیں پس سچ جھوٹ کا
سر توڑ دیتا ہے اور وہ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے^(۱) تم جو
باتیں بناتے ہو وہ تمہارے لیے باعث خرابی ہیں۔^(۲) (۱۸)
آسمانوں اور زمین میں جو ہے اسی اللہ کا ہے^(۳) اور جو
اس کے پاس ہیں^(۴) وہ اس کی عبادت سے نہ سرکشی
کرتے ہیں اور نہ جھکتے ہیں۔ (۱۹)

وہ دن رات تسبیح بیان کرتے ہیں اور ذرا سی بھی سستی
نہیں کرتے۔ (۲۰)

کیا ان لوگوں نے زمین (کی مخلوقات میں) سے جنہیں
معبود بنا رکھا ہے وہ زندہ کر دیتے ہیں۔^(۵) (۲۱)

اگر آسمان و زمین میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بھی معبود
ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو جاتے^(۶) پس اللہ تعالیٰ

(۱) یعنی تخلیق کائنات کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ ہے کہ یہاں حق و باطل کی جو معرکہ آرائی اور خیر و شر کے
درمیان جو تصادم ہے، اس میں ہم حق اور خیر کو غالب اور باطل اور شر کو مغلوب کریں۔ چنانچہ ہم حق کو باطل پر سچ کو
جھوٹ پر یا خیر کو شر مارتے ہیں، جس سے باطل، جھوٹ اور شر کا بیجہ نکل جاتا ہے اور چشمِ زدن میں وہ نابود ہو جاتا
ہے۔ دماغِ سرکی ایسی چوٹ کو کہتے ہیں جو دماغ تک پہنچ جائے۔ رَحَقُّ کے معنی 'ختم یا ہلاک و تلف ہو جانے کے ہیں۔
(۲) یعنی رب کی طرف تم جو بے سردیا باتیں منسوب کرتے یا اس کی بابت باور کراتے ہو، (مثلاً یہ کائنات ایک کھیں
ہے، ایک کھنڈر ہے، کاشوق فضول ہے وغیرہ) یہ تمہاری ہلاکت کا باعث ہے۔ کیونکہ اسے کھیں تماشہ سمجھنے کی وجہ سے
تم حق سے گریز اور باطل کو اختیار کرنے میں کوئی تامل اور خوف محسوس نہیں کرتے، جس کا نتیجہ بالآخر تمہاری بربادی
اور ہلاکت ہی ہے۔

(۳) سب اسی کی ملک اور اسی کے غلام ہیں۔ پھر جب تم کسی غلام کو اپنا بیٹا اور کسی لونڈی کو بیوی بنانے کے لیے تیار
نہیں ہوتے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے مملوکیں اور غلاموں میں سے بعض کو بیٹا اور بعض کو بیوی کس طرح بنا سکتا ہے؟

(۴) اس سے مراد فرشتے ہیں، وہ بھی اس کے غلام اور بندے ہیں، ان الفاظ سے ان کا شرف و اکرام بھی ظاہر ہو رہا ہے
کہ وہ اس کی بارگاہ کے مقربین ہیں۔ اس کی بیٹیاں نہیں ہیں جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ تھا۔

(۵) استغمام انکاری ہے یعنی نہیں کر سکتے۔ پھر وہ ان کو جو کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتے، اللہ کا شریک کیوں ٹھہراتے
اور ان کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟

(۶) یعنی اگر واقعی آسمان و زمین میں وہ معبود ہوتے تو کائنات میں تصرف کرنے والی دو ہستیاں ہوتیں، دو کا ارادہ و شعور

عرش کا رب ہر اس وصف سے پاک ہے جو یہ مشرک بیان کرتے ہیں۔ (۲۳)

وہ اپنے کاموں کے لیے (کسی کے آگے) جواب دہ نہیں اور سب (اس کے آگے) جواب دہ ہیں۔ (۲۴)

کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں ان سے کہہ دو لاؤ اپنی دلیل پیش کرو۔ یہ ہے میرے ساتھ والوں کی کتاب اور مجھ سے، گلوں کی دلیل۔^(۱) بات یہ ہے کہ ان میں کے اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے اسی وجہ سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ (۲۴)

تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجے اس کی طرف یہ وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔^(۲) (۲۵)

(مشرک لوگ) کہتے ہیں کہ رخص اوامد والا ہے (غلط ہے) اس کی ذات پاک ہے بلکہ وہ سب اس کے باعزت بندے ہیں۔ (۲۶)

کسی بات میں اللہ پر پیش دستی نہیں کرتے بلکہ اس کے

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ ⑤

أَمِ نَحْنُ دَاوُسُ دُوَيْبَةَ إِلَهَةٍ خَلَقَتْهُمُ بَرْهَانَكَ
هَذَا ذِكْرُ مَنْ تَعْبَى وَذِكْرُ مَنْ قَبْلَ بَنِي آدَمَ
لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ مُعْرِضُونَ ⑥

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنْهَ
لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ⑦

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ بَلْ عِبَادٌ
مُكْرَمُونَ ⑧

لَا يَتَّبِعُونَ بِالْقَوْلِ وَالْأَمْرِ يَعْمَلُونَ ⑨

اور مرضی کار فرما ہوتی اور جب دو ہستیوں کا ارادہ اور فیصلہ کائنات میں چلتا تو یہ نظم کائنات اس طرح قائم رہ ہی نہیں سکتا تھا جو ابتدائے آفرینش سے بغیر کسی ادنیٰ توقف کے قائم چلا آ رہا ہے۔ کیونکہ دونوں کا ارادہ ایک دوسرے سے ٹکراتا، دونوں کی مرضی کا آپس میں تصادم ہوتا، دونوں کے اختیارات ایک دوسرے کی مخالف سمت میں استعمال ہوتے۔ جس کا نتیجہ بھری اور فساد کی صورت میں رونما ہوتا۔ اور اب تک ایسا نہیں ہوا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کائنات میں صرف ایک ہی ہستی ہے جس کا ارادہ و مشیت کار فرما ہے جو کچھ بھی ہوتا ہے صرف اور صرف اسی کے حکم پر ہوتا ہے اس کے دیئے ہوئے کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ اپنی رحمت روک لے اس کو دینے والا کوئی نہیں۔

(۱) ذِكْرُ مَنْ تَعْبَى سے قرآن اور دوسرے ذکر سے سابقہ کتب آسمانی مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن میں اور اس سے قبل کی دیگر کتابوں میں سب میں صرف ایک ہی معبود کی الوہیت و ربوبیت کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن یہ مشرکین اس حق کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اور بدستور اس توحید کا پیغام لے کر آئے۔

(۲) یعنی تمام پیغمبر بھی یہی توحید کا پیغام لے کر آئے۔

نے پانی سے پیدا کیا^(۱) کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔ (۳۰)

اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنا دیئے تاکہ وہ مخلوق کو ہلانہ سکے^(۲) اور ہم نے اس^(۳) میں کشادہ راہیں بنا دیں تاکہ وہ راستہ حاصل کریں۔ (۳۱)

آسمان کو محفوظ چھت^(۴) ابھی ہم نے ہی بنایا ہے۔ لیکن لوگ اسکی قدرت کے نمونوں پر دھیان ہی نہیں دھرتے۔ (۳۲)

وہی اللہ ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔^(۵) ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں۔^(۶) (۳۳)

كَانَ رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ فَلَا يُؤْمِنُونَ ۝

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجْجًا سُبُلًا لِّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَفَافًا مَّحْفُوظًا ۚ وَكَفَرُوا عَنْ آيَاتِنَا مُتْرَكُونَ ۝

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ وَالْهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝

آسمانوں کو اوپر کر دیا جس سے بارش برستی ہے اور زمین کو اپنی جگہ پر رہنے دیا تاکہ وہ پیداوار کے قابل ہو گئی۔

(۱) اس سے مراد اگر بارش اور چشموں کا پانی ہے تب بھی واضح ہے کہ اس سے روئیدگی ہوتی اور ہر ذی روح کو حیات نو ملتی ہے اور اگر مراد نطفہ ہے تو اس میں بھی کوئی اشکال نہیں کہ ہر زندہ چیز کے وجود کے باعث وہ قطرہ آب ہے جو ز کی صلب سے لگتا اور مادہ کے رحم میں جا کر قرار پکڑتا ہے۔

(۲) یعنی اگر زمین پر یہ بڑے بڑے پہاڑ نہ ہوتے تو زمین میں جنبش اور لرزش ہوتی رہتی جس کی وجہ سے انسانوں اور حیوانوں کے لیے زمین مسکن اور مستقر بننے کی صلاحیت سے محروم رہتی۔ ہم نے پہاڑوں کا بوجھ اس پر ڈالا کہ اسے ڈالوا ڈول ہونے سے محفوظ کر دیا۔

(۳) اس سے مراد زمین یا پہاڑ ہیں یعنی زمین میں کشادہ راستے بنا دیئے یا پہاڑوں میں درے رکھ دیئے جس سے ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں آنا جانا آسان ہو گیا۔ يَهْتَدُونَ کا ایک دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے تاکہ وہ ان کے ذریعے سے اپنی معاش کے مصالح و مفادات حاصل کر سکیں۔

(۴) سَفَافٌ مَّحْفُوظٌ زمین کے لیے محفوظ چھت جس طرح خیمے اور قبة کی چھت ہوتی ہے۔ یا اس معنی میں محفوظ کہ ان کو زمین پر گرنے سے روک رکھا ہے ورنہ آسمان زمین پر گر پڑیں تو زمین کا سارا نظام تباہ ہو سکتا ہے۔ یا شیاطین سے محفوظ۔ جیسے فرمایا ﴿وَنُحِيطُ بِهِمْ رُجُومًا﴾ (الحج ۷۷)

(۵) یعنی رات کو آرام اور دن کو معاش کے لیے بنایا سورج کو دن کی نشانی چاند کو رات کی نشانی بنایا تاکہ مہینوں اور سالوں کا حساب کیا جاسکے جو انسان کی اہم ضروریات میں سے ہے۔

(۶) جس طرح ہر اک سطح آب پر تیرتا ہے اسی طرح چاند اور سورج اپنے اپنے مدار پر تیرتے یعنی رواں دواں رہتے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا الْبَشَرَ مِنْ قَبْلُكَ الْخُلْدَ قَالُوا قَدْ نَسِيَ قَوْمُ الْخُلْدِ وَنَ ۝

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْحَيْرِ
بُغْتَةً ۚ وَالْإِنْسَانُ شَرُّ جُنُودَ ۝

وَمَا أَزَالُكَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ تَسْجُدُوا لَكُمْ زُلَافًا ۚ قَدْ
كُذِّبَتْ بِذِكْرِ الْهَيْكَلِ وَهُمْ يَذْكُرُونَ ۝

خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَمَلٍ سَابِقٍ لَكُمْ لَنْبِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ۝

آپ سے پہلے کسی انسان کو بھی ہم نے بھیجی نہیں
دی، کیا اگر آپ مر گئے تو وہ ہمیشہ کے لیے رہ
جائیں گے۔ (۳۳)

ہر جان دار موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ ہم بطریق امتحان تم
میں سے ہر ایک کو برائی بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں (۳۴) اور
تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۳۵)

یہ منکرین تجھے جب بھی دیکھتے ہیں تو تمہارا مذاق ہی
اڑاتے ہیں کہ کیا یہی وہ ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر
برائی سے کرتا ہے، اور وہ خود ہی رحمن کی یاد کے بالکل
بی منکر ہیں۔ (۳۶)

انسان جلد باز مخلوق ہے۔ میں تمہیں اپنی نشانیاں ابھی ابھی
دکھاؤں گا تم مجھ سے جلد بازی نہ کرو۔ (۳۷)

(۱) یہ کفار کے جواب میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کہتے تھے کہ ایک دن اسے مری جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،
موت تو ہر انسان کو آتی ہے اور اس اصول سے یقیناً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مستثنیٰ نہیں۔ کیونکہ وہ بھی انسان
ہی ہیں اور ہم نے کسی انسان کے لیے بھی دوام اور ہمیشگی نہیں رکھی ہے۔ لیکن کیا یہ بات کہنے والے خود نہیں مرس
گے؟ اس سے صدمہ پرستوں کی بھی تردید ہو گئی جو دیوتاؤں کی اور انبیاء و اولیاء کی زندگی کے قائل ہیں اور اسی بنیاد پر ان کو
حاجت رد اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ فَتَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْعَقِيْدَةِ الْعَاسِيَةِ الَّتِي تُعَارِضُ الْقُرْآنَ

(۲) یعنی کبھی مصائب و آلام سے دوچار کر کے اور کبھی دنیا کے وسائل فراوان سے بہرہ ور کر کے۔ کبھی صحت و فراخی
کے ذریعے سے اور کبھی تنگی و بیماری کے ذریعے سے، کبھی تو مٹھری دے کر اور کبھی فقر و فاقہ میں مبتلا کر کے ہم آزماتے
ہیں۔ تاکہ ہم دیکھیں کہ شکر گزاری کون کرتا ہے اور ناشکری کون؟ ممبر کون کرتا ہے اور نامبری کون؟ شکر اور مبر یہ
رضائے الہی کا اور کفران نعمت اور نامبری غضب الہی کا موجب ہے۔

(۳) وہاں تمہارے عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزا دیں گے۔ اول الذکر لوگوں کے لیے بھلائی اور دوسروں کے لیے برائی۔

(۴) اس کے باوجود یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استہزاء مذاق اڑاتے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا —

﴿وَاِذَا رَاوْاْ اٰیٰتِنَا يَنْهٰجُوْا نَكَالَ الْاَمْرِ ۚ اٰهٰذَا الَّذِي يَّعْتَصِمُ بِاللّٰهِ رَسُوْلًا ۙ﴾ (العرفان ۳۰) ”جب اے پیغمبر! یہ کفار مکہ تجھے دیکھتے ہیں
تو تیرا مذاق اڑانے لگ جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟“

(۵) یہ کفار کے مطابق عذاب کے جواب میں ہے کہ چونکہ انسان کی فطرت میں غلبت اور جلد بازی ہے اس لیے وہ

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۵۱

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكْفُوْنَ عَنْ وُجُوْهِهِمْ
اَنْتَارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُوْنَ ۝۵۲

بَلْ تٰتِيْهِمْ بَعۡثَةُ تَتَّبَعُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُوْنَ ۝۵۳

وَلَقَدْ اَسْتَفْهِرُوْا بُرْسِيَّ مِنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا
مِنْهُمُ نَآكَ اَنْتَ اَبۡرَٰهِيْمَ ۝۵۴

کہتے ہیں کہ اگر سچے ہو تو بتا دو کہ یہ وعدہ کب
ہے۔ (۳۸)

کاش ایہ کافر جانتے کہ اس وقت نہ تو یہ کافر آگ کو اپنے
چروں سے ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ ان
کی مدد کی جائے گی۔ (۳۹)

(ہاں ہاں!) وعدے کی گھڑی ان کے پاس اچانک آجائے
گی اور انہیں ہکا بکا کر دے گی، (۴۰) پھر نہ تو یہ لوگ اسے
ٹال سکیں گے اور نہ ذرا سی بھی مہلت دیئے جائیں
گے۔ (۴۱)

اور تجھ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ہنسی مذاق کیا گیا
پس ہنسی کرنے والوں کو ہی اس چیز نے گھیر لیا جس کی وہ
ہنسی اڑاتے تھے۔ (۴۲)

پیغمبر سے بھی جدی مطالبہ کرنے لگ جاتا ہے کہ اپنے اللہ سے کہہ کر ہم پر فوراً عذاب نازل کروادے۔ اللہ نے فرمایا:
جلدی مت کرو، میں عنقریب اپنی نشانیاں تمہیں دکھاؤں گا۔ ان نشانوں سے مراد عذاب بھی ہو سکتا ہے اور صدفقت
رسول ﷺ کے ولائ کی ویرانہ بھی۔

(۱) اس کا جواب محذوف ہے، یعنی اگر یہ جان لیتے تو پھر عذاب کا جلدی مطالبہ نہ کرتے یا یقیناً جان لیتے کہ قیامت آنے
والی ہے یا کفر پر قائم نہ رہتے بلکہ ایمان لے آتے۔

(۲) یعنی انہیں کچھ بھائی نہیں دے گا کہ وہ کیا کریں؟

(۳) کہ وہ توبہ و اعتذار کا اہتمام کر لیں۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ مشرکین کے استہزا اور تکذیب سے بدوس نہ ہوں، یہ کوئی
نئی بات نہیں ہے، تجھ سے پہلے آنے والے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا، بالآخر وہی عذاب ان پر اسٹ پڑا، یعنی
اس نے انہیں گھیر لیا، جس کا وہ استہزا مذاق اڑایا کرتے تھے اور جس کا وقوع ان کے نزدیک مستبعد تھا۔ جس طرح
دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَقَدْ كَذَّبْتَ رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ (الانعام ۳۳) ”تجھ
سے پہلے بھی رسول بھٹلائے گئے، پس انہوں نے تکذیب پر اور ان تکلیفوں پر جو انہیں دی گئیں، صبر کیا، یہاں تک کہ
ان کے پاس ہماری مدد آگئی۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے ساتھ کفار و مشرکین کے لیے اس میں تہدید و
وعید بھی ہے۔

قُلْ مَنْ يَكْذِبْ بِالْحَقِّ وَاللَّهِ مِنَ الْغَافِلِينَ بَلْ هُوَ عَنِ
ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُعْرِضُونَ ﴿۳۱﴾

أَمْ لَهُمْ إِلَهَةٌ مَنَعَهُمْ مِنْ ذُرِّيَّتٍ ۚ لَآ يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ
نَفْسِهِمْ وَلَا هُمْ يَنْصَحُونَ ﴿۳۲﴾

بَلْ مَنَعْنَا مَوْلَاهُ وَآبَاءَهُمْ حَتَّى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ
أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّ سَائِلِي الْأَرْضِ سَقَطُهَا مِنْ أَظْفَارِنَا
أَفَهُمُ الْغَافِلُونَ ﴿۳۳﴾

قُلْ إِنَّمَا أُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ
إِذَا مَا يُنَادُونَ ﴿۳۴﴾

ان سے پوچھئے کہ رخصت سے 'دن اور رات تمہاری
حفاظت کون کر سکتا ہے؟' (۳۱) بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے
رب کے ذکر سے پھرے ہوئے ہیں۔ (۳۲)

کیا ہمارے سوا ان کے اور معبود ہیں جو انہیں مصیبتوں
سے بچالیں۔ کوئی بھی خود اپنی مدد کی طاقت نہیں رکھتا اور
نہ کوئی ہماری طرف سے رفاقت دیا جاتا ہے۔ (۳۳)

بلکہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو زندگی کے
سرو سامان دسیے یہاں تک کہ ان کی مدت عمر گزر گئی۔ کیا
وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے
چلے آ رہے ہیں اب کیا وہی غالب ہیں؟ (۳۴)

کہہ دیجئے! میں تو تمہیں اللہ کی وحی کے ذریعہ آگاہ
کر رہا ہوں مگر ہرے لوگ بات نہیں سنتے جبکہ انہیں
آگاہ کیا جائے۔ (۳۵)

(۱) یعنی تمہارے جو کرتوت ہیں 'وہ تو ایسے ہیں کہ دن یا رات کی کسی بھی گھڑی میں تم پر عذاب آ سکتا ہے؟ اس عذاب سے دن
اور رات تمہاری کون حفاظت کرتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا بھی کوئی اور ہے جو عذاب الہی سے تمہاری حفاظت کر سکے؟
(۲) اس کے معنی ہیں وَلَا هُمْ يَنْصَحُونَ مِنْ عَذَابِنَا "نہ وہ ہمارے عذاب سے ہی محفوظ ہیں"۔ یعنی وہ خود اپنی مدد پر اور
اللہ کے عذاب سے بچنے پر قادر نہیں ہیں پھر ان کی طرف سے ان کی مدد کیا ہوتی ہے اور وہ انہیں عذاب سے کس طرح
بچا سکتے ہیں؟

(۳) یعنی ان کی یا ان کے آبا و اجداد کی زندگیاں اگر عیش و راحت میں گزر گئیں تو کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صحیح راستے پر
ہیں؟ اور آئندہ بھی انہیں کچھ نہیں ہوگا؟ نہیں بلکہ یہ چند روزہ زندگی کا آرام تو ہمارے اصولِ صحت کا ایک حصہ ہے
اس سے کسی کو دھوکہ اور فریب میں جلا نہیں ہونا چاہیے۔

(۴) یعنی ارضِ کفر بتدریج گھٹ رہی ہے اور دولتِ اسلام و صحت پذیر ہے۔ کفر کے پیروں نے زمین کھسک رہی
ہے اور اسلام کا غلبہ بڑھ رہا ہے اور مسلمان علاقے پر علاقہ فتح کرتے چلے جا رہے ہیں۔

(۵) یعنی کفر کو سمجھنا اور اسلام کو بڑھتا ہوا دیکھ کر بھی 'کیا وہ کافر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ غالب ہیں؟ استفہامِ انکاری ہے۔ یعنی
وہ غالب نہیں، مغلوب ہیں۔ فاتح نہیں، مفتوح ہیں معزز و سرفراز نہیں، ذلت و خواری ان کا مقدر ہے۔

(۶) یعنی قرآن سنا کر انہیں وعظ و نصیحت کر رہا ہوں اور یہی میری ذمہ داری اور منصب ہے۔ لیکن جن لوگوں کے کانوں

وَلَمَّا مَسَّهُمْ نَفْعٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يَوْمَئِذٍ
إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۳۶﴾

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ
شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا
بِهَا وَكُلٌّ بِمَا حَسِبْتُمْ ﴿۳۷﴾

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَصِيَاءَ
وَوَدَّ كُرًّا لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۸﴾

اگر انہیں تیرے رب کے کسی عذاب کا جھونکا بھی لگ
جائے تو پکار اٹھیں کہ ہائے ہماری بد بختی! یقیناً ہم
گنہگار تھے۔ (۳۶)

قیامت کے دن ہم درمیان میں لا رکھیں گے ٹھیک ٹھیک
تولنے والی ترازو کو۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔
اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہو گا ہم
اسے لا حاضر کریں گے، اور ہم کافی ہیں حساب کرنے
والے۔ (۳۷)

یہ بالکل سچ ہے کہ ہم نے موسیٰ و ہارون کو نصیحت کرنے
والی نورانی اور پرہیزگاروں کے لیے وعظ و نصیحت والی

کو اللہ نے حق کے سننے سے بہرا کر دیا، آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور دلوں پر مر لگادی، ان پر اس قرآن کا اور وعظ و نصیحت
کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

(۱) یعنی عذاب کا ایک ہلکا سا جھٹکا اور تھوڑا حصہ بھی پہنچے گا تو پکار اٹھیں گے اور اعتراف ظلم کرنے لگ جائیں گے۔
(۲) مَوَازِينُ، مِيزَانُ (ترازو) کی جمع ہے۔ وزن اعمال کے لیے قیامت والے دن یا تو کئی ترازو نہیں ہوں گی یا ترازو تو ایک
ہی ہوگی، محض تقیم شان کے لیے یا تعدد اعمال کے اعتبار سے جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ انسان کے اعمال تو اعراض ہیں
یعنی ان کا کوئی ظاہری وجود یا جسم تو ہے نہیں، پھر وزن کس طرح ہو گا؟ یہ سوال آج سے قبل تک تو شاید کوئی اہمیت
رکھتا ہو۔ لیکن آج سائنسی ایجادات نے اسے ممکن بنا دیا ہے، اب ان ایجادات کے ذریعے سے اعراض کا اور بے وزن
چیزوں کا وزن بھی تو لا جانے لگا ہے۔ جب انسان اس بات پر قادر ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے ان اعمال کا جو اعراض
ہیں وزن کرنا کون سا مشکل امر ہے؟ اس کی تو شانِ عِلیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِيرٌ ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ انسانوں
کو دکھلانے کے لیے ان اعراض کو وہ اجسام میں بدل دے اور پھر وزن کرے، جیسا کہ احادیث میں بعض اعمال کے مجسم
ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً صاحب قرآن کے لیے قرآن ایک خوش شکل نوجوان کی شکل میں آئے گا، وہ پوچھے گا تو کون
ہے؟ وہ کہے گا کہ میں قرآن ہوں جسے تو راتوں کو (قیام اللیل میں) بیدار رہ کر اور دن کو بیا سارہ کر پڑھا کرتا تھا۔ مسد
احمدہ ۳۵۲۳۸۸ ابن ماجہ، کتاب الادب، باب لباب القرآن، اسی طرح مومن کی قبر میں عمل صالح ایک خوش
رنگ اور معطر نوجوان کی شکل میں آئے گا اور کافر و منافق کے پاس اس کے برعکس شکل میں۔ مسد احمدہ ۲۸۷
اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھئے سورۃ الاعراف ۷ کا حاشیہ۔ القِسطُ، مصدر اور اَلْمَوَازِينُ کی صفت ہے۔ معنی ہیں
ذَوَاتِ قِسْطٍ انصاف کرنے والی ترازو یا ترازوئیں۔

کتاب عطا فرمائی ہے۔^(۳۸)

وہ لوگ جو اپنے رب سے بن دیکھے خوف کھاتے ہیں اور قیامت (کے تصور) سے کانپتے رہتے ہیں۔^(۳۹)

اور یہ نصیحت و برکت والا قرآن بھی ہمیں نے نازل فرمایا ہے کیا پھر بھی تم اس کے منکر ہو۔^(۴۰)

یقیناً ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو اسکی سمجھ بوجھ بخشی تھی اور ہم اسکے احوال سے بخوبی واقف تھے۔^(۴۱)

جبکہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ سورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟^(۴۲)

الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿۳۸﴾

وَهَذَا الَّذِي كُنْتُمْ تُكَذِّبُونَ ۚ اِنَّا نُنَزِّلُ الْكِتَابَ لَكُمْ فَتَتْلُوهُ فَتَعْلَمُونَ ۚ اِنَّكُمْ لَعِنٌ ۚ اِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۳۹﴾

وَلَقَدْ اَتَيْنَا اِبْرٰهٖمَ رُشْدًا مِنْ قَبْلِ وَكُنَّا بِهٖ عَلٰمِيْنَ ﴿۴۰﴾

اِذْ قَالَ لِاٰتِيْهِ وَقُوْهُ مَا هٰذِهٖ لَتَأْتِيََنَّ اِلٰهِيْ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُونَ ﴿۴۱﴾

(۱) یہ تورات کی صفات بیان کی گئی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ اس میں بھی متقین کے لیے ہی نصیحت تھی، جیسے قرآن کریم کو بھی ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ البقرة ۱۲۸ کا گیا ہے، کیونکہ جن کے دلوں میں اللہ کا تقویٰ نہیں ہوتا، وہ اللہ کی کتاب کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، تو آسمانی کتاب ان کے لیے نصیحت اور ہدایت کا ذریعہ کس طرح بنے؟ نصیحت یا ہدایت کے لیے تو ضروری ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اور اس میں غور و فکر کیا جائے۔

(۲) یہ متقین کی صفات ہیں، جیسے سورہ بقرہ کے آغاز میں اور دیگر مقامات پر بھی متقین کی صفات کا تذکرہ ہے۔ (۳) یہ قرآن جو یاد دہانی حاصل کرنے والے کے لیے ذکر اور نصیحت اور فیورکت کا حامل ہے، اسے بھی ہم نے ہی اتارا ہے۔ تم اس کے مُنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰهِ ہونے سے کیوں انکار کرتے ہو، جب کہ تمہیں اعتراف ہے کہ تورات اللہ کی طرف سے ہی نازل کردہ کتاب ہے۔

(۴) مِّنْ قَبْلُ سے مراد یا تو یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو رشد (ہدایت یا ہوش مندی) دینے کا واقعہ موسیٰ علیہ السلام کو اتارنے تورات سے پہلے کا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو نبوت سے قبل ہی ہوش مندی عطا کر دی تھی۔

(۵) یعنی ہم جانتے تھے کہ وہ اس رشد کا اہل ہے اور وہ اس کا صحیح استعمال کرے گا۔

(۶) تَعَايُنًا، تَعَايُنًا کی جمع ہے۔ یہ اصل میں کسی چیز کی ہو، ہو نقل کو کہتے ہیں۔ جیسے پتھر کا مجسمہ یا کانڈ اور دیوار وغیرہ پر کسی کی تصویر۔ یہاں مراد وہ سورتیاں ہیں جو قوم ابراہیم علیہ السلام نے اپنے معبودوں کی بتا رکھی تھیں اور جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ عَاكِفٌ، عَاكِفٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، جس کے معنی کسی چیز کو لازم پکڑنے اور اس پر جھک کر، جم کر بیٹھ رہنے کے ہیں۔ اسی سے اعتکاف ہے، جس میں انسان اللہ کی عبادت کے لیے جم کر بیٹھتا اور یکسوئی اور اشتہاک سے اس کی طرف لو لگاتا ہے۔ یہاں اس سے مراد بتوں کی تعظیم و عبادت اور ان کے تھاؤں پر مجاور بن کر بیٹھنا ہے۔ یہ تمثائیں (سورتیاں اور تصویریں) قبر پرستوں اور پیر پرستوں میں بھی آج کل عام ہیں اور ان کو بڑے اہتمام سے گھروں

قَالُوا وَجَدْنَا ابْنَنَا لَهَا عَمِيدِينَ ۝

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاَنَا ذُكُوْرٌ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

قَالُوا اِحْسَنْتَا بِالْحَقِّ اَمْ نَمُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ ۝

قَالَ بَلْ رَزَقَكُمُوْهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْكَذٰبِ

قَطْرُهٗنَّ ۚ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِنَ الشّٰهِيْدِيْنَ ۝

وَتَوَكَّلْ عَلٰى كَيْدٍ مِّنْ مَّامِكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝

فَجَعَلَهُمْ جُودًا اِلَّا كَيْدَ الْاَوَّلٰى ثُمَّ لَعَنَهُمُ الْاَوَّلٰى يَرْجِعُوْنَ ۝

سب نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔^(۱) (۵۳)

آپ نے فرمایا! پھر تو تم اور تمہارے باپ دادا کبھی یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا رہے۔ (۵۴)

کہنے لگے کیا آپ ہمارے پاس سچ مچ حق لائے ہیں یا یوں ہی مذاق کر رہے ہیں۔^(۲) (۵۵)

آپ نے فرمایا نہیں درحقیقت تم سب کا پروردگار تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے، میں تو اسی بات کا گواہ اور قائل ہوں۔^(۳) (۵۶)

اور اللہ کی قسم میں تمہارے ان معبودوں کے ساتھ جب تم علیحدہ پینہ پھیر کر چل دو گے ایک چال چوں گا۔^(۴) (۵۷)

پس اس نے ان سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہاں صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا یہ بھی اس لیے کہ وہ سب اس کی طرف ہی لوٹیں۔^(۵) (۵۸)

اور دکانوں میں بطور تھرک آویزاں کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں سمجھ عطا فرمائے۔

(۱) جس طرح آج بھی جمالت و خرافات میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کو بدعات و رسومات جاہلیہ سے روکا جائے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم انہیں کس طرح چھوڑیں، جب کہ ہمارے آباؤ اجداد بھی یہی کچھ کرتے رہے ہیں۔ اور یہی جواب وہ حضرات دیتے ہیں جو نصوص کتاب و سنت سے اعراض کر کے علماء مشائخ کے آراء و افکار سے چپے رہنے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

(۲) یہ اس لیے کہا کہ انہوں نے اس سے قبل توحید کی یہ آواز ہی نہیں سنی تھی انہوں نے سوچا، پتہ نہیں، ابراہیم علیہ السلام ہمارے ساتھ مذاق تو نہیں کر رہا ہے؟

(۳) یعنی میں مذاق نہیں کر رہا، بلکہ ایک ایسی چیز پیش کر رہا ہوں جس کا علم و یقین (مشاہدہ) مجھے حاصل ہے اور وہ یہ کہ تمہارا معبود یہ سورتیاں نہیں، بلکہ وہ رب ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک اور ان کا پیدا کرنے والا ہے۔

(۴) یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دل میں عزم کیا، بعض کہتے ہیں کہ آہستہ سے کہا، جس سے مقصود بعض لوگوں کو سنا تھا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ کید (تدبیر) سے مراد یہاں وہ عملی سعی ہے جو وہ زبانی وعظ کے بعد تخیل منکر کے عملی اہتمام کی شکل میں کرنا چاہتے تھے، یعنی جوں کی توڑ چھوڑ۔

(۵) چنانچہ وہ جس دن اپنی عید یا کوئی جشن مناتے تھے، ساری قوم اس کے لیے باہر چلی گئی اور ابراہیم علیہ السلام نے

کہنے لگے کہ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کس نے کیا؟
ایسا شخص تو یقیناً ظالموں میں سے ہے۔^(۵۹)
بولے ہم نے ایک نوجوان کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا
تھا جسے ابراہیم (علیہ السلام) کہا جاتا ہے۔^(۶۰)
سب نے کہا اچھا اسے مجمع میں لوگوں کی نگاہوں کے
سامنے لاؤ تاکہ سب دیکھیں۔^(۶۱)
کہنے لگے: اے ابراہیم (علیہ السلام) کیا تو نے ہی ہمارے
خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔^(۶۲)
آپ نے جواب دیا بلکہ اس کام کو ان کے بڑے نے کیا
ہے تم اپنے خداؤں سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے چاہتے
ہوں۔^(۶۳)

قَالُوا مَن هَٰذَا الَّذِي مَثَّلَ لَنَا بَشَرًا مِّنْ ظُلُمِئِنَا ۖ ۝
قَالُوا سُبْحٰنَ قُدُّسٌ يَّذْكُرُ لَهُمْ يَقَالَ لَدٰى بُرْهٰنِهِمْ ۝
قَالُوا فَاَتُؤَاوِيهِ عَلَىٰٓ اَعْيُنِنَا لَنَنصُرَنَّكَ لَوْ كَانُوا يَٰٓرٰوُونَ ۝
قَالُوا اَنتَ فَعَلْتَ هَٰذَا بِالْاِنْسٰنِ اَيَّٰلٰهُ يَزُوْهُ ۝
قَالَ نَلْقَاهُ لَنَعْلَمَ لَبَّيْهُمُ هَٰذَا فَاَنصُرُوْهُمْ
اِنْ كَانُوْا يَٰطٰغُوْنَ ۝

موقع غنیمت جان کر انہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ صرف ایک بڑا بت چھوڑ دیا، بعض کہتے ہیں کہ کھڑی س کے ہاتھ میں
پکڑادی، تاکہ وہ اس سے پوچھیں۔
(۱) یعنی جب وہ جشن سے فارغ ہو کر آئے تو دیکھا کہ معبود تو نوٹے پڑے ہیں، تو کہنے لگے، یہ کوئی بڑا ہی ظالم شخص ہے
جس نے یہ حرکت کی ہے۔
(۲) ان میں سے بعض نے کہا کہ وہ نوجوان ابراہیم (علیہ السلام) ہے، تاکہ وہ ہمارے بتوں کے خلاف باتیں کرتا ہے، معلوم
ہوتا ہے یہ اسی کی کارستانی ہے۔
(۳) یعنی اس کو سزا ملتی ہوئی دیکھیں تاکہ آئندہ کوئی اور یہ کام نہ کرے۔ یا یہ معنی ہیں کہ لوگ اس بات کی گواہی دیں
کہ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو بت توڑتے ہوئے دیکھا یا ان کے خلاف باتیں کرتے ہوئے سنا ہے۔
(۴) چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجمع عام میں لایا گیا اور ان سے پوچھا گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا
کہ یہ کام تو اس بڑے بت نے کیا ہے، اگر یہ (نوٹے ہوئے بت) بول کر بتلا سکتے ہیں تو ذرا ان سے پوچھو تو کسی۔ یہ بطور
تقریض اور تمکیت کے انہوں نے کہا کہ وہ یہ بات جان لیں کہ جو بت بول سکتا ہو نہ کسی چیز سے آگاہی کی صحت رکھتا
ہو، وہ معبود نہیں ہو سکتا، نہ اس پر اللہ کا اطلاق ہی صحیح ہے۔ ایک حدیث صحیح میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول
بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ ۖ كَوَلَفْظٍ كَذِبٍ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے، 'وہ اللہ کے لیے' ایک
'اپنی سقیفہ' اور 'دوسرا یہی'۔ اور تیسرا حضرت سارہ اپنی بیوی کو بہن کہنا، صحیح بخاری کتاب الانبیاء، باب
والنجد، اللہ، ابراہیم علیہ السلام زمانہ حال کے بعض مفسرین نے اس حدیث صحیح کو قرآن کے خداف پور کر کے اس کا

وَلَا يَصُورُكُمْ ۝

اِنْ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ

اَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

قَالُوا حَقِّقُوهُ وَانصُرُوا الْبَغْثَةَ اِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ۝

قُلْنَا يَنْتَارُ كُوفِي مَرَدًا وَسَلَّمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝

وَاَمْرًا دُوًّا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝

وَنَجَّيْنٰهُ وَلَوْحًا اِلَى الْاَرْضِ الْبَقِيْ بَرَكًا

فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝

علاوہ ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ بھی نفع پہنچی
سکیں نہ نقصان۔ (۶۶)

تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت
کرتے ہو۔ کیا تمہیں اتنی سی عقل بھی نہیں؟ (۶۷)
کہنے لگے کہ اسے جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر
تمہیں کچھ کرنا ہی ہے۔ (۶۸)

ہم نے فرما دیا اے آگ! تو ٹھنڈی پڑ جا اور ابراہیم (علیہ
السلام) کے لیے سلامتی (اور آرام کی چیز) بن جا! (۶۹)
گو انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کا برا چاہا، لیکن ہم نے
انہیں ناکام بنا دیا۔ (۷۰)

اور ہم ابراہیم اور لوط کو بچا کر اس زمین کی طرف لے
چلے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت
رکھی تھی۔ (۷۱)

جانتا ہے کہ یہ بولنے کی طاقت سے محروم ہیں۔

(۱) جیسی جب وہ خود ان کی بے بسی کے اعتراف پر مجبور ہو گئے تو پھر ان کی بے عقلی پر افسوس کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کو
چھوڑ کر ایسے بے بسوں کی تم عبادت کرتے ہو؟

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یوں اپنی محنت تمام کر دی اور ان کی ضلالت و سفاہت کو ایسے طریقے سے ان پر
واضح کر دیا کہ وہ لاجواب ہو گئے۔ تو چونکہ وہ توفیق ہدایت سے محروم تھے اور کفر و شرک نے ان کے دلوں کو بے نور کر دیا
تھا۔ اس لیے بجائے اس کے کہ وہ شرک سے تائب ہوتے، الٹا ابراہیم علیہ السلام کے خلاف سخت اقدام کرنے پر آمادہ ہو
گئے اور اپنے معبودوں کی دہائی دیتے ہوئے انہیں آگ میں جھونک دینے کی تیاری شروع کر دی۔ چنانچہ آگ کا ایک بہت
بڑا دھواں تیار کیا گیا اور اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کما جاتا ہے کہ مخفیق کے ذریعے سے پھینکا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے
آگ کو حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے مرد و سلامتی بن جا۔ علما کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ٹھنڈی کے ساتھ
”سلامتی“ نہ فرماتا تو اس کی ٹھنڈک ابراہیم علیہ السلام کے لیے ناقابل برداشت ہوتی۔ بہر حال یہ ایک بہت بڑا معجزہ ہے
جو آسمان سے باتیں کرتی ہوئی وکئی آگ کے گل و گلزار بن جانے کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ
کی مشیت سے ظاہر ہوا۔ اس طرح اللہ نے اپنے بندے کو دشمنوں کی سازش سے بچالیا۔

(۳) اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک ملک شام ہے۔ جسے شادابی اور پھلوں اور نہروں کی کثرت نیز انبیاء عظیم السلام

وَوَهَبْنَا لَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ﴿٤١﴾

وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُهَدُّونَ بِأَمْثِلِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْغَيْرَاتِ ۖ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا تَائِعِينَ ﴿٤٢﴾

وَلَوْطًا اتَّمِنَهُ جُلُكًا وَيَسْلُمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْفَحْشَاءَ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٤٣﴾

وَأَدْخَلْنَاهُ رُفَّ رَحْمَتِنَا إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٤٤﴾

وَنُوحًا إِذْ نَادَى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٤٥﴾

وَنَصْرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا

اور ہم نے اسے اسحاق عطا فرمایا اور یعقوب اس پر مزید^(۱)
اور ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا۔ (۴۱)

اور ہم نے انہیں پیشوا بنادیا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کی رہبری کریں اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نمازوں کے قائم رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی (تلقین) کی اور وہ سب کے سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔ (۴۲)

ہم نے لوط (علیہ السلام) کو بھی حکم اور علم دیا اور اسے اس ہستی سے نجات دی جہاں کے لوگ گندے کاموں میں جلاتھے۔ اور تھے بھی وہ بدترین گنہگار۔ (۴۳)

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا بے شک وہ نیکو کار لوگوں میں سے تھا۔^(۲) (۴۴)

نوح کے اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ اس نے اس سے پہلے دعا کی ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑے کرب سے نجات دی۔ (۴۵)

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے تھے ان کے

کا مسکن ہونے کے لحاظ سے باہر کٹ کما گیا ہے۔

(۱) نَافِلَةً 'زائد کو کہتے ہیں' یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو صرف بیٹے کے لیے دعا کی تھی 'ہم نے بغیر دعا کے مزید پوتا بھی عطا کر دیا۔

(۲) حضرت لوط علیہ السلام 'حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زاد (بھتیجے) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والے اور ان کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے شام جانے والوں میں سے تھے۔ اللہ نے ان کو بھی علم و حکمت یعنی نبوت سے نوازا۔ یہ جس علاقے میں نبی بنا کر بھیجے گئے 'اسے عمورہ اور سدوم کہا جاتا ہے۔ یہ فلسطین کے بحیرہ مردار سے متصل بجانب اردن ایک شاداب علاقہ تھا۔ جس کا بڑا حصہ اب بحیرہ مردار کا جزو ہے۔ ان کی قوم مواطت جیسے فعل شنیع گزر گاہوں پر بیٹھ کر آنے جانے والوں پر آوازے کسنا اور انہیں تنگ کرنا خراف ریزے پھینکن وغیرہ میں ممتاز تھی 'جسے اللہ نے یہاں خباثت (بید کاموں) سے تعبیر فرمایا ہے۔ بلا آخر حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل کر کے یعنی انہیں اور ان کے متبعین کو بچا کر قوم کو تباہ کر دیا گیا۔

مقابلے میں ہم نے اس کی مدد کی 'یقیناً وہ برے لوگ تھے
پس ہم نے ان سب کو ڈبو دیا۔ (۷۷)

اور داود اور سلیمان (علیہما السلام) کو یاد کیجئے جبکہ وہ کھیت
کے معاملہ میں فیصلہ کر رہے تھے کہ کچھ لوگوں کی بکریاں
رات کو اس میں چر چک گئی تھیں اور ان کے فیصلے میں
ہم موجود تھے۔ (۷۸)

ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا۔^(۱) ہاں ہر ایک
کو ہم نے حکم و علم دے رکھا تھا اور داود کے تابع ہم نے
پہاڑ کر دیئے تھے جو تسبیح کرتے^(۲) تھے اور پرند^(۳) بھی۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا سَوِيًّا فَاَعْرِضْنَاهُمْ لِمِمْحَوْرٍ ۝۷۷

وَاٰوَدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِذْ يَخْتَلِمٰنَ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَقَتْ

مِنْهُ غَسَلُ الْقَوِيْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝۷۸

فَفَقَّهْنَاهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اَتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَسَخْنٰهَا

مَعَ دَاوُدَ الْجَبَّالِ يُسَبِّحُهَا الصَّٰبِرُ وَكُنَّا لِفَعْلِهِمْ ۝۷۹

(۱) مفسرین نے یہ قصہ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص کی بکریاں دوسرے شخص کے کھیت میں رات کو جا گئیں
اور اس کی کھیتی چر چک گئیں۔ حضرت داود علیہ السلام نے جو پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ 'عکراں' بھی تھے۔ فیصلہ دیا کہ
بکریاں کھیت وادے لے لے تاکہ اس کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس فیصلے سے اختلاف
کیا اور یہ فیصلہ دیا کہ بکریاں کچھ عرصے کے لیے کھیتی کے مالک کو دے دی جائیں وہ ان سے انتفاع کرے اور کھیتی بکری
والے کے سپرد کر دی جائے تاکہ وہ کھیتی کی آب پاشی اور دیکھ بھال کر کے اسے صحیح کرے جب وہ اس حالت میں
آجائے جو بکریوں کے چرنے سے پہلے تھی تو کھیتی کھیتی والے کو اور بکریاں بکری والے کو واپس کر دی جائیں۔ پہلے
فیصلے کے مقابل میں دوسرا فیصلہ اس لحاظ سے زیادہ بہتر تھا کہ اس میں کسی کو بھی اپنی چیز سے محروم ہونا نہیں پڑا۔ جب کہ
پہلے فیصلے میں بکری والے اپنی بکریوں سے محروم کر دیئے گئے تھے۔ تاہم اللہ نے حضرت داود علیہ السلام کی بھی تعریف کی
اور فرمایا کہ ہم نے ہر ایک کو (یعنی داود علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام دونوں کو) علم و حکمت سے نوازا تھا۔ بعض لوگ
اس سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر مجتہد 'مصيب' ہوتا ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ کسی
ایک معاملے میں دو الگ الگ (متضاد) فیصلہ کرنے والے دو مجتہد 'بیک وقت' دونوں مصيب نہیں ہو سکتے ان میں
ضرور ایک مصيب (درست فیصلہ کرنے والا) ہو گا اور دوسرا غلطی غلط فیصلہ کرنے والا 'البتہ یہ الگ بات ہے کہ مجتہد غلطی
عند اللہ گنہ گار نہیں ہو گا بلکہ اسے ایک اجر ملے گا۔ کنانی الحدیث (فتح القدیر)

(۲) اس سے مراد یہ نہیں کہ پہاڑ ان کی تسبیح کی آواز سے گونج اٹھتے تھے (کیونکہ اس میں تو کوئی اعجاز ہی باقی نہیں رہتا)
ہر کہ وہ کی اونچی آواز سے پہاڑوں میں گونج پیدا ہو سکتی ہے۔ بلکہ مطلب حضرت داود علیہ السلام کی تسبیح کے ساتھ
پہاڑوں کا بھی تسبیح پڑھنا ہے۔ نیز یہ مجازاً نہیں حقیقتاً تھا۔

(۳) یعنی پرندے بھی داود علیہ السلام کی ہر سوز آواز سن کر اللہ کی تسبیح کرنے لگتے۔ وَالطَّيْرُ يَآ تَوْفَتْحُ ہے اور اس کا

ہم کرنے والے ہی تھے۔^(۷۹)

اور ہم نے اسے تمہارے لیے لباس بنانے کی کارگیری سکھائی تاکہ لڑائی کے ضرر سے تمہارا بچاؤ ہو۔^(۸۰) کیا تم شکر گزار ہو گے؟^(۸۱)

ہم نے تند و تیز ہوا کو سلیمان (علیہ السلام) کے تابع کر دیا۔^(۸۲) جو اس کے فرمان کے مطابق اس زمین کی طرف چلتی تھی جہاں ہم نے برکت دے رکھی تھی اور ہم ہر چیز سے باخبر اور دانائیں۔^(۸۱)

اسی طرح سے بہت سے شیاطین بھی ہم نے اس کے تابع کیے تھے جو اس کے فرمان سے غوطے لگاتے تھے اور اس کے سوا بھی بہت سے کام کرتے تھے،^(۸۳) ان کے نمبران ہم ہی تھے۔^(۸۴)

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَوْثٍ لَّكُمْ لِيَتُعَصِّدَ لَكُمْ مِنْ بَابِكُمْ لَقَدْ أَنَلْتُكُمْ شُكُورَ ۝

وَلِسُلَيْمَانَ الْيُسْبِيْعَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِاِثْمَارِ اِلَى الْاَرْضِ اَلَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا وَلَقَدْ اَخْلَجْنٰ اٰمِيْنِ ۝

وَمِنَ الشَّيْطٰنِ مَن يَغْوُوْنَ لَهُ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ذٰلِكَ لَعَمْرُ حٰفِيْطِيْنَ ۝

عطف لُجْجَال پر ہے یا پھر یہ مرفوع ہے اور خبر محذوف کا مبتدا ہے یعنی وَالطُّيْرُ مُسَخَّرَاتٌ مطلب یہ ہے کہ پرندے بھی داود علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیئے گئے تھے (فتح القدیر)

(۱) یعنی یہ تفہیم، ایتائے حکم اور تغیر ان سب کے کرنے والے ہم ہی تھے اس لیے ان میں کسی کو تعجب کرنے کی یا انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

(۲) یعنی سو ہے کہ ہم نے داود علیہ السلام کے لیے نرم کر دیا تھا وہ اس سے جنگی لباس، لوہے کی زریں تیار کرتے تھے جو جنگ میں تمہاری حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ حضرت ثناء بھی فرماتے ہیں کہ حضرت داود علیہ السلام سے پہلے بھی زریں بنتی تھیں لیکن وہ سادہ بغیر کنڈوں اور بغیر حلقوں کے ہوتی تھیں۔ حضرت داود علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے کنڈے دار اور حلقے والی زریں بنائیں۔ (ابن کثیر)

(۳) یعنی جس طرح پہاڑ اور پرندے حضرت داود علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیئے گئے تھے اسی طرح ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دی گئی تھی۔ وہ اپنے اعیان سلطنت سمیت تخت پر بیٹھ جاتے تھے اور جہاں چاہتے مہینوں کی مسافت، لمحوں اور ساعتوں میں طے کر کے وہاں پہنچ جاتے ہوا آپ کے تخت کو اڑا کر لے جاتی۔ بابرکت زمین سے مراد شام کا علاقہ ہے۔

(۴) جنات بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے جو ان کے حکم سے سمندروں میں غوطے لگاتے اور موتی اور جواہر نکال لاتے اسی طرح دیگر عمارتی کام جو آپ چاہتے کرتے تھے۔

(۵) یعنی جنوں کے اندر جو سرکشی اور فساد کا مادہ ہے اس سے ہم نے سلیمان علیہ السلام کی حفاظت کی اور وہ ان کے

وَاَيُّوبَ اِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ اِنِّى مَسِيْرٌ مُّسْرٍ وَاَنْتَ
اَرْحَمُ الرَّحِيْمِيْنَ ۝۸۳

فَاَسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَلَّمْنَاهُ مِنْ حَمِيْدٍ وَّاَنۢبَايْنَاهُ اَهْلَهٗ
وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرًا
لِّلْعٰبِدِيْنَ ۝۸۴

وَالۢمُسِيْرِيْنَ وَاذِيۡنِیْۤسَ وَذَٰلِکُمۡ کُلٌّ مِّنَ الضَّٰلِیِّیۡنَ ۝۸۵

وَاَدۡخَلْنٰهُمۡ فِیۡ رَحْمَتِنَا ۚ اِنَّهُمْ مِّنَ الضَّٰلِیِّیۡنَ ۝۸۶

وَذَٰلِکُمۡ اِلٰذۡ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَن لَّنۡ نَّعَذِّبَہٗ

ایوب (علیہ السلام) کی اس حالت کو یاد کرو جبکہ اس نے
اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو
رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (۸۳)

تو ہم نے اس کی سن لی اور جو دکھ انہیں تھا اسے دور کر
دیا اور اس کو اہل و عیال عطا فرمائے بلکہ ان کے ساتھ
ویسے ہی اور اپنی خاص مہربانی سے تاکہ سچے بندوں
کے لیے سبب نصیحت ہو۔ (۸۴)

اور اسماعیل اور ادیس اور ذوالکفل (۲) (علیم اسلام)
یہ سب صابر لوگ تھے۔ (۸۵)

ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ یہ سب لوگ
نیک تھے۔ (۸۶)

مچھلی والے (۳) (حضرت یونس علیہ السلام) کو یاد کرو! جبکہ

آگے سر تالی کی مجال نہیں رکھتے تھے۔

(۱) قرآن مجید میں حضرت ایوب علیہ السلام کو صابر کہا گیا ہے (سورہ ص-۳۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں سخت
آزمائشوں میں ڈالا گیا جن میں انہوں نے صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ یہ آزمائشیں اور تکلیفیں کیا تھیں اس
کی مستند تفصیل تو نہیں مٹی۔ تاہم قرآن کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مال و دوست دنیا اور
اولاد وغیرہ سے نوازا ہوا تھا بطور آزمائش اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ سب نعمتیں چھین لیں حتیٰ کہ جسمانی صحت سے بھی
محروم اور بیماریوں میں گھر کر رہ گئے۔ بالآخر کہا جاتا ہے کہ ۱۸ سال کی آزمائشوں کے بعد بارگاہ الہی میں دعا کی اللہ نے دعا
قبول فرمائی اور صحت کے ساتھ مال و اولاد پہلے سے دو گنا عطا فرمائے۔ (اس کی کچھ تفصیل صحیح ابن حبان کی ایک روایت
میں ملتی ہے۔ ج ۳ ص ۲۳۴ و مجمع الزوائد ۸/۳۰۸) شکوہ شکایت اور جزع فزع صبر کے منافی ہے جس کا اظہار حضرت
ایوب علیہ السلام نے کبھی نہیں کیا۔ البتہ دعا صبر کے منافی نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ”ہم نے قبول کر
لی“ کے الفاظ استعمال فرمائے۔

(۲) ذوالکفل کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا نہیں؟ بعض ان کی نبوت کے اور بعض ولایت کے قائل ہیں۔
امام ابن جریر نے ان کی بہت توقف اختیار کیا ہے امام ابن کثیر فرماتے ہیں قرآن میں نبیوں کے ساتھ ان کا ذکر ان کے
نبی ہونے کو ظاہر کرتا ہے ”وَاللّٰهُ اَعْلَمُ“۔

(۳) مچھلی والے سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں جو اپنی قوم سے ناراض ہو کر اور انہیں عذاب الہی کی دھمکی دے

فَتَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ
اِنِّى كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ ۝

فَاَسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ الْيُسْرَىٰ وَاصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ
وَكَفَّرْنَا عَنْهُ ذُنُوبَهُ رَبِّكَ لَا تَدْرِي قَرْدًا
وَاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ ۝

فَاَسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ الْيُسْرَىٰ وَاصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ
وَكَفَّرْنَا عَنْهُ ذُنُوبَهُ رَبِّكَ لَا تَدْرِي قَرْدًا
وَاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ ۝

وہ غصہ سے چل دیا اور خیال کیا کہ ہم اسے نہ پہن سکیں
گے۔ بالآخر وہ اندھیروں^(۱) کے اندر سے پکار اٹھا کہ الہی
تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، بیشک میں ظالموں
میں ہو گیا۔ (۸۷)

تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات دے دی
اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچالیا کرتے ہیں۔ (۸۸)^(۲)
اور زکریا (علیہ السلام) کو یاد کرو جب اس نے اپنے رب
سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے تھما نہ چھوڑ، تو
سب سے بہتر وارث ہے۔ (۸۹)

ہم نے اس کی دعا کو قبول فرما کر اسے نیکی (علیہ السلام) عطا
فرمایا^(۳) اور ان کی بیوی کو ان کے لیے درست کر دیا۔^(۴) یہ
بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جہد کرتے تھے اور
ہمیں لالچ طمع اور ڈر خوف سے بھرتے تھے۔ اور ہمارے
سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔ (۹۰)^(۵)

کر، اللہ کے حکم کے بغیر ہی وہاں سے چل دیئے تھے، جس پر اللہ نے ان کی گرفت فرمائی اور انہیں چھل کا قہر بنا دیا، اس
کی کچھ تفصیل سورہ یونس میں گزر چکی ہے اور کچھ سورہ صافات میں آئے گی۔

(۱) طُلُفَاتٌ، طُلُفَةُ کی جمع ہے، بمعنی اندھیرا۔ حضرت یونس علیہ السلام متعدد اندھیروں میں گھر گئے۔ رات کا اندھیرا
سمندر کا اندھیرا اور چھل کے پیٹ کا اندھیرا۔

(۲) ہم نے یونس علیہ السلام کی دعا قبول کی اور اسے اندھیروں سے اور چھل کے پیٹ سے نجات دی اور جو بھی مومن
ہمیں اس طرح شدا اند اور مصیبتوں میں پکارے گا، ہم اسے نجات دیں گے۔ حدیث میں بھی آتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا ”جس مسلمان نے بھی اس دعا کے ساتھ کسی معاملے کے لیے دعا مانگی تو اللہ نے اسے قبول فرمایا ہے۔“
(جامع ترمذی۔ نمبر ۳۵۰۵ وصحیحہ الالبانی)

(۳) حضرت زکریا علیہ السلام کا بڑھاپہ میں اولاد کے لیے دعا کرنا اور اللہ کی طرف سے اس کا عطا کیا جانا، اس کی ضروری
تفصیل سورہ آل عمران اور سورہ طہ میں گزر چکی ہے۔ یہاں بھی اس کی طرف اشارہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

(۴) یعنی وہ بانجھ اور ناقابل اولاد تھی، ہم نے اس کے اس نقص کا ازالہ فرما کر اسے نیک بچہ عطا فرمایا۔

(۵) گویا قبولیت دعا کے لیے ضروری ہے کہ ان باتوں کا اہتمام کیا جائے جن کا بطور خاص یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً، محال و

وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَعْنَا بِهَا مَن رُّوِّجْنَا
وَجَعَلْنَا وَابْتِهَآءَآيَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿۹۱﴾

إِنَّ هَذِهِ أُمَّةُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً
وَأَنَا نَاكِكُمْ فَأَعْبُدُونِ ﴿۹۲﴾

وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كَمَا كَانُوا يَجْعَلُونَ ﴿۹۳﴾

فَمَن يَعْمَلْ مِثْلَ خَيْبٍ لَّا يَجِدْ لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ
لِجَعْدِ اللَّهِ وَآلَآئِهِ كَبِيرُونَ ﴿۹۴﴾

وَحَٰوِرَ عَلٰى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۹۵﴾

اور وہ پاک دامن بی بی جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی ہم نے اس کے اندر اپنی روح سے پھونک دی اور خود انہیں اور ان کے لڑکے کو تمام جہان کے لیے نشانی بنا دیا۔ (۹۱)

یہ تمہاری امت ہے جو حقیقت میں ایک ہی امت ہے، (۹۲) اور میں تم سب کا پروردگار ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو۔ (۹۳)

مگر لوگوں نے آپس میں اپنے دھن میں فرقہ بندیاں کر لیں، سب کے سب ہماری ہی طرف لوٹنے والے ہیں۔ (۹۴) پھر جو بھی نیک عمل کرے اور وہ مومن (بھی) ہو تو اس کی کوشش کی بے قدری نہیں کی جائے گی۔ ہم تو اس کے لکھنے والے ہیں۔ (۹۵)

اور جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا اس پر لازم ہے کہ وہاں کے لوگ پلٹ کر نہیں آئیں گے۔ (۹۶)

زاری کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں دعا و مناجات، نیکی کے کاموں میں سبقت، خوف و طمع کے ملے جلے جذبات کے ساتھ رب کو پکارنا اور اس کے سامنے عاجزی اور خضوع کا اظہار۔

(۱) یہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا تذکرہ ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔

(۲) اُمَّة سے مراد یہاں دین یا ملت ہے یعنی تمہارا دین یا ملت ایک ہی ہے اور وہ دین ہے دین توحید جس کی دعوت تمام انبیاء نے دی اور ملت اسلام ہے جو تمام انبیاء کی ملت رہی ہے۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہم انبیاء کی جماعت اولادِ علات ہیں" (جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوں) ہمارا دین ایک ہی ہے۔ (ابن کثیر)

(۳) یعنی دین توحید اور عبادت رب کو چھوڑ کر مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ تو مشرکین اور کفار کا ہو گیا اور انبیاء و رسل کے ماننے والے بھی احزاب بن گئے، کوئی یہودی ہو گیا، کوئی عیسائی، کوئی کچھ اور۔ اور بد قسمتی سے یہ فرقہ بندیاں خود مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گئیں اور یہ بھی بیسیوں فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان سب کا فیصلہ جب یہ بارگاہ الہی میں لوٹ کر جائیں گے۔ تو وہیں ہو گا۔

(۴) حَوَام کے معنی میں ہے، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ یا پھر لَا یَرْجِعُونَ میں لَا زائد ہے، یعنی جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا اس کا دنیا میں پلٹ کر آنا حرام ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَابُجُوجُ وَمَا جُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ

حَدِّبٍ يُبْطِلُونَ ﴿٩٦﴾

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ

كَفَرُوا وَيُؤْتِنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَذَا بَلِّ

كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٩٧﴾

إِنَّكُمْ وَمَنْ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ

أَنْتُمْ لَهَا وَبَدُونَ ﴿٩٨﴾

لَوْ كَانَ هَؤُلَاءَ إِلَهًا مَا وَدَّوهُمْ وَكُلٌّ فِيهَا

خَالِدُونَ ﴿٩٩﴾

یہاں تک کہ یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ (۹۶)

اور سچا وعدہ قریب آگے گا اس وقت کافروں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، (۹۷) کہہ جائے افسوس! ہم اس حال سے غافل تھے بلکہ فی الواقع ہم قصور وار تھے۔ (۹۷) تم اور اللہ کے سوا جن جن کی تم عبادت کرتے ہو، سب دوزخ کا ایندھن بنو گے، تم سب دوزخ میں جانے والے ہو۔ (۹۸)

اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو جنہم میں داخل نہ ہوتے، اور سب کے سب اسی میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (۹۹)

(۱) یاجوج و ماجوج کی ضروری تفصیل سورہ کاف کے آخر میں گزر چکی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں قیامت کے قریب ان کا ظہور ہو گا اور اتنی تیزی اور کثرت سے یہ ہر طرف پھیل جائیں گے کہ ہر اونچی جگہ سے یہ دوڑتے ہوئے محسوس ہوں گے۔ ان کی فساد انگیزیوں اور شرارتوں سے اہل ایمان تنگ آجائیں گے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہل ایمان کو ساتھ لے کر کوہ طور پر پناہ گزین ہو جائیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے یہ ہلک ہو جائیں گے۔ ان کی لاشوں کی سڑاند اور بدبو ہر طرف پھیلی ہوگی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ پرندے بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے۔ پھر ایک زوردار بارش نازل فرمائے گا جس سے ساری زمین صاف ہو جائے گی۔ (یہ ساری تفصیلات صحیح احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر ملاحظہ ہو)

(۲) یعنی یاجوج و ماجوج کے خروج کے بعد قیامت کا وعدہ جو برحق ہے بالکل قریب آجائے گا اور جب یہ قیامت برپا ہو گی تو شدت ہوناسی کی وجہ سے کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

(۳) یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو لات و منات اور عزی و ہبل کی پوجا کرتے تھے۔ یہ سب پتھر کی مورتیاں تھیں۔ جو عبادات یعنی غیر عاقل تھیں، اسی لیے آیت میں مَا تَعْبُدُونَ کے الفاظ ہیں اور عربی میں "مَا" غیر عاقل کے لیے آتا ہے۔ یعنی کہا جا رہا ہے کہ تم بھی اور تمہارے یہ معبود بھی جن کی مورتیاں بنا کر تم نے عبادت کے لیے رکھی ہوئی ہیں، سب جنہم کا ایندھن ہیں۔ پتھر کی مورتیوں کا اگرچہ کوئی قصور نہیں ہے کیونکہ وہ تو غیر عاقل اور بے شعور ہیں۔ لیکن انہیں پجاریوں کے ساتھ جنہم میں صرف مشرکوں کو مزید ذلیل و رسوا کرنے کے لیے ڈالا جائے گا کہ جن معبودوں کو تم اپنا سارا سمجھتے تھے، وہ بھی تمہارے ساتھ ہی جنہم میں، جنہم کا ایندھن ہیں

(۴) یعنی اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو بااختیار ہوتے اور تمہیں جنہم میں جانے سے روک لیتے۔ لیکن وہ تو خود بھی جنہم میں بطور

وہ وہاں چلا رہے ہوں گے اور وہاں کچھ بھی نہ سن سکیں گے۔^(۱) (۱۰۰)

البتہ بے شک جن کے لیے ہماری طرف سے نیکی پہلے ہی ٹھہر چکی ہے۔ وہ سب جہنم سے دور ہی رکھے جائیں گے۔^(۲) (۱۰۱)

وہ تو دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے اور اپنی من بھاتی چیزوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔^(۳) (۱۰۲)

وہ بڑی گھبراہٹ^(۴) (بھی) انہیں غمگین نہ کر سکے گی اور فرشتے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے کہ یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم وعدہ دیئے جاتے رہے۔^(۵) (۱۰۳)

جس دن ہم آسمان کو یوں لپیٹ لیں گے جیسے طومار میں اور اوراق لپیٹ دیئے جاتے ہیں،^(۶) جیسے کہ ہم نے اوس

لَهُمْ فِيهَا زُفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ۝

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝

لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ ۝

لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَرَقُ الْأَكْبَرُ وَتَتَنَفَّسُ السَّيْكَةُ هَذَا يَوْمُكَمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝

يَوْمَ تَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِ لِلْكِتَابِ كَمَا بَدَأْنَا أَزْوَاجَ

عہد کے جا رہے ہیں۔ تمہیں جانے سے کس طرح روک سکتے ہیں۔ نتیجتاً عابد و معبود دونوں ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

(۱) یعنی سارے کے سارے شدت غم و الم سے چیخ اور چلا رہے ہوں گے، جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی آواز بھی نہیں سن سکیں گے۔

(۲) بعض لوگوں کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا تھا یا مشرکین کی طرف سے پیدا کیا جاسکتا تھا، جیسا کہ فی الواقع کیا جاتا ہے کہ عبادت تو حضرت عیسیٰ و عزیر علیہما السلام، فرشتوں اور بہت سے صالحین کی بھی کی جاتی ہے۔ تو کیا یہ بھی اپنے عابدین کے ساتھ جہنم میں ڈالے جائیں گے؟ اس آیت میں اس کا ازالہ کر دیا گیا ہے کہ یہ لوگ تو اللہ کے نیک بندے تھے جن کی نیکیوں کی وجہ سے اللہ کی طرف سے ان کے لیے نیکی یعنی سعادت ابدی یا بشارت جنت ٹھہرائی جا چکی ہے۔ یہ جہنم سے دور ہی رہیں گے۔ انہی الفاظ سے یہ مفہوم بھی واضح طور پر نکلا ہے کہ جو لوگ دنیا میں یہ خواہش رکھتے ہوں گے کہ ان کی قبروں پر بھی قبہ بنیں اور لوگ انہیں قاضی الحاجات سمجھ کر ان کے نام کی نذر و نیاز دیں اور ان کی پرستش کریں، یہ بھی پتھر کی مورتیوں کی طرح جہنم کا ایندھن ہوں گے، کیونکہ غیر اللہ کی پرستش کے داعی سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَ الْحُسْنَىٰ میں یقیناً نہیں آتے۔

(۳) بڑی گھبراہٹ سے موت یا صور اسرائیل مراد ہے یا وہ لمحہ جب دوزخ اور جنت کے درمیان موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ دوسری بات یعنی صور اسرائیل اور قیام قیامت سیاق کے زیادہ قریب ہے۔

(۴) یعنی جس طرح کاتب لکھنے کے بعد اوراق یا رجسٹر لپیٹ کر رکھ دیتا ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَالْقُرْآنُ يُرْسَلُ فِي يَوْمٍ مُّكَرَّمٍ﴾

خَلَقَ نَعِيمًا ۖ وَوَعَدًا عَلَيْنَا اِنْ اَنْتُمْ لَفَاعِلِينَ ﴿۱۰۳﴾

دفعہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور کر کے (ہی) رہیں گے۔ (۱۰۳)

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ

ہم زبور میں پسند و فصاحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ^(۱) (ہی) ہوں گے۔ (۱۰۵)

يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿۱۰۴﴾

اِنَّ فِيْ هَذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ غَيْبِيِّنَ ﴿۱۰۵﴾

عبادت گزار بندوں کے لیے تو اس میں ایک بڑا پیغام ہے۔ ^(۲) (۱۰۶)

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۶﴾

اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر

مَقْصُودَاتِهَا يَنبَغِي ۖ ﴿الرسم ۱۷﴾ "آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لیے ہوئے ہوں گے" بِسَجَلٍ کے معنی جھینے یا رہسز کے ہیں۔ لِنَكْتُبَ کے معنی ہیں عَلَي الْكِتَابِ بِمَعْنَى الْمَكْتُوبِ (تفسیر ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ کاتب کے لیے لکھے ہوئے کافذات کو لپیٹ لینا جس طرح آسمان ہے اسی طرح اللہ کے لیے آسمان کی وسعتوں کو اپنے ہاتھ میں سمیٹ لینا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔

(۱) ذَبُور سے مراد یا تو زبور ہی ہے اور ذکر سے مراد پسند و فصاحت جیسا کہ ترجمہ میں درج ہے یا پھر زبور سے مراد گزشتہ آسمانی کتابیں اور ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے۔ یعنی پہلے تو لوح محفوظ میں یہ بات درج ہے اور اس کے بعد آسمانی کتابوں میں بھی یہ بات لکھی جاتی رہی ہے کہ زمین کے وارث نیک بندے ہوں گے۔ زمین سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک جنت ہے اور بعض کے نزدیک ارض کفار۔ یعنی اللہ کے نیک بندے زمین میں اقتدار کے مالک ہوں گے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان جب تک اللہ کے نیک بندے رہے وہ دنیا میں بااقتدار اور سرخرو رہے اور آئندہ بھی جب کبھی وہ اس صفت کے حامل ہوں گے اس وعدہ الہی کے مطابق زمین کا اقتدار انہی کے پاس ہو گا۔ اس لیے مسلمانوں کی محرومی اقتدار کی موجودہ صورت کسی اشکال کا باعث نہیں بنی چاہیے۔ یہ وعدہ مشروط ہے صالحیت عباد کے ساتھ اور اِذَا قَامَتِ الشَّرَاطُ قَامَتِ الْمَشْرُوطُ کے مطابق جب مسلمان اس خوبی سے محروم ہو گئے تو اقتدار سے بھی محروم کر دیئے گئے۔ اس میں گویا حصوں اقتدار کا طریقہ بتلایا گیا ہے اور وہ ہے صالحیت یعنی اللہ رسول کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنا اور اس کے حدود و ضابطوں پر کاربند رہنا۔

(۲) فِيْ هَذَا سے مراد وہ وعظ و تنبیہ ہے جو اس سورت میں مختلف انداز سے بیان کی گئی ہے۔ بلرغ سے مراد کفایت و منفعت ہے یعنی وہ کالی اور مفید ہے۔ یا اس سے مراد قرآن مجید ہے جس میں مسلمانوں کے لیے منفعت اور کفایت ہے۔ عابدین سے مراد خشوع خضوع سے اللہ کی عبادت کرنے والے اور شیطان اور خواہشات نفس پر اللہ کی اطاعت کو ترجیح دینے والے ہیں۔

ہی بھیجا ہے۔^(۱۰۷)

کہہ دیجئے! میرے پاس تو پس وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے، تو کیا تم بھی اس کی فرمانبرداری کرنے والے ہو؟^(۱۰۸)

پھر اگر یہ منہ موڑ لیں تو کہہ دیجئے کہ میں نے تمہیں یکساں طور پر خبردار کر دیا ہے۔^(۱۰۹) مجھے علم نہیں کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا دور۔^(۱۱۰)

البتہ اللہ تعالیٰ تو کھلی اور ظاہریات کو بھی جانتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہے۔^(۱۱۱)

قُلْ إِنَّمَا يُؤْتِيهِ الْإِنَّمَاءُ الْكَلَمَ لَهُ فَاِذَا هَمُّ فَأَمَلُ أَنْتُمْ تُسْمِعُونَ ۝

فَإِنْ تَوَلَّوْا قُلْ أَذُنُكُمْ عَلَىٰ سَوَافِرٍ أَدْرِي أَغْنِيَتْكُمْ أَمْ يَبْعِدُ مَا تُوْعَدُونَ ۝

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ۝

(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آئے گا، اس نے گویا اس رحمت کو قبول کر لیا اور اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کیا، نتیجتاً دنیا و آخرت کی سعادتوں سے ہم کنار ہو گا اور چونکہ آپ ﷺ کی رسالت پورے جہن کے لیے ہے، اس لیے آپ ﷺ پورے جہن کے لیے رحمت بن کر یعنی اپنی تعلیمات کے ذریعے سے دین و دنیا کی سعادتوں سے ہم کنار کرنے کے لیے آئے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس اعتبار سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جہن والوں کے لیے رحمت قرار دیا ہے کہ آپ ﷺ کی وجہ سے یہ امت، بالکل تباہ و بربادی سے محفوظ کر دی گئی۔ جیسے پچھلی قومیں اور امتیں حرف غلط کی طرح مٹا دی جاتی رہیں، امت محمدیہ (جو امت اجابت اور امت دعوت کے اعتبار سے پوری نوع انسانی پر مشتمل ہے) پر اس طرح کا کلی عذاب نہیں آئے گا۔ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے لیے بددعا نہ کرنا، یہ بھی آپ ﷺ کی رحمت کا ایک حصہ تھا۔ انہی لہم ابغث لنا وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً (صحیح مسلم نمبر ۳۰۰۹) اسی طرح غصے میں کسی مسلمان کو لعنت یا سب و شتم کرنے کو بھی قیامت والے دن رحمت کا باعث قرار دینا، آپ ﷺ کی رحمت کا حصہ ہے۔ (مسند احمد ۵/۲۲۷ ابو داؤد نمبر ۴۶۵۹ والاحادیث الصحیحة للالبانی نمبر ۱۷۵۸) اسی لیے ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ تُهْدَاؤُ (صحیح الجامع الصغیر نمبر ۲۳۳۵) ”میں رحمت مجسم بن کر آیا ہوں جو اللہ کی طرف سے اہل جہن کے لیے ایک ہدیہ ہے۔“

(۲) اس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اصل رحمت توحید کو اپنانا اور شرک سے بچ جانا ہے۔

(۳) یعنی جس طرح میں جانتا ہوں کہ تم میری دعوت توحید و اسلام سے منہ موڑ کر میرے دشمن ہو، اسی طرح تمہیں بھی معلوم ہونا چاہیے کہ میں بھی تمہارا دشمن ہوں اور ہماری تمہاری آپس میں کھلی جنگ ہے۔

(۴) اس وعدے سے مراد قیامت ہے یا غلبہ اسلام و مسلمین کا وعدہ یا وہ وعدہ جب اللہ کی طرف سے تمہارے خلاف جنگ کرنے کی مجھے اجازت دی جائے گی۔

مجھے اس کا بھی علم نہیں، ممکن ہے یہ تمہاری آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک کا فائدہ (پہنچانا) ہے۔ (۱۱)
خود غی نے کہا^(۱۲) اے رب! انصاف کے ساتھ فیصلہ فرما اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم بیان کرتے ہو۔ (۱۲)^(۱۳)

سورہ حج مدنی ہے اور اس کی اٹھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

سب سے زیادہ مہربان بہت رحم والے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو! بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت ہی بڑی چیز ہے۔ (۱)

جس دن تم اسے دیکھ لو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے اور تو دیکھے گا کہ لوگ مدہوش دکھائی دیں گے، حالانکہ درحقیقت وہ متوالے نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ (۲)^(۳)

بعض لوگ اللہ کے بارے میں باتیں بناتے ہیں اور وہ

وَلَنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكَ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ ذِينِ ۝

قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۚ وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝

سُورَةُ الْحَجِّ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ۖ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝

يَوْمَ تَرَوْهَا تَتَذَكَّرُ ۚ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيدٌ ۝

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُهُ

(۱) یعنی اس وعدہ الہی میں تاخیر میں نہیں جانتا کہ تمہاری آزمائش کے لیے ہے یا ایک خاص وقت تک فائدہ اٹھانے کے لیے مصلحت دیتا ہے۔

(۲) یعنی میری بابت جو تم مختلف باتیں کرتے رہتے ہو، یا اللہ کے لیے اولاد ٹھہراتے ہو، ان سب باتوں کے مقابلے میں وہ رب ہی مہربانی کرنے والا اور وہی مدد کرنے والا ہے۔

☆ اس کے کی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ اس کا کچھ حصہ کی اور کچھ مدنی ہے۔ فائدہ لفرطی (فتح القدیر) یہ قرآن کریم کی واحد سورت ہے جس میں دو سجدے ہیں۔

(۳) آیت مذکور میں جس زلزلے کا ذکر ہے، جس کے نتائج دوسری آیت میں بتائے گئے ہیں۔ جس کا مطلب لوگوں پر سخت خوف، دہشت اور گھبراہٹ کا طاری ہونا ہے، یہ قیامت سے قبل ہو گا اور اس کے ساتھ ہی دنیا فنا ہو جائے گی۔ یا یہ قیامت کے بعد اس وقت ہو گا جب لوگ قبروں سے اٹھ کر میدان محشر میں جمع ہوں گے۔ بہت سے مفسرین پہلی رائے

كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ ①

كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَانْقَضَتْ ذِيَّتُهُ وَيَعْدِيهِ إِلَى
عَذَابِ السَّعِيرِ ②

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ لَكُمْ فِي زَيْبٍ مِنَ الْبَعِثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ
مِنْ نُّرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ
مُضْغَةٍ مُخْلَقَةٍ وَغَيْرِ مُخْلَقَةٍ لِنَبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقَرِّ

بھی بے علی کے ساتھ اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔^(۱) (۳)

جس پر (قضائے الٰہی) لکھ دی گئی^(۲) ہے کہ جو کوئی اس کی رفاقت کرے گا وہ اسے گمراہ کر دے گا اور اسے آگ کے عذاب کی طرف لے جائے گا۔ (۳)

لوگو! اگر تمہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے میں شک ہے تو سوچو ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر خون بستہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے جو صورت دیا گیا تھا اور بے نقشہ تھا۔^(۳) یہ ہم تم پر ظاہر کر دیتے

کے قائل ہیں۔ جب کہ بعض مفسرین دوسری رائے کے۔ اور اس کی تائید میں وہ احادیث پیش کرتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو حکم دے گا کہ وہ اپنی ذریت میں سے ہزار میں سے ۹۹۹ جنم کے لیے نکال دے۔ یہ بات سن کر حمل کے مایوس کے حمل گر جائیں گے، بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور لوگ مدہوش سے نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے، صرف عذاب کی شدت ہوگی۔ یہ بات صحابہ رضی اللہ عنہم پر بڑی گراں گزری، ان کے چہرے متغیر ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا: (گھبراؤ نہیں) یہ ۹۹۹ یا جوج و ماجوج میں سے ہوں گے اور تم میں سے صرف ایک ہوگا، تمہاری (تعداد) لوگوں میں اس طرح ہوگی جیسے سفید رنگ کے تیل کے پہلو میں 'کالے بال یا کالے رنگ کے تیل کے پہلو میں سفید بال ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ اہل جنت میں تم چوتھاں 'یا تائی یا نصف ہو گے' جسے سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بطور مسرت کے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا، (صحیح بخاری تصحیح سورۃ الحج) پہلی رائے بھی بے وزن نہیں ہے۔ بعض ضعیف احادیث سے ان کی بھی تائید ہوتی ہے۔ اس لیے زلزلہ اور اس کی کیفیات سے مراد اگر فزع اور ہولناکی کی شدت ہے (اور بظاہر یہی ہے) تو سخت گھبراہٹ اور ہولناکی کی یہ کیفیت دونوں موقعوں پر ہی ہوگی۔ اس لیے دونوں ہی رائے صحیح ہو سکتی ہیں، کیونکہ دونوں موقعوں پر لوگوں کی کیفیت ایسی ہوگی، جیسی اس آیت میں اور صحیح بخاری کی روایت میں بیان کی گئی ہے۔

(۱) مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے، یا اس کی اولاد ہے وغیرہ وغیرہ۔

(۲) یعنی شیطان کی بابت تقدیر الٰہی میں یہ بات ثبت ہے۔

(۳) یعنی نطفہ (قطرہ منی) سے چالیس روز کے بعد عَلَقَۃٌ گاڑھا خون اور غَلَقَۃٌ سے مُضْغَۃٌ گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے مُخْلَقَۃٌ سے 'وہ بچہ مراد ہے جس کی پیدائش واضح اور شکل و صورت نمایاں ہو جائے ایسے بچے میں روح پھونک دی جاتی ہے اور تکمیل کے بعد اس کی ولادت ہو جاتی ہے اور غیر مَخْلُقَۃٌ اس کے برعکس، جس کی شکل و صورت

فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ آجَلٍ مُّشْكٍ ۖ ثُمَّ
 نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشَدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ
 يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لَكُمْ بِهِ
 يَعْلَمُ مَنْ بَعْدَ عَلَمِهِ شَيْئًا وَتَرَى الْأَرْضَ خَاوِيَةً
 ۚ فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ
 وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝

ہیں^(۱) اور ہم جسے چاہیں ایک ٹھمرائے ہوئے وقت تک
 رحم مادر میں رکھتے ہیں^(۲) پھر ہمیں بچپن کی حالت میں دنیا
 میں لاتے ہیں پھر تاکہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچو تم میں سے
 بعض تو وہ ہیں جو فوت کر لیے جاتے ہیں^(۳) اور بعض ہے
 غرض عمر کی طرف پھر سے لوٹا دیئے جاتے ہیں کہ وہ ایک چیز
 سے باخبر ہونے کے بعد پھر بے خبر ہو جائے۔^(۴) تو دیکھتا ہے
 کہ زمین (نجر اور) خشک ہے پھر جب ہم اس پر بارشیں
 برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم
 کی رونق دار نباتات اگتی ہے۔^(۵)

واضح نہ ہو نہ اس میں روح پھونکی جائے اور نبل از وقت ہی وہ ساقط ہو جائے۔ صحیح احادیث میں بھی رحم مادر کی ان
 کیفیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ نطفہ چالیس دن کے بعد علفیہ (گازھا خون) بن جاتا ہے پھر
 چالیس دن کے بعد یہ مضغیہ (لو تھڑا یا گوشت کی بوٹی) کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ
 آتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے۔ یعنی چار مہینے کے بعد نفع روح ہوتا ہے اور بچہ ایک واضح شکل میں ذہل جاتا ہے۔
 (صحیح بخاری کتاب الاسماء و کتاب القدر، مسلم کتاب القدر، باب کیفیۃ المخلوق الادمی،

(۱) یعنی اس طرح ہم اپنا کمال قدرت و تخلیق تمہارے لیے بیان کرتے ہیں۔

(۲) یعنی جس کو ساقط کرنا نہیں ہوتا۔

(۳) یعنی عمر راشد سے پہلے ہی۔ عمر راشد سے مراد بلوغت یا کمال عقل و کمال قوت و تیز کی عمر ہے جو ۳۰ سے ۴۰ سال
 کے درمیان کی عمر ہے۔

(۴) اس سے مراد بڑھاپے میں قوائے انسانی میں ضعف و انحطاط کے ساتھ عقل و حافظہ کا کمزور ہو جانا اور یادداشت
 اور عقل و فہم میں بچے کی طرح ہو جانا ہے جسے سورہ یٰسین میں ﴿وَمِنْ مَّعِينَةٍ نُّنِیْضُ فِي الْحَلِیْقِ﴾ اور سورہ تین میں
 ﴿ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِیْنَ﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۵) یہ احیائے موتی (مردوں کے زندہ کرنے) پر اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کی دوسری دلیل ہے۔ پہلی دلیل 'جو زندہ کور
 ہوئی' یہ تھی کہ جو ذات ایک حقیر قطرہ پانی سے اس طرح ایک انسانی پیکر تراش سکتا اور ایک حسین وجود عطا کر سکتا ہے
 علاوہ ازیں وہ اسے مختلف مراحل سے گزارتا ہوا بڑھاپے کے ایسے اسٹیج پر پہنچا سکتا ہے جہاں اس کے جسم سے لے کر
 اس کی ذہنی و دماغی صلاحیتیں تک سب ضعف و انحطاط کا شکار ہو جائیں۔ کیا اس کے لیے اسے دوبارہ زندگی عطا کر دینا
 مشکل ہے؟ یقیناً جو ذات انسان کو ان مراحل سے گزار سکتی ہے وہی ذات مرنے کے بعد بھی اسے دوبارہ زندہ کر کے
 ایک نیا قالب اور نیا وجود بخش سکتی ہے دوسری دلیل یہ دی ہے کہ دیکھو زمین نجر اور مردہ ہوتی ہے لیکن بارش کے بعد

ذِكِّ يَٰۤاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهُ يُخَيِّ الْمَوْتٰى
وَاَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

وَاَنَّ السَّاعَةَ رَیْبٌ لَا رَیْبَ فِیْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ
فِی الْقُبُوْرِ ۝

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِیْ دِلِّهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدٰى
وَلَا یَكْتُبُ فِیْهِ ۝

ثَٰلِثٌ یُّعْطِیْهِ لَیْضُلَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فِی الدُّنْیَا
یُخْزٰى وَنَذِیْقُهُ یَوْمَ الْقِسْمَةِ عَذَابَ الْخَوِیْقِ ۝

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ یَدُكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَمَلِیْنَ ۝

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْبُدُ اللّٰهَ عَلَى حَرْوٍ ۚ فَاِنْ لَّصَٰئَہٗ

یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہی مردوں کو جلاتا ہے
اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (۶)

اور یہ کہ قیامت قطعاً آنے والی ہے جس میں کوئی شک و
شبہ نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو دوبارہ زندہ
فرمائے گا۔ (۷)

بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت
کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں۔ (۸)

جو اپنی پہلو موڑنے والا بن کر ^(۱) اس لیے کہ اللہ کی راہ سے
برکادے اسے دنیا میں بھی رسوائی ہوگی اور قیامت کے دن
بھی ہم اسے جہنم میں جلنے کا عذاب چکھائیں گے۔ (۹)

یہ ان اعمال کی وجہ سے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیج
رکھے تھے۔ یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم
کرنے والا نہیں۔ (۱۰)

بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ایک کنارے پر (کھڑے) ہو

یہ کس طرح زندہ اور شاداب اور انواع و اقسام کے غلے میوہ جات اور رنگ برنگ کے پھولوں سے مالا مال ہو جاتی ہے۔
اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت والے دن انسانوں کو بھی ان کی قبروں سے اٹھا کھڑا کرے گا۔ جس طرح حدیث میں ہے۔ ایک
صحابیؓ نے پوچھا اللہ تعالیٰ انسانوں کو جس طرح پیدا فرمائے گا اس کی کوئی نشانی مخلوقات میں سے بیان فرمائیے! نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کیا تمہارا گزر ایسی وادی سے ہوا ہے جو خشک اور خیر ہو“ پھر دوبارہ اسے لہجہ ہوا دیکھا ہو؟
اس نے کہا۔ ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا ”بس اسی طرح انسانوں کا بھی اٹھنا ہو گا۔ (مسند احمد جلد ۳ ص ۱۱) اس ماجہ
الحفصہ حدیث نمبر ۱۸۰

(۱) ثانی ”اسم قائل ہے۔ موڑنے والا۔ عطف کے معنی پہلو کے ہیں۔ یہ جُجَادِلُ سے حال ہے اس میں اس شخص کی
کیفیت بیان کی گئی ہے جو بغیر کسی عقلی اور نقلی دلیل کے اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے کہ وہ تکبر اور اعراض کرتے
ہوئے اپنی گردن موڑتے ہوئے بھرتا ہے جیسے دوسرے مقالات پر اس کیفیت کو ان ان الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ —

﴿وَلٰی مُتَكَلِّفًا كَانَ لَمْ يَسْمَعْ﴾ — ﴿الْقَمَارِ﴾ — ﴿لَوْ اَرَادُوْا رُتُوْا﴾ — ﴿الْمَنَافِقُوْنَ ۱۵﴾ — ﴿اَعْرَضَ وَبَايَعَانِہٖ﴾ — ﴿یٰۤاِیُّہَا

سَيُزِيلُ بَاطَانَ بِهِ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ يَنْقَلِبَ عَلَى
وَجْهِهِ، خَيْرٌ لِّلْأَنْبِيَاءِ وَالْأَنْبِيَاءِ ذَٰلِكَ هُوَ الْخَيْرُ
الْمُبِينُ ①

يَدْعُوْنَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُ وَآلَا يَنْفَعُهُ ذَٰلِكَ هُوَ
الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ②
يَدْعُوْنَ مَنْ خَلْفَهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ لَيْسَ الْمَوْلَى
وَلَيْسَ الْعَشِيرُ ③

کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر کوئی نفع مل گیا تو دلچسپی
لینے لگتے ہیں اور اگر کوئی آفت آگئی تو اسی وقت منہ پھیر
لیتے ہیں،^(۱) انہوں نے دونوں جہان کا نقصان اٹھ لیا۔
واقعی یہ کھلا نقصان ہے۔ (۱۱)

اللہ کے سوا انہیں پکارا کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا
سکیں نہ نفع۔ یہی تو دور دراز کی گمراہی ہے۔ (۱۲)
اسے پکارتے ہیں جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ
قریب ہے، یقیناً برے والی ہیں اور برے ساتھی۔ (۱۳)

(۱) حَرْفُ کے معنی ہیں کنارہ۔ ان کناروں پر کھڑا ہونے والا غیر مستقر ہوتا ہے یعنی اسے قرار و ثبات نہیں ہوتا۔ اسی
طرح جو شخص دین کے بارے میں شک و ریب اور تذبذب کا شکار رہتا ہے، اس کا حال بھی یہی ہے، اسے دین پر
استقامت نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اس کی نیت صرف دنیوی مفادات کی رہتی ہے، ملتے رہیں تو ٹھیک ہے بصورت دیگر
وہ پھر دین آہائی یعنی کفر و شرک کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو سچے مسلمان ہوتے اور ایمان و یقین سے
سرشار ہوتے ہیں۔ وہ عسروہ کو دیکھے بغیر دین پر قائم رہتے ہیں، نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں تو شکر ادا کرتے اور
تکلیفوں سے دوچار ہوتے ہیں تو صبر کرتے ہیں۔ اس کی شان نزول میں ایک مذہب، شخص کا طریقہ بھی اسی طرح کا بیان
کیا گیا۔ (اصحیح بخاری، تفسیر سورۃ الحج) کہ ایک شخص مدینے آتا، اگر اس کے گھر بچے ہوتے، اسی طرح
جانوروں میں برکت ہوتی، تو کہتا، یہ دین اچھا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کہتا، یہ دین برا ہے۔ بعض روایات میں یہ وصف
نوسلم اعرابیوں کا بیان کیا گیا ہے۔ (فتح الباری، باب مذکور)

(۲) بعض مفسرین کے نزدیک یہ عموماً بقول کے معنی میں ہے۔ یعنی غیر اللہ کا بیماری قیامت والے دن کے گناہ جس کا
نقصان، اس کے نفع سے قریب تر ہے، وہ والی اور ساتھی یقیناً برا ہے۔ یعنی اپنے معبودوں کے بارے میں یہ کہے گا کہ
وہاں اس کی امیدوں کے محل ڈھے جائیں گے اور یہ معبود جن کی بابت اس کا خیال تھا کہ وہ اللہ کے عذاب سے اسے
بچائیں گے، اس کی شفاعت کریں گے، وہاں خود وہ معبود بھی، اس کے ساتھ ہی جہنم کا ایندھن بنے ہوں گے۔ مولیٰ کے
معنی ولی اور مددگار کے اور عَشِيرَہ کے معنی ہم نشین، ساتھی اور قرابت دار کے ہیں مددگار اور ساتھی تو وہ ہوتا ہے جو
مصیبت کے وقت کام آئے، لیکن یہ معبود خود گرفتار عذاب ہوں گے یہ کسی کے کیا کام آئیں گے؟ اس لیے انہیں برا
والی اور برا ساتھی کہا گیا۔ ان کی عبادت ضرر ہی ضرر ہے، نفع کا تو اس میں کوئی حصہ ہی نہیں ہے، پھر یہ جو کہا گیا ہے کہ
ان کا نقصان، ان کے نفع سے قریب تر ہے، تو یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا گیا، ﴿وَأَنَّا كُنَّا نَقُولُ لَمَنَّا
أَوْفَىٰ خَيْرٌ مِّنْهُنَّ﴾ (سبا: ۳۴) ”بے شک ہم (یعنی اللہ کے ماننے والے) یا تم (اس کا انکار کرنے والے) ہدایت پر ہیں، یا

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ①

مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَسَ يَتَصَرَّعَ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لِيَقْطَعْ
فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَ كَيْدُهُ مَا يَعْبَثُ ②

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِيَ مَنْ يُرِيدُ ③

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالشَّيْطَانِ وَالنَّحْسِيِّ
وَالْمَجُوسِ وَالْكَافِرِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

ایمان اور نیک اعمال والوں کو اللہ تعالیٰ سرس لیتی ہوئی
نہروں والی جنتوں میں لے جائے گا۔ اللہ جو ارادہ کرے
اسے کر کے رہتا ہے۔ (۱۴)

جس کا یہ خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد دونوں
جہان میں نہ کرے گا وہ اونچائی پر ایک رسہ باندھ کر
(اپنے حلق میں پھندا ڈال کر اپنا گلا گھونٹ لے) پھر دیکھ
لے کہ اس کی چالاکوں سے وہ بات ہٹ جاتی ہے جو
اسے تڑپا^(۱) رہی ہے؟ (۱۵)

ہم نے اسی طرح اس قرآن کو واضح آیتوں میں اتارا ہے۔
جسے اللہ چاہے ہدایت نصیب فرماتا ہے۔ (۱۶)

پیشک اہل ایمان اور یہودی اور صابی اور نصرانی اور مجوسی^(۲)
اور مشرکین^(۳) ان سب کے درمیان قیامت کے دن

کھلی گمراہی میں۔" ظاہر بات ہے کہ ہدایت پر وہی ہیں جو اللہ کو ماننے والے ہیں۔ لیکن اسے واضح الفاظ میں کہنے کی
 بجائے کنائے اور استفہام کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جو سامع کے لیے زیادہ موثر اور بلوغ ہوتا ہے۔ یا اس کا تعلق دنیا
 سے ہے اور مطلب یہ ہو گا کہ غیر اللہ کو پکارنے سے فوری نقصان تو اس کا یہ ہوا کہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا یہ اقرب
 نقصان ہے۔ اور آخرت میں تو اس کا نقصان محقق ہی ہے۔

(۱) اس کے ایک معنی تو یہ کیے گئے ہیں کہ ایسا شخص جو یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کی مدد نہ کرے، کیونکہ
 اس کے غلبہ و فتح سے اسے تکلیف ہوتی ہے، تو وہ اپنے گھر کی بھت پر رسی لٹکا کر اور اپنے گلے میں اس کا پھندا لے کر
 اپنا گلا گھونٹ لے، شاید یہ خود کشی اسے غیظ و غضب سے بچالے جو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ
 کو دیکھ کر اپنے دل میں پاتا ہے۔ اس صورت میں سلام سے مراد گھر کی بھت ہو گی۔ دوسرے معنی ہیں کہ وہ ایک رس لے
 کر آسمان پر چڑھ جائے اور آسمان سے جو وحی یا مدد آتی ہے، اس کا سلسلہ ختم کر دے، (اگر وہ کر سکتا ہے) اور دیکھے کہ کیا
 اس کے بعد اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا ہے؟ امام ابن کثیر نے پہلے مضموم کو اور امام شوکانی نے دوسرے مضموم کو زیادہ پسند کیا
 ہے اور سیاق سے بھی دوسرا مضموم زیادہ قریب لگتا ہے۔

(۲) مجوس سے مراد ایران کے آتش پرست ہیں جو دو خداؤں کے قائل ہیں، ایک ظلمت کا خالق ہے، دوسرا نور کا، جسے
 وہ اہرمن اور یزدان کہتے ہیں۔

(۳) ان میں نہ کورہ گمراہ فرقوں کے علاوہ جتنے بھی اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرنے والے ہیں، سب آگئے۔

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٥﴾

خود اللہ تعالیٰ فیصلے کر دے گا^(۱) اللہ تعالیٰ ہر ہر چیز پر گواہ ہے۔^(۲) (۱۷)

کیا تو نہیں دیکھ رہا کہ اللہ کے سامنے سجدے میں ہیں سب آسمانوں والے اور سب زمینوں والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور^(۳)

الَّذِينَ يَسْجُدُونَ لَهٗ مِنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَذٰلِكَ يُزَكِّىٰ عَلَى الْعَذَابِ وَمَنْ يُؤْمِرْ

(۱) ان میں سے حق پر کون ہے، باطل پر کون؟ یہ تو ان دلائل سے واضح ہو جاتا ہے جو اللہ نے اپنے قرآن میں نازل فرمائے ہیں اور اپنے آخری پیغمبر کو بھی اسی مقصد کے لیے بھیجا تھا ﴿يُظَاهِرُونَ عَلَى الْقَدْحِ﴾ الفصح ۴۸ یہاں فیصلے سے مراد وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ باطل پرستوں کو قیامت والے دن دے گا، اس سزا سے بھی واضح ہو جائے گا کہ دنیا میں حق پر کون تھا اور باطل پر کون کون؟

(۲) یہ فیصلہ محض حاکمانہ اختیارات کے زور پر نہیں ہو گا، بلکہ عدل و انصاف کے مطابق ہو گا، کیونکہ وہ باخبر ہستی ہے اسے ہر چیز کا علم ہے۔

(۳) بعض مفسرین نے اس سجدے سے ان تمام چیزوں کا احکام الہی کے تابع ہونا مراد لیا ہے، کسی میں مجس نہیں کہ وہ حکم الہی سے مرتبی کر سکے۔ ان کے نزدیک وہ سجدۂ اطاعت و عبادت مراد نہیں جو صرف عقلا کے ساتھ خاص ہے۔ جب کہ بعض مفسرین نے اسے مجاز کے بجائے حقیقت پر محمول کیا ہے کہ ہر مخلوق اپنے اپنے انداز سے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ مثلاً مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ سے مراد فرشتے ہیں وَمَنْ فِي الْأَرْضِ سے ہر قسم کے حیوانات، انسان، جنات، چوپائے اور پرندے اور دیگر اشیا ہیں۔ یہ سب اپنے اپنے انداز سے سجدہ اور تسبیح الہی کرتی ہیں۔ — ﴿فَلَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ (یعنی اسرائیل ۳۲) سورج، چاند اور ستاروں کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ مشرکین ان کی عبادت کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا، تم ان کو سجدہ کرتے ہو، یہ تو اللہ کو سجدہ کرنے والے اور اس کے ماتحت ہیں اس لیے تم انہیں سجدہ مت کرو، اس ذات کو سجدہ کرو جو ان کا خالق ہے۔ (تم السجدۃ ۳۷) صحیح حدیث میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، جانتے ہو، سورج کہاں جاتا ہے؟ میں نے کہا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ جانتے ہیں۔ فرمایا سورج جاتا ہے اور عرش کے نیچے جا کر سجدہ ریز ہو جاتا ہے، پھر اسے (طلوع ہونے کا) حکم دیا جاتا ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ اسے کہا جائے گا، واپس لوٹ جا یعنی جہاں سے آیا وہیں چلا جا (صحیح بخاری، بدء الخلق، باب صفة الشمس والقمر بحسبان، مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان الرمن الذي لا يقبل فيه الإیمان، اسی طرح ایک صحابی کا واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے خواب میں اپنے ساتھ درخت کو سجدہ کرتے دیکھا۔ (ترمذی، أبواب السموات، باب ما جاء ما يقول في سجود القرآن تحفة الأخوذی، جلد ۲، صفحہ ۲۰۲، ابن ماجہ، نمبر ۱۰۵۳ اور پہاڑوں اور درختوں کے سجدے میں ان کے سیوں کا دائیں بائیں پھرنایا جتنا بھی شامل ہے، جس کی طرف اشارہ سورۃ الرعد ۱۵ اور النحل ۳۸ میں بھی کیا گیا ہے۔

اللَّهُ قَبْلَ الْهَمِّ مِنْ مَكْرَمَاتِكِ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝

۱۸

اور بہت سے انسان بھی۔^(۱) ہاں بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب کا مقولہ ثابت ہو چکا ہے،^(۲) جسے رب ذلیل کر دے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں،^(۳) اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (۱۸)

یہ دونوں اپنے رب کے بارے میں اختلاف کرنے^(۴) والے ہیں، پس کافروں کے لیے تو آگ کے کپڑے بیونت کر کانٹے جائیں گے، اور ان کے سروں کے اوپر سے سخت کھول ہو اپنی بھلیا جائے گا۔ (۱۹)

جس سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں اور کھائیں گلا دی جائیں گی۔ (۲۰)

اور ان کی سزا کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہیں۔ (۲۱)
یہ جب بھی وہاں کے غم سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے وہیں لوٹا دیئے جائیں گے اور (کما جائے گا) جلنے کا عذاب چکھوا^(۵) (۲۲)

هَذَانِ خَصْمَيْنِ اِخْتَصِمُوْا فِيْ رَيْبِهِمْ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِعَتْ لَهُمْ شِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُّصْبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمْ اَلْهَيْئَةُ ۝

يُضْهِرُ بِهَا بَاقِيَ بَطُوْنِهِمْ وَالْجَنُوْدُ ۝

وَلَهُمْ مَّقَامٌ مِّنْ حَبِيْبٍ ۝

كُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا نُوْدُوْا وَقُوْا اَصَابَ الْحَقِيْقُ ۝

(۱) یہ سجدہ اطاعت و عبادت ہی ہے جس کو انسانوں کی ایک بڑی تعداد کرتی ہے اور اللہ کی رضا کی مستحق قرار پاتی ہے۔
(۲) یہ وہ ہیں جو سجدہ اطاعت سے انکار کر کے کفر اختیار کرتے ہیں، ورنہ کوئی احکام یعنی سجدہ انقیاد میں تو انہیں بھی مجال انکار نہیں۔

(۳) کفر اختیار کرنے کا نتیجہ ذلت و رسوائی اور آخرت کا دائمی عذاب ہے، جس سے بچا کر کافروں کو عزت دینے والا کوئی نہیں ہو گا۔

(۴) هَذَانِ خَصْمَيْنِ، یہ دونوں تشنیہ کے صیغے ہیں۔ بعض نے اس سے مراد مذکورہ گمراہ فرقتے اور اس کے مقابلے میں دوسرا فرقہ مسلمان کو لیا ہے۔ یہ دونوں اپنے رب کے بارے میں جھگڑتے ہیں، مسلمان تو اس کی وحدانیت اور اس کی قدرت علیٰ ابعد کے قائل ہیں، جب کہ دوسرے اللہ کے بارے میں مختلف گمراہیوں میں مبتلا ہیں اس ضمن میں جنگ بدر میں لڑنے والے مسلمان اور کافر بھی آجاتے ہیں، جس کے آغاز میں مسلمانوں میں ایک طرف حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم تھے اور دوسری طرف ان کے مقابلے میں کافروں میں عقبہ، شیبہ اور ولید بن عقبہ تھے صحیح بخاری، تفسیر سورة الحج، امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ دونوں ہی منہوم صحیح اور آیت کے مطابق ہیں۔

(۵) اس میں جنہیوں کے عذاب کی کچھ تفصیل بیان کی گئی ہے جو انہیں وہاں بھگتنا ہو گا۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ
أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۝

وَمُدْوَإِي الْقَلْبِ مِنَ الْقَوْلِ ۖ وَهُمْ فِيهَا
الْمُتَّعِينَ ۝

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ
وَمَنْ يُؤْذِ يُوْذِ يُوْذِ بِالْعَادِ يُظْلَمُ ثَلَاثُ مَرَّاتٍ مِنْ عَذَابٍ

ایمان والوں اور نیک کام والوں کو اللہ تعالیٰ ان جنتوں
میں لے جائے گا جن کے درختوں تلے سے نهریں لہریں
لے رہی ہیں، جہاں وہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں
گے اور سچے موتی بھی۔ وہاں ان کا لباس خالص ریشم
ہوگا۔^(۱) (۲۳)

ان کو پاکیزہ بات کی رہنمائی کر دی گئی^(۲) اور قابلِ حمد
تعریف راہ کی ہدایت کر دی گئی۔^(۳) (۲۴)

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکنے لگے
اور اس حرمت والی مسجد سے^(۴) بھی جسے ہم نے تمام
لوگوں کے لیے مساوی کر دیا ہے وہیں کے رہنے والے ہوں
یا باہر کے ہوں،^(۵) جو بھی ظلم کے ساتھ وہاں الحاد کا ارادہ

(۱) جہنمیوں کے مقابلے میں یہ اہل جنت کا اور ان نعمتوں کا تذکرہ ہے جو اہل ایمان کو مہیا کی جائیں گی۔

(۲) یعنی جنت ایسی جگہ ہے جہاں پاکیزہ باتیں ہی ہوں گی، وہاں بے ہودہ اور گناہ کی بات نہیں ہوگی۔

(۳) یعنی ایسی جگہ کی طرف جہاں ہر طرف اللہ کی حمد اور اس کی تسبیح کی صدائے دل نواز گونج رہی ہوگی۔ اگر اس کا
تعلق دنیا سے ہو تو مطلب قرآن اور اسلام کی طرف رہنمائی ہے جو اہل ایمان کے حصے میں آتی ہے۔

(۴) روکنے والوں سے مراد کفار مکہ ہیں جنہوں نے ۶ ہجری میں مسلمانوں کو مکہ جا کر عمرہ کرنے سے روک دیا تھا، اور
مسلمانوں کو حدیبیہ سے واپس آنا پڑا تھا۔

(۵) اس میں اختلاف ہے کہ مسجد حرام سے مراد خاص مسجد (خانہ کعبہ) ہی ہے یا پورا حرم مکہ۔ کیونکہ قرآن میں بعض
جگہ پورے حرم کی کے لیے بھی مسجد حرام کا لفظ بولا گیا ہے، یعنی جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے۔ جہاں تک خاص مسجد حرام
کا تعلق ہے، اس کی بہت تو یہ بات متفقہ ہے کہ اس میں مقیم وغیرہ مقیم، ملکی اور آفاقی سب کا حصہ مساوی ہے یعنی بلا
تخصیص و تفریق ہر شخص رات اور دن کے کسی بھی حصے میں عبادت کر سکتا ہے۔ کسی کے لیے بھی کسی مسلمان کو عبادت
سے روکنے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ جن علمائے مسجد حرام سے مراد پورا حرم لیا ہے، ان کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے
کہ پورا حرم کی سب مسلمانوں کے لیے یکساں حیثیت رکھتا ہے اور اس کے مکانات اور زمینوں کا کوئی مالک نہیں۔ اسی
لیے ان کی خرید و فروخت اور ان کو کرائے پر دینا ان کے نزدیک جائز نہیں۔ جو شخص بھی کسی جگہ سے حج یا عمرے کے
لیے مکہ جائے تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ جہاں چاہے ٹھہر جائے، وہاں رہنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے
گھروں میں ٹھہرنے سے کسی کو نہ روکیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ مکانات اور زمینیں ملک خاص ہو سکتی ہیں اور ان

الَّذِينَ

وَأَذَبُوا إِلَىٰ الْبَرِّهِمْ مَكَانَ الْمَيْمَةِ أَنْ لَا تُشْرِكُوا فِي شَيْئًا
وَأَطَعُوا رَبِّي لِلْظَّالِمِينَ وَالْقَائِمِينَ ذُكِّرُوا الشُّجُورَ ⑤

کرے^(۱) ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔^(۲۵)
اور جبکہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو کعبہ کے مکان کی
جگہ مقرر کر دی^(۳) اس شرط پر کہ میرے ساتھ کسی کو
شریک^(۴) نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف قیام رکوع سجدہ
کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھنا۔^(۵) (۲۶)

میں مالکانہ تصرفات یعنی بیچنا، کرائے پر دینا جائز ہے۔ البتہ وہ مقامات جن کا تعلق مناسک حج سے ہے، مثلاً منیٰ، مزدلفہ اور
عرفات کے میدان یہ وقف عام ہیں۔ ان میں کسی کی ملکیت جائز نہیں۔ یہ مسئلہ قدیم فقہاء کے درمیان خاصا مختلف فیہ رہا
ہے۔ تاہم آج کل تقریباً تمام کے تمام علما ہی ملکیت خاص کے قائل ہو گئے ہیں۔ اور یہ مسئلہ سرے سے اختلافی ہی نہیں
رہا۔ مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم نے بھی امام ابو حنیفہ اور فقہاء کا مسلک مختار اسی کو قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو "معارف القرآن
جلد ۶، صفحہ ۲۵۳)

(۱) اِلْتِخَافٌ کے لفظی معنی تو کج روی کے ہیں۔ یہاں یہ عام ہے، کفر و شرک سے لے کر ہر قسم کے گناہ کے لیے۔ حتیٰ کہ
بعض علما احاطہ قرآنی کے پیش نظر اس بات تک کے قائل ہیں کہ حرم میں اگر کسی گناہ کا ارادہ بھی کر لے گا، (چاہے اس
پر عمل نہ کر سکے) تو وہ بھی اس وعید میں شامل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ محض ارادے پر مؤافذہ نہیں ہو گا، جیسا کہ دیگر
فصوص سے واضح ہے۔ تاہم ارادہ اگر عزم معصوم کی حد تک ہو تو پھر قابل گرفت ہو سکتا ہے۔ (فتح القدیر)
(۲) یہ بدلہ ہے ان لوگوں کا جو مذکورہ گناہوں کے مرتکب ہوں گے۔

(۳) یعنی بیت اللہ کی جگہ بتلاوی اور وہاں ہم نے ذریت ابراہیم علیہ السلام کو جا بٹھرایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
طوفان نوح علیہ السلام کی ویرانی کے بعد خانہ کعبہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی
ہے، جیسا کہ صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سب سے پہلی مسجد جو زمین میں
بنائی گئی، مسجد حرام ہے" اور اس کے چالیس سال بعد مسجد اقصیٰ تعمیر ہوئی۔" (مسند احمد ۵: ۵۰، ۵۱، ۶۷، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ
يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْهَا
ثُمَّ لِيُقْضَىٰ لَهُمْ أَقْسَامُهُمْ بِالْأَنفَاءِ
فَكَفَّلُوا بِنَهَا وَاطْمَأْنَأُوا بِالْبَأْسِ الدُّنْيَا ۝
ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلِيُتَوْفَّوْا ذُرِّيَّتَهُمْ
وَلِيُزْجِرُوا بِالْإِيمَةِ الْعَمِيمَةِ ۝

اور لوگوں میں حج کی منادی کر دے لوگ تیرے پاس پا
پیادہ بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی^(۱) دور
دراز کی تمام راہوں سے آئیں گے۔ (۲۷)
تاکہ اپنے لیے فائدے حاصل کریں^(۲) اور ان مقررہ
دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں۔^(۳)
پس تم آپ بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھاؤ۔ (۲۸)
پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں^(۴) اور اپنی نذریں پوری
کریں^(۵) اور اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں۔^(۶) (۲۹)

(۱) جو چارے کی قلت اور سفر کی دوری اور تھکاوٹ سے لاغر اور کمزور ہو جائیں گے۔

(۲) یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ مکہ کے پہاڑ کی چوٹی سے بلند ہونے والی یہ نجیف سی صدا 'دنیا کے کونے کونے تک
پہنچ گئی' جس کا مشاہدہ حج اور عمرے میں ہر حاجی اور معتمر کرتا ہے۔

(۳) یہ فائدے دینی بھی ہیں کہ نماز، طواف اور مناسک حج و عمرہ کے ذریعے سے اللہ کی مغفرت و رضا حاصل کی جائے۔
اور دنیوی بھی کہ تجارت اور کاروبار سے مال و اسباب دنیا بھی میسر آجائے۔

(۴) تَهْنِئَةُ الْأَنْعَامِ (پالتو چوپایوں) سے مراد اونٹ 'گائے' بکری (اور بھیڑ بچے) ہیں 'ان پر اللہ کا نام لینے کا مطلب ان
کو ذبح کرنا ہے جو اللہ کا نام لے کر ہی کیا جاتا ہے اور ایام معلومات سے مراد 'ذبح' کے ایام "ایام تشریق" ہیں جو یوم النحر
(۱۰ ذوالحجہ) اور تین دن اس کے بعد ہیں۔ یعنی ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ ذوالحجہ تک قربانی کی جاسکتی ہے۔ عام طور پر ایام معلومات سے
عشرۃ ذوالحجہ اور ایام معدودات سے ایام تشریق مراد لیے جاتے ہیں۔ تاہم یہاں "معلومات" جس سیاق میں آیا ہے اس
سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایام تشریق مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۵) یعنی ۱۰ ذوالحجہ کو جمرہ کبریٰ (یا عقبہ) کو کنکریاں مارنے کے بعد حاجی کو تحلل اول (یا اصغر) حاصل ہو جاتا ہے جس کے
بعد وہ احرام کھول دیتا ہے اور بیوی سے مباشرت کے سوا دیگر وہ تمام کام اس کے لیے جائز ہو جاتے ہیں جو حالت احرام
میں ممنوع ہوتے ہیں۔ میل کچیل دور کرنے کا مطلب یہی ہے کہ پھر وہ بالوں، ناخنوں وغیرہ کو صاف کر لے، تیل، خوشبو
استعمال کر لے اور سلعے ہوئے کپڑے پہن لے وغیرہ۔

(۶) اگر کوئی مانی ہوئی ہو جیسے لوگ مان لیتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے مقدس گھر کی زیارت نصیب فرمائی تو ہم
فلاں نیکی کا کام کریں گے۔

(۷) عَمِيقٌ کے معنی قدیم کے ہیں 'مراد خانہ کعبہ ہے کہ حلق یا تقصیر کے بعد طواف افاضہ کر لے جسے طواف زیارت
بھی کہتے ہیں' اور یہ حج کا رکن ہے جو وقوف عرفہ اور جمرہ عقبہ (یا کبریٰ) کو کنکریاں مارنے کے بعد کیا جاتا ہے۔ جب کہ

ذَلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرْمَتَ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهِ عِنْدَ رَبِّهِ
وَأَجَلْتُ لَكُمْ الْأَنْعَامَ إِلَّا مَا بَشَلْ عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا
الْيَحْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۝

حَقَّاءَ بَلَاوِ عَيْرِ مُشْرِكِينَ بِهِ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا
خَرَسَ النَّهَاءُ فَتَحْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوتَعْمَى بِهِ الْبَرِيْعُ عَرَى

یہ ہے اور جو کوئی اللہ کی حرمتوں^(۱) کی تعظیم کرے اس کے اپنے لیے اس کے رب کے پاس بہتری ہے۔ اور تمہارے لیے چوپائے جانور حلال کر دیئے گئے۔ بجز ان کے جو تمہارے سامنے^(۲) بیان کیے گئے ہیں پس تمہیں بتوں کی گندگی سے بچتے رہنا چاہیے^(۳) اور جھوٹی بات سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔^(۴) (۳۰)

اللہ کی توحید کو مانتے ہوئے^(۵) اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوئے۔ سنو! اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا گویا آسمان سے گر پڑا، اب یا تو اسے پرندے اچک

طواف قدوم بعض کے نزدیک واجب اور بعض کے نزدیک سنت ہے اور طواف وداع سنت مؤکدہ (یا واجب) ہے۔ جو اکثر اہل علم کے نزدیک عذر سے ساقط ہو جاتا ہے، جیسے حائضہ عورت سے بلا اتفاق ساقط ہو جاتا ہے (ایسر التذییر)۔
(۱) ان حرمتوں سے مراد وہ مناسک حج ہیں جن کی تفصیل ابھی گزری۔ ان کی تعظیم کا مطلب، ان کی اس طرح ادائیگی ہے جس طرح بتلایا گیا ہے۔ یعنی ان کی خلاف ورزی کر کے ان حرمتوں کو پامال نہ کرے۔

(۲) ”جو بین کیے گئے ہیں“ کا مطلب ہے جن کا حرام ہونا بیان کر دیا گیا ہے، جیسے آیت ﴿فَوَيْتَنَّا عَلَى الْمَاءِ الْقَنْيَةَ وَاللَّهُمَّ﴾ الآتية میں تفصیل ہے۔

(۳) ”دخس“ کے معنی گندگی اور پلیدی کے ہیں۔ یہاں اس سے مراد لکڑی، لٹوہ یا کسی اور چیز کے بنے ہوئے بت ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا، یہ نجاست ہے اور اللہ کے غضب اور عدم رضا کا باعث، اس سے بچو!

(۴) جھوٹی بات میں، جھوٹی بات کے علاوہ جھوٹی قسم بھی ہے، (جس کو حدیث میں شرک اور حقوق وادین کے بعد تیسرے نمبر پر کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے) اور سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ اللہ جن چیزوں سے پاک ہے، وہ اس کی طرف منسوب کی جائیں، مثلاً اللہ کی اولاد ہے، فلاں بزرگ اللہ کے اختیارات میں شریک ہے، یا فلاں کام پر اللہ کس طرح قادر ہو گا! جیسے کفار بحث بعد الموت پر تعجب کا اظہار کرتے رہے ہیں اور کرتے ہیں، یا اپنی طرف سے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام چیزوں کو حلال کر لینا، جیسے مشرکین بحیرہ سائبہ، دویلہ اور حام جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے، یہ سب جھوٹ ہیں، ان سے اجتناب ضروری ہے۔

(۵) حَقَّاءَ، حَقِيقَت کی جمع ہے۔ جس کے مصدری معنی ہیں مائل ہونا، ایک طرف ہونا، یک رخا ہونا۔ یعنی شرک سے توحید کی طرف اور کفر و باطل سے اسلام اور دین حق کی طرف مائل ہوتے ہوئے۔ یا ایک طرف ہو کر خالص اللہ کی عبادت کرتے ہوئے۔

مَكَانٍ سَجْدَةٍ ①

لے جائیں گے یا ہوا کسی دور دراز کی جگہ پھینک دے گی۔^(۳۱)

ذَلِكَ وَمَنْ يُعِظِمَ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ②

یہ سن لیا اب اور سنو! اللہ کی نشانیوں کی جو عزت و حرمت کرے اس کے دل کی پرہیزگاری کی وجہ سے یہ ہے۔^(۳۲)

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّكُمْ مَجِئُهَا إِلَى الْبَيْتِ الْغَيْثِ ③

ان میں تمہارے لیے ایک مقرر وقت تک کا فائدہ ہے^(۳۳) پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ خانہ کعبہ ہے۔^(۳۴)

(۱) یعنی جس طرح بڑے پرندے، چھوٹے جانوروں کو نہایت تیزی سے جھپٹا مار کر انہیں نوچ کھاتے ہیں یا ہوئیں کسی کو دور دراز جگہوں پر پھینک دیں اور کسی کو اس کا سراغ نہ ملے۔ دونوں صورتوں میں تباہی اس کا مقدر ہے۔ اسی طرح وہ انسان جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے، وہ سلامت فطرت اور طہارت نفس کے اعتبار سے طہر و صفا کی بلندی پر فائز ہوتا ہے اور حوں ہی وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے تو گویا اپنے کو بلندی سے پستی میں اور صفائی سے گندگی اور کچھڑ میں پھینک لیتا ہے۔

(۲) شَعَائِرُ، شَعِيرَةُ کی جمع ہے جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں، جیسے جنگ میں ایک شعار (مخصوص غلط بطور علامت) اختیار کر لیا جاتا ہے، جس سے وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ اس اعتبار سے شعارِ اللہ وہ ہیں جو اعلامِ دین یعنی اسلام کے نمایاں امتیازی احکام ہیں جن سے ایک مسلمان کا امتیاز اور تشخص قائم ہوتا ہے اور دوسرے اہل مذاہب سے الگ پہچان لیا جاتا ہے۔ صفا، مردہ پہاڑیوں کو بھی اسی لیے شعارِ اللہ کہا گیا ہے کہ مسلمان حج و عمرے میں ان کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ یہاں حج کے دیگر مناسک خصوصاً قربانی کے جانوروں کو شعارِ اللہ کہا گیا ہے۔ ان کی تعظیم کا مطلب ان کا استسماں اور استسماں ہے یعنی عمدہ اور موٹا تازہ جانور قربان کرنا۔ اس تعظیم کو دل کا تقویٰ قرار دیا گیا ہے یعنی یہ دل کے ان افعال سے ہیں جن کی بنیاد تقویٰ ہے۔

(۳) وہ فائدہ، سواری، دودھ، مزید نسل اور اون وغیرہ کا حصول ہے۔ وقت مقرر سے مراد نحر (ذبح کرنا) ہے یعنی ذبح ہونے تک حمیس ان سے مذکورہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور سے جب تک وہ ذبح نہ ہو جائے، فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ صحیح حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ایک آدمی ایک قربانی کا جانور اپنے ساتھ ہانکے لے جا رہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اس پر سوار ہو جا، اس نے کہا یہ حج کی قربانی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اس پر سوار ہو جا۔ (صحیح بخاری، کتاب الحج، باب ذکوب البدن)

(۴) حلال ہونے سے مراد جہاں ان کا ذبح کرنا حلال ہوتا ہے۔ یعنی یہ جانور مناسک حج کی ادائیگی کے بعد بیت اللہ اور حرم کی میں پہنچتے ہیں اور وہاں اللہ کے نام پر ذبح کر دیئے جاتے ہیں، پس مذکورہ فوائد کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ ایسے ہی حرم کے لیے ہدی ہوتے ہیں تو حرم میں پہنچتے ہی ذبح کر دیئے جاتے ہیں اور فقراء مکہ میں ان کا گوشت تقسیم

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا مَا
رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۚ وَاللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ قُلْ إِنِّي خَشِيتُ اللَّهَ ۚ

الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِاللَّهِ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَى
مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۵﴾

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ
فَاذْكُرُوا اللَّهَ عَلَيْهَا صَوَافٍ ۚ فَأَذًا وَجِئَتْ جُنُوبُهَا

کر دیا جاتا ہے۔

اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر
فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں
جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔^(۱) سمجھو کہ تم سب کا
معبود برحق صرف ایک ہی ہے تم اسی کے تابع فرمان ہو
جاؤ عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے (۳۴)

انہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے ان کے دل تمہرا جاتے
ہیں، انہیں جو برائی پہنچے اس پر صبر کرتے ہیں نماز قائم
کرنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے
وہ اس میں سے بھی دیتے رہتے ہیں۔ (۳۵)

قربانی کے اونٹ^(۲) ہم نے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی
نشانیں مقرر کر دی ہیں ان میں تمہیں نفع ہے۔ پس
انہیں کھڑا کے ان پر اللہ کا نام پڑھو^(۳) پھر جب ان کے پہلو

(۱) مَنْسَكٌ، نَسَكَ يَنْسُكُ کا مصدر ہے، معنی ہیں اللہ کے تقرب کے لیے قربانی کرنا ذَبِيحَةً (ذبح شدہ جانور) کو
بھی ذَبِيحَةً کہا جاتا ہے جس کی جمع نُسُكٌ ہے۔ اس کے معنی اطاعت و عبادت کے بھی ہیں۔ کیونکہ رضائے الٰہی کے
لئے جانور کی قربانی کرنا بھی عبادت ہے۔ اسی لیے غیر اللہ کے نام پر یا ان کی خوشنودی کے لیے جانور ذبح کرنا غیر اللہ کی
عبادت ہے۔ یا مَنْسَكٌ (سین کی فتح یا کسرے کے ساتھ) اسم ظرف ہے۔ مَوْضِعٌ نَحْوِ (ذبح کرنے کی جگہ) یا مَوْضِعٌ
عِبَادَةٍ۔ اسی سے مناسک حج ہے یعنی وہ جگہیں جہاں حج کے اعمال و ارکان ادا کیے جاتے ہیں جیسے عرفات، مزدلفہ، منی
اور مکہ۔ مطلق ارکان و اعمال حج کو بھی مناسک کہہ لیا جاتا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم پہلے بھی ہر مذہب و ادوں کے
لئے ذبح کا یا عبادت کا طریقہ مقرر کرتے آئے ہیں تاکہ وہ اس کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرتے رہیں۔ اور اس
میں حکمت یہ ہے کہ وہ ہمارا نام لیں یعنی بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهِ اکْبَرُ کہہ کر ذبح کریں یا ہمیں یاد رکھیں۔

(۲) بُدْنٌ، بَدَنَةٌ کی جمع ہے یہ جانور عام طور پر موٹا تازہ ہوتا ہے۔ اس لیے بَدَنَةٌ کہا جاتا ہے۔ فربہ جانور۔ اہل لغت نے
اسے صرف اونٹوں کے ساتھ خاص کیا ہے لیکن حدیث کی رو سے گائے پر بھی بَدَنَةٌ کا اطلاق صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ
اونٹ اور گائے جو قربانی کے لیے لے جائیں یہ بھی شعائر اللہ یعنی اللہ کے ان احکام میں سے ہیں جو مسلمانوں کے لیے
خاص اور ان کی علامت ہیں۔

(۳) صَوَافٍ مَصْفُوفَةٌ (صف بستہ یعنی کھڑے ہوئے) معنی میں ہے۔ اونٹ کو اسی طرح کھڑے کھڑے نحر کیا جاتا ہے
کہ پیٹ ہاتھ پاؤں اس کا بندھا ہوا اور تین پاؤں پر وہ کھڑا ہوتا ہے۔

زمین سے لگ جائیں ^(۱) اسے (خود بھی) کھاؤ ^(۲) اور مسکین سوال سے رکنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھاؤ ^(۳) اسی طرح ہم نے چوپایوں کو تمہارے

فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِيعُوا أَمْرَ اللَّهِ وَالْمَعْرُوفَ كَذَلِكَ يَتَذَكَّرُ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۷﴾

(۱) یعنی سارا خون نکل جائے اور وہ بے روح ہو کر زمین پر گر جائے۔ تب اسے کانا شروع کرو۔ کیونکہ جی دار جانور کا گوشت کات کر کھانا ممنوع ہے۔ مَا قُطِعَ مِنَ النَّهْيَةِ وَهِيَ حَبْتٌ، فَهُوَ مَبْنِيٌّ (ابوداؤد) کتاب الصيد باب فی صید قطع منه قطعة۔ نو مذی: أبواب الصيد باب ما جاء ما قطع من الحي فهو ميت (ابن ماجہ) "جس جانور سے اس حال میں گوشت کاٹا جائے کہ وہ زندہ ہو تو وہ (کانا ہو گوشت) مردہ ہے۔"

(۲) بعض علما کے نزدیک یہ امر واجب کے لیے ہے یعنی قربانی کا گوشت کھانا قربانی کرنے والے کے لیے واجب یعنی ضروری ہے اور اکثر علما کے نزدیک یہ امر استحباب یا جواز کے لیے ہے یعنی اس امر کا مقصد صرف جو زکاۃ ثابت یا استحباب ہے یعنی اگر کھایا جائے تو جائز یا مستحب (پسندیدہ) ہے اور اگر کوئی نہ کھائے بلکہ سب کا سب تقسیم کر دے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔

(۳) قانع کے ایک معنی سائل کے اور دوسرے معنی قناعت کرنے والے کے کیے گئے ہیں یعنی وہ سواں نہ کرے اور مُتَعَزِّز کے معنی بعض نے بغیر سوال کے سامنے آنے والے کے کیے ہیں۔ اور بعض نے قانع کے معنی سائل اور معتر کے معنی زائر یعنی ملاقاتی کے کیے ہیں۔ بہر حال اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کیے جائیں۔ ایک اپنے لیے 'دوسرا ملاقاتیوں اور رشتے داروں کے لیے اور تیسرا مساکین اور معاشرے کے ضرورت مند افراد کے لیے۔ جس کی تائید میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے: جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے تمہیں (پسے) تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت ذخیرہ کر کے رکھنے سے منع کیا تھا لیکن اب تمہیں اجازت ہے کہ کھاؤ اور جو مناسب سمجھو ذخیرہ کرو۔" دوسری روایت کے الفاظ ہیں "پس کھاؤ ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو" ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح ہیں "پس کھاؤ کھاؤ اور صدقہ کرو" (البخاری کتاب الاضاحی مسند کتاب الاضاحی باب بیان ما کان من المہی عن اکل لحوم الاضاحی بعد ثلاث والسنن بعض علماء دھسے کرنے کے قائل ہیں۔ نصف اپنے لیے اور نصف صدقے کے لیے وہ اس سے ما قبل گزرنے والی آیت ﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِيعُوا أَمْرَ اللَّهِ﴾ سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت کسی بھی آیت یا حدیث سے اس طرح کے دو یا تین حصوں میں تقسیم کرنے کا حکم نہیں لکھا بلکہ ان میں مطلقاً کھانے کھلانے کا حکم ہے اس لیے اس اطلاق کو اپنی جگہ پر قرار دینا چاہیے اور کسی تقسیم کا پابند نہیں بنانا چاہیے۔ البتہ قربانی کی کھالوں کی بابت اتفاق ہے کہ اسے یا تو اپنے استعمال میں لاؤ یا صدقہ کرو اسے بیچنے کی اجازت نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے (مسند احمد ۳/ ۱۵) ہم بعض علماء نے کھال خود بیچ کر اس کی قیمت فقراء پر تقسیم کرنے کی رخصت دی ہے (ابن کثیر) ایک ضروری وضاحت: قرآن کریم میں یہاں قربانی کا ذکر مسائل حج کے ضمن میں آیا ہے جس سے مگرین حدیث یہ استدلال کرتے ہیں کہ قربانی صرف حاجیوں کے

لَنْ يَتَّالِ اللَّهُ لِحُومِهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلَكِنْ يَتَّالِ
التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ
مَا هَذَا لَكُمْ ذِكْرٌ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۷﴾

إِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ
خَوَّانٍ لَّغْوٍ ﴿۳۸﴾

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلْيُوَدُّوا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ
لِّقَاتِلِيهِ ﴿۳۹﴾

ماتحت کر دیا ہے کہ تم شکر گزاری کرو۔ (۳۷)
اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ ان کے
خون بلکہ اسے تو تمہارے دل کی پرہیزگاری پہنچتی ہے۔
اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارا مطیع کر دیا ہے کہ
تم اس کی رہنمائی کے شکریے میں اس کی بڑائیاں بیان
کرو، اور نیک لوگوں کو خوشخبری سنا دیجئے! (۳۷)
سن رکھو! یقیناً سچے مومنوں کے دشمنوں کو خود اللہ تعالیٰ
ہٹا دیتا ہے۔ (۳۸) کوئی خیانت کرنے والا ناشکرا اللہ تعالیٰ کو
ہرگز پسند نہیں۔ (۳۸)

جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کر رہے ہیں انہیں بھی
مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ (۳۹)

لے ہی ہے۔ دیگر مسلمانوں کے لیے یہ ضروری نہیں۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ قربانی کرنے کا مطلق حکم بھی دو سرے
مقام پر موجود ہے، ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَقْرَبْ﴾ (الکونور۔ ۱۰) ”اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر“ اس کی تہمیں و تشریح
(عملی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی کہ آپ ﷺ خود مدینے میں ہر سال ۱۰ اذواالحجہ کو قربانی کرتے رہے اور
مسلمانوں کو بھی قربانی کرنے کی تاکید کرتے رہے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی کرتے رہے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ نے قربانی
کی بابت جہاں دیگر ہست سی ہدایات دیں وہاں یہ بھی فرمایا کہ ۱۰ اذواالحجہ کو ہم سب سے پہلے (عید کی) نماز پڑھیں اور اس
کے بعد جا کر جانور ذبح کریں ”فرمایا“ جس نے نماز (عید) سے قبل اپنی قربانی کر لی، اس نے گوشت کھانے میں جلدی کی،
اس کی قربانی نہیں ہوئی“ (صحیح بخاری، کتاب العیدیں، باب الشکر إلى العید، ومسلم، کتاب
الأضاحی، باب... وفسھا، اس سے بھی واضح ہے کہ قربانی کا حکم ہر مسلمان کے لیے ہے وہ جہاں بھی ہو۔ کیوں کہ حاجی
تو عید الاضحیٰ کی نماز ہی نہیں پڑھتے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم غیر حاجیوں کے لیے ہی ہے۔ تاہم یہ واجب نہیں
ہے۔ سنت مؤکدہ ہے۔ اسی طرح دکھلاوے کی نیت سے کئی کئی قربانیاں کرنے کا رواج بھی خلاف سنت ہے۔ حدیث کے
مطابق پورے گھر کے افراد کی طرف سے ایک جانور کی قربانی کافی ہے۔ صحابہ کا عمل اسی کے مطابق تھا، (ترمذی، اشواب
الأضاحی، باب ما جاء أن الشاة الواحدة تجزئ عن أهل البيت، وایں ماجہ)

(۱) جس طرح ۶ ہجری میں کافروں نے اپنے غلبے کی وجہ سے مسلمانوں کو مکہ جا کر عمرہ نہیں کرنے دیا، اللہ تعالیٰ نے دو
سال کے بعد ہی کافروں کے اس غلبے کو ختم فرما کر مسلمانوں سے ان کے دشمنوں کو ہٹا دیا اور مسلمانوں کو ان پر غالب کر دیا۔
(۲) اکثر سلف کا قول ہے کہ اس آیت میں سب سے پہلے جماد کا حکم دیا گیا ہے، جس کے دو مقصد یہاں بیان کیے گئے
ہیں۔ مظلومیت کا خاتمہ اور اعلائے کلمۃ اللہ۔ اس لیے کہ مظلومین کی مدد اور ان کی دادرسی نہ کی جائے تو پھر دنیا میں زور

پیشک ان کی مدد پر اللہ قادر ہے۔ (۳۹)

یہ وہ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکال دیا، صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ڈھادی جاتیں جہاں اللہ کا نام بہ کثرت لیا جاتا ہے۔ جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ پیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے۔ (۴۰)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔^(۱) تمام کاموں کا انجام اللہ کے

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِمَا رَحِمَ الْإِلَٰهَ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ
وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفُتَّ
صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا
وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَمَعَظُومٌ عَزِيزٌ ﴿۴۰﴾

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ
وَأَمَرُوا بِالصَّالِحَاتِ وَهُمْ لَا يُعَذِّبُهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابًا
الْمُؤْتَرِكِينَ ﴿۴۱﴾

آورد کمزوروں کو اور باوسائل بہ وسیلہ لوگوں کو جیسے ہی نہ دیں جس سے زمین فساد سے بھر جائے۔ اسی طرح اعدائے کلمہ اللہ کے لیے کوشش نہ کی جائے اور باطل کی سرکوبی نہ کی جائے تو باطل کے غلبے سے بھی دنیا کا امن و سکون اور اللہ کا نام لینے والوں کے لیے کوئی عبادت خانہ باقی نہ رہے (مزید تشریح کے لیے دیکھئے سورہ بقرہ، آیت ۲۵۱ کا حاشیہ)۔ صَوَامِعُ صَوْمَعَةٌ کی جمع، سے چھوٹے گرجے اور بَيْعٌ دِیْنَةُ کی جمع اسے بڑے گرجے، صَلَوَات سے یہودیوں کے عبادت خانے اور مساجد سے مسلمانوں کی عبادت گاہیں مراد ہیں۔

(۱) اس آیت میں اسلامی حکومت کے بنیادی اہداف اور اغراض و مقاصد بیان کیے گئے ہیں، جنہیں خدفت راشدہ اور قرن اول کی دیگر اسلامی حکومتوں میں بروئے کار لایا گیا اور انہوں نے اپنی ترجیحات میں ان کو سرفہرست رکھا۔ تو ان کی بدولت ان حکومتوں میں امن و سکون بھی رہا، رفاہیت و خوش حالی بھی رہی اور مسلمان سر بلند اور سرفراز بھی رہے۔ آج بھی سعودی عرب کی حکومت میں بحمد اللہ ان چیزوں کا اہتمام ہے، تو اس کی برکت سے وہ اب بھی امن و خوش حالی کے اعتبار سے دنیا کی بہترین اور مثالی مملکت ہے، آج کل اسلامی ملکوں میں فلاحی مملکت کے قیام کا بڑا غفلہ اور شور ہے اور ہر آنے جانے والا حکمران اس کے دعوے کرتا ہے۔ لیکن ہر اسلامی ملک میں بد امنی، فساد، قتل و غارت اور ابد و بد ہستی اور زہوں حالی روز افزوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سب اللہ کے بتلائے ہوئے راستے کو اختیار کرنے کے بجائے مغرب کے جمہوری اور لادینی نظام کے ذریعے سے فلاح و کامرانی حاصل کرنا چاہتے ہیں، جو آسمان میں تھلک لگانے اور ہوا کو مٹی

اختیار میں ہے۔^(۱) (۳۱)

اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں (تو کوئی تعجب کی بات نہیں)

تو ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود۔ (۳۲)

اور قوم ابراہیم اور قوم لوط۔ (۳۳)

اور مدین والے بھی اپنے اپنے نبیوں کو جھٹا چکے ہیں۔

موسیٰ (علیہ السلام) بھی جھٹائے جا چکے ہیں پس میں نے

کافروں کو یوں ہی سی مہلت دی پھر دھر دیا،^(۲) پھر میرا

عذاب کیسا ہوا؟^(۳) (۳۴)

بست سی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے نہ دہلا کر دیا اس لیے

کہ وہ ظالم تھے پس وہ اپنی چھتوں کے بل اوندھی ہوئی

پڑی ہیں اور بست سے آباد کنوئیں بیکار پڑے ہیں اور

بست سے کچے اور بلند محل ویران پڑے ہیں۔ (۳۵)

کیا انہوں نے زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی جو ان کے

دل ان باتوں کے سمجھنے والے ہوتے یا کانوں سے ہی ان

وَأَن يَكُذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودٌ ﴿٣١﴾

وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿٣٢﴾

وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ وَكَذَّبَ مُوسَىٰ فَأَمَلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ

أَخَذْتُ لَهُمْ ثَلَاثَ نِجَافٍ ﴿٣٣﴾

فَكَانَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ عَالَمَةٌ فِي ظِلْمَةٍ مِّنْ خَاوِيَةٍ عَلَىٰ عَرْسِيهَا

وَبَيْنَهُمَا حُطْبُورَةٌ وَفَصَصَ ثَمُودُ ﴿٣٤﴾

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَلْتُمُوا لَهُمْ مَثَلًا يَّعْمَلُونَ بِهَا آثُرًا

إِذَا نَسَمِعُوا بِهَا آثَرًا لَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَطْمَئِنُّ

میں لینے کے مترادف ہے۔ جب تک مسلمان ملک میں قرآن کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق اقامت صلوٰۃ و زکوٰۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام نہیں کریں گی اور اپنی ترجیحات میں ان کو سرفہرست نہیں رکھیں گی وہ فلاحی مملکت کے قیام میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گی۔

(۱) یعنی ہر بات کا مرجع اللہ کا حکم اور اس کی تدبیر ہی ہے اس کے حکم کے بغیر کائنات میں کوئی پتہ بھی نہیں جلتا۔ چہ جائیکہ کوئی اللہ کے احکام اور ضابطوں سے انحراف کر کے حقیقی فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہو جائے۔

(۲) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ کفار مکہ اگر آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو یہ نئی بات نہیں ہے۔ پچھلی قومیں بھی اپنے پیغمبروں کے ساتھ یہی کچھ کرتی رہی ہیں اور میں بھی انہیں مہلت دیتا رہا پھر جب ان کا وقت مہلت ختم ہو گیا تو انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا اس میں تعریض و کنایہ ہے مشرکین مکہ کے لیے کہ تکذیب کے باوجود تم ابھی تک مواخذۃ الہی سے بچے ہوئے ہو تو یہ نہ سمجھ لینا کہ ہمارا کوئی مواخذہ کرنے والا نہیں۔ بلکہ یہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے جو وہ ہر قوم کو دیا کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اطاعت و انقیاد کا راستہ اختیار نہیں کرتی

تو پھر اسے ہلاک یا مسلمانوں کے ذریعے سے مغلوب اور ذلت و رسوائی سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔

(۳) یعنی کس طرح میں نے انہیں اپنی نعمتوں سے محروم کر کے عذاب و ہلاکت سے دوچار کر دیا۔

تَعْمَى الْقُلُوبُ الْبَنِي فِي الضُّوْرِ ⑤

(واقعات) کو سن لیتے 'بات یہ ہے کہ صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔' (۳۶)

وَيَسْتَعِظُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّنْ قَدْرَتِكَ ⑥

اور عذاب کو آپ سے جلدی طلب کر رہے اللہ ہرگز اپنا وعدہ نہیں ٹالے گا۔ ہاں البتہ آپ کے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کا ہے۔' (۳۷)

وَكَايْنِ مِّنْ قُرْبَةٍ أَمَلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ لَّهَا خُذْهَا ⑦

بست سی ظلم کرنے والی بستیوں کو میں نے ڈھیل دی پھر آخر انہیں پکڑ لیا، اور میری ہی طرف لوٹ کر آتا ہے۔' (۳۸)

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرْسِلُ اللَّهُ مَن يَشَاءُ ⑧

اعلان کر دو کہ لوگو! میں تمہیں کھلم کھلا چوکنا کرنے والا ہی ہوں۔' (۳۹)

(۱) اور جب کوئی قوم ضلالت کے اس مقام پر پہنچ جائے کہ عبرت پذیری کی صلاحیت بھی کھو بیٹھے، تو ہدایت کے بجائے 'گزشتہ قوموں کی طرح جی ہی اس کا بھی مقدر بن کر رہتی ہے۔ آیت میں فعل تعقل کا انتخاب دل کی طرف کیا گیا ہے جس سے استدلال کیا گیا ہے کہ عقل کا عمل 'قلب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں عقل دماغ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں، اس لیے کہ فہم و ادراک کے حصول میں عقل اور دماغ دونوں کا آپس میں بڑا گہرا ربط و تعلق ہے۔ (ایسر التفاسیر)

(۲) اس لیے یہ لوگ تو اپنے حساب سے جلدی کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حساب میں ایک دن بھی ہزار سال کا ہے۔ اس اعتبار سے وہ اگر کسی کو ایک دن (۲۴ گھنٹے) کی مسلت دے تو ہزار سال، نصف یوم کی مسلت تو پانچ سو سال، ۶ گھنٹے (جو ۲۴ گھنٹے کا چوتھائی ہے) مسلت دے تو دُعاً سو سال کا عرصہ عذاب کے لیے درکار ہے، وَهَلُمَّ جَزَاءً اس طرح اللہ کی طرف سے کسی کو ایک گھنٹے کی مسلت مل جانے کا مطلب کم و بیش چالیس سال کی مسلت ہے، (ایسر التفاسیر) ایک دوسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی قدرت میں ایک دن اور ہزار سال برابر ہیں، اس لیے تقدیم و تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ جلدی مانتے ہیں، وہ دیر کرتا ہے، تاہم یہ بات تو یقینی ہے کہ وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کر کے رہے گا۔ اور بعض نے اسے آخرت پر محمول کیا ہے کہ شدت ہو لٹاکی کی وجہ سے قیامت کا ایک دن ہزار سال بلکہ بعض کو پچاس ہزار سال کا لگے گا۔ اور بعض نے کہا کہ آخرت کا دن واقعی ہزار سال کا ہو گا۔

(۳) اسی لیے یہاں قانون مسلت کو پھر بیان کیا ہے کہ میری طرف سے عذاب میں کتنی ہی تاخیر کیوں نہ ہو جائے، تاہم میری گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا، نہ کہیں فرار ہو سکتا ہے۔ اسے لوٹ کر بالآخر میرے ہی پاس آتا ہے۔

(۴) یہ کفار و مشرکین کے مطالبہ عذاب پر کہا جا رہا ہے کہ میرا کام تو انذار و تنبیہ ہے۔ عذاب بھیجتا، یہ اللہ کا کام ہے، وہ

فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ

وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝

وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ يَنْهَكُ

الْجَحِيمُ ۝

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا إِذَا تَتَنَبَّأُ

الَّذِينَ الظَّالِمُونَ فِي آيَاتِنَا أَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ مَا يَلْقَى الْظَّالِمُونَ

نَصْرُكَ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ ۝

پس جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں

ان ہی کے لیے بخشش ہے اور عزت والی روزی۔ (۵۰)

اور جو لوگ ہماری نشانوں کو پست کرنے کے درپے

رہتے ہیں ^(۱) وہی دوزخی ہیں۔ (۵۱)

ہم نے آپ سے پہلے جس رسول اور نبی کو بھیجا اس کے

ساتھ یہ ہوا کہ جب وہ اپنے دل میں کوئی آرزو کرنے لگا

شیطان نے اس کی آرزو میں کچھ ملا دیا، پس شیطان کی

ملاوٹ کو اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے پھر اپنی باتیں پکی کر دیتا

ہے۔ ^(۲) اللہ تعالیٰ دانا اور با حکمت ہے۔ (۵۲)

جلدی گرفت فرمائے یا اس میں تاخیر کرے، وہ اپنی حسب مشیت و مصلحت یہ کام کرتا ہے۔ جس کا ہم بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ اس خطاب کے اصل مخاطب اگرچہ اہل مکہ ہیں لیکن چونکہ آپ پوری نوع انسانی کے لیے رہبر اور رسول بن کر آئے تھے، اس لیے خطاب بآیۃنا الناس کے الفاظ سے کیا گیا ہے، اس میں قیامت تک ہونے والے وہ کفار و مشرکین آگئے جو اہل مکہ کا سارو یہ اختیار کریں گے۔

(۱) مُعْجِزِينَ کا مطلب ہے یہ گمان کرتے ہوئے کہ ہمیں عاجز کر دیں گے، تمہا دیں گے اور ہم ان کی گرفت کرنے پر قادر نہیں ہو سکیں گے۔ اس لیے کہ وہ بعث بعد الموت اور حساب کتب کے منکر تھے۔

(۲) نَمَسَ کے ایک معنی ہیں آرزو کی یا دل میں خیال کیا۔ دوسرے معنی ہیں پڑھایا تلاوت کی۔ اسی اعتبار سے اُنْزِيَتْ کا ترجمہ آرزو، خیال یا تلاوت ہو گا۔ پہلے معنی کے اعتبار سے مفہوم ہو گا، اس کی آرزو میں شیطان نے رکاوٹیں ڈالیں تاکہ وہ پوری نہ ہوں۔ اور رسول و نبی کی آرزو یہی ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ ایمان لے آئیں، شیطان رکاوٹیں ڈال کر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ایمان سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مفہوم ہو گا کہ جب بھی اللہ کا رسول یا نبی وحی شدہ کلام پڑھتا اور اس کی تلاوت کرتا ہے تو شیطان اس کی قراعت و تلاوت میں اپنی باتیں ملانے کی کوشش کرتا ہے یا اس کی بابت لوگوں کے دلوں میں شبہ و التا اور دین میں کھٹکنا ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطان کی رکاوٹوں کو دور فرما کر یہ تلاوت میں ملاوٹ کی کوشش کو ناکام فرما کر یا شیطان کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا ازالہ فرما کر اپنی بات کو یا اپنی آیات کو محکم (پکا) فرمادیتا ہے۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ شیطان کی یہ کارستانیاں صرف آپ ﷺ کے ساتھ ہی نہیں ہیں، آپ ﷺ سے پہلے جو رسول اور نبی آئے، سب کے ساتھ ہی یہی کچھ کرتا آیا ہے۔ تاہم آپ ﷺ گھبرائیں نہیں، شیطان کی ان شرارتوں اور سازشوں سے، جس طرح ہم پچھلے انبیاء علیہم السلام کو بچاتے رہے ہیں، یقیناً آپ ﷺ بھی محفوظ رہیں گے اور شیطان کے علی الرغم اللہ تعالیٰ اپنی بات کو پکا کر کے رہے گا۔ یہاں

لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ وَلَئِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ عَلَىٰ تَأْيِيدِهِمُ السَّامِعَةُ بُعْثَةٌ أُولَٰئِكَ هُمُ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ۝

یہ اس لیے کہ شیطانی ملاءوت کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنا دے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں۔^(۱) بیشک ظالم لوگ گہری مخالفت میں ہیں۔ (۵۳)

اور اس لیے بھی کہ جنہیں علم عطا فرمایا گیا ہے وہ یقین کر لیں کہ یہ آپ کے رب ہی کی طرف سے سراسر حق ہی ہے پھر وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کی طرف جھک جائیں۔^(۲) یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو راہ راست کی طرف رہبری کرنے والا ہی^(۳) ہے۔ (۵۴)

کافراں وحی الہی میں ہمیشہ شک شبہ ہی کرتے رہیں گے حتیٰ کہ اچانک ان کے سروں پر قیامت آجائے یا ان کے پاس اس دن کا عذاب آجائے جو منحوس ہے۔^(۴) (۵۵)

بعض مفسرین نے غرائق علی کا قصہ بیان کیا ہے جو محققین کے نزدیک ثابت ہی نہیں ہے۔ اس لیے اسے یہاں پیش کرنے کی ضرورت ہی سرے سے نہیں سمجھی گئی ہے۔

(۱) یعنی شیطان یہ حرکتیں اس لیے کرتا ہے کہ لوگوں کو گمراہ کرے اور اس کے جال میں وہ لوگ پھنس جاتے ہیں جن کے دلوں میں کفر و نفاق کا روگ ہوتا ہے یا گناہ کر کے ان کے دل سخت ہو چکے ہوتے ہیں۔

(۲) یعنی یہ القائے شیطانی جو دراصل اغوائے شیطانی ہے اگر اہل نفاق و شک اور اہل کفر و شرک کے حق میں فتنے کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف جو علم و معرفت کے حامل ہیں ان کے ایمان و یقین میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اللہ کی نازل کردہ بات یعنی قرآن حق ہے جس سے ان کے دل بارگاہ الہی میں جھک جاتے ہیں۔

(۳) دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں اس طرح کی ان کی رہنمائی حق کی طرف کرتا ہے اور اس کے قبول اور اتباع کی توفیق سے بھی نواز دیتا ہے۔ باطل کی سمجھ بھی ان کو دے دیتا ہے اور اس سے انہیں بچا بھی دیتا ہے اور آخرت میں سیدھے راستے کی رہنمائی یہ ہے کہ انہیں جہنم کے عذاب الیم و عظیم سے بچا کر جنت میں داخل فرمائے گا اور وہاں اپنی نعمتوں اور دیدار سے انہیں نوازے گا۔ اَللّٰهُمَّ اَجْعَلْنَا مِنْهُمْ

(۴) یَوْمَ عَقِيمٍ (بانجھ دن) سے مراد بھی قیامت کا دن ہے۔ اسے عقیم اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کے بعد کوئی دن نہیں ہو گا جس طرح عقیم اس کو کہا جاتا ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ یا اس لیے کہ کافروں کے لیے اس دن کوئی رحمت نہیں ہو گی گویا ان کے لیے خیر سے خالی ہو گا جس طرح باوند کو جو بطور عذاب کے آتی رہی ہے الرِّيحُ الْعَقِيمُ کہا گیا ہے ﴿اِذَا نَسَخْنَا عَنْهُمْ الرِّيحَ الْعَقِيمَةَ﴾ (الذاریات: ۴۱) ”جب ہم نے ان پر بانجھ ہوا بھیجی“ یعنی ایسی ہوا جس میں کوئی خیر تھی

الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ يَخْلُفُ بَيْنَهُمْ فَأَلْذَيْنِ

الْمُتَوَّاعِلُونَ الظَّالِمِينَ فِي حَلَّتِ النَّعِيمِ ۝

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

مُهِينٌ ۝

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا

لِرِزْقَتِهِمْ اللَّهُ بِرِزْقٍ احْسَنَ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُمْ خَيْرٌ

الرَّزَاقِينَ ۝

لِيُدْخِلَهُمْ فِي دَرَجَاتِهِمْ وَلَٰئِكَ يَرْضَوْنَ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ

حَلِيمٌ ۝

اس دن صرف اللہ ہی کی بادشاہت ہوگی ^(۱) وہی ان میں فیصلے فرمائے گا۔ ایمان اور نیک عمل والے تو نعمتوں سے بھری جنتوں میں ہوں گے۔ (۵۶)

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کے لیے ذلیل کرنے والے عذاب ہیں۔ (۵۷)

اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا پھر وہ شہید کر دیئے گئے یا اپنی موت مر ^(۲) گئے اللہ تعالیٰ انہیں بہترین رزق عطا فرمائے گا۔ ^(۳) اور بیشک اللہ تعالیٰ روزی دینے والوں میں سب سے بہتر ہے۔ ^(۴) (۵۸)

انہیں اللہ تعالیٰ ایسی جگہ پہنچائے گا کہ وہ اس سے راضی ہو جائیں گے، ^(۵) بیشک اللہ تعالیٰ علم اور بردباری والا ہے۔ (۵۹)

نہ ہارش کی نوید۔

(۱) یعنی دنیا میں تو عارضی طور پر بطور انعام یا بطور امتحان لوگوں کو بھی بادشاہتیں اور اختیار مل جاتا ہے۔ لیکن آخرت میں کسی کے پاس بھی کوئی بادشاہت اور اختیار نہیں ہوگا۔ صرف ایک اللہ کی بادشاہی اور اس کی فرماں روائی ہوگی، اسی کا مکمل اختیار اور غلبہ ہوگا، ﴿الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ يَخْلُفُ بَيْنَهُمْ فَأَلْذَيْنِ﴾ ﴿الْعَرَفَانِ﴾ ۲۶ ”بادشاہی اس دن ثابت ہے واسطے رخصت کے اور یہ دن کافروں پر سخت بھاری ہوگا“ ﴿يَعْنِ الْمَلِكُ الْيَوْمَ يَوْمَ الْوَحْدَةِ الْقَوْلِ﴾ ”المؤمن“ ۱۱ اللہ تعالیٰ پوچھے گا۔ ”آج کس کی بادشاہی ہے؟“ پھر خود ہی جواب دے گا ”ایک اللہ غالب کی۔“

(۲) یعنی اسی ہجرت کی حالت میں موت آگئی یا شہید ہو گئے۔

(۳) یعنی جنت کی نعمتیں جو ختم ہوں گی نہ ہوں گی۔

(۴) کیونکہ وہ بغیر حساب کے بغیر استحقاق کے اور بغیر سوال کے دیتا ہے۔ علاوہ ازیں انسان بھی جو ایک دوسرے کو دیتے ہیں تو اسی کے دیئے ہوئے میں سے دیتے ہیں، اس لیے اصل رازق وہی ہے۔

(۵) کیونکہ جنت کی نعمتیں ایسی ہوں گی ”مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ نَسْرٍ“ جہیں آج تک نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔ اور دیکھنا سنانا تو کجا کسی انسان کے دل میں ان کا وہم و گمان بھی نہیں گزرا۔ بھلا ایسی نعمتوں سے بہرہ یاب ہو کر کون خوش نہیں ہوگا؟

(۶) ”عَلِيمٌ“ وہ نیک عمل کرنے والوں کے درجات اور ان کے مراتب استحقاق کو جانتا ہے۔ کفر و شرک کرنے والوں کی

ذَلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهِ ثُمَّ نَبَغَ عَلَيْهِ لِيَنْصُرَهُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ۝

ذَلِكَ يَأْتِ اللَّهُ يُؤَلِّجُ الْكَيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝

ذَلِكَ يَأْتِ اللَّهُ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِغُ

بات یہی ہے^(۱) اور جس نے بدلہ لیا اسی کے برابر جو اس کے ساتھ کیا گیا تھا پھر اگر اس سے زیادتی کی جائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ خود اس کی مدد فرمائے گا۔^(۲) بیشک اللہ درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے۔^(۳) (۶۰)

یہ اس لیے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے^(۴) اور بیشک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ (۶۱)

یہ سب اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے^(۵) اور اس کے سوا جسے بھی یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور بیشک اللہ ہی بلندی والا کبریائی والا ہے۔ (۶۲)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی

گستاخیوں اور نافرمانیوں کو دیکھتا ہے لیکن ان کا فوری مواخذہ نہیں کرتا۔

(۱) یعنی یہ کہ مہاجرین سے بطور خاص شہادت یا طبعی موت پر ہم نے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو گا۔

(۲) عفویت اس سزا یا بدلے کو کہتے ہیں جو کسی فعل کی جزا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی نے اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے تو جس سے زیادتی کی گئی ہے اسے بقدر زیادتی بدلہ لینے کا حق ہے۔ لیکن اگر بدلہ لینے کے بعد جب کہ ظالم اور مظلوم دونوں برابر برابر ہو چکے ہوں ظالم مظلوم پر پھر زیادتی کرے تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کی ضرور مدد فرماتا ہے۔ یعنی یہ شبہ نہ ہو کہ مظلوم نے معاف کر دینے کے بجائے بدلہ لے کر غلط کام کیا ہے نہیں بلکہ اس کی بھی اجازت اللہ ہی نے دی ہے اس لیے آئندہ بھی وہ اللہ کی مدد کا مستحق رہے گا۔

(۳) اس میں پھر معاف کر دینے کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ درگزر کرنے والا ہے تم بھی درگزر سے کام لو۔ ایک دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بدلہ لینے میں جو بقدر ظلم ظالم ہو گا۔ جتنا ظلم کیا جائے گا اس کی اجازت چونکہ اللہ کی طرف سے ہے اس لیے اس پر مواخذہ نہیں ہو گا بلکہ وہ معاف ہے۔ بلکہ اسے ظلم اور شیتہ بطور مث کلت کے کہا جاتا ہے ورنہ انتقام یا بدلہ سرے سے ظلم یا شیتہ ہی نہیں ہے۔

(۴) یعنی جو اللہ اس طرح کام کرنے پر قادر ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اس کے جن بندوں پر ظلم کیا جائے ان کا بدلہ وہ ظالموں سے لے۔

(۵) اس لیے اس کا دین حق ہے اس کی عبادت حق ہے اس کے وعدے حق ہیں اس کا اپنے اویا کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کرنا حق ہے وہ اللہ عزوجل اپنی ذات میں اپنی صفات میں اور اپنے افعال میں حق ہے

الْأَرْضُ مُخَضَّرَةٌ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۝

لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ

وَرَبُّكَ اللَّهُ الْعَلِيمُ الْحَمِيدُ ۝

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْعُلَّكُ تُخْرَوْنَ

فِي الْبَحْرِ بِأَمْرٍ وَتَبْيَضُّ السَّمَاءُ أَن تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ

إِلَّا بِإِذْنِهِ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَمُبْدٍ ۝

وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَلْكُفَّورَ ۝

برساتا ہے، پس زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ مہربان اور باخبر ہے۔^(۱) (۶۳)

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے^(۲) اور یقیناً اللہ وہی ہے بے نیاز تعریفوں والا۔ (۶۴)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دی ہیں^(۳) اور اس کے فرمان سے پانی میں چلتی ہوئی کشتیاں بھی۔ وہی آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ زمین پر اس کی اجازت کے بغیر گر نہ پڑے،^(۴) بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت و نرمی کرنے والا اور مہربان ہے۔ (۶۵)

اسی نے تمہیں زندگی بخشی، پھر وہی تمہیں مار ڈالے گا پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا، بے شک انسان ابلہ ناشکرا ہے۔^(۵) (۶۶)

(۱) لَطِيفٌ (باریک بین) ہے، اس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو محیط ہے یا لطف کرنے والا ہے یعنی اپنے بندوں کو روزی پہنچانے میں لطف و کرم سے کام لیتا ہے۔ خَبِيرٌ وہ ان باتوں سے باخبر ہے جن میں اس کے بندوں کے معاملات کی تدبیر اور اصلاح ہے۔ یا ان کی ضروریات و حاجات سے آگاہ ہے۔

(۲) پیدائش کے لحاظ سے بھی، ملکیت کے اعتبار سے بھی اور تصرف کرنے کے اعتبار سے بھی۔ اس لیے سب مخلوق اس کی محتاج ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ کیوں کہ وہ غنی یعنی بے نیاز ہے۔ اور جو ذات سارے کمالات اور اختیارات کا منبع ہے، ہر حال میں تعریف کی مستحق بھی وہی ہے۔

(۳) مثلاً جانور، سرس، درخت اور دیگر بے شمار چیزیں جن کے منافع سے انسان، سرور اور لذت یاب ہوتا ہے۔

(۴) یعنی اگر وہ چاہے تو آسمان زمین پر گر پڑے، جس سے زمین پر موجود ہر چیز تباہ ہو جائے۔ ہاں قیامت والے دن اس کی مشیت سے آسمان بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا۔

(۵) اسی لیے اس نے مذکورہ چیزوں کو انسان کے تابع کر دیا ہے اور آسمان کو بھی ان پر گرنے نہیں دیتا۔ تابع (مسخر) کرنے کا مطلب ہے کہ ان تمام چیزوں سے انتفاع اس کے لیے ممکن یا آسان کر دیا گیا ہے۔

(۶) یہ بحیثیت جنس کے ہے۔ بعض افراد کا اس ناشکری سے نکل جانا اس کے منافی نہیں، کیونکہ انسانوں کی اکثریت میں یہ کفر و جحود پایا جاتا ہے۔

لِكُلِّ امَّةٍ جَعَلْنَا مِنْكُمْ لَهَا لِسَانًا فَهْمًا فَلا يُفْزِعُكَ فِي
الْأَمْرِ وَاذْخُلِ رَيْكَ إِنَّكَ لَعَلىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ ۝

وَلَنْ جَادِلُوكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَوْمَ الزُّمَرِ وَمِمَّا يُخْلَقُ فِيهِ فَتَنَلْفُونَ ۝

اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اِنَّ ذٰلِكَ لَآيٌۭ لِّمَنْ كَثَبَ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ ۝

ہر امت کے لیے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کر
دیا ہے جسے وہ بجالانے والے^(۱) ہیں پس انہیں اس
امر میں آپ سے جھگڑانا نہ کرنا چاہیے^(۲) آپ اپنے
پروردگار کی طرف لوگوں کو بلائیے۔ یقیناً آپ ٹھیک
ہدایت پر ہی ہیں۔^(۳) (۶۷)

پھر بھی اگر یہ لوگ آپ سے الجھنے لگیں تو آپ کہہ دیں
کہ تمہارے اعمال سے اللہ بخوبی واقف ہے۔ (۶۸)
بیشک تمہارے سب کے اختلاف کا فیصلہ قیامت والے
دن اللہ تعالیٰ آپ کرے گا۔^(۴) (۶۹)

کیا آپ نے نہیں جانا کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کے
علم میں ہے۔ یہ سب لکھی ہوئی کتاب میں محفوظ ہے۔
اللہ تعالیٰ پر تو یہ امر بالکل آسان ہے۔^(۵) (۷۰)

(۱) یعنی ہر زمانے میں ہم نے لوگوں کے لیے ایک شریعت مقرر کی جو بعض چیزوں میں سے ایک دوسرے سے مختلف
بھی ہوتی جس طرح تورات امت موسیٰ علیہ السلام کے لیے انجیل امت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے شریعت تھی اور
اب قرآن امت محمدیہ کے لیے شریعت اور ضابطہ حیات ہے۔

(۲) یعنی اللہ نے آپ کو جو دین اور شریعت عطا کی ہے یہ بھی مذکورہ اصول کے مطابق ہی ہے ان سابقہ شریعت و لوں
کو چاہیے کہ اب آپ ﷺ کی شریعت پر ایمان لے آئیں نہ کہ اس معاملے میں آپ ﷺ سے جھگڑیں۔

(۳) یعنی آپ ﷺ ان کے جھگڑے کی پروا نہ کریں بلکہ ان کو اپنے رب کی طرف دعوت دیتے رہیں کیونکہ اب
صراط مستقیم پر صرف آپ ہی گامزن ہیں۔ یعنی پچھلی شریعتیں منسوخ ہو گئی ہیں۔

(۴) یعنی بیان اور اظہار حجت کے بعد بھی اگر یہ جدال و منازعت سے باز نہ آئیں تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں کہ
اللہ تعالیٰ ہی تمہارے اختلافات کا فیصلہ قیامت والے دن فرمائے گا پس اس دن واضح ہو جائے گا کہ حق کیا ہے اور باطل
کیا ہے؟ کیونکہ وہ اس کے مطابق سب کو جزا دے گا۔

(۵) اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم اور مخلوقات کے احاطے کا ذکر فرمایا ہے۔ یعنی اس کی مخلوقات کو جو جو کچھ کرنا
تھا اس کو اس کا علم پہلے سے ہی تھا۔ جن بندوں کو اپنے اختیار و ارادے سے نیکی کا راستہ اور جنہیں اپنے اختیار سے
برائی کا راستہ اپنانا تھا وہ ان کو جانتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے علم سے یہ باتیں پہلے ہی لکھ دیں۔ اور لوگوں کو یہ بات چاہیے
کتنی ہی مشکل معلوم ہو اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔ یہ وہی تقدیر کا مسئلہ ہے اس پر ایمان رکھنا ضروری ہے جسے

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا
وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ۝

وَإِذْ أُنْزِلَ عَلَيْهِمُ الْبُيُوتُ تَعْرِفُ رِقَ وَجُوهَ الَّذِينَ
كَفَرُوا الشُّكْرُ يُكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ صَلَاتَهُمْ
إِنِّي قُلْتُ أَفَأَنْتُمْ بِشِرِّهِمْ ذَالِكُمْ أَنَا وَعَدَّ مَا
اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَوْفَىٰ الصَّيْرِ ۝

اور یہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کر رہے ہیں جس کی کوئی
خدائی دلیل نازل نہیں ہوئی نہ وہ خود ہی اس کا کوئی علم
رکھتے ہیں۔ (۱) ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ (۱۷)

جب ان کے سامنے ہمارے کلام کی کھلی ہوئی آیتوں کی
طلاوت کی جاتی ہے تو آپ کافروں کے چروں پر ناخوشی کے
صاف آثار پہچان لیتے ہیں۔ وہ تو قریب ہوتے ہیں کہ ہماری
آیتیں سنانے والوں پر حملہ کر بیٹھیں، (۲) کہہ دیجئے کہ کیا
میں تمہیں اس سے بھی زیادہ بدتر خبر دوں۔ وہ آگ ہے،
جس کا وعدہ اللہ نے کافروں سے کر رکھا ہے، (۳) اور وہ بہت
ہی بری جگہ ہے۔ (۷۲)

حدیث میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ ”اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے جب کہ اس
کا عرش پانی پر تھا، مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں۔“ (صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم و موسیٰ)
اور سنن کی روایت میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا اور اس
کو کہا ”لکھ“ اس نے کہا ”کیا لکھوں؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”جو کچھ ہونے والا ہے“ سب لکھ دے۔ چنانچہ اس نے اللہ کے
حکم سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب لکھ دیا۔“ (ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب فی القدر، ترمذی أبواب
القدر و تفسیر سورة ن، مسند احمد ۵/۳۱۵)

(۱) یعنی ان کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے، جسے کسی آسمانی کتاب سے یہ دکھائیں، نہ عقلی دلیل ہے جسے غیر اللہ کی
عبادت کے اثبات میں پیش کر سکیں۔

(۲) اپنے ہاتھوں سے دست درازی کر کے یا بد زبانی کے ذریعے سے۔ یعنی مشرکین اور اہل ضلالت کے لیے اللہ کی توحید
اور رسالت و معاد کا بیان ناقابلِ برداشت ہوتا ہے، جس کا اظہار ان کے چہرے سے اور بعض دفعہ ہاتھوں اور زبانوں
سے ہوتا ہے۔ یہی حال آج کے اہل بدعت اور گمراہ فرقوں کا ہے، جب ان کی گمراہی، قرآن و حدیث کے دماکن سے
واضح کی جاتی ہے تو ان کا رویہ بھی آیات قرآنی اور دلائل حدیثیہ کے مقابلے میں ایسا ہی ہوتا ہے، جس کی وضاحت اس
آیت میں کی گئی ہے۔ (فتح القدیر)

(۳) یعنی ابھی تو آیات الہی سن کر صرف ہمارے چہرے ہی متغیر ہوتے ہیں۔ ایک وقت آئے گا، اگر تم نے اپنے اس
رویے سے توبہ نہیں کی کہ اس سے کہیں زیادہ بدتر حالات سے تمہیں دو چار ہونا پڑے گا، اور وہ ہے جہنم کی آگ میں
جلا، جس کا وعدہ اللہ نے اہل کفر و شرک سے کر رکھا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبٌ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ
تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ
اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْدُوهُ
مِنْهُ صَعَفَ الظَّالِمُ وَالْمُطْلُوبُ ⑤

لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے، ذرا کان لگا کر سن لو
اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے رہے ہو وہ ایک کبھی
بھی تو پیدا نہیں کر سکتے، گو سارے کے سارے ہی جمع ہو
جائیں،^(۱) بلکہ اگر کبھی ان سے کوئی چیز لے بھی گئے تو یہ تو
اسے بھی اس سے چھین نہیں سکتے^(۲) بڑا بودا ہے طلب
کرنے والا اور بڑا بودا ہے^(۳) وہ جس سے طلب کیا جا رہا
ہے۔ (۷۳)

مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ⑥

انہوں نے اللہ کے مرتبہ کے مطابق اس کی قدر جانی ہی
نہیں،^(۴) اللہ تعالیٰ بڑا ہی زور و قوت والا اور غالب و
زبردست ہے۔ (۷۴)

(۱) یعنی یہ معبودان باطل، جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر مدد کے لیے پکارتے ہو، یہ سارے کے سارے جمع ہو کر ایک نہایت
حقیر سی مخلوق کبھی بھی پیدا کرنا چاہیں، تو نہیں کر سکتے۔ اس کے باوجود بھی تم انہی کو اپنا حاجت روا سمجھو، تو تہداری عقل
قابل ماتم ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے، وہ صرف پتھر کی بے جان
مورتیں ہی نہیں ہوتی تھیں، (جیسا کہ آج کل قبر پرستی کا جواز پیش کرنے والے لوگ باور کراتے ہیں) بلکہ یہ عقل و
شعور رکھنے والی چیزیں بھی تھیں۔ یعنی اللہ کے نیک بندے بھی تھے، جن کے مرنے کے بعد لوگوں نے ان کو اللہ کا شریک
ٹھہرا دیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ سب اکٹھے بھی ہو جائیں تو ایک حقیر ترین شے کبھی بھی پیدا نہیں کر سکتے،
محض پتھر کی مورتیوں کو یہ چیلنج نہیں دیا جاسکتا۔

(۲) یہ ان کی مزید بے بسی اور لاچارگی کا اظہار ہے کہ پیدا کرنا تو کچا، یہ تو کبھی کو پکڑ کر اس کے منہ سے اپنی وہ چیز بھی
واپس نہیں لے سکتے، جو وہ ان سے چھین کر لے جائے۔

(۳) طالب سے مراد، خود ساختہ معبود اور مطلوب سے مراد کبھی یا بعض کے نزدیک طالب سے، پجاری اور مطلوب سے
اس کا معبود مراد ہے۔ حدیث قدسی میں معبودان باطل کی بے بسی کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ”اس
سے زیادہ ظالم کون ہے جو میری طرح پیدا کرنا چاہتا ہے اگر کسی میں واقعی یہ قدرت ہے تو وہ ایک آدھ یا ایک جو ہی پیدا کر
کے رکھارے۔“ (اصحیح بخاری، کتاب اللباس، باب لا تدخل الملائكة بیتا فيه كلب ولا صورة)

(۴) یہی وجہ ہے کہ لوگ اس کی بے بسی مخلوق کو اس کا ہمسرا اور شریک قرار دے لیتے ہیں۔ اگر ان کو اللہ تعالیٰ کی
عظمت و جلالت، اس کی قدرت و طاقت اور اس کی بے پناہی کا صحیح صحیح اندازہ اور علم ہو تو وہ کبھی اس کی خدائی میں کسی
کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

اِنَّهُ يَصْطَلِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ
لَكَ اللهُ سَيِّدٌ بَظُهُورٍ ۝

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ذٰلِكَ اللهُ مُتَرَجِّعُ
الْاُمُوْر ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِرْكَعُوْا وَاَسْجُدُوْا وَاَعْبُدُوْا
رَبَّكُمْ وَافْعَلُوْا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

وَجَاهِدُوْا فِى سَبِيْلِ اللهِ حَقَّ جِهَادٍ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا
جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مَّمْلَكَةٌ اٰمِنَةٌ

فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو اللہ ہی چھانٹ لیتا ہے^(۱) بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔^(۲) (۷۵)

وہ بخوبی جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹائے جاتے ہیں۔^(۳) (۷۶)

اے ایمان والو! رکوع سجدہ کرتے رہو^(۴) اور اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہو اور نیک کام کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔^(۵) (۷۷)

اور اللہ کی راہ میں ویسا ہی جہاد کرو جیسے جہاد کا حق ہے۔^(۶) اسی نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اور تم پر دین کے بارے میں

(۱) رُسُلٌ رُسُلُوْنَ (فرستادہ، بھیجا ہوا مقاصد) کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے بھی رسالت کا اپنی پیغام رسانی کا کام سنا ہے، جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اپنی وحی کے لیے منتخب کیا کہ وہ رسولوں کے پاس وحی پہنچائیں۔ یا عذاب لے کر قوموں کے پاس جائیں اور لوگوں میں سے بھی جنہیں چاہا رسالت کے لیے چن لیا اور انہیں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی پر مامور فرمایا۔ یہ سب اللہ کے بندے تھے، مگر منتخب اور چنیدہ تھے۔ لیکن کس لیے؟ خدائی اختیارات میں شرکت کے لیے؟ جس طرح کہ بعض لوگوں نے انہیں اللہ کا شریک گردان لیا۔ نہیں بلکہ صرف اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے۔

(۲) وہ بندوں کے اقوال سننے والا ہے اور بصیر ہے یعنی یہ جانتا ہے کہ رسالت کا مستحق کون ہے؟ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اِنَّهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَمْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ — (الانعام ۱۱۳) ”اس موقع کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے۔“

(۳) جب تمام معاملات کا مرجع اللہ ہی ہے تو پھر انسان اس کی نافرمانی کر کے کہاں جاسکتا اور اس کے عذاب سے کیوں کر بچ سکتا ہے؟ کیا اس کے لیے یہ بہتر نہیں ہے کہ وہ اس کی اطاعت اور فرماں برداری کا راستہ اختیار کر کے اس کی رضا حاصل کرے؟ چنانچہ اگلی آیت میں اس کی صراحت کی جا رہی ہے۔

(۴) یعنی اس نماز کی پابندی کرو جو شریعت میں مقرر کی گئی ہے۔ آگے عبادت کا بھی حکم آ رہا ہے۔ جس میں نماز بھی شامل تھی لیکن اس کی اہمیت و فضیلت کے پیش نظر اس کا خصوصی حکم دیا۔

(۵) یعنی فلاح (کامیابی) اللہ کی عبادت اور اطاعت یعنی افعال خیر اختیار کرنے میں ہے نہ کہ اللہ کی عبادت و اطاعت سے گریز کر کے محض مادی اسباب و وسائل کی فراہمی اور فراوانی میں جیسا کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں۔

(۶) اس جہاد سے مراد بعض نے وہ جہاد اکبر لیا ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفار و مشرکین سے کیا جاتا ہے اور بعض

إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمُّكُمْ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلِ هَذَا
لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى
النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِهِ هُوَ أَمْرٌ مُلْكٌ فَمَنْ تَعَمَّا الْمَوْلَى وَفَعَمَّا النَّاسِ ۖ

کوئی جنگی نہیں ڈالی^(۱) دین اپنے باپ ابراہیم^(۲) (صلیہ
السلام) کا قائم رکھو، اسی اللہ^(۳) نے تمہارا نام مسلمان رکھا
ہے۔ اس قرآن سے پہلے اور اس میں بھی تاکہ پیغمبر تم پر گواہ
ہو جائے اور تم تمام لوگوں کے گواہ بن جاؤ۔^(۴) پس تمہیں
چاہیے کہ نمازیں قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ
کو مضبوط تھام لو، وہی تمہارا ولی اور مالک ہے۔ پس کیا ہی
اچھا مالک ہے اور کتنا ہی بہتر مددگار ہے۔ (۷۸)

نے اوامر الہی کی بجا آوری کہ اس میں بھی نفس امارہ اور شیطان کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اور بعض نے ہر وہ کوشش مراد لی
ہے جو حق و صداقت کے غلبے اور باطل کی سرکوبی اور مظلومیت کے لیے کی جائے۔

(۱) یعنی ایسا حکم نہیں دیا جس کا تحمل نفس انسانی نہ ہو (اور نہ تھوڑی بہت محنت و مشقت تو ہر کام میں ہی اٹھانی پڑتی
ہے) بلکہ پچھلی شریعتوں کے بعض سخت احکام بھی اس نے منسوخ کر دیئے۔ علاوہ ازیں بہت سی آسانیاں مسلمانوں کو عطا
کر دیں جو پچھلی شریعتوں میں نہیں تھیں۔

(۲) عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام عربوں کے باپ تھے اور
غیر عرب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک بزرگ شخصیت کے طور پر اس طرح احترام کرتے تھے جس طرح بیٹے
باپ کا احترام کرتے ہیں اس لیے وہ تمام ہی لوگوں کے باپ تھے علاوہ ازیں پیغمبر اسلام کے (عرب ہونے کے ناطے سے)
حضرت ابراہیم علیہ السلام باپ تھے اس لیے امت محمدیہ کے بھی باپ ہوئے۔ اس لیے کہا گیا یہ دین اسلام جسے اللہ نے
تمہارے لیے پسند کیا ہے تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے اسی کی پیروی کرو۔

(۳) ہوا کا مرجع بعض کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی نزول قرآن سے پہلے تمہارا نام مسلم بھی حضرت
ابراہیم علیہ السلام ہی نے رکھا ہے اور بعض کے نزدیک مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی اس نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔

(۴) یہ گواہی قیامت والے دن ہوگی جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ بقرہ آیت ۱۳۳ کا حاشیہ۔

سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ

سورۃ مؤمنون مکی ہے اور اس کی ایک سو اٹھارہ آیتیں ہیں اور چھ رکوع۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۱

الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۲

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۳

وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۴

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۵

یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی۔ (۱)

جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔ (۲)

جو لغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ (۳)

جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔ (۴)

جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (۵)

(۱) فَلَاح کے لغوی معنی ہیں 'چرنا' 'کٹنا' کاشت کار کو بھی فَلَاح کہا جاتا ہے کہ وہ زمین کو چیر چڑ کر اس میں بیج بوتا ہے۔ مُفْلِح (کامیاب) بھی وہ ہوتا ہے جو صعوبتوں کو قطع کرتے ہوئے مطلوب تک پہنچ جاتا ہے، یہ کامیابی کی راہیں اس کے لیے کھل جاتی ہیں، اس پر بند نہیں ہوتیں۔ شریعت کی نظر میں کامیاب وہ ہے جو دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کر لے اور اس کے بدلے میں آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق قرار پا جائے۔ اس کے ساتھ دنیا کی سعادت و کامرانی بھی میسر آجائے تو سبحان اللہ۔ ورنہ اصل کامیابی تو آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ گو دنیا والے اس کے برعکس دنیوی آسائشوں سے بہرہ ور کو ہی کامیاب سمجھتے ہیں۔ آیت میں ان مومنوں کو کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے جن میں ذیل کی صفات ہوں گی۔ خلا اگلی آیات ملاحظہ ہوں۔

(۲) حُشُوع سے مراد 'قلب و جوارح کی یکسوئی اور انہماک ہے۔ قلبی یکسوئی یہ ہے کہ نماز کی حالت میں بہ قصد خیالات و وساوس کے جھوم سے دل کو محفوظ رکھے اور اللہ کی عظمت و جلالت کا نقش اپنے دل پر بٹھانے کی سعی کرے۔ اعضاء و جوارح کی یکسوئی یہ ہے کہ ادھر ادھر نہ دیکھے، کھیل کود نہ کرے۔ بالوں اور کپڑوں کو سنوارنے میں نہ لگا رہے۔ بلکہ خوف و خشیت اور عاجزی و فروتنی کی ایسی کیفیت طاری ہو، جیسے عام طور پر بادشاہ یا کسی بڑے شخص کے سامنے ہوتی ہے۔

(۳) لَغْوٌ 'ہر وہ کام اور ہر وہ بات ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو یا اس میں دینی یا دنیوی نقصانات ہوں۔ ان سے اعراض کا مطلب ہے کہ ان کی طرف التفات بھی نہ کیا جائے۔ چہ جائیکہ انہیں اختیار یا ان کا ارتکاب کیا جائے۔

(۴) اس سے مراد بعض کے نزدیک زکوٰۃ مفروضہ ہے، (جس کی تفصیلات یعنی اس کا نصاب اور زکوٰۃ کی شرح گو مدینہ میں بتلائی گئی تھیں) اس کا حکم کے میں ہی دے دیا گیا تھا اور بعض کے نزدیک ایسے افعال کا اختیار کرنا ہے، جس سے نفس کا تزکیہ اور اخلاق و کردار کی تطہیر ہو۔

إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝

فَمَنْ أَتَىٰ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَدُونَ ۝

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رِعُونَ ۝

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَواتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝

أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝

الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرَارَ دُونَ هُمُوهَا عِلْدُونَ ۝

وَأَعَدُّ خَلْقَنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلُوكِهِ مِنْ طَائِفٍ ۝

بجز اپنی بیویوں اور ملکیت کی لونڈیوں کے یقیناً یہ ملامتیں
میں سے نہیں ہیں۔ (۶)

جو اس کے سوا کچھ اور چاہیں وہی حد سے تجاوز کر جانے
والے ہیں۔ (۷)

جو اپنی امانتوں اور وعدے کی حفاظت کرنے والے
ہیں۔ (۸)

جو اپنی نمازوں کی نگہبالی کرتے ہیں۔ (۹)

انکی وارث ہیں۔ (۱۰)

جو فردوس کے وارث ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں
گے۔ (۱۱)

یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ (۱۲)

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ حد کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں ہے اور جنسی خواہش کی تسکین کے لیے صرف دو ہی جائز طریقے ہیں۔ بیوی سے مباشرت کر کے یا لونڈی سے ہم بستری کر کے۔ بلکہ اب صرف بیوی ہی اس کام کے لیے رہ گئی ہے کیونکہ اصطلاحی لونڈی کا وجود فی الحال ختم ہے تاہم جب کبھی بھی حالات نے اسے دوبارہ وجود پذیر کیا تو بیوی ہی کی طرح اس سے مباشرت جائز ہوگی۔

(۲) امانات سے مراد مفوضہ ذیولگی کی ادا نگلی، رازدارانہ باتوں اور مالی امانتوں کی حفاظت ہے اور رعایت عہد میں اللہ سے کیے ہوئے میثاق اور بندوں سے کیے عہد و پیمان دونوں شامل ہیں۔

(۳) آخر میں پھر نمازوں کی حفاظت کو فلاح کے لیے ضروری قرار دیا جس سے نماز کی اہمیت و فضیلت واضح ہے لیکن آج مسلمان کے نزدیک دوسرے اعمال صالحہ کی طرح اس کی بھی کوئی اہمیت سرے سے باقی نہیں رہ گئی ہے۔ فَإِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُونَ

(۴) ان صفات مذکورہ کے حامل مومن ہی فلاح یاب ہوں گے جو جنت کے وارث یعنی حق دار ہوں گے جنت بھی جنت الفردوس جو جنت کا اعلیٰ حصہ ہے۔ جہاں سے جنت کی نرس جاری ہوتی ہیں۔ اصحیح بخاری، کتاب الجہاد

باب درجات المجاہدین فی سبیل اللہ و کتاب التوحید باب وکان عرشہ علی الماء

(۵) مٹی سے پیدا کرنے کا مطلب ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی سے پیدا کس ہے یا انسان جو خوراک بھی کھاتا ہے وہ سب مٹی سے ہی پیدا ہوتی ہیں اس اعتبار سے اس نطفہ کی اصل جو خلقت انسانی کا باعث بنتا ہے مٹی ہی ہے۔

لَقَدْ جَعَلْنَاهُ نَفْثَةً فِي قُرْآنِكَ يُكَيِّدُ ۝

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ عَلَفَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝

الْمُضْغَةَ عَلِيمًا فَلَمْ يَكُنْ الْوَعْلَمَ لَهَا دُفْعًا أَن تَبْلُغَ خَلْقًا ۝

الْحَقُّ فَتَبَرَّكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْعَالَمِينَ ۝

لَقَدْ أَلْهَمْنَاهُ بِذَلِكَ لَعْنَتَيْنِ ۝

لَقَدْ أَلْهَمْنَاهُ بِذَلِكَ لَعْنَتَيْنِ ۝

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْوَعْلَمَ سَبْعَ طَرَائِقَ وَأَمَّا الْغَالِي الْغَالِي ۝

پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا۔^(۱) (۱۳)

پھر نطفہ کو ہم نے جما ہوا خون بنا دیا، پھر اس خون کے

لو تھڑے کو گوشت کا ٹکڑا کر دیا۔ پھر گوشت کے ٹکڑے کو

ہڈیاں بنا دیں، پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پسنا دیا،^(۲) پھر

دوسری بناوٹ میں اس کو پیدا کر دیا۔^(۳) برکتوں والا ہے

وہ اللہ جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے۔^(۴) (۱۴)

اس کے بعد پھر تم سب یقیناً مرجانے والے ہو۔ (۱۵)

پھر قیامت کے دن بلاشبہ تم سب اٹھائے جاؤ گے۔ (۱۶)

ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے ہیں^(۵) اور ہم

(۱) محفوظ جگہ سے مراد رحم مادر ہے، جہاں نو مہینے بچہ بڑی حفاظت سے رہتا اور پرورش پاتا ہے۔

(۲) اس کی کچھ تفصیل سورہ حج کے شروع میں گزر چکی ہے۔ یہاں اسے پھر بیان کیا گیا ہے۔ تاہم وہاں مُضْغَةً کا جو

ذکر تھا، یہاں اس کی وضاحت، مُضْغَةً کو ہڈیوں میں تبدیل کرنے اور ہڈیوں کو گوشت پسنانے سے کر دی ہے۔ مُضْغَةً

گوشت کو ہڈیوں میں تبدیل کرنے سے مقصد، انسانی ڈھانچے کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنا ہے۔ کیونکہ محض گوشت میں تو

کوئی صلابت اور سختی نہیں ہوتی، پھر اگر اسے نرا ہڈیوں کا ڈھانچہ ہی رکھا جاتا، تو انسان میں وہ حسن و رعنائی نہ آتی جو ہر

انسان کے اندر موجود ہے۔ اس لیے ان ہڈیوں پر ایک خاص تناسب اور مقدار سے گوشت چڑھا دیا گیا کہیں کم کہیں

زیادہ۔ تاکہ اس کے قد و قامت میں غیر موزونیت اور بھدا پن پیدا نہ ہو۔ بلکہ وہ حسن و جمال کا ایک پیکر اور قدرت کی

تخلیق کا ایک شاہ کار ہو۔ اسی چیز کو قرآن نے ایک دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ

تَقْدِيرٍ﴾ (سورۃ النبی) "ہم نے انسان کو احسن تقویم یعنی بہت اچھی ترکیب یا بہت اچھے ڈھانچے میں بنایا۔"

(۳) اس سے مراد وہ بچہ ہے جو نو مہینے کے بعد ایک خاص شکل و صورت لے کر ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے اور

حرکت و اضطراب کے ساتھ سمج و بھر اور ادراک کی قوتیں بھی اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔

(۴) خَالِفَيْنِ، یہاں ان صانعین کے معنی میں ہے، جو خاص خاص مقداروں میں اشیا کو جوڑ کر کوئی ایک چیز تیار کرتے

ہیں۔ یعنی ان تمام صنعت گروں میں اللہ جیسا بھی کوئی صنعت گر ہے جو اس طرح کی صنعت کاری کا نمونہ پیش کر سکے جو

اللہ تعالیٰ نے انسانی پیکر کی صورت میں پیش کیا ہے، پس سب سے زیادہ فیروہرکت والا وہ اللہ ہی ہے، جو تمام صنعت

کاروں سے بڑا اور سب سے اچھا صنعت کار ہے۔

(۵) طَرَائِقُ، طَرِيقَہ کی جمع ہے مراد آسمان ہیں۔ عرب، اوپر تلے چیز کو بھی طریقہ کہتے ہیں۔ آسمان بھی اوپر تلے ہیں اس

لیے انہیں طرائق کہا۔ یا طریقہ بمعنی راستہ ہے، آسمان ملائکہ کے آنے جانے یا ستاروں (کواکب) کی گزرگاہ ہے، اس لیے

انہیں طرائق قرار دیا۔

مخلوقات سے غافل نہیں ہیں۔^(۱) (۱۷)

ہم ایک صحیح انداز سے آسمان سے پانی برساتے ہیں،^(۲) پھر اسے زمین میں ٹھہرا دیتے ہیں،^(۳) اور ہم اس کے لے جانے پر یقیناً قادر ہیں۔^(۴) (۱۸)

اسی پانی کے ذریعہ سے ہم تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کر دیتے ہیں، کہ تمہارے لیے ان میں بہت سے میوے ہوتے ہیں انہی میں سے تم کھاتے بھی ہو۔^(۵) (۱۹)

اور وہ درخت جو طور سینا پہاڑ سے نکلتا ہے جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والے کے لیے سالن ہے۔^(۶) (۲۰)

وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّهُ فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهَ لَفِيضُونَ ﴿۱۷﴾

فَأَنزَلْنَا الْأَمْثَلَ عَلَيْهِ جَلِيلًا مِّنْ تَحْتِهَا ۖ وَأَعْنَابٌ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاقِلُهَا كَثِيرَةٌ ۖ وَفِيهَا تِلْكَ الْأُكُوتُ ﴿۱۸﴾

وَعَجْرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَا ۖ تَنْثَبُتُ بِالذِّهْنِ ۖ وَجُوسٌ لِّلْكَوْثِ ﴿۱۹﴾

(۱) خلق سے مراد مخلوق ہے۔ یعنی آسمانوں کو پیدا کر کے ہم اپنی زمینی مخلوق سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم نے آسمانوں کو زمین پر گرنے سے محفوظ رکھا ہے تاکہ مخلوق ہلاک نہ ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم مخلوق کے مصالح اور ان کی ضروریات زندگی سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم اس کا انتظام کرتے ہیں، (فتح القدیر) اور بعض نے یہ مفسوم بیان کیا ہے کہ زمین سے جو کچھ نکلتا یا داخل ہوتا، اسی طرح آسمان سے جو اترتا اور چڑھتا ہے، سب اس کے علم میں ہے اور ہر چیز پر وہ نظر رکھتا ہے اور ہر جگہ وہ اپنے علم کے لحاظ سے تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی نہ زیادہ کہ جس سے تباہی پھیل جائے اور نہ اتنا کم کہ پیداوار اور دیگر ضروریات کے لیے کافی نہ ہو۔

(۳) یعنی یہ انتظام بھی کیا کہ سارا پانی برس کر فوراً بہ نہ جائے اور ختم نہ ہو جائے بلکہ ہم نے چشموں، نہروں، دریاؤں اور تالابوں اور کنوؤں کی شکل میں اسے محفوظ بھی کیا ہے، (کیوں کہ ان سب کی اصل بھی آسمانی بارش ہی ہے) تاکہ ان ایام میں جب بارشیں نہ ہوں، یا ایسے علاقے میں جہاں بارش کم ہوتی ہے اور پانی کی ضرورت زیادہ ہے، ان سے پانی حاصل کر لیا جائے۔

(۴) یعنی جس طرح ہم نے اپنے فضل و کرم سے پانی کا ایسا وسیع انتظام کیا ہے، وہیں ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ پانی کی سطح ہم اتنی نیچی کر دیں کہ تمہارے لیے پانی کا حصول ناممکن ہو جائے۔

(۵) یعنی ان باغوں میں انگور اور کھجور کے علاوہ اور بہت سے پھل ہوتے ہیں، جن سے تم لذت اندوز ہوتے ہو اور کچھ کھاتے ہو۔

(۶) اس سے زمینوں کا درخت مراد ہے، جس کا روغن تیل کے طور پر اور پھل سالن کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ سالن

وَأَنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْفَالِ أَوَثَرَ ثَمَرَةٍ وَرَافِقٍ يُطَوِّنَهَا وَرَافِقٍ
مَتَافِعٌ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٥٠﴾

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٥١﴾
وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَتُوبُوا لِعِندِ اللَّهِ تَاللَّهِ
فَإِنِّي إِلَهُكُمْ فَالَّذِينَ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٢﴾

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا كَثْرٌ يُفْتَكِرُونَ
يُرِيدُ أَنْ يَمْلِكُ عَلَيْكُمْ كُرْسِيًّا إِنَّهُ لَا تَرْزُقُكُمْ مِّنْهُ
لَا سِعَةً لَهُمْ إِنَّ أَصْنَافَ الْأَقْلَامِ ﴿٥٣﴾

إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ يُهْمُ فَتَأْمُرُهُمْ رَبُّهُ بِمَنْ يَشَاءُ حَتَّىٰ جَاءَهُ ﴿٥٤﴾

تمہارے لیے چوپایوں میں بھی بڑی بھاری عبرت ہے۔
ان کے بیٹوں میں سے ہم تمہیں دودھ پلاتے ہیں اور بھی
ہمت سے نفع تمہارے لیے ان میں ہیں ان میں سے
بعض بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔ (۲۱)

اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کرائے جاتے ہو۔ (۲۲)
یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف
رسول بنا کر بھیجا، اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو!
اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمہارا کوئی معبود
نہیں کیا تم (اس سے) نہیں ڈرتے۔ (۲۳)

اس کی قوم کے کافر سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ یہ تو
تم جیسا ہی انسان ہے، یہ تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل
کرنا چاہتا ہے۔ (۲۱) اگر اللہ ہی کو منظور ہوتا تو کسی فرشتے کو
اتارتا، (۲۲) ہم نے تو اسے اپنے اگلے باپ دادوں کے
زمانے میں سنا ہی نہیں۔ (۲۳)

یقیناً اس شخص کو جنون ہے، پس تم اسے ایک وقت مقرر
تک ڈھیل دو۔ (۲۴)

کو صیغہ رنگ کہا ہے کیوں کہ روٹی، سالن میں ڈبو کر گویا رنگی جاتی ہے۔ طُورِ سَيِّئَةٍ (پھاڑ) اور اس کا قرب و جوار خاص
طور پر اس کی عمدہ قسم کی پیداوار کا علاقہ ہے۔

(۱) یعنی رب کی ان ان نعمتوں سے تم فیض یاب ہوتے ہو، کیا وہ اس لائق نہیں کہ تم اس کا شکر ادا کرو اور صرف اسی
ایک کی عبادت اور اطاعت کرو۔

(۲) یعنی یہ تو تمہارے جیسا ہی انسان ہے، یہ کس طرح نبی اور رسول ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ نبوت و رسالت کا دعویٰ کر
رہا ہے، تو اس کا اصل مقصد اس سے تم پر فضیلت اور برتری حاصل کرنا ہے۔

(۳) اور اگر واقعی اللہ اپنے رسول کے ذریعے سے ہمیں یہ سمجھانا چاہتا کہ عبادت کے لائق صرف وہی ہے، تو وہ کسی
فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا نہ کہ کسی انسان کو، وہ ہمیں اگر توحید کا مسئلہ سمجھاتا۔

(۴) یعنی اس کی دعوت توحید، ایک زالی دعوت ہے، اس سے پہلے ہم نے اپنے باپ دادوں کے زمانے میں تو یہ سنی ہی نہیں۔

(۵) یہ ہمیں اور ہمارے باپ دادوں کو بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے بے وقوف اور کم عقل سمجھتا اور کہتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۖ ﴿٢٧﴾

فَاَوْحَيْنَا إِلَيْكَ الْوَحْيَ وَالْقُرْآنَ ۚ فَاسْمِعْ لَهُمْ مِثْلَ مَا يُرِيدُونَ ۚ ﴿٢٨﴾

فَاَذْهَبْنَاهُمْ أَهْلًا يَوْمَ الْقَوْمِ ۚ ﴿٢٩﴾

نوح (علیہ السلام) نے دعا کی اے میرے رب! ان کے جھٹلاتے پر تو میری مدد کر۔^(۲۷)

تو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا۔ جب ہمارا حکم آجائے^(۲۸) اور تور اہل پڑے^(۲۹) تو تو ہر قسم کا ایک ایک جوڑا اس میں رکھ لے^(۳۰) اور اپنے اہل کو بھی نگران میں سے جن کی بابت ہماری بات پہلے گزر چکی ہے۔^(۳۱) خبردار جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارے میں مجھ سے کچھ کلام نہ کرنا وہ تو سب ڈبوئے جائیں گے۔^(۳۲)

جب تو اور تیرے ساتھی کشتی پر باطمینان بیٹھ جاؤ تو کہنا کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہی ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی۔ (۲۸)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود ہی دیوانہ ہے۔ اسے ایک وقت تک ڈھیل دو، موت کے ساتھ ہی اس کی دعوت بھی ختم ہو جائے گی۔ یا ممکن ہے اس کی دیوانگی ختم ہو جائے اور اس دعوت کو ترک کر دے۔

(۱) سڑھے نو سوس کی تبلیغ و دعوت کے بعد، بالآخر رب سے دعا کی، ﴿قَدْ عَادَنِي الْغُلُوْبُ فَلَتَمُوْبُ﴾ (النمر۔ ۱۰) ”نوح علیہ السلام نے رب سے دعا کی، میں مغلوب اور کمزور ہوں میری مدد کر۔“ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور حکم دیا کہ میری نگرانی اور ہدایت کے مطابق کشتی تیار کرو۔

(۲) یعنی ان کو ہلاکت کا حکم آجائے۔

(۳) تور پر حاشیہ سورہ ہود میں گزر چکا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد ہمارے ہاں کا معروف تور نہیں، جس میں روٹی پکائی جاتی ہے، بلکہ روئے زمین مراد ہے کہ ساری زمین ہی چشمے میں تبدیل ہو گئی۔ نیچے زمین سے پانی چشموں کی طرح اہل پڑا۔ نوح علیہ السلام کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ جب پانی زمین سے اہل پڑے۔۔۔

(۴) یعنی حیوانات، نباتات اور ثمرات ہر ایک میں سے ایک ایک جوڑا (نرا و مادہ) کشتی میں رکھ لے، تاکہ سب کی نسل باقی رہے

(۵) یعنی جن کی ہلاکت کا فیصلہ ان کے کفر و طغیان کی وجہ سے ہو چکا ہے، جیسے زوجہ نوح علیہ السلام اور ان کا پسر

(۶) یعنی جب عذاب کا آغاز ہو جائے تو ان ظالموں میں سے کسی پر رحم کھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ تو کسی کی سفارش کرنی شروع کر دے۔ کیونکہ ان کے غرق کرنے کا قطعی فیصلہ کیا جا چکا ہے۔

وَقُلْ رَبِّ أَرْسَلْنِي مُبْرَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُرْسَلِينَ ①

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّبْتَانِ ②

لَمَّا أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرْآنَ الْخَيْبِ ③

فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ

مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرِهِ أَفَلَا تَتَّقُونَ ④

وَقَالَ الْمَلِكُ مِنْ قَوْمِ آلِ الْيَمَنِ كُفْرًا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا الْخُفْرَ

اور کہنا کہ اے میرے رب! مجھے بابرکت اتارنا اتار
اور تو ہی بہتر ہے اتارنے والوں میں۔ (۲۹)^(۲)
یقیناً اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں (۳)^(۳) اور ہم بیشک
آزمائش کرنے والے ہیں۔ (۳۰)^(۴)
ان کے بعد ہم نے اور بھی امت پیدا کی۔ (۳۱)^(۵)
پھر ان میں خود ان میں سے (ہی) رسول بھی بھیجا کہ تم
سب اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود
نہیں، (۳۲)^(۶) تم کیوں نہیں ڈرتے؟ (۳۲)^(۷)
اور سرداران قوم (۸)^(۸) نے جواب دیا 'جو کفر کرتے تھے

(۱) کشتی میں بیٹھ کر اللہ کا شکر ادا کرنا کہ اس نے خالموں کو بلا غرق کر کے 'ان سے نجات عطا فرمائی اور کشتی کے
خیرو عافیت کے ساتھ کنارے پر گلے کی دعا کرنا۔ ﴿ رَبِّ أَرْسَلْنِي مُبْرَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُرْسَلِينَ ﴾

(۲) اس کے ساتھ وہ دعا بھی پڑی جائے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر بیٹھے وقت پڑھا کرتے تھے۔ اللہ اُکْجَبْ، اللہ
اُکْجَبْ، اللہ اُکْجَبْ ﴿ سُبْحَنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ۝ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ﴾ (الرحر ۱۳)

(۳) یعنی اس سرگزشت نوح علیہ السلام میں کہ اہل ایمان کو نجات اور کافروں کو ہلاک کر دیا گیا 'نشانیں ہیں اس امر پر
کہ انبیاء جو کچھ اللہ کی طرف سے لے کر آتے ہیں 'ان میں وہ سچے ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر اور کنکاش
حق و باطل میں ہر بات سے آگاہ ہے اور وقت آنے پر اس کا نوس لیتا ہے اور اہل باطن کی پھر اس طرح گرفت کرتا ہے
کہ اس کے ہتھکے سے کوئی نکل نہیں سکتا۔

(۴) اور ہم انبیاء و رسل کے ذریعے سے یہ آزمائش کرتے رہے ہیں۔

(۵) اکثر مفسرین کے نزدیک قوم نوح کے بعد 'جس قوم کو اللہ نے پیدا فرمایا اور ان میں رسول بھیجا 'وہ قوم عاد ہے کیوں
کہ اکثر مقامات پر قوم نوح کے جانشین کے طور پر عاد ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ قوم ثمود ہے کیوں کہ آگے
چل کر ان کی ہلاکت کے ذکر میں کہا گیا ہے کہ صَنِيعَةٌ (زبردست چیخ) نے ان کو پکڑ لیا 'اور یہ عذاب قوم ثمود پر آیا تھا۔
بعض کے نزدیک یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اہل مدین ہیں کہ ان کی ہلاکت بھی چیخ کے ذریعے سے ہوئی تھی۔
(۶) یہ رسول بھی ہم نے انہی میں سے بھیجا 'جس کی نشوونما ان کے درمیان ہی ہوئی تھی 'جس کو وہ اچھی طرح پہچانتے
تھے 'اس کے خاندان 'مکان اور مولد ہر چیز سے واقف تھے۔

(۷) اس نے اگر سب سے پہلے وہی توحید کی دعوت دی جو ہر نبی کی دعوت و تبلیغ کا سرنامہ رہی ہے۔

(۸) یہ سرداران قوم ہی ہر دور میں انبیاء و رسل اور اہل حق کی تکذیب میں سرگرم رہے ہیں 'جس کی وجہ سے قوم کی

وَأَتَرَفْنَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ
مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿٣٠﴾

وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ لَأَتَذْكُرُوا أَنْفُسَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ ﴿٣١﴾

أَيَعِدْكُمْ أَنْتُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا
أَنْتُمْ تُفْتَرُونَ ﴿٣٢﴾

هِيَئَاتِ هِيَئَاتِ لِمَا تُوعَدُونَ ﴿٣٣﴾

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا
وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٣٤﴾

إِنْ هُوَ إِلَّا جَهْلٌ لَا تَفْهَمُونَ عَلَى اللَّهِ كَيْدًا
وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾

اور آخرت کی ملاقات کو بھلاتے تھے اور ہم نے انہیں
دنوی زندگی میں خوشحال کر رکھا تھا، (۱) کہ یہ تو تم جیسا ہی
انسان ہے، تمہاری ہی خوراک یہ بھی کھاتا ہے اور
تمہارے پینے کا پانی ہی یہ بھی پیتا ہے۔ (۳۰)

اگر تم نے اپنے جیسے ہی انسان کی تابعداری کر لی تو بے
شک تم سخت خسارے والے ہو۔ (۳۱)

کیا یہ تمہیں اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر کر صرف
خاک اور ہڈی رہ جاؤ گے تو تم پھر زندہ کیے جاؤ گے۔ (۳۲)

نہیں نہیں دور اور بہت دور ہے وہ جس کا تم وعدہ دیئے
جاتے ہو۔ (۳۳)

(زندگی) تو صرف دنیا کی زندگی ہے ہم مرتے جیتے رہتے
ہیں اور یہ نہیں کہ ہم پھر اٹھائے جائیں گے۔ (۳۴)

یہ تو بس ایسا شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹ (ہستان)
باندھ لیا ہے، (۵) ہم تو اس پر ایمان لانے والے نہیں
ہیں۔ (۳۵)

اکثریت ایمان رنے سے محروم رہتی۔ کیونکہ یہ نہایت بااثر لوگ ہوتے تھے 'قوم انہی کے پیچھے چلنے والی ہوتی تھی۔

(۱) یعنی عقیدہ آخرت پر عدم ایمان اور دنیوی آسائشوں کی فراوانی 'یہ دو بنیادی سبب تھے 'اپنے رسوں پر ایمان نہ لانے
کے۔ آج بھی اہل باطل انہی اسباب کی بنا پر اہل حق کی مخالفت اور دعوت حق سے گریز کرتے ہیں۔

(۲) چنانچہ انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ تو ہماری ہی طرح کھاتا پیتا ہے۔ یہ اللہ کا رسول کس طرح ہو سکتا ہے؟
جیسے آج بھی بہت سے مدعیان اسلام کے لیے رسول کی بشریت کا تسلیم کرنا نہایت گراں ہے۔

(۳) وہ خسارہ ہی ہے کہ اپنے ہی جیسے انسان کو رسول مان کر تم اس کی فضیلت و برتری کو تسلیم کر لو گے 'جب کہ ایک
بشر 'دوسرے بشر سے افضل کیوں کر ہو سکتا ہے؟ یہی وہ مغالطہ ہے جو منکرین بشریت رسول کے دماغوں میں رہا ہے۔
حالانکہ اللہ تعالیٰ جس بشر کو رسالت کے لیے چن لیتا ہے 'تو وہ اس وحی و رسالت کی وجہ سے دوسرے تمام غیر نبی
انسانوں سے شرف و فضل میں بہت بالا اور نہایت ارفع ہو جاتا ہے۔

(۴) ہیئہات ہیئہات جس کے معنی دور کے ہیں 'دو مرتبہ تاکید کے لیے ہے۔

(۵) یعنی دوبارہ زندہ ہونے کا وعدہ 'یہ ایک افتراء ہے جو یہ شخص اللہ پر باندھ رہا ہے۔

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كُنْتُ بِنَ ۝

نبی نے دعا کی کہ پروردگارا ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر۔^(۱) (۳۹)

قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لِّیُصِیْعَنَّ لَیْزِیْن ۝

جواب ملا کہ یہ تو بہت ہی جلد اپنے کیے پر پچھتانے لگیں گے۔^(۲) (۴۰)

فَاَحَدَهُمْ نَضِیْعَةٌ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ عُنَاةً مُّبْعَدًا لِّلْمُؤْمِنِ
الْقَاصِیْنَ ۝

بالآخر عدل کے تقاضے کے مطابق جج^(۳) نے پکڑ لیا اور ہم نے انہیں کوڑا کرکٹ کر ڈالا،^(۴) پس ظالموں کے لیے دوری ہو۔ (۴۱)

ثُمَّ اَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا اٰخَرِیْنَ ۝

ان کے بعد ہم نے اور بھی بہت سی امتیں پیدا کیں۔^(۵) (۴۲)

مَا تَسْبِقُ مِنْ اٰثَرِ اٰجَلِهَا وَاَمَّا یَسْتَاخِرُوْنَ ۝

نہ تو کوئی امت اپنے وقت مقررہ سے آگے بڑھی اور نہ پیچھے رہی۔^(۶) (۴۳)

(۱) بالآخر حضرت نوح علیہ السلام کی طرح اس پیغمبر نے بھی بارگاہ الہی میں مدد کے لیے دست دعا دراز کر دیا۔

(۲) عَمَّا میں، زائد ہے جو چار مجرور کے درمیان، قلت زمان کی تاکید کے لیے آیا ہے۔ جیسے ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (آل عمران-۱۵۹) میں زائد ہے۔ یعنی بہت جلد عذاب آنے والا ہے، جس پر یہ پچھتائیں گے۔ لیکن اس وقت یہ پچھتانا ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔

(۳) یہ جج کہتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی جج تھی، بعض کہتے ہیں کہ ویسے ہی سخت جج تھی، جس کے ساتھ باد صرصر بھی تھی۔ دونوں نے مل کر ان کو چشم زدن میں فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

(۴) عُنَاةً اس کوڑے کرکٹ کو کہتے ہیں جو سیلابی پانی کے ساتھ ہوتا ہے، جس میں درختوں کے کھوکھلے، خشک تنے، ٹکے اور اسی طرح کی چیزیں ہوتی ہیں۔ جب پانی کا زور ختم ہو جاتا ہے تو یہ بھی خشک ہو کر بیکار پڑے ہوتے ہیں۔ یہی حال ان مکذبین اور منکبرین کا ہوا۔

(۵) اس سے مراد حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قومیں ہیں۔ کیوں کہ سورہ اعراف اور سورہ ہود میں اسی ترتیب سے ان کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ بعض کے نزدیک بنو اسرائیل مراد ہیں قُرُونٌ، قُرُونٌ کی جمع ہے اور یہاں بمعنی امت استعمال ہوا ہے۔

(۶) یعنی یہ سب امتیں بھی قوم نوح اور عاد کی طرح، جب ان کی ہلاکت کا وقت موعود آگیا، توبہ و برباد ہو گئیں ایک لمحہ آگے، پیچھے نہ ہوئیں، جیسے فرمایا ﴿اِذَا جَاءَ اٰجَلُهُمْ فَلَا یَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ (یونس ۳۹)

ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةٌ رُسُلَهُمْ كَذَّبُوهُ
فَأَتَيْنَاهُمَا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثًا
فَبَعَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُكْفَرُونَ ۝

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا
وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ۝

فَخَالُوا اتَّخَذَ الْمُؤْمِنُونَ آلَهُمُ الْغَيْبِ ۝

فَلَقَدْ يَوْمَ مَا كَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ۝

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝

پھر ہم نے لگاتار رسول^(۱) بھیجے، جب جب جس امت کے پاس اس کا رسول آیا اس نے جھٹلایا، پس ہم نے ایک کو دوسرے کے پیچھے لگادیا^(۲) اور انہیں افسانہ^(۳) بنا دیا۔ ان لوگوں کو دوری ہے جو ایمان قبول نہیں کرتے۔ (۳۴)

پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اور اس کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو اپنی آیتوں اور کھلی دلیل^(۴) کے ساتھ بھیجا۔ (۳۵)

فرعون اور اس کے لشکروں کی طرف، پس انہوں نے تکبر کیا اور تھے ہی وہ سرکش لوگ۔ (۳۶)

کننے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو مضمون پر ایمان لائیں؟ حالانکہ خود ان کی قوم (بھی) ہمارے ماتحت^(۵) ہے۔ (۳۷) پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا آخر وہ بھی ہلاک شدہ لوگوں میں مل گئے۔ (۳۸)

ہم نے تو موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (بھی) دی کہ ہوگ

(۱) تَتْرًا کے معنی ہیں۔ یکے بعد دیگرے۔ متواتر لگاتار۔

(۲) ہلاکت و بربادی میں۔ یعنی جس طرح یکے بعد دیگرے رسول آئے، اسی طرح تکذیب رسالت پر یہ قومیں یکے بعد دیگرے عذاب سے دوچار ہو کر ہست سے نیست ہوتی رہیں۔

(۳) جس طرح اعاجیب، اَعْجُوبَةُ کی جمع ہے (عجب انگیز چیز یا بات) اسی طرح أَحَادِيثُ أَخْذُورَةُ کی جمع ہے بمعنی زبان زد خلایق واقعات و قصص۔

(۴) آیات سے مراد وہ نو آیات ہیں جن کا ذکر سورۃ اعراف میں ہے جن کی وضاحت گزر چکی ہے اور سُلْطَانٍ مُّبِينٍ سے مراد حجت و انھ اور دلیل و برہان ہے جس کا کوئی جواب فرعون اور اس کے درباریوں سے نہ بن پڑا۔

(۵) انگبر اور اپنے کو بڑا سمجھنا اس کی بنیادی وجہ بھی وہی عقیدۂ آخرت سے انکار اور اسباب دنیا کی فراوانی ہی تھی جس کا ذکر پچھلی قوموں کے واقعات میں گزرا۔

(۶) یہاں بھی انکار کے لیے دلیل انہوں نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی ”بشریت“ ہی پیش کی اور اسی بشریت کی تائید کے لیے انہوں نے کہا کہ یہ دونوں اسی قوم کے افراد ہیں جو ہماری غلام ہے۔

راہ راست پر آجائیں۔^(۱) (۴۹)

ہم نے ابن مریم اور اس کی والدہ کو ایک نشانی بنایا^(۲) اور ان دونوں کو بلند صاف قرار والی اور جاری پانی^(۳) والی جگہ میں پناہ دی۔ (۵۰)

اے پیغمبرو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو^(۴) تم جو

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَى رَبْوَةٍ ذَاتِ
غَوَارٍ مَعِينٍ ۝

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ إِنِّي بِمَا
تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝

(۱) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات 'فرعون اور اس کی قوم کو غرق کرنے کے بعد دی گئی۔ اور نزول تورات کے بعد اللہ نے کسی قوم کو عذاب عام سے ہلاک نہیں کیا۔ بلکہ مومنوں کو یہ حکم دیا جاتا رہا کہ وہ کافروں سے جہاد کریں۔

(۲) کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی، جو رب کی قدرت کی ایک نشانی ہے، جس طرح آدم علیہ السلام کو بغیر ماں اور باپ کے اور حوا کو بغیر مادہ کے حضرت آدم علیہ السلام سے اور دیگر تمام انسانوں کو ماں اور باپ سے پیدا کرنا اس کی نشانیوں میں سے ہے۔

(۳) رَنْوَةٌ (بلند جگہ) سے بیت المقدس اور مَعِين (چشمہ جاری) سے وہ چشمہ مراد ہے جو ایک قول کے مطابق وادی عیسیٰ علیہ السلام کے وقت اللہ نے بطور خرق عادت، حضرت مریم کے پیروں کے نیچے سے جاری فرمایا تھا۔ جیسا کہ سورہ مریم میں گزرا۔

(۴) طَيِّبَاتٌ سے مراد پاکیزہ اور لذت بخش چیزیں ہیں، بعض نے اس کا ترجمہ حلال چیزیں کیا ہے۔ دونوں ہی اپنی جگہ صحیح ہیں کیوں کہ ہر پاکیزہ چیز اللہ نے حلال قرار دی ہے اور ہر حلال چیز پاکیزہ اور لذت بخش ہے۔ خیانت کو اللہ نے اسی لیے حرام کیا ہے کہ وہ اثرات و نتائج کے لحاظ سے پاکیزہ نہیں ہیں۔ گو خیانت خور قوموں کو اپنے ماحول اور عادت کی وجہ سے ان میں ایک گونہ لذت ہی محسوس ہوتی ہو۔ عمل صالح وہ ہے جو شریعت یعنی قرآن و حدیث کے موافق ہو، نہ کہ وہ جسے لوگ اچھا سمجھیں کیوں کہ لوگوں کو تو بدعات بھی بہت اچھی لگتی ہیں بلکہ اہل بدعت کے ہاں جتن اہتمام بدعات کا ہے، اتنا فرائض اسلام اور سنن و مستحبات کا بھی نہیں ہے۔ اکل حلال کے ساتھ عمل صالح کی تاکید سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور یہ ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ اکل حلال سے عمل صالح آسان اور عمل صالح انسان کو اکل حلال پر آمادہ اور اسی پر قناعت کرنے کا سبق دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے تمام پیغمبروں کو ان دونوں باتوں کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام پیغمبر محنت کر کے حلال کی روزی کمانے اور کھانے کا اہتمام کرتے رہے۔ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے كَانَ يَأْكُلُ مِنْ كَسْبِ يَدِهِ (صحيح بخاری، البيوع، باب كسب الرجل وعمله بميدته) "اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں" میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قرابیط کے عوض چراتا رہا ہوں۔" (صحيح بخاری، کتاب الإجارة، باب رعى الغنم عسى

وَأَنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿٥٠﴾

مَنْعَطُوا أَمْرًا مِنْهُمْ يَنْفَعُ زُرَّارًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَيَرْتَوُونَ ﴿٥١﴾

فَلَذَّيْنِهِ فِي عَمْرِئِهِمْ حَتَّىٰ يَحِثُّنَ ﴿٥٢﴾

أَيُّسَيُّوْنَ أَكْمَلُوا لِيَوْمَهُمْ يَوْمَ نَالٍ وَنَيْتٍ ﴿٥٣﴾

نَسَاءُ لَعْنَتِي الْغَيُّوتِ بَلِّ لَا يَشْفَعُونَ ﴿٥٤﴾

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفَعُونَ ﴿٥٥﴾

وَالَّذِينَ هُمْ يَأْتِي رَبَّهُمْ زُقُوتُونَ ﴿٥٦﴾

کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں۔ (۵۱)

یقیناً تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے ^(۱) اور میں ہی تم سب

کا رب ہوں پس تم مجھ سے ڈرتے رہو۔ (۵۲)

پھر انہوں نے خود (ہی) اپنے امر (دین) کے آپس میں

ٹکڑے ٹکڑے کر لیے ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے

اسی پر اترا رہا ہے۔ (۵۳)

پس آپ (بھی) انہیں ان کی غفلت میں ہی کچھ مدت پڑا

رہنے دیں۔ ^(۲) (۵۴)

کیا یہ (یوں) سمجھ بیٹھے ہیں؟ کہ ہم جو بھی ان کے ماں و

اولاد بڑھا رہے ہیں۔ (۵۵)

وہ ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں

نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔ (۵۶)

یقیناً جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ (۵۷)

اور جو اپنے رب کی آجوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ (۵۸)

فہرط، آج کل بلیک میلروں، سمگلروں، رشوت و سود خوروں اور دیگر حرام خوروں نے محنت مزدوری کر کے حلال روزی کھانے والوں کو حقیر اور پست طبقہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ دراصل حایکے معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ایک اسلامی معاشرے میں حرام خوروں کے لیے عزت و شرف کا کوئی مقام نہیں چاہے وہ قارون کے خزانوں کے مالک ہوں، احترام و تکریم کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو محنت کر کے حلال کی روزی کھاتے ہیں چاہے روکھی سوکھی ہی ہو۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ حرام کمالی والے کا صدقہ قبول فرماتا ہے نہ اس کی دعا ہی“، صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب قبول الصدقة من الکسب الطیب

(۱) اُمّة سے مراد دین ہے اور ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سب انبیاء نے ایک اللہ کی عبادت ہی کی دعوت پیش کی ہے۔ لیکن لوگ دین توحید چھوڑ کر الگ الگ فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے اور ہر گروہ اپنے عقیدہ و عمل پر خوش ہے۔ چاہے وہ حق سے کتنا بھی دور ہو۔

(۲) عَمْرٍاء، ماء کثیر کو کہتے ہیں جو زمین کو ڈھانپ لیتا ہے۔ گمراہی کی تاریکیاں بھی اتنی گہیر ہوتی ہیں کہ اس میں گھرے ہوئے انسان کی نظروں سے حق او جھل ہی رہتا ہے۔ عَمْرٍاء سے مراد حیرت، غفلت اور ضلالت ہے آیت میں بطور تہدید ان کو چھوڑنے کا حکم ہے، مقصود وعظ و نصیحت سے روکنا نہیں ہے

وَالَّذِينَ هُمْ يَرْجِعُونَ لَا يَرْجِعُونَ ۝

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَاوْا قُلُوبُهُمْ حِزْلَةً ۖ إِنَّهُمْ
إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَمُحْضُونَ ۝

أُولَٰئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْمَوَازِي وَهُمْ لَهَا شَاقِقُونَ ۝

وَلَا يَخْلَعُ قَسْدًا إِلَّا أَوْسَعَهَا وَلَدَيْنَا مَكْتُبٌ يَتَذَكَّرُ ۖ بِالْحَقِّ
وَهُمْ لَا يُفْلِحُونَ ۝

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمَرٍ قَبِيضٍ ۖ هَٰذَا أَوْ لَهَٰمْ أَعْمَالٌ مِّنْ دُونِ
ذَٰلِكَ ۖ لَمْ يَلْمِزُوا أَحَدًا ۝

حَقَّقْ لَٰذَا الْعَذَابِ نَاتِفٍ ۖ هُمْ بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَحْشَرُونَ ۝

اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں
کرتے۔ (۵۹)

اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل
کیکپاتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے
ہیں۔ (۶۰)

یہی ہیں جو جلدی جلدی بھدائیاں حاصل کر رہے ہیں اور
یہی ہیں جو ان کی طرف دوڑ جانے والے ہیں۔ (۶۱)

ہم کسی نفس کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے،^(۱)
اور ہمارے پاس ایسی کتاب ہے جو حق کے ساتھ ہوتی ہے
ان کے اوپر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ (۶۲)

بلکہ ان کے دل اس طرف سے غفلت میں ہیں اور ان
کے لیے اس کے سوا بھی بہت سے اعمال ہیں جنہیں^(۲)
وہ کرنے والے ہیں۔ (۶۳)

یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے آسودہ حال لوگوں کو
عذاب میں پکڑ لیا^(۳) تو وہ بلبلائے لگے۔ (۶۴)

(۱) یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں لیکن اللہ سے ڈرتے بھی رہتے ہیں کہ کسی کوتاہی کی وجہ سے ہمارا عمل یا صدقہ
نامقبول قرار نہ پائے۔ حدیث میں آتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا ”ڈرنے والے کون ہیں؟ وہ جو شراب پیتے“
بدکاری کرتے اور چوریاں کرتے ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”نہیں“ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے، روزہ
رکھتے اور صدقہ و خیرات کرتے ہیں لیکن ڈرتے رہتے ہیں کہ کیسے یہ نامقبول نہ ٹھہریں۔“ (ترمذی، تفسیر سورۃ
المؤمنون، مسند احمد ۶/۱۸۵ و ۱۸۶)

(۲) ایسی ہی آیت سورۃ بقرہ کے آخر میں گزر چکی ہے۔

(۳) یعنی شرک کے علاوہ دیگر کبائر یا وہ اعمال مراد ہیں جو مومنوں کے اعمال (خشیت الہی، ایمان بالتوحید وغیرہ) کے
برعکس ہیں۔ تاہم مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔

(۴) مُنْزَفِّین سے مراد آسودہ حال (مُشْتَعِمِّین) ہیں۔ عذاب تو آسودہ اور غیر آسودہ حال دونوں کو ہی ہوتا ہے لیکن
آسودہ حال لوگوں کا نام خصوصی طور پر شاید اس لیے لیا گیا ہے کہ قوم کی قیادت بالعموم انہی کے ہاتھوں میں ہوتی ہے وہ

لَا تَحْزَنْهُمُ الْيَوْمَ نَكَبَاتُ الْمُنْكَرُونَ ۝

آج مت بلبلانہ یقیناً تم ہمارے مقابلہ پر مدد نہ کیے
جاؤ گے۔ (۶۵)^(۱)

فَكَانَتْ أَيْنِسَ ثَمَلًا عَلَيْهِمْ لَكَدْنَمٌ عَلَى أَعْيَانِكُمْ تُنْكَصُونَ ۝

میری آیتیں تو تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں^(۲) پھر
بھی تم اپنی ایزبوں کے بل لے بھاگتے تھے۔^(۳) (۶۶)
اگڑتے ایٹھتے^(۴) افسانہ گوئی کرتے اسے چھوڑ
دیجئے تھے۔ (۶۷)^(۵)

مُسْكِرُونَ كَذِبًا سِيرًا تَهْجُونَ ۝

کیا انہوں نے اس بات میں غور و فکر ہی نہیں کیا؟^(۶) بلکہ

أَفَلَمْ يَكْبُرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَا يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ۝

جس طرف چاہیں، قوم کا رخ پھیر سکتے ہیں۔ اگر وہ اللہ کی نافرمانی کا راستہ اختیار کریں اور اس پر ڈٹے رہیں تو انہی کی
دیکھا رکھی قوم بھی بس سے مس نہیں ہوتی اور توبہ و ندامت کی طرف نہیں آتی۔ یہاں مترفین سے مراد وہ کفار ہیں
جنہیں اس دوست کی فراوانی اور اولاد و اتحاد سے نواز کر مصلحت دی گئی۔ جس طرح کہ چند آیات قبل ان کا ذکر کیا گیا
ہے۔ یا مراد چودھری اور سردار قسم کے لوگ ہیں۔ اور عذاب سے مراد اگر دنیوی ہے تو جنگ ہدر میں جو کفار مکہ مارے
گئے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کے نتیجے میں بھوک اور قحط سالی کا جو عذاب مسلط ہوا تھا وہ مراد ہے یا پھر مراد
آخرت کا عذاب ہے۔ مگر یہ سیاق سے بعید ہے۔

(۱) یعنی دنیا میں عذاب الہی سے دوچار ہو جانے کے بعد کوئی چیخ پکار اور جزع فزع انہیں اللہ کی گرفت سے چھڑا نہیں
سکتی۔ اسی طرح عذاب آخرت سے بھی انہیں چھڑانے والا یا مدد کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔

(۲) یعنی قرآن مجید یا احکام الہی جن میں پیغمبر کے فرمودات بھی شامل ہیں۔

(۳) مُنْكَوَصٌ کے معنی ہیں رَجَعَتْ فَهَفَرْنِي (لے لے پاؤں لوٹا) لیکن بطور استعارہ اعراض اور روگردانی کے معنی و مفہوم
میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی آیات و احکام الہی سن کر تم منہ پھیر لیتے تھے اور ان سے بھاگتے تھے۔

(۴) یہ کامر جمع ہسور مفسرین نے الْبَيْتُ الْعَيْنِيُّ (خانہ کعبہ) یا حرم لیا ہے۔ یعنی انہیں اپنی تولیت خانہ کعبہ اور اس کا
خادم و نگران ہونے کا جو غرہ تھا اس کی بنا پر آیات الہی کا انکار کیا اور بعض نے اس کامر جمع قرآن کو بنایا ہے اور مطلب یہ
ہے کہ قرآن سن کر ان کے دل میں کبر و نخوت پیدا ہو جاتی جو انہیں قرآن پر ایمان لانے سے روک دیتی۔

(۵) سَمَوَاتٍ کے معنی ہیں رات کی گفتگو یہاں اس کے معنی خاص طور پر ان باتوں کے ہیں جو قرآن کریم اور نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہ کرتے تھے اور اس کی بنا پر وہ حق کی بات سننے اور اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے یعنی

چھوڑ دیتے۔ اور بعض نے ہجر کے معنی ہڈیاں گوئی اور بعض نے فحش گوئی کے کیے ہیں۔ یعنی راتوں کی گفتگو میں تم قرآن
کی شان میں ہڈیاں بکتے ہو یا بے ہودہ اور فحش باتیں کرتے ہو جن میں کوئی بھلائی نہیں (فتح القدیر، امیر الشافعیہ)

(۶) بات سے مراد قرآن کریم ہے۔ یعنی اس میں غور کر لیتے تو انہیں اس پر ایمان لانے کی توفیق نصیب ہو جاتی۔

ان کے پاس وہ آیا جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس
نہیں آیا تھا؟^(۱) (۶۸)

یا انہوں نے اپنے پیغمبر کو پہچانا نہیں کہ اس کے منکر ہو
رہے ہیں؟^(۲) (۶۹)

یا یہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہے؟^(۳) بلکہ وہ تو ان کے
پاس حق لایا ہے۔ ہاں ان میں اکثر حق سے چڑنے والے
ہیں۔^(۴) (۷۰)

اگر حق ہی ان کی خواہشوں کا پیر ہو جائے تو زمین و
آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز درہم برہم ہو
جائے۔^(۵) حق تو یہ ہے کہ ہم نے انہیں ان کی نصیحت
پہنچادی ہے لیکن وہ اپنی نصیحت سے منہ موڑنے والے
ہیں۔ (۷۱)

کیا آپ ان سے کوئی اجرت چاہتے ہیں؟ یاد رکھیے کہ

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۝

أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَكَانُوا لِلْحَقِّ
كُفْرُونَ ۝

وَلَوِ اتَّبَعَ النَّاسُ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۝

بَلْ آتَيْنَاهُم بِالْكَرِّمِ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ۝

أَمْ نَكَلِّهُمُ خُزُفًا فَهُمْ يَكْفُرُونَ ۝ وَأَمْ نَجْعَلُ الرَّزْقَ قِنْ ۝

(۱) یہ آتم منقطع یا انتقایہ یعنی بل کے معنی میں ہے یعنی ان کے پاس وہ دین اور شریعت آئی ہے جس سے ان کے آباء
اجداد زمانہ جاہلیت میں محروم رہے۔ جس پر انہیں اللہ کا شکر ادا کرنا اور دین اسلام کو قبول کر لینا چاہیے تھا۔

(۲) یہ بطور توجیح کے ہے کیونکہ وہ پیغمبر کے نسب 'خاندان اور اسی طرح اس کی صداقت و امانت 'راست بازی اور
اخلاق و کردار کی بلندی کو جانتے تھے اور اس کا اعتراف کرتے تھے۔

(۳) یہ بھی زجر و توجیح کے طور پر ہی ہے یعنی اس پیغمبر نے ایسا قرآن پیش کیا ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر
ہے 'اسی طرح اس کی تعلیمات نوع انسانی کے لیے رحمت اور امن و سکون کا باعث ہیں۔ کیا ایسا قرآن اور ایسی تعلیمات
ایسا شخص بھی پیش کر سکتا ہے جو دیوانہ اور مجنون ہو؟

(۴) یعنی ان کے اعراض اور استکبار کی اصل وجہ حق سے ان کی کراہت (ناپسندیدگی) ہے جو عرصہ دراز سے باطل کو
اختیار کیے رکھنے کی وجہ سے ان کے اندر پیدا ہو گئی ہے۔

(۵) حق سے مراد دین اور شریعت ہے۔ یعنی اگر دین ان کی خواہشات کے مطابق اترے تو ظاہریات ہے کہ زمین و
آسمان کا سارا نظام ہی درہم برہم ہو جائے۔ مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ ایک معبود کے بجائے متعدد معبود ہوں 'اگر فی الواقع ایسا
ہو تو کیا نظام کائنات ٹھیک رہ سکتا ہے؟ وَعَلَىٰ هَذَا الْقِيَاسِ دگر ان کی خواہشات ہیں

آپ کے رب کی اجرت بہت ہی بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر روزی رساں ہے۔ (۷۲)

یقیناً آپ تو انہیں راہِ راست کی طرف بلا رہے ہیں۔ (۷۳)

بیشک جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ سیدھے راستے سے مڑ جانے والے ہیں۔ (۷۴) ^(۱)

اور اگر ہم ان پر رحم فرمائیں اور ان کی تکلیفیں دور کر دیں تو یہ تو اپنی اپنی سرکشی میں جم کر اور بکسنے لگیں۔ (۷۵) ^(۲)

اور ہم نے انہیں عذاب میں بھی پکڑا تاہم یہ لوگ نہ تو اپنے پروردگار کے سامنے جھکے اور نہ ہی عاجزی اختیار کی۔ (۷۶) ^(۳)

یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا تو اسی وقت فوراً مایوس ہو گئے۔ (۷۷) ^(۴)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝

وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ هُمْ فِي الْغَوَاةِ ۝

وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَلَكُنَّا مَائِدَةً مِنْ حَيْثُ لَنْجُوَانِي طَعْيَانِهِمْ

يَعْمَهُونَ ۝

وَلَقَدْ آخَذْنَا مِنْهُمُ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَغَاثُوا لِلرِّبِّهِمْ

وَمَا يَنْصَرِفُونَ ۝

حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذْ أَعْرَفُوهُ

مُبْلِسُونَ ۝

(۱) یعنی صراطِ مستقیم سے ان کے انحراف کی وجہ آخرت پر عدم ایمان ہے۔

(۲) اسلام کے خلاف ان کے دلوں میں جو بغض و عناد تھا اور کفر و شرک کی دلدل میں جس طرح وہ پھنسے ہوئے تھے اس میں ان کا بیان ہے۔

(۳) عذاب سے مراد یہاں وہ شکست ہے جو جنگِ بدر میں کفار مکہ کو ہوئی جس میں ان کے ستر آدمی بھی مارے گئے تھے یا وہ قحطِ سالی کا عذاب ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کے نتیجے میں ان پر آیا تھا۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی «اللَّهُمَّ أَعِزَّنِي عَلَيْهِمْ بِسَبْعِ كَسَنَيعِ يُوسُفَ» (البخاری کتاب الدعوات 'باب الدعاء' علی المشركين) و مسلم 'کتاب المساجد' باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوة إذا نزلت بالمسلمین دارلہ "اے اللہ! جس طرح حضرت یوسف کے زمانے میں سات سال قحط رہا اسی طرح قحطِ سالی میں انہیں جتلا کر کے اس کے مقابلے میں میری مدد فرما"۔ چنانچہ کفار مکہ اس قحطِ سالی میں جتلا کیے گئے جس پر حضرت ابوسفیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہیں اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا کہ اب تو ہم جانوروں کی کھالیں اور خون تک کھانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ جس پر آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر)

(۴) اس سے دنیا کا عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے اور آخرت کا بھی 'جہاں وہ تمام راحت اور خیر سے مایوس اور محروم ہوں گے اور تمام امیدیں منقطع ہو جائیں گی۔

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ لِنَتَمَتَّ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا
مَّا تَشْكُرُونَ ﴿۵۰﴾

وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۵۱﴾

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ السَّمَنَ وَاللَّيْلَ وَيُجَيِّدُ لَكُمْ أَعْيُنَ النَّاسِ
وَالْأَنْبَاءَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۵۲﴾

بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿۵۳﴾

قَالُوا إِذَا يَمْشِيْنَا وَكُنَّا عِزًّا أَوْ عِظَامًا تَتَحَوَّلُون ﴿۵۴﴾

لَقَدْ قَرَأْنَا مِنْ آلِ الْإِنْشَادِ وَإِنَّا لَهُ لَنَادُونَ ﴿۵۵﴾

وہ اللہ ہے جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور
دل پیدا کیے مگر تم بہت (نی) کم شکر کرتے ہو۔ (۷۸)

اور وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیا
اور اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے۔ (۷۹)

اور یہ وہی ہے جو جلاتا اور مارتا ہے اور رات دن
کے رد و بدل (۸۰) کا مختار بھی وہی ہے۔ کیا تم کو سمجھ
بوجھ نہیں؟ (۸۱)

بلکہ ان لوگوں نے بھی ویسی ہی بات کسی جو اگلے کہتے چلے
آئے۔ (۸۲)

کہ کیا جب ہم مرکز مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے کیا پھر بھی
ہم ضرور اٹھائے جائیں گے؟ (۸۳)

ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے پہلے ہی سے یہ وعدہ
ہوتا چلا آیا ہے کچھ نہیں یہ تو صرف اگلے لوگوں کے
افسانے ہیں۔ (۸۴)

(۱) یعنی عقل و فہم اور سننے کی یہ صلاحیتیں عطا کیں تاکہ ان کے ذریعے سے وہ حق کو پہچانیں، سنیں اور اسے قبول
کریں۔ یہی ان نعمتوں کا شکر ہے۔ مگر یہ شکر کرنے والے یعنی حق کو اپنانے والے کم ہی ہیں۔

(۲) اس میں اللہ کی قدرت عظیمہ کا بیان ہے کہ جس طرح اس نے تمہیں پیدا کر کے مختلف اطراف میں پھیلا دیا ہے،
تمہارے رنگ بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں، زبانیں بھی مختلف اور عادات و رسومات بھی مختلف۔ پھر ایک وقت
آئے گا کہ تم سب کو زندہ کر کے وہ اپنی بارگاہ میں جمع فرمائے گا۔

(۳) یعنی رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کا آنا، پھر رات اور دن کا چھوٹا بڑا ہونا۔

(۴) جس سے تم یہ سمجھ سکو کہ یہ سب کچھ اس ایک اللہ کی طرف سے ہے جو ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے سامنے ہر
چیز جھکی ہوئی ہے۔

(۵) اَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ کی جمع ہے یعنی سُنْطَرَةُ مَكْتُوبَةٍ لکھی ہوئی حکایتیں، کہانیاں۔ یعنی دوبارہ جی اٹھنے کا وعدہ کہ
سے ہوتا چلا آ رہا ہے، ہمارے آبا و اجداد سے! لیکن ابھی تک رو بہ عمل تو نہیں ہوا، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ
کہانیاں ہیں جو پچھلے لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھ دی ہیں جو نقل و نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں، جن کی کوئی حقیقت نہیں

قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝

قُلْ مَنْ مِمَّا يَمْلِكُ مَكْرًا قُلْ شَيْءٌ ذُوُ الْعَرْشِ وَلَا يُجَاوِزُ عَلَيْهِمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْعَوْنَ ۝

بَلْ أَتَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝

پوچھئے تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟
بتلاؤ اگر جانتے ہو؟ (۸۴)

فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی، کہہ دیجئے کہ پھر تم
نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ (۸۵)

دریافت کیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت با عظمت عرش
کارب کون ہے؟ (۸۶)

وہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجئے کہ پھر
تم کیوں نہیں ڈرتے؟ (۸۷)

پوچھئے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو
پناہ دیتا ہے (۱) اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں
دیا جاتا (۲) اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ؟ (۸۸)

یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجئے پھر تم کہہ
سے جادو کر دیے جاتے ہو؟ (۸۹)

حق یہ ہے کہ ہم نے انہیں حق پہنچا دیا ہے اور یہ بیشک
جھوٹے ہیں۔ (۹۰)

(۱) یعنی جب تمہیں تسلیم ہے کہ زمین کا اور اس میں موجود تمام اشیا کا خالق بھی ایک اللہ ہی ہے اور آسمان اور عرش
عظیم کا مالک بھی وہی ہے، تو پھر تمہیں یہ تسلیم کرنے میں تامل کیوں ہے کہ عبادت کے لائق بھی صرف وہی ایک اللہ
ہے، پھر تم اس کی وحدانیت کو تسلیم کر کے اس کے عذاب سے بچنے کا اہتمام کیوں نہیں کرتے؟

(۲) یعنی جس کی وہ حفاظت کرنا چاہے اور اسے اپنی پناہ میں لے لے، کیا اسے کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے؟

(۳) یعنی جس کو وہ نقصان پہنچانا چاہے، کیا کائنات میں اللہ کے سوا کوئی ایسی ہستی ہے کہ وہ اسے نقصان سے بچائے اور
اللہ کے مقابلے میں اپنی پناہ میں لے لے؟

(۴) یعنی پھر تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس اعتراف اور علم کے باوجود تم دو سروں کو اس کی عبادت میں شریک
کرتے ہو؟ قرآن کریم کی اس صراحت سے واضح ہے کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، اس کی خالقیت، ولکیت اور
رزاقیت کے منکر نہیں تھے بلکہ وہ یہ سب باتیں تسلیم کرتے تھے، انہیں صرف توحید الوہیت سے انکار تھا، یعنی عبادت
صرف ایک اللہ کی نہیں کرتے تھے بلکہ اس میں دو سروں کو بھی شریک کرتے تھے۔ اس لیے نہیں کہ آسمان و زمین کی
خلق یا اس کی تدبیر میں کوئی اور بھی شریک ہے بلکہ صرف اور صرف اس مغالطے کی بنا پر کہ یہ بھی اللہ کے نیک بندے

مَا أَحَدًا اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ الْوِلْدَانِ الذَّكَبِ
كُلُّ إِلَهِ يَخْلُقُ وَلَعَلَّ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ سُبْحَنَ اللَّهِ
عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۹۱﴾

عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالْغُهَاذِقِ فَمَنْعَلِ عَنَّا شِرْكُونَ ﴿۹۲﴾

قُلْ رَبِّ إِنِّي شَرِئْتُ مَا يُؤْعَدُّونَ ﴿۹۳﴾

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْ لِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۹۴﴾

وَلَا تَأْخُذْ بَعَثَ لِي فِيكَ مَا يُعَذِّبُهُمْ فَلْيُعَذِّبْهُمُ

نہ تو اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی
معبود ہے، ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو لیے لیے پھرنا اور
ہر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا۔ جو اوصاف یہ بتلاتے ہیں
ان سے اللہ پاک (اور بے نیاز) ہے۔ (۹۱)

وہ غائب حاضر کا جاننے والا ہے اور جو شرک یہ کرتے ہیں
اس سے بالاتر ہے۔ (۹۲)

آپ دعا کریں کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے وہ
دکھائے جس کا وعدہ انہیں دیا جا رہا ہے۔ (۹۳)

تو اے رب! تو مجھے ان خالوس کے گروہ میں نہ
کرنا۔^(۱) (۹۴)

ہم جو کچھ وعدے انہیں دے رہے ہیں سب آپ کو دکھا
دینے پر یقیناً قادر ہیں۔ (۹۵)

تھے، ان کو بھی اللہ نے کچھ اختیارات دے رکھے ہیں اور ہم ان کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ یہی
مغالطہ آج کل کے مردہ پرست اہل بدعت کو ہے جس کی بنیاد پر وہ فوت شدگان کو مدد کے لیے پکارتے، ان کے نام کی
نذر نیا دیتے اور ان کو اللہ کی عبادت میں شریک گردانتے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں نے کسی
فوت شدہ بزرگ، ولی یا نبی کو اختیارات دے رکھے ہیں، تم ان کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرو، یا انہیں مدد کے
لیے پکارو یا ان کے نام کی نذر نیا دو۔ اسی لیے اللہ نے آگے فرمایا کہ ہم نے انہیں حق پہنچا دیا۔ یعنی یہ اچھی طرح واضح کر
دیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ اگر اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کر رہے ہیں، تو اس لیے نہیں کہ ان
کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے، نہیں، بلکہ محض ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اور آپا پرستی کی وجہ سے اس شرک کا
ارتکاب کر رہے ہیں ورنہ حقیقت میں یہ بالکل جموئے ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ اس کا کوئی شریک اگر ایسا ہوتا،
تو ہر شریک اپنے حصے کی مخلوق کا انتظام اپنی مرضی سے کرتا اور ہر ایک شریک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا۔ اور
جب ایسا نہیں ہے اور نظام کائنات میں ایسی کشاکشی نہیں ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور برتر ہے، جو
مشرکین اس کی بابت باور کراتے ہیں۔

(۱) چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے: "وَإِذَا أَرَدْتَ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَتَوَقَّيْ إِلَيْكَ عَيْنَ
مَعْتُونٍ" (ترمذی، تفسیر سورۃ حق و مسد احمد، جلد ۵، ص ۳۳۳) "اے اللہ جب تو کسی قوم پر آزمائش یا عذاب
بھیجنے کا فیصلہ کرے تو اس سے پہلے پہلے مجھے دنیا سے اٹھالے۔"

رُدُّعًا يَأْتِيهِمْ أَحْسَنُ السَّيِّئَةِ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ﴿۱۱﴾

وَقُلْ رَبِّ اَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ ﴿۱۲﴾

وَاعُوذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَخْضَرُوْنِ ﴿۱۳﴾

حَتّٰى اِذَا جَاءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ رَحِمْنٰی ﴿۱۴﴾

لَعَلَّ اَعْمَلٌ صَالِحٍ فَمَا تَرَكْتُ كَلَّا هِيَ كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا

وَمِنْ ذُنُوبِهِمْ يَرْجِعُوْنَ اِلٰى يَوْمِهِمْ يَجُثُوْنَ ﴿۱۵﴾

برائی کو اس طریقے سے دور کریں جو سراسر بھلائی وال
ہو،^(۱) جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں ہم بخوبی واقف ہیں۔ (۹۶)
اور دعا کریں کہ اے میرے پروردگار! میں شیطانوں کے
وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔^(۲) (۹۷)

اور اے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس
آجائیں۔^(۳) (۹۸)

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو
کہتا ہے اے میرے پروردگار! مجھے واپس لوٹا دے۔ (۹۹)
کہ اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کر
لوں،^(۴) ہرگز ایسا نہیں ہوگا،^(۵) یہ تو صرف ایک قول

(۱) جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ”برائی ایسے طریقے سے دور کرو جو اچھا ہو“ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہارا دشمن بھی
تمہارا گمراہ دوست بن جائے گا۔ (حکم السجدہ ۳۲-۳۳-۳۴)

(۲) چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شیطان سے اس طرح استعاذہ کرتے: «أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ
الرَّجِيمِ مِنْ هَمَزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ» ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب ما يستفتح به الصلوة من الدعاء
ترمذی، باب ما يقول عند افتتاح الصلوة،

(۳) اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ ہر اہم کام کی ابتدا اللہ کے نام سے کرو یعنی بسم اللہ پڑھ کر کیوں
کہ اللہ کی یاد شیطان کو دور کرنے والی چیز ہے۔ اسی لیے آپ یہ دعا بھی مانگتے تھے «اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ
وَاعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَذَمِ، وَمِنَ الْغَرَقِ، وَاعُوذُ بِكَ اَنْ يَّتَحَفَّطَنِی الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ» ابو داؤد، کتاب الموت، باب
فی الاستعاذۃ، رات کو گھبراہٹ میں آپ یہ دعا بھی پڑھتے تھے۔ «بِاسْمِ اللّٰهِ، اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ الثَّامَةِ مِنْ
غَضَبِهِ، وَعِقَابِهِ، وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ وَأَنْ يَّتَخَضَّرُوْنِ» مسند احمد ۲/۸۱، ابو داؤد،
کتاب الطب، باب کیف الرقی ترمذی، ابواب الدعوات،

(۴) یہ آرزو ہر کافر موت کے وقت دوبارہ اٹھائے جانے کے وقت بارگاہ الہی میں قیام کے وقت اور جہنم میں دھکیل
دیئے جانے کے وقت کرتا ہے اور کرے گا، لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ قرآن کریم میں اس مضمون کو متعدد جگہ
بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ منافقون ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲

ہے جس کا یہ قائل^(۱) ہے 'ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے' ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک۔^(۲) (۱۰۰)
پس جب کہ صور پھونک دیا جائے گا اس دن نہ تو آپس کے رشتے ہی رہیں گے 'نہ آپس کی پوچھ گچھ۔^(۳) (۱۰۱)
جن کی ترازو کا پلہ بھاری ہو گیا وہ تو نجات والے ہو گئے۔ (۱۰۲)

اور جن کے ترازو کا پلہ ہلکا ہو گیا یہ ہیں وہ جنہوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا جو ہمیشہ کے لیے جنم واصل ہوئے۔ (۱۰۳)
ان کے چہروں کو آگ جھلستی رہے گی^(۴) اور وہ وہاں

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ
وَلَا يَسْأَلُوْنَ ۝

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُثْلٰوْنَ ۝

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ
فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝

تَلَفَتْ اُجُوْهُهُمْ لِنَارٍ وَّهُمْ فِيْهَا لٰخِلُوْنَ ۝

(۱) اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ایسی بات ہے کہ جو ہر کافر نزع (جائگہ) کے وقت کہتا ہے۔ دوسرے معنی ہیں کہ یہ صرف بات ہی بات ہے عمل نہیں، اگر انہیں دوبارہ بھی دنیا میں بھیج دیا جائے تو ان کا یہ قول 'قول ہی رہے گا' عمل صالح کی توفیق انہیں پھر بھی نصیب نہیں ہوگی۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ﴾ الانعام۔ ۱۲۸، اگر انہیں دنیا میں موٹا دیا جائے تو یہ پھر وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں 'کافر کی اس آرزو میں ہمارے لیے بڑا سبق ہے 'کافر دنیا میں اپنے خاندان اور قبیلے کے پاس جانے کی آرزو نہیں کرے گا' بلکہ عمل صالح کے لیے دنیا میں آنے کی آرزو کرے گا۔ اس لیے زندگی کے لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے زیادہ سے زیادہ عمل صالح کر لے جائیں تاکہ کل قیامت کو یہ آرزو کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے (ابن کثیر)

(۲) دو چیزوں کے درمیان حجاب اور آڑ کو برزخ کہا جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کے درمیان جو وقفہ ہے اسے یہاں برزخ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ مرنے کے بعد انسان کا تعلق دنیا کی زندگی سے ختم ہو جاتا ہے اور آخرت کی زندگی کا آغاز اس وقت ہو گا جب تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہ درمیان کی زندگی جو قبر میں یا پرندے کے پیٹ میں یا جد ڈالنے کی صورت میں مٹی کے ذرات میں گزرتی ہے 'برزخ کی زندگی ہے۔ انسان کا یہ وجود جہاں بھی اور جس شکل میں بھی ہو گا۔ بظاہر وہ مٹی میں مل کر مٹی بن چکا ہو گا یا راکھ بنا کر ہواؤں میں اڑا دیا یا دریاؤں میں بہا دیا گیا ہو گا کسی جانور کی خوراک بن گیا ہو گا مگر اللہ تعالیٰ سب کو ایک نیا وجود عطا فرما کر میدانِ محشر میں جمع فرمائے گا۔

(۳) محشر کی ہونٹاکیوں کی وجہ سے ابتداء ایسا ہو گا۔ بعد میں وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے بھی اور ایک دوسرے سے پوچھ گچھ بھی کریں گے۔

(۴) چہرے کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ انسانی وجود کا سب سے اہم اور اشرف حصہ ہے 'ورنہ جنم کی آگ تو پورے جسم کو ہی محیط ہوگی۔

بد شکل بنے ہوئے ہوں گے۔^(۱) (۱۰۴)

کیا میری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت نہیں کی جاتی تھیں؟ پھر بھی تم انہیں جھٹلاتے تھے۔ (۱۰۵)

کہیں گے کہ اے پروردگار! ہماری بد بختی ہم پر غالب^(۲) آگئی (واقعی) ہم تھے ہی گمراہ۔ (۱۰۶)

اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نجات دے اگر اب بھی ہم ایسا ہی کریں تو بیشک ہم ظالم ہیں۔ (۱۰۷)

اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھٹکارے ہوئے یسین پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔ (۱۰۸)

میرے بندوں کی ایک جماعت تھی جو برابر یہی کہتی رہی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لا چکے ہیں تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما تو سب مہمانوں سے زیادہ مہمان ہے۔ (۱۰۹)

(لیکن) تم انہیں مذاق میں ہی اڑاتے رہے یہاں تک کہ (اس مشغلے نے) تم کو میری یاد (بھی) بھلا دی اور تم ان سے مذاق ہی کرتے رہے۔ (۱۱۰)

میں نے آج انہیں ان کے اس صبر کا بدلہ دے دیا ہے کہ وہ خاطر خواہ اپنی مراد کو پہنچ چکے ہیں۔^(۳) (۱۱۱)

أَلَمْ تَكُنْ إِذْ نَبِّئْتَهُمْ بَعَثْنَا لَقَدْ بُرُونُ ۝

قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ۝

رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ۝

قَالَ انصُرُوا نِفْتًا وَلَا تَجْلِسُونَ ۝

إِنَّهُ كَانَ قَدِ ابْتَدَأَ مِنَ ابْنِ آدَمَ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا

فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ۝

فَاتَّخَذَ لَكُمْ مَوَاقِفًا حَتَّىٰ انصُرُوا لَكُمْ وَيَكُنْ مِنَ الَّذِينَ تَصْحَكُونَ ۝

إِنَّ جَزَاءَهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝

(۱) کَدَح کے معنی ہوتے ہیں ہونٹ سکڑ کر دانت ظاہر ہو جائیں۔ ہونٹ گویا دانتوں کا لباس ہیں جب یہ جہنم کی آگ سے سمٹ اور سکڑ جائیں گے تو دانت ظاہر ہو جائیں گے جس سے انسان کی صورت بد شکل اور ڈراؤنی ہو جائے گی۔

(۲) لذات اور شہوات کو جو انسان پر غالب رہتی ہیں یہاں بد بختی سے تعبیر کیا ہے کیوں کہ ان کا نتیجہ دائمی بد بختی ہے۔

(۳) دنیا میں اہل ایمان کے لیے ایک صبر آزما مرحلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ جب دین و ایمان کے مقتضیات پر عمل کرتے ہیں تو دین سے نا آشنا اور ایمان سے بے خبر لوگ انہیں استہزاء و ملامت کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ کتنے ہی کمزور ایمان والے ہیں کہ وہ ان ملامتوں سے ڈر کر بہت سے احکام الہیہ پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ جیسے داڑھی ہے پرے کا مسئلہ

قُلْ كَمْ لِبَشَرٍ فِي الْأَرْضِ عِدَّةٌ سِنِينَ ۝۱

قَالُوا إِلَهِنَا يَوْمَآؤُ وَبَعْضُ يَوْمٍ فَنُسَبِّلُ الْعَادَّةَيْنِ ۝۲

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ إِلَّا قَلِيلٌ لَّا تَكُونُوا أَنْتُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝۳

أَفَعَسِبْتُمْ أَنْ تُخَلِّقُوا مِثْلَنَا ۚ وَآلَكُمْ إِلَهِتَ الْبَنَاتِ لَا تُرْجَعُونَ ۝۴

فَتَعَلَى اللَّهِ الْمَلِئُتُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ

الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ۝۵

اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ تم زمین میں یا اعتبار برسوں کی گنتی کے کس قدر رہے؟ (۱۳)

وہ کہیں گے ایک دن یا ایک دن سے بھی کم، گنتی سمجھنے والوں سے بھی پوچھ لیجئے۔ (۱۴)

اللہ تعالیٰ فرمائے گا فی الواقع تم وہاں بہت ہی کم رہے ہو اے کاش! تم اسے پہلے ہی سے جان لیتے؟ (۱۵)

کیا تم یہ گمان کیے ہوئے ہو کہ ہم نے تمہیں یونہی بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے۔ (۱۶)

اللہ تعالیٰ سچا بادشاہ ہے وہ بڑی بندی والا ہے، (۱۷) اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی بزرگ عرش کا مالک ہے۔ (۱۸)

ہے، شادی بیاہ کی ہندوانہ رسومات سے اجتناب ہے، وغیرہ وغیرہ۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو کسی بھی مذمت کی پروا نہیں کرتے اور اللہ و رسول کی اطاعت سے کسی بھی موقع پر انحراف نہیں کرتے۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا لَوْلَمَآ تَقُولُوا﴾ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن انہیں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے گا اور انہیں کامیابی سے سرفراز کرے گا۔ جیسا کہ اس آیت سے واضح ہے۔ اللہم! اجعلنا منہم۔

(۱) اس سے مراد فرشتے ہیں، جو انسانوں کے اعمال اور عمریں لکھنے پر مامور ہیں یا وہ انسان مراد ہیں جو حساب کتاب میں مہارت رکھتے ہیں۔ قیامت کی ہونائیاں، ان کے ذہنوں سے دنیا کی عیش و عشرت کو محو کر دیں گی اور دنیا کی زندگی انہیں ایسے لگے گی جیسے دن یا آدھا دن۔ اس لیے وہ کہیں گے کہ ہم تو ایک دن یا اس سے بھی کم وقت دنیا میں رہے۔ بے شک تو فرشتوں سے یا حساب جاننے والوں سے پوچھ لے۔

(۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کی دائمی زندگی کے مقابلے میں یقیناً دنیا کی زندگی بہت ہی قلیل ہے۔ لیکن اس نکتے کو دنیا میں تم نے نہیں جانا۔ کاش تم دنیا میں اس حقیقت سے دنیا کی بے ثباتی سے آگاہ ہو جاتے تو آج تم بھی بل ایمان کی طرح کامیاب و کامران ہوتے۔

(۳) یعنی وہ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ تمہیں بغیر کسی مقصد کے یوں ہی ایک کھیل کے طور پر بے کار پیدا کرے اور تم جو چاہو کرو، تم سے اس کی کوئی باز پرس ہی نہ ہو۔ بلکہ اس نے تمہیں ایک خاص مقصد کے تحت پیدا کیا ہے اور وہ ہے اس کی عبادت کرنا۔ اسی لیے آگے فرمایا کہ وہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(۴) عرش کی صفت کریم بیان فرمائی کہ وہاں سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ
فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُغْنِيهِ الْكَفَرُوتُ ۝

وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ ۝

سُورَةُ النُّورِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

سُورَةُ النُّورِ وَأَنزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ
لِّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ
وَلَا تَأْخُذْ بَعِثَتُهُمَا فِي دِينِكُمْ لَكُمْ تِلْكَ الْأَيَاتُ لِقَوْمٍ يَدْرُسُونَ ۝

جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے
جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں، پس اس کا حساب
تو اس کے رب کے اوپر ہی ہے۔ بیشک کافر لوگ نجات
سے محروم ہیں۔^(۱) (۱۱۷)

اور کہو کہ اے میرے رب! تو بخش اور رحم کر اور تو
سب مہربانوں سے بہتر مہربانی کرنے والا ہے۔ (۱۱۸)

سورۃ نور مدنی ہے اور اس کی چونسٹھ آیتیں اور
نور کوخ ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی ہے^(۲) اور مقرر
کر دی ہے اور جس میں ہم نے کھلی آیتیں (احکام)
اتارے ہیں تاکہ تم یاد رکھو۔^(۱)

زنا کار عورت و مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے
لگاؤ۔^(۳) ان پر اللہ کی شریعت کی حد جاری کرتے ہوئے

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ فلاح اور کامیابی آخرت میں عذاب الہی سے بچ جانا ہے، محض دنیا کی دوست اور آسائشوں کی
فراوانی، کامیابی نہیں، یہ تو دنیا میں کافروں کو بھی حاصل ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان سے فلاح کی نفی فرما رہا ہے، جس کے
صاف معنی یہ ہیں کہ اصل فلاح آخرت کی فلاح ہے جو اہل ایمان کے حصے میں آئے گی، نہ کہ دنیوی مں و اسباب کی
کثرت، جو کہ بلا تفریق مومن و کافر سب کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

☆ سورۃ نور احزاب اور نساء یہ تینوں سورتیں ایسی ہیں جن میں عورتوں کے خصوصی مسائل اور معاشرتی زندگی کی
بابت اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

(۲) قرآن کریم کی ساری ہی سورتیں اللہ کی نازل کردہ ہیں، لیکن اس سورت کی بابت جو یہ کہا تو اس سے اس سورت
میں بیان کردہ احکام کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔

(۳) بدکاری کی ابتدائی سزا جو اسلام میں عبوری طور پر بتلائی گئی تھی، وہ سورۃ النساء آیت ۱۵ میں گزر چکی ہے، اس

وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَيْسَ هَذَا بَيْنَهُمَا حُلَامَةٌ

بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ ①

الزَّانِي لَا يَنْكِحُ الزَّانِيَةَ أَوْ الْمُشْرِكُ لَا يَنْكِحُ الْمُشْرِكَةَ
الْزَّانِي أَوْ الْمُشْرِكُ وَخُورٌ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ②

تمہیں ہرگز ترس نہ کھانا چاہیے، اگر تمہیں اللہ پر اور
قیامت کے دن پر ایمان ہو۔^(۱) ان کی سزا کے وقت
مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہونی چاہیے۔^(۲)
زانی مرد بجز زانیہ یا مشرک عورت کے اور سے نکاح
نہیں کرتا اور زانیہ عورت بھی بجز زانی یا مشرک مرد
کے اور نکاح نہیں کرتی اور ایمان والوں پر یہ حرام
کر دیا گیا۔^(۳)

میں کہا گیا تھا کہ اس کے لیے جب تک مستقل سزا مقرر نہ کی جائے، ان بدکار عورتوں کو گھروں میں بند رکھو! پھر جب
سورہ نور کی یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا، اس کے مطابق بدکار
مرد و عورت کی مستقل سزا مقرر کر دی گئی ہے، وہ تم مجھ سے سیکھ لو، اور وہ ہے کنوارے (غیر شادی شدہ) مرد اور عورت
کے لیے سو سو کوڑے اور شادی شدہ مرد و عورت کو سو سو کوڑے اور سنگساری کے ذریعے سے مار دینا۔ صحیح
مسلم، کتاب الحدود باب حد الزانی والفسق، پھر آپ نے شادی شدہ زانیوں کو عملاً مزائے رجم دی اور سو
کوڑے (جو چھوٹی سزا ہے) بڑی سزا میں مدغم ہو گئے اور اب شادی شدہ زانیوں کے لیے سزا صرف رجم (سنگساری) ہے۔
عہد رسالت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی یہی سزا دی گئی اور بعد میں
تمام امت کے فقہاء و علماء بھی اسی کے قائل رہے اور آج تک قائل ہیں۔ صرف خوارج نے اس سزا کا انکار کیا، برصغیر میں
اس وقت بھی کچھ ایسے افراد ہیں جو اس سزا کے منکر ہیں۔ اس انکار کی اصل بنیادی انکار حدیث پر ہے۔ کیونکہ رجم کی
سزا صحیح اور نہایت قوی احادیث سے ثابت ہے اور اس کے روایت کرنے والے بھی اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ علانے
اسے متواتر روایات میں شمار کیا ہے۔ اس لیے حدیث کی محبت کا اور دین میں اس کے ماخذ شرعی ہونے کا قائل شخص
رجم کا انکار نہیں کر سکتا۔

(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ ترس کھا کر سزا دینے سے گریز مت کرو، ورنہ طبعی طور پر ترس کا آنا ایمان کے منافی نہیں،
منجملہ خواص طبائع انسانی میں سے ہے۔

(۲) تاکہ سزا کا اصل مقصد کہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں، زیادہ وسیع پیمانے پر حاصل ہو سکے۔ بد قسمتی سے آج کل
برسر عام سزا کو انسانی حقوق کے خلاف باور کرایا جا رہا ہے، یہ سراسر جہالت، احکام الہی سے بغاوت اور بزعیم خویش اللہ
سے بھی زیادہ انسانوں کا ہمدرد اور خیر خواہ بننا ہے۔ دراصل حالیکہ اللہ سے زیادہ رؤف و رحیم کوئی نہیں۔

(۳) اس کے مفہوم میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَا يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ
فَالَّذِينَ هُمْ يُنْفِينَ جُلْدَهُمْ ثَلَاثًا وَلَا يَحِلُّ لَهُمْ شَهَادَةُ أَبَدًا
وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٩٠﴾
إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ
غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩١﴾
وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا

جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر
چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور کبھی
بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ یہ فاسق لوگ ہیں۔ (۹۰)
ہاں جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کریں (۹۱) تو اللہ
تعالیٰ بخشنے والا اور صریح کرنے والا ہے۔ (۹۲)

جو لوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور ان کا

۱۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ غالب احوال کے اعتبار سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ عام طور پر بدکار قسم کے لوگ نکاح کے لیے
اپنے ہی جیسے لوگوں کی طرف رجوع کرتے ہیں چنانچہ زانیوں کی اکثریت زانیوں کے ساتھ ہی نکاح کرنا پسند کرتی ہے اور
مقصود اس سے اہل ایمان کو متنبہ کرنا ہے کہ جس طرح زنا ایک نہایت قبیح اور بڑا گناہ ہے اسی طرح زنا کاروں کے ساتھ
شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرنا بھی منع اور حرام ہے۔ امام شوکانی نے اس مفہوم کو رائج قرار دیا ہے اور احادیث میں اس
کا جو سبب نزول بیان کیا گیا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بدکار عورتوں سے نکاح
کرنے کی اجازت طلب کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی انہیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ اسی سے استدلال کرتے
ہوئے علمائے کما ہے کہ ایک شخص نے جس عورت سے یا عورت نے جس مرد سے بدکاری کی ہو۔ ان کا آپس میں نکاح
جائز نہیں۔ ہاں اگر وہ خالص توبہ کر لیں تو پھر ان کے درمیان نکاح جائز ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

۲۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں نکاح سے مراد معروف نکاح نہیں ہے بلکہ یہ جماع کے معنی میں ہے اور مقصد زنا کی شاعت و
قباحت بیان کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بدکار مرد اپنی جنسی خواہش کی ناجائز طریقے سے تسکین کے لیے بدکار عورت کی
طرف اور اسی طرح بدکار عورت بدکار مرد کی طرف رجوع کرتی ہے، مومنوں کے لیے ایسا کرنا یعنی زنا کاری حرام ہے۔
اور مشرک مرد و عورت کا ذکر اس لیے کر دیا کہ مشرک بھی زنا سے ملتا جلتا گناہ ہے جس طرح مشرک اللہ کو چھوڑ کر
دوسروں کے در پر جھکتا ہے اسی طرح ایک زنا کار اپنی بیوی کو چھوڑ کر یا بیوی اپنے خاوند کو چھوڑ کر غیروں سے اپنا منہ کالا
کراتی ہے۔ یوں مشرک اور زانی کے درمیان ایک عجیب معنوی مناسبت پائی جاتی ہے۔

(۱) اس میں تہذیب (ہستان تراشی) کی سزا بیان کی گئی ہے کہ جو شخص کسی پاک دامن عورت یا مرد پر زنا کی تہمت لگائے
(اسی طرح جو عورت کسی پاک دامن مرد یا عورت پر زنا کی تہمت عائد کرے) اور وہ بطور ثبوت چار گواہ پیش نہ کر سکے تو
اس کے لیے تین حکم بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں (۲) ان کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے
۳۔ وہ عند اللہ و عند الناس فاسق ہیں۔

(۲) توبہ سے کوڑوں کی سزا تو معاف نہیں ہوگی وہ تائب ہو جائے یا اصرار کرے یہ سزا تو بہر حال ملے گی۔ البتہ دوسری

أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ بِاللَّوَاثِمِ
لِمَنِ الضِّيقَيْنِ ۝

کوئی گواہ۔ بحر خود ان کی ذات کے نہ ہو تو ایسے لوگوں میں
سے ہر ایک کا ثبوت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر
کہیں کہ وہ جہنم میں سے ہیں۔ (۶)

وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَذَّابِينَ ۝

اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر
وہ جھوٹوں میں سے ہو۔ (۷)

وَيَذَرُ أَغْنَاهَا الْعَذَابُ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَدَاتٍ بِاللَّوَاثِمِ
لِمَنِ الْكَذَّابِينَ ۝

اور اس عورت سے سزا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ
چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً اس کا مرد جھوٹ
بولنے والوں میں سے ہے۔ (۸)

وَالْخَامِسَةُ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الضِّيقَيْنِ ۝

اور پانچویں دفعہ کہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اگر
اس کا خاوند جہنم میں سے ہو۔ (۹)

دو باتیں جو ہیں 'مردود الشہادۃ اور فاسق ہونا' اس کے بارے میں اختلاف ہے، بعض علما اس اشتراک کو فسق تک محدود رکھتے ہیں یعنی توبہ کے بعد وہ فاسق نہیں رہے گا۔ اور بعض مفسرین دونوں جملوں کو اس میں شامل سمجھتے ہیں، یعنی توبہ کے بعد مقبول الشہادۃ بھی ہو جائے گا۔ امام شوکانی نے اسی دوسری رائے کو ترجیح دی ہے اور آبداً کا مطلب بیان کیا ہے تَادَامَ قَدْ فَا یعنی جب تک وہ بہتان تراشی پر قائم رہے جس طرح کہا جائے کہ کافر کی شہادت کبھی قبول نہیں 'تو یہاں "کبھی" کا مطلب یہی ہو گا کہ جب تک وہ کافر ہے۔

(۱) اس میں لعن کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مرد نے اپنی بیوی کو اپنی آنکھوں سے کسی غیر کے ساتھ بدکاری کرتے ہوئے دیکھا، جس کا وہ خود تو یحییٰ گواہ ہے لیکن چونکہ زنا کی حد کے اثبات کے لیے چار مردوں کی یحییٰ گواہی ضروری ہے، اس لیے جب تک وہ اپنے ساتھ مزید تین یحییٰ گواہ پیش نہ کرے، اس کی بیوی پر زنا کی حد نہیں لگ سکتی۔ لیکن اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد ایسی بد چلن بیوی کو برداشت کرنا بھی اس کے لیے ناممکن ہے۔ شریعت نے اس کا حل یہ پیش کیا ہے کہ یہ شخص عدالت میں یا حاکم مجاز کے سامنے چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے گا کہ وہ اپنی بیوی پر زنا کی حسرت لگانے میں سچا ہے یا یہ بچہ یا حمل اس کا نہیں ہے۔ اور پانچویں مرتبہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت۔

(۲) یعنی اگر خاوند کے جواب میں بیوی چار مرتبہ قسم کھا کر یہ کہے کہ وہ جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر اس کا خاوند سچا ہے (اور میں جھوٹی ہوں) تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ تو اس صورت میں وہ زنا کی سزا سے بچ جائے گی۔ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی ہو جائے گی۔ اسے لعن اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں دونوں ہی اپنے آپ کو جھوٹا ہونے کی صورت میں مستحق لعنت قرار دیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسے بعض واقعات پیش آئے، جن کی تفصیل احادیث میں موجود ہے، وہی واقعات ان آیات کے نزول کا سبب بنے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا ^(۱) (تو تم پر مشقت اترتی) اور اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا با حکمت ہے۔ (۱۰)

جو لوگ یہ بہت بڑا بہتان باندھ لائے ہیں ^(۲) یہ بھی تم

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْآفَاتِ غَضَبُهُ مُتَكَلِّفٌ ۖ لَا تَخْتَصِمُوا لَدُنَّ اللَّهِ

(۱) اس کا جواب محذوف ہے 'تو تم میں سے جو نے پر فوراً اللہ کا عذاب نازل ہو جاتا۔ لیکن چونکہ وہ تواب ہے اور حکیم بھی' اس لیے ایک تو اس نے سرپوشی کر دی، تاکہ اس کے بعد اگر کوئی سچے دل سے توبہ کر لے تو وہ اسے اپنے دامن رحمت میں ڈھانپ لے گا اور حکیم بھی ہے کہ اس نے لعان جیسا مسئلہ بیان کر کے غیور مردوں کے لیے ایک نہایت معقول اور آسان تجویز مہیا کر دی ہے۔

(۲) اِفْلَک سے مراد وہ واقعہ اہلک ہے جس میں منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامن عفت و عزت کو دریغ دار کرنا چاہا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل فرما کر ان کی پاک دامن اور عفت کو واضح کر دیا۔ مختصر یہ واقعہ یوں ہے کہ حکم حجاب کے بعد غزوہ بنی المصطلق (مرسیع) سے واپسی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے مدینہ کے قریب ایک جگہ قیام فرمایا، صبح کو جب وہاں سے روانہ ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہودج بھی 'جو خالی تھا' اہل قافلہ نے یہ سمجھ کر اونٹ پر رکھ دیا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا اس کے اندر رہی ہوں گی۔ اور وہاں سے روانہ ہو گئے، دریاں حایکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہار کی تلاش میں باہر گئی ہوئی تھیں، جب واپس آئیں تو دیکھا کہ قافلہ چلا گیا۔ تو یہ سوچ کر وہیں لیٹ رہیں کہ جب ان کو میری غیر موجودگی کا علم ہو گا تو تلاش کے لیے واپس آئیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد صفوان بن معطل سلمیٰ پہنچ آئے، جن کی ذمہ داری یہی تھی کہ قافلے کی رہ جانے والی چیزیں سنبھالیں۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم حجاب سے پہلے دیکھا ہوا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی اِنَّا لِلّٰہِ اِلَیْہِ رُجَعُہَا اور مجھے گئے کہ قافلہ غلطی سے یا بے علمی میں حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کو ہمیں چھوڑ کر آگے چل گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے انہیں اپنے اونٹ پر بٹھایا اور خود تکمیل تھامے پیدل چلتے قافلے کو جا ملے۔ منافقین نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس طرح بعد میں اکیلے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آتے دیکھا تو اس موقع کو بہت غنیمت جانا اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے کہا کہ یہ تمہاری اور علیہ کی بے سبب نہیں اور یوں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مطعون کر دیا، دریاں حایکہ دونوں ان باتوں سے یکسر بے خبر تھے۔ بعض مخلص مسلمان بھی منافقین کے اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے، مثلاً حضرت حسان، مسطح بن اثاثہ اور حمزہ بنت جحش رضی اللہ عنہم اس واقعہ کی پوری تفصیل صحیح احادیث میں موجود ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پورے ایک مہینے تک، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے براءت نازل نہیں ہوئی، سخت پریشان رہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لا علمی میں اپنی جگہ بے قرار و مضطرب۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی واقعے کو اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اِفْلَک کے معنی ہیں کسی چیز کو الٹا

بَلْ هُوَ خَيْرٌ لِّكَ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرًا مِّنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠﴾

میں سے ہی ایک گروہ^(۱) ہے۔ تم اسے اپنے لیے برائے سمجھو، بلکہ یہ تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔^(۲) ہاں ان میں سے ہر ایک شخص پر اتنا گناہ ہے جتنی اس نے کمایا ہے اور ان میں سے جس نے اس کے بہت بڑے حصے کو سرائجام دیا ہے اس کے لیے عذاب بھی بہت ہی بڑا ہے۔^(۳) (۱۱)

لَوْلَا رِزْقُهُمْ مَوْتُ ظَنِّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنَّهُمْ خَيْرٌ وَقَالُوا هَذَا أَفْئِدَةٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾

اے سنتے ہی مومن مردوں عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا صریح بہتان ہے۔^(۴) (۱۲)

لَوْ أَهْبَاءُ وَعَلَيْهِمْ بِأَرْبَعَةِ شَهَادَاتٍ قَالُوا يَا شُهَدَاءُ قَالُوا لَكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمْ الْكَذِبُونَ ﴿١٣﴾

وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اور جب گواہ نہیں لائے تو یہ بہتان باز لوگ یقیناً اللہ کے نزدیک محض جھوٹے ہیں۔ (۱۳)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَسَفَّيْنَا مَا اقْتَضَتْ فِتْنَتُهُمْ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿١٤﴾

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر دنیا اور آخرت میں نہ ہوتا تو یقیناً تم نے جس بات کے چرچے شروع کر رکھے

دینا۔ اس واقعے میں بھی چونکہ منافقین نے معاملے کو الٹا دیا تھا یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو ثناء و تعریف کی مستحق تھیں، عالی نسب اور رنعت کردار کی مالک تھیں نہ کہ قذف کی۔ لیکن ظالموں نے اس پیکرِ عفت کو اس کے برعکس طعن اور بہتان تراشی کا ہدف بنالیا۔

(۱) ایک گروہ اور جماعت کو عصبۂ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے کی تقویت اور عصبيت کا باعث ہوتے ہیں۔
(۲) کیونکہ اس سے ایک تو تمہیں کرب اور صدمے کے سبب ثواب عظیم ملے گا، دوسرے آسمانوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت سے ان کی عظمت شان اور ان کے خاندان کا شرف و فضل نمایاں تر ہو گیا، علاوہ ازیں اہل ایمان کے لیے اس میں عبرت و موعظت کے اور کئی پہلو ہیں۔

(۳) اس سے مراد عبد اللہ بن ابی منافق ہے جو اس سازش کا سرغنہ تھا۔

(۴) یہاں سے تربیت کے ان پہلوؤں کو نمایاں کیا جا رہا ہے جو اس واقعے میں مضمحل ہیں ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اہل ایمان ایک جان کی طرح ہیں، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اہتمام طرازی کی گئی تو تم نے اپنے پر قیاس کرتے ہوئے فوراً اس کی تردید کیوں نہ کی اور اسے بہتان صریح کیوں قرار نہیں دیا؟

إِذْ تَلَقَوْنَهُ يَأْسِيَنَّكُمْ وَتَقُولُونَ يَا قَوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ

عِلْمٌ وَعَسَّوْنَهُ هَيْبًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿۱۵﴾

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلُوبٌ تَأْكُلُ لَنَاسًا سَكَرًا بِهَذَا آيَاتِنَا

هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿۱۶﴾

تھے اس بارے میں تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔ (۱۴)

جبکہ تم اسے اپنی زبانوں سے نقل و نقل کرنے لگے اور اپنے منہ سے وہ بات نکالنے لگے جس کی تمہیں مطلق خبر نہ تھی، گو تم اسے ہلکی بات سمجھتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ

کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی۔ (۱۵)

تم نے ایسی بات کو سنتے ہی کیوں نہ کہا کہ ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنی بھی لائق نہیں۔ یا اللہ! تو پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے اور تمہمت ہے۔ (۱۶)^(۱)

(۱) دوسری بات اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ بتلائی کہ اس بہتان پر انہوں نے ایک گواہ بھی پیش نہیں کیا۔ جب کہ اس کے لیے چار گواہ ضروری تھے، اس کے باوجود تم نے ان بہتان تراشوں کو جھوٹا نہیں کہا۔ یہی وجہ ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد حضرت حسان، مطہر اور حنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم کو حد قذف لگائی گئی۔ (مسند احمد، جلد ۶، ص ۳۰، ترمذی لمبیر ۳۱۸، ابو داؤد لمبیر ۴۴۴۳، ابن ماجہ لمبیر ۲۵۶۷، عبد اللہ بن ابی کو سزا اس لیے نہیں دی گئی کہ اس کے لیے آخرت کے عذاب عظیم کو ہی کافی سمجھ لیا گیا اور مومنوں کو سزا دے کر دنیا میں ہی پاک کر دیا گیا۔ دوسرے اس کے پیچھے ایک پورا جھوٹ تھا، اس کو سزا دینے کی صورت میں کچھ ایسے خطرات تھے کہ جن سے نہٹنا اس وقت مسلمانوں کے لیے مشکل تھا، اس لیے مصلحتاً اسے سزا دینے سے گریز کیا گیا۔ (فتح القدیر)

تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ کا فضل و احسان تم پر نہ ہوتا تو تمہارا یہ رویہ کہ تم نے بلا تحقیق اس افواہ کو آگے پھیلانا شروع کر دیا۔ عذاب عظیم کا باعث تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ افواہ سازی اور اس کی نشر و اشاعت بھی جرم عظیم ہے جس پر انسان عذاب عظیم کا مستحق قرار پا سکتا ہے۔

چوتھی بات کہ یہ معاملہ براہ راست حرم رسول ﷺ اور ان کی عزت و آبرو کا تھا لیکن تم نے اسے قرار واقعی اہمیت نہیں دی، اور اسے ہلکا سمجھا۔ اس سے بھی یہ سمجھنا مقصود ہے کہ محض آبروریزی ہی بڑا جرم نہیں ہے کہ جس کی حد سو کوڑے یا رجم ہے بلکہ کسی کی عزت و آبرو پر اس طرح حملہ کرنا اور کسی عفت مآب خاندان کی تذلیل و اہانت کا سروسامان کرنا بھی اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے، اسے ہلکا مت سمجھو۔ اسی لیے آگے پھر مزید تاکید کرتے ہوئے کہا کہ تم نے سنتے ہی یہ کیوں نہیں کہا کہ ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنی بھی لائق نہیں۔ یہ یقیناً بہتان عظیم ہے۔ اسی لیے امام مالک فرماتے ہیں کہ جو نام نہاد مسلمان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بے حیائی کا اہرام عائد کرے وہ کافر ہے کیوں کہ وہ اللہ کی اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے (ایسر التفاسیر)

يَعْلَمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا إِلَيْهِ أَلَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

وَيُؤَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ زَوَّجَ رُوحِيَّةَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی بھی ایسا کام نہ کرنا اگر تم سچے مومن ہو۔ (۱۷)

اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنی آیتیں بیان فرما رہا ہے اور اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔ (۱۸)

جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزو مند رہتے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں،^(۱) اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے۔ (۱۹)

اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ بڑی شفقت رکھنے والا مہربان ہے۔^(۲) (تو تم پر عذاب اتر جاتا) (۲۰)

ایمان والو! شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ جو شخص شیطانی قدموں کی پیروی کرے تو وہ تو بے حیائی اور برے کاموں

(۱) فاحشۃ کے معنی بے حیائی کے ہیں اور قرآن نے بدکاری کو بھی فاحش قرار دیا ہے (یعنی اسرائیل) اور یہاں بدکاری کی ایک جھوٹی خبر کی اشاعت کو بھی اللہ تعالیٰ نے بے حیائی سے تعبیر فرمایا ہے اور اسے دنیا و آخرت میں عذاب الیم کا باعث قرار دیا ہے جس سے بے حیائی کے بارے میں اسلام کے مزاج کا اور اللہ تعالیٰ کی خشاکا اندازہ ہوتا ہے کہ محض بے حیائی کی ایک جھوٹی خبر کی اشاعت عند اللہ اتنا بڑا جرم ہے تو جو لوگ رات دن ایک مسلمان معاشرے میں اخبارات، ریڈیو، ٹی وی اور فلموں ڈراموں کے ذریعے سے بے حیائی پھیلا رہے ہیں اور گھر گھر اسے پہنچا رہے ہیں اللہ کے ہاں یہ لوگ کتنے بڑے مجرم ہوں گے؟ اور ان اداروں میں کام کرنے والے ملازمین کیوں کر اشاعت فاحشہ کے جرم سے بری الذمہ قرار پائیں گے؟ اسی طرح اپنے گھروں میں ٹی وی لا کر رکھنے والے جس سے ان کی آئندہ نسلوں میں بے حیائی پھیل رہی ہے وہ بھی اشاعت فاحشہ کے مجرم کیوں نہیں ہوں گے؟ اور یہی معاملہ فاحش اور منکرات سے بھرپور روزنامہ اخبارات کا ہے کہ ان کا بھی گھروں کے اندر آنا اشاعت فاحشہ کا ہی سبب ہے یہ بھی عند اللہ جرم ہو سکتا ہے۔ کاش مسلمان اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور اس بے حیائی کے طوفان کو روکنے کے لیے اپنی مقدور بھروسہ کریں۔

(۲) جواب محذوف ہے تو پھر اللہ کا عذاب تمہیں اپنی گرفت میں لے لیتا۔ یہ محض اس کا فضل اور اس کی شفقت و رحمت ہے کہ اس نے تمہارے اس جرم عظیم کو معاف فرمادیا۔

وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَاىَ مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ
وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

کافی حکم کرے گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر نہ
ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا۔
لیکن اللہ تعالیٰ جسے پاک کرنا چاہے کر دیتا ہے۔^(۱) اور اللہ
سب سننے والا سب جاننے والا ہے۔ (۲۱)

وَلَا يَأْتِلُ أُولُو الْعُقُصِ مِنْكُمْ وَلَسَعَةً لَّنْ يُوْثِقُوا أُولَى الْقُرْبَى
وَالْيَتَامَى وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا
أَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انہیں اپنے
قربائت داروں اور مسکینوں اور مہاجرین کوئی سبیل اللہ
دینے سے قسم نہ کھالینی چاہیے، بلکہ معاف کر دینا اور
درگزر کر لینا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ
تمہارے قصور معاف فرما دے؟^(۲) اللہ قصوروں کو

(۱) اس مقام پر شیطان کی پیروی سے ممانعت کے بعد یہ فرمانا کہ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے
کوئی بھی پاک صاف نہ ہوتا اس سے یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ مذکورہ واقعہ الگ میں ملوث ہونے سے بچ
گئے یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے جو ان پر ہوا ورنہ وہ بھی اسی رو میں بہہ جاتے جس میں بعض مسلمان بہہ گئے تھے۔
اس لیے شیطان کے داؤد اور فریب سے بچنے کے لیے ایک تو ہر وقت اللہ سے مدد طلب کرتے اور اس کی طرف رجوع
کرتے رہو اور دوسرے جو لوگ اپنے نفس کی کمزوری سے شیطان کے فریب کا شکار ہو گئے ہیں ان کو زیادہ ہدف ممانعت
مت بناؤ بلکہ خیر خواہانہ طریقے سے ان کی اصلاح کی کوشش کرو۔

(۲) حضرت مسطح جو واقعہ الگ میں ملوث ہو گئے تھے فقرائے مہاجرین میں سے تھے رشتے میں حضرت ابو بکر صدیق
برہنہ کے خالہ زاد تھے اسی لیے ابو بکر برہنہ ان کے کفیل اور معاش کے ذمے دار تھے جب یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
کے خلاف مہم میں شریک ہو گئے تو ابو بکر صدیق برہنہ کو سخت صدمہ پہنچا جو ایک فطری امر تھا چنانچہ نزوں براءت کے
بعد غصے میں انہوں نے قسم کھالی کہ وہ آئندہ مسطح کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ ابو بکر صدیق برہنہ کی یہ قسم جو اگرچہ
انسانی فطرت کے مطابق ہی تھی تاہم مقام صدیقیت اس سے بلند تر کردار کا متقاضی تھا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آئی اور
یہ آیت نازل فرمائی جس میں بڑے پیار سے ان کے اس عاجلانہ بشری اقدام پر انہیں متنبہ فرمایا کہ تم سے بھی غلطیاں
ہوتی رہتی ہیں اور تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیاں معاف فرماتا رہے۔ تو پھر تم بھی دوسروں کے ساتھ اسی
طرح معافی اور درگزر کا معاملہ کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیاں معاف فرما دے؟ یہ
انداز بیان اتنا موثر تھا کہ اسے سنتے ہی ابو بکر صدیق برہنہ بے ساختہ پکار اٹھے ”کیوں نہیں اے ہمارے رب! ہم ضرور یہ
چاہتے ہیں کہ تو ہمیں معاف فرما دے“ اس کے بعد انہوں نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر کے حسب سابق مسطح کی مالی
سرپرستی شروع فرمادی (فتح القدیر ابن کثیر)

إِنَّ الَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْسَنَاتِ الْفَاضِلَاتِ الْمُنِيبَاتِ لُعُنُوا
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٠﴾

يَوْمَ تَنفَعُهُمْ عَلَيْهِنَّ أَلْسِنَتُهُمْ وَآيَاتُهُمْ وَارْحَامُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢١﴾

يَوْمَ يَنْفَعُهُمْ يُوقِنُهُمْ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ
الْبَرُّ ﴿٢٢﴾

الْمُحْسِنَاتِ لِلْمُهِنِينَ وَالْمُهِنَاتِ لِلْمُهِنَاتِ وَالْمُهِنَاتِ لِلْمُهِنِينَ
وَالْمُهِنَاتِ لِلْمُهِنَاتِ أُولَٰئِكَ مُبَرَّجُونَ مِمَّا يَقُولُونَ
لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَزْوَاجٌ طَيِّبَةٌ ﴿٢٣﴾

معاف فرمانے والا مہربان ہے۔ (۲۲)

جو نوگ پاک دامن بھولی بھالی یا ایمان عورتوں پر تہمت
لگاتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لیے
بڑا بھاری عذاب ہے۔ (۲۳) ^(۱)

جبکہ ان کے مقابلے میں ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ
پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ (۲۴) ^(۲)

اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ حق و انصاف کے
ساتھ دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے
(اور وہی) ظاہر کرنے والا ہے۔ (۲۵)

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث
مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں اور پاک عورتیں پاک
مردوں کے لائق ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق
ہیں۔ (۲۶) ^(۳) ایسے پاک لوگوں کے متعلق جو کچھ بکواس

(۱) بعض مفسرین نے اس آیت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ خاص قرار دیا
ہے کہ اس آیت میں بطور خاص ان پر تہمت لگانے کی سزا بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کے لیے توبہ نہیں ہے۔
اور بعض مفسرین نے اسے عام ہی رکھا ہے اور اس میں وہی حد تہذیب بیان کی گئی ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ اگر تہمت
لگانے والا مسلمان ہے تو لعنت کا مطلب ہو گا کہ وہ قابل حد ہے اور مسلمانوں کے لیے نفرت اور بعد کا مستحق۔ اور اگر
کافر ہے تو مفسوم واضح ہی ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں ملعون یعنی رحمت الہی سے محروم ہے۔

(۲) جیسے کہ قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر بھی اور احادیث میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(۳) اس کا ایک مفسوم تو یہی بیان کیا گیا ہے جو ترجمے سے واضح ہے۔ اس صورت میں یہ ﴿الزَّانِي لَا يَنْفِكُ وَلَا زَانِيَةٌ﴾ کے
ہم معنی آیت ہو گی اور خبیثات اور خبیثون سے زانی مرد و عورت اور طہبات اور طہبون سے مراد پاک دامن عورت اور
مرد ہوں گے۔ دوسرے معنی اس کے ہیں کہ ناپاک باتیں ناپاک مردوں کے لیے اور ناپاک مرد ناپاک باتوں کے لیے ہیں
اور پاکیزہ باتیں پاکیزہ مردوں کے لیے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ باتوں کے لیے ہیں اور مطلب یہ ہو گا کہ ناپاک باتیں وہی
مرد عورت کرتے ہیں جو ناپاک ہیں اور پاکیزہ باتیں کرنا پاکیزہ مردوں اور عورتوں کا شیوہ ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس
بات کی طرف کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ناپاکی کا الزام عائد کرنے والے ناپاک اور ان سے اس کی براءت کرنے والے
پاک ہیں۔

(بستان باز) کر رہے ہیں وہ ان سے بالکل بری ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت والی روزی۔^(۱) (۳۶)

اسے ایمان والا اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو،^(۲) یہی تمہارے لیے سرا سر بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔^(۳) (۴۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ نِسَائِكُمْ حَتَّى تَسْأَلُوا
وَسَلِّمُوا عَلَيْهِنَّ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَزْكُونَ ۝

(۱) اس سے مراد جنت کی روزی ہے جو اہل ایمان کو نصیب ہوگی۔

(۲) گزشتہ آیت میں زنا اور قذف اور ان کی حدود کا بیان گزرا، اب اللہ تعالیٰ گھروں میں داخل ہونے کے آداب بیان فرما رہا ہے تاکہ مرد و عورت کے درمیان اختلاط نہ ہو جو عام طور پر زنا یا قذف کا سبب بنتا ہے۔ اسٹینشن کے معنی ہیں 'معلوم کرنا' یعنی جب تک تمہیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اندر کون ہے اور اس نے تمہیں اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی ہے، اس وقت تک داخل نہ ہو۔ بعض نے تَسْتَأْنِسُوا کے معنی تَسْتَأْذِنُوا کے کیے ہیں، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ آیت میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرنے کا ذکر پہلے اور سلام کرنے کا ذکر بعد میں ہے۔ لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سلام کرتے اور پھر داخل ہونے کی اجازت طلب کرتے۔ اسی طرح آپ ﷺ کا یہ معمول بھی تھا کہ تین مرتبہ آپ ﷺ اجازت طلب فرماتے، اگر کوئی جواب نہیں آتا تو آپ ﷺ واپس لوٹ آتے۔ اور یہ بھی آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ اجازت طلبی کے وقت آپ ﷺ دروازے کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے، تاکہ ایک دم سامنا نہ ہو جس میں بے پردگی کا امکان رہتا ہے (ملاحظہ ہو صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب الصلیم والاستئذان ثلاثا مسند احمد ۳۸۳، ابو داؤد، کتاب الآداب، باب کم موعہ مسلم الرجل فی الاستئذان) اسی طرح آپ ﷺ نے دروازے پر کھڑے ہو کر اندر جھانکنے سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (البخاری، کتاب الدیارات، باب من اطلع فی بیت قوم لفقرار عینہ فلا یدہ له مسلم، کتاب الآداب، باب تحریم النظر فی بیت غیرہ) آپ ﷺ نے اس بات کو بھی ناپسند فرمایا کہ جب اندر سے صاحب بیت پوچھے، کون ہے؟ تو اس کے جواب میں "میں" "میں" "میں" کہا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نام لے کر اپنا تعارف کرائے۔ (صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب إذا قال من ذاء؟ قال أنا۔ ومسلم، کتاب الآداب، باب کراهة قول المستأذن أنا إذا قبل من هذا؟ وأبو داؤد، کتاب الآداب)

(۳) یعنی عمل کرو، مطلب یہ ہے کہ اجازت طلبی اور سلام کرنے کے بعد گھر کے اندر داخل ہوتا، دونوں کے لیے اچانک داخل ہونے سے بہتر ہے۔

فَإِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ فِيمَا آتَاكُمُ اللَّهُ فَاتَّخِذُوا حَتَّى يُؤَدَّ إِلَيْكُمْ طَرَفًا فِيمَا
لَكُمْ. رَجِعُوا قَارِعُوا مَا آتَاكُمُ اللَّهُ وَأَلْفُوا بِهِ سَائِلُونَ وَيَلْمِزُوا

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُفْعَلُونَ ۝

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَنْقُضُ عَاهِدُ آبَائِهِمْ وَمَقْصُودُهُمْ قُرُوبُهُمْ ذَلِكَ
أَكْبَرُ لَكُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَنْقُضُ عَهْدُ آبَائِهِنَّ وَمَقْصُودُهُنَّ قُرُوبُهُنَّ
وَاللَّهُ يَخْبِرُ بِنَفْسِهِنَّ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝

اگر وہاں تمہیں کوئی بھی نہ مل سکے تو پھر اجازت ملے بغیر
اندرون نہ جاؤ۔ اور اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو تم
لوٹ ہی جاؤ، یہی بات تمہارے لیے پابندی ہے جو کچھ تم
کر رہے ہو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (۲۸)

ہاں غیر آباد گھروں میں جہاں تمہارا کوئی فائدہ یا اسباب
ہو، جانے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ (۱) تم جو کچھ بھی
ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اللہ تعالیٰ سب کچھ
جانتا ہے۔ (۲) (۲۹)

مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، (۳) اور
اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں۔ (۴) یہی انکے لیے پابندی
ہے گوگ جو کچھ کریں اللہ تعالیٰ سب سے خبردار ہے۔ (۳۰)

مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں
اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں (۵) اور اپنی زینت

(۱) اس سے مراد کون سے گھر ہیں، جن میں بغیر اجازت لیے داخل ہونے کی اجازت دی جا رہی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ
اس سے مراد وہ گھر ہیں جو بطور خاص مہمانوں کے لیے الگ تیار یا مخصوص کر دیئے گئے ہوں۔ ان میں صاحب خانہ کی
پہلی مرتبہ اجازت کافی ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد سرائے ہیں جو مسافروں کے لیے ہی ہوتی ہیں یا تجارتی گھر
ہیں، منافع کے معنی، منفعت کے ہیں یعنی جن میں تمہارا فائدہ ہو۔

(۲) اس میں اس لوگوں کے لیے وعید ہے جو دوسروں کے گھروں میں داخل ہوتے وقت مذکورہ آداب کا خیال نہیں رکھتے۔
(۳) جب کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کو ضروری قرار دیا تو اس کے ساتھ ہی غصہ بھر (آنکھوں کو
پست رکھنے یا بند رکھنے) کا حکم دے دیا تاکہ اجازت طلب کرنے والا بھی بالخصوص اپنی نگاہوں پر کنٹرول رکھے۔

(۴) یعنی ناجائز استعمال سے اس کو بچائیں یا انہیں اس طرح چھپا کر رکھیں کہ ان پر کسی کی نظر نہ پڑے۔ اس کے یہ
دونوں مفہوم صحیح ہیں کیوں کہ دونوں ہی مطلوب ہیں۔ علاوہ ازیں نظروں کی حفاظت کا پہلے ذکر کیا کیونکہ اس میں بے
احتیاطی ہی، حفظ فروج سے غفلت کا سبب بنتی ہے۔

(۵) عورتیں بھی اگرچہ غصہ بھرا اور حفظ فروج کے پہلے حکم میں داخل تھیں، جو تمام مومنین کو دیا گیا ہے اور مومنین میں

جُزْءِهِمْ وَلَا يُمْسِكُ زِينَتَهُمْ إِلَّا لِيُؤْتُوا لَهَا مِنْ دُونِ الْكِبَرَاءِ
نِعَاقًا أَوْ تَسْمِيًا أَوْ إِنْ كَانَ بِكُمْ إِذَا أَنْتُمْ أَعْيُنٌ عَلَى أَخْوَانِكُمْ
أَوْ بَنِي أَخَوَاتِكُمْ أَوْ نِسَاءً لَهُنَّ وَالْمَلَائِكَةُ
وَالْمَلَائِكَةُ يَتَوَكَّلْنَ عَلَى الْإِسْمَاءِ مِنَ الرِّجَالِ أَوْ الْفُجَرَاءِ

کو ظاہر نہ کریں،^(۱) سوائے اسکے جو ظاہر ہے^(۲) اور اپنے گرجہاؤں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رہیں،^(۳) اور اپنی آرائش کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں،^(۴) سوائے اپنے خاوندوں کے^(۵) یا اپنے والد کے یا اپنے خسر کے

مومن عورتیں بھی بالعموم شامل ہی ہوتی ہیں لیکن ان مسائل کی اہمیت کے پیش نظر عورتوں کو بھی بطور خاص دوبارہ وہی حکم دیا جا رہا ہے جس سے مقصود تاکید ہے بعض علما نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس طرح مردوں کے لیے عورتوں کو دیکھنا ممنوع ہے اسی طرح عورتوں کے لیے مردوں کو دیکھنا مطلقاً ممنوع ہے۔ اور بعض نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مشیوں کا کھیل دیکھنے کا ذکر ہے (صحیح بخاری کتاب الصدوق باب أصحاب الحراب فی المسجد بغیر شہوت کے مردوں کی طرف دیکھنے کی عورتوں کو اجازت دی ہے۔

(۱) زینت سے مراد وہ لباس اور زیور ہے جو عورتیں اپنے حسن و جمال میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لیے پہنتی ہیں، جسکی تاکید انہیں اپنے خاوندوں کے لیے کی گئی ہے۔ جب لباس اور زیور کا اظہار غیر مردوں کے سامنے عورت کے لیے ممنوع ہے تو جسم کو عریں اور نمایاں کرنے کی اجازت اسلام میں کب ہو سکتی ہے؟ یہ تو بطریق اولیٰ حرام اور ممنوع ہوگا۔

(۲) اس سے مراد وہ زینت اور حصہ جسم ہے جس کا چھپانا اور پردہ کرنا ممکن نہ ہو۔ جیسے کسی کو کوئی چیز پکڑاتے یا اس سے لیتے ہوئے تھمبیوں کا یا دیکھتے ہوئے آنکھوں کا ظاہر ہو جانا۔ اس ضمن میں ہاتھ میں جو انگوٹھی پسی ہوئی یا مندی لگی ہو، آنکھوں میں سرمہ، کاہل ہو یا لباس اور زینت کو چھپانے کے لیے جو برقعہ یا چادر لی جاتی ہے، وہ بھی ایک زینت ہی ہے۔ تاہم یہ ساری زینتیں ایسی ہیں جن کا اظہار بوقت ضرورت یا بوجہ ضرورت مباح ہے۔

(۳) تاکہ سرگردن، سینے اور چھاتی کا پردہ ہو جائے، کیونکہ انہیں بھی بے پردہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۴) یہ وہی زینت (سنگھار) یا آرائش ہے جسے ظاہر کرنے کی ممانعت اس سے پہلے کی گئی تھی۔ یعنی لباس اور زیور وغیرہ کی جو چادر یا برقعہ کے نیچے ہوتی ہے۔ یہاں اس کا ذکر اب احتیاج کے ضمن میں آیا ہے۔ یعنی ان اس لوگوں کے سامنے اس زینت کا اظہار جائز ہے۔

(۵) ان میں سرفہرست خاوند ہے۔ اسی لیے خاوند کو سب پر مقدم بھی کیا گیا ہے۔ کیوں کہ عورت کی ساری ذہنت خاوند ہی کے لیے ہوتی ہے اور خاوند کے لیے تو عورت کا سارا بدن ہی حلال ہے۔ اس کے علاوہ جن محارم اور دیگر بعض افراد کا ہر وقت گھر میں آنا جانا رہتا ہے اور قربت اور رشتہ داری کی وجہ سے یا دیگر وجوہ سے طبعی طور پر ان کی طرف جنسی میلان بھی نہیں ہوتا جس سے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ تو شریعت نے ایسے لوگوں کے سامنے جن سے کوئی خطرہ نہ ہو اور تمام محارم کے سامنے ذہنت ظاہر کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ اس مقام پر ماموں اور چچی کا ذکر نہیں کیا

لَمْ يَنْظُرُوا عَلَىٰ عَوْنِ الْمَسَاءِ وَلَا يُصِرُّنَ بِأَرْجُلِهِنَّ
يُحْكَمْنَ بِأُخْفَيْنِ مِنْ رَيْنَتَيْنِ وَتَوَدُّوْنَ إِلَىٰ الْمَوْتِ جَمِيعًا إِنَّ
الْمُؤْمِنِينَ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۵﴾

یا اپنے لڑکوں کے یا اپنے خاوند کے لڑکوں کے یا
اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجیوں کے یا اپنے بھانجوں
کے ^(۱) یا اپنے میل جول کی عورتوں کے ^(۲) یا غلاموں
کے ^(۳) یا ایسے نوکر چاکر مردوں کے جو شہوت والے
نہ ہوں ^(۴) یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے
کی باتوں سے مطلع نہیں۔ ^(۵) اور اس طرح زور زور
سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم

کیا ہے۔ جسور عطا کے نزدیک یہ بھی ان محارم میں سے ہیں جن کے سامنے اظہار زینت کی اجازت دی گئی ہے اور بعض
کے نزدیک یہ محارم میں سے نہیں ہیں (فتح القدیر)

(۱) باپ میں دادا، پردادا، نانا، پرانا اور اس سے اوپر سب شامل ہیں۔ اسی طرح خسر میں خسر کا باپ، دادا، پردادا، اور تک۔
بیٹوں میں پوتا، پرپوتا، نواسہ، پر نواسہ، نیچے تک۔ خاوندوں کے بیٹوں میں پوتے، پر پوتے، نیچے تک، بھائیوں میں تینوں قسم
کے بھائی (یعنی، اخیانی اور علاقائی) اور ان کے بیٹے، پوتے، پر پوتے، نواسے، نیچے تک۔ بھتیجیوں میں ان کے بیٹے، نیچے تک
اور بھانجیوں میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد شامل ہے۔

(۲) ان سے مراد مسلمان عورتیں ہیں جن کو اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ وہ کسی عورت کی زینت، اس کا حسن و
جمال اور جسمانی خدو خال اپنے خاوند کے سامنے بیان کریں۔ ان کے علاوہ کسی بھی کافر عورت کے سامنے اظہار زینت
منع ہے یہی رائے حضرت عمرو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد اور امام احمد بن حنبل سے منقول ہے۔ بعض نے
اس سے وہ مخصوص عورتیں مراد لی ہیں جو خدمت وغیرہ کے لیے ہر وقت ساتھ رہتی ہیں، جن میں باندیاں (بونڈیاں)
بھی شامل ہیں۔

(۳) بعض نے اس سے مراد صرف لونڈیاں اور بعض نے صرف غلام لیے ہیں اور بعض نے دونوں ہی۔ حدیث میں بھی
صراحت ہے کہ غلام سے پردے کی ضرورت نہیں ہے۔ (ابوداؤد کتاب اللباس باب فی العبد یسطر علی شعر
مولانہ) اسی طرح بعض نے اسے عام رکھا ہے جس میں مومن اور کافر دونوں غلام شامل ہیں۔

(۴) بعض نے ان سے صرف وہ افراد مراد لیے ہیں جن کا گھر میں رہنے سے کھانے پینے کے سوا کوئی اور مقصد نہیں۔
بعض نے بے وقوف، بعض نے نامرد اور خسی اور بعض نے بالکل بوڑھے مراد لیے ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ جن
کے اندر بھی قرآن کی بیان کردہ صفت پائی جائے گی، وہ سب اس میں شامل اور دوسرے خارج ہوں گے

(۵) ان سے ایسے بچے خارج ہوں گے جو بالغ ہوں یا بلوغت کے قریب ہوں کیونکہ وہ عورتوں کے پردوں کی باتوں سے
واقف ہوتے ہیں۔

ہو جائے“^(۱) اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم نجات پاؤ۔“^(۲) (۳۱)

تم میں سے جو مرد عورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کر دو^(۳) اور اپنے نیک بخت غلام اور لونڈیوں کا بھی۔“^(۴) اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی بنا دے گا۔“^(۵) اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔ (۳۲)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ
يَكُونُوا أَقْرَبَ إِلَىٰ رَحْمَةِ اللَّهِ وَأَبْغَىٰ وَأَبْغَىٰ ۖ (۳۱)

(۱) تاکہ پانچویں کی جھنکار سے مرد اس کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ اسی میں اونچی ایڑی کے وہ سینڈل بھی آجاتے ہیں جنہیں عورت پن کر چلتی ہے تو ٹک ٹک کی آواز‘ زیور کی جھنکار سے کم نہیں ہوتی۔ اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ عورت کے لیے خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلتا جائز نہیں‘ جو عورت ایسا کرتی ہے‘ وہ بدکار ہے‘ احمدی‘ ابواب الاستئذان‘ ابو داؤد‘ کتاب العرجل

(۲) یہاں پردے کے احکام میں توبہ کا حکم دینے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ان احکام کی جو خلاف ورزی بھی تم کرتے رہے ہو‘ وہ چونکہ اسلام سے قبل کی باتیں ہیں‘ اس لیے اگر تم نے سچے دل سے توبہ کرنی اور ان احکام مذکورہ کے مطابق پردے کا صحیح اہتمام کر لیا تو ظلال و کامیابی اور دنیا و آخرت کی سعادت تمہارا مقدر ہے۔

(۳) آیاتہی، اُنہم کی جمع ہے۔ اُنہم ایسی عورت کو کہا جاتا ہے جس کا خاوند نہ ہو‘ جس میں کنواری‘ بیوہ اور مطلقہ تینوں آجاتی ہیں۔ اور ایسے مرد کو بھی اُنہم کہتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو۔ آیت میں خطاب اولیا سے ہے کہ نکاح کر دو‘ یہ نہیں فرمایا کہ نکاح کرو کہ مخاطب نکاح کرنے والے مرد و عورت ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت دن کی اجازت اور رضامندی کے بغیر از خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی۔ جس کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح امر کے صیغے سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ نکاح کرنا واجب ہے‘ جب کہ بعض نے اسے مباح اور بعض نے مستحب قرار دیا ہے۔ تاہم استطاعت رکھنے والے کے لیے یہ سنت موکدہ بلکہ بعض حالات میں واجب ہے اور اس سے اعراض سخت وعید کا باعث ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے اَوْ مِنْ رَجَبٍ عَنْ سُتْبِي فَلَيْسَ مِنِّي“ (البخاری، ص ۵۰۳ و مسلم، ص ۱۰۰) جس نے میری سنت سے اعراض کیا‘ وہ مجھ سے نہیں۔“

(۴) یہاں صلیبت سے مراد ایمان ہے‘ اس میں اختلاف ہے کہ مالک اپنے غلام اور لونڈیوں کو نکاح کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض اکراہ کے قائل ہیں‘ بعض نہیں۔ تاہم اندیشہ ضرر کی صورت میں شرعاً مجبور کرنا جائز ہے۔ بصورت دیگر غیر مشروع (ایسر القاسیر)

(۵) یعنی محض غرمت اور تنگ دستی نکاح میں مانع نہیں ہونی چاہیے۔ ممکن ہے نکاح کے بعد اللہ ان کی تنگ دستی کو اپنے فضل سے وسعت و فراخی میں بدل دے۔ حدیث میں آتا ہے۔ تین شخص ہیں جن کی اللہ ضرور مدد فرماتا ہے‘ ۱ نکاح

وَلَيْسَ تَقْيِيۡدُ الدِّیۡنِ لِاَیۡمُنُ دُوۡنَ یَّحۡیَا حَاسِلٌ یُّقِیۡدُهُمُ اللّٰهُ مِنْ
فَضْلِهِ وَالَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ الْکِیۡتَابَ وَمَا مَلَکَتْ اَیۡمَانُکُمْ فَکَاۡیِیۡوۡمُ
اِنَّ عَلَیۡکُمْ فِیۡہِمْ خَیۡرًا وَّاُوۡفُوۡهُمۡ مِّنۡ مِّثْلِ الَّذِیۡ اَنۡکَرُوۡا
تُکُوۡفُوۡا فِیۡہِمْ عَلٰی الْاِیۡمَانِ اِنْ اَرَدۡتُمْ تَحۡسِنَ الَّذِیۡ تَتَّقُوۡا عَرَضَ النَّیۡبِ
اَللّٰهُ لَمَنِ یَّکُوۡفُہُمۡۤ اِنَّ اللّٰہَ مِنْ اَعۡدِیِّ الْوَاۡمِیۡنِ عَزِیۡزٌ
تَّجَلِّیٌّ ۝

اور ان لوگوں کو پاک دامن رہنا چاہیے جو اپنا نکاح
کرنے کا مقدور نہیں رکھتے^(۱) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ
انہیں اپنے فضل سے مالدار بنا دے، تمہارے غلاموں
میں سے جو کوئی کچھ تمہیں دے کر آزادی کی تحریر کرائی
چاہے تو تم ایسی تحریر انہیں کر دیا کرو اگر تم کو ان میں کوئی
بھلائی نظر آتی ہو^(۲) اور اللہ نے جو مال تمہیں دے رکھا
ہے اس میں سے انہیں بھی^(۳) دو، تمہاری جو لونڈیاں
پاک دامن رہنا چاہتی ہیں انہیں دنیا کی زندگی کے

کرنے وار، جو پاک دامنی کی نیت سے نکاح کرتا ہے۔ ۲۔) مکاتب غلام، جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہے ۳۔ اور اللہ کی راہ میں
جہاد کرنے وار، (بومدی أبواب فضائل الجہاد، باب ما جاء فی المجاہد، والمکاتب والنکاح)

(۱) حدیث میں پاک دامنی کے لیے، جب تک شادی کی استطاعت حاصل نہ ہو جائے، نفل روزے رکھنے کی تاکید کی گئی
ہے۔ فرمایا ”اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کی طاقت رکھتا ہے، اسے (اپنے وقت پر) شادی کر لینی
چاہیے، اس لیے کہ اس سے آنکھوں اور شرم گاہ کی حفاظت ہو جاتی ہے اور جو شادی کی طاقت نہیں رکھتا، اسے چاہیے
کہ وہ (کثرت سے نفل) روزے رکھے، روزے اس کی جنسی خواہش کو قابو میں رکھیں گے“ (المعاری، کتاب الصوم،
باب الصوم لمن خاف علی نفسه العروۃ، مسلم، اول کتاب النکاح)

(۲) مِکَاتِبُ، اس غلام کو کہا جاتا ہے جو اپنے مالک سے معاہدہ کر لیتا ہے کہ میں اتنی رقم جمع کر کے ادا کر دوں گا تو
آزادی کا مستحق ہو جاؤں گا۔ ”بھلائی نظر آنے“ کا مطلب ہے، اس کے صدق و امانت پر تمہیں یقین ہو یا کسی حرفت و
صنعت سے وہ آگاہی رکھتا ہو۔ تاکہ وہ محنت کر کے کمائے اور رقم ادا کر دے۔ اسلام نے چونکہ زیادہ سے زیادہ غلامی کی
حوصلہ شکنی کی پالیسی اپنائی تھی، اس لیے یہاں بھی مالکوں کو تاکید کی گئی کہ مکاتبت کے خواہش مند غلاموں سے معاہدہ
کرنے میں تامل نہ کرو بشرطیکہ تمہیں ان کے اندر ایسی بات معلوم ہو کہ جس سے تمہاری رقم کی ادائیگی بھی ممکن ہو۔
بعض علما کے نزدیک یہ امر وجوب کے لیے اور بعض کے نزدیک استحباب کے لیے ہے۔

(۳) اس کا مطلب ہے کہ غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لیے اس نے جو معاہدہ کیا ہے اور اب وہ رقم کا ضرورت مند ہے
تاکہ معاہدے کے مطابق وہ رقم ادا کر دے تو تم بھی اس کے ساتھ مالی تعاون کرو، اگر اللہ نے تمہیں صاحب حیثیت بنایا ہے۔
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے جو معارف ثنائیہ (التوبہ - ۶۰ میں) بیان فرمائے ہیں، ان میں ایک وَفِی الرِّقَابِ بھی ہے جس کے
معنی ہیں، گردنیں آزاد کرانے میں۔ یعنی غلاموں کی آزادی پر بھی زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔

قائدے کی غرض سے بدکاری پر مجبور نہ کرو^(۱) اور جو انہیں مجبور کر دے تو اللہ تعالیٰ ان پر جبر کے بعد بخش دینے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔^(۲) (۳۳)

ہم نے تمہاری طرف کھلی اور روشن آیتیں اتار دی ہیں اور ان لوگوں کی کمالتیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت۔ (۳۴)

اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا^(۳) اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کے ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ کی قدیل میں ہو اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو جو درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی خود وہ تیل

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ مُبِينَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ الْتَوِينِ
خُلَافًا مِّنْ قَبْلِكَ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۳﴾

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نُورِهِ كَمِثْلِ شَوْكَاةٍ فِيهَا
مِصْبَاحٌ أَلْهَمْنَا نَارَهُ وَصَبَّاحُهُ الرَّهْجَانَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ
ذُرِّيٌّ يُوقَدُ مِن شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ
وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَلْسَنَهُ نَارًا لَّوُضِعَ لِنُورٍ
يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ وَيَقْرُبُ اللَّهُ الْإِسْمَاطِلَ لِلْمَلَأِئِ

(۱) زمانہ جاہلیت میں لوگ محض دنیوی مال کے لیے اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرتے تھے۔ چنانچہ خواہی غواہی انہیں یہ داغ ذلت برداشت کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرمادیا اِنْ اَرَادَ غَالِبِ اَحْوَالِ كَيْفَ اَعْتَبَرَ مِنْهُ۔ ورنہ مقصد یہ نہیں ہے کہ اگر وہ بدکاری کو پسند کریں تو پھر تم ان سے یہ کام کرو لیا کرو۔ بلکہ حکم دینا یہ مقصود ہے کہ لونڈیوں سے دنیا کے قہوڑے سے مال کے لیے یہ کام مت کرواؤ اس لیے کہ اس طرح کہ کئی ہی حرام ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

(۲) یعنی جن لونڈیوں سے جبراً یہ بے حیائی کا کام کروایا جائے گا تو گنہگار مالک ہو گا یعنی جبر کرنے والا نہ کہ لونڈی جو مجبور ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ ”میری امت سے خطا نسیان اور ایسے کام جو جبر سے کرائے گئے ہوں معاف ہیں۔“

(ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق المحکومہ والناسی)

(۳) یعنی اگر اللہ نہ ہوتا تو نہ آسمان میں نور ہوتا نہ زمین میں نہ آسمان و زمین میں کسی کو ہدایت ہی نصیب ہوتی۔ پس وہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان و زمین کو روشن کرنے والا ہے اس کی کتاب نور ہے جس طرح چراغ اور جب سے انسان روشنی حاصل کرتا ہے۔ حدیث سے بھی اللہ کا نور ہونا ثابت ہے۔ وَلَئِكَ الْخَمْدُ اَنْتَ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ (البخاری، باب التهجید باللیل، ومسلم، کتاب صلوة المسافرین باب الدعاء فی صلاۃ اللیل) پس اللہ اس کی ذات نور ہے اس کا حجاب نور ہے اور ہر ظاہری اور معنوی نور کا خالق اس کا عطا کرنے والا اور اس کی طرف ہدایت کرنے والا صرف ایک اللہ ہے (امیر القامری)

وَاللَّهُ يَكْفِي شَأْنَهُ ۖ

قریب ہے کہ آپ ہی روشنی دینے لگے اگرچہ اسے آگ نہ بھی چھوئے 'نور پر نور ہے' (۱) اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسے چاہے، (۲) 'نوگوں' (کے سمجھانے) کو یہ مثالیں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے، (۳) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے حال سے بخوبی واقف ہے۔ (۳۵)

ان گھروں میں جن کے بلند کرنے اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے (۴) وہاں صبح و شام

فِي مَبُتُّونَ اللَّهُ أَنْ تَرْفَعُوا رُءُوسَكُمْ لِمَا يَسْتَعِزُّ بِهِمْ
يَا لَعَنُوا وَالْأَفْصَالِ ۖ

(۱) یعنی جس طرح ایک طاق میں ایسا چراغ ہو جو شیشے کی قندیل میں ہو اس میں ایک بابرکت درخت کا ایسا خاص تیل ڈال گیا ہو کہ وہ آگ (دیا سلائی) دکھائے بغیر ہی بذات خود روشن ہو جانے کے قریب ہو۔ یوں یہ ساری روشنیوں ایک طاق میں مجتمع ہو گئیں اور وہ جہہ نور بن گیا۔ اسی طرح اللہ کے نازل کردہ دلائل و براہین کی حیثیت ہے کہ وہ واضح بھی ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر بھی یعنی نور علی نور جو مشرقی ہے نہ مغربی کا مطلب ہے 'وہ درخت ایسے کھلے میدان، در صحرا میں ہے کہ اس پر دھوپ صرف سورج کے چڑھنے کے وقت یا غروب کے وقت ہی نہیں پڑتی بلکہ سارا دن وہ دھوپ میں رہتا ہے اور ایسے درخت کا پھل بہت عمدہ ہوتا ہے اور مراد اس سے زیتون کا درخت ہے جس کا پھل اور تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور چراغ میں تیل کے طور پر بھی۔

(۲) نُور سے مراد ایمان و اسلام ہے یعنی اللہ تعالیٰ جن کے اندر ایمان کی رغبت اور اس کی طلب دیکھتا ہے ان کی اس نور کی طرف رہنمائی فرما دیتا ہے جس سے دین و دنیا کی سعادتوں کے دروازے ان کے لیے کھل جاتے ہیں۔

(۳) جس طرح اللہ نے یہ مثال بیان فرمائی جس میں اس نے ایمان کو اور اپنے مومن بندے کے دل میں اس کے راسخ ہونے اور بندوں کے احوال قلوب کا علم رکھنے کو واضح فرمایا کہ کون ہدایت کا اہل ہے اور کون نہیں۔

(۴) جب اللہ تعالیٰ نے قلب مومن کو اور اس میں جو ایمان و ہدایت اور علم ہے اس کو ایسے چراغ سے تشبیہ دی جو شیشے کی قندیل میں ہو اور جو صاف شفاف تیل سے روشن ہو۔ تو اب اس کا محل بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ قندیل ایسے گھروں میں ہیں جن کی بابت حکم دیا گیا ہے کہ انہیں بلند کیا جائے اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ مراد مسجدیں ہیں جو اللہ کو زمین کے حصوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ بلندی سے مراد محض سبک و خشیت کی بلندی نہیں ہے بلکہ اس میں مسجدوں کو گندگی، لغویات اور غیر مناسب اقوال و افعال سے پاک رکھنا بھی شامل ہے۔ ورنہ محض مسجدوں کی عمارتوں کو عالی شان اور فلک یوس بنا دینا مطلوب نہیں ہے بلکہ احادیث میں مسجدوں کو زنگار اور زیادہ آراستہ و پیراستہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور ایک حدیث میں تو اسے قرب قیامت کی علامات میں سے بتلایا گیا ہے۔ (ابودود، کتاب الصلوۃ)

اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔^(۱) (۳۷)
ایسے لوگ^(۲) جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے
ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے
غافل نہیں کرتی اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے
دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔^(۳) (۳۷)
اس ارادے سے کہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا بہترین
بدلہ دے بلکہ اپنے فضل سے اور کچھ زیادتی عطا فرمائے۔
اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے شمار روزیاں دیتا ہے۔^(۴) (۳۸)
اور کافروں کے اعمال مثل اس چمکتی ہوئی ریت کے ہیں

بِخَالٍ لَا تُلْهِهُمُ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ
وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ بِهِ الْقُلُوبُ
وَلَا يَنْصَلُونَ ﴿۳۷﴾

لِيَجْزِيَ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَزَيِّدًا لَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ يَزِدُّ
مَنْ يَشَاءُ يُغْنِيهِمْ جَابِ ﴿۳۸﴾

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِفِئَةٍ مُنْجَبَةٍ مِنَ الْمُنَاطَلِ

باب فی بساء المساجد علاوہ ازیں 'جس طرح مسجدوں میں تجارت و کاروبار اور شور و شغب ممنوع ہیں کیونکہ یہ
مسجد کے اصل مقصد 'عبادت کے منافی ہیں۔ اسی طرح اللہ کا ذکر کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ صرف ایک اللہ کا ذکر
کیا جائے' اسی کی عبادت کی جائے اور صرف اسی کو مدد کے لیے پکارا جائے ﴿وَأَنَّ السَّجْدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾
(سورۃ جن: ۱۸) "مسجد میں اللہ کے لیے ہیں پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔"

(۱) تسبیح سے مراد نماز ہے اَصَالَ، اَصِيل کی جمع ہے بمعنی شام۔ یعنی اہل ایمان جن کے دل ایمان و ہدایت کے نور سے
روشن ہوتے ہیں 'صبح و شام مسجدوں میں اللہ کی رضا کے لیے نماز پڑھتے اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔

(۲) اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگرچہ عورتوں کا مسجدوں میں جا کر نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ وہ نہایت سادہ لباس
میں بغیر خوشبو لگائے اور باپردہ جائیں 'جس طرح کہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عورتیں مسجد نبوی میں نماز
کے لیے حاضر ہوتی تھیں۔ تاہم ان کے لیے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر اور افضل ہے۔ حدیث میں بھی اس چیز کو بیان کیا
گیا ہے۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ 'باب التشدید فی ذلك' مسند أحمد: ۶/۱۲۹۷: ۱۳۰۱)

(۳) یعنی شدت فزع اور ہولناکی کی وجہ سے۔ جس طرح دوسرے مقام پر ہے۔ ﴿وَأَنذَرْتَهُمْ يَوْمَ لَا رُفُوَ لَهُ الْقُلُوبُ لَنَذِي
الْحَنَاطِرِ كَاطِبِينَ﴾ (سورۃ المؤمن: ۱۸) "ان کو قیامت والے دن سے ڈراؤ" جس دن دل 'نگلوں کے پاس آجائیں
گے' غم سے بھرے ہوئے۔ ابتدا و دلوں کی یہ کیفیت سب کی ہی ہوگی 'مومن کی بھی اور کافر کی بھی۔

(۴) قیامت والے دن اہل ایمان کو ان کی نیکیوں کا بدلہ اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً (کئی کئی گنا) کی صورت میں دیا جائے گا اور
بہت سوں کو بے حساب ہی جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور وہاں رزق کی فراوانی اور اس میں جو تنوع و تلمذ ہو گا اس
کا توازن اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔

مَا حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ يَتِيمًا وَوَجَدَ اللَّهُ عِنْدَهُ
قَوْلَهُ حِسَابًا وَاللَّهُ سَوِيحُ الْحِسَابِ ﴿٣٩﴾

جو چھٹیل میدان میں ہو جسے پیاسا شخص دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا، ہاں اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے جو اس کا حساب پورا پورا چکا دیتا ہے۔^(۱) اللہ بہت جلد حساب کر دینے والا ہے۔ (۳۹)

أَوْ كَلِمَاتٍ فِي بُحْرِ أَيْحَىٰ يَعْنِي مَوْجٍ مِّنْ قَوْلِهِ مَوْجٍ مِّنْ قَوْلِهِ
سَابَّ فَلَمَّا تَنَصَّهَا فَوَقَىٰ بَعْضُهَا إِذَا الْخُرُوجُ يَدًا لَمْ يَكُنْ
يَرِيهَا وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ ﴿٤٠﴾

یا مثل ان اندھیروں کے ہے جو نہایت گہرے سمندر کی سطح میں ہوں جسے اوپر تلے کی موجوں نے ڈھانپ رکھا ہو، پھر اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں۔ ان فرض اندھیریاں ہیں جو اوپر تلے پے در پے ہیں۔ جب اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی قریب ہے کہ نہ دیکھ سکے^(۲) اور (بات یہ ہے کہ) جسے اللہ تعالیٰ ہی نور نہ دے اس کے پاس کوئی روشنی نہیں ہوتی۔^(۳) (۴۰)

(۱) اَعْمَال سے مراد وہ اعمال ہیں جنہیں کافر و مشرک نیکیاں سمجھ کر کرتے ہیں، جیسے صدقہ و خیرات، صلہ رحمی، بیت اللہ کی تعمیر اور حاجیوں کی خدمت وغیرہ۔ سَرَاب اس چمکتی ہوئی ریت کو کہتے ہیں جو دور سے سورج کی شعاعوں کی وجہ سے پانی نظر آتی ہے۔ سَرَاب کے معنی ہی چلنے کے ہیں۔ وہ ریت، چلتے ہوئے پانی کی طرح نظر آتی ہے۔ قَبْضَةُ اقَاع کی جمع ہے، زمین کا نشیبی حصہ، جس میں پانی ٹھہر جاتا ہے یا چھٹیل میدان۔ یہ کافروں کے عملوں کی مثال ہے کہ جس طرح سراب دور سے پانی نظر آتا ہے حالانکہ وہ ریت ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح کافر کے عمل عدم ایمان کی وجہ سے اللہ کے ہاں بالکل بے وزن ہوں گے، ان کا کوئی صلہ انہیں نہیں ملے گا۔ ہاں جب وہ اللہ کے پاس جائے گا تو وہ اس کے عملوں کا پورا پورا حساب چکا لے گا۔

(۲) یہ دوسری مثال ہے کہ اسکے اعمال اندھیروں کی طرح ہیں، یعنی انہیں سراب سے تشبیہ دے لویا اندھیروں سے۔ یا گزشتہ مثال کافر کے اعمال کی قسم اور یہ اس کے کفر کی مثال ہے جس میں کافر ساری زندگی گمراہ رہتا ہے، کفر و ضدت کی اندھیری اعمال پیشہ و عقائد شرکانہ کی اندھیری اور رب سے اور اسکے عذاب اخروی سے عدم واقفیت کی اندھیری۔ یہ اندھیروں اسے راہ ہدایت کی طرف نہیں آنے دیتیں۔ جس طرح اندھیرے میں انسان کو اپنا ہاتھ بھی بھٹائی نہیں دیتا۔

(۳) یعنی دنیا میں ایمان و اسلام کی روشنی نصیب نہیں ہوتی اور آخرت میں بھی اہل ایمان کو ملنے والے نور سے وہ محروم رہیں گے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْتَعْلِمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْخَلْقِ
صَفَاتُ كُلِّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۳۰﴾

وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿۳۱﴾

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ سَحَابًا ثُمَّ يُؤْتِيهِ مَاءً فَسَيِّدُهُ رِجَالًا مَدَى
الْوَدْقِ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِضْهًا لِيَنْزِلَ
بِرْوَقٍ مُصَيَّبٍ رِيحٌ مِنْ يَمِينِهِ وَتَصْرِيفُهُ عَنْ يَسَارِهِ يَنْفَاذُ
سَنَابِقُهُ يَنْفَخُ بِالْأَنْصَارِ ﴿۳۲﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین کی کل مخلوق
اور پر پھیلانے^(۱) اڑنے والے کل پرندہ اللہ کی تسبیح میں
مشغول ہیں۔ ہر ایک کی نماز اور تسبیح اسے معلوم ہے،^(۲)
لوگ جو کچھ کریں اس سے اللہ بخوبی واقف ہے۔^(۳) (۳۱)

زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے اور اللہ تعالیٰ
ہی کی طرف لوٹنا ہے۔^(۴) (۳۲)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو چلاتا ہے،
پھر انہیں ملاتا ہے پھر انہیں تہ بہ تہ کر دیتا ہے، پھر آپ
دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان میں سے مینہ برستا ہے۔ وہی
آسمان کی جانب سے اولوں کے پہاڑ میں سے اولے
برساتا ہے،^(۵) پھر جنہیں چاہے ان کے پاس انہیں

(۱) صَفَاتُ کے معنی ہیں بَاسِطَات اور اس کا مفعول أُنْجِنَتْهَا محذوف ہے۔ اپنے پر پھیلانے ہوئے۔ ﴿مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ میں پرندے بھی شامل تھے۔ لیکن یہاں ان کا ذکر الگ سے کیا اس لیے کہ پرندے تمام حیوانات
میں ایک نہایت ممتاز مخلوق ہیں جو اللہ کی قدرت کاملہ سے آسمان و زمین کے درمیان فضا میں اڑتے ہوئے اللہ کی تسبیح
کرتی ہے۔ یہ مخلوق اڑنے پر بھی قدرت رکھتی ہے جس سے دیگر تمام حیوانات محروم ہیں اور زمین پر چلنے پھرنے کی
قدرت بھی رکھتی ہے۔

(۲) یعنی اللہ نے ہر مخلوق کو یہ علم الہام و القا کیا ہے کہ وہ اللہ کی تسبیح کس طرح کرے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بخت و
اتفاق کی بات نہیں بلکہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا تسبیح کرنا اور نماز ادا کرنا یہ بھی اللہ ہی کی قدرت کا ایک مظہر ہے، جس
طرح ان کی تخلیق اللہ کی ایک صنعت بدیع ہے، جس پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں۔

(۳) یعنی اہل زمین و اہل آسمان جس طرح اللہ کی اطاعت اور اس کی تسبیح کرتے ہیں، سب اس کے علم میں ہے، یہ گویا انسانوں
اور جنوں کو تنبیہ ہے کہ تمہیں اللہ نے شعور اور ارادے کی آزادی دی ہے تو تمہیں تو دوسری مخلوقات سے زیادہ اللہ کی
تسبیح و تحمید اور اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے دیگر مخلوقات تو تسبیح الہی میں مصروف ہیں لیکن
شعور اور ارادہ سے بہرہ ور مخلوق اس میں کوتاہی کا ارتکاب کرتی ہے جس پر یقیناً وہ اللہ کی گرفت کی مستحق ہوگی۔

(۴) پس وہی اصل حاکم ہے، جس کے حکم کا کوئی تعاقب کرنے والا نہیں اور وہی معبود برحق ہے، جس کے سوا کسی کی عبادت
باز نہیں۔ اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے، جہاں وہ ہر ایک کے بارے میں عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا

(۵) اس کا ایک مطلب تو یہی ہے جو ترجمے میں اختیار کیا گیا ہے کہ آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں جن سے وہ اولے

برساتے اور جن سے چاہے ان سے انہیں ہٹا دے۔^(۱)
 بادل ہی سے نکلنے والی بجلی کی چمک ایسی ہوتی ہے کہ گویا
 اب آنکھوں کی روشنی لے چلی۔^(۲) (۳۳)
 اللہ تعالیٰ ہی دن اور رات کو ردوبدل کرتا رہتا ہے۔^(۳)
 آنکھوں والوں کے لیے تو اس میں یقیناً بڑی بڑی عبرتیں
 ہیں۔ (۳۴)

تمام کے تمام چلتے پھرنے والے جانداروں کو اللہ تعالیٰ ہی
 نے پانی سے پیدا کیا ہے ان میں سے بعض تو اپنے پیٹ
 کے بل چلتے ہیں،^(۴) بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں۔^(۵)
 بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں،^(۶) اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا
 کرتا ہے۔^(۷) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۳۵)

يَقْلِبُ اللَّهُ الْكُتُبَ وَالنَّهَارَاتِ فِي ذَلِكَ أَعْيُنُكَ لِأَعْيُنِ الْأَبْصَارِ ۝

وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَاءٍ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ
 مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ أَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللَّهُ مَا
 يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

برساتا ہے۔ (ابن کثیر) دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ سماء بلندی کے معنی میں ہے اور جبال کے معنی ہیں بڑے بڑے
 ٹکڑے، پہاڑوں جیسے، جنہیں اللہ تعالیٰ آسمانوں سے بارش ہی نہیں برساتا بلکہ بلندیوں سے جب چاہتا ہے برف کے بڑے
 بڑے ٹکڑے بھی نازل فرماتا ہے، (فتح القدیر) یا پہاڑ جیسے بڑے بڑے بادلوں سے اولے برساتا ہے۔

(۱) یعنی وہ اولے اور بارش بطور رحمت جنہیں چاہتا ہے، پہنچاتا ہے اور جنہیں چاہتا ہے ان سے محروم رکھتا ہے۔ یا یہ
 مطلب ہے کہ ژالہ باری (اولے) کے عذاب سے جسے چاہتا ہے دوچار کر دیتا ہے، جس سے ان کی فصیں تباہ اور کھیتیاں
 برباد ہو جاتی ہیں اور جن پر اپنی رحمت کرنا چاہتا ہے ان کو اس سے بچا لیتا ہے۔

(۲) یعنی بادلوں میں چمکنے والی بجلی، جو عام طور پر بارش کی نوید جاں فزا ہوتی ہے اس میں اتنی شدت کی چمک ہوتی ہے کہ
 وہ آنکھوں کی بصارت لے جانے کے قریب ہو جاتی ہے۔ یہ بھی اس کی منافی کا ایک نمونہ ہے۔

(۳) یعنی کبھی دن بڑے، راتیں چھوٹی اور کبھی اس کے برعکس۔ یا کبھی دن کی روشنی کو بادلوں کی تاریکیوں سے اور
 رات کے اندھیروں کو چاند کی روشنی سے بدل دیتا ہے۔

(۴) جس طرح سانپ، مچھلی اور دیگر حشرات الارض کیڑے کوڑے ہیں۔

(۵) جیسے انسان اور پرند ہیں۔

(۶) جیسے تمام چوپائے اور دیگر حیوانات ہیں۔

(۷) یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ بعض حیوانات ایسے بھی ہیں جو چار سے بھی زیادہ پاؤں رکھتے ہیں، جیسے کیڑا،

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ مُبَارَكَةً وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَنْ يَشَاءُ أَلِی
وَمَا تَسْتَعْتَبُونَ ۝

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَقُولُ فَرِيقٌ
مِنْهُمْ مِمَّنْ بَعْدَ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ
مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ ۝

فَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحُكْمُ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذِيبِينَ ۝

أَلَمْ تَلَوْا بِهِمْ قُرْصًا أَمَّا زَيْنَابُ ابْنَةُ عَزَّازٍ فَإِنَّا وَهَدْنَاهَا
عَلَيْهَا وَرَسُولُهُ يُبَلِّغُهَا إِلَيْكَ وَاللَّهُ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

بلاشبک و شبہ ہم نے روشن اور واضح آیتیں اتار دی ہیں
اللہ تعالیٰ جسے چاہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔^(۱) (۳۶)

اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور رسول پر ایمان لائے اور
فرمان بردار ہوئے، پھر ان میں سے ایک فرقہ اس کے بعد
بھی پھر جاتا ہے۔ یہ ایمان والے ہیں (ہی) نہیں۔^(۲) (۳۷)

جب یہ اس بات کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ اللہ اور
اس کا رسول ان کے جھگڑے چکا دے تو بھی ان کی ایک
جماعت منہ موڑنے والی بن جاتی ہے۔ (۳۸)

ہاں اگر انہی کو حق پہنچتا ہو تو مطیع و فرمان بردار ہو کر اس
کی طرف چلے آتے ہیں۔^(۳) (۳۹)

کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے؟ یا یہ شک و شبہ میں
پڑے ہوئے ہیں؟ یا انہیں اس بات کا ڈر ہے کہ اللہ
تعالیٰ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی نہ کریں؟ بات یہ
ہے کہ یہ لوگ خود ہی بڑے ظالم ہیں۔^(۴) (۵۰)

کٹری اور بہت سے زمینی کیرے۔

(۱) آیات ثُبُتَات سے مراد قرآن کریم ہے جس میں ہر اس چیز کا بیان ہے جس کا تعلق انسان کے دین و اخلاق سے ہے
جس پر اس کی فلاح و سعادت کا انحصار ہے۔ ﴿مَا كُنْ لَكَ فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الأنعام ۳۸) ہم نے کتب میں کسی چیز
کے بیان میں کوتاہی نہیں کی۔ جسے ہدایت نصیب ہونی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اسے نظر صحیح اور قلب صادق عطا فرما دیتا ہے
جس سے اس کے لیے ہدایت کا راستہ کھل جاتا ہے۔ صراط مستقیم سے مراد یہی ہدایت کا راستہ ہے جس میں کوئی کجی
نہیں اسے اختیار کر کے انسان اپنی منزل مقصود جنت تک پہنچ جاتا ہے۔

(۲) یہ منافقین کا بیان ہے جو زبان سے اسلام کا اظہار کرتے تھے لیکن دلوں میں کفر و عناد تھا یعنی اعتقاد صحیح سے محروم
تھے اس لیے زبان سے اظہار ایمان کے باوجود ان کے ایمان کی نفی کی گئی۔

(۳) کیوں کہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ عدالت نبوی ﷺ سے جو فیصلہ صادر ہو گا اس میں کسی کی رو رعایت نہیں ہوگی اس
لیے وہاں اپنا مقدمہ لے جانے سے ہی گریز کرتے ہیں۔ ہاں اگر وہ جانتے ہیں کہ مقدمے میں وہ حق پر ہیں اور ان ہی کے حق میں
فیصلہ ہونے کا غالب امکان ہے تو پھر خوشی خوشی وہاں آتے ہیں اِدْعَاؤ کے معنی ہوتے ہیں اقرار اور انقیاد و اطاعت کے۔

(۴) جب فیصلہ ان کے خلاف ہونے کا امکان ہوتا ہے تو اس سے اعراض و گریز کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ یا تو ان

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيُعْتَصَمَ بِهِمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵۱﴾

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيُخِشِ اللَّهَ وَيَخِشْهُ فَآوَىٰ إِلَيْكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۵۲﴾

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ قُلْ لَا تُفْسِدُوا ظِلْمَ اللَّهِ مَعْرُوفَةً إِنَّ اللَّهَ يَهْدِي لِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۵۳﴾

ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لیے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان میں فیصلہ کر دے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔^(۱) یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ (۵۱)

جو بھی اللہ تعالیٰ کی اس کے رسول کی فرماں برداری کریں 'خوف الہی رکھیں اور اس کے عذابوں سے ڈرتے رہیں' وہی نجات پانے والے ہیں۔^(۲) (۵۲)

بڑی پختگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں^(۳) کہ آپ کا حکم ہوتے ہی نکل کھڑے ہوں گے۔ کہہ دیجئے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ (تمہاری) اطاعت (کی حقیقت) معلوم ہے۔^(۴) جو کچھ تم کر رہے

کے دلوں میں کفر و نفاق کا روگ ہے یا انہیں نبوت محمدی میں شک ہے یا انہیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول ﷺ ظلم کرے گا، حالانکہ ان کی طرف سے ظلم کا کوئی امکان ہی نہیں، بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ خود ہی ظالم ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ جب قضا و فیصلے کے لیے ایسے حاکم و قاضی کی طرف بلایا جائے جو عاقل اور قرآن و سنت کا عالم ہو، تو اس کے پاس جانا ضروری ہے۔ البتہ اگر وہ قاضی کتاب و سنت کے علم اور ان کے دلائل سے بہ بہرہ ہو تو اس کے پاس فیصلے کے لیے جانا ضروری نہیں۔

(۱) یہ اہل کفر و نفاق کے مقابلے میں اہل ایمان کے کردار و عمل کا بیان ہے۔

(۲) یعنی فلاح و کامیابی کے مستحق صرف وہ لوگ ہوں گے جو اپنے تمام معاملات میں اللہ اور رسول کے فیصلے کو خوش دلی سے قبول کرتے اور انہی کی اطاعت کرتے ہیں اور خشیت الہی اور تقویٰ سے متصف ہیں، نہ کہ دوسرے لوگ جو ان صفات سے محروم ہیں۔

(۳) جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ میں جَهْدَ فعل محذوف کا مصدر ہے جو بطور تاکید کے ہے، يَخْرُجُونَ أَيْمَانُهُمْ جَهْدًا یا یہ حال کی وجہ سے منصوب ہے یعنی مُخْتَصِدِينَ فِي أَيْمَانِهِمْ مطلب یہ ہے کہ اپنی وسعت بھر قسمیں کھا کر کہتے ہیں (فتح القدیر)

(۴) اور وہ یہ ہے کہ جس طرح تم قسمیں جھوٹی کھاتے ہو، تمہاری اطاعت بھی نفاق پر مبنی ہے۔ بعض نے یہ معنی کیے ہیں کہ تمہارا معاملہ طاعت معروفہ ہونا چاہیے۔ یعنی معروف میں بغیر کسی قسم کے حلف کے اطاعت، جس طرح مسلمان کرتے ہیں، پس تم بھی ان کی مثل ہو جاؤ۔ (ابن کثیر)

ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔^(۱) (۵۳)

کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم مانو، رسول اللہ کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمے تو صرف وہی ہے جو اس پر لازم کر دیا گیا ہے^(۲) اور تم پر اس کی جوابدہی ہے جو تم پر رکھا گیا ہے^(۳) ہدایت تو تمہیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی ماتحتی کرو۔^(۴) سنو رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔^(۵) (۵۴)

تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان مانے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جمادے گا جسے ان کے لیے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف و خطر کو وہ امن و امان سے بدل دے گا^(۶) وہ میری عبادت کریں

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِن تُطِيعُوا تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَيِّنَةُ ۝

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

(۱) یعنی وہ تمہارے سب کے حالات سے باخبر ہے۔ کون فرماں بردار ہے اور کون نافرمان؟ پس حلف اٹھا کر اطاعت کے اظہار کرنے سے، جب کہ تمہارے دل میں اس کے خلاف عزم ہو، تم اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے، اس لیے کہ وہ پوشیدہ ہے، پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے اور وہ تمہارے سینوں میں چلنے والے رازوں سے بھی آگاہ ہے اگرچہ تم زبان سے اس کے خلاف اظہار کرو!

(۲) یعنی تبلیغ و دعوت جو وہ ادا کر رہا ہے۔

(۳) یعنی اس کی دعوت کو قبول کر کے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرنا۔

(۴) اس لیے کہ وہ صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتا ہے۔

(۵) کوئی اس کی دعوت کو مانے یا نہ مانے جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَأَتِمَّمْتُ لَكَ الْبَلَاةَ وَعَلَيَّ أَلَسَابُ﴾ (الرعد ۳۰) ”اے پیغمبر! تیرا کام صرف (ہمارے احکام) پہنچانا ہے (کوئی ماننا ہے یا نہیں) یہ حساب ہماری ذمہ داری ہے۔“

(۶) بعض نے اس وعدہ الہی کو صحابہ کرام کے ساتھ یا خلفائے راشدین کے ساتھ خاص قرار دیا ہے لیکن اس کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ قرآن کے الفاظ عام ہیں اور ایمان و عمل صالح کے ساتھ مشروط ہیں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے

گے میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے۔^(۱)
اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکر بنی اور کفر کریں وہ
یقیناً فاسق ہیں۔^(۲) (۵۵)

نماز کی پابندی کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کے
رسول کی فرمانبرداری میں لگے رہو تاکہ تم پر رحم کیا
جائے۔^(۳) (۵۶)

وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرُّسُلَ لَعَلَّكُمْ
تُرحَمُونَ ﴿۵۶﴾

کہ عہد خلافت راشدہ اور عہد خیر القرون میں 'اس وعدہ الہی کا ظہور ہوا' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین میں غلبہ عطا فرمایا، اپنے پسندیدہ دین اسلام کو عروج دیا اور مسلمانوں کے خوف کو 'امن سے بدل دیا۔ پہلے مسلمان کفار عرب سے ڈرتے تھے پھر اس کے برعکس معاملہ ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جو پیش گوئیاں فرمائی تھیں 'وہ بھی اس عہد میں پوری ہوئیں۔ مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ حیرہ سے ایک عورت تن تھا اکیلی چے گی اور بیت اللہ کا آکر طواف کرے گی 'اسے کوئی خوف اور خطرہ نہیں ہو گا۔ کسریٰ کے خزانے تمہارے قدموں میں ڈھیر ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (صحیح بخاری 'کتاب المناقب' باب علامات النبوة فی الإسلام، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا «إِنَّ اللَّهَ رَوَىٰ لِي الْأَرْضَ، فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا رَوَىٰ لِي مِنْهَا» صحیح مسلم کتاب الفتن والفساد الساعة باب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعض) "اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لیے سکھڑ دیا، پس میں نے اس کے مشرقی اور مغربی حصے دیکھے" مغرب میری امت کا دائرہ اقتدار وہاں تک پہنچے گا جہاں تک میرے لیے زمین سکھڑ دی گئی۔" حکمرانی کی یہ وسعت بھی مسلمانوں کے حصے میں آئی اور فارس و شام اور مصر و افریقہ اور دیگر دور دراز کے ممالک فتح ہوئے اور کفر و شرک کی جگہ توحید و سنت کی مشعلیں ہر جگہ روشن ہو گئیں۔ اور اسلامی تہذیب و تمدن کا پھر پورا چار دانگ عالم میں لرا گیا۔ لیکن یہ وعدہ چونکہ مشروط تھا جب مسلمان ایمان میں کمزور اور عمل صالح میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے تو اللہ نے ان کی عزت کو ذلت میں، ان کے اقتدار اور غلبے کو غلامی میں اور ان کے امن و استحکام کو خوف اور دہشت میں بدل دیا۔

(۱) یہ بھی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ ایک اور بنیادی شرط ہے جس کی وجہ سے مسلمان اللہ کی مدد کے مستحق اور اس وصف توحید سے عاری ہونے کے بعد وہ اللہ کی مدد سے محروم ہو جائیں گے۔

(۲) اس کفر سے مراد 'وہی ایمان' عمل صالح اور توحید سے محرومی ہے جس کے بعد ایک انسان اللہ کی اطاعت سے نکل جاتا اور کفر و فسق کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔

(۳) یہ گویا مسلمانوں کو تاکید کی گئی کہ اللہ کی رحمت اور مدد حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے جس پر چل کر صحابہ کرام کو یہ رحمت اور مدد حاصل ہوئی۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَآمَنُوا يَعْنِي فِي الْأَرْضِ وَآوَاؤُهُمْ
الْأَرْضَ وَلَيْسَ الْمَوْثِقُ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْيَسْتَأْذِنُكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ
وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ
صَلَاةِ الْعَصْرِ وَجَنْتُمْ نَفْسَكُمْ يَوْمَئِذٍ مِنَ الظَّالِمِينَ
وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوَازٍ لَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ
وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِنَّمَا يَتَمَطَّى يَوْمِئِذٍ
بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ لَكُمْ فِي الْأَلْيَةِ أُولَئِكَ يُكَلِّمُ ۝

یہ خیال آپ کبھی بھی نہ کرنا کہ منکر لوگ زمین میں (ادھر
ادھر بھاگ کر) ہمیں ہرا دینے والے ہیں^(۱) ان کا اصلی
ٹھکانا تو جہنم ہے جو یقیناً بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ (۵۷)

ایمان والو! تم سے تمہاری ملکیت کے غلاموں کو اور
انہیں بھی جو تم میں سے بلوغت کو نہ پہنچے ہوں (اپنے
آنے کی) تین وقتوں میں اجازت حاصل کرنی ضروری
ہے۔ نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے وقت جب کہ تم اپنے
کپڑے اتار رکھتے ہو اور عشا کی نماز کے بعد^(۲) یہ
تینوں وقت تمہاری (خلوت) اور پردہ کے ہیں۔^(۳) ان
وقتوں کے ماسوا نہ تو تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر۔^(۴) تم
سب آپس میں ایک دوسرے کے پاس بکثرت آنے
جانے والے ہو^(۵) (ی) اللہ اس طرح کھول کھول کر

(۱) یعنی آپ کے مخالفین اور مکذبین اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کی گرفت کرنے پر ہر طرح قادر ہے۔

(۲) غلاموں سے مراد باندیاں اور غلام دونوں ہیں ثلاث مرّات کا مطلب اوقات تین وقت ہیں۔ یہ تینوں اوقات ایسے
ہیں کہ انسان گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ بہ کار خاص معروف یا ایسے لباس میں ہو سکتا ہے کہ جس میں کسی کا ان کو دیکھنا
جائز اور مناسب نہیں۔ اس لیے ان اوقات تلاش میں گھر کے ان خدمت گزاروں کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ
بغیر اجازت طلب کیے گھر کے اندر داخل ہوں۔

(۳) عَوَازِثُ عَوَازِثُ مَعْرُوفَاتُ مَعْرُوفَاتُ کا مطلب اوقات تین وقت ہیں۔ پھر اس کا اطلاق ایسی چیز پر کیا جانے لگا جس
کا ظاہر کرنا اور اس کو دیکھنا پسندیدہ نہ ہو۔ خاتون کو بھی اسی لیے عورت کہا جاتا ہے کہ اس کا ظاہر اور عریاں ہونا اور دیکھنا
شرعاً ناپسندیدہ ہے۔ یہاں مذکورہ تین اوقات کو عورات کہا گیا ہے یعنی یہ تمہارے پردے اور خلوت کے اوقات ہیں جن
میں تم اپنے مخصوص لباس اور ہیئت کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے۔

(۴) یعنی ان اوقات تلاش کے علاوہ گھر کے مذکورہ خدمت گزاروں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اجازت طلب کیے
بغیر گھر کے اندر آجاسکتے ہیں۔

(۵) یہ وہی وجہ ہے جو حدیث میں ملی کے پاک ہونے کی بیان کی گئی ہے۔ «إِنَّهَا لَبَسَتْ مَنَجَسٍ» «إِنَّهَا مِنَ الطَّوَافِقِ
عَلَيْكُمْ أَوْ الطَّوَافِقَاتِ» «ملی ناپاک نہیں ہے اس لیے کہ وہ بکثرت تمہارے پاس (گھر کے اندر) آنے جانے والی ہے»۔

(ابوداؤد، کتاب الطہارۃ باب سؤر الہمرۃ، ترمذی، کتاب الوضوء باب مدکور وغیرہ، خادم اور مالک، ان کو بھی آپس میں ہر

اپنے احکام تم سے بیان فرما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمت والا ہے۔ (۵۸)

اور تمہارے بچے (بھی) جب بلوغت کو پہنچ جائیں تو جس طرح انکے اگلے نوک اجازت مانگتے ہیں انہیں بھی اجازت مانگ کر آنا چاہیے^(۱) اللہ تعالیٰ تم سے اسی طرح اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی علم و حکمت والا ہے۔ (۵۹)

بڑی بوڑھی عورتیں جنہیں نکاح کی امید (اور خواہش ہی) نہ رہی ہو وہ اگر اپنے کپڑے اتار رکھیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ اپنا ہناؤ سنگھار ظاہر کرنے والیاں نہ ہوں^(۲) تاہم اگر ان سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لیے بہت افضل ہے^(۳) اور اللہ تعالیٰ سنا جاتا ہے۔ (۶۰) اندھے پر^(۴) نظرے پر^(۵) بیمار پر اور خود تم پر (مطلقاً) کوئی

وَلَا ذَاتُ بَلَدٍ الْأَطْفَالُ مِنْكُمْ الْحُلُمُ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۵۸﴾

وَالْعَوَامِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجِينَ بِرِيشَةٍ وَلَا أَنْ يَسْتَعْظِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۹﴾

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَنفُسِ حَرَجٌ

وقت ایک دوسرے سے ملنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اسی ضرورت عامہ کے پیش نظر اللہ نے یہ اجازت مرحمت فرما دی کیونکہ وہ عظیم ہے لوگوں کی ضروریات اور حاجات کو جانتا ہے اور حکیم ہے اس کے ہر حکم میں بندوں کے مفادات اور کمیتیں ہیں۔

(۱) ان بچوں سے مراد احرار بچے ہیں بلوغت کے بعد ان کا حکم عام مردوں کا سا ہے اس لیے ان کے لیے ضروری ہے کہ جب بھی کسی کے گھر آئیں تو پہلے اجازت طلب کریں۔

(۲) ان سے مراد وہ بوڑھی اور ازکار رفت عورتیں ہیں جن کو حیض آنا بند ہو گیا ہو اور ولادت کے قابل نہ رہی ہوں۔ اس عمر میں بالعموم عورت کے اندر مرد کے لیے فطری طور پر جو جنسی کشش ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے نہ وہ کسی مرد سے نکاح کی خواہش مند ہوتی ہیں نہ مرد ہی ان کے لیے ایسے جذبات رکھتے ہیں۔ ایسی عورتوں کو پردے میں تخفیف کی اجازت دے دی گئی ہے ”کپڑے اتار دیں“ سے وہ کپڑا مراد ہے جو شلوار قمیص کے اوپر عورت پردے کے لیے بڑی چادر یا برقعہ وغیرہ کی شکل میں لیتی ہے بشرطیکہ مقصد اپنی زینت اور ہناؤ سنگھار کا اظہار نہ ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عورت اپنی جنسی کشش کھو جانے کے باوجود اگر ہناؤ سنگھار کے ذریعے سے اپنی ”جسیت“ کو نمایاں کرنے کے مرض میں مبتلا ہو تو اس تخفیف پردے کے حکم سے وہ مستثنی ہوگی اور اس کے لیے عمل پردہ کرنا ضروری ہوگا۔

(۳) یعنی مذکورہ بوڑھی عورتیں بھی پردے میں تخفیف نہ کریں بلکہ بدستور بڑی چادر یا برقعہ بھی استعمال کرتی رہیں تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

والوں کو سلام کر لیا کرو^(۱) دعائے خیر ہے جو بابرکت اور پاکیزہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ 'یوں ہی اللہ تعالیٰ کھول کھول کر تم سے اپنے احکام بیان فرما رہا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔ (۶۱)

باایمان لوگ تو وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر یقین رکھتے ہیں اور جب ایسے معاملہ میں جس میں لوگوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے نبی کے ساتھ ہوتے ہیں تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں کہیں نہیں جاتے۔ جو لوگ ایسے موقع پر آپ سے اجازت لے لیتے ہیں حقیقت میں یہی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔^(۲) پس جب ایسے لوگ آپ سے اپنے کسی کام کے لیے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا مانگیں بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۶۲)

تم اللہ تعالیٰ کے نبی کے بلانے کو ایسا بلاؤ نہ کرلو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو ہوتا^(۳) ہے۔ تم میں سے انہیں اللہ خوب جانتا ہے جو نظر بچا کر چپکے سے سرک

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ عَامٍ لَّمْ يَقُولُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوا ۚ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُ تِلْكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوا لَمْ يَبْعُثْ شَأْنَهُمْ فَلَٰذُنَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦١﴾

لَا تَجْعَلُوا ذُءَابًا تُرْمَلُونَ بَيْنَكُمْ كَذُءَابٍ يَبْعُثُ اللَّهُ نَبِيًّا يُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُ اللَّهِ ۚ يَتْلَىٰ اللَّهُ الْكُرْآنَ ۚ يَتْلُونَهُ مِثْلَهُ ۚ وَإِذَا أَقْلَبَ عَنكَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ عَنْ أَمْرِهِ ۚ إِنَّ تُصِيبَهُمْ مَوْتَةٌ أَوْ يَصِبُونَهُ

اکٹھے ہو کر کھانا زیادہ باعث برکت ہے جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے (ابن کثیر)

(۱) اس میں اپنے گھروں میں داخل ہونے کا ادب بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ داخل ہوتے وقت اہل خانہ کو سلام عرض کرو 'آدمی کے لیے اپنی بیوی یا اپنے بچوں کو سلام کرنا بالعموم گراں گزرتا ہے۔ لیکن اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق ایسا کریں۔ آخر اپنے بیوی بچوں کو سلامتی کی دعا سے کیوں محروم رکھا جائے

(۲) یعنی جمعہ و عیدین کے اجتماعات میں یا داخلی و بیرونی مسئلے پر مشاورت کے لیے بلائے گئے اجلاس میں اہل ایمان تو حاضر ہوتے ہیں اسی طرح اگر وہ شرکت سے معذور ہوتے ہیں تو اجازت طلب کرتے ہیں۔ جس کا مطلب دوسرے مفلکوں میں یہ ہوا کہ منافقین ایسے اجتماعات میں شرکت سے اور آپ ﷺ سے اجازت مانگنے سے گریز کرتے ہیں۔

(۳) اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح تم ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو 'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح مت پکارو۔ مثلاً یا محمد ﷺ نہیں بلکہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ وغیرہ کو۔ (یہ آپ کی زندگی کے لیے تھا جب کہ صیہ کرام اللہ علیہ السلام کو ضرورت پیش آتی تھی کہ آپ سے مخاطب ہوں) دوسرے معنی یہ ہیں کہ رسول کی بددعا کو دوسروں کی

مَذَابٌ إِلَيْهِ ۝

أَلَا إِنَّ إِلَهَنَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ
عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُزْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا وَاللَّهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

جاتے ہیں۔^(۱) سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں
انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست
آفت نہ آ پڑے^(۲) یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔ (۶۳)
آگاہ ہو جاؤ کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ
تعالیٰ ہی کا^(۳) ہے۔ جس روش پر تم ہو وہ اسے بخوبی جانتا
ہے۔^(۴) اور جس دن یہ سب اس کی طرف لوٹائے
جائیں گے اس دن ان کو ان کے کیے سے وہ خبردار کر
دے گا۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔ (۶۳)

بدوعا کی طرح مت سمجھو اس لیے کہ آپ کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اس لیے نبی کی بددعامت لو تم ہر ک ہو جاؤ گے۔
(۱) یہ منافقین کا رویہ ہوتا تھا کہ اجتماع مشاورت سے چپکے سے کھسک جاتے۔

(۲) اس آفت سے مراد دلوں کی وہ کجی ہے جو انسان کو ایمان سے محروم کر دیتی ہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام
سے سر تابی اور ان کی مخالفت کرنے کا نتیجہ ہے۔ اور ایمان سے محرومی اور کفر پر خاتمہ 'جہنم کے دائمی عذاب کا باعث
ہے۔ جیسا کہ آیت کے اگلے جیسے میں فرمایا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہاج طریقہ اور سنت کو ہر وقت سامنے
رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ جو اقوال و اعمال اس کے مطابق ہوں گے وہی بارگاہ الہی میں مقبول اور دوسرے سب مردود
ہوں گے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ زَوْرٌ، البخاری کتاب الصلح باب إذا
اصطلحوا على صلح جور، ومسلم کتاب الاقطب باب نقص الاحکام الباطلة ورد محدثات الامور
والسنن "جس نے ایسا کام کیا جو ہمارے طریقے پر نہیں ہے وہ مردود ہے۔"

(۳) خلق کے اعتبار سے بھی 'ملک کے اعتبار سے بھی اور ماتحتی کے اعتبار سے بھی۔ وہ جس طرح چاہے تصرف کرے
اور جس چیز کا چاہے حکم دے۔ پس اس کے رسول ﷺ کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے جس کا تقاضا یہ
ہے کہ رسول کے کسی حکم کی مخالفت نہ کی جائے اور جس سے اس نے منع کر دیا ہے اس کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ اس
لیے کہ رسول ﷺ کے بھیجے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

(۴) یہ مخالفین رسول ﷺ کو تنبیہ ہے کہ جو کچھ حرکات تم کر رہے ہو یہ نہ سمجھو کہ وہ اللہ سے مخفی رہ سکتی ہیں۔
اس کے علم میں سب کچھ ہے اور وہ اس کے مطابق قیامت والے دن جزا و سزا دے گا۔

سُورَةُ الْفُرْقَانِ

يَسْمُوهُمُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ

تَبٰرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖۙ وَيَكُوْنُ لِلسَّاعِيْنَ نَذِيْرًا ۝

لَا تَدْنٰى لَهُ ثُلُوكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَسْجُدْ وَلاَ لَهُ كُفُوًا ۝

لَهُ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ دَعَا نَفْسًا يٰزٰۤىرًا ۝

وَاَتَّخَذُ وَاوِيْنَ ذُوْنَةَ الْعَرْشِ لَا يَخْفَوْنَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝

وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِنَفْسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا ۝

وَلَا حَبُوْبًا وَّلَا اَنْفُوْرًا ۝

سورۃ فرقان کی ہے اور اس میں ستر آیتیں اور
چھ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

بہت بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے بندے پر
فرقان^(۱) اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کے^(۲) لیے آگاہ کرنے
والا بن جائے۔ (۱)

اسی اللہ کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی^(۳) اور وہ
کوئی اولاد نہیں رکھتا^(۴) نہ اس کی سلطنت میں کوئی اس
کا سا جہی ہے^(۵) اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک
مناسب اندازہ ٹھہرا دیا^(۶) ہے۔ (۲)

ان لوگوں نے اللہ کے سوا جنہیں اپنے معبود ٹھہرا رکھے
ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے
جاتے ہیں، یہ تو اپنی جان کے نقصان نفع کا بھی اختیار

(۱) فرقان کے معنی ہیں حق و باطل، توحید و شرک اور عدل و ظلم کے درمیان فرق کرنے والا، اس قرآن نے کھوس کر
ان امور کی وضاحت کر دی ہے، اس لیے اسے فرقان سے تعبیر کیا۔

(۲) اس سے بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عالم گیر ہے اور آپ تمام انسانوں اور جنوں کے لیے ہادی
و رہنما بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۤ اِنۡسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِیْعًا﴾
(الأعراف: ۱۵۸) اور حدیث میں بھی فرمایا بُعِثْتُ اِلَیَّ الْاٰخِرَ وَالْاَوَّلَ (صحیح مسلم: کتاب المساجد) كَانَ
السَّبِيُّ یُبْعَثُ اِلَیَّ قَوْمًا حَاصَةً، وَبُعِثْتُ اِلَیَّ النَّاسِ عَامَّةً (صحیح بخاری: کتاب التیمم و مسسم کتاب
المساجد) مجھے احمد و اسود سب کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ”پہلے نبی کسی ایک قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور
میں تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“ رسالت و نبوت کے بعد توحید کا بیان کیا جا رہا ہے۔ یہاں اللہ کی چار
صفات بیان کی گئی ہیں۔

(۳) یہ پہلی صفت ہے یعنی کائنات میں متصرف صرف وہی ہے، کوئی اور نہیں۔

(۴) اس میں نصاریٰ، یہود اور بعض ان عرب قبائل کا رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔

(۵) اس میں منہم پرست مشرکین اور ثنویت (دو خداؤں شر اور خیر، ظلمت اور نور کے خالق) کے قائلین کا رد ہے۔

(۶) ہر چیز کا خالق صرف وہی ہے اور اپنی حکمت و مشیت کے مطابق اس نے اپنی مخلوقات کو ہر وہ چیز بھی مہیا کی ہے جو

نہیں رکھتے اور نہ موت و حیات کے اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے وہ مالک ہیں۔^(۱) (۳)

اور کافروں نے کہا یہ تو بس خود اسی کا گھڑا گھڑایا جھوٹ ہے جس پر اور لوگوں نے بھی اس کی مدد کی^(۲) ہے۔ دراصل یہ کافر بڑے ہی ظلم اور سرتاسر جھوٹ کے مرکب ہوئے ہیں۔ (۴)

اور یہ بھی کہا کہ یہ تو اگلوں کے افسانے ہیں جو اس نے لکھا رکھے ہیں بس وہی صبح و شام اس کے سامنے پڑھے جاتے ہیں۔ (۵)

کہہ دیجئے کہ اسے تو اس اللہ نے اتارا ہے جو آسمان و زمین کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔^(۳) بیشک وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان^(۴) ہے۔ (۶)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا إِفْتَاءُ بَعْضِهِمْ لِبَعْضٍ
وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ۝

وَقَالُوا لَا تَطِيعُ الْآلُومِينَ أَكْتَثَّبَهَا فِيهِمْ تُثَلِّ عَلَيْهِمْ
بُكْرَةً وَأَوِيلًا ۝

كُلٌّ أَتَوْهُ لِيَسْكُنَ الَّتِي فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَئِنْ
كَانَ عَفْوًا رَاحِمًا ۝

اس کے مناسب حال ہے یہ ہر چیز کی موت اور روزی اس نے پہلے سے ہی مقرر کر دی ہے۔

(۱) لیکن خالموں نے ایسے ہمہ صفات موصوف رب کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کو رب بنالیا ہے جو اپنے بارے میں بھی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے چہ جائیکہ وہ کسی اور کے لیے کچھ کر سکنے کے اختیارات سے بہرہ ور ہوں۔ اس کے بعد منکرین نبوت کے شبہات کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔

(۲) مشرکین کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ کتاب گھڑنے میں یہود سے یا ان کے بعض موالی (مثلاً ابو کلیبہ یبار' عداس اور جبر و غیر ہم) سے مدد لی ہے۔ جیسا کہ سورۃ النحل' آیت ۱۰۳ میں اس کی ضروری تفصیل گزر چکی ہے۔ یہاں قرآن نے اس الزام کو ظلم اور جھوٹ سے تعبیر کیا ہے 'بھلا ایک ای شخص دو سروں کی مدد سے ایسی کتاب پیش کر سکتا ہے جو فصاحت و بلاغت اور اعجاز کلام میں بے مثال ہو' حقائق و معارف بیانی میں بھی معجز نگار ہو' انسانی زندگی کے لیے احکام و قوانین کی تفصیلات میں بھی لا جواب ہو اور اخبار ماضیہ اور مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی نشاندہی اور وضاحت میں بھی اس کی صداقت مسلم ہو۔

(۳) یہ ان کے جھوٹ اور افتراء کے جواب میں کہا کہ قرآن کو تو دیکھو' اس میں کیا ہے؟ کیا اس کی کوئی بات غلط اور خلاف واقعہ ہے؟ یقیناً نہیں ہے۔ بلکہ ہر بات بالکل صحیح اور سچی ہے' اس لیے کہ اس کو اتارنے والی ذات وہ ہے جو آسمان و زمین کی ہر پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔

(۴) اس لیے وہ عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔ ورنہ ان کا قرآن سازی کا الزام بڑا سخت ہے جس پر وہ فوری طور پر

وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَنْحَرُ فِي
الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ
كَذِبًا ۖ

أَوْ يُنْفِلَ إِلَيْهِ كُتُبٌ وَتُلُوتُ لَهُ حَجَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ
الظَّالِمُونَ إِنَّا تَعْلَمُونَ إِلَّا جَلْدًا مَنَعُورًا ۖ

أَفَلَمْ تَكُنْ تَسْمَعُ نَادِيَ الْإِمْتِنَانِ فَمَلُوفًا لَا يَتَخَطَّيْعُونَ
سَهِيلًا ۖ

تَبَرَّكَ الَّذِي يُنْشِئُ مَا جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِنْ ذَلِكَ
جَلْدٌ تَخْرُفُ مِنْ تَخَوُّفِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَلُ
لَكَ قُصُورًا ۝

اور انہوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے؟ کہ کھانا کھاتا ہے
اور بازاروں میں چلتا پھرتا^(۱) ہے، اس کے پاس کوئی فرشتہ
کیوں نہیں بھیجا جاتا؟ کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہو کر
ڈرائے والا بن جاتا۔^(۲) (۷)

یا اس کے پاس کوئی خزانہ ہی ڈال دیا^(۳) جاتا یا اس کا کوئی
باغ ہی ہوتا جس میں سے یہ کھاتا۔^(۴) اور ان ظالموں نے
کہا کہ تم ایسے آدمی کے پیچھے ہو لیے ہو جس پر جادو کر دیا
گیا ہے۔^(۵) (۸)

خیال تو کیجئے! کہ یہ لوگ آپ کی نسبت کیسی کیسی باتیں
بناتے ہیں۔ پس جس سے خود ہی بہک رہے ہیں اور کسی
طرح راہ پر نہیں آسکتے۔^(۶) (۹)

اللہ تعالیٰ تو ایسا بابرکت ہے کہ اگر چاہے تو آپ کو بہت سے
ایسے بغاات عنایت فرما دے جو ان کے کہے ہوئے باغ سے
بہت ہی بہتر ہوں جن کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہوں

عذاب الہی کی گرفت میں آسکتے ہیں۔

(۱) قرآن پر طعن کرنے کے بعد رسول پر طعن کیا جا رہا ہے اور یہ طعن رسول کی بشریت پر ہے۔ کیوں کہ ان کے خدیں
میں بشریت، عظمت رسالت کی متحمل نہیں۔ اس لیے انہوں نے کہا کہ یہ تو کھانا پیتا اور بازاروں میں آتا جاتا ہے۔ اور
ہمارے ہی جیسا بشر ہے۔ حالانکہ رسول کو تو بشر نہیں ہونا چاہیے۔

(۲) مذکورہ اعتراض سے نیچے اتر کر کہا جا رہا ہے کہ چلو کچھ اور نہیں تو ایک فرشتہ ہی اس کے ساتھ ہو جو اس کا معاون
اور مصدق ہو۔

(۳) تاکہ طلب رزق سے وہ بے نیاز ہو۔

(۴) تاکہ اس کی حیثیت تو ہم سے کچھ ممتاز ہو جاتی۔

(۵) یعنی جس کی عقل و فہم سحرزدہ اور حقل ہے۔

(۶) یعنی اے پیغمبر! آپ کی نسبت یہ اس قسم کی باتیں اور بہتان تراشی کرتے ہیں، کبھی سحر کہتے ہیں، کبھی مسحور و مجنون اور
کبھی کذاب و شاعر۔ حالانکہ یہ ساری باتیں باطل ہیں اور جن کے پاس ذرہ برابر بھی عقل و فہم ہے، وہ ان کا جھوٹا ہونا جانتے
ہیں، پس یہ ایسی باتیں کر کے خود ہی راہ ہدایت سے دور ہو جاتے ہیں، انہیں راہ راست کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟

بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ
بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ۝

إِذَا نَادَاهُمْ فِيں مَكَانٍ يَبْعَثُ سَمْعُوهَا لَهَا تَغِيظًا وَزَفِيرًا ۝

وَأَذَّا الْقَوَامِ مِنْهَا مَكَانًا صَبِيحًا تُنَادِي دَعْوَا
هَٰذَا لَيْلٌ يُنَادِي ۝

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَلَا جَدًّا ۖ وَأَدْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ۝

قُلْ أَذِلَّةٌ خَلِقُوا زُجْجَةً الْخُلُقِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ

اور آپ کو بہت سے (پختہ) محل بھی دے دے۔^(۱۰)
بات یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھتے ہیں^(۱۱) اور
قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی
آگ تیار کر رکھی ہے۔^(۱۲)

جب وہ انہیں دور سے دیکھے گی تو یہ اس کا غصے سے بھرنا
اور دھاڑنا سنیں گے۔^(۱۳)

اور جب یہ جہنم کی کسی تنگ جگہ میں مشکلیں کس کر
پھینک دیئے جائیں گے تو وہاں اپنے لیے موت ہی موت
پکارسیں گے۔^(۱۴)

(ان سے کہا جائے گا) آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بلکہ
بہت سی اموات کو پکارو۔^(۱۵)

آپ کہہ دیجئے کہ کیا یہ بہتر ہے^(۱۶) یا وہ بیوقوفی والی جنت

(۱) یعنی یہ آپ کے لیے جو مطالبے کرتے ہیں، اللہ کے لیے ان کا کر دینا کوئی مشکل نہیں ہے، وہ چاہے تو ان سے بہتر
ہاغات اور محلات دنیا میں آپ کو عطا کر سکتا ہے جو ان کے دماغوں میں ہیں۔ لیکن ان کے مطالبے تو تکذیب و عناد کے طور
پر ہیں نہ کہ طلب ہدایت اور تلاش نجات کے لیے۔

(۲) قیامت کا یہ جھٹلانا ہی تکذیب رسالت کا بھی باعث ہے۔

(۳) یعنی جہنم ان کافروں کو دور سے میدان محشر میں دیکھ کر ہی غصے سے کھول اٹھے گی اور ان کو اپنے دامن غضب میں
لینے کے لیے چلائے گی اور جھنجھلائے گی، جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿إِذَا الْقَوُودُ صَبَّحُوا لَهَا شَيْعًا وَهِيَ تَفُورُ﴾
تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ ﴿سورة الملح ۸۷﴾ ”جب جہنمی“ جہنم میں ڈالے جائیں گے تو اس کا دھاڑنا سنیں گے اور وہ
(جوش غضب سے) اچھلتی ہو گی، ایسے لگے گا کہ وہ غصے سے پھٹ پڑے گی۔ ”جہنم کا دیکھنا اور چلانا“ ایک حقیقت ہے،
استعارہ نہیں۔ اللہ کے لیے اس کے اندر احساس و ادراک کی قوت پیدا کر دینا مشکل نہیں ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔
آخر قوت گویائی بھی تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرمائے گا اور وہ ﴿قُلْ مِّنْ جُزْئِيهَا﴾ کی صدا بلند کرے گی (سورة ق ۳۰)۔

(۴) یعنی جہنمی جب جہنم کے عذاب سے تنگ آکر آرزو کریں گے کہ کاش انہیں موت آجائے، وہ فنا کے گھاٹ اتر
جائیں۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اب ایک موت نہیں کئی موتوں کو پکارو۔ مطلب یہ ہے کہ اب تمہاری قسمت میں ہمیشہ
کے لیے انواع و اقسام کے عذاب ہیں یعنی موتیں ہی موتیں ہیں، تم کہاں تک موت کا مطالبہ کرو گے!

(۵) ”یہ“ اشارہ ہے جہنم کے مذکورہ عذابوں کی طرف، جن میں جہنمی جکڑ بند ہو کر جھلا ہوں گے۔ کہ یہ بہتر ہے جو

كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَاصِيَةً ۝

جس کا وعدہ پر بیس گاروں سے کیا گیا ہے 'جو ان کا بدلہ ہے اور ان کے لوٹنے کی اصلی جگہ ہے۔ (۱۵)

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَالِدِينَ كَانَ عَلَى رَبِّكَ وَعْدًا مَسْئُولًا ۝

وہ جو چاہیں گے ان کے لیے وہاں موجود ہو گا ہمیشہ رہنے والے۔ یہ تو آپ کے رب کے ذمے وعدہ ہے جو قابل طلب ہے۔ (۱۶)

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ فَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَقِيلُوا لَمْ أَنْشَأَنَّكُمْ عَبَادِي هَؤُلَاءِ أَمْرُهُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ۝

اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں اور سوائے اللہ کے جنہیں یہ پوجتے رہے 'انہیں جمع کر کے پوچھے گا کہ کیا میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا یا یہ خود ہی راہ سے گم ہو گئے۔ (۱۷)

قَالُوا سُبْحَنَكَ مَا كَانَ يُكَلِّفُنَا أَنْ نَعْبُدَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَفْلَاكٍ وَ لَكِنْ تَكْفُرُهُمْ إِنْ هُمْ حَالِي سَمُوا لِلَّذِكْرُ وَكَانُوا كَوْنًا نَبُورًا ۝

وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ذات ہے خود ہمیں ہی یہ زیانہ تھا کہ تیرے سوا اوروں کو اپنا کارساز بناتے (۱۸) بات یہ ہے کہ تو نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو آسودگیاں عطا فرمائیں یہاں تک کہ وہ نصیحت بھلا بیٹھے

کفر و شرک کا بدلہ ہے یا وہ جنت 'جس کا وعدہ متقین سے ان کے تقویٰ و اطاعت الہی پر کیا گیا ہے۔ یہ سواں جہنم میں کیا جائے گا لیکن اسے یہاں اس لیے نقل کیا گیا ہے کہ شاید جہنمیوں کے اس انجام سے عبرت پکڑ کر لوگ تقویٰ و اطاعت کا راستہ اختیار کر لیں اور اس انجام بد سے بچ جائیں 'جس کا نقشہ یہاں کھینچا گیا ہے۔

(۱) یعنی ایسا وعدہ 'جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا' جیسے قرض کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے اپنے ذمے یہ وعدہ واجب کر لیا ہے جس کا اہل ایمان اس سے مطالبہ کر سکتے ہیں۔ یہ محض اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اہل ایمان کے لیے اس حسن جزا کو اپنے لیے ضروری قرار دے لیا ہے۔

(۲) دنیا میں اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے اور کی جاتی رہے گی۔ ان میں جمادات (پتھر، لکڑی اور دیگر دھاتوں کی بنی ہوئی صورتیں) بھی ہیں 'جو غیر عاقل ہیں اور اللہ کے نیک بندے بھی ہیں جو عاقل ہیں مثلاً حضرت عزیر' حضرت مسیح علیہما السلام اور دیگر بہت سے نیک بندے۔ اسی طرح فرشتے اور جنات کے پجاری بھی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ غیر عاقل جمادات کو بھی شعور و ادراک اور گویائی کی قوت عطا فرمائے گا اور ان سب معبودین سے پوچھے گا کہ بتاؤ! تم نے میرے بندوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا یا یہ اپنی مرضی سے تمہاری عبادت کر کے گمراہ ہوئے تھے؟

(۳) یعنی جب ہم خود تیرے سوا کسی کو کارساز نہیں سمجھتے تھے تو پھر ہم اپنی بابت کس طرح لوگوں کو کہہ سکتے تھے کہ تم اللہ کے بجائے ہمیں اپنا ولی اور کارساز سمجھو۔

یہ لوگ تھے ہی^(۱) ہلاک ہونے والے۔ (۱۸)

تو انہوں نے تو تمہیں تمہاری تمام باتوں میں جھٹلایا، اب نہ تو تم میں عذابوں کے پھیرنے کی طاقت ہے، نہ مدد کرنے کی،^(۲) تم میں سے جس جس نے ظلم کیا ہے^(۳) ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے۔ (۱۹)

ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کے سب کھانا بھی کھاتے تھے^(۴) اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے^(۵) اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنا دیا۔^(۶) کیا تم صبر کرو گے؟ تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے۔^(۷) (۲۰)

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ بِمَا تَقُولُونَ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَوْفاً

وَلَا تَنْصُرُوا مَن يَظْلِمُ مِنْكُمْ ذُفَّةً عَذَابُهَا شَدِيدٌ ۝

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنَّهُمْ لِبَاطِلٍ لَّوْنٍ

الطَّعَامِ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ

لِبَعْضٍ يَظُنُّ أَنَّهُ مُصِيدُونَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ۝

(۱) یہ شرک کی علت ہے کہ دنیا کے مال و اسباب کی فراوانی نے انہیں تیری یاد سے غافل کر دیا اور بدکست و تباہی ان کا مقدر بن گئی۔

(۲) یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے جو مشرکین سے مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ کے گناہ کہ تم جن کو اپنا معبود گمان کرتے تھے، انہوں نے تو تمہیں تمہاری باتوں میں جھوٹا قرار دے دیا ہے اور تم نے دیکھ لیا ہے کہ انہوں نے تم سے براءت کا اعلان کر دیا ہے۔ گویا جن کو تم اپنا مددگار سمجھتے تھے وہ مددگار ثابت نہیں ہوئے۔ اب کیا تمہارے اندر یہ طاقت ہے کہ تم میرے عذاب کو اپنے سے پھیر سکو اور اپنی مدد کر سکو؟

(۳) ظلم سے مراد وہی شرک ہے، جیسا کہ سیاق سے بھی واضح ہے اور قرآن میں دوسرے مقام پر شرک کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿لَيْسَ الْبِرُّ بِالْظَلَمِ عَظِيمٍ﴾ [القصص: ۲۲]

(۴) یعنی وہ انسان تھے اور غذا کے محتاج۔

(۵) یعنی رزق حلال کی فراہمی کے لیے کسب و تجارت بھی کرتے تھے۔ مطلب اس سے یہ ہے کہ یہ چیزیں منصب نبوت کے منافی نہیں، جس طرح کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔

(۶) یعنی ہم نے ان انبیاء کی اور ان کے ذریعے سے ان پر ایمان لانے والوں کی بھی آزمائش کی، تاکہ کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جائے، جنہوں نے آزمائش میں صبر کا دامن پکڑے رکھا، وہ کامیاب اور دوسرے ناکام رہے۔ اسی لیے آگے فرمایا: ”کیا تم صبر کرو گے؟“

(۷) یعنی وہ جانتا ہے کہ وحی و رسالت کا مستحق کون ہے اور کون نہیں؟ ﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَرِيحُ رِيحًا﴾ [الأنعام: ۲۲] حدیث میں بھی آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ بادشاہ بنوں یا بندہ رسول؟ میں نے بندہ رسول بننا پسند کیا (ابن کثیر)

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا
الْمَلَكُ أَوْ تَنَزَّلَ رَبُّنَا لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ
وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا ۝

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ
يُقَالُونَ جَهَنَّمَ خَبِيرًا ۝

وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ

اور جنہیں ہماری ملاقات کی توقع نہیں انہوں نے کہا کہ ہم
پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے؟^(۱) یا ہم اپنی آنکھوں
سے اپنے رب کو دیکھ لیتے؟^(۲) ان لوگوں نے اپنے آپ کو
ہی بہت بڑا سمجھ رکھا ہے اور سخت سرکشی کر لی ہے۔^(۳) (۲۱)
جس دن یہ فرشتوں کو دیکھ لیں گے اس دن ان
گناہ گاروں کو کوئی خوشی نہ ہوگی^(۴) اور کہیں گے یہ
محروم ہی محروم کیے گئے۔^(۵) (۲۲)

اور انہوں نے جو جو اعمال کیے تھے ہم نے ان کی طرف

(۱) یعنی کسی انسان کو رسول بنا کر بھیجنے کے بجائے کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ پیغمبر کے ساتھ
فرشتے بھی نازل ہوتے جنہیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور وہ اس بشر رسول کی تصدیق کرتے۔

(۲) یعنی رب اگر ہمیں کتنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا رسول ہے اور اس پر ایمان لانا ہمارے لیے ضروری ہے۔

(۳) اسی استکبار اور سرکشی کا نتیجہ ہے کہ وہ اس قسم کے مطالبے کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی فشا کے خلاف ہیں۔ اللہ
تعالیٰ تو ایمان باغیب کے ذریعے سے انسانوں کو آزماتا ہے۔ اگر وہ فرشتوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے اتار دے یا آپ
خود زمین پر نزول فرما لے تو اس کے بعد ان کی آزمائش کا پہلو ہی ختم ہو جائے اس لیے اللہ تعالیٰ ایسا کام کیوں کر کر سکتا
ہے جو اس کی حکمت تخلیق اور مشیت تکوینی کے خلاف ہے؟

(۴) اس دن سے مراد موت کا دن ہے۔ یعنی یہ کافر فرشتوں کو دیکھنے کی آرزو تو کرتے ہیں لیکن موت کے وقت جب یہ فرشتوں
کو دیکھیں گے تو ان کے لیے کوئی خوشی اور مسرت نہیں ہوگی اس لیے کہ فرشتے انہیں اس موقع پر عذاب جہنم کی وعید سناتے
ہیں اور کہتے ہیں اے خبیث روح خبیث جسم سے نکل جس سے روح دوڑتی اور بھاگتی ہے جس پر فرشتے اسے مارتے اور
کوٹتے ہیں جیسا کہ سورۃ انفال ۵۰ سورۃ الانعام ۹۳ میں ہے۔ اس کے برعکس مومن کا حال وقت اختصار (جان کنی کے
وقت) یہ ہوتا ہے کہ فرشتے اسے جنت اور اس کی نعمتوں کی نوید جاں فرماتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ حم السجدة ۳۰-۳۲ میں ہے
اور حدیث میں بھی آتا ہے کہ ”فرشتے مومن کی روح سے کہتے ہیں اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی نکل اور ایسی جگہ
چل جہاں اللہ کی نعمتیں ہیں اور وہ رب ہے جو تجھ سے راضی ہے۔“ (تفصیل کے لیے دیکھئے مسند احمد ۲ ۳۶۳ ۳۶۵ اس
مباحثہ کتاب الرہد باب ذکر الموت) بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ دونوں
ہی قوں صحیح ہیں اس لیے کہ دونوں ہی دن ایسے ہیں کہ فرشتے مومن اور کافر دونوں کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔ مومنوں کو
رحمت و رضواں الہی کی خوش خبری اور کافروں کو ہلاکت و خسران کی خبر دیتے ہیں۔

(۵) جہنم کے اصل معنی ہیں منع کرنا روک دینا جس طرح قاضی کسی کو اس کی بے وقوفی یا صغیر سنی کی وجہ سے اس

بڑھ کر انہیں پر آگندہ ذروں کی طرح کر دیا۔^(۲۳)
 البتہ اس دن جنتیوں کا ٹھکانا بہتر ہو گا اور خواب گاہ بھی
 عمدہ ہوگی۔^(۲۴)
 اور جس دن آسمان بادل سمیت پھٹ جائے گا^(۲۵) اور
 فرشتے لگاتار اتارے جائیں گے۔ (۲۵)
 اس دن صبح طور پر ملک صرف رحمن کا ہی ہو گا اور یہ
 دن کافروں پر بڑا بھاری ہو گا۔ (۲۶)

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا ۝
 وَيَوْمَ تَفُتَّقُ السَّمَاءُ آتَاها الْعَاصِمُ تَنْزِيلًا ۝
 أَلَمْ تَكُنْ يَوْمَئِذٍ مِنَ الْمُعْجِزِينَ وَكَانَ يَوْمَئِذٍ
 الْكَافِرِينَ خَسِيفًا ۝

کے اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دے تو کہتے ہیں حَجَرَ الْفَاضِي عَلَيَّ فَلَا بَ قاضی نے فلاح کو تصرف کرنے سے روک دیا ہے۔ اسی منہوم میں خانہ کعبہ کے اس حصے (عظیم) کو جگر کہا جاتا ہے جسے قریش مکہ نے خانہ کعبہ میں شامل نہیں کیا تھا۔ اس لیے طواف کرنے والوں کے لیے اس کے اندر سے طواف کرنا منع ہے۔ طواف کرتے وقت اس کے بیرونی حصے سے گزرنا چاہیے جسے دیوار سے ممتاز کر دیا گیا ہے۔ اور عقل کو بھی جگر کہا جاتا ہے اس لیے کہ عقل بھی انسانوں کو ایسے کاموں سے روکتی ہے جو انسان کے لائق نہیں ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ فرشتے کافروں کو کہتے ہیں کہ تم ان چیزوں سے محروم ہو جن کی خوش خبری متقین کو دی جاتی ہے۔ یعنی یہ حَرَامًا مَحْرُومًا عَلَیْكُمْ کے معنی میں ہے۔ آج جنت الفردوس اور اس کی نعمتیں تم پر حرام ہیں اس کے مستحق صرف اہل ایمان و تقویٰ ہوں گے۔

(۱) حَبَاءُ ان باریک ذروں کو کہتے ہیں جو کسی سوراخ سے گھر کے اندر داخل ہونے والی سورت کی کرن میں محسوس ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی انہیں ہاتھ میں پکڑنا چاہے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ کافروں کے عمل بھی قیامت والے دن ان ہی ذروں کی طرح بے حیثیت ہوں گے۔ کیوں کہ وہ ایمان و اخلاص سے بھی خالی ہوں گے اور موافقت شریعت سے بھی عاری۔ جب کہ عند اللہ قبولیت کے لیے دونوں شرطیں ضروری ہیں۔ ایمان و اخلاص بھی اور شریعت اسلامیہ کی مطابقت بھی۔ یہاں کافروں کے اعمال کو جس طرح بے حیثیت ذروں کی مثل کہا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے مقامات پر کہیں راکھ سے کہیں سراب سے اور کہیں صاف چکنے پھر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ساری تمثیلات پہلے گزر چکی ہیں ملاحظہ ہو سورۃ البقرہ ۲۶۳ سورۃ ابراہیم ۱۸ اور سورۃ النور ۲۹۔

(۲) بعض نے اس سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ اہل ایمان کے لیے قیامت کا یہ ہولناک دن اتنا مختصر اور ان کا حساب اتنا آسان ہو گا کہ قیلولے کے وقت تک یہ فارغ ہو جائیں گے اور جنت میں یہ اپنے اہل خاندان اور حور عین کے ساتھ دوسرے کو استراحت فراہم ہوں گے جس طرح حدیث میں ہے کہ مومن کے لیے یہ دن اتنا ہلکا ہو گا کہ جتنے میں دنیا میں ایک فرض نماز ادا کر لیتا۔ (مسند احمد ۴/۷۵)

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا اور بادل سایہ فگن ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ فرشتوں کے جویں میدان محشر

وَيَوْمَ يَصْعَدُ النَّاسُ عَلَىٰ سِدْرِهِمْ يُقُولُ إِلَيْكُمُ الْفَرَقَانِ ۚ
مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝

يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُ لِمَ أَخَذْنَا مَا تُنْفِرُ ۝

لَقَدْ أَضَلَّيْ عَنْ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۚ وَكَانَ الشَّيْطَانُ
لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا ۝

وَقَالَ الرَّسُولُ يَرْبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ
مَهْجُورًا ۝

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ وَكَفَىٰ
بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ۝

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْوَلَا يُزِيلُ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ بَعْثَلًا

اور اس دن عالم شخص اپنے ہاتھوں کو چبچا کر کے گاہائے کاش
کہ میں نے رسول (ﷺ) کی راہ اختیار کی ہوتی۔ (۲۷)

ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ
بنایا ہوتا۔ (۲۸)

اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے
پاس آپہنچی تھی اور شیطان تو انسان کو (وقت پر) دغا دینے
والا ہے۔ (۲۹)

اور رسول کہے گا کہ اے میرے پروردگار! بیشک میری
امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔ (۳۰)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بعض گناہ گاروں کو
بنادیا ہے۔ (۳۱) اور تیرا رب ہی ہدایت کرنے والا اور مدد
کرنے والا کل ہے۔ (۳۲)

اور کافروں نے کہا کہ اس پر قرآن سارا کا سارا ایک ساتھ

میں 'جہاں ساری مخلوق جمع ہوگی' حساب کتاب کے لیے جلوہ فرما ہوگا جیسا کہ سورہ بقرہ آیت ۲۱۰ سے بھی واضح ہے۔

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نافرمانوں سے دوستی اور وابستگی نہیں رکھنی چاہیے 'اس لیے کہ محبت صالح سے انسان اچھا اور محبت طالح سے انسان برا بنتا ہے۔ اکثر لوگوں کی گمراہی کی وجہ غلط دوستوں کا انتخاب اور محبت بد کا اختیار کرنا ہی ہے۔ اسی لیے حدیث میں بھی صالحین کی محبت کی تاکید اور بری محبت سے اجتناب کو ایک بہترین مشاں سے واضح کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب استحباب معالمة الصالحین)

(۲) مشرکین قرآن پڑھے جانے کے وقت خوب شور کرتے تاکہ قرآن نہ سنا جاسکے 'یہ بھی ہجران ہے 'اس پر ایمان نہ لانا اور عمل نہ کرنا بھی ہجران ہے 'اس پر غور و فکر نہ کرنا اور اس کے اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب نہ کرنا بھی ہجران ہے۔ اسی طرح اس کو چھوڑ کر کسی اور کتاب کو ترجیح دینا 'یہ بھی ہجران ہے یعنی قرآن کا ترک اور اس کا چھوڑ دینا ہے جس کے خداف قیامت والے دن اللہ کے پیغمبر اللہ کی بارگاہ میں استغاثہ دائر فرمائیں گے۔

(۳) یعنی جس طرح اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیری قوم میں سے وہ لوگ تیرے دشمن ہیں جنہوں نے قرآن کو چھوڑ دیا 'اسی طرح گزشتہ امتوں میں بھی تھا 'یعنی ہر نبی کے دشمن وہ لوگ ہوتے تھے جو گناہ گار تھے 'وہ لوگوں کو گمراہی کی طرف بلا تے تھے سورۃ الانعام آیت ۶۲ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(۴) یعنی یہ کافر گوہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں لیکن تیرا رب جس کو ہدایت دے 'اس کو ہدایت سے کون

وَاحِدَةً كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَبْيِينًا ۝

الَّذِينَ يُخْلِقُونَ سُلُوكًا وَجُوهًا إِلَى جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَكَانًا
وَضَرًّا سَيِّئًا ۝

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مِثْقَلَهُ أَثَقَالَهُ هَرُونَ وَبَرَاءً ۝

فَلَمَّا أَتَيْنَاهُ إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا قَدْ تَزَيَّغُوا ۝

وَقَوْمٌ يُؤَيَّسُونَ لِمَا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَنْزَلْنَاهُمْ جَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ

آيَةً ۚ وَاعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

ہی کیوں نہ اتارا گیا^(۱) اسی طرح ہم نے (تھوڑا تھوڑا کر کے) اتارا تاکہ اس سے ہم آپ کا دل قوی رکھیں، ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر ہی پڑھ سلیا ہے۔^(۲) (۳۲)

یہ آپ کے پاس جو کوئی مثال لائیں گے ہم اس کا سچا جواب اور عمدہ توجیہ آپ کو بتا دیں گے۔^(۳) (۳۳)

جو لوگ اپنے منہ کے بل جنم کی طرف جمع کیے جائیں گے۔ وہی بدتر مکان والے اور گمراہ تر راستے والے ہیں۔ (۳۴)

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے ہمراہ ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر بنادیا۔ (۳۵)

اور کہہ دیا کہ تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ جو ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے ہیں۔ پھر ہم نے انہیں بالکل ہی پامال کر دیا۔ (۳۶)

اور قوم نوح نے بھی جب رسولوں کو جھوٹا کہا تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور لوگوں کے لیے انہیں نشان عبرت بنادیا۔ اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ (۳۷)

روک سکتا ہے؟ اصل ہادی اور مددگار تو تیرا رب ہی ہے۔

(۱) جس طرح تورات، انجیل اور زیور وغیرہ کتابیں بیک مرتبہ نازل ہوئیں۔

(۲) اللہ نے جواب میں فرمایا کہ ہم نے حالات و ضروریات کے مطابق اس قرآن کو ۲۳ سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا تاکہ اسے پیغمبر ﷺ تیرا اور اہل ایمان کا دل مضبوط ہو اور ان کے خوب ذہن نشین ہو جائے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى حَكْمٍ وَتَرْتِلُنَّهُ تَنْزِيلًا﴾ اسودہ اسی اسرائیل ۱۰۱ ”اور قرآن“ اس کو ہم نے جدا جدا کیا تاکہ تو اسے لوگوں پر رک رک کر پڑھے اور ہم نے اس کو وقفے وقفے سے اتارا“ اس قرآن کی مثال بارش کی طرح ہے۔ بارش جب بھی نازل ہوتی ہے، مردہ زمین میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور یہ فائدہ بالعموم اسی وقت ہوتا ہے جب بارش وقتاً فوقتاً نازل ہو، نہ کہ ایک ہی مرتبہ ساری بارش کے نازل سے۔

(۳) یہ قرآن کے وقفے وقفے سے اتارے جانے کی حکمت و علت بیان کی جا رہی ہے کہ یہ مشرکین جب بھی کوئی مثال یا اعتراض اور شبہ پیش کریں گے تو قرآن کے ذریعے سے ہم اس کا جواب یا وضاحت پیش کر دیں گے اور یوں انہیں لوگوں کو گمراہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔

اور عادیوں اور ثمودیوں اور کنوئیں والوں کو^(۱) اور ان کے درمیان کی ہمت سی امتوں کو^(۲) (ہلاک کر دیا)۔ (۳۸)
 اور ہم نے ان کے سامنے مثالیں بیان کیں^(۳) پھر ہر ایک کو بالکل ہی تباہ و برباد کر دیا۔^(۴) (۳۹)
 یہ لوگ اس بستی کے پاس سے بھی آتے جاتے ہیں جن پر بری طرح کی بارش برسائی گئی۔^(۵) کیا یہ پھر بھی اسے دیکھتے نہیں؟
 حقیقت یہ ہے کہ انہیں مرکزِ انجمن کی امید ہی نہیں۔^(۶) (۴۰)
 اور تمہیں جب کبھی دیکھتے ہیں تو تم سے مسخر اپن کرنے لگتے ہیں۔ کہ کیا یہی وہ شخص ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔^(۷) (۴۱)

وَعَادُؤُاْ وَثَمُوْدُؤُاْ وَفِرْعَوْنُؤُاْ ذٰلِكَ كُنُؤُتُؤُاْ ۝۱۰
 وَكُلَّؤُاْ صَرَفْنَا لُؤُہِ الْاَمْثَالِ ۝۱۱
 وَلَقَدْ اَنْوَا عَلٰی الْقَرْيَةِ الْغَيَّۃِ اَمْطَرْنَا مَطَرًا سَوَؤُا فَاَلَمْ يَكُنُؤُاْ
 يَّرَوْنَهَا بَلَّ كَانُؤُاْ لَا يَرْجُوْنَ نَشُؤُرًا ۝۱۲
 وَرَدَّ اَرْؤُؤُاْ لَوْ اِنْ يَّتَّخِذُؤُاْ مَلَؤُاْ الْاَهْرَؤُاْ اِهْدَؤُاْ الَّذِيۤ يَنْعَثُ
 اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝۱۳
 اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ الْغَيْثِ اَلُوْاْ لَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلٰیہَا وَنَسُوْاْ

(۱) زمیں کے معنی کنوئیں کے ہیں اَصْحٰثُ الرِّیْسِ کنوئیں والے۔ اس کی تعیین میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے امام ابن جریر طبری نے کہا ہے کہ اس سے مراد اصحاب الاخدود ہیں جن کا ذکر سورۃ البروج میں ہے (ابن کثیر)
 (۲) قُرُون کے صحیح معنی ہیں ہم عصر لوگوں کا ایک گروہ۔ جب ایک نسل کے لوگ ختم ہو جائیں تو دوسری نسل دوسرا قرن کہلائے گی۔ (ابن کثیر) اس معنی میں ہر نیا کی امت بھی ایک قرن ہو سکتی ہے۔
 (۳) یعنی دلائل کے ذریعے سے ہم نے جہت قائم کر دی۔
 (۴) یعنی اتمامِ جہت کے بعد۔

(۵) بستی سے قومِ بوط کی بستیاں سدوم اور عمورہ وغیرہا مراد ہیں اور بری بارش سے پتھروں کی بارش مراد ہے۔ ان بستیوں کو الٹ دیا گیا تھا اور اس کے بعد ان پر کنکر پتھروں کی بارش کی گئی تھی جیسا کہ سورۃ ہود-۸۲ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ بستیاں شام و فلسطین کے راستے میں پڑتی ہیں جن سے گزر کر ہی اہل مکہ آتے جاتے تھے۔
 (۶) اس لیے ان تباہ شدہ بستیوں اور ان کے کھنڈرات دیکھنے کے باوجود عبرت نہیں پکڑتے۔ اور آیات الہی اور اللہ کے رسول کی تکذیب سے باز نہیں آتے۔

(۷) دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا ﴿ اٰلَہٰذَا الَّذِیۡ یَنْکُرُ الْاٰیٰتَہٗ ﴾ (الانبیاء-۳۱) ”کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے؟“ یعنی ان کی بابت کہتا ہے کہ وہ کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ اس حقیقت کا اظہار ہی مشرکین کے نزدیک ان کے معبودوں کی توہین تھی جیسے آج بھی قبر پرستوں کو کہا جائے کہ قبروں میں مدفون بزرگ کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں رکھتے تو کہتے ہیں کہ یہ اولیاء اللہ کی شان میں گستاخی کر رہے ہیں۔

يَعْلَمُونَ حِينَ تَقُوتُ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝

أَرَأَيْتَ مَنْ خُذَّ اللَّهُ هَوَاهُ فَاتَّكَتُتْ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكَيْلًا ۝

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يَعْتَلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝

أَلَمْ تَرَ إِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ

ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔^(۱) اور یہ جب عذابوں کو دیکھیں گے تو انہیں صاف معلوم ہو جائے گا کہ پوری طرح راہ سے بھٹکا ہوا کون تھا؟^(۲) (۳۲)

کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟^(۳) (۳۳) کیا آپ اسی خیال میں ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں۔ وہ تو زے چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے۔^(۴) (۳۴)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے سایے کو کس

(۱) یعنی ہم ہی اپنے آبا و اجداد کی تقلید اور روایتی مذہب سے وابستگی کی وجہ سے غیر اللہ کی عبادت سے باز نہیں آئے ورنہ اس پیغمبر ﷺ نے تو ہمیں گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا یہ قول نقل فرمایا کہ کس طرح وہ شرک پر جتے ہوئے ہیں کہ اس پر فخر کر رہے ہیں۔

(۲) یعنی اس دنیا میں تو ان مشرکین اور غیر اللہ کے پیجاویوں کو اہل توحید گمراہ نظر آتے ہیں لیکن جب یہ اللہ کی بارگاہ میں پہنچیں گے اور وہاں انہیں شرک کی وجہ سے عذاب الہی سے دوچار ہونا پڑے گا تو پتہ لگے گا کہ گمراہ کون تھا؟ ایک اللہ کی عبادت کرنے والے یا درود پر اپنی جہنیں جھکانے والے؟

(۳) یعنی جو چیز اس کے نفس کو اچھی لگی اسی کو اپنا دین و مذہب بنا لیا، کیا ایسے شخص کو تو راہ یاب کر سکتا ہے یا اللہ کے عذاب سے چھڑا سکے گا؟ اس کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا ”کیا وہ شخص جس کے لیے اس کا برا عمل مزین کر دیا گیا“ پس وہ اسے اچھا سمجھتا ہے، پس اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ یاب۔ پس تو ان پر حسرت و افسوس نہ کر“ (المطہور: ۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں آدمی ایک عرصے تک سفید پتھر کی عبادت کرتا رہتا، جب اسے اس سے اچھا پتھر نظر آ جاتا تو وہ پہلے پتھر کو چھوڑ کر دوسرے پتھر کی پوجا شروع کر دیتا (ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ ایسے اشخاص جو عقل و فہم سے اس طرح عاری اور محض خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں۔ اے پیغمبر کیا تو ان کو ہدایت کے راستے پر لگا سکتا ہے؟ یعنی نہیں لگا سکتا

(۴) یعنی یہ چوپائے جس مقصد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اسے وہ سمجھتے ہیں۔ لیکن انسان جسے صرف ایک اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا تھا وہ رسووں کی یاد دہانی کے باوجود اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتا اور درود پر اپنا ماتھ نیکتا بھرتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ یقیناً چوپائے سے بھی زیادہ بدتر اور گمراہ ہے۔

جَعَلْنَا الشَّمْسُ عَلَيْهِ ذَلِيلًا ۝

لَمْ يَمَسَّهُ الْيَتَامَىٰ مَائِدًا ۝

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ
النَّهَارَ شُغْرًا ۝

وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ
وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَطُورًا ۝

لِنُخْرِجَ بِهِ بَلَدًا مَّيْنًا وَنُخْرِجَ مِنْهَا خَلْقًا آفَافًا
وَأَنَّا بَيْنَ يَدَيْهِ كَاشِفًا ۝

طرح پھیلا دیا ہے؟^(۱) اگر چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا ہی کر
دیتا۔^(۲) پھر ہم نے آفتاب کو اس پر دلیل بنایا^(۳) (۳۵)
پھر ہم نے اسے آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیا۔^(۴) (۳۶)
اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے پردہ بنایا^(۵)
اور نیند کو راحت بنائی^(۶) اور دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا
وقت۔^(۷) (۳۷)

اور وہی ہے جو باران رحمت سے پہلے خوش خبری دینے
والی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور ہم آسمان سے پاک پانی
برساتے ہیں۔^(۸) (۳۸)
تاکہ اس کے ذریعہ سے مردہ شر کو زندہ کر دیں اور اسے
ہم اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو
چلاتے ہیں۔ (۳۹)

(۱) یہاں سے پھر توحید کے دلائل کا آغاز ہو رہا ہے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کس طرح سایہ پھیلا دیا ہے جو صبح صادق کے
بعد سے سورج کے طلوع ہونے تک رہتا ہے۔ یعنی اس وقت دھوپ نہیں ہوتی دھوپ کے ساتھ یہ سننا اور سکڑنا شروع ہو جاتا ہے۔
(۲) یعنی ہمیشہ سایہ ہی رہتا سورج کی دھوپ سائے کو ختم ہی نہ کرتی۔
(۳) یعنی دھوپ سے ہی سائے کا پتہ چلتا ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ اگر سورج نہ ہوتا تو سائے سے بھی
لوگ متعارف نہ ہوتے۔

(۴) یعنی وہ سایہ آہستہ آہستہ ہم اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور اس کی جگہ رات کا کبیرہ اندھیرا چھا جاتا ہے۔
(۵) یعنی لباس جس طرح لباس انسانی ڈھانچے کو چھپا لیتا ہے اسی طرح رات ہمیں اپنی تاریکی میں چھپا لیتی ہے۔
(۶) سبات کے معنی کاٹنے کے ہوتے ہیں۔ نیند انسان کے جسم کو عمل سے کٹ دیتی ہے جس سے اسکو راحت میسر آتی ہے۔
بعض کے نزدیک سبات کے معنی تھوڑے پھیلنے کے ہیں۔ نیند میں بھی انسان دراز ہو جاتا ہے اس لیے اسے سبات کہہ کر اسے تھوڑا سا
(۷) یعنی نیند جو موت کی بہن ہے دن کو انسان اس نیند سے بیدار ہو کر کاروبار اور تجارت کے لیے پھر اٹھ کھڑا ہوتا
ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اٰخِیَانًا نَغْذَمُنَا
اَمَانًا وَابْنِ الشُّوْرَ (رواہ البخاری مشکوٰۃ مکتب الدعوات) ”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں
مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اکٹھے ہوتا ہے۔“

(۸) طُورٌ (بَفَتْحِ الطَّاءِ) فعول کے وزن پر آلے کے معنی میں ہے یعنی ایسی چیز جس سے پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا فَأَنَّى آلَتُ الْتَاتِ
إِلَّا كُفُورًا ①

وَلَوْ بَشَتْنَا لِمَعْتَنَانِي كُلِّ قَرْيَةٍ لَنَذَرْنَاهَا ②

نَكَلًا لِّطُغْيَا الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جَهَادًا كَثِيرًا ③

وَمَوَازِينُ مِيزَانٍ الْحَقِّ هَذَا عَذَابٌ مُّؤْتٍ وَهَذَا أَمْلٌ
أَجَابٌ وَجَعَلْ بَيْنَهُمَا رِجَالًا يَنْصَلُونَ ④

اور بیشک ہم نے اسے ان کے درمیان طرح طرح سے
بیان کیا تاکہ ^(۱) وہ نصیحت حاصل کریں، مگر پھر بھی اکثر
لوگوں نے سوائے ناشکری کے مانا نہیں۔ ^(۲) (۵۰)
اگر ہم چاہتے تو ہر ہستی میں ایک ڈرانے والا بھیج ^(۳)
دیتے۔ (۵۱)

پس آپ کافروں کا کمانہ مانیں اور قرآن کے ذریعہ ان
سے پوری طاقت سے بڑا جہاد کریں۔ ^(۴) (۵۲)
اور وہی ہے جس نے دو سمندر آپس میں مدار کھے
ہیں، یہ ہے مینھا اور مزیدار اور یہ ہے کھاری کڑوا، ^(۵)
اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب اور مضبوط

جیسے وضو کے پانی کو وضو اور ایحد من کو وضو کہا جاتا ہے، اس معنی میں پانی ظاہر (خود بھی پاک) اور مطہر (دوسروں کو پاک
کرنے والا) بھی ہے۔ حدیث میں بھی ہے: "إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يَبْغِي شَيْءًا" (ابوداؤد، الترمذی، مسند، السنن و
ابن ماجہ و صحیحہ الألبانی فی السنن) "پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی" ہاں اگر اس کا رنگ یا بو یا
ذائقہ بدل جائے تو ایسا پانی ناپاک ہے۔ کافی الحدیث۔

(۱) یعنی قرآن کریم کو۔ اور بعض نے صرّفنا میں ہا کا مرجع بارش قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہو گا کہ بارش کو ہم پھیر پھیر
کر برساتے ہیں یعنی کبھی ایک علاقے میں، کبھی دوسرے علاقے میں۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی ایک ہی شہر کے
ایک حصے میں بارش ہوتی ہے، دوسروں میں نہیں ہوتی اور کبھی دوسرے حصوں میں ہوتی ہے، پہلے حصے میں نہیں ہوتی یہ اللہ کی حکمت
و مشیت ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے، کیس بارش برساتا ہے اور کیس نہیں اور کبھی کسی علاقے میں اور کبھی کسی اور علاقے میں
(۲) اور ایک کفر اور ناشکری یہ بھی ہے کہ بارش کو مشیت الہی کی بجائے ستاروں کی گردش کا نتیجہ قرار دیا جائے، جیسا
کہ اہل جاہلیت کہا کرتے تھے۔ کَمَا فِي التَّحْدِيثِ.

(۳) لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا اور صرف آپ کو ہی تمام بتیوں بلکہ تمام انسانوں کے لیے نذر بنا کر بھیجا ہے۔

(۴) جَاهِدْهُمْ بِهِ میں ہا کا مرجع قرآن ہے یعنی اس قرآن کے ذریعے سے جہاد کریں، یہ آیت کی ہے، ابھی جہاد کا حکم
نہیں ملا تھا۔ اس لیے مطلب یہ ہوا کہ قرآن کے اوامرو نواہی کھول کھول کر بیان کریں اور اہل کفر کے لیے جو زبرد و توج
اور وعیدیں ہیں، وہ واضح کریں۔

(۵) آب شیریں کو فرات کہتے ہیں، مَوَازِينُ کے معنی ہیں کٹ ریتا، توڑ ریتا، مینھا پانی پیاس کو کٹ ریتا ہے، یعنی ختم کر دیتا
ہے۔ أَجَابٌ سخت کھاری یا کڑوا۔

اوٹ کر دی۔^(۱) (۵۳)

وہ ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اسے نسب والا اور سسرالی رشتوں والا کر دیا۔^(۲) بلاشبہ آپ کا پروردگار (ہر چیز پر) قادر ہے۔ (۵۳)

یہ اللہ کو چھوڑ کر انکی عبادت کرتے ہیں جو نہ تو انہیں کوئی نفع دے سکیں نہ کوئی نقصان پہنچا سکیں اور کافر تو ہے ہی اپنے رب کے خلاف (شیطان کی) مدد کرنے والا۔ (۵۵)

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصُهْرًا

وَكُلًّا رَبُّكَ قَدِيرٌ ۝

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ

وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ۝

(۱) جو ایک دوسرے سے ملنے نہیں دیتی۔ بعض نے حَجْرًا مَخْجُورًا کے معنی کیے ہیں خَرَامًا مَحْرُومًا ان پر حرام کر دیا گیا ہے کہ میٹھاپنی کھاری یا کھاری پانی میٹھا ہو جائے۔ اور بعض مفسرین نے مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ کا ترجمہ کیا ہے 'تخلیقِ لَمَاءَ بَيْنِ' دو پانی پیدا کیے ایک میٹھا اور دوسرا کھاری۔ میٹھاپنی تو وہ ہے جو نہوں، چشموں اور کنوؤں کی شکل میں آبادیوں کے درمیان پایا جاتا ہے جس کو انسان اپنی ضروریات کے لیے استعمال کرتا ہے اور کھاری پانی وہ ہے جو مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے بڑے بڑے سمندروں میں ہے جو کہتے ہیں کہ زمین کا تین چوتھائی حصہ ہے اور ایک چوتھائی حصہ خشکی کا ہے جس میں انسانوں اور حیوانوں کا بسیرا ہے۔ یہ سمندر ساکن ہیں۔ البتہ ان میں مدوجزر ہوتا رہتا اور موجوں کا عظیم جاری رہتا ہے۔ سمندری پانی کے کھاری رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے۔ میٹھاپانی زیادہ دیر تک کہیں ٹھہرا رہے تو وہ خراب ہو جاتا ہے اس کے ذائقے رنگ یا بو میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ کھاری پانی خراب نہیں ہوتا نہ اس کا ذائقہ بدلتا ہے نہ رنگ اور بو۔ اگر ان ساکن سمندروں کا پانی بھی میٹھا ہوتا تو اس میں بدبو پیدا ہو جاتی جس سے انسانوں اور حیوانوں کا زمین میں رہنا مشکل ہو جاتا۔ اس میں مرنے والے جانوروں کی سزاں اس پر مستزاد۔ اللہ کی حکمت تو یہ ہے کہ ہزاروں برس سے یہ سمندر موجود ہیں اور ان میں ہزاروں جانور مرتے ہیں اور انہی میں گل سڑ جاتے ہیں۔ لیکن اللہ نے ان میں ملاحات (نملیات) کی اتنی مقدار رکھ دی ہے کہ وہ اس کے پانی میں ذرا بھی بدبو پیدا نہیں ہونے دیتی۔ ان سے اٹھنے والے ہوائیں بھی صحیح ہیں اور ان کا پانی بھی پاک ہے حتیٰ کہ ان کا مردار بھی حلال ہے۔ کمانی الحدیث - اموطا امام مالک، اس ماجہ، ابوداؤد، الترمذی، کتاب الطہارۃ، المسائی، کتاب المیاء، تفسیر ابن کثیر۔

(۲) نسب سے مراد وہ رشتے داریاں ہیں جو باپ یا ماں کی طرف سے ہوں اور صہر سے مراد وہ قرابت مندی ہے جو شادی کے بعد بیوی کی طرف سے ہو جس کو ہماری زبان میں سسرالی رشتے کہا جاتا ہے۔ ان دونوں رشتے داریوں کی تفصیل آیت ﴿حُوتَتْ عَلَیْکُمْ﴾ (النساء ۲۳) اور ﴿وَلَا تَنْکِحُوا مَا بَآؤَکُمْ﴾ (النساء ۲۲) میں بیان کر دی گئی ہے۔ اور رضاعی رشتے داریاں حدیث کی رو سے نسبی رشتوں میں شامل ہے۔ جیسا کہ فرمایا یَخْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا یَخْرُمُ مِنَ

وَمَا كُنَّا لَكَ الْإِنشِيرَاقِينَ ۝

ہم نے تو آپ کو خوشخبری اور ڈر سنانے والا (نبی) بنا کر بھیجا ہے۔ (۵۶)

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَنْتُمْ شَاءْتُمْ

کہہ دیجئے کہ میں قرآن کے پہنچانے پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر جو شخص اپنے رب کی طرف راہ پکڑنا چاہے۔ (۵۷)

أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝

اس ہمیشہ زندہ رہنے والے اللہ تعالیٰ پر توکل کریں جسے کبھی موت نہیں اور اسکی تعریف کے ساتھ پاکیزگی بیان کرتے رہیں وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے۔ (۵۸)

وَيُؤْتِلُ عَلَىٰ الْإِنِّ الَّذِي لَا تَمُوتُ وَسَيَكُونُ مَبْذُورًا ۝ وَتَقْنِي بِهِ يَدَا نُوحٍ وَيَبَاوُهُ حَبِيرًا ۝

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دن میں پیدا کر دیا ہے پھر عرش پر مستوی ہوا وہ رحمن ہے آپ اس کے بارے میں کسی خبردار سے پوچھ لیں۔ (۵۹)

إِلَّا الَّذِي خَلَقَ السَّمُوتَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا يَبْعَثُ آيَاتِهِ ۝ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمَنُ فَسَبِّحْهُ بِحَمْدِهِ ۝

ان سے جب بھی کہا جاتا ہے کہ رحمن کو سجدہ کرو تو جواب دیتے ہیں رحمن ہے کیا؟ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دے رہا ہے اور اس (تبلیغ) نے ان کی نفرت میں مزید اضافہ کر دیا۔ (۶۰)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَا سَجْدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۝

بارکات ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے (۶۱) اور

ثَبَّتَ الْكَوْكَبَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا

(۱) یعنی یہی میرا اجر ہے کہ وہ کاراستہ اختیار کر لو۔

(۲) رَحْمَنُ، رَحِيمُ اللہ کی صفات اور اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں لیکن اہل جاہلیت اللہ کو ان ناموں سے نہیں پہچانتے تھے۔ جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدے کے آغاز پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ لکھوایا تو مشرکین مکہ نے کہا ہم رحمن و رحیم کو نہیں جانتے بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ! لکھو۔ (سیرت ابن ہشام ۲۰ ۳۱۷) مزید دیکھئے سورہ بنی اسرائیل ۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-

يَسْرِعُونَ قَوْمًا يُنَادُوا

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنۢ أَرَادَ أَنۢ يَذَّكَّرَ

أَوْ أَرَادَ عُلُوْرًا ۝۱۰

وَجِبَادُ الرُّسُلِ ۚ الَّذِينَ يَمُوتُونَ عَلَى الْأَرْضِ هُوَنًا وَإِلٰهًا طَائِفَتُهُمُ

الْجَهَنَّمَ قَالُوا لَمَنَّا ۝۱۱

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ لِرَبِّهِمْ سُبْحًا أَقْبَلًا ۝۱۲

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ

إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝۱۳

اس میں آفتاب بنایا اور منور متاب بھی۔ (۶۱)

اور اسی نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے
جانے والا بنایا ^(۱) اس شخص کی نصیحت کے لیے جو نصیحت

حاصل کرنے یا شکرگزاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ (۶۲)

رحمن کے (سچے) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ
چلتے ہیں اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیںتو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے۔ ^(۲) (۶۳)اور جو اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کرتے
ہوئے راتیں گزار دیتے ہیں۔ (۶۴)اور جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے
دوزخ کا عذاب پرے ہی پرے رکھ، کیونکہ اس کا عذابچٹ جانے والا ہے۔ ^(۳) (۶۵)

عالی شان محل ہیں (ایسرافیا)

(۱) یعنی رات جاتی ہے تو دن آجاتا ہے اور دن آتا ہے تو رات چلی جاتی ہے۔ دونوں بیک وقت جمع نہیں ہوتے اس کے
فوائد و مصالح محتاج وضاحت نہیں۔ بعض نے خِلْفَةً کے معنی ایک دوسرے کے مخالف کے کیے ہیں یعنی رات تاریک ہے
تو دن روشن۔(۲) اسلام سے مراد یہاں اعراض اور ترک بحث و مجادلہ ہے۔ یعنی اہل ایمان اہل جہالت و اہل سفہت سے دبختے نہیں
ہیں بلکہ ایسے موقعوں پر اعراض و گریز کی پالیسی اختیار کرتے ہیں اور بے فائدہ بحث نہیں کرتے۔(۳) اس سے معلوم ہوا کہ رخص کے بندے وہ ہیں جو ایک طرف راتوں کو اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور دوسری
طرف وہ ڈرتے بھی ہیں کہ کہیں کسی غلطی یا کوتاہی پر اللہ کی گرفت میں نہ آجائیں اس لیے وہ عذاب جہنم سے بھی پناہ
طلب کرتے ہیں۔ گویا اللہ کی عبادت و اطاعت کے باوجود اللہ کے عذاب اور اس کے مواخذے سے انسان کو بے خوف
اور اپنی عبادت و طاعات الہی پر کسی غرور اور تمہند میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اسی مفہوم کو دوسرے مقام پر اس طرح
بیان فرمایا گیا ہے ﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ مَا آمَنُوا وَلَوْ نَفَعُهُمْ وَبَلَغَتِ الْهُمَمُ إِلَى رَبِّهِمْ لَنُفَعْنَ﴾ (المؤمنون ۱۰۸) اور وہ لوگ کہجو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اور صرف اسی بات کا نہیں
کہ انہیں بارگاہ الہی میں حاضر ہونا ہے بلکہ اس کے ساتھ اس کا بھی کہ ان کا صدقہ و خیرات قبول ہوتا ہے یا نہیں؟
حدیث میں آیت کی تفسیر میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی

إِنَّمَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا وَمَا أَغْنَيْنَا عَنْهُنَّ شَيْئًا وَلَا هُنَّ عَلَيَّ ذَاتُ عِلَّةٍ ۝

وَالَّذِينَ إِذَا أَفْعَوْا لَهُ يُسْرِفُوا وَلَهُمْ يُفْعَلُوهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا بَيْنَ يَدَيْهِ قَوْمًا ۝

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ فَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَتَمًا ۝

يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهْلًا ۝

بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے۔ (۶۶)

اور جو خرچ کرتے وقت بھی نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ بخیلی، بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرچ کرتے ہیں^(۱) (۶۷)

اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہو وہ بجز حق کے قتل نہیں کرتے^(۲) نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں^(۳) اور جو کوئی یہ کام کرے وہ اپنے اوپر سخت دہل لائے گا۔ (۶۸)

اسے قیامت کے دن دو ہر عذاب کیا جائے گا اور وہ ذلت

بابت پوچھا کہ کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: 'نہیں' اسے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کی بیٹی! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے، نماز پڑھتے اور صدقہ کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود رتے ہیں کہ کہیں ان کے یہ اعمال نامقبول نہ ہو جائیں۔ (النسائی، کتاب التعمیر، سورة المؤمنون)

(۱) اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرنا اسراف اور اللہ کی اطاعت میں خرچ نہ کرنا بخیلی اور اللہ کے احکام و اطاعت کے مطابق خرچ کرنا قوام ہے (فتح القدیر) اسی طرح نفقات واجبہ اور مباحات میں حد اعتدال سے تجاوز بھی اسراف میں آسکتا ہے اس لیے وہاں بھی احتیاط اور میانہ روی نہایت ضروری ہے۔

(۲) اور حق کے ساتھ قتل کرنے کی تین صورتیں ہیں، اسلام کے بعد کوئی دوبارہ کفر اختیار کرے، جسے ارتداد کہتے ہیں، یا شادی شدہ ہو کر بدکاری کا ارتکاب کرے یا کسی کو قتل کر دے۔ ان صورتوں میں قتل کیا جائے گا۔

(۳) حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: 'یہ کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراے دریاں حایکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ اس نے کہا: اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا: 'اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرنا کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی' اس نے پوچھا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: 'یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان باتوں کی تصدیق اس آیت سے ہوتی ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (البخاری، تفسیر سورة البقرة، 'مسلم' کتاب الإیمان، باب کون الشولہ أفصح الذنوب)

و خواری کے ساتھ ہمیشہ اسی میں رہے گا۔ (۶۹)

سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک کام کریں،^(۱) ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکوں سے بدل دیتا ہے،^(۲) اللہ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ (۷۰)

اور جو شخص توبہ کرے اور نیک عمل کرے وہ تو (حقیقتاً) اللہ تعالیٰ کی طرف سچا رجوع کرتا ہے۔^(۳) (۷۱)
اور جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے^(۴) اور جب

إِلَٰمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ
اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ۝

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَسَّوْهُمُ اللَّعْمُؤُورُ ذَكَرُوا مَا

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں خالص توبہ سے ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا ہو۔ اور سورۃ نساء کی آیت ۹۳ میں جو مومن کے قتل کی سزا جہنم بتلائی گئی ہے، تو وہ اس صورت پر محمول ہوگی، جب قاتل نے توبہ نہ کی ہو اور بغیر توبہ کیے ہی فوت ہو گیا ہو۔ ورنہ حدیث میں آتا ہے کہ سو آدمی کے قاتل نے بھی خالص توبہ کی تو اللہ نے اسے معاف فرما دیا (صحیح مسلم، کتاب المغنی)۔

(۲) اس کے ایک معنی توبہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا حال تبدیل فرما دیتا ہے، اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ برائیاں کرتا تھا، اب نیکیاں کرتا ہے، پہلے شرک کرتا تھا، اب صرف الہ واحد کی عبادت کرتا ہے، پہلے کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑتا تھا، اب مسلمانوں کی طرف سے کافروں سے لڑتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے معنی ہیں کہ اس کی برائیوں کو نیکوں میں بدل دیا جاتا ہے۔ اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں اس شخص کو جہنم میں دیکھتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والا اور سب سے آخر میں جہنم سے نکلنے والا ہو گا۔ یہ وہ آدمی ہو گا کہ قیامت کے دن اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے، بڑے گناہ ایک طرف رکھ دیئے جائیں گے۔ اس کو کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن فلاں کام کیا تھا؟ وہ اثبات میں جواب دے گا، انکار کی اسے طاقت نہ ہوگی، علاوہ ازیں وہ اس بات سے بھی ڈر رہا ہو گا کہ ابھی تو بڑے گناہ بھی پیش کیے جائیں گے۔ کہ اتنے میں اس سے کہا جائے گا کہ جا، تیرے لیے ہر برائی کے بدلے ایک نیکی ہے۔ اللہ کی یہ مہربانی دیکھ کر وہ کہے گا کہ ابھی تو میرے بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ میں انہیں یہاں نہیں دیکھ رہا، یہ بیان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دانت ظاہر ہو گئے“ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب آدمی اہل الجنة مسرلة فیہا)۔

(۳) پہلی توبہ کا تعلق کفر و شرک سے ہے۔ اس توبہ کا تعلق دیگر معاصی اور کوتاہیوں سے ہے۔

(۴) زور کے معنی جھوٹ کے ہیں۔ ہر باطل چیز بھی جھوٹ ہے، اس لیے جھوٹی گواہی سے لے کر کفر و شرک اور ہر طرح کی غلط چیزیں مثلاً لہو و لعب، گانا اور دیگر بیسودہ جاہلانہ رسوم و افعال، سب اس میں شامل ہیں اور عبد الرحمن کی یہ صفت

کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہوتا ہے تو شرافت سے گزر جاتے ہیں۔^(۱) (۷۲)

اور جب انہیں ان کے رب کے کلام کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے بہرے ہو کر ان پر نہیں گرتے۔^(۲) (۷۳)

اور یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما^(۳) اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بننا۔^(۴) (۷۴)

یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کے بدلے جنت کے بلند در بالا خانے دیئے جائیں گے جہاں انہیں دعا سلام پہنچایا جائے گا۔ (۷۵)

اس میں یہ ہمیشہ رہیں گے 'دہست ہی اچھی جگہ اور عمدہ مقام ہے۔ (۷۶)

کہہ دیجئے! اگر تمہاری دعا التجا (پکارنا) نہ ہوتی تو میرا رب تمہاری مطلق پروا نہ کرتا،^(۵) تم تو جھٹلا چکے اب عنقریب اس کی سزا تمہیں چٹ جانے والی ہوگی۔^(۶) (۷۷)

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخْفَوْا عَلَيْهَا كَمَا خَفَوْا عَلَى النَّاسِ ۖ

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا ذُرِّيَّتًا مُّقْرَنَةً

أَعْيُنَ وَنَعْمَلْنَا لِنَفْسَيْنِ ۖ إِمَّا مَنَا ۖ

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرَّةَ يَوْمَ تَصْبَرُ ۚ وَلَقَدْ عَلِمْنَا لَمَنِ هِيَ ۖ

خُلْدِيْنَ ۖ فِيمَا حَسُنَتْ مُسْتَمَرًّا ۚ

قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ

يَكُونُ لَكُمْ عَذَابٌ ۖ

بھی ہے کہ وہ کسی بھی جھوٹ میں اور جھوٹ کی مجلسوں میں حاضر نہیں ہوتے۔

(۱) 'لغو' ہر وہ بات اور کام ہے جس میں شرعاً کوئی فائدہ نہیں۔ یعنی ایسے کاموں اور باتوں میں بھی وہ شرکت نہیں کرتے بلکہ خاموشی کے ساتھ عزت و وقار سے گزر جاتے ہیں۔

(۲) یعنی وہ ان سے اعراض و غفلت نہیں برتتے جیسے وہ بہرے ہوں کہ سنیں ہی نہیں یا اندھے ہوں کہ دیکھیں ہی نہیں۔ بلکہ وہ غور اور توجہ سے سنتے اور انہیں آویزہ گوش اور حرز جان بناتے ہیں۔

(۳) یعنی انہیں اپنا بھی قرماں بردار بنانا اور ہمارا بھی اطاعت گزار جس سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں (۴) یعنی ایسا اچھا نمونہ کہ خیر میں وہ ہماری اقتدا کریں۔

(۵) دعا و التجا کا مطلب 'اللہ کو پکارنا اور اس کی عبادت کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہارا مقصد تخلیق اللہ کی عبادت ہے' مگر یہ نہ ہو تو اللہ کو تمہاری کوئی پروا نہ ہو۔ یعنی اللہ کے ہاں انسان کی قدر و قیمت اس کے اللہ پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کرنے کی وجہ سے ہے۔

(۶) اس میں کافروں سے خطاب ہے کہ تم نے اللہ کو جھٹلادیا ہے، سو اب اس کی سزا بھی لازماً تمہیں چکھنی ہے۔ چنانچہ دنیا میں یہ

سُورَةُ الشُّعْرَاءِ

سورہ شعراء کی ہے اور اس میں دو سو ستائیس آیتیں اور
گیارہ رکوع ہیں۔

يَسْأَلُكَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

طَسَّ ۝ تِلْكَ آيَةُ الْكَذِّبِ الْبَیِّنِ ۝

طسم (۱) یہ آیتیں روشن کتاب کی ہیں۔ (۲)

لَعَلَّكَ بَآخِرَ نَفْسِكَ الْآيَةُ أَنْ يُؤْمِنُوا مُؤْمِنِينَ ۝

ان کے ایمان نہ لانے پر شاید آپ تو اپنی جان کھودیں
گئے۔ (۳)

إِنْ تَسْأَلْنَاهُمْ عَنْهُمْ مِنْ السَّمَاءِ آيَةً فَلَقَدْ

اگر ہم چاہتے تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی اتارتے
کہ جس کے سامنے ان کی گردنیں خم ہو جاتیں۔ (۴)

أَعْنَاهُمْ لَهَا خَصِصِينَ ۝

اور ان کے پاس رحمن کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت
آئی یہ اس سے روگردانی کرنے والے بن گئے۔ (۵)

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ الْمُرْسَلِينَ مُتَعَدِّينَ إِلَّا كَانُوا عَنْتَهُ

ان لوگوں نے جھٹلایا ہے اب انکے پاس جلدی سے اسکی
خبریں آجائیں گی جسکے ساتھ وہ سفر ہیں کر رہے ہیں۔ (۶)

فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيَهُمْ تَذَاتُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝

کیا انہوں نے زمین پر نظریں نہیں ڈالیں؟ کہ ہم نے اس
میں ہر طرح کے نفیس جوڑے کس قدر اگائے ہیں؟ (۷)

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمَا أَنْشَأْنَاهُنَّ آيَاتٍ فَتُحْمَرُّ

مزید میں فلکست کی صورت میں انہیں ملی اور آخرت میں جہنم کے دائمی عذاب سے بھی انہیں دوچار ہونا پڑے گا۔

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت سے جو ہمدردی اور ان کی ہدایت کے لیے جو تڑپ تھی اس میں اس کا اظہار ہے۔

(۲) یعنی جسے مانے اور جس پر ایمان لائے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ لیکن اس طرح جبر کا پہلو شامل ہو جاتا ہے جب کہ ہم نے انسان

کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے تاکہ اس کی آزمائش کی جائے۔ اس لیے ہم نے ایسی نشانی بھی اتارنے سے گریز کیا

جس سے ہمارا یہ قانون متاثر ہو۔ اور صرف انبیاء و رسل بھیجے اور کتابیں نازل کرنے پر ہی اکتفا کیا۔

(۳) یعنی تکذیب کے نتیجے میں ہمارا عذاب عنقریب انہیں اپنی گرفت میں لے لے گا جسے وہ ناممکن سمجھ کر استہزا و

مذاق کرتے ہیں۔ یہ عذاب دنیا میں بھی ممکن ہے جیسا کہ کئی قومیں تباہ ہوئیں بصورت دیگر آخرت میں تو اس سے کسی

صورت چھٹکارا نہیں ہو گا۔ مَا كَانُوا عَنْتَهُ مُتَعَزِّينَ نہیں کہا بلکہ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ کہا۔ کیوں کہ استہزا ایک تو

اعراض و تکذیب کو بھی مستلزم ہے۔ دوسرے یہ اعراض و تکذیب سے زیادہ بڑا جرم ہے (فتح القدیر)

(۴) دفع کے دوسرے معنی یہاں صنف اور نوع کے کیے گئے ہیں۔ یعنی ہر قسم کی چیزیں ہم نے پیدا کیں جو کریم ہیں

إِنْ فِي ذَلِكَ كَلَامٌ لَّكَأَنَّ الْكُلُومَةَ مُنْزِلٌ ۝

وَلَا تَنْتَبِهْ لَهَذَا الْقُرْآنِ الرَّجِيمِ ۝

وَأَنْ تَأْتِي بَنَاتُكَ مُوَسًى أَنْ أَتَتْ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

قَوْمٌ فَارِعُونَ الْأَيُّهُونَ ۝

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَيِّدُونِ ۝

وَيَعْبِثُ صَدْرِي وَيُلَاحِظُنِّي إِسْهَافٌ إِلَىٰ هَذِهِ ۝

وَأَهْلُ عَمَلٍ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ۝

یہ تک اس میں یقیناً نشانی ہے^(۱) اور ان میں کے اکثر لوگ مومن نہیں ہیں۔^(۲) (۸)

اور تیرا رب یقیناً وہی غالب اور مہربان ہے۔^(۳) (۹)

اور جب آپ کے رب نے موسیٰ (علیہ السلام) کو آواز دی کہ تو ظالم قوم کے پاس جا۔^(۴) (۱۰)

قوم فرعون کے پاس، کیا وہ پرہیزگاری نہ کریں گے۔ (۱۱)
موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میرے پروردگار! مجھے تو خوف ہے کہ کہیں وہ مجھے جھٹلا نہ دیں۔ (۱۲)

اور میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے^(۵) میری زبان چل نہیں رہی^(۶) پس تو ہارون کی طرف بھی (وحی) بھیج۔^(۷) (۱۳)
اور ان کا مجھ پر میرے ایک قصور کا (دعویٰ) بھی ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے مار نہ ڈالیں۔^(۸) (۱۴)

یعنی انسان کے لیے بہتر اور فائدے مند ہیں جس طرح غلہ جات ہیں، پھل میوے ہیں اور حیوانات وغیرہ ہیں۔

(۱) یعنی جب اللہ تعالیٰ مردہ زمین سے یہ چیزیں پیدا کر سکتا ہے، تو کیا وہ انسانوں کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔

(۲) یعنی اس کی یہ عظیم قدرت دیکھنے کے باوجود اکثر لوگ اللہ اور رسول کی تکذیب ہی کرتے ہیں، ایمان نہیں دیتے۔

(۳) یعنی ہر چیز پر اس کا غلبہ اور انتقام لینے پر وہ ہر طرح قادر ہے لیکن چونکہ وہ رحیم بھی ہے اس لیے فوراً گرفت نہیں فرماتا بلکہ پوری مسرت دیتا ہے اور اس کے بعد مؤاخذہ کرتا ہے۔

(۴) یہ رب کی اس وقت کی ندا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ کے ہمراہ واپس آرہے تھے راستے میں انہیں حرارت حاصل کرنے کے لیے آگ کی ضرورت محسوس ہوئی تو آگ کی تلاش میں کوہ طور پہنچ گئے، جہاں ندائے غیبی نے ان کا استقبال کیا اور انہیں نبوت سے سرفراز کر دیا گیا اور ظالموں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا فریضہ انکو سونپ دیا گیا۔

(۵) اس خوف سے کہ وہ نہایت سرکش ہے، میری تکذیب کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ طبعی خوف انہما کو بھی لاحق ہو سکتا ہے۔

(۶) یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام زیادہ فصیح اللسان نہیں تھے۔ یا اس طرف کہ زبان پر انگارہ رکھنے کی وجہ سے لکنت پیدا ہو گئی تھی، جسے اہل تفسیر بیان کرتے ہیں۔

(۷) یعنی ان کی طرف، جبرائیل علیہ السلام کو وحی دے کر بھیج اور انہیں بھی وحی و نبوت سے سرفراز فرما کر میرا معاون بنا۔

(۸) یہ اشارہ ہے اس قتل کی طرف، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے غیر ارادی طور پر ہو گیا تھا اور مقتول قبلی یعنی

قَالَ كَلَّا، فَاذْهَبْ بِآيَاتِنَا أَنْتَا مَعَكُمْ مَسْمُوعُونَ ﴿۱۰﴾

فَأَتَيْنَاهُمُوهُمْ فَقُلْنَا أَوْ لَا نَسُوءُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۱﴾

أَنْ أُرْسِلَ مَعَنَا نَبِيُّ إِسْرَءِيلَ ﴿۱۲﴾

قَالَ اللَّهُ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قُبُورًا وَعِلَاقًا وَغِيَاثًا لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۳﴾

جناب باری نے فرمایا! ہرگز ایسا نہ ہوگا، تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ^(۱) ہم خود سننے والے تمہارے ساتھ ہیں۔^(۲) (۱۵)

تم دونوں فرعون کے پاس جا کر کہو کہ بلاشبہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں۔ (۱۶)

کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دے۔^(۳) (۱۷)
فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے تجھے تیرے بچپن کے زمانہ میں اپنے ہاں نہیں پالا تھا؟^(۴) اور تو نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہم میں نہیں گزارے؟^(۵) (۱۸)

فرعون کی قوم سے تھا اس لیے فرعون اس کے بدلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا تھا جس کی اطلاع پہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین چلے گئے تھے۔ اس واقعے پر اگرچہ کئی سال گزر چکے تھے مگر فرعون کے پاس جانے میں واقعی یہ امکان موجود تھا کہ فرعون ان کو اس جرم میں پکڑ کر قتل کی سزا دینے کی کوشش کرے۔ اس لیے یہ خوف بھی بلا جواز نہیں تھا۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ تم دونوں جاؤ، میرا پیغام اس کو پہنچاؤ، تمہیں جو اندیشے، حق ہیں ان سے ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ آیات سے مراد وہ دلائل و براہین ہیں جن سے ہر جہنم کو آگاہ کیا جاتا ہے وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے جیسے ید بیضا اور عصا۔

(۲) یعنی تم جو کچھ کہو گے اور اس کے جواب میں وہ جو کچھ کہے گا، ہم سن رہے ہوں گے۔ اس لیے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تمہیں فریضہ رسالت سونپ کر تمہاری حفاظت سے بے پرواہ نہیں ہو جائیں گے۔ بلکہ ہماری مدد تمہارے ساتھ ہے۔ معیت کا مطلب مصاحبت نہیں بلکہ نصرت و معاونت ہے۔

(۳) یعنی ایک بات یہ کہو کہ ہم تیرے پاس اپنی مرضی سے نہیں آئے ہیں بلکہ رب العالمین کے نمائندے اور اس کے رسول کی حیثیت سے آئے ہیں اور دوسری بات یہ کہ تو نے (چار سو سال سے) بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے، ان کو آزاد کر دے تاکہ میں انہیں شام کی سرزمین پر لے جاؤں جس کا اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے۔

(۴) فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور مطالبے پر غور کرنے کے بجائے ان کی تحقیق و تنقیص کرنی شروع کر دی اور کہا کہ کیا تو وہی نہیں ہے جو ہماری گود میں اور ہمارے گھر میں پلا، جب کہ ہم بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر ڈالتے تھے؟

(۵) بعض کہتے ہیں کہ ۱۸ سال فرعون کے محل میں بسر کیے، بعض کے نزدیک ۳۰ اور بعض کے نزدیک چالیس سال۔

یعنی اتنی عمر ہمارے پاس گزارنے کے بعد چند سال ادھر ادھر رہ کر اب تو نبوت کا دعویٰ کرنے لگا ہے؟

وَقَعَلْتَ فَعَلْتَنَ الْيَمُّ صَلَّتْ وَأَتَتْ مِنَ الْكَمِينِ ①

قَالَ قَلْبُنَا إِذَا دُلَّامِنَ الْقَضَائِينَ ②

فَقَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا جَعَلْتُمْ قُلُوبَكُمْ عَلَيَّ فَهَبْ لِي رَيْدَ عِلْمِنَا وَجَعَلَيْكَ
مِنَ الْمُتَوَلِّينَ ③

وَيَذَلْتُ لَهُمْ لَمَّا مَعَ عَلَى أَنْ عَتَدْتُ لِبَنِي إِسْرَءِيلَ ④

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ⑤

قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا أَنْ كُنْتُمْ مُتُحَدِّثِينَ ⑥

قَالَ لَيْسَ بِكَ إِلَّا كَلِئْلٌ مُتَّبِعُونَ ⑦

پھر تو اپنا وہ کام کر گیا جو کر گیا اور تو ناشکروں میں
ہے۔^(۱) (۱۹)

(حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ میں نے
اس کام کو اس وقت کیا تھا جبکہ میں راہ بھولے ہوئے
لوگوں میں سے تھا۔^(۲) (۲۰)

پھر تم سے خوف کھا کر میں تم میں سے بھاگ گیا، پھر مجھے
میرے رب نے حکم و علم عطا فرمایا اور مجھے اپنے پیغمبروں
میں سے کر دیا۔^(۳) (۲۱)

مجھ پر تیرا کیا یہی وہ احسان ہے؟ جسے تو جتا رہا ہے کہ تو نے
بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔^(۴) (۲۲)

فرعون نے کہا رب العالمین کیا (چیز) ہے؟^(۵) (۲۳)

(حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا وہ آسمانوں اور
زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے، اگر
تم یقین رکھنے والے ہو۔ (۲۴)

فرعون نے اپنے ارد گرد والوں سے کہا کہ کیا تم من نہیں
رہے؟^(۶) (۲۵)

(۱) پھر ہمارا ہی کھا کر ہماری ہی قوم کے ایک آدمی کو قتل کر کے ہماری ناشکری بھی کی۔

(۲) یعنی یہ قتل ارادہ نہیں تھا بلکہ ایک گھونہ ہی تھا جو اسے مارا گیا تھا جس سے اس کی موت ہی واقع ہو گئی۔ علاوہ
ازیں یہ واقعہ بھی نبوت سے قبل کا ہے جب کہ مجھ کو علم کی یہ روشنی نہیں دی گئی تھی۔

(۳) یعنی پہلے جو کچھ ہوا اپنی جگہ، لیکن اب میں اللہ کا رسول ہوں، اگر میری اطاعت کرے گا توبہ جائے گا، بصورت
دیگر ہلاکت تیرا مقدر ہوگی۔

(۴) یعنی یہ اچھا احسان ہے جو تو مجھے جتا رہا ہے کہ مجھے تو یقیناً تو نے غلام نہیں بنایا اور آزاد چھوڑے رکھا لیکن میری
پوری قوم کو غلام بنا رکھا ہے۔ اس ظلم عظیم کے مقابلے میں اس احسان کی آخر حیثیت کیا ہے؟

(۵) یہ اس نے بطور استغنام کے نہیں، بلکہ استکبار اور استنکار کے طور پر کہا، کیونکہ اس کا دعویٰ تو یہ تھا ﴿مَا تَعْلَمُونَ
لَكَرِيمٌ إِلَّا عَذَابٌ﴾ (الفصص: ۳۸) ”میں اپنے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود جانتا ہی نہیں۔“

(۶) یعنی کیا تم اس کی بات پر تعجب نہیں کرتے کہ میرے سوا بھی کوئی اور معبود ہے؟

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَقْلَيْنِ ۝

قَالَ إِنَّ رَسُولَكَ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكَ لَمَجْنُونٌ ۝

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَبَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

قَالَ لَيْسَ اتَّخَذَتِ الْهَامِخِرُ لَكَ خَلْقًا مِنْ السَّجْدِينَ ۝

قَالَ أَوْلَيْتُكَ بَشَرًا نَبِيًّا ۝

قَالَ قَائِلٌ يَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝

فَأَنفَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ كُغْبَابٌ مُسِيٌّ ۝

وَنَزَّوْدًا فَإِذَا هِيَ بَيْتُ الْمُنَظَّرِينَ ۝

(حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا وہ تمہارا اور

تمہارے اگلے باپ دادوں کا پروردگار ہے۔ (۲۶)

فرعون نے کہا (لوگو!) تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف

بھیجا گیا ہے یہ تو یقیناً دیوانہ ہے۔ (۲۷)

(حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا! وہی مشرق و

مغرب کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب

ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو۔ (۲۸)

فرعون کہنے لگا سن لے! اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو

معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں ڈال دوں گا۔ (۲۹)

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اگرچہ میں تیرے پاس کوئی کھلی

چیز لے آؤں؟ (۳۰)

فرعون نے کہا اگر تو بچوں میں سے ہے تو اسے پیش

کر۔ (۳۱)

آپ نے (اسی وقت) اپنی لاشمی ڈال دی جو اچانک کھلم

کھلا (زبردست) اژدہا بن گئی۔ (۳۲)

اور اپنا ہاتھ کھینچ نکالا تو وہ بھی اسی وقت ہر دیکھنے والے کو

(۱) یعنی جس نے مشرق کو مشرق بتایا جس سے کو اکب طلوع ہوتے ہیں اور مغرب کو مغرب بتایا جس میں کو اکب غروب ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا رب اور ان کا انتظام کرنے والا بھی وہی ہے۔

(۲) فرعون نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام مختلف انداز سے رب العالمین کی ربوبیت کاملہ کی وضاحت کر رہے ہیں جس کا کوئی معقوب جواب اس سے نہیں بن پا رہا ہے۔ تو اس نے دلائل سے صرف نظر کر کے دھمکی دینی شروع کر دی اور موسیٰ علیہ السلام کو حوالہ زنداں کرنے سے ڈرایا۔

(۳) یعنی ایسی کوئی چیز یا معجزہ جس سے واضح ہو جائے کہ میں سچا اور واقعی اللہ کا رسول ہوں تب بھی تو میری صداقت کو تسلیم نہیں کرے گا؟

(۴) بعض جگہ ثُغْبَان کو حَبِیَّة اور بعض جگہ حَاقُّ کہا گیا ہے۔ ثُغْبَان وہ سانپ ہوتا ہے جو بڑا ہو اور حَاقُّ چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں اور حَبِیَّة چھوٹے بڑے دونوں قسم کے سانپوں پر بولا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) گوئی لاشمی نے پہلے چھوٹے سانپ کی شکل اختیار کی پھر دیکھتے دیکھتے اژدہا بن گئی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

سفید چمکیلا نظر آنے لگا۔^(۱) (۳۳)

فرعون اپنے آس پاس کے سرداروں سے کہنے لگا بھی یہ تو کوئی بڑا دانا جادوگر ہے۔^(۲) (۳۴)

یہ تو چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہاری سرزمین سے ہی نکال دے، بتاؤ اب تم کیا حکم دیتے ہو۔^(۳) (۳۵)

ان سب نے کہا آپ اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دیجئے اور تمام شہروں میں ہر کارے بھیج دیجئے۔^(۴) (۳۶)

جو آپ کے پاس ذی علم جادوگروں کو لے آئیں۔^(۵) (۳۷)

پھر ایک مقرر دن کے وعدے پر تمام جادوگر جمع کیے گئے۔^(۶) (۳۸)

قَالَ لِمَلَأْ حَوْضَكَ إِنَّ هَذَا السَّجُورُ عَلَيْكَ ۝

يُرِيدُ أَنْ يُخَوِّجَكَ مِنْ أَرْضِكَ بِسِحْرِ قَوْمِهِ أَتَأْتُونَ ۝

قَالُوا أَرْسِلْهُ وَأَخَاهُ وَهَمَّتْ فِي الْمَنَاجِينِ خِيَرَتٌ ۝

يَأْتُوكَ بِحِينٍ سَخَطَ عَلَيْهِ ۝

تَجْمَعُ السَّحَرَةُ لِيَقَاتِبَ يَوْمَ مَعْلُومٍ ۝

(۱) یعنی گریبان سے ہاتھ نکالا تو وہ چاند کے کلوے کی طرح چمکتا تھا۔ یہ دوسرا معجزہ موسیٰ علیہ السلام نے پیش کیا۔

(۲) فرعون بجائے اس کے کہ ان معجزات کو دیکھ کر، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتا اور ایمان لاتا، اس نے تکذیب و عناد کا راستہ اختیار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت کہا کہ یہ تو کوئی بڑا فتن کار جادوگر ہے۔

(۳) پھر اپنی قوم کو مزید بھڑکانے کے لیے کہا کہ وہ ان شعبہ بازیوں کے ذریعے سے تمہیں یہاں سے نکال کر خود اس پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ اب تلاؤ! تمہاری کیا رائے ہے؟ یعنی اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟

(۴) یعنی ان دونوں کو فی الحال اپنے حال پر چھوڑ دو، اور تمام شہروں سے جادوگروں کو جمع کر کے ان کا باہمی مقابلہ کیا جائے تاکہ ان کے کرب کا جواب اور تیری تائید و نصرت ہو جائے۔ اور یہ اللہ ہی کی طرف سے نیکوئی انتظام تھا تاکہ لوگ ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں اور ان دلائل و براہین کا بہ چشم سر خود مشاہدہ کریں، جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔

(۵) چنانچہ جادوگروں کی ایک بہت بڑی تعداد مصر کے اطراف و جوانب سے جمع کر لی گئی، ان کی تعداد ۱۴ ہزار، ۷۱ ہزار، ۱۹ ہزار، ۳۰ ہزار اور ۸۰ ہزار (مختلف اقوال کے مطابق) بتلائی جاتی ہے۔ اصل تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کیوں کہ کسی مستند ماخذ میں تعداد کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی تفصیلات اس سے قبل سورۃ اعراف، سورۃ طہ میں بھی گزر چکی ہیں۔ گویا فرعون کی قوم، قبط، نے اللہ کے نور کو اپنے مومنوں سے بھٹانا چاہا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ کفر و ایمان کے معرکے میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ جب بھی کفر غم ٹھوٹک کرا ایمان کے مقابلے میں آتا ہے، تو ایمان کو اللہ تعالیٰ سرخروئی اور غلبہ عطا فرماتا ہے۔ جس طرح فرمایا: ﴿بَلْ مَقَّحَبَتٌ مِّنَ الْبَاطِلِ أَمَّتْ فِيهِ مَعْهَ قَوْمُهُ وَآذَانُ هَٰؤُلَاءِ﴾

وَقِيلَ لِلثَّلَاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ ﴿۳۹﴾

لَعَلَّكُمْ تَتَّبِعُمُ السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿۴۰﴾

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَهِنَ لَنَا لَوْ كَرِهْتَ لُنَا
عُزْرُ الْغَالِبِينَ ﴿۴۱﴾

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذَا لَكُمُ الْمَقَرَّةُ بِئْسَ

قَالَ لَهُمْ مُوسَى الْقَوْمَ أَنْتُمْ مُلْكُونَ ﴿۴۲﴾

فَالْقَوَاهِبَ لَهُمْ يَوْمَ تَبُصُّهُمْ وَقَالُ الْيَهُودُ يُرْعَوُونَ
إِنَّا لَنَخُنُّ الْغَالِبِينَ ﴿۴۳﴾

قَالَ لِي مُوسَى حَصَاةٌ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْبَى الْكَافِرُونَ ﴿۴۴﴾

اور عام لوگوں سے بھی کہہ دیا گیا کہ تم بھی مجمع میں حاضر
ہو جاؤ گے؟ ﴿۳۹﴾

تاکہ اگر جادوگر غالب آجائیں تو ہم ان ہی کی پیروی
کریں۔ ﴿۴۰﴾

جادوگر آکر فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم جیت گئے تو
ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ ﴿۴۱﴾

فرعون نے کہا ہاں! (بڑی خوشی سے) بلکہ ایسی صورت
میں تم میرے خاص درباری بن جاؤ گے۔ ﴿۴۲﴾

(حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے جادوگروں سے فرمایا جو
کچھ تمہیں ڈالنا ہے ڈال دو۔ ﴿۴۳﴾

انہوں نے اپنی رسیاں اور لٹھیاں ڈال دیں اور کہنے لگے
عزت فرعون کی قسم! ہم یقیناً غالب ہی رہیں گے۔ ﴿۴۴﴾

اب (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے بھی اپنی لٹھی

(الأنبياء: ۸۰) بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر سمجھ جاتے ہیں، پس وہ اس کا سرتوڑ دیتا ہے اور جھوٹ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے۔

(۱) یعنی عوام کو بھی تاکید کی جارہی ہے کہ تمہیں بھی یہ معرکہ دیکھنے کے لیے ضرور حاضر ہونا ہے۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جادوگروں کو پہلے اپنے کرب دکھانے کے لیے کہنے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو ان پر یہ واضح ہو جائے کہ اللہ کا پیغمبر اتنی بڑی تعداد میں نامی گرامی جادوگروں کے اجتماع اور ان کی ساحرانہ شعبہ بازیوں سے خوف زدہ نہیں ہے۔ دوسرا یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ جب بعد میں اللہ کے حکم سے یہ ساری شعبہ بازیوں آن واحد میں ختم ہو جائیں گی تو دیکھنے والوں پر اس کے اتنے اثرات مرتب ہوں گے اور شاید اس طرح زیادہ لوگ اللہ پر ایمان لے آئیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، بلکہ جادوگری سب سے پہلے ایمان لے آئے۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

(۳) جیسا کہ سورۃ اعراف اور طہ میں گزرا کہ ان جادوگروں نے اپنے خیال میں بہت بڑا جادو پیش کیا ﴿سَعَوْذُوا أَتَعْلَمُونَ الثَّلَاسِ وَأَسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِمِثْقَلِ ذَرَّةٍ مِّنْ حَبِّ خِلْيَافَةٍ﴾ (سورۃ الأعراف: ۱۱۶) حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے دس میں خوف محسوس کیا ﴿فَأَدْوَجُوا فِي ظُلُمٍ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ مُتَوَلِّينَ﴾ (طہ: ۷۷) چنانچہ ان جادوگروں کو اپنی کامیابی اور برتری کا بڑا یقین تھا، جیسا کہ یہاں ان الفاظ سے ظاہر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی کہ یہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ذرا اپنی لٹھی زمین پر پھینکو اور پھر دیکھو۔ چنانچہ لٹھی کا زمین پر پھینکنا تھا کہ اس نے ایک خوفناک اثر دھم کی شکل اختیار کر لی اور ایک ایک کر کے ان کے سارے کرتبوں کو وہ نکل گیا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

میدان میں ڈال دی جس نے اسی وقت ان کے جھوٹ موٹ کے کرتب کو نگلنا شروع کر دیا۔ (۳۵)

یہ دیکھتے ہی جادو گر بے اختیار سجدے میں گر گئے۔ (۳۶)
اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم تو اللہ رب العالمین پر ایمان لائے۔ (۳۷)

یعنی موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون کے رب پر۔ (۳۸)
فرعون نے کہا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر ایمان لے آئے؟ یقیناً یہی تمہارا وہ بڑا (مردار) ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے،^(۱) سو تمہیں ابھی ابھی معلوم ہو جائے گا، قسم ہے میں ابھی تمہارے ہاتھ پاؤں اٹھنے کی طرح پرکٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔^(۲) (۳۹)
انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں،^(۳) ہم تو اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ہی۔ (۴۰)

اس بنا پر کہ ہم سب سے پہلے ایمان والے بنے ہیں^(۴)
ہمیں امید پڑتی ہے کہ ہمارا رب ہماری سب خطائیں معاف فرما دے گا۔ (۴۱)

قَالُوا لَيْسَ الْكَافِرُ بِمُؤْمِنٍ ۝

قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝

قَالَ امْسِكُوهُ قَبْلَ أَنْ يَذُنَ لَكُمْ أُنْزُلَ إِلَيْهِ الْكُفْرَ الَّذِي مَسَّكُمْ

الْيَوْمَ تَكْتُمُونَ لِلَّذِينَ تَقُولُونَ آمَنَّا بِهِمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ

فِي جُلُودِكُمْ حُجْرًا مِّنْ نَّارٍ لَّوَصَلَتْكُمْ أَجْمَعِينَ ۝

قَالُوا الْأَخْيَارُ أَنَا وَإِلَىٰ رَبِّنَا الْمُنْقَلِبُونَ ۝

إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطِيئَاتِنَا إِنَّ كَذَّابِينَ ۝

(۱) فرعون کے لیے یہ واقعہ بڑا عجیب اور نہایت حیرت ناک تھا کہ جن جادو گروں کے ذریعے سے وہ فتح و غلبے کی آس لگائے بیٹھا تھا، وہی نہ صرف مغلوب ہو گئے بلکہ موقع پر ہی وہ اس رب پر ایمان لے آئے، جس نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو دلائل و معجزات دے کر بھیجا تھا۔ لیکن بجائے اس کے کہ فرعون بھی غور و فکر سے کام لیتا اور ایمان لاتا، اس نے مکابہ اور عناد کا راستہ اختیار کیا اور جادو گروں کو ڈرانا و حکمانا شروع کر دیا اور کہا کہ تم سب اسی کے شاگرد کہتے ہو اور تمہارا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سازش کے ذریعے سے تم ہمیں یہاں سے بے دخل کر دو، ﴿لَئِنْ هَذَا إِلَّا مَكْرٌ مُّكْرٌ وَمَا يَكُونُ إِلَّا نَجْمٌ بِالْعَدَسِ﴾ (الأعراف: ۱۳۳)

(۲) اٹھنے کی طرح ہاتھ پاؤں کاٹنے کا مطلب، دایاں ہاتھ اور بائیں ہاتھ دایاں پیریاں ہاتھ اور دایاں پیر ہے۔ اس پر سولی مستزاد یعنی ہاتھ پیر کاٹنے سے بھی اس کی آتش غضب ٹھنڈی نہ ہوئی، مزید اس نے سولی پر لٹکانے کا اعلان کیا۔

(۳) لَا خَظِيرَ لَكَ حِجْرٌ نِّسٍ یا ہمیں کوئی پروا نہیں۔ یعنی اب جو سزا چاہے دے لے، ایمان سے نہیں پھر سکتے۔

(۴) أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ اس اعتبار سے کہا کہ فرعون کی قوم مسلمان نہیں ہوئی اور انہوں نے قبول ایمان میں سبقت کی۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ يُبَايِعَ الْكَافِرِينَ ۖ إِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿٥٠﴾

فَلَا تَسْأَلُ فِرْعَوْنَ فِي الْمَدَائِنِ حُثُورِينَ ﴿٥١﴾

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَظُرُوفَةٌ يُفْتَلُونَ ﴿٥٢﴾

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَيُغْلَبُونَ ﴿٥٣﴾

وَرَأَىٰ الْأَصِيفَةُ حَذِرُودُونَ ﴿٥٤﴾

فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ حَتِّبٍ وَغِيثٍ ﴿٥٥﴾

وَأَنزَلْنَاهُمْ مَقَامًا كَرِيمًا ﴿٥٦﴾

كَذٰلِكَ وَأَوْدَيْنَاهُمَا بَيْنَ الْمَاءِ وَالْبِلَآءِ ﴿٥٧﴾

اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو نکال لے چل تم سب پیچھا کیے جاؤ گے۔^(۱) (۵۲)

فرعون نے شہروں میں ہر کاروں کو بھیج دیا۔ (۵۳)

کہ یقیناً یہ گروہ بہت ہی کم تعداد میں ہے۔^(۲) (۵۴)

اور اس پر یہ ہمیں سخت غضب ناک کر رہے ہیں۔^(۳) (۵۵)

اور یقیناً ہم بڑی جماعت ہیں ان سے چوکنہ رہنے

والے۔^(۴) (۵۶)

بالآخر ہم نے انہیں باغات سے اور چشموں سے۔ (۵۷)

اور خزانوں سے۔ اور اچھے اچھے مقامات سے نکال

باہر کیا۔^(۵) (۵۸)

اسی طرح ہوا اور ہم نے ان (تمام) چیزوں کا وارث بنی

اسرائیل کو بنا دیا۔^(۶) (۵۹)

(۱) جب بلاد مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قیام لہا ہو گیا اور ہر طرح سے انہوں نے فرعون اور اس کے درباریوں پر جھٹ قائم کر دی۔ لیکن اس کے باوجود وہ ایمان لانے پر تیار نہیں ہوئے تو اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ انہیں عذاب و نکال سے دوچار کر کے سامان مہرت بنا دیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر یہاں سے نکل جائیں اور فرمایا کہ فرعون تمہارے پیچھے آئے گا، گھبراتا نہیں۔

(۲) یہ بطور تحقیر کے کہا ورنہ ان کی تعداد چھ لاکھ بتلائی جاتی ہے۔

(۳) یعنی میری اجازت کے بغیر ان کا یہاں سے فرار ہونا ہمارے لیے غیظ و غضب کا باعث ہے۔

(۴) اس لیے ان کی اس سازش کو ناکام بنانے کے لیے ہمیں مستعد ہونے کی ضرورت ہے۔

(۵) یعنی فرعون اور اس کا لشکر بنی اسرائیل کے تعاقب میں کیا نکلا کہ پھر پلٹ کر اپنے گھروں اور باغات میں آنا نصیب ہی نہیں ہوا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مشیت سے انہیں تمام نعمتوں سے محروم کر کے ان کا وارث و مروج کو بنا دیا۔

(۶) یعنی جو اقتدار اور بادشاہت فرعون کو حاصل تھی وہ اس سے چھین کر ہم نے بنی اسرائیل کو عطا کر دی۔ بعض کہتے

ہیں کہ اس سے مراد مصر جیسا اقتدار اور دنیاوی جلال و جلال ہم نے بنی اسرائیل کو بھی عطا کیا۔ کیونکہ بنی اسرائیل مصر سے

نکل جانے کے بعد مصر واپس نہیں آئے۔ نیز سورہ دخان میں فرمایا گیا ہے ﴿وَأَوْفَيْنَاهُم مَّا نَعِدُهُمْ﴾ کہ ”ہم نے اس کا

وارث کسی دوسری قوم کو بنایا“ (امیر التفسیر) اول الذکر اہل علم کہتے ہیں کہ قوما آخر میں میں قوم کا لفظ اگرچہ عام ہے

لیکن یہاں سورہ شعراء میں جب بنی اسرائیل کو وارث بنانے کی صراحت آگئی ہے تو اس سے مراد بھی قوم بنی اسرائیل

فَأَنصَبُوا لَهُ شَرِبَاتٍ ۝

فَلَمَّا شَرَّاءَ الْجَمْعِ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَى إِنَّ اللَّهَ لَكُونُ ۝

قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝

فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ امْضُ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانْفَلَقَ فَكَانَ

كُلُّ ذِي ظُلُمٍ عَظِيمٍ ۝

وَأَنصَبْنَا لَهُمُ الْخَمِيرَ ۝

پس فرعونی سورج نکلے ہی ان کے تعاقب میں نکلے۔^(۶۰)پس جب دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا، تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا، ہم تو یقیناً پکاڑ لیے گئے۔^(۶۱)موسیٰ نے کہا، ہرگز نہیں۔ یقین مانو، میرا رب میرے ساتھ ہے جو ضرور مجھے راہ دکھائے گا۔^(۶۲)ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ دریا پر اپنی ماضی مار،^(۶۳) پس اسی وقت دریا پھٹ گیا اور ہر ایک حصہ پانی کا مثل بڑے پہاڑ کے ہو گیا۔^(۶۴)

اور ہم نے اسی جگہ دوسروں کو نزدیک ماکھڑا کر

ہی ہوگی۔ مگر خود قرآن کی صراحت کے مطابق مصر سے نکلنے کے بعد بنو اسرائیل کو ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔ اور ان کے انکار پر چالیس سال کے لیے یہ داخلہ موخر کر کے میدان تیر میں بھٹکایا گیا۔ پھر وہ ارض مقدس میں داخل ہوئے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر، حدیث اسراء کے مطابق بیت المقدس کے قریب ہی ہے۔ اس لیے صحیح معنی میں یہ ہے کہ جیسی نعمتیں آل فرعون کو مصر میں حاصل تھیں، ویسی ہی نعمتیں اب بنو اسرائیل کو عطا کی گئیں۔ لیکن مصر میں نہیں بلکہ فلسطین میں، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

(۱) یعنی جب صبح ہوئی اور فرعون کو پتہ چلا کہ بنی اسرائیل راتوں رات یہاں سے نکل گئے ہیں، تو اس کے پندار اقتدار کو بڑی ٹھیس پہنچی۔ اور سورج نکلے ہی ان کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔

(۲) یعنی فرعون کے لشکر کو دیکھتے ہی وہ گھبرا اٹھے کہ آگے سمندر ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر، اب بچاؤ کس طرح ممکن ہے؟ اب پھر دوبارہ وہی فرعون اور اس کی غلامی ہوگی۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قسلی دی کہ تمہارا اندیشہ صحیح نہیں، اب دوبارہ تم فرعون کی گرفت میں نہیں جاؤ گے۔ میرا رب یقیناً نجات کے راستے کی نشاندہی فرمائے گا

(۴) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی اور نشاندہی فرمائی کہ اپنی لاشی سمندر پر مارو، جس سے دائیں طرف کاپانی دائیں اور بائیں طرف کاپانیں طرف رک گیا اور دونوں کے بیچ میں راستہ بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بارہ قبیلوں کے حساب سے بارہ راستے بن گئے تھے، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

(۵) یزنی، قطعہ بحر، سمندر کا حصہ، طلوڈ، پہاڑ۔ یعنی پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزے کا صدور ہوا تاکہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم فرعون سے نجات پالے، اس تائید الہی کے بغیر فرعون سے نجات ممکن نہیں تھی۔

دیا۔^(۱) (۶۴)

اور موسیٰ (علیہ السلام) کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو نجات دے دی۔ (۶۵)

پھر اور سب دو سروں کو ڈبو دیا۔^(۲) (۶۶)

یقیناً اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں کے اکثر لوگ ایمان والے نہیں۔^(۳) (۶۷)

اور بیشک آپ کا رب بڑا ہی غالب و مہربان ہے۔ (۶۸)

انہیں ابراہیم (علیہ السلام) کا واقعہ بھی سنا دو۔ (۶۹)

جبکہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ (۷۰)

انہوں نے جواب دیا کہ عبادت کرتے ہیں جنوں کی، ہم تو برابر ان کے مجاور بنے بیٹھے ہیں۔^(۴) (۷۱)

آپ نے فرمایا کہ جب تم انہیں پکارتے ہو تو کیا وہ سنتے بھی ہیں؟ (۷۲)

یا تمہیں نفع نقصان بھی پہنچ سکتے ہیں۔^(۵) (۷۳)

انہوں نے کہا یہ (ہم کچھ نہیں جانتے) ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے پایا۔^(۶) (۷۴)

وَلَقَيْنَا مُوسَى وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ ۝

فَعَرَّوْهُمْ فِي الْأَخْيَرِينَ ۝

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

وَأَنذِرْ عَلَيْهِمْ نَارَ أُولَئِكَ ۝

إِذْ قَالَ لِأَبْنِهِ وَقُومِهِ اسْعَبُوا ۝

قَالُوا نَعْبُدُ آبَاءَنَا فَاقْتُلْ لَهُمُ الْوَلَدِينَ ۝

قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكَ إِذْ تَنْذَرُ ۝

أَوْ يَفْعَلُونَ ۝

قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا نَارَكَ كَذِبًا يُفْعَلُونَ ۝

(۱) اس سے مراد فرعون اور اس کا لشکر ہے یعنی ہم نے دو سروں کو سمندر کے قریب کر دیا۔

(۲) موسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ہم نے نجات دی اور فرعون اور اس کا لشکر جب انہی راستوں سے گزرنے لگا تو ہم نے سمندر کو دوبارہ حسب دستور رواں کر دیا جس سے فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔

(۳) یعنی اگرچہ اس واقعے میں جو اللہ کی نصرت و معونت کا واضح مظہر ہے، بڑی نشانی ہے لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔

(۴) یعنی رات دن ان کی عبادت کرتے ہیں۔

(۵) یعنی اگر تم ان کی عبادت ترک کرو تو کیا وہ تمہیں نقصان پہنچاتے ہیں؟

(۶) جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکے تو یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل کر لیا۔ جیسے آج بھی لوگوں کو قرآن و حدیث کی بات بتلائی جائے تو یہی عذر پیش کیا جاتا ہے کہ ہمارے خاندان میں تو ہمارے آباؤ

قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿۷۰﴾

آپ نے فرمایا کچھ خبر بھی ہے ^(۱) جنہیں تم پوج رہے ہو؟ (۷۰)

أَنعَمُوا أَهَآؤُهُمُ الَّذِينَ كَانُوا يُشْرِكُونَ ﴿۷۱﴾

تم اور تمہارے اگلے باپ دادا وہ سب میرے دشمن ہیں۔ ^(۲) (۷۱)

فَالَّذِينَ عَادُوا إِلَىٰ آلِهَتِهِمُ الظَّالِمِينَ ﴿۷۲﴾

بجرح اللہ تعالیٰ کے جو تمام جن کا پالتا رہا ہے۔ ^(۳) (۷۲)

الَّذِينَ خَلَقْنَاهُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُمِيزِينَ ﴿۷۳﴾

جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہبری فرماتا ہے۔ ^(۴) (۷۳)

وَالَّذِينَ هُمْ يُعْبُدُونَ وَيَتَّبِعُونَ ﴿۷۴﴾

وہی ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ ^(۵) (۷۴)

وَلَا ذَا بَرٍّ وَهُمْ يَنتَفِعُونَ ﴿۷۵﴾

اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفا عطا فرماتا ہے۔ ^(۶) (۷۵)

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مِنْهُمْ حُتُوفًا يُخْتَفَىٰ ﴿۷۶﴾

اور وہی مجھے مار ڈالے گا پھر زندہ کر دے گا۔ ^(۷) (۷۶)

وَالَّذِينَ أَطَعُوا أَنَّىٰ يُعَذِّبُهُمْ يُعَذِّبُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴿۷۷﴾

اور جس سے امید بندھی ہوئی ہے کہ وہ روز جزا میں میرے گناہوں کو بخش دے گا۔ ^(۸) (۷۷)

اجداد سے بھی کچھ ہوتا آ رہا ہے، ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے۔

(۱) اَفَرَأَيْتُمْ؟ کے معنی ہیں مہل اَنصَرْتُمْ وَتَعَكَّرْتُمْ؟ کیا تم نے غور و فکر کیا؟

(۲) اس لیے کہ تم سب اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرنے والے ہو۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جن کی تم اور تمہارے باپ دادا عبادت کرتے رہے ہیں، وہ سب معبود میرے دشمن ہیں یعنی میں ان سے بیزار ہوں۔

(۳) یعنی وہ دشمن نہیں، بلکہ وہ تو دنیا و آخرت میں میرا ولی اور دوست ہے۔

(۴) یعنی دین و دنیا کے مصالح اور منافع کی طرف۔

(۵) یعنی انواع و اقسام کے رزق پیدا کرنے والا اور جو پانی ہم پیتے ہیں، اسے مہیا کرنے والا بھی وہی اللہ ہے۔

(۶) بیماری کو دور کر کے شفا عطا کرنے والا بھی وہی ہے۔ یعنی دواؤں میں شفا کی تاثیر بھی اسی کے حکم سے ہوتی ہے۔

ورنہ دوائیں بھی بے اثر ثابت ہوتی ہیں۔ بیماری بھی اگرچہ اللہ کے حکم اور مشیت سے ہی آتی ہے۔ لیکن اس کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی۔ بلکہ اپنی طرف کی۔ یہ گویا اللہ کے ذکر میں اس کے ادب و احترام کے پہلو کو ٹھونڈ رکھا۔

(۷) یعنی قیامت والے دن جب وہ سارے لوگوں کو زندہ فرمائے گا، مجھے بھی زندہ کرے گا۔

(۸) یہاں امید، یقین کے معنی میں ہے۔ کیونکہ کسی بڑی شخصیت سے امید، یقین کے مترادف ہی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہے، اس سے وابستہ امید، یقینی کیوں نہیں ہوگی۔ اسی لیے مفسرین کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی اللہ کے لیے عَسَىٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ یقین ہی کے مفہوم میں ہے۔ خَطِيبَتِي، خَطِيبَةُ وَاحِدٍ کا صیغہ

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْهِمْ قُلُوبَ الْغَالِبِينَ ﴿٦٠﴾

وَأَجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ﴿٦١﴾

وَأَجْعَلْ لِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿٦٢﴾

وَأَغْنِ زُلْفَىٰ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْفَالِسِينَ ﴿٦٣﴾

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٤﴾

يَوْمَ لَا يُفَعَّمُ مَالٌ وَلَا نَتْنٌ ﴿٦٥﴾

إِلَّا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٦٦﴾

اے میرے رب! مجھے قوت فیصلہ ^(۱) عطا فرما اور مجھے

تیک لوگوں میں ملاوے۔ (۸۳)

اور میرا ذکر خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی رکھ۔ (۸۴)

مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنادے۔ (۸۵)

اور میرے باپ کو بخش دے یقیناً وہ گمراہوں میں

سے تھا۔ (۸۶)

اور جس دن کہ لوگ دوبارہ جلائے جائیں مجھے رسوا

نہ کر۔ (۸۷)

جس دن کہ مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی۔ (۸۸)

لیکن فائدہ والا وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بے عیب

دل لے کر جائے۔ (۸۹)

ہے لیکن خطبات (جمع) کے معنی میں ہے۔ انبیاء علیہم السلام اگرچہ معصوم ہوتے ہیں۔ اس لیے ان سے کسی بڑے گناہ کا صدور ممکن نہیں۔ پھر بھی اپنے بعض افعال کو کوتاہی پر محمول کرتے ہوئے بارگاہ الہی میں عفو طلب ہوں گے۔

(۱) حکم یا حکمت سے مراد علم و فہم 'قوت فیصلہ' یا نبوت و رسالت یا اللہ کے حدود و احکام کی معرفت ہے۔

(۲) یعنی جو لوگ میرے بعد قیامت تک آئیں گے 'وہ میرا ذکر اچھے لفظوں میں کرتے رہیں' اس سے معصوم ہوا کہ نیکوں کی جزا اللہ تعالیٰ دنیا میں ذکر جمیل اور ثنائے حسن کی صورت میں بھی عطا فرماتا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر ہر مذہب کے لوگ کرتے ہیں، کسی کو بھی ان کی عظمت و حکیم سے انکار نہیں ہے۔

(۳) یہ دعا اس وقت کی تھی 'جب ان پر یہ واضح نہیں تھا کہ مشرک (اللہ کے دشمن) کے لیے دعائے مغفرت جائز نہیں' جب اللہ نے یہ واضح کر دیا 'تو انہوں نے اپنے باپ سے بھی بیزارگی کا اظہار کر دیا' (المؤمنۃ ۱۱۳)

(۴) یعنی تمام مخلوق کے سامنے میرا مؤاخذہ کر کے یا عذاب سے دوچار کر کے حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن 'جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کو برے حال میں دیکھیں گے' تو ایک مرتبہ پھر اللہ کی بارگاہ میں ان کے لیے مغفرت کی درخواست کریں گے اور فرمائیں گے یا اللہ! اس سے زیادہ میرے لیے رسوائی اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے۔ پھر ان کے باپ کو نجاست میں تھڑے ہوئے بچہ کی شکل میں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح بخاری 'سورة الشعراء و کتاب الانبیاء' باب قول اللہ واتخذ اللہ ابراہیم حبیباً)

(۵) قلب سلیم یا بے عیب دل سے مراد وہ دل ہے جو شرک سے پاک ہو۔ یعنی قلب مومن۔ اس لیے کہ کافر و منافق کا دل مریض ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں 'بدعت سے خلل اور سنت پر مطمئن دل' بعض کے نزدیک 'دنیا کے مال و متاع کی

وَالَّذِينَ الْبَتَّةُ الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٩٠﴾

اور پرہیزگاروں کے لیے جنت بالکل نزدیک لا دی جائے گی۔ (۹۰)

وَرَبِّتِ الْجِنَّةَ الْغَوِيَّةَ ﴿٩١﴾

اور گمراہ لوگوں کے لیے جہنم ظاہر کر دی جائے گی۔ (۹۱)
اور ان سے پوچھا جائے گا کہ جن کی تم پوجا کرتے رہے وہ کہاں ہیں؟ (۹۲)

وَقِيلَ لَهُمْ إِنَّمَا تَتَّبِعُونَ أَفْعَادًا ﴿٩٢﴾

جو اللہ تعالیٰ کے سوا تھے کیا وہ تمہاری مدد کرتے ہیں؟ یا کوئی بدلہ لے سکتے ہیں۔ (۹۳)

مِنْ دُونِ اللَّهِ هُمْ يَتَّبِعُونَ ﴿٩٣﴾

پس وہ سب اور کل گمراہ ہوگ جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیے جائیں گے۔ (۹۴)

فَلْيَكُونُوا فِيهَا ضَعْفَاضًا ﴿٩٤﴾

اور ابلیس کے تمام کے تمام لشکر (۹۵) بھی وہاں۔ (۹۵)

وَجُودُوا لِلْإِنسِ أَجْمَعِينَ ﴿٩٥﴾

آپس میں لڑتے جھگڑتے ہوئے کہیں گے۔ (۹۶)

قَالُوا وَمُعْظِيفُنَا يَفْتَحُمُونَ ﴿٩٦﴾

کہ قسم اللہ کی! یقیناً ہم تو کھلی فطی پر تھے۔ (۹۷)

تَاللَّهِ إِنَّ كَافِئَ مَنَاسِلِ تُبِينُ ﴿٩٧﴾

جبکہ تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھ بیٹھے تھے۔ (۹۸)

إِذْ نَسُوا اللَّهَ الَّذِي تَعَالَى ﴿٩٨﴾

اور ہمیں تو سوا ان بدکاروں کے کسی اور نے گمراہ نہیں کیا تھا۔ (۹۹)

وَمَا أَصْلَانَا إِلَّا الْبُخْرِيُّونَ ﴿٩٩﴾

اب تو ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں۔ (۱۰۰)

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾

محبت سے پاک دل اور بعض کے نزدیک 'جہالت کی تاریکیوں اور اخلاقی رذالتوں سے پاک دل۔ یہ سارے ملبوم بھی صحیح ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ قلب مومن مذکورہ تمام ہی برائیوں سے پاک ہوتا ہے۔

(۱) مطلب یہ ہے کہ جنت اور دوزخ میں دخول سے پہلے ان کو سامنے کر دیا جائے گا۔ جس سے کافروں کے غم میں اور اہل ایمان کے سرور میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

(۲) یعنی تم سے عذاب ٹال دیں یا خود اپنے نفس کو اس سے بچالیں۔

(۳) یعنی معبودین اور عابدین سب کو مال و ثمر کی طرح ایک دوسرے کے اوپر ڈال دیا جائے گا۔

(۴) اس سے مراد وہ لشکر ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتے تھے۔

(۵) دنیا میں تو ہر ترشا ہوا پتھر اور قبر پر بنا ہوا خوش نما قبۃ مشرکوں کو خدائی اختیارات کا حامل نظر آتا ہے۔ لیکن قیامت کو پتہ چلے گا کہ یہ تو کھلی گمراہی تھی کہ وہ انہیں رب کے برابر سمجھتے رہے۔

(۶) یعنی وہاں جا کر احساس ہو گا کہ ہمیں دوسرے مجرموں نے گمراہ کیا۔ دنیا میں انہیں متوجہ کیا جاتا ہے کہ خدای فدا کا کام

وَلَا صَدِيقٌ حَمِيمٌ ۝

فَلَنَأْتِيَنَّكَ آيَاتُنَا فَنُكَفِّرَنَّ ۝

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

وَلَنْ رَتَّبَ لَهُمُ الْعَذَابَ الرَّحِيمَ ۝

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ بِالْأُتُولِيَّةِ ۝

إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝

لَهُ لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَآطِيعُوا أَمْرَهُ ۝

اور نہ کوئی (سچا) غم خوار دوست۔^(۱)

اگر کاش کہ ہمیں ایک مرتبہ پھر جانا ملتا تو ہم کچے سچے

مومن بن جاتے۔^(۲)یہ ماجرا یقیناً ایک زبردست نشانی ہے^(۳) ان میں سے اکثرلوگ ایمان لانے والے نہیں۔^(۴)یقیناً آپ کا پروردگار ہی غالب مہربان ہے۔^(۵)قوم نوح نے بھی نبیوں کو جھٹلایا۔^(۶)جبکہ ان کے بھائی^(۷) نوح (علیہ السلام) نے کہا کہ کیاتمہیں اللہ کا خوف نہیں! ^(۸)

سنو! میں تمہاری طرف اللہ کا امانتدار رسول

ہوں۔^(۹)

پس تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور میری بات ماننی

گمراہی ہے، بدعت ہے، شرک ہے تو نہیں مانتے، نہ غور و فکر سے کام لیتے ہیں کہ حق و باطل ان پر واضح ہو سکے۔

(۱) گناہ گار اہل ایمان کی سفارش تو اللہ کی اجازت کے بعد انبیاء و صلحا بالخصوص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے۔

لیکن کافروں اور مشرکوں کے لیے سفارش کرنے کی کسی کو اجازت ہوگی نہ حوصلہ، اور نہ وہاں کوئی دوستی ہی کام آئے گی۔

(۲) اہل کفر و شرک، قیامت کے روز دوبارہ دنیا میں آنے کی آرزو کریں گے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اللہ کو

خوش کر لیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ اگر انہیں دوبارہ بھی دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہی کچھ کریں

گے جو پہلے کرتے رہے تھے۔

(۳) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کے بارے میں اپنی قوم سے مناظرہ و محاجہ اور اللہ کی توحید کے درمیان کل یہ

اس بات کی واضح نشانی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(۴) بعض نے اس کا مرجع مشرکین مکہ یعنی قریش کو قرار دیا ہے یعنی ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں۔

(۵) قوم نوح علیہ السلام نے اگرچہ صرف اپنے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی۔ مگر چونکہ ایک نبی کی تکذیب

تمام نبیوں کی تکذیب کے مترادف اور اس کو مستلزم ہے۔ اس لیے فرمایا کہ قوم نوح علیہ السلام نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔

(۶) بھائی اس لیے کہا کہ حضرت نوح علیہ السلام ان ہی کی قوم کے ایک فرد تھے۔

(۷) یعنی اللہ نے جو پیغام دے کر مجھے بھیجا ہے، وہ بلا کم و کاست تم تک پہنچانے والا ہوں، اس میں کی بیشی نہیں کرتا۔

چاہیے۔^(۱) (۱۰۸)

میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا بدلہ تو صرف رب العالمین کے ہاں ہے۔^(۲) (۱۰۹)

پس تم اللہ کا خوف رکھو اور میری فرمانبرداری کرو۔^(۳) (۱۱۰)
قوم نے جواب دیا کہ کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں؟ تیری
ممانعت داری تو رذیل لوگوں نے کی ہے۔^(۴) (۱۱۱)

آپ نے فرمایا! مجھے کیا خبر کہ وہ پہلے کیا کرتے
رہے؟^(۵) (۱۱۲)

ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ^(۶) ہے اگر تمہیں
شعور ہو تو۔ (۱۱۳)

میں ایمان والوں کو دھکے دینے والا نہیں۔^(۷) (۱۱۴)

میں تو صاف طور پر ڈرا دینے والا ہوں۔^(۸) (۱۱۵)

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا عَنِ الرَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝

قَالُوا الْتَوَيْنُ لَكَ الْاِذْنَ لَوْ ۝

قَالَ وَمَا لِي بِمَا كَانُوا يَعْتَلُونَ ۝

إِنْ جَاءَكُمْ إِلَّا عَنِ رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ۝

وَمَا أَن يَضُرَّ الْمُؤْمِنِينَ ۝

إِنَّا إِنَّا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝

(۱) یعنی میں تمہیں جو ایمان باللہ اور شرک نہ کرنے کی دعوت دے رہا ہوں، اس میں میری اطاعت کرو۔

(۲) میں تمہیں جو تبلیغ کر رہا ہوں، اس کا کوئی اجر تم سے نہیں مانگتا، بلکہ اس کا اجر رب العالمین ہی کے ذمے ہے جو
قیمت کو وہ عطا فرمائے گا۔

(۳) یہ تاکید کے طور پر بھی ہے اور الگ الگ سبب کی بنا پر بھی، پہلے اطاعت کی دعوت، امانت داری کی بنیاد پر تھی اور
اب یہ دعوت اطاعت عدم طمع کی وجہ سے ہے۔

(۴) الْأَذْلُونَ، اَزْدُلُّ کی جمع ہے۔ جاہ و مال نہ رکھنے والے، اور اس کی وجہ سے معاشرے میں کمتر سمجھے جانے والے
اور ان ہی میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جو حقیر سمجھے جانے والے پیشوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۵) یعنی مجھے اس بات کا مکلف نہیں ٹھہرایا گیا ہے کہ میں لوگوں کے حسب و نسب، امارت و غربت اور ان کے پیشوں
کی تفتیش کروں بلکہ میری ذمہ داری صرف یہ ہے کہ ایمان کی دعوت دوں اور جو اسے قبول کر لے، چاہے وہ کسی
حیثیت کا حامل ہو، اسے اپنی جماعت میں شامل کر لوں۔

(۶) یعنی ان کے ضائر اور اعمال کی تفتیش یہ اللہ کا کام ہے۔

(۷) یہ ان کی اس خواہش کا جواب ہے کہ کمتر حیثیت کے لوگوں کو اپنے سے دور کر دے، پھر ہم تیری جماعت میں شامل
ہو جائیں گے۔

(۸) پس جو اللہ سے ڈر کر میری اطاعت کرے گا، وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں، چاہے دنیا کی نظر میں وہ شریف ہو یا

قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَوْمَئِذٍ لَتَكُونَنَّ
مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿۱۱﴾

قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿۱۲﴾

فَأَنفَجَرْنَاهُ فِي مَقْعَادِ رَبِّكَ وَمِنَ الْغَائِبِينَ ﴿۱۳﴾

فَأَنفَجَرْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلِّ الْمَشْحُونِ ﴿۱۴﴾

لَمْ نَطْرُقْنَا عَبْدَ الْبَاقِينَ ﴿۱۵﴾

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۶﴾

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۷﴾

كَذَّبَتْ عَادُ بِالْمُرْسَلِينَ ﴿۱۸﴾

إِذْ قَالَ لَهُمُ اخْضَعُوا لِمُؤَدِّيَاتِكُمْ ﴿۱۹﴾

انہوں نے کہا کہ اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً تجھے
سنگسار کر دیا جائے گا۔ (۱۱)

آپ نے کہا اے میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے
جھٹلادیا۔ (۱۲)

پس تو مجھ میں اور ان میں کوئی قطعی فیصلہ کر دے اور
مجھے اور میرے بال ایمان ساتھیوں کو نجات دے۔ (۱۳)

چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھری ہوئی
کشتی میں (سوار کرا کر) نجات دے دی۔ (۱۴)

بعد ازاں باقی کے تمام لوگوں کو ہم نے ڈبو دیا۔ (۱۵)

یقیناً اس میں بہت بڑی عبرت ہے۔ ان میں سے اکثر لوگ
ایمان لانے والے تھے بھی نہیں۔ (۱۶)

اور بیشک آپ کا پروردگار البتہ وہی ہے زبردست رحم
کرنے والا۔ (۱۷)

عاد یوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ (۱۸)

جبکہ ان سے ان کے بھائی ہود^(۱۹) نے کہا کہ کیا تم ڈرتے

رذیل، جلیل ہوا حقیقہ۔

(۱) یہ تفصیلات کچھ پہلے بھی گزر چکی ہیں اور کچھ آئندہ بھی آئیں گی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی سازشوں نو سو سالہ تبلیغ کے باوجود ان کی قوم کے لوگ بد اخلاقی اور اعراض پر قائم رہے، بالآخر حضرت نوح علیہ السلام نے بد دعا کی، اللہ تعالیٰ نے کشتی بنانے کا اور اس میں مومن انسانوں، جانوروں اور ضروری ساز و سامان رکھنے کا حکم دیا اور یوں اہل ایمان کو تو بچالیا گیا اور باقی سب لوگوں کو، حتیٰ کہ یوی اور بیٹے کو بھی، جو ایمان نہیں لائے تھے، غرق کر دیا گیا۔

(۲) عاد، ان کے جد اعلیٰ کا نام تھا جس کے نام پر قوم کا نام پڑ گیا۔ یہاں عاد کو قبیلہ تصور کر کے کَذَّبَتْ (صیغہ مونث) دیا گیا ہے۔

(۳) ہود علیہ السلام کو بھی عاد کا بھائی اسی لیے کہا گیا ہے کہ ہرنی اسی قوم کا ایک فرد ہوتا تھا، جس کی طرف اسے مبعوث کیا جاتا تھا اور اسی اعتبار سے انہیں اس قوم کا بھائی قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ آگے بھی آئے گا اور انبیاء و رسل کی یہ ”بشریت“ بھی ان کی قوموں کے ایمان لانے میں رکاوٹ بنی رہی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ نبی کو بشر نہیں، فوق البشر ہونا چاہیے۔ آج بھی اس مسلمہ حقیقت سے بے خبر لوگ پیغمبر اسلام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مافوق البشر باور کرانے پر تے رہتے ہیں۔ حالانکہ وہ بھی خاندان قریش کے ایک فرد تھے جن کی طرف اولاً ان کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔

نہیں؟ (۱۲۳)

میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں۔ (۱۲۵)

پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا، نو! (۱۲۶)

میں اس پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، میرا

ثواب تو تمام جہان کے پروردگار کے پاس ہی ہے۔ (۱۲۷)

کیا تم ایک ایک ٹیلے پر بطور کھیل تماشا یا دگار (عمارت) بنا

رہے ہو۔^(۱) (۱۲۸)

اور بڑی صنعت والے (مضبوط محل تعمیر) کر رہے ہو گویا

کہ تم ہمیشہ یہیں رہو گے۔^(۲) (۱۲۹)

اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو سختی اور ظلم سے پکڑتے

ہو۔^(۳) (۱۳۰)اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔^(۴) (۱۳۱)

اس سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تمہاری امداد کی

جنہیں تم جانتے ہو۔ (۱۳۲)

اس نے تمہاری مدد کی مال سے اور اولاد سے۔ (۱۳۳)

پانچات سے اور چشموں سے۔ (۱۳۴)

مجھے تو تمہاری نسبت بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٢٣﴾

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا نَصِيحَتِي ﴿١٢٤﴾

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٢٥﴾

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿١٢٦﴾

وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٢٧﴾

وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ تَبْلُغًا لِّبَنَائِهِمْ ﴿١٢٨﴾

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا نَصِيحَتِي ﴿١٢٩﴾

وَالْعَوَّلُ إِلَىٰ اللَّهِ إِنْ لَمْ يُكَلِّمْهُمْ يَنْصَرِفُونَ ﴿١٣٠﴾

أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ ﴿١٣١﴾

وَلَوْ يَرَوْنَ نَارَ اللَّهِ لَوَجَّهُوا وُجُوهَهُمْ إِلَىٰهَا أَعَذَّتْ لَهُمْ عَذَابُ يَوْمِهِمْ يَوْمَئِذٍ ﴿١٣٢﴾

إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مِثْلَهُ

(۱) رِيعٌ، رِيعَةُ کی جمع ہے۔ ٹیلہ، بلند جگہ، پہاڑ، درہ یا گھاٹی یہ ان گزر گاہوں پر کوئی عمارت تعمیر کرتے جو ارتفاع اور علو میں ایک نشانی یعنی ممتاز ہوتی۔ لیکن اس کا مقصد اس میں رہنا نہیں ہوتا بلکہ صرف کھیل کود ہوتا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے منع فرمایا کہ یہ تم ایسا کام کرتے ہو جس میں دقت اور وسائل کا بھی ضیاع ہے اور اس کا مقصد بھی ایسا ہے جس سے دین اور دنیا کا کوئی مفاد وابستہ نہیں بلکہ اس کے بیکار محض اور عبث ہونے میں کوئی شک نہیں۔

(۲) اسی طرح وہ بڑی مضبوط اور عالی شان رہائشی عمارتیں تعمیر کرتے تھے جیسے وہ ہمیشہ انہی محلات میں رہیں گے۔

(۳) یہ ان کے قلم و تخیل اور قوت و طاقت کی طرف اشارہ ہے۔

(۴) جب ان کے اوصاف قبیحہ بیان کیے جو ان کے دنیا میں انہماک اور ظلم و سرکشی پر دلاست کرتے ہیں تو پھر انہیں

دوبارہ تقویٰ اور اپنی اطاعت کی دعوت دی۔

ہے۔ (۱۳۵)^(۱)

انہوں نے کہا کہ آپ وعظ کہیں یا وعظ کہنے والوں میں نہ

ہوں ہم پر یکساں ہے۔ (۱۳۶)

یہ تو بس پرانے لوگوں کی عادت ہے۔ (۱۳۷)^(۲)

اور ہم ہرگز عذاب نہیں دیے جائیں گے۔ (۱۳۸)^(۳)

چونکہ عادیوں نے حضرت ہود کو جھٹلایا، اس لیے ہم نے

انہیں تباہ کر دیا،^(۴) یقیناً اس میں نشانی ہے اور ان میں

سے اکثر بے ایمان تھے۔ (۱۳۹)

بیشک آپ کا رب وہی ہے غالب مہربان۔ (۱۴۰)

قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعظْتَ أَمْ لَمْ تَعْلَمْ مِنَ الْوَعِظِينَ ۝۱۳۵

إِنَّ هَذَا إِلَّا قُلُوبُ الْأَقْلَامِينَ ۝۱۳۶

وَمَا هُمْ إِلَّا نَفْسٌ يَمْعَدُونَ ۝۱۳۷

فَلَمَّا بُوِّهَ كَافِرًا لَّهُمْ بَعَثْنَا فِي ذَلِكَ آيَةً وَ مَا كَانِ

الْأَكْثَرُ لَهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝۱۳۸

فَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝۱۳۹

(۱) یعنی اگر تم نے اپنے کفر پر اصرار جاری رکھا اور اللہ نے تمہیں جو یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان کا شکر ادا نہیں کیا، تو تم عذاب الہی کے مستحق قرار پا جاؤ گے۔ یہ عذاب دنیا میں بھی آسکتا ہے اور آخرت تو ہے ہی عذاب و ثواب کے لیے۔ وہاں تو عذاب سے چھٹکارا ممکن ہی نہیں ہو گا۔

(۲) یعنی وہی باتیں ہیں جو پہلے بھی سوگ کرتے آئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ہم جس دین اور عادات و روایات پر قائم ہیں، وہ وہی ہیں جن پر ہم سے آباؤ اجداد کا رہنمائی ہے، مطلب دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ ہم آباؤ اجداد کو نہیں چھوڑ سکتے۔

(۳) جب انہوں نے اس امر کا اظہار کیا کہ ہم تو اپنا آباؤ دین نہیں چھوڑیں گے، تو اس میں عقیدہ آخرت کا انکار بھی تھا۔ اس لیے انہوں نے عذاب میں مبتلا ہونے کا بھی انکار کیا۔ کیونکہ عذاب الہی کا اندیشہ تو اسے ہوتا ہے جو اللہ کو ماننا اور روز جزا کو تسلیم کرتا ہے۔

(۴) قوم عاد دنیا کی مضبوط ترین اور قوی ترین قوم تھی جس کی بابت اللہ نے فرمایا ہے: ﴿الَّذِينَ لَوْ يَخْلُقُوا مِثْلَهَا بَلْ يُزِيدُوا فِيهَا ظُلُمًا﴾ (المعصر) ”اس جیسی قوم پیدا ہی نہیں کی گئی“ یعنی جو قوت اور شدت و جبروت میں اس جیسی ہو۔ اسی لیے یہ کہا کرتی تھی ﴿مَنْ أَشَدُّ وَثَقًا﴾ (الحج السجدہ: ۱۵۰) ”کون قوت میں ہم سے زیادہ ہے؟“ لیکن جب اس قوم نے بھی کفر کا راستہ چھوڑ کر ایمان و تقویٰ اختیار نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا کی صورت میں ان پر عذاب نازل فرمایا جو مکمل سات راتیں اور آٹھ دن ان پر مسلط رہا۔ بادِ تند آتی اور آدمی کو اٹھا کر فضا میں بلند کرتی اور پھر زور سے سر کے بل زمین پر پٹخ دیتی۔ جس سے اس کا دماغ پھٹ اور ٹوٹ جاتا اور بغیر سر کے ان کے لاشے اس طرح زمین پر پڑے ہوتے گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تھے ہیں۔ انہوں نے پہاڑوں، کھوڑوں اور غاروں میں بڑی بڑی مضبوط عمارتیں بن کر رکھی تھیں، پینے کے لیے گہرے کنوئیں کھود رکھے تھے، باغات کی کثرت تھی۔ لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو کوئی چیز ان کے کام نہ آئی اور انہیں صفحہ ہستی سے مٹا کر رکھ دیا گیا۔

كَذَبَتْ شُعُوذُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

إِذْ قَالَ أُمُّ أُخُوذُم طِبْرُ الْأَثَمُونَ ۝

إِنِّي لَكُم مَسْئُولٌ أَمِينٌ ۝

فَأَنذَرْتُ اللَّهَ وَأَطِيعُونَ ۝

وَمَا أَسْتَدْلِمُ عَلَيْكُمْ أَجْمَلًا أَجْمَرِي الْأَعْلَى الْعَلَمِينَ ۝

أَنزَلُونَنِي مَلْهُمًا آمِينَ ۝

فِي جَنَّتٍ وَعَيْنُونَ ۝

فَنُذِرُوا وَعَيْنُ طَلْمَا هَضِيمَةً ۝

وَتَشْفَعُونَ مِنَ الْجِبَالِ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُنَّ ۝

شعویوں^(۱) نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ (۱۳۱)

ان کے بھائی صالح نے ان سے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ (۱۳۲)

میں تمہاری طرف اللہ کا امانت دار پیغمبر ہوں۔ (۱۳۳)

تو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا کرو۔ (۱۳۴)

میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میری اجرت تو بس پروردگار عالم پر ہی ہے۔ (۱۳۵)

کیا ان چیزوں میں جو یہاں ہیں تم امن کے ساتھ چھوڑ دے جاؤ گے۔ (۱۳۶)

یعنی ان باغوں اور ان چشموں۔ (۱۳۷)

اور ان کھیتوں اور ان کھجوروں کے باغوں میں جن کے شگوفے نرم و نازک ہیں۔ (۱۳۸)

اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر پر تکلف مکانات بنا رہے ہو۔ (۱۳۹)

(۱) شعود کا مسکن حجر تھا جو حجاز کے شمال میں ہے، آج کل اسے دائن صالح کہتے ہیں۔ (ایسراف السیرا یہ عرب تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبوک جاتے ہوئے ان بستیوں سے گزر کر گئے تھے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۲) یعنی یہ نعمتیں کیا تمہیں ہمیشہ حاصل رہیں گی، نہ تمہیں موت آئے گی نہ عذاب؟ استغمام انکاری اور تو بخفی ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہو گا بلکہ عذاب یا موت کے ذریعے سے جب اللہ چاہے گا، تم ان نعمتوں سے محروم ہو جاؤ گے۔ اس میں ترغیب ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اور اس پر ایمان لاؤ اور ترہیب ہے کہ اگر ایمان و شکر کا راستہ اختیار نہیں کیا تو پھر تباہی و بربادی تمہارا مقدر ہے۔

(۳) یہ ان نعمتوں کی تفصیل ہے جن سے وہ بہرہ ور تھے، طبع کھجور کے اس شگوفے کو کہتے ہیں جو پے پے پس نکلتا یعنی طلوع ہوتا ہے، اس کے بعد کھجور کا یہ پھل طبع پھر برسر پھر رطب اور اس کے بعد تر نکلتا ہے۔ (ایسراف السیرا) باغات میں دیگر پھلوں کے ساتھ کھجور کا پھل بھی آجاتا ہے۔ لیکن عربوں میں چونکہ کھجور کی بڑی اہمیت ہے، اس لیے اس کا خصوصی طور پر بھی ذکر کیا۔ حَضِيمَہ کے اور بھی کئی معانی بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً لطیف اور نرم و نازک۔ یہ نہ تو وغیرہ۔

(۴) فَارِضِينَ یعنی ضرورت سے زیادہ تصنع، تکلف اور فن کارانہ مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یا اتراتے اور فخر و غرور

وَقَالُوا اللَّهُ وَآيَاتُهُ

وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُرِفِقِينَ

الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَوِّينَ

مَا أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ قَالَتِ الْيَهُودُ كُنْتَ مِنَ الضَّالِّينَ

قَالَ هَذِهِ نَافَةُ لَهَا شَرِّبْ وَلَكُمُ يَوْمَ مَعْلُومٍ

وَلَا تَسْتَوُوا بِرَبِّهِمْ فَتُخَذَّكُمُ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ

فَعَقَرْنَا مَا فَصَّهُ بَرْحَةُ مِائِينَ

پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (۱۵۰)

بے باک حد سے گزر جانے والوں کی^(۱) اطاعت سے باز آجاؤ۔ (۱۵۱)

جو ملک میں فساد پھیلا رہے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔ (۱۵۲)

وہ بولے کہ بس تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔ (۱۵۳)

تو تو ہم جیسا ہی انسان ہے۔ اگر تو بچوں سے ہے تو کوئی معجزہ لے آ۔ (۱۵۴)

آپ نے فرمایا یہ ہے اونٹنی، پانی پینے کی ایک باری اس کی اور ایک مقررہ دن کی باری پانی پینے کی تمہاری۔^(۲) (۱۵۵)(خبردار!) اسے برائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک بڑے بھاری دن کا عذاب تمہاری گرفت کر لے گا۔^(۳) (۱۵۶)پھر بھی انہوں نے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں،^(۴) بس وہ

کرتے ہوئے۔ جیسے آج کل لوگوں کا حال ہے۔ آج بھی عمارتوں پر بھی غیر ضروری آرائشوں اور فن کارانہ مہارتوں کا خوب خوب مظاہرہ ہو رہا ہے اور اس کے ذریعے سے ایک دوسرے پر برتری اور فخر و غرور کا ظہار بھی۔

(۱) مُسْرِفِينَ سے مراد وہ رؤسا اور سردار ہیں جو کفر و شرک کے داعی اور مخالفت حق میں پیش پیش تھے۔

(۲) یہ وہی اونٹنی تھی جو ان کے مطالبے پر پتھر کی ایک چٹان سے بطور معجزہ ظاہر ہوئی تھی۔ ایک دن اونٹنی کے لیے اور ایک دن ان کے لیے پانی مقرر کر دیا گیا تھا اور ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ جو دن تمہارا اپنی لینے کا ہو گا، اونٹنی گھاٹ پر نہیں آئے گی اور جو دن اونٹنی کے پانی پینے کا ہو گا، تمہیں گھاٹ پر آنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۳) دوسری بات انہیں یہ کہی گئی کہ اس اونٹنی کو کوئی بری نیت سے ہاتھ نہ لگائے، نہ اسے نقصان پہنچایا جائے۔ چنانچہ یہ اونٹنی اسی طرح ان کے درمیان رہی گھاٹ سے پانی پیتی اور گھاس چارہ کھا کر گزارہ کرتی۔ اور کہا جاتا ہے کہ قوم ثمود اس کا دودھ دیتی تھی اور اس سے فائدہ اٹھاتی۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انہوں نے اسے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔

(۴) یعنی باوجود اس بات کے کہ وہ اونٹنی اللہ کی قدرت کی ایک نشانی اور پیغمبر کی صداقت کی دلیل تھی، قوم ثمود ایمان نہیں لائی اور کفر و شرک کے راستے پر گامزن رہی اور اس کی سرکشی یہاں تک بڑھی کہ بالآخر قدرت کی زندہ نشانی

پشیمان ہو گئے۔^(۱) (۱۵۷)

اور عذاب نے انہیں آدوچا۔^(۲) بیشک اس میں عبرت ہے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہ تھے۔ (۱۵۸)

اور بیشک آپ کا رب بڑا زبردست اور مہربان ہے۔ (۱۵۹)
قوم لوط^(۳) نے بھی غیوں کو جھٹلایا۔ (۱۶۰)

ان سے ان کے بھائی لوط (علیہ السلام) نے کہا کیا تم اللہ کا خوف نہیں رکھتے؟ (۱۶۱)

میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں۔ (۱۶۲)

پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (۱۶۳)

میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف اللہ تعالیٰ پر ہے جو تمام جہان کا رب ہے۔ (۱۶۴)

کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو۔ (۱۶۵)

اور تمہاری جن عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارا جوڑ بنایا ہے ان کو چھوڑ دیتے ہو^(۴) بلکہ تم ہو ہی حد سے گزر

فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَن كَانَ
الْكُفْرُ مُقِيمًا ۝

وَقَدْ رَبَّكَ لَهْوُ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝

كَذَبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ۝

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطُ أَلَا تَتَّقُونَ ۝

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَآطِيعُوا أَمْرًا

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَمَرْتُ بِأَعْمَالٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝

أَتَأْتُونَ الذَّكَرَ إِنْ أُمِرْتُمْ بِهِ ۝

وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَعْلَمُوا

أَنَّهُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ۝

”اونٹنی“ کی کوچیں کاٹ ڈالیں یعنی اس کے ہاتھوں اور پیروں کو زخمی کر دیا جس سے وہ بیٹھ گئی اور پھر اسے قتل کر دیا۔

(۱) یہ اس وقت ہوا جب اونٹنی کے قتل کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے کہا کہ اب تمہیں صرف تین دن کی سمدت ہے، چوتھے دن تمہیں ہدک کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد جب واقعی عذاب کی علامتیں ظاہر ہوئی شروع ہو گئیں تو پھر ان کی طرف سے بھی اٹھارہ سمدت ہونے لگا۔ لیکن علامات عذاب دیکھ لینے کے بعد سمدت اور توبہ کا کوئی فائدہ نہیں۔

(۲) یہ عذاب زمین سے بھونچال (زلزلے) اور اوپر سے سخت چٹکھاڑ کی صورت میں آیا جس سے سب کی موت واقع ہو گئی۔

(۳) حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی حاران بن آذر کے بیٹے تھے۔ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی زندگی میں نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ان کی قوم ”سدموم“ اور ”عموریہ“ میں رہتی تھی۔ یہ بستیاں شام کے علاقے میں تھیں۔

(۴) یہ قوم لوط کی سب سے بری عادت تھی جس کی ابتدا اسی قوم سے ہوئی تھی اسی لیے اس فعل بد کو سواطت سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی وہ بد فعلی جس کا آغاز قوم لوط سے ہوا لیکن اب یہ بد فعلی پوری دنیا میں عام ہے بلکہ یورپ میں تو اسے قانوناً جائز تسلیم کر لیا گیا ہے یعنی ان کے ہاں اب یہ سرے سے گناہ ہی نہیں ہے۔ جس قوم کا مذاق اتنا بگڑ گیا ہو کہ مرد و عورت کا ناجائز جنسی ملاپ (بشرطیکہ باہمی رضامندی سے ہو) ان کے نزدیک جرم نہ ہو تو وہاں دو مردوں کا آپس

جانے والے۔^(۱) (۱۶۶)

انہوں نے جواب دیا کہ اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً نکال دیا جائے گا۔^(۲) (۱۶۷)

آپ نے فرمایا، میں تمہارے کام سے سخت ناخوش ہوں۔^(۳) (۱۶۸)

میرے پروردگار! مجھے اور میرے گھرانے کو اس (دہال) سے بچالے جو یہ کرتے ہیں۔ (۱۶۹)

پس ہم نے اسے اور اسکے متعلقین کو سب کو بچالیا۔ (۱۷۰)
بجز ایک بڑھیا کے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہو گئی۔^(۴) (۱۷۱)

پھر ہم نے باقی اور سب کو ہلاک کر دیا۔ (۱۷۲)
اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا مینہ برسایا، پس بہت ہی برا مینہ تھا جو ڈرائے گئے ہوئے لوگوں پر برسا۔^(۵) (۱۷۳)

قَالُوا لَيْسَ لَكَ تِلْكَ بِسُوطٍ لَّا تَكُونُ مِنَ الْمُخْرِجِينَ ۝

قَالَ إِنِّي لَعَلَّكُمْ مِنَ الْغَالِينَ ۝

رَبِّ اجْنُبْنِي وَآقِلِي مِمَّا يَفْلُتُونَ ۝

فَبَجَّيْنَاهُ وَآهِنَاهُ أَجْمَعِينَ ۝

إِلَّا نَحْنُ وَإِي الْغَابِرِينَ ۝

ثُمَّ دَمَرْنَا الْأَمَمِينَ ۝

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا مُّثَوِّمًا ۝ فَهَازِلِ النَّازِعِينَ ۝

میں بد فعلی کرنا کیونکر گنہ اور ناجائز ہو سکتا ہے؟ اَعَاذَنَا اللہ مِنہ

(۱) عَاذُونَ، عَاذ کی جمع ہے۔ عربی میں عَاذ کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنے والا۔ یعنی حق کو چھوڑ کر باطل کو اور حلال کو چھوڑ کر حرام کو اختیار کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح شرعی کے ذریعے سے عورت کی فرج سے اپنی جنسی خواہش کی تسکین کو حلال قرار دیا ہے اور اس کام کے لیے مرد کی دہر کو حرام۔ قوم لوط نے عورتوں کی شرم گاہوں کو چھوڑ کر مردوں کی دہر اس کام کے لیے استعمال کی اور یوں اس نے حد سے تجاوز کیا۔

(۲) یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے وعظ و نصیحت کے جواب میں اس نے کہا کہ تو بڑا پاک باز بنا پھرتا ہے۔ یاد رکھنا اگر تو باز نہ آیا تو ہم اپنی بستی میں تجھے رہنے ہی نہیں دیں گے۔ آج بھی بدیوں کا اتنا غلبہ اور بدوں کا اتنا زور ہے کہ نیکی منہ چھپائے پھرتی ہے۔ اور نیکیوں کے لیے عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا ہے

(۳) یعنی میں اسے پسند نہیں کرتا اور اس سے سخت بیزار ہوں۔

(۴) اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بوڑھی بیوی ہے جو مسلمان نہیں ہوئی تھی، چنانچہ وہ بھی اپنی قوم کے ساتھ ہی ہلاک کر دی گئی۔

(۵) یعنی نشان زدہ کنکر پتھروں کی بارش سے ہم نے ان کو ہلاک کیا اور ان کی بستیوں کو ان پر الٹ دیا گیا، جیسا کہ سورۃ ہود-۸۲، ۸۳ میں بیان ہوا۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٥٠﴾

وَأَنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٥١﴾

كَذَّبَ أَصْحَابُ لَيْكَةِ الْمُرْسِيْنَ ﴿٥٢﴾

إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿٥٣﴾

إِنَّ لَكُمْ رَسُولًا أَمِينًا ﴿٥٤﴾

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ﴿٥٥﴾

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَتَيْتُمْ إِلَّا بِمِلَّةِ الْعَالَمِينَ ﴿٥٦﴾

أَوْفُوا الْكَيْثَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿٥٧﴾

یہ ماجرا بھی سراسر عبرت ہے۔ ان میں سے بھی اکثر مسلمان نہ تھے۔ (۱۷۳)

جیشک تیرا پروردگار وہی ہے غلبے والا مہربانی والا۔ (۱۷۵)

ایکے والوں^(۱) نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ (۱۷۶)

جبکہ ان سے شعیب (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تمہیں ڈر خوف نہیں؟ (۱۷۷)

میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں۔ (۱۷۸)

اللہ کا خوف کھاؤ اور میری فرمانبرداری کرو۔ (۱۷۹)

میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا، میرا اجر تمام جہانوں کے پالنے والے کے پاس ہے۔ (۱۸۰)

ٹاپ پورا بھرا کر دم دینے والوں میں شمولیت نہ کرو۔^(۲) (۱۸۱)

(۱) اُنْبَکَہ جمل کو کہتے ہیں۔ اس سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اور بستی ”مدین“ کے اطراف کے باشندے مراد ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ ایک کے معنی ہیں گھنادرخت اور ایسا ایک درخت مدین کی نواحی آبادی میں تھا۔ جس کی پوجا پاٹ ہوتی تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا دائرہ نبوت اور حدود دعوت و تبلیغ ”مدین“ سے لے کر اس نواحی آبادی تک تھا جہاں ایک درخت کی پوجا ہوتی تھی۔ وہاں کے رہنے والوں کو اصحاب الایکہ کہا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اصحاب الایکہ اور اہل مدین کے پیغمبر ایک ہی تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور یہ ایک ہی پیغمبر کی امت تھی۔ ایک ’چونکہ قوم نہیں‘ بلکہ درخت تھا۔ اس لیے اخوت نسبی کا یہاں ذکر نہیں کیا، جس طرح کہ دوسرے انبیاء کے ذکر میں ہے۔ البتہ جہاں مدین کے ضمن میں حضرت شعیب علیہ السلام کا نام لیا گیا ہے، وہاں ان کے اخوت نسبی کا ذکر بھی ملتا ہے ’کیونکہ مدین‘ قوم کا نام ہے۔ ﴿وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُ شُعَيْبٌ﴾ (الأعراف: ۸۵) بعض مفسرین نے اصحاب الایکہ اور مدین کو الگ الگ بستیوں قرار دے کر کہا ہے کہ یہ مختلف دو امتیں ہیں، جن کی طرف باری باری حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ ایک مرتبہ مدین کی طرف اور دوسری مرتبہ اصحاب الایکہ کی طرف۔ لیکن امام ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ ایک ہی امت ہے ’أَوْفُوا الْكَيْثَ وَالْغَيْرَٰثَ کا جو وعظ اہل مدین کو کیا گیا، یہی وعظ یہاں اصحاب الایکہ کو کیا جا رہا ہے‘ جس سے صاف واضح ہے کہ یہ ایک ہی امت ہے ’دو نہیں‘۔

(۲) یعنی جب تم لوگوں کو ٹاپ کر دو تو اسی طرح پورا دو، جس طرح لیتے وقت تم پورا ٹاپ کر لیتے ہو۔ پینے اور دینے کے پیمانے الگ الگ مت رکھو کہ دیتے وقت کم دو اور لیتے وقت پورا لو!

وَرَبُّوَابِ السُّعْطَانِ الْمُنْتَفِعِينَ ﴿١٨٢﴾

وَلَا يَخْشَوْنَ النَّاسَ أَشْيَاءَ ۖ لَهُمْ لَفْظٌ فِي الْأَرْضِ مُفِيدُونَ ﴿١٨٣﴾

وَأَعْمُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِيلَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٨٤﴾

قَالُوا إِنَّا كُنَّا مِنَ الْمُسْحُورِينَ ﴿١٨٥﴾

وَمَا كُنَّا إِلَّا بَشَرًا مِثْلَكَ وَإِنْ تَلْمِزُنَا لَيَنَّا الْكَذِبِينَ ﴿١٨٦﴾

فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ ۖ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٨٧﴾

قَالَ رَبِّيَ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨٨﴾

اور سیدھی صحیح ترازو سے تول کر دو۔ (۱۸۲)

لوگوں کو ان کی چیزیں کی سے نہ دو،^(۲) بے باکی کے ساتھ زمین میں فساد پھالتے نہ پھرو۔ (۱۸۳)

اس اللہ کا خوف رکھو جس نے خود تمہیں اور اگلی مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ (۱۸۴)

انہوں نے کہا تو تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا جاتا ہے۔ (۱۸۵)

اور تو تو ہم ہی جیسا ایک انسان ہے اور ہم تو تجھے جھوٹ بولنے والوں میں سے ہی سمجھتے ہیں۔ (۱۸۶)

اگر تو سچے لوگوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دے۔ (۱۸۷)

کہا کہ میرا رب خوب جاننے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ (۱۸۸)

(۱) اسی طرح توں میں ڈنڈی مت مارو، بلکہ پورا صحیح قول کر دو!

(۲) یعنی لوگوں کو دیتے وقت ٹاپ یا تول میں کمی مت کرو۔

(۳) یعنی اللہ کی نافرمانی مت کرو، اس سے زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ بعض نے اس سے مراد وہ رہنمائی ہے جس کا ارتکاب بھی یہ قوم کرتی تھی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے ﴿وَلَا تَقْعُدُوا بِحِلِّ صَوَاحِطِ ثَوَاحِدُكُمْ﴾، الاعراف ۸۲، راستوں میں لوگوں کو ڈرانے کے لیے مت بیٹھو۔ (ابن کثیر)

(۴) حیلۃ اور جیل، مخلوق کے معنی میں ہے، جس طرح دوسرے مقام پر شیطان کے بارے میں فرمایا۔ ﴿وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا﴾ اسورۃ ہنسی ۶، ”اس نے تم میں سے بہت ساری مخلوق کو گمراہ کیا“ اس کا استعس بڑی جماعت کے لیے ہوتا ہے۔ وَهُوَ الْجَمْعُ دُرُ الْعَدَدِ الْكَثِيرِ مِنَ النَّاسِ (فتح القدیر)

(۵) یعنی توجہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اللہ نے وحی و رسالت سے نوازا ہے، ہم تجھے اس دعوے میں جھوٹا سمجھتے ہیں، کیونکہ تو بھی ہم جیسا ہی انسان ہے۔ پھر تو اس شرف سے مشرف کیونکر ہو سکتا ہے؟

(۶) یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی تمدید کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اگر تو واقعی سچا ہے تو جا ہم تجھے نہیں مانے، ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا کر دکھا!

(۷) یعنی تم جو کفر و شرک کر رہے ہو، سب اللہ کے علم میں ہے اور وہی اس کی جزا تمہیں دے گا، اگر چاہے گا تو دنیا میں

فَلَذُوقُوهُ فَلَمَّا هَمَّ عَذَابُ يَوْمِ الظَّلَاةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابٌ
يَوْمٌ عَظِيمٌ ﴿۱۸۹﴾

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۹۰﴾

وَلَا رَيْبَ لَكُمْ لَهْوُ الْعِزِّ الرَّحِيمِ ﴿۱۹۱﴾

وَلَا تَتَّبِعُوا رِبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۹۲﴾

تَزَلُّ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿۱۹۳﴾

عَلَّ قَلْبُكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿۱۹۴﴾

چونکہ انہوں نے اسے جھٹلایا تو انہیں سائبان والے دن
کے عذاب نے پکڑ لیا۔^(۱) وہ بڑے بھاری دن کا عذاب
تھا۔ (۱۸۹)

یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر مسلمان
نہ تھے۔ (۱۹۰)

اور یقیناً تیرا پروردگار البتہ وحی ہے غلبے والا مرہبان والا۔ (۱۹۱)
اور بیشک و شبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا
ہے۔ (۱۹۲)

اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔^(۲) (۱۹۳)
آپ کے دل پر اترا ہے^(۳) لہٰذا آپ آگاہ کر دینے والوں

بھی دے دے گا یہ عذاب اور سزا اس کے اختیار میں ہے۔

(۱) انہوں نے بھی کفار مکہ کی طرح آسمانی عذاب مانگا تھا، اللہ نے اس کے مطابق ان پر عذاب نازل فرما دیا اور وہ اس طرح کہ بعض روایات کے مطابق سات دن تک ان پر سخت گرمی اور دھوپ مسلط کر دی، اس کے بعد بادلوں کا ایک سایہ آیا اور یہ سب گرمی اور دھوپ کی شدت سے بچنے کے لیے اس سائے تلے جمع ہو گئے اور کچھ سکھ کا سانس لیا۔ لیکن چند لمحے بعد ہی آسمان سے آگ کے شعلے برسنے شروع ہو گئے، زمین زلزلے سے لرزا اٹھی اور ایک سخت چٹکھڑنے انہیں ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا۔ یوں تین قسم کا عذاب ان پر آیا اور یہ اس دن آیا جس دن ان پر بادلوں کا سانس بھی ہوا، اس لیے فرمایا کہ سائے والے دن کے عذاب نے انہیں پکڑ لیا۔

○ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تین مقامات پر قوم شعیب علیہ السلام کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے اور تینوں جگہ موقع کی مناسبت سے الگ الگ عذاب کا ذکر کیا ہے۔ سورہ اعراف ۸۸ میں زلزلہ کا ذکر ہے، سورہ ہود ۹۳ میں صلیحہ (جیح) کا اور یہاں شعراء میں آسمان سے ٹکڑے گرانے کا۔ یعنی تین قسم کا عذاب اس قوم پر آیا۔

(۲) کفار مکہ نے قرآن کے وحی الہی اور منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا اور اسی بنا پر رسالت محمدیہ اور دعوت محمدیہ کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کر کے یہ واضح کیا کہ یہ قرآن یقیناً وحی الہی ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے سچے رسول ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ پیغمبر جو پڑھ سکتا ہے نہ لکھ سکتا ہے گزشتہ انبیاء اور قوموں کے واقعات کس طرح بیان کر سکتا تھا؟ اس لیے یہ قرآن یقیناً اللہ رب العالمین ہی کی طرف سے نازل کر رہا ہے جسے ایک امانت دار فرشتہ یعنی جبرائیل علیہ السلام لے کر آئے۔

(۳) دل کا بطور خاص اس لیے ذکر فرمایا کہ حواسِ باطن میں دل ہی سب سے زیادہ ادراک اور حفظ کی قوت رکھتا ہے۔

میں سے ہو جائیں۔^(۱) (۱۹۳)

صاف عربی زبان میں ہے۔ (۱۹۵)

اگلے نبیوں کی کتابوں میں بھی اس قرآن کا تذکرہ ہے۔^(۲) (۱۹۶)

کیا انہیں یہ نشانی کافی نہیں کہ حقانیت قرآن کو تو بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں۔^(۳) (۱۹۷)

اور اگر ہم اسے کسی عجیب شخص پر نازل فرماتے۔ (۱۹۸)

پس وہ ان کے سامنے اس کی تلاوت کرتا تو یہ اسے باور کرنے والے نہ ہوتے۔^(۴) (۱۹۹)

اسی طرح ہم نے گنہگاروں کے دلوں میں اس انکار کو داخل کر دیا ہے۔^(۵) (۲۰۰)

وہ جب تک دردناک عذابوں کو ملاحظہ نہ کر لیں ایمان نہ لائیں گے۔ (۲۰۱)

پس وہ عذاب ان کو ناگہاں آجائے گا انہیں اس کا شعور بھی نہ ہو گا۔ (۲۰۲)

يٰۤاَيُّهَا عَرَبِيُّنِ ۝

وَلَا تُكَلِّمُوا الَّذِيْنَ

اَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ اٰیَةٌ اَنْ يَّعْلَمَهُ عَلٰمُوْا بَنِيْۤ اِسْرٰٓءٰلَ ۝

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰی بَعْضِ الْاَعْمٰیۤنِ ۝

فَقَرَأَ عَلٰیہِمْ تَاۤوٰلِیٰہِ مُوْمِنٰۤیۡنَ ۝

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰہُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیۡنَ ۝

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِہِ حَتّٰی یُرُوْا الْعَذٰبَ الْاَلِیۡمَ ۝

فَبَیِّنْہُمْ بَیِّنٰتَہٗ وَظٰہِرَ لَا یُشْعُرُوْنَ ۝

(۱) یہ نزول قرآن کی علت ہے۔

(۲) یعنی جس طرح پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے ظہور و بعثت کا اور آپ ﷺ کی صفات جلیلہ کا تذکرہ پچھلی کتابوں میں ہے، اسی طرح اس قرآن کے نزول کی خوشخبری بھی صحف سابقہ میں دی گئی تھی ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ یہ قرآن مجید، بہ اعتبار ان احکام کے، جن پر تمام شریعتوں کا اتفاق رہا ہے، پچھلی کتابوں میں بھی موجود رہا ہے۔

(۳) کیونکہ ان کتابوں میں آپ ﷺ کا اور قرآن کا ذکر موجود ہے۔ یہ کفار کہہ نہ رہے ہیں معاملات میں یہود کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس اعتبار سے فرمایا کہ کیا ان کا یہ جاننا اور بتلانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول اور یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ پھر یہ یہود کی اس بات کو مانتے ہوئے پیغمبر ایمان کیوں نہیں لاتے؟

(۴) یعنی کسی عجیب زبان میں نازل کرتے تو یہ کہتے کہ یہ تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ جیسے حم السجدة ۳۴ میں ہے۔

(۵) یعنی سَلَكْنَاهُ میں ضمیر کا مرجع کفر و کذب اور محدود و عباد ہے۔

اس وقت کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ سلت دی جائے گی؟^(۱) (۲۰۳)

پس کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی چار ہے ہیں؟^(۲) (۲۰۴)
اچھا یہ بھی بتاؤ کہ اگر ہم نے انہیں کئی سال بھی فائدہ اٹھانے دیا۔ (۲۰۵)

پھر انہیں وہ عذاب آگاہ جن سے یہ دھمکائے جاتے تھے۔ (۲۰۶)

تو جو کچھ بھی یہ برتتے رہے اس میں سے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔^(۳) (۲۰۷)

ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا ہے مگر اسی حال میں کہ اس کے لیے ڈرانے والے تھے۔ (۲۰۸)

نصیحت کے طور پر اور ہم ظلم کرنے والے نہیں ہیں۔^(۴) (۲۰۹)
اس قرآن کو شیطان نہیں لائے۔ (۲۱۰)

نہ وہ اس کے قائل ہیں نہ انہیں اس کی طاقت ہے۔ (۲۱۱)
بلکہ وہ تو سننے سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں۔^(۵) (۲۱۲)

يَقُولُوا هَلْ عَنَّا مُنْقَرُونَ ﴿١﴾

أَفَعَدَّ إِنَّا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢﴾

أَفَرَأَيْتَ إِنَّمَنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ﴿٣﴾

ثُمَّ جَاءَهُمْ أَكَلُوا يَوْمَئِذٍ ﴿٤﴾

مَا نَعْنِي عَنْهُمْ تَاكَلُوا يَوْمَئِذٍ ﴿٥﴾

وَمَا أَفْلَحْنَا مِنْ قُرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ ﴿٦﴾

ذُرِّيٍّ وَمَا لَنَا مِنْ ذَلِيلِينَ ﴿٧﴾

وَمَا تَكُنْ لَهُ الْيُتِيمِينَ ﴿٨﴾

وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَظِيلُونَ ﴿٩﴾

إِنَّمَا عَنِ السَّمْعِ لَمَعَرُونَ ﴿١٠﴾

(۱) لیکن مشاہدہ عذاب کے بعد سلت نہیں دی جاتی، نہ اس وقت کی توبہ ہی مقبول ہے، ﴿لَكُمْ يَوْمَ يَنْفَعُكُمُ إِنَّمَا لَهُمْ آخِزًا إِذَا تَأَسَّوْا﴾ الحؤمن ۱۸۵

(۲) یہ اشارہ ہے ان کے مطالبے کی طرف جو اپنے پیغمبر سے کرتے رہے ہیں کہ اگر تو بچا ہے تو عذاب سے آ۔

(۳) یعنی اگر ہم انہیں سلت دے دیں اور پھر انہیں اپنے عذاب کی گرفت میں لیں، تو کیا دنیا کمال و متاع ان کے کچھ کام آئے گا؟ یعنی انہیں عذاب سے بچا سکے گا؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ ﴿وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَذَّبُوا﴾ البقرة

۹۱ ﴿وَمَا يَنْبَغِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى﴾ الليل ۱۱

(۴) یعنی ار سال رسل اور انذار کے بغیر اگر ہم کسی بستی کو ہلاک کر دیتے تو یہ ظلم ہوتا، ہم نے اب ظلم نہیں کیا بلکہ عدل کے تقاضوں کے مطابق ہم نے پہلے ہر بستی میں رسول بھیجے جنہوں نے اہل قریہ کو عذاب الہی سے ڈرایا اور اس کے بعد جب انہوں نے پیغمبر کی بات نہیں مانی، تو ہم نے انہیں ہلاک کیا۔ یہی مضمون بنی اسرائیل ۱۵ اور قصص ۵۹ وغیرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۵) ان آیات میں قرآن کی شیطانی دخل اندازیوں سے، مخفویت کا بیان ہے۔ ایک تو اس لیے کہ شیطان کا قرآن لے

قَالَتْ ذُءْمَةُ الْمَوَالِهَا اخْرَفْتُكَوْنِ مِنَ الْمُعَذِّبِيْنَ ۝

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ ۝

وَاخْلُصْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنَّي بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْمَوْجِزِ لَنَجِيْعَهُ ۝

الَّذِي يَرْبِكُ حَيْثُ تَقُوْمُ ۝

پس تو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکار کہ تو بھی سزا پانے والوں میں سے ہو جائے۔ (۲۱۳)

اپنے قریبی رشتہ والوں کو ڈرا دے۔ (۲۱۳) ^(۱)

اس کے ساتھ فروتنی سے پیش آ، جو بھی ایمان لانے والا ہو کر تیری تابعداری کرے۔ (۲۱۵)

اگر یہ لوگ تیری نافرمانی کریں تو تو اعلان کر دے کہ میں ان کاموں سے بیزار ہوں جو تم کر رہے ہو۔ (۲۱۶)

اپنا پورا بھروسہ غالب مہربان اللہ پر رکھ۔ (۲۱۷)

جو تجھے دیکھتا رہتا ہے جبکہ تو کھڑا ہوتا ہے۔ (۲۱۸)

کرنازل ہونا ان کے رفق نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا مقصد شرف و فساد اور منکرات کی اشاعت ہے، جب کہ قرآن کا مقصد نیکی کا حکم اور فروغ اور منکرات کا سد باب ہے۔ گویا دونوں ایک دوسرے کی ضد اور باہم منافی ہیں۔ دوسرے یہ کہ شیاطین اس کی طاقت بھی نہیں رکھتے، تیسرے، نزول قرآن کے وقت شیاطین اس کے سننے سے دور اور محروم رکھے گئے، آسمانوں پر ستاروں کو چوکیدار بنا دیا گیا تھا اور جو بھی شیطان اوپر جاتا یہ ستارے اس پر برق خافض بن کر گرتے اور بھسم کر دیتے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کو شیاطین سے بچانے کا خصوصی اہتمام فرمایا۔

(۱) پیغمبر کی دعوت صرف رشتے داروں کے لیے نہیں، بلکہ پوری قوم کے لیے ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو پوری نسل انسانی کے لیے ہادی اور رہبر بن کر آئے تھے۔ قریبی رشتے داروں کو دعوت ایمان، دعوت عام کے منافی نہیں، بلکہ اسی کا ایک حصہ یا اس کا ایک ترجمی پہلو ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی سب سے پہلے اپنے باپ آذر کو توحید کی دعوت دی تھی۔ اس حکم کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور بَا صَبَاحَا کہہ کر آواز دی۔ یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا ہے جب دشمن اچانک حملہ کر دے، اس کے ذریعے سے قوم کو خبردار کیا جاتا ہے۔ یہ کلمہ من کر لوگ جمع ہو گئے، آپ نے قریش کے مختلف قبیلوں کے نام لے لے کر فرمایا، ہندؤ اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر دشمن کا لشکر موجود ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے، تو کیا تم مانو گے؟ سب نے کہا ہاں، یقیناً ہم تصدیق کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے نذیر بنا کر بھیجا ہے، میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں، اس پر ابولسب نے کہا تَبَا لَكَ أَمَا دَعَوْنَنَا إِلَّا لِهَذَا تِمْرِے لیے ہلاکت ہو، کیا تو نے ہمیں اسی لیے بلایا تھا؟ اس کے جواب میں سورۃ تبت نازل ہوئی (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الحمد) آپ ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اپنی چھوٹی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بھی فرمایا، تم اللہ کے ہاں پجاؤ کا بندوبست کرو، میں وہاں تمہارے کام نہیں آسکوں گا۔ (صحیح مسلم، کتاب الايمان، باب وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ)

وَقَعَلَتْ فِي النَّجِيدِ ۝۱۹

اور مجدہ کرنے والوں کے درمیان تیرا گھومتا پھرنا
بھی۔ (۲۱۹)^(۱)

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝۲۰

وہ بڑا ہی سننے والا اور خوب ہی جاننے والا ہے۔ (۲۲۰)
کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں۔ (۲۲۱)
وہ ہر ایک جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں۔ (۲۲۲)^(۲)

هَلْ أَتَاكُمْ مِّنْ تَوَلَّى الشَّيْطَانِ ۝۲۱

(اچھٹی) ہوئی سنی سنائی پہنچا دیتے ہیں اور ان میں سے
اکثر جھوٹے ہیں۔ (۲۲۳)^(۳)

تَنَزَّلُ عَلَى كُلِّ أَكْبَادٍ بُيُوتٍ ۝۲۲

شاعروں کی ہیروی وہ کرتے ہیں جو بیکے ہوئے ہوں۔ (۲۲۳)
کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ایک ایک بیابان میں سر
نکراتے پھرتے ہیں۔ (۲۲۵)

يُلْقُونَ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ كَذِبُونٌ ۝۲۳

اور وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ (۲۲۶)^(۴)

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْفَأْوَنُ ۝۲۴

أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَظْمُونَ ۝۲۵

وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝۲۶

(۱) یعنی جب تو تنہا ہوتا ہے تب بھی اللہ دیکھتا ہے اور جب لوگوں میں ہوتا ہے تب بھی۔

(۲) یعنی اس قرآن کے نزول میں شیطان کا کوئی دخل نہیں ہے، کیونکہ شیطان تو جھوٹوں اور گناہ گاروں (یعنی کاہنوں،
نجومیوں وغیرہ) پر اترتے ہیں نہ کہ انبیاء و صالحین پر۔

(۳) یعنی ایک آدم بات جو کسی طرح وہ سننے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، ان کاہنوں کو اگر بتا دیتے ہیں، جن کے ساتھ
وہ جھوٹی باتیں اور مبالغے لیتے ہیں (جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے)۔ ملاحظہ ہو (صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب فراءۃ
المصاحف والمشافق وبدء الخلق، باب صفة إبليس وجسوده، صحیح مسلم، کتاب السلام، باب لحرم
الکھانۃ والبیان الکھان) یُلْقُونَ السَّمْعَ شیاطین آسمان سے سنی ہوئی بعض باتیں کاہنوں کو پہنچا دیتے ہیں، اس
صورت میں سمع کے معنی مسوع کے ہوں گے۔ لیکن اگر اس کا مطلب حاشہ ساعت (کان) ہے، تو مطلب ہو گا کہ
شیاطین آسمانوں پر جا کر کان لگا کر چوری چھپے بعض باتیں سن آتے ہیں اور پھر انہیں کاہنوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

(۴) شاعروں کی اکثریت چونکہ ایسی ہوتی ہے کہ وہ مدح و ذم میں اصول و ضابطے کے بجائے ذاتی پسند و ناپسند کے مطابق
اظہار رائے کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں غلو اور مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں اور شاعرانہ تخیلات میں کبھی ادھر اور کبھی
ادھر بھٹکتے ہیں، اس لیے فرمایا کہ ان کے پیچھے لگنے والے بھی گمراہ ہیں۔ اسی قسم کے اشعار کے لیے حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے
کہ ”پیٹ کو سو پیپ سے بھر جانا، جو اسے خراب کر دے“ شعر سے بھر جانے سے بہتر ہے۔ (ترمذی، أبواب الآداب و مسلم
وغیرہ) یہاں اس کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا پیغمبر کاہن ہے نہ شاعر۔ اس لیے کہ یہ دونوں ہی جھوٹے ہیں۔ چنانچہ دوسرے
مقامات پر بھی آپ ﷺ کے شاعر ہونے کی نفی کی گئی ہے مثلاً سورہ یٰسین ۶۹، سورہ الحاقۃ ۴۰، ۴۳۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا
وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ
فِي مَقَالِيدِهِ لَآيَاتٍ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٢٥﴾

سُورَةُ النَّمْلِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

طس ثلث ایت القرآن و کتاب یثین ﴿١﴾

هُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٢﴾

الَّذِينَ يُؤْتُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ

سوائے ان کے جو ایمان لائے ^(۱) اور نیک عمل کیے اور
بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اپنی مظلومی کے بعد انتقام
لیا، ^(۲) جنہوں نے ظلم کیا ہے وہ بھی ابھی جان لیں گے کہ
کس کدوٹ اٹتے ہیں۔ ^(۳) (۲۷)

سورہ نمل کی ہے اور اس کی ترانہ آیتیں اور
سات رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمائت رحم والا ہے۔

طس یہ آیتیں ہیں قرآن کی (یعنی واضح) اور روشن کتاب
کی۔ (۱)

ہدایت اور خوشخبری ایمان والوں کے لیے۔ (۲)
جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت

(۱) اس سے ان شاعروں کو مستثنیٰ فرما دیا گیا، جن کی شاعری صداقت اور حقائق پر مبنی ہے اور اعتدال ایسے الفاظ سے فرمایا
جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایماندار، عمل صالح پر کاربند اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے شاعر غلط شاعری، جس میں
جھوٹ، غلو اور افراط و تفریط ہو، کر ہی نہیں سکتا۔ یہ ان ہی لوگوں کا کام ہے جو مومنانہ صفات سے عاری ہوں۔

(۲) یعنی ایسے مومن شاعر، ان کافر شعراء کا جواب دیتے ہیں، جس میں انہوں نے مسلمانوں کی جھوٹ (برائی) کی ہو۔ جس
طرح حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، کافروں کی جھوٹ شاعری کا جواب دیا کرتے تھے اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو
فرماتے کہ ”ان (کافروں) کی جھوٹ بیان کرو، جبرائیل علیہ السلام بھی تمہارے ساتھ ہیں۔“ (صحیح بخاری، کتاب بدء
الحدیث، باب ذکر الملائکہ، مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل حسان بن ثابت) اس سے معلوم ہوا
کہ ایسی شاعری جائز ہے جس میں کذب و مبالغہ نہ ہو اور جس کے ذریعے سے مشرکین و کفار اور مبتدعین و اہل باطل کو
جواب دیا جائے اور مسلک حق اور توحید و سنت کا اثبات کیا جائے۔

(۳) یعنی آئی مزحج یز جعون یعنی کون سی جگہ وہ نوٹے ہیں؟ اور وہ جنم ہے۔ اس میں ظالموں کے لیے سخت وعید ہے۔
جس طرح حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے ”تم ظلم سے بچو! اس لیے کہ ظلم قیامت والے دن اندھیروں کا باعث ہو گا۔“

(صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحريم الظلم)

○ نمل چوٹی کو کہتے ہیں۔ اس سورت میں چوٹیوں کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے اس کو سورہ نمل کہا
جاتا ہے۔

هُمْ يُوقِنُونَ ①

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ذُرِّيَّةٌ لَهُمْ أَعْمَالُهُمْ
فَهُمْ يَصْمُومُونَ ②

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْأَرْضِ
هُمْ الْأَقْسَرُونَ ③

وَإِنَّكَ لَتَلَقَّى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ④

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ إِنِّي أَنَا رَسُولُ اللَّهِ فَأَتَيْتُكَ وَفَنِيَا عَنَّا وَآيَتُنَا
بِشَاهِدٍ قَبْلِ لَحْظِكَ تَضَلُّونَ ⑤

فَلَمَّا جَاءَا نَادَوْنِي أَنْ يُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا

پر یقین رکھتے ہیں۔^(۱) (۳)

جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے انہیں ان کے
کرتوت زینت دار کر دکھائے^(۲) ہیں، پس وہ بھٹکتے
پھرتے ہیں۔^(۳) (۴)

یہی لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے اور آخرت میں
بھی وہ سخت نقصان یافتہ ہیں۔ (۵)
بیشک آپ کو اللہ حکیم و علیم کی طرف سے قرآن سکھایا جا
رہا ہے۔ (۶)

(یاد ہو گا) جبکہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے گھروالوں سے
کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے، میں وہاں سے یا تو کوئی خبر
لے کر یا آگ کا کوئی سلکا ہوا انگارا لے کر ابھی تمہارے
پاس آ جاؤں گا تاکہ تم سینک تاپ کر لو۔^(۷) (۷)

جب وہاں پہنچے تو آواز دی گئی کہ باہر کت ہے وہ جو اس آگ

(۱) یہ مضمون متعدد جگہ گزر چکا ہے کہ قرآن کریم ویسے تو پوری نسل انسانی کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے لیکن اس
سے حقیقتاً راہ یاب وہی ہوں گے جو ہدایت کے طالب ہوں گے جو لوگ اپنے دل و دماغ کی کھڑکیوں کو حق کے دیکھنے
اور سننے سے بند یا اپنے دلوں کو گناہوں کی تاریکیوں سے مسح کر لیں گے قرآن انہیں کس طرح سیدھی راہ پر لگا سکتا
ہے؟ ان کی مثال اندھوں کی طرح ہے جو سورج کی روشنی سے فیض یاب نہیں ہو سکتے، دریاں حایکہ سورج کی روشنی
پورے عالم کی درخشانی کا سبب ہے۔

(۲) یہ گنہوں کا وبال اور بدلہ ہے کہ برائیاں ان کو اچھی لگتی ہیں اور آخرت پر عدم ایمان اس کا بنیادی سبب ہے۔ اس
کی نسبت اللہ کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ ہر کام اس کی مشیت سے ہی ہوتا ہے، تاہم اس میں بھی اللہ کا وہی اصول
کار فرما ہے کہ نیکیوں کے لیے نیکی کا راستہ اور بدوں کے لیے بدی کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے۔ لیکن ان دونوں میں سے
کسی ایک راستے کا اختیار کرنا، یہ انسان کے اپنے ارادے پر منحصر ہے۔

(۳) یعنی گمراہی کے جس راستے پر وہ چل رہے ہوتے ہیں اس کی حقیقت سے وہ آشنا نہیں ہوتے اور صحیح راستے کی
طرف رہنمائی نہیں پاتے۔

(۴) یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر واپس آرہے تھے رات کو
اندھیرے میں راستے کا علم نہیں تھا اور سردی سے بچاؤ کے لیے آگ کی ضرورت تھی۔

وَسُبْحَنَ الْمَوْرِثِ الْعَلِيِّ ①

يُمَوِّسِي إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ②

وَالَّذِي عَصَا إِيَّاهُ فَأَنفَعَهُمْ زُرَّكَانًا يَنفَخُ فِيهِمَا مِنْ مَّا فِي مُدْجَرٍ

وَلَمْ يَتَوَقَّعْ يَمُوسَىٰ أَنْ يُغْنِيَهُمَا يَدَايَ

الْمُرْسَلَتَيْنِ ③

وَلَا مَن ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلْ حِسَابَهُ بَشَاءَ لَّئِنِ الْغَفُورُ ذَرِيرٌ ④

میں ہے اور برکت دیا گیا ہے وہ جو اسکے آس پاس ہے ① اور

پاک ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ ② (۸)

موسیٰ! سن بات یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں غالب ③

با حکمت۔ ④ (۹)

تو اپنی لاشی ڈال دے موسیٰ نے جب اسے ہلتا جلتا دیکھا

اس طرح کہ گویا وہ ایک سانپ ہے تو منہ موڑے ہوئے

پینچ پھیر کر بھاگے اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا اے موسیٰ!

خوف نہ کھا، ③ میرے حضور میں پیغمبر ڈرائیں کرتے۔ ④ (۱۰)

لیکن جو لوگ ظلم کریں ⑤ پھر اس کے عوض نیکی کریں اس

برائی کے پیچھے تو میں بھی بخشنے والا مہربان ہوں۔ ⑥ (۱۱)

(۱) دور سے جہاں آگ کے شعلے لپکتے نظر آئے وہیں پہنچے یعنی کوہ طور پر تو دیکھا کہ ایک سرسبز درخت سے آگ کے شعلے بلند

ہو رہے ہیں۔ یہ حقیقت میں آگ نہیں تھی اللہ کا نور تھا جس کی تجلی آگ کی طرح محسوس ہوتی تھی مَنْ فِي النَّارِ مِنْ

سے مراد اللہ تبارک و تعالیٰ اور نار سے مراد اس کا نور ہے اور مَنْ حَوَّلَهَا (اس کے ارد گرد) سے مراد موسیٰ اور فرشتے

حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے حجاب (پر دے) کو نور (روشنی) اور ایک روایت میں نار (آگ) سے تعبیر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا

ہے کہ ”اگر اپنی ذات کو بے نقاب کر دے تو اس کا جلال تمام مخلوقات کو جلا کر رکھ دے۔“ (اصحیح مسلم۔ کتاب

الإيمان باب إن الله لا ينام۔ تفصیل کے لئے دیکھیں فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۵ ص ۳۵۹-۳۶۳)

(۲) یہاں اللہ کی تنزیہ و تقدیس کا مطلب یہ ہے کہ اس ندائے نبی سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اس آگ یا درخت میں اللہ حلول

کئے ہوئے ہے جس طرح کہ بہت سے مشرک سمجھتے ہیں بلکہ یہ مشاہدہ حق کی ایک صورت ہے جس سے نبوت کے آغاز میں

انبیاء عیسم السلام کو بالعموم سرفراز کیا جاتا ہے۔ کبھی فرشتے کے ذریعے سے اور کبھی خود اللہ تعالیٰ اپنی تجلی اور ہرکلی سے جیسے

یہاں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ پیش آیا۔

(۳) درخت سے ندا کا آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے باعث تعجب تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ! تعجب نہ کریں

ہی اللہ ہوں۔

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر عالم الغیب نہیں ہوتے ورنہ موسیٰ علیہ السلام اپنے ہاتھ کی لاشی سے نہ ڈرتے۔

دوسرا طبعی خوف پیغمبر کو بھی لاحق ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بھی بالآخر انسان ہی ہوتے ہیں۔

(۵) یعنی ظالم کو تو خوف ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی گرفت نہ فرمائے۔

(۶) یعنی ظالم کی توبہ بھی قبول کر لیتا ہوں۔

وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ سَيْفًا مِّنْ غَيْرِ يَدَيْهِ
فِي تَمَرَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا
قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿١٤﴾

فَلَمَّا جَاءَهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾

وَحَدَّوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهُمْ أَنَّهُمْ ظُلُمَاءٌ وَّعُلُوًّا فَاَنْظُرْ كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٦﴾

وَلَقَدْ أَتَيْنَا دَاوُدَ سُلَيْمَانَ بِمَا آتَيْنَا آلَ عَادَ فَيَكْتُمُ الَّذِي
فَضَّلْنَا عَلَىٰ آخَرِينَ بِعِلْمِهِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٧﴾

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عِلْمُنَا مَنطِقٌ

اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال 'وہ سفید چمکیلا ہو کر نکلے گا
بغیر کسی عیب کے' (۱۴) تو تو نشانیاں لے کر فرعون اور اس کی
قوم کی طرف جا' (۱۵) یقیناً وہ بد کاروں کا گروہ ہے۔ (۱۶)

پس جب ان کے پاس آنکھیں کھول دینے والے (۱۷)
ہمارے معجزے پہنچے تو وہ کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔ (۱۸)
انہوں نے انکار کر دیا حالانکہ ان کے دس یقین کر چکے تھے
صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر۔ (۱۹) پس دیکھ لیجئے کہ ان فتنہ
پرداز لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہوا۔ (۲۰)

اور ہم نے یقیناً داود اور سلیمان کو علم دے رکھا تھا (۲۱)
اور دونوں نے کہا 'تعریف اس اللہ کے ہے جس نے
ہمیں اپنے بہت سے ایمان دار بندوں پر فضیلت عطا
فرمائی ہے۔ (۲۲)

اور داود کے وارث سلیمان ہوئے' (۲۳) اور کہنے لگے 'وگو! ہمیں

(۱) یعنی بغیر برص وغیرہ کی بیماری کے۔ یہ لامنی کے ساتھ دو سرا معجزہ انہیں دیا گیا۔

(۲) یعنی تسع آیات یعنی یہ دو معجزے ان ۹ نشانوں میں سے ہیں جن کے ذریعے سے میں نے تیری مدد کی ہے۔ انہیں
لے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جا' ان ۹ نشانوں کی تفصیل کے لیے دیکھئے 'سورۃ بنی اسرائیل' آیت ۱۰۱ کا حاشیہ۔

(۳) مُنْصَرَّةً واضح اور روشن یا یہ اسم فاعل مفعول کے معنی میں ہے۔

(۴) یعنی علم کے باوجود جو انہوں نے انکار کیا تو اس کی وجہ ان کا ظلم اور استکبار تھا۔

(۵) سورت کے شروع میں فرمایا گیا تھا کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے سکھایا جاتا ہے اس کی دلیل کے طور پر حضرت
موسیٰ علیہ السلام کا قصہ مختصر بیان فرمایا اور اب دوسری دلیل حضرت داود علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام کا یہ قصہ ہے۔
انبیاء علیہم السلام کے یہ واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔ علم سے
مراد نبوت کے علم کے علاوہ وہ علم ہے جن سے حضرت داود علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو بطور خاص نوازا گیا تھا
جیسے حضرت داود علیہ السلام کو نوہے کی صنعت کا علم اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جانوروں کی بولیوں کا علم عطا کیا گیا
تھا۔ ان دونوں باپ بیٹوں کو اور بھی بہت کچھ عطا کیا گیا تھا لیکن یہاں صرف علم کا ذکر کیا گیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے
کہ علم اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

(۶) اس سے مراد نبوت اور بادشاہت کی وراثت ہے جس کے وارث صرف سلیمان علیہ السلام قرار پائے۔ ورنہ

الْكَبِيرُ وَأَوْفِيَتَانِ كُلِّ شَيْءٍ إِنَّ هَذَا هُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ⑤

وَحُجْرَتَيْنِ جُنُودًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالْكَبِيرُ هُمُ الْمُجْتَنُونَ ⑥

حَتَّىٰ إِذَا اتَّوَعَّلُوا وَالنَّعْمُ قَالَتْ سَلَمَةُ يَا أَيُّهَا النَّفْلُ ادْخُلُوا

مَعَكُمْ لَكُمْ مِطْمَئِنَّةٌ سَلَامٌ وَجُنُودًا وَهُمْ لَا يَسْعُرُونَ ⑦

پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہم سب کچھ میں سے
دیئے گئے ہیں۔^(۲) بیشک یہ بالکل کھلا ہوا فضل الہی ہے۔^(۱۶)

سلیمان کے سامنے ان کے تمام لشکر جنات اور انسان اور
پرند میں سے جمع کیے گئے^(۳) (ہر ہر قسم کی) الگ الگ
درجہ بندی کر دی گئی۔^(۴) (۱۷)

جب وہ چوٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چوٹی نے کہا
اے چوٹیو! اپنے اپنے گھروں میں ٹھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ
پیغمبری میں سلیمان اور اس کا لشکر تمہیں روند ڈالے۔^(۵) (۱۸)

حضرت داود علیہ السلام کے اور بھی بیٹے تھے جو اس وراثت سے محروم رہے۔ ویسے بھی انہی کی وراثت علم میں ہی ہوتی
ہے جو مال و اسباب وہ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ البخاری
کتاب المراءض و مسلم کتاب الجہاد

(۱) بولیاں تو تمام جانوروں کی سکھائی گئی تھیں لیکن پرندوں کا ذکر بطور خاص اس لیے کیا ہے کہ پرندے سائے کے
لے ہر وقت ساتھ رہتے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ صرف پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی تھیں اور چوٹیوں بھی منجملہ
پرندوں کے ہیں۔ (فتح القدیر)

(۲) جس کی ان کو ضرورت تھی جیسے علم نبوت، حکمت، مال، جن و انس اور طیور و حیوانات کی تفسیر وغیرہ۔

(۳) اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس انفرادی خصوصیت و فضیلت کا ذکر ہے جس میں وہ پوری تاریخ انسانیت
میں ممتاز ہیں کہ ان کی عسکرانی صرف انسانوں پر ہی نہیں تھی بلکہ جنات، حیوانات اور چرند و پرند حتیٰ کہ ہوا تک ان کے
ماتحت تھی اس میں کہا گیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے تمام لشکر یعنی جنوں، انسانوں اور پرندوں سب کو جمع کیا گیا۔ یعنی
کہیں جانے کے لیے یہ لاؤ لشکر جمع کیا گیا۔

(۴) یہ ترجمہ (توزیع بمعنی تفریق) کے اعتبار سے ہے۔ یعنی سب کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم (قسم دار) کر دیا جاتا تھا
مثلاً انسانوں، جنوں کا گروہ، پرندوں اور حیوانات کے گروہ۔ وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے معنی اس کے ”پس وہ روکے جایا کرتے
تھے“ یعنی یہ لشکر اتنی بڑی تعداد میں ہوتا تھا کہ راستے میں روک روک کر ان کو درست کیا جاتا تھا کہ شاہی لشکر بد نظمی
اور انتشار کا شکار نہ ہو یہ ذَرَعَ بَرَعَ سے ہے جس کے معنی روکنے کے ہیں۔ اسی مادے میں ہزہ سلب کا اضافہ کر کے
أَوْزَعْنِي بنایا گیا ہے جو اگلی آیت نمبر ۱۹ میں آ رہا ہے یعنی ایسی چیزیں مجھ سے دور فرمادے جو مجھے تیری نعمتوں پر تیرا شکر
کرنے سے روکتی ہیں۔ اس کو اردو میں ہم السلام و توفیق سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ (فتح القدیر، ایسر التفاسیر و ابن کثیر)

(۵) اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حیوانات میں بھی ایک خاص قسم کا شعور موجود ہے۔ گو وہ انسانوں سے بہت کم اور

فَتَمَسَّ ضَرْحًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ ارْزُقْنِي كَآنْ لَّشُكُّو
نِعْمَتِكَ الْكُبْرَىٰ أُنْعِمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَتِي وَلَنْ أَتَمَلَّ ضَالِحًا
تَرْضَاهُ وَأَدْنِي لِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ①

وَتَقَعَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهَدْيَ هَذَا لَمْ يَكُنْ
مِنَ الْفَائِزِينَ ②

لَا عُدَّةَ بَنُو عَدَا بَأْسَ بِيذِ الْأَوَّلَاذِبِ بَعَثَهُ أَزْلَىٰ إِنِّي
بِطَلْطُونِ ③

لَمَكْتُ غَيْرَ يَجِيبُ فَقَالَ أَحَطَّ بِمَا لَمْ تَحْطُ بِهِ

اس کی اس بات سے حضرت سلیمان مسکرا کر ہنس دیئے
اور دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار! تو مجھے توفیق دے کہ
میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر انعام
کی ہیں^(۱) اور میرے ماں باپ پر اور میں ایسے نیک اعمال
کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے مجھے اپنی رحمت سے
نیک بندوں میں شامل کر لے۔^(۲) (۱۹)

آپ نے پرندوں کا جائزہ لیا اور فرمانے لگے یہ کیا بات ہے
کہ میں ہمد کو نہیں دیکھتا؟ کیا واقعی وہ غیر حاضر ہے؟^(۳) (۲۰)
یقیناً میں اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کر ڈالوں گا یا
میرے سامنے کوئی صریح دلیل بیان کرے۔ (۲۱)
کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ آکر اس نے کہا میں ایک
ایسی چیز کی خبر لایا ہوں کہ تجھے اس کی خبر ہی نہیں^(۴) میں

مختلف ہے۔ دوسرا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اتنی عظمت و فضیلت کے باوجود عالم اغیب نہیں تھے اسی لیے
چوٹیوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ کیسے بے خبری میں ہم روئے نہ دیئے جائیں۔ تیسرا یہ کہ حیوانات بھی اسی عقیدہ صحیح سے
برہور تھے اور ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عالم اغیب نہیں۔ جیسا کہ آگے آنے والے ہمد کے واقعے سے بھی اس کی مزید
تائید ہوتی ہے۔ چوتھا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کے علاوہ دیگر جانوروں کی بولیاں بھی سمجھتے تھے۔ یہ علم
بطور اعجاز اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا تھا جس طرح تسخیر جنات وغیرہ اعجازی شان تھی۔

(۱) چوٹی جیسی حقیر مخلوق کی گفتگو سن کر سمجھ لینے سے حضرت سلیمان کے دل میں شکر گزاری کا احساس پیدا ہوا کہ اللہ
نے مجھ پر کتنا انعام فرمایا ہے۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ جنت، مومنوں ہی کا گھر ہے اس میں کوئی بھی اللہ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہو سکے گا۔
اسی لیے حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”سیدھے سیدھے اور حق کے قریب رہو اور یہ بات جان لو کہ کوئی
فحش بھی اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی؟ آپ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہاں“ میں بھی اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا جب تک اللہ کی رحمت مجھے اپنے دامن میں

نہیں ڈھانک لے گی۔“ (صحیح بخاری، المصنوع ۶۳۶۷، مسلم، المصنوع ۴۱۷۷)

(۳) یعنی موجود تو ہے، مجھے نظر نہیں آ رہا یا یہاں موجود ہی نہیں ہے۔

(۴) احاطہ کے معنی ہیں کسی چیز کی بابت مکمل علم اور معرفت حاصل کرنا۔

وَجِئْتَكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ يَكِينٌ ۝

إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ۝

وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّيْطَانِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ

الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ۝

الَّذِينَ يَدْعُونَ لِلَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ثُمَّ يَلُغُونَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

سبا^(۱) کی ایک نچی خبر تیرے پاس لایا ہوں۔ (۲۲)

میں نے دیکھا کہ ان کی بادشاہت ایک عورت کر رہی

ہے^(۲) جسے ہر قسم کی چیز سے کچھ نہ کچھ دیا گیا ہے اور

اس کا تخت بھی بڑی عظمت والا ہے۔ (۲۳)^(۳)

میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر

سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا، شیطان نے ان کے کام

انہیں بھلے کر کے دکھلا کر صحیح راہ سے روک دیا ہے^(۴)

پس وہ ہدایت پر نہیں آتے۔ (۲۴)

کہ اسی اللہ کے لیے سجدے کریں جو^(۵) آسمانوں اور

(۱) سبّا ایک شخص کے نام پر ایک قوم کا نام بھی تھا اور ایک شہر کا بھی۔ یہاں شہر مراد ہے۔ یہ صنعاء (یمن) سے تین دن کے فاصلے پر ہے اور مارب یمن کے نام سے معروف ہے (فتح القدیر)

(۲) یعنی ہمد کے لیے بھی یہ امر باعث تعجب تھا کہ سبا میں ایک عورت حکمران ہے۔ لیکن آج کل کہا جاتا ہے کہ عورتیں بھی ہر معاملے میں مردوں کے برابر ہیں۔ اگر مرد حکمران ہو سکتا ہے تو عورت کیوں نہیں ہو سکتی؟ حالانکہ یہ نظریہ سدھی تعلیمات کے خلاف ہے۔ بعض لوگ ملکہ سبا (بلیقیس) کے اس ذکر سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عورت کی سربراہی جائز ہے۔ حالانکہ قرآن نے ایک واقعے کے طور پر اس کا ذکر کیا ہے، اس سے اس کے جواز یا عدم جواز کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر قرآن و حدیث میں واضح دلائل موجود ہیں۔

(۳) کہا جاتا ہے کہ اس کا طول ۸۰ ہاتھ عرض ۴۰ ہاتھ اور اونچائی ۳۰ ہاتھ تھی اور اس میں موتی، سرخ یا قوت اور سبز زرد جڑے ہوئے تھے، واللہ اعلم۔ (فتح القدیر) ایسے یہ قول مبالغے سے خالی نہیں معلوم ہوتا۔ یمن میں بلیقیس کا جو محل ٹوٹی پھوٹی شکل میں موجود ہے اس میں اتنے بڑے تخت کی گنجائش نہیں۔

(۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پرندوں کو یہ شعور ہے کہ غیب کا علم انہی بھی نہیں جانتے، جیسا کہ ہمد نے حضرت سیمان عدیہ السلام کو کہا کہ میں ایک ایسی اہم خبر لایا ہوں جس سے آپ بھی سبے خبر ہیں، اسی طرح وہ اللہ کی وحدانیت کا احساس و شعور بھی رکھتے ہیں۔ اسی لیے یہاں ہمد نے حیرت و استعجاب کے انداز میں کہا کہ یہ ملکہ اور اس کی قوم اللہ کے بجائے سورج کی پجاری ہے اور شیطان کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ جس نے ان کے لیے سورج کی عبادت کو بھلا کر کے دکھلایا ہوا ہے۔

(۵) اَلَا يَسْتَعِدُّوْا اس کا تعلق بھی دین کے ساتھ ہے۔ یعنی شیطان نے یہ بھی ان کے لیے مزین کر دیا ہے کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں یا اس میں لَا يَهْتَدُوْنَ عامل ہے اور لازماً ہے۔ یعنی ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ سجدہ صرف اللہ

وَيَعْلَمُ مَا تُخْتَفَىٰ وَمَا تُعْلَنُونَ ۝

اِنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَٰذِبِيْنَ ۝

يَذْهَبُ يَكْتُمُ هٰذَا اَقَالُوْهُ اَيُّهُمْ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ۝

قَالَتْ يَا اَيُّهَا الْمَلٰٓئِكَةُ اِنِّي الْغَيَّ اِلَىٰ كَيْدٍ كَرِيْمٍ ۝

اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّكَ بِمَعْرِفَةِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلَا تَقْلُوْا عَلٰٓى وَاَتٰتِيْكَ مُّسَيِّبٰتٌ ۝

زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو باہر نکالتا ہے^(۱) اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو وہ سب کچھ جانتا ہے۔ (۲۵)



اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہی عظمت والے عرش کا مالک ہے۔ (۲۶)

سلیمان^(۲) نے کہا اب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا

ہے یا تو جھوٹا ہے۔ (۲۷)

میرے اس خط کو لے جا کر انہیں دے دے پھر ان کے پاس سے ہٹ آ اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔^(۳) (۲۸)

وہ کہنے لگی اے سردارو! میری طرف ایک با وقعت خط ڈالا گیا ہے۔ (۲۹)

جو سلیمان کی طرف سے ہے اور جو بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع ہے۔ (۳۰)

یہ کہ تم میرے سامنے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس آ جاؤ۔^(۳) (۳۱)

کو کریں۔ (فتح القدیر)

(۱) یعنی آسمان سے بارش برساتا اور زمین سے اس کی مخفی چیزیں نباتات، معدنیات اور دیگر زمینی خزانے ظاہر فرماتا اور نکالتا ہے۔ تحت: مصدر ہے مفعول منخبوۃ (چھپی ہوئی چیز) کے معنی ہیں۔

(۲) مالک تو اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چیز کا ہے لیکن یہاں صرف عرش عظیم کا ذکر کیا ایک تو اس لیے کہ عرش اسی کائنات کی سب سے بڑی چیز اور سب سے برتر ہے۔ دوسرے یہ واضح کرنے کے لیے کہ ملکہ سبا کا تخت شاہی بھی گو بہت بڑا ہے لیکن اسے اس عرش عظیم سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق مستوی ہے۔ ہد ہد نے چونکہ توحید کا وعظ اور شرک کا رد کیا ہے اور اللہ کی عظمت و شان کو بیان کیا ہے اس لیے حدیث میں آتا ہے ”چار جانوروں کو قتل مت کرو۔ چوئی، شہد کی مکھی، ہد ہد اور مرد یعنی لورا“۔ (مسند احمد ۳۲۲/۱ ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی قتل الدود و اس ماجہ، کتاب الصيد، باب ما یسعی عن قتلہ) مرد (لورا) اس کا سر بڑا پیٹ سفید اور پیٹہ سبز ہوتی ہے یہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کو شکار کرتا ہے (حاشیہ ابن کثیر)

(۳) یعنی ایک جانب ہٹ کر چھپ جا اور دیکھ کہ وہ آپس میں کیا گفتگو کرتے ہیں۔

(۴) جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بادشاہوں کو خطوط لکھے تھے جن میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت

خَوَّيْمًا اَتَمَّكَ اِلَ اللّٰهُ يَهْدِيْكَ تَرٰحُوْنَ ۝

اَرْجُوْهُ اِلَيْهِمْ فَلَنَايِتَهُمْ يَجْزُوْا لَا قَبْلَ لَهُمْ بِهَا وَلَخَّرَ حَتُّهُ

مِنْهَا اِذْ لَآ وَهُمْ صَعِيْرُوْنَ ۝

قَالَ يَا اَيُّهَا الْمَلٰٓئِكَةُ اِنِّيْ بَعُوْثَهَا قَبْلَ اَنْ يَّاتُوْنِيْ
مُسْلِمِيْنَ ۝

قَالَ عِزِّيْٓ مَنْ اِجْمَعْنَ اَنَّا لَنَكُنَّ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمُوْا مِنْ
مَّقَامِكُمْ ذٰلِكَ عَلَيْنَا لَقُوْنِيْ اٰمِيْنَ ۝

رب نے اس سے سمت بہتر دے رکھا ہے جو اس نے تمہیں
دیا ہے پس تم ہی اپنے تجھے سے خوش رہو۔^(۱) (۳۶)
جا ان کی طرف واپس لوٹ جا،^(۲) ہم ان (کے مقابلہ) پر
وہ لشکر لائیں گے جنکے سامنے پڑنے کی ان میں طاقت
نہیں اور ہم انہیں ذلیل و پست کر کے وہاں سے نکال باہر
کریں گے۔^(۳) (۳۷)

آپ نے فرمایا اے سردارو! تم میں سے کوئی ہے جو انکے
مسلمان ہو کر پہنچنے سے پہلے ہی اس کا تخت مجھے روے۔^(۴) (۳۸)
ایک قوی ہیکل جن کئے لگا آپ اپنی اس مجلس سے^(۵)
انہیں اس سے پہلے ہی پہلے میں اے آپ کے پاس لا
دیتا^(۶) ہوں، یقین مائے کہ میں اس پر قادر ہوں اور

کیا اضافہ کر سکتے ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔

(۱) یہ بطور توجیح کے کہا کہ تم ہی اس ہدیے پر فخر کرو اور خوش ہو، میں تو اس سے خوش ہونے سے رہا، اس لیے کہ ایک
تو دنیا میرا مقصود ہی نہیں ہے۔ دوسرے اللہ نے مجھے وہ کچھ دیا ہے جو پورے جہان میں کسی کو نہیں دیا۔ تیسرے مجھے
نبوت سے بھی سرفراز کیا گیا ہے۔

(۲) یہاں صیغہ واحد سے مخاطب کیا، جب کہ اس سے قبل صیغہ جمع سے خطاب کیا تھا۔ کیونکہ خطاب میں بھی پوری
جماعت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کبھی امیر کو۔

(۳) حضرت سلیمان علیہ السلام نے بادشاہ ہی نہیں تھے اللہ کے پیغمبر بھی تھے۔ اس لیے ان کی طرف سے تو لوگوں کو
ذلیل و خوار کیا جانا ممکن نہیں تھا، لیکن جنگ و قتال کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کیونکہ جنگ نام ہی کشت و خون اور امیری کا ہے
اور ذلت و خواری سے یہی مراد ہے، ورنہ اللہ کے پیغمبر لوگوں کو خواہ مخواہ ذلیل و خوار نہیں کرتے۔ جس طرح نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل اور اسوۂ حسنہ جنگوں کے موقع پر رہا۔

(۴) حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس جواب سے ملکہ نے اندازہ لگالیا کہ وہ سلیمان علیہ السلام کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔
چنانچہ انہوں نے مطیع و منقاد ہو کر آنے کی تیاری شروع کر دی۔ سلیمان علیہ السلام کو بھی انکی آمد کی اطلاع مل گئی تو آپ نے
انہیں مزید اپنی اعجازی شان دکھانے کا پروگرام بنایا اور انکے پہنچنے سے قبل ہی اس کا تخت شاہی اپنے پاس منگوانے کا بندوبست کیا۔

(۵) اس سے وہ مجلس مراد ہے جو مقدمات کی سماعت کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام صبح سے نصف النہار تک منعقد فرماتے تھے۔

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ وہ یقیناً ایک جن ہی تھا جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مقابلے میں غیر معمولی قوتوں سے

ہوں بھی امانت دار۔^(۳۹)

جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بول اٹھا کہ آپ پلک جھپکائیں اس سے بھی پہلے میں اسے آپ کے پاس پہنچ سکتا ہوں۔^(۴۰) جب آپ نے اسے اپنے پاس موجود پایا تو فرمانے لگے یہی میرے رب کا فضل ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری، شکر گزار اپنے ہی نفع کے لیے شکر گزاری کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار (بے پروا اور بزرگ) غنی اور کریم ہے۔^(۴۱)

حکم دیا کہ اس کے تخت میں کچھ پھیر بدل کر^(۴۲) دو تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ راہ پالیتی ہے یا ان میں سے ہوتی

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَشْكُرَ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنِّي أَكْثُرُ لَهُ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ﴿۴۱﴾

قَالَ يَتْلُوا لَهَا آيَاتِهَا أَنْ نَبْصُرَ أَفْعَتِي أَمْ نَكُنُ

نوازا ہے۔ کیونکہ کسی انسان کے لیے چاہے وہ کتنا ہی زور آور ہو، یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ بیت المقدس سے تائب یمن (سبا) جائے اور پھر وہاں سے تخت شاہی اٹھا لائے۔ اور ڈیڑھ ہزار میل کا یہ فاصلہ جسے دو طرفہ شمار کیا جائے تو تین ہزار میل بنتا ہے، ۳۳ گھنٹے میں طے کر لے۔ ایک طاقت ور سے طاقت ور انسان بھی اول تو اتنے بڑے تخت کو اٹھا ہی نہیں سکتا اور اگر وہ مختلف لوگوں یا چیزوں کا سارا لے کر اٹھوا بھی لے تو اتنی قلیل مدت میں اتنا سفر کیوں کر ممکن ہے۔

(۱) یعنی میں اسے اٹھا کر لا بھی سکتا ہوں اور اس کی کسی چیز میں ہیرا پھیری بھی نہیں کروں گا۔

(۲) یہ کون شخص تھا جس نے یہ کہا؟ یہ کتاب کون سی تھی؟ اور یہ علم کیا تھا؟ جس کے زور پر یہ دعویٰ کیا گیا؟ اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ان تینوں کی پوری حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہاں قرآن کریم کے الفاظ سے جو معلوم ہوتا ہے وہ اتنا ہی ہے کہ وہ کوئی انسان ہی تھا، جس کے پاس کتاب الہی کا علم تھا، اللہ تعالیٰ نے کرامت اور اعجاز کے طور پر اسے یہ قدرت دے دی کہ پلک جھپکتے میں وہ تخت لے آیا۔ کرامت اور معجزہ نام ہی ایسے کاموں کا ہے جو ظاہری اسباب اور امور عادیہ کے یکسر خلاف ہوں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس لیے نہ شخص قوت قابل تعجب ہے اور نہ اس علم کے سراغ لگانے کی ضرورت، جس کا ذکر یہاں ہے۔ کیونکہ یہ تو اس شخص کا تعارف ہے جس کے ذریعے سے یہ کام ظاہری طور پر انجام پایا، ورنہ حقیقت میں تو یہ مشیت الہی ہی کی کار فرمائی ہے جو چشم زدن میں 'جو چاہے' کر سکتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے، اس لیے جب انہوں نے دیکھا کہ تخت موجود ہے تو اسے فضل ربی سے تعبیر کیا۔

(۳) یعنی اس کے رنگ روپ یا وضع و ہیئت میں تبدیلی کر دو۔

مِنَ الَّذِينَ لَا يَعْتَدُونَ ⑤

فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عَصَيْتُمْ قَالَتْ كَافَّةً
هُوَ وَأُوتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ⑥

وَصَدَّ هَٰذَا مَا كَانَتْ تُعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ
مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ⑦

قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً
وَكَتَفَتْ عَنْ سَاقِيهَا قَالَتْ إِنَّهُ صَرْحٌ مُتَوَدِّعٌ مِّنْ قَوَارِيرَ

ہے جو راہ نہیں پاتے۔^(۱) (۳۱)

پھر جب وہ آگئی تو اس سے کہا (دریافت کیا) گیا کہ ایسا ہی
تیرا (بھی) تخت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ گویا وہی
ہے،^(۲) ہمیں اس سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا اور ہم
مسلمان تھے۔^(۳) (۳۲)

اسے انہوں نے روک رکھا تھا جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش
کرتی رہی تھی یقیناً وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔^(۴) (۳۳)
اس سے کہا گیا کہ محل میں چلی چلو، جسے دیکھ کر یہ سمجھ کر کہ
یہ حوض ہے اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں،^(۵) فرمایا یہ تو

(۱) یعنی وہ اس بات سے آگاہ ہوتی ہے کہ یہ تخت اسی کا ہے یا اس کو سمجھ نہیں پاتی؟ دوسرا مطلب ہے کہ وہ راہ ہدایت
پاتی ہے یا نہیں؟ یعنی اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی اس پر راہ ہدایت واضح ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) رد و بدل سے چونکہ اس کی وضع و ہیئت میں کچھ تبدیلی آگئی تھی اس لیے اس نے صاف الفاظ میں اس کے اپنے
ہونے کا اقرار بھی نہیں کیا اور رد و بدل کے باوجود انسان پھر بھی اپنی چیز کو پہچان ہی لیتا ہے اس لیے اپنے ہونے کی نفی
بھی نہیں کی۔ اور یہ کہا ”یہ گویا وہی ہے“ اس میں اقرار ہے نہ نفی۔ بلکہ نہایت محتاط جواب ہے۔

(۳) یعنی یہاں آنے سے قبل ہی ہم سمجھ گئے تھے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور آپ کے مطیع و منقاد ہو گئے تھے۔ لیکن
امام ابن کثیر و شوکانی و غیرہ نے اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول قرار دیا ہے کہ ہمیں پہلے ہی یہ علم دے دیا گیا تھا کہ
ملکہ سبا تابع فرمان ہو کر حاضر خدمت ہوگی۔

(۴) یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور صَدَّ هَٰذَا کا قائل مَا كَانَتْ تُعْبُدُ ہے یعنی اسے اللہ کی عبادت سے جس چیز نے روک
رکھا تھا وہ غیر اللہ کی عبادت تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا تعلق ایک کافر قوم سے تھا اس لیے توحید کی حقیقت
سے بے خبر رہی بعض نے صَدَّ هَٰذَا کا قائل اللہ کو اور بعض نے سلیمان علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔ یعنی اللہ نے یا اللہ کے
حکم سے سلیمان علیہ السلام نے اسے غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے (فتح القدیر)

(۵) یہ محل شیشے کا بنا ہوا تھا جس کا صحن اور فرش بھی شیشے کا تھا۔ لُجَّةً مگرے پانی یا حوض کو کہتے ہیں حضرت سلیمان علیہ
السلام نے اپنی نبوت کے اعجازی مظاہر دکھانے کے بعد مناسب سمجھا کہ اسے اپنی اس دنیوی شان و شوکت کی بھی ایک
جھلک دکھا دی جائے جس میں اللہ نے انہیں تاریخ انسانیت میں ممتاز کیا تھا۔ چنانچہ اس محل میں داخل ہونے کا حکم دیا
گیا جب وہ داخل ہونے لگی تو اس نے اپنے پانچے چڑھالیے۔ شیشے کا فرش اسے پانی معلوم ہوا جس سے اپنے کپڑوں کو
پچانے کے لیے اس نے کپڑے سمیٹ لیے۔

قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاسْلُمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ يَلُوحِ رَبِّي الْعَالَمِينَ ﴿١٩﴾

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ شُعُوبٍ مِّنْ قَبْلِهَا مِثْلَ مَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَآدَمَ وَلِإِبْرَاهِيمَ وَاسْمَاعِيلَ ؕ إِنَّا جَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسٍ ۚ فَلَا يَتَذَكَّرُونَ اللَّهَ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٠﴾

قَالَ يٰٓأَيُّهَا الْمَلَأَ الْأَعْيُنَ وَالْيَدِيْنَ قَبْلَ الْاِحْسَانِ ؕ لَوْلَا تَتَذَكَّرُونَ ۚ اللَّهُ لَعَلَّكُمْ تَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾

قَالُوا أَكْثَرُ نَارٍ يَدْعُونَ مَعَهُ قُلُوبُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ

شیشے سے منڈھی ہوئی عمارت ہے، کہنے لگی میرے پروردگار! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرمانبردار بنتی ہوں۔ (۱۹)

یقیناً ہم نے شعوب کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو پھر بھی وہ دو فریق بن کر آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔ (۲۰)

آپ نے فرمایا اے میری قوم کے لوگو! تم نیکی سے پہلے برائی کی جلدی کیوں مچا رہے (۲۱) ہو؟ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کیوں نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (۲۲)

وہ کہنے لگے ہم تو تیری اور تیرے ساتھیوں کی بد شگونیاں لے رہے (۲۳) ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہاری بد شگونیاں اللہ کے ہاں (۲۴)

(۱) یعنی جب اس پر فرش کی حقیقت واضح ہوئی تو اپنی کوتاہی اور غلطی کا بھی احساس ہو گیا اور اعتراف قصور کرتے ہوئے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ صاف چکنے گھڑے ہوئے پتھروں کو شمرنا کما جاتا ہے۔ اسی سے امر دہے جو اس خوش شکل بچے کو کہا جاتا ہے جس کے چہرے پر ابھی داڑھی مونچھ نہ ہو۔ جس درخت پر پتے نہ ہوں اسے شجرہ مرداء کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) لیکن یہاں یہ تعبیر یا جزاؤ کے معنی میں ہے۔ یعنی شیشوں کا بنا ہوا یا جڑا ہوا محل۔

ملحوظہ ملکہ سبا (ملقیس) کے مسلمان ہونے کے بعد کیا ہوا؟ قرآن میں یا کسی صحیح حدیث میں اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ تفسیری روایات میں یہ ضرور ملتا ہے کہ ان کا باہم نکاح ہو گیا تھا۔ لیکن جب قرآن و حدیث اس صراحت سے خاموش ہیں تو اس کی بابت خاموشی ہی بہتر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(۲) ان سے مراد کافر اور مؤمن ہیں 'جھگڑنے کا مطلب ہر فریق کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ حق پر ہے۔

(۳) یعنی ایمان قبول کرنے کے بجائے 'تم کفری پر کیوں اصرار کر رہے ہو' جو عذاب کا باعث ہے۔ علاوہ ازیں اپنے عناد و سرکشی کی وجہ سے کہتے بھی تھے کہ ہم پر عذاب لے آ جس کے جواب میں حضرت صالح علیہ السلام نے یہ کہا

(۴) اَطْيَرْنَا اصل میں تَطَيَّرْنَا ہے۔ اس کی اصل طیر (اڑنا) ہے۔ عرب جب کسی کام کا یا سفر کا ارادہ کرتے تو پرندے کو اڑاتے اگر وہ دائیں جانب اڑتا تو اسے نیک شگون سمجھتے اور وہ کام کر گزرتے یا سفر پر روانہ ہو جاتے اور اگر بائیں جانب اڑتا تو اسے بد شگون سمجھتے اور اس کام یا سفر سے رک جاتے (فتح القدیر) اسلام میں یہ شگونی اور نیک شگونی جائز نہیں ہے البتہ نقول جائز ہے۔

(۵) یعنی اہل ایمان نحوست کا باعث نہیں ہیں جیسا کہ تم سمجھتے ہو بلکہ اس کا اصل سبب اللہ ہی کے پاس ہے، کیونکہ قضا

بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّتَعَدِّلُونَ ﴿۴۷﴾

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ شَعْبٌ يُّهَيِّضُونَ فِي الْأَرْضِ

وَلَا يُضِلُّونَ ﴿۴۸﴾

قَالُوا اتَّقُوا اللَّهَ يَا لَكُمْ لَهْفًا مِّنْهُ وَهُنَّ لَكُمْ قُلُوبٌ لَا حِجَابَ

لَهُنَّ يَهْدِي اللَّهُ أُمَّهَاتُهُنَّ وَأَهْلَهُنَّ لَتَعْلَمْنَ لَوْلَا

وَمَكْرُؤًا مَّكْرًا وَمَكْرُؤًا مَّكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۴۹﴾

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْرِهِمْ إِنَّا كَادَتْ لَمُرْسَلُ

وَقَوْمُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۵۰﴾

ہے، بلکہ تم فتنے میں پڑے ہوئے لوگ ہو۔ ﴿۴۷﴾

اس شہر میں نو سردار تھے جو زمین میں فساد پھیلاتے رہتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ ﴿۴۸﴾

انہوں نے آپس میں بڑی قسمیں کھا کھا کر عہد کیا کہ رات ہی کو صالح اور اس کے گھروالوں پر ہم چھاپہ ماریں گے، ﴿۴۹﴾ اور اس کے وارثوں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم اس کے اہل کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں۔ ﴿۵۰﴾

انہوں نے مکر (خفیہ تدبیر) کیا ﴿۴۹﴾ اور ہم نے بھی ﴿۵۱﴾ اور وہ اسے سمجھتے ہی نہ تھے۔ ﴿۵۰﴾

(اب) دیکھ لے ان کے مکر کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ کہ ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سب کو غارت کر دیا۔ ﴿۵۱﴾

و تقدیر اسی کے اختیار میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں جو نحوست (خطہ وغیرہ) پہنچی ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کا سبب تمہارا کفر ہے (فتح القدیر)

(۱) یا گمراہی میں ڈھیل دے کر تمہیں آزمایا جا رہا ہے۔

(۲) یعنی صالح علیہ السلام کو اور اس کے گھروالوں کو قتل کر دیں گے، یہ قسمیں انہوں نے اس وقت کھائیں، جب اونٹنی کے قتل کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے کہا کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آجائے گا۔ انہوں نے کہا کہ عذاب کے آنے سے قبل ہی ہم صالح علیہ السلام اور ان کے گھروالوں کا صفایا کر دیں۔

(۳) یعنی ہم قتل کے وقت وہاں موجود نہ تھے نہ ہمیں اس بات کا علم ہے کہ کون انہیں قتل کر گیا ہے۔

(۴) ان کا کمریسی تھا کہ انہوں نے باہم حلف اٹھایا کہ رات کی تاریکی میں اس منصوبہ قتل کو بروئے کار لائیں اور تین دن پورے ہونے سے پہلے ہی ہم صالح علیہ السلام اور ان کے گھروالوں کو ٹھکانے لگا دیں۔

(۵) یعنی ہم نے ان کی اس سازش کا بدلہ دیا اور انہیں ہلاک کر دیا۔ اسے بھی مَکْرُؤًا سے مشابہت کے طور پر تعبیر کیا گیا ہے۔

(۶) اللہ کی اس تدبیر (مکر) کو سمجھتے ہی نہ تھے۔

(۷) یعنی ہم نے مذکورہ سرداروں کو ہی نہیں، بلکہ ان کی قوم کو بھی مکمل طور پر ہلاک کر دیا۔ کیونکہ وہ قوم ہلاکت کے اصل

قَوْلِكَ بِمَوْتِهِمْ خَاوِيَةً يُنَظَّمُونَ فِي ذَلِكَ الْآيَةِ
لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۵۲﴾

وَأَنبَيَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَنَفَّسُونَ ﴿۵۳﴾

وَلَوْ طَإِذُ قَتَالٍ لِّقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ
وَأَنْتُمْ تَبْصُرُونَ ﴿۵۴﴾

أَيُنَظَّمُ لَكُمْ لَمَّا تَوَلَّوْا الْيَحْجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النَّسَاءِ بَلْ
أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۵۵﴾

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُو آلَ
لُوطٍ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَنطَهَرُونَ ﴿۵۶﴾

فَأَنبَحِينَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ فَخَذَّرْنَاهَا مِنَ الْغَيْبِينَ ﴿۵۷﴾

یہ ہیں ان کے مکانات جو ان کے ظلم کی وجہ سے اجڑے
پڑے ہیں، جو لوگ ظلم رکھتے ہیں ان کے لیے اس میں
بڑی نشانی ہے۔ (۵۲)

ہم نے ان کو جو ایمان لائے تھے اور پرہیزگار تھے ہال بال
بچالیا۔ (۵۳)

اور لوط کا (ذکر کر) جبکہ ^(۱) اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا باوجود
دیکھنے بھالنے کے پھر بھی تم بدکاری کر رہے ہو؟ ^(۲) (۵۴)

یہ کیا بات ہے کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس
شہوت سے آتے ہو؟ ^(۳) حق یہ ہے کہ تم بڑی ہی نادانی
کر رہے ہو۔ ^(۴) (۵۵)

قوم کا جواب: بجز اس کہنے کے اور کچھ نہ تھا کہ آں بوط کو اپنے
شر سے شہد رکرو ئیہ تو بڑے پاکیزہ ہیں۔ ^(۵) (۵۶)

پس ہم نے اسے اور اس کے اہل کو بجز اس کی بیوی کے
سب کو بچالیا، اس کا اندازہ تو باقی رہ جانے والوں میں ہم
لگائی چکے تھے۔ ^(۶) (۵۷)

سبب کفر و جود میں مکمل طور پر ان کے ساتھ شریک تھی اور مگر بالفعل ان کے منصوبہ قتل میں شریک نہ ہو سکی تھی۔ کیونکہ یہ
منصوبہ خفیہ تھا۔ لیکن ان کی غشا اور دلی آرزو کے عین مطابق تھا اس لیے وہ بھی گویا اس مکر میں شریک تھی جو ۱۹ افراد نے حضرت
صلی علیہ السلام اور ان کے اہل کے خلاف تیار کیا تھا۔ اس لیے پوری قوم ہی ہلاکت کی مستحق قرار پائی۔

(۱) یعنی لوط علیہ السلام کا قصہ یاد کرو، جب لوط علیہ السلام نے کہا یہ قوم عموریہ اور سدوم بتیوں میں رہائش پذیر تھی۔

(۲) یعنی یہ جاننے کے باوجود کہ یہ بے حیائی کا کام ہے۔ یہ بصارت قلب ہے۔ اور اگر بصارت ظاہری یعنی آنکھوں سے دیکھنا مراد
ہو تو معنی ہوں گے کہ نظروں کے سامنے یہ کام کرتے ہو یعنی تمہاری سرکشی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ چھپنے کا تکلف بھی نہیں کرتے ہو۔

(۳) یہ تکرار تو بیخ کے لیے ہے کہ یہ بے حیائی وہی لواطت ہے جو تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے غیر طبعی شہوت رانی
کے طور پر کرتے ہو۔

(۴) یا اس کی حرمت سے یا اس معصیت کی سزا سے تم بے خبر ہو۔ ورنہ شاید یہ کام نہ کرتے۔

(۵) یہ بطور طنز اور استہزا کے کہا۔

(۶) یعنی پہلے ہی اس کی بابت یہ اندازہ یعنی تقدیر الہی میں تھا کہ وہ انہی پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی جو عذاب سے

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۵۸﴾

قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ ۚ وَاللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُخِيرُ لَكُمْ ﴿۵۹﴾

اور ان پر ایک (خاص قسم کی) بارش برسا دی،^(۱) پس ان دھمکائے ہوئے لوگوں پر بری بارش ہوئی۔^(۲) (۵۸)
تو کہہ دے کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہے۔^(۳) کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ لوگ شریک ٹھہرا رہے ہیں۔^(۴) (۵۹)

دو چار ہوں گے۔

(۱) ان پر جو عذاب آیا، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ ان کی بستیوں کو ان پر الٹ دیا گیا اور اس کے بعد ان پر تہ کنگر پتھروں کی بارش ہوئی۔

(۲) یعنی جنہیں پیغمبروں کے ذریعے سے ڈرایا گیا اور ان پر جنت قائم کر دی گئی۔ لیکن وہ تکذیب و انکار سے باز نہیں آئے

(۳) جن کو اللہ نے رسالت اور بندوں کی رہنمائی کے لیے چنا تاکہ لوگ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔

(۴) یہ استہمام تقریری ہے۔ یعنی اللہ ہی کی عبادت بہتر ہے کیونکہ جب خالق، رازق اور مالک وہی ہے تو عبادت کا مستحق کوئی دوسرا کیوں کر ہو سکتا ہے؟ جو نہ کسی چیز کا خالق ہے نہ رازق اور مالک خیر اگرچہ تفضیل کا صیغہ ہے لیکن یہاں تفضیل کے معنی میں نہیں ہے، مطلق بہتر کے معنی میں ہے، اس لیے کہ معبودان باطلہ میں تو سرے سے کوئی خیر ہی نہیں۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَآءً فَاَنْبَتْنَا بِهِ حَبَّآلٍ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَذُوْ بَلَدٍ لَّعَلَّكُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۰﴾

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَافًا اَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَّ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَذُوْ

بھلا بتاؤ تو؟ کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے آسمان سے بارش برسائی؟ پھر اس سے ہرے بھرے باروتی باغات اگا دیے؟ ان باغوں کے درختوں کو تم ہرگز نہ اگا سکتے، کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ ^(۲۰) بلکہ یہ لوگ ہٹ جاتے ہیں ^(۲۱) (سیدھی راہ سے) (۶۰)

کیا وہ جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا ^(۲۲) اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں اور اس کے لیے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان روک بنادی ^(۲۳) کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر

(۱) یہاں سے پچھلے حصے کی تشریح اور اس کے دلائل دیئے جا رہے ہیں کہ وہی اللہ پیدا کن، رزق اور تدبیر وغیرہ میں منفرد ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ فرمایا آسمانوں کو اتنی بلندی اور خوبصورتی کے ساتھ بنانے والا، ان میں درختوں کو اکب، روشن ستارے اور گردش کرنے والے افلاک بنانے والا۔ اسی طرح زمین اور اس میں پہاڑ، نہریں، چشے، سمندر، اشجار، کھیتیں اور انواع و اقسام کے طیور و حیوانات وغیرہ پیدا کرنے والا اور آسمان سے بارش برسا کر اس کے ذریعے سے باروتی باغات اگانے والا کون ہے؟ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو زمین سے درخت ہی اگا کر دکھا دے؟ ان سب کے جواب میں مشرکین بھی کہتے اور اعتراف کرتے تھے کہ یہ سب کچھ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، جیسا کہ قرآن میں دوسرے مقام پر ہے۔ (مثلاً سورۃ العنکبوت- ۶۳)

(۲) یعنی ان سب حقیقتوں کے باوجود کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی ہستی ایسی ہے جو عبادت کے لائق ہو؟ یا جس نے ان میں سے کسی چیز کو پیدا کیا ہو؟ یعنی کوئی ایسا نہیں جس نے کچھ بنایا ہو یا عبادت کے لائق ہو۔ اس کا ان آیت میں منسوم یہ ہے کہ کیا وہ ذات جو ان تمام چیزوں کو بنانے والی ہے، اس شخص کی طرح ہے جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہیں؟ (ابن کثیر)

(۳) اس کا دوسرا ترجمہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کا ہمسرا اور نظیر ٹھہراتے ہیں۔

(۴) یعنی ساکن اور ثابت، نہ ہلتی ہے نہ ڈھلتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین پر رہنا ممکن ہی نہ ہوتا، زمین پر بڑے بڑے پہاڑ بنانے کا مقصد بھی زمین کو حرکت کرنے سے اور ڈھلنے سے روکنا ہی ہے۔

(۵) اس کی تشریح کے لیے دیکھیں سورۃ الفرقان ۵۳ کا حاشیہ۔

بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاكَ وَيَكْشِفُ السُّوءَ

وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ مَرَلَةً مَّعَ الْمَوْتِ

قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾

أَمَّنْ يُعَذِّبُكُمْ فِي ظُلُمَاتِ اللَّيْلِ وَالْبُحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ

الرِّيحَ بَشِيرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۖ مَرَلَةً مَّعَ الْمَوْتِ

تَعْلَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٣﴾

أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۖ وَسَنُيَرِّقُكُمْ مِنَ

السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ مَرَلَةً مَّعَ الْمَوْتِ ۚ هَٰذَا نُبَيِّرُهُ لَكُمْ

کچھ جانتے ہی نہیں۔ (۶۱)

بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے

تختی کو دور کر دیتا ہے؟ ^(۱) اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا

ہے، ^(۲) کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود ہے؟ تم بہت کم

نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہو۔ (۶۲)

کیا وہ جو تمہیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا

ہے ^(۳) اور جو اپنی رحمت سے پہلے ہی خوشخبریوں دینے

والی ہوا میں چلاتا ہے، ^(۴) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور

معبود بھی ہے جنہیں یہ شریک کرتے ہیں ان سب سے

اللہ بلند و بالا تر ہے۔ (۶۳)

کیا وہ جو مخلوق کی اول دفعہ پیدائش کرتا ہے پھر اسے

لوٹائے گا ^(۵) اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزیوں

دے رہا ہے، ^(۶) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے کہ

(۱) یعنی وہی اللہ ہے جسے شہائد کے وقت پکارا جاتا اور مصیبتوں کے وقت جس سے امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں مضطر؟

(لاچار) اس کی طرف رجوع کرتا اور برائی کو وہی دور کرتا ہے۔ مزید ملاحظہ ہو۔ سورۃ الاسراء، ۶۷، سورۃ النمل، ۵۳۔

(۲) یعنی ایک امت کے بعد دوسری امت، ایک قوم کے بعد دوسری قوم اور ایک نسل کے بعد دوسری نسل پیدا کرتا

ہے۔ ورنہ اگر وہ سب کو ایک ہی وقت میں وجود بخش دیتا تو زمین بھی تنگ دامانی کا شکوہ کرتی، اکتب معیشت میں بھی

دشواریاں پیدا ہوتیں اور یہ سب ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں ہی مصروف و سرگرداں رہتے۔ یعنی یکے بعد دیگرے

انسانوں کو پیدا کرنا اور ایک کو دوسرے کا جانشین بنانا، یہ بھی اس کی کمال مہربانی ہے۔

(۳) یعنی آسمانوں پر ستاروں کو درخشانی عطا کرنے والا کون ہے؟ جن سے تم تاریکیوں میں راہ پتے ہو۔ پہاڑوں اور

وادیوں کا پیدا کرنے والا کون ہے جو ایک دوسرے کے لیے سرحدوں کا کام بھی دیتے ہیں اور راستوں کی نشاندہی کا بھی

(۴) یعنی بارش سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں، جو بارش کی پیامبری نہیں ہوتیں، بلکہ ان سے خشک سال کے مارے ہوئے

لوگوں میں خوشی کی لہر بھی دوڑ جاتی ہے۔

(۵) یعنی قیامت والے دن تمہیں دوبارہ زندگی عطا فرمائے گا۔

(۶) یعنی آسمان سے بارش نازل فرما کر، زمین سے اس کے مخفی خزانے (غلہ جات اور میوے) پیدا فرماتا ہے اور یوں

لَٰنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۷۰﴾

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ
وَمَا يَشْعُرُوْنَ اِلَّا اَنۡ اَنۡزِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ سَآءِلًا

بَلٰى ذٰلِكَ عَلَمُهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ ۚ بَلٰى هُمْ فِى شَكٍّ

دیتے کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔ (۶۳)

کہہ دیجئے کہ آسمانوں والوں میں سے زمین والوں میں
سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا^(۱) انہیں تو یہ
بھی نہیں معلوم کہ کب اٹھا کھڑے کیے جائیں
گے؟ (۶۵)

بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم ختم ہو چکا ہے،^(۲)

آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

(۱) یعنی جس طرح مذکورہ معاملات میں اللہ تعالیٰ متفرد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح غیب کے علم میں بھی وہ
متفرد ہے۔ اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔ نبیوں اور رسولوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ وحی و اسام کے
ذریعے سے انہیں بتا دیتا ہے اور جو علم کسی کے بتلانے سے حاصل ہو، اس کے عالم کو عالم الغیب نہیں کہہ جاتا۔ عالم
اغیب تو وہ ہے جو بغیر کسی واسطے اور ذریعے کے ذاتی طور پر ہر چیز کا علم رکھے، ہر حقیقت سے باخبر ہو اور عقلی سے عقلی چیز
بھی اس کے دائرہ علم سے باہر نہ ہو۔ یہ صفت صرف اور صرف اللہ کی ہے اس لیے صرف وہی عالم الغیب ہے۔ اس کے
سوا کائنات میں کوئی عالم الغیب نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم آئندہ کل کو پیش آنے والے حالات کا علم رکھتے ہیں، اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا اس لیے کہ وہ تو فرما رہا
ہے کہ ”آسمان و زمین میں غیب کا علم صرف اللہ کو ہے“۔ (صحیح بخاری نمبر ۳۸۵۵، صحیح مسلم نمبر ۲۸۷۷،
الترمذی نمبر ۳۰۶۸) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستارے تین مقصد کے لیے بنائے ہیں۔ آسمان کی
زینت، رہنمائی کا ذریعہ اور شیطان کو سنسار کرنا۔ لیکن اللہ کے احکام سے بے خبر لوگوں نے ان سے غیب کا علم حاصل
کرنے (کمانت) کا ڈھونگ رچا یا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں جو فلاں فلاں ستارے کے وقت نکاح کرے گا تو یہ یہ ہو گا فلاں فلاں
ستارے کے وقت سفر کرے گا تو ایسا ایسا ہو گا فلاں فلاں ستارے کے وقت پیدا ہو گا تو ایسا ایسا ہو گا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب
ڈھکوسلے ہیں۔ ان کے قیامت کے خلاف اکثر ہوتا رہتا ہے۔ ستاروں، پرندوں اور جانوروں سے غیب کا علم کس طرح
حاصل ہو سکتا ہے؟ جب کہ اللہ کا فیصلہ تو یہ ہے کہ آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی ان کا علم آخرت کے وقوع کا وقت جاننے سے عاجز ہے۔ یا ان کا علم آخرت کے بارے میں برابر ہے جیسے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے استفسار پر فرمایا تھا کہ ”قیامت کے بارے میں مسئول عنہا (نبی
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) بھی سائل (حضرت جبرائیل علیہ السلام) سے زیادہ علم نہیں رکھتے“ یا یہ معنی ہیں کہ ان کا علم
کم ہو گیا، اس لیے کہ انہوں نے قیامت کے بارے میں کیے گئے وعدوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، گو یہ علم اب ان
کے لیے نافع نہیں ہے کیونکہ دنیا میں وہ اسے بھٹاتے رہے تھے جیسے فرمایا: اَسْمِعُوْهُمْ يَوْمَآيَوْمَ يَكُوْنُ الْظُلْمُ

فَمِنْهَا بَلَّ طَعْمُهَا عَمُونَ ﴿٦٠﴾

وَقَالَ الْكَافِرُونَ كَمْ مَرُوءٍ إِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاءُ وَنَا أَيْمَنَّا
لَهُمْ جُودٌ ﴿٦١﴾

لَقَدْ وَعَدْنَا هَٰذَا نَحْنُ وَآبَاءُ وَنَا مِنْ قَبْلُ إِنَّ هَٰذَا
إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٢﴾

قُلْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٦٣﴾

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ ﴿٦٤﴾

وَيَقُولُونَ مَتَى هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٥﴾

قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ رَدْفٌ لَكُمْ بَعْضُ
الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٦٦﴾

وَأَنَّ زَيْدَ لَكَ وَفَضْلٌ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ
الَّذِينَ هُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦٧﴾

بلکہ یہ اس کی طرف سے شک میں ہیں۔ بلکہ یہ اس سے
اندھے ہیں۔^(۱) (۶۱)

کافروں نے کہا کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور
ہمارے باپ دادا بھی کیا ہم پھر نکالے جائیں گے۔ (۶۲)

ہم اور ہمارے باپ دادا کو بہت پہلے سے یہ وعدہ
دیے جاتے رہے۔ کچھ نہیں یہ تو صرف اگلوں کے
افسانے ہیں۔^(۲) (۶۸)

کہہ دیجئے کہ زمین میں چل پھر کر ذرا دیکھو تو سہی کہ
گنہگاروں کا کیا انجام ہوا؟^(۳) (۶۹)

آپ ان کے بارے میں غم نہ کریں اور ان کے داؤں
گھات سے تنگ دل نہ ہوں۔ (۷۰)

کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہے اگر سچے ہو تو بتا دو۔ (۷۱)

جواب دیجئے؟ کہ شاید بعض وہ چیزیں جن کی تم جلدی پکا
رہے ہو تم سے بہت ہی قریب ہو گئی ہوں۔^(۴) (۷۲)

یقیناً آپ کا پروردگار تمام لوگوں پر بڑے ہی فضل والا ہے
لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔^(۵) (۷۳)

الْيَوْمَ مَنَ ظَلَمَ يَظْلِمِينَ ﴿سورة مريم ۳۸﴾

(۱) یعنی دنیا میں آخرت کے بارے میں شک میں ہیں بلکہ اندھے ہیں کہ اختلاف عقل و بصیرت کی وجہ سے آخرت پر
یقین سے محروم ہیں۔

(۲) جیسی اس میں حقیقت کوئی نہیں، بس ایک دوسرے سے سن کر یہ کہتے چلے آ رہے ہیں

(۳) یہ ان کافروں کے قوس کا جواب ہے کہ پچھلی قوموں کو دیکھو کہ کیا ان پر اللہ کا عذاب نہیں آیا؟ جو پیغمبروں کی
صداقت کی دلیل ہے۔ اسی طرح قیامت اور اس کی زندگی کے بارے میں بھی ہمارے رسوں جو کہتے ہیں یقیناً سچ ہے۔

(۴) اس سے مراد جنگ بدر کا وہ عذاب ہے جو قتل اور اسیری کی شکل میں کافروں کو پہنچایا یا عذاب قبر ہے رَدْفِ قَرَب
کے معنی میں ہے، جیسے سواری کی عقبی نشست پر بیٹھنے والے کو ردیف کہا جاتا ہے۔

(۵) یعنی عذاب میں تاخیر یہ بھی اللہ کے فضل و کرم کا ایک حصہ ہے، لیکن لوگ پھر بھی اس سے اعراض کر کے ناشکری

وَاِنْ رَبُّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۵۰﴾

وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿۵۱﴾

اِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَفُضُّ عَلَىٰ بَنِي اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِي تُمْرُوْنَ بِهٖ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

وَاِنَّهُ لَهْدٰى وَرَحْمَةً لِّمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيٰ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۵۴﴾

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ﴿۵۵﴾

بیشک آپ کا رب ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جنہیں ان کے سینے چھپا رہے ہیں اور جنہیں ظاہر کر رہے ہیں۔ (۷۴)

آسمان و زمین کی کوئی پوشیدہ چیز بھی ایسی نہیں جو روشن اور کھلی کتاب میں نہ ہو۔ (۷۵)

یقیناً یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے ان اکثر چیزوں کا بیان کر رہا ہے جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔ (۷۶)

اور یہ قرآن ایمان والوں کے لیے یقیناً ہدایت اور رحمت ہے۔ (۷۷)

آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے سب فیصلے کر دے گا، (۷۸) وہ بڑا ہی غالب اور دانا ہے۔

پس آپ یقیناً اللہ ہی پر بھروسہ رکھیے 'یقیناً آپ سچے اور مکملے دین پر ہیں۔' (۷۹)

کرتے ہیں۔

(۱) اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔ ان ہی غائب چیزوں میں اس عذاب کا علم بھی ہے جس کے لیے یہ کفار جلدی مچتے ہیں۔ لیکن اس کا وقت بھی اللہ نے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے جسے صرف وہی جانتا ہے اور جب وہ وقت آجاتا ہے جو اس نے کسی قوم کی تباہی کے لیے لکھ رکھا ہوتا ہے تو پھر اسے تباہ کر دیتا ہے۔ یہ مقررہ وقت آنے سے پہلے جلدی کیوں کرتے ہیں؟

(۲) اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ان کے عقائد بھی ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنقیص اور توہین کرتے تھے اور عیسائی ان کی شان میں غلو۔ حتیٰ کہ انہیں اللہ یا اللہ کا بیٹا قرار دے دیا۔ قرآن کریم نے ان کے حوالے سے ایسی باتیں بیان فرمائیں جن سے حق واضح ہو جاتا ہے اور اگر وہ قرآن کے بیان کردہ حقائق کو مان لیں تو ان کے عقائد کی اختلافات ختم اور ان کا تفرق و انتشار کم ہو سکتا ہے۔

(۳) مومنوں کا اختصار اس لیے کہ وہی قرآن سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ انہی میں وہ بنی اسرائیل بھی ہیں جو ایمان لے آئے تھے۔

(۴) یعنی قیامت میں ان کے اختلافات کا فیصلہ کر کے حق کو باطل سے ممتاز کر دے گا اور اس کے مطابق جزا و سزا کا اہتمام فرمائے گا یا انہوں نے اپنی کتابوں میں جو تحریفات کی ہیں دنیا میں ہی ان کا پردہ چاک کر کے ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔

(۵) یعنی اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر دیں اور اسی پر اعتماد کریں، وہی آپ کا مددگار ہے۔ ایک تو اس لیے کہ آپ دین حق پر

إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تَسْمِعُ الْقُبُورَ الذُّعَارَ إِذَا
وَكُنَّا مُذْبِرِينَ ۝

وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعَقِيِّ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ إِنْ تَسْمِعُ إِلَّا
مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ۝

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ
الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا

بیشک آپ نہ مردوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ بہروں کو اپنی
پکار سنا سکتے ہیں^(۱)، جبکہ وہ پیٹھ پھیرے روگرداں جا رہے
ہوں۔^(۲) (۸۰)

اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہٹا کر رہنمائی کر سکتے
ہیں^(۳) آپ تو صرف انہیں سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر
ایمان لائے ہیں پھر وہ فرما تہر دار ہو جاتے ہیں۔ (۸۱)

جب ان کے اوپر عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے گا^(۴)، ہم
زمین سے ان کے لیے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے
باتیں کرتا ہوگا^(۵)، لہٰذا لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں

ہیں، دوسری وجہ آگے آ رہی ہے۔

(۱) یہ ان کافروں کی پروا نہ کرنے اور صرف اللہ پر بھروسہ رکھنے کی دوسری وجہ ہے کہ یہ لوگ مردہ ہیں جو کسی کی بات سن کر
فائدہ نہیں اٹھا سکتے یا بہرے ہیں جو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں اور نہ راہِ یاب ہونے والے ہیں۔ گویا کافروں کو مردوں سے تشبیہ دی
جن میں حس ہوتی ہے نہ عقل اور بہروں سے، جو وعظ و نصیحت سنتے ہیں نہ دعوت الی اللہ قبول کرتے ہیں۔

(۲) یعنی وہ حق سے مکمل طور پر گریزاں اور متنفر ہیں کیونکہ بہرہ آوری و ردِ رو بھی کوئی بات نہیں سن پاتا، چہ جائیکہ اس
وقت سن سکے جب وہ منہ موڑ لے اور پیٹھ پھیرے ہوئے ہو۔ قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سماع
موتی کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔ مردے کسی کی بات نہیں سن سکتے۔ البتہ اس سے صرف وہ صورتیں مستثنیٰ ہوں گی
جہاں سماعت کی صراحت کسی نص سے ثابت ہوگی۔ جیسے حدیث میں آتا ہے کہ مردے کو جب دفن کروائیں جاتے ہیں تو
وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے (صحیح بخاری نمبر ۲۳۸، صحیح مسلم نمبر ۲۲۰) یا جنگِ بدر میں کافر
مقتولین کو جو قلبِ بدر میں پھینک دیئے گئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا، جس پر صحابہ نے کہا ”آپ
ﷺ بے روح جسموں سے گفتگو فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تم سے زیادہ میری بات سن رہے ہیں۔ یعنی
مجازاً نہ طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات مردہ کافروں کو سنوا دی (صحیح بخاری نمبر ۲۳۰۷)

(۳) یعنی جن کو اللہ تعالیٰ حق سے اندھا کر دے، آپ ان کی اس طرح رہنمائی نہیں فرما سکتے جو انہیں مطلوب یعنی ایمان
تک پہنچا دے۔

(۴) یعنی جب نیکی کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا نہیں رہ جائے گا۔

(۵) یہ داہہ وہی ہے جو قربِ قیامت کی علامات میں سے ہے جیسا کہ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَا يُؤَقِّنُونَ ﴿۵﴾

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا يَمُتُنْ

يُكَذِّبُ بَيِّنَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۶﴾

حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ أَلْكَابُكُم بِالْبَيِّنَاتِ وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا

عَلَيْهَا أَمَّا دَانُكُمْ فَمَمَّنُّونَ ﴿۷﴾

وَوَقَّعَ الْقَوْلَ عَلَيْهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۸﴾

الْمُذَبِّحِينَ إِذَا جَعَلْنَا الْبَيْتَ لِمَنْ نَشَاءُ مِنْكُمْ حَرَامًا

کرتے تھے۔^(۱) (۸۲)

اور جس دن ہم ہر امت میں سے ان لوگوں کے گروہ کو
جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے گھیر گھار کر لائیں گے پھر
وہ سب کے سب الگ کر دیئے جائیں گے۔^(۲) (۸۳)

جب سب کے سب آپہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ
تم نے میری آیتوں کو باوجودیکہ تمہیں ان کا پورا علم نہ
تھا کیوں جھٹلایا؟^(۳) اور یہ بھی بتلاؤ کہ تم کیا کچھ کرتے
رہے؟^(۴) (۸۴)

بسبب اس کے کہ انہوں نے ظلم کیا تھا ان پر بات جم
جائے گی اور وہ کچھ بول نہ سکیں گے۔^(۵) (۸۵)

کیا وہ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ ہم نے رات کو اس لیے

”قیمت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو“ ان میں ایک جانور کا نکلنا ہے۔ صحیح مسلم کتاب المعصر باب فی الآيات النبی لکون قبل الساعة والسنن دو سری روایت میں ہے ”سب سے پہلی نشانی جو ظاہر ہوگی“ وہ ہے سورج کا مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت جانور کا نکلنا۔ ان دونوں میں سے جو پہلے ظاہر ہوگی“ دو سری اس کے فوراً بعد ہی ظاہر ہو جائے گی صحیح مسلم باب فی معراج الدجال ومکشفہ فی الارض

(۱) یہ جانور کے نکلنے کی علت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی یہ نشانی اس لیے دکھلائے گا کہ لوگ اللہ کی نشانیوں یا آیتوں (احکام) پر یقین نہیں رکھتے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جملہ وہ جانور اپنی زبان سے ادا کرے گا۔ تاہم اس جانور کے لوگوں سے کلام کرنے میں تو کوئی شک نہیں کیونکہ قرآن نے اس کی صراحت کی ہے۔

(۲) یا قسم قسم کر دیئے جائیں گے۔ یعنی زانیوں کا نولہ، شریوں کا نولہ وغیرہ۔ یا یہ معنی ہیں کہ ان کو روکا جائے گا۔ یعنی ان کو ادھر ادھر اور آگے پیچھے ہونے سے روکا جائے گا اور سب کو ترتیب وار لا کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(۳) یعنی تم نے میری توحید اور دعوت کے دلائل سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور اس کے بغیر ہی میری آیتوں کو جھٹلتے رہے

(۴) کہ جس کی وجہ سے تمہیں میری باتوں پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔

(۵) یعنی ان کے پاس کوئی عذر نہیں ہوگا کہ جسے وہ پیش کر سکیں۔ یا قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے بولنے کی قدرت سے ہی محروم ہوں گے اور بعض کے نزدیک یہ اس وقت کی کیفیت کا بیان ہے جب ان کے مومنوں پر مرگادی جائے گی۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتُنَزَّلُ مِنَ فِي السَّمَوَاتِ

وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ

وَلِكُلِّ أَتَوَكَّ ذَخِيرَتٌ ۝

وَتَرَى الْجِبَالَ تَصْهَبًا جَابِدَةً وَهِيَ تَمُزَّجُ

السَّحَابَ ضُفْرًا اللَّهُ الَّذِي أَنْشَأَ كُلَّ شَيْءٍ ۝

خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ۝

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُوَ مِنَ قَرَرٍ

بنایا ہے کہ وہ اس میں آرام حاصل کر لیں اور دن کو ہم

نے دکھلانے والا بنایا ہے،^(۱) یقیناً اس میں ان لوگوں کے

لیے نشانیاں ہیں جو ایمان و یقین رکھتے ہیں۔ (۸۶)

جس دن صور پھونکا جائے گا تو سب کے سب آسمانوں

والے اور زمین والے گھبرا اٹھیں گے^(۲) مگر جسے اللہ

تعالیٰ چاہے^(۳) اور سارے کے سارے عاجز و پست ہو

کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔ (۸۷)

اور آپ پہاڑوں کو دیکھ کر اپنی جگہ جے ہوئے خیال کرتے

ہیں لیکن وہ بھی بادل کی طرح اڑتے پھریں گے^(۴) یہ ہے

صنعت اللہ کی جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے^(۵) جو کچھ تم

کرتے ہو اس سے وہ باخبر ہے۔ (۸۸)

جو لوگ نیک عمل لائیں گے انہیں اس سے بہتر بدلہ

ملے گا اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے بے خوف ہوں

(۱) تاکہ وہ اس میں کسب معاش کے لیے دوڑ دھوپ کر سکیں۔

(۲) صور سے مراد وہی قرن ہے جس میں اسرائیل علیہ السلام اللہ کے حکم سے پھونک ماریں گے۔ یہ نغفے دو یا دو سے

زیادہ ہوں گے۔ پسے نغفے (پھونک) میں ساری دنیا گھبرا کر بے ہوش اور دوسرے نغفے میں موت سے ہلکتا ہو جائے گی۔

تیسرے نغفے میں سب لوگ قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور بعض کے نزدیک ایک اور چوتھا نغفہ ہو گا

جس سے سب لوگ میدان محشر میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ یہاں کون سا نغفہ مراد ہے؟ امام ابن کثیر کے نزدیک یہ پہلا نغفہ

اور امام شوکانی کے نزدیک تیسرا نغفہ ہے جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے۔

(۳) یہ مستثنیٰ لوگ کون ہوں گے۔ بعض کے نزدیک انبیاء و شہداء، بعض کے نزدیک فرشتے اور بعض کے نزدیک سب اہل

ایمان ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ تمام مذکورین ہی اس میں شامل ہوں کیونکہ اہل ایمان حقیقی گھبراہٹ

سے محفوظ ہوں گے (جیسا کہ آگے آ رہا ہے)

(۴) یہ قیامت والے دن ہو گا کہ پہاڑ اپنی جگہوں پر نہیں رہیں گے بلکہ بادلوں کی طرح چلیں گے اور اڑیں گے۔

(۵) یعنی یہ اللہ کی عظیم قدرت سے ہو گا جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے۔ لیکن وہ ان مضبوط چیزوں کو بھی روٹی کے

گالوں کی طرح کر دینے پر قادر ہے۔

يَوْمَئِذٍ لَّيْسَ لَهُ

وَمَنْ جَاءَ يَأْتِيَنَّهُ فَبِئْسَ مَا كَانَتْ يَوْمَئِذٍ لَّيْسَ لَهُ

يَوْمَئِذٍ لَّيْسَ لَهُ إِلَّا مَا كَانَتْ تَعْمَلُونَ ①

إِنَّمَا أَمْرُهُ أَنْ تَعْبُدُوا رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدِ ۚ الْكَافِرُ يَصْعَدُ الْهَلَكَةَ

كُلُّ شَيْءٍ ذَابَّ وَانْفُتَّتْ أَلْأَوَّلُ مِنَ الْبَلَدِ ②

وَأَنْ أَمْلَأُوا الْقُرْآنَ فَمَنْ أَهْتَدَىٰ وَآمَنَ فَهُوَ مِنْكُمْ يُدْعَىٰ

وَمَنْ هَلَكَ فَأَمْلَأُوا الْقُرْآنَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ③

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا وَمَا رَبُّكَ

گے۔ (۸۹)

اور جو برائی لے کر آئیں گے وہ اوندمے منہ آگ میں
جھونک دیئے جائیں گے۔ صرف وہی بدلہ دیئے جاؤ گے

جو تم کرتے رہے۔ (۹۰)

مجھے تو بس یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شر کے پروردگار
کی عبادت کرتا رہوں جس نے اسے حرمت والا بنایا
ہے۔ (۹۱) جس کی ملکیت ہر چیز ہے اور مجھے یہ بھی فرمایا گیا
ہے کہ میں فرماں برداروں میں ہو جاؤں۔ (۹۲)اور میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں جو راہ راست پر
آجائے وہ اپنے نفع کے لیے راہ راست پر آئے گا۔ اور
جو ہلک جائے تو کہہ دیجئے! کہ میں تو صرف ہوشیار
کرنے والوں میں سے ہوں۔ (۹۳)کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں (۹۴) وہ
عنقریب اپنی نشانیاں دکھائے گا جنہیں تم (خود) پہچان س
گے۔ (۹۵) اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے آپ کا رب

(۱) یعنی حقیقی اور بڑی گھبراہٹ سے وہ محفوظ ہوں گے۔ ﴿لَا تَحْزَنْهُمْ الْقُرْءَانُ الْكَبِيرُ﴾ (الأنبياء ۱۰۳)

(۲) اس سے مراد کہ شر ہے اس کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا ہے کہ اسی میں خانہ کعبہ ہے اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سب سے زیادہ محبوب تھا۔ ”حرمت والا“ کا مطلب ہے اس میں خون ریزی کرنا، ظلم کرنا، شکار کرنا، درخت کاٹنا حتیٰ کہ کاٹنا توڑنا بھی منع ہے۔ (بخاری کتاب الجائز، مسلم کتاب الحج باب تحريم مكة وصيدها والسفن)

(۳) یعنی میرا کام صرف تبلیغ ہے۔ میری دعوت و تبلیغ سے جو مسلمان ہو جائے گا اس میں اسی کا فائدہ ہے کہ اللہ کے عذاب سے بچ جائے گا اور جو میری دعوت کو نہیں مانے گا تو میرا کیا؟ اللہ تعالیٰ خود ہی اس سے حساب لے لے گا اور اسے جہنم کے عذاب کا مزہ چکھائے گا۔

(۴) کہ جو کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک حجت قائم نہیں کر دیتا۔

(۵) دوسرے مقام پر فرمایا ﴿سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا﴾ (سورة حنم المسجد ۵۳)

يَعَاذِلْ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۵﴾

غافل نہیں۔^(۱) (۵۳)

سُورَةُ الْقَصَصِ

سورہ قصص کی ہے اور اس میں اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں۔

يَسْأَلُكَ اللَّهُ التَّوْحِيدَ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طَسَّرَ ۝ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ﴿۶﴾

مضم۔ (۱) یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔ (۲)

تَتْلُو عَلَيْكَ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَتَرْغَبُونَ بِالْخَيْرِ
لِقَوْمِهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۷﴾ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کا صحیح واقعہ بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔^(۳) (۳)إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا
يَسْتَضِيعُ ظِلْمَهُ فَمِنْهُمْ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَهُوَ يُكَذِّبُیقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی^(۴) اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا^(۵) اور ان میں سے ایک فرقہ کو کمزور کر رکھا تھا^(۶) اور ان کے لڑکوں کو توزیع کر ڈالا تھا^(۷) اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔

”ہم انہیں آفاق دانس میں اپنی نشانیاں دکھلائیں گے تاکہ ان پر حق واضح ہو جائے۔“ اگر زندگی میں یہ نشانیاں دیکھ کر ایمان نہیں لاتے تو موت کے وقت تو ان نشانوں کو دیکھ کر ضرور پہچان لیتے ہیں۔ لیکن اس وقت کی معرفت کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی اس لیے کہ اس وقت ایمان مقبول نہیں۔

(۱) بلکہ ہر چیز کو وہ دیکھ رہا ہے۔ اس میں کافروں کے لیے تہیب شدید اور تہدید عظیم ہے۔

(۲) یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں کیونکہ وحی الہی کے بغیر صدیوں قبل کے واقعات بالکل اس طریقے سے بیان کر دینا جس طرح وہ پیش آئے ناممکن ہے۔ تاہم اس کے باوجود اس سے فائدہ اہل ایمان ہی کو ہو گا کیونکہ وہی آپ کی باتوں کی تصدیق کریں گے۔

(۳) یعنی ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا تھا اور اپنے کو بڑا معبود کہلاتا تھا۔

(۴) جن کے ڈسے الگ الگ کام اور ڈیوٹیاں تھیں۔

(۵) اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں جو اس وقت کی افضل ترین قوم تھی لیکن ابتلا و آزمائش کے طور پر فرعون کی غلامی اور اس کی ستم رانیوں کا سختہ مشق بنی ہوئی تھی۔

(۶) جس کی وجہ بعض نجومیوں کی یہ پیش گوئی تھی کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ایک بچے کے ہاتھوں فرعون کی

فَسَاءَ مَثَلًا لِّكَانَ مِنَ الْمُمِرِّينَ ①

وَيُرِيدُ أَنْ يَمْلِكَ الْكَافِرِينَ اسْتَضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ
وَنَجَعَلَهُمْ آيَةً ۖ وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ②

وَنُكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَيُرَىٰ فَرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُودَهُمَا
مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَعِدُونَ ③

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَإِذَا اخْضَعُ عَلَيْهِ
فَالْيَتِيمَ فِي الْيَمَةِ وَلَا تَخَافِ ۖ وَلَا تَحْزَنِ ۖ إِنَّا نَرْزُقُكَ الْيَمِينَ

بیشک و شبہ وہ تھا ہی مقصدوں میں سے۔ (۴)

پھر ہماری چاہت ہوئی کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں
زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا، اور ہم انہیں کو پیشوا
اور (زمین) کا وارث بنائیں۔ (۵)

اور یہ بھی کہ ہم انہیں زمین میں قدرت و اختیار
دیں (۶) اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ
دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے ہیں۔ (۷)

ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی ماں کو وحی کی کہ اسے دودھ
پلاتی رہ اور جب تجھے اس کی نسبت کوئی خوف معلوم ہو تو

ہدایت اور اس کی سلطنت کا خاتمہ ہو گا۔ جس کا حل اس نے یہ نکالا کہ ہر پیدا ہونے والا اسرائیلی بچہ قتل کر دیا جائے۔
حالانکہ اس امر نے یہ نہیں سوچا کہ اگر کاہن سچا ہے تو ایسا یقیناً ہو کر رہے گا چاہے وہ بچے قتل کروانا رہے۔ اور اگر وہ
مجھوتا ہے تو قتل کروانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ (فتح القدیر) بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے
یہ نو خبری منتقل ہوتی چلی آ رہی تھی کہ ان کی نسل سے ایک بچہ ہو گا جس کے ہاتھوں سلطنت مصر کی تباہی ہو گی۔
قبیلوں نے یہ بشارت بنی اسرائیل سے سنی اور فرعون کو اس سے آگاہ کر دیا جس پر اس نے بنی اسرائیل کے بچوں کو
مردانا شروع کر دیا۔ (ابن کثیر)

(۱) چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کمزور اور غلام قوم کو مشرق و مغرب کا وارث (مالک و حکمران) بنا دیا
(الأعراف ۱۳۷) نیز انہیں دین کا پیشوا اور امام بھی بنا دیا۔

(۲) یہاں زمین سے مراد ارض شام ہے جہاں وہ کنعانیوں کی زمین کے وارث بنے کیونکہ مصر سے نکلنے کے بعد بنی
اسرائیل مصر واپس نہیں گئے، وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

(۳) یعنی انہیں جو اندیشہ تھا کہ ایک اسرائیلی کے ہاتھوں فرعون کی اور اس کے ملک و لشکر کی تباہی ہو گی، ان کے اس
اندیشے کو ہم نے حقیقت کر دکھایا۔

(۴) وحی سے مراد یہاں دس میں بات ڈالنا ہے، وہ وحی نہیں ہے، جو انبیاء پر فرشتے کے ذریعے سے نازل کی جاتی تھی اور
اگر فرشتے کے ذریعے سے بھی آئی ہو، تب بھی اس ایک وحی سے ام موسیٰ علیہ السلام کا نبی ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ
فرشتے بعض دفعہ عام انسانوں کے پاس بھی آ جاتے ہیں۔ جیسے حدیث میں اقرع، ابرص اور امی کے پاس فرشتوں کا آنا
ثابت ہے (متفق علیہ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء)

وَجَاعِلُوهُمِ الْمُرْسَلِينَ ۝

اسے دریا میں بہا دینا اور کوئی ڈر خوف یا رنج غم نہ کرنا،^(۱) ہم یقیناً اسے تیری طرف بٹانے والے ہیں^(۲) اور اسے اپنے پیغمبروں میں بٹانے والے ہیں۔ (۷)

فَالنَّظْمُ الْاِلٰ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۝ اِنْ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوْا خٰطِیْبِيْنَ ۝

آخر فرعون کے لوگوں نے اس بچے کو اٹھالیا^(۳) کہ آخر کار یہی بچہ ان کا دشمن ہوا اور ان کے رنج کا باعث بنا،^(۴) کچھ شک نہیں کہ فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تھے ہی خطاکار۔^(۵) (۸)

وَقَالَتْ اَسْرٰتُ فِرْعَوْنَ قُوَّتٌ عَیْنٌ لِّیْ وَكَذٰلِكَ لَا تَعْمَلُوْا لٰہِ عَنٰی اَنْ یَنْفَعَنَا اَوْ نَضُرَّہٗ وَكَذٰلٰ

اور فرعون کی بیوی نے کہا یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو،^(۶) بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں

(۱) یعنی دریا میں ڈوب جانے یا ضائع ہو جانے سے نہ ڈرنا اور اس کی جدائی کا غم نہ کرنا۔

(۲) جیسی ایسے طریقے سے کہ جس سے اس کی نجات یقینی ہو، کہتے ہیں کہ جب قتل اولاد کا یہ سلسلہ زیادہ ہوا تو فرعون کی قوم کو خضرہ لاحق ہوا کہ کہیں بنی اسرائیل کی نسل ہی ختم نہ ہو جائے اور پھر مشقت والے کام ہمیں نہ کرنے پڑیں۔ اس اندیشے کا ذکر انہوں نے فرعون سے کیا، جس پر نیا حکم جاری کر دیا گیا کہ ایک سال بچے قتل کئے اور ایک سہ چھوڑ دیئے جائیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس میں بچے قتل نہیں کیے جاتے تھے، جب کہ موسیٰ علیہ السلام قتل والے سال میں پیدا ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا سر و سامان اس طرح پیدا فرمایا کہ ایک تو ان کی والدہ پر حمل کے آثار اس طرح ظاہر نہیں فرمائے، جس سے وہ فرعون کی چھوڑی ہوئی دانیوں کی نگاہ میں آجائیں۔ اس لیے ولادت کا مرحلہ تو خاموشی کے ساتھ ہو گیا اور یہ واقعہ حکومت کے منصوبہ بندوں کے علم میں نہیں آیا، لیکن ولادت کے بعد قتل کا اندیشہ موجود تھا، جس کا حل خود اللہ تعالیٰ نے وحی و القا کے ذریعے سے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو سمجھا دیا چنانچہ انہوں نے اسے تابوت میں لٹا کر دریائے نیل میں ڈال دیا۔ (ابن کثیر)

(۳) یہ تابوت بتا رہا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا، جو لب دریا ہی تھا اور وہاں فرعون کے نوکروں چاکروں نے پکڑ کر باہر نکال لیا۔

(۴) یہ م عاقبت کے لیے ہے۔ یعنی انہوں نے تو اسے اپنا بچہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنا کر لیا تھا نہ کہ دشمن سمجھ کر۔ لیکن انجام ان کے اس فعل کا یہ ہوا کہ وہ ان کا دشمن اور رنج و غم کا باعث ثابت ہوا۔

(۵) یہ ماقبل کی تفصیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے لیے دشمن کیوں ثابت ہوئے؟ اس لیے کہ وہ سب اللہ کے نافرمان اور خطاکار تھے، اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان کے پروردہ کو ہی ان کی ہلاکت کا ذریعہ بنا دیا۔

(۶) یہ اس وقت کہا جب تابوت میں ایک حسین و جمیل بچہ انہوں نے دیکھا۔ بعض کے نزدیک یہ اس وقت کا قوس ہے

وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ⑤

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فِرْعَاوْنَ كَأَدَّىٰ لَتَمِيذِي بِهِ
لَوْلَا أَن رَّبَّنَا عَلَّ قُلُوبَنَا لَاسْكُوتُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ⑥

وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ ذَبَحْتُهُ عَنْ جَنْبٍ وَهُمْ
لَا يَشْعُرُونَ ⑦

وَحَرَمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِن قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ
أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَصِبُونَ ⑧

کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنی بیٹی بنائیں^(۱) اور یہ سوگ
شعور ہی نہ رکھتے تھے۔^(۲) (۹)

موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا،^(۳)
قریب تھیں کہ اس واقعہ کو بالکل ظاہر کر دیتیں اگر ہم
ان کے دل کو ڈھارس نہ دے دیتے یہ اس لیے کہ وہ
یقین کرنے والوں میں رہے۔^(۴) (۱۰)

موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ نے اس کی بہن^(۵) سے کہا
کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا تو وہ اسے دور ہی دور سے
دیکھتی رہی^(۶) اور فرعونوں کو اس کا علم بھی نہ ہوا۔ (۱۱)

ان کے پہنچنے سے پہلے ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) پر
دایوں کا دودھ حرام کر دیا تھا۔^(۷) یہ کہنے لگی کہ کیا میں
تمہیں^(۸) ایسا گھرانہ بتاؤں جو اس بچہ کی تمہارے لیے

جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی کے بال نوچ لیے تھے تو فرعون نے ان کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ (ایسر
التغیر) جمع کا صیغہ یا تو اکیلے فرعون کے لیے بطور تعظیم کے کہا یا ممکن ہے وہاں اس کے کچھ درباری موجود رہے ہوں۔
(۱) کیوں کہ فرعون اولاد سے محروم تھا۔

(۲) کہ یہ بچہ جسے وہ اپنا بچہ بنا رہے ہیں یہ تو وہی بچہ ہے جس کو مارنے کے لیے سینکڑوں بچوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا ہے۔
(۳) یعنی ان کا دس ہر چیز اور فکر سے فارغ (خلل) ہو گیا اور ایک ہی فکر یعنی موسیٰ علیہ السلام کا غم دل میں سا گیا جس کو
اردو میں بے قراری سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۴) یعنی شدت غم سے یہ ظاہر کر دیتیں کہ یہ ان کا بچہ ہے لیکن اللہ نے ان کے دل کو مضبوط کر دیا جس پر انہوں نے
صبر کیا اور یقین کر لیا کہ اللہ نے اس موسیٰ علیہ السلام کو بخیریت واپس لوٹانے کا جو وعدہ کیا ہے وہ پورا ہو گا۔

(۵) خواہر موسیٰ علیہ السلام کا نام مریم بنت عمران تھا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بنت عمران تھیں۔
نام اور ولدیت دونوں میں اتحاد تھا۔

(۶) چنانچہ وہ دریا کے کنارے کنارے دیکھتی رہی تھی حتیٰ کہ اس نے دیکھ لیا کہ اس کا بھائی فرعون کے محل میں چلا گیا ہے۔

(۷) یعنی ہم نے اپنی قدرت اور نیکوئی حکم کے ذریعے سے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ماں کے علاوہ کسی اور انا کا دودھ پینے
سے منع کر دیا چنانچہ بسیر کو شش کے باوجود کوئی انا انہیں دودھ پلانے اور چپ کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

(۸) یہ سب منظران کی ہمشیرہ خاموشی کے ساتھ دیکھ رہی تھیں بالآخر بول پڑیں کہ میں تمہیں ”ایسا گھرانہ بتاؤں جو اس

قَوَدُّنَهُ إِلَىٰ اٰیَتِهِ مَن تَعَزَّيْنَهَا وَلَا تَعَزَّوْنَ وَلَتَعْلَمَنَّ
اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

وَلَقَدْ بَلَّغْنَا الشَّعَرَ وَسَوَّيْنَا اٰیٰتِنَا حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذٰلِكَ

پرورش کرے اور ہوں بھی وہ اس بچے کے خیر خواہ۔ (۱۳)
پس ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس پہنچایا^(۱)
تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور آزر وہ خاطر نہ ہو
اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے^(۲) لیکن
اکثر لوگ نہیں جانتے۔^(۳) (۱۳)

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی جوانی کو پہنچ گئے اور
پورے توانا ہو گئے ہم نے انہیں حکمت و علم عطا فرمایا،^(۴)

بچہ کی تمہارے لیے پرورش کرے۔“

(۱) چنانچہ انہوں نے ہمشیرہ موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ جا اس عورت کو لے آ چنانچہ وہ دوڑی دوڑی گئی اور اپنی ماں کو
جو موسیٰ علیہ السلام کی بھی ماں تھی ساتھ لے آئی۔

(۲) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کا دودھ پی لیا تو فرعون نے والدہ موسیٰ سے محل میں رہنے کی استدعا
کی تاکہ بچے کی صحیح پرورش اور نگہداشت ہو سکے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ میں اپنے خاوند اور بچوں کو جھوڑ کر یہاں نہیں
رہ سکتی۔ بالآخر یہ طے پایا کہ بچے کو وہ اپنے ساتھ ہی اپنے گھر لے جائیں اور وہیں اس کی پرورش کریں اور اس کی
اجرت انہیں شاہی خزانے سے دی جائے گی! سبحان اللہ! اللہ کی قدرت کے کیا کہنے! دودھ اپنے بچے کو چائیں اور تنخواہ
فرعون سے وصول کریں! رب نے موسیٰ علیہ السلام کو واپس لوٹانے کا وعدہ کس احسن طریقے سے پورا فرمایا۔
﴿فَبَشِّرْهُم بِالَّذِي يَبْدُوْنَ سَكُوْنًا مَّا كُنْتُمْ عَلٰی شَيْءٍ﴾ ایک مرسل روایت میں ہے۔ ”اس کاریگر کی مثال“ جو اپنی بنائی ہوئی چیز
میں ثواب اور خیر کی نیت بھی رکھتا ہے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرح ہے جو اپنے ہی بچے کو دودھ پلاتی ہے اور اس کی
اجرت بھی وصول کرتی ہے۔“ (مراسل ابی داؤد)

(۳) یعنی بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے انجام کی حقیقت سے اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں لیکن اللہ کو اس کے
حسن انجام کا علم ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا (ہو سکتا ہے جس چیز کو تم برا سمجھو اس میں تمہارے لیے خیر ہو اور جس
چیز کو تم پسند کرو اس میں تمہارے لیے شر کا پہلو ہو) (البقرہ ۲۱۶) دوسرے مقام پر فرمایا (ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو برا
سمجھو اور اللہ اس میں تمہارے لیے خیر کثیر پیدا فرمادے) (النساء ۱۹) اس لیے انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اپنی پسند
و ناپسند سے قطع نظر ہر معاملے میں اللہ اور رسول کے احکام کی پابندی کر لے کہ اسی میں اس کے لیے خیر اور حسن انجام
ہے۔

(۴) حکم اور علم سے مراد اگر نبوت ہے تو اس مقام تک کس طرح پہنچے اس کی تفصیل اگلی آیات میں ہے۔ بعض
مفسرین کے نزدیک اس سے مراد نبوت نہیں بلکہ عقل و دانش اور وہ علوم ہیں جو انہوں نے اپنے آبائی اور خاندانی ماحول
میں رہ کر سیکھے۔

عَجَزِي الْمُتَعِينِينَ ⑤

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَى حِينٍ غَفْلَةٍ مِنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَذَا مِنْ شِيعَةِ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ فَاسْتَنَّاكَ الْوَدَىٰ مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ فَوَكَّلْنَا مُوسَىٰ نُفْضِي عَلَيْهِ قَوْلَ هَذَا لِمَنْ عَلَى الشَّيْطَانِ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُضِلٌّ مُبِينٌ ⑥

قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَنَمْتُ لَفِيٍّ فَاغْفِرْ لِي فَقَوْلَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ⑦

قَالَ رَبِّ إِنَّمَا أَتَخَسَّنُ عَلَىٰ قَلْبِ آلِ ثَوْنٍ ظَهَرُوا بِالْمُجْرِمِينَ ⑧

نیکی کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ (۱۳)
اور موسیٰ (علیہ السلام) ایک ایسے وقت شہر میں آئے جبکہ شہر کے لوگ غفلت میں تھے۔^(۱) یہاں دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا۔ یہ ایک تو اس کے رفیقوں میں سے تھا اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں سے،^(۲) اس کی قوم والے نے اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا اس سے فریاد کی، جس پر موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کے مکا مارا جس سے وہ مر گیا موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے یہ تو شیطانی کام ہے،^(۳) یقیناً شیطان دشمن اور کھلے طور پر ہمارے والا ہے۔^(۴) (۱۵)

پھر دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار! میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تو مجھے معاف فرما دے،^(۵) اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا وہ بخشش اور بہت مہربانی کرنے والا ہے۔ (۱۶)
کہنے لگے اے میرے رب! جیسے تو نے مجھ پر یہ کرم فرمایا میں بھی اب ہرگز کسی گنہگار کا مددگار نہ بنوں گا۔^(۶) (۱۷)

(۱) اس سے بعض نے مغرب اور عشا کے درمیان کا وقت اور بعض نے نصف النہار مراد لیا ہے۔ جب لوگ آرام کر رہے ہوتے ہیں۔

(۲) یعنی فرعون کی قوم قبیلہ میں سے تھا۔

(۳) اسے شیطانی فعل اس لیے قرار دیا کہ قتل ایک نہایت سنگین جرم ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد اسے ہرگز قتل کرنا نہیں تھا۔

(۴) جس کی انسان سے دشمنی بھی واضح ہے اور انسان کو گمراہ کرنے کے لیے وہ جو جو جتن کرتا ہے وہ بھی مخفی نہیں۔

(۵) یہ اتفاق قتل اگرچہ کبیرہ گناہ نہیں تھا، کیونکہ کبائر سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی حفاظت فرماتا ہے۔ تاہم یہ بھی ایسا گناہ نظر آتا تھا جس کے لیے بہت بخشش انہوں نے ضروری سمجھی۔ دوسرے انہیں خطرہ تھا کہ فرعون کو اس کی اطلاع ملی تو اس کے بدلے انہیں قتل نہ کر دے۔

(۶) یعنی جو کافر اور تیرے حکموں کا مخالف ہو گا تو نے مجھ پر جو انعام کیا ہے اس کے سبب میں اس کا مددگار نہیں ہوں گا۔

فَأَصْحَرُفِي لَمَدِينَةٍ خَالِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرُهُ
بِالْأَمْرِ يَسْتَصْرِخُهُ قَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّكَ لَغَوِي مُبِينٌ ⑤

صبح ہی صبح ڈرتے^(۱) اندیشہ کی حالت میں خبریں لینے کو شہر
میں گئے کہہ اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد
طلب کی تھی ان سے فریاد کر رہا ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام)
نے اس سے کہا کہ اس میں شک نہیں تو تو صریح بے راہ
ہے۔^(۲) (۱۸)

فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ يَا كَذِبِي هُوَعِدُو لَهُمَا قَالَ
يَمُوسَى أَتَرِيدُ أَنْ تَفْتَلِيهِ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسَ يَاسَا لَأَمْسِرَ
إِنْ تَرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تَرِيدُ
أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ⑥

پھر جب اپنے اور اس کے دشمن کو پکڑنا چاہا^(۳) وہ فریاد
کنے لگا کہ^(۴) موسیٰ (علیہ السلام) کیا جس طرح تو نے کل
ایک شخص کو قتل کیا ہے مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے تو تو
ملک میں ظالم و سرکش ہوتا ہی چاہتا ہے اور تیرا یہ ارادہ
ہی نہیں کہ ملاپ کرنے والوں میں سے ہو۔ (۱۹)

وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَقْصَا النَّبِيَّةِ يَنْصَحِي قَالَ يَمُوسَى إِنَّ
السَّلَآ يَأْتِيهِمْ بِكَ لَيَقْتُلُونَكَ فَأَخْرِجْهُ إِيَّكَ

شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا
آیا^(۵) اور کہنے لگا اے موسیٰ! یہاں کے سردار تیرے

بعض نے اس انعام سے مراد اس گناہ کی معافی لی ہے جو غیر ارادی طور پر قبیلے کے قتل کی صورت میں ان سے صادر ہوا۔

(۱) حَافِظًا کے معنی ڈرتے ہوئے يَتَرَقَّبُ اور مراد ہرجا نکلتے اور اپنے بارے میں اندیشوں میں مبتلا۔

(۲) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ڈانٹا کہ تو کل بھی لڑتا ہوا پایا گیا تھا اور آج پھر تو کسی سے دست بہ گرمی
ہے تو تو صریح بے راہ یعنی جھگڑا رہا ہے۔

(۳) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ قبیلے کو پکڑ لیں کیونکہ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا
دشمن تھا تاکہ لڑائی زیادہ نہ بڑھے۔

(۴) فریادی (اسرائیلی) سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام شاید اسے پکڑنے لگے ہیں تو وہ بول اٹھا کہ اے موسیٰ! أَتَرِيدُ أَنْ
تَفْتَلِيهِ... جس سے قبیلے کے علم میں یہ بات آگئی کہ کل جو قتل ہوا تھا اس کا قاتل موسیٰ علیہ السلام ہے اس نے جا
کر فرعون کو بتلادیا جس پر فرعون نے اس کے بدلے میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا عزم کر لیا۔

(۵) یہ آدمی کون تھا؟ بعض کے نزدیک یہ فرعون کی قوم سے تھا جو درپردہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خیر خواہ تھا۔ اور
ظاہر ہے سرداروں کے مشورے کی خیر ایسے ہی آدمی کے ذریعے آنا زیادہ قرین قیاس ہے۔ بعض کے نزدیک یہ موسیٰ علیہ
السلام کا قریبی رشتے دار اور اسرائیلی تھا۔ اور اقصائے شہر سے مراد منف ہے جہاں فرعون کا محل اور دار الحکومت تھا اور
یہ شہر کے آخری کنارے پر تھا۔

مِنْ الشُّعْرَيْنِ ①

فَخَرَّ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي

مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ②

وَلَمَّا تَوَخَّاهُ بَلَغَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي

سُورَةَ التِّيْنِ ③

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِنَ النَّاسِ

يَسْتُلُونَهُ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ مُرَاثَتَيْنِ تَدُودَيْنِ قَالَ

مَا حَاطَبَكُمَا قَالَتَا لَنَنصُقَنَّكَ حَتَّىٰ يَصُدَّ الرَّبْعَاءُ وَأَبُونَا

قتل کا مشورہ کر رہے ہیں، پس تو بہت جلد چھا جا مجھے اپنا
خیر خواہ مان۔ (۲۰)

پس موسیٰ (علیہ السلام) وہاں سے خوفزدہ ہو کر دیکھتے
بھالتے نکل کھڑے ہوئے،^(۱) کہنے لگے اے پروردگار!
مجھے ظالموں کے گروہ سے بچالے۔^(۲)

اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہنے لگے مجھے امید
ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ لے چکے گا۔^(۳)

مدین کے پانی پر جب آپ پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک
جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے^(۴) اور دو عورتیں الگ
کھڑی اپنے (جانوروں کو) روکتی ہوئی دکھائی دیں، پوچھا
کہ تمہارا کیا حال ہے،^(۵) وہ بولیں کہ جب تک یہ

(۱) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم میں یہ بات آئی تو وہاں سے نکل کھڑے ہوئے تاکہ فرعون کی گرفت میں نہ
آسکیں۔

(۲) یعنی فرعون اور اس کے درباریوں سے، جنہوں نے باہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا مشورہ کیا تھا۔ کہتے ہیں
کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی علم نہ تھا کہ کہاں جانا ہے؟ کیوں کہ مصر چھوڑنے کا یہ حادثہ بالکل اچانک پیش آیا،
پہلے سے کوئی خیال یا منصوبہ نہیں تھا، چنانچہ اللہ نے گھوڑے پر ایک فرشتہ بھیج دیا، جس نے انہیں راستے کی نشاندہی کی،
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ (ابن کثیر)

(۳) چنانچہ اللہ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور ایسے سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی فرمادی جس سے ان کی دنیا
بھی سنور گئی اور آخرت بھی یعنی وہ ہادی بھی بن گئے اور مہدی بھی، خود بھی ہدایت یافتہ اور دوسروں کو بھی ہدایت کا
راستہ بتلانے والے۔

(۴) یعنی جب مدین پہنچے تو اس کے کنویں پر دیکھا کہ لوگوں کا ہجوم ہے جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہا ہے۔ مدین یہ قبیلے کا
نام تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھا، جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل
سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے (حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے) تھے۔ یوں اہل مدین اور موسیٰ علیہ
السلام کے درمیان نسب تعلق بھی تھا (ایسر القاسم) اور یہی حضرت شعیب علیہ السلام کا مسکن و مبعث بھی تھا

(۵) دو عورتوں کو اپنے جانور روکے، کھڑے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں رحم آیا اور ان سے پوچھا کیا

شَيْخُ كَيْتَرُ ③

سَقَى لَهُمَّا تَنْوِيْرًا لِّقُلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَمِنَ الْاٰتِلٰتِ
اِلٰی مِنْ خَیْرِ فَعِیْرُ ④

فَجَاءَتْهُ اِحْدٰیهُمَا تَنْوِیْیٰ عَلٰی اِشْعِیَآءَ قَالَتْ اِنَّ اِلٰهَیْکُمْ غَوْفٌ
یٰحِیْرَ اِنَّکُمْ اَجْرَمَ سَقِیْتَ لَنَا فَلَکَ جَاوِدٌ وَفَضَّلَ عَلَیْهِ الْقَصَصُ

چرواہے واپس نہ لوٹ جائیں ہم پانی نہیں پلاتیں^(۱) اور
ہمارے والد بہت بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔^(۲)
پس آپ نے خود ان جانوروں کو پانی پلا دیا پھر سائے کی
طرف ہٹ آئے اور کہنے لگے اے پروردگار! تو جو کچھ
بھلائی میری طرف آ رہے ہیں اس کا محتاج ہوں۔^(۳)
اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کی
طرف شرم و حیا سے چلتی ہوئی آئی،^(۴) کہنے لگی کہ
میرے باپ آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے
(جانوروں) کو جو پانی پلایا ہے اس کی اجرت دیں،^(۵) جب

بات ہے تم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاتیں؟

(۱) تاکہ مردوں سے ہمارا اختلاط نہ ہو۔ رُعَاةٌ رَاعٍ (چرواہا) کی جمع ہے۔

(۲) اس لیے وہ خود گھاٹ پر پانی پلانے کے لیے نہیں آسکتے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام اتنا لمبا سفر کر کے مصر سے مدین پہنچے تھے کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا جب کہ سفر کی تھکن
اور بھوک سے نڈھال تھے۔ چنانچہ جانوروں کو پانی پلا کر ایک درخت کے سائے تلے آکر مصروف دعا ہو گئے۔ خیر کنی
چیزوں پر بولا جاتا ہے کھانے پر امور خیر اور عبادات پر قوت و طاقت پر اور مال پر (السر الثغایر) یہاں اس کا اطلاق
کھانے پر ہوا ہے۔ یعنی میں اس وقت کھانے کا ضرورت مند ہوں۔

(۴) اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور دونوں میں سے ایک لڑکی انہیں بلانے آگئی۔ لڑکی کی شرم و
حیا کا قرآن نے بطور خاص ذکر کیا ہے کہ یہ عورت کا اصل زیور ہے۔ اور مردوں کی طرح حیا و حجاب سے بے نیازی اور
بے باکی عورت کے لیے شرعاً ناپسندیدہ ہے۔

(۵) بچیوں کا باپ کون تھا؟ قرآن کریم نے صراحت سے کسی کا نام نہیں لیا ہے۔ مفسرین کی اکثریت نے اس سے مراد حضرت
شعیب علیہ السلام کو یا ہے جو اہل مدین کی طرف مبعوث ہوئے تھے امام شوکانی نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے لیکن امام
ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کا زمانہ نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے کا ہے۔ اس لیے یہاں
حضرت شعیب علیہ السلام کا برادر زادہ یا کوئی اور قوم شعیب علیہ السلام کا شخص مراد ہے واللہ اعلم۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ
السلام نے بچیوں کے ساتھ جو بھردی اور احسان کیا وہ بچیوں نے جا کر بوڑھے باپ کو بتلایا جس سے باپ کے دل میں بھی
واعیہ پیدا ہوا کہ احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دیا جائے یا اس کی محنت کی اجرت ہی ادا کر دی جائے۔

قَالَ لَا تَحْفَظْ جَوَّتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ①

قَالَتْ اِحْدِثْ لِي مَا يَأْتِي اِسْتَاِجْرًا اِنْ خَيْرٌ مِّنْ اِسْتَاِجْرَتِ
الْقَوْمِ الرَّاهِمِينَ ②

قَالَ رَبِّ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكَحْتَ اِحْدَى ابْنَتَيْ هَاتَيْنِ عَلٰى اَنْ
تَاِجْرُنِيْ ثَمَنِيْ جِجِيْ ۖ اَوْ اَنْ اَتَمَتَ خَشْرًا مِّنْ جَنْدِكَ
وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اَسْئَلَ عَلَيْكَ سَعِيْدِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس پہنچے اور ان سے
اپنا سارا حال بیان کیا تو وہ کہنے لگے اب نہ ڈر تو نے
ظالم قوم سے نجات پائی۔^(۱) (۲۵)

ان دونوں میں سے ایک نے کہا کہ اباجی! آپ انہیں
مزدوری پر رکھ لیجئے، کیونکہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں
ان میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانت دار
ہو۔^(۲) (۲۶)

اس بزرگ نے کہا میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے
ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں^(۳) اس (مہر پر)
کہ آپ آٹھ سال تک میرا کام کاج کریں۔^(۴) ہاں اگر
آپ دس سال پورے کریں تو یہ آپ کی طرف سے
بطور احسان کے ہے میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ کو

(۱) یعنی اپنے مصر کی سرگزشت اور فرعون کے ظلم و ستم کی تفصیل سنائی جس پر انہوں نے کہا کہ یہ علاقہ فرعون کی حدود
حکمرانی سے باہر ہے اس لیے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ نے ظالموں سے نجات عطا فرمادی ہے۔

(۲) بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ باپ نے بیٹیوں سے پوچھا تمہیں کس طرح معلوم ہے کہ یہ طاقت ور بھی ہے اور
امانت دار بھی۔ جس پر بیٹیوں نے بتلایا کہ جس کنوئیں سے پانی پلایا اس پر اتنا بھاری پتھر رکھا ہوتا ہے کہ اسے اٹھانے کے
لیے دس آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہم نے دیکھا کہ اس شخص نے وہ پتھر اکیلے ہی اٹھالیا اور پھر بعد میں رکھ دیا۔
اسی طرح جب میں اس کو بلا کر اپنے ساتھ لاری تھی تو چونکہ راستے کا علم مجھے ہی تھا میں آگے آگے چل رہی تھی اور
یہ پیچھے پیچھے۔ لیکن ہوا سے میری چادر اڑ جاتی تھی تو اس شخص نے کہا کہ تو پیچھے چل میں آگے آگے چلتا ہوں تاکہ میری
نگاہ تیرے جسم کے کسی حصے پر نہ پڑے۔ راستے کی نشاندہی کے لیے پیچھے سے پتھر کنکری مار دیا کر۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا خَالِ
صِحَّتِهِ۔ (ابن کثیر)

(۳) ہمارے ملک میں کسی لڑکی والے کی طرف سے نکاح کی خواہش کا اظہار معیوب سمجھا جاتا ہے لیکن شریعت نبیہ
میں یہ مذموم نہیں ہے۔ صفات محمودہ کا حامل لڑکا اگر مل جائے تو اس سے یا اس کے گھر والوں سے اپنی لڑکی کے لیے
رشتے کی بابت بات چیت کرنا برا نہیں ہے بلکہ محمود اور پسندیدہ ہے۔ عمد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام
رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی یہی طریقہ تھا۔

(۴) اس سے علما نے اجارے کے جواز پر استدلال کیا ہے یعنی کرائے اور اجرت پر مرد کی خدمات حاصل کرنا جائز ہے۔

مِنَ الصَّيْغَةِ ⑤

کسی مشقت میں ڈالوں،^(۱) اللہ کو منظور ہے تو آگے چل کر آپ مجھے بھلا آدمی پائیں گے۔^(۲) (۲۷)

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا، خیر تو یہ بات میرے اور آپ کے درمیان چلتے ہو گئی، میں ان دونوں مدتوں میں سے جسے پورا کروں مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو،^(۳) ہم یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ (گواہ اور) کار ساز ہے۔^(۴) (۲۸)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدت^(۵) پوری کر لی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے^(۶) تو کوہ طور کی طرف آگ دیکھی۔ اپنی بیوی سے کہنے لگے ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انکارہ لاؤں تاکہ تم سینک لو۔ (۲۹)

پس جب وہاں پہنچے تو اس بابرکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے آواز دیئے گئے،^(۷) مگر

قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ⑥

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا تَلْعَلُ إِلَيْنَا ⑦
وَمِنْهَا يَخْبَرُوا وَجَدُوا قَوْمًا عَلَى تَلٍّ لَا تُفْقَهُوا وَتُصْطَلُونَ ⑧

فَلَمَّا آنَسَهَا نَزَلَ رُوحُ رَبِّهِ شَاطِئَ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ

(۱) یعنی مزید دو سال کی خدمت میں مشقت اور ایذا محسوس کریں تو آٹھ سال کے بعد جانے کی اجازت ہوگی۔

(۲) نہ جھگڑا کروں گا نہ اذیت پہنچاؤں گا نہ سختی سے کام لوں گا۔

(۳) یعنی آٹھ سال کے بعد یا دس سال کے بعد جانا چاہوں تو مجھ سے مزید رہنے کا مطالبہ نہ کیا جائے۔

(۴) یہ بعض کے نزدیک شعیب علیہ السلام یا برادر زاوۃ شعیب علیہ السلام کا قول ہے اور بعض کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ ممکن ہے دونوں ہی کی طرف سے ہو۔ کیونکہ جمع کا صیغہ ہے گویا دونوں نے اس معاملے پر اللہ کو گواہ ٹھہرایا۔ اور اس کے ساتھ ہی ان کی لڑکی اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان رشتہ ازدواج قائم ہو گیا۔ باقی تفصیلات اللہ نے ذکر نہیں کی ہیں۔ ویسے اسلام میں طرفین کی رضامندی کے ساتھ صحت نکاح کے لیے دو عادل گواہ بھی ضروری ہیں۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس مدت سے دس سالہ مدت مراد لی ہے، کیونکہ یہی اکمل اور اطمینان (یعنی خسر موسیٰ علیہ السلام کے لیے خوشگوار اور مرغوب) تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کریمانہ اخلاق نے اپنے بوڑھے خسر کی دلی خواہش کے خلاف کرنا پسند نہیں کیا (فتح الباری کتاب الشهادات باب من أمر بإسجار الوعد)

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ خاوند اپنی بیوی کو جہاں چاہے لے جاسکتا ہے۔

(۷) یعنی آواز وادی کے کنارے سے آ رہی تھی، جو مغربی جانب سے پہاڑ کے دائیں طرف تھی، یہاں درخت سے

اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ ہوں سارے جہانوں کا پروردگار۔^(۱) (۳۰)

اور یہ (بھی آواز آئی) کہ اپنی لامٹھی ڈال دے۔ پھر جب اسے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح پھن پھن رہا ہے تو بیٹھ پھیر کر واپس ہو گئے اور مڑ کر رخ بھی نہ کیا، ہم نے کہا اے موسیٰ! آگے آؤ رمت، یقیناً تو ہر طرح امن والا ہے۔^(۲) (۳۱)

اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال وہ بغیر کسی قسم کے روگ کے چمکتا ہوا نکلے گا بالکل سفید^(۳) اور خوف سے (بچنے کے لیے) اپنے بازو اپنی طرف ملائے^(۴) پس یہ دونوں معجزے تیرے لیے تیرے رب کی طرف سے ہیں

الْمُبَرَّكَ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يُمُوسَىٰ إِلَىٰ آتَا اللَّهُ رَبَّهُ الْعَلِيمِينَ ۝

وَأَنْ أَلْقَىٰ عَصَاهُ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدَبِّرًا لَّا يَعْقِبُ يُمُوسَىٰ أَقْبَلَ وَلَا تَوَقَّعَ ۝
إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ ۝

أَسْلَمْتُ يَدَكَ فِي حَبِيبِكَ نَخْرِبُ بَيْنَهُمَا مِنْ عَيُوسٍ وَفَاضِلٍ إِلَيْكَ جَنَاحَتَ مِنَ الزَّهَبِ فَذَلِكُمْ بَرَاهِينٌ مِنْ رَبِّكَ

آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے جو دراصل رب کی تجلی کا نور تھا۔

(۱) یعنی اے موسیٰ! تجھ سے جو اس وقت مخاطب اور ہم کلام ہے، وہ میں اللہ ہوں رب العالمین۔

(۲) یہ موسیٰ علیہ السلام کا وہ معجزہ ہے جو کوہ طور پر نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد ان کو ملا۔ چونکہ معجزہ خرق عادت معطلے کو کہا جاتا ہے یعنی جو عام عادات اور اسباب ظاہری کے خلاف ہو۔ ایسا معاملہ چونکہ اللہ کے حکم اور مشیت سے ظاہر ہوتا ہے کسی بھی انسان کے اختیار سے نہیں۔ چاہے وہ جلیل القدر پیغمبر اور نبی مقرب ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے جب موسیٰ علیہ السلام کے اپنے ہاتھ کی لامٹھی زمین پر پھینکنے سے حرکت کرتی اور دوڑتی پھٹکارتی سانپ بن گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ڈر گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے بتلایا اور تسلی دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف دور ہوا اور یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صداقت کے لیے بطور دلیل یہ معجزہ انہیں عطا فرمایا ہے۔

(۳) یہ بَدَّ بَيْنَهُمَا دُوراً معجزہ تھا جو انہیں عطا کیا گیا۔ تَحْمَاتُ۔

(۴) لامٹھی کے اٹو دھا بن جانے کی صورت میں جو خوف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاحق ہوتا تھا اس کا حل بتلادیا گیا کہ اپنا بازو اپنی طرف ملا لیا کر یعنی بغل میں دبایا کر جس سے خوف جاتا رہا کرے گا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ عام ہے کہ جب بھی کسی سے کوئی خوف محسوس ہو تو اس طرح کرنے سے خوف دور ہو جائے گا امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ابتدا میں جو شخص بھی گھبراہٹ کے موقع پر اپنے دل پر ہاتھ رکھے گا تو اس کے دس سے خوف جاتا رہے گا یا کم از کم ہلکا ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَائِكَةٍ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا يَتَّقُونَ ﴿٣١﴾

قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿٣٢﴾

وَإِخِي هَارُونَ هُوَ أَضَعُفٌ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيَ بَدْءَ
يُصَدِّقُنِي إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿٣٣﴾

قَالَ سَنَنْذُرُ عَصَاكَ إِنَّهَا تَهْتَزُّ بِرِيحِكَ وَجَعَلْنَا لَكَ
سُلْطَانًا فَلَا تَصِلُونَ إِلَيْكُمَا هَآئِنَا أَنتُمَا وَمَنِ

فرعون اور اس کی جماعت کی طرف 'یقیناً وہ سب کے
سب بے حکم اور نافرمان لوگ ہیں۔' (۳۲) (۱)

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا پروردگار! میں نے ان کا ایک
آدمی قتل کر دیا تھا۔ اب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے بھی
قتل کر ڈالیں۔ (۳۳) (۲)

اور میرا بھائی ہارون (علیہ السلام) مجھ سے بہت زیادہ فصیح
زبان والا ہے تو اسے بھی میرا مددگار بنا کر میرے
ساتھ بھیج (۳) کہ وہ مجھے سچا مانے 'مجھے تو خوف ہے کہ وہ
سب مجھے جھٹلا دیں گے۔' (۳۳)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو
مضبوط کر دیں گے (۴) اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے
فرعون تم تک پہنچ ہی نہ سکیں گے (۵) بسبب ہماری
نشانوں کے 'تم دونوں اور تمہاری تابعداری کرنے

(۱) یعنی فرعون اور اس کی جماعت کے سامنے یہ دونوں معجزے اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کرو۔ یہ لوگ اللہ
کی اطاعت سے نکل چکے ہیں اور اللہ کے دین کے مخالف ہیں۔

(۲) یہ وہ خطرہ تھا جو واقعی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان کو لاحق تھا کیونکہ ان کے ہاتھوں ایک قبیلہ کا قتل ہو چکا تھا۔

(۳) اسرائیلی روایات کی رو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آگ کا انگارہ اور کھجور یا موتی رکھے گئے تو آپ نے انگارہ اٹھ کر منہ میں رکھ لیا تھا
جس سے آپ کی زبان جل گئی۔ یہ وجہ صحیح ہے یا نہیں؟ تاہم قرآن کریم کی اس نص سے یہ تو ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ
علیہ السلام کے مقابلے میں حضرت ہارون علیہ السلام فصیح اللسان تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں گرہ تھی۔
جس کے کھولنے کی دعا انہوں نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد کی۔ و ذلک کے معنی ہیں معین 'مددگار' تقویت پہنچانے
والا۔ یعنی ہارون علیہ السلام اپنی فصاحت لسانی سے مجھے مدد اور تقویت پہنچائیں گے

(۴) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کر لی گئی اور ان کی سفارش پر حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت سے
سرفراز فرما کر ان کا ساتھ میں اور مددگار بنا دیا گیا۔

(۵) یعنی ہم تمہاری حفاظت فرمائیں گے 'فرعون اور اس کے حوالی موالی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔'

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَهِ غَيْرِي
فَأَوْدَتْهُ لَمَحُ يَهُامُنُ عَلَى الطَّيْلِ فَأَجْعَلْ لِّي صَرْحًا
لَّعَلِّي أَظْلِمُ إِلَى إِلَهِ الْمُؤْمِنِينَ وَإِنِّي لَأَكْذِبُ
مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝

وَأَسْتَكْبِرُ هُوَ وَجُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا
أَنَّهُم إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ۝

فَأَخَذْنَاهُ وَجُودَهُ فَنَبَذْنَاهُ فِي الْيَمِّ فَأَنْظَرْنَاهُ
كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ۝

وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُذَكِّرُونَ إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْفِتْرِ
لَا يُنصَرُونَ ۝

فرعون کہنے لگا اے درباریو! میں تو اپنے سوا کسی کو تمہارا
معبود نہیں جانتا۔ سن اے ہامان! تو میرے لیے مٹی کو
آگ سے پکوا^(۱) پھر میرے لیے ایک محل تعمیر کر تو میں
موسیٰ کے معبود کو جھانک لوں^(۲) اسے میں تو جھوٹوں میں
سے ہی گمان کر رہا ہوں۔ (۳۸)

اس نے اور اس کے لشکروں نے ناحق طریقے پر ملک
میں تکبر کیا^(۳) اور سمجھ لیا کہ وہ ہماری جانب لوٹائے ہی
نہ جائیں گے۔ (۳۹)

بالآخر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور دریا
برو کر دیا^(۴) اب دیکھ لے کہ ان گنہگاروں کا انجام کیسا
کچھ ہوا؟۔ (۴۰)

اور ہم نے انہیں ایسے امام بنا دیئے کہ لوگوں کو جہنم کی
طرف بلائیں^(۵) اور روز قیامت مطلق مدد نہ کیے
جائیں۔ (۴۱)

(۱) یعنی مٹی کو آگ میں تپا کر اینٹیں تیار کر۔ ہامان 'فرعون کا وزیر' مشیر اور اس کے معاملات کا انتظام کرنے والا تھا۔

(۲) یعنی ایک اونچا اور مضبوط محل تیار کر جس پر چڑھ کر میں آسمان پر یہ دیکھ سکوں کہ وہاں میرے سوا کوئی اور رب ہے؟

(۳) یعنی موسیٰ (علیہ السلام) جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آسمانوں پر رب ہے جو ساری کائنات کا پالتا ہے 'میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔

(۴) زمین سے مراد ارض مصر ہے جہاں فرعون حکمران تھا اور اسکبار کا مطلب 'بغیر استحقاق کے اپنے کو بڑا سمجھنا ہے۔
یعنی ان کے پاس کوئی دلیل ایسی نہیں تھی جو موسیٰ علیہ السلام کے دلائل و معجزات کا رد کر سکتی لیکن اسکبار بلکہ عدوان کا
مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے ہٹ دھرمی اور انکار کا راستہ اختیار کیا۔

(۵) یعنی جب ان کا کفر و طغیان حد سے بڑھ گیا اور کسی طرح بھی وہ ایمان لانے پر آمادہ نہیں ہوئے تو بالآخر ایک صبح ہم
نے انہیں دریا میں غرق کر دیا (جس کی تفصیل سورہ شعراء میں گزر چکی ہے)

(۶) یعنی جو بھی ان کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو اللہ کی توحید یا اس کے وجود کے منکر ہوں گے 'تو ان کا امام و پیشوا یہی
فرعون سمجھے جائیں گے جو جہنم کے داعی ہیں۔

وَأَتَّبَعْنَاهُمْ فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَتَوَّعَتْهُمُ الْيَوْمَ الْآخِرَةُ هُمْ
مِنَ الْمُقْبُوحِينَ ﴿۳۲﴾

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِن بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا
الْقُرُونِ الْأُولَى بِصَاحِبِ السِّنِّينَ وَهَدَى
وَرَحْمَةٍ لِّعِبَادِهِ تَتَذَكَّرُونَ ﴿۳۳﴾

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا
كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۳۴﴾

وَلَكِنَّا أَنشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَابِتًا

اور ہم نے اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے اپنی لعنت لگا دی
اور قیامت کے دن بھی وہ بد حال لوگوں میں سے ہوں
گے۔^(۱) (۳۲)

اور ان اگلے زمانہ والوں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے
موسیٰ (علیہ السلام) کو ایسی کتاب عنایت فرمائی^(۲) جو لوگوں
کے لیے دلیل اور ہدایت و رحمت ہو کر آئی تھی^(۳) تاکہ وہ
نصیحت حاصل کر لیں۔^(۴) (۳۳)

اور طور کے مغربی جانب جب کہ ہم نے موسیٰ (علیہ
السلام) کو حکم احکام کی وحی پہنچائی تھی نہ تو تو موجود تھا
اور نہ تو دیکھنے والوں میں سے تھا۔^(۵) (۳۴)

لیکن ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں^(۶) جن پر لمبی مدتیں

(۱) یعنی دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ان کا مقدر بنی اور آخرت میں بھی وہ بد حال ہوں گے۔ یعنی چہرے سیاہ اور آنکھیں
نیلگوں۔ جیسا کہ جنمیوں کے تذکرے میں آتا ہے۔

(۲) یعنی فرعون اور اس کی قوم یا قوم نوح و عاد و ثمود وغیرہ کی ہلاکت کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (تورات) دی۔

(۳) جس سے وہ حق کو پہچن لیں اور اسے اختیار کریں اور اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پائیں۔

(۴) یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور اللہ پر ایمان لائیں اور اس کے پیغمبروں کی اطاعت کریں جو انہیں خیر و رشد
اور فلاح حقیقی کی طرف بلا رہے ہیں۔

(۵) یعنی کوہ طور پر جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور اسے وحی و رسالت سے نوازا اے محمد! (صلی اللہ علیہ
وسلم) تو نہ وہاں موجود تھا اور نہ یہ منظر دیکھنے والوں میں سے تھا۔ بلکہ یہ غیب کی وہ باتیں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے سے
تجے بتا رہے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ تو اللہ کا سچا پیغمبر ہے۔ کیونکہ نہ تو نے یہ باتیں کسی سے سیکھی ہیں نہ خود ہی
ان کا مشاہدہ کیا ہے۔ یہ مضمون اور بھی متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ آل عمران- ۳۳، سورۃ ہود- ۱۰۰، سورۃ
یوسف- ۱۰۲، سورۃ طہ- ۹۹، وَغَیْرِہَا مِنَ الْآیَاتِ۔

(۶) قُرُونٌ، قَرْنٌ کی جمع ہے 'زمانہ'۔ لیکن یہاں امتوں کے معنی میں ہے یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے اور
موسیٰ علیہ السلام کے درمیان جو زمانہ ہے اس میں ہم نے کئی امتیں پیدا کیں۔

فِي آهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمُ آيَاتِنَا وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿۳۵﴾

وَمَا كُنْتَ بِخَايِبِ الظُّرُوفِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَحْمَةً مِنَّا
رَبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا آتَمَّ مِنْ نَبِيٍّ مِّنْ قَبْلِكَ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۳۶﴾

وَلَوْلَا اَنْ تُصِيبَهُمُ مُّصِيبَةٌ لِّمَا قَدَّمَتْ آيَاتُنَا لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُوْنَ وَلَوْلَا اَنْزَلْنَا اَوَّلَ الْۤاٰیٰتِ لَاسْتَوٰى لَّسْتُمْ اٰیٰتِنَا

گزر گئیں،^(۱) اور نہ تو مدین کے رہنے والوں میں سے تھا^(۲) کہ ان کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا بلکہ ہم ہی رسولوں کے بھیجنے والے رہے۔^(۳) (۳۵)

اور نہ تو طور کی طرف تھا جب کہ ہم نے آواز دی^(۴) بلکہ یہ خبر پروردگار کی طرف سے ایک رحمت ہے،^(۵) اس لیے کہ تو ان لوگوں کو ہوشیار کر دے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا،^(۶) کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں۔ (۳۶)

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ انہیں ان کے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہوئے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی تو یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی

(۱) یعنی مرور ایدم سے شرائع و احکام بھی خفیہ ہو گئے اور لوگ بھی دین کو بھول گئے، جس کی وجہ سے انہوں نے اللہ کے حکموں کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے عہد کو فراموش کر دیا اور یوں اس کی ضرورت پیدا ہو گئی کہ ایک نئے نبی کو مبعوث کیا جائے یا یہ مطلب ہے کہ طول زمان کی وجہ سے عرب کے لوگ نبوت و رسالت کو بالکل ہی بھول بیٹھے، اس لیے آپ کی نبوت پر انہیں تعجب ہو رہا ہے اور اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

(۲) جس سے آپ خود اس واقعے کی تفصیلات سے آگاہ ہو جاتے۔

(۳) اور اسی اصول سے ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور پچھلے حالات و واقعات سے آپ کو باخبر کر رہے ہیں۔

(۴) یعنی اگر آپ رسول برحق نہ ہوتے تو موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعے کا علم بھی آپ کو نہ ہوتا۔

(۵) یعنی آپ کا یہ علم، مشاہدہ و رؤیت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ آپ کے پروردگار کی رحمت ہے کہ اس نے آپ کو نبی بنایا اور وحی سے نوازا۔

(۶) اس سے مراد اہل مکہ اور عرب ہیں جن کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت کا سلسلہ خاندان ابراہیمی ہی میں رہا اور ان کی بعثت بنی اسرائیل کی طرف ہی ہوتی رہی۔

بنی اسماعیل یعنی عربوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نبی تھے اور سلسلہ نبوت کے خاتم تھے۔ ان کی طرف نبی بھیجنے کی ضرورت اس لیے نہیں سمجھی گئی ہو گی کہ دوسرے انبیاء کی دعوت اور ان کا پیغام ان کو پہنچتا رہا ہو گا۔ کیونکہ اس کے بغیر ان کے لیے کفر و شرک پر جے رہنے کا عذر موجود رہے گا اور یہ عذر اللہ نے کسی کے لیے باقی نہیں چھوڑا ہے

وَتَكُونُ مِنَ الْمُنْذَرِينَ ﴿۳۷﴾

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا آؤُتِي
مِثْلُ مَا آؤُتِي مُوسَىٰ أَوْ لَكُمُ الْكِتَابُ إِنَّمَا آؤُتِي مُوسَىٰ
مِنْ قَبْلُ قَالُوا سُبْحَنَ تَعَالَىٰ سُبْحَانَ مَا قَالُوا
إِنَّا بِكُمْ كَافِرُونَ ﴿۳۸﴾

قُلْ قَالُوا يَكْفُرُ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَنْهُمُ
إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۹﴾

رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم تیری آیتوں کی تابعداری
کرتے اور ایمان والوں میں سے ہو جاتے۔^(۱) (۳۷)
پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آپنچا تو کہتے
ہیں کہ یہ وہ کیوں نہیں دیا گیا جیسے دیئے گئے تھے موسیٰ
(علیہ السلام)^(۲) اچھا تو کیا موسیٰ (علیہ السلام) کو جو کچھ دیا
گیا تھا اس کے ساتھ لوگوں نے کفر نہیں کیا تھا،^(۳)
صاف کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے
کے مددگار ہیں اور ہم تو ان سب کے منکر ہیں۔^(۴) (۳۸)
کہہ دے کہ اگر سچ ہو تو تم بھی اللہ کے پاس سے کوئی
ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو
میں اسی کی پیروی کروں گا۔^(۵) (۳۹)

(۱) یعنی ان کے اسی عذر کو ختم کرنے کے لیے ہم نے آپ کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا ہے۔ کیونکہ طول زمانہ کی وجہ
سے گزشتہ انبیاء کی تعلیمات مسخ اور ان کی دعوت فراموش ہو چکی ہے اور ایسے ہی حالات کسی نبی کی ضرورت کے
متقاضی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات (قرآن
و حدیث) کو مسخ ہونے اور تغیر و تحریف سے محفوظ رکھا ہے اور ایسا ہی ان کو نبی انتظام فرما دیا ہے جس سے آپ کی دعوت دنیا
کے کونے کونے تک پہنچ گئی ہے اور مسلسل پہنچ رہی ہے تاکہ کسی نئے نبی کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ اور جو شخص اس
”ضرورت“ کا دعویٰ کر کے نبوت کا ڈھونگ رہا تا ہے وہ جھوٹا اور دجال ہے۔

(۲) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سے معجزات، جیسے لاشعی کا سانپ بن جانا اور ہاتھ کا چمکنا وغیرہ۔

(۳) یعنی مطلوبہ معجزات، اگر دکھا بھی دیئے جائیں تو کیا فائدہ؟ جنہیں ایمان نہیں لانا ہے، وہ ہر طرح کی نشانیوں دیکھنے
کے باوجود بھی ایمان سے محروم ہی رہیں گے۔ کیا موسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ معجزات دیکھ کر فرعونی مسلمان ہو گئے تھے
انہوں نے کفر نہیں کیا؟ یا یتکفروا کی ضمیر قریش مکہ کی طرف ہے یعنی کیا انہوں نے نبوت محمدیہ سے پہلے موسیٰ علیہ
اسلام کے ساتھ کفر نہیں کیا؟

(۴) پہلے مفہوم کے اعتبار سے دونوں سے مراد حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام ہوں گے اور سبخران بمعنی سناجران
ہو گا۔ اور دوسرے مفہوم میں اس سے قرآن اور تورات مراد ہوں گے یعنی دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار
ہیں اور ہم سب کے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منکر ہیں۔ (فتح القدیر)

(۵) یعنی اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ قرآن مجید اور تورات دونوں جادو ہیں تو تم کوئی اور کتاب الہی پیش کر دو، جو

فَإِنْ لَمْ يَتَّبِعُوا لَكَ فَاَعْلَمْ اَنْكَ لَا تَتَّبِعُونَ اَهْوَاءَهُمْ
وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ يَفْرِضْهُدَى مِنَ الْغَوَاةِ
اللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٠﴾

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥١﴾

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾

وَلَا يُنْسِلُ عَلَيْهِمْ قَالُوا امْكُتِبْهُ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّكُنَا
مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿٥٣﴾

پھر اگر یہ تیری نہ مانیں ^(۱) تو تو یقین کر لے کہ یہ صرف
اپنی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر
برکا ہوا کون ہے؟ جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہو ^(۲)
بغیر اللہ کی رہنمائی کے، بیشک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو
ہدایت نہیں دیتا۔ ^(۳) (۵۰)

اور ہم برابر پے در پے لوگوں کے لیے اپنا کلام بھیجتے
رہے ^(۴) تاکہ وہ نصیحت حاصل کر لیں۔ ^(۵) (۵۱)
جس کو ہم نے اس سے پہلے کتاب عنایت فرمائی وہ تو اس
پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ^(۶) (۵۲)

اور جب اس کی آیتیں ان کے پاس پڑھی جاتی ہیں تو وہ
کہہ دیتے ہیں کہ اس کے ہمارے رب کی طرف سے
حق ہونے پر ہمارا ایمان ہے ہم تو اس سے پہلے ہی

ان سے زیادہ ہدایت والی ہو، میں اس کی پیروی کر لوں گا۔ کیونکہ میں تو ہدایت کا طالب اور پیرو ہوں۔

(۱) یعنی قرآن و تورات سے زیادہ ہدایت والی کتاب پیش نہ کر سکیں اور یقیناً نہیں کر سکیں گے۔

(۲) یعنی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت کو چھوڑ کر خواہش نفس کی پیروی کرنا یہ سب سے بڑی گمراہی ہے اور اس
لحاظ سے یہ قریش مکہ سب سے بڑے گمراہ ہیں جو اسی حرکت کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

(۳) اس میں اللہ کی اسی سنت (طریقے) کا بیان ہے جو ظالموں کے لیے اس کے ہاں مقرر ہے کہ وہ ہدایت سے محروم
رہتے ہیں۔ اس لیے کہ انبیاء کی تکذیب، آیات الہی سے اعراض اور مسلسل کفر و عناد ایسا جرم ہے کہ جس سے قبول حق
کی استعداد اور اثر پذیری کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد انسان ظلم و عصیان اور کفر و شرک کی تاریکیوں میں
ہی بھٹکتا پھرتا ہے، اسے ایمان کی روشنی نصیب نہیں ہوتی۔

(۴) یعنی ایک رسول کے بعد دوسرا رسول، ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب ہم بھیجتے رہے اور اس طرح مسلسل 'نگاہِ
ہم اپنی بات لوگوں تک پہنچاتے رہے۔

(۵) مقصد اس سے یہ تھا کہ لوگ پیچھے لوگوں کے انجام سے ڈر کر اور ہماری باتوں سے نصیحت حاصل کر کے ایمان لے آئیں۔

(۶) اس سے مراد وہ یودی ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے جیسے عبد اللہ بن سلام، برہنہ وغیرہ۔ یادہ عیسائی ہیں جو حبشہ سے نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے اور آپ کی زبان مبارک سے قرآن کریم سن کر مسلمان ہو گئے تھے (ابن کثیر)

مسلمان ہیں۔^(۱) (۵۳)

یہ اپنے کیے ہوئے صبر کے بدلے دوہرا دوہرا اجر دیئے جائیں گے۔^(۲) یہ نیکی سے بدی کو ٹال دیتے ہیں^(۳) اور ہم نے جو انہیں دے رکھا ہے اس میں سے دیتے رہتے ہیں۔ (۵۴)

اور جب یہودہ بات^(۴) مکان میں پڑتی ہے تو اس سے کنارہ کر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے عمل ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، تم پر سلام ہو،^(۵) ہم جاہلوں سے (الجبالت) نہیں چاہتے۔ (۵۵)

آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے

اُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَبِذَرُوا
بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۵۴﴾

وَإِذْ اَسْمِعُوا النُّفُورَ اَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا اَعْمَالُنَا
وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا تَبْتَغِ الْجَاهِلِينَ ﴿۵۵﴾

اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَخْبَتَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي

(۱) یہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جسے قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر دور میں اللہ کے پیغمبروں نے جس دین کی دعوت دی، وہ اسلام ہی تھا اور ان نبیوں کی دعوت پر ایمان لانے والے مسلمان ہی کہلاتے تھے۔ یہود یا نصاریٰ وغیرہ کی اصطلاحیں لوگوں کی اپنی خود ساختہ ہیں جو بعد میں ایجاد ہوئیں۔ اسی اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے اہل کتب (یہود یا عیسائیوں) نے کہا کہ ہم تو پہلے سے ہی مسلمان چلے آ رہے ہیں۔ یعنی سابقہ انبیاء کے پیروکار اور ان پر ایمان رکھنے والے ہیں۔

(۲) صبر سے مراد ہر قسم کے حالات میں انبیاء اور کتب الہی پر ایمان اور اس پر ثابت قدمی سے قائم رہنا ہے۔ پہلی کتاب آئی تو اس پر اس کے بعد دوسری پر ایمان رکھا۔ پہلے نبی پر ایمان لائے، اس کے بعد دوسرا نبی آگیا تو اس پر ایمان لائے۔ ان کے لیے دوہرا اجر ہے، حدیث میں بھی ان کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تین آدمیوں کے لئے دوہرا اجر ہے، ان میں ایک وہ اہل کتاب ہے جو اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا اور پھر مجھ پر ایمان لے آیا۔ اصحیح بخاری، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل اُمتہ وَاہلہ۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم)

(۳) یعنی برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے، بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر سے کام لیتے ہیں۔

(۴) یہاں لغو سے مراد وہ سب و شتم اور دین کے ساتھ استہزاء ہے جو مشرکین کرتے تھے۔

(۵) یہ سلام، تحیہ نہیں بلکہ سلام متار کہ ہے یعنی ہم تم جیسے جاہلوں سے بحث اور گفتگو کے روادار ہی نہیں۔ جیسے اردو میں بھی کہتے ہیں، جاہلوں کو دوری سے سلام، ظاہر ہے سلام سے مراد ترک مخالفت ہی ہے۔

مَنْ يَشَأْ وَهُوَ اعْلَمُ بِالْمُتَعَمِّينَ ⑤

وَقَالُوا اِنْ تَتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ تَتَخَلَّفُ مِنْ اَرْضِنَا
اَوَلَمْ نَمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا اَيْمًا يُحِبُّوْنَ اَلَيْسَ لَمْؤِنَةٍ كَثٰىرٍ
يٰۤاٰمِنُوْنَ ⑥

وَكَلَّا هَلْ كُنَّا مِنْ قَرٰىبٍ لِّطَوْرٍ مَّعِيْنَهَا فَخَيَّلَتْ سَنَكُنْهُمْ

چاہے ہدایت کرتا ہے۔ ہدایت والوں سے وہی خوب آگاہ ہے۔ (۵۶)

کہنے لگے اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت کے تابع وار بن جائیں تو ہم تو اپنے ملک سے اچک لیے جائیں، کیا ہم نے انہیں امن و امان اور حرمت والے حرم میں جگہ نہیں دی؟ (۳) جہاں تمام چیزوں کے پھل کچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس بطور رزق کے ہیں، (۴) لیکن ان میں سے اکثر کچھ نہیں جانتے۔ (۵۷)

اور ہم نے بہت سی وہ بستیاں تباہ کر دیں جو اپنی عیش و عشرت میں اترانے لگی تھیں، یہ ہیں ان کی رہائش کی

(۱) یہ آیت اس وقت نازل ہوئی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمدرد اور غم گسار چچا جناب ابوطالب کا انتقال ہونے لگا تو آپ ﷺ نے کوشش فرمائی کہ چچا اپنی زبان سے ایک مرتبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دیں، تاکہ قیامت والے دن میں اللہ سے ان کی مغفرت کی سفارش کر سکوں۔ لیکن وہاں دوسرے رؤسائے قریش کی موجودگی کی وجہ سے ابوطالب قبول ایمان کی سعادت سے محروم رہے اور کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا بڑا قلق اور صدمہ تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح کیا کہ آپ کا کام صرف تبلیغ و دعوت اور رہنمائی ہے۔ لیکن ہدایت کے راستے پر چلا دینا، یہ ہمارا کام ہے، ہدایت اسے ہی ملے گی جسے ہم ہدایت سے نوازنا چاہیں نہ کہ اسے جسے آپ ہدایت پر دیکھنا پسند کریں۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورة القصص، مسلم، کتاب الإيمان، باب اول الإيمان، قول لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ)

(۲) یعنی ہم جہاں ہیں، وہاں ہمیں رہنے نہ دیا جائے گا اور ہمیں اذیتوں سے یا مخالفین سے جنگ و پیکار سے دوچار ہونا پڑے گا یہ بعض کفار نے ایمان نہ لانے کا غرر پیش کیا۔ اللہ نے جواب دیا..

(۳) یعنی ان کا یہ عذر غیر معقول ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شر کو، جس میں یہ رہتے ہیں، امن دا، بنایا ہے۔ جب یہ شران کے کفر و شرک کی حالت میں ان کے لیے امن کی جگہ ہے تو کیا اسلام قبول کر لینے کے بعد وہ ان کے لیے امن کی جگہ نہیں رہے گا؟

(۴) یہ کئے کی وہ خصوصیت ہے جس کا مشاہدہ لاکھوں حاجی اور عمرہ کرنے والے ہر سال کرتے ہیں کہ مکہ میں پیداوار نہ ہونے کے باوجود نہایت فراوانی سے ہر قسم کا پھل بلکہ دنیا بھر کا سامان ملتا ہے۔

لَمْ تَشْكُرْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اَلَا قَلِيلًا وَلَنَّا عَذِّبُ الْوَارِثِيْنَ ۝۵۸

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى حَتَّى يَبْعَثَ فِيْ اُولَئِهِنَّ رُسُلًا يَخْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰیٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظَالِمُوْنَ ۝۵۹

وَمَا اَوْفَيْتَهُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَّاعُ الْحَيٰوةِ الَّذِيْنَ اُوْرِيْنَهُمْ اَمْۤ اَنَّا وَعَدْنَاهُ وَنَحْنُ اَفْلَاكٌ مُّتَقَلَّبُوْنَ ۝۶۰

اَفَمَنۡ وَعَدْنَاهُ وَعَدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَذِبًا مِّنۡ مَّتَعْنَاهُ مَتَّاعٌ

جگہیں جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد کی گئیں^(۱) اور ہم ہی ہیں آخر سب کچھ کے وارث۔^(۲) (۵۸)

تیرا رب کسی ایک بستی کو بھی اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی کسی بڑی بستی میں اپنا کوئی پیغمبر نہ بھیج دے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناوے^(۳)

اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب کہ وہاں والے ظلم و ستم پر کمر کس لیں۔^(۴) (۵۹)

اور تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ صرف زندگی دنیا کا سامان اور اسی کی رونق ہے، ہاں اللہ کے پاس جو ہے وہ بہت ہی بہتر اور دیرپا ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔^(۵) (۶۰)

کیا وہ شخص جس سے ہم نے نیک وعدہ کیا ہے جسے وہ قطعاً

(۱) یہ اہل مکہ کو ڈرایا جا رہا ہے کہ تم دیکھتے نہیں کہ اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہو کر اللہ کی ناشکری کرنے اور سرکشی کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟ آج ان کی بیشتر آبادیاں کھنڈر بنی ہوئی ہیں یا صرف صفات تاریخ پر ان کا نام رہ گیا ہے۔ اور اب آتے جاتے مسافر ہی ان میں کچھ دیر کے لیے سستالیں تو سستالیں، ان کی خواست کی وجہ سے کوئی بھی ان میں مستقل رہنا پسند نہیں کرتا۔

(۲) یعنی ان میں سے تو کوئی بھی باقی نہ رہا جو ان کے مکانوں اور مال و دولت کا وارث ہوتا۔

(۳) یعنی اتمام حجت کے بغیر کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔ اُنہما (بڑی بستی) کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر چھوٹے بڑے علاقے میں نبی نہیں آیا بلکہ مرکزی مقامات پر نبی آتے رہے اور چھوٹے علاقے اس کے ذیل میں آجاتے رہے ہیں۔

(۴) یعنی نبی بھیجنے کے بعد وہ بستی والے ایمان نہ لاتے اور کفر و شرک پر اپنا اصرار جاری رکھتے تو پھر انہیں ہدک کر دیا جاتا۔ یہی مضمون سورہ ہود ۷۱ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۵) یعنی کیا اس حقیقت سے بھی تم بے خبر ہو کہ یہ دنیا اور اس کی رونقیں عارضی بھی ہیں اور حقیر بھی، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے اپنے پاس جو نعمتیں، آسائشیں اور سہولتیں تیار کر رکھی ہیں، وہ دائمی بھی ہیں اور عظیم بھی۔

حدیث میں ہے ”اللہ کی قسم دنیا آخرت کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکال لے دیکھے کہ سمندر کے مقابلے میں انگلی میں کتنا پانی ہو گا؟“ (صحیح مسلم، کتاب الحجة، باب لہاء

الدنيا وبيان الحشر) .

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا تَهُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُخْضَرِينَ ۝

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ
كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۝

قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ
أَغْوَيْنَا سَغْوَيْنَا كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا
إِلَّا نَا يَعْبُدُونَ ۝

پانے والا ہے مثل اس شخص کے ہو سکتا ہے؟ جسے ہم نے
زندگانی دنیا کی کچھ یونہی سی منفعت دے دی پھر بلا خروہ
قیامت کے روز پکڑا پاندھا حاضر کیا جائے گا۔^(۱) (۶۱)
اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں پکار کر فرمائے گا کہ تم جنہیں
اپنے گمان میں میرا شریک ٹھہرا رہے تھے کہاں ہیں۔^(۲) (۶۲)
جن پر بات آچکی وہ جواب دیں گے 'اے ہمارے
پروردگار! یہی وہ ہیں جنہیں ہم نے ہٹا رکھا تھا' ہم
نے انہیں اسی طرح ہٹا دیا جس طرح ہم ہٹے تھے،^(۳) ہم
تیری سرکار میں اپنی دست برداری کرتے ہیں،^(۴) یہ
ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔^(۵) (۶۳)

(۱) یعنی سزا اور عذاب کا مستحق ہو گا۔ مطلب ہے اہل ایمان، وعدہ الہی کے مطابق نعمتوں سے بہرہ ور اور نافرمان عذاب

سے دوچار کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

(۲) یعنی وہ اہم یا اشخاص ہیں جن کو تم دنیا میں میری الوہیت میں شریک گردانتے تھے انہیں مدد کے لیے پکارتے تھے
اور ان کے نام کی نذر نیاز دیتے تھے 'آج کہاں ہیں؟ کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے اور تمہیں میرے عذاب سے چمڑا سکتے
ہیں؟ یہ تفریع و توخ کے طور پر اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا 'دروہاں اللہ کے سامنے کس کو مجال دم زدنی ہو گی؟ یہی
مضمون اللہ تعالیٰ نے سورۃ الأنعام' آیت ۹۳ اور دیگر مت سے مقامات پر بیان فرمایا ہے۔

(۳) یعنی جو عذاب الہی کے مستحق قرار پائے ہوں گے مثلاً سرکش شیاطین اور داعیان کفر و شرک وغیرہ وہ کہیں گے۔

(۴) یہ ان جاہل عوام کی طرف اشارہ ہے جن کو داعیان کفر و ضلال نے اور شیاطین نے گمراہ کیا تھا۔

(۵) یعنی ہم تو تھے ہی گمراہ لیکن ان کو بھی اپنے ساتھ گمراہ کیے رکھا۔

مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان پر کوئی جبر نہیں کیا تھا، بس ہمارے ادنیٰ سے اشارے پر ہماری طرح ہی انہوں نے بھی گمراہی
اختیار کر لی۔

(۶) یعنی ہم ان سے بیزار اور الگ ہیں ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہاں یہ تابع اور متبوع
چیلے اور گرو ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔

(۷) بلکہ درحقیقت اپنی ہی خواہشات کی پیروی کرتے تھے۔ یعنی وہ معبودین جن کی لوگ دنیا میں عبادت کرتے تھے اس
بات سے ہی انکار کر دیں گے کہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔

مثلاً سورۃ الأنعام ۳۹، سورۃ مریم ۸۱، ۸۲، سورۃ الأحقاف ۲۵، سورۃ العنکبوت ۲۵، سورۃ البقرة ۶۶، ۱۶۷ وغیرہا
من الآیات

وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ قَدْ دَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ
وَرَأَوْا الْعَذَابَ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۝

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ۝

فَعَبَّيْتُمْ عَلَيْهِمُ الْآيَاتِ يَوْمَ بَيَّنَّا لَهُمْ لَا يَنْتَظِرُونَ ۝

فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَقَبِلْنَا

يُكُونُ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ۝

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ يَوْمَئِذٍ

کما جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ^(۱) وہ بلائیں گے
لیکن انہیں وہ جواب تک نہ دیں گے اور سب عذاب
دیکھ لیں گے^(۲) کاش یہ لوگ ہدایت پا لیتے۔^(۳) (۶۳)
اس دن انہیں بلا کر پوچھے گا کہ تم نے نبیوں کو کیا جواب
دیا؟^(۴) (۶۵)

پھر تو اس دن ان کی تمام دلیلیں گم ہو جائیں گی اور ایک
دوسرے سے سوال تک نہ کریں گے۔^(۵) (۶۶)

ہاں جو شخص توبہ کر لے ایمان لے آئے اور نیک کام کرے
یقین ہے کہ وہ نجات پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔ (۶۷)
اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا
ہے جن لیتا ہے ان میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں^(۶)۔

(۱) یعنی ان سے مدد طلب کرو جس طرح دنیا میں کرتے تھے۔ کیا وہ تمہاری مدد کرتے ہیں؟ پس وہ پکاریں گے۔ لیکن وہاں
کس کو یہ جرات ہوگی کہ جو یہ کہے کہ ہاں ہم تمہاری مدد کرتے ہیں؟

(۲) یعنی یقین کر لیں گے کہ ہم سب جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں۔

(۳) یعنی عذاب دیکھ لینے کے بعد آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں ہدایت کا راستہ اپنا لیتے تو آج وہ اس حشر سے بچ
جاتے۔ سورۃ الکہف- ۵۲، ۵۳ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(۴) اس سے پہلے کی آیات میں توحید سے متعلق سوال تھا یہ دعائے ثانی رسالت کے بارے میں ہے یعنی تمہاری طرف ہم
نے رسول بھیجے تھے تم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا ان کی دعوت قبول کی تھی؟ جس طرح قبر میں سواں ہوتا ہے تیرا پیغمبر
کون ہے؟ اور تیرا دین کون سا ہے؟ مومن تو صحیح جواب دے دیتا ہے۔ لیکن کافر کہتا ہے مَاذَا هَذَا لَا أَدْرِي مجھے تو کچھ معلوم
نہیں اسی طرح قیامت والے دن انہیں اس سوال کا کوئی جواب نہیں سوجھے گا۔ اسی لیے آگے فرمایا ”ان پر تمام خبریں اندھی
ہو جائیں گی۔“ یعنی کوئی دلیل ان کی سمجھ میں نہیں آئے گی جسے وہ پیش کر سکیں۔ یہاں دلائل کو اخبار سے تعبیر کر کے اس
طرف اشارہ فرما دیا کہ ان کے باطل عقائد کے لیے حقیقت میں ان کے پاس کوئی دلیل ہے ہی نہیں صرف قصص و حکایات
ہیں۔ جیسے آج بھی قبر پرستوں کے پاس من گھڑت کراماتی قصوں کے سوا کچھ نہیں۔

(۵) کیونکہ انہیں یقین ہو چکا ہو گا کہ سب جہنم میں داخل ہونے والے ہیں۔

(۶) یعنی اللہ تعالیٰ مختار کل ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی کو سرے سے کوئی اختیار ہی نہیں چہ جائیکہ کوئی مختار کل ہو۔

اَللّٰهُ وَتَعْلٰی مَا تَشْرَکُوْنَ ۝

اللہ ہی کے لیے پاکی ہے وہ بلند تر ہے ہر اس چیز سے کہ لوگ شریک کرتے ہیں۔ (۶۸)

ان کے سینے جو کچھ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں آپ کا رب سب کچھ جانتا ہے۔ (۶۹)

وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے۔ اسی کے لیے فرمانروائی ہے اور اسی کی طرف تم سب پھیرے جاؤ گے۔ (۷۰)

کہہ دیجئے! کہ دیکھو تو سہی اگر اللہ تعالیٰ تم پر رات ہی رات قیامت تک برابر کر دے تو سوائے اللہ کے کون معبود ہے جو تمہارے پاس دن کی روشنی مائے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ (۷۱)

پوچھئے! کہ یہ بھی بتا دو کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن رکھے تو بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود ہے جو تمہارے پاس رات لے آئے؟ جس میں تم آرام حاصل کرو کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو؟ (۷۲)

اسی نے تو تمہارے لیے اپنے فضل و کرم سے دن رات مقرر کر دیے ہیں کہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اس کی بھیجی ہوئی روزی تلاش کرو^(۱) یہ اس لیے کہ تم

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا كُنْتُمْ صَدُّوهُمْ وَمَا يَعْلَمُونَ ۝

وَهُوَ اللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْاُخْرٰى اَلْاَوَّلُ وَالْاٰخِرَةُ
وَلَهُ غُلُوْمٌ اَلْبٰیۡتُ يُرْجَعُوْنَ ۝

فَلْ اَرٰیۡتُمْ لَیْلًا جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْکُمُ اللَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ
الْقِیَمَةِ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرِ اللّٰهِ یَاۡتِیْکُمْ بِضِیَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝

فَلْ اَرٰیۡتُمْ لَیْلًا جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْکُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ
الْقِیَمَةِ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرِ اللّٰهِ یَاۡتِیْکُمْ بِلَیْلِ تَسْلُمُوْنَ فِیْہِۃٍ
اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝

وَمِنْ رَّحْمَتِہٖ جَعَلَ لَکُمُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْلَمُوْا فِیْہِۃٍ

(۱) دن اور رات یہ دونوں اللہ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ رات کو تاریک بنایا تاکہ سب لوگ آرام کر سکیں۔ اس اندھیرے کی وجہ سے ہر مخلوق سونے اور آرام کرنے پر مجبور ہے۔ ورنہ اگر آرام کرنے اور سونے کے اپنے اپنے اوقات ہوتے تو کوئی بھی مکمل طریقے سے سونے کا موقع نہ پاتا جب کہ معاشی تک و دو اور کاروبار جہاں کے لیے نیند کا پورا کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر توانائی بحال نہیں ہوتی۔ اگر کچھ لوگ سو رہے ہوتے اور کچھ جاگ کر مصروف تک و تاز ہوتے تو سونے والوں کے آرام و راحت میں خلل پڑتا نیز لوگ ایک دوسرے کے تعاون سے بھی محروم رہتے جب کہ دنیا کا نظام ایک دوسرے کے تعاون و تناصر کا محتاج ہے اس لیے اللہ نے رات کو تاریک کر دیا تاکہ ساری مخلوق بیک وقت آرام کرے اور کوئی کسی کی نیند اور آرام میں خلل نہ ہو سکے۔ اسی طرح دن کو روشن بنایا تاکہ روشنی

وَلْيَتَّبِعُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۱﴾

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ

كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۵۲﴾

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ

فَعَدِمُوا إِنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْزَحُونَ ﴿۵۳﴾

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مَوْسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ

شُكْرًا وَكَرِهَ ﴿۵۴﴾

اور جس دن انہیں پکار کر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جنہیں تم

میرے شریک خیال کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ ﴿۵۴﴾

اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ الگ کریں گے کہ اپنی

دلیلیں پیش کرو ﴿۵۵﴾ پس اس وقت جان لیں گے کہ حق اللہ

تعالیٰ کی طرف ہے ﴿۵۶﴾ اور جو کچھ افترا وہ جوڑتے تھے سب

ان کے پاس سے کھو جائے گا۔ ﴿۵۷﴾

قارون تھا تو قوم موسیٰ سے، لیکن ان پر ظلم کرنے لگا تھا ﴿۵۸﴾

ہم نے اسے (اس قدر) خزانے دے رکھے تھے کہ کئی کئی

میں انسان اپنا کاروبار بہتر طریقے سے کر سکے۔ دن کی یہ روشنی نہ ہوتی تو انسان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا اسے ہر شخص باسانی سمجھتا اور اس کا اور اک رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کے حوالے سے اپنی توحید کا اثبات فرمایا ہے کہ بلاؤ اگر اللہ تعالیٰ دن اور رات کا یہ نظام ختم کر کے ہمیشہ کے لیے تم پر رات ہی مسلط کر دے۔ تو کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ایسا ہے جو تمہیں دن کی روشنی عطا کر دے؟ یا اگر وہ ہمیشہ کے لیے دن ہی دن رکھے تو کیا کوئی تمہیں رات کی تاریکی سے بہرہ ور کر سکتا ہے؟ جس میں تم آرام کر سکو؟ نہیں۔ یقیناً نہیں۔ یہ صرف اللہ کی کمال مہربانی ہے کہ اس نے دن اور رات کا ایسا نظام قائم کر دیا ہے کہ رات آتی ہے تو دن کی روشنی ختم ہو جاتی ہے اور تمام مخلوق آرام کر لیتی ہے اور رات جاتی ہے تو دن کی روشنی سے کائنات کی ہر چیز نمایاں اور واضح تر ہو جاتی ہے اور انسان کسب و محنت کے ذریعے سے اللہ کا فضل (روزنی) تلاش کرتا ہے۔

(۱) یعنی اللہ کی حمد و ثناء بھی بیان کرو (یہ زبانی شکر ہے) اور اللہ کی دی ہوئی دولت، صلاحیتوں اور توانائیوں کو اس کے احکام و ہدایات کے مطابق استعمال کرو۔ (یہ عملی شکر ہے)

(۲) اس گواہ سے مراد پیغمبر ہے۔ یعنی ہر امت کے پیغمبر کو اس امت سے الگ کھڑا کر دیں گے

(۳) یعنی دنیا میں میرے پیغمبروں کی دعوت توحید کے باوجود تم جو میرے شریک ٹھہراتے تھے اور میرے ساتھ ان کی بھی عبادت کرتے تھے اس کی دلیل پیش کرو۔

(۴) یعنی وہ حیران اور سکت کھڑے ہوں گے، کوئی جواب اور دلیل انہیں نہیں سوجھے گی۔

(۵) یعنی ان کے کام نہیں آئے گا۔

(۶) اپنی قوم بنی اسرائیل پر اس کا ظلم یہ تھا کہ اپنے مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے ان کا استغناء کرتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ فرعون کی طرف سے یہ اپنی قوم بنی اسرائیل پر عامل مقرر تھا اور ان پر ظلم کرتا تھا۔

مِنَ الْكُفُورِ مَا إِنَّ مَفَاحِيَهُ لَتَشُوِّ بِالْقُصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ
إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۝

وَابْتَهِرْ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَيْبَكَ
مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَتَّبِعْ
الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۝

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۚ أَوَلَمْ يَتْلُوكَ اللَّهُ قَدْ

طاقت و ر لوگ بہ مشکل اس کی کنجیاں اٹھا سکتے تھے، ایک
بار اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اتر امت! (۴) اللہ تعالیٰ
اترانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ (۵۶)

اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں سے
آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ (۴) اور اپنے دنیوی
حصے کو بھی نہ بھول (۵) اور جیسے کہ اللہ نے تیرے ساتھ
احسان کیا ہے تو بھی اچھا سلوک کر (۶) اور ملک میں فساد کا
خواہاں نہ ہو، (۷) یقین مان کہ اللہ مفسدوں کو ناپسند رکھتا
ہے۔ (۷۷)

قارون نے کہا یہ سب کچھ مجھے میری اپنی سمجھ کی بنا
پر ہی دیا گیا ہے، (۸) کیا اسے اب تک یہ نہیں معلوم کہ

(۱) تَنُوءُہ کے معنی ہیں تھیل (جھلنا) یعنی جس طرح کوئی شخص بھاری چیز اٹھاتا ہے تو بوجھ کی وجہ سے ادھر ادھر زکھڑاتا ہے
اس کی چابیوں کا بوجھ اتنا زیادہ تھا کہ ایک طاقت ور جماعت بھی اسے اٹھاتے ہوئے دقت اور گرانی محسوس کرتی تھی۔

(۲) یعنی ماں و دولت پر فخر اور غرور مت کرو، بعض نے بخل، معنی کیے ہیں، بخل مت کر۔

(۳) یعنی تکبر اور غرور کرنے والوں کو یا بخل کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

(۴) یعنی اپنے ماں کو ایسی جگہوں اور راہوں پر خرچ کر، جہاں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے، اس سے تیری آخرت سنورے
گی اور وہاں اس کا تجھے اجر و ثواب ملے گا۔

(۵) یعنی دنیا کے مباحات پر بھی اعتدال کے ساتھ خرچ کر۔ مباحات دنیا کیا ہیں؟ کھانا پینا، لباس، گھر اور نکاح وغیرہ۔
مطلب یہ ہے کہ جس طرح تجھ پر تیرے رب کا حق ہے، اسی طرح تیرے اپنے نفس کا، بیوی بچوں کا اور مہمانوں وغیرہ کا
بھی حق ہے، ہر حق واسلے کو اس کا حق دے۔

(۶) اللہ نے تجھے مال دے کر تجھ پر احسان کیا ہے تو مخلوق پر خرچ کر کے ان پر احسان کر۔

(۷) یعنی تیرا مقصد زمین میں فساد پھیلانا نہ ہو۔ اسی طرح مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کے بجائے بد سلوکی مت کر، نہ
معصیتوں کا ارتکاب کر کہ ان تمام باتوں سے فساد پھیلتا ہے۔

(۸) ان نصیحتوں کے جواب میں اس نے یہ کہا۔ اس کا مطلب ہے کہ مجھے کسب و تجارت کا جو فن آتا ہے، یہ دوست تو
اس کا نتیجہ اور ثمر ہے، اللہ کے فضل و کرم سے اس کا کیا تعلق ہے؟ دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ اللہ نے مجھے یہ مال

أَهْلَتْ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْغُرُوبِ مَنْ هُوَ شَدِيدُ مَنَّةٍ قُوَّةً وَالْكَرَّ
جَمْعًا وَلَا يَنْفَكُ عَنْ ذُنُوبِهِمْ الْمَخْرِقُونَ ⑤

لَهُمْ عَلَى قُوَّهِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ
الدُّنْيَا يَلِيتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو
حَقِّعٍ عَظِيمٍ ⑥

وَقَالَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْعِلْمَ وَيَنْكَرُونَ نَوَافِلَ اللَّهِ فَخَيَّرَ لِمَنْ

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بہت سے بستی والوں کو غارت کر دیا جو اس سے بہت زیادہ قوت والے اور بہت بڑی جمع پونجی والے تھے۔^(۱) اور گنہگاروں سے ان کے گناہوں کی باز پرس ایسے وقت نہیں کی جاتی۔^(۲) (۷۸)

پس قارون پوری آرائش کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا،^(۳) تو دنیاوی زندگی کے متوالے کہنے لگے،^(۴) کاش کہ ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔ یہ تو بڑا ہی قسمت کا دھنی ہے۔ (۷۹)

ذی علم لوگ انہیں سمجھانے لگے کہ افسوس! بہتر چیز تو وہ

دیا ہے تو اس نے اپنے علم کی وجہ سے دیا ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں اور میرے لیے اس نے یہ پسند کیا ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر انسانوں کا ایک اور قول اللہ نے نقل فرمایا ہے ”جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اسے اپنی نعمت سے نواز دیتے ہیں تو کہتا ہے ﴿إِنَّمَا أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ فَلْيَرْجِعُوا﴾“ (الفصل ۷۸، آئی۔ علیٰ عِلْمٍ مِنَ اللَّهِ) یعنی ”مجھے یہ نعمت اس لیے ملی ہے کہ اللہ کے علم میں میں اس کا مستحق تھا۔“ ایک مقام پر ہے ”جب ہم انسان پر تکلیف کے بعد اپنی رحمت کرتے ہیں تو کہتا ہے ﴿هَذَا بَلَاءٌ﴾“ (احسن المسجدة ۵۰، آئی۔ هَذَا أَسْتَحْجِفُ یہ تو میرا استحقاق ہے (ابن کثیر) بعض کہتے ہیں کہ قارون کو کیسا (سونا بنانے کا) علم آتا تھا، یہاں یہی مراد ہے اسی کیسے گری سے اس نے اتنی دولت کمال تھی۔ لیکن امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ علم سراسر جھوٹ، فریب اور دھوکہ ہے۔ کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کی ماہیت تبدیل کر دے۔ اس لیے قارون کے لیے بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ دوسری دھاتوں کو تبدیل کر کے سونا بنالیا کرتا اور اس طرح دولت کے انبار جمع کر لیتا۔

(۱) یعنی قوت اور مال کی فراوانی، یہ فضیلت کا باعث نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پچھلی قومیں تباہ و برباد نہ ہوتیں۔ اس لیے قارون کا اپنی دولت پر گھمبہ کرنے اور اسے باعث فضیلت گرداننے کا کوئی جواز نہیں۔

(۲) یعنی جب گناہ اتنی زیادہ تعداد میں ہوں کہ ان کی وجہ سے وہ مستحق عذاب قرار دے دیئے گئے ہوں تو پھر ان سے باز پرس نہیں ہوتی، بلکہ اچانک ان کا مواخذہ کر لیا جاتا ہے۔

(۳) یعنی نہنت و آرائش اور خدم و حشم کے ساتھ۔

(۴) یہ کہنے والے کون تھے؟ بعض کے نزدیک ایمان والے ہی تھے جو اس کی امارت و شوکت کے مظاہر سے متاثر ہو گئے تھے اور بعض کے نزدیک کافر تھے۔

أَمَّنْ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَاقِهَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ۝

ہے جو بطور ثواب انہیں ملے گی جو اللہ پر ایمان لائیں اور نیک عمل کریں^(۱) یہ بات انہی کے^(۲) دل میں ڈالی جاتی ہے جو صبر و سہار والے ہوں۔ (۸۰)

فَنَحْنُ عَلَيْهِ وَبِئَارِ الْأَرْضِ قَدْ كَانَ لَهُ مِنْ فِتْنَةٍ يَتَصَوَّرُونَ

(آخر کار) ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا^(۳) اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لیے تیار نہ ہوئی نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا۔ (۸۱)

مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَفِعِينَ ۝

اور جو لوگ کل اس کے مرتبہ پر پہنچنے کی آرزو مندیاں کر رہے تھے وہ آج کہنے لگے کہ کیا تم نہیں دیکھتے^(۴) کہ

وَأَضْمَرَ الْيَهُودَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَيْمَانِ يَقُولُونَ وَيَخَافُ اللَّهُ

(۱) یعنی جن کے پاس دین کا علم تھا اور دنیا اور اس کے مظاہر کی اصل حقیقت سے باخبر تھے انہوں نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اللہ نے اہل ایمان اور اعمال صالح بجالانے والوں کے لیے جو اجر و ثواب رکھا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ جیسے حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور نہ کسی کے دہم و گمان میں ان کا گزر ہوا۔“ البخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ یریدون أن یبدلوا کلام اللہ، ومسلم، کتاب الإیمان، باب أَدَسِ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَرَلًا

(۲) یعنی یَلْقَاهَا میں ہا کا مرجع، کل ہے اور یہ قول اللہ کا ہے۔ اور اگر اسے اہل علم ہی کے قوس کا تہہ قرار دیا جائے تو ہا کا مرجع جنت ہوگی یعنی جنت کے مستحق وہ صابر ہی ہوں گے جو دنیاوی لذتوں سے کنارہ کش اور آخرت کی زندگی میں رغبت رکھنے والے ہوں گے۔

(۳) یعنی قارون کو اس کے تکبر کی وجہ سے اس کے محل اور خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ایک آدمی اپنی ازار زمین پر لٹکائے جا رہا تھا (اللہ کو اس کا یہ تکبر پسند نہیں آیا) اور اسے زمین میں دھنسا دیا گیا“ پس وہ قیامت تک زمین میں دھنسا چلا جائے گا“ البخاری، کتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلاء

(۴) مکان سے مراد وہ دنیاوی مرتبہ و منزلت ہے جو دنیا میں کسی کو عارضی طور پر ملتا ہے۔ جیسے قارون کو ملتا تھا، اس گزشتہ کل کو کہتے ہیں۔ مطلب زمانہ قریب ہے۔ وَتَكُنْ أَصْلٌ میں ”وَتَكُنْ أَصْلٌ“ ہے اس کو مخفف کر کے وَتَكُنْ، بنا دیا گیا ہے، یعنی وَتَكُنْ أَصْلٌ۔ یعنی افسوس یا تعجب ہے، تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ..... بعض کے نزدیک یہ آئم تر کے معنی

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَوْ لَا اَنَّ مَعَكُمْ
اللَّهُ عَيْنًا لَخَسَفَ بِنَارٍ وَيَكَاذِبُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿٥٠﴾

بَلَدَ الدَّارِ الْآخِرَةِ تَجْعَلُهَا يُدُبِشْنَ لَا يُرِيدُونَ غُلُوًّا
فِي الْأَرْضِ وَلَا فُسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٥١﴾

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ حَيْرٌ مِّمَّا دَسَّ مَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا
يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٥٢﴾

اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے
روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی؟ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر
فضل نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا، کیا دیکھتے نہیں ہو کہ
ناشکروں کو کبھی کامیابی نہیں ہوتی؟ (۸۲)

آخرت کا یہ بھلا گھر ہم ان ہی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں
جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے نہ فساد کی
چاہت رکھتے ہیں۔ پرہیزگاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ
انجام ہے۔ (۸۳)

جو شخص نیکی لائے گا اسے اس سے بہتر ملے گا (۸۴) اور جو برائی
لے کر آئے گا تو ایسے بد اعمال کرنے والوں کو ان کے انہی
اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے تھے۔ (۸۵)

میں ہے (ابن کثیر) جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قارون کی سی دولت و حشمت کی آرزو کرنے والوں
نے جب قارون کا عبرت ناک حشر دیکھا تو کہا کہ مال و دولت اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صاحب مال
سے راضی بھی ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو مال زیادہ دے دیتا ہے اور کسی کو کم۔ اس کا تعلق اس کی
مشیت اور حکمت بالغہ سے ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، مال کی فراوانی اس کی رضا کی اور مال کی کمی اس کی
ناراضی کی دلیل نہیں ہے نہ یہ معیار فضیلت ہی ہے۔

(۱) یعنی ہم بھی اسی حشر سے دوچار ہوتے جس سے قارون دوچار ہوا۔

(۲) یعنی قارون نے دولت پا کر شکر گزاری کے بجائے ناشکری اور معصیت کا راستہ اختیار کیا تو دیکھ لو اس کا انجام بھی
کیسا ہوا؟ دیکھو مجھے جو دیدہ و عبرت نگاہ ہو۔

(۳) غُلُو کا مطلب ہے ظلم و زیادتی، لوگوں سے اپنے کو بڑا اور برتر سمجھنا اور باور کرانا، تکبر اور فخر و غرور کرنا اور فساد
کے معنی ہیں ناحق لوگوں کا مل ہتھیانا یا فرمایوں کا ارتکاب کرنا کہ ان دونوں باتوں سے زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ فرمایا کہ
متقین کا عمل و اخلاق ان برائیوں اور کوتاہیوں سے پاک ہوتا ہے اور تکبر کے بجائے ان کے اندر تواضع، فروتنی اور
معصیت کشی کی بجائے اطاعت کشی ہوتی ہے اور آخرت کا گھر یعنی جنت اور حسن انجام انہی کے حصے میں آئے گا۔

(۴) یعنی کم از کم ہر نیکی کا بدلہ دس گنا تو ضرور ہی ملے گا اور جس کے لیے اللہ چاہے گا اس سے بھی زیادہ، کہیں زیادہ،
عطا فرمائے گا۔

(۵) یعنی نیکی کا بدلہ تو بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا لیکن برائی کا بدلہ برائی کے برابر ہی ملے گا۔ یعنی نیکی کی جزا میں اللہ کے

إِنَّ الدِّينَ قَرَضٌ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأْدًا إِلَىٰ مَصَادِقِهِ
قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ قَضِيٌّ ضَالِّ مُبِينٌ ⑤

وَمَا كُنْتُمْ تَرْجُو أَن يُنْفِقَ إِلَيْكَ الْيَتِيمَ إِلَّا رَحْمَةً
مِّنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ ⑥

وَلَا يَصُدُّكَ عَنْ آيَةِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أَنزَلْتُ إِلَيْكَ

جس اللہ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے ^(۱) وہ آپ کو دوبارہ پہلی جگہ لانے والا ہے، ^(۲) کہہ دیجئے! کہ میرا رب اسے بھی بخوبی جانتا ہے جو ہدایت لایا ہے اور اسے بھی جو کھلی گمراہی میں ہے۔ ^(۳) (۸۵)

آپ کو تو کبھی اس کا خیال بھی نہ گزرا تھا کہ آپ کی طرف کتاب نازل فرمائی جائے گی ^(۴) لیکن یہ آپ کے رب کی مہربانی سے اترا۔ ^(۵) اب آپ کو ہرگز کافروں کا مددگار نہ ہونا چاہیئے۔ ^(۶) (۸۶)

خیال رکھیئے کہ یہ کفار آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تبلیغ

فصل و کرم کا اور بدی کی جزا میں اس کے عدل کا مظاہرہ ہو گا۔

(۱) یا اس کی حدود اور اس کی تبلیغ و دعوت آپ پر فرض کی ہے۔

(۲) یعنی آپ کے مولد مکہ 'جہاں سے آپ نکلنے پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری میں اس کی یہی تفسیر نقل ہوئی ہے۔ چنانچہ ہجرت کے آٹھ سال بعد اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو گیا اور آپ ۸ ہجری میں فاتحانہ طور پر مکہ میں دوبارہ تشریف لے گئے۔ بعض نے معاد سے مراد قیامت لی ہے۔ یعنی قیامت والے دن آپ کو اپنی طرف لوٹائے گا اور تبلیغ رسالت کے بارے میں پوچھے گا۔

(۳) یہ مشرکین کے اس جواب میں ہے جو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آبائی اور روایتی مذہب سے انحراف کی بنا پر گمراہ سمجھتے تھے۔ فرمایا "میرا رب خوب جانتا ہے کہ گمراہ میں ہوں" جو اللہ کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہوں یا تم ہو" جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کو قبول نہیں کر رہے ہو؟"

(۴) یعنی نبوت سے قبل آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آپ کو رسالت کے لیے چنا جائے گا اور آپ پر کتاب الہی کا نزول ہو گا۔

(۵) یعنی یہ نبوت و کتاب سے سرفرازی اللہ کی خاص رحمت کا نتیجہ ہے جو آپ پر ہوئی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبوت کوئی کبھی چیز نہیں ہے جسے محنت اور سعی و کاوش سے حاصل کیا جاسکتا رہا ہو۔ بلکہ یہ سراسر ایک وہی چیز تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا رہا، نبوت و رسالت سے مشرف فرماتا رہا حتیٰ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سلسلہ اندہب کی آخری کڑی قرار دے کر اسے موقوف فرمادیا گیا۔

(۶) اب اس نعمت اور فضل الہی کا شکر آپ اس طرح ادا کریں کہ کافروں کی مدد اور ہمنوائی نہ کریں۔

وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۵﴾

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۶﴾

سُورَةُ الْعَنَكِبُوتِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُ ۚ أَحْسَبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا اسْتَغَاثُوا

سے روک نہ دیں^(۱) اس کے بعد کہ یہ آپ کی جانب اتاری گئیں، تو اپنے رب کی طرف جلاتے رہیں اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ (۸۷)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارنا^(۲)۔ بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی اور معبود نہیں، ہر چیز فنا ہونے والی ہے مگر اسی کا منہ۔^(۳) (اور ذات) اسی کے لیے فرمانروائی ہے^(۴) اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔^(۵) (۸۸)

سورۃ عنکبوت کی ہے اور اس کی انتہر آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الم (۱) کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم انہیں بغیر

(۱) یعنی ان کافروں کی باتیں، ان کی ایذا رسانی اور ان کی طرف سے تبلیغ و دعوت کی راہ میں رکاوٹیں، آپ کو قرآن کی حدود اور اس کی تبلیغ سے نہ روک دیں۔ بلکہ آپ پوری تن دی اور یکسوئی سے رب کی طرف جلانے کا کام کرتے رہیں۔

(۲) یعنی کسی اور کی عبادت نہ کرنا، نہ دعا کے ذریعے سے، نہ نذر و نیاز کے ذریعے سے، نہ ہی قربانی کے ذریعے سے کہ یہ سب عبادات ہیں جو صرف ایک اللہ کے لیے خاص ہیں۔ قرآن میں ہر جگہ غیر اللہ کی عبادت کو پکارنے سے تعبیر کیا گیا ہے، جس سے مقصود اسی نکتے کی وضاحت ہے کہ غیر اللہ کو مافوق الاسباب طریقے سے پکارنا، ان سے استمداد و استغاثہ کرنا، ان سے دعائیں اور التجائیں کرنا یہ ان کی عبادت ہی ہے جس سے انسان مشرک بن جاتا ہے

(۳) وَجْهَهُ (اس کا منہ) سے مراد اللہ کی ذات ہے جو دو (چہرہ) سے متصف ہے۔ یعنی اللہ کے سوا ہر چیز ہدک اور فنا ہو جانے والی ہے۔ ﴿كُلٌّ مِّنْ عِلَيْهَا فَاَن﴾ وَتَسْئَلُ رَبَّهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿﴾ (الرحمن ۲۷-۲۸)

(۴) یعنی اسی کا فیصلہ، جو وہ چاہے، نافذ ہوتا ہے اور اسی کا حکم، جس کا وہ ارادہ کرے، چلتا ہے۔

(۵) تاکہ وہ نیکیوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور بدوں کو ان کی بدیوں کی سزا دے۔

لَا يُفَتَنُونَ ①

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ

الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ②

أَرْحَمَ الرَّحِيمِينَ يَعْمَلُونَ الشَّيَاطِ أَنْ يَنْبَغُوا

سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ③

آزمائے ہوئے ہی چھوڑ دیں گے؟ ① (۲)

ان سے انگلوں کو بھی ہم نے خوب جانچا۔ ② یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھی جان لے گا جو سچ کہتے ہیں اور انہیں بھی معلوم کر لے گا جو جھوٹے ہیں۔ (۳)

کیا جو لوگ برائیاں کر رہے ہیں انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائیں گے، ③ یہ سوگ کیسی بری تجویزیں کر رہے ہیں۔ ④ (۳)

(۱) یعنی یہ گمان کہ صرف زبان سے ایمان لانے کے بعد 'بغیر امتحان لیے' انہیں چھوڑ دیا جائے گا، صحیح نہیں۔ بلکہ انہیں جان و مال کی تکالیف اور دیگر آزمائشوں کے ذریعے سے جانچا پرکھا جائے گا تاکہ کھرے کھوٹے کا، سچے جھوٹے کا اور مومن و منافق کا پتہ چل جائے۔

(۲) یعنی یہ سنت الہیہ ہے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے۔ اس لیے وہ اس امت کے مومنوں کی بھی آزمائش کرے گا جس طرح پہلی امتوں کی آزمائش کی گئی۔ ان آیات کی شان نزول کی روایات میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس ظلم و ستم کی شکایت کی جس کا نشانہ وہ کفار مکہ کی طرف سے بنے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ تشدد و ایذا تو اہل ایمان کی تاریخ کا حصہ ہے۔ تم سے پہلے بعض مومنوں کا یہ حال کیا گیا کہ انہیں ایک گڑھا کھود کر اس میں کھڑا کر دیا گیا اور پھر ان کے سروں پر آرا چلا دیا گیا جس سے ان کے جسم دو حصوں میں تقسیم ہو گئے، اسی طرح لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت پر ہڈیوں تک پھیری گئیں۔ لیکن یہ ایذا نہیں انہیں دین حق سے پھیرنے میں کامیاب نہیں ہوئیں۔" (صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب علامات النبوة فی الإسلام) حضرت عمارؓ ان کی والدہ حضرت سمیہؓ اور والدہ حضرت یاسرؓ حضرت صہیبؓ بلالؓ و مقدادؓ وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اسلام کے ابتدائی دور میں جو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، وہ صفحت تاریخ میں محفوظ ہیں۔ یہ واقعات ہی ان آیات کے نزول کا سبب بنے۔ تاہم عموم اغاظ کے اعتبار سے قیامت تک کے اہل ایمان اس میں داخل ہیں۔

(۳) یعنی ہم سے بھاگ جائیں گے اور ہماری گرفت میں نہ آسکیں گے۔

(۴) یعنی اللہ کے بارے میں کس ظن فاسد میں یہ مبتلا ہیں، جب کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر بات سے باخبر بھی۔ پھر اس کی نافرمانی کر کے اس کے مؤاخذہ و عذاب سے بچنا کیوں کر ممکن ہے؟

مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنْ أَجَلَ اللَّهُ لَكَ
وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ①

وَمَنْ جَاهَدْ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ
عَنِ الْعَالَمِينَ ②

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ
سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرًا لَدُنِّي كَالَّذِينَ آمَنُوا ③

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ

جسے اللہ کی ملاقات کی امید ہو پس اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت
یقیناً آنے والا ہے،^(۱) وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ
جاننے والا ہے۔^(۲) (۵)

اور ہر ایک کو شش کرنے والا اپنے ہی بھلے کی کوشش
کرتا ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ تمام جہان و انوں سے بے نیاز
ہے۔^(۳) (۶)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے مطابق سنت کام کیے
ہم ان کے تمام گناہوں کو ان سے دور کر دیں گے اور انہیں
ان کے نیک اعمال کے بہترین بدلے دیں گے۔^(۴) (۷)

ہم نے ہر انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک
کرنے کی نصیحت کی ہے^(۵) ہاں اگر وہ یہ کوشش کریں کہ

(۱) یعنی جسے آخرت پر یقین ہے اور وہ اجر و ثواب کی امید پر اعمال صالحہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی امیدیں برائے گا اور
اسے اس کے عملوں کی مکمل جزا عطا فرمائے گا کیونکہ قیامت یقیناً برپا ہو کر رہے گی اور اللہ کی عدالت ضرور قائم ہوگی۔

(۲) وہ بندوں کی باتوں اور دعاؤں کا سننے والا اور ان کے چھپے اور ظاہر سب عملوں کو جاننے والا ہے۔ اس کے مطابق وہ
جزا و سزا بھی یقیناً دے گا۔

(۳) اس کا مطلب وہی ہے جو ﴿مَنْ حَبَلَ صُلْبًا وَقَصَٰدِغَۃً﴾ «الجناتۃ ۱۵» کا ہے یعنی جو نیک عمل کرے گا اس کا
فائدہ اسی کو ہو گا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو بندوں کے افعال سے بے نیاز ہے۔ اگر سارے کے سارے متقی بن جائیں تو اس سے
اس کی سلطنت میں قوت و اضافہ نہیں ہو گا اور سب نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی بادشاہی میں کمی نہیں ہوگی۔
الفاظ کی مناسبت سے اس میں جماد مع الکفار بھی شامل ہے کہ وہ بھی من جملہ اعمال صالحہ ہی ہے۔

(۴) یعنی باوجود اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے، وہ محض اپنے فضل و کرم سے اہل ایمان کو ان کے
عملوں کی بہترین جزا عطا فرمائے گا۔ اور ایک ایک نیکی پر کئی کئی گنا اجر و ثواب دے گا۔

(۵) قرآن کریم کے متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید و عبادت کا حکم دینے کے ساتھ والدین کے ساتھ حسن
سلوک کی تاکید کی ہے جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ ربوبیت (الہ واحد) کے تقاضوں کو صحیح طریقے سے دہی
سمجھ سکتا اور انہیں ادا کر سکتا ہے جو والدین کی اطاعت و خدمت کے تقاضوں کو سمجھتا اور ادا کرتا ہے۔ جو شخص یہ بات
سمجھنے سے قاصر ہے کہ دنیا میں اس کا وجود والدین کی باہمی قربت کا نتیجہ اور اس کی تربیت و پرورش ان کی غایت مرانی

لِشْرِكٍ بِنِ مَّا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطْعَمُهُمَا ۚ اِلٰى
مَرْجِعِكُمْ فَاِنتَبِهُو بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ
الصّٰلِحِيْنَ ۝

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَا اُوْدِيَ
فِي الْاَلَمِ جَعَلَ فِتْنَةً لِلنَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَلَٰكِنَّ

آپ میرے ساتھ اسے شریک کر لیں جس کا آپ کو علم
نہیں تو ان کا کمانہ مانیے،^(۱) تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف
ہے پھر میں ہر اس چیز سے جو تم کرتے تھے تمہیں خبر دوں گا۔ (۸)
اور جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک کام کیے انہیں
میں اپنے نیک بندوں میں شمار کر لوں گا۔^(۲) (۹)

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو زبانی کہتے ہیں کہ
ہم ایمان لائے ہیں لیکن جب اللہ کی راہ میں
کوئی مشکل آن پڑتی ہے تو لوگوں کی ایذا دہی کو
اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح بنا لیتے ہیں،^(۳)

اور شفقت کا ثمرہ ہے۔ اس لیے مجھے ان کی خدمت میں کوئی کوتاہی اور ان کی اطاعت سے سرتابی نہیں کرنی چاہیے۔ وہ
یقیناً خالق کائنات کو سمجھنے اور اس کی توحید و عبادت کے تقاضوں کی ادائیگی سے بھی قاصر رہے گا۔ اسی لیے حدیث میں
بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید آئی ہے۔ ایک حدیث میں والدین کی رضامندی کو اللہ کی رضا اور ان کی
ناراضی کو رب کی ناراضی کا باعث قرار دیا گیا ہے۔

(۱) یعنی والدین اگر شرک کا حکم دیں (اور اسی میں دیگر معاصی کا حکم بھی شامل ہے) اور اس کے لیے خاص کوشش بھی کریں۔
(جیسا کہ مجاہدہ کے لفظ سے واضح ہے) تو ان کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ ”لَا طَاعَةَ لِّاَحَدٍ مِّنْ مَّغْصِبَةِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ
تَعَالٰی“ مسند احمد ۶/۲۶۷ والصحبہ للابن ابی نعیم ۴۹۰ ”اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔“

اس آیت کی شان نزول میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا واقعہ آتا ہے کہ ان کے مسلمان ہونے پر ان کی والدہ نے
کہا کہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی، یہاں تک کہ مجھے موت آجائے یا پھر تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا انکار کر
دے، بالآخر یہ اپنی والدہ کو زبردستی منہ کھول کر کھلاتے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح مسلم ترمذی،
تفسیر سورۃ العنکبوت)

(۲) یعنی اگر کسی کے والدین مشرک ہوں گے تو مومن بیٹا نیکیوں کے ساتھ ہو گا، والدین کے ساتھ نہیں، اس لیے کہ گو
والدین دنیا میں اس کے بہت قریب رہے ہوں گے لیکن اس کی محبت دینی اہل ایمان ہی کے ساتھ تھی بنا بریں انقرض منع
مَنْ اَحَبَّ کے تحت وہ ذمہ صالحین میں ہو گا۔

(۳) اس میں اہل غفائی یا کمزور ایمان والوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ ایمان کی وجہ سے انہیں ایذا پہنچتی ہے تو عذاب الہی
کی طرح وہ ان کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ نتیجتاً وہ ایمان سے پھر جاتے اور دین عوام کو اختیار کر لیتے ہیں۔

جَاءَ نَصْرُ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ أَوَّلَيْنَ
اللَّهِ يَا أَعْلَمُ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ۝

وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ۝

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا
وَلْنَحْمِلَ خَطِيئَتَكُمْ وَمَا نَحْمِلُ مِنْهَا مِنْ خَطِيئَةٍ مِنْ شَيْءٍ

ہاں اگر اللہ کی مدد آجائے ^(۱) تو پکار اٹھتے ہیں کہ ہم تو
تمہارے ساتھی ہی ہیں ^(۲) کیا دنیا جہان کے سینوں میں جو
کچھ ہے اس سے اللہ تعالیٰ وانا نہیں ہے؟ ^(۳) (۱۰)
جو لوگ ایمان لائے اللہ انہیں بھی ظاہر کر کے رہے گا
اور منافقوں کو بھی ظاہر کر کے رہے گا۔ ^(۴) (۱۱)

کافروں نے ایمان والوں سے کہا کہ تم ہماری راہ کی
تابعداری کرو تمہارے گناہ ہم اٹھالیں گے، ^(۵) حالانکہ وہ
ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی نہیں اٹھانے والے، یہ

(۱) یعنی مسلمانوں کو فتح و غلبہ نصیب ہو جائے۔

(۲) یعنی تمہارے دینی بھائی ہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ ”وہ لوگ تمہیں
دیکھتے رہتے ہیں، اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح ملتی ہے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ اور اگر حادث
کافروں کے لیے کچھ سازگار ہوتے ہیں تو کافروں سے جا کر کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تم کو گھیر نہیں لیا تھا اور مسلمانوں سے
تم کو نہیں بچایا تھا؟“ (النساء-۱۳۱)

(۳) یعنی کیا اللہ ان باتوں کو نہیں جانتا جو تمہارے دلوں میں ہے اور تمہارے ضمیروں میں پوشیدہ ہے۔ گو تم زبان سے
مسلمانوں کا ساتھی ہونا ظاہر کرتے ہو۔

(۴) اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ خوشی اور تکلیف دے کر آزمائے گا تاکہ منافق اور مومن کی تمیز ہو جائے جو دونوں
حالات میں اللہ کی اطاعت کرے گا وہ مومن ہے اور جو صرف خوشی اور راحت میں اطاعت کرے گا تو اس کے معنی یہ
ہیں کہ وہ صرف اپنے حظ نفس کا مطیع ہے اللہ کا نہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَتَبْلُوكُمْ حَتَّىٰ تَقُتِلُوا أَوْ تَكُونُوا
مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ اسودہ محمد (۳۱) ”ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے تاکہ ہم جاں میں تم میں
مجاہد اور صابر کون ہیں اور تمہارے دیگر حالات بھی جانچیں گے۔“ جنگ احد کے بعد جس میں مسلمان اقل
و امتحان کی بجلی سے گزارے گئے تھے فرمایا ﴿مَا كَانَ اللَّهُ لِيُذِلَّ الْمُؤْمِنِينَ أَلِ مَا أَكُنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾
سورۃ آل عمران ۱۶۶ ”نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ وہ چھوڑ دے مومنوں کو اس حالت پر جس پر کہ تم ہو یہاں تک کہ وہ
جدا کر دے ناپاک کو پاک سے“

(۵) یعنی تم اسی آیاتی دین کی طرف لوٹ آؤ جس پر ہم ابھی تک قائم ہیں اس لیے کہ وہی دین صحیح ہے۔ اگر اس
روایتی مذہب پر عمل کرنے سے تم گناہ گار ہو گے تو اس کے ذمے دار ہم ہیں وہ بوجہ ہم اپنی گردنوں پر اٹھائیں گے۔

اِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۶﴾

وَلَيَعْلَمَنَّ اَنَّهُمْ وَاَنَّا لَا مَعَّةَ اَنَّهُمْ وَلَيَسْتَلْنَّ يَوْمَ
الرَّجْمَةِ عَنْكَ اَنَّا لَوَّاعُونَ ﴿۱۷﴾وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰى قَوْمِهِ فَاٰتٰهُمُ الْغُلُوْلَ فَاَتٰهُمُ
اِلَّا غَشِيْنَ عَامًا فَاَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۸﴾

فَاَنْجَيْنَاهُ وَاَصْحَابَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنَاهَا اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹﴾

وَاٰتٰهُمْ اِيْمًا اِذْ قَالُ لِقَوْمِهِمْ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ وَاتَّقُوْا ذٰلِكُمْ

تو محض جھوٹے ہیں۔ (۱۶)

البتہ یہ اپنے بوجھ ڈھولیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ
ہی اور بوجھ بھی۔ (۱۷) اور جو کچھ افترا پر دازیاں کر رہے ہیں
ان سب کی بابت ان سے باز پرس کی جائے گی۔ (۱۸)اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا
وہ ان میں ساڑھے نو سو سال تک رہے، (۱۹) پھر تو انہیں
طوفان نے دھر پکڑا اور وہ تھے بھی ظالم۔ (۲۰)پھر ہم نے انہیں اور کشتی والوں کو نجات دی اور اس واقعہ
کو ہم نے تمام جہان کے لیے عبرت کا نشان بنادیا۔ (۲۱)

اور ابراہیم (علیہ السلام) نے بھی اپنی قوم سے فرمایا کہ

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ جھوٹے ہیں۔ قیامت کا دن تو ایسا ہو گا کہ وہاں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ﴿وَلَا تَحْزَنْ وَلَا تَعْزُجْ﴾
﴿يَوْمَ لَا تُغْنِي عَنْكَ غُلُوْلُكَ وَلَا تَعْزُجُ﴾ وہاں تو ایک دوست، دوسرے دوست کو نہیں پوچھے گا چاہے ان کے درمیان نہایت گہری دوستی ہو۔
﴿وَلَا تَسْأَلُ حِمْلًا حِمْلًا﴾ (المعارج ۱۰) حتیٰ کہ رشتے دار ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیں گے ﴿فَاِنْ يَدْعُوْا لِحِفْظِكَ
اِنَّ جَهَنَّمَ اَلَا يَحْتَسِبُ مِنْهُ شَيْءٌ﴾ ﴿وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی﴾ (سورۃ صافات ۱۸) اور یہاں بھی اس بوجھ کے اٹھانے کی نفی فرمائی۔

(۲) یعنی یہ ائمہ کفر اور داعیان ضلال اپنا ہی بوجھ نہیں اٹھائیں گے، بلکہ ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ان پر ہو گا جو
ان کی سعی و کوشش سے گمراہ ہوئے تھے۔ یہ مضمون سورۃ النحل آیت ۲۵ میں بھی گزر چکا ہے۔ حدیث میں ہے 'جو ہدایت
کی طرف بلاتا ہے، اس کے لیے اپنی نیکیوں کے اجر کے ساتھ ان لوگوں کی نیکیوں کا اجر بھی ہو گا جو اس کی وجہ سے
قیامت تک ہدایت کی پیروی کریں گے' بغیر اس کے کہ ان کے اجر میں کوئی کمی ہو۔ اور جو گمراہی کا داعی ہو گا، اس کے
لیے اپنے گناہوں کے علاوہ ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ہو گا جو قیامت تک اس کی وجہ سے گمراہی کا راستہ اختیار
کرنے والے ہوں گے' بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کمی ہو۔ (ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب لروم السنۃ، اس
ماجہ، المقدمة، باب من سن سنۃ حسنۃ أو مسیئۃ، اسی اصول سے قیامت تک ظلم سے قتل کیے جانے والوں
کے خون کا گناہ آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے (قابیل) پر ہو گا۔ اس لیے کہ سب سے پہلے اسی نے ناحق قتل کیا تھا مسد
أحمد ۱/۳۸۳ وقد أخرجه الجماعة سوى أبي داود من طرق)

(۳) قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی دعوت و تبلیغ کی عمر ہے۔ ان کی پوری عمر کتنی تھی؟ اس کی
صراحت نہیں کی گئی۔ بعض کہتے ہیں چالیس سال نبوت سے قبل اور ساٹھ سال طوفان کے بعد، اس میں شامل کر لیے
جائیں۔ اور بھی کئی اقوال ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾

اِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ
اِفْكَارًا اِنَّ الْكَافِرِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ
لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَاتَّقُوا عِنْدَ اللّٰهِ الْيَوْمَ
وَالْعَبْدُوتَ وَاَشْكُرُوا لِرَبِّكُمُ الَّذِي يُرِيكُمْ
وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّكُمْ كَذٰبٌ اٰمُرُكُمْ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَا

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو، اگر تم
میں دانائی ہے تو یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ (۱۱)

تم تو اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں کی پوجا پاٹ کر رہے ہو اور جھوٹی
باتیں دل سے گھڑ لیتے ہو۔ "سنو! جن جنکی تم اللہ تعالیٰ کے
سوا پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ تو تمہاری روزی کے مالک نہیں
پس تمہیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی سے روزیاں طلب کرو
اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کی شکر گزاری کرو" (۱۲) اور اسی
کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ (۱۳)

اور اگر تم جھٹلاؤ تو تم سے پہلے کی امتوں نے بھی جھٹلایا ہے، (۱۴)

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّكُمْ كَذٰبٌ اٰمُرُكُمْ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَا

(۱) اَوْثَانٌ: وُثْن کی جمع ہے۔ جس طرح اَصْنَام، صَمَم کی جمع ہے۔ دونوں کے معنی بت کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں صنم
سونے، چاندی، پتیل اور پتھر کی صورت کو اور وُثْن صورت کو بھی اور چونے کے پتھر وغیرہ کے بنے ہوئے آستانوں کو بھی
کہتے ہیں۔ تَخْلُقُونَ اِفْكَارًا کے معنی ہیں تَخْلُصُونَ كَذِبًا جیسا کہ متن کے ترجمہ سے واضح ہے۔ دوسرے معنی ہیں
تَعْمَلُونَهَا وَتَسْجُدُونَ لَهَا لِلْاِفْكَارِ جھوٹے مقصد کے لیے انہیں بناتے اور گھڑتے ہو۔ مفہوم کے اعتبار سے دونوں ہی
معنی صحیح ہیں۔ یعنی اللہ کو چھوڑ کر تم جن بتوں کی عبادت کرتے ہو وہ تو پتھر کے بنے ہوئے ہیں جو سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے
ہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔ اپنے دل سے ہی تم نے انہیں گھڑ لیا ہے کوئی دلیل تو ان کی صداقت کی تمہارے پاس
نہیں ہے۔ یا یہ بت تو وہ ہیں جنہیں تم خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے اور گھڑتے ہو اور جب ان کی ایک خاص شکل و
صورت بن جاتی ہے تو تم سمجھتے ہو کہ اب ان میں خدائی اختیارات آگئے ہیں اور ان سے تم امیدیں وابستہ کر کے انہیں
حاجت روا اور مشکل کشا پور کر لیتے ہو۔

(۲) یعنی جب یہ بت تمہاری روزی کے اسباب و وسائل میں سے کسی بھی چیز کے مالک نہیں ہیں نہ بارش برسا سکتے
ہیں نہ زمین میں درخت اگا سکتے ہیں اور نہ سورج کی حرارت پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں وہ صلاحیتیں دے سکتے ہیں
جنہیں بروئے کار لا کر تم قدرت کی ان چیزوں سے فیض یاب ہوتے ہو تو پھر تم روزی اللہ ہی سے طلب کرو اسی کی
عبادت اور اسی کی شکر گزاری کرو۔

(۳) یعنی مگر اور پھر دوبارہ زندہ ہو کر جب اسی کی طرف لوٹنا ہے اسی کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے تو پھر اس کا درجہ چھوڑ کر
دوسروں کے در پر اپنی جبین نیاز کیوں جھکاتے ہو؟ اس کے بجائے دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اور دوسروں کو
حاجت روا اور مشکل کشا کیوں سمجھتے ہو؟

(۴) یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول بھی ہو سکتا ہے جو انہوں نے اپنی قوم سے کہا۔ یا اللہ تعالیٰ کا قول ہے جس میں

عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ⑤

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ

إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ⑥

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ

الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُعِيدُهُ يُشَاءُ الْأَخِرَةُ إِنَّ

اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑦

يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ⑧

رسول کے ذمہ تو صرف صاف طور پر پہنچانا ہی ہے۔ (۱۸)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ مخلوق کی ابتدا کس طرح اللہ

نے کی پھر اللہ اس کا اعادہ کرے گا (۱۹) یہ تو اللہ تعالیٰ پر

ہمت ہی آسان ہے۔ (۱۹)

کہہ دیجئے: کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو تو سہی (۲۰) مگر کس

طرح اللہ تعالیٰ نے ابتداء پیدا کر کے کی۔ پھر اللہ تعالیٰ ہی

دوسری نئی پیدا کرے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۰)

جسے چاہے عذاب کرے جس پر چاہے رحم کرے سب

اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۲۱)

اہل مکہ سے خطاب ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار مکہ اگر آپ کو جھٹا رہے ہیں تو اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پیغمبروں کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے۔ پہلی امتیں بھی رسولوں کو جھٹلاتی اور اس کا نتیجہ بھی وہ ہلاکت و تباہی کی صورت میں بھگتی رہی ہیں۔

(۱) اس لیے آپ بھی تبلیغ کا کام کرتے رہیے۔ اس سے کوئی راہ یاب ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کے ذمے دار آپ نہیں ہیں نہ آپ سے اس کی بابت پوچھائی جائے گا کیونکہ ہدایت و ننانہ دینا یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے جو اپنی سنت کے مطابق جس میں ہدایت کی طلب صادق دیکھتا ہے اس کو ہدایت سے نواز دیتا ہے۔ دوسروں کو ضلالت کی تاریکیوں میں بھگتا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔

(۲) توحید و رسالت کے اثبات کے بعد یہاں سے معاد (آخرت) کا اثبات کیا جا رہا ہے جس کا کفار انکار کرتے تھے۔ فریاد پہلی مرتبہ پیدا کرنے والا بھی وہی ہے جب تمہارا سرے سے وجود ہی نہیں تھا پھر تم دیکھنے سننے اور سمجھنے والے بن گئے اور پھر جب مر کر تم مٹی میں مل جاؤ گے بظاہر تمہارا نام و نشان تک نہیں رہے گا اللہ تعالیٰ تمہیں دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ (۳) یعنی یہ بات چاہے تمہیں کتنی ہی مشکل لگے اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔

(۴) یعنی آفاق میں پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیاں دیکھو زمین پر غور کرو کس طرح اسے بچھایا اس میں پہاڑ وادیاں نہریں اور سمندر بنائے اسی سے انواع و اقسام کی روزیاں اور پھل پیدا کیے۔ کیا یہ سب چیزیں اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ انہیں بنایا گیا ہے اور ان کا کوئی بنانے والا ہے؟

(۵) یعنی وہی اصل حاکم اور متصرف ہے اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ تاہم اس کا عذاب یا رحمت یوں ہی اہل نپ نہیں ہوگی بلکہ ان اصولوں کے مطابق ہوگی جو اس نے اس کے لیے طے کر رکھے ہیں۔

وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ قَلْبٍ وَلَا نَاصِيَةٍ ﴿٢٠﴾
وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَكُونُوا
مِنْ الْخَاسِرِينَ ﴿٢١﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَكُونُوا

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ

تم نہ تو زمین میں اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکتے ہو نہ آسمان میں
اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی والی ہے نہ مددگار۔ (۲۲)
جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کو بھلاتے
ہیں وہ میری رحمت سے ناامید ہو جائیں (۱) اور ان کے
لیے دردناک عذاب ہے۔ (۲۳)

ان کی قوم کا جواب: بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ کہنے لگے کہ
اسے مار ڈالو یا اسے جلا دو۔ (۲) آخر اللہ نے انہیں

(۱) اللہ تعالیٰ کی رحمت، دنیا میں عام ہے جس سے کافر اور مومن، منافق اور قاصص اور نیک اور بد سب یکساں طور پر
مستفیض ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو دنیا کے وسائل، آسائشیں اور مال و دولت عطا کر رہا ہے یہ رحمت الہی کی وہ
وسعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (الأعراف: ۵۶) ”میری رحمت نے ہر
چیز کو گھیر لیا ہے۔“ لیکن آخرت چونکہ دارالجزا ہے، انسان نے دنیا کی کھیتی میں جو کچھ بویا ہو گا، اسی کی فصل اسے وہاں
کاٹی ہو گی، جیسے عمل کیے ہوں گے، اسی کی جزا اسے وہاں ملے گی۔ اللہ کی بارگاہ میں بے ناگ فیصلے ہوں گے۔ دنیا کی
طرح اگر آخرت میں بھی نیک و بد کے ساتھ یکساں سلوک ہو اور مومن و کافر دونوں ہی رحمت الہی کے مستحق قرار
پائیں تو اس سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل پر حرف آتا ہے، دوسرے قیامت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ قیامت
کا دن تو اللہ نے رکھا ہی اس لیے ہے کہ وہاں نیکوں کو ان کی نیکیوں کے صلے میں جنت و ربدوں کو ان کی بدیوں کی جزا
میں جہنم دی جائے۔ اس لیے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف اہل ایمان کے لیے خاص ہو گی۔ جسے یہاں بھی
بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ آخرت اور معاہدے ہی منکر ہوں گے وہ میری رحمت سے ناامید ہوں گے یعنی ان کے حصے میں
رحمت الہی نہیں آئے گی۔ سورۃ اعراف میں اس کو ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ ﴿وَمَا كُنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ قَلْبٍ وَلَا نَاصِيَةٍ﴾ (الأعراف: ۵۶) ”میں یہ رحمت (آخرت میں) ان لوگوں کے لیے لکھوں گا جو متقی،
زکوٰۃ ادا کرنے والے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہوں گے۔“

(۲) ان آیات سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان ہو رہا تھا، اب پھر اس کا بقیہ بیان کیا جا رہا ہے درمیان
میں جملہ معترضہ کے طور پر اللہ کی توحید اور اس کی قدرت و طاقت کو بیان کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سب حضرت
ابراہیم علیہ السلام ہی کے وعظ کا حصہ ہے، جس میں انہوں نے توحید و معاہدے کے اثبات میں دلائل دیئے ہیں، جن کا کوئی
جواب جب ان کی قوم سے نہیں بنا تو انہوں نے اس کا جواب ظلم و تشدد کی اس کارروائی سے دیا، جس کا ذکر اس آیت
میں ہے کہ اسے قتل کر دیا جلا ڈالا۔ چنانچہ انہوں نے آگ کا ایک بست بڑا لاؤ تیار کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو
منجھنق کے ذریعے سے اس میں پھینک دیا۔

فَأَنبِئْهُمُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ مُّؤْمِنُونَ ﴿۳۰﴾

وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ تُوَفَّى الصَّالِحِينَ الْغَايَةُ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَبَيِّنُومُ بَعْضُكُم بَعْضًا وَمَا ذِكْرُ النَّارِ وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿۳۱﴾

فَأَمِّن لَّهُ لَوْطًا وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَى رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۳۲﴾

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ

آگ سے بچالیا^(۱) اس میں ایمان والے لوگوں کے لیے تو بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۲۳)

(حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) کہا کہ تم نے جن بتوں کی پرستش اللہ کے سوا کی ہے انہیں تم نے اپنی آپس کی دشمنی دوستی کی بنا ٹھہرائی ہے،^(۲) تم سب قیامت کے دن ایک دوسرے سے کفر کرنے لگو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے۔^(۳) اور تمہارا سب کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہو گا۔ (۲۵)

پس حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر حضرت لوط (علیہ السلام) ایمان لائے^(۴) اور کہنے لگے کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔^(۵) وہ بڑا ہی غالب اور حکیم ہے۔ (۲۶) اور ہم نے انہیں (ابراہیم کو) اسحاق و یعقوب (علیہما السلام) عطا کیے اور ہم نے نبوت اور کتاب ان کی اولاد میں ہی کر دی^(۶)

(۱) یعنی اللہ نے اس آگ کو گزاری کی صورت میں بدل کر اپنے بندے کو بچالیا، جیسا کہ سورۃ انبیاء میں گزرا۔

(۲) یعنی یہ تمہارے قوی بت ہیں جو تمہاری اجتماعیت اور آپس کی دوستی کی بنیاد ہیں۔ اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو تو تمہاری قومیت اور دوستی کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

(۳) یعنی قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار اور دوستی کے بجائے ایک دوسرے پر لعنت کر دو گے اور تابع، متبوع کو ملامت اور متبوع، تابع سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔

(۴) حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زادے تھے، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے، بعد میں ان کو بھی ”سodom“ کے علاقے میں نبی بنا کر بھیجا گیا۔

(۵) یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اور بعض کے نزدیک حضرت لوط علیہ السلام نے۔ اور بعض کہتے ہیں دونوں نے ہی ہجرت کی۔ یعنی جب ابراہیم علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے لوط علیہ السلام کے لیے اپنے علاقے ”سکونی“ میں جو حران کی طرف جاتے ہوئے کوفے کی ایک بستی تھی، اللہ کی عبادت کرنی مشکل ہو گئی تو وہاں سے ہجرت کر کے شام کے علاقے میں چلے گئے۔ تیسری، ان کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ سارہ تھیں۔

(۶) یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام ہوئے، جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی اور انہی میں سارے انبیاء ہوئے، اور کتابیں آئیں۔ آخر میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے

النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَاتَّخَذُوا فِي الدُّنْيَا قُرَآئِنًا
فِي الْآخِرَةِ لِيَمُنَّ الضَّالِّينَ ۝

وَلَوْ ظَلَمْنَا أَفْئِدَةً عَنْكُمْ لَتَأْتُنَوْنَ الْفَاسِقَةَ
مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝

إِنَّمَا تَأْتُونَهَا رِيَالًا وَقَتْلُكُمْ النَّبِيلَ وَتَأْتُونَهَا

اور ہم نے دنیا میں بھی اسے ثواب دیا^(۱) اور آخرت میں تو وہ
صلح لوگوں میں سے ہے۔^(۲) (۲۷)

اور حضرت لوط (علیہ السلام) کا بھی ذکر کرو جب کہ انہوں
نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم تو اس بدکاری پر اتر آئے ہو^(۳)
جسے تم سے پہلے دنیا بھر میں سے کسی نے نہیں کیا۔ (۲۸)

کیا تم مردوں کے پاس بد فعلی کے لیے آتے ہو^(۴) اور
راستے بند کرتے ہو^(۵) اور اپنی عام مجلسوں میں بے

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے نبی ہوئے اور آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوا۔

(۱) اس اجر سے مراد رزق دنیا بھی ہے اور ذکر خیر بھی۔ یعنی دنیا میں ہر مذہب کے لوگ (عیسائی، یہودی وغیرہ حتی کہ
مشرکین بھی) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عزت و تکریم کرتے ہیں اور مسلمان تو ہیں ہی ملت ابراہیمی کے پیروں ان کے
ہاں وہ محترم کیوں نہ ہوں گے؟

(۲) یعنی آخرت میں بھی وہ بلند درجات کے حامل اور زمرہ صالحین میں ہوں گے۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام پر اس
طرح بیان فرمایا: ﴿وَاتَّخَذُوا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ لَيِّنَ الضَّالِّينَ﴾ ﴿سورة النحل: ۲۴﴾

(۳) اس بدکاری سے مراد وہی مواطت ہے جس کا ارتکاب قوم لوط علیہ السلام نے ہی سب سے پہلے کیا جیسا کہ قرآن
نے صراحت کی ہے۔

(۴) یعنی تمہاری شہوت پرستی اس انتہا کو پہنچ گئی ہے کہ اس کے لیے طبعی طریقہ تمہارے لیے ناکافی ہو گئے ہیں اور غیر
طبعی طریقہ تم نے اختیار کر لیا ہے۔ جنسی شہوت کی تسکین کے لیے طبعی طریقہ اللہ تعالیٰ نے بیویوں سے مباشرت کی
صورت میں رکھا ہے۔ اسے چھوڑ کر اس کام کے لیے مردوں کی دہراستعمال کرنا غیر فطری اور غیر طبعی طریقہ ہے۔

(۵) اس کے ایک معنی تو یہ کیے گئے ہیں کہ آنے جانے والے مسافروں، نوواردوں اور گزرنے والوں کو زبردستی پکڑ پکڑ
کر تم ان سے بے حیائی کا کام کرتے ہو۔ جس سے لوگوں کے لیے راستوں سے گزرنے کا مشکل ہو گیا اور لوگ گھروں میں
بیٹھے رہنے میں عینیت سمجھتے ہیں۔ دوسرے معنی ہیں کہ تم آنے جانے والوں کو لوٹ لیتے اور قتل کر دیتے ہو یا ازراہ
شرارت انہیں کنکریاں مارتے ہو۔ تیسرے معنی کیے گئے ہیں کہ سر راہی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جس سے وہاں
سے گزرتے ہوئے لوگ شرم محسوس کرتے ہیں۔ ان تمام صورتوں سے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں
کہ کسی ایک خاص سبب کی تعیین تو مشکل ہے تاہم وہ ایسا کام ضرور کرتے تھے جس سے عملاً راستہ بند ہو جاتا تھا۔ قطع
طریق کے ایک معنی قطع نسل کے بھی کیے گئے ہیں۔ یعنی عورتوں کی شرم گاہوں کو استعمال کرنے کے بجائے مردوں کی
دہراستعمال کر کے تم اپنی نسل بھی منقطع کرنے میں لگے ہوئے ہو۔ (فتح القدیر)

فِي تَادِيَةِ الْمُنْكَرِ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا
اِئْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُنْفِرِيْنَ ۝

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرٰهِيْمَ بِالْبَشْرَىٰ قَالُوا اإِنَّا
مُهْلِكُوْا أَهْلَكَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ إِنَّا أَهْلُهَا
كَانُوا ظٰلِمِيْنَ ۝

قَالَ إِنَّ فِيْهَا لَوْطَ بْنَ الْوَارِثِيْنَ أَعْلٰهُمُ يَمِيْنُ فِيْهَا
لَنَنْجِيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا مَرْأَتَهُ كَانَتْ مِنَ
الْغٰثِرِيْنَ ۝

حیائیوں کا کام کرتے ہو؟^(۱) اس کے جواب میں اس کی
قوم نے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہا کہ بس^(۲) جا اگر سچا
ہے تو ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آ۔ (۲۹)

حضرت لوط (علیہ السلام) نے دعا کی^(۳) کہ پروردگار! اس
منفد قوم پر میری مدد فرما۔ (۳۰)

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے حضرت ابراہیم (علیہ
السلام) کے پاس بشارت لے کر پہنچے کہنے لگے کہ اس
بستی والوں کو ہم ہلاک کرنے والے ہیں^(۴) یقیناً یہاں
کے رہنے والے گنہگار ہیں۔ (۳۱)

(حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) کہا اس میں تو لوط (علیہ
السلام) ہیں^(۵) فرشتوں نے کہا یہاں جو ہیں ہم انہیں بخوبی
جانتے ہیں۔ لوط (علیہ السلام) کو اور اس کے خاندان کو
سوائے اس کی بیوی کے ہم بچالیں گے، البتہ وہ عورت
پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔^(۶) (۳۲)

(۱) یہ بے حیائی کیا تھی؟ اس میں بھی مختلف اقوال ہیں، مثلاً لوگوں کو کنکریاں مارنا، اجنبی مسافر کا استہزاء، تنہا
مجلسوں میں پاد مارنا، ایک دوسرے کے سامنے اظلام بازی، شطرنج وغیرہ قسم کی قمار بازی، رنگے ہوئے کپڑے پہننا وغیرہ۔
امام شوکانی فرماتے ہیں ”کوئی بعید نہیں کہ وہ یہ تمام ہی منکرات کرتے رہے ہوں۔“

(۲) حضرت لوط علیہ السلام نے جب انہیں ان منکرات سے منع کیا تو اس کے جواب میں کہا...

(۳) یعنی جب حضرت لوط علیہ السلام قوم کی اصلاح سے ناامید ہو گئے تو اللہ سے مدد کی دعا فرمائی

(۴) یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ہلاک کرنے کے لیے بھیج دیا۔ وہ فرشتے
پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور انہیں اسحاق علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام کی خوش خبری دی اور ساتھ
ہی بتلایا کہ ہم لوط علیہ السلام کی بستی ہلاک کرنے آئے ہیں۔

(۵) یعنی ہمیں علم ہے کہ اختیار اور مومن کون ہیں اور اشرار کون؟

(۶) یعنی ان پیچھے رہ جانے والوں میں سے، جن کو عذاب کے ذریعے سے ہلاک کیا جانا ہے وہ چونکہ مومنہ نہیں تھی بلکہ
اپنی قوم کی طرف دار تھی، اس لیے اسے بھی ہلاک کر دیا گیا۔

وَلَمَّا اِنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لَوْطًا بِمَعْنٰى
بِهِمْ ذَرَعًا وَقَالُوا لَا تَتَّبِعْ وَلَا تَخُنْ اِنَّكَ
مُنْجُوْلٌ وَّاهْدَكُ اِلَّا مُرَاٰتَكَ كَاٰتَتْ
مِنْ اَنْعَامٍ ۝۳۱

اِنَّا مَنِّلُوْنَ عَلٰى اٰمِلٍ هٰذَا الْقَرْيَةِ بِحُزْنٍ مِّنَ السَّمَاءِ
رَبِّمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۳۲
وَلَقَدْ اَنزَلْنَا مِنْهَا اَيَّامًا لَّعْمُوْرًا يَّعْمَلُوْنَ ۝۳۳

پھر جب ہمارے قاصد لوط (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے غمگین ہوئے اور دل ہی دل میں رنج کرنے لگے۔ ^(۱) قاصدوں نے کہا آپ نہ خوف کھائیے نہ آزرده ہوں، ہم آپ کو مع آپ کے متعلقین کے بچالیں گے مگر آپ کی بیوی کہ وہ عذاب کے لیے باقی رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ (۳۳)

ہم اس بستی والوں پر آسمانی عذاب نازل کرنے والے ہیں ^(۳۲) اس وجہ سے کہ یہ بے حکم ہو رہے ہیں۔ (۳۳) البتہ ہم نے اس بستی کو صریح عبرت کی نشانی بنا دیا ^(۳۱) ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔ ^(۳۵) (۳۵)

(۱) بمعنی بہم کے معنی ہیں۔ ان کے پاس ایسی چیز آئی جو انہیں بری لگی اور اس سے ڈر گئے۔ اس لیے کہ لوط علیہ السلام نے ان فرشتوں کو جو انسانی شکل میں آئے تھے انسان ہی سمجھا۔ ڈرے اپنی قوم کی عادت بد اور سرکشی کی وجہ سے کہ ان خوبصورت مسلمانوں کی آمد کا علم اگر انہیں ہو گیا تو وہ ان سے زبردستی بے حیائی کا ارتکاب کریں گے جس سے میری رسوائی ہو گی۔ ضاق بہم ذرعا یہ کنایہ ہے عاجزی سے۔ جیسے ضاقت بندہ (ہاتھ کاٹک ہونا) کنایہ ہے فقر سے۔ یعنی ان خوش شکل مسلمانوں کو بد خصلت قوم سے بچانے کی کوئی تدبیر انہیں نہیں سوچی جس کی وجہ سے وہ غمگین اور دل ہی دل میں پریشان تھے۔ (۲) فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی اس پریشانی اور غم و حزن کی کیفیت کو دیکھا، انہیں تسلی دی اور کہا کہ آپ کوئی خوف اور حزن نہ کریں، ہم اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ ہمارا مقصد آپ کو اور آپ کے گھروالوں کو سوائے آپ کی بیوی کے نجات دلانا ہے۔

(۳) اس آسمانی عذاب سے وہی عذاب مراد ہے جس کے ذریعے سے قوم لوط کو ہلاک کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے ان کی بستیوں کو زمین سے اٹھیزا آسمان کی بلندیوں تک لے گئے پھر ان کو ان ہی پر اتار دیا گیا اس کے بعد کھنکر پتھروں کی بارش ان پر ہوئی اور اس جگہ کو سخت بدبودار بحیرہ (پھوٹے سمندر) میں تبدیل کر دیا گیا۔ (ابن کثیر) (۴) یعنی پتھروں کے وہ آثار جن کی بارش ان پر ہوئی سیاہ بدبودار پانی اور الٹی ہوئی بستیاں یہ سب عبرت کی نشانی ہیں۔ مگر کن کے لیے؟ دانش مندوں کے لیے۔

(۵) اس لیے کہ وہی معاملات پر غور کرتے اسباب و عوامل کا تجزیہ کرتے اور نتائج و آثار کو دیکھتے ہیں لیکن جو لوگ عقل و شعور سے بے بہرہ ہوتے ہیں انہیں ان چیزوں سے کیا تعلق؟ وہ تو ان جانوروں کی طرح ہیں جنہیں ذبح کے لیے بوجھ خانے لے جایا جاتا ہے لیکن انہیں اس کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اس میں مشرکین مکہ کے لیے بھی تعریض ہے کہ وہ بھی تکذیب کا مظاہرہ کر رہے ہیں جو عقل و دانش سے بے بہرہ لوگوں کا طریقہ ہے

وَالَّذِي مَدَّ يَدَهُمْ شَئْبَانًا فَتَأَلَ يَقُومُ اعْبُدُوا
اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْتَوُوا فِي الْأَرْضِ
مُفْسِدِينَ ﴿۳۱﴾

فَكَذَّبُوهُ فَاَتَّخَذَ لَهُمُ الْوُحُوشَ قَاصِبِينَ ﴿۳۲﴾
بُعِثُوا

وَعَادُ الْوُحُوشِ وَقَدْ بَيَّنَّ لَكُمْ فِي مَنَاسِكِكُمْ وَيَزَيِّنَ لَهُمُ
الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ قَصَدًا مِّنْ عَنِ السَّبِيلِ
وَكَانُوا مُسْتَبِيرِينَ ﴿۳۳﴾

وَقَالُوا وَقُورُونَ وَهَٰذَا مِن سَاءِ مَا كُفِّرُوا بِهِ

اور مدین کی طرف^(۱) ہم نے ان کے بھائی شعیب (علیہ
السلام) کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ
کی عبادت کرو قیامت کے دن کی توقع رکھو^(۲) اور زمین
میں فساد نہ کرتے پھرو۔^(۳) (۳۱)

پھر بھی انہوں نے انہیں جھٹلایا آخرش انہیں زلزلے نے
پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے مردہ ہو کر رہ
گئے۔^(۴) (۳۲)

اور ہم نے عادیوں اور ثمودیوں کو بھی غارت کیا جن کے بعض
مکانات تمہارے سامنے ظاہر ہیں^(۵) اور شیطان نے انہیں انکی
بد اعمالیاں آراستہ کر دکھائی تھیں اور انہیں راہ سے روک دیا
تھا باوجودیکہ یہ آنکھوں والے اور ہوشیار تھے۔^(۶) (۳۳)

اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی ان کے پاس

(۱) مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام تھا بعض کے نزدیک یہ ان کے پوتے کا نام ہے، بیٹے کا نام مدین تھا۔
ان ہی کے نام پر اس قبیلے کا نام پڑ گیا جو ان ہی کی نسل پر مشتمل تھا۔ اسی قبیلہ مدین کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو
نبی بنا کر بھیجا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ مدین شہر کا نام تھا یہ قبیلہ یا شہر لوط علیہ السلام کی بستی کے قریب ہی تھا۔

(۲) اللہ کی عبادت کے بعد انہیں آخرت کی یاد دہانی کرائی گئی یا تو اس لیے کہ وہ آخرت کے منکر تھے یا اس لیے کہ وہ
اسے فراموش کیے ہوئے تھے اور معصیتوں میں مبتلا تھے اور جو قوم آخرت کو فراموش کر دے وہ گناہوں میں دلیر ہوتی
ہے۔ جیسے آج مسلمانوں کی اکثریت کا حال ہے۔

(۳) ناپ توں میں کمی اور لوگوں کو کم دینا یہ بیماری ان میں عام تھی اور ارتکاب محاسن میں بھی انہیں پاک نہیں تھا
جس سے زمین فساد سے بھر گئی تھی۔

(۴) حضرت شعیب علیہ السلام کے وعظ و نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا بالآخر پادلوں کے سائے والے دن جبرائیل
علیہ السلام کی ایک سخت چیخ سے زمین زلزلے سے لرزا اٹھی جس سے ان کے دل ان کی آنکھوں میں آگئے اور ان کی
موت واقع ہو گئی اور وہ گھٹنوں کے بل بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔

(۵) قوم عاد کی بستی۔ اعراف، حضرموت (یعنی) کے قریب اور ثمود کی بستی حجر جسے آج کل مدائن صالح کہتے ہیں حجاز کے
شمال میں ہے۔ ان علاقوں سے عربوں کے تجارتی قافلے آتے جاتے تھے اس لیے یہ بستیاں ان کے لیے انجان نہیں بلکہ ظاہر تھیں۔

(۶) یعنی تھے وہ عقل مند اور ہوشیار۔ لیکن دین کے معاملے میں انہوں نے اپنی عقل و بصیرت سے کچھ کام نہیں لیا اس
لیے یہ عقل اور سمجھ ان کے کام نہ آئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا فِي الْأَرْضِ وَكُنُوا سَابِقِينَ ﴿٢٠﴾

فَلَا تَكُنُوا الَّذِينَ يَخْشَوْنَ الْعَذَابَ أَسَاسًا
وَمِنْهُمْ مَن أَخَذَ اللَّهُ الصَّيْحَةَ وَمِنْهُمْ مَن خَشَفْنَا
بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَن أَعْرَفْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کھلے کھلے معجزے لے کر آئے تھے^(۱) پھر بھی انہوں نے زمین میں تکبر کیا لیکن ہم سے آگے بڑھنے والے نہ ہو سکے۔^(۲) (۳۹)

پھر تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے وبال میں گرفتار کر لیا،^(۳) ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا،^(۴) اور ان میں سے بعض کو زوردار سخت آواز نے دبوچ لیا،^(۵) اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا،^(۶) اور ان میں سے بعض کو ہم نے ڈبو دیا،^(۷)

(۱) یعنی دلائل و معجزات کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوا اور بدستور متکبر بنے رہے یعنی ایمان و تقویٰ اختیار کرنے سے گریز کیا۔

(۲) یعنی ہماری گرفت سے بچ کر نہیں جاسکے اور ہمارے عذاب کے شکنجے میں آکر رہے۔ ایک دوسرا ترجمہ ہے کہ "یہ کفر میں سبقت کرنے والے نہیں تھے" بلکہ ان سے پہلے بھی بہت سی امتیں گزر چکی ہیں جنہوں نے اسی طرح کفر و عناد کا راستہ اختیار کیے رکھا تھا۔

(۳) یعنی ان مذکورین میں سے ہر ایک کی 'ان کے گناہوں کی پاداش میں' ہم نے گرفت کی۔

(۴) یہ قوم عاد تھی جس پر نہایت تند و تیز ہوا کا عذاب آیا۔ یہ ہوا زمین سے نکلیاں اڑا اڑا کر ان پر برساتی 'بالآخر اس کی شدت اتنی بڑھی کہ انہیں اپک کر آسمان تک لے جاتی اور انہیں سر کے بل زمین پر دے مارتی، جس سے ان کا سر الگ اور دھڑالگ ہو جاتا گویا کہ وہ کھجور کے کھوکھلے تھے ہیں۔ (ابن کثیر)

بعض مفسرین نے حابسا کا مصداق قوم لوط علیہ السلام کو ٹھہرایا ہے۔ لیکن امام ابن کثیر نے اسے غیر صحیح اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب قول کو منقطع قرار دیا ہے۔

(۵) یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم 'ثمود' ہے۔ جنہیں ان کے کہنے پر ایک چٹان سے اونٹنی نکال کر دکھائی گئی۔ لیکن ان ظالموں نے ایمان لانے کے بجائے اس اونٹنی کو ہی مار ڈالا۔ جس کے تین دن بعد ان پر سخت چٹکڑ کا عذاب آیا، جس نے ان کی آوازوں اور حرکتوں کو خاموش کر دیا۔

(۶) یہ قارون ہے جسے ماں و دولت کے خزانے عطا کیے گئے تھے، لیکن یہ اس گھمنڈ میں مبتلا ہو گیا کہ یہ ماں و دوست اس بات کی دلیل ہے کہ میں اللہ کے ہاں معزز و محترم ہوں۔ مجھے موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ اسے اس کے خزانوں اور مملکت سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔

(۷) یہ فرعون ہے جو ملک مصر کا حکمران تھا، لیکن حد سے تجاوز کر کے اس نے اپنے پارے میں الوہیت کا دعویٰ بھی کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو جس کو اس نے غلام بنانا رکھا تھا آزاد کرنے

لِيُظَاهِرَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۵﴾

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ
الْعَنَكُوتِ إِذْ جَاءَتْ بَنَاتُهُنَّ أَنْ أَوْهَنَّ الْيَتَامَ
لَبِيتَ الْعَنَكُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۶﴾

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ وَهُوَ
الْعَزِيزُ الْكَاسِرُ ﴿۷﴾

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا
رِءَا الْغَيْبُونَ ﴿۸﴾

خَلَقَ اللَّهُ تِسْمِزَاتٍ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ إِنَّ فِي
ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۹﴾

اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرے بلکہ یہی لوگ اپنی
جانوں پر ظلم کرتے تھے۔^(۱) (۲۰)

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کارساز مقرر کر
رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک گھر
بنالیتی ہے، حالانکہ تمام گھروں سے زیادہ بڑا گھر مکڑی کا
گھر ہی ہے،^(۲) کاش! وہ جان لیتے۔ (۳۱)

اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جنہیں وہ اس کے
سوا پکار رہے ہیں، وہ زبردست اور ذی حکمت ہے۔ (۳۲)
ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان فرما رہے ہیں^(۳)
انہیں صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔^(۴) (۳۳)

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مصلحت اور حق کے
ساتھ پیدا کیا ہے،^(۵) ایمان والوں کے لیے تو اس میں
بڑی بھاری دلیل ہے۔^(۶) (۳۴)

سے انکار کر دیا۔ بالآخر ایک صبح اس کو اس کے پورے لشکر سمیت دریائے قلزم میں غرق کر دیا گیا۔

(۱) یعنی اللہ کی شان نہیں کہ وہ ظلم کرے۔ اس لیے پچھلی قومیں جن پر عذاب آیا، مصلحت اس لیے ہدک ہوئیں کہ
کفر و شرک اور تکذیب و معاصی کا ارتکاب کر کے انہوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔

(۲) یعنی جس طرح مکڑی کا جالا (گھر) نہایت بڑا، کمزور اور ناپائیدار ہوتا ہے، ہاتھ کے اوٹی سے اشارے سے وہ نابود ہو
جاتا ہے۔ اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا معبود، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا بھی بالکل ایسا ہی، یعنی بالکل بے فائدہ ہے
کیونکہ وہ بھی کسی کے کام نہیں آسکتے۔ اس لیے غیر اللہ کے سارے بھی مکڑی کے جالے کی طرح یکسر ناپائیدار ہیں۔ اگر
یہ پائیدار یا نفع بخش ہوتے تو یہ معبود گزشتہ اقوام کو جہاں سے بچا لیتے۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ انہیں نہیں بچا سکے۔

(۳) یعنی انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے، شرک کی حقیقت سے آگاہ کرنے اور ہدایت کا راستہ سمجھانے کے لیے۔
(۴) اس علم سے مراد اللہ کا اس کی شریعت کا اور ان آیات و دلائل کا علم ہے جن پر غور و فکر کرنے سے انسان کو اللہ
کی معرفت حاصل ہوتی اور ہدایت کا راستہ ملتا ہے۔

(۵) یعنی عبت اور بے مقصد نہیں۔

(۶) یعنی اللہ کے وجود کی اس کی قدرت اور علم و حکمت کی۔ اور پھر اسی دلیل سے وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کائنات
میں اس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں۔

اَنْلُ مَا اَوْجَى اِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَاَقِمِ الصَّلَاةَ
اِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكِ لَنَا وَلَهُ الْفَتْحُ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ﴿۲۹﴾

جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھئے^(۱)
اور نماز قائم کریں^(۲) یقیناً نماز بے حیائی اور برائی
سے روکتی ہے^(۳) بیشک اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز

(۱) قرآن کریم کی تلاوت متعدد مقاصد کے لیے مطلوب ہے۔ محض اجر و ثواب کے لیے اس کے معانی و مطالب پر تدبر و
تفکر کے لیے، تعلیم و تدریس کے لیے، اور وعظ و نصیحت کے لیے اس حکم تلاوت میں ساری ہی صورتیں شامل ہیں۔
(۲) کیوں کہ نماز سے (بشرطیکہ نماز ہو) انسان کا تعلق خصوصی اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے جس سے انسان کو اللہ
تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر اس کے عزم و ثبات کا باعث اور ہدایت کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔
اسی لیے قرآن کریم میں کہا گیا ہے ”اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو“ (البقرة - ۱۵۳) نماز اور صبر کوئی مرئی
چیز تو ہے نہیں کہ انسان ان کا سہارا پکڑ کر ان سے مدد حاصل کر لے۔ یہ تو غیر مرئی چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے
ذریعے سے انسان کا اپنے رب کے ساتھ جو خصوصی ربط و تعلق پیدا ہوتا ہے وہ قدم قدم پر اس کی دستگیری اور رہنمائی
کرتا ہے اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کی تنہائی میں تہجد کی نماز بھی پڑھنے کی تاکید کی گئی کیوں کہ آپ ﷺ
کے ذمے جو عظیم کام سونپا گیا تھا اس میں آپ ﷺ کو اللہ کی مدد کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ درحقیقت وہ یہی وجہ ہے کہ خود
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جب کوئی اہم مرحلہ درپیش ہوتا تو آپ ﷺ نماز کا اہتمام فرماتے ”اِذَا حَرَبَهُ اَمْرٌ
فَرَجَّ اِلَى الصَّلَاةِ“ مسند احمد و ابوداؤد

(۳) یعنی بے حیائی اور برائی کے روکنے کا سبب اور ذریعہ بنتی ہے جس طرح دواؤں کی مختلف تاثیرات ہیں اور کہا جاتا
ہے کہ فلاں دوا فلاں بیماری کو روکتی ہے اور واقعاً ایسا ہوتا ہے لیکن کب؟ جب دو باتوں کا التزام کیا جائے۔ ایک دوائی کو
پابندی کے ساتھ اس طریقے اور شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے جو حکیم اور ڈاکٹر بتلائے۔ دوسرا پریز، یعنی ایسی چیزوں
سے اجتناب کیا جائے جو اس دوائی کے اثرات کو زائل کرنے والی ہوں۔ اسی طرح نماز کے اندر بھی یقیناً اللہ نے ایسی
روحانی تاثیر رکھی ہے کہ یہ انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے لیکن اسی وقت جب نماز کو سنت نبوی صلی اللہ
علیہ وسلم کے مطابق ان آداب و شرائط کے ساتھ پڑھا جائے جو اس کی صحت و قبولیت کے لیے ضروری ہیں۔ مثلاً اس
کے لیے پہلی چیز اخلاص ہے، مانیاً طہارت قلب، یعنی نماز میں اللہ کے سوا کسی اور کی طرف التفات نہ ہو، مانیاً باجماعت
اوقات مقررہ پر اس کا اہتمام۔ رابعاً ارکان صلوٰۃ (قراءت، رکوع، قومہ، سجدہ وغیرہ) میں اعتدال و اطمینان، خامساً خشوع
و خضوع اور رقت کی کیفیت۔ سادساً موانعت یعنی پابندی کے ساتھ اس کا التزام، سابغاً رزق حدل کا اہتمام۔ ہماری
نمازیں ان آداب و شرائط سے عاری ہیں اس لیے ان کے وہ اثرات بھی ہماری زندگی میں ظاہر نہیں ہو رہے ہیں جو
قرآن کریم میں بتلائے گئے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی امر کے کیے ہیں۔ یعنی نماز پڑھنے والے کو چاہیے کہ بے حیائی
کے کاموں سے اور برائی سے رک جائے۔

ہے، 'تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے۔' (۳۵)
 اور اہل کتاب کے ساتھ بحث و مباحثہ نہ کرو مگر اس
 طریقہ پر جو عمدہ ہو، 'مکران کے ساتھ جو ان میں ظالم
 ہیں' (۳۶) اور صاف اعلان کر دو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی
 ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر
 اتاری گئی، 'ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ ہم سب
 اسی کے حکم بردار ہیں۔' (۳۷)

اور ہم نے اسی طرح آپ کی طرف اپنی کتب نازل
 فرمائی ہے، پس جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس پر
 ایمان لاتے ہیں (۳۸) اور ان (مشرکین) میں سے بعض اس
 پر ایمان رکھتے ہیں (۳۹) اور ہماری آیتوں کا انکار صرف کافر
 ہی کرتے ہیں۔ (۴۰)

وَلَا تَجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا
 الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْنَا
 وَأَنْزَلَ إِلَيْنَا وَلَهُمَا وَالْهَلْكَةُ وَاحِدٌ وَعَنْ لَّهُ
 مُسْلِمُونَ ۝

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ يُؤْمِنُونَ
 بِهِ وَالَّذِينَ هُتُوا عَنْهُ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَا يَجْحَدُ بِالَّذِينَ
 إِلَّا الْكَافِرُونَ ۝

(۱) یعنی سبہ حیاتی اور برائی سے روکنے میں اللہ کا ذکر، اقامت صلوٰۃ سے بھی زیادہ موثر ہے۔ اس لیے کہ آدمی جب تک
 نماز میں ہوتا ہے، برائی سے رکارت رہتا ہے۔ لیکن بعد میں اس کی تاثیر کمزور ہو جاتی ہے، اس کے برعکس ہر وقت اللہ کا ذکر
 اس کے لیے ہر وقت برائی میں مانع رہتا ہے۔

(۲) اس لیے کہ وہ اہل علم و فہم ہیں، بات کو سمجھنے کی صلاحیت و استعداد رکھتے ہیں۔ بتائیں ان سے بحث و گفتگو میں تلخی
 اور تندی مناسب نہیں۔

(۳) یعنی جو بحث و مجادلہ میں افراط سے کام لیں تو ہمیں بھی سخت لب و لہجہ اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ بعض نے پیسے گروہ
 سے مراد وہ اہل کتاب لیے ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے اور دوسرے گروہ سے وہ اشخاص جو مسلمان نہیں ہوئے بلکہ یہودیت و
 نصرانیت پر قائم رہے اور بعض نے ظَلَمُوا مِنْهُمْ کا مصداق ان اہل کتاب کو لیا ہے جو مسلمانوں کے خلاف جارحانہ عز، تم
 رکھتے تھے اور جداس و قتال کے بھی مرتکب ہوتے تھے۔ ان سے تم بھی قتال کرو تا آنکہ مسلمان ہو جائیں یا جزیہ دیں۔

(۴) یعنی تورات و انجیل پر۔ یعنی یہ بھی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور یہ کہ یہ شریعت اسلامیہ کے قیام اور بعثت
 محمدیہ تک شریعت الہیہ ہیں۔

(۵) اس سے مراد عبد اللہ بن سلام، جریر وغیرہ ہیں۔ ایسے کتاب سے مراد اس پر عمل ہے۔ گویا اس پر جو عمل نہیں
 کرتے، انہیں یہ کتاب وی ہی نہیں گئی۔

(۶) ان سے مراد اہل مکہ ہیں جن میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئے تھے۔

وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكُمْ
رُءُوسَ الْاَكْرَبِ الْمَبْطُلُونَ ﴿۵﴾

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ النَّاسِ اَوْتُوْا الْحِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ
بِآيَاتِنَا اِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿۶﴾

وَقَالُوا لَوْلَا اَنْزِلَ عَلَيْهِ الْاَيُّتُ مِنْ رَبِّهِ قُلْ اِنَّمَا الْاَيُّتُ عِنْدَ اللّٰهِ
وَلَا اَنَا اَتْلُوْهُنَّ بِزُحُورٍ ﴿۷﴾

اَوْ لَوْ يَكْفُرُ بِهِمْ اِنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُثَلِّمُ عَلَيْنِهِمْ اِنْ فِي ذٰلِكَ
لَرَحْمَةٌ وَفَرَحٌ لِّقَوْمٍ يُذْمَرُونَ ﴿۸﴾

اس سے پہلے تو آپ کوئی کتاب پڑھتے نہ تھے ^(۱) اور نہ
کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے ^(۲) تھے کہ یہ باطل
پرست لوگ شک و شبہ میں پڑتے۔ ^(۳) (۳۸)

بلکہ یہ (قرآن) تو روشن آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں
میں محفوظ ہیں، ^(۴) ہماری آیتوں کا منکر، بجز خالموں کے
اور کوئی نہیں۔ (۳۹)

انہوں نے کہا کہ اس پر کچھ نشانیاں (معجزات) اس کے
رب کی طرف سے کیوں نہیں اتارے گئے۔ آپ کہہ
دیجئے کہ نشانیاں تو سب اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں ^(۵) میں تو
صرف کھلم کھلا آگاہ کر دینے والا ہوں۔ (۴۰)

کیا انہیں یہ کافی نہیں؟ کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرما
دی جو ان پر پڑھی جا رہی ہے، ^(۶) اس میں رحمت (بھی)
ہے اور نصیحت (بھی) ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان
لائے ہیں۔ ^(۷) (۴۱)

(۱) اس لیے کہ ان پڑھ تھے۔

(۲) اس لیے کہ لکھنے کے لیے بھی علم ضروری ہے، جو آپ نے کسی سے حاصل ہی نہیں کیا تھا۔

(۳) یعنی اگر آپ سونے پڑھے لکھے ہوتے یا کسی استاد سے کچھ سیکھا ہوتا تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید فہم کی مدد
سے یا اس سے تعلیم حاصل کرنے کا نتیجہ ہے۔

(۴) یعنی قرآن مجید کے حافظوں کے سینوں میں۔ یہ قرآن مجید کا آغاز ہے کہ قرآن مجید لفظ بہ لفظ سینے میں محفوظ ہو جاتا ہے۔

(۵) یعنی یہ نشانیاں اس کی حکمت و مشیت، جن بندوں پر اتارنے کی مقتضی ہوتی ہے، وہاں وہ اتارتا ہے، اس میں اللہ
کے سوا کسی کا اختیار نہیں ہے۔

(۶) یعنی وہ نشانیاں طلب کرتے ہیں۔ کیا ان کے لیے بطور نشانی یہ قرآن کافی نہیں ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے اور
جس کی بابت انہیں چیلنج دیا گیا ہے کہ اس جیسا قرآن لا کر دکھائیں یا کوئی ایک سورت ہی بنا کر پیش کر دیں۔ جب قرآن
کی اس معجزہ نمائی کے باوجود یہ قرآن پر ایمان نہیں لا رہے ہیں تو حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی طرح انہیں معجزے
دکھا بھی دیئے جائیں، تو اس پر یہ کون سا ایمان لے آئیں گے؟

(۷) یعنی ان لوگوں کے لیے جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے آیا ہے، کیوں کہ وہی اس

قُلْ كُلٌّ يٰۤاٰلِهٖٓ رَبِّیْ وَیَسْئَلُوْنِیْۤ اَنْعَلِمَ اَنْۤ اُنۡبِیَۤاۤتِ السَّمَوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِکُمْ هُمُ الْغٰیۤیِرُوْنَ ﴿۵۱﴾

وَيَسْتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَا اَجَلٌ مُّسَدَّدٌ لِّہُمُ الْعَذَابُ
وَلَیۡسَ لَیۡتِہُمۡ نَفۡثَہٗ وَلَہُمۡ لَا یُبۡغَرُوْنَ ﴿۵۲﴾

یَسْتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالْعَذَابِ وَاِنَّ جَہَنَّمَ لَیۡبِیۡطَہٗۤ اَیۡۤکُمۡ یٰۤاَکْکٰفِرِیۡنَ ﴿۵۳﴾

یَوْمَ یَنۡفِثُہُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِہُمۡ وَ مِنْ تَحۡتِہُمۡ اَرْجُلُہُمۡ

کہہ دیجئے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ تعالیٰ گواہ ہونا کافی ہے^(۱)
وہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا عالم ہے، جو لوگ باطل کے ماننے
والے اور اللہ تعالیٰ سے کفر کرنے والے^(۲) ہیں وہ
زبردست نقصان اور گھائے میں ہیں۔^(۳) (۵۲)

یہ لوگ آپ سے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں۔^(۴) اگر
میری طرف سے مقرر کیا ہو وقت نہ ہوتا تو ابھی تک ان
کے پاس عذاب آچکا ہوتا،^(۵) یہ یقینی بات ہے کہ اچانک ان
کی بے خبری میں ان کے پاس عذاب آپہنچے گا۔^(۶) (۵۳)

یہ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں اور (کُسل رکھیں) جنم
کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔^(۷) (۵۴)

اس دن انکے اوپر تلے سے انہیں عذاب ڈھانپ رہا ہو گا اور

سے متمع اور فیض یاب ہوتے ہیں۔

(۱) اس بات پر کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور جو کتاب مجھ پر نازل ہوئی ہے، یقیناً منجانب اللہ ہے۔

(۲) یعنی غیر اللہ کو عبادت کا مستحق ٹھہراتے ہیں اور جو فی الواقع مستحق عبادت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ، اس کا انکار کرتے ہیں۔

(۳) کیوں کہ یہی لوگ فساد عقلی اور سوء فہم میں مبتلا ہیں، اسی لیے انہوں نے جو سودا کیا ہے کہ ایمان کے بدلے کفر اور
ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی ہے، اس میں یہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

(۴) یعنی پیغمبر کی بات ماننے کے بجائے، کہتے ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر عذاب نازل کروادے۔

(۵) یعنی ان کے اعمال و اقوال تو یقیناً اس لائق ہیں کہ انہیں فوراً صفحہ ہستی سے ہی مٹا دیا جائے لیکن ہماری سنت ہے
کہ ہر قوم کو ایک وقت خاص تک مہلت دیتے ہیں، جب وہ مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے تو ہمارا عذاب آجاتا ہے

(۶) یعنی جب عذاب کا وقت مقرر آجائے گا تو اس طرح اچانک آئے گا کہ انہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔ یہ وقت مقرر وہ
ہے جو اس نے اہل مکہ کے لیے لکھ رکھا تھا، یعنی جنگ بدر میں اسارت و قتل، یا پھر قیامت کا وقوع ہے جس کے بعد
کافروں کے لیے عذاب ہی عذاب ہے۔

(۷) پہلا یَسْتَعۡجِلُوۡنَکَ بطور خبر کے تھا اور یہ دوسرا بطور تعجب کے ہے یعنی یہ امر تعجب انگیز ہے کہ عذاب کی جگہ
(جنم) اس کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے پھر بھی یہ عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں؟ حالاں کہ ہر آنے والی چیز
قریب ہی ہوتی ہے، اسے دور کیوں سمجھتے ہیں؟ یا پھر یہ تکرار بطور تاکید کے ہے۔

وَيَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَكُمْ تَعْلُونَ ﴿۵۵﴾

يُعَذِّبُ الَّذِينَ آمَنُوا لَآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسِعَةً قِيَامَاتِي فَاعْبُدُونِ ﴿۵۶﴾

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿۵۷﴾

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُؤْتِيَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا
تَجْرُونَ مِنْ حَتَمِهَا أَلَّا نَحْزَنَ خَلِيدِينَ فِيهَا فَنِعَمْ أَجْرَ الْعَامِلِينَ ﴿۵۸﴾

الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۵۹﴾

وَكَايْنِ مِنَ دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِقْلًا إِلَّا تَعْلَمُ يَوْمَئِذٍ فَمَا دِيَارُكُمْ

اللہ تعالیٰ ^(۱) فرمائے گا کہ اب اپنے (بد) اعمال کا مزہ چکھو۔ (۵۵)

اے میرے ایمان والے بندو! میری زمین بہت کشادہ
ہے سو تم میری ہی عبادت کرو۔ ^(۲) (۵۶)

ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تم سب ہماری ہی
طرف لوٹائے جاؤ گے۔ ^(۳) (۵۷)

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے انہیں ہم یقیناً
جنت کے ان بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے
چشمے بہہ رہے ہیں ^(۴) جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، ^(۵) کام
کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے۔ (۵۸)

وہ جنہوں نے صبر کیا ^(۶) اور اپنے رب تعالیٰ پر بھروسہ
رکھے ہیں۔ ^(۷) (۵۹)

اور بہت سے ^(۸) جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں

(۱) یَقُولُ کا فاعل اللہ ہے یا فرشتے یعنی جب چاروں طرف سے ان پر عذاب ہو رہا ہو گا تو کہا جائے گا۔

(۲) اس میں ایسی جگہ سے جہاں اللہ کی عبادت کرنی مشکل ہو اور دین پر قائم رہنا دو بھروسہ ہو، ہجرت کرنے کا حکم
ہے۔ جس طرح مسلمانوں نے پہلے مکہ سے حبشہ کی طرف اور پھر بعد میں مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

(۳) یعنی موت کا جرمہ تلخ تو لا محالہ ہر ایک کو پینا ہے ہجرت کرو گے تب بھی اور نہ کرو گے تب بھی اس بے شمارے بے
وطن کا رشتہ داروں کا اور دوست احباب کا چھوڑنا مشکل نہیں ہونا چاہیے۔ موت تو تم جہاں بھی ہو گے آجائے گی۔ البتہ اللہ
کی عبادت کرتے ہوئے مردے کو تم اخروی نعمتوں سے شاد کام ہو گے اس لیے کہ مگر تو اللہ ہی کے پاس جاتا ہے۔

(۴) یعنی اہل جنت کے مکانات بلند ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ نہریں پانی شراب شہد اور دودھ
کی ہوں گی علاوہ انہیں انہیں جس طرف پھیرنا چاہیں گے ان کا رخ اسی طرف ہو جائے گا۔

(۵) ان کے زواں کا خطرہ ہو گا نہ انہیں موت کا اندیشہ نہ کسی اور جگہ پھر جانے کا خوف۔

(۶) یعنی دین پر مضبوطی سے قائم رہے ہجرت کی تکلیفیں برداشت کیں اہل و عیال اور عزیز و اقربا سے دوری کو محض
اللہ کی رضا کے لیے گوارا کیا۔

(۷) دین اور دنیا کے ہر معاملے اور حالات میں۔

(۸) کتابیں میں کاف تشبیہ کا ہے اور معنی ہیں کتنے ہی یا بہت سے۔

وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ①

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَهُوَ الشَّمْسُ
وَالْقَمَرُ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قَالَىٰ يُؤْفِكُونَ ②اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ إِنَّ
اللَّهَ بِخَلْقِ شَيْءٍ عَلِيمٌ ③

پھرتے،^(۱) ان سب کو اور تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ہی روزی
دیتا ہے،^(۲) وہ بڑا ہی سننے والے والا ہے۔^(۳) (۶۰)
اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ زمین و آسمان کا
خالق اور سورج چاند کو کام میں لگانے والا کون ہے؟ تو
ان کا جواب یہی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ،^(۴) پھر کہ ہر اگلے ج
رہے ہیں۔^(۵) (۶۱)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے فراخ روزی
دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ۔^(۶) یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا

(۱) کیوں کہ اٹھا کر لے جانے کی ان میں ہمت ہی نہیں ہوتی، اسی طرح وہ ذخیرہ بھی نہیں کر سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ رزق
کسی خاص جگہ کے ساتھ محض نہیں ہے بلکہ اللہ کا رزق اپنی مخلوق کے لیے عام ہے وہ جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو بلکہ
اللہ تعالیٰ نے ہجرت کو جانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پہلے سے کہیں زیادہ وسیع اور پاکیزہ رزق عطا فرمایا، نیز تمہوڑے ہی
عرصے کے بعد انہیں عرب کے متعدد علاقوں کا حکمران بنادیا۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ۔

(۲) یعنی کوئی کمزور ہے یا طاقت ور، اسباب و وسائل سے بہرہ ور ہے یا بے بہرہ، اپنے وطن میں ہے یا مہاجر و رہے
وطن، سب کا روزی رسالہ وہی اللہ ہے جو چوٹی کو زمین کے کونوں کھدروں میں، پرندوں کو ہواؤں میں اور چھٹیوں اور
دیگر آبی جانوروں کو سمندر کی گہرائیوں میں روزی پہنچاتا ہے۔ اس موقع پر مطلب یہ ہے کہ فقر و فاقہ کا ذرا ہجرت میں
رکاوٹ نہ بنے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اور تمام مخلوقات کی روزی کا ذمہ دار ہے۔

(۳) وہ جاننے والا ہے تمہارے اعمال و افعال کو اور تمہارے ظاہر و باطن کو، اس لیے صرف اسی سے ڈرو، اس کے سوا
کسی سے مت ڈرو! اسی کی اطاعت میں سعادت و کمال ہے اور اس کی محصیت میں شقاوت و نقصان۔

(۴) یعنی یہ مشرکین، جو مسلمانوں کو محض توحید کی وجہ سے ایذا میں پہنچا رہے ہیں، ان سے اگر پوچھا جائے کہ آسمان و
زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا اور سورج اور چاند کو اپنے اپنے مدار پر چلانے والا کون ہے؟ تو وہاں یہ اعتراف کیے
بغیر انہیں چارہ نہیں ہوتا کہ یہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہے۔

(۵) یعنی دل نہ لے کر اعتراف کے باوجود حق سے یہ اعراض اور گریز باعث تعجب ہے۔

(۶) یہ مشرکین کے اعتراض کا جواب ہے جو وہ مسلمانوں پر کرتے تھے کہ اگر تم حق پر ہو تو پھر غریب اور کمزور کیوں ہو؟
اللہ نے فرمایا کہ رزق کی کشادگی اور کمی اللہ کے اختیار میں ہے وہ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق جس کو چاہتا ہے کم یا
زیادہ دیتا ہے، اس کا تعلق اس کی رضامندی یا غضب سے نہیں ہے۔

جاننے والا ہے۔^(۱) (۶۳)

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان سے پانی اتار کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کس نے کیا؟ تو یقیناً ان کا جواب یہی ہو گا اللہ تعالیٰ نے۔ آپ کہہ دیں کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لیے سزاوار ہے بلکہ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔^(۲) (۶۴)

اور دنیا کی یہ زندگی تو محض کھیل تماشا ہے^(۳) البتہ آخرت کے گھر کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے،^(۴) کاش! یہ جانتے ہوتے۔^(۵) (۶۵)

بس یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں اس کے لیے عبادت کو خالص کر کے پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں۔^(۶) (۶۵)

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ مِّنْ مَّنْ السَّمَاءِ مَاءٌ فَاسْتَكْبَرُوا بِالْاَرْضِ
مِنْ عِبَادِ اللَّهِ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ قُلِ الْاَرْضُ
لَا يَمْلِكُونَ ۝

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَّاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ
لَٰهِيَ الْحَيٰوةُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

فَاِذَا انْكَرَوْا فِى الْفُلِّ دَعَوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُمُ مِنَ الدِّیْنِ فَاَنكَلْنَا
نَجَاتِهِمْ اِلَى الْبَرِّ اِذْ هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝

(۱) اس کو بھی دی جاتا ہے کہ زیادہ رزق کس کے لیے بہتر ہے اور کس کے لیے نہیں؟

(۲) کیوں کہ عقل ہوتی تو اپنے رب کے ساتھ پتھروں کو اور مردوں کو رب نہ بناتے۔ نہ ان کے اندر یہ تقاض ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت و ربوبیت کے اعتراف کے باوجود بتوں کو حاجت روا اور لائق عبادت سمجھ رہے ہیں۔

(۳) یعنی جس دنیا نے انہیں آخرت سے اندھا اور اس کے لیے توشہ جمع کرنے سے غافل رکھا ہے وہ ایک کھیس کود سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کافرو دنیا کے کاروبار میں مشغول رہتا ہے اس کے لیے شب و روز محنت کرتا ہے لیکن جب مرتا ہے تو غل ہاتھ ہوتا ہے۔ جس طرح بچے سارا دن مٹی کے گھروندوں سے کھیلتے ہیں پھر غل ہاتھ گھروں کو لوٹ جاتے ہیں سوائے تھکاوٹ کے انہیں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

(۴) اس لیے ایسے عمل صالح کرنے چاہئیں جن سے آخرت کا یہ گھر سنور جائے۔

(۵) کیوں کہ اگر وہ یہ بات جان لیتے تو آخرت سے بے پرواہ ہو کر دنیا میں گمن نہ ہوتے اس لیے ان کا علاج علم ہے علم شریعت

(۶) مشرکین کے اس تقاض کو بھی قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اس تقاض کو حضرت عمرؓ نے سمجھ گئے تھے جس کی وجہ سے انہیں قیوم اسلام کی توفیق حاصل ہو گئی۔ ان کے متعلق آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد یہ مکہ سے فرار ہو گئے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفت سے بچ جائیں یہ جوشہ جاننے کے لیے ایک کشتی میں بیٹھے کشتی گرداب میں پھنس گئی تو کشتی میں

لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ وَلِيَعْلَمُوا۟ۤ اَنَّهُمْ قَسَوْتَۙ يُغْلَبُوْنَ ۝۵۱

اُولٰٓئِكَ يَرْذَلْنٰا جَلَدًا حَرَمًاۙ اِمَّا يَنْظِفُ النَّاسُ مِنْ خَلْقِهِمْ
اَمَّا الْبَاطِلُ يُؤْمِنُوْنَ وَيَسْعٰۤى لِيَكْفُرُوْنَ ۝۵۲

وَمَنْ ظَلَمَ يَمِشْۙ اِفْئَرٰۤى عَلٰۤى اَلْوَكْدِۙۤ اَنَّاۤ اَوْكَدَبَۙ بِالْحَقِّ
لَتَاجَاۤءُاَ النَّاسُ فِىۤ جَهَنَّمَ مَتَوٰىۙ لِّلْكَافِرِیْنَ ۝۵۳

تاکہ ہماری دی ہوئی نعمتوں سے مکرے رہیں اور برستے
رہیں۔^(۱) ابھی ابھی پتہ چل جائے گا۔ (۶۶)

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو یا امن بنا دیا ہے حالانکہ
ان کے ارد گرد سے لوگ اچکھے جاتے ہیں،^(۲) کیا یہ
باطل پر تو یقین رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ناشکری
کرتے ہیں۔^(۳) (۶۷)

اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا؟ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ
باندھے^(۴) یا جب حق اس کے پاس آجائے وہ اسے^(۵)
جھٹلائے، کیا ایسے کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہ ہو گا؟ (۶۸)

سوار لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ پورے خلوص سے رب سے دعائیں کرو، اس لیے کہ یہاں اس کے علاوہ کوئی نجات
دینے والا نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر کہا کہ اگر یہاں سمندر میں اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا تو خشکی
میں بھی اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا۔ اور اسی وقت اللہ سے عہد کر لیا کہ اگر میں یہاں سے بخیریت حاصل پر پہنچ گیا تو
میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا یعنی مسلمان ہو جاؤں گا۔ چنانچہ یہاں سے نجات پا کر انہوں نے اسلام
قبول کر لیا۔ رضی اللہ عنہ (ابن کثیر بحوالہ سیرت محمد بن اسحاق)

(۱) یہ رام گی ہے جو غلطی کے لیے ہے۔ یعنی نجات کے بعد ان کا شرک کرنا اس لیے ہے کہ وہ کفرانِ نعمت کریں اور دنیا
کی لذتوں سے متعیش ہوتے رہیں۔ کیوں کہ اگر وہ یہ ناشکری نہ کرتے تو اخلاص پر قائم رہتے اور صرف الہ واحد کو ہی ہمیشہ
پکارتے۔ بعض کے نزدیک یہ لام عاقبت کے لیے ہے، یعنی گو ان کا مقصد کفر کرنا نہیں ہے لیکن دوبارہ شرک کے ارتکاب
کا نتیجہ بہر حال کفر ہی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ اس احسان کا تذکرہ فرما رہا ہے جو اہل مکہ پر اس نے کیا کہ ہم نے ان کے حرم کو امن والا بنایا جس میں اس
کے باشندے قتل و غارت، اسیری، لوٹ مار وغیرہ سے محفوظ ہیں۔ جب کہ عرب کے دوسرے علاقے اس امن و سکون
سے محروم ہیں قتل و غارت گری ان کے ہاں معمول اور آئے دن کا مشغلہ ہے۔

(۳) یعنی کیا اس نعمت کا شکر ہی ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائیں اور جھوٹے معبودوں اور بتوں کی پرستش کرتے
رہیں۔ اس احسان کا اقتضا تو یہ تھا کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے اور اس کے پیغمبر ﷺ کی تصدیق کرتے۔

(۴) یعنی دعویٰ کرے کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے دراصل حالیکہ ایسا نہ ہو یا کوئی یہ کہے کہ میں بھی وہ چیز اتار
سکتا ہوں جو اللہ نے اتاری ہے۔ یہ افترا ہے اور مدعی مغتری۔

(۵) یہ مکذیب ہے اور اس کا مرکب مکذب۔ افترا اور مکذیب دونوں کفر ہیں جس کی سزا جہنم ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِتْنَةَ الْفُجُورِ سَنَكْفِيهِمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَكَنَ
الْمُغْنِيَنَّ ۝

سُورَةُ الرُّومِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الْعَ ۝ غُلِبَتِ الرُّومُ ۝

فِي آذَانِ الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلِبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ۝

فِي بَضْعِ سِنِينَ ۝ وَهُوَ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ۝

وَيَوْمَئِذٍ يُفْعَرُ السُّورُ الْمُؤْمِنُونَ ۝

يَنْصُرُهُمُ اللَّهُ بِفَضْلٍ ۝ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں^(۱)
ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھادیں گے۔^(۲) یقیناً اللہ تعالیٰ
نیکو کاروں کا ساتھی ہے۔^(۳) (۶۹)

سورۃ روم کی ہے اور اس میں ساٹھ آیتیں اور
چھ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمایا رحیم والا ہے۔

الم۔ (۱) رومی مغلوب ہو گئے ہیں۔ (۲)

نزدیک کی زمین پر اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب
غالب آجائیں گے۔ (۳)

چند سال میں ہی۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی
اختیار اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ اس روز مسلمان شادمان ہوں
گے۔ (۴)

اللہ کی مدد سے^(۴) وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔

(۱) یعنی دین پر عمل کرنے میں جو دشواریاں، آزمائشیں اور مشکلات پیش آتی ہیں۔

(۲) اس سے مراد دنیا و آخرت کے وہ راستے ہیں جن پر چل کر انسان کو اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

(۳) احسان کا مطلب ہے اللہ کو حاضر ناظر جان کر ہر نیکی کے کام کو اخلاص کے ساتھ کرنا، سنت نبوی ﷺ کے مطابق
کرنا، برائی کے بدلے میں برائی کے بجائے حسن سلوک کرنا، اپنا حق چھوڑ دینا اور دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دینا۔
یہ سب احسان کے مفہوم میں شامل ہیں۔

(۴) عمد رسالت میں دو بڑی طاقتیں تھیں۔ ایک فارس (ایران) کی دوسری روم کی۔ اول الذکر حکومت آتش پرست
اور دوسری عیسائی یعنی اہل کتاب تھی۔ مشرکین مکہ کی ہمدردیاں فارس کے ساتھ تھیں کیوں کہ دونوں غیر اللہ کے
پجاری تھے جب کہ مسلمانوں کی ہمدردیاں روم کی عیسائی حکومت کے ساتھ تھیں اس لیے کہ عیسائی بھی مسلمانوں کی
طرح اہل کتاب تھے اور وحی و رسالت پر یقین رکھتے تھے۔ ان کی آپس میں دشمنی رہتی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت
کے چند سال بعد ایسا ہوا کہ فارس کی حکومت عیسائی حکومت پر غالب آگئی جس پر مشرکوں کو خوشی اور مسلمانوں کو غم
ہوا اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں جن میں یہ پیش گوئی کی گئی کہ بَضْعِ سِنِينَ کے اندر رومی پھر

وَعَدَ اللّٰهُ لَا يَجْعَلُ اللّٰهُ وَعْدًا وَلٰكِنْ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑤

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنْ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ⑥

اَوْ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا فَاِنَّهُمْ شَخَّصُوْا اللّٰهَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَحَدٌ مُّشْكٰى ۚ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنْ

اصل غالب اور مرہبان وہی ہے۔ (۵)

اللہ کا وعدہ ہے^(۱) اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۶)

وہ تو (صرف) دنیوی زندگی کے ظاہر کو (ہی) جانتے ہیں اور آخرت سے تو بالکل ہی بے خبر ہیں۔^(۲) (۷)

کیا ان لوگوں نے اپنے دل میں یہ غور نہیں کیا؟ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب کو بہترین قرینے^(۳) سے مقرر وقت تک کے

غالب آجائیں گے اور غالب 'مغلوب اور مغلوب غالب ہو جائیگے۔ بظاہر اسباب یہ پیش گوئی ناممکن العمل نظر آتی تھی۔ تاہم مسلمانوں کو اللہ کے اس فرمان کی وجہ سے یقین تھا کہ ایسا ضرور ہو کر رہے گا۔ اسی لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابو جہل سے یہ شرط باندھ لی کہ رومی پانچ سال کے اندر دوبارہ غالب آجائیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی تو فرمایا کہ بضع کافظ تین سے دس تک کے عدد کے لیے استعمال ہوتا ہے تم نے ۵ سال کی مدت کم رکھی ہے اس میں اضافہ کرو۔ چنانچہ آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس مدت میں اضافہ کر لیا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا کہ رومی ۹ سال کی مدت کے اندر اندر یعنی ساتویں سال دوبارہ فارس پر غالب آگئے۔ جس سے یقیناً مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی 'اترندی' تفسیر سورۃ الروم) بعض کہتے ہیں کہ رومیوں کو یہ فتح اس وقت ہوئی جب بدر میں مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ حاصل ہوا اور مسلمان اپنی فتح پر خوش ہوئے۔ رومیوں کی یہ فتح قرآن کریم کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ نزدیک کی زمین سے مراد عرب کی زمین کے قریب کے علاقے ہیں یعنی شام و فلسطین وغیرہ جہاں عیسائیوں کی حکومت تھی۔

(۱) یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کو جو خبر دے رہے ہیں کہ عنقریب رومی فارس پر دوبارہ غالب آجائیں گے یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے جو مدت موعود کے اندر یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

(۲) یعنی اکثر لوگوں کو دنیوی معاملات کا خوب علم ہے۔ چنانچہ وہ ان میں تو اپنی چابک دستی اور مہارت فن کا مظاہرہ کرتے ہیں جن کا فائدہ عارضی اور چند روزہ ہے لیکن آخرت کے معاملات سے یہ غافل ہیں جن کا نفع مستقل اور پائیدار ہے۔ یعنی دنیا کے امور کو خوب پہچانتے ہیں اور دین سے بالکل بے خبر ہیں۔

(۳) یا ایک مقصد اور حق کے ساتھ پیدا کیا ہے بے مقصد اور بیکار نہیں۔ اور وہ مقصد ہے کہ نیکیوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور بدوں کو ان کی بدی کی سزا دی جائے۔ یعنی کیا وہ اپنے وجود پر غور نہیں کرتے کہ کس طرح انھیں نیست سے ہست کیا اور پانی کے ایک حقیر قطرے سے ان کی تخلیق کی۔ پھر آسمان و زمین کا ایک خاص مقصد کے لیے وسیع و عریض

الثَّانِيں بِلْعَالِي رَتِيهٖ لَكْفُرُوْنَ ۝

اَوَلَمْ يَسِيرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوْا تَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَنَادُوا الْاَرْضَ
وَعَمْرُوْهَا اَكْثَرُ مِمَّا عُمِرُوْهَا وَاَجَادَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
فَمَا كَانَ لَآلِهَةٍ يُّظْلِمُوْنَ ۝

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ اَسَاءُوا الشُّرُوْاۤى اَنْ كَذَّبُوْا

لیے (ی) پیدا کیا ہے، ہاں اکثر لوگ یقیناً اپنے رب کی
ملاقات کے منکر ہیں۔^(۸)

کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا^(۲) کہ ان
سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا (برا) ہوا؟^(۳) وہ ان سے بہت
زیادہ توانا (اور طاقتور) تھے^(۴) اور انہوں نے (بھی) زمین
بوٹی جوتی تھی اور^(۵) ان سے زیادہ آباد کی تھی^(۶) اور ان
کے پاس ان کے رسول روشن دلائل لے کر آئے تھے۔^(۷)
یہ تو ناممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ ان^(۸) پر ظلم کرتا لیکن (در اصل)
وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔^(۹)

پھر آخرش برا کرنے والوں کا بہت ہی برا انجام ہوا،^(۱۰)

سلسلہ قائم کیا، نیز ان سب کے لیے ایک خاص وقت مقرر کیا یعنی قیامت کا دن۔ جس دن یہ سب کچھ فنا ہو جائے گا۔
مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان باتوں پر غور کرتے تو یقیناً اللہ کے وجود، اس کی ربوبیت و اویسیت اور اس کی قدرت مطلقہ کا
انہیں اور اک و احساس ہو جاتا اور اس پر ایمان لے آتے۔

(۱) اور اس کی وجہ وہی کائنات میں غور و فکر کا فائدہ ان ہے ورنہ قیامت کے انکار کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہے۔

(۲) یہ آثار و کھنڈرات اور نشانات عبرت پر غور و فکر نہ کرنے پر توبیخ کی جارہی ہے۔ مطلب ہے کہ چل پھر کر وہ مشاہدہ کر چکے ہیں۔

(۳) یعنی ان کافروں کا جن کو اللہ نے ان کے کفر باللہ، حق کے انکار اور رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کیا۔

(۴) یعنی قریش اور اہل مکہ سے زیادہ۔

(۵) یعنی اہل مکہ تو کھیتی باڑی سے نا آشنا ہیں لیکن پچھلی قومیں اس وصف میں بھی ان سے بڑھ کر تھیں۔

(۶) اس لیے کہ ان کی عمریں بھی زیادہ تھیں، جسمانی قوت میں بھی زیادہ تھے اسباب معاش بھی ان کو زیادہ حاصل تھے،
پس انہوں نے عمارتیں بھی زیادہ بنائیں، زراعت و کاشتکاری بھی کی اور وسائل رزق بھی زیادہ مہیا کیے۔

(۷) لیکن وہ ان پر ایمان نہیں لائے۔ نتیجتاً تمام تر قوتوں، ترقیوں اور فراغت و خوش حالی کے باوجود ہلاکت ان کا مقدر رہ کر رہی۔

(۸) کہ انہیں بغیر گناہ کے عذاب میں مبتلا کر دیتا۔

(۹) یعنی اللہ کا انکار اور رسولوں کی تائید کر کے۔

(۱۰) سُؤْاٰی، بروزن فُغْلٰی، سُؤْاٰ سے اَسْوَا کی تائید ہے جیسے حُسْنٰی، اَحْسَن کی تائید ہے۔ یعنی ان کا جو انجام ہوا،
بدترین انجام تھا۔

بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا بِاٰیٰتِہٖۤہٗ مُّہْتَدُوۡنَ ﴿۱﴾

اَللّٰهُ یَبْدَاُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدهُ ثُمَّ اِلَیۡہِ تُرْجَعُوۡنَ ﴿۲﴾

وَّیَوْمَ نَقُوۡمُ السَّاعَۃُ یُبٰلِیۡسُ السَّجُرٰتُ وَاَیُّہُمُ الَّذِیۡنَ یُکْفَرُوۡنَ ﴿۳﴾

وَلَمَّا یَكُنْ لَّہُمْ مِّنۡ شُرَکَآءِہُمۡ شَفَعُوۡا وَّكَانُوۡا
بِشُرَکَآءِہُمۡ کٰفِرِیۡنَ ﴿۴﴾

وَّیَوْمَ نَقُوۡمُ السَّاعَۃُ یُوۡمِہِذِ یَتَفَرَّقُوۡنَ ﴿۵﴾

اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان کی ہنسی اڑاتے تھے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کی ابتدا کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے (۱) گا پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۲)

اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو گنہگار حیرت زدہ رہ جائیں گے۔ (۳)

اور ان کے تمام تر شریکوں میں سے ایک بھی ان کا سفارشی نہ ہو گا (۴) اور (خود یہ بھی) اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے۔ (۵)

اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن (جماعتیں) الگ الگ ہو جائیں گی۔ (۶)

(۱) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ مرنے کے بعد دوبارہ انہیں زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ اس لیے کہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ سے زیادہ مشکل نہیں ہے۔

(۲) یعنی میدان محشر اور موقف حساب میں جہاں وہ عدل و انصاف کا اہتمام فرمائے گا۔

(۳) اِنْبِلَاس کے معنی ہیں اپنے موقف کے اثبات میں کوئی دلیل پیش نہ کر سکتا اور حیران و ساکت کھڑے رہنا۔ اسی کو ناامیدی کے مفہوم سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ اس اعتبار سے شُبُلِس وہ ہو گا جو ناامید ہو کر خاموش کھڑا ہو اور اسے کوئی دلیل نہ سوجھ رہی ہو قیامت والے دن کافروں اور مشرکوں کا یہی حال ہو گا یعنی معاینہ عذاب کے بعد وہ ہر خبر سے مایوس اور دیس و حجت پیش کرنے سے قاصر ہوں گے۔ مجرموں سے مراد کافر و مشرک ہیں جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے۔

(۴) شریکوں سے مراد وہ معبودان باطلہ ہیں جن کی مشرکین یہ سمجھ کر عبادت کرتے تھے کہ یہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہوں گے اور انہیں اللہ کے عذاب سے بچالیں گے۔ لیکن اللہ نے یہاں وضاحت فرمادی کہ اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے اللہ کے ہاں کوئی سفارشی نہیں ہو گا۔

(۵) یعنی وہاں ان کی الوہیت کے منکر ہو جائیں گے کیوں کہ وہ دیکھ لیں گے کہ یہ تو کسی کو کوئی فائدہ پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ (فتح القدیر) دوسرے معنی ہیں کہ یہ معبود اس بات سے انکار کر دیں گے کہ یہ لوگ انہیں اللہ کا شریک گردان کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ کیوں کہ وہ تو ان کی عبادت سے ہی بے خبر ہیں۔

(۶) اس سے مراد ہر فرد کا دوسرے فرد سے الگ ہونا نہیں ہے۔ بلکہ مطلب مومنوں کا اور کافروں کا الگ الگ ہونا ہے۔

فَاَمَّا الْكَافِرِينَ اسْتَوْاعُوا الضَّلَاطَ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ
يُحْبَرُونَ ⑤

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ
قَادِلِينَ فِي الْعَذَابِ مُخَضَّرُونَ ⑥

فَتُخَنَّبُونَ لَهُمْ مَقَاصِدُ تَسْوُونَ وَجِثْنَ تُصْهِرُونَ ⑦

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَجُنْ
تُظْهِرُونَ ⑧

يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

جو ایمان لا کر نیک اعمال کرتے رہے وہ توحشت میں خوش
و خرم کر دیئے جائیں گے۔ (۱۵)

اور جنہوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت
کی ملاقات کو جھوٹا ٹھہرایا تھا وہ سب عذاب میں پکڑ کر
حاضر رکھے جائیں گے۔ (۱۶)

پس اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھا کر جب کہ تم شام کرو اور
جب صبح کرو۔ (۱۷)

تمام تعریفوں کے لائق آسمان و زمین میں صرف وہی ہے
تیسرے پہر کو اور ظہر کے وقت بھی (اس کی پاکیزگی بیان
کرو)۔ (۱۸)

(وہی) زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ (۱۹)

اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر و شرک جہنم میں چلے جائیں گے اور ان کے درمیان دائمی جدائی ہو جائے گی یہ دونوں
پھر کبھی اکٹھے نہیں ہوں گے یہ حساب کے بعد ہو گا۔ چنانچہ اسی علیحدگی کی وضاحت اگلی آیات میں کی جا رہی ہے۔

(۱) یعنی انہیں جنت میں اکرام و انعام سے نوازا جائے گا جن سے وہ مزید خوش ہوں گے۔

(۲) یعنی ہمیشہ اللہ کے عذاب کی گرفت میں رہیں گے۔

(۳) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی ذات مقدسہ کے لیے تسبیح و تحمید ہے جس سے مقصد اپنے بندوں کی رہنمائی ہے کہ
ان اوقات میں جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں اور جو اس کے کمال قدرت و عظمت پر دلالت کرتے ہیں اس کی
تسبیح و تحمید کیا کرو۔ شام کا وقت رات کی تاریکی کا پیش خیمہ اور سپید سحر دن کی روشنی کا پیامبر ہوتا ہے۔ عشاء شدت
تاریکی کا اور ظہر خوب روشن ہو جانے کا وقت ہے۔ پس وہ ذات پاک ہے جو ان سب کی خالق ہے اور جس نے ان تمام
اوقات میں الگ الگ فوائد رکھے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ تسبیح سے مراد نماز ہے اور دونوں آیات میں مذکور اوقات پانچ
نمازوں کے اوقات ہیں۔ تَمَسُّونَ میں مغرب و عشاء تَنْصِبُونَ میں نماز فجر عَشِيًّا (سہ پہر) میں عصر اور تُظْهِرُونَ
میں نماز ظہر آجاتی ہے (فتح القدیر) ایک ضعیف حدیث میں ان دونوں آیات کو صبح و شام پڑھنے کی یہ فضیلت بیان ہوئی
ہے کہ اس سے شب و روز کی کوتاہیوں کا ازالہ ہوتا ہے۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب ما یقول اذا أصبح)

(۴) جیسے اندھے کو مرفی سے مرفی کو اندھے سے۔ انسان کو نطفے سے نطفے کو انسان سے اور مومن کو کافر سے کافر کو
مومن سے پیدا فرماتا ہے۔

وَيُنْفِی الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿۵﴾

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ كَافِرُونَ ﴿۶﴾

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

اور وہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے اسی طرح تم (بھی) نکالے جاؤ گے۔^(۱) (۱۹)

اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اب انسان بن کر (چلتے پھرتے) پھیل رہے ہو۔^(۲) (۲۰)

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں^(۳) تاکہ تم ان سے آرام پاؤ^(۴) اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی^(۵) یقیناً

(۱) یعنی قبروں سے زندہ کر کے۔

(۲) إِذَا مُتَجِدِّثَةٌ ہے۔ مقصود اس سے ان اطوار کی طرف اشارہ ہے جن سے گزر کر بچہ پورا انسان بنتا ہے جس کی تفصیل قرآن میں دوسرے مقامات پر بیان کی گئی ہے۔ تَنْشُرُونَ سے مراد انسان کا کسب معاش اور دیگر حاجات و ضروریات بشریہ کے لیے چلنا پھرنا ہے۔

(۳) یعنی تمہاری ہی جنس سے عورتیں پیدا کیں تاکہ وہ تمہاری بیویاں بنیں اور تم جوڑا جوڑا ہو جاؤ زَوْجِ عَرَبِيٍّ میں جوڑے کو کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے مرد عورت کے لیے اور عورت مرد کے لیے زوج ہے۔ عورتوں کے جنس بشر ہونے کا مطلب ہے کہ دنیا کی پہلی عورت۔ حضرت حوا۔ کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پہلی سے پیدا کیا گیا۔ پھر ان دونوں سے نسل انسانی کا سلسلہ چلا۔

(۴) مطلب یہ ہے کہ اگر مرد اور عورت کی جنس ایک دوسرے سے مختلف ہوتی، مثلاً عورتیں جنت یا حیوانات میں سے ہوتیں تو ان سے وہ سکون کبھی حاصل نہ ہوتا جو اس وقت دونوں کے ایک ہی جنس سے ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ ایک دوسرے سے نفرت و وحشت ہوتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت ہے کہ اس نے انسانوں کی بیویاں انسان ہی بنائیں۔

(۵) مَوَدَّةٌ یہ ہے کہ مرد بیوی سے بے پناہ پیار کرتا ہے اور ایسے ہی بیوی شوہر سے۔ جیسا کہ عام مشاہدہ ہے۔ ایسی محبت جو میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہے دنیا میں کسی بھی دو محضوں کے درمیان نہیں ہوتی اور رحمت یہ ہے کہ مرد بیوی کو ہر طرح کی مسرت اور آسائش بہم پہنچاتا ہے جس کا مکلف اسے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور ایسے ہی عورت بھی اپنے قدرت و اختیار کے دائرہ میں۔ تاہم انسان کو یہ سکون اور باہمی پیار انہی جوڑوں سے حاصل ہوتا ہے جو قانون شریعت کے مطابق باہم نکاح سے قائم ہوتے ہیں اور اسلام انہی کو جوڑا قرار دیتا ہے۔ غیر قانونی جوڑوں کو وہ جوڑا ہی تسلیم نہیں کرتا بلکہ انہیں زانی اور بدکار قرار دیتا اور ان کے لیے سخت سزا تجویز کرتا ہے۔ آج کل مغربی تہذیب کے علم بردار

لَاۤیْتَلَوْنَهَا فَاَنْتَفَكُوْنَ ۝۲۱

غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۲۱)

اس (کی قدرت) کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف (بھی) ہے^(۱) وائش مندوں کے لیے اس میں یقیناً بڑی نشانیاں ہیں۔ (۲۲)

اور (بھی) اس کی (قدرت کی) نشانی تمہاری راتوں اور دن کی نیند میں ہے اور اس کے فضل (یعنی روزی) کو تمہارا تلاش کرنا بھی^(۲) ہے۔ جو لوگ (کان لگا کر) سننے کے عادی ہیں ان کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۲۳)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاٰخِلَافُ الْیَحٰیثِ ۝۲۲
وَالْوَاۤیِلَکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝۲۳

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَّتَآمَلُّوْا یٰۤاٰیُّکُلُ وَاللَّیْلِ وَیَبْتَغُوا کُلَّ مَتْنٍ
تَضِلُّہٗ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّعَوْمٍ یَّسْتَعُوْنَ ۝۲۴

شیاطین ان مذموم کوششوں میں مصروف ہیں کہ مغربی معاشروں کی طرح اسلامی ملکوں میں بھی نکاح کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے بدکار مرد و عورت کو ”جوڑا“ (COUPLE) تسلیم کروایا جائے اور ان کے لیے سزا کے بجائے وہ حقوق منوائے جائیں جو ایک قانونی جوڑے کو حاصل ہوتے ہیں۔ قَاتِلْہُمْ اللّٰہُ اُنّٰی یُؤْمِنُوْنَ

(۱) دنیا میں اتنی زبانوں کا پیدا کر دینا بھی اللہ کی قدرت کی ایک بہت بڑی نشانی ہے ’عربی ہے‘ ’ترکی ہے‘ ’انگریزی ہے‘ ’اردو‘ ہندی ہے‘ پشتو‘ فارسی‘ سندھی‘ بلوچی وغیرہ ہے۔ پھر ایک ایک زبان کے مختلف لہجے اور اسلوب ہیں۔ ایک انسان ہزاروں اور رکھوں کے مجمع میں اپنی زبان اور اپنے لہجے سے پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ شخص فلاں ملک اور فلاں علاقہ کا ہے۔ صرف زبان ہی اس کا مکمل تعارف کرا دیتی ہے۔ اسی طرح ایک ہی ماں باپ (آدم و حوا علیہما السلام) سے ہونے کے باوجود رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ کوئی کالا ہے، کوئی گورا، کوئی نیلگوں ہے تو کوئی گندمی رنگ کا، پھر کالے اور سفید رنگ میں بھی اتنے درجات رکھ دیے ہیں کہ بیشتر انسانی آبادی دو رنگوں میں تقسیم ہونے کے باوجود ان کی بیسیوں قسمیں ہیں اور ایک دوسرے سے یکسر الگ اور ممتاز۔ پھر ان کے چہروں کے خدو خال، جسمانی ساخت اور قد و قامت میں ایسا فرق رکھ دیا گیا ہے کہ ایک ایک ملک کا انسان الگ سے پہچان لیا جاتا ہے یعنی باوجود اس بات کے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے نہیں ملتا، حتیٰ کہ ایک بھائی دوسرے بھائی سے مختلف ہے لیکن اللہ کی قدرت کا کمال ہے کہ پھر بھی کسی ایک ہی ملک کے باشندے، دوسرے ملک کے باشندوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔

(۲) نیند کا باعث سکون و راحت ہونا چاہے وہ رات کو ہو یا یہ وقت قیلولہ اور دن کو تجارت و کاروبار کے ذریعے سے اللہ کا فضل تلاش کرنا یہ مضمون کئی جگہ گزر چکا ہے۔

تَخَافُوهُمْ كَخِيفَتَكُمْ أَنْفُسُكُمْ كَذَلِكَ تَقْضِلُ الْآيَاتِ
لِقَوْلِهِمْ يَقُولُونَ ۝

ہے؟ کہ تم اور وہ اس میں برابر درجے کے ہو؟^(۱) اور تم
ان کا ایسا خطرہ رکھتے ہو جیسا خود اپنوں کا^(۲) ہم عقل
رکھنے والوں کے لیے اسی طرح کھول کھول کر آیتیں
بیان کر دیتے ہیں۔^(۳) (۲۸)

بلکہ بات یہ ہے کہ یہ ظالم تو بغیر علم کے^(۴) خواہش پرستی
کر رہے ہیں، اسے کون راہ دکھائے جسے اللہ تعالیٰ راہ
سے ہٹا دے،^(۵) ان کا ایک بھی مددگار نہیں۔^(۶) (۲۹)

پس آپ یک سو ہو کر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کر
دیں۔^(۷) اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَبُغِضُوا فَمَنْ يَهْدِي
مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ مُصْرِينَ ۝

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ
الْإِنْسَانَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ

(۱) یعنی جب تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارے غلام اور نوکر چاکر جو تمہارے ہی جیسے انسان ہیں، وہ تمہارے مال و
دولت میں شریک اور تمہارے برابر ہو جائیں تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کے بندے، چاہے وہ فرشتے ہوں،
تو بغیر ہوں، اولیاء و صحابہوں یا شجر و حجر کے بنائے ہوئے معبود، وہ اللہ کے ساتھ شریک ہو جائیں جب کہ وہ بھی اللہ کے
غلام اور اس کی مخلوق ہیں؟ یعنی جس طرح پہلی بات نہیں ہو سکتی، دوسری بھی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اللہ کے ساتھ
دوسروں کی بھی عبادت کرنا اور انہیں بھی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا یکسر غلط ہے۔

(۲) یعنی کیا تم اپنے غلاموں سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح تم (آزاد لوگ) آپس میں ایک دوسرے سے ڈرتے ہو۔
یعنی جس طرح مشترکہ کاروبار یا جائیداد میں سے خرچ کرتے ہوئے ڈر محسوس ہوتا ہے کہ دوسرے شریک باز پرس کریں
گے۔ کیا تم اپنے غلاموں سے اس طرح ڈرتے ہو؟ یعنی نہیں ڈرتے۔ کیوں کہ تم انہیں مال و دولت میں شریک قرار دے
کر اپنا ہم مرتبہ بنا ہی نہیں سکتے تو اس سے ڈر بھی کیسا؟

(۳) کیوں کہ وہ اپنی عقلوں کو استعمال میں لا کر اور غور و فکر کا اہتمام کر کے آیات تخریصیہ اور تلوینیہ سے فائدہ اٹھاتے
ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے، ان کی سمجھ میں توحید کا مسئلہ بھی نہیں آتا جو بالکل صاف اور نہایت واضح ہے۔

(۴) یعنی اس حقیقت کا انہیں ادراک ہی نہیں ہے کہ وہ علم سے بے بہرہ اور ضلالت کا شکار ہیں اور اسی بے علمی اور گمراہی کی
وجہ سے وہ اپنی عقل کو کام میں لانے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور اپنی نفسانی خواہشات اور آرائے فاسدہ کے پیروکار ہیں۔

(۵) کیوں کہ اللہ کی طرف سے ہدایت اسے ہی نصیب ہوتی ہے جس کے اندر ہدایت کی طلب اور آرزو ہوتی ہے جو
اس طلب صادق سے محروم ہوتے ہیں، انہیں گمراہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

(۶) یعنی ان گمراہوں کا کوئی مددگار نہیں جو انہیں ہدایت سے بہرہ ور کر دے یا ان سے عذاب کو پھیر دے۔

(۷) یعنی اللہ کی توحید اور اس کی عبادت پر قائم رہیں اور ادیان باطلہ کی طرف التفات ہی نہ کریں۔

الْقِيَمَةَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾

مُتَّبِعِينَ دَلِيلَهُ وَالْقُوَّةَ ۖ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا
مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۳۱﴾

مِنَ الَّذِينَ قَتَلُوا دِيْنَهُمْ وَكَانُوا شُرَكَاءَ كُلِّ حِزْبٍ مِّمَّا
لَدَيْهِمْ فَيُرْحَلُونَ ﴿۳۲﴾

پیدا کیا ہے،^(۱) اللہ تعالیٰ کے بتائے کو بدنام نہیں،^(۲) یہی
سید ہادین ہے^(۳) لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔^(۴) (۳۰)
(لوگو!) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر اس سے
ڈرتے رہو اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکین میں
سے نہ ہو جاؤ۔^(۵) (۳۱)

ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو گلے
گلے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے^(۶) ہر گروہ
اس چیز پر جو اس کے پاس ہے گمن ہے۔^(۷) (۳۲)

(۱) فطرت کے اصل معنی خلقت (پیدائش) کے ہیں۔ یہاں مراد ملت اسلام (و توحید) ہے مطلب یہ ہے کہ سب کی
پیدائش بغیر مسلم و کافر کی تفریق کے۔ اسلام اور توحید پر ہوتی ہے اس لیے توحید ان کی فطرت یعنی جہت میں شامل ہے
جس طرح کہ عبادت سے واضح ہے۔ بعد میں بہت سوں کو ماحول یا دیگر عوامل نے فطرت کی اس آواز کی طرف نہیں
آنے دیتے جس کی وجہ سے وہ کفر پر ہی باقی رہتے ہیں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے ”ہر بچہ فطرت پر
پیدا ہوتا ہے“ لیکن پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، عیسائی اور مجوسی وغیرہ بنا دیتے ہیں۔“ (اصحیح بخاری،
تفسیر سورۃ الروم۔ مسلم کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة)

(۲) یعنی اللہ کی اس خلقت (فطرت) کو تبدیل نہ کر دے بلکہ صحیح تربیت کے ذریعے سے اس کی نشوونما کروائے کہ ایمان و
توحید بچوں کے دل و دماغ میں رائج ہو جائے۔ یہ خبر بمعنی انشا ہے یعنی نفی، نفی کے معنی میں ہے۔

(۳) یعنی وہ دین جس کی طرف یکسو اور متوجہ ہونے کا حکم ہے یا جو فطرت کا تقاضا ہے وہ یہی دین قیم ہے۔

(۴) اسی لیے وہ اسلام اور توحید سے نا آشنا رہتے ہیں۔

(۵) یعنی ایمان و تقویٰ اور اقامت صلوٰۃ سے گریز کر کے، مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔

(۶) یعنی اصل دین کو چھوڑ کر یا اس میں من مانی تبدیلیاں کر کے الگ الگ فرقوں میں بٹ گئے، جیسے کوئی یہودی، کوئی
نصرانی، کوئی مجوسی وغیرہ ہو گیا۔

(۷) یعنی ہر فرقہ اور گروہ سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے اور دوسرے باطل پر، اور جو سہارے انہوں نے تلاش کر رکھے
ہیں، جن کو وہ دلیل سے تعبیر کرتے ہیں، ان پر خوش اور مطمئن ہیں، بد قسمتی سے ملت اسلامیہ کا بھی یہی حال ہوا کہ وہ
بھی مختلف فرقوں میں بٹ گئی اور ان کا بھی ہر فرقہ اسی زعم باطل میں مبتلا ہے کہ وہ حق پر ہے، حالانکہ حق پر صرف ایک
ہی گروہ ہے جس کی پیروی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دی ہے کہ میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلنے والا ہو گا۔

وَاِذَا مَنَّ النَّاسُ وَرُدُّوْا اِلَهُمْ مُّشْبِعِيْنَ اِلَيْهِمْ كُفْرًا
اِذَا قُضِيَتْ رَحْمَتُنَا اِذَا فِئْتٍ مِنْهُمْ يَوْمَ يُنْفَخُ الْوُحُوْدُ ۝

لِيُكْفَرُوْا بِمَا اَنبِیْهُمْ فَتَقْتُلُوْا قُتُوْبَ عَلَمُوْنَ ۝

اَمْ اَسْرَلْنَا عَلِيْهِمْ سُلٰطَنَا فَهَمَّ بِكُلْفِهِمْ اَمْ اَنَابُوْا يَشْكُرُوْنَ ۝

وَاِذَا اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً رَّجَعُوْا بِهَا وَرَانَ تُبٰهِنُهُمْ سِنَةٌ يَّمْلَأُوْنَ
اَيْدِيَهُمْ اِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ۝

لوگوں کو جب کبھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف (پوری طرح) رجوع ہو کر دعائیں کرتے ہیں پھر جب وہ اپنی طرف سے رحمت کا زائقہ چکھتا ہے تو ان میں سے ایک جماعت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتی ہے۔ (۳۳)

تاکہ وہ اس چیز کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دی ہے^(۱) اچھا تم فائدہ اٹھا لو ابھی ابھی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ (۳۴) کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل نازل کی ہے جو اسے بیان کرتی ہے جسے یہ اللہ کے ساتھ شریک کر رہے ہیں۔^(۲) (۳۵)

اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ خوب خوش ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں ان کے ہاتھوں کے کروت کی وجہ سے کوئی برائی پہنچے تو ایک دم وہ محض ناامید ہو جاتے ہیں۔^(۳) (۳۶)

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے کشادہ روزی دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ^(۴) اس میں بھی ان

(۱) یہ وہی مضمون ہے جو سورہ عنکبوت کے آخر میں گزرا۔

(۲) یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی یہ جن کو اللہ کا شریک گردانتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں یہ بلا دلیل ہے۔ اللہ نے اس کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ بھلا اللہ تعالیٰ شرک کے اثبات و جواز کے لیے کس طرح کوئی دلیل اتار سکتا تھا جب کہ اس نے سارے پیغمبر بھیجے ہی اس لیے تھے کہ وہ شرک کی تردید اور توحید کا اثبات کریں۔ چنانچہ ہر پیغمبر نے آکر سب سے پہلے اپنی قوم کو توحید ہی کا وعظ کیا۔ اور آج اہل توحید مسلمانوں کو بھی نام نہاد مسلمانوں میں توحید و سنت کا وعظ کرنا پڑ رہا ہے۔ کیوں کہ مسلمان عوام کی اکثریت شرک و بدعت میں مبتلا ہے۔ هٰذَا هُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

(۳) یہ وہی مضمون ہے جو سورہ ہود میں گزرا اور جو انسانوں کی اکثریت کا شیوہ ہے کہ راحت میں وہ اترانے لگتے ہیں اور مصیبت میں ناامید ہو جاتے ہیں البتہ اہل ایمان اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ تکلیف میں صبر اور راحت میں اللہ کا شکر یعنی عمل صالح کرتے ہیں۔ یوں دونوں حالتیں ان کے لیے خیر اور اجر و ثواب کا باعث بنتی ہیں۔

(۴) یعنی اپنی حکمت و مصلحت سے وہ کسی کو مال و دولت زیادہ اور کسی کو کم دیتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ عقل و شعور میں

فَاِنَّ ذَا الْقُرْبٰى حَقُّهُ وَاَلْيَسٰىكَ ذٰلِكَ
 خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۷﴾
 وَمَا اَنْتُمْ بِمِنْ رَّبِّاٰلِيزْلُوْا فِىْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَزِلُّوْا

لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں نشانیاں ہیں۔ (۳۷)
 پس قربت دار کو مسکین کو مسافر کو ہر ایک کو اس کا حق
 دیجئے،^(۱) یہ انکے لیے بستر ہے جو اللہ تعالیٰ کا منہ دیکھنا چاہتے
 ہوں،^(۲) ایسے ہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔ (۳۸)
 تم جو سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے وہ
 اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں بڑھتا۔^(۳) اور جو کچھ صدقہ زکوٰۃ

اور ظاہری اسباب و وسائل میں دو انسان ایک جیسے ہی محسوس ہوتے ہیں، ایک جیسا ہی کاروبار بھی شروع کرتے ہیں۔
 لیکن ایک کے کاروبار کو خوب فروغ ملتا ہے اور اس کے دارے نیارے ہو جاتے ہیں، جب کہ دوسرے شخص کا کاروبار
 محدود ہی رہتا ہے اور اسے وسعت نصیب نہیں ہوتی۔ آخر یہ کون ہستی ہے، جس کے پاس تمام اختیارات ہیں اور وہ اس
 قسم کے تعارف فرماتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ کبھی دولت فراواں کے مالک کو محتاج اور محتاج کو مال و دوست سے نواز دیتا ہے۔
 یہ سب اسی ایک اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

(۱) جب وسائل رزق تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہیں اور وہ جس پر چاہے اس کے دروازے کھول دیتا ہے تو اصحاب
 ثروت کو چاہیے کہ وہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے ان کا وہ حق ادا کرتے رہیں جو ان کے مال میں ان کے مستحق
 رشتے داروں، مسکین اور مسافروں کا رکھا گیا ہے۔ رشتے دار کا حق اس لیے مقدم کیا کہ اس کی فضیلت زیادہ ہے۔
 حدیث میں آتا ہے کہ غریب رشتے دار کے ساتھ احسان کرنا دوسرے اجر کا باعث ہے۔ ایک صدقے کا اجر اور دوسرا صلہ
 رحمی کا۔ علاوہ ازیں اسے حق سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ امداد کر کے ان پر تم احسان نہیں کرو گے
 بلکہ ایک حق کی ہی ادائیگی کرو گے۔

(۲) یعنی جنت میں اس کے دیدار سے مشرف ہونا۔

(۳) یعنی سود سے بظاہر اضافہ معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہوتا، بلکہ اس کی نحوست بالآخر دنیا و آخرت میں
 تباہی کا باعث ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت میں ربا سے مراد سود (بیع)
 نہیں، بلکہ وہ ہدیہ اور تحفہ لیا ہے جو کوئی غریب آدمی کسی مال دار کو یا رعایا کا کوئی فرد بادشاہ یا حکمران کو اور ایک خادم
 اپنے مخدوم کو اس نیت سے دیتا ہے کہ وہ اس کے بدلے میں مجھے اس سے زیادہ دے گا۔ اسے دیا سے اسی لیے تعبیر کیا
 گیا ہے کہ دیتے وقت اس میں زیادتی کی نیت ہوتی ہے۔ یہ اگرچہ مباح ہے تاہم اللہ کے ہاں اس پر اجر نہیں ملے
 گا ﴿فَلَا تَزِرُ وَازِعَتُكَ مِنْهُ﴾ سے اسی اخروی اجر کی نفی ہے۔ اس صورت میں ترجمہ ہو گا ”جو تم عطیہ دو، اس نیت
 سے کہ واپسی کی صورت میں زیادہ ملے، پس اللہ کے ہاں اس کا ثواب نہیں۔“ (ابن کثیر، البیرواقیہ)

يَعْنِي اللهُ وَمَا يَتَّبِعُونَ زَكَاةً قُرْبَانًا وَحَيْهَ اللهُ
قَالُوْا لَيْتَ هُمْ الْمُصْطَفُوْنَ ۝

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يَرْجِعْكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ
هَلْ مِنْ شَرِّكَائِكُمْ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ دِلِّكُمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَجِدُوْهُ
وَيَفْعَلُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ
لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوا اَلَمْ لَهُمْ رَاجِعُوْنَ ۝

تم اللہ تعالیٰ کا منہ دیکھنے (اور خوشنودی کے لیے) دو تو
ایسے لوگ ہی ہیں اپنا دو چند کرنے والے ہیں۔ (۳۹)^(۱)
اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر روزی دی پھر
مار ڈالے گا پھر زندہ کر دے گا بتاؤ تمہارے شریکوں میں
سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان میں سے کچھ بھی کر سکتا ہو۔
اللہ تعالیٰ کے لیے پاکی اور برتری ہے ہر اس شریک سے
جو یہ لوگ مقرر کرتے ہیں۔ (۴۰)

خسکی اور تری میں لوگوں کی بد اعمالیوں کے باعث فساد پھیل
گیا۔ اس لیے کہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ
تعالیٰ چکادے (ہست) ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں۔ (۴۱)^(۲)

(۱) زکوٰۃ و صدقات سے ایک تو روحانی و معنوی اضافہ ہوتا ہے یعنی بقیہ مال میں اللہ کی طرف سے برکت ڈال دی جاتی
ہے۔ دوسرے 'قیمت والے دن اس کا اجر و ثواب کئی کئی گنا ملے گا' جس طرح حدیث میں ہے کہ حلال کمائی سے ایک
کھجور کے برابر صدقہ بڑھ بڑھ کر احد پہاڑ کے برابر ہو جائے گا۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ)

(۲) خسکی سے مراد 'انسانی آبادیاں اور تری سے مراد سمندر' سمندر کی راستے اور ساحلی آبادیاں ہیں۔ فساد سے مراد ہر وہ
بگاڑ ہے جس سے انسانوں کے معاشرے اور آبادیوں میں امن و سکون نہ رہا اور ان کے عیش و آرام میں خلل واقع ہو۔
اس لیے اس کا اطلاق معاصی و مینات پر بھی صحیح ہے کہ انسان ایک دوسرے پر ظلم کر رہے ہیں، اللہ کی حدوں کو پامال
اور اخلاقی ضابطوں کو توڑ رہے ہیں اور قتل و خوریزی عام ہو گئی ہے اور ان ارضی و سماوی آفات پر بھی اس کا اطلاق صحیح
ہے۔ جو اللہ کی طرف سے بطور سزا و تنبیہ نازل ہوتی ہیں۔ جیسے قحط، کثرت موت، خوف اور سیلاب وغیرہ مطلب یہ
ہے کہ جب انسان اللہ کی نافرمانیوں کو اپنا وطیرہ بنالیں تو پھر مکافات عمل کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے
اعمال و کردار کا رخ برائیوں کی طرف پھر جاتا ہے اور زمین فساد سے بھر جاتی ہے امن و سکون ختم اور اس کی جگہ خوف و
دہشت، سلب و منہب اور قتل و غارت گری عام ہو جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ بعض دفعہ آفات ارضی و سماوی کا بھی
نزل ہوتا ہے۔ مقصد اس سے یہی ہوتا ہے کہ اس عام بگاڑ یا آفات الہیہ کو دیکھ کر شاید لوگ گناہوں سے باز آجائیں،
توبہ کر لیں اور ان کا رجوع اللہ کی طرف ہو جائے۔

اس کے برعکس جس معاشرے کا نظام اطاعت الہی پر قائم ہو اور اللہ کی حدیں نافذ ہوں، ظلم کی جگہ عدل کا دور دورہ ہو۔
وہاں امن و سکون اور اللہ کی طرف سے خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے۔ جس طرح ایک حدیث میں آتا ہے "زمین میں اللہ
کی ایک حد کا قائم کرنا" وہاں کے انسانوں کے لیے چالیس روز کی بارش سے بہتر ہے۔" (السنائی، کتاب قطع ید

زمین میں چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ اگلوں کا انجام کیا ہوا۔
جن میں اکثر لوگ مشرک تھے۔^(۱) (۳۲)

پس آپ اپنا رخ اس بچے اور سیدھے دین کی طرف ہی
رکھیں قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس کا نل جانا اللہ
تعالیٰ کی طرف سے ہے ہی نہیں،^(۲) اس دن سب
مفرق^(۳) ہو جائیں گے۔ (۳۳)

کفر کرنے والوں پر ان کے کفر کا وبال ہو گا اور نیک کام
کرنے والے اپنی ہی آرام گاہ سنوار رہے ہیں۔^(۴) (۳۴)
تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے جزا دے جو ایمان
لائے اور نیک^(۵) اعمال کیے وہ کافروں کو دوست نہیں
رکھتا ہے۔ (۳۵)

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ
مِنْ قَبْلُ كَانَ الَّذِينَ هُمْ أَشْرَكُونَ ۝

فَأَنصَحَتْ لِذِيَيْنِ الْقِيَمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ
لَهُ مِنْهُنَّ يُؤْمِنُ بِمَا قَدْ وَعَدَ ۝

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَهُوَ يُعِلُّ صَاحِبٌ فَلَا تُغْنِيهِمْ
يَعْمَهُونَ ۝

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ
لَذِيْبُ الْكَفْرِ ۝

المسارق' باب التعرّيب فی إقامة الحد۔ (اس ماجہ) اسی طرح یہ حدیث ہے کہ "جب ایک بدکار (فاجر) آدمی
فوت ہو جاتا ہے تو بندے ہی اس سے راحت محسوس نہیں کرتے شرم بھی اور درخت اور جانور بھی آرام پاتے ہیں۔"
(صحیح بخاری' کتاب الرقاق' باب مكرات الموت۔ مسلم' کتاب الجنائز' باب ما جاء فی مستريح و
مستراح منہ)

(۱) شرک کا خاص طور پر ذکر کیا کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ علاوہ ازیں اس میں دیگر سیئات و معاصی بھی آجاتی ہیں۔
کیوں کہ ان کا ارتکاب بھی انسان اپنے نفس کی بندگی ہی اختیار کر کے کرتا ہے، اسی لیے اسے بعض لوگ عملی شرک
سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۲) یعنی اس دن کے آنے کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس لیے اس دن (قیامت) کے آنے سے پہلے اطاعت الہی کا
راستہ اختیار کر لیں اور نیکیوں سے اپنا دامن بھر لیں۔

(۳) یعنی دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے 'ایک مومنوں کا دوسرا کافروں کا۔

(۴) منہد کے معنی ہیں راستہ ہموار کرنا، فرش بچھنا، یعنی یہ عمل صالح کے ذریعے سے جنت میں جانے اور وہاں اعلیٰ
منازل حاصل کرنے کے لیے راستہ ہموار کر رہے ہیں۔

(۵) یعنی محض نیکیاں دخول جنت کے لیے کافی نہیں ہوں گی، جب تک ان کے ساتھ اللہ کا فضل بھی شامل حال نہ ہو گا۔
پس وہ اپنے فضل سے ایک ایک نیکی کا اجر دس سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے زیادہ بھی دے گا۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ یُّوَسِّلَ الرِّیۡۃَ مَیۡمَرَتِہٖ فَاَیۡدِیۡہُمَا فِیۡنَ
تَحَتِّہٖ وَیُغۡیۡرِیۡ اَمۡلَکَہٗ بِاَمۡرٍ وَّیُخۡفِیۡہُمَا فِیۡ قَیۡۃِہٖ
وَلَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۳۰﴾

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ رُسُلًا اِلٰی قَوۡمِہِمۡ فَجَآءَہُمۡ
بِالْبَیِّنٰتِ فَاسْتَفۡتَمْنَا مِنْۢ الَّذِیۡنَ اٰجَرُوۡا وَاَوۡکَانَ حَقًّا
صَلٰیۡنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِیۡنَ ﴿۳۱﴾

اس کی نشانیوں میں سے خوشخبریاں دینے والی ^(۱) ہواؤں کو
چلانا بھی ہے اس لیے کہ تمہیں اپنی رحمت سے لطف
اندوز کرے، ^(۲) اور اس لیے کہ اس کے حکم سے
کشتیاں چلیں ^(۳) اور اس لیے کہ اس کے فضل کو تم
ڈھونڈو ^(۴) اور اس لیے کہ تم شکر گزاری کرو۔ ^(۵) (۳۶)
اور ہم نے آپ سے پہلے بھی اپنے رسولوں کو ان کی قوم
کی طرف بھیجا وہ ان کے پاس دلیلیں لائے۔ پھر ہم نے
گناہ گاروں سے انتقام لیا۔ ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم
ہے۔ ^(۶) (۳۷)

(۱) یعنی یہ ہوائیں بارش کی پیامبر ہوتی ہیں۔

(۲) یعنی بارش سے انسان بھی لذت و سرور محسوس کرتا ہے اور فصلیں بھی لگنا اٹھتی ہیں۔

(۳) یعنی ان ہواؤں کے ذریعے سے کشتیاں بھی چلتی ہیں۔ مراد بادبانی کشتیاں ہیں۔ اب انسان نے دی ہوئی دماغی
صلاحیتوں کے بھرپور استعمال سے دوسری کشتیاں اور جہاز ایجاد کر لیے ہیں جو مشینوں کے ذریعے سے چلتے ہیں۔ تاہم ان
کے لیے بھی موافق اور مناسب ہوائیں ضروری ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی طوفانی موجوں کے ذریعے سے غرق آب
کر دینے پر قادر ہے۔

(۴) یعنی ان کے ذریعے سے مختلف ممالک میں آجا کر تجارت و کاروبار کر کے۔

(۵) ان ظاہری و باطنی نعمتوں پر جن کا کوئی شمار ہی نہیں۔ یعنی یہ ساری سورتیں اللہ تعالیٰ تمہیں اس لیے بہم پہنچاتا ہے
کہ تم اپنی زندگی میں ان سے فائدہ اٹھاؤ اور اللہ کی بندگی و اطاعت بھی کرو؟

(۶) یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) جس طرح ہم نے آپ کو رسول بنا کر آپ کی قوم کی طرف بھیجا ہے، اسی طرح
آپ سے پہلے بھی رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے، ان کے ساتھ دلائل اور معجزات بھی تھے، لیکن قوموں نے ان کی
کھذیب کی، ان پر ایمان نہیں لائے۔ بالآخر ان کے اس جرم کھذیب اور ارتکاب معصیت پر ہم نے انہیں اپنی سزا و
تعزیر کا نشانہ بنایا اور اہل ایمان کی نصرت و تائید کی جو ہم پر لازم ہے۔ یہ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے
والے مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار و مشرکین کی روش کھذیب سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کوئی نئی
بات نہیں ہے۔ ہر نبی کے ساتھ اس کی قوم نے یہی معاملہ کیا ہے۔ نیز کفار کو جہیم ہے کہ اگر وہ ایمان نہ دے تو ان کا حشر
بھی وہی ہو گا جو گزشتہ قوموں کا ہو چکا ہے۔ کیوں کہ اللہ کی مدد تو بالآخر مومنوں ہی کو حاصل ہوگی، جس میں پیغمبر اور اس

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیْحَ فَتُبْرِسُحَابًا مُّبِیْنًا
فِی السَّمَآءِ کَیْفَ یَشَآءُ وَتَجْعَلُہٗ کِسْفًا فَرَّی الْوَدْقَ
یَخْرُجُ مِنْ بَحْلِہٖ ۚ فَاِذَا اَصَابَ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ
عِبَادِہٖ اِذَا ہُمْ یَنْتَبِشُرُوْنَ ۝

وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّرْسَلَ عَلَیْہُمْ مِّنْ قَبْلِہٖ
لَلْبَلِیِّیْنَ ۝

فَاَنْظُرْ اِلَیْ اَشْرَ حَمَیْمٍ لِّوُکُفِّ یُنِی الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِہَا
اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّہٗ یَتَذَكَّرُ ۝

وَلَمَّا اَسْلَمْنَا بِمَآثِرِہٖ اَوْ اَوْفَی مُنْصَرِّفًا اَلْطَّلُوْا مِنْ بَعْدِہَا
یَنْقَرُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ ہوا میں چلاتا ہے وہ ابر کو اٹھاتی ہیں^(۱) پھر اللہ
تعالیٰ اپنی فشا کے مطابق اسے آسمان میں پھیل دیتا ہے^(۲)
اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے^(۳) پھر آپ دیکھتے
ہیں کہ اس کے اندر سے قطرے نکلتے ہیں^(۴) اور جنہیں
اللہ چاہتا ہے ان بندوں پر وہ پانی برساتا ہے تو وہ خوش
خوش ہو جاتے ہیں۔ (۳۸)

یقین ماننا کہ بارش ان پر برسنے سے پہلے پہلے تو وہ ناامید
ہو رہے تھے۔ (۳۹)

پس آپ رحمت الہی کے آثار دیکھیں کہ زمین کی موت
کے بعد کس طرح اللہ تعالیٰ اسے زندہ کر دیتا ہے؟ کچھ
شک نہیں کہ وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے^(۵) اور
وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۵۰)

اور اگر ہم بادِ تند چلا دیں اور یہ لوگ انہی کھیتوں کو
(مرحائی ہوئی) زرد پڑی ہوئی دیکھ لیں تو پھر اس کے بعد
ناشکری کرنے لگیں۔^(۶) (۵۱)

پر ایمان لانے والے سب شامل ہیں۔ حَقًّا کان کی خبر ہے جو مقدم ہے نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ اس کا اسم ہے۔

(۱) یعنی وہ بادل جہاں بھی ہوتے ہیں وہاں سے ہوا میں ان کو اٹھا کر لے جاتی ہیں۔

(۲) کبھی چلا کر، کبھی ٹھہرا کر، کبھی تہ بہ تہ کر کے، کبھی دور دراز تک۔ یہ آسمان پر بادلوں کی مختلف کیفیتیں ہوتی ہیں۔

(۳) یعنی ان کو آسمان پر پھیلانے کے بعد، کبھی ان کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔

(۴) وَدْق کے معنی بارش کے ہیں، یعنی ان بادلوں سے اللہ اگر چاہتا ہے تو بارش ہو جاتی ہے، جس سے بارش کے
ضرورت مند خوش ہو جاتے ہیں۔

(۵) آثارِ رحمت سے مراد وہ غلہ جات اور میوے ہیں جو بارش سے پیدا ہوتے اور خوش حالی و فراغت کا باعث ہوتے
ہیں۔ دیکھنے سے مراد نظرِ عبرت سے دیکھنا ہے تاکہ انسان اللہ کی قدرت کا اور اس بات کا قائل ہو جائے کہ وہ قیمت
والے دن اسی طرح مردوں کو زندہ فرماوے گا۔

(۶) یعنی ان ہی کھیتوں کو جن کو ہم نے بارش کے ذریعے سے شاداب کیا تھا، اگر سخت (گرم یا ٹھنڈی) ہوا میں چلا کر ان

يَاۤئِكَ لَا تُسَيِّمُ الْمَوْتِ وَلَا تُسَيِّمُ الضَّرَّ الدَّعَاۤءَا
وَلَوْ اَمْدِيۤوَن ۝

بیشک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے^(۱) اور نہ بہروں کو
(اپنی) آواز سنا سکتے ہیں^(۲) جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر مڑ گئے
ہوں۔^(۳) (۵۲)

وَمَا لَتَ يَهْدِي الْعُتٰی عَنْ صَلٰتِهِمْ اِنَّ تُسَيِّرُ الْاَمَنَ يُؤْمِنُ
رَاٰیۡنَا فَهَمُّ تُسَيِّرُوْنَ ۝

اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت کرنے
والے^(۴) ہیں آپ تو صرف ان ہی لوگوں کو سناتے ہیں جو
ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے^(۵) ہیں پس وہی اطاعت
کرنے والے ہیں۔^(۶) (۵۳)

اِنَّهُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ
قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَیۡبَةً یَّخْلُقُ مَا

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت^(۷) میں
پیدا کیا پھر اس کمزوری کے بعد توانائی^(۸) دی پھر اس توانائی

کی ہر حال کو زور دی میں بدل دیں۔ یعنی تیار فصل کو تہہ کر دیں تو یہی بارش سے خوش ہونے والے اللہ کی ناشکری پر اتر
آئیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو نہ ماننے والے مبرا اور حوصلے سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ ذرا سی بات پر مارے خوش
کے پھولے نہیں ساتے اور ذرا سی اتلا پر فوراً ناامید اور مگر یہ کناں ہو جاتے ہیں۔ اہل ایمان کا معاملہ دونوں حالتوں میں
ان سے مختلف ہوتا ہے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

(۱) یعنی جس طرح مردے فم و شعور سے عاری ہوتے ہیں اسی طرح یہ آپ ﷺ کی دعوت کو سمجھنے اور اسے قبول
کرنے سے قاصر ہیں۔

(۲) یعنی آپ ﷺ کا وعظ و نصیحت ان کے لیے بے اثر ہے جس طرح کوئی بہرا ہو اسے تم اپنی بات نہیں سنا سکتے۔

(۳) یہ ان کے اعراض و انحراف کی مزید وضاحت ہے کہ مردہ اور بہرہ ہونے کے ساتھ وہ پیٹھ پھیر کر جانے والے ہیں
حق کی بات ان کے کانوں میں کس طرح پڑ سکتی اور کیوں کر ان کے دل و دماغ میں سما سکتی ہے؟

(۴) اس لیے کہ یہ آنکھوں سے کماحقہ فائدہ اٹھانے سے یا بصیرت (دل کی بینائی) سے محروم ہیں یہ گمراہی کی جس دلدل
میں پھنسے ہوئے ہیں اس سے کس طرح نکلیں؟

(۵) یعنی یہی سن کر ایمان لانے والے ہیں اس لیے کہ یہ اہل تفکر و تدبیر ہیں اور آثار قدرت سے موثر حقیق کی معرفت
حاصل کر لیتے ہیں۔

(۶) یعنی حق کے آگے سر تسلیم خم کر دینے والے اور اس کے چہرہ کار۔

(۷) یہاں سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا ایک اور کمال بیان فرما رہا ہے اور وہ ہے مختلف اطوار سے انسان کی تخلیق۔
ضعف (کمزوری کی حالت) سے مراد نطفہ یعنی قطرۂ آب ہے یا عالم طفولیت۔

(۸) یعنی جوانی جس میں قوائے عقلی و جسمانی کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

يَسْأَلُوهُ وَالْعَلِيِّ الْقَدِيرِ ⑤

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ لَا مَالَتْوَا فِي سَاعَةٍ
كَذَلِكَ كَانُوا يُفَكَّرُونَ ⑥

وَقَالَ الَّذِينَ اٰتَوْا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْنَا

کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا^(۱) جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے^(۲) وہ سب سے پورا واقف اور سب پر پورا قادر ہے۔ (۵۴)
اور جس دن قیامت^(۳) برپا ہو جائے گی گناہ گار لوگ قسمیں کھائیں گے کہ (دنیا میں) ایک گھڑی کے سوا نہیں ٹھہرے^(۴) اسی طرح یہ بیکے ہوئے ہی رہے۔ (۵۵)
اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا وہ جواب دیں گے^(۵) کہ

(۱) کمزوری سے مراد کمولت کی عمر ہے جس میں عقلی و جسمانی قوتوں میں نقصان کا آغاز ہو جاتا ہے اور بڑھاپے سے مراد شیخوشت کا وہ دور ہے جس میں ضعف بڑھ جاتا ہے۔ بہت پست ہاتھ پیروں کی حرکت اور گرفت کمزور ہال سفید اور تمام ظاہری و باطنی صفات متغیر ہو جاتی ہیں۔ قرآن نے انسان کے یہ چار بڑے اطوار بیان کیے ہیں۔ بعض علما نے دیگر چھوٹے چھوٹے اطوار بھی شمار کر کے انہیں قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے جو قرآن کے اجمال کی توضیح و راسخ کے لیے بیان کی شرح ہے مثلاً امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ انسان بچے بعد دیگرے ان حالات و اطوار سے گزرتا ہے۔ اس کی اصل مٹی ہے۔ یعنی اس کے باپ آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ یا انسان جو کچھ کھاتا ہے جس سے وہ مٹی پیدا ہوتی ہے جو رحم مادر میں جا کر اس کے وجود و تخلیق کا باعث بنتی ہے وہ سب مٹی ہی کی پیداوار ہے پھر وہ نطفہ نطفہ سے ملتے پھر مضغہ پھر ہڈیاں جنہیں گوشت کا لباس پہنایا جاتا ہے۔ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ پھر ماں کے پیٹ سے اس حال میں نکلتا ہے کہ نحیف و نزار اور نہایت نرم و نازک ہوتا ہے۔ پھر بتدریج نشوونما پاتا، بچپن، بلوغت اور جوانی کو پہنچتا ہے اور پھر بتدریج رجعت و فقری کا عمل شروع ہو جاتا ہے، کمولت، شیخوشت اور پھر کبر سن (بڑھاپا) تا آنکہ موت اسے اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔

(۲) انہی اشیاء میں ضعف و قوت بھی ہے۔ جس سے انسان گزرتا ہے جیسا کہ ابھی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

(۳) ساعت کے معنی ہیں گھڑی، لمحہ، مراد قیامت ہے اس کو ساعت اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کا وقوع جب اللہ چاہے گا ایک گھڑی میں ہو جائے گا۔ یا اس لیے کہ یہ اس گھڑی میں ہوگی جو دنیا کی آخری گھڑی ہوگی۔

(۴) دنیا میں یا قبروں میں۔ یہ اپنی عادت کے مطابق جموٹی قسم کھائیں گے اس لیے کہ دنیا میں وہ جتن عرصہ رہے ہوں گے ان کے علم میں ہی ہو گا اور اگر مراد قبر کی زندگی ہے تو ان کا حلف جہالت پر ہو گا کیوں کہ وہ قبر کی مدت نہیں جانتے ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ آخرت کے شدائد اور ہولناک احوال کے مقابلے میں دنیا کی زندگی انہیں گھڑی کی طرح ہی لگے گی۔

(۵) اَفَلَکَ الرَّحُلُ کے معنی ہیں۔ سچ سے پھر گیا، مطلب ہو گا اسی پھرنے کے مثل وہ دنیا میں پھرتے رہے یا بیکے رہے۔

(۶) جس طرح یہ علما دنیا میں بھی سمجھاتے رہے تھے۔

فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ - فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ
وَلَكُمْ شُكْرُكُمْ لَا تَعْلَمُونَ ⑤

فَيَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْنَى ذُنُوبِهِمْ وَلَا هُمْ
يُسْتَعْتَبُونَ ⑥

وَلَقَدْ خَرَّبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذِهِ الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلَكِنْ
جَهَلْتُمْ بِآيَاتِهِ لِيَقُولُوا الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّهُمْ
إِلَّا مُبْطِلُونَ ⑦

كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ⑧

فَأَصْبَحُوا رِجَالًا مَعًا وَلَمْ يَشْعُرْ بِهِ الَّذِينَ

تم تو جیسا کہ کتاب اللہ میں ^(۱) ہے یوم قیامت تک ٹھہرے
رہے۔ ^(۲) آج کا یہ دن قیامت ہی کا دن ہے لیکن تم تو یقین
ہی نہیں مانتے تھے۔ ^(۳) (۵۶)

پس اس دن ظالموں کو ان کا عذر بہانہ کچھ کام نہ آئے گا اور
نہ ان سے توبہ اور عمل طلب کیا جائے گا۔ ^(۴) (۵۷)

بیشک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے سامنے کل مثالیں
بیان کر دی ہیں۔ ^(۵) آپ ان کے پاس کوئی بھی نشانی
لا نہیں ^(۶) یہ کافر تو یہی کہیں گے کہ تم (بے ہودہ گو)
بالکل جھوٹے ہو۔ ^(۷) (۵۸)

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے یوں
ہی مہر کر دیتا ہے۔ ^(۸) (۵۹)

پس آپ صبر کریں ^(۹) یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ آپ کو وہ

(۱) کِتَابِ اللہ سے مراد اللہ کا علم اور اس کا فیصلہ ہے یعنی لوح محفوظ

(۲) یعنی پیدا کئے گئے دن سے قیامت کے دن تک۔

(۳) کہ وہ آئے گی بلکہ استہزا اور تکذیب کے طور پر اس کا تم مطالبہ کرتے تھے۔

(۴) یعنی انہیں دنیا میں بھیج کر یہ موقع نہیں دیا جائے گا کہ وہاں توبہ و اطاعت کے ذریعے سے عتاب الہی کا ازالہ کرو۔

(۵) جن سے اللہ کی توحید کا اثبات اور رسولوں کی صداقت واضح ہوتی ہے اور اسی طرح شرک کی تردید اور اس کا
بطلان نمایاں ہوتا ہے۔

(۶) وہ قرآن کریم کی پیش کردہ کوئی دلیل ہو یا ان کی خواہش کے مطابق کوئی معجزہ وغیرہ۔

(۷) یعنی جادو وغیرہ کے پیروکار۔ مطلب یہ ہے کہ بڑی سے بڑی نشانی اور واضح سے واضح دلیل بھی اگر وہ دیکھ لیں تب
بھی ایمان بہر حال نہیں لائیں گے کیوں؟ اس کی وجہ آگے بیان کر دی گئی ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے
جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ ان کا کفر و طغیان اس آخری حد کو پہنچ گیا ہے جس کے بعد حق کی طرف واپسی کے
تمام راستے ان کے لیے مسدود ہیں۔

(۸) یعنی ان کی مخالفت و عناد پر اور ان کی تکلیف دہ باتوں پر اس لیے کہ اللہ نے آپ سے مدد کا جو وعدہ کیا ہے وہ یقیناً
حق ہے جو ہر صورت پورا ہو گا۔

لَا يُؤَقِّنُونَ ۝

لوگ ہلکا (بے صبر) نہ کریں^(۱) جو یقین نہیں رکھتے۔ (۶۰)

سُورَةُ الْقِنَمَانِ

سورہ لقمان کی ہے اور اس میں چونتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَللّٰهُ ۝ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ۝

الم^(۲) (۱) یہ حکمت والی کتب کی آیتیں ہیں۔ (۲) جو نیکو کاروں کے^(۳) لیے رہبر اور (سراسر) رحمت ہے۔ (۳)

هٰذِیْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ خَبِیْرٌ ۝

جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر (کامل) یقین رکھتے ہیں۔^(۴) (۴)

الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ ۝

(۱) یعنی آپ کو غضب ناک کر کے صبر و حلم ترک کرنے یا دہشت پر مجبور نہ کر دیں بلکہ آپ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں اور اس سے سرمو انحراف نہ کریں۔

(۲) اس کے آغاز میں بھی یہ حروف مقطعات ہیں جن کے معنی و مراد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ تاہم بعض مفسرین نے اس کے دو فوائد بڑے اہم بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ قرآن اسی قسم کے حروف مقطعات سے ترتیب و تالیف پایا ہے جس کے مثل تالیف پیش کرنے سے عرب عاجز آگئے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے اور جس پیغمبر پر یہ نازل ہوا ہے وہ سچا رسول ہے جو شریعت وہ لے کر آیا ہے انسان اس کا محتاج ہے اور اس کی اصلاح اور سعادت کی تکمیل اسی شریعت سے ممکن ہے۔ دوسرا یہ کہ مشرکین اپنے ساتھیوں کو اس قرآن کے سننے سے روکتے تھے کہ مبادا وہ اس سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف سورتوں کا آغاز ان حروف مقطعات سے فرمایا تاکہ وہ اس کے سننے پر مجبور ہو جائیں کیوں کہ یہ انداز بیان نیا اور اچھوتا تھا۔ (المیر القاسم) واللہ اعلم۔

(۳) مُحْسِنِیْنَ، مُحْسِنِیْنَ کی جمع ہے۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں احسان کرنے والا والدین کے ساتھ رشتے داروں کے ساتھ مستحقین اور ضرورت مندوں کے ساتھ۔ دوسرے معنی ہیں نیکیاں کرنے والا یعنی برائیوں سے مجتنب اور نیکو کار۔ تیسرے معنی ہیں اللہ کی عبادت نہایت اخلاص اور خشوع و خضوع کے ساتھ کرنے والا جس طرح حدیث جبرائیل علیہ السلام میں ہے 'اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَمَا تَنْتَ تَرَاهُ'۔ قرآن دیسے تو سارے جہاں کے لیے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے لیکن اس سے اصل فائدہ چونکہ صرف محسنین اور حقیقی ہی اٹھاتے ہیں اس لیے یہاں اس طرح فرمایا۔

(۴) نماز، زکوٰۃ اور آخرت پر یقین۔ یہ تینوں نہایت اہم ہیں اس لیے ان کا بطور خاص ذکر کیا ورنہ محسنین و متقین تمام

یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔^(۱) (۵)
اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتوں کو مول لیتے ہیں^(۲) کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے ہٹائیں اور اسے ہنسی بنائیں،^(۳) یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔^(۴) (۶)

جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو تکبر کرتا ہوا اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں ڈاٹ لگے ہوئے ہیں،^(۵) آپ اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔ (۷)

اُولٰٓئِكَ عَلٰی هٰذِي تَرِيْنَ ذٰلِكَمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمَغْلُوْبُوْنَ ۝

وَمِنَ الثَّانِيْنَ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهٗوَ الْحَدِيْثِ بِيْضَلٍ عَنْ يَمِيْنِ
اَللّٰهِ يَغْنُوْا عَلَيْهِمْ وَيَجْعَلُهَا هُرُوْا اُولٰٓئِكَ لَهٗوَ عَذَابٍ مُّهِينٍ ۝

وَاِذَا اُنْضِلَ عَلَيْهِ اِيْتَانَاوَلٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ
فِيْ اُذُنَيْهِ وَقُوْا لَقِيْتُمْ رَّبَّ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

فِيْ اُذُنَيْهِ وَقُوْا لَقِيْتُمْ رَّبَّ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

فرائض و سنن بلکہ مستحبات تک کی پابندی کرتے ہیں۔

(۱) فلاح کے مفہوم کے لیے دیکھئے سورۃ بقرہ اور مومنوں کا آغاز۔

(۲) اہل سعادت جو کتاب الہی سے راہ یاب اور اس کے سماع سے فیض یاب ہوتے ہیں ان کے ذکر کے بعد ان اہل شقاوت کا بیان ہو رہا ہے جو کلام الہی کے سننے سے تو اعراض کرتے ہیں۔ البتہ ساز و موسیقی، نغمہ و سرود اور گانے وغیرہ خوب شوق سے سنتے اور ان میں دلچسپی لیتے ہیں۔ خریدنے سے مراد یہی ہے کہ آلات طرب شوق سے اپنے گھروں میں لاتے اور پھر ان سے لذت اندوز ہوتے ہیں۔ لَهٗوَ الْحَدِيْثِ سے مراد گانا بجانا، اس کا ساز و سادہ اور آہستہ و سرود اور آہستہ و موسیقی اور ہر وہ چیز ہے جو انسانوں کو خیر اور معروف سے غافل کر دے۔ اس میں قصے، کہانیاں، افسانے، ڈرامے، ناٹ اور جنسی اور سنسنی خیز لٹریچر، رسالے اور بے حیائی کے پرچارک اخبارات سب ہی آجاتے ہیں اور جدید ترین ایجادات ریڈیو، ٹی وی، سی آر، ویڈیو فلمیں وغیرہ بھی۔ عمد رسالت میں بعض لوگوں نے گانے بجانے والی لونڈیاں بھی اسی مقصد کے لیے خریدی تھیں کہ وہ لوگوں کا دل گانے سنا کر بھلائی رہیں تاکہ قرآن و اسلام سے وہ دور رہیں۔ اس اعتبار سے اس میں گلوکارائیں بھی آجاتی ہیں جو آج کل فن کار، فلمی ستارہ اور ثقافتی سفیر اور پتہ نہیں کیسے کیسے مہذب خوش نما اور دل فریب ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔

(۳) ان تمام چیزوں سے یقیناً انسان اللہ کے راستے سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور دین کو استہزا و تمسخر کا نشانہ بھی بناتے ہیں۔

(۴) ان کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کرنے والے ارباب حکومت، ادارے، اخبارات کے مالکان، اہل قلم اور فہرنگار بھی اسی عذاب میں کے مستحق ہوں گے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْہُ

(۵) یہ اس شخص کا حال ہے جو مذکورہ امور و لعب کی چیزوں میں مگن رہتا ہے، وہ آیات قرآنیہ اور اللہ و رسول کی باتیں

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَزَآءٌ ثَمَرٌ ۝

بیشک جن لوگوں نے ایمان قیوں کیا اور کام بھی نیک
(مطابق سنت) کیے ان کے لیے نعمتوں والی جنتیں
ہیں۔ (۸)

جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کا سچا وعدہ ہے،^(۱) وہ بہت
بڑی عزت و غلبہ والا اور کامل حکمت والا ہے۔ (۹)

اسی نے آسمانوں کو بغیر ستون کے پیدا کیا ہے تم انہیں دیکھ
رہے^(۲) ہو اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو ڈال دیا تاکہ وہ
تمہیں جنبش نہ دے^(۳) سکے اور ہر طرح کے جاندار زمین
میں پھیلا دیئے۔^(۴) اور ہم نے آسمان سے پانی برس کر زمین
میں ہر قسم کے نفیس جوڑے اگلا دیئے۔^(۵) (۱۰)

خَالِدِیْنَ فِیْهَا وَعَدَدٌ مُّكْرَرًا ۝ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَّرَوْنَهَا وَاَلْغَىٰ فِی الْاَرْضِ رَوٰسِیًۢمَ
اَنْ تَمَیْدَ بِكُمْ وَبَغَیْضٍ مِّنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّاَنزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً نَّاتِلًا فِیْهَا مِنْ كُلِّ ذَوْءٍ یَّرْبُوهَا ۝

من کر ہر ابن جاتا ہے حالاں کہ وہ ہر انہیں ہو تا اور اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں کیوں کہ اس کے
سننے سے وہ ایذا محسوس کرتا ہے اس لیے اس سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ وقرآن کے معنی ہیں کانوں میں ایسا بوجھ جو
اسے سننے سے محروم کر دے۔

(۱) یعنی یہ یقیناً پورا ہو گا اس لیے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ وَاللّٰهُ لَا یُخْلِفُ الْعِمْدَ.

(۲) تَرَوْنَهَا اگر عَمَد کی صفت ہو تو معنی ہوں گے ایسے ستونوں کے بغیر جنہیں تم دیکھ سکو۔ یعنی آسمان کے ستون ہیں
لیکن ایسے کہ تم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔

(۳) رَوَاسِیًۢمَ، رَوَاسِیًۢمَ کی جمع ہے جس کے معنی ثَابِتَہ کے ہیں۔ یعنی پہاڑوں کو زمین پر اس طرح بھاری بوجھ بنا کر رکھ دیا
ہے کہ جن سے زمین ثابت رہے یعنی حرکت نہ کرے۔ اسی لیے آگے فرمایا اَنْ تَمَیْدَ بِكُمْ یَعْنِیْ كَرَاهَةً اَنْ تَمَیْدَ
(تَمَیْیَل) بِكُمْ اَوْ لِتَنَلَّ تَمَیْدَ یعنی اس بات کی ناپسندیدگی سے کہ زمین تمہارے ساتھ ادھر ادھر ڈولے یا اس لیے کہ
زمین ادھر ادھر نہ ڈولے۔ جس طرح ساحل پر کھڑے بحری جہازوں میں بڑے بڑے لنگر ڈال دیئے جاتے ہیں تاکہ جہاز نہ
ڈولے زمین کے لیے پہاڑوں کی بھی یہی حیثیت ہے۔

(۴) یعنی انواع و اقسام کے جانور زمین میں ہر طرف پھیلا دیئے جنہیں انسان کھاتا بھی ہے، سواری اور بار برداری کے
لیے بھی استعمال کرتا ہے اور بطور زینت اور آرائش کے بھی اپنے پاس رکھتا ہے۔

(۵) رَوٰیج یہاں صِنْف کے معنی میں ہے یعنی ہر قسم کے غلے اور میوے پیدا کیے۔ ان کی صفت کریم ان کے حسن و
اور کثرت منافع کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

هٰذَا اَخْلَقَ اللّٰهُ فَاَرَوْنٰی مَاذَا اَخْلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖۤ اَنۡلِ
الْعٰلَمُوْنَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۝۱

وَلَقَدْ اٰتٰنَا النِّسۡمَ الْکَمۡلَہٗ اِنۡ شَکَرُوۡا ۭ وَمَنْ یَشْکُرُ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ
لِنَفْسِہٖۤ ۭ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنۡ لِلّٰہِ عَذَابٌ حَمِیۡدٌ ۝۲

وَلَاۤیۡسَ لِقُلُوۡمِہٖۤ اِلٰہٌۭ اٰنۡہِہٖۤ وَہُوَ یُعِطُہٗ مِمَّا یَشَآءُ ۭ لَآ تَلۡمِزۡہٗ فَاِنَّہٗ
بِاٰیۡتِہٖۤ اَلۡبَیۡنِ ۝۳

یہ ہے اللہ کی مخلوق ^(۱) اب تم مجھے اس کے سوا دوسرے
کسی کی کوئی مخلوق تو دکھاؤ ^(۲) (کچھ نہیں) بلکہ یہ ظالم
کھلی گمراہی میں ہیں۔ ^(۳)

اور ہم نے یقیناً لقمان کو حکمت دی ^(۴) تھی کہ تو اللہ تعالیٰ
کا شکر کر ^(۵) ہر شکر کرنے والا اپنے ہی نفع کے لیے شکر
کرتا ہے جو بھی ناشکری کرے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ
بے نیاز اور تعریفوں والا ہے۔ ^(۶)

اور جب کہ لقمان نے وعظ کہتے ہوئے اپنے لڑکے سے فرمایا
کہ میرے پیارے بچے! اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا ^(۷)
بیشک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔ ^(۸) ^(۹)

(۱) ہذا (یہ) اشارہ ہے اللہ کی ان پیدا کردہ چیزوں کی طرف جن کا گزشتہ آیات میں ذکر ہوا۔

(۲) یعنی جن کی تم عبادت کرتے اور انہیں مدد کے لیے پکارتے ہو انہوں نے آسمان و زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے؟
کوئی ایک چیز تو بتلاؤ؟ مطلب یہ ہے کہ جب ہر چیز کا خالق صرف اور صرف اللہ ہے تو عبادت کا مستحق بھی صرف وہی
ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کوئی ہستی اس لائق نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے اور اسے مدد کے لیے پکارا جائے۔

(۳) حضرت لقمان اللہ کے نیک بندے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حکمت یعنی عقل و فہم اور دینی بصیرت میں ممتاز مقام
عطا فرمایا تھا۔ ان سے کسی نے پوچھا تمہیں یہ فہم و شعور کس طرح حاصل ہوا؟ انہوں نے فرمایا: راست بازی، امانت کے
انحیاء کرنے اور بے فائدہ باتوں سے اجتناب اور خاموشی کی وجہ سے۔ ان کا حکمت و دانش پر مبنی ایک واقعہ یہ بھی مشہور
ہے کہ یہ غلام تھے ان کے آقا نے کہا کہ بکری ذبح کر کے اس کے سب سے بہترین دو حصے لاؤ چنانچہ وہ زبان اور دل
نکال کر لے گئے۔ ایک دوسرے موقع پر آقا نے ان سے کہا کہ بکری ذبح کر کے اس کے سب سے بدترین حصے لاؤ۔ وہ پھر
وہی زبان اور دل لے کر چلے گئے پوچھنے پر انہوں نے بتلایا کہ زبان اور دل اگر صحیح ہوں تو یہ سب سے بہتر ہیں اور اگر
یہ بگڑ جائیں تو ان سے بدتر کوئی چیز نہیں۔ (ابن کثیر)

(۴) شکر کا مطلب ہے اللہ کی نعمتوں پر اس کی حمد و ثنا اور اس کے احکام کی قربان برداری۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی سب سے پہلی وصیت یہ نقل فرمائی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو شرک سے منع فرمایا جس
سے یہ واضح ہوا کہ والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو شرک سے بچانے کی سب سے زیادہ کوشش کریں۔

(۶) یہ بعض کے نزدیک حضرت لقمان ہی کا قول ہے اور بعض نے اسے اللہ کا قول قرار دیا ہے اور اس کی تائید میں وہ

وَوَضَعْنَا الْاِنْسَانَ بَوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهُ وَهَنًا عَلٍ وَهَنٍ
وَفَصَلَتْهُ فِي عَامَيْنِ اِنْ اَشْكُرْ فَلاَ يُدْرِكُ اِلَّا الْمَصِيْرُ ①

وَلَنْ جَهْدًا عَلٰى اَنْ تَشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا
تُطِعْهُمَا وَصَاحِبَ مَا لِيْ الَّذِيْنَ مَعْرُوْفًا وَاَتَيْتُهُ سَبِيْلًا مِّنْ
اَنْتَابٍ اِلَّا اَنْتَ اِنِّيْ تَرْجِعُهُمْ فَاَنْتَ تَكُنُّ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ①

ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی^(۱)
ہے 'اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھ کر^(۲) اسے حمل میں رکھا
اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے^(۳) لکہ تو میری اور
اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر 'تم سب کو میری ہی طرف
لوٹ کر آنا ہے۔ (۱۴)

اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے
ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو تو ان کا کہنا نہ
ماننا ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس
کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو^(۴) تمہارا سب کا
لوٹنا میری ہی طرف ہے تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر
میں تمہیں خبردار کروں گا۔^(۵) (۱۵)

حدیث پیش کی ہے جو ﴿اَلْدِّیْنَ اٰمَنُوْا وَلَوْ يٰلَهُمْ اِلٰهًا غَيْرُ الَّذِیْ﴾ کے نزول کے تعلق سے وارد ہے جس میں آپ
ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہاں ظلم سے مراد ظلم عظیم ہے اور آیت ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِٖ لَکٰظِمٌ غٰظِیْنٌ﴾ کا حوالہ دیا۔ (صحیح بخاری، نمبر
۴۷۷۶) مگر درحقیقت اس سے اللہ کا قول ہونے کی نہ تائید ہوتی ہے نہ تردید۔

(۱) توحید و عبادت الہی کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید سے اس نصیحت کی اہمیت واضح ہے۔

(۲) اس کا مطلب ہے کہ رحم مادر میں بچہ جس حساب سے بڑھتا جاتا ہے 'ماں پر بوجھ بڑھتا جاتا ہے جس سے عورت
کنزور سے کنزور تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ ماں کی اس مشقت کے ذکر سے اس طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کہ والدین کے
ساتھ احسان کرتے وقت ماں کو مقدم رکھا جائے جیسا کہ حدیث میں بھی ہے۔

(۳) اس سے معلوم ہوا کہ مدت رضاعت دو سال ہے 'اس سے زیادہ نہیں۔

(۴) یعنی مومنین کی راہ۔

(۵) یعنی میری طرف رجوع کرنے والوں (اہل ایمان) کی پیروی اس لیے کرو کہ بالآخر تم سب کو میری ہی بارگاہ میں آنا ہے 'اور
میری ہی طرف سے ہر ایک کو اس کے (ایچھے یا برے) عمل کی جزا ملنی ہے۔ اگر تم میرے راستے کی پیروی کرو گے اور مجھے یاد
رکھتے ہوئے زندگی گزارو گے تو امید ہے کہ قیامت والے روز میری عدالت میں سرخ رو ہو گے بصورت دیگر میرے عذاب
میں گرفتار ہو گے۔ سلسلہ کلام حضرت لقمان کی وصیتوں سے متعلق تھا۔ اب آگے پھر وہی وصیتیں بیان کی جا رہی ہیں جو لقمان
نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ درمیان کی دو آیتوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جملہ معترضہ کے طور پر ماں باپ کے ساتھ احسان کی

يَسْتَنِيَّ النَّهَارَ تَنَفُّسًا ثَقِيلًا حَتَّى يَمُوتَ مِنْ حَسْرَةٍ لِّقَتْلِ
فِي مَهْمَرٍّ اَوْ فِي السَّمُوتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَأْتِي بِهَا
اللَّهُ اِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۝

يَسْتَنِيَّ اَقْبِرِ الصَّلَاةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَاَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَاَصْدِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزِيْزِ الْاَمْرِ ۝

پیارے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے واسطے کے برابر ہو
پھر وہ (بھی) خواہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا
زمین میں ہو اسے اللہ تعالیٰ ضرور لائے گا اللہ تعالیٰ بڑا
باریک بین اور خبردار ہے۔ (۱۶)

اے میرے پیارے بیٹے! تو نماز قائم رکھ، اچھے کاموں
کی فصاحت کرتے رہنا، برے کاموں سے منع کیا کرنا اور جو
مصیبت تم پر آجائے صبر کرنا (۱۷) (یقین مان) کہ یہ بڑے
تائیدی کاموں میں سے ہے۔ (۱۸)

تائید فرمائی، جس کی ایک وجہ تو یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ لقمان نے یہ وصیت اپنے بیٹے کو نہیں کی تھی کیونکہ اس میں ن کا پہلا ذاتی
مفاد بھی تھا۔ دوسرا یہ واضح ہو جائے کہ اللہ کی توحید و عبادت کے بعد والدین کی خدمت و اطاعت ضروری ہے۔ تیسرا یہ کہ
شرک اتنا بڑا گناہ ہے کہ اگر اس کا حکم والدین بھی دیں تو ان کی بات نہیں مانتی چاہئے۔

(۱) اِنْ تَنُكَ كَامِرَجٍ حَاطِيْنَةً ہو تو مطلب گناہ اور اللہ کی نافرمانی والا کام ہے اور اگر اس کا مرجع خُصَّةً ہو تو مطلب
اچھائی یا برائی کی خصلت ہو گا۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اچھائی یا برا کام کتنا بھی چھپ کر کرے، اللہ سے مخفی نہیں رہ سکتا،
قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اسے حاضر کر لے گا۔ یعنی اس کی جزا دے گا، اچھے عمل کی اچھی جزا، برے عمل کی بری جزا۔
رائی کے دانے کی مثال اس لیے دی کہ وہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ جس کا وزن محسوس ہوتا ہے نہ قول میں وہ ترازو کے
پہرے کو جھکا سکتا ہے۔ اسی طرح چٹان (آبادی سے دور جنگل، پہاڑ میں) مخفی ترین اور محفوظ ترین جگہ ہے۔ یہ مضمون
حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا "اگر تم میں سے کوئی شخص بے سوراخ کے پتھر میں بھی عمل کرے گا، جس کا کوئی
دروازہ ہو نہ کھڑکی، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر فرمادے گا، چاہے وہ کیسا ہی عمل ہو"۔ (مسند احمد ۳/۴۸) اس لیے کہ
وہ لطیف (باریک بین) ہے، اس کا علم مخفی ترین چیز تک محیط ہے، اور خیر ہے، اندھیری رات میں چھنے والی چوٹی کی
حرکات و سکناات سے بھی وہ باخبر ہے۔

(۲) اِِقَامَةُ صَلَاةٍ اَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ، نَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ اور مصائب پر صبر کا اس لیے ذکر کیا کہ یہ تینوں اہم ترین
عبادات اور امور خیر کی بنیاد ہیں۔

(۳) یعنی مذکورہ باتیں ان کاموں میں سے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے تائید فرمائی ہے اور بندوں پر انہیں فرض قرار دیا
ہے یا یہ ترغیب ہے عزم و ہمت پیدا کرنے کی کیوں کہ عزم و ہمت کے بغیر طاعات مذکورہ پر عمل ممکن نہیں۔ بعض
مفسرین کے نزدیک ذَلِك کا مرجع صبر ہے۔ اس سے پہلے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وصیت ہے اور اس راہ میں
شدائد و مصائب اور طعن و ملامت ناگزیر ہے، اس لیے اس کے فوراً بعد صبر کی تلقین کر کے واضح کر دیا کہ صبر کا دامن

لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھلا^(۱) اور زمین پر اتر کر نہ چل۔^(۲) کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ (۱۸)

اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر^(۳) اور اپنی آواز پست کر^(۴) یقیناً آوازوں میں سب سے بدتر آواز گدھوں کی آواز ہے۔ (۱۹)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ہر چیز

وَلَا تُصْعِقْ خَدَّكَ لِلثَّلَاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝

وَأَقْبِضْ يَدَيْكَ مَشِيَّتًا وَاعْصِصْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَضُوبُ لَصَوْتِ الْغَيْبِ ۝

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ تِلْكَ السَّمُوتَ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنبَغَ

تھمے رکھنا کہ یہ عزم و ہمت کے کاموں میں سے ہے اور اہل عزم و ہمت کا ایک بڑا ہتھیار۔ اس کے بغیر فریضہ تبلیغ کی ادائیگی ممکن نہیں۔

(۱) یعنی تکبر نہ کر کہ لوگوں کو حقیر سمجھے اور جب وہ تجھ سے ہم کلام ہوں تو تو ان سے منہ پھیر لے۔ یا گفتگو کے وقت اپنا منہ پھیرے رکھے۔ مصر ایک بیماری ہے جو اونٹ کے سر یا گردن میں ہوتی ہے۔ جس سے اس کی گردن مڑ جاتی ہے۔ یہاں بطور تکبر منہ پھیر لینے کے معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے (ابن کثیر)

(۲) یعنی ایسی چال یا رویہ جس سے مال و دولت یا جاہ و منصب یا قوت و طاقت کی وجہ سے فخر و غرور کا اظہار ہوتا ہو یہ اللہ کو ناپسند ہے اس لیے کہ انسان ایک بندہ عاجز و حقیر ہے اللہ تعالیٰ کو یہی پسند ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق عاجزی و انکساری ہی اختیار کیے رکھے اس سے تجاوز کر کے بڑائی کا اظہار نہ کرے کہ بڑائی صرف اللہ ہی کے لیے زیبا ہے جو تمام اختیارات کا مالک اور تمام خوبیوں کا منبع ہے۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ”وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہو گا۔“ (مسند أحمد ۱/۳۱۲، ترمذی، اہمواب البر، صاحبہ فی الکبر، جو تکبر کے طور پر اپنے کپڑے کو کھینچتے (گھینچتے) ہوئے چلے گا اللہ اس کی طرف (قیامت والے دن) نہیں دیکھے گا۔“ (مسند أحمد ۵، والطرب البخاری، کتاب اللباس) تاہم تکبر کا اظہار کیے بغیر اللہ کے انعامات کا ذکر یا اچھا لباس اور خوراک وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔

(۳) یعنی چال اتنی ست نہ ہو جیسے کوئی بیمار ہو اور نہ اتنی تیز ہو کہ شرف و وقار کے خلاف ہو۔ اسی کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا ﴿يَتَّقِي إِلَى الْفَضْلِ مَوَازِ﴾ (العرفان ۳) ”اللہ کے بندے زمین پر وقار اور سکونت کے ساتھ چلتے ہیں۔“

(۴) یعنی چیخ یا چلا کر بات نہ کر اس لیے کہ زیادہ اونچی آواز سے بات کرنا پسندیدہ ہوتا تو گدھے کی آواز سب سے اچھی سمجھی جاتی لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ گدھے کی آواز سب سے بدتر اور کریہ ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ”گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے پناہ مانگو“ (بخاری، کتاب بدء الخلق اور مسلم وغیرہ)

عَلَيْكُمْ بَعَثَ ظَاهِرَةً وَبَاطِلَةً وَفِي السَّابِقِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ
بَعِيْرٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُدٰى وَلَا كِتٰبٌ مُبِيْنٌ ①

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ
مَا وُجِدَ عَلَيْنَا وَاٰبَاؤُنَا اَوْ لَوْ كَاٰنَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ
اِلٰى عَذَابٍ اَشَدَّ ②

وَمَنْ يُشْكِرْ لِّهٖ وَجْهًا اِلٰى اللّٰهِ فَهُوَ غَيْرٌ مُّقْتَدِرٌ
بِالْعُرُوْثِ وَالْوَلٰثِقِ ۝ اِلٰى اللّٰهِ عَاقِبَةُ اَلْاُمُوْر ③

کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے^(۱) اور تمہیں اپنی ظاہری و
باطنی نعمتیں بھرپور دے رکھی ہیں،^(۲) بعض لوگ اللہ
کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر
روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔^(۳) (۲۰)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی تائیدی ہوئی وحی
کی تابعداری کرو تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو جس طریق^(۴)
پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اسی کی تابعداری کریں گے،
اگرچہ شیطان ان کے بڑوں کو دوزخ کے عذاب کی
طرف بلاتا ہو (۲۱)

اور جو (فحش) اپنے آپ کو اللہ کے تابع کر دے^(۵) اور
ہو بھی وہ نیکو کار^(۶) یقیناً اس نے مضبوط کڑا تھام لیا،^(۷)

(۱) تسخیر کا مطلب ہے انتفاع (فائدہ اٹھانا) جس کو ”یہاں کام سے لگا دیا“ سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے آسمانی مخلوق، چاند،
سورج، ستارے وغیرہ ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے ضابطوں کا پابند بنا دیا ہے کہ یہ انسانوں کے لیے کام کر رہے ہیں اور
انسان ان سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ دوسرا مطلب تسخیر کا تابع بنا دینا ہے۔ چنانچہ بہت سی زمینی مخلوق کو انسان کے تابع
بنا دیا گیا ہے جنہیں انسان اپنی حسب فضا استعمال کرتا ہے جیسے زمین اور حیوانات وغیرہ ہیں۔ گویا تسخیر کا مفہوم یہ ہوا کہ
آسمان و زمین کی تمام چیزیں انسانوں کے فائدے کے لیے کام میں لگی ہوئی ہیں، چاہے وہ انسان کے تابع اور اس کے زیر
تصرف ہوں یا اس کے تصرف اور تابعیت سے بالا ہوں۔ (فتح القدیر)

(۲) ظاہری سے وہ نعمتیں مراد ہیں جن کا ادراک عقل، حواس وغیرہ سے ممکن ہو اور باطنی نعمتیں وہ جن کا ادراک و
احساس انسان کو نہیں۔ یہ دونوں قسم کی نعمتیں اتنی ہیں کہ انسان ان کو شمار بھی نہیں کر سکتا۔

(۳) یعنی اس کے باوجود لوگ اللہ کی بابت جھگڑتے ہیں، کوئی اس کے وجود کے بارے میں، کوئی اس کے ساتھ شریک
گردانے میں اور کوئی اس کے احکام و شرائع کے بارے میں۔

(۴) یعنی طریق یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی عقلی دلیل ہے، نہ کسی ہادی کی ہدایت اور نہ کسی صحیفہ آسمانی سے کوئی ثبوت،
گویا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں ٹکوار بھی نہیں۔

(۵) یعنی صرف اللہ کی رضا کے لیے عمل کرے، اس کے حکم کی اطاعت اور اس کی شریعت کی پیروی کرے۔

(۶) یعنی، موریہ چیزوں کا اتباع اور منہیات کو ترک کرنے والا۔

(۷) یعنی اللہ سے اس نے مضبوط عہد لے لیا کہ وہ اس کو عذاب نہیں کرے گا۔

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنكَ كُفْرُهُ اَلَيْسَ اَمْرُكُمْ فَنِيْنًا مِمَّا
عَمِلُوْا اِنَّ لِلّٰهِ عَلَيُّكُمْ بَيِّنَاتٍ الصُّدُوْر ⑤

نَمِيْعُهُمْ وَلِيْلًا لَّمْ تَنْصُرْهُمْ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ⑥

وَلَمَّا سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اَللّٰهُ فَيَلْجِئُوْنَ
اِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ لَا تَلْفُتُوْهُمْ لَا يَخْلُوْنَ ⑦

يَلْمِزُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفِيْرُ الْغَنِيْدُ ⑧

تمام کلموں کا انجام اللہ کی طرف ہے۔ (۲۲)
کافروں کے کفر سے آپ رنجیدہ نہ ہوں،^(۱) آخر ان
سب کا لوٹنا تو ہماری جانب ہی ہے پھر ہم ان کو بتائیں گے
جو انہوں نے کیا ہے، بے شک اللہ سینوں^(۲) کے
بہیدوں^(۳) تک سے واقف ہے۔ (۲۳)

ہم انہیں گو کچھ یونہی سافائدہ دے دیں لیکن (بالآخر) ہم
انہیں نہایت بیچاریگی کی حالت میں سخت عذاب کی طرف
ہٹکالے جائیں گے۔^(۴) (۲۴)

اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمان و زمین کا خالق
کون ہے؟ تو یہ ضرور جواب دیں گے کہ اللہ،^(۵) تو کہہ
دیجئے کہ سب تعریفوں کے لائق اللہ ہی ہے،^(۶) لیکن ان
میں کے اکثر بے علم ہیں۔ (۲۵)

آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا
ہے،^(۷) یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بڑا بے نیاز^(۸) اور سزاوار
حمد و ثناء ہے۔^(۹) (۲۶)

(۱) اس لیے کہ ایمان کی سعادت ان کے نصیب میں ہی نہیں ہے۔ آپ کی کوششیں اپنی جگہ بجا اور آپ کی خواہش بھی
قابل قدر لیکن اللہ کی تقدیر اور مشیت سب پر غالب ہے۔

(۲) یعنی ان کے غلوں کی جزا دے گا۔

(۳) پس اس پر کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی۔

(۴) یعنی دنیا میں آخر کب تک رہیں گے اور اس کی لذتوں اور نعمتوں سے کہاں تک شاد کام ہوں گے؟ یہ دنیا اور اس
کی لذتیں تو چند روزہ ہیں، اس کے بعد ان کے لیے سخت عذاب ہی عذاب ہے۔

(۵) یعنی ان کو اعتراف ہے کہ آسمان و زمین کا خالق اللہ ہے نہ کہ وہ معبود جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔

(۶) اس لیے کہ ان کے اعتراف سے ان پر محبت قائم ہو گئی۔

(۷) یعنی ان کا خالق بھی وہی ہے، مالک بھی وہی اور مدبر و متصرف کائنات بھی وہی۔

(۸) بے نیاز ہے اپنے ماسوا سے، یعنی ہر چیز اس کی محتاج ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

(۹) اپنی تمام پیدا کردہ چیزوں میں۔ پس اس نے جو کچھ پیدا کیا اور جو احکام نازل فرمائے، اس پر آسمان و زمین میں سزاوار

وَلَوَ اَنَّآ فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمْدُہٗ
مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ کَلِمَاتُ اللّٰهِ یَٰ اَیُّهَا
غُرُوبُکُمْ ۝

مَا خَلَقْنَا وَلَا بَعَثْنَا اِلَّا کَلِمًا وَّاحِدَةً اِنَّ اللّٰهَ یَمِیْزُ بَیْنُہُمْ ۝

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُؤْتِی الْاَیُّہُ الْیَوْمَ الْاَوَّلَ الْاَوَّلَ فِی الْاَوَّلِ
وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لِحُجْرَتِیْ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی زَآلَ اللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ حَیْثُ ۝

روئے زمین کے (تمام) درختوں کے اگر قلمیں ہو جائیں
اور تمام سمندروں کی سیاهی ہو اور ان کے بعد سات سمندر
اور ہوں تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے، بیشک اللہ
تعالیٰ غالب اور با حکمت ہے۔ (۲۷)

تم سب کی پیدائش اور مرنے کے بعد جانا ایسا ہی ہے
جیسے ایک جی کا، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا
ہے۔ (۲۸)

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن
کو رات میں کھپا دیتا ہے، سورج چاند کو اسی نے
فرماں بردار کر رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چل
رہے، اللہ تعالیٰ ہر اس چیز سے جو تم کرتے ہو خبردار
ہے۔ (۲۹)

حدوثاً صرف اسی کی ذات ہے۔

(۱) اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی، جلالت شان، اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفات عیبا اور اس کے وہ کلمات جو
اس کی عظمتوں پر دلالت کناں ہیں گامیان ہے کہ وہ اتنے ہیں کہ کسی کے لیے ان کا احاطہ یا ان سے آگاہی یا ان کی کنہ اور
حقیقت تک پہنچنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر کوئی ان کو شمار کرنا اور جملہ تحریر میں لانا چاہے، تو دنیا بھر کے درختوں کے قلم
گھس جائیں، سمندروں کے پانی کی بنا کی ہوئی سیاهی ختم ہو جائے، لیکن اللہ کی معلومات، اس کی تخلیق و صنعت کے
عجائبات اور اس کی عظمت و جلالت کے مظاہر کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ سات سمندر بطور مبالغہ ہے، حصر مراد نہیں ہے،
اس لیے کہ اللہ کی آیات و کلمات کا حصر و احصا ممکن ہی نہیں ہے (ابن کثیر) اسی مفہوم کی آیت سورہ کاف کے آخر میں
گزر چکی ہے۔

(۲) یعنی اس کی قدرت اتنی عظیم ہے کہ تم سب کا پیدا کرنا یا قیامت والے دن زندہ کرنا، ایک نفس کے زندہ کرنے یا
پیدا کرنے کی طرح ہے۔ اس لیے کہ وہ جو چاہتا ہے لفظ کُن سے پلک جھپکتے میں معرض وجود میں آجاتا ہے۔

(۳) یعنی رات کا کچھ حصہ لے کر دن میں شامل کر دیتا ہے، جس سے دن بڑا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ جیسے گرمیوں
میں ہوتا ہے، اور پھر دن کا کچھ حصہ لے کر رات میں شامل کر دیتا ہے، جس سے رات بڑی اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے۔
جیسے سردیوں میں ہوتا ہے۔

(۴) ”مقررہ وقت تک“ سے مراد قیامت تک ہے یعنی سورج اور چاند کے طلوع و غروب کا یہ نظام، جس کا اللہ نے ان

ذَٰلِكَ يَٰۤاَنۡلَہُ فَوَٰلِئِذَا نَآبَدَ عَوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہِ الْبَاطِلِ
وَآلَ ۤاَنۡلَہُ فَوَٰلِئِذَا لَکِیۡزٌ ۝۱۰

اَلَمْ تَرَ اَنَّ لَقَمَنَ یَّعۡرِیۡ فِی الْہِجۡرِ یُعۡمِتُ ۤاَللہَ لِیَرۡیَکُمۡ مِّنۡ
اٰیۡتِہِ اِنَّ فِیۡ ذَٰلِکَ لَاٰیۡتٍ لِّکُلِّ صَبَّآءٍ لَّشٰکُوۡرٌ ۝۱۱

یہ سب (انتظامات) اس وجہ سے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حق ہے
اور اس کے سوا جن جن کو لوگ پکارتے ہیں سب باطل
ہیں ^(۱) اور یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بلند یوں والا اور بڑی شان
والا ہے۔ ^(۲) (۳۰)

کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ دریا میں کشتیاں اللہ کے
فضل سے چل رہی ہیں اس لیے کہ وہ تمہیں اپنی نشانیاں
دکھاوے ^(۳) یقیناً اس میں ہر ایک مبروہ شکر کرنے

کو پابند کیا ہوا ہے، قیامت تک یوں ہی قائم رہے گا دوسرا مطلب ہے "ایک متعینہ منزل تک" یعنی اللہ نے ان کی
گردش کے لیے ایک منزل اور ایک دائرہ متعین کیا ہوا ہے جہاں ان کا سفر ختم ہوتا ہے اور دوسرے روز پھر وہاں سے
شروع ہو کر پہلی منزل پر آکر ٹھہر جاتا ہے۔ ایک حدیث سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "جانتے ہو؟ یہ سورج کہاں جاتا (غروب ہوتا) ہے؟" ابوذر جھپٹتے کہتے ہیں "میں نے کہا" اللہ اور
اس کے رسول ﷺ پر خوب جانتے ہیں" فرمایا: "اس کی آخری منزل عرش الہی ہے یہ وہاں جاتا ہے اور زیر عرش سجدہ ریز
ہوتا ہے پھر (وہاں سے نکلنے کی) اپنے رب سے اجازت مانگتا ہے ایک وقت آئے گا کہ اس کو کہا جائے گا: "ارجعی من
حبث جہنم" تو جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا" تو وہ مشرق سے طلوع ہونے کے بجائے مغرب سے طلوع ہو گا۔ جیسا
کہ قرب قیامت کی علامات میں آتا ہے اصحیح بخاری، کتاب التوحید، و مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان
المرس الدی لا یقبل لہ إلا ایمان حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "سورج رہٹ کی طرح ہے، دن کو آسمان پر
اپنے مدار پر چلتا رہتا ہے، جب غروب ہو جاتا ہے، تو رات کو زمین کے نیچے اپنے مدار پر چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ مشرق
سے طلوع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح چاند کا معاملہ ہے۔" (ابن کثیر)

(۱) یعنی یہ انتظامات یا نشانیاں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ظاہر کرتا ہے تاکہ تم سمجھ لو کہ کائنات کا نظام چلانے والا صرف
ایک اللہ ہے، جس کے حکم اور مشیت سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے، اور اس کے سوا سب باطل ہے یعنی کسی کے پاس کوئی
اختیار نہیں ہے بلکہ سب اس کے محتاج ہیں کیوں کہ سب اس کی مخلوق اور اس کے ماتحت ہیں، ان میں سے کوئی بھی
ایک ذرے کو بھی ہلانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

(۲) اس سے برتر شان والا کوئی ہے نہ اس سے بڑا کوئی اس کی عظمت شان، علو مرتبت اور بڑائی کے سامنے ہر چیز حقیر
اور پست ہے۔

(۳) یعنی سمندر میں کشتیوں کا چلنا، یہ بھی اس کے لطف و کرم کا ایک مظہر اور اس کی قدرت تغیر کا ایک نمونہ ہے۔
اس نے ہوا اور پانی دونوں کو ایسے مناسب انداز سے رکھا کہ سمندر کی سطح پر کشتیاں چل سکیں، ورنہ وہ چاہے تو ہوا کی

والے^(۱) کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۳۱)

اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ (نہایت) غلوں کے ساتھ اعتقاد کر کے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں۔^(۲) پھر جب وہ (باری تعالیٰ) انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچاتا ہے تو کچھ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں،^(۳) اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو بد عہد اور ناشکرے ہوں۔^(۴) (۳۲)

لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنے بیٹے کو کوئی نفع نہ پہنچ سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کا ذرا سا بھی نفع کرنے والا ہو گا^(۵) (یاد رکھو) اللہ کا

وَاِذْ اٰتَيْنَاهُمْ مَّوْجًا كَالْظُّلُمِ دَعَا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ
فَلَمَّا بَلَغَهُمُ الرّٰی الْبَسَرَ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمَا يَجْحَدُ
بِآيٰتِنَا اِلَّا كُنْ حَتّٰی تُلْغَوْا ۝۳۲

يَا بَنِي النَّاسِ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ
عَنْ وَلَدٍ ۚ وَلَا سُلُوْلُوْهُ هُمْ جَاۤئِعُنَّ وَاِلٰیہٗ شِيَارٌ وَّعَدٌ

تمہاری اور موجوں کی طغیانی سے کشتیوں کا چلنا ناممکن ہو جائے۔

(۱) تکلیفوں میں مہر کرنے والے، راحت اور خوشی میں اللہ کا شکر کرنے والے۔

(۲) یعنی جب ان کی کشتیاں ایسی طوفانی موجوں میں گھر جاتی ہیں جو بادلوں اور پہاڑوں کی طرح ہوتی ہیں اور موت کا آہنی پنجہ انہیں اپنی گرفت میں لیتا نظر آتا ہے تو پھر سارے زمینی معبودان کے ذہنوں سے نکل جاتے ہیں اور صرف ایک آسمانی الہ کو پکارتے ہیں جو واقعی اور حقیقی معبود ہے۔

(۳) بعض نے مُقْتَصِدٌ کے معنی بیان کیے ہیں عہد کو پورا کرنے والا، یعنی بعض ایمان، توحید اور اطاعت کے اس عہد پر قائم رہتے ہیں جو موج گرداب میں انہوں نے کیا تھا۔ ان کے نزدیک کلام میں حذف ہے، تقدیر کلام یوں ہو گا۔ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ كٰفِرٌ ”پس بعض ان میں سے مومن اور بعض کافر ہوتے ہیں۔“ (فتح القدیر) دوسرے مفسرین کے نزدیک اس کے معنی ہیں اعتدال پر رہنے والا اور یہ باب انکار سے ہو گا۔ یعنی اتنے ہوناک حالات اور پھر وہاں رب کی اتنی عظیم آیات کا مشاہدہ کرنے اور اللہ کے اس احسان کے باوجود کہ اس نے وہاں سے نجات دی، انسان اب بھی اللہ کی مکمل عبادت و اطاعت نہیں کرتا؟ اور متوسط راستہ اختیار کرتا ہے، جب کہ وہ حالات، جن سے گزر کر آیا ہے، مکمل بندگی کا تقاضا کرتے ہیں، نہ کہ اعتدال کا۔ (ابن کثیر) مگر پہلا مفہوم سیاق کے زیادہ قریب ہے۔

(۴) خُتَّار۔ غدار کے معنی میں ہے۔ بد عہدی کرنے والا، کُفُوْر۔ ناشکری کرنے والا۔

(۵) حَادٍ اسم فاعل ہے جَرّٰی بَجَزَی سے، بدل دینا، مطلب یہ ہے کہ اگر باپ چاہے کہ بیٹے کو پہچانے کے لیے اپنی جان کا بدلہ، یا بیٹا باپ کے لیے اپنی جان بطور معاوضہ پیش کر دے، تو وہاں یہ ممکن نہیں ہو گا۔ ہر شخص کو اپنے کیے کی سزا

اَللّٰهُ حَقٌّ فَلَا تَعْرُضُوْا لِكُلِّ مَحْبُوْبَةِ الدِّیْنِ وَلَا تَعْرُضُوْا لِكُلِّ
بِاَنلِ الْعُرُوْر ۝

وعدہ سچا ہے (دیکھو) تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ
ڈالے اور نہ دھوکے باز (شیطان) تمہیں دھوکے میں
ڈال دے۔ (۳۳)

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَ مَا يَعْلَمُ السَّاعَةَ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا
فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تُكْسِبُ عَذَابًا وَمَا
تَدْرِیْ نَفْسٌ یَّأْتِیْ اَرْضٌ تَبُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝

بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے وہی
بارش نازل فرماتا ہے اور ماں کے پیٹ میں جو ہے اسے
جانتا ہے۔ کوئی (بھی) نہیں جانتا کہ کل کیا (کچھ) کرے گا؟
نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ کس زمین میں مرے گا۔^(۱) (یاد
رکھو) اللہ تعالیٰ ہی پورے علم والا اور صحیح خبروں والا
ہے۔ (۳۳)

بھگتنی ہوگی۔ جب باپ بیٹا ایک دوسرے کے کام نہ آسکیں گے تو دیگر رشتے داروں کی کیا حیثیت ہوگی؟ اور وہ کیوں کر
ایک دوسرے کو نفع پہنچا سکیں گے؟

(۱) حدیث میں بھی آتا ہے کہ پانچ چیزیں مفاتیح الغیب ہیں، جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (صحیح بخاری،
تفسیر سورۃ لقمان و کتاب الامتناء باب لا یدری منی یحییٰ العطر الا اللہ)۔ قرب قیامت کی علامات تو
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں لیکن قیامت کے وقوع کا یقینی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، کسی فرشتے کو نہ
کسی نبی مرسل کو۔ ۲۰ بارش کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ آثار و علامات سے تخمینہ تو لگایا جاتا اور لگایا جاسکتا ہے لیکن یہ بات ہر
فصل کے تجربہ و مشاہدے کا حصہ ہے کہ یہ تخمینے کبھی صحیح نکلتے ہیں اور کبھی غلط۔ حتیٰ کہ محکمہ موسمیات کے اعدادات بھی
بعض دفعہ صحیح ثابت نہیں ہوتے۔ جس سے صاف واضح ہے کہ بارش کا بھی یقینی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ ۳۔ رحم
مادر میں مشینی ذرائع سے جنسیت کا ناقص اندازہ تو شاید ممکن ہے کہ بچہ ہے یا بچی؟ لیکن ماں کے پیٹ میں نشوونما پانے
والا یہ بچہ نیک بخت ہے یا بد بخت ناقص ہو گا یا کامل، خوب رو ہو گا کہ بد شکل، کالا ہو گا یا گورا، وغیرہ باتوں کا علم اللہ کے
سوا کسی کے پاس نہیں۔ ۴۔ انسان کل کیا کرے گا؟ وہ دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا؟ کسی کو آنے والے کل کے بارے میں علم
نہیں ہے کہ وہ اس کی زندگی میں آئے گا بھی یا نہیں؟ اور اگر آئے گا تو وہ اس میں کیا کچھ کرے گا؟ ۵۔ موت کہاں آئے
گی؟ گھر میں یا گھر سے باہر، اپنے وطن میں یا دیار غیر میں، جوانی میں آئے گی یا بڑھاپے میں، اپنی آرزوؤں اور خواہشات
کی تکمیل کے بعد آئے گی یا اس سے پہلے؟ کسی کو معلوم نہیں۔

سُورَةُ السَّجْدَةِ

سورہ سجدہ کی ہے اور اس میں تیس آیتیں اور
تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

اَللّٰهُ ۙ تَعٰلٰی لَکُمۡ لَآ رِیْبَ فِیْہِ مِنْ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

الم۔ (۱) بلاشبہ اس کتاب کا اتنا تمام جہانوں کے پروردگار
کی طرف سے ہے۔ (۲)

اَمْ یَقُولُوْنَ فَتَرٰہُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّکَ اِشْذَرِّقُوْهُ مَا
اَتٰہُمْ مِنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِکَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے۔ (۲) نہیں
نہیں) بلکہ یہ تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے حق ہے
تاکہ آپ انہیں ڈرائیں جنکے پاس آپ سے پہلے کوئی
ڈرانے والا نہیں آیا (۳) تاکہ وہ راہ راست پر
آجائیں۔ (۳)

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّٰمٍ
فَکُنْ تَوَّٰیلاً ۚ عَلَیْکَ اَلْعِزِّ ۚ مَا لَکُمۡ مِنْ دُوْنِہٖ مِنْ دَیْنٍ ۚ وَلَا تَسْتَفِیْہِ

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان
کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا کر دیا پھر عرش پر

حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی نماز میں اَللّٰهُمَّ السَّجْدَةُ (اور دو سری رکعت میں) عَلَی الْاِنْسَانِ ﴿ (سورہ دہر) پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و مسلم کتاب الجمعة) باب ما یقرأ فی صلوۃ
العصر یوم الجمعة اسی طرح یہ بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے قبل سورہ
الم اسجدہ اور سورہ ملک پڑھا کرتے تھے۔ (ترمذی، نمبر ۸۹۲ و مسند احمد ۳/۳۴۰)

(۱) مطلب یہ ہے کہ یہ جھوٹ، جادو، کمانت اور من گھڑت قصے کمانیوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ رب العالمین کی طرف
سے بھیغہ ہدایت ہے۔

(۲) یہ بطور تویح ہے کہ کیا رب العالمین کے نازل کردہ اس کلام بلاغت نظام کی بابت یہ کہتے ہیں کہ اسے خود (محمد صلی
اللہ علیہ وسلم نے) گھڑ لیا ہے؟

(۳) یہ نزول قرآن کی علت ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا (جیسا کہ پہلے بھی وضاحت گزر چکی ہے) کہ عربوں میں نبی صلی
اللہ علیہ وسلم پہلے نبی تھے۔ بعض لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی عربوں میں مبعوث نبی قرار دیا ہے واللہ
اعلم۔ اس اعتبار سے قوم سے مراد پھر خاص قریش ہوں گے جن کی طرف کوئی نبی آپ ﷺ سے پہلے نہیں آیا۔

اَنْلُ مَا اَوْحٰی ۲۱

تاکم ہوا^(۱) تمہارے لیے اس کے سوا کوئی مددگار اور
سفارشی نہیں۔^(۲) کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں
کرتے۔^(۳)

وہ آسمان سے لے کر زمین تک (ہر کام کی تدبیر کرتا
ہے^(۴) پھر وہ کام) ایک ایسے دن میں اس کی طرف
چڑھ جاتا ہے جس کا اندازہ تمہاری گنتی کے ایک ہزار
سال کے برابر ہے۔^(۵)
یہی ہے چھپے کھلے کا جاننے والا زبردست غالب بہت ہی
مہربان۔ (۶)

يَذَرُ الْأَرْضَ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يُعْزِزُ إِلَيْنَا يَوْمَهُ
كَانَ بِمَقَادِرِ الْفَنَاءِ سَمِيعًا عَلِيمًا ۝

ذَٰلِكَ عَلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

(۱) اس کے لیے دیکھئے سورہ اعراف ۵۳ کا حاشیہ۔ یہاں اس مضمون کو دہرانے سے مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
کے کمال قدرت اور عجائب صنعت کے ذکر سے شاید وہ قرآن کو سنیں اور اس پر غور کریں۔
(۲) یعنی وہاں کوئی ایسا دوست نہیں ہو گا جو تمہاری مدد کر سکے اور تم سے اللہ کے عذاب کو ٹال دے نہ وہاں کوئی
سفارشی ہی ایسا ہو گا جو تمہاری سفارش کر سکے۔

(۳) یعنی اے غیر اللہ کے پجاریو اور دو سرور پر بھروسہ رکھنے والو! کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟
(۴) آسمان سے 'جہاں اللہ کا عرش اور لوح محفوظ ہے' اللہ تعالیٰ زمین پر احکام نازل فرماتا یعنی تدبیر کرتا اور زمین پر ان کا
نفاذ ہوتا ہے۔ جیسے موت اور زندگی، صحت اور مرض، عطا اور منع، غنا اور فقر، جنگ اور صلح، عزت اور ذلت وغیرہ۔ اللہ
تعالیٰ عرش کے اوپر سے اپنی تقدیر کے مطابق یہ تدبیریں اور تصرفات کرتا ہے۔

(۵) یعنی پھر اس کی یہ تدبیر یا امر اس کی طرف واپس لوٹتا ہے ایک ہی دن میں جسے فرشتے لے کر جاتے ہیں اور صعود
(چڑھنے) کا یا آنے جانے کا فاصلہ اتنا ہے کہ غیر فرشتہ ہزار سال میں طے کرے۔ یا اس سے قیامت کا دن مراد ہے کہ اس
دن انسانوں کے سارے اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے اس "یوم" کی تعیین و تفسیر میں مفسرین کے درمیان بہت
اختلاف ہے۔ امام شوکانی نے ۱۵، ۱۶ اقوال اس ضمن میں ذکر کیے ہیں اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے بارے
میں توقف کو پسند فرمایا اور اس کی حقیقت کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔ صاحب ایسر التفسیر کہتے ہیں کہ قرآن میں یہ تین
مقامات پر آیا ہے اور تینوں جگہ الگ الگ دن مراد ہے۔ سورہ حج (آیت ۴۷) میں "یوم" کا لفظ عبارت ہے اس زمانہ اور
مدت سے جو اللہ کے ہاں ہے اور سورہ معارج میں 'جہاں یوم کی مقدار پچاس ہزار سال بتلائی گئی ہے' یوم حسب مراد
ہے اور اس مقام (زیر بحث) میں یوم سے مراد دنیا کا آخری دن ہے، جب دنیا کے تمام معاملات فنا ہو کر اللہ کی طرف لوٹ
جائیں گے

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝

لَهُمْ جَعَلْنَا سَكَنَهُمْ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ قَمِينٍ ۝

ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلْنَا لَكَ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝

وَقَالُوا آمَنَّا وَأَصْنَعْنَا فِي الْأَرْضِ مَا نَشَاءُ لِنَمُوتَ ۖ قُلْ هِيَ بَيْنَ يَدَيْهِمْ يَوْمَ يُبْفَخُ الْأَرْضُ فِي عَصَصٍ مُنْقَلَبَةٍ ۖ يَوْمَ تَكُونُ الْأَرْضُ لَهَا عَصَا مَرْبُوعَةٍ ۖ يَوْمَ تَكُونُ الْأَرْضُ لَهَا عَصَا مَرْبُوعَةٍ ۖ يَوْمَ تَكُونُ الْأَرْضُ لَهَا عَصَا مَرْبُوعَةٍ ۖ

جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی^(۱) اور انسان کی بناوٹ مٹی سے شروع کی۔^(۲) (۷)

پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے ٹچ سے چلائی۔^(۳) (۸)

جسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونکی^(۴) اسی نے تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے^(۵) (اس پر بھی) تم بہت ہی تھوڑا احسان مانتے ہو۔^(۶) (۹)

اور انہوں نے کہا کیا جب ہم زمین میں رل مل جائیں^(۷) گے کیا پھر نئی پیدائش میں آجائیں گے؟ بلکہ (بات یہ ہے) کہ وہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں۔^(۸) (۱۰)

(۱) یعنی جو چیز بھی اللہ نے بنائی ہے، وہ چوں کہ اس کی حکمت و مصلحت کا اقتضا ہے، اس لیے اس میں اپنا ایک حسن اور انفرادیت ہے۔ یوں اس کی بنائی ہوئی ہر چیز حسین ہے اور بعض نے احسن کے معنی آنفَنَ وَأَحْكَمَ کے کیے ہیں، یعنی ہر چیز مضبوط اور نچھٹ بنائی۔ بعض نے اسے اَلْهَم کے مفہوم میں لیا ہے، یعنی ہر مخلوق کو ان چیزوں کا اسام کر دیا جس کی وہ محتاج ہے۔

(۲) یعنی انسان اول ”آدم علیہ السلام“ کو مٹی سے بنایا، جن سے انسانوں کا آغاز ہوا۔ اور اس کی زوجہ حضرت حوا کو آدم علیہ السلام کی بائیں پہلی سے پیدا کر دیا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

(۳) یعنی مٹی کے قطرے سے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک انسانی جوڑا بنانے کے بعد اس کی نسل کے لیے ہم نے یہ طریقہ مقرر کر دیا کہ مرد اور عورت آپس میں نکاح کریں، ان کے جنسی ملاپ سے جو قطرہ آب عورت کے رحم میں جائے گا، اس سے ہم ایک انسانی پیکر تراش کر باہر بھیجتے رہیں گے۔

(۴) یعنی اس بچے کی ماں کے پیٹ میں نشوونما کرتے اس کے اعضا بناتے، سنوارتے ہیں اور پھر اس میں روح پھونکتے ہیں۔

(۵) یعنی یہ ساری چیزیں پیدا کیں تاکہ وہ اپنی تخلیق کی تکمیل کر دے، پس تم ہر سننے والی بات کو سن سکو، دیکھنے والی چیز کو دیکھ سکو اور ہر عقل و فہم میں آنے والی بات کو سمجھ سکو۔

(۶) یعنی اتنے احسانات کے باوجود انسان اتنا ناشکرا ہے کہ وہ اللہ کا شکر بہت ہی کم ادا کرتا ہے یا شکر کرنے والے آدمی بہت تھوڑے ہیں۔

(۷) جب کسی چیز پر کوئی دوسری چیز غالب آجائے اور پہلی کے تمام اثرات مٹ جائیں تو اس کو ضلالت (گم ہو جانے) سے تعبیر کرتے ہیں صَلَّانَا فِي الْأَرْضِ کے معنی ہوں گے کہ جب مٹی میں مل کر ہمارا وجود زمین میں غائب ہو جائے گا۔

قُلْ يَتُوبُ لَكُمْ مَنَ لَكُمُ التَّوْبَةُ الَّذِي هُوَ يَكُونُ تَعَالَى رَبُّكُمْ
تُؤْتُونَ ۝

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا
وَسَمِعْنَا وَأَنْجِبْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ۝

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًى وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي
لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْإِنْسَانِ وَالْثَّالِثِ أَجْمَعِينَ ۝

فَذُرُّوهُمْ لَا يَسْمِعُوا لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا إِنَّا نَسِينَكُمْ وَذُرُّوهُمْ
عَذَابَ الْعَذَابِ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا

کہہ دیجئے! کہ تمہیں موت کا فرشتہ فوت کرے گا جو تم پر
مقرر کیا گیا ہے ^(۱) پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف
لوٹائے جاؤ گے۔ ^(۱۱)

کاش کہ آپ دیکھتے جب کہ گناہ گار لوگ اپنے رب تعالیٰ
کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں ^(۲) گے، کہیں گے
اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ^(۳) تو
ہمیں واپس لوٹا دے ہم نیک اعمال کریں گے ہم یقین
کرنے والے ہیں۔ ^(۴) ^(۱۲)

اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت نصیب ^(۵) فرہم دیتے، لیکن
میری یہ بات بالکل حق ہو چکی ہے کہ میں ضرور ضرور جہنم کو
انسانوں اور جنوں سے پر کر دوں گا۔ ^(۶) ^(۱۳)

اب تم اپنے اس دن کی ملاقات کے فراموش کر دینے کا مزہ
چکھو، ہم نے بھی تمہیں بھلا دیا ^(۷) اور اپنے کیے ہوئے
اعمال (کی شامت) سے ابدی عذاب کا مزہ چکھو۔ ^(۸) ^(۱۴)

ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں ^(۹) جنہیں جب کبھی ان

(۱) یعنی اس کی ڈیوٹی ہی یہ ہے کہ جب تمہاری موت کا وقت آجائے تو وہ اگر روح قبض کر لے۔

(۲) یعنی اپنے کفر و شرک اور معصیت کی وجہ سے مارے ندامت کے۔

(۳) یعنی جس کی تکذیب کرتے تھے، اسے دیکھ لیا، جس کا انکار کرتے تھے، اسے سن لیا۔ یا تیری وعیدوں کی سچائی کو دیکھ
لیا اور پیغمبروں کی تصدیق کو سن یا لیکن اس وقت کا دیکھنا، سننا ان کے کچھ کام نہیں آئے گا۔

(۴) لیکن اب یقین کیا تو کس کام کا؟ اب تو اللہ کا عذاب ان پر ثابت ہو چکا جسے بھگتنا ہو گا۔

(۵) یعنی دنیا میں، لیکن یہ ہدایت جبری ہوتی، جس میں امتحان کی گنجائش نہ ہوتی۔

(۶) یعنی انسانوں کی دو قسموں میں سے جو جہنم میں جانے والے ہیں، ان سے جہنم کو بھرنے والی میری بات سچ ثابت ہو گئی۔

(۷) یعنی جس طرح تم ہمیں دنیا میں بھلائے رہے، آج ہم بھی تم سے ایسا ہی معاملہ کریں گے ورنہ ظاہر بات ہے کہ اللہ
تو بھولنے والا نہیں ہے۔

(۸) یعنی تصدیق کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

يَعْبُدُ رَبَّهُمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿١٥﴾



سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں^(۱) اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتے ہیں^(۲) اور تکبر نہیں کرتے ہیں۔^(۳) (۱۵)

ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے الگ رہتی ہیں^(۴) اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے^(۵) ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے وہ خرچ کرتے ہیں۔^(۶) (۱۶)

کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہے،^(۷) ہے جو کچھ

تَتَجَافَى جُنُوبَهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا
وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿١٦﴾

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً لِّمَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ﴿١٧﴾

(۱) یعنی اللہ کی آیات کی تعلیم اور اس کی سطوت و عذاب سے ڈرتے ہوئے۔

(۲) یعنی رب کو ان چیزوں سے پاک قرار دیتے ہیں جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور اس کے ساتھ اس کی نعمتوں پر اس کی حمد کرتے ہیں جن میں سب سے بڑی اور کامل نعمت ایمان کی ہدایت ہے۔ یعنی وہ اپنے سجدوں میں «سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ» یا «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى وَبِحَمْدِهِ» وغیرہ کلمات پڑھتے ہیں۔

(۳) یعنی اطاعت و انقیاد کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ جاہلوں اور کافروں کی طرح تکبر نہیں کرتے۔ اس لیے کہ اللہ کی عبادت سے تکبر کرنا، جہنم میں جانے کا سبب ہے۔ ﴿إِنَّ الدِّينَ فَسْطَکُزْنٌ عَنْ جِهَادٍ سَيُّدُ عَلَوْنَ جَهَنَّمَ ذِیْقُونَ﴾ سورۃ المؤمن ۱۱۰ اس لیے اہل ایمان کا معاملہ ان کے برعکس ہوتا ہے، وہ اللہ کے سامنے ہر وقت عاجزی، زلت و مسکینی اور خشوع و خضوع کا اظہار کرتے ہیں۔

(۴) یعنی راتوں کو اٹھ کر نوافل (تہجد) پڑھتے توبہ و استغفار، تسبیح و تحمید اور دعا و الخراج و زاری کرتے ہیں۔

(۵) یعنی اس کی رحمت اور فضل و کرم کی امید بھی رکھتے ہیں اور اس کے عتاب و غضب اور مواخذہ و عذاب سے ڈرتے بھی ہیں۔ محض امید ہی امید نہیں رکھتے کہ عمل سے بے پرواہ ہو جائیں (جیسے بے عمل اور بد عمل لوگوں کا شیوہ ہے اور نہ عذاب کا اتنا خوف طاری کر لیتے ہیں کہ اللہ کی رحمت سے ہی مایوس ہو جائیں کہ یہ مایوسی بھی کفر و ضلالت ہے۔

(۶) اتفاق میں صدقات واجبہ (زکوٰۃ) اور عام صدقہ و خیرات دونوں شامل ہیں اہل ایمان دونوں کا حسب استطاعت اہتمام کرتے ہیں۔

(۷) نفس، نگہ ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان نعمتوں کو جو اس نے مذکورہ اہل ایمان کے لیے چھپا کر رکھی ہیں جن سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ اس کی تفسیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث قدسی بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی

اَلَّذِيْنَ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ قَاسِمًا لَا يَتَّخِذُ ۝

اَتَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَعْلَمُوْا الصِّدْقَ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوٰی
تُزَلَّلُ مِنْهَا اَنْهَارٌ يَجْرِيْنَ ۝

وَاَتَا الَّذِيْنَ قَسَبُوْا فَمَأْوٰهُمُ النَّارُ كُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ يَخْرُجُوْا
مِنْهَا اُنْزِلَتْ مِنْهَا فِیْهَا رِیْقٌ لَّهُمْ دُوْنَ الْعَذَابِ النَّارُ الَّذِيْ
كُنْتُمْ بِهٖ تَكْفُرُوْنَ ۝

وَلَنْ يَرْضٰهُمْ مِنَ الْعَذَابِ اِلَّا الَّذِيْ دُوْنَ الْعَذَابِ
لَا يَكْبُرُ لَكُمْ فَهْرٌ يَرٰهُمْ ۝

کرتے تھے یہ اس کا بدلہ ہے۔^(۱) (۱۷)

کیا وہ جو مومن ہو مثل اس کے ہے جو فاسق ہو؟^(۲) یہ
برابر نہیں ہو سکتے۔ (۱۸)

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک اعمال بھی کیے ان
کے لیے بھٹکی والی جنتیں ہیں، ممانداری ہے ان کے
اعمال کے بدلے جو وہ کرتے تھے۔ (۱۹)

لیکن جن لوگوں نے حکم عدولی کی ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔
جب کبھی اس سے باہر نکلنا چاہیں گے اسی میں لوٹا دیے
جائیں گے۔^(۳) اور کہہ دیا جائے گا کہ^(۴) اپنے جھٹلانے
کے بدلے آگ کا عذاب چکھو۔ (۲۰)

بالیقین ہم انہیں قریب کے چھوٹے سے بعض عذاب^(۵)
اس بڑے عذاب کے سوا چکھائیں گے تاکہ وہ لوٹ

کان نے نہیں سنا، نہ کسی انسان کے وہم و گمان میں ان کا گزر ہوا۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ السجدۃ)

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت کا مستحق بننے کے لیے اعمال صالحہ کا اہتمام ضروری ہے۔

(۲) یہ استفہام انکاری ہے یعنی اللہ کے ہاں مومن اور کافر برابر نہیں ہیں بلکہ ان کے درمیان بڑا فرق و تفاوت ہو گا
مومن اللہ کے مسمان ہوں گے اور اعزاز و اکرام کے مستحق اور فاسق و کافر تعزیر و عقوبت کی بیڑوں میں جکڑے ہوئے
جہنم کی آگ میں جھلسیں گے۔ اس مضمون کو دوسرے مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ جاثیہ ۲۱،
سورۃ ص ۲۸، سورۃ حشر ۲۰ وغیرہا۔

(۳) یعنی جہنم کے عذاب کی شدت اور ہولناکی سے گھبرا کر باہر نکلنا چاہیں گے تو فرشتے انہیں پھر جہنم کی گہرائیوں میں
دھکیل دیں گے۔

(۴) یہ فرشتے کہیں گے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئے گی، بہر حال اس میں مکذبین کی ذلت و رسوائی کا جو سامن ہے،
وہ مخفی نہیں۔

(۵) عذاب اولیٰ (چھوٹے سے یا قریب کے بعض عذاب) سے دنیا کا عذاب یا دنیا کی مصیبتیں اور بیماریاں وغیرہ مراد ہیں۔
بعض کے نزدیک وہ قتل اس سے مراد ہے، جس سے جنگ بدر میں کافروں کو چار ہوئے یا وہ قحط سالی ہے جو اہل مکہ پر مسلط
کی گئی تھی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں، تمام صورتیں ہی اس میں شامل ہو سکتی ہیں۔

آئیں۔^(۱) (۲۱)

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے وعظ کیا گیا پھر بھی اس نے ان سے منہ پھیر^(۲) لیا؟ (یقین مانو) کہ ہم بھی گنہ گاروں سے انتقام لینے والے ہیں۔ (۲۲)

بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، پس آپ کو ہرگز اس کی ملاقات میں شک^(۳) نہ کرنا چاہیے اور ہم نے اسے^(۴) بنی اسرائیل کی ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ (۲۳)

اور جب ان لوگوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔^(۵) (۲۴)

آپ کا رب ان (سب) کے درمیان ان (تمام) باتوں کا فیصلہ قیامت کے دن کرے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔^(۶) (۲۵)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ دُكِّرَ بِآيَاتِنَا فَلْيُصِرْ عَلَيْهَا فَوَعْدُ الْمُبْعِثِينَ مُنْتَقِمُونَ ﴿٢١﴾

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لَّقَائِهِ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَآءِيلَ ﴿٢٢﴾

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَهْبَةً لِّلْكَافِرِينَ يَا أَيُّهَا النَّاصِرُونَ ﴿٢٣﴾

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُم يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٢٤﴾

(۱) یہ آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے جھوٹے عذاب بھیجنے کی علت ہے کہ شاید وہ کفر و شرک اور معصیت سے ہار آجائیں۔

(۲) یعنی اللہ کی آیتیں سن کر جو ایمان و اطاعت کی موجب ہیں، جو شخص ان سے اعراض کرتا ہے، اس سے بڑا ظالم کون ہے؟ یعنی یہی سب سے بڑا ظالم ہے۔

(۳) کہا جاتا ہے کہ یہ اشارہ ہے اس ملاقات کی طرف جو معراج کی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہوئی، جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نمازوں میں تخفیف کرانے کا مشورہ دیا تھا۔

(۴) ”اسے“ سے مراد کتاب (تورات) ہے یا خود حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

(۵) اس آیت سے صبر کی فضیلت واضح ہے۔ صبر کا مطلب ہے اللہ کے اوامر کے بجالانے اور ترک زواجر میں اور اللہ کے رسولوں کی تصدیق اور ان کے اتباع میں جو تکلیفیں آئیں، انہیں خندہ پیشانی سے جھیلنا۔ اللہ نے فرمایا، ان کے صبر کرنے اور آیات الہی پر یقین رکھنے کی وجہ سے ہم نے ان کو دینی امامت اور پیشوائی کے منصب پر فائز کیا۔ لیکن جب انہوں نے اس کے برعکس تبدیل و تحریف کا ارتکاب شروع کر دیا، تو ان سے یہ مقام سلب کر لیا گیا چنانچہ اس کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے، پھر ان کا عمل صالح رہا اور نہ ان کا اعتقاد صحیح۔

(۶) اس سے وہ اختلاف مراد ہے جو اہل کتاب میں باہم برپا تھا، ضمناً وہ اختلافات بھی آجاتے ہیں۔ جو اہل ایمان اور اہل

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمَا هَلَكَ نَاصِيَةٌ فَلْيَمِزُوا مِنَ الْغَرَابِ مُشْتَبُونَ
فِي مَسْكَنِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ اَقْلَامٌ يَسْتَفْتُونَ ﴿۵﴾

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ مَخْرُجًا
رَوْعًا نَآكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَانْفُسُهُمْ اَقْلَامٌ يَسْتَفْتُونَ ﴿۶﴾

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷﴾

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ
يُنْظَرُوْنَ ﴿۸﴾

کیا اس بات نے بھی انہیں ہدایت نہیں دی کہ ہم نے
ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا جن کے
مکانوں میں یہ چل پھر رہے ہیں۔^(۱) اس میں تو (بڑی) بڑی
نشانیاں ہیں۔ کیا پھر بھی یہ نہیں سمجھتے؟ (۲۶)

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم پانی کو بنجر (غیر آباد) زمین کی طرف
بھا کر لے جاتے ہیں پھر اس سے ہم کھیتیاں نکالتے ہیں
جسے ان کے چوپائے اور یہ خود کھاتے ہیں،^(۲) کیا پھر بھی
یہ نہیں دیکھتے؟ (۲۷)

اور کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ کب ہو گا؟ اگر تم سچے ہو
(تَوَلَّوْا) (۳۸)

جواب دے دو کہ فیصلے والے دن ایمان لانا بے ایمانوں کو
کچھ کام نہ آئے گا اور نہ انہیں وحیل دی جائے گی۔^(۳) (۲۹)

کفر، اہل حق اور اہل باطل اور اہل توحید و اہل شرک کے درمیان دنیا میں رہے اور ہیں چونکہ دنیا میں تو ہر گروہ اپنے
دعا کیل پر مطمئن اور اپنی ذکر پر قائم رہتا ہے۔ اس لیے ان اختلافات کا فیصلہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا
جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل حق کو جنت میں اور اہل کفر و باطل کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔

(۱) یعنی پچھلی امتیں جو تکذیب اور عدم ایمان کی وجہ سے ہلاک ہوئیں، گیلیہ نہیں دیکھتے کہ آج ان کا وجود دنیا میں نہیں ہے،
البتہ ان کے مکانات ہیں جن کے یہ وارث بنے ہوئے ہیں۔ مطلب اس سے اہل مکہ کو حبیہ ہے کہ تمہارا حشر بھی یہی ہو سکتا
ہے اگر ایمان نہ لائے۔

(۲) پانی سے مراد آسمانی بارش اور چشموں نالوں اور وادیوں کا پانی ہے جسے اللہ تعالیٰ ارض جز (بنجر اور بے آباد) علاقوں کی
طرف بھا کر لے جاتا ہے اور اس سے پیداوار ہوتی ہے جو انسان کھاتے ہیں اور جو بھوسی یا چارہ ہوتا ہے وہ جانور کھا لیتے ہیں۔
اس سے مراد کوئی خاص زمین یا علاقہ مراد نہیں ہے بلکہ عام ہے جو ہر بے آباد بنجر اور چھیل زمین کو شامل ہے۔

(۳) اس فیصلے (فتح) سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب ہے جو کفار مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب کر سکتے تھے اور کہتے
تھے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے اللہ کی مدد تیرے لیے کب آئے گی؟ جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے۔ فی
الحال تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم پر ایمان لانے والے چھپے پھرتے ہیں۔

(۴) اس یوم الفتح سے مراد آخرت کے فیصلے کا دن ہے جہاں ایمان مقبول ہو گا اور نہ مصلحت دی جائے گی۔ فتح مکہ کا دن

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرِ اِنَّهُمْ مُنْتَظَرُونَ ﴿۱﴾

سُورَةُ الْاَحْزَابِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

يٰۤاَيُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِيعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۲﴾

اب آپ ان کا خیال چھوڑ دیں^(۱) اور فخر رہیں۔^(۲) یہ بھی فخر ہیں۔^(۳) (۳۰)

سورۃ احزاب مدنی ہے اور اس میں تتر آیتیں اور نور کوغ ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اے نبی! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا^(۳) اور کافروں اور منافقوں کی باتوں میں نہ آجانا، اللہ تعالیٰ بڑے علم والا اور

مراد نہیں ہے کیوں کہ اس دن تو طلقاء کا اسلام قبول کر لیا گیا تھا، جن کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی۔ (ابن کثیر) طلقاء سے مراد وہ اہل مکہ ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والے دن، سزا و تعزیر کے بجائے معاف فرما دیا تھا اور یہ کہہ کر آزاد کر دیا تھا کہ آج تم سے تمہاری پچھلی ظالمانہ کارروائیوں کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ چنانچہ ان کی اکثریت مسلمان ہو گئی تھی۔

(۱) یعنی ان مشرکین سے اعراض کر لیں اور تبلیغ و دعوت کا کام اپنے انداز سے جاری رکھیں، جو وحی آپ ﷺ کی طرف نازل کی گئی ہے، اس کی پیروی کریں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿اِذْ يَغِيثُ النَّاسَ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ لَوْ اِنَّهُ اِلَّا هُوَ وَ اَنْفُوسٌ غٰیۡبٰتٌ كٰنِیۡنَ﴾ — (سورۃ الانعام ۱۰۶) ”آپ خود اس طریقت پر چلتے رہئے جس کی وحی آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور مشرکین کی طرف خیال نہ کیجئے۔“

(۲) یعنی اللہ کے وعدے کا کہ کب وہ پورا ہوتا ہے اور تیرے مخالفوں پر تجھے غلبہ عطا فرماتا ہے؟ وہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

(۳) یعنی یہ کافر فخر ہیں کہ شاید یہ پیغمبر ہی گردشوں کا شکار ہو جائے اور اس کی دعوت ختم ہو جائے۔ لیکن نیا نے دیکھ لیا کہ اللہ نے اپنے نبی کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو پورا فرمایا اور آپ پر گردشوں کے فخر مخالفوں کو ذلیل و خوار کیا۔ ان کو آپ کا غلام بنا دیا۔

(۴) آیت میں تقویٰ پر مداومت اور تبلیغ و دعوت میں استقامت کا حکم ہے۔ طلق بن حبیب کہتے ہیں، تقویٰ کا مطلب ہے کہ تو اللہ کی اطاعت اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق کرے اور اللہ سے ثواب کی امید رکھے اور اللہ کی محصیت اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق ترک کر دے، اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے۔ (ابن کثیر)

بڑی حکمت والا ہے۔^(۱)

جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے^(۲) اس کی تابعداری کریں (یقین مانو) کہ اللہ تمہارے ہر ایک عمل سے باخبر ہے۔^(۳)

آپ اللہ ہی پر توکل رکھیں،^(۴) وہ کار سازی کے لیے کافی ہے۔^(۵)

کسی آدمی کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے دودل نہیں رکھے،^(۶) اور اپنی جن بیویوں کو تم ماں کہہ بیٹھتے ہو انہیں اللہ نے

وَاَنْتُمْ مَّا لَوْحٰی الْاٰیٰتِ مِنْ رَبِّکُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرًا ﴿۱﴾

وَتَوَكَّلْ عَلٰی اللّٰهِ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِيْلًا ﴿۲﴾

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِیْ جَوْفِهِ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَهُمْ
اِلَّا لِيُظْهَرُوْنَ مِنْهُنَّ اَمْهَاتُهُمْ وَمَا جَعَلَ لِاَعْيَانِهِمْ اَبْنَآءَکُمْ

(۱) پس وہی اس بات کا حق دار ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اس لیے کہ عواقب کو وہی جانتا ہے اور اپنے اقوام و افعال میں وہ حکیم ہے۔

(۲) یعنی قرآن کی اور احادیث کی بھی، اس لیے کہ احادیث کے الفاظ گو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہیں لیکن ان کے معانی و مفاسد من جانب اللہ ہی ہیں۔ اسی لیے ان کو وحی خفی یا وحی غیر مقلو کہتا ہے۔

(۳) پس اس سے تمہاری کوئی بات خفی نہیں رہ سکتی۔

(۴) اپنے تمام معاملات اور احوال میں۔

(۵) ان لوگوں کے لیے جو اس پر بھروسہ رکھتے، اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

(۶) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک منافق یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اس کے دودل ہیں۔ ایک دس مسلمانوں کے ساتھ ہے اور دوسرا دل کفر اور کافروں کے ساتھ ہے۔ (مسند احمد، ۱/۳۶۷) یہ آیت اس کی تردید میں نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک دل میں اللہ کی محبت اور اس کے دشمنوں کی اطاعت جمع ہو جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ میں سے ایک شخص جمیل بن معمر فری تھا جو بڑا ہشیار، مکار اور نہایت تیز طرار تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ میرے تو دودل ہیں جن سے میں سوچتا سمجھتا ہوں۔ جب کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک ہی دل ہے۔ یہ آیت اس کے رو میں نازل ہوئی۔ (ایسر التفاسیر) بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آگے جو دو مسئلے بیان کیے جا رہے ہیں، یہ ان کی تمہید ہے یعنی جس طرح ایک شخص کے دودل نہیں ہو سکتے، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے غدار کر لے یعنی یہ کہہ دے کہ تیری پشت میرے لیے ایسے ہی ہے جیسے میری ماں کی پشت۔ تو اس طرح کہنے سے اس کی بیوی، اس کی ماں نہیں بن جائے گی یوں اس کی دو ماںیں نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح کوئی شخص کسی کو اپنا بیٹا (لے پالک) بنا لے تو وہ اس کا حقیقی بیٹا نہیں بن جائے گا، بلکہ وہ بیٹا تو اپنے باپ ہی کا رہے گا، اس کے دو باپ نہیں ہو سکتے۔ (ابن کثیر)

ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ
يَعْلَمُ السَّيِّئِلَ ①

اَدْعُوهُمْ لِاَنۡبَاءِكُمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا
اَنۡبَاءَهُمْ فَاَحْضُوا لَكُمْ فِی الدِّیۡنِ وَمَوَالِیْكُمْ ۚ وَلَیْسَ عَلَیْكُمْ
جُنَاحٌ فِیۡمَا اَخْطَاۤتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ تَاْتَعْتَدُ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَكَانَ
اللّٰهُ عَلٰمًا ذٰلِیۡنَ ②

تمہاری (سچ مچ کی) مائیں نہیں ^(۱) بنایا اور نہ تمہارے لے
پالک لڑکوں کو (واقعی) تمہارے بیٹے بنایا ہے ^(۲) یہ تو
تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں ^(۳) اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا
ہے ^(۴) اور وہ (سیدھی) راہ بگھاتا ہے۔ ^(۵)

لے پالکوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت کر
کے بلاؤ اللہ کے نزدیک پورا انصاف یہی ^(۶) ہے۔ پھر اگر
تمہیں ان کے (حقیقی) باپوں کا علم ہی نہ ہو تو وہ تمہارے
دینی بھائی اور دوست ہیں ^(۷) تم سے بھول چوک میں جو
کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ^(۸) البتہ گناہ وہ

(۱) یہ مسئلہ ظہار کہلاتا ہے اس کی تفصیل سورہ مجادلہ میں آئے گی۔

(۲) اس کی تفصیل اسی سورت میں آگے چل کر آئے گی۔ اَدْعِبَاہُ، ذِیْعِبَہُ کی جمع ہے۔ منہ بولا بیٹا۔

(۳) یعنی کسی کو ماں کہہ دینے سے وہ ماں نہیں بن جائے گی نہ بیٹا کہنے سے وہ بیٹا بن جائے گا یعنی ان پر امومت اور
بنوت کے شرعی احکام جاری نہیں ہوں گے۔

(۴) اس لیے اس کا اتباع کرو اور ظہار والی عورت کو ماں اور لے پالک کو بیٹا مت کہو خیال رہے کہ کسی کو پیر اور
محبت میں بیٹا کہنا اور بات ہے اور لے پالک کو حقیقی بیٹا تصور کر کے بیٹا کہنا اور بات ہے۔ پہلی بات جائز ہے یہاں مقصود
دوسری بات کی ممانعت ہے۔

(۵) اس حکم سے اس رواج کی ممانعت کر دی گئی جو زمانہ جاہلیت سے چلا آرہا تھا اور ابتدائے اسلام میں بھی رائج تھا کہ
لے پالک بیٹوں کو حقیقی بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان فرماتے ہیں کہ ہم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو (حبیب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر کے بیٹا بنالیا تھا) زید بن محمد رضی اللہ عنہ کہہ کر پکارا کرتے تھے 'حق' کہ قرآن کریم کی آیت
اَدْعُوهُمْ لِاَنۡبَاءِكُمْ نازل ہو گئی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ الاحزاب) اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ
کے گھر میں بھی ایک مسئلہ پیدا ہو گیا جنہوں نے سالم کو بیٹا بنالیا ہوا تھا جب منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹا سمجھنے سے روک
دیا گیا تو اس سے پردہ کرنا ضروری ہو گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کو کہا کہ اسے دودھ پنا کر
اپنا رضاعی بیٹا بنا لو کیوں کہ اس طرح تم اس پر حرام ہو جاؤ گی چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ (صحیح مسلم کتاب
الرضاع باب رضاعۃ الکبیر) ابو داؤد کتاب النکاح باب فیمن حرم بہ

(۶) یعنی جن کے حقیقی باپوں کا علم ہے۔ اب دوسری نسبتیں ختم کر کے انہیں کی طرف انہیں منسوب کرو۔ البتہ جن کے
باپوں کا علم نہ ہو سکے تو تم انہیں اپنا بھائی اور دوست سمجھو بیٹا مت سمجھو۔

(۷) اس لیے کہ خطا و نسیان معاف ہے جیسا کہ حدیث میں بھی صراحت ہے۔

ہے جس کا تم ارادہ دل سے کرو۔^(۱) اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔ (۵)

پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے^(۲) ہیں اور پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں^(۳) اور رشتے دار کتاب اللہ کی رو سے یہ نسبت دوسرے مومنوں اور مجاہدوں کے آپس میں زیادہ حق دار ہیں^(۴) (ہاں) مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہو۔^(۵) یہ حکم کتاب (الٹی) میں لکھا ہوا ہے۔^(۶)

اَلَّذِیْ اَوَّلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهُمْ اَتَمُّهُمْ
وَاُولُو الرَّحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ
الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهَاجِرِیْنَ (اَلَا اَنْ تَقْعَلُوْا اِلٰی اَوْلِیَّکُمْ مَّعْرُوْفًا
کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتَابِ مَسْکُوْمًا) ①

(۱) یعنی جو جان بوجھ کر غلط انتساب کرے گا وہ سخت گناہ گار ہو گا۔ حدیث میں آتا ہے۔ ”جس نے جانتے بوجھتے اپنے کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا۔ اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔“ ۱۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب باب نسبة الیمن (إلى إسماعیل علیہ السلام)

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے جتنے شفیق اور خیر خواہ تھے، محتاج وضاحت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس شفقت اور خیر خواہی کو دیکھتے ہوئے اس آیت میں آپ ﷺ کو مومنوں کے اپنے نفسوں سے بھی زیادہ حق دار، آپ ﷺ کی محبت کو دیگر تمام محبتوں سے فائق تر اور آپ ﷺ کے حکم کو اپنی تمام خواہشات سے اہم تر قرار دیا ہے۔ اس سے مومنوں کے لیے ضروری ہے کہ آپ ﷺ ان کے جن مالوں کا مطالبہ۔ اللہ کے لیے کریں، وہ آپ ﷺ پر نچھاور کر دیں چاہے انہیں خود کتنی ہی ضرورت ہو، آپ ﷺ سے اپنے نفسوں سے بھی زیادہ محبت کریں۔ (جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے) آپ ﷺ کے حکم کو سب پر مقدم اور آپ ﷺ کی اطاعت کو سب سے اہم سمجھیں۔

جب تک یہ خود سپردگی نہیں ہوگی ﴿فَلَا وَرَيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ...﴾ (النساء ۱۵) کے مطابق آدمی مومن نہیں ہو گا۔ اسی طرح جب تک آپ کی محبت تمام محبتوں پر غالب نہیں ہوگی لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اِلَیْهِ مِنْ وَاِلَیْهِ وَوَلَدِهِ۔ کی رو سے مومن نہیں، ٹھیک اسی طرح اطاعت رسول ﷺ میں کوتاہی بھی لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی یُکُوْنَ هَوَآءُ نَفْسَا جَنَّتْ بِهٖ۔ کا مصداق بنادے گی۔

(۳) یعنی احترام و تکریم میں اور ان سے نکاح نہ کرنے میں۔ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی مائیں بھی ہیں۔ (۴) یعنی اب مہاجریت، اخوت اور موالات کی وجہ سے وراثت نہیں ہوگی۔ اب وراثت صرف قریبی رشتہ کی بنیاد پر ہی ہوگی (۵) ہاں تم غیر رشتہ داروں کے لیے احسان اور بروصلہ کا معاملہ کر سکتے ہو نیز ان کے لیے ایک تہائی مال میں سے وصیت بھی کر سکتے ہو۔ (۶) یعنی بوجھ محفوظ میں اصل حکم یہی ہے کہ عارضی طور پر مصلحتاً دوسروں کو بھی وارث قرار دے دیا گیا تھا، لیکن اللہ کے علم میں تھا کہ یہ منسوخ کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اسے منسوخ کر کے پہلا حکم بحال کر دیا گیا ہے

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ نُوْحٌ اَوْسَمٰى
وَمُوسٰى وَعِيسٰى ابْنُ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا عَلِيًّا ۝

لَيَسْئَلَنَّ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَاَعَدَّ لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوا النِّعْمَةَ الّٰهِيَّةَ عَلَيْكُمْ اِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودُ
فَارِسَلْنَا عَلَيْهِم رِيْحًا وَّجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ يَافِكُوْنَ
بَصِيْرًا ۝

جب کہ ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور (بالخصوص)
آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے
اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور ہم نے ان سے (پکا اور)
پختہ عہد لیا۔^(۱) (۷)

تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں
دریافت فرمائے،^(۲) اور کافروں کے لیے ہم نے المناک
عذاب تیار کر رکھے ہیں۔ (۸)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو احسان تم پر کیا اسے یاد
کرو جبکہ تمہارے مقابلے کو فوجوں پر فوجیں آئیں پھر
ہم نے ان پر تیز و تند آندھی اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم
نے دیکھا ہی نہیں،^(۳) اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ
سب کچھ دیکھتا ہے۔ (۹)

(۱) اس عہد سے کیا مراد ہے؟ بعض کے نزدیک یہ وہ عہد ہے جو ایک دوسرے کی مدد اور تصدیق کا انبیاء علیہم السلام سے
لیا گیا تھا جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت ۸۱ میں ہے۔ بعض کے نزدیک یہ وہ عہد ہے جس کا ذکر شوریٰ کی آیت ۱۳ میں
ہے کہ دین قائم کرنا اور اس میں تفرقہ مت ڈالنا۔ یہ عہد اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا تھا لیکن یہاں بطور خاص
پانچ انبیاء علیہم السلام کا نام لیا گیا ہے جن سے ان کی اہمیت و عظمت واضح ہے اور ان میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر
سب سے پہلے ہے دراصل حایکہ نبوت کے لحاظ سے آپ ﷺ سب سے متاخر ہیں اس سے آپ ﷺ کی عظمت اور
شرف کا جس طرح اظہار ہو رہا ہے، محتاج وضاحت نہیں۔

(۲) یہ لام کن ہے۔ یعنی یہ عہد اس لیے لیا تاکہ اللہ سچے نبیوں سے پوچھے کہ انہوں نے اللہ کا پیغام اپنی قوموں تک
ٹھیک طریقے سے پہنچا دیا تھا؟ یا دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ انبیاء سے پوچھے کہ تمہاری قوموں نے تمہاری دعوت کا جواب
کس طرح دیا؟ مثبت انداز میں یا منفی طریقے سے؟ جس طرح کہ دوسرے مقام پر ہے کہ ”ہم ان سے بھی پوچھیں گے
جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور رسولوں سے بھی پوچھیں گے“ (الأعراف-۶۰) اس میں داعیان حق کے لیے بھی
تنبیہ ہے کہ وہ دعوت حق کا فریضہ پوری تن و دلی اور اخلاص سے ادا کریں تاکہ بارگاہ الہی میں سرخرو ہو سکیں اور
ان لوگوں کے لیے بھی وعید ہے جن کو حق کی دعوت پہنچائی جائے کہ اگر وہ اسے قبول نہیں کریں گے تو عند اللہ مجرم اور
مستوجب سزا ہوں گے۔

(۳) ان آیات میں غزوہ احزاب کی کچھ تفصیل ہے جو ۵ ہجری میں پیش آیا۔ اسے احزاب اس لیے کہتے ہیں کہ اس

اِذْ جَاءَ اَوْلَیُّکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَابْتَغَ الْاَبْصَارَ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاقَۃَ فَظَنُّوْۤنَ بِاللّٰهِ

جب کہ (دشمن) تمہارے پاس اور سے اور نیچے سے
چڑھ آئے^(۱) اور جب کہ آنکھیں پھرا گئیں اور کلیجے منہ

موقع پر تمام اسلام دشمن گروہ جمع ہو کر مسلمانوں کے مرکز ”مدینہ“ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ احزاب حزب (گروہ) کی جمع ہے۔ اسے جنگ خندق بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ مسلمانوں نے اپنے بچاؤ کے لیے مدینے کے اطراف میں خندق کھودی تھی تاکہ دشمن مدینے کے اندر نہ آسکیں۔ اس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے کہ یہودیوں کے قبیلے بنو نضیر، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مسلسل بد عہدی کی وجہ سے مدینے سے جلا وطن کر دیا تھا، یہ قبیلہ خیبر میں جا آباد ہوا، اس نے کفار مکہ کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار کیا، اسی طرح غطفان وغیرہ قبائل نجد کو بھی امداد کا یقین دلا کر آمادہ قتال کیا اور یوں یہ یہودی اسلام اور مسلمانوں کے تمام دشمنوں کو اکٹھا کر کے مدینے پر حملہ آور ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ مشرکین مکہ کی قیادت ابوسفیان کے پاس تھی، انہوں نے احد کے آس پاس پڑاؤ ڈال کر تقریباً مدینے کا محاصرہ کر لیا، ان کی مجموعی تعداد ۱۰ ہزار تھی، جب کہ مسلمان تین ہزار تھے۔ علاوہ ازیں جنوبی رخ پر یہودیوں کا تیسرا قبیلہ بنو قریظہ آباد تھا، جس سے ابھی تک مسلمانوں کا معاہدہ قائم اور وہ مسلمانوں کی مدد کرنے کا پابند تھا۔ لیکن اسے بھی بنو نضیر کے یہودی سردار جسی بن اخطب نے ورغلا کر مسلمانوں پر کاری ضرب لگانے کے حوالے سے اپنے ساتھ مدبیا۔ یوں مسلمان چاروں طرف سے دشمن کے زبے میں گھر گئے۔ اس موقع پر حضرت سلمان فارسی مہیڑ کے مشورے سے خندق کھودی گئی، جس کی وجہ سے دشمن کا لشکر مدینے کے اندر نہیں آسکا اور مدینے کے باہر قیام پذیر رہا۔ تاہم مسلمان اس محاصرے اور دشمن کی متحدہ یلغار سے سخت خوفزدہ تھے۔ کم و بیش ایک مہینے تک یہ محاصرہ قائم رہا اور مسلمان سخت خوف اور اضطراب کے عالم میں مبتلا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے پردہ غیب سے مسلمانوں کی مدد فرمائی ان آیات میں ان ہی سراسیمہ حالت اور امداد غیبی کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ پہلے جُنُود سے مراد کفار کی فوجیں ہیں، جو جمع ہو کر آئی تھیں۔ تیز و تند ہوا سے مراد وہ ہوا ہے جو سخت طوفان اور آندھی کی شکل میں آئی، جس نے ان کے غیموں کو اکھاڑ پھینکا، جو نور رسیاں تڑا کر بھاگ کھڑے ہوئے، ہڈیاں است گئیں اور سب بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ وہی ہوا تھی جس کی بابت حدیث میں آتا ہے: نُصِرْتُ بِالْغَايَةِ وَأَهْلِكْتُ عَادًا بِالدُّبُورِ اصْحٰبِ الْاِسْتِسْفَادِ بِابِ مَصْرَتِ بِالْغَايَةِ، مسلم باب فی ریح الصبا والدمور ”میری مدد صبا (مشرقی ہوا) سے کی گئی اور عاد دبور (بچھڑی) ہوا سے ہلاک کیے گئے۔“ ﴿وَجُنُودُ الْاَشْرَارِ﴾ سے مراد فرشتے ہیں، جو مسلمانوں کی مدد کے لیے آئے۔ انہوں نے دشمن کے دلوں پر ایسا خوف اور دہشت طاری کر دی کہ انہوں نے وہاں سے جلد بھاگ جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

(۱) اس سے مراد یہ ہے کہ ہر طرف سے دشمن آگئے یا اوپر سے مراد غطفان، ہوازن اور دیگر نجد کے مشرکین ہیں اور نیچے کی سمت سے قریش اور ان کے احوال و انصار۔

الْمُطَّوِّنَاتُ ۝

کو آگئے اور تم اللہ تعالیٰ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔^(۱) (۱۰)

یہیں مومن آزمائے گئے اور پوری طرح وہ جھنجھوڑ دیے گئے۔^(۲) (۱۱)

اور اس وقت منافق اور وہ لوگ جن کے دوسوں میں (شک کا) روگ تھا کہنے لگے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہم سے محض دھوکا فریب کا ہی وعدہ کیا تھا۔^(۳) (۱۲)

ان ہی کی ایک جماعت نے ہانک لگائی کہ اے مدینہ والو! تمہارے لیے ٹھکانہ نہیں چلوٹ چھو^(۴) اور ان کی ایک اور جماعت یہ کہہ کر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اجازت مانگنے لگی کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں،^(۵) حالانکہ وہ (کھلے ہوئے اور) غیر محفوظ نہ تھے (لیکن) ان کا پختہ ارادہ بھاگ کھڑے ہونے کا تھا۔^(۶) (۱۳)

اور اگر مدینے کے اطراف سے ان پر (شکر) داخل کیے جاتے پھر ان سے فتنہ طلب کیا جاتا تو یہ ضرور اسے برپا کر

هٰذَا لِكَيْ تَبْلُغَ الْمُؤْمِنُونَ وَذَلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَزَالُونَ شَاكِكِينَ ۝

وَاذِيقُوا لِمَنْ يَنْفَعُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ شَاوِعِدْنَا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا تُغِرُّوهُ ۝

وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنَّا زُرْنَاهَا وَلَا فَرَارًا ۝

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا فَتَوَسَّسُوا الْفِتْنَةَ

(۱) یہ مسلمانوں کی اس کیفیت کا اظہار ہے جس سے اس وقت دوچار تھے۔

(۲) یعنی مسلمانوں کو خوف، قال، بھوک اور محاصرے میں جٹا کر کے ان کو جانچا پر کھا گیا تاکہ منافق الگ ہو جائیں۔

(۳) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا وعدہ ایک فریب تھا۔ یہ تقریباً ستر منافقین تھے جن کی زبانوں پر وہ بات آگئی جو دلوں میں تھی۔

(۴) یثرب اس پورے علاقے کا نام تھا، مدینہ اسی کا ایک حصہ تھا جسے یہاں یثرب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہ جاتا ہے کہ اس کا نام یثرب اس لیے پڑا کہ کسی زمانے میں عمالہ میں سے کسی نے یہاں پڑاؤ کیا تھا جس کا نام یثرب بن علیل تھا۔ (فتح القدیر)

(۵) یعنی مسلمانوں کے لشکر میں رہنا تو سخت خطرناک ہے، اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ۔

(۶) یعنی بنو قریظہ کی طرف سے حملے کا خطرہ ہے یوں اہل خانہ کی جان و مال اور آبرو خطرے میں ہے۔

(۷) یعنی جو خطرہ وہ ظاہر کر رہے ہیں، نہیں ہے وہ اس بہانے سے راہ فرار چاہتے ہیں۔ عَوْرَةُ کے معنی غوی اور معروف معنی کے لیے دیکھئے، سورہ نور، آیت ۵۸ کا حاشیہ۔

لَا تَوْفَاقًا وَلَا تَنْتَقِطُوا مِنْهَا وَلَا تَهْتَكُوا ۝

وَلَقَدْ كَانُوا عَامِدُونَ وَاللَّهُ مِنْ قَبْلِ لَا يَتَوَكَّنُونَ الْاَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ۝

قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ اَلْفَرَارُ اِنْ قُرِئْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ اَوْ الْقَتْلِ وَلَا اَنْ تَقْتُلُوهُنَّ اَلْاَقْبِلَا ۝

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِيكُمْ مِنْ اِلٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نِعْمَةً وَلَا يَخَفُنَّ لَهُمْ مِنْ دُونِ اِلٰهِ شَيْءٌ وَلَا يَصِيْرًا ۝

فَذَرَكُمْ اِلٰهَ الْمَوْتِ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلْكَ الْيَتَامَا وَلَا يَأْتُونَ النَّاسَ اَلْاَقْبِلَا ۝

دیتے اور نہ لڑتے مگر تھوڑی مدت۔ (۱۳)

اس سے پہلے تو انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ پیٹھ نہ پھیریں گے، (۱۴) اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدہ کی باز پرس ضرور ہوگی۔ (۱۵)

کہہ دیجئے کہ گو تم موت سے یا خوف قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمہیں کچھ بھی کام نہ آئے گا اور اس وقت تم بہت ہی کم فائدہ اٹھاؤ گے۔ (۱۶)

پوچھئے! تو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی برائی پہنچانا چاہے یا تم پر کوئی فضل کرنا چاہے تو کون ہے جو تمہیں بچا سکے (یا تم سے روک سکے؟) (۱۷) اپنے لیے جو اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار۔ (۱۸)

اللہ تعالیٰ تم میں سے انہیں (بخوبی) جانتا ہے جو دوسروں کو روکتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس (۱۹) چلے آؤ۔ اور کبھی کبھی ہی لڑائی میں

(۱) یعنی مدینے یا ان کے گھروں میں چاروں طرف سے دشمن داخل ہو جائیں اور ان سے مطالبہ کریں کہ تم کفر و شرک کی طرف دوبارہ واپس آ جاؤ تو یہ ذرا توقف نہ کریں گے اور اس وقت گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا غور بھی نہیں کریں گے بلکہ فوراً مطالبہ شرک کے سامنے جھک جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک ان کو مرغوب ہے اور اس کی طرف یہ لپکتے ہیں۔

(۲) بیان کیا جاتا ہے کہ یہ منافقین جنگ بدر تک مسلمان نہیں ہوئے۔ لیکن جب مسلمان فاتح ہو کر اور مال غنیمت لے کر واپس آئے تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ اسلام کا اظہار کیا بلکہ یہ عہد بھی کیا کہ آئندہ جب بھی کفار سے معرکہ پیش آیا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ضرور لڑیں گے یہاں ان کو وہی عہد یاد کرایا گیا ہے۔

(۳) یعنی اسے پورا کرنے کا ان سے مطالبہ کیا جائے گا اور عدم وقار سزا کے وہ مستحق ہوں گے۔

(۴) یعنی موت سے تو کوئی صورت مفر نہیں ہے۔ اگر میدان جنگ سے بھاگ کر آ بھی جاؤ گے تو کیا فائدہ؟ کچھ عرصے بعد موت کا پالہ تو پھر بھی پینا ہی پڑے گا۔

(۵) یعنی تمہیں ہلاک کرنا، بیمار کرنا، یا مال و جائیداد میں نقصان پہنچانا یا قحط سالی میں مبتلا کرنا چاہے تو کون ہے جو تمہیں اس سے بچا سکے؟ یا اپنا فضل و کرم کرنا چاہے تو وہ روک سکے؟

(۶) یہ کہنے والے منافقین تھے جو اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے سے روکتے تھے۔

آجاتے ہیں۔^(۱۸)

تمہاری مدد میں (پورے) بخیل ہیں،^(۱۷) پھر جب خوف و دہشت کا موقع آجائے تو آپ انہیں دیکھیں گے کہ آپ کی طرف نظرس جمادیتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے اس شخص کی جس پر موت کی غشی طاری ہو۔^(۱۸) پھر جب خوف جاتا رہتا ہے تو تم پر اپنی تیز زبانوں سے بڑی باتیں بناتے ہیں^(۱۹) مال کے بڑے ہی حریص ہیں،^(۲۰) یہ ایمان لائے ہی نہیں ہیں،^(۲۱) اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال نابود کر دیئے ہیں،^(۲۲) اور اللہ تعالیٰ پر یہ بہت ہی آسان ہے۔^(۲۳)

اَيْشَعَةُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يُنْظَرُونَ اِلَيْكَ
كَذَلِكَ وَمَنْ اَعْيَنَهُمْ مَا كُنْتُ يُعْطَى عَلَيْهِ مِنْ الْوَيْتِ يَازَا اَذْهَبَ
الْخَوْفُ سَلَفُوْكُمْ يَا لَيْسَ تَوْجِدُ اِيْشَعَةَ عَلَى الْخَيْرِ اَوَّلِكَ
كَذَلِكَ وَمَنْ اَعْيَنَهُمْ مَا كُنْتُ يُعْطَى عَلَيْهِ مِنْ الْوَيْتِ يَازَا اَذْهَبَ

(۱) کیوں کہ وہ موت کے خوف سے پیچھے ہی رہتے تھے۔

(۲) یعنی تمہارے ساتھ خندق کھود کر تم سے تعاون کرنے میں یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں یا تمہارے ساتھ مل کر لڑنے میں بخیل ہیں۔

(۳) یہ ان کی بزدلی اور پست ہمتی کی کیفیت کا بیان ہے۔

(۴) یعنی اپنی شجاعت و مردانگی کی بابت ڈیگیں مارتے ہیں، جو سراسر جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں، یا غنیمت کی تقسیم کے وقت اپنی زبان کی تیزی و طراری سے لوگوں کو متاثر کر کے زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں 'غنیمت کی تقسیم کے وقت یہ سب سے زیادہ بخیل اور سب سے زیادہ بڑا حصہ لینے والے در لڑائی کے وقت سب سے زیادہ بزدل اور ساتھیوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ جانے والے ہیں

(۵) یا دوسرا منہ موم ہے کہ خیر کا جذبہ بھی ان کے اندر نہیں ہے۔ یعنی مذکورہ خرابیوں اور کوتاہیوں کے ساتھ خیر اور بھلائی سے بھی وہ محروم ہیں۔

(۶) یعنی دل سے، بلکہ یہ منافق ہیں، کیوں کہ ان کے دل کفر و عناد سے بھرے ہوئے ہیں

(۷) اس لیے کہ وہ مشرک اور کافر ہی ہیں اور کافر و مشرک کے اعمال باطل ہیں، جن پر کوئی اجر و ثواب نہیں یا اَخْبَطَ اَظْهَرَ کے معنی میں ہے، یعنی ان کے عملوں کے بطلان کو ظاہر کر دیا، اس لیے کہ ان کے اعمال ایسے ہیں ہی نہیں کہ وہ ثواب کے متقاضی ہوں اور اللہ ان کو باطل کر دے۔ (فتح القدیر)

(۸) ان کے اعمال کا برابر کر دینا، یا ان کا نفع۔

يَحْسَبُونَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا اِنْ يَأْتِ الْاَحْزَابَ يَوْمَئِذٍ
لَوْ اَنَّكُمْ يَادْرُونَ فِي الْاَحْزَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ اَنْبِيَائِكُمْ
وَلَوْ كَانُوا يَفْقَهُوْنَ فَتَلَوْنَ الْاَوَّلَ وَلَا

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اَسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا
اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٣٠﴾

سمجھتے ہیں کہ اب تک لشکر چلے نہیں گئے،^(۱) اور اگر
فوجیں آجائیں تو تمنا نہیں کرتے ہیں کہ کاش! وہ صحرا میں
بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوتے کہ تمہاری خبریں دریافت
کیا کرتے،^(۲) اگر وہ تم میں موجود ہوتے (تو بھی کیا؟) نہ
لڑتے مگر رائے نام۔^(۳) (۳۰)

یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود)
ہے،^(۴) ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت
کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا
ہے۔^(۵) (۳۱)

(۱) یعنی ان منافقین کی بزدلی، دوں ہمتی اور خوف و دہشت کا یہ حال ہے کہ کافروں کے گروہ اگرچہ ناکام و نامراد واپس جا
چکے ہیں۔ لیکن یہ اب تک یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ ابھی تک اپنے مورچوں اور خیموں میں موجود ہیں۔
(۲) یعنی بالفرض اگر کفار کی ٹوپیاں دوبارہ لڑائی کی نیت سے واپس آجائیں تو منافقین کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ مدینہ شہر
کے اندر رہنے کے بجائے، باہر صحرا میں بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوں اور وہاں لوگوں سے تمہاری بابت پوچھتے رہیں کہ محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھی ہلاک ہوئے یا نہیں؟ یا لشکر کفار کامیاب رہا یا ناکام؟
(۳) محض عار کے ڈر سے یا ہم وطنی کی حمیت کی وجہ سے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے سخت وعید ہے جو جہاد سے گریز
کرتے یا اس سے پیچھے رہتے ہیں۔

(۴) یعنی اے مسلمانو! اور منافقو! تم سب کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے اندر بہترین نمونہ ہے،
پس تم جہاد میں اور مصروفیات میں اسی کی پیروی کرو۔ ہمارا یہ پیغمبر جہاد میں بھوکا رہا حتیٰ کہ اسے پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے،
اس کا چہرہ زخمی ہو گیا، اس کا رباعی دانت ٹوٹ گیا، خندق اپنے ہاتھوں سے کھودی اور تقریباً ایک مہینہ دشمن کے سامنے
سینہ سپر رہا۔ یہ آیت اگرچہ جنگ احزاب کے ضمن میں نازل ہوئی ہے جس میں جنگ کے موقع پر بطور خاص رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھنے اور اس کی اقتدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ حکم عام ہے یعنی آپ
ﷺ کے تمام اقوال، افعال اور احوال میں مسلمانوں کے لیے آپ ﷺ کی اقتدا ضروری ہے چاہے ان کا تعلق
عبادات سے ہو یا معاشرت سے، معیشت سے، سیاست سے، زندگی کے ہر شعبے میں آپ کی ہدایت واجب الاتباع ہیں۔
﴿وَمَا اَنْتُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الاحزاب) اور ﴿اِنَّكُمْ لَفِئْتُوْنَ لِلّٰهِ﴾ (الایۃ ال عمران ۳۱) کا مفاد بھی یہی ہے۔

(۵) اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اسوۂ رسول ﷺ کو وہی اپنائے گا جو آخرت میں اللہ کی ملاقات پر یقین رکھتا اور کثرت
سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ آج مسلمان بھی بالعموم ان دونوں صفوں سے محروم ہیں، اس لیے اسوۂ رسول (ﷺ) کی بھی

وَلَقَارَ الْمُؤْمِنُونَ الْاَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ
وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا
وَتَسْلِيمًا ﴿۲۱﴾

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ
مَنْ قَضَىٰ عَهْدَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴿۲۲﴾

اور ایمان داروں نے جب (کفار کے) لشکروں کو دیکھا (یہ
ساخت) کہہ اٹھے کہ انہیں کا وعدہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اور
اس کے رسول نے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول
نے سچ فرمایا،^(۱) اور اس (چیز) نے ان کے ایمان میں اور شیوہ
فرماں برداری میں اور اضافہ کر دیا۔^(۲) (۲۲)

مومنوں میں (ایسے) لوگ بھی ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ
تعالیٰ سے کیا تھا انہیں سچا کر رکھا،^(۳) بعض نے تو اپنا
عہد پورا کر^(۴) دیا اور بعض (موقعہ کے) منتظر ہیں اور
انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔^(۵) (۲۳)

کوئی اہمیت ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ ان میں جو اہل دین ہیں ان کے پیشوا، پیر اور مشائخ ہیں اور جو اہل دنیا و اہل
سیاست ہیں ان کے مرشد و رہنما آقا یان مغرب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے عقیدت کے زبانی دعوے بڑے ہیں، لیکن
آپ ﷺ کو مرشد اور پیشوا ماننے کے لیے ان میں سے کوئی بھی آمادہ نہیں ہے۔ فَاِلٰى اللّٰهِ الْمُنْتَهٰی۔

(۱) یعنی منافقین نے تو دشمن کی کثرت تعداد اور حالات کی سنگینی دیکھ کر کہا تھا کہ اللہ اور رسول (ﷺ) کے وعدے
فریب تھے، ان کے برعکس اہل ایمان نے کہا کہ اللہ اور رسول نے جو وعدہ کیا ہے کہ امتداد امتحان سے گزارنے کے بعد
ہمیں فتح و نصرت سے ہمکنار کیا جائے گا، وہ سچا ہے۔

(۲) یعنی حالات کی شدت اور ہوناسی نے ان کے ایمان کو متزلزل نہیں کیا، بلکہ ان کے ایمان میں جذبہ اطاعت و انقیاد
اور تسیم و رضا میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں اور ان کے مختلف احوال کے اعتبار سے
ایمان اور اس کی قوت میں کمی بیشی ہوتی ہے جیسا کہ محدثین کا مسلک ہے۔

(۳) یہ آیت ان بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے اس موقع پر جاں نثاری کے عجیب و
غریب جو ہر دکھائے تھے اور انہیں میں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے لیکن انہوں
نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اب آئندہ کوئی معرکہ پیش آیا تو جہاد میں بھرپور حصہ لیں گے، جیسے نضر بن انس وغیرہ رضی اللہ عنہم۔
جو بالآخر لڑتے ہوئے جنگ احد میں شہید ہوئے۔ ان کے جسم پر تلوار، نیزے اور تیروں کے ۸۰ سے اوپر زخم تھے،
شہادت کے بعد ان کی ہمشیرہ نے انہیں ان کی انگلی کے پور سے پچانا، (مسند احمد، ج ۴، ص ۱۱۴۳)

(۴) نَحْبُ کے معنی عہد، نذر اور موت کے کیے گئے ہیں مطلب ہے کہ ان صادقین میں سے کچھ نے تو اپنا عہد نذر
پوری کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا ہے۔

(۵) اور دوسرے وہ ہیں جو ابھی تک عروس شہادت سے ہمکنار نہیں ہوئے ہیں تاہم اس کے شوق میں شریک جہاد

لَيَجْزِيَنَّ اللَّهُ الشَّيْءَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ
إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٢٤﴾

وَرَبَّ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يَعْبُدُهُمْ كَمَا يُعْبُدُونَ اللَّهَ
الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ﴿٢٥﴾

وَأَنزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوا مِنْهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِبِهِمْ
وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ ۚ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْبِرُونَ
فَرِيقًا ﴿٢٦﴾

وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَنفُسَهُمْ فَتَقُولُوا

تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور اگر چاہے
تو منافقوں کو سزا دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے،^(۱) اللہ تعالیٰ
بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲۴)

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غصے میں بھرے ہوئے ہی
(نامراد) لوٹا دیا انہوں نے کوئی فائدہ نہیں پایا،^(۲) اور اس
جنگ میں اللہ تعالیٰ خود ہی مومنوں کو کافی ہو گیا^(۳) اللہ
تعالیٰ بڑی قوتوں والا اور غالب ہے۔ (۲۵)

اور جن اہل کتاب نے ان سے ساز باز کر لی تھی انہیں
(بھی) اللہ تعالیٰ نے ان کے قلعوں سے نکال دیا اور ان
کے دلوں میں (بھی) رعب بھر دیا کہ تم ان کے ایک گروہ
کو قتل کر رہے ہو اور ایک گروہ کو قیدی بنا رہے
ہو۔ (۲۶)

اور اس نے تمہیں ان کی زمینوں کا اور ان کے گھریار کا
اور ان کے مال کا وارث کر دیا^(۴) اور اس زمین کا بھی

ہوتے ہیں اور شہادت کی سعادت کے آرزو مند ہیں، اپنی اس نذر یا عہد میں انہوں نے تبدیلی نہیں کی۔

(۱) یعنی انہیں قبول اسلام کی توفیق دے دے۔

(۲) یعنی مشرک جو مختلف جہات سے جمع ہو کر آئے تھے تاکہ مسلمانوں کا نشان مٹا دیں۔ اللہ نے انہیں اپنے غیظ و غضب
سمیت واپس نہ بول دیا۔ نہ دنیا کا مال و متاع ان کے ہاتھ لگا اور نہ آخرت میں وہ اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے، کسی بھی قسم
کی خیر انہیں حاصل نہیں ہوئی۔

(۳) یعنی مسلمانوں کو ان سے لڑنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہوا اور فرشتوں کے ذریعے سے
اپنے مومن بندوں کی مدد کا سامان بہم پہنچا دیا۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَخَدَهُ، صَدَقَ
وَعْدُهُ، وَنَصَرَ عَدُوَّهُ، وَأَعَزَّ جُنْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَخَدَهُ، فَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ۔ (صحیح بخاری، کتاب
العمرہ، باب ما یقول إذا رجع من الحج أو العمرہ أو الغزو مسلم، باب ما یقول إذا قتل من سفر الحج وغیرہ)
”ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں“ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی، اپنے لشکر کو سرخرو کیا، اور تمام گروہوں
کو اکیسے اس نے ہی شکست دے دی، اس کے بعد کوئی شے نہیں، ”سید دعا ج“ عمرو، جماد اور سفر سے واپسی پر بھی پڑھنی چاہیے۔

(۴) اس میں غزوہ بنی قریظہ کا ذکر ہے جیسا کہ پہلے گزرا کہ اس قبیلے نے نقض عہد کر کے جنگ احزاب میں مشرکوں اور

وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَزِدُوا الْجَهْلَ إِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا
وَرِيتُهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُمْ وَاسْتَزْكُمَنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝

وَلَن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ
اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنِينَ مَنَاسِكَ وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

جس کو تمہارے قدموں نے روندنا نہیں،^(۱) اللہ تعالیٰ ہر
چیز پر قادر ہے۔ (۲۷)

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم زندگانی دنیا اور
زینت دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دوں اور
تمہیں اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں۔ (۲۸)

اور اگر تمہاری مراد اللہ اور اس کا رسول اور آخرت کا
گھر ہے تو (یقین مانو کہ) تم میں سے نیک کام کرنے
والیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت زبردست اجر رکھ
چھوڑے ہیں۔^(۲) (۲۹)

دوسرے یودیوں کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ جنگ احزاب سے واپس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی غسل ہی فرما سکے
تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آگئے اور کہا کہ آپ ﷺ نے ہتھیار رکھ دیے؟ ہم فرشتوں نے تو نہیں رکھے ہیں۔
چلئے، اب بنو قریظہ کے ساتھ ٹھنڈا ہے، مجھے اللہ نے اسی لیے آپ ﷺ کی طرف بھیجا ہے۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں میں
اعلان فرما دیا بلکہ ان کو تاکید کر دی کہ عصر کی نماز وہاں جا کر پڑھنی ہے۔ ان کی آبادی مدینے سے چند میل کے فاصلے پر
تھی۔ یہ اپنے قلعوں میں بند ہو گئے، باہر سے مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا جو کم و بیش پچیس روز جاری رہا۔ بالآخر
انہوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم (خالد) تسلیم کر لیا کہ وہ جو فیصلہ ہماری بابت دیں گے، ہمیں منظور ہو گا۔ چنانچہ
انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ان میں سے لڑنے والے لوگوں کو قتل اور بچوں، عورتوں کو قیدی بنالیا جائے اور ان کا
مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ سن کر فرمایا کہ یہی فیصلہ آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا
بھی ہے۔ اس کے مطابق ان کے جنگ جو افراد کی گردنیں اڑا دی گئیں۔ اور مدینے کو ان کے ٹپاک وجود سے پاک کر دیا
گیا۔ (دیکھئے صحیح بخاری 'باب غزوہ خندق') اَنزَلْ قُلُوبُ سَیْنِجَہِ اَمَارِوَا 'ظَاہِرُ ذٰہِمُ کَافِرُوں کی انہوں نے مدد کی۔

(۱) بعض نے اس سے خیبر کی زمین مراد لی ہے کیوں کہ اس کے بعد ہی ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں نے خیبر
فتح کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ مکہ ہے اور بعض نے ارض فارس و روم کو اس کا مصداق قرار دیا ہے اور بعض کے نزدیک
تمام وہ زمینیں ہیں جو قیمت تک مسلمان فتح کریں گے۔ (فتح القدر)

(۲) فتوحات کے نتیجے میں جب مسلمانوں کی حالت پہلے کی نسبت کچھ بہتر ہو گئی تو انصار و مہاجرین کی عورتوں کو دیکھ کر
ازواج مطہرات نے بھی نان نفقہ میں اضافے کا مطالبہ کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ نہایت سادگی پسند تھے، اس لیے
ازواج مطہرات کے اس مطالبے پر سخت کبیدہ خاطر ہوئے اور بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی جو ایک مہینے تک جاری رہی

يُنْسَاةَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنْ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ
يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ
عَلٰی كُلِّ نَفْسٍ عَظِيْمًا ۝

اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بھی کھلی بے حیائی (کا
ارتکاب) کرے گی اسے دوہرا دوہرا عذاب دیا جائے
گا،^(۱) اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت ہی سہل (سی
بات) ہے۔ (۳۰)

بالآخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ اس کے بعد سب سے پہلے آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ آیت سنا کر
انہیں اختیار دیا تاہم انہیں کہا کہ اپنے طور پر فیصلہ کرنے کے بجائے اپنے والدین سے مشورے کے بعد کوئی اقدام کرنا۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ کے بارے میں مشورہ کروں؟ بلکہ میں اللہ اور رسول
ﷺ کو پسند کرتی ہوں۔ یہی بات دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی کہی اور کسی نے بھی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو چھوڑ کر دنیا کے عیش و آرام کو ترجیح نہیں دی (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الاحزاب) اس وقت آپ ﷺ کے
حبابہ عقد میں ۹ بیویاں تھیں، پانچ قریش میں سے تھیں۔ حضرت عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، سودہ اور ام سلمہ۔ رضی اللہ عنہن
اور چار ان کے علاوہ، یعنی حضرت صفیہ، میمونہ، زینب اور جویریہ تھیں۔ رضی اللہ عنہن۔ بعض لوگ مرد کی طرف سے
اختیار علیحدگی کو طلاق قرار دیتے ہیں، لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اختیار علیحدگی کے بعد اگر عورت
علیحدگی کو پسند کر لے، پھر تو یقیناً طلاق ہو جائے گی (اور یہ طلاق بھی رجعی ہوگی نہ کہ بائنہ، جیسا کہ بعض علما کا مسلک
ہے) تاہم اگر عورت علیحدگی کو اختیار نہیں کرتی تو پھر طلاق نہیں ہوگی، جیسے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے علیحدگی
کے بجائے حرم رسول ﷺ میں ہی رہنا پسند کیا تو اس اختیار کو طلاق شمار نہیں کیا گیا۔ (اصحیح بخاری، کتاب

الطلاق، باب من غیر نساء، مسلم، باب بیان ان تمحییر امرائہ لا یکون طلاقاً الا بالنسۃ)

(۱) قرآن میں الْفَاحِشَةُ (مُتَعَرِّفٌ بِالْاَلَامِ) کو زنا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے لیکن فَاحِشَةٌ (اکثرہ) کو برائی کے سبب
جیسے یہاں ہے۔ یہاں اس کے معنی بد اخلاقی اور نامناسب رویے کے ہیں کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
بد اخلاقی اور نامناسب رویہ آپ ﷺ کو ایذا پہنچانا ہے جس کا ارتکاب کفر ہے علاوہ ازیں ازواج مطہرات رضی اللہ
عنہن خود بھی مقام بلند کی حامل تھیں اور بلند مرتبت لوگوں کی معمولی غلطیاں بھی بڑی شمار ہوتی ہیں، اس سبب انہیں
دوگنے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُم بِلَهِّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلَ صَالِحًا
تُؤْتُوا بِآيَاتِهِمْ مَوَازِينَ ۖ وَاعْتَدْنَا لَهُمْ جَنَّاتٍ ۙ

يَبْتَغَاءُ النَّبِيُّ لَسُنُّكَ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ ۚ إِنَّ اتَّقِيَنَّ
فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ
وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝

اور تم میں سے جو کوئی اللہ کی اور اس کے رسول کی
فرماں برداری کرے گی اور نیک کام کرے گی ہم اسے
اجر (بھی) دوہرا دیں گے^(۱) اور اس کے لیے ہم نے
بہترین روزی تیار کر رکھی ہے۔ (۳۱)

اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو،^(۲) اگر
تم پر ہیزگاری اختیار کرو تو نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ
جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے^(۳) اور
ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو۔^(۴) (۳۲)

(۱) یعنی جس طرح گناہ کا وبال دگنا ہو گا، نیکیوں کا اجر بھی دوہرا ہو گا۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے
فرمایا ﴿إِذَا دَعَاكَ الصُّلَّةُ فَخُذْهَا﴾ (یسی اسرائیل ۷۵) ”پھر تو ہم بھی آپ کو دوہرا عذاب دینا کا
کرتے اور دوہرا ہی موت کا۔“

(۲) یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کا سائیں ہے۔ بلکہ اللہ نے تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا جو
شرف عطا فرمایا ہے، اس کی وجہ سے تمہیں ایک امتیازی مقام حاصل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تمہیں بھی امت کے لیے
ایک نمونہ بننا ہے چنانچہ انہیں ان کے مقام و مرتبے سے آگاہ کر کے انہیں کچھ ہدایات دی جا رہی ہیں۔ اس کی مخاطب اگرچہ
الذواج مطہرات ہیں جنہیں امت المؤمنین قرار دیا گیا ہے، لیکن انداز بیان سے صاف واضح ہے کہ مقصد پوری امت مسلمہ
کی عورتوں کو سمجھانا اور متنبہ کرنا ہے۔ اس لیے یہ ہدایات تمام مسلمان عورتوں کے لیے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے جس طرح عورت کے وجود کے اندر مرد کے لیے جنسی کشش رکھی ہے (جس کی حفاظت کے لیے بھی
خصوصی ہدایات دی گئی ہیں) کہ عورت مرد کے لیے فتنے کا باعث نہ بنے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی آواز میں
بھی فطری طور پر دلکشی، نرمی اور نزاکت رکھی ہے جو مرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ بتائیں اس آواز کے لیے بھی یہ
ہدایت دی گئی کہ مردوں سے گفتگو کرتے وقت قصداً ایسا لب و لہجہ اختیار کرو کہ نرمی اور لطافت کی جگہ قدرے سختی اور
روکھا پن ہو۔ تاکہ کوئی بد باطن لہجے کی نرمی سے تمہاری طرف مائل نہ ہو اور اس کے دل میں برا خیال پیدا نہ ہو۔

(۴) یعنی یہ روکھا پن صرف لہجے کی حد تک ہی ہو، زبان سے ایسا لفظ نہ نکالنا جو معروف قاعدے اور اخلاق کے منافی
ہو۔ اِنْ أَتَيْتُمْ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ یہ بات اور دیگر ہدایات جو آگے آرہی ہیں، متقی عورتوں کے لیے ہیں، کیونکہ
انہیں ہی یہ فکر ہوتی ہے کہ ان کی آخرت برباد نہ ہو جائے جن کے دل خوف الہی سے عاری ہیں، انہیں اس ہدایت
سے کیا تعلق؟ اور وہ کب ان ہدایات کی پروا کرتی ہیں؟

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ
وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ
وَيُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيرًا ﴿٣٣﴾

اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو^(۱) اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو^(۲) اور نماز ادا کرتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری کرو۔^(۳) اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والو! تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔ (۳۳)

(۱) یعنی نکل کر رہو اور بغیر ضروری حاجت کے گھر سے باہر نہ نکلو۔ اس میں وضاحت کر دی گئی کہ عورت کا دائرہ عمل امور سیاست و جہانپانی نہیں، معاشی جھیلے بھی نہیں، بلکہ گھر کی چار دیواری کے اندر رہ کر امور خانہ داری سرانجام دینا ہے۔

(۲) اس میں گھر سے باہر نکلنے کے آداب بتلا دیئے کہ اگر باہر جانے کی ضرورت پیش آئے تو بناؤ سنگھار کر کے یا ایسے انداز سے جس سے تمہارا بناؤ سنگھار ظاہر ہو، مت نکلو۔ جیسے بے پردہ ہو کر جس سے تمہارا سر، چہرہ، بازو اور چھاتی وغیرہ لوگوں کو دعوتِ نگاہ دے۔ بلکہ بغیر خوشبو لگائے، سادہ لباس میں لبوس اور پارہہ باہر نکلو، شُرُج بے پردگی اور زیب و زینت کے اظہار کو کہتے ہیں۔ قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ یہ تمہیں جاہلیت ہے، جو اسلام سے پیسے تھی اور آئندہ بھی، جب کبھی اسے اختیار کیا جائے گا، یہ جاہلیت ہی ہوگی، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، چاہے اس کا نام کتنا ہی خوش نما، دل فریب رکھ لیا جائے۔

(۳) پچھلی ہدایت، برائی سے اجتناب سے متعلق تھیں، یہ ہدایات نیکی اختیار کرنے سے متعلق ہیں۔

(۴) اہل بیت سے کون مراد ہیں؟ اس کی تعین میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض نے ازواجِ مطہرات کو مراد لیا ہے، جیسا کہ یہاں قرآن کریم کے سیاق سے واضح ہے۔ قرآن نے یہاں ازواجِ مطہرات ہی کو اہل بیت کہا ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات پر بھی بیوی کو اہل بیت کہا گیا ہے۔ مثلاً سورہ ہود، آیت ۷۳ میں۔ اس لیے ازواجِ مطہرات کا اہل بیت ہونا نصِ قرآنی سے واضح ہے۔ بعض حضرات، بعض روایات کی رو سے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو مانتے ہیں اور ازواجِ مطہرات کو اس سے خارج سمجھتے ہیں، جبکہ اول الذکر ان اصحابِ اربعہ کو اس سے خارج سمجھتے ہیں۔ تاہم اعتدال کی راہ اور نقطہ متوسطہ یہ ہے کہ دونوں ہی اہل بیت ہیں۔ ازواجِ مطہرات تو اس نصِ قرآنی کی وجہ سے اور داماد و اولاد ان روایات کی رو سے جو صحیح سند سے ثابت ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا کہ اے اللہ! میرے اہل بیت ہیں، جس کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ بھی میرے اہل بیت سے ہیں یا یہ دعا ہے کہ یا اللہ! ان کو بھی ازواجِ مطہرات کی طرح، میرے اہل بیت میں شامل فرما دے۔ اس طرح تمام دلائل میں بھی تطبیق ہو جاتی ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے فتح القدیر، لشوکانی)

وَأَذْكُرَنَّ مَا يَشْتَلِي فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ
وَإِحْكَمَةٌ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿٣٣﴾

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
وَالْقَائِمِينَ وَالْقَائِمَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ
وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ
وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّالِحِينَ وَالصَّالِحَاتِ وَالْحَافِظِينَ
مَنْ وَجْهَهُمُ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّكِرِينَ اللَّهُ كَثِيرًا
وَالذَّكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٣٤﴾

اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی جو
احادیث پڑھی جاتی ہیں ان کا ذکر کرتی رہو،^(۱) یقیناً اللہ
تعالیٰ لطف کرنے والا خبردار ہے۔ (۳۳)
پیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں^(۲) مومن مرد اور
مومن عورتیں فرماں برداری کرنے والے مرد اور
فرمانبردار عورتیں راست باز مرد اور راست باز عورتیں
صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں عاجزی
کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں خیرات
کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں روزے
رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں
اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت
کرنے والیاں بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر

(۱) یعنی ان پر عمل کرو۔ حکمت سے مراد احادیث ہیں۔ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض علما نے کہا ہے کہ
حدیث بھی قرآن کی طرح ثواب کی نیت سے پڑھی جاسکتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ آیت بھی ازواج مطہرات کے اہل بیت
ہونے پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ وحی کا نزول جس کا ذکر اس آیت میں ہے، ازواج مطہرات کے گھروں میں ہی ہوتا
تھا، بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں۔ جیسا کہ احادیث میں ہے

(۲) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور بعض دیگر صحابیات نے کہا کہ کیا بات ہے، اللہ تعالیٰ ہر جگہ مردوں سے ہی خطاب فرماتا
ہے، عورتوں سے نہیں، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسند احمد ۴/۱۶۷، ترمذی، نمبر ۳۲۱۱) اس میں عورتوں کی دل داری
کا اہتمام کر دیا گیا ہے ورنہ تمام احکام میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں سوائے ان مخصوص احکام کے جو
صرف عورتوں کے لیے ہیں۔ اس آیت اور دیگر آیات سے واضح ہے کہ عبادت و اطاعت الہی اور اخروی درجات و
فضائل میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے۔ دونوں کے لیے یکساں طور پر یہ میدان کھلا ہے اور دونوں
زیادہ سے زیادہ نیکیاں اور اجر و ثواب کما سکتے ہیں۔ جنس کی بنیاد پر اس میں کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔ علاوہ ازیں مسلمان
اور مومن کا الگ الگ ذکر کرنے سے واضح ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے۔ ایمان کا درجہ اسد م سے بڑھ کر ہے جیسا کہ
قرآن و حدیث کے دیگر دلائل بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

کرنے والیاں ان (سب کے) لیے اللہ تعالیٰ نے (وسیع) مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔ (۳۵)

اور (دیکھو) کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا^(۱) (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔ (۳۶) (یاد کرو) جب کہ تو اس شخص سے کہہ رہا تھا جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور تو نے بھی کہ تو اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے خوف کھاتا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار تھا کہ تو اس سے ڈرے^(۲) پس جب کہ زید نے اس عورت

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَرْوَاحِهِمْ إِذَا قُضِيَ مِنْهُمْ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝

(۱) یہ آیت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو گرچہ اصلاً عرب تھے، لیکن کسی نے انہیں بچپن میں زبردستی پکڑ کر بطور غلام بیچ دیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنا بیٹا بنالیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نکاح کے لیے اپنی چھوٹی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا جس پر انہیں اور ان کے بھائی کو خاندانی وجاہت کی بناء پر تامل ہوا کہ زید رضی اللہ عنہ ایک آزاد کردہ غلام ہیں اور ہمارا تعلق ایک اونچے خاندان سے ہے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے فیصلے کے بعد کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنا اختیار بروئے کار لے۔ بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سر تسلیم خم کر دے۔ چنانچہ یہ آیت سننے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا وغیرہ نے اپنی رائے پر اصرار نہیں کیا اور ان کا باہم نکاح ہو گیا۔

(۲) لیکن چونکہ ان کے مزاج میں فرق تھا، بیوی کے مزاج میں خاندانی نسب و شرف رچا ہوا تھا، جب کہ زید رضی اللہ عنہ کے دامن پر غلامی کا داغ تھا، ان کی آپس میں ان بن رہتی تھی جس کا تذکرہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے رہتے تھے اور طلاق کا عندیہ بھی ظاہر کرتے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلاق دینے سے روکتے ورنہ کرنے کی تلقین فرماتے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیش گوئی سے بھی آگاہ فرما دیا تھا کہ زید رضی اللہ عنہ کی

سے اپنی غرض پوری کر لی^(۱) ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا^(۲) تاکہ مسلمانوں پر اپنے لے پالکوں کی بیویوں کے بارے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے جب کہ وہ اپنی غرض ان سے پوری کر لیں^(۳) اللہ کا (یہ) حکم تو ہو کر ہی رہنے والا تھا۔^(۴) (۳۷)

جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے مقرر کی ہیں ان میں نبی پر کوئی حرج نہیں^(۵) (یہی) اللہ کا دستور ان میں بھی رہا جو پہلے ہوئے^(۶) اور اللہ تعالیٰ کے کام اندازے پر

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سِنَّةُ اللَّهِ فِي
الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ﴿۳۷﴾

طرف سے طلاق واقع ہو کر رہے گی اور اس کے بعد زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کر دیا جائے گا تاکہ جاہلیت کی اس رسم تنہیت پر ایک کاری ضرب لگا کر واضح کر دیا جائے کہ منہ بولا دنیا احکام شرعیہ میں حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہے اور اس کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے۔ اس آیت میں انہی باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ پر اللہ کا انعام یہ تھا کہ انہیں قبول اسلام کی توفیق دی اور غلامی سے نجات دلائی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ان پر یہ تھا کہ ان کی دینی تربیت کی۔ ان کو آزاد کر کے اپنا بیٹا قرار دیا اور اپنی پھوپھی اسمہ بنت عبد المطلب کی لڑکی سے ان کا نکاح کرادیا۔ دس میں چھپانے والی بات یہی تھی جو آپ کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کی بابت بذریعہ وحی بتلائی گئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈرتے اس بات سے تھے کہ لوگ کہیں گے اپنی بہو سے نکاح کر لیا۔ حالانکہ جب اللہ کو آپ کے ذریعے سے اس رسم کا خاتمہ کرانا تھا تو پھر لوگوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خوف اگرچہ فطری تھا اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حبیہ فرمائی گئی۔ ظاہر کرنے سے مراد یہی ہے کہ یہ نکاح ہو گا جس سے یہ بات سب کے ہی علم میں آجائے گی۔

(۱) یعنی نکاح کے بعد طلاق دی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا عدت سے فارغ ہو گئیں۔

(۲) یعنی یہ نکاح معروف طریقے کے برعکس صرف اللہ کے حکم سے نکاح قرار پا گیا، نکاح خوانی، وصیت، حق مراد اور گواہوں کے بغیر ہی۔

(۳) یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی علت ہے کہ آئندہ کوئی مسلمان اس بارے میں تنگی محسوس نہ کرے اور حسب ضرورت اقتضائے پالک بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کیا جاسکے۔

(۴) یعنی پہلے سے ہی تقدیر الہی میں تھا جو بہر صورت ہو کر رہنا تھا۔

(۵) یہ اسی واقعہ نکاح زینب رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ ہے، چونکہ یہ نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال تھا اس لیے اس میں کوئی گناہ اور تنگی والی بات نہیں ہے۔

(۶) یعنی گزشتہ انبیاء علیہم السلام بھی ایسے کاموں کے کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے جو اللہ کی طرف سے

مقرر کیے ہوئے ہیں۔^(۱) (۳۸)

یہ سب ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔^(۲) اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لیے کافی ہے۔^(۳) (۳۹)

(لوگو!) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں^(۴) لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے،^(۵) اور اللہ تعالیٰ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْمَعُوا لِقَوْلِ رَبِّكُمُ الَّذِي يُرْسِلُ الرُّسُلَ مِنْكُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا هُمْ أَقْرَبُ إِلَىٰ رَحْمَتِهِ ۚ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَّا الْخَيْرَ ۚ وَمَنْ يَكْفِرْ يَكْفِرْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَاللَّهُ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَاسِبًا ۝ (۳۸)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ (۳۹)

ان پر فرض قرار دیئے جاتے تھے چاہے قوی اور عوامی رسم و رواج ان کے خلاف ہی ہوتے۔

(۱) یعنی خاص حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں، دعویٰ حکمرانوں کی طرح وقتی اور فوری ضرورت پر مشتمل نہیں ہوتے، اسی طرح ان کا وقت بھی مقرر ہوتا ہے جس کے مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

(۲) اس لیے کسی کا ذریعہ یا سطوت انہیں اللہ کا پیغام پہنچانے میں مانع بنتا تھا نہ طعن و ملامت کی انہیں پروا ہوتی تھی۔

(۳) یعنی ہر جگہ وہ اپنے علم اور قدرت کے لحاظ سے موجود ہے، اس لیے وہ اپنے بندوں کی مدد کے لیے کافی ہے اور اللہ کے دین کی تبلیغ و دعوت میں انہیں جو مشکلات آتی ہیں، ان میں وہ ان کی چارہ سازی فرماتا، اور دشمنوں کے مذموم ارادوں اور سازشوں سے انہیں بچاتا ہے۔

(۴) اس لیے وہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بھی باپ نہیں ہیں، جس پر انہیں مورد طعن بنایا جاسکے کہ انہوں نے اپنی بہو سے نکاح کیوں کر کیا؟ بلکہ ایک زید رضی اللہ عنہ ہی کیا، وہ تو کسی بھی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ کیونکہ زید جو بڑا تو حارثہ کے بیٹے تھے، آپ ﷺ نے تو انہیں منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا اور جاہلی دستور کے مطابق انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا۔ حقیقتاً وہ آپ ﷺ کے صلیبی بیٹے نہیں تھے۔ اسی لیے ﴿اذْعَوْهُمْ لِابْنِ آدَمَ﴾ کے نزول کے بعد انہیں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہی کہا جاتا تھا، علاوہ ازیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے تین بیٹے، قاسم، طاہر، طیب ہوئے اور ایک ابراہیم بچہ ماریہ قبیلہ کنینہ کے بطن سے ہوا۔ لیکن یہ سب کے سب بچپن میں ہی فوت ہو گئے، ان میں سے کوئی بھی عمر رجحیت کو نہیں پہنچا۔ بنابرین آپ ﷺ کی صلیبی اولاد میں سے بھی کوئی مرد نہیں بنا کہ جس کے آپ باپ ہوں (ابن کثیر)

(۵) خاتمہ مر کو کہتے ہیں اور مہر آخری عمل ہی کو کہا جاتا ہے۔ یعنی آپ ﷺ پر نبوت و رسالت کا خاتمہ کر دیا گیا، آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ نبی نہیں، کذاب و دجال ہو گا۔ احادیث میں اس مضمون کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور اس پر پوری امت کا اجماع و اتفاق ہے۔ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زور ہو گا، جو

بَآئِنَهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكَرُوا اللّٰهَ وَذَكَرُوْا كَثِيْرًا ۝۱۰

وَسَيُخَوِّذُهُمْ بِكُوْنِهِمْ وَاَصِيْلًا ۝۱۱

هُوَ الَّذِيْ يَصِلُ عَلَيْنَكُمْ وَمَلَٰئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَنَّكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۚ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝۱۲

يَعِيْنُهُمْ يَوْمَ يَكُوْنُوْنَ سُلٰوًا ۝۱۳ وَاعَدَ لَهُمْ اَجْرًا كَثِيْرًا ۝۱۴

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّ اَرْسَلْنَاكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيْرًا ۝۱۵

وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَيُرٰجَا مُبِيْنًا ۝۱۶

ہر چیز کا (بخوبی) جاننے والا ہے۔ (۳۰)

مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرو۔ (۳۱)

اور صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرو۔ (۳۲)

وہی ہے جو تم پر اپنی رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے

(تمہارے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں) تاکہ وہ تمہیں

اندھیروں سے اجالے کی طرف لے جائے اور اللہ تعالیٰ

مومنوں پر بہت ہی مہربان ہے۔ (۳۳)

جس دن یہ (اللہ سے) ملاقات کریں گے ان کا تحفہ سلام

ہوگا،^(۱) ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہرگز اجرت یا رکر رکھا

ہے۔ (۳۴)

اے نبی! یقیناً ہم نے ہی آپ کو (رسول بنا کر) گواہیاں

دیئے والا،^(۲) خوشخبریاں سنائے والا، آگاہ کرنے والا بھیجا

ہے۔ (۳۵)

اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن

چراغ۔^(۳) (۳۶)

صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے، تو وہ نبی کی حیثیت سے نہیں آئیں گے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بن کر آئیں گے، اس لیے ان کا نزول عقیدہ ختم نبوت کے منافی نہیں ہے۔

(۱) یعنی جنت میں فرشتے اہل ایمان کو یا مومن آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔

(۲) بعض لوگ شاہد کے معنی حاضر و ناظر کے کرتے ہیں جو قرآن کی تحریف معنوی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت

کی گواہی دیں گے، ان کی بھی جو آپ ﷺ پر ایمان لائے اور ان کی بھی جنہوں نے تکذیب کی۔ آپ ﷺ قیامت

والے دن اہل ایمان کو ان کے اعضائے وضو سے پہچان لیں گے جو چمکتے ہوں گے، اسی طرح آپ ﷺ دیگر انبیاء عظیم

اسلام کی گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا اور یہ گواہی اللہ کے دیئے ہوئے یقینی علم

کی بنیاد پر ہو گی۔ اس لیے نہیں کہ آپ ﷺ تمام انبیاء عظیم اسلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہیں، یہ عقیدہ تو

نصوص قرآنی کے خلاف ہے۔

(۳) جس طرح چراغ سے اندھیرے دور ہو جاتے ہیں، اسی طرح آپ ﷺ کے ذریعے سے کفر و شرک کی تاریکیاں

وَيَبْرُ الْمُؤْمِنِينَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ فُضْلٌ كَبِيرٌ ۝

وَلَا يَطْعَمُ الْكَافِرِينَ وَالْمُنِيعِينَ وَدَعَا لَهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ
وَكُنْ بِاللهِ وَكِيلًا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا نَكُونُ الْمُؤْمِنِينَ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُمْ
مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُمْ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ مِنْ عَذَابٍ
لَعَنَتْهُمُ لَهَا فَمَسَّوْهُمْ وَسَيَرَّوْهُمْ سَرَاحًا جُفِيًّا ۝

آپ مومنوں کو خوشخبری سنا دیجئے! کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔ (۳۷)

اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیئے! اور جو ایذا (ان کی طرف سے پہنچے) اس کا خیال بھی نہ کیجئے اللہ پر بھروسہ کیے رہیں، اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کام بنانے والا۔ (۳۸)

اے مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر ہاتھ لگانے سے پہلے (یعنی طلاق دے دو تو ان پر تمہارا کوئی حق عدت کا نہیں جسے تم شمار کرو،^(۱) پس تم کچھ نہ کچھ انہیں دے دو^(۲) اور بھلے طریق پر انہیں

دور ہوئیں۔ علاوہ ازیں اس چراغ سے کس دنیا کر کے جو کمال و سعادت حاصل کرنا چاہے، کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ چراغ قیامت تک روشن ہے۔

(۱) نکاح کے بعد جن عورتوں سے ہم بستری کی جا چکی ہو اور وہ ابھی جوان ہوں، ایسی عورتوں کو طلاق مل جائے تو ان کی عدت تین حیض ہے۔ (البقرة-۲۳۸) یہاں ان عورتوں کا حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ جن سے نکاح ہوا ہے لیکن میاں بیوی کے درمیان ہم بستری نہیں ہوئی۔ ان کو اگر طلاق ہو جائے تو کوئی عدت نہیں ہے یعنی ایسی غیر مذلولہ مطلقہ بغیر عدت گزارے فوری طور پر کیس نکاح کرنا چاہے، تو کر سکتی ہے، البتہ اگر ہم بستری سے قبل خاوند فوت ہو جائے تو پھر اسے ۴ مہینے، ۵ دن ہی عدت گزارنی پڑے گی۔ (فتح القدیر، ابن کثیر) چھوٹا یا ہاتھ لگانا یہ کنایہ ہے جماع (ہم بستری) سے۔ نکاح کا لفظ خاص جماع اور عقد زواج دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں عقد کے معنی میں ہے۔ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہاں نکاح کے بعد طلاق کا ذکر ہے۔ اس لیے جو فقہا اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر فلاں عورت سے میں نے نکاح کیا تو اسے طلاق ملے تو ان کے نزدیک اس عورت سے نکاح ہونے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح بعض جو یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ یہ کہے کہ میں نے کسی بھی عورت سے نکاح کیا تو اسے طلاق ملے تو جس عورت سے بھی نکاح کرے گا طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں بھی وضاحت ہے۔ «لَا طَلَّاقَ قَبْلَ بَيْحٍ» (ابن ماجہ) «لَا طَلَّاقَ لِابْنِ آدَمَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ» (ابوداؤد، باب فی الطلاق قبل النکاح، ترمذی، ابن ماجہ و مسند احمد ۱/۱۸۹) اس سے واضح ہے کہ نکاح سے قبل طلاق ایک فعل عبث ہے جس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

(۲) یہ متعہ اگر مقرر کیا گیا ہو تو نصف مہر ہے ورنہ حسب توفیق کچھ دے دیا جائے۔

رخصت کر دو۔^(۱) (۳۹)

اے نبی! ہم نے تیرے لیے تیری وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جنہیں تو ان کے مرد سے چکا ہے^(۲) اور وہ لونڈیاں بھی جو اللہ تعالیٰ نے غنیمت میں تجھے دی ہیں^(۳) اور تیرے چچا کی لڑکیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں بھی جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی ہے^(۴) اور وہ بالیمان عورت جو اپنا نفس نبی کو بہہ کر دے یہ اس صورت میں کہ خود نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہے^(۵) یہ خاص طور پر صرف تیرے لیے ہی ہے اور مومنوں کے لیے نہیں^(۶) ہم اسے بخوبی جانتے ہیں جو ہم نے ان پر ان کی

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي آتَيْتَ
أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ
وَبَنَاتِ عَمَتِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ وَبَنَاتِ
خَدِيكَ الَّتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً
إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ
يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا
مَا فَرَضْنَا عَلَيْكَ فِي أَزْوَاجِكَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ
لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

(۱) یعنی انہیں عزت و احرام سے بغیر کوئی ایذا پہنچائے علیحدہ کر دیا جائے۔

(۲) بعض احکام شریعہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امتیاز حاصل تھا، جنہیں آپ ﷺ کی خصوصیت کہا جاتا ہے۔ مثلاً اہل علم کی ایک جماعت کے بقول قیام اللیل (تہجد) آپ ﷺ پر فرض تھا، صدق آپ ﷺ پر حرام تھا، اسی طرح کی بعض خصوصیات کا ذکر قرآن کریم کے اس مقام پر کیا گیا ہے جن کا تعلق نکاح سے ہے۔ ۱۰۔ جن عورتوں کو آپ ﷺ نے مردود ہے، وہ حلال ہیں چاہے تعداد میں وہ کتنی ہی ہوں اور آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور جویریہ رضی اللہ عنہا کا مرد ان کی آزادی کو قرار دیا تھا، ان کے علاوہ بصورت نقد سب کو مراد کیا تھا۔ صرف ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مرنجوشی نے اپنی طرف سے دیا تھا۔

(۳) چنانچہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور جویریہ رضی اللہ عنہا ملکیت میں آئیں جنہیں آپ ﷺ نے آزاد کر کے نکاح کر لیا اور ریحانہ رضی اللہ عنہا اور مارہہ قبیلہ کنینہ رضی اللہ عنہا یہ بطور لونڈی آپ کے پاس رہیں۔

(۴) اس کا مطلب ہے جس طرح آپ ﷺ نے ہجرت کی، اسی طرح انہوں نے بھی مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔ کیونکہ آپ ﷺ کے ساتھ تو کسی عورت نے بھی ہجرت نہیں کی تھی۔

(۵) یعنی نبی کریم ﷺ کو اپنا آپ بہہ کرنے والی عورت، اگر آپ ﷺ اس سے نکاح کرنا پسند فرمائیں تو بغیر مہر کے آپ ﷺ کے لیے اسے اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے۔

(۶) یہ اجازت صرف آپ ﷺ کے لیے ہے۔ دیگر مومنوں کے لیے تو ضروری ہے کہ وہ حق مراد کریں، تب نکاح جائز ہو گا۔

بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں (احکام) مقرر کر رکھے ہیں^(۱) یہ اس لیے کہ تجھ پر حرج واقع نہ ہو^(۲) اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا رحم والا ہے۔ (۵۰)

ان میں سے جسے تو چاہے دور رکھ دے اور جسے چاہے اپنے پاس رکھ لے^(۳) اور اگر تو ان میں سے بھی کسی کو اپنے پاس بلا لے جنہیں تو نے الگ کر رکھا تھا تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں^(۴) اس میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ ان عورتوں کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور جو کچھ بھی تو انہیں دیدے اس پر سب کی سب راضی رہیں^(۵)

تُرْجَىٰ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ وَيُؤْتَىٰ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمِمَّنْ بَقِيتَ وَمِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقْرَءَ آيَاتِنَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَبِمَا تَصِفُ أَلْفُؤُنَ لَنَا وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ﴿۵۰﴾

(۱) یعنی عقد کے جو شرائط اور حقوق ہیں جو ہم نے فرض کیے ہیں کہ مثلاً چار سے زیادہ عورتیں بیک وقت کوئی شخص اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا، نکاح کے لیے ولی، گواہ اور حق مہر ضروری ہے۔ البتہ لونڈیاں جتنی کوئی چاہے رکھ سکتا ہے تاہم آج کل لونڈیوں کا مسئلہ تو ختم ہے۔

(۲) اس کا تعلق اِنَّا اَخْلَقْنَا سے ہے یعنی مذکورہ تمام عورتوں کی آپ ﷺ کے لیے حلت اس لیے ہے کہ آپ ﷺ کو تنگی محسوس نہ ہو اور آپ ﷺ ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح میں گناہ نہ سمجھیں۔

(۳) اس میں آپ ﷺ کی ایک اور خصوصیت کا بیان ہے وہ یہ کہ بیویوں کے درمیان باریاں مقرر کرنے میں آپ ﷺ کو اختیار دے دیا گیا تھا آپ ﷺ جس کی باری چاہیں موقوف کر دیں یعنی اسے نکاح میں رکھتے ہوئے اس سے مباشرت نہ کریں اور جس سے چاہیں یہ تعلق قائم رکھیں۔

(۴) یعنی جن بیویوں کی باریاں موقوف کر رکھی تھیں اگر آپ ﷺ چاہیں کہ ان سے بھی مباشرت کا تعلق قائم کیا جائے تو یہ اجازت بھی آپ ﷺ کو حاصل ہے۔

(۵) یعنی باری موقوف ہونے اور ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کے باوجود وہ خوش ہوں گی، غمگین نہیں ہوں گی اور جتنا کچھ آپ ﷺ کی طرف سے انہیں مل جائے گا اس پر مطمئن رہیں گی۔ کیوں؟ اس لیے کہ انہیں معلوم ہے کہ پیغمبر ﷺ یہ سب کچھ اللہ کے حکم اور اجازت سے کر رہے ہیں اور یہ ازدواج مطہرات اللہ کے فیصلے پر راضی اور مطمئن ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار ملنے کے باوجود آپ ﷺ نے اسے استعمال نہیں کیا اور سوائے حضرت سودة بنت جحش کے (کہ انہوں نے اپنی باری خود ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہبہ کر دی تھی) آپ ﷺ نے

تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے اللہ (خوب) جانتا ہے۔^(۱)
اللہ تعالیٰ بڑا ہی علم اور علم والا ہے۔ (۵۱)

اس کے بعد اور عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں اور نہ
یہ (درست ہے) کہ ان کے بدلے اور عورتوں سے
(نکاح کرے) اگرچہ ان کی صورت اچھی بھی لگتی ہو^(۲)
مگر جو تیری مملوکہ ہوں۔^(۳) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا (پورا)

لَا يَحِلُّ لَكَ الْيَسَاءُ مِنْ بَعْدِ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ
مِنْ أَزْوَاجَ وَلَوْ أَعْجَبَتْ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ
يَمِينُكَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ رَاقِبًا ۝

تمام ازواج مطہرات کی باریاں برابر برابر مقرر کر رکھی تھیں، اسی لیے آپ ﷺ نے مرض الموت میں ازواج مطہرات
سے اجازت لے کر بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گزارے، ﴿أَنْ تَكُونِ امْرَأَتِي﴾ کا تعلق آپ ﷺ کے اسی
طرز عمل سے ہے کہ آپ ﷺ پر تقسیم اگرچہ (دوسرے لوگوں کی طرح) واجب نہیں تھی، اس کے باوجود آپ ﷺ
نے تقسیم کو اختیار فرمایا، تاکہ آپ ﷺ کی بیویوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور آپ ﷺ کے اس حسن سوک اور
عدل و انصاف سے خوش ہو جائیں کہ آپ ﷺ نے خصوصی اختیار استعمال کرنے کے بجائے ان کی دجوئی اور رنداری
کا اہتمام فرمایا۔

(۱) یعنی تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے، ان میں یہ بات بھی یقیناً ہے کہ سب بیویوں کی محبت دل میں یکساں نہیں ہے۔
کیوں کہ دل پر انسان کا اختیار ہی نہیں ہے۔ اس لیے بیویوں کے درمیان مساوات باری میں، نان و نفقہ اور دیگر
ضروریات زندگی اور آسائشوں میں ضروری ہے، جس کا اہتمام انسان کر سکتا ہے۔ دلوں کے میلان میں مساوات چونکہ
اختیار ہی میں نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اس پر گرفت بھی نہیں فرمائے گا بشرطیکہ دلی محبت کسی ایک بیوی سے امتیازی
سلوک کا باعث نہ ہو۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ”یا اللہ یہ میری تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے“
لیکن جس چیز پر تیرا اختیار ہے، میں اس پر اختیار نہیں رکھتا، اس میں مجھے ملامت نہ کرنا۔“ (ابوداؤد، باب القسم فی

النساء، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد ۶/۱۳۳)

(۲) آیت تنجیر کے نزول کے بعد ازواج مطہرات نے دنیا کے اسباب عیش و راحت کے مقابلے میں عمرت کے ساتھ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا پسند کیا تھا، اس کا صلہ اللہ نے یہ دیا کہ آپ ﷺ کو ان ازواج کے علاوہ (جن کی
تعداد اس وقت ۹ تھی) دیگر عورتوں سے نکاح کرنے یا ان میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ کسی اور سے نکاح
کرنے سے منع فرمادیا، بعض کہتے ہیں کہ بعد میں آپ ﷺ کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا، لیکن آپ ﷺ نے کوئی نکاح
نہیں کیا۔ (ابن کثیر)

(۳) یعنی لونڈیاں رکھنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ بعض نے اس کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ کافر
لونڈی بھی رکھنے کی آپ ﷺ کو اجازت تھی اور بعض نے ﴿وَالْمُؤْمِنَاتُ مِمَّنْ زَكَرُوا﴾ کے پیش

نکبان ہے۔ (۵۲)

اے ایمان والو! جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے تم
نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو کھانے کے لیے ایسے وقت
میں کہ اس کے بچے کا انتظار کرتے رہو بلکہ جب بلایا
جائے جاؤ اور جب کھا چکو نکل کھڑے ہو وہیں ہاتوں میں
مشغول نہ ہو جایا کرو۔ نبی کو تمہاری اس بات سے تکلیف
ہوتی ہے۔ تو وہ لحاظ کر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ (بیان) حق
میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا،^(۱) جب تم نبی کی بیویوں سے
کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو،^(۲)
تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے کامل پاکیزگی یہی
ہے،^(۳) نہ تمہیں یہ جائز ہے کہ تم رسول اللہ کو تکلیف

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ
يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرِ نَظِيرٍ إِنَّهُ وَلَكِنْ إِذَا
دُعِيتُمْ فَأَدْخُلُوا فَإِذَا اطْعِمْتُمْ فَأَنْتَضِرُوا وَلَا مُسْتَأْذِنِينَ
لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَعِجِلُ مِنْكُمْ
وَاللَّهُ لَا يَسْتَعِجِلُ مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا
فَسَأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ
وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَآ أَنْ تَكُونُوا آزْوَاجَهُ
مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ۝

نظرا سے آپ ﷺ کے لیے حلال نہیں سمجھا۔ (فتح القدیر)

(۱) اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے دلچسپی میں صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم تشریف لائے جن میں سے بعض کھانے کے بعد بھی بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہے جس سے آپ ﷺ کو خاص
تکلیف ہوئی، تاہم حیا و اخلاق کی وجہ سے آپ ﷺ نے انہیں جانے کے لیے کہا نہیں۔ (اصحیح بخاری، تفسیر
سورۃ الاحزاب) چنانچہ اس آیت میں دعوت کے آداب بتلا دیے گئے کہ ایک تو اس وقت جاؤ جب کھانا تیار ہو چکا ہو
پیسے سے ہی جا کر دھننا، نہ کرنہ بیٹھ جاؤ۔ دوسرا کھاتے ہی اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ وہاں بیٹھے ہوئے باتیں مت
کرتے رہو۔ کھانے کا ذکر تو سب نزول کی وجہ سے ہے، ورنہ مطلب یہ ہے کہ جب بھی تمہیں بلایا جائے چاہے کھانے
کے لیے یا کسی اور کام کے لیے اجازت کے بغیر گھر کے اندر داخل مت ہو۔

(۲) یہ حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش پر نازل ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول
اللہ (ﷺ)! آپ کے پاس اچھے برے ہر طرح کے لوگ آتے ہیں کاش آپ امات المؤمنین کو پردے کا حکم دیں تو کیا
اچھا ہو۔ جس پر اللہ نے یہ حکم نازل فرمادیا۔ (اصحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ و تفسیر سورۃ البقرۃ، مسلم،
باب فضائل عمر بن الخطاب)

(۳) یہ پردے کی حکمت اور علت ہے کہ اس سے مرد اور عورت دونوں کے دل ریب و شک سے اور ایک دوسرے
کے ساتھ فتنے میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

دو^(۱) اور نہ تمہیں یہ حلال ہے کہ آپ کے بعد کسی وقت بھی آپ کی بیویوں سے نکاح کرے۔ (یاد رکھو) اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔^(۲) (۵۳)
 تم کسی چیز کو ظاہر کر دیا مخفی رکھو اللہ تو ہر چیز کا بخوبی علم رکھنے والا ہے۔ (۵۴)

ان عورتوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں اور اپنی (سل جوں کی) عورتوں اور ملکیت کے ماتحتوں (بوندی غلام) کے سامنے ہوں۔^(۳) (عورتو!) اللہ سے ڈرتی رہو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر شہد ہے۔^(۴) (۵۵)
 اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔

إِنْ شِئْتُمْ وَإِذْ تَخْلُفُونَ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا

لَكُمْ نَسَاءَ عَلَيْهِمْ فِي آبَائِهِمْ وَلَا أَبْنَائِهِمْ وَلَا إِخْوَانِهِمْ وَلَا أَسْتِثَاءَ أَخَوَاتِهِمْ وَلَا أَسْتِثَاءَ بَنَاتِهِمْ وَلَا مَمْلُوكَاتٍ أَسْتِثَاءَ وَأَوْتَيْنِ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا شَيْءٌ شَعِيدًا ۝

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

(۱) چاہے وہ کسی بھی لحاظ سے ہو۔ آپ ﷺ کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونا آپ ﷺ کی خواہش کے بغیر گھر میں بیٹھے رہنا اور بغیر حجاب کے ازواج مطہرات سے گفتگو کرنا یہ امور بھی ایذا کے باعث ہیں ان سے بھی اجتناب کرو۔
 (۲) یہ حکم ان ازواج مطہرات کے بارے میں ہے جو وفات کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حبار عقد میں تھیں۔ ہم جن کو آپ ﷺ نے ہم بستی کے بعد زندگی میں طلاق دے کر اپنے سے بیحدہ کر دیا ہو وہ اس کے عموم میں داخل ہیں یا نہیں؟ اس میں دو رائے ہیں۔ بعض ان کو بھی شامل سمجھتے ہیں اور بعض نہیں۔ لیکن آپ ﷺ کی ایسی کوئی بیوی تھی ہی نہیں۔ اس لیے یہ محض ایک فرضی شکل ہے۔ علاوہ ازیں ایک تیسری قسم ان عورتوں کی ہے جن سے آپ ﷺ کا نکاح ہوا لیکن ہم بستی سے قبل ہی ان کو آپ ﷺ نے طلاق دے دی۔ ان سے دوسرے لوگوں کا نکاح درست ہونے میں کوئی نزاع معلوم نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۳) جب عورتوں کے لیے پردے کا حکم نازل ہوا تو پھر گھر میں موجود اقارب یا ہر وقت آنے جانے والے رشتے داروں کی بابت سواں ہوا کہ ان سے پردہ کیا جائے یا نہیں؟ چنانچہ اس آیت میں ان اقارب کا ذکر کر دیا گیا جن سے پردے کی ضرورت نہیں۔ اس کی تفصیل سورہ نور کی آیت ۳۱ ﴿وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ﴾ میں بھی گزر چکی ہے اسے ملاحظہ فرمایا جائے

(۴) اس مقام پر عورتوں کو تعوی کا حکم دے کر واضح کر دیا کہ اگر تمہارے دلوں میں تعوی ہو گا تو پردے کا جو اصل مقصد قلب و نظر کی طہارت اور عصمت کی حفاظت ہے وہ یقیناً تمہیں حاصل ہو گا ورنہ حجاب کی ظاہری پابندیاں تمہیں گناہ میں ملوث ہونے سے نہیں بچا سکیں گی۔

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ⑤

اسے ایمان والو! تم (بھی) ان پر درود بھیجو اور خوب سلام
(بھی) بھیجے رہا کرو۔^(۱) (۵۶)

(۱) اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مرتبہ و منزلت کا بیان ہے جو ملا اعلیٰ (آسمانوں) میں آپ ﷺ کو حاصل ہے اور وہ یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرشتوں میں آپ ﷺ کی شان و تعریف کرتا اور آپ ﷺ پر رحمتیں بھیجتا ہے اور فرشتے بھی آپ ﷺ کی بلندی درجات کی دعا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے عالم سفلی (اہل زمین) کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجیں تاکہ آپ ﷺ کی تعریف میں علوی اور سفلی دونوں عالم متحد ہو جائیں۔ حدیث میں آتا ہے 'صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں (یعنی التحیات میں السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ اِذْ يَذُكَّرُونَ) ہم درود کس طرح پڑھیں؟ اس پر آپ ﷺ نے وہ درود ابراہیمی بیان فرمایا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الاحزاب، علاوہ ازیں احادیث میں درود کے اور بھی صفحے آتے ہیں) جو پڑھے جاسکتے ہیں۔ نیز مختصراً صلی اللہ علی رسول اللہ وسلم بھی پڑھا جاسکتا ہے تاہم الصلوٰۃ و السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اِذْ يَذُكَّرُونَ اس لیے صحیح نہیں کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور یہ صیغہ نبی کریم سے عام درود کے وقت منقول نہیں ہے اور تحیات میں السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ اِذْ يَذُكَّرُونَ سے منقول ہے اس وجہ سے اس وقت میں پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں مزید برآں اس کا پڑھنے والا اس فاسد عقیدے سے پڑھتا ہے کہ آپ ﷺ اسے براہ راست سنتے ہیں۔ یہ عقیدہ فاسد قرآن و حدیث کے خلاف ہے اور اس عقیدے سے مذکورہ خانہ ساز درود پڑھنا بھی غیر صحیح ہے۔ اسی طرح اذان سے قبل اسے پڑھنا بھی بدعت ہے جو ثواب نہیں گناہ ہے۔ احادیث میں درود کی بڑی فضیلت وارد ہے۔ نماز میں اس کا پڑھنا واجب ہے یا سنت؟ جمہور علماء اسے سنت سمجھتے ہیں اور امام شافعی اور بہت سے علماء واجب۔ اور احادیث سے اس کے وجوب ہی کی تائید ہوتی ہے۔ اسی طرح احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آخری تشہد میں درود پڑھنا واجب ہے، پہلے تشہد میں بھی درود پڑھنے کی وہی حیثیت ہے۔ اس لیے نماز کے دونوں تشہد میں درود پڑھنا ضروری ہے۔

اس کے دلائل مختصراً حسب ذیل ہیں۔

ایک دلیل یہ ہے کہ مسند احمد میں صحیح سند سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ پر سلام کس طرح پڑھتا ہے؟ یہ تو ہم نے جان لیا (کہ ہم تشہد میں السَّلَامُ عَلَيْكَ پڑھتے ہیں) لیکن جب ہم نماز میں ہوں تو آپ ﷺ پر درود کس طرح پڑھیں؟ تو آپ ﷺ نے درود ابراہیمی کی تفسیر فرمائی (الفتح الربانی، ج ۳، ص ۳۰-۳۱) مسند احمد کے علاوہ یہ روایت صحیح ابن حبان، سنن کبریٰ بیہقی، مستدرک حاکم اور ابن خزیمہ میں بھی ہے۔ اس میں صراحت ہے کہ جس طرح سلام نماز میں پڑھا جاتا ہے یعنی تشہد میں اسی طرح یہ سوال بھی نماز کے اندر درود پڑھنے سے متعلق تھا نبی ﷺ نے درود ابراہیمی پڑھنے کا حکم فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ نماز میں سلام

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ⑤

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغْيًا ظَالِمًا

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا
اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لیے نہایت
رسوا کن عذاب ہے۔^(۱) (۵۷)

اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا دیں
بغیر کسی جرم کے جو ان سے سرزد ہوا ہو وہ (بڑے ہی)

کے ساتھ درود بھی پڑھنا چاہیے اور اس کا مقام تشدد ہے۔ اور حدیث میں یہ عام ہے 'اے پسے یا دوسرے تشدد کے
ساتھ خاص نہیں کیا گیا ہے جس سے یہ استدلال کرنا صحیح ہے کہ (پہلے اور دوسرے) دونوں تشدد میں سلام اور درود پڑھا
جائے۔ اور جن روایات میں تشدد اول کا بغیر درود کے ذکر ہے انہیں سورۃ احزاب کی آیت صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا کے
نزول سے پہلے پر محمول کیا جائے گا۔ لیکن اس آیت کے نزول یعنی ۵ ہجری کے بعد جب نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے
استفسار پر درود کے الفاظ بھی بیان فرمادیے تو اب نماز میں سلام کے ساتھ صلوٰۃ (درود شریف) کا پڑھنا بھی ضروری ہو
گیا چاہے وہ پہلا تشدد ہو یا دوسرا۔ اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ نبی ﷺ
(بعض دفعہ) رات کو ۹ رکعات ادا فرماتے 'آٹھویں رکعت میں تشدد بیٹھے تو اس میں اپنے رب سے دعا کرتے اور اس کے
پیغمبر ﷺ پر درود پڑھتے 'پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے اور نویں رکعت پوری کر کے تشدد میں بیٹھتے تو اپنے رب
سے دعا کرتے اور اس کے پیغمبر پر درود پڑھتے اور پھر دعا کرتے 'پھر سلام پھیر دیتے السس الکسری اللہم ہی ج ۲
ص ۷۰۳ 'طبع جدید سنن السانی مع التعليقات السلفية' کتاب قیام اللیل ج ۱ ص ۲۰۲۔ مزید ملاحظہ ہو
صفة صلوٰۃ السی ﷺ للالبانی صفحہ ۳۰۵ اس میں بالکل صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی رات کی نماز میں
پہلے اور آخری دونوں تشدد میں درود پڑھا ہے۔ یہ اگرچہ نقلی نماز کا واقعہ ہے لیکن مذکورہ عمومی دلائل کی آپ ﷺ
کے اس عمل سے تائید ہو جاتی ہے اس لیے اسے صرف نقلی نماز تک محدود کر دینا صحیح نہیں ہو گا۔

(۱) اللہ کو ایذا دینے کا مطلب ان افعال کا ارتکاب ہے جسے وہ ناپسند فرماتا ہے۔ ورنہ اللہ کو ایذا پہنچانے پر کون قادر ہے؟
جیسے مشرکین 'یہود اور نصاریٰ وغیرہ اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں۔ یا جس طرح حدیث قدسی میں ہے 'اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے "ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے" زمانے کو گالی دیتا ہے" حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں اس کے رات اور دن کی گردش
میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔" (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الجاثیہ، مسلم، کتاب الألفاظ من الأدب،
باب السہی عن سب الدہر یعنی یہ کہنا کہ زمانے نے یا فلک کج رفتار نے ایسا کر دیا" یہ صحیح نہیں اس لیے کہ افعال
اللہ کے ہیں زمانے یا فلک کے نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچانا آپ ﷺ کی تکذیب 'آپ ﷺ کو شاعر
کذاب 'ساحر وغیرہ کہنا ہے۔ علاوہ ازیں بعض احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایذا پہنچانے اور ان کی تنقیص و اہانت کو
بھی آپ ﷺ نے ایذا قرار دیا ہے۔ لغت کا مطلب 'اللہ کی رحمت سے دوری اور محرومی ہے۔

اَحْكُمُوا بَيْنَنَا وَابْنِائُنَا ۖ سُبْحَانَكَ يَا يَهُوذا

يَا يَهُوذا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنِيكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ
يُذَرِّبْنَ عَلَيْهِنَ مِنْ جَلْبَابٍ ذَاتِ اَذْنَانِ لَّعَلَّهِنَّ

ہستان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ (۵۸)

اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور
مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی
چادریں لٹکالیا کریں، (۳) اس سے بہت جلد ان کی شناخت

(۱) یعنی ان کو بدنام کرنے کے لیے ان پر ہستان باندھنا، ان کی ناجائز تنقیص و توہین کرنا۔ جیسے روافض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
پر سب و شتم کرتے اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کا ارتکاب انہوں نے نہیں کیا۔ امام ابن کثیر
فرماتے ہیں ”رافضی منکوس القلوب ہیں، ممدوح اشخاص کی مذمت کرتے اور مذموم لوگوں کی مدح کرتے ہیں۔“

(۲) جَلْبَابُ، جلباب کی جمع ہے، جو ایسی بڑی چادر کو کہتے ہیں جس سے پورا بدن ڈھک جائے۔ اپنے اوپر چادر ٹکانے سے
مراد اپنے چہرے پر اس طرح گھونگٹ نکالنا ہے کہ جس سے چہرے کا بیشتر حصہ بھی چھپ جائے اور نظرس جھکا کر چلنے سے اسے
راستہ بھی نظر آتا جائے۔ پاک و ہند یا دیگر اسلامی ممالک میں برقعے کی جو مختلف صورتیں ہیں، عمد رسالت میں یہ برقعے عام
نہیں تھے، پھر بعد میں معاشرت میں وہ سادگی نہیں رہی جو عمد رسالت اور صحابہ و تابعین کے دور میں تھی، عورتیں نہایت
سادہ لباس پہنتی تھیں، بناؤ سنگھار اور زیب و زینت کے اظہار کا کوئی جذبہ ان کے اندر نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے ایک بڑی چادر
سے بھی پردے کے تقاضے پورے ہو جاتے تھے۔ لیکن بعد میں یہ سادگی نہیں رہی، اس کی جگہ تجمل اور زینت نے لے لی اور
عورتوں کے اندر زرق برق لباس اور زیورات کی نمائش عام ہو گئی، جس کی وجہ سے چادر سے پردہ کرنا مشکل ہو گیا اور اس کی
جگہ مختلف انداز کے برقعے عام ہو گئے۔ گو اس سے بعض دفعہ عورت کو بالخصوص سخت گرمی میں، کچھ دقت بھی محسوس ہوتی
ہے۔ لیکن یہ ذرا سی تکلیف شریعت کے تقاضوں کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ تاہم جو عورت برقعے کے بجائے
پردے کے لیے بڑی چادر استعمال کرتی ہے اور پورے بدن کو ڈھانکتی اور چہرے پر صحیح معنوں میں گھونگٹ نکالتی ہے، وہ یقیناً
پردے کے حکم کو بجا دیتی ہے، کیونکہ برقعہ ایسی لازمی شئی نہیں ہے جسے شریعت نے پردے کے لئے لازمی قرار دیا ہو۔ لیکن آج
کل عورتوں نے چادر کو بے پردگی اختیار کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ پہلے وہ برقعے کی جگہ چادر اوڑھنا شروع کرتی ہیں۔ پھر چادر
بھی غائب ہو جاتی ہے، صرف دوپٹہ رہ جاتا ہے اور بعض عورتوں کے لیے اس کا لینا بھی گراں ہوتا ہے۔ اس صورت حال کو
دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ اب برقع کا استعمال ہی صحیح ہے کیوں کہ جب سے برقعے کی جگہ چادر نے لی ہے، بے پردگی عام ہو گئی
ہے بلکہ عورتیں نیم برہنگی پر بھی فخر کرنے لگی ہیں فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، ہر حال اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
بیویوں، بیٹیوں اور عام مومن عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے وقت پردے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے واضح ہے کہ پردے کا حکم عموماً
ایجاد کردہ نہیں ہے، جیسا کہ آج کل بعض لوگ باور کراتے ہیں، یا اس کو قرار واقعی اہمیت نہیں دیتے، بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے جو

فَلَا يُؤْذِنَنَّ وَلَا يَنْتَهِيَنَّ عَفْوَ رَاجِعًا ۝

ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی^(۱) اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۵۹)

لَيْنُ لَمَنِتَّهُ النَّفَقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ
وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِبَنَّكَ يَوْمَ نَسُفُ
الْجِبَالِ يَوْمَ تَذُورُ نُفُوكَ فِيمَا رَأَى قَبِيلًا ۝

اگر (اب بھی) یہ منافق اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں غلط افواہیں اڑانے والے ہیں^(۲) باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان (کی تباہی) پر مسلط کر دیں گے پھر تو وہ چند دن ہی آپ کے ساتھ اس (شر) میں رہ سکیں گے۔ (۶۰)

مَلْعُونِينَ ۖ أَيُّهَا النَّفَقُونَ اخْذُوا زَوَاجَكُمْ تَنْقِيلًا ۝

ان پر پھنکار برسائی گئی 'جہاں بھی مل جائیں پکڑے جائیں اور خوب کھڑے کھڑے کر دیئے جائیں۔' (۶۱)^(۳)

سُئِلَ اللَّهُ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ يَجْعَلَ
لِلنَّفَسِ اللَّهُ مَبْدِيًا ۝

ان سے انگلوں میں بھی اللہ کا یہی دستور جاری رہا۔ اور تو اللہ کے دستور میں ہرگز رد و بدل نہ پائے گا۔ (۶۲)

يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلِ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا
يُؤْتِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ۝

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے! کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے 'آپ کو کیا خبر بہت ممکن ہے قیامت بالکل ہی قریب ہو۔' (۶۳)

قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے 'اس سے اعراض' انکار اور بے پردگی پر اصرار کفر تک پہنچ سکتا ہے۔ دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی نہیں تھی جیسا کہ رافضیوں کا عقیدہ ہے بلکہ آپ ﷺ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں جیسا کہ نص قرآنی سے واضح ہے اور یہ چار تھیں جیسا کہ تاریخ و سیر اور احادیث کی کتابوں سے ثابت ہے۔

(۱) یہ پردے کی حکمت اور اس کے فائدے کا بیان ہے کہ اس سے ایک شریف زادی اور باحیا عورت اور بے شرم اور بدکار عورت کے درمیان پچھون ہوگی۔ پردے سے معلوم ہوگا کہ یہ خاندانی عورت ہے جس سے چھیڑ چھاڑ کی جرأت کسی کو نہیں ہوگی 'اس کے برعکس بے پردہ عورت اوباشوں کی نگاہوں کا مرکز اور ان کی بوالہوسی کا نشانہ بنے گی

(۲) مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے منافقین افواہیں اڑاتے رہتے تھے کہ مسلمان فلاں علاقے میں مغلوب ہو گئے 'یا دشمن کا لشکر جوار حملہ آور ہونے کے لیے آرہا ہے' وغیرہ وغیرہ۔

(۳) یہ حکم نہیں ہے کہ ان کو پکڑ کر مار ڈالا جائے بلکہ بددعا ہے کہ اگر وہ اپنے نفاق اور ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو ان کا نہایت عبرت ناک حشر ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حکم ہے۔ لیکن یہ منافقین نزول آیت کے بعد اپنی حرکتوں سے باز آگئے تھے 'اس لیے ان کے خلاف یہ کارروائی نہیں کی گئی جس کا حکم اس آیت میں دیا گیا تھا۔' (فتح القدیر)

إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكُفْرَيْنَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ۝

خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ يَدْعُونَ وَلِلَّهِ الْآخِرَةُ ۝

يَوْمَ تَعْلَبُ وَتُؤْمَضُ فِي الْآثَارِ يَقُولُونَ يَكُنَّ آتِنَا اللَّهُ
وَأَكُنَّا الرُّسُلَا ۝

وَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا سَادَتَنَا وَلُكُنَّا لَهُمْ قَاضِلُونَ السَّيِّئَا ۝

رَبَّنَا آتِنَاهُمْ مَغْنَمًا مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنَّا لَعْنًا كَثِيرًا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ إِذَا دُئِنُوا قَالُوا
اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِبَةٌ ۝

اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے
بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ (۶۳)

جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ وہ کوئی حامی و مددگار نہ
پائیں گے۔ (۶۵)

اس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں
گے۔ (حسرت و افسوس سے) کہیں گے کہ کاش ہم اللہ
تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرتے۔ (۶۶)

اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں
اور اپنے بڑوں کی مانی جنہوں نے ہمیں راہ راست سے
بھٹکا دیا^(۱) (۶۷)

پروردگار تو انہیں دگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی
لعنت نازل فرما۔ (۶۸)

اے ایمان والو! ان لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنہوں نے
موسیٰ کو تکلیف دی پس جو بات انہوں نے کہی تھی اللہ
نے انہیں اس سے بری فرما دیا^(۲) اور وہ اللہ کے نزدیک

(۱) یعنی ہم نے تیرے پیغمبروں اور داعیانِ دین کے بجائے اپنے ان بڑوں اور بزرگوں کی پیروی کی، لیکن آج ہمیں
معلوم ہوا کہ انہوں نے ہمیں تیرے پیغمبروں سے دور رکھ کر راہ راست سے بھٹکائے رکھا۔ آپا پرستی اور تقلیدِ فرنگ آج
بھی لوگوں کی گمراہی کا باعث ہے۔ کاش مسلمان آیاتِ الہی پر غور کر کے ان چمکند بڑیوں سے نکلیں اور قرآن و حدیث کی
صراطِ مستقیم کو اختیار کر لیں کہ نجات صرف اور صرف اللہ اور رسول کی پیروی میں ہی ہے۔ نہ کہ مشائخ و اکابر کی تقلید
میں یا آباؤ اجداد کے فرمودہ طریقوں کے اختیار کرنے میں۔

(۲) اس کی تفسیر حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہایت باحیا تھے، چنانچہ اپنا جسم انہوں نے
کبھی لوگوں کے سامنے نہ دکھایا۔ بنو اسرائیل کہنے لگے کہ شاید موسیٰ علیہ السلام کے جسم میں برص کے داغ یا کوئی اس
قسم کی آفت ہے جس کی وجہ سے یہ ہر وقت لباس میں ڈھکا چھپا رہتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں
غسل کرنے لگے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے۔ پتھر (اللہ کے حکم سے) کپڑے لے کر بھگ کھڑا ہوا۔ حضرت موسیٰ
علیہ السلام اس کے پیچھے پیچھے دوڑے، حتیٰ کہ بنی اسرائیل کی ایک مجلس میں پہنچ گئے، انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

باعزت تھے۔ (۶۹)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی
(جی) باتیں کیا کرو۔^(۱) (۷۰)

تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے کام سنوار دے اور تمہارے گناہ
معاف فرمادے،^(۲) اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی
تائیداری کرے گا اس نے بڑی مراد پالی۔ (۷۱)

ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں پر زمین پر اور پہاڑوں پر
پیش کیا لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا
اور اس سے ڈر گئے (مگر انسان نے اسے اٹھالیا)۔^(۳) وہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝

يُضِلُّكُمْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ
فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۝

کو نکادیکھا تو ان کے سارے شہادت دور ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نہایت حسین و جمیل اور ہر قسم کے داغ اور عیب
سے پاک تھے۔ یوں اللہ تبارک و تعالیٰ نے معجزانہ طور پر پتھر کے ذریعے سے ان کی اس الزام اور شبہ سے برأت کر دی
جو بنی اسرائیل کی طرف سے ان پر کیا جاتا تھا صحیح بخاری، کتاب الأنبياء، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے
سے اہل ایمان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم ہمارے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی اسرائیل کی طرح ایذا
مت پہنچاؤ اور آپ ﷺ کی بابت ایسی بات مت کرو جسے سن کر آپ ﷺ قلق اور اضطراب محسوس کریں جیسے ایک
موقع پر ہاں غیبت کی تقسیم میں ایک شخص نے کہا کہ اس میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیا گیا۔ جب آپ ﷺ تک
یہ اغاظ پہنچے تو غضب ناک ہوئے حتیٰ کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا آپ ﷺ نے فرمایا ”موسیٰ علیہ السلام پر
اللہ کی رحمت ہو“ انہیں اس سے کہیں زیادہ ایذا پہنچائی گئی، لیکن انہوں نے صبر کیا۔“۔ صحیح بخاری، کتاب الأنبياء،
مسلم، کتاب الرکوة، باب إعطاء المؤلفة قلوبہم علی الإسلام۔ ۱

(۱) یعنی ایسی بات جس میں کجی اور انحراف ہو نہ دھوکہ اور فریب۔ بلکہ سچ اور حق ہو۔ تَسْدِيدٌ، تَسْدِيدُ الشَّيْءِ
ہے، یعنی جس طرح تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے تاکہ ٹھیک نشانے پر لگے۔ اسی طرح تمہاری زبان سے نکل ہوئی بات اور
تمہارا کردار راستی پر مبنی ہو، حق و صداقت سے بال برابر انحراف نہ ہو۔

(۲) یہ تقویٰ اور قول سدید کا نتیجہ ہے کہ تمہارے عملوں کی اصلاح ہو گی اور مزید توفیق مرضیات سے نوازے جاؤ گے
اور کچھ کمی کو تہی رہ جائے گی، تو اسے اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔

(۳) جب اللہ تعالیٰ نے اہل اطاعت کا اجر و ثواب اور اہل معصیت کا وبال اور عذاب بیان کر دیا تو اب شرعی احکام اور
اس کی صعوبت کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ امانت سے وہ احکام شرعیہ اور فرائض و واجبات مراد ہیں جن کی ادائیگی پر ثواب اور

إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٥١﴾

لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ
وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٥٢﴾

يُؤْتِيكَ اللَّهُ مِنْ لَدُنْهِ

يَسْأَلُكَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾

بڑا ہی ظالم جاہل ہے۔ (۵۱)

(یہ اس لیے) کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں عورتوں اور
مشرک مردوں عورتوں کو سزا دے اور مومن مردوں
عورتوں کی توبہ قبول فرمائے، (۵۲) اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے
والا اور مہربان ہے۔ (۵۳)

سورہ سہاکی ہے اور اس میں چون آیتیں اور
چھ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نماییت رحم والا ہے۔

ان سے اعراض و انکار پر عذاب ہو گا۔ جب یہ تکالیف شرعیہ آسمان و زمین اور پہاڑوں پر پیش کی گئیں تو وہ ان کے
اٹھانے سے ڈر گئے۔ لیکن جب انسان پر یہ چیز پیش کی گئی تو وہ اطاعت الہی (امانت) کے اجر و ثواب اور اس کی فضیلت کو
دیکھ کر اس بارگراں کو اٹھانے پر آمادہ ہو گیا۔ احکام شرعیہ کو امانت سے تعبیر کر کے اشارہ فرما دیا کہ ان کی ادائیگی انسانوں
پر اسی طرح واجب ہے، جس طرح امانت کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ پیش کرنے کا مطلب کیا ہے؟ اور آسمان و زمین
اور پہاڑوں نے کس طرح اس کا جواب دیا؟ اور انسان نے اسے کس وقت قبول کیا؟ اس کی پوری کیفیت نہ ہم جان سکتے
ہیں نہ اسے بیان کر سکتے ہیں۔ ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ نے اپنی ہر مخلوق میں ایک خاص قسم کا احساس و شعور رکھا
ہے، گو ہم اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ تو ان کی بات سمجھنے پر قادر ہے، اس نے ضرور اس امانت کو
ان پر پیش کیا ہو گا جسے قبول کرنے سے انہوں نے انکار کر دیا۔ اور یہ انکار انہوں نے سرکشی و بغاوت کی بنا پر نہیں کیا بلکہ
اس میں یہ خوف کار فرما تھا کہ اگر ہم اس امانت کے تقاضے پورے نہ کر سکے تو اس کی سخت سزا ہمیں بھگتنی ہوگی۔ انسان
چونکہ جلد باز ہے، اس نے عقوبت و تعزیر کے پہلو پر زیادہ غور نہیں کیا اور حصول فضیلت کے شوق میں اس ذمے داری
کو قبول کر لیا۔

(۱) یعنی یہ بارگراں اٹھ کر اس نے اپنے نفس پر ظلم کا ارتکاب اور اس کے مقتضیات سے اعراض یا اس کی قدر و قیمت
سے غفلت کر کے جہالت کا مظاہرہ کیا۔

(۲) اس کا تعلق حَمَلَهَا سے ہے یعنی انسان کو اس امانت کا ذمے دار بنانے سے مقصد یہ ہے کہ اہل نفاق و اہل شرک
کا نفاق و شرک اور اہل ایمان کا ایمان ظاہر ہو جائے اور پھر اس کے مطابق انہیں جزا و سزا دی جائے۔

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے سزاوار ہیں جس کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے^(۱) آخرت میں بھی تعریف اسی کے لیے ہے،^(۲) وہ (بڑی) حکمتوں والا اور (پورا) خبردار ہے۔ (۱)

جو زمین میں جائے^(۳) اور جو اس سے نکلے جو آسمان سے اترے^(۴) اور جو چڑھ کر اس میں جائے^(۵) وہ سب سے باخبر ہے۔ اور وہ مہربان نہایت بخشش والا ہے۔ (۲)

کفار کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئیگی۔ آپ کہہ دیجئے! کہ مجھے میرے رب کی قسم! جو عالم الغیب ہے کہ وہ یقیناً تم پر آئے گی^(۶) اللہ تعالیٰ سے ایک ذرے کے برابر کی چیز بھی پوشیدہ نہیں^(۷) نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں بلکہ اس سے بھی چھوٹی اور بڑی ہر چیز کھلی

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَهُ
الْحَمْدُ فِي الْحَيَاةِ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْغَنِيُّ ①

يَعْلَمُ مَا يَدْرِي فِي الْأَرْضِ وَمَا غَوَّيَ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ
مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَرْجُ فِيهَا وَهُوَ الرَّحِيمُ الْعَفُورُ ②

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي
لَتَأْتِيَ بَلَدُكُمُ الْعَلِيَّ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي
السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا
فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ③

(۱) یعنی اسی کی ملکیت اور تصرف میں ہے، اسی کا ارادہ اور فیصلہ اس میں نافذ ہوتا ہے۔ انسان کو جو نعمت بھی ملتی ہے وہ اسی کی پیدا کردہ ہے اور اسی کا احسان ہے، اسی لیے آسمان و زمین کی ہر چیز کی تعریف دراصل ان نعمتوں پر اللہ ہی کی حمد و تعریف ہے جن سے اس نے اپنی مخلوق کو نوازا ہے۔

(۲) یہ تعریف قیامت والے دن اہل ایمان کریں گے مثلاً ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا﴾ (سورۃ الرمر ۷۷) ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا﴾ (سورۃ الأعراف ۴۳) ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا﴾ (سورۃ طہ ۲۰) وغیرہا۔ مِنَ الْآيَاتِ تا ہم دنیا میں اللہ کی حمد و تعریف عبارت ہے جس کا مکلف انسان کو بتایا گیا ہے اور آخرت میں یہ اہل ایمان کی روحانی خوراک ہوگی جس سے انہیں لذت و فرحت محسوس ہوا کرے گی۔ (فتح القدیر)

(۳) مثلاً بارش، خزانہ اور دینہ وغیرہ۔

(۴) بارش، اوسلے، گرج، بجلی اور برکات الہی وغیرہ نیز فرشتوں اور آسمانی کتابوں کا نزول

(۵) یعنی فرشتے اور بندوں کے اعمال۔

(۶) قسم بھی کھائی اور صیغہ بھی تاکید کا اور اس پر مزید لام تاکید یعنی قیامت کیوں نہیں آئے گی؟ وہ تو ہر صورت یقیناً آئے گی۔

(۷) لَا يَعْزُبُ عَنْهُ غائب اور پوشیدہ اور دور نہیں۔ یعنی جب آسمان و زمین کا کوئی ذرہ اس سے غائب اور پوشیدہ نہیں تو پھر تمہارے اجزائے منتشرہ کو جو مٹی میں مل گئے ہوں گے، جمع کر کے دوبارہ تمہیں زندہ کرونا کیوں ناممکن ہو گا؟

کتاب میں موجود ہے۔^(۱) (۳)

تاکہ وہ ایمان والوں اور نیکو کاروں کو بھلا بدلہ عطا فرمائے،^(۲) یہی لوگ ہیں جن کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔ (۴)

اور ہماری آیتوں کو نپا دکھانے کی جنہوں نے کوشش کی ہے^(۳) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے بدترین قسم کا دردناک عذاب ہے۔ (۵)

اور جنہیں علم ہے وہ دیکھ لیں گے کہ جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ (سراسر) حق^(۴) ہے اور اللہ غالب خوبیوں والے کی راہ کی رہبری کرتا ہے۔^(۵) (۶)

يَجْزِي الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ
مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَرِيمٌ ۝

وَالَّذِينَ سَعَوْا عَلَيْنَا فَمُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
مِّنْ رَّجْزٍ أَلِيمٌ ۝

وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ
هُوَ الْحَقُّ وَيَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝

(۱) یعنی وہ لوح محفوظ میں موجود اور درج ہے۔

(۲) یہ وقوع قیامت کی علت ہے یعنی قیامت اس لیے برپا ہوگی اور تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ اس لیے دوبارہ زندہ فرمائے گا کہ وہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا عطا فرمائے، کیونکہ جزا کے لیے ہی اس نے یہ دن رکھا ہے۔ اگر یہ یوم جزا نہ ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہو گا کہ نیک و بد دونوں یکساں ہیں۔ اور یہ بات عدل و انصاف کے قطعاً منافی اور بندوں بالخصوص نیکوں پر ظلم ہو گا۔ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ

(۳) یعنی ہماری ان آیتوں کے بطلان اور تکذیب کی جو ہم نے اپنے پیغمبروں پر نازل کیں۔ مُعْجِزِينَ یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم ان کی گرفت سے عاجز ہوں گے، کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو ہم کس طرح دوبارہ زندہ ہو کر کسی کے سامنے اپنے کیے و عمرے کی جواب دہی کریں گے؟ ان کا یہ سمجھنا گویا اس بات کا اعلان تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا مذاخذہ کرنے پر قادر ہی نہیں ہو گا، اس لیے قیامت کا خوف ہمیں کیوں ہو؟

(۴) یہاں رؤیت سے مراد رؤیت قلبی یعنی علم یعنی ہے، محض رؤیت بصری (آنکھ کا دیکھنا) نہیں۔ اہل علم سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا مومنین اہل کتاب یا تمام ہی مومنین ہیں یعنی اہل ایمان اس بات کو جانتے اور اس پر یقین رکھتے ہیں۔

(۵) یہ عطف ہے حق پر، یعنی وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ قرآن کریم اس راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اس اللہ کا راستہ ہے جو کائنات میں سب پر غالب ہے اور اپنی مخلوق میں محمود (قابل تعریف) ہے۔ اور وہ راستہ کیا ہے؟ توحید کا راستہ جس کی طرف تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوموں کو دعوت دیتے رہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُبْتَغَىٰ عَنْهُ
إِذَا مَرِضْتُمْ كَمَا نَدُلُّكُمْ لِقَىٰ خَلْقٍ جَدِيدٍ ۖ

أَنذَرِي عَلَىٰ اللَّهِ كَيْدًا بِأَمْرِهِ ۚ إِنَّهُ يَبْدَأُ الْبَشَرَ لَمْ يُؤْمِنُوا
يَا الْخِرَافَ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلِيلِ الْبَعيدِ ۖ

أَفَلَمْ يَرَوْا لَللَّهِ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ إِنَّ شَأْنَهُمْ لَشَدِيدٌ ۚ أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي السَّابِقَاتِ

اور کافروں نے کہا ^(۱) (آؤ) ہم تمہیں ایک ایسا شخص
بتلائیں ^(۲) جو تمہیں یہ خبر پہنچا رہا ہے ^(۳) کہ جب تم
بالکل ہی ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تم پھر سے ایک نئی
پیدائش میں آؤ گے۔ ^(۴) (۷)

(ہم نہیں کہہ سکتے) کہ خود اس نے (ہی) اللہ پر تھوٹ
باندھ لیا ہے یا اسے دیوا لگی ہے ^(۵) بلکہ (حقیقت یہ ہے)
کہ آخرت پر یقین نہ رکھنے والے ہی عذاب میں اور
دور کی گمراہی میں ہیں۔ ^(۶) (۸)

کیا پس وہ اپنے آگے پیچھے آسمان و زمین کو دیکھ نہیں رہے
ہیں؟ ^(۷) اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر

(۱) یہ اہل ایمان کے مقابلے میں منکرین آخرت کا قول ہے جو آپس میں انہوں نے ایک دوسرے سے کہا۔

(۲) اس سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ان کی طرف اللہ کے نبی بن کر آئے تھے۔

(۳) یعنی عجیب و غریب خبر، ناقابل فہم خبر۔

(۴) یعنی مرنے کے بعد جب تم مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے، تمہارا ظاہری وجود ناپید ہو جائے گا، تمہیں قبروں
سے دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور دوبارہ وہی شکل و صورت تمہیں عطا کر دی جائے گی جس میں تم پہلے تھے۔ یہ گفتگو انہوں
نے آپس میں استہزا اور مذاق کے طور پر کی۔

(۵) یعنی دو باتوں میں سے ایک بات تو ضرور ہے کہ یہ تھوٹ بول رہا ہے اور اللہ کی طرف سے وحی و رسالت کا
دعویٰ یہ اس کا اللہ پر افترا ہے۔ یا پھر اس کا دماغ چل گیا ہے اور دیوانگی میں ایسی باتیں کر رہا ہے جو غیر معقول ہیں۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا، بات اس طرح نہیں ہے، جس طرح یہ گمان کر رہے ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عقل و فہم اور
ادراک حقائق سے یہی لوگ قاصر ہیں، جس کی وجہ سے یہ آخرت پر ایمان لانے کے بجائے اس کا انکار کر رہے ہیں،
جس کا نتیجہ آخرت کا دائمی عذاب ہے اور یہ آج ایسی گمراہی میں مبتلا ہیں جو حق سے غایت درجہ دور ہے۔

(۷) یعنی اس پر غور نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ ان کی زجروں کو توجہ کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ آخرت کا یہ انکار، آسمان و زمین
کی پیدائش میں غور و فکر نہ کرنے کا نتیجہ ہے، ورنہ جو ذات آسمان جیسی چیز، جس کی بلندی اور وسعت ناقابل بیان ہے
اور زمین جیسی چیز، جس کا طول و عرض بھی ناقابل فہم ہے، پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے لیے اپنی ہی پیدا کردہ چیز کا دوبارہ پیدا
کرونا اور اسے دوبارہ اسی حالت میں لے آنا، جس میں وہ پہلے تھی، کیوں کر ناممکن ہے؟

مِنَ السَّمَاءِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۝

وَلَقَدْ أَنْبَأْ دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا يَجِبَالُ أَوْدٍ مَعَهُ وَالظُّلُمُ
وَالنَّالَةُ الْحَبِيدُ ۝

أَبِ اعْمَلْ سُبُغْتِ وَقَدْرِي الشَّرُّوْءَ عَمَلُوا صَالِحًا

آسمان کے ٹکڑے گر ادیں،^(۱) یقیناً اس میں پوری دلیل ہے
ہر اس بندے کے لیے جو (دل سے) متوجہ ہو۔ (۹)
اور ہم نے داود پر اپنا فضل کیا،^(۲) اے پہاڑو! اس کے ساتھ
رغبت سے تسبیح پڑھا کرو اور پرندوں کو بھی^(۳) (یہی حکم
ہے) اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کر دیا۔^(۴) (۱۰)
کہ تو پوری پوری زرہیں بنا^(۵) اور جوڑوں میں اندازہ
رکھ^(۶) تم سب نیک کام کیا کرو۔^(۷) (یقین مانو) کہ میں

(۱) یعنی یہ آیت دو باتوں پر مشتمل ہے، ایک اللہ کے کمال قدرت کا بیان جو ابھی مذکور ہوا، دوسری کفر کے لیے
تنبیہ و تہدید کہ جو اللہ آسمان و زمین کی تخلیق پر اس طرح قادر ہے کہ ان پر اور ان کے مابین ہر چیز پر اس کا تصرف
اور غلبہ ہے، وہ جب چاہے ان پر اپنا عذاب بھیج کر ان کو تباہ کر سکتا ہے۔ زمین میں دھنسا کر بھی، جس طرح قارون کو
دھنسا یا آسمان کے ٹکڑے گر کر، جس طرح اصحاب ادریک کو ہلاک کیا گیا۔

(۲) یعنی نبوت کے ساتھ بادشاہت اور کئی امتیازی خوبیوں سے نوازا۔

(۳) ان میں سے ایک حسن صوت کی نعمت تھی، جب وہ اللہ کی تسبیح پڑھتے تو پتھر کے ٹھوس پہاڑ بھی تسبیح خوانی میں مصروف ہو
جاتے، اڑتے پرندے فہر جاتے اور زمزمہ خواں ہو جاتے، اویہن کے معنی ہیں تسبیح دہراؤ۔ یعنی پہاڑوں اور پرندوں کو ہم نے
کہا، چنانچہ یہ بھی داود علیہ السلام کے ساتھ مصروف تسبیح ہو جاتے وَالطُّيْرُ كَاعْطَفُ يَاجْتَالُ کے محل پر ہے۔ اس لیے کہ جِبَالُ
نقدیر منصوب ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے نَادَيْنَا الْجِبَالَ وَالطُّيْرَ (ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو پکارا) یا پھر اس کا
عطف فصلاً پر ہے اور معنی ہوں گے وَسَخَّرْنَا لَهُ الطُّيْرَ (اور ہم نے پرندے ان کے تابع کر دیے)۔ (فتح القدیر)

(۴) یعنی لوہے کو آگ میں تپائے اور ہتھوڑی سے کوٹنے بغیر اسے موم، گوندھے ہوئے آٹے اور گیلی مٹی کی طرح
جس طرح چاہتے موڑ لیتے، بٹ لیتے اور جو چاہتے بنا لیتے۔

(۵) مَسَبَّغَاتٌ محذوف موصوف کی صفت ہے دُرُوءًا مَسَبَّغَاتٌ یعنی پوری لمبی زرہیں، جوڑنے والے کے پورے جسم
کو صحیح طریقے سے ڈھانک میں اور اسے دشمن کے وار سے محفوظ رکھیں۔

(۶) تاکہ چھوٹی بڑی نہ ہوں، یا سخت یا نرم نہ ہوں، یعنی کڑیوں کے جوڑنے میں کیل اتنے باریک نہ ہوں کہ جو حرکت
کرتے رہیں اور ان میں قرار و ثبات نہ آئے اور نہ اتنے موٹے ہوں کہ اسے توڑی ڈالیں یا جس سے حلقہ تنگ ہو
جائے اور اسے پہنا نہ جاسکے۔ یہ زرہ بانی کی صنعت کے بارے میں حضرت داود علیہ السلام کو ہدایات دی گئیں۔

(۷) یعنی ان نعمتوں کے بدلے میں عمل صالح کا اہتمام کرو تاکہ میرا عملی شکر بھی ہوتا رہے اس سے معصوم ہوا کہ جس

إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ①

وَلَسَلِمْنَ النَّبِيُّ عَنْ ذَٰهَا شَهْرٍ وَذَٰهَا شَهْرٌ وَاسْتَغَالَه
عَيْنُ الْفُطْرِ وَمِنْ الْيَمِينِ مَنْ يَكْمُلُ سِتْرَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَمَنْ
يُزِغْ مِنْهُ عَنْ أَمْرٍ نَّائِلًا فَهُوَ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ②

يَعْمَلُونَ لَهُ نَايِلًا مِّنْ عَذَابٍ مُّتَتَابٍ وَتَمَّيَّلَ وَجْهُكَ بِالْجَوَابِ
وَقَدْ ذَرَيْتَ لِتِلْكَ الْغُلَّ الْأَمْلَاقِ دَاوُدَ شُكْرًا وَقَبْلَهُ مَبْنُوعًا

تمہارے اعمال دیکھ رہا ہوں۔ (۱)

اور ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا کہ صبح کی منزل اس کی مہینہ بھر کی ہوتی تھی اور شام کی منزل بھی (۱) اور ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا۔ (۲) اور اس کے رب کے حکم سے بعض جنات اس کی ماتحتی میں اس کے سامنے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو بھی ہمارے حکم سے سر تابی کرے ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ (۳) (۱۲)

جو کچھ سلیمان چاہتے وہ جنات تیار کر دیتے مثلاً قلعے اور مجسمے اور حوضوں کے برابر لگن اور چولہوں پر جمی ہوئی مضبوط دنگیں، (۳) اے آل داود اس کے شکریہ میں نیک

کو اللہ تعالیٰ دنیوی نعمتوں سے سرفراز فرمائے، اے اسی حساب سے اللہ کا شکر بھی ادا کرنا چاہیے اور شکر میں بنیادی چیز یہی ہے کہ منعم کو راضی رکھنے کی بھرپور سعی کی جائے یعنی اس کی اطاعت کی جائے۔ اور نافرمانی سے بچا جائے۔

(۱) یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام مع اعیان سلطنت اور لشکر، تخت پر بیٹھ جاتے، اور جدھر آپ کا حکم ہوتا ہوا میں اسے اتنی رفتار سے لے جاتیں کہ ایک مہینے جتنی مسافت، صبح سے دوپہر تک کی ایک منزل میں طے ہو جاتی اور پھر سی طرح دوپہر سے رات تک، ایک مہینے جتنی مسافت طے ہو جاتی۔ اس طرح ایک دن میں دو مہینوں کی مسافت طے ہو جاتی۔

(۲) یعنی جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا گیا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تانبے کا چشمہ ہم نے جاری کر دیا تاکہ تانبے کی دھات سے وہ جو چاہیں بنائیں۔

(۳) اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سزا قیامت والے دن دی جائے گی۔ لیکن بعض کے نزدیک یہ دنیوی سزا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر فرما دیا تھا جس کے ہاتھ میں آگ کا سونٹا ہوتا تھا، جو جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سر تابی کرتا، فرشتہ وہ سونٹا اسے مارتا، جس سے وہ جل کر بھسم ہو جاتا (فتح القدیر)

(۴) متحارب، مسخواب کی جمع ہے، بلند جگہ یا اچھی عمارت، مطلب ہے بلند محلات، عالی شان عمارتیں یا مساجد و معابد، تمثال کی جمع ہے، تصویر۔ یہ تصویریں غیر حیوان چیزوں کی ہوتی تھیں، بعض کہتے ہیں کہ انبیاء و صحابہ کی تصویر مسجودوں میں بنائی جاتی تھیں تاکہ انہیں دیکھ کر لوگ بھی عبادت کریں۔ یہ معنی اس صورت میں صحیح ہے جب تسلیم کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تصویر سازی کی اجازت تھی جو صحیح نہیں۔ تاہم اسد میں تو

عِبَادِي السُّكُورُ ①

عمل کرو، میرے بندوں میں سے شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں۔ (۱۳)

پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم بھیج دیا تو ان کی خبر جنات کو کسی نے نہ دی سوائے گھن کے کیڑے کے جو ان کی عصا کو کھا رہا تھا۔ پس جب (سلیمان) گر پڑے اس وقت جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔^(۱۳)

قوم سبا کے لیے اپنی بستیوں میں (قدرت الہی کی) نشانی تھی^(۱۴) ان کے دائیں بائیں دو باغ تھے^(۱۵) (ہم نے ان

فَمَا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنَّ أَنْ تَكُنُوا يُعَلِّمُونَ الْقَيْبَ مَا إِلَيْنَا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ②

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ جَنَّتَيْنِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ

نہایت سختی کے ساتھ اس کی ممانعت ہے۔ جَفَانٌ، جَفَنَةٌ کی جمع ہے، لکن جَوَاب، جَابَةٌ کی جمع ہے، حوض، جس میں پانی جمع کیا جاتا ہے۔ یعنی حوض جتنے بڑے بڑے لکن، قُدُور و بکریں، زَابِیَاتٌ جمی ہوئیں۔ کہ جاتا ہے کہ یہ دیکھیں پہاڑوں کو تراش کر بنا لی جاتی تھیں۔ جنہیں ظاہر ہے اٹھا کر ادھر ادھر نہیں لے جایا جاسکتا تھا، اس میں بیک وقت ہزاروں افراد کا کھانا پک جاتا تھا۔ یہ سارے کام جنات کرتے تھے۔

(۱) حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جنات کے بارے میں مشہور ہو گیا تھا کہ یہ غیب کی باتیں جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے ذریعے سے اس عقیدے کے فساد کو واضح کر دیا۔

(۲) سَبَّأ وہی قوم تھی، جس کی ملکہ سبا مشہور ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں مسلمان ہو گئی تھی۔ قوم ہی کے نام پر ملک کا نام بھی سبأ تھا، آج کل یمن کے نام سے یہ علاقہ معروف ہے۔ یہ بڑا خوش حال ملک تھا، یہ ملک بری و بحری تجارت میں بھی ممتاز تھا اور زراعت و باغبانی میں بھی نمایاں۔ اور یہ دونوں ہی چیزیں کسی ملک اور قوم کی خوش حالی کا باعث ہوتی ہیں۔ اسی دل و دولت کی فراوانی کو یہاں قدرت الہی کی نشانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۳) کہتے ہیں کہ شر کے دونوں طرف پہاڑ تھے، جن سے چشموں اور نالوں کا پانی بہہ بہہ کر شر میں آتا تھا، ان کے حکمرانوں نے پہاڑوں کے درمیان پٹھے تعمیر کرا دیئے اور ان کے ساتھ باغات لگا دیئے گئے، جس سے پانی کا رخ بھی متعین ہو گیا اور باغوں کو بھی سیرابی کا ایک قدرتی ذریعہ میسر آیا، انہی باغات کو، دائیں بائیں دو باغوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں، حَشْتِیْن سے دو باغ نہیں، بلکہ دائیں بائیں کی دو جہتیں مراد ہیں اور مطلب باغوں کی کثرت ہے کہ جدھر نظر اٹھ کر دیکھیں، باغات، ہریالی اور شادابی ہی نظر آتی تھی۔ (فتح القدیر)

كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلَدًا طَيِّبَةً وَرَبِّ غَفُورٌ ①

کو حکم دیا تھا کہ اپنے رب کی دی ہوئی روزی کھاؤ^(۱) اور اس کا شکر ادا کرو،^(۲) یہ عمدہ شہر^(۳) اور وہ بخشنے والا رب ہے۔^(۴) (۱۵)

فَاَعْرِضُوا اَقْلَامَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبَلُ الْعَمْرِ وَبَدَلْنَا لَهُمْ جَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِ اُكْلٍ خَطِيطٍ ذَاتَيْنِ مِثْنٍ وَمِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ قَلِيلٌ ②

لیکن انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے ان پر زور کے سیلاب (کاپانی) بھیج دیا اور ہم نے ان کے (ہرے بھرے) باغوں کے بدلے دو (ایسے) باغ دیئے جو بد مزہ میوؤں والے اور (بکثرت) جھاڑ اور کچھ پیری کے درختوں والے تھے۔^(۵) (۱۶)

ذَلِكَ جَزَيْنَهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَقَدْ نَجَّيْنَا آلَ لُوطٍ ③

ہم نے ان کی ناشکری کا یہ بدلہ انہیں دیا۔ ہم (ایسی) سخت سزا بڑے بڑے ناشکروں ہی کو دیتے ہیں۔ (۱۷)

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم وَبَيْنَ الْقُرَى لَئِيْ بِرُكْنًا فَاِذَا نُفِیْ ظَاهِرَةٌ

اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی چند بستیاں اور (آباد) رکھی

(۱) یہ ان کے پیغمبروں کے ذریعے سے کہلوا یا گیا یا مطلب ان نعمتوں کا بیان ہے جن سے ان کو نوازا گیا تھا۔

(۲) یعنی منعم و محسن کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی سے اجتناب۔

(۳) یعنی باغوں کی کثرت اور پھلوں کی فراوانی کی وجہ سے یہ شہر عمدہ ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ دہوا کی عمدگی کی وجہ سے یہ شہر کھسی، پھر اور اس قسم کے دیگر موذی جانوروں سے بھی پاک تھا، واللہ اعلم۔

(۴) یعنی اگر تم رب کا شکر کرتے رہو گے تو وہ تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ انسان توبہ کرتے رہیں تو پھر گناہ ہلاکت عام اور سلب انعام کا سبب نہیں بنتے، بلکہ اللہ تعالیٰ غفور و درگزر سے کام لیتا ہے۔

(۵) یعنی انہوں نے پہاڑوں کے درمیان پٹھنے اور بند تعمیر کر کے پانی کی جو رکاوٹ کی تھی اور اسے زراعت و باغبانی کے کام میں لاتے تھے، ہم نے تند و تیز سیلاب کے ذریعے سے ان بندوں اور پٹھتوں کو توڑ ڈالا اور شاداب اور پھل دار باغوں کو ایسے باغوں سے بدل دیا جن میں صرف قدرتی جھاڑ جھنکاڑ ہوتے ہیں جن میں اول تو کوئی پھل لگتا ہی نہیں اور کسی میں لگتا بھی ہے تو سخت کڑوا، کیلا اور بد مزہ جنہیں کوئی کھائی نہیں سکتا۔ البتہ کچھ پیری کے درخت تھے جن میں بھی کائے زیادہ اور بیر کم تھے عَرْمَہ کی جمع ہے پشت یا بند۔ یعنی ایسا زور کاپانی بھیجا جس نے اس بند میں شگاف ڈال دیا اور پانی شہر میں بھی آگیا جس سے ان کے مکانات ڈوب گئے اور باغوں کو بھی اجاڑ کر ویران کر دیا یہ بند سد مارب کے نام سے مشہور ہے۔

وَقَدَرْنَا مَعَهَا شَيْئًا يَسْتَوِي وَافِيهَا لِيَالِي وَأَيَّامًا آمِنِينَ ۝

فَعَالُوا رَتْنَا بَعْدَ بَيْنٍ أَسْأَرْنَا وَطَمَنَّا أَنفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ
أَحَدِيَّةً وَتَرَفْنَاهُمْ كُلَّ مَرْجَفٍ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ
صَبَّارٍ سَكُونٍ ۝

تھیں جو ہر سر راہ ظاہر تھیں،^(۱) اور ان میں چلنے کی
منزلیں مقرر کر دی تھیں^(۲) ان میں راتوں اور دنوں کو بہ
امن و امان چلتے پھرتے رہو۔^(۳) (۱۸)

لیکن انہوں نے پھر کہا کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے
سفر دور و دراز کر دے^(۴) چونکہ خود انہوں نے اپنے
ہاتھوں اپنا برا کیا اس لیے ہم نے انہیں (گزشتہ) فسانوں
کی صورت میں کر دیا^(۵) اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا
دیئے،^(۶) بلاشبہ ہر ایک صبر و شکر کرنے والے کے لیے

(۱) برکت والی بستیوں سے مراد شام کی بستیاں ہیں۔ یعنی ہم نے ملک سبا (یمن) اور شام کے درمیان لب سڑک بستیاں
آباد کی ہوئی تھیں، بعض نے طَافِرَاتِ کے معنی مَتَوَاصِلَاتِ، ایک دوسرے سے پیوست اور مسلسل کے کیے ہیں۔ مفسرین
نے ان بستیوں کی تعداد ۴ ہزار سات سو بتلائی ہے۔ یہ ان کی تجارتی شاہراہ تھی جو مسلسل آباد تھی، جس کی وجہ سے ایک
توان کے کھانے پینے اور آرام کرنے کے لیے زاد راہ ساتھ لینے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ دوسرے، ویرانی کی وجہ
سے لوٹ مار اور قتل و غارت کا جو اندیشہ ہوتا ہے، وہ نہیں ہوتا تھا۔

(۲) یعنی ایک آبادی سے دوسری آبادی کا فاصلہ متعین اور معلوم تھا، اور اس کے حساب سے وہ بہ آسانی اپنا سفر طے کر
لیتے تھے۔ مثلاً صبح سفر کا آغاز کرتے تو دوپہر تک کسی آبادی اور قریبے تک پہنچ جاتے، وہاں کھاپی کر قیلولہ کرتے اور پھر
سرگرم سفر ہو جاتے تو رات کو کسی آبادی میں جا پہنچتے۔

(۳) یہ ہر قسم کے خطرے سے محفوظ اور زاد راہ کی مشقت سے بے نیاز ہونے کا بیان ہے کہ رات اور دن کی جس گھڑی
میں تم سفر کرنا چاہو، کرو، نہ جان و مال کا کوئی اندیشہ نہ راستے کے لیے سلمان سفر ساتھ لینے کی ضرورت۔

(۴) یعنی جس طرح لوگ سفر کی صعوبتوں، خطرات اور موسم کی شدتوں کا تذکرہ کرتے ہیں، ہمارے سفر بھی اسی طرح دور دور
کر دے، مسلسل آبادیوں کے بجائے درمیان میں سنان و ویران جنگلات اور صحراؤں سے ہمیں گزرنا پڑے، گرمیوں میں
دھوپ کی شدت اور سردیوں میں بخار ہو، ہمیں پریشان کریں اور راستے میں بھوک اور پیاس اور موسم کی سختیوں سے
بچنے کے لیے ہمیں زاد راہ کا بھی انتظام کرنا پڑے۔ ان کی یہ دعا اسی طرح کی ہے، جیسے بنی اسرائیل نے من و سوئی اور دیگر
سہولتوں کے مقابلے میں دایوں اور سبزیوں وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا۔ یا پھر زبان حال سے ان کی یہ دعا تھی

(۵) یعنی انہیں اس طرح ناپید کیا کہ ان کی ہلاکت کا قصہ زبان زد خلافت ہو گیا۔ اور مجلسوں اور محفلوں کا موضوع گفتگو بن گیا۔

(۶) یعنی انہیں متفرق اور منتشر کر دیا، چنانچہ سبا میں آباد مشہور قبیلے مختلف جگہوں پر جا آباد ہوئے، کوئی یرثہ و مکہ آگیا،

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ فِتْنَتَهُ فَاسْمِعُوا لَكُمْ آيَاتِنَا
مِنْ سُورَتَيْنِ ①

وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا لَنَعْلَمَنَّ يَوْمًا
بِالْآخِرَةِ وَمَنْ هُوَ بِمَا فِي سِتْرٍ وَرَبُّكَ عَلَى كُلِّ
شَيْءٍ حَفِيفٌ ②

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ لَا يَسْمَعُونَ دُعَاءَكُمْ
ذُرِّيَّةٌ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكَاءٍ
وَمَا لَهُمْ مِنْهُمْ مِنْ ظَالِمِينَ ③

وَلَا تَسْفَحْ الشَّعَاءَ عِنْدَ الْإِلَهِينَ أَذِنَ لَهُ حَقٌّ إِذَا فُتِنَ
عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقُّ وَهُوَ الْعَلِيُّ

اس (ماجرے) میں بہت سی عبرتیں ہیں۔ (۱۹)

اور شیطان نے ان کے بارے میں اپنا گمان سچا کر دکھایا یہ
لوگ سب کے سب اس کے تابعدار بن گئے سوائے
مومنوں کی ایک جماعت کے۔ (۲۰)

شیطان کا ان پر کوئی زور (اور دباؤ) نہ تھا مگر اس لیے کہ
ہم ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ظاہر کر دیں
ان لوگوں میں سے جو اس سے شک میں ہیں۔ اور آپ کا
رب (ہر) چیز پر تمکبان ہے۔ (۲۱)

کہہ دیجئے: کہ اللہ کے سوا جن جن کا تمہیں گمان ہے
(سب) کو پکار لو^(۱) نہ ان میں سے کسی کو آسمانوں اور
زمینوں میں سے ایک ذرہ کا اختیار ہے^(۲) نہ ان کا ان
میں کوئی حصہ ہے^(۳) نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار
ہے۔^(۴) (۲۲)

شفاعت (سفارش) بھی اس کے پاس کچھ نفع نہیں دیتی
بجز ان کے جن کے لیے اجازت ہو جائے۔^(۵) یہاں تک
کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے

کوئی شام کے علاقے میں چلا گیا کوئی کہیں اور کوئی کہیں۔

(۱) یعنی معبود ہونے کا۔ یہاں زَعَمْتُمْ کے دو مفعول محذوف ہیں۔ زَعَمْتُمُوهُمْ إِلَهَةً، یعنی جن جن کو تم معبود گمان
کرتے ہو۔

(۲) یعنی انہیں نہ خبر پر کوئی اختیار ہے نہ شر۔ کسی کو فائدہ پہنچانے کی قدرت ہے، نہ نقصان سے بچانے کی۔ آسمان و
زمین کا ذکر عموم کے لیے ہے، کیوں کہ تمام خارجی موجودات کے لیے یہی طرف ہیں۔

(۳) نہ پیدائش میں نہ ملکیت میں اور نہ تصرف میں۔

(۴) جو کسی معاملے میں بھی اللہ کی مدد کرتا ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی بلا شرکت غیرے تمام اختیارات کا مالک ہے اور کسی کے
تعاون کے بغیر ہی سارے کام کرتا ہے۔

(۵) ”جن کے لیے اجازت ہو جائے“ کا مطلب ہے انبیاء اور ملائکہ وغیرہ یعنی یہی سفارش کر سکیں گے، کوئی اور نہیں۔
اس لیے کہ کسی اور کی سفارش فائدے مند ہی ہوگی، نہ انہیں اجازت ہی ہوگی۔ دوسرا مطلب ہے، مستحقین شفاعت۔

لَكِبْرٌ ③

تو پوچھتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا ^(۱) اور وہ بلند وبالا اور بہت بڑا ہے۔ (۲۳)

پوچھتے کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی کون پہنچاتا ہے؟ (خود) جواب دیجئے! کہ اللہ تعالیٰ۔ (سنو) ہم یا تم۔ یا تو یقیناً ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں؟ ^(۲) (۲۴)

کہہ دیجئے! کہ ہمارے کیے ہوئے گنہوں کی بابت تم سے کوئی سوال نہ کیا جائے گا نہ تمہارے اعمال کی باز پرس ہم سے کی جائے گی۔ (۲۵)

انہیں خبر دے دیجئے کہ ہم سب کو ہمارا رب جمع کر کے پھر ہم میں بچے فیصلے کر دے گا۔ ^(۳) وہ فیصلے چکانے والا

قُلْ مَنْ يَرْفَعُكُمْ مِنَ التُّمُوتِ وَيَرْزُقُكُمْ قَبْلَ اللّٰهِ وَرَاقًا لَّيَالِكُمْ
لَعَلَّ هُدًى آؤْفَىٰ ضَلِيلٍ مُّبِينٍ ④

قُلْ لَا تَسْتَفْتُونَنَا أَعْمَاءُ وَلَا نَسْلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ ⑤

قُلْ يَحْيٰى بَيْنَنَا رَبَّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا الْحَقُّ وَهُوَ الْعَاقِبَةُ الْعَلِيَّةُ ⑥

یعنی انبیاء علیہم السلام و ملائکہ اور صالحین صرف انہی کے حق میں سفارش کر سکیں گے جو مستحقین شفاعت ہوں گے کیوں کہ اللہ کی طرف سے انہی کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی کسی اور کے لیے نہیں۔ (فتح القدیر) مطلب یہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام، ملائکہ اور صالحین کے علاوہ وہاں کوئی سفارش نہیں کر سکے گا اور یہ حضرات بھی سفارش اہل ایمان گنہ گاروں کے لیے ہی کر سکیں گے کافر و مشرک اور اللہ کے باغیوں کے لیے نہیں۔ قرآن کریم نے دوسرے مقام پر ان دونوں نکتوں کی وضاحت فرمادی ہے۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ رَبِّهِ إِلَّا ذُو الْإِذْنِ﴾ (البقرة: ۲۵۵) اور ﴿وَلَا يَنْفَعُونَ إِلَّا

بِمَنْ أَرْزُقُ﴾ (الانبیاء: ۲۸)

(۱) اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ ابن جریر اور ابن کثیر نے حدیث کی روشنی میں اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کی بابت کلام (وحی) فرماتا ہے تو آسمان پر موجود فرشتے ہیبت اور خوف سے کانپ اٹھتے ہیں اور ان پر بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ہوش آنے پر وہ پوچھتے ہیں تو عرش برودار فرشتے دوسرے فرشتوں کو اور وہ اپنے سے نیچے والے فرشتوں کو بتلاتے ہیں اور اس طرح خبر پہلے آسمان کے فرشتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ (ابن کثیر) فرغ میں سلب مآخذ ہے یعنی جب گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے۔

(۲) ظاہر بات ہے گمراہی پر وہی ہو گا جو ایسی چیزوں کو معبود سمجھتا ہے جن کا آسمان و زمین سے روزی پہنچانے میں کوئی حصہ نہیں ہے نہ وہ بارش برسا سکتے ہیں نہ کچھ اگا سکتے ہیں۔ اس لیے حق پر یقیناً اہل توحید ہی ہیں نہ کہ دونوں

(۳) یعنی اس کے مطابق جزا دے گا، نیکوں کو جنت میں اور بدوں کو جہنم میں داخل فرمائے گا

ہے اور دانا۔ (۲۶)

کہہ دیجئے! کہ اچھا مجھے بھی تو انہیں دکھ دو جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہرا کر اس کے ساتھ ملا رہے ہو! ایسا ہرگز نہیں،^(۱) بلکہ وہی اللہ ہے غالب با حکمت۔ (۲۷)

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ہاں مگر (یہ صحیح ہے) کہ لوگوں کی اکثریت بے علم ہے۔^(۲) (۲۸)

پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ ہے کب؟ سچے ہو تو بتا دو۔^(۳) (۲۹)

قُلْ أَرَأَيْتُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا سُرُكًا مِّثْلًا لِّبَنِي هَٰؤُلَاءِ
الْعَرَبِ الْأَعْيُنِ ۖ

وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَّا قَا۟لَةً لِّلنَّاسِ بِشَيْءٍ مُّذُنُو۟ا لَهُۥ لَٰكِنَ الَّذِیۡلَیۡنَ
لَا یَعْلَمُوۡنَ ۝

وَيَقُولُوۡنَ مَتٰی هَٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیۡنَ ۝

(۱) یعنی اس کا کوئی نظیر ہے نہ ہم سر' بلکہ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے ہر کام اور قول میں حکمت ہے۔

(۲) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عامہ کا بیان فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کو پوری نسل انسانیت کا ہادی اور رہنما بنا کر بھیجا گیا ہے۔ دوسرا' یہ بیان فرمایا کہ اکثر لوگ آپ ﷺ کی خواہش اور کوشش کے باوجود ایمان سے محروم رہیں گے۔ ان دونوں باتوں کی وضاحت اور بھی دوسرے مقامات پر فرمائی ہے۔ مثلاً آپ ﷺ کی رسالت کے ضمن میں فرمایا: ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾، (الأعراف ۱۵۸) ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیۡ رَزَقَ النَّاسَ ظِلًّا مِّنۡ سَحَابٍ مِّثْلَ شَذُوۡدٍ ۚ یُنۡزِلُ مِّنۡ سَحَابٍ مِّثْلَ شَذُوۡدٍ ۚ یُنۡزِلُ مِّنۡ سَحَابٍ مِّثْلَ شَذُوۡدٍ ۚ یُنۡزِلُ مِّنۡ سَحَابٍ مِّثْلَ شَذُوۡدٍ ۚ﴾ (سورۃ العنکبوت ۱۵) ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ۱۔ مبینے کی مسافت پر دشمن کے دل میں میری دھاک بٹھانے سے میری مدد فرمائی گئی ہے۔ ۲۔ تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور پاک ہے، جہاں بھی نماز کا وقت آجائے، میری امت وہاں نماز ادا کر دے۔ ۳۔ مال غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا، جو مجھ سے قبل کسی کے لیے حرام نہیں تھا۔ ۴۔ مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔ ۵۔ پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، مجھے کائنات کے تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب النعم، صحیح مسلم، کتاب المساجد ایک اور حدیث میں فرمایا: بُعِثْتُ اِلَیَّ الْاَخْمَرُ وَالْاَسْوَدُ (صحیح مسلم، کتاب المساجد، احمد و اسود سے مراد بعض نے جن وانس اور بعض نے عرب و عجم لیے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: ”دونوں ہی معنی صحیح ہیں۔ اسی طرح اکثریت کی بے علمی اور گمراہی کی وضاحت فرمائی۔ ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا اِلَّا قَا۟لَةً لِّلنَّاسِ وَلَوْ تَرَضْتَ تَطَوُّعًا﴾ (سورۃ ہود ۱۰۳) ”آپ ﷺ کی خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے“ ﴿وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یُصَلِّیۡ عَلٰی سَبِّیۡلِ اللّٰهِ﴾ (سورۃ الأنعام ۱۶) ”اگر آپ اہل زمین کی اکثریت کے پیچھے چلیں گے تو وہ آپ کو گمراہ کر دیں گے“ جس کا مطلب یہی ہوا کہ اکثریت گمراہوں کی ہے۔ (۳) یہ بطور استہزا کے پوچھتے تھے، کیوں کہ اس کا وقوع ان کے نزدیک مستبعد اور ناممکن تھا۔

مَنْ لَكُمْ مِيعَادُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْذِنُونَ عَنْهُ سَاعَةً
وَلَا تَسْتَعِدُّونَ ۝

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِمَنْ يُؤْمِنُ بِهَذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي
بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُنْفِخُهُمْ
بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ يَقُولُ الْكَافِرُ الْكَافِرُ اتَّصِفُوا بِالَّذِينَ
اسْتَكْبَرُوا وَلَا أَنْتُمْ لَكُمُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بِالَّذِينَ اسْتَصِفُوا أَنْتُمْ صَدَقْتُمْ عَنِ
الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَ الْكُرْبَلُ لَكُمْ مُجْرِمِينَ ۝

جواب دیجئے کہ وعدے کا دن ٹھیک معین ہے جس
سے ایک ساعت نہ تم پیچھے ہٹ سکتے ہو نہ آگے
بڑھ سکتے ہو۔^(۱) (۳۰)

اور کافروں نے کہا کہ ہم ہرگز نہ تو اس قرآن کو مانیں نہ
اس سے پہلے کی کتابوں کو! ^(۲) اے دیکھنے والے کاش کہ
تو ان ظالموں کو اس وقت دیکھتا جبکہ یہ اپنے رب کے
سامنے کھڑے ہوئے ایک دوسرے کو الزام دے رہے
ہوں گے ^(۳) کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے ^(۴)
اگر تم نہ ہوتے تو ہم تو مومن ہوتے۔ ^(۵) (۳۱)

یہ بڑے لوگ ان کمزوروں کو جواب دیں گے کہ کیا
تمہارے پاس ہدایت آچکنے کے بعد ہم نے تمہیں اس
سے روکا تھا؟ (نہیں) بلکہ تم (خود) ہی مجرم تھے۔ ^(۶) (۳۲)

(۱) یعنی اللہ نے قیامت کا ایک دن مقرر کر رکھا ہے جس کا علم صرف اسی کو ہے، تاہم جب وہ وقت موعود آجائے گا تو
ایک ساعت بھی آگے پیچھے نہیں ہو گا۔ ﴿إِنْ أَجَلُ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ﴾ (سورہ ۳)

(۲) جیسے تورات، زبور اور انجیل وغیرہ، بعض نے بَیِّنَ یَدَیْہِ سے مراد دارِ آخرت لیا ہے۔ اس میں کافروں کے عناد و
طغیان کا بیان ہے کہ وہ تمام تر دلائل کے باوجود قرآن کریم اور دارِ آخرت پر ایمان لانے سے گریزاں ہیں۔

(۳) یعنی دنیا میں یہ کفر و شرک میں ایک دوسرے کے ساتھی اور اس ناپٹے سے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے
تھے، لیکن آخرت میں یہ ایک دوسرے کے دشمن اور ایک دوسرے کو مورد الزام بنائیں گے۔

(۴) یعنی دنیا میں یہ لوگ جو سوچے سمجھے بغیر روش عام پر چلنے والے ہوتے ہیں، اپنے ان لیڈروں سے کہیں گے جن
کے وہ دنیا میں پیروکار بنے رہے تھے۔

(۵) یعنی تم ہی نے ہمیں پیغمبروں اور داعیانِ حق کے پیچھے چلنے سے روک رکھا تھا، اگر تم اس طرح نہ کرتے تو ہم یقیناً
ایمان والے ہوتے۔

(۶) یعنی ہمارے پاس کون سی طاقت تھی کہ ہم تمہیں ہدایت کے راستے سے روکتے، تم نے خود ہی اس پر غور نہیں کیا
اور اپنی خواہشات کی وجہ سے ہی اسے قبول کرنے سے گریزاں رہے، اور آج مجرم ہمیں بنا رہے ہو؟ حالانکہ سب کچھ
تم نے خود ہی اپنی مرضی سے کیا، اس لیے مجرم بھی تم خود ہی ہو نہ کہ ہم۔

وَقَالَ الَّذِينَ اسْتَضَعُوا الْيَهُودَ اسْتَكْبَرُوا بَيْنَ يَدَيْهِمْ
وَالْقَارِئَةُ تَأْمُرُ وَيُنَادِيَانِ لَكُمُ الْيَهُودُ لِيَكُونَ لَهُمْ عَذَابٌ
وَأَشْرُوا الثَّمَانَةَ لِيَأْخُذُوا الْعَذَابَ وَجَعَلْنَا الْأَقْلَقَ فِي
أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ يَعْبُرُونَ الْأَمَّا كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قُرْآنِهِ مِنْ تَنْذِيرٍ إِلَّا قُلُوبٌ مَقْرُونَةٌ ۝
أَنَّا نَخْبِرُ بِهِ كَيْفَ يُرْزَنُ ۝

(اس کے جواب میں) یہ کمزور لوگ ان تکبروں سے
کیسے گئے، (نہیں نہیں) بلکہ دن رات مکرو فریب سے
ہمیں اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کے شریک مقرر
کرنے کا تمہارا حکم دینا ہماری بے ایمانی کا باعث ہوا،^(۱)
اور عذاب کو دیکھتے ہی سب کے سب دل میں پشیمان ہو
رہے ہوں گے،^(۲) اور کافروں کی گردنوں میں ہم طوق
ڈال دیں گے،^(۳) انہیں صرف ان کے کیے کرائے اعمال
کا بدلہ دیا جائے گا۔^(۴) (۳۳)

اور ہم نے تو جس بستی میں جو بھی آگاہ کرنے والا بھیجا وہاں
کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ جس چیز کے ساتھ تم بھیجے
گئے ہو ہم اس کے ساتھ کفر کرنے^(۵) والے ہیں۔ (۳۳)

(۱) یعنی ہم مجرم تو تہ ہوتے، جب ہم اپنی مرضی سے پیغمبروں کی تکذیب کرتے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ تم رات دن
ہمیں گمراہ کرنے پر اور اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کا شریک ٹھہرانے پر آمادہ کرتے رہے، جس سے بالآخر ہم
تمہارے پیچھے لگ کر ایمان سے محروم رہے۔

(۲) یعنی ایک دوسرے پر الزام تراشی تو کریں گے لیکن دل میں دونوں ہی فریق اپنے اپنے کفر پر شرمندہ ہوں گے۔ لیکن
ثبات اعدا کی وجہ سے ظاہر کرنے سے گریز کریں گے۔

(۳) یعنی ایسی زنجیریں جو ان کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ باندھیں گی۔

(۴) یعنی دونوں کو ان کے عملوں کی سزا ملے گی، لیڈروں کو ان کے مطابق، اور ان کے پیچھے چلنے والوں کو ان کے
مطابق، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿يَكُلُّ ضَعْفٌ وَلَكِنْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ﴿الاعراف ۱۳۸﴾ یعنی ”ہر ایک کو دو گنا عذاب ہو گا“۔

(۵) یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کئے کے رؤساء اور چودھری آپ ﷺ پر ایمان نہیں لا
رہے ہیں اور آپ ﷺ کو ایذا نہیں پہنچا رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر دور کے اکثر خوش حال لوگوں نے
پیغمبروں کی تکذیب ہی کی ہے اور ہر پیغمبر پر ایمان لانے والے پہلے پہل معاشرے کے غریب اور نادار قسم کے لوگ ہی
ہوتے تھے۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے پیغمبر سے کہا: ﴿أَتُؤْمِنُ لَكَ وَأَتَّعِدُكَ الْأَرْضَ لَوْ أَنَّ لَكَ شَعْرًا ۝﴾

”کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں جب کہ تیرے پیروکار کہنے لوگ ہیں“ — ﴿وَمَا نَسْرُكَ إِلَّا الْيَهُودُ هُمْ أَرَادُوا لَنَا بَأْسًا
وَالْزُلْمًا﴾ ﴿ہود ۲۷﴾ دوسرے پیغمبروں کو بھی ان کی قوموں نے یہی کہا، ملاحظہ ہو سورۃ الاعراف ۷۵، الانعام ۵۳، ۱۳۳۔

وَقَالُوا عَنِ الْكُفْرَآئِمَا أَوْلَادُؤُمَا عَنِ بَعْضِهِمَا ۝

قُلْ إِنْ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

وَمَا أَمْوَالُ الْكُفْرِ وَلَا أَوْلَادُ الْكُفْرِ بِأَلَيْحٍ تُقَرَّبُ بَكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ
إِلَّا مَنَ أَمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا قَدْ لَبِثَ لَهُمْ جَزَاءُ الضَّعِيفِ
بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ ۝

اور کہا ہم مال و اولاد میں بہت بڑھے ہوئے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم عذاب دیئے جائیں۔^(۱) (۳۵)

کہہ دیجئے! کہ میرا رب جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی کر دیتا ہے،^(۲) لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۳۶)

اور تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ تمہیں ہمارے پاس (مرتبوں سے) قریب کر دیں^(۳) ہاں جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں^(۴) ان کے لیے ان کے اعمال کا دوہرا اجر ہے^(۵) اور وہ نذر و بے خوف ہو کر بالا خانوں میں رہیں گے۔ (۳۷)

سورۃ بنی اسرائیل ۱۶ اور غیرہا۔ مُتَّفَقُونَ کے معنی ہیں 'اصحاب ثروت و ریاست'۔

(۱) یعنی جب اللہ نے ہمیں دنیا میں مال و اولاد کی کثرت سے نوازا ہے تو قیامت بھی اگر برپا ہوئی تو ہمیں عذاب نہیں ہو گا۔ گویا انہوں نے دارِ آخرت کو بھی دنیا پر قیاس کیا کہ جس طرح دنیا میں کافرو مومن سب کو اللہ کی نعمتیں مل رہی ہیں آخرت میں بھی اسی طرح ہو گا، حالانکہ آخرت تو دارالجزا ہے وہاں تو دنیا میں کیے گئے عملوں کی جزا ملنی ہے، اچھے عملوں کی جزا اچھی اور برے عملوں کی بری۔ جب کہ دنیا دارالامتحان ہے، یہاں اللہ تعالیٰ بطور آزمائش سب کو دنیاوی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔ یا انہوں نے دنیاوی مال و اسباب کی فراوانی کو رضائے الہی کا مظہر سمجھا، حالانکہ ایسا بھی نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے فرماں بردار بندوں کو سب سے زیادہ مال و اولاد سے نوازتا۔

(۲) اس میں کفار کے مذکورہ مغالطے اور شبہے کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کی رضا یا عدم رضا کی مظہر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اللہ کی حکمت و مشیت سے ہے۔ اس لیے وہ مال اس کو بھی دیتا ہے جس کو وہ پسند کرتا ہے اور اس کو بھی جس کو ناپسند کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے غنی کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے فقیر رکھتا ہے۔

(۳) یعنی یہ مال اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ہمیں تم سے محبت ہے اور ہماری بارگاہ میں تمہیں خاص مقام حاصل ہے۔

(۴) یعنی ہماری محبت اور قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تو صرف ایمان اور عمل صالح ہے جس طرح حدیث میں فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہاری شکلیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے"۔ صحیح مسلم

کتاب البہار باب تحريم ظلم المسلم

(۵) بلکہ کئی کئی گنا، ایک نیکی کا اجر کم از کم دس گنا مزید سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک۔

وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آلِهَتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُخَصَّرُونَ ﴿۳۸﴾

اور جو لوگ ہماری آیتوں کے مقابلہ کی تنگ و دو میں لگے رہتے ہیں یہی ہیں جو عذاب میں پکڑ کر حاضر رکھے جائیں گے۔ (۳۸)

قُلْ إِنْ رِزْقِي يَسُطُّ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ وَمَا أَنْتُمْ بِمَنْ شَيْءٍ وَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ غَيْرُ الْمُتَغَيِّرِينَ ﴿۳۹﴾

کہہ دیجئے! کہ میرا رب اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دیتا^(۱) ہے، تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ اس کا (پورا پورا) بدلہ دے گا^(۲) اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔^(۳) (۳۹)

وَيَوْمَ يُنْفَخُ الْفُجُوعُ كَمَا يُنْفَخُ الْبُغْيُوتُ لِلنَّبِيِّ وَالْهَوَالَةِ إِنَّا كُنَّا أَنْتَ وَابْعَدُونَ ﴿۴۰﴾

اور ان سب کو اللہ اس دن جمع کر کے فرشتوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے۔^(۴) (۴۰)

(۱) پس وہ کبھی کافر کو بھی خوب مال دیتا ہے، لیکن کس لیے؟ استدراج کے طور پر، اور کبھی مومن کو تنگ دست رکھتا ہے، کس لیے؟ اس کے اجر و ثواب میں اضافے کے لیے۔ اس لیے مجرد مال کی فراوانی اس کی رضا کی اور اس کی کمی اس کی ناراضی کی دلیل نہیں ہے۔ یہ تکرار بطور تاکید کے ہے۔

(۲) إِنْخِلَافُ کے معنی ہیں 'عوض اور بدلہ دینا۔ یہ بدلہ دنیا میں بھی ممکن ہے اور آخرت میں تو یقینی ہے۔ حدیث قدسی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَنْفِقْ اَنْفِقْ عَلَيْكَ (صحیح بخاری، سورۃ ہود) 'تو خرچ کر' میں تجھ پر خرچ کروں گا' (یعنی بدلہ دوں گا) دو فرشتے ہر روز اعلان کرتے ہیں 'ایک کتا ہے' اللّٰهُمَّ! اَعْطِ مُنْسِكَ تَلَقًا (یا اللہ نہ خرچ کرنے والے کے مال کو ضائع کر دے) دو سرا کتا ہے 'اللّٰهُمَّ! اَعْطِ مُنْعِقًا حَلَفًا' (اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما)۔ (الصحیح بخاری، کتاب الرکۃ، باب 'فَمَا مِنْ اَعْطَى وَالْفَقْرُ')

(۳) کیونکہ ایک بندہ اگر کسی کو کچھ دیتا ہے تو اس کا یہ دینا اللہ تعالیٰ کی توفیق و تمیز اور اس کی تقدیر سے ہی ہے۔ حقیقت میں دینے والا اس کا رازق نہیں ہے، جس طرح بچوں کا باپ، بچوں کا 'یا بادشاہ اپنے شکر کا کفیل کہلاتا ہے حالانکہ امیر اور مامور بچے اور بڑے سب کا رازق حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب کا خالق بھی ہے۔ اس لیے جو شخص اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے کسی کو کچھ دیتا ہے تو وہ ایسے مال میں تصرف کرتا ہے جو اللہ ہی نے اسے دیا ہے، پس درحقیقت رازق بھی اللہ ہی ہوا۔ تاہم یہ اس کا مزید فضل و کرم ہے کہ اس کے دیئے ہوئے مال میں اس کی مرضی کے مطابق تصرف (خرچ کرنے) پر وہ اجر و ثواب بھی عطا فرماتا ہے۔

(۴) یہ مشرکین کو ذلیل و خوار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھے گا، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے

قَالُوا اسْمُكَ أَنْتَ وَيْلٌ مِّنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ
الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ يَعْبُدُ مُوَئِدًا ۝

قَالُوا لِمَ لَا تَمْلِكُ بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ تَفْعَلُونَ لَضُرًّا وَنَقُولُ
لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ۝

وَاذْأَسْأَلْ عَلَيْهِمْ أَيْنَمَا يَتَّبِعُ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا جُلُ
يُرِيدُ أَنْ يَمُدَّ كَرَمًا كَانَ يَعْبُدُ آبَاءَهُمْ وَقَالُوا مَا هَذَا

وہ کیسے گئے تیری ذات پاک ہے اور ہمارا ولی تو ہے نہ
کہ یہ ^(۱) بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے، ^(۲) ان
میں کے اکثر کا انہی پر ایمان تھا۔ (۳۱)

پس آج تم میں سے کوئی (بھی) کسی کے لیے (بھی) کسی قسم
کے (نفع نقصان کا مالک نہ ہو گا۔ ^(۳) اور ہم ظالموں ^(۴)
سے کہہ دیں گے کہ اس آگ کا عذاب چکھو جسے تم
جھٹلاتے رہے۔ (۳۲)

اور جب ان کے سامنے ہماری صاف صاف آیتیں پڑھی
جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ایسا شخص ہے ^(۵) جو تمہیں
تمہارے باپ دادا کے معبودوں سے روک دینا چاہتا ہے

میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بھی پوچھے گا "کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں (مریم) کو اللہ کے سوا
معبود بنا لینا؟" (المائدہ-۱۱۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے "یا اللہ تو پاک ہے، جس کا مجھے حق نہیں تھا وہ بات میں
کیوں کر کہہ سکتا تھا؟" اسی طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں سے بھی پوچھے گا جیسا کہ سورۃ الفرقان (آیت-۱۷) میں بھی گزرا۔ کہ
کیا یہ تمہارے کہنے پر تمہاری عبادت کرتے تھے؟

(۱) یعنی فرشتے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کر کے اظہار براءت کریں گے اور کہیں
گے کہ ہم تو تیرے بندے ہیں اور تو ہمارا ولی ہے ہمارا ان سے کیا تعلق؟

(۲) جن سے مراد شیاطین ہیں۔ یعنی یہ اصل میں شیطانوں کے بچاری ہیں کیونکہ وہی ان کو بتوں کی عبادت پر لگاتے اور
انہیں گمراہ کرتے تھے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿إِنَّ يَذَّخَّرُونَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ إِلَّا نَسَاءً وَلَئِنْ يَذَّخَّرُوا إِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيدًا﴾
(النساء-۱۱۷)

(۳) یعنی دنیا میں تم یہ سمجھ کر ان کی عبادت کرتے تھے کہ یہ تمہیں فائدہ پہنچائیں گے، تمہاری سفارش کریں گے اور
اللہ کے عذاب سے تمہیں نجات دلوائیں گے جیسے آج بھی پیر پرستوں اور قبر پرستوں کا حال ہے لیکن آج دیکھو کہ یہ
لوگ کسی بات پر قادر نہیں۔

(۴) ظالموں سے مراد غیر اللہ کے بچاری ہیں، کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے اور مشرکین سب سے بڑے ظالم۔

(۵) شخص سے مراد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ باپ دادا کا دین ان کے نزدیک صحیح تھا اس لیے انہوں نے آپ
سے شکایت نہ کی۔ یہ بیان کیا کہ یہ تمہیں ان معبودوں سے روکنا چاہتا ہے جن کی تمہارے آبا عبادت کرتے رہے۔

إِلَّا أَفْكَتُمْ تُفْتَرَىٰ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا
جَاءَهُمْ هَٰذَا إِلَّا صُورٌ مِّثْلُ ۝۳۰

وَمَا آتَيْنَاهُم مِّنْ كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ
مِنْ تَذَكُّرٍ ۝۳۱

وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ذُكِّرُوا بِمَا كَانُوا يُعْذَرُونَ
فَكَذَّبُوا رَسُولَ ۝۳۲ فَكَذَّبُوا رَسُولَ ۝۳۳ فَكَذَّبُوا رَسُولَ ۝۳۴

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۖ أَن تَقُومُوا لِلَّهِ مِثْلَ
وَفَرَادَىٰ تُسَبِّحُونَ ۖ تَتَذَكَّرُونَ ۖ وَأَسْأَلُكُمْ مِّنْ جَنَّةٍ
إِنْ هُوَ إِلَّا نَزْلٌ مِّنْ سَمَاءٍ مِّن دُونِ ۝۳۵

(اس کے سوا کوئی بات نہیں) اور کہتے ہیں کہ یہ تو گھڑا
ہوا جھوٹ ہے ^(۱) اور حق ان کے پاس آچکا پھر بھی کافر
یہی کہتے رہے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ ^(۲) (۳۳)

اور ان (کلمہ والوں) کو نہ تو ہم نے کتابیں دے رکھی ہیں
جنہیں یہ پڑھتے ہوں نہ ان کے پاس آپ سے پہلے کوئی
آگاہ کرنے والا آیا۔ ^(۳) (۳۴)

اور ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی ہماری باتوں کو جھٹلایا
تھا اور انہیں ہم نے جو دے رکھا تھا یہ تو اس کے دسویں
حصے کو بھی نہیں پہنچے پس انہوں نے میرے رسولوں کو
جھٹلایا (پھر دیکھ کہ) میرا عذاب کیسا (سخت) تھا۔ ^(۴) (۳۵)
کہہ دیجئے! کہ میں تمہیں صرف ایک ہی بات کی نصیحت
کرتا ہوں کہ تم اللہ کے واسطے (خدا چھوڑ کر) دودھل کر
یا تمنا تمنا کھڑے ہو کر سوچو تو سہی تمہارے اس رفیق کو
کوئی جنون نہیں ^(۵) وہ تو تمہیں ایک بڑے (سخت)

(۱) اس دوسرے ہذا سے مراد قرآن کریم ہے اسے انہوں نے تراشا ہوا ہستان یا گھڑا ہوا جھوٹ قرار دیا۔

(۲) قرآن کو پہلے گھڑا ہوا جھوٹ کہا اور یہاں کھلا جادو۔ پہلے کا تعلق قرآن کے مفہوم و مطالب سے ہے اور دوسرے کا
تعلق قرآن کے مجازانہ نظم و اسلوب اور اعجاز و بلاغت سے۔ (فتح القدیر)

(۳) اس پر وہ آرزو کرتے تھے کہ ان کے پاس بھی کوئی پیغمبر آئے اور کوئی صحیفہ آسمانی نازل ہو لیکن جب یہ چیزیں
آئیں تو انکار کر دیا۔

(۴) یہ کفار مکہ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم نے تکذیب و انکار کا جو راستہ اختیار کیا ہے وہ نہایت خطرناک ہے۔ تم
سے بچھلی امتیں بھی اس راستے پر چل کر تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔ حالانکہ یہ امتیں مال و دولت، قوت و طاقت اور عمروں
کے لحاظ سے تم سے بڑھ کر تھیں تم تو ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کے عذاب سے
نہیں بچ سکیں۔ اسی مضمون کو سورۃ احقاف کی آیت ۲۶ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

(۵) یعنی میں تمہیں تمہارے موجودہ طرز عمل سے ڈراتا اور ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ تم خدا اور
انانیت چھوڑ کر صرف اللہ کے لیے ایک ایک دودھ ہو کر میری بابت سوچو کہ میری زندگی تمہارے اندر گزری ہے اور

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنَّ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ
وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۴۶﴾

قُلْ إِنْ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَافَةَ الْغَيْبِ ﴿۴۷﴾

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِيُ الْبَاطِلُ وَمَأْوَعِيدٌ ﴿۴۸﴾

عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے۔ (۴۶)

کہہ دیجئے! کہ جو بدلہ میں تم سے مانگوں وہ تمہارے لیے ہے (۴۷) میرا بدلہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے ذمے ہے۔ وہ ہر چیز سے باخبر (اور مطلع) ہے۔ (۴۸)

کہہ دیجئے! کہ میرا رب حق (سچی وحی) نازل فرماتا ہے وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے۔ (۴۸) کہہ دیجئے! کہ حق آپ کا باطل نہ تو پہلے کچھ کر سکا ہے اور نہ کر سکے گا۔ (۴۹)

اب بھی جو دعوت میں تمہیں دے رہا ہوں کیا اس میں کوئی ایسی بات ہے کہ جس سے اس بات کی نشاندہی ہو کہ میرے اندر دیوانگی ہے؟ تم اگر مصیبت اور خواہش نفس سے بلا ہو کر سوچو گے تو یقیناً تم سمجھ جاؤ گے کہ تمہارے رفیق کے اندر کوئی دیوانگی نہیں ہے۔

(۱) یعنی وہ تو صرف تمہاری ہدایت کے لیے آیا ہے تاکہ تم اس عذاب شدید سے بچ جاؤ جو ہدایت کا راستہ نہ اپنانے کی وجہ سے تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور فرمایا ”یا صباہ“ جسے سن کر قریش جمع ہو گئے آپ ﷺ نے فرمایا ”ہلاؤ“ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ دشمن صبح یا شام کو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟“ انہوں نے کہا ”کیوں نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تو پھر سن لو کہ میں تمہیں سخت عذاب آنے سے پہلے ڈراتا ہوں“ یہ سن کر ابوسب نے کہا تَبَا لَكَ اَیْہَذَا جَمَعْتَنَا“ تیرے لیے ہلاکت ہو کیا اس لیے تو نے ہمیں جمع کیا تھا؟“ جس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ تَبَّتْ یَا اَیُّہَا لَقَب نازل فرمائی۔ صحیح بخاری، تفسیر سورہ صبا،

(۲) اس میں اپنی بے غرضی اور دنیا کے مال و متاع سے بے رغبتی کا مزید اظہار فرمادیا تاکہ ان کے دلوں میں گریہ شک و شبہ پیدا ہو کہ اس دعوائے نبوت سے اس کا مقصد کہیں دنیا کمانا تو نہیں تو وہ دور ہو جائے۔

(۳) قَذَفَ کے معنی ”تیر اندازی اور خشت باری کے بھی ہیں اور کلام کرنے کے بھی۔ یہاں اس کے دوسرے معنی ہی ہیں یعنی وہ حق کے ساتھ گفتگو فرماتا“ اپنے رسولوں پر وحی نازل فرماتا اور ان کے ذریعے سے لوگوں کے لیے حق واضح فرماتا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿يُلْقِي الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾ ﴿الْعُثْمَانُ ۵﴾ ”یعنی“ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے“ فرشتے کے ذریعے سے اپنی وحی سے نوازتا ہے۔“

(۴) حق سے مراد قرآن اور باطل سے مراد کفر و شرک ہے۔ مطلب ہے اللہ کی طرف سے اللہ کا دین اور اس کا قرآن

قُلْ إِنْ صَلَّيْتُ وَإِنَّمَا أَوَّلُ عَلَيَّ نَفْسِي وَإِنْ اهْتَدَيْتُ
فِيمَا تُحْيِي إِلَى رَبِّي إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ۝

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فُتِحُوا لِلْفُتُوتِ وَأُخِذُوا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝

وَقَالُوا اسْتَكْبَاهُ ۚ وَآلُ لَهُمُ التَّنَافُوسُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۝

کہہ دیجئے کہ اگر میں ہمک جوں تو میرے ہنسنے (کا وبال) مجھ پر ہی ہے اور اگر میں راہ ہدایت پر ہوں تو بہ سبب اس وحی کے جو میرا پروردگار مجھے کرتا^(۱) ہے وہ بڑا ہی سننے والا اور بہت ہی قریب ہے۔^(۲) (۵۰)

اور اگر آپ (وہ وقت) ملاحظہ کریں جبکہ یہ کفار گھبرائے پھرس گئے پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی^(۳) اور قریب کی جگہ سے گرفتار کر لیے جائیں گے۔ (۵۱)

اس وقت کہیں گے کہ ہم اس قرآن پر ایمان لائے لیکن اس قدر دور جگہ سے (مطلوبہ چیز) کیسے ہاتھ^(۴) آسکتی ہے۔ (۵۲)

آئیے، جس سے باطل مضل اور ختم ہو گیا ہے، اب وہ سرائمانے کے قابل نہیں رہا، جس طرح فرمایا ﴿بَلْ تَقْنُتُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ قَبْلَ مَعْنَاهُ لَا تَهْزَأُ مِنْهُ﴾ (سورۃ الانبیاء: ۱۸) حدیث میں آتا ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا، نبی ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، چاروں طرف بت نصب تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکان کی نوک سے ان بتوں کو دہرتے جاتے اور یہ آیت اور سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَفُتِحَ الْبَاطِلُ﴾ پڑھتے جاتے تھے۔ (اصحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب إزالة الأصنام من حول الكعبة)

(۱) یعنی بھلائی سب اللہ کی طرف سے ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو وحی اور حق مبین نازل فرمایا ہے، اس میں رشد و ہدایت ہے، صحیح راستہ لوگوں کو اسی سے ملتا ہے۔ پس جو گمراہ ہوتا ہے، تو اس میں انسان کی اپنی ہی کوتاہی اور ہوائے نفس کا دخل ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا وبال اس پر ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب کسی سائل کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ بیان فرماتے تو ساتھ کہتے، «أَقُولُ فِيهَا مَرَأَيْنِ، فَإِنْ يَكُنْ صَوَابًا فَمِنْ اللَّهِ، وَإِنْ يَكُنْ خَطَأً فَمِنِّْي وَمِنْ الشَّيْطَانِ، وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ بِرَبِّانٍ مِنْهُ» (ابن کثیر)

(۲) جس طرح حدیث میں فرمایا: «إِنَّمَا تَدْعُونَ صَبِيحًا قَرِيبًا مُجِيبًا» (بخاری، کتاب الدعاء، باب الدعاء إذا علا عقبه) ”تم ہماری اور غائب ذات کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا، قریب اور قبول کرنے والا ہے۔“

(۳) فَلَا فُتُوتَ کیسے بھاگ نہیں سکیں گے؟ کیونکہ وہ اللہ کی گرفت میں ہوں گے، یہ میدان محشر کا بیان ہے۔

(۴) تَنَافُوسُ کے معنی تادل یعنی پکڑنے کے ہیں یعنی اب آخرت میں انہیں ایمان کس طرح حاصل ہو سکتا ہے جب کہ دنیا میں اس سے گریز کرتے رہے گویا آخرت ایمان کے لیے، دنیا کے مقابلے میں دور کی جگہ ہے، جس طرح دور سے

وَقَدْ كَفَرَ اِبْرَاهِيْمَ مِنْ قَبْلُ وَفَعَلْنَا نُونًا بِالْعَبِيْبِ
مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ⑤

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمُ الْوَادِيْنَ مَآثِرَهُمْ كَمَا فَعَلْنَا بِآدَمَ مِنْ قَبْلُ
اِنَّهُمْ كَانُوْا شِقَاقَ فُرْقَانٍ ⑥

سُوْرَةُ فَاطِر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلَمْ نَكْنُزِلْهُ فَاِطْرَ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ جَاوِلَ السَّحَابِ نُسْلًا
اَوَّلٰى اَجْمَعَةٍ مَّثْنٰى وَكُنْتَ وَرَدُّهُ يَزِيْدُ فِى الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ اللّٰهُ

اس سے پہلے تو انہوں نے اس سے کفر کیا تھا اور دور
دراز سے بن دیکھے ہی پھینکتے رہے۔^(۱) (۵۳)
ان کی چاہتوں اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا^(۲)
جیسے کہ اس سے پہلے بھی ان جیسوں کے ساتھ کیا گیا^(۳)
وہ بھی (انہی کی طرح) شک و تردد میں (پڑے ہوئے)
تھے۔^(۴) (۵۴)

سورۃ فاطر کی ہے اور اس میں پینتالیس آیتیں ہیں اور
پانچ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نعمت رحم والا ہے۔

اس اللہ کے لیے تمام تعریفیں سزاوار ہیں جو (ابتداءً)
آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا^(۵) اور دو تین تین
چار چار پروں والے فرشتوں کو اپنا پیغمبر (قاصد) بنانے

کسی چیز کو پکڑنا ممکن نہیں، آخرت میں ایمان لانے کی گنجائش نہیں۔

(۱) یعنی اپنے گمان سے کہتے رہے کہ قیامت اور حساب کتاب نہیں۔ یا قرآن کے بارے میں کہتے رہے کہ یہ جادو، گھڑا
ہوا جھوٹ اور پہلوں کی کہانیاں ہیں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے رہے کہ یہ جادو گر ہے، کاہن ہے، شاعر
ہے یا مجنون ہے۔ جب کہ کسی بات کی بھی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں تھی۔

(۲) یعنی آخرت میں وہ چاہیں گے کہ ان کا ایمان قبول کر لیا جائے، عذاب سے ان کی نجات ہو جائے، لیکن ان کے
درمیان اور ان کی اس خواہش کے درمیان پردہ حائل کر دیا یعنی اس خواہش کو رد کر دیا جائے گا۔

(۳) یعنی پچھلی امتوں کا ایمان بھی اس وقت قبول نہیں کیا گیا جب وہ عذاب کے معانٹنے کے بعد ایمان لائیں۔

(۴) اس لیے اب معاند عذاب کے بعد ان کا ایمان بھی کس طرح قبول ہو سکتا ہے؟ حضرت قتادہ فرماتے ہیں ”رب و
شک سے بچو، جو شک کی حالت میں فوت ہو گا، اسی حالت میں اٹھے گا اور جو یقین پر مرے گا، قیامت والے دن یقین پر
ہی اٹھے گا۔“ (ابن کثیر)

(۵) فاطر کے معنی ہیں مخترع، پہلے پل ایجاد کرنے والا، یہ اشارہ ہے اللہ کی قدرت کی طرف کہ اس نے آسمان و زمین
پہلے پل بغیر نمونے کے بنائے، تو اس کے لیے دوبارہ انسانوں کو پیدا کرنا کون سا مشکل ہے؟

عَلَّيْكَ نَعْنِي قَدِيرٌ ①

مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكُ
فَلَا تُرْسِلُ لَهُ مِنْ بَدْنٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ②

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَلْقٍ عَمِلُوا
يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ قَالِي تَوْفَلُونَ ③

فَلَنْ يَبْكَدَ بُولُهُمْ هَذَا الَّذِي هُوَ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ قَالِي تَوْفَلُونَ
الْأَمْوَرُ ④

والا ہے،^(۱) مخلوق میں جو چاہے زیادتی کرتا ہے^(۲) اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔^(۱)

اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں^(۳) اور وہی غالب حکمت والا ہے۔^(۲)

لوگو! تم پر جو انعام اللہ تعالیٰ نے کیے ہیں انہیں یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا اور کوئی بھی خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے روزی پہنچائے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس تم کہاں لٹے جاؤ؟^(۴) (۳)

اور اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے کے تمام رسول بھی جھٹلائے جا چکے ہیں۔ تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔^(۵) (۴)

(۱) مراد جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل فرشتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ انبیاء کی طرف یا مختلف مہمات پر قاصد بنا کر بھیجتا ہے۔ ان میں سے کسی کے دو، کسی کے تین اور کسی کے چار پر ہیں جن کے ذریعے سے وہ زمین پر آتے اور زمین سے آسمان پر جاتے ہیں۔

(۲) یعنی بعض فرشتوں کے اس سے بھی زیادہ پر ہیں جیسے حدیث میں آتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے معراج کی رات جبرائیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھا اس کے چھ سو پرتھے (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ المسجم، باب فکان قاب قوسین أو أدنى) بعض نے اس کو عام رکھا ہے جس میں آنکھ، چہرہ، ناک اور منہ ہر چیز کا حسن داخل ہے۔

(۳) ان ہی نعمتوں میں سے ارسال و رسل اور انزال کتب بھی ہے۔ یعنی ہر چیز کا دینے والا بھی وہی ہے اور واپس لینے یا روک لینے والا بھی وہی۔ اس کے سوا نہ کوئی معنی اور منتعم ہے اور نہ مانع و قابض۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرہاد کرتے تھے۔ «اللَّهُمَّ! لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُنْعِلٍ لِمَا مَنَعْتَ»

(۴) یعنی اس بیان و وضاحت کے بعد بھی تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو؟ تَوْفَلُونَ اگر نعمت سے ہو تو معنی ہوں گے پھرنا، تم کہاں پھرے جاتے ہو؟ اور اگر إِنْكَ سے ہو تو معنی ہیں جھوٹ، جو سچ سے پھرنے کا نام ہے۔ مطلب ہے کہ تمہارے اندر توحید اور آخرت کا انکار کہاں سے آگیا جب کہ تم مانتے ہو کہ تمہارا خالق اور رازق اللہ ہے (فتح القدیر) (۵) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ آپ ﷺ کو جھٹلا کر یہ کہاں جائیں گے؟ بالآخر تمام معصیت کا فیصلہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ
الدُّنْيَا وَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْغُرُورُ ①

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوا لَهُ عَدُوًّا مُّخَالِفًا لِلَّذِينَ آمَنُوا
مِنَ الْأَحْزَابِ الشَّيْطَانُ ②

الَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ آمَنُوا ③ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الْصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ④

أَفَمَنْ يُؤْمِنُ لَهُ مِثْرَةٌ مِّمَّا يَمْلِكُ اللَّهُ يَخْتَارُ ⑤

لوگو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے ① تمہیں زندگی دنیا
دھوکے میں نہ ڈالے ② اور نہ دھوکے باز شیطان
تمہیں غفلت میں ڈالے۔ ③ ④

یاد رکھو! شیطان تمہارا دشمن ہے، تم اسے دشمن
جانو ⑤ وہ تو اپنے گروہ کو صرف اس لیے ہی بلاتا ہے کہ
وہ سب جہنم داخل ہو جائیں۔ ⑥

جو لوگ کافر ہوئے ان کے لیے سخت سزا ہے اور جو لوگ
ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان کے لیے بخشش ہے
اور (بہت) بڑا اجر ہے۔ ⑦ ⑧

کیا پس وہ شخص جس کے لیے اس کے برے اعمال مزین
کر دیئے گئے ہیں پس وہ انہیں اچھا سمجھتا ⑨ ہے (کیا وہ

تو ہمیں ہی کرتا ہے۔ جس طرح پچھلی امتوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا، تو انہیں سوائے بربادی کے کیا ملے؟ اس لیے یہ بھی
اگر باز نہ آئے، تو ان کو بھی ہلاک کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں ہے۔

(۱) کہ قیمت بڑھ ہوگی اور نیک و بد کو ان کے عملوں کی جزا و سزا دی جائے گی۔

(۲) یعنی آخرت کی ان نعمتوں سے غافل نہ کر دے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں اور رسولوں کے پیروکاروں کے
لیے تیار کر رکھی ہیں۔ پس اس دنیا کی عارضی لذتوں میں کھو کر آخرت کی دائمی راحتوں کو نظر انداز نہ کرو۔

(۳) یعنی اس کے داؤد اور فریب سے بچ کر رہو، اس لیے کہ وہ بہت دھوکے باز ہے اور اس کا مقصد ہی تمہیں دھوکے
میں جھلا کر رکھے اور رکھ کے جنت سے محروم کرنا ہے۔ یہی الفاظ سورہ لقمان ۳۳ میں بھی گزر چکے ہیں۔

(۴) یعنی اس سے سخت عداوت رکھو، اس کے دجل و فریب اور ہشکندوں سے بچو، جس طرح دشمن سے بچاؤ کے لیے
انسان کرتا ہے۔ دوسرے مقام پر اسی مضمون کو اس طرح ادا کیا گیا ہے۔ ﴿أَفَتَضْحَكُونَ وَلَوْ رَدُّنَا إِلَيْنَا آيَاتِنَا وَلَوْ كُنَّا آلِهَةً غَيْرُ اللَّهِ﴾

عَذَابُ يُخَسِّمُ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا ﴿٥٠﴾ ”کیا تم اس شیطان اور اس کی ذریت کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بناتے
ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لیے برابر ہے۔“

(۵) یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے دیگر مقالات کی طرح ایمان کے ساتھ، عمل صالح کو بیان کر کے اس کی اہمیت کو واضح کر دیا
ہے کہ اہل ایمان عمل صالح سے کسی وقت بھی غفلت نہ برتیں کہ مغفرت اور اجر کبیر کا وعدہ اس ایمان پر ہی ہے جس
کے ساتھ عمل صالح ہو گا۔

(۶) جس طرح کفار و فجار ہیں، وہ کفر و شرک اور فسق و فجور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں۔ پس ایسا

وَأَعْلَىٰ مَنْ يَشَاءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ لِّمَا يُصْنَعُونَ ﴿٥﴾

ہدایت یافتہ شخص جیسا ہے، (یقین مانو) کہ اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے راہ راست دکھاتا ہے۔^(۱)
پس آپ کو ان پر غم کھا کھا کر اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالنی چاہیے،^(۲) یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے یقیناً اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہے۔^(۳) (۸)

وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَثَوَّيرٌ مَّحَابِبًا فَتَنَّا إِلَىٰ بَلَدٍ مَّيْتَةٍ فَأَحْيَيْنَاهُ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ كَذَٰلِكَ النُّشُورُ ﴿٥﴾

اور اللہ ہی ہوا آئیں چلاتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر ہم بادلوں کو خشک زمین کی طرف لے جاتے ہیں اور اس سے اس زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح دوبارہ جی اٹھنا (بھی) ہے۔^(۴) (۹)

مَنْ كَانَ يُرِيدِ الْوَرَّةَ فَلْيَلْوَ الْوَرَّةَ جَمِيعًا ۚ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ

جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ ہی کی ساری عزت ہے،^(۵) تمام تر ستھرے کلمات اسی کی طرف چڑھتے

فحس، جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہو، اس کے بچاؤ کے لیے آپ کے پاس کوئی حیلہ ہے؟ یا یہ اس شخص کے برابر ہے جسے اللہ نے ہدایت سے نوازا ہے؟ جواب نفی میں ہی ہے، نہیں یقیناً نہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ اپنے بند کی رو سے اپنی سنت کے مطابق اس کو گمراہ کرتا ہے جو مسلسل اپنے کرتوتوں سے اپنے کو اس کا مستحق ٹھہرا چکا ہے اور ہدایت اپنے فضل و کرم سے اسے دیتا ہے جو اس کا طالب ہوتا ہے۔

(۲) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت پر اور علم تام پر مبنی ہے، اس لیے کسی کی گمراہی پر اتنا افسوس نہ کریں کہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال لیں۔

(۳) یعنی اس سے ان کا کوئی قول یا فعل مخفی نہیں، مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ان کے ساتھ معاملہ ایک علیم و خیر اور ایک حکیم کی طرح کا ہے۔ عام بادشاہوں کی طرح کا نہیں ہے جو اپنے اختیارات کا اہل شپ استعمال کرتے ہیں، کبھی سلام کرنے سے بھی ناراض ہو جاتے ہیں اور کبھی دشنام پر ہی غلحوں سے نواز دیتے ہیں۔

(۴) یعنی جس طرح بادلوں سے بارش برسا کر خشک (مردہ) زمین کو ہم شاداب (زندہ) کر دیتے ہیں، اسی طریقے سے قیامت والے دن تمام مردہ انسانوں کو بھی ہم زندہ کر دیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”انسان کا سارا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے، صرف ریزہ کی ہڈی کا ایک چھوٹا سا حصہ محفوظ رہتا ہے، اسی سے اس کی دوبارہ تخلیق و ترکیب ہوگی۔“ وَكُلُّ جَسَدٍ ابْنِ آدَمَ يَبْتَلَىٰ، إِلَّا عَجَبَ الدُّنْيَا، مِنْهُ خَلْقٌ، وَمِنْهُ يُرَكَّبُ، (البخاری، تفسیر سورۃ عم مسلم، کتاب العتن، باب ما بین الصفحین)

(۵) یعنی جو چاہتا ہے کہ اسے دنیا اور آخرت میں عزت ملے، تو وہ اللہ کی اطاعت کرے، اس سے اسے یہ مقصود حاصل

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ رِزْقُهُ وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّيَاطِ
لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَنْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْيَوُّرُ ۝

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا
وَمَا تَحْسِبُونَ مِنَ آتِيٍّ وَلَا نَقْصَةٍ إِلَّا يُبْلِيهِ وَيَا يَعْزُبُ عَنْهُمْ
وَلَا يَنْقُصُ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا يَشَاءُ إِنَّ الَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ لِلَّهِ عَمَلٌ غَبِيظٌ ۝

ہیں^(۱) اور نیک عمل ان کو بلند کرتا ہے،^(۲) جو لوگ برائیوں
کے داؤں گھات میں گئے رہتے ہیں^(۳) ان کے لیے سخت تر
عذاب ہے اور ان کا یہ مکر برباد ہو جائے گا۔^(۴) (۱۰)

لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا
ہے،^(۵) پھر تمہیں جوڑے جوڑے (مرد و عورت) بنا دیا
ہے، عورتوں کا حاملہ ہونا اور بچوں کا تولد ہونا سب اس
کے علم سے ہی ہے،^(۶) اور جو بڑی عمروال عمر دیا جائے

ہو جائے گا۔ اس لیے کہ دنیا و آخرت کا مالک اللہ ہی ہے، ساری عزتیں اسی کے پاس ہیں وہ جس کو عزت دے، وہی عزیز
ہو گا، جس کو وہ ذلیل کر دے، اسے دنیا کی کوئی طاقت عزت نہیں دے سکتی۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿الَّذِينَ يَقْنُتُونَ
الْكَرِيمَ يُؤْتِيهِمْ مِنْ دُونِ السُّؤْمَنِ الَّذِي يَنْتَعُونَ عَنْهُمْ الْوَيْلُ لِمَنْ يُعْرِضُ اللَّهُ عَنْهُمُ الْغِيَا﴾ (النساء: ۳۰)

(۱) الْكَلِمَةُ کی جمع ہے، سترے کلمات سے مراد اللہ کی تسبیح و تحمید، تلاوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔
چڑھتے ہیں کا مطلب، قبول کرنا ہے۔ یا فرشتوں کا انیس لے کر آسمانوں پر چڑھنا ہے تاکہ اللہ ان کی جزا دے۔

(۲) يَرْفَعُهُ میں ضمیر کا مرجع کون ہے؟ بعض کہتے الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ ہے۔ یعنی عمل صالح کلمات طیبات کو اللہ کی طرف
بند کرتا ہے۔ یعنی محض زبان سے اللہ کا ذکر (تسبیح و تحمید) کچھ نہیں، جب تک اس کے ساتھ عمل صالح یعنی احکام و
فرائض کی ادائیگی بھی نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں يَرْفَعُهُ میں فاعل کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ
عمل صالح کو کلمات طیبات پر بلند فرماتا ہے اس لیے کہ عمل صالح سے ہی اس بات کا تحقق ہوتا ہے کہ اس کا مرکب فی
اواقع اللہ کی تسبیح و تحمید میں مخلص ہے (فتح القدیر) گویا قول، عمل کے بغیر اللہ کے ہاں بے حیثیت ہے۔

(۳) خفیہ طریقے سے کسی کو نقصان پہنچانے کی تدبیر کو مکر کہتے ہیں کفر و شرک کا ارتکاب بھی مکر ہے کہ اس طرح اللہ
کے راستہ کو نقصان پہنچایا جاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قتل وغیرہ کی جو سازشیں کفار مکہ کرتے رہے، وہ بھی
مکر ہے، ریاکاری بھی مکر ہے۔ یہاں یہ لفظ عام ہے، مکر کی تمام صورتوں کو شامل ہے۔

(۴) یعنی ان کا مکر بھی برباد ہو گا اور اس کا وبال بھی انہی پر پڑے گا جو اس کا ارتکاب کرتے ہیں، جیسے فرمایا۔ ﴿وَلَا يَنْجِيهِ
الْمَكْرُ النَّصِيحُ إِلَّا بِأَهْلِهِ﴾ (فاطر: ۳۳)

(۵) یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور پھر اس کے بعد تمہاری نسل کو قائم رکھنے کے لیے انسان کی
تخلیق کو نطفہ سے وابستہ کر دیا، جو مرد کی پشت سے نکل کر عورت کے رحم میں جاتا ہے۔

(۶) یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں، حتیٰ کہ زمین پر گرنے والے پتے کو اور زمین کی تاریکیوں میں نشوونما پانے والے

اور جس کسی کی عمر گئے وہ سب کتاب میں لکھا ہوا ہے۔^(۱) اللہ تعالیٰ پر یہ بات بالکل آسان ہے۔ (۱۱)

اور برابر نہیں دو دریا یہ شٹھا ہے پیاس بجھانا پینے میں خوشگوار اور یہ دوسرا کھاری ہے کڑوا، تم ان دونوں میں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ زیورات نکالتے ہو جنہیں تم پہنتے ہو۔ اور آپ دیکھتے ہیں کہ بڑی بڑی کشتیاں پانی کو چیرنے پھاڑنے^(۲) والی ان دریاؤں میں ہیں تاکہ تم اس کا فضل ڈھونڈو اور تاکہ تم اس کا شکر کرو۔ (۱۲)

وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور آفتاب و ماہتاب کو اسی نے کام میں لگا دیا ہے۔ ہر ایک میعاد معین پر چل رہا ہے۔ یہی ہے اللہ^(۳) تم سب کا پانے والا اسی کی سلطنت ہے۔ جنہیں تم اس کے سوا پکار رہے ہو وہ تو کججوہر کی شمشلی کے چٹکے کے بھی مالک نہیں۔^(۴) (۱۳)

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَيْنِ لَئِنْ أَعْدَبْتُ فُورَاتٍ سَاءَ مَا يَحْكُمُهُ
وَهَذَا مِلَّةُ الْجَاهِلِينَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ لَّيْسَ لَهُمْ شُرَكَاءُ فِيهِمْ
يَحْيِيهِ تَنْفُسُهُمْ تَتَخَرَّى الْفُلُكُ فِيهِ مَوَاصِرَاجَتُهُمْ وَأَمِنْ
قَضَاهُ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١١﴾

يُوجِبُ الْيَلَّ فِي الْفَلَكِ وَيُوجِبُ الْفَلَكُ فِي الْيَلِّ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ كُلَّ يَوْمٍ فِي أَجَلٍ مُّسَمًّى ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ لَهُ الْمُلْكُ
وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْعٍ بِرَبِّهِمْ ﴿١٢﴾

بیج کو بھی وہ جانتا ہے۔ (الانعام-۵۹)

(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ عمر کی طوالت اور اس کی تقصیر (کم ہونا) اللہ کی تقدیر و قضا سے ہے۔ علوہ ازیں اس کے اسباب بھی ہیں جس سے عمر لمبی یا چھوٹی ہوتی ہے، طوالت کے اسباب میں صلہ رحمی وغیرہ ہے، جیسا کہ احادیث میں ہے اور تقصیر کے اسباب میں کثرت سے معاصی کا ارتکاب ہے۔ مثلاً کسی آدمی کی عمر ۷۰ سال ہے لیکن کبھی اسباب زیادت کی وجہ سے اللہ اس میں اضافہ فرما دیتا ہے اور کبھی اس میں کمی کر دیتا ہے جب وہ اسباب نقصان اختیار کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس نے لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ اس لیے عمر میں یہ کمی بیشی ﴿لَا تَلْمِزُوا أَهْلَهُمْ لَمْ يُسَأَلُوا عَنْ شَيْءٍ وَلَا يَتَّقُونَ﴾ کے منافی نہیں ہے اس کی تائید اللہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے ﴿يَعْلَمُ اللَّهُ مَا تَلْمِزُونَ وَمِنْكُمْ سَوَاحِقَ الْأَلَمِينَ﴾ (سورۃ الرعد-۳۰) جو چاہتا ہے، مٹاتا اور ثبت کرتا ہے اور اس کے پاس لوح محفوظ ہے۔ (فتح القدیر)

(۲) موائے وہ کشتیاں جو آتے جاتے پانی کو چیرتی ہوئی گزرتی ہیں، آیت میں بیان کردہ دوسری چیزوں کی وضاحت سورۃ افرقان میں گزر چکی ہے۔

(۳) یعنی مذکورہ تمام افعال کا فاعل ہے۔

(۴) یعنی اتنی حقیر چیز کے بھی مالک نہیں، نہ اسے پیدا کرنے پر ہی قادر ہیں۔ قطعیہ اس جملی کو کہتے ہیں جو کججوہر اور

لَنْ تَدْعُوهُمْ لَاسْتَعَاذَآءَ لَكُمْ وَلَوْ سِئَؤُمَا اسْتَجَابُوا
لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بَشِرْ كُفْرًا وَلَا تَيْسُفْكَ
وَبَشِّرْ خَيْرًا ۝

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّعُوا الْفُقَرَاءَ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ
الْمُسْتَعِينُ ۝

إِنْ يَشَاءِ يُزَيِّدْكُمْ مِنْكُمْ وَيُنَقِّصْكُمْ وَيُنَزِّلْ خِلَافَكُمْ ۝

وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۝

اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں ^(۱) اور
اگر (بافرض) سن بھی لیں تو فریاد رسی نہیں کریں گے، ^(۲)
بلکہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر
جائیں گے۔ ^(۳) آپ کو کوئی بھی حق تعالیٰ جیسا خبردار
خبریں نہ دے گا۔ ^(۴) ^(۵)

اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو ^(۵) اور اللہ ہے نیاز ^(۶)
خوئیوں والا ہے۔ ^(۷) ^(۸)

اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر
دے۔ ^(۹) ^(۱۰)

اور یہ بات اللہ کو کچھ مشکل نہیں۔ (۱۱)

اس کی محفل کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ پکلا سا چمکا محفل پر لٹاف کی طرح چڑھا ہوا ہوتا ہے۔

(۱) یعنی اگر تم انہیں مصائب میں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں ہیں، کیونکہ وہ جمادات ہیں یا منوں مٹی کے نیچے فون۔

(۲) یعنی اگر بالفرض وہ سن بھی لیں تو بے فائدہ اس لیے کہ وہ تمہاری التجاؤں کے مطابق تمہارا کام نہیں کر سکتے۔

(۳) اور کہیں گے ﴿مَا كُنْتُمْ بِأَعْبَادِنَا﴾ (ہوس ۲۸) ”تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے“ — ﴿لَنْ كُنَّا لَعَنُ جِبَادِكُمْ﴾

﴿كُفُولَتِن﴾ (ہوس ۲۹) ”ہم تو تمہاری عبادت سے بے خبر تھے“۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن کی اللہ کے

سوا عبادت کی جاتی ہے، وہ سب پتھر کی مورتیاں ہی نہیں ہوں گی، بلکہ ان میں عاقل (طاغوت) جن، شیاطین اور صالحین

بھی ہوں گے۔ تب ہی تو یہ انکار کریں گے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی حاجت براری کے لیے پکارنا شرک ہے۔

(۴) اس لیے کہ اس جیسا کامل علم کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ وہی تمام امور کی کنہ اور حقیقت سے پوری طرح باخبر

ہے جس میں ان پکارے جانے والوں کی بے اختیاری، پکار کو نہ سنا اور قیامت کے دن اس کا انکار کرنا بھی شامل ہے۔

(۵) ناموس کا لفظ عام ہے جس میں عوام و خواص، حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام و صلحاء آجاتے ہیں۔ اللہ کے در کے سب ہی

محتاج ہیں۔ لیکن اللہ کسی کا محتاج نہیں۔

(۶) وہ اتنا بے نیاز ہے کہ سب لوگ اگر اس کے نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی سلطنت میں کوئی کمی اور سب اس

کے اطاعت گزار بن جائیں، تو اس سے اس کی قوت میں زیادتی نہیں ہوگی۔ بلکہ نافرمانی سے انسانوں کا اپنا ہی نقصان ہے

اور اس کی عبادت و اطاعت سے انسانوں کا اپنا ہی فائدہ ہے۔

(۷) یعنی محمود ہے اپنی نعمتوں کی وجہ سے۔ پس ہر نعمت جو اس نے بندوں پر کی ہے، اس پر وہ حمد و شکر کا مستحق ہے۔

(۸) یہ بھی اس کی شان بے نیازی ہی کی ایک مثال ہے کہ اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کے گھاٹ اتار کے تمہاری جگہ ایک

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ جُنْدٍهَا
لَا يُغْنِي عَنْهُ شَيْءٌ وَلَا تُكَانِ ذَا قُرْبَىٰ ۚ إِنَّمَا تُنذِرُ
الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَمَنْ تَذَكَّرْ فَإِنَّمَا بُعِثْتُ إِلَىٰ آلِ الْمَوْتِ ۚ ۝

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۝

وَلَا الظُّلُمُتُ وَلَا النُّورُ ۝

وَلَا الظُّلُمُتُ وَلَا النُّورُ ۝

کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا،^(۱) اگر کوئی گراں بار دوسرے کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے بلائے گا تو وہ اس میں سے کچھ بھی نہ اٹھائے گا گو قرابت دار ہی ہو۔^(۲) تو صرف انہی کو آگاہ کر سکتا ہے جو غائبانہ طور پر اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نمازوں کی پابندی کرتے ہیں^(۳) اور جو بھی پاک ہو جائے وہ اپنے ہی نفع کے لیے پاک ہو گا۔^(۴) لَوْ شَاءَ اللَّهُ عَيَّٰلٌ لِّكُلِّ طَرَفٍ ۚ ۝ (۱۸)

اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں۔ (۱۹)

اور نہ تاریکی اور روشنی۔^(۵) (۲۰)

اور نہ چھاؤں اور نہ دھوپ۔^(۶) (۲۱)

نئی مخلوق پیدا کر دے، جو اس کی اطاعت گزار ہو، اس کی نافرمانی نہیں یا یہ مطلب ہے کہ ایک نئی مخلوق اور نیا عالم پیدا کر دے جس سے تم نا آشنا ہو۔

(۱) ہاں جس نے دوسروں کو گمراہ کیا ہو گا، وہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائے گا، جیسا کہ آیت ﴿وَلِيَحْمِلُوا ثِقَلَهُمْ وَالْأَثْمَ أَثْقَالَهُمْ﴾ (العنکبوت-۱۳) اور حدیث مِّنْ سَنَةٍ سَنِيَّةٌ كَانَ عَلَيْهِ يَوْمَئِذٍ وَزْرُهَا وَيَوْمَئِذٍ مِّنْ عَمَلٍ يَّهَا مِنْ بَعْدِهِ اصْصَحِّحْ مُسْلِمٌ 'کتاب الرکوع' باب الحث علی الصدقة سے واضح ہے لیکن یہ دوسروں کا بوجھ بھی درحقیقت ان کا اپنا ہی بوجھ ہے کہ ان ہی نے ان دوسروں کو گمراہ کیا تھا۔

(۲) مُثْقَلَةٌ، اُنّی: نفسٌ مُثْقَلَةٌ ایسا شخص جو گناہوں کے بوجھ سے لدا ہو گا، وہ اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے اپنے رشتے دار کو بھی بلائے گا تو وہ آمادہ نہیں ہو گا۔

(۳) یعنی تیرے انداز و تبلیغ کا فائدہ انہی لوگوں کو ہو سکتا ہے، گویا تو انہی کو ڈراتا ہے، ان کو نہیں جن کو انداز سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ احْتَدَىٰ﴾ (المنازعات-۴۵) اور ﴿إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ احْتَدَىٰ﴾ (الزمر-۱۱)۔

(۴) تَنْظُرٌ اور تَرْتَبُّی کے معنی ہیں شرک اور فواحش کی آلودگیوں سے پاک ہونا۔

(۵) اندھے سے مراد کافر اور آنکھوں والا سے مومن، اندھیروں سے باطل اور روشنی سے حق مراد ہے۔ باطل کی بے شمار انواع ہیں، اس لیے اس کے لیے جمع کا اور حق چونکہ متحد نہیں، ایک ہے، اس لیے اس کے لیے واحد کا صیغہ استعمال کیا۔

(۶) یہ ثواب و عقاب یا جنت و دوزخ کی تمثیل ہے۔

وَمَا يَنْتَوَى الْكَيْفَ وَلَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللَّهَ يُنْصِتُ مَنْ يَشَاءُ
وَمَا أَنْتَ بِمُنْصِتٍ مِّنْ فِي الْقُبُورِ ⑤

إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ⑥

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَإِنْ مِنْ أَشْءٍ
إِلَّا خِلَافُ مَا نَذِيرٌ ⑦

وَأَن تَكْذِبُوا لَهُ فَكُذِّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَاءَهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ⑧

كُلَّمَا أَخَذُوا مِنَ الَّذِينَ لَعَنُوا فَكَيْفَ كَانَ يَكْفُرُونَ
أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ

اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے،^(۱) اللہ تعالیٰ
جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے،^(۲) اور آپ ان لوگوں کو
نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔^(۳) (۲۲)

آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔^(۴) (۲۳)

ہم نے ہی آپ کو حق دے کر خوشخبری سنانے والا اور ڈر
سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی
جس میں کوئی ڈر سنانے والا نہ گزرا ہو۔ (۲۴)

اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو جو لوگ ان سے پہلے
ہو گزرے ہیں انہوں نے بھی جھٹلایا تھا ان کے پاس بھی
ان کے پیغمبر معجزے اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر
آئے تھے۔^(۵) (۲۵)

پھر میں نے ان کافروں کو پکڑ لیا سو میرا عذاب کیسا ہوا۔^(۶) (۲۶)

کیا آپ نے اس بات پر نظر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے

(۱) اُحْبَاء سے مومن اور اُشْوَات سے کافریا علما اور جاہل یا عقل مند اور غیر عقل مند مراد ہیں۔

(۲) یعنی جسے اللہ ہدایت سے نوازنے والا ہوتا ہے اور جنت اس کے لیے مقدر ہوتی ہے اسے حجت و دلیل سننے اور پھر
اسے قبول کرنے کی توفیق دے دیتا ہے۔

(۳) یعنی جس طرح قبروں میں مردہ اشخاص کو کوئی بات نہیں سنائی جاسکتی اسی طرح جن کے دلوں کو کفر نے موت سے
ہمکنہ کر دیا ہے اے پیغمبر ﷺ تو انہیں حق کی بات نہیں سنا سکتا۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح مرنے اور قبر میں دفن
ہونے کے بعد مردہ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا اسی طرح کافر و مشرک جن کی قسمت میں بد بختی لکھی ہے دعوت و تبلیغ
سے انہیں فائدہ نہیں ہوتا۔

(۴) یعنی آپ ﷺ کا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے۔ ہدایت اور ضلالت یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

(۵) تاکہ کوئی قوم یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں تو ایمان و کفر کا پتہ ہی نہیں اس لیے کہ ہمارے پاس کوئی پیغمبر ہی نہیں آیا
یہاں پر اللہ نے ہر امت میں نبی بھیجا جس طرح دوسرے مقام پر بھی فرمایا ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا﴾ (الآیۃ النحل ۳۶)

(۶) یعنی کیسے سخت عذاب کے ساتھ میں نے ان کی گرفت کی اور انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

تَبَرُّتِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ
وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝

آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف
رنگتوں کے پھل نکالے ^(۱) اور پہاڑوں کے مختلف حصے
ہیں سفید اور سرخ کہ ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں اور
بہت گہرے سیاہ۔ ^(۲) (۳۷)

وَمِنَ النَّاسِ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ
كَذَلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ
إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ عَلِيمٌ ۝

اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی
بعض ایسے ہیں کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں ^(۳) اللہ سے
اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں ^(۴) واقعی
اللہ تعالیٰ زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔ ^(۵) (۲۸)

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ

جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں ^(۶) اور نماز کی
پابندی رکھتے ہیں ^(۷) اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے

(۱) یعنی جس طرح مومن اور کافر، صالح اور فاسد دونوں قسم کے لوگ ہیں، اسی طرح دیگر مخلوقات میں بھی تفاوت اور
اختلاف ہے۔ مثلاً پھلوں کے رنگ بھی مختلف ہیں اور ذائقے، لذت اور خوشبو میں بھی ایک دوسرے سے مختلف۔ حتیٰ کہ
ایک ایک پھل کے بھی کئی کئی رنگ اور ذائقے ہیں جیسے کھجور ہے، انگور ہے، سیب ہے اور دیگر بعض پھل ہیں۔

(۲) اسی طرح پہاڑ اور اس کے حصے یا راستے اور خطوط مختلف رنگوں کے ہیں، سفید، سرخ اور بہت گہرے سیاہ، جُدَد
جُدَد کی جمع ہے، راستہ یا لکیر۔ غَرَابِيبُ کی جمع اور سُودٌ، اَسْوَدٌ (سیاہ) کی جمع ہے۔ جب سیاہ رنگ کے گہرے
پن کو ظاہر کرنا ہو تو اسود کے ساتھ غریب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اسود غریب جس کے معنی ہوتے ہیں، بہت گہرا سیاہ۔

(۳) یعنی انسان اور جانور بھی سفید، سرخ، سیاہ اور زرد رنگ کے ہوتے ہیں۔

(۴) یعنی اللہ کی ان قدرتوں اور اس کے کمال صنائی کو وہی جان اور سمجھ سکتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں، اس علم سے
مراد کتاب و سنت اور اسرار الہیہ کا علم ہے اور جتنی انہیں رب کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اتنا ہی وہ رب سے ڈرتے
ہیں، گویا جن کے اندر خشیت الہی نہیں ہے، سمجھ لو کہ علم صحیح سے بھی وہ محروم ہیں سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ عہد کی
تین قسمیں ہیں۔ عالم باللہ اور عالم بامر اللہ، یہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا اور اس کے حدود و فرائض کو جانتا ہے۔ دوسرا صرف
عالم باللہ، جو اللہ سے تو ڈرتا ہے لیکن اس کے حدود و فرائض سے بے علم ہے۔ تیسرا، صرف عالم بامر اللہ، جو حدود و
فرائض سے باخبر ہے لیکن خشیت الہی سے عاری ہے (ابن کثیر)

(۵) یہ رب سے ڈرنے کی علت ہے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ نافرمان کو سزا دے اور توبہ کرنے والے کے گناہ معاف فرمادے۔

(۶) کتاب اللہ سے مراد قرآن کریم ہے ”تلاوت کرتے ہیں“ یعنی پابندی سے اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۷) اقامت صلوٰۃ کا مطلب ہوتا ہے، نماز کی اس طرح ادائیگی جو مطلوب ہے، یعنی وقت کی پابندی، اعتدال ارکان اور

تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ ۝

لِيُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ أَجْرَهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ إِنَّهُ عَفُورٌ
شَكُورٌ ۝وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا عَمِلُونَ لَبَاسِطٌ ۝

لَهُمُ أَوْحُنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا

اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں^(۱) وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی خسارہ میں نہ ہوگی۔^(۲) (۲۹) تاکہ ان کو ان کی اجر میں پوری دے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دے^(۳) بیشک وہ بڑا بخشنے والا قدر دان ہے۔^(۴) (۳۰)

اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے طور پر بھیجی ہے یہ بالکل ٹھیک^(۵) ہے جو کہ اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے۔^(۶) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے۔^(۷) (۳۱) پھر ہم نے ان لوگوں کو (اس) کتاب^(۸) کا وارث بنایا جن کو

خشوع و خضوع کے اہتمام کے ساتھ پڑھنا۔

(۱) یعنی رات دن 'علانیہ اور پوشیدہ دونوں طریقوں سے حسب ضرورت خرچ کرتے ہیں' بعض کے نزدیک پوشیدہ سے نقل صدقہ اور علانیہ سے صدقہ واجبہ (زکوٰۃ) مراد ہے۔

(۲) یعنی ایسے لوگوں کا اجر اللہ کے ہاں یقینی ہے جس میں منہ سے اور کی کا امکان نہیں۔

(۳) لِيُؤْتِيَهُمُ 'معلق ہے۔ لَنْ تَبُورَ کے 'یعنی یہ تجارت منہ سے اس لیے محفوظ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال صالحہ پر پورا اجر عطا فرمائے گا۔ یا پھر فعل محذوف کے متعلق ہے کہ وہ یہ نیک اعمال اس لیے کرتے ہیں یا اللہ نے انہیں ان کی طرف ہدایت کی تاکہ وہ انہیں اجر دے۔

(۴) یہ تَوْفِیۃ اور زیادت کی علت ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کے گناہ معاف کرنے والا ہے بشرطیکہ خلوص دل سے وہ توبہ کریں 'ان کے جذبہ اطاعت و عمل صالح کا قدر دان ہے' اسی لیے وہ صرف اجر ہی نہیں دے گا بلکہ اپنے فضل و کرم سے مزید بھی دے گا۔

(۵) یعنی جس پر تیرے لیے اور تیری امت کے لیے عمل کرنا ضروری ہے۔

(۶) تورات اور انجیل وغیرہ کی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کریم اس اللہ کا نازل کردہ ہے جس نے پچھلی کتابیں نازل کی تھیں 'جب ہی تو دونوں ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کرتی ہیں۔

(۷) یہ اس کے علم و خبری کا نتیجہ ہے کہ اس نے نئی کتاب نازل فرمادی 'کیونکہ وہ جانتا ہے' پچھلی کتابیں تحریف و تغیر کا شکار ہو گئی ہیں اور اب وہ ہدایت کے قائل نہیں رہی ہیں۔

(۸) کتاب سے قرآن اور پچھتے ہوئے بندوں سے مراد امت محمدیہ ہے۔ یعنی اس قرآن کا وارث ہم نے امت محمدیہ کو

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ
بِالْخَيْرَاتِ يَأْتِيهِمْ مَلَكُوتُ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿۳۱﴾

جَعَلْتُ عَذَابَ مَنْ يَدَّ خُلُوعَهَا يَحْلُوتُ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ
ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا بَلَّاسًا وَمِنْهَا حَيْرَةٌ ﴿۳۲﴾

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْعَزْوَاعَ إِنَّا رَبُّنَا

ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر بعض تو ان میں
اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں ^(۱) اور بعض ان میں متوسط
درجے کے ہیں ^(۲) اور بعض ان میں اللہ کی توفیق سے نیکوں
میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں۔ ^(۳) یہ بڑا فضل ہے۔ ^(۴) (۳۲)
وہ باغات میں ہمیشہ رہنے کے جن میں یہ سوگ داخل ہوں
گے سونے ^(۵) کے کنگن اور موتی پہنائے جاویں گے۔ اور
پوشاک ان کی وہاں ریشم کی ہوگی۔ ^(۶) (۳۳)
اور کہیں گے کہ اللہ کالاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم

بنایا ہے جسے ہم نے دو سری امتوں کے مقابلے میں جن لیا اور اسے شرف و فضل سے نوازا۔ یہ تقریباً وہی مفہوم ہے جو
آیت ﴿وَلَذَلِكَ جَعَلْنَا آيَةً وَسُلْطَانًا لِّمَنْ شَاءَ﴾ البقرة: ۱۲۳ کا ہے۔

(۱) امت محمدیہ کی تین قسمیں بیان فرمائیں۔ یہ پہلی قسم ہے جس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو بعض فرائض میں کوتاہی اور
بعض محرمات کا ارتکاب کر لیتے ہیں یا بعض کے نزدیک وہ ہیں جو صغائر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ انہیں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا
اس لیے کہا کہ وہ اپنی کچھ کوتاہیوں کی وجہ سے اپنے کو اس اعلیٰ درجے سے محروم کر لیں گے جو باقی دو قسموں کو حاصل ہوں گے۔
(۲) یہ دو سری قسم ہے۔ یعنی طے جملے عمل کرتے ہیں یا بعض کے نزدیک وہ ہیں جو فرائض کے پابند، محرمات کے تارک تو ہیں
لیکن کبھی مستحبات کا ترک اور بعض محرمات کا ارتکاب بھی ان سے ہو جاتا ہے یا وہ ہیں جو نیک تو ہیں لیکن پیش پیش نہیں ہیں۔
(۳) یہ وہ ہیں جو دین کے معاملے میں پچھلے دونوں سے سبقت کرنے والے ہیں۔

(۴) یعنی کتاب کا وارث کرنا اور شرف و فضل میں ممتاز (مصطفیٰ) کرنا۔

(۵) بعض کہتے ہیں کہ جنت میں صرف سابقین جائیں گے لیکن یہ صحیح نہیں۔ قرآن کا سیاق اس امر کا متقاضی ہے کہ
تینوں قسمیں جنتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ سابقین بغیر حساب کتاب کے اور مقتصدین آسان حساب کے بعد اور ظالمین
شفاعت سے یا سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائیں گے۔ جیسا کہ احادیث سے واضح ہے۔ محمد بن حنفیہ کا قول ہے ”یہ امت
مرحومہ ہے“ ظالم یعنی گناہگار کی مغفرت ہو جائے گی، مقتصد اللہ کے ہاں جنت میں ہو گا اور سابق بالخیرات درجات عالیہ
پر فائز ہو گا۔ (ابن کثیر)

(۶) حدیث میں آتا ہے کہ ”ریشم اور دیباچ دنیا میں مت پہنو“ اس لیے کہ جو اسے دنیا میں پہنے گا وہ اسے آخرت میں
نہیں پہنے گا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، کتاب اللباس)

لَتَقُولَنَّ شَوْرٌ ۝۶

دور کیا۔ بیشک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے۔ (۳۳)

جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا جہاں نہ ہم کو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ہم کو کوئی خشکی پہنچے گی۔ (۳۵)

اور جو لوگ کافر ہیں انکے لیے دوزخ کی آگ ہے نہ تو انکی قضای آئے گی کہ مری جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا۔ ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ (۳۶)

اور وہ لوگ اس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال لے ہم اچھے کام کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو کیا کرتے تھے^(۱) (اللہ کے گا) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا^(۲) وہ سمجھ سکتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچتا تھا^(۳) سو مزہ چکھو کہ (ایسے) ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ (۳۷)

بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی

الَّذِينَ أَحْكَمَدَارَ الْمَقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ لَاسْتَنْافِعَهَا
نَصَبٌ وَلَاسْتَنْافِعَهَا الْقَوْبُ ۝۷

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فِيمَوتُوا
وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا كَذَلِكَ نَجْزِي
كُلَّ كَافِرٍ ۝۸

وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا
غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلْ أَوْ لَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ
مَنْ تَذَكَّرْ وَجَاءَ لَكُمْ التَّنْذِيرُ فَذُوقُوا الْعَذَابَ لِلظَّالِمِينَ
نَجْزِيهِ ۝۹

إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِ غِيبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ

(۱) یعنی فیروں کی بجائے تیری عبادت اور معصیت کی بجائے اطاعت کریں گے۔

(۲) اس سے مراد کتنی عمر ہے؟ مفسرین نے مختلف عرصے بیان کی ہیں۔ بعض نے بعض احادیث سے استدلال کرتے ہوئے کہ ہے کہ ۶۰ سال کی عمر مراد ہے۔ (ابن کثیر) لیکن ہمارے خیال میں عمر کی تعیین صحیح نہیں اس لیے کہ عرصے مختلف ہوتی ہیں کوئی جوانی میں کوئی کموت میں اور کوئی بڑھاپے میں فوت ہوتا ہے پھر یہ اددار بھی لمحہ گزراں کی طرح مختصر نہیں ہوتے بلکہ ہر دور خاصا مستند (مہیا) ہوتا ہے۔ مثلاً جوانی کا دور بلوغت سے کموت تک اور کموت کا دور شیخوخت بڑھاپے تک اور بڑھاپے کا دور موت تک رہتا ہے۔ کسی کو سوچ بچار نصیحت فیزی اور اثر پذیر کی کے لیے چند سال کسی کو اس سے زیادہ سال ملتے ہیں اور سب سے یہ سوال کرنا صحیح ہو گا کہ ہم نے تجھے اتنی عمر دی تھی کہ اگر تو حق کو سمجھنا چاہتا تو سمجھ سکتا تھا پھر تو نے حق کو سمجھنے اور اسے اختیار کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟

(۳) اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی یاد دہانی اور نصیحت کے لیے پیغمبر ﷺ اور اس کے منبر و محراب کے وارث علماء و روحانہ تیرے پاس آئے لیکن تو نے اپنی عقل و فہم سے کام لیا نہ داعیان حق کی باتوں کی طرف دھیان کیا۔

الضُّدُورِ ۝

پوشیدہ چیزوں کا^(۱) بیشک وہی جاننے والا ہے سینوں کی باتوں کا۔^(۲) (۳۸)

وہی ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا، سو جو شخص کفر کرے گا اس کے کفر کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اور کافروں کے لیے ان کا کفر ان کے پروردگار کے نزدیک ناراضی ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے اور کافروں کے لیے ان کا کفر خسارہ ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے۔^(۳) (۳۹)

آپ کیے! کہ تم اپنے قرارداد شریکوں کا حال تو بتاؤ جن کو تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو۔ یعنی مجھ کو یہ بتاؤ کہ انہوں نے زمین میں سے کون سا (جزو) بنایا ہے یا ان کا آسمانوں میں کچھ سا جہا ہے یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس کی دلیل پر قائم ہوں،^(۴) بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے نرے دھوکے کی باتوں کا وعدہ کرتے آتے ہیں۔^(۵) (۴۰)

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِمَّنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِمْ كُفْرُهُمْ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ۝

قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ أَمْ أُنْزِلَتْ لَهُمْ كُتُبًا فَمَنْهُمْ عَلَى بَيِّنَةٍ مِّنْهُ قُلْ إِن يَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ۝

(۱) یہاں یہ بیان کرنے سے یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ تم دوبارہ دنیا میں جانے کی آرزو کر رہے ہو اور دعویٰ کر رہے ہو کہ اب نافرمانی کی جگہ اطاعت اور شرک کی جگہ توحید اختیار کرو گے۔ لیکن ہمیں علم ہے کہ تم اب نہیں کرو گے۔ تمہیں اگر دنیا میں دوبارہ بھیج بھی دیا جائے تو تم وہی کچھ کرو گے جو پہلے کرتے رہے ہو۔ جیسے دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ﴾ (الأنعام ۲۸) ”اگر انہیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا“۔

(۲) یہ پچھل بات کی تفصیل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو آسمان اور زمین کی پوشیدہ باتوں کا علم کیوں نہ ہو جب کہ وہ سینوں کی باتوں اور رازوں سے بھی واقف ہے جو سب سے زیادہ مخفی ہوتے ہیں۔

(۳) یعنی اللہ کے ہاں کفر کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا بلکہ اس سے اللہ کے غضب اور ناراضی میں بھی اضافہ ہو گا اور انسان کے اپنے نفس کا خسارہ بھی زیادہ۔

(۴) یعنی ہم نے ان پر کوئی کتاب نازل کی ہو جس میں یہ درج ہو کہ میرے بھی کچھ شریک ہیں جو آسمان و زمین کی تخلیق میں مجھے دار اور شریک ہیں۔

(۵) یعنی ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ آپس میں ہی ایک دوسرے کو گمراہ کرتے آئے ہیں ان کے لیڈر

قَالَ زَادَ هُمُ الْاَقْبُوْرُ ۝

کے پاس ایک پیغمبر آپہنچے^(۱) تو بس ان کی نفرت ہی میں اضافہ ہوا۔ (۳۲)

دنیا میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے^(۲) اور ان کی بری تدبیروں کی وجہ سے^(۳) اور بری تدبیروں کا وبال ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے^(۴) سو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا^(۵) ہے۔ سو آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیں گے^(۶) اور آپ اللہ کے دستور کو کبھی ختم ہوتا ہوا نہ پائیں گے۔^(۷) (۳۳)

اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا؟ حالانکہ وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اس کو ہرا دے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ وہ بڑے علم والا بڑی

لَا يَسْتَكْبِرُ فِي الْاَرْضِ وَمَكْرُ السَّيِّئِ وَلَا يَجِئُ الْمَكْرُ السَّيِّئِ اِلَّا بِاَهْلِهِ ۚ فَعَلَّ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سَمْتَ الْاَقْلِيْنَ ۚ فَلَئِنْ تَعَبَدَ لِسَمْتِ اللّٰهِ سُبُلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسَمْتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝

اَوْ لَمْ يَسِيرْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرْ وَاَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْاَذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝

(۱) یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس نبی بن کر آگئے جن کے لیے وہ تمنا کرتے تھے۔

(۲) یعنی آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کے بجائے انکار و مخالفت کا راستہ محض انگبار اور سرکشی کی وجہ سے اختیار کیا۔

(۳) اور بری تدبیر یعنی حیلہ و دھوکہ اور عمل قبیح کی وجہ سے کیا۔

(۴) یعنی لوگ کمزور حیلہ کرتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ بری تدبیر کا انجام برائی ہوتا ہے اور اس کا وبال بالآخر کمزور حیلہ کرنے والوں پر ہی پڑتا ہے۔

(۵) یعنی کیا یہ اپنے کفر و شرک رسول ﷺ کی مخالفت اور مومنوں کو ایذا میں پہنچانے پر مصر رہ کر اس بات کے منتظر ہیں کہ انہیں بھی اس طرح ہلاک کیا جائے جس طرح پہلی قومیں ہلاکت سے دوچار ہوئیں؟

(۶) بلکہ یہ اسی طرح جاری ہے اور ہر مکتذب (جھٹلانے والے) کا مقدر ہلاکت ہے یا بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کے عذاب کو رحمت سے بدلنے پر قادر نہیں ہے۔

(۷) یعنی کوئی اللہ کے عذاب کو دور کرنے والا یا اس کا رخ پھرنے والا نہیں ہے یعنی جس قوم کو اللہ عذاب سے دوچار کرنا چاہے کوئی اس کا رخ کسی اور قوم کی طرف پھیر دے کسی میں یہ طاقت نہیں ہے۔ مطلب اس سنت اللہ کی وضاحت سے مشرکین عرب کو ذرا ناہ ہے کہ ابھی بھی وقت ہے وہ کفر و شرک چھوڑ کر ایمان لے آئیں ورنہ وہ اس سنت الہی سے بچ نہیں سکتے دیر سویر اس کی زد میں آکر رہیں گے کوئی اس قانون الہی کو بدلنے پر قادر ہے اور نہ عذاب الہی کو پھرنے پر۔

قدرت والا ہے۔ (۳۴)

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب دارو گیر فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک جاندار کو نہ چھوڑتا^(۱) لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ایک میعاد معین تک صلت دے^(۲) رہا ہے، سو جب ان کی وہ میعاد آپہنچے گی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا۔^(۳) (۳۵)

سورہ یٰسین کی ہے اور اس میں تراویح آیتیں اور پانچ رکعات ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یٰسین^(۱) قسم ہے قرآن با حکمت کی۔^(۲) (۳)

وَلَوْ يَدْرِى أَخَذَ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرٍهَا
مِنْ دَابَّةٍ وَلَا حِصْنٍ يُّؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى
فَإِذَا أَجَاءَ أَجَلُهُمْ قَالِ اللَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ۝

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

يٰسَ ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝

(۱) انسانوں کو تو ان کے گناہوں کی پاداش میں اور جانوروں کو انسانوں کی نحوست کی وجہ سے۔ یا مطلب ہے کہ تمام اہل زمین کو ہدایت کر دیتا انسانوں کو بھی اور جن جانوروں اور روزیوں کے وہ مالک ہیں ان کو بھی۔ یا مطلب ہے کہ آسمان سے بارشوں کا سلسلہ منقطع فرمادیتا جس سے زمین پر چلنے والے سب وابستہ مر جاتے۔

(۲) یہ میعاد معین دنیا میں بھی ہو سکتی ہے اور یوم قیامت تو ہے ہی۔

(۳) یعنی اس دن ان کا محاسبہ کرے گا اور ہر شخص کو اس کے عملوں کا پورا بدلہ دے گا۔ اہل ایمان و اطاعت کو اجر و ثواب اور اہل کفر و معصیت کو عتاب و عقاب۔ اس میں مومنوں کے لیے تسلی ہے اور کافروں کے لیے وعید۔

۞ سورہ یٰسین کے فضائل میں بہت سی روایات مشہور ہیں۔ مثلاً یہ کہ قرآن کا دل ہے اسے قریب المرگ شخص پر پڑھو وغیرہ۔ لیکن سند کے لحاظ سے کوئی روایت بھی درجہ صحت کو نہیں پہنچتی۔ بعض بالکل موضوع ہیں یا پھر ضعیف ہیں۔ قلب قرآن والی روایت کو شیخ البانی نے موضوع قرار دیا ہے۔ (الضعیفہ - حدیث نمبر ۱۶۹)

(۴) بعض نے اس کے معنی یا رجل یا انسان کے کیے ہیں۔ بعض نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور بعض نے اسے اللہ کے اسمائے حسنی میں سے بتلایا ہے۔ لیکن یہ سب اقوال بلا دلیل ہیں۔ یہ بھی ان حروف مقطعات میں سے ہی ہے۔ جن کا معنی و مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۵) یا قرآن محکم کی جو نظم و معنی کے لحاظ سے محکم یعنی پختہ ہے۔ واو قسم کے لیے ہے۔ آگے جواب قسم ہے

إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝

کہ بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔^(۱) (۳)

مَلَّ جَوَاطُ مُسْتَقِيمٍ ۝

سیدھے راستے پر ہیں۔^(۲) (۴)

تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝

یہ قرآن اللہ زبردست مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔^(۳) (۵)

لِيُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَلْهَوْا أَتَاوْهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ ۝

تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادا نے نہیں ڈرائے گئے تھے (سو اسی وجہ سے) یہ غافل ہیں۔^(۴) (۶)

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے سو یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔^(۵) (۷)

(۱) مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں شک کرتے تھے اس لیے آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے اور کہتے تھے ﴿لَنْتُ مُرْسَلًا﴾ (الرعد-۳۲) ”تو تو پیغمبر ہی نہیں ہے“۔ اللہ نے ان کے جواب میں قرآن حکیم کی قسم کھا کر کہا کہ آپ ﷺ یقیناً اس کے پیغمبروں میں سے ہیں۔ اس میں آپ ﷺ کے شرف و فضل و اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی رسول کی رسالت کے لئے قسم نہیں کھائی یہ بھی آپ ﷺ کے امتیازات اور خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی رسالت کے اثبات کے لئے قسم کھائی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) یہ إِنَّكَ کی دوسری خبر ہے۔ یعنی آپ ﷺ ان پیغمبروں کے راستے پر ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں۔ یا ایسے راستے پر ہیں جو سیدھا اور مطلوب منزل (جنت) تک پہنچانے والا ہے۔

(۳) یعنی اس اللہ کی طرف سے نازل کر دیا ہے جو عزیز ہے یعنی اس کا انکار اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والے سے انتقام لینے پر قادر ہے رحیم ہے یعنی جو اس پر ایمان لائے گا اور اس کا بندہ بن کر رہے گا اس کے لئے نہایت مہربان ہے۔

(۴) یعنی آپ ﷺ کو رسول اس لیے بتایا ہے اور یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ ﷺ اس قوم کو ڈرائیں جن میں آپ ﷺ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا اس لیے ایک مدت سے یہ لوگ دین حق سے بے خبر ہیں۔ یہ مضمون پہلے بھی کئی جگہ گزر چکا ہے کہ عربوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے براہ راست کوئی نبی نہیں آیا۔ یہاں بھی اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے۔

(۵) جیسے ابو جہل، عقبہ، شیبہ وغیرہ۔ بات ثابت ہوئے کا مطلب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ ”میں جنہم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا“۔ (الم السجدہ-۱۳) شیطان سے بھی خطاب کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا تھا ”میں جنہم کو تجھ سے اور تیرے پیرو کاروں سے بھر دوں گا“۔ (ص ۸۴) یعنی ان لوگوں نے شیطان کے پیچھے لگ کر اپنے آپ کو جنہم کا مستحق قرار دے لیا کیونکہ اللہ نے تو ان کو اختیار و حریت ارادہ سے نوازا تھا لیکن انہوں نے اس کا استعمال غلط کیا اور یوں جنہم کا بندہ بن گئے۔ یہ نہیں کہ اللہ نے جبراً ان کو ایمان سے محروم رکھا کیونکہ جبر کی صورت میں تو وہ عذاب کے مستحق ہی قرار نہ پاتے۔

إِنَّا جَعَلْنَا فِيْ أَعْيُنِهِمْ اَعْلَاقًا فَحَبَّ إِلَى الْأَذْقَانِ
فَهُمْ مُّصْمَقُونَ ۝

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا
فَأَعْيُنُهُمْ فُتُورٌ لَا يُبْصِرُونَ ۝

وَسَوَّآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَنِيَّ
فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ۝

إِنَّا نَحْنُ مُّعِي الثُّمُولَ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ

ہم نے انکی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں پھر وہ ٹھوڑیوں
تک ہیں، جس سے انکے سراپر کو الٹ گئے ہیں۔^(۸)

اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی اور ایک آڑ ان
کے پیچھے کر دی،^(۹) جس سے ہم نے ان کو ڈھانک دیا^(۱۰) سو
وہ نہیں دیکھ سکتے۔^(۱۱)

اور آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں دونوں برابر ہیں، یہ
ایمان نہیں لائیں گے۔^(۱۲)

بس آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں^(۱۳) جو
صحیح پر چلے اور رحمن سے بے دیکھے ڈرے، سو آپ
اس کو مغفرت اور باوقار اجر کی خوش خبریاں سنا دیجئے۔^(۱۴)
بیشک ہم مردوں کو زندہ کریں گے،^(۱۵) اور ہم لکھتے جاتے
ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے ہیں^(۱۶) اور ان

(۱) جس کی وجہ سے وہ ادھر ادھر دیکھ سکتے ہیں نہ سر جھکا سکتے ہیں، بلکہ وہ سراپر اٹھائے اور نگاہیں نیچی کیے ہوئے ہیں۔ یہ ان
کے عدم قبول حق کی اور عدم انفاق کی تمثیل ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ان کی مزائے جنم کی کیفیت کا بیان ہو۔ (ایسر التفاسیر)
(۲) یعنی دنیا کی زندگی ان کے لیے مزین کر دی گئی، یہ گویا ان کے سامنے کی آڑ ہے، جس کی وجہ سے وہ لذائذ دنیا کے
علاوہ کچھ نہیں دیکھتے اور یہی چیز ان کے اور ایمان کے درمیان مانع اور حجاب ہے اور آخرت کا تصور ان کے ذہنوں میں
ناممکن الوقوع کر دیا گیا، یہ گویا ان کے پیچھے کی آڑ ہے جس کی وجہ سے وہ توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں،
کیونکہ آخرت کا کوئی خوف ہی ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

(۳) یا ان کی آنکھوں کو ڈھانک دیا یعنی رسول ﷺ سے عداوت اور اس کی دعوت حق سے نفرت نے ان کی آنکھوں
پر پٹی باندھ دی، یا انہیں اندھا کر دیا ہے جس سے وہ دیکھ نہیں سکتے۔ یہ ان کے حال کی دوسری تمثیل ہے۔

(۴) یعنی جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے گمراہی کے اس مقام پر پہنچ جائیں، ان کے لیے اندازہ بہ فائدہ رہتا ہے۔
(۵) یعنی اندازہ صرف اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔

(۶) یعنی قیامت والے دن۔ یہاں احیائے موتی کے ذکر سے یہ اشارہ کرنا بھی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں میں سے جس کا
دل چاہتا ہے زندہ کر دیتا ہے جو کفر و ضلالت کی وجہ سے مردہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ پس وہ ہدایت اور ایمان کو اپنا لیتے ہیں۔

(۷) مَا قَدَّمُوا سے وہ اعمال مراد ہیں جو انسان خود اپنی زندگی میں کرتا ہے اور آثَارُهُمْ سے وہ اعمال جن کے عملی نمونے (۱) جیسے

وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامِهِ مُبِينٌ ۝

وَأَضْرَبَ لَهُمُ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقُرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا
الْمُرْسَلُونَ ۝

إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ

کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہم نے
ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے۔^(۱) (۱۲)
اور آپ ان کے سامنے ایک مثال (یعنی ایک) بستی
والوں کی مثال (اس وقت کا) بیان کیجئے جبکہ اس بستی میں
(کئی) رسول آئے۔^(۲) (۱۳)

جب ہم نے ان کے پاس دو کو بھیجا سو ان لوگوں نے (اول)
دونوں کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے سے تائید کی سو ان تینوں

یا برے اور دنیا میں چھوڑ جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کی اقتداء میں لوگ وہ اعمال بجالاتے ہیں۔ جس طرح حدیث میں
ہے ”جس نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ جاری کیا اس کے لیے اس کا اجر بھی ہے اور اس کا بھی ہے جو اس کے بعد اس پر عمل
کرے گا۔ بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے اجر میں کمی ہو اور جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا اس پر اس کے اپنے گناہ کا بھی
بوجھ ہو گا اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے بوجھ میں کمی ہو۔“ صحیح
مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقة ولو بشق صاع، اسی طرح یہ حدیث ہے ”جب انسان مر جاتا ہے تو
اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ سوائے تین چیزوں کے۔ ایک علم، جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں (۲) نیک اور جو مرنے
والے کے لیے دعا کرے (۳) یا صدقہ جاریہ، جس سے اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ فیض یاب ہوں (صحیح مسلم،
کتاب الوصیۃ، باب ما یصلح فی الإنسان من الشیوَاب بعد وفاته) دو سرا مطلب آثارُہُمْ کا نشانات قدم ہے۔ یعنی انسان
نیک یا بدی کے لیے جو سفر کرتا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے تو قدموں کے یہ نشانات بھی لکھے جاتے ہیں۔ جیسے عہد
رسالت میں مسجد نبوی کے قریب کچھ جگہ خالی تھی تو بنو سُلَیْم نے ادھر خنقل ہونے کا ارادہ کیا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
علم میں یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے انہیں مسجد کے قریب خنقل ہونے سے روک دیا اور فرمایا دَبَارُکُمْ نُنْکِتُ بآثَارِکُمْ (دو
مرتبہ فرمایا) یعنی ”تمہارے گھر اگرچہ دور ہیں، لیکن وہیں رہو، جتنے قدم تم چل کر آتے ہو، وہ لکھے جاتے ہیں۔“ (صحیح
مسلم، کتاب المساجد، باب فضل کثرة الخطی إلى المساجد) امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔ دونوں منہوم اپنی جگہ
صحیح ہیں، ان کے درمیان منافات نہیں ہے۔ بلکہ اس دوسرے منہوم میں سخت تنبیہ ہے، اس لیے کہ جب قدموں کے
نشانات تک لکھے جاتے ہیں، تو انسان جو اچھایا برا نمونہ چھوڑ جائے، جس کی لوگ بعد میں پیروی کریں تو وہ بطریق اولیٰ لکھے
جائیں گے۔

(۱) اس سے مراد لوح محفوظ ہے اور بعض نے صحائف اعمال مراد لیے ہیں۔

(۲) تاکہ اہل مکہ یہ سمجھ لیں کہ آپ کوئی انوکھے رسول نہیں ہیں، بلکہ رسالت و نبوت کا یہ سلسلہ قدیم سے چل آ رہا ہے۔

قَالُوا إِنَّا إِلَهُكُمُ مُّسْتَلُونُ ①

قَالُوا مَا أَتَاكُمْ إِلَّا بُشْرًا مِّمَّنْ لَّكُم بَشِيرٌ ۖ وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ

مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا كَذِبُونَ ②

قَالُوا رَبَّنَا عَلِّمْنَا لَكَ الْيُسْكَ لَعَلَّكُمْ تُعْلَمُونَ ③

وَمَا عَلَّمْنَا إِلَّا الْبَدْعَ الْأُنْثَيْنِ ④

قَالُوا إِنَّا نَطْغُرُ نَايَكُمُ لَكِنْ لَمْ تَنْتَهُوا الْعِجْبَانُ

وَلَيْسَتْكُمْ بِمَاءِ عَذَابٍ إِلَّا نَارٌ ⑤

قَالُوا أَظَلُّكُمْ مَعَكُمْ أَهْلُكُمْ ذِكْرُكُمْ بَلْ أَنْتُمْ

قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ⑥

وَجَاءَ مِنْ أَفْصَا الْمَدْيَنَةِ رَجُلٌ يُسَمَّى قَالَ يَغْوِرُ

الْغِيَا الْمَرْسِيْنَ ⑦

الْغِيَا مَنْ لَا يَسْطَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُّهْتَدُونَ ⑧

نے کہا کہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔^(۱۳)

ان لوگوں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح معمولی آدمی ہو اور

رحمن نے کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تم نرا جھوٹ بولتے ہو۔^(۱۵)

ان (رسووں) نے کہا ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ بیشک ہم

تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔^(۱۶)

اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچانا ہے۔^(۱۷)

انہوں نے کہا کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔^(۱۸) اگر تم

باز نہ آئے تو ہم پتھروں سے تمہارا کام تمام کر دیں گے

اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی۔^(۱۹)

ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہی

لگی ہوئی^(۲۰) ہے کیا اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت

کی جائے بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔^(۲۱)

اور ایک شخص (اس) شرکے آخری حصے سے دوڑتا ہوا آیا

کہنے لگا کہ اے میری قوم! ان رسولوں کی راہ پر چلو^(۲۲)

ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معذرت نہیں

مانگتے اور وہ راہ راست پر ہیں۔^(۲۳)

(۱) یہ تین رسوں کون تھے؟ مفسرین نے ان کے مختلف نام بیان کیے ہیں، لیکن نام مستند ذریعے سے ثابت نہیں ہیں۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تھے جو انہوں نے اللہ کے حکم سے ایک بستی میں تبلیغ و دعوت کے لیے بھیجے تھے۔ بستی کا نام انطاکیہ تھا۔

(۲) ممکن ہے کچھ لوگ ایمان لے آئے ہوں اور ان کی وجہ سے قوم دو گروہوں میں بٹ گئی ہو جس کو انہوں نے رسولوں کی نعوذ باللہ نحوست قرار دیا یا بارش کا سلسلہ موقوف رہا ہو، تو وہ سمجھے ہوں کہ یہ ان رسولوں کی نحوست ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک، جیسے آج کل بھی بد نما اور دین و شریعت سے بے بہرہ لوگ اہل ایمان و تقویٰ کو ہی ”منحوس“ سمجھتے ہیں۔

(۳) یعنی وہ تو تمہارے اپنے اعمال بد کا نتیجہ ہے جو تمہارے ساتھ ہی ہے نہ کہ ہمارے ساتھ۔

(۴) یہ شخص مسلمان تھا جب اسے پتہ چلا کہ قوم پیغمبروں کی دعوت کو نہیں اپناتی ہے تو اس نے آکر رسولوں کی حمایت اور ان کے اتباع کی ترغیب دی۔

اور مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔^(۱) (۲۲)

کیا میں اسے چھوڑ کر ایسوں کو معبود بناؤں کہ اگر (اللہ) رحمن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے اور نہ وہ مجھے بچا سکیں۔^(۲) (۲۳)
پھر تو میں یقیناً کھلی گمراہی میں ہوں۔^(۳) (۲۴)
میری سنو! میں تو (سچے دل سے) تم سب کے رب پر ایمان لا چکا۔^(۴) (۲۵)

(اس سے) کہا گیا کہ جنت میں چلا جا، کہنے لگا کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا۔ (۲۶)
کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں

وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝۲۳

أَتَأْتِئِدُنْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِن يُرِذِنَ الرَّحْمَنُ بِصُورٍ لَّا تُشِغِي شَفَاعَتَهُمْ شَيْئًا وَلَا يَبْعُدُونَ ۝۲۴

إِنِّي إِذْ أَتَيْتُ ضَلِيلٌ مُّبِينٌ ۝۲۵

إِنِّي آمَنْتُ بِرَبِّكَ فَاسْمَعُونِ ۝۲۶

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَئِيتُ قَوْمِي يَكْفُرُونَ ۝۲۷

يَسْأَلُونَكَ رَبِّ ذِكْرًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمَكْرُمِينَ ۝۲۸

(۱) اپنے مسلک توحید کی وضاحت کی، جس سے مقصد اپنی قوم کی خیر خواہی اور ان کی صحیح رہنمائی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی قوم نے اس سے کہا ہو کہ کیا تو بھی اس معبود کی عبادت کرتا ہے، جس کی طرف یہ مرسلین ہمیں بلا رہے ہیں اور ہمارے معبودوں کو تو بھی چھوڑ بیٹھا ہے؟ جس کے جواب میں اس نے یہ کہا۔ مفسرین نے اس شخص کا نام حبیب نجار بتلایا ہے، واللہ اعلم۔

(۲) یہ ان معبودان باطلہ کی بے بسی کی وضاحت ہے جن کی عبادت اس کی قوم کرتی تھی اور شرک کی اس گمراہی سے نکلنے کے لیے رسول ان کی طرف بھیجے گئے تھے۔ نہ بچا سکیں کا مطلب ہے کہ اللہ اگر مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو یہ بچا نہیں سکتے۔

(۳) یعنی اگر میں بھی تمہاری طرح، اللہ کو چھوڑ کر ایسے بے اختیار اور بے بس معبودوں کی عبادت شروع کر دوں، تو میں بھی کھلی گمراہی میں جا کروں گا۔ یا ضلال، یہاں خسران کے معنی میں ہے، یعنی یہ تو نہایت واضح خسارے کا سوا ہے۔

(۴) اس کی دعوت توحید اور اقرار توحید کے جواب میں قوم نے اسے قتل کرنا چاہا تو اس نے پیغمبروں سے خطاب کر کے یہ کہا، مقصد اپنے ایمان پر ان پیغمبروں کو گواہ بنانا تھا۔ یا اپنی قوم سے خطاب کر کے کہا۔ جس سے مقصود دین حق پر اپنی صلابت اور استقامت کا اظہار تھا کہ تم جو چاہو کر لو، لیکن اچھی طرح سن لو کہ میرا ایمان اسی رب پر ہے، جو تمہارا بھی رب ہے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کو مار ڈالا اور کسی نے ان کو اس سے نہیں روکا۔ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالٰی

میں سے کر دیا۔^(۱۹) (۲۷)

اس کے بعد ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی شکر نہ اتارا،^(۲۸) اور نہ اس طرح ہم اتارا کرتے ہیں۔^(۲۹) (۲۸)
وہ تو صرف ایک زور کی چیخ تھی کہ یکایک وہ سب کے سب بچھ بچھ گئے۔^(۳۰) (۲۹)

(ایسے) بندوں پر افسوس! ^(۳۱) کبھی بھی کوئی رسول ان کے پاس نہیں آیا جس کی ہنسی انہوں نے نہ اڑائی ہو۔ (۳۰)
کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان کے پہلے بہت سی قوموں کو ہم نے غارت کر دیا کہ وہ ان ^(۳۲) کی طرف بوٹ کر نہیں آئیں گے۔ (۳۱)

اور نہیں ہے کوئی جماعت مگر یہ کہ وہ جمع ہو کر ہمارے

وَمَا أَرْسَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِ إِبْرَاهِيمَ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاءِ
وَمَا لَنَا لِهَٰؤُلَاءِ ۝

إِن كَانَتْ إِلَّا صِفَٰةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعُونَ ۝

يَسْتَرْشِدُونَ عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ
يَسْتَهْزِئُونَ ۝

أَلَمْ يَرَوْا كَمَا أَهْلَكْنَا قَوْمَهُم مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَٰهَهُمْ
لَا يَرْجِعُونَ ۝

فَإِن كُلُّ لُطُمٍ مِّنْهُ لَدَيْنَا مَعْصُومٌ ۝

(۱) یعنی جس ایمان اور توحید کی وجہ سے مجھے رب نے بخش دیا، کاش میری قوم اس بات کو جان لے کہ وہ بھی ایمان و توحید کو اپنا کر اللہ کی مغفرت اور اس کی نعمتوں کی مستحق ہو جائے۔ اس طرح اس شخص نے مرنے کے بعد بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی۔ ایک مومن صادق کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ وہ ہر وقت لوگوں کی خیر خواہی ہی کرے، بد خواہی نہ کرے۔ ان کی صحیح رہنمائی کرے، مگر وہ نہ کرے، بیشک لوگ اسے جو چاہے کہیں اور جس قسم کا سلوک چاہیں کریں، حتیٰ کہ اسے مار ڈالیں۔

(۲) یعنی حبیب نجار کے قتل کے بعد ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر نہیں اتارا یہ اس قوم کی حقیر شان کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) یعنی جس قوم کی ہدایت کسی دوسرے طریقے سے لکھی جاتی ہے تو وہاں ہم فرشتے نازل بھی نہیں کرتے
(۴) کہتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری، جس سے سب کے جسموں سے روہیں نکل گئیں اور وہ ابھی آگ کی طرح ہو گئے۔ گویا زندگی، شعلہ فروزاں ہے اور موت، اس کا بچھ کر رکھ کا ڈھیر ہو جاتا۔

(۵) حسرت و ندامت کا یہ اظہار خود اپنے نفسوں پر، قیامت والے دن، عذاب دیکھنے کے بعد کریں گے کہ کاش انہوں نے اللہ کے بارے میں کوتاہی نہ کی ہوتی یا اللہ تعالیٰ بندوں کے رویے پر افسوس کر رہا ہے کہ ان کے پاس جب بھی کوئی رسول آیا انہوں نے اس کے ساتھ استہزاء ہی کیا۔

(۶) اس میں اہل مکہ کے لیے تنبیہ ہے کہ مکذیب رسالت کی وجہ سے جس طرح پچھلی قومیں تباہ ہوئیں یہ بھی تباہ ہو سکتے ہیں۔

سامنے حاضر کی جائے گی۔^(۱) (۳۲)

اور ان کے لیے ایک نشانی^(۲) (خشک) زمین ہے جس کو ہم نے زندہ کر دیا اور اس سے غلہ نکالا جس میں سے وہ کھاتے ہیں۔ (۳۳)

اور ہم نے اس میں کھجوروں کے اور انگور کے باغات پیدا کر دیئے^(۳) اور جن میں ہم نے چشمے بھی جاری کر دیئے ہیں۔ (۳۴)

تاکہ (لوگ) اس کے پھل کھائیں^(۴) اور اس کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا۔^(۵) پھر کیوں شکر گزاری نہیں کرتے۔ (۳۵)

وہ پاک ذات ہے جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے

وَاٰیةُ لَہُمُ الْاَرْضُ الْمَیِّتَةُ الْحَیُّیُّہَا وَاٰخِرُهَا مِمَّا حَبَّطَ
فَیْنُہُ یَاکُلُوْنَ ۝

وَجَعَلْنَا فِیْہَا جَبَلًا مِّنْ زَیْنٍ وَّاَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِیْہَا مِّنَ
الْعُیُوْنِ ۝

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰتٰیہُمْ مِّنْہَا یَدْرِیْوْنَ اَقْلًا یَشْكُرُوْنَ ۝

بُخْسَ الَّذِیْ خَلَقَ لَہُمْ مِّنْہَا مَآئِیْمًا یَخْرُجُ الْاَرْضُ مِنْ

(۱) اس میں اِن تافیہ ہے اور لَمَّا 'اِلَّا کے معنی میں۔ مطلب یہ ہے کہ تمام لوگ گزشتہ بھی اور آئندہ آنے والے بھی سب اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے جہاں ان کا حساب کتاب ہو گا۔

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی قدرت نامہ اور مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر نشانی۔

(۳) یعنی مردہ زمین کو زندہ کر کے ہم اس سے ان کی خوراک کے لیے صرف غلہ ہی نہیں اگاتے بلکہ ان کے کام و رہن کی لذت کے لیے انواع و اقسام کے پھل بھی کثرت سے پیدا کرتے ہیں یہاں صرف دو پھلوں کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ کثیر النفع بھی ہیں اور عربوں کو مرغوب بھی 'نیز ان کی پیداوار بھی عرب میں زیادہ ہے۔ پھر غنہ کا ذکر پسے کیا کیونکہ اس کی پیداوار بھی زیادہ ہے اور خوراک کی حیثیت سے اس کی اہمیت بھی مسلمہ۔ جب تک انسان روٹی یا چاؤ وغیرہ خوراک سے اپنا پیٹ نہیں بھرتا محض پھل فروٹ سے اس کی غذائی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔

(۴) یعنی بعض جگہ چشمے بھی جاری کرتے ہیں جس کے پانی سے پیدا ہونے والے پھل لوگ کھائیں۔

(۵) امام ابن جریر کے نزدیک یہاں مافیہ ہے یعنی غلوں اور پھلوں کی یہ پیداوار اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جو وہ اپنے بندوں پر کرتا ہے۔ اس میں ان کی سعی و محنت، کدو کاوش اور تعریف کا دخل نہیں ہے۔ پھر بھی یہ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر کیوں نہیں کرتے؟ اور بعض کے نزدیک مافیہ موصولہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے معنی میں ہے یعنی تاکہ وہ اس کا پھل کھائیں اور ان چیزوں کو جن کو ان کے ہاتھوں نے بنایا۔ ہاتھوں کا عمل ہے زمین کو ہموار کر کے بیج بونا اسی طرح پھلوں کے کھانے کے مختلف طریقے ہیں مثلاً انہیں نچوڑ کر ان کا رس پینا، مختلف فروٹوں کو ملا کر چاٹ بنانا وغیرہ

أَفَتَعْلَمُونَ ۝۳۱

خواہ وہ زمین کی اگلی ہوئی چیزیں ہوں، خواہ خود ان کے نفوس ہوں خواہ وہ (چیزیں) ہوں جنہیں یہ جانتے بھی نہیں۔^(۱) (۳۶)

وَأَيُّكُمْ أَكْبَرُ ۝۳۲

اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو کھینچ دیتے ہیں تو وہ یکایک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔^(۲) (۳۷)

وَالشَّمْسُ بَعْرِیْ ۝۳۳

اور سورج کے لیے جو مقررہ راہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے۔^(۳) یہ ہے مقرر کردہ غالب، یا علم اللہ تعالیٰ کا۔ (۳۸)

وَالْقَمَرُ قَدْرَهُ ۝۳۴

اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں،^(۴) یہاں تک

(۱) یعنی انسانوں کی طرح زمین کی ہر پیداوار میں بھی ہم نے نر اور مادہ دونوں پیدا کیے ہیں۔ عدد وہ ازیں آسمانوں میں اور زمین کی گہرائیوں میں بھی جو چیزیں تم سے غائب ہیں، جن کا علم تم نہیں رکھتے، ان میں بھی زوجیت (نر اور مادہ) کا یہ نظام ہم نے رکھا ہے۔ پس تمام مخلوق جوڑا جوڑا ہے، نباتات میں بھی نر اور مادے کا یہی نظام ہے۔ حتیٰ کہ آخرت کی زندگی، دنیا کی زندگی کے لیے بمنزلہ زوج ہے اور یہ حیات آخرت کے لیے ایک عقلی دلیل بھی ہے۔ صرف ایک اللہ کی ذات ہے جو مخلوق کی اس صفت سے اور دیگر تمام کو تاہیوں سے پاک ہے۔ وہ دو تر (فرد) ہے، زوج نہیں۔

(۲) یعنی اللہ کی قدرت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ دن کو رات سے الگ کر دیتا ہے، جس سے فوراً اندھیرا چھ جاتا ہے۔ سلا کے معنی ہوتے ہیں جانور کی کھال کا اس کے جسم سے علیحدہ کرنا، جس سے اس کا گوشت ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ دن کو رات سے الگ کر دیتا ہے۔ أَظْلَمَ کے معنی ہیں، اندھیرے میں داخل ہونا۔ جیسے أَضْبَحَ اور أَضْمَنَ اور أَظْهَرَ کے معنی ہیں، صبح، شام اور ظہر کے وقت میں داخل ہونا۔

(۳) یعنی اپنے اس مدار (فلک) پر چلتا رہتا ہے، جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہے، اسی سے اپنی سیر کا آغاز کرتا ہے اور وہیں پر ختم کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے ذرا ادھر ادھر نہیں ہوتا، کہ کسی دوسرے سیارے سے ٹکر جائے دوسرے معنی ہیں، "اپنے ٹھہرنے کی جگہ تک" اور اس کا یہ مقام قرار عرش کے نیچے ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے جو صفحہ ۹۱۶ پر گزر چکی ہے کہ سورج روزانہ غروب کے بعد عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور پھر وہاں سے طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے (صحیح بخاری، تفسیر سورہ یٰسین) دونوں مضمون کے اعتبار سے لِحُسْنَتِیْ میں لام، صفت کے لیے ہے۔ اُنْجِیْ لِأَجْلِ مُسْتَفْرِیْ لَهَا بعض کہتے ہیں کہ لام، ائی کے معنی میں ہے، پھر مستقر یوم قیامت ہو گا۔ یعنی سورج کا یہ چلنا قیامت کے دن تک ہے، قیامت والے دن اس کی حرکت ختم ہو جائے گی یہ تینوں مضمون اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں

(۴) چاند کی ۲۸ منزلیں ہیں، روزانہ ایک منزل طے کرتا ہے، پھر دو راتیں غائب رہ کر تیسری رات کو نکل آتا ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْقُصُ لَهَا أَنْ تَذُرَّ ذُرَّةَ الْقَمَرِ وَلَا الْكَلْبُ سَابِقُ النَّهَّارِ
وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٣٠﴾

وَالَّذِينَ لَهُمْ الْأَقْبَابُ دُرُّهُمْ فِي رُءُوسِهِمْ كَالْمُذْنُوبِ ﴿٣١﴾

وَعَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْقَلِ ذَرَّةٍ مَّا يَرْجُونَ ﴿٣٢﴾

وَأَن تَشَاءُ نَعِزُّهُمْ فَلَا تَصْرِفُهُمْ لَهُمْ دَلَالُهمْ يَفْقَهُونَ ﴿٣٣﴾

کہ وہ لوٹ کر پرانی شنی کی طرح ہو جاتا ہے۔^(۱) (۳۹)
نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے^(۲) اور نہ
رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے،^(۳) اور سب کے
سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں۔^(۴) (۴۰)
اور ان کے لیے ایک نشانی (یہ بھی) ہے کہ ہم نے ان کی
نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔^(۵) (۴۱)
اور ان کے لیے اسی جیسی اور چیزیں پیدا کیں جن پر یہ
سوار ہوتے ہیں۔^(۶) (۴۲)

اور اگر ہم چاہتے تو انہیں ڈبو دیتے۔ پھر نہ تو کوئی ان کا

(۱) یعنی جب آخری منزل پر پہنچتا ہے تو بالکل باریک اور چھوٹا ہو جاتا ہے جیسے کجور کی پرانی شنی ہو جو سوکھ کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ چاند کی انہی گردشوں سے سکان ارض اپنے دنوں، مہینوں اور سالوں کا حساب اور اپنے اوقات عبادت کا تعین کرتے ہیں۔

(۲) یعنی سورج کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے جس سے اس کی روشنی ختم ہو جائے بلکہ دونوں کا اپنا اپنا راستہ اور الگ الگ حد ہے۔ سورج دن ہی کو اور چاند رات ہی کو طلوع ہوتا ہے اس کے برعکس کبھی نہیں ہوا جو ایک مدبر کائنات کے وجود پر ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

(۳) بلکہ یہ بھی ایک نظام میں بندھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔

(۴) کُلٌّ سے سورج، چاند یا اس کے ساتھ دوسرے کو اکب مراد ہیں سب اپنے اپنے مدار پر گھومتے ہیں ان کا باہمی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔

(۵) اس میں اللہ تعالیٰ اپنے اس احسان کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ اس نے تمہارے لیے سمندر میں کشتیوں کا چلنا آسان فرما دیا حتیٰ کہ تم اپنے ساتھ بھری ہوئی کشتیوں میں اپنے بچوں کو بھی لے جاتے ہو۔ دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ ذُرِّيَّتُہُمْ سے مقصود آبائے ذریت ہیں۔ اور کشتی سے مراد کشتی نوح علیہ السلام ہے۔ یعنی سفینہ نوح علیہ السلام میں ان لوگوں کو بٹھایا جن سے بعد میں نسل انسانی چلی۔ گویا نسل انسانی کے آباؤ اس میں سوار تھے۔

(۶) اس سے مراد ایسی سواریاں ہیں جو کشتی کی طرح انسانوں اور مسلمان تجارت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں اس میں قیامت تک پیدا ہونے والی چیزیں آئیں جیسے ہوائی جہاز، بحری جہاز، ریلیں، بسیں، کاریں اور دیگر نقل و حمل کی اشیا۔

إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿۳۱﴾

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۳۲﴾

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِنَا إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۳۳﴾

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا رَزَقْنَا لَكُمْ قَالُوا نَكْفُرُ ۖ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا أَمْوَالَهُمْ مَّتَاعًا لَّنَفْسِهِمْ أَفْلَحُوا أَمْ كَانُوا فِي لَبِيلٍ ﴿۳۴﴾

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۵﴾

مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿۳۶﴾

فریاد رس ہوتا نہ وہ بچائے جائیں۔ (۳۳)

لیکن ہم اپنی طرف سے رحمت کرتے ہیں اور ایک مدت

تک کے لیے انہیں فائدے دے رہے ہیں۔ (۳۴)

اور ان سے جب (کبھی) کہا جاتا ہے کہ اگلے پچھلے

(گناہوں) سے بچو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (۳۵)

اور ان کے پاس تو ان کے رب کی نشانیوں میں سے

کوئی نشانی ایسی نہیں آتی جس سے یہ بے رغبی نہ

برتتے ہوں۔ (۳۶)

اور ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے

میں سے کچھ خرچ کرو، (۳۷) تو یہ کفار ایمان واہوں کو جواب

دیتے ہیں کہ ہم انہیں کیوں کھائیں؟ جنہیں اگر اللہ تعالیٰ

چاہتا تو خود کھلا پلا دیتا، (۳۸) تم تو ہو ہی کھلی گمراہی میں۔ (۳۹)

وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہو گا، سچے ہو تو بتاؤ۔ (۴۰)

انہیں صرف ایک سخت چیخ کا انتظار ہے جو انہیں آپکڑے

گی اور یہ باہم لڑائی جھگڑے میں ہی ہوں گے۔ (۴۱)

(۱) یعنی توحید اور صداقت رسول کی جو نشانی بھی ان کے سامنے آتی ہے، اس میں یہ غوری نہیں کرتے کہ جس سے ان

کو فائدہ ہو، ہر نشانی سے اعراض ان کا شیوہ ہے۔

(۲) یعنی غریا و مساکین اور ضرورت مندوں کو دو۔

(۳) یعنی اللہ چاہتا تو ان کو غریب ہی نہ کرتا، ہم ان کو دے کر اللہ کی مشیت کے خلاف کیوں کریں۔

(۴) یعنی یہ کہہ کر کہ 'غریا کی مدد کرو' کھلی غلطی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ یہ بات تو ان کی صحیح تھی کہ غربت و ناداری اللہ کی

مشیت ہی سے تھی، لیکن اس کو اللہ کے حکم سے اعراض کا جواز بنا لیا غلط تھا، آخر ان کی امداد کرنے کا حکم دینے والا بھی تو

اللہ ہی تھا، اس لیے اس کی رضا تو اسی میں ہے کہ غریا و مساکین کی امداد کی جائے۔ اس لیے کہ مشیت اور چیز ہے اور رضا

اور چیز۔ مشیت کا تعلق امور تکوینی سے ہے جس کے تحت جو کچھ بھی ہوتا ہے، اس کی حکمت و مصلحت اللہ کے سوا کوئی

نہیں جانتا، اور رضا کا تعلق امور تشریعی سے ہے، جن کو بجالانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے تاکہ ہمیں اس کی رضا حاصل ہو

(۵) یعنی لوگ بازاروں میں خرید و فروخت اور حسب عادت بحث و تکرار میں مصروف ہوں گے کہ اچانک صور پھونک

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾

وَلَنَعْرِىَ صُورَهُدَاهُمْ مِّنَ الرَّحْمٰنِ اِلٰى نَجٰتِهِمْ يَنْزِلُوْنَ ﴿٥١﴾

قَالُوا يَوَيْلًا مِّنْ بَعَثَنَا مِن مَّرْقُودِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٢﴾

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةٌ وَاحِدَةٌ وَاِذَا هُمْ بِجُودِهِ لَمِنَّا الْخَفِرُوْنَ ﴿٥٣﴾

فَالْيَوْمَ لَا تَصْلٰهُمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا يُخَفِّرُوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٤﴾

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ لَفِيْ شُغْلٍ مُّكْتَبُوْنَ ﴿٥٥﴾

هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلِّ اِلَّا اَن يَاذَنَ اَن يَخْرُجُوْنَ ﴿٥٦﴾

لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدْعُوْنَ ﴿٥٧﴾

اس وقت نہ تو یہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے اہل کی طرف لوٹ سکیں گے۔ (۵۰)

تو صور کے پھونکے جاتے ہی سب^(۱) کے سب اپنی قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف (تیز تیز) چلنے لگیں گے۔ (۵۱)

کیس گے ہائے ہائے! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا۔^(۲) یہی ہے جس کا وعدہ رحمن نے دیا تھا

اور رسولوں نے سچ سچ کہہ دیا تھا۔ (۵۲)

یہ نہیں ہے مگر ایک سچ کہ یکایک سارے کے سارے ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ (۵۳)

پس آج کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور تمہیں نہیں بدلہ دیا جائے گا، مگر صرف ان ہی کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے۔ (۵۴)

جنتی لوگ آج کے دن اپنے (دلچسپ) مشغلوں میں

ہشاش ہشاش ہیں۔^(۳) (۵۵)

وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ (۵۶)

ان کے لیے جنت میں ہر قسم کے میوے ہوں گے اور بھی جو کچھ وہ طلب کریں۔ (۵۷)

دیا جائے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی یہ نغزہ اولیٰ ہو گا جسے نغزہ فزع بھی کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد دوسرا نغزہ ہو گا۔ نَغْزَةُ الصَّغْرِ جس سے اللہ تعالیٰ کے سوا سب موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔

(۱) پہلے قول کی بنا پر یہ نغزہ ممانیہ اور دوسرے قول کی بنا پر یہ نغزہ مایہ ہو گا جسے نَغْزَةُ الْبَغْيِ وَالشُّوْبِ کہتے ہیں اس سے لوگ قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ (ابن کثیر)

(۲) قبر کو خواب گاہ سے تعبیر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قبر میں ان کو عذاب نہیں ہو گا بلکہ بعد میں جو ہولناک مناظر اور عذاب کی شدت دیکھیں گے اس کے مقابلے میں انہیں قبر کی زندگی ایک خواب ہی محسوس ہو گی۔

(۳) فَاِكْبُهُوْنَ کے معنی ہیں مَرْحُوْنَ خوش، مسرت، بکنار

سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّكَ يُعَبِّدُ ۝

مہربان پروردگار کی طرف سے انہیں "سلام" کہا جائے گا۔^(۱) (۵۸)

وَأَمَّا زَوْالِيَوْمَآئِنَا الَّذِي يُؤْمِنُ ۝

اے گناہ گارو! آج تم الگ ہو جاؤ۔^(۲) (۵۹)

أَلَمْ نَعْهَدْ لَّيْكُمْ يَدْيَٰ أَدْرَأْنَ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝

اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے قول قرار نہیں کیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا،^(۳) وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔^(۴) (۶۰)

وَأَن اعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝

اور میری ہی عبادت کرنا۔^(۵) سیدھی راہ یہی ہے۔^(۶) (۶۱)

وَلَقَدْ أَصَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝

شیطان نے تو تم میں سے بہت ساری مخلوق کو بہکا دیا۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔^(۷) (۶۲)

(۱) اللہ کا یہ سلام، فرشتے اہل جنت کو پہنچائیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود سلام سے نوازے گا۔

(۲) یعنی اہل ایمان سے الگ ہو کر کھڑے ہو۔ یعنی میدان محشر میں اہل ایمان و اطاعت اور اہل کفر و معصیت الگ الگ کر دیے جائیں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَيَوْمَ نَقُودُ الشَّامَةَ يَوْمَئِذٍ يَتَفَرَّقُونَ﴾ (الروم ۳) ﴿يَوْمَئِذٍ يَفْضَحُونَ﴾ (الروم ۳۳) آئی بصِیْرُونَ صِذْعَيْنِ فِرْقَتَيْنِ "اس دن لوگ دو گروہوں میں بٹ جائیں گے"۔ دوسرا مطلب ہے کہ مجرمین ہی کو مختلف گروہوں میں الگ الگ کر دیا جائے گا۔ مثلاً یودیوں کا گروہ، عیسائیوں کا گروہ، صابئین اور مجوسیوں کا گروہ، زانوں کا، شرایہوں کا گروہ وغیرہ وغیرہ۔

(۳) اس سے مراد عہد الست ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالنے کے وقت لیا گیا تھا یہ وصیت ہے جو پیغمبروں کی زبان لوگوں کو کی جاتی رہی۔ اور بعض کے نزدیک وہ دلائل عقلیہ ہیں جو آسمان و زمین میں اللہ نے قائم کیے ہیں۔ (فتح القدیر)

(۴) یہ اس کی علت ہے کہ تمہیں شیطان کی عبادت اور اس کے وسوسے قبول کرنے سے اس سے روکا گیا تھا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور اس نے تمہیں ہر طرح گمراہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔

(۵) یعنی یہ بھی عہد لیا تھا کہ تمہیں صرف میری ہی عبادت کرنی ہے، میری عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرنا۔

(۶) یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا، یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس کی طرف تمام انبیاء لوگوں کو بلا تے رہے اور یہی منزل مقصود یعنی جنت تک پہنچانے والا ہے۔

(۷) یعنی اتنی عقل بھی تمہارے اندر نہیں کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ اور میں تمہارا رب ہوں، میں ہی تمہیں روزی دیتا ہوں اور میں ہی تمہاری رات دن حفاظت کرتا ہوں لہذا تمہیں میری نافرمانی نہیں کرنی

هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝

إِصْنَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَنَنصِتُ أَصْوَابَهُمْ

بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

وَلَوْ نَشَاءُ لَمَمَسْنَا عَٰلَمَ عِلْمِهِمْ فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَائِدَاتٍ

بِجُودٍ ۝

وَلَوْ نَشَاءُ لَنَمَسْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَضَاءُوا ضِيَاءًا

وَالنَّارُ حُجُوتٌ ۝

وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ آيَاتِنَا فَقَدْ لَاقَىٰ خُلُقًا مَّقْبُوتًا ۝

یہی وہ دوزخ ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔ (۶۳)
اپنے کفر کا بدلہ پانے کے لیے آج اس میں داخل ہو
جاؤ۔ (۶۴)^(۱)

ہم آج کے دن ان کے منہ پر مرس لگا دیں گے اور ان
کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں
گواہیں دیں گے ان کاموں کی جو وہ کرتے^(۲)
تھے۔ (۶۵)

اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں بے نور کر دیتے پھر یہ
رستے کی طرف دوڑتے پھرتے لیکن انہیں کیسے دکھائی
دیتا؟ (۶۶)^(۳)

اور اگر ہم چاہتے تو ان کی جگہ ہی پر ان کی صورتیں مسخ
کر دیتے پھر وہ چل پھر سکتے اور نہ ٹوٹ سکتے۔ (۶۷)^(۴)
اور جسے ہم بوزھا کرتے ہیں اسے پیدائشی حالت کی طرف

چاہیے۔ تم شیطان کی عداوت کو اور میرے حق عبادت کو نہ سمجھ کر نہایت بے عقلی اور نادانی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔

(۱) یعنی اب اس بے عقلی کا نتیجہ بھگتو اور اپنے کفر کے سبب سے جہنم کی سختیوں کا مزہ چکھو۔

(۲) یہ مہر لگانے کی ضرورت اس لیے پیش آئے گی کہ ابتداءً مشرکین قیامت والے دن بھی جھوٹ بولیں گے اور کہیں
گے ﴿وَاللّٰهُ رَبُّنَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ (الاحقاف ۱۶) ”اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم مشرک نہیں تھے۔“ چنانچہ اللہ تعالیٰ
ان کے مومنوں پر مہر لگا دے گا جس سے وہ خود تو بولنے کی طاقت سے محروم ہو جائیں گے البتہ اللہ تعالیٰ اعضائے
انسانی کو قوت گویائی عطا فرما دے گا ہاتھ بولیں گے کہ ہم سے اس نے فلاں فلاں کام کیا تھا اور پاؤں اس پر گواہی دیں
گے۔ یوں گویا اقرار اور شہادت دونوں مرطلے طے ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں ناطق کے مقابلے میں غیر ناطق چیزوں کا
بول کر گواہی دینا حجت و استدلال میں زیادہ مبلغ ہے کہ اس میں ایک اعجازی شان پائی جاتی ہے۔ (فتح القدیر) اس مضمون کو
احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم کتاب الزہد)

(۳) یعنی پیدائی سے محرومی کے بعد انہیں راستہ کس طرح دکھائی دیتا؟ لیکن یہ تو ہمارا علم و کرم ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا۔

(۴) یعنی نہ آگے جاسکتے نہ پیچھے ٹوٹ سکتے بلکہ پھر کی طرح ایک جگہ پڑے رہتے۔ مسخ کے معنی پیدائش میں تبدیلی کے
ہیں یعنی انسان سے پھر جانور کی شکل میں تبدیل کر دیتا۔

پھر اسلٹ دیتے^(۱) ہیں کیا پھر بھی وہ نہیں سمجھتے۔^(۲) (۶۸)
 نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے مانتے
 ہے۔ وہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے۔^(۳) (۶۹)

وَمَا عَلَّمَهُ الشَّعْرُ وَمَا يَنْتَفِي لَهٗ إِنَّ هُوَ الْاَدْرِكَوْ وَتُورَانِ مُبِينٌ ۝

(۱) یعنی جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں اس کی پیدائش کو بدل کر برعکس حالت میں کر دیتے ہیں۔ یعنی جب وہ بچہ ہوتا ہے تو اس کی نشوونما جاری رہتی ہے اور اس کی عقلی اور بدنی قوتوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ جوانی اور کھولت کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے برعکس اس کے قوائے عقیدہ و بدنہ میں ضعف و انحطاط کا عمل شروع ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ ایک بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔

(۲) کہ جو اللہ اس طرح کر سکتا ہے کیا وہ دوبارہ انسانوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟

(۳) مشرکین کہہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لیے مختلف قسم کی باتیں کہتے رہتے تھے ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ شاعر ہیں اور یہ قرآن پاک آپ کی شاعرانہ تک بندی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی۔ کہ آپ شاعر ہیں اور نہ قرآن شعری کلام کا مجموعہ ہے بلکہ یہ تو صرف نصیحت اور موعظت ہے۔ شاعری میں بالعموم مبالغہ، افراط و تفریط اور محض تخیلات کی ندرت کاری ہوتی ہے یوں گویا اس کی بنیاد جھوٹ پر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں شاعر محض گفتار کے غازی ہوتے ہیں کردار کے نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے نہ صرف یہ کہ اپنے پیغمبر کو شعر نہیں سکھائے نہ اشعار کی اس پروچی کی بلکہ اس کے مزاج و طبیعت کو ایسا بنایا کہ شعر سے اس کو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کبھی کسی کا شعر پڑھتے تو اکثر صحیح نہ پڑھ پاتے اور اس کا وزن ٹوٹ جاتا۔ جس کی مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ یہ احیاء اس لیے کی گئی کہ مکررین پر اتمام حجت اور ان کے شبہات کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ قرآن اس کی شاعرانہ تک بندی کا نتیجہ ہے جس طرح آپ کی امیت بھی قطع شبہات کے لیے تھی تاکہ لوگ قرآن کی بابت یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ تو اس نے فلاں سے سیکھ پڑھ کر اس کو مرتب کر لیا ہے۔ البتہ بعض مواقع پر آپ کی زبان مبارک سے ایسے الفاظ کا نکل جانا جو دو مصرعوں کی طرح ہوتے اور شعری اوزان و بحر کے بھی مطابق ہوتے آپ کے شاعر ہونے کی دلیل نہیں بن سکتے۔ کیونکہ ایسا آپ کے قصد و ارادہ کے بغیر ہوا اور ان کا شعری قالب میں داخل جانا ایک اتفاق تھا جس طرح حنین والے دن آپ کی زبان پر بے اختیار یہ رجز جاری ہو گیا

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ - أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

ایک اور موقع پر آپ ﷺ کی انگلی زخمی ہو گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا

هَلْ أَنتَ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتْ

رَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتْ

(صحیح بخاری و مسلم کتاب الجہاد)

لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيُحْيِيَ الْقَوْلَ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مَا يَشَاءُوْنَ اَيُّهَا اَنَّا فَاغَمَّ لَهُمُ لُحُوْلُهُمْ ۝

وَلَقَدْ لَبَّيْنَا لَهُمْ فَتَنًا زُكُوًّا وَمِنْهُمْ اِيْمَانًا كَلُوْنَ ۝

وَلَقَدْ لَبَّيْنَا لَهُمْ فَتَنًا زُكُوًّا وَمِنْهُمْ اِيْمَانًا كَلُوْنَ ۝

وَالْحَقُّ وَاَمِنْ دُونِ اللّٰهِ اِلٰهَةٌ لَّهُمْ يَصْطَوْنَ ۝

تاکہ وہ ہر اس شخص کو آگاہ کر دے جو زندہ ہے،^(۱) اور کافروں پر جہنم ثابت ہو جائے۔^(۲) (۷۰)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں بنائی^(۳) ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے چوپائے^(۴) (بھی) پیدا کر دیئے جن کے یہ مالک ہو گئے ہیں۔^(۵) (۷۱)

اور ان موشیوں کو ہم نے ان کا تابع فرمان بنا دیا ہے^(۶) جن میں سے بعض تو ان کی سواریاں ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں۔ (۷۲)

انہیں ان سے اور بھی بہت سے فائدے ہیں،^(۷) اور اپنے کی چیزیں۔ کیا پھر (بھی) یہ شکر ادا نہیں کریں گے؟ (۷۳)

اور وہ اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بناتے ہیں تاکہ وہ مدد کے جائیں۔^(۸) (۷۴)

(۱) یعنی جس کا دل صحیح ہے، حق کو قبول کرتا اور باطل سے انکار کرتا ہے۔

(۲) یعنی جو کفر پر مصر ہو، اس پر عذاب والی بات ثابت ہو جائے۔ لِيُنْذِرَ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔

(۳) اس سے فیروں کی شرکت کی نفی ہے، انکو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، کسی اور کا انکے بنانے میں حصہ نہیں ہے۔

(۴) اَنْعَامٌ، نَعَم کی جمع ہے۔ اس سے مراد چوپائے یعنی اونٹ، گائے، بکری (اور بھیڑ، دنبہ) ہیں۔

(۵) یعنی جس طرح چاہتے ہیں ان میں تصرف کرتے ہیں، اگر ہم ان کے اندر وحشی پن رکھ دیتے (جیسا کہ بعض جانوروں میں ہے) تو یہ چوپائے ان سے دور بھاگتے اور وہ ان کی ملکیت اور قبضے میں ہی نہ آسکتے۔

(۶) یعنی ان جانوروں سے وہ جس طرح کا بھی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، وہ انکار نہیں کرتے، حتیٰ کہ وہ انہیں ذبح بھی کر دیتے ہیں اور چھوٹے بچے بھی انہیں کھینچے بھرتے ہیں۔

(۷) یعنی سواری اور کھانے کے علاوہ بھی ان سے بہت سے فوائد حاصل کیے جاتے ہیں مثلاً ان کی اونٹ اور بالوں سے کئی چیزیں بنتی ہیں، ان کی چربی سے تیل حاصل ہوتا ہے اور یہ بار برداری اور کھیتی باڑی کے بھی کام آتے ہیں۔

(۸) یہ ان کے کفران نعمت کا اظہار ہے کہ مذکورہ نعمتیں جن سے یہ فائدہ اٹھاتے ہیں، سب اللہ کی پیدا کردہ ہیں۔ لیکن یہ بجائے اس کے کہ یہ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں یعنی ان کی عبادت و اطاعت کریں، یہ فیروں سے امیدیں وابستہ کرتے اور انہیں معبود بناتے ہیں۔

لَا يَتَّبِعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُخْفَرُونَ ﴿٤٥﴾

فَلَا يَحِزُّكَ قَوْلُهُمْ إِنَّهُمْ يَكْفُرُونَ وَمَا بَالِيُونَ ﴿٤٦﴾

أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ﴿٤٧﴾

وَوَدَّ رَبُّ لَنُؤْتِيَهُ أَكْثَرَ خَلْفَةً قَالَ مَنْ مَعِيَ الْعِطَامُ ذِي رِمِيمٍ ﴿٤٨﴾

مَنْ يُعِيهَا الذِّئْبُ أُنْشَأُهَا أَوَّلَ نَفْثَةٍ وَهُوَ مِنْ خَلْقٍ مُبِينٍ ﴿٤٩﴾

لَا الذِّئْبُ يَجْعَلُ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مُعْتَبَرُونَ ﴿٥٠﴾

تَوَدُّونَ ﴿٥١﴾

أَوَلَيْسَ الذِّئْبُ يَخْلُقُ السَّمُوتَ وَالْأَرْضَ بِغَيْرِ عَمَلٍ أَنْ يَخْلُقَ

(حالانکہ) ان میں انکی مدد کی طاقت ہی نہیں (لیکن) پھر بھی (مشرکین) ان کے لیے حاضر باش لشکری ہیں۔ (۴۵)

پس آپ کو ان کی بات غمناک نہ کرے، ہم ان کی پوشیدہ اور علانیہ سب باتوں کو (بخوبی) جانتے ہیں۔ (۴۶)
کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر کیا ایک وہ صریح جھگڑاویں بیٹھا۔ (۴۷)

اور اس نے ہمارے لیے مثال بیان کی اور اپنی (اصل) پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ (۴۸)

آپ جواب دیجئے! کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے، (۴۹) جو سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے۔ (۵۰)

وہی جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کر دی جس سے تم کیا ایک آگ سلاتے ہو۔ (۵۱) (۸۰)

جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ ان

(۱) جُنْد سے مراد جنوں کے حمایتی اور ان کی طرف سے مدافعت کرنے والے، مُخَفَّرُونَ دنیا میں ان کے پاس حاضر ہونے والے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جن جنوں کو معبود سمجھتے ہیں وہ ان کی مدد کیا کریں گے؟ وہ تو خود اپنی مدد کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ انہیں کوئی برا کئے، ان کی مذمت کرے تو یہی ان کی حمایت و مدافعت میں سرگرم ہوتے ہیں نہ کہ خود ان کے وہ معبود۔

(۲) یعنی جو اللہ تعالیٰ انسان کو ایک حقیر نطفے سے پیدا کرتا ہے، وہ دوبارہ اس کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟ اس کی قدرت احیائے موتی کا ایک واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے جلا کر اس کی آدمی راکھ سمندر میں اور آدمی راکھ تیز ہوا والے دن خشکی میں اڑا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ساری راکھ جمع کر کے اسے زندہ فرمایا اور اس سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا، تیرے خوف سے۔ چنانچہ اللہ نے اسے معاف فرمایا۔ (صحیح بخاری، الأنبياء، والرفاق باب الخوف من الله)

(۳) کہتے ہیں عرب میں دو درخت ہیں مرغ اور عفار۔ ان کی دو لکڑیاں آپس میں رگڑی جائیں تو آگ پیدا ہوتی ہے، سبز درخت سے آگ پیدا کرنے کے حوالے سے اسی طرف اشارہ مقصود ہے۔

وَمَا لِي ۲۳ وَتَوَلَّى الْخَلْقَ الْعَلِيمَ ۝

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝

فَتُبْعَنَ الْبَنَى بِبِنَى ۝ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ قَالِيَهُ تَرْجَعُونَ ۝

سُورَةُ الصَّافَّاتِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَالصَّفَّاتِ صَفًّا ۝

قَالِ الْجَوْنِ رَجُوعًا ۝

قَالِ الْبَنَى بِبِنَى ۝

إِنَّ الْعَالَمَ لَوَاحِدٌ ۝

جیسوں^(۱) کے پیدا کرنے پر قادر نہیں، بے شک قادر

ہے۔ اور وہی تو پیدا کرنے والا دانا (بینا) ہے۔ (۸۱)

وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے اتنا فرمانا

(کافی ہے) کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ (۸۲)^(۲)

پس پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے

اور^(۳) جس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ (۸۳)^(۴)

سورۃ صفات کی ہے اور اس میں ایک سو بیاسی آیتیں

اور پانچ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان

نہایت رحم والا ہے۔

قسم ہے صف باندھنے والے (فرشتوں) کی۔ (۱)

پھر پوری طرح ڈانٹنے والوں کی۔ (۲)

پھر ذکر اللہ کی تلاوت کرنے والوں کی۔ (۳)

یقیناً تم سب کا معبود ایک ہی ہے۔ (۴)^(۵)

(۱) یعنی انسانوں جیسے۔ مطلب، انسانوں کا دوبارہ پیدا کرنا ہے جس طرح انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ آسمان و زمین کی پیدائش

سے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال کیا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: لَخَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ

خَلْقِ الْإِنْسَانِ (المؤمن ۵۷) ”آسمان و زمین کی پیدائش (لوگوں کے نزدیک) انسانوں کی پیدائش سے زیادہ مشکل کام

ہے۔“ سورۃ اخلاف۔ ۳۳ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(۲) یعنی اس کی شان تو یہ ہے، پھر اس کے لیے سب انسانوں کا زندہ کر دینا کون سا مشکل معاملہ ہے؟

(۳) ملک اور ملکوت دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، بادشاہی، جیسے رَحْمَةٌ اور رَحْمُوتٌ رَحْبَةٌ اور رَحْبُوتٌ، جَبَرٌ اور

جَبَرُوتٌ وغیرہ ہیں۔ (ابن کثیر) بعض اس کو مبالغے کا صیغہ قرار دیتے ہیں (فتح القدیر) یعنی مَلَكُوتٌ مُلْكٌ کا صیغہ ہے

(۴) یعنی یہ نہیں ہو گا کہ مٹی میں رمل مل کر تمہارا وجود ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے، نہیں، بلکہ اسے دوبارہ وجود عطا کیا

جائے گا۔ یہ بھی نہیں ہو گا کہ تم بھاگ کر کسی اور کے پاس پناہ طلب کر لو۔ تمہیں ہر حال اللہ ہی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہو

گا، جہاں وہ علموں کے مطابق اچھی یا بری جزا دے گا۔

(۵) صَافَّاتٌ، رَاجِعَاتٌ، تَائِبَاتٌ فرشتوں کی صفات ہیں۔ آسمانوں پر اللہ کی عبادت کے لیے صف باندھنے والے، یا اللہ

رَبِّ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبِّ الْمَشْرِقِ ۝

إِنَّا زَيْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِنُجُومٍ الْكَوَكِبِ ۝

وَجَعَلْنَا مِنَ كُلِّ شَيْءٍ قَابًا ۝

لَا يَمْتَعُونَ إِلَى الْآخِرَةِ الْأَخْلَاقِ وَيَقْدِرُونَ مِنْ فُجْرٍ جَانِبِ ۝

دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاقٍ ۝

إِلَّا مَنْ خَلَفَ مِنْ خَلْفَةٍ مَثَلُ شَهِابٍ مُتَابٍ ۝

آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں اور مشرقوں کا رب وہی ہے۔ (۵)

ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا۔ (۶)

اور حفاظت کی سرکش شیطان سے۔ (۷)

عالم بالا کے فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لیے وہ کان بھی نہیں لگا سکتے، بلکہ ہر طرف سے وہ مارے جاتے ہیں۔ (۸)

بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ (۹)

مگر جو کوئی ایک آدھ بات اچک لے بھاگے تو (نورانی) اس کے پیچھے دکھتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے۔ (۱۰)

کے حکم کے انتظار میں صف بستہ، وعظ و نصیحت کے ذریعے سے لوگوں کو ڈانٹنے والے یا بادلوں کو، جہاں اللہ کا حکم ہو، وہاں ہانک کر لے جانے والے۔ اللہ کے ذکر یا قرآن کی تلاوت کرنے والے۔ ان فرشتوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے مضمون یہ بیان فرمایا کہ تمام انسانوں کا معبود ایک ہی ہے۔ متعدد نہیں، جیسا کہ مشرکین بنائے ہوئے ہیں۔ عرف عام میں قسم تاکید اور شک دور کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں قسم اسی شک کو دور کرنے کے لیے کھائی ہے جو مشرکین اس کی وحدانیت و اویہیت کے بارے میں پھیلاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہر چیز اللہ کی مخلوق اور مملوک ہے، اس لیے وہ جس چیز کو بھی گواہ بنا کر اس کی قسم کھائے، اس کے لیے جائز ہے۔ لیکن انسانوں کے لیے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا بالکل ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ قسم میں، جس کی قسم کھائی جاتی ہے، اسے گواہ بنانا مقصود ہوتا ہے۔ اور گواہ اللہ کے سوا کوئی نہیں بن سکتا کہ عالم الغیب صرف وہی ہے، اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔

(۱) مطلب ہے مشارق و مغارب کا رب۔ جمع کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ بعض کہتے ہیں کہ سال کے دنوں کی تعداد کے برابر مشرق و مغرب ہیں۔ سورج ہر روز ایک مشرق سے نکلتا اور ایک مغرب میں غروب ہوتا ہے اور سورہ رومن میں مشرقین اور مغربین، تنزیہ کے ساتھ ہیں یعنی دو مشرق اور دو مغرب۔ اس سے مراد وہ مشرقین اور مغربین ہیں جن سے سورج گرمی اور سردی میں طلوع و غروب ہوتا ہے یعنی ایک انتہائی آخری مشرق و مغرب اور دوسرا مختصر قریب ترین مشرق و مغرب اور جہاں مشرق و مغرب کو مفرد ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد وہ جہت ہے جس سے سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے (فتح القدیر)

(۲) یعنی آسمان دنیا پر، زینت کے علاوہ، ستاروں کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ سرکش شیاطین سے حفاظت ہو۔ چنانچہ شیطان آسمان پر کوئی بات سننے کے لیے جاتے ہیں تو ستارے ان پر ٹوٹ کر گرتے ہیں جس سے بالعموم شیطان جل جاتے ہیں۔ جیسا کہ اگلی

فَلْيَسْتَعِزُّوا هُمْ لَشَدِّ خَلْقًا مِّنْ خَلْقِنَا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّنْ طِينٍ لَّازِبٍ ۝

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ۝

وَأَذِّنْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى كُفْرِهِمْ ۝

وَلَا ذَا وَآلِهِ يُسْخَرُونَ ۝

وَقَالُوا إِنَّا هَذَا آلَ الْبَشَرِ مُبْتَلُونَ ۝

مَلَأْنَا مَكْنَسَنَا وَعَمَّا تُنَازِلُنَا وَمَلَأْنَا آلَكُمُ التَّكْوِينَ ۝

أَوَلَمْ يَكُنْ الْأَوَّلُونَ ۝

فَلْيَسْأَلُوا كَلِمَةً ذُرِّيَّتَهُ ۝

ان کافروں سے پوچھو تو کہ آیا ان کا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا (ان کا) جنمیں ہم نے (ان کے علاوہ) پیدا کیا؟^(۱) ہم نے (انسانوں) کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے؟^(۲) بلکہ تو تعجب کر رہا ہے اور یہ مسخرائیں کر رہے ہیں۔^(۳) اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے یہ نہیں مانتے۔^(۴) اور جب کسی معجزے کو دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں۔^(۵)

اور کہتے ہیں کہ یہ تو بالکل کھلم کھلا جادو ہی ہے۔^(۶) کیا جب ہم مرجائیں گے اور خاک اور ہڈی ہو جائیں گے پھر کیا (جج) ہم اٹھائے جائیں گے؟^(۷) کیا ہم سے پہلے کے ہمارے باپ دادا بھی؟^(۸) آپ جواب دیجئے! کہ ہاں ہاں اور تم ذلیل (بھی) ہوؤ گے۔^(۹)

آیات اور احادیث سے واضح ہے۔ ستاروں کا ایک تیسرا مقصد رات کی تاریکیوں میں رہنمائی بھی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں دوسرے مقام پر بیان فرمایا گیا ہے۔ ان مقاصد سرگازہ کے علاوہ ستاروں کا اور کوئی مقصد بیان نہیں کیا گیا ہے۔

(۱) یعنی ہم نے جو زمین، مائیکہ اور آسمان جیسی چیزیں بنائی ہیں جو اپنے حجم اور وسعت کے لحاظ سے نہایت انوکھی ہیں۔ کیا ان لوگوں کی پیدائش اور دوبارہ ان کو زندہ کرنا ان چیزوں کی تخلیق سے زیادہ سخت اور مشکل ہے؟ یقیناً نہیں۔

(۲) یعنی ان کے باپ آدم علیہ السلام کو تو ہم نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ انسان آخرت کی زندگی کو اتنا مستعد کیوں سمجھتے ہیں دراصل حایکہ ان کی پیدائش ایک نہایت ہی حقیر اور کمزور چیز سے ہوئی ہے۔ جب کہ خلقت میں ان سے زیادہ قوی، عظیم اور کامل و اتم چیزوں کی پیدائش کا ان کو انکار نہیں۔ (فتح القدیر)

(۳) یعنی آپ کو تو منکرین آخرت کے انکار پر تعجب ہو رہا ہے کہ اس کے امکان بلکہ وجوب کے اتنے واضح دلائل کے باوجود وہ اسے منکر نہیں دے رہے اور وہ آپ کے دعوائے قیامت کا مذاق اڑا رہے ہیں کہ یہ کیوں کر ممکن ہے؟

(۴) یعنی یہ ان کا شیوہ ہے کہ نصیحت قبول نہیں کرتے اور کوئی واضح دلیل یا معجزہ پیش کیا جائے تو استہزا کرتے اور انہیں جادو باز کہتے ہیں۔

(۵) جس طرح دوسرے مقام پر بھی فرمایا ﴿وَقُلْ أَتُكَفِّرُونَ﴾ (المعل ۸۷) ”سب اس کی بارگاہ میں ذلیل ہو کر آئیں گے۔“ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ ذَٰلِيقِينَ﴾ — ﴿الْمُؤْمِنُونَ ۲۰﴾ ”جو لوگ میری عبادت سے

وَأَمَّا هِيَ زَجْرًا وَبُحْبُوحًا فَإِذَا هِيَ تَنظُرُونَ ①

وَقَالُوا بَوَّيْنَا هَذَا يَوْمَ الدِّينِ ②

هَذَا يَوْمَ الْفُصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَكْتُمُونَ ③

أَحْشَرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَوْرَاحَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ④

مَنْ دُونِ اللَّهِ فَأَهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَنَّةِ ⑤

وَقُلْ لَهُمْ إِنَّهُمْ كَاشِفُونَ ⑥

وہ تو صرف ایک زور کی جھڑکی ہے ^(۱) کہ یکایک یہ دیکھنے لگیں گے۔ ^(۲) (۱۹)

اور کہیں گے کہ ہائے ہماری خرابی یہی جزا (سزا) کا دن ہے۔ (۲۰)

یہی فیصلہ کا دن ہے جسے تم جھٹلاتے رہے۔ ^(۳) (۲۱)
ظالموں کو ^(۴) اور ان کے ہمراہیوں کو ^(۵) اور (جن) جن کی وہ اللہ کے علاوہ پرستش کرتے تھے۔ ^(۶) (۲۲)

(ان سب کو) جمع کر کے انہیں دوزخ کی راہ دکھا دو۔ (۲۳)
اور انہیں ٹھہرا لو ^(۷) (اس لیے) کہ ان سے (ضروری) سوال کیے جانے والے ہیں۔ (۲۴)

انکار کرتے ہیں، عنقریب وہ جہنم میں ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوں گے۔“

(۱) یعنی وہ اللہ کے ایک ہی حکم اور اسرائیل علیہ السلام کی ایک ہی پھونک (نفوذ گانیہ) سے قبروں سے زندہ ہو کر نکل کھڑے ہوں گے۔

(۲) یعنی ان کے سامنے قیامت کے بولناک مناظر اور میدان محشر کی سختیاں ہوں گی جنہیں وہ دیکھیں گے۔ نئے یا چچ کو زجرہ (ڈانٹ) سے تعبیر کیا، کیونکہ اس سے مقصود ڈانٹ ہی ہے۔

(۳) وکیل کا لفظ ہلاکت کے موقع پر بولا جاتا ہے، یعنی معاینہ عذاب کے بعد انہیں اپنی ہدایت صاف نظر آرہی ہوگی اور اس سے مقصود ندامت کا اظہار اور اپنی کوتاہیوں کا اعتراف ہے لیکن اس وقت ندامت اور اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی لیے ان کے جواب میں فرشتے اور اہل ایمان کہیں گے کہ یہ وہی فیصلے کا دن ہے جسے تم مانتے نہیں تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو کہیں گے۔

(۴) یعنی جنہوں نے کفر و شرک اور معاصی کا ارتکاب کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا۔

(۵) اس سے مراد کفر و شرک اور تکذیب رسل کے ساتھی یا بعض کے نزدیک جنات و شیاطین ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بیویاں ہیں جو کفر و شرک میں ان کی ہمنوا تھیں۔

(۶) مّا عام ہے، تمام معبودین کو چاہے وہ مورتیاں ہوں یا اللہ کے نیک بندے، سب کو ان کی تذلیل کے لیے جمع کیا جائے گا۔ تاہم نیک لوگوں کو تو اللہ جہنم سے دور ہی رکھے گا اور دوسرے معبودوں کو ان کے ساتھ ہی جہنم میں ڈال دیا جائے گا کہ وہ دیکھ لیں کہ یہ کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔

(۷) یہ حکم جہنم میں لے جانے سے قبل ہوگا، کیونکہ حساب کے بعد ہی وہ جہنم میں جائیں گے۔

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ۝

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ (اس وقت) تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ (۲۵)

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُتَسَلِّمُونَ ۝

بلکہ وہ (سب کے سب) آج فرمانبردار بن گئے۔ (۲۶)
وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال و جواب کرنے لگیں گے۔ (۲۷)

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝

کہیں گے کہ تم تو ہمارے پاس ہماری دائیں طرف سے آتے تھے۔^(۱) (۲۸)

قَالُوا لَئِنْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنْ الْيَمِينِ ۝

وہ جواب دیں گے کہ نہیں بلکہ تم ہی ایمان دار نہ تھے۔^(۲) (۲۹)

قَالُوا بَلْ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ سُُلْطَانٍ ۝

اور کچھ ہمارا زور تو تم پر تھا (ہی) نہیں۔ بلکہ تم (خود) سرکش لوگ تھے۔^(۳) (۳۰)

وَمَا كُنْ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُُلْطَانٍ ۝

اب تو ہم (سب) پر ہمارے رب کی یہ بات ثابت ہو چکی کہ ہم (عذاب) پہنچنے والے ہیں۔ (۳۱)

فَقُلْ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا إِنَّكَ لَذَّابِقُونَ ۝

پس ہم نے تمہیں گمراہ کیا ہم تو خود بھی گمراہ ہی تھے۔^(۴) (۳۲)

فَأَعْوَجْنَا لَهُمْ أَرْوَاقَ الْغَاطِيُونَ ۝

(۱) اس کا مطلب ہے کہ دین اور حق کے نام سے آتے تھے یعنی باور کراتے تھے کہ یہی اصل دین اور حق ہے۔ اور بعض کے نزدیک مطلب ہے، ہر طرف سے آتے تھے، وَالْإِنَّمَالِ مَحْذُوفٌ ہے۔ جس طرح شیطان نے کہا تھا ”میں ان کے آگے، پیچھے سے، ان کے دائیں بائیں سے ہر طرف سے ان کے پاس آؤں گا اور انہیں گمراہ کروں گا“ (الأعراف-۱۷)

(۲) یذکر کہیں گے کہ ایمان تم اپنی مرضی سے نہیں لائے اور آج ذمے دار ہمیں ٹھہرا رہے ہو؟

(۳) تاہمیں اور مقبوعین کی یہ باہمی تکرار قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کی گئی ہے۔ ان کی ایک دوسرے کو یہ دامت عرشہ قیامت (میدانِ محشر) میں بھی ہوگی اور جہنم میں جانے کے بعد جہنم کے اندر بھی۔ ملاحظہ ہو۔ المؤمن-۴۷، ۴۸، سبا-۳۱، ۳۲، الأعراف-۶۷، ۶۸، الأعراف-۳۸، ۳۹ وغیرہا مِنَ الْآيَاتِ۔

(۴) یعنی جس بات کی پیروی انہوں نے نبی کی ”کہ ہمارا تم پر کون سا زور تھا کہ تمہیں گمراہ کرتے۔ اب اس کا یہاں اعتراف ہے کہ ہاں واقعی ہم نے تمہیں گمراہ کیا تھا۔ لیکن یہ اعتراف اس حقیقہ کے ساتھ کیا کہ ہمیں اس ضمن میں مورد طعن مت بناؤ“ اس لیے کہ ہم خود بھی گمراہ ہی تھے، ہم نے تمہیں بھی اپنے جیسا ہی بنانا چاہا اور تم نے آسانی سے ہماری راہ اپنی۔ جس طرح شیطان بھی اس روز کے گا۔ ﴿وَمَا كُنْ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُُلْطَانٍ﴾ (الْآن دَعَوْنَكُمْ فَلَا تَسْتَجِيبُوا لِي وَلَوْلَا تَقْوَايَ دَعَا أُمَّ الْقَارِئِ وَمَا كُنْ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُُلْطَانٍ﴾ (الْآن دَعَوْنَكُمْ فَلَا تَسْتَجِيبُوا لِي وَلَوْلَا تَقْوَايَ دَعَا أُمَّ الْقَارِئِ وَمَا كُنْ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُُلْطَانٍ) (۱۳۰)

﴿إِسْرَاهِيم-۱۳۰﴾

فَأَنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝

إِنَّا كَذَبْنَا نَعْمًا بِالنَّبِيِّينَ ۝

إِنَّا كُنَّا نُوَارِيهِ قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَلْبِذُونَ ۝

وَيَقُولُونَ إِنَّا نَأْتِيكَوَالْهَيْئَةَ الشَّاعِرِ يُحْمَلُونَ ۝

بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ۝

إِنَّا كُنَّا نَقُولُ لَئِنَّا الْعَذَابَ لَآتِيهِ ۝

وَمَا نَحْنُ بِمُتَحَرِّينَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ ۝

سوا اب آج کے دن تو (سب کے سب) عذاب میں شریک ہیں۔^(۱) (۳۳)

ہم گناہ گاروں کے ساتھ اسی طرح کیا کرتے ہیں۔^(۲) (۳۴)
یہ وہ (لوگ) ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ سرکشی کرتے تھے۔^(۳) (۳۵)

اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں؟^(۴) (۳۶)

(نہیں نہیں) بلکہ (نہی) تو حق (سچا دین) لائے ہیں اور سب رسولوں کو سچا جانتے ہیں۔^(۵) (۳۷)

یقیناً تم دردناک عذاب (کامزہ) چکھنے والے ہو۔ (۳۸)

تمہیں اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے۔^(۶) (۳۹)

(۱) اس لیے کہ ان کا جرم بھی مشترک ہے، شرک، معصیت اور شرفسادان سب کا دلیہ تھا۔

(۲) یعنی ہر قسم کے گناہ گاروں کے ساتھ ہمارا یہی معاملہ ہے اور اب وہ سب ہمارا عذاب بھگتیں گے۔

(۳) یعنی دنیا میں جب ان سے کہا جاتا تھا کہ جس طرح مسلمانوں نے یہ کلمہ پڑھ کر شرک و معصیت سے توبہ کر لی ہے، تم بھی یہ پڑھو، تاکہ تم دنیا میں بھی مسلمانوں کے قرو غصب سے بچ جاؤ اور آخرت میں بھی عذاب الہی سے تمہیں دوچار ہونا نہ پڑے، تو وہ تکبر کرتے اور انکار کرتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: أَمَرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَمَنْ قَالَ (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ (متعلق علیہ مشکوٰۃ کتاب الإیمان بحوالہ ابن کثیر) ”مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کروں جب تک وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کر لیں۔ جس نے یہ اقرار کر لیا، اس نے اپنی جان اور مال کی حفاظت کر لی۔“

(۴) یعنی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور مجنون کہا اور آپ کی دعوت کو جنون (دیوانگی) اور قرآن کو شعر سے تعبیر کیا اور کہا کہ ایک دیوانے کی دیوانگی پر ہم اپنے معبودوں کو کیوں چھوڑ دیں؟ حالانکہ یہ دیوانگی نہیں، فرزانگی تھی، شاعری نہیں، حقیقت تھی اور اس دعوت کے اپنانے میں ان کی ہلاکت نہیں، نجات تھی۔

(۵) یعنی تم ہمارے پیغمبر کو شاعر اور مجنون کہتے ہو، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ لایا اور پیش کر رہا ہے، وہ سچ ہے اور وہی چیز ہے جو اس سے قبل تمام انبیاء بھی پیش کرتے رہے ہیں، کیا یہ کام کسی دیوانے کا یا کسی شاعر کے تخیلات کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟

(۶) یہ جہنمیوں کو اس وقت کہا جائے گا جب وہ کھڑے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے اور ساتھ ہی وضاحت کر

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۳۰﴾

أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّغْلُوبٌ ﴿۳۱﴾

قَوَّامٌ وَمَنْ يَكْفُرْ يَكْفُرْ ﴿۳۲﴾

بِئْسَ مَا لِلظَّالِمِينَ ﴿۳۳﴾

عَلَىٰ سُرَّةٍ مِّنْهُم مَّعِينٌ ﴿۳۴﴾

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِمُحَاسِنٍ مِّنْ مَّعِينٍ ﴿۳۵﴾

بَيْضَاءَ لَدُنَّا لِيُشْرَبُوا ﴿۳۶﴾

وَلَا يَمَسُّهُمُ الْهَوْلُ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَوُونَ ﴿۳۷﴾

وَعِنْدَهُمْ نَضْرٌ طَرَفٍ يَنْشَبُ ﴿۳۸﴾

كَأَنَّهُمْ بَيْضٌ لَّكُونٌ ﴿۳۹﴾

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۴۰﴾

مگر اللہ تعالیٰ کے خالص برگزیدہ بندے۔ (۳۰)

انہیں کے لیے مقررہ روزی ہے۔ (۳۱)

(ہر طرح کے) میوے اور وہ باعزت و اکرام ہونگے۔ (۳۲)

نعتوں والی جنتوں میں۔ (۳۳)

تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے (بیٹھے) ہوں گے۔ (۳۴)

جاری شراب کے جام کا ان پر دور چل رہا ہو گا۔ (۳۵)

جو صاف شفاف اور پینے میں لذیذ ہو گی۔ (۳۶)

نہ اس سے درد سر ہو اور نہ اس کے پینے سے ہلکیں۔ (۳۷)

اور ان کے پاس نیچی نظروں، بڑی بڑی آنکھوں والی

(خوریں) ہوں گی۔ (۳۸)

ایسی جیسے چھپائے ہوئے انڈے۔ (۳۹)

(جنتی) ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے پوچھیں

گے۔ (۴۰)

دی جائے گی کہ یہ ظلم نہیں ہے بلکہ عین عدل ہے کیونکہ یہ سب تمہارے اپنے عملوں کا بدلہ ہے۔

(۱) یعنی یہ عذاب سے محفوظ ہوں گے، ان کی کوتاہیوں سے بھی درگزر کر دیا جائے گا، اگر کچھ ہوں گی اور ایک ایک نیکی کا اجر انہیں کئی کئی گنا دیا جائے گا۔

(۲) تَنَاسُ 'شراب کے بھرے ہوئے جام کو اور قدح خالی جام کو کہتے ہیں۔ مَعِين کے معنی ہیں۔ جاری چشمہ۔ مطلب یہ ہے کہ جاری چشمے کی طرح جنت میں شراب ہر وقت میسر رہے گی۔

(۳) دُنْیَا میں شراب عام طور پر بد رنگ ہوتی ہے، جنت میں وہ جس طرح لذیذ ہو گی خوش رنگ بھی ہو گی۔

(۴) یعنی دنیا کی شراب کی طرح اس میں قے، سر درد، بد مستی اور ہلکنے کا اندیشہ نہیں ہو گا۔

(۵) بڑی اور موٹی آنکھیں حسن کی علامت ہے یعنی حسین آنکھیں ہوں گی۔

(۶) یعنی شتر مرغ اپنے پروں کے نیچے چھپائے ہوئے ہوں، جس کی وجہ سے وہ ہوا اور گرد و غبار سے محفوظ ہوں گے۔

کہتے ہیں شتر مرغ کے انڈے بہت خوش رنگ ہوتے ہیں، جو زردی مائل سفید ہوتے ہیں اور ایسا رنگ حسن و جمال کی

دنیا میں سب سے عمدہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تشبیہ، صرف سفیدی میں نہیں ہے بلکہ خوش رنگی اور حسن و

روحانی میں ہے۔

(۷) جنتی جنت میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے ہوئے دنیا کے واقعات یاد کریں گے اور ایک دوسرے کو سنائیں گے۔

قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَدِيرٌ ۝

ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا۔ (۵۱)

يَقُولُ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ ۝

جو (مجھ سے) کہا کرتا تھا کہ کیا تو (قیامت کے آنے کا) یقین کرنے والوں میں سے ہے؟ (۵۲)

وَإِذْ آمَنَّا مِنْ قَبْلُ بِرَبِّ الْإِنشَاءِ إِذْ أَنزَلَ الْبُيُوتَ ۝

کیا جب کہ ہم سر کر مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے کیا اس وقت ہم جزا دیے جانے والے ہیں؟ (۵۳)

قَالَ هَلْ أُنتُمْ مُظِلُّونَ ۝

کے گاتم چاہتے ہو کہ جھانک کر دیکھ لو؟ (۵۴)

فَأَنصَلَعَ قِرَاءُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۝

جھانکتے ہی اسے پتوں بچ جنم میں (جلا ہوا) دیکھے گا۔ (۵۵)

قَالَ تَاللَّهِ إِنْ كَذَّبْتُ لَأُتْرَبْنَ ۝

کہے گا واللہ! قریب تھا کہ تو مجھے (بھی) برباد کر دے۔ (۵۶)

وَلَوْلَا رِغْمَةُ رَبِّي لَكُنْتُ مِنَ الْمُخْضَرِّينَ ۝

اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں حاضر کئے جانے والوں میں ہوتا۔ (۵۷)

أَفَمَن هُنَّ حِينُوتِينَ ۝

کیا (یہ صحیح ہے) کہ ہم مرے والے ہی نہیں؟ (۵۸)

إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَىٰ وَمَا غَنَّىٰ مُعَذِّبِينَ ۝

بجز پہلی ایک موت کے، اور نہ ہم عذاب کیسے جانے

(۱) یعنی یہ بات وہ استہزا اور مذاق کے طور پر کہا کرتا تھا، مقصد اس کا یہ تھا کہ یہ تو ناممکن ہے کیا ایسی ناممکن وقوع بات پر تو یقین رکھتا ہے؟

(۲) یعنی ہمیں زندہ کر کے ہمارا حساب لیا جائے گا اور پھر اس کے مطابق جزا دی جائے گی؟

(۳) یعنی وہ جنتی، اپنے جنت کے ساتھیوں سے کہے گا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ ذرا جنم میں جھانک کر دیکھیں، شاید مجھے یہ باتیں کہنے والا وہاں نظر آجائے تو تمہیں بتاؤں کہ یہ شخص تھا جو یہ باتیں کرتا تھا۔

(۴) یعنی جھانکنے پر اسے جنم کے وسط میں وہ شخص نظر آجائے گا اور اسے یہ جنتی کہے گا کہ مجھے بھی تو گمراہ کر کے ہلاکت میں ڈالنے لگا تھا، یہ تو مجھ پر اللہ کا احسان ہوا، ورنہ آج میں بھی تیرے ساتھ جنم میں ہوتا۔

(۵) جہنمیوں کا حشر دیکھ کر جنتی کے دل میں رشک کا جذبہ مزید بیدار ہو جائے گا اور کہے گا کہ ہمیں جو جنت کی زندگی اور اس کی نعمتیں ملی ہیں، کیا یہ دائمی نہیں؟ اور اب ہمیں موت آنے والی نہیں ہے؟ یہ استفهام تقریری ہے یعنی اب یہ زندگیاں دائمی ہیں، جنتی ہمیشہ جنت میں اور جہنمی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، نہ انہیں موت آئے گی کہ جنم کے عذاب سے چھوٹ جائیں اور نہ ہمیں کہ جنت کی نعمتوں سے محروم ہو جائیں، جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں جنت اور دوزخ کے درمیان لاکر ذبح کر دیا جائے گا کہ اب کسی کو موت نہیں آئے گی۔

(۶) جو دنیا میں آچکی، اب ہمارے لیے موت ہے نہ عذاب۔

والے ہیں۔ (۵۹)

رَبِّ هَذَا الْقَوْمِ الْعَظِيمِ ۝

پھر تو (ظاہریات ہے کہ) یہ بڑی کامیابی ہے۔ (۶۰)^(۱)
ایسی (کامیابی) کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا
چاہیے۔ (۶۱)^(۲)

يَسْئَلُ هَذَا أَقْلِيْعَمِلُ الْعَمَلُونَ ۝

کیا یہ سہمی اچھی ہے یا سینڈھ (زقوم) کا درخت؟ (۶۲)^(۳)
جسے ہم نے ظالموں کے لیے سخت آزمائش بنا رکھا
ہے۔ (۶۳)^(۴)

أَذَلِكَ خَيْرٌ نَزَّلْنَا شَجَرَةَ الزُّقُومِ ۝

إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلْعَالَمِينَ ۝

إِنَّا شَجَرَةُ عُزْرَجِي أَصْلُ الْجَبَّارِ ۝

ظَلَمْنَا كَانَتْ زُؤُوسُ الشَّيْطَانِ ۝

بے شک وہ درخت جنم کی جڑ میں سے نکلتا ہے۔ (۶۴)^(۵)
جسکے خوشے شیطانوں کے سروں جیسے ہوتے ہیں۔ (۶۵)^(۶)
(جنمی) اسی درخت میں سے کھائیں گے اور اسی سے
پیٹ بھر سکیں گے۔ (۶۶)^(۷)

فَأَنَّهُمْ لَا يَكُونُونَ مِمَّنْ لَّمَّا الْوَنُ وَمِنَّا الْبَطُونُ ۝

(۱) اس لیے کہ جنم سے بچ جانے اور جنت کی نعمتوں کا مستحق قرار پا جانے سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہوگی؟

(۲) یعنی اس جیسی نعمت اور اس جیسے فضل عظیم ہی کے لیے عنت کرنے والوں کو عنت کرنی چاہیے 'اس لیے کہ یہی
سب سے نفع بخش تجارت ہے۔ نہ کہ دنیا کے لیے جو عارضی ہے۔ اور خسارے کا سودا ہے۔

(۳) زُقُوم، تَزَقُّم سے مشتق ہے 'جس کے معنی بدبودار اور کریہ چیز کے نکلنے کے ہیں۔ اس درخت کا پھل بھی کھانا اہل
جنم کے لیے سخت ناگوار ہو گا۔ کیوں کہ یہ سخت بدبودار، کڑوا اور نہایت کریہ ہو گا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے درختوں
میں سے ہے اور عربوں میں متعارف ہے 'یہ قطرب درخت ہے جو تمامہ میں پایا جاتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کوئی
دنیوی درخت نہیں ہے 'اہل دنیا کے لیے یہ غیر معروف ہے۔ (فتح القدیر) لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور یہ وہی
درخت ہے جسے اردو میں سینڈھ یا تھوہر کہتے ہیں۔

(۴) آزمائش 'اس لیے کہ اس کا پھل کھانا بجائے خود ایک بہت بڑی آزمائش ہے۔ بعض نے اسے اس اعتبار سے
آزمائش کہا کہ اس کے وجود کا انہوں نے انکار کیا کہ جنم میں جب ہر طرف آگ ہی آگ ہوگی تو وہاں درخت کس طرح
موجود رہ سکتا ہے؟ یہاں ظالمین سے مراد وہ اہل جنم ہیں جن پر جنم واجب ہوگی۔

(۵) یعنی اس کی جڑ جنم کی گہرائی میں ہوگی البتہ اس کی شاخیں ہر طرف پھیلی ہوئی ہوں گی۔

(۶) اسے شہادت و قیامت میں شیطانوں کے سروں سے تشبیہ دی 'جس طرح اچھی چیز کے بارے میں کہتے ہیں گویا کہ وہ
فرشتہ ہے۔

(۷) یہ انہیں نہایت کراہت سے کھانا پڑے گا جس سے ظاہریات ہے پیٹ بوجھل ہی ہوں گے۔

ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهِمُ الشُّبُهَاتِ مِنْ حَيْثُ ⑤

لَمْ يَنْ تَرْجِعْهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ ⑥

إِنَّهُمْ أَلَمُوا أَلَاءَهُمْ ضَالِّينَ ⑦

فَهُمْ عَلَى أَشْرُومٍ يُعْرَعُونَ ⑧

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمُ الْكُفْرُ الْأَوَّلُونَ ⑨

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنْذِرِينَ ⑩

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ⑪

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ⑫

وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا فَلْيَعْمَلِ الْمُجِيبُونَ ⑬

پھر اس پر گرم جلتے جلتے پانی کی طوفی ہوگی۔^(۶۷)
پھر ان سب کا لوٹنا جہنم کی (آگ کے ڈھیر کی)
طرف ہو گا۔^(۶۸)

یقین مانو! کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کو ہٹا دیا۔^(۶۹)
اور یہ انہی کے نشان قدم پر دوڑتے رہے۔^(۷۰)
ان سے پہلے بھی بہت سے اگلے ہمک چکے ہیں۔^(۷۱)
جن میں ہم نے ڈرانے والے (رسول) بھیجے تھے۔^(۷۲)
اب تو دیکھ لے کہ جنہیں دھمکایا گیا تھا ان کا انجام کیسا
کچھ ہوا۔^(۷۳)

سوائے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے۔^(۷۴)
اور ہمیں نوح (علیہ السلام) نے پکارا تو (دیکھ لو) ہم کیسے
اچھے و عاقبول کرنے والے ہیں۔^(۷۵)

(۱) یعنی کھانے کے بعد انہیں پانی کی طلب ہوگی تو کھوتا ہوا گرم پانی انہیں دیا جائے گا جس کے پینے سے ان کی انتڑیاں
کٹ جائیں گی (سورۃ محمد - ۱۵)

(۲) یعنی زقوم کے کھانے اور گرم پانی کے پینے کے بعد انہیں دوبارہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔
(۳) یہ جہنم کی مذکورہ سزاؤں کی علت ہے کہ اپنے باپ دادوں کو گمراہی پر پانے کے باوجود یہ انہی کے نقش قدم پر چپے
رہے اور دلیل و حجت کے مقابلے میں تھلید کو اپنائے رکھا، 'إِغْرَاعٌ' 'إِسْرَاعٌ' کے معنی میں ہے یعنی دوڑنا اور نہایت شوق
سے اور لپک کر پکڑنا اور اختیار کرنا۔

(۴) یعنی یہی گمراہ نہیں ہوئے، ان سے پہلے لوگ بھی اکثر گمراہی ہی کے راستے پر چلنے والے تھے۔
(۵) یعنی ان سے پہلے لوگوں میں۔ انہوں نے حق کا پیغام پہنچایا اور عدم قبول کی صورت میں انہیں اللہ کے عذاب سے
ڈرایا، لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا نتیجتاً انہیں تباہ کر دیا گیا، جیسا کہ اگلی آیت میں ان کے عبرت ناک انجام کی طرف
اشعارہ فرمایا۔

(۶) یعنی عبرت ناک انجام سے صرف وہ محفوظ رہے جن کو اللہ نے ایمان و توحید کی توفیق سے نواز کر بچا دیا۔
مُخْلَصِينَ 'وہ لوگ جو عذاب سے بچے رہے' مُنْذَرِينَ (تباہ ہونے والی قوموں) کے اجمال ذکر کے بعد اب چند
مُنْذَرِينَ (پیغمبروں) کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۷) یعنی ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ کے باوجود جب قوم کی اکثریت نے ان کی تکذیب ہی کی اور انہوں نے محسوس کر لیا کہ

وَجَبَّتْهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ۝

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝

سَلَّمَ عَلَى نُوحٍ فِي الْعُلَيْنِ ۝

إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝

لَعَلَّ الْفُرْقَانَا لْآخِرِينَ ۝

وَأَنَّ مِنْ شَيْعَتِهِ لَأَبَرَهِيْمَ ۝

ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو ^(۱) اس زبردست مصیبت سے بچالیا۔ (۷۶)

اور اس کی اولاد کو ہم نے باقی رہنے والی بنادی۔ ^(۲) (۷۷)

اور ہم نے اس کا (ذکر خیر) پچھوں میں باقی رکھا۔ ^(۳) (۷۸)

نوح (علیہ السلام) پر تمام جہانوں میں سلام ہو۔ (۷۹)

ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلے دیتے ہیں۔ ^(۴) (۸۰)

وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا۔ (۸۱)

پھر ہم نے دو سروں کو ڈبو دیا۔ (۸۲)

اور اس (نوح علیہ السلام کی) تابعداری کرنے والوں میں

سے (ہی) ابراہیم (علیہ السلام بھی) تھے۔ ^(۵) (۸۳)

ایمان لانے کی کوئی امید نہیں ہے تو اپنے رب کو پکارا۔ ﴿قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ (سورۃ القمر ۱۰) ”یا اللہ میں مضروب ہوں، میری مدد فرما۔“ چنانچہ ہم نے نوح علیہ السلام کی دعا قبول کی اور ان کی قوم کو طوفان بھیج کر ہلاک کر دیا۔

(۱) اُخْرَجُ سے مراد حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہیں جن میں ان کے گھر کے افراد بھی ہیں جو مومن تھے۔ بعض مفسرین نے ان کی کل تعداد ۸۰ بتلائی ہے۔ اس میں آپ کی بیوی اور ایک لڑکا شامل نہیں جو مومن نہیں تھے وہ بھی طوفان میں غرق ہو گئے۔ کرب عظیم (زبردست مصیبت) سے مراد وہی سیلاب عظیم ہے جس میں یہ قوم غرق ہوئی۔

(۲) اکثر مفسرین کے قول کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے۔ حام، سام، یافث۔ انہی سے بعد کی نسل انسانی چلی۔ اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے یعنی آدم علیہ السلام کی طرح آدم علیہ السلام کے بعد یہ دوسرے ابوالبشر ہیں۔ سام کی نسل سے عرب، فارس، روم اور یہود و نصاریٰ ہیں۔ حام کی نسل سے سوڈان (مشرق سے مغرب تک) یعنی سندھ، ہند، نوب، زنج، حبشہ، قبط اور بربر وغیرہم ہیں اور یافث کی نسل سے مقابلہ ترک، خزر اور یاجوج و ماجوج وغیرہم ہیں۔ (فتح القدیر) واللہ اعلم

(۳) یعنی قیامت تک آنے والے اہل ایمان میں ہم نے نوح علیہ السلام کا ذکر خیر باقی چھوڑ دیا ہے اور وہ سب نوح علیہ السلام پر سلام بھیجتے ہیں اور بھیجتے رہیں گے۔

(۴) یعنی جس طرح نوح علیہ السلام کی دعا قبول کر کے ان کی ذریت کو باقی رکھ کے اور پچھلوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھ کے ہم نے نوح علیہ السلام کو عزت و تکریم بخشی۔ اسی طرح جو بھی اپنے اقوال و افعال میں محسن اور اس باب میں راسخ اور معروف ہو گا اس کے ساتھ بھی ہم ایسا معاملہ کریں گے۔

(۵) شیعۃ کے معنی گروہ اور پیروکار کے ہیں۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام بھی اہل دین و اہل توحید کے اسی گروہ سے ہیں

جبکہ اپنے رب کے پاس بے عیب دل لائے۔ (۸۳)
 انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کیا پوج
 رہے ہو؟ (۸۵)
 کیا تم اللہ کے سوا گھڑے ہوئے معبود چاہتے
 ہو؟ (۸۶)^(۱)
 تو یہ (بتلاؤ کہ) تم نے رب العالمین کو کیا سمجھ رکھا
 ہے؟ (۸۷)^(۲)
 اب ابراہیم (علیہ السلام) نے ایک نگاہ ستاروں کی طرف
 اٹھائی۔ (۸۸)
 اور کہا میں تو بیمار ہوں۔ (۸۹)^(۳)
 اس پر وہ سب اس سے منہ موڑے ہوئے واپس چلے
 گئے۔ (۹۰)

إِذْ جَاءَ رَبُّهُ يُتْلَبُ سِلَاحَهُ ۖ
 إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ۖ
 أَنْتُمْ آلَ اللَّهِ دُئِنَ اللَّهُ تُرِيدُونَ ۖ
 قَالُوا ظَنَّمْ رَبَّنَا الْغَنِيِّينَ ۖ
 فَطَرْنَا نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۖ
 فَقَالَ إِنِّي سَيِّئٌ ۖ
 فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ۖ

جن کو نوح علیہ السلام ہی کی طرح اثبات الی اللہ کی توفیق خاص نصیب ہوئی۔

(۱) یعنی اپنی طرف سے ہی جھوٹ گھڑ کے کہ یہ معبود ہیں 'تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو' درحقیقت یہ پتھر
 اور سورتیاں ہیں۔

(۲) یعنی اتنی قبیح حرکت کرنے کے باوجود کیا وہ تم پر ناراض نہیں ہو گا اور تمہیں سزا نہیں دے گا۔

(۳) آسمان پر غور و فکر کے لیے دیکھا جیسا کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں۔ یا اپنی قوم کے لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے کے
 لیے ایسا کیا جو کہ ستاروں کی گردش کو حادث زمانہ میں مؤثر مانتے تھے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جب اس کی قوم کا وہ
 دن آیا جسے وہ باہر جا کر بطور عید اور قومی سواری منایا کرتی تھی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ساتھ چلنے کی
 دعوت دی۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام تنہائی اور موقع کی تلاش میں تھے 'مکہ ان کے جنوں کا تیا پانچہ کیا جاسکے چنانچہ
 انہوں نے یہ موقع غیبت جانا کہ کل ساری قوم باہر میلے میں چلی جائے گی تو میں اپنا منصوبہ بروئے کار لے آؤں گا اور
 کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں یا آسمانوں کی گردش بتلاتی ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں۔ یہ بات بالکل جھوٹی تو نہیں تھی 'ہر
 انسان کچھ نہ کچھ بیمار ہوتا ہی ہے' علاوہ ازیں قوم کا شرک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کا ایک مستقل روگ تھا
 جسے دیکھ کر وہ کڑھتے رہتے تھے۔ یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعریض اور توریے کا اظہار فرمایا جو اگرچہ جھوٹ
 نہیں ہوتا لیکن مخاطب اس کے متبادر مفہوم سے مغالطے کا شکار ہو جاتا ہے اس لیے حدیث ثلاث کذبات میں اسے
 جھوٹ سے تعبیر کیا گیا ہے 'جیسا کہ اس کی ضروری تفصیل سورۃ انبیاء-۶۳ میں گزر چکی ہے۔

قَوَّعُوا إِلَى الْغَيْمِ فَقَالَ آلَا تَأْكُلُونَ ۝

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِفُونَ ۝

فَرَأَوْهُ مُتَوَلِّيًا ۝

فَأَقْبَصُوا إِلَيْهِ يَزِفُونَ ۝

قَالَ اتَّعْبُدُونَ مَا تَشْتَهُونَ ۝

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۝

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْفُوهُ فِي الْجَحِيمِ ۝

فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ۝

آپ (چپ چپاتے) ان کے معبودوں کے پاس گئے اور فرماتے گئے تم کھاتے کیوں نہیں؟^(۱)

تمہیں کیا ہو گیا کہ بات تک نہیں کرتے ہو۔^(۲)

پھر تو (پوری قوت کے ساتھ) دائیں ہاتھ سے انہیں مارنے پر پل پڑے۔^(۳)

وہ (بت پرست) دوڑے بھاگے آپ کی طرف متوجہ^(۴) ہوئے۔^(۵)

تو آپ نے فرمایا تم انہیں پوجتے ہو جنہیں (خود) تم تراشتے ہو۔^(۶)

حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔^(۷)

وہ کہنے لگے اس کے لیے ایک مکان بناؤ اور اس (دہکتی ہوئی) آگ میں اسے ڈال دو۔^(۸)

انہوں نے تو اس (ابراہیم علیہ السلام) کے ساتھ مکر کرنا

(۱) یعنی جو مخلوقات بطور تبرک وہاں پڑی ہوئی تھیں، وہ انہیں کھانے کے لیے پیش کیں، جو ظاہر بات ہے انہیں نہ کھانی تھیں نہ کھائیں بلکہ وہ جواب دینے پر بھی قادر نہ تھے، اس لیے جواب بھی نہیں دیا۔

(۲) رَاٰ کے معنی ہیں، مَال، ذَهَب، أَقْبَلَ، یہ سب متقارب المعنی ہیں، ان کی طرف متوجہ ہوئے ضَرَبَتْ بِالْيَمِينِ کا مطلب ہے ان کو زور سے مار مار کر توڑ ڈالنا۔

(۳) يَزِفُونَ، يُسْرِعُونَ کے معنی میں ہے، دوڑتے ہوئے آئے۔ یعنی جب میلے سے آئے تو دیکھا کہ ان کے معبودوں نے پھوٹے پڑے ہیں تو فوراً ان کا ذہن ابراہیم علیہ السلام کی طرف گیا کہ یہ کام اسی نے کیا ہو گا، جیسا کہ سورۃ انبیاء میں تفصیل گزر چکی ہے چنانچہ انہیں پکڑ کر عوام کی عدالت میں لے آئے۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ ان پر ان کی بے عقلی اور ان کے معبودوں کی بے اختیاری واضح کریں۔

(۴) یعنی وہ صورتیں اور تصویریں بھی جنہیں تم اپنے ہاتھوں سے بناتے اور انہیں معبود سمجھتے ہو، یا مطلق تمہارا عمل جو بھی تم کرتے ہو، ان کا خالق بھی اللہ ہے۔ اس سے واضح ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے، جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَّهَدُ بِي ①

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ②

فَلَمَّا بَلَغَ مِنْهُ الثَّمَنُ قَالَ يَبْقَىٰ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَازِلِ إِنِّي

أَذْهَبْتُ فَأَنْظُرُ نَادَا أَرَىٰ قَالَ يَا بَيْتَ الْفَعْلِ مَا تَوَسَّرُ

سَيَّهَدُ بِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ③

فَلَمَّا أَسْلَمْنَا وَتَلَّهِ لِلْحَبِشِينَ ④

چاہا لیکن ہم نے انہی کو نچا کر دیا۔^(۱) (۹۸)

اور اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا میں تو ہجرت کر کے اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں۔^(۲) وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا۔ (۹۹)

اے میرے رب! مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما۔ (۱۰۰)

تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔^(۳) (۱۰۱)

پھر جب وہ (بچہ) اتنی عمر کو پہنچا کہ اس کے ساتھ چلے پھرے،^(۴) تو اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟^(۵)

بیٹے نے جواب دیا کہ ابا! جو حکم ہوا ہے اسے بجا دینے ان شاء اللہ آپ مجھے مبرا کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ (۱۰۲)

غرض جب دونوں مطہج ہو گئے اور اس نے (باپ نے) اس کو (بیٹے کو) پیشانی^(۶) کے بل گرا دیا۔ (۱۰۳)

(۱) یعنی آگ کو گلزار بنا کر ان کے مکرو حیلے کو ناکام بنا دیا، پس پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندوں کی چارہ سازی فرماتا ہے، اور آزمائش کو عطا میں اور شر کو خیر میں بدل دیتا ہے۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ بابل (عراق) میں پیش آیا، بالآخر یہاں سے ہجرت کی اور شام چلے گئے اور وہاں جا کر اولاد کے لیے دعا کی (فتح القدیر)

(۳) حلیم کہہ کر اشارہ فرما دیا کہ بچہ بڑا ہو کر مبرا ہو گا۔

(۴) یعنی دوڑ و دوپ کے لائق ہو گیا یا بلوغت کے قریب پہنچ گیا، بعض کہتے ہیں کہ اس وقت یہ بچہ ۱۳ سال کا تھا

(۵) پیغمبر کا خواب، وحی اور حکم الہی ہی ہوتا ہے۔ جس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ بیٹے سے مشورے کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ بیٹا بھی امتثال امر الہی کے لیے کس حد تک تیار ہے؟

(۶) ہر انسان کے منہ (چہرے) پر دو جبینیں (دائیں اور بائیں) ہوتی ہیں اور درمیان میں پیشانی جُھنَّہ اس لیے لِلْحَبِشِیْنَ کا زیادہ صحیح ترجمہ ”کروٹ پر“ ہے یعنی اس طرح کروٹ پر لٹایا، جس طرح جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ رخ کروٹ پر لٹایا جاتا ہے۔ ”پیشانی یا منہ کے بل لٹانے کا“ ترجمہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ

وَأَدْبَانُ بَنِي إِسْرَٰءِيلَ ۖ

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كُنَّا بِكَ بِخَبْرِي الْمُحْسِنِينَ ۝

إِنَّ هَٰذَا لَهَوٌ أَبْلَقُوا النَّبِيْنَ

وَقَدْ نَبَّأَهُ بِذُنُجٍ عَظِيمٍ ۝

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرَةِ

سَلَامًا عَلَىٰ إِسْرَٰءِيلَ ۝

كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝

إِنَّهُ مِنْ جِبَلَيْنا الْمُرْسَلِينَ ۝

وَيُفَوِّرُهُ يَأْسُخِرُ بَيْنَ يَمَيْنِ الْمُلْحِقِينَ ۝

تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! (۱۰۳)

یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا،^(۱) بیشک ہم نیکی

کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ (۱۰۵)

در حقیقت یہ کھلا امتحان تھا۔^(۲) (۱۰۶)

اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے

دیا۔^(۳) (۱۰۷)

اور ہم نے ان کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا۔ (۱۰۸)

ابراہیم (علیہ السلام) پر سلام ہو۔ (۱۰۹)

ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ (۱۱۰)

بیشک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا۔ (۱۱۱)

اور ہم نے اس کو اسحاق (علیہ السلام) نبی کی بشارت دی

جو صالح لوگوں میں سے ہو گا۔^(۴) (۱۱۲)

مشہور ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وصیت کی کہ انیس اس طرح لٹایا جائے کہ چہرہ سامنے نہ رہے جس سے پیار و شفقت کا جذبہ امرائی پر غالب آنے کا امکان نہ رہے۔

(۱) یعنی دل کے پورے ارادے سے بچے کو ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹا دینے سے ہی تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے کیونکہ اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں تجھے کوئی چیز بھی عزیز تر نہیں ہے، حتیٰ کہ اکلوتا بیٹا بھی۔

(۲) یعنی لاڈلے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم، یہ ایک بڑی آزمائش تھی جس میں تو سرخوردہ رہا۔

(۳) یہ بڑا ذبیحہ ایک مینڈھا تھا جو اللہ تعالیٰ نے جنت سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے بھیجا۔ (ابن کثیر) اسماعیل علیہ السلام کی جگہ اسے ذبح کیا گیا اور پھر اس سنت ابراہیمی کو قیامت تک قرب الہی کے حصوں کا ایک ذریعہ اور عید الاضحیٰ کا سب سے پسندیدہ عمل قرار دے دیا گیا۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ واقعے کے بعد اب ایک بیٹے اسحاق علیہ السلام کی اور اس کے نبی ہونے کی خوش خبری دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ اسماعیل علیہ السلام تھے جو اس وقت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے اسحاق علیہ السلام کی ولادت ان کے بعد ہوئی ہے۔ مفسرین کے درمیان اس کی بابت اختلاف ہے کہ ذبح کون ہے اسماعیل علیہ السلام یا اسحاق علیہ السلام؟ امام ابن جریر نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو اور ابن کثیر اور اکثر مفسرین نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح قرار دیا ہے اور یہی بات صحیح ہے امام شوکانی نے اس میں توقف اختیار کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر فتح القدر اور تفسیر ابن کثیر)

وَبَرَكًا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ لِقَائِهِ وَمَنْ ذُرِّيَّتِهِمَا الْحَسَنُ وَالْحَسَنَةُ
لِقَائِهِمْ مُبِينٌ ۝

اور ہم نے ابراہیم و اسحاق (علیہما السلام) پر برکتیں
نازل فرمائیں،^(۱) اور ان دونوں کی اولاد میں بعض تو
نیک بخت ہیں اور بعض اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے
والے ہیں۔^(۲) (۱۱۳)

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝

یقیناً ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر بڑا احسان
کیا۔^(۳) (۱۱۴)

وَجَعَلْنَاهُمَا قَوْمَهُمَا مِنَ الْأَكْرَبِ الْعَظِيمِ ۝

اور انہیں اور ان کی قوم کو بہت بڑے دکھ درد سے
نجات دے دی۔^(۴) (۱۱۵)

وَنَصَرْنَاهُمْ مَّا كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۝

اور ان کی مدد کی تو وہی غالب رہے۔ (۱۱۶)

وَأَيَّدْنَاهُمَا بِآلِ الْكَتَبِ الْمُنِيرِينَ ۝

اور ہم نے انہیں (واضح اور) روشن کتب دی۔ (۱۱۷)

وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝

اور انہیں سیدھے راستے پر قائم رکھا۔ (۱۱۸)

وَوَكَّلْنَاهُ فِي الْآخِرِينَ ۝

اور ہم نے ان دونوں کے لیے پیچھے آنے والوں میں یہ
بات ہانی رکھی۔ (۱۱۹)

سَلَّمَ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝

کہ موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر سلام ہو۔ (۱۲۰)

(۱) یعنی ان دونوں کی اولاد کو بہت پھیلایا اور انبیاء و رسل کی زیادہ تعداد انہی کی نسل سے ہوئی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام
کے بیٹے یعقوب علیہ السلام ہوئے جن کے بارہ بیٹوں سے بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلے بنے اور ان سے بنی اسرائیل کی قوم
بڑھی اور پھیلی اور اکثر انبیاء ان ہی میں سے ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے
عربوں کی نسل چلی اور ان میں آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔

(۲) شرک و معصیت اور ظلم و فساد کا ارتکاب کر کے۔ خاندان ابراہیمی میں برکت کے باوجود نیک و بد کے ذکر سے اس
طرف اشارہ کر دیا کہ خاندان اور آپا کی نسبت اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہاں تو ایمان اور عمل صالح کی
اہمیت ہے۔ یہود و نصاریٰ اگرچہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اسی طرح مشرکین عرب حضرت اسماعیل علیہ
السلام کی اولاد سے ہیں۔ لیکن ان کے جو اعمال ہیں وہ کھلی گمراہی یا شرک و معصیت پر مبنی ہیں۔ اس لیے یہ اونچی نسبتیں
ان کے لیے عمل کا بدلہ نہیں ہو سکتیں۔

(۳) یعنی انہیں نبوت و رسالت اور دیگر اعمال سے نوازا۔

(۴) یعنی قرعون کی غلامی اور اس کے ظلم و استبداد سے۔

إِنَّا كَذَّبْنَاكَ بِغَيْرِ الْمُتَعِينِينَ ۝

بے شک ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلے دیا کرتے ہیں۔ (۱۲۱)

إِنَّمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝

یقیناً یہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ (۱۲۲)

فَإِنَّ إِلَٰهَ لَيْسَ لِمَنْ تُرْسِلِينَ ۝

بے شک الیاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ (۱۲۳)

إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَأَتُنْعَمُونَ ۝

جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو۔؟ (۱۲۴)

أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ۝

کیا تم بعل (نالی بت) کو پکارتے ہو؟ اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟ (۱۲۵)

إِلَهُ رَبِّكُمْ رَبِّ الْوَاقِعِينَ ۝

اللہ جو تمہارا اور تمہارے اگلے تمام باپ دادوں کا رب ہے۔ (۱۲۶)

لَكَذَّبُوا فَأَنَّهُمْ لَا يَحْكُمُونَ ۝

لیکن قوم نے انہیں جھٹلایا، پس وہ ضرور (عذاب میں) حاضر رکھے جائیں گے۔ (۱۲۷)

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝

سوائے اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے۔ (۱۲۸)

وَتَوَكَّنَا عَلَىٰ فِي الْأَخْيَرِينَ ۝

ہم نے (الیاس علیہ السلام) کا ذکر خیر پچھلوں میں بھی بات رکھا۔ (۱۲۹)

سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝

(۱) یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک اسرائیلی نبی تھے۔ یہ جس علاقے میں بھیجے گئے تھے اس کا نام بعلبک تھا، بعض کہتے ہیں اس جگہ کا نام سامرا ہے جو فلسطین کا مغربی وسطی علاقہ ہے۔ یہاں کے لوگ بعل نامی بت کے پجاری تھے۔ (بعض کہتے ہیں یہ دیوبی کا نام تھا)

(۲) یعنی اس کے عذاب اور گرفت سے کہ اسے چھوڑ کر تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔

(۳) یعنی اس کی عبادت و پرستش کرتے ہو، اس کے نام کی نذر نیاز دیتے اور اس کو حاجت روا سمجھتے ہو، جو پتھر کی مورتی ہے اور جو ہر چیز کا خالق اور اگلوں پچھلوں سب کا رب ہے، اس کو تم نے فراموش کر رکھا ہے۔

(۴) یعنی توحید و ایمان سے انکار کی یاداش میں جہنم کی سزا سمجھتیں گے۔

(۵) الیاسین، الیاس علیہ السلام ہی کا ایک تلفظ ہے، جیسے طور سینا کو طور سینین بھی کہتے ہیں۔ حضرت الیاس علیہ

إِنَّا كَذَّبْنَا بِكُمُ الْيَوْمَ الْمُنْجِينَ ۝

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝

وَأَنَّ لَوُطًا لِّمَنِ الْمُرْسَلُونَ ۝

إِذْ أَخْبَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ۝

إِلَّا نَجْزِيَنِ الْفَافِينَ ۝

كُنَّا دَعْمًا لِّلْأَفْرَافِينَ ۝

وَلَا تَكُنْ لِّلْمُتَكَبِّرِينَ عَلِيَّةً مُّضْمِينَ ۝

وَبِالْأَيْلِ أَتَلَّ الْقَوْمُونَ ۝

وَلَقَدْ يُؤْتَىٰ كَيْفَ الْمُرْسَلِينَ ۝

ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ (۱۳۱)
 بیشک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے۔ (۱۳۲)^(۱)
 بیشک لوط (علیہ السلام بھی) پیغمبروں میں سے تھے۔ (۱۳۳)
 ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو سب کو نجات
 دی۔ (۱۳۴)

بجز اس بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں رہ
 گئی۔ (۱۳۵)^(۲)

پھر ہم نے اوروں کو ہلاک کر دیا۔ (۱۳۶)
 اور تم تو صبح ہونے پر ان کی بستیوں کے پاس سے گزرتے
 ہو۔ (۱۳۷)

اور رات کو بھی کیا پھر بھی نہیں سمجھتے؟ (۱۳۸)^(۳)
 اور بلاشبہ یونس (علیہ السلام) نبیوں میں سے تھے۔ (۱۳۹)

السلام کو دوسری کتابوں میں ”ایلیا“ بھی کہا گیا ہے۔

(۱) قرآن نے نبیوں اور رسولوں کا ذکر کر کے ان کے لیے اکثر جگہ یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ وہ ہمارے مومن بندوں
 میں سے تھا۔ جس سے دو مقصد ہیں۔ ایک ان کے اخلاق و کردار کی رفعت کا اظہار جو ایمان کا لازمی جز ہے۔ تاکہ ان
 لوگوں کی تردید ہو جائے جو بہت سے پیغمبروں کے بارے میں اخلاقی کمزوریوں کا اثبات کرتے ہیں، جیسے تورات و انجیل
 کے موجودہ نسخوں میں متعدد پیغمبروں کے بارے میں ایسے من گھڑت قصے کہانیاں درج ہیں۔ دوسرا مقصد ان لوگوں کی
 تردید ہے جو بعض انبیاء کی شان میں غلو کر کے ان کے اندر الٰہی صفات و اختیارات ثابت کرتے ہیں۔ یعنی وہ پیغمبر ضرور
 تھے لیکن تھے ہر حال اللہ کے بندے اور اس کے غلام نہ کہ الٰہ یا اس کے جز یا اس کے شریک۔

(۲) اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو کافرا تھی، یہ اہل ایمان کے ساتھ اس ہستی سے باہر نہیں گئی
 تھی، کیونکہ اسے اپنی قوم کے ساتھ ہلاک ہونا تھا، چنانچہ وہ بھی ہلاک کر دی گئی۔

(۳) یہ اہل مکہ سے خطاب ہے جو تجارتی سفر میں ان تباہ شدہ علاقوں سے آتے جاتے گزرتے تھے ان کو کہا جا رہا ہے
 کہ تم صبح کے وقت بھی اور رات کے وقت بھی ان بستیوں سے گزرتے ہو، جہاں اب مردار بکیرہ ہے، جو دیکھنے میں بھی
 نہایت کریہ ہے اور سخت متعفن اور بدبودار کیا تم انہیں دیکھ کر یہ بات نہیں سمجھتے کہ کھڑی بزل کی وجہ سے ان کا
 یہ بد انجام ہوا، تو تمہاری اس روش کا انجام بھی اس سے مختلف کیوں کر ہو گا؟ جب تم بھی وہی کام کر رہے ہو، جو انہوں
 نے کیا تو پھر تم اللہ کے عذاب سے کیوں کر محفوظ رہو گے؟

إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿١٣٠﴾

فَتَاصَرُّمَكَانٍ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ﴿١٣١﴾

فَالنَّعْمَةُ الْمَوْتَ وَهُوَ مُيَسَّرٌ ﴿١٣٢﴾

فَقَوْلًا إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُنْجِينَ ﴿١٣٣﴾

لَكَيْتَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٣٤﴾

فَلْيَذُكَّرْ بِالْعُرَا وَهُوَ سَمِيعٌ ﴿١٣٥﴾

جب بھاگ کر پہنچے بھری کشتی پر۔ (۱۳۰)

پھر قرعہ اندازی ہوئی تو یہ مغلوب ہو گئے (۱۳۱)

تو پھر انہیں مچھلی نے نگل لیا اور وہ خود اپنے آپ کو
حلاوت^(۱) کرنے لگ گئے۔ (۱۳۲)

پس اگر یہ پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ
ہوتے۔ (۱۳۳)

تو لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک اس کے پیٹ
میں ہی رہتے۔^(۲) (۱۳۴)

پس انہیں ہم نے چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اس
وقت پیار تھے۔^(۳) (۱۳۵)

(۱) حضرت یونس علیہ السلام عراق کے علاقے نینوی (موجودہ موصل) میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے 'یہ آشوریوں کا یہ تخت تھا' انہوں نے ایک لاکھ بنو اسرائیلیوں کو قیدی بنایا ہوا تھا 'چنانچہ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو بھیجا' لیکن یہ قوم آپ پر ایمان نہیں لائی۔ بلاخر اپنی قوم کو ذرا یا کہ عنقریب تم عذاب الہی کی گرفت میں آ جاؤ گے۔ عذاب میں تاخیر ہوئی تو اللہ کی اجازت کے بغیر ہی اپنے طور پر وہاں سے نکل گئے اور سمندر پر جا کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ اپنے علاقے سے نکل کر جانے کو ایسے لفظ سے تعبیر کیا جس طرح ایک غلام اپنے آقا سے بھاگ کر چلا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ بھی اللہ کی اجازت کے بغیر ہی اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ کشتی سواروں اور سہانوں سے بھری ہوئی تھی۔ کشتی سمندر کی موجوں میں گھر گئی اور کھڑی ہو گئی۔ چنانچہ اس کا وزن کم کرنے کے لیے ایک آدھ آدمی کو کشتی سے سمندر میں پھینکنے کی تجویز سامنے آئی تاکہ کشتی میں سوار دیگر انسانوں کی جانیں بچ جائیں۔ لیکن یہ قربانی دینے کے لیے کوئی تیار نہیں تھا۔ اس لیے قرعہ اندازی کرنی پڑی جس میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام آیا۔ اور وہ مغلوبین میں سے ہو گئے 'یعنی طوعاً و کرہاً اپنے کو بھاگے ہوئے غلام کی طرح سمندر کی موجوں کے سپرد کرنا پڑا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انہیں ثابت نگل لے اور یوں حضرت یونس علیہ السلام اللہ کے حکم سے مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے۔

(۲) یعنی توبہ و استغفار اور اللہ کی تسبیح بیان نہ کرتے 'جیسا کہ انہوں نے ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ (الانبیاء ۸۷) کو قیامت تک وہ مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔

(۳) جیسے وادوت کے وقت بچہ یا جانور کا چوزہ ہوتا ہے 'مضحل' کنزور اور ناتواں۔

وَابْتَنَّا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّفُطِينَ ﴿٥١﴾

وَارْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ آلَافٍ أَوْ يُزِيدُونَ ﴿٥٢﴾

فَأَمَّنُوا وَتَمَنَّوْهُمْ إِلَىٰ جِبْنٍ ﴿٥٣﴾

فَأَسْتَفْهِمُ الرِّبَّكَ الْبَنَاتِ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ﴿٥٤﴾

أَمْ حَسِبْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شٰهِدُونَ ﴿٥٥﴾

أَلَا أَنَّهُمْ مِّنْ أَفْكَهٍ لِّقَوْلٍ ﴿٥٦﴾

وَلَدَ ابْنُهُ وَابْنُهُ لَكُلِّ بَنُونَ ﴿٥٧﴾

أَصْطَلَىٰ الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ﴿٥٨﴾

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٠﴾

اور ان پر سایہ کرنے والا ایک بیل دار درخت ^(۱) ہم نے اگادیا۔ (۱۳۶)

اور ہم نے انھیں ایک لاکھ بلکہ اور زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا۔ (۱۳۷)

پس وہ ایمان لائے ^(۲) اور ہم نے انھیں ایک زمانہ تک عیش و عشرت دی۔ (۱۳۸)

ان سے دریافت کیجئے! کہ کیا آپ کے رب کی توہینیاں ہیں اور ان کے بیٹے ہیں؟ (۱۳۹)

یا یہ اس وقت موجود تھے جبکہ ہم نے فرشتوں کو مٹوت پیدا کیا۔ ^(۳) (۱۵۰)

آگاہ رہو! کہ یہ لوگ صرف اپنی افترا پر دازی سے کہہ رہے ہیں۔ (۱۵۱)

کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ یقیناً یہ محض جھوٹے ہیں۔ (۱۵۲)

کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دی۔ ^(۴) (۱۵۳)

تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے حکم لگاتے پھرتے ہو؟ (۱۵۴)

کیا تم اس قدر بھی نہیں سمجھتے؟ ^(۵) (۱۵۵)

(۱) یَفُطِينَ ہر اس بیل کو کہتے ہیں جو اپنے تنے پر کھڑی نہیں ہوتی، جیسے لوکی، مکدو وغیرہ کی بیل۔ یعنی اس چمیل میدان میں جہاں کوئی درخت تھا نہ عمارت۔ ایک سایہ دار بیل اگا کر ہم نے ان کی حفاظت فرمائی۔

(۲) ان کے ایمان لانے کی کیفیت کا بیان سورہ یونس ۹۸ میں گزر چکا ہے۔

(۳) یعنی فرشتوں کو جو یہ اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں تو کیا جب ہم نے فرشتے پیدا کیے تھے یہ اس وقت وہیں موجود تھے اور انہوں نے فرشتوں کے اندر عورتوں والی خصوصیات کا مشاہدہ کیا تھا۔

(۴) جب کہ یہ خود اپنے لیے بیٹیاں نہیں، بیٹے پسند کرتے ہیں۔

(۵) کہ اگر اللہ کی اولاد ہوتی تو ذکر ہوئی، جس کو تم بھی پسند کرتے اور بہتر سمجھتے ہو، نہ کہ بیٹیاں، جو تمہاری نظروں میں کمتر اور حقیر ہیں۔

أَمْ لَكُمْ سُنْظُرٌ مُّثِينٌ ۝۵۱

فَأَنْتُمْ يَكْتُمُونَ لَكُمْ ضُيُوتٌ ۝۵۲

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْيَحْيَةِ نَبَاً ۝۵۳ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الْيَحْيَةَ
إِذَا كُنْتُمْ تُكَفِّرُونَ ۝۵۴

سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُعْشُونَ ۝۵۵

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝۵۶

فَأَنْتُمْ وَمَا تُقْبِدُونَ ۝۵۷

مَا آتَاكَ عَلَيْهِ يَفْتِنِينَ ۝۵۸

إِلَّا مَنْ هُوَ صَالٍ الْجَنَّتِمْ ۝۵۹

وَمَا بَشَاءُ إِلَّا لَكُم مَقَاتِلُكُمْ ۝۶۰

یا تمہارے پاس اس کی کوئی صاف دلیل ہے۔ (۱۵۶)

تو جاؤ اگر سچے ہو تو اپنی ہی کتاب لے آؤ۔^(۱) (۱۵۷)

اور ان لوگوں نے تو اللہ کے اور جنات کے درمیان بھی
قربیت داری ٹھہرائی^(۲) ہے اور حالانکہ خود جنات کو
معلوم ہے کہ وہ (اس عقیدہ کے لوگ عذاب کے
سامنے) پیش کیے جائیں گے۔^(۳) (۱۵۸)

جو کچھ یہ (اللہ کے بارے میں) بیان کر رہے ہیں اس سے
اللہ تعالیٰ بالکل پاک ہے۔ (۱۵۹)

سوائے! اللہ کے مخلص بندوں کے۔^(۴) (۱۶۰)

یقین مانو کہ تم سب اور تمہارے معبودان (باطل)۔ (۱۶۱)

کسی ایک کو بھی بگاڑیں گے۔ (۱۶۲)

بجز اس کے جو جنسی ہی ہے۔^(۵) (۱۶۳)

(فرشتوں کا قول ہے کہ) ہم میں سے تو ہر ایک کی جگہ

(۱) یعنی عقل تو اس عقیدے کی صحت کو تسلیم نہیں کرتی کہ اللہ کی اولاد ہے اور وہ بھی مؤنث! چلو کوئی نفی دلیل ہی دکھا
دو کوئی کتاب جو اللہ نے اتاری ہو اس میں اللہ کی اولاد کا اعتراف یا حوالہ ہو؟

(۲) یہ اشارہ ہے مشرکین کے اس عقیدے کی طرف کہ اللہ نے جنات کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کیا جس سے لڑکیاں پیدا
ہوئیں۔ یہی بنات اللہ فرشتے ہیں۔ یوں اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان قربیت داری (سربراہی رشتہ) قائم ہو گیا۔

(۳) حالانکہ یہ بات کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ جنات کو عذاب میں کیوں ڈالتا؟ کیا وہ اپنی قربیت
داری کا لحاظ نہ کرتا؟ اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ خود جنات بھی جانتے ہیں کہ انہیں عقاب و عذاب الہی بھگتنے کے لیے
ضرور جنم میں جانا ہو گا تو پھر اللہ اور جنوں کے درمیان قربیت داری کس طرح ہو سکتی ہے؟

(۴) یعنی یہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کہتے جن سے وہ پاک ہے۔ یہ مشرکین ہی کا شیوہ ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ
جنم میں جنات اور مشرکین ہی حاضر کیے جائیں گے اللہ کے مخلص (چنے ہوئے) بندے نہیں ان کے لیے تو اللہ نے
جنت تیار کر رکھی ہے۔ اس صورت میں یہ لمُخَصَّرُونَ سے استثنا ہے اور تسبیح جملہ معترضہ ہے۔

(۵) یعنی تم اور تمہارے معبودان باطلہ کسی کو گمراہ کرنے پر قادر نہیں ہیں سوائے ان کے جو اللہ کے علم میں پہلے ہی
جنسی ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ کفر و شرک پر مصر ہیں۔

مقرر ہے۔ ^(۱) (۱۶۳)	وَلَا تَتَعَنَّ الْقَافِلُونَ ﴿۱﴾
اور ہم تو (بندگی الٰہی میں) صف بستہ کھڑے ہیں۔ (۱۶۵)	وَلَا تَتَعَنَّ السَّاهُونَ ﴿۲﴾
اور اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں۔ ^(۲) (۱۶۶)	وَلَا تَكُنُوا الَّذِينَ يَذْكُرُونَ ﴿۳﴾
کفار تو کہا کرتے تھے۔ (۱۶۷)	لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْأَقْلَامِ ﴿۴﴾
کہ اگر ہمارے سامنے اگلے لوگوں کا ذکر ہوتا۔ (۱۶۸)	لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْخَاشِعِينَ ﴿۵﴾
تو ہم بھی اللہ کے چیدہ بندے بن جاتے۔ ^(۳) (۱۶۹)	فَلَمَّا رَأَوْهُ قَسَوْا قُلُوبَهُمْ فَلَمَّا يَعْلَمُونَ ﴿۶﴾
لیکن پھر اس قرآن کے ساتھ کفر کر گئے، ^(۴) پس اب	وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿۷﴾
عنقریب جان لیں گے۔ ^(۵) (۱۷۰)	إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۸﴾
اور البتہ ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لیے صادر	وَلَا جُنْدَ نَا لَهُمْ أَغْلَبُونَ ﴿۹﴾
ہو چکا ہے۔ (۱۷۱)	فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمْ
کہ یقیناً وہ ہی مدد کیے جائیں گے۔ (۱۷۲)	وَلَا يَجْعَلُونَ قَوْلَهُمْ قَوْلًا مِّنْكَ ﴿۱۰﴾
اور ہمارا ہی لشکر غالب (اور برتر) رہے گا۔ ^(۶) (۱۷۳)	
اب آپ کچھ دنوں تک ان سے منہ پھیر لیجئے۔ ^(۷) (۱۷۴)	
اور انہیں دیکھتے رہیں، ^(۸) اور یہ بھی آگے چل کر دیکھ	

(۱) یعنی اللہ کی عبادت کے لیے۔ یہ فرشتوں کا قول ہے۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ فرشتے بھی اللہ کی مخلوق اور اس کے خاص بندے ہیں جو ہر وقت اللہ کی عبادت میں اور اس کی تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں نہ کہ وہ اللہ کی بیشیاں ہیں جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں۔

(۳) ذکر سے مراد کوئی کتاب الٰہی یا پیغمبر ہے۔ یعنی یہ کفار نزول قرآن سے پہلے کہا کرتے تھے کہ ہمارے پاس بھی کوئی آسمانی کتاب ہوتی جس طرح پہلے لوگوں پر تورات وغیرہ نازل ہوئیں۔ یا کوئی ہادی اور منذر ہمیں وعظ و نصیحت کرنے والا ہوتا تو ہم بھی اللہ کے خالص بندے بن جاتے۔

(۴) یعنی اس کی آرزو کے مطابق جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بن کر آئے، قرآن مجید بھی نازل کر دیا گیا تو ان پر ایمان لانے کے بجائے ان کا انکار کر دیا۔

(۵) یہ تہدید و وعید ہے کہ اس تکذیب کا انجام عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا۔

(۶) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَقْوَامُكَ﴾ (المجادلہ: ۳۱)

(۷) یعنی ان کی باتوں اور ایذاؤں پر صبر کیجئے۔

(۸) کہ کب ان پر اللہ کا عذاب آتا ہے؟

لیں گے۔ (۱۷۵)

کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی چار ہے ہیں؟ (۱۷۶)
سنو! جب ہمارا عذاب ان کے میدان میں اتر آئے گا اس
وقت ان کی جن کو متنبہ کر دیا گیا تھا^(۱) بڑی بری صبح ہو
گی۔ (۱۷۷)

آپ کچھ وقت تک ان کا خیال چھوڑ دیجئے۔ (۱۷۸)
اور دیکھتے رہئے یہ بھی ابھی ابھی دیکھ لیں گے۔^(۲) (۱۷۹)
پاک ہے آپ کا رب جو بہت بڑی عزت والا ہے ہر اس
چیز سے (جو مشرک) بیان کرتے ہیں۔^(۳) (۱۸۰)
پیغمبروں پر سلام ہے۔^(۴) (۱۸۱)
اور سب طرح کی تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے
جہان کا رب ہے۔^(۵) (۱۸۲)

أَفَعَدَّ إِنَّا يَنْتَعِجُونَ ۝

فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ۝

وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حَبْن ۝

وَأَبْصَرُ نَوْمًا يَبْصُرُونَ ۝

مُبْصِرِينَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝

وَسَلَّمَ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

(۱) مسلمان جب خیبر پر حملہ کرنے گئے تو یہودی انہیں دیکھ کر گھبرا گئے، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ اکبر کہہ کر فرمایا تھا۔ اَخْرَجَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ (صحیح بخاری کتاب الصلاة باب ما يذكر في العهد مسلم كتاب الجهاد باب غزوة عيبر)

(۲) یہ بطور تاکید دوبارہ فرمایا۔ یا پہلے جملے سے مراد دنیا کا وہ عذاب ہے جو اہل مکہ پر بدر و احد اور دیگر جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کے قتل و سلب کی صورت میں آیا۔ اور دوسرے جملے میں اس عذاب کا ذکر ہے جس سے یہ کفار و مشرکین آخرت میں دوچار ہوں گے۔

(۳) اس میں عیوب و نقائص سے اللہ کے پاکیزہ ہونے کا بیان ہے جو مشرکین اللہ کے لیے بیان کرتے ہیں، مثلاً اس کی اور ہے، یا اس کا کوئی شریک ہے۔ یہ کو تاہیاں بندوں کے اندر ہیں اور اولاد یا شریکوں کے ضرورت مند بھی وہی ہیں، اللہ ان سب باتوں سے بہت بلند اور پاک ہے۔ کیونکہ وہ کسی کا محتاج ہی نہیں ہے کہ اسے اولاد کی یا کسی شریک کی ضرورت پیش آئے۔

(۴) کہ انہوں نے اللہ کا پیغام اہل دنیا کی طرف پہنچایا، جس پر یقیناً وہ سلام و تبریک کے مستحق ہیں۔

(۵) یہ بندوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ نے تم پر احسان کیا ہے، پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں اور پیغمبروں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچایا، اس لیے تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ بعض کہتے ہیں کہ کافروں کو ہلاک کر کے اہل ایمان اور پیغمبروں کو بچایا، اس پر شکر ادا کرو۔ حمد کے معنی ہیں بہ قصد تعظیم ثناء جمیل، ذکر خیر اور عظمت شان بیان کرنا۔

سُورَةُ الرَّحْمٰنِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

صَّ وَالْفَرٰہِیْنِ ذِی الْبِیْزْرِ ۝

بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنِّیْ بِعِزِّہُمْ وَشِقَاقِیْ ۝

کَلَّا اَفَلَا تَنۡصُرُوْنَ مُبِیْنٍ مِّنْ قَرْنٍ قَاتَلَ ذَاوِلَاتٍ حِیۡثَ مَنَاصِیۡ ۝

وَعِیۡبُوۡا اَنۡ جَآءَہُمْ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمْ وَقَالَ الْکٰفِرُوۡنَ هٰذَا نَجِیۡرٌ

کَذٰبٌ ۝

سورہ ص کی ہے اور اس میں انھاسی آیتیں اور
پانچ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نسایت رحم والا ہے۔

ص! اس فصاحت والے قرآن کی قسم۔^(۱)

بلکہ کفار غرور و مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔^(۲)

ہم نے ان سے پہلے بھی بہت سی امتوں کو تباہ کر ڈالا^(۳)
انہوں نے ہر چند چیخ پکار کی لیکن وہ وقت چھٹکارے کا نہ
تھا۔^(۴)

اور کافروں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے
ایک انہیں ڈرانے والا آگیا^(۵) اور کہنے لگے کہ یہ تو
جادوگر اور جھوٹا ہے۔^(۶)

(۱) جس میں تمہارے لیے ہر قسم کی فصاحت اور ایسی باتیں ہیں جن سے تمہاری دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی۔
بعض نے ذی الذکر کا ترجمہ شان اور مرتبت والا کیے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔ دونوں معنی صحیح ہیں۔ اس لیے کہ
قرآن عظمت شان کا حامل بھی ہے اور اہل ایمان و تقویٰ کے لیے فصاحت اور درس عبرت بھی۔ اس قسم کا جواب
محذوف ہے کہ بات اس طرح نہیں ہے جس طرح کفار کہہ سکتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ساحر شاعر یا کاذب ہیں۔
بلکہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں جن پر یہ ذی شان قرآن نازل ہوا۔

(۲) یعنی یہ قرآن تو یقیناً شک سے پاک اور ان کے لیے فصاحت ہے جو اس سے عبرت حاصل کریں البتہ ان کافروں کو
اس سے فائدہ اس لیے نہیں پہنچ رہا ہے کہ ان کے دماغوں میں استکبار اور غرور ہے اور دلوں میں مخالفت و عناد عزت
کے معنی ہوتے ہیں حق کے مقابلے میں اکڑنا۔

(۳) جو ان سے زیادہ مضبوط اور قوت والے تھے لیکن کفر و تکذیب کی وجہ سے برے انجام سے دوچار ہوئے۔

(۴) یعنی انہوں نے عذاب دیکھ کر مدد کے لیے پکارا اور توبہ پر آمادگی کا اظہار کیا لیکن وہ وقت توبہ کا تھا نہ فرار کا اس
لیے نہ ان کا ایمان نافع ہوا اور نہ وہ بھاگ کر عذاب سے بچ سکے لانت، لابی ہے جس میں ت کا اضافہ ہے جیسے شَم کو
نَمۃ بھی بولتے ہیں مَنَاص، نَاصِ یَنۡصُصُ کا مصدر ہے جس کے معنی بھاگنے اور پیچھے ہٹنے کے ہیں۔

(۵) یعنی انہی کی طرح کا ایک انسان رسول کس طرح بن گیا

أَجَلُ الْإِيمَانِ وَالْإِيمَانِ هَذَا كُنْ عَمَّا ۝

وَالطَّلَقُ الْمَلَائِكَةُ أَنْ أَمْشُوا وَأَصْبَحُوا عَلَى الْإِيمَانِ هَذَا
كُنْ عَمَّا ۝

مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْإِيمَانِ الْإِيمَانِ هَذَا
الْإِيمَانِ ۝

يَأْتِي عَلَى الْإِيمَانِ الْإِيمَانِ هَذَا
يَأْتِي عَلَى الْإِيمَانِ ۝

کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کا ایک ہی معبود کر دیا
واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔^(۱) (۵)

ان کے سردار یہ کہتے ہوئے چلے کہ چلو جی اور اپنے
معبودوں پر جسے رہو،^(۲) یقیناً اس بات میں تو کوئی غرض
ہے۔^(۳) (۶)

ہم نے تو یہ بات بچھلے دین میں بھی نہیں سنی،^(۴) کچھ
نہیں یہ تو صرف گھڑت ہے۔^(۵) (۷)

کیا ہم سب میں سے اسی پر کلام الہی نازل کیا گیا ہے؟^(۶)
دراصل یہ لوگ میری وحی کی طرف سے شک میں
ہیں،^(۷) بلکہ (صحیح یہ ہے کہ) انہوں نے اب تک میرا
عذاب چکھا ہی نہیں۔^(۸) (۸)

(۱) یعنی ایک ہی اللہ ساری کائنات کا نظام چلانے والا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی طرح عبادت اور نذر و نیاز کا
مستحق بھی صرف وہی ایک ہے؟ یہ ان کے لیے تعجب انگیز بات تھی۔

(۲) یعنی اپنے دین پر جسے رہو اور بتوں کی عبادت کرتے رہو، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات پر کان مت دھرو!

(۳) یعنی یہ ہمیں ہمارے معبودوں سے چھڑا کر دراصل ہمیں اپنے پیچھے لگانا اور اپنی قیادت و سیادت منوانا چاہتا ہے۔

(۴) بچھلے دین سے مراد یا تو ان کا ہی دین قریش ہے، یا پھر دین نصاریٰ۔ یعنی یہ جس توحید کی دعوت دے رہا ہے، اس کی
بہت تو ہم نے کسی بھی دین میں نہیں سنا۔

(۵) یعنی یہ توحید صرف اس کی اپنی من گھڑت ہے، ورنہ عیسائیت میں بھی اللہ کے ساتھ دوسروں کو الوہیت میں شریک
تسمیم کیا گیا ہے۔

(۶) یعنی کسے میں بڑے بڑے چودھری اور رئیس ہیں، اگر اللہ کسی کو نبی بنانا ہی چاہتا تو ان میں سے کسی کو بناتا۔ ان سب کو
چھوڑ کر وحی و رسالت کے لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتخاب بھی عجیب ہے؟ یہ گویا انہوں نے اللہ کے انتخاب میں کیڑے
نکالے۔ سچ ہے خوئے بد راہبانہ بسیار۔ دوسرے مقام پر بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ زخرف ۳۱-۳۲۔

(۷) یعنی ان کا انکار اس لیے نہیں ہے کہ انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا علم نہیں ہے یا آپ کی سلامت
عقل سے انہیں انکار ہے بلکہ یہ اس وحی کے بارے میں ہی ریب و شک میں مبتلا ہیں جو آپ پر نازل ہوئی، جس میں
سب سے نمایاں توحید کی دعوت ہے۔

(۸) کیونکہ عذاب کا مزہ چکھ لیتے تو اتنی واضح چیز کی تکذیب نہ کرتے اور جب یہ اس تکذیب کا واقعی مزہ چکھیں گے تو

أَمْرُهُمْ خُزَّانٌ رَحْمَةً رَبِّكَ الْقَوِيُّ الْوَاقِبُ ۝

أَمْرُهُمْ ذُنُوبٌ وَالنَّصِيحَةُ وَمَا بَيْنَهُمَا فَكُلٌّ وَلِقُوا

فِي الْأَسْبَابِ ۝

جُنْدًا نَّالَهُنَّ الْفَتْهُورُ مِنْ الْأَحْزَابِ ۝

كَذَّابَتِ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَارِ ۝

وَنُوحٌ وَثَمُودٌ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ ۝

یا کیا ان کے پاس تیرے زبردست فیض رب کی رحمت کے خزانے ہیں۔^(۱) (۹)

یا کیا آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی بادشاہت ان ہی کی ہے تو پھر یہ رسیاں تان کر چڑھ جائیں۔^(۲) (۱۰)

یہ بھی (بڑے بڑے) لشکروں میں سے شکست پایا ہوا (چھوٹا سا) لشکر ہے۔^(۳) (۱۱)

ان سے پہلے بھی قوم نوح اور عاد اور فرعون والے فرعون^(۴) نے جھٹلایا تھا۔ (۱۲)

اور ثمود نے اور قوم لوط نے اور ایکہ کے رہنے والوں^(۵) نے بھی یہی (بڑے) لشکر تھے۔ (۱۳)

وہ وقت ایسا ہو گا کہ پھر نہ تصدیق کام آئے گی نہ ایمان ہی فائدہ دے گا۔

(۱) کہ یہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں انہی خزانوں میں نبوت بھی ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ رب کے خزانوں کا مالک وہی وہاب ہے جو بہت دینے والا ہے تو پھر انہیں نبوت محمدی سے انکار کیوں ہے؟ جسے اس نواز نے والے رب نے اپنی رحمت خاص سے نوازا ہے۔

(۲) یعنی آسمان پر چڑھ کر اس وحی کا سلسلہ منقطع کر دیں جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوتی ہے۔ اسباب سبب کی جمع ہے۔ اس کے نفوی معنی ہر اس چیز کے ہیں جس کے ذریعے سے مطلوب تک پہنچا جائے گا ہے وہ کوئی سی بھی چیز ہو۔ اس لیے اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں۔ رسیوں کے علاوہ ایک ترجمہ دروازے کا بھی کیا گیا ہے جن سے فرشتے زمین پر اترتے ہیں۔ یعنی سیڑھیوں کے ذریعے سے آسمان کے دروازوں تک پہنچ جائیں اور وحی بند کر دیں۔ (فتح القدیر)

(۳) حُنْدٌ مبتداً محذوف ضم کی خبر ہے اور ما بطور تاکید تعظیم یا تحقیر کے لیے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور کفار کی شکست کا وعدہ ہے۔ یعنی کفار کا یہ لشکر جو باطل کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے بڑا ہے۔ یا تحقیر اس کی قطعاً پروانہ کریں نہ اس سے خوف کھائیں شکست اس کا مقدر ہے۔ هٰذَا لَكَ مَكَانٌ بَعِيدٌ کی طرف اشارہ ہے جو جنگ بدر اور یوم فتح مکہ کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ جہاں کافر عبرت ناک شکست سے دوچار ہوئے۔

(۴) فرعون کو میخوں والا اس لیے کہا کہ وہ ظالم جب کسی پر غضب ناک ہوتا تو اس کے ہاتھوں پیروں اور سر میں میخیں گاڑ دیتا یا اس سے مقصد بطور استعارہ اس کی قوت و شوکت اور مضبوط حکومت کا اظہار ہے یعنی میخوں سے جس طرح کسی چیز کو مضبوط کر دیا جاتا ہے اس کا لشکر جرار اور اس کے پیروکار بھی اس کی سلطنت کی قوت و استحکام کا باعث تھے۔

(۵) أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ کے لیے دیکھیے سورہ شعراء ۷۶-۷۷ کا حاشیہ۔

إِنْ كُنَّ إِلَّا كَذَّبَ الرَّسُولَ فَعَقِّبْ ۝

وَمَا يَنْظُرُ مَوْلَاهُ إِلَّا صِيحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا

مِنْ قَوَائِفِ ۝

وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْعَانًا قَبْلَ تَوْبِ الْحِسَابِ ۝

إِصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَادْخُرْ عَبْدًا دَاوُدَا

الْأَيْدِ إِنَّهُ آوَابٌ ۝

إِنَّا سَعَرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَيِّدُنَ بِالْعَنِيِّ وَالْإِنشِرَاقِ ۝

وَالظُّلُمُ ثَلَاثُونَ خَلْفَ كَذِّ آوَابٌ ۝

ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے رسولوں کی

نکذیب نہ کی ہو پس میری سزا ان پر ثابت ہو گئی۔ (۱۳)

انہیں صرف ایک چیخ کا انتظار^(۱) ہے جس میں کوئی توقف

(اور ڈھیل) نہیں ہے۔^(۲) (۱۵)

اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہماری سرنوشت

تو ہمیں روز حساب سے پہلے ہی دے دے۔^(۳) (۱۶)

آپ ان کی باتوں پر صبر کریں اور ہمارے بندے داود

(علیہ السلام) کو یاد کریں جو بڑی قوت والا تھا^(۴) یقیناً وہ

بہت رجوع کرنے والا تھا۔ (۱۷)

ہم نے پہاڑوں کو اس کے تابع کر رکھا تھا کہ اس کے

ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح خوانی کریں۔ (۱۸)

اور پرندوں کو بھی جمع ہو کر سب کے سب اس کے زیر

(۱) یعنی صور پھونکنے کا جس سے قیامت برپا ہو جائے گی۔

(۲) دودھ دوہنے والا ایک مرتبہ کچھ دودھ دوہ کر بچے کو اونٹنی یا گائے بھینس کے پاس چھوڑ دیتا ہے تاکہ اس کے دودھ

پینے سے تھنوں میں دودھ اتر آئے چنانچہ تھوڑی دیر بعد بچے کو زبردستی پیچھے ہٹا کر خود دودھ دوہنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ

دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان کا جو وقفہ ہے یہ فراق کہلاتا ہے۔ یعنی صور پھونکنے کے بعد اتنا وقفہ بھی نہیں ملے گا

بلکہ صور پھونکنے کی دیر ہوگی کہ قیامت کا زلزلہ برپا ہو جائے گا۔

(۳) قِطْعُ کے معنی ہیں حصہ مراد یہاں نامہ عمل یا سرنوشت ہے۔ یعنی ہمارے نامہ اعمال کے مطابق ہمارے حصے میں

اچھی یا بری سزا جو بھی ہے 'یوم حساب کے آنے سے پہلے ہی ہمیں دنیا میں دے دے۔ یہ یَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ

والی بات ہی ہے۔ یہ وقوع قیامت کو ناممکن سمجھتے ہوئے انہوں نے استعجال اور تسخیر کے طور پر کہا۔

(۴) یہ آئید، یَنْدُ (ہاتھ) کی جمع نہیں ہے۔ بلکہ یہ آذِیْنْدُ کا مصدر آئید ہے 'قوت و شدت۔ اسی سے تائید بمعنی تقویت

ہے۔ اس قوت سے مراد دینی قوت و صلابت ہے جس طرح حدیث میں آتا ہے "اللہ کو سب سے زیادہ محبوب نماز اور

علیہ السلام کی نماز اور سب سے زیادہ محبوب روزے" داود علیہ السلام کے روزے ہیں وہ نصف رات سوتے پھر اٹھ کر

رات کا تہائی حصہ قیوم کرتے اور پھر اس کے چھٹے حصے میں سو جاتے ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن نائفہ کرتے اور

جنگ میں فرار نہ ہوتے 'اصحیح بخاری' کتاب الاشیاء 'باب واتیسا داود یسوزا' ومسلم 'کتاب الصیام' باب

الہی عن صوم الدھر

فرمان رہتے۔^(۱۱)

اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا^(۱۲) اور اسے حکمت دی تھی^(۱۳) اور بات کا فیصلہ کرتا۔^(۱۴) (۲۰)
اور کیا تجھے جھگڑا کرنے والوں کی (بھی) خبر ملی؟ جبکہ وہ دیوار پھاند کر محراب میں آگئے۔^(۱۵) (۲۱)

جب یہ (حضرت) داود (علیہ السلام) کے پاس پہنچے، پس یہ ان سے ڈر گئے،^(۱۶) انہوں نے کہا خوف نہ کیجئے! ہم دو فریق مقدمہ ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، پس آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے اور نا انصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجئے۔^(۱۷) (۲۲)

(یعنی) یہ میرا بھائی ہے^(۱۸) اس کے پاس نلاوے وغیرہ

وَسَدَدْنَا مَلَكُوتَهُ وَأَنبَتْنَا بِهِ حَبْلَةً ۖ وَقَصَلْنَا الْخَطَابَ ۝

وَقُلْ أَنتَ سَيِّدُ الْخَصَمِ إِذْ تَسُوْرُ الْقِرَابَ ۝

إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُدَ فَفَیْرَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا نَعْنُ حَصْمِیْنَ بَعْیَ بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ فَاخْلُمْ بَیْنَنَا یَا سَمِیُّ وَلَا تَشْطِطْ وَاهْبِئْنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الْقَوَا ۝

إِنَّ هَذَا أَخِیْ لَهُ تِسْعٌ قِنْعُونَ نَعْبَةً عَلَىٰ نَعْبَةٍ وَاحِدَةٌ ۝

(۱) یعنی اشراق کے وقت اور آخر دن کو پہاڑ بھی داود علیہ السلام کے ساتھ مصروف تسبیح ہوتے اور اڑتے جانور بھی زبور کی قراءت سن کر ہوا ہی میں جمع ہو جاتے اور ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرتے۔ محشورۃ کے معنی مجموعہ ہیں۔

(۲) ہر طرح کے مادی اور روحانی اسباب کے ذریعے سے۔

(۳) یعنی نبوت، اسباب رائے، قول سداد اور فعل صواب۔

(۴) یعنی مقدمات کے فیصلے کرنے کی صلاحیت، بصیرت و تفقہ اور استدلال و بیان کی قوت۔

(۵) میخرباٹ سے مراد کمرہ ہے جس میں سب سے علیحدہ ہو کر یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے۔ دروازے پر پیرے دار ہوتے، تاکہ کوئی اندر آکر عبادت میں خلل نہ ہو۔ جھگڑا کرنے والے پیچھے سے دیوار پھاند کر اندر آگئے۔

(۶) ڈرنے کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ایک تو وہ دروازے کے بجائے عقب سے دیوار چڑھ کر اندر آئے۔ دوسرے، انہوں نے اتنا بڑا اقدام کرتے ہوئے بادشاہ وقت سے کوئی خوف محسوس نہیں کیا۔ ظاہری اسباب کے مطابق خوف والی چیز سے خوف کھانا، انسان کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ یہ منصب و کمال نبوت کے خلاف ہے نہ توحید کے منافی۔ توحید کے منافی غیر اللہ کا وہ خوف ہے جو ماورائے اسباب ہو۔

(۷) آنے والوں نے تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے درمیان ایک جھگڑا ہے، ہم آپ سے فیصلہ کرانے آئے ہیں، آپ حق کے ساتھ فیصلہ بھی فرمائیں اور سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی بھی۔

(۸) بھائی سے مراد دینی بھائی یا شریک کار و بار یا دوست ہے۔ سب پر بھائی کا اطلاق صحیح ہے۔

فَقَالَ الْمَلِيكُ مَا وَعَدْتَنِي فِي الْخَطَابِ ۝

قَالَ لَقَدْ طَلَمْتُكَ بِسُؤَالِ نَجَاتِكَ إِلَى نَجَاتِهِ وَإِنْ كَثُرَ زَائِنٌ
لِخُلُطَاءٍ لَيْسَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ وَقِيلَ لَهُمْ ذُكِّرْ دَاوُدَ الْمَافَقَتَهُ فَاسْتَغْفَرَ
رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۝



فَقَعَزْنَا لَهُ ذَلِكَ وَإِنْ لَهُ عِنْدَنَا الزُّلْفَى

ہیں اور میرے پاس ایک ہی دینی ہے لیکن یہ مجھ سے کہہ
رہا ہے کہ اپنی یہ ایک بھی مجھ ہی کو دے دے اور مجھ
پر بات میں بڑی سختی برتا ہے۔^(۲۳)

آپ نے فرمایا! اس کا اپنی دنیوں کے ساتھ تیری ایک
دینی ملا لینے کا سوال بیشک تیرے اوپر ایک ظلم ہے اور
اکثر حصہ دار اور شریک (ایسے ہی ہوتے ہیں کہ) ایک
دوسرے پر ظلم کرتے^(۲۴) ہیں 'سوائے ان کے جو ایمان
لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور ایسے لوگ بہت
ہی کم ہیں^(۲۵) اور (حضرت) داود (علیہ السلام) سمجھ گئے کہ
ہم نے انہیں آزمایا ہے پھر تو اپنے رب سے استغفار
کرنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے گر پڑے^(۲۶) اور
(پوری طرح) رجوع کیا۔ (۲۷)

پس ہم نے بھی ان کا وہ (قصہ) موقوف کر دیا 'یقیناً وہ

(۱) یعنی یہ ایک دینی بھی میری دنیوں میں شامل کر دے تاکہ میں ہی اس کا بھی ضامن اور کفیل ہو جاؤں۔

(۲) دو سرا ترجمہ ہے "اور یہ گفتگو میں مجھ پر غالب آگیا ہے" یعنی جس طرح اس کے پاس ماں زیادہ ہے 'زبان کا بھی مجھ
سے زیادہ تیز ہے اور اس تیزی و طراری کی وجہ سے لوگوں کو قائل کر لیتا ہے۔

(۳) یعنی انسانوں میں یہ کوتاہی عام ہے کہ ایک شریک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ دوسرے کا
حصہ بھی خود ہی ہڑپ کر جائے۔

(۴) البتہ اس اخلاقی کوتاہی سے اہل ایمان محفوظ ہیں 'کیونکہ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے اور عمل صالح کے
وہ پابند ہوتے ہیں۔ اس لیے کسی پر زیادتی کرنا اور دوسروں کا مال ہڑپ کر جانے کی سعی کرنا ان کے مزاج میں شامل نہیں
ہوتا۔ وہ تو دینے والے ہوتے ہیں 'لینے والے نہیں۔ تاہم ایسے بلند کردار لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔

(۵) ﴿ وَخَرَّ رَاكِعًا ﴾ کا مطلب یہاں سجدے میں گر پڑنا ہے۔

(۶) حضرت داود علیہ السلام کا یہ حکم کیا تھا جس پر انہیں کوتاہی کا اور توبہ و ندامت کے اظہار کا احساس ہوا اور اللہ نے
اسے معاف فرما دیا۔ قرآن کریم میں اس اجمال کی تفصیل نہیں ہے اور کسی مستند حدیث میں بھی اس کی بابت کوئی
وضاحت نہیں ہے۔ اس لیے بعض مفسرین نے تو اسرائیلی روایات کو بنیاد بنا کر ایسی باتیں بھی لکھ دی ہیں 'جو ایک نبی کی

وَحَسَنَ مَا يَب ۞

ہمارے نزدیک بڑے مرتبہ والے اور بہت اچھے ٹھکانے والے ہیں۔ (۲۵)

اے داود! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنادیا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور اپنی نفسی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی، یقیناً جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے

يٰۤاٰدُۡرَٓآ جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاٰخِذْ بِالنَّاصِيٰتِ ۚ لَّا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ الْاَنِیْنَ یُضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَعَنَآءُ شَدِيْدُوْنَ عَذَابٍ

شان سے فروتر ہیں۔ بعض مفسرین مثلاً ابن کثیر نے یہ موقف اختیار کیا کہ جب قرآن و حدیث اس معاملے میں خاموش ہیں تو ہمیں بھی اس کی تفصیلات کی کرید میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مفسرین کا ایک تیسرا گروہ ہے جو اس واقعے کی بعض جزئیات اور تفصیلات بیان کرتا ہے تاکہ قرآن کے اجمال کی کچھ توضیح ہو جائے۔ تاہم یہ کسی ایک بیان پر متفق نہیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت داود علیہ السلام نے ایک فوجی کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور یہ اس زمانے کے عرف میں معیوب بات نہیں تھی۔ حضرت داود علیہ السلام کو اس عورت کی خوبیوں اور کمالات کا علم ہوا تھا جس کی بنا پر ان کے اندر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس عورت کو تو ملکہ ہونا چاہیے نہ کہ ایک عام سی عورت۔ تاکہ اس کی خوبیوں اور کمالات سے پورا ملک فیض یاب ہو۔ یہ خواہش کتنے بھی اچھے جذبے کی بنیاد پر ہو، لیکن ایک تو متعدد بیویوں کی موجودگی میں یہ نامناسب سی بات لگتی ہے۔ دوسرے بادشاہ وقت کی طرف سے اس کے اظہار میں جبر کا پہلو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس لیے حضرت داود علیہ السلام کو ایک تمثیلی واقعے سے اس کے نامناسب ہونے کا احساس دہایا گیا اور انہیں فی الواقع اس پر تنبیہ ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ آنے والے یہ دو شخص فرشتے تھے جو ایک فرضی مقدمے کے حاضر ہوئے، حضرت داود علیہ السلام سے کوٹاہی یہ ہوئی کہ مدعی کا بیان سن کر ہی اپنی رائے کا اظہار کر دیا ورنہ علیہ کی بات سننے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے رفع درجات کے لیے اس آزمائش میں انہیں ڈالا، اس غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ سمجھ گئے کہ یہ آزمائش تھی جو اللہ کی طرف سے ان پر آئی اور بارگاہ الہی میں جھک گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آنے والے فرشتے نہیں تھے، انسان ہی تھے اور یہ فرضی واقعہ نہیں، ایک حقیقی جھگڑا تھا، جس کے فیصلے کے لیے وہ آئے تھے اور اس طرح ان کے صبر و تحمل کا امتحان لیا گیا، کیونکہ اس واقعے میں ناگواری اور اشتعال طبع کے کئی پسوتے تھے، ایک تو بلا اجازت دیوار پھند کر آنا۔ دوسرے عبادت کے مخصوص اوقات میں آکر قتل ہونا۔ تیسرے، ان کا طرز تکلم بھی آپ کی حکمانہ شان سے فروتر تھا (کہ زیادتی نہ کرنا وغیرہ) لیکن اللہ نے آپ کو توفیق دی کہ مشتعل نہیں ہوئے اور کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ لیکن دس میں جو طبی ناگواری کا ہلکا سا احساس بھی پیدا ہوا، اس کو بھی اپنی کوٹاہی پر محسوس کیا، یعنی یہ اللہ کی طرف سے آزمائش تھی، اس لیے یہ طبی انقباض بھی نہیں ہونا چاہیے تھا، جس پر انہوں نے توبہ و استغفار کا اہتمام کیا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

يَوْمَ الْحِسَابِ ۝

ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے۔ (۲۶)

اور ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو ناحق پیدا نہیں کیا^(۱) یہ گمان تو کافروں کا ہے سو کافروں کے لیے خرابی ہے آگ کی۔ (۲۷)

کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے برابر کر دیں گے جو (ہمیشہ) زمین میں فساد مچاتے رہے یا پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟ (۲۸)

یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔ (۲۹)

اور ہم نے داود کو سلیمان (نامی فرزند) عطا فرمایا جو بڑا اچھا بندہ تھا اور بے حد رجوع کرنے والا تھا۔ (۳۰)

جب ان کے سامنے شام کے وقت تیز رو خدے گھوڑے پیش کیے گئے۔^(۲) (۳۱)

تو کہنے لگے میں نے اپنے پروردگار کی یاد پر ان گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی یہاں تک کہ (آفتاب) چھپ گیا۔ (۳۲)

ان (گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ! پھر تو پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ بھیرنا شروع کر دیا۔^(۳) (۳۳)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَابَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذَلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا الْوَيْلُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ النَّارِ ۝

أَمْ يَحْسَبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ يَحْسَبُ الَّذِينَ اتَّقَوْا كَالْفُجَّارِ ۝

كُنْتُ أَنزِلُ الْإِنشَاءَ مُبْرَكًا لِّئَذَّذُنَا إِلَيْهِمْ وَلِيَتَذَكَّرُوا أُولَئِكَ أَلْقَابُ ۝

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ نَقَمَ الْعَبْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝

إِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ بِالْعِثَّةِ الظُّفُونُ الْجِنَادُ ۝

فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي نَحَشٍ تَوَارَتْ بِالْجُبَابِ ۝

رُؤُوسُهُمْ فِي الْأَشْفَاكِ مَسْحَايَا الشُّوْقِ وَالْإِعْتَاكِ ۝

(۱) بلکہ ایک خاص مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ یہ کہ میرے بندے میری عبادت کریں جو ایسا کرے گا میں اسے بہترین جزا سے نوازوں گا اور جو میری عبادت و اطاعت سے سرتابی کرے گا اس کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔

(۲) صَافَاتُ، صَافِیْنَ ہا صَافِئَةً کی جمع ہے 'وہ گھوڑے جو تین ٹانگوں پر کھڑے ہوں۔ جِنَادُ جَوَادُ کی جمع ہے جو تیز رو گھوڑے کو کہتے ہیں۔ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے بغرض جہاد جو گھوڑے پالے ہوئے تھے 'وہ عمدہ اصل تیز رو گھوڑے حضرت سلیمان علیہ السلام پر معاینے کے لیے پیش کیے گئے۔ عِثَّةٌ، ظہریا عصر سے لے کر آخرون تک کے وقت کو کہتے ہیں جسے ہم شام سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۳) اس ترجمے کی رو سے أَحْبَبْتُ بمعنی أَنَزَّوْتُ (ترجیع دینا) اور عَنْ بِمعنی عَلٰی ہے۔ اور تَوَارَتْ کا مرجع شَمْسٌ ہے جو

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ﴿۳۱﴾

اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا پھر ^(۱) اس نے رجوع کیا۔ (۳۱)

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَفْنَىٰ ۖ زِدْنِي بَعْدَ ذَٰلِكَ آيَاتٍ لِّكَ أَلُوهُابَ ﴿۳۲﴾

کہا کہ اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی (شخص) کے لائق نہ ہو، ^(۲) تو بڑا ہی

آیت میں پہلے مذکور نہیں ہے، لیکن قرینہ اس پر دال ہے۔ اس تفسیر کی رو سے اگلی آیت میں - ﴿مَسْحًا بِالْيَمِينِ﴾ کا ترجمہ بھی ذبح کرنا ہو گا یعنی مَسْحًا بِالْيَمِينِ کا مضموم۔ مطلب ہو گا کہ گھوڑوں کے معاینہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی عصر کی نماز یا وظیفہ خاص رہ گیا جو اس وقت وہ کرتے تھے۔ جس پر انہیں سخت صدمہ ہوا اور کہنے لگے کہ میں گھوڑوں کی محبت میں اتنا وارفتہ اور گم ہو گیا کہ سورج پر وہ مغرب میں چھپ گیا اور اللہ کی یاد نمازیہ وظیفہ سے غافل رہا۔ چنانچہ اس کی تظانی اور ازالے کے لیے انہوں نے سارے گھوڑے اللہ کی راہ میں قتل کر ڈالے۔ امام شوکانی اور ابن کثیر وغیرہ نے اس تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ دیگر بعض مفسرین نے اس کی دوسری تفسیر کی ہے۔ اس کی رو سے عَنْ أَجَلٍ کے معنی میں ہے آئی لَأَخْلِلَ ذِكْرَ رَبِّي یعنی رب کی یاد کی وجہ سے میں ان گھوڑوں سے محبت رکھتا ہوں۔ یعنی اس کے ذریعے سے اللہ کی راہ میں جہاد ہوتا ہے۔ پھر ان گھوڑوں کو دوڑایا حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ انہیں دوبارہ طلب کیا اور پیار و محبت سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا خیر، قرآن میں مال کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں یہ لفظ گھوڑوں کے لیے آیا ہے تو اؤت کا مرجع گھوڑے ہیں۔ امام ابن جریر طبری نے اس دوسری تفسیر کو ترجیح دی ہے اور یہی تفسیر متعدد وجوہ سے صحیح لگتی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

(۱) یہ آزمائش کیا تھی، کرسی پر ڈالا گیا جسم کس چیز کا تھا؟ اور اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کی بھی کوئی تفصیل قرآن کریم یا حدیث میں نہیں ملتی۔ البتہ بعض مفسرین نے صحیح حدیث سے ثابت ایک واقعے کو اس پر چسپاں کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ کہا کہ میں آج کی رات اپنی تمام بیویوں سے (جن کی تعداد ۷۰ یا ۹۰ تھی) بمبستری کروں گا تاکہ ان سے شاہ سوار پیدا ہوں جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ اور اس پر ان شاء اللہ نہیں کہ (یعنی صرف اپنی ہی تدبیر پر سارا اعتماد کیا) نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے ایک بیوی کے کوئی بیوی حاملہ نہیں ہوئی۔ اور حاملہ بیوی نے بھی جو بچہ جنا، وہ ناقص یعنی آدھا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ دیتے تو سب سے مجاہد پیدا ہوتے۔ (صحیح بخاری، کتاب الأنبياء، صحيح مسلم، کتاب الإيمان، باب الاستسقاء، ان مفسرین کے خیال میں شاید ان شاء اللہ نہ کہنا صرف اپنی تدبیر پر اعتماد کرنا ہی فتنہ ہو، جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام جہلا ہوئے اور کرسی پر ڈالا جانے والا جسم یہی ناقص تخلقت بچہ ہو۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

(۲) یعنی شاہ سواروں کی فوج پیدا ہونے کی آرزو، تیری حکمت و مشیت کے تحت پوری نہیں ہوئی، لیکن اگر مجھے ایسی

دینے والا ہے۔ (۳۵)

پس ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا وہ آپ کے حکم سے

جہاں آپ چاہتے نرمی سے پہنچا دیا کرتی تھی۔ (۳۶)^(۱)

اور (طاقت و) جنت کو بھی (ان کا ماتحت کر دیا) ہر

عمارت بنانے والے کو اور غوطہ خور کو۔ (۳۷)

اور دوسرے جنت کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے

رہے۔ (۳۸)^(۲)

یہ ہے ہمارا عطیہ اب تو احسن کر یا روک رکھ 'کچھ

حساب نہیں۔ (۳۹)^(۳)

ان کے لیے ہمارے پاس بڑا تقرب ہے اور بہت اچھا

ٹھکانا ہے۔ (۴۰)^(۴)

اور ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کا (بھی) ذکر کر

جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج

اور دکھ پہنچایا ہے (۴۱)^(۵)

فَتَنَّا آلَهُ لِيَرْجُوَ بِآمِرِهِ نَفْثَ الشَّيْطَانِ ۚ فَجَاءَ حَيْثُ أَصَابَ ۝

وَالشَّيْطَانُ كُلُّ يَوْمٍ يَدْعُوهُ ۖ وَهُوَ هَٰٓئِلٌ ۝

وَالْخَبِيرُ ۖ مُقَرَّبِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝

هَٰذَا عَطَاؤُنَا لِلْإِنْسَانِ ۖ أَذْهَبَ بِنَفْسِهِ ۝

فَإِنْ لَهُ عِنْدَنَا لُزْلٌ ۖ وَهَسْنٌ مَّآبٍ ۝

وَالَّذِي عِنْدَنَا آيُوبُ ۖ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّيَ الشَّيْطَانُ

بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ۝

با اختیار بادشاہت عطا کر دے کہ ویسی بادشاہت میرے سوا یا میرے بعد کسی کے پاس نہ ہو 'تو پھر اودھ کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ یہ دعا بھی اللہ کے دین کے غلبے کے لیے ہی تھی۔

(۱) یعنی ہم نے سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا قبول کر لی اور ایسی بادشاہی عطا کی کہ جس میں ہوا بھی ان کے ماتحت تھی ' یہاں ہوا کو نرمی سے چلنے والا بتایا ہے 'جب کہ دوسرے مقام پر اسے تند و تیز کہا ہے ' (الأنبیاء-۸۱) جس کا مطلب یہ ہے کہ ہوا پیدائشی قوت کے لحاظ سے تند ہے۔ لیکن سلیمان علیہ السلام کے لیے اسے نرم کر دیا گیا ' یا حسب ضرورت وہ کبھی تند ہوتی کبھی نرم ' جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے۔ (فتح القدیر)

(۲) جنت میں سے جو سرکش یا کافر ہوتے ' انہیں جزیروں میں جکڑ دیا جاتا ' تاکہ وہ اپنے کفر و سرکشی کی وجہ سے سرتابی نہ کر سکیں (۳) یعنی تیری دعا کے مطابق ہم نے تجھے عظیم بادشاہی سے نوازا دیا ' اب انسانوں میں سے جس کو تو چاہے دے ' جسے چاہے نہ دے ' تجھ سے ہم حساب بھی نہیں لیں گے۔

(۴) یعنی دنیوی جاہ و مرتبت عطا کرنے کے باوجود آخرت میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو قرب خاص اور مقام خاص حاصل ہو گا۔

(۵) حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور اس میں ان کا صبر مشہور ہے۔ جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اہل و مال کی

اَلْكُفْرُ بِرَحْمَتِكَ هَذَا غَشَاكَ بِالرُّدِّ وَشَرَّابٍ ۝

وَوَهَبْنَا لَهُ اَهْلًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ رَحْمَةً مِنَّا ذُرِّيٌّ
لِّاُولٰٓئِكَ لِّلْاَبَابِ ۝

وَحَدَّثَنِيكَ ضَعْفًا قَاضِيًا تَه وَلَا تَحْتَفِ اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا

اپنا پاؤں مارو' یہ نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی
ہے۔^(۳۲)

اور ہم نے اسے اس کا پورا کنبہ عطا فرمایا بلکہ اتنا ہی اور
بھی اسی کے ساتھ اپنی (خاص) رحمت سے^(۳۱) اور
عقلمندوں کی نصیحت کے لیے۔^(۳۳)

اور اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک منھا (جھاڑو) لے کر مار
دے اور قسم کا خلاف نہ کر^(۳۴) سچ تو یہ ہے کہ ہم نے

تباہی اور بیماری کے ذریعے سے ان کی آزمائش کی، جس میں وہ کئی سال جتلا رہے۔ حتیٰ کہ صرف ایک بیوی ان کے ساتھ
رہ گئی جو صبح و شام ان کی خدمت بھی کرتی اور ان کو کہیں کام کاج کر کے بقدر کفاف رزق کا انتظام بھی کرتی۔ یہاں پر
متعدد تفسیری روایات کا ذکر کیا جاتا ہے، مگر اس میں سے کتنا کچھ صحیح ہے اور کتنا نہیں، اسے معلوم کرنے کا کوئی مستند
ذریعہ نہیں۔ نَصَب سے جسمانی تکالیف اور عذاب سے مالی اتلا مراد ہے۔ اس کی نسبت شیطان کی طرف اس لیے کی گئی
ہے دراصل حایکے سب کچھ کرنے والا صرف اللہ ہی ہے کہ ممکن ہے شیطان کے دوسو سے ہی کسی ایسے عمل کا سبب بنے
ہوں جس پر یہ آزمائش آئی یا پھر بطور ادب کے ہے کہ خیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور شر کو اپنی یا شیطان کی طرف منسوب
کیا جاتا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان سے کہا کہ زمین پر چیر مارو، جس سے ایک چشمہ
جاری ہو گیا۔ اس کے پانی پینے سے اندرونی بیماریاں اور غسل کرنے سے ظاہری بیماریاں دور ہو گئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ
یہ دو چشمے تھے، ایک سے غسل فرمایا اور دوسرے سے پانی پیا۔ لیکن قرآن کے الفاظ سے پہلی بات کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی
ایک ہی چشمہ تھا۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ پہلا کنبہ جو بطور آزمائش ہلاک کر دیا گیا تھا، اسے زندہ کر دیا گیا اور اس کے مثل اور مزید کنبہ عطا
کر دیا گیا۔ لیکن یہ بات کسی مستند ذریعے سے ثابت نہیں ہے۔ زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ نے پہلے سے
زیادہ مال و اولاد سے انہیں نوازا جو پہلے سے دو گنا تھا۔

(۳) یعنی ایوب علیہ السلام کو یہ سب کچھ ہم نے جو دوبارہ عطا کیا، تو اپنی رحمت خاص کے اظہار کے علاوہ اس کا دوسرا
مقصد یہ ہے کہ اہل دانش اس سے نصیحت حاصل کریں اور وہ بھی ابتلا و شدائد پر اسی طرح مہر کریں جس طرح ایوب
علیہ السلام نے کیا۔

(۴) بیماری کے ایام میں خدمت گزار بیوی کو کسی بات سے ناراض ہو کر حضرت ایوب علیہ السلام نے اسے سو کوڑے
مارنے کی قسم کھالی تھی، صحت یاب ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سو تنکوں والی جھاڑو لے کر ایک مرتبہ اسے مار

يَعْمَدُ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَتَوَّابٌ ۝

وَاذْكُرْ عَبْدًا مِّنْ أَوْلِيَاءِكَ يَقُولُ وَيَعْتُوبُ أَبُو الْأَنْبِيَاءِ
وَالْأَبْصَارِ ۝

إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذُكِّرَى الدَّارِ ۝

وَأَنفَعُهُمْ عِنْدَ تَالِيِنِ الْمُصْطَفَيْنِ الْأَخْيَارِ ۝

وَاذْكُرْ سُبْحَانَكَ وَالْمَسْعَةَ وَالْكُفْلَ وَكُلَّ مِّنِ الْأَخْيَارِ ۝

هَذَا ذِكْرُ ذُرِّيٍّ يُنْتَقِبِينَ لِحُسْنِ نَّابٍ ۝

اسے بڑا صابر بندہ پایا، وہ بڑا نیک بندہ تھا اور بڑی ہی
رغبت رکھنے والا۔ (۳۳)

ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کا
بھی لوگوں سے ذکر کرو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے^(۱)
تھے۔ (۳۵)

ہم نے انہیں ایک خاص بات یعنی آخرت کی یاد کے
ساتھ مخصوص کر دیا تھا۔^(۲) (۳۶)

یہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اور بہترین لوگ
تھے۔ (۳۷)

اسماعیل، یسح اور ذوالکفل (علیہم السلام) کا بھی ذکر کر
دیجئے۔ یہ سب بہترین لوگ^(۳) تھے۔ (۳۸)

یہ نصیحت ہے اور یقین مانو کہ پرہیزگاروں کی بڑی اچھی
جگہ ہے۔ (۳۹)

دے، تیری قسم پوری ہو جائے گی۔ اس امر میں علما کا اختلاف ہے کہ یہ رعایت صرف حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ
خاص ہے یا دوسرا کوئی شخص بھی اس طرح سو کوڑوں کی جگہ سو تنکوں والی جھاڑو مار کر حادث ہونے سے بچ سکتا ہے؟
بعض پہلی رائے کے قائل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اگر نیت ضرب شدید کی نہ کی ہو تو اس طرح عمل کیا جا سکتا ہے۔
(فتح القدیر) ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک معذور کمزور زانی کو سو کوڑوں کی جگہ
سو تنکوں والی جھاڑو مار کر سزا دی۔ اسناد احمد ۲۲۲/۵ اس صحیحہ، کتاب الحدود، باب الکبیر والمريض بحسب
حسب الحد، صحیحہ الألبانی، جس سے مخصوص صورتوں میں اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

(۱) یعنی عبادت الہی اور نصرت دین میں بڑے قوی اور دینی و علمی بصیرت میں ممتاز تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آئینی بمعنی
نعم ہے۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام و احسان ہوا یا یہ لوگوں پر احسان کرنے والے تھے۔

(۲) یعنی ہم نے ان کو آخرت کی یاد کے لیے جن لیا تھا، چنانچہ آخرت ہر وقت ان کے سامنے رہتی تھی (آخرت کا ہر
وقت استحضار، یہ بھی اللہ کی ایک بڑی نعمت اور زہد و تقویٰ کی بنیاد ہے) یا وہ لوگوں کو آخرت اور اللہ کی طرف بلانے میں
کوشاں رہتے تھے۔

(۳) یسح علیہ السلام کہتے ہیں، حضرت الیاس علیہ السلام کے جانشین تھے، ان تعریف کے لیے ہے اور عجمی نام ہے،
ذوالکفل کے لیے دیکھئے سورۃ الانبیاء، آیت ۸۵ کا حاشیہ۔ اخیار، خیر، یا خیر کی جمع ہے جیسے میت کی جمع أموات ہے۔

جَبَّتْ عَيْنٌ مُفْتَحَةً لَّهُمْ لِقَابُ ۝

(یعنی ہینگی والی) جنتیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ (۵۰)

مُنْكِبِينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِذِكْرِ كَثِيرٍ ۝

جن میں بافراغت تکیے لگائے بیٹھے ہوئے طرح طرح کے میوے اور قسم قسم کی شرابوں کی فرمائشیں کر رہے ہیں۔ (۵۱)

وَعِنْدَهُمْ قِيَرَتٌ انْظُرُونَ ۝

اور ان کے پاس نیچی نظروں والی ہم عمر حوریں ہوں گی۔ (۵۲)

هَذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝

یہ ہے جس کا وعدہ تم سے حساب کے دن کے لیے کیا جاتا تھا۔ (۵۳)

إِنَّ هَذَا لَإَرْزَاقٌ مَّا لَمْ يَنْفَعِدُوا ۝

بیشک روزیاں (خاص) ہمارا عطیہ ہیں جن کا کبھی خاتمہ ہی نہیں۔ (۵۴)

هَذَا قَوْلٌ بِمُغْلِقِينَ لِقَرْمَاتٍ ۝

یہ تو ہوئی جزا، (۱۳) (یاد رکھو کہ) سرکشوں کے لیے 'بڑی بری جگہ ہے۔ (۵۵)

بَهْمٍ يَصْلُونَهَا فَمِنْ الْبَهَادِ ۝

دوزخ ہے جس میں وہ جائیں گے (آہ) کیا ہی برا بھونا ہے۔ (۵۶)

هَذَا قَيْدٌ وَقُوَّةٌ حَبِيمٌ وَعَسَاقُ ۝

یہ ہے 'پس اسے چکیں، گرم پانی اور پیپ' (۵۷)

(۱) جنتی جن کی نگاہیں اپنے خاوندوں سے تجاوز نہیں ہوں گی اَنْزَابُ 'تیزب کی جمع ہے' ہم عمر لازم ال حسن وجموں کی حال۔ (فتح القدیر)

(۲) رزق 'بمعنی عطیہ ہے اور ہذا سے ہر قسم کی مذکور نعمتیں اور وہ اکرام و اعزاز مراد ہے جن سے اہل جنت بہرہ ور ہوں گے۔ نفاذ کے معنی انقطاع اور خاتمے کے ہیں۔ یہ نعمتیں بھی غیر فانی ہوں گی اور اعزاز و اکرام بھی دائمی۔

(۳) 'ہذا' مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی الْأَمْرُ هَذَا بِأَنَّ هَذَا مُتَّبَعٌ ہے اس کی خبر محذوف ہے یعنی هَذَا كَمَا دُكِرَ یعنی مذکور اہل خیر کا معاملہ ہوا۔ اس کے بعد اہل شر کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔

(۴) طَائِعِينَ جنہوں نے اللہ کے احکام سے سرکشی اور رسولوں کی تکذیب کی یَصْلُونَ کے معنی ہیں یَدْخُلُونَ داخل ہوں گے۔

(۵) حَبِيمٌ وَعَسَاقُ، ہذا کی خبر ہے یعنی هَذَا حَبِيمٌ وَعَسَاقُ فَلْيَذُوقُوهُ یہ ہے گرم پانی اور پیپ اسے چکھو۔

وَالْأَعْرَابُ مِنْ شَكْلِهِ أَزْوَاجٌ ۝

هَذَا قَوْمٌ مُنْتَجِعُونَ مَعَكُمْ لَأَمْوَجَاتُهُمْ أَتَانَهُمْ صَالُوا النَّارَ ۝

قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَأَمْوَجَاتُكُمْ أَنْتُمْ قَدْ مَتَّوْا لَنَا بَشَرًا
أَنْقَرَارٌ ۝

قَالُوا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هَذَا أَفَرَّذَهُ عَذَابًا أَوْ بَلَاءً فَعَلَيْنَا النَّارَ ۝

وَقَالُوا مَا لَآلِئْنَا رَبَّكَ الْكَافِرِينَ لَعَنَّا هُم مِّنْ لَّدُنَّا ۝

اس کے علاوہ اور طرح طرح کے عذاب۔ (۵۸)

یہ ایک قوم ہے جو تمہارے ساتھ (آگ میں) جانے والی ہے، کوئی خوش آمدید ان کے لیے نہیں ہے (۵۹) یہی تو جہنم میں جانے والے ہیں۔ (۶۰)

وہ کہیں گے بلکہ تم ہی ہو جن کے لیے کوئی خوش آمدید نہیں ہے تم ہی نے تو اسے پہلے ہی سے ہمارے سامنے لا رکھا تھا (۶۱) پس رہنے کی بڑی بری جگہ ہے۔ (۶۲)

وہ کہیں گے اے ہمارے رب! جس نے (کفر کی رسم) ہمارے لیے پہلے سے نکالی ہو (۶۳) اس کے حق میں جہنم کی دگنی سزا کر دے۔ (۶۴)

اور جہنمی کہیں گے کیا بات ہے کہ وہ لوگ ہمیں دکھائی نہیں

حَمِيمٌ مگر مگھول ہو پانی، جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا۔ غَشَاقٌ، جہنمیوں کی کھاؤں سے جو پیپ اور گندہ ہو نکلے گا۔ یا سخت ٹھنڈا پانی، جس کا پینا نہایت مشکل ہو گا۔

(۱) شَكْلِهِ اس جیسے اَرْوَاحُ انواع و اقسام یعنی حیم و غشاق جیسے اور بہت سی قسم کے دوسرے عذاب ہوں گے۔

(۲) جہنم کے دروازوں پر کھڑے فرشتے، ائمہ کفر اور پیشوا یا ان ضلالت سے کہیں گے، جب پیرو کار قسم کے کافر جہنم میں جائیں گے۔ یا ائمہ کفر و ضلالت آپس میں یہ بات، پیرو کاروں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے۔

(۳) یہ لیڈر، جہنم میں داخل ہونے والے کافروں کے لیے، فرشتوں کے جواب میں یا آپس میں کہیں گے۔ رَحْمَةً کے معنی وسعت و فراخی کے ہیں۔ مرحبا یہ کَلِمَةُ تَرْحِيبٍ یعنی خیر مقدمی اغلاظ ہیں جو آنے والے مہمان کے استقبال کے وقت کہے جاتے ہیں۔ لَا مَرْحَبًا اس کے برعکس ہے۔

(۴) یہ ان کا خیر مقدم نہ کرنے کی علت ہے۔ یعنی ان کے اور ہمارے مابین کوئی وجہ امتیاز نہیں ہے، یہ بھی ہماری طرح جہنم میں داخل ہو رہے ہیں اور جس طرح ہم عذاب کے مستحق ٹھہرے ہیں، یہ بھی عذاب جہنم کے مستحق قرار پائے ہیں۔

(۵) یعنی تم ہی کفر و ضلالت کے راستے کو ہمارے سامنے مزین کر کے پیش کرتے تھے، یوں گویا اس عذاب جہنم کے پیش کار تو تم ہی ہو۔ یہ پیرو کار، اپنے مقتداؤں کو کہیں گے۔

(۶) یعنی جنہوں نے ہمیں کفر کی دعوت دی اور اسے حق و صواب باور کرایا۔ یا جنہوں نے ہمیں کفر کی طرف بلا کر ہمارے لیے یہ عذاب آگے بھیجا۔

(۷) یہ وہی بات ہے جسے اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ الاعراف، ۳۸، سورۃ الاحزاب، ۶۸۔

دیتے جنہیں ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے۔^(۱) (۶۲)
 کیا ہم نے ہی ان کا مذاق بنا رکھا تھا^(۲) یا ہماری نگاہیں ان
 سے ہٹ گئی ہیں۔^(۳) (۶۳)
 یقین جانو کہ دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور ہی ہو گا۔^(۴) (۶۴)
 کہہ دیجئے! کہ میں تو صرف خبردار کرنے والا ہوں^(۵) اور
 بجز اللہ واحد غالب کے اور کوئی ناق عبادت نہیں۔ (۶۵)
 جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے
 درمیان ہے وہ زبردست اور بڑا بخشنے والا ہے۔ (۶۶)
 آپ کہہ دیجئے کہ یہ بہت بڑی خبر ہے۔^(۶) (۶۷)
 جس سے تم بے پرواہ ہو رہے ہو۔ (۶۸)
 مجھے ان بلند قدر فرشتوں کی (بات چیت کا) کوئی علم ہی
 نہیں جبکہ وہ تکرار کر رہے تھے۔^(۷) (۶۹)
 میری طرف فقط یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں تو صاف
 صاف آگاہ کروینے والا ہوں۔^(۸) (۷۰)

أَتَعَذِّبُهُمْ يُعَذِّبُكَ الرَّعْرَاعَةُ عَنْهُمْ الْأَبْصَارُ ۝

إِنَّ ذَلِكَ لَحَقٌّ تَخَافُكُمْ أَهْلُ النَّارِ ۝

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ وَمَا مِّنْ إِلَهِ إِلَّا اللَّهُ

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْفَقَّارُ ۝

قُلْ هُوَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۝

أَن تَعْرِضَهُ مَعْصِيَتُونَ ۝

مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

إِنْ يُولُوعِلَىٰ إِلَّا أَنَا كَأَن لَّمْ يَرْمِئِينَ ۝

(۱) اَشْرَارٌ سے مراد فقراء مومنین ہیں۔ جیسے عمار، خباب، صہیب، بلال و سلمان وغیرہم۔ رضی اللہ عنہم انہیں رؤسائے
 مکہ ازراہ خبث "برے لوگ" کہتے تھے اور اب بھی اہل باطل حق پر چلنے والوں کو بنیاد پرست، دہشت گرد، انتہا پسند
 وغیرہ القاب سے نوازتے ہیں۔

(۲) یعنی دنیا میں جہاں ہم غلطی پر تھے؟

(۳) یادہ بھی ہمارے ساتھ ہی ہمیں کہیں ہیں ہماری نظرس انہیں نہیں دیکھ پا رہی ہیں؟

(۴) یعنی آپس میں ان کی تکرار اور ایک دوسرے کو مورد طعن بنانا ایک ایسی حقیقت ہے جس میں تغلف نہیں ہو گا۔

(۵) یعنی جو تم گمان کرتے ہو میں وہ نہیں ہوں بلکہ تمہیں اللہ کے عذاب اور اس کے عتاب سے ڈرانے والا ہوں۔

(۶) یعنی میں تمہیں جس عذاب اخروی سے ڈرا رہا اور توحید کی دعوت دے رہا ہوں یہ بڑی خبر ہے جس سے عراض و
 غفلت نہ برتو بلکہ اس پر توجہ دینے اور سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۷) مد اعلیٰ سے مراد فرشتے ہیں یعنی وہ کس بات پر بحث کر رہے ہیں؟ میں نہیں جانتا۔ ممکن ہے اس اختصام (بحث و
 تکرار) سے مراد وہ گفتگو ہو جو تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت ہوئی۔ جیسا کہ آگے اس کا ذکر آ رہا ہے۔

(۸) یعنی میری ذمہ داری یہی ہے کہ میں وہ فرائض و سنن تمہیں بتا دوں جن کے اختیار کرنے سے تم عذاب الہی سے

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝۱

ثَاۡلِثًا سَوِيۡۃً وَّ تَهۡنِئَۃً فِیۡہِۡمۡ یُنۡفِخُ فِیۡہِۡمُ مِّنۡ نُّفُوۡفٍ فَفَعَلُوۡا لَہٗ خَصۡبًا ۝۲

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ كُلُّہُمۡ اٰمِعُوۡنَ ۝۳

جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا ^(۱) کہ میں مٹی سے انسان کو پیدا ^(۲) کرنے والا ہوں۔ (۷۱)
سو جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کر لوں ^(۳) اور اس میں اپنی روح پھونک دوں ^(۴) تو تم سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا۔ ^(۵) (۷۲)
چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ ^(۶) (۷۳)

بچ جاؤ گے اور ان محرمات و معاصی کی وضاحت کر دوں جن کے اجتناب سے تم رضائے الہی کے اور بصورت دیگر اس کے غضب و عقاب کے مستحق قرار پاؤ گے۔ یہی وہ انداز ہے جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے۔

(۱) یہ قصہ اس سے قبل سورہ بقرہ، سورہ اعراف، سورہ حجر، سورہ بنی اسرائیل اور سورہ کف میں بیان ہو چکا ہے۔ اب اسے یہاں بھی اجمالاً بیان کیا جا رہا ہے۔

(۲) یعنی ایک جسم، جنس بشر سے بنانے والا ہوں۔ انسان کو بشر زمین سے اس کی مہاشرت کی وجہ سے کہا۔ یعنی زمین سے ہی اس کی ساری وابستگی ہے اور وہ سب کچھ اسی زمین پر کرتا ہے۔ یا اس لیے کہ وہ بادی البشرۃ ہے۔ یعنی اس کا جسم یہ چہرہ ظاہر ہے۔

(۳) یعنی اسے انسانی پیکر میں ڈھال لوں اور اس کے تمام اجزاء درست اور برابر کر لوں۔

(۴) یعنی وہ روح جس کا میں ہی مالک ہوں، میرے سوا اس کا کوئی اختیار نہیں رکھتا اور جس کے پھونکنے ہی یہ پیکر خاکی، زندگی، حرکت اور توانائی سے بہرہ یاب ہو جائے گا۔ انسان کے شرف و عظمت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ اس میں وہ روح پھونکی گئی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی روح قرار دیا ہے۔

(۵) یہ سجدہ تحیہ یا سجدہ تعظیم ہے، سجدہ عبادت نہیں۔ یہ تعظیمی سجدہ پہلے جائز تھا، اسی لیے اللہ نے آدم علیہ السلام کے لیے فرشتوں کو اس کا حکم دیا۔ اب اسلام میں تعظیمی سجدہ بھی کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر یہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (مشکوۃ، کتاب السکاح باب عشرة النساء، بحوالہ ترمذی وقال الألبانی، وهو حدیث صحیح لشمسواہدہ)

(۶) یہ انسان کا دوسرا شرف ہے کہ اسے مہجود ملائک بنایا۔ یعنی فرشتے جیسی مقدس مخلوق نے اسے تعظیم سجدہ کیا۔ کُذِّبُوا سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک فرشتہ بھی سجدہ کرنے میں پیچھے نہیں رہا۔ اس کے بعد آجْمَعُونَ کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ سجدہ بھی سب نے یک وقت ہی کیا۔ مختلف اوقات میں نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ تاکید در تاکید تعظیم میں مباہلے کے لیے ہے۔ (فتح القدیر)

إِلَّا إِلَهِيْنَ اسْتَكْبَرُوا كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۰

قَالَ يَا اِبٰنِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیْ

اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعٰلِیْنَ ۝۳۱

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ

مِنْ طِیْنٍ ۝۳۲

قَالَ فَاصْبِرْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْرٌ ۝۳۳

وَاِنَّ عَلَیْكَ لَعُنٰی اِلٰی یَوْمِ الْوَعْدِ ۝۳۴

قَالَ رَبِّ قَاتِلْهُنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُصْعَقُوْنَ ۝۳۵

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝۳۶

اِلٰی یَوْمِ الْوَعْدِ الْمَعْنُوْمِ ۝۳۷

قَالَ یٰعِزَّتِكَ لَا تُطِیْعُوْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝۳۸

مگر ابلیس نے (نہ کیا) اس نے تکبر کیا ^(۱) اور وہ تھا کافروں میں سے۔ ^(۲) (۷۳)

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے ابلیس! تجھے اسے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔ ^(۳) کیا تو کچھ گھمنڈ میں آگیا ہے؟ یا تو بڑے درجے والوں میں سے ہے۔ (۷۵)

اس نے جواب دیا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ ^(۴) (۷۶)

ارشاد ہوا کہ تو یہاں سے نکل جا تو مردود ہوا۔ (۷۷) اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت و پھنکار ہے۔ (۷۸) کہنے لگا میرے رب مجھے لوگوں کے اٹھ کھڑے ہونے کے دن تک صلت دے۔ (۷۹)

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا تو صلت والوں میں سے ہے۔ (۸۰) متعین وقت کے دن تک۔ (۸۱)

کہنے لگا پھر تو تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو یقیناً بکا

(۱) اگر ابلیس کو صفات ملائکہ سے متصف مانا جائے تو یہ اشتباہ متصل ہو گا یعنی ابلیس اس حکم سجدہ میں داخل ہو گا بصورت دیگر یہ اشتباہ منقطع ہے یعنی وہ اس حکم میں داخل نہیں تھا لیکن آسمان پر رہنے کی وجہ سے اسے بھی حکم دیا گیا۔ مگر اس نے تکبر کی وجہ سے انکار کر دیا۔

(۲) یہ کان صّار کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت اور اس کی اطاعت سے انکبار کی وجہ سے وہ کافر ہو گیا۔ یا اللہ کے علم میں وہ کافر تھا۔

(۳) یہ بھی انسان کے شرف و عظمت کے اظہار ہی کے لیے فرمایا ورنہ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے۔

(۴) جیٹی شیطان نے اپنے زعم فاسد میں یہ سمجھا کہ آگ کا عنصر مٹی کے عنصر سے بہتر ہے۔ حالانکہ یہ سب جو اہر متجانس (ہم جنس) قریب قریب ایک درجے میں ہیں۔ ان میں سے کسی کو دو سرے پر شرف کسی عارض (خارجی سبب) ہی کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ عارض آگ کے مقابلے میں مٹی کے حصے میں آیا کہ اللہ نے اسی سے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا پھر اس میں اپنی روح پھونکی۔ اس لحاظ سے مٹی ہی کو آگ کے مقابلے میں شرف و عظمت حاصل ہے۔ علاوہ ازیں آگ کا کام جد کرنا ہے جب کہ مٹی اس کے برعکس انواع و اقسام کی پیداوار کا ماخذ ہے۔

دوں گا۔ (۸۴)

بجز تیرے ان بندوں کے جو چیدہ اور پسندیدہ ہوں۔ (۸۴)

فرمایا سچ تو یہ ہے، اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں۔ (۸۴)

کہ تجھ سے اور تیرے تمام ماننے والوں سے میں (بھی)

جنم کو بھروں گا۔ (۸۵)

کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا^(۱)

اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔^(۲) (۸۶)

یہ تو تمام جہان والوں کے لیے سراسر نصیحت (و عبرت)

ہے۔^(۳) (۸۷)

یقیناً تم اس کی حقیقت کو کچھ ہی وقت کے بعد (صحیح طور

پر) جان لو گے۔^(۴) (۸۸)

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقُولُ ۝

لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَتَّبَعُ وَمِنْهُمْ أَجْعَلُ ۝

كُلُّ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ۝

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝

وَلَتَعْلَمَنَّ أَنَا بَعْدَ ذَلِكَ ۝

(۱) یعنی اس دعوت و تبلیغ سے میرا مقصد صرف احوال امرائی ہے، دنیا کمانا نہیں۔

(۲) یعنی اپنی طرف سے گمراہی کی طرف ایسی بات منسوب کر دوں جو اس نے نہ کہی ہو یا میں تمہیں ایسی بات کی طرف دعوت دوں جس کا حکم اللہ نے مجھے نہ دیا ہو۔ بلکہ کوئی کی بیشی کیے بغیر میں اللہ کے احکام تم تک پہنچا رہا ہوں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے تھے: جس کو کسی بات کا علم نہ ہو، اس کی بابت اسے کہہ دینا چاہیے، اللہ اعلم یہ کہنا بھی علم ہی ہے، اس لیے کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو کہا: ﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ (ابن کثیر) علاوہ ازیں اس سے عام معاملات زندگی میں بھی تکلف و تصنع سے اجتناب کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (تُبْنَا عَنْ تَكَلُّفٍ) (اصحیح بخاری، ص ۲۹۳) ”ہمیں تکلف سے منع کیا گیا ہے“ حضرت سلیمانؑ جہیز کہتے ہیں: (تَبْنَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَتَكَلَّفَ لِلضَّنْبِ) (اصحیح الجامع الصغیر، للآلبانی، ص ۹۸) ”ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان کے لیے تکلف کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ اس سے معلوم ہوا کہ لباس، خوراک، رہائش اور دیگر معاملات میں تکلف نہ ہو جو آج کل معیار زندگی بلند کرنے کے عنوان سے، اصحاب حیثیت کا شعار اور روٹی و ہن چکا ہے، اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلام میں سادگی اور بے تکلفی اختیار کرنے کی تلقین و ترغیب ہے۔

(۳) یعنی یہ قرآن، یا وحی یا وہ دعوت، جو میں پیش کر رہا ہوں، دنیا بھر کے انسانوں اور جنات کے لیے نصیحت ہے۔ بشرطیکہ کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنے کا قصد کرے۔

(۴) یعنی قرآن نے جن چیزوں کو بیان کیا ہے، جو وعدے و وعید ذکر کیے ہیں، ان کی حقیقت و صداقت بہت جلد تمہارے سامنے

سُورَةُ الزُّمَرِ

سورہ زمر کی ہے اور اس میں پچتر آیتیں اور
آٹھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمایت رحم والا ہے۔

تَثْوِیْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ①

اس کتاب کا اتارنا اللہ تعالیٰ غالب با حکمت کی طرف سے
ہے۔ (۱)

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا
لَّهُ الدِّیْنَ ②

یقیناً ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ
نازل فرمایا ہے پس آپ اللہ ہی کی عبادت کریں اسی کے
لیے دین کو خالص کرتے ہوئے۔ (۲) (۳)

أَلِلّٰهُ الدِّیْنُ الْغَالِیْضُ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَهْلَیَاءَ
مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفَىٰ إِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ

خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خالص عبادت کرتا ہے (۳)
جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں)
کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ
(بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرا

آجائے گی۔ چنانچہ اس کی صداقت یوم بدر کو واضح ہوئی، فتح مکہ کے دن ہوئی یا پھر موت کے وقت تو سب پر ہی واضح ہو جاتی ہے۔

☆ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات سورہ بنی اسرائیل اور سورہ زمر کی تلاوت فرماتے
تھے۔ (صحیحہ الالبانی فی صحیح العرمذی)

(۱) یعنی اس میں توحید و رسالت، معاد اور احکام و فرائض کا جو اثبات کیا گیا ہے، وہ سب حق ہے اور انہی کے ماننے اور
اعتیار کرنے میں انسان کی نجات ہے۔

(۲) دین کے معنی یہاں عبادت اور اطاعت کے ہیں اور اخلاص کا مطلب ہے صرف اللہ کی رضا کی نیت سے نیک عمل
کرنا۔ آیت 'نیت کے وجوب اور اس کے اخلاص پر دلیل ہے۔ حدیث میں بھی اخلاص نیت کی اہمیت یہ کہہ کر واضح کر
دی گئی ہے کہ 'إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ' "عملوں کا دار و مدار نیتوں پر ہے" یعنی جو عمل خیر اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے
گا (بشرطیکہ وہ سنت کے مطابق ہو) وہ مقبول اور جس عمل میں کسی اور جذبے کی آمیزش ہوگی وہ نامقبول ہو گا۔

(۳) یہ اسی اخلاص عبادت کی تاکید ہے جس کا حکم اس سے پہلی آیت میں ہے کہ عبادت و اطاعت صرف ایک اللہ ہی کا
حق ہے نہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا جائز ہے۔ نہ اطاعت ہی کا اس کے علاوہ کوئی حق دار ہے۔ اہل رسوں
ﷺ کی اطاعت کو چونکہ خود اللہ نے اپنی ہی اطاعت قرار دیا ہے اس لیے رسول ﷺ کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت

بَيِّنْهُمْ فِي مَا لَهُمْ مِنْهُ يَعْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَذَّابٌ ⑤

لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَخْلُقَ مَا يَشَاءُ لَفَاضَتْ سَائِلَاتُ مَا يَخْلُقُ مَا يَخْلُقُ ⑥

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يَكُونُ اللَّيْلُ عَلَى النَّهَارِ

دیں،^(۱) یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اس کا (سچا) فیصلہ اللہ (خود) کرے گا۔^(۲) جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا۔^(۳) اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اولاد ہی کا ہو تا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا جن لیتا۔ (لیکن) وہ تو پاک ہے، وہ^(۴) وہی اللہ تعالیٰ ہے یگانہ اور قوت والا۔^(۵)

نہایت اچھی تدبیر سے اس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے^(۶) اور

ہے، کسی غیر کی نہیں۔ تاہم عبادت میں یہ بات بھی نہیں۔ اس لیے عبادت اللہ کے سوا کسی بڑے سے بڑے رسوں کی بھی جائز نہیں ہے۔ چہ جائیکہ عام افراد و اشخاص کی، جنہیں لوگوں نے اپنے طور پر خدائی اختیارات کا حامل قرار دے رکھا ہے۔ ﴿مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهِنَّ مِنْ مِّلٍّ﴾ اللہ کی طرف سے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۱) اس سے واضح ہے کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ ہی کو خالق، رازق اور مدبر کائنات مانتے تھے۔ پھر وہ دوسروں کی عبادت کیوں کرتے تھے؟ اس کا جواب وہ یہ دیتے تھے جو قرآن نے یہاں نقل کیا ہے کہ شاید ان کے ذریعے سے ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے یا اللہ کے ہاں یہ ہماری سفارش کر دیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿هَؤُلَاءِ شُعَابٌ مِمَّنْ عَقَّبُوا اللَّهَ﴾ ”یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔“

(۲) کیوں کہ دنیا میں تو کوئی بھی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے کہ وہ شرک کا ارتکاب کر رہا ہے یا وہ حق پر نہیں ہے۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ فرمائے گا اور اس کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

(۳) یہ جھوٹ ہی ہے کہ ان معبودان باطلہ کے ذریعے سے ان کی اللہ تک رسائی ہو جائے گی یا یہ ان کی سفارش کریں گے اور اللہ کو چھوڑ کر بے اختیار لوگوں کو معبود سمجھنا بھی بہت بڑی ناشکری ہے۔ ایسے جھوٹوں اور ناشکروں کو ہدایت کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟

(۴) یعنی پھر اس کی اولاد نہ لیں ہی کیوں ہوتی؟ جس طرح کہ مشرکین کا عقیدہ تھا۔ بلکہ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو پسند کرتا، وہ اس کی اولاد ہوتی، نہ کہ وہ جن کو وہ باور کراتے ہیں، لیکن وہ تو اس نقص سے ہی پاک ہے (ابن کثیر)

(۵) نیکویت کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیز پر لپیٹ دینا، رات کو دن پر لپیٹ دینے کا مطلب، رات کا دن کو ڈھانپنا ہے یہاں تک کہ اس کی روشنی ختم ہو جائے اور دن کو رات پر لپیٹ دینے کا مطلب، دن کا رات کو ڈھانپنا ہے حتیٰ کہ اس کی تاریکی ختم ہو جائے۔ یہ وہی مطلب ہے جو ﴿يُفِضُ الْيَلَّ النَّهَارَ﴾ (الأعراف ۵۴) کا ہے۔

وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي
إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ أَلَا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَنِيُّ ۝

خَلَقْنَا مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ نُسْجَلٌ مِنْهَا ذُؤَاجُهُمْ وَأَنْزَلْنَا لَكُمْ
مِنْ الْأَنْعَامِ نَمِيْنَةً أَزْوَاجًا يَصْلَحُ لَكُمْ فِي بَطْنِي أَنْتُمْ تَكُونُ خَلْقًا مِّنْ
بَعْدِ خَلْقِي ۚ قُلْتُ نَكَلْتُ ذَٰلِكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ رَبُّكَ لَوَ الْغَنِيُّ الْغَنِيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا
هُوَ قَالِي تَصْرَفُونَ ۝

إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَبْزُقُ لِبَعَادِهِ الْكُفْرَ

اس نے سورج چاند کو کام پر لگا رکھا ہے۔ ہر ایک مقررہ
مدت تک چل رہا ہے یقین مانو کہ وہی زبردست اور
گناہوں کا بخشنے والا ہے۔ (۵)

اس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے،^(۱) پھر
اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا^(۲) اور تمہارے لیے چوپایوں
میں سے (آٹھ نر و مادہ) اتارے^(۳) وہ تمہیں تمہاری
ماؤں کے پیٹوں میں ایک بناوٹ کے بعد دوسری بناوٹ پر
بناتا^(۴) ہے تین تین اندھیروں^(۵) میں 'میں' ہی اللہ تعالیٰ
تمہارا رب ہے اسی کے لیے بادشاہت ہے 'اس کے سوا
کوئی معبود نہیں' پھر تم کہاں تک رہے ہو۔^(۶) (۶)

اگر تم ناشکری کرو تو (یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ تم (سب سے)
بے نیاز ہے،^(۷) اور وہ اپنے بندوں کی ناشکری سے خوش

(۱) یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے 'جن کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونکی تھی۔
(۲) یعنی حضرت حوا کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پہلی سے پیدا فرمایا اور یہ بھی اس کا کمال قدرت ہے کیونکہ
حضرت حوا کے علاوہ کسی بھی عورت کی تخلیق کسی آدمی کی پہلی سے نہیں ہوئی۔ یوں یہ تخلیق امر عادی کے خلاف اور
اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔

(۳) یہ وہی چار قسم کے جانوروں کا بیان ہے بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے، جو نر اور مادہ مل کر آٹھ ہو جاتے ہیں 'جن کا ذکر
سورۃ انعام' آیت ۱۴۳، ۱۴۴ میں گزر چکا ہے۔ اَنْزَلْنَا مَعْنٰی خَلْقَ ہے یا ایک روایت کے مطابق 'پہلے اللہ نے انہیں
جنت میں پیدا فرمایا اور پھر انہیں ناز کیا' پس یہ انزال حقیقی ہو گا۔ یا اَنْزَلْنَا کا اطلاق مجازاً ہے اس لیے کہ یہ جانور چارے
کے بغیر نہیں رہ سکتے اور چارہ کی روئیدگی کے لیے پانی ناگزیر ہے۔ جو آسمان سے ہی بارش کے ذریعے سے اترتا ہے۔ یوں
گویا یہ چوپائے آسمان سے اتارے ہوئے ہیں' (فتح القدیر)

(۴) یعنی رحم مادر میں مختلف اطوار سے گزارتا ہے، پہلے نطفہ، پھر علقۃ، پھر مضغۃ، پھر ہڈیوں کا ڈھانچہ، جس کے اوپر
گوشت کا لباس۔ ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد انسان کامل تیار ہوتا ہے۔

(۵) ایک ماں کے پیٹ کا اندھیروں دو سرار رحم مادر کا اندھیروں اور تیسرا شہد کا اندھیروں، جلی یا پردہ جس کے اندر بچہ پہنا ہوا ہوتا ہے۔

(۶) یا کیوں تم حق سے باطل کی طرف اور ہدایت سے گمراہی کی طرف پھر رہے ہو؟

(۷) اس کی تشریح کے لیے دیکھئے سورۃ ابراہیم آیت ۸ کا حاشیہ۔

وَلَنْ تَشْكُرُوا بَرِّصَهُ لَكُمْ وَلَا تَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمُ الرِّسَالَاتِ وَلِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمِ ۝

وَإِذْ آمَنَ الْإِنْسَانُ مَعْرَبِيَّةً مُّبِينًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا حَوَّلَهُ
نِعْمَةً مِنَّا لِيُذِي مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلْ يَلُو
أَنَّهُ إِذَا الْغِيْطُ عَنْ سَبِيلِهِ قُلُومًا تَمُّهُ يَكْفُرُ لَكَ قَلِيلًا ۝
إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝

أَمَّنْ هُوَ قَائِمٌ إِنَّهُ إِلَهُ سَابِحُونَ أَفَلَا يَتَذَكَّرُ الْآخِرَةُ
وَيَرْجِعُونَ رُبَّهَا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ

نہیں اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمہارے لیے پسند کرے گا۔^(۱) اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا پھر تم سب کا ہونا تمہارے رب ہی کی طرف ہے۔ تمہیں وہ ہمارے گاہو تم کرتے تھے۔ یقیناً وہ دلوں تک کی باتوں کا واقف ہے۔ (۷)

اور انسان کو جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوب رجوع ہو کر اپنے رب کو پکارتا ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس سے پہلے جو دعا کرتا تھا اسے (بالکل) بھول جاتا ہے^(۲) اور اللہ تعالیٰ کے شریک مقرر کرنے لگتا ہے جس سے (اوروں کو بھی) اس کی راہ سے بہکائے، آپ کہہ دیجئے! کہ اپنے کفر کا فائدہ کچھ دن اور اٹھاؤ، (آخر) تو دوزخیوں میں ہونے والا ہے۔ (۸)

بھلا جو شخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں (عبادت میں) گزارتا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا^(۳) ہو، (اور جو اس

(۱) یعنی کفر اگرچہ انسان اللہ کی مشیت ہی سے کرتا ہے، کیوں کہ اس کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا نہ ہی ہو سکتا ہے۔ تاہم کفر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ اس کی رضا حاصل کرنے کا راستہ تو شکر ہی کا راستہ ہے نہ کہ کفر کا۔ جیسی اس کی مشیت اور چیز ہے اور اس کی رضا اور چیز ہے، جیسا کہ پہلے بھی اس نکتے کی وضاحت بعض مقامات پر کی جا چکی ہے۔ دیکھئے صفحہ ۱۰۹۔

(۲) یا اس تکلیف کو بھول جاتا ہے جس کو دور کرنے کے لیے وہ دوسروں کو چھوڑ کر اللہ سے دعا کرتا تھا یا اس رب کو بھول جاتا ہے جسے وہ پکارتا تھا اور اس کے سامنے تضرع کرتا تھا، اور پھر شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۳) مطلب یہ ہے کہ ایک یہ کافر و مشرک ہے جس کا یہ حال ہے جو ابھی مذکور ہوا اور دوسرا وہ شخص ہے جو تنگی اور خوشی میں رات کی گھڑیاں اللہ کے سامنے عاجزی اور فریاد برداری کا اظہار کرتے ہوئے سجدہ و قیام میں گزارتا ہے۔ آخرت کا خوف بھی اس کے دل میں ہے اور رب کی رحمت کا امیدوار بھی ہے۔ یعنی خوف و رجاء دونوں کیفیتوں سے وہ سرشار ہے، جو اصل ایمان ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ خوف و رجاء کے بارے میں حدیث ہے،

وَالَّذِينَ لَا يَمْلِكُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُوا فِي الْآلِ الْكَتَابِ ۝

قُلْ يُعْبَادُوا الَّذِينَ آمَنُوا أَتَعْبَادُوا رَبَّكُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا
فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ إِنَّمَا يُوَفَّى
الطَّيِّبُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

کے برعکس ہو برابر ہو سکتے ہیں (بتاؤ تو علم والے اور بے علم کیا برابر کے ہیں؟) یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو غفلت مند ہوں۔ (اپنے رب کی طرف سے) (۹) (۲)

کہہ دو کہ اے میرے ایمان والے بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو، (۳) جو اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لیے نیک بدلہ ہے (۴) اور اللہ تعالیٰ کی زمین بہت کشادہ ہے (۵) ممبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس گئے جب کہ اس پر سکرانہ الموت کی کیفیت طاری تھی، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا ”تو اپنے آپ کو کیسے پاتا ہے؟“ اس نے کہا ”میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈرتا بھی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اس موقع پر جس بندے کے دس میں یہ دونوں باتیں جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز عطا فرمادیتا ہے جس کی وہ امید رکھتا ہے اور اس سے اسے بچا لیتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے۔“ (ترمذی، اس ماجہ، کتاب الرہد، باب ذکر الموت، ولاستعداد له)

(۱) یعنی وہ جو جانتے ہیں کہ اللہ نے ثواب و عقاب کا جو وعدہ کیا ہے، وہ حق ہے اور وہ جو اس بات کو نہیں جانتے۔ یہ دونوں برابر نہیں۔ ایک عالم ہے اور ایک جاہل۔ جس طرح علم و جبل میں فرق ہے، اسی طرح عالم و جاہل برابر نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عالم و غیر عالم کی مثال سے یہ سمجھنا مقصود ہو کہ جس طرح یہ دونوں برابر نہیں، اللہ کا فرماں بردار اور اس کا نافرمان، دونوں برابر نہیں۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عالم سے مراد وہ شخص ہے جو علم کے مطابق عمل بھی کرتا ہے۔ کیوں کہ وہی علم سے فائدہ حاصل کرنے والا ہے اور جو عمل نہیں کرتا وہ گویا ایسے ہی ہے کہ اسے علم ہی نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ عالم اور غیر عالم کی مثال ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں۔

(۲) اور یہ اہل ایمان ہی ہیں نہ کہ کفار۔ گو وہ اپنے آپ کو صاحب دانش و بصیرت ہی سمجھتے ہوں۔ لیکن جب وہ اپنی عقل و دانش کو استعمال کر کے غور و تدبیر ہی نہیں کرتے اور عبرت و نصیحت ہی حاصل نہیں کرتے تو ایسے ہی ہے گویا وہ چوپایوں کی طرح عقل و دانش سے محروم ہیں۔

(۳) اس کی اطاعت کر کے، معاصی سے اجتناب کر کے اور عبادت و اطاعت کو اس کے لیے خاص کر کے (۴) یہ تقویٰ کے فوائد ہیں۔ نیک بدلے سے مراد جنت اور اس کی ابدی نعمتیں ہیں۔ بعض جہیٰ الدنیا کو حَسَنَةٌ سے متعلق مان کر ترجمہ کرتے ہیں ”جو نیکی کرتے ہیں“ ان کے لیے دنیا میں نیک بدلہ ہے ”یعنی اللہ انہیں دنیا میں صحت و عافیت، کامیابی اور غنیمت وغیرہ عطا فرماتا ہے۔ لیکن سلا منسوم ہی زیادہ صحیح ہے۔

(۵) یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر اپنے وطن میں ایمان و تقویٰ پر عمل مشکل ہو، تو وہاں رہنا پسندیدہ نہیں، بلکہ

دیا جاتا ہے۔^(۱)

آپ کہہ دیجئے! کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کروں کہ اسی کے لیے عبادت کو خالص کر لوں۔^(۸)

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا فرماں بردار بن جاؤں۔^(۱۲)

کہہ دیجئے! کہ مجھے تو اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے بڑے دن کے عذاب کا خوف لگتا ہے۔^(۱۳)

کہہ دیجئے! کہ میں تو خالص کر کے صرف اپنے رب ہی کی عبادت کرتا ہوں۔^(۱۴)

تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرتے رہو کہہ دیجئے! کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں گے یاد رکھو کہ کھلم کھلا نقصان یہی ہے۔^(۱۵)

انہیں نیچے اوپر سے آگ کے (شعلے مثل) ساہن (کے)

قُلْ لِيْ اُزِيْزٌ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّيْنَ ۝۱

وَاُزِيْزٌ لِذٰلِكَ الْوَن اَوَّلِ السَّبِيْحِيْنَ ۝۲

قُلْ اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۳

قُلْ اللّٰهُ اَعْبُدْ مُخْلِصًا لَهُ دِيْنِيْ ۝۴

فَلْعَبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِنْ دُوْنِهٖ قُلْ اِنَّ الْخَيْرَ مِنَ الدِّيْنِ

خَيْرٌ وَّ اَنْفُسَكُمْ وَاَهْبِطُوْهُمُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ اِلَآذْ لَّا

هُوَ الْخَيْرُ مِنَ الدِّيْنِ ۝۵

لَهُمْ مِنْ دُوْنِهِمْ ظُلَلٌ مِنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۚ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ

وہاں سے ہجرت اختیار کر کے ایسے علاقے میں چلا جانا چاہیے جہاں انسان احکام الہی کے مطابق زندگی گزار سکے اور جہاں ایمان و تقویٰ کی راہ میں رکاوٹ نہ ہو۔

(۱) اسی طرح ایمان و تقویٰ کی راہ میں مشکلات بھی ناگزیر اور شہوات و لذات نفس کی قربانی بھی بدی ہے جس کے لیے مہر کی ضرورت ہے۔ اس لیے صابرین کی فضیلت بھی بیان کر دی گئی ہے کہ ان کو ان کے مہر کے بدلے میں اس طرح پورا پورا اجر دیا جائے گا کہ اسے حساب کے پیمانوں سے ناپنا ممکن ہی نہیں ہو گا۔ یعنی ان کا اجر غیر متناہی ہو گا کیوں کہ جس چیز کا حساب ممکن ہو اس کی تو ایک حد ہوتی ہے اور جس کی کوئی حد اور انتہا نہ ہو وہ وہی ہوتی ہے جس کو شمار کرنا ممکن نہ ہو۔ مہر کی یہ وہ عظیم فضیلت ہے جو ہر مسلمان کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اس لیے کہ جزع و فزع اور بے صبری سے نازل شدہ مصیبت ٹل نہیں جاتی جس خیر اور فائدے سے محرومی ہو گئی ہے وہ حاصل نہیں ہو جاتا اور جو ناگوار صورت حال پیش آچکی ہوتی ہے اس کا ازالہ ممکن نہیں۔ جب یہ بات ہے تو انسان صبر کر کے وہ اجر عظیم کیوں نہ حاصل کرے جو صابرین کے لیے اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔

(۲) پس اس معنی میں کہ آبائی دین کی مخالفت کر کے توحید کی دعوت سب سے پہلے آپ ہی نے پیش کی۔

اللَّهُ بِهِ عِبَادَةُ يَوْمَآءَ فَاتَّقُوا ۝

ڈھانک رہے ہوں گے۔^(۱) یہی (عذاب) ہے جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے،^(۲) اے میرے بندو! پس مجھ سے ڈرتے رہو۔ (۱۶)

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَبْعُدُوا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فَبَشِّرْهُم بِمَا ۝

اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے پرہیز کیا اور (ہمہ تن) اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے وہ خوش خبری کے مستحق ہیں، میرے بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔ (۱۷)

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ وَآوَلَدَتْ لَهُمُ الْأُمْنَانُ ۝

جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں۔ پھر جو بہترین بات ہو،^(۳) اس کی اتباع کرتے ہیں۔ یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی حکم دے بھی ہیں۔^(۴) (۱۸)

أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ تُنذِرُ ۝

بھلا جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہے،^(۵) تو کیا آپ اسے جو دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں۔^(۶) (۱۹)

لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا آلَهُمُ غُفْرًا غَرَّبُوا فَتُفَاهِشُونَ النَّبِيَّ

(۱) ظُلَّلَ، ظُلَّة کی جمع ہے، سایہ۔ یہاں اطلاق النار مراد ہیں، یعنی ان کے اوپر نیچے آگ کے طبق ہوں گے، جو ان پر بھڑک رہے ہوں گے۔ (فتح القدیر)

(۲) یعنی یہی مذکور خسران بین اور عذاب ظلم ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ اطاعت الہی کا راستہ اختیار کر کے اس انجام بد سے بچ جائیں۔

(۳) أَحْسَنُ سے مراد محکم اور پختہ بات، یا مامورات میں سے سب سے اچھی بات، یا عزیمت و رخصت میں سے عزیمت یا عفویت کے مقابلے میں عفو و درگزر اختیار کرتے ہیں۔

(۴) کیوں کہ انہوں نے اپنی عقل سے فائدہ اٹھایا ہے، جب کہ دوسروں نے اپنی عقلوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

(۵) یعنی قضا و تقدیر کی رو سے اس کا استحقاق عذاب ثابت ہو چکا ہے، اس طرح کہ کفر و ظلم اور جرم و عدوان میں وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا، جہاں سے اس کی واپسی ممکن نہیں رہی جیسے ابو جہل اور عامر بن وائل وغیرہ۔ اور گناہوں نے اس کو پوری طرح گھیر لیا اور وہ جنسی ہو گیا۔

(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اس بات کی شدید خواہش رکھتے تھے کہ آپ کی قوم کے سب لوگ ایمان لے آئیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور آپ کو بتلایا کہ آپ کی خواہش اپنی جگہ بالکل صحیح اور بجا ہے لیکن جس پر اس کی تقدیر غالب آگئی اور اللہ کا کلمہ اس کے حق میں ثابت ہو گیا، اسے آپ جنم کی آگ سے بچانے پر قادر نہیں ہیں۔

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَعِنْدَ اللَّهِ لَا يُغْنِي عَنْهُ الْبَيْتُ ۝

بلاخانے ہیں جن کے اوپر بھی بنے بنائے بالاخانے ہیں^(۱)
(اور) ان کے نیچے سرس بہہ رہی ہیں۔ رب کا وعدہ ہے^(۲)
اور وہ وعدہ خلاقی نہیں کرتا۔ (۲۰)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارتا
ہے اور اسے زمین کی سوتوں میں پہنچاتا^(۳) ہے پھر اسی
کے ذریعہ سے مختلف قسم کی کھیتیاں اگاتا^(۴) ہے پھر وہ
خشک ہو جاتی ہیں اور آپ انہیں زرد رنگ دیکھتے ہیں پھر
انہیں ریزہ ریزہ کر دیتا^(۵) ہے اس میں عقل مندوں کے
لیے بہت زیادہ نصیحت ہے۔^(۶) (۲۱)

لَقَدْ تَرَكْنَا اللَّهَ أَتَمَّ مِنَ السَّمَاءِ مَا فَسَّلَ لَكَ يَتَابَعِرُنِي الْأَرْضُ
تَحْتِظُورِهِ زِدْنَا غَدْرًا الْوَالِدُ ثُمَّ يَغْفِرُ قَرْيَةً مُصَفًّى ثُمَّ يَجْعَلُهَا
حُطَامًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۝

(۱) اس کا مطلب ہے کہ جنت میں درجات ہوں گے ایک کے اوپر ایک۔ جس طرح یہاں کثیر المنازل عمارتیں ہیں
جنت میں بھی درجات کے حساب سے ایک دوسرے کے اوپر بالاخانے ہوں گے جن کے درمیان سے اہل جنت کی
خواہش کے مطابق دودھ، شہد، پانی اور شراب کی سرس چل رہی ہوں گی۔

(۲) جو اس نے اپنے مومن بندوں سے کیا ہے اور جو یقیناً پورا ہو گا کہ اللہ سے وعدہ خلاقی ممکن نہیں۔

(۳) يَتَابَعِرُ، يَتَّبِعُ کی جمع ہے، سوتے، چٹتے، یعنی بارش کے ذریعے سے پانی آسمان سے اترتا ہے پھر وہ زمین میں
جذب ہو جاتا ہے اور پھر چشموں کی صورت میں نکلتا ہے یا تالابوں اور نہروں میں جمع ہو جاتا ہے۔

(۴) یعنی اس پانی سے جو ایک ہوتا ہے انواع و اقسام کی چیزیں پیدا فرماتا ہے جن کا رنگ، ذائقہ، خوشبو ایک دوسرے
سے مختلف ہوتی ہے۔

(۵) یعنی شادابی اور تروتازگی کے بعد وہ کھیتیاں سوکھ جاتی اور زرد ہو جاتی ہیں اور پھر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔ جس طرح
لکڑی کی ٹہنیاں خشک ہو کر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہیں۔

(۶) یعنی اہل دانش اس سے سمجھ لیتے ہیں کہ دنیا کی مثال بھی اسی طرح ہے، وہ بھی بہت جلد زوال و فنا سے ہم کنار ہو
جائے گی۔ اس کی رونق و بہت 'اس کی شادابی و زینت اور اس کی لذتیں اور آسائشیں عارضی ہیں جن سے انسان کو
دل نہیں لگانا چاہیے بلکہ اس موت کی تیاری میں مشغول رہنا چاہیے جس کے بعد کی زندگی دائمی ہے جسے زوال
نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قرآن اور اہل ایمان کے سینوں کی مثال ہے اور مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے
قرآن اتارا جسے وہ مومنوں کے دلوں میں داخل فرماتا ہے پھر اس کے ذریعے سے دین باہر نکالتا ہے جو ایک دوسرے
سے بہتر ہوتا ہے پس مومن تو ایمان و یقین میں زیادہ ہو جاتا ہے اور جس کے دل میں روگ ہوتا ہے وہ اس طرح
خشک ہو جاتا ہے جس طرح کھیتی خشک ہو جاتی ہے۔ (فتح اللہ)

كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَآتَاهُمُ الْعَذَابُ
مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۳۸﴾

فَآذَاهُمْ اللَّهُ الْخَيْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ
أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾

وَلَعَذَابُ الْعَذَابِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۴۰﴾

لَوْ أَنَا غَرَبًا غَيْرَ ذِي جُورٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۴۱﴾

جائے گا کہ اپنے کیے کا (وبال) چکھو۔^(۱) (۲۳)

ان سے پہلے والوں نے بھی جھٹلایا، پھر ان پر وہاں سے
عذاب آپڑا جہاں سے ان کو خیال بھی نہ تھا۔^(۲) (۲۵)
اور اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگانی دنیا میں رسوائی کا مزہ
چکھایا^(۳) اور ابھی آخرت کا تو بڑا بھاری عذاب ہے کاش
کہ یہ لوگ سمجھ لیں۔ (۲۶)

اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں
بیان کر دی ہیں کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔^(۴) (۲۷)
قرآن ہے عربی میں جس میں کوئی کجی نہیں ہو سکتا ہے
کہ وہ پرہیزگاری اختیار کر لیں۔^(۵) (۲۸)

ہوش باقی نہ رہے، کیونکہ یہ بدعتوں کی صفت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔ (ابن کثیر) جیسے آج بھی بدعتوں
کی قوالی میں اس طرح کی شیطانی حرکتیں عام ہیں، جسے وہ ”وجد و حال یا سکر و مستی“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام ابن کثیر
فرماتے ہیں، اہل ایمان کا معاملہ اس بارے میں کافروں سے بوجہ مختلف ہے۔ ایک یہ کہ اہل ایمان کا سامع، قرآن کریم کی
تلاوت ہے، جب کہ کفار کا سامع، بے حیا مغنیات کی آوازوں میں گانا بجانا، سننا ہے۔ (جیسے اہل بدعت کا سامع شرکانہ غلو پر
بنی قوالیوں اور نفیوں میں) دوسرے یہ کہ اہل ایمان قرآن سن کر ادب و خشیت سے رجا و محبت سے اور علم و فہم سے
رو پڑتے ہیں اور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ جب کہ کفار شور کرتے اور کھیل کود میں مصروف رہتے ہیں۔ تیسرے اہل
ایمان سامع قرآن کے وقت ادب و تواضع اختیار کرتے ہیں، جیسے صحابہ کرام کی عادت مبارکہ تھی، جس سے ان کے
رونگئے کھڑے ہو جاتے اور ان کے دل اللہ کی طرف جھک جاتے تھے (ابن کثیر)

(۱) یعنی کیا یہ شخص، اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو قیامت والے دن بالکل بے خوف اور امن میں ہو گا؟ یعنی
محذوف عبارت ملا کر اس کا یہ مفہوم ہو گا۔

(۲) اور انہیں ان عذابوں سے کوئی نہیں بچا سکا۔

(۳) یہ کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ گزشتہ قوموں نے پیغمبروں کو جھٹلایا، تو ان کا یہ حال ہوا، اور تم اشرف المرسل اور
افضل الناس کی تکذیب کر رہے ہو، تمہیں بھی اس تکذیب کے انجام سے ڈرنا چاہیے۔

(۴) یعنی لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہر طرح کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں باتیں بیٹھ جائیں اور وہ
نصیحت حاصل کریں۔

(۵) یعنی قرآن واضح عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی کجی، انحراف اور التباس نہیں ہے تاکہ لوگ اس میں بین کردہ

قَرَّبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّرَجُلٍ فِيهِ شُرَكَاءُ فَتُكَادُّونَ وَرَجُلًا
سَلَّمَ الرَّجُلُ قُلُوبَ يَتَوَكِّلُ مَثَلًا لِّلْهَدْيِ لَنُفْلِئَنَّكَ أَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ ⑤

إِنَّكَ يَبْتَثُّ قُلُوبَهُمْ يَعْبَثُونَ ⑥

لَقَدْ آتَيْنَاكَ يَوْمَ الْبَيْعَةِ عِنْدَ رَبِّكَ تَحْتَصُونَ ⑦

اللہ تعالیٰ مثال بیان فرما رہا ہے ایک وہ شخص جس میں ہمت
سے باہم ضد رکھنے والے ساتھی ہیں اور دوسرا وہ شخص جو
صرف ایک ہی کا (غلام) ہے کیا یہ دونوں صفت میں یکساں
ہیں؟ (۱) اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سب تعریف ہے۔ (۲) بات یہ
ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔ (۳) (۲۹)
یقیناً خود آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنے
والے ہیں۔ (۴۰)
پھر تم سب کے سب قیامت کے دن اپنے رب کے
سامنے جھکڑو گے۔ (۴۱) (۳۱)

وعیدوں سے ڈریں اور اس میں بیان کیے گئے وعدوں کا مصداق بننے کے لیے عمل کریں۔

(۱) اس میں مشرک (اللہ کا شریک ٹھہرانے والے) اور مخلص (صرف ایک اللہ کے لیے عبادت کرنے والے) کی مثال بیان کی
گئی ہے۔ یعنی ایک غلام ہے جو کئی شخصوں کے درمیان مشترک ہے چنانچہ وہ آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں اور ایک غلام ہے
جس کا مالک صرف ایک ہی شخص ہے اس کی ملکیت میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ کیا یہ دونوں غلام برابر ہو سکتے
ہیں؟ نہیں یقیناً نہیں۔ اسی طرح وہ مشرک جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی بھی عبادت کرتا ہے۔ اور وہ مخلص مومن جو
صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ برابر نہیں ہو سکتے۔

(۲) اس بات پر کہ اس نے حجت قائم کر دی۔

(۳) اسی لیے اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

(۴) یعنی اے پیغمبر! آپ بھی اور آپ کے مخالف بھی سب موت سے ہم کنار ہو کر اس دنیا سے ہارے پاس آخرت
میں آئیں گے۔ دنیا میں تو توحید اور شرک کا فیصلہ تمہارے درمیان نہیں ہو سکا اور تم اس بارے میں جھگڑتے ہی رہے۔
لیکن یہاں میں اس کا فیصلہ کروں گا اور مخلص موحدین کو جنت میں اور مشرکین و جاحدین اور مکذبین کو جہنم میں داخل
کروں گا۔ اس آیت سے بھی وفات النبی ﷺ کا اثبات ہوتا ہے جس طرح کہ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۳۳ سے بھی
ہوتا ہے اور انہی آیات سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں میں آپ ﷺ کی موت کا
تحقق فرمایا تھا۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو برزخ میں بالکل اسی طرح زندگی حاصل
ہے جس طرح دنیا میں حاصل تھی قرآن کی نصوص کے خلاف ہے۔ آپ ﷺ پر بھی دیگر انسانوں ہی کی طرح موت
طاری ہوئی اسی لیے آپ کو دفن کیا گیا قبر میں آپ کو برزخی زندگی تو یقیناً حاصل ہے جس کی کیفیت کا ہمیں علم نہیں
لیکن دوبارہ قبر میں آپ کو دنیوی زندگی عطا نہیں کی گئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

قَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَّبَ بِالْحَقِّ
إِذْ جَاءَهُ الْبَيِّنَاتُ فِي جَهَنَّمَ مَتَوًى لِلْكَافِرِينَ ۝

وَالَّذِي جَاءَ بِالنَّبِيِّ تَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ
هُمْ السَّاقِطُونَ ۝

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَٰلِكَ
جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝

لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ
أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ
بولے؟^(۱) اور سچا دین جب اس کے پاس آئے تو اسے
جھوٹا بتائے؟^(۲) کیا ایسے کفار کے لیے جہنم ٹھکانا نہیں
ہے؟^(۳)

اور جو سچے دین کو لائے^(۴) اور جس نے اس کی تصدیق
کی^(۵) یہی لوگ پار سا ہیں۔ (۳۳)

ان کے لیے ان کے رب کے پاس (ہر) وہ چیز ہے جو یہ
چاہیں،^(۶) نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے۔^(۷) (۳۴)

تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے عملوں کو دور کر دے
اور جو نیک کام انہوں نے کیے ہیں ان کا اچھا بدلہ عطا

(۱) یعنی دعویٰ کرے کہ اللہ کی اولاد ہے یا اس کا شریک ہے یا اس کی پیروی ہے دراصل عینیکہ وہ ان سب چیزوں سے پاک ہے۔

(۲) جس میں توحید ہے، احکام و فرائض ہیں، عقیدہ، بحث و نشور ہے، محرمات سے اجتناب ہے، مومنین کے سبے خوش
خبری اور کافروں کے لیے وعیدیں ہیں۔ یہ دین و شریعت جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، اسے
وہ جھوٹا بتلائے۔

(۳) اس سے پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جو سچا دین لے کر آئے۔ بعض کے نزدیک یہ
عام ہے اور اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو توحید کی دعوت دینا اور اللہ کی شریعت کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔

(۴) بعض اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد لیتے ہیں، جنہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے۔ بعض نے اسے بھی عام رکھا ہے، جس میں سب مومن شامل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کو سچا مانتے ہیں۔

(۵) یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بھی معاف فرما دے گا، ان کے درجے بھی بلند فرمائے گا، کیونکہ ہر مسلمان کی اللہ سے یہی
خواہش ہوتی ہے علاوہ ازیں جنت میں جانے کے بعد ہر مطلوب چیز بھی ملے گی۔

(۶) مُخْصِينَ کا ایک مفہوم تو یہ ہے جو نیکیاں کرنے والے ہیں۔ دوسرا وہ جو اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے
ہیں، جیسے حدیث میں ”احسان“ کی تعریف کی گئی ہے، ”أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ“ ”تم اللہ
کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ تصور ممکن نہ ہو تو یہ ضرور ذہن میں رہے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا
ہے۔“ تیسرا جو لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ چوتھا ہر نیک عمل کو اچھے طریقے سے خشوع و
خضوع سے اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق کرتے ہیں۔ کثرت کے بجائے اس میں ”حسن“ کا خیال رکھتے ہیں

فرمائے۔ (۳۵)

کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟^(۱) یہ لوگ آپ کو اللہ کے سوا اوروں سے ڈرا رہے ہیں اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں۔^(۲) (۳۶)

اور جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں^(۳) کیا اللہ تعالیٰ غالب اور بدلہ لینے والا نہیں ہے؟^(۴) (۳۷)

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ آپ ان سے کہیے کہ اچھا یہ تو بتاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ مجھے کافی ہے،^(۵) تو کل کرنے والے اسی

الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ يَمْنُونَ بِلِلَّهِ عِبَادَ اللَّهِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِنْ ثَمَرِهَا يُنْفِقُونَ ۝

وَمَنْ يُضِلَّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ ۚ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذُو انْتِقَامٍ ۝

وَلَيْسَ سَأَلَ تَطَهَّرَ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لِيَقُولَ ۖ اللَّهُ قُلْ أَكْثَرُ نَيْتَرِ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضَآئِدٍ هَلْ مِنْ كَيْفَتٍ مُتَرَاوِيَةٍ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ مِنْ حُسْبَةٍ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝

(۱) اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ عام ہے، تمام انبیاء علیہم السلام اور مومنین اس میں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو غیر اللہ سے ڈراتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جب آپ کا حامی و ناصر ہو تو آپ کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ ان سب کے مقابلے میں آپ کو کافی ہے۔

(۲) جو اس گمراہی سے نکال کر ہدایت کے راستے پر لگا دے۔

(۳) جو اس کو ہدایت سے نکال کر گمراہی کے گڑھے میں ڈال دے۔ یعنی ہدایت اور گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس کو چاہے گمراہ کر دے اور جس کو چاہے ہدایت سے نوازے۔

(۴) کیوں نہیں یقیناً ہے۔ اس لیے کہ اگر یہ لوگ کفر و عناد سے باز نہ آئے تو یقیناً وہ اپنے دوستوں کی حمایت میں ان سے انتقام لے گا اور انہیں عبرت ناک انجام سے دوچار کرے گا۔

(۵) بعض کہتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ سوال ان کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے کہا کہ واقعی وہ اللہ کی تقدیر کو نہیں ٹال سکتے، البتہ وہ سفارش کریں گے، جس پر یہ ٹکڑا نازل ہوا کہ مجھے تو میرے معاملات میں اللہ ہی کافی ہے۔

پر توکل کرتے ہیں۔^(۱) (۳۸)

کہہ دیجئے کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کیے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں،^(۲) ابھی ابھی تم جن لوگے۔ (۳۹)

کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے^(۳) اور کس پر دائمی مار اور پیٹگی کی سزا ہوتی ہے۔^(۴) (۴۰)

آپ پر ہم نے حق کے ساتھ یہ کتاب لوگوں کے لیے نازل فرمائی ہے، پس جو شخص راہ راست پر آجائے اس کے اپنے لیے نفع ہے اور جو گمراہ ہو جائے اس کی گمراہی کا (دوبال) اسی پر ہے، آپ ان کے ذمہ دار نہیں۔^(۵) (۴۱)

قُلْ يَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلٰی مَا كُنْتُمْ اٰتٰی عَامِلًا ۚ فَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

مَنْ يَأْتِيْهِمْ عَذَابٌ يُخْزِيْهِ وَيَحْمِلْ عَلَيْهِ عَذَابًا مُّثْقِلًا ﴿۳۹﴾

اِنَّا اَنْزَلْنٰا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ الْغٰثِيَ بِالْحَقِّ فَمَنْ اِفْتَدٰى فَلْيَغْنِمْ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلٰیهَا وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۰﴾

(۱) جب سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے تو پھر دوسروں پر بھروسہ کرنے کا کیا فائدہ؟ اس لیے اہل ایمان صرف اس پر توکل کرتے ہیں، اس کے سوا کسی پر ان کا اعتماد نہیں۔

(۲) یعنی اگر تم میری اس دعوت توحید کو قبول نہیں کرتے جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے، تو ٹھیک ہے، تمہاری مرضی، تم اپنی اس حالت پر قائم رہو جس پر تم ہو، میں اس حالت پر رہتا ہوں جس پر مجھے اللہ نے رکھا ہے۔

(۳) جس سے واضح ہو جائے گا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا۔ کافروں کے ستر آدمی قتل اور ستر ہی آدمی قید ہوئے۔ حتیٰ کہ فتح مکہ کے بعد غلبہ و ممکن بھی مسلمانوں کو حاصل ہو گیا، جس کے بعد کافروں کے لیے سوائے ذلت و رسوائی کے کچھ باقی نہ رہا۔

(۴) اس سے مراد عذاب جہنم ہے جس میں کافر ہمیشہ جلا رہیں گے۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ کا کفر پر اصرار بڑا گراں گزرتا تھا، اس میں آپ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ ﷺ کا کام صرف اس کتاب کو بیان کر دینا ہے جو ہم نے آپ ﷺ پر نازل کی ہے، ان کی ہدایت کے آپ ﷺ مکلف نہیں ہیں۔ اگر وہ ہدایت کا راستہ اپنالیں گے تو اس میں انہی کا فائدہ ہے اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو خود ہی نقصان اٹھائیں گے۔ وکیل کے معنی مکلف اور ذمے دار کے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ ان کی ہدایت کے ذمے دار نہیں ہیں۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی ایک قدرت بالغہ اور صنعت عجیبہ کا تذکرہ فرما رہا ہے جس کا مشاہدہ ہر روز انسان کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب وہ سو جاتا ہے تو اس کی روح اللہ کے حکم سے گویا نکل جاتی ہے، کیوں کہ اس کے احساس و ادراک کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ اور جب وہ بیدار ہوتا ہے تو روح اس میں گویا دوبارہ بھیج دی جاتی ہے، جس سے اس کے حواس بحال ہو جاتے ہیں۔ البتہ جس کی زندگی کے دن پورے ہو چکے ہوتے ہیں، اس کی روح واپس نہیں آتی اور وہ موت سے

أَلَمْ يَتَوَقَّ الْأَنْفُسَ مِنْ مُوْتَهَا وَآلِئِي لَمْ تَمُتْ
فِي مَتَابَعِهَا تَقْبِضُكَ نَبِيٌّ قَطْعِي عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُؤَيِّلُ
الْآخِرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ
يَتَفَكَّرُونَ ﴿۳۹﴾

أَوْ ائْتَدُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شَعْبَاءَ - قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا
لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۳۹﴾

قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۳۹﴾

اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت ^(۱) اور جن کی
موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند کے وقت قبض کر
لیتا ہے، ^(۲) پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے انہیں تو
روک لیتا ہے ^(۳) اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر
وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ ^(۴) غور کرنے والوں
کے لیے اس میں یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔ ^(۵) (۳۹)

کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا (اوروں کو) سفارشی
مقرر کر رکھا ہے؟ آپ کہہ دیجئے! کہ گو وہ کچھ بھی اختیار
نہ رکھتے ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں۔ ^(۶) (۳۹)
کہہ دیجئے! کہ تمام سفارش کا مختار اللہ ہی ہے۔ ^(۷) تمام
آسمانوں اور زمین کا راج اسی کے لیے ہے تم سب اسی
کی طرف پھیرے جاؤ گے۔ (۳۹)

اسکنار ہو جاتا ہے۔ اس کو بعض مفسرین نے وفات کبریٰ اور وفات صغریٰ سے بھی تعبیر کیا ہے۔

(۱) یہ وفات کبریٰ ہے کہ روح قبض کر لی جاتی ہے، واپس نہیں آتی۔

(۲) یعنی جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا، تو سونے کے وقت ان کی روح بھی قبض کر کے انہیں وفات صغریٰ سے
دوچار کر دیا جاتا ہے۔

(۳) یہ وہی وفات کبریٰ ہے، جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں روح روک لی جاتی ہے۔

(۴) یعنی جب تک ان کا وقت موعود نہیں آتا، اس وقت تک کے لیے ان کی رو میں واپس ہوتی رہتی ہیں، یہ وفات
صغریٰ ہے، یہی مضمون سورۃ الانعام ۶۰-۶۱ میں بیان کیا گیا ہے، تاہم وہاں وفات صغریٰ کا ذکر پہلے اور وفات کبریٰ کا بعد
میں ہے۔ جب کہ یہاں اس کے برعکس ہے۔

(۵) یعنی یہ روح کا قبض اور اس کا ارسال اور توفی اور احیاء اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر
ہے اور قیامت والے دن وہ مردوں کو بھی یقیناً زندہ فرمائے گا۔

(۶) یعنی شفاعت کا اختیار تو کجا، انہیں تو شفاعت کے معنی و مفہوم کا بھی پتہ نہیں، کیوں کہ وہ پتھر ہیں یا بے خبر۔

(۷) یعنی شفاعت کی تمام اقسام کا مالک صرف اللہ ہی ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش ہی نہیں کر سکے گا، پھر
صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کیوں نہ کی جائے تاکہ وہ راضی ہو جائے اور شفاعت کے لیے کوئی سارا ڈھونڈنے کی
ضرورت ہی نہ رہے۔

وَاذْكُرْ اللَّهَ وَحْدَهُ شَمَّرَتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِالْآخِرَةِ ۚ وََاذْكُرْ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ
يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۳۵﴾

قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَلِمَ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا
فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۳۶﴾

وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ذِيئِلَةً
مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ مِنْ سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
وَبَدَّ اللَّهُ مِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ﴿۳۷﴾

جب اللہ اکیلے کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل نفرت
کرنے لگتے ہیں ^(۱) جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور
جب اس کے سوا (اور کا) ذکر کیا جائے تو ان کے دس کھل
کر خوش ہو جاتے ہیں۔ ^(۲) (۳۵)

آپ کہہ دیجئے! کہ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا
کرنے والے، چھپے کھلے کے جاننے والے تو ہی اپنے
بندوں میں ان امور کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ الجھ
رہے تھے۔ ^(۳) (۳۶)

اگر ظلم کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو روئے
زمین پر ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو تو بھی
بدترین سزا کے بدلے میں قیامت کے دن یہ سب کچھ
دے دیں ^(۴) اور ان کے سامنے اللہ کی طرف سے وہ

(۱) یا کفر اور انکار، یا انقباض محسوس کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ مشرکین سے جب یہ کہا جائے کہ معبود صرف ایک
ہی ہے تو ان کے دل یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

(۲) ہاں جب یہ کہا جائے کہ فلاں فلاں بھی معبود ہیں، یا وہ بھی آخر اللہ کے نیک بندے ہیں، وہ بھی کچھ اختیار رکھتے
ہیں، وہ بھی مشکل کشائی اور حاجت روائی کر سکتے ہیں، تو پھر مشرکین بڑے خوش ہوتے ہیں۔ مخرضین کا یہی حال آج بھی
ہے۔ جب ان سے کہا جائے کہ صرف ”یا اللہ مد“ کہو، کیونکہ اس کے سوا کوئی مد کرنے پر قادر نہیں ہے، تو بیخ یا ہو
جاتے ہیں، یہ جملہ ان کے لیے سخت ناگوار ہوتا ہے۔ لیکن جب ”یا علی مد“ یا ”یا رسول اللہ مد“ کہا جائے، اسی طرح دیگر
مردوں سے استدراود استغاثہ کیا جائے مثلاً ”یا شیخ عبدالقادر شینا اللہ“ وغیرہ تو پھر ان کے دل کی کلیں کھل اٹھتی ہیں
فَتَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ۔

(۳) حدیث میں آتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کی نماز کے آغاز میں یہ پڑھا کرتے تھے: اللَّهُمَّ ارْزُقْ جِبْرِيلَ
وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ، فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ
فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ، أَهْدِنِي لِمَا اخْتَلَفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ، إِنَّكَ تُهْدِي مَنْ نَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ
مُسْتَقِيمٍ۔ (صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین باب الدعاء فی صلوٰۃ اللیل و قیامہ)

(۴) لیکن پھر بھی وہ قبول نہیں ہوگا، جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے: فَكَانَ يُقْبَلُ مِنْ أَحَدِهِمْ وَمِنْ الْأَرْضِ ذُفَيْنًا
تَوْ ثِيَابًا ۚ يَوْمَ لَا تُغْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ أَوْلَادُهُمْ وَلَا يُخْلِفُهُمْ آلُ عَصْرَانِ ۚ (۱) ”وہ زمین بھر سونا بھی بدلے میں دے دیں، تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔“ اس لیے کہ

ظاہر ہو گا جس کا گمان بھی انہیں نہ تھا۔^(۱) (۳۷)

جو کچھ انہوں نے کیا تھا اس کی برائیاں ان پر کھل پڑیں گی^(۲) اور جس کا وہ مذاق کرتے تھے وہ انہیں آگھیرے گا۔^(۳) (۳۸)

انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے،^(۴) پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرمادیں تو کہنے لگتا ہے کہ اسے تو میں محض اپنے عہم کی وجہ سے دیا گیا ہوں،^(۵) بلکہ یہ آزمائش ہے^(۶) لیکن ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں۔^(۷) (۳۹)

ان سے اگلے بھی یہی بات کہہ چکے ہیں پس ان کی کارروائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔^(۸) (۵۰)

پھر ان کی تمام برائیاں^(۹) ان پر آپڑیں اور ان میں سے بھی

وَبَدَّاهُمْ سَيِّئَاتٍ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا يَاسِيَةً
يَسْتَهْزِئُونَ ۝

فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا نَشْتَرِ إِذَا هُوَ فِي ضَعْفَةٍ
يَمْنًا قَالَ إِنَّمَا أَنِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ نَبِيِّي فَتَنَةٌ
وَلَكِنَّ الْأَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

قَدْ قَالُوا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مَتَىٰ آغْنَىٰ عَنْهُمْ
ثَمَانُونَ يَكْسِبُونَ ۝

فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتٌ مَا كَسَبُوا وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ

﴿وَلَا يُؤْتِيهِمْ مِنْهَا جُنْدًا﴾ (البقرة: ۳۸) ”وہاں معلومہ قبول نہیں کیا جائے گا۔“

(۱) یعنی عذاب کی شدت اور اس کی ہولناکیاں اور اس کی انواع و اقسام ایسی ہوں گی کہ کبھی ان کے گمان میں نہ آتی ہوں گی۔

(۲) یعنی دنیا میں جن محارم و ماتم کا وہ ارتکاب کرتے رہے تھے اس کی سزا ان کے سامنے آجائے گی۔

(۳) وہ عذاب انہیں گھیر لے گا جسے وہ دنیا میں ناممکن سمجھتے تھے اس لیے اس کا استہزا اڑایا کرتے تھے۔

(۴) یہ انسان کا بے اعتبار جنس ذکر ہے۔ یعنی انسانوں کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ جب ان کو بیماری، فقر و فاقہ یا کوئی اور تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے نجات پانے کے لیے اللہ سے دعائیں کرتا اور اس کے سامنے گڑگڑاتا ہے۔

(۵) یعنی نعمت متے ہی سرکشی اور طغیان کا راستہ اختیار کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس میں اللہ کا کیا احسان؟ یہ تو میری اپنی دانائی کا نتیجہ ہے۔ یا جو علم و ہنر میرے پاس ہے اس کی بدولت یہ نعمتیں حاصل ہوئی ہیں یا مجھے معلوم تھا کہ دنیا میں یہ چیزیں مجھے ملیں گی کیوں کہ اللہ کے ہاں میرا بہت مقام ہے۔

(۶) یعنی بات وہ نہیں ہے جو تو سمجھ رہا یا بیان کر رہا ہے بلکہ یہ نعمتیں تیرے لیے امتحان اور آزمائش ہیں کہ تو شکر کرتا ہے یا کفر؟

(۷) اس بات سے کہ یہ اللہ کی طرف سے استدراج اور امتحان ہے۔

(۸) جس طرح قارون نے بھی کہا تھا لیکن بالآخر وہ اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ فَمَا آغْنَىٰ مِنْ ثَمَانٍ استغما یہ بھی ہو سکتا ہے اور ثانیہ بھی دونوں طرح معنی صحیح ہے۔

(۹) برائیوں سے مراد ان کی برائیوں کی جزا ہے ان کو مشاکلت کے اعتبار سے سزات کہا گیا ہے ورنہ برائی کی جزا

جو گناہ گار ہیں ان کی کی ہوئی برائیاں بھی اب ان پر آپڑیں گی یہ (ہمیں) ہر ادینے والے نہیں۔^(۱) (۵۱)

کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ (بھی) ایمان ماننے والوں کے لیے اس میں (بڑی بڑی) نشانیاں ہیں۔^(۲) (۵۲)

(میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے۔^(۳) (۵۳)

هَؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ مَبَلَّتْ مَا كُتِبُوا وَنَاهَوْهُم بِمَعْجِزَاتِهِ ۖ
أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾

قُلْ يُعِيبُوا آلَ الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا
مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۖ
إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٥٢﴾

برائی نہیں ہے۔ جیسے ﴿وَحِزْزًا سَيِّئَةً مِّثْلَهَا﴾ میں ہے۔ (فتح القدیر)

(۱) یہ کفار مکہ کو تنبیہ ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا یہ بھی گزشتہ قوموں کی طرح قتل و اسارت وغیرہ سے دوچار ہوئے اللہ کی طرف سے آئے ہوئے ان عذابوں کو یہ روک نہیں سکے۔

(۲) یعنی رزق کی کشادگی اور تنگی میں بھی اللہ کی توحید کے دلائل ہیں یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں صرف اسی کا حکم و تصرف چلتا ہے، اسی کی تدبیر مؤثر اور کارگر ہے، اسی لیے وہ جس کو چاہتا ہے رزق فراہم سے نواز دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فقر و تنگ دستی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس کے ان فیصلوں میں جو اس کی حکمت و مشیت پر مبنی ہوتے ہیں کوئی دخل انداز ہو سکتا ہے نہ ان میں رد و بدل کر سکتا ہے۔ تاہم یہ نشانیاں صرف اہل ایمان ہی کے لیے ہیں کیوں کہ وہی ان پر غور و فکر کر کے ان سے فائدہ اٹھاتے اور اللہ کی مغفرت حاصل کرتے ہیں۔

(۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی وسعت کا بیان ہے۔ اسراف کے معنی ہیں گناہوں کی کثرت اور اس میں افراط۔ ”اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو“ کا مطلب ہے کہ ایمان لانے سے قبل یا توبہ و استغفار کا احساس پیدا ہونے سے پہلے کتنے بھی گناہ کیے ہوں انسان یہ نہ سمجھے کہ میں توبہ سے زیادہ گناہ گار ہوں مجھے اللہ تعالیٰ کیونکر معاف کرے گا؟ بلکہ سچے دس سے اگر ایمان قبول کر لے گا یا توبہ النصوح کر لے گا تو اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف فرما دے گا۔ شت نزوں کی روایت سے بھی یہی مفہوم ثابت ہوتا ہے۔ کچھ کافر و مشرک تھے جنہوں نے کثرت سے قتل اور زنا کاری کا ارتکاب کیا تھا یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ ﷺ کی دعوت صحیح ہے لیکن ہم لوگ بہت زیادہ خطا کار ہیں اگر ہم ایمان لے آئیں تو کیا وہ سب معاف ہو جائیں گے جس پر اس آیت کا نزول ہوا صحیح بخاری تفسیر سورہ زمر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کی رحمت و مغفرت کی امید پر خوب گناہ کیے جاؤ اس کے احکام و

وَأَيُّبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمُ وَأَسْأَلُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۲﴾

وَأَيُّبُوا أَحْسَنَ مَا تُؤْتَلُونَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ مِن قَبْلِ أَنْ
يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَعَثَةً وَأَنْتُمْ لَا تَشْكُرُونَ ﴿۵۳﴾

أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَحْسَرُونَ عَلَىٰ مَا فَوتَهُمْ فِي جَنَّةٍ اللَّهُ
وَلَنْ كُنْتُ لِيَمِّنَ الشَّخِيعِينَ ﴿۵۴﴾

أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿۵۵﴾

تم (سب) اپنے پروردگار کی طرف جھک پڑو اور اس کی
حکم برداری کیے جاؤ اس سے قبل کہ تمہارے پاس
عذاب آجائے اور پھر تمہاری مدد نہ کی جائے۔ (۵۲)

اور پیروی کرو اس بہترین چیز کی جو تمہاری طرف
تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اس
سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں اطلاع
بھی نہ ہو۔ (۵۳)

(ایسا نہ ہو کہ) کوئی شخص کہے ہائے افسوس! اس بات پر
کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں کوتاہی کی (۵۴) بلکہ میں تو
ذائقہ اڑانے والوں میں ہی رہا۔ (۵۵)

یا کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پارسا لوگوں
میں ہوتا۔ (۵۶)

فرائض کی مطلق پروانہ کرو اور اس کے حدود اور ضابطوں کو بے دردی سے پامال کرو۔ اس طرح اس کے غضب و انتقام
کو دعوت دے کر اس کی رحمت و مغفرت کی امید رکھنا نہایت نادانانہ مندی اور خام خیالی ہے۔ یہ تخم حنظل بو کر ثمرات
و فواکہ کی امید رکھنے کے مترادف ہے۔ ایسے لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ جہاں اپنے بندوں کے لیے عفو و رحیم
ہے وہاں وہ نافرمانوں کے لیے عزیز و انتقام بھی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں متعدد جگہ ان دونوں پسوؤں کو ساتھ
ساتھ بیان کیا گیا، مثلاً ﴿يَتَنَبَّأُونَ بِآيَاتِنَا الْغَفُورَ الرَّحِيمَ ۝ وَلَئِنْ عَذَبْنَا الْقَوْمَ الْعَذَابَ الْكَلِيمَ﴾ (الحجرات ۲۹-۳۰) غایب
وجہ ہے کہ یہاں آیت کا آغاز بآبِ عَادِي (میرے بندوں) سے فرمایا، جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو ایمان لا کر یا بھی
توبہ کر کے صحیح معنوں میں اس کا بندہ بن جائے گا اس کے گناہ اگر سمندر کے جھاگ کے برابر بھی ہوں گے تو وہ معاف
فرما دے گا، وہ اپنے بندوں کے لیے یقیناً غفور رحیم ہے۔ جیسے حدیث میں سو آدمیوں کے قاتل کے توبہ کا واقعہ ہے،
(اصحیح بخاری کتاب الأنساب۔ مسلم کتاب التوبة 'باب قبول توبة القاتل وإن كثر قتله'۔)

(۱) یعنی عذاب آنے سے قبل توبہ اور عمل صالح کا اہتمام کر لو، کیوں کہ جب عذاب آئے گا تو اس کا تمہیں علم و شعور
بھی نہیں ہو گا اس سے مراد ونحوی عذاب ہے۔

(۲) یہی جَنَبِ اللہ کا مطلب، اللہ کی اطاعت یعنی قرآن اور اس پر عمل کرنے میں کوتاہی ہے۔ یا حَبَبُ کے معنی قرب
اور جوار کے ہیں۔ یعنی اللہ کا قرب اور اس کا جوار (یعنی جنت) طلب کرنے میں کوتاہی کی۔

(۳) یعنی اگر اللہ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں شرک اور معاصی سے بچ جاتا۔ یہ اس طرح ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر

أَوْ تَقُولُ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كُوَّةً فَمَا كُنْتُ مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿٥٨﴾

بَلْ قَدْ جَاءَ ثَلَاثُ الْبُيُوتِ كَذَّبَتْ بِهَا وَاسْتَكْبَرَتْ وَكُنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٥٩﴾

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٦٠﴾

وَيُخَيِّلُ اللَّهُ الَّذِينَ اتَّعَوْا بِمَقَارِبِهِمْ لَا يَتَّبِعُهُمُ الشُّوْءُ وَلَا هُمْ يَعْرِضُونَ ﴿٦١﴾

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ذُو عَرْشٍ عَظِيمٍ ﴿٦٢﴾

یا عذاب کو دیکھ کر کہے کاش! کہ کسی طرح میرا لوٹ جانا ہو جاتا تو میں بھی نیکو کاروں میں ہو جاتا۔ (۵۸)
ہاں (ہاں) بیشک تیرے پاس میری آیتیں پہنچ چکی تھیں جنہیں تو نے بھٹلایا اور غرور و تکبر کیا اور تو تھا ہی کافروں میں۔ (۵۹)

اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ قیامت کے دن ان کے چہرے سیاہ ہو گئے ہوں گے (۶۰) کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں؟ (۶۱)
اور جن لوگوں نے پرہیزگاری کی انہیں اللہ تعالیٰ ان کی کامیابی کے ساتھ بچا (۶۲) لے گا، انہیں کوئی دکھ چھو بھی نہ سکے گا اور نہ وہ کسی طرح غمگین ہوں گے۔ (۶۱)
اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔ (۶۲)

مشرکین کا قول نقل کیا گیا ہے، ﴿لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَفْرَقْنَا﴾ (الأنعام: ۴۸) "اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے" ان کا یہ قول کَلِمَةً حَقٍّ أُرِيدَ بِهَا الْبَاطِلُ... کا مصداق ہے (فتح القدیر)۔

(۱) یہ اللہ تعالیٰ ان کی خواہش کے جواب میں فرمائے گا۔

(۲) جس کی وجہ عذاب کی ہوں لائیں اور اللہ کے غضب کا مشاہدہ ہو گا۔

(۳) حدیث میں ہے «الْكِبَرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ» "حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر سمجھنا" کبر ہے "یہ استفہام تقریری ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت سے تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

(۴) مَنَازِلَةُ مصدر یہی ہے۔ یعنی فَوْز (کامیابی) شر سے بچ جانا اور خیر اور سعادت سے ہم کنار ہو جانا مطلب ہے 'اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو اس فوز و سعادت کی وجہ سے نجات عطا فرما دے گا' جو اللہ کے ہاں ان کے لیے پہلے سے ثبت ہے۔

(۵) وہ دنیا میں جو کچھ چھوڑ آئے ہیں، اس پر انہیں کوئی غم نہیں ہو گا، وہ چونکہ قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ ہوں گے، اس لیے انہیں کسی بات کا غم نہ ہو گا۔

(۶) یعنی ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے اور مالک بھی وہی، وہ جس طرح چاہے، تصرف اور تدبیر کرے۔ ہر چیز اس کے ماتحت اور زیر تصرف ہے۔ کسی کو سر تہی یا انکار کی مجال نہیں۔ وکیل، بمعنی محافظ اور مدبر۔ ہر چیز اس کے سپرد ہے اور وہ بغیر کسی کی مشارکت کے ان کی حفاظت اور تدبیر کر رہا ہے۔

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ
أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۵۱﴾

قُلْ أَفَعَبَّرَ اللَّهُ تَأْمُرُونَ أَتَعْبُدُونَهَا الْجَاهِلُونَ ﴿۵۲﴾

وَلَقَدْ أَوْحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ أَنِ
أَسْرُكْتَ لِيُحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۵۳﴾

بَلِ اللَّهِ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۵۴﴾

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۚ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ
يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ وَالنَّمُوتُ مَطْهُرَاتٌ ۚ يَبْسُطُهَا سُبْحَتُهُ وَتُكَلَّلُ

آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا مالک وہی ہے، جن جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا وہی خسارہ پانے والے ہیں۔ (۶۳)

آپ کہہ دیجئے اے جاہلو! کیا تم مجھ سے اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کو کہتے ہو۔ (۶۴)

یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا۔ (۶۵)

بلکہ تو اللہ ہی کی عبادت کر (۵۱) اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا۔ (۶۶)

اور ان لوگوں نے جیسی قدر اللہ تعالیٰ کی کئی چاہیے تھی نہیں کی، (۶۷) ساری زمین قیامت کے دن اس کی منہی

(۱) مَقَالِيدُ، مِفْتَاحُ اور مِفْلَاحُ کی جمع ہے۔ (فتح القدیر) بعض نے اس کا ترجمہ ”چابیاں“ اور بعض نے ”نوا“ نے ”کیا ہے“ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ تمام معاملات کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔

(۲) یعنی کامل خسارہ۔ کیونکہ اس کفر کے نتیجے میں وہ جہنم میں چلے گئے۔

(۳) یہ کفار کی اس دعوت کے جواب میں ہے جو وہ پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے کہ اپنے آبائی دین کو اختیار کر لیں، جس میں جنوں کی عبادت تھی۔

(۴) ”اگر تو نے شرک کیا“ کا مطلب ہے ”اگر موت شرک پر آئی اور اس سے توبہ نہ کی۔“ خطاب اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جو شرک سے پاک بھی تھے اور آئندہ کے لیے محفوظ بھی۔ کیونکہ پیغمبر اللہ کی حفاظت و عصمت میں ہوتا ہے، ان سے ارتکاب شرک کا کوئی امکان نہیں تھا، لیکن یہ دراصل امت کے لیے تعریض اور اس کو سمجھانا مقصود ہے۔

(۵) إِيَّاكَ نَعْبُدُ کی طرح یہاں بھی مفعول (اللہ) کو مقدم کر کے حصر کا مفہوم پیدا کر دیا گیا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو!

(۶) کیونکہ اس کی بات بھی نہیں مانی، جو اس نے پیغمبروں کے ذریعے سے ان تک پہنچائی تھی اور عبادت بھی اس کے لیے خالص نہیں کی بلکہ دوسروں کو بھی اس میں شریک کر لیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک یہودی عالم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ ہم اللہ کی بابت (کتابوں میں) یہ بات پاتے ہیں کہ وہ (قیامت والے دن) آسمانوں کو ایک انگلی پر زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور ثری (ترے) کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور

عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے واسطے ہاتھ میں لیٹے ہوئے ہوں گے،^(۱) وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک بنائیں۔ (۶۷)

اور صور پھونک دیا جائے گا پس آسمانوں اور زمین والے سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے^(۲) مگر جسے اللہ چاہے،^(۳) پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا پس وہ ایک دم کھڑے ہو کر دیکھنے لگ جائیں گے۔^(۴) (۶۸)

اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی،^(۵) نامہ اعمال حاضر کیے جائیں گے نبیوں اور گواہوں کو لایا

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصُيِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ
إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِثُوا بِأُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ۝

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِئَتْ بِالسَّابِقِ
وَالشَّاهِدِ آوَتْ بَيْنَهُمُ الْبُحُورُ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

فرمائے گا "میں بادشاہ ہوں"۔ آپ ﷺ نے مسکرا کر اس کی تصدیق فرمائی اور آیت وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ کی تفسیر فرمائی۔ صحیح بخاری تفسیر سورہ زمر احمد شین اور سلف کا عقیدہ ہے کہ اللہ کی جن صفات کا ذکر قرآن اور احادیث صحیحہ میں ہے، (جس طرح اس آیت میں ہاتھ کا اور حدیث میں انگلیوں کا اثبات ہے) ان پر بلا کیف و تشبیہ اور بغیر تاویل و تحریف کے ایمان رکھنا ضروری ہے۔ اس لیے یہاں بیان کردہ حقیقت کو مجرد غلبہ و قوت کے مفہوم میں لینا صحیح نہیں ہے۔

(۱) اس کی بابت بھی حدیث میں آتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اَنَا الْخَلِيقُ، أَيْنَ مَثَلُكَ الْأَرْضِ "میں بادشاہ ہوں۔ زمین کے بادشاہ (آج) کہاں ہیں؟ (حوالہ مذکورہ)

(۲) بعض کے نزدیک (نفخہ: فزع کے بعد) یہ نفخہ قاسیہ یعنی نفخہ معق ہے جس سے سب کی موت واقع ہو جائے گی بعض کے نزدیک یہ نفخہ اولیٰ ہی ہے اسی سے اول سخت کجراہٹ طاری ہوگی اور پھر سب کی موت واقع ہو جائے گی۔ بعض نے ان نفحات کی ترتیب اس طرح بیان کی ہے۔ بعد نَفْحَةُ الْعَنَاءِ - دوسرا نَفْحَةُ النَّعْثِ تیسرا نَفْحَةُ الصَّغَنِ چوتھا نَفْحَةُ الْقِيَامِ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (المیر القیس) بعض کے نزدیک صرف دوسری نفخہ ہیں نَفْحَةُ الْمَوْتِ اور نَفْحَةُ النَّعْثِ اور بعض کے نزدیک تین۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

(۳) یعنی جن کو اللہ چاہے گا ان کو موت نہیں آئے گی جیسے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل۔ بعض کہتے ہیں رضوان فرشتہ حَمَلَةُ الْعَرْشِ (عرش اٹھانے والے فرشتے) اور جنت و جہنم پر مقرر داروغے۔ (فتح القدیر)

(۴) چار نفخوں کے قائلین کے نزدیک یہ چوتھا تین کے قائلین کے نزدیک تیسرا اور دو کے قائلین کے نزدیک یہ دوسرا نفخہ ہے۔ بہر حال اس نفخے سے سب زندہ ہو کر میدان محشر میں رب العالمین کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے جہاں حساب کتاب ہوگا۔

(۵) اس نور سے بعض نے عدل اور بعض نے حکم مراد لیا ہے لیکن اسے حقیقی معنوں پر محمول کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے کیونکہ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (قَالَ السُّوْكَانِيُّ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ)

جائے گا^(۱) اور لوگوں کے درمیان حق حق فیصلے کر دیئے جائیں گے اور وہ ظلم نہ کیے جائیں گے۔^(۲) (۶۹)
 اور جس شخص نے جو کچھ کیا ہے بھرپور دے دیا جائے گا جو کچھ لوگ کر رہے ہیں وہ بخوبی جاننے والا ہے۔^(۳) (۷۰)
 کافروں کے غول کے غول جنم کی طرف ہٹائے جائیں گے،^(۴) جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے اس کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے جائیں گے،^(۵) اور وہاں کے نگہبان ان سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں درست^(۶)

وَنُفِثَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۶۹﴾
 وَيَسْئَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا آلَ بَنِي إِسْرَءِيلَ إِذَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ فَقَالُوا إِنَّا نَأْتِيكُمْ بِبُرْهَانٍ ﴿۷۰﴾
 وَمَنْ يَكْفُرْ يَتَوَلَّىٰ عَلَيْهِمُ آيَاتُ رَبِّهِمْ وَيَتَذَكَّرُ مِنْهَا إِنْ يَكْفُرْ يَتَوَلَّىٰ عَلَيْهِمُ آيَاتُ رَبِّهِمْ وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۷۱﴾

(۱) نبیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے میرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچا دیا تھا؟ یا یہ پوچھا جائے گا کہ تمہاری امتوں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا؟ اسے قبول کیا یا اس کا انکار کیا؟ امت محمدیہ کو بطور گواہ لیا جائے گا جو اس بات کی گواہی دے گی کہ تیرے پیغمبروں نے تیرا پیغام اپنی اپنی قوم یا امت کو پہنچا دیا تھا جیسا کہ تو نے ہمیں اپنے قرآن کے ذریعے سے ان امور پر مطلع فرمایا تھا۔

(۲) یعنی کسی کے اجر و ثواب میں کمی نہیں ہوگی اور کسی کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی۔

(۳) یعنی اس کو کسی کاتب، حاسب اور گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اعمال نامے اور گواہ صرف بطور حجت اور قطع معذرت کے ہوں گے۔

(۴) ذُمُرٌ مَرْمَرٌ سے مشتق ہے بمعنی آواز، ہر گروہ یا جماعت میں شور اور آوازیں ضرور ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ جماعت اور گروہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مطلب ہے کہ کافروں کو جنم کی طرف گردہوں کی شکل میں لے جایا جائے گا، ایک گروہ کے پیچھے ایک گروہ۔ علاوہ ازیں انہیں مار و کھیل کر جانوروں کے ریوڑ کی طرح ہٹایا جائے گا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿يَوْمَ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ تَارِيحِهِمْ دَهْرًا﴾ (الطہور ۲۳) یعنی انہیں جنم کی طرف سختی سے دھکیلا جائے گا۔

(۵) یعنی ان کے پیچھے ہی فوراً جنم کے ساتوں دروازے کھول دیئے جائیں گے تاکہ سزا میں تاخیر نہ ہو۔

(۶) یعنی جس طرح دنیا میں بحث و تکرار اور جدل و مناظرہ کرتے تھے وہاں سب کچھ آنکھوں کے سامنے آجانے کے بعد بحث و جدال کی گنجائش ہی باقی نہ رہے گی اس لیے اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں ہو گا

قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِمَا كُفَرْتُمْ مَسْوِي

الْمَسْكِينِ ①

وَسَيُفْقَرُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا آلَهُمُ إِلَى الْجَنَّةِ زُجْرًا حَتَّىٰ إِذَا

جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طَبَعْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ②

ہے لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا۔^(۱) (۷۱)

کہا جائے گا کہ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ
جہاں ہمیشہ رہیں گے، پس سرکشوں کا ٹھکانا بہت ہی برا
ہے۔ (۷۲)

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کے گروہ کے
گروہ جنت کی طرف روانہ کیے جائیں گے^(۲) یہاں تک
کہ جب اس کے پاس آجائیں گے اور دروازے کھول
دیئے جائیں گے^(۳) اور وہاں کے نگہبان ان سے کہیں
گے تم پر سلام ہو، تم خوش حال رہو تم اس میں ہمیشہ کے

(۱) یعنی ہم نے پیغمبروں کی تکذیب اور مخالفت کی، اس شقاوت کی وجہ سے جس کے ہم مستحق تھے جب کہ ہم نے حق
سے گریز کر کے باطل کو اختیار کیا، اس مضمون کو سورۃ الملک ۸-۱۰ میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

(۲) اہل ایمان و تقویٰ بھی گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے جائے جائیں گے، پہلے مقربین، پھر اہل اس طرح
درجہ بدرجہ، ہر گروہ ہم مرتبہ لوگوں پر مشتمل ہو گا۔ مثلاً انبیاء علیہم السلام، انبیاء علیہم السلام کے ساتھ، صدیقین، شہداء اپنے
ہم جنسوں کے ساتھ، علما اپنے اقران کے ساتھ، یعنی ہر صنف اپنی ہی صنف یا اس کی مثل کے ساتھ ہو گی۔ (ابن کثیر)

(۳) حدیث میں آتا ہے، جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے ایک ریان ہے، جس سے صرف روزے دار داخل ہوں
گے۔ (صحیح بخاری، نمبر ۲۲۵۷۔ مسلم، نمبر ۸۰۸) اسی طرح دوسرے دروازوں کے بھی نام ہوں گے، جیسے باب الصلوٰۃ، باب
اصدقۃ، باب الجہاد وغیرہ، (صحیح بخاری، کتاب الصیام، مسلم، کتاب الزکوٰۃ، ہر دروازے کی چوڑائی چالیس سال
کی مسافت کے برابر ہو گی، اس کے باوجود یہ بھرے ہوئے ہوں گے۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، سب سے پہلے جنت کا
دروازہ کھٹکھٹانے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ (مسلم، کتاب الإیمان، باب أنا أول الناس یمنع جنت میں
سب سے پہلے جانے والے گروہ کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح اور دوسرے گروہ کے چہرے آسمان پر چمکنے والے
ستاروں میں سے روشن ترین ستارے کی طرح چمکتے ہوں گے۔ جنت میں وہ بول و برازا اور تھوک، بھغم سے پاک ہوں گے، ان
کی کنگھیاں سونے کی اور پیمند کستوری ہو گا، ان کی انگلیوں میں خوشبودار لکڑی ہو گی، ان کی بیویاں اخورائیں ہوں گی، ان
کا قد آدم علیہ السلام کی طرح ساٹھ ہاتھ ہو گا۔ (صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت
سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کو دو بیویاں ملیں گی، ان کے حسن و جمال کا یہ حال ہو گا کہ ان کی پنڈلی کا گوشت گوشت کے پیچھے
سے نظر آئے گا۔ (کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفہ الجنة، بعض نے کہا یہ دو بیویاں حوروں کے علاوہ دنیا کی
عورتوں میں سے ہوں گی۔ لیکن چونکہ ۷۲ حوروں والی روایت سنداً صحیح نہیں۔ اس لیے بظاہر یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ

لیے چلے جاؤ۔ (۷۳)

یہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا کہ جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں پس عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔ (۷۴)

اور تو فرشتوں کو اللہ کے عرش کے ارد گرد حلقہ باندھے ہوئے اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہوئے دیکھے گا^(۱) اور ان میں انصاف کا فیصلہ کیا جائے گا اور کہہ دیا جائے گا کہ ساری خوبی اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنا سار ہے۔^(۲) (۷۵)

سورۃ مومن کی ہے اور اس میں بچائی آیتیں اور نور کوغ ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حم! (۱) اس کتاب کا نازل فرمانا^(۳) اس اللہ کی طرف سے ہے جو غالب اور دانا ہے۔^(۴) (۲)

وَقُلْ لِّوَالِدَيْهِمَا الَّذِي صَدَقَتْ وَعْدُهُ وَأَوْرَثَنَا
الْأَرْضَ مَنْ نَتَّبِعُ مِنَ الْجِنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ فَنُفِخَ
أَجْرُ الْعَمِلِينَ ۝۷۴

وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِظِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ
رَبِّهِمْ ذُكْرًا وَقُبُورًا بِأَلْسِنٍ وَأَقْلَامٍ ۝۷۵

سُبُّوهُ الْيَاقُونِیْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

نَحْمَدُكَ تَنْزِیْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝۱

ہر جنتی کی کم از کم حور سمیت دو بیویاں ہوں گی۔ تاہم وَلَهُمْ فِيهَا مَا يَشْتَهُونَ کے تحت زیادہ بھی ممکن ہیں۔ واللہ اعلم (مزید دیکھئے فتح الباری۔ باب مذکور)

(۱) قضائے الہی کے بعد جب اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر و شرک جہنم میں چلے جائیں گے، آیت میں اس کے بعد کا نقشہ بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے عرش الہی کو گھیرے ہوئے تسبیح و تحمید میں مصروف ہوں گے۔

(۲) یہاں حمد کی نسبت کسی ایک مخلوق کی طرف نہیں کی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز (ناطق و غیر ناطق) کی زبان پر حمد الہی کے ترانے ہوں گے۔

☆ اس سورت کو سورۃ غافر اور سورۃ الملل بھی کہتے ہیں۔

(۳) یَا تَنْزِیْلُ، مُنَزَّلُ کے معنی میں ہے، یعنی اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے جس میں جھوٹ نہیں

(۴) جو غالب ہے، اس کی قوت اور غلبے کے سامنے کوئی پر نہیں مار سکتا۔ علیم ہے، اس سے کوئی ذرہ تک پوشیدہ نہیں

غَافِرِ الذَّنْبِ وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَتَذَكَّرُونَ
لَذِكْرِهِ أَلْتَمَوْا إِلَيْهِ الْخَصِيرَ ۝

گناہ کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول فرماتے والا^(۱) سخت عذاب والا^(۲) انعام و قدرت والا^(۳) جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کی طرف واپس لوٹنا ہے۔ (۴)

مَا يَجْعَلُ فِي آيَةِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَنفَرُونَ
تَتَذَكَّرُونَ فِي الْبَلَاءِ ۝

اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں^(۴) پس ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے۔^(۵) (۶)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ ثَوْدَةَ وَالْأَعْرَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ
وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوا وَجَدَ اللَّهُ

قوم نوح نے اور ان کے بعد کے گروہوں نے بھی جھٹلایا تھا۔ اور ہر امت نے اپنے رسول کو گرفتار کر لینے کا ارادہ

چاہا وہ کہتے بھی کثیف پروں میں چھپا ہو۔

(۱) گزشتہ گناہوں کو معاف کرنے والا اور مستقبل میں ہونے والی کوتاہیوں پر توبہ قبول کرنے والا ہے۔ یا اپنے دوستوں کے لیے غافر ہے اور کافر و مشرک اگر توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

(۲) ان کے لیے جو آخرت پر دنیا کو ترجیح دیں اور تہمید و طغیان کا راستہ اختیار کریں یہ اللہ کے اس قول کی طرح ہی ہے۔ ﴿يَتَذَكَّرُونَ﴾ اِنَّا الْعَزَّوَزُ الرَّحِيمُ ﴿وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْكَافِي﴾ ————— (الحجرات ۵۰-۵۱) ”میرے بندوں کو تلا دو کہ میں غفور و رحیم ہوں اور میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے“ قرآن کریم میں اکثر جگہ یہ دونوں وصف ساتھ ساتھ بیان کیے گئے ہیں تاکہ انسان خوف اور رجا کے درمیان رہے۔ کیونکہ محض خوف ہی خوف انسان کو رحمت و مغفرت الہی سے مایوس کر سکتا ہے اور نری امید گناہوں پر دلیر کر دیتی ہے۔

(۳) حَلُولُ کے معنی فراخی اور تو نگری کے ہیں یعنی وہی فراخی اور تو نگری عطا کرنے والا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کے معنی ہیں انعام اور تفضل۔ یعنی اپنے بندوں پر انعام اور فضل کرنے والا ہے۔

(۴) اس جھگڑے سے مراد ناجائز اور باطل جھگڑا (جدال) ہے جس کا مقصد حق کی تکذیب اور اس کی تردید و تنہی ہے۔ ورنہ جس جدال (بحث و مناظرہ) کا مقصد ایضاً حق، ابطال باطل اور منکرین و معترضین کے شبہات کا ازالہ ہو وہ مذموم نہیں نہایت محمود و مستحسن ہے۔ بلکہ اہل علم کو تو اس کی تاکید کی گئی ہے ﴿لَتَقْبَلَنَّهَا لِبُتَائِبٍ وَلَا تَكُنْمُومًا﴾ (آل عمران ۸۷) ”تم اسے لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرنا“ اسے چھپانا نہیں۔ بلکہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے دلائل و براہین کو چھپانا اتنا سخت جرم ہے کہ اس پر کائنات کی ہر چیز لعنت کرتی ہے (البقرة ۱۵۹)۔

(۵) یعنی یہ کافر و مشرک جو تجارت کرتے ہیں اس کے لیے مختلف شہروں میں آتے جاتے اور کثیر منافع حاصل کرتے ہیں یہ اپنے کفر کی وجہ سے جلد ہی مواخذۃ الہی میں آجائیں گے یہ سہلت ضرور دیئے جا رہے ہیں لیکن انہیں سہل نہیں چھوڑا جائے گا۔

بِالْبَاطِلِ يُدْخِلُ جَنَّاتٍ لَهُمُ الْخُزْنُ فَاذْكُرُوا لَهُمْ تَكْفِيتٍ

كَانَ عِقَابٌ ⑤

وَلَذَلِكَ حَقَّتْ لَكُمْ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ

أَصْحَابُ النَّارِ ⑥

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ

رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا

وَسِعَتْ كُلُّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَجُلاَءُ الْغُفْرِ لِلَّذِينَ تَابُوا

وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ⑦

رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتٍ مَدِينٍ الْإِلَهِ وَمِنْ دُونِهَا وَمِنْ

دُونِ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ

کیا ^(۱) اور باطل کے ذریعہ کج بھٹیاں کیں، تاکہ ان سے

حق کو بگاڑ دیں ^(۲) پس میں نے ان کو پکڑ لیا، سو میری

طرف سے کیسی سزا ہوئی۔ ^(۳) (۵)

اور اسی طرح آپ کے رب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا

کہ وہ دوزخی ہیں۔ ^(۴) (۶)

عرش کے اٹھانے والے اور اس کے اس پاس کے (فرشتے)

اپنے رب کی تسبیح حمد کے ساتھ ساتھ کرتے ہیں اور اس پر

ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے استغفار کرتے

ہیں، کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہر چیز کو اپنی

بخشش اور علم سے گھیر رکھا ہے، پس تو انہیں بخش دے جو

توبہ کریں اور تیری راہ کی پیروی کریں اور تو انہیں دوزخ

کے عذاب سے بھی بچالے۔ ^(۵) (۷)

اے ہمارے رب! تو انہیں بیشکلی والی جنتوں میں لے جا

جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ دادوں

(۱) تاکہ اسے قید یا قتل کر دیں یا سزا دیں۔

(۲) یعنی اپنے رسولوں سے انہوں نے جھگڑا کیا، جس سے مقصود حق بات میں کیڑے نکالنا اور اسے کمزور کرنا تھا۔

(۳) چنانچہ میں نے ان حایان باطل کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا، پس تم دیکھ لو ان کے حق میں میرا عذاب کس

طرح آیا اور کیسے انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا یا انہیں نشان عبرت بنا دیا گیا۔

(۴) مقصد اس سے اس بات کا اظہار ہے کہ جس طرح کچھلی امتوں پر تیرے رب کا عذاب ثابت ہوا اور وہ تباہ کر دی

گئیں، اگر یہ اہل کلمہ بھی تیری تکذیب اور مخالفت سے باز نہ آئے اور جدال بالباطل کو ترک نہ کیا تو یہ بھی اسی طرح

عذاب الہی کی گرفت میں آجائیں گے، پھر کوئی انہیں بچانے والا نہیں ہو گا۔

(۵) اس میں مانگہ مقربین کے ایک خاص گروہ کا تذکرہ اور وہ جو کچھ کرتے ہیں، اس کی وضاحت ہے، یہ گروہ ہے ان

فرشتوں کا جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ جو عرش کے ارد گرد ہیں ان کا ایک کام یہ ہے کہ یہ اللہ کی تسبیح و تحمید

کرتے ہیں، یعنی غائص سے اس کی تنزیہ، کلمات اور خوبیوں کا اس کے لیے اثبات اور اس کے سامنے عجز و تذلل یعنی

(ایمان) کا اظہار کرتے ہیں دوسرا کام ان کا یہ ہے کہ یہ اہل ایمان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، کہہ جاتا ہے کہ عرش

کو اٹھانے والے فرشتے چار ہیں، مگر قیامت والے دن ان کی تعداد آٹھ ہو گی۔ (ابن کثیر)

الْحَكِيمُ ۝

وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهَا كَافَّةٌ
فَقَدْ رَحِمْنَاهُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَتَادَوْنَ لَمَقَاتِ اللَّهِ أَكْثَرُونَ
تَقْبَلُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِذْ يَقُولُ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّ الْإِنْسَانَ
كَفَرٌ ۝

قَالُوا رَبَّنَا آتِنَا الْفَتْحَ الْكَبِيرَ ۝

اور پیو یوں اور اولاد میں سے (بھی) ان (سب) کو جو نیک
عمل ہیں۔^(۱) یقیناً تو تو غالب و با حکمت ہے۔ (۸)
انہیں برائیوں سے بھی محفوظ رکھ،^(۲) حق تو یہ ہے کہ
اس دن تو نے جسے برائیوں سے بچا لیا اس پر تو نے
رحمت کر دی اور بہت بڑی کامیابی تو یہی ہے۔^(۳) (۹)
بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں یہ آواز دی جائے
گی کہ یقیناً اللہ کا تم پر غصہ ہونا اس سے بہت زیادہ ہے جو
تم غصہ ہوتے تھے اپنے جی سے، جب تم ایمان کی طرف
بلائے جاتے تھے پھر کفر کرنے لگتے تھے۔^(۴) (۱۰)
وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو بار مارا

(۱) یعنی ان سب کو جنت میں جمع فرما دے تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اس مضمون کو
دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ
شَيْئًا ۚ وَالْعُظُومُ﴾ ”وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہی کی پیروی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ کی۔ دے دیا ہم نے ان کے
ساتھ ان کی اولاد کو اور ہم نے ان کے عملوں میں سے کچھ کم نہیں کیا۔“ یعنی سب کو جنت میں اس طرح یکساں مرتبہ
دے دیا کہ اولیٰ کو بھی اعلیٰ مقام عطا کر دیا۔ یہ نہیں کیا کہ اعلیٰ مقام میں کمی کر کے انہیں ادنیٰ مقام پر لے آئے، بلکہ ادنیٰ کو
اٹھا کر اعلیٰ کر دیا اور اس کے عمل کی کمی کو اپنے فضل و کرم سے پورا کر دیا۔

(۲) سیئات سے مراد ماں عقوبات ہیں یا پھر جزا محذوف ہے یعنی انہیں آخرت کی سزاؤں سے برائیوں کی جزا سے بچانا۔
(۳) یعنی آخرت کے عذاب سے بچ جانا اور جنت میں داخل ہو جانا، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس لیے کہ اس
جیسی کوئی کامیابی نہیں اور اس کے برابر کوئی نجات نہیں۔ ان آیات میں اہل ایمان کے لیے دو عظیم خوش خبریوں ہیں
ایک تو یہ کہ فرشتے ان کے لیے غائبانہ دعا کرتے ہیں۔ (جس کی حدیث میں بڑی فضیلت وارد ہے) دوسری یہ کہ اہل
ایمان کے خاندان جنت میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ جَعَلْنَا اللَّهُ مِنَ الَّذِينَ يُلْحَقُهُمْ اللَّهُ بِآبَائِهِمُ الصَّالِحِينَ۔

(۴) مَقَاتِ، سخت ناراضی کو کہتے ہیں۔ اہل کفر جو اپنے کو جہنم کی آگ میں جھستے دیکھیں گے تو اپنے آپ پر سخت ناراض
ہوں گے، اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ دنیا میں جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم انکار کرتے تھے تو
اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ تم پر ناراض ہوتا تھا جتنا تم آج اپنے آپ پر ہو رہے ہو۔ یہ اللہ کی اس ناراضی ہی کا نتیجہ
ہے کہ آج تم جہنم میں ہو۔

يَذُنُّونَ أَهْلًا إِلَىٰ خُرُوجِهِمْ سَبِيلًا ۝

ذٰلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَلَنْ يَمُنَّ بِكُمْ
تُؤْمِنُوا فَأَلْحَمْنَا لَهُ الْعِلَّ الْكَبِيرَ ۝

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا
وَمَا تَبْصُرُونَ إِلَّا مِنْ غَيْبٍ ۝

اور دو بار ہی جلایا^(۱) اب ہم اپنے گناہوں کے اقراری
ہیں^(۲) تو کیا اب کوئی راہ نکلنے کی بھی ہے؟^(۳)

یہ (عذاب) تمہیں اس لیے ہے کہ جب صرف اکیلے اللہ
کا ذکر کیا جاتا تو تم انکار کر جاتے تھے اور اگر اس کے ساتھ
کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے^(۴) تھے پس اب
فیصلہ اللہ بلند و بزرگ ہی کا ہے۔^(۵)

وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے
لیے آسمان سے روزی اتارتا ہے^(۶) نصیحت تو صرف

(۱) جمہور مفسرین کی تفسیر کے مطابق 'دو موتوں میں سے پہلی موت تو وہ نطفہ ہے جو باپ کی پشت میں ہوتا ہے یعنی اس
کے وجود (ہست) سے پہلے اس کے عدم وجود (نیست) کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور دوسری موت وہ ہے جس سے
انسان اپنی زندگی گزار کر ہمنکار ہوتا اور اس کے بعد قبر میں دفن ہوتا ہے اور دو زندگیوں میں سے پہلی زندگی 'یہ دنیوی
زندگی ہے' جس کا آغاز و رت سے اور اختتام 'وفات' پر ہوتا ہے۔ اور دوسری زندگی وہ ہے جو قیامت والے دن قبروں
سے اٹھنے کے بعد حاصل ہوگی۔ انہی دو موتوں اور دو زندگیوں کا تذکرہ ﴿وَكُنْتُمْ أََمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمُ ثُمَّ مَاتُمْ ثُمَّ أَخْيَاكُمْ ثُمَّ تَرْجَعُونَ إِلَىٰ غَيْبٍ لَا تَبْصُرُونَ﴾
(البقرہ: ۲۸۰) میں بھی کیا گیا ہے۔

(۲) جہنم میں اعتراف کریں گے 'جہاں اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں اور وہاں پشیمان ہونگے جہاں پشیمانی کی کوئی حیثیت نہیں۔

(۳) یہ وہی خواہش ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے کہ ہمیں دوبارہ زمین پر بھیج دیا جائے'
تاکہ ہم نیکیاں کما کر لائیں۔

(۴) یہ ان کے جہنم سے نہ نکالے جانے کا سبب بیان فرمایا کہ تم دنیا میں اللہ کی توحید کے منکر تھے اور شرک تمہیں
مرغوب تھا اس لیے اب جہنم کے دائمی عذاب کے سوا تمہارے لیے کچھ نہیں۔

(۵) اسی ایک اللہ کا حکم ہے کہ اب تمہارے لیے جہنم کا عذاب ہمیشہ کے لیے ہے اور اس سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں۔
جو علیٰ 'یعنی ان باتوں سے بلند ہے کہ اس کی ذات یا صفات میں کوئی اس جیسا ہو اور کثیر یعنی ان باتوں سے بہت بڑا
ہے کہ اس کی کوئی مثل ہو یا بیوی اور اولاد ہو یا شریک ہو۔

(۶) یعنی پانی جو تمہارے لیے تمہاری روزیوں کا سبب ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اظہار آیات کو انزال رزق کے ساتھ جمع
فرمادیا ہے اس لیے کہ آیت قدرت کا اظہار 'ادیان کی بنیاد ہے اور روزیاں ابدان کی بنیاد ہیں یوں یہاں دونوں
بنیادوں کو جمع فرمایا گیا ہے۔ (فتح القدیر)

وہی حاصل کرتے ہیں جو (اللہ کی طرف) رجوع کرتے ہیں۔^(۱۳)

تم اللہ کو پکارتے رہو اس کے لیے دین کو خالص کر کے گو کافر یا مانیں۔^(۱۴)

بلند درجوں والا عرش کا مالک وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی نازل فرماتا ہے،^(۱۵) تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔^(۱۵)

جس دن سب لوگ ظاہر ہو جائیں گے،^(۱۶) ان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گی۔ آج کس کی بادشاہی ہے؟^(۱۷) فقط اللہ واحد و قہار کی۔^(۱۸)

آج ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج (کسی قسم کا) ظلم نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے

تَادَعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝

نَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ

عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ يُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝

يَوْمَ هُمْ بَايَرُونَ ؕ لَا يَنفَعِي عَنْ اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ لَبِئْسَ

الْمَثَلُ الْيَوْمَ لِلَّذِينَ اتَّخَذُوا الْأَوْلِيَاءَ الْفَعَالِ ۝

أَلْيَوْمَ يُعْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ إِنَّ اللَّهَ

سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

(۱) اللہ کی اطاعت کی طرف، جس سے ان کے دلوں میں آخرت کا خوف پیدا ہوتا ہے اور احکام و فرائض الہی کی پابندی کرتے ہیں۔

(۲) یعنی جب سب کچھ اللہ ہی اکیلا کرنے والا ہے تو کافروں کو چاہیے، کتنا بھی ناگوار گزرے، صرف اسی ایک اللہ کو پکارو، آپس کے لیے عبادت و اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔

(۳) رُوح سے مراد وحی ہے جو وہ بندوں میں سے ہی کسی کو رسالت کے لیے چن کر، اس پر نازل فرماتا ہے، وحی کو روح سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ جس طرح روح میں انسانی زندگی کی بقا و سلامتی کا راز مضمر ہے۔ اسی طرح وحی سے بھی ان انسانی قلوب میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے جو پہلے کفر و شرک کی وجہ سے مردہ ہوتے ہیں۔

(۴) یعنی زندہ ہو کر قبروں سے باہر نکل کھڑے ہوں گے۔

(۵) یہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا، جب سارے انسان اس کے سامنے میدان محشر میں جمع ہوں گے، اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، اور کہے گا میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ (صحیح بخاری، سورۃ زمر)

(۶) جب کوئی نہیں بولے گا تو یہ جواب اللہ تعالیٰ خود ہی دے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ سنائی کرے گا، جس کے ساتھ ہی تمام کافر اور مسلمان بیک آواز یہی جواب دیں گے۔ (فتح القدیر)

والا ہے۔^(۱۷)

اور انہیں بہت ہی قریب آنے والی^(۱۸) (قیامت سے) آگاہ کر دیجئے، جب کہ دل حلق تک پہنچ جائیں گے اور سب خاموش ہوں گے،^(۱۹) ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہو گا نہ سفارشی، کہ جس کی بات مانی جائے گی۔ (۱۸)

وہ آنکھوں کی خیانت کو اور سینوں کی پوشیدہ باتوں کو (خوب) جانتا ہے۔^(۲۰)

اور اللہ تعالیٰ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا اس کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے،^(۲۱) بیشک اللہ تعالیٰ خوب سنتا خوب دیکھتا ہے۔ (۲۰)
کیا یہ سوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا نتیجہ کیا کچھ ہوا؟ وہ باعتبار

وَأَنذَرْتَهُمْ يَوْمَ لَا رَفْءَ لَهُمْ وَالْقُلُوبُ لَدَىٰ الْغَنَاقِ ۖ كَاطِطِينَ ۚ
مَالِ الظَّالِمِينَ مِنْ حِمِيمٍ ۚ وَلَا تَشْفِيهِمْ يُطَاءُ ۝

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۝

وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ ۚ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً

(۱) اس لیے کہ اسے بندوں کی طرح غور و فکر کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

(۲) آذِفۃ کے معنی ہیں قریب آنے والی۔ یہ قیامت کا نام ہے، اس لیے کہ وہ بھی قریب آنے والی ہے۔

(۳) یعنی اس دن خوف کی وجہ سے دل اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔ كَاطِطِينَ فم سے بھرے ہوئے یا روتے ہوئے یا خاموش، اس کے تینوں معنی کیے گئے ہیں۔

(۴) اس میں اللہ تعالیٰ کے علم کامل کا بیان ہے کہ اسے تمام اشیا کا علم ہے۔ چھوٹی ہو یا بڑی، باریک ہو یا موٹی، اعلیٰ مرتبے کی ہو یا چھوٹے مرتبے کی۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ جب اس کے علم و احاطہ کا یہ صہ ہے تو اس کی نافرمانی سے اجتناب اور صحیح معنوں میں اس کا خوف اپنے اندر پیدا کرے۔ آنکھوں کی خیانت یہ ہے کہ دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا جائے۔ جیسے راہ چلتے کسی حسین عورت کو کنکلیوں سے دیکھنا۔ سینوں کی باتوں میں (وہ وسوسے بھی آجاتے ہیں جو انسان کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، وہ جب تک وسوسے ہی رہتے ہیں یعنی ایک لمحہ گزراں کی طرح آتے اور فتم ہو جاتے ہیں، تب تک تو وہ قابل مؤاخذہ نہیں ہوں گے۔ لیکن جب وہ عرائم کا روپ دھار لیں تو پھر ان کا مؤاخذہ ہو سکتا ہے) چاہے ان پر عمل کرنے کا انسان کو موقع نہ ملے۔

(۵) اس لیے کہ انہیں کسی چیز کا علم ہے نہ کسی پر قدرت، وہ بے خبر بھی ہیں اور بے اختیار بھی، جب کہ فیصلے کے لیے علم و اختیار دونوں چیزوں کی ضرورت ہے اور یہ دونوں خوبیاں صرف اللہ کے پاس ہیں، اس لیے صرف اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ فیصلہ کرے اور وہ یقیناً حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا، کیونکہ اسے کسی کا خوف ہو گا نہ کسی سے حرص و طمع۔

وَأَنَّا زَاكِي الْأَرْضِ فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُمُ مِنَ اللَّهِ مِن وَّاقٍ ۝

قوت و طاقت کے اور باعتبار زمین میں اپنی بدگامیوں کے ان سے بہت زیادہ تھے 'پس اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیا اور کوئی نہ ہوا جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچا لیتا۔' (۲۱)

ذَلِكْ يَآ أَهْلَهُمُ كَانَتْ ثَائِبَتِيهِمْ رُسُلَهُمُ بِالْبَيِّنَاتِ فَاكْفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

یہ اس وجہ سے کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر معجزے لے لے کر آتے تھے تو وہ انکار کر دیتے تھے 'پس اللہ انہیں پکڑ لیتا تھا۔ یقیناً وہ طاقتور اور سخت عذاب والا ہے۔' (۲۲)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَى بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۝

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی آیتوں اور کھلی دلیلوں کے ساتھ بھیجا۔' (۲۳)

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَالُوا اتَّبِعُوا سِحْرَ كَذَّابٍ ۝

فرعون ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا (یہ تو) جادوگر اور جھوٹا ہے۔' (۲۴)

(۱) گزشتہ آیات میں احوال آخرت کا بیان تھا اب دنیا کے احوال سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ ذرا زمین میں چل پھر کر ان قوموں کا انجام دیکھیں جو ان سے پہلے اس جرم تکذیب میں ہلاک کی گئیں جس کا ارتکاب یہ کر رہے ہیں۔ دراصل حایکہ گزشتہ قومیں قوت و آثار میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں لیکن جب ان پر اللہ کا عذاب آیا تو انہیں کوئی نہیں بچا سکا۔ اسی طرح تم پر بھی عذاب آسکتا ہے اور اگر یہ آگیا تو پھر کوئی تمہارا پشت پناہ نہ ہو گا۔

(۲) یہ ان کی ہدایت کی وجہ بیان کی گئی ہے اور وہ ہے اللہ کی آیتوں کا انکار اور پیغمبروں کی تکذیب۔ اب سلسلہ نبوت و رسالت تو بند ہے تاہم آفاق و انفس میں بے شمار آیات الہی نکھری اور پھیلی ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں وعظ و تذکیر اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے علماء و داعیان حق ان کی وضاحت اور نشاندہی کے لیے موجود ہیں۔ اس لیے آج بھی جو آیات الہی سے اعراض اور دین و شریعت سے غفلت کرے گا اس کا انجام کذب و منکرین رسالت سے مختلف نہیں ہو گا۔

(۳) آیات سے مراد وہ نشانیاں بھی ہو سکتی ہیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے یا عصا اور ید بیضا و اسے دو بڑے واضح معجزات بھی سُلْطٰنِ مُّبِينٍ سے مراد قوی دلیل اور حجت واضح جس کا کوئی جواب ان کی طرف سے ممکن نہیں تھا بجز دھتائی اور بے شرمی کے۔

(۴) فرعون مصر میں آباد قبل کاہادشاہ تھا بڑا عالم و جابر اور رب اعلیٰ ہونے کا دعوے دار۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو غلام بنارکھا تھا اور اس پر طرح طرح کی سختیاں کرتا تھا جیسا کہ قرآن کے متعدد مقامات پر اس کی تفصیل ہے۔ ہامان فرعون کا وزیر اور مشیر خاص تھا۔ قارون اپنے وقت کا مال دار ترین آدمی تھا ان سب نے پسے ہوگوں کی طرح

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ
الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ
إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذُرِّيَّتِي أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ إِنِّي
 أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي
الْأَرْضِ الْفَسَادَ ۝

پس جب ان کے پاس (موسیٰ علیہ السلام) ہماری طرف
سے (دین) حق کو لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ اس
کے ساتھ جو ایمان والے ہیں ان کے لڑکوں کو تو مار ڈالو
اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھو^(۱) اور کافروں کی جو حیلہ
سازی ہے وہ غلطی میں ہی ہے۔^(۲) (۲۵)

اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ (علیہ السلام) کو
مار ڈالوں اور^(۳) اسے چاہیے کہ اپنے رب کو پکارے^(۴)
مجھے تو ڈر ہے کہ یہ کہیں تمہارا دین نہ بدل ڈالے یا ملک میں
کوئی (بست بڑا) فساد برپا نہ کر دے۔^(۵) (۲۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور انہیں جادوگر اور کذاب کہا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا گیا ﴿كَذَٰلِكَ سَاءَ أَلْفَاظُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ﴾ (الأنفال: ۱۸) ﴿تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَقٌّ﴾ (سورة الحديد: ۵۲-۵۳) ”اسی طرح جو لوگ ان سے
پیسے گزر رہے ہیں ان کے پاس جو بھی نبی آیا۔ انہوں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا یہ اس بات کی ایک
دوسرے کو وصیت کرتے گئے ہیں؟ نہیں بلکہ یہ سب کی سب سرکش ہیں۔“

(۱) فرعون یہ کام پسے بھی کر رہا تھا تاکہ وہ بچہ پیدا نہ ہو جو نجومیوں کی پیش گوئی کے مطابق اس کی بادشاہت کے لیے
خطرے کا باعث تھا۔ یہ دوبارہ حکم اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تذلیل و اہانت کے لیے دیا نیز تاکہ بنی اسرائیل
موسیٰ علیہ السلام کے وجود کو اپنے لیے مصیبت اور نحوست کا باعث سمجھیں جیسا کہ فی الواقع انہوں نے کہا ﴿وَأَوْفُوا بِعَهْدِكُمْ
فَعَلْنَا أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَلِكَيْنَا﴾ (الأعراف: ۱۷۱) ”اے موسیٰ (علیہ السلام)! تیرے آنے سے قبل بھی ہم ازبوتوں سے
دو چار تھے اور تیرے آنے کے بعد بھی ہمارا یہی حال ہے“

(۲) یعنی اس سے جو مقصد وہ حاصل کرنا چاہتا تھا کہ بنی اسرائیل کی قوت میں اضافہ اور اس کی عزت میں کمی نہ ہو۔ یہ اسے
حاصل نہیں ہوا بلکہ اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہی غرق کر دیا اور بنی اسرائیل کو ہر گت زمین کا وارث بنادیا۔

(۳) یہ غالباً فرعون نے ان لوگوں سے کہا جو اسے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے منع کرتے تھے۔

(۴) یہ فرعون کی دیدہ دلیری کا اظہار ہے کہ میں دیکھوں گا اس کا رب اسے کیسے بچاتا ہے اسے پکار کر دیکھ لے۔ یا رب
ہی کا انکار ہے کہ اس کا کون سا رب ہے جو بچالے گا کیونکہ رب تو وہ اپنے آپ کو کہتا تھا۔

(۵) یعنی غیر اللہ کی عبادت سے ہٹا کر ایک اللہ کی عبادت پر نہ لگا دے یا اس کی وجہ سے فساد نہ پیدا ہو جائے۔ مطلب یہ
تھا کہ اس کی دعوت اگر میری قوم کے کچھ لوگوں نے قبول کر لی تو وہ نہ قبول کرنے والوں سے بحث و تکرار کریں گے
جس سے ان کے درمیان لڑائی جھگڑا ہو گا جو فساد کا ذریعہ بنے گا یوں دعوت توحید کو اس نے فساد کا سبب اور اہل توحید کو

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ مِنْ قَوْلِ
مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بَيُّوتِ الْحِسَابِ ﴿٥﴾

وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ
أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ
بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ فَلَنْ يَكُونَ كَاذِبًا قَلِيلًا
وَلَنْ يَكُنْ صَاحِبًا بِطِينًا يُبْعَثُ بَعْضُ الَّذِينَ يَزْعُمُونَ
أَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُشْرِكٌ كَذَابٌ ﴿٦﴾

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میں اپنے اور تمہارے رب کی
پناہ میں آتا ہوں ہر اس تکبر کرنے والے شخص (کی برائی)
سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔^(۱) (۲۷)

اور ایک مومن شخص نے جو فرعون کے خاندان میں
سے تھا اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا کہا کہ کیا تم ایک
شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا
رب اللہ ہے اور تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں
لے کر آیا ہے،^(۲) اگر وہ جھوٹا ہو تو اس کا جھوٹ اسی پر
ہے اور اگر وہ سچا ہو تو جس (عذاب) کا وہ تم سے وعدہ کر
رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ تو تم پر آپڑے گا،^(۳) اللہ
تعالیٰ اس کی رہبری نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے
اور جھوٹے ہوں۔^(۴) (۲۸)

فسادی قرار دیا۔ دراصل عابد کی عبادت ہی فساد کی جز ہے۔

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم میں جب یہ بات آئی کہ فرعون مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو انہوں نے اللہ
سے اس کے شر سے بچنے کے لیے دعا مانگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دشمن کا خوف ہوتا تو یہ دعا پڑھتے: «اللَّهُمَّ إِنَّا
نَجْعَلُكَ فِيهِ نُحُورِهِمْ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ» مسند احمد ۴/۳۱۵، اے اللہ! ہم تجھ کو ان کے مقابلے میں
کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں۔

(۲) یعنی اللہ کی ربوبیت پر وہ ایمان یوں ہی نہیں رکھتا بلکہ اس کے پاس اپنے اس موقف کی واضح دلیلیں ہیں۔

(۳) یہ اس نے بطور تنزیل کے کہا کہ اگر اس کے دلائل سے تم مطمئن نہیں اور اس کی صداقت اور اس کی دعوت کی
صحت تم پر واضح نہیں ہوئی تب بھی عقل و دانش اور احتیاط کا تقاضا ہے کہ اس کو اس کے حق پر چھوڑ دیا جائے اس
سے تعرض نہ کیا جائے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی اسے اس جھوٹ کی سزا دنیا و آخرت میں دے دے گا۔ اور اگر
وہ سچا ہے اور تم نے اسے ایذا نہیں پہنچائیں تو پھر یقیناً وہ تمہیں جن عذابوں سے ڈراتا ہے تم پر ان میں سے کوئی عذاب
آسکتا ہے۔

(۴) اس کا مطلب ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہوتا (جیسا کہ تم باور کراتے ہو) تو اللہ تعالیٰ اسے دل نکل و معجزات سے نہ نوازتا
جب کہ اس کے پاس یہ چیزیں موجود ہیں۔ دوسرا مطلب ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی اسے ذلیل اور ہلاک
کردے گا، تمہیں اس کے خلاف کوئی اقدام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

يَقَوْمُ لَكُمْ الْمُنْكَ الْيَوْمَ ظَهَرْتُمْ فِي الْأَرْضِ قَمَنَ يَنْصُرُونَا
مِنْ بَيْنِ النَّاسِ جَاءَنَا قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ
إِلَّا مَا أَرَى وَمَا أَهْبِيكُمْ إِلَّا سَيْبِلَ الْوَسْوَاسِ ۝

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَقَوْمُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ تَمُوتُ
يَوْمَ الْأَحْزَابِ ۝

وَمَثَلُ ذَابِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ
مِنْ بَعْدِهِمْ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظَلْمًا لِلْعَالَمِينَ ۝

وَيَقَوْمُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝

اے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمہاری ہے کہ
اس زمین پر تم غالب^(۱) ہو لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر
آگیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟^(۲) فرعون بول: میں تو
تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جو خود دیکھ رہا ہوں اور
میں تو تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتا رہا ہوں۔^(۳) (۲۹)

اس مومن نے کہا اے میری قوم! (کے لوگو) مجھے تو
اندیشہ ہے کہ تم پر بھی ویسا ہی روز (بد عذاب) نہ آئے جو
اور امتوں پر آیا۔ (۳۰)

جیسے امت نوح اور عاد و ثمود اور ان کے بعد واپس کا
(حال ہوا)۔^(۴) اللہ اپنے بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا
نہیں چاہتا۔^(۵) (۳۱)

اور مجھے تم پر ہانک پکار کے دن کا بھی ڈر ہے۔^(۶) (۳۲)

(۱) یعنی یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ تمہیں زمین پر غلبہ عطا فرمایا اس کا شکر ادا کرو! اور اس کے رسول کی تکذیب کر کے
اللہ کی ناراضی مول نہ لو۔

(۲) یہ فوجی اور لشکر تمہارے کچھ کام نہ آئیں گے نہ اللہ کے عذاب ہی کو ٹال سکیں گے اگر وہ آگیا۔ یہاں تک اس
مومن کا کلام تھا جو ایمان چھپائے ہوئے تھا۔

(۳) فرعون نے اپنے دنیوی جاہ و جلال کی بنیاد پر جھوٹ بول اور کہا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں وہی تمہیں بتل رہا ہوں
اور میری بتلائی ہوئی راہ ہی صحیح ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ ﴿وَمَا أَتَوْا فِرْعَوْنَ بِوَرِيثِهِمْ﴾ (ہود ۱۷)

(۴) یہ اس مومن آدمی نے دوبارہ اپنی قوم کو ڈرایا کہ اگر اللہ کے رسول کی تکذیب پر ہم اڑے رہے تو خطرہ ہے کہ
گزشتہ قوموں کی طرح عذاب الہی کی گرفت میں آجائیں گے۔

(۵) یعنی اللہ نے جن کو بھی ہلاک کیا ان کے گناہوں کی پاداش میں اور رسولوں کی تکذیب و مخالفت کی وجہ سے ہی
ہلاک کیا ورنہ وہ شفیق و رحیم رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ ہی نہیں کرتا۔ گویا قوموں کی ہلاکت یہ ان پر اللہ کا
ظلم نہیں ہے بلکہ قانون مکافات کا ایک لازمی نتیجہ ہے جس سے کوئی قوم اور فرد مستثنیٰ نہیں۔

از مکافات عمل غافل مشو - گندم از گندم برود جو از جو

(۶) تنادیں کے معنی ہیں۔ ایک دوسرے کو پکارنا، قیامت کو «یَوْمَ التَّنَادِ» اس لیے کہا گیا ہے کہ اس دن ایک دوسرے کو

يَوْمَ تَوَلَّوْنَ مُذِيبِينَ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ وَمَنْ يُضْلِلِ
اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَنَازِلْتُمْ
فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ حَتَّىٰ إِذَا هُمْ كُفُّوا لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ
مِنْ بَعْدِهِ ۚ رَسُولٌ كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ
مُسْرِيفٌ مُرْتَابٍ ۝

جس دن تم پیٹھ پھیر کر لوٹو گے،^(۱) تمہیں اللہ سے بچانے
والا کوئی نہ ہو گا اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کا ہادی کوئی
نہیں۔^(۲) (۳۳)

اور اس سے پہلے تمہارے پاس (حضرت) یوسف و یلیس
لے کر آئے،^(۳) پھر بھی تم ان کی نائی ہوئی (دلیل) میں شک
و شبہ ہی کرتے رہے^(۴) یہاں تک کہ جب ان کی وفات^(۵)
ہو گئی تو کہنے لگے ان کے بعد تو اللہ کسی رسول کو بھیجے گا ہی
نہیں،^(۶) اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے ہر اس شخص کو جو حد
سے بڑھ جانے والا شک و شبہ کرنے والا ہو۔^(۷) (۳۴)

پکاریں گے۔ اہل جنت اہل نار کو اور اہل نار اہل جنت کو ندا میں دیں گے۔ (الأعراف-۳۸، ۳۹) بعض کہتے ہیں کہ میزان
کے پاس ایک فرشتہ ہو گا جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہو گا اس کی بدبختی کا یہ فرشتہ چیخ کر اعلان کرے گا بعض کہتے ہیں کہ
عملوں کے مطابق لوگوں کو پکارا جائے گا جیسے اہل جنت کو اے جنتیو! اور اہل جہنم کو اے جہنمیو! امام ابن کثیر فرماتے ہیں
کہ امام بنوی کا یہ قول بہت اچھا ہے کہ ان تمام باتوں ہی کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہے۔

(۱) یعنی موقف (میدان محشر) سے جہنم کی طرف جاؤ گے یا حساب کے بعد وہاں سے بھاگو گے۔

(۲) جو اسے ہدایت کا راستہ بتا سکے یعنی اس پر چلا سکے۔

(۳) یعنی اے اہل مصر! حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل تمہارے اسی علاقے میں جس میں تم آباد ہو، حضرت
یوسف علیہ السلام بھی دلائل و براہین کے ساتھ آئے تھے۔ جس میں تمہارے آباؤ اجداد کو ایمان کی دعوت دی گئی
تھی یعنی حَآءَ کُمْ سے مراد جَآءَ اِلَیْ اَبَائِکُمْ ہے یعنی تمہارے آباؤ اجداد کے پاس آئے۔

(۴) لیکن تم ان پر بھی ایمان نہیں لائے اور ان کی دعوت میں شک و شبہ ہی کرتے رہے۔

(۵) یعنی یوسف علیہ السلام پیغمبر کی وفات ہو گئی۔

(۶) یعنی تمہارا شیوہ چونکہ ہر پیغمبر کی تکذیب اور مخالفت ہی رہا ہے اس لیے سمجھتے تھے کہ اب کوئی رسول ہی نہیں
آئے گا یا یہ مطلب ہے کہ رسول کا آنا یا نہ آنا تمہارے لیے برابر ہے یا یہ مطلوب ہے کہ اب ایسا با عظمت انسان کہاں
پیدا ہو سکتا ہے جو رسالت سے سرفراز ہو۔ گویا بعد از مرگ حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف تھا۔ اور بہت
سے لوگ ہر اہم ترین انسان کی وفات کے بعد یہی کہتے ہیں۔

(۷) یعنی اس واضح گمراہی کی طرح جس میں تم مبتلا ہو اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو بھی گمراہ کرتا ہے جو نہایت کثرت سے

لَا يُدِينُ لَكُمْ فُلُوكُمْ فِي آيَاتِ اللَّهِ وَمَا يُرْسِلُ مِنْ أَنْبَاءٍ كَذِبًا
عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا ذَلِكَ يَكْبِتُهُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ
مُتَكِبِي تَبَابٍ ۝

وَقَالَ فِرْعَوْنُ لِيَهْرَئِسْ رَأْسِي صَرْحًا لِكُلِّ آيَةٍ أَتِيَهُمُ الرِّسَابُ ۝

أَسْبَابُ التَّمْوِيتِ فَأَظْلَمَ إِلَى الْوُثُونِ فَإِنِ لَكَ لَكُفَّةٌ كَاذِبًا
وَكَذَلِكَ يُرِيتُ لِفِرْعَوْنَ سُوءَ عَذَابِهِ وَصَدَّ عَنْ التَّهْيِيلِ وَمَا
كُنْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ ۝

جو بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں
جھگڑتے ہیں،^(۱) اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ
تو بہت بڑی ناراضگی کی چیز ہے،^(۲) اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر
ایک مغرور سرکش کے دل پر مرکب ہوتا ہے۔^(۳) (۳۵)

فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لیے ایک بالاخانہ^(۴) بنا
شاید کہ میں آسمان کے جو دروازے ہیں۔^(۵) (۳۶)

(ان) دروازوں تک پہنچ جاؤں اور موسیٰ کے معبود کو
جھانک لوں^(۶) اور بیشک میں سمجھتا ہوں وہ جھوٹا ہے^(۷)
اور اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اسے بھلی دکھائی
گئیں^(۸) اور راہ سے روک دیا گیا^(۹) اور فرعون کی (ہر)
حیلہ سازی تباہی میں ہی رہی۔^(۱۰) (۳۷)

گناہوں کا ارتکاب کرنا اور اللہ کے دین، اس کی وحدانیت اور اس کے وعدوں وعیدوں میں شک کرتا ہے۔

(۱) یعنی اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے، اس کے باوجود اللہ کی توحید اور اس کے احکام
میں جھگڑتے ہیں، جیسا کہ ہر دور کے اہل باطل کا طریقہ رہا ہے۔

(۲) یعنی ان کی اس حرکت شیعہ سے اللہ تعالیٰ ہی ناراض نہیں ہوتا، اہل ایمان بھی اس کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔

(۳) یعنی جس طرح ان مجادلین کے دلوں پر مر لگادی گئی ہے، اسی طرح ہر اس شخص کے دل پر مر لگادی جاتی ہے، جو
اللہ کی آیتوں کے مقابلے میں تکبر اور سرکشی کا اظہار کرتا ہے، جس کے بعد معروف، ان کو معروف اور منکر، منکر نظر
نہیں آتا بلکہ بعض دفعہ منکر، ان کے ہاں معروف اور معروف، منکر قرار پاتا ہے۔

(۴) یہ فرعون کی سرکشی اور تمرد کا بیان ہے کہ اس نے اپنے وزیر ہامان کو ایک بلند عمارت بنانے کا حکم دیا تاکہ اس کے ذریعے
سے وہ آسمان کے دروازوں تک پہنچ جائے۔ اسباب کے معنی دروازے یا راستے کے ہیں۔ مزید دیکھیے القصص، آیت ۲۸۔

(۵) یعنی دیکھو کہ آسمانوں پر کیا واقعہ کوئی اللہ ہے؟

(۶) اس بات میں کہ آسمان پر اللہ ہے جو آسمان و زمین کا خالق اور ان کا مدبر ہے۔ یا اس بات میں کہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہے۔

(۷) یعنی شیطان نے اس طرح اسے گمراہ کیے رکھا اور اس کے برے عمل اسے اچھے نظر آنے رہے۔

(۸) یعنی حق اور صواب (درست) راستے سے اسے روک دیا گیا اور وہ گمراہیوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکتا رہا

(۹) تَبَابٌ - خسارہ، ہلاکت۔ یعنی فرعون نے جو تدبیر اختیار کی، اس کا نتیجہ اس کے حق میں برا ہی نکلا اور بالآخر اپنے لشکر

سمیت پانی میں ڈبو دیا گیا۔

اور اس مومن شخص نے کہا کہ اے میری قوم! (کے لوگو) تم (سب) میری پیروی کرو میں نیک راہ کی طرف تمہاری رہبری کروں گا۔^(۳۸)

اے میری قوم! یہ حیات دنیا متاع فانی ہے،^(۳۹) یقین مانو کہ قرار اور بیشکی کا گھر تو آخرت ہی ہے۔^(۴۰)

جس نے گناہ کیا ہے اسے تو برابر برابر کا بدلہ ہی ہے^(۴۱) اور جس نے نیکی کی ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان والا ہو تو یہ لوگ^(۴۲) جنت میں جائیں گے اور وہاں بے شمار روزی پائیں گے۔^(۴۳)

اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں^(۴۴) اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو۔^(۴۵)

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَتُوبُ الْيَهُودُ أَفَدُلُّكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ۚ

يَتُوبُ إِنَّمَا هِيَ الْهَيُودُ الَّتِي آمَنَتْ ۚ إِنَّ الْأَعْرَابَ لَمِنَ الضَّالِّينَ ۚ

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُحْزَنُ إِلَّا لَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أَنَّىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ مَّا وَدَّكَ

يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْمَوْنَ فِيهَا بِنَجَرِ حِمَايَ ۚ

وَيَتُوبُ إِلَىٰ آذُنِهِمُ إِلَىٰ الْجَنَّةِ وَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ الشُّكْرِ ۚ

(۱) فرعون کی قوم میں سے ایمان لانے والا پھر بولا۔ اور کہا کہ دعویٰ تو فرعون بھی کرتا ہے کہ میں تمہیں سیدھے راستے پر چلا رہا ہوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرعون بھٹکا ہوا ہے، میں جس راستے کی نشاندہی کر رہا ہوں وہ سیدھا راستہ ہے اور وہ وہی راستہ ہے، جس کی طرف تمہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام دعوت دے رہے ہیں۔

(۲) جس کی زندگی چند روزہ ہے۔ اور وہ بھی آخرت کے مقابلے میں صبح یا شام کی ایک گھڑی کے برابر۔

(۳) جس کو زوال اور فتنائیں نہ وہاں سے انتقال اور کوچ ہو گا۔ کوئی جنت میں جائے یا جہنم میں دونوں کی زندگیاں ابدی ہوں گی۔ ایک راحت اور آرام کی زندگی۔ دوسری شغلوں اور عذاب کی زندگی۔ موت اہل جنت کو آئے گی نہ اہل جہنم کو۔

(۴) یعنی برائی کی مثل ہی جزا ہو گی، زیادہ نہیں۔ اور اس کے مطابق ہی عذاب ہو گا۔ جو عدل و انصاف کا آئینہ دار ہو گا۔

(۵) یعنی وہ جو ایمان دار بھی ہوں گے اور اعمال صالحہ کے پابند بھی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے بغیر محض ایمان یا ایمان کے بغیر اعمال صالحہ کی حیثیت اللہ کے ہاں کچھ نہیں ہو گی، عند اللہ کامیابی کے لیے ایمان کے ساتھ عمل صالح اور عمل صالح کے ساتھ ایمان ضروری ہے۔

(۶) یعنی بغیر اندازے اور حساب کے نعمتیں ملیں گی اور ان کے ختم ہونے کا بھی کوئی اندیشہ نہیں ہو گا۔

(۷) اور وہ یہ کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اس کے اس رسول کی تصدیق کرو جو اس نے تمہاری ہدایت اور رہنمائی کے لیے بھیجا ہے۔

(۸) یعنی توحید کے بجائے شرک کی دعوت دے رہے ہو جو انسان کو جہنم میں لے جانے والا ہے، جیسا کہ اگلی آیت میں

تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَاشْرِكُ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ
وَأَنَا أَدْعُوكُمُ إِلَى الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۴۰﴾

لَا جَزَاءَ لِمَن كَانَ يَدْعُوَنِي إِلَى الْإِسْلَامِ لَهُ دَعْوَتِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةُ وَأَنَا سَوَدَا إِلَى اللَّهِ وَانِ السَّابِقِينَ
هُمُ أَصْطَبُ النَّاسِ ﴿۴۱﴾

تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر
کروں اور اس کے ساتھ شرک کروں جس کا کوئی علم
مجھے نہیں اور میں تمہیں غالب بخشنے والے (معبود) کی
طرف دعوت دے رہا ہوں۔^(۴۰)

یہ یقینی امر ہے^(۴۱) مگر تم مجھے جس کی طرف بلا رہے ہو وہ
تو نہ دنیا میں پکارے جانے کے قابل ہے^(۴۲) نہ آخرت
میں^(۴۳) اور یہ (بھی یقینی بات ہے) کہ ہم سب کا لوٹنا اللہ
کی طرف ہے^(۴۴) اور حد سے گزر جانے والے ہی (یقیناً)
اہل دوزخ ہیں۔^(۴۵)

وضاحت ہے۔

(۱) عزیز (غالب) جو کافروں سے انتقام لینے اور ان کو عذاب دینے پر قادر ہے۔ غنائہ اپنے ماننے والوں کی غلطیوں کو تہیوں
کو معاف کر دینے والا اور ان کی پردہ پوشی کرنے والا۔ جب کہ تم جن کی عبادت کرنے کی طرف مجھے بلا رہے ہو وہ بالکل حقیر
اور کم تر چیزیں ہیں نہ وہ سن سکتی ہیں نہ جواب دے سکتی ہیں کسی کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان پہنچانے پر۔

(۲) لاجزأ یہ بات یقینی ہے یا اس میں جھوٹ نہیں ہے۔

(۳) جیسی وہ کسی کی پکار سننے کی استعداد ہی نہیں رکھتے کہ کسی کو نفع پہنچا سکیں یا الوہیت کا استحقاق انہیں حاصل ہو۔ اس
کا تقریباً وہی مفہوم ہے جو اس آیت اور اس جیسی دیگر متعدد آیات میں بیان کیا گیا ہے ﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ
اللَّهِ لَآ يَشْعَبُونَ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْعِقَامِ فَلَمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَمَلُونَ﴾ (الاحقاف: ۱۵) ﴿لَنْ تَكْفُرُوهُمْ لَاسْتَغْوُوا لَهُمْ لَكُمْ وَاسْتَجَابُوا لَهُمْ﴾ (طہ: ۱۳) اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سننے ہی نہیں اور اگر باغرض سن بھی لیں تو قبول نہیں
کر سکتے۔

(۴) یعنی آخرت میں ہی وہ پکار سن کر کسی کو عذاب سے چھڑانے پر یا شفاعت ہی کرنے پر قادر ہوں؟ یہ بھی ممکن نہیں
ہے۔ ایسی چیزیں بھلا اس لائق ہو سکتی ہیں کہ وہ معبود نہیں اور ان کی عبادت کی جائے؟

(۵) جہاں ہر ایک کا حساب ہو گا اور عمل کے مطابق اچھی یا بری جزا دی جائے گی۔

(۶) یعنی کافر و مشرک جو اللہ کی نافرمانی میں ہر حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اس طرح جو بہت زیادہ گناہ گار مسلمان ہوں
گئے جن کی نافرمانیاں اسراف کی حد تک پہنچی ہوئی ہوں گی انہیں بھی کچھ عرصہ جہنم کی سزا بھگتنی ہو گی۔ تاہم بعد میں
شفاعت رسول ﷺ یا اللہ کی مشیت سے ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

فَتَذَكَّرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَأَقْوَمُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ
اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْجَنَاحِ ۝

قَوْلُهُ اللَّهُ سَيِّدَاتِ مَا مَكَّرُوا وَتَأَنَّى بِأَلِ فِرْعَوْنَ
سُوءُ الْعَذَابِ ۝

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ
السَّاعَةُ سَادَّخِلُوا أَلِ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ۝

پس آگے چل کر تم میری باتوں کو یاد کرو گے^(۱) میں اپنے
معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں^(۲) یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کا
نگران ہے۔^(۳) (۳۳)

پس اسے اللہ تعالیٰ نے تمام بدیوں سے محفوظ رکھ لیا جو
انہوں نے سوچ رکھی تھیں^(۴) اور فرعون و انہوں پر بری
طرح کا عذاب الٹ پڑا۔^(۵) (۳۵)

آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے
ہیں^(۶) اور جس دن قیامت قائم ہوگی (فرمان ہو گا کہ)
فرعونوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔^(۷) (۳۶)

(۱) عنقریب وہ وقت آئے گا جب میری باتوں کی صداقت اور جن باتوں سے روکنا تھا ان کی شناخت تم پر واضح ہو
جائے گی، پھر تم ندامت کا اظہار کرو گے، مگر وہ وقت ایسا ہو گا کہ ندامت بھی کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

(۲) یعنی اسی پر مجبور کرتا اور اسی سے ہر وقت استعانت کرتا ہوں اور تم سے بیزاری اور قطع تعلق کا اعلان کرتا ہوں۔

(۳) وہ انہیں رکھ رہا ہے۔ پس وہ مستحق ہدایت کو ہدایت سے نوازتا اور ضلالت کا استحقاق رکھنے والے کو ضلالت سے
ہٹاتا کرتا ہے۔ ان امور میں جو ممکن ہیں ان کو وہی خوب جانتا ہے۔

(۴) یعنی اس کی قوم قبضہ نے اس مومن کے اظہار حق کی وجہ سے اس کے خلاف جو تدبیریں اور سازشیں سوچ رکھی تھیں،
ان سب کو ناکام بنادیا اور اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات دے دی۔ اور آخرت میں اس کا گھر جنت ہو گا۔

(۵) یعنی دنیا میں انہیں سمندر میں غرق کر دیا گیا اور آخرت میں ان کے لیے جہنم کا سخت ترین عذاب ہے۔

(۶) اس آگ پر برزخ میں یعنی قبروں میں وہ لوگ روزانہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں جس سے عذاب قبر کا اثبات ہوتا ہے۔
جس کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں۔ احادیث میں تو بڑی وضاحت سے عذاب قبر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کے سوال کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ اصْحَابُ بَخَارِیْ کِتَابُ الْحَسَنِیْنَ
باب ما جاء فی عذاب القبر) ہاں! قبر کا عذاب حق ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ”جب تم میں سے کوئی

مرد ہے تو (قبر میں) اس پر صبح و شام اس کی جگہ پیش کی جاتی ہے یعنی اگر وہ جنتی ہے تو جنت اور جہنمی ہے تو جہنم اس کے سامنے
پیش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تمہری اصل جگہ ہے جہاں قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تجھے بھیجے گا۔ اصْحَابُ بَخَارِیْ

باب المیت یمرض علیہ مقعدہ بالغداة والعشی۔ مسلم کِتَابُ الْجَنَّةِ باب عرض مقعد المیت اس کا
مطلب ہے کہ منکرین عذاب قبر قرآن و حدیث دونوں کی صراحتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔

(۷) اس سے بالکل واضح ہے کہ عرض علی النار کا معاملہ جو صبح و شام ہوتا ہے قیامت سے پہلے کا ہے اور قیامت سے پہلے

وَأَذِيتَ عَذَابُونَ فِي النَّارِ يَقُولُ الْمُسْتَغْفِرُونَ لَكَ
اسْتَغْفِرُوا لَكُمْ تَبَعًا فَمَنْ أَنْتُمْ مُشْفَعُونَ
عَنَّا نَصِيبًا مِنَ النَّارِ ۝

قَالَ الَّذِينَ اسْتَغْفِرُوا إِنَّكَ لَمِنَ الْغَاثِينَ لَقَدْ كَانَ اللَّهُ قَدْ خَلَقَكُمْ
بَيْنَ الْجَنَّةِ ۝

وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ
يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِنَ الْعَذَابِ ۝

قَالُوا أَوَلَمْ نَكُنْ نَدْعُكُمُ رُسُلَكُمْ بِالْحَقِّ قَالُوا
بَلَىٰ قَالُوا فَادْعُوا مَسَادَ هَؤُلَاءِ الْكَافِرِينَ
إِلَّا فِي سُلَيْمٍ ۝

اور جب کہ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور لوگ تکبر والوں سے (جن کے یہ تابع تھے) کہیں گے کہ ہم تو تمہارے پیرو تھے تو کیا اب تم ہم سے اس آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو؟ (۳۷)

وہ بڑے لوگ جواب دیں گے ہم تو سبھی اس آگ میں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کر چکا ہے۔ (۳۸)

اور (تمام) جنسی مل کر جہنم کے داروغوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ کسی دن تو ہمارے عذاب میں کمی کر دے۔ (۳۹)

وہ جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے رسول مجھڑے لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں، وہ کہیں گے کہ پھر تم ہی دعا کرو^(۱) اور کافروں کی دعا محض بے اثر اور بے راہ ہے۔^(۲) (۵۰)

برزخ اور قبر ہی کی زندگی ہے۔ قیامت والے دن ان کو قبر سے نکال کر سخت ترین عذاب یعنی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ آل فرعون سے مراد فرعون اس کی قوم اور اس کے سارے پیروکار ہیں۔ یہ کہنا کہ ہمیں تو قبر میں مردہ آرام سے پڑا نظر آتا ہے اسے اگر عذاب ہو تو اس طرح نظر نہ آئے۔ لغو ہے کیونکہ عذاب کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہمیں نظر بھی آئے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح عذاب دینے پر قادر ہے۔ کیا ہم دیکھتے نہیں ہیں کہ خواب میں ایک شخص نہایت المناک مناظر دیکھ کر سخت کرب و اذیت محسوس کرتا ہے۔ لیکن دیکھنے والوں کو ذرا محسوس نہیں ہوتا کہ یہ خوابیدہ شخص شدید تکلیف سے دوچار ہے۔ اس کے باوجود عذاب قبر کا نگار، محض ہٹ دھرمی اور بے جا تحکم ہے۔ بلکہ بیداری میں بھی انسان کو جو تکالیف ہوتی ہیں وہ خود ظاہر نہیں ہوتیں بلکہ صرف انسان کا ترہنا اور تملانا ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اس صورت میں جبکہ وہ تڑپے اور تھکے۔

(۱) ہم ایسے لوگوں کے حق میں اللہ سے کیوں کر کچھ کہہ سکتے ہیں جن کے پاس اللہ کے پیغمبروں، کل و معجزات لے کر آئے لیکن انہوں نے پروا نہیں کی؟

(۲) یعنی بالآخر وہ خود ہی اللہ سے فریاد کریں گے لیکن اس فریاد کی وہاں شنوائی نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ دنیا میں ان پر حجت تمام کی جا چکی تھی۔ اب آخرت تو ایمان، توبہ اور عمل کی جگہ نہیں، وہ تو دارالجزا ہے، دنیا میں جو کچھ کیا ہو گا، اس کا نتیجہ وہاں بھگتنا ہو گا۔

إِنَّا لَنَحْصُرُ رُسُلَنَا وَتَالِيَيْنَ أَمَتُوْنَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَيَوْمَ يُقَوِّمُ الشَّهَادَةَ ۝

یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد زندگانی
دنیا میں بھی کریں گے ^(۱) اور اس دن بھی جب گواہی
دینے والے ^(۲) کھڑے ہوں گے۔ (۵۱)

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِيْنَ مَعْنَدُهُمْ وَلَهُمُ الْكَفَّةُ
وَلَهُمْ سُورُؤْ اِنْدَارٍ ۝

جس دن ظالموں کو ان کی (عذر) معذرت کچھ نفع نہ دے
گی ان کے لیے لعنت ہی ہوگی اور ان کے لیے برا گھر ہو
گا۔ ^(۳) (۵۲)

وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰى الْهُدٰى وَاَوْثَقْنَا بِئِىْ اِسْرَآءِیْلَ

ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ہدایت نامہ عطا فرمایا ^(۴) اور

(۱) یعنی ان کے دشمن کو ذلیل اور ان کو غالب کریں گے۔ بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ بعض
نبی قتل کر دیئے گئے، جیسے حضرت یحییٰ و زکریا علیہما السلام وغیرہما اور بعض ہجرت پر مجبور ہو گئے، جیسے ابراہیم علیہ السلام
اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، وعدہ امداد کے باوجود ایسا کیوں ہوا؟ دراصل
یہ وعدہ غالب حالات اور اکثریت کے اعتبار سے ہے، اس لیے بعض حالتوں میں اور بعض اشخاص پر کافروں کا غلبہ اس
کے منافی نہیں۔ یا مطلب یہ ہے کہ عارضی طور پر بعض دفعہ اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت کافروں کو غلبہ عطا فرما دیا
جاتا ہے۔ لیکن بالآخر اہل ایمان ہی غالب اور سرخ رو ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت یحییٰ و زکریا علیہما السلام کے قاتلین پر بعد
میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو مسلط فرمادیا، جنہوں نے ان کے خون سے اپنی پیاس بجھائی اور انہیں ذلیل و خوار کیا،
جن یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے کر مارنا چاہا، اللہ نے ان یہودیوں پر رومیوں کو ایسا غلبہ دیا کہ انہوں
نے یہودیوں کو خوب ذلت کا غذاب پٹکھایا۔ پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے رفقاء یقیناً ہجرت پر مجبور ہوئے، لیکن اس کے بعد
جنگ بدر، احد، احزاب، غزوہ خیبر اور پھر فتح مکہ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے جس طرح مسلمانوں کی مدد فرمائی اور اپنے
پیغمبر اور اہل ایمان کو جس طرح غلبہ عطا فرمایا، اس کے بعد اللہ کی مدد کرنے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے؟ (ابن کثیر)

(۲) اَشْهَادٌ شَہِیْدٌ (گواہ) کی جمع ہے۔ جیسے شریف کی جمع اشراف ہے۔ قیامت والے دن فرشتے اور انبیاء علیہم السلام
گواہی دیں گے یا فرشتے اس بات کی گواہی دیں گے کہ یا اللہ پیغمبروں نے تمہارا پیغام پہنچا دیا تھا لیکن ان کی امتوں نے ان
کی تکذیب کی۔ علاوہ ازیں امت محمدیہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی گواہی دیں گے۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا
ہے۔ اس لیے قیامت کو گواہوں کے کھڑا ہونے کا دن کہا گیا ہے۔ اس دن اہل ایمان کی مدد کرنے کا مطلب ہے ان کو ان
کے اچھے اعمال کی جزادی جائے گی اور انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

(۳) یعنی اللہ کی رحمت سے دوری اور پھٹکار۔ اور معذرت کا قاعدہ اس لیے نہیں ہو گا کہ وہ معذرت کی جگہ نہیں اس
لیے یہ معذرت، معذرت باطلہ ہوگی۔

(۴) یعنی نبوت اور تورات عطا کی۔ جیسے فرمایا: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ﴾ (الحائدة ۴۴)

الْكِتَابِ ﴿٥٣﴾

هُدًى وَذِكْرَىٰ لِأُولَى الْأَلْبَابِ ﴿٥٤﴾

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿٥٥﴾

إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ يَعْمُرُونَ
أَتَقْتُلُونَ فِي مَدُنِهِمُ الْأَكْبَرُ مَا هُمْ إِلَّا عَصَا
فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿٥٦﴾لَخَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ
وَلَكِنَّ أَكْثَرَالنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾

بنو اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا۔ (۵۳)

کہ وہ ہدایت و نصیحت تھی عقل مندوں کے لیے۔ (۵۴)

پس اے نبی! تو صبر کر اللہ کا وعدہ بلا شک (و شبہ) سچا ہی ہے تو اپنے گناہ کی (۵۵) معافی مانگتا رہ اور صبح شام (۵۶) اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بیان کرتا رہ۔ (۵۵)

جو لوگ باوجود اپنے پاس کسی سند کے نہ ہونے کے آیات الہی میں جھگڑا کرتے ہیں ان کے دلوں میں بجزری بڑائی کے اور کچھ نہیں وہ اس تک پہنچنے والے ہی نہیں (۵۶) سو تو اللہ کی پناہ مانگتا رہ بیشک وہ پورا سننے والا اور سب سے زیادہ دیکھنے والا ہے۔ (۵۶)

آسمان و زمین کی پیدائش یقیناً انسان کی پیدائش سے بہت بڑا کام ہے، لیکن (یہ اور بات ہے کہ) اکثر لوگ بے علم ہیں۔ (۵۷)

(۱) یعنی تورات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی باقی رہی، جس کے سلا بعد نسل وہ وارث ہوتے رہے۔ یہ کتاب سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو انبیائے بنی اسرائیل پر نازل ہوئیں، ان سب کتابوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا۔

(۲) ہُدًى وَذِكْرَىٰ، مصدر ہیں اور حال کی جگہ واقع ہیں، اس لیے منصوب ہیں۔ بمعنی ہادِ اور مَذِکِّر ہدایت دینے والی اور نصیحت کرنے والی۔ عقل مندوں سے مراد عقل سلیم کے مالک ہیں۔ کیونکہ وہی آسمانی کتابوں سے فائدہ اٹھاتے اور ہدایت و نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ تو گمراہوں کی طرح ہیں جن پر کتابوں کا بوجھ تو نہ ہوتا ہے لیکن وہ اس سے بے خبر ہوتے ہیں کہ ان کتابوں میں کیا ہے؟

(۳) گناہ سے مراد وہ چھوٹی چھوٹی لغزشیں ہیں جو بہ تقاضائے بشریت سرزد ہو جاتی ہیں، جن کی اصلاح بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کر دی جاتی ہے۔ یا استغفار بھی ایک عبادت ہی ہے۔ اجر و ثواب کی زیادتی کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا ہے، یا مقصد امت کی رہنمائی ہے کہ وہ استغفار سے بے نیاز نہ ہوں۔

(۴) عِشِیٰ نے 'وَن' کا آخری اور رات کا ابتدائی حصہ اور اَبْکَارَ سے 'ر' رات کا آخری اور دن کا ابتدائی حصہ مراد ہے

(۵) یعنی وہ لوگ جو بغیر آسمانی دلیل کے بحث و حجت کرتے ہیں، یہ محض تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، تاہم اس سے جو ان کا مقصد ہے کہ حق کمزور اور باطل مضبوط ہو، وہ ان کو حاصل نہیں ہو گا۔

(۶) یعنی پھر یہ کیوں اس بات سے انکار کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ جب کہ یہ کام

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرَةُ وَالَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الَّذِينَ كَفَرُوا قَلِيلًا
مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾

إِنَّ الشَّامَةَ لَأَمِيَّةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٩﴾

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ
يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ ذُخُرًا ﴿٦٠﴾

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ

اندھا اور بینا برابر نہیں نہ وہ سوگ جو ایمان لائے اور بھلے
کام کیے بدکاروں کے (برابر ہیں) ^(۱) تم (ہمت) کم نصیحت
حاصل کر رہے ہو۔ (۵۸)

قیامت بالیقین اور بے شبہ آنے والی ہے، لیکن (یہ اور
بات ہے کہ) ہمت سے لوگ ایمان نہیں لاتے۔ (۵۹)

اور تمہارے رب کا فرمان (سرزد ہو چکا) ہے کہ مجھ سے
دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا ^(۲) یقین مانو کہ
جو لوگ میری عبادت سے خود سری کرتے ہیں وہ ابھی
ابھی ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔ ^(۳) (۶۰)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رات بنادی کہ تم اس میں

آسمان و زمین کی تخلیق سے ہمت آسان ہے۔

(۱) مطلب ہے جس طرح بینا اور بینا برابر نہیں، اسی طرح مومن و کافر اور نیکو کار اور بدکار برابر نہیں۔ بلکہ قیامت کے
دن ان کے درمیان جو عظیم فرق ہو گا وہ بالکل واضح ہو کر سامنے آئے گا۔

(۲) گزشتہ آیت میں جب اللہ نے وقوع قیامت کا تذکرہ فرمایا تو اب اس آیت میں ایسی رہنمائی دی جا رہی ہے جسے
اعتبار کر کے انسان آخرت کی سعادتوں سے ہمکنار ہو سکے۔ اس آیت میں دعا سے اکثر مفسرین نے عبادت مراد لی ہے۔
یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ جیسا کہ حدیث میں بھی دعا کو عبادت بلکہ عبادت کا معنی قرار دیا گیا ہے۔ الدُّعَاءُ هُوَ
الْعِبَادَةُ اور الدُّعَاءُ مِثْلُ الْعِبَادَةِ (مسند احمد ۲/۲۷۱ مشکوٰۃ، الدھوات) علاوہ ازیں اس کے بعد بَسْتَغْفِرُونَ
عَنْ عِبَادَتِي کے الفاظ سے بھی واضح ہے کہ مراد عبادت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دعا سے مراد دعا ہی ہے یعنی اللہ سے
جلب نفع اور دفع ضرر کا سواں کرنا، کیونکہ دعا کے شرعی اور حقیقی معنی طلب کرنے کے ہیں، دوسرے مفہوم میں اس کا
استعمال مجازی ہے۔ علاوہ ازیں دعا بھی اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے اور حدیث مذکور کی رو سے بھی عبادت ہی ہے
کیونکہ، فوق الاسباب طریقے سے کسی سے کوئی چیز مانگنا اور اس سے سوال کرنا، یہ اس کی عبادت ہی ہے (فتح القدیر،
مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو طلب حاجات اور مدد کے لیے پکارنا جائز نہیں ہے۔
کیونکہ اس طرح، فوق الاسباب طریقے سے کسی کو حاجت روائی کے لیے پکارنا اس کی عبادت ہے اور عبادت اللہ کے
سوا کسی کی جائز نہیں۔

(۳) یہ اللہ کی عبادت سے انکار و اعراض یا اس میں دوسروں کو بھی شریک کرنے والوں کا انجام ہے۔

مُبْهِمَاتٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُفْضِلُ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمُ النَّاسُ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۰﴾

ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَالِقَ الْإِصْبَاحِ ۖ يَخْرِقُ الْوُجُوهَ ۖ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَالِئِنْ تَوَلَّيْتُمْ ۖ

كَذَٰلِكَ يُؤْفِكُ الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْعَدُونَ ﴿۳۱﴾

اللَّهُ الْكَوْنِ ۖ يَجْعَلُ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَ السَّمَاءَ بَنَاءً ۖ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۖ وَرَزَقَكُمْ مِنْ النَّعْلَتَيْنِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَتَبَرَّأُوا لِلَّهِ رَبِّ السَّالْمِينَ ﴿۳۲﴾

آرام حاصل کرو^(۱) اور دن کو دیکھنے والا بنادیا،^(۲) بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل و کرم دانا ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزاری نہیں کرتے۔^(۳) (۶۱)

یہی اللہ ہے تم سب کا رب ہر چیز کا خالق اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر کہاں تم پھرے جاتے ہو۔^(۴) (۶۲)

اسی طرح وہ لوگ بھی پھیرے جاتے رہے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ (۶۳)

اللہ ہی ہے^(۵) جس نے تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ^(۶) اور آسمان کو چھت بنادیا^(۷) اور تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں^(۸) اور تمہیں عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو عطا فرمائیں،^(۹) یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، پس بہت ہی برکتوں والا اللہ ہے سارے جہان کا پرورش کرنے والا۔ (۶۴)

(۱) یعنی رات کو تاریک بنایا، تاکہ کاروبار زندگی معطل ہو جائیں اور لوگ امن و سکون سے سو سکیں۔

(۲) یعنی روشن بنایا تاکہ معاشی محنت اور محک و دود میں تکلیف نہ ہو۔

(۳) اللہ کی نعمتوں کا، اور نہ ان کا اعتراف ہی کرتے ہیں۔ یا تو کفر و مجہد کی وجہ سے، جیسا کہ کافروں کا شیوہ ہے۔ یا منعم کے واجبہ شکر سے اہمال و غفلت کی وجہ سے، جیسا کہ جاہلوں کا شعار ہے۔

(۴) یعنی پھر تم اس کی عبادت سے کیوں بد کہتے ہو اور اس کی توحید سے کیوں پھرتے اور اٹھتے ہو۔

(۵) آگے نعمتوں کی کچھ قسمیں بیان کی جا رہی ہیں تاکہ اللہ کی قدرت کاملہ بھی واضح ہو جائے اور اس کا بلا شرکت غیرے معبود ہونا بھی۔

(۶) جس میں تم رہتے، چلتے پھرتے، کاروبار کرتے اور زندگی گزارتے ہو، پھر بالآخر موت سے ہٹکار ہو کر قیامت تک کے لیے اسی میں آسودہ خواب رہتے ہو۔

(۷) یعنی قائم اور ثابت رہنے والی چھت۔ اگر اس کے گرنے کا اندیشہ رہتا تو کوئی شخص آرام کی نیند سو سکتا تھا نہ کسی کے لیے کاروبار حیات کرنا ممکن ہوتا۔

(۸) جتنے بھی روئے زمین پر حیوانات ہیں، ان سب میں (تم) انسانوں کو سب سے زیادہ خوش شکل اور متناسب الاعضا بنایا ہے۔

(۹) یعنی اقسام و انواع کے کھانے تمہارے لیے مہیا کیے، جو لذیذ بھی ہیں اور قوت بخش بھی۔

مَوْحِيٍّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ قَادِرٌ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
لَهُ الْيُسْرَىٰ أَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ سِوَايَ مِنْ دُونِ
اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِيَ الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّي وَأُمِرْتُ أَنْ
أَسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَوْفَاةٌ
تُسْمِيهِمْ كَلِمَ طِفْلٍ لَا تَشْعُرُونَ أَشَدُّكُمْ تَعْلَمُونَ أَسْمَا

وہ زندہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم خالص
اسی کی عبادت کرتے ہوئے اسے پکارو^(۱) تمام خوبیاں
اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ (۶۵)
آپ کہہ دیجئے! کہ مجھے ان کی عبادت سے روک دیا گیا
ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پکار رہے ہو،^(۲) اس بنا پر کہ
میرے پاس میرے رب کی دلیلیں پہنچ چکی ہیں مجھے یہ
حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے رب کا تابع فرمان
ہو جاؤں۔^(۳) (۶۶)

وہ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پھر نطفے سے^(۴) پھر
خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا پھر تمہیں بچہ کی صورت
میں نکالتا ہے، پھر (تمہیں بڑھاتا ہے کہ) تم اپنی پوری

(۱) یعنی جب سب کچھ کرنے والا اور دینے والا وہی ہے۔ دو سرا کوئی بنانے میں شریک ہے نہ اختیارات میں۔ تو پھر
عبادت کا مستحق بھی صرف ایک اللہ ہی ہے دو سرا کوئی اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ استدعا و استغاثہ بھی اسی سے کرو
کہ وہی سب کی فریادیں اور التجائیں سننے پر قادر ہے۔ دو سرا کوئی بھی بافوق الاسباب طریقے سے کسی کی بات سننے پر قادر
ہی نہیں ہے، جب یہ بات ہے تو دوسرے مشکل کشائی اور حاجت روائی کس طرح کر سکتے ہیں؟

(۲) چاہے وہ پھر کی صورتیں ہوں، انبیاء علیہم السلام اور صلحاہوں اور قبروں میں مدفون اشخاص ہوں۔ مدد کے لیے کسی کو
مت پکارو، ان کے ناموں کی نذر نیاز مت دو، ان کے ورد نہ کرو، ان سے خوف مت کھاؤ اور ان سے امیدیں وابستہ نہ
کرو۔ کیوں کہ یہ سب عبادت کی قسمیں ہیں جو صرف ایک اللہ کا حق ہے۔

(۳) یہ وہی عقلی اور نقلی دلائل ہیں جن سے اللہ کی توحید یعنی اللہ کے واحد الہ اور رب ہونے کا ثبوت ہوتا ہے جو
قرآن میں جا بجا ذکر کیے گئے ہیں اسلام کے معنی ہیں اطاعت و انقیاد کے لیے جھک جانا، سر اطاعت خم کر دینا۔ یعنی اللہ کے
احکام کے سامنے میں جھک جاؤں، ان سے سر تابی نہ کروں۔ آگے پھر توحید کے کچھ دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔

(۴) یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا جو ان کی تمام اولاد کے مٹی سے پیدا ہونے کو مستلزم ہے۔ پھر اس
کے بعد نسل انسانی کے تسلسل اور اس کی بقا و تحفظ کے لیے انسانی تخلیق کو نطفے سے وابستہ کر دیا اب ہر انسان اس نطفے
سے پیدا ہوتا ہے جو صلب پدر سے رحم مادر میں جا کر قرار پکڑتا ہے۔ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کی
پیدائش معجزانہ طور پر بغیر باپ کے ہوئی۔ جیسا کہ قرآن کریم کی بیان کردہ تفصیلات سے واضح ہے اور جس پر امت مسلمہ
کا اجماع ہے۔

وَمِنْكُمْ مَنْ يَتُوتَىٰ مِنْ قُبُلٍ وَيَمْشُوا أَعْمَالَهُمْ شَعَىٰ وَالْعُلَمَاءُ
تَعْقِلُونَ ﴿۵﴾

هُوَ الَّذِي يُعْجِبُ وَيُسَيِّتُ ۖ وَإِذَا أَقْبَضَ عَسْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ
كُنْ فَيَكُونُ ﴿۶﴾

الْعَرَبُ إِلَى الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ ۚ إِنَّا لَنَبْلُوَنَّكَ
يُضْرَفُونَ ﴿۷﴾

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَمَا أُرْسِلُوا بِهِ رُسُلُنَا
فَنُوفَ يَعْلَمُونَ ﴿۸﴾

قوت کو پہنچ جاؤ پھر پروڑھے ہو جاؤ۔^(۱) تم میں سے بعض
اس سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں،^(۲) (وہ تمہیں چھوڑ
دیتا ہے) تاکہ تم مدت معین تک پہنچ جاؤ،^(۳) اور تاکہ تم
سوچ سمجھ لو۔^(۴) (۶۷)

وہی ہے جو جلاتا ہے اور مار ڈالتا ہے،^(۵) پھر جب وہ کسی
کام کا کرنا مقرر کرتا ہے تو اسے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا
پس وہ ہو جاتا ہے۔^(۶) (۶۸)

کیا تو نے انہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے
ہیں،^(۷) وہ کہاں پھیر دیے جاتے ہیں۔^(۸) (۶۹)

جن لوگوں نے کتاب کو جھٹلایا اور اسے بھی جو ہم نے
اپنے رسولوں کے ساتھ بھیجا انہیں ابھی ابھی حقیقت
حال معلوم ہو جائے گی۔ (۷۰)

(۱) یعنی ان تمام کیفیتوں اور اطوار سے گزارنے والا وہی اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

(۲) یعنی رحم مادر میں مختلف ادوار سے گزر کر باہر آنے سے پہلے ہی ماں کے پیٹ میں، بعض بچپن میں، بعض جوانی میں
اور بعض بڑھاپے سے قبل کمالت میں فوت ہو جاتے ہیں۔

(۳) یعنی اللہ تعالیٰ یہ اس لیے کرتا ہے تاکہ جس کی جتنی عمر اللہ نے لکھ دی ہے، وہ اس کو پہنچ جائے۔ اور اتنی زندگی دنیا
میں گزار لے۔

(۴) یعنی جب تم ان اطوار اور مراحل پر غور کرو گے کہ نطفے سے ملتے، پھر مضغ، پھر بچہ، پھر جوانی، کموت اور بڑھاپا، تو
تم جان لو گے کہ تمہارا رب بھی ایک ہی ہے اور تمہارا معبود بھی ایک، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی
سمجھ لو گے کہ جو اللہ یہ سب کچھ کرنے والا ہے، اس کے لیے قیامت والے دن انسانوں کو دوبارہ زندہ کر دینا بھی مشکل
نہیں ہے اور وہ یقیناً سب کو زندہ فرمائے گا۔

(۵) زندہ کرنا اور مارتا، اسی کے اختیار میں ہے۔ وہ ایک بے جان نطفے کو مختلف اطوار سے گزار کر ایک زندہ انسان کے
روپ میں ڈھال دیتا ہے۔ اور پھر ایک وقت مقررہ کے بعد اس زندہ انسان کو مار کر موت کی وادیوں میں سدا دیتا ہے۔

(۶) اس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ اس کے لفظ کمن (ہو جا) سے وہ چیز معرض وجود میں آ جاتی ہے، جس کا وہ ارادہ کرے۔

(۷) انکار و تکذیب کے لیے یا اس کے رد و ابطال کے لیے۔

(۸) یعنی ظہور دلائل اور وضوح حق کے باوجود وہ کس طرح حق کو نہیں مانتے۔ یہ تعجب کا اظہار ہے۔

إِذَا الْخُلُوفُ فِيْ أَعْنَاقِهِمْ وَالْأَسْهَلُ يَتَّبِعُونَ ﴿٤١﴾

فِي الْخَبِيرَةِ تَتَّبِعُ النَّارُ يَجْرُونَ ﴿٤٢﴾

لَهُمْ فِيْهَا أَهْلٌ أَمِنْ مَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٤٣﴾

وَمِنْ دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَلْ لَمْ تَكُنْ مِنْ دُعَاوِيْهِمْ

قَبْلَ شَيْءٍ أَتَىٰكَ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ﴿٤٤﴾

ذَلِكَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٤٥﴾ فِي الْأَرْضِ يَتَّبِعُوا الْحَقَّ وَبَيْنَا

كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٤٦﴾

جب کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی گھسیٹے جائیں گے۔ (۴۱)

کھولتے ہوئے پانی میں اور پھر جنم کی آگ میں جلائے جائیں گے۔ (۴۲)

پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ جنہیں تم شریک کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ (۴۳)

جو اللہ کے سوا تھے (۴۱) وہ کہیں گے کہ وہ تو ہم سے ہمک گئے (۴۲) بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی کو بھی پکارتے ہی نہ تھے۔ (۴۳) اللہ تعالیٰ کافروں کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے۔ (۴۴)

یہ بدلہ ہے اس چیز کا جو تم زمین میں ناحق پھولے نہ سالتے تھے۔ اور (بے جا) اتراتے پھرتے تھے۔ (۴۵)

(۱) یہ وہ نقشہ ہے جو جنم میں ان مکذبین کا ہو گا۔

(۲) مجاہد اور مقاتل کا قول ہے کہ ان کے ذریعے سے جنم کی آگ بھڑکائی جائے گی یعنی یہ لوگ اس کا بیدار بنے ہوئے۔

(۳) کیا وہ آج تمہاری مدد کر سکتے ہیں؟

(۴) یعنی پتہ نہیں کہاں چلے گئے ہیں 'وہ ہماری مدد کیا کریں گے؟

(۵) اقرار کرنے کے بعد 'پھر ان کی عبادت کا ہی انکار کر دیں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿وَاللَّهُ يَتَذَكَّرُ أَلْفًا مِّنْ دُونِ الْحَسَنِ﴾

مُشْفِئِينَ ﴿۲۳﴾ 'اللہ کی قسم! ہم تو کسی کو شریک ٹھہراتے ہی نہیں تھے۔' کہتے ہیں کہ یہ بتوں کے وجود اور ان کی عبادت کا انکار نہیں ہے بلکہ اس بات کا اعتراف ہے کہ ان کی عبادت باطل تھی کیونکہ وہاں ان پر واضح ہو جائے گا کہ وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے رہے جو سن سکتی تھیں نہ دیکھ سکتی تھیں اور نقصان پہنچا سکتی تھیں نہ نفع۔ (فتح القدیر) اور اس کا دوسرا معنی واضح ہے اور وہ یہ کہ وہ شرک کا سرے سے انکار ہی کریں گے۔

(۶) یعنی ان مکذبین ہی کی طرح 'اللہ تعالیٰ کافروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلسل مکذیب اور کفر یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے انسانوں کے دل سیاہ اور زنگ آلود ہو جاتے ہیں اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے قیوں حق کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں۔

(۷) یعنی تمہاری یہ گمراہی اس بات کا نتیجہ ہے کہ تم کفر و مکذیب اور فسق و فجور میں اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ ان پر تم خوش ہوتے اور اتراتے تھے۔ اترانے میں مزید خوشی کا اظہار ہے جو تکبر کو مستلزم ہے۔

ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ فَبِمَا كَفَرْتُمْ مَشْهُوَ
الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۵۱﴾

فَأَصْبَحْتَ وَبَعْدَ اللَّوْحِ ۚ وَأَمَّا نُرُوتُكَ بَعْضَ الْيَوْمِ
نُودُ هُمْ أَوْ تَوَفِّيكَ ۚ وَالْيَنَابُوتُ جَمُونَ ﴿۵۲﴾

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا مِنْ قَبْلِكَ وَمِنْهُمْ مَنْ تَعَصَّيْنَاكَ
وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ تَعْصِ عَيْنَكَ وَمَا كَانَ لِيُؤْتِلَ أَنْ يَأْتِيَ
بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ فَآذَا جَاءَ أَمْرًا لَوْ تَفْهِي بِالْمَنْ وَخَيْرَ
هَذَا لَكَ الْمُتَجَلُونَ ﴿۵۳﴾

(اب آؤ) جنم میں ہمیشہ رہنے کے لیے (اس کے)
دروازوں میں داخل ہو جاؤ، کیا ہی بری جگہ ہے تکبر
کرنے والوں کی۔ (۵۱)

پس آپ صبر کریں اللہ کا وعدہ قطعاً سچا ہے، (۵۲) انہیں ہم
نے جو وعدے دے رکھے ہیں ان میں سے کچھ ہم آپ کو
دکھائیں (۵۳) یا (اس سے پہلے) ہم آپ کو وفات دے
دیں، ان کا لوٹایا جانا تو ہماری ہی طرف ہے۔ (۵۴)

یقیناً ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں
جن میں سے بعض کے (واقعات) ہم آپ کو بیان کر چکے
ہیں اور ان میں سے بعض کے (قصے) تو ہم نے آپ کو
بیان ہی (۵۵) نہیں کیے اور کسی رسول کا یہ (مقدور) نہ تھا
کہ کوئی معجزہ اللہ کی اجازت کے بغیر لاسکے (۵۶) پھر جس

(۱) یہ جنم پر مقرر فرشتے، اہل جنم کو کہیں گے۔

(۲) کہ ہم کافروں سے انتقام لیں گے۔ یہ وعدہ جلدی بھی پورا ہو سکتا ہے یعنی دنیا میں ہی ہم ان کی گرفت کریں یہ
حسب مشیت الہی تاخیر بھی ہو سکتی ہے، یعنی قیامت والے دن ہم انہیں سزا دیں۔ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ یہ اللہ کی
گرفت سے بچ کر کہیں جا نہیں سکتے۔

(۳) یعنی آپ کی زندگی میں ان کو جلائے عذاب کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ نے کافروں سے انتقام لے کر مسلمانوں
کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا، جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے، ۸ ہجری میں مکہ فتح ہو گیا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
حیات مبارکہ میں ہی پورا جزیرہ عرب مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا۔

(۴) یعنی اگر کافر دنیوی مؤاخذہ و عذاب سے بچ بھی گئے تو آخر جائیں گے کہاں؟ آخر میرے پاس ہی آئیں گے، جہاں
ان کے لیے سخت عذاب تیار ہے۔

(۵) اور یہ تعداد میں، بہ نسبت ان کے جن کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ بہت زیادہ ہیں۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں تو
صرف ۲۵ انبیاء و رسل کا ذکر اور ان کی قوموں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

(۶) آیت سے مراد یہاں معجزہ اور خرق عادت واقعہ ہے، جو پیغمبر کی صداقت پر دلالت کرے۔ کفار، پیغمبروں سے مطالبے
کرتے رہے کہ ہمیں فلاں فلاں چیز دکھاؤ، جیسے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار مکہ نے کئی چیزوں کا مطالبہ کیا، جس کی
تفصیل سورہ اہنی اسرائیل ۹۰-۹۳ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ کسی پیغمبر کے اختیار میں یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی قوموں

وقت اللہ کا حکم آئے گا^(۱) حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا^(۲) اور اس جگہ اہل باطل خسارے میں رہ جائیں گے۔ (۷۸)

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے^(۳) جن میں سے بعض پر تم سوار ہوتے ہو اور بعض کو تم کھاتے ہو۔^(۴) (۷۹)

اور بھی تمہارے لیے ان میں بہت سے نفع ہیں^(۵) اور تاکہ اپنے سینوں میں چھپی ہوئی حاجتوں کو انہی پر سواری

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْفُسَ لَعَلَّكُمْ تُؤْمِنُونَ
وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۷۹﴾

وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَلَكَةً
فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا تَعْلُونَ لَعَلَّكُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۸۰﴾

کے مطالبے پر ان کو کوئی معجزہ صادر کر کے دکھلا دے۔ یہ صرف ہمارے اختیار میں تھا، بعض نبیوں کو تو ابتدا ہی سے معجزے دے دیے گئے تھے۔ بعض قوموں کو ان کے مطالبے پر معجزہ دکھلایا گیا اور بعض کو مطالبے کے باوجود نہیں دکھایا گیا۔ ہماری مشیت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا۔ کسی نبی کے ہاتھ میں یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ جب چاہتا، معجزہ صادر کر کے دکھلا دیتا۔ اس سے ان لوگوں کی واضح تردید ہوتی ہے، جو بعض اولیاء کی طرف یہ باتیں منسوب کرتے ہیں کہ وہ جب چاہتے اور جس طرح کا چاہتے، خرق عادت اسور (کرامات) کا اظہار کر دیتے تھے۔ جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی کے لیے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ سب من گھڑت قصے کہانیاں ہیں، جب اللہ نے پیغمبروں کو یہ اختیار نہیں دیا، جن کو اپنی صداقت کے ثبوت کے لیے اس کی ضرورت بھی تھی تو کسی ولی کو یہ اختیار کیوں کر مل سکتا ہے؟ بالخصوص جب کہ ولی کو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے اس لیے معجزہ ان کی ضرورت تھی۔ لیکن اللہ کی حکمت و مشیت اس کی مقتضی نہ تھی اس لیے یہ قوت کسی نبی کو نہیں دی گئی۔ ولی کی ولایت پر ایمان رکھنا ضروری نہیں ہے اس لیے انہیں معجزے اور کرامات کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ یہ اختیار بلا ضرورت کیوں عطا کر سکتا ہے؟

(۱) یعنی دنیا یا آخرت میں جب ان کے عذاب کا وقت معین آجائے گا۔

(۲) یعنی ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اہل حق کو نجات اور اہل باطل کو عذاب۔

(۳) اللہ تعالیٰ اپنی ان گنت نعمتوں میں سے بعض نعمتوں کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ چوپائے سے مراد اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ ہے۔ یہ زراعت کا آٹھ ہیں جیسا کہ سورۃ الأنعام ۱۳۳-۱۳۴ میں ہے۔

(۴) یہ سواری کے کام میں بھی آتے ہیں، ان کا دودھ بھی پیا جاتا ہے (جیسے بکری، گائے اور اونٹنی کا دودھ) ان کا گوشت انسان کی مرغوب ترین غذا ہے اور بار برداری کا کام بھی ان سے لیا جاتا ہے۔

(۵) جیسے ان سب کے اون اور بالوں سے اور ان کی کھالوں سے کئی چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ ان کے دودھ سے کھج، مکھن، پنیر وغیرہ بھی بنتی ہیں۔

کر کے تم حاصل کر لو اور ان چوپایوں پر اور کشتیوں پر
سوار کئے جاتے ہو۔^(۸۰)

اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا جا رہا ہے،^(۸۱) پس تم اللہ کی
کن کن نشانوں کا منکر بننے رہو گے۔^(۸۲)

کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر اپنے سے پہلوں کا
انجام نہیں دیکھا؟^(۸۳) جو ان سے تعداد میں زیادہ تھے
قوت میں سخت اور زمین میں بہت ساری یادگاریں
چھوڑی تھیں،^(۸۴) ان کے کیے کاموں نے انہیں کچھ بھی
فائدہ نہ پہنچایا۔^(۸۵)

پس جب کبھی ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں
لے کر آئے تو یہ اپنے پاس کے علم پر اترانے لگے،^(۸۶)
بالآخر جس چیز کو مذاق میں ازار ہے تھے وہی ان پر الٹ
پڑی۔^(۸۷)

وَيُوبِكُمُ إِلَهُكُمْ فَكَأَنِّي إِلَهُكُمْ تُشْكِرُونَ ﴿٨٠﴾

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا أَكْثَرُ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً
وَإِنَّا فِي الْأَرْضِ لَمَّا آخِضِينَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٨١﴾

فَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولُهُمْ رَاغِبِينَ إِلَيْهِمْ مِنْ الْعِلْمِ
وَحَقَّ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٨٢﴾

(۱) ان سے مراد بچے اور عورتیں ہیں جنہیں ہودج سمیت اونٹ وغیرہ پر بٹھادیا جاتا تھا۔

(۲) جو اس کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ نشانیاں آفاق میں ہی نہیں ہیں تمہارے نفسوں کے اندر بھی ہیں۔

(۳) یعنی یہ اتنی واضح عام اور کثیر ہیں جن کا کوئی منکر انکار کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ یہ استفہام انکار کے لیے ہے۔

(۴) یعنی جن قوموں نے اللہ کی نافرمانی اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی یہ ان کی بستیوں کے آثار اور کھنڈرات تو
دیکھیں جو ان کے علاقوں میں ہی ہیں کہ ان کا کیا انجام ہوا؟

(۵) یعنی عمارتوں، کارخانوں اور کھیتوں کی شکل میں ان کے کھنڈرات واضح کرتے ہیں کہ وہ کارگیری کے میدان
میں بھی تم سے بڑھ کر تھے۔

(۶) فَتَدَّ أَغْسَى میں تانا استفہامیہ بھی ہو سکتا ہے اور تافیر بھی۔ تافیر کا مفہوم تو ترجمے سے واضح ہے۔ استفہامیہ کی رو
سے مطلب ہو گا۔ ان کو کیا فائدہ پہنچایا؟ مطلب وہی ہے کہ ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہیں آئی۔

(۷) علم سے مراد ان کے خود ساختہ مزعومات، توہمات، شبہات اور باطل دعوے ہیں۔ انہیں علم سے بطور استہزاء تعبیر
فرمایا وہ چونکہ انہیں علمی دلائل سمجھنے تھے ان کے خیال کے مطابق ایسا کہا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی باتوں
کے مقابلے میں یہ اپنے مزعومات و توہمات پر اترتے اور فخر کرتے رہے۔ یا علم سے مراد دنیوی باتوں کا علم ہے یہ احکام و
فرائض الہی کے مقابلے میں انہی کو ترجیح دیتے رہے۔

فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا امْكُتِبْ عَلَيْنَا مِثْلُ مَا عَلَّمَ اللَّهُ وَكُفِّرْنَا بِنَا
كُتَابَهُ مُنْذَرِ كَيْفَ ۝

فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا امْكُتِبْ عَلَيْنَا مِثْلُ مَا عَلَّمَ اللَّهُ
وَكَفِّرْنَا بِنَا كُتَابَهُ مُنْذَرِ كَيْفَ ۝

سُورَةُ هَجَلِ الشَّجَرَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

خَمْرٌ ۝ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

ہمارا عذاب دیکھتے ہی کہنے لگے کہ اللہ واحد پر ہم ایمان
لائے اور جن جن کو ہم اس کا شریک بنا رہے تھے ہم نے
ان سب سے انکار کیا۔ (۸۴)

لیکن ہمارے عذاب کو دیکھ لینے کے بعد ان کے ایمان
نے انہیں نفع نہ دیا۔ اللہ نے اپنا معمول یہی مقرر کر رکھا
ہے جو اس کے بندوں میں برابر چلا آ رہا ہے ^(۱) اور اس
جگہ کافر خراب و خست ہوئے۔ ^(۲) (۸۵)

سورۃ حم السجدة کی ہے اور اس میں چون آیتیں اور
چھ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

حم۔ (۱) اتاری ہوئی ہے بڑے مہربان بہت رحم والے کی
طرف سے۔ (۲)

(۱) یعنی اللہ کا یہ معمول چلا آ رہا ہے کہ عذاب دیکھنے کے بعد توبہ اور ایمان مقبول نہیں۔ یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد
جگہ بیان ہوا ہے۔

(۲) یعنی معاینہ عذاب کے بعد ان پر واضح ہو گیا کہ اب سوائے خسارے اور ہلاکت کے ہمارے مقدر میں کچھ نہیں۔
☆ اس سورت کا دوسرا نام فَصَّلَتْ ہے۔ اس کی شان نزول کی روایات میں بتلایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ سرداران قریش نے
باہم مشورہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیروکاروں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہی ہو رہا ہے، ہمیں اس کے سدباب کے
لیے ضرور کچھ کرنا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے میں سے سب سے زیادہ مبلغ و فصیح آدمی ”عقبہ بن ربیعہ“ کا انتخاب کیا، کہ وہ
آپ ﷺ سے گفتگو کرے۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں گیا اور آپ ﷺ پر عربوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کا
الزام عائد کر کے پیشکش کی کہ اس نئی دعوت سے اگر آپ ﷺ کا مقصد مال و دولت کا حصول ہے تو وہ ہم جمع کیے دیتے ہیں،
قیادت و سیادت منوانا چاہتے ہیں تو آپ ﷺ کو ہم اپنا لیڈر اور سردار بن لیتے ہیں، کسی حسین عورت سے شادی کرنا چاہتے
ہیں تو ایک نہیں ایسی دس عورتوں کا نظام ہم کر دیتے ہیں اور اگر آپ ﷺ پر آسیب کا اثر ہے جس کے تحت آپ ﷺ
ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں تو ہم اپنے خرچ پر آپ ﷺ کا علاج کر دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کی تمام باتیں سن کر اس

كَيْتَبُ فُصِّلَتْ إِلَيْهِ فَرَأَى عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥﴾

بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ فَأَعْرَضَ الْأَنْفُسَ كَلِمَةً لَّهُمْ لِيَسْتَعْمِلُوا ﴿٦﴾

وَقَالُوا خُلُوْا بِنَا فِيْ كَيْتَبٍ وَمَنْ لَّنَا إِلَٰهٌ وَفِيْ أَذَانِنَا أَوْفُوْا

وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنَكَ جَبَلٌ فَاَعْمَلْ بِنَا غُلُوْا ﴿٧﴾

(ایسی) کتاب ہے جس کی آیتوں کی واضح تفصیل کی گئی ہے^(۱) (اس حال میں کہ) قرآن عربی زبان میں ہے^(۲)

اس قوم کے لیے جو جانتی ہے۔^(۳)

خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا^(۴) ہے، پھر بھی ان کی اکثریت نے منہ پھیر لیا اور وہ سنتے ہی نہیں۔^(۵)

اور انہوں نے کہا کہ تو جس کی طرف ہمیں بلا رہا ہے ہمارے دل تو اس سے پردے میں ہیں^(۶) اور ہمارے

کانوں میں گرائی ہے^(۷) اور ہم میں اور تجھ میں ایک حجاب ہے، اچھا تو اب اپنا کام کیے جا، ہم بھی یقیناً کام کرنے

والے ہیں۔^(۸)

سورت کی تلاوت اس کے سامنے فرمائی، جس سے وہ بڑا متاثر ہوا۔ اس نے واپس جا کر سردارانِ قریش کو بتدیا کہ وہ جو چیز پیش کرتا ہے وہ جادو اور کمانت ہے نہ شعر و شاعری۔ مطلب اس کا آپ ﷺ کی دعوت پر سردارانِ قریش کو غورو فکر کی دعوت دیتا تھا۔ لیکن وہ غورو فکر کیا کرتے؟ الناصبہ پر الزام لگا دیا کہ تو بھی اس کے محرک اسیر ہو گیا ہے۔ یہ روایات مختلف انداز سے اہل سیر و تفسیر نے بیان کی ہیں۔ امام ابن کثیر اور امام شوکانی نے بھی انہیں نقل کیا ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں ”یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قریش کا اجتماع ضرور ہوا، انہوں نے عتبہ کو تنگی کے لیے بھیجا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس سورت کا ابتدائی حصہ سنایا۔“

(۱) یعنی کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ یا طاعات کیا ہیں اور معاصی کیا؟ یا ثواب والے کام کون سے ہیں اور عقاب والے کون سے؟

(۲) یہ حال ہے یعنی اس کے الفاظ عربی ہیں، جن کے معانی مفصل اور واضح ہیں۔

(۳) یعنی جو عربی زبان، اس کے معانی و مفہیم اور اس کے اسرار و اسلوب کو جانتی ہے۔

(۴) ایمان اور اعمال صالحہ کے حاملین کو کامیابی اور جنت کی خوش خبری سنانے والا اور مشرکین و مکذبین کو عذابِ نار سے ڈرانے والا۔

(۵) یعنی غورو فکر اور تدبر و تعقل کی نیت سے نہیں سنتے کہ جس سے انہیں فائدہ ہو۔ اسی لیے ان کی اکثریت ہدایت سے محروم ہے۔

(۶) اَکِنَّةٌ، کِنَان کی جمع ہے۔ پردہ۔ یعنی ہمارے دل اس بات سے پردوں میں ہیں کہ ہم تیری توحید و ایمان کی دعوت کو سمجھ سکیں۔

(۷) وَفُوْا کے اصل معنی بوجھ کے ہیں، یہاں مراد بہرا پن ہے، جو حق کے سننے میں مانع تھا۔

(۸) یعنی ہمارے اور تیرے درمیان ایسا پردہ حائل ہے کہ تو جو کہتا ہے، وہ سن نہیں سکتے اور جو کرتا ہے، اسے دیکھ

آپ کہہ دیجئے! کہ میں تو تم ہی جیسا انسان ہوں مجھ پر
وحی نازل کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک اللہ ہی
ہے^(۱) سو تم اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے
گناہوں کی معافی چاہو اور ان شرکوں کے لیے (بڑی
عی) خرابی ہے۔ (۶)

جو زکوٰۃ نہیں دیتے^(۲) اور آخرت کے بھی منکر ہی رہتے
ہیں۔ (۷)

بیشک جو لوگ ایمان لائیں اور بھلے کام کریں ان کے
لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔^(۳) (۸)

آپ کہہ دیجئے! کہ کیا تم اس (اللہ) کا انکار کرتے ہو اور تم
اس کے شریک مقرر کرتے ہو جس نے دودن میں زمین پیدا
کر دی،^(۴) سارے جہانوں کا پروردگار وہی ہے۔ (۹)

قُلْ إِنَّمَا آتَا بَشَرٌ مِّثْلُ مَا يُؤْتَىٰ ۚ إِنَّ أَكْمَلَ الْمَكْرُوهِ ۚ وَاجِدْ
فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۚ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ ۚ وَذَلِ لِلْمُذْكَرِينَ ۝

الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيَصِرُوا لِلْآخِرَةِ عُزْرَةً ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۝

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝

قُلْ إِنَّمَا لَكُمْ الدِّينُ الَّذِي بَلَغَ رُسُلُنَا ۚ فَلَاحِظْ بَيْنَ يَدَيْكَ
وَتَجْمَعُونَ لَهُ ۚ أُنْزِلَ إِلَيْكَ ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝

نہیں سکتے۔ اس لیے تو ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دے اور ہم تجھے تیرے حال پر چھوڑ دیں، تو ہمارے دین پر عمل نہیں
کرتا، ہم تیرے دین پر عمل نہیں کر سکتے۔

(۱) یعنی میرے اور تمہارے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے۔ مجزوحی الہی کے۔ پھر یہ بعد و حجاب کیوں؟ علاوہ ازیں میں جو
دعوت تو حید پیش کر رہا ہوں، وہ بھی ایسی نہیں کہ عقل و فہم میں نہ آسکے، پھر اس سے اعراض کیوں؟

(۲) یہ سورت مکی ہے۔ زکوٰۃ ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئی۔ اس لیے اس سے مراد یا تو صدقات ہیں جس کا حکم
مسلمانوں کو مکے میں بھی دیا جاتا رہا، جس طرح پہلے صرف مہج و شام کی نماز کا حکم تھا، پھر ہجرت سے ذیضہ سن قبل لیلۃ
الاسراء کو پانچ فرض نمازوں کا حکم ہوا۔ یا پھر زکوٰۃ سے یہاں مراد کلمہ شہادت ہے، جس سے نفس انسانی شرک کی
آلودگیوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

(۳) ﴿أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ﴾ کا وہی مطلب ہے جو ﴿حَقًّا عَنِ عِدَّتِي﴾ (ہود ۱۰۸) کا ہے۔ یعنی نہ ختم ہونے والا اجر

(۴) قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے کہ ”اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا“ یہاں اس کی
کچھ تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔ فرمایا، زمین کو دو دن میں بنایا۔ اس سے مراد ہیں: یَوْمَ الْأَحَدِ (اتوار) اور یَوْمَ الْاِثْنَيْنِ
(پیر) سورۃ نازعات میں کہا گیا ہے ﴿وَالْاَرْضُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ذَاتُ سَبْعِ سَاعَاتٍ﴾ جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمان کے بعد بنایا
گیا ہے جب کہ یہاں زمین کی تخلیق کا ذکر آسمان کی تخلیق سے پہلے کیا گیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی
وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ تخلیق اور چیز ہے اور دُحًی جو اصل میں دُخُو ہے (بچھانا یا پھیلاتا) اور چیز زمین کی

وَجَعَلَ فِيهَا نَادِيًا مِّنْ قَوْفٍ وَبَرَكًا فِيهَا وَقَدَرِيعًا
أَقْوَمَ نَادِيًا أَرْبَعَةَ أَثَاوٍ سَوَاءٍ لِّلشَّادِيَيْنِ ۝

اور اس نے زمین میں اس کے اوپر سے پہاڑ گاڑ دیئے^(۱) اور اس میں برکت رکھ دی^(۲) اور اس میں (رہنے والوں کی) غذاؤں کی تجویز بھی اسی میں کر دی^(۳) (صرف) چار دن میں^(۴) ضرورت مندوں کے لیے یکساں طور پر۔^(۵) (۱۰)

لَمَّا اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ
اِئْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعَتَيْنِ ۝

پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں (سا) تھا پس اسے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے۔^(۶) دونوں نے عرض کیا ہم بخوشی حاضر ہیں۔ (۱۱)

فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَلْسَلَاتٍ فِي يَوْمٍ ذِي قُوَّةٍ وَأَوْصَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا

پس دو دن میں سات سات بنا دیئے اور ہر آسمان میں

تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی جیسا کہ یہاں بھی بیان کیا گیا ہے اور دُخُو کا مطلب ہے کہ زمین کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے اس میں پانی کے ذخائر رکھے گئے اسے پیداواری ضروریات کا مخزن بنایا گیا۔ ﴿اِئْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا﴾ اس میں پہاڑ نیلے اور جمادات رکھے گئے۔ یہ عمل آسمان کی تخلیق کے بعد دوسرے دو دنوں میں کیا گیا۔ یوں زمین و اس کے متعلقات کی تخلیق پورے چار دنوں میں مکمل ہوئی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ حم السجدة)

(۱) یعنی پہاڑوں کو زمین میں سے ہی پیدا کر کے ان کو اس کے اوپر گاڑ دیا تاکہ زمین ادھر یا ادھر نہ ڈولے۔

(۲) یہ اشارہ ہے پانی کی کثرت، انواع و اقسام کے رزق، معدنیات اور دیگر اسی قسم کی اشیاء کی طرف یہ زمین کی برکت ہے، کثرت خیر کا نام ہی برکت ہے۔

(۳) أَقْوَمَ، قُوَّةٌ (غذا، خوراک) کی جمع ہے۔ یعنی زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات کی خوراک اس میں مقدر کر دی ہے یہ بندوبست کر دیا ہے۔ اور رب کی اس تقدیر یا بندوبست کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ کوئی زبان اسے بیان نہیں کر سکتی، کوئی قلم اسے رقم نہیں کر سکتا اور کوئی کیلکولیٹر اسے گن نہیں سکتا۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہر زمین کے دوسرے حصوں میں پیدا نہیں ہو سکتیں۔ تاکہ ہر علاقے کی یہ یہ مخصوص پیداوار ان علاقوں کی تجارت و معیشت کی بنیادیں بن جائیں۔ چنانچہ یہ منہج بھی اپنی جگہ صحیح اور بالکل حقیقت ہے۔

(۴) یعنی تخلیق کے پہلے دو دن اور وحی کے دو دن سارے دن ملا کے یہ کل چار دن ہوئے بہن میں یہ سارا عمل تکمیل کو پہنچا۔

(۵) سَوَاءٌ کا مطلب ہے، ٹھیک چار دن میں۔ یعنی پوچھنے والوں کو بتا دو کہ تخلیق اور دُخُو کا یہ عمل ٹھیک چار دن میں ہوا۔ یا پورا یا برابر جواب ہے سالکین کے لیے۔

(۶) یہ آتا کس طرح تھا؟ اس کی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی۔ یہ دونوں اللہ کے پاس آئے جس طرح اس نے چاہا۔ بعض نے اس کا منہج لیا ہے کہ میرے حکم کی اطاعت کرو، انہوں نے کہا ٹھیک ہے ہم حاضر ہیں۔ چنانچہ اللہ نے آسمان کو حکم

وَرَبَّنَا إِنَّمَا أَتَيْنَا لِبَاسَيْنَا مِنْ خَشْيَتِكَ ۖ فَخِطَّ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ وَقَدْ عَلَّمْتَنَا لِبَاسَنَا دِينَهُ ۚ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝
الْعَلِيُّ ①

قَالُوا أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنَذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ
عَادٍ وَثَمُودَ ②

إِذْ جَاءَهُمْ الرُّسُلُ مِنْ بَنِي آدَمَ لَهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ
الْأَسْبَدُ ۖ وَاللَّهُ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً
فَإِنَّا لَنَامُنُّ بِالرُّسُلِ لَهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ ③

فَأَمَّا عَادُ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِبَنِي الْعِزِّ وَقَالُوا
مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً أَوَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّتِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ
بِهِمْ قُوَّةً وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ④

اس کے مناسب احکام کی وحی بھیج دی ^(۱) اور ہم نے
آسمان دنیا کو چرخوں سے زینت دی اور تمبانی کی ^(۲) یہ
تدبیر اللہ غالب و دانائی ہے۔ (۱۳)

اب بھی یہ روگرداں ہوں تو کہہ دیجئے؟ کہ میں تمہیں
اس کڑک (عذاب آسمانی) سے ڈراتا ہوں جو مثل
عادیوں اور ثمودیوں کی کڑک کے ہوگی۔ (۱۴)

ان کے پاس جب ان کے آگے پیچھے سے پیغمبر آئے کہ تم
اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو تو انہوں نے جواب دیا
کہ اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتوں کو بھیجتا۔ ہم تو
تمہاری رسالت کے بالکل منکر ہیں۔ ^(۳) (۱۵)

اب عاد نے تو بے وجہ زمین میں سرکشی شروع کر دی اور
کہنے لگے کہ ہم سے زور آور کون ہے؟ ^(۴) کیا انہیں یہ نظر
نہ آیا کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے (بست ہی)
زیادہ زور آور ہے، ^(۵) وہ (آخر تک) ہماری آیتوں کا

دیا 'سورج' چاند اور ستارے نکال اور زمین کو کما 'نہرس جاری کر دے اور پھل نکال دے (ابن کثیر) یا مفہوم ہے کہ تم
دونوں وجود میں آ جاؤ۔

(۱) یعنی خود آسمانوں کو یا ان میں آباد فرشتوں کو مخصوص کاموں اور اوراد و وظائف کا پابند کر دیا۔

(۲) یعنی شیطان سے تمبانی جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے 'ستاروں کا ایک تیسرا مقصد دوسری جگہ اخذاء
(راستہ معلوم کرنا) بھی بیان کیا گیا ہے (النحل ۱۶)۔

(۳) یعنی چونکہ تم ہماری طرح ہی کے انسان ہو اس لیے ہم تمہیں نبی نہیں مان سکتے۔ اللہ تعالیٰ کو نبی بھیجتا ہوتا تو
فرشتوں کو بھیجتا نہ کہ انسانوں کو۔

(۴) اس فقرے سے ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ عذاب روک لینے پر قادر ہیں کیونکہ وہ دراز قد اور نہایت زور آور تھے یہ
انہوں نے اس وقت کہا جب ان کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو انذار و تنبیہ کے لیے عذاب اسی سے ڈرایا

(۵) یعنی کیا وہ اللہ سے بھی زیادہ زور آور ہیں جس نے انہیں پیدا کیا اور انہیں قوت و طاقت سے نوازا کیا ان کو بنانے
کے بعد اس کی اپنی قوت و طاقت ختم ہو گئی ہے؟ یہ استغناء استکار اور توخ کے لیے ہے۔

(۶) ان معجزات کا جو انہما کو ہم نے دیئے تھے یا ان دلائل کا جو پیغمبروں کے ساتھ نازل کیے تھے یا ان آیات نکوینہ کا جو

انکار ہی کرتے رہے۔ (۱۵)

بالآخر ہم نے ان پر ایک تیز و تند آندھی ^(۱) منخوس دنوں میں ^(۲) بھیج دی کہ انہیں دنیاوی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں اور (یقین مانو) کہ آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ رسوائی والا ہے اور وہ مدد نہیں کیے جائیں گے۔ (۱۶)

رہے ثمود سو ہم نے ان کی بھی رہبری کی ^(۳) پھر بھی انہوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی ^(۴) جس بنا پر انہیں (سراپا) ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کے کرتوتوں کے باعث پکڑ لیا۔ ^(۵) (۱۷)

اور (ہاں) ایمان دار اور پارساؤں کو ہم نے (ہال ہال) بچا لیا۔ (۱۸)

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْسَرًا آتَاةً عُسَابًا بَلَدًا يُغْلَمُ
عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْثَرُ وَلَهُمْ
لَا يُبْصَرُونَ ﴿١٦﴾

وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَنَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ فَخَذَّاهُمْ
صَوْبَةَ الْعَذَابِ الْهَوْبِ بَمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٧﴾

وَبَقَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿١٨﴾

کائنات میں پھیلی اور بکھری ہوئی ہیں۔

(۱) صَرْسَر، صُرَّة (آواز) سے ہے۔ یعنی ایسی ہوا جس میں سخت آواز تھی۔ یعنی نہایت تند اور تیز ہوا جس میں آواز بھی ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ صر سے ہے جس کے معنی ہرد (مھنڈک) کے ہیں۔ یعنی ایسی پالے والی ہوا جو آگ کی طرح جلا ڈالتی ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں وَالْحَقُّ أَكْبَاهَا مُثْقَلَةً بِجَمِيعِ ذَلِكَ 'وہ ہوا ان تمام ہی باتوں سے متصف تھی۔

(۲) نَحِسَاتٌ کا ترجمہ 'بعض نے متواتر پے در پے کا کیا ہے۔ کیونکہ یہ ہوا سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی۔ بعض نے سخت 'بعض نے گرد و غبار والے اور بعض نے نوحسٹ والے کیا ہے۔ آخری ترجمہ کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ ایام جن میں ان پر سخت ہوا کا طوفان جاری رہا ان کے لیے منخوس ثابت ہوئے۔ یہ نہیں کہ ایام ہی مطلقاً منخوس ہیں۔

(۳) یعنی ان کو توحید کی دعوت دی اس کے دلائل ان کے سامنے واضح کیے اور ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے ذریعے سے ان پر حجت تمام کی۔

(۴) یعنی انہوں نے مخالفت اور تکذیب کی حتیٰ کہ اس اونٹنی تک کو ذبح کر ڈالا جو بطور معجزہ ان کی خواہش پر چٹان سے ظاہر کی گئی تھی اور پیغمبر کی صداقت کی دلیل تھی۔

(۵) صَاعِقَةٌ 'عذاب شدید کو کہتے ہیں ان پر یہ سخت عذاب چنگھاڑ اور ڈٹلے کی صورت میں آیا جس نے انہیں ذلت و رسوائی کے ساتھ جہاد و برباد کر دیا۔

اور جس دن ^(۱) اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف لائے جائیں گے اور ان (سب) کو جمع کر دیا جائے گا۔ ^(۲) (۱۹)
یہاں تک کہ جب بالکل جہنم کے پاس آجائیں گے ان پر ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گی۔ ^(۳) (۲۰)

یہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ ^(۴) وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اس اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی ہے، اسی نے تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ ^(۵) (۲۱)

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ④

حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهُمَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ
وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑤

وَقَالُوا لَوْلَا جُئِدُوا بِشَهَادَتِهِمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْظَعْنَا إِلَهَ
الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَذَلِكُمْ
مُتَجَعِّعُونَ ⑥

(۱) یہاں اذکر محذوف ہے، وہ وقت یاد کرو جب اللہ کے دشمنوں کو جہنم کے فرشتے جمع کریں گے یعنی اول سے آخر تک کے دشمنوں کا اجتماع ہو گا۔

(۲) اَبٰی بُخَسُّ اَوَّلُهُمْ عَلٰی اٰخِرِهِمْ لِیَلٰحِقُوْا (فتح القدیر) یعنی ان کو روک روک کر اول و آخر کو باہم جمع کیا جائے گا۔ (اس لفظ کی مزید تشریح کے لیے دیکھیے سورۃ النمل آیت نمبر ۷ کا حاشیہ)

(۳) یعنی جب وہ اس بات سے انکار کریں گے کہ انہوں نے شرک کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مرگا دے گا اور ان کے اعضاء بول کر گواہی دیں گے کہ یہ فلاں فلاں کام کرتے رہے اِذَا مَا جَاءُوْهُمَا مِنْ مَّا زَاوَدَہُ ہے تاکید کے لیے۔ انسان کے اندر پانچ حواس ہیں۔ یہاں دو کا ذکر ہے۔ تیسری جلد (کھال) کا ذکر ہے جو مس یا لمس کا آلہ ہے۔ یوں حواس کی تین قسمیں ہو گئیں۔ باقی دو حواس کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ ذوق (چکھنا) بوجہ لمس میں داخل ہے کیونکہ یہ چکھنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اس شے کو زبان کی جلد پر نہ رکھا جائے۔ اسی طرح سونگھنا (شم) اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ شے ناک کی جلد پر نہ گزرے۔ اس اعتبار سے جلود کے لفظ میں تین حواس آجاتے ہیں۔ (فتح القدیر)

(۴) یعنی جب مشرکین اور کفار دیکھیں گے کہ خود ان کے اپنے اعضاء ان کے خلاف گواہی دے رہے ہیں تو زراہ تعجب یا بطور عتاب اور ناراضی کے ان سے یہ کہیں گے۔

(۵) بعض کے نزدیک وَهَوُ سے اللہ کا کلام مراد ہے۔ اس لحاظ سے یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک جود انسانیت ہی کا۔ اس اعتبار سے یہ انہی کے کلام کا تہ ہے۔ قیامت والے دن انسانی اعضاء کے گواہی دینے کا ذکر اس سے قبل سورۃ

وَمَا لَكُمْ تَسْتَعِزُّونَ أَنْ يُعَذِّبَكُمْ عَلَيْهِمْ سَمْعُكُمْ
وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ
لَا يَعْلَمُ كَيْفَ يَرِيضُ أَنْ يُعَذِّبَكُمْ ۚ

اور تم (اپنی بد اعمالیاں) اس وجہ سے پوشیدہ رکھتے ہی نہ
تھے کہ تم پر تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور
تمہاری کھالیں گواہی دیں گی،^(۱) ہاں تم یہ سمجھتے رہے کہ
تم جو کچھ بھی کر رہے ہو اس میں سے بہت سے اعمال
سے اللہ بے خبر ہے۔^(۲) (۲۲)

وَالَّذِينَ ظَنُّوا أَنَّهُمُ الْآخِرُونَ فَلَنَنْتَفِرُ مِنْكُمْ أَرْذَلَكُمْ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ
الْغَيْرِ ۚ

تمہاری اسی بدگمانی نے جو تم نے اپنے رب سے کر رکھی
تھی تمہیں ہلاک کر دیا^(۳) اور بالآخر تم زیاں کاروں میں
ہو گئے۔ (۲۳)

فَإِنْ يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ فَلْيَنْتَفِعُوا بِمَا لَمْ
يَرْبُحُوا مِنَ الْمُنَافِقِينَ ۚ

اب اگر یہ صبر کریں تو بھی ان کا ٹھکانا جہنم ہی ہے۔ اور
اگر یہ (عذرو) معافی کے خواستگار ہوں تو بھی (مغذورو)

نور، آیت ۴۲، سورہ یٰسین، آیت ۶۵ میں بھی گزر چکا ہے اور صحیح احادیث میں بھی اسے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً جب اللہ
کے حکم سے انسانی اعضا ہل کر بتلائیں گے تو بندہ کہے گا: نَعْدَا لَكُمْ وَنُحْفَا؛ فَعَنْكُمْ كُنْتُ أَنَا ضِلُّ صَحْبِ
مسلم، کتاب الرہد، ”تمہارے لیے ہلاکت اور دوری ہو“ میں تو تمہاری ہی خاطر جھگڑ رہا اور مدافعت کر رہا تھا۔ اسی
روایت میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ بندہ کہے گا کہ میں اپنے نفس کے سوا کسی کی گواہی نہیں مانوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:
کیا میں اور میرے فرشتے کرنا کا تین گواہی کے لیے کافی نہیں۔ پھر اس کے منہ پر مر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضا کو
بولنے کا حکم دیا جائے گا (حوالہ مذکور)

(۱) اس کا مطلب ہے کہ تم گناہ کا کام کرتے ہوئے لوگوں سے تو چھپنے کی کوشش کرتے تھے لیکن اس بات کا کوئی خوف
تمہیں نہیں تھا کہ تمہارے خلاف خود تمہارے اپنے اعضا بھی گواہی دیں گے کہ جن سے چھپنے کی تم ضرورت محسوس
کرتے۔ اس کی وجہ ان کا بحث و نشور سے انکار اور اس پر عدم یقین تھا۔

(۲) اس لیے تم اللہ کی حدیں توڑنے اور اس کی نافرمانی کرنے میں بے باک تھے۔

(۳) یعنی تمہارے اس اعتقاد فاسد اور گمان باطل نے کہ اللہ کو ہمارے بہت سے عملوں کا علم نہیں ہو، تمہیں ہلاکت
میں ڈال دیا، کیوں کہ اس کی وجہ سے تم ہر قسم کا گناہ کرنے میں دلیر اور بے خوف ہو گئے تھے۔ اس کی شان نزول میں
ایک روایت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے پاس دو قرشی اور ایک ثقیفی یا دو ثقیفی اور
ایک قرشی جمع ہوئے قریب بدن، قلیل النفس۔ ان میں سے ایک نے کہا: ”کیا تم سمجھتے ہو، ہماری باتیں اللہ سنتا ہے؟“
دوسرے نے کہا: ”ہماری جہری باتیں سنتا ہے اور سری باتیں نہیں سنتا۔“ ایک اور نے کہا: ”اگر وہ ہماری جہری (اونچی)
باتیں سنتا ہے تو ہماری سری (پوشیدہ) باتیں بھی یقیناً سنتا ہے۔“ جس پر اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَمَا لَكُمْ تَسْتَعِزُّونَ﴾ نازل
فرمائی، (صحیح بخاری، تفسیر سورہ حم السجدة)

معاف نہیں رکھے جائیں گے۔^(۱) (۲۳)

اور ہم نے ان کے کچھ ہم نشین مقرر کر رکھے تھے جنہوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنارکھے^(۲) تھے اور ان کے حق میں بھی اللہ کا قول ان امتوں کے ساتھ پورا ہوا جو ان سے پہلے جنوں انسانوں کی گزر چکی ہیں۔ یقیناً وہ زیاں کار ثابت ہوئے۔ (۲۵)

اور کافروں نے کہا اس قرآن کو سنو ہی مت^(۳) اس کے پڑھے جانے کے وقت اور یہودہ گوئی کرو^(۴) کیا عجب کہ تم غالب آ جاؤ۔^(۵) (۲۶)

پس یقیناً ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اور انہیں ان کے بدترین اعمال کا بدلہ (ضرور) ضرور دیں گے۔^(۶) (۲۷)

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرُونًا تَتَنَبَّأُوا لَهُم مِّنَ آيَاتِهِمْ وَمَا يَخْلُفُهُمْ وَهَاقْ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أَمِّهِمْ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْبَاقِينَ وَالْآخِرِينَ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاطِبِينَ ﴿٢٣﴾

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَا بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَبُونَ ﴿٢٤﴾

فَلَعَلَّ بَقِيَّةَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَذَابُ آبَائِهِمْ شَدِيدًا وَالْآخِرِينَ لَهُم مِّمَّا سَوَّاءُ الْآخِرِينَ كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٥﴾

(۱) ایک دوسرے معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں کہ اگر وہ منانا چاہیں گے (عُتْبَىٰ رَضَا طَلَبَ کَرِیْسَ) تاکہ وہ جنت میں چلے جائیں تو یہ چیز ان کو کبھی حاصل نہ ہوگی۔ (المیر القاسم دفع القدر) بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ وہ دنیا میں دوبارہ بھیجے جانے کی آرزو کریں گے جو منظور نہیں ہوگی۔ (ابن جریر طبری) مطلب یہ ہے کہ ان کا ابدی ٹھکانا جہنم ہے اس پر صبر کریں (تب بھی رحم نہیں کیا جائے گا جیسا کہ دنیا میں بعض دفعہ صبر کرنے والوں پر ترس آجاتا ہے) یا کسی اور طریقے سے وہاں سے نکلنے کی سعی کریں مگر اس میں بھی انہیں ناکامی ہی ہوگی۔

(۲) ان سے مراد وہ شیطانی نفس و جن ہیں جو باطل پر اصرار کرنے والوں کے ساتھ لگ جاتے ہیں جو انہیں کفر و معاصی کو خوبصورت کر کے دکھاتے ہیں، پس وہ اس گمراہی کی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں، حتیٰ کہ انہیں موت آجاتی ہے اور وہ خسارۂ ابدی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

(۳) یہ انہوں نے باہم ایک دوسرے کو کہا۔ بعض نے لَا تَسْمَعُوا کے معنی کیے ہیں اس کی اطاعت نہ کرو

(۴) یعنی شور کرو، تالیاں، میٹیاں بجاؤ، چیخ چیخ کر باتیں کرو تاکہ حاضرین کے کانوں میں قرآن کی آواز نہ جائے اور ان کے دل قرآن کی بلاغت اور خوبیوں سے متاثر نہ ہوں۔

(۵) یعنی ممکن ہے اس طرح شور کرنے کی وجہ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن کی تلاوت ہی نہ کرے جسے من کر لوگ متاثر ہوتے ہیں۔

(۶) یعنی ان کے بعض اچھے عملوں کی کوئی قیمت نہیں ہوگی، مثلاً اکرام ضیفت، صلہ رحمی وغیرہ۔ کیونکہ ایمان کی دوست

ذَلِكْ جَزَاءُ أَهْلَ الْاِثْمِ وَالْاِثْمِ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝
جَزَاءُ يَمَّا كَانُوا يَاسِيَةً يَجْعَلُهُمْ ۝

وَقَالَ الْاِثْمُ كَفَرُوا وَارْتَابُوا الَّذِي اَفْضَلْنَا مِنَ الْاِثْمِ
وَالْاِثْمِ نَجْعَلُهُمْ اَفْضَلًا مِّنَ الْاِثْمِ ۝

اِنَّ الْاِثْمِ قَالُوا رَبَّنَا اِنَّهُ لَنُفْسًا مُّوْتًا تَرْزُقُنَا عَلَيْهِ

اللہ کے دشمنوں کی سزائی دوزخ کی آگ ہے جس میں
ان کا پیشگی کا گھر ہے (یہ) بدلہ ہے ہماری آجوں سے انکار
کرنے کا۔^(۲۸)

اور کافر لوگ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں
جنوں انسانوں (کے وہ دونوں فریق) دکھا جنہوں نے
ہمیں گمراہ کیا^(۲۹) ہم انہیں اپنے قدموں تلے
ڈال دیں تاکہ وہ جہنم میں سب سے نیچے (سخت
عذاب میں) ہو جائیں۔^(۳۰)

(واقعی) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے^(۳۱)
پھر اسی پر قائم رہے^(۳۲) ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے

سے وہ محروم رہے تھے، البتہ برے عملوں کی جزا انہیں ملے گی، جن میں قرآن کریم سے روکنے کا جرم بھی ہے۔

(۱) آجوں سے مراد جیسا کہ پہلے بھی بتلایا گیا ہے، وہ دلائل و براہین واضح ہیں جو اللہ تعالیٰ انبیاء پر نازل فرماتا ہے یا وہ
معجزات ہیں جو انہیں عطا کیے جاتے ہیں یا وہ دلائل و براہین ہیں جو کائنات یعنی آفاق و انفس میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کافران
سب ہی کا انکار کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ ایمان کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔

(۲) اس کا مفہوم واضح ہی ہے کہ گمراہ کرنے والے شیاطین ہی نہیں ہوتے، انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی شیطان کے
زیر اثر لوگوں کو گمراہ کرنے میں مصروف رہتی ہے۔ تاہم بعض نے جن سے ابلیس اور انسان سے قاتیل مراد لیا ہے، جس نے
انسانوں میں سب سے پہلے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر کے ظلم اور کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا اور حدیث کے مطابق قیامت تک
ہونے والے ناجائز قتلوں کے گناہ کا ایک حصہ بھی اس کو ملتا رہے گا۔ ہمارے خیال میں یہ سلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

(۳) یعنی اپنے قدموں سے انہیں روئیں اور اس طرح ہم انہیں خوب ذلیل و رسوا کریں۔ جہنمیوں کو اپنے بیذروں پر
جو غصہ ہو گا، اس کی تشفی کے لیے وہ یہ کہیں گے۔ ورنہ دونوں ہی مجرم ہیں اور دونوں ہی یکساں جہنم کی سزا بھگتیں گے۔
جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿يَكْفُرُ بَعْضُ النَّاسِ وَلَكِنْ لَّا تَكْفُرُونَ﴾ (الأعراف: ۳۸) جہنمیوں کے تذکرے کے بعد
اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا تذکرہ فرما رہا ہے، جیسا کہ عام طور پر قرآن کا انداز ہے تاکہ ترہیب کے ساتھ ترغیب اور ترغیب
کے ساتھ ترہیب کا بھی اہتمام رہے۔ گویا انداز کے بعد اب تبشیر

(۴) یعنی ایک اللہ وحدہ، شریک۔ رب بھی وہی اور معبود بھی وہی۔ یہ نہیں کہ ربوبیت کا تو اقرار، لیکن الوہیت میں
دوسروں کو بھی شریک کیا جا رہا ہے۔

(۵) یعنی سخت سے سخت حالات میں بھی ایمان و توحید پر قائم رہے، اس سے انحراف نہیں کیا۔ بعض نے استقامت کے

الْمَلِكَةُ الْأَقْفَانُ وَالْأَعْوَنُ وَأَبَشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝

ہوئے) آتے ہیں^(۱) کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو^(۲) (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو۔^(۳) (۳۰)

نَعْنُ أُولَئِكَ كُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْأَخِرَةِ وَلَكِنْ نَفِئْنَا مَا نَشَاءُ لِنَفْسِكُمْ وَلَكِنْ نَفِئْنَا مَا نَشَاءُ ۝

تمہاری دنیوی زندگی میں بھی ہم تمہارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے^(۴) جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمہارے لیے (جنت میں موجود) ہے۔ (۳۱)

تُولَاتِنَّ غُفُورًا حَبِيبًا ۝

غفور و رحیم (محبود) کی طرف سے یہ سب کچھ بطور مہمانی کے ہے۔ (۳۲)

وَمَنْ أَحْسَنُ تُولَاتِنَّ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔^(۵) (۳۳)

وَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَاَ وَالشَّهْوَةَ الْوَدَّاعَةَ بِالْإِنْفِ مِنْ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝

نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔^(۶) برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے

معنی اخلاص کیے ہیں۔ یعنی صرف ایک اللہ ہی کی عبادت و اطاعت کی۔ جس طرح حدیث میں بھی آتا ہے 'ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا مجھے ایسی بات بتلاؤں کہ آپ ﷺ کے بعد کسی سے مجھے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا 'اَقْلُ اَمْنَتْ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ' (صحیح مسلم۔ کتاب الایمان) باب جامع أوصاف الإسلام، "کہہ" میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر استقامت اختیار کر۔"

(۱) یعنی موت کے وقت 'بعض کہتے ہیں' فرشتے یہ خوش خبری تم جگہوں پر دیتے ہیں 'موت کے وقت' قبر میں اور قبر سے دوبارہ اٹھنے کے وقت۔

(۲) یعنی آخرت میں پیش آنے والے حالات کا اندیشہ اور دنیا میں مال و اولاد جو چھوڑ آئے ہو ان کا غم نہ کرو۔

(۳) یعنی دنیا میں جس کا وعدہ تمہیں دیا گیا تھا۔

(۴) یہ مزید خوش خبری ہے 'یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ بعض کے نزدیک یہ فرشتوں کا قول ہے' دونوں صورتوں میں مومن کے لیے یہ عظیم خوش خبری ہے۔

(۵) یعنی لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے کے ساتھ ساتھ خود بھی ہدایت یافتہ دین کا پابند اور اللہ کا مطیع ہے۔

(۶) بلکہ ان میں عظیم فرق ہے۔

ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست۔^(۱) (۳۳)

اور یہ بات انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں^(۲) اور اسے سوائے بڑے نصیبی والوں کے کوئی نہیں پا سکتا۔^(۳) (۳۵)

اور اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ طلب کرو۔^(۴) یقیناً وہ ہمت ہی سننے والا جاننے والا ہے۔^(۵) (۳۶)

اور دن رات اور سورج چاند بھی (اسی کی) نشانیوں میں سے ہیں،^(۶) تم سورج کو سجدہ نہ کرو نہ چاند

وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا دُحُوظٌ عَظِيمٌ ۝

وَأَمَّا يُرِيدَنَّ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْءٌ فَاسْتَوِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ

هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

وَمِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ

وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ

(۱) یہ ایک ہمت ہی اہم اخلاقی ہدایت ہے کہ برائی کو اچھائی کے ساتھ ملو۔ یعنی برائی کا بدلہ احسان کے ساتھ، زیادتی کا بدلہ غلو کے ساتھ، غضب کا صبر کے ساتھ، بے ہودگیوں کا جواب چشم پوشی کے ساتھ اور مکروہات (ناپسندیدہ باتوں) کا جواب برداشت اور حلم کے ساتھ دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہارا دشمن، دوست بن جائے گا، دور دور رہنے والا قریب ہو جائے گا اور خون کا پیاسا، تمہارا گرویدہ اور جانثار ہو جائے گا۔

(۲) یعنی برائی کو بھدائی کے ساتھ ٹالنے کی خوبی اگرچہ نہایت مفید اور بڑی ثمر آور ہے لیکن اس پر عمل وہی کر سکیں گے جو صابر ہوں گے۔ غصے کو پی جانے والے اور ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کرنے والے۔

(۳) حَظٌّ عَظِيمٌ (بڑا نصیب) سے مراد جنت ہے یعنی نہ کہ وہ خوبیاں اس کو حاصل ہوتی ہیں جو بڑے نصیبی والا ہوتا ہے، یعنی جنتی جس کے لیے جنت میں جانا لکھ دیا گیا ہو۔

(۴) یعنی شیطان، شریعت کے کام سے پھیرنا چاہے یا احسن طریقے سے برائی کے دفع کرنے میں رکاوٹ ڈالے تو اس کے شر سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ طلب کرو۔

(۵) اور جو ایسا ہو یعنی ہر ایک کی سننے والا اور ہر بات کو جاننے والا، وہی پناہ کے طلب گاروں کو پناہ دے سکتا ہے۔ یہ ماقبل کی تعلیل ہے۔ اس کے بعد اب پھر بعض ان نشانیوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو اللہ کی توحید، اس کی قدرت کاملہ اور اس کی قوت تصرف پر دلالت کرتی ہیں۔

(۶) یعنی رات کو تاریک بنانا کہ لوگ اس میں آرام کر سکیں، دن کو روشن بنانا کہ کسب معاش میں پریشانی نہ ہو، پھر یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کا آنا جانا اور کبھی رات کا لہا اور دن کا چھوٹا ہونا۔ اور کبھی اس کے برعکس دن کا لہا اور رات کا چھوٹا ہونا۔ اسی طرح سورج اور چاند کا اپنے وقت پر طلوع و غروب ہونا اور اپنے اپنے مدار پر اپنی منزلیں طے کرتے رہنا اور آپس میں باہمی تصادم سے محفوظ رہنا، یہ سب اس بات کی دلیلیں ہیں کہ ان کا یقیناً کوئی خالق اور

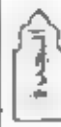
رَاۤیَۤہُ تَعْبُدُونَ ﴿۳۷﴾

کو ^(۱) بلکہ سجدہ اس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے ^(۲) اگر تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے تو۔ (۳۷)

پھر بھی اگر یہ کبر و غرور کریں تو وہ (فرشتے) جو آپ کے رب کے نزدیک ہیں وہ تو رات دن اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں اور (کسی وقت بھی) نہیں آکتاتے۔ (۳۸)

اس اللہ کی نشانیوں میں سے (یہ بھی) ہے کہ تو زمین کو دبی دپائی دیکھتا ہے ^(۳) پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ تروتازہ ہو کر ابھرنے لگتی ہے۔ ^(۴) جس نے اسے زندہ کیا وہی یقینی طور پر مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے ^(۵) بیشک وہ ہر (ہر) چیز پر قادر ہے۔ (۳۹)

بیشک جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں ^(۶) وہ



فَإِنْ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ فَسَيَعْمُونَ لَهُ يَالْیَکِلُ
وَالْهَامِلُ وَهُمْ لَا یَسْمَعُونَ ﴿۳۸﴾

وَمِنْ آیَۃِۤہِۥ اَنَّكَ تَرٰی الْاَرْضَ خَاشِعَةً ۚ وَاِذَا نَزَّلْنَا عَلَیْہَا الْمَآءَ
اَھْزٰتْ وَوَبَّتْ ۚ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاہَا لَمُنْجِی الْمَوْتِ ۚ اِنَّ عَمَلَ کُلِّ
شَیْءٍ لَّذَوِیْرٍ ﴿۳۹﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا لَا یَعْنَوْنَ حٰلِیْنَا ۚ اَمَّنْ یَلْفِیْ

مالک ہے۔ نیز وہ ایک اور صرف ایک ہے اور کائنات میں صرف اسی کا تعارف اور حکم چلتا ہے۔ اگر تدبیر و امر کا اختیار رکھنے والے 'ایک سے زیادہ ہوتے تو یہ نظام کائنات ایسے مستحکم اور لگے بندھے طریقے سے کبھی نہیں چل سکتا تھا۔

(۱) اس لیے کہ یہ بھی تمہاری طرح اللہ کی مخلوق ہیں 'خدائی اختیارات سے بہرہ ور یا ان میں شریک نہیں ہیں۔

(۲) حَلَقْنٰہُمْ میں جمع مونث کی ضمیر اس لیے آئی ہے کہ یہ یا تو خَلَقَ ہِذِہِ الْاَزْبَعَةَ الْمَذْكُوْرَةَ کے مفہوم میں ہے 'کیونکہ غیر عاقل کی جمع کا حکم جمع مونث ہی کا ہے۔ یا اس کا مرجع صرف شمس و قمری ہیں اور بعض امر نعمة کے نزدیک تشبیہ بھی جمع ہے یا پھر مراد الآیات ہیں 'فتح القدیر

(۳) خَاشِعَةً کا مطلب 'خشک اور قحط زدہ یعنی مردہ۔

(۴) یعنی انواع و اقسام کے خوش ذائقہ پھل اور غلے پیدا کرتی ہے۔

(۵) مردہ زمین کو بارش کے ذریعے سے اس طرح زندہ کر دیتا اور اسے روئیدگی کے قابل بنادیتا 'اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مردوں کو بھی یقیناً زندہ کرے گا۔

(۶) یعنی ان کو مانتے نہیں بلکہ ان سے اعراض 'انحراف اور ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اعاد کے معنی کیے ہیں وضع الکلام علی غیر مواضع 'جس کی رو سے اس میں وہ باطل فرتے بھی آجاتے ہیں جو اپنے غلط عقائد و نظریات کے اثبات کے لیے آیات الہی میں تحریف معنوی اور دجل و طغیس سے کام لیتے ہیں۔

فِي النَّارِ خَيْرٌ مِّنْ يَّاتِيْ اٰمِنًا كَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلٰوَمَا يَسْتَفْتِيْهِ
بِمَا كَانُوْنَ بِصِيْرٌ ۝۱۰

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالَّذِيْرْ كَلَّمَا جَاءَهُمْ ذٰلِكَ لَكُنْتُ عَوِيْرٌ ۝۱۱

لَا يَنْصُرُوْهُ اَنْبَا طُلٌّ مِّنْ بَنِيْ يَدِيْهِ وَلَا مِّنْ خَلْقِهِ تَتَوَلَّوْنَ
مِنْ كَوْنِهِمْ ۝۱۲

مَا يَقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قَبِلَ لِنُؤْمِلَ مِنْ قَبْلِكَ اِنَّ ذٰلِكَ

(کچھ) ہم سے مخفی نہیں،^(۱) (بتلاؤ تو) جو آگ میں ڈالا جائے وہ اچھا ہے یا وہ جو امن و امان کے ساتھ قیامت کے دن آئے؟^(۲) تم جو چاہو کرتے چھے جاؤ،^(۳) وہ تمہارا سب کیا کرایا دیکھ رہا ہے۔^(۴)

جن لوگوں نے اپنے پاس قرآن پہنچ جانے کے باوجود اس سے کفر کیا، (وہ بھی ہم سے پوشیدہ نہیں) یہ^(۵) بڑی باوقت کتاب ہے۔^(۶)

جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، یہ ہے نازل کردہ حکمتوں والے خویوں والے (اللہ) کی طرف سے۔^(۷)

آپ سے وہی کہا جاتا ہے جو آپ سے پہلے کے رسولوں

(۱) یہ مہدین (۴) ہے وہ کسی قسم کے ہوں) کے لیے سخت وعید ہے۔

(۲) یعنی کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ علاوہ ازیں اس سے اشارہ کر دیا کہ مہدین آگ میں ڈالے جائیں گے اور اہل ایمان قیامت والے دن بے خوف ہوں گے۔

(۳) یہ امر کا لفظ ہے، لیکن یہاں اس سے مقصود وعید اور تردید ہے۔ کفر و شرک اور معاصی کے لیے اذن اور اباحت نہیں ہے۔

(۴) بریکٹ کے الفاظ کی خبر محذوف کا ترجمہ ہیں بعض نے کچھ اور الفاظ محذوف مانے ہیں۔ مثلاً يُجَادَوْنَ بِكُفْرِهِمْ (نہیں ان کے کفر کی سزا دی جائے گی) یا هَالِكُونَ (وہ ہلاک ہونے والے ہیں) یا يُعَذَّبُونَ۔

(۵) یعنی یہ کتاب جس سے اعراض و انحراف کیا جاتا ہے معارضے اور طعن کرنے والوں کے طعن سے مست بند اور ہر عیب سے پاک ہے۔

(۶) یعنی وہ ہر طرح سے محفوظ ہے، آگے سے، کا مطلب ہے کی اور پیچھے سے، کا مطلب ہے زیادتی یعنی باطل اس کے آگے سے اگر اس میں کی اور نہ اس کے پیچھے سے اگر اس میں اضافہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی تغیر و تحریف ہی کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کی طرف سے نازل کردہ ہے جو اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے اور حمید یعنی محمود ہے۔ یا وہ جن باتوں کا حکم دیتا ہے اور جن سے منع فرماتا ہے، عواقب اور غلیات کے اعتبار سے سب محمود ہیں، یعنی اچھے اور مفید ہیں۔ (ابن کثیر)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاسْتَشْفَعَتْ فِيهِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ
سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفُضِيَ سِتْرُهُمْ وَلَهُمْ لَعْنُ شَدِيدٌ
يَوْمَهُمْ مُرِيدٌ ۝

یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی تھی سو اس میں
بھی اختلاف کیا گیا اور اگر (وہ) بات نہ ہوتی (جو) آپ کے
رب کی طرف سے پہلے ہی مقرر ہو چکی ہے ^(۱) تو ان کے
درمیان (بھی) کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ^(۲) یہ لوگ تو اسکے بارے
میں سخت بے چین کرنے والے شک میں ہیں۔ ^(۳) (۳۵)

مَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَهَا وَمَا يَكُنْ
بِظُلْمٍ لِّلْعَالَمِينَ ۝

جو شخص نیک کام کرے گا وہ اپنے نفع کے لیے اور جو برا
کام کرے گا اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔ اور آپ کا رب
بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ ^(۴) (۳۶)

(۱) کہ ان کو عذاب دینے سے پہلے مہلت دی جائے گی ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفُضِيَ سِتْرُهُمْ﴾ (۱) (۳۵)

(۲) یعنی فوراً عذاب دے کر ان کو تباہ کر دیا گیا ہوتا۔

(۳) یعنی ان کا انکار عقل و بصیرت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض شک کی وجہ سے ہے جو ان کو بے چین کئے رکھتا ہے

(۴) اس لیے کہ وہ عذاب صرف اسی کو دیتا ہے جو گناہ گار ہوتا ہے نہ کہ جس کو چاہے یوں ہی عذاب میں مبتلا کر دے

إِلَيْهِ يُرْجَعُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْتِزُّ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِنْ
الْأَشْيَاءِ وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَيَوْمَ
يُنَادِيهِمْ أَتَيْنَ شَرْكَاءَ ۚ قَالُوا أَذَلَّكَ مَا بَيْنَنا مِنْ شَهِيدٍ ۝

وَصَلَّ عَنْهُمْ نَاكَرًا بَيْنَهُمْ مِنَ قَبْلُ وَظَلُّوا مَا لَهُمْ مِنَ
الْحَيَاةِ ۝

لَا يَسْمَعُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْغَافِرِينَ ۚ إِنَّ فَتْنَةَ الشَّرِّ

قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف موٹایا جاتا ہے^(۱) اور جو جو
پھل اپنے شگوفوں میں سے نکلتے ہیں اور جو مادہ حل سے
ہوتی ہے اور جو بچے وہ جنتی ہے سب کا علم اسے ہے^(۲)
اور جس دن اللہ تعالیٰ ان (شرکوں) کو بلا کر دریافت
فرمائے گا میرے شریک کہاں ہیں 'وہ جواب دیں گے کہ
ہم نے تو تجھے کہہ سنایا کہ ہم میں سے تو کوئی اس کا گواہ
نہیں۔'^(۳) (۳۷)

اور یہ جن (جن) کی پرستش اس سے پہلے کرتے تھے وہ
ان کی نگاہ سے گم ہو گئے^(۴) اور انہوں نے سمجھ لیا کہ
اب ان کے لیے کوئی بچاؤ نہیں۔^(۵) (۳۸)
بھلائی کے مانگنے سے انسان تھکتا نہیں^(۶) اور اگر اسے کوئی

(۱) یعنی اللہ کے سوا اس کے وقوع کا کسی کو علم نہیں۔ اسی لیے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم سے قیامت کے واقع ہونے کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا 'مَا الْمُنَاقِلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ
السَّائِلِ' 'اس کی بابت مجھے بھی اتنا ہی علم ہے جتنا تجھے ہے' میں تجھ سے زیادہ نہیں جانتا۔ دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ
نے فرمایا: ﴿إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَىٰ﴾ (السراعات ۴۳) ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (الأعراف ۱۸۷)

(۲) یہ اللہ کے علم کا مل و محیط کا بیان ہے اور اس کی اس صفت علم میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ جتنی اس طرح کا علم کامل
کسی کو حاصل نہیں۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی نہیں۔ انہیں بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ انہیں وحی کے ذریعے سے
بتلا دیتا ہے۔ اور اس علم وحی کا تعلق بھی منصب نبوت اور اس کے تقاضوں کی ادائیگی سے متعلق ہی ہوتا ہے نہ کہ دیگر فنون و
معادلات سے متعلق۔ اس لیے کسی بھی نبی اور رسول کو چاہے وہ کتنی ہی عظمت شان کا حامل ہو 'عَالِمٌ مَا كُنَّا وَمَا يَكُونُ'
کہنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ صرف ایک اللہ کی شان اور اس کی صفت ہے۔ جس میں کسی اور کو شریک ماننا شرک ہو گا۔

(۳) یعنی آج ہم میں سے کوئی شخص یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ تیرا کوئی شریک ہے؟

(۴) یعنی وہ ادھر ادھر ہو گئے اور حسب گمان انہوں نے کسی کو فائدہ نہیں پہنچایا۔

(۵) یہ گمان 'یقین کے معنی میں ہے یعنی قیامت والے دن وہ یہ یقین کرنے پر مجبور ہوں گے کہ انہیں اللہ کے عذاب
سے بچانے والا کوئی نہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَالْمُجْرِمُونَ الشَّارِقُونَ أَلْهَمُوا أَيْتُونَهَا وَ أَعْنَبْ أَعْيُنُهُمْ﴾
(الکہف-۵۳)

(۶) یعنی دنیا کا مال و اسباب، صحت و قوت، عزت و رفعت اور دیگر دنیوی نعمتوں کے مانگنے سے انسان نہیں تھکتا بلکہ

فَيُؤْتِيهِمْ مِّنْهُم مَّا يَشَاءُونَ ۝

وَلَمَّا أَتَتْهُ رَحْمَةُ رَبِّهِمْ بَدَعُوا آيَةً مِّنْهُ لِيَقُولُوا
هَذَا إِلَىٰ دُونِ السَّاعَةِ قَائِمَةٌ ۖ وَلَمَّا رُجِعَتْ إِلَىٰ
رَبِّهِمْ إِنَّ فِي عِنْدِ اللَّهِ لَحُسْنِ قُلُوبٍ لِّذِينَ كَفَرُوا
بِمَا عَمِلُوا وَلَئِنْ يَسْأَلُوكَ عَذَابَ حَلِيطٍ ۝

وَلَمَّا أَتَتْهُمُ الْإِنْسَانِ أَعْرَضُوا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِّنْهُ
وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَعَذَابُ اللَّهِ شَرٌّ ۝

قُلْ إِنَّ اللَّهَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ لَنُفَصِّلَنَّ لَهُم مِّنْهُ

تکلیف پہنچ جائے تو مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے۔ (۴۹)

اور جو مصیبت اسے پہنچ چکی ہے اس کے بعد اگر ہم اسے کسی رحمت کا مزہ چکھائیں تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ اس کا تو میں حقدار (۴۹) ہی تھا اور میں تو خیال نہیں کر سکتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس واپس کیا گیا تو بھی یقیناً میرے لیے اس کے پاس بھی بہتری (۵۰) ہے، یقیناً ہم ان کفار کو ان کے اعمال سے خبردار کریں گے اور انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ (۵۰)

اور جب ہم انسان پر اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور کنارہ کش ہو جاتا ہے (۵۱) اور جب اسے مصیبت پڑتی ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے۔ (۵۱)

آپ کہہ دیجئے! کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے آیا ہوا ہو پھر تم نے اسے نہ مانا پس اس سے

مانگنا ہی رہتا ہے۔ انسان سے مراد انسانوں کی غالب اکثریت ہے۔

(۱) یعنی تکلیف پہنچنے پر فوراً مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے، جب کہ اللہ کے مخلص بندوں کا حال اس سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ ایک تو دنیا کے طالب نہیں ہوتے، ان کے سامنے ہر وقت آخرت ہی ہوتی ہے، دوسرے 'تکلیف پہنچنے پر بھی وہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے مایوس نہیں ہوتے، بلکہ آزمائشوں کو بھی وہ کفارۃ، سیئات اور رفع درجات کا باعث گردانتے ہیں۔ گویا مایوسی ان کے قریب بھی نہیں پہنچتی۔

(۲) یعنی اللہ کے ہاں میں محبوب ہوں، وہ مجھ سے خوش ہے، اسی لیے مجھے وہ اپنی نعمتوں سے نواز رہا ہے۔ حالانکہ دنیا کی کمی بیشی اس کی محبت یا ناراضی کی علامت نہیں ہے۔ بلکہ صرف آزمائش کے لیے اللہ ایسا کرتا ہے، تاکہ وہ دیکھے کہ نعمتوں میں اس کا شکر کون کر رہا ہے اور تکلیفوں میں صابر کون ہے؟

(۳) یہ کہنے والا منافق یا کافر ہے، کوئی مومن ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ کافر ہی یہ سمجھتا ہے کہ میری دنیا خیر کے ساتھ گزر رہی ہے تو آخرت بھی میرے لیے ایسی ہی ہوگی۔

(۴) یعنی حق سے منہ پھیر لیتا اور حق کی اطاعت سے اپنا پہلو بدل لیتا ہے اور تکبر کا اظہار کرتا ہے۔

(۵) یعنی بارگاہ الہی میں تضرع و زاری کرتا ہے تاکہ وہ مصیبت دور فرمادے۔ یعنی شدت میں اللہ کو یاد کرتا ہے، خوش حال میں بھول جاتا ہے، نزول نعمت کے وقت اللہ سے فریادیں کرتا ہے، حصول نعمت کے وقت اسے وہ یاد نہیں رہتا

أَفْضَلُ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقِي بَعِيدٌ ①

سَيُؤْتِيهِمُ الْيَتَنَانِي الْأَفَاقُ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَّبِعِينَ لَعْنَهُ
أَنَّهُ الْحَقُّ أَوْلَىٰ لَعْنَتِكَ بِرَبِّكَ أَفْهَىٰ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ②

أَلَا إِنَّهُمْ فِي سِرِّيَّةٍ مِنْ لَعْنَةِ رَبِّهِمْ أَلَّا يَخْلُ
تَتَّقِي الْغَيْظَ ③

بڑھ کر برکا ہوا کون ہو گا ^(۱) جو محنت میں (حق سے) دور
چلا جائے۔ ^(۲) (۵۲)

عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں
گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر
کھل جائے کہ حق یہی ہے، ^(۳) کیا آپ کے رب کا ہر چیز
سے واقف و آگاہ ہونا کافی نہیں۔ ^(۴) (۵۳)

یقین جانو! کہ یہ لوگ اپنے رب کے رو برو جانے سے
شک میں ہیں، ^(۵) یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کیے
ہوئے ہے۔ ^(۶) (۵۴)

(۱) یعنی ایسی حالت میں تم سے زیادہ گمراہ اور تم سے زیادہ دشمن کون ہو گا۔

(۲) شِقَاقِ کے معنی ہیں 'ضد' عناد اور مخالفت۔ تَبَعِيدُ مِل کر اس میں اور مبالغہ ہو جاتا ہے۔ یعنی جو بہت زیادہ مخالف اور عناد
سے کام لیتا ہے 'حتیٰ کہ اللہ کے نازل کردہ قرآن کی بھی تکذیب کر دیتا ہے' اس سے بڑھ کر گمراہ اور بد بخت کون ہو سکتا ہے؟

(۳) جن سے قرآن کی صداقت اور اس کا من جانب اللہ ہونا واضح ہو جائے گا۔ یعنی اُنہ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔
بعض نے اس کا مرجع اسلام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا ہے۔ نال سب کا ایک ہی ہے۔ آفاق، اُفق کی جمع ہے۔
کنرہ 'مطلب ہے کہ ہم اپنی نشانیاں باہر کناروں میں بھی دکھائیں گے اور خود انسان کے اپنے نفسوں کے اندر بھی۔
چنانچہ آسمان و زمین کے کناروں میں بھی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں مثلاً سورج، چاند، ستارے، رات و دن، ہوا
اور بارش، گرج چمک، بجلی، زلزلہ، نباتات و جمادات، اشجار، پہاڑ اور انہار و بحار وغیرہ۔ اور آیات انفس سے انسان کا
وجود، جن اخلاط و مواد اور پشتوں پر مرکب ہے وہ مراد ہیں۔ جن کی تفصیلات طب و حکمت کا دلچسپ موضوع ہے۔ بعض
کہتے ہیں 'آفاق سے مراد شرق و غرب کے وہ دور دراز کے علاقے ہیں۔ جن کی فتح کو اللہ نے مسلمانوں کے لیے آسان فرما
دیا اور انفس سے مراد خود عرب کی سرزمین پر مسلمانوں کی پیش قدمی ہے' جیسے جنگ بدر اور فتح مکہ وغیرہ فتوحات میں
مسلمانوں کو عزت و سرفرازی عطا کی گئی۔

(۴) استغنام اقراری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال و افعال کے دیکھنے کے لیے کافی ہے، اور وہی اس بات کی
گواہی دے رہا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو اس کے سچے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

(۵) اس لیے اسکی بابت غور و فکر نہیں کرتے نہ اسکے لیے عمل کرتے ہیں اور نہ اس دن کا کوئی خوف ان کے دلوں میں ہے۔

(۶) بتائیں اس کے لیے قیامت کا وقوع قطعاً مشکل امر نہیں کیوں کہ تمام مخلوقات پر اس کا غلبہ و تصرف ہے وہ اس میں
جس طرح چاہے تصرف کرے، کرتا ہے، کر سکتا ہے اور کرے گا، کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہے۔

سُورَةُ الشُّورَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خَمْسٌ ۝ عَشْرٌ

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ إِلَيْكَ دَلِيلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ اللَّهُ

الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ۝

لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝

تَكَادُ السَّمُوتُ يَتَغَطَّرْنَ مِنْ تَوَقُّعِهِ وَأَسْمِكُ يُضْطَحُونَ بِعَذَابِهِ

لَهُمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ

الرَّحِيمُ ۝

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَكْبِرُونَ فَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَلُوكُمُ

سورة شوریٰ کی ہے اور اس میں تہن آیتیں اور
پانچ رکوع ہیں۔شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

حم۔ (۱) عسق۔ (۲)

اللہ تعالیٰ جو زبردست ہے اور حکمت والا ہے اسی طرح
تیری طرف اور تجھ سے اگلوں کی طرف وحی بھیجتا رہا۔ (۳)آسمانوں کی (تمام) چیزیں اور جو کچھ زمین میں ہے سب
اسی کا ہے وہ برتر اور عظیم الشان ہے۔ (۴)قریب ہے آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں (۲) اور تمام فرشتے
اپنے رب کی پاکی تعریف کے ساتھ بیان کر رہے ہیں اورزمین والوں کے لیے استغفار کر رہے ہیں۔ (۳) خوب سمجھ
رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی معاف فرمانے والا رحمت والا ہے۔ (۴) (۵)

اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوسروں کو کار ساز بنایا

(۱) یعنی جس طرح یہ قرآن تیری طرف نازل کیا گیا ہے اسی طرح تجھ سے پسے انبیاء پر بھیجے اور کتابیں نازل کی گئیں۔
وحی اللہ کا وہ کلام ہے جو فرشتے کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے پاس بھیجتا رہا ہے۔ ایک صحابی نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی کی کیفیت پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ کبھی تو یہ میرے پاس گھنٹی کی آواز کی مثل آتی ہے اور یہ
مجھ پر سب سے سخت ہوتی ہے، جب یہ ختم ہو جاتی ہے تو مجھے یاد ہو چکی ہوتی ہے اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے
اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور وہ جو کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے سخت سردی میں
مشاہدہ کیا کہ جب وحی کی کیفیت ختم ہوتی تو آپ پسینے میں شرابور ہوتے اور آپ کی پیشانی سے پسینے کے قطرے گر رہے
ہوتے۔ (صحیح بخاری، باب بدء الوحي)

(۲) اللہ کی عظمت و جلال کی وجہ سے۔

(۳) یہ مضمون سورہ مومن کی آیت ۷ میں بھی بیان ہوا ہے۔

(۴) اپنے دوستوں اور اہل طاعت کے لیے یا تمام ہی بندوں کے لیے کیوں کہ کفار اور نافرمانوں کی فوراً گرفت نہ کرنا
بلکہ انہیں ایک وقت معین تک مہلت دینا یہ بھی اس کی رحمت و مغفرت ہی کی قسم سے ہے۔

عَلَيْهِمْ يَوْمَئِذٍ ①

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرَىٰ
وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ الَّذِيْنَ فِيْهِ قُرْاٰنٌ فِي الْجَنَّةِ
وَقُرْاٰنٌ فِي السَّجْرِ ②

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَلٰكِنْ يُدْعِى مَنْ
يَشَآءُ فِى رَحْمَتِهٖ وَالظَّالِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِنْ قَوْلٍ وَلَا نَصِيْرٍ ③

ہے اللہ تعالیٰ ان پر نگران^(۱) ہے اور آپ ان کے ذمہ
دار نہیں ہیں۔^(۲) (۶)

اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن کی وحی کی
ہے^(۳) تاکہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کے
لوگوں کو خبردار کر دیں^(۴) اور جمع ہونے کے دن سے
جس^(۵) کے آنے میں کوئی شک نہیں ڈرا دیں۔ ایک گروہ
جنت میں ہو گا اور ایک گروہ جہنم میں ہو گا۔^(۶) (۷)

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی امت کا بنادیتا^(۷)۔
لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے

(۱) یعنی ان کے عملوں کو محفوظ کر رہا ہے تاکہ اس پر ان کو جزا دے۔

(۲) یعنی آپ اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ان کو ہدایت کے راستے پر لگادیں یا ان کے گناہوں پر اس کا مواخذہ
فرمائیں بلکہ یہ کام ہمارے ہیں آپ کا کام صرف ابلاغ (پہنچا دینا) ہے۔

(۳) یعنی جس طرح ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان میں بھیجا اسی طرح ہم نے آپ پر عربی زبان میں قرآن نازل
کیا ہے کیوں کہ آپ کی قوم ہی زبان بولتی اور سمجھتی ہے۔

(۴) اُمّ القُرَیٰ کے کا نام ہے۔ اسے ”بستیوں کی ماں“ اس لیے کہا گیا کہ یہ عرب کی قدیم ترین بستی ہے۔ گویا یہ تمام
بستیوں کی ماں ہے جنہوں نے اسی سے جنم لیا ہے۔ مراد اہل مکہ ہیں۔ وَمَنْ حَوْلَهَا میں اس کے شرق و غرب کے تمام
علاقے شامل ہیں۔ ان سب کو ڈرائیں کہ اگر وہ کفر و شرک سے تائب نہ ہوئے تو عذاب الہی کے مستحق قرار پائیں گے۔

(۵) قیامت والے دن کو جمع ہونے والا دن اس لیے کہا کہ اس میں اگلے پچھلے تمام انسان جمع ہوں گے عداوہ ازیں ظالم
مظلوم اور مومن و کافر سب جمع ہوں گے اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا و سزا سے بہرہ ور ہوں گے۔

(۶) جو اللہ کے حکموں کو بجالایا ہو گا اور اس کی منہیات و محرمات سے دور رہا ہو گا وہ جنت میں اور اس کی نافرمانی اور
محرمات کا ارتکاب کرنے والا جہنم میں ہو گا۔ یہی دو گروہ ہوں گے۔ تیسرا گروہ نہیں ہو گا۔

(۷) اس صورت میں قیامت والے دن صرف ایک ہی گروہ ہوتا یعنی اہل ایمان اور اہل جنت کا لیکن اللہ کی حکمت و
مشیت نے اس جبر کو پسند نہیں کیا بلکہ انسانوں کو آزمانے کے لیے اس نے انسانوں کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی جس
نے اس آزادی کا صحیح استعمال کیا وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہو گیا اور جس نے اس کا غلط استعمال کیا اس نے ظلم کا
ارتکاب کیا کہ اللہ کی دی ہوئی آزادی اور اختیار کو اللہ ہی کی نافرمانی میں استعمال کیا۔ چنانچہ ایسے ظالموں کا قیامت والے
دن کوئی مددگار نہیں ہو گا۔

لَمْ يَخْنُذُوا مِنْ دُونِهِ آيَاتًا ۚ قَالَهُ هُمُ الْكَافِرُونَ ۚ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ اُنِيبُ ۝

كَأَيُّ الْكَذِبِ ۚ وَالْأَرْضُ جَعَلْ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا ۚ وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذُرُّ لَكُمْ مِنْهُمْ لَبَسًا لَئِنْ تَوَلَّيْتُمْ يَسْتَبِيحَ لَكُمْ وَهُوَ الشَّيْءُ الْمَوِیءُ ۝

اور ظالموں کا حامی اور مددگار کوئی نہیں۔ (۸)
کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کارساز بنا لیے ہیں؟ (حقیقتاً تو) اللہ تعالیٰ ہی کارساز ہے وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ (۹)
اور جس جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے، (۱۰) یہی اللہ میرا رب ہے جس پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور جس کی طرف میں جھکتا ہوں۔ (۱۱)
وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس کے جوڑے بنا دیئے ہیں (۱۲)
اور چوپایوں کے جوڑے بنائے ہیں (۱۳) تمہیں وہ اس میں پھیلا رہا ہے (۱۴) اس جیسی کوئی چیز نہیں (۱۵) وہ سننے اور

(۱) جب یہ بات ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو ولی اور کارساز مانا جائے نہ کہ ان کو جن کے پاس کوئی اختیار ہی نہیں ہے، اور جو سننے اور جواب دینے کی طاقت رکھتے ہیں، نہ نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیت۔
(۲) اس اختلاف سے مراد دین کا اختلاف ہے جس طرح یہودیت، عیسائیت اور اسلام وغیرہ میں آپس میں اختلافات ہیں اور ہر مذہب کا پیرو کار دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا دین سچا ہے، دراصل حایکے سارے دین بیک وقت صحیح نہیں ہو سکتے۔ سچا دین تو صرف ایک ہی ہے اور ایک ہی ہو سکتا ہے۔ دنیا میں سچا دین اور حق کا راستہ پہچاننے کے لیے اللہ تعالیٰ کا قرآن موجود ہے۔ لیکن دنیا میں لوگ اس کلام الہی کو اپنا حکم اور ثالث ماننے کے لیے تیار نہیں۔ بالآخر پھر قیامت کا دن ہی رہ جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ان اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا اور بچوں کو جنت میں اور دوسروں کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔
(۳) یعنی یہ اس کا احسان ہے کہ تمہاری جنس سے ہی اس نے تمہارے جوڑے بنائے، ورنہ اگر تمہاری بیویاں انسانوں کے بجائے کسی اور مخلوق سے بنائی جاتیں تو تمہیں یہ سکون حاصل نہ ہوتا جو اپنی ہم جنس اور ہم شکل بیوی سے ملتا ہے۔
(۴) یعنی یہی جوڑے بنانے (مذکر و مؤنث) کا سلسلہ ہم نے چوپایوں میں بھی رکھا ہے، چوپایوں سے مراد وہی نر اور مادہ آٹھ جانور ہیں جن کا ذکر سورۃ الأنعام میں کیا گیا ہے۔

(۵) یَذُرُّ لَكُمْ کے معنی پھیلانے یا پیدا کرنے کے ہیں یعنی وہ تمہیں کثرت سے پھیلا رہا ہے۔ یا نسلًا بعد نسل پیدا کر رہا ہے۔ انسانی نسل کو بھی اور چوپائے کی نسل کو بھی فِیْہِ کا مطلب ہے فِیْ ذَٰلِكَ الْخَلْقِ عَلٰی هٰذِهِ الصِّفَةِ یعنی اس پیدائش میں اس طریقے پر وہ تمہیں ابتدا سے پیدا کرتا آ رہا ہے۔ یا "رحم میں" یا "پیٹ میں" مراد ہے۔ یا فِیْہِ بمعنی یہ ہے یعنی تمہارا جوڑا بنانے کے سبب سے تمہیں پیدا کرتا پھیلاتا ہے کیوں کہ یہ زوجیت ہی نسل کا سبب ہے۔ (فتح القدیر وابن کثیر)

(۶) نہ ذات میں نہ صفات میں، پس وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے، واحد اور بے نیاز۔

دیکھنے والا ہے۔ (۱۱)

آسمانوں اور زمین کی کنبیاں اسی کی ہیں^(۱) جس کی چاہے روزی کشادہ کر دے اور تنگ کر دے، یقیناً وہ ہر چیز کو

جاننے والا ہے۔ (۱۲)

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے وہی دین مقرر کر دیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جو (بذریعہ وحی) ہم نے تیری طرف بھیج دی ہے، اور جس کا تاکید حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دیا^(۲) تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا^(۳) اور اس میں پھوٹ نہ^(۴) ڈالنا جس چیز کی طرف آپ

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ يُجِزِي شَيْئًا عَلَيْهِ ⑤

ثَرَةً لِّكُلِّ مَن الذِّينَ مَا وَهَىٰ بِهِ نُوْحًا الَّذِي اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوسٰى وَعِيسٰى اَنۡ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَآ تَتَّبِعُوْا اٰمِيْنَةً كَثُرَ عَلَ الشُّرِكِيْنَ مَا تَدَّعُوْهُمْ اِلَيْهِ لَلّٰهُ يَجْزِيْ اِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَن يُنۡيِبُ ⑥

(۱) مَقَالِيدُ، مَقَالِدُ اور مِفْلَاحُ کی جمع ہے۔ خزانے یا چابیاں۔

(۲) شَرَعَ کے معنی ہیں 'بیان کیا' واضح کیا اور مقرر کیا، لَكُم (تمہارے لیے) یہ امت محمدیہ سے خطاب ہے۔ مطلب ہے کہ تمہارے لیے وہی دین مقرر یا بیان کیا ہے جس کی وصیت اس سے قبل تمام انبیاء کو کی جاتی رہی ہے۔ اس ضمن میں چند جلیل القدر انبیاء کے نام ذکر فرمائے۔

(۳) الذِّينَ سے مراد اللہ پر ایمان 'توحید' اطاعت رسول اور شریعت الہیہ کو ماننا ہے۔ تمام انبیاء کا یہی دین تھا جس کی وہ دعوت اپنی اپنی قوم کو دیتے رہے۔ اگرچہ ہر نبی کی شریعت اور منہج میں بعض جزوی اختلافات ہوتے تھے جیسا کہ فرمایا ﴿يُجِزِي لِكُلِّ مَن الذِّينَ مَا وَهَىٰ بِهِ نُوْحًا﴾ — (الحائدة: ۴۸) لیکن مذکورہ اصول سب کے درمیان مشترک تھے۔ اسی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: ہم انبیاء کی جماعت علانی بھائی ہیں، ہمارا دین ایک ہے، (صحیح بخاری وغیرہ) اور یہ ایک دین وہی توحید و اطاعت رسول ہے، یعنی ان کا تعلق ان فروعی مسائل سے نہیں ہے جن میں دلائل باہم مختلف یا متعارض ہوتے ہیں یا جن میں کبھی فہم کا تباہی اور تفاوت ہوتا ہے۔ کیوں کہ ان میں اجتہاد یا اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے اس لیے یہ مختلف ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں، تاہم توحید و اطاعت، فروعی نہیں، اصولی مسئلہ ہے جس پر کفر و ایمان کا دار و مدار ہے۔

(۴) صرف ایک اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت (یا اس کے رسول کی اطاعت جو دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے) وحدت و اثنائ کی بنیاد ہے اور اس کی عبادت و اطاعت سے گریز یا ان میں دوسروں کو شریک کرنا، افتراق و انتشار انگیزی ہے، جس سے "پھوٹ نہ ڈالنا" کہہ کر منع کیا گیا ہے۔

انہیں بلا رہے ہیں وہ تو (ان) مشرکین پر گراں گزرتی ہے،^(۱) اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے^(۲) اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔^(۳) (۱۳)

ان لوگوں نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد ہی اختلاف کیا (اور وہ بھی) باہمی ضد بحث سے^(۴) اور اگر آپ کے رب کی بات ایک وقت مقرر تک کے لیے پہلے ہی سے قرار پائی ہوئی نہ ہوتی تو یقیناً ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا^(۵) اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے وہ بھی اس کی طرف سے الجھن والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔^(۶) (۱۴)

پس آپ لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہیں اور جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے اس پر مضبوطی^(۷) سے جم جائیں اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیں^(۸) اور کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ

وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكُمْ بِالْحَقِّ بَغْيًا يُبْغِضُهُمْ
وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى لَفُضِّى
بَيْنَهُمْ وَلَئِنْ الْذِينَ أَتَوْا بِالْكِتَابِ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ
مِنْهُ مُرْتَبِبٍ ۝

فَلَوْلَاكَ فَادُّعُوا اسْتَفِيعُوا كَمَا أَمَرْتُ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَهُمْ
وَقُلْ أَمَرْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كُتُبٍ وَأَمَرْتُ لِأَهْلِ

(۱) اور وہ وہی توحید اور اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔

(۲) یعنی جس کو ہدایت کا مستحق سمجھتا ہے اسے ہدایت کے لیے جن لیتا ہے۔

(۳) یعنی اپنا دین اپنانے کی اور عبادت کو اللہ کے لیے خالص کرنے کی توفیق اس شخص کو عطا کر دیتا ہے جو اس کی اطاعت و عبادت کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۴) یعنی انہوں نے اختلاف اور تفرق کا راستہ علم یعنی ہدایت آجانے اور اتمام حجت کے بعد اختیار کیا جب کہ اختلاف کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ لیکن محض بغض و عناد ضد اور حسد کی وجہ سے ایسا کیا۔ اس سے بعض نے یہود اور بعض نے قریش کو مراد لیے ہیں۔

(۵) یعنی اگر ان کی ہمت میں تاخیر کا فیصلہ پہلے سے نہ ہوتا تو فوراً عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا جاتا

(۶) اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو اپنے سے ما قبل کے یہود و نصاریٰ کے بعد کتاب یعنی تورات و انجیل کے وارث بنائے گئے۔ یا مراد عرب ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا قرآن نازل فرمایا اور انہیں قرآن کا وارث بنایا پہلے مضمون کے اعتبار سے ”الکتاب“ سے تورات و انجیل اور دوسرے مضمون کے لحاظ سے اس سے مراد قرآن کریم ہے

(۷) یعنی اس تفرق اور شک کی وجہ سے جس کا ذکر پہلے ہوا آپ ان کو توحید کی دعوت دیں اور اس پر نئے رہیں

(۸) یعنی انہوں نے اپنی خواہش سے جو چیزیں گمراہی ہیں مثلاً بتوں کی عبادت وغیرہ اس میں اس کی خواہش کے پیچھے مت چلیں۔

نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کرتا رہوں۔^(۱) ہمارا اور تم سب کا پروردگار اللہ ہی ہے ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں، ہم تم میں کوئی کٹ جتنی نہیں^(۲) اللہ تعالیٰ ہم (سب) کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ (۱۵)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی باتوں میں جھگڑا ڈالتے ہیں اس کے بعد کہ (مخلوق) اسے مان چکی^(۳) ان کی کٹ جتنی اللہ کے نزدیک باطل ہے،^(۴) اور ان پر غضب ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ (۱۶)

اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے اور ترازو بھی (اتاری ہے)^(۵) اور آپ کو کیا خبر شاید قیامت

بَيِّنَّا لَكَ اللَّهُ رَبَّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ اللَّهُ يَتِمُّ بَيْنَنَا وَالْيَوْمَ الْمَصْيُورُ ۝

وَالَّذِينَ هُمْ يَجْعَلُونَ فِي اللَّهِ مِنْ تَعْدٍ مَا تَنْهَىٰ عَنْهُ لِيُخْجَبَهُمْ دَاحِضَةٌ عَنْ عَذَابِهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝

اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ۝

(۱) یعنی جب بھی تم اپنا کوئی معاملہ میرے پاس لاؤ گے تو اللہ کے احکام کے مطابق اس کا عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔

(۲) یعنی کوئی جھگڑا نہیں، اس لیے کہ حق ظاہر اور واضح ہو چکا ہے۔

(۳) یعنی یہ مشرکین مسلمانوں سے لڑتے جھگڑتے ہیں۔ جنہوں نے اللہ اور رسول کی بات مان لی ہے، تاکہ انہیں پھر راہ ہدایت سے ہٹا دیں۔ یا مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو مسلمانوں سے جھگڑتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارا دین تمہارے دین سے بہتر ہے اور ہمارا نبی بھی تمہارے نبی سے پہلے ہوا ہے، اس لیے ہم تم سے بہتر ہیں۔

(۴) دَاحِضَةٌ کے معنی کمزور، باطل، جس کو ثبات نہیں۔

(۵) الْكِتَاب سے مراد جس ہے یعنی تمام پیغمبروں پر جتنی کتابیں بھی نازل ہوئیں، وہ سب حق اور سچی تھیں۔ یا بطور خاص قرآن مجید مراد ہے اور اس کی صداقت کو واضح کیا جا رہا ہے۔ میزان سے مراد عدل و انصاف ہے۔ عدل کو ترازو سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ یہ برابری اور انصاف کا آلہ ہے۔ اس کے ذریعے سے ہی لوگوں کے درمیان برابری ممکن ہے۔ اسی کے ہم معنی یہ آیات بھی ہیں۔ ﴿لَقَدْ نَزَّلْنَا سُورَاتِنَا بِالْحَقِّ وَنَزَّلْنَا مَعَهُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

(الحمدہ: ۲۵) یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور انصاف نازل

فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔ ﴿وَلِلَّهِ رُفْعَةُ الْوِزَانِ﴾ ﴿الْأَنْظُرُوا إِلَى الْمِيزَانِ﴾ ﴿وَأَقِمْ وَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ﴾ (سورۃ الرحمٰن: ۶) ”اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔ انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کمی نہ کرو۔“

قریب^(۱) ہی ہو۔ (۱۷)

اس کی جلدی انہیں پڑی ہے جو اسے نہیں مانتے^(۲) اور جو اس پر یقین رکھتے ہیں وہ تو اس سے ڈر رہے ہیں^(۳) انہیں اس کے حق ہونے کا پورا علم ہے۔ یاد رکھو جو لوگ قیامت کے معاملہ میں لڑ بھگڑ رہے ہیں^(۴) وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ (۱۸)^(۵)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی لطف کرنے والا ہے جسے چاہتا ہے کشادہ روزی دیتا ہے اور وہ بڑی طاقت بڑے غلبہ والا ہے۔ (۱۹)

جس کا ارادہ آخرت کی کھیتی کا ہو ہم اسے اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے^(۱) اور جو دنیا کی کھیتی کی طلب رکھتا ہو ہم اسے اس میں سے ہی کچھ دے دیں گے^(۲) ایسے

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفَعُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝

أَلَلَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ لَذِكْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ شَيْءٍ ۝

(۱) قریب، مذکر اور مونث دونوں کی صفت کے لیے آجاتا ہے۔ خصوصاً جب کہ موصوف مونث غیر حقیقی ہو۔ ﴿إِنْ رَضِيتَ

اللَّهُ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾۔ (فتح القدیر)

(۲) یعنی استعجال کے طور پر یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کو آٹا ہی کہاں ہے؟ اس لیے کہتے ہیں کہ قیامت جلدی آئے۔

(۳) اس سے کہ ایک تو ان کو اس کے وقوع کا پورا یقین ہے۔ دوسرے ان کو خوف ہے کہ اس روز بے لاگ حساب ہو گا، کہیں وہ بھی مواخذۃ الٰہی کی زد میں نہ آجائیں۔ جیسے دوسرے مقام پر ہے۔ ﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا فَلَا يَحْسَبُونَهُ لَكًا

وَلَا تَحْسَبُونَهُ لَكًا﴾ (المؤمنون ۳۰)

(۴) يُنَادُونَ، مُنَادَاةً سے ہے جس کے معنی لڑنا بھگڑنا ہیں۔ یا مِرْنَةً سے ہے، بمعنی ریب و شک۔

(۵) اس لیے کہ وہ ان دلائل پر غور و فکر ہی نہیں کرتے جو ایمان لانے کے موجب بن سکتے ہیں حالانکہ یہ دلائل روز و شب ان کے مشاہدے میں آتے ہیں۔ ان کی نظروں سے گزرتے ہیں اور ان کی عقل و فہم میں آسکتے ہیں اس سے وہ حق سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

(۶) حَرْث کے معنی ختم ریزی کے ہیں۔ یہاں یہ بہ طریق استعارہ اعمال کے ثمرات و فوائد پر بولا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں اپنے اعمال و محنت کے ذریعے سے آخرت کے اجر و ثواب کا طالب ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی کھیتی میں اضافہ فرمائے گا کہ ایک ایک نیک کار جو اس گنا سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک بھی عطا فرمائے گا۔

(۷) یعنی طالب دنیا کو دنیا تو ملتی ہے لیکن اتنی نہیں جتنی وہ چاہتا ہے بلکہ اتنی ہی ملتی ہے جتنی اللہ کی مشیت اور تقدیر

شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔^(۱) (۴۰)

کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔^(۲) اگر فیصلے کے دن کا وعدہ نہ ہوتا تو (ابھی ہی) ان میں فیصلہ کر دیا جاتا۔ یقیناً (ان) ظالموں کے لیے ہی دردناک عذاب ہے۔ (۴۱)

آپ دیکھیں گے کہ یہ ظالم اپنے اعمال سے ڈر رہے ہوں گے^(۳) جن کے وہاں ان پر واقع ہونے والے ہیں^(۴) اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ جہنم کے باغیت میں ہوں گے وہ جو خواہش کریں اپنے رب کے پاس موجود پائیں گے یہی ہے بڑا فضل۔ (۴۲)

یہی وہ ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور (سنت کے مطابق) نیک عمل کیے تو کہہ دیجئے! کہ میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت رشتہ داری کی،^(۵) جو شخص کوئی نیکی

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنَ
بِهِ اللَّهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَضْلِ لَفُضِّلَ لِقَاضِي بَيْنَهُمْ
وَلَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُمْ وَاقِعُونَ
بِهِمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَةٍ
الْجَنَّةِ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ حَتَّىٰ يَرْجِعُوا إِلَيْهِمْ ذَلِكَ
هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝

ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ وَمَن يَقْدِرْ
حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حَسَنًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ ذَكُورٌ ۝

کے مطابق ہوتی ہے۔

- (۱) یہ وہی مضمون ہے جو سورہ بنی اسرائیل ۱۸ میں بھی بیان ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اتنی ضرور دیتا ہے جتنی اس نے لکھ دی ہے کیوں کہ وہ سب کی روزی کا ذمہ لئے ہوئے ہے طالب دنیا کو بھی اور طالب آخرت کو بھی۔ تاہم جو طالب آخرت ہو گا یعنی آخرت کے لیے کسب و محنت کرے گا تو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اسے اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً (جرو ثواب عطا فرمائے گا) جب کہ طالب دنیا کے لیے آخرت میں سوائے جہنم کے عذاب کے کچھ نہیں ہو گا۔ اب یہ انسان کو خود سوچ لینا چاہیے کہ اس کا فائدہ طالب دنیا بننے میں ہے یا طالب آخرت بننے میں
- (۲) یعنی شرک و معاصی جن کا حکم اللہ نے نہیں دیا ہے ان کے بنائے ہوئے شریکوں نے انسانوں کو اس راہ پر لگایا ہے۔
- (۳) یعنی قیامت والے دن۔

(۴) حالانکہ ڈرنا بے فائدہ ہو گا کیوں کہ اپنے کیے کی سزا تو انہیں بہر حال بھگتنی ہو گی۔

(۵) قبائل قریش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رشتہ داری کا تعلق تھا، آیت کا مطلب بالکل واضح ہے کہ میں

کرے ہم اس کے لیے اس کی نیکی میں اور نیکی بڑھادیں گے۔^(۱) بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا (اور) بہت قدر دان ہے۔^(۲) (۲۳)

کیا یہ کہتے ہیں کہ (پیغمبر نے) اللہ پر جھوٹ باندھا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے^(۳) اور اللہ تعالیٰ اپنی باتوں سے جھوٹ کو مٹا دیتا ہے^(۴) اور سچ کو

أَمْ يَتْلُوْنَ اَفْثٰى عَلَى اللّٰهِ كَذٰبًا اِنْ يَشَا اللّٰهُ يَجْعَلْ عَلٰى قَلْبِكَ وَبَيْنَا اللّٰهُ الْبَاطِلُ وَيُخَيِّضُ الْحَقَّ يَجْلُوْا اِنَّهٗ

وعظ و نصیحت اور تبلیغ و دعوت کی کوئی اجرت تم سے نہیں مانگتا، البتہ ایک چیز کا سوال ضرور ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان جو رشتے داری ہے، اس کا لحاظ کرو، تم میری دعوت کو نہیں مانتے تو نہ مانو، تمہاری مرضی۔ لیکن مجھے نقصان پہنچانے سے تو باز رہو، تم میرے دست و بازو نہیں بن سکتے تو رشتہ داری و قرابت کے ناطے مجھے ایذا تو نہ پہنچاؤ اور میرے راستے کا روڑہ تو نہ بنو کہ میں فریضہ رسالت ادا کر سکوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے معنی کیے ہیں کہ میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت (رشتہ داری) ہے اس کو قائم رکھو۔ (صحيح البخاری نصبہ مسودۃ الشوریٰ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل، یقیناً حسب و نسب کے اعتبار سے دنیا کی اشرف ترین آل ہے اس سے محبت، اس کی تعظیم و توقیر جزو ایمان ہے۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی احادیث میں ان کی تکریم اور حفاظت کی تاکید فرمائی ہے لیکن اس آیت کا کوئی تعلق اس موضوع سے نہیں ہے، جیسا کہ شیعہ حضرات کھینچا بیٹی کر کے اس آیت کو آں محمد ﷺ کی محبت کے ساتھ جوڑتے ہیں اور پھر آل کو بھی انہوں نے محدود کر دیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما تک۔ نیز محبت کا مفہوم بھی ان کے نزدیک یہ ہے کہ انہیں معصوم اور الٰہی اختیارات سے متصف مانا جائے۔ علاوہ ازیں کفار مکہ سے اپنے گھرانے کی محبت کا سوال بطور اجرت تبلیغ نہایت عجیب بات ہے جو نبی ﷺ کی شان ارفع سے بہت ہی فروتر ہے آپ ﷺ کی تبلیغ کو قبول نہ کرنے کے باوجود آپ ﷺ کی طلب تو صرف قرابت اور صلہ رحمی کی بنیاد پر محبت پر قرار رکھنے کی تھی پھر یہ آیت اور سورت مکی ہے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ابھی عقد زواج بھی قائم نہیں ہوا تھا۔ یعنی ابھی وہ گھرانہ معرض وجود میں ہی نہیں آیا تھا جس کی خود ساختہ محبت کا اثبات اس آیت سے کیا جاتا ہے۔

(۱) یعنی اجر و ثواب میں اضافہ کریں گے۔ یا نیکی کے بعد اس کا بدلہ مزید نیکی کی توفیق کی صورت میں دیں گے جس طرح بدی کا بدلہ مزید بدیوں کا ارتکاب ہے۔

(۲) اس لیے وہ پردہ پوشی فرماتا اور معاف کر دیتا ہے اور زیادہ سے زیادہ اجر دیتا ہے۔

(۳) یعنی اس الزام میں اگر صداقت ہوتی تو ہم آپ کے دل پر مہر لگا دیتے، جس سے وہ قرآن ہی محو ہو جاتا، جس کے گمزنے کا انتساب آپ کی طرف کیا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کو اس کی سخت ترین سزا دیتے۔

(۴) یہ قرآن بھی اگر باطل ہوتا (جیسا کہ مکذبین کا دعویٰ ہے) تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو بھی مٹا ڈالتا، جیسا کہ اس کی

عَلَيْهِمْ ذُنُوبُ الْقُدُورِ ۝

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝

وَيَنْصِبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَرَبُّهُمْ مُرْتَبِنٌ قَضِيهِ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الْبَرْدَ لَمَبَسَ لَبِغَ الْفَاسِقِينَ وَلَكِنْ يَنْزِلُ بِقُدْرِ نَافِثَاتِ آيَاتِهِ يُعَذِّبُ الْكَافِرِينَ ۝

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَسَطُوا وَيُنْزِلُ مِنْ مَعْنَاهُ

عادت ہے۔

ثابت رکھتا ہے۔ وہ سینے کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ (۲۴)
یعنی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے^(۱) اور
گنہگاروں سے درگزر فرماتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو
(سب) جانتا ہے۔ (۲۵)

ایمان والوں اور نیکو کار لوگوں کی سنتا ہے^(۲) اور انہیں
اپنے فضل سے اور بڑھا کر دیتا ہے اور کفار کے لیے سخت
عذاب ہے۔ (۲۶)

اگر اللہ تعالیٰ اپنے (سب) بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو
وہ زمین میں فساد^(۳) برپا کر دیتے لیکن وہ اندازے کے
ساتھ جو کچھ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔ وہ اپنے بندوں
سے پورا خبردار ہے اور خوب دیکھنے والا ہے۔ (۲۷)

اور وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش
برساتا ہے^(۴) اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔ وہی ہے

(۱) توبہ کا مطلب ہے 'معصیت پر ندامت کا اظہار اور آئندہ اس کو نہ کرنے کا عزم۔ محض زبان سے توبہ کر لینا اس
گناہ اور معصیت کے کام کو توبہ چھوڑنا اور توبہ کا اظہار کیے جانا' توبہ نہیں ہے۔ یہ استغفار اور مذاق ہے۔ تاہم غاص اور
سچی توبہ اللہ تعالیٰ یقیناً قبول فرماتا ہے۔

(۲) یعنی ان کی دعائیں سنتا ہے اور ان کی خواہشیں اور آرزوئیں پوری فرماتا ہے۔ بشرطیکہ دعا کے آداب و شرائط کا بھی
پورا اہتمام کیا گیا ہو۔ اور حدیث میں آتا ہے "کہ اللہ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے
جس کی سواری مع کھانے پینے کے سامان کے 'صحرا' بیابان میں گم ہو جائے اور وہ ناامید ہو کر کسی درخت کے نیچے بیٹ
جائے کہ اچانک اسے اپنی سواری مل جائے اور فرط مسرت میں اس کے منہ سے نکل جائے 'اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں
تیرا رب یعنی شدت فرح میں وہ غلطی کر جائے۔" (اصحیح مسلم 'کتاب التوبہ' باب فی الحصص علی الشوبہ
والمرح بہا)

(۳) یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہر شخص کو حاجت و ضرورت سے زیادہ یکساں طور پر وسائل رزق عطا فرمادیتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ
کوئی کسی کی ماتحتی قبول نہ کرتا، ہر شخص شرف و فساد اور بغی و عداوت میں ایک سے بڑھ کر ایک ہوتا، جس سے زمین فساد سے بھر جاتی
(۴) جو انواع رزق کی پیداوار میں سب سے زیادہ مفید اور اہم ہے۔ یہ بارش جب ناامیدی کے بعد ہوتی ہے تو اس
نعمت کا صحیح احساس بھی اسی وقت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس طرح کرنے میں حکمت بھی یہی ہے کہ بندے اللہ کی

وَهُوَ الْوَلِيُّ الْعَلِيمُ ۝

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا يَسْتَوِي لَهُمْ إِذَا أُنْشِئَ لَدُنْكَ شَيْءٌ ۝وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْلَمُ
عَنْ كَيْفِهِ ۝

وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ

کار ساز اور قائلِ حمد و ثنا۔^(۱) (۲۸)اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش
ہے اور ان میں جانداروں کا پھیلانا ہے۔ وہ اس پر بھی
قادر ہے کہ جب چاہے انہیں جمع کر دے۔^(۲) (۲۹)تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں
کے کثرت کا بدلہ ہے اور وہ تو بہت سی باتوں سے
درگزر فرما دیتا ہے۔^(۳) (۳۰)اور تم ہمیں زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو۔^(۴)

نعمتوں کی قدر کریں اور اس کا شکر بجالائیں۔

(۱) کار ساز ہے اپنے نیک بندوں کی چارہ سازی فرماتا ہے، انہیں منافع سے نوازتا اور شرور و مصلحت سے ان کی حفاظت
فرماتا ہے۔ اپنے ان انعامات بے پایاں اور احسانات فراوان پر قائلِ حمد و ثنا ہے۔(۲) ذاتِ (زمین پر چلنے پھرنے والا) کا لفظ عام ہے جس میں جن و انس کے علاوہ وہ تمام حیوانات شامل ہیں جن کی
شکلیں رنگ زبانیں طالع اور انواع و اجناس ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں۔ اور وہ روئے زمین پر پھیلے ہوئے
ہیں۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ایک ہی میدان میں جمع فرمائے گا۔(۳) اس کا خطاب اگر اہل ایمان سے ہو تو مطلب ہو گا کہ تمہارے بعض گناہوں کا کفارہ تو وہ مصائب بن جاتے ہیں جو
تمہیں گناہوں کی پاداش میں پہنچتے ہیں اور کچھ گناہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ یوں ہی معاف فرما دیتا ہے اور اللہ کی ذات بڑی کریم
ہے، معاف کرنے کے بعد آخرت میں اس پر مواخذہ نہیں فرمائے گی۔حدیث میں بھی آتا ہے کہ ”مومن کو جو بھی تکلیف اور ہم و حزن پہنچتا ہے“ حتیٰ کہ اس کے پیر میں کانٹا بھی بہہتا ہے تو
اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔“ (اصحیح بخاری، کتاب العرصی باب ما جاء فی
کفارة العرص مسلم، کتاب البور باب ثواب المؤمن فیما یصیبہ من مرض، اگر خطاب عام ہو تو مطلب ہو
گا کہ تمہیں جو مصائب دنیا پہنچتے ہیں، یہ تمہارے اپنے گناہوں کا نتیجہ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں سے تو
درگزر ہی فرما دیتا ہے یعنی یا تو ہمیشہ کے لیے معاف کر دیتا ہے۔ یا ان پر فوری سزا نہیں دیتا۔ (اور عقوبت و تعزیر میں تاخیر)
یہ بھی ایک گونہ معافی ہی ہے) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا — ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظُهُورِهِمْ
ذَاتُ بَرٍّ ۖ﴾ (طہ: ۴۵) ”اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے کثرتوں پر فوراً مواخذہ شروع فرما دے تو زمین پر کوئی چلنے والا ہی باقی نہ
رہے۔“ اسی مفہوم کی آیت التخل بھی ہے۔

(۴) یعنی تم بھاگ کر کسی ایسی جگہ نہیں جا سکتے کہ جہاں تم ہماری گرفت میں نہ آ سکو یا جو مصیبت ہم تم پر نازل کرنا

لَيْسَ وَلَا نَصِيْرٌ ①

تمہارے لیے سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی کارساز ہے نہ
مددگار۔ (۳۱)

وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ الْبَارِئَاتُ ②

اور دریا میں چلنے والی پہاڑوں جیسی کشتیاں اس کی
نشانیوں میں سے ہیں۔ (۳۲) ③

إِنْ يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ فَيَغْلَبَنَّ السَّيَافُ إِنَّ فِي ذَلِكَ
لَآيَاتٍ لِّحِمْيَرٍ مَّن لَّا يَشْكُرُ ④

اگر وہ چاہے تو ہوا بند کر دے اور یہ کشتیاں سمندروں پر
رکی رہ جائیں۔ یقیناً اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گزار
کے لیے نشانیاں ہیں۔ (۳۳)

أَوْ يُوقِفَهُنَّ مِمَّا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ⑤

یا انہیں ان کے کرتوتوں کے باعث تباہ کر دے، ⑥ وہ تو
بہت سی خطاؤں سے درگزر فرمایا کرتا ہے۔ (۳۴) ⑦

وَيَعْلَمُ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَهُمْ مِنْ حِسَابٍ ⑧

اور تاکہ جو لوگ ہماری نشانوں میں جھگڑتے ہیں ⑧ وہ
معلوم کر لیں کہ ان کے لیے کوئی چھٹکارا نہیں۔ (۳۵) ⑨

فَمَا أُوتِيْنَهُمْ مِنْ نِّعْمٍ فَمَتَّاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ

تو تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ زندگانی دنیا کا کچھ یونہی سا
اسہل ہے، ⑩ اور اللہ کے پاس جو ہے وہ اس سے بدرجہ

خَيْرٌ وَأَبْلَى لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَيْبٍ مِّمَّنْ يَتَوَكَّلُونَ ⑪

بہتر ⑪ اور پائیدار ہے، وہ ان کے لیے ہے جو ایمان لائے
اور صرف اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (۳۶)

چاہیں اس سے تم بچ جاؤ۔

(۱) الْجَوَارِ الْبَارِئَاتُ جَارِئَاتُ (چلنے والی) کی جمع ہے، بمعنی کشتیاں، جہاز، اللہ کی قدرت نامہ کی دلیل ہے کہ سمندروں
میں پہاڑوں جیسی کشتیاں اور جہاز اس کے حکم سے چلتے ہیں، ورنہ اگر وہ حکم دے تو یہ سمندروں میں ہی کھڑے رہیں۔

(۲) یعنی سمندر کو حکم دے اور اس کی موجوں میں طغیانی آجائے اور یہ ان میں ڈوب جائیں۔

(۳) ورنہ سمندر میں سفر کرنے والا کوئی بھی سلامتی کے ساتھ واپس نہ آسکے۔

(۴) یعنی ان کا انکار کرتے ہیں۔

(۵) یعنی اللہ کے عذاب سے وہ کیسے بھاگ کر چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔

(۶) یعنی معمولی اور حقیر ہے، چاہے قارون کا خزانہ ہی کیوں نہ ہو، اس لیے اس سے دھوکے میں مبتلا نہ ہونا، اس سے
کہ یہ عارضی اور فانی ہے۔

(۷) یعنی نیکوں کا جو اجر و ثواب اللہ کے ہاں ملے گا وہ متاع دنیا سے کہیں زیادہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی، کیوں کہ اس
کو زوال اور فنا نہیں، مطلب ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح مت دو، ایسا کرو گے تو بچھتاؤ گے۔

وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَآ
عَصَبُوا لَمْ تُغَوِّرُونَ ﴿٣٥﴾

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَى
بَيْنَهُمْ وَهُمْ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣٦﴾

اور کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور
غصے کے وقت (بھی) معاف کر دیتے ہیں۔ (۳۷)
اور اپنے رب کے فرمان کو قبول کرتے ہیں (۳۸) اور نماز کی
پابندی کرتے ہیں (۳۹) اور ان کا (ہر) کام آپس کے
مشورے سے ہوتا ہے (۴۰) اور جو ہم نے انہیں دے
رکھا ہے اس میں سے (ہمارے نام پر) دیتے ہیں۔ (۴۱)

(۱) یعنی لوگوں سے غور و درگزر کرنا ان کے مزاج و طبیعت کا حصہ ہے نہ کہ انتقام اور بدلہ لینا۔ جس طرح نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے۔ اِنَّا نَتَّقَمُ لِنَفْسِنَا قَطُّ اِلَّا اَنْ تَنْتَهَكَ حُرْمَاتِ اللّٰهِ۔ 'البحار' 'کتاب الادب'
باب بسروا ولا تعسروا مسلم 'کتاب الفضائل' باب مباحثہ صلی اللہ علیہ وسلم للاتمام، "نبی کریم
نے اپنی ذات کے لیے کبھی بدلہ نہیں لیا، ہاں اللہ تعالیٰ کی حرموں کا توڑا جانا آپ کے لیے ناقابل برداشت تھا۔"

(۲) یعنی اس کے حکم کی اطاعت، اس کے رسول کا اتباع اور اس کے زواجر سے اجتناب کرتے ہیں۔

(۳) نماز کی پابندی اور اقامت کا بطور خاص ذکر کیا کہ عبادات میں اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔

(۴) شُورَى کا لفظ ذخری اور شُورَى کی طرح باب مفاطہ سے اسم مصدر ہے۔ یعنی اہل ایمان ہر اہم کام یا اہم مشاورت
سے کرتے ہیں اپنی ہی رائے کو حرف آخر نہیں سمجھتے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ نے حکم دیا کہ مسلمانوں سے
مشورہ کرو (آل عمران ۱۵۹) چنانچہ آپ جنگی معاملات اور دیگر اہم کاموں میں مشاورت کا اہتمام فرماتے تھے۔ جس سے
مسلمانوں کی بھی حوصلہ افزائی ہوتی اور معاملے کے مختلف گوشے واضح ہو جاتے۔ حضرت عمرؓ جب نیزے کے وار
سے زخمی ہو گئے اور زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی تو امر خلافت میں مشاورت کے لیے چھ آدمی نامزد فرما دیے۔ عثمان
علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعد اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا اور دیگر لوگوں سے بھی مشاورت
کی اور اس کے بعد حضرت عثمانؓ کو خلافت کے لیے مقرر فرما دیا۔ بعض لوگ مشاورت کے اس حکم اور تاکید سے
موکیت کی تردید اور جمہوریت کا اثبات کرتے ہیں۔ حالانکہ مشاورت کا اہتمام موکیت میں بھی ہوتا ہے بادشاہ کی بھی
مجلس مشاورت ہوتی ہے، جس میں ہر اہم معاملے پر سوچ بچار ہوتا ہے اس لیے اس آیت سے موکیت کی نفی قطعاً نہیں
ہوتی۔ علاوہ ازیں جمہوریت کو مشاورت کے ہم معنی سمجھنا بیکسر غلط ہے۔ مشاورت ہر کہ و مر سے نہیں ہو سکتی نہ اس کی
ضرورت ہی ہے۔ مشاورت کا مطلب ان لوگوں سے مشورہ کرنا ہے جو اس معاملے کی نزاکتوں اور ضرورتوں کو سمجھتے ہیں
جس میں مشورہ درکار ہوتا ہے۔ جیسے بلڈنگ، پل وغیرہ بنانا ہو تو کسی ناگہ بان، درزی یا رکشہ ڈرائیور سے نہیں کسی
انجینئر سے مشورہ کیا جائے گا، کسی مرض کے بارے میں مشورے کی ضرورت ہوگی تو طب و حکمت کے ماہرین کی طرف
رجوع کیا جائے گا۔ جب کہ جمہوریت میں اس کے برعکس ہر بالغ شخص کو مشورے کا اہل سمجھا جاتا ہے، چاہے وہ کورا ان

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَكْتُمُونَ ﴿۳۹﴾

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَصَا وَاصْلَحَ
فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۴۰﴾

وَلَمَّا اتَّخَذَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مَسْئِلَةٌ ﴿۴۱﴾

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَاتَّخَذُوا فِي
الْأَرْضِ بَغْيًا ۖ الْحَقُّ ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴۲﴾

وَلَمَنْ صَدَرَ وَغُلَّ قُرْآنٌ فَلَيْسَ غَوْلًا لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۳﴾

وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ ۖ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفِيلِينَ
لَتَأْخُذَ الْعَذَابُ أُولَٰئِكَ وَلَهُمْ فِي سَبِيلِهِ ﴿۴۴﴾

اور جب ان پر ظلم (و زیادتی) ہو تو وہ صرف بدلہ لے لیتے
ہیں۔ (۳۹)

اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے، (۴۰) اور جو معاف کر
وے اور اصلاح کر لے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے (فی
الواقع) اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ (۴۱)

اور جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد (برابر کا) بدلہ
لے لے تو ایسے لوگوں پر (الزام کا) کوئی راستہ نہیں۔ (۴۲)
یہ راستہ صرف ان لوگوں پر ہے جو خود دوسروں پر ظلم
کریں اور زمین میں ناحق فساد کرتے پھریں، یہی لوگ
ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۴۳)

اور جو شخص صبر کر لے اور معاف کر دے یقیناً یہ بڑی
امت کے کاموں میں سے (ایک کام) ہے۔ (۴۴)
اور جسے اللہ تعالیٰ ہٹا دے اس کا اس کے بعد کوئی چارہ ساز
نہیں، اور تو دیکھے گا کہ ظالم لوگ عذاب کو دیکھ کر کہہ رہے
ہوں گے کہ کیا واپس جانے کی کوئی راہ ہے۔ (۴۵)

پڑھ، 'بے شعور اور امور سلطنت کی نزاکتوں سے یکسر بے خبر ہو۔ بتائیں مشاورت کے لفظ سے جمہوریت کا اثبات، حکم
اور دھندل کے سوا کچھ نہیں، اور جس طرح سوشلزم کے ساتھ اسلامی کا لفظ لگانے سے سوشلزم مشرف بہ اسلام نہیں
ہو سکتا، اسی طرح "جمہوریت" میں "اسلامی" کی پیوند کاری سے مغربی جمہوریت پر خلافت کی قہر راست نہیں آسکتی۔
مغرب کا یہ پودا اسلام کی سرزمین پر نہیں چنپ سکتا۔

(۱) یعنی بدہ لینے سے وہ عاجز نہیں ہیں، اگر بدلہ لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں، تاہم قدرت کے باوجود وہ معافی کو ترجیح دیتے
ہیں جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والے دن اپنے خون کے پیاسوں کے لیے غنوغام کا اعلان فرما دیا، حدیبیہ میں
آپ نے ان ۸۰ آدمیوں کو معاف کر دیا، جنہوں نے آپ کے خلاف سازش تیار کی تھی، لعید بن عاصم یہودی سے بدہ
نہیں یا جس نے آپ پر جادو کیا تھا، اس یہودیہ عورت کو آپ نے کچھ نہیں کہا جس نے آپ کے کھانے میں زہر دیا
تھا، جس کی تکلیف آپ دم واپس تک محسوس فرماتے رہے، صلی اللہ علیہ وسلم (ابن کثیر)

(۲) یہ قصاص (بدلہ لینے) کی اجازت ہے۔ برائی کا بدلہ اگرچہ برائی نہیں ہے لیکن مشاکلت کی وجہ سے اسے بھی برائی ہی
کہا گیا ہے۔

وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَشِيعَتٍ مِّنَ النَّارِ لِيُظْهِرُوا مِنْ
ظُلُمٍ خَفِيٍّ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْغَايِبِينَ الَّذِينَ خَوَّرُوا
أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَلَّا يُنْفَخُوا فِي عَذَابٍ مُّضِيِّ ۝

اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ (جہنم کے) سامنے لاکھڑے کیے
جائیں گے مارے ذلت کے جھکے جا رہے ہوں گے اور
کن انہیوں سے دیکھ رہے ہوں گے ایمان والے صاف
کہیں گے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جنہوں نے آج
قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو
نقصان میں ڈال دیا۔ یاد رکھو کہ یقیناً ظالم لوگ دائمی
عذاب میں ہیں۔^(۱) (۳۵)

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ تُولِيَّاءَ يَتَصَدَّقُهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ وَمَن يُضِلِلِ
اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ۝

ان کے کوئی مددگار نہیں جو اللہ تعالیٰ سے الگ ان کی
امداد کر سکیں اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی
راستہ ہی نہیں۔ (۳۶)

يَسْتَعْجِلُونَ إِلَيْنَا مِمَّنْ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمُ لَمَّا ذُكِّرُوا مِنَ اللَّهِ
وَالَّذِينَ مَلَاحِيظُهُمْ يَوْمَئِذٍ وَالَّذِينَ مَلَاحِيظُهُمْ يَوْمَئِذٍ ۝

اپنے رب کا حکم مانو اس سے پہلے کہ اللہ کی جانب سے
وہ دن آجائے جس کا ہٹ جانا ناممکن^(۲) ہے، تمہیں اس
روز نہ تو کوئی پناہ کی جگہ ملے گی نہ چھپ کر انجان بن
جانے کی۔^(۳) (۳۷)

وَأَن أَعْرِضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا إِنَّ عَلَيْكَ إِلَّا أَلْبَاسًا وَمَا

اگر یہ منہ پھیر لیں تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر

(۱) یعنی دنیا میں یہ کافر ہمیں بیوقوف اور دنیوی خسارے کا حامل سمجھتے تھے، جب کہ ہم دنیا میں صرف آخرت کو ترجیح
دیتے تھے اور دنیا کے خساروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ آج دیکھ لو حقیقی خسارے سے کون دوچار ہے۔ وہ جنہوں
نے دنیا کے عارضی خسارے کو نظر انداز کیے رکھا اور آج وہ جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں یا وہ جنہوں نے دنیا کو ہی
سب کچھ سمجھ رکھا تھا اور آج ایسے عذاب میں گرفتار ہیں، جس سے اب چھٹکارا ممکن ہی نہیں۔

(۲) یعنی جس کو روک کرنے اور ٹالنے کی کوئی طاقت نہیں رکھے گا۔

(۳) یعنی تمہارے لیے کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی کہ جس میں تم چھپ کر انجان بن جاؤ اور پیچھے نہ جاسکو۔ نظر میں نہ
آسکو جیسے فرمایا ﴿يَقُولُ لَإِنْسَانٍ يَوْمَئِذٍ إِنَّكَ لَآتٍ ذِكْرًا إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ يَتَسَفَّهًا﴾ (الفصل ۲۰) اس دن
انسان کے گا، کہیں بھاگنے کی جگہ ہے، ہرگز نہیں، کوئی راہ فرار نہیں ہوگی، اس دن تیرے رب کے پاس ہی ٹھکانا ہو
گا۔ یا تکبر بمعنی انکار ہے کہ تم اپنے گناہوں کا انکار نہ کر سکو گے کیوں کہ ایک تو وہ سب لکھے ہوئے ہوں گے۔ دوسرے
خود انسان کے اعصاب بھی گواہی دیں گے۔ یا جو عذاب تمہیں تمہارے گناہوں کی وجہ سے دیا جائے گا تم اس عذاب کا انکار
نہیں کر سکو گے، کیوں کہ اعتراف گناہ کے بغیر تمہیں چارہ نہیں ہوگا۔

إِذَا آذَنَّا الْإِنْسَانَ وَمَارَجَمَهُ فَيَمْنَعُهُ وَإِنْ تُصِيبَهُمْ سَيِّئَةٌ
يَمَاقِدْ مَتَّ آيِدِيهِمْ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ لَكُفُورٌ ۝

نہیں بھیجا، آپ کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے،^(۱) ہم
جب کبھی انسان کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھاتے^(۲) ہیں تو وہ
اس پر اترتا جاتا ہے^(۳) اور اگر انہیں ان کے اعمال کی
وجہ سے کوئی مصیبت^(۴) پہنچتی ہے تو بے شک انسان بڑا
بی ناشکرا ہے۔^(۵) (۳۸)

يَلْمِزُكَ الْكَافِرُونَ وَالَّذِينَ هُمْ يَلْمِزُكَ مَا تَشَاءُ يَتَّخِذُ لِنَفْسِهِ
فِي شَأْنِهَا مَا يُغِيبُ لِنَفْسِهِ أَشْأَ الْكَافِرِينَ ۝

آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے
ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے^(۶) جس کو چاہتا ہے
بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔^(۷)
یا انہیں جمع کر دیتا ہے^(۸) بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جسے

أَوْ يَرْزُقُهُمْ ذُكْرًا أَوْ نِسَاءً أَوْ يَجْعَلُ لِمَنْ يَشَاءُ عِزًّا إِنَّهُ عَلِيمٌ

(۱) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ مَذْمُومٌ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ﴾ (البقرة ۲۵۵) اور ﴿وَلَا تَلْمِزْكَ
الْبَلَدُ وَتَلْمِزْنَا الْحَسَبَ﴾ — (الرعد ۳۰) ﴿فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۚ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُسَوِّطٍ﴾ (الحاشية ۲، ۳۴) ان سب کا
مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذمے داری صرف اور صرف یہ ہے کہ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیں، مانیں نہ مانیں آپ
سے اس کی باز پرس نہیں ہوگی کیوں کہ ہدایت دینا آپ کے اختیار میں ہی نہیں ہے، یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

(۲) یعنی وسائل رزق کی فراوانی، صحت و عافیت، اولاد کی کثرت، جاہ و منصب وغیرہ۔
(۳) یعنی تکبر اور غرور کا اظہار کرتا ہے، ورنہ اللہ کی نعمتوں پر خوش ہونا یا اس کا اظہار ہونا ناپسندیدہ امر نہیں، لیکن وہ
تحدیثِ نعمت اور شکر کے طور پر ہونے کے فخر و ریا اور تکبر کے طور پر۔
(۴) مال کی کمی، بیماری، اولاد سے محرومی وغیرہ۔

(۵) یعنی فوراً نعمتوں کو بھی بھول جاتا ہے اور شُغْم (نعمتیں دینے والے) کو بھی۔ یہ انسانوں کی غائب اکثریت کے اعتبار
سے ہے جس میں ضعیف ایمان لوگ بھی شامل ہیں۔ لیکن اللہ کے نیک بندے اور کامل ایمان لوگوں کا حال ایسا نہیں
ہوتا۔ وہ تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں پر شکر۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَاءُ
شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ صَرَاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَلَيْسَ ذَلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ (صحيح مسلم)
کتاب الزهد باب المؤمن أمره عسير كله

(۶) یعنی کائنات میں صرف اللہ ہی کی مشیت اور اسی کی تدبیر چلتی ہے، وہ جو چاہتا ہے، ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا، نہیں
ہوتا۔ کوئی دوسرا اس میں دخل اندازی کرنے کی قدرت و اختیار نہیں رکھتا۔

(۷) یعنی جس کو چاہتا ہے، مذکر اور مؤنث دونوں دیتا ہے۔ اس مقام پر اللہ نے لوگوں کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک
وہ جن کو صرف بیٹے دیئے۔ دوسرے، وہ جن کو صرف بیٹیاں، تیسرے وہ جن کو بیٹے، بیٹیاں دونوں اور چوتھے وہ جن کو بیٹا

قَبِيْرٌ ۝

چاہے یا نہ کر دیتا ہے، وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔ (۵۰)

ناممکن ہے کہ کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتہ کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو وہ چاہے وحی "کرے" بیشک وہ برتر ہے حکمت والا ہے۔ (۵۱)

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے،^(۱) آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہے؟^(۲) لیکن ہم نے اسے نور بنایا، اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں،^(۳) بیشک آپ راہ راست

وَمَا كَانَ لِشَيْءٍ أَنْ يُلْحِقَهُ اللَّهُ إِلَّا وَخِيًّا أَوْ مَيِّتًا ۚ وَرَأَىٰ جِبَابَ
أَوْرِثِيْلَ رَسُولًا مِّمَّنْ يَآذِيهِ مَا يَشَاءُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ يُخِيفُ ۝

وَكُنَّا لَكَ أَوْعَيْنًا أَتَيْنَاكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا نَأْتِيكَ بِمَا لَمْ يَكُنْ بِ
وَلَا الْإِنْمَانُ وَلَٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا
وَأَنَّا لَكَ لَهْدِي إِلَىٰ حَزَاوَانٍ نَّعْتَمِرُ ۝

نہ بنی۔ لوگوں کے درمیان یہ فرق و تفاوت اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، اس تفاوت الہی کو دنیا کی کوئی طاقت بدلنے پر قادر نہیں ہے۔ یہ تقسیم اولاد کے اعتبار سے ہے۔ باپوں کے اعتبار سے بھی انسانوں کی چار قسمیں ہیں۔ ۱۔ آدم علیہ السلام کو صرف مٹی سے پیدا کیا، ان کا باپ ہے نہ ماں۔ ۲۔ حضرت حوا کو آدم علیہ السلام سے یعنی مرد سے پیدا کیا، ان کی ماں نہیں ہے۔ ۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت کے بطن سے پیدا کیا، ان کا باپ نہیں ہے۔ ۴۔ اور باقی تمام انسانوں کو مرد اور عورت دونوں کے ملاپ سے۔ ان کے باپ بھی ہیں اور مائیں بھی۔ فَسُبْحَانَ اللَّهِ الْعَلِيِّمِ الْقَدِيرِ (ابن کثیر)

(۱) اس آیت میں وحی الہی کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں پہلی یہ کہ دل میں کسی بات کا ڈال دینا یا خواب میں بت دینا اس یقین کے ساتھ کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ دوسری 'پردے کے پیچھے سے کلام کرنا' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر کیا گیا۔ تیسری 'فرشتے کے ذریعے اپنی وحی بھیجنا' جیسے جبرائیل علیہ السلام اللہ کا پیغام لے کر آتے اور پیغمبروں کو سناتے رہے۔

(۲) دُوح سے مراد قرآن ہے۔ یعنی جس طرح آپ سے پہلے اور رسولوں پر ہم وحی کرتے رہے، اسی طرح ہم نے آپ پر قرآن کی وحی کی۔ ہے۔ قرآن کو روح سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ قرآن سے دلوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے جیسے روح میں انسانی زندگی کا راز مضمر ہے۔

(۳) کتاب سے مراد قرآن ہے، یعنی نبوت سے پہلے قرآن کا بھی کوئی علم آپ کو نہیں تھا اور اسی طرح ایمان کی ان تفصیلات سے بھی بے خبر تھے جو شریعت میں مطلوب ہیں۔

(۴) یعنی قرآن کو نور بنایا، اس کے ذریعے سے اپنے بندوں میں سے ہم جسے چاہتے ہیں، ہدایت سے نواز دیتے ہیں۔

صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ
اللَّهُ يُصَوِّرُ الْأَمُورَ ﴿٥٢﴾

سُورَةُ الرَّحُوفِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْدٌ ۝ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝
إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝
وَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝

کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ (۵۲)

اس اللہ کی راہ کی^(۱) جس کی ملکیت میں آسمانوں اور زمین کی ہر چیز ہے۔ آگاہ رہو سب کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔^(۲) (۵۳)

سورۃ زخرف کی ہے اور اس میں نوای آیتیں ہیں اور سات رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حم۔ (۱) قسم ہے اس واضح کتاب کی۔ (۲)
ہم نے اسکو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے^(۳) تم سمجھو۔ (۳)
یقیناً یہ نوح محفوظ میں ہے اور ہمارے نزدیک بند مرتبہ حکمت^(۴) والی ہے۔ (۴)

مطلب یہ ہے کہ قرآن سے ہدایت و رہنمائی انہی کو ملتی ہے جن میں ایمان کی طلب اور تڑپ ہوتی ہے وہ اسے طلب ہدایت کی نیت سے پڑھتے سنتے اور غور و فکر کرتے ہیں چنانچہ اللہ ان کی مدد فرماتا ہے اور ہدایت کا راستہ ان کے لیے ہموار کر دیتا ہے جس پر وہ چل پڑتے ہیں ورنہ جو اپنی آنکھوں کو ہی بند کر لیں کانوں میں ڈاٹ لگالیں اور عقل و فہم کو ہی بروئے کار نہ لائیں تو انہیں ہدایت کیوں کر نصیب ہو سکتی ہے جیسے فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ الَّذِي هَدَىٰ نَوْعَآدَ الْوَيْلِينَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (سورۃ طہ السجۃ ۱۳۴)

(۱) یہ صراط مستقیم اسلام ہے۔ اس کی اضافت اللہ نے اپنی طرف فرمائی ہے جس سے اس راستے کی عظمت و فخامت شان واضح ہوتی ہے اور اس کے واحد راہ نجات ہونے کی طرف اشارہ بھی۔

(۲) یعنی قیامت والے دن تمام معاملات کا فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہو گا اس میں سخت وعید ہے جو مجازات (جزا و سزا) کو مستلزم ہے۔

(۳) جو دنیا کی فصیح ترین زبان ہے دوسرے اس کے اولین مخاطب بھی عرب تھے انہی کی زبان میں قرآن اتارا تاکہ وہ سمجھنا چاہیں تو آسانی سے سمجھ سکیں۔

(۴) اس میں قرآن کریم کی اس عظمت اور شرف کا بیان ہے جو علماء اعلیٰ میں اسے حاصل ہے تاکہ اہل زمین بھی اس کے شرف و عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو قرار واقعی اہمیت دیں اور اس سے ہدایت کا وہ مقدمہ حاصل کریں جس

أَفَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ تَوَكُّفًا أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا شَرِيفِينَ ۝

وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنَ الرُّسُلِ ۝

وَمَا يَنْتَهِمُونَ عَنْ نَجَاتِهِ إِلَّا كَأَنَّهُمْ يَرْغَبُونَ ۝

فَأَهْلَكَ أَتَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَمَنْ مِثْلُ الْأَوَّلِينَ ۝

وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ

خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّحْمَ مِنْ هَذَا أَجْعَلْ لَكُمْ مِنْهَا سَلًا لَتَلْعَقُوهُ

کیا ہم اس نصیحت کو تم سے اس بنا پر ہٹالیں کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔^(۱) (۵)

اور ہم نے اگلے لوگوں میں بھی کتنے ہی نبی بھیجے۔ (۶)

جو نبی ان کے پاس آیا انہوں نے اس کا مذاق اڑایا۔ (۷)

پس ہم نے ان سے زیادہ زور آوروں^(۲) کو تباہ کر ڈالا اور اگلوں کی مثال گزر چکی ہے۔^(۳) (۸)

اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً ان کا جواب یہی ہو گا کہ انہیں

غالب و دانا (اللہ) نے ہی^(۴) پیدا کیا ہے۔ (۹)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش (بچھونا)^(۵)

کے لیے اسے دنیا میں اتار دیا ہے اُمّ الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔

(۱) اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں مثلاً ۱۔ تم چوں کہ گناہوں میں بہت منہمک اور ان پر مصر ہو اس لیے کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم تمہیں وعظ و نصیحت کرنا چھوڑ دیں گے؟ ۲۔ یا تمہارے کفر اور اسراف پر ہم تمہیں کچھ نہ کہیں گے اور تم سے درگزر کریں گے۔ ۳۔ یا ہم تمہیں ہلاک کر دیں اور کسی چیز کا تمہیں حکم دیں نہ منع کریں۔ ۴۔ چوں کہ تم قرآن پر ایمان لاسنے والے نہیں ہو اس لیے ہم انہیں قرآن کا سلسلہ ہی بند کر دیں۔ پہلے مفہوم کو امام طبری نے اور آخری مفہوم کو امام ابن کثیر نے زیادہ پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اللہ کا لطف و کرم ہے کہ اس نے خیر اور ذکر حکیم (قرآن) کی طرف دعوت دینے کا سلسلہ موقوف نہیں فرمایا اگرچہ وہ اعراض و انکار میں حد سے تجاوز کر رہے تھے تاکہ جس کے لیے ہدایت مقدر ہے وہ اس کے ذریعے سے ہدایت اپنالے اور جن کے لیے شقاوت لکھی جا چکی ہے ان پر حجت قائم ہو جائے۔

(۲) یعنی اہل مکہ سے زیادہ زور آور تھے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿كَانُوا أَكْثَرُ عِصْيَانًا وَأَشَدَّ تَوَكُّفًا﴾، المؤمن ۸۲، ”وہ ان سے تعداد اور قوت میں کہیں زیادہ تھے۔“

(۳) یعنی قرآن مجید میں ان قوموں کا تذکرہ یا وصف متعدد مرتبہ گزر چکا ہے۔ اس میں اہل مکہ کے لیے تہدید ہے کہ پچھلی قومیں رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ اگر یہ بھی تکذیب رسالت پر مصر رہے تو ان کی مثل یہ بھی ہلاک کر دیے جائیں گے۔

(۴) لیکن اس اعتراف کے باوجود انہی مخلوقات میں سے بہت سوں کو ان نادانوں نے اللہ کا شریک ٹھہرایا ہے۔ اس میں ان کے جرم کی شاعت و قباحیت کا بھی بیان ہے اور ان کی سفاہت و جہالت کا اظہار بھی۔

(۵) ایسا بچھونا جس میں ثبات و قرار ہے تم اس پر چلتے ہو کھڑے ہوتے اور سوتے ہو اور جہاں چاہتے ہو پھرتے ہو۔

تَهْتَدُونَ ﴿۱﴾

وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً يَقْدِرُ فَأَنْشُرَ نَابِهَ بَلَدًا مَّيِّتًا
كَذَلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿۲﴾وَالَّذِي خَلَقَ الذُّنُوبَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْخَلْقِ وَالْأَنْعَامِ
مَآثِرَ كَثِيرًا ﴿۳﴾لِئَلَّامُ أَهْلِ ظُهُورِهِمْ لِيَسْتَعِزُّوا بِعَمَلِهِمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ
عَلَيْهِمْ وَيَقُولُوا سُبْحَنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا
لَهُ مُقَرَّبِينَ ﴿۴﴾

بتایا اور اس میں تمہارے لیے راستے کر دیے تاکہ تم راہ
پالیا کرو۔^(۱) (۱۰)

اسی نے آسمان سے ایک اندازے^(۲) کے مطابق پانی
نازل فرمایا، پس ہم نے اس سے مردہ شجر کو زندہ کر دیا۔
اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔^(۳) (۱۱)

جس نے تمام چیزوں کے جوڑے^(۴) بنائے اور تمہارے
لیے کشتیاں بنائیں اور چوپائے جانور (پیدا کیے) جن پر تم
سوار ہوتے ہو۔ (۱۲)

تاکہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر سوار ہوا کرو^(۵) پھر اپنے رب کی
نعمت کو یاد کرو جب اس پر ٹھیک ٹھاک بیٹھ جاؤ اور کمپا ک
ذات ہے اس کی جس نے اسے ہمارے بس میں کر دیا
حالانکہ ہمیں اسے قابو کرنے کی طاقت نہ تھی۔ (۱۳)

اس نے اس کو پہاڑوں کے ذریعے سے جمادیا تاکہ اس میں حرکت و جنبش نہ ہو۔

(۱) یعنی ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کے لیے راستے بنا دیئے تاکہ
کاروباری، تجارتی اور دیگر مقاصد کے لیے تم آ جا سکو۔

(۲) جس سے تمہاری ضرورت پوری ہو سکے، کیونکہ قدر حاجت سے کم بارش ہوتی تو وہ تمہارے لیے مفید ثابت نہ
ہوتی اور زیادہ ہوتی تو وہ طوفان بن جاتی، جس میں تمہارے ڈوبنے اور ہلاک ہونے کا خطرہ ہوتا۔

(۳) یعنی جس طرح بارش سے مردہ زمین شاداب ہو جاتی ہے، اسی طرح قیامت والے دن تمہیں بھی زندہ کر کے
قبروں سے نکال لیا جائے گا۔

(۴) یعنی ہر چیز کو جوڑا بنایا، نر اور مادہ، نباتات، کھیتیاں، پھل، پھول اور حیوانات سب میں نر اور مادہ کا تسلسلہ ہے۔ بعض
کہتے ہیں اس سے مراد ایک دوسرے کی مخالف چیزیں ہیں جیسے روشنی اور اندھیرا، مرض اور صحت، انصاف اور ظلم، خیر اور
شر، ایمان اور کفر، نرمی اور سختی وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں ازواج، اصناف کے معنی میں ہے۔ تمام انواع و اقسام کا خالق اللہ ہے۔

(۵) لِيَسْتَوُوا بِمَعْنَى لِيَسْتَقْرِضُوا يَا لِيَسْتَعْلُوا جم کر بیٹھ جاؤ یا چڑھ جاؤ۔ ظُہُورِہ میں ضمیر واحد باعتبار جنس کے ہے
(۶) یعنی اگر ان جانوروں کو ہمارے تابع اور ہمارے بس میں نہ کرتا تو ہم انہیں اپنے قابو میں رکھ کر ان کو سواری، بار

برداری اور دیگر مقاصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتے تھے، مُقَرَّبِينَ بِمَعْنَى مُطَبَّقِينَ ہے۔

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ ۝

اور بالیقین ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔^(۱) (۱۳)

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْأً إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُبِينٌ ۝

اور انہوں نے اللہ کے بعض بندوں کو اس کا جز ٹھہرا^(۲) دیا یقیناً انسان کھلم کھلا ناشکرا ہے۔ (۱۵)

إِنَّمَا اتَّخَذَ مِمَّا يَتْلُونَ بَنَاتٍ وَأَصْنَعُ الْيَوْمَ ۝

کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں تو خود رکھ لیں اور تمہیں بیٹوں سے نوازا۔^(۳) (۱۶)

وَأَذِّنْ لِلْعَذْرَاءِ مِنْهُمْ مِمَّا تَوَبَّ لِلرِّجَالِ مِثْلًا خَلًى وَجَعَلَهُ

(حالاتکہ) ان میں سے کسی کو جب اس چیز کی خبر دی جائے جس کی مثال اس نے (اللہ) رحمن کے لیے بیان کی ہے تو

مُسَوِّدًا أَوْ هَوًّا ۝

اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غمگین ہو جاتا ہے۔ (۱۷)

أَوْ مِنْ يُنْشَوْنَ فِي الْعِلْيَةِ وَهُنَّ الْغِيَاوَاتُ يُنْهِنِينَ ۝

کیا (اللہ کی اولاد لڑکیاں ہیں) جو زیورات میں پلیں اور جھگڑے میں (اپنی بات) واضح نہ کر سکیں؟^(۴) (۱۸)

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سواری پر سوار ہوتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے اور سُبحَنَ لَدُنِّي... سے لَمُنْفَعُونَ تک آیت پڑھتے۔ علاوہ ازیں خیر و عافیت کی دعا مانگتے جو دعاؤں کی کتابوں میں دیکھ لی جائے (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما یقول اذا رکب...)

(۲) عِبَاد سے مراد فرشتے اور جُزْء سے مراد بیٹیاں یعنی فرشتے جن کو مشرکین اللہ کی بیٹیاں قرار دے کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ یوں وہ مخلوق کو اللہ کا شریک اور اس کا جزء مانتے تھے، حالاں کہ وہ ان چیزوں سے پاک ہے۔ بعض نے جزء سے یہاں نذر نیاز کے طور پر نکالے جانے والے وہ جانور مراد لیے ہیں جن کا ایک حصہ مشرکین اللہ کے نام پر اور ایک حصہ جنوں کے نام پر نکالا کرتے تھے جس کا ذکر سورۃ الانعام ۱۳۶ میں ہے۔

(۳) اس میں ان کی جمالت اور سخاوت کا بیان ہے جو انہوں نے اللہ کے لیے اولاد بھی ٹھہرائی ہوئی ہے جسے یہ خود ناپسند کرتے ہیں۔ حالاں کہ اللہ کی اولاد ہوتی تو کیا ایسا ہی ہوتا کہ خود تو اس کی لڑکیاں ہو تمیں اور تمہیں وہ لڑکوں سے نوازا۔

(۴) یُنْشَوْنَ، سُئُوْا سے ہے، بمعنی تربیت اور نشوونما۔ عورتوں کی دو صفات کا تذکرہ بطور خاص یہاں کیا گیا ہے۔ ۱۔ ان کی تربیت اور نشوونما زیورات اور زینت میں ہوتی ہے، یعنی شعور کی آنکھیں کھولتے ہی ان کی توجہ حسن افزا اور جمال افروز چیزوں کی طرف ہو جاتی ہے۔ مقصد اس وضاحت سے یہ ہے کہ جن کی حالت یہ ہے وہ تو اپنے ذاتی معاملات کے درست کرنے کی بھی استعداد و صلاحیت نہیں رکھتیں۔ ۲۔ اگر کسی سے بحث و تکرار ہو تو وہ اپنی بات بھی صحیح طریقے سے (فطری حجاب کی وجہ سے) واضح نہیں کر سکتیں نہ فریق مخالف کے دلائل کا توڑ ہی کر سکتی ہیں۔ یہ عورت کی وہ دو فطری کمزوریاں ہیں جن کی بنا پر مرد حضرات عورتوں پر ایک گونہ فضیلت رکھتے ہیں۔ سیاق سے بھی مرد کی یہ برتری واضح ہے۔

وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَاءً لَهُمْ وَلَوْ أَنَّ قُلُوبُهُمْ شَتَّتَتْ حَذَقَهُمْ مُسْتَلْبِبُ شَهَادَتِهِمْ وَيَتَنَبَّهُونَ ﴿۱۹﴾

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ مَالَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِمْ وَآخِرَتُهُمْ إِن هُمْ إِلَّا يَافِقُونَ ﴿۲۰﴾

أَمْ أَمِنتُمْ بِإِشْرَاقِهِمْ قَبْلَهُ قَهْرِهِمْ فَهُمْ يَنْفَكُونَ ﴿۲۱﴾

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَاهَا آيَاتِنَا عَلَى أَمْتٍ وَإِنَّا عَلَى الْآيَةِ مُتَوَدِّعُونَ ﴿۲۲﴾

اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمن کے عبادت گزار ہیں عورتیں قرار دے لیا۔ کیا ان کی پیدائش کے موقع پر یہ موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے (اس چیز کی) باز پرس کی جائے گی۔^(۱۹)

اور کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے۔ انہیں اس کی کچھ خبر نہیں،^(۲۰) یہ تو صرف انگلی بچو (جھوٹ باتیں) کہتے ہیں۔^(۲۱)

کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کوئی (اور) کتاب دی ہے جسے یہ مضبوط تھامے ہوئے ہیں۔^(۲۲)

(نہیں نہیں) بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک مذہب پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل کر

کیوں کہ گفتگو اسی ضمن میں یعنی مرد و عورت کے درمیان جو فطری تفاوت ہے، جس کی بنا پر بچی کے مقابلے میں بچے کی ولادت کو زیادہ پسند کیا جاتا تھا، ہو رہی ہے۔

(۱) یعنی جزا کے لیے۔ کیوں کہ فرشتوں کے بیات اللہ ہونے کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہو گی۔

(۲) یعنی اپنے طور پر اللہ کی مشیت کا سارا، یہ ان کی ایک بڑی دلیل ہے کیوں کہ ظاہراً یہ بات صحیح ہے کہ اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا، نہ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ اس کی مشیت، اس کی رضا سے مختلف چیز ہے۔ ہر کام یقیناً اس کی مشیت ہی سے ہوتا ہے لیکن راضی وہ انہی کاموں سے ہوتا ہے جن کا اس نے حکم دیا ہے نہ کہ ہر اس کام سے جو انسان اللہ کی مشیت سے کرتا ہے، انسان چوری، بدکاری، ظلم اور بڑے بڑے گناہ کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی کو یہ گناہ کرنے کی قدرت ہی نہ دے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لے، اس کے قدموں کو روک دے اس کی نظر سلب کر لے۔ لیکن یہ جبری صورتیں ہیں جب کہ اس نے انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے تاکہ اسے آزمایا جائے، اسی لیے اس نے دونوں قسم کے کاموں کی وضاحت کر دی ہے، جن سے وہ راضی ہوتا ہے ان کی بھی اور جن سے ناراض ہوتا ہے، ان کی بھی۔ انسان دونوں قسم کے کاموں میں سے جو کام بھی کرے گا، اللہ اس کا ہاتھ نہیں پکڑے گا، لیکن اگر وہ کام جرم و معصیت کا ہو گا تو یقیناً وہ اس سے ناراض ہو گا کہ اس نے اللہ کے دیئے ہوئے اختیار کا استعمال غلط کیا۔ تاہم یہ اختیار اللہ دنیا میں اس سے واپس نہیں لے گا، البتہ اس کی سزا قیامت والے دن دے گا۔

(۳) یعنی قرآن سے پہلے کوئی کتاب، جس میں ان کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کا اختیار دیا گیا ہے جسے انہوں نے مضبوطی سے تھام رکھا ہے؟ یعنی ایسا نہیں ہے بلکہ تقلید آبا کے سوا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

راہ یافتہ ہیں۔ (۲۲)

اسی طرح آپ سے پہلے بھی ہم نے جس ہستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو (ایک راہ پر اور) ایک دین پر پایا اور ہم تو انہی کے نقش پا کی پیروی کرنے والے ہیں۔ (۲۳)

(نہی نے) کہا بھی کہ اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے بہت بہتر (مقصود تک پہنچانے والا) طریقہ لے کر آیا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس کے منکر ہیں جسے دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے۔^(۱) (۲۴)

پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور دیکھ لے جھلنے والوں کا کیسا انجام ہوا؟ (۲۵)

اور جبکہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو^(۲) (۲۶)

بجز اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی مجھے ہدایت بھی کرے گا۔^(۳) (۲۷)

اور (ابراہیم علیہ السلام) اسی کو اپنی اوماد میں بھی باقی رہنے والی بات^(۴) قائم کر گئے تاکہ لوگ (شرک سے)

وَكَذَلِكَ سَأَلْنَاهُ مِنْ قَبْلِكَ فِي قَوْمِهِ مِنَ الَّذِينَ قَالَ قَالُوا لِمَنْ لَكُمْ مِنْهُمْ اِتَابُوا آلَهُمُ الْاُولٰٓئِ
مَنْ قَوْمُهُمْ اِذَا رَجَعُوا اِلَيْهِمْ قَالُوا هَٰؤُلَاءِ اَتَابُوهُمْ وَاٰلَهُمْ
مُتَّبِعُوْنَ ۝

قُلْ اَوْ لَوْ كُنْتُمْ بِاٰمَانٍ مِّمَّا وَحَدَّثْتُ وَلِيْهِ اٰبَاءُكُمْ قَالُوْا اِنَّا
بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهِ كٰفِرُوْنَ ۝

فَاَنْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِيْنَ ۝

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِرَبِّهِۦٓ اِلٰهِيْ اِنِّیْۤ اِبْرٰهِيْمُ مُّسْلِمٌ ۝

اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّہٗ سَمِیْعٌ ۝

وَجَعَلْنَا نِسْمَہٗٓ اٰیٰتٍ فِیْ عَظْمِہٖۤ اَلَمْ نَجْعَلْہُمْ رِجْجًا ۝

(۱) یعنی اپنے آبا کی تقلید میں اتنے ہنستے تھے کہ پیغمبر کی وضاحت اور دلیل بھی انہیں اس سے نہیں پھیر سکی۔ یہ آیت اندھی تقلید کے بطلان اور اس کی قباحیت پر بہت بڑی دلیل ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے فتح القدیر، مشکوٰۃ) (۲) یعنی جس نے مجھے پیدا کیا ہے وہ مجھے اپنے دین کی سمجھ بھی دے اور اس پر ثابت قدم بھی رکھے گا، میں صرف اسی کی عبادت کروں گا۔

(۳) یعنی اس کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی وصیت اپنی اولاد کو کر گئے۔ جیسے فرمایا ﴿وَوَضَّیْ بِعٰلِیْہُمْ بَیِّنٰتٍ وَتَعْقُوْبًا﴾ (البقرة ۱۳۳) بعض نے جَعَلَهَا میں فاعل اللہ کو قرار دیا ہے۔ یعنی اللہ نے اس کلمے کو ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد میں باقی رکھا اور وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے رہے۔

باز آتے رہیں۔^(۲۸)

بلکہ میں نے ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادوں کو
سلمان (اور اسباب)^(۲۹) دیا یہاں تک کہ ان کے پاس حق
اور صاف صاف سنانے والا رسول آگیا۔^(۳۰)

اور حق کے پہنچنے ہی یہ بول پڑے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم
اس کے منکر ہیں۔^(۳۱)

اور کہنے لگے 'یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی
بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا۔'^(۳۲)

کیا آپ کے رب کی رحمت کو یہ تقسیم کرتے ہیں؟^(۳۳) ہم

بَلْ كُنْتُمْ كَافِرِينَ ۝
وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَذَا وَفَرَّقُوا مَا بَيْنَهُمْ كَقُرُونٍ ۝

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ
عَظِيمَتِهِ ۝

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ قُلْ قَسَمْنَا بِبَيْتِهِمْ فَوَيْتَهُمْ نَبِيِّ

(۱) یعنی اولاد ابراہیم میں یہ موحدین اس لیے پیدا کیے تاکہ ان کے توحید کے وعظ سے لوگ شرک سے باز آتے رہیں۔
لَعَلَّهُمْ میں ضمیر کا مرجع اہل مکہ ہیں یعنی شاید اہل مکہ اس دین کی طرف لوٹ آئیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین
تھا جو خالص توحید پر مبنی تھا نہ کہ شرک پر۔

(۲) یہاں سے پھر ان نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ نے انہیں عطا کی تھیں اور نعمتوں کے بعد عذاب میں جلدی نہیں کی
بلکہ انہیں پوری صحت دی جس سے وہ دھوکے میں مبتلا ہو گئے اور خواہشات کے بندے بن گئے۔

(۳) حق سے قرآن اور رسول سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ مبین رسول کی صفت ہے
کھوں کر بیان کرنے والا یا جن کی رسالت واضح اور ظاہر ہے اس میں کوئی اشتباہ اور خفا نہیں۔

(۴) قرآن کو جادو قرار دے کر اس کا انکار کر دیا اور اگلے الفاظ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر و تنقیص کی۔

(۵) دونوں بستیوں سے مراد مکہ اور طائف ہے اور بڑے آدمی سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک مکے کا وید بن مغیرہ اور
طائف کا عروہ بن مسعود ثقفی ہے۔ بعض نے کچھ اور لوگوں کے نام ذکر کیے ہیں تاہم مقصد اس سے ایسے آدمی کا انتخاب
ہے جو پہلے سے ہی عظیم جاہ و منصب کا حامل کثیر المال اور اپنی قوم میں مانا ہوا ہو یعنی قرآن اگر نازل ہوتا تو دونوں
بستیوں میں سے کسی ایسی ہی شخصیت پر نازل ہوتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جن کا دامن دولت دنیا سے بھی خالی
ہے اور اپنی قوم میں قیادت و سیادت کے منصب پر بھی فائز نہیں ہیں۔

(۶) رحمت نعمت کے معنی میں ہے اور یہاں سب سے بڑی نعمت نبوت مراد ہے۔ استفہام انکار کے لیے ہے یعنی یہ
کام ان کا نہیں ہے کہ رب کی نعمتیں بالخصوص نعمت نبوت یہ اپنی مرضی سے تقسیم کریں بلکہ یہ صرف رب کا کام ہے
کیوں کہ وہی ہر بات کا علم اور ہر شخص کے حالات سے پوری واقفیت رکھتا ہے وہی بستر سمجھتا ہے کہ انسانوں میں سے
نبوت کا تاج کس کے سر پر رکھنا ہے اور اپنی وحی و رسالت سے کس کو نوازنا ہے۔

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَدَعَمْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ فَيُدَّبَّرُ بِالنَّارِ
بَعْضُهُمْ بَعْضًا أَصْحٰرًا وَقَدْ جِئْتَ رَبَّكَ خَيْرَ مِمَّا يَجْعَلُونَ ﴿٣١﴾

وَلَوْ لَا اَنْ يَكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِنْسَ
نَ كُفْرًا يَرْتَضَوْنَ لِیْلٍ یُّهْرُسُفٰتِیْنِ فِیْ سَفْوَةٍ وَاعْلٰی
عَلٰی یُظْمَرُونَ ﴿٣٢﴾

فَلِیُؤْتِیَهُمْ اَبْوَابًا وَسُرَرًا عَلٰیهَا یُفْرَقُونَ ﴿٣٣﴾

وَنُزْخَرًا فَاِنْ كُنْ ذٰلِكَ لَمَّا سَأَلُوا الْحَیٰوةَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ

نے ہی ان کی زندگی دنیا کی روزی ان میں تقسیم کی ہے اور
ایک کو دوسرے سے بلند کیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو
ماتحت کر لے^(۱) جسے یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں اس سے آپ
کے رب کی رحمت مت ہی بہتر ہے۔ (۳۲)

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی طریقہ پر ہو
جائیں^(۲) گئے تو رخصت کے ساتھ کفر کرنے والوں کے
گھروں کی چھتوں کو ہم چاندی کی بنا دیتے۔ اور زیویں کو
(بھی) جن پر چڑھا کرتے۔ (۳۳)

اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی جن پر وہ
تکیہ لگا کر بیٹھتے۔ (۳۴)

اور سونے کے بھی^(۳) اور یہ سب کچھ یونہی سادہ دنیا کی زندگی

(۱) یعنی مال و دولت، جاہ و منصب اور عقل و فہم میں ہم نے یہ فرق و تفاوت اس لیے رکھا ہے تاکہ زیادہ مال والا، کم مال والے
سے، اونچے منصب والا چھوٹے منصب داروں سے، اور عقل و فہم میں محدود افراد رکھنے والا، اپنے سے کم تر عقل و شعور رکھنے
والے سے کام لے سکے۔ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت بالغہ سے کائنات کا نظام بحسن و خوبی چل رہا ہے۔ ورنہ اگر سب مال میں،
منصب میں، علم و فہم میں، عقل و شعور میں اور دیگر اسباب دنیا میں برابر ہوتے تو کوئی کسی کا کام کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا، اسی
طرح کم تر اور حقیر سمجھے جانے والے کام بھی کوئی نہ کرتا۔ یہ احتیاج انسانی ہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرق و تفاوت کے اندر رکھ دی
ہے جس کی وجہ سے ہر انسان دوسرے انسان بلکہ انسانوں کا محتاج ہے، تمام حاجات و ضروریات انسانی کوئی ایک شخص چاہے
وہ ارب پتی ہی کیوں نہ ہو دیگر انسانوں کی مدد حاصل کیے بغیر خود فراہم کر ہی نہیں سکتا۔

(۲) اس رحمت سے مراد آخرت کی وہ نعمتیں ہیں جو اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہیں

(۳) یعنی دنیا کے مال و اسباب میں رغبت کرنے کی وجہ سے طالب دنیا ہی ہو جائیں گے اور رضائے الہی اور آخرت کی
طلب سب فراموش کر دیں گے۔

(۴) یعنی بعض چیزیں چاندی کی اور بعض سونے کی، کیوں کہ تنوع میں حسن زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا
کا مال ہماری نظر میں اتنا بے وقعت ہے کہ اگر مذکورہ خطرہ نہ ہو تا تو اللہ کے سب منکروں کو خوب دولت دی جاتی لیکن
اس میں خطرہ یہی تھا کہ پھر سب لوگ ہی دنیا کے پرستار نہ بن جائیں۔ دنیا کی حقارت اس حدیث سے بھی واضح ہے جس
میں فرمایا گیا ہے۔ "لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا قَرْزًا عِنْدَ اللَّهِ جَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَفَقُوا مِنْهَا كَافِرًا شُرْكَتَ مَاءٍ" (ترمذی) اس
مجاہد، کتاب الرہد، "اگر دنیا کی اللہ کے ہاں اتنی حیثیت بھی ہوتی جتنی ایک مچھر کے پر کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی

وَعَنْدَ رَبِّكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾

وَمَنْ يَعْلَمْ غَيْبَ دُخَانِ الرَّحْمَنِ يَقْنِصْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ﴿٣٦﴾

وَاللَّهُ لَيَصُدُّهُ عَنْ السَّبِيلِ وَيَعْبُونَ أَلْسِنَهُمْ ثُمَّ يَكُونُونَ ﴿٣٧﴾

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَلَيْتَ يَبْنَؤُا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْفَرِيقَيْنِ

فَبَشِّرْهُمَا ﴿٣٨﴾

وَلَنْ يَنْفَعَكَ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتَهُمْ الْكُفْرُ الْعَذَابُ يُنْتَفَرُونَ ﴿٣٩﴾

أَلَا تَتَّبِعُهُمُ الْغَاوَةُ أُولَٰئِكَ الْقَوْمُ الَّذِينَ كَانُوا فِي ضَلَالٍ

کا فائدہ ہے اور آخرت تو آپ کے رب کے نزدیک
(صرف) پرہیزگاروں کے لیے (ہی) ہے۔ (۳۵)^(۱)
اور جو شخص رخصت کی یاد سے غفلت کرے (۳۶)^(۲) ہم اس پر
ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں وہی اس کا ساتھی رہتا
ہے۔ (۳۷)^(۳)

اور وہ انہیں راہ سے روکتے ہیں اور یہ اسی خیال میں
رہتے ہیں کہ یہ ہدایت یافتہ ہیں۔ (۳۸)^(۴)

یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا کہے گا کاش!
میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری
ہوتی (تو) برا برا ساتھی ہے۔ (۳۸)^(۵)

اور جب کہ تم ظالم ٹھہر چکے تو تمہیں آج ہرگز تم سب کا
عذاب میں شریک ہونا کوئی نفع نہ دے گا۔ (۳۹)

کیا پس تو بہرے کو سنا سکتا ہے یا اندھے کو راہ دکھ سکتا

کافر کو اس دنیا سے ایک گھونٹ پانی بھی پینے کو نہ دیتا۔

(۱) جو شرک و معاصی سے اجتناب اور اللہ کی اطاعت کرتے رہے ان کے لیے آخرت اور جنت کی نعمتیں ہیں جن کو
زوال و فنا نہیں۔

(۲) عَشَا يَغْشَىٰ کے معنی ہیں آنکھوں کی بیماری رتوند یا اس کی وجہ سے جو اندھا پن ہوتا ہے۔ یعنی جو اللہ کے ذکر سے
اندھا ہو جائے۔

(۳) وہ شیطان اللہ کی یاد سے غافل رہنے والے کا ساتھی بن جاتا ہے جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا اور نیکیوں سے
روکتا ہے۔ یا انسان خود اسی شیطان کا ساتھی بن جاتا ہے اور اس سے جدا نہیں ہوتا بلکہ تمام معاملات میں اسی کی پیروی
اور اس کے تمام وسوسوں میں اس کی اطاعت کرتا ہے۔

(۴) یعنی وہ شیطان ان کے حق کے راستے کے درمیان حائل ہو جاستے ہیں اور اس سے انہیں روکتے ہیں اور انہیں
براہر بھتاتے رہتے ہیں کہ تم حق پر ہو حتیٰ کہ وہ واقعی اپنے بارے میں یہی گمان کرنے لگ جاتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں۔ یا
کافر شیطانوں کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہیں اور ان کی اطاعت کرتے رہتے ہیں۔ (فتح القدیر)

(۵) مَشْرِقَيْنِ (مشرقیہ) مراد مشرق اور مغرب ہیں۔ فَبَشِّرْ الْقَرِينُ کا مخصوص بالذم محذوف ہے۔ أَنْتَ أَيُّهَا
الشَّيْطَانُ! اے شیطان تو بہت برا ساتھی ہے۔ یہ کافر قیامت والے دن کے گا۔ لیکن اس دن اس اعتراف کا کیا فائدہ؟

نہیں ⑤

وَمَا لَنَا هَبْ يَكَ وَآثَامَهُمْ مُتَعَبُونَ ⑥

أَوُفِّيكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُ فَإِنَّا عَلَيْكُمْ مُقَدِّرُونَ ⑦

فَاسْتَمِعْ يَا الَّذِي آثَرَ إِلَيْكَ لَئِكَ عَلَىٰ وَجْهِكَ تُسْمِعُونَ ⑧

وَأِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْمَعُونَ ⑨

ہے اور اسے جو کھلی گمراہی میں ہو۔^(۱) (۴۰)پس اگر ہم تجھے یہاں سے^(۲) لے بھی جائیں تو بھی ہمان سے بدلہ لینے والے ہیں۔^(۳) (۴۱)یا جو کچھ ان سے وعدہ کیا ہے^(۴) وہ تجھے دکھا دیں ہم ان پربھی قدرت رکھتے ہیں۔^(۵) (۴۲)

پس جو وحی آپ کی طرف کی گئی ہے اسے مضبوط تھامے

رہیں^(۶) بیشک آپ راہ راست پر ہیں۔^(۷) (۴۳)اور یقیناً یہ (خود) آپ کے لیے اور آپ^(۸) کی قوم کے لیے

(۱) یعنی جس کے لیے شقاوت ابدی لکھ دی گئی ہے، وہ وعظ و نصیحت کے اعتبار سے بہرہ اور اندھا ہے، تیری دعوت و تبلیغ سے وہ راہ راست پر نہیں آسکا۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ جس طرح بہرہ سننے سے، نابینا دیکھنے سے محروم ہے، اسی طرح کھلی گمراہی میں محتاح کی طرف آنے سے محروم ہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے تاکہ ایسے لوگوں کے کفر سے آپ زیادہ تشویش محسوس نہ کریں۔

(۲) یعنی تجھے موت آجائے، قبل اس کے کہ ان پر عذاب آئے، یا تجھے کئے سے نکال لے جائیں۔

(۳) دنیا میں ہی، اگر ہماری مشیت متقاضی ہوئی، بصورت دیگر عذاب اخروی سے تو وہ کسی صورت نہیں بچ سکتے۔

(۴) یعنی تیری موت سے قبل ہی، یا کئے میں ہی تیرے رہتے ہوئے ان پر عذاب بھیج دیں۔

(۵) یعنی ہم جب چاہیں ان پر عذاب نازل کر سکتے ہیں، کیوں کہ ہم ان پر قادر ہیں۔ چنانچہ آپ کی زندگی میں ہی بدر کی جنگ میں کافر ہجرت ناک شکست اور ذلت سے دوچار ہوئے۔

(۶) یعنی قرآن کریم کو، چاہے کوئی بھی اسے جھٹلاتا رہے۔

(۷) یہ فاسْتَمِعْ کی علت ہے۔

(۸) اس تخصیص کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں کے لیے نصیحت نہیں۔ بلکہ اولین مخاطب چوں کہ قریش تھے، اس لیے

ان کا ذکر فرمایا، ورنہ قرآن تو پورے جہان کے لیے نصیحت ہے۔ ﴿وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ سورة القلم ۵۲، جیسے آپ

کو حکم دیا گیا کہ ﴿وَأَنذَرْتَهُمْ ذِكْرَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (الشعراء ۱۳۳) ”اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے“ اس کا مطلب یہ

نہیں کہ اللہ کا پیغام صرف رشتے داروں کو ہی پہنچانا ہے۔ بلکہ مطلب ہے تبلیغ کی ابتدا اپنے ہی خاندان سے کریں بعض

نے یہاں ذکر بمعنی شرف لیا ہے۔ یعنی یہ قرآن تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے شرف و عزت کا باعث ہے کہ یہ ان کی

زبان میں اترا، اس کو وہ سب سے زیادہ سمجھنے والے ہیں اور اس کے ذریعے سے وہ پوری دنیا پر فضل و برتری پاتے ہیں،

اس لیے ان کو چاہیے کہ اس کو اپنائیں اور اس کے مقتضایہ سب سے زیادہ عمل کریں۔

وَسَمِعْنَا مَنْ أَرْسَلَنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجْعَلُنَا مِنْ
دُونِ الرَّحْمَنِ أَلْفَةً يُعْبَدُونَ ﴿٥﴾

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ

نَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦﴾

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذْ أَهْمُ مِنْهَا يَضْحَكُونَ ﴿٧﴾

وَمَا تُرِيدُهُمْ مِنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا وَأَخَذْنَاهُمْ

بِالْعَذَابِ لَعْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ ﴿٨﴾

نہایت ہے اور عنقریب تم لوگ پوچھتے جاؤ گے۔ (۴۳)
اور ہمارے ان نبیوں سے پوچھو! جنہیں ہم^(۱) نے آپ
سے پہلے بھیجا تھا کہ کیا ہم نے سوائے رحمن کے اور معبود
مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟^(۲) (۴۵)
اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون
اور اسکے امراء کے پاس بھیجا تو (موسیٰ علیہ السلام نے جا کر)
کہا کہ میں تمام جہانوں کے رب کا رسول ہوں۔^(۳) (۴۶)
پس جب وہ ہماری نشانیاں لے کر اٹکے پاس آئے تو وہ
بے ساختہ ان پر ہنسنے لگے۔^(۴) (۴۷)

اور ہم انہیں جو نشانی دکھاتے تھے وہ دوسری سے بڑھی
چڑھی ہوتی تھی^(۵) اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا

(۱) پیغمبروں سے یہ سوا: تو اسرار معراج کے موقع پر بیت المقدس یا آسمان پر کیا گیا، جہاں انبیاء علیہم السلام سے نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقاتیں ہوئیں۔ یا اتباع کا لفظ محذوف ہے۔ یعنی ان کے پیروکاروں (اہل کتاب،
یہود و نصاریٰ) سے پوچھو، کیوں کہ وہ ان کی تعلیمات سے آگاہ ہیں اور ان پر نازل شدہ کتابیں ان کے پاس موجود ہیں۔

(۲) جواب یقیناً نفی میں ہے۔ اللہ نے کسی بھی نبی کو یہ حکم نہیں دیا۔ بلکہ اس کے برعکس ہر نبی کو دعوت توحید ہی کا حکم دیا گیا۔

(۳) قریش مکہ نے کہا تھا کہ اگر اللہ کسی کو نبی بنا کر بھیجتا ہی تو کئے اور طائف کے کسی ایسے شخص کو بھیجتا جو صاحب مال
و جاہ ہو۔ جیسے فرعون نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں کہا تھا کہ ”میں موسیٰ سے بہتر ہوں اور یہ مجھ
سے کمتر ہے“ یہ تو صاف بول بھی نہیں سکتا جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ غالباً اسی مشابہت احوال کی وجہ سے یہاں حضرت
موسیٰ علیہ السلام و فرعون کا قصہ دہرایا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں حضرت نبی کریم ﷺ کے لیے بھی تسلی کا پسو ہے
کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی بہت سی آزمائشوں سے گزرنا پڑا، انہوں نے صبر اور عزم سے کام لیا، اسی طرح آپ
بھی کفار مکہ کی ایذاؤں اور ناروا رویوں سے دل برداشتہ نہ ہوئے، صبر اور حوصلے سے کام لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام
ہی کی طرح بالآخر فتح و کامرانی آپ ہی کی ہے اور یہ اہل مکہ فرعون ہی کی طرح ناکام و نامراد ہوں گے۔

(۴) یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دعوت توحید دی تو انہوں نے ان کے
رسول ہونے کی دلیل طلب کی، جس پر انہوں نے وہ دلائل و معجزات پیش کیے جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے تھے۔ جنہیں
دیکھ کر انہوں نے استہزاء اور مذاق کیا اور کہا کہ یہ کون سی ایسی چیزیں ہیں۔ یہ تو جادو کے ذریعے ہم بھی پیش کر سکتے ہیں۔

(۵) ان نشانوں سے وہ نشانیاں مراد ہیں جو طوفانِ مڈی دل، جو ’جوشِ مینڈک‘ اور خون وغیرہ کی شکل میں یکے بعد

تاکہ وہ باز آجائیں۔^(۱) (۳۸)

اور انہوں نے کہا اے جادوگر! ہمارے لیے اپنے رب سے^(۲) اس کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا^(۳) ہے، یقین مان کہ ہم راہ پر لگ جائیں گے۔^(۴) (۳۹)

پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹالیا انہوں نے اسی وقت اپنا قول و قرار توڑ دیا۔ (۵۰)

اور فرعون نے اپنی قوم میں مٹادی کرائی اور کہا^(۵) اے میری قوم! کیا مصر کا ملک میرا نہیں؟ اور میرے (مخلو) کے نیچے یہ سرس بہہ رہی ہیں،^(۶) کیا تم دیکھتے نہیں؟ (۵۱)

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الشَّاحِرُ كُنَّا نَرَبَّكَ بِمَا عٰهَدَ عِنْدَكَ
إِثْنَا لَمْ نُكْفِرْ ۖ ﴿٣٩﴾

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْتَفِرُونَ ﴿٤٠﴾

وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يُقَوْمُ آلِ يَسَّٰرَ لِي مَلِكٌ وَهُدًى
وَهٰذَا لَأَنْتُمْ تَجْهَرُونَ مِنْ عِثْقِ افْلَاسٍ ۚ ﴿٥١﴾

دیگرے انہیں دکھائی گئیں، جن کا تذکرہ سورہ اعراف، آیات ۱۳۳-۱۳۵ میں گزر چکا ہے۔ بعد میں آنے والی ہر نشانی پہلی نشانی سے بڑی جڑھی ہوتی، جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت واضح سے واضح تر ہو جاتی۔

(۱) متقدمان نشانوں یا عذاب سے یہ ہوتا تھا کہ شاید وہ تکذیب سے باز آجائیں۔

(۲) کہتے ہیں اس زمانے میں جادو مذہم چیز نہیں تھی اور عالم فاضل شخص کو جادوگر کے لفظ سے ہی بطور تعظیم خطاب کیا جاتا تھا۔ عدوہ ازیں معجزات اور نشانیوں کے بارے میں بھی ان کا خیال تھا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے فن جادوگری کا کمال ہے۔ اس لیے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کے لفظ سے مخاطب کیا۔

(۳) ”اپنے رب سے“ کے الفاظ اپنی مشرکانہ ذہنیت کی وجہ سے کہے کیونکہ مشرکوں میں مختلف رب اور انہ ہوتے تھے، موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے یہ کام کروالو!

(۴) یعنی ہمارے ایمان لانے پر عذاب ٹالنے کا وعدہ۔

(۵) اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم تجھے اللہ کا سچا رسول مان لیں گے اور تیرے ہی رب کی عبادت کریں گے۔ لیکن ہر دفعہ وہ اپنا یہ عہد توڑ دیتے، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے اور سورہ اعراف میں بھی گزرا۔

(۶) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی کئی نشانیاں پیش کر دیں جو ایک سے بڑھ کر ایک تھیں تو فرعون کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں میری قوم موسیٰ کی طرف مائل نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی ہزیمت کے داغ کو چھپانے اور قوم کو مسلسل دھوکے اور فریب میں مبتلا رکھنے کے لیے یہ نئی چال چلی کہ اپنے اختیار و اقتدار کے حوالے سے موسیٰ علیہ السلام کی بے توقیری اور کستری کو نمایاں کیا جائے تاکہ قوم میری سلطنت و سطوت سے ہی مرعوب رہے۔

(۷) اس سے مراد دریائے نیل یا اس کی بعض شاخیں ہیں جو اس کے محل کے نیچے سے گزرتی تھیں

أَمَّا أَحَبُّهُنَّ هَذَا الَّذِي هُوَ مَعَهُنَّ وَلَا يَكْذِبُهُنَّ ⑤

فَقُولَا لَيْسَ عَلَيْهِ أَسِيرَةٌ مِّمَّنْ ذَهَبَ أَوْجَاهُ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ مُقَرَّبِينَ ⑥

فَأَسْتَحَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاعِقِينَ ⑦

فَلَمَّا أَسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ⑧

فَتَمَلَّكَهُمْ سُلُفًا وَمَثَلًا لِّلَاطَرِيقِينَ ⑨

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ فِرْعَوْنَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ⑩

وَقَالُوا لَوْلَا إِيهَاتُ أَخِيرَتِهِ أَمْهُوَ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ الْإِسْحَاقَ لَإِبْنٍ

بلکہ میں بہتر ہوں بہ نسبت اس کے جو بے توقیر ہے^(۱) اور صاف بول بھی نہیں سکتا۔^(۲) (۵۲)

اچھا اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں آڑے^(۳) یا اس کے ساتھ پر اباندہ کر فرشتے ہی آجاتے۔^(۴) (۵۳)

اس نے اپنی قوم کو بھلایا پھلایا اور انہوں نے اسی کی مان لی،^(۵) یقیناً یہ سارے ہی نافرمان لوگ تھے۔ (۵۴)

پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو ڈبو دیا۔ (۵۵)

پس ہم نے انہیں گمراہ کر دیا اور بچھوں کے لیے مثال بنادی۔^(۶) (۵۶)

اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو اس سے حیرتی قوم (خوشی سے) چیخنے لگی ہے۔ (۵۷)

اور انہوں نے کہا کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ؟ تجھ

(۱) اُم اضطراب کے لیے یعنی بَل (بلکہ) کے معنی میں ہے، بعض کے نزدیک استفہامیہ ہی ہے۔

(۲) یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نکتہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ سورہ طہ میں گزرا۔

(۳) اس دور میں مصر اور فارس کے بادشاہ اپنی امتیازی شان اور خصوصی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لیے سونے کے کڑے پہنتے تھے اسی طرح قبیلوں کے سرداروں کے ہاتھوں میں بھی سونے کے کڑے اور گلے میں سونے کے طوق اور زنجیریں ڈال دی جاتی تھیں جو ان کی سرداری کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ اسی اعتبار سے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہارے میں کہا کہ اگر اس کی کوئی حیثیت اور امتیازی شان ہوتی تو اس کے ہاتھ میں سونے کے کڑے ہونے چاہیے تھے۔

(۴) جو اس بات کی تصدیق کرتے کہ یہ اللہ کا رسول ہے یا بادشاہوں کی طرح اس کی شان کو نمایاں کرنے کے لیے اس کے ساتھ ہوتے۔

(۵) یعنی اَسْتَحَفَّ عَقُولُهُمْ (ابن کثیر) اس نے اپنی قوم کی عقل کو ہلکا سمجھایا کر دیا اور انہیں اپنی جہالت و ضلالت پر قائم رہنے کی تاکید کی اور قوم اس کے پیچھے لگ گئی۔

(۶) اَسَفُونَا بمعنی اَسْعَطُونَا یا اَعْصَوْنَا سَلَفَ سَالِفٍ کی جمع ہے جیسے حَدَمٌ، خَادِمٌ کی اور حَرَسٌ، حَارِسٌ کی ہے۔ معنی جو اپنے وجود میں دوسرے سے پہلے ہو۔ یعنی ان کو بعد میں آنے والوں کے لیے نصیحت اور مثال بنادیا۔ کہ وہ اس طرح کفر و ظلم اور علو و فساد نہ کریں جس طرح فرعون نے کیا تاکہ وہ اس جیسے عبرت ناک حشر سے محفوظ رہیں۔

فَمَقُورٌ مَّحْمُودٌ ⑤

إِنْ هُوَ إِلَّا ائْتَمْنَا عَلَىٰهِ وَجَعَلْنَاهُ مِثْلًا

لِكَيْفِي إِتْرَائِيلَ ⑥

وَلَوْ فَتًى لَّجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُقُونَ ⑦

سے ان کا یہ کتنا محض جھگڑے کی غرض سے ہے، بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔^(۱) (۵۸)

عیسیٰ (علیہ السلام) بھی صرف بندہ ہی ہے جس پر ہم نے احسان کیا اور اسے بنی اسرائیل کے لیے نشان قدرت بنایا۔^(۲) (۵۹)

اگر ہم چاہتے تو تمہارے عوض فرشتے کر دیتے جو زمین میں جانشینی کرتے۔^(۳) (۶۰)

(۱) شرک کی تردید اور جموٹے معبودوں کی بے وقعتی کی وضاحت کے لیے جب مشرکین مکہ سے کہا جاتا کہ تمہارے ساتھ تمہارے معبود بھی جہنم میں جائیں گے تو اس سے مراد وہ پتھر کی مورتیاں ہوتی ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے، نہ کہ وہ نیک لوگ جو اپنی زندگیوں میں لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے، مگر ان کی وفات کے بعد ان کے معتقدین نے انہیں بھی معبود سمجھنا شروع کر دیا۔ ان کی بابت تو قرآن کریم نے ہی واضح کر دیا ہے کہ یہ جہنم سے دور رہیں گے۔
﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ﴾ (الأنبياء: ۱۰۱) کیوں کہ اس میں ان کا اپنا کوئی قصور نہیں تھا۔ اسی لیے قرآن نے اس کے لیے جو لفظ استعمال کیا ہے، وہ لفظ ما ہے جو غیر عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے ﴿وَلَوْ كُنَّا زُنُفَرًا مِنَّا لَمَنْفَعَتُ الْغُسْنَىٰ﴾ (الأنبياء: ۱۸۸) اس سے انبیاء عظیم السلام اور وہ صالحین نکل گئے جن کو لوگوں نے اپنے طور پر معبود بنائے رکھا ہو گا۔ یعنی یہ تو ممکن ہے کہ دیگر مورتیوں کے ساتھ ان کی شکلوں کی بنائی ہوئی مورتیاں بھی اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈال دے لیکن یہ شخصیات تو بہر حال جہنم سے دور ہی رہیں گی۔ لیکن مشرکین نبی ﷺ کی زبان مبارک سے حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر خیر سن کر یہ کٹ جتی اور مجاہدہ کرتے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قابل مدح ہیں در اس حالیکہ عیسائیوں نے انہیں معبود بنایا ہوا ہے، تو پھر ہمارے معبود کیوں برے؟ کیا وہ بھی بہتر نہیں؟ یا اگر ہمارے معبود جہنم میں جائیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام بھی پھر جہنم میں جائیں گے۔ اللہ نے یہاں فرمایا، ان کا خوشی سے چلانا، ان کا بدلہ محض ہے۔ بدل کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ جھگڑنے والا جانتا ہے کہ اس کے پاس دلیل کوئی نہیں ہے لیکن محض اپنی بات کی جج میں بحث و تکرار سے گریز نہیں کرتا۔

(۲) ایک اس اعتبار سے کہ بغیر باپ کے ان کی ولادت ہوئی، دوسرے، خود انہیں جو معجزات دیے گئے، احیائے موتی وغیرہ اس لحاظ سے بھی۔

(۳) یعنی تمہیں ختم کر کے تمہاری جگہ زمین پر فرشتوں کو آباد کر دیتے، جو تمہاری ہی طرح ایک دوسرے کی جانشینی کرتے، مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کا آسمان پر رہنا ایسا شرف نہیں ہے کہ ان کی عبادت کی جائے یہ تو ہماری مشیت اور قصد ہے کہ فرشتوں کو آسمان پر اور انسانوں کو زمین پر آباد کیا، ہم چاہیں تو فرشتوں کو زمین پر بھی آباد کر سکتے ہیں۔

اور یقیناً عیسیٰ (علیہ السلام) قیامت کی علامت ہے^(۱) پس تم (قیامت) کے بارے میں شک نہ کرو اور میری تابعداری کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔ (۶۱)

اور شیطان تمہیں روک نہ دے، یقیناً وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ (۶۲)

اور جب عیسیٰ (علیہ السلام) معجزے لائے تو کہا۔ کہ میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ جن بعض چیزوں میں تم مختلف ہو، انہیں واضح کر دوں،^(۲) پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ (۶۳)

میرا اور تمہارا رب فقط اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پس تم سب اس کی عبادت کرو۔ راہ راست (یہی) ہے۔ (۶۴)

پھر (بنی اسرائیل کی) جماعتوں نے آپس میں اختلاف کیا،^(۳) پس ظالموں کے لیے خرابی ہے دکھ والے دن کی آفت سے۔ (۶۵)

وَأَنَّهُ لَآتِي السَّاعَةَ فَلَا تَمُوتُنَّ بِهَا وَاطَّعُوا هَذَا صِرَاطَ مُسْتَقِيمٍ ۝

وَلَا يَصُدُّكُمْ الشَّيْطَانُ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝

وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلَآئِيِّنَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَخْتَفُونَ فِيهِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝

إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوا هَذَا صِرَاطَ مُسْتَقِيمٍ ۝

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابٍ يُوهِمُ آلِهِمْ ۝

(۱) عَلَمٌ بمعنی علامت ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے قریب ان کا آسمان سے نزول ہو گا، جیسا کہ صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ یہ نزول اس بات کی علامت ہو گا کہ اب قیامت قریب ہے سی لیے بعض نے اسے عین اور لام کے زیر کے ساتھ (عَلَمٌ) پڑھا ہے جس کے معنی ہی نشانی اور علامت کے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک انہیں قیامت کی نشانی قرار دینا، ان کی معجزانہ ولادت کی بنیاد پر ہے۔ یعنی جس طرح اللہ نے ان کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ ان کی یہ پیدائش اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ فرما دے گا، اس لیے قدرت الہی کو دیکھتے ہوئے وقوع قیامت میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اِنَّہ میں ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

(۲) اس کے لیے دیکھئے آل عمران، آیت ۵ کا حاشیہ۔

(۳) اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنقیص کی اور انہیں نوحہ باللہ وند الزنا قرار دیا، جب کہ عیسائیوں نے غلو سے کام لے کر انہیں معبود بنا لیا۔ یا مراد عیسائیوں ہی کے مختلف فرقے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک دو سرے سے شدید اختلاف رکھتے ہیں۔ ایک انہیں ابن اللہ، دوسرا اللہ اور ثالث ثلاثہ کہتا ہے اور ایک فرقہ مسلمانوں ہی کی طرح انہیں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول تسلیم کرتا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّامَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٦﴾

الْأَفَلَاةُ يُؤْمِنُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَذَابًا إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿٦٧﴾

يَعْمَلُونَ لِمَا يُخَافُ عَلَيْكَ لِيَوْمَ لَا أُنْصِرُ الْمُخْزُونَ ﴿٦٨﴾

الَّذِينَ آمَنُوا بِالْآيَاتِ وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٦٩﴾

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُغْبَرُونَ ﴿٧٠﴾

يُكَافَأُ عَلَيْهِمْ بِمَا فَعَلُوا مِنْ ذُنُوبٍ وَأَلْوَابٍ وَقِفَافًا
مَا أَنْشَأْنَاهُم بِالْإِنْسَانِ وَكَانَ الْآخِرُ وَالْأَوَّلُ ﴿٧١﴾

یہ لوگ صرف قیامت کے خطر ہیں کہ وہ اچانک ان پر
آپڑے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ (۶۶)

اس دن (گمراہ) دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن
بن جائیں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔ (۶۷)

میرے بندو! آج تو تم پر کوئی خوف (وہراس) ہے اور نہ
تم (بد دل اور) غمزدہ ہو گے۔ (۶۸)

جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور تھے بھی وہ (فرماں
بردار) مسلمان۔ (۶۹)

تم اور تمہاری بیویاں ہشاش بشاش (راضی خوشی) جنت
میں چلے جاؤ۔ (۷۰)

ان کے چاروں طرف سے سونے کی رکابیاں اور سونے کے
گلاسوں کا دور چلایا جائے گا، (۷۱) ان کے جی جس چیز کی
خواہش کریں اور جس سے ان کی آنکھیں لذت پائیں

(۱) کیوں کہ کافروں کی دوستی، کفر و فسق کی بنیاد پر ہی ہوتی ہے اور یہی کفر و فسق ان کے عذاب کا باعث ہوں گے، جس
کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرائیں گے اور ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس
اہل ایمان و تقویٰ کی باہمی محبت، چوں کہ دین اور رضائے الہی کی بنیاد پر ہوتی ہے اور یہی دین و ایمان خیر و ثواب کا باعث
ہے۔ ان سے ان کی دوستی میں کوئی انقطاع نہیں ہو گا۔ وہ اسی طرح برقرار رہے گی جس طرح دنیا میں تھی۔

(۲) یہ قیامت والے دن ان متقین کو کہا جائے گا جو دنیا میں صرف اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے
تھے۔ جیسا کہ احادیث میں بھی اس کی فضیلت وارد ہے۔ بلکہ اللہ کے لیے بغض اور اللہ کے لیے محبت کو کمال ایمان کی
بنیاد بتلایا گیا ہے۔

(۳) اَزْوَاجُكُمْ سے بعض نے مومن بیویاں، بعض نے مومن ساتھی اور بعض نے جنت میں ملنے والی حور عین بیویاں
مراد لی ہیں۔ یہ سارے ہی مفہوم صحیح ہیں کیوں کہ جنت میں یہ سب کچھ ہی ہو گا۔ تُخْرَجُونَ حَتْرًا سے ماخوذ ہے یعنی وہ
فرحت و مسرت جو انہیں جنت کی نعمت و عزت کی وجہ سے ہو گی۔

(۴) صِخَافٌ، صَحْفَةٌ کی جمع ہے۔ رکابی۔ سب سے بڑے برتن کو حَفْطٌ کہا جاتا ہے، اس سے چھوٹا قَصْعَةٌ (جس
سے دس آدمی شکم سیر ہو جاتے ہیں) پھر صَحْفَةٌ (قَصْعَةٌ سے نصف) پھر مِکْنَلَةٌ ہے۔ مطلب ہے کہ اہل جنت کو جو
کھانے پینے کے وہ سونے کی رکابیوں میں ہوں گے (فتح القدیر)

خِلْدُونَ ①

وَبِذَلِكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُوْرِثْتُمْوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ②

لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ③

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّهِينٍ ④

لَا يَغْرَعُهُمْ فِيهِمْ مُمْسِكُونَ ⑤

وَمَا كُنْتُمْ لَهُمْ لَكِن كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ⑥

وَنَادَىٰ إِلَهُكَ يُقْضَىٰ عَيْنًا رَبُّكَ قَالَ إِنَّكُمْ مَكِيدُونَ ⑦

لَقَدْ جِئْتُمْ بِنَا الْحَقِّ وَلَكِنَّ أَلَمَكُمْ بِالْحَقِّ كُفْرًا ⑧

أَمْ أَمْرًا مِّمَّا أَفَاءَ الْمُؤْمِنُونَ ⑨

سب وہاں ہو گا اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔ (۷۱)

یہی وہ بہشت ہے کہ تم اپنے اعمال کے بدلے اس کے وارث بنائے گئے ہو۔ (۷۲)

یہاں تمہارے لیے بکثرت میوے ہیں جنہیں تم کھاتے رہو گے۔ (۷۳)

پیشک گنہگار لوگ عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۷۴)

یہ عذاب کبھی بھی ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے۔ (۷۵)

اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی ظالم تھے۔ (۷۶)
اور پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مالک! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے، وہ کہے گا کہ تمہیں تو ہمیشہ رہنا ہے۔ (۷۷)

ہم تو تمہارے پاس حق لے آئے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق (۷۸) سے نفرت رکھنے والے تھے؟ (۷۸)

کیا انہوں نے کسی کام کا بہتہ ارادہ کر لیا ہے تو یقین مانو

(۱) یعنی جس طرح ایک وارث میراث کا مالک ہوتا ہے اسی طرح جنت بھی ایک میراث ہے جس کے وارث وہ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی زندگی گزاری ہوگی۔

(۲) یعنی نجات سے مایوس۔

(۳) مالک، داروغہ جہنم کا نام ہے۔

(۴) یعنی ہمیں موت ہی دے دے تاکہ عذاب سے جان چھوٹ جائے۔

(۵) یعنی وہاں موت کہاں؟ لیکن یہ عذاب کی زندگی موت سے بھی بدتر ہوگی، تاہم اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہوگا۔

(۶) یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یا فرشتوں کا ہی قول بطور نیابت الہی ہے۔ جیسے کوئی افسر مجاز ”ہم“ کا استعمال حکومت کے مفہوم میں کرتا ہے۔ اکثر سے مراد کل ہے، یعنی سارے ہی جنسی، یا پھر اکثر سے مراد رؤسا اور لیڈر ہیں۔ باقی جنسی ان کے پیروکار ہونے کی حیثیت سے اس میں شامل ہوں گے۔ حق سے مراد اللہ کا وہ دین اور پیغام ہے جو وہ پیغمبروں کے ذریعے سے ارسال کرتا رہا آخری حق قرآن اور دین اسلام ہے۔

کہ ہم بھی پختہ کام کرنے والے ہیں۔^(۷۹) کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے (یقیناً ہم برابر سن رہے ہیں)^(۸۰) بلکہ ہمارے پیچھے ہوئے ان کے پاس ہی لکھ رہے ہیں۔^(۸۱) آپ کہہ دیجئے! کہ اگر بالفرض رحمن کی اولاد ہو تو میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا۔^(۸۲) آسمانوں اور زمین اور عرش کا رب جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں اس سے (بست) پاک ہے۔^(۸۳) اب آپ انہیں اسی بحث مباحثہ اور کھیل کود میں چھوڑ دیجئے،^(۸۴) یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ پڑ جائے جن کا یہ وعدہ دیے جاتے ہیں۔^(۸۵)

أَمْ حَسِبُونَ أَنَّ لَاسْمِ رَبِّهِمْ غُورًا تَمُوتُ بَلْ وَرُسُلًا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ۝

ثَلَاثَ لَنَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَكَ مَا أَقُولُ الْغَيْبِينَ ۝

بُشْرَى رَبِّ، لَسْمُوتٍ وَارْزُقِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝

فَذَرَهُمْ خَوْفُهُمْ وَيَقُولُوا حَتَّى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ۝

(۱) اِنْبَاء کے معنی ہیں 'انتہان و احکام۔ پختہ اور مضبوط کرنا۔ اُن مضارب کے لیے ہے بَل کے معنی میں۔ یعنی ان جہنیوں نے حق کو ناپسند ہی نہیں کیا بلکہ یہ اس کے خلاف منظم تدبیریں اور سازشیں کرتے رہے۔ جس کے مقابلے میں پھر ہم نے بھی اپنی تدبیر کی اور ہم سے زیادہ مضبوط تدبیر کس کی ہو سکتی ہے؟ اس کے ہم معنی یہ آیت ہے۔ ﴿أَمْ حَسِبُوا أَنَّ لَاسْمِ رَبِّهِمْ غُورًا﴾

(۲) یعنی جو پوشیدہ باتیں وہ اپنے نفسوں میں چھپائے پھرتے ہیں یا غلوت میں آسگی سے کرتے ہیں یا آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم وہ نہیں سنتے؟ مطلب ہے ہم سب سنتے اور جانتے ہیں۔

(۳) یعنی یقیناً سنتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہمارے پیچھے ہوئے فرشتے الگ ان کی ساری باتیں نوٹ کرتے ہیں۔

(۴) کیوں کہ میں اللہ کا مطیع اور فرماں بردار ہوں۔ اگر واقعی اس کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں ان کی عبادت کرنے والا ہوتا۔ مطلب مشرکین کے عقیدے کا ابطال اور رد ہے جو اللہ کی اولاد ثابت کرتے ہیں۔

(۵) یہ اللہ کا کلام ہے جس میں اس نے اپنی تنزیہ و تقدیس بیان کی ہے یا رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے اور آپ ﷺ نے بھی اللہ کے حکم سے اللہ کی ان چیزوں سے تنزیہ و تقدیس بیان کی جن کا متساب مشرکین اللہ کی طرف کرتے تھے۔

(۶) یعنی اگر یہ ہدایت کا راستہ نہیں اپناتے تو اب انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیں اور دنیا کے کھیل کود میں لگا رہنے دیں۔ یہ تہدید و تنبیہ ہے۔

(۷) ان کی آنکھیں اسی دن کھلیں گی جب ان کے اس رویے کا انجام ان کے سامنے آئے گا۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿۲۵﴾

وَتَبَرُّكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ مُلْكُ النَّارِ وَالْيَوْمِ يُرْجَعُونَ ﴿۲۶﴾

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّعَاعَةَ الْآمِنَ شَهِيدًا بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۲۷﴾

وَلَمَّا سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿۲۸﴾

وہی آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں بھی وہی قابل عبادت ہے ^(۱) اور وہ بڑی حکمت والا اور پورے علم والا ہے۔ (۸۴)

اور وہ بہت برکتوں والا ہے جس کے پاس آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی بادشاہت ہے ^(۲) اور قیامت کا علم بھی اسی کے پاس ہے ^(۳) اور اسی کی جانب تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ ^(۴) (۸۵)

جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے ^(۵) ہاں (مستحق شفاعت وہ ہیں) جو حق بات کا اقرار کریں اور انہیں علم بھی ہو۔ ^(۶) (۸۶)

اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے پھر یہ کہاں

(۱) یہ نہیں ہے کہ آسمانوں کا معبود کوئی اور ہو اور زمین کا کوئی اور۔ بلکہ جس طرح ان دونوں کا خالق ایک ہے معبود بھی ایک ہی ہے۔ اسی کے ہم معنی یہ آیت ہے۔ ﴿وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَمَا يَكْتُمُونَ﴾ — (سورۃ الاسعاف: ۳۰) ”آسمان و زمین میں وہی اللہ ہے“ وہ تمہاری پوشیدہ اور جہری باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو“ وہ بھی اس کے علم میں ہے۔“

(۲) ایسی ذات کو جس کے پاس سارے اختیارات اور زمین و آسمان کی بادشاہت ہو، اسے بھلا اولاد کی کیا ضرورت؟

(۳) جس کو وہ اپنے وقت پر ظاہر فرمائے گا۔

(۴) جمال وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

(۵) یعنی دنیا میں جن بتوں کی یہ عبادت کرتے ہیں یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے۔ ان معبودوں کو شفاعت کا قطعاً کوئی اختیار نہیں ہو گا۔

(۶) حق بات سے مراد کلمہ توحید لا الہ الا اللہ ہے اور یہ اقرار بھی علم و بصیرت کی بنیاد پر ہو، محض رسمی اور تقلیدی نہ ہو۔ یعنی زبان سے کلمہ توحید ادا کرنے والے کو پتہ ہو کہ اس میں صرف ایک اللہ کا اثبات اور دیگر تمام معبودوں کی نفی ہے پھر اس کے مطابق اس کا عمل ہو۔ ایسے لوگوں کے حق میں اہل شفاعت کی شفاعت مفید ہوگی۔ یا مطلب ہے کہ شفاعت کرنے کا حق صرف ایسے لوگوں کو ملے گا جو حق کا اقرار کرنے والے ہوں گے یعنی انبیاء و صالحین اور فرشتے۔ نہ کہ معبودانِ باطل کو جنہیں مشرکین اپنا شفاعت کنندہ خیال کرتے ہیں۔

لئے جاتے ہیں؟ (۸۷)

اور ان کا (بخیر کا اکثر) یہ کہنا کہ اے میرے رب! یقیناً یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ (۸۸)

پس آپ ان سے منہ پھیریں اور کہہ دیں۔ (اچھا بھائی) سلام! انہیں عنقریب (خود ہی) معلوم ہو جائے گا۔ (۸۹)

سورہ دخان کی ہے اور اس میں انسہ آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

ح۔ (۱) قسم ہے اس وضاحت والی کتب کی۔ (۲) یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات^(۳) میں اتارا ہے بیشک

فَقِيلَ لَهُ رَبِّ اِنَّ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

فَاَصْفَعْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ فَتَوَفَّ يَعْلَمُوْنَ ۝

سُورَةُ الدُّخَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

لَحْمٌ ۝ وَالْكَوْثُ الْبُیِّنُ ۝

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ ۝ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ ۝

(۱) وَقِيلَ اس کا عطف وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ پر ہے یعنی وَعِلْمُ قَبْلِهِ اللہ کے پاس ہی قیامت اور اپنے بخیر کے حکم کا علم کا ہے۔

(۲) یہ سلام متار کہ ہے، جیسے — ﴿سَلَامٌ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ الْمُرْسَلُ﴾ ﴿الفصص ۵۵﴾ ﴿قَالُوا سَلَامًا﴾ العرفان ۶۳ میں ہے۔ یعنی دین کے معاملے میں میری اور تمہاری راہ الگ الگ ہے، تم اگر باز نہیں آتے تو اپنا عمل کیے جاؤ، میں اپنا کام کیے جا رہا ہوں، عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون؟

(۳) بابرکت رات، لَیْلَةُ مُنَارَاةٍ سے مراد شب قدر، لَیْلَةُ الْقَدْرِ ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر صراحت ہے ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ﴾ ﴿البقرة ۱۸۵﴾ ”رمضان کے مہینے میں قرآن نازل کیا گیا۔ ﴿اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ﴾ ﴿سورة القدر﴾ ”ہم نے یہ قرآن شب قدر میں نازل فرمایا۔“ یہ شب قدر رمضان کے عشرہ اخیر کی طاق راتوں میں سے ہی کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ یہاں قدر کی اس رات کو بابرکت رات قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بابرکت ہونے میں کیشبہ ہو سکتا ہے کہ ایک تو اس میں قرآن کا نزول ہوا۔ دوسرے اس میں فرشتوں اور روح الامین کا نزول ہوتا ہے۔ تیسرے اس میں سارے سال میں ہونے والے واقعات کا فیصلہ کیا جاتا ہے (جیسا کہ آگے آرہا ہے) چوتھے اس رات کی عبادت ہزار مہینے (یعنی ۸۳ سال ۱۱۴) کی عبادت سے بہتر ہے شب قدر یا لیلۃ مبارکہ میں قرآن کے نزول کا مطلب یہ ہے کہ اسی رات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کا نزول شروع ہوا۔ یعنی پہلے پہل اسی رات آپ پر قرآن نازل ہوا۔ یا یہ مطلب ہے کہ لوح محفوظ سے اسی رات قرآن بیت العزت میں اتارا گیا جو آسمان دنیا پر ہے۔ پھر وہاں سے حسب ضرورت و مصلحت ۲۳ سالوں تک مختلف اوقات میں

ہم ڈراتے والے ہیں۔ ^(۱) (۳)	فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝
اسی رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ^(۲) (۴)	أَمْ رَأَيْتُ خِلْدًا تَأْكُلُ أَرْضَ مَوْصِلٍ ۝
ہمارے پاس سے حکم ہو کر، ^(۳) ہم ہی ہیں رسوں بنا کر بھیجنے والے۔ (۵)	وَصَبَّاءُ مِن دَرْتِكِ إِنَّهُ هُوَ الصَّيْمُ الْعَلِيمُ ۝
آپ کے رب کی مہربانی سے۔ ^(۴) وہ ہی ہے سننے والا جاننے والا۔ (۶)	رَبِّ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنُتُمُ لَمُتَوَقِّئِينَ ۝
جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ (۷)	لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ زُكْرًا وَأُنثًى وَالَّذِينَ لَازِلِينَ ۝
کوئی معبود نہیں اسکے سوا وہی جاتا ہے اور مارتا ہے 'وہی تمہارا رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا۔' ^(۵) (۸)	

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتا رہا۔ بعض لوگوں نے لیلہ مبارکہ سے شعبان کی پندرہویں رات مراد لی ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، جب قرآن کی نص صریح سے قرآن کا نزول شب قدر میں ثابت ہے تو اس سے شب براءت مراد لینا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ علاوہ ازیں شب براءت (شعبان کی پندرہویں رات) کی بابت جتنی بھی روایات آئی ہیں جن میں اس کی فضیلت کا بیان ہے یا ان میں اسے فیصلے کی رات کہا گیا ہے تو یہ سب روایات سنداً ضعیف ہیں۔ یہ قرآن کی نص صریح کا مقابلہ کس طرح کر سکتی ہیں؟

(۱) یعنی نزول قرآن کا مقصد لوگوں کو نفع و ضرر شرعی سے آگاہ کرنا ہے تاکہ ان پر حجت قائم ہو جائے۔

(۲) یُفْرَقُ، یُفْصَلُ وَیُبَيِّنُ، فیصلہ کر دیا جاتا اور یہ کام کو اس سے متعلق فرشتے کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ حَکِیمٌ بمعنی پر حکمت کہ اللہ کا ہر کام ہی باحکمت ہوتا ہے یا بمعنی مُحْكَمٌ (مضبوط، پختہ) جس میں تغیر و تبدیلی کا امکان نہیں۔ صحابہ و تابعین سے اس کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس رات میں آنے والے سال کی بابت موت و حیات اور وسائل زندگی کے فیصلے لوح محفوظ سے اتار کر فرشتوں کے سپرد کر دیے جاتے ہیں۔ (ابن کثیر)

(۳) یعنی سارے فیصلے ہمارے حکم و اذن اور ہماری تقدیر و مشیت سے ہوتے ہیں۔

(۴) یعنی انزال کتب کے ساتھ اِزْزَالُ رُسُلٍ (رسولوں کا بھیجنا) یہ بھی ہماری رحمت ہی کا ایک حصہ ہے تاکہ وہ ہماری نازل کردہ کتابوں کو کھول کر بیان کریں اور ہمارے احکام لوگوں تک پہنچائیں۔ اس طرح مادی ضرورتوں کی فراہمی کے ساتھ ہم نے اپنی رحمت سے لوگوں کے روحانی تقاضوں کی تکمیل کا بھی سامان مہیا کر دیا۔

(۵) یہ آیات بھی سورہ اعراف کی آیت کی طرح ہیں: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَلِیْسَ بِکُمْ رَّسُوْلٌ مِّمَّنْ ذِیْ لَکُمْ شُرَکَآءُ

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ ①

فَارْتَبِعْ يَوْمَ تَلَايَ السَّمَاءِ يَدْعَاهُنَّ مِثْنَيْنِ ②

يَقْتُلِي النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ③

وَنَبَأُ الشُّعْبِ عَنِ الْعَذَابِ إِنْكَارًا مُؤْمِنُونَ ④

أَنَّى لَهُمُ الذَّلَالَى وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُبِينٌ ⑤

فَقَرُّوا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّوْا نَحْنُونَ ⑥

إِنْ كَاثُرُوا الْعَذَابَ فَلْيَلَاكُمُ الْعَذَابُ دُونَ ⑦

بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں۔ ① (۹)

آپ اس دن کے منتظر ہیں جب کہ آسمان ظاہر دھواں لائے گا۔ ② (۱۰)

جو لوگوں کو گھیر لے گا یہ دردناک عذاب ہے۔ ③ (۱۱)

کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہ آفت ہم سے دور کر ہم ایمان قبول کرتے ہیں۔ ④ (۱۲)

ان کے لیے نصیحت کہاں ہے؟ کھوں کھول کر بیان کرنے والے پیغمبران کے پاس آچکے۔ ⑤ (۱۳)

پھر بھی انہوں نے ان سے منہ پھیرا اور کہہ دیا کہ سکھایا پڑھایا ہوا باؤلا ہے۔ ⑥ (۱۴)

ہم عذاب کو تمہوڑا دور کر دیں گے تو تم پھر اپنی اسی حالت

السُّنُوتِ وَالْأَرْغِفِ ⑧ (سورة الاعراف ۱۵۸)

(۱) یعنی حق اور اس کے دلائل ان کے سامنے آگئے۔ لیکن وہ اس پر ایمان لانے کے بجائے شک میں مبتلا ہیں اور اس شک کے ساتھ استہزا اور کھیل کود میں پڑے ہیں۔

(۲) یہ ان کفار کے لیے تحدید ہے کہ اچھا آپ اس دن کا انتظار فرمائیں جب کہ آسمان پر دھوئیں کا ظہور ہو گا۔ اس کے سبب نزول میں بتلایا گیا ہے کہ اہل مکہ کے معاندانہ رویے سے تنگ آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے قسط سہلی کی بدعا فرمائی جس کے نتیجے میں ان پر قسط کا عذاب نازل کر دیا گیا حتیٰ کہ وہ ہڈیاں کھالیں اور مردار وغیرہ تک کھسے پر مجبور ہو گئے آسمان کی طرف دیکھتے تو بھوک اور کمزوری کی شدت کی وجہ سے انہیں دھواں سا نظر آتا بالآخر تنگ آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عذاب نکلنے پر ایمان لانے کا وعدہ کیا، لیکن یہ کیفیت دور ہوتے ہی ان کا کفر و عناد پھر اسی طرح عود کر آیا۔ چنانچہ پھر جنگ بدر میں ان کی سخت گرفت کی گئی۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر) بعض کہتے ہیں کہ قرب قیامت کی دس بڑی علامات میں سے ایک علامت دھواں بھی ہے جس سے کافر زیادہ متاثر ہوں گے اور مومن بہت کم۔ آیت میں اسی دھوئیں کا ذکر ہے۔ اس تفسیر کی رو سے یہ علامت قیامت کے قریب ظاہر ہوگی جب کہ پہلی تفسیر کی رو سے یہ ظاہر ہو چکی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں 'دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں' اس کی شان نزول کے اعتبار سے یہ واقعہ ظہور پذیر ہو چکا ہے جو صحیح سند سے ثابت ہے۔ تاہم علامات قیامت میں بھی اس کا ذکر صحیح احادیث میں آیا ہے اس لیے وہ بھی اس کے منافی نہیں ہے اس وقت بھی اس کا ظہور ہو گا۔

(۳) پہلی تفسیر کی رو سے یہ کفار مکہ نے کہا اور دوسری تفسیر کی رو سے قیامت کے قریب کافر کہیں گے۔

پر آجاؤ گے۔ (۱۵)

جس دن ہم بڑی سخت کڑکڑائیں گے،^(۱) بالیقین ہم بدلہ لینے والے ہیں۔ (۱۶)

یقیناً ان سے پہلے ہم قوم فرعون کو (بھی) آزمائے ہیں^(۲) جن کے پاس (اللہ کا) باعزت رسول آیا۔ (۱۷)

کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میرے حوالے کر^(۳) دو، یقین مانو کہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔^(۴) (۱۸)

اور تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی نہ کرو،^(۵) میں تمہارے پاس کھلی دلیل لانے والا ہوں۔^(۶) (۱۹)

اور میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں اس سے کہ تم مجھے سنگسار کر دو۔^(۷) (۲۰)

اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں مانتے تو مجھ سے الگ ہی رہو۔^(۸) (۲۱)

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ﴿١٥﴾

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولُنَا يُنذِرُ ﴿١٦﴾

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ عَلَىٰ عَبْدِنَا لِنَكُونَ رَسُولَ آمِينَ ﴿١٧﴾

وَإِنْ لَا تَصْلُوا عَلَيَّ إِلَّا أَنِّي إِنَّمَا هِيَ سُلَيْمٌ مُّبِينٌ ﴿١٨﴾

وَإِنِّي مُدْعٍ بِرَبِّكَ فَلْيُنذِرْكُمْ إِن تَرْتَعَبُونَ ﴿١٩﴾

وَإِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ فَإِنِّي فَأَعُوذُونَ ﴿٢٠﴾

(۱) اس سے مراد جنگ بدر کی گرفت ہے، جس میں ستر کافر مارے گئے اور ستر قیدی بنائے گئے۔ دوسری تفسیر کی رو سے یہ سخت گرفت قیامت والے دن ہوگی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ اس گرفت خاص کا ذکر ہے جو جنگ بدر میں ہوئی، کیوں کہ قریش کے سیاق میں ہی اس کا ذکر ہے۔ اگرچہ قیامت والے دن بھی اللہ تعالیٰ سخت گرفت فرمائے گا، ہم وہ گرفت عام ہوگی، ہر مافریق اس میں شامل ہوگا۔

(۲) آزمانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے انہیں دنیوی خوشی، خوشحالی و فراغت سے نوازا اور پھر اپنا جیل اللہ ربیعہ بھی ان کی طرف ارسال کیا لیکن انہوں نے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کیا اور نہ پیغمبر پر ایمان لائے۔

(۳) عِبَادَ اللّٰہ سے مراد یہاں موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل ہے جسے فرعون نے غلام بنا رکھا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کیا۔

(۴) اللہ کا پیغام پہنچانے میں امانت دار ہوں۔

(۵) یعنی اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کر کے اللہ کے سامنے اپنی بڑائی اور سرکشی کا اظہار نہ کرو

(۶) یہ ماقبل کی علت ہے کہ میں ایسی حجت واضح ساتھ لایا ہوں جس کے انکار کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

(۷) اس دعوت و تبلیغ کے جواب میں فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دی، جس پر انہوں نے اپنے رب سے پناہ طلب کی۔

(۸) یعنی اگر مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو نہ لاؤ، لیکن مجھے قتل کرنے کی یا اذیت پہنچانے کی کوشش نہ کرو۔

فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ ۝۱۱

فَأَنصَرَفْ إِلَىٰ آلِهَتِهِ لِيَلْزِمَ الشُّعْبَ مَنُوبٌ ۝۱۲

وَأَنزَلَ الْغَمْرَ هَوًّا لَهُمْ جَنَّاتٌ مِّنْ قَبْلُ ۝۱۳

كَمْ تَرَوْا مَن جَلَبَتْ سُنَّاتُهُ ۝۱۴

وَنُزُولُهُمْ وَوَعْدُهُمْ كَرِيمٌ ۝۱۵

وَوَعْدُهُ كَانَ لَا يَنفَكُ مِنْهُمْ ۝۱۶

كَذَلِكَ وَأَوَفَّتْهُمُ الْآخِرِينَ ۝۱۷

فَبَايَعَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْقَرِفِينَ ۝۱۸

پھر انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ سب گنہگار لوگ ہیں۔^(۱۱) (۲۲)

(ہم نے کہہ دیا) کہ راتوں رات تو میرے بندوں کو لے کر نکل، یقیناً تمہارا^(۱۲) چچا کیا جائے گا۔ (۲۳)
تو دریا کو ساکن چھوڑ کر چلا جا،^(۱۳) بلاشبہ یہ لشکر غرق کر دیا جائے گا۔ (۲۴)

وہ بہت سے باغات^(۱۴) اور چشمے چھوڑ گئے۔ (۲۵)

اور کھیتیاں اور راحت بخش ٹھکانے۔ (۲۶)

اور وہ آرام کی چیزیں جن میں عیش کر رہے تھے۔ (۲۷)
اسی طرح ہو گیا^(۱۵) اور ہم نے ان سب کا وارث دوسری قوم کو بنادیا۔^(۱۶) (۲۸)

سوان پر نہ تو آسمان و زمین^(۱۷) روئے اور نہ انہیں

(۱) یعنی جب انہوں نے دیکھا کہ دعوت کا اثر قبول کرنے کے بجائے اس کا کفر و عناد اور بڑھ گیا تو اللہ کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیئے۔

(۲) چنانچہ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور انہیں حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو راتوں رات لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ اور دیکھو! گھبراہٹ انہیں، تمہارا چچا بھی ہو گا۔

(۳) زھو، یعنی ساکن یا خشک۔ مطلب یہ ہے کہ تیرے لامنی مارنے سے دریا معجزانہ طور پر ساکن یا خشک ہو جائے گا اور اس میں راستہ بن جائے گا، تم دریا پار کرنے کے بعد اسے اسی حالت میں چھوڑنا کہ فرعون اور اس کا لشکر بھی دریا کو پار کرنے کی غرض سے اس میں داخل ہو جائے اور ہم اسے وہیں غرق کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جیسا کہ پہلے تفصیل گزر چکی ہے۔

(۴) کم، خبریہ ہے جو تکثیر کا فائدہ دیتا ہے۔ دریائے نیل کے دونوں طرف باغات اور کھیتوں کی کثرت تھی، عال شان مکانات اور خوش حالی کے آثار تھے۔ سب کچھ ہمیں دنیا میں ہی رہ گیا اور عبرت کے لیے صرف فرعون اور اس کی قوم کا نام رہ گیا۔

(۵) یعنی یہ معاملہ اسی طرح ہوا جس طرح بیان کیا گیا ہے۔

(۶) بعض کے نزدیک اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ لیکن بعض کے نزدیک بنی اسرائیل کا دوبارہ مصر آنا تاریخی طور پر ثابت نہیں، اس لیے ملک مصر کی وارث کوئی اور قوم بنی۔ بنی اسرائیل نہیں۔

(۷) یعنی ان فرعونوں کے نیک اعمال ہی نہیں تھے جو آسمان پر چڑھتے اور ان کا سلسلہ منقطع ہونے پر آسمان روئے، نہ

مسلمت ملی۔ (۲۹)

اور بے شک ہم نے (ہی) بنی اسرائیل کو (سخت) رسوا
کن سزا سے نجات دی۔ (۳۰)

(جو) فرعون کی طرف سے (ہو رہی) تھی۔ فی الواقع وہ
سرکش اور حد سے گزر جانے والوں میں سے تھا۔ (۳۱)

اور ہم نے دانستہ طور پر بنی اسرائیل کو دنیا جہان والوں پر
فوقیت دی۔ (۳۲)

اور ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح
آزمائش تھی۔ (۳۳)

یہ لوگ تو یہی کہتے ہیں۔ (۳۴)

کہ (آخری چیز) یہی ہمارا پہلی بار (دنیا سے) مرجانا ہے اور
ہم (۳) دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے۔ (۳۵)

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي إِسْرَآئِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينَ ۝

مِنْ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ كَانَ عَلِيًّا مِنَ الْمُسْرِفِينَ ۝

وَلَقَدْ أَخَذَ لِنُوحٍ عَلِيًّا عَلَى الْغَالِبِينَ ۝

وَأَعْتَبْنَاهُمْ مِّنَ آلِ إِبْرَٰهِيمَ إِذْ يَبْكُوا أَشْيَيْنَ ۝

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ۝

إِنَّ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِينَ ۝

زمین پر ہی وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے کہ اس سے محرومی پر زمین روتی۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان و زمین میں سے کوئی
بھی ان کی ہلاکت پر رونے والا نہیں تھا۔ (فتح القدیر)

(۱) اس جہان سے مراد بنی اسرائیل کے زمانے کا جہان ہے۔ علی الاطلاق کل جہان نہیں ہے۔ کیوں کہ قرآن میں امت
محمدیہ کو کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ کے لقب سے مقب کیا گیا ہے۔ یعنی بنی اسرائیل اپنے زمانے میں دنیا جہاں والوں پر فضیلت
رکھتے تھے۔ ان کی یہ فضیلت اس استحقاق کی وجہ سے تھی جس کا علم اللہ کو ہے۔

(۲) آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے ان میں آزمائش کا پہلو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ
دیکھے کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں؟ یا پھر آیات سے مراد وہ احسانات ہیں جو اللہ نے ان پر فرمائے۔ مثلاً فرعونوں کو غرق کر
کے ان کو نجات دینا ان کے لیے دریا کو پھاڑ کر راستہ بنانا بادلوں کا سایہ اور من و سلویٰ کا نزول وغیرہ اس میں آزمائش
یہ ہے کہ ان احسانات کے بدلے میں یہ قوم اللہ کی قربان برداری کا راستہ اختیار کرتی ہے یا اس کی ناشکری کرتے ہوئے
اس کی بغاوت اور سرکشی کا راستہ اپناتی ہے۔

(۳) یہ اشارہ کفار مکہ کی طرف ہے اس لیے کہ سلسلہ کلام ان ہی سے متعلق ہے۔ درمیان میں فرعون کا قصہ ان کی
تنبیہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ فرعون نے بھی ان کی طرح کفر پر اصرار کیا تھا دیکھو اس کا کیا حشر ہوا اگر یہ بھی
اپنے کفر و شرک پر مصر رہے تو ان کا انجام بھی فرعون اور اس کے ماننے والوں سے مختلف نہیں ہو گا۔

(۴) یعنی یہ دنیا کی زندگی ہی بس آخری زندگی ہے۔ اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور حساب کتاب ہونا ممکن نہیں ہے۔

قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

أَهْمَ حَيٌّ أَمْ قَوْمٌ تُكَلِّمُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلُكُنْهُمْ

إِنَّهُمْ كَانُوا مُتَجَبِّرِينَ ۝

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَهَيْينَ ۝

مَا خَلَقْنَاهَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِنْهَا لَنُكَفِّرُنَّ أَكْثَرَهُمْ ۝

اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ۔^(۱) (۳۶)

کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تج کی قوم کے لوگ اور جو ان سے بھی پہلے تھے۔ ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا یقیناً وہ گنہ گار تھے۔^(۲) (۳۷)

ہم نے زمین اور آسمانوں اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔^(۳) (۳۸)

بلکہ ہم نے انہیں درست تدبیر کے ساتھ ہی پیدا کیا^(۴) ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔^(۵) (۳۹)

یقیناً فیصلے کا دن ان سب کا طے شدہ وقت ہے۔^(۶) (۴۰)

(۱) یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو کافروں کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تمہارا یہ عقیدہ واقعی صحیح ہے کہ دوبارہ زندہ ہونا ہے تو ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھا دو۔ یہ ان کا جدل اور کٹ جتنی تھی کیوں کہ دوبارہ زندہ کرنے کا عقیدہ قیامت سے متعلق ہے نہ کہ قیامت سے پہلے ہی دنیا میں زندہ ہو جانا یا کر دینا۔

(۲) یعنی یہ کفار کہہ کیا تج اور ان سے پہلے کی قومیں 'عاد و ثمود وغیرہ سے زیادہ طاقت ور اور بہتر ہیں' جب ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں 'ان سے زیادہ قوت و طاقت رکھنے کے باوجود ہلاک کر دیا تو یہ کیا حیثیت رکھتے ہیں؟' تج سے مراد قوم سبا ہے۔ سبا میں حمیر قبیلہ تھا، یہ اپنے بادشاہ کو تج کہتے تھے، جیسے روم کے بادشاہ کو قیصر، فارس کے بادشاہ کو کسریٰ، مصر کے حکمران کو فرعون اور حبشہ کے فرماں روا کو نجاشی کہا جاتا تھا۔ اہل تاریخ کا اتفاق ہے کہ تباہی میں سے بعض تیج کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ بعض مورخین نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ ملکوں کو فتح کرتے ہوئے سرقد تک پہنچ گیا، اس طرح اور بھی کئی عظیم بادشاہ اس قوم میں گزرے اور اپنے وقت کی یہ ایک عظیم ترین قوم تھی جو قوت و طاقت، شوکت و شہرت اور فراغت و خوشحالی میں ممتاز تھی۔ لیکن جب اس قوم نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی تو اسے تیس تیس کر کے رکھ دیا گیا (تفصیل کے لیے دیکھئے سورہ سبا کی متعلقہ آیات) حدیث میں ایک تیج کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا، اسے سب و شتم نہ کرو (مجمع الزوائد ۸۷/ ۸۶، صحیح الجامع لأشبانہ ۱۳۹۹) تاہم ان کی اکثریت نافرمانوں کی ہی رہی ہے جس کی وجہ سے ہلاکت ان کا مقدر بنی۔

(۳) یہی مضمون اس سے قبل سورہ ص ۲۷، سورہ المؤمنون ۱۱۵-۱۱۶، سورہ الحجر ۸۵ وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے۔

(۴) وہ مقصد یا درست تدبیر یہی ہے کہ لوگوں کی آزمائش کی جائے اور نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور بدوں کو ان کی بدیوں کی سزا دی جائے۔

(۵) یعنی وہ اس مقصد سے غافل اور سہل خیر ہیں۔ اسی لیے آخرت کی تیاری سے لاپرواہ اور دنیا میں منہمک ہیں۔

(۶) یہی وہ اصل مقصد ہے جس کے لیے انسانوں کو پیدا کیا گیا اور آسمان و زمین کی تخلیق کی گئی ہے۔

يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَوْلًى شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٥٠﴾

إِلَّا مَنْ رَزَقَهُ اللَّهُ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٥١﴾

إِنْ شِعَرَتِ الزُّقُومُ ﴿٥٢﴾

طَعَامُ الْأَلْبُيْنِ ﴿٥٣﴾

كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٥٤﴾

كَغَلِي الْحَمِيمِ ﴿٥٥﴾

خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَى سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾

ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿٥٧﴾

ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿٥٨﴾

إِنْ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ﴿٥٩﴾

إِنَّ الشَّقِيقِينَ فِي مَقَابِرِ آسِيفٍ ﴿٦٠﴾

فِي جَنَّتٍ وَطِينٍ ﴿٦١﴾

يَلْبَسُونَ مِنْ سُندُسٍ مُسْتَبْرَقٍ مُتَفِيدِينَ ﴿٦٢﴾

اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کی امداد کی جائے گی۔^(۱) (۴۱)

مگر جس پر اللہ کی مہربانی ہو جائے وہ زبردست اور رحم کرنے والا ہے۔ (۴۲)

پیشک زقوم (تھوہر) کا درخت۔ (۴۳)

گناہ گار کا کھانا ہے۔ (۴۴)

جو مثل تلچھٹ^(۲) کے ہے اور پیٹ میں کھولتا رہتا ہے۔ (۴۵)

مثل تیز گرم پانی کے۔^(۳) (۴۶)

اسے پکڑ لو پھر ٹھینتے ہوئے بیچ جہنم تک پہنچاؤ۔^(۴) (۴۷)

پھر اس کے سر پر سخت گرم پانی کا عذاب بھاؤ۔ (۴۸)

(اس سے کہا جائے گا) چمکتا جا تو تو بڑا ذی عزت اور بڑے اکرام والا تھا۔^(۵) (۴۹)

یہی وہ چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔ (۵۰)

پیشک (اللہ سے) ڈرنے والے امن چین کی جگہ میں ہوں گے۔ (۵۱)

باغوں اور چشموں میں۔ (۵۲)

باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنے ہوئے آنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔^(۶) (۵۳)

(۱) جیسے فرمایا ﴿وَإِذْ نَفَخْنَا فِي السُّمُورِ فَلَا أَنْتَابَ بِبَيْتِهِمُ﴾ (المؤمنون: ۱۰۰) ﴿وَلَا يَنْفَعُ حَمِيقُهُمْ يَمِينًا﴾ (المعارج: ۱۰)

(۲) شہل پکھلا ہوا تانبہ، آگ میں پکھلی ہوئی چیز یا تلچھٹ تیل وغیرہ کے آخر میں جو گدلی سی مٹی کی تہ رہ جاتی ہے۔

(۳) وہ زقوم کی خوراک کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹ میں کھولے گی۔

(۴) یہ جہنم پر مقرر فرشتوں سے کہا جائے گا، سواء، بمعنی وسط۔

(۵) یعنی دنیا میں اپنے طور پر تو بڑا ذی عزت اور صاحب اکرام بنا پھرتا تھا اور اہل ایمان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

(۶) اہل کفر و فسق کے مقابلے میں اہل ایمان و تقویٰ کا مقام بیان کیا جا رہا ہے۔ جنہوں نے اپنا دامن کفر و فسق اور

معاصی سے ہچکے رکھا تھا۔ امین کا مطلب ایسی جگہ، جہاں ہر قسم کے خوف اور اندیشوں سے وہ محفوظ ہوں گے۔

كَذَلِكَ دَرَجَاتُهُمْ يَتَوَرَعُونَ ﴿٥٢﴾

يَذْعُونَ فِيهَا بِخُلُقٍ لَّكَهْمَةُ ابْنِئِينَ ﴿٥٣﴾

لَا يَذْكُرُونَ فِيهَا الْمَوْتَ (إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَى) وَوَقَعَهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٥٤﴾

فَضْلًا مِّنْ رَبِّكَ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٥﴾

یہ اسی طرح ہے ^(۱) اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں
سے ان کا نکاح کر دیں گے۔ ^(۵۴)

وہں جمعی کے ساتھ وہاں ہر طرح کے میوؤں کی فرمائشیں
کرتے ہوں گے۔ ^(۵۵)

وہاں وہ موت پچکنے کے نہیں ہاں پسلی موت ^(۵۶) (جو وہ مر
چکے) انہیں اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی سزا سے بچا دیا۔ (۵۶)
یہ صرف تیرے رب کا فضل ہے ^(۵۷) یہی ہے بڑی

(۱) یعنی متقین کے ساتھ یقیناً ایسا ہی معلوم ہو گا۔

(۲) حُورٌ حُورٌ آء کی جمع ہے۔ یہ حُورٌ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے کہ آنکھ کی سفیدی انتہائی سفید اور سیاہی انتہائی سیاہ ہو۔
حُورٌ آء اس لیے کہا جاتا ہے کہ نظرس ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائیں گی عِبْنُ عَبَّاسٍ کی جمع ہے اشرارہ چشم۔
جیسے ہرن کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ ہم پہلے وضاحت کر آئے ہیں کہ ہر جنتی کو کم از کم دو حوریں ضرور ملیں گی۔ جو حسن و جمال کے
اعتبار سے چندے آفتاب و مابتاب ہوں گی۔ البتہ ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، جسے صحیح کہا گیا ہے کہ شہید کو
خصوصی طور پر ۷۲ حوریں ملیں گی (ابواب فضائل الجہاد، باب ما جاء فی الساس، الفصل)

(۳) آمین (بے خوفی کے ساتھ) کا مطلب ان کے ختم ہونے کا اندیشہ ہو گا نہ ان کے کھانے سے بیماری وغیرہ کا خوف
یا موت، تھکاؤ اور شیطان کا کوئی خوف نہیں ہو گا۔

(۴) یعنی دنیا میں انہیں جو موت آئی تھی اس موت کے بعد انہیں موت کا مزہ نہیں چکھنا پڑے گا۔ جیسے حدیث میں آتا
ہے کہ موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لاکر دوزخ اور جنت کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا
اے جنتیو! تمہارے لیے جنت کی زندگی دائمی ہے، اب تمہارے لیے موت نہیں۔ اور اے جہنمیو! تمہارے لیے جہنم کا
عذاب دائمی ہے، موت نہیں۔ صحیح بخاری، تفسیر سورہ مريم، مسلم، کتاب الجہاد، باب السار
بدخلها الجبارون والجهة بدخلها الضعفاء، دو سری حدیث میں فرمایا ”اے جنتیو! تمہارا مقدر اب صحت و
قوت ہے، تم کبھی بیمار نہیں ہو گے۔ تمہارے لیے اب زندگی ہی زندگی ہے، موت نہیں۔ تمہارے لیے نعمتیں ہی نعمتیں
ہیں، ان میں کمی نہیں ہوگی اور سدا جوان رہو گے، کبھی بڑھاپا طاری نہیں ہو گا۔“ صحیح بخاری، کتاب الرقاق،
باب القصد والمداومة علی العمل، ومسلم، کتاب مذکور

(۵) جس طرح حدیث میں بھی ہے۔ فرمایا ”یہ بات جان لو! تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے
گا، صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کو بھی؟ فرمایا ”ہاں مجھے بھی، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل میں

ڈھانپ لے گا“ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل، ومسلم، کتاب مذکور

کامیابی۔ (۵۷)

ہم نے اس (قرآن) کو تیری زبان میں آسان کر دیا تاکہ وہ

فیض حاصل کریں۔ (۵۸)

اب تو خطرہ یہ بھی ختم ہے۔^(۱) (۵۹)

سورہ جاہلیہ مکی ہے اور اس میں بیستیس آیتیں اور
چار رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمائت رحم والا ہے۔

حم۔ (۱) یہ کتاب اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے
نازل کی ہوئی ہے۔ (۲)

آسمانوں اور زمین میں ایمان داروں کے لیے یقیناً بہت
سی نشانیاں ہیں۔ (۳)

اور خود تمہاری پیدائش میں اور ان جانوروں کی پیدائش
میں جنہیں وہ پھیلاتا ہے یقین رکھنے والی قوم کے لیے
بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۴)

اور رات دن کے بدلنے میں اور جو کچھ روزی اللہ تعالیٰ
آسمان سے نازل فرما کر زمین کو اسکی موت کے بعد زندہ کر
دیتا ہے،^(۲) (اس میں) اور ہواؤں کے بدلنے میں بھی ان
لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں نشانیاں ہیں۔^(۳) (۵)

وَأَنشَأْنَا نِسْرَةَ بِلْسَابِكَ لَعَلَّكُمْ تَتَذَكَّرُونَ ۝

وَرَتَّبْنَا الْكُتُبَ مُرْتَبُونَ ۝

سُورَةُ الْجَاثِيَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

حَمْدٌ ۝ نُنَزِّلُ الْكِتَابَ مِنَ الْغُيُوثِ الْكَلِيمِ ۝

إِنَّا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَأَنبُؤُا لِلْمُؤْمِنِينَ ۝

وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُذُّ مِنْ دَابَّاءٍ لِّتَعْلَمُوا أَنَّكُمْ تَوَفُّوْنَ ۝

وَأَعْيَدَلِ الْآبِلِ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ

زَرْقٍ فَلْيَصْأَبِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَعْرِفِ الْيَوْمَ الْآيَاتِ

لِّتَعْلَمُوا أَنَّكُمْ تَوَفُّوْنَ ۝

(۱) تو عذاب الہی کا انتظار کر اگر یہ ایمان نہ لائے۔ یہ ختم ہے اس بات کے کہ اسلام کے غلبہ و غزوے قتل ہی شدید
آپ موت سے ہلکا ہو جائیں۔

(۲) آسمان و زمین، انسانی تخلیق، جانوروں کی پیدائش، رات دن کے آنے جانے اور آسمانی بارش کے ذریعے سے مردہ
زمین میں زندگی کی لہر کا دوڑ جانا وغیرہ آفاق و انفس میں بے شمار نشانیاں ہیں جو اللہ کی وحدانیت و ربوبیت پر دال ہیں۔

(۳) یعنی کبھی ہوا کا رخ شمال و جنوب کو، کبھی پورب پچھم (مشرق و مغرب) کو ہوتا ہے، کبھی بحری ہوائیں اور کبھی بری
ہوائیں، کبھی رات کو، کبھی دن کو، بعض ہوائیں بارش خیز، بعض نتیجہ خیز، بعض ہوائیں روح کی غذا اور بعض سب کچھ

بَلِّغْ إِلَيْكَ اللَّهُ سَلَامًا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ قَبْلَ أَنْ حُدِّثَ بَعْدَ
اللَّهُ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ①

وَرَبُّكَ لَعَلَّ أَفَّاكَ أَيْتُهُ ②

يَتَعَمَّلُ اللَّهُ تَعْلِيلًا لِمَا يَكُونُ مِنْكُمْ وَيَكُونُ مِنْكُمْ
بِعَذَابِ اللَّهِ ③

وَلَا تَعْبُدُونَ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ
عَذَابُ اللَّهِ ④

مِنْ قَدَرِهِمْ جَهَنَّمَ وَلَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ وَلَا تَعْبُدُوا

یہ ہیں اللہ کی آیتیں جنہیں ہم آپ کو راستی سے سنا رہے
ہیں پس اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کے بعد یہ کس بات
پر ایمان لائیں گے۔ (۶)

”ویل“ اور افسوس ہے ہر ایک جھوٹے گنہگار
پر۔ (۷)

جو آیتیں اللہ کی اپنے سامنے پڑھی جاتی ہوئی سنے پھر بھی
غور کرتا ہوا اس طرح اڑا رہا ہے کہ گویا سنی ہی نہیں، (۸)

تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر (پہنچی) دیجئے۔ (۸)

وہ جب ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر لیتا ہے تو
اس کی ہنسی اڑاتا ہے، (۹) یہی سوگ ہیں جن کے لیے

رسوائی کی مار ہے۔ (۹)

ان کے پیچھے دوزخ ہے، (۱۰) جو کچھ انہوں نے حاصل کیا

جھلک دینے والی اور محض گرد و غبار کا طوفان۔ ہواؤں کی اتنی قسمیں بھی دلالت کرتی ہیں کہ اس کائنات کا کوئی چلانے والا
ہے اور وہ ایک ہی ہے۔ دوا دو سے زائد نہیں۔ تمام اختیارات کا مالک وہی ایک ہے، ان میں کوئی اس کا شریک نہیں۔
سارا اور ہر قسم کا تصرف صرف وہی کرتا ہے، کسی اور کے پاس ادنیٰ سا تصرف کرنے کا بھی اختیار نہیں۔ اسی مفہوم کی
آیت سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۶۳ بھی ہے۔

(۱) یعنی اللہ کا ناز کردہ قرآن جس میں اس کی توحید کے دلائل و براہین ہیں۔ اگر یہ اس پر بھی ایمان نہیں رہتے تو اللہ
کی بات کے بعد کس کی بات ہے اور اس کی نشانوں کے بعد کون سی نشانیاں ہیں جن پر یہ ایمان لائیں گے؟ بَعْدَ اللَّهِ کا
مطلب ہے، بَعْدَ حَدِيثِ اللَّهِ وَبَعْدَ آيَاتِهِ یہاں قرآن پر حدیث کا اطلاق کیا گیا ہے۔ جیسے ﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ
الْحَدِيثِ﴾ (الرسمہ ۲۳) میں ہے۔

(۲) أَفَّاكَ بمعنی کذاب، اَیْنِم بمعنی گناہ گار۔ وَبَلِّغْ بمعنی ہلاکت یا جہنم کی ایک وادی کا نام۔

(۳) یعنی کفر پر اڑا رہتا ہے اور حق کے مقابلے میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اور اسی غرور میں سنی ان سنی کر دیتا ہے۔

(۴) یعنی اول تو وہ قرآن کو غور سے سننا ہی نہیں ہے اور اگر کوئی بات اس کے کان میں پڑ جاتی ہے یا کوئی بات اس کے
علم میں آ جاتی ہے تو اسے استہزا اور مذاق کا موضوع بنا لیتا ہے۔ اپنی کم عقلی اور نامفہمی کی وجہ سے یا کفر و معصیت پر اصرار
و استکبار کی وجہ سے۔

(۵) یعنی ایسے کردار کے لوگوں کے لیے قیامت میں جہنم ہے۔

وَمِنْ دُونِ الْمَوَاطِنِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

هَٰذَا هُدًى وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَيِّنَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ۝

أَلَمْ يَكُنْ لَهُ الْآيَاتُ الْمُبِينَاتُ ۝ وَلَقَدْ نَزَّلْنَاهُ بِالْحَقِّ ۝ وَلَقَدْ نَزَّلْنَاهُ بِالْحَقِّ ۝ وَلَقَدْ نَزَّلْنَاهُ بِالْحَقِّ ۝

وَنَزَّلْنَاهُ فِي الْغُرُوبِ وَمَا تَرَىٰ الْأَرْضَ جَنُودًا مُّتَحِلَّةً ۝

تھا وہ انہیں کچھ بھی نفع نہ ^(۱) دے گا اور نہ وہ (کچھ کام آئیں گے) جن کو انہوں نے اللہ کے سوا کارساز ^(۲) بنا رکھا تھا ان کے لیے تو بہت بڑا عذاب ہے۔ (۱۰)

یہ (سر تپا) ہدایت ^(۳) ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کو نہ مانا ان کے لیے بہت سخت دردناک عذاب ہے۔ ^(۴) (۱۱)

اللہ ہی ہے جس نے ہمارے لیے دریا ^(۵) کو تابع بنا دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں ^(۶) چلیں اور تم اس کا فضل ^(۷) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر بجالاؤ۔ ^(۸) (۱۲)

اور آسمان و زمین کی ہر ہر چیز کو بھی اس نے اپنی طرف

(۱) یعنی دنیا میں جو مال انہوں نے کمایا ہو گا جن اولاد اور جتنے پر وہ فخر کرتے رہے ہوں گے وہ قیامت والے دن انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔

(۲) جن کو دنیا میں اپنا دوست، مددگار اور معبود بنا رکھا تھا وہ اس روز ان کو نظری نہیں آئیں گے، مدد تو انہوں نے کیا کرنی ہوگی؟

(۳) یعنی قرآن۔ کیوں کہ اس کے نزول کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لایا جائے۔ اس لیے اس کے سر تپا ہدایت ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ لیکن ہدایت ملے گی تو اسے ہی جو اس کے لیے اپنا سینہ داکرے گا۔ بصورت دیگر توقع راہ دکھائیں گے رہرو منزل ہی نہیں۔ والا معاملہ ہو گا۔

(۴) آیتیں، عذات کی صفت ہے، بعض اسے رنج کی صفت بتاتے ہیں۔ رنج بمعنی عذاب شدید۔

(۵) یعنی اس کو ایسا بنا دیا کہ تم کشتیوں اور جہازوں کے ذریعے سے اس پر سفر کر سکو۔

(۶) یعنی سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا یہ تمہارا کمال اور ہنر نہیں یہ اللہ کا حکم اور اس کی مشیت ہے۔ ورنہ اگر وہ چاہتا تو سمندروں کی موجوں کو اتنا سرکش بنا دیتا کہ کوئی کشتی اور جہاز ان کے سامنے ٹھہر ہی نہ سکتا جیسا کہ کبھی کبھی وہ اپنی قدرت کے اظہار کے لیے ایسا کرتا ہے۔ اگر مستقل طور پر موجوں کی طغیانوں کا یہی عالم رہتا تو تم کبھی بھی سمندر میں سفر کرنے کے قابل نہ ہوتے۔

(۷) یعنی تجارت کے ذریعے سے اور اس میں غوطہ زنی کر کے موتی اور دیگر اشیاء نکال کر اور دریائی جانوروں (مچھلی وغیرہ) کا شکار کر کے۔

(۸) یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ تم ان نعمتوں پر اللہ کا شکر کرو جو اس تسخیرِ بحر کی وجہ سے تمہیں حاصل ہوتی ہیں۔

فِي ذَلِكَ لَا يَمُوتُ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١١﴾

قُلْ لِّلَّذِينَ آمَنُوا أَجْرُهُمُ عِندَ رَبِّهِمْ أَكْبَرُ وَلَا يُجْزَوْنَ أَيْامًا مُّكَدَّرَةً سِوَىٰ
قَوْمٍ آثَمًا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢﴾

مَنْ حِيلَ صُلْحًا فَلْنَعْمِ وَفَلْنَعْمِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلِمَا لَهُ مِمَّا
رَبُّهُمُ رِجْزُ عَذَابٍ ﴿١٣﴾

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ الذِّكْرَ وَالْعَصَىٰ وَالْهَوَاةَ وَرِجَالَهُم
فِي الْفَلْجِ بَيْنَ يَدَيْهِمْ عَلَى الْعَلَمِينَ ﴿١٤﴾

سے تمہارے لیے تابع کر دیا ہے۔^(۱) جو غور کریں یقیناً وہ
اس میں بہت سی نشانیاں پائیں گے۔ (۱۳)

آپ ایمان والوں سے کہہ دیں کہ وہ ان لوگوں سے درگزر
کریں جو اللہ کے دنوں کی توقع نہیں^(۲) رکھتے، تاکہ اللہ
تعالیٰ ایک قوم کو ان کے کرتوتوں کا بدلہ دے۔ (۱۴)

جو نیکی کرے گا وہ اپنے ذاتی بھلے کے لیے اور جو برائی
کرے گا اس کا وبال اسی پر ہے،^(۳) پھر تم سب اپنے
پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۱۵)

یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت^(۴) اور نبوت دی
تھی، اور ہم نے انہیں پاکیزہ (اور نفیس) روزیاں دی تھیں۔^(۵)

(۱) مطیع کرنے کا مطلب یہی ہے کہ ان کو تمہاری خدمت پر مامور کر دیا ہے، تمہارے مصالح و منافع اور تمہاری معاش
سب انہی سے وابستہ ہے، جیسے چاند، سورج، روشن ستارے، بارش، بادل اور ہوائیں وغیرہ ہیں۔ اور اپنی طرف سے کا
مطلب، اپنی رحمت اور فضل خاص ہے۔

(۲) یعنی جو اس بات کا خوف نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کی مدد کرنے اور دشمنوں کو نیست و نابود کرنے
کی قدرت رکھتا ہے۔ مراد کافر ہیں۔ اور ایام اللہ سے مراد قاتل ہیں۔ جیسے ﴿وَذَكِّرْهُمْ بِأَيُّهَا آتَيْنَاهُمْ﴾ (اسراہیم ۵) میں ہے۔
مطلب ہے کہ ان کافروں سے غور درگزر سے کام لو، جو اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے بے خوف ہیں۔ یہ ابتدائی
حکم تھا جو مسلمانوں کو پہلے دیا جاتا رہا تھا بعد میں جب مسلمان مقابلے کے قاتل ہو گئے تو پھر سختی کا اور ان سے ٹکرا جانے
(جہاد) کا حکم دے دیا گیا۔

(۳) یعنی جب تم ان کی ایذاؤں پر صبر اور ان کی زیادتیوں سے درگزر کرو گے، تو یہ سارے گناہ ان کے ذمے ہی رہیں
گے، جن کی سزا ہم قیامت والے دن ان کو دیں گے۔

(۴) یعنی ہر گروہ اور فرد کا عمل، اچھایا برا، اس کا فائدہ یا نقصان خود کرنے والے کو ہی پہنچے گا، کسی دوسرے کو نہیں۔ اس
میں نیکی کی ترغیب بھی ہے، اور بدی سے ترہیب بھی۔

(۵) پس وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق جزا دے گا۔ نیکیوں کو نیک اور بدوں کو بری۔

(۶) کتاب سے مراد تورات، حکم سے حکومت و بادشاہت یا فہم و قضا کی وہ صلاحیت ہے جو فصل خصوصیات اور لوگوں کے
درمیان فیصلے کرنے کے لیے ضروری ہے۔

(۷) وہ روزیاں جو ان کے لیے حلال تھیں اور ان ہی میں من و سلوئی کا نزول بھی تھا۔

وَالَّذِينَ يَبْنِيْنَ مِنْ الذِّمْرِ مَا حَفَظُوا الْاٰمَنَ بَعْدَ مَا جَاءَهُمْ
الْبَلَاءُ بَنِيَانِهِمْ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ فَمَنْ كَانَتْ اَوْفًىٰ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

لَمْ جَعَلْنَاكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِنَ الْاَشْرَافِ اَتِيْنَاهَا وَلَآ تَنْتَفِعُ اَهْوَاَ
الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اِنَّهُمْ لَنْ يُغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَشَرُهُمْ
اَوْلِيَآءُ بَعْضُهُمْ اَوْلٰىءُ لِلّٰهِ مِنَ الْاُخْرٰى ۝

هٰذَا بَصْلَسُ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ لَئِنْ رَءَوْا
مُنْفَرِقًا لَّيَتَّبِعُنَّ الْمُنْفَرِقَ لَوْ كَانُوا مُعْتَدِلِيْنَ ۝

اور انہیں دنیا والوں پر فضیلت دی تھی۔^(۱)

اور ہم نے انہیں دین کی صاف صاف دلیلیں دیں،^(۲) پھر
انہوں نے اپنے پاس علم کے پہنچ جانے کے بعد آپس کی ضد
بحث سے ہی اختلاف برپا کر ڈالا،^(۳) یہ جن جن چیزوں میں
اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ قیامت والے دن ان کے
درمیان (خود) حیرانہ کر دے گا۔^(۴)

پھر ہم نے آپ کو دین کی (ظاہر) راہ پر قائم کر دیا،^(۵) سو
آپ اسی پر لگے رہیں اور نادانوں کی خواہشوں کی
پیروی میں نہ پڑیں۔^(۶)

(یاد رکھیں) کہ یہ لوگ ہرگز اللہ کے سامنے آپ کے کچھ
کام نہیں آسکتے۔ (مجھ لیں کہ) ظالم لوگ آپس میں ایک
دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں اور پرہیزگاروں کا کار ساز
اللہ تعالیٰ ہے۔^(۷)

یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت کی باتیں^(۸) اور ہدایت و

(۱) یعنی ان کے زمانے کے اعتبار سے۔

(۲) کہ یہ حلال ہیں اور یہ حرام۔ یا معجزات مراد ہیں۔ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم، آپ کی نبوت کے شواہد اور
آپ کی ہجرت گاہ کی تعیین مراد ہے۔

(۳) بَنِيَانِهِمْ کا مطلب ہے، آپس میں ایک دوسرے سے حسد اور بغض و عناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے یا جہ و منصب
کی خاطر۔ انہوں نے اپنے دین میں، علم آجانے کے باوجود، اختلاف یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے انکار کیا۔
(۴) یعنی اہل حق کو اچھی جزا اور اہل باطل کو بری جزا دے گا۔

(۵) شریعت کے لغوی معنی ہیں، راستہ ملت اور منہاج۔ شاہراہ کو بھی شارع کہا جاتا ہے کہ وہ مقصد و منزل تک پہنچاتی
ہے۔ پس شریعت سے یہاں مراد وہ دین ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے تاکہ لوگ اس پر چل کر اللہ
کی رضا کا مقصد حاصل کر لیں۔ آیت کا مطلب ہے۔ ہم نے آپ کو دین کے ایک واضح راستے یا طریقے پر قائم کر دیا ہے
جو آپ کو حق تک پہنچا دے گا۔

(۶) جو اللہ کی توحید اور اس کی شریعت سے ناواقف ہیں۔ مراد کفار مکہ اور ان کے ساتھی ہیں۔

(۷) یعنی ان دلائل کا مجموعہ ہے جو احکام دین سے متعلق ہیں اور جن سے انسانی ضروریات و حاجات وابستہ ہیں

أَرْحَبَ الْبَنِينَ اجْتَرَحُوا الشَّيَاطِئَ أَنْ يَجْعَلَهُمُ كَالَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءٌ لَّهُمْ وَمِمَّا أُنْفَخَتْ مِنْهُمْ نَسَاءٌ مَّا يَعْلَمُونَ ﴿۲۰﴾

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلَئِنْ لَكُنْ نَافِثًا
كُذِّبَتْ وَهُمْ لَا يَظْلُمُونَ ﴿۲۱﴾

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عَمَلِهِ وَخَوَّلَهُ عَلٰ
سَمُومَةٍ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَعْرِهَا عَشَدًا لَّنْ يُعَذِّبَهُ مِنْ

رحمت ہے ^(۱) اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے۔ (۲۰)
کیا ان لوگوں کا جو برے کام کرتے ہیں یہ گناہ ہے کہ ہم
انہیں ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک
کام کیے کہ ان کا مرنا جینا یکساں ہو جائے ^(۲) برا ہے وہ
فیصلہ جو وہ کر رہے ہیں۔ (۲۱)

اور آسمانوں اور زمین کو اللہ نے بہت ہی عدل کے ساتھ
پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کام کا
پورا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ ^(۳) (۲۲)
کیا آپ نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش
نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ^(۴) ہے اور باوجود سمجھ بوجھ
کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ^(۵) ہے اور اس کے کان

(۱) یعنی دنیا میں ہدایت کا راستہ بتلانے والا ہے اور آخرت میں رحمت الہی کا موجب ہے۔

(۲) یعنی دنیا اور آخرت میں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہ کریں۔ اس طرح ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یا مطلب ہے کہ جس
طرح دنیا میں وہ برابر تھے آخرت میں بھی وہ برابری رہیں گے کہ مرکبہ بھی ناپید اور وہ بھی ناپید؟ نہ بدکار کو سزا نہ
ایمان و عمل صالح کرنے والے کو انعام۔ ایسا نہیں ہو گا۔ اسی لیے آگے فرمایا ان کا یہ فیصلہ برا ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

(۳) اور یہ عدل یہی ہے کہ قیامت والے دن بے لاگ فیصلہ ہو گا اور ہر شخص کو اس کے عملوں کے مطابق اچھی یا بری
جزا دے گا۔ یہ نہیں ہو گا کہ نیک و بد دونوں کے ساتھ وہ یکساں سلوک کرے جیسا کہ کافروں کا زعم باطل ہے جس کی
تردید گزشتہ آیت میں کی گئی ہے۔ کیوں کہ دونوں کو برابری کی سطح پر رکھنا ظلم یعنی عدل کے خلاف بھی ہے اور مسامت
سے انحراف بھی۔ اس لیے جس طرح کانٹے بو کر انگوڑی کی فصل حاصل نہیں کی جا سکتی اسی طرح بدی کا ارتکاب کر کے وہ
مقام حاصل نہیں ہو سکتا جو اللہ نے اہل ایمان کے لیے رکھا ہے۔

(۴) پس وہ اسی کو اچھا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس اچھا اور اسی کو برا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس برا قرار دیتا ہے۔ یعنی اللہ اور
رسول کے احکام کے مقابلے میں اپنی نفسانی خواہش کو ترجیح دیتا اپنی عقل کو اہمیت دیتا ہے۔ حالانکہ عقل بھی محول سے متاثر
مفادات کی اسیر ہو کر خواہش نفس کی طرح غلط فیصلہ کر سکتی ہے۔ ایک معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل
کردہ ہدایت اور برہان کے بغیر اپنی مرضی کے دین کو اختیار کرتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے ایسا شخص مراد ہے جو پتھر کو
پوحتھا جب اسے زیادہ خوب صورت پتھر مل جاتا تو وہ پہلے پتھر کو پھینک کر دوسرے کو معبود بنا لیتا۔ (فتح القدیر)

(۵) یعنی بلوغ علم اور قیام حجت کے باوجود وہ گمراہی ہی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ جیسے بہت سے پندار علم میں مبتلا گمراہ

يَعْلَمُ اللَّهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٥﴾

وَقَالُوا سَاهِي الْأَحْيَاءُ الدُّنْيَا مَوْتٌ وَمَحْيَا وَمَا يُعْلِنُونَ
الَّذِينَ هُمْ وَمَا يُهْدِيهِمْ مِنَ الْغُرُوبِ هُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٢٥﴾

وَأَذَانُكُمْ عَلَيْهِمْ يَنْتَابُونَ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ الْآنَ قَالُوا

اور دن پر مہر لگادی^(۱) ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا^(۲) ہے اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے۔^(۳) (۲۳)
کیا اب بھی تم نصیحت نہیں پکڑتے۔^(۴) انہوں نے کہا کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے^(۵) (دراصل) انہیں اس کا کچھ علم ہی نہیں۔ یہ تو صرف (قیاس اور) اٹکل سے ہی کام لے رہے ہیں۔ (۲۳)
اور جب ان کے سامنے ہماری واضح اور روشن آیتوں کی

اہل علم کا حال ہے۔ ہوتے وہ گمراہ ہیں، موقف ان کا بے بنیاد ہوتا ہے۔ لیکن ”ہم چوماد گیرے نیست“ کے گھمنڈ میں وہ اپنے ”دراکل“ کو ایسا سمجھتے ہیں گویا آسمان سے ترے تو زلائے ہیں۔ اور یوں ”علم و فہم“ رکھنے کے باوجود وہ گمراہ ہی نہیں ہوتے، دوسروں کو بھی گمراہ کرنے پر فخر کرتے ہیں۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هَذَا الْعِلْمِ الضَّالِّ وَالْعِلْمِ السَّقِيمِ وَالْعَقْلِ الزَّائِعِ

(۱) جس سے اس کے کان دھند و نصیحت سننے سے اور اس کا دل ہدایت کے بجائے سے محروم ہو گیا۔

(۲) چنانچہ وہ حق کو دیکھ بھی نہیں پاتا۔

(۳) جیسے فرمایا ﴿مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا قُوَّةَ لَهُ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ ﴿الاعراف: ۸۶﴾

(۴) یعنی غور و فکر نہیں کرتے تاکہ حقیقت حال تم پر واضح اور آشکارا ہو جائے۔

(۵) یہ دہریہ اور ان کے ہم نوا مشرکین کہہ کا قول ہے جو آخرت کے منکر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ بس یہ دنیا کی زندگی ہی پہلی اور آخری زندگی ہے اس کے بعد کوئی زندگی نہیں اور اس میں موت و حیات کا سلسلہ، محض زمانے کی گردش کا نتیجہ ہے۔ جیسے فلاسفہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ہر چھتیس ہزار سال کے بعد ہر چیز دوبارہ اپنی حالت پر لوٹ آتی ہے۔ اور یہ سلسلہ بغیر کسی صانع اور مدبر کے، از خود یوں ہی چل رہا ہے اور چلتا رہے گا نہ اس کی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔ یہ گروہ دور یہ کہلاتا ہے (ابن کثیر) ظاہریات ہے، یہ نظریہ اسے عقل بھی قبول نہیں کرتی اور نقل کے بھی خلاف ہے۔ حدیث قدسی ہے ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔“ ”ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے۔ زمانے کو برا بھلا کہتا ہے (یعنی اس کی طرف افعال کی نسبت کر کے اسے برا کہتا ہے) حالاں کہ (زمانہ بجائے خود کوئی چیز نہیں) میں خود زمانہ ہوں میرے ہی ہاتھ میں تمام اختیارات ہیں رات دن بھی میں ہی پھیرتا ہوں۔“ (البخاری، تفسیر سورۃ الجاثیۃ، مسلم، کتاب الألفاظ من الأدب،

اَتَوَابًا بَآئِنًا اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۵﴾

تلاوت کی جاتی ہے، تو ان کے پاس اس قوس کے سوا کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ اگر تم سچے ہو تو ہرے باپ دادوں کو لاؤ۔^(۱) (۲۵)

قُلِ اللّٰهُ يُخَيِّطُكُمْ ثُمَّ يُبَدِّلُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾

آپ کہہ دیجئے! اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے پھر تمہیں مار ڈالتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ (۲۶)

وَقُلُوْا لَكُمْ اَسْمٰوَاتُ وَالْاَرْضُ وَنَوْمُ نَوْمٍ اَلْسَاعَةُ يَوْمَ يَبْعَثُوْهُمُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷﴾

اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن اہل باطل بڑے نقصان میں پڑیں گے۔ (۲۷)

وَقُلْ لِّىْ اَمَلٌ بِاٰیَةِ رَبِّیْ اِنَّہٗ یَنْتَدِلِ اِلٰی رَبِّہَا الْیَوْمَ یُخْرَجُوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾

اور آپ دیکھیں گے کہ ہر امت گھٹنوں کے بل مری ہوئی ہوگی۔^(۲) ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا، آج تمہیں اپنے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔ (۲۸)

هٰذَا الَّذِیْنَ یَنْطَلِقُ عَلَیْکُمْ بِالْحَقِّ اِذَا کُنْتُمْ تَسْتَفِیْہُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹﴾

یہ ہے ہماری کتاب جو تمہارے بارے میں سچ بول رہی ہے،^(۳) ہم تمہارے اعمال نکھواتے جاتے تھے۔^(۴) (۲۹) پس لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام^(۵)

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَبِیْہِمْ جَزَآءٌ

(۱) یہ ان کی سب سے بڑی دلیل ہے جو ان کی کٹ جتنی کا منظر ہے۔

(۲) ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر گروہ ہی (چاہے وہ انبیاء کے پیروکار ہوں یا ان کے مخالفین) خوف و دہشت کے مارے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے (فتح القدیر) تا آنکہ سب کو حساب کتاب کے لیے بلایا جائے گا، جیسا کہ آیت کے اگلے حصے سے واضح ہے۔

(۳) اس کتاب سے مراد وہ رجسٹر ہیں جن میں انسان کے تمام اعمال درج ہوں گے۔ ﴿وَفُصِّلَ الْکِتٰبُ وَجَآئِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَالظُّہٰنِ﴾ (الرعد ۳۹) اعمال نامے سامنے لائے جائیں گے، نبیوں اور شہداء کو گواہی کے لیے پیش کیا جائے گا۔ یہ اعمال نامے انسانی زندگی کے ایسے مکمل ریکارڈ ہوں گے کہ جن میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوگی انسان ان کو دیکھ کر پکار اٹھے گا۔ ﴿مَالِ هٰذَا الْکِتٰبِ اَلَا نَعَاوِدُ صَغِيْرًا وَّلَا کَبِيْرًا اِلَّا اَخْضَعْنَا﴾ (الکہف ۳۹) ”یہ کیسا اعمال نامہ ہے جس نے چھوٹی بڑی چیز کسی کو بھی نہیں چھوڑا“ سب کچھ ہی تو اس میں درج ہے۔“

(۴) یعنی ہمارے علم کے علاوہ، قرشتے بھی ہمارے حکم سے تمہاری ہر چیز نوٹ کرتے اور محفوظ رکھتے تھے۔

(۵) یہاں بھی ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر کر کے اس کی اہمیت واضح کر دی اور عمل صالح وہ اعمال خیر ہیں جو سنت

فِي رَحْمَتِهِ ذَلِكَ هُوَ الْغَوْزُ الْمُبِينُ ⑤

وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ أَفْلَهُ تَكُنْ أَلَيْسَ لَكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑥

وَإِذْ يَقُولُ ابْنَ دَعْدٍ إِذَا رَأَىٰ السَّمَاءَ لَا رَبَّ إِلَّا هِيَ قُلْتُمْ هَٰذَا سَمَانٌ مِّمَّ الْأَشْيَاءِ ⑦
يُسْتَفْتَيْنِ ⑧

وَبَدَّاهُمُ سُبُلًا مَّا عَمِلُوا وَخَافُوا بِهِنَّ مَآ أَتَوَاهُمْ
يَسْتَفْتِيهِمْ ⑨

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنفِثُ سَحَابًا مِّمَّا يَتَخِفَتُهُ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمِمَّا دُونَكَ
الْعَاقِبَةُ ⑩

کیے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت تلے لے لے گا^(۱) یہی
صریح کامیابی ہے۔ (۳۰)

لیکن جن لوگوں نے کفر کیا تو (میں ان سے کہوں گا) کیا
میری آیتیں تمہیں سنائی نہیں جاتی تھیں؟ پھر بھی تم
تکبر کرتے رہے اور تم تھے ہی گنہ گار لوگ۔^(۳۱)

اور جب کبھی کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ یقیناً سچا ہے اور
قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم جواب دیتے
تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے؟ ہمیں کچھ یوں
یہ سا خیال ہو جاتا ہے لیکن ہمیں یقین نہیں۔^(۳۲)

اور ان پر اپنے اہل کی برائیاں کھل گئیں اور جس کا وہ
مذاق اڑا رہے تھے اس نے انہیں گھیر لیا۔^(۳۳)

اور کہہ دیا گیا کہ آج ہم تمہیں بھلا دیں گے جیسے کہ تم
نے اپنے اس دن سے ملنے کو^(۱) بھلا دیا تھا تمہارا ٹھکانا

کے مطابق ادا کیے جائیں نہ کہ ہر وہ عمل جسے انسان اپنے طور پر اچھا سمجھ لے اور اسے نہایت اہتمام اور ذوق و شوق
کے ساتھ کرے جیسے بہت سی بدعات مذہبی حلقوں میں رائج ہیں اور جو ان حلقوں میں فرائض و واجبات سے بھی زیادہ
اہمیت رکھتی ہیں۔ اسی لیے فرائض و سنن کا ترک تو ان کے ہاں عام ہے لیکن بدعات کا ایسا التزام ہے کہ اس میں کسی قسم
کی کوتاہی کا تصور ہی نہیں ہے۔ حالاں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعات کو شرالاشور (بدترین کام) قرار دیا ہے۔

(۱) رحمت سے مراد جنت ہے، یعنی جنت میں داخل فرمائے گا جیسے حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ جنت سے فرمائے گا اَنْتَ
رَحْمَتِي اَرْحَمُ بِكَ مِنْ اَنْشَاءِ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ ف) تو میری رحمت ہے تیرے ذریعے سے (یعنی تجھ
میں داخل کر کے) میں جس پر چاہوں گا رحم کروں گا۔

(۲) یہ بطور توخ کے ان سے کہا جائے گا کیوں کہ رسول ان کے پاس آئے تھے انہوں نے اللہ کے احکام انہیں سنائے
تھے لیکن انہوں نے پرواہی نہیں کی تھی۔

(۳) یعنی حق کے قیوں کرنے سے تم نے تکبر کیا اور ایمان نہیں لائے بلکہ تم تھے ہی گنہ گار۔

(۴) یعنی قیامت کا وقوع، محض ظن و تخمین ہے۔ ہمیں تو یقین نہیں کہ یہ واقعی ہوگی۔

(۵) یعنی قیامت کا عذاب جسے وہ مذاق یعنی انہوں نے سمجھتے تھے اس میں وہ گرفتار ہوں گے۔

(۶) جیسے حدیث میں آتا ہے۔ اللہ اپنے بعض بندوں سے کہے گا کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ کیا میں نے تیرا

سُورَةُ الْاٰحْقَافِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَمْدٌ

تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ①

مَا خَلَقْنَا السَّمَوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَیْلٍ

لُنُسَمِّیَ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَمَّاۤ اُنۡزِلُوْا مُعْرِضُوْنَ ②

قُلْ اَرَاۤیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ فِیْ مَا خَلَقْنَا

مِّنَ الْاَرْضِ اَمْۡرًا لَّهُمْ شِرَکٌ فِی السَّمٰوٰتِ لَا یُشۡرِكُ بِحُكۡمِیۡنِ

قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْۤ اٰثَرٌ فِیۡنَ وَجۡهِنَ لَنُصۡدِقَنَّ ③

سورۃ احقاف کی ہے اور اس میں پینتیس آیتیں ہیں اور چار رکوع ہیں

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حم! ① اس کتاب کا اتارنا اللہ تعالیٰ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے۔ ②

ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی تمام چیزوں کو بہترین تدبیر کے ساتھ ہی ایک مدت معین کے لیے پیدا کیا ہے، ③ اور کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں منہ موڑ لیتے ہیں۔ ④ ⑤

آپ کہہ دیجئے! بھلا دیکھو تو جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے بھی تو دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا ٹکڑا بنایا ہے یا آسمانوں میں ان کا کون سا حصہ ہے؟ ⑥ اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے ہی کی کوئی کتاب یا کوئی علم

① یہ قوائیم سورۃ ان قشابات میں سے ہیں جن کا علم صرف اللہ کو ہے اس لیے ان کے معانی و مطالب میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم ان کے دو فائدے بعض مفسرین نے بیان کیے ہیں جنہیں ہم صفحہ ۱۳۲ پر بیان کر آئے ہیں۔

② یعنی آسمان و زمین کی پیدائش کا ایک خاص مقصد بھی ہے اور وہ ہے انسانوں کی آزمائش۔ دوسرا اس کے لیے ایک وقت بھی مقرر ہے۔ جب وہ وقت موعود آجائے گا تو آسمان و زمین کا یہ موجودہ نظام سارا بکھر جائے گا نہ آسمان یہ آسمان ہو گا نہ زمین یہ زمین ہو گی۔ ﴿يَوْمَ تَذَلُّ الْأَرْضُ خَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾ اسودۃ ابراہیم ۱۳۸

③ یعنی عدم ایمان کی صورت میں بعث حساب اور جزا سے جو انہیں ڈرایا جاتا ہے وہ اس کی پرواہی نہیں کرتے اس پر ایمان لاتے ہیں نہ عذاب اخروی سے بچنے کی تیاری کرتے ہیں۔

④ اَرَاۤیْتُمْ بمعنی اَخْبِرُوْنِیْ یا اَدُوْنِیْ یعنی اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں یا شخصیات کی تم عبادت کرتے ہو مجھے بتلاؤ یا دکھاؤ کہ انہوں نے زمین و آسمان کی پیدائش میں کیا حصہ لیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ جب آسمان و زمین کی پیدائش میں بھی ان کا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ مکمل طور پر ان سب کا خالق صرف ایک اللہ ہے تو پھر تم ان غیر حق معبودوں کو اللہ کی عبادت میں کیوں شریک کرتے ہو؟

ہی جو نقل کیا جاتا ہو 'میرے پاس لاؤ۔' (۴)

اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہو گا؟ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اسکی دعا قبول نہ کر سکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں۔ (۵)

اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کر جائیں گے۔ (۶)

اور انہیں جب ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنئی جاتی ہیں تو منکر لوگ سچی بات کو جب کہ ان کے پاس آچکی 'کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے۔' (۷)

وَمَنْ أَصْلَ مَنْ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَنْتَظِرُ
لَهُ إِلَى يَوْمِ الْبَيْعَةِ وَلَمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفُلُونَ ۝

وَإِذَا حُيِّرَ النَّاسُ كَانُوا إِلَهُهُمْ أَعْدَاءُ وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ
كَيْفَانِينَ ۝

وَإِذَا نُتِلَ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بِحُجَّتٍ قَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا لَئِنْ
لَمْ نَجَاءَهُمْ مِنْ هَذَا لَمَعُودُونَ ۝

(۱) یعنی کسی نبی پر نازل شدہ کتاب میں یا کسی منقول روایت میں یہ بات لکھی ہو تو وہ لاکر دکھاؤ تاکہ تمہاری صداقت واضح ہو سکے۔ بعض نے اَنَارَۃَ بَیِّنِ عَلَیْم کے معنی واضح علمی دلیل کے کئے ہیں 'اس صورت میں کتاب سے نقلی دلیل اور اَدْرَۃَ بَیِّنِ عَلَیْم سے عقلی دلیل مراد ہوگی۔ یعنی کوئی عقلی اور نقلی دلیل پیش کرو۔ پہلے معنی اس کے اثر سے ماخوذ ہونے کی بنیاد پر روایت کے کیے گئے ہیں یا بَقِیَّةَ بَیِّنِ عَلَیْم پہلے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا باقی ماندہ حصہ جو قابل اعتماد ذریعے سے نقل ہوتا آیا ہو 'اس میں یہ بات ہو۔

(۲) یعنی یہی سب سے بڑے گمراہ ہیں جو پتھری مورتیوں کو یا فوت شدہ اشخاص کو مدد کے لیے پکارتے ہیں جو قیامت تک جواب دینے سے قاصر ہیں۔ اور قاصر ہی نہیں بلکہ بالکل بے خبر ہیں۔

(۳) یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ یونس ۲۹۰۔ سورۃ مریم ۸۱-۸۲۔ سورۃ عبکوت ۲۵ وغیرہا من الایات۔ دنیا میں ان معبودوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو غیر ذی روح بحاوات و نباتات اور مظاہر قدرت (سورج، آگ وغیرہ) ہیں 'اللہ تعالیٰ ان کو زندگی اور قوت گویائی عطا فرمائے گا' اور یہ چیزیں بول کر بتلائیں گی کہ ہمیں قطعاً اس بات کا علم نہیں ہے کہ یہ ہماری عبادت کرتے اور ہمیں تیری خدائی میں شریک گردانتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ زبان قاس سے نہیں 'زبان حال سے وہ اپنے جذبات کا اظہار کریں گی۔ واللہ اعلم۔ معبودوں کی دوسری قسم وہ ہے جو انبیاء علیہم السلام 'ملائکہ اور صالحین میں سے ہیں۔ جیسے عیسیٰ 'حضرت عزیر علیہما السلام اور دیگر عباد اللہ الصالحین ہیں 'یہ اللہ کی بارگاہ میں اسی طرح کا جواب دیں گے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب قرآن کریم میں منقول ہے عدوہ ازیں شیطان بھی انکار کریں گے۔ جیسے قرآن میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے۔ ﴿قَالَ لَيْسَ بِكَ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ (القصص ۲۳) "تم تیرے سامنے (اپنے عابدین سے) اظہار براءت کرتے ہیں 'یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔"

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ
لِي مِنَ الدِّينِ شَيْئًا هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفْعِلُونَ فَبِئْسَ الْفِتْنَىٰ
سَعِيدًا الْبَاقُونَ وَيَبْتَغُوا الدَّهْرَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝

قُلْ مَا كُنْتُ بِدَاعٍ مِنَ الرُّسُلِ وَمَا آدَرُی مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا يَكُنْ
لِي أَكْبَرُ إِلَّا مَا يُؤْتِي إِلَیَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝

کیا وہ کہتے ہیں کہ اسے تو اس نے خود گھڑ لیا^(۱) ہے آپ کہہ دیجئے: کہ اگر میں ہی اسے بنالایا ہوں تو تم میرے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے^(۲) تم اس (قرآن) کے بارے میں جو کچھ کہہ رہے ہو اسے اللہ خوب جانتا ہے^(۳) میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لیے وہی کافی ہے^(۴) اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔^(۵) (۸)

آپ کہہ دیجئے: کہ میں کوئی بالکل انوکھا پیغمبر تو نہیں^(۶) نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔^(۷) میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور میں تو صرف علی

(۱) اس حق سے مراد جو ان کے پاس آیا قرآن کہم ہے اس کے اعجاز اور قوت تاثیر کو دیکھ کر وہ اسے جادو سے تعبیر کرتے پھر اس سے بھی انحراف کر کے یا اس سے بھی بات نہ بنتی تو کہتے کہ یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنا گھڑا ہوا کلام ہے۔

(۲) یعنی اگر تمہاری یہ بات صحیح ہو کہ میں اللہ کا بنایا ہوا رسول نہیں ہوں اور یہ کلام بھی میرا اپنا گھڑا ہوا ہے پھر تو یقیناً میں بڑا مجرم ہوں اللہ تعالیٰ اتنے بڑے جھوٹ پر مجھے پکڑے بغیر تو نہیں چھوڑے گا۔ اور اگر ایسی کوئی گرفت ہوئی تو پھر سمجھ لینا کہ میں جھوٹا ہوں اور میری کوئی مدد بھی مت کرنا۔ بلکہ ایسی حالت میں مجھے منواغذہ الہی سے بچانے کا تمہیں کوئی اختیار ہی نہیں ہو گا۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِیْلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ۚ لَوْلَا نَقُصُّهُ إِنَّهُ الْوَعْدُ ۚ فَمَا يَسْكُوفُونَ أَحَدٌ خَصْمٌ مِّنْهُمْ﴾ (الحاقة ۳۷-۴۰)

(۳) یعنی جس جس انداز سے بھی تم قرآن کی تکذیب کرتے ہو کبھی اسے جادو، کبھی کہانت اور کبھی گھڑا ہوا کہتے ہو۔ اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ یعنی وہی تمہاری ان مذموم حرکتوں کا تمہیں بدلہ دے گا۔

(۴) وہ اس بات کی گواہی کے لیے کافی ہے کہ یہ قرآن اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے اور وہی تمہاری تکذیب و مخالفت کا بھی گواہ ہے۔ اس میں بھی ان کے لیے سخت وعید ہے۔

(۵) اس کے لیے جو توبہ کر لے ایمان لے آئے اور قرآن کو اللہ تعالیٰ کا سچا کلام مان لے۔ مطلب ہے کہ ابھی بھی وقت ہے کہ توبہ کر کے اللہ کی مغفرت و رحمت کے مستحق بن جاؤ۔

(۶) یعنی پہلا اور انوکھا رسول تو نہیں ہوں بلکہ مجھ سے پہلے بھی متعدد رسول آپچکے ہیں۔

(۷) یعنی دنیا میں۔ میں کئے میں ہی رہوں گایا یہاں سے نکلنے پر مجھے مجبور ہونا پڑے گا۔ مجھے موت طبعی آئے گی یا تمہارے ہاتھوں میرا قتل ہو گا؟ تم جلد ہی سزا سے دوچار ہو گے یا لمبی مہلت تمہیں دی جائے گی؟ ان تمام باتوں کا علم صرف اللہ کو ہے۔

الاعلان آگاہ کر دینے والا ہوں۔ (۹)

آپ کہہ دیجئے! اگر یہ (قرآن) اللہ ہی کی طرف سے ہو اور تم نے اسے نہ مانا ہو اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس جیسی کی گواہی بھی دے چکا ہو اور وہ ایمان بھی لا چکا ہو اور تم نے سرکشی کی ہو،^(۱) تو بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔ (۱۰)

اور کافروں نے ایمان داروں کی نسبت کہا کہ اگر یہ (دین) بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت کرنے نہ پاتے، اور چونکہ انہوں نے اس قرآن سے ہدایت نہیں پائی پس یہ کہہ دیں گے کہ قدیمی جھوٹ ہے۔^(۲) (۱۱)

قُلْ اَرَاَيْكُمْ اِنْ كَانَ مِنَ عِنْدِ اللّٰهِ وَفَرَزْنٰهٖ وَشَهِدَ شَٰهَدٌ مِّنْ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰی نَفْسِهِمْ لَا اَمْنٌ وَّاسْتَكْبَرُوْا عَلٰی اللّٰهِ لَآ تَعْبُدِيْ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْاۤ اِلَيْهِۚ وَاذْكُرْ فِتْنَتَكُمْ وَاِيٰهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَا افْكٌ قَدِيْمٌ ۝

مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ یا تمہارے ساتھ کل کیا ہو گا؟ تاہم آخرت کے بارے میں یقینی علم ہے کہ اہل ایمان جنت میں اور کافر جہنم میں جائیں گے۔ اور حدیث میں جو آتا ہے کہ نبی ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی وفات پر جب ان کے بارے میں حسن ظن کا اظہار کیا تو فرمایا: وَاللّٰهِ مَا اَدْرِيْ - وَاَنَا دَشَوْتُ اللّٰهَ - مَا يُفْعَلُ بِنَبِيٍّ وَلَا بِكُمُ (اصحیح بخاری: مناقب الأنصار، باب مقدم السی واصحابہ الحدیث) اللہ کی قسم مجھے اللہ کا رسول ہونے کے باوجود علم نہیں کہ قیامت کو میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ اس سے کسی ایک معین شخص کے قطعی انجام کے علم کی نفی ہے۔ الایہ کہ ان کی بابت بھی نفی موجود ہو۔ جیسے عشرہ مبشرہ اور اصحاب بدر وغیرہ۔

(۱) اس شاہد بنی اسرائیل سے کون مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ بطور جنس کے ہے۔ بنی اسرائیل میں سے ہر ایمان لانے والا اس کا مصداق ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سکے میں رہنے والا کوئی بنی اسرائیلی مراد ہے، کیونکہ یہ سورت مکی ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد عبد اللہ بن سلام ہیں اور وہ اس آیت کو مدنی قرار دیتے ہیں۔ مجسمین کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اصحیح بخاری: مناقب الأنصار، باب مناقب عبد اللہ بن سلام، مسلم: فضائل الصحابة، اسی لیے امام شوکانی نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ علیٰ منہلہ (اسی جیسی کتاب کی گواہی) کا مطلب ہے تورات کی گواہی جو قرآن کے منزل من اللہ ہونے کو مستلزم ہے۔ کیونکہ قرآن بھی توحید و معاد کے اثبات میں تورات ہی کی مثل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کی گواہی اور ان کے ایمان لانے کے بعد اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے۔ اس لیے اس کے بعد تمہارے انکار و استکبار کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ تمہیں اپنے اس رویے کا انجام سوچ لینا چاہیے۔

(۲) کفار مکہ، حضرت بلال، عمار، صہیب اور خباب رضی اللہ عنہم جیسے مسلمانوں کو جو غریب و قدش قسم کے ہوگ تھے،

وَمِنْ قَبْلِهِ كَتَبَ مُوسَىٰ، مَا مَآ وَرَحْمَةً وَهَذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ
لِّسَانِ عَرَبِيٍّ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا أَلَمْ يَشْرَوْا لِّلْمُعْسِينَ ⑤

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَعَاثُوا فَكُلَّوْا عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ⑥

أُولَئِكَ أَهْصَبُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا لِحَزْمِهِمْ لَمَّا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ⑦

وَوَضَعْنَا لِلْإِنْسَانِ يُولَدِيهِ إِحْسَنًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا
وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمَلُهُ وَفِضْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی۔
اور یہ کتاب ہے تصدیق کرنے والی عربی زبان میں تاکہ
ظالموں کو ڈرائے اور نیک کاروں کو بشارت ہو۔ (۱۲)
جسک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر
جسے رہے تو ان پر نہ تو کوئی خوف ہو گا اور نہ غمگین ہوں
گے۔ (۱۳)

یہ تو اہل جنت ہیں جو سدا اسی میں رہیں گے ان اعمال
کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔ (۱۴)
اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک
کرنے کا حکم دیا ہے اس کی ماں نے اسے تکلیف جمیل کر
پیت میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا۔ اس

لیکن اسلام قبول کرنے میں انہیں ساقیت کا شرف حاصل ہوا دیکھ کر کہتے کہ اگر اس دین میں بہتری ہوتی تو ہم جیسے
ذی عزت و ذی مرتبہ لوگ سب سے پہلے اسے قبول کرتے نہ کہ یہ لوگ پہلے ایمان لاتے۔ یعنی اپنے طور پر انہوں نے
اپنی بابت یہ فرض کر لیا کہ اللہ کے ہاں ان کا بڑا مقام ہے اس لیے اگر یہ دین بھی اللہ کی طرف سے ہوتا تو اللہ تعالیٰ
ہمیں اس کے قبول کرنے میں پیچھے نہ چھوڑتا اور جب ہم نے اسے نہیں اپنایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک پرانا
جھوٹ ہے۔ یعنی قرآن کو انہوں نے پرانا جھوٹ قرار دیا ہے۔ جیسے وہ اسے اَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ بھی کہتے تھے حالانکہ دنیوی
مال و دولت میں ممتاز ہونا عند اللہ مقبولیت کی دلیل نہیں۔ (جیسے ان کو مغالطہ ہوا یا شیطان نے مغالطے میں ڈالا) عند اللہ
مقبولیت کے لیے تو ایمان و اخلاص کی ضرورت ہے۔ اور اس دولت ایمان و اخلاص سے وہ جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے
جیسے وہ ماں و دولت آزمائش کے طور پر جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

(۱) اس مشقت و تکلیف کا ذکر والدین کے ساتھ حسن سلوک کے حکم میں مزید تاکید کے لیے ہے جس سے یہ بھی
معصوم ہوتا ہے کہ ماں اس حکم احسان میں باپ سے مقدم ہے کیونکہ نو ماہ تک مسلسل حمل کی تکلیف اور پھر زچگی
(وضع حمل) کی تکلیف صرف تھما ہی اٹھاتی ہے باپ کی اس میں شرکت نہیں۔ اسی لیے حدیث میں بھی ماں کے
ساتھ حسن سلوک کو اولیت دی گئی ہے اور باپ کا درجہ اس کے بعد بتلایا گیا ہے۔ ایک صحابی ہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ
و سلم سے پوچھا میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری ماں اس نے پھر یہی
پوچھا آپ ﷺ نے یہی جواب دیا تیسری مرتبہ بھی یہی جواب دیا۔ چوتھی مرتبہ پوچھنے پر آپ ﷺ نے فرمایا پھر
تمہارا باپ (صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب اول)

أَشَدُّهُ وَلَمْ يَزَلْ يُعِينُ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ
الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَتِي وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ
وَأَصْطِرِّقَ فِي ذُرِّيَّتِي إِنَّيُنْفُسُ إِلَيْكَ وَأَنَا مِنَ السَّائِلِينَ ۝

کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تم میں سے کون ہے۔^(۱) یہاں تک کہ جب وہ اپنی پختگی اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا^(۲) تو کہنے لگا اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے^(۳) کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے اور تو میری اولاد بھی صالح بنا۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ (۱۵)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ تَتَّقِلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَتَتَعَاوَنُ مِنْ بَيْنِهِمْ
فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَعِندَ الْعِزِّ الَّذِي كَانُوا يُؤْمِنُونَ ۝

یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک اعمال تو ہم قبوں فرما لیتے ہیں اور جن کے بد اعمال سے درگزر کر لیتے ہیں (یہ) جنتی لوگوں میں ہیں۔ اس سچے وعدے کے مطابق جو ان سے کیا جاتا تھا۔ (۱۶)

وَالَّذِي قَالَ لِلْوَالِدَيْنِ إِفْكًا قَوْلَ بَنِي آدَمَ وَفَدَّ عَلَيَّ

اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تم سے میں تنگ آگیا،^(۴) تم مجھ سے یہی کہتے رہو گے کہ میں مرنے کے

(۱) بَصَلِّ کے معنی 'دودھ چھڑانا' ہیں۔ اس سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے استدلال کیا ہے کہ کم از کم مدت حمل چھ مہینے یعنی چھ مہینے کے بعد اگر کسی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بچہ حلال ہی کا ہو گا، حرام کا نہیں۔ اس لیے کہ قرآن نے مدت رضاعت دو سال (۲۴ مہینے) بتلائی ہے (سورۃ لقمان '۱۳' سورۃ بقرہ '۲۳۳') اس حساب سے مدت حمل صرف چھ مہینے ہی باقی رہ جاتی ہے۔

(۲) کمال قدرت (أَشَدُّهُ) کے زمانے سے مراد جوانی ہے، بعض نے اسے ۱۸ سال سے تعبیر کیا ہے، حتیٰ کہ پھر بڑھتے بڑھتے چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا۔ یہ عمر قوائے عقلی کے مکمل بلوغ کی عمر ہے۔ اسی لیے مفسرین کی رائے ہے کہ ہر نبی کو چالیس سال کے بعد ہی نبوت سے سرفراز کیا گیا (فتح القدیر)۔

(۳) أَوْزِعْنِي بِمَعْنَى الْهَيِّجِي ہے، مجھے توفیق دے۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے علما نے کہا ہے کہ اس عمر کے بعد انسان کو یہ دعا کثرت سے پڑھتے رہنا چاہیے یعنی رَبِّ أَوْزِعْنِي سے مِنَ الْمُسْتَغِيثِينَ تک۔

(۴) مذکورہ آیت میں سعادت مند اولاد کا تذکرہ تھا، جو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک بھی کرتی ہے اور ان کے حق میں دعائے خیر بھی۔ اب اس کے مقابلے میں بد بخت اور نافرمان اولاد کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ماں باپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آتی ہے۔ أَفْ لَكُمَا اَفْسُوس ہے تم پر 'اف کا کلمہ' ناگواری کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی نافرمان اولاد، باپ

الْقَوْلُ مِنْ قَبْلِ "وَمَا يَسْتَشِيعُنَ اللَّهُ فِيكَ إِنْ وَعَدَ اللَّهُ
حَقًّا" فَيَقُولُ نَاهَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝

بعد پھر زندہ کیا جاؤں گا مجھ سے پہلے بھی امتیں گزر چکی
ہیں،^(۱) وہ دونوں جناب باری میں فریادیں کرتے ہیں اور
کہتے ہیں تجھے خرابی ہو تو ایمان لے آ، بیشک اللہ کا وعدہ
حق ہے، وہ جواب دیتا ہے کہ یہ تو صرف اگلوں کے
افسانے ہیں۔^(۲) (۱۷)

أُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمُورِهِمْ فَكَانَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ
مِنَ الْجُنِّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَبِيرِينَ ۝

وہ لوگ ہیں جن پر (اللہ کے عذاب کا) وعدہ صادق آگیا،^(۳)
ان جنات اور انسانوں کے گروہوں کے ساتھ جو ان سے
پہلے گزر چکے ہیں،^(۴) یقیناً یہ نقصان پانے والے تھے۔ (۱۸)
اور ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے
ملیں گے^(۵) تاکہ انہیں ان کے اعمال کے پورے بدلے
دے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔^(۶) (۱۹)

وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا دَرَجَاتُهَا أَعْمَالُهُمْ وَهُمْ
فِيهَا يُكَلِّمُونَ ۝

اور جس دن کافر جنم کے سرے پر لائے جائیں گے^(۷)

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذُفَبْتُمْ يَتَبَيَّنُ

کی نامحاند باتوں پر یا دعوت ایمان و عمل صالح پر ناگواری اور شدت غیظ کا اظہار کرتی ہے جس کی اولاد کو قطعاً جازت
نہیں ہے۔ یہ آیت عام ہے، ہر نافرمان اولاد اس کی مصداق ہے۔

(۱) مطلب ہے کہ وہ تو دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں نہیں آئے۔ حالانکہ دوبارہ زندہ ہونے کا مطلب قیامت والے دن زندہ
ہونا ہے جس کے بعد حساب ہو گا۔

(۲) ماں باپ مسمن ہوں اور اولاد کافر، تو وہاں اولاد اور والدین کے درمیان اسی طرح ٹکراؤ اور بحث ہوتی ہے جس کا
ایک نمونہ اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) جو پہلے ہی اللہ کے علم میں تھا، یا شیطان کے جواب میں جو اللہ نے فرمایا تھا۔ ﴿لَا تَتَّبِعُوا بَهْتَكُمُ بَنَاتُكُمْ وَمِنْكُمْ وَمِنْكُمْ﴾
﴿سورہ ص-۸۵﴾

(۴) یعنی یہ بھی ان کافروں میں شامل ہو گئے جو انسانوں اور جنوں میں سے قیامت والے دن نقصان اٹھانے والے ہوں گے
(۵) مومن اور کافر، دونوں کا ان کے عملوں کے مطابق اللہ کے ہاں مرتبہ ہو گا۔ مومن مراتب عالیہ سے سرفراز ہوں
گے اور کافر جنم کے پست ترین درجوں میں ہوں گے۔

(۶) گنہ گار کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی اور نیکو کار کے صلے میں کی نہیں ہو گی۔ بلکہ ہر ایک کو خیر یا
شر میں سے وہی کچھ ملے گا جس کا وہ مستحق ہو گا۔

(۷) یعنی اس وقت کو یاد کرو، جب کافروں کی آنکھوں سے پردے ہٹا دیئے جائیں گے اور وہ جنم کی آگ دیکھ رہے یا

فِي حَيَاتِهِمُ الدُّنْيَا وَاسْتَبَعَثُوا بِهَا قُلُوبَهُمْ يُحْزَنُونَ عَذَابُ
الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ
الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿١﴾

(کہا جائے گا) تم نے اپنی نیکیاں دنیا کی زندگی میں ہی برباد
کر دیں اور ان سے فائدے اٹھا چکے 'پس آج تمہیں
ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی' ^(۱) اس باعث کہ تم
زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس باعث بھی کہ تم
حکم عدولی کیا کرتے تھے۔ ^(۲) (۲۰)

وَاذْكُرْ لِمَ عَلِمْتَ اِذْ اُنْذِرْتُمْ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَلْتَ
الْمُدْرِمِينَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ اَلَا تَعْبُدُوْا اِلَّا

اور عاد کے بھائی کو یاد کرو، جبکہ اس نے اپنی قوم کو
احقاف میں ڈرایا ^(۳) اور یقیناً اس سے پہلے بھی ڈرانے
والے گزر چکے ہیں اور اس کے بعد بھی یہ کہ تم سوائے

اس کے قریب ہوں گے۔ بعض نے يُغْرَضُونَ کے معنی بُغْضُوبُونَ کے کیے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کلام میں قلب ہے۔
مطلب ہے 'جب ناگ ان پر پیش کی جائے گی تُغْرَضُ النَّارُ عَلَيْهِمْ (طبع القدیر)

(۱) طَبَات سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو انسان ذوق و شوق سے کھاتے پیتے اور استعمال کرتے اور بذت و فرحت محسوس
کرتے ہیں۔ لیکن آخرت کی فکر کے ساتھ ان کا استعمال ہو تو بات اور ہے 'جیسے مومن کرتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ
احکام الہی کی اطاعت کر کے شکر الہی کا بھی اہتمام کرتا رہتا ہے۔ لیکن فکر آخرت سے بے نیازی کے ساتھ ان کا استعمال
انسان کو سرکش اور باغی بنا دیتا ہے جیسے کافر کرتا ہے اور یوں وہ اللہ کی ناشکری کرتا ہے۔ چنانچہ مومن کو تو اس کے شکر و
اطاعت کی وجہ سے یہ نعمتیں بلکہ ان سے بدرجہا بہتر نعمتیں آخرت میں پھر مل جائیں گی۔

جب کہ کافروں کو وہی کچھ کہا جائے گا جو یہاں آیت میں مذکور ہے۔ ﴿اَذْفَنْتُمْ كَيْبَتَكُمْ﴾ کا دوسرا ترجمہ ہے "دنیا کی
زندگی میں تم نے اپنے مزے اڑا لیے اور خوب فائدہ اٹھا لیا۔"

(۲) ان کے عذاب کے دو سبب بیان فرمائے 'ناحق تکبر' جس کی بنیاد پر انسان حق کا اتباع کرنے سے گریز کرتا ہے اور
دوسرا فسق۔ بے خونی کے ساتھ معاصی کا ارتکاب۔ یہ دونوں باتیں تمام کافروں میں مشترک ہوتی ہیں۔ اہل ایمان کو ان
دونوں باتوں سے اپنا دامن بچانا چاہیے۔

ملفوظ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں آتا ہے کہ انکے سامنے عہدہ وغیرہ آتی تو یہ آیت انہیں یاد آ جاتی اور وہ اسے ڈر
سے اسے ترک کر دیتے کہ کہیں آخرت میں ہمیں بھی یہ نہ کہہ دیا جائے کہ تم نے اپنے مزے دنیا میں سوٹ لیے تو یہ انکی وہ
کیفیت ہے جو غایت ورع اور زہد و تقویٰ کی منظر ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھی نعمتوں کا استعمال وہ جائز نہیں سمجھتے تھے

(۳) أحقاف، حِفْط کی جمع ہے۔ ریت کا بلند مستطیل ٹیلہ، بعض نے اس کے معنی پہاڑ اور غار کے کیے ہیں۔ یہ حضرت
ہود علیہ السلام کی قوم عاد اولیٰ کے علاقے کا نام ہے۔ جو حضرموت (یمن) کے قریب تھا۔ کفار مکہ کی تکذیب کے پیش
نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

اللَّهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ⑤

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَأْفِكَنَا مِنَ الْعَمَلِ الَّتِي جَاءَنَا بِمَآئِدَةٍ مِّنَ السَّمَاءِ
إِن كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ ⑥

قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ وَإِن لَّكُم مَّا أُزِيلُ بِهِ وَلَئِن كُنْتُمْ
لَرَاكِبٍ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ⑦

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالَ لَئِن هَٰذَا عَارِضٌ
مِّمَّنْ بَنَآءُ بَنِي قَوْمٍ أَسْتَغْنِي لَهُمْ رِجْلًا فِيمَا عَذَابِ
الْيَوْمِ ⑧

اللہ تعالیٰ کے اور کی عبادت نہ کرو۔ بیشک میں تم پر بڑے
دن کے عذاب سے خوف کھاتا ہوں۔^(۱) (۲۱)

قوم نے جواب دیا 'کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں
کہ ہمیں اپنے معبودوں (کی پرستش) سے باز رکھیں؟'^(۲)
پس اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب کا آپ وعدہ کرتے ہیں
اسے ہم پر لاؤ! پس۔ (۲۲)

(حضرت ہود نے) کہا (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، میں
تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا تھا وہ تمہیں پہنچ رہا ہوں^(۳) لیکن
میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو۔^(۴) (۲۳)

پھر جب انہوں نے عذاب کو بصورت بادل دیکھا اپنی
وادیوں کی طرف آتے ہوئے تو کہنے لگے 'یہ ابر ہم پر
برسنے والا ہے'^(۵) (نہیں) بلکہ دراصل یہ ابر وہ (عذاب)
ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے'^(۶) ہوا ہے جس میں
دردناک عذاب ہے۔^(۷) (۲۴)

(۱) یوم عظیم سے مراد قیامت کا دن ہے جسے اس کی ہونائیوں کی وجہ سے بجا طور پر بڑا دن کہا گیا ہے۔

(۲) لِنَأْفِكْنَا، لِنَضْرِبَنَّكَ، لِنَقْصِبَنَّكَ، لِنُزِيلَنَّكَ، سب متعارب المعنی ہیں۔ تاکہ تو ہمیں ہمارے معبودوں کی پرستش
سے پھیر دے، روک دے، ہٹا دے۔

(۳) یعنی عذاب کب آئے گا؟ یا دنیا میں نہیں آئے گا، بلکہ آخرت میں تمہیں عذاب دیا جائے گا، اس کا علم صرف اللہ کو
ہے، وہی اپنی مشیت کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے، میرا کام تو صرف پیغام پہنچانا ہے۔

(۴) کہ ایک تو کفر پر اصرار کر رہے ہو۔ دوسرے مجھ سے ایسی چیز کا مطالبہ کر رہے ہو جو میرے اختیار میں نہیں ہے۔

(۵) عرصہ دراز سے ان کے ہاں بارش نہیں ہوئی تھی، اسلئے بادل دیکھ کر خوش ہوئے کہ اب بارش ہوگی، بادل کو
عارض اس لیے کہا ہے کہ بادل عرض آسمان پر ظاہر ہوتا ہے۔

(۶) یہ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں کہا کہ یہ محض بادل نہیں ہے، جیسے تم سمجھ رہے ہو۔ بلکہ یہ وہ عذاب ہے جسے
تم جلد لانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

(۷) یعنی وہ ہوا، جس سے اس قوم کی ہلاکت ہوئی، ان بادلوں سے ہی انہی اور نکلے اور اللہ کی مشیت سے ان کو، دوران
کی ہر چیز کو تباہ کر گئی۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ

جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گی، پس وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا^(۱) تھا۔ گنہ گاروں کے گروہ کو ہم یونہی سزا دیتے ہیں۔ (۲۵)

اور بالیقین ہم نے (قوم عاد) کو وہ مقدور دیئے تھے جو تمہیں تو دیئے بھی نہیں اور ہم نے انہیں کان آکھیں اور دل بھی دے رکھے تھے۔ لیکن ان کے کانوں اور آنکھوں اور دلوں نے انہیں کچھ بھی نفع نہ پہنچایا^(۲) جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرنے لگے اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی ان پر اسٹ پڑی۔^(۳) (۲۶)

اور یقیناً ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں تباہ کر

نَدِيرُ كُلِّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا بَصَرَ إِلَّا
سُورَهُمْ كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٥﴾

وَلَقَدْ مَكَنَّا فِيْمَانٍ مُّكْثَرٍ مِنْهُمْ وَبَعَلْنَا لَهُمْ
سَمْعًا وَبَصَرًا وَأَفْهَامًا فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ
وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْهَامُهُمْ شَيْءٌ إِذْ كَانُوا
يَجْعَدُونَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ وَهَاقْ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ
يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٢٦﴾

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حولَكُم مِّنَ الْقَرْيِ وَصَرَفْنَا الْآيَاتِ

لوگ تو بادل دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ بارش ہوگی، لیکن آپ ﷺ کے چرے پر اس کے برعکس تشویش کے آثار نظر آتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا: اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اس بادل میں عذاب نہیں ہوگا، جب کہ ایک قوم ہوا کے عذاب سے ہی ہلاک کر دی گئی، اس قوم نے بھی بادل دیکھ کر کہا تھا ”یہ باد ہے جو ہم پر بارش برسائے گا“۔ (البخاری، تفسیر سورة الأحقاف، مسلم، کتاب صلوٰۃ الاستسقاء، باب التعمود عند رؤية الريح والعمم والفرح بالمطر) ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب باد تندر چلتی تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا، وَخَيْرَ مَا فِيهَا، وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا، وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ“ اور جب آسمان پر بادل گہرے ہو جاتے تو آپ ﷺ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور خوف کی سی ایک کیفیت آپ ﷺ پر طاری ہو جاتی جس سے آپ ﷺ بے چین رہتے، کبھی باہر نکلتے، کبھی اندر داخل ہوتے، کبھی آگے ہوتے اور کبھی پیچھے پھر جب بارش ہو جاتی تو آپ ﷺ اطمینان کا سانس لیتے۔ (صحیح مسلم، باب مذکور)

(۱) یعنی مکین (گہروالے) سب تباہ ہو گئے اور صرف مکانات (گھر) نشانِ عبرت کے طور پر باقی رہ گئے۔

(۲) یہ اہل مکہ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم کیا چیز ہو؟ تم سے پہلے قومیں جنہیں ہم نے ہلاک کیا، قوت و شوکت میں تم سے کیس زیادہ تھیں، لیکن جب انہوں نے اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں (آنکھ، کان اور دماغ) کو حق کے سننے، دیکھنے اور اسے سمجھنے کے لیے استعمال نہیں کیا، تو بالآخر ہم نے انہیں تباہ کر دیا اور یہ چیزیں ان کے کچھ کام نہ آسکیں

(۳) یعنی جس عذاب کو وہ امنونا سمجھ کر بطور استہزا کہا کرتے تھے کہ لے آنا عذاب! جس سے تو ہمیں ڈرتا رہتا ہے، وہ عذاب آیا اور اس نے انہیں ایسا گھیرا کہ پھر اس سے نکل نہ سکے۔

لَعَلَّكُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۵﴾

فَلَوْلَا نَصْرُهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا
إِلَٰهَةً بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ وَذَلِكُمْ فَكْرُهُمْ وَمَا كَانُوا
يَفْقَهُونَ ﴿۵﴾

وَأَذْهَبْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ
فَلَمَّا حَضَرُوا قَالَ أَلَا تَنْصِتُونَ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ
مُتَذِذِينَ ﴿۵﴾

دیں^(۱) اور طرح طرح کی ہم نے اپنی نشانیاں بیان کر
دیں تاکہ وہ رجوع کر لیں۔^(۲) (۲۷)

پس قرب الہی حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اللہ کے
سوا جن جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی مدد
کیوں نہ کی؟ بلکہ وہ تو ان سے کھو گئے (بلکہ دراصل) یہ
ان کا محض جھوٹ اور (بالکل) بہتان تھا۔^(۳) (۲۸)

اور یاد کرو! جبکہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو
تیری طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں، پس جب
(نبی کے) پاس پہنچ گئے تو (ایک دوسرے سے) کہنے
لگے خاموش ہو جاؤ،^(۴) پھر جب پڑھ کر ختم

(۱) آس پاس سے عار، ٹھوڑ اور لوط کی وہ بستیاں مراد ہیں جو حجاز کے قریب ہی تھیں اور یمن اور شام و فلسطین کی طرف
آتے جاتے ان سے ان کا گزر ہوتا تھا۔

(۲) یعنی ہم نے مختلف انداز سے اور مختلف نوع کے دلائل ان کے سامنے پیش کیے کہ شاید وہ توبہ کریں۔ لیکن وہ اس
سے مس نہیں ہوئے۔

(۳) یعنی جن معبودوں کو وہ تقرب الہی کا ذریعہ سمجھتے تھے انہوں نے ان کی کوئی مدد نہیں کی، بلکہ وہ اس موقع پر آئے
ہی نہیں، بلکہ گم رہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ بتوں کو الہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ انہیں بارگاہ الہی میں قرب
کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔ اللہ نے اس وسیلے کو یہاں اٹک (جھوٹ) اور افترا (بہتان) قرار دے کر واضح فرما دیا کہ یہ
ناجائز اور حرام ہے۔

(۴) صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ کے قریب نخلہ وادی میں پیش آیا، جہاں آپ ﷺ صحابہ کرام
ﷺ کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جنوں کو تجسس تھا کہ آسمان پر ہم پر بہت زیادہ سختی کر دی گئی ہے اور اب ہمارا وہاں جانا تقریباً
ناممکن بنا دیا گیا ہے، کوئی بہت ہی اہم واقعہ رونما ہوا ہے جس کے نتیجے میں ایسا ہوا ہے۔ چنانچہ مشرق و مغرب کے مختلف اطراف
میں جنوں کی ٹولیاں واقعے کا سراغ لگانے کے لیے پھیل گئیں۔ ان ہی میں سے ایک ٹولی نے یہ قرآن سنا اور یہ بات سمجھ لی کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا یہ واقعہ ہی ہم پر آسمان کی بندش کا سبب ہے۔ اور جنوں کی یہ ٹولی آپ پر ایمان لے آئی اور جا کر اپنی
قوم کو بھی بتلایا (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الجہر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجہل صحیح بخاری میں
بھی بعض باتوں کا تذکرہ ہے۔ کتاب مناقب الانصار باب ذکر الحسن، بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے
بعد آپ ﷺ جنوں کی دعوت پر ان کے ہاں بھی تشریف لے گئے اور انہیں جا کر اللہ کا پیغام سنایا، اور متعدد مرتبہ جنوں کا وفد

ہو گیا^(۱) تو اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لیے واپس لوٹ گئے۔ (۲۹)

کہنے لگے اے ہماری قوم! ہم نے یقیناً وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو سچے دین کی اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ (۳۰)

اے ہماری قوم! اللہ کے بلائے والے کا کہنا نہ اس پر ایمان لاؤ^(۲) تو اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں المناک عذاب سے بچا دے گا۔ (۳۱)

اور جو شخص اللہ کے بلائے والے کا کہنا نہ مانے گا پس وہ زمین میں کہیں (بھاگ کر اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتا^(۳)

قَالُوا يَاقَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابَ الْإِنزِيلِ مِنْ عِنْدِ مُوسَى مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

يَقَوْمَنَا أَجِيبُوا دُعَاءَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِزَّكُمْ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ ۝

وَمَنْ لَا يُؤْمَرْ بِالْعِبادِ فَإِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُؤْمَرُ ۝

آپ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ (فتح الباری، تفسیر ابن کثیر وغیرہ)

(۱) یعنی آپ ﷺ کی طرف سے تلاوت قرآن ختم ہو گئی۔

(۲) یہ جنوں نے اپنی قوم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس سے قبل قرآن کریم کے متعلق بتایا کہ یہ تو راست کے بعد ایک اور آسمانی کتاب ہے جو سچے دین اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

(۳) یہ ایمان لانے کے وہ فائدے بتلائے جو آخرت میں انہیں حاصل ہوں گے۔ مِنْ ذُنُوبِكُمْ میں مِنْ تبعیض کے ہے یعنی بعض گناہ معاف فرما دے گا اور یہ وہ گناہ ہوں گے جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو گا۔ کیوں کہ حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ثواب و عقاب اور ادا و امر و نواہی میں جنات کے لیے بھی وہی حکم ہے جو انسانوں کے لیے ہے۔

اس امر میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات میں جنوں میں سے رسول بھیجے یا نہیں؟ ظاہر آیات قرآنیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں کوئی رسول نہیں ہوا، تمام انبیاء و رسل علیہم السلام انسان ہی ہوئے ہیں ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيَ إِلَيْهِمْ﴾ (الحج ۷۷) ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْكَ مِنْ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنْهًا لِيَاكُلُوا مِنْ الطَّعَامِ وَيَشْرَبُوا فِي الْأَنْوَاعِ﴾ (سورة العنقران ۲۰) ان آیات قرآنیہ سے واضح ہے کہ جتنے بھی رسول ہوئے، وہ انسان تھے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح انسانوں کے لیے رسول تھے اور ہیں، اسی طرح جنات کے رسول بھی آپ ﷺ ہی ہیں اور آپ ﷺ کے پیغام کو بھی جنات تک پہنچانے کا انتظام کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن کریم کے اس مقام سے ظاہر ہے۔

(۳) یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ زمین کی وسعتوں میں اس طرح گم ہو جائے کہ اللہ کی گرفت میں نہ آ سکے۔

مِنْ دُونِهِ أُولَٰئِكَ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۳۱﴾

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ يَوْمَئِذٍ سِتْرٌ أَن يُظْهِرَ عَلَىٰ أَن يُخْفِيَ الْمَوْتَ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ أَقْدَرُ ۚ شَيْءٍ أَقْدَرُ ۚ ﴿۳۲﴾

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۳﴾

فَأَصْبِرْ كَمَا صَبَرْنَا وَلَوْ الْعَزْمُ مِنَ الرَّسُولِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ كَالَّذِينَ قَالُوا يَوْمَئِذٍ مَا لَوْ صَدَقَ مَا يُلْقُونَ إِلَّا سَمْعًا وَمِنْ تَعَارٍ ۖ بَلَّغْ قَوْلَ نَعْلَمُ إِلَّا الْقَوْمَ الْفَاسِقُونَ ﴿۳۴﴾

نہ اللہ کے سوا اور کوئی اس کے مددگار ہوں گے،^(۱) یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ (۳۲)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے وہ نہ تھکا، وہ یقیناً مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے؟ کیوں نہ ہو؟ وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔^(۲) (۳۳)

وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا جس دن جنم کے سامنے لائے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا کہ) کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو جواب دیں گے کہ ہاں قسم ہے ہمارے رب کی^(۳) (حق ہے) (اللہ) فرمائے گا اب اپنے کفر کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو۔^(۴) (۳۴)

پس (اے پیغمبر!) تم ایسا صبر کرو جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا اور ان کے لیے (عذاب طلب کرنے میں) جلدی نہ کرو^(۵) یہ جس دن اس عذاب کو دیکھ میں گے جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں تو (یہ معلوم ہونے لگے

(۱) جو اسے اللہ کے عذاب سے بچالیں۔ مطلب یہ ہوا کہ نہ وہ خود اللہ کی گرفت سے بچنے پر قادر ہے نہ کسی دوسرے کی مدد سے ایسا ممکن ہے۔

(۲) رائی سے 'رؤیت' قلبی مراد ہے، یعنی کیا انہوں نے نہیں جانا۔ اَلَمْ يَعْلَمُوا یا اَلَمْ يَتَفَكَّرُوا کہ جو اللہ آسمان و زمین کو پیدا کرنے والا ہے، جن کی وسعت و بے کرائی کی انتہا نہیں ہے اور وہ ان کو بنا کر تھکا بھی نہیں۔ کیا وہ مردوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ یقیناً کر سکتا ہے، اس لیے کہ وہ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کی صفت سے متصف ہے۔

(۳) وہاں اعتراف ہی نہیں کریں گے بلکہ اپنے اس اعتراف پر قسم کھا کر اسے مؤکد کریں گے۔ لیکن اس وقت کا یہ اعتراف بے فائدہ ہے، کیونکہ مشاہدے کے بعد اعتراف کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ آنکھوں سے دیکھ بیٹے کے بعد اعتراف نہیں تو کیا انکار کریں گے؟

(۴) اس لیے کہ جب ماننے کا وقت تھا اس وقت مانا نہیں، یہ عذاب اسی کفر اور انکار کا بدلہ ہے، جواب تمہیں بھگتنا ہی بھگتنا ہے۔

(۵) یہ کفار مکہ کے رویے کے مقابلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے اور صبر کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

گا کہ) دن کی ایک گھڑی ہی (دنیا میں) ٹھہرے^(۱) تھے، یہ ہے پیغام پہنچا^(۲) دینا، پس بدکاروں کے سوا کوئی ہلاک نہ کیا جائے گا۔ (۳۵)

سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) معنی ہے اور اس میں اڑتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا^(۳) اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے۔^(۴) (۱)

اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور اس پر بھی ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتاری گئی^(۵) ہے اور دراصل ان کے رب کی طرف سے سچا (دین) بھی وہی

سُورَةُ مُحَمَّدٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْبُوا سُبُلَ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ

وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَرُ عَنْهُمْ سُبُلَ اللَّهِ وَأَضَلَّ بِالْهَمِّ

(۱) قیمت کا ہونا ک عذاب دیکھنے کے بعد انہیں دنیا کی زندگی ایسے ہی معلوم ہوگی جیسے دن کی صرف ایک گھڑی یہاں گزار کر گئے ہیں۔

(۲) یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اُنّی۔ هَذَا الَّذِي وَعَظْنَهُمْ بِهِ بِلَاغٍ یہ وہ نصیحت یا پیغام ہے جس کا پہنچنا تیرا کام ہے۔

(۳) اس آیت میں بھی اہل ایمان کے لیے خوش خبری اور حوصلہ افزائی ہے کہ ہلاکت اخروی صرف ان لوگوں کا حصہ ہے جو اللہ کے نافرمان اور اس کی حدود پامال کرنے والے ہیں۔

☆ تفسیر سورۃ محمد ص ۱۰۰ اس کا دو سرا نام القتال بھی ہے۔

(۴) بعض نے اس سے مراد کفار قریش اور بعض نے اہل کتاب لیے ہیں۔ لیکن یہ عام ہے ان کے ساتھ سارے ہی کفار اس میں داخل ہیں۔

(۵) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو سازشیں کیں، اللہ نے، نہیں ناکام بنا دیا اور انہی پر ان کو الٹ دیا۔ دوسرا مطلب ہے کہ ان میں جو بعض مکارم اخلاق پائے جاتے تھے، مثلاً صلہ رحمی، قیدیوں کو آزاد کرنا، مسلمان نوازی وغیرہ یا خانہ کعبہ اور حجاج کی خدمت۔ ان کا کوئی صلہ انہیں آخرت میں نہیں ملے گا کیونکہ ایمان کے بغیر اعمال پر اجر و ثواب مرتب نہیں ہوگا۔

(۶) ایمان میں اگرچہ وحی محمدی یعنی قرآن پاک پر ایمان لانا بھی شامل ہے لیکن اس کی اہمیت اور شرف کو مزید واضح اور

ہے، اللہ نے ان کے گناہ دور کر دیئے^(۱) اور ان کے حال کی اصلاح کر دی۔^(۲)

یہ اس لیے^(۳) کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور مومنوں نے اس دین حق کی اتباع کی جو ان کے اللہ کی طرف سے ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے احوال اسی طرح بتاتا ہے۔^(۴)

تو جب کافروں سے تمہاری مدد بھیڑ ہو تو گردنوں پر وار مارو۔^(۵) جب ان کو اچھی طرح کچل ڈالو تو اب خوب مضبوط قید و بند سے گرفتار کرو^(۶) (پھر اختیار ہے) کہ خواہ

ذٰلِكَ بِاَنَّ الدِّينَ لَكُمْوَالشُّعُوْبُ الْبَاطِلَ وَاَنَّ الدِّينَ اَمْسُوْا
اَتَّبِعُوا النَّعْمَ مِنْ رَبِّكُمْ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝۵

وَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْنَتُمُوهُمْ
فَنَشْطُوا لِوُجُوْهِكُمْ فَذٰلِكَ اَمْرًا اَبَدًا وَلَا فَاوْدًا حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ

نمایاں کرنے کے لیے اس کا عظیمہ بھی ذکر فرمادیا۔

(۱) یعنی ایمان لانے سے قبل کی غلطیوں اور کوتاہیوں معاف فرمادیں۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی فرمان ہے کہ ”اسلام، قبل کے سارے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔“ (صحیح الجامع الصغیر لا تباہی)

(۲) بَالَهُمْ: کے معنی اَمْرُهُمْ، نَشَانُهُمْ، حَالُهُمْ، یہ سب متقارب المعنی ہیں۔ مطلب ہے کہ انہیں معاصی سے بچا کر رشد و خیر کی راہ پر لگادیا، ایک مومن کے لیے اصلاح حال کی یہی سب سے بہتر صورت ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مال و دولت کے ذریعے سے ان کی حالت درست کر دی۔ کیونکہ ہر مومن کو مال ملتا بھی نہیں، علاوہ ازیں محض دنیوی مں اصلاح احوال کا یقینی ذریعہ بھی نہیں، بلکہ اس سے فساد احوال کا زیادہ امکان ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت مال کو پسند نہیں فرمایا۔

(۳) ذٰلِكَ: یہ مبتدا ہے، یا خبر ہے مبتدا محذوف کی آبی اَلْاَمْرُ ذٰلِكَ یہ اشارہ ہے ان وعیدوں اور وعدوں کی طرف جو کافروں اور مومنوں کے لیے بیان ہوئے۔

(۴) تاکہ لوگ اس انجام سے بچیں جو کافروں کا مقدر ہے اور وہ راہ حق اپنائیں جس پر چل کر ایمان والے فوز و فلاح ابدی سے ہمکنار ہوں گے۔

(۵) جب دونوں فریقوں کا ذکر کر دیا تو اب کافروں اور غیر معاد اہل کتاب سے جہاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ قتل کرنے کے بجائے۔ گردنیں مارنے کا حکم دیا کہ اس تعبیر میں کفار کے ساتھ غلظت و شدت کا زیادہ اظہار ہے۔ (فتح القدیر)

(۶) یعنی زور دار معرکہ آرائی اور زیادہ سے زیادہ ان کو قتل کرنے کے بعد، ان کے جو آدمی قابو میں آجائیں، انہیں قیدی بنالو اور مضبوطی سے انہیں جکڑ کر رکھو تاکہ وہ بھاگ نہ سکیں۔

أَوْزَادَهُمْ ذَٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَشَقَرَهُمُ اللَّهُمَّ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَشَقَرَهُمُ اللَّهُمَّ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَشَقَرَهُمُ اللَّهُمَّ
يَبْلُغُوا بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
قُلْ يُبَلِّغُ أَعْمَالَهُمْ ۝

تَبْعُهُمْ وَيُضِلُّهُمْ بِاللَّهِ ۝

وَيَذَلُّهُمْ اللَّهُمَّ تَزَوَّلَهُمْ ۝

احسان رکھ کر چھوڑ دیا فدیہ^(۱) لے کر تو فتنہ لڑائی اپنے
بھتیجا رکھ دے۔^(۲) یہی حکم ہے^(۳) اور اگر اللہ چاہتا تو
(خود) ہی ان سے بدلہ لے لیتا^(۴) لیکن (اس کا منشا یہ ہے)
کہ تم میں سے ایک کا امتحان دوسرے کے ذریعہ
سے لے لے^(۵) جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کر دیے
جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہ کرے گا۔^(۶)
انہیں راہ دکھائے گا اور ان کے حالات کی اصلاح کر دے
گا۔^(۷)

اور انہیں اس جنت میں لے جائے گا جس سے انہیں
شناسا کر دیا ہے۔^(۸)

(۱) من کا مطلب ہے بغیر فدیہ لے لیے بطور احسان چھوڑ دینا اور فداء کا مطلب کچھ معاوضہ لے کر چھوڑنا ہے۔ قیدیوں کے بارے
میں اختیار دے دیا گیا جو صورت حالات کے اعتبار سے اسلام اور مسلمانوں کے حق میں زیادہ بہتر ہو وہ اختیار کر لی جائے۔

(۲) یعنی کافروں کے ساتھ جنگ ختم ہو جائے یا مراد ہے کہ محارب و دشمن شکست کھا کر یا صلح کر کے اختیار رکھ دے یا
اسلام غالب آجائے اور کفر کا خاتمہ ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک یہ صورت حال نہ ہو جائے کافروں کے ساتھ
تمہاری معرکہ آرائی جاری رہے گی جس میں تم انہیں قتل بھی کر دے قیدیوں میں تمہیں مذکورہ دونوں باتوں کا اختیار
ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے اور سوائے قتل کے کوئی صورت باقی نہیں ہے۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہ
آیت منسوخ نہیں محکم ہے۔ اور امام دقت کو چاروں باتوں کا اختیار ہے کافروں کو قتل کرے یا قیدی بنائے۔ قیدیوں میں
سے جس کو یا سب کو چاہے بطور احسان چھوڑ دے یا معاوضہ لے کر چھوڑ دے۔ (فتح القدیر)

(۳) یا تم اسی طرح کرو اَفْعَلُوا ذَٰلِكَ اِذْ ذَٰلِكَ حُكْمُ الْكُفَّارِ

(۴) مطلب کافروں کو ہلاک کر کے یا انہیں عذاب میں مبتلا کر کے یعنی تمہیں ان سے لڑنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

(۵) یعنی تمہیں ایک دوسرے کے ذریعے سے آزمائے تاکہ وہ جان لے کہ تم میں سے اس کی راہ میں لڑنے والے کون
ہیں؟ تاکہ ان کو اجر و ثواب دے اور ان کے ہاتھوں سے کافروں کو ذلت و شکست سے دوچار کرے۔

(۶) یعنی ان کا اجر و ثواب ضائع نہیں فرمائے گا۔

(۷) یعنی انہیں ایسے کاموں کی توفیق دے گا جن سے ان کے لیے جنت کا راستہ آسان ہو جائے گا

(۸) یعنی جسے وہ بغیر ہنسائی کے پہچان لیں گے اور جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو از خود ہی اپنے اپنے گھروں میں جا
داخل ہوں گے۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”قسم ہے اس

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتُحَرِّوْا اللَّهَ يَتَحَرِّكُمْ وَيُتِّتْ
أَقْدَامَكُمْ ①

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعَسَا لَهُمْ وَالْأَعْمَالُ ②

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أُنْزِلَ اللَّهُ فَاحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ③

أَفَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي الْأَرْضِ قَبْلُ يُنْظَرُوا كَيْفَ كَانَ حَاجَةُ الَّذِينَ

اسے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے
تو وہ تمہاری مدد کرے گا ^(۱) اور تمہیں ثابت قدم
رکھے گا۔ ^(۲)

اور جو لوگ کافر ہوئے انہیں ہلاکی ہو اللہ ان کے اعمال
غارت کر دے گا۔ (۸)

یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ چیز سے ناخوش
ہوئے ^(۳) پس اللہ تعالیٰ نے (بھی) ان کے اعمال
ضائع کر دیئے۔ ^(۹)

کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر اس کا معائنہ نہیں
کیا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا نتیجہ کیا ہوا؟ ^(۵) اللہ نے

ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ایک جنتی کو اپنے جنت والے گھر کے راستوں کا اس سے کیس زیادہ علم ہو گا،
جتنا دنیا میں اسے اپنے گھر کا تھا۔" - صحیح بخاری، کتاب الرفاق، باب الفصاح، يوم القيامة.

(۱) اللہ کی مدد کرنے سے مطلب، اللہ کے دین کی مدد ہے۔ کیونکہ وہ اسباب کے مطابق اپنے دین کی مدد اپنے مومن
بندوں کے ذریعے سے ہی کرتا ہے۔ یہ مومن بندے اللہ کے دین کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و دعوت کرتے ہیں تو اللہ
تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے یعنی انہیں کافروں پر فتح و غلبہ عطا کرتا ہے۔ جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور قرون
اولیٰ کے مسلمانوں کی روشن تاریخ ہے، وہ دین کے ہو گئے تھے تو اللہ بھی ان کا ہو گیا تھا، انہوں نے دین کو غالب کیا تو اللہ
نے انہیں بھی دنیا پر غالب فرمایا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلْيَنْصَرِفْ إِلَيْهِمْ يُنْصَرَفْ﴾ (الحج، ۳۰) اللہ اس کی ضرور
مدد فرماتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے۔

(۲) یہ لڑائی کے وقت تَشِيْتُ أَفْدَامِ یہ عبارت ہے موطن حرب میں نصر و معونت سے۔ بعض کہتے ہیں اسد، یا پل
صراط پر ثابت قدم رکھے گا۔

(۳) یعنی قرآن اور ایمان کو انہوں نے ناپسند کیا۔

(۴) اعمال سے مراد وہ اعمال ہیں جو صورتہ اعمال خیر ہیں لیکن عدم ایمان کی وجہ سے اللہ کے ہاں ان پر اجر و ثواب نہیں
میلے گا۔

(۵) جن کے بہت سے آثار ان کے علاقوں میں موجود ہیں۔ نزول قرآن کے وقت بعض تباہ شدہ قوموں کے کھنڈرات
اور آثار موجود تھے اس لیے انہیں چل پھر کر ان کے عبرت ناک انجام دیکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی کہ شاید ان کو دیکھ
کر ہی یہ ایمان لے آئیں۔

انہیں ہلاک کر دیا اور کافروں کے لیے اسی طرح کی سزائیں ہیں۔^(۱)

وہ اس لیے کہ ایمان والوں کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے اور اس لیے کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔^(۲)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے انہیں اللہ تعالیٰ یقیناً ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سرس جاری ہیں اور جو لوگ کافر ہوئے وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مثل چوپایوں کے کھا رہے ہیں،^(۳) ان کا (اصل) ٹھکانا جہنم ہے۔^(۴) ہم نے کئی بستیوں کو جو طاقت میں تیری اس بستی سے زیادہ تھیں جس سے تجھے نکالا ہم نے انہیں ہلاک کر دیا ہے، جن کا مددگار کوئی نہ اٹھا۔^(۵)

کیا ”پس وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل پر ہو اس شخص جیسا ہو سکتا ہے؟ جس کے لیے اس کا برا

مِنْ قَبْلِهِمْ ذُرِّيَّتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ نَزَلَ الْكِفَرُ مِنْ أَمَّا لَهَا ۝

ذَلِكَ يَنْتَظِرُ اللَّهُ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَإِنَّ الْكَافِرِينَ لَأَمُولٌ لَهُمْ ۝

إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَحَمِلُوا الصَّلِيبَ جَنَّتِمْ مِنْ جَنَّاتٍ مَوْجِدَةٍ يَجْرُ الْفُورُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ ۝

وَكَايُنْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكْفِلَنَّ قُوَّةً مِنْ قُوَّتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكَ لَهُمْ فَلَا تَأْمُرُهُمْ ۝

الَّذِينَ كَانُوا عَلَى بَيْتِهِمْ مِنْ رَبِّهِ كَمَنْ زَيْنَ لَهُ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ

(۱) یہ اہل مکہ کو ڈرایا جا رہا ہے کہ تم کفر سے باز نہ آئے تو تمہارے لیے بھی ایسی ہی سزا ہو سکتی ہے؟ اور گزشتہ کافر قوموں کی ہلاکت کی طرح تمہیں بھی ہلاکت سے دوچار کیا جاسکتا ہے۔

(۲) چنانچہ جنگ احد میں کافروں کے نعروں کے جواب میں مسلمانوں نے جو نعرے بلند کیے۔ مثلاً اَعْلُ هُنَّ اَعْلُ هُنَّ (جبل بت کا نام بلند ہو) کے جواب میں اللہ اَعْلَى وَاَجَلْ کافروں کے انہی نعروں میں سے ایک نعرے لگا اَعْلَى وَلَا عَرْى لَكُمْ کے جواب میں مسلمانوں کا نعرہ تھا اللہ تَوَلَّانا وَلَا تَوَلَّيْ لَكُمْ (صحیح بخاری: عروۃ اُحد "اللہ ہمارا مددگار ہے، تمہارا کوئی مددگار نہیں")۔

(۳) یعنی جس طرح جانوروں کو بیت اور جنس کے تقاضے پورے کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہی حال کافروں کا ہے، ان کا مقصد زندگی بھی کھانے پینے کے علاوہ کچھ نہیں، آخرت سے وہ بالکل غافل ہیں۔ اس سے ضمناً کھڑے کھڑے کھانے کی ممانعت کا بھی اثبات ہوتا ہے، جس کا آج کل دعوتوں میں عام رواج ہے کیوں کہ اس میں بھی جانوروں سے مشابہت ہے جسے کافروں کا شیوہ بتلایا گیا ہے۔ احادیث میں کھڑے کھڑے پانی پینے سے نہایت سختی سے منع کیا گیا ہے، جس سے کھڑے کھانے کی ممانعت بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے جانوروں کی طرح کھڑے ہو کر کھانے سے اجتناب کرنا نہایت ضروری ہے۔ دیکھئے زاد المعاد۔

وَتَبَعُوا أَمْرًا هُمْ ۝

کام مزین کر دیا گیا ہو اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں کا پیرو ہو؟^(۱) (۳)

اس جنت کی صفت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس میں پانی کی سرس ہیں جو بدبو کرنے والا نہیں،^(۲) اور دودھ کی سرس ہیں جن کا مزہ نہیں بدلا،^(۳) اور شراب کی سرس ہیں جن میں پینے والوں کے لئے بڑی لذت ہے،^(۴) اور سرس ہیں شہد کی جو بہت صاف ہیں^(۵) اور ان کے لیے وہاں ہر قسم کے میوے ہیں اور

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذِي لَا يَلْشُرُ بِئِنَّةً وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَمَلٍ صَفِيٍّ وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَعَهُمْ فِيهَا نِسَاءٌ مُّحَمَّدَاتٌ فِي السَّرَارِ مَسْكُونًا مَّاءً حَمِيمًا فَفَلْظُهُ أَمْعَدُهُ ۝

(۱) برے کام سے مراد 'شرک و معصیت' ہیں 'مطلب وہی ہے جو پہلے بھی متعدد جگہ گزر چکا ہے کہ مومن و کافر، مشرک و موحّد اور نیکوکار و بدکار برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک کے لیے اللہ کے ہاں اجر و ثواب اور جنت کی نعمتیں ہیں، جب کہ دوسرے کے لیے جہنم کا ہولناک عذاب۔ اگلی آیت میں دونوں کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔ پہلے اس جنت کی خوبیاں اور محاسن، جس کا وعدہ متقین سے ہے۔

(۲) آسین کے معنی 'خفیر' یعنی بدل جانے والا، غیر آسن نہ بدلنے والا۔ یعنی دنیا میں تو پانی کسی ایک جگہ کچھ دیر پڑا رہے تو اس کا رنگ خفیر ہو جاتا ہے اور اس کی بو اور ذائقے میں تبدیلی آجاتی ہے جس سے وہ مضر صحت ہو جاتا ہے۔ جنت کے پانی کی یہ خوبی ہوگی کہ اس میں کوئی تغیر نہیں ہوگا۔ یعنی اس کی بو اور ذائقے میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ جب یہ 'تازہ' مفرح اور صحت افزا جب دنیا کا پانی خراب ہو سکتا ہے تو شریعت نے اسی لیے پانی کی بابت کہا ہے کہ یہ پانی اس وقت تک پاک ہے، جب تک اس کا رنگ یا بو نہ بدلے، کیونکہ رنگ یا بو خفیر ہونے کی صورت میں پانی ناپاک ہو جائے گا۔

(۳) جس طرح دنیا میں وہ دودھ بعض دفعہ خراب ہو جاتا ہے جو گایوں، بھینسوں اور بکریوں وغیرہ کے تھنوں سے نکلتا ہے۔ جنت کا دودھ چونکہ اس طرح جانوروں کے تھنوں سے نہیں نکلے گا، بلکہ اس کی سرس ہوں گی، اس لیے 'جس طرح وہ نہایت لذیذ ہوگا' خراب ہونے سے بھی محفوظ ہوگا۔

(۴) دنیا میں جو شراب ملتی ہے، وہ عام طور پر نہایت تلخ، بد مزہ اور بدبودار ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اسے پی کر انسان بالعموم حواس باختہ ہو جاتا ہے، اول قول بکنا ہے اور اپنے جسم تک کا ہوش اسے نہیں رہتا۔ جنت کی شراب دیکھنے میں حسین، ذائقے میں اعلیٰ اور نہایت خوشبودار ہوگی اور اسے پی کر کوئی انسان بیکے گا، نہ کوئی گرائی محسوس کرے گا۔ بلکہ ایسی لذت و فرحت محسوس کرے گا جس کا تصور اس دنیا میں ممکن نہیں جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لَا يَمَسُّهُمُ فِيهَا هَمٌّ وَلَا حُزْنٌ﴾ (سورۃ الصافات ۴۷) "نہ اس سے چکر آئے گا نہ غم ملے گا"۔ مزید دیکھئے (سورۃ الواقعة ۱۸)

(۵) یعنی شہد میں بالعموم جن چیزوں کی آمیزش کا امکان رہتا ہے، جس کا مشاہدہ دنیا میں عام ہے جنت میں ایسا کوئی اندیشہ

ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے کیا یہ مثل اس کے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے؟ اور جنہیں گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔^(۱۵)

اور ان میں بعض (ایسے بھی ہیں کہ) تیری طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے جاتے ہیں تو اہل علم سے (بوجہ کند ذہنی ولا پرواہی کے) پوچھتے ہیں کہ اس نے ابھی کیا کہا تھا؟^(۱۶) یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔ (۱۷)

اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ نے انہیں ہدایت میں اور بڑھا دیا ہے اور انہیں ان کی پرہیزگاری عطا فرمائی ہے۔^(۱۸)

وَمِنْهُمْ مَنْ يُسَمُّهٖ إِلَٰهًا حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِہٖ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ أَنِعَاۗءَ أُولَٰئِكَ الْفٰرِیْنَ طَبَعٌ اَللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہُمْ وَاتَّبَعُوْا اٰهْوَاۗءَہُمْ ۝۱۵

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَازَادَہُمْ هُدًی وَاٰتٰہُمْ تَقْوٰیہُمْ ۝۱۸

نہیں ہو گا۔ بالکل صاف شفاف ہو گا، کیونکہ یہ دنیا کی طرح کمپیوں سے حاصل کردہ نہیں ہو گا، بلکہ اس کی بھی نہریں ہوں گی۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”جب بھی تم سوال کرو تو جنت اغردوس کی دعا کرو اس لیے کہ وہ جنت کا درمیانہ اور اعلیٰ درجہ ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں اور اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب درجات المجاہدین فی سبیل اللہ)۔

(۱) یعنی جن کو جنت میں وہ اعلیٰ درجے نصیب ہوں گے جو مذکور ہوئے کیا وہ ایسے جہنمیوں کے برابر ہیں جن کا یہ حال ہو گا؟ ظاہرات ہے ایسا نہیں ہو گا۔ بلکہ ایک درجات میں ہو گا اور دوسرا درکات (جہنم) میں۔ ایک نعمتوں میں داد طرب و عیش دے رہا ہو گا، دوسرا عذاب جہنم کی سختیاں جھیل رہا ہو گا۔ ایک اللہ کا مہمان ہو گا جہاں انواع و اقسام کی چیزیں اس کی تواضع اور اکرام کے لیے ہوں گی اور دوسرا اللہ کا قیدی، جہاں اس کو کھانے کے لیے زقوم جیسا تلخ و کسید کھانا اور پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ یہیں تفاوت رہے۔ از کجا است تا بہ کجا۔

(۲) یہ منافقین کا ذکر ہے، ان کی نیت چونکہ صحیح نہیں ہوتی تھی اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں وہ مجلس سے باہر آکر صحابہ کرام سے پوچھتے کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟

(۳) یعنی جن کی نیت ہدایت حاصل کرنے کی ہوتی ہے تو اللہ ان کو ہدایت کی توفیق بھی دے دیتا ہے اور ان کو اس پر ثابت قدمی بھی عطا فرماتا ہے۔

فَمَنْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ مَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ
أَشْرَاطُهَا فَأَنَّى لَهُمْ إِفْرَاجٌ تُخْرِجُهُمْ مِنَهَا ۝

فَأَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرُ لَكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ ۝

تو کیا یہ قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان کے پاس
اچانک آجائے یقیناً اس کی علامتیں تو آچکی ہیں،^(۱) پھر
جبکہ ان کے پاس قیامت آجائے انہیں نصیحت کرنا کہاں
ہوگا؟^(۲) (۱۸)

سو (اے نبی!) آپ یقین کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود
نہیں^(۳) اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں اور مومن
مردوں اور مومن عورتوں کے حق میں بھی،^(۴) اللہ تم
لوگوں کی آمد و رفت کی اور رہنے سہنے کی جگہ کو خوب جانتا
ہے۔^(۵) (۱۹)

(۱) یعنی نبی ﷺ کی بعثت بجائے خود قرب قیامت کی ایک علامت ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے بھی فرمایا: بُعِثْتُ أَنَا
وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ (صحیح بخاری نمبر ۳۰۷۰) میری بعثت اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہے۔
آپ ﷺ نے اشارہ کر کے واضح فرمایا کہ جس طرح یہ دونوں انگلیاں باہم ملی ہوئی ہیں اسی طرح میرے اور قیامت کے
درمیان فاصلہ نہیں ہے یا یہ کہ جس طرح ایک انگلی دوسری انگلی سے ذرا سا آگے ہے اسی طرح قیامت میرے ذرا سا بعد ہے۔
(۲) یعنی جب قیامت اچانک آجائے گی تو کافر کس طرح نصیحت حاصل کر سکیں گے؟ مطلب ہے اس وقت اگر وہ توبہ
کریں گے بھی تو وہ مقبول نہیں ہوگی۔ اس لیے اگر توبہ کرنی ہے تو یہی وقت ہے۔ ورنہ وہ وقت بھی آسکتا ہے کہ ان کی
توبہ بھی غیر مفید ہوگی۔

(۳) یعنی اس عقیدے پر ثابت اور قائم رہیں، کیونکہ یہی توحید اور اطاعت الہی، مدار خیر ہے اور اس سے انحراف یعنی
شرک اور معصیت، مدار شر ہے۔

(۴) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے، اپنے لیے بھی اور مومنین کے لیے بھی۔ استغفار کی بڑی
اہمیت اور فضیلت ہے۔ احادیث میں بھی اس پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
يَا أَيُّهَا النَّاسُ! تَوُثُّوا إِلَيَّ رِبِّكُمْ فَإِنِّي أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً (صحیح
بخاری، کتاب الدعوات، باب استغفار النبی فی اليوم والليلة) ”لوگو! بارگاہ الہی میں توبہ و استغفار کیا کرو، میں
بھی اللہ کے حضور روزانہ ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ و استغفار کرتا ہوں۔“

(۵) یعنی دن کو تم جہاں پھرتے ہو اور جو کچھ کرتے ہو اور رات کو جہاں آرام کرتے ہو اور استغفار پکڑتے ہو، اللہ تعالیٰ جانتا
ہے۔ مطلب ہے شب و روز کی کوئی سرگرمی اللہ سے مخفی نہیں ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ
مُتَكَمِّلَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقَوْلَانِ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ
يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ خَافُوا السُّعْيَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْوَيْتِ
فَأَوَّلُ لَهْرٍ ۝

كَامَّةٌ وَقَوْلٌ مُنْزَوِّجٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْصَدَّقُوا اللَّهَ لَكَانَ
عَذَابُهُمْ ۝

فَهَلْ عَسَيْتُمْ أَنْ تُلَاقُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقِيلُوا

اور جو لوگ ایمان لائے وہ کہتے ہیں کوئی سورت کیوں
نازل نہیں کی گئی؟^(۱) پھر جب کوئی صاف مطلب والی
سورت^(۲) نازل کی جاتی ہے اور اس میں قتال کا ذکر کیا
جاتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کے دلوں میں
بیماری ہے وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے
اس شخص کی نظر ہوتی ہے جس پر موت کی بیہوشی
طاری ہو،^(۳) پس بہتر تھا ان کے لیے۔ (۴۰)

فرمان کا بجالانا اور اچھی بات کا کہنا۔^(۴) پھر جب کام مقرر
ہو جائے،^(۵) تو اگر اللہ کے ساتھ چچے رہیں^(۶) تو ان کے
لیے بہتری ہے۔^(۷) (۲۱)

اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے

(۱) جب جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا تو مومنین جو جذبہ جہاد سے سرشار تھے جہاد کی اجازت کے خواہش مند تھے اور
کہتے تھے کہ اس بارے میں کوئی سورت نازل کیوں نہیں کی جاتی؟ یعنی جس میں جہاد کا حکم ہو۔

(۲) یعنی ایسی سورت جو غیر منسوخ ہو۔

(۳) یہ ان منافقین کا ذکر ہے جن پر جہاد کا حکم نہایت گراں گزرتا تھا، ان میں بعض کمزور ایمان والے بھی بعض دفعہ
شامل ہو جاتے تھے۔ سورہ نساء، آیت ۷۷ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(۴) یعنی حکم جہاد سے گھبرانے کے بجائے ان کے لیے بہتر تھا کہ وہ سمع و طاعت کا مظاہرہ کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کی بابت ہمتاخی کے بجائے اچھی بات کہتے۔ یہ 'أُولَئِیْ بِمَعْنٰی أَجْلَدُ' (بہتر) ہے جسے ابن کثیر نے اختیار کیا ہے۔ بعض
نے اولیٰ کو تہدید و وعید کا لکھ دیا یعنی بددعا قرار دیا ہے۔ مَعْنَاہُ فَازِیۡہُ مَا یُهْلِكُہُ (ان کی ہلاکت قریب ہے) مطلب ہے
ان کی بزدلی اور نفاق ان کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔ اس اعتبار سے طَاعَۃٌ وَقَوْلٌ مُّعْرُوفٌ جملہ مستأنف ہو گا اور اس کی خبر
محذوف ہوگی خَیْرٌ لَّکُمْ (فتح القدیر، امیر القاسم)

(۵) یعنی جہاد کی تیاری مکمل ہو جائے اور وقت جہاد آجائے۔

(۶) یعنی اگر اب بھی نفاق چھوڑ کر اپنی نیت اللہ کے لیے خالص کر لیں یا رسول کے سامنے رسول ﷺ کے ساتھ
لڑنے کا جو عہد کرتے ہیں اس میں اللہ سے چچے رہیں۔

(۷) یعنی نفاق اور مخالفت کے مقابلے میں توبہ و اخلاص کا مظاہرہ بہتر ہے۔

الْحَمْدُ ①

تو تم زمین میں فساد برپا کر دو^(۱) اور رشتے ناتے توڑ ڈالو۔ (۲۲)

یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے۔^(۲) (۲۳)
کیا یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر ان کے تالے لگ گئے ہیں۔^(۳) (۲۴)

جو لوگ اپنی پیٹھ کے بل اٹے پھر گئے اس کے بعد کہ ان کے لیے ہدایت واضح^(۴) ہو چکی یقیناً شیطان نے ان کے لیے (ان کے فعل کو) مزین کر دیا ہے اور انہیں ڈھیل دے رکھی ہے۔^(۵) (۲۵)

یہ^(۶) اس لیے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ وحی کو برا سمجھا یہ کہ^(۷) کہ ہم بھی

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ ②

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَنِ قُلُوبٍ أَقْمَالُهَا ③

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدَّوْا عَلَىٰ أُبْهُهُم مِّنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّ لَهُمُ الْهُدَىٰ

الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَ لَهُمْ ④

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا الْيَهُودُ نَزَّلُوا مِثْلَ مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَاطِطِينَ فِي سَبِيلِ

(۱) ایک دوسرے کو قتل کر کے۔ یعنی اختیار و اقتدار کا غلط استعمال کرو۔ امام ابن کثیر نے تَوَلَّيْتُمْ کا ترجمہ کیا ہے ”تم جماد سے پھر جاؤ اور اس سے اعراض کرو“ یعنی تم پھر زمانہ جاہلیت کی طرف لوٹ جاؤ اور باہم خون ریزی اور قطع رحمی کرو۔ اس میں فساد فی الارض کی عموماً اور قطع رحمی کی خصوصاً ممانعت اور اصلاح فی الارض اور صلہ رحمی کی تاکید ہے، جس کا مطلب ہے کہ رشتے داروں کے ساتھ زبان سے ”عمل سے اور بذل اموال کے ذریعے سے اچھا سلوک کرو۔ احادیث میں بھی اس کی بڑی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی ایسے لوگوں کے کانوں کو اللہ نے (حق کے سننے سے) بہرہ اور آنکھوں کو (حق کے دیکھنے سے) اندھا کر دیا ہے۔ یہ نتیجہ ہے ان کے مذکورہ اعمال بیش کا۔

(۳) جس کی وجہ سے قرآن کے معانی و مفہیم ان کے دلوں کے اندر نہیں جاتے۔

(۴) اس سے مراد منافقین ہی ہیں جنہوں نے جماد سے گریز کر کے اپنے کفر و ارتداد کو ظاہر کر دیا۔

(۵) اس کا فاعل بھی شیطان ہے۔ یعنی مَذَّ لَهُمْ فِي الْأَمَلِ وَوَعَدَهُمْ طُولَ الْعُمُرِ یعنی انہیں لمبی آرزوؤں اور اس دھوکے میں جتلا کر دیا کہ ابھی تو تمہاری بڑی عمر ہے، کیوں لڑائی میں اپنی جان گناتے ہو؟ یا فاعل اللہ ہے، اللہ نے انہیں ڈھیل دی۔ یعنی فوراً ان کا مواخذہ نہیں فرمایا۔

(۶) ”یہ“ سے مراد ان کا ارتداد ہے۔

(۷) یعنی منافقین نے مشرکین سے یا یہود سے کہا۔

الْأَمْرَ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَسْرَارَهُمْ ۝

فَكَيْفَ إِذَا تَوَلَّيْتُمْ السَّلَاطَةَ يَصْرُفُونَ وَجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۝

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ أَتَّبَعُوا مَا اسَخَطَ اللَّهُ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخَيَّرَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۝

وَلَوْ نَشَاءُ لَأَمَرْنَاكُم بِالْحَمْدِ لَكُم فَتَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ۝

عنقریب بعض کاموں^(۱) میں تمہارا کمانہیں گے، اور اللہ ان کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہے۔^(۲) (۳۶)
پس ان کی کیسی (درگت) ہوگی جبکہ فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہوئے ان کے چہروں اور ان کی سرخیوں پر ماریں گے۔^(۳) (۳۷)

یہ اس بنا پر کہ یہ وہ راہ چلے جس سے انہوں نے اللہ کو ناراض کر دیا اور انہوں نے اس کی رضامندی کو برا جانا، تو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔ (۳۸)

کیا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ ان کے کینوں کو نظر ہی نہ کرے گا۔^(۴) (۳۹)
اور اگر ہم چاہتے تو ان سب کو تجھے دکھا دیتے پس تو انہیں ان کے چہرے سے ہی پہچان لیتا،^(۵) اور یقیناً تو انہیں ان کی بات کے ڈھب سے پہچان لے گا،^(۶)

(۱) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی مخالفت میں۔

(۲) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبْهِيُونَ﴾ (النساء: ۸۱)

(۳) یہ کافروں کی اس وقت کی کیفیت بیان کی گئی ہے جب فرشتے ان کی رو میں قبض کرتے ہیں۔ رو میں فرشتوں سے بچنے کے لیے جسم کے اندر چھپتی اور ادھر ادھر بھاگتی ہیں تو فرشتے سختی اور زور سے انہیں پکارتے، کھینچتے اور مارتے ہیں۔ یہ مضمون اس سے قبل سورہ انعام ۹۳ اور سورہ انفال ۵۰ میں بھی گزر چکا ہے۔

(۴) أَضْعَافُ عِصْفٍ کی جمع ہے جس کے معنی حسد، کینہ اور بغض کے ہیں۔ منافقین کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد تھا اس کے حوالے سے کہا جا رہا ہے کہ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہے؟

(۵) یعنی ایک ایک شخص کی اس طرح نشان دہی کر دیتے کہ ہر منافق کو عیاں پہچان لیا جاتا، لیکن تمام منافقین کے لیے اللہ نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ یہ اللہ کی صفت ستاری کے خلاف ہے، وہ بالعموم پردہ پوشی فرماتا ہے، پردہ دہی نہیں۔ دوسرا اس نے انسانوں کو ظاہر فیصلہ کرنے کا اور باطن کا محاطہ اللہ کے سپرد کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۶) البتہ ان کا لہجہ اور انداز گفتگو ہی ایسا ہوتا ہے جو ان کے باطن کا غماز ہوتا ہے، جس سے اسے پیغمبر تو ان کو یقیناً پہچن سکتا ہے۔ یہ عام مشاہدے میں آنے والی بات ہے، انسانوں کے دل میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ اسے لاکھ چھپائے لیکن انسان کی گفتگو، حرکات و سکنات اور بعض مخصوص کیفیات اس کے دل کے راز کو آشکارا کر دیتی ہیں۔

وَلْيَبْلُغُوا حَتَّى تَقُومَ الْحُجَّةُ وَيَتْلُوا الْقُرْآنَ وَيَتْلُوا الْقُرْآنَ وَيَتْلُوا الْقُرْآنَ
وَيَتْلُوا الْقُرْآنَ ۝

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا
الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ
شَيْئًا وَيُعْطِ أَعْمَالَهُمْ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تَبْغُوا
أَعْمَالَكُمْ ۝

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَا تَوَّابُونَ
كَفَّارٌ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۝

تمہارے سب کام اللہ کو معلوم ہیں۔ (۳۰)
یقیناً ہم تمہارا امتحان کریں گے تاکہ تم میں سے جماد
کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو ظاہر کر دیں اور ہم
تمہاری حالتوں کی بھی جانچ کر لیں۔ (۳۱)

یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے لوگوں
کو روکا اور رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان کے
لئے ہدایت ظاہر ہو چکی یہ ہرگز ہرگز اللہ کا کچھ نقصان
نہ کریں گے۔ (۳۲) عنقریب ان کے اعمال وہ غارت کر
دے گا۔ (۳۳)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کما مانو
اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو۔ (۳۳)
جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے ادروں کو روکا
پھر کفر کی حالت میں ہی مر گئے (یقین کر لو) کہ اللہ انہیں
ہرگز نہ بخشے گا۔ (۳۳)

(۱) اللہ تعالیٰ کے علم میں تو پہلے ہی سب کچھ ہے۔ یہاں علم سے مراد اس کا وقوع اور ظہور ہے تاکہ دوسرے بھی جان میں در
دیکھ لیں۔ اسی لیے امام ابن کثیر نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے حَتَّى تَقُومَ حُجَّتُہُمْ اس کے وقوع کو جان میں۔ ابن عباس
رضی اللہ عنہما اس قسم کے الفاظ کا ترجمہ کرتے تھے لَسَرَتْ تاکہ ہم دیکھ میں۔ (ابن کثیر اور یہی معنی زیادہ واضح ہے۔

(۲) بلکہ اپنا ہی بیڑا غرق کریں گے۔

(۳) کیونکہ ایمان کے بغیر کسی عمل کی اللہ کے ہاں کوئی اہمیت نہیں۔ ایمان و اخلاص ہی ہر عمل خیر کو اس قابل بناتا ہے کہ
اس پر اللہ کے ہاں سے اجر ملے۔

(۴) یعنی منافقین اور مرتدین کی طرح ارتداد و نفاق اختیار کر کے اپنے عملوں کو برباد مت کرو یہ گویا اسلام پر استقامت
کا حکم ہے۔ بعض نے کبار و فواحش کے ارتکاب کو بھی جبط اعمال کا باعث گردانا ہے۔ اسی لیے مومنین کی صفات میں
ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ بڑے گناہ اور فواحش سے بچتے ہیں (النجم-۳۲) اس اعتبار سے کبار و فواحش سے
بچنے کی اس میں تاکید ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی عمل خواہ کتنا ہی بہتر کیوں نہ معلوم ہوتا ہو اگر اللہ اور
اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے دائرے سے باہر ہے تو رائیگاں اور برباد ہے۔

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَاحِ وَاللَّهُمَّ إِنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَعْلَمُ
مَعَكُمْ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ فَتَةً ۝

إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعَلْبٌ وَلَهْوٌ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ
أَجْرَكُمْ وَلَا يَنفَكْ عَنْكُمْ مَوْلَاكُمْ ۝

إِنْ يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُفَرِّقَنَّ بَيْنَهُمَا وَيُفْرِجْ أَصْفَانَكُمْ ۝

پس تم یو دے بن کر صلح کی درخواست پر نہ اتر آؤ جبکہ تم ہی
بلند و غالب رہو گے ^(۱) اور اللہ تمہارے ساتھ ہے ^(۲)
ناممکن ہے کہ وہ تمہارے اعمال ضائع کر دے۔ ^(۳) (۳۵)
واقعی زندگی دنیا تو صرف کھیل کود ہے ^(۴) اور اگر تم
ایمان لے آؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تمہیں
تمہارے اجر دے گا اور وہ تم سے تمہارے مال نہیں
مانگے۔ ^(۵) (۳۶)

اگر وہ تم سے تمہارا مال مانگے اور زور دے کر مانگے تو تم
اس سے بخیلی کرنے لگو گے اور وہ تمہارے کینے ظاہر کر
دے گا۔ ^(۶) (۳۷)

(۱) مطلب یہ ہے کہ جب تم تعداد اور قوت و طاقت کے اعتبار سے دشمن پر غالب اور فائق تر ہو تو ایسی صورت میں
کفار کے ساتھ صلح اور کمزوری کا مظاہرہ مت کرو بلکہ کفر پر ایسی کاری ضرب لگاؤ کہ اللہ کا دین سر بلند ہو جائے۔ غالب و
برتر ہوتے ہوئے کفر کے ساتھ مصالحت کا مطلب کفر کے اثر و نفوذ کے بڑھانے میں مدد دینا ہے۔ یہ ایک بڑا جرم ہے۔
اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کافروں کے ساتھ صلح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ اجازت یقیناً ہے لیکن ہر وقت نہیں۔
صرف اس وقت ہے جب مسلمان تعداد میں کم اور وسائل کے لحاظ سے فروتر ہوں۔ ایسے حالات میں لڑائی کی بہ نسبت
صلح میں زیادہ فائدہ ہے تاکہ مسلمان اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بھرپور تیاری کر لیں جیسے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
کفار مکہ سے جنگ نہ کرنے کا دس سالہ معاہدہ کیا تھا۔

(۲) اس میں مسلمانوں کے لیے دشمن پر فتح و نصرت کی عظیم بشارت ہے۔ جس کے ساتھ اللہ ہو اس کو کون شکست
دے سکتا ہے؟

(۳) بلکہ وہ اس پر پورا اجر دے گا اور اس میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

(۴) یعنی ایک فریب اور دھوکہ ہے اس کی کسی چیز کی بنیاد ہے نہ اس کو ثبات اور نہ اس کا اعتبار۔

(۵) یعنی وہ تمہارے مالوں سے بے نیاز ہے۔ اسی لیے اس نے تم سے زکوٰۃ میں کل مال کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ اس کے
ایک نہایت قلیل حصے کا یعنی صرف دھائی فی صد کا اور وہ بھی ایک سال کے بعد اپنی ضرورت سے زیادہ ہونے پر علاوہ
از اس کا مقصد بھی تمہارے اپنے ہی بھائی بندوں کی مدد اور خیر خواہی ہے نہ کہ اللہ اس مال سے اپنی حکومت کے
اخراجات پورے کرتا ہے۔

(۶) یعنی اگر ضرورت سے زائد کل مال کا مطالبہ کرے اور وہ بھی اصرار کے ساتھ اور زور دے کر تو یہ انسانی فطرت ہے کہ تم

هَٰلِكُمْ هَٰذَا لَدُنَّ عَرْشِ اللَّهِ مُتَوَفِّي سَيِّئَاتِكُمْ مَن
يَبْخُلْ وَمَن يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَحْمِلُ عَنْ نَفْسِهِ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ
وَأَن تَكُونُوا الْفُقَرَاءَ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ
لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم ۝

سُورَةُ الْمَنَعَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

إِنَّا فَتَنَّاكَ تَهْتَانَيْنَا ۝

خبردار! تم وہ لوگ ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے
بلائے جاتے ہو^(۱) تو تم میں سے بعض بخلی کرنے لگتے ہیں
اور جو بخل کرتا ہے وہ تو دراصل اپنی جان سے بخیل کرتا
ہے۔^(۲) اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم فقیر (اور محتاج) ہو^(۳) اور
اگر تم روگردان ہو جاؤ^(۴) تو وہ تمہارے بدلے تمہارے سوا
اور لوگوں کو لائے گا جو پھر تم جیسے نہ ہوں گے۔^(۵) (۳۸)

سورۃ فتح مکی ہے اور اس میں انتیس آیتیں ہیں اور
چار رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

بیشک (اے نبی) ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتنہ دی ہے۔ (۱)

بخل بھی کرو گے اور اسلام کے خلاف اپنے بغض و عناد کا اظہار بھی۔ یعنی اس صورت میں خود اسلام کے خلاف بھی تمہارے
دلوں میں عناد پیدا ہو جائے کہ یہ احمد دین ہے جو ہماری محنت کی ساری کمائی اپنے دامن میں سمیٹ لینا چاہتا ہے۔!

(۱) یعنی کچھ حصہ زکوٰۃ کے طور پر اور کچھ اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔

(۲) یعنی اپنے ہی نفس کو انفاق فی سبیل اللہ کے اجر سے محروم رکھتا ہے۔

(۳) یعنی اللہ تمہیں خرچ کرنے کی ترغیب اس لیے نہیں دیتا کہ وہ تمہارے مال کا ضرورت مند ہے۔ نہیں 'وہ تو غنی
ہے' بے نیاز ہے 'وہ تو تمہارے ہی فائدے کے لیے تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ اس سے ایک تو تمہارے اپنے نفوس کا
تزکیہ ہو۔ دوسرے تمہارے ضرورت مندوں کی حاجتیں پوری ہوں۔ تیسرے 'تم دشمن پر غالب اور برتر ہو۔ اس سے
اللہ کی رحمت اور مدد کے محتاج تم ہونے کہ اللہ تمہارا محتاج ہے۔

(۴) یعنی اسلام سے کفر کی طرف پھر جاؤ۔

(۵) بلکہ تم سے زیادہ اللہ اور رسول کے اطاعت گزار اور اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرنے والے ہوں گے۔ نبی ﷺ

سے اس کی بابت پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "اس سے مراد یہ
اور اس کی قوم ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے 'اگر ایمان ثریا (ستارے) کے ساتھ بھی دکا
ہوا ہو تو اس کو فارس کے کچھ لوگ حاصل کر لیں گے۔" (الترمذی ذکرہ الألبانی فی الصحیحۃ ۳ ۱۱۳)

☆ ۶/ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ۱۳ سو کے قریب صحابہ رضی اللہ عنہم عمرے کی نیت سے مکہ شریف لے گئے

تاکہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے،^(۱) اور تجھ پر اپنا احسان پورا کر دے^(۲) اور تجھے سیدھی راہ چلائے۔^(۳)

اور آپ کو ایک زبردست مدد دے۔^(۳)

لَا تُغْنِيكَ اللَّهُ مَا قَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا أَخَّرَ وَيَرْفَعُهُ عَلَيْكَ وَيُعَذِّبُكَ مِرَاطًا نَسْتَوِيًّا ①

ذِي صُرَّةٍ اللَّهُ نَصْرًا خَيْرًا ②

لیکن مکے کے قریب حدیبیہ کے مقام پر کافروں نے آپ ﷺ کو روک لیا اور عمرہ نہیں کرنے دی، آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر مکہ بھیجا تاکہ وہ رؤسائے قریش سے گفتگو کر کے انہیں مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی اجازت دینے پر آمادہ کریں۔ لیکن حضرت عثمان غنیؓ کے مکہ جانے کے بعد ان کی شہادت کی افواہ پھیل گئی، جس پر آپ ﷺ نے صحابہؓ سے حضرت عثمان غنیؓ کا بدلہ لینے کی بیعت لی جو بیعت رضوان کہلاتی ہے۔ یہ افواہ غلط نکلی، تاہم کفار مکہ نے اجازت نہیں دی اور مسلمانوں نے آئندہ سال کے وعدے پر واپسی کا ارادہ کر لیا، وہیں اپنے سر بھی منڈا لیے اور قربانیاں کر لیں۔ نیز کفار سے اور بھی چند باتوں کا معاہدہ ہوا، جنہیں صحابہؓ کی اکثریت ناپسند کرتی تھی لیکن نگاہ رسالت نے اس کے دور رس اثرات کا اندازہ لگاتے ہوئے کفار کی شرائط پر ہی صلح کو بہتر سمجھا۔ حدیبیہ سے مدینے کی طرف آتے ہوئے راستے میں یہ سورت اتری، جس میں صلح کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا گیا چونکہ یہ صلح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور اس کے دو سال بعد ہی مسلمان مکہ میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے۔ اسی لیے بعض صحابہؓ کہتے تھے کہ تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو لیکن ہم حدیبیہ کی صلح کو فتح شمار کرتے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کی بابت فرمایا کہ آج کی رات مجھ پر وہ سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الحديبية وتفسير سورة الفتح

(۱) اس سے مراد ترک اولیٰ والے معاملات یا وہ امور ہیں جو آپ ﷺ نے اپنے فہم و اجتہاد سے کیے، لیکن اللہ نے انہیں ناپسند فرمایا، جیسے عبد اللہ بن ام مکتومؓ وغیرہ کا واقعہ ہے جس پر سورہٴ ممتحن کا نزول ہوا، یہ معاملات و امور اگرچہ گناہ اور منافی عصمت نہیں، لیکن آپ ﷺ کی شان ارفع کے پیش نظر انہیں بھی کوتاہیاں شمار کر لیا گیا، جس پر معافی کا وعدہ فرمایا جا رہا ہے۔ لَتَغْفِرَ لَكُمْ لَاحِقَاتُ الْفَعْلِ کے لیے ہے۔ یعنی یہ فتح مبین ان تین چیزوں کا سبب ہے جو آیت میں مذکور ہیں۔ اور یہ مغفرت ذنوب کا سبب، اس اعتبار سے ہے کہ اس صلح کے بعد قبول اسلام کرنے والوں کی تعداد میں بکثرت اضافہ ہوا، جس سے آپ ﷺ کے اجر عظیم میں بھی خوب اضافہ ہوا اور حسنت و بلندی درجات میں بھی۔

(۲) اس دین کو غالب کر کے جس کی تم دعوت دیتے ہو۔ یا فتح و غلبہ عطا کر کے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مغفرت اور ہدایت پر استقامت کی اتمام نعت ہے (فتح القدیر)

(۳) یعنی اس پر استقامت نصیب فرمائے۔ ہدایت کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجات سے نوازے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ
لِيُذْخِرُوا الْإِيمَانَ أَتَمَمَ اللَّهُ لَهُمْ جُودَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٥﴾

لِيُذْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَلَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ مِنْ ثَمَرَاتِهَا
وَكَانَ ذَلِكَ بِعِنْدِ اللَّهِ قُورًا عَظِيمًا ﴿٥﴾

وَلِيُذْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ
الْطَّافِينَ بِالْأَعْلَالِ كُلِّ الْمَثُورَةِ عَلَيْهِمْ دَارُ الْآلَةِ وَالْمَثُورَةِ وَالْمَثُورَةِ

وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون (اور
اطمینان) ڈال دیا تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور
بھی ایمان میں بڑھ جائیں،^(۱) اور آسمانوں اور زمین کے
(کل) لشکر اللہ ہی کے ہیں۔^(۲) اور اللہ تعالیٰ دانا با حکمت
ہے۔^(۳)

تاکہ مومن مردوں اور عورتوں کو ان جنتوں میں لے
جائے جن^(۴) کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ
رہیں گے اور ان سے ان کے گناہ دور کر دے، اور اللہ
کے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔^(۵)

اور تاکہ ان منافق مردوں اور منافق عورتوں اور
مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے جو
اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگنیاں رکھنے والے ہیں،^(۶)

(۱) یعنی اس اضطراب کے بعد، جو مسلمانوں کو شرائط صلح کی وجہ سے لاحق ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سکینت
نازل فرمادی، جس سے ان کے دلوں کو اطمینان، سکون اور ایمان مزید حاصل ہوا۔ یہ آیت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ
ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

(۲) یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی لشکر (مثلاً فرشتوں) سے کفار کو ہلاک کروادے۔ لیکن اس نے اپنی حکمت بالفہ
کے تحت ایسا نہیں کیا اور اس کے بجائے مومنوں کو قتال و جہاد کا حکم دیا۔ اسی لیے آگے اپنی صفت عظیم و حکیم بیان فرمائی
ہے۔ یہ مطلب ہے کہ آسمان و زمین کے فرشتے اور اسی طرح دیگر ذی شوکت و قوت لشکر سب اللہ کے تابع ہیں اور ان
سے جس طرح چاہتا ہے کام لیتا ہے۔ بعض دفعہ وہ ایک کافر مردہ کو ہی دوسرے کافر مردہ پر مسلط کر کے مسلمانوں کی امداد
کی صورت پیدا فرما دیتا ہے۔ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ تمہارا محتاج نہیں ہے، وہ اپنے پیغمبر اور اپنے
دین کی مدد کا کام کسی بھی مردہ اور لشکر سے لے سکتا ہے۔ (ابن کثیر و امیر القاسمی)

(۳) حدیث میں آتا ہے کہ جب مسلمانوں نے سورۃ فتح کا ابتدائی حصہ سنا لِنَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ تو انہوں نے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم سے کہا ”آپ ﷺ کو مبارک ہو“ ہمارے لیے کیا ہے؟ جس پر اللہ نے آیت لِيُذْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ نازل فرما
دی (صحیح بخاری، باب غزوة الحديبية) بعض کہتے ہیں کہ یہ لِيُذْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ کے متعلق ہے۔

(۴) یعنی اللہ کو اس کے حکموں پر متمم کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے

اللَّهُ عَلَيْهِمُ لَعْنَتُهُمْ وَأَعْدَالُهُمْ جَهَنَّمَ وَسَدَتْ أَبْوَابُهَا ۝

وَلَهُ جُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَسِيمًا ۝

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ إِذْ وَفَّى ذَا نُفْسِهِ إِذْ يَقُولُ وَقَدْ أَنزَلْتُكَ وَرَاءَ النَّبِيِّ وَالنَّبِيُّ يَمُنُّ بِالَّذِي بَدَّلْتُكَ وَرَاءَ النَّبِيِّ وَالنَّبِيُّ يَمُنُّ بِالَّذِي بَدَّلْتُكَ وَرَاءَ النَّبِيِّ ۝

إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ عَقَلَ فَلَا مَفْضَلْ عَلَيْ نَفْسِهِ وَرَمَّنْ أُوتِيَ بَعْدَ مَدْيَةٍ
اللَّهُ قَسِيرٌ ۝

(دراصل) انہیں پر برائی کا پھیرا ہے،^(۱) اللہ ان پر ناراض
ہوا اور انہیں لعنت کی اور ان کے لیے دوزخ تیار کی
اور وہ (بست) بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ (۶)

اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کے شکر ہیں اور
اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔^(۲) (۷)

یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا
اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (۸)

تاکہ (اے مسلمانو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان
لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو اور اللہ کی پاکی
بیان کرو صبح و شام۔ (۹)

جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت
کرتے ہیں،^(۳) ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے،^(۴) تو جو
شخص عہد شکنی کرے وہ اپنے نفس پر ہی عہد شکنی کرتا
ہے^(۵) اور جو شخص اس اقرار کو پورا کرے جو اس نے

ہارے میں گمان رکھتے ہیں کہ یہ مغلوب یا مقتول ہو جائیں گے اور دین اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (ابن کثیر

(۱) یعنی یہ جس گردشِ عذاب یا ہلاکت کے مسلمانوں کے لیے غلغلہ ہیں، وہ تو ان ہی کا مقدر بننے والی ہے۔

(۲) یہاں اسے منافقین اور کفار کے ضمن میں دوبارہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان دشمنوں کو ہر طرح ہدک کرنے پر
قادر ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی حکمت و مشیت کے تحت ان کو جتنی چاہے مصلحت دے دے

(۳) یعنی یہ بیعت و راصل اللہ ہی کی ہے، کیونکہ اسی نے جہاد کا حکم دیا ہے اور اس پر اجر بھی وہی عطا فرمائے گا۔ جس
طرح دوسرے مقام پر فرمایا کہ یہ اپنے نفسوں اور مالوں کا جنت کے بدلے اللہ کے ساتھ سودا ہے (اتوبہ: ۱۱۰) یہ اسی طرح
ہے جیسے ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: ۸۰)

(۴) آیت سے وہی بیعت رضوان مراد ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان جوینہ کی خبر شہادت سن کر، من کا
انتقام لینے کے لیے حدیبیہ میں موجود ۱۵ یا ۱۴ مسلمانوں سے لی تھی۔

(۵) نَحْنُ (عہد شکنی) سے مراد یہاں بیعت کا توڑ دینا یعنی عہد کے مطابق لڑائی میں حصہ نہ لینا ہے۔ یعنی جو شخص ایسا
کرے گا تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔

اللہ کے ساتھ کیا ہے^(۱) تو اسے عنقریب اللہ بہت بڑا اجر دے گا۔ (۱۰)

درہاتوں میں سے جو لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے وہ اب تجھ سے کہیں گے کہ ہم اپنے مال اور مال بچوں میں لگے رہ گئے پس آپ ہمارے لیے مغفرت طلب کیجئے۔^(۲) یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔^(۳) آپ جواب دے دیجئے کہ تمہارے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا بھی اختیار کون رکھتا ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو^(۴) یا تمہیں کوئی نفع دینا چاہے^(۵) تو، بلکہ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خوب

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَاهُمْ مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ مَنْ قَبْلُكَ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْنَانِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ①

(۱) کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی مدد کرے گا، ان کے ساتھ ہو کر لڑے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح و غلبہ عطا فرمادے۔

(۲) اس سے مدینے کے اطراف میں آباد قبیلے، غفار، مزینہ، جہینہ، اسلم اور دکل مراد ہیں۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھنے کے بعد (جس کی تفصیل آگے آئے گی) عمرے کے لیے مکہ جانے کی عام منادی کرادی۔ مذکورہ قبیلوں نے سوچا کہ موجودہ حالات تو مکہ جانے کے لیے سازگار نہیں ہیں۔ وہاں ابھی کافروں کا غلبہ ہے اور مسلمان کمزور ہیں نیز مسلمان عمرے کے لیے پورے طور پر ہتھیار بند ہو کر بھی نہیں جاسکتے۔ اگر ایسے میں کافروں نے مسلمانوں کے ساتھ بڑے کا فیصلہ کر لیا تو مسلمان خالی ہاتھ ان کا مقابلہ کس طرح کریں گے؟ اس وقت کے جانے کا مطلب اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ عمرے کے لیے نہیں گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بابت فرما رہا ہے کہ یہ تجھ سے مشغولیتوں کا غدر پیش کر کے طلب مغفرت کی التجائیں کریں گے۔

(۳) یعنی زبانوں پر تو یہ ہے کہ ہمارے پیچھے ہمارے گھروں کی اور بیوی بچوں کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس لیے ہمیں خود ہی رکنا پڑا، لیکن حقیقت میں ان کا پیچھے رہنا، نفاق اور اندیشہ موت کی وجہ سے تھا۔
(۴) یعنی اگر اللہ تمہارے مال ضائع کرنے اور تمہارے اہل کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کرے تو کیا تم میں سے کوئی اختیار رکھتا ہے کہ وہ اللہ کو ایسا نہ کرنے دے۔

(۵) یعنی تمہیں مدد پہنچانا اور تمہیں غنیمت سے نوازا جانا ہے تو کوئی روک سکتا ہے؟ یہ دراصل مذکورہ متعینین، پیچھے رہ جانے والوں، کا رد ہے جنہوں نے یہ گمان کر لیا تھا کہ وہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تو نقصان سے محفوظ اور منافع سے بہرہ ور ہوں گے۔ حالانکہ نفع و ضرر کا سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے

باجبر ہے۔^(۱) (۱۱)

(نہیں) بلکہ تم نے تو یہ گمان کر رکھا تھا کہ پیغمبر اور مسلمانوں کا اپنے گھروں کی طرف لوٹ آنا قطعاً ناممکن ہے اور یہی خیال تمہارے دلوں میں رچ بس گیا تھا اور تم نے برا گمان کر رکھا تھا۔^(۲) دراصل تم ہوگ ہو بھی ہلاک ہونے والے۔^(۳) (۱۲)

اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ مائے تو ہم نے بھی ایسے کافروں کے لیے دھکی آگ تیار کر رکھی ہے۔ (۱۳)

اور زمین اور آسمانوں کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔^(۴) (۱۴)

جب تم غنیمتیں لینے جانے لگو گے تو جھٹ سے یہ پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ کہنے لگیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیجئے،^(۵) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

بَلْ كُنْتُمْ أَنْ لَّنْ يَتَقَلَّبَ الرَّسُولَ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنًّا السَّوْءَ ۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ۝

وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

سَيَقُولُ الْمُتَكَفِّرُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَعَانِمِ بَنِي أَخْذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلِمَ اللَّهِ فُلْنِ لَّنْ

(۱) یعنی ہمیں تمہارے عملوں کی پوری جزا دے گا۔

(۲) اور وہ یہی تھا کہ اللہ اپنے رسول ﷺ کی مدد نہیں کرے گا۔ یہ وہی پہلا گمان ہے، تکرار تاکید کے لیے ہے۔

(۳) بُور، تائیر کی جمع ہے، ہلاک ہونے والا، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کا مقدر ہلاکت ہے۔ اگر دنیا میں یہ اللہ کے عذاب سے بچ گئے تو آخرت میں توبہ کر نہیں جاسکتے وہاں تو عذاب ہر صورت میں بھگتنا ہو گا۔

(۴) اس میں متکفین کے لیے توبہ و انابت الی اللہ کی ترغیب ہے کہ اگر وہ نفاق سے توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما دے گا، وہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

(۵) اس میں غزوہ خیبر کا ذکر ہے جس کی فتح کی نوید اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں دی تھی، نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہاں سے جتنا بھی مال غنیمت حاصل ہو گا وہ صرف حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کا حصہ ہے۔ چنانچہ حدیبیہ سے واپس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی مسلسل عہد شکنی کی وجہ سے خیبر پر چڑھائی کا پروگرام بنایا تو مذکورہ متکفین نے بھی محض مال غنیمت کے حصول کے لیے ساتھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا جسے منظور نہیں کیا گیا آیت میں مغام سے مراد مغام خیبری ہیں۔

تَتَّبِعُونَا كَذَلِكَ نُسَبِّحُكَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَإِن تَبْغِثْ عَلَيْنَا مِنْ أَشْيَاءَ لَنَلْبِسْكَ غِيَاثًا ۖ

بَلْ تَعَسَّدُوا وَتَتَّابِلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

قُلْ لِلْمُفَلِّقِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سِتْرٌ مِمَّنْ قَبْلَ قَوْمِ آلِ يَاسِينَ
شَدِيدٍ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَنُحَدِّثُكَ الْأَجْرَ
حَسَنًا فَإِنْ تَوَلَّوْا لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنُعَذِّبَهُنَّ بِالْآلِمَةِ ۝

کے کلام کو بدل دیں^(۱) آپ کہہ دیجئے! کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی فرما چکا ہے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلو گے،^(۲) وہ اس کا جواب دیں گے (نہیں نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو،^(۳) (اصل بات یہ ہے) کہ وہ لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہیں۔^(۴) (۱۵)

آپ پیچھے چھوڑے ہوئے بدویوں سے کہہ دو کہ عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے^(۵) پس اگر تم اطاعت کرو^(۶) گے تو اللہ تمہیں بہت بہتر بدلہ دے گا^(۷) اور اگر تم نے منہ پھیر لیا جیسا کہ اس سے پہلے تم منہ پھیر چکے ہو تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔^(۸) (۱۶)

(۱) اللہ کے کلام سے مراد اللہ کا خیر کی غنیمت کو اہل حدیبیہ کے لیے خاص کرنے کا وعدہ ہے۔ منافقین اس میں شریک ہو کر اللہ کے کلام یعنی اس کے وعدے کو بدلنا چاہتے تھے۔

(۲) یہ نفی بمعنی نفی ہے یعنی تمہیں ہمارے ساتھ چلنے کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے۔

(۳) یعنی یہ مقلدین کہیں گے کہ تم ہمیں حسد کی بنا پر ساتھ لے جانے سے گریز کر رہے ہو تاکہ ماں غنیمت میں ہم تمہارے شریک نہ ہوں۔

(۴) یعنی بات یہ نہیں ہے جو وہ سمجھ رہے ہیں بلکہ یہ پابندی ان کے پیچھے رہنے کی پاداش میں ہے۔ لیکن اصل بات ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔

(۵) اس جنگ جو قوم کی تعیین میں اختلاف ہے، بعض مفسرین اس سے عرب کے ہی بعض قبائل مراد لیتے ہیں، مثلاً ہوازن یا ثقیف جن سے حنین کے مقام پر مسلمانوں کی جنگ ہوئی۔ یا مسیلۃ الکذاب کی قوم بنو حنیفہ۔ اور بعض نے فارس اور روم کے مجوسی و عیسائی مراد لیے ہیں۔ ان پیچھے رہ جانے والے بدویوں سے کہا جا رہا ہے کہ عنقریب ایک جنگجو قوم سے مقابلے کے لیے تمہیں بلایا جائے گا۔ اگر وہ مسلمان نہ ہوئے تو تمہاری اور ان کی جنگ ہوگی۔

(۶) یعنی خلوص دل سے مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑو گے۔

(۷) دنیا میں غنیمت اور آخرت میں بچھلے گناہوں کی مغفرت اور جنت۔

(۸) یعنی جس طرح حدیبیہ کے موقع پر تم نے مسلمانوں کے ساتھ کھ جانے سے گریز کیا تھا اسی طرح اب بھی تم جہاد سے بھاگو گے، تو پھر اللہ کا دردناک عذاب تمہارے لیے تیار ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَوَلَّ يَكُنْ لِيَ عَدُوًّا لِلَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

لَقَدْ رَوَى اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يَسْأَلُونَكَ عَنْ الشَّجَرَةِ
قَالُوا مَا فِىْهَا فَتْلَهُمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَنشَأَهُمْ
لَقَدْ أَرَيْنَا ۝

وَمَنْ أَمَرَ كَثِيرًا يَأْخُذْ وَنَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٤﴾

اللہ سے پر کوئی حرج نہیں ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے،^(۱) جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے (درختوں) تلے نہریں جاری ہیں اور جو منہ پھیر لے اسے دردناک عذاب (کی سزا) دے گا۔ (۱۷)

یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جبکہ وہ درخت
تِلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔^(۴) ان کے دلوں میں جو
تھا اسے اس نے معلوم کر لیا^(۵) اور ان پر اطمینان نازل
فرمایا^(۶) اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی^(۷) (۱۸)
اور بہت سی غنیمتیں جنہیں وہ حاصل کر سگئے^(۸) اور

(۱) بصارت سے محرومی اور لنگڑے پن کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذوری۔ یہ دونوں عذر تو لازمی ہیں۔ ان اصحاب عذر یا ان جیسے دیگر معذورین کو جہاد سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ حرج کے معنی گناہ کے ہیں ان کے علاوہ جو بیماریاں ہیں 'وہ عارضی عذر ہیں' جب تک وہ واقعی بیمار ہے 'شرکت جہاد سے مستثنیٰ ہے۔ بیماری دور ہوتے ہی وہ حکم جہاد میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔

(۲) یہ ان اصحاب بیعت رضوان کے لیے رضائے الہی اور ان کے بچے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ ہے، جنہوں نے حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے اس بات پر بیعت کی کہ وہ قریش مکہ سے لڑیں گے اور راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔

(۳) یعنی ان کے دلوں میں جو صدق و صفا کے جذبات تھے 'اللہ ان سے بھی واقف ہے۔ اس سے ان دشمن صحابہ رضی اللہ عنہم کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ ان کا ایمان ظاہری تھا، دل سے وہ منافق تھے۔

(۳) یعنی وہ نہتے تھے، جنگ کی نیت سے نہیں گئے تھے، اس لیے جنگی ہتھیار مطلوبہ تعداد میں نہیں تھے۔ اس کے باوجود جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان چہرہ کا بدلہ لینے کے لیے ان سے جہاد کی بیعت لی تو بے ادنیٰ تامل، سب لڑنے کے لیے تیار ہو گئے، یعنی ہم نے موت کا خوف ان کے دلوں سے نکال دیا اور اس کی جگہ صبر و سکینت ان پر نازل فرمادی جس کی بنا پر انہیں لڑنے کا حوصلہ ہوا۔

(۵) اس ہے مراد وہی فتح خیر ہے جو یہودیوں کا گڑھ تھا اور حدیث سے واپسی پر مسلمانوں نے اسے فتح کیا۔

(۶) یہ وہ غنیمتیں ہیں جو خیر سے حاصل ہوئیں۔ یہ نہایت زرخیز اور شاداب علاقہ تھا، اسی حساب سے یہاں سے مسلمانوں کو بہت بڑی تعداد میں غنیمت کا مال حاصل ہوا، جسے صرف اہل حدیبیہ میں تقسیم کیا گیا۔

اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (۱۹)

اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت ساری غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے^(۱) جنہیں تم حاصل کرو گے پس یہ تو تمہیں جلدی ہی عطا فرما دی^(۲) اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے^(۳) تاکہ مومنوں کے لیے یہ ایک نشانی ہو جائے^(۴) اور (تاکہ) وہ تمہیں سیدھی راہ چلائے۔^(۵) (۲۰)

اور تمہیں اور (غنیمتیں) بھی دے جن پر اب تک تم نے قابو نہیں پایا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے قابو میں رکھا ہے^(۶) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۱)

اور اگر تم سے کافر جنگ کرتے تو یقیناً پیٹھ دکھا کر بھاگتے پھرنے تو کوئی کار ساز پاتے نہ مددگار۔^(۷) (۲۲)

وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُوهَا وَقَعَلَكُمْ هَذِهِ ۖ
وَكَفَّ أَيْدِيَ الثَّائِسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ
وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝

وَالْآخَرَى لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا وَكَانَ اللَّهُ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوْا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ
وِلَايَةً وَلَا نَصِيرًا ۝

(۱) یہ دیگر فتوحات کے نتیجے میں حاصل ہونے والی غنیمتوں کی خوش خبری ہے جو قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہونے والی ہیں۔

(۲) جنی فتح خیبر یا صلح حدیبیہ کیونکہ یہ دونوں تو فوری طور پر مسلمانوں کو حاصل ہو گئیں۔

(۳) حدیبیہ میں کافروں کے ہاتھ اور خیبر میں یودیوں کے ہاتھ اللہ نے روک دیئے، یعنی ان کے حوصلے پست کر دیئے اور وہ مسلمانوں سے مصروف پیکار نہیں ہوئے۔

(۴) یعنی لوگ اس واقعے کا تذکرہ پڑھ کر اندازہ لگالیں گے کہ اللہ تعالیٰ قلت تعداد کے باوجود مسلمانوں کا محافظ اور دشمنوں پر ان کو غالب کرنے والا ہے یا یہ روک لینا تمام موعودہ باتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی نشانی ہے۔

(۵) جیسی ہدایت پر استقامت عطا فرمائے یا اس نشانی سے تمہیں ہدایت میں اور زیادہ کرے۔

(۶) یہ بعد میں ہونے والی فتوحات اور ان سے حاصل ہونے والی غنیمت کی طرف اشارہ ہے جس طرح چار دیواری کر کے کسی چیز کو اپنے قبضے میں کر لیا جاتا ہے اور پھر اس کی بابت سب فکری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان فتوحات کو اپنے حیطہ اقتدار میں لیا ہوا ہے۔ یعنی گواہی تمہاری فتوحات کا دائرہ وہاں تک وسیع نہیں ہوا ہے لیکن اللہ نے انہیں تمہارے لیے اپنے قابو میں کیا ہوا ہے وہ جب چاہے گا تمہیں اس پر غلبہ عطا کر دے گا جس میں کوئی شک والی بات نہیں ہے اس لیے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بعض نے احاطہ کے معنی عَلِمَ کے کیے ہیں یعنی اسے معلوم ہے کہ وہ علاقے بھی تم فتح کرو گے۔

(۷) یہ حدیبیہ میں متوقع جنگ کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اگر یہ قریش مکہ صلح نہ کرتے بلکہ جنگ کا راستہ اختیار

سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَكُنْ تَوَحُّدًا لِسُنَّةِ
اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ
مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَدِينِ
مَعْلُوفًا ۖ إِنَّ يَبْلُغُ عِلْمَهُ كُلُّ شَيْءٍ ۚ إِنَّهُمْ قَوْمٌ مُّؤْمِنُونَ ۝

اللہ کے اس قاعدے کے مطابق جو پہلے سے چلا آیا ہے،^(۱) تو
کبھی بھی اللہ کے قاعدے کو بدلتا ہوا نہ پائے گا۔ (۲۳)

وہی ہے جس نے خاص مکہ میں کافروں کے ہاتھوں کو تم
سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک لیا اس کے بعد
کہ اس نے تمہیں ان پر غلبہ دے دیا تھا،^(۲) اور تم جو
کچھ کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ (۲۴)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے
روکا اور قریانی کے لیے موقوف جانور کو اس کی قربان گاہ
میں پہنچنے سے (روکا)۔^(۳) اور اگر ایسے (ہست سے)

کرتے تو یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے، کوئی ان کا مددگار نہ ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم وہاں تمہاری مدد کرتے اور
ہمارے مقابلے میں کس کو ٹھہرنے کی طاقت ہے؟

(۱) یعنی اللہ کی یہ سنت اور عادت پہلے سے چلی آ رہی ہے کہ جب کفر و ایمان کے درمیان فیصلہ کن معرکہ آرائی کا مرحلہ آتا
ہے تو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی مدد فرما کر حق کو سر بلند و عطا کرتا ہے، جیسے اس سنت اللہ کے مطابق بدر میں تمہاری مدد کی گئی۔

(۲) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیبیہ میں تھے تو کافروں نے ۸۰ آدمی جو ہتھیاروں سے
لیس تھے، اس نیت سے بھیجے کہ اگر انہیں موقع مل جائے تو دھوکے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے
خلاف کارروائی کریں چنانچہ یہ مسلح جتہ جبل خنیم کی طرف سے حدیبیہ میں آیا، جس کا علم مسلمانوں کو بھی ہو گیا اور
انہوں نے ہمت کر کے ان تمام آدمیوں کو گرفتار کر لیا اور بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا۔ ان کا جرم تو شدید تھا اور ان کو
جو بھی سزا دی جاتی، صحیح ہوتی۔ لیکن اس میں خطرہ بھی تھا کہ پھر جنگ ناگزیر ہو جاتی۔ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس
موقع پر جنگ کے بجائے صلح چاہتے تھے کیونکہ اسی میں مسلمانوں کا مفاد تھا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے ان سب کو معاف کر
کے چھوڑ دیا۔ (صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب قول اللہ تعالیٰ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ) بطن مکہ
سے مراد حدیبیہ ہے۔ یعنی حدیبیہ میں ہم نے تمہیں کفار سے اور کفار کو تم سے لڑنے سے روکا یہ اللہ نے احسان کے
طور پر ذکر فرمایا ہے۔

(۳) ہڈی اس جانور کو کہ جاتا ہے جو حاجی یا معتمر (عمہ کرنے والا) اپنے ساتھ گے لے جاتا تھا۔ یہ وہیں سے خرید کر ذبح
کرتا تھا مَحِلُّ (حل ہونے کی جگہ) سے مراد وہ قربان گاہ ہے جہاں ان کو لے جا کر ذبح کیا جاتا ہے جاہلیت کے زمانے
میں۔ یہ مقام معتمر کے لیے مردہ پہاڑی کے پاس اور حاجیوں کے لیے منی تھا اور اسلام میں ذبح کرنے کی جگہ مکہ منی
اور پورے حدود حرم ہیں۔ مَعْكُوفًا 'حال ہے۔ یعنی یہ جانور اس انتظار میں رکھے ہوئے تھے کہ گے میں داخل ہوں تاکہ

دیں گے یعنی انہوں نے اسے اپنی عزت اور وقار کا مسئلہ بنالیا۔ اسی کو حیت جاہلیہ کہا گیا ہے، کیونکہ خانہ کعبہ میں عبادت کے لیے آنے سے روکنے کا کسی کو حق حاصل نہیں تھا۔ قریش مکہ کے اس معاندانہ رویے کے جواب میں خطرہ تھا کہ مسلمانوں کے جذبات میں بھی شدت آجاتی اور وہ بھی اسے اپنے وقار کا مسئلہ بنا کر کے جانے پر اصرار کرتے، جس سے دونوں کے درمیان لڑائی چمک جاتی، اور یہ لڑائی مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک رہتی (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمادی یعنی انہیں صبر و تحمل کی توفیق دے دی اور وہ پیغمبر ﷺ کے ارشاد کے مطابق حدیبیہ میں ہی ٹھہرے رہے جوش اور جذبے میں آکر سکے جانے کی کوشش نہیں کی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس حیت جاہلیہ سے مراد قریش مکہ کا وہ رویہ ہے جو صلح کے لیے اور معاہدے کے وقت انہوں نے اختیار کیا۔ یہ رویہ اور معاہدہ دونوں مسلمانوں کے لیے بظاہر ناقابل برداشت تھا۔ لیکن انجام کے اعتبار سے چونکہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کا بہترین مفاد تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نہایت ناگواری اور گرانی کے باوجود اسے قبول کرنے کا حوصلہ عطا فرمادیا۔ اس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کے پیچھے ہوئے نمائندوں کی یہ بات تسلیم کر لی کہ اس سال مسلمان عمرے کے لیے مکہ نہیں جائیں گے اور یہیں سے واپس ہو جائیں گے تو پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاہدہ لکھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کے حکم سے 'بسم اللہ الرحمن الرحیم' لکھی۔ انہوں نے اس پر اعتراض کر دیا کہ 'رحمن' کو ہم نہیں جانتے۔ ہمارے ہاں جو لفظ استعمال ہوتا ہے اس کے ساتھ 'جنی بِأَسْمِکَ اللّٰہُمَّ' (اے اللہ! تیرے نام سے) لکھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسی طرح لکھوایا۔ پھر آپ ﷺ نے لکھوایا "یہ وہ دستاویز ہے جس پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اہل مکہ سے مصالحت کی ہے" قریش کے نمائندوں نے کہا "اختلاف کی بنیاد تو آپ ﷺ کی رسالت ہی ہے" اگر ہم آپ ﷺ کو رسول اللہ مان لیں تو اس کے بعد جھگڑا ہی کیا رہ جاتا ہے؟ پھر ہمیں آپ ﷺ سے لڑنے کی اور بیت اللہ میں جانے سے روکنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ آپ ﷺ یہاں محمد رسول اللہ کی جگہ "محمد بن عبد اللہ" لکھیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایسا ہی لکھنے کا حکم دیا۔ (یہ مسلمانوں کے لیے نہایت اشتعال انگیز صورت حال تھی، اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر سکینت نازل نہ فرماتا تو وہ کبھی اسے برداشت نہ کرتے) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے "محمد رسول اللہ" کے الفاظ مٹانے اور کانٹے سے انکار کر دیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ یہ لفظ کہاں ہے؟ بتانے کے بعد خود آپ ﷺ نے اسے اپنے دست مبارک سے مٹا دیا اور اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ تحریر کرنے کو فرمایا۔ اس کے بعد اس معاہدے یا صلح نامے میں تین باتیں لکھیں گئیں۔ ۱۔ اہل مکہ میں سے جو مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے گا اسے واپس کر دیا جائے گا۔ ۲۔ جو مسلمان اہل مکہ سے جا ملے گا وہ اس کو واپس کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔ ۳۔ مسلمان آئندہ سس کھے میں آئیں گے اور یہاں تین دن قیام کر سکیں گے، تاہم انہیں ہتھیار ساتھ لانے کی اجازت نہیں ہوگی (صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب صلح الحدیبیۃ فی الحدیبیۃ، اور اس کے ساتھ دو باتیں اور لکھی گئیں۔ ۱۔ اس سال لڑائی موقوف رہے گی۔ ۲۔ قبائل میں سے جو چاہے مسلمانوں کے ساتھ اور جو چاہے قریش کے ساتھ ہو جائے

بِهَا وَأَمَلَهَا وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۵﴾

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ لِيُظَاهِرَهُمْ فِي دِينِهِمْ وَمَا يَخْتَصِمُوا لَهُمْ أَوْ يُكْفِّرُوا عَنْهُمْ وَهُمْ يُظَاهِرُوهُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۶﴾

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَهُ

جملائے رکھا^(۱) اور وہ اس کے اہل اور زیادہ مستحق تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ (۲۶)

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خواب سچا دکھایا کہ ان شاء اللہ تم یقیناً پورے امن و امان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گے سر منڈواتے ہوئے اور سر کے بال کترواتے ہوئے (چمن کے ساتھ) نڈر ہو کر^(۲) وہ ان امور کو جانتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے^(۳) پس اس نے اس سے پہلے ایک نزدیک کی فتح تمہیں میسر کی۔^(۴) (۲۷) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے ہر دین پر غالب کرے^(۵) اور اللہ

(۱) اس سے مراد کلمہ توحید و رسالت لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ہے، جس سے حدیبیہ واسطے دن مشرکین نے انکار کیا (ابن کثیر) یا وہ صبر و وقار ہے جس کا مظاہرہ انہوں نے حدیبیہ میں کیا یا وہ وفائے عہد اور اس پر ثبات ہے جو تقویٰ کا نتیجہ ہے۔ (فتح القدیر)

(۲) واقعہ حدیبیہ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں مسلمانوں کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہو کر طواف و عمرہ کرتے ہوئے دکھایا گیا۔ نبی کا خواب بھی بمنزلہ وحی ہی ہوتا ہے۔ تاہم اس خواب میں یہ تعین نہیں تھی کہ یہ اسی سال ہو گا، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان اسے بشارت عظیم سمجھتے ہوئے عمرے کے لیے فوراً ہی آدہ ہو گئے اور اس کے لیے عام منادی کرادی گئی اور چل پڑے۔ بالآخر حدیبیہ میں وہ صلح ہوئی جس کی تفصیل ابھی گزری، وراں حالیکہ اللہ کے علم میں اس خواب کی تعبیر آئندہ سال تھی، جیسا کہ آئندہ سال مسلمانوں نے نہایت امن کے ساتھ یہ عمرہ کیا اور اللہ نے اپنے پیغمبر کے خواب کو سچا کر دکھایا۔

(۳) یعنی اگر حدیبیہ کے مقام پر صلح نہ ہوتی تو جنگ سے مکہ میں مقیم کمزور مسلمانوں کو نقصان پہنچتا، صلح کے ان فوائد کو اللہ ہی جانتا تھا۔

(۴) اس سے فتح خیبر و فتح مکہ کے علاوہ صلح کے نتیجے میں جو بہ کثرت مسلمان ہوئے وہ بھی مراد ہے، کیونکہ وہ بھی فتح کی ایک عظیم قسم ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ڈیڑھ ہزار تھے، اس کے دو سال بعد جب مسلمان مکہ میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے تو ان کی تعداد دس ہزار تھی۔

(۵) اسلام کا یہ غلبہ دیگر ادیان پر دلائل کے لحاظ سے تو ہر وقت مسلم ہے۔ تاہم دنیوی اور عسکری لحاظ سے بھی قرون اولیٰ اور اس کے مابعد عرصہ دراز تک جب تک مسلمان اپنے دین پر عامل رہے انہیں غلبہ حاصل رہا، اور آج بھی یہ

عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ وَكَفَى بِإِسْلَامِهِ شَهِيدًا ﴿٣٨﴾

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَلَ الَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ سَمَاءُ بَنِي
تَرَاهُمْ رُكَّاعًا سَاجِدًا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ فُصُوحٌ مِّنَ الْكِتَابِ وَهُوَ يَدْعُو إِلَى تَابِ
وِيهِمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ ذَلِكَ مَثَلٌ لِّمَن تَوَلَّى الْتَوْبَةَ وَمَثَلٌ لِّمَن
إِلَّا يَصِلُ إِلَى كَرْجٍ أَخْرَجَ شَطَاةً فَآزَدَهُ فَاسْتَعْلَفَ فَلَسَوَى
عَلَى سَوْقِهِ يُغِيبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَائِهِ الَّذِينَ
أَمَنُوا وَحِمَلُوا الْخَيْبَ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٥٠﴾

تعطیل کافی ہے گواہی دینے والا۔ (۲۸)

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے،^(۱) مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا انکھوا نکالا^(۲) پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا^(۳) تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے،^(۴) ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔^(۵) (۲۹)

ہادی غلبہ ممکن ہے بشرطیکہ مسلمان، مسلمان بن جائیں ﴿وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (آل عمران: ۱۳۹) یہ دین غالب ہونے کے لیے ہی آیا ہے، مغلوب ہونے کے لیے نہیں۔

(۱) انجیل پر وقف کی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ ان کی یہ خوبیاں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔ ان کی یہی خوبیاں تورات و انجیل میں مذکور ہیں۔ اور آگے کتزیع میں اس سے پہلے ہُنم محذوف ہو گا۔ اور بعض فی التوراة پر وقف کرتے ہیں یعنی ان کی مذکورہ صفت تورات میں ہے اور ﴿مُتَّعِلَمٌ فِي الْإِسْمِ﴾ کو کتزیع کے ساتھ دیتے ہیں۔ یعنی انجیل میں ان کی مثال مانند اس کیفیت کے ہے۔ (فتح القدیر)

(۴) شعبۂ اے سے پودے کا وہ پہلا ظہور ہے جو دانہ بھانڈ کر اللہ کی قدرت سے باہر نکلتا ہے۔

(۳) یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثال بیان فرمائی گئی ہے۔ ابتدا میں وہ قلیل تھے، پھر زیادہ اور مضبوط ہو گئے، جیسے کہتی ابتدا میں کمزور ہوتی ہے، پھر دن بدن قوی ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ مضبوط تنے پر وہ قائم ہو جاتی ہے۔

(۴) یا کافر غیظ و غضب میں مبتلا ہوں۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بڑھتا ہوا اثر و نفوذ اور ان کی روز افزوں قوت و طاقت، کافروں کے لیے غیظ و غضب کا باعث تھی، اس لیے کہ اس سے اسلام کا دائرہ پھیل رہا اور کفر کا دائرہ سمٹ رہا تھا۔ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض ائمہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض و عناد رکھنے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔ عداوہ ازیں اس فرقہ ضالہ کے دیگر عقائد بھی ان کے کفر پر ہی دال ہیں۔

(۵) اس پوری آیت کا ایک ایک جز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و فضیلت، اخروی مغفرت اور اجر عظیم کو واضح کر رہا

سُورَةُ الْحَجَرَاتِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا مِثْلَ مَا يَدْعِي اللَّهُ وَذُنُوبُهُ
وَأَعْلَوْا لِلَّهِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ①

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا كَمَا تَقُولُونَ لِلَّهِ
وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ
أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ②

سورہ حجرات مدنی ہے اور اس میں اٹھارہ آیتیں اور
دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمایت رحم والا ہے۔

اے ایمان والے! لوگو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے
نہ بڑھو^(۱) اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سننے
والا جاننے والا ہے۔ (۱)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور
نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک
دوسرے سے کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے اعمال
اکارت جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔^(۲) (۲)

ہے 'اس کے بعد بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان میں شک کرنے والا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو اسے کیوں کر دعوائے
مسلمانی میں سچا سمجھا جاسکتا ہے؟

☆ یہ سوال مفصل میں پہلی سورت ہے۔ حجرات سے نازعات تک کی سورتیں طَوَائِلُ مُفَصَّلِ کہلاتی ہیں۔ بعض نے
سورہ ق کو پہلی سورت قرار دیا ہے۔ (ابن کثیر و فتح القدیر) ان کا فجر کی نماز میں پڑھنا مسنون و مستحب ہے اور مہس سے
سورۃ الشمس تک اَوْسَاطُ مُفَصَّلِ اور سورہ ضحیٰ سے والناس تک قِصَارُ مُفَصَّلِ ہیں۔ ظہر اور عشا میں اَوْسَاطُ اور
مغرب میں قِصَارُ پڑھنی مستحب ہیں (امیر القامری)

(۱) اس کا مطلب ہے کہ دین کے معاملے میں اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہ کرو نہ اپنی سمجھ اور رائے کو ترجیح دو بلکہ اللہ اور
رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ اپنی طرف سے دین میں اضافہ یا بدعات کی ایجاد اللہ اور رسول ﷺ سے آگے بڑھنے کی
نپاک جسارت ہے جو کسی بھی صاحب ایمان کے لائق نہیں۔ اسی طرح کوئی فتویٰ قرآن و حدیث میں غور و فکر کے بغیر نہ
دیا جائے اور دینے کے بعد اگر اس کا نفع شرعی کے خلاف ہو ناواضح ہو جائے تو اس پر اصرار بھی اس آیت میں دیئے گئے
حکم کے منافی ہے۔ مومن کی شان تو اللہ و رسول ﷺ کے احکام کے سامنے سر تسلیم و اطاعت خم کر دینا ہے نہ کہ ان
کے مقابلے میں اپنی بات پر یا کسی امام کی رائے پر اڑے رہنا۔

(۲) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس ادب و تعظیم اور احترام و تکریم کا بیان ہے جو ہر مسلمان سے
مطلوب ہے۔ پہلا ادب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں جب تم آپس میں گفتگو کرو تو تمہاری آواز نبی صلی اللہ علیہ

إِنَّ الَّذِينَ يَفْعَلُونَ أَعْمَارَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ
الَّذِينَ اسْتَمَنَّ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ
وَلَهُمْ عِزٌّ عَظِيمٌ ۝

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْقِلُونَ ۝
وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ①

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ

یشک جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کے حضور میں اپنی
آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں
کو اللہ نے پرہیزگاری کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے
مغفرت ہے اور بڑا ثواب ہے۔ (۳)

جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں
سے اکثر (بالکل) بے عقل ہیں۔ (۴)
اگر یہ لوگ یہاں تک صبر کرتے کہ آپ خود سے نکل کر
ان کے پاس آجاتے تو یہی ان کے لیے بہتر ہوتا، (۵)
اور اللہ غفور و رحیم ہے۔ (۶)

اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی
اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو (۷) ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی

و سلم کی آواز سے بلند نہ ہو۔ دوسرا ادب، جب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرو تو نہایت وقار اور سکون سے کرو،
اس طرح اونچی اونچی آواز سے نہ کرو جس طرح تم آپس میں بے تکلفی سے ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو۔ بعض نے
کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا محمد یا احمد نہ کہو بلکہ ادب سے یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرو اگر ادب و احترام کے
ان تقاضوں کو ملحوظ نہ رکھو گے تو بے ادبی کا احتمال ہے جس سے بے شعوری میں تمہارے عمل برباد ہو سکتے ہیں اس تہیت
کی شان نزول کے لیے دیکھئے صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الحجرات، تاہم حکم کے اعتبار سے یہ عام ہے۔

(۱) اس میں ان لوگوں کی تعریف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلالت کا خیال رکھتے ہوئے اپنی
آوازیں پست رکھتے تھے۔

(۲) یہ آیت قہید بنو قہیم کے بعض اعرابوں (منوار قسم کے لوگوں) کے بارے میں نازل ہوئی، جنہوں نے ایک روز دوپہر
کے وقت، جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبولے کا وقت تھا، حجرے سے باہر کھڑے ہو کر عامیانہ انداز سے یا محمد یا محمد کی
آوازیں لگائیں تاکہ آپ ﷺ باہر تشریف لے آئیں (مسند احمد ۳، ۳۸۸، ۶/۳۹۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان کی
اکثریت بے عقل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان اور آپ ﷺ کے ادب و احترام
کے تقاضوں کا خیال نہ رکھنا، بے عقلی ہے۔

(۳) یعنی آپ ﷺ کے نکلنے کا انتظار کرتے اور آپ ﷺ کو نہادینے میں جلد بازی نہ کرتے تو دین و دنیا دونوں ہی ظ سے بہتر ہوتا۔

(۴) اس لیے مواخذہ نہیں فرمایا بلکہ آئندہ کے لیے ادب و تعظیم کی تاکید بیان فرمادی

(۵) یہ آیت اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جنہیں رسول اللہ صلی

تُؤْمِنُوا قَوْلًا بِحَالِهِ فَتَصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ مُذْمُومِينَ ۝

وَأَعْلَمُوا أَنَّ فِتْنَتَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُمْ وَلَٰكِن لَّهٗ حَكَمٌ إِلَيْكُمْ الْإِيمَانُ وَذَنبُهُ فِي قُلُوبِكُمْ
وَلَقَدْ إِلَيْكُمْ الْكَفَرُ وَالْفُسُوقُ وَالْعِصْيَانُ أُولَٰئِكَ
هُمُ الرَّاشِدُونَ ۝

فَضَّلَا مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَ اللَّهُ وَهُوَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

وَلَكِن طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا

قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔ (۶)

اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں، اگر وہ تمہارا کما کرتے رہے بہت امور میں، تو تم مشکل میں پڑ جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور کفر کو اور گناہ کو اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا ہے، یہی لوگ راہ یافتہ ہیں۔ (۷)

اللہ کے احسان و انعام سے (۸) اور اللہ دانا اور با حکمت ہے۔ (۸)

اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرا دیا کرو۔ (۹) پھر اگر ان دونوں میں سے

اللہ علیہ وسلم نے بنو المصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن انہوں نے آکریوں ہی رپورٹ دے دی کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے جس پر آپ ﷺ نے ان کے خلاف فوج کشی کا ارادہ فرمایا، تاہم پھر یہ لگ گیا کہ یہ بات غلط تھی اور ولید بہت تودہاں گئے ہی نہیں۔ لیکن سند اور امر واقعہ دونوں اعتبار سے یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اس لئے اسے ایک صحابی رسول ﷺ پر چسپاں کرنا صحیح نہیں ہے۔ تاہم شان نزول کی بحث سے قطع نظر اس میں ایک نہایت ہی اہم اصول بیان فرمایا گیا ہے جس کی انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر نہایت اہمیت ہے۔ ہر فرد اور ہر حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کے پاس جو بھی خبر یا اطلاع آئے بالخصوص بدکردار، فاسق اور مفسد قسم کے لوگوں کی طرف سے، تو پہلے اس کی تحقیق کی جائے تاکہ غلط فہمی میں کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو۔

(۱) جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی تعظیم اور اطاعت کرو، اس لئے کہ وہ تمہارے مصالح زیادہ بہتر جانتے ہیں، کیونکہ ان پر وحی اترتی ہے۔ پس تم ان کے پیچھے چلو، ان کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش مت کرو۔ اس لئے کہ اگر وہ تمہاری پسند کی باتیں ماننا شروع کر دیں تو اس سے تم خود ہی زیادہ مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَا تَتَّبِعُوا لِقَاؤَهُمْ لَقَدْ اتَّيْتُمُوهُمْ وَالْأَرْضَ وَنَحْنُ بَيْنَهُمْ ۝ (المؤمنون ۱۷)

(۲) یہ آیت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت، ان کے ایمان اور ان کے رشد و ہدایت پر ہونے کی واضح دلیل ہے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔

(۳) اور اس صلح کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں قرآن و حدیث کی طرف بلایا جائے یعنی ان کی روشنی میں ان کے اختلاف کا حل تلاش کیا جائے۔

فَلَنْ يَغْتَابَ احِدًا مِّنْ اَصْحَابِ الْاُخْرَىٰ فَكَانَ الرَّسُولُ يَتَفَقَّحُ فِيهِمْ
اِلَّا اَمْرًا لَّهِ فَاَمَرَتْ فَاَصْلَحُوا يَعْنِي مَالِ الْعَدْلِ وَاَقْسَطُوا
اِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ اَخَوِيكُمْ وَأَقْسَطُوا
لِعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ ۝

ایک جماعت دو سری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے،^(۱) اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرادو^(۲) اور عدل کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔^(۳) (۹)

(یاد رکھو) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرادیا کرو^(۴) اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔^(۵) (۱۰)

(۱) یعنی اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کے مطابق اپنا اختلاف دور کرنے پر آمادہ نہ ہو، بلکہ بغاوت کی روش اختیار کرے تو دوسرے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ سب مل کر بغاوت کرنے والے گروہ سے لڑائی کریں تاکہ وہ اللہ کے حکم کو ماننے کے لیے تیار ہو جائے۔

(۲) یعنی باغی گروہ، بغاوت سے باز آجائے تو پھر عدل کے ساتھ یعنی قرآن و حدیث کی روشنی میں دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرادی جائے۔

(۳) اور ہر معاملے میں انصاف کرو، اس لیے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور اس کی یہ پسند اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ انصاف کرنے والوں کو بہترین جزا سے نوازے گا۔

(۴) یہ پچھلے حکم کی ہی تاکید ہے۔ یعنی جب مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں تو ان سب کی اصل ایمان ہوئی۔ اس لیے اس اصل کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ ایک ہی دین پر ایمان رکھنے والے آپس میں نہ لڑیں بلکہ ایک دوسرے کے دست و بازو، ہمدرد و غم گسار اور مونس و خیر خواہ بن کر رہیں۔ اور کبھی غلط فہمی سے ان کے درمیان بعد اور نفرت پیدا ہو جائے تو اسے دور کر کے انہیں آپس میں دوبارہ جوڑ دیا جائے۔ (مزید دیکھئے سورۃ توبہ، آیت ۱۰ کا حاشیہ)۔

(۵) اور ہر معاملے میں اللہ سے ڈرو، شاید اس کی وجہ سے تم اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پا جاؤ۔ (نورحی، امید والی بات) مخاطب کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ اللہ کی رحمت تو اہل ایمان و تقویٰ کے لیے یقینی ہے۔

اس آیت میں باغی گروہ سے قتال کا حکم ہے دراصل حالیکہ حدیث میں مسلمان سے قتال کو کفر کہا گیا ہے۔ تو یہ کفر اس وقت ہو گا جب بلاوجہ مسلمان سے قتال کیا جائے۔ لیکن اس قتال کی بنیاد اگر بغاوت ہے تو یہ قتال نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کا حکم دیا گیا ہے جو تاکید و استحباب پر دال ہے۔ اسی طرح باغی گروہ کو قرآن نے مومن ہی قرار دیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف بغاوت سے، جو کبیرہ گناہ ہے، وہ گروہ ایمان سے خارج نہیں ہو گا۔ جیسا کہ خوارج اور بعض معتزہ کا عقیدہ ہے کہ مرکب کبائر ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ اب بعض نہایت اہم اخلاقی ہدایات مسلمانوں کو دی جا رہی ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا قَوْمًا مِّن قَوْمٍ عَلَىٰ أَن يَكُونُوا أَعْيَارًا
وَمَن لَّمْ يَسَاءَلْهُمْ عَنْهُ عَلَىٰ أَن يُكُنَّ حَيَرًا مِّنْهُمْ
وَلَا تَتَّبِعُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِاللِّغَابِ بِغَيْرِ الْحَدِّ الْمُنْقَضِ
بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبَّ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ①

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ

اے ایمان والو! مردودو سرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں
ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں کا
مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں^(۱) اور
آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ^(۲) اور نہ کسی کو
برے لقب دو۔^(۳) ایمان کے بعد فسق برائنام ہے^(۴) اور
جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں۔^(۵)

اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو یقین
مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔^(۵) اور بھید نہ ٹٹولا

(۱) ایک شخص دوسرے کسی شخص کا استہزا یعنی اس سے مسخرہ اپنی اسی وقت کرتا ہے جب وہ اپنے کو اس سے بہتر اور اس کو
اپنے سے حقیر اور کمتر سمجھتا ہے۔ حالانکہ اللہ کے ہاں ایمان و عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور کون نہیں؟ اس کا علم صرف اللہ
کو ہے۔ اس لیے اپنے کو بہتر اور دوسرے کو کم تر سمجھنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے۔ بتائیں آیت میں اس سے منع فرمایا گیا ہے
اور کہتے ہیں کہ عورتوں میں یہ اخلاقی بیماری زیادہ ہوتی ہے اس لیے عورتوں کا الگ ذکر کر کے انہیں بھی بطور خاص اس سے
روک دیا گیا ہے۔ اور حدیث رسول ﷺ میں لوگوں کے حقیر سمجھنے کو کبر سے تعبیر کیا گیا ہے الْكِبَرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَنَطُ
النَّاسِ (ابوداؤد) کتاب اللباس باب ما جاء فی الکبر اور کبر اللہ کو نہایت ہی ناپسند ہے۔

(۲) یعنی ایک دوسرے پر طعن زنی مت کرو مثلاً تو تو فلاں کا بیٹا ہے تیری ماں ایسی دیسی ہے تو فلاں خاندان کا ہے نا وغیرہ۔

(۳) یعنی اپنے طور پر استہزا اور تحقیر کے لیے لوگوں کے ایسے نام رکھ لینا جو انہیں ناپسند ہوں۔ یا اچھے بھلے ناموں کو بگاڑ
کر بونا یہ تناہز باللقاب ہے جس کی یہاں ممانعت کی گئی ہے۔

(۴) یعنی اس طرح نام بگاڑ کر یا برے نام تجویز کر کے بلانا یا قبول اسلام اور توبہ کے بعد اسے سابقہ دین یا گناہ کی طرف
منسوب کر کے خطاب کرنا مثلاً اے کافر اے زانی یا شرابی وغیرہ یہ بہت برا کام ہے۔ الا نسم یہاں الذنور کے معنی میں
ہے یعنی اِنْسَمُ الَّذِي يُذَكَّرُ بِالْعِصْيِ بَعْدَ دُخُولِهِمْ فِي الْإِيمَانِ (فتح القدیر) البتہ اس سے بعض وہ صفاتی نام
بعض حضرات کے نزدیک مستثنیٰ ہیں جو کسی کے لیے مشہور ہو جائیں اور وہ اس پر اپنے دل میں رنج بھی محسوس نہ کریں
جیسے لنگڑے پن کی وجہ سے کسی کا نام لنگڑا پڑ جائے۔ کالے رنگ کی بنا پر کالا یا کالا مشہور ہو جائے۔ وغیرہ (القرطبی)

(۵) ظن کے معنی ہیں گمان کرنا۔ مطلب ہے کہ اہل خیر و اہل اصلاح و تقویٰ کے بارے میں ایسے گمان رکھنا جو بے اصل
ہوں اور ہمت و افترا کے ضمن میں آتے ہوں اسی لیے اس کا ترجمہ بدگمانی کیا جاتا ہے۔ اور حدیث میں اس کو أَخَذْتُ
الْحَدِيثَ (سب سے بڑا جھوٹ) کہہ کر اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ (البخاری) کتاب الأدب باب
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ صحيح مسلم کتاب البر باب تحريم الظن والتجسس

إِسْمَ وَلَا تَحْسَبُوا أَنَّ الْقَبْطَ بَعْضُ الْيَهُودِ أَمْ يَكُلُّ
لَعَنَ عَلَيْهِمُ مَيْتَاتُكُم مَّتَّوًى وَأَنْتُمْ كُنْتُمْ كُفْرًا ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ ﴿۱۶﴾

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ
لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱۷﴾

کرو^(۱) اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔^(۲) تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے کھن آئے گی،^(۳) اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (۱۶)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے^(۴) اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کہنے اور قبیلے بنا دینے^(۵) ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب

ورنہ فسق و فجور میں مبتلا لوگوں سے ان کے گناہوں کی وجہ سے اور ان کے گناہوں پر بدگمانی رکھنا یہ وہ بدگمانی نہیں ہے جسے یہاں گناہ کہا گیا ہے اور اس سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے۔ إِنَّ الطُّغْيَانَ الْقَبِيحَ بِمَنْ ظَاهِرُهُ الْخَبِيرُ، لَا يَحْجُوزُ، وَإِنَّهُ لَا حَرَجَ مِمَّنِ الظُّلْمِ الْقَبِيحِ بِمَنْ ظَاهِرُهُ الْقَبِيحُ (العروطی)

(۱) یعنی اس نوہ میں رہنا کہ کوئی خالی یا عیب معلوم ہو جائے تاکہ اسے بدنام کیا جائے، یہ تجسس ہے جو منع ہے اور حدیث میں بھی اس سے منع کیا گیا ہے۔ بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی کی خالی کوتاہی تمہارے علم میں آجائے تو اس کی پردہ پوشی کرو۔ نہ کہ اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے پھرو، بلکہ جستجو کر کے عیب تلاش کرو۔ آج کل حریت اور آزادی کا بوجھ چا ہے۔ اسلام نے بھی تجسس سے روک کر انسان کی حریت اور آزادی کو تسخیم کیا ہے لیکن اس وقت تک جب تک وہ کھلے عام بے حیائی کا ارتکاب نہ کرے یا جب تک وہ مردوں کے لیے ایذا کا باعث نہ ہو۔ مغرب نے مطلق آزادی کا درس دے کر لوگوں کو فساد عام کی اجازت دے دی ہے جس سے معاشرے کا تمام امن و سکون برباد ہو گیا ہے۔

(۲) غیبت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے سامنے کسی کی برائیوں اور کوتاہیوں کا ذکر کیا جائے جسے وہ برا سمجھے اور اگر اس کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جائیں جو اس کے اندر موجود ہی نہیں ہیں تو وہ بہتان ہے۔ اپنی اپنی جگہ دونوں ہی بڑے جرم ہیں۔

(۳) یعنی کسی مسلمان بھائی کی کسی کے سامنے برائی بیان کرنا ایسے ہی ہے جیسے مردار بھائی کا گوشت کھانا۔ مردار بھائی کا گوشت کھانا تو کوئی پسند نہیں کرتا۔ لیکن غیبت لوگوں کی نہایت مرغوب غذا ہے۔

(۴) یعنی آدم و حوا علیہما السلام سے۔ یعنی تم سب کی اصل ایک ہی ہے ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو مطلب ہے کسی کو محض خاندان اور نسب کی بنا پر فخر کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ سب کا نسب حضرت آدم علیہ السلام سے ہی جا کر ملتا ہے (۵) شُعُوت، شُعُوت کی جمع ہے برادری یا بڑا قبیلہ شعب کے بعد قبیلہ، پھر عمارہ، پھر بطن، پھر نصیب اور پھر عشیرہ ہے (فتح القدیر) مطلب یہ ہے کہ مختلف خاندانوں، برادریوں اور قبیلوں کی تقسیم محض تعارف کے لیے ہے۔ تاکہ آپس میں

میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔^(۱)

یقین مانو کہ اللہ واثق اور باخبر ہے۔ (۱۳)

دیساقی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجئے کہ درحقیقت تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے (مخالفت چھوڑ کر مطیع ہو گئے) حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔^(۲) تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی فرہم برداری کرنے لگو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا۔

بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۴)

مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں پھر شک و شبہ نہ کریں اور اپنے مانوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں (اپنے دعوائے ایمان میں) یہی سچے اور راست گو ہیں۔^(۳) (۱۵)

کہہ دیجئے! کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دینداری سے

قَالَ اَلْاَعْرَابُ اَمَّا قُلْ لَّهٗ تَوَكَّلُوْا وَلٰكِنْ قَوْلَآءُ سَلَمٰنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَذٰلِكَ نَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَّا يَلِيْكُمْ مِنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْءًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اِنَّهَا الْمُتَوَكِّلُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجِهًا وَّآخَرًا بِاَمُوْلِهِمْ وَانْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

قُلْ اَتَعْلَمُوْنَ اَللّٰهُ يَدْبِرُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

صلہ رحمی کر سکو۔ اس کا مقصد ایک دوسرے پر برتری کا اظہار نہیں ہے۔ جیسا کہ بد قسمتی سے حسب نسب کو برتری کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ حالانکہ اسلام نے آکر اسے مٹایا تھا اور اسے جاہلیت سے تعبیر کیا تھا۔

(۱) یعنی اللہ کے ہاں برتری کا معیار خاندان، قبیلہ اور نسل و نسب نہیں ہے جو کسی انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ معیار تقویٰ ہے جس کا اختیار کرنا انسان کے ارادہ و اختیار میں ہے۔ یہی آیت ان عطا کی دیں ہے جو نکاح میں کفالت نسب کو ضروری نہیں سمجھتے اور صرف دین کی بنیاد پر نکاح کو پسند کرتے ہیں (ابن کثیر)

(۲) بعض مفسرین کے نزدیک ان اعراب سے مراد بنو اسد اور خزیمہ کے منافقین ہیں جنہوں نے قحط سالی میں محض صدقات کی وصولی کے لیے یا قتل ہونے اور قیدی بننے کے اندیشے کے پیش نظر زبان سے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ ان کے دل ایمان، اعتقاد صحیح اور خلوص نیت سے خالی تھے (فتح القدیر) لیکن امام ابن کثیر کے نزدیک ان سے وہ اعراب (بادیہ نشین) مراد ہیں جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور ایمان ابھی ان کے اندر پوری طرح راسخ نہیں ہوا تھا لیکن دعویٰ انہوں نے اپنی اصل حیثیت سے بڑھ کر ایمان کا کیا تھا۔ جس پر انہیں یہ ادب سکھایا گیا کہ پہلے مرتبے پر ہی ایمان کا دعویٰ صحیح نہیں۔ آہستہ آہستہ ترقی کے بعد تم ایمان کے مرتبے پر پہنچو گے۔

(۳) نہ کہ وہ جو صرف زبان سے اسلام کا اظہار کر دیتے ہیں اور مذکورہ اعمال کا سرے سے کوئی اہتمام ہی نہیں کرتے۔

وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي شَيْءٍ عَدُوٌّ ⑤

يَقُولُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَسْتَوُوا عَلَىٰ إِسْلَامِكُمْ بَلْ

اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَذَا كُودٌ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ

صَادِقِينَ ⑥

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بَيْنَا

تَعْمَلُونَ ⑦

آگاہ کر رہے ہو' ① اللہ ہر اس چیز سے جو آسمانوں
میں اور زمین میں ہے بخوبی آگاہ ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا
جاننے والا ہے۔ ②

اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔ آپ
کہہ دیجئے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ
رکھو، بلکہ دراصل اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے
تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم راست گو ہو۔ ③ (۱۷)

یقین مانو کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ خوب
جانتا ہے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ خوب دیکھ
رہا ہے۔ ④ (۱۸)

سورۃ ق کی ہے اور اس میں پینتالیس آیتیں اور
تین رکوع ہیں۔

سُورَةُ ق

(۱) تعلیم، یہاں اعلام اور اخبار کے معنی میں ہے۔ یعنی اَمَّا کہہ کر تم اللہ کو اپنے دین و ایمان سے آگاہ کر رہے ہو؟ یا
اپنے دلوں کی کیفیت اللہ کو بتا رہے ہو؟

(۲) تو کیا تمہارے دلوں کی کیفیت پر یا تمہارے ایمان کی حقیقت سے وہ آگاہ نہیں؟

(۳) یہی اعراب نبی ﷺ کو کہتے کہ دیکھو ہم مسلمان ہو گئے اور آپ ﷺ کی مدد کی 'جب کہ دوسرے عرب آپ
ﷺ سے برسرِ پیکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرماتے ہوئے فرمایا 'تم اللہ پر اسلام لانے کا احسان مت جتاؤ' اس لیے
کہ اگر تم اخلاص سے مسلمان ہوئے ہو تو اس کا فائدہ تمہیں ہی ہو گا نہ کہ اللہ کو۔ اس لیے یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ
اس نے تمہیں قبولِ اسلام کی توفیق دے دی نہ کہ تمہارا احسان اللہ پر ہے۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز میں سورۃ ق اور أَفْتَرَبَتِ الشَّاعَةَ پڑھا کرتے تھے (صحیح مسلم، باب
ما یقرأ فی صلاۃ العیدین) ہر جمعے کے خطبے میں بھی پڑھتے تھے (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب
تضعیف الصلوۃ والحطبة) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ عیدین اور جمعے میں پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ بڑے
مجموعوں میں یہ سورت پڑھا کرتے تھے، کیونکہ اس میں ابتدائے خلق، بعث و نشور، معاود و قیام، حساب، جنت و دوزخ،
ثواب و عتاب اور ترغیب و ترہیب کا بیان ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قَالَ وَالْقُرْآنَ لَنَجِدَ ۝

ق! بہت بڑی شان والے اس قرآن کی قسم ہے۔^(۱)

بلکہ انہیں تعجب معلوم ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک آگاہ کرنے والا آیا تو کافروں نے کہا کہ یہ ایک عجیب چیز ہے۔^(۲)

کیا جب ہم مرکز مٹی ہو جائیں گے۔ پھر یہ واپسی دور (از عقل) ہے۔^(۳)

زمین جو کچھ ان میں سے گھنٹی ہے وہ ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس سب یاد رکھنے والی کتاب ہے۔^(۴) بلکہ انہوں نے جی بات کو جھوٹ کہا ہے جبکہ وہ ان کے پاس پہنچ چکی ہیں وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں۔^(۵)

بَلْ يَحْسِبُونَ أَنَّهُمْ مُّؤْتَدُونَ ۝
هَذَا شَيْءٌ عَجِیْبٌ ۝

مَرَدُّ امْتِنَانٍ وَكُنَّا اِثْرَابًا ۝ ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِیْدٌ ۝

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ لَآدُمْ ۝ وَهُمْ قَدْ عَلِمْنَا كِتٰبَ حَفِیْظٍ ۝

بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۝ فَهُمْ فِيْٓ اٰفْرَاقٍ ۝

(۱) اس کا جواب قسم محذوف ہے لَنَجِدُنَّ (تم ضرور قیامت والے دن اٹھائے جاؤ گے) بعض کہتے ہیں اس کا جواب مابعد کا مضمون کلام ہے جس میں نبوت اور معاد کا اثبات ہے۔ (فتح القدیر و ابن کثیر)

(۲) حالانکہ اس میں کوئی تعجب والی بات نہیں ہے۔ ہر نبی اسی قوم کا ایک فرد ہوتا تھا جس میں اسے مبعوث کیا جاتا تھا۔ اسی حساب سے قریش مکہ کو ڈرانے کے لیے قریش ہی میں سے ایک شخص کو نبوت کے لیے چن لیا گیا۔

(۳) حالانکہ عقلی طور پر اس میں بھی کوئی استحالہ نہیں ہے۔ آگے اس کی کچھ وضاحت ہے۔

(۴) یعنی زمین انسان کے گوشت، ہڈی اور بال وغیرہ کو بوسیدہ کر کے کھا جاتی ہے یعنی اسے ریزہ ریزہ کر دیتی ہے وہ نہ صرف ہمارے علم میں ہے بلکہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بھی درج ہے۔ اس لیے ان تمام اجزاء کو جمع کر کے انہیں دوبارہ زندہ کر دینا ہمارے لیے قطعاً مشکل امر نہیں ہے۔

(۵) حَقُّ (سچی بات) سے مراد قرآن اسلام یا نبوت محمدیہ ہے، مفہوم سب کا ایک ہی ہے مَرِیْعَ کے معنی قحط، مضطرب یا مبتس کے ہیں یعنی ایسا معاملہ جو ان پر مشتبہ ہو گیا ہے جس سے وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں، کبھی اسے جادو گر کہتے ہیں، کبھی شاعر اور کبھی کاہن۔

أَقْلَوْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ تَبْدِئُهَا وَتَنْتَهِا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ①

وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَالْفَيْصَافِيهَا رَوَابِي وَأَثْنَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ نَوْجٍ يَهْبِجُ ②

تَبْصِرَةً وَذِكْرَى يَكُلُّ عَنْهَا مُنِيْبٌ ③

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبْرَكًا فَأَنبَتْنَا بِهِ حَبْلًا وَحَبَّةَ الْحَبِيدِ ④

وَالنَّخْلُ بِنَقْلٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ ⑤

کیا انہوں نے آسمان کو اپنے اوپر نہیں دیکھا؟ کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے^(۱) اور زینت دی ہے^(۲) اس میں کوئی شکاف نہیں۔^(۳) (۶)

اور زمین کو ہم نے بچھا دیا ہے اور اس میں ہم نے پہاڑ ڈال دیئے ہیں اور اس میں ہم نے قسم قسم کی خوشنما چیزیں اگادی ہیں۔^(۴) (۷)

تاکہ ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے پینائی اور دانائی کا ذریعہ ہو۔^(۵) (۸)

اور ہم نے آسمان سے بارگاہ پانی برسایا اور اس سے باغات اور کٹنے والے کھیت کے غلے پیدا کیے۔^(۶) (۹)

اور کھجوروں کے بلند و بالا درخت جن کے خوشے بہ بہ ہیں۔^(۷) (۱۰)

(۱) یعنی بغیر ستون کے 'جن کا اسے کوئی سارا ہو۔

(۲) یعنی ستاروں سے اسے مزین کیا۔

(۳) اسی طرح کوئی فرق و تفاوت بھی نہیں ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ مِثْلًا مَّا تَرَى فِي خَلْقِ الزَّخْمِينَ مِنْ تَفْوُتٍ نَارِجٍ لِبَصَرٍ هَلْ تَرَى مِنْ فُطُورٍ﴾ ﴿تَوَّابٍ بَصُورٍ تَوَكَّلْ عَلَى إِلَهِكَ الْبَصَرُ حَاسِبًا وَهُوَ خَبِيرٌ﴾ — المملک ۳۳

(۴) اور بعض نے زوج کے معنی جوڑا کیے ہیں۔ یعنی ہر قسم کی نباتات اور اشیا کو جوڑا جوڑا (نر اور مادہ) بنایا ہے۔ یہبہج کے معنی 'خوش منظر' شاداب اور حسین۔

(۵) یعنی آسمان و زمین کی تخلیق اور دیگر اشیا کا مشاہدہ اور ان کی معرفت ہر اس شخص کے لیے بصیرت و دانائی اور عبرت و نصیحت کا باعث ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔

(۶) کٹنے والے غلے سے مراد وہ کھیتیاں ہیں جن سے گندم، مکئی، جوار، باجرہ، دالیس اور چاول وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور پھر ان کا ذخیرہ کر لیا جاتا ہے۔

(۷) نَاسِقَاتٍ کے معنی طَوَّالَا شَاقَاتٍ 'بلند و بالا طلع' کھجور کا وہ گدرا گدرا پھل 'جو پیسے پھل نکلتا ہے۔ نَضِيدٌ کے معنی بہ بہ۔ باغات میں کھجور کا پھل بھی آجاتا ہے۔ لیکن اسے الگ سے بطور خاص ذکر کیا، جس سے کھجور کی وہ اہمیت واضح ہے جو عرب میں اسے حاصل ہے۔

بندوں کی روزی کے لیے اور ہم نے پانی سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح (قبروں سے) نکلتا ہے۔^(۱۱)
ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور رس والوں^(۱۲) نے اور ثمود نے۔^(۱۳)

اور عاد نے اور فرعون نے اور برادران لوط نے۔^(۱۴)
اور ایک^(۱۵) والوں نے اور تبع کی قوم^(۱۶) نے بھی تکذیب کی تھی۔ سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا^(۱۷) پس میرا وعدہ عذاب ان پر صادق آیا۔^(۱۸)

کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے سے تھک گئے؟^(۱۹) بلکہ یہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَآٰحِبِّيْنَآيِهٖ بَلَدًا مِّمَّا كُنْتُمْ اَخْرَجُوْۤا ۝۱۱

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطٰغُوْتِهِمْ وَاَصْحٰبُ الرِّیْسِ وَثَمُوْدُ ۝۱۲

وَعَادَ وَفِرْعَوْنُ وَآٰخٰوَانُ لُوطَ ۝۱۳

وَاَصْحٰبُ الْاٰیٰتِ وَقَوْمٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ ۚ كُلُّ كٰذِبٍ رُّسُلٍ ۝۱۴

فَعَقُوْۤا وَبَعِیْدُ ۝۱۵

اَفَعِیْبُنَا بِالْخَلْقِ اِلٰٓءَ اَوَّلَ بَلٍّ فُعُوْا لٰنَبِیْۤا مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۝۱۶

(۱) یعنی جس طرح بارش سے مردہ زمین کو زندہ اور شاداب کر دیتے ہیں اسی طرح قیامت والے دن ہم قبروں سے انسانوں کو زندہ کر کے نکال لیں گے۔

(۲) أَصْحَابُ الرِّیْسِ کی تعین میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ امام ابن جریر طبری نے اس قول کو ترجیح دی ہے جس میں انہیں اصحاب اُحدود قرار دیا گیا ہے جس کا ذکر سورۃ بروج میں ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے ابن کثیر وفتح القدیر سورۃ الفرقان آیت ۳۸)

(۳) أَصْحَابُ الْاٰیٰتِ کے لیے دیکھئے سورۃ الشعراء آیت ۷۶ کا حاشیہ۔

(۴) قَوْمٌ تَبِیْعَ کے لیے دیکھئے سورۃ الدخان آیت ۳۷ کا حاشیہ۔

(۵) یعنی ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے گویا آپ ﷺ کو کما ج رہا ہے کہ آپ ﷺ اپنی قوم کی طرف سے اپنی تکذیب پر غمگین نہ ہوں اس لیے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ ﷺ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ان کی قوموں نے یہی معاملہ کیا۔ دوسرے اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ سچے قوموں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو دیکھ لو ان کا کیا انجام ہوا؟ کیا تم بھی اپنے لیے یہی انجام پسند کرتے ہو؟ اگر یہ انجام پسند نہیں کرتے تو تکذیب کا راستہ چھوڑ دو اور پیغمبر ﷺ پر ایمان لے آؤ۔

(۶) کہ قیامت والے دن دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لیے مشکل ہو گا۔ مطلب یہ ہے کہ جب پہلی مرتبہ پیدا کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں تھا تو دوبارہ زندہ کرنا تو پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ۞ وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَهُوَ اَقْوَمُ عَلَیْہِ ۝۱۷ (الروم ۲۷) سورۃ یٰسین آیت ۷۸-۷۹ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اور حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ابن آدم یہ کہہ کر مجھے ایذا پہنچاتا ہے کہ اللہ مجھے ہرگز دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے جس طرح اس نے پہلی مرتبہ مجھے پیدا کیا۔ حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے“ یعنی اگر مشکل ہے تو

لوگ غی پیدائش کی طرف سے شک میں ہیں۔^(۱۵)
 ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو
 خیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم واقف ہیں^(۱۶) اور ہم اس
 کی رگ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔^(۱۷)
 جس وقت دو لینے والے جا لیتے ہیں ایک دائیں طرف
 اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔ (۱۷)
 (انسان) منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر کہ اس کے
 پاس نگہبان تیار ہے۔^(۱۸)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَفَعَّلْنَاهُ مَّا يُشِيقُ بِهِ نَفْسُهُ وَكُنَّا قَرِيبَ
 إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝

إِذْ تَلَقَّى التَّطَلُّعِينَ عَنِ الْيَمِينِ وَالْغَمَامِ قَبِيضًا ۝

مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝

پہلی مرتبہ پیدا کرنا کہ دوسری مرتبہ البخاری تفسیر مسوودۃ الإخلاص

(۱) یعنی یہ اللہ کی قدرت کے منکر نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ انہیں قیامت کے وقوع اور اس میں دوبارہ زندگی کے
 بارے میں ہی شک ہے۔

(۲) یعنی انسان جو کچھ چھپاتا اور دل میں مستور رکھتا ہے وہ سب ہم جانتے ہیں۔ وسوسہ دل میں گزرنے والے خیالات
 کو کہا جاتا ہے جس کا علم اس انسان کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ ان وسوسوں کو بھی جانتا ہے۔ اسی لیے حدیث
 میں آتا ہے ”اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل میں گزرنے والے خیالات کو معاف فرما دیا ہے یعنی ان پر گرفت نہیں
 فرمائے گا۔ جب تک وہ زبان سے ان کا اظہار یا ان پر عمل نہ کرے۔“ البخاری کتاب الأيمان باب إذا حدث
 ناسب فی الأيمان مسلم باب تجاوز الله عن حديث النفس والخواطر بالقلب إذا لم تستقر

(۳) ”وَرَبِّدْ“ شہ رگ یا رگ جان کو کہا جاتا ہے جس کے کٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہ رگ حلق کے ایک کنارے
 سے انسان کے کندھے تک ہوتی ہے۔ اس قرب سے مراد قرب علمی ہے یعنی علم کے لحاظ سے ہم انسان کے بالکل بلکہ
 اتنے قریب ہیں کہ اس کے نفس کی باتوں کو بھی جانتے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ نَحْرُ سے مراد فرشتے ہیں۔ یعنی
 ہمارے فرشتے انسان کی رگ جان سے بھی قریب ہیں۔ کیونکہ انسان کے دائیں بائیں دو فرشتے ہر وقت موجود رہتے
 ہیں وہ انسان کی ہر بات اور عمل کو نوٹ کرتے ہیں ﴿يَتَلَفَّظُ التَّطَلُّعِينَ﴾ کے معنی ہیں يَأْخُذَانِ وَيَقْتَتِلَانِ امام شوکانی
 نے اس کا مطلب بیان کیا ہے کہ ہم انسان کے تمام احوال کو جانتے ہیں بغیر اس کے کہ ہم ان فرشتوں کے محتاج ہوں
 جن کو ہم نے انسان کے اعمال و اقوال لکھنے کے لیے مقرر کیا ہے یہ فرشتے تو ہم نے صرف اتمام حجت کے لیے مقرر کیے
 ہیں۔ دو فرشتوں سے مراد بعض کے نزدیک ایک نیکی اور دو سرا بدی لکھنے کے لیے۔ اور بعض کے نزدیک رات اور دن
 کے فرشتے مراد ہیں رات کے دو فرشتے الگ اور دن کے دو فرشتے الگ (فتح القدیر)

(۴) رَقِيبٌ، محافظ، نگران اور انسان کے قول اور عمل کا انتظار کرنے والا۔ عَتِيدٌ حاضر اور تیار۔

اور موت کی بے ہوشی حق لے کر آچنپی^(۱) یہی ہے جس سے توبہ کتا پھرتا تھا۔^(۲) (۱۹)

اور صور پھونک دیا جائے گا وعدہ عذاب کا دن یہی ہے (۲۰) اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک لانے والا ہو گا اور ایک گواہی دینے والا۔^(۳) (۲۱)

یقیناً تو اس سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے سے پردہ ہٹا دیا پس آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔ (۲۲) اس کا ہم نشین (فرشتہ) کہے گا یہ حاضر ہے جو کہ میرے پاس تھا۔^(۴) (۲۳)

ڈال دو جہنم میں ہر کافر سرکش کو۔ (۲۴) جو نیک کام سے روکنے والا حد سے گزر جانے والا اور شک کرنے والا تھا۔ (۲۵)

جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنا لیا تھا پس اسے سخت عذاب میں ڈال دو۔^(۵) (۲۶)

اس کا ہم نشین (شیطان) کہے گا اے ہمارے رب! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا۔^(۶) (۲۷)

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَلِكَ نَافَثَتْ مِنْهُ وَحْيُ

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ذَلِكَ يَوْمُ الْوَعْدِ ۝

وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ۝

لَقَدْ كُنْتُمْ فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَذَا فَكَفَفْنَا عَنْكُمُ غَطَاؤَهُ

فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۝

وَقَالَ قَرِينُهُ هَذَا مَا لَدَيَّ يَبْتِغِي ۝

الْأَفْيَافِ جَهَنَّمَ كُلٌّ كَلِ امْرِئٍ مِثْلُ

مَثَلِهِ الْغَايَةُ مُفْتٍ ۝

لَا يُدْرِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَأَلْقِيهِ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ۝

قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَفْغَيْتُهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝

(۱) دوسرے معنی اس کے ہیں 'موت کی سختی حق کے ساتھ آئے گی' یعنی موت کے وقت 'حق واضح اور ان وعدوں کی صداقت ظاہر ہو جاتی ہے جو قیامت اور جنت و دوزخ کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کرتے رہے ہیں۔

(۲) تَجِئِدُ، تَجِئِلُ عَنْهُ وَتَفِرُّ، تو اس موت سے بدکنا اور بھاگنا تھا۔

(۳) سَائِقٌ (ہانکنے والا) اور شَهِيدٌ (گواہ) کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام طبری کے نزدیک یہ دو فرشتے ہیں۔ ایک سنن کو محشر تک ہانک کر لانے والا اور دوسرا گواہی دینے والا۔

(۴) یعنی فرشتہ انسان کا سارا ریکارڈ سامنے رکھ دے گا اور کہے گا کہ یہ تیری فرد عمل ہے جو کہ میرے پاس تھی۔

(۵) اللہ تعالیٰ اس فرد عمل کی روشنی میں انصاف اور فیصلہ فرمائے گا۔ الْفَيَا سے الشَّدِيدُ تک اللہ کا قول ہے۔

(۶) اس لیے اس نے فوراً میری بات مان لی، اگر یہ تیرا مخلص بندہ ہوتا تو میرے بکاوے میں ہی نہ آتا یہاں قَرِينٌ

قَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مَوَالِدًا ۖ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكَ بِالْوَعِيدِ ۝

حق تعالیٰ فرمائے گا بس میرے سامنے جھکڑے کی بات
مت کرو میں تو پہلے ہی تمہاری طرف وعید (وعدہ
عذاب) بھیج چکا تھا۔^(۱) (۲۸)

يَا بَنِيَّ الْقُلُوبُ لَدَنِّي وَمَا أَنَا بِظَالِمٍ لِّلْعَالَمِينَ ۝

میرے ہاں بات بدلتی نہیں^(۲) اور نہ میں اپنے بندوں پر
ظلم بھی کرنے والا ہوں۔^(۳) (۲۹)

يَوْمَ نَقُولُ لِمَنَّا هُمَ هَلْ امْتَلَأَتْ وَنَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ ۝

جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کیا تو بھر چکی؟ وہ
جواب دے گی کیا کچھ اور زیادہ بھی ہے؟^(۴) (۳۰)

(ساتھی) سے مراد شیطان ہے۔

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ کافروں اور ان کے ہم نشین شیطانوں کو کہے گا کہ یہاں موقف حساب یا عداوت انصاف میں لڑنے
جھکڑے کی ضرورت نہیں نہ اس کا کوئی فائدہ ہی ہے، میں نے تو پہلے ہی رسولوں اور کتابوں کے ذریعے سے ان وعیدوں
سے تم کو آگاہ کر دیا تھا۔

(۲) یعنی جو وعدے میں نے کیے تھے، ان کے خلاف نہیں ہو گا بلکہ وہ ہر صورت میں پورے ہوں گے اور اسی اصول
کے مطابق تمہارے لیے عذاب کا فیصلہ میری طرف سے ہوا ہے جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

(۳) کہ بغیر جرم کے جو انسانوں نے نہ کیا ہو اور بغیر گناہ کے جس کا صدور ان سے نہ ہوا ہو، میں ان کو عذاب دے دوں؟
ظلام یہاں ظالم کے معنی میں ہے۔ یا محاورہ بولا گیا ہے، جیسے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اپنے غلاموں پر بڑا ظلم
کرتا ہے، فلاں شخص بڑا ظالم ہے مقصد، مبالغے کا نہیں بلکہ صرف اس کی طرف سے ظلم کیے جانے کا اظہار ہوتا ہے۔ یا
مقصود نفی میں مبالغہ ہے۔ یعنی میں بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿لَا تُلَاقُوا جَهَنَّمَ مِنْ أَيْشَةٍ وَلَا ثَلَاثِ اجْتِمَاعٍ﴾ (آلۃ السجدہ: ۳۰) ”میں جہنم کو انسانوں اور جنوں
سے بھروں گا۔“ اس وعدے کا جب ایفا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کافر جن و انس کو جہنم میں ڈال دے گا، تو جہنم سے پوچھے گا کہ تو
بھر گئی ہے یا نہیں؟ وہ جواب دے گی، کیا کچھ اور بھی ہے؟ یعنی اگرچہ میں بھر گئی ہوں لیکن یا اللہ تیرے دشمنوں کے لیے میرے
دامن میں اب بھی گنجائش ہے۔ جہنم سے اللہ تعالیٰ کی یہ گفتگو اور جہنم کا جواب دینا، اللہ کی قدرت سے قطعاً بعید نہیں ہے۔
حدیث میں بھی آتا ہے ”آگ میں لوگ ڈالے جائیں گے اور جہنم کے گی، حل من مرنہ کیا کچھ اور بھی ہیں؟ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ
جہنم میں اپنا پیر رکھ دے گا، جس سے جہنم پکار اٹھے گی۔“ قَطِ قَطِ - یعنی بس، بس“ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ ق) اور جنت کے
بارے میں آتا ہے کہ جنت میں ابھی خالی جگہ باقی رہ جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نئی مخلوق پیدا فرمائے گا جو وہاں آباد ہوگی۔

(صحیح مسلم کتاب الجنة، باب الارید علیہا الجبارون والجنة بدخلہا الضعفاء)

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْآيَاتِ غَيْرِ مُبِينٍ ۝

هَذَا مَا وَعَدُونَا لِكُلِّ أَزْوَاجٍ حَفِيظٍ ۝

مَنْ يَخْشِ الزَّوْجَيْنِ بِالْإِيمَانِ وَهَذَا يَمْلِكُ قُلُوبَهُ ۝

لَا دُخْلَ لَهَا بَيْتُهُمْ ذَلِكَ يَوْمَ الْعُلُودِ ۝

لَهُمْ نِسَاءٌ أُورُنَ فِيهَا وَلَدٌ يَنَامُونَ ۝

وَكُلٌّ أَهْلُهَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَبْلِ هَؤُلَاءِ مِنْهُمْ بَنَاتٌ غَيْرُ آبَاءٍ ۝

أَلَمْ تَرَ قُلُوبَهُمْ خَفِيفٌ ۝

اور جنت پر میزگاروں کے لیے بالکل قریب کر دی جائے گی ذرا بھی دور نہ ہوگی۔^(۱) (۳۱)

یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کے لیے جو رجوع کرنے والا اور پابندی کرنے والا ہو۔^(۲) (۳۲)

جو رخصت کا عائدانہ خوف رکھتا ہو اور توجہ والا رہ لایا ہو۔^(۳) (۳۳)

تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔ (۳۴)

یہ وہاں جو چاہیں انھیں ملے گا (جگہ) ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے۔^(۴) (۳۵)

اور ان سے پہلے بھی ہم بہت سی امتوں کو ہدایت کر چکے ہیں جو ان سے طاقت میں بہت زیادہ تھیں وہ شہروں میں ڈھونڈتے ہی^(۵) رہ گئے، کہ کوئی بھاگنے کا ٹھکانا

(۱) اور بعض نے کہا ہے کہ قیامت جس روز جنت قریب کر دی جائے گی دور نہیں ہے۔ کیونکہ وہ محالہ واقع ہو کر رہے گی اور کل ماہوآت مہو قریب اور جو بھی آنے والی چیز ہے وہ قریب ہی ہے دور نہیں۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی اہل ایمان جب جنت کا اور اس کی نعمتوں کا قریب سے مشاہدہ کریں گے تو کہا جائے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کا وعدہ ہر ادا اب اور حفیظ سے کیا گیا تھا۔ ادا اب بہت رجوع کرنے والا یعنی اللہ کی طرف۔ کثرت سے توبہ و استغفار اور تسبیح و ذکر الہی کرنے والا۔ خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑانے والا اور ہر مجلس میں استغفار کرنے والا۔ حفیظ اپنے گناہوں کو یاد کر کے ان سے توبہ کرنے والا یا اللہ کے حقوق اور اس کی نعمتوں کو یاد رکھنے والا یا اللہ کے ادا امر و نواہی کو یاد رکھنے والا (فتح القدیر)

(۳) شیبہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اور اس کا اطاعت گزار دل۔ یا بمعنی سلیم، شریک و معصیت کی نجاتوں سے پاک۔

(۴) اس سے مراد رب تعالیٰ کا دیدار ہے جو اہل جنت کو نصیب ہو گا جیسا کہ ﴿الَّذِينَ آمَنُوا بِالْآيَاتِ غَيْرِ مُبِينٍ﴾ (ابوس ۳۶) کی تفسیر میں گزرا۔

(۵) ﴿فَتَقَبَّلْنَاهُ لِيَذَرَ﴾ (شہروں میں چلے پھرے) کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ان اہل مکہ سے زیادہ تجارت و کاروبار کے لیے مختلف شہروں میں پھرتے تھے۔ لیکن ہمارا عذاب آیا تو انہیں کہیں پناہ اور راہ فرار نہیں ملی۔

ہے۔ (۳۶)۲

اس میں ہر صاحب دل کے لیے عبرت ہے اور اس کے لیے جو دل^(۱) سے متوجہ ہو کر کان لگائے^(۲) اور وہ حاضر ہو۔^(۳) (۳۷)

یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب کو (صرف) چھ دن میں پیدا کر دیا اور ہمیں تکان نے چھوا تک نہیں۔ (۳۸)

پس یہ جو کچھ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کریں اور اپنے رب کی تسبیح تعریف کے ساتھ بیان کریں سورج نکلنے سے پہلے بھی اور سورج غروب ہونے سے پہلے بھی۔^(۴) (۳۹)
اور رات کے کسی وقت بھی تسبیح کریں^(۵) اور نماز کے بعد بھی۔^(۶) (۴۰)

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ۝

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ ۝

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُودِ ۝

(۱) یعنی دل بیدار، جو غورو فکر کر کے حقائق کا ادراک کر لے۔

(۲) یعنی توجہ سے وہ وحی الہی سنے جس میں گزشتہ امتوں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

(۳) یعنی قلب اور دماغ کے لحاظ سے حاضر ہو۔ اس لیے کہ جو بات کو ہی نہ سمجھے وہ موجود ہوتے ہوئے بھی ایسے ہے جیسے نہیں ہے۔

(۴) یعنی صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کر دیا عصر اور فجر کی نماز پڑھنے کی تاکید ہے۔

(۵) ”مِن“ تبییض کے لیے ہے۔ یعنی رات کے کچھ حصے میں بھی اللہ کی تسبیح کریں یا رات کی نماز (تہجد) پڑھیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ بِحَمْدِهِ﴾ (سورۃ ہٰی اسرا سبیل ۷۹) ”رات کو اٹھ کر نماز تہجد پڑھیں جو آپ کے لیے مزید ثواب کا باعث ہے“ بعض کہتے ہیں کہ معراج سے قبل مسلمانوں کے لیے صرف فجر اور عصر کی نماز اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تہجد کی نماز بھی فرض تھی۔ معراج کے موقع پر پانچ نمازیں فرض کر دی گئیں۔ (ابن کثیر)

(۶) یعنی اللہ کی تسبیح کریں۔ بعض نے اس سے وہ تسبیحات مراد لی ہیں جن کے پڑھنے کی تاکید نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نمازوں کے بعد فرمائی ہے۔ مثلاً ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ ۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور ۳۳ مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وغیرہ البخاری، کتاب الاذان، باب الذکر بعد الصلوٰۃ، کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلوٰۃ، مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ و بیان صفتہ، مگر یہ تسبیحات اس سورت کے نزول کے

وَأَسْمِعْ يَوْمَ يُنَادَى الْمُنَادُ مَنْ مَكَانٍ قَرِيبٍ ﴿٥﴾

يَوْمَ تَسْمَعُونَ الصَّيْعَةَ بِالْحَقِّ ذَلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿٥﴾

إِنَّا نَحْنُ غَنِيٌّ وَنُعِيتُ بِأَلَيْنَا الْمُصِيتُ ﴿٥﴾

يَوْمَ تَشَقُّ الْأَرْضُ عَنْهُمْ يَرَاءُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً عَلَيْنَا فَيُبَيِّرُ ﴿٥﴾

اور سن رکھیں (۱) مگر جس دن ایک پکارنے (۲) والا قریب
ہی کی جگہ سے پکارے گا۔ (۳) (۴)
جس روز اس تند و تیز چیخ کو یقین کے ساتھ سن لیں گے،
یہ دن ہو گا نکلنے کا۔ (۵) (۶)
ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں (۷) اور ہماری ہی
طرف لوٹ پھر کر آتا ہے۔ (۸) (۹)
جس دن زمین پھٹ جائے گی اور یہ دوڑتے ہوئے (۱۰)
(نکل پڑیں گے) یہ جمع کر لینا ہم پر بہت ہی آسان
ہے۔ (۱۱) (۱۲)

بہت عرصہ بعد بتائی گئی تھیں۔ بعض نے کہا ہے کہ دوبارہ الجود سے مراد مغرب کے بعد دور کعتیں ہیں۔

(۱) یعنی قیامت کے جو احوال وحی کے ذریعے سے بیان کیے جا رہے، انہیں توجہ سے سنیں۔

(۲) یہ پکارنے والا اسرائیل فرشتہ ہو گا یا جبرائیل اور یہ ندا وہ ہو گی جس سے لوگ میدان محشر میں جمع ہو جائیں گے۔
یعنی تنوید ثانیہ۔

(۳) اس سے بعض نے صغریٰ بیت المقدس مراد لیا ہے، کہتے ہیں یہ آسمان کے قریب ترین جگہ ہے اور بعض کے نزدیک
اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص یہ آواز اس طرح سنے گا جیسے اس کے قریب سے ہی آواز آرہی ہے۔ (فتح القدیر) اور
یہی درست معلوم ہوتا ہے۔

(۴) یعنی یہ جمع یعنی تنوید قیامت یقیناً ہو گا جس میں یہ دنیا میں شک کرتے تھے۔ اور یہی دن قبروں سے زندہ ہو
کر نکلنے کا ہو گا۔

(۵) یعنی دنیا میں موت سے ہمکنار کرنا اور آخرت میں زندہ کرنا، یہ ہمارا ہی کام ہے، اس میں کوئی ہمارا شریک
نہیں ہے۔

(۶) وہاں ہم ہر شخص کو اس کے عملوں کے مطابق جزا دیں گے۔

(۷) یعنی اس آواز دینے والے کی طرف دوڑیں گے۔ جس نے آواز دی ہو گی۔ مُسْرِعِينَ إِلَى الْمُنَادِي الَّذِي
نَادَاهُمْ (فتح القدیر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب زمین پھٹے گی تو سب سے پہلے زندہ ہو کر نکلنے والا میں ہوں
گا اَنَا أَوَّلُ مَنْ تَشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب تفصیل بیبا صلی اللہ علیہ
وسلم علی جمیع الخلائق)

یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم بخوبی جانتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں،^(۱) تو آپ قرآن کے ذریعہ انہیں سمجھاتے رہیں جو میرے وعید (ڈراوے کے وعدوں) سے ڈرتے ہیں۔^(۲) (۳۵)

سورۃ ذاریات کی ہے اور اس میں ساٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

- قسم ہے بکھیرنے والیوں کی اڑا کر۔^(۱)
 پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو۔^(۲)
 پھر چلنے والیاں نرمی سے۔^(۳)
 پھر کام کو تقسیم کرنے والیاں۔^(۴)

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ۝

سُورَةُ الذَّارِيَاتِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

- وَالذَّرِيَّةَ ذُرِّيًّا ۝
 فَلْيَصْطَرِّفُوا ۝
 فَالْجَنِّبُ يَنْتَرِ ۝
 فَالْمَقْسِمُ أَمْرًا ۝

(۱) یعنی آپ ﷺ اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ان کو ایمان لانے پر مجبور کریں۔ بلکہ آپ ﷺ کا کام صرف تبلیغ و دعوت ہے، وہ کرتے رہیں۔

(۲) یعنی آپ ﷺ کی دعوت و تذکیر سے وہی نصیحت حاصل کرے گا جو اللہ سے اور اس کی وعیدوں سے ڈرتا اور اس کے وعدوں پر یقین رکھتا ہو گا۔ اسی لیے حضرت قتادہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے «اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَخَافُ وَعِيدَكَ، وَيَرْجُو عَوْدَكَ، يَا نَارُ بَارِئِينَ» اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں سے کر جو تیری وعیدوں سے ڈرتے اور تیرے وعدوں کی امید رکھتے ہیں۔ اے احسان کرنے والے رحم فرمانے والے۔

(۳) اس سے مراد ہوائیں ہیں جو مٹی کو اڑا کر بکھیر دیتی ہیں۔

(۴) وَفَوْ: ہر وہ بوجھ جسے کوئی جاندار لے کر چلے، حالات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو اٹھائے ہوئے ہیں یا پھر وہ بادل ہیں جو پانی کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں جیسے چوپائے، حمل کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

(۵) حَارِبَاتٌ: پانی میں چلنے والی کشتیاں، یُسْرًا آسانی سے۔

(۶) مُقْسِمَاتٌ: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کاموں کو تقسیم کر لیتے ہیں۔ کوئی رحمت کا فرشتہ ہے تو کوئی عذاب کا، کوئی پانی کا ہے تو کوئی سختی (یعنی قحط سالی وغیرہ) کا، کوئی ہواؤں کا فرشتہ ہے تو کوئی موت اور حوادث کا بعض نے ان سب سے صرف ہوائیں مراد لی ہیں اور ان سب کو ہواؤں کی صفت بتایا ہے، جیسے فاضل مترجم نے بھی اسی

إِنَّمَا تَعِدُّونَ لَصَادِقٌ ۝

فَذٰلِكَ الَّذِيْنَ كُوۡفِرُوْا

وَالسَّمَآءَ ذٰلِكَ الْمَلٰٓئِكَةُ ۝

إِنَّمَا لَقِيۡنَ قَوْلَ مَخۡشُوۡنَ ۝

يُوۡفُوۡنَ عَنْهُۥ مِّنۡ اٰفَکَ ۝

قَوْلَ الْغٰرِضُوۡنَ ۝

الَّذِيْنَ هُمْ عَنِ غَمۡزٍ سٰكِنُوۡنَ ۝

يَسۡتَلُوۡنَ اِلَآنَ يَوْمِ الدَّٰخِيَةِ ۝

يَوْمَ هُمْ مِّنۡ النَّارِ يُعۡصَبُوۡنَ ۝

یقین مانو کہ تم سے جو وعدے کیے جاتے ہیں (سب) سچے ہیں۔ (۵)

اور بیشک انصاف ہونے والا ہے۔ (۶)

قسم ہے راہوں والے آسمان کی۔ (۷)

یقیناً تم مختلف بات میں پڑے ہوئے ہو۔ (۸)

اس سے وہی باز رکھا جاتا ہے (۱۳) جو پھیر دیا گیا ہو۔ (۹)

بے سند باتیں کرنے والے غارت کر دیئے گئے۔ (۱۰)

جو غفلت میں ہیں اور بھولے ہوئے ہیں۔ (۱۱)

پوچھتے ہیں کہ یوم جزا کب ہو گا؟ (۱۲)

ہاں یہ وہ دن ہے کہ یہ آگ پر پائے جائیں گے۔ (۱۳)

کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ لیکن ہم نے امام ابن کثیر اور امام شوکانی کی تفسیر کے مطابق تشریح کی ہے۔ قسم سے مقصد مقسم علیہ کی سچائی کو بیان کرنا ہوتا ہے یا بعض دفعہ صرف تاکید مقصود ہوتی ہے اور بعض دفعہ مقسم علیہ کو دلیل کے طور پر پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں قسم کی یہی تیسری قسم ہے۔ آگے جواب قسم یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم سے جو وعدے کیے جاتے ہیں یقیناً وہ سچے ہیں اور قیامت برپا ہو کر رہے گی جس میں انصاف کیا جائے گا۔ یہ ہواؤں کا چمن، بادلوں کا پانی کو اٹھانا، سمندروں میں کشتیوں کا چلنا اور فرشتوں کا مختلف امور کو سرانجام دینا، قیامت کے وقوع پر دلیل ہے، کیونکہ جو ذات یہ سارے کام کرتی ہے جو بظاہر نہایت مشکل اور اسباب عادیہ کے خلاف ہیں، وہی ذات قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ بھی کر سکتی ہے۔

(۱) دوسرا ترجمہ 'حسن و جمال اور زینت و رونق والا کیا گیا ہے' چاند، سورج، کوکب و سیارات، روشن ستارے، اس کی بلندی اور وسعت، یہ سب چیزیں آسمان کی رونق و زینت اور خوب صورتی کا باعث ہیں۔

(۲) یعنی اے اہل مکہ! تمہارا کسی بات میں آپس میں اتفاق نہیں ہے۔ ہمارے پیغمبر کو تم میں سے کوئی جدوگر، کوئی شاعر، کوئی کاہن اور کوئی کذاب کہتا ہے۔ اسی طرح کوئی قیامت کی بالکل نفی کرتا ہے، کوئی شک کا اظہار، علاوہ ازیں ایک طرف اللہ کے خالق اور رازق ہونے کا اعتراف کرتے ہو، دوسری طرف دوسروں کو بھی معبود بنا رکھا ہے۔

(۳) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے یا حق سے یعنی بحث و توحید سے یا مطلب ہے مذکورہ اختلاف سے وہ شخص پھیر دیا گیا جسے اللہ نے اپنی توفیق سے پھیر دیا، پہلے مفہوم میں ذم ہے دوسرے میں مدح

(۴) بُمَثۡنُوۡنَ کے معنی ہیں یُخَرَّتُوۡنَ وَبُعِثُوۡنَ، جس طرح سونے کو آگ میں ڈال کر بنچا کر رکھا جاتا ہے، اسی طرح یہ

ذُوقُوا بِمَنَاسِكَكُمْ هَذَا الذِّكْرَ ثُمَّ بِهِ تَسْتَعِينُونَ ﴿٥٠﴾

إِنَّ الشَّقِيقَيْنِ فِي جَدَّتٍ وَحَبِيبٍ ﴿٥١﴾

الْحَبِيبَيْنِ مَا أَنَا لَهُمْ رَافِعُهُمَا كَانُوا أَقْبَلَ ذَلِكَ فَهَيِّئِينَ ﴿٥٢﴾

كَانُوا أَقْبَلَ مِنْ أَيْلٍ مَا يَهْجَعُونَ ﴿٥٣﴾

وَمَا الْأَسْطَارُ مُمْسِكَةٌ لِلْعُقُودِ ﴿٥٤﴾

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْزُومِ ﴿٥٥﴾

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُتَذَكِّرِينَ ﴿٥٦﴾

اپنی فتنہ پروازی کا سزا چکمو،^(۱) یہی ہے جس کی تم جلدی بچارہ تھے۔ (۱۳)

بیشک تقویٰ والے لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے۔ (۱۵)

ان کے رب نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے اسے لے رہے ہوں گے وہ تو اس سے پہلے ہی نیکو کار تھے۔ (۱۶)

وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔^(۲) (۱۷)

اور وقت سحر استغفار کیا کرتے تھے۔^(۳) (۱۸)

اور ان کے مال میں مانگنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا حق تھا۔^(۴) (۱۹)

اور یقین والوں کے لیے تو زمین میں بہت سی نشانیاں

آگ میں ڈالے جائیں گے۔

(۱) فِتْنَةٌ، بمعنی عذاب یا آگ میں جلنا۔

(۲) مُهْجَعٌ کے معنی ہیں 'رات کو سونا۔ مَا يَهْجَعُونَ میں ما تاکید کے لیے ہے۔ وہ رات کو کم سوتے تھے 'مطلب ہے ساری رات سو کر غفلت اور عیش و عشرت میں نہیں گزار دیتے تھے۔ بلکہ رات کا کچھ حصہ اللہ کی یاد میں اور اس کی بارگاہ میں گزر گزاتے ہوئے گزارتے تھے۔ جیسا کہ احادیث میں بھی قیام اللیل کی تاکید ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں فرمایا: "لوگو! لوگوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، سلام پھیلاؤ اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھو، جب کہ سو گئے ہوئے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔" (مسند احمد ۵/۳۵۱)

(۳) وقت سحر، قیوت دعا کے بہترین اوقات میں سے ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ "جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزل فرماتا ہے اور خدا دیتا ہے کہ کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں؟ کوئی سائل ہے کہ میں اس کے سوال کو پورا کر دوں۔ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب صلوة المسافرين، باب التروغیب فی الدعاء والذكر فی آخر اللیل والإجابة فیہ)

(۴) محروم سے مراد وہ ضرورت مند ہے جو سوال سے اجتناب کرتا ہے۔ چنانچہ مستحق ہونے کے باوجود لوگ اسے نہیں دیتے یا وہ شخص ہے جس کا سب کچھ آفت ارضی و سماوی میں پہلہ ہو جائے۔

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۲۰﴾

ہیں۔ (۲۰)

اور خود تمہاری ذات میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ (۲۱)

وَفِي السَّمَاءِ رُجُكُمُ وَالْأَرْضَ وَمَا تَوْحَدُونَ ﴿۲۱﴾

اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے۔ (۲۲)

قُدْرَتِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّكُمْ تَرْجِعُونَ ﴿۲۲﴾

آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم! کہ یہ (۲۱) بالکل برحق ہے ایسا ہی جیسے کہ تم باتیں کرتے ہو۔ (۲۳)

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ صَالِبٍ إِذْ يَحِزُّهُ الرُّكُوعَيْنِ ﴿۲۳﴾

کیا تجھے ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی خبر بھی پہنچی ہے؟ (۲۴)

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامًا قَوْمٌ مُّنتَكِرُونَ ﴿۲۴﴾

وہ جب ان کے ہاں آئے تو سلام کیا، ابراہیم نے جواب سلام دیا (اور کہا یہ تو) اجنبی لوگ ہیں۔ (۲۵)

فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ صَبِيٍّ ﴿۲۵﴾

پھر (چپ چاپ جلدی جلدی) اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ایک قریب چھڑے (کا گوشت) لائے۔ (۲۶)

فَصَرَبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿۲۶﴾

اور اسے ان کے پاس رکھا اور کہا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ (۲۷)

فَأَدْبَسَ مِنْهُمْ رِيْضَةً قَالُوا لَاحِقُؤُنَّ ذُبُرُهُمْ يَأْكُلُونَهُ حَبِيْرٌ ﴿۲۷﴾

پھر تو دل ہی دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے (۲۸) انہوں نے کہا

(۱) یعنی بارش بھی آسمان سے ہوتی ہے جس سے تمہارا رزق پیدا ہوتا ہے اور جنت و دوزخ ثواب و عتاب بھی آسمانوں میں ہے جن کا وعدہ کیا جاتا ہے۔

(۲) اِنَّہ میں ضمیر کا مرجع (یہ) وہ امور و آیات ہیں جو مذکور ہوئیں۔

(۳) هَلْ استفہام کے لیے ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حبیہ ہے کہ اس قصے کا تجھے علم نہیں، بلکہ ہم تجھے وحی کے ذریعے سے مطلع کر رہے ہیں۔

(۴) یہ اپنے جی میں کہا، ان سے خطاب کر کے نہیں کہا۔

(۵) یعنی سامنے رکھنے کے باوجود انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھایا تو پوچھا۔

(۶) دُر اس لیے محسوس کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھے، یہ کھانا نہیں کھا رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آنے والے کسی خیر کی نیت سے نہیں بلکہ شر کی نیت سے آئے ہیں۔

آپ خوف نہ کیجئے۔^(۱) اور انہوں نے اس (حضرت ابراہیم) کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی۔ (۲۸)

پس ان کی بیوی آگے بڑھی اور حیرت^(۲) میں آکر اپنے منہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں تو بڑھیا ہوں اور ساتھ ہی بانجھ۔ (۲۹)

انہوں نے کہا ہاں تیرے پروردگار نے اسی طرح فرمایا ہے، بیشک وہ حکیم و علیم ہے۔^(۳) (۳۰)

فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُ فِي صَاحِبَةٍ فَصَلَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ۝

قَالُوا كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ ۝

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چہرے پر خوف کے آثار دیکھ کر فرشتوں نے کہا۔

(۲) صبر کے دوسرے معنی ہیں چیخ و پکار، یعنی چیختے ہوئے کہا۔

(۳) یعنی جس طرح ہم نے تجھے کہا ہے، یہ ہم نے اپنی طرف سے نہیں کہا ہے، بلکہ تیرے رب نے اسی طرح کہا ہے جس کی ہم تجھے اطلاع دے رہے ہیں، اس لیے اس پر تعجب کی ضرورت ہے نہ شک کرنے کی، اس لیے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہ لا محالہ ہو کر رہتا ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝

قَالُوا إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَىٰ قَوْمٍ مُّغْرِبِينَ ۝

لِيُنْزِلَ عَلَيْهِمْ جَنَّاتٍ مِنْ تَحْتِهَا

مُتَوَسِّتَةٌ يَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۝

فَأُخْرِجْنَاهُمْ مِّنْهَا لِيُتَبَيَّنَ لَهُمُ الْيَوْمِ

لَهُمْ وَجَدْنَاهُمْ فِيهَا غَيْرِ بَيِّنَاتٍ ۝

(حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے کہا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتوں!) تمہارا کیا مقصد ہے؟^(۱) (۳۱)

انہوں نے جواب دیا کہ ہم گناہ گار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔^(۲) (۳۲)

مگر ہم ان پر مٹی کے کنکر برسائیں۔^(۳) (۳۳)

جو تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں، ان حد سے گزر جانے والوں کے لیے۔^(۴) (۳۴)

پس جتنے ایمان والے وہاں تھے ہم نے انہیں نکال لیا۔^(۵) (۳۵)

اور ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر دیا۔^(۶) (۳۶)

(۱) خَطْبُ شَان 'قصہ' یعنی اس بشارت کے علاوہ تمہارا اور کیا کام اور مقصد ہے جس کے لیے تمہیں بھیجا گیا ہے۔

(۲) اس سے مراد قوم لوط ہے جن کا سب سے بڑا جرم لواطت تھا۔

(۳) برسائیں کا مطلب ہے 'ان کنکریوں سے انہیں رجم کر دیں' یہ کنکریاں خالص پتھری تھیں نہ آسمانی اولے تھے بلکہ مٹی کی بنی ہوئی تھیں۔

(۴) مُتَوَسِّتَةٌ (نامزد یا نشان زدہ) ان کی مخصوص علامت تھی جن سے انہیں پہچان لیا جاتا تھا، یہ وہ عذاب کے لیے مخصوص تھیں، بعض کہتے ہیں کہ جس کنکری سے جس کی موت واقع ہوئی تھی اس پر اس کا نام لکھا ہوتا تھا مُسْمَرِ مِیْنٌ، جو شرک و ضدت میں بہت بڑھے ہوئے اور فسق و فجور میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

(۵) یعنی عذاب آنے سے قبل ہم نے ان کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا تھا تاکہ وہ عذاب سے محفوظ رہیں۔

(۶) اور یہ اللہ کے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کا گھر تھا جس میں ان کی دو بیٹیاں اور کچھ ان پر ایمان لانے والے تھے کہتے ہیں یہ کل تیرہ آدمی تھے۔ ان میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں تھی۔ بلکہ وہ اپنی قوم کے ساتھ عذاب سے ہلک ہونے والوں میں سے تھی۔ (ایسر التفاسیر) اسلام کے معنی ہیں 'اطاعت و انقیاد'۔ اللہ کے حکموں پر سر اطاعت فہم کر دینے والا مسلم ہے، اس اعتبار سے ہر مومن 'مسلمان' ہے۔ اسی لیے پہلے ان کے لیے مومن کا لفظ استعمال کیا اور پھر ان ہی کے لیے مسلم کا لفظ بولا گیا ہے۔ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ ان کے مصداق میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ مومن اور مسلم کے درمیان کرتے ہیں۔ قرآن نے جو کہیں مومن اور کہیں مسلم کا لفظ استعمال کیا ہے تو وہ ان معانی کے اعتبار سے ہے جو عربی لغت کی رو سے ان کے درمیان ہے۔ اس لیے لغوی استعمال کے مقابلے میں حقیقت شرعیہ کا اعتبار زیادہ ضروری ہے اور حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے ان کے درمیان صرف وہی فرق ہے جو حدیث

وَتَرَكْنَا مَعْآيِةً لِلَّذِينَ ظَالَمُوا عَذَابَ الْآلِافِ ۝

وَفِي مِثْقَلِ إِذِ انْزِلْنَاهُ إِلَيْنَا فَرْعُونَ يُسْطَلُّونَ ۝

فَقَتَلُوا بِرُؤْسِهِمْ وَقَالَ سَمْرُؤُوتُ ۝

فَلَنَذَرُهُ وَجُودًا قَتَلَهُ اللَّهُ فِي النَّارِ وَهُوَ مُبْلِغٌ ۝

وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِينَةَ ۝

اور وہاں ہم نے ان کے لیے جو دردناک عذاب کا ڈر رکھتے ہیں ایک (کامل) علامت چھوڑی۔^(۱) (۳۷)
موسیٰ (علیہ السلام کے قصے) میں (بھی ہماری طرف سے حمیمہ ہے) کہ ہم نے اسے فرعون کی طرف کھلی دلیل دے کر بھیجا۔ (۳۸)

پس اس نے اپنے بل بوتے پر منہ موڑا^(۲) اور کہنے لگایہ جادو گر ہے یا دیوانہ ہے۔ (۳۹)
بالآخر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو اپنے عذاب میں پکڑ کر دریا میں ڈال دیا وہ تھالی ملامت کے قاتل۔^(۳) (۴۰)
اسی طرح عاد یوں میں^(۴) (بھی ہماری طرف سے حمیمہ ہے) جب کہ ہم نے ان پر خیر و برکت سے^(۵) خالی

جبرائیل علیہ السلام سے ثابت ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: 'لا إله إلا الله کی شہادت، اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، حج اور صیام رمضان۔ اور جب ایمان کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا: "اللہ پر ایمان رنا" اس کے ساتھ کہ کتابوں، رسولوں اور تقدیر (خیر و شر کے من جانب اللہ ہونے) پر ایمان رکھنا" یعنی دل سے ان چیزوں پر یقین رکھنا ایمان اور احکام و فرائض کی ادائیگی اسلام ہے۔ اس لحاظ سے ہر مومن، مسلمان اور ہر مسلمان مومن ہے (فتح القدیر) اور جو مومن اور مسلم کے درمیان فرق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے کہ یہاں قرآن نے ایک ہی گروہ کے لیے مومن اور مسلم کے الفاظ استعمال کیے ہیں لیکن ان کے درمیان جو فرق ہے اس کی رو سے ہر مومن، مسلم بھی ہے، تاہم ہر مسلم کا مومن ہونا ضروری نہیں (ابن کثیر) بہر حال یہ ایک علمی بحث ہے۔ فریقین کے پاس اپنے موقف پر استدلال کے لیے دلائل موجود ہیں۔

(۱) یہ آیت یا کامل علامت وہ آثار عذاب ہیں جو ان ہلاک شدہ بستیوں میں ایک عرصے تک باقی رہے۔ اور یہ علامت بھی انہی کے لیے ہیں جو عذاب الہی سے ڈرنے والے ہیں، کیونکہ وعظ و نصیحت کا اثر بھی وہی قبول کرتے اور آیات میں غور و فکر بھی وہی کرتے ہیں۔

(۲) جانب اقویٰ کو رکن کہتے ہیں۔ یہاں مراد اس کی اپنی قوت اور لشکر ہے۔

(۳) یعنی اس کے کام ہی ایسے تھے کہ جن پر وہ ملامت ہی کا مستحق تھا۔

(۴) آئی تَرَكْنَا فِيْ قِصَّةِ عَادٍ آيَةً عَادَ كَقِصَّةِ مِثْلِهِمْ لَمْ يَنْتَظِرُوْا ۝

(۵) الرِّيحُ الْعَقِيْمَةُ (بانجھ ہوا) جس میں خیر و برکت نہیں تھی، وہ ہوا درختوں کو ثمر آور کرنے والی تھی نہ بارش کی

آندھی بھیجی۔ (۳۱)

وہ جس جس چیز پر گرتی تھی اسے بوسیدہ ہڈی کی طرح
(چوراچورا) کر دیتی تھی۔^(۳۲)

اور ثمود (کے قہے) میں بھی (عبرت) ہے جب ان سے کہا
گیا کہ تم کچھ دنوں تک فائدہ اٹھاؤ۔^(۳۳)

لیکن انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی جس پر
انہیں ان کے دیکھتے دیکھتے (تیز و تند) کڑا کے^(۳۴) نے
ہلاک کر دیا۔ (۳۴)

پس نہ تو وہ کھڑے ہو سکے^(۳۵) اور نہ بدلہ لے سکے۔^(۳۵)

اور نوح (علیہ السلام) کی قوم کا بھی اس سے پہلے (یہی)
حال ہو چکا تھا (وہ بھی بڑے نافرمان ہو گئے تھے۔^(۳۶)

آسمان کو ہم نے (اپنے) ہاتھوں سے بنایا ہے^(۳۷) اور یقیناً
ہم کشادگی کرنے والے ہیں۔^(۳۸)

مَا تَذَكَّرْنَ ۚ فَنُفِثْنَا عَلَيْهِمُ الْإِبِلَ كَالْأُمْنِيِّ ۝

وَلَمَّا تَوَدَّادُوا قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ۝

فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذْنَا مِنْهُمُ الصُّرُفَةَ وَهَمَّتْ طُرُوقُ ۝

فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ يَمِينٍ وَلَا كَانُوا مُسْتَعِينِينَ ۝

وَقَوْمَ نُوحٍ ۖ مِنْ قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ۝

پیامبر بلکہ صرف ہلاکت اور عذاب کی ہوا تھی۔

(۱) یہ اس ہوا کی تاثیر تھی جو قوم عاد پر بطور عذاب بھیجی گئی تھی۔ یہ تند و تیز ہوا سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی
رہی (العاصفة)

(۲) یعنی جب انہوں نے اپنے ہی طلب کردہ معجزے اونٹنی کو قتل کر دیا تو ان کو کہہ دیا گیا کہ اب تین دن اور تم دنیا کے
مزے سوٹو تین دن کے بعد تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے یہ اسی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے اسے حضرت صالح علیہ
السلام کی ابتدائے نبوت کا قول قرار دیا ہے۔ الفاظ اس مفہوم کے بھی متحمل ہیں بلکہ سیاق سے یہی معنی زیادہ قریب ہیں۔
(۳) یہ صَاعِقَةُ (کڑا کا) آسمانی جھج تھی اور اس کے ساتھ نیچے سے رَجْفَةٌ (زلزلہ) تھا جیسا کہ سورۃ اعراف ۷۸ میں ہے۔
(۴) چہ جائیکہ وہ بھاگ سکیں۔

(۵) یعنی اللہ کے عذاب سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکے۔

(۶) قوم نوح 'عاد' فرعون اور ثمود وغیرہ سے بہت پہلے گزری ہے۔ اس نے بھی اطاعت الہی کے بجائے اس کی بغاوت کا
راستہ اختیار کیا تھا۔ بالآخر اسے طوفان میں ڈبو دیا گیا۔

(۷) السَّمَاءُ منصوب ہے۔ بَنَيْنَا محذوف کی وجہ سے۔ بَنَيْنَا السَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا

(۸) یعنی آسمان پہلے ہی بہت وسیع ہے لیکن ہم اس کو اس سے بھی زیادہ وسیع کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یا آسمان سے

وَالَّذِينَ قَوْمُهُمَا فَنِعْمَ الْمُسْلِمُونَ ۝

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝

فَرَزَّ إِلَىٰ الْمَوْتِ لَكُمْ مَتْنُهُ تَذَكَّرُونَ ۝

وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ إِنَّا لَكَاثِبُونَ تَذَكَّرُونَ ۝

كَذَلِكَ مَا آتَىٰ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مُجُنُونٌ ۝

أَفَوَصَّوَاهُ بِلَهُمْ قَوْمٌ لَا يَخْلُونَ ۝

اور زمین کو ہم نے فرش بنا دیا ہے۔^(۱) پس ہم بہت ہی اچھے بچانے والے ہیں۔ (۳۸)

اور ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا^(۲) ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔^(۳) (۳۹)

پس تم اللہ کی طرف دوڑ بھاگ (یعنی رجوع) کرو،^(۴) یقیناً میں تمہیں اس کی طرف سے صاف صاف جھبہ کرنے والا ہوں۔ (۵۰)

اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ۔ بیشک میں تمہیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔^(۵) (۵۱)

اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کے پاس جو بھی رسول آیا انہوں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ (۵۲)

کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے

بارش برسا کر روزی کشادہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں یا مٹوسیع کو دُستِ سے قرار دیا جائے (طاقت و قدرت رکھنے والے) تو مطلب ہو گا کہ ہمارے اندر اس جیسے اور آسمان بنانے کی بھی طاقت و قدرت موجود ہے۔ ہم آسمان و زمین بنا کر تھک نہیں گئے ہیں بلکہ ہماری قدرت و طاقت کی کوئی انتہائی نہیں ہے۔

(۱) یعنی فرش کی طرح اسے بچھا دیا ہے۔

(۲) یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑا، نر اور مادہ یا اس کی مقابل اور ضد کو بھی پیدا کیا ہے۔ جیسے روشنی اور اندھیرا، خشکی اور تری، چاند اور سورج، شہا اور کڑوا، رات اور دن، خیر اور شر، زندگی اور موت، ایمان اور کفر، شقاوت اور سعادت، جنت اور دوزخ، جن و انس وغیرہ، حتیٰ کہ حیوانات (جاندار) کے مقابل، جمادات (بے جان) اس لیے ضروری ہے کہ دنیا کا بھی جوڑا ہو یعنی آخرت، دنیا کے بالقابل دوسری زندگی۔

(۳) یہ جان لو کہ ان سب کا پیدا کرنے والا صرف ایک اللہ ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(۴) یعنی کفر و معصیت سے توبہ کر کے فوراً بارگاہِ الہی میں جھک جاؤ، اس میں تاخیر مت کرو۔

(۵) یعنی میں تمہیں کھول کھول کر ڈرا رہا اور تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں کہ صرف ایک اللہ کی طرف رجوع کرو، اسی پر اعتماد اور بھروسہ کرو اور صرف اسی ایک کی عبادت کرو، اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک مت کرو۔ ایسا کرو گے تو یاد رکھنا، جنت کی نعمتوں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاؤ گے۔

(۵۳) ^(۱) ہیں۔

(نہیں) بلکہ یہ سب کے سب سرکش ہیں۔ ^(۲) تو آپ ان سے منہ پھیر لیں آپ پر کوئی ملامت نہیں۔ (۵۳)
اور نصیحت کرتے رہیں یقیناً یہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دے گی۔ ^(۳) (۵۵)

میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔ ^(۴) (۵۶)

نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں۔ ^(۵) (۵۷)

اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اور زور آور ہے۔ (۵۸)

پس جن لوگوں نے ظلم کیا ہے انہیں بھی ان کے

مَقُولَ عَنَّهُمْ فَلَا تَكُن مِّنَ السَّٰغِيْنَ ۝

وَذَرِ الْفُلَ الْيَاقُوْنَ الَّذِيْ يَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادَتِيْ ۝

مَا أُرِيدُ بِكُمْ وَنَزَّلْتُ إِلَيْكُمْ الْكُتُبَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝

قَالَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوا ذُنُوبُهُمْ لَبَّيْكَ ذُنُوبُهُمْ

(۱) یعنی ہر بعد میں آنے والی قوم نے اس طرح رسولوں کی تکذیب کی اور انہیں جادو گر اور دیوانہ قرار دیا جیسے پچھلی قومیں بعد میں آنے والی قوموں کے لیے وصیت کر کے جاتی رہی ہیں۔ یکے بعد دیگرے ہر قوم نے یہی تکذیب کا راستہ اختیار کیا۔

(۲) یعنی ایک دوسرے کو وصیت تو نہیں کی بلکہ ہر قوم ہی اپنی اپنی جگہ سرکش ہے اس لیے ان سب کے دل بھی متشابہ ہیں اور ان کے طور اطوار بھی ملتے جلتے۔ اس لیے متاخرین نے بھی وہی کچھ کہا اور کیا جو حقہ میں نے کہا اور کیا۔

(۳) اس لیے کہ نصیحت سے فائدہ انہیں کو پہنچتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ آپ نصیحت کرتے رہیں اس نصیحت سے وہ لوگ یقیناً فائدہ اٹھائیں گے جن کی ہمت اللہ کے علم میں ہے کہ وہ ایمان لائیں گے۔

(۴) اس میں اللہ تعالیٰ کے اس ارادہ شرعیہ تکلیفیہ کا اظہار ہے جو اس کو محبوب و مطلوب ہے کہ تمام انس و جن صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور اطاعت بھی اسی ایک کی کریں۔ اگر اس کا تعلق ارادہ بکونی سے ہوتا پھر تو کوئی انس و جن اللہ کی عبادت و اطاعت سے انحراف کی طاقت ہی نہ رکھتا۔ یعنی اس میں انسانوں اور جنوں کو اس مقصد زندگی کی یاد دہانی کرائی گئی ہے جسے اگر انہوں نے فراموش کیے رکھا تو آخرت میں سخت باز پرس ہوگی اور وہ اس امتحان میں ناکام قرار پائیں گے جس میں اللہ نے ان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دے کر ڈالا ہے۔

(۵) یعنی میری عبادت و اطاعت سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ یہ مجھے کما کر کھلائیں جیسا کہ دوسرے آقاؤں کا مقصد ہوتا ہے بلکہ رزق کے سارے خزانے تو خود میرے ہی پاس ہیں میری عبادت و اطاعت سے تو خود ان ہی کو فائدہ ہوگا کہ ان کی آخرت سنور جائے گی نہ کہ مجھے کوئی فائدہ ہوگا۔

قَالَ يَبْنَونَ ۝

قَوْلِ الْكَذِبِ كَقَوْلِ الْكَذِبِ يُؤْمِنُونَ ۝

سُورَةُ الظُّوْر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَالظُّوْرُ ۝

فَكُلِّبَ مَسْطُوْرٌ ۝

فَإِذَا رَفِیَ مَسْطُوْرٌ ۝

وَالْبَیْتِ الْمَعْمُوْرُ ۝

ساتھیوں کے حصہ کے مثل حصہ ملے گا،^(۱) لہذا وہ مجھ سے جلدی طلب نہ کریں۔^(۲) (۵۹)
پس خرابی ہے منکروں کو ان کے اس دن کی جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں۔ (۶۰)

سورۃ طور کی ہے اور اس میں انچاس آیتیں ہیں اور دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قسم ہے طور کی۔^(۳)
اور لکھی ہوئی کتاب کی۔^(۴)
جو جہلی کے کھلے ہوئے ورق میں ہے۔^(۵) (۳)
اور آباد گھر کی۔^(۶) (۴)

(۱) ذنوب کے معنی بھرے ڈول کے ہیں۔ کنویں سے ڈول میں پانی نکال کر تقسیم کیا جاتا ہے اس اعتبار سے یہاں ڈول کو حصے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ مطلب ہے کہ خالموں کو عذاب سے حصہ پہنچے گا جس طرح اس سے پہلے کفر و شرک کا ارتکاب کرنے والوں کو ان کے عذاب کا حصہ ملا تھا۔

(۲) لیکن یہ حصہ عذاب انہیں کب پہنچے گا یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اس لیے طلب عذاب میں جلدی نہ کریں۔

(۳) طُوْر وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلام ہوئے۔ اسے طور سینا بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ نے اس کے اسی شرف کی بنا پر اس کی قسم کھائی ہے۔

(۴) مَسْطُوْر کے معنی ہیں۔ مکتوب، لکھی ہوئی چیز۔ اس کا مصداق مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن مجید، لوح محفوظ، تمام کتب منزلہ یا وہ انسانی اعمال نامے جو فرشتے لکھتے ہیں۔

(۵) یہ متعلق ہے مَسْطُوْر کے۔ رَفِیَ وہ باریک چڑا جس پر لکھا جاتا تھا۔ مَسْطُوْر بمعنی مَسْطُوْط، پھیلا یا کھلا ہوا۔

(۶) یہ بیت معمور، ساتویں آسمان پر وہ عبادت خانہ ہے جس میں فرشتے عبادت کرتے ہیں۔ یہ عبادت خانہ فرشتوں سے اس طرح بھرا ہوتا ہے کہ روزانہ اس میں ستر ہزار فرشتے عبادت کے لیے آتے ہیں جن کی پھر دوبارہ قیامت تک باری نہیں آتی۔ جیسا کہ احادیث معراج میں بیان کیا گیا ہے۔ بعض بیت معمور سے مراد خانہ کعبہ لیتے ہیں جو عبادت کے لیے آنے والے انسانوں سے ہر وقت بھرا رہتا ہے۔ معمور کے معنی ہی آباد اور بھرے ہوئے کے ہیں۔

وَالشَّقِيقَ الْمُرْسُورَ ۝	اور اونچی چھت کی۔ ^(۱) (۵)
وَالْبَحْرَ الْمُسْجُورَ ۝	اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی۔ ^(۲) (۶)
إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝	بیشک آپ کے رب کا عذاب ہو کر رہنے والا ہے۔ (۷)
ثَأْلَهُ مِنْ ذَاقِهِ ۝	اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ ^(۳) (۸)
يَوْمَ تَعُودُ السَّمَاوَاتُ زُورًا ۝	جس دن آسمان تھر تھرانے لگے گا۔ ^(۴) (۹)
وَالْجِبَالُ كُيُورًا ۝	اور پہاڑ چلنے پھرنے لگیں گے۔ (۱۰)
قَوْلُكَ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝	اس دن جھٹلانے والوں کی (پوری) خرابی ہے۔ (۱۱)
الَّذِينَ هُمْ عَنْ عَوَظِ يُلْكُونَ ۝	جو اپنی بیسوہ گوئی میں اچھل کود کر رہے ہیں۔ ^(۵) (۱۲)
يَوْمَ يَدْعُوتُ إِلَى تَارِكِهِمْ دَعَا ۝	جس دن وہ دھکے دے دے کر آتش جہنم کی طرف

(۱) اس سے مراد آسمان ہے جو زمین کے لیے بمنزلہ چھت کے ہے۔ قرآن نے دوسرے مقام پر اسے ”مخوفہ چھت“ کہا ہے۔ ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَفَافًا مَحْفُوظًا وَتُنْظَرُ عَنْ آيَاتِنَا كُنُوزًا﴾ (سورۃ الانبیاء ۳۲) بعض نے اس سے عرش مراد لیا ہے جو تمام مخلوقات کے لیے چھت ہے۔

(۲) مسجور کے معنی ہیں ’بھڑکے ہوئے‘۔ بعض کہتے ہیں ’اس سے وہ پانی مراد ہے جو زیر عرش ہے جس سے قیامت والے دن بارش نازل ہوگی‘ اس سے مراد جسم زندہ ہو جائیں گے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد سمندر ہیں ’ان میں قیامت والے دن آگ بھڑک اٹھے گی‘ جیسے فرمایا ﴿فَإِذَا لَمَسَّا نَجْوَتِ﴾ (النکوہ ۱۶) ”اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے“۔ امام شوکانی نے اسی مضمون کو ادلی قرار دیا ہے اور بعض نے مسجور کے معنی متلوء (بھرے ہوئے) کے لیے ہیں ’یعنی فی الحال سمندروں میں آگ تو نہیں ہے‘ البتہ وہ پانی سے بھرے ہوئے ہیں ’امام طبری نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ اس کے اور بھی کئی معنی بیان کیے گئے ہیں (دیکھئے تفسیر ابن کثیر)

(۳) یہ مذکورہ قسموں کا جواب ہے۔ یعنی یہ تمام چیزیں ’جو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی مظہر ہیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ کا وہ عذاب بھی یقیناً واقع ہو کر رہے گا جس کا اس نے وعدہ کیا ہے‘ اسے کوئی ٹالنے پر قادر نہیں ہو گا۔

(۴) مور کے معنی ہیں حرکت و اضطراب۔ قیامت والے دن آسمان کے نظم میں جو اختلال اور کواکب و سیارگان کی ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے جو اضطراب واقع ہو گا‘ اس کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے ’اور یہ مذکورہ عذاب کے لیے طرف ہے‘۔ یعنی یہ عذاب اس روز واقع ہو گا جب آسمان تھر تھرائے گا اور پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ کر روٹی کے گالوں اور ریت کے ذروں کی طرح اڑ جائیں گے۔

(۵) یعنی اپنے کفر و باطل میں مصروف اور حق کی تکذیب و استہزا میں لگے ہوئے ہیں

(۶) الدُّعَا کے معنی ہیں نہایت سختی کے ساتھ دھکیلنا۔

لائے جائیں گے۔ (۱۳)

یہی وہ آتش دوزخ ہے جسے تم جھوٹ بتلاتے تھے۔^(۱) (۱۳)

(اب بتاؤ) کیا یہ جادو ہے؟^(۲) یا تم دیکھتے ہی نہیں ہو۔^(۳) (۱۵)

جاؤ دوزخ میں اب تمہارا صبر کرنا اور نہ کرنا تمہارے لیے یکساں ہے۔ تمہیں فقط تمہارے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔ (۱۶)

یقیناً پرہیزگار لوگ جنتوں میں اور نعمتوں میں ہیں۔^(۴) (۱۷)
جو انہیں ان کے رب نے دے رکھی ہیں اس پر خوش خوش ہیں،^(۵) اور ان کے پروردگار نے انہیں جہنم کے عذاب سے بھی بچا لیا ہے۔ (۱۸)

تم مزے سے کھاتے پیتے رہو ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔^(۶) (۱۹)

برابر بچھے ہوئے شاندار تختے پر رکھے لگائے ہوئے۔^(۷) اور

هٰذَا النَّارُ الَّتِي كُنتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ۝

اقْبِرُوا هٰذَا اَلَمْ اَنْتُمْ لَا تُحْيَوْنَ ۝

اَصْلَٰوْهَا نَاصِرٌ وَّالْاَوَّلَٰى نَصِيرٌ ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اِنْسَانٌ مُّجْرَمٌ ۚ
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنَّٰتٍ وَعِٰيٍ ۝

فِيْهَا يَدْخُلُوْنَ ۚ فِيْهَا لَهُمْ مَا يَشَاءُوْنَ ۚ وَفِيْهَا لَهُمْ زَوْجٌ مِّمَّا يَحِبُّوْنَ ۝

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ اَمَّاٰلِكُمْ لَكُمْ فِيْهَا مَعْلُوْنَ ۝

مُتَّكِئِيْنَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّصْفُوٰةٍ ۚ وَفِيْهَا لَهُمْ مَّحْزُوٰبٌ ۝

(۱) یہ جہنم پر مقرر فرشتے (زبانیہ) انہیں کہیں گے۔

(۲) جس طرح تم دنیا میں پیغمبروں کو جادو گر کہا کرتے تھے، بتاؤ! کیا یہ بھی کوئی جادو کا کرتب ہے؟

(۳) یا جس طرح تم دنیا میں حق کے دیکھنے سے اندھے تھے، یہ عذاب بھی تمہیں نظر نہیں آ رہا ہے؟ یہ تفریق و توخ کے لیے انہیں کہا جائے گا، ورنہ ہر چیز ان کے مشاہدے میں آچکی ہوگی۔

(۴) اہل کفر و اہل شقاوت کے بعد اہل ایمان و اہل سعادت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

(۵) یعنی جنت کے گھر، لباس، کھانے، سواریاں، حسین و جمیل بیویاں (حور عین) اور دیگر نعمتیں ان سب پر وہ خوش ہوں گے، کیونکہ یہ نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے بدرجہا بڑھ کر ہوں گی اور مَا لَا عَيْنٌ رَّآَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا حَظَرَ عَلَىٰ قَلْبٍ بَشَرٍ کا مصداق۔

(۶) دوسرے مقام پر فرمایا ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ اَمَّاٰلِكُمْ اَلَمْ تَسْلُقُوْا فِيْ الْاَوَّلِ الْاَوَّلِ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت حاصل کرنے کے لیے ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بہت ضروری ہیں۔

(۷) مَصْفُوٰةٌ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے۔ گویا وہ ایک صف ہیں۔ یا بعض نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے کہ

ہم نے ان کے نکاح بڑی بڑی آنکھوں والی (خوروں) سے
کروائے ہیں۔ (۲۰)

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان
میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو ان تک پہنچا دیں
گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہ کریں گے^(۱) ہر
فخص اپنے اپنے اعمال کا گروہی ہے۔^(۲) (۲۱)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ
ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ شَيْئًا
كُلٌّ أَتَوْهُم بِمَا كَتَبَ رَبُّهُمْ ۖ

کے چہرے ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے، جیسے میدان جنگ میں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے ہوتی ہیں۔ اس
مفہوم کو قرآن میں دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ﴿عَلَّ شُرُكُوتُ تَتَفَلَّحُونَ﴾ (الصافات: ۳۴) ”ایک دوسرے
کے سامنے تختوں پر فروکش ہوں گے۔“

(۱) یعنی جن کے باپ اپنے اخلاص و تقویٰ اور عمل و کردار کی بنیاد پر جنت کے اعلیٰ درجوں پر فائز ہوں گے اللہ تعالیٰ
ان کی ایماندار اولاد کے بھی درجے بلند کر کے ان کو ان کے باپوں کے ساتھ ملا دے گا۔ یہ نہیں کرے گا کہ ان کے باپوں
کے درجے کم کر کے ان کی اولاد والے کمتر درجوں میں انہیں لے آئے۔ یعنی اہل ایمان پر دو گونہ احسان فرمائے گا۔ یک
تو باپ بیٹوں کو آپس میں ملا دے گا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، بشرطیکہ دونوں ایماندار ہوں۔ دوسرا یہ کہ کم تر
درجے والوں کو اٹھا کر اونچے درجوں پر فائز فرما دے گا۔ ورنہ دونوں کے ملاپ کا یہ طریقہ بھی ہو سکتا ہے کہ اے کلاس
والوں کو بی کلاس دے دے، یہ بات چونکہ اس کے فضل و احسان سے فروتر ہوگی، اس لیے وہ ایب نہیں کرے گا بلکہ بی
کلاس والوں کو اے کلاس عطا فرمائے گا۔ یہ تو اللہ کا وہ احسان ہے جو اولاد پر، آبا کے عملوں کی برکت سے ہو گا اور حدیث
میں آتا ہے کہ اور کی دعا و استغفار سے آبا کے درجات میں بھی اضافہ ہوتا ہے ایک فخص کے جب جنت میں درجے بلند
ہوتے ہیں تو وہ اللہ سے اس کا سبب پوچھتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تیری اولاد کی تیرے لیے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ
سے۔ (مسند احمد ۲، ۵۰۹) اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس
کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ البتہ تین چیزوں کا ثواب، موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے ایک صدقہ مجاریہ۔
دوسرا وہ علم جس سے لوگ فیض یاب ہوتے رہیں اور تیسری نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔ مسلم، کتاب
الوصیہ، باب ما یصلح حق الإنسان من الشواب بعد وفاته

(۲) رَہِیْنٌ بمعنی مَرْهُوْب (گروہ شدہ چیز) ہر فخص اپنے عمل کا گروہی ہو گا۔ یہ عام ہے، مومن اور کافر دونوں کو شامل
ہے اور مطلب ہے کہ جو جیسا (اچھا یا برا) عمل کرے گا، اس کے مطابق (اچھی یا بری) جزا پائے گا یا اس سے مراد صرف
کافر ہیں کہ وہ اپنے اعمال میں گرفتار ہوں گے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَہِیْنَةٌ﴾ (الْأَنْصَابُ
الْمُتَجَنِّبِينَ) (المائدہ ۳۸-۳۹) ”ہر فخص اپنے اعمال میں گرفتار ہو گا۔ سوائے اصحاب الیمین (اہل ایمان) کے۔“

وَأَمَدَدْنَاهُمْ بِهَا كَهَيِّوَةٍ وَكَثِيرَةٍ مَّا يَسْتَخْفُونَ ﴿۳۱﴾

يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأَن لَّا تَغْوِيهَا وَلَا تَأْتِيَهُمْ ﴿۳۲﴾

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ زُلُمَانُ لَهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكَنُونٌ ﴿۳۳﴾

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۳۴﴾

قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أُمَمٍ ثَلَاثٍ ﴿۳۵﴾

فَمَنْ لِلَّهِ عَلَىٰ نَارِهِ عَذَابٌ أَلْوَنٌ ﴿۳۶﴾

ہم ان کے لیے میوے اور مرغوب گوشت کی ریل پیل کر دیں گے۔^(۳۱) (۳۲)

(خوش طبعی کے ساتھ) ایک دوسرے سے جام (شراب) کی چھینا چھینی کریں گے^(۳۲) جس شراب کے سرور میں تو بیسودہ گوئی ہوگی نہ گناہ۔^(۳۳) (۳۴)

اور ان کے ارد گرد ان کے نو عمر غلام چل پھر رہے ہوں گے گویا کہ وہ موتی تھے جو ڈھکے رکھے تھے۔^(۳۳) (۳۵)

اور آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے۔^(۳۴) (۳۵)

کیس گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گمراہوں کے درمیان بہت ڈرا کرتے تھے۔^(۳۵) (۳۶)

پس اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں تیز و تند گرم ہواؤں کے عذاب سے بچالیا۔^(۳۶) (۳۷)

(۱) أَمَدَدْنَاهُمْ بِهَا كَهَيِّوَةٍ بِمعنی رِزْقَانَاهُمْ یعنی خوب دیں گے۔

(۲) يَتَنَازَعُونَ، يَتَعَاطَلُونَ وَيَتَنَازَلُونَ ایک دوسرے سے لیں گے۔ یا پھر وہ معنی ہیں جو فاضل مترجم نے کیے ہیں۔ کاس‘ اس پیلے اور جام کو کہتے ہیں جو شراب یا کسی اور مشروب سے بھرا ہوا ہو۔ خالی برتن کو کاس نہیں کہتے۔ (فتح القدیر)

(۳) اس شراب میں دنیا کی شراب کی تاثیر نہیں ہوگی‘ اسے پی کر نہ کوئی ہلکے گا کہ لغو گوئی کرے نہ اتنا دھوش اور مست ہو گا کہ گناہ کا ارتکاب کرے۔

(۴) یعنی جنتیوں کی خدمت کے لیے انہیں نو عمر خادم بھی دیئے جائیں گے جو ان کی خدمت کے لیے پھر رہے ہوں گے اور حسن و جمال اور صفائی و رعنائی میں وہ ایسے ہوں گے جیسے موتی‘ جسے ڈھک کر رکھا گیا ہو‘ تاکہ ہاتھ لگنے سے اس کی چمک و تک ماند پڑے۔

(۵) ایک دوسرے سے دنیا کے حالات پوچھیں گے کہ دنیا میں وہ کن حالات میں زندگی گزارتے اور ایمان و عمل کے تقاضے کس طرح پورے کرتے رہے؟

(۶) یعنی اللہ کے عذاب سے۔ اس لیے اس عذاب سے بچنے کا اہتمام بھی کرتے رہے‘ اس لیے کہ انسان کو جس چیز کا ڈر ہوتا ہے‘ اس سے بچنے کے لیے وہ تک و دو بھی کرتا ہے۔

(۷) سَمُومٌ‘ سو‘ مجلس ڈالنے والی گرم ہوا کو کہتے ہیں‘ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے۔

إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿٥٠﴾

فَذَكِّرْهُمْ مَا أَنتَ بِمُصَدِّقٍ لِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ﴿٥١﴾

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ مَّتَرَفِعٌ بِهِ نَيْبُ الْقُنُونِ ﴿٥٢﴾

قُلْ تَرَاهُمْ أَوْ أَتَانِي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ﴿٥٣﴾

أَمْ تَأْتِيهِمْ آحْلَامُهُمْ بِلُغَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوتٌ ﴿٥٤﴾

أَمْ يَقُولُونَ نَقُولُ بَلْ لَّيْلٌ مُنْجُونٌ ﴿٥٥﴾

ہم اس سے پہلے ہی اس کی عبادت کیا کرتے تھے،^(۱) بیشک وہ محسن اور مہربان ہے۔ (۲۸)

تو آپ سمجھاتے رہیں کیونکہ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں نہ دیوانہ۔^(۲) (۲۹)

کیا کافروں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اس پر زمانے کے حوادث (یعنی موت) کا انتظار کر رہے ہیں۔^(۳) (۳۰)

کہہ دیجئے! تم خطر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔^(۴) (۳۱)

کیا ان کی عقلیں انہیں یہی سکھاتی ہیں؟^(۵) یا یہ لوگ ہی سرکش ہیں۔^(۶) (۳۲)

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نبی نے (قرآن) خود گھڑ لیا ہے واقعہ یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔^(۷) (۳۳)

(۱) یعنی صرف اسی ایک کی عبادت کرتے تھے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے، یہ مطلب ہے کہ اسی سے عذاب جنم سے بچنے کے لیے دعا کرتے تھے۔

(۲) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم دی جا رہی ہے کہ آپ وعظ و تبلیغ اور نصیحت کا کام کرتے رہیں اور یہ آپ کی بابت جو کچھ کہتے رہتے ہیں ان کی طرف کان نہ دھریں اس لیے کہ آپ اللہ کے فضل سے کاہن ہیں نہ دیوانہ (جیسا کہ یہ کہتے ہیں) بلکہ آپ پر باقاعدہ ہماری طرف سے وحی آتی ہے جو کہ کاہن پر نہیں آتی آپ جو کلام لوگوں کو سناتے ہیں وہ دانش و بصیرت کا آئینہ دار ہوتا ہے ایک دیوانے سے اس طرح گفتگو کیوں کر ممکن ہے؟

(۳) زینب کے معنی ہیں حوادث، مُتَنُون، موت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ مطلب ہے کہ قریش مکہ اس انتظار میں ہیں کہ زمانے کے حوادث سے شاید اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو موت آجائے اور ہمیں چین نصیب ہو جائے جو اس کی دعوت توحید نے ہم سے چھین لیا ہے۔

(۴) یعنی دیکھو! موت پہلے کے آتی ہے؟ اور ہلاکت کس کا مقدر بنتی ہے؟

(۵) یعنی یہ تیرے بارے میں جو اس طرح اتانپ شناپ جھوٹ اور غلط سلاطین کرتے رہتے ہیں کیا ان کی عقلیں ان کو یہی سمجھاتی ہیں؟

(۶) نہیں بلکہ یہ سرکش اور گمراہ لوگ ہیں اور یہی سرکشی اور گمراہی انہیں ان باتوں پر برا لگینے کرتی ہے۔

(۷) یعنی قرآن گھڑنے کے الزام پر ان کو آمادہ کرنے والا بھی ان کا کفر ہی ہے۔

اچھا اگر یہ سچے ہیں تو بھلا اس جیسی ایک (ہی) بات یہ (بھی) تولے آئیں۔^(۱) (۳۳)

کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟^(۲) یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟^(۳) (۳۵)

کیا انہوں نے ہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ یقین نہ کرنے والے لوگ ہیں۔^(۴) (۳۶)

یا کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں؟^(۵) یا (ان خزانوں کے) یہ داروغہ ہیں۔^(۶) (۳۷)

یا کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر سنتے ہیں؟^(۷) (اگر ایسا ہے) تو ان کا سننے والا کوئی روشن دلیل پیش کرے۔ (۳۸)

کیا اللہ کی تو سب لڑکیاں ہیں اور تمہارے ہاں لڑکے

قَلِيْلًا اَوْ اَصْدِيْقًا مُّثْلًا اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۳﴾

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْغٰفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِلَا اَيُّوْمٍ وَّوَقْتٍ ﴿۳۶﴾

اَمْ عِنْدَكُمْ سُرُّسُلٰنٌ رَّبُّكُمْ اَمْ هُمُ الْكَافِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

اَمْ لَهُمْ سُلُوْلٰتٌ مُّوْمِنُوْنَ فِيْهِ قَلِيْلًا تَسْتَعْجِلُوْنَ سُلٰطِيْنَ مُّؤَيَّدِيْنَ ﴿۳۸﴾

اَمْ لَهُ الْاِنْتُنَّ وَالْكَوْا الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾

(۱) یعنی اگر یہ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں کہ یہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنا کھڑا ہوا ہے تو پھر یہ بھی اس جیسی کتاب بنا کر پیش کر دیں جو 'لحم'، 'عجاز و بلاغت'، 'حسن بیان'، 'عذرت اسلوب'، 'تعیین حقائق اور حل مسئلہ' میں اس کا مقابلہ کر سکے۔

(۲) یعنی اگر واقعی ایسا ہے تو پھر کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ انہیں کسی بات کا حکم دے یا کسی بات سے منع کرے۔ لیکن جب ایسا نہیں ہے بلکہ انہیں ایک پیدا کرنے والے نے پیدا کیا ہے تو ظاہر ہے اس کا انہیں پیدا کرنے کا ایک خاص مقصد ہے وہ انہیں پیدا کر کے یوں ہی کس طرح چھوڑ دے گا؟

(۳) یعنی یہ خود بھی اپنے خالق نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ کے خالق ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔

(۴) بلکہ اللہ کے وعدوں اور وعیدوں کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔

(۵) کہ یہ جس کو چاہیں روزی دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں یا جس کو چاہیں نبوت سے نوازیں۔

(۶) مُّصْنِطٍ یَّا مُصْنِطٍ 'سطر' سے ہے، 'لکھنے والا' جو محافظ و نگران ہو، وہ چونکہ ساری تفصیلات لکھتا ہے اس لیے یہ محافظ اور نگران کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی کیا اللہ کے خزانوں یا اس کی رحمتوں پر ان کا تسلط ہے کہ جس کو چاہیں دیں یا نہ دیں۔

(۷) یعنی کیا یہ ان کا دعویٰ ہے کہ سیڑھی کے ذریعے سے یہ بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح آسمانوں پر جا کر ملائکہ کی باتیں یا ان کی طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ سن آئے ہیں۔

ہیں؟ (۳۹)

کیا تو ان سے کوئی اجرت طلب کرتا ہے کہ یہ اس کے
توان سے بوجھل ہو رہے ہیں۔ (۴۰)^(۱)

کیا ان کے پاس علم غیب ہے جسے یہ لکھ لیتے ہیں؟ (۴۱)^(۲)
کیا یہ لوگ کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں؟^(۳) تو یقین کر لیں
کہ فریب خوردہ کافر ہی ہیں۔ (۴۲)^(۴)

کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی معبود ہے؟ (ہرگز نہیں) اللہ
تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے۔ (۴۳)^(۵)

اگر یہ لوگ آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا دیکھ لیں
تب بھی کہہ دیں کہ یہ تہ بہ تہ بادل ہے۔ (۴۴)^(۶)

تو انہیں چھوڑ دے یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ
پڑے جس میں یہ بے ہوش کر دیئے جائیں گے۔ (۴۵)^(۷)

جس دن انہیں ان کا کمر کچھ کام نہ دے گا اور نہ وہ مدد
کیے جائیں گے۔ (۴۶)^(۸)

پیشک ظالموں کے لیے اسکے علاوہ اور عذاب بھی ہیں^(۹)
لیکن ان لوگوں میں سے اکثر بے علم ہیں۔ (۴۷)^(۱۰)

أَمْ قُلُوبُهُمْ خِصْرٌ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۚ

أَمْ حَسِبُوا أَنَّ الْفِتْيَانِ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۚ

أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۚ قَالُوا الَّذِينَ كَفَرُوا هُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۚ

أَمْ لَهُمْ آلَاءٌ غَيْرُ آلَاءِ اللَّهِ تَعَالَى ۚ

وَأَنْ يَرَوْا كِسْفًا مِنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ۚ

فَذَرْهُمْ حَتَّى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ۚ

يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۚ

وَأَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ

لَا يَعْلَمُونَ ۚ

(۱) یعنی اس کی اور نیکی ان کے لیے مشکل ہو۔

(۲) کہ ضرور ان سے پیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مر جائیں گے اور ان کو موت اس کے بعد آئے گی۔

(۳) یعنی ہمارے پیغمبر کے ساتھ جس سے اس کی ہلاکت واقع ہو جائے۔

(۴) یعنی کید و کمران ہی پر الٹ پڑے گا اور سارا نقصان انہی کو ہو گا۔ جیسے فرمایا: ﴿وَلَا يَجِئُ السَّكَرُ لَيْتِي إِلَّا بِأَهْلِهِ﴾
(الطہر: ۴۳) چنانچہ بدر میں یہ کافر مارے گئے اور بھی بہت سی جگہوں پر ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئے۔

(۵) مطلب ہے کہ اپنے کفر و عناد سے پھر بھی باز نہ آئیں گے بلکہ ڈھنائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہ عذاب
نہیں بلکہ ایک پر ایک بادل چڑھا آ رہا ہے جیسا کہ بعض موقعوں پر ایسا ہوتا ہے۔

(۶) یعنی دنیا میں جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَنُفَقِّهُنَّ مِنَ الْعَذَابِ الْأَذْنِ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُنَّ يَرْجِعُونَ﴾
(آلۃ السجدہ: ۴۱)

(۷) اس بات سے کہ دنیا کے یہ عذاب اور مصائب اس لیے ہیں تاکہ انسان اللہ کی طرف رجوع کریں یہ نکتہ چونکہ

وَأَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ
رَبِّكَ خِيْلَيْنِ نَقُومُ ۝

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَابْتَازَ الْتُجُومُ ۝

سُبُّوْهُ الْجَحِيْمُ

يَسْمَعُ الْوَرَحِمْنَ الرَّحِيْمُ ۝

تو اپنے رب کے حکم کے انتظار میں میرے کام لے
جیٹک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ صبح کو جب تو
اٹھے ^(۱) اپنے رب کی پاکی اور حمد بیان کر۔ (۳۸)
اور رات کو بھی اس کی تسبیح پڑھ ^(۲) اور ستاروں کے
ڈوبتے وقت بھی۔ ^(۳) (۳۹)

سورۃ نجم کی ہے اور اس میں ہاشم آیتیں اور
تین رکوع ہیں۔

شروع کرنا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

نہیں سمجھتے اس لیے گناہوں سے تائب نہیں ہوتے بلکہ بعض دفعہ پہلے سے بھی زیادہ گناہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ جس
طرح ایک حدیث میں فرمایا کہ ”مناقب جب بیمار ہو کر صحت مند ہو جاتا ہے تو اس کی مثال اونٹ کی سی ہے۔ وہ نہیں جانتا
کہ اسے کیوں رسیوں سے باندھا گیا۔ اور کیوں کھلا چھوڑ دیا گیا؟“ ابو داؤد، کتاب الجہاد، المصبر، ۳۰۸۔

(۱) اس کھڑے ہونے سے کون سا کھڑا ہونا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں جب نماز کے لیے کھڑے ہوں۔ جیسے کہ آغاز نماز
میں سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ۔ پڑھی جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں جب نیند سے بیدار ہو کر
کھڑے ہوں۔ اس وقت بھی اللہ کی تسبیح و تحمید مسنون ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب کسی مجلس سے کھڑے ہوں۔ جیسے
حدیث میں آتا ہے۔ جو شخص کسی مجلس سے اٹھے وقت یہ دعا پڑھ لے گا تو یہ اس کی مجلس کے گنہگاروں کا کفارہ ہو جائے
گا۔ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ۔ (مسند الحرمی، أبواب
الدعوات، باب ما یقول إذا قام من مجلسه)۔

(۲) اس سے مراد قیام اللیل۔ یعنی نماز تہجد ہے جو عمر بھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول رہا۔

(۳) آئی، وَقْتُ إِذْ بَارَهَا مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ اس سے مراد فجر کی دو ختیں ہیں، نوافل میں سب سے زیادہ اس کی نبی ﷺ
حفاظت فرماتے تھے۔ اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا ”فجر کی دو ختیں دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے“ صحیح
بخاری، کتاب التہجد، باب تعاهد رکعتی الفجر ومن سماهما تطوعاً و صحیح مسلم، کتاب
الصلوة، باب استحباب رکعتی الفجر

☆ یہ پہلی سورت ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے مجمع عام میں تلاوت کیا، تلاوت کے بعد آپ
ﷺ نے اور آپ ﷺ کے پیچھے جتنے لوگ تھے سب نے سجدہ کیا، سوائے امیہ بن خلف کے، اس نے اپنی مٹھی میں

وَالْغَيْبُ إِذْ هُوَ ۝

نَاضِلٌ صَاحِبُكُمْ وَمَقَرُّو ۝

وَيَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَى ۝

إِنْ هُوَ إِلَّا دَعْوَى الْيُوسُفَى ۝

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى ۝

ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَى ۝

قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے۔^(۱)کہ تمہارے ساتھی نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی راہ پر ہے۔^(۲)اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔^(۳)وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔^(۴)اسے پوری طاقت والے فرشتے نے سکھایا ہے۔^(۵)جو زور آور ہے^(۶) پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔^(۷)

مٹی لے کر اس پر سجدہ کیا۔ چنانچہ یہ کفر کی حالت میں ہی مارا گیا (صحیح بخاری، تفسیر سورہ نجم) بعض طریق میں اس فسخ کا نام عقبہ بن ربیعہ بتلایا گیا ہے (تفسیر ابن کثیر) وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سورت کی تلاوت آپ ﷺ کے سامنے کی، آپ ﷺ نے اس میں سجدہ نہیں کیا (صحیح بخاری، باب مذکور) اس کا مطلب یہ ہوا کہ سجدہ کرنا مستحب ہے، فرض نہیں۔ اگر کبھی چھوڑ بھی دیا جائے تو جائز ہے۔

(۱) بعض مفسرین نے ستارے سے ثریا ستارہ اور بعض نے زہرہ ستارہ مراد لیا ہے اور بعض نے جنس نجوم ہوتی، اوپر سے نیچے گرنا، یعنی جب رات کے اختتام پر فجر کے وقت وہ گرتا ہے، یا شیطین کو مارنے کے لیے گرتا ہے یا بقول بعض قیامت والے دن گریں گے۔

(۲) یہ جواب قسم ہے۔ صَاحِبُكُمْ (تمہارا ساتھی) کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ نبوت سے پہلے چالیس سال اس نے تمہارے ساتھ اور تمہارے درمیان گزارے ہیں، اس کے شب و روز کے تمام معمولات تمہارے سامنے ہیں، اس کا اخلاق و کردار تمہارا جانا پہچانا ہے۔ راست بازی اور امانت داری کے سوا تم نے اس کے کردار میں کبھی کچھ اور بھی دیکھا؟ اب چالیس سال کے بعد جو وہ نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے تو ذرا سوچو، وہ کس طرح جھوٹ ہو سکتا ہے؟ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ وہ نہ گمراہ ہوا ہے نہ بہکا ہے۔ ضلالت، راہ حق سے وہ انحراف ہے جو جہالت اور لاعلمی سے ہو اور غواہیت، وہ کبھی ہے جو جانتے بوجھتے حق کو چھوڑ کر اختیار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کی گمراہیوں سے اپنے پیغمبر کی تنزیہ بیان فرمائی۔

(۳) یعنی وہ گمراہ یا بہک کس طرح سکتا ہے، وہ تو وحی الہی کے بغیر لب کشائی ہی نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ مزاج اور خوش طبعی کے موقعوں پر بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا (سنن الشرمذی، ابواب البر، باب ما جاء فی المصباح) اسی طرح حالت غضب میں، آپ ﷺ کو اپنے جذبات پر اتنا کنٹرول تھا کہ آپ ﷺ کی زبان سے کوئی بات خلاف واقعہ نہ نکلتی (ابوداؤد، کتاب العلم، باب فی کتاب العلم)۔

(۴) اس سے مراد جبرائیل علیہ السلام فرشتہ ہے جو قوی اعضا کا مالک اور نہایت زور آور ہے، پیغمبر پر وحی مانے اور اسے

وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى ۝

اور وہ بلند آسمان کے کناروں پر تھا۔^(۷)

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ۝

پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا۔^(۸)

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝

پس وہ دو کمانوں کے بقدر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔^(۹)

فَأَوْخَىٰ إِلَىٰ عَنبِءِهَا وَفَافَىٰ ۝

پس اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی^(۱۰) جو بھی پہنچائی۔^(۱۰)

مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝

دل نے جھوٹ نہیں کہا جسے (پیغمبر نے) دیکھا۔^(۱۱)

أَفَتُفَرِّقُونَ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝

کیا تم جھگڑا کرتے ہو اس پر جو (پیغمبر) دیکھتے ہیں۔^(۱۲)

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝

اسے تو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا۔^(۱۳)

وَجَنَدًا لَهُ الْفُتُوحَىٰ ۝

سدرۃ المنتہی کے پاس۔^(۱۴)

وَمِنْهَا جَئَتْ الْمَوْدَىٰ ۝

اسی کے پاس جنت الماویٰ ہے۔^(۱۵)

سکھلانے والا یہی فرشتہ ہے۔

(۱) یعنی جبرائیل علیہ السلام یعنی وحی سکھلانے کے بعد آسمان کے کناروں پر جا کھڑے ہوئے۔

(۲) یعنی پھر زمین پر اترے اور آہستہ آہستہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے۔

(۳) بعض نے ترجمہ کیا ہے 'دو ہاتھوں کے بقدر' یہ نبی ﷺ اور جبرائیل علیہ السلام کی باہمی قربت کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ اور

نبی ﷺ کی قربت کا اظہار نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ باور کراتے ہیں۔ آیات کے سیاق سے صاف واضح ہے کہ اس میں

صرف جبرائیل علیہ السلام اور پیغمبر کا بیان ہے۔ اسی قربت کے موقع پر نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو انکی اصل شکل میں

دیکھا اور یہ بعثت کے ابتدائی احوال کا واقعہ ہے جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا۔ دوسری مرتبہ اصل شکل میں معراج کی رات دیکھا۔

(۴) یعنی جبرائیل علیہ السلام اللہ کے بندے حضرت محمد ﷺ کے لیے جو وحی یا پیغام لے کر آئے تھے وہ انہوں نے

آپ ﷺ تک پہنچایا۔

(۵) یعنی نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو اصل شکل میں دیکھا کہ ان کے چہ سوہر ہیں۔ ایک پر مشرق و مغرب کے

درمیان فاصلے جتنا تھا اس کو آپ ﷺ کے دل نے جھٹلایا نہیں بلکہ اللہ کی اس عظیم قدرت کو تسلیم کیا۔

(۶) یہ لیلۃ المعراج کو جب اصل شکل میں جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا اس کا بیان ہے۔ یہ سدرۃ المنتہی ایک پیری کا

درخت ہے جو چھنے یا ساتویں آسمان پر ہے اور یہ آخری حد ہے اس سے اوپر کوئی فرشتہ نہیں جا سکتا۔ فرشتے اللہ کے

احکام بھی ہمیں سے وصول کرتے ہیں۔

(۷) اسے جنت الماویٰ اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ماویٰ و مسکن یہی تھا بعض کہتے ہیں کہ روحن

إِذْ يُنْفِثُ السَّيْدَرَةَ مَا يَنْفِثُ ⑤

جب کہ سدرہ کو چھپائے لیتی تھی وہ چیز جو اس پر چھا رہی تھی۔^(۱۶)

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ⑥

نہ تو نگاہ ہٹکی نہ حد سے بڑھی۔^(۱۷)

لَقَدْ دَلَّى مِنْ إِيضَتِهِ الْكَوْثَى ⑦

یقیناً اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھ لیں۔^(۱۸)

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ⑧

کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا۔^(۱۹)

وَمَنْوَةَ الْغَالِثَةِ الْاُخْرَىٰ ⑨

اور منات تیسرے پچھلے کو۔^(۲۰)

یہاں آکر جمع ہوتی ہیں۔ (فتح القدیر)

(۱) سدرۃ المنتہیٰ کی اس کیفیت کا بیان ہے جب شب معراج میں آپ ﷺ نے اس کا مشاہدہ کیا، سونے کے پروانے اس کے گرد منڈا رہے تھے، فرشتوں کا عکس اس پر پڑ رہا تھا، اور رب کی تجلیات کا مظہر بھی وہی تھا۔ (ابن کثیر وغیرہ) اسی مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزوں سے نوازا گیا۔ پانچ وقت کی نمازیں، سورۃ بقرہ کی آخری آیات اور اس مسلمان کی مغفرت کا وعدہ جو شرک کی آلودگیوں سے پاک ہو گا (اصحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب ذکر سدرۃ المنتہیٰ)

(۲) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں دائیں بائیں ہوئیں اور نہ اس حد سے بلند اور متجاوز ہوئیں جو آپ ﷺ کے لیے مقرر کردی گئی تھی۔ (ایسر التفسیر)

(۳) جن میں یہ جبرائیل علیہ السلام اور سدرۃ المنتہیٰ کا دیکھنا اور دیگر مظاہر قدرت کا مشاہدہ ہے جس کی کچھ تفصیل احادیث معراج میں بیان کی گئی ہے۔

(۴) یہ مشرکین کی توبخ کے لیے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی یہ توشان ہے جو مذکور ہوئی کہ جبرائیل علیہ السلام جیسے عظیم فرشتوں کا وہ خالق ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اس کے رسول ہیں، جنہیں اس نے آسمانوں پر بلا کر بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ بھی کروایا اور وحی بھی ان پر نازل فرماتا ہے۔ کیا تم جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو، ان کے اندر بھی یہ یا اس قسم کی خوبیاں ہیں؟ اس ضمن میں عرب کے تین مشہور بتوں کے نام بطور مثال لیے گئے، 'لات'، 'عزى' کے نزدیک یہ لفظ اللہ سے ماخوذ ہے، بعض کے نزدیک لَات يَلْبُثُ سے ہے، جس کے معنی موڑنے کے ہیں، پجاری اپنی گردنیں اس کی طرف موڑتے اور اس کا طواف کرتے تھے۔ اس لیے یہ نام پڑ گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ، 'لات' میں تاء مشدود ہے۔ لَتَّ يَلْتُتُ سے اسم فاعل (ستو گھولنے والا) یہ ایک نیک آدمی تھا، حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا، جب یہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی قبر کو عبادت گاہ بنا لیا، پھر اس کے مجسمے اور بت بن گئے۔ یہ طائف میں بنو قریظہ کا سب سے بڑا بت تھا۔ عَزَى کہتے ہیں یہ اللہ کے صفاتی نام عَزِيزٌ سے ماخوذ ہے، اور یہ آعَزُ کی تانیث ہے بمعنی عَزِيزَةٌ بعض کہتے ہیں

الْكُفْرَ الَّذِي كَرُّهُ الْإِنْسَانِي ①

بَلْكَ إِذَا قَسَمَ ضِيَرِي ②

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَإِنَّا وَكُنَّا نُنْزِلُ
اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنَّ يَلْقَئُونَنَا إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى
الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمْ الْهُدَى ③

کیا تمہارے لیے لڑ کے اور اللہ کے لیے لڑکیاں
ہیں؟ ① (۲۱)

یہ تو اب بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے۔ ② (۲۲)

در اصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ
دادوں نے ان کے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کی کوئی دلیل
نہیں اتاری۔ یہ لوگ تو صرف اٹکل کے اور اپنی نفسانی
خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور یقیناً ان کے رب
کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔ ③ (۲۳)

کہ یہ غفغان میں ایک درخت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی، بعض کہتے ہیں کہ شیطانی (بھوتی) تھی جو بعض درختوں
میں ظاہر ہوتی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سنگ ایضاً تھا جس کو پوجتے تھے۔ یہ قریش اور بنو کننہ کا خاص معبود تھا۔ مَسْوَۃُ
مَنْیَ یعنی سے ہے جس کے معنی صَبَّ (بھانے) کے ہیں۔ اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے لوگ کثرت سے اس
کے پاس جانور ذبح کرتے اور ان کا خون بہاتے تھے۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بت تھا (فتح القدیر) یہ قدیدہ کے
بالقابل مثل جگہ میں تھا، بنو خزاعہ کا یہ خاص بت تھا۔ زمانہ جاہلیت میں اس اور خزرج میں سے احرام باندھتے تھے اور
اس بت کا طواف بھی کرتے تھے (ایسر التفسیر و ابن کثیر) ان کے علاوہ مختلف اطراف میں اور بھی بت سے بت اور بت
خانے پھیلے ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد اور دیگر مواقع پر ان بتوں اور دیگر تمام بتوں کا خاتمہ فرما
دیا۔ ان پر جو قبے اور عمارتیں بنی ہوئی تھیں، وہ سہار کر دیا، ان درختوں کو کٹوا دیا، جن کی تعظیم کی جاتی تھی اور وہ
تمام آثار و مظاہر مٹا ڈالے گئے جو بت پرستی کی یادگار تھے، اس کام کے لیے آپ ﷺ نے حضرت خالدؓ، حضرت علیؓ
حضرت عمرو بن عامر اور حضرت جریر بن عبد اللہ الجلی وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین کو، جہاں جہاں یہ بت تھے، بھیجے
اور انہوں نے جا کر ان سب کو ڈھا کر سرزمین عرب سے شرک کا نام مٹا دیا۔ (ابن کثیر) قرون اولیٰ کے بت بعد ایک مرتبہ
پھر عرب میں شرک کے یہ مظاہر عام ہو گئے تھے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجدد الدعوة شیخ محمد بن عبد الوہاب کو توفیق
دی، انہوں نے درعیہ کے حاکم کو اپنے ساتھ ملا کر قوت کے ذریعے سے ان مظاہر شرک کا خاتمہ فرمایا اور اسی دعوت کی
تجدید ایک مرتبہ پھر سلطان عبد العزیز والی نجد و حجاز (موجودہ سعودی حکمرانوں کے والد اور اس مملکت کے بانی) نے کی اور
تمام پختہ قبروں اور قبوں کو ڈھا کر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احیا فرمایا اور یوں الحمد للہ اب پورے سعودی عرب میں
اسلامی احکام کے مطابق نہ کوئی پختہ قبر ہے اور نہ کوئی مزار

(۱) مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، یہ اس کی تردید ہے، جیسا کہ متعدد جگہ یہ مضمون گزر چکا ہے۔

(۲) ضیَرِی، حق و صواب سے منہ ہوتی۔

أَمَّا الْإِنْسَانُ فَأَنسَى ﴿٢٤﴾

فَبَلَّوْا الْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾

وَكَمْ مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِي عَنْهُمْ شِفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مَنۢ بَّعِثَ اٰلَٰهُ يَٰۤاٰذَنَ اللّٰهُ لِمَنۢ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿٢٦﴾

إِنَّ الدِّينَ لِلَّهِ يُوْثِقُونَ بِالْآخِرَةِ لَيَسْتَعُوْنَ الْمَلَائِكَةَ
قَسِيْمَةً اَلَا تُنۢبِئُ ﴿٢٧﴾

وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الْهَوٰى وَاِنَّ الظَّالِمِ
لَآ يَفۢرِقُ بَيْنَ الْعَنَىٰ شَيْئًا ﴿٢٨﴾

فَافۢرِضۢ عَنْ مَّنۢ تَوَلٰى عَنۢ ذُرِّيَّتِهِۦٓ اِلَٰهَ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾

ذٰلِكَ مَبۢلَغُهُمۡ مِنَ الْعِلۡمِ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۢ
صَلَّٰ عَنْ نَّبِيِّهٖ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۢ افۢتَدٰى ﴿٣٠﴾

وَلَهُۥ مَسَٰبِقُ السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لَیَجۢزِیَ الَّذِیۡنَ
اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَیَجۢزِیَ الَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوْا بِالۡعَنۢی ﴿٣١﴾

کیا ہر شخص جو آرزو کرے اسے میسر ہے؟ (۲۴)

اللہ ہی کے ہاتھ ہے یہ جہنم اور وہ جہان۔ (۲۵)

اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لیے چاہے اجازت دے دے۔ (۲۶)

پیشک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کا زنا نہ نام مقرر کرتے ہیں۔ (۲۷)

حالانکہ انہیں اس کا کوئی علم نہیں وہ صرف اپنے گمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور پیشک وہم (و گمان) حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں دیتا۔ (۲۸)

تو آپ اس سے منہ موڑ لیں جو ہماری یاد سے منہ موڑے اور جن کا ارادہ بجز زندگی دنیا کے اور کچھ نہ ہو۔ (۲۹)

یہی ان کے علم کی انتہا ہے۔ آپ کا رب اس سے خوب واقف ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی خوب واقف ہے اس سے بھی جو راہ یافتہ ہے۔ (۳۰)

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ اللہ تعالیٰ برے عمل کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ

(۱) یعنی یہ جو چاہتے ہیں کہ ان کے یہ معبود انہیں فائدہ پہنچائیں اور ان کی سفارش کریں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

(۲) یعنی وہی ہو گا جو وہ چاہے گا، کیونکہ تمام اختیارات اسی کے پاس ہیں۔

(۳) یعنی فرشتے جو اللہ کی مقرب ترین مخلوق ہے، ان کو بھی شفاعت کا حق صرف انہی لوگوں کے لیے ملے گا جن کے لیے اللہ پسند کرے گا، جب یہ بات ہے تو پھر یہ پتھر کی مورتیاں کس طرح کسی کی سفارش کر سکیں گی؟ جن سے تم آس لگائے بیٹھے ہو، نیز اللہ تعالیٰ مشرکوں کے حق میں کسی کو سفارش کرنے کا حق بھی کب دے گا، جب کہ شرک اس کے نزدیک ناقابل معافی ہے؟

عنایت فرمائے۔^(۱) (۳۱)

ان لوگوں کو جو بڑے گناہوں سے بچتے ہیں اور بے حیائی سے بھی^(۲) سوائے کسی چھوٹے سے گناہ کے۔^(۳) بیشک تیرا رب بہت کثادہ مغفرت والا ہے، وہ تمہیں بخوبی جانتا ہے جبکہ اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جبکہ تم اپنی

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ كَثِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ إِلَّا اللَّمَمَاتِ رَبَّنَا
وَابِغْمِ الْمَغْفُورَةِ هُوَ أَعْلَمُ بِكُلِّ شَاكْرٍ مِنَ الْأَرْضِ وَإِذَا أَنْتُمْ لِحَنَةٍ
فِي بَطْوَانِ أُمَّتِكُمْ فَلَا تُخْلَوْا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّبَعَ ﴿۳۱﴾

(۱) یعنی ہدایت اور گمراہی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہی کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے، تاکہ نیکو کار کو اس کی نیکیوں کا صلہ اور بدکار کو اس کی برائیوں کا بدلہ دے ﴿وَلَهُ مِثَاقُ السَّعْدِ وَمِثَاقُ الْفَقْرِ﴾ یہ جملہ معترضہ ہے اور لیتجزی کا تعلق گزشتہ گفتگو سے ہے۔ (فتح القدیر)

(۲) کَثِيرٌ، کَثِيرَةٌ کی جمع ہے۔ کبیرہ گناہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ زیادہ اہل علم کے نزدیک ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس پر جہنم کی وعید ہے، یا جس کے مرتکب کی سخت مذمت قرآن و حدیث میں مذکور ہے اور اہل علم یہ بھی کہتے ہیں کہ چھوٹے گناہ پر اصرار و دوام بھی اسے کبیرہ گناہ بنا دیتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے معنی اور ماہیت کی تحقیق میں اختلاف کی طرح اس کی تعداد میں بھی بہت اختلاف ہے۔ بعض علما نے انہیں کتابوں میں جمع بھی کیا ہے۔ جیسے کتاب الکبائر مذہبی اور الزواجر وغیرہ۔ فَوَاحِشٌ، فَوَاحِشَةٌ کی جمع ہے، بے حیائی پر مبنی کام، جیسے زنا، نواطت وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں جن گناہوں میں حد ہے، وہ سب فواحش میں داخل ہیں۔ آج کل بے حیائی کے مظاہر چونکہ بہت عام ہو گئے ہیں، اس لیے بے حیائی کو "تمذیب" سمجھ یا گیا ہے، حتیٰ کہ اب مسلمانوں نے بھی اس "تمذیب بے حیائی" کو اپنا لیا ہے۔ چنانچہ گھروں میں ٹی وی، وی سی آر وغیرہ عام ہیں، عورتوں نے نہ صرف پردے کو خیر باد کہہ دیا ہے، بلکہ بن سنور کر اور حسن و جمال کا مجسم اشتہار بن کر باہر نکلنے کو اپنا شعار اور وطیرہ بنا لیا ہے۔ مخلوط تعلیم، مخلوط ادارے، مخلوط مجلسیں اور دیگر بہت سے موقعوں پر مرد و زن کا بے باکانہ اختلاط اور بے محابا گفتگو روز افزوں ہے، دراصل حایکہ یہ سب "فواحش" میں داخل ہیں۔ جن کی بابت یہاں بتلایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کی مغفرت ہوتی ہے، وہ کبار و فواحش سے اجتناب کرنے والے ہوں گے نہ کہ ان میں مبتلا۔

(۳) لَعَمَّ کے لغوی معنی ہیں، کم اور چھوٹا ہونا، اسی سے اس کے یہ استعمالات ہیں أَلَمَّ بِالْعَمَلِ (مکان میں تھوڑی دیر ٹھہرا) أَلَمَّ بِالطَّعَامِ (تھوڑا سا کھایا)، اسی طرح کسی چیز کو محض چھو لینا، یا اس کے قریب ہونا، یا کسی کام کو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کرنا، اس پر دوام و استمرار نہ کرنا، یا محض دل میں خیال کا گزرتا، یہ سب صورتیں لَعَمَّ کہلاتی ہیں، (فتح القدیر) اس کے اس مفہوم اور استعمال کی رو سے اس کے معنی صغیرہ گناہ کیے جاتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بڑے گناہ کے مبادیات کا ارتکاب، لیکن بڑے گناہ سے اجتناب کرنا، یا کسی گناہ کا ایک دو مرتبہ کرنا پھر ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ دینا، یا کسی گناہ کا محض دل میں خیال کرنا لیکن عملاً اس کے قریب نہ جانا، یہ سارے صغیرہ گناہ ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ کبار سے اجتناب کی برکت سے معاف فرما دے گا۔

ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے^(۱) پس تم اپنی پاکیزگی آپ بیان نہ کرو،^(۲) وہی پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ (۳۲)
کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے منہ موڑ لیا۔ (۳۳)
اور بہت کم دیا اور ہاتھ روک لیا۔^(۳) (۳۴)
کیا اسے علم غیب ہے کہ وہ (سب کچھ) دیکھ رہا ہے؟^(۴) (۳۵)

کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ (علیہ السلام) کے۔ (۳۶)

اور وفادار ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں تھا۔ (۳۷)
کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ (۳۸)
اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی۔^(۵) (۳۹)

اور یہ کہ بیشک اس کی کوشش عنقریب دیکھی

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّى

وَأَنفَعَى قَلِيلًا وَّكَثِيرًا

أَجْنَدًا يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَهُوَ بَرَى

أَمَرَ مُبِينًا إِنَّمَا نَقِصُفُ مُوسَى

فَذَرْهُمْ لَآئِي ذَوِّي

أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى

وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَى

وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يَرَى

(۱) اَجْنَةُ، جنین کی جمع ہے جو پیٹ کے بچے کو کہا جاتا ہے اس لیے کہ یہ لوگوں کی نظروں سے مستور ہوتا ہے۔

(۲) یعنی جب اس سے تمہاری کوئی کیفیت اور حرکت مخفی نہیں، حتیٰ کہ جب تمہارے پیٹ میں تھے جہاں تمہیں کوئی دیکھنے پر قادر نہیں تھا وہاں بھی تمہارے تمام احوال سے وہ واقف تھا تو پھر اپنی پاکیزگی بیان کرنے کی اور اپنے منہ میں مٹو بننے کی کیا ضرورت ہے؟ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ کرو۔ تاکہ ریاکاری سے تم بچو۔

(۳) یعنی تھوڑا سادے کر ہاتھ روک لیا۔ یا تھوڑی سی اطاعت کی اور پیچھے ہٹ گیا آنکھوں کے اصل معنی ہیں کہ زمین کھودتے کھودتے سخت پتھر آجائے اور کھدائی ممکن نہ رہے۔ بلا آخر وہ کھدائی چھوڑ دے تو کہتے ہیں آنکھیں نہیں سے اس کا استعمال اس شخص کے لیے کیا جانے لگا جو کسی کو کچھ دے لیکن پورا نہ دے کوئی کام شروع کرے لیکن اسے پیہ تکمیل تک نہ پہنچائے۔

(۴) یعنی کیا وہ دیکھ رہا ہے کہ اس نے فی سبیل اللہ خرچ کیا تو اس کا مال ختم ہو جائے گا؟ نہیں، غیب کا یہ علم اس کے پاس نہیں ہے بلکہ وہ خرچ کرنے سے گریز محض بخل، دنیا کی محبت اور آخرت پر عدم یقین کی وجہ سے کر رہا ہے اور اطاعت الہی سے انحراف کی وجوہات بھی یہی ہیں۔

(۵) یعنی جس طرح کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہیں ہو گا، اسی طرح اسے آخرت میں اجر بھی انہی چیزوں کا ملے گا جن میں اس کی اپنی محنت ہو گی۔ (اس جزا کا تعلق آخرت سے ہے، دنیا سے نہیں۔ جیسا کہ بعض سوشلسٹ قسم

جائے گی۔^(۱) (۳۰)

پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ (۳۱)

اور یہ کہ آپ کے رب ہی کی طرف پہنچتا ہے۔ (۳۲)

اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے۔ (۳۳)

اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے۔ (۳۴)

اور یہ کہ اسی نے جوڑا یعنی نروادہ پیدا کیا ہے۔ (۳۵)

نطفہ سے جبکہ وہ ٹپکایا جاتا ہے۔ (۳۶)

اور یہ کہ اسی کے ذمہ دوبارہ پیدا کرنا ہے۔ (۳۷)

اور یہ کہ وہی مالدار بناتا ہے اور سرمایہ دیتا ہے۔^(۲) (۳۸)

لَنُجْزِيَنَّ الْجَزَاءَ الْأَوْفَى ۚ

وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ ۚ

وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ۚ

وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتٌ وَأَحْيَا ۚ

وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَ الْجَذْوَةَ وَالْأُنثَىٰ ۚ

مِنْ نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ۚ

وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْأُخْرَىٰ ۚ

وَأَنَّهُ هُوَ الْغَفَىٰ وَالْأَفْغَىٰ ۚ

کے اہل علم اس باریہ مفہوم پاور کرا کے غیر حاضر زمینداری اور کرایہ داری کو ناجائز قرار دیتے ہیں (البتہ اس آیت سے ان علماء کا استدلال صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن خوانی کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ اس لیے کہ یہ مردہ کا عمل ہے نہ اس کی محنت۔ اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو مردوں کے لیے قرآن خوانی کی ترغیب دی نہ کسی نص یا اشارۃ النص سے اس کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ عمل منقول نہیں۔ اگر یہ عمل عمل خیر ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اسے ضرور اختیار کرتے۔ اور عبادات و قربات کے لیے نص کا ہونا ضروری ہے اس میں رائے اور قیاس نہیں چل سکتا۔ البتہ دعا اور صدقہ و خیرات کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کیونکہ یہ شارع کی طرف سے منصوص ہے۔ اور وہ جو حدیث ہے کہ مرنے کے بعد تین چیزوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو وہ بھی دراصل انسان کے اپنے عمل ہیں جو کسی نہ کسی انداز سے اس کی موت کے بعد بھی جاری رہتے ہیں۔ اور دکنی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انسان کی اپنی کمائی قرار دیا ہے۔ اسلئے السانی 'کتاب البیوع' باب البحث علی الکسب صدقہ جاریہ وقف کی طرح انسان کے اپنے آثار عمل ہیں۔ ﴿وَتَلْبَسُ مَا قَدَّمُوا وَآثَرَهُمْ﴾ (یس ۲۰) اسی طرح وہ علم جس کی اس نے لوگوں میں نشر و اشاعت کی اور لوگوں نے اس کی اقتدا کی تو یہ اس کی سعی اور اس کا عمل ہے اور بمصدق حدیث نبوی ص دَعَا إِلَىٰ هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَخْرَجِ مِثْلُ أُحُدٍ مِّن تَبِعَهُ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُحُدٍ هُمْ شَيْئًا (سنن أبی داؤد کتاب السنۃ باب لروم السنۃ) اقتدا کرنے والوں کا اجر بھی اسے پہنچتا رہے گا۔

اس لیے یہ حدیث آیت کے متافی نہیں ہے۔ (المن کثیر)

(۱) یعنی دنیا میں اس نے اچھا برا جو بھی کیا چھپ کر کیا یا علانیہ کیا قیامت والے دن سامنے آجائے گا اور اس پر اسے پوری جزا دی جائے گی۔

(۲) یعنی کسی کو اتنی تو نگری دیتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور اس کی تمام حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں اور کسی کو اتنا

وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّمْسِ ۝

وَأَنَّهُ أَمَلَكُ عَادًا الْأُولَى ۝

وَنُوحًا أَهْلًا أَبْنَى ۝

وَقَوْمًا يُوحِشِينَ قَبْلَ الْهَمِّ كَالْوَهْمِ أَطْلَعُوا ۝

وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَى ۝

فَنَفَسًا مَا غَشَى ۝

فَيَأْتِي آلَهُ رَبِّكَ تَتَمَلَّى ۝

هَذَا الَّذِي يُرَى الْكُذِّبُ الْأُولَى ۝

أَبْنَى فَتَبِ الْأَيْمَةُ ۝

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ۝

أَقْبَيْنَ هَذَا الْحَدِيثَ نَعْبُورُونَ ۝

اور یہ کہ وہی شعری (ستارے) کا رب ہے۔^(۱) (۴۹)اور یہ کہ اسی نے عاد اول کو ہلاک کیا ہے۔^(۲) (۵۰)

اور نوح کو بھی (جن میں سے) ایک کو بھی باقی نہ رکھا۔ (۵۱)

اور اس سے پہلے قوم نوح کو یقیناً وہ بڑے ظالم اور

سرکش تھے۔ (۵۲)

اور مؤلف (شر یا الٹی ہوئی بستیوں کو) اسی نے

الٹ دیا۔^(۳) (۵۳)پھر اس پر چھادیا جو چھایا۔^(۴) (۵۴)

پس اے انسان تو اپنے رب کی کس کس نعمت کے بارے

میں جھگڑے گا؟^(۵) (۵۵)

یہ (نئی) ڈرانے والے ہیں پہلے ڈرانے والوں میں

سے۔ (۵۶)

آنے والی گھڑی قریب آگئی ہے۔ (۵۷)

اللہ کے سوا اس کا (وقت معین پر کھول) دکھانے والا اور

کوئی نہیں۔ (۵۸)

پس کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو؟^(۶) (۵۹)

سرمایہ دے رہتا ہے کہ اس کے پاس ضرورت سے زائد بچ رہتا ہے اور وہ اس کو جمع کر کے رکھتا ہے۔

(۱) رب تو وہ ہر چیز کا ہے، یہاں اس ستارے کا نام اس لیے لیا ہے کہ بعض عرب قبائل اس کو پوجا کرتے تھے۔

(۲) قوم عاد کو اولیٰ اس لیے کہا کہ یہ ثمود سے پہلے ہوئی، یا اس لیے کہ قوم نوح کے بعد سب سے پہلے یہ قوم ہلاک کی

گئی۔ بعض کہتے ہیں 'عاد نامی دو قومیں گزری ہیں' یہ پہلی ہے جسے یاد تمد سے ہلاک کیا گیا جب کہ دوسری زمانے کی

مردوشوں کے ساتھ مختلف ناموں سے چلتی اور بکھرتی ہوئی موجود رہی۔

(۳) اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں ہیں، جن کو ان پر الٹ دیا گیا۔

(۴) یعنی اس کے بعد ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔

(۵) یا شک کرے گا اور ان کو جھٹلائے گا، جب کہ وہ اتنی عام اور واضح ہیں کہ ان کا انکار ممکن ہے نہ ان کا انکسار۔

(۶) بات سے مراد قرآن کریم ہے، یعنی اس سے تم تعجب کرتے اور اس کا استہزا کرتے ہو، حالانکہ اس میں نہ تعجب والی

وَنَصْحُلُونَ وَلَا تَبْكُونَ ۝

وَأَنْتُمْ سَوْدُونَ ۝

فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ۝



اور ہنس رہے ہو؟ روتے نہیں؟ (۶۰)

(بلکہ) تم کھیل رہے ہو۔ (۶۱)

اب اللہ کے سامنے سجدے کرو اور (اسی کی) عبادت کرو۔^(۱) (۶۲)سورہ قمر کی ہے اور اس میں پہچن آتیں اور
غبن رکوع ہیں۔

سُورَةُ الْقَمَرِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔قیامت قریب آگئی^(۲) اور چاند پھٹ گیا۔^(۳) (۱)

إِقْرَأْ السَّاعَةَ ۝

کوئی بات ہے نہ استہزا و تکذیب والی۔

(۱) یہ مشرکین اور کفار کی توبخ کے لیے حکم دیا۔ یعنی جب ان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ قرآن کو ماننے کے بجائے اس کا استہزا و استخفاف کرتے ہیں اور ہمارے پیغمبر کے وعظ و نصیحت کا کوئی اثر ان پر نہیں ہو رہا ہے تو اے مسلمانو! تم اللہ کی بارگاہ میں جھک کر اور اس کی عبادت و اطاعت کا مظاہرہ کر کے قرآن کی تعظیم و توقیر کا اہتمام کرو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے سجدہ کیا، حتیٰ کہ اس وقت مجلس میں موجود کفار نے بھی سجدہ کیا۔ جیسا کہ احادیث میں ہے۔

☆ یہ بھی ان سورتوں میں سے ہے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید میں پڑھا کرتے تھے۔ مَعَنَا مَرَّةً.

(۲) ایک توجہ اعتبار اس زمانے کے جو گزر گیا، کیونکہ جو باقی ہے وہ تھوڑا ہے۔ دوسرے ہر آنے والی چیز قریب ہی ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی بابت فرمایا کہ میرا وجود قیامت سے متصل ہے، یعنی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نہی نہیں آئے گا۔

(۳) یہ وہ معجزہ ہے جو اہل مکہ کے مطالبے پر دکھایا گیا، چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے حتیٰ کہ لوگوں نے حرا پر ڈکواں اس کے درمیان دیکھا۔ یعنی اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اس طرف اور ایک ٹکڑا اس طرف ہو گیا۔ (صحیح بخاری، کتاب مساقب الانصار، باب اشتقاق القمر وتسمیہ سورة الفترت الساعة) و صحیح مسلم، کتاب صفة القيامة، باب اشتقاق القمر، جمہور سلف و خلف کا یہی مسلک ہے (فتح القدیر) امام ابن کثیر لکھتے ہیں ”عما کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ اشتقاق قمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا اور یہ آپ ﷺ کے واضح معجزات میں سے ہے“ صحیح سند سے ثابت احادیث متواترہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔“

وَلَنْ يَرَوُوهَ يُعْرَضُونَ وَيَقُولُوا يَحْرُسُونَ ۝

وَلَقَدْ نَادَّيْتُمُوهُمْ أَمْ وَهَمُّكُمْ أَمْ يَمْسُقُونَ ۝

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْإِسْبَاءِ مَا بِهِمْ مُؤْمِرٌ ۝

جِلْدَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِي التُّدَارُ ۝

مَقُولٌ عَنْهُمْ يَوْمَ رَدِّ الْعِجَالِ نَحْنُ نَكْمُرُ ۝

لَحْمًا أَبْصَارُهُمْ يَمْرُؤُونَ مِنَ الْأَعْدَاءِ كَأَنَّهُمْ جِرَارٌ مَنُتَبَرُونَ ۝

یہ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ پہلے سے چلا آتا ہوا جادو ہے۔^(۲)

انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام ٹھہرے ہوئے وقت پر مقرر ہے۔^(۳)

یقیناً ان کے پاس وہ خبریں آچکی ہیں جن میں ڈانٹ ڈپٹ (کی نصیحت) ہے۔^(۴)

اور کامل عقل کی بات ہے^(۵) لیکن ان ذراؤنی باتوں نے بھی کچھ فائدہ نہ دیا۔^(۶)

پس (اے نبی) تم ان سے اعراض کرو جس دن ایک پکارنے والا ناگوار چیز کی طرف پکارے گا۔^(۷)

یہ جھکی آنکھوں قبروں سے اس طرح نکل کھڑے ہوں

(۱) یعنی قریش نے ایمان لانے کے بجائے اسے جادو قرار دے کر اپنے اعراض کی روش برقرار رکھی۔

(۲) یہ کفار کہہ کی تکذیب اور اتباع اہوا کی تردید و بطلان کے لیے فرمایا کہ ہر کام کی ایک غایت اور انتہا ہے، وہ کام اچھا ہو یا برا۔ یعنی بالآخر اس کا نتیجہ نکلے گا، اچھے کام کا نتیجہ اچھا اور برے کام کا برا۔ اس نتیجے کا ظہور دنیا میں بھی ہو سکتا ہے اگر اللہ کی مشیت مقتضی ہو، ورنہ آخرت میں تو یقینی ہے۔

(۳) جی گزشتہ امتوں کی ہلاکت کی، جب انہوں نے تکذیب کی۔

(۴) یعنی ان میں عبرت و نصیحت کے پہلو ہیں، کوئی ان سے سبق حاصل کر کے شرک و معصیت سے بچنا چاہے تو بچ سکتا ہے۔ مژدجر اصل میں مژدجر ہے و جزو سے صدور بھی۔

(۵) یعنی ایسی بات جو بتائی سے پھیر دینے والی ہے یا یہ قرآن حکمت بالغہ ہے جس میں کوئی نقص یا غل نہیں ہے یا اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دے اور اس کو گمراہ کرے اس میں بڑی حکمت ہے جس کو وہی جانتا ہے

(۶) یعنی جس کے لیے اللہ نے شقاوت لکھ دی ہے اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے اس کو پیغمبروں کا ذرا کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ اس کے لیے تو ﴿سَوَّيْنَاهُمْ أَكْدَرًا لَّعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ والی بات ہے۔ تقریباً اسی مفہوم کی یہ آیت ہے۔

﴿قُلْ قَبِلْتُمُ نَجْمَ الْبَالِغَةِ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ﴾ (الأنعام: ۱۰۶)

(۷) یوم سے پہلے آدھ گز محذوف ہے، یعنی اس دن کو یاد کرو۔ نکتہ: نہایت ہولناک اور دہشت ناک مراد میدان محشر اور موقف حساب کے اہوال اور آزمائشیں ہیں۔

گئے کہ گویا وہ پھیلا ہوا ٹڈی دل ہے۔^(۱) (۷)
 پکارنے والے کی طرف دوڑتے ہوں گے^(۲) اور کافر
 کہیں گے یہ دن تو بہت سخت ہے۔ (۸)
 ان سے پہلے قوم نوح نے بھی ہمارے بندے کو جھٹایا تھا
 اور دیوانہ بنا کر جھڑک دیا گیا تھا۔^(۳) (۹)
 پس اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس ہوں تو
 میری مدد کر۔ (۱۰)
 پس ہم نے آسمان کے دروازوں کو زور کے مینہ سے
 کھول دیا۔^(۴) (۱۱)
 اور زمین سے چشموں کو جاری کر دیا پس اس کام کے لئے
 جو مقدر کیا گیا تھا (دونوں) پانی جمع ہو گئے۔^(۵) (۱۲)
 اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر سوار کر
 لیا۔^(۶) (۱۳)
 جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ بدلہ اس کی
 طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا۔ (۱۴)

مُهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَذَا يَوْمٌ عَرَجٌ ۝

كَذَّابَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا
 مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ۝

فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَجَزَ ۝

فَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ ۝

وَفُتِحَتِ الْأَرْضُ وَخُتِفَتِ النَّفْسُ الْأُولَىٰ عَلَىٰ أَهْلِ الْبُيُوتِ ۝

وَصَلَّوْنَا عَلَىٰ ذَاتِ الْأَرْوَاحِ وَدُجِرَ ۝

مُخَوِّفِينَ بَيْنَيْنَا وَبَيْنَ الَّذِينَ كَانُوا كُفَرًا ۝

- (۱) یعنی قبروں سے نکل کر وہ اس طرح پھیلیں گے اور موقف حساب کی طرف اس طرح نہایت تیزی سے جائیں گے 'گویا ٹڈی دل ہے جو آنا فنا فضائے بسیط میں پھیل جاتا ہے۔
 (۲) مُهْطِعِينَ، مُسْرِعِينَ، دوڑیں گے، پیچھے نہیں رہیں گے۔
 (۳) وَازْدُجِرَ وَازْجِرَ ہے، یعنی قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی تکذیب ہی نہیں کی، بلکہ انہیں جھڑکا اور ڈر دیا دھمکایا بھی جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَبِهُوا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْمُخَلَّوِينَ﴾ (الشعراء: ۱۲۲) "اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر دیا جائے گا۔"
 (۴) مُنْجِزٌ، بمعنی کثیرا زوردار حمزہ، صَبَّ (بننے) کے معنی میں آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ چالیس دن تک مسلسل خوب زور سے پانی برساتا رہا۔
 (۵) یعنی آسمان اور زمین کے پانی نے مل کر وہ کلام پورا کر دیا جو قضا و قدر میں لکھ دیا گیا تھا یعنی طوفان بن کر سب کو غرق کر دیا۔
 (۶) دُسْرَ دَسَارَ کی جمع، وہ رسیاں جن سے کشتی کے تختے باندھے گئے، یا وہ کیلیں اور میٹھیں جن سے کشتی کو جوڑا گیا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا آيَةً قَهْلٍ مِنْ مُذَكِّرٍ ۝

اور بیشک ہم نے اس واقعہ کو نشانی بنا کر ^(۱۱) باقی رکھا پس کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔ ^(۱۲) (۱۵)

فَلْيَكْفِكَ كَانِ عَذَابِي وَنَذِيرٍ ۝

بتاؤ میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں کیسی رہیں؟ ^(۱۳) (۱۶)

وَلَقَدْ يَمَنُّنَا الْغُرَانِ الَّذِي كَرَّمْ قَهْلٍ مِنْ مُذَكِّرٍ ۝

اور بیشک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے ^(۱۴) پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ ^(۱۵) (۱۷)

كَذَّابَتْ حَادٍ فَلْيَكْفِكَ كَانِ عَذَابِي وَنَذِيرٍ ۝

قوم عاد نے بھی جھٹلایا پس کیسا ہوا میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں۔ (۱۸)

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلِهِ نَذِيرًا فِي يَوْمٍ يُنْفَخُ عَنْهُمْ غُمْمٌ ۝

ہم نے ان پر تیز و تند مسلسل چلنے والی ہوا، ایک عظیم منحوس دن میں بھیج دی۔ ^(۱۶) (۱۹)

(۱) تَرَكْنَاهَا میں ضمیر کا مرجع سَبِئَةُ ہے۔ يَافِغْلَةً یعنی تَرَكْنَا هَذِهِ الْفِغْلَةَ الَّتِي فَعَلْنَاهَا بِهِمْ عِبْرَةً وَمَوْعِظَةً (طبع القدیر)

(۲) مُذَكِّرٍ اصل میں مُذَكِّرٌ ہے۔ تاکو دال سے بدل دیا گیا اور ذال معجم کو دال بنا کر دال کا دال میں ادغام کر دیا گیا۔ معنی ہیں عبرت پکڑنے اور نصیحت حاصل کرنے والا۔ (فتح القدیر)

(۳) یعنی اس کے مطالب و معانی کو سمجھنا اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرنا اور اسے زبانی یاد کرنا ہم نے آسان کر دیا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ قرآن کریم اعجاز و بلاغت کے اعتبار سے نہایت اونچے درجے کی کتاب ہونے کے باوجود کوئی شخص تموژی سی توجہ دے تو وہ عربی گرامر اور معانی و بلاغت کی کتابیں پڑھے بغیر بھی اسے آسانی سے سمجھ لیتا ہے اسی طرح یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جو لفظ بہ لفظ یاد کر لی جاتی ہے ورنہ چھوٹی سی چھوٹی کتاب کو بھی اس طرح یاد کر لینا اور اسے یاد رکھنا نہایت مشکل ہے۔ اور انسان اگر اپنے قلب و ذہن کے در پیچے وار کھ کر اسے عبرت کی آنکھوں سے پڑھے نصیحت کے کانوں سے سنے اور سمجھنے والے دل سے اس پر غور کرے تو دنیا و آخرت کی سعادت کے دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں اور یہ اس کے قلب و دماغ کی گمراہیوں میں اتر کر کفر و معصیت کی تمام آلودگیوں کو صاف کر دیتی ہے۔

(۴) کہتے ہیں یہ بدھ کی شام تھی جب اس تند بخ اور شاں شاں کرتی ہوئی ہوا کا آغاز ہوا پھر مسلسل ۷ راتیں اور ۸ دن چلتی رہی۔ یہ ہوا گھروں اور قلعوں میں بند انسانوں کو بھی وہاں سے اٹھاتی اور اس طرح زور سے انہیں زمین پر بٹختی کہ ان کے سران کے دھڑوں سے الگ ہو جاتے۔ یہ دن ان کے لیے عذاب کے اعتبار سے منحوس ثابت ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بدھ کے دن میں یا کسی اور دن میں نحوست ہے جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں مُسْتَعِزٌّ کا مطلب یہ عذاب اس وقت تک جاری رہا جب تک سب ہلاک نہیں ہو گئے۔

تَذَرُ النَّاسَ كَالْهَمَةِ اَعْجَازُ نَحْلٍ مُتَغَيِّرٍ ⑤

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنَذِيرِ ⑥

وَلَقَدْ يَتَّبِعُنَا الْقُرْآنَ لِئَلَّا تُرْفَهَ مِنْ مُذَكِّرٍ ⑦

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنَّذِيرِ ⑧

فَقَالُوا أَبَشْرًا مِثْلُ آبَاؤِنَا أَلَمْ يَكُنْ أَدَّ الْأَيْمَانَ شَلَّى وَسُغِيرٍ ⑨

أَلَيْسَ الْبِرُّ لِلْكَافِرِينَ مِنْ بَيْنِنَا إِنَّا نَرُوكَ كَافِئِينَ ⑩

سَيَعْلَمُونَ عَذَابِ الْكَذَّابِ الْكَثِيرِ ⑪

إِنَّا مُرْسِلُوا النَّافِثَةِ وَهَنَهُ لَهُمْ فَارْتَبِعْنَهُمْ وَأَصْبِرْ ⑫

جو لوگوں کو انھا انھا کر دے پٹختی تھی، گویا کہ وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں۔ (۲۰)

پس کیسی رہی میری سزا اور میرا ڈرانا؟ (۲۱)

یقیناً ہم نے قرآن کو فصاحت کے لیے آسان کر دیا ہے، پس کیا ہے کوئی فصاحت حاصل کرنے والا؟ (۲۲)

قوم ثمود نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا۔ (۲۳)

اور کہنے لگے کیا ہمیں میں سے ایک شخص کی ہم فرمانبرداری کرنے لگیں؟ تب تو ہم یقیناً غلطی اور دیوانگی میں پڑے ہوئے ہوں گے۔ (۲۴)

کیا ہمارے سب کے درمیان صرف اسی پر وحی اتاری گئی؟ نہیں بلکہ وہ جھوٹا شیخی خور ہے۔ (۲۵)

اب سب جان لیں گے کل کو کہ کون جھوٹا اور شیخی خور تھا؟ (۲۶)

بیشک ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجیں گے۔ (۲۷)

(۱) یہ درازی قد کے ساتھ ان کی بے بسی اور لاچارگی کا بھی اظہار ہے کہ عذاب الہی کے سامنے وہ کچھ نہ کر سکے دراصل ایک انیس اپنی قوت و طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اَعْجَازُ، عَجَز کی جمع ہے جو کسی چیز کے پچھلے حصے کو کہتے ہیں۔ مُتَغَيِّرٌ اپنی جڑ سے اکڑ جانے اور کٹ جانے والا۔ یعنی کھجور کے ان تنوں کی طرح جو اپنی جڑ سے اکڑ اور کٹ چکے ہوں ان کے لاشے زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

(۲) یعنی ایک بشر کو رسول مان لینا ان کے نزدیک گمراہی اور دیوانگی تھی۔ شَعْرٌ، سَبْعِیْن کی جمع ہے، آگ کی پلٹ یہاں اس کو دیوانگی یا شدت و عذاب کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔

(۳) اَشْبَرٌ، بمعنی مُتَكَبِّرٌ، یا کذب میں حد سے تجاوز کرنے والا یعنی اس نے جھوٹ بھی بولا ہے تو بہت بڑا۔ کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ بھلا ہم میں سے صرف اسی ایک پر وحی آتی تھی؟ یا اس ذریعے سے ہم پر اپنی بڑائی جتنا اس کا مقصود ہے

(۴) یہ خود پیغمبر پر الزام تراشی کرنے والے۔ یا حضرت صالح علیہ السلام؟ جن کو اللہ نے وحی و رسالت سے نوازا۔ خُذَا یعنی کل سے مراد قیامت کا دن ہے یا دنیا میں ان کے لیے عذاب کا مقررہ دن۔

(۵) کہ یہ ایمان لاتے ہیں یا نہیں؟ یہ وہی اونٹنی ہے جو اللہ نے خود ان کے کہنے پر پتھر کی ایک چٹان سے ظہر فرمائی تھی

وَيَذَرُهُمْ أَتَانِ الْمَاءَ وَتَمْنَأُ بَيْنَهُمْ كُلُّ شَرْبٍ مُتَقَرَّرٌ ۝

فَتَادُوا صَاحِبَهُمْ فَتَعَالَى تَعَقَّرَ ۝

فَلَيَقِفَ كَانَ عَذَابٌ وَتَذَرُ ۝

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا

كَهَيْبَةِ الْمَخْطَرِ ۝

وَلَقَدْ يَشْرَأُ الْقُرْآنَ لِذِكْرِهِمْ لَقَدْ مِّنْ مُّذَكِّرٍ ۝

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَوَافِئِهِمْ ۝

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا جَعَلْنَا لُوطَ بْنَ هَارُونَ

پس (۱) صالح) تو ان کا خطرہ اور صبر کر۔ (۲۷)

ہاں انہیں خبر کر دے کہ پانی ان میں تقسیم شدہ ہے، (۲۸)

ایک اپنی باری پر حاضر ہو گا۔ (۲۸)

انہوں نے اپنے ساتھی کو آواز دی (۲۹) جس نے (اونٹنی

پر) وار کیا (۳۰) اور (اس کی) کو چیں کاٹ دیں۔ (۲۹)

پس کیوں کر ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا۔ (۳۰)

ہم نے ان پر ایک چیخ بھیجی پس ایسے ہو گئے جیسے باڑ

بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس۔ (۳۱)

اور ہم نے نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے پس

کیا ہے کوئی جو نصیحت قبول کرے۔ (۳۲)

قوم لوط نے بھی ڈرانے والوں کی تکذیب کی۔ (۳۳)

چنگ ہم نے ان پر پتھر برسائے والی ہوا بھیجی (۳۴) سوائے

(۱) یعنی دیکھ کہ یہ اپنے وعدے کے مطابق ایمان کا راستہ اپناتے ہیں یا نہیں؟ اور ان کی ایذاؤں پر صبر کر۔

(۲) یعنی ایک دن اونٹنی کے پانی پینے کے لیے اور ایک دن قوم کے پانی پینے کے لیے۔

(۳) مطلب ہے ہر ایک کا حصہ اس کے ساتھ ہی خاص ہے جو اپنی اپنی باری پر حاضر ہو کر وصول کرے دوسرا اس روز

نہ آئے شربت حصہ آب۔

(۴) یعنی جس کو انہوں نے اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے آمادہ کیا تھا جس کا نام قدار بن سالف بتلایا جاتا ہے اس کو پکارا

کہ وہ اپنا کام کرے۔

(۵) یا تمواری اونٹنی کو پکڑا اور اس کی ٹانگیں کاٹ دیں اور پھر اسے ذبح کر دیا۔ بعض نے فَتَعَالَى کے معنی فَجَسَرُوْ

کیے ہیں پس اس نے جسارت کی۔

(۶) حَاطِيْرَةٌ، بمعنی مَخْطُوْرَةٌ 'باڑ جو خشک جھاڑیوں اور لکڑیوں سے جانوروں کی حفاظت کے لیے بنائی جاتی ہے۔

مُخْطِرٌ اسم فاعل ہے صَاحِبُ الْخَطِيْرَةِ مَسِيْمٌ 'خشک گھاس یا کٹی ہوئی خشک کھیتی یعنی جس طرح ایک باڑ بنانے

والے کی خشک لکڑیاں اور جھاڑیاں مسلسل روندے جانے کی وجہ سے چورا چورا ہو جاتی ہیں وہ بھی اس باڑ کی مانند

ہمارے عذاب سے چورا ہو گئے۔

(۷) یعنی ایسی ہوا بھیجی جو ان کو کنکریاں مارتی تھی یعنی ان کی بستیوں کو ان پر النادیا گیا اس طرح کہ ان کا اوپر وار حصہ

نیچے اور نیچے والا حصہ اوپر اس کے بعد ان پر کھنکر پتھروں کی بارش ہوئی جیسا کہ سورۃ ہود وغیرہ میں تفصیل گزری۔

لوط (علیہ السلام) کے گھر والوں کے، انہیں ہم نے سحر کے وقت نجات دے دی۔^(۱) (۳۳)

اپنے احسان سے^(۲) ہر ہر شکر گزار کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ (۳۵)

یقیناً (لوط علیہ السلام) نے انہیں ہماری پکڑ سے ڈرایا^(۳) تھا لیکن انہوں نے ڈرانے والوں کے بارے میں (شک و شبہ اور) جھگڑا کیا۔^(۴) (۳۶)

اور ان (لوط علیہ السلام) کو ان کے مہمانوں کے بارے میں پھسلایا^(۵) پس ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں^(۶) (اور کہہ دیا) میرا عذاب اور میرا ڈرانا چکھو۔ (۳۷)

اور یقینی بات ہے کہ انہیں صبح سویرے ہی ایک جگہ

يَقْنَهُمْ مِنْ عَذَابِنَا كَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ۝

وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَدُوا بِالنَّذِيرِ ۝

وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَنْ مَوَاطِنَ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِنَا وَلَنْذِيرِ ۝

وَلَقَدْ مَنَعَهُمْ لَيْلَآءُ عَذَابٍ مُتَتَفَرِّغٍ ۝

(۱) آل لوط سے مراد خود حضرت لوط علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے لوگ ہیں، جن میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں، کیونکہ وہ مومنہ نہیں تھی، البتہ حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں ان کے ساتھ تھیں، جن کو نجات دی گئی۔ سحر سے مراد رات کا آخری حصہ ہے۔

(۲) یعنی ان کو عذاب سے بچانا، یہ ہماری رحمت اور احسان تھا جو ان پر ہوا۔

(۳) یعنی عذاب آنے سے پہلے ہماری سخت گرفت سے ڈرایا تھا۔

(۴) لیکن انہوں نے اس کی پروا نہیں کی بلکہ شک کیا اور ڈرانے والوں سے جھگڑتے رہے۔

(۵) یا ہسلایا یا مانگا لوط علیہ السلام سے ان کے مہمانوں کو۔ مطلب یہ ہے کہ جب لوط علیہ السلام کی قوم کو معصوم ہوا کہ چند خوب رو نو جوان لوط علیہ السلام کے پاس آئے ہیں (جو دراصل فرشتے تھے اور ان کو عذاب دینے کے لیے ہی آئے تھے) تو انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ان مہمانوں کو ہمارے سپرد کر دیں تاکہ ہم اپنے بگڑے ہوئے ذوق کی ان سے تسکین کریں۔

(۶) کہتے ہیں کہ یہ فرشتے جبرائیل میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام تھے جب انہوں نے بد فعلی کی نیت سے فرشتوں (مہمانوں) کو لینے پر زیادہ اصرار کیا تو جبرائیل علیہ السلام نے اپنے پر کا ایک حصہ انہیں مارا، جس سے ان کی آنکھوں کے ڈھیلے ہی باہر نکل آئے، بعض کہتے ہیں، صرف آنکھوں کی بصارت زائل ہوئی، بہر حال عذاب عام سے پہلے یہ عذاب خاص ان لوگوں کو پہنچا جو حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بدعتی سے آئے تھے۔ اور آنکھوں سے یہ مینائی سے محروم ہو کر گھر پہنچے۔ اور پھر صبح اس عذاب عام میں تباہ ہو گئے جو پوری قوم کے لیے آیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

پکڑنے والے مقررہ عذاب نے غارت کر دیا۔^(۱) (۳۸)
 پس میرے عذاب اور میرے ڈراوے کا مزہ چکھو۔ (۳۹)
 اور یقیناً ہم نے قرآن کو چند دودھ کے لیے آسان کر دیا
 ہے۔^(۲) پس کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا۔ (۴۰)
 اور فرعونوں کے پاس بھی ڈرانے والے آئے۔^(۳) (۴۱)
 انہوں نے ہماری تمام نشانیاں جھٹلائیں^(۴) پس ہم نے انہیں
 بڑے غالب قوی پکڑنے والے کی طرح پکڑ لیا۔^(۵) (۴۲)
 (اے قریشیو!) کیا تمہارے کافران کافروں سے کچھ بہتر
 ہیں؟^(۶) یا تمہارے لیے اگلی کتابوں میں چھٹکارا لکھا ہوا
 ہے؟^(۷) (۴۳)
 یا یہ کہتے ہیں کہ ہم غلبہ پانے والی جماعت ہیں۔^(۸) (۴۴)

فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ۝
 وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ كَمَا يَسَّرَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ ۝
 وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝
 لَكُنَّا بِأَيْمَانِنَا أَهْلَهَا فَأَخَذْنَاهُمْ أَخَذَ عَزِيزٌ مُّقْتَدِرٌ ۝
 الْفَارُكُ عَزِيزٌ أُولَئِكَ أَمْلَكُ مِنْكَ مَا فِي الزُّبُرِ ۝
 أَمْ يَكْفُرُونَ مِنْ جَبِينٍ لَّيِّنٍ ۝

- (۱) یعنی صبح ان کے پاس عذاب مستقر آگیا۔ مستقر کے معنی 'ان پر نازل ہونے والا' جو انہیں ہر اک کیے بغیر نہ چھوڑے۔
 (۲) تیسیر قرآن کا اس سورت میں بار بار ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہ قرآن اور اس کے فہم و حفظ کو آسان کر دینا،
 اللہ کا احسن عظیم ہے، اس کے شکر سے انسان کو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔
 (۳) نُذُرٌ، تَذِیْرٌ (ڈرانے والا) کی جمع ہے یا بمعنی 'إنذار' مصدر ہے۔ (فتح القدیر)
 (۴) وہ نشانیں جن کے ذریعے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونوں کو ڈرایا۔ یہ نشانیں تھیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔
 (۵) یعنی ان کو ہلاک کر دیا، کیونکہ وہ عذاب، ایسے غالب کی گرفت تھی جو انتقام لینے پر قادر ہے، اس کی گرفت کے بعد کوئی بچ نہیں سکتا۔
 (۶) یہ استغنام انکار یعنی نفی کے لیے ہے۔ یعنی اے اہل عرب! تمہارے کافر گزشتہ کافروں سے 'بہتر نہیں ہیں' جب وہ اپنے کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے، تو تم جب کہ تم ان سے بدتر ہو، عذاب سے سلامتی کی امید کیوں رکھتے ہو؟
 (۷) دُرّ سے مراد گزشتہ انبیاء پر نازل شدہ کتابیں ہیں۔ یعنی کیا تمہاری بابت کتب منزلہ میں صراحت کر دی گئی ہے کہ یہ قریش یا عرب جو مرضی کرتے رہیں، ان پر غالب نہیں آئے گا۔
 (۸) تعداد کی کثرت اور وسائل قوت کی وجہ سے، کسی اور کا ہم پر غالب آنے کا امکان نہیں۔ یا مطلب ہے کہ ہمارا معاملہ مجتمع ہے، ہم دشمن سے انتقام لینے پر قادر ہیں۔

سَيُخَذُ مِنَ الْجَعْمَةِ أَزْمَةٌ ۝

عنقریب یہ جماعت شکست دی جائے گی اور پیٹھ دے کر بھاگے گی۔^(۳۵)

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذًى وَآمَنٌ ۝

بلکہ قیامت کی گھڑی ان کے وعدے کے وقت ہے اور قیامت بڑی سخت اور کڑوی چیز ہے۔^(۳۶)

إِنَّ الْمُبْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ۝

بیشک گناہ گار گمراہی میں اور عذاب میں ہیں۔^(۳۷) جس دن وہ اپنے منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) دو زخ کی آگ لگنے کے مزے چکھو۔^(۳۸)

يَوْمَ يُصْعَقُونَ فِي النَّارِ عَلَٰلٍ وَّجُوهِهِمْ مِّمَّا تُوتِ السُّمُورُ ۝

بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا کیا ہے۔^(۳۹)

إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۝

اور ہمارا حکم صرف ایک دفعہ (کا ایک کلمہ) ہی ہوتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا۔^(۴۰)

وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۝

(۱) اللہ نے ان کے زعم باطل کی تردید فرمائی، جماعت سے مراد کفار کہ ہیں۔ چنانچہ بدر میں انہیں شکست ہوئی اور یہ پیٹھ دے کر بھاگے، رؤسائے شرک اور اساطین کفر ہلاک کر دیئے گئے۔ جنگ بدر کے موقع پر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہایت الحاح و زاری سے اپنے خیمے میں مصروف دعا تھے تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا (حَسْبُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَلَمْ تَخُذْ عَنِّي زَيْنًا)۔ ”بس کیجئے! اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے رب کے سامنے بہت الحاح و زاری کر لی۔“ چنانچہ آپ ﷺ خیمے سے باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہی آیت تھی۔ (البخاری، تفسیر سورۃ القدرت المساعۃ)

(۲) أَذًى ذہاء سے ہے، سخت رسوا کرنے والا، آمُرُ مَرَاة سے ہے، نہایت کڑوا۔ یعنی دنیا میں جو یہ قتل کیے گئے، قیدی بنائے گئے وغیرہ، یہ ان کی آخری سزا نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت سزائیں ان کو قیامت والے دن دی جائیں گی جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

(۳) سَقَرٌ بھی جنم کا نام ہے یعنی اس کی حرارت اور شدت عذاب کا مزہ چکھو۔

(۴) اُثْمَرُ سنت نے اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات سے استدلال کرتے ہوئے تقدیر الہی کا اثبات کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے ہی سب کا علم تھا اور اس نے سب کی تقدیر لکھ دی ہے اور فرقہ قدریہ کی تردید کی ہے جس کا ظہور عہد صحابہ کے آخر میں ہوا۔ (ابن کثیر)

وَلَقَدْ أَهَلَّكُنَا أَشْيَاءَ عَمَلُكُمْ مِنْ مَعْدَنِي ①

وَكُلُّ شَيْءٍ تَعْمَلُونَ فِي الزُّبُرِ ②

وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُنْتَظَرٌ ③

إِنَّ الشَّقِيَّ فِي جَهَنَّمَ وَنَهَرٌ ④

فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مِلَّةٍ مُنْقَبِرٍ ⑤

سُورَةُ الرَّحْمَنِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ⑥

اور ہم نے تم جیسے جنتیوں کو ہلاک کر دیا ہے،^(۱) پس کوئی ہے نصیحت لینے والا۔^(۵۱)

جو کچھ انہوں نے (اعمال) کیے ہیں سب نامہ اعمال میں لکھے ہوئے ہیں۔^(۵۲)

(اسی طرح) ہر چھوٹی بڑی بات بھی لکھی ہوئی ہے۔^(۵۳) یقیناً ہمارا ڈر رکھنے والے جنتوں اور نہروں میں ہو گئے۔^(۵۴)

راستی اور عزت کی بیشک میں^(۵۵) قدرت والے بادشاہ کے پاس۔^(۵۶)

سورہ رحمن مدنی ہے اور اس میں اٹھتر آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

(۱) یعنی گزشتہ امتوں کے کافروں کو، جو کفر میں تمہارے ہی جیسے تھے۔ أَشْيَاءَ عَمَلِكُمْ أَيْ: أَشْيَاءَ هَكْمِكُمْ وَنَظَرِ آفَاتِكُمْ (المفسر)

(۲) یا دوسرے معنی ہیں 'لوح محفوظ میں درج ہیں۔

(۳) یعنی مخلوق کے تمام اعمال، اقوال و افعال لکھے ہوئے ہیں، چھوٹے ہوں یا بڑے، حقیر ہوں یا جلیل، اشیاء کے ذکر کے بعد اب سدا کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۴) یعنی مختلف اور متنوع باغات میں ہوں گے۔ نَهَرٌ بطور جنس کے ہے جو جنت کی تمام نہروں کو شامل ہے۔

(۵) مَقْعَدِ صِدْقٍ 'عزت کی بیشک یا مجلس حق' جس میں گناہ کی بات ہوگی نہ لغویات کا ارتکاب۔ مراد جنت ہے۔

(۶) مِلَّةٍ مُنْقَبِرٍ 'قدرت والا بادشاہ یعنی وہ ہر طرح کی قدرت سے بہرہ ور ہے جو چاہے کر سکتا ہے' کوئی اسے عاجز نہیں کر سکتا۔ عِنْدَ (پاس) یہ کنایہ ہے اس شرف منزلت اور عزت و احترام سے جو اہل ایمان کو اللہ کے ہاں حاصل ہو گا۔

☆ اس کو بعض حضرات نے مدنی قرار دیا ہے، تاہم صحیح یہی ہے کہ یہ مکی ہے (فتح القدیر) اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوئی ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم خاموش رہتے ہو، تم سے تو اچھے جن ہیں کہ جب جن والی رات کو میں نے یہ سورت ان پر پڑھی تو میں جب بھی ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا رَبِّكُمْ لَا تُكْسِبُوا ذُوقُوا عَذَابَ اللَّهِ﴾ پڑھتا تو وہ اس کے

الزَّحٰن ۝ عَمَّا قُرْآنَ ۝
 خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝
 عَلَّمَهُ الْيَمَانَ ۝
 الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ يَسْجُدَانِ ۝
 وَالْجِبَالُ رُجُومٌ يَّبْجُدَانِ ۝
 وَالسَّمَاءُ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝
 اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝

رحمن نے (۱) قرآن سکھایا۔ (۲)
 اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ (۳)
 اور اسے بولنا سکھایا۔ (۴)
 آفتاب اور مانتاب (مقررہ) حساب سے ہیں۔ (۵)
 اور ستارے اور درخت دونوں سجدہ کرتے ہیں۔ (۶)
 اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی۔ (۷)
 تاکہ تم تولنے میں تجاوز نہ کرو۔ (۸)

جواب میں کہتے۔ (لَا يَشْعُرُ مِنْ يَتَعَلِّكَ رَبًّا! تُكْذِبُ فَلَكَ الْخَمْدُ) (الرمدي، تفسير سورة الزحان ذكره الألباني في صحيح العرمي)

(۱) کہتے ہیں کہ یہ الہی مکہ کے جواب میں ہے جو کہتے تھے کہ یہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔
 بعض کہتے ہیں کہ ان کے اس قول کے جواب میں ہے کہ رخص کیا ہے؟ قرآن سکھانے کا مطلب ہے 'اسے آسان کر دیا' یا اللہ نے اپنے پیغمبر کو سکھایا اور پیغمبر نے امت کو سکھایا۔ اس سورت میں اللہ نے اپنی بہت سی نعمتیں گنوائی ہیں۔ چونکہ تعلیم قرآن ان میں قدر و منزلت اور اہمیت و افادیت کے لحاظ سے سب سے نمایاں ہے، اس لیے پہلے، ہی نعمت کا ذکر فرمایا ہے۔ (فتح القدیر)

(۲) یعنی یہ ہندو وغیرہ جانوروں سے ترقی کرتے کرتے انسان نہیں بن گئے ہیں۔ جیسا کہ ڈارون کا فلسفہ ارتقا ہے۔ بلکہ انسان کو اسی شکل و صورت میں اللہ نے پیدا فرمایا ہے جو جانوروں سے الگ ایک مستقل مخلوق ہے۔ انسان کا لفظ بطور جنس کے ہے۔

(۳) اس بیان سے مراد ہر شخص کی اپنی مادری بولی ہے جو پیغمبر کیے از خود ہر شخص بول لیتا اور اس میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر لیتا ہے، حتیٰ کہ وہ چھوٹا بچہ بھی بولتا ہے، جس کو کسی بات کا علم اور شعور نہیں ہوتا۔ یہ اس تعلیم الہی کا نتیجہ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

(۴) یعنی اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حساب سے اپنی اپنی منزلوں پر رواں دواں رہتے ہیں، ان سے تجاوز نہیں کرتے۔

(۵) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا — ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ﴾ (الآية الحجج ۱۸)

(۶) یعنی زمین میں انصاف رکھا، جس کا اس نے لوگوں کو حکم دیا، جیسے فرمایا ﴿لَقَدْ اَنزَلْنَا مُلْكَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحديد ۲۵)

(۷) یعنی انصاف سے تجاوز نہ کرو۔

وَأَقِيمُوا الزُّنْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُحْسِرُوا الْبَيْزَانَ ۝

وَالْأَرْضُ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ۝

فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۝

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالزَّيْتَانِ ۝

يَأْتِي الْآدَمُ رَبُّكُمْ فَتُكْفَىٰ ذُنُوبُهُ ۝

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝

وَخَلَقَ النَّارَ مِنْ طَلْحِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝

يَأْتِي الْآدَمُ رَبُّكُمْ فَتُكْفَىٰ ذُنُوبُهُ ۝

رَبُّ الشَّرِيفِينَ ۝ رَبُّ الشَّرِيفِينَ ۝

انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کم نہ دو۔ (۹)

اور اسی نے مخلوق کے لیے زمین بچا دی۔ (۱۰)

جس میں میوے ہیں اور خوشے والے کھجور کے درخت

ہیں۔ (۱۱)

اور بھس والا اناج ہے (۲) اور خوشبودار پھول ہیں۔ (۱۲)

پس (اے انسانو اور جنو!) تم اپنے پروردگار کی کس کس

نعت کو جھٹلاؤ گے؟ (۱۳)

اس نے انسان کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری کی

طرح تھی۔ (۱۴)

اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ (۱۵)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعت کو جھٹلاؤ گے؟ (۱۶)

وہ رب ہے دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا۔ (۱۷)

(۱) اُتَمَامٌ، یکم کی جمع ہے، وِعَاءُ الشَّعْرِ، کھجور پر چڑھا ہوا غلاف۔

(۲) حَبٌّ سے مراد ہر وہ خوراک ہے جو انسان اور جانور کھاتے ہیں۔ خشک ہو کر اس کا پودا بھس بن جاتا ہے جو جانوروں کے کام آتا ہے۔

(۳) یہ انسانوں اور جنوں دونوں سے خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں گنوا کر ان سے پوچھ رہا ہے۔ یہ تکرار اس شخص کی طرح ہے جو کسی پر مسلسل احسان کرے لیکن وہ اس کے احسان کا منکر ہو، جیسے کہے 'میں نے تیرا فلاں کام کیا، کیا تو انکار کرتا ہے؟ فلاں چیز تجھے دی، کیا تجھے یاد نہیں؟ تجھ پر فلاں احسان کیا، کیا تجھے ہمارا ذرا خیال نہیں؟ (فتح القدیر)

(۴) صَلْصَالٍ خشک مٹی، جس میں آواز ہو۔ مَخَّازُ آگ میں پکی ہوئی مٹی، جسے ٹھیکری کہتے ہیں۔ اس انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جن کا پہلے مٹی سے پتلا بنایا گیا اور پھر اس میں اللہ نے روح پھونکی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پٹلی سے حوا کو پیدا فرمایا، اور پھر ان دونوں سے نسل انسانی چلی۔

(۵) اس سے مراد سب سے پہلا جن ہے جو ابوالجن ہے، یا جن بطور جنس کے ہے۔ جیسا کہ ترجمہ جنس کے اعتبار سے ہی کیا گیا ہے۔ تَارِجُ آگ سے بلند ہونے والے شعلے کو کہتے ہیں۔

(۶) یعنی تمہاری یہ پیدائش بھی اور پھر تم سے مزید نسلوں کی تخلیق و افزائش، یہ اللہ کی نعمتوں میں سے ہے۔ کیا تم اس نعمت کا انکار کرو گے؟

(۷) ایک گرمی کا مشرق اور ایک سردی کا مشرق، اسی طرح مغرب ہے۔ اس لیے دونوں کو تشبیہ ذکر کیا ہے، موسموں کے

تو (اے جنو اور انسانو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۱۸)	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ مَّا تَسْـَٔلُوْنَ ۝۱۸
اس نے دو دریا جاری کر دیے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ (۱۹)	مَرَجَ الْيَمَيْنِ يَلْتَقِيْنَ ۝۱۹
ان دونوں میں ایک آڑ ہے کہ اس سے بڑھ نہیں سکتے۔ (۲۰)	بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيْ ۝۲۰
پس اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۲۱)	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ مَّا تَسْـَٔلُوْنَ ۝۲۱
ان دونوں میں سے موتی اور مونگے برآمد ہوتے ہیں۔ (۲۲)	يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝۲۲

اعبار سے مشرق و مغرب کا مختلف ہونا اس میں بھی انس و جن کی بہت سی مصلحتیں ہیں، اس لیے اسے بھی نعمت قرار دیا گیا ہے۔

(۱) مَرَجَ بِمَعْنٰی اَزْمَلَ جَارِی کر دیئے۔ اس کی تفصیل سورۃ الفرقان، آیت ۵۳ میں گزر چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو دریاؤں سے مراد بعض کے نزدیک ان کے الگ الگ وجود ہیں، جیسے ٹھٹھے پانی کے دریا ہیں، جن سے کھیتیں سیراب ہوتی ہیں اور انسان ان کا پانی اپنی دیگر ضروریات میں بھی استعمال کرتا ہے۔ دوسری قسم سمندروں کا پانی ہے جو کھارا ہے جس کے کچھ اور فوائد ہیں۔ یہ دونوں آپس میں نہیں ملتے۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ کھارے سمندروں میں ہی ٹھٹھے پانی کی لہریں چلتی ہیں اور یہ دونوں لہریں آپس میں نہیں ملتیں، بلکہ ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہی رہتی ہیں۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھارے سمندروں میں ہی کئی مقامات پر ٹھٹھے پانی کی لہریں بھی جاری کی ہوئی ہیں اور وہ کھارے پانی سے الگ ہی رہتی ہیں۔ دوسری صورت یہ بھی ہے کہ اوپر کھارا پانی ہو اور اس کی تہ میں نیچے چشمہ آب شیریں۔ جیسا کہ واقعاً بعض مقامات پر ایسا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جن مقامات پر ٹھٹھے پانی کے دریا کا پانی سمندر میں جا کر گرتا ہے وہاں کئی لوگوں کا مشاہدہ ہے کہ دونوں پانی میلوں دور تک اس طرح ساتھ ساتھ چلتے ہیں کہ ایک طرف ٹھٹھا دریائی پانی اور دوسری طرف وسیع و عریض سمندر کا کھارا پانی، ان کے درمیان اگرچہ کوئی آڑ نہیں لیکن یہ باہم نہیں ملتے۔ دونوں کے درمیان یہ وہ برزخ (آڑ) ہے جو اللہ نے رکھ دی ہے، دونوں اس سے تجاوز نہیں کرتے۔

(۲) مَرَجَان سے چھوٹے موتی یا پھر مونگے مراد ہیں۔ کہتے ہیں کہ آسمان سے بارش ہوتی ہے تو سیپیاں اپنے مونہہ کھول

يَا أَيُّهَا اللَّهُ رَبَّنَا تَعَالَى ۝

وَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنِيُّ الْغَنِيُّ الْغَنِيُّ ۝

يَا أَيُّهَا اللَّهُ رَبَّنَا تَعَالَى ۝

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝

وَبَقِيَ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝

يَا أَيُّهَا اللَّهُ رَبَّنَا تَعَالَى ۝

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۲۳)

اور اللہ ہی کی (ملکیت میں) ہیں وہ جہاز جو سمندروں میں
پہاڑ کی طرح بلند (چل پھر رہے) ہیں۔ (۲۴)پس (اے انسانو اور جنو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت
کو جھٹلاؤ گے؟ (۲۵)

زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں۔ (۲۶)

صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے
باقی رہ جائے گی۔ (۲۷)

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۲۸)

دیتی ہیں 'جو قطرو ان کے اندر پڑ جاتا ہے' وہ موتی بن جاتا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ موتی وغیرہ پیٹھے پانی کے دریاؤں سے
نہیں بلکہ صرف آب شور یعنی سمندروں سے ہی نکلتے ہیں۔ لیکن قرآن نے تشبیہ کی ضمیر استعمال کی ہے جس سے معوم
ہوتا ہے کہ دونوں سے ہی موتی نکلتے ہیں۔ چونکہ موتی کثرت کے ساتھ سمندروں سے ہی نکلتے ہیں اس لیے اس کی
شہرت ہو گئی ہے۔ تاہم شیرس دریاؤں سے اس کی نفی ممکن نہیں بلکہ موجودہ دور کے تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ پیٹھے
دریا میں بھی موتی ہوتے ہیں۔ البتہ ان کے مسلسل جاری رہنے کی وجہ سے ان سے موتی نکالنا مشکل امر ہے۔ بعض نے
کہا ہے کہ مراد مجموعہ ہے 'ان میں سے کسی ایک سے بھی موتی نکل جائیں تو ان پر تشبیہ کا اطلاق صحیح ہے۔ بعض نے کہا
کہ شیرس دریا بھی عام طور پر سمندر میں ہی گرتے ہیں اور وہیں سے موتی نکالے جاتے ہیں اس لیے گو منبع دریائے
شور ہی ہوئے لیکن دوسرے دریاؤں کا حصہ بھی اس میں شامل ہے لیکن موجودہ دور کے تجربات کے بعد ان تاویلات
اور خلغات کی ضرورت نہیں۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

(۱) یہ جواہر اور موتی زیب و زینت اور حسن و جمال کا منظر ہیں اور اہل شوق و اہل ثروت انہیں اپنے ذوق جمال کی
تسکین اور حسن و رعنائی میں اضافے ہی کے لیے استعمال کرتے ہیں اس لیے ان کا نعمت ہونا بھی واضح ہے۔

(۲) الْخَوَارِجُ جَارِيَةٌ (چلتے والی) کی جمع اور محذوف موصوف (الشُّعُفُ) کی صفت ہے۔ مُشْنَاتُ کے معنی مرفوعات ہیں
یعنی بلند کی ہوئیں مراد بادبان ہیں جو بادبانی کشتیوں میں جھنڈوں کی طرح اونچے اور بلند بنائے جاتے ہیں۔ بعض نے
اس کے معنی مصنوعات کے کیے ہیں یعنی اللہ کی بنائی ہوئی جو سمندر میں چلتی ہیں۔

(۳) ان کے ذریعے سے بھی نقل و حمل کی جو آسانیاں ہیں محتاج وضاحت نہیں اس لیے یہ بھی اللہ کی عظیم نعمت ہے۔

(۴) فنا کے دنیا کے بعد جزا و سزا یعنی عدل کا اہتمام ہو گا لہذا یہ بھی ایک نعمت عظمیٰ ہے جس پر شکر الہی واجب ہے۔

يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلُّ نَفْسٍ مِّنْهُنَّ شَآءً ۚ

يَسْأَلُكَ اللّٰهُ رَبُّكَ اَلَّذِيْنَ

سَمِعْتَ لِكَلَامِهِ الْفَتٰى ۚ

يَسْأَلُكَ اللّٰهُ رَبُّكَ اَلَّذِيْنَ

يَمْسُرُ الْبَيْتَ وَالْاَرْضَ اِنْ اَسْتَضَلُّوْا سَبِيْلًا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كَاٰتٍ وَّلَا اَسْفٰى ۚ

يَسْأَلُكَ اللّٰهُ رَبُّكَ اَلَّذِيْنَ

يُرْسِلُ عَلَيْكَ شَوْاِخِدَ الْاَوْنِ اَنۡبَاۡءَ مَا تَدۡعُوْنَ ۚ

سب آسمان و زمین والے اسی سے مانگتے ہیں۔^(۱) ہر روز وہ ایک شان میں ہے۔^(۲) (۲۹)

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے؟^(۳) (۳۰)
(جنوں اور انسانوں کے گرد ہو!) عنقریب ہم تمہاری طرف پوری طرح متوجہ ہو جائیں گے۔^(۴) (۳۱)

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے؟^(۵) (۳۲)
اے گروہ جنات و انسان! اگر تم میں آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل بھاگو! (۵)
بغیر غلبہ اور طاقت کے تم نہیں نکل سکتے۔^(۶) (۳۳)

پھر اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے؟^(۷) (۳۴)
تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا^(۸) پھر تم

(۱) یعنی سب اس کے محتاج اور اس کے در کے سوال ہیں۔

(۲) ہر روز کا مطلب 'ہر وقت'۔ شان کے معنی امر یا معاملہ 'یعنی ہر وقت وہ کسی نہ کسی کام میں مصروف ہے' کسی کو بیمار کر رہا ہے 'کسی کو شفا یاب' کسی کو تو تگر بنا رہا ہے تو کسی تو تگر کو فقیر۔ کسی کو گدا سے شاہ اور شاہ سے گدا' کسی کو بندیوں پر قائل کر رہا ہے 'کسی کو ہستی میں گرا رہا ہے' کسی کو ہست سے نیست اور نیست کو ہست کر رہا ہے وغیرہ۔ الغرض کائنات میں یہ سارے تصرف اسی کے امر و حکم سے ہو رہے ہیں اور شب و روز کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جو اس کی کارگزاری سے خالی ہو۔ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ، لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔

(۳) اور اتنی بڑی ہستی کا ہر وقت بندوں کے امور و معاملات کی تدبیر میں لگے رہنا، کتنی بڑی نعمت ہے۔

(۴) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کو فراغت نہیں ہے بلکہ یہ محاورہ بولا گیا ہے جس کا مقصد وعید و تنذیر ہے ثَقَلَانِ (جن دانس کو) اس لیے کہا گیا ہے کہ انکو تکالیف شرعیہ کا پابند کیا گیا ہے اس پابندی یا بوجھ سے دوسری مخلوق مستثنیٰ ہے۔

(۵) یہ تنذیر بھی نعمت ہے کہ اس سے بدکار 'بدیوں کے ارتکاب سے باز آجائے اور محسن زیادہ نیکیاں کمائے۔

(۶) جی اللہ کی تقدیر اور قضا سے تم بھاگ کر کیس جاسکتے ہو تو چلے جاؤ، لیکن یہ طاقت کس میں ہے؟ اور بھاگ کر آخر کہاں جائے گا؟ کون سی جگہ ایسی ہے جو اللہ کے اختیارات سے باہر ہو۔ یہ بھی تنذیر ہے جو مذکورہ تنذیر کی طرح نعمت ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ میدان محشر میں کہا جائے گا، جب کہ فرشتے ہر طرف سے لوگوں کو گھیر رکھے ہوئے دونوں ہی منہوں اپنی اپنی جگہ صبح ہیں۔

(۷) مطلب یہ ہے کہ اگر تم قیامت والے دن کہیں بھاگ کر گئے بھی، تو فرشتے آگ کے شعلے اور دھواں تم پر چھوڑ کر

مقابلہ نہ کر سکو گے۔^(۳۵)

پھر اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۳۶)

پس جب کہ آسمان پھٹ کر سرخ ہو جائے جیسے کہ سرخ چمڑہ۔^(۳۷)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۳۸) اس دن کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہوں کی پرسش نہ کی جائے گی۔^(۳۹)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۴۰) گناہ گار صرف حلیہ سے ہی پہچان لیے جائیں گے^(۴۱) اور انکی پیشانیوں کے بال اور قدم پکڑ لیے جائیں گے۔^(۴۲)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۴۳) یہ ہے وہ جہنم جسے مجرم جھوٹا جانتے تھے۔^(۴۴)

يٰۤاَيُّهَا الْاَدۡرِیُّمَا تَكۡذِبُنِ ۝

وَ اِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدًا ۚ كَالۡدِهَانِ ۝

يٰۤاَيُّهَا الْاَدۡرِیُّمَا تَكۡذِبُنِ ۝

فَيَوْمَئِذٍ لَا يَنۡفَعُ عَنْ ذُنُوبِهِمْ اَنۡسٌ وَّلَا جَانٌ ۝

يٰۤاَيُّهَا الْاَدۡرِیُّمَا تَكۡذِبُنِ ۝

يَعۡرَفُ الْمُجۡرِمُونَ بِسَمۡعِهِمۡ فَيُؤَخِّرُهُمۡ اَلۡتَوَاوِیۡ

وَالۡاَفۡئَادُ ۝

يٰۤاَيُّهَا الْاَدۡرِیُّمَا تَكۡذِبُنِ ۝

هٰذَا جَهَنَّمُ الَّتِیۡ كَذَّبۡ بِهَا الْمُجۡرِمُونَ ۝

یا کجھد ہوا تائبہ تمہارے سروں پر ڈال کر تمہیں واپس لے آئیں گے۔ ٹخاس کے دوسرے معنی پچھے ہوئے تائبے کے کئے گئے ہیں۔

(۱) یعنی اللہ کے عذاب کو ٹالنے کی تم قدرت نہیں رکھو گے۔

(۲) قیامت والے دن آسمان پھٹ پڑے گا، فرشتے زمین پر اتر آئیں گے، اس دن یہ نار جہنم کی شدت حرارت سے پگھل کر سرخ زری کے چمڑے کی طرح ہو جائے گا۔ دھان، سرخ چمڑہ۔

(۳) یعنی جس وقت وہ قبروں سے باہر نکلیں گے۔ ورنہ بعد میں موقف حساب میں ان سے باز پرس کی جائے گی۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ گناہوں کی بابت نہیں پوچھا جائے گا، کیونکہ ان کا تو پورا ریکارڈ فرشتوں کے پاس بھی ہو گا اور اللہ کے علم میں بھی۔ البتہ پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ کیوں کیے؟ یا یہ مطلب ہے، ان سے نہیں پوچھا جائے گا بلکہ انسانی اعضا خود بول کر ہر بات بتلائیں گے۔

(۴) یعنی جس طرح اہل ایمان کی علامت ہو گی کہ ان کے اعضاء وضو چمکتے ہوں گے۔ اسی طرح گناہ گاروں کے چمڑے سیاہ، آنکھیں نیلگوں اور وہ دہشت زدہ ہوں گے۔

(۵) فرشتے ان کی پیشانیوں اور ان کے قدموں کے ساتھ ملا کر پکڑیں گے اور جہنم میں ڈال دیں گے، یا کبھی پیشانیوں سے اور کبھی قدموں سے انہیں پکڑیں گے۔

يُطَوَّقُونَ مِنْهَا وَاللَّيْنِ حَبِيرَانِ ﴿٣٣﴾

يُبَاقِي آلَهُ رَيْكُمَا تَلَذُّبِنِ ﴿٣٤﴾

وَلَمَنْ عَاثَ مَقْلَرِيهٖ جَلْبِنِ ﴿٣٥﴾

يُبَاقِي آلَهُ رَيْكُمَا تَلَذُّبِنِ ﴿٣٦﴾

ذَوَاتَا أَفْئَالِ ﴿٣٧﴾

يُبَاقِي آلَهُ رَيْكُمَا تَلَذُّبِنِ ﴿٣٨﴾

يُثَمَّ عَيْنِ تَحْيُونِ ﴿٣٩﴾

يُبَاقِي آلَهُ رَيْكُمَا تَلَذُّبِنِ ﴿٤٠﴾

يُثَمَّ مَوْنِ كَلْبِ نَاكِهَةٍ نَدْوَجِنِ ﴿٤١﴾

يُبَاقِي آلَهُ رَيْكُمَا تَلَذُّبِنِ ﴿٤٢﴾

مُتَّحِينَ مَلْ فَرْسِ بَطَاطِيهَا مَوْنِ اسْتَبْرَقِي وَجَنَّا

اس کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر کھائیں گے۔^(۱) (۳۳)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۳۵)
اور اس شخص کے لیے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر دو جنتیں ہیں۔^(۲) (۳۶)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۳۷)
(دونوں جنتیں) بہت سی شنیوں اور شاخوں والی ہیں۔^(۳) (۳۸)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۳۹)
ان دونوں (جنتوں) میں دو بہتے ہوئے چشمے ہیں۔^(۴) (۴۰)
پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۴۱)
ان دونوں جنتوں میں ہر قسم کے میوؤں کی دو قسمیں ہوں گی۔^(۵) (۴۲)

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۴۳)
جنتی ایسے فرشوں پر رکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جن کے

(۱) یعنی کبھی انہی جہیم کا عذاب دیا جائے گا اور کبھی مَاءَ حَبِيرٍ پینے کا عذاب۔ آہ گرم۔ یعنی سخت کھولنا ہوا گرم پانی جو ان کی انتڑیوں کو کاٹ دے گا۔ اَعَاذَنَا اللہ مِنْهَا۔

(۲) جیسے حدیث میں آتا ہے۔ ”دو باغ چاندی کے ہیں جن میں برتن اور جو کچھ ان میں ہے سب چاندی کے ہوں گے۔ دو باغ سونے کے ہیں اور ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سب سونے کے ہی ہوں گے۔“ (اصحیح بخاری
تفسیر سورة الرحمن بعض آثار میں ہے کہ سونے کے باغ خواص مومنین شَقَرَيْنِ اور چاندی کے باغ عام مومنین
أَصْحَابُ الْيَمِينِ کے لیے ہوں گے۔ (ابن کثیر)

(۳) یہ اشارہ ہے اس طرف کہ اس میں سایہ گنجان اور گہرا ہو گا نیز پھلوں کی کثرت ہوگی کیونکہ کہتے ہیں ہر شاخ اور
شبی پھلوں سے لدی ہوگی۔ (ابن کثیر)

(۴) ایک کا نام نَسِيبٌ اور دوسرے کا سَلْسَلٌ ہے۔

(۵) یعنی ذائقے اور لذت کے اعتبار سے ہر پھل دو قسم کا ہو گا یہ مزید فضل خاص کی ایک صورت ہے بعض نے کہا کہ

الْجَنَّتَيْنِ دَانِ ۝

استرویزر ریشم کے ہوں گے^(۱) اور ان دونوں جنتوں کے میوے بالکل قریب ہوں گے۔^(۲) (۵۳)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تِلْكَ اَيُّهَا الَّذِيْنَ

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے؟ (۵۵)
وہاں (شرعی) نیچی نگاہ والی حوریں ہیں^(۳) جنہیں ان سے پہلے کسی جن دانس نے ہاتھ نہیں لگایا۔^(۴) (۵۶)

فِيْهِنَّ ثَمَرَاتٌ مُّثْلُ شَجَرِ النَّخْلِ لِيْشُقَّ فَاٰمَنُوْا وَلَا يَسْتَوِ

پس اپنے پالنے والے کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے؟ (۵۷)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تِلْكَ اَيُّهَا الَّذِيْنَ

وہ حوریں مثل یا قوت اور مونگے کے ہوں گی۔^(۵) (۵۸)
پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے؟ (۵۹)

كَانَ لَكُمْ اِيَّا قُوْتٌ وَالْمَوْبَدِیْنَ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تِلْكَ اَيُّهَا الَّذِيْنَ

ایک قسم شک میوے کی اور دوسری تازہ میوے کی ہوگی۔

(۱) ابری یعنی اوپر کا کپڑا ہمیشہ استر سے بہتر اور خوب صورت ہوتا ہے، یہاں صرف استر کا بیان ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اوپر (ابری) کا کپڑا اس سے کہیں زیادہ عمدہ ہوگا۔

(۲) اتنے قریب ہوں گے کہ بیٹھے بیٹھے بلکہ لینے لینے بھی توڑ سکیں گے۔ ﴿فَلْيُؤْكَلُوْهُنَّ اٰیَةً﴾ (الحاقة: ۳۳)

(۳) جن کی نگاہیں اپنے خاوندوں کے علاوہ کسی پر نہیں پڑیں گی اور ان کو اپنے خاوند ہی سب سے زیادہ حسین اور اچھے معلوم ہوں گے۔

(۴) جتنی پاکرہ اور نئی نویلی ہوں گی۔ اس سے قبل وہ کسی کے نکاح میں نہیں رہی ہوں گی۔ یہ آیت اور اس سے قبل کی بعض آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جو جن مومن ہوں گے، وہ بھی مومن انسانوں کی طرح جنت میں جائیں گے اور ان کے لیے بھی وہی کچھ ہوگا جو دیگر اہل ایمان کے لیے ہوگا۔

(۵) یعنی صفائی میں یہ قوت اور سفیدی و سرخی میں موتی یا مونگے کی طرح ہوں گی۔ جس طرح صحیح احادیث میں بھی ان کے حسن و جمال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ یُوْرٰی مِثْلُ شَوْقِهِنَّ مِنْ وَرَآءِ الْعُظْمِ وَاللَّحْمِ (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفة الجنة، و صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها، باب اول و مرة تدخل الجنة...) "ان کے حسن و جمال کی وجہ سے ان کی چٹلی کا گودا گوشت اور ہڈی کے باہر سے نظر آئے گا۔" ایک دوسری روایت میں فرمایا کہ "جنتیوں کی بیویاں اتنی حسین و جمیل ہوں گی کہ اگر ان میں سے ایک عورت اہل ارض کی طرف بھاگ لے تو آسمان و زمین کے درمیان کا سارا حصہ چمک اٹھے اور خوشبو سے بھر جائے اور اس کے سر کا دھپہ اتنا قیمتی ہوگا کہ وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔" (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب الحرر العین)

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰتَيْنَاكَ الْكِتٰبَ ۝

وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَيْنِ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰتَيْنَاكَ الْكِتٰبَ ۝

مُدْمَعَتَيْنِ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰتَيْنَاكَ الْكِتٰبَ ۝

فِيْهِمَا عَيْنٰتٌ نُّنَظَّرُ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰتَيْنَاكَ الْكِتٰبَ ۝

فِيْهِمَا نَاقِمَةٌ وَّظُلٌّ وَّزُلْفٰتٌ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰتَيْنَاكَ الْكِتٰبَ ۝

يَتَوَنَّنَّ خَيْرٌ وَّحَسَنٌ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰتَيْنَاكَ الْكِتٰبَ ۝

حُورٌ مُّقْصُوٰتٌ فِيْ الْاَبْيَارِ ۝

احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے۔^(۶۰)

پس اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۶۱)

اور ان کے سوا دو جنتیں اور ہیں۔^(۶۲)

پس تم اپنے پرورش کرنے والے کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۶۳)

جو دونوں گہری سبز سیاحی مائل ہیں۔^(۶۴)

یہاں اب اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۶۵)

ان میں دو (جوش سے) اگلنے والے چشمے ہیں۔^(۶۶)

پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۶۷)

ان دونوں میں میوے اور کھجور اور انار ہوں گے۔^(۶۸)

کیا اب بھی رب کی کسی نعمت کی تکذیب تم کرو گے؟^(۶۹)

ان میں نیک سیرت خوبصورت عورتیں ہیں۔^(۷۰)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۷۱)

(گوری رنگت کی) حوریں جنتی خیموں میں رہنے والیاں

ہیں۔^(۷۲)

(۱) پہلے احسان سے مراد نیکی اور اطاعت الہی اور دوسرے احسان سے اس کا صلہ، یعنی جنت اور اس کی نعمتیں ہیں۔

(۲) دُونِہِمَا سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ یہ دو باغ شان اور فضیلت میں پچھلے دو باغوں سے، جن کا ذکر آیت ۳۶ میں گزرا، کم تر ہوں گے۔

(۳) کثرت سیرابی اور سبزے کی فراوانی کی وجہ سے وہ مائل بہ سیاحی ہوں گے۔

(۴) یہ صفت تَخْرِیَابٍ سے ملتی ہے اَلْجَزْیَ اَفْوٰی مِنَ النَّخْلِ (ابن کثیر)

(۵) جب کہ پہلی دو جنتوں (باغوں) کی صفت میں بتلایا گیا ہے کہ ہر پھل دو قسم کا ہو گا۔ ظاہر ہے اس میں شرف و فضل کی جو زیادتی ہے، وہ دوسری بات میں نہیں ہے۔

(۶) خَيْرَاتٌ سے مراد اخلاق و کردار کی خوبیاں ہیں اور حَسَنٌ کا مطلب ہے حسن و جمال میں یکتا۔

(۷) حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جنت میں موتیوں کے خیمے ہوں گے“ ان کا عرض ساتھ میل ہو گا، اس

يَأْتِي الْآلَهُ رَبُّكُمَا مُكَذِّبِينَ ۝

پس (اے انسانو اور جنو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۷۳)

لَنُظْيِرَنَّهَ مِنْ عَذَابٍ وَلَاجَانٍ ۝

انکو ہاتھ نہیں لگایا کسی انسان یا جن نے اس سے قبل۔ (۷۴)
پس اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے ساتھ تم تکذیب کرتے ہو؟ (۷۵)

يَأْتِي الْآلَهُ رَبُّكُمَا مُكَذِّبِينَ ۝

بزرگ مندوں اور عمدہ فرشتوں پر تکلیف لگائے ہوئے ہوں گے۔^(۱) (۷۶)

مُكْذِبِينَ عَلَىٰ رُءُوفٍ لِّخَفِيٍّ عَذَابِيَّ جَسَّانٍ ۝

پس (اے جنو اور انسانو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟^(۲) (۷۷)

يَأْتِي الْآلَهُ رَبُّكُمَا مُكَذِّبِينَ ۝

کے ہر کونے میں جنتی کے اہل ہوں گے، جس کو دوسرے کونے والے نہیں دیکھ سکیں گے۔ مومن اس میں گھومے گا۔
اصحیح بخاری، تفسیر سورة الرحمن و کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفة الجنة، صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب فی صفة عیام الجنة)

(۱) رُءُوفٌ، مسند، غالیچہ یا اس قسم کا عمدہ فرش، عَذَابِيَّ، ہر نفس اور اعلیٰ چیز کو کہا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ نطق استعمال فرمایا، فَلَمْ أَرَ عَذَابِيًّا يُعَذِّبُنِي فَرِيَةً، البخاری، کتاب المساقب، باب فصل عمر و صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ، ”میں نے کوئی عذابی ایسا نہیں دیکھا جو عمر کی طرح کام کرتا ہو۔“ مطلب یہ ہے کہ جنتی ایسے تختوں پر فروس ہوں گے جس پر بزرگ کی مسندیں، غالیچے اور اعلیٰ قسم کے خوب صورت منقش فرش بچھے ہوں گے۔

(۲) یہ آیت اس سورت میں ۳۱ مرتبہ آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی اقسام و انواع کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اور ہر نعمت یا چند نعمتوں کے ذکر کے بعد یہ استفسار فرمایا ہے، حتیٰ کہ میدان محشر کی ہولناکیوں اور جہنم کے عذاب کے بعد بھی یہ استفسار فرمایا ہے، جس کا مطلب ہے کہ امور آخرت کی یاد دہانی بھی نعمتِ عظیمہ ہے تاکہ بچنے والے اس سے بچنے کی سعی کر میں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جن بھی انسانوں کی طرح اللہ کی ایک مخلوق ہے بلکہ انسانوں کے بعد یہ دوسری مخلوق ہے جسے عقل و شعور سے نوازا گیا ہے اور اس کے بدلے میں ان سے صرف اس امر کا تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ مخلوقات میں یہی دو ہیں جو شرعی احکام و فرائض کے مکلف ہیں، اسی لیے انہیں ارادہ و اختیار کی آزادی دی گئی ہے تاکہ ان کی آزمائش ہو سکے، تیسرے نعمتوں کے بیان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا جائز و مستحب ہے۔ یہ زہد و تقویٰ کے خلاف ہے اور نہ تعلق مع اللہ میں مانع، جیسا کہ بعض اہل

تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝

تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے ^(۱) جو عزت و جلال والا ہے۔ (۷۸)

سُورَةُ الْوَاقِعَةِ

سورہ واقعہ کی ہے اور اس میں چھیانوے آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝

جب قیامت قائم ہو جائے گی۔ ^(۲)

لَيْسَ لَوْفَعِهَا كَاذِبَةٌ ۝

جس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔ ^(۲)

خَافِضَةٌ رَافِعَةٌ ۝

وہ پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہوگی۔ ^(۳)

تصوف پور کراتے ہیں۔ چوتھے بار بار یہ سوال کہ تم اللہ کی کون کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟ یہ توبخ اور تنبیہ کے طور پر ہے جس کا مقصد اس اللہ کی نافرمانی سے روکنا ہے جس نے یہ ساری نعمتیں پیدا اور مہیا فرمائیں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اس کے جواب میں یہ پڑھنا پسند فرمایا ہے۔ لَا يَشْنِي مِنْ يَمِينِكَ رَبَّنَا نَكَذِبُ فَلَكَ الْحَمْدُ "اے ہمارے رب ہم تیری کسی بھی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے پس تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں" اسس النرمذی والصعبہ للالباسی لیکن اندرون صلاۃ اس جواب کا پڑھنا شروع نہیں۔

(۱) تَبَارَكَ بَرکت سے ہے جس کے معنی دوام و ثبات کے ہیں۔ مطلب ہے اس کا نام ہمیشہ رہنے والا ہے یا اس کے پاس ہمیشہ خیر کے خزانے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی بلندی اور علو شان کے کیے ہیں اور جب اس کا نام اتنا بابرکت یعنی خیر اور بلندی کا حامل ہے تو اس کی ذات کتنی بَرکت اور عظمت و رفعت والی ہوگی۔

☆ اس سورت کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ سُورَةُ الْيَمَنِ (توٹگری کی سورت) ہے اور جو شخص اس کو ہر رات پڑھے گا اسے کبھی فاقہ نہیں آئے گا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سورت کی فضیلت میں کوئی مستند روایت نہیں ہے۔ ہر رات پڑھنے والی اور بچوں کو سکھانے والی روایتیں بھی ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ (دیکھئے الأحادیث الضعیفہ

للالباسی حدیث نمبر ۲۹۰۹ ج ۱/۱۳۰۵)

(۲) واقعہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ہے کیونکہ یہ لامحالہ واقع ہونے والی ہے اس لیے اس کا یہ نام بھی ہے۔

(۳) پستی اور بلندی سے مطلب ذلت اور عزت ہے۔ یعنی اللہ کے اطاعت گزار بندوں کو یہ بلند اور نافرمانوں کو پست کرے

وَدَارُجَبَّتِ الْأَرْضُ رَجًا ۝

جبکہ زمین زلزلہ کے ساتھ ہلادی جائے گی۔ (۳)

وُكِبَتْ الْجِبَالُ كِبًا ۝

اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔ (۵)

مَكَانَتْ هَبَاءٌ مُنَبِّئًا ۝

پھر وہ شل پر آگندہ غبار کے ہو جائیں گے۔ (۶)

وَلَتَنْتَفِرْنَ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۝

اور تم تین جماعتوں میں ہو جاؤ گے۔ (۷)

فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝

پس داہنے ہاتھ والے کیسے اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے۔ (۸)

وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝

اور بائیں ہاتھ والے کیا حال ہے بائیں ہاتھ والوں کا۔ (۹)

وَالطَّيِّفُونَ الظُّهُورِ ۝

اور جو آگے والے ہیں وہ تو آگے والے ہی ہیں۔ (۱۰)

أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۝

وہ بالکل نزدیکی حاصل کیے ہوئے ہیں۔ (۱۱)

فِي جَنَّاتٍ النَّازِلِينَ ۝

نعمتوں والی جنتوں میں ہیں۔ (۱۲)

ثُلَّةٌ مِنَ الْأَقْلَامِ ۝

(بست بڑا) گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہو گا۔ (۱۳)

وَقَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ ۝

اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے۔ (۱۴)

کی 'چاہے دنیا میں معاملہ اس کے برعکس ہو۔ اہل ایمان وہاں معزز و مکرم ہوں گے اور اہل کفر و عصیان ذلیل و خوار۔

(۱) رَجًا کے معنی حرکت و اضطراب (زلزلہ) اور بس کے معنی ریزہ ریزہ ہو جانے کے ہیں۔

(۲) أَزْوَاجًا: أَصْنَافًا کے معنی میں ہے۔

(۳) اس سے عام مومنین مراد ہیں جن کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے جو ان کی خوش بختی کی علامت ہوگی۔

(۴) اس سے مراد کافر ہیں جن کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھوں میں پکڑائے جائیں گے۔

(۵) ان سے مراد خواص مومنین ہیں 'یہ تیسری قسم ہے جو ایمان قبول کرنے میں سہقت کرنے اور نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے ہیں 'اللہ تعالیٰ ان کو قرب خاص سے نوازے گا' یہ ترکیب ایسے ہی ہے 'جیسے کہتے ہیں 'تو تو ہے اور زید زید' اس میں گویا زید کی اہمیت اور فضیلت کا بیان ہے۔

(۶) ثُلَّةٌ 'اس بڑے گروہ کو کہا جاتا ہے جس کا گننا ناممکن ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اولین سے مراد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک کی امت کے لوگ ہیں اور آخرین سے امت محمدیہ کے افراد۔ مطلب یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں سابقین کا ایک بڑا گروہ ہے 'کیونکہ ان کا زمانہ بہت لمبا ہے جس میں ہزاروں انبیاء کے سابقین شامل ہیں ان کے مقابلے میں امت محمدیہ کا زمانہ (قیامت تک) تھوڑا ہے 'اس لیے ان میں سابقین بھی بہ نسبت گزشتہ امتوں کے

عَلَىٰ سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ ۝

تُتَحَنَّنُ عَلَيْهِمَا مُقْبِلَتَيْنِ ۝

يُطَوَّفُ عَلَيْهِمَا دُلَّانٌ مُّغْلَدُونَ ۝

بِأَلْوَابٍ وَأَبْوَابٍ يُزَيَّنُ وَكَأَنَّهُنَّ مَيِّمَتَيْنِ ۝

لَا يَصَدَّ عَنْهَا وَلَا يَذَرُون ۝

وَقَاكِهَةٌ مِّنَّا يَتَخَفَتُونَ ۝

وَلَمَّا طِفَّ زُمَّنًا لِّمَتَهُنَّ ۝

وَحُوتَيْنِ ۝

یہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر۔ (۱۵)

ایک دوسرے کے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ (۱۶)^(۱)

ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ (لڑکے ہی) رہیں گے

آمدورفت کریں گے۔ (۱۷)

آنخورے اور جگ لے کر اور ایسا جام لے کر جو بہتی

ہوئی شراب سے پر ہو۔ (۱۸)

جس سے نہ سر میں درد ہو نہ عقل میں فتور آئے۔ (۱۹)^(۲)

اور ایسے میوے لپے ہوئے جو ان کی پسند کے

ہوں۔ (۲۰)

اور پرندوں کے گوشت جو انہیں مرغوب ہوں۔ (۲۱)

اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں۔ (۲۲)

تھوڑے ہوں گے۔ اور ایک حدیث میں آتا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں کا نصف ہو گے“ (صحیح مسلم، نمبر ۲۰۰) تو یہ آیت کے مذکورہ مفہوم کے مخالف نہیں۔ کیونکہ امت محمدیہ کے سابقین اور عام مومنین ملا کر باقی تمام امتوں سے جنت میں جانے والوں کا نصف ہو جائیں گے، اس لیے محض سابقین کی کثرت (سابقہ امتوں میں) سے حدیث میں بیان کردہ تعداد کی نفی نہیں ہوگی۔ مگر یہ قول محل نظر ہے اور بعض نے اولین و آخرین سے اسی امت محمدیہ کے افراد مراد لیے ہیں۔ یعنی اس کے پہلے لوگوں میں سابقین کی تعداد زیادہ اور پچیسے لوگوں میں تھوڑی ہوگی۔ امام ابن کثیر نے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور یہی زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے، فِی جَنَّتِ النَّعِیمِ اور عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ کے درمیان۔

(۱) مَوْضُونَةٌ بنے ہوئے، بڑے ہوئے۔ یعنی مذکورہ جنتی سونے کے تاروں سے بنے اور سونے جواہر سے بڑے ہوئے تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے یعنی رد و رد ہوں گے نہ کہ پشت بہ پشت۔

(۲) یعنی وہ بڑے نہیں ہوں گے کہ بوڑھے ہو جائیں نہ ان کے خد و خال اور قد و قامت میں کوئی تغیر واقع ہو گا، بلکہ ایک ہی عمر اور ایک ہی حالت پر رہیں گے، جیسے نو عمر لڑکے ہوتے ہیں۔

(۳) صُدَّاعٌ ایسے سرور کو کہتے ہیں جو شراب کے نشے اور خمار کی وجہ سے ہو اور اِنْزَافٌ کے معنی وہ فتور عقل جو مدہوشی کی بنیاد پر ہو۔ دنیا کی شراب کے نتیجے میں یہ دونوں چیزیں ہوتی ہیں، آخرت کی شراب میں سرور اور لذت تو یقیناً ہوگی لیکن یہ خرابیاں نہیں ہوں گی۔ مَعِینٌ چشمہ جاری جو خشک نہ ہو۔

كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ﴿٢٣﴾

جو چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں۔ (۲۳)^(۱)

حِزًّا وَمَا كَانُوا يَعْتَمُونَ ﴿٢٤﴾

یہ صلہ ہے ان کے اعمال کا۔ (۲۴)

لَا تَسْمَعُونَ فِيهَا لَأَوَاقِلَ يَتْلُوهَا

نہ وہاں بکواس سنیں گے اور نہ گناہ کی بات۔ (۲۵)

إِلَّا قِيلَ لَهَا سَلَامًا ﴿٢٥﴾

صرف سلام ہی سلام کی آواز ہوگی۔ (۲۶)^(۲)

وَأَصْحَابُ الَيْمِينِ ﴿٢٦﴾

اور دائیں ہاتھ والے کیا ہی اچھے ہیں دائیں ہاتھ

والے۔ (۲۷)^(۳)

فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ﴿٢٧﴾

وہ بغیر کانٹوں کی بیڑیوں۔ (۲۸)

وَعَلِيمٍ مَّخْضُودٍ ﴿٢٨﴾

اور بہت بہت کیلوں۔ (۲۹)

فُظُولٍ مَّخْضُودٍ ﴿٢٩﴾

اور لمبے لمبے سایوں۔ (۳۰)^(۴)

وَمَا مَسْكُوبٍ ﴿٣٠﴾

اور بہتے ہوئے پانیوں۔ (۳۱)

وَلَا لَهْفٍ هُتِرٍ ﴿٣١﴾

اور بکثرت پھلوں میں۔ (۳۲)

لَا مَطْمَوعَةٍ وَلَا مَمْنُونَةٍ ﴿٣٢﴾

جو نہ ختم ہوں نہ روک لیے جائیں۔ (۳۳)^(۵)

(۱) مَكْنُونٌ جسے چھپا کر رکھا گیا اس کو کسی کے ہاتھ لگے ہوں نہ گرد و غبار اسے پہنچا ہو۔ ایسی چیز بالکل صاف ستھری اور اصلی حالت میں رہتی ہے۔

(۲) یعنی دنیا میں تو باہم لڑائی جھگڑے ہی ہوتے ہیں حتیٰ کہ بن بھائی بھی اس سے محفوظ نہیں اس اختلاف و نزاع سے دلوں میں کدورتیں اور بغض و عناد پیدا ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے خلاف بدزبانی سب و شتم غیبت اور چغل خوری وغیرہ پر انسان کو آمادہ کرتا ہے۔ جنت ان تمام اخلاقی گندگیوں اور بے ہودگیوں سے نہ صرف پاک ہوگی بلکہ وہاں سلام ہی سلام کی آوازیں سننے میں آئیں گی فرشتوں کی طرف سے بھی اور آپس میں اہل جنت کی طرف سے بھی جس کا مطلب ہے کہ وہاں سلام و تحیہ تو ہو گا لیکن دل اور زبان کی وہ فرامیادیں نہیں ہوں گی جو دنیا میں عام ہیں حتیٰ کہ بڑے بڑے دین دار بھی ان سے محفوظ نہیں۔

(۳) اب تک سابقین (مَقَرَّيْنِ) کا ذکر تھا اَصْحَابُ الَيْمِينِ سے اب عام مومنین کا ذکر ہو رہا ہے۔

(۴) جیسے ایک حدیث میں ہے کہ ”جنت کے ایک درخت کے سائے تلے ایک گھوڑا سوار سو سو تک چلا رہے گا تب بھی وہ سایہ ختم نہیں ہوگا۔“ (صحیح بخاری، تفسیر سورة الواقعة، مسلم، کتاب الجنة، باب ان فی الجنة شجرة.....)

(۵) یعنی یہ پھل موسمی نہیں ہوں گے کہ موسم گزر گیا تو یہ پھل بھی آئندہ فصل تک ناپید ہو جائیں یہ پھل اس طرح فصل گل و لالہ کے پابند بھی نہیں ہوں گے بلکہ ہر وقت دستیاب رہیں گے۔

اور اونچے اونچے فرشوں میں ہوں گے۔ ^(۱) (۳۳)	وَفُورٌ مَرْفُوعَةٌ ۝
ہم نے ان (کی بیویوں کو) خاص طور پر بنایا ہے۔ (۳۵)	إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ۝
اور ہم نے انہیں کنواریاں بنا دیا ہے۔ ^(۲) (۳۶)	فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا ۝
محبت والیاں اور ہم عمر ہیں۔ ^(۳) (۳۷)	عُرُبًا أَتْرَابًا ۝
دائیں ہاتھ والوں کے لیے ہیں۔ (۳۸)	لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ ۝
جم غفیر ہے انگوں میں سے۔ ^(۴) (۳۹)	ثُلَّةٌ مِنَ الْأُفْلَاقِ ۝
اور بہت بڑی جماعت ہے پچھلوں میں سے۔ ^(۵) (۴۰)	وَكَلَّةٌ مِنَ الْأُجْرَيْنِ ۝
اور بائیں ہاتھ والے کیا ہیں بائیں ہاتھ والے۔ ^(۶) (۴۱)	وَأَصْحَابُ الْإِغْلَالِ ۝
گرم ہوا اور گرم پانی میں (ہوں گے) (۴۲)	فِي سَعْوٍ وَجَيْهٍ ۝

(۱) بعض نے فرشوں سے بیویوں اور مرفوعہ سے بلند مرتبہ کا مفہوم مراد لیا ہے۔

(۲) أَنشَأْنَاهُنَّ کا مرجع اگرچہ قریب میں نہیں ہے لیکن سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد اہل جنت کو بننے والی بیویاں اور خورعین ہیں۔ خورعین ولادت کے عام طریقے سے پیدا شدہ نہیں ہوں گی بلکہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر انہیں جنت میں اپنی قدرت خاص سے بنائے گا اور جو دنیاوی عورتیں ہوں گی تو وہ بھی خورعوں کے علاوہ اہل جنت کو بیویوں کے طور پر ملیں گی ان میں بوڑھی، کالی، بد شکل، جس طرح کی بھی ہوں گی سب کو اللہ تعالیٰ جنت میں جونی اور حسن و جمال سے نواز دے گا نہ کوئی بوڑھی، بوڑھی رہے گی نہ کوئی بد شکل، بد شکل بلکہ سب باکرہ (کنواری) کی حیثیت میں ہوں گی۔

(۳) عُرُبٌ، عُرُوبٌ کی جمع ہے۔ ایسی عورت جو اپنے حسن و جمال اور دیگر محاسن کی وجہ سے خاوند کو نہایت محبوب ہو۔ اَنْزَابٌ یَزَابٌ کی جمع ہے۔ ہم عمر یعنی سب عورتیں جو اہل جنت کو ملیں گی ایک ہی عمر کی ہوں گی جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ سب جنتی ۳۳ سال کی عمر کے ہوں گے (سنن ترمذی، باب ما جاء فی مسأله اهل الجنة) یا مطلب ہے کہ خاوندوں کی ہم عمر ہوں گی۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

(۴) یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کے لوگوں میں سے یا خدامت محمدیہ کے انگوں میں سے۔

(۵) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے یا آپ کی امت کے پچھلوں میں سے۔

(۶) اس سے مراد اہل جہنم ہیں جن کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے جو ان کی مقدار شدہ شقاوت کی علامت ہوگی۔

فَقِيلَ مَنْ يَخْتُمُ ۝

لَا يَارِدُ وَلَا يَنْجُو ۝

إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُتْرَكِينَ ۝

وَكَانُوا يُؤْتَوْنَ عَلَى الْحَسَنَةِ الْعَظِيمِ ۝

وَكُلُوا يَقُولُونَ إِنَّمَا مِثْلُ آبٍ مُتَنَافِئٍ زَاكَاةً وَمَا مِنْهُ مِنَ الْمَغْنَمِ ۝

أَوَلَا يَأْتِيهِمُ الْآيَاتُ ۝

فَلْيَرْجِعُوا إِلَى الْآيَاتِ وَالْآخِرِينَ ۝

لَتَجْزِيَنَّهُمْ إِلَىٰ يُقَالَتِ يَوْمَئِذٍ لَّعَلَّكُمْ ۝

لَعَلَّكُمْ أَتَيْتُمُ الصَّالِحِينَ الْمُنْذِرِينَ ۝

لَتَكُونَنَّ مِنْ شَجَرٍ مِنْ رُفُومٍ ۝

اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں۔^(۱) (۳۳)جو نہ ٹھنڈا ہے نہ فرحت بخش۔^(۲) (۳۳)پیشک یہ لوگ اس سے پہلے بہت نازوں میں پے ہوئے تھے۔^(۳) (۳۵)

اور بڑے بڑے گناہوں پر اصرار کرتے تھے۔ (۳۶)

اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر دوبارہ اٹھا کھڑے کیے جائیں گے۔ (۳۷)

اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟^(۴) (۳۸)

آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً سب اگلے اور پچھلے۔ (۳۹)

ضرور جمع کئے جائیں گے ایک مقرر دن کے وقت۔ (۵۰)

پھر تم اے گمراہو جھٹلانے والو! (۵۱)

البتہ کھانے والے ہو تمہو ہر کا درخت۔ (۵۲)

(۱) سَمُوم، آگ کی حرارت یا گرم ہوا جو مسام بدن میں گھس جائے۔ حَمِيم، کھول ہوا پانی، يَخْتُمُ، جِئْمَةُ سے ہے، 'بمعنی سیاہ' اور احم بہت زیادہ سیاہ چیز ہو تو کما جاتا ہے، يَخْتُمُ کے معنی سخت کالا دھواں مطلب یہ ہے کہ جہنم کے عذاب سے تنگ آکر وہ ایک سائے کی طرف دوڑیں گے، لیکن جب وہاں پہنچیں گے تو معلوم ہو گا کہ یہ سایہ نہیں ہے، جہنم ہی کی آگ کا سخت سیاہ دھواں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حَم سے ہے جو اس چربی کو کہتے ہیں جو آگ میں جل جل کر سیاہ ہو گئی ہو۔ بعض کہتے ہیں یہ حَمَم سے ہے جو کوئلے کے معنی میں ہے۔ اسی لیے امام ضحاک فرماتے ہیں۔ آگ بھی سیاہ ہے، اہل تار بھی سیاہ رہوں گے اور جہنم میں جو کچھ بھی ہو گا، سیاہ ہی ہو گا۔ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنْ لُتَارٍ۔

(۲) یعنی سایہ ٹھنڈا ہوتا ہے، لیکن یہ جس کو سایہ سمجھ رہے ہوں گے وہ سایہ ہی نہیں ہو گا، جو ٹھنڈا ہو وہ تو جہنم کا دھواں ہو گا، وَلَا تَحْرِيْبُنَّہُمْ جِسْمٌ میں کوئی حسن منظر یا خیر نہیں۔ یا طاووت نہیں۔

(۳) جہنم دنیا میں آخرت سے غافل ہو کر عیش و عشرت کی زندگی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ آخرت کا انکار ہی کفر و شرک اور معاصی میں ڈوبے رہنے کا بنیادی سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آخرت کا تصور اس کے ماننے والوں کے ذہنوں میں دھندلا جاتا ہے تو ان میں بھی فسق و فجور عام ہو جاتا ہے۔ جیسے آج کل عام مسلمانوں کا حال ہے۔

فَمَا لَكُمْ مِنْهَا الْبُظُونُ ۝

فَطِيرُ بُونٍ عَلَيْهِ مِنَ الْهَيْبِ ۝

فَطِيرُ بُونٍ شَرِبَ الْهَيْبِ ۝

هَذَا نَزْلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ۝

فَمَنْ خَلَقْتُمْ فَلَوْلَا لُصْدُوقُونَ ۝

أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُفِّرُوا ۝

وَأَن تَكْفُرُوا لَكُمْ أَمْرٌ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝

عَنْ قَدَرٍ نَّابِيَتُكُمْ الْمَوْتَ وَمَا عَنْ بِسْمِ بُولِي ۝

اور اسی سے بیٹ بھرنے والے ہو۔ (۵۳)

پھر اس پر گرم کھولتا پانی پینے والے ہو۔ (۵۴)

پھر پینے والے بھی پیاسے اونٹوں کی طرح۔ (۵۵)

قیامت کے دن ان کی مسملی یہ ہے۔ (۵۶)

ہم ہی نے تم سب کو پیدا کیا ہے پھر تم کیوں باور نہیں کرتے؟ (۵۷)

اچھا پھر یہ تو بتلاؤ کہ جو منی تم نکالتے ہو۔ (۵۸)

کیا اس کا (انسان) تم بناتے ہو یا پیدا کرنے والے ہم ہی ہیں؟ (۵۹)

ہم ہی نے تم میں موت کو متعین کر دیا ہے (۶۰) اور ہم اس سے ہارے ہوئے نہیں ہیں۔ (۶۱)

(۱) یعنی اس کریمہ النظر اور نہایت بد ذائقہ اور تلخ درخت کا کھانا تمہیں اگرچہ سخت ناگوار ہو گا، لیکن بھوک کی شدت سے تمہیں اسی سے اپنا پیٹ بھرنا ہو گا۔

(۲) هَيْبٌ، اُغْبِمٌ کی جمع ہے، ان پیاسے اونٹوں کو کھنا جاتا ہے جو ایک خاص بیماری کی وجہ سے پانی پر پانی پیئے جاتے ہیں لیکن ان کی پیاس نہیں بجھتی۔ مطلب یہ ہے کہ زقوم کھانے کے بعد پانی بھی اس طرح نہیں پوگے جس طرح عام معمول ہوتا ہے، بلکہ ایک تو بطور عذاب کے تمہیں پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ دو سرائیم اسے پیاسے اونٹوں کی طرح پیئے جاؤ گے لیکن تمہاری پیاس دور نہیں ہوگی۔

(۳) یہ بطور استہزا اور تنکیم کے فرمایا، ورنہ مسملی تو وہ ہوتی ہے جو مسمان کی عزت کے لیے تیار کی جاتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے بعض مقام پر فرمایا ﴿فَكَيْفَ تَهْتَ بِعَذَابِ آلِ عَمْرٍاءَ﴾ "ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے۔"

(۴) یعنی تم جانتے ہو کہ تمہیں پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے، پھر تم اس کو مانتے کیوں نہیں ہو؟ یا دوبارہ زندہ کرنے پر یقین کیوں نہیں کرتے؟

(۵) یعنی تمہارے بیویوں سے مباشرت کرنے کے نتیجے میں تمہارے جو قطرات منی عورتوں کے رحموں میں جاتے ہیں، ان سے انسانی شکل و صورت بنانے والے ہم ہیں یا تم؟

(۶) یعنی ہر شخص کی موت کا وقت مقرر کر دیا ہے، جس سے کوئی تجاوز نہیں کر سکتا۔ چنانچہ کوئی بچپن میں، کوئی جوانی میں اور کوئی بڑھاپے میں فوت ہوتا ہے۔

(۷) یا مغلوب اور عاجز نہیں ہیں، بلکہ قہور ہیں۔

کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور پیدا کر دیں اور تمہیں نئے سرے سے اس عالم میں پیدا کریں جس سے تم (بالکل) بے خبر ہو۔^(۶۱)

تمہیں یقینی طور پر پہلی دفعہ کی پیدائش معلوم ہی ہے پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟^(۶۲)

اچھا پھر یہ بھی بتلاؤ کہ تم جو کچھ بولتے ہو۔^(۶۳)

اسے تم ہی اگاتے ہو یا ہم اگاتے والے ہیں۔^(۶۴)

اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر ڈالیں اور تم حیرت کے ساتھ باتیں بناتے ہی رہ جاؤ۔^(۶۵)

کہ ہم پر تو تادان ہی پڑ گیا۔^(۶۶)

عَلَىٰ أَنْ يُبَدِّلَ امْنَالَكُمْ وَتُشْكِرُوا مَا لَا تَشْكُرُونَ ۝

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الْمُنَافَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ ۝

مَا أَنْتُمْ تَرْجُونَ أَمْ عَنْهُ الرُّجُوعُونَ ۝

لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا مَّا تَفْلَحُونَ ۝

إِنَّا لَنَعْلَمُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

(۱) یعنی تمہاری صورتیں مسخ کر کے تمہیں بندہ اور خنزیر بنادیں اور تمہاری جگہ تمہاری شکل و صورت کی کوئی اور مخلوق پیدا کر دیں۔

(۲) یعنی کیوں یہ نہیں سمجھتے کہ جس طرح اس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا (جس کا تمہیں علم ہے) وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔

(۳) یعنی زمین میں تم جو بیج بولتے ہو، اس سے ایک درخت زمین کے اوپر نمودار ہو جاتا ہے۔ غلے کے ایک بے جان دانے کو بھاڑ کر اور زمین کے سینے کو چیر کر اس طرح درخت اگانے والا کون ہے؟ یہ بھی مٹی کے قطرے سے انسان بنا دینے کی طرح ہماری ہی قدرت کا شاہکار ہے یا تمہارے کسی ہنر یا جھومنتز کا نتیجہ ہے؟

(۴) یعنی کھیتی کو سرسبز و شاداب کرنے کے بعد، جب وہ پکنے کے قریب ہو جائے تو ہم اگر چاہیں تو اسے خشک کر کے ریزہ ریزہ کر دیں اور تم حیرت سے منہ ہی نکلتے رہ جاؤ۔ تَفَكُّهُمُ اضداد میں سے ہے اس کے معنی نعمت و خوش حالی بھی ہیں اور حزن و یاس بھی۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں، اس کے مختلف معانی کیے گئے ہیں، تَوَعُّوْنَ كَلَامُكُمْ، تَتَذَكَّرُونَ، تَخْرُجُونَ، تَعْتَبُونَ، تَلَاوْمُونَ اور تَفْجَعُونَ وغیرہ۔ ظَلَلْتُمْ اصل میں ظَلَلْتُمْ بمعنی صِرْتُمْ اور تَفَكَّهُوْنَ تَفَكَّهُوْنَ ہے۔

(۵) یعنی ہم نے پہلے زمین پر پل چلا کر اسے ٹھیک کیا پھر بیج ڈالا، پھر اسے پانی دیتے رہے، لیکن جب فصل کے پکنے کا وقت آیا تو وہ خشک ہو گئی، اور ہمیں کچھ بھی نہ ملا یعنی یہ سارا خرچ اور محنت ایک تادان ہی ہوا جو ہمیں برداشت کرنا پڑا۔ تادان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ انسان کو اس کے ہل یا محنت کا معاوضہ نہ ملے، بلکہ وہ یوں ہی ضائع ہو جائے یا زبردستی اس سے کچھ وصول کر لیا جائے اور اس کے بدلے میں اسے کچھ نہ دیا جائے۔

لَيْلَ تَنْفَعَنَّ مَعْرُوفُونَ ۝۲۸

أَقْرَبَ يَوْمَ الْمَاءِ الْكَافَى تَشْكُرُونَ ۝۲۹

ءَأَنْتُمْ أَتَرْتُمْ شُرَكَاءَ مِنَ الزَّنِ أَمْ عَنْ الْغُزُلُونَ ۝۳۰

لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أَجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ۝۳۱

أَقْرَبَ يَوْمَ النَّارِ الَّتِي تُؤْرُونَ ۝۳۲

ءَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ عَنْ الْمُنِشُونَ ۝۳۳

فَعَنْ جَعَلْنَاهَا تَذْكُرَةً ۝۳۴ وَمَتَاعًا لِلْمُقِينَ ۝۳۵

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝۳۶

بلکہ ہم بالکل محروم ہی رہ گئے۔ (۶۷)

اچھا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو۔ (۶۸)

اسے بادلوں سے بھی تم ہی اتارتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ (۶۹)

اگر ہماری مشا ہو تو ہم اسے کڑوا کر ہر کر دیں پھر تم ہماری شکر گزاری کیوں نہیں کرتے؟ (۷۰)

اچھا ذرا یہ بھی بتاؤ کہ جو آگ تم سلگاتے ہو۔ (۷۱)

اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اس کے پیدا کرنے والے ہیں؟ (۷۲)

ہم نے اسے سبب فصاحت (۷۳) اور مسافروں کے فائدے کی چیز بنایا ہے۔ (۷۴)

پس اپنے رب سے رب کے نام کی تسبیح کیا کرو۔ (۷۵)

(۱) یعنی اس احسن پر ہماری اطاعت کر کے ہمارا عملی شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟

(۲) کہتے ہیں عرب میں دو درخت ہیں 'مرخ اور عفار' ان دونوں سے مٹیاں لے کر ان کو آپس میں رگڑا جائے تو اس سے آگ کے شرارے نکلے ہیں۔

(۳) کہ اس کے اثرات اور فوائد حیرت انگیز ہیں اور دنیا کی بے شمار چیزوں کی تیاری کے لیے اسے ریزہ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ جو ہماری قدرت عظیمہ کی نشانی ہے 'پھر ہم نے جس طرح دنیا میں یہ آگ پیدا کی ہے' ہم آخرت میں بھی پیدا کرنے پر قادر ہیں۔ جو اس سے ۶۹ درجہ حرارت میں زیادہ ہوگی۔ (کَمَا فِي الْحَدِيثِ)

(۴) مُقَوِّينَ، مُقَوِّی کی جمع ہے 'قَوَاءَ' یعنی خالی صحرا میں داخل ہونے والا' مراد مسافر ہے۔ یعنی مسافر صحراؤں اور جنگلوں میں ان درختوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس سے روشنی گرمی اور ایندھن حاصل کرتے ہیں۔ بعض نے مُقَوِّی سے وہ فقرا مراد لیے ہیں جو بھوک کی وجہ سے خالی پیٹ ہوں۔ بعض نے اس کے معنی مُسْتَنْتِعِينَ (فائدہ اٹھانے والے) کیے ہیں۔ اس میں امیر غریب، مقیم اور مسافر سب آجاتے ہیں اور سب ہی آگ سے فائدہ اٹھاتے ہیں اسی لیے حدیث میں جن تین چیزوں کو عام رکھنے کا اور ان سے کسی کو نہ روکنے کا حکم دیا گیا ہے 'ان میں پانی اور گھاس کے علاوہ آگ بھی ہے' (ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی منع الماء، ومنہا ما وجہ، کتاب الرہون، باب المسلمون شرکاء فی ثلاث، امام ابن کثیر نے اس مفہوم کو زیادہ پسند کیا ہے۔

فَلَا أَقِيمُ مَوْقِعَ التَّجْوَرِ ۝

وَأَنَّهُ لَئْسَ لَوَاقِعُكَ عَظِيمٌ ۝

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝

فِي كِلْبٍ مَّكْنُونٍ ۝

لَئِنَّكَ إِلَّا الْغَافِرُونَ ۝

تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝

أَمْ هَذَا صَحِيفٌ مُّتَّبَعُونَ ۝

وَيَقُولُونَ زُفَرَةٌ أَلَمْ تَكُنْ تُبْنُونَ ۝

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ۝

پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گرنے کی۔ (۷۵)

اور اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔ (۷۶)

کہ بیشک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے۔ (۷۷)

جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے۔ (۷۸)

جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ (۷۹)

یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے۔ (۸۰)

پس کیا تم ایسی بات کو سرسری (اور معمولی) سمجھ رہے

ہو؟ (۸۱)

اور اپنے حصے میں یہی لیتے ہو کہ جھٹلاتے پھرو۔ (۸۲)

پس جبکہ روح زخروے تک پہنچ جائے۔ (۸۳)

(۱) فَلَا أَقِيمُ میں لا زائد ہے جو تاکید کے لیے ہے۔ یا یہ زائد نہیں ہے۔ بلکہ ما قبل کی کسی چیز کی نفی کے لیے ہے۔ یعنی

یہ قرآن کہنت یا شاعری نہیں ہے بلکہ میں ستاروں کے گرنے کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ قرآن عزت والا ہے

مَوَاقِعُ النُّجُوم سے مراد ستاروں کے طلوع و غروب کی جگہیں اور ان کی منزلیں اور مدار ہیں۔ بعض نے ترجمہ کیا ہے

”قسم کھاتا ہوں آسمانوں کے اترنے کی پیغمبروں کے دلوں میں (موضع القرآن) یعنی نجوم“ قرآن کی آیات اور مواقع ’قلوب

انبیا۔ بعض نے اس کا مطلب قرآن کا آہستہ آہستہ بدرجہ اترنا اور بعض نے قیامت والے دن ستاروں کا جھڑنا

مراد لیا ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) یہ جواب قسم ہے۔

(۳) یعنی لوح محفوظ ہیں۔

(۴) لَا يَمَسُّہُ میں ضمیر کا مرجع لوح محفوظ ہے اور پاک لوگوں سے مراد فرشتے، بعض نے اس کا مرجع ’قرآن کریم کو بنایا

ہے یعنی اس قرآن کو فرشتے ہی چھوتے ہیں‘ یعنی آسمانوں پر فرشتوں کے علاوہ کسی کی بھی رسائی اس قرآن تک نہیں

ہوتی۔ مطلب مشرکین کی تردید ہے جو کہتے تھے کہ قرآن شیاطین لے کر اترتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا یہ کیوں کر ممکن ہے۔

یہ قرآن تو شیطانی اثرات سے بالکل محفوظ ہے۔

(۵) حدیث سے مراد قرآن کریم ہے مَذَاهَنَ ’وہ نرمی جو کفر و فتناء کے مقابلے میں اختیار کی جائے دراصل حاکم ان کے

مقابلے میں سخت تر رویے کی ضرورت ہے۔ یعنی اس قرآن کو اپنانے کے معاملے میں تمام کافروں کو خوش کرنے کے

لیے نرمی اور اعراض کا راستہ اختیار کر رہے ہو۔ حالانکہ یہ قرآن جو مذکورہ صفات کا حامل ہے‘ اس لائق ہے کہ اسے

نمایات خوشی سے اپنایا جائے۔

وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ ۝

وَمَنْ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُعْقِلُونَ ۝

فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۝

تُجِئُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝

لَسَوْفَ وَرَدَّهَا مَنْ تَوَجَّهْتُ يَوْمَهُ ۝

وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُخْلَبِينَ ۝

فَسَوْفَ لَكَ مِنَ الْمُخْلَبِينَ ۝

اور تم اس وقت آنکھوں سے دیکھتے رہو۔^(۸۳)ہم اس شخص سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں^(۸۴) لیکن تم نہیں دیکھ سکتے۔^(۸۵)پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں۔^(۸۶)اور اس قول میں سچے ہو تو (ذرا) اس روح کو تو لوٹاؤ۔^(۸۷)پس جو کوئی بارگاہ الہی سے قریب کیا ہوا ہوگا۔^(۸۸)اسے تو راحت ہے اور غذائیں ہیں اور آرام والی جنت ہے۔^(۸۹)اور جو شخص داہنے (ہاتھ) والوں میں سے ہے۔^(۹۰) تو بھی سلامتی ہے تیرے لیے کہ تو داہنے والوں میں سے ہے۔^(۹۱)

(۱) یعنی روح نکلتے ہوئے دیکھتے ہو لیکن اسے ٹال سکنے کی یا اسے کوئی فائدہ پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے۔

(۲) یعنی مرنے والے کے ہم 'تم' سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ اپنے علم 'قدرت اور رؤیت کے اعتبار سے۔ یہ ہم سے مراد اللہ کے کارندے یعنی موت کے فرشتے ہیں جو اس کی روح قبض کرتے ہیں۔

(۳) یعنی اپنی جمالت کی وجہ سے تمہیں اس بات کا ادراک نہیں کہ اللہ تو تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے یہ روح قبض کرنے والے فرشتوں کو تم دیکھ نہیں سکتے۔

(۴) ذَاں يَدَيْنِ کے معنی ہیں 'ماتحت ہونا' دوسرے معنی ہیں بدلہ دینا۔ یعنی اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ کوئی تمہارا آقا اور مالک نہیں جس کے تم زیر فرمان اور ماتحت ہو یا کوئی جزا سزا کا دن نہیں آئے گا تو اس قبض کی ہوئی روح کو اپنی جگہ پر واپس ہونا کر دکھاؤ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمہارا گمان باطل ہے۔ یقیناً تمہارا ایک آقا ہے اور یقیناً ایک دن آئے گا جس میں وہ آقا ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا۔

(۵) سورت کے آغاز میں اعمال کے لحاظ سے انسانوں کی جو تین قسمیں بیان کی گئی تھیں 'ان کا پھر ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہ ان کی پہلی قسم ہے جنہیں مقررین کے علاوہ سابقین بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ نیکی کے ہر کام میں آگے آگے ہوتے ہیں اور قبول ایمان میں بھی وہ دوسروں سے سبقت کرتے ہیں اور اپنی اسی خوبی کی وجہ سے وہ مقررین بارگاہ الہی قرار پاتے ہیں۔

(۶) یہ دوسری قسم ہے 'عام مومنین۔ یہ بھی جہنم سے بچ کر جنت میں جائیں گے 'تاہم درجات میں سابقین سے کم تر ہوں گے۔ موت کے وقت فرشتے ان کو بھی سلامتی کی خوش خبری دیتے ہیں۔

وَأَتَاكَ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الْعَاقِلِينَ ①

فَقُلْ بَيْنَ يَدَيْهِ ②

وَتَقْلِبُهُ جَهَنَّمَ ③

إِنَّ هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ④

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْغَظِيِّ ⑤

سُبُّكَ لِلْجَنَّةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ⑥

سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑦

لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ

لَمْ يَكُنْ قَبْلُ ⑧

هُوَ الْاَكْبَرُ وَالْاَكْبَرُ وَالْاَكْبَرُ وَالْاَكْبَرُ ⑨

لیکن اگر کوئی جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہے۔ (۹۲)

تو کھولتے ہوئے گرم پانی کی مہمانی ہے۔ (۹۳)

اور دوزخ میں جانا ہے۔ (۹۴)

یہ خبر سراسر حق اور قطعاً یقینی ہے۔ (۹۵)

پس تو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح کر۔ (۹۶)

سورۃ حدید معنی ہے اور اس میں انتہی آیتیں اور
چار رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

آسمانوں اور زمین میں جو ہے (سب) اللہ کی تسبیح کر رہے
ہیں، (۹۳) وہ زبردست باحکمت ہے۔ (۹۴)

آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے، (۹۵) وہی
زندگی دیتا ہے اور موت بھی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۹۶)
وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے، وہی ظاہر ہے اور وہی
مخفی، (۹۷) اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔ (۹۸)

(۱) یہ تیسری قسم ہے جنہیں آغاز سورت میں أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ کہا گیا تھا، بائیں ہاتھ والے یا حائینِ نحوست۔ یہ
اپنے کفر و نفاق کی سزا یا اس کی نحوست عذابِ جہنم کی صورت میں بھگتیں گے۔

(۲) حدیث میں آتا ہے کہ دو کلمے اللہ کو بہت محبوب ہیں، زبان پر لگے اور وزن میں بھاری۔ مُبْحَاثَانَ اللہِ وَمُبْحَاثَانَ اللہِ
الْعَظِيمِ (صحیح بخاری "آخری حدیث" و صحیح مسلم کتاب الذکر باب فضل النہلین والتمسح بالیدین)

(۳) یہ تسبیح زبانِ حق سے نہیں، بلکہ زبانِ مقل سے ہے اسی لیے فرمایا گیا ہے، ﴿وَلَكِنْ لَا تَقْفُونَ تَتْبَعُهُمْ﴾ (یس)
[سورۃ النحل ۳۳] "تم انکی تسبیح نہیں سمجھ سکتے۔" حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ انکے ساتھ پہاڑ بھی تسبیح کرتے تھے۔
(الانبیاء ۷۹) اگر یہ تسبیح حال یا تسبیح دلالت ہوتی تو حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اسکو خاص کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

(۴) اس لیے وہ ان میں جس طرح چاہتا ہے تعریف فرماتا ہے، اس کے سوا ان میں کسی کا حکم اور تصرف نہیں چلتا۔ یا
مطلب ہے کہ بارش، نباتات اور روزیوں کے سارے خزانے اسی کی ملک میں ہیں۔

(۵) وہی اوس ہے، یعنی اس سے پہلے کچھ نہ تھا، وہی آخر ہے، اس کے بعد کوئی چیز نہیں ہوگی، وہی ظاہر ہے، یعنی وہ سب
پر غالب ہے، اس پر کوئی غالب نہیں۔ وہی باطن ہے، یعنی باطن کی ساری باتوں کو صرف وہی جانتا ہے، یا لوگوں کی نظروں

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَكُونُ فِي الْأَرْضِ وَمَا تَعْرِبُونَ بِهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا تَعْرِبُونَ بِهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَآيَاتُهُ يَبَيِّنُهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٥٧﴾

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی^(۱) ہو گیا۔ وہ (خوب) جانتا ہے اس چیز کو جو زمین میں جائے^(۲) اور جو اس سے نکلے^(۳) اور جو آسمان سے نیچے آئے^(۴) اور جو کچھ چڑھ کر اس میں جائے^(۵) اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے^(۶) اور جو تم کر رہے

اور عقلوں سے مخفی ہے۔ (فتح القدیر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ دعا پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی۔ «اللَّهُمَّ! رَبَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، مُنِزِلَ الثُّرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ رَافِعُ الْقَابِ، فَابِقَ الْخَبَرِ وَالنُّوَى، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ، اللَّهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ، اقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ» (صحیح مسلم) کتاب الذکر والدعاء باب ما یقول عند السوم وأخذ المصباح، اس دعا میں 'جو ادائیگی قرض کے لیے مسنون ہے' اول و آخر اور ظاہر و باطن کی تفسیر بیان فرمادی گئی ہے۔ (۱) اسی مضمون کی آیات سورۃ اعراف '۵۳' سورۃ یونس '۳' اور المائدہ '۳' وغیرہا من الآیات میں گزر چکی ہیں۔ ان کے حواشی ملاحظہ فرمالے جائیں۔

(۲) یعنی زمین میں بارش کے جو قطرے اور غلہ جات و میوہ جات کے جو بیج داخل ہوتے ہیں، انکی کیمت و کیفیت کو وہ جانتا ہے۔ (۳) جو درخت چاہے وہ پھلوں کے ہوں یا غلوں کے یا زیت و آرائش اور خوشبودار لے پھوؤں کے بوئے ہوں یہ جتنے بھی اور جیسے بھی باہر نکلتے ہیں سب اللہ کے علم میں ہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَجَعَلْنَا مَقَادِرَ الْعَيْنِ لِنَعْلَمَ مَا يَرِى الْأَنفُ وَنَعْلَمَ مَا فِي لَدُنِ الْوَبْخِ وَنَسْفِطُ مِنْ دَرَمَةٍ الْأَعْيُنَ وَالْأَفْئِدَةَ فِي ظُلُمَاتٍ الْأَرْضِ وَالْأَفْئِدَةَ وَالْأَفْئِدَةَ وَالْأَفْئِدَةَ﴾ (سورۃ الانعام '۵۷') "اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں تمام مخفی اشیا کے خزانے" ان کو کوئی نہیں جانتا۔ بحوالہ اللہ کے 'اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں۔ کوئی بتا نہیں گرا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے' اور کوئی دانہ کوئی زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔"

(۴) بارش 'اولے' برف 'تقدیر' اور وہ احکام 'جو فرشتے لے کر اترتے ہیں۔ (۵) فرشتے انسانوں کے جو عمل لے کر چڑھتے ہیں جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ "اللہ کی طرف رات کے عمل دن سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے چڑھتے ہیں۔" (صحیح مسلم) کتاب الإيمان باب من اللہ لا یسلم

(۶) یعنی تم خشکی میں ہو یا تری میں 'رات ہو یا دن' گھروں میں ہو یا صحراؤں میں 'ہر جگہ ہر وقت وہ اپنے علم و بصیر کے لحاظ سے تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارے ایک ایک عمل کو دیکھتا ہے' تمہاری ایک ایک بات کو جانتا اور سنتا ہے۔ یہی مضمون سورۃ ہود '۳' سورۃ رعد '۱۰' اور دیگر آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

ہو اللہ دیکھ رہا ہے۔ (۳)

آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے۔ اور تمام کام اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ (۵)

وہی رات کو دن میں لے جاتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے^(۱) اور سینوں کے بھیدوں کا وہ پورا عالم ہے۔ (۶) اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں (دوسروں کا) جائز بنایا^(۲) ہے پس تم میں سے جو ایمان لائیں اور خیرات کریں انہیں بہت بڑا ثواب ملے گا۔ (۷)

تم اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ حالانکہ خود رسوں تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور اگر تم مومن ہو تو وہ تو تم سے مضبوط عہد و پیمان بھی لے چکا ہے۔^(۳) (۸)

وہ (اللہ) ہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں اتارتا ہے

لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ①

يُولِيهِ الْكَيْلَ فِي السَّحَابِ وَيُولِيهِ النَّهَارَ وَاللَّيْلَ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ②

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَوْضُوْهُ وَاٰتِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّتَسَخِّلِيْنَ فِيْهِۦ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ③

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَّسُوْلٍ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذْنَا مِنْكُمْ اٰثَرَ الْاٰمِنِ ④

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلٰٓى عَبْدِهٖ اٰلَآءَ بَيِّنٰتٍ لِّتُحْجِجَ بِهَا

(۱) یعنی تمام چیزوں کا مالک وہی ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے، ان میں تصرف فرماتا ہے، اس کے حکم و تصرف سے کبھی رات لمبی، دن چھوٹا اور کبھی اس کے برعکس دن لمبا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے اور کبھی دونوں برابر۔ اسی طرح کبھی سردی، کبھی گرمی، کبھی ہمار اور کبھی خزاں۔ موسموں کا تغیر و تبدل بھی اسی کے حکم و مشیت سے ہوتا ہے۔

(۲) یعنی یہ مال اس سے پہلے کسی دوسرے کے پاس تھا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمہارے پاس بھی یہ مال نہیں رہے گا، دوسرے اسکے وارث بنیں گے، اگر تم نے اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا تو بعد میں اسکے وارث بننے والے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے تم سے زیادہ سعادت حاصل کر سکتے ہیں اور اگر وہ اسے نافرمانی میں خرچ کریں گے تو تم بھی معاونت کے جرم میں مآخوذ ہو سکتے ہو۔ (ابن کثیر) حدیث میں آتا ہے کہ ”انسان کہتا ہے میرا مال، میرا مال، حالانکہ تیرا مال، ایک تو وہ ہے جو تو نے کھاپی کے ناکر دیا، دوسرا وہ ہے جسے پچن کر بوسیدہ کر دیا اور تیسرا وہ ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا۔ اسکے علاوہ جو کچھ ہے، وہ سب دوسرے لوگوں کے حصے میں آئے گا۔“ (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، مسند أحمد، ۳/۲۲۰)

(۳) ابن کثیر نے اخذ کا فاعل الرسول کو بنایا ہے اور مراد وہ بیعت لی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے لیتے تھے کہ خوشی اور ناخوشی ہر حالت میں سب و طاعت کرنی ہے اور امام ابن جریر کے نزدیک اس کا فاعل اللہ ہے اور مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے اس وقت لیا تھا جب انہیں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تھا، جو عہد الست کہلاتا ہے، جس کا ذکر سورۃ الاعراف ۱۷۲ میں ہے۔

الْفُلُوبِ إِلَى الثَّوَرِ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ①

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ لَا يَسْتَوِي سُنُّكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَقْرِ وَقُلْ
أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَالُوا
لَوْلَا وَعْدَ اللَّهِ الْخُسْفَىٰ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ②

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ وَلَهُ
أَجْرٌ كَرِيمٌ ③

تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف لے جائے۔
یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (۹)
تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں
کرتے؟ دراصل آسمانوں اور زمینوں کی میراث کا مالک
(تمنا) اللہ ہی ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے
فی سبیل اللہ دیا ہے اور قتال کیا ہے وہ (دوسروں کے)
برابر نہیں،^(۱) بلکہ ان سے بہت بڑے درجے کے ہیں
جنہوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیے۔^(۲) ہاں
بھائی کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ کا ان سب سے ہے^(۳) جو کچھ تم
کر رہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے۔ (۱۰)

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض دے پھر اللہ
تعالیٰ اسے اس کے لیے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لیے

(۱) فتح سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک فتح مکہ ہے۔ بعض نے صلح حدیبیہ کو فتح حسین کا مصداق سمجھ کر اسے مراد لیا ہے۔ بہرحال
صلح حدیبیہ فتح مکہ سے قبل مسلمان تعداد اور قوت کے لحاظ سے بھی کم تر تھے اور مسلمانوں کی مالی حالت بھی بہت کمزور تھی۔
ان حالات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور جہاد میں حصہ لینا دونوں کام نہایت مشکل اور بڑے دس گردے کا کام تھا جب کہ
فتح مکہ کے بعد یہ صورت حال بدل گئی۔ مسلمان قوت و تعداد میں بھی بڑھتے چلے گئے اور ان کی مالی حالت بھی پیسے سے کہیں
زیادہ بہتر ہو گئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے دونوں ادوار کے مسلمانوں کی بابت فرمایا کہ یہ اجر میں برابر نہیں ہو سکتے۔

(۲) کیونکہ پہلوں کا اتفاق اور جہاد دونوں کام نہایت کنھن حالات میں ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل فضل و عزم کو دیگر
لوگوں کے مقابلے میں مقدم رکھنا چاہیے۔ اسی لیے اہل سنت کے نزدیک شرف و فضل میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے
مقدم ہیں کیوں کہ مومن اول بھی وہی ہیں اور منافق اول اور مجاہد اول بھی وہی۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت صدیق
اکبرؓ کو اپنی زندگی اور موجودگی میں نماز کے لیے آگے کیا اور اسی بنیاد پر مومنوں (صحابہ کرام) نے انہیں استحقاق خلافت
میں مقدم رکھا۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔

(۳) اس میں وضاحت فرمادی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان شرف و فضل میں تفاوت تو ضرور ہے لیکن تفاوت درجات کا
مطلب یہ نہیں کہ بعد میں مسلمان ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان و اخلاق کے اعتبار سے بالکل ہی گئے گزرے تھے،
جیسا کہ بعض حضرات، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض ایسے ہی جلیل القدر صحابہ کے
بارے میں ہرزہ سرائی یا انہیں ملقاء کہہ کر انکی تنقیص و اہانت کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں

پسندیدہ اجر ثابت ہو جائے^(۱) (۱۱)

(قیامت کے) دن تو دیکھے گا کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں دواڑ رہا ہو گا^(۲) آج ہمیں ان جنتوں کی خوشخبری ہے جسکے نیچے سرس جاری ہیں جن میں ہمیشہ کی رہائش ہے۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔^(۳) (۱۲)

اس دن منافق مرد و عورت ایمان والوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار تو کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں۔^(۴) جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ^(۵) اور روشنی تلاش کرو۔ پھر ان کے اور ان کے درمیان^(۶) ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں دروازہ بھی ہو گا۔ اس کے اندرونی حصہ میں تو

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرًا لَّهُ الْيَوْمَ مَحْضَةٌ تَخْوَى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ①

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَارْأَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورَةٍ مَّا بَابٌ بَابُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرٌ مِنْ قَلْبِهِ الْعَذَابُ ②

فردی ہے کہ لَا تَشُوا أَصْحَابِي ”میرے صحابہ پر سب و شتم نہ کرو“ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو وہ میرے صحابی کے خرچ کیے ہوئے ایک مدد بلکہ نصف مدد کے بھی برابر نہیں۔“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة)

(۱) اللہ کو قرض حسن دینے کا مطلب ہے اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنا۔ یہ مال جو انسان اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اللہ ہی کا دیا ہوا ہے اس کے باوجود اسے قرض قرار دینا یہ اللہ کا فضل و احسان ہے کہ وہ اس اتفاق پر سی طرح اجر دے گا جس طرح قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

(۲) یہ عرصہ محشر میں ہل صراط میں ہو گا یہ نور ان کے ایمان اور عمل صالح کا صلہ ہو گا جس کی روشنی میں وہ جنت کا راستہ آسانی سے طے کر لیں گے۔ امام ابن کثیر اور امام ابن جریر وغیرہ نے بَيِّنَاتِهِمْ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ان کے دائیں ہاتھوں میں ان کے اعمال نامے ہوں گے۔

(۳) یہ وہ فرشتے کہیں گے جو ان کے استقبال اور پیشوائی کے لیے وہیں ہوں گے۔

(۴) یہ منافقین کچھ فاصلے تک اہل ایمان کے ساتھ ان کی روشنی میں چلیں گے پھر اللہ تعالیٰ منافقین پر اندھیرا مسلط فرماوے گا اس وقت وہ اہل ایمان سے یہ کہیں گے۔

(۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جا کر اسی طرح ایمان اور عمل صالح کی پونجی لے کر آؤ جس طرح ہم رہے ہیں۔ یا استہزا کے طور پر اہل ایمان کہیں گے کہ پیچھے جہاں سے ہم یہ نور لائے تھے وہیں جا کر اسے تلاش کرو۔

(۶) یعنی مومنین اور منافقین کے درمیان۔

يُنَادُوهُمْ أَلَمْ تَكُنْ مَعَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ
وَتَرَبَّصْتُمْ وَرَبَّبْتُمْ وَعْزَيْتُمْ الْأَمْثَانِ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ
وَعَزَّيْتُمْ بِأَهْلِ الْغُرُورِ ⑤

قَالُوا مَرَلَيْسَ خُذْ مِنْكُمْ ذِيَّةً وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَتَّوْنُكُمْ
الْمُتَّذِرِينَ مَوْلَاهُمْ وَهُمْ فِي الضُّلُمِ ⑥

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا سَلَ
لَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَتَّبِعُوا أَكَاذِبِينَ أُوَلُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِ قَطَالِ

رحمت^(۱) ہوگی اور باہر کی طرف عذاب ہو گا۔^(۲) (۱۳)
یہ چلا چلا کر ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے^(۳)
وہ کہیں گے کہ ہاں تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے آپکو فتنہ میں
پھنسا رکھا^(۴) تھا اور انتظار میں ہی رہے^(۵) اور شک و شبہ کرتے
رہے^(۶) اور تمہیں تمہاری فضول تمناؤں نے دھوکے میں ہی
رکھا^(۷) یہاں تک کہ اللہ کا حکم آپہنچا^(۸) اور تمہیں اللہ کے
بارے میں دھوکہ دینے والے نے دھوکے میں ہی رکھا۔^(۹) (۱۴)
الغرض 'آج تم سے نہ فدیہ (اور نہ بدلہ) قبول کیا جائے
گا اور نہ کافروں سے تم (سب) کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وہی
تمہاری رفیق ہے'^(۱۰) اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ (۱۵)

کیا اب تک ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ انکے
دل ذکر الہی سے اور جو حق اتر چکا ہے اس سے نرم ہو

(۱) اس سے مراد جنت ہے جس میں اہل ایمان داخل ہو چکے ہوں گے۔

(۲) یہ وہ حصہ ہے جس میں جہنم ہوگی۔

(۳) یعنی دیوار مائل ہونے پر منافقین مسلمانوں سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نمازیں نہیں پڑھتے تھے
اور جہاد وغیرہ میں حصہ نہیں لیتے تھے؟

(۴) کہ تم نے اپنے دلوں میں کفر اور فحاشی چھپا رکھا تھا۔

(۵) کہ شاید مسلمان کسی گردش کا شکار ہو جائیں۔

(۶) دین کے معاملے میں اسی لیے قرآن کو مانا نہ دلائل و معجزات کو۔

(۷) جس میں تمہیں شیطان نے جلا کیے رکھا۔

(۸) یعنی تمہیں موت آگئی یا مسلمان بالآخر غالب رہے اور تمہاری آرزوؤں پر پانی پھر گیا۔

(۹) یعنی اللہ کے حکم اور اس کے قانون اعمال (مسئلہ دینے) کی وجہ سے تمہیں شیطان نے دھوکے میں ڈالے رکھا۔

(۱۰) مولیٰ اسے کہتے ہیں جو کسی کے کاموں کا متولی یعنی ذمے دار بنے۔ گویا اب جہنم ہی اس بات کی ذمے دار ہے کہ انہیں سخت
سے سخت تر عذاب کا مزا چکھائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہمیشہ ساتھ رہنے والے کو بھی مولیٰ کہہ لیتے ہیں یعنی اب جہنم کی آگ ہی
ان کی ہمیشہ کی ساتھی اور رفیق ہوگی۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو بھی عقل و شعور عطا فرمائے گا پس وہ کافروں کے خلاف
غیظ و غضب کا اظہار کرے گی۔ یعنی ان کی دالی بنے گی اور انہیں عذاب الیم سے دو چار کرے گی۔

عَلَيْهِمُ الرِّمْدُ لَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَيَقُولُونَ ⑤

إِغْلَوْا أَنَّ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ يَتَنَاكُمُ الرِّمْدُ
لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ⑥

إِنَّ الْمُصَدِّقِينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ وَأَمْرُؤَ اللَّهِ قَرُصًا سَائِلًا
لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَثِيرٌ ⑦

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ
وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

جائیں^(۱) اور انکی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب
دی گئی تھی^(۲) پھر جب ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا تو انکے
دل سخت ہو گئے^(۳) اور ان میں بہت سے فاسق ہیں۔^(۴) (۱۶)
یقین مانو کہ اللہ ہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر
دیتا ہے۔ ہم نے تو تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان کر دیں
تاکہ تم سمجھو۔ (۱۷)

بیشک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی
عورتیں اور جو اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے
ہیں۔ انکے لیے یہ بڑھایا جائے گا^(۵) اور ان کے لیے
پسندیدہ اجر و ثواب ہے۔^(۶) (۱۸)

اللہ اور اس کے رسول پر جو ایمان رکھتے ہیں وہی لوگ
اپنے رب کے نزدیک صدیق^(۷) اور شہید ہیں ان کے

(۱) خطاب اہل ایمان کو ہے۔ اور مطلب ان کو اللہ کی یاد کی طرف مزید متوجہ اور قرآن کریم سے کسب ہدایت کی تلقین
کرنا ہے۔ شروع کے معنی ہیں 'دلوں کا نرم ہو کر اللہ کی طرف جھک جانا' حق سے مراد قرآن کریم ہے۔

(۲) جیسے یہود و نصاریٰ ہیں۔ یعنی تم ان کی طرح نہ ہو جانا۔

(۳) چنانچہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف اور تبدیلی کر دی 'اس کے عوض دنیا کا ثمن قلیل حاصل کرنے کو انہوں
نے شعار بنالیا' اس کے احکام کو پس پشت ڈال دیا 'اللہ کے دین میں لوگوں کی تقلید اختیار کر لی اور ان کو اپنا رب بنالیا'
مسلمانوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم یہ کام مت کرو ورنہ تمہارے دل بھی سخت ہو جائیں گے اور پھر یہی کام جو ان پر
لعنت الہی کا سبب بنے، تمہیں اچھے لگیں گے۔

(۴) یعنی ان کے دل فاسد اور اعمال باطل ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا ﴿فَمَا تَقْضِيهِمْ مِنْ شَأْنِهِمْ لَعْنُهُمْ وَجَعَلَنَا
قُلُوبَهُمْ قُصْبَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ (المائدہ: ۴۳)

(۵) یعنی ایک کے بدلے میں کم از کم دس گنا اور اس سے زیادہ سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ تک۔ یہ زیادتی
اخلاص نیت، حاجت و ضرورت اور مکان و زمان کی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔ جیسے پہلے گزرا کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے قبل
خرچ کیا وہ اجر و ثواب میں ان سے زیادہ ہوں گے 'جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا

(۶) یعنی جنت اور اسکی نعمتیں 'بیکو کمی زوال اور خائیں۔ آیت میں مُصَدِّقِينَ اصل میں مُصَدِّقِينَ ہے تاکہ صوم میں مدغم کر دیا گیا۔

(۷) بعض مفسرین نے یہاں وقف کیا ہے اور آگے وَالشُّهَدَاءُ کو الگ جملہ قرار دیا ہے صدقیت کمال ایمان اور کمال صدق و

وَلَا بُرْهَانَ لَنَا وَلَكِنَّ أَصْحَابَ الْبَيْتِ ⑤

إِذَا كُنَّا أَهْلَ الدُّنْيَا لَمَلِكٍ وَكَفَّورِينَ ۖ وَتَقَالُ وَبَيْنَكُمْ
وَتَكَاثُرُ فِي الْأَسْوَاقِ وَالْأَوْلَادُ تَمْلِكُ خَيْثُ الْعَجَبِ الْفَخْرُ
تَبَانُهُ ثُمَّ يَهْبِي بِقَدَرِهِ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حَطَا نَا وَفِي الْأَسْوَاقِ
عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ ۚ وَمَا الْحَيَاةُ
الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْعُرُورِ ⑥

لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہے، اور جو لوگ کفر کرتے
ہیں اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ جہنمی ہیں۔ (۱۹)
خوب جان رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا زینت
اور آپس میں فخر (وغرور) اور مال و اموال میں ایک کا
دوسرے سے اپنے آپ کو زیادہ بتلانا ہے، جیسے بارش اور
اس کی پیداوار کسانوں^(۱) کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر
جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو زرد رنگ میں اس کو تم دیکھتے
ہو پھر وہ بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے^(۲) اور آخرت میں
تخت عذاب^(۳) اور اللہ کی مغفرت اور رضامندی
ہے^(۴) اور دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے سامان کے اور

صفا کا نام ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”آدی بیشعج بولتا ہے اور سچ ہی کی تلاش اور کوشش میں رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ کے ہاں اسے
صدق کہہ دیا جاتا ہے (منفق علیہ مشکوٰۃ، کتاب الادب، باب حفظ اللسان، ایک اور حدیث میں صدیقین کا وہ مقدم
بیان کیا گیا ہے جو جنت میں انیس حاصل ہو گا۔ فرمایا ”جنتی“ اپنے سے اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے
چمکتے ہوئے مشرقی یا مغربی ستارے کو تم آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو یعنی انکے درمیان درجات کا اتنا فرق ہو گا۔ صحابہ نے پوچھا یہ
انبیاء کے درجات ہوں گے جن کو دوسرے حاصل نہیں کر سکیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ قسم ہے اس ذات کی جس کے
ہاتھ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کی تصدیق کی۔ (صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق
باب ما جاء فی صفة الجنة وأهلها مخلوقہ، یعنی ایمان اور تصدیق کا حق ادا کیا۔ (فتح الباری)

(۱) کُفَّار کسانوں کو کہا گیا ہے اس لیے کہ اس کے لغوی معنی ہیں چھپانے والے۔ کافروں کے دلوں میں اللہ کا اور
آخرت کا انکار چھپ ہوتا ہے اس لیے انیس کافر کہا جاتا ہے۔ اور کاشت کاروں کے لیے یہ لفظ اس لیے بولا گیا ہے کہ وہ
بھی زمین میں بیج بوتے یعنی انیس چھپا دیتے ہیں۔

(۲) یہاں دنیا کی زندگی کو سرعت زوال میں کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کھیتی جب شاداب ہوتی ہے تو بڑی
بھلی لگتی ہے کاشت کار اسے دیکھ کر بڑے خوش ہوتے ہیں۔ لیکن وہ بہت ہی جلد خشک اور زرد ہو کر چورا چورا ہو
جاتی ہے۔ اسی طرح دنیا کی زیب و زینت مال اور اولاد اور دیگر چیزیں انسان کا دل بھاتی ہیں۔ لیکن یہ زندگی چند روزہ ہی
ہے اس کو بھی ثبات و قرار نہیں۔

(۳) یعنی اہل کفر و عصیان کے لیے جو دنیا کے کھیل کود میں ہی مصروف رہے اور اسی کو انہوں نے حاصل زندگی سمجھا۔

(۴) یعنی اہل ایمان و طاعت کے لیے جنہوں نے دنیا کو ہی سب کچھ نہیں سمجھا بلکہ اسے عارضی فانی اور دارالافتحان

کچھ بھی تو نہیں۔^(۱) (۲۰)

(آؤ) دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف^(۲) اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے^(۳) یہ ان کے لیے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے^(۴) اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔^(۵) (۲۱)
نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے^(۶) نہ (خاص) تمہاری جانوں میں،^(۷) مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے،^(۸) یہ (کام) اللہ تعالیٰ پر (بالکل) آسان ہے۔ (۲۲)

تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو

سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا عَرْضُ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِی الْأَرْضِ وَلَا فِی أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِی كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

سمجھتے ہوئے اللہ کی ہدایات کے مطابق اس میں زندگی گزاری۔

(۱) لیکن اس کے لیے جو اس کے دھوکے میں جلا رہا اور آخرت کے لیے کچھ نہیں کیا۔ لیکن جس نے اس حیات دنیا کو طلب آخرت کے لیے استعمال کیا تو اس کے لیے یہی دنیا اس سے بہتر زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

(۲) یعنی اعمال صالحہ اور توبہ النصوح کی طرف کیونکہ یہی چیزیں مغفرت رب کا ذریعہ ہیں۔

(۳) اور جس کا عرض اتنا ہو اس کا طول کتنا ہوگا؟ کیونکہ طول عرض سے زیادہ ہی ہوتا ہے۔

(۴) ظاہر ہے اس کی چاہت اسی کے لیے ہوتی ہے جو کفر و معصیت سے توبہ کر کے ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کر لیتا ہے، اسی لیے وہ ایسے لوگوں کو ایمان اور اعمال صالحہ کی توفیق سے بھی نواز دیتا ہے۔

(۵) وہ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل فرماتا ہے جس کو وہ کچھ دے، کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا، تمام خیر اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی کریم مطلق اور جواد حقیقی ہے جس کے ہاں بخل کا تصور نہیں۔

(۶) مثلاً قحط، سیلاب اور دیگر آفات ارضی و سماوی۔

(۷) مثلاً بیماریاں، تب و ثکان اور تنگ دستی وغیرہ۔

(۸) یعنی اللہ نے اپنے علم کے مطابق تمام مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ہی سب باتیں لکھ دیں ہیں۔ جیسے حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قَدَّرَ اللَّهُ الْمَقَادِيرَ قَلِيلٌ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام) ”اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل ہی ساری تقدیریں لکھ دی تھیں۔“

مُحَمَّدٌ ﷺ

اور نہ عطا کردہ چیز پر اتر اچو،^(۱) اور اترانے والے شخی خوروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔ (۲۳)

جو (خود بھی) بخل کریں اور دوسروں کو (بھی) بخل کی تعلیم دیں۔ سنو! جو بھی منہ پھیرے^(۲) اللہ بے نیاز اور سزاوار حمد و ثنا ہے۔ (۲۴)

یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمایا^(۳) تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔ اور ہم نے وہے کو اتارا^(۴) جس میں سخت ایست و قوت ہے^(۵) اور لوگوں کے لیے اور بھی بہت سے (فائدے ہیں^(۶) اور اس لیے بھی کہ اللہ جان لے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد بے دیکھے کون کرتا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ يَكْفُرُونَ وَيَا أَيُّهَا النَّاسُ بِالْبُخْلِ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْعَمِيدُ ﴿۲۴﴾

لَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَأَنْزَلْنَا مَعَهُ الْقُتُبَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۵﴾

يُنْصَرِفُ ذُنُوبُهُ وَالْغَنِيُّ إِنَّ اللَّهَ فَوْقَ عَرْشِهِ ﴿۲۶﴾

(۱) یہاں جس حزن اور فرح سے روکا گیا ہے، وہ وہ غم اور خوشی ہے جو انسان کو ناجائز کاموں تک پہنچا دیتی ہے، ورنہ تکلیف پر رنجیدہ اور راحت پر خوش ہوتا، یہ ایک فطری عمل ہے۔ لیکن مومن تکلیف پر صبر کرتا ہے کہ اللہ کی مشیت اور تقدیر ہے۔ جزع فزع کرنے سے اس میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ اور راحت پر اترتا نہیں ہے، اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ کہ یہ صرف اس کی اپنی سعی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اللہ کا فضل و کرم اور اس کا احسان ہے۔

(۲) یعنی انفاق فی سبیل اللہ سے، کیونکہ اصل بخل یہی ہے۔

(۳) میزان سے مراد انصاف ہے اور مطلب ہے کہ ہم نے لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ ترازو کیا ہے، ترازو کے اتارنے کا مطلب ہے، ہم نے ترازو کی طرف لوگوں کی رہنمائی کی کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو قول کر پورا پورا حق دو۔

(۴) یہاں بھی اتارا پیدا کرنے اور اس کی صنعت سکھانے کے معنی میں ہے۔ لوہے سے بے شمار چیزیں بنتی ہیں، یہ سب اللہ کے اس الہام و ارشاد کا نتیجہ ہے جو اس نے انسان کو کیا ہے۔

(۵) یعنی لوہے سے جنگی ہتھیار بنتے ہیں۔ جیسے کوار، نیزہ، بندوق اور اب اسلحہ، توپیں، جنگی جہاز، آبدوزیں، گنیں، راکٹ اور ٹینک وغیرہ، ہتھیار چیزیں۔ جن سے دشمن پر وار بھی کیا جاتا ہے اور اپنا دفاع بھی۔

(۶) یعنی جنگی ہتھیاروں کے علاوہ لوہے سے اور بھی بہت سی چیزیں بنتی ہیں، جو گھروں میں اور مختلف صنعتوں میں کام میں آتی ہیں، جیسے چھریاں، چاقو، قینچی، ہتھوڑا، سوئی، زراعت، تجارت، (بڑھئی) اور عمارت وغیرہ کا سامان اور چھوٹی بڑی بے شمار مشینیں اور ساز و سامان۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ
وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿۲۵﴾

لَهُ قَتِيلَةٌ أَعْلَى الْكَافِرِينَ رُسُلَنَا وَقَفَيْنَا عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَانْتَيْنَا
الْإِنجِيلَ لَوَجَّعْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَافِقَةً ذُرِّيَّتَهُ
وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانٍ
الطَّعْنُ مَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ

ہے،^(۱) جیٹک اللہ قوت والا اور زبردست ہے۔^(۲) (۲۵)
جیٹک ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو (پیغمبر بنا کر)
بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب
جاری رکھی تو ان میں سے کچھ تو راہ یافتہ ہوئے اور ان
میں سے اکثر بہت نافرمان رہے۔ (۲۶)

ان کے بعد پھر بھی ہم اپنے رسولوں کو پے در پے بھیجتے رہے
اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو بھیجا اور انہیں
انجیل عطا فرمائی اور ان کے ماننے والوں کے دلوں میں
شفقت اور رحم پیدا کر دیا^(۳) ہاں رہبانیت (ترک دنیا) تو ان
لوگوں نے از خود ایجاد کر لی تھی^(۴) ہم نے ان پر اسے واجب

(۱) یہ لِبَقُولِهِمْ پر عطف ہے۔ یعنی رسولوں کو اس لیے بھی بھیجا ہے تاکہ وہ جان لے کہ کون اس کے رسولوں پر اللہ کو
دیکھے بغیر ایمان لاتا اور ان کی مدد کرتا ہے۔

(۲) اس کو اس بات کی حاجت نہیں ہے کہ لوگ اس کے دین کی اور اس کے رسولوں کی مدد کریں، بلکہ وہ چاہے تو اس
کے بغیر ہی ان کو غالب فرما دے۔ لوگوں کو تو ان کی مدد کرنے کا حکم ان کی اپنی ہی بھلائی کے لیے دیا گیا ہے، تاکہ اس طرح
وہ اپنے اللہ کو راضی کر کے اس کی مغفرت و رحمت کے مستحق بن جائیں۔

(۳) رَافِقَةً کے معنی نرمی اور رحمت کے معنی شفقت کے ہیں۔ پیروکاروں سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
حواری ہیں۔ یعنی ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے پیار اور محبت کے جذبات پیدا کر دیئے۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
ایک دوسرے کے لیے رحیم و شفیق تھے۔ رَحْمَةً بَيْنَهُمْ یہود آپس میں اس طرح ایک دوسرے کے ہمدرد اور غم
خوار نہیں، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے۔

(۴) رَهْبَانِيَّةً رَهْبٌ (خوف) سے ہے یا رَهْبَانٌ (درویش) کی طرف منسوب ہے اس صورت میں رے پر پیش رہے گا یا اسے
رہنہ کی طرف منسوب مانا جائے تو اس صورت میں رے پر زیر ہو گا۔ رہبانیت کا مفہوم ترک دنیا ہے یعنی دنیا اور علاقہ دنیا
سے منقطع ہو کر کسی جنگل، صحرا میں جا کر اللہ کی عبادت کرنا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایسے
بادشاہ ہوئے جنہوں نے تو رات اور انجیل میں تبدیلی کر دی، جسے ایک جماعت نے قبول نہیں کیا۔ انہوں نے بادشاہوں کے ڈر
سے پہاڑوں اور غاروں میں پناہ حاصل کر لی۔ یہ اس کا آغاز تھا، جسکی بنیاد اضطراب پر تھی۔ لیکن انکے بعد آنے والے بہت سے
لوگوں نے اپنے بزرگوں کی اندھی تقلید میں اس شریذری کو عبادت کا ایک طریقہ بنا لیا اور اپنے آپ کو گر جاؤں اور معبود
میں محبوس کر لیا اور اسکے لیے علاقہ دنیا سے انقطاع کو ضروری قرار دے لیا۔ اسی کو اللہ نے ابتداء (خود گزرنے) سے تعبیر فرمایا ہے۔

أَبْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسْقُونَ ﴿۵۸﴾

نہ کیا^(۱) تھا سوائے اللہ کی رضا جوئی کے۔^(۲) سوائے انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی،^(۳) پھر بھی ہم نے ان میں سے جو ایمان لائے تھے انہیں ان کا اجر دیا^(۴) اور ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں۔ (۲۷)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تمہیں اپنی رحمت کا دوا ہر حصہ دے گا^(۵) اور تمہیں نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو گے اور تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا، اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲۸)

یہ اس لیے کہ اہل کتاب^(۶) جان میں کہ اللہ کے فضل کے کسی حصے پر بھی انہیں اختیار نہیں اور یہ کہ (سارا) فضل اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ جسے چاہے دے اور اللہ ہے ہی بڑے فضل والا۔ (۲۹)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَاسْتُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيُغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۵۹﴾

لَا تَلْعَلَكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ يَتَّقُوا اللَّهَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِنْ كُفْرِهِمْ إِنَّ اللَّهَ فَضْلُ الْفَضْلِ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۶۰﴾

(۱) یہ پچھل بات ہی کی تاکید ہے کہ یہ رہبانیت ان کی اپنی ایجاد تھی اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔

(۲) یعنی ہم نے تو ان پر صرف اپنی رضا جوئی فرض کی تھی۔ دوسرا ترجمہ اس کا ہے کہ انہوں نے یہ کام اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لیے کیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی کہ اللہ کی رضا دین میں اپنی طرف سے بدعات ایجاد کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی چاہے وہ کتنی ہی خوش نما ہو۔ اللہ کی رضا تو اس کی اطاعت سے ہی حاصل ہوگی۔

(۳) یعنی گو انہوں نے مقصد اللہ کی رضا جوئی بتلایا، لیکن اس کی انہوں نے پوری رعایت نہیں کی، ورنہ وہ ابتداء (بدعت ایجاد کرنے) کے بجائے اتباع کا راستہ اختیار کرتے۔

(۴) یہ وہ لوگ ہیں جو دین حبشی پر قائم رہے تھے۔

(۵) یہ دگنا اجر ان ایمان کو ملے گا جو نبی ﷺ سے قبل پہلے کسی رسول پر ایمان رکھتے تھے پھر نبی ﷺ پر بھی ایمان لے آئے جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ «صحيح البخاري كتاب العلم باب تعلم الرجل نفسه وأهله وصحبه مسلم كتاب الإيمان باب وجوب الإيمان برسالة نبينا» ایک دوسری تفسیر کے مطابق جب اہل کتاب نے اس بات پر فخر کا اظہار کیا کہ انہیں دو گنا اجر ملے گا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر ابن کثیر)

(۶) لَعَلَّامیں لازماً ہے اور معنی ہیں لَعَلَّامُ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنَّهُمْ لَا يَغْفِرُونَ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا شَيْئًا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ فَسَحِ لَعَلَّامُ.

سُورَةُ الْمُجَادَلَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَ لَمَّا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُم مَّن سَاءَ مَا هُمْ بِأَعْيُنِنَا إِن تَتَّبِعُوا إِلَّا آيَاتِهِمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ غَفُورٌ

سورۃ مجادلہ مدنی ہے اور اس میں بائیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی، اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا،^(۱) بیشک اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے۔ (۱)

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہر کرتے ہیں (یعنی انہیں ماں کہہ بیٹھتے ہیں) وہ دراصل ان کی مائیں نہیں بن جائیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے،^(۲) یقیناً یہ لوگ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے

(۱) یہ اشارہ ہے حضرت خولہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کی طرف، جن کے خاوند حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے ظہر کر لیا تھا، ظہار کا مطلب ہے 'بیوی کو یہ کہہ دینا اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهَرَ اُنِّیْ (تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے) زہرہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سخت پریشان ہوئیں اس وقت تک اس کی بابت کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس لیے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے بھی کچھ توقف فرمایا اور وہ آپ ﷺ سے بحث و تکرار کرتی رہیں۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئیں، جن میں مسئلہ ظہار اور اس کا حکم و کفارہ بیان فرمایا گیا (ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الظہار) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح لوگوں کی باتیں سننے والا ہے کہ یہ عورت گھر کے ایک کونے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مجادلہ کرتی اور اپنے خاوند کی شکایت کرتی رہی، مگر میں اس کی باتیں نہیں سنتی تھی۔ لیکن اللہ نے آسمانوں پر سے اس کی بات سن لی، اس میں صافحہ المقدمة، باب فیما أشکوت الجہمیۃ صحیح بخاری میں بھی حقیقاً اس کا مختصر ذکر ہے کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ وکان اللہ سمیعاً عابداً

(۲) یہ ظہار کا حکم بیان فرمایا کہ تمہارے کہہ دینے سے تمہاری بیوی تمہاری ماں نہیں بن جائے گی۔ اگر مرنے کے بجائے کوئی شخص اپنی بیوی یا بہن وغیرہ کی پیٹھ کی طرح اپنی بیوی کو کہہ دے تو یہ ظہار ہے یا نہیں؟ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ اسے

وَالَّذِينَ يَظَاهِرُونَ مِن بَنِي إِدْرِيسَ ثُمَّ يَوَدُّونَ إِذَا قَالُوا
فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّ ذَلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ
يَمَّا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَسِيَّامٌ ثَلَاثِينَ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّ
فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاطْعَامٌ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذَلِكَ لِيُذَكِّرَ الَّذِينَ
وَرَوَاهُ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِللَّغْوِ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝

ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔^(۱) (۲)
جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی کسی ہوئی بات
سے رجوع کر لیں^(۲) تو ان کے ذمہ آپس میں ایک
دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے^(۳) ایک غلام آزاد کرنا
ہے، اس کے ذریعہ تم نصیحت کیے جاتے ہو۔ اور اللہ
تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ (۳)

ہاں جو شخص نہ پائے اس کے ذمہ دو مہینوں کے لگاتار
روزے ہیں اس سے پہلے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں
اور جس شخص کو یہ طاقت بھی نہ ہو اس پر ساٹھ مسکینوں کا
کھانا کھانا ہے۔ یہ اس لیے کہ تم اللہ کی اور اس کے رسول
کی حکم برداری کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور

بھی ظہار قرار دیتے ہیں، جب کہ دوسرے علماء سے ظہار تسلیم نہیں کرتے۔ (پہلا قول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے) اسی طرح اس
میں بھی اختلاف ہے کہ پنچہ کی جگہ اگر کوئی یہ کہے کہ تو میری ماں کی طرح ہے، پنچہ کا نام نہ لے۔ تو علماء کہتے ہیں کہ اگر ظہار کی
نیت سے وہ مذکورہ الفاظ کہے گا تو ظہار ہو گا، بصورت دیگر نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر ایسے عضو کے ساتھ
تشبیہ دے گا جس کا دیکھنا جائز ہے تو یہ ظہار نہیں ہو گا، امام شافعی رحمہ اللہ بھی کہتے ہیں کہ ظہار صرف پنچہ کی طرح کہنے سے ہی
ہو گا۔ (فتح القدیر)

(۱) اسی لیے اس نے کفارے کو اس قول منکر اور جھوٹ کی معافی کا ذریعہ بنا دیا۔

(۲) اب اس حکم کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ رجوع کا مطلب ہے، بیوی سے ہم بستری کرنا چاہیں۔

(۳) یعنی ہم بستری سے پہلے وہ کفارہ ادا کریں۔ ۱۔ ایک غلام آزاد کرنا۔ ۲۔ اس کی طاقت نہ ہو تو پے در پے بلاناغہ دو مہینے
کے روزے۔ اگر درمیان میں بغیر عذر شرعی کے روزہ چھوڑ دیا تو نئے سرے سے پورے دو مہینے کے روزے رکھنے پڑیں
گے۔ عذر شرعی سے مراد بیماری یا سفر ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے بھی روزہ چھوڑے
گا تو نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ ۳۔ اگر پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ
مسکین کو کھانا کھلائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر مسکین کو دو (نصف صاع یعنی سوا کلو) اور بعض کہتے ہیں ایک مد کافی ہے۔
لیکن قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانا اس طرح کھلایا جائے کہ وہ شکم سیر ہو جائیں یا اتنی ہی مقدار میں ان کو
کھانا دیا جائے۔ ایک مرتبہ ہی سب کو کھانا بھی ضروری نہیں بلکہ متعدد اقساط میں یہ تعداد پوری کی جاسکتی ہے (فتح
القدیر) تاہم یہ ضروری ہے جب تک یہ تعداد پوری نہ ہو جائے، اس وقت تک بیوی سے ہم بستری جائز نہیں

إِنَّ الَّذِينَ يُخَادِقُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُنُوا كَمَا كَلِمَتِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتِنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ①

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَنُنَبِّئُهم بِمَا عَمِلُوا أَخْصَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَاللَّهُ عَلَّ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ②

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُمْ أَرْبَعَةٌ إِلَّا مُنَاقِبَةٌ لَهُمْ وَلَا أَذَى مِنْ ذَلِكَ وَلَا تَأْوِيلُ إِلَّا هُمْ مَعَهُمْ آيِنٌ مَا كَانُوا ثُمَّ نَبِّئُهم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلَّ كُلِّ شَيْءٍ عِلْمُهُ ③

کفار ہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۳)
بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل کیے جائیں گے جیسے ان سے پہلے کے لوگ ذلیل کیے گئے تھے، اور بیشک ہم واضح آیتیں اتار چکے ہیں اور کافروں کے لیے تو ذلت والا عذاب ہے۔ (۵)

جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا پھر انہیں ان کے کیے ہوئے عمل سے آگاہ کرے گا جسے اللہ نے شمار رکھا ہے اور جسے یہ بھول گئے تھے، (۳) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔ (۶)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمانوں کی اور زمین کی ہر چیز سے واقف ہے۔ تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کی گمران کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کی اور نہ زیادہ کی گمروہ ساتھ ہی ہوتا ہے (۵) جہاں بھی وہ ہوں، (۶) پھر قیامت کے دن

(۱) کُنُوا کَمَا کَلِمَتِہُمْ کا صیغہ ہے، مستقبل میں ہونے والے واقعے کو ماضی سے تعبیر کر کے واضح کر دیا کہ اس کا وقوع اور تحقق اسی طرح یقینی ہے جیسے کہ وہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہ مشرکین مکہ بدر والے دن ذلیل کیے گئے، کچھ مارے گئے، کچھ قیدی ہو گئے اور مسلمان ان پر غالب رہے۔ مسلمانوں کا غلبہ بھی ان کے حق میں نہایت ذلت تھا۔

(۲) اس سے مراد گزشتہ امتیں ہیں جو اسی مخالفت کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

(۳) یہ ذہنوں میں پیدا ہونے والے اشکال کا جواب ہے کہ گناہوں کی اتنی کثرت اور ان کا اتنا تنوع ہے کہ ان کا احصا بظہر ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارے لیے یقیناً ناممکن ہے بلکہ تمہیں تو خود اپنے کیے ہوئے سارے کام بھی یاد نہیں ہوں گے لیکن اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں، اس نے ایک ایک کا عمل محفوظ کیا ہوا ہے۔

(۴) اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ آگے اس کی مزید تاکید ہے کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے

(۵) یعنی مذکورہ تعداد کا خصوصی طور پر ذکر اس لیے نہیں ہے کہ وہ اس سے کم یا اس سے زیادہ تعداد کے درمیان ہونے والی گفتگو سے بے خبر رہتا ہے بلکہ یہ تعداد بطور مثال ہے، مقصد یہ بتلانا ہے کہ تعداد تھوڑی ہو یا زیادہ وہ ہر ایک کے ساتھ ہے اور ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔

(۶) ظلوت میں ہوں یا جلوت میں، شروں میں ہوں یا جنگل صحراؤں میں، آبادیوں میں ہوں یا بے آباد پہاڑوں بیابانوں

انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرنے گا^(۱) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔ (۷)

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کانا پھوسی سے روک دیا گیا تھا وہ پھر بھی اس روکے ہوئے کام کو دوبارہ کرتے ہیں^(۲) اور آپس میں گناہ کی اور ظلم و زیادتی کی اور نافرمانی پیغمبر کی سرگوشیاں کرتے ہیں^(۳) اور جب تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ان لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا^(۴) اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر جو ہم کہتے ہیں سزا کیوں نہیں دیتا^(۵) ان کے لیے جہنم کافی (سزا) ہے

اللَّهُ تَعَالَى الَّذِيْنَ هُوَ اعْلَمُ الْغُيُوْبِ ثُمَّ يَعْزِزُ الَّذِيْنَ يَخْتَارُ مِنْهُمْ لَمْ يَرْحَمْهُمْ اَعْمٰى وَكَانَ لِقَاؤُهُمْ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّارِ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْفَتُهُمْ وَلَٰكِنَّ الْغُلٰمَ كَانَتْ اَشْجَارًا يُرِيقْنَ مِنْ اَحْشَايِهِنَّ نَارًا اِنَّ الْاَشْجَارَ لَا تَفْقَهُنَّ شَيْئًا اُولٰٓئِكَ يَفْعَلُ اللّٰهُ بِمَا يُعْزِزُ ۝

اور غاروں میں، جہاں بھی وہ ہوں، اس سے چھپے نہیں رہ سکتے۔

(۱) یعنی اس کے مطابق ہر ایک کو جزا دے گا۔ نیک کو اس کی نیکیوں کی جزا اور بد کو اس کی بدیوں کی سزا۔

(۲) اس سے مدینے کے یہودی اور منافقین مراد ہیں۔ جب مسلمان ان کے پاس سے گزرتے تو یہ باہم سر جوڑ کر اس طرح سرگوشیاں اور کانا پھوسی کرتے کہ مسلمان یہ سمجھتے کہ شاید ان کے خلاف یہ کوئی سازش کر رہے ہیں یا مسلمانوں کے کسی لشکر پر دشمن نے حملہ کر کے انہیں نقصان پہنچایا ہے جس کی خبر ان کے پاس پہنچ گئی ہے۔ مسلمان ان چیزوں سے خوف زدہ ہو جاتے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سرگوشیاں کرنے سے منع فرمادیا۔ لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد انہوں نے پھر یہ مذموم سلسلہ شروع کر دیا۔ آیت میں ان کے اسی کردار کو بیان کیا جا رہا ہے۔

(۳) یعنی ان کی سرگوشیاں نیکی اور تقویٰ کی باتوں میں نہیں ہوتیں بلکہ گناہ، زیادتی اور معصیت رسول ﷺ پر مبنی ہوتی ہیں مثلاً کسی کی غیبت، الزام تراشی، بے ہودہ گوئی، ایک دوسرے کو رسول ﷺ کی نافرمانی پر اکسانا وغیرہ۔

(۴) یعنی اللہ نے تو سلام کا طریقہ یہ بتلایا کہ تَمَّ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ۔ کہو لیکن یہ یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس کے بجائے کہتے السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا عَلِيَّكَ (تم پر موت وارد ہو) اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں صرف یہ فرمایا کرتے تھے۔ وَعَلَيْكُمْ يَا وَعَلَيْكَ (اور تم پر ہی ہو) اور مسلمانوں کو بھی آپ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ جب کوئی اہل کتاب تمہیں سلام کرے تو تم جواب میں «عَلَيْكَ» کہنا کرو یعنی عَلَيْكَ مَا قُلْتَ (تو نے جو کہا ہے، وہ تجھ پر ہی وارد ہو) صحیح بخاری و مسلم، کتاب لأدب، باب لم یکس النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاحشا ولا متفحشا۔

(۵) یعنی وہ آپس میں یا اپنے دلوں میں کہتے کہ اگر یہ سچا نبی ہو تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہماری اس قبیح حرکت پر ہماری گرفت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا إِتْلَافًا
وَالْعُدَّانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّهْيِ
وَالنَّهْيِ وَاللَّيْلِ إِلَيْهِ وَتَقْتُلُونَ ①

إِنَّمَا الشَّيْءُ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَعْزِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ
بِفَضْلِهِمْ شَيْءٌ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَى اللَّهِ قَلْبُ كُلِّ
الْمُؤْمِنِينَ ②

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ

جس میں یہ جائیں گے، سو وہ برا ٹھکانا ہے۔ (۸)
اے ایمان والو! تم جب سرگوشی کرو تو یہ سرگوشیاں گناہ اور
ظلم (زیادتی) اور نافرمانی پیغمبر کی نہ ہوں، (۲) بلکہ نیکی اور
پرہیزگاری کی باتوں پر سرگوشی کرو (۳) اور اس اللہ سے
ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے۔ (۹)

(بری) سرگوشیاں پس شیطانی کام ہے جس سے ایمان
داروں کو رنج پہنچے۔ (۴) گو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر وہ
انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور ایمان والوں کو
چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔ (۵) (۱۰)

اے مسلمانو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں ذرا

ضرور فرماتا۔

(۱) اللہ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے اپنی مشیت اور حکمت بالغہ کے تحت دنیا میں ان کو فوری گرفت نہیں فرمائی تو کیا وہ آخرت میں
جہنم کے عذاب سے بھی بچ جائیں گے؟ نہیں یقیناً نہیں۔ جہنم ان کی خطر ہے جس میں وہ داخل ہوں گے۔

(۲) جس طرح یہود اور منافقین کا شیوہ ہے۔ یہ گویا اہل ایمان کو تربیت اور کردار سازی کے لیے کہا جا رہا ہے۔ کہ اگر تم
اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہو تو تمہاری سرگوشیاں یہود اور اہل نفاق کی طرح اٹم و عددان پر نہیں ہونی چاہئیں۔

(۳) یعنی جس میں خیر ہی خیر ہو اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر مبنی ہو۔ کیونکہ یہی نیکی اور تقویٰ ہے۔

(۴) یعنی اٹم و عددان اور معصیت رسول ﷺ پر مبنی سرگوشیاں یہ شیطانی کام ہیں کیونکہ شیطان ہی ان پر آمادہ کرتا
ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے سے مومنوں کو غم و حزن میں مبتلا کرے۔

(۵) لیکن یہ سرگوشیاں اور شیطانی حرکتیں مومنوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں اِلَّا یہ کہ اللہ کی مشیت ہو اس لیے تم
اپنے دشمنوں کی ان اوچی حرکتوں سے پریشان نہ ہو کرو۔ بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھو اس لیے کہ تمام معاملات کا اختیار اسی

کے ہاتھ میں ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے نہ کہ یہود اور منافقین جو تمہیں تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ سرگوشی کے سبب
میں ہی مسلمانوں کو ایک اعتدالی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ جب تم تین آدمی اکٹھے ہو تو اپنے میں سے ایک کو چھوڑ کر دو

آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں کیونکہ یہ طریقہ اس ایک آدمی کو غم میں ڈال دے گا (صحیح بخاری کتاب
الاستئذان باب إذا كانوا أكثر من ثلاثة فلا يأتوا بالمسألة والمراجعة وصحيح مسلم كتاب السلام

باب تحريم مساجاة الاثنين دون الثالث بغير رضاه) البتہ اس کی رضامندی اور اجازت سے ایسا کرنا جائز ہے۔
کیونکہ اس صورت میں دو آدمیوں کا سرگوشی کرنا کسی کے لیے تشویش کا باعث نہیں ہو گا۔

فَأَمَّا خَوَافُكُمْ إِنَّهُ لَكُمْ فَأَدَأَيِّلْ فَأَنْشُرُوا فَيُخْشِعُوا لِلَّهِ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٌ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ⑩

کشاوی پیدا کرو تو تم جگہ کشاہہ کرو^(۱) اللہ تمہیں کشاوی دے گا^(۲) اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو جاؤ تو تم اٹھ کھڑے ہو جاؤ^(۳) اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیئے گئے ہیں درجے بلند کر دے گا^(۴) اور اللہ تعالیٰ (ہر اس کام سے) جو تم کر رہے ہو (خوب) خبردار ہے۔ (۱۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَلَّكُمُ الرَّسُولُ فَقُولُوا آمَنُوا بِمَا نَزَّلَ اللَّهُ
فَإِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرَهُ وَطَعْنُوا ظَهْرَهُ فَإِنَّ اللَّهَ
يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ⑪

اے مسلمانو! جب تم رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پسے کچھ صدقہ دے دیا کرو^(۵) یہ تمہارے حق میں بہتر اور پاکیزہ تر

(۱) اس میں مسلمانوں کو مجلس کے آداب بتلائے جا رہے ہیں۔ مجلس کا لفظ عام ہے جو ہر اس مجلس کو شامل ہے جس میں مسلمان خیر اور اجر کے حصول کے لیے جمع ہوں، وعظ و نصیحت کی مجلس ہو یا جمعہ کی مجلس ہو۔ (تفسیر اقرطبی) "کھل کر بیٹھو" کا مطلب ہے کہ مجلس کا دائرہ وسیع رکھو تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے بیٹھنے کی جگہ رہے۔ دائرہ تنگ مت رکھو کہ بعد میں آنے والے کو کھڑا رہنا پڑے یا کسی بیٹھے ہوئے کو اٹھا کر اس کی جگہ وہ بیٹھے کہ یہ دونوں باتیں ناشائستہ ہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا "کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود نہ بیٹھے" اس لیے مجلس کے دائرے کو فراخ اور وسیع کر لو۔ (صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب لا یقیم الرجل اُخاه یوم الجمعة ویقعد فی مکانہ وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم إقامة الإنسان من موضعه الصباح الذی سبق إلہ)

(۲) یعنی اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں وسعت و فراخی عطا فرمائے گا یا جہاں بھی تم وسعت و فراخی کے طالب ہو گے مثلاً مکان میں 'رزق میں' قبر میں۔ ہر جگہ تمہیں فراخی عطا فرمائے گا۔

(۳) یعنی جہاد کے لیے 'نماز کے لیے یا کسی بھی عمل خیر کے لیے۔ یا مطلب ہے کہ جب مجلس سے اٹھ کر جانے کو کہا جائے تو فوراً چلے جاؤ۔ مسلمانوں کو یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ کر جانا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اس طرح بعض دفعہ ان لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت میں کوئی گفتگو کرنا چاہتے تھے۔

(۴) یعنی اہل ایمان کے درجے، غیر اہل ایمان پر اور اہل علم کے درجے اہل ایمان پر بلند فرمائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان کے ساتھ علوم دین سے واقفیت مزید رفع درجات کا باعث ہے۔

(۵) ہر مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات اور خلوت میں گفتگو کرنے کی خواہش رکھتا تھا جس سے نبی صلی اللہ

وَأَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقْتُمْ وَلَئِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَاللَّهُ يُخَيِّرُكُمْ مَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۳﴾

الَّذِينَ تَزَالُ تَقُولُ أَفُوًّا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ تَاهُمْ يَنْكُرُوا
مِنْكُمْ وَيُخَيِّلُونَ عَلَى الْكُذِّبِ وَلَهُمْ يَعْصُونَ ﴿۱۴﴾

ہے^(۱۱) ہاں اگر نہ پاؤ تو بیشک اللہ تعالیٰ بخشے والہ مہربان ہے۔ (۱۲)
کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ نکالنے سے ڈر گئے؟
پس جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی تمہیں
معاف فرمادیا^(۱۲) تو اب (بخوبی) نمازوں کو قائم رکھو
زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی
تابعی رہو۔^(۱۳) تم جو کچھ کرتے ہو اس (سب)
سے اللہ (خوب) خبردار ہے۔ (۱۴)

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنہوں نے اس قوم
سے دوستی کی جن پر اللہ غضبناک ہو چکا ہے^(۱۴) نہ یہ
(منافق) تمہارے ہی ہیں نہ ان کے ہیں^(۱۵) باوجود علم کے
پھر بھی جھوٹ پر تمہیں کھارہے ہیں۔^(۱۶) (۱۴)

علیہ وسلم کو خاص تکلیف ہوتی۔ بعض کہتے ہیں کہ منافقین یوں ہی بلا وجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات میں
مصروف رہتے تھے جس سے مسلمان تکلیف محسوس کرتے تھے اس لیے اللہ نے یہ حکم نازل فرمادیا تاکہ آپ ﷺ
سے گفتگو کرنے کے رجحان عام کی حوصلہ شکنی ہو۔

(۱) بہتر اس لیے کہ صدقے سے تمہارے ہی دوسرے غریب مسلمان بھائیوں کو فائدہ ہو گا اور پاکیزہ تر اس لیے کہ یہ
ایک عمل صالح اور اطاعت الہی ہے جس سے نفوس انسانی کی تطہیر ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ امر بطور
استہباب کے تھا وجوب کے لیے نہیں۔

(۲) یہ امر کو استہباباً تھا پھر بھی مسلمانوں کے لیے شاق تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے جلد ہی اسے منسوخ فرمادیا

(۳) یعنی فرائض و احکام کی پابندی اس صدقے کا بدل بن جائے گی جسے اللہ نے تمہاری تکلیف کے لیے معاف فرمادیا ہے۔

(۴) جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا وہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق یہود ہیں۔ اور ان سے دوستی کرنے والے
منافقین ہیں۔ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب مدینے میں منافقین کا بھی زور تھا اور یہودیوں کی سازشیں بھی عروج
پر تھیں۔ ابھی یہود کو جلاوطن نہیں کیا گیا تھا۔

(۵) یعنی یہ منافقین مسلمان ہیں اور نہ دین کے لحاظ سے یہودی ہی ہیں۔ پھر یہ کیوں یہودیوں سے دوستی کرتے ہیں؟
صرف اس لیے کہ ان کے اور یہود کے درمیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی عداوت قدر مشترک ہے۔

(۶) یعنی تمہیں کھا کر مسلمانوں کو باور کراتے ہیں کہ ہم بھی تمہاری طرح مسلمان ہیں یا یہودیوں سے انکے رابطے نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے^(۱)،
تحقیق جو کچھ یہ کر رہے ہیں برا کر رہے ہیں۔ (۱۵)
ان لوگوں نے تو اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے^(۲) اور
لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں^(۳) ان کے لیے رسوا
کرنے والا عذاب ہے۔ (۱۶)

ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں
گی۔ یہ تو جنسی ہیں ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے۔ (۱۷)
جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھ کھڑا کرے گا تو یہ جس طرح
تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (اللہ تعالیٰ) کے سامنے بھی
قسمیں کھانے لگیں گے^(۴) اور سمجھیں گے کہ وہ بھی کسی
(دلیل) پر ہیں^(۵) یقیناً نوکہ بیشک وہی جھوٹے ہیں۔ (۱۸)
ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کر لیا ہے^(۶) اور انہیں اللہ
کا ذکر بھلا دیا ہے^(۷) یہ شیطانی لشکر ہے۔ کوئی شک نہیں

أَعْلَمُ اللَّهُ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَرِّ دِينٍ أَلَّيْتُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾
إِنْتَهُدُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ
مُّهِينٌ ﴿١٦﴾
لَنْ تُلَاقُوا عَذَابَ اللَّهِ وَلَا أُولَٰئِكَ هُمْ مِنَ الَّذِينَ سَيُنَازِلُكُمُ
أَعْتَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٧﴾
يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُونَهُمْ لَمْ كُنَّا بِمُخَلِّفُونَ لَكُمْ
وَقَاتِلُونَ أَلَّهُمْ عَلَىٰ عَمَىٰ أَلْزَمْنَاهُمْ لَعْنَهُمْ الْكَذِبُونَ ﴿١٨﴾
إِسْتَفْخَذُوا عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانَ فَاَتَاهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ۖ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ

(۱) یعنی یہودیوں سے دوستانہ تعلق رکھنے اور جھوٹی قسمیں کھانے کی وجہ سے۔

(۲) اَبْنَانٌ، بَعِثٌ کی جمع ہے۔ بمعنی قسم۔ یعنی جس طرح ڈھال سے دشمن کے وار کو روک کر اپنا بچاؤ کر لیا جاتا ہے۔
اسی طرح انہوں نے اپنی قسموں کو مسلمانوں کی تلواروں سے بچنے کے لیے ڈھال بنا رکھا ہے۔

(۳) یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر یہ اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ان کے بارے میں
حقیقت و احمیہ کا علم نہیں ہوتا اور وہ ان کے غرے میں آکر قبول اسلام سے محروم رہتے ہیں۔ اور یوں یہ لوگوں کو اللہ کے
راستے سے روکنے کا جرم بھی کرتے ہیں۔

(۴) یعنی ان کی بد بختی اور سنگ دلی کی انتہا ہے کہ قیامت والے دن جہاں کوئی چیز مخفی نہیں رہے گی وہاں بھی اللہ کے
سامنے جھوٹی قسمیں کھانے کی شوغ چشمانہ جسارت کریں گے۔

(۵) یعنی جس طرح دنیا میں وہ وقتی طور پر جھوٹی قسمیں کھا کر کچھ فائدے اٹھا لیتے تھے وہاں بھی سمجھیں گے کہ یہ جھوٹی
قسمیں ان کے لیے مفید رہیں گی۔

(۶) اسْتَفْخَذَ کے معنی ہیں گھیر لیا، احاطہ کر لیا، جمع کر لیا، اسی لیے اس کا ترجمہ غلبہ حاصل کر لیا، کیا جاتا ہے کہ غلبے میں
یہ سارے مفہوم آجاتے ہیں۔

(۷) یعنی اس نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے، ان سے شیطان نے ان کو غافل کروا دیا ہے اور جن چیزوں سے اس

الشَّيْطَانِ الْاَلَانَ جَزَبَ الشَّيْطَانُ هُمُ الْغَوْرُونَ ⑤

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَادِّثُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذْلٰلِيْنَ ⑥

كَتَبَ اللّٰهُ لَا غَلِيْبَ اَنَا وَرَسِيْلُ اِنَّ اللّٰهَ جَوِيْ عَزُوْرُوْ ⑦

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهُ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَاءَهُمْ اَوْ اَبْنَاؤُهُمْ اَوْ اَخْوَانَهُمْ اَوْ حٰثِرِيْنَ نَفْسِهِمْ
اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَ لَهُمُ رُوْحَهُمْ مِّنْهُ وَيَخْلُقُ لَهُمُ

کہ شیطان لشکر ہی خسارے والا ہے۔ (۱۹)

جینک اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی جو لوگ مخالفت کرتے ہیں (۲۰) وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔ (۲۰)

اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے (۲۱) کہ جینک میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ زور آور اور غالب ہے۔ (۲۱)

اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے (۲۲) گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے)

نے منع کیا ہے، ان کا وہ ان سے ارتکاب کر داتا ہے، انہیں خوب صورت دکھلا کر یا مغالطوں میں ڈال کر یا تمناؤں اور آرزوؤں میں جھٹاکر کے۔

(۱) یعنی مکمل خسارہ انہی کے حصے میں آئے گا۔ گویا دوسرے ان کی بہ نسبت خسارے میں ہی نہیں ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے جنت کا سودا گمراہی لے کر کر لیا، اللہ پر جھوٹ بولا اور دنیا و آخرت میں جھوٹی قسمیں کھاتے رہے۔

(۲) مُحَادَّةٌ: ایسی شدید مخالفت، عناد اور جھگڑے کو کہتے ہیں کہ فریقین کا باہم ملنا نہایت مشکل ہو گیا دونوں دکناروں (حد) پر ہیں جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اسی سے یہ ممانعت کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اسی لیے درہان اور پسرے دار کو بھی حد ادا کیا جاتا ہے۔ (فتح القدیر)

(۳) یعنی جس طرح گزشتہ امتوں میں سے اللہ اور رسول ﷺ کے مخالفوں کو ذلیل اور تباہ کیا گیا، ان کا شمار بھی انہیں اہل ذلت میں ہو گا اور ان کے حصے میں بھی دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔

(۴) یعنی تقدیر اور لوح محفوظ میں جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہ مضمون سورہ مؤمن ۵۱، ۵۲ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۵) جب یہ بات لکھنے والا سب پر غالب اور نہایت زور آور رہے، تو پھر اور کون ہے جو اس فیصلے میں تبدیلی کر سکے؟ مطلب یہ ہوا کہ یہ فیصلہ قدر محکم اور امر مہرم ہے۔

(۶) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ جو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت میں کامل ہوتے ہیں، وہ اللہ اور رسول ﷺ کے دشمنوں سے محبت اور تعلق خاطر نہیں رکھتے۔ گویا ایمان اور اللہ رسول ﷺ کے دشمنوں کی محبت و نصرت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے، مثلاً آل عمران ۲۸، سورہ توبہ ۲۴ وغیرہ۔

جَلَّتْ سَبْرِي مِنْ غَوَاةِ الْأَنْهَارِ خَلِيدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ
وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُوَ
الْمُغْلِبُونَ ﴿٢٢﴾

کے (عزیز) ہی کیوں نہ ہوں۔^(۱) یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا^(۲) ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی^(۳) ہے اور جنہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے تیس برس بسمہ رہی ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں^(۴) یہ خدائی لشکر ہے، آگاہ رہو بیشک اللہ کے

(۱) اس لیے کہ ان کا ایمان ان کو ان کی محبت سے روکتا ہے اور ایمان کی رعایت، ابوت، بنوت، اخوت اور خاندان و برادری کی محبت و رعایت سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل ایسا کر کے دکھایا۔ ایک مسلمان صحابی نے اپنے باپ، اپنے بیٹے، اپنے بھائی اور اپنے چچا، ماموں اور دیگر رشتے داروں کو قتل کرنے سے گریز نہیں کیا، مگر وہ کفر کی حمایت میں کافروں کے ساتھ لڑنے والوں میں شامل ہوتے۔ سیر و تاریخ کی کتابوں میں یہ مثالیں درج ہیں۔ اسی ضمن میں جنگ بدر کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے، جب اسیران بدر کے بارے میں مشورہ ہوا کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے یا قتل کر دیا جائے۔ تو حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا تھا کہ ان کافر قیدیوں میں سے ہر قیدی کو اس کے رشتے دار کے سپرد کر دیا جائے جسے وہ خود اپنے ہاتھوں سے قتل کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کو حضرت عمرؓ کا یہی مشورہ پسند آیا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے سورہ انفال، ۶۷ کا حاشیہ)

(۲) یعنی راسخ اور مضبوط کر دیا ہے۔

(۳) روح سے مراد اپنی نصرت خاص، یا نور ایمان ہے جو انہیں ان کی مذکورہ خوبی کی وجہ سے حاصل ہوا۔

(۴) یعنی جب یہ اولین مسلمان، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان کی بنیاد پر اپنے عزیز و اقارب سے ناراض ہو گئے، حتیٰ کہ انہیں اپنے ہاتھوں سے قتل تک کرنے میں تامل نہیں کیا تو اس کے بدلے میں اللہ نے ان کو اپنی رضامندی سے نوازا۔ اور ان پر اس طرح اپنے انعامات کی بارش فرمائی کہ وہ بھی اللہ سے راضی ہو گئے۔ اس لیے آیت میں بیان کردہ اعزاز۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔ اگرچہ خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل نہیں ہوا ہے، تاہم وہ اس کا مصداق اولین اور مصداق اتم ہیں۔ اسی لیے اس کے لغوی مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ صفات سے متصف ہر مسلمان رضی اللہ عنہ کا مستحق بن سکتا ہے، جیسے لغوی معنی کے لحاظ سے ہر مسلمان شخص پر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا (دعا یہ جسے کے طور پر) اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اہل سنت نے ان کے مفہوم لغوی سے ہٹ کر، ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کے لیے بولنا، لکھنا جائز قرار نہیں دیا ہے۔ یہ گویا شعار ہیں۔ رضی اللہ عنہم، صحابہ کے لیے اور علیہم الصلوٰۃ والسلام انبیاء کرام کے لیے۔ یہ ایسے ہی ہے، جیسے رحمۃ اللہ علیہ (اللہ کی رحمت اس پر ہو) یا اللہ اس پر رحم فرمائے) کا اطلاق لغوی مفہوم کی رو سے زندہ اور مردہ دونوں پر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک دعائیہ کلمہ ہے جس کے

گروہ والے ہی کامیاب لوگ ہیں۔^(۱) (۲۲)

سورہ حشر مدنی ہے اور اس میں چوبیس آیتیں اور
تین رکوع ہیں۔

سُورَةُ الْحَشْرِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمایب رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی
ہے اور وہ غالب با حکمت ہے۔ (۱)

سُبْحَانَكَ يَا اللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ

وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو ان
کے گھروں سے پہلے حشر کے وقت نکالا،^(۲) تمہارا گمان

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ
لِأَذِلَّةٍ الْحَثِرِينَ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنْ لَهُم مَأْوٰتُهُمْ فَخَسَبُوا عَنْهُمْ

ضرورت مند زندہ اور مردہ دونوں ہی ہیں۔ لیکن ان کا استعمال مردوں کے لیے خاص ہو چکا ہے۔ اس لیے اسے زندہ کے
لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔

(۱) یعنی یہی گروہ مومنین فلاح سے ہمکنار ہو گا دوسرے ان کی بہ نسبت ایسے ہی ہوں گے جیسے وہ فلاح سے بالکل
محروم ہیں جیسا کہ واقعی وہ آخرت میں محروم ہوں گے۔

۶۶۔ یہ سورت یہود کے ایک قبیلے بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس لیے اسے سورہ انضیر بھی کہتے ہیں۔

اصحیح بخاری نمبر سورہ الحشر

(۲) مدینے کے اطراف میں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے بنو نضیر بنو قریظہ اور بنو قینقاع۔ ہجرت مدینہ کے بعد نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے ان سے معاہدہ بھی کیا لیکن یہ لوگ درپردہ سازشیں کرتے رہے اور کفار مکہ سے بھی مسلمانوں کے
خلاف رابطہ رکھا حتیٰ کہ ایک موقع پر جب کہ آپ ﷺ ان کے پاس گئے ہوئے تھے بنو نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم پر اوپر سے ایک بھاری پتھر پھینک کر آپ ﷺ کو مار ڈالنے کی سازش تیار کی جس سے وحی کے ذریعے سے
آپ ﷺ کو بروقت اطلاع کر دی گئی اور آپ ﷺ وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ ان کی اس عمد شکنی کی وجہ
سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لشکر کشی کی یہ چند دن اپنے قلعوں میں محصور رہے بالآخر انہوں نے جان
بخشی کی صورت میں جلا وطنی پر آمادگی کا اظہار کیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ اسے اس حشر (پہلی
بار اجتماع) سے اس لیے تعبیر کیا کہ یہ ان کی پہلی جلا وطنی تھی جو مدینے سے ہوئی یہاں سے یہ خیبر میں جا کر مقیم ہو گئے
وہاں سے حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں انہیں دوبارہ جلا وطن کیا اور شام کی طرف دھکیل دیا جہاں کہتے ہیں کہ تمام
انہوں کا آخری حشر ہو گا۔

وَمَنْ أَلْفَهُ فَأَنَّهُمْ أَلْفُهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَدْ فِي
قُلُوبِهِمُ الرَّعْبُ يُخْرَجُونَ مِنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
فَلَا يَخْتَارُونَ إِلَّا إِلَى الْأَبْصَارِ ①

(بھی) نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ خود (بھی) سمجھ رہے
تھے کہ ان کے (سکین) قلعے انہیں اللہ (کے عذاب) سے
بچائیں گے ^(۱) پس ان پر اللہ (کا عذاب) ایسی جگہ سے
آپڑا کہ انہیں گمان بھی نہ تھا ^(۲) اور ان کے دلوں میں
اللہ نے رعب ڈال دیا ^(۳) وہ اپنے گھروں کو اپنے ہی
ہاتھوں اجاڑ رہے تھے ^(۴) اور مسلمانوں کے ہاتھوں (برباد
کروا رہے تھے) ^(۵) پس اے آنکھوں والو! عبرت
حاصل کرو۔ ^(۶) ^(۷)

اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان پر جلا وطنی کو مقدمہ نہ کر دیا ہوتا

وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَائِلَ لَعَذَّبْنَا فِي الدُّنْيَا

(۱) اس لیے کہ انہوں نے نہایت مضبوط قلعے تعمیر کر رکھے تھے جس پر انہیں گھمنڈ تھا اور مسلمان بھی سمجھتے تھے کہ اتنی
آسانی سے یہ قلعے فتح نہیں ہو سکیں گے۔

(۲) اور وہ یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کر لیا تھا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

(۳) اس رعب کی وجہ سے ہی انہوں نے جلا وطنی پر آمادگی کا اظہار کیا، ورنہ عبد اللہ بن ابی (رئیس المنافقین) اور دیگر لوگوں
نے انہیں پیغامات بھیجے تھے کہ تم مسلمانوں کے سامنے جھکنا نہیں، ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم
ﷺ کو یہ خصوصی وصف عطا فرمایا تھا کہ دشمن ایک مینے کی مسافت پر آپ ﷺ سے مرعوب ہو جاتا تھا۔ اس لیے سخت
دہشت اور گھبراہٹ ان پر طاری ہو گئی۔ اور تمام تر اسباب و وسائل کے باوجود انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور صرف یہ شرط
مسلمانوں سے منوائی کہ جتنا سامان وہ لاد کر لے جاسکتے ہیں انہیں لے جانے کی اجازت ہو، چنانچہ اس اجازت کی وجہ سے انہوں
نے اپنے گھروں کے دروازے اور شہتیر تک اکھیر ڈالے تاکہ انہیں اپنے ساتھ لے جائیں۔

(۴) یعنی جب انہیں یقین ہو گیا کہ اب جلا وطنی ناگزیر ہے تو انہوں نے دوران محاصرہ اندر سے اپنے گھروں کو برباد کرنا شروع
کر دیا تاکہ وہ مسلمانوں کے بھی کام کے نہ رہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ سامان لے جانے کی اجازت سے پورا فائدہ اٹھانے کے لیے
وہ اپنے اپنے اونٹوں پر جتنا سامان لاد کر لے جاسکتے تھے، اپنے گھراؤ جیڑا جیڑ کر وہ سامان انہوں نے اونٹوں پر رکھ لیا

(۵) باہر سے مسلمان ان کے گھروں کو برباد کرتے رہے تاکہ ان پر گرفت آسان ہو جائے یا یہ مطلب ہے کہ ان کے
اوچھڑے ہوئے گھروں سے بقیہ سامان نکالنے اور حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو مزید تحریب سے کام لینا پڑا۔

(۶) کہ کس طرح اللہ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈالا۔ دراصل حایکہ وہ ایک نہایت طاقتور اور بادشاہ
قبیلہ تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت عمل ختم ہو گئی اور اللہ نے اپنے مؤاخذے کے شکنجے میں کسے کا فیصلہ کر
لیا تو پھر ان کی اپنی طاقت اور وسائل ان کے کام آئے نہ دیگر احوال و انصار ان کی کچھ مدد کر سکے

وَلَقَدْ هَمَمْنَا فِي الْأَخْزِرِ عَذَابَ النَّارِ ⑤

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاكَرُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ يُشَاكِرْ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑥

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْنَةٍ أَوْ نَزَعْتُمْ هَاقِمَةً عَلَىٰ أَعْقَابِهِمَا يَأْذَنُ اللَّهُ وَآيَاتِهِ الْمُبِينَاتِ ⑦

وَمَا آتَاكَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْخَفْتُمْ عَلَيْهِمْ خَبِيلَ
كُلَّ يَوْمٍ تَذُكَّرُ بِهِ أُولَٰئِكَ لَئِنْ كُنَّا لَنُكَلِّمُهُمْ عَنْ رِيشَاءِ اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑧

تو یقیناً انہیں دنیا ہی میں عذاب دینا^(۱) اور آخرت میں
(تو) ان کے لیے آگ کا عذاب ہے ہی۔ (۳)

یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول
کی مخالفت کی اور جو بھی اللہ کی مخالفت کرے گا تو اللہ
تعالیٰ بھی سخت عذاب کرنے والا ہے۔ (۴)

تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم
نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے
قرآن سے تھا اور اس لیے بھی کہ فاسقوں کو اللہ تعالیٰ
رسوا کرے۔^(۵) (۵)

اور ان کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ہاتھ لگایا
ہے جس پر نہ تو تم نے اپنے گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ
اونٹ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جس پر چاہے غالب کر
دیتا ہے^(۶) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۶)

(۱) یعنی اللہ کی تقدیر میں پہلے سے ہی اس طرح ان کی جلا وطنی لکھی ہوئی نہ ہوتی تو ان کو دنیا میں ہی سخت عذاب سے دوچار کر
دیا جاتا، جیسا کہ بعد میں ان کے بھائی یسود کے ایک دوسرے قبیلے (بنو قریظہ) کو ایسے ہی عذاب میں مبتلا کیا گیا کہ ان کے جوان
مردوں کو قتل کر دیا گیا، دوسروں کو قیدی بنالیا گیا اور ان کا مال مسلمانوں کے لیے غنیمت بنا دیا گیا۔

(۲) لَیْنَتٌ: کھجور کی ایک قسم ہے، جیسے عجمہ، یعنی وغیرہ کھجوروں کی قسمیں ہیں۔ یا عام کھجور کا درخت مراد ہے۔ دوران
محاصرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسلمانوں نے بنو نضیر کے کھجوروں کے درختوں کو آگ لگا دی، کچھ کاٹ ڈالے
اور کچھ چھوڑ دیئے۔ جس سے مقصود دشمن کی آڑ کو ختم کرنا اور یہ واضح کرنا تھا کہ اب مسلمان تم پر غالب ہیں، وہ
تمہارے اسلحہ و جائیداد میں جس طرح چاہیں تصرف کرنے پر قادر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کی اس حکمت عملی
کی تصویب فرمائی اور اسے یسود کی رسوائی کا ذریعہ قرار دیا۔

(۳) بنو نضیر کا یہ علاقہ جو مسلمانوں کے قبضے میں آیا، مدینے سے تین چار میل کے فاصلے پر تھا، یعنی مسلمانوں کو اس کے
لیے لمبا سفر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ یعنی اس میں مسلمانوں کو اونٹ اور گھوڑے دوڑانے نہیں پڑے۔ اسی
طرح ٹرنے کی بھی نوبت نہیں آئی اور صلح کے ذریعے سے یہ علاقہ فتح ہو گیا، یعنی اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو بغیر لڑے
ان پر غالب فرما دیا۔ اس لیے یہاں سے حاصل ہونے والے مال کو فتنہ قرار دیا گیا، جس کا حکم غنیمت سے مختلف ہے۔
گویا وہ مال فتنہ ہے، جو دشمن بغیر لڑے چھوڑ کر بھاگ جائے یا صلح کے ذریعے سے حاصل ہو۔ اور جو ماں باقاعدہ لڑائی

مَا أَقَامَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرْبَىٰ وَلِلَّهِ نَزْلُ
وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالسَّيِّئِينَ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ لِي لَا
يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ وَالْفُقَرَاءِ ۚ وَمَا أَتَاكَ الرَّسُولُ فَخُذْهُ ۚ وَمَا
نَهَاكَ عَنْهُ فَانْتَهَ ۚ وَأَنْتُمْ أَعْيُنُ اللَّهِ شَهِيدُ الْعِقَابِ ۝

بَلِّغُوا الذِّكْرَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ
يَتَّبِعُونَ فَضْلًا مِمَّنْ اللَّهُ وَرِضْوَانًا وَتَحْمَدُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُخَيِّبُونَ مَنْ هَاجَرَ
إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ
عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوقِ شَعْرَ
نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝

بستیوں والوں کا جو (مال) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بھڑے
بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے وہ اللہ کا ہے اور رسول کا
اور قربت والوں کا اور یتیموں مسکینوں کا اور مسافروں کا
ہے تاکہ تمہارے دولت مندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال
گردش کرتا نہ رہ جائے اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے
لو اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے
رہا کرو یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ (۷)

(فیء کا مال) ان مہاجر مسکینوں کے لیے ہے جو اپنے
گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ
اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں
اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی
راست باز لوگ ہیں۔ (۸)

اور (ان کے لیے) جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور
ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے (۱۲) اور اپنی طرف
ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور
مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں
میں کوئی تنگی نہیں رکھتے (۱۳) بلکہ خود اپنے اوپر انہیں

اور غلبہ حاصل کرنے کے بعد ملے وہ غنیمت ہے۔

(۱) اس میں مال فیء کا ایک صحیح ترین مصحف بیان کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی مہاجرین کی فضیلت ان کے انحصار اور ان
کی راست بازی کی وضاحت ہے جس کے بعد ان کے ایمان میں شک کرنا گویا قرآن کا انکار ہے۔

(۲) ان سے انصار مدینہ مراد ہیں جو مہاجرین کے مدینہ آنے سے قبل مدینے میں آباد تھے اور مہاجرین کے ہجرت کر کے
آنے سے قبل ایمان بھی ان کے دلوں میں قرار پکڑ چکا تھا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مہاجرین کے ایمان نے سے پہلے یہ
انصار ایمان لائے تھے کیونکہ ان کی اکثریت مہاجرین کے ایمان لانے کے بعد ایمان لائی ہے۔ یعنی مِنْ قَبْلِهِمْ کا مطلب
مِنْ قَبْلِ هِجْرَتِهِمْ ہے۔ اور دائرے سے دَاڑِ الْهِجْرَةِ یعنی مدینہ مراد ہے۔

(۳) یعنی مہاجرین کو اللہ کا رسول ﷺ جو کچھ دے اس پر حسد اور انقباض محسوس نہیں کرتے جیسے مال فیء کا اولین
مستحق بھی ان کو قرار دیا گیا۔ لیکن انصار نے برا نہیں منایا۔

ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو^(۱) (بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچاؤ گیا وہی کامیاب (اور بامراد) ہے۔^(۲) (۹)

اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان ماچکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال،^(۳) اے ہمارے رب بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا
الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ
آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

(۱) یعنی اپنے مقابلے میں مہاجرین کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں۔ خود بھوکا رہتے ہیں لیکن مہاجرین کو کھاتے ہیں۔ جیسے حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا، لیکن آپ ﷺ کے گھر میں کچھ نہ تھا، چنانچہ ایک انصاری اسے اپنے گھر لے گیا، گھر جا کر بیوی کو بتلایا تو بیوی نے کہا کہ گھر میں تو صرف بچوں کی خوراک ہے۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ بچوں کو تو آج بھوکا سلا دیں اور ہم خود بھی ایسے ہی کچھ کھائے بغیر سو جائیں گے۔ ابستہ مہمان کو کھاتے وقت چراغ بجھا دینا تاکہ اسے ہماری بابت علم نہ ہو کہ ہم اس کے ساتھ کھانا نہیں کھا رہے ہیں۔ صبح جب وہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم دونوں میں بیوی کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی ہے: ﴿وَيُؤَيِّدُ بَيْنَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ﴾ الآية (اصحیح البخاری، تفسیر سورة الحشر) ان کے ایثار کی یہ بھی ایک نہایت عجیب مثال ہے کہ ایک انصاری کے پاس دو بیویاں تھیں تو اس نے ایک بیوی کو اس لیے طلاق دینے کی پیشکش کی کہ عدت گزرنے کے بعد اس سے اس کا دوسرا مہاجر بھائی نکاح کر لے۔

(اصحیح البخاری، کتاب النکاح)

(۲) حدیث میں ہے ”شخ سے بچو“ اس حرم نفس نے ہی پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، اسی نے انہیں خون ریزی پر آمادہ کیا اور انہوں نے محارم کو حلال کر لیا۔“ (اصحیح مسلم، کتاب البیہار، تحريم الظلم)

(۳) یہ مال فیء کے مستحقین کی تیسری قسم ہے، یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والے اور صحابہ کے نقش قدم پر چلنے والے اس میں تابعین اور تبع تابعین اور قیامت تک ہونے والے اہل ایمان و تقویٰ آگئے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ وہ انصار و مہاجرین کو مومن ماننے اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرنے والے ہوں نہ کہ ان کے ایمان میں شک کرنے اور ان پر سب و شتم کرنے اور ان کے خلاف اپنے دلوں میں بغض و عناد رکھنے والے امام مالک رحمہ اللہ نے اس آیت سے استنباط کرتے ہوئے یہی بات ارشاد فرمائی ہے إِنَّ الرَّأْيِيَّ الَّذِي يَسُبُّ الصَّحَابَةَ، لَيْسَ لَهُ فِي مَالِ الْقِيَمَةِ نَصِيبٌ لِّعَدَمِ اتِّصَافِهِ بِمَا مَدَحَ اللَّهُ بِهِ هَؤُلَاءِ فِي قَوْلِهِمْ رَافِضٌ كَوَاجِبِ كَرَامَتِهِمْ بِمَا سَبَّوْهُمْ فِي سَبِّهِمْ کرتے ہیں

والا ہے۔ (۱۰)

کیا تو نے منافقوں کو نہ دیکھا؟ کہ اپنے اہل کتاب کا فر
بھائیوں سے کہتے ہیں اگر تم جلا وطن کیے گئے تو ضرور
بالضرور ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور
تمہارے بارے میں ہم کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے
اور اگر تم سے جنگ کی جائے گی تو بخدا ہم تمہاری مدد
کریں ^(۱۱) گے، لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ قطعاً
جھوٹے ہیں۔ ^(۱۲)

اگر وہ جلا وطن کیے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ جائیں گے اور
اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد (بھی) نہ کریں ^(۱۳) گے
اور اگر بالفرض مدد پر آ بھی گئے ^(۱۴) تو پیٹھ پھیر کر بھاگ
کھڑے ہوں ^(۱۵) گے پھر مدد نہ کیے جائیں گے۔ ^(۱۶)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَأْفِكُوا يَمُوتُونَ إِخْوَانَهُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا
مِنْ أَهْلِ الْحَشِيِّ لَئِنْ أَخَّرْتُمْ إِلَى غَيْرٍ مِنْ مَعَكُمْ وَلَا يَخِطِئُ
فِيكُمْ أَحَدٌ أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ
لَكَاذِبُونَ ⑩

لَئِنْ أَخَّرْتُمْ إِلَى غَيْرٍ مِنْ مَعَكُمْ وَلَئِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَلَئِنْ
نَصَرْتُمْ لَيُؤْتِيَنَّ الْأَذْهَارُ أَنْكُمْ لَا تَنْصُرُونَ ⑪

مال فیء سے حصہ نہیں ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح کی ہے اور واقعی ان کی خدمت کرتے ہیں۔
(ابن کثیر) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "أُمِرْتُمْ بِالْإِسْتِغْفَارِ لِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَسَتَمْتُمْهُمْ أَسَمِعْتُ
نَبِيَّكُمْ يَقُولُ: لَا تَذْهَبُ هَذِهِ الْأُمَّةُ حَتَّى يَنْفَرَ أَجْرُهَا أَوْ لَهَا" (رواہ المصنوعی) "تم لوگوں کو
اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا۔ مگر تم نے ان پر لعن طعن کی۔ میں نے تمہارے نبی کو فرماتے
ہوئے سنا کہ یہ امت اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک کہ اس کے آخرین اولین پر لعنت نہ کریں۔" (حوالہ مذکور)
(۱) جیسے پسے گزر چکا ہے کہ منافقین نے بنو نضیر کو یہ پیغام بھیجا تھا۔

(۲) چنانچہ ان کا جھوٹ واضح ہو کر سامنے آ گیا کہ بنو نضیر جلا وطن کر دیئے گئے، لیکن یہ ان کی مدد کو پہنچے نہ ان کی حمایت
میں مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہوئے۔

(۳) یہ منافقین کے گزشتہ جھوٹے وعدوں ہی کی مزید تفصیل ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، بنو نضیر جلا وطن اور بنو قریظہ قتل
اور اسیر کیے گئے، لیکن منافقین کسی کی مدد کو نہیں پہنچے۔

(۴) یہ بطور فرض بات کی جا رہی ہے، ورنہ جس چیز کی نفی اللہ تعالیٰ فرمادے، اس کا وجود کیوں کر ممکن ہے، مطلب
ہے کہ اگر یہودی مدد کرنے کا ارادہ کریں۔

(۵) یعنی شکست کھا کر۔

(۶) مراد یہودی ہیں، یعنی جب ان کے مددگار منافقین ہی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے تو یہودی کس طرح منصور و

لَا تَنْتَهِشْ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ
قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ①

لَا يَفْقَهُونَ تَنْتَهِشْ رَهْبَةً ②
بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ③
شَقِي ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ④

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمًا أَقْبَاؤُا وَبَالَ أَمْرِهِمْ
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑤

(مسلمانو! یقین مانو) کہ تمہاری ہیبت ان کے دلوں^(۱) میں
یہ نسبت اللہ کی ہیبت کے بست زیادہ ہے 'یہ اس لیے کہ
یہ بے سمجھ لوگ ہیں۔' (۱۳)

یہ سب مل کر بھی تم سے لڑ نہیں سکتے ہاں یہ اور بات ہے
کہ قلعہ بند مقامات میں ہوں یا دیواروں کی آڑ میں
ہوں،^(۲) ان کی لڑائی تو ان میں آپس میں ہی بہت سخت
ہے^(۳) گو آپ انہیں متحد سمجھ رہے ہیں لیکن ان کے
دل دراصل ایک دوسرے سے جدا ہیں۔^(۴) اس لیے کہ
یہ بے عقل لوگ ہیں۔' (۱۴)

ان لوگوں کی طرح جو ان سے کچھ ہی پہلے گزرے ہیں
جنہوں نے اپنے کام کا وبال چکھ لیا^(۵) اور جن کے لیے

کامیاب ہوں گے؟ بعض نے اس سے مراد منافقین لیے ہیں کہ وہ مدد نہیں کیے جائیں گے، بلکہ اللہ ان کو ذلیل کرے گا
اور ان کا خفاق ان کے لیے نافع نہیں ہوگا۔

(۱) یہود کے یا منافقین کے یا سب کے ہی دلوں میں۔

(۲) یعنی تمہارا یہ خوف ان کے دلوں میں ان کی ناگہمی کی وجہ سے ہے، ورنہ اگر یہ سمجھدار ہوتے تو سمجھ جاتے کہ
مسلمانوں کا غلبہ و تسلط، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس لیے ذرا اللہ تعالیٰ سے چاہیے نہ کہ مسلمانوں سے۔

(۳) یعنی یہ منافقین اور یہودی مل کر بھی کھلے میدان میں تم سے لڑنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ البتہ قلعوں میں محصور ہو
کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر تم پر وار کر سکتے ہیں، جس سے یہ واضح ہے کہ یہ نہایت بزدل ہیں اور تمہاری ہیبت سے
لرزاں و ترسلا ہیں۔

(۴) یعنی آپس میں یہ ایک دوسرے کے سخت خلاف ہیں۔ اس لیے ان میں باہم تو تکرار اور تھکا فتنہ مستحکم عام ہے۔

(۵) یہ منافقین کا آپس میں دلوں کا حال ہے۔ یا یہود اور منافقین کا، یا مشرکین اور اہل کتاب کا۔ مطلب یہ ہے کہ حق
کے مقابلے میں یہ ایک نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کے دل ایک نہیں ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ایک
دوسرے کے خلاف بغض و عناد سے بھرے ہوئے۔

(۶) یعنی یہ اختلاف اور تشدد ان کی بے عقلی کی وجہ سے ہے، اگر ان کے پاس سمجھنے والی عقل ہوتی تو یہ حق کو پہچان
لیتے اور اسے اپنا لیتے۔

(۷) اس سے بعض نے مشرکین مکہ مراد لیے ہیں، جنہیں غزوہ بنی نضیر سے کچھ عرصہ قبل جنگ بدر میں عبرت ناک

المناک عذاب (تیار) ہے۔^(۱) (۱۵)

شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا کفر کر، جب وہ کفر کر چکا تو کہنے لگا میں تو تجھ سے بری ہوں،^(۲) میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔^(۳) (۱۶)

پس دونوں کا انجام یہ ہوا کہ آتش (دوزخ) میں ہمیشہ کے لیے گئے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔^(۴) (۱۷)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو^(۵) اور ہر شخص دیکھ (بھال) لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے (اعمال کا) کیا (ذخیرہ) بھیجا ہے۔^(۶) اور (ہر وقت) اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔^(۷) (۱۸)

اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے اللہ

كَذَّبَ الشَّيْطَانُ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝

كَانَ عَاقِبَتُهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاُ الظَّالِمِينَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلَنْتَقَرُّ نَفْسٌ شَا قَةً مِّنْ يَّغْفِرُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَسْأَلُوا اللَّهَ فَأَنْسَهُمْ أَنْسَهُهُمُ اللَّهُ ۚ

فلکست ہوئی تھی۔ یعنی یہ بھی مغلوبیت اور ذلت میں مشرکین ہی کی طرح ہیں جن کا زمانہ قریب ہی ہے۔ بعض نے یہود کے دوسرے قبیلے بنو قینقاع کو مراد لیا ہے جنہیں بنو نضیر سے قبل جلا وطن کیا جا چکا تھا جو زمان و مکان دونوں لحاظ سے ان کے قریب تھے۔ (ابن کثیر)

(۱) یعنی یہ وہاں جو انہوں نے چکھا، یہ تو دنیا کی سزا ہے، آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے جو نہایت دردناک ہوگی۔

(۲) یہ یہود اور منافقین کی ایک اور مثال بیان فرمائی کہ منافقین نے یہودیوں کو اسی طرح بے یار و مددگار چھوڑ دیا جس طرح شیطان انسان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، پہلے وہ انسان کو گمراہ کرتا ہے اور جب انسان شیطان کے پیچھے لگ کر کفر کا ارتکاب کر لیتا ہے تو شیطان اس سے براءت کا اظہار کر دیتا ہے۔

(۳) شیطان اپنے اس قول میں سچا نہیں ہے، مقصد صرف اس کفر سے علیحدگی اور براءت ہے جو انسان شیطان کے گمراہ کرنے سے کرتا ہے۔

(۴) یعنی خلود فی النار، جہنم کی دائمی سزا۔

(۵) اہل ایمان کو خطاب کر کے انہیں وعظ کیا جا رہا ہے۔ اللہ سے ڈرنے کا مطلب ہے، اس نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے، انہیں بجالاؤ۔ جن سے روکا ہے، ان سے رک جاؤ، آیت میں یہ بطور تاکید دو مرتبہ فرمایا کیونکہ یہ تقویٰ (اللہ کا خوف) ہی انسان کو نیکی کرنے پر اور برائی سے اجتناب پر آمادہ کرتا ہے۔

(۶) اسے کل سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ اس کا وقوع زیادہ دور نہیں، قریب ہی ہے۔

(۷) چنانچہ وہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا، نیک کو نیکی کی جزا اور بد کو بدی کی جزا

هُمُ الْمُسْتَوُونَ ⑤

(کے احکام) کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انہیں اپنی جانوں سے غافل کر دیا،^(۱) اور ایسے ہی لوگ نافرمان (فاسق) ہوتے ہیں۔ (۱۹)

اہل نار اور اہل جنت (باہم) برابر نہیں۔^(۲) جو اہل جنت ہیں وہی کامیاب ہیں (اور جو اہل نار ہیں وہ ناکام ہیں)۔^(۳) (۲۰)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے^(۴) تو تو دیکھتے کہ خوف الہی سے وہ پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا^(۵)

لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ

الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ⑥

لَوْ أَنزَلْنَاهُذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْنَاهُ خَالِشًا مُّتَصِّدًا مِّنْ غَشِيَةِ الشَّجَرِ وَلَئِكَ الْأَمْثَالُ نَضَرْنَا

(۱) یعنی اللہ نے بطور جزا انہیں ایسا کر دیا کہ وہ ایسے عملوں سے غافل ہو گئے جن میں ان کا فائدہ تھا اور جن کے ذریعے سے وہ اپنے نفسوں کو عذاب الہی سے بچا سکتے تھے۔ یوں انسان خدا فراموشی سے خود فراموشی تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی عقل اس کی صحیح رہنمائی نہیں کرتی، آنکھیں اس کو حق کا راستہ نہیں دکھاتیں اور اس کے کان حق کے سننے سے ہرے ہو جاتے ہیں۔ نتیجتاً اس سے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جس میں اس کی اپنی تباہی و بربادی ہوتی ہے۔

(۲) جنہوں نے اللہ کو بھول کر یہ بات بھی بھلائے رکھی کہ اس طرح وہ خود اپنے ہی نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں اور ایک دن آئے گا کہ اس کے نتیجے میں ان کے یہ جسم جن کے لیے دنیا میں وہ بڑے بڑے پڑ پڑتے تھے، جنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے۔ اور ان کے مقابلے میں دوسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ کو یاد رکھا، اس کے احکام کے مطابق زندگی گزاری۔ ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے گا اور اپنی جنت میں انہیں داخل فرمائے گا، جہاں ان کے آرام و راحت کے لیے ہر طرح کی نعمتیں اور سہولتیں ہوں گی۔ یہ دونوں فریق یعنی جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہوں گے۔ بھلا یہ برابر ہو بھی کس طرح سکتے ہیں۔ ایک نے اپنے انجام کو یاد رکھا اور اس کے لیے تیاری کرتا رہا۔ دوسرا اپنے انجام سے غافل رہا اس لیے اس کے لیے تیاری میں بھی بھربھرا غفلت برتی۔

(۳) جس طرح امتحان کی تیاری کرنے والا کامیاب اور دوسرا ناکام ہوتا ہے۔ اسی طرح اہل ایمان و تقویٰ جنت کے حصول میں کامیاب ہو جائیں گے، کیونکہ اس کے لیے وہ دنیا میں نیک عمل کر کے تیاری کرتے رہے گویا دنیا دار العمل اور دارالامتحان ہے۔ جس نے اس حقیقت کو سمجھ لیا اور اس نے انجام سے بے خبر ہو کر زندگی نہیں گزاری، وہ کامیاب ہو گا اور جو دنیا کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر اور انجام سے غافل، فسق و فجور میں مبتلا رہا، وہ خاسر و ناکام ہو گا۔ لِّلّٰہِمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْفَائِزِينَ

(۴) اور پہاڑ میں قم و ادراک کی وہ صلاحیت پیدا کر دیتے جو ہم نے انسان کے اندر رکھی ہے۔

(۵) یعنی قرآن کریم میں ہم نے بلاغت و فصاحت، قوت و استدلال اور وعظ و تذکیر کے ایسے پہلو بیان کیے ہیں کہ انہیں سن کر

لِلثَّالِثِ لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ ﴿۲۱﴾

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿۲۲﴾

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ
الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ
عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۲۳﴾

هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى
يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ ﴿۲۴﴾

ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ
غور و فکر کریں۔ (۲۱)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، چھپے (۲۲) کھلے کا
جاننے والا مہربان اور رحم کرنے والا۔ (۲۲)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، نہایت
پاک، سب عیبوں سے صاف، امن دینے والا، نگہبان،
غالب زور آور، اور بڑائی والا، پاک ہے اللہ ان چیزوں
سے جنہیں یہ اس کا شریک بتاتے ہیں۔ (۲۳)

وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا وجود بخشنے والا، (۲۴) صورت
بنانے والا، اسی کے لیے (نہایت) اچھے نام ہیں، (۲۵) ہر چیز
خواہ وہ آسمانوں میں ہو خواہ زمین میں ہو اس کی پاکی بیان
کرتی ہے، (۲۶) اور وہی غالب حکمت والا ہے۔ (۲۴)

پہاڑ بھی، باوجود اتنی سختی اور وسعت و بلندی کے، خوف الہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ یہ انسان کو سمجھایا اور ڈرایا جا رہا ہے کہ تجھے
عقل و فہم کی صلاحیتیں دی گئی ہیں۔ لیکن اگر قرآن سن کر تیرا دل کوئی اثر قبول نہیں کرتا تو تیرا انجام اچھا نہیں ہو گا۔

(۱) تاکہ قرآن کے مواعظ سے وہ نصیحت حاصل کریں اور زواجر کو سن کر نافرمانیوں سے اجتناب کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس
آیت میں نبی ﷺ سے خطاب ہے کہ ہم نے آپ ﷺ پر یہ قرآن مجید نازل کیا جو ایسی عظمت شان کا حامل ہے کہ اگر ہم
اسے کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا، لیکن یہ آپ ﷺ پر ہمارا احسان ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو اتنا قوی اور
مضبوط کر دیا کہ آپ ﷺ نے اس چیز کو برداشت کر لیا جس کو برداشت کرنے کی طاقت پہاڑوں میں بھی نہیں ہے۔ (فتح القدیر)
اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی صفات بیان فرما رہا ہے جس سے مقصود توحید کا اثبات اور شرک کی تردید ہے۔

(۲) غیب، مخلوقات کے اعتبار سے ہے، ورنہ اللہ کے لیے تو کوئی چیز غیب نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کو
جانتا ہے چاہے وہ ہمارے سامنے ہو یا ہم سے غائب ہو۔ حتیٰ کہ وہ تاریکیوں میں چھنے والی چیزوں کو بھی جانتا ہے۔

(۳) کہتے ہیں کہ خلق کا مطلب ہے اپنے ارادہ و مشیت کے مطابق اندازہ کرنا اور برائے کے معنی ہیں اسے پیدا کرنا، گھڑنا،
وجود میں لانا۔

(۴) اسمائے حسنی کی بحث سورۃ اعراف ۱۸۰ میں گزر چکی ہے۔

(۵) زبان حال سے بھی اور زبان مقال سے بھی، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

(۶) جس چیز کا بھی فیصلہ کرتا ہے، وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا

سُورَةُ الْمُتَحَنِّنِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَمَعْدُوِّيَآءَ ثُلُثًا مِّنْكُمْ
 بِالْكَفَرِ بِالْمُؤَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْمَوْتِ
 وَيَا كُفْرَانُ تَوَلَّوْا بِاللّٰهِ كُفْرَانًا كُنْتُمْ خَرِيقًا ذَاتِ بَيْبِلٍ وَ
 أَبْقَاءَ مَضَاهِي قُرُونٍ إِلَيْهِمْ بِالْمُؤَدَّةِ وَأَنَا عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ وَمَا
 أَعْلَمْتُمْ وَمَنْ لَّيَعْلَمُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝

سورہ متحننہ مبنی ہے اور اس میں تیرہ آیتیں اور
 دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
 نہایت رحم والا ہے۔

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور (خود) اپنے
 دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ ^(۱) تم تو دوستی سے ان کی طرف
 پیغام بھیجتے ^(۲) ہو اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس
 آچکا ہے کفر کرتے ہیں، پیغمبر کو اور خود تمہیں بھی محض اس
 وجہ سے جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان رکھتے
 ہو ^(۳) اگر تم میری راہ میں جہاد کے لئے اور میری

(۱) کفار مکہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا اہل مکہ نے اس کی خلاف ورزی کی۔ اس
 لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو خفیہ طور پر لڑائی کی تیاری کا حکم دے دیا۔ حضرت حاطب بن ابی
 بلتعہؓ ایک مہاجر بدری صحابی تھے جن کی قریش کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں تھی لیکن ان کے بیوی بچے مکہ
 میں ہی تھے۔ انہوں نے سوچا کہ میں قریش مکہ کو آپ ﷺ کی تیاری کی اطلاع کر دوں تاکہ اس احسان کے بدلے وہ
 میرے بال بچوں کا خیال رکھیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک عورت کے ذریعے سے یہ پیغام تحریری طور پر اہل مکہ کی طرف
 روانہ کر دیا جس کی اطلاع بذریعہ وحی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کر دی گئی چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ حضرت
 مقداد اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ جاؤ روضہ خانہ پر ایک عورت ہوگی جو مکہ جا رہی ہوگی اس کے پاس ایک
 رقعہ ہے وہ لے آؤ چنانچہ وہ حضرات گئے اور اس سے یہ رقعہ لے آئے جو اس نے سر کے بالوں میں چھپا رکھا تھا۔ آپ
 ﷺ نے حضرت حاطبؓ سے پوچھا یہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہ کام کفر و ارتداد کی بنا پر نہیں کیا
 بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دیگر مہاجرین کے رشتے دار کے میں موجود ہیں جو ان کے بال بچوں کی حفاظت کرتے
 ہیں۔ میرا وہاں کوئی رشتہ دار نہیں ہے تو میں نے یہ سوچا کہ میں اہل مکہ کو کچھ اطلاع کر دوں تاکہ وہ میرے احسان مند
 رہیں اور میرے بچوں کی حفاظت کریں۔ آپ ﷺ نے ان کی سچائی کی وجہ سے انہیں کچھ نہیں کہا۔ تاہم اللہ نے تعبیر
 کے طور پر یہ آیات نازل فرمادیں تاکہ آئندہ کوئی مومن کسی کافر کے ساتھ اس طرح کا تعلق مودت قائم نہ کرے۔

(صحیح بخاری تفسیر سورۃ الممتحنۃ "وصحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة")

(۲) مطلب ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں ان تک پہنچا کر ان سے دوستانہ تعلق قائم کرنا چاہتے ہو؟

(۳) جب ان کا تمہارے ساتھ اور حق کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو تمہارے لیے کیا یہ مناسب ہے کہ تم ان سے محبت اور

رضامندی کی طلب میں نکلتے ہو (تو ان سے دوستیاں نہ کرو) ^(۱) تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو اور مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا، تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے ہٹ جائے گا۔ ^(۲)

اگر وہ تم پر کیس قابو پالیں تو وہ تمہارے (کھلے) دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور (دل سے) چاہنے لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگ جاؤ۔ ^(۳)

تمہاری قرابتیں، رشتہ داریاں، اور اولاد تمہیں قیامت کے دن کام نہ آئیں گی، ^(۴) اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا ^(۵) اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے۔ ^(۶)

(مسلمانو!) تمہارے لیے حضرت ابراہیم میں اور ان کے

إِنْ يَتَّبِعُوا بُكُورًا فَآءٌ وَيَسْمُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ
وَالْيَسْمُطُ بِالْأَشْوَى وَذُواكُم مِّنْكُمْ ۚ ①

لَنْ تَنفَعَكُمْ أَرْحَامُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ②

فَلَا كَانَتْ لَكُمْ أَسْرَةٌ خَيْرٌ فِي أَرْبَابِهِمْ وَأَقْرَبُونَ مَعَ إِذْ قَالَ لُو

ہم ردی کا رویہ اختیار کرو؟

(۱) یہ جواب شرط 'جو محذوف ہے' کا ترجمہ ہے۔

(۲) یعنی میرے اور اپنے دشمنوں سے محبت کا تعلق جوڑنا اور انہیں خفیہ نامہ و پیام بھیجنا، یہ گمراہی کا راستہ ہے، جو کسی مسلمان کے شایان شان نہیں۔

(۳) یعنی تمہارے خلاف ان کے دلوں میں تو اس طرح بغض و عناد ہے اور تم ہو کہ ان کے ساتھ محبت کی چنگیں بڑھا رہے ہو؟

(۴) یعنی جس اولاد کے لیے تم کفار کے ساتھ محبت کا اظہار کر رہے ہو، یہ تمہارے کچھ کام نہیں آئے گی، پھر اس کی وجہ سے تم کافروں سے دوستی کر کے کیوں اللہ کو ناراض کرتے ہو قیامت والے دن جو چیز کام آئے گی وہ تو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہے، اس کا اہتمام کرو۔

(۵) دوسرے معنی ہیں تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا یعنی اہل طاعت کو جنت میں اور اہل معصیت کو جہنم میں داخل کرے گا۔ بعض کہتے ہیں آپس میں جدائی کا مطلب ہے کہ ایک دوسرے سے بھاگیں گے۔ جیسے فرمایا ﴿يَوْمَ يُفَصِّلُ الْفُتُورِينَ﴾ (سورہ جس ۳۴) یعنی شدت ہول سے بھائی، بھائی سے بھاگے گا۔

لَقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءُكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كُفْرًا
بِكُمْ وَبِدِينِنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَادَةُ وَالْبُغْضُ الْبَدَاحُفِي تَوَمَّنُوا
بِاللَّهِ وَحْدَهُ لَا قَوْلَ لِرَبِّهِمْ لَا يَبُولُ وَلَا يُنْجِسُ لَكُم مَّغْفِرَةٌ لِّكَ وَمَا
أَنكَ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ رَّبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ
أَتَيْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝

ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے،^(۱) جبکہ ان سب نے اپنی قوم
سے بر ملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا
عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔^(۲) ہم
تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی
وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کے لیے بغض و
عداوت ظاہر ہو گئی^(۳) لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ
سے ہوئی تھی^(۴) مگر میں تمہارے لیے استغفار ضرور کروں
گا اور تمہارے لیے مجھے اللہ کے سامنے کسی چیز کا اختیار کچھ
بھی نہیں۔ اے ہمارے پروردگار تجھی پر ہم نے بھروسہ کیا
ہے^(۵) اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی

(۱) کفار سے عدم موالات کے مسئلے کی توضیح کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال دی جا رہی ہے اُسوقت کے معنی
ہوتے ہیں ایسا نمونہ جس کی اقتدا کی جائے۔

(۲) یعنی شرک کی وجہ سے ہمارا اور تمہارا کوئی تعلق نہیں، اللہ کے پرستاروں کا بھلا غیر اللہ کے پجاریوں سے کیا تعلق؟
(۳) یعنی یہ علیحدگی اور بیزاری اس وقت تک رہے گی جب تک تم کفر و شرک چھوڑ کر توحید کو نہیں اپناتے گے۔ ہاں
جب تم ایک اللہ کو ماننے والے بن جاؤ گے تو پھر یہ عداوت موالات میں اور یہ بغض محبت میں بدل جائے گا۔

(۴) یہ ایک اشتباہ ہے جو فی ابراہیم میں مقدر محذوف مضاف سے ہے۔ یعنی قَدْ كَانَتْ تَكُنُّ أَسْوَةً حَسَنَةً فِي
مَقَالَتِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا قَوْلَ لَأَبُولُ يَا أَسْوَةً حَسَنَةً سے اشتباہ ہے اس لیے کہ قول بھی منجملہ اسوہ ہے۔ گویا کہا جا رہا ہے۔
(قَدْ كَانَتْ تَكُنُّ أَسْوَةً حَسَنَةً فِي إِبْرَاهِيمَ فِي جَمِيعِ أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ إِلَّا قَوْلَهُ لَأَبُولُ) (فتح القدیر، مطلب یہ ہے
کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی ایک قابل تقلید نمونہ ہے البتہ ان کا اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنا
ایک ایسا عمل ہے جس میں ان کی پیروی نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ ان کا یہ فعل اس وقت کا ہے جب ان کو اپنے باپ کی
بابت علم نہیں تھا چنانچہ جب ان پر یہ واضح ہو گیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے اپنے باپ سے بھی اظہار
براءت کر دیا، جیسے کہ سورۃ براءت ۱۱۴ میں ہے۔ (سورۃ براءت سورۃ توبہ کو کہا جاتا ہے)

(۵) توکل کا مطلب ہے۔ امکانی حد تک ظاہری اسباب و وسائل اختیار کرنے کے بعد معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے یہ
مطلب نہیں کہ ظاہری وسائل اختیار کیے بغیر ہی اللہ پر اعتماد اور توکل کا اظہار کیا جائے اس سے ہمیں منع کیا گیا
ہے اس لیے توکل کا یہ مفہوم بھی غلط ہو گا۔ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اونٹ کو باہر کھڑا کر کے اندر

طرف لوٹتا ہے۔ (۳)

اے ہمارے رب! تو ہمیں کافروں کی آزمائش میں نہ ڈال^(۱) اور اے ہمارے پالنے والے ہماری خطاؤں کو بخش دے، بیشک تو ہی غالب، حکمت والا ہے۔ (۵)

یقیناً تمہارے لیے ان میں^(۲) اچھا نمونہ (اور عمدہ پیروی ہے خاص کر) ہر اس شخص کے لیے جو اللہ کی اور قیامت کے دن کی ملاقات کی امید رکھتا ہو،^(۳) اور اگر کوئی روگردانی کرے^(۴) تو اللہ تعالیٰ بالکل بے نیاز ہے اور سزاوار حمد و ثنا ہے۔ (۶)

کیا عجب کہ عنقریب ہی اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہارے دشمنوں میں محبت پیدا کر دے۔^(۵) اللہ کو سب قدر تم ہیں اور اللہ (بڑا) غفور رحیم ہے۔ (۷)

جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاعْزِزْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ
الْآخِرَ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْعَلِيمُ ۝

عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ كَادَبْتُمْ مِنْهُمْ قُودًا
وَاللَّهُ قَلِيلٌ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

لَا يَأْتِيَنَّكُمْ اللَّهُ مِنَ الْغَيْبِ شَيْءٌ لِّمَن لَّمْ يَتَابَعْتُمْ فِي الدِّينِ

آگیا، آپ ﷺ نے پوچھا تو کہا میں اونٹ اللہ کے سپرد کر آیا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ توکل نہیں ہے دَاْعِفِلْ وَتَوَكَّلْ ”پسے اسے کسی چیز سے باندھ، پھر اللہ پر بھروسہ کر۔“ (ترمذی) انابت کا مطلب ہے اللہ کی طرف رجوع کرنا۔

(۱) یعنی کافروں کو ہم پر غلبہ و تسلط عطا نہ فرما، اس طرح وہ سمجھیں گے کہ وہ حق پر ہیں، اور یوں ہم ان کے لیے فتنے کا باعث بن جائیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ان کے ہاتھوں یا اپنی طرف سے ہمیں کسی سزا سے دوچار نہ کرنا، اس طرح بھی ہمارا وجود ان کے لیے فتنہ بن جائے گا، وہ کہیں گے کہ اگر یہ حق پر ہوتے تو ان کو یہ تکلیف کیوں پہنچتی؟

(۲) یعنی ابراہیم علیہ السلام کے اور ان کے ساتھی اہل ایمان میں۔ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے

(۳) کیونکہ ایسے ہی لوگ اللہ سے اور عذابِ آخرت سے ڈرتے ہیں، یہی لوگ حالات و واقعات سے عبرت پکڑتے اور نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

(۴) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوے کو اپنانے سے گریز کرے

(۵) یعنی اہل کو مسلمان کر کے تمہارا بھائی اور ساتھی بنا دے، جس سے تمہارے مابین عداوت، دوستی اور محبت میں تبدیل ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، فتح مکہ کے بعد لوگ فوج در فوج مسلمان ہونا شروع ہو گئے اور ان کے مسلمان ہوتے ہی نفرتیں، محبت میں تبدیل ہو گئیں، جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے، وہ دست و پا زدن بن گئے۔

وَلَمْ يَخْرُجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ أَنْ تَكُونَ لَهُمْ وَتُفْسِدُوا
الْبُيُوتَ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ①

إِنَّمَا يَسْكُنُوا لِللَّذِينَ قَاتَلُوا كُفْرًا فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوا مِنْ
دِيَارِهِمْ وَلَهُمْ أَصْلَ إِمْرًا لَكُمْ أَنْ تَكُونُوا لَهُمْ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ
فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ②

لڑی^(۱) اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا^(۲) ان کے ساتھ
سلوک و احسان کرنے اور متصف نہ بھلے برتاؤ کرنے سے
اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا^(۳) بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف
کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔^(۴) (۸)

اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے
جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں لڑیں اور
تمہیں دیس نکالے دیئے اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کی جو
لوگ ایسے کفار سے محبت کریں^(۵) وہ (قطعاً) ظالم ہیں۔^(۶) (۹)

(۱) یہ ان کافروں کے بارے میں ہدایات دی جا رہی ہیں جو مسلمانوں سے محض دین اسلام کی وجہ سے بغض و عداوت
نہیں رکھتے اور اس بنیاد پر مسلمانوں سے نہیں لڑتے یہ پہلی شرط ہے۔

(۲) یعنی تمہارے ساتھ ایسا رویہ بھی اختیار نہیں کیا کہ تم ہجرت پر مجبور ہو جاؤ۔ یہ دوسری شرط ہے۔ ایک تیسری شرط یہ
ہے جو اگلی آیت سے واضح ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف دوسرے کافروں کو کسی قسم کی مدد بھی نہ پہنچائیں۔
مشورے اور رائے سے اور نہ ہتھیاروں وغیرہ کے ذریعے سے۔

(۳) یعنی ایسے کافروں سے احسان اور انصاف کا معاملہ کرنا ممنوع نہیں ہے۔ جیسے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی
اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی مشرکہ ماں کی بابت صلہ رحمی یعنی حسن سلوک کرنے کا پوچھا آپ
ﷺ نے فرمایا: صَلِّیْ أَتْلَکَ اصْحَبِجِ مُسْلِمٌ 'کتاب الرکوة' 'باب فضل النعقة والصدقة علی الأقریب'
بخاری 'کتاب الأدب' 'باب صلة الوالد المشرک' 'اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو'۔

(۴) اس میں انصاف کرنے کی ترغیب ہے حتیٰ کہ کافروں کے ساتھ بھی۔ حدیث میں انصاف کرنے والوں کی فضیلت
یوں بیان ہوئی ہے: إِذَا الْمُضْطَّطِينَ عِنْدَ اللَّهِ، عَلَى مَنْابِرٍ مِنْ نُورٍ، عَنْ یَعْقِبِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَحَلَّ - وَکَلَّمَا
یَدْبِیْهِ یَعْقِبُ - الدِّینَ یَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ، وَمَا وَلُّوْا (اصحیح مسلم 'کتاب الإمارة' 'باب
فضيلة الإمام العادل') 'انصاف کرنے والے نور کے منبروں پر ہوں گے جو رحمن کے دائیں جانب ہوں گے اور
رحمن کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں' جو اپنے فیصلوں میں 'اپنے اہل میں اور اپنی رعایا میں انصاف کا اہتمام کرتے ہیں'
(۵) یعنی ارشاد الہی اور امر ربانی سے اعراض کرتے ہوئے۔

(۶) کیوں کہ انہوں نے ایسے لوگوں سے محبت کی ہے جو محبت کے اہل نہیں تھے اور یوں انہوں نے اپنے نفوس پر ظلم
کیا کہ انہیں اللہ کے عذاب کے لیے پیش کر دیا۔ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لَا تَتَّبِعُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ
أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ فَإِنَّ مِثْقَالَ نَبِيٍّ مِنْهُمْ﴾ (العنکبوت: ۲۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَ كُفْرًا تَوَيْدًا مُبْهِرًا فَاسْتَوْفُوا
 اللَّهُ أَهْلَكُمْ بِرَأْيَانِهِمْ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُمْ مُؤْمِنًا فَلَا تَرْجِعُوهُمْ
 إِلَى الْكُفْرِ وَلَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَآَنُوهُنَّ
 أُنْفُسًا وَاذْكُرُوا مَا عَلَيْكُمْ أَنْ تَكُونُوا إِذَا أَتَيْتُمُوهُمْ بِالْجُورِ
 وَلَا تَنْسُوا بِعَمَلِكُمُ الْكَافِرِينَ سَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ
 أَنْفُسُكُمْ أَنْفُسُكُمْ يَكْفُرُوا بِكُفْرَانِهِمْ وَلِلَّهِ عِلْمُ كُلِّ شَيْءٍ ①

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں
 ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان دو۔^(۱) دراصل ان
 کے ایمان کو بخوبی جاننے والا تو اللہ ہی ہے لیکن اگر وہ
 تمہیں ایمان والیاں معلوم ہوں^(۲) تو اب تم انہیں کافروں
 کی طرف واپس نہ کرو، یہ ان کے لیے حلال نہیں اور نہ
 وہ ان کے لیے حلال ہیں،^(۳) اور جو خرچ ان کافروں کا
 ہوا ہو وہ انہیں ادا کرو،^(۴) ان عورتوں کو ان کے مہر
 دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گنہہ نہیں^(۵)

(۱) معاہدہ حدیبیہ میں ایک شق یہ تھی کہ مکے سے کوئی مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا تو اس کو واپس کرنا پڑے گا۔ لیکن
 اس میں مرد و عورت کی صراحت نہیں تھی۔ بظاہر ”کوئی“ (أَحَدٌ) میں دونوں ہی شامل تھے۔ چنانچہ بعد میں بعض عورتیں
 مکے سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے پاس چلی گئیں تو کفار نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا جس پر اللہ نے اس آیت میں
 مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی اور یہ حکم دیا۔ امتحان لینے کا مطلب ہے اس امر کی تحقیق کرو کہ ہجرت کر کے آنے والی
 عورت جو ایمان کا اظہار کر رہی ہے، اپنے کافر خاوند سے ناراض ہو کر یا کسی مسلمان کے عشق میں یا کسی اور غرض سے تو
 نہیں آئی ہے اور صرف یہاں پناہ لینے کی خاطر ایمان کا دعویٰ کر رہی ہے۔

(۲) یعنی تم اپنی تحقیق سے اس نتیجے پر پہنچو اور تمہیں گمان غالب حاصل ہو جائے کہ یہ واقعی مومنہ ہیں۔

(۳) یہ انہیں ان کے کافر خاوندوں کے پاس واپس نہ کرنے کی علت ہے کہ اب کوئی مومن عورت کسی کافر کے لیے حلال
 نہیں۔ جیسا کہ ابتدائے اسلام میں یہ جائز تھا چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص
 ابن ربیع کے ساتھ ہوا تھا جب کہ وہ مسلمان نہیں تھے۔ لیکن اس آیت نے آئندہ کے لیے ایسا کرنے سے منع کر دیا اسی لیے
 یہاں فرمایا گیا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں، اس لیے انہیں کافروں کے پاس مت لوٹاؤ۔ ہاں اگر شوہر بھی مسلمان ہو
 جائے تو پھر ان کا نکاح برقرار رہ سکتا ہے۔ چاہے خاوند عورت کے بعد ہجرت کر کے آئے۔

(۴) یعنی ان کے کافر خاوندوں نے ان کو جو مہر ادا کیا ہے وہ تم انہیں ادا کرو

(۵) یہ مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ یہ عورتیں جو ایمان کی خاطر اپنے کافر خاوندوں کو چھوڑ کر تمہارے پاس آگئی ہیں تم
 ان سے نکاح کر سکتے ہو بشرطیکہ ان کا حق مہر تم ادا کرو۔ تاہم یہ نکاح مسنون طریقے سے ہی ہو گا یعنی ایک تو انقضائے
 عدت (استبراء رتم) کے بعد ہو گا۔ دوسرے اس میں ولی کی اجازت اور دو عادل گواہوں کی موجودگی بھی ضروری ہے۔
 البتہ عورت مدخل بمانہیں ہے تو پھر بلا عدت فوری نکاح جائز ہے۔

اور کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضہ میں نہ رکھو^(۱) اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو،^(۲) مانگ لو اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو^(۳) وہ بھی مانگ لیں یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو تمہارے درمیان کر رہا ہے۔^(۴) اللہ تعالیٰ بڑے علم (اور) حکمت والا ہے۔ (۱۰)

اور اگر تمہاری کوئی بیوی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور کافروں کے پاس چلی جائے پھر تمہیں اس کے بدلے کا وقت مل جائے^(۵) تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں انہیں ان کے اخراجات کے برابر ادا کر دو، اور اس اللہ تعالیٰ

وَلَنْ قَاتِلَكُمْ مِّنْ دِينِ آؤْاِجْكُمْ اِلَى الْكُفْرِ فَعَاثِبْتُمْ فَانْقُوا
الَّذِينَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَا اَنْفَقُوا وَاَنْقُوا لِلّٰهِ الَّذِیْ
اَنْتُمْ بِہِ مُؤْمِنُونَ ⑩

(۱) عِصْمٌ عِصْمَةُ کی جمع ہے، یہاں اس سے مراد عصمت عقد نکاح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند مسلمان ہو جائے اور بیوی بدستور کافر اور مشرک رہے تو ایسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ اسے فوراً طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اس حکم کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو اور حضرت طلحہ ابن عبید اللہؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ (ابن کثیر) البتہ اگر بیوی کتابیہ (یسودی یا عیسائی) ہو تو اسے طلاق دینا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ ان سے نکاح جائز ہے، اس لیے اگر وہ پہلے سے ہی بیوی کی حیثیت سے تمہارے پاس موجود ہے تو قبول اسلام کے بعد اسے علیحدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) یعنی ان عورتوں پر جو کفر پر برقرار رہنے کی وجہ سے کافروں کے پاس چلی گئی ہیں۔

(۳) یعنی ان عورتوں پر جو مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینے آ گئی ہیں۔

(۴) یعنی یہ حکم مذکور کہ دونوں ایک دوسرے کو حق مہر ادا کریں بلکہ مانگ کر لیں، اللہ کا حکم ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس دور کے ساتھ ہی خاص تھا۔ اس پر مسلمانوں کا جماع ہے۔ (فتح القدیر) اس کی وجہ وہ معاہدہ ہے جو اس وقت فریقین کے درمیان تھا۔ اس قسم کے معاہدے کی صورت میں آئندہ بھی اس پر عمل کرنا ضروری ہو گا۔ بصورت دیگر نہیں۔

(۵) فَعَاثِبْتُمْ (پس تم سزا دو یا بدلہ لو) کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ مسلمان ہو کر آنے والی عورتوں کے حق مہر جو تمہیں ان کے کافر شوہروں کو ادا کرنے تھے وہ تم ان مسلمانوں کو دے دو، جن کی عورتیں کافر ہونے کی وجہ سے کافروں کے پاس چلی گئی ہیں۔ اور انہوں نے مسلمانوں کو مہر ادا نہیں کیا۔ (یعنی یہ بھی سزا کی ایک صورت ہے) دو سرا مفہوم یہ ہے کہ تم کافروں سے جہاد کرو اور جو مال غنیمت حاصل ہو، اس میں تقسیم سے پہلے ان مسلمانوں کو جن کی بیویاں دارا کفر چلی گئی ہیں ان کے خرچ کے بقدر ادا کر دو۔ گویا مال غنیمت سے مسلمانوں کے نقصان کا جبر (ازالہ) یہ بھی سزا ہے (ایسر النقاہ) اور ان کثیرا اگر مال غنیمت سے بھی ازالہ کی صورت نہ ہو تو بیت المال سے تعاون کیا جائے۔ (ایسر النقاہ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا سُبُلَكُمْ عَلَىٰ أَنْ لَا تَنفِرُوا
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا سُبُلَكُمْ وَلَا تَنفِرُوا وَلَا تَنفِرُوا
وَلَا يَأْتِيَنَّكُمْ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ بَيْنَ يَدَيْهِمْ وَأَرْسُلُهُمْ
وَلَا يَتَّبِعُونَكُمْ فِي مَعْرُوفٍ مَّا يَعْلَمُونَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ اللَّهُ إِنَّ
اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ①

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا سُبُلَكُمْ عَلَىٰ أَنْ لَا تَنفِرُوا
قَدْ يَسْأَلُونَ مِنَ الْأَعْرَافِ كَمَا يَسْأَلُونَ الْكُفَّارِينَ أَغْضِبَ

سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ (۱۱)

اے پیغمبر! جب مسلمان عورتیں آپ سے ان باتوں پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا کاری نہ کریں گی، اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں گی اور کوئی ایسا بہتان نہ باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھوں پیروں کے سامنے گھڑیں اور کسی نیک کام میں تیری بے حکمی نہ کریں گی تو آپ ان سے بیعت کر لیا کریں،^(۱) اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے اور معاف کرنے والا ہے۔ (۱۲)

اے مسلمانو! تم اس قوم سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے^(۲) جو آخرت سے اس طرح مایوس

(۱) یہ بیعت اس وقت لیتے جب عورتیں ہجرت کر کے آئیں، جیسا کہ صحیح بخاری تفسیر سورہ متحہ میں ہے۔ علاوہ ازیں فتح مکہ والے دن بھی آپ ﷺ نے قریش کی عورتوں سے بیعت لی۔ بیعت لیتے وقت آپ ﷺ صرف زبان سے عہد لیتے۔ کسی عورت کے ہاتھ کو آپ ﷺ نہیں چھوتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”اللہ کی قسم بیعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ بیعت کرتے وقت آپ ﷺ صرف یہ فرماتے کہ میں نے ان باتوں پر تجھ سے بیعت لے لی۔“ (اصحیح البخاری، تفسیر سورة المتحہ) بیعت میں آپ ﷺ یہ عہد بھی عورتوں سے لیتے تھے کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی اگر بیان چاک نہیں کریں گی، سر کے بال نہیں نوچیں گی اور جاہلیت کی طرح بین نہیں کریں گی۔ اصحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما اس بیعت میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کا ذکر نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ارکان دین اور شعائر اسلام ہونے کے اعتبار سے محتاج وضاحت نہیں۔ آپ ﷺ نے بطور خاص ان چیزوں کی بیعت لی جن کا عام ارتکاب عورتوں سے ہوتا تھا، تاکہ وہ ارکان دین کی پابندی کے ساتھ ان چیزوں سے بھی اجتناب کریں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علاوہ دعا اور وعظین حضرات اپنا زور خطابت ارکان دین کے بیان کرنے میں ہی صرف نہ کریں جو پہلے ہی واضح ہیں، بلکہ ان خرابیوں اور رسموں کی بھی پر زور انداز میں تردید کیا کریں جو معاشرے میں عام ہیں اور نماز روزے کے پابند حضرات بھی ان سے اجتناب نہیں کرتے۔

(۲) اس سے بعض نے یہود، بعض نے منافقین اور بعض نے تمام کافر مراد لے لیے ہیں۔ یہ آخری قول ہی زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اس میں یہود و منافقین بھی آجاتے ہیں، علاوہ ازیں سارے کفار ہی غضب الہی کے مستحق ہیں، اس لیے مطلب یہ ہو گا کہ کسی بھی کافر سے دوستانہ تعلق مت رکھو، جیسا کہ یہ مضمون قرآن میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔

الْقُبُورِ ۝

ہو چکے ہیں جیسے کہ مردہ اہل قبر سے کافر ناامید ہیں۔^(۱) (۱۳)سورہ صف مدنی ہے اور اس میں چودہ آیتیں اور
دو رکوع ہیں۔

سُورَةُ الصَّفِّ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

سُبْحَهِ يَوْمَئِذٍ الْغَايَةِ وَنَافِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے
اور وہی غالب حکمت والا ہے۔^(۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝

اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے
نہیں۔^(۲)

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝

تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو سخت
ناپسند ہے۔^(۳)

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ مَقَاتًا كَأَنَّهُمْ

بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی

(۱) آخرت سے مایوس ہونے کا مطلب 'قیامت کے برپا ہونے سے انکار ہے۔' اصحاب القبور (قبروں میں مدفون لوگوں) سے مایوس ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ آخرت میں دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ ایک دوسرے معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں کہ قبروں میں مدفون کافر ہر قسم کی خیر سے مایوس ہو گئے۔ کیونکہ مکرر انہوں نے اپنے کفر کا انجام دیکھ لیا، اب وہ خیر کی کیا توقع کر سکتے ہیں؟ (ابن جریر طبری)

۵۶ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں بیٹھے کہہ رہے تھے کہ اللہ کو جو سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے چاہئیں تاکہ ان پر عمل کیا جاسکے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر پوچھنے کی جرأت کوئی نہیں کر رہا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمادی 'مسند احمد ۵/۵۲۷' و 'سنن الترمذی تفسیر سورہ الصف'

(۲) یہاں نہ اگرچہ عام ہے لیکن اصل خطاب ان مومنوں سے ہے جو کہہ رہے تھے کہ ہمیں 'أَحَبُّ الْأَعْمَالِ' کا علم ہو جائے تو ہم انہیں کریں، لیکن جب انہیں بعض پسندیدہ عمل بتلائے گئے تو ست ہو گئے۔ اس لیے ایسے لوگوں کو توحیح کی جا رہی ہے کہ خیر کی جو باتیں کہتے ہو کرتے کیوں نہیں ہو، جو بات منہ سے نکالتے ہو اسے پورا کیوں نہیں کرتے؟ جو زبان سے کہتے ہو اس کی پاسداری کیوں نہیں کرتے؟

(۳) یہ اسی کی مزید تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر سخت ناراض ہوتا ہے۔

بَنِيَّانَ مَرْصُوحَ ⑤

وَلَقَدْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ لِمَ تَقُولُونَ لِآلِي رَسُولِ اللَّهِ الْأَيَّكُمُ الْمَلِئِكَةُ مَلَأْنَا أَرْوَاحَهُمُ اللَّهُ فُلُوهُمْ وَاللَّهُ لَا يُغْنِي الْقَوْمَ الْمَظْهَرِينَ ⑥

وَلَقَدْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ بَنِي إِسْرَآءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمُ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَ فَرِيقًا لِّبَنِي إِسْرَآءِيلَ قَالَ ⑦

راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا وہ سیمہ پڑائی ہوئی عمارت ہیں۔^(۱) (۳)

اور (یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے کیوں ستا رہے ہو حالانکہ تمہیں (بخوبی) معلوم ہے کہ میں تمہاری جانب اللہ کا رسول ہوں^(۲) پس جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے انکے دلوں کو (اور) ٹیڑھا کر دیا^(۳) اور اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۵)

اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا اے (میری قوم) بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں^(۴) اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوشخبری

(۱) یہ جہاد کا ایک انتہائی نیک عمل بتلایا گیا جو اللہ کو بہت محبوب ہے۔

(۲) یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے چچ رسول ہیں بنی اسرائیل انہیں اپنی زبان سے ایذا پہنچاتے تھے حتیٰ کہ بعض جسمانی میوب ان کی طرف منسوب کرتے تھے حالانکہ وہ بیماری ان کے اندر نہیں تھی۔

(۳) یعنی علم کے باوجود حق سے اعراض کیا اور حق کے مقابلے میں باطل کو خیر کے مقابلے میں شر کو اور ایمان کے مقابلے میں کفر کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا کے طور پر ان کے دلوں کو مستقل طور پر ہدایت سے پھیر دیا۔ کیونکہ یہی سنت اللہ چلی آ رہی ہے۔ کفر و ضلالت پر دوام و استراحت دینی دلوں پر مرتلگے کا باعث ہوتا ہے پھر فسق کفر اور ظلم اس کی طبیعت اور عادت بن جاتی ہے جس کو کوئی بدلنے پر قادر نہیں ہے۔ اسی لیے آگے فرمایا اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو اپنی سنت کے مطابق گمراہ کیا ہوتا ہے اب کون اسے ہدایت دے سکتا ہے جسے اس طریقے سے اللہ نے گمراہ کیا ہو؟

(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس لیے بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل نے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی اسی طرح انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی انکار کیا اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ یہود آپ ﷺ ہی کے ساتھ اس طرح نہیں کر رہے ہیں بلکہ ان کی تو ساری تاریخ ہی انبیاء علیہم السلام کی تکذیب سے بھری پڑی ہے۔ تورات کی تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ میں جو دعوت دے رہا ہوں وہ وہی ہے جو تورات کی بھی دعوت ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ جو پیغمبر مجھ سے پہلے تورات لے کر آئے اور اب میں انجیل لے کر آیا ہوں ہم دونوں کا اصل ماخذ ایک ہی ہے۔ اس لیے جس طرح تم موسیٰ و ہارون اور داود و سلیمان علیہم السلام پر ایمان لائے مجھ پر

هَذَا صَعْدُكُمْ ①

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَهُوَ يُدْعَى إِلَى
الْإِسْلَامِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ②يُرِيدُونَ لِيُظْلَمُوا ظِلْمًا أَكْبَرَ وَلِلَّهِ مُلْكُ النَّارِ
وَالْوَكِيلَ ③هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَنُورٍ مُبِينٍ لِيُظْهِرَ عَلَى الْوَرْدِ
كُلِّهِ ذَوَاتِ الْأَشْهُارِ ④

سنانے والا ہوں جن کا نام احمد ہے۔^(۱) پھر جب وہ اس کے پاس کھلی
ولیں لائے تو یہ کہنے لگے 'یہ تو کھلا جادو ہے۔'^(۲)
اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ
(افترا) باندھے^(۳) حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا
ہے^(۴) اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔^(۵)
وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں^(۵)
اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا ہے^(۶) کو کافر
برائیاں۔ (۸)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے
کر بھیجا تاکہ اسے اور تمام مذاہب پر غالب کر دے^(۷)

بھی ایمان دے، اس لیے کہ میں تو رات کی تصدیق کر رہا ہوں نہ کہ اس کی تردید و تکذیب۔

(۱) یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خوش خبری سنائی۔
چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ وَبَشَارَةُ عِيسَى (اِسْمُ التَّسْمِيَةِ) "میں اپنے باپ
ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق ہوں۔" احمد 'یہ فاعل سے اگر مبالغہ کا صیغہ ہو تو معنی
ہوں گے' دوسرے تمام لوگوں سے اللہ کی زیادہ حمد کرنے والا۔ اور اگر یہ مفعول سے ہو تو معنی ہوں گے کہ آپ ﷺ کی
خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے جتنی تعریف آپ ﷺ کی گئی اتنی کسی کی بھی نہیں کی گئی۔ (فتح القدیر)

(۲) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزات کو جادو سے تعبیر کیا جس طرح گزشتہ قومیں بھی اپنے پیغمبروں کو
اسی طرح کہتی رہی ہیں۔ بعض نے اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم لیے ہیں اور قائلوا کافعل کفار مکہ کو بنایا ہے۔

(۳) یعنی اللہ کی اولاد قرار دے 'یا جو جانور اس نے حرام قرار نہیں دیئے' ان کو حرام باور کرائے۔

(۴) جو تمام دینوں میں اشرف اور اعلیٰ ہے اس لیے جو شخص ایسا ہو اس کو کب یہ زہب دیتا ہے کہ وہ کسی پر بھی افترا
گھڑے 'چہ جائیکہ اللہ پر افترا باندھے؟

(۵) نور سے مراد قرآن 'یا اسلام یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا دلائل وبراہین ہیں۔' "منہ سے بجھا دیں" کا مطلب 'وہ طعن و
تشقیق کی باتیں ہیں جو ان کے مومنوں سے نکلتی تھیں۔

(۶) یعنی اس کو آفاق میں پھیلانے والا اور دوسرے تمام دینوں پر غالب کرنے والا ہے۔ دلائل کے لحاظ سے 'یا' وادی غلبے
کے لحاظ سے 'یا' دونوں لحاظ سے۔

(۷) یہ گزشتہ بات ہی کی تائید ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے پھر دہرایا گیا ہے۔

اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں۔^(۹)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت بتا دوں^(۱۰) جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟^(۱۱)

اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم میں علم ہو۔^(۱۲)

اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور تمہیں ان جنتوں میں پہنچائے گا جن کے نیچے نہرس جاری ہوں گی اور صاف ستھرے گھروں میں جو جنت عدن میں ہوں گے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔^(۱۳)

اور تمہیں ایک دوسری (نعت) بھی دے گا جسے تم چاہتے ہو وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح یابی ہے،^(۱۴) ایمان والوں کو خوشخبری دے دو۔^(۱۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَوَّلَكُمْ عَلَىٰ خَارِجٍ تُبْسِكُمْ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ ۖ

تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذَلِكَ خَيْرٌ لِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

يَعْبُورُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلُكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسْكَنٌ كَرِيمٌ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

وَأُخْرَىٰ تَحْتَوِيهَا نِعْمَتٌ مِنَ اللَّهِ وَمَنْعَةٌ قَرِيبٌ وَبُيُوتٌ مُؤَمِّنَاتٌ ۝

(۱) تاہم یہ لاحالہ ہو کر رہے گا۔

(۲) اس عمل (یعنی ایمان اور جہاد) کو تجارت سے تعبیر کیا اس لیے کہ اس میں بھی انہیں تجارت کی طرح ہی نفع ہو گا اور وہ نفع کیا ہے؟ جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات۔ اس سے بڑا نفع اور کیا ہو گا اور وہ نفع کیا ہے؟ اس بات کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآثَرِ الْجَنَّةِ﴾ (التوبة: ۱۱) ”اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کا سودا جنت کے بدلے میں کر لیا ہے۔“

(۳) یعنی جب تم اس کی راہ میں لڑو گے اور اس کے دین کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہیں فتح و نصرت سے نوازے گا۔

﴿إِنْ تَعَاوَدُوا اللَّهَ نَصْرَ عَظِيمٍ وَيَبْقَىٰ ثَوَابُكُمْ﴾ (سورة محمد: ۱۷) ﴿وَلِيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَمَعَظُومٌ عَزِيزٌ﴾

(الحج: ۴۰) آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اسے فتح قریب قرار دیا۔ اور اس سے مراد فتح مکہ ہے اور بعض نے فارس و روم کی عظیم الشان سلطنتوں پر مسلمانوں کے غلبے کو اس کا مصداق قرار دیا ہے جو خلافت راشدہ میں مسلمانوں کو حاصل ہوا۔

(۴) جنت کی بھی مرنے کے بعد اور فتح و نصرت کی بھی دنیا میں بشرطیکہ اہل ایمان ایمان کے تقاضے پورے کرتے رہیں۔

﴿وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ۱۶۰) آگے اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنے دین کی نصرت کی مزید ترغیب دے رہا ہے۔

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ۔^(۱) جس طرح حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ نے حواریوں سے فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنے؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کی راہ میں مددگار ہیں،^(۲) پس بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت تو ایمان لائی اور ایک جماعت نے کفر کیا^(۳) تو ہم نے مومنوں کی انکے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کی پس وہ غالب آگئے۔^(۴) (۱۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ مَنْ أَنْصَارُ اللَّهِ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ نَّبِيِّ إِسْرَآءِيلَ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ ۚ قَالَتْ نَاالَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عِدَّتِهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ﴿١٣﴾

(۱) تمام حالتوں میں 'اپنے اقوال و افعال کے ذریعے سے بھی اور جان و مال کے ذریعے سے بھی۔ جب بھی 'جس وقت بھی اور جس حالت میں بھی تمہیں اللہ اور اس کا رسول اپنے دین کے لیے پکارے تم فوراً ان کی پکار پر لبیک کہو' جس طرح حواریین نے عیسیٰ علیہ السلام کی پکار پر لبیک کہا۔

(۲) یعنی ہم آپ ﷺ کے اس دین کی دعوت و تبلیغ میں مددگار ہیں جس کی نشر و اشاعت کا حکم اللہ نے آپ ﷺ کو دیا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام حج میں فرماتے "کون ہے جو مجھے پناہ دے تاکہ میں لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا سکوں" اس لیے کہ قریش مجھے فریضہ رسالت ادا نہیں کرنے دیتے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کی اس پکار پر مدینے کے اوس اور خزرج نے لبیک کہا 'آپ ﷺ کے ہاتھ پر انہوں نے بیعت کی اور آپ ﷺ کی مدد کا وعدہ کیا۔ نیز آپ ﷺ کو یہ پیشکش کی کہ اگر آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آجائیں تو آپ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری ہم قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وعدے کے مطابق انہوں نے آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے تمام ساتھیوں کی پوری مدد کی۔ حتیٰ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کا نام ہی "انصار" رکھ دیا اور اب یہ ان کا علم بن گیا۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ (ابن کثیر)

(۳) یہ یہود تھے جنہوں نے نبوت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا انکار نہیں کیا بلکہ ان پر اور ان کی ماں پر بہتان تراشی کی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اختلاف و تفرق اس وقت ہوا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا۔ ایک نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ہی زمین پر ظہور فرمایا تھا اب وہ پھر آسمان پر چلا گیا ہے یہ فرقہ یعقوبیہ کہتا ہے۔ نسوریہ فرقے نے کہا کہ وہ ابن اللہ تھے 'پاپ نے بیٹے کو آسمان پر بلا لیا ہے۔ تیسرے فرقے نے کہا وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے یہی فرقہ صحیح تھا۔

(۴) یعنی نبی ﷺ کو مبعوث فرما کر ہم نے اسی آخری جماعت کی دوسرے باطل گروہوں کے مقابلے میں مدد کی چنانچہ یہ صحیح عقیدے کی حامل جماعت نبی ﷺ پر بھی ایمان لے آئی اور یوں ہم نے ان کو دلائل کے لحاظ سے بھی سب کافروں پر غلبہ عطا فرمایا اور قوت و سلطنت کے اعتبار سے بھی۔ اس غلبے کا آخری ظہور اس وقت پھر ہو گا جب قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول ہو گا جیسا کہ اس نزول اور غلبے کی صراحت احادیث صحیحہ میں تو اتر کے ساتھ منقول ہے۔

سُورَةُ الْجُمُعَةِ

سورۃ جمعہ عتی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں اور
دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمایت رحم والا ہے۔

يُصَوِّرُ لَهُ تِلْكَ السَّمُوتِ وَكَانَ الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ
الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ①

(ساری چیزیں) جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ تعالیٰ کی
پاک بیان کرتی ہیں (جو) بادشاہ نمایت پاک (ہے) غالب و
ہاکمت ہے۔ (۱)

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِينَ رُسُلًا فَهُمْ يَكْفُرُونَ أُولَئِكَ هُمْ
وَعَلَيْهِمْ الْكِتَابُ وَالْحِسَابُ ②

وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں^(۱) میں ان ہی میں سے
ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنانا ہے
اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا
ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (۲)

وَأَخْرَجَ مِنْهُمْ لِقَاءَ إِخْوَاهُمْ وَهُوَ الْغَوِيُّ الْخَالِفُ ③

اور دوسروں کے لیے بھی انہی میں سے جو اب تک ان
سے نہیں ملے۔ اور وہی غالب ہاکمت ہے۔ (۳)

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورۃ جمعہ اور منافقون پڑھا کرتے تھے 'اصحیح مسلم' کتاب الجمعة
باب ما یقرأ فی صلوٰۃ الجمعة، تاہم ان کا جمعہ کی رات کو عشا کی نماز میں پڑھنا صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ البتہ ایک
ضعیف روایت میں ایسا آتا ہے۔ السان المیران لاس حجر لرحمة سعید بن مسعود بن حرب

(۱) اُمِّیِّیْنَ سے مراد عرب ہیں جن کی اکثریت ان پڑھ تھی۔ ان کے خصوصی ذکر کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کی رسالت
دوسروں کے لیے نہیں تھی، لیکن چونکہ اولین مخاطب وہ تھے اس لیے اللہ کا ان پر یہ زیادہ احسان تھا۔

(۲) یہ اُمِّیِّیِّیْنَ پر عطف ہے یعنی نَعَثَ فِیْ آخَرِیْنَ مِنْهُمْ آخَرِیْنَ سے فارس اور دیگر غیر عرب لوگ ہیں جو قیمت تک
آپ ﷺ پر ایمان لانے والے ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ عرب و عجم کے وہ تمام لوگ ہیں جو عند صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد
قیمت تک ہوں گے چنانچہ اس میں فارس، روم، بصرہ، سوڈان، ترک، مغول، کرد، چینی اور اہل ہند وغیرہ سب آجاتے
ہیں۔ جنی آپ ﷺ کی نبوت سب کے لیے ہے چنانچہ یہ سب ہی آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ اور اسلام لانے کے بعد یہ
بھی مِنْهُمْ کا مصداق یعنی اولین اسلام لانے والے اُمِّیِّیِّیْنَ میں سے ہو گئے کیونکہ تمام مسلمان امت واحدہ ہیں اسی ضمیر کی
وجہ سے بعض کہتے ہیں کہ آخِرِیْنَ سے مراد بعد میں ہونے والے عرب ہیں کیونکہ مِنْهُمْ کی ضمیر کا مرجع اُمِّیِّیِّیْنَ ہیں۔ (فتح القدیر)

یہ اللہ کا فضل ہے ^(۱) جسے چاہے اپنا فضل دے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے۔ (۴)

جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو۔ ^(۲) اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں کی بڑی بری مثال ہے اور اللہ (ایسے) ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۵)

کہہ دیجئے کہ اے یہودیو! اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو دوسرے لوگوں کے سوا ^(۳) تو تم موت کی تمنا کرو ^(۴) اگر تم سچے ہو۔ ^(۵) (۶)

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

مَثَلُ الَّذِينَ خُلُوا الثَّوْرَةَ ثُمَّ كَفَرُوا هُمْ مَثَلُ الْإِنسَارِ حِمْلُ لَسَاوَا بِمَثَلِ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّا أَوْلِيَا بِلَهُ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَتَّعُوا بِالْمَوْتِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

(۱) یہ اشارہ نبوت محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور اس پر ایمان لانے والوں کی طرف بھی۔

(۲) اَشْعَرُوْا سِفْرُوْکِی جمع ہے۔ معنی ہیں بڑی کتاب۔ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو انسان اس کے معنوں میں سفر کرتا ہے۔ اس لیے کتاب کو بھی سفر کہا جاتا ہے (فتح القدیر) یہ بے عمل یہودیوں کی مثال بیان کی گئی ہے کہ جس طرح گدھے کو معصوم نہیں ہوتا کہ اس کی کمر پر جو کتابیں لدی ہوئی ہیں ان میں کیا لکھا ہوا ہے؟ یا اس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں یا کوڑا کرکٹ۔ اسی طرح یہ یہودی ہیں یہ تورات کو تو اٹھائے پھرتے ہیں اس کو پڑھنے اور یاد کرنے کے وعدے بھی کرتے ہیں لیکن اسے سمجھتے ہیں نہ اس کے متفقہ پر عمل کرتے ہیں بلکہ اس میں تاویل و تحریف اور تغیر و تبدل سے کام لیتے ہیں۔ اس لیے یہ حقیقت میں گدھے سے بھی بدتر ہیں کیونکہ گدھا تو پیدائشی طور پر فہم و شعور سے ہی عاری ہوتا ہے جب کہ ان کے اندر فہم و شعور ہے لیکن یہ اسے صحیح طریقے سے استعمال نہیں کرتے۔ اسی لیے آگے فرمایا کہ ان کی بڑی بری مثال ہے۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لَوْلَٰئِكَ لَا تَلْعَنُوْا اَنۡتُمْ اَعۡتَدۡتُمْ لَهَا سَبۡۡۢۙ﴾ (الأعراف: ۱۷۹) ”یہ چوپائے کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔“ یہی مثال مسلمانوں کی اور بالخصوص علما کی ہے جو قرآن پڑھتے ہیں اسے یاد کرتے ہیں اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھتے ہیں لیکن اس کے متفقہ پر عمل نہیں کرتے۔

(۳) جیسے وہ کہا کرتے تھے کہ ”ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں“۔ (المائدہ: ۱۸) اور دعویٰ کرتے تھے کہ ”جنت میں صرف وہی جائے گا جو یہودی یا نصرانی ہو گا“ (البقرہ: ۱۱۱)

(۴) تاکہ تمہیں وہ اعزاز و اکرام حاصل ہو جو تمہارے زعم کے مطابق تمہارے لیے ہونا چاہیے۔

(۵) اس لیے کہ جس کو یہ علم ہو کہ مرنے کے بعد اس کے لیے جنت ہے وہ تو وہاں جلد پہنچنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ حافظ ابن

یہ کبھی بھی موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو اپنے آگے اپنے ہاتھوں بھیج رکھے ہیں^(۱) اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ (۷)

کہہ دیجئے! کہ جس موت سے تم بھاگتے پھرتے ہو وہ تو تمہیں پہنچ کر رہے گی پھر تم سب چھپے کھلے کے جانے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور وہ تمہیں تمہارے کیے ہوئے تمام کام بتا دے گا۔ (۸)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔^(۲) یہ تمہارے حق میں بہت ہی

وَلَا يَمَيِّتُونَ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلِّيِّهِ الْعَلِيِّ وَالشَّهَادَةِ وَلَيُنَبِّئَنَّكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

کثیر نے اس کی تفسیر دعوت مباہلہ سے کی ہے۔ یعنی اس میں ان سے کہا گیا ہے کہ اگر تم نبوت محمدیہ کے انکار اور اپنے دعوائے وریت و محبوبیت میں سچے ہو تو مسلمانوں کے ساتھ مباہلہ کر لو۔ یعنی مسلمان اور یہودی دونوں مل کر بارگاہ الہی میں دعا کریں کہ یا اللہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے اسے موت سے ہمکنار فرما دے۔ (دیکھئے سورہ بقرہ ۹۳ کا حاشیہ)

(۱) یعنی کفر و معاصی اور کتاب الہی میں تحریف و تغیر کا جو ارتکاب یہ کرتے رہے ہیں ان کے باعث کبھی بھی یہ موت کی آرزو نہیں کریں گے۔

(۲) یہ اذان کس طرح دی جائے اس کے الفاظ کیا ہوں؟ یہ قرآن میں کہیں نہیں ہے۔ البتہ حدیث میں ہے جس سے معلوم ہوا کہ حدیث کے بغیر قرآن کو سمجھنا ممکن ہے نہ اس پر عمل کرنا ہی۔ جمعہ کو جمعہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ ہر چیز کی پیدائش سے فارغ ہو گیا تھا یوں گویا تمام مخلوقات کا اس دن اجتماع ہو گیا یا نماز کے لیے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اس بنا پر کہتے ہیں۔ (فتح القدیر) فَاسْعَوْا کا مطلب یہ نہیں کہ دوڑ کر آؤ بلکہ یہ ہے کہ اذان کے فوراً بعد آجود اور کاروبار بند کر دو۔ کیونکہ نماز کے لیے دوڑ کر آنا ممنوع ہے وقار اور سکینت کے ساتھ آنے کی تاکید کی گئی ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الأذان و صحیح مسلم، کتاب المساجد) بعض حضرات نے دَرُوا النَّبِيَّ (خرید و فروخت چھوڑ دو) سے استدلال کیا ہے کہ جمعہ صرف شہروں میں فرض ہے اہل دیہات پر نہیں۔ کیونکہ کاروبار اور خرید و فروخت شہروں میں ہی ہوتی ہے دیہاتوں میں نہیں۔ حالانکہ اول تو دنیا میں کوئی گاؤں ایسا نہیں جہاں خرید و فروخت اور کاروبار نہ ہوتا ہو اس لیے یہ دعویٰ ہی خلاف واقعہ ہے۔ دوسرا بیچ اور کاروبار سے مطلب دنیا کے مشاغل ہیں وہ جیسے بھی اور جس قسم کے بھی ہوں۔ اذان جمعہ کے

بستر ہے اگر تم جانتے ہو۔ (۹)

پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو^(۱) اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (۱۰)

اور جب کوئی سودا بکنا دیکھیں یا کوئی ترشاً نظر آجائے تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔^(۲) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے پاس جو ہے^(۳) وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے۔^(۴) اور اللہ تعالیٰ بہترین روزی رسل ہے۔^(۵) (۱۱)

وَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۰﴾

وَإِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا فَانْفَضَّتْهَا رَبُّهَا وَنَزَلْنَا بِهَا مَاءً ثَمَلًا ۖ فَسَقَتْ الْأَرْضُ خَيْبًا ۚ فَمِنْ الْخَيْبِ الرِّزْقُ ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ ۙ الرَّزِيقُ ﴿۱۱﴾

بعد انہیں ترک کر دیا جائے۔ کیا اہل دہات کے مشاغل دنیا نہیں ہوتے؟ کیا کھیتی باڑی، کاروبار اور مشاغل دنیا سے مختلف چیز ہے؟

(۱) اس سے مراد کاروبار اور تجارت ہے۔ یعنی نماز جمعہ سے فارغ ہو کر تم پھر اپنے اپنے کاروبار اور دنیا کے مشاغل میں مصروف ہو جاؤ۔ مقصد اس امر کی وضاحت ہے کہ جمعہ کے دن کاروبار بند رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف نماز کے وقت ایسا کرنا ضروری ہے۔

(۲) ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک قافلہ آگیا، لوگوں کو پتہ چلا تو خطبہ چھوڑ کر باہر خرید و فروخت کے لیے چلے گئے کہ کہیں سامان فروخت ختم نہ ہو جائے صرف ۱۲ آدمی مسجد میں رہ گئے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی، اصحیح بخاری، تفسیر سورة الجمعة وصحیح مسلم، کتاب الجمعة باب واداء رؤا وجماعة اولهوا، انفعاض کے معنی ہیں، مائل اور متوجہ ہونا، دوڑ کر منتشر ہو جانا۔ اِلَيْهَا میں ضمیر کا مرجع تجارۃ ہے۔ یہاں صرف ضمیر تجارت پر اکتفا کیا، اس لیے کہ جب تجارت بھی باوجود جائز اور ضروری ہونے کے، دوران خطبہ مذموم ہے تو کھیل وغیرہ کے مذموم ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں قافلہ سے معلوم ہوا کہ خطبہ جمعہ کھڑے ہو کر نہ سنت ہے۔ چنانچہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ کے دو خطبے ہوتے تھے جن کے درمیان آپ ﷺ بیٹھتے تھے، قرآن پڑھتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے۔ اصحیح مسلم، کتاب الجمعة،

(۳) یعنی اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت کی جو عزائے عظیم ہے۔

(۴) جس کی طرف تم دوڑ کر گئے اور مسجد سے نکل گئے اور خطبہ جمعہ کی سماعت بھی نہیں کی۔

(۵) پس اسی سے روزی طلب کرو اور اطاعت کے ذریعے سے اسی کی طرف وسیلہ پکڑو۔ اس کی اطاعت اور اس کی طرف اثابت تحصیل رزق کا بہت بڑا سبب ہے۔

سُورَةُ الْمُنَافِقِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا جَاءَكَ الْمُنْفِقُونَ قَالُوا اشْهَدْ إِنَّكَ لَبِ رَسُولِ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
إِنَّكَ لَبِ رَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنْفِقِينَ لَكَاذِبُونَ ①

إِنْعَدُوا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا حَتَّى تَصْأَدَّ أَعْنَ بَيْتِ اللَّهِ إِنَّمَا
مَسَرَّتْكُمْ كَاذِبَةٌ ②

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطَمَعُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَأَنَّهُمْ لَا يَتَّقُونَ ③

وَلَا ذَرَأَتْهُمُ تُبُحُّكَ أَجْسَامُهُمْ وَلَا يَقُولُوا اسْتَعْمِلُوا فِئْتَهُمْ كَانَهُمْ

سورۃ منافقون مبنی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں اور
دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمات رحم والا ہے۔

تیرے پاس جب منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس
بات کے گواہ ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں^(۱)
اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اس کے رسول ہیں۔^(۲) اور
اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔^(۳)
انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے^(۴) پس اللہ کی
راہ سے رک گئے^(۵) بیشک برا ہے وہ کام جو یہ کر رہے
ہیں۔^(۶)

یہ اس سبب سے ہے کہ یہ ایمان لا کر پھر کافر ہو گئے^(۷) پس
ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔ اب یہ نہیں سمجھتے۔^(۸)
جب آپ انہیں دیکھ لیں تو ان کے جسم آپ کو خوشنما

(۱) منافقین سے مراد عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھی ہیں۔ یہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو
تسمیہں کھا کھا کر کہتے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

(۲) یہ جملہ معترضہ ہے جو مضمون ماقبل کی تاکید کے لیے ہے جس کا اظہار منافقین بطور منافق کے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا یہ تو ویسے ہی زبان سے کہتے ہیں ان کے دل اس یقین سے خالی ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ آپ ﷺ واقعی
اللہ کے رسول ہیں۔

(۳) اس بات میں کہ وہ اس سے آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔ یعنی دل سے گواہی نہیں دیتے صرف زبان
سے دھوکہ دینے کے لیے اظہار کرتے ہیں۔

(۴) یعنی وہ جو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تمہاری طرح مسلمان ہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں
انہوں نے اپنی اس قسم کو ڈھال بنا رکھا ہے اس کے ذریعے سے وہ تم سے بچے رہتے ہیں اور کافروں کی طرح یہ تمہاری
تلواریں کی نو میں نہیں آتے۔

(۵) دو سرا ترجمہ ہے کہ انہوں نے شک و شبہات پیدا کر کے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا۔

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ منافقین بھی صریح کافر ہیں۔

خُذُوا فِئْتَةً مِّنْهُ يَصْنَعُونَ خَلْقًا صَاحِبَهُمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرُوهُمْ
فَإِنَّهُمْ آتِلُ إِلَى يَوْمِ الْوَلَاةِ ۝

معلوم ہوں،^(۱) یہ جب باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی باتوں پر (اپنا) کان لگائیں،^(۲) گویا کہ یہ لکڑیاں ہیں دیوار کے سارے سے لگائی ہوئیں،^(۳) ہر (سخت) آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔^(۴) یہی حقیقی دشمن ہیں ان سے بچو اللہ انہیں عارت کرے کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔^(۵)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا يَكْفُرُوا بِاللَّهِ لَوَدَّاهُمْ وَوَدَّ اللَّهُ لَوْ دَارُوا مَعَهُمْ
وَرَأَيْتَهُمْ يَصْطَلُّونَ وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لیے اللہ کے رسول استغفار کریں تو اپنے سر منکاتے ہیں^(۶) اور آپ دیکھیں گے کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں۔^(۷) ان کے حق میں آپ کا استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے۔^(۸) اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔^(۹) بیشک اللہ تعالیٰ (ایسے) نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔^(۱۰)

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن يَتُوبَ إِلَيْهِمْ
إِنَّ اللَّهَ لَذِي الْغُورِ الْمُبِينِ ۝

یہی وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ

(۱) یعنی ان کے حسن و جمال اور رونق و شادابی کی وجہ سے۔

(۲) یعنی زبان کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے۔

(۳) یعنی اپنی درازائی قد اور حسن و رعنائی، عدم فہم اور قلت خیر میں ایسے ہیں گویا کہ دیوار پر لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں جو دیکھنے والوں کو تو بھلی لگتی ہیں لیکن کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مطلب ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس طرح بیٹھے ہیں جیسے دیوار کے ساتھ لگی ہوئی لکڑیاں ہیں جو کسی بات کو سمجھتی ہیں نہ جانتی ہیں۔ (فتح القدیر)

(۴) یعنی بزدل ایسے ہیں کہ کوئی زوردار آواز سن لیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم پر کوئی آفت نازل ہو گئی ہے۔ یا گھبرا اٹھتے ہیں کہ ہمارے خلاف کسی کارروائی کا آغاز تو نہیں ہو رہا ہے۔ جیسے چور اور خائن کا دل اندر سے دھک دھک کر رہا ہوتا ہے۔

(۵) یعنی استغفار سے اعراض کرتے ہوئے اپنے سروں کو موڑ لیتے ہیں۔

(۶) یعنی کہنے والے کی بات سے منہ موڑ لیں گے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض کریں گے۔

(۷) اپنے نفاق پر اصرار اور کفر پر استمرار کی وجہ سے وہ ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں استغفار اور عدم استغفار ان کے حق میں برابر ہے۔

(۸) اگر اسی حالت نفاق میں وہ مر گئے۔ ہاں اگر وہ زندگی میں کفر و نفاق سے تائب ہو جائیں تو بات اور ہے، پھر ان کی مغفرت ممکن ہے۔

يَنْقُضُوا وَيَلْبِسُوا خَزَائِنَ الْمَمُوتِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنَّ الْمُنْفِقِينَ
لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٠﴾

يَعْلَمُونَ لَكِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لِيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ
وَلِكِنَّ الْعِزَّةَ لِلرَّسُولِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنْفِقِينَ
لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾

ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ ادھر ادھر ہو جائیں^(۱) اور آسمان و زمین کے کل خزانے اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں^(۲) لیکن یہ منافق بے سمجھ ہیں۔^(۳) (۷۱)
یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم اب لوٹ کر مدینہ جائیں گے تو عزت و امان وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا۔^(۴) سنو! عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان داروں کے لیے ہے^(۵) لیکن یہ منافق

(۱) ایک غزوے میں (جسے اہل سیر غزوۃ مریسج یا غزوۃ بنی المصطلق کہتے ہیں) ایک مہاجر اور ایک انصاری کا جھگڑا ہو گیا، دونوں نے اپنی اپنی حمایت کے لیے انصار اور مہاجرین کو پکارا جس پر عبد اللہ بن ابی (منافق) نے انصار سے کہا کہ تم نے مہاجرین کی مدد کی اور ان کو اپنے ساتھ رکھا اب دیکھ لو اس کا نتیجہ سامنے آ رہا ہے یعنی یہ اب تمہارا کھا کر تمہیں پر غرا رہے ہیں۔ ان کا علاج تو یہ ہے کہ ان پر خرچ کرنا بند کر دو، یہ اپنے آپ تڑپ رہے ہو جائیں گے۔ نیز اس نے یہ بھی کہا کہ ہم (جو عزت والے ہیں) ان ذلیلوں (مہاجروں) کو مدینے سے نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقمؓ نے یہ کلمت خبیثہ سن لیے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر بتلایا آپ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ جس پر حضرت زید بن ارقمؓ کو سخت ملال ہوا اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن ارقمؓ کی صداقت کے اظہار کے لیے سورۃ منافقون نازل فرمادی جس میں ابن ابی کے کردار کو پوری طرح طشت ازبام کر دیا گیا۔
(اصحیح البخاری، تفسیر سورۃ المنافقون)

(۲) مطلب یہ ہے کہ مہاجرین کا رازق اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ رزق کے خزانے اسی کے پاس ہیں، وہ جس کو جتنا چاہے دے اور جس سے چاہے روک لے۔

(۳) منافق اس حقیقت کو نہیں جانتے اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ انصار اگر مہاجرین کی طرف دست تعاون دراز نہ کریں تو وہ بھوکے مر جائیں گے۔

(۴) اس کا کہنے والا رکیس المنافقین عبد اللہ بن ابی تھا عزت والے سے اس کی مراد تھی وہ خود اور اس کے رفقاء اور ذلت والے سے (نحوذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان۔

(۵) یعنی عزت اور غلبہ صرف ایک اللہ کے لیے ہے اور پھر وہ اپنی طرف سے جس کو چاہے عزت و غلبہ عطا فرما دے۔ چنانچہ وہ اپنے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو عزت اور سرفرازیاں عطا فرماتا ہے نہ کہ ان کو جو اس کے نافرمان ہوں۔ یہ منافقین کے قول کی تردید فرمائی کہ عزتوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور معزز بھی وہی ہے جسے وہ معزز سمجھے نہ کہ وہ جو اپنے آپ کو معزز یا اہل دنیا جس کو معزز سمجھیں اور اللہ کے ہاں معزز صرف اور صرف اہل ایمان ہوں گے۔

جانتے نہیں۔^(۸)

اے مسلمانو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔^(۹) اور جو ایسا کریں وہ بڑے ہی زیاں کار لوگ ہیں۔^(۱۰)

اور جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے (تمہاری راہ میں) اس سے پہلے خرچ کرو^(۱۱) کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو کہنے لگے اے میرے پروردگار! مجھے تو تھوڑی دیر کی مہلت کیوں نہیں^(۱۲) دیتا؟ کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں۔^(۱۳)

اور جب کسی کا مقررہ وقت آجاتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بخوبی باخبر ہے۔^(۱۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ
وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ①

وَأَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقْتُ
وَأَكُن مِنَ الصَّالِحِينَ ②

وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ
بِمَا تَعْمَلُونَ ③

کافر اور اہل نفاق نہیں۔

(۱) اس لیے ایسے کام نہیں کرتے جو ان کے لیے مفید ہیں اور ان چیزوں سے نہیں بچتے جو ان کے لیے نقصان دہ ہیں۔

(۲) یعنی ماں اور اوراد کی محبت تم پر اتنی غالب نہ آجائے کہ تم اللہ کے بتلائے ہوئے احکام و فرائض سے غافل ہو جاؤ اور اللہ کی قائم کردہ حلال و حرام کی حدوں کی پروا نہ کرو۔ منافقین کے ذکر کے فوراً بعد اس حنبیہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ منافقین کا کردار ہے جو انسان کو خسارے میں ڈالنے والا ہے۔ اہل ایمان کا کردار اس کے برعکس ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کو یاد رکھتے ہیں، یعنی اس کے احکام و فرائض کی پابندی اور حلال و حرام کے درمیان تمیز کرتے ہیں

(۳) خرچ کرنے سے مراد زکوٰۃ کی ادائیگی اور دیگر امور خیر میں خرچ کرنا ہے۔

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اور انفاق فی سبیل اللہ میں اور اسی طرح اگر حج کی استطاعت ہو تو اس کی ادائیگی میں قطعاً تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ موت کا کوئی پتہ نہیں کس وقت آجائے؟ اور یہ فرائض اس کے ذمے رہ جائیں کیونکہ موت کے وقت آرزو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

سُورَةُ النَّجْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَسْجُدُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لَهٗ السُّلْکُ وَلَهٗ
الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ①

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ مِّنْکُمْ مُّؤْمِنٌ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ②

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوْرَکُمْ
وَالِیْهِ الْمَصِیْرُ ③

سورہ نقاب مٹی ہے اور اس میں اٹھارہ آیتیں اور
دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمائت رحم والا ہے۔

(تمام چیزیں) جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی پاکی
بیان کرتی ہیں ^(۱) اسی کی سلطنت ہے اور اسی کی تعریف
ہے ^(۲) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ^(۱)

اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے سو تم میں سے بعضے تو کافر ہیں
اور بعض ایمان والے ہیں اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ
تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے۔ ^(۳)

اسی نے آسمانوں کو اور زمین کو عدل و حکمت سے پیدا
کیا ^(۴) اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی

(۱) یعنی آسمان و زمین کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہر نقص و عیب سے تنزیہ و تقدیس بیان کرتی ہے۔ زبان حال سے بھی اور
زبان مقال سے بھی۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔

(۲) یعنی یہ دونوں خوبیوں بھی اسی کے ساتھ خاص ہیں۔ اگر کسی کو کوئی اختیار حاصل ہے تو وہ اسی کا عطا کردہ ہے
جو عارضی ہے کسی کے پاس کچھ حسن و کمال ہے تو اسی مبداء فیض کی کرم مستری کا نتیجہ ہے اس لیے اصل تعریف کا
سستی بھی صرف وہی ہے۔

(۳) یعنی انسان کے لیے خیر و شر، نیکی اور بدی اور کفر و ایمان کے راستوں کی وضاحت کے بعد اللہ نے انسان کو ارادہ و
اختیار کی جو آزادی دی ہے۔ اس کی رو سے کسی نے کفر کا اور کسی نے ایمان کا راستہ اپنایا ہے اس نے کسی پر جبر نہیں
کیا۔ اگر وہ جبر کرتا تو کوئی شخص بھی کفر و معصیت کا راستہ اختیار کرنے پر قادر ہی نہ ہوتا۔ لیکن اس طرح انسان کی
آزمائش ممکن نہیں تھی جب کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت انسان کو آزما تا تھا۔ ﴿الَّذِیْ خَلَقَ لِمَوْتٍ وَ الْحَیٰوۃِ لَیَبْلُوْکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ
عَمَلًا﴾ (سورۃ المائدہ ۴) بنا بریں جس طرح کافر کا خالق اللہ ہے کفر کا خالق بھی اللہ ہے لیکن یہ کفر اس کافر کا
عمل و کسب ہے جس نے اسے اپنے ارادے سے اختیار کیا ہے۔ اسی طرح مومن اور ایمان کا خالق بھی اللہ ہے لیکن
ایمان اس مومن کا کسب و عمل ہے جس نے اسے اختیار کیا ہے اور اس کسب و عمل پر دونوں کو ان کے عملوں کے
مطابق جزا ملے گی کیونکہ وہ سب کے عمل دیکھ رہا ہے۔

(۴) اور وہ عدل و حکمت یہی ہے کہ محسن کو اس کے احسان کی اور بدکار کو اس کی بدی کی جزا دے چنانچہ وہ اس عدل کا

بنائیں^(۱) اور اسی کی طرف لوٹا ہے۔^(۲)

وہ آسمان و زمین کی ہر ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور جو کچھ تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو وہ (سب کو) جانتا ہے۔ اللہ تو سینوں کی باتوں تک کو جاننے والا ہے۔^(۳)

کیا تمہارے پاس اس سے پہلے کے کافروں کی خبر نہیں پہنچی؟ جنہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا^(۴) اور جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔^(۵)

یہ اس لیے^(۶) کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے کہہ دیا کہ کیا انسان ہماری رہنمائی کرے گا؟^(۷) پس انکار کر دیا^(۸) اور منہ

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُؤْتُونَ
وَمَا تَكْتُمُونَ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ فَذُاقُوا وَبَالَ أَعْمَلِهِمْ
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا
أَسْمُرُكُمُوسْتَغْنَىٰ وَتَوَكَّلُوا وَاسْتَعْتَفَىٰ اللَّهُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ
حَمِيدٌ ۝

کمال اہتمام قیامت والے دن فرمائے گا۔

(۱) تمہاری شکل و صورت، قد و قامت اور خدوخال نہایت خوب صورت بنائے، جس سے اللہ کی دوسری مخلوق محروم ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا خَلَقَكَ بِرَبِّكَ الْكَوْنِيبِ ۝ الْكَوْنِيبِ خَلَقَكَ فَسَوَّكَ فَنَسَبَكَ فَجَدَبَكَ ۝ بِنِإِي صَوَّرَكَ ثُمَّ شَاءَ أَنْ يَكُونَ ۝ أَسَدُودَ الْأَسْفَارِ ۝﴾ (سورۃ المؤمن ۶۳)

(۲) کسی اور کی طرف نہیں کہ اللہ کے محاسبے اور مؤاخذے سے بچاؤ ہو جائے۔

(۳) یعنی اس کا علم کائنات ارضی و سماوی سب پر محیط ہے بلکہ تمہارے سینوں کے رازوں تک سے وہ واقف ہے۔ اس سے قبل جو وعدے اور وعیدیں بیان ہوئی ہیں، یہ ان کی تاکید ہے۔

(۴) یہ اہل مکہ سے بالخصوص اور کفار عرب سے بالعموم خطاب ہے۔ اور ما قبل کافروں سے مراد قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ ہیں۔ جنہیں ان کے کفر و معصیت کی وجہ سے دنیا میں عذاب سے دوچار کر کے تباہ و برباد کر دیا گیا۔

(۵) یعنی دنیوی عذاب کے علاوہ آخرت میں۔

(۶) ذَٰلِكَ، یہ اشارہ ہے اس عذاب کی طرف جو دنیا میں انہیں ملا اور آخرت میں بھی انہیں ملے گا۔

(۷) یہ ان کے کفر کی علت ہے کہ انہوں نے یہ کفر جو ان کے عذاب داریں کا باعث بنا، اس سے اختیار کیا کہ انہوں نے ایک بشر کو اپنا باری ماننے سے انکار کر دیا یعنی ایک انسان کا رسول بن کر لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے آنا، ان کے لیے ناقابل قبول تھا جیسا کہ آج بھی اہل بدعت کے لیے رسول کو بشر ماننا نہایت گراں ہے ہَذَا هُمْ اللَّهُ تَعَالَىٰ۔

(۸) چنانچہ اس بنا پر انہوں نے رسولوں کو رسول ماننے سے اور ان پر ایمان لانے سے انکار کر دیا

پھیر^(۱) لیا اور اللہ نے بھی بے نیازی کی^(۲) اور اللہ تو ہے
عیست بے نیاز^(۳) سب خوبیوں والا۔^(۴)

ان کافروں نے خیال کیا ہے کہ دوبارہ زندہ نہ کیے جائیں
گے۔^(۵) آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں اللہ کی قسم! تم
ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے^(۶) پھر جو تم نے کیا ہے اس
کی خبر دیئے جاؤ گے^(۷) اور اللہ پر یہ بالکل ہی آسان
ہے۔^(۸)

سو تم اللہ پر اور اس کے رسول پر^(۹) اور اس نور پر جسے

زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ كُنْ يُبْعَثُونَ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي
لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتَأْتِيَنَّكُمْ رِسَالُكُمْ فَذِلَّكَ
عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ①

قَالُوا يَا اللَّهُ ذَرْنُوهُ وَرَسُولَهُ أِنَّا نَشْرِكُ بِاللَّهِ

(۱) یعنی ان سے اعراض کیا اور جو دعوت وہ پیش کرتے تھے اس پر انہوں نے غور و تدبیر ہی نہیں کیا۔

(۲) یعنی ان کے ایمان اور ان کی عبادت سے۔

(۳) اس کو کسی کی عبادت سے کیا فائدہ اور اس کی عبادت سے انکار کرنے سے کیا نقصان؟

(۴) یا محمود ہے (تحریف کیا گیا) تمام مخلوقات کی طرف سے۔ یعنی ہر مخلوق زبان حال و قال سے اس کی حمد و تعریف میں
رطب اللسان ہے۔

(۵) یعنی یہ عقیدہ کہ قیامت والے دن دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے، یہ کافروں کا محض گمان ہے، جس کی پشت پر
دلیل کوئی نہیں۔ زعم کا اطلاق کذب پر بھی ہوتا ہے۔

(۶) قرآن مجید میں تین مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے رب کی قسم کھا کر یہ اعلان کرے کہ
اللہ تعالیٰ ضرور دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ ان میں سے ایک یہ مقام ہے اس سے قبل ایک مقام سورہ یونس، آیت ۵۳، اور
دوسرا مقام سورہ سبأ، آیت ۳ ہے۔

(۷) یہ وقوع قیامت کی حکمت ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو کیوں دوبارہ زندہ کرے گا؟ اس لیے کہ وہاں ہر
ایک کو اس کے عمل کی پوری جزا دی جائے۔ کیونکہ دنیا میں ہم دیکھتے کہ یہ جزا مکمل شکل میں بالعموم نہیں ملتی۔ نیک کون
بد کو۔ اب اگر قیامت والے دن بھی مکمل جزا کا اہتمام نہ ہو تو دنیا ایک کھنڈر کا کھیل اور فعل عبث ہی قرار پائے گی،
جب کہ اللہ کی ذات ایسی باتوں سے مست بلند ہے۔ اس کا تو کوئی فعل عبث نہیں، چہ جائیکہ جن و انس کی تخلیق کو بے
مقصد اور ایک کھیل سمجھ لیا جائے۔ تَعَالَى اللَّهُ عَنِ ذَلِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا۔

(۸) یہ دوبارہ زندگی انسانوں کو کتنی ہی مشکل یا مستبعد نظر آتی ہو، لیکن اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔

(۹) قَامِسُوا میں فاصیحہ ہے جو شرط مقدر پر دلالت کرتی ہے۔ اِنِّیْ اِذَا خَانَ الْاَمْرُ هَكَذَا فَصَدِّقُوا بِاللَّهِ یعنی جب
معادہ اس طرح ہے جو بیان ہوا تو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اس کی تصدیق کرو

بِمَا تَعْمَلُونَ خَيْرٌ ①

يَوْمَ تَجْعَلُ لِكُلِّ أُمَّةٍ يَوْمَهُمُ ثُلُثًا مِّنْ يَوْمِ النَّارِ ۚ وَمَنْ يُوَفِّيَنَّ اللَّهُ رَجُلًا مِّنْ دُونِ ذَلِكَ يَعْجَلْ فِي عَذَابِهِ ۚ وَمَنْ يَعْجَلْ فِي عَذَابِهِ يَعْجَلْ فِي عَذَابِهِ ۚ وَمَنْ يَعْجَلْ فِي عَذَابِهِ يَعْجَلْ فِي عَذَابِهِ ②

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا مُخَلَّدُونَ ③

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ

ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ^(۱) اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل پر باخبر ہے۔ (۸)

جس دن تم سب کو اس جمع ہونے کے دن^(۲) جمع کرے گا وہی دن ہے ہر جیت کا^(۳) اور جو شخص اللہ پر ایمان لا کر نیک عمل کرے اللہ اس سے اس کی برائیاں دور کر دے گا اور اسے جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ (۹)

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی (سب) جہنمی ہیں (جو) جہنم میں ہمیشہ رہیں گے وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ (۱۰)

کوئی معصیت اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں پہنچ سکتی،^(۴)

(۱) آپ ﷺ کے ساتھ نازل ہونے والا یہ نور قرآن مجید ہے جس سے گمراہی کی تاریکیاں چھٹی ہیں اور ایمان کی روشنی پھیلتی ہے۔

(۲) قیامت کو یوم الجمع اس لیے کہا کہ اس دن اول و آخر سب ایک ہی میدان میں جمع ہوں گے۔ فرشتہ پکارے گا تو سب اس کی آواز سنیں گے ہر ایک کی نگاہ آخر تک پہنچ جائے گی کیونکہ درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہوگی۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ذَٰلِكَ يَوْمُ تَفْجَرُ ۚ أَلِفُ أَلْفٍ نَّاسٍ وَذَٰلِكَ يَوْمُ تَفْجَرُ ۚ﴾ (ہود: ۱۰۳) ”وہ دن جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے اور وہ دن ہے جس میں سب حاضر کیے جائیں گے۔“ ﴿فَلِإِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَافٍ ۚ﴾ (الواقعة: ۵۰-۵۱)

(۳) یعنی ایک گروہ جیت جائے گا اور ایک ہار جائے گا اہل حق اہل باطن پر ایمان والے اہل کفر پر اور اہل طاعت اہل معصیت پر جیت جائیں گے سب سے بڑی جیت اہل ایمان کو یہ حاصل ہوگی کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں ان گھروں کے بھی وہ مالک بن جائیں گے جو جہنمیوں کے لیے تھے۔ اگر وہ جہنم میں جانے والے کام نہ کرتے۔ اور سب سے بڑی ہار جہنمیوں کے حصے میں آئے گی جو جہنم میں داخل ہوں گے جنہوں نے خیر کو شر سے عمدہ چیز کو ردى سے اور نعمتوں کو عذاب سے بدس لیا۔ نہیں کے معنی نقصان اور خسارے کے بھی ہیں یعنی نقصان کا دن۔ اس دن کافروں کو تو خسارے کا احساس ہو گا ہی۔ اہل ایمان کو بھی اس اعتبار سے خسارے کا احساس ہو گا کہ انہوں نے اور زیادہ نیکیاں کر کے مزید درجات کیوں نہ حاصل کیے۔

(۴) یعنی اس کی تقدیر اور مشیت سے ہی اس کا ظہور ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کے نزول کا سبب کفر کا یہ قوس ہے

يَعْبُدُ قَلْبَهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ①

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا رَسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَلَا تَكُنُوا عَلَى رَسُولِنَا
الْبُحْلَاءُ الْمُنِيفِينَ ②

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَالْأَمْرُ لِلَّهِ فَذَمُّوا كُلَّ الْمُنَافِقِينَ ③

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فَذَرُوا اللَّهَ
فَاحْذَرُوهُمْ فَإِنْ تَعَفَوْا وَلَمْ يَنْصَحُوا وَتَوَلَّوْا فَإِنَّ
اللَّهَ عَمَّا تَتَّبِعُونَ ④

جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے ① اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ ②

(لوگو) اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو۔ پس اگر تم اعراض کرو تو ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ ③

اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہیے۔ ④

اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور بعض بچے تمہارے دشمن ہیں ⑤ پس ان سے ہوشیار رہنا ⑥ اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ ⑦

کہ اگر مسلمان حق پر ہوتے تو دنیا کی مصیبتیں انہیں نہ پہنچتیں۔ (فتح القدیر)

(۱) یعنی وہ جان لیتا ہے کہ اسے جو کچھ پہنچا ہے۔ اللہ کی مشیت اور اس کے حکم سے ہی پہنچا ہے، پس وہ صبر اور رضا بالقضا کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کے دل میں یقین راجح کر دیتا ہے جس سے وہ جان لیتا ہے کہ اس کو پہنچنے والی چیز اس سے چوک نہیں سکتی اور جو اس سے چوک جانے والی ہے وہ اسے پہنچ نہیں سکتی۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی ہمارے رسول کا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا، کیونکہ اس کا کام صرف تبلیغ ہے۔ امام زہری فرماتے ہیں اللہ کا کام رسول بھیجتا ہے رسول کا کام تبلیغ اور لوگوں کا کام تسلیم کرنا ہے۔ (فتح القدیر)

(۳) یعنی تمام معاملات اسی کو سونپیں اسی پر اعتماد کریں اور صرف اسی سے دعا و التجا کریں، کیونکہ اس کے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا ہے ہی نہیں۔

(۴) یعنی جو تمہیں عمل صالح اور اطاعت الہی سے روکیں، سمجھ لو وہ تمہارے خیر خواہ نہیں دشمن ہیں۔

(۵) یعنی ان کے پیچھے نکلنے سے بچو۔ بلکہ انہیں اپنے پیچھے لگاؤ تاکہ وہ بھی اطاعت الہی اختیار کریں، نہ کہ تم ان کے پیچھے لگ کر اپنی عاقبت خراب کر لو۔

(۶) اس کا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مکہ میں مسلمان ہونے والے بعض مسلمانوں نے مکہ چھوڑ کر مدینہ آنے کا ارادہ کیا، جیسا کہ اس وقت ہجرت کا حکم نہایت تاکید کے ساتھ دیا گیا تھا۔ لیکن ان کے بیوی بچے آڑے آگئے اور انہوں نے انہیں ہجرت نہیں کرنے دی پھر بعد میں جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئے تو دیکھا کہ ان سے پہلے آنے والوں نے دین میں بہت زیادہ سمجھ حاصل کر لی ہے تو انہیں اپنے بیوی بچوں پر غصہ آیا، جنہوں نے انہیں ہجرت

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِنْدَ مَا أُجْرِعَ عَظِيمٌ ⑤

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْمِعُوا وَأَطِيعُوا وَأَتَّقُوا

خَيْرَ الْأَنْفُسِ كُفْرًا وَمَنْ يَكُفِرْ شَرُّهُ نَسِيمٌ

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَذَكَّرُونَ ⑥

إِنْ تَقَرَّبُوا إِلَى اللَّهِ قَرَّبَ أَسْخَاةَ أَنْفُسِكُمْ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

وَاللَّهُ سَلِيمٌ خَلِيمٌ ⑦

طَلَبُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑧

تمہارے مال اور اولاد تو سراسر تمہاری آزمائش ہیں۔^(۱)

اور بہت بڑا اجر اللہ کے پاس ہے۔^(۲) (۱۵)

پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے

اور مانتے چلے جاؤ^(۳) اور اللہ کی راہ میں خیرات کرتے رہو

جو تمہارے لیے بہتر ہے^(۴) اور جو شخص اپنے نفس کی

حرص سے محفوظ رکھا جائے وہی کامیاب ہے۔ (۱۶)

اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو گے (یعنی اس کی راہ میں خرچ

کرو گے)^(۵) تو وہ اسے تمہارے لیے بڑھاتا جائے گا اور

تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا۔^(۶) اللہ بڑا قادر دان

بڑا بردبار ہے۔^(۷) (۱۷)

وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے زبردست حکمت والا

(ہے)۔ (۱۸)

سے روکے رکھا تھا چنانچہ انہوں نے ان کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔ اللہ نے اس میں انہیں معاف کرنے اور درگزر سے کام لینے کی تلقین فرمائی۔ اسس السرمدی 'تفسیر سورة التغابہ'

(۱) جو تمہیں کسب حرام پر اکساتے اور اللہ کے حقوق ادا کرنے سے روکتے ہیں پس اس آزمائش میں تم اسی وقت سرخ

رو ہو سکتے ہو جب تم اللہ کی معصیت میں ان کی اطاعت نہ کرو۔ مطلب یہ ہوا کہ مال و اولاد جہاں اللہ کی نعمت ہیں وہاں

یہ انسان کی آزمائش کا ذریعہ بھی ہیں۔ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ میرا اطاعت گزار کون ہے اور نافرمان کون؟

(۲) یعنی اس شخص کے لیے جو مال و اولاد کی محبت کے مقابلے میں اللہ کی اطاعت کو ترجیح دیتا ہے اور اس کی معصیت

سے اجتناب کرتا ہے۔

(۳) یعنی اللہ اور رسول ﷺ کی باتوں کو توجہ اور غور سے سنو اور ان پر عمل کرو۔ اس لیے کہ صرف سن لینا بے فائدہ

ہے جب تک عمل نہ ہو۔

(۴) خَيْرًا أَيْ إِنْفَاقًا خَيْرًا، يَكُنِ الْإِنْفَاقُ خَيْرًا إِنْفَاقًا عَامًّا هُوَ مَصَدَقَاتُ وَاجِبَةٍ أَوْ نَاقِلَةٍ دُونِهَا كُشَالٌ هُوَ۔

(۵) یعنی اخلاص نیت اور طیب نفس کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔

(۶) یعنی کئی کئی گنا بڑھانے کے ساتھ وہ تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا۔

(۷) وہ اپنے اطاعت گزاروں کو أَصْحَابًا مُّصَافَعَةً اجر و ثواب سے نوازتا ہے اور معصیت کاروں کا فوری مؤاخذہ

نہیں فرماتا

سُورَةُ الطَّلَاقِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا
الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمُ الْأَعْلَى جُوعَهُنَّ مِنْ يَوْمٍ عَمِلْتُمْ
إِلَآ أَنْ يَأْتِيَنَّ بِنِكَاحٍ فَبِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ فَالْعِدَّةُ لِلَّهِ وَنَزَلَ
حُدُودُ اللَّهِ فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

سورۃ طلاق مدنی ہے اور اس میں بارہ آیتیں اور
دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمایت رحم والا ہے۔

اے نبی! (اپنی امت سے کہو کہ) جب تم اپنی بیویوں کو
طلاق دینا چاہو^(۱) تو ان کی عدت (کے دنوں کے آغاز) میں
انہیں طلاق دو^(۲) اور عدت کا حساب رکھو^(۳) اور اللہ
سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو نہ تم انہیں ان
کے گھروں سے نکالو^(۴) اور نہ وہ (خود) نکلیں^(۵) ہاں یہ

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب آپ کے شرف و مرتبت کی وجہ سے ہے، ورنہ حکم تو امت کو دیا جا رہا ہے۔ یا آپ
ہی کو بطور خاص خطاب ہے اور جمع کا صیغہ بطور تعظیم کے ہے اور امت کے لیے آپ ﷺ کا اسوہ ہی کافی ہے۔ طَلِّقْتُمُ
کا مطلب ہے جب طلاق دینے کا نیت ارادہ کرلو۔

(۲) اس میں طلاق دینے کا طریقہ اور وقت بتلایا ہے لِعَدَّتِهِنَّ میں لام توقیت کے لیے ہے۔ یعنی لَاؤْلَیٰ ہا لَا سِتْفَالِ
عِدَّتِهِنَّ (عدت کے آغاز میں) طلاق دو۔ یعنی جب عورت حیض سے پاک ہو جائے تو اس سے ہم بستری کیے بغیر طلاق دو۔ حالت
طہر اسکی عدت کا آغاز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حیض کی حالت میں یا طہر میں ہم بستری کرنے کے بعد طلاق دینا غلط طریقہ
ہے۔ اسکو فقہ طلاق بدی سے اور پہلے (صحیح) طریقے کو طلاق سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسکی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس
میں آتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو رسول اللہ ﷺ غضبناک ہوئے
اور انہیں اس سے رجوع کرنے کے ساتھ حکم دیا کہ حالت طہر میں طلاق دینا اور اسکے لیے آپ ﷺ نے سی آیت سے
استدلال فرمایا۔ (اصحیح بحاری، کتاب الطلاق، باب الہی عن الطلاق فی الحبض وہی الطہر اور دیگر شروحات حدیث)
محدثین اور جمہور علماء اسی بات کے قائل ہیں۔ البتہ امام ابن قیم اور امام ابن تیمیہ طلاق بدی کے وقوع کے قائل نہیں ہیں (تفصیل
کے لیے دیکھیے بیل الاوطار، کتاب الطلاق، باب الہی عن الطلاق فی الحبض وہی الطہر اور دیگر شروحات حدیث)
(۳) یعنی اس کی ابتدا اور انتہا کا خیال رکھو، تاکہ عورت اس کے بعد نکاح ٹالی کر سکے، یا اگر تم ہی رجوع کرنا چاہو (پہلی
اور دوسری طلاق کی صورت میں) تو عدت کے اندر رجوع کر سکو۔

(۴) یعنی طلاق دیتے ہی عورت کو اپنے گھر سے مت نکالو، بلکہ عدت تک اسے گھر میں ہی رہنے دو، اور اس وقت تک
رہائش اور ٹالن و نفقہ تمہاری ذمہ داری ہے۔

(۵) یعنی عدت کے دوران خود عورت بھی گھر سے باہر نکلنے سے احتراز کرے، یا لایہ کہ کوئی ہمت ہی ضروری معاملہ ہو۔

اور بات ہے کہ وہ کھلی برائی کر بیٹھیں،^(۱) یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھ جائے اس نے یقیناً اپنے اوپر ظلم کیا،^(۲) تم نہیں جانتے شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کر دے۔^(۳) (۱)

(۱) یعنی بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھنے یا بدزبانی اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کرے جس سے گھر والوں کو تکلیف ہو۔ دونوں صورتوں میں اس کا اخراج جائز ہو گا۔

(۲) یعنی احکام مذکورہ اللہ کی حدیں ہیں جن سے تجاوز خود اپنے آپ پر ہی ظلم کرنا ہے، کیونکہ اس کے دینی اور دنیوی نقصانات خود تجاوز کرنے والے کو ہی بھگتنے پڑیں گے۔

(۳) یعنی مرد کے دل میں مطلقہ عورت کی رغبت پیدا کر دے اور وہ رجوع کرنے پر آمادہ ہو جائے جیس کہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ اسی لیے بعض مفسرین کی رائے ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک طلاق دینے کی تلقین اور بیک وقت تین طلاقیں دینے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اگر وہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دے (اور شریعت اسے جائز قرار دے کر نافذ بھی کر دے) تو پھر یہ کہنا بے فائدہ ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کر دے۔ (فتح القدیر) اسی سے امام احمد اور دیگر بعض علما نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ رہائش اور نفقہ کی جو تاکید کی گئی ہے وہ ان عورتوں کے لیے ہے جن کو ان کے خاوندوں نے پہلی یا دوسری طلاق دی ہو۔ کیونکہ ان میں خاوند کے رجوع کا حق برقرار رہتا ہے۔ اور جس عورت کو مختلف اوقات میں دو طلاقیں مل چکی ہوں تو تیسری طلاق اس کے لیے طلاقِ بے یاسانہ ہے، اس کا سُکُنُ (رہائش) اور نفقہ خاوند کے ذمے نہیں ہے۔ اس کو فوراً خاوند کے مکان سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے گا، کیونکہ خاوند اب اس سے رجوع کر کے اسے اپنے گھر آباد نہیں کر سکتا حَتَّى تَكْبَحَ زَوْجًا غَيْرَهُ اس لیے اب اسے خاوند کے پاس رہنے کا اور اس سے نان و نفقہ وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس کی تائید حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کے اس واقعے سے ہوتی ہے کہ جب ان کے خاوند نے ان کو تیسری طلاق بھی دے دی اور اس کے بعد انھیں خاوند کے مکان سے نکلنے کے لیے کہا گیا تو وہ آمادہ نہیں ہوئی بالآخر معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے یہی فیصلہ فرمایا کہ ان کے لیے رہائش اور نفقہ نہیں ہے، انھیں فوراً کسی دوسری جگہ منتقل ہو جانا چاہیے۔ بلکہ بعض روایات میں صراحت بھی ہے: 'إِنَّمَا النِّفْقَةُ وَالسُّكُنُ لِلْمَرْأَةِ؛ إِذَا كَانَ لِرَّوْجِهَا عَلَيْهَا الرَّجْعَةُ' رواہ أحمد والنسائی البتہ بعض روایات میں حاملہ عورت کے لیے بھی نفقہ اور رہائش کی صراحت ہے (تفصیل اور حوالوں کے لیے دیکھئے 'امیل الاوطار' باب ما جاء فی نفقة المبنونة وسكنها وباب النفقة والسكنى للمعتدة الرجعية) بعض لوگ ان روایات کو قرآن کے مذکورہ

وَإِذَا بَلَغَ ابْنُكَ مِنَ الْمَعْرِفَةِ أَنْ يُعْرِضَ عَنْكَ وَتُؤْمَرُ بِمَا يُؤْمَرُ
بِمَعْرِفَتِهِ وَأَشْهَدُ وَأَدْوَى عَدْلٍ يَنْفَعُ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ بِلَا
ذَلَمٍ يُوَعِّدُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَشَقِّ
اللَّهُ يَجْعَلْ لَهُ عَزَاجًا ⑤

وَيُزَكِّهِ مَنْ شَاءَ لَا يَنْفَعُ مَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ
إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ⑥

وَلَيْ يَلْمِزَنَّ مِنَ الْخَبِيثِ مَنْ يُسْأَلُ إِنْ أَرَبْتُمْ تَعَدُّنَّ

پس جب یہ عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو انہیں یا تو قاعدہ کے مطابق اپنے نکاح میں رہنے دو یا دستور کے مطابق انہیں الگ کر دو^(۱) اور آپس میں سے دو عادل شخصوں کو گواہ کر لو^(۲) اور اللہ کی رضامندی کے لیے ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔^(۳) یہی ہے وہ جس کی نصیحت اسے کی جاتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے۔^(۴)

اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے ہی رہے گا۔^(۵) اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔^(۶)

تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہو

حکم ﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ﴾ کے خلاف باور کرا کے ان کو رد کر دیتے ہیں جو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کا حکم اپنے گرد و پیش کے قرائن کے پیش نظر مطلقہ رجعیہ سے متعلق ہے۔ اور اگر اسے عام مان بھی لیا جائے تو یہ روایات اس کی محض ہیں یعنی قرآن کے عموم کو ان روایات نے مطلقہ رجعیہ کے لیے خاص کر دیا اور مطلقہ بانہ کو اس عموم سے نکال دیا ہے۔

(۱) مطلقہ مدخولہ کی عدت تین حیض ہے۔ اگر رجوع کرنا مقصود ہو تو عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے رجوع کر ہو۔ بصورت دیگر انہیں معروف کے مطابق اپنے سے جدا کر دو۔

(۲) اس رجعت اور بعض کے نزدیک طلاق پر گواہ کر لو۔ یہ امر وجوب کے لیے نہیں 'استحباب کے لیے ہے۔ یعنی گواہ بنا لینا بہتر ہے تاہم ضروری نہیں۔

(۳) یہ تاکید گواہوں کو ہے کہ وہ کسی کی رو رعایت اور لالچ کے بغیر صحیح صحیح گواہی دیں۔

(۴) یعنی شدائد اور آزمائشوں سے نکلنے کی سبیل پیدا فرما دیتا ہے۔

(۵) یعنی وہ جو چاہے۔ اسے کوئی روکنے والا نہیں۔

(۶) تنگیوں کے لیے بھی اور آسانیوں کے لیے بھی۔ یہ دونوں اپنے وقت پر انتہا پذیر ہو جاتے ہیں بعض نے اس سے حیض اور عدت مراد لی ہے۔

ثَلَاثَةُ شُغْرٍ وَإِنِّي لَمَرِيضٌ وَأُولَٰئِكَ أَلْحَالُ، جَعَلُوا لِي يَتَصَنَّ
حَمَلُهُنَّ وَمَنْ يَتَنَّى اللَّهُ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرٍ يُرِيدُ ①

ذَٰلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَسْرَأُ إِلَيْكُمْ وَمَنْ يَتَنَّى اللَّهُ يَكْفِرْ عَنْهُ مَبَآئِنُ
رَبِّهِمْ لَهُ أَجْرًا ②

أَسْكُنُوا مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ دُونِكُمْ وَلَا تُقْسِرُوا مِنْ يَتَصَنَّا
عَلَيْهِنَّ فَإِن كَانَ لُولَايَةٍ عَلَيْهِنَّ فَأَلْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ
فَإِن أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَارْزُقُوهُنَّ مِنْ أَجْزَائِهِمْ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَرَكَهُنَّ

گئی ہوں، اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے
اور ان کی بھی جنہیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو^(۱) اور
حاملہ عورتوں کی عدت ان کے وضع حمل ہے^(۲) اور جو
شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ اس کے (ہر) کام میں
آسانی کر دے گا۔ (۳)

یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف اتارا ہے اور
جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ مٹا دے گا اور
اسے بڑا بھاری اجر دے گا۔ (۵)

تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان
(طلاق والی) عورتوں کو رکھو^(۳) اور انہیں تنگ کرنے
کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ^(۴) اور اگر وہ حمل سے ہوں تو

(۱) یہ ان کی عدت ہے جن کا حیض عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے بند ہو گیا یا جنہیں حیض آنا شروع ہی نہیں ہوا۔ واضح
رہے کہ نادر طور پر ایسا ہوتا ہے کہ عورت سن بلوغت کو پہنچ جاتی ہے اور اسے حیض نہیں آتا۔

(۲) مطلقہ اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے، چاہے دوسرے روز ہی وضع حمل ہو جائے۔ عدوہ انہیں ظاہر آیت
سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر حاملہ عورت کی عدت یہی ہے چاہے وہ مطلقہ ہو یا اس کا خاوند فوت ہو گیا ہو۔ احادیث سے
بھی اس کی تائید ہوتی ہے (دیکھئے صحیح بخاری و صحیح مسلم اور دیگر سنن، کتاب الطلاق و دیگر عورتیں
جن کے خاوند فوت ہو جائیں، ان کی عدت ۴ مہینے ۱۰ دن ہے۔ (سورۃ بقرہ ۲۳۳)

(۳) یعنی مطلقہ رجوع کو۔ اس لیے کہ مطلقہ بابت کے لیے تو رہائش اور نفقہ ضروری ہی نہیں ہے، جیسا کہ گزشتہ صفحے میں
بیان ہوا۔ اپنی طاقت کے مطابق رکھنے کا مطلب ہے کہ اگر مکان فراخ ہو اور اس میں متعدد کمرے ہوں تو ایک کمرہ اس
کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ بصورت دیگر اپنا کمرہ اس کے لیے خالی کر دے اس میں حکمت یہی ہے کہ قریب رہ کر
عدت گزارے گی تو شاید خاوند کا دل پہنچ جائے اور رجوع کرنے کی رغبت اس کے دل میں پیدا ہو جائے۔ خاص طور پر
اگر بچے بھی ہوں تو پھر رغبت اور رجوع کا قوی امکان ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمان اس ہدایت پر عمل نہیں کرتے،
جس کی وجہ سے اس حکم کے فوائد و حکم سے بھی وہ محروم ہیں۔ ہمارے معاشرے میں طلاق کے ساتھ ہی جس طرح
عورت کو فوراً اچھوت بنا کر گھر سے نکال دیا جاتا ہے، یا بعض دفعہ لڑکی والے اسے اپنے گھر لے جاتے ہیں، یہ رواج
قرآن کریم کی صریح تعلیم کے خلاف ہے۔

(۴) یعنی نان نفقہ میں یا رہائش میں اسے تنگ اور بے آبرو کرنا تاکہ وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائے۔ عدت کے دوران

تَعَانَتْهُمَا فَمِنْ حَمَلَةٍ لَمْ تَزَلْ ۝

جب تک بچہ پیدا ہو لے انہیں خرچ دیتے رہا کرو^(۱) پھر اگر تمہارے کہنے سے وہی دودھ چلائیں تو تم انہیں ان کی اجرت دے دو^(۲) اور باہم مناسب طور پر مشورہ کر لیا کرو^(۳) اور اگر تم آپس میں کشمکش کرو تو اس کے کہنے سے کوئی اور دودھ چلائے گی۔^(۴)

کشاہگی والے کو اپنی کشاہگی سے خرچ کرنا چاہیے^(۵) اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو^(۶) اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے اسی میں سے (اپنی حسب حیثیت) دے، کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں دیتا مگر اتنی ہی جتنی طاقت اسے دے رکھی ہے،^(۷) اللہ تنگی کے

لَيَنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعِيهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يَجْعَلُ اللَّهُ تَعْسًا لِّإِنْسَانٍ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عَذَابِكُمْ غَيْثًا ۝

ایہ روئے اختیار نہ کیا جائے۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عدت ختم ہو جانے کے قریب ہو تو پھر رجوع کر لے اور بار بار ایسا کرے، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں کیا جاتا تھا۔ جس کے سدباب کے لیے شریعت نے طلاق کے بعد رجوع کرنے کی حد مقرر فرمادی تاکہ کوئی شخص آئندہ اس طرح عورت کو تنگ نہ کرے، اب ایک انسان دو مرتبہ تو ایسا کر سکتا ہے یعنی طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لے۔ لیکن تیسری مرتبہ جب طلاق دے گا تو اس کے بعد اس کے رجوع کا حق بھی ختم ہو جائے گا۔

- (۱) یعنی مطلقہ خواہ باندہ ہی کیوں نہ ہو۔ اگر حاملہ ہے تو اس کا نفقہ دسکنی ضروری ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے۔
- (۲) یعنی طلاق دینے کے بعد اگر وہ تمہارے بچے کو دودھ چلائے، تو اس کی اجرت تمہارے ذمے ہے۔
- (۳) یعنی باہمی مشورے سے اجرت اور دیگر معاملات طے کر لیے جائیں۔ مثلاً بچے کا باپ عرف کے مطابق اجرت دے اور ماں باپ کی استطاعت کے مطابق اجرت طلب کرے وغیرہ۔
- (۴) یعنی آپس میں اجرت وغیرہ کا معاملہ طے نہ ہو سکے تو کسی دوسری انا کے ساتھ معاملہ کر لے جو اسکے بچے کو دودھ چلائے۔
- (۵) یعنی دودھ پلانے والی عورتوں کو اجرت اپنی طاقت کے مطابق دی جائے اگر اللہ نے مال و دولت میں فراخی عطا فرمائی ہے تو اسی فراخی کے ساتھ مرضعت کی خدمت ضروری ہے
- (۶) یعنی مالی لحاظ سے وہ کمزور ہو۔

(۷) اس لیے وہ غریب اور کمزور کو یہ حکم نہیں دیتا کہ وہ دودھ پلانے والی کو زیادہ اجرت ہی دے۔ مطلب ان ہدایت کا یہ ہے کہ بچے کی ماں اور بچے کا باپ دونوں ایسا مناسب روئے اختیار کریں کہ ایک دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے اور بچے کو دودھ پلانے کا مسئلہ سگھین نہ ہو۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لَا تُؤْثِرُوا عَلَىٰ نَفْسِكُمْ وَلَا تَمْنُوا فَرْدًا وَلَا تَكُونُوا مِمَّنْ دَعَا النَّاسَ فَنُفِرَ عَلَيْهِمْ فَبُذِلُوا﴾

بعد آسانی و فراغت بھی کر دے گا۔^(۷)

اور بہت سی بستی والوں نے اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے سرتابی کی^(۸) توہم نے بھی ان سے سخت حساب کیا اور انہیں عذاب دیا ان دیکھا (سخت) عذاب۔^(۹)

پس انہوں نے اپنے کروت کا مزہ چکھ لیا اور انجام کار ان کا خسارہ ہی ہوا۔^(۱۰)

ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، پس اللہ سے ڈرو اے عقل مند ایمان والو۔ یقیناً اللہ نے تمہاری طرف فصاحت اتار دی ہے۔^(۱۱)

(یعنی) رسول^(۱۲) جو تمہیں اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ سنانا ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں وہ تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے،^(۱۳) اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے^(۱۴) اللہ اسے

وَكَايْنٍ مِّنْ فِرْيَةٍ عَنَّا أَمْرٌ رَّحْمَةً لِّمَن يَّهْتَدِ فَكُنْهَاجَانَا
شَدِيدًا وَعَذَابًا عَدِيدًا أَتَاكَ ۝

فَدَاقَتْ وَيَالِ أُمِّهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أُمُومَا خُسْرًا ۝

أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فَاثْمُوا اللَّهَ يَأُولِي الْكَتَابَةِ
الَّذِينَ آمَنُوا قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝

رُسُلًا لِّيُتْلَىٰ مَن يُكَلِّمُكُمُ اللَّهُ فَمَسْتَبْتٌ لِّمُتَوَكِّلٍ آمَنُوا
وَعَلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظَّالِمِينَ إِلَى الْوَرْدِ مَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيَعْمَلُ
صَالِحًا يَنْدُجِلْهُ جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا
قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ۝

يُؤَلِّفُ ﴿البقرة: ۲۳۲﴾ ”نہ ماں کو بچے کی وجہ سے تکلیف پہنچائی جائے اور نہ باپ کو“۔

(۱) چنانچہ جو اللہ پر اعتماد و توکل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو آسانی و کشادگی سے بھی نواز دیتا ہے۔

(۲) عَشْتُ، اُنِّي: تَمَرَّقْتُ وَطَفَعْتُ وَاسْتَكْبَرْتُ عَنْ أَتْنَاعِ أَمْرِ اللَّهِ وَمَتَابَعَةِ رُسُلِهِ

(۳) نَكْرًا، مُكْرًا فَطِنًا حساب اور عذاب دونوں سے مراد دنیاوی مواخذہ اور سزا ہے، یا پھر بقول بعض کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ عَدْنَا، نَكْرٌ وہ عذاب ہے جو دنیا میں قتل، خسف و مسخ وغیرہ کی شکل میں انہیں پہنچا، اور جسٹا شَدِيدًا وہ ہے جو آخرت میں ہو گا۔ (فتح القدیر)

(۴) رسول، ذکر سے بدس ہے، بطور مبالغہ رسول کو ذکر سے تعبیر فرمایا، جیسے کہتے ہیں، وہ تو مجسم عدل ہے۔ یا ذکر سے مراد قرآن ہے اور رسول اسے پہلے آؤ سناٹا محذوف ہے یعنی ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور رسول کو اس میں کیا۔

(۵) یہ رسول کا منصب اور فریضہ بیان کیا گیا کہ وہ قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو اخلاقی پستیوں سے شرک و منکرات کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان و عمل صالح کی روشنی کی طرف لاتا ہے۔ رسول سے یہاں مراد رسول یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

(۶) عمل صالح میں دونوں باتیں شامل ہیں، احکام و فرائض کی ادائیگی اور معصیات و منہیات سے اجتناب۔ مطلب ہے

ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بیشک اللہ نے اسے بہترین روزی دے رکھی ہے۔ (۱۱)

اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی۔^(۱) اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے^(۲) تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بہ اعتبار علم گھیر رکھا ہے۔^(۳) (۱۲)

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ مَقَوِّدٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْزِيُّنَ لَهَا يَتَكَلَّمُونَ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۱﴾

کہ جنت میں وہی اہل ایمان داخل ہوں گے جنہوں نے صرف زبان سے ہی ایمان کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے ایمان کے تقاضوں کے مطابق فرائض پر عمل اور معاصی سے اجتناب کیا تھا۔

(۱) اُنَّی خَلَقَ مِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ یعنی سات آسمانوں کی طرح اللہ نے سات زمینیں بھی پیدا کی ہیں۔ بعض نے اس سے سات اقالیم مراد لے لی ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ بلکہ جس طرح اوپر نیچے سات آسمان ہیں اسی طرح سات زمینیں ہیں جن کے درمیان بعد و مسافت ہے اور ہر زمین میں اللہ کی مخلوق آباد ہے (القرطبی) احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَن أَخَذَ شِيزًا مِّنَ الْأَرْضِ طَلَعًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِّنْ سِتِّينَ أَرْضِينَ (صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم الظلم، جس نے کسی کی ایک باشت زمین بھی ہتھیالی تو قیامت والے دن اس زمین کا اتنا حصہ ساتوں زمینوں سے طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔) (صحیح بخاری کے الفاظ ہیں حسبہ إلی سِتِّينَ أَرْضِينَ "اس کو ساتوں زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔" (صحیح بخاری، کتاب المعطالم، باب إثم من ظلم شيئاً من الأرض، بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر زمین میں اسی طرح کا پیغمبر ہے جس طرح کا پیغمبر تمہاری زمین پر آیا مثلاً آدم، آدم کی طرح نوح، نوح کی طرح ابراہیم، ابراہیم کی طرح یحییٰ، یحییٰ کی طرح عیسیٰ السلام۔) لیکن یہ بات کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔

(۲) یعنی جس طرح ہر آسمان پر اللہ کا حکم نافذ اور غالب ہے اسی طرح ہر زمین پر اس کا حکم چلتا ہے آسمانوں کی طرح ساتوں زمینوں کی بھی وہ تدبیر فرماتا ہے۔

(۳) پس اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں چاہے وہ کیسی ہی ہو۔

سُورَةُ التَّحِيْمِ

سورہ تحریم علی ہے اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ سَبَّحْتَ مَوْصَلَاتِ
أَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱

اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں؟ (۱) (کیا) آپ اپنی بیویوں کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (۱)

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكَ تَحْلَةَ اَيْمَانِكَ وَاللّٰهُ مُؤْتِكُ

تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے قسموں کو کھوں ڈالنا

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو اپنے لیے حرام کر لیا تھا وہ کیا تھی؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اس سلسلے میں ایک تو وہ مشہور واقعہ ہے جو صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں نقل ہوا ہے کہ آپ ﷺ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ دیر ٹھہرتے اور وہاں شہ پیتے، حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما دونوں نے وہاں معموں سے زیادہ دیر تک آپ کو ٹھہرنے سے روکنے کے لیے یہ اسلیم تیار کی کہ ان میں سے جس کے پاس بھی آپ ﷺ تشریف لائیں تو وہ ان سے یہ کہے کہ اللہ کے رسول! آپ ﷺ کے منہ سے مغفیر (ایک قسم کا پھوس) جس میں بساند ہوتی ہے) کی بو آ رہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میں نے تو زینب رضی اللہ عنہا کے گھر صرف شہ پیا ہے۔ اب میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ نہیں پوں گا، لیکن یہ بات تم کسی کو مت بتانا۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة التحريم) سنن نسائی میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک لونڈی تھی جس کو آپ ﷺ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ (شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے) اسنن النسائی ۸۲/۳ جب کہ کچھ دوسرے علما اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اس کی تفصیل دوسری کتابوں میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ یہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم تولد ہوئے تھے۔ یہ ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئی تھیں جب کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا موجود نہیں تھیں۔ اتفاق سے انہی کی موجودگی میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آئیں، انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے گھر میں خلوت میں دیکھنا ناگوار گزرا، جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی محسوس فرمایا، جس پر آپ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو راضی کرنے کے لیے قسم کھا کر ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کو تائید کی کہ وہ یہ بات کسی کو نہ بتلائے۔ امام ابن حجر ایک تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مختلف طرق سے نقل ہوا ہے جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں دوسری بات وہ یہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے بیک وقت دونوں ہی واقعات اس آیت کے نزول کا سبب بنے ہوں۔ (فتح الباری، تفسیر سورة التحريم) امام شوکانی نے بھی اسی رائے کا اظہار

وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ②

وَإِذَا سَأَلَ النَّبِيُّ رَأًى بَعْضُ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا بَيَّنَّاتُ بِهِ
وَأَفْهَمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَتْ بَعْضُهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ
فَلَمَّا بَيَّنَّاهُ لَهُ قَالَتْ مَنْ أَتَاكَ هَذَا قَالَ بَيَّنَّانِ
الْعَلِيمُ الْغَنِيُّ ③

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا

مقرر کر دیا ہے ^(۱) اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہی
(پورے) علم والا حکمت والا ہے۔ (۲)

اور یاد کر جب نبی نے اپنی بعض عورتوں سے ایک
پوشیدہ بات کسی ^(۲) پس جب اس نے اس بات کی خبر کر
دی ^(۳) اور اللہ نے اپنے نبی کو اس پر آگاہ کر دیا تو نبی
نے تھوڑی سی بات تو بتا دی اور تھوڑی سی ٹال گئے ^(۴)
پھر جب نبی نے اپنی اس بیوی کو یہ بات بتائی تو وہ کہنے لگی
اس کی خبر آپ کو کس نے دی۔ ^(۵) کما سب جاننے والے
پوری خبر رکھنے والے اللہ نے مجھے یہ بتایا ہے۔ ^(۶)
(اے نبی کی دونوں بیویو!) اگر تم دونوں اللہ کے سامنے

کیا ہے اور دونوں قصور کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام کرنے کا اختیار
کسی کے پاس بھی نہیں ہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ اختیار نہیں رکھتے۔

(۱) یعنی کفارہ ادا کر کے اس کام کو کرنے کی جس کو نہ کرنے کی قسم کھائی ہو اجازت دے دی قسم کا یہ کفارہ
سورۃ مائدہ ۸۹ میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کفارہ ادا کیا۔ (فتح القدیر) اس امر میں علما
کے مابین اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جمہور عہد کے نزدیک
بیوی کے علاوہ کسی چیز کو حرام کرنے سے وہ چیز حرام ہو گئی نہ اس پر کفارہ ہے اگر بیوی کو اپنے اوپر حرام کرے گا تو
اس سے اس کا متعہ اگر طلاق ہے۔ تو طلاق ہو جائے گی اور اگر طلاق کی نیت نہیں ہے تو رائج قوں کے مطابق یہ
قسم ہے اس کے لیے کفارہ یمین کی ادائیگی ضروری ہے۔ (ایسر التفاسیر)

(۲) وہ پوشیدہ بات شہد کو یا ماریہ رضی اللہ عنہا کو حرام کرنے والی بات تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کی تھی۔

(۳) یعنی حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جا کر بتلا دی۔

(۴) یعنی حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتلا دیا کہ تم نے میرا راز افاش کر دیا ہے۔ تاہم اپنی حکیم و عظمت کے پیش نظر ساری بات بتانے
سے اعراض فرمایا۔

(۵) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتلایا کہ تم نے میرا راز ظاہر کر دیا ہے تو وہ حیران ہوئیں کیونکہ
انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی کو یہ بات نہیں بتلائی تھی اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے انہیں یہ توقع نہیں تھی کہ
وہ آپ کو بتلا دیں گی کیونکہ وہ شریک معاملہ تھیں۔

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔

عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ
وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ۝

توبہ کر لو (تو بہت بہتر ہے) ^(۱) یقیناً تمہارے دل جھک
پڑے ہیں ^(۲) اور اگر تم نبی کے خلاف ایک دوسرے کی
مدد کرو گی پس یقیناً اس کا کار ساز اللہ ہے اور جبریل ہیں
اور نیک اہل ایمان اور ان کے علاوہ فرشتے بھی مدد کرنے
والے ہیں۔ ^(۳)

عَسَى رَبُّهُ أَنْ يَبْعِلَهُ أَرْوَاحًا خَيْرًا مِنْكَ
مُسْلِمَاتٍ مُؤْمِنَاتٍ قَنَاطٍ تَنْبِتُ غَيْدَتٍ سَهْبَتٍ
تَنْبِتُ وَأَنْتَ كَارٍ ۝

اگر وہ (پیغمبر) تمہیں طلاق دے دیں تو بہت جلد انہیں
ان کا رب! تمہارے بدلے تم سے بہتر بیویاں عنایت
فرمائے گا، ^(۴) جو اسلام والیاں، ایمان والیاں اللہ کے حضور
جھکنے والیاں توبہ کرنے والیاں، عبادت بجالانے والیاں
روزے رکھنے والیاں ہوں گی یہ وہ اور کنواریاں۔ ^(۵)
اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو
اس آگ سے بچاؤ ^(۶) جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا
النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ

(۱) یا تمہاری توبہ قبول کر لی جائے گی، یہ شرط (اِنْ تَتُوبَا) کا جواب محذوف ہے۔

(۲) یعنی حق سے ہٹ گئے ہیں اور وہ ہے ان کا ایسی چیز کا پسند کرنا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ناگوار تھی۔ (فتح القدیر)

(۳) یعنی نبی ﷺ کے مقابلے میں تم جتنے بندی کرو گی تو نبی کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گی، اس لیے کہ نبی کا مددگار تو اللہ بھی
ہے اور مومنین اور ملائکہ بھی۔

(۴) یہ حمیہ کے طور پر ازواج مطہرات کو کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو تم سے بھی بہتر بیویاں عطا کر سکتا ہے۔

(۵) نَبَاتِیۃ، نَبَاتِیۃ کی جمع ہے، (لوث آنے والی) یہ وہ عورت کو نَبَاتِیۃ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ خاوند سے واپس لوث
آتی ہے اور پھر اس طرح بے خاوند رہ جاتی ہے جیسے پہلے تھی۔ اَنْكَارٌ، بِنَحْوِ کی جمع ہے، کنواری عورت اسے بکرا سی
لیے کہتے ہیں کہ یہ ابھی اپنی اسی پہلی حالت پر ہوتی ہے جس پر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ (فتح القدیر) بعض روایات میں آتا
ہے کہ نَبَاتِیۃ سے حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) اور بِنَحْوِ سے حضرت مریم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ) مراد ہیں۔
یعنی جنت میں ان دونوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں عطا دیا جائے گا۔ ممکن ہے کہ ایسا ہو۔ لیکن ان روایات کی بنیاد پر
ایسا خیال رکھنا بیان کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ شدائد یہ روایات پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔

(۶) اس میں اہل ایمان کو ان کی ایک نہایت اہم ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور وہ ہے، اپنے ساتھ اپنے گھر
والوں کی بھی اصلاح اور ان کی اسلامی تعلیم و تربیت کا اہتمام، تاکہ یہ سب جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔ اس لیے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز کی تلقین کرو اور دس

اللّٰهُ مَا أَسْرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ⑤

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ
مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ⑥

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ثُبُوتُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَنِّي رِثَكُمْ
أَنْ يَكْفُرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَبَذِلْ لَكُمْ جَنَّتُ بَصِيرَتِي مِنْ عَذَابِنَا
الْآنَ هُوَ يَوْمُ لَا يُجْزَى اللَّهُ الْفَيْضَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُؤْتُهُمْ
مِمَّا يَشَاءُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَنفُسِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا آتِنَا لَنَا
مُؤْنَنَا وَارْحَمْنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑦

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنہیں جو حکم
اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا
جائے بجالاتے ہیں۔ (۶)

اے کافرو! آج تم عذر و بہانہ مت کرو۔ تمہیں صرف
تمہارے کربوت کا بدلہ دیا جا رہا ہے۔ (۷)

اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔^(۱)
قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کر دے اور
تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہیں
جاری ہیں۔ جس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اور ایمان داروں کو
جو ان کے ساتھ ہیں رسوا نہ کرے گا۔ ان کا نور ان کے
سامنے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہو گا۔ یہ دعائیں کرتے
ہوں گے اے ہمارے رب ہمیں کامل نور عطا فرما^(۲) اور
ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (۸)

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو^(۳) اور ان پر سختی

سال عمر کے بچوں میں نماز سے تساہل دیکھو تو انہیں سرزنش کرو۔ اس میں داؤد و سس الترمذی کتاب الصلوٰۃ
فتمانے کہا ہے، اسی طرح روزے ان سے رکھوائے جائیں اور دیگر احکام کے اتباع کی تلقین انہیں کی جائے۔ تاکہ جب
وہ شعور کی عمر کو پہنچیں تو اس دین حق کا شعور بھی انہیں حاصل ہو چکا ہو۔ (ابن کثیر)

(۱) خالص توبہ یہ ہے کہ ۱۔ جس گناہ سے وہ توبہ کر رہا ہے اسے ترک کر دے۔ ۲۔ اس پر اللہ کی بارگاہ میں ندامت کا اظہار
کرے ۳۔ آئندہ اسے نہ کرنے کا عزم رکھے۔ ۴۔ اگر اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو جس کا حق غصب کیا ہے اس کا ازالہ
کرے جس کے ساتھ زیادتی کی ہے اس سے معافی مانگے۔ محض زبان سے توبہ توبہ کر لینا کوئی معنی نہیں رکھتا

(۲) یہ دعا اہل ایمان اس وقت کریں گے جب منافقین کا نور بجھا دیا جائے گا جیسا کہ سورۃ حدید میں تفصیل گزری اہل
ایمان کہیں گے 'جنت میں داخل ہونے تک ہمارے اس نور کو باقی رکھ اور اس کا اتمام فرما

(۳) کفار کے ساتھ جہاد و قتال کے ساتھ اور منافقین سے 'ان پر حدود الہی قائم کر کے' جب وہ ایسے کام کریں جو
موجب حد ہوں۔

وَمَا وَهَبَهُمْ وَيَسُّ الْمُصِیْرُ ①

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتٌ ثَوْبَةٌ لِّوَلَدِهَا كَانَتَا نَجِسَتَيْنِ مَعَ إِثْمَانٍ مِّنْ عِبَادِنَا فَاصْلَحَيْنِ
فَعَالَتُهُمَا فَاتَمَّ بِفَرْيَاغِنَا عَنْهُمَا مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ
اُدْخِلَا الْجَنَّةَ مَعَ لَدُنَّيْنِ ②

کرد^(۱) ان کا ٹھکانا جہنم ہے^(۲) اور وہ بہت بری جگہ ہے۔ (۹)
اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے نوح کی اور لوط کی بیوی کی
مثال بیان فرمائی^(۳) یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو
(شائستہ اور) نیک بندوں کے گھر میں تھیں، پھر ان کی
انہوں نے خیانت کی^(۴) پس وہ دونوں (نیک بندے) ان
سے اللہ کے (کسی عذاب کو) نہ روک سکے^(۵) اور حکم
دے دیا گیا (اے عورتو) دوزخ میں جانے والوں کے
ساتھ تم دونوں بھی چلی جاؤ۔^(۶) (۱۰)

(۱) یعنی دعوت و تبلیغ میں سختی اور احکام شریعت میں درستی اختیار کریں۔ کیونکہ یہ لائق کے بھوت ہیں جو باتوں سے
ماننے والے نہیں ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ حکمت تبلیغ کبھی نرمی کی متقاضی ہوتی ہے اور کبھی سختی کی۔ ہر جگہ نرمی بھی
مناسب نہیں اور ہر جگہ سختی بھی مفید نہیں رہتی۔ تبلیغ و دعوت میں حالات و ظروف اور اشخاص و افراد کے اعتبار سے
نرمی یا سختی کرنے کی ضرورت ہے۔

(۲) یعنی کافروں اور منافقوں دونوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

(۳) مَثَلٌ کا مطلب ہے کسی ایسی حالت کا بیان کرنا جس میں ندرت و غرابت ہو، تاکہ اس کے ذریعے سے ایک دوسری
حالت کا تعارف ہو جائے جو ندرت و غرابت میں اس کے مماثل ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کافروں کے حال کے لیے اللہ
نے ایک مثال بیان فرمائی ہے۔ جو نوح اور لوط علیہما السلام کی بیوی کی ہے۔

(۴) یہاں خیانت سے مراد عصمت میں خیانت نہیں، کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ کسی نبی کی بیوی بدکار نہیں ہوتی۔
(فتح القدیر) خیانت سے مراد ہے کہ یہ اپنے خاوندوں پر ایمان نہیں لائیں، نفاق میں مبتلا رہیں اور ان کی ہمدردیاں اپنی
کافر قوموں کے ساتھ رہیں، چنانچہ نوح علیہ السلام کی بیوی، حضرت نوح علیہ السلام کی بابت لوگوں سے کہتی کہ یہ مجنون
(دیوانہ) ہے اور لوط علیہ السلام کی بیوی اپنی قوم کو گھر میں آنے والے مہمانوں کی اطلاع پہنچاتی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ
دونوں اپنی قوم کے لوگوں میں اپنے خاوندوں کی پھیلیاں کھاتی تھیں۔

(۵) یعنی نوح اور لوط علیہما السلام دونوں، باوجود اس بات کے کہ وہ اللہ کے پیغمبر تھے، جو اللہ کے مقرب ترین بندوں میں
سے ہوتے ہیں، اپنی بیویوں کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے۔

(۶) یہ انہیں قیامت والے دن کہا جائے گا یا موت کے وقت انہیں کہا گیا کافروں کی یہ مثال بطور خاص یہاں ذکر کرنے
سے مقصود ازواج مطہرات کو تنبیہ کرنا ہے کہ وہ بے شک اس رسول کے حرم کی زینت ہیں، جو تمام مخلوق میں سب
سے بہتر ہے۔ لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اگر انہوں نے رسول کی مخالفت کی یا انہیں تکلیف پہنچائی تو وہ بھی اللہ کی

وَصَوَّبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا اٰسْرٰتُ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ اِنِّي لَءِیْ جُنْدٍ لَّوِیَّتًا فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَهٰمِهِ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْعَوْمِرِ الظَّالِمِیْنَ ﴿۱۱﴾

وَسَرِّیْهِ اٰیَّتُ عِمْرٰنَ الَّذِیْ اٰخَصَّتْ فَرْجَهَا فَفَعَّلْنَا بِهٖ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَقَتْ بِحِلْمِ رَبِّهَا وَكُنْتِ مِنَ الْقٰیِّمِیْنَ ﴿۱۲﴾

اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ^(۱) جبکہ اس نے دعا کی کہ اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں مکان بنا اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے بچا اور مجھے ظالم لوگوں سے خلاصی دے۔ (۱۱)

اور (مثال بیان فرمائی) مریم بنت عمران کی ^(۲) جس نے اپنے ناموس کی حفاظت کی پھر ہم نے اپنی طرف سے اس میں جان پھونک دی اور (مریم) اس نے اپنے رب کی باتوں ^(۳) اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور عبادت گزاروں میں سے تھی۔ ^(۱۲)

گرفت میں آسکتی ہیں اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر کوئی ان کو بچانے والا نہیں ہو گا۔

(۱) یعنی ان کی ترغیب، ثابت قدمی، استقامت فی الدین اور شدائد میں صبر کے لیے۔ نیز یہ بتانے کے لیے کہ کفر کی صولت و شوکت، ایمان والوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی جیسے فرعون کی بیوی ہے جو اپنے وقت کے سب سے بڑے کافر کے تحت تھی۔ لیکن وہ اپنی بیوی کو ایمان سے نہیں روک سکا۔

(۲) حضرت مریم علیہا السلام کے ذکر سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ باوجود اس بات کے کہ وہ ایک گجری ہوئی قوم کے درمیان رہتی تھیں، لیکن اللہ نے انہیں دنیا و آخرت میں شرف و کرامت سے سرفراز فرمایا اور تمام جنت کی عورتوں پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔

(۳) کلمات رب سے مراد شرائع الہی ہیں۔

(۴) یعنی ایسے لوگوں میں سے یا خاندان میں سے تھیں جو فرماں بردار، عبادت گزار اور صلاح و طاعت میں ممتاز تھے۔ حدیث میں ہے۔ جنتی عورتوں میں سب سے افضل حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ، حضرت مریم اور فرعون کی بیوی آسیہ ہیں رضی اللہ عنہن (مسند أحمد، ۲۳۳، مجمع الروائد ۱/۲۳۳، المصححہ للآلبانی، نمبر ۵۰۸، ایک دوسری حدیث میں فرمایا ”مردوں میں تو کامل بہت ہوئے ہیں مگر عورتوں میں کامل صرف فرعون کی بیوی آسیہ، مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد (رضی اللہ عنہن) ہیں اور عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی فضیلت عورتوں پر ایسے ہے جیسے شہید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔ (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق، باب ضرب اللہ مثلاً، و صحیح مسلم، کتاب العضائل، باب فضائل خدیجہ)

سُورَةُ الْمُلْكِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

تَبٰرَكَ الَّذِیْ یَبْدِیْ الْمُلْکَ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ
قَدِیْرٌ ۝لَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لَیَبْلُوْکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ
عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝

سورۃ ملک کی ہے اس میں تین آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمایت رحم والا ہے۔بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی
ہے (۱) اور جو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (۱)جس نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں
آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے، (۲) اور وہ
غالب (اور) بخشنے والا ہے۔ (۳)

☆ اس کی فضیلت میں متعدد روایات آئی ہیں جن میں سے صرف چند روایات صحیح یا حسن ہیں۔ ایک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہ کی کتاب میں ایک سورت ہے جس میں صرف ۳۰ آیات ہیں یہ آدمی کی سفارش کرے گی۔ یہاں تک کہ اس کو بخش دیا جائے گا“ اسس العمودی، سنن أبی داود، ابن ماجہ، ومسنن أحمد، ۲/۲۱۱، ۱۳۲۱ دو سری روایت میں ہے ”قرآن مجید میں ایک سورت ہے جو اپنے پڑھنے والے کی طرف سے لڑے گی، حتیٰ کہ اسے جنت میں داخل کروائے گی۔“ (مجمع الروائد، ۷/۱۷۲ ذکرہ الأکسائی فی صحیح الجامع الصغیر، ۱۳۶۳ سنن ترمذی کی ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے قبل سورۃ الم السجدہ اور سورۃ ملک ضرور پڑھتے تھے۔ (ابواب فضائل القرآن) ایک روایت شیخ البانی نے المسیح میں نقل کی ہے سورۃ تَبَارَكَ هِيَ الْمَانِعَةُ مِنَ عَذَابِ الْقَبْرِ (نمبر ۱۳۳۰ ج ۳ ص ۱۳۱) سورۃ ملک عذاب قبر سے روکنے والی ہے یعنی اس کا پڑھنے والا امید ہے کہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔ بشرطیکہ وہ احکام و فرائض اسلام کا پابند ہو۔

(۱) تَسَارُکُ، بَرَکَةُ سے ہے السَّمَاءُ وَالزَّیْبَادَةُ، بڑھوتری اور زیادتی کے معنی میں۔ بعض نے سنی کیے ہیں، مخلوقات کی صفات سے بلند اور برتر۔ تفاعل کا صیغہ مبالغے کے لیے ہے۔ ”اسی کے ہاتھ میں بادشاہی ہے“ یعنی ہر طرح کی قدرت اور غلبہ اسی کو حاصل ہے، وہ کائنات میں جس طرح کا تصرف کرے، کوئی اسے روک نہیں سکتا، وہ شاہ کو گدا اور گدا کو شاہ بنادے، امیر کو غریب غریب کو امیر کر دے۔ کوئی اس کی حکمت و مشیت میں دخل نہیں دے سکتا

(۲) روح، ایک ایسی غیر مرئی چیز ہے کہ جس بدن سے اس کا تعلق و اتصال ہو جائے، وہ زندہ کہلاتا ہے اور جس بدن سے اس کا تعلق منقطع ہو جائے، وہ موت سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ اس نے یہ عارضی زندگی کا سلسلہ، جس کے بعد موت ہے اس لیے قائم کیا ہے تاکہ وہ آزمائے کہ اس زندگی کا صحیح استعمال کون کرتا ہے؟ جو اسے ایمان و اطاعت کے لیے استعمال کرے گا اس کے لیے بہترین ۱٪ ہے اور دوسروں کے لیے عذاب۔

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ
مِنْ تَفَوتٍ فَإِذْ جِئَ الْبَصَرُ مِمَّا نَسَىٰ ۖ لَئِنْ لَمْ يَرْحَمْ لَأَرْثَرَ ۚ

فَأَنزَجْنَا السُّجُودَ فَسَجَدَ إِلَّا الْإِنْسَ الْبَصَرُ حَاسِنًا
وَهُوَ حَبِيرٌ ۝

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ وَجَعَلْنَاهَا
رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ۝

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُرِيدُونَ عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

إِذَا الْقُلُوبُ أُنْفِثَتْ يُصْغَوْنَ إِلَيْهَا يَهَيَّئُهَا ذِي نُفُودٍ ۝

نَكَّادَةً تَجْرُسُ مِنَ الْغَيْظِ كُلَّمَا آتَىٰ فِيهَا قُورٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا

جس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے۔ (تو اے دیکھنے والے) اللہ رحمن کی پیدائش میں کوئی بے ضابطگی نہ دیکھے گا،^(۱) دوبارہ (نظرس ڈال کر) دیکھ لے کیا کوئی شکاف بھی نظر آ رہا ہے۔^(۲) (۳)

پھر دو ہرا کر دو دو بار دیکھ لے تیری نگاہ تیری طرف ذلیل (دعا جز) ہو کر تھکی ہوئی سوٹ آئے گی۔^(۳) (۴)

بیشک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے آراستہ کیا اور انہیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ^(۴) بنا دیا اور شیطانوں کے لیے ہم نے (دوزخ کا جلانے والا) عذاب تیار کر دیا۔ (۵)

اور اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والوں کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے۔ (۶)

جب اس میں یہ ڈالے جائیں گے تو اس کی بڑے زور کی آواز سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔^(۵) (۷)

قریب ہے کہ (ابھی) غصے کے مارے پھٹ جائے،^(۶)

(۱) یعنی کوئی ناقص، کوئی کچی، کوئی نقص اور کوئی خلل، بلکہ وہ بالکل سیدھے اور برابر ہیں جو اس بات پر درست کرتے ہیں کہ ان سب کا پیداکرنے والا صرف ایک ہی ہے متعدد نہیں ہیں۔

(۲) بعض دفعہ دوبارہ غور سے دیکھنے سے کوئی نقص اور عیب نکل آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دعوت دے رہا ہے کہ بار بار دیکھو کہ کیا ہمیں کوئی شکاف نظر آتا ہے؟

(۳) یہ مزید تاکید ہے جس سے مقصد اپنی عظیم قدرت اور وحدانیت کو واضح کرنا ہے۔

(۴) یہاں ستاروں کے دو مقصد بیان کیے گئے ہیں ایک آسمانوں کی زینت، کیونکہ وہ چراغوں کی طرح جلتے نظر آتے ہیں۔ دوسرے، شیطان اگر آسمانوں کی طرف جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ شرارہ بن کر ان پر گرتے ہیں۔ تیسرا مقصد ان کا یہ ہے جسے دوسرے مقامات پر بیان فرمایا گیا ہے کہ ان سے برو، بحر میں راستوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔

(۵) شہیق، اس آواز کو کہتے ہیں جو گدھا پہلی مرتبہ نکالتا ہے، یہ قہقہہ ترین آواز ہوتی ہے۔ جہنم بھی گدھے کی طرح چیخ اور چلا رہی اور آگ پر رکھی ہوئی ہانڈی کی طرح جوش مار رہی ہوگی۔

(۶) یا مارے غیظ و غضب کے اس کے حصے ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔ یہ جہنم کافروں کو دیکھ کر غضب ناک

الْعَرَبَاءُ يَكْفُرُونَ ۝

جب کبھی اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا اس سے جہنم کے داروئے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والا کوئی نہیں آیا تھا؟ (۸)

وہ جواب دیں گے کہ بیشک آیا تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلایا اور ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی ناز نہیں فرمایا۔ تم بہت بڑی گمراہی میں ہی ہو۔ (۹)

اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے ہوتے یا عقل رکھتے ہوتے تو دوزخیوں میں (شریک) نہ ہوتے۔ (۱۰)

پس انہوں نے اپنے جرم کا اقبال کر لیا۔ (۱۱) اب یہ دوزخی دفع ہوں (دور ہوں) (۱۲)

بیشک جو لوگ اپنے پروردگار سے غائبانہ طور پر ڈرتے رہتے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور بڑا ثواب ہے۔ (۱۳)

قَالُوا بَلْ نَذَبْنَا نَذِيرًا فَقَدْ جَاءَنَا بَلَاءٌ مَّا نَسْتَعِينُ ۝
شَيْءٌ مِّنْ أَنْعَمَ الْإِلَهِ عَلَىٰ كَيْفٍ ۝

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝

فَاعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ فَنُحِطَ إِلَىٰ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۝
وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝

ہوگی، جس کا شعور اللہ تعالیٰ اس کے اندر پیدا فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جہنم کے اندر یہ اور اک و شعور پیدا کر دینا کوئی مشکل نہیں ہے۔

(۱) جس کی وجہ سے ہمیں آج جہنم کے عذاب کا مزہ چکھنا پڑا ہے۔

(۲) یعنی ہم نے پیغمبروں کی تصدیق کرنے کے بجائے انہیں جھٹلایا، آسمانی کتابوں کا ہی سرے سے انکار کر دیا، حتیٰ کہ اللہ کے پیغمبروں کو ہم نے کہا کہ تم بڑی گمراہی میں جلا ہو۔

(۳) یعنی غور اور توجہ سے سنتے اور ان کی باتوں اور نصیحتوں کو آویزہ گوش بنا لیتے، اسی طرح اللہ کی دی ہوئی عقل سے بھی سوچنے سمجھنے کا کام لیتے تو آج ہم دوزخ والوں میں شامل نہ ہوتے۔

(۴) جس کی بنا پر مستحق عذاب قرار پائے، اور وہ ہے کفر اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب۔

(۵) یعنی اب ان کے لیے اللہ سے اور اس کی رحمت سے دوری ہی دوری ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ 'مُخْفِق'، جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

(۶) یہ اہل کفر و تکذیب کے مقابلے میں اہل ایمان کا اور ان نعمتوں کا ذکر ہے جو انہیں قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ملیں گی۔ بِالْغَيْبِ کا ایک مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کو دیکھا تو نہیں، لیکن پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہوئے وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی نظروں سے غائب، یعنی خلوتوں میں اللہ سے ڈرتے رہے

وَأَمَرُوا قَوْلَكُمْ أَوْ اجْعَلُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ
الْعُدُورِ ①

الْأَصْلُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ②

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَاسْجُدُوا بِمُسَابِقَةٍ
وَلَكُمْ مِنْ ثَمَرِهَا وَالْيَاكُوفِ الثُّمُورُ ③

وَأَمْسِكُمْ مِنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخِفَّ بِكُمْ الْأَرْضُ
فَإِذَا هِيَ تَنْوُورُ ④

تم اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو ^(۱) وہ تو سینوں کی
پوشیدگیوں کو بھی بخوبی جانتا ہے۔ ^(۲) ^(۳)
کیا وہی نہ جانتے جس نے پیدا کیا؟ ^(۴) پھر وہ باریک بین
اور باخبر بھی ہو۔ ^(۵) ^(۶)

وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو پست و مطیع کر
دیا ^(۷) تاکہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو ^(۸) اور
اللہ کی روزیاں کھاؤ (پو) ^(۹) اسی کی طرف (تمہیں) جی کر
اٹھ کھڑا ہونا ہے۔ ^(۱۰)

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا
تمہیں زمین میں دھنسا دے اور اچانک زمین لرزے
گے۔ ^(۱۱) ^(۱۲)

(۱) یہ پھر کافروں سے خطاب ہے۔ مطلب ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چھپ کر باتیں کرو یا
علانیہ سب اللہ کے علم میں ہے۔ اس سے کوئی بات مخفی نہیں۔

(۲) یہ سرو جرجانے کی تحلیل ہے کہ وہ تو سینوں کے رازوں اور دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے تمہاری باتیں
کس طرح اس سے پوشیدہ رہ سکتی ہیں؟

(۳) یعنی سینوں اور دلوں اور ان میں پیدا ہونے والے خیالات سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے تو کیا وہ اپنی مخلوق سے
بے علم رہ سکتا ہے استغناء انکار کے لیے ہے یعنی نہیں رہ سکتا۔

(۴) لَطِيفُ کے معنی ہی باریک بین کے ہیں الَّذِي لَطَفَ عَلَيْهِمُ بِمَا فِي الْقُلُوبِ (فتح القدیر) جس کا علم اتنا
لطیف ہے کہ دلوں میں پرورش پانے والی باتوں کو بھی وہ جانتا ہے۔

(۵) ذَلُولُ کے معنی مطیع و منقاد کے ہیں جو تمہارے سامنے جھک جائے سرتابی نہ کرے۔ یعنی زمین کو تمہارے لیے
نرم اور آسان کر دیا ہے اسے اس طرح سخت نہیں بنایا کہ تمہارا اس پر آباد ہونا اور چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا۔

(۶) مَتَابِعُ مَنَاجِبُ کی جمع ہے جانب یہاں اس سے مراد اس کے راستے اور اطراف و جوانب ہیں امرابحت کے
لیے ہے یعنی اس کے راستوں میں چلو۔

(۷) یعنی زمین کی پیداوار سے کھاؤ پیو۔

(۸) یعنی اللہ تعالیٰ جو آسمانوں پر یعنی عرش پر جلوہ گر ہے یہ کافروں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ آسمانوں والی ذات جب چاہے
تمہیں زمین میں دھنسا دے۔ یعنی وہی زمین جو تمہاری قرار گاہ ہے اور تمہاری روزی کا مخزن و منبع ہے اللہ تعالیٰ اسی

أَمْ أَمْسَمْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا
فَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ كَيْفَ تُذَكِّرُونَ ۝

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَكَفَّكَانَ يُنْكِرُونَ ۝

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْفُلْكِ فَمَنْ هُتِفَتْ عَلَيْهِمْ فَانْفَضَّ
فَأَنبَسَ لَهُمُ الْوَالِئُونَ إِنَّهُمْ يَحْمِلُونَ أَسْرَارَهُمْ ۝

أَمَّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ جُنْدٌ لَكُمْ يَنْزِعُكُمْ مِنْ دُونِ
الرَّحْمَنِ إِنَّ الْكَافِرَ لَأَنفَرٌ عَصِوٌّ ۝

أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يُرْسِلُ فَلَاحِشَ أَسَدٍ يُرْفِقُ أَفْئِدَةً
فِي عُيُوتِهِمْ أَتَقْتُلُونَ ۝

یا کیا تم اس بات سے غر ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تم پر
پتھر برسا دے؟^(۱) پھر تو تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ
میرا ڈرانا کیسا تھا۔^(۲) (۱۷)

اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا تو دیکھو ان پر
میرا عذاب کیسا کچھ ہوا؟ (۱۸)

کیا یہ اپنے اوپر پر کھولے ہوئے اور (کبھی کبھی) سیٹھے
ہوئے (اڑنے والے) پرندوں کو نہیں دیکھتے؟^(۳) انہیں
(اللہ) رحمٰن ہی (ہوا و فضا میں) تھامے ہوئے ہے۔^(۴)

بیشک ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے۔ (۱۹)

سوائے اللہ کے تمہارا وہ کون سا لشکر ہے جو تمہاری مدد کر
سکے؟^(۵) کافر تو سرا سردھو کے ہی میں ہیں۔^(۶) (۲۰)

اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی روک لے تو بتاؤ کون ہے جو پھر
تمہیں روزی دے گا؟^(۷) بلکہ (کافر) تو سرکشی اور بدکنے

زمین کو جو نہایت پرسکون ہے، حرکت و جنبش میں لا کر تمہاری ہلاکت کا باعث بنا سکتا ہے۔

(۱) جیسے اس نے قوم لوط اور اصحاب الفیل (ہاتھیوں والے ابرہہ اور اس کے لشکر) پر برسائے اور پتھروں کی بارش سے
ان کو ہلاک کر دیا۔

(۲) لیکن اس وقت یہ علم بے فائدہ ہو گا۔

(۳) پرندہ جب ہوا میں اڑتا ہے تو وہ پر پھیلا لیتا ہے اور کبھی دوران پرواز پروں کو سمیٹ لیتا ہے۔ یہ پھیلاتا، صَفٌّ اور
سمیٹ لیتا قَبْضٌ ہے۔

(۴) یعنی دوران پرواز ان پرندوں کو تھامے رکھنے والا کون ہے جو انہیں زمین پر مگر نے نہیں دیتا؟ یہ اللہ رحمٰن ہی کی
قدرت کا ایک نمونہ ہے۔

(۵) یہ استفہام تفریع و توخ کے لیے ہے۔ جُنْدٌ کے معنی ہیں لشکر، جتہ۔ یعنی کوئی لشکر اور جتہ ایسا نہیں ہے جو تمہیں
اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔

(۶) جس میں انہیں شیطان نے جلا کر رکھا ہے۔

(۷) یعنی اللہ بارش نہ برسائے یا زمین ہی کو پیداوار سے روک دے یا تیار شدہ فصلوں کو تباہ کر دے، جیسا کہ بعض
بعض دفعہ وہ ایسا کرتا ہے، جس کی وجہ سے تمہاری خوراک کا سلسلہ موقوف ہو جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا کر دے تو کیا کوئی

پراڑ گئے ہیں۔^(۲۱)

اچھا وہ شخص زیادہ ہدایت والا ہے جو اپنے منہ کے بل
اوندھا ہو کر چلے^(۲) یا وہ جو سیدھا (بیروں کے بل) راہ
راست پر چلا ہو؟^(۳) (۲۲)

کہہ دیجئے کہ وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں پیدا کیا^(۴)
اور تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے^(۵) تم بہت ہی کم
شکرگزاری کرتے ہو۔^(۶) (۲۳)

کہہ دیجئے! کہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا
دیا اور اس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔^(۷) (۲۴)

أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّنْ
يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ
وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝

قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُخْشَوْنَ ۝

اور ہے جو اللہ کی اس مثبت کے برعکس تمہیں روزی میا کر دے؟

(۱) یعنی وعظ و نصیحت کی ان باتوں کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ وہ حق سے سرکشی اور اعراض و نفور میں ہی بڑھتے چلے
جا رہے ہیں، عبرت پکارتے ہیں اور نہ غور و فکر کرتے ہیں۔

(۲) منہ کے بل اوندھا چلنے والے کو دائیں بائیں اور آگے کچھ نظر نہیں آتا، نہ وہ ٹھوکروں سے محفوظ ہوتا ہے۔ کیا ایسا
شخص اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے؟ یقیناً نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح دنیا میں اللہ کی معصیتوں میں ڈوبا ہوا شخص آخرت
کی کامیابی سے محروم رہے گا۔

(۳) جس میں کوئی کجی اور انحراف نہ ہو اور اسکو آگے اور دائیں بائیں بھی نظر آ رہا ہو۔ ظاہر ہے یہ شخص اپنی منزل مقصود کو
پہنچ جائے گا۔ یعنی اللہ کی اطاعت کا سیدھا راستہ اپنانے والا آخرت میں سرخو رہے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مومن اور کافر
دونوں کی اس کیفیت کا بیان ہے جو قیامت والے دن اکی ہوگی۔ کافر منہ کے بل جہنم میں لے جائے جائیں گے اور مومن
سیدھے اپنے قدموں پر چل کر جنت میں جائیں گے جیسے کافروں کے بارے میں دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَنُفِثُ لَكُمْ فِي
الْأَفْئِدَةِ عَلَىٰ وَجْهِهِ﴾ (سورۃ اسراء: ۹۷) ”ہم انہیں قیامت والے دن منہ کے بل اکٹھا کریں گے۔“

(۴) یعنی پہلی مرتبہ پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔

(۵) جن سے تم سن سکو، دیکھ سکو اور اللہ کی مخلوق میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکو۔ تین قوتوں کا
ذکر فرمایا ہے جن سے انسان مسوعات، مبصرات اور معقولات کا ادراک کر سکتا ہے، یہ ایک طرح سے اتمام حجت بھی ہے
اور اللہ کی ان نعمتوں پر شکر نہ کرنے کی مذمت بھی۔ اسی لیے آگے فرمایا ”تم بہت ہی کم شکرگزاری کرتے ہو“

(۶) یعنی شُکْرًا قَلِيلًا يَا ذِمَّنَا قَلِيلًا یا قلت شکر سے مراد ان کی طرف سے شکر کا عدم وجود ہے۔

(۷) یعنی انسانوں کو پیدا کر کے زمین میں پھیلانے والا بھی وہی ہے اور قیامت والے دن سب جمع بھی اسی کے پاس ہوں

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۵﴾

قُلْ إِنَّمَا الْوَعْدُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۲۶﴾

فَلَنَارِ آوَاهُ نَارُهُ لَيَلَّتْ نَجْمُهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ذَوَّبِلَ
هَٰذَا الَّذِينَ كُنْتُمْ بِهِ تَدْعُونَ ﴿۲۷﴾

قُلْ أَنذِرْتُمْ إِنْ أَهْلَكْنِي اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا قُلْ
يُجِزُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابِ إِلَهِهِ ﴿۲۸﴾

قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ مُكَابِبٌ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَتَعْمَلُونَ

(کافر) پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ کب ظاہر ہو گا اگر تم سچے ہو
(تو بتاؤ؟) ﴿۲۵﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے، ﴿۲۶﴾ میں تو
صرف کلمے طور پر آگاہ کروںے والا ہوں۔ ﴿۲۷﴾

جب یہ لوگ اس ﴿۲۷﴾ وعدے کو قریب تر پائیں گے اس
وقت ان کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے ﴿۲۸﴾ اور کہہ دیا
جائے گا کہ یہی ہے جسے تم طلب کیا کرتے تھے۔ ﴿۲۹﴾

آپ کہہ دیجئے! اچھا اگر مجھے اور میرے ساتھیوں کو اللہ
تعالیٰ ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے (بہر صورت یہ تو
بتاؤ) کہ کافروں کو دردناک عذاب سے کون
بچائے گا؟ ﴿۳۰﴾

آپ کہہ دیجئے! کہ وہی رحمن ہے ہم تو اس پر ایمان لا

گے کسی اور کے پاس نہیں۔

(۱) یہ کافر بطور استہزا اور قیامت کو مستبعد سمجھتے ہوئے کہتے تھے۔

(۲) اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، دوسرے مقام پر فرمایا ﴿قُلْ إِنَّمَا عَلَّمَتْنَاهُ جَنَّاتُ﴾ ﴿الأعراف: ۱۸۷﴾

(۳) یعنی میرا کام تو اس انجام سے ڈرانا ہے جو میری تکذیب کی وجہ سے تمہارا ہو گا۔ دوسرے لفظوں میں میرا کام انذار
ہے، غیب کی خبریں بتانا نہیں۔ الایہ کہ جس کی بابت خود اللہ مجھے بتلا دے۔

(۴) رَاوٰہ میں ضمیر کا مرجع اکثر مفسرین کے نزدیک عذاب قیامت ہے۔

(۵) یعنی ذلت، ہولناکی اور دہشت سے ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی جس کو دوسرے مقام پر چہروں کے
سیاہ ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (آل عمران: ۱۰۹)

(۶) نَذْعُوْنَ اور تَدْعُوْنَ کے ایک ہی معنی ہیں۔ یعنی یہ عذاب جو تم دیکھ رہے ہو، وہی ہے جسے تم دنیا میں جلد طلب
کرتے تھے۔ جیسے سورہ ص ۱۶- اور الأنفال ۳۳ وغیرہ میں ہے۔

(۷) مطلب یہ ہے کہ ان کافروں کو تو اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے، چاہے اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور
اس پر ایمان لانے والوں کو موت یا قتل کے ذریعے سے ہلاک کر دے یا انہیں مہلت دے دے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم
باوجود ایمان کے خوف اور رجا کے درمیان ہیں، پس تمہیں تمہارے کفر کے باوجود عذاب سے کون بچائے گا؟

مَنْ مَوْفَىٰ ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

فَلْأَرَوْنَهُمْ أَصْبَحَ مَاؤُهُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيهِمْ مَاءٌ
مَّعِينٌ ۝

سُورَةُ الْقَلَمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝

مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمُنْعِنُونَ ۝

چکے^(۱) اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔^(۲) تمہیں عنقریب
معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے؟^(۳) (۲۹)
آپ کہہ دیجئے! کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے (پینے کا)
پانی زمین میں اتر جائے تو کون ہے جو تمہارے لیے ٹھہرا
ہو اپانی لائے؟^(۴) (۳۰)

سورہ قلم کی ہے اور اس میں ہون آیتیں اور
دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔
ن،^(۵) قسم ہے قلم کی اور^(۶) اس کی جو کچھ کہ وہ (فرشتے)
لکھتے ہیں۔^(۷) (۱)
تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہے۔^(۸) (۲)

(۱) یعنی اس کی وحدانیت پر اسی لیے اس کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے۔

(۲) کسی اور پر نہیں۔ ہم اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کرتے ہیں، کسی اور کے نہیں۔ جیسے مشرک کرتے ہیں۔

(۳) تم ہو یا ہم؟ اس میں کافروں کے لیے سخت وعید ہے۔

(۴) غَوْر کے معنی ہیں خشک ہو جانا یا اتنی گمراہی میں چلا جانا کہ وہاں سے پانی نکالنا ناممکن ہو۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ پانی خشک
فرمادے کہ اس کا وجود ہی ختم ہو جائے یا اتنی گمراہی میں کر دے کہ ساری مشینیں پانی نکالنے میں ناکام ہو جائیں تو غلاؤ!
پھر کون ہے جو تمہیں جاری، صاف اور ٹھہرا ہوا پانی مہیا کر دے؟ یعنی کوئی نہیں ہے۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تمہاری
معصیتوں کے باوجود وہ تمہیں پانی سے بھی محروم نہیں فرماتا۔

(۵) ن، اسی طرح حروف مقطعات میں سے ہے، جیسے اس سے قبل ص، ق اور دیگر فواتح سورہ گزر چکے ہیں۔

(۶) قلم کی قسم کھائی، جس کی اس لحاظ سے ایک اہمیت ہے کہ اس کے ذریعے سے تعین و توضیح ہوتی ہے۔ بعض کہتے
ہیں کہ اس سے مراد وہ خاص قلم ہے جسے اللہ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا اور اس کو تقدیر لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس نے
ابد تک ہونے والی ساری چیزیں لکھ دیں۔ (مس فرمندی، تفسیر سورۃ ن والقلم وقال الالباسی صحیح)

(۷) يَسْطُرُونَ کا مرجع اصحاب قلم ہیں، جس پر قلم کا لفظ دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ آراء کتابت کا ذکر کاتب کے وجود کو مستلزم
ہے۔ مطلب ہے کہ اس کی بھی قسم جو لکھنے والے لکھتے ہیں، یا پھر مرجع فرشتے ہیں، جیسے ترجمہ سے واضح ہے۔

(۸) یہ جواب قسم ہے، جس میں کفار کے قول کا رد ہے، وہ آپ کو مجنون (دیوانہ) کہتے تھے۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِي يَزُولُ عَلَيْهِ

وَاِنَّ لَكَ لَآخِرَآءٍ مِّمَّنْ هُمْ ۝

وَاِنَّكَ لَعَلَّ خُلِيٍّ عَظِيمٍ ۝

فَتَّبِعْهُ وَيُخَوِّدْكَ ۝

بِئْسَ الْفِتْنُ ۝

اِنَّ رَدِّيكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ صَلَّى عَنْ سَيِّئِهِ ۝

وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

فَلَا تُطِيعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

وَكُذَّوْا لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اور بے شک تیرے لیے بے انتہا اجر ہے۔^(۱)

اور بیشک تو بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہے۔^(۲)

پس اب تو بھی دیکھ لے گا اور یہ بھی دیکھ لیں گے۔^(۳)

کہ تم میں سے کون فتنہ میں پڑا ہوا ہے۔^(۴)

بیشک تیرا رب اپنی راہ سے ہٹنے والوں کو خوب جانتا ہے

اور وہ راہ یافتہ لوگوں کو بھی بخوبی جانتا ہے۔^(۵)

پس تو جھٹلانے والوں کی نہ مان۔^(۶)

وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو یہ بھی ڈھیلا

پڑ جائیں۔^(۷)

الَّذِي اِنَّكَ تَتَّبِعُوْنَ ﴿الحجرات﴾

(۱) فریضہ نبوت کی ادائیگی میں جتنی زیادہ تکلیفیں برداشت کیں اور دشمنوں کی باتیں تو نے سنی ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ مَنْ کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔

(۲) خُلِيٍّ عَظِيمٍ سے مراد اسلام، دین یا قرآن ہے مطلب ہے کہ تو اس خلق پر ہے جس کا حکم اللہ نے تجھے قرآن میں یا دین اسلام میں دیا ہے۔ یا اس سے مراد وہ تہذیب و شائستگی، نرمی اور شفقت، امانت و صداقت، حلم و کرم اور دیگر اخلاقی خوبیاں ہیں، جس میں آپ نبوت سے پہلے بھی ممتاز تھے اور نبوت کے بعد ان میں مزید بلندی اور وسعت آئی۔ اسی لیے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے اخلاق کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ اصْحَحَ مِمَّ كِتَابِ الْمَسَالِكِ باب جامع صلاة الليل ومن نام عنه أو مرص، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب خلق عظیم کے مذکورہ دونوں مفہوموں پر حاوی ہے۔

(۳) یعنی جب حق واضح ہو جائے گا اور سارے پردے اٹھ جائیں گے۔ اور یہ قیامت کے دن ہو گا۔ بعض نے اسے جنگ بدر سے متعلق قرار دیا ہے۔

(۴) اطاعت سے مراد یہاں وہ مدارات ہے جس کا اظہار انسان اپنے ضمیر کے خلاف کرتا ہے۔ یعنی مشرکوں کی طرف جھکنے اور ان کی خاطر مدارات کی ضرورت نہیں ہے۔

(۵) یعنی وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ان کے معبودوں کے بارے میں نرم رویہ اختیار کرے تو وہ بھی تیرے بارے میں نرم رویہ اختیار کریں لیکن باطل کے ساتھ مہانت کا نتیجہ ہو گا کہ باطل پرست اپنی باطل پرستی کو چھوڑنے میں ڈھیلا ہو جائیں گے اس لیے حق میں مہانت حکمت تبلیغ اور کار نبوت کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔

وَلَا تُطْعَمُ كُلُّ حَلَابٍ مَّهْنِي ۝

هَتَايَ مَتَا ۝ يَسْمُو ۝

مَتَا ۝ لَكُم مَّعْتَدٍ أَرِي ۝

عُمِلَ بَعْدَ ذَلِكَ لَكُمْ ۝

أَن كَانَ ذَا مِلٍّ وَنِي ۝

إِذَا شِئِيَ عَلَيْهِ ۝ إِنَّمَا قَالَ ۝ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝

سَيِّئُهُ عَلَى الْغُرُ ۝

رَبَّنَا بَلِّغْهُمْ كَمَا بَلَّغْنَا الْبَنَاتِ ۝ إِذْ أَقْسَمُوا

لَيَصْرُنَّ مِنْهُمَا صَبِي ۝

اور تو کسی ایسے شخص کا بھی کہنا نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا۔ (۱۰)

بے وقار، کمینہ، عیب گو، چغل خور۔ (۱۱)

بھلائی سے روکنے والا حد سے بڑھ جانے والا گنگار۔ (۱۲)

گردن کش پھر ساتھ ہی بے نسب ہو۔ (۱۳)

اس کی سرکشی صرف اس لیے ہے کہ وہ ماں والا اور بیٹوں والا ہے۔ (۱۴)

جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ یہ تو انگوں کے قصے ہیں۔ (۱۵)

ہم بھی اس کی سونڈ (ناک) پر داغ دیں گے۔ (۱۶)

پیشک ہم نے انہیں اسی طرح آزمایا (۱۷) جس طرح ہم نے باغ والوں کو (۱۸) آزمایا تھا جبکہ انہوں نے

(۱) یہ ان کافروں کی اخلاقی پستیوں کا ذکر ہے جن کی خاطر پیغمبر کو مہانت کرنے سے روکا جا رہا ہے۔ یہ صفات ذمہ کسی ایک شخص کی بیان کی گئی ہیں یا عام کافروں کی؟ پہلی بات کا ماخذ اگرچہ بعض روایتیں ہیں، مگر وہ غیر مستند ہیں۔ اس لیے مقصود عام یعنی ہر وہ شخص ہے جس میں مذکورہ صفات پائی جائیں۔ زَيْنَمٌ، ولد الحرام یا مشہور و بدنام۔

(۲) یعنی مذکورہ اخلاقی قباحتوں کا ارتکاب وہ اس لیے کرتا ہے کہ اللہ نے اسے مال اور اولاد کی نعمتوں سے نوازا ہے یعنی وہ شکر کے بجائے کفرانِ نعمت کرتا ہے۔ بعض نے اسے وَلَا تُطْعَمُ کے متعلق قرار دیا ہے۔ یعنی جس شخص کے اندر یہ خرابیاں ہوں، اس کی بات صرف اس لیے مان لی جائے کہ وہ مال و اولاد رکھتا ہے؟

(۳) بعض کے نزدیک اس کا تعلق دنیا سے ہے، مثلاً کہا جاتا ہے کہ جنگ بدر میں ان کافروں کی ناکوں کو تلواروں کا نشانہ بنایا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ قیامت والے دن جہنمیوں کی علامت ہوگی کہ ان کی ناکوں کو داغ دیا جائے گا۔ یا اس کا مطلب چروں کی سیاہی ہے۔ جیسا کہ کافروں کے چہرے اس دن سیاہ ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ کافروں کا یہ حشر دنیا اور آخرت دونوں جگہ ممکن ہے۔

(۴) مراد اہل مکہ ہیں۔ یعنی ہم نے ان کو مال و دولت سے نوازا، تاکہ وہ اللہ کا شکر کریں، نہ کہ کفر و تکبر لیکن انہوں نے کفر و تکبر کا راستہ اختیار کیا تو ہم نے انہیں بھوک اور قحط کی آزمائش میں ڈال دیا، جس میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کی وجہ سے کچھ عرصہ جلا رہے۔

(۵) بلغ دابوں کا قصہ عربوں میں مشہور تھا۔ یہ بلغ صَنْعَاء (يمن) سے دو فرخ کے فاصلے پر تھا اس کا، ملک اس کی

قسمیں کھائیں کہ صبح ہوتے ہی اس باغ کے پھل
اتار لیں گے۔^(۱۷)

اور ان شاء اللہ نہ کہا۔ (۱۸)

پس اس پر تیرے رب کی جانب سے ایک بلا چاروں
طرف گھوم گئی اور یہ سو ہی رہے تھے۔^(۱۹)

پس وہ باغ ایسا ہو گیا جیسے کئی ہوئی کھیتی۔^(۲۰)

اب صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو آوازیں
دیں۔ (۲۱)

کہ اگر تمہیں پھل اتارنے ہیں تو اپنی کھیتی پر سویرے
ہی سویرے چل پڑو۔ (۲۲)

پھر یہ سب چپکے چپکے یہ باتیں کرتے ہوئے چلے۔^(۲۳)

کہ آج کے دن کوئی مسکین تمہارے پاس نہ آنے
پائے۔^(۲۴)

وَلَا يَسْتَنْتَوْنَ ۝

فَقَطَّافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ مُبَاهِتُونَ ۝

فَأَصْبَحَتْ كَالْعَصِيرِ ۝

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ۝

أَيْنَ الْغُرُفِ وَأَمْلَ حَزَنًا لِّمَن لَّمْ يَصْرِفْ ۝

فَالطَّلَعُ أَوْ هُمْ يَنْتَفِعُونَ ۝

أَن لَّا يَدْخُلُهَا أَيْدِيكُمْ وَتُنْكِرُونَ ۝

پیداوار میں سے غراؤ مساکین پر بھی خرچ کرتا تھا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد جب اس کی اولاد اس کی وارث بنی تو
انہوں نے کہا کہ ہمارے تو اپنے اخراجات ہی بمشکل پورے ہوتے ہیں، ہم اس کی آمدنی میں سے مساکین اور سالکین کو
کس طرح دیں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس باغ کو ہی تباہ کر دیا۔ کہتے ہیں یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر
اٹھائے جانے کے تھوڑے عرصے بعد ہی پیش آیا۔ (فتح القدیر) یہ ساری تفصیل تفسیری روایات کی ہے۔

(۱) صَرَمٌ کے معنی ہیں 'پھل اور کھیتی کا کاٹنا' مُصْبِحِينَ حال ہے۔ یعنی صبح ہوتے ہی پھل اتار لیں گے اور پیداوار
کٹ لیں گے۔

(۲) بعض کہتے ہیں 'راتوں رات اسے آگ لگ گئی' بعض کہتے ہیں 'جبرائیل علیہ السلام نے آگرا سے تھس تنس کر دیا۔

(۳) یعنی جس طرح کھیتی کٹنے کے بعد خشک ہو جاتی ہے، اس طرح سارا باغ اجڑ گیا۔ بعض نے ترجمہ کیا ہے 'سیاہ رات
کی طرح ہو گیا۔ یعنی جل کر۔

(۴) یعنی باغ کی طرف جانے کے لیے ایک تو صبح صبح نکلے۔ دوسرے آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے گئے تاکہ کسی کو ان
کے جانے کا علم نہ ہو۔

(۵) یعنی وہ ایک دوسرے کو کہتے رہے کہ آج کوئی باغ میں آکر ہم سے کچھ نہ مانگے جس طرح ہمارے باپ کے زمانے

وَعَدَّ عَلٰى حَرْوٍ قَدِيرٍ ۝

اور لکے ہوئے صبح صبح گئے۔ (سمجھ رہے تھے) کہ ہم قابو پا گئے۔^(۲۵)

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوا اِنَّا لَضَالُّونَ ۝

جب انہوں نے باغ دیکھا^(۲۶) تو کہنے لگے یقیناً ہم راستہ^(۲۷) بھول گئے۔^(۲۸)

بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝

نہیں نہیں بلکہ ہماری قسمت بھٹ گئی۔^(۲۹)

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ۝

ان سب میں جو بہتر تھا اس نے کہا کہ میں تم سے نہ کہتا تھا کہ تم اللہ کی پاکیزگی کیوں نہیں بیان کرتے؟^(۳۰) تو سب کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے بیشک ہم ہی ظالم تھے۔^(۳۱)

قَالُوا سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنَّا كُنَّا غٰلِبِينَ ۝

پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں ملامت کرنے لگے۔^(۳۲)

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَتَّبِعَا مُؤْمِنُونَ ۝

کہنے لگے ہائے افسوس! یقیناً ہم سرکش تھے۔^(۳۳)

قَالُوا يٰوَيْلَنَا اِنَّا كُنَّا غٰلِبِينَ ۝

کیا عجب ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے

عَسَىٰ رَبُّنَا اَنْ يُبَدِّلَ نَاحِيَةً مِّنْهُمْ اِثْنَا اِلٰى رَبِّنَا رٰجِعُونَ ۝

میں آیا کرتے تھے اور اپنا حصہ لے جاتے تھے۔

(۱) حَزْوٍ کے ایک معنی تو قوت و شدت کیے گئے ہیں جس کو مترجم مرحوم نے ”لکے ہوئے“ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض نے غصہ اور حسد کیے ہیں یعنی مساکین پر غیظ و غضب کا اظہار یا حسد کرتے ہوئے۔ فَادِرِينَ حال ہے یعنی اپنے معاملے کا انہوں نے اندازہ کر لیا یا اپنے زعم میں انہوں نے اپنے باغ پر قدرت حاصل کر لی یا مطلب ہے مساکین پر انہوں نے قابو پایا۔

(۲) یعنی باغ والی جگہ کو راکھ کا ڈھیر یا اسے تباہ و برباد دیکھا۔

(۳) یعنی پہلے پہل تو ایک دوسرے کو کہا۔

(۴) پھر جب غور کیا تو جان گئے کہ یہ آفت زدہ اور تباہ شدہ باغ ہمارا ہی باغ ہے جسے اللہ نے ہمارے طرز عمل کی پاداش میں ایسا کر دیا ہے اور واقعی یہ ہماری حسیں نہیں ہے۔

(۵) بعض نے تسبیح سے مراد یہاں اِنْ شَاءَ اللہ کہا مراد لیا ہے۔

(۶) یعنی اب انہیں احساس ہوا کہ ہم نے اپنے باپ کے طرز عمل کے خلاف قدم اٹھا کر غلطی کا ارتکاب کیا ہے جس کی سزا اللہ نے ہمیں دی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معصیت کا عزم اور اس کے لیے ابتدائی اقدامات بھی ارتکاب معصیت کی طرح جرم ہے جس پر مؤاخذہ ہو سکتا ہے صرف وہ ارادہ معاف ہے جو وسوسے کی حد تک رہتا ہے۔

دے ہم تو اب ^(۱) اپنے رب سے ہی آرزو رکھتے ہیں۔ (۳۲)

یوں ہی آفت آتی ہے ^(۲) اور آخرت کی آفت بہت بڑی ہے۔ کاش انہیں سمجھ ہوتی۔ ^(۳) (۳۳)

پرہیز گاروں کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں۔ (۳۴)

کیا ہم مسلمانوں کو مثل گناہ گاروں کے کر دیں گے۔ ^(۴) (۳۵)

تمہیں کیا ہو گیا، کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ (۳۶)
کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ^(۵) ہے جس میں تم پڑھتے ہو؟ (۳۷)

کہ اس میں تمہاری من مانی باتیں ہوں؟ (۳۸)
یا تم نے ہم سے کچھ قسمیں لی ہیں؟ جو قیامت تک باقی رہیں کہ تمہارے لیے وہ سب ہے جو تم اپنی طرف سے مقرر کر لو۔ ^(۶) (۳۹)

كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ وَالْعَذَابُ الْآخِرَةُ أَكْبَرُ
لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٣٢﴾

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٍ النَّعِيمِ ﴿٣٣﴾

أَفَجَعَلْنَا الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٤﴾

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَقُولُونَ ﴿٣٥﴾

أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿٣٦﴾

إِنْ لَكُمْ مِنْهُ لَمَّا تَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾

أَمْ لَكُمْ آيَاتٌ عَلَيْنَا بِالْعِلْمِ إِلَى يَوْمِ الْيَاقُوتِ إِنْ لَكُمْ
لَمَّا تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾

(۱) کہتے ہیں کہ انہوں نے آپس میں عہد کیا کہ اب اگر اللہ نے ہمیں مال دیا تو اپنے باپ کی طرح اس میں سے غریب و مساکین کا حق بھی ادا کریں گے۔ اسی لیے ندامت اور توبہ کے ساتھ رب سے امیدیں بھی وابستہ کیں۔

(۲) یعنی اللہ کے حکم کی مخالفت اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں بخل کرنے والوں کو ہم دنیا میں اسی طرح عذاب دیتے ہیں۔ (اگر ہماری مشیت اس کی مقتضی ہو)

(۳) لیکن افسوس وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے اس لیے پروا نہیں کرتے۔

(۴) مشرکین کہہ کہتے تھے کہ اگر قیامت ہوئی تو وہاں بھی ہم مسلمانوں سے بہتری ہوں گے، جیسے دنیا میں ہم مسلمانوں سے زیادہ آسودہ حال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا: یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم مسلمانوں یعنی اپنے فرماں برداروں کو مجرموں یعنی نافرمانوں کی طرح کر دیں؟ مطلب ہے کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کے خلاف دونوں کو یکساں کر دے۔

(۵) جس میں یہ بات لکھی ہو جس کا تم دعویٰ کر رہے ہو، کہ وہاں بھی تمہارے لیے وہ کچھ ہو گا جسے تم پسند کرتے ہو؟

(۶) یا ہم نے تم سے پکا عہد کر رکھا ہے، جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے کہ تمہارے لیے وہی کچھ ہو گا جس کا تم اپنی

سَلَمُهُمْ أَتَمُّ بِذَلِكَ رَزَقُهُ ⑤

أَمَلْتُمْ شُرَكَاءَ، فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ⑥

يَوْمَ يَكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيَذْعُونَ إِلَى الشُّجُودِ
فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ⑦

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهُفُهُمْ ذَلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ
إِلَى الشُّجُودِ وَهُمْ سَائِمُونَ ⑧

فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَلِّبُ هَذَا الْعَبْدَ يَسْتَدْرِجُهُمْ قَبْلَ

ان سے پوچھو تو کہ ان میں سے کون اس بات کا ذمہ دار
(اور دعویدار) ہے؟ ① (۳۰)

کیا ان کے کوئی شریک ہیں؟ تو چاہیے کہ اپنے اپنے
شریکوں کو لے آئیں اگر یہ سچے ہیں۔ ② (۳۱)

جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کے لیے
بلائے جائیں گے تو (سجدہ) نہ کر سکیں گے۔ ③ (۳۲)

نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت و خواری چھ رہی ہو
گی، ④ (۳۳) حالانکہ یہ سجدے کے لیے (اس وقت بھی) ^(۳۳)
بلائے جاتے تھے جبکہ صحیح سالم تھے۔ ⑤ (۳۳)

پس مجھے اور اس کلام کو جھٹلانے والے کو چھوڑ دے ⑥

بابت فیصلہ کرو گے۔

(۱) کہ وہ قیامت والے دن ان کے لیے وہی کچھ فیصلہ کر دے گا جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے فرمائے گا۔

(۲) یا جن کو انہوں نے شریک ٹھہرا رکھا ہے، وہ ان کی مدد کر کے ان کو اچھا مقام دلوادیں گے؟ اگر ان کے شریک ایسے
ہیں تو ان کو سامنے لائیں تاکہ ان کی صداقت واضح ہو۔

(۳) بعض نے کشف ساق سے مراد قیامت کے شہادہ اور اس کی ہولناکیاں لی ہیں لیکن ایک صحیح حدیث میں اس کی
تفسیر اس طرح بیان ہوئی ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھولے گا، (جس طرح کہ اس کی شان کے لائق
ہے) تو ہر مومن مرد اور عورت اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے، البتہ وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دکھ دے اور
شہرت کے لیے سجدے کرتے تھے، وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی ریزہ کی ہڈی کے ٹکے، تختے کی طرح ایک ہڈی بن
جائیں گے جس کی وجہ سے ان کے لیے جھکنا ناممکن ہو جائے گا (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ القلم) اللہ تعالیٰ کی یہ پنڈلی
کس طرح کی ہوگی؟ اسے وہ کس طرح کھولے گا؟ اس کیفیت کو ہم جان سکتے ہیں نہ بیان کر سکتے ہیں۔ اس لیے جس طرح
ہم بلا کیف و بلا تشبیہ اس کی آنکھوں، کان، ہاتھ وغیرہ پر ایمان رکھتے ہیں، اسی طرح پنڈلی کا ذکر بھی قرآن اور حدیث میں
ہے، اس پر بلا کیف ایمان رکھنا ضروری ہے۔ یہی سلف اور محدثین کا مسلک ہے۔

(۴) یعنی دنیا کے برعکس ان کا معاملہ ہو گا دنیا میں تکبر و عناد کی وجہ سے ان کی گردنیں اکڑی ہوتی تھیں۔

(۵) یعنی صحت مند اور توانا تھے، اللہ کی عبادت میں کوئی چیز ان کے لیے مانع نہیں تھی۔ لیکن دنیا میں اللہ کی عبادت سے

یہ دور رہے۔

(۶) یعنی میں ہی ان سے نمٹ لوں گا، تو ان کی فکر نہ کر۔

حَيْثُ لَا يَمْلِكُونَ ﴿۳۳﴾

ہم انہیں اس طرح آہستہ آہستہ کھینچیں گے کہ انہیں معلوم بھی نہ ہو گا۔^(۳۳)

وَأَمَّا لَهُمْ عِلْمٌ كَيْدِي مَبِينٌ ﴿۳۴﴾

اور میں انہیں ڈھیل دوں گا، بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔^(۳۴)

أَرَأَيْتُمْ أَجْرَ أَهْلِ شَعْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿۳۵﴾

کیا تو ان سے کوئی اجرت چاہتا ہے جس کے تہان سے یہ دبے جاتے ہوں۔^(۳۵)

أَرَأَيْتُمْ هَؤُلَاءِ لَئِذَا قُفُّوا فَعَلُمُ الْيَوْمِ ﴿۳۶﴾

یا کیا ان کے پاس علم غیب ہے جسے وہ لکھتے ہوں۔^(۳۶)

فَأَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْأُخْرَبِ ﴿۳۷﴾

پس تو اپنے رب کے حکم کا صبر سے (انتظار کر) اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جا جب^(۳۷) کہ اس نے غم کی حالت میں دعا کی۔^(۳۸)

إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿۳۸﴾

(۱) یہ اسی استدراج (ڈھیل دینے) کا ذکر ہے جو قرآن میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے اور حدیث میں بھی وضاحت کی گئی ہے کہ نافرمانی کے باوجود دنیوی مال و اسباب کی فراوانی اللہ کا فضل نہیں ہے، اللہ کے قانون اعمال کا نتیجہ ہے، پھر جب وہ گرفت کرنے پر آتا ہے تو کوئی بچانے والا نہیں ہوتا۔

(۲) یہ گزشتہ مضمون ہی کی تائید ہے۔ تَجِدُ خَفِيَةً تَدْبِيرًا اور چال کو کہتے ہیں، اچھے مقصد کے لیے ہو تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اسے اردو زبان کا کید نہ سمجھا جائے جس میں ذمہ ہی کا مفہوم ہوتا ہے۔

(۳) یہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن تو بخ ان کو کی جارہی ہے جو آپ پر ایمان نہیں لارہے تھے۔

(۴) یعنی کیا غیب کا علم ان کے پاس ہے، لوح محفوظ ان کے تصرف میں ہے کہ اس میں سے جو بات چاہتے ہیں، نقل کر لیتے ہیں (وہاں سے لکھ رہے ہیں) اس لیے یہ تیری اطاعت اختیار کرنے اور تجھ پر ایمان لانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں، ایسا نہیں ہے۔

(۵) فَأَصْبِرْ میں مَا، تفریع کے لیے ہے۔ یعنی جب واقعہ ایسا نہیں ہے تو اسے بغیر! تو فریضہ رسالت ادا کرتا رہ اور ان مکذبین کے بارے میں اللہ کے فیصلے کا انتظار کر۔

(۶) جنہوں نے اپنی قوم کی روش مکذیب کو دیکھتے ہوئے غلٹ سے کام لیا اور رب کے فیصلے کے بغیر ہی از خود اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔

(۷) جس کے نتیجے میں انہیں مچھلی کے پیٹ میں، جب کہ وہ غم و اندوہ سے بھرے ہوئے تھے، اپنے رب کو مدد کے لیے پکارنا پڑا۔ جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

لَوْلَا اَنْ تَذَرَهُ رِئَۃٌ مِّنْ رَبِّهِ لَئِيْذًا لِّعَرَّاءٍ
وَهُوَ ذُو مُوْزٍ ﴿۳۹﴾

فَاَجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّابِقِيْنَ ﴿۴۰﴾

وَ اِنْ يَّكَذِّبُوكَ النَّبِيُّ فَاَكْفُرْ وَالَّذِيْنَ تَكْفُرْ لَّهُمْ لَأَسْمِعُوْا النَّبِيَّ
وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهُ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۴۱﴾

وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ ﴿۴۲﴾

اگر اسے اس کے رب کی نعمت نہ پالیتی تو یقیناً وہ برے
حالوں میں چھیل میدان میں ڈال دیا جاتا۔^(۱) (۳۹)
اسے اس کے رب نے پھر نوازا^(۲) اور اسے نیک کاروں
میں کر دیا۔^(۳) (۴۰)

اور قریب ہے کہ کافرا اپنی تیز نگاہوں سے آپ کو پھسلا
دیں،^(۴) جب کبھی قرآن سنتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں یہ تو
ضرور دیوانہ ہے۔^(۵) (۴۱)

در حقیقت یہ (قرآن) تو تمام جہان و احوں کے لیے سراسر

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ اگر انہیں توبہ و مناجات کی توفیق نہ دیتا اور ان کی دعا قبول نہ فرماتا تو انہیں ساحل سمندر کے بجائے
جہاں ان کے سائے اور خوراک کے لیے بل دار درخت لگا دیا گیا کسی خبر زمین میں پھینک دیا جاتا اور عند اللہ ان کی
حیثیت بھی نہ موم رہتی جب کہ قبولیت دعا کے بعد وہ محمود ہو گئے۔

(۲) اس کا مطلب ہے کہ انہیں توانا و تندرست کرنے کے بعد دوبارہ رسالت سے نواز کر انہیں اپنی قوم کی طرف بھیجا
گیا۔ جیسا کہ سورۃ صافات ۳۶ سے بھی واضح ہے۔

(۳) اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر
ہوں“۔ اصحیح مسلم، کتاب الفضائل باب فی ذکر یونس، مزید دیکھئے: صفحہ ۱۰۹۰ شیعہ نمبر ۱۔

(۴) یعنی اگر تجھے اللہ کی حمایت و حفاظت نہ ہوتی تو ان کفار کی حاسدانہ نظروں سے تو نظریہ کا شکار ہو جاتا۔ یعنی ان کی
نظر تجھے لگ جاتی۔ امام ابن کثیر نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے ”مزید لکھتے ہیں: ”یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نظر کا لگ
جانا اور اس کا دوسروں پر اللہ کے حکم سے اثر انداز ہونا حق ہے۔ جیسا کہ متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے چنانچہ
احادیث میں اس سے بچنے کے لیے دعائیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ اور یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ جب تمہیں کوئی چیز اچھی
لگے تو ماشاء اللہ یا بارک اللہ کہا کرو۔ تاکہ اسے نظر نہ لگے“ اسی طرح کسی کو کسی کی نظر لگ جائے تو فرمائیے ”اسے غسل
کروا کے اس کا پانی اس شخص پر ڈالا جائے جس کو اس کی نظر لگی ہے۔“ (تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر ابن کثیر اور کتب
حدیث) بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ تجھے تبلیغ رسالت سے پھیر دیتے۔

(۵) یعنی حسد کے طور پر بھی اور اس غرض سے بھی کہ لوگ اس قرآن سے متاثر نہ ہوں بلکہ اس سے دور ہی رہیں۔
یعنی آنکھوں کے ذریعے سے بھی یہ کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے اور زبانوں سے بھی
آپ کو ایذا پہنچاتے اور آپ کے دل کو مجروح کرتے۔

نصحت ہی ہے۔^(۱) (۵۲)

سورۃ حاقہ کی ہے اور اس میں ہون آیتیں اور
دور کوغ ہیں۔

سُورَةُ الْحَاقَّةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَاقَّةُ ۝

مَا الْحَاقَّةُ ۝

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ ۝

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِوَاعْدِ الْفَارِغَةِ ۝

فَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً ۝

وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِجِّ زَوْجِرِ الْعَيْنِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

ثابت ہونے والی^(۲) (۱)

ثابت ہونے والی کیا ہے؟^(۳) (۲)

اور تجھے کیا معلوم کہ وہ ثابت شدہ کیا ہے؟^(۴) (۳)

اس کھڑکادینے والی کو ثمود اور عاد نے جھٹلایا تھا۔^(۵) (۴)

(جس کے نتیجہ میں) ثمود تو بے حد خوفناک (اور اونچی)

آواز سے ہلاک کر دیئے گئے۔^(۶) (۵)

اور عاد بید تمیز و تند ہوا سے غارت کر دیئے گئے۔^(۷) (۶)

(۱) جب واقعہ یہ ہے کہ یہ قرآن جن و انس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے آیا ہے تو پھر اس کو لانے والا اور بیان کرنے والا
مجنون (دیوانہ) کس طرح ہو سکتا ہے؟

(۲) یہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس میں امر الہی ثابت ہو گا اور خود یہ بھی ہر صورت وقوع پذیر ہونے
والی ہے اس لیے اسے الْحَاقَّةُ سے تعبیر فرمایا۔

(۳) یہ لفظ استعمال ہے لیکن اس کا مقصد قیامت کی عظمت اور فہمیت شان بیان کرنا ہے۔

(۴) یعنی کس ذریعے سے تجھے اس کی پوری حقیقت سے آگاہی حاصل ہو؟ مطلب اس کے علم کی نفی ہے۔ گویا کہ تجھے
اس کا علم نہیں کیوں کہ تو نے ابھی اسے دیکھا ہے اور نہ اس کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کیا ہے گویا کہ وہ مخلوقات کے دائرۂ
علم سے باہر ہے (فتح القدیر) بعض کہتے ہیں کہ قرآن میں جس کی بابت بھی صیغہ ماضی مَا أَدْرَاكَ استعمال کیا گیا ہے اس کو
بیان کر دیا گیا ہے اور جس کو مضارع کے صیغے وَمَا يَذَّكَّرُ کے ذریعے سے بیان کیا گیا ہے اس کا علم لوگوں کو نہیں دیا
گیا ہے۔ (فتح القدیر وایسر التفاسیر)

(۵) اس میں قیامت کو کھڑکادینے والی کہا ہے اس لیے کہ یہ اپنی ہولناکیوں سے لوگوں کو بیدار کر دے گی۔

(۶) طَائِفَةٌ ایسی آواز جو حد سے تجاوز کر جانے والی ہو یعنی نہایت خوف ناک اور اونچی آواز سے قوم ثمود کو ہلاک کیا
گیا جیسا کہ پہلے متعدد جگہ گزرا۔

(۷) صَرْصَر پالے والی ہوا۔ عَائِيَةٌ سرکش کسی کے قابو میں نہ آنے والی۔ یعنی نہایت تند و تیز پالے والی اور بے قابو

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَلَاثِينَ آيَاتٍ لِتُخْشَوْنَ
فَكَرَى الْقَوْمُ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أُتِخُوا زَعَلًا خَاوِيَةً ۝

فَقَدْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ ۝

وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكَاتُ بِأَلْهَابِطَةٍ ۝

فَعَصَوْا رِسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَ مِنْ أَخْذِهِ رَابِعَةً ۝

إِنَّا نَالَطَمْنَا الْمَاءَ حَمَلَكُمُ فِي الْخَابِطَةِ ۝

لِنَجْمَعَنَّ الْكَذَّابِينَ وَنَجْعَلَنَّهُمْ آذُنًا ذَائِعَةً ۝

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ۝

جسے ان پر لگاتار سات رات اور آٹھ دن تک (اللہ نے)
مسلط رکھا^(۱) پس تم دیکھتے کہ یہ لوگ زمین پر اس طرح گر
گئے جیسے کہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں۔^(۲) (۷)

کیا ان میں سے کوئی بھی تجھے باقی نظر آ رہا ہے؟ (۸)

فرعون اور اس سے پہلے کے لوگ اور جن کی بستیوں
الٹ دی گئی،^(۳) انہوں نے بھی خطائیں کیں۔ (۹)

اور اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی (بالآخر) اللہ نے
انہیں (بھی) زبردست گرفت میں لے لیا۔^(۴) (۱۰)

جب پانی میں طغیانی آگئی^(۵) تو اس وقت ہم نے تمہیں
کشتی میں چڑھالیا۔^(۶) (۱۱)

تاکہ اسے تمہارے لیے نصیحت اور یادگار بنادیں،^(۷) اور
(تاکہ) یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔^(۸) (۱۲)

پس جبکہ صور میں ایک پھونک پھونکی جائے گی۔^(۹) (۱۳)

ہوا کے ذریعے سے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد کو ہلاک کیا گیا۔

(۱) حَسَمَ کے معنی کانٹے اور جدا جدا کر دینے کے ہیں اور بعض نے حُسُومًا کے معنی پے در پے کئے ہیں۔

(۲) اس سے ان کے درازئی قد کی طرف بھی اشارہ ہے خَاوِيَةً کھوکھلے۔ بے روح جسم کو کھوکھلے تنے سے تشبیہ دی ہے۔

(۳) اس سے قوم لوط مراد ہے۔

(۴) رَابِعَةً، رَآبِیُّوْنَ سے ہے جس کے معنی زائد کے ہیں۔ یعنی ان کی ایسی گرفت کی جو دوسری قوموں کی گرفت سے
زائد یعنی سب میں سخت تر تھی۔ گویا أَخْذَةُ رَابِعَةً کا مفہوم ہوا 'نہایت سخت گرفت'۔

(۵) یعنی پانی اترنے اور بلندی میں تجاوز کر گیا یعنی پانی خوب چڑھ گیا۔

(۶) حکم سے بھڑے ہوئے پانی سے بچایا تھا۔ الْخَابِطَةِ سے مراد سفینۂ نوح علیہ السلام ہے۔

(۷) یعنی یہ فعل کہ کافروں کو پانی میں غرق کر دیا اور مومنوں کو کشتی میں سوار کرا کے بچالیا 'تمہارے لیے اس کو عبرت و
نصیحت بنادیں تاکہ تم اس سے نصیحت حاصل کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو۔

(۸) یعنی سننے والے 'اسے سن کر یاد رکھیں اور وہ بھی اس سے عبرت پکڑیں۔

(۹) مکذبین کا انجام بیان کرنے کے بعد اب بتلایا جا رہا ہے کہ یہ 'الْحَقَاقَةُ' کس طرح واقع ہوگی اسرائیل کی ایک ہی

وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُکَّتَا دُکَّةً وَاحِدَةً ۝

یَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝

وَانشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ۝

وَالْمَلٰٓئِکَةُ عَلَیْ اُرْسُلِهِمْ وَعِیْشٌ عَرْشُ رَبِّکَ فَوْقَهُمْ یَوْمَئِذٍ
ثَنِیْنَةٌ ۝

یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفٰی مِنْکُمْ خَیۡبَةٌ ۝

فَاَنۡتَاصِنَاۤ اُوۤلٰٓئِیۡکُمْ یَسۡمٰیۡنَہٗ فِیۡقُولُ مَاۤ اُوۤمَرٰۤ اَقۡرَبُ
بِخَبِیۡئِہٖ ۝

اور زمین اور پہاڑ اٹھا لیے جائیں گے اور ایک ہی
چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔ (۱۳)
اس دن ہو پڑنے والی (قیامت) ہو پڑے گی۔ (۱۵)
اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن بالکل بودا ہو جائے
گا۔ (۱۶)

اس کے کناروں پر فرشتے ہوں گے، (۳) اور تیرے
پروردگار کا عرش اس دن آٹھ (فرشتے) اپنے اوپر اٹھائے
ہوئے ہوں گے۔ (۱۷)

اس دن تم سب سامنے پیش کیے جاؤ گے، تمہارا کوئی
بھید پوشیدہ نہ رہے گا۔ (۱۸)

سوچے اس کا نامہ اعمال اسکے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا،
تو وہ کہنے لگے گا کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھو۔ (۱۹)

پھونک سے یہ ہپا ہو جائے گی۔

(۱) یعنی اپنی جگہوں سے اٹھا لیے جائیں گے اور قدرت الہی سے اپنی قرار گاہوں سے ان کو اکھیر لیا جائے گا۔

(۲) یعنی اس میں کوئی قوت اور استحکام نہیں رہے گا جو چیز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اس میں استحکام کس طرح
رہ سکتا ہے۔

(۳) یعنی آسمان تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے پھر آسمانی مخلوق فرشتے کہاں ہوں گے؟ فرمایا، وہ آسمانوں کے کناروں پر
ہوں گے، اس کا ایک مطلب تو ہو سکتا ہے کہ فرشتے آسمان پھنسنے سے قبل اللہ کے حکم سے زمین پر آجائیں گے تو گویا
فرشتے دنیا کے کنارے پر ہوں گے، یا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ آسمان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر مختلف ٹکڑوں میں ہو گا تو
ان ٹکڑوں پر جو زمین کے کناروں میں اور بجائے خود ثابت ہوں گے، ان پر ہوں گے۔ (فتح القدیر)

(۴) یعنی ان مخصوص فرشتوں نے عرش الہی کو اپنے سروں پر اٹھایا ہوا ہو گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس عرش سے مراد وہ
عرش ہو جو فیصوں کے لیے زمین پر رکھا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ نزول اجلال فرمائے گا۔ (ابن کثیر)

(۵) یہ پیشی اس لیے نہیں ہو گی کہ جن کو اللہ نہیں جانتا، ان کو جان لے، وہ تو سب کو ہی جانتا ہے، یہ پیشی خود انسانوں پر
حجت قائم کرنے کے لیے ہو گی۔ ورنہ اللہ سے تو کسی کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

(۶) جو اس کی سعادت، نجات اور کامیابی کی دلیل ہو گا۔

(۷) یعنی وہ مارے خوشی کے ہر ایک کو کہے گا کہ لو پڑھ لو میرا اعمال نامہ تو مجھے مل گیا ہے، اس لیے کہ اسے پتہ ہو گا کہ اس میں

إِنِّي طَلَنْتُكَ إِنِّي مُلِحِي حَسَابِيَةَ ۝

فَعَوْنِي عِيشَةً زَافِيَةً ۝

فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝

تَطْوُفُهَا دَائِبَةٌ ۝

كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ ثَمَرِهَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَنْبَاءِ

الْعَالِيَةِ ۝

وَأَمَّا مَنْ أَدْبَىٰ حَسْبَهُ بَشَائِلُهُ فَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لَمْ

أُوْتِ كَيْفِيَّةٌ ۝

وَلَمْ أَدْرِ مَا حَسَابِيَةَ ۝

يَلَيْتَنِي كَانَتِ الْعَالِيَةُ ۝

مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَا لِي بِهِ ۝

هَلْكَ عَيْنِي سُلْطَانِيَّةٌ ۝

مجھے تو کامل یقین تھا کہ مجھے اپنا حساب ملنا ہے۔^(۱) (۲۰)

پس وہ ایک دل پسند زندگی میں ہو گا۔ (۲۱)

بلند و بالا جنت میں۔^(۲) (۲۲)

جس کے میوے مجھے پڑے ہوں گے۔^(۳) (۲۳)

(ان سے کما جائے گا) کہ مزے سے کھو پو اپنے ان اعمال

کے بدلے جو تم نے گزشتہ زمانے میں کیے۔^(۴) (۲۴)

لیکن جسے اس (کے اعمال) کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ

میں دی جائے گی وہ تو کہے گا کہ کاش کہ مجھے میری کتاب

دی ہی نہ جاتی۔^(۵) (۲۵)

اور میں جانتا ہی نہ کہ حساب کیا ہے۔^(۶) (۲۶)

کاش! کہ موت (میرا) کام ہی تمام کر دیتی۔^(۷) (۲۷)

میرے مال نے بھی مجھے کچھ نفع نہ دیا۔ (۲۸)

میرا غلبہ بھی مجھ سے جاتا^(۸) رہا (۲۹)

اس کی نیکیاں ہی نیکیاں ہوں گی کچھ برائیاں ہوں گی تو وہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادی ہوں گی یا ان برائیوں کو بھی حسنت میں تبدیل کر دیا ہو گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ فضل و کرم کی یہ مختلف صورتیں اختیار فرمائے گا۔

(۱) یعنی آخرت کے حساب کتاب پر میرا کامل یقین تھا۔

(۲) جنت میں مختلف درجات ہوں گے ہر درجے کے درمیان بہت فاصلہ ہو گا جیسے مجاہدین کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کیے ہیں۔ (دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان جتنا فاصلہ ہو گا۔) (صحیح مسلم، کتاب الإمارة، صحیح بخاری، کتاب الجہاد)

(۳) یعنی بالکل قریب ہوں گے یعنی کوئی لینے لینے بھی توڑنا چاہے گا تو ممکن ہو گا۔ قَطُوفٌ، قِطْفٌ کی جمع ہے 'پھنے یا توڑے ہوئے' مراد پھل ہیں۔ مَا يَنْقَطُ مِنَ الثَّمَرِ

(۴) یعنی دنیا میں اعمال صالحہ کیے 'یہ جنت ان کا صلہ ہے۔

(۵) کیوں کہ نامہ اعمال کا بائیں ہاتھ میں ملنا بد بختی کی علامت ہو گا۔

(۶) یعنی مجھے بتلایا ہی نہ جاتا کیوں کہ سارا حساب ان کے خلاف ہو گا۔

(۷) یعنی موت ہی فیصلہ کن ہوتی اور دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا تاکہ یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔

(۸) یعنی جس طرح مال میرے کام نہ آیا جاہ و مرتبہ اور سلطنت و حکومت بھی میرے کام نہ آئی اور آج میں اکیلا ہی

خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ۝

ثُمَّ اَوَجِّعْهُ صَلْبُهُ ۝

ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ۝

إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِإِلَهِ الْعِظَمِ ۝

وَلَا يَحْضُ عَلْ طَعَامِ الْمُسْكِينِ ۝

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هُنَا حَمِيمٌ ۝

وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غَنِينٍ ۝

لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ۝

فَلَا أَقْسَمُ بِمَا تُبْعِرُونَ ۝

وَمَا لَا تُبْعِرُونَ ۝

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝

(حکم ہو گا) اسے پکڑ لو پھر اسے طوق پہنا دو۔ (۳۰)

پھر اسے دونخ میں ڈال دو۔ (۳۱) (۱)

پھر اسے ایسی زنجیر میں جس کی پینائش ستر ہاتھ کی ہے جکڑ دو۔ (۳۲) (۲)

بیشک یہ اللہ عظمت والے پر ایمان نہ رکھتا تھا۔ (۳۳) (۳)

اور مسکین کے کھلانے پر رغبت نہ دلاتا تھا۔ (۳۴) (۴)

پس آج اس کا نہ کوئی دوست ہے۔ (۳۵)

اور نہ سوائے پیپ کے اس کی کوئی غذا ہے۔ (۳۶) (۵)

جسے گناہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔ (۳۷) (۶)

پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو۔ (۳۸)

اور ان چیزوں کی جنہیں تم نہیں دیکھتے۔ (۳۹) (۷)

کہ بیشک یہ (قرآن) بزرگ رسول کا قول ہے۔ (۴۰) (۸)

یہاں سزا بٹھانے پر مجبور ہوں۔

(۱) یہ اللہ تعالیٰ ملائکہ جنم کو حکم دے گا۔

(۲) یہ ذراع (ہاتھ) کس کا ذراع ہو گا؟ اور یہ کتنا ہو گا؟ اس کی وضاحت ممکن نہیں، تاہم اس سے اتنا معلوم ہوا کہ زنجیر کی لمبائی ستر ذراع ہو گی۔

(۳) یہ مذکورہ سزا کی علت یا مجرم کے جرم کا بیان ہے۔

(۴) یعنی عبادت و اطاعت کے ذریعے سے اللہ کا حق ادا کرتا تھا اور نہ وہ حقوق ادا کرتا تھا، جو بندوں کے بندوں پر ہیں۔ گویا اہل ایمان میں یہ جامعیت ہوتی ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۵) بعض کہتے ہیں کہ یہ جنم میں کوئی درخت ہے، بعض کہتے ہیں کہ زقوم ہی کو یہاں جَسَلِین کہا گیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ جہنموں کی پیپ یا ان کے جسموں سے نکلنے والا خون اور بدبودار پانی ہو گا اَعَادَنَا اللہُ مِنۡہُ

(۶) خَاطِئُونَ سے مراد اہل جنم ہیں جو کفر و شرک کی وجہ سے جنم میں داخل ہوں گے۔ اس لیے کہ یہی گناہ ایسے ہیں جو ظلودی النار کا سبب ہیں۔

(۷) جی اللہ کی پیدا کردہ وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قدرت و طاقت پر دلالت کرتی ہیں جنہیں تم دیکھتے ہو یا نہیں دیکھتے، ان سب کی قسم ہے۔ آگے جواب قسم ہے۔

(۸) بزرگ رسوں سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور قول سے مراد تلاوت ہے یعنی رسول

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ﴿٦٠﴾

وَلَا يَقُولُ كَافٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٦١﴾

تَذَكَّرْتُ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٢﴾

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ﴿٦٣﴾

لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿٦٤﴾

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿٦٥﴾

یہ کسی شاعر کا قول نہیں ^(۱) (افسوس) تمہیں بہت کم یقین ہے۔ (۶۰)

اور نہ کسی کاہن کا قول ہے ^(۲) (افسوس) بہت کم نصیحت لے رہے ہو۔ (۶۱)

(یہ تو) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ (۶۲)

اور اگر یہ ہم پر کوئی بھی بات بنالیتا۔ (۶۳)

تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے۔ (۶۴)

پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔ (۶۵)

کریم کی تلاوت ہے یا قول سے مراد ایسا قول ہے جو یہ رسول کریم اللہ کی طرف سے تمہیں پہنچاتا ہے۔ کیوں کہ قرآن رسول یا جبرائیل علیہ السلام کا قول نہیں ہے بلکہ اللہ کا قول ہے جو اس نے فرشتے کے ذریعے سے پیغمبر پر نازل فرمایا ہے پھر پیغمبر اسے لوگوں تک پہنچاتا ہے۔

(۱) جیسا کہ تم سمجھتے اور کہتے ہو۔ اس لیے کہ یہ اصناف شعر سے ہے نہ اس کے مشابہ ہے پھر یہ کسی شاعر کا کلام کس طرح ہو سکتا ہے؟

(۲) جیسا کہ بعض دفعہ تم یہ دعویٰ بھی کرتے ہو 'حالاں کہ کمانت بھی ایک شے دیکر ہے۔'

(۳) قلت دونوں جگہ نفی کے معنی میں ہے یعنی تم بالکل قرآن پر ایمان لاتے ہو نہ اس سے نصیحت ہی حاصل کرتے ہو۔

(۴) یعنی رسول کی زبان سے ادا ہونے والا یہ قول 'رب العالمین کا اتارا ہوا کلام ہے۔ اسے تم بھی شاعری اور کبھی کمانت کہہ کر اس کی تکذیب کرتے ہو؟

(۵) یعنی اپنی طرف سے گمراہی طرف منسوب کر دیتا یا اس میں کمی بیشی کر دیتا تو ہم فوراً اس کا مواخذہ کرتے اور اسے ذلیل نہ دیتے۔ جیسا کہ اگلی آیات میں فرمایا۔

(۶) یاد آئیں ہاتھ کے ساتھ اس کی گرفت کرتے اس لیے کہ دائیں ہاتھ سے گرفت زیادہ سخت ہوتی ہے اور اللہ کے تو دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں۔ (تَحَا فِي الْحَدِيثِ)

(۷) خیاں رہے یہ سزا خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمن میں بیان کی گئی ہے جس سے مقصد آپ کی صداقت کا اظہار ہے۔ اس میں یہ اصول بیان نہیں کیا گیا ہے کہ جو بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے گا تو جھوٹے مدعی کو ہم فوراً سزا سے دوچار کر دیں گے۔ لہذا اس سے کسی جھوٹے نبی کو اس لیے سچا باور نہیں کرایا جاسکتا کہ دنیا میں وہ مواخذہ الہی سے بچا رہا۔ واقعات بھی شاہد ہیں کہ متعدد لوگوں نے نبوت کے جھوٹے دعوے کیے اور اللہ نے انہیں ذلیل دی اور دنیوی مواخذہ سے وہ بالعموم محفوظ ہی رہے۔ اس لیے اگر اسے اصول مان لیا جائے تو پھر متعدد جھوٹے مدعیان نبوت کو "سچا

فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَعْدٍ عَنْهُ خَبِيرٌ ﴿۴۷﴾

وَلَا تِلْكَ لَتَذِكْرٍ لِلْعَالَمِينَ ﴿۴۸﴾

وَلَا تِلْكَ لَتَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبِينَ ﴿۴۹﴾

وَلَا تِلْكَ لَعَنَةُ الْكَافِرِينَ ﴿۵۰﴾

وَلَا تِلْكَ لَعَنَةُ الْيَاقِينِ ﴿۵۱﴾

فَتَبَيَّنَ بِأَسْمَارِكَ الْعَالَمُونَ ﴿۵۲﴾

سُورَةُ الْمَعَارِجِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ﴿۱﴾

پھر تم میں سے کوئی بھی مجھے اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔^(۱) (۳۷)

یقیناً یہ قرآن پر ہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے۔^(۲) (۳۸)
ہمیں پوری طرح معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اس کے جھٹلانے والے ہیں۔ (۳۹)

بیٹک (یہ جھٹلانا) کافروں پر حسرت ہے۔^(۳) (۵۰)
اور بیٹک (وشبہ) یہ یقینی حق ہے۔^(۴) (۵۱)
پس تو اپنے رب عظیم کی پاکی بیان کر۔^(۵) (۵۲)

سورۃ معارج کی ہے اور اس میں چھ ایسی آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

ایک سوال کرنے والے^(۱) نے اس عذاب کا سوال کیا جو

نہی "نا پڑے گا۔

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول تھے جن کو اللہ نے سزا نہیں دی بلکہ دلائل و معجزات اور اپنی خاص تائید و نصرت سے انہیں نوازا۔

(۲) کیوں کہ وہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں ورنہ قرآن تو سارے ہی لوگوں کی نصیحت کے لیے آیا ہے۔

(۳) یعنی قیامت والے دن اس پر حسرت کریں گے کہ کاش ہم نے قرآن کی تکذیب نہ کی ہوتی۔ یا یہ قرآن بجائے خود ان کے لیے حسرت کا باعث ہو گا جب وہ اہل ایمان کو قرآن کا اجر ملتے ہوئے دیکھیں گے۔

(۴) یعنی قرآن کا اللہ کی طرف سے ہونا بالکل یقینی ہے اس میں قطعاً شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ یا قیامت کی بابت جو خبر دی جا رہی ہے وہ بالکل حق اور سچ ہے۔

(۵) جس نے قرآن کریم جیسی عظیم کتاب نازل فرمائی۔

(۶) کہتے ہیں یہ نصر بن حارث تھا یا ابو جہل تھا جس نے کہا تھا ﴿اللَّهُمَّ إِنَّكَ كَانَتْ هَذِهِ هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ﴾ (الأفعال ۳۲) چنانچہ یہ شخص جنگ بدر میں مارا گیا۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں جنہوں نے اپنی قوم کے لیے بددعا کی تھی اور اس کے نتیجے میں اہل مکہ پر قحط سالی مسلط کی گئی تھی۔

واضح ہونے والا ہے۔ (۱)

کافروں پر 'جسے کوئی ہٹانے والا نہیں۔ (۲)

اس اللہ کی طرف سے جو میٹر میوں والا ہے۔ (۳)

جس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں (۴) ایک دن

میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔ (۵)

پس تو اچھی طرح صبر کر۔ (۶)

بیشک یہ اس (عذاب) کو دور سمجھ رہے ہیں۔ (۷)

اور ہم اسے قریب ہی دیکھتے ہیں۔ (۸)

لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۝

مِنَ اللَّهِ وَذِي الْمَعَارِجِ ۝

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَرُوحُ الرَّسُولِ يَوْمَئِذٍ كَانَ وَقْدَارُهُ ۝

خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۝

فَأَصْبَحُوا صِبْرًا ۝

لَا تَنْفَعُهُمْ ذُنُوبُهُمْ يَوْمَئِذٍ ۝

وَلَسَوْفَ يَسْتَفْهِمُونَ ۝

(۱) یاد درجات والا 'بندیوں والا ہے' جس کی طرف فرشتے چڑھتے ہیں۔

(۲) روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں 'ان کی عظمت شان کے پیش نظر ان کا الگ خصوصی ذکر کیا گیا ہے'

ورنہ فرشتوں میں وہ بھی شامل ہیں۔ یا روح سے مراد انسانی رو میں ہیں جو مرنے کے بعد آسمان پر لے جا لی جاتی ہیں۔ جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔

(۳) اس یوم کی تعیین میں بہت اختلاف ہے 'جیسا کہ الم السجدہ کے آغاز میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ یہاں امام ابن کثیر نے چار اقوال نقل فرمائے ہیں۔ پہلا قول ہے کہ اس سے وہ مسافت مراد ہے جو عرش عظیم سے اسفل سافلین (زمین کے ساتویں طبقے) تک ہے۔ یہ مسافت ۵۰ ہزار سال میں طے ہونے والی ہے۔ دوسرا قول ہے کہ یہ دنیا کی کل مدت ہے۔

ابتدائے آفرینش سے وقوع قیامت تک 'اس میں سے کتنی مدت گزر گئی اور کتنی باقی ہے' اسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ تیسرا قول ہے کہ یہ دنیا و آخرت کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ قیامت کے دن کی مقدار ہے۔

یعنی کافروں پر یہ یوم حساب پچاس ہزار سال کی طرح بھاری ہو گا۔ لیکن مومن کے لیے دنیا میں ایک فرض نماز پڑھنے سے بھی مختصر ہو گا۔ (مسند احمد ۳/ ۷۵) امام ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کیوں کہ احادیث سے بھی اس کی تائید

ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کو قیامت والے دن جو عذاب دیا جائے گا اس کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'لَحْشَى يَخْتَكُمُ اللَّهُ بَيْنَ عِبَادِهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقدَارُهُ خَمْسِينَ

أَلْفَ سَنَةٍ يَمْلَأُ فِيهِمْ فَيْصَلُ فَرَمَے گا' ایسے دن میں 'جس کی مدت تھماری گنتی کے مطابق پچاس ہزار سال ہو گی'۔ اس تفسیر کی رو سے جب یوم کا تعلق عذاب سے ہو گا 'یعنی وہ واقع ہونے والا عذاب قیامت والے دن ہو گا جو کافروں پر پچاس ہزار سال

کی طرح بھاری ہو گا۔

(۴) دور سے مراد ناممکن اور قریب سے اس کا یقینی واقع ہونا ہے۔ یعنی کافر قیامت کو ناممکن سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کا

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْهَيْلِ ۝

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝

وَلَا يَنْفُلُ جَمِيعُ خِيَمَاتٍ ۝

يُبْخَرُونَهُمْ يُؤْذِي الْمَجْرُمُ كَوْفَقْدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ ۝
يَبْنِيهِ ۝

وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ۝

وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ۝

وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ۝

كَلَّا إِنَّهَا لَأَنْهَارٌ ۝

شَرَاءٌ لِلنَّاسِ ۝

تَذْخُرُونَ أَدْبَارًا ۝

وَجَمْعٌ فَادْعِي ۝

جس دن آسمان مثل تیل کی تلچھٹ کے ہو جائے گا۔ (۸)

اور پہاڑ مثل رنگین اون کے ہو جائیں گے۔ (۹)

اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا۔ (۱۰)

(حالانکہ) ایک دوسرے کو دکھا دیئے جائیں (۱۱) گے،

گناہ گار اس دن کے عذاب کے بدلے فدیہ میں اپنے

بیٹوں کو۔ (۱۲)

اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو۔ (۱۳)

اور اپنے کنبے کو جو اسے پناہ دیتا تھا۔ (۱۴)

اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دیتا چاہے گا کہ یہ

اسے نجات دلا دے۔ (۱۵)

(مگر ہرگز یہ نہ ہو گا) یقیناً وہ شعلہ والی (آگ)

ہے۔ (۱۶)

جو منہ اور سر کی کھال کھینچ لائے والی ہے۔ (۱۷)

وہ ہر اس شخص کو پکارے گی جو پیچھے ہٹا اور منہ موڑتا

ہے۔ (۱۸)

اور جمع کر کے سنبھال رکھتا ہے۔ (۱۹)

عقیدہ ہے کہ وہ ضرور آکر رہے گی اس لیے کہ کُلُّ شَيْءٍ قَرِيبٌ "ہر آنے والی چیز قریب ہے۔"

(۱) یعنی دھن ہوئی روئی کی طرح، جیسے سورۃ القارعة میں ہے۔ ﴿كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ﴾

(۲) لیکن سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی، اس لیے تعارف اور شناخت کے باوجود ایک دوسرے کو نہیں پوچھیں گے۔

(۳) یعنی اور، بیوی، بھائی اور خاندان یہ ساری چیزیں انسان کو نہایت عزیز ہوتی ہیں، لیکن قیامت والے دن مجرم

چاہے گا کہ اس سے فدیہ میں یہ عزیز چیزیں قبول کر لی جائیں اور اسے چھوڑ دیا جائے۔ فَصِيلَتُهُ خاندان کو کہتے ہیں،

کیوں کہ وہ قبیلے سے جدا ہوتا ہے۔

(۴) یعنی وہ جہنم۔ یہ اس کی شدت حرارت کا بیان ہے۔

(۵) یعنی گوشت اور کھال کو جلا کر رکھ دے گی۔ انسان صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جائے گا۔

(۶) یعنی جو دنیا میں حق سے پیٹھ پھیرتا اور منہ موڑتا تھا اور مال جمع کر کے خزانوں میں سینٹ سینٹ کر رکھتا تھا، اسے اللہ

کی راہ میں خرچ کرتا تھا نہ اس میں سے زکوٰۃ نکالتا تھا۔ اللہ تعالیٰ جہنم کو قوت گویائی عطا فرمائے گا اور جہنم بربان قاس خود

بیشک انسان بڑے کچے دل والا بنایا گیا ہے۔ ^(۱) (۱۹)	إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝
جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو ہڑبڑا اٹھتا ہے۔ ^(۲۰) (۲۰)	إِذَا مَسَّهُ الشُّرُورُ نَوعًا ۝
اور جب راحت ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ ^(۲۱) (۲۱)	كَذَٰلِكَ أَنَّهُ لَمَيَّوسٌ ۝
مکروہ نمازی۔ ^(۲۲) (۲۲)	إِلَّا الْمُضِلِّينَ ۝
جو اپنی نماز پر ہیشگی کرنے والے ہیں۔ ^(۲۳) (۲۳)	الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝
اور جن کے مالوں میں مقررہ حصہ ہے۔ ^(۲۴) (۲۴)	وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝
مانگنے والوں کا بھی اور سوال سے بچنے والوں کا بھی۔ ^(۲۵) (۲۵)	لِّسْأَلِهِمْ وَالْمَعْرُومِ ۝
اور جو انصاف کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔ ^(۲۶) (۲۶)	وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بَيِّنَاتِ اللَّهِ ۝
اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ ^(۲۷) (۲۷)	وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ حَدَابِ رَبِّهِمْ يُشْفِقُونَ ۝

ایسے لوگوں کو پکارے گی، جن پر ان کے عملوں کی پاداش میں جنم واجب ہوگی۔ بعض کہتے ہیں 'پکارنے والے تو فرشتے ہی ہوں گے اسے منسوب جنم کی طرف کر دیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کوئی نہیں پکارے گا' یہ صرف تمثیل کے طور پر ایسا کہا گیا ہے۔ مطلب ہے کہ مذکورہ افراد کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

(۱) سخت حریص اور بہت جزع فزع کرنے والے کو ہلوع کہا جاتا ہے جس کو ترے میں بڑے کچے دس وار سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ ایسا شخص ہی بخل و حریص اور زیادہ جزع فزع کرنے والا ہوتا ہے آگے اس کی صفت بیان کی گئی ہے۔
(۲) مراد ہیں مومن کامل اور اہل توحید ان کے اندر مذکورہ اخلاقی کمزوریاں نہیں ہوتیں بلکہ اس کے برعکس وہ صفات محمودہ کے پیکر ہوتے ہیں۔ ہمیشہ نماز پڑھنے کا مطلب ہے 'وہ نماز میں کوتاہی نہیں کرتے' ہر نماز اپنے وقت پر نہایت پابندی اور التزام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کوئی مشغولیت انہیں نماز سے نہیں روکتی اور دنیا کا کوئی فائدہ انہیں نماز سے غافل نہیں کرتا۔

(۳) یعنی زکوٰۃ مفروضہ۔ بعض کے نزدیک یہ عام ہے 'صدقہ واجبہ اور ناقلہ دونوں اس میں شامل ہیں۔

(۴) محروم میں وہ شخص بھی داخل ہے جو رزق سے ہی محروم ہے وہ بھی جو کسی آفتِ سلامی دارضی کی زد میں آکر اپنی پونجی سے محروم ہو گیا اور وہ بھی جو ضرورت مند ہونے کے باوجود اپنی صفتِ تعفف کی وجہ سے لوگوں کی عطا اور صدقات سے محروم رہتا ہے۔

(۵) یعنی وہ اس کا انکار کرتے ہیں نہ اس میں شک و شبہ کا اظہار۔

(۶) یعنی اطاعت اور اعمالِ صالحہ کے باوجود اللہ کی عظمت و جلالت کے پیش نظر اس کی گرفت سے لرزاں و ترساں

إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَا تُنَوِّنُ ۝

بیشک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں۔^(۲۸)

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِهَتِهِمْ خُفْيُونَ ۝

اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی (حرام سے) حفاظت کرتے ہیں۔^(۲۹)

إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝

ہاں ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں جن کے وہ مالک ہیں انہیں کوئی ملامت نہیں۔^(۳۰)

فَمَنِ ابْتَنَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِسُونَ ۝

اب جو کوئی اس کے علاوہ (راہ) ڈھونڈے گا تو ایسے لوگ حد سے گزر جانے والے ہوں گے۔^(۳۱)

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ زِعُونَ ۝

اور جو اپنی امانتوں کا اور اپنے قول و قرار کا پاس رکھتے ہیں۔^(۳۲)

وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَتِهِمْ قَالُونَ ۝

اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے اور قائم رہتے ہیں۔^(۳۳)

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝

اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔^(۳۴)

أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ۝

یہی لوگ جنتوں میں عزت والے ہوں گے۔^(۳۵)

رہتے ہیں، اور یقین رکھتے ہیں کہ جب تک اللہ کی رحمت ہمیں اپنے دامن میں نہیں ڈھانک لے گی، ہمارے یہ اعمال نجات کے لیے کافی نہیں ہوں گے۔ جیسا کہ اس مفہوم کی حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

(۱) یہ سابقہ مضمون ہی کی تاکید ہے کہ اللہ کے عذاب سے کسی کو بھی بے خوف نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر وقت اس سے ڈرتے رہنا اور اس سے بچاؤ کی ممکنہ تدابیر اختیار کرتے رہنا چاہئیں۔

(۲) یعنی انسان کی جنسی تسکین کے لیے اللہ نے دو جائز ذرائع رکھے ہیں ایک بیوی اور دوسری ملکِ یمین (لونڈی)۔ آج کل ملکِ یمین کا مسئلہ تو اسلام کی بتلائی ہوئی تدابیر کی رو سے تقریباً ختم ہو گیا ہے، تاہم اسے قانوناً اس لیے ختم نہیں کیا گیا ہے کہ آئندہ کبھی اس قسم کے حالات ہوں تو ملکِ یمین سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ بہر حال اہل ایمان کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ جنسی خواہش کی تکمیل و تسکین کے لیے ناجائز ذریعہ اختیار نہیں کرتے۔

(۳) یعنی ان کے پاس لوگوں کی جو امانتیں ہوتی ہیں، اس میں وہ خیانت نہیں کرتے اور لوگوں سے جو عہد کرتے ہیں، انہیں توڑتے نہیں، بلکہ ان کی پاسداری کرتے ہیں۔

(۴) یعنی اسے صحیح صحیح ادا کرتے ہیں، چاہے اس کی زد میں ان کے قریبی عزیز ہی آجائیں، علاوہ ازیں اسے چھپاتے بھی نہیں، نہ اس میں تبدیلی ہی کرتے ہیں۔

قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا ذَا قَبْلِكَ مُهْتَطِعِينَ ﴿٣٦﴾

عَنِ الْمَجِيزِ وَعَنِ الصِّغَرِ بِعِزِّينَ ﴿٣٧﴾

أَيُّهُمْ كُلُّ امْتَرٍ مِنْهُمْ أَنْ يَدْخُلَ جَنَّةً نَعِيمٍ ﴿٣٨﴾

كَلَّا إِنَّا نَحْنُ اللَّهُمَّ وَمَا يَتَعَلَّمُونَ ﴿٣٩﴾

فَلَا أَفْهَمُ بَرِّ الشُّرْقِ وَالْمَغْرِبِ إِنَّا الْقَادِرُونَ ﴿٤٠﴾

عَلَى أَنْ يُبَيِّنَ خَيْرَ آيَاتِهِمْ وَمَا تَعْنُ بِسَبِّوَقِينَ ﴿٤١﴾

فَذَرُّهُمْ يَوْمَئِذٍ وَيُلْقُوا أَسْفَلَ نَارٍ ﴿٤٢﴾

يَوْمَئِذٍ ﴿٤٣﴾

پس کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ تیری طرف دوڑتے آتے ہیں۔ (۳۶)

دائیں اور بائیں سے گروہ کے گروہ۔ (۳۷)
کیا ان میں سے ہر ایک کی توقع یہ ہے کہ وہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا؟ (۳۸)

(ایسا) ہرگز نہ ہو گا۔ (۳۹) ہم نے انہیں اس (چیز) سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں۔ (۴۰)

پس مجھے قسم ہے مشرقوں اور مغربوں (۴۱) کے رب کی (کہ) ہم یقیناً قادر ہیں۔ (۴۲)

اس پر کہ انکے عوض ان سے اچھے لوگ لے آئیں (۴۳) اور ہم عاجز نہیں ہیں۔ (۴۴)

پس تو انہیں جھگڑتا کھیلتا چھوڑ دے (۴۵) یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن سے جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا

(۱) یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کفار کا ذکر ہے کہ وہ آپ کی مجلس میں دوڑے دوڑے آتے، لیکن آپ کی باتیں سن کر عمل کرنے کے بجائے ان کا مذاق اڑاتے اور ٹولیوں میں بٹ جاتے۔ اور دعویٰ یہ کرتے کہ اگر مسلمان جنت میں گئے تو ہم ان سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ اللہ نے اگلی آیت میں ان کے اس زعم باطل کی تردید فرمائی۔

(۲) یعنی یہ کس طرح ممکن ہے کہ مومن اور کافر دونوں جنت میں جائیں، رسول کو ماننے والے اور اس کی تکذیب کرنے والے دونوں کو اخروی نعمتیں ملیں؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

(۳) یعنی مَنَاءُ شَمَنِ (حقیر قطرے) سے۔ جب یہ بات ہے تو کیا تکبر اس انسان کو زیب دیتا ہے؟ جس تکبر کی وجہ سے ہی یہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب بھی کرتا ہے۔

(۴) ہر روز سورج ایک الگ جگہ سے نکلتا اور الگ مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے مشرق بھی بہت ہیں اور مغرب بھی اتنے ہی۔ مزید تفصیل کے لیے سورہ صافات ۵ دیکھیے۔

(۵) یعنی ان کو ختم کر کے ایک نئی مخلوق آباد کر دینے پر ہم پوری طرح قادر ہیں۔

(۶) جب ایسا ہے تو کیا ہم قیامت والے دن ان کو دوبارہ زندہ نہیں اٹھا سکیں گے۔

(۷) یعنی فضول اور لا-یعنی بحثوں میں پھنسے اور اپنی دنیا میں مگن رہیں، تاہم آپ اپنی تبلیغ کا کام جاری رکھیں، ان کا رویہ آپ کو اپنے منصب سے غافل، یا بد دل نہ کرے۔

ہے۔ (۳۲)

جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے، گویا کہ وہ کسی جگہ کی طرف تیز تیز جا رہے ہیں۔^(۱) (۳۳)
ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی،^(۲) ان پر ذلت چھا رہی ہوگی،^(۳) یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔^(۴) (۳۴)

سورۃ نوح کی ہے اور اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف^(۵) بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈرا دو (اور خبردار کرو) اس سے پہلے کہ ان کے پاس دردناک عذاب آجائے۔^(۶) (۱)

يَوْمَ يُخْرِجُونَ مِنَ الْجَنَاتِ يَمْرَئًا كَالْعِهْرِ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِصُونَ ﴿٣٢﴾

خَالِشَةً أَبْصَارَهُمْ زَهَقَهُمْ ذُلٌّ ذَلِكَ الْيَوْمَ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٣٣﴾

سُورَةُ نُوحٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○

(۱) اُجْدَتْ جَمْع ہے۔ جَدَتْ کے معنی قبر ہیں۔ نُصُبُ تھانے، جہاں بتوں کے نام پر جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور بتوں کے معنی میں بھی استعمال ہے۔ یہاں اسی دو سرے معنی میں ہے۔ بتوں کے بجاری، جب سورج طلوع ہوتا تو نہایت تیزی سے اپنے بتوں کی طرف دوڑتے کہ کون پہلے اسے بوسہ دیتا ہے۔ بعض اسے یہاں عَلَمُ کے معنی میں لیتے ہیں کہ جس طرح میدان جنگ میں فوجی اپنے عَلَمُ (جھنڈے) کی طرف دوڑتے ہیں۔ اسی طرح قیامت والے دن قبروں سے نہایت برق رفتاری سے نکلیں گے۔ يُوفِصُونَ يُسْرِعُونَ کے معنی میں ہے۔

(۲) جس طرح بھروسہ کی آنکھیں جھکی ہوتی ہیں کیونکہ انہیں اپنے کرتوتوں کا علم ہوتا ہے۔

(۳) یعنی سخت ذلت انہیں اپنی لپیٹ میں لے رہی ہوگی اور ان کے چہرے مارے خوف کے سیاہ ہوں گے۔ اسی سے عَلَامٌ مُّؤَاهِقٌ کی ترکیب ہے، جو قریب البلوغت ہو یعنی غَشِيَهُ الْاِخْتِلَامُ (فتح القدير)

(۴) یعنی رسولوں کی زبانی اور آسمانی کتابوں کے ذریعے سے۔

(۵) حضرت نوح علیہ السلام جلیل القدر پیغمبروں میں سے ہیں، صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث شفاعت میں ہے کہ یہ پیسے رسول ہیں۔ نیز کہا جاتا ہے کہ انہی کی قوم سے شرک کا آغاز ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قوم کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔

(۶) قیامت کے دن عذاب یا دنیا میں عذاب آنے سے قبل، جیسے اس قوم پر طوفان آیا۔

قَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْٓ اُنۡزِلُ فِيْكُمْ بُرۡهٰنًا ۝۶

اَنْ اَعۡبُدُوْا اللّٰهَ وَالْعَوۡدَ وَاَطِيعُوْٓنِ ۝۷

يَغۡفِرُ لَكُمْ مِّنۡ دُّنُوۡبِكُمْ وَيُوۡفِّرُ لَكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسۡتَعۡيٍ
اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنۡتُمْ تَعۡلَمُوْنَ ۝۸

قَالَ رَبِّ اِنِّيۡ دَعَوْتُ قَوۡمِيۡ لِيۡنۡلَا وَنَهَآرًا ۝۹

فَلَا يَزِدُّهُۡمُ عَمٰلِيۡٓ اِلَّا فِرَارًا ۝۱۰

(نوح علیہ السلام نے) کہا اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔^(۱) (۲)

کہ تم اللہ کی عبادت کرو^(۲) اور اسی سے ڈرو^(۳) اور میرا کہنا مانو۔^(۴) (۳)

تو وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ایک وقت مقررہ تکسچھوڑ دے گا۔^(۵) یقیناً اللہ کا وعدہ جب آجاتا ہے تو مؤخر نہیں ہوتا^(۶) لکاش کہ تمہیں سمجھ ہوتی۔^(۷) (۴)

(نوح علیہ السلام نے) کہا اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن تیری طرف بلایا ہے۔^(۸) (۵)

مگر میرے بلانے سے یہ لوگ اور زیادہ بھاگنے

(۱) اللہ کے عذاب سے 'اگر تم ایمان نہ لائے۔ اسی لیے عذاب سے نجات کا نسخہ تمہیں بتلانے آیا ہوں۔ جو آگے بیان ہو رہا ہے۔

(۲) اور شرک چھوڑ دو، صرف اسی ایک کی عبادت کرو۔

(۳) اللہ کی نافرمانیوں سے اجتناب کرو، جن سے تم عذاب الہی کے مستحق قرار پا سکتے ہو۔

(۴) یعنی میں تمہیں جن باتوں کا حکم دوں، اس میں میری اطاعت کرو، اس لیے کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول اور اس کا نمائندہ بن کر آیا ہوں۔

(۵) اس کے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ ایمان لانے کی صورت میں تمہاری موت کی جو مدت مقرر ہے، اس کو مؤخر کر کے تمہیں مزید صلت عمر عطا فرمائے گا اور وہ عذاب تم سے دور کر دے گا جو عدم ایمان کی صورت میں تمہارے لیے مقرر تھا۔ چنانچہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اطاعت، نیکی اور صلہ رحمی سے عمر میں حقیقتاً اضافہ ہوتا ہے۔ حدیث میں بھی ہے صَلَۃُ الرَّجُلِ تَزِيۡدُ فِيْ الْعُمُرِ "صلہ رحمی اضافہ عمر کا باعث ہے۔" (ابن کثیر) بعض کہتے ہیں 'تاخیر کا مطلب برکت ہے' ایمان سے عمر میں برکت ہوگی۔ ایمان نہیں لاؤ گے تو اس برکت سے محروم رہو گے۔

(۶) بلکہ نہ محالہ واقع ہو کر رہتا ہے، اس لیے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ ایمان و اطاعت کا راستہ فوراً اپناؤ، تاخیر میں خطرہ ہے کہ وعدہ عذاب الہی کی پلیٹ میں نہ آ جاؤ۔

(۷) یعنی اگر تمہیں علم ہوتا تو تم اسے اپنانے میں جلدی کرتے جس کا میں تمہیں حکم دے رہا ہوں یا اگر تم یہ بات جانتے ہوئے کہ اللہ کا عذاب جب آجاتا ہے تو ملتا نہیں ہے۔

(۸) یعنی تیرے حکم کی تعمیل میں بغیر کسی کوتاہی کے رات دن میں نے تیرا پیغام اپنی قوم کو پہنچایا ہے۔

گئے۔^(۶)

میں نے جب کبھی انہیں تیری بخشش کے لیے بلایا^(۷) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں^(۸) اور اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا^(۹) اور اڑ گئے^(۱۰) اور بڑا تکبر کیا۔^(۱۱)

پھر میں نے انہیں باؤز بلند بلایا۔ (۸)

اور بیشک میں نے ان سے علانیہ بھی کہا اور چپکے چپکے بھی۔^(۱۲)

اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ^(۱۳) (اور معافی مانگو) وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے۔^(۱۴)

وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا۔^(۱۵)

اور تمہیں خوب پے در پے مال اور اولاد میں ترقی دے گا

وَاِذْ نَادَوْا نُوْحًا لِّتُخْرِجَنَّهُمْ لَمَّا جَعَلُواْ اَصْحَابَهُمْ
فِيْ اَدْنٰى اَيْهِهِمْ وَاسْتَفْشَوْا بَيْنَهُمْ وَاَصْرَوْا
وَاسْتَكْبَرُوْا اَسْتَكْبَرُوْا ۝

ثُمَّ اِذْ نَادَوْا نُوْحًا جَهَّازًا ۝

ثُمَّ اِذْ اَعْلَنَتْ لَهُمْ وَاَسْرَرَتْ لَهُمْ اَسْرَارًا ۝

فَقُلْتُ اسْتَغْنُوْا اِنَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝

يُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۝

وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ ذٰبِيَةٍ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنَّاتٍ

(۱) یعنی میری پکار سے یہ ایمان سے اور زیادہ دور ہو گئے ہیں۔ جب کوئی قوم گمراہی کے آخری کنارے پر پہنچ جائے تو پھر اس کا یہی حال ہوتا ہے، اسے جتنا اللہ کی طرف بلاؤ، وہ اتنا ہی دور بھاگتی ہے۔

(۲) یعنی ایمان اور اطاعت کی طرف جو سب مغفرت ہیں۔

(۳) تاکہ میری آواز نہ سن سکیں۔

(۴) تاکہ میرا چہرہ نہ دیکھ سکیں یا اپنے سروں پر کپڑے ڈال لیں تاکہ میرا کلام نہ سن سکیں۔ یہ ان کی طرف سے شدت عداوت کا اور وعظ و نصیحت سے بے نیازی کا اظہار ہے۔ بعض کہتے ہیں، اپنے کو کپڑوں سے ڈھانک لینے کا مقصد یہ تھا کہ پیغمبران کو پہچان نہ سکے اور انہیں قبولیت دعوت کے لیے مجبور نہ کرے۔

(۵) یعنی کفر پر مصر ہے، اس سے باز نہیں آئے اور توبہ نہیں کی۔

(۶) قبول حق اور احتمال امر سے انہوں نے سخت تکبر کیا۔

(۷) یعنی مختلف انداز اور طریقوں سے انہیں دعوت دی۔ بعض کہتے ہیں کہ اجتماعات اور مجلسوں میں بھی انہیں دعوت دی اور گھروں میں فرداً فرداً بھی تیرا پیغام پہنچایا۔

(۸) یعنی ایمان اور اطاعت کا راستہ اپنا لو، اور اپنے رب سے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگ لو

(۹) وہ توبہ کرنے والوں کے لیے بڑا رحیم و غفار ہے۔

(۱۰) بعض علماء اسی آیت کی وجہ سے نماز استسقا میں سورۃ نوح علیہ السلام کے پڑھنے کو مستحب سمجھتے ہیں۔ مروی ہے کہ

وَيَجْعَلْ لَّكُمْ أَنْهَارًا ۝

اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لیے نہریں نکال دے گا۔^(۱۲)

مَالَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی برتری کا عقیدہ نہیں رکھتے۔^(۱۳)

وَقَدْ خَلَقْنَا أَمْوَالَكُمْ ۝

حالاںکہ اس نے تمہیں طرح طرح سے^(۱۴) پیدا کیا ہے۔^(۱۵)

أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا ۝

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر تلے کس طرح سات آسمان پیدا کر دیئے ہیں۔^(۱۶)

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا ۝

اور ان میں چاند کو خوب جگمگاتا بنایا ہے^(۱۷) اور سورج کو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایک مرتبہ نماز استسقا کے لیے منبر پر چڑھے تو صرف آیات استغفار (جن میں یہ آیت بھی تھی) پڑھ کر منبر سے اتر آئے۔ اور فرمایا کہ میں نے بارش کو 'بارش' کے ان راستوں سے طلب کیا ہے جو آسمانوں میں ہیں، جن سے بارش زمین پر اترتی ہے۔ (ابن کثیر) حضرت حسن بصری کے متعلق مروی ہے کہ ان سے آکر کسی نے فحش سالی کی شکایت کی تو انہوں نے اسے استغفار کی تلقین کی، کسی دوسرے شخص نے فقر و فاقہ کی شکایت کی، اسے بھی انہوں نے یہی نسخہ بتادیا۔ ایک اور شخص نے اپنے باغ کے خشک ہونے کا شکوہ کیا، اسے بھی فرمایا 'استغفر کر۔ ایک شخص نے کہا 'میرے گھر اولاد نہیں ہوتی' اسے بھی کہا اپنے رب سے استغفار کر۔ کسی نے جب ان سے کہا کہ آپ نے استغفار ہی کی تلقین کیوں کی؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت کر کے فرمایا کہ میں نے اپنے پاس سے یہ بات نہیں کی، یہ وہ نسخہ ہے جو ان سب باتوں کے لیے اللہ نے بتلایا ہے۔ (السر القاسم)

(۱) یعنی ایمان و طاعت سے تمہیں اخروی نعمتیں ہی نہیں ملیں گی، بلکہ دنیاوی مال و دولت اور بیٹوں کی کثرت سے بھی نوازے جاؤ گے۔

(۲) وقار، توقیر سے ہے، بمعنی عظمت اور رجا خوف کے معنی میں ہے، یعنی جس طرح اس کی عظمت کا حق ہے، تم اس سے ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ اور اس کو ایک کیوں نہیں مانتے اور اس کی اطاعت کیوں نہیں کرتے؟

(۳) پہلے نطفہ، پھر ملتہ، پھر مضغ، پھر عظام اور لحم اور پھر خلق تام، جیسا کہ سورۃ انبیاء ۵-۱۳ المؤمنون اور المؤمنین ۷۶ وغیرہ میں تفصیل گزری۔

(۴) جو اس کی قدرت اور کمال صناعیت پر دلالت کرتے اور اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ عبادت کے لائق صرف وہی ایک اللہ ہے۔

(۵) جو روئے زمین کو منور کرنے والا اور اس کے ماتھے کا جھومر ہے۔

روشن چراغ بنایا ہے۔^(۱) (۲۱)
 اور تم کو زمین سے ایک (خاص اہتمام سے) اگایا ہے^(۲)
 (اور پیدا کیا ہے) (۱۷)
 پھر تمہیں اسی میں لوٹا لے جائے گا اور (ایک خاص
 طریقہ سے) پھر نکالے گا۔^(۳) (۱۸)
 اور تمہارے لیے زمین کو اللہ تعالیٰ نے فرش بنا
 دیا ہے۔^(۴) (۱۹)
 تاکہ تم اس کی کشادہ راہوں میں چلو پھرو۔^(۵) (۲۰)
 نوح (علیہ السلام) نے کہا اے میرے پروردگار! ان
 لوگوں نے میری توفیق فرمائی کی^(۶) اور ایسوں کی فرمانبرداری
 کی جن کے مال و اولاد نے ان کو (یقیناً) نقصان ہی میں
 بڑھایا ہے۔^(۷) (۲۱)

وَاللّٰهُ اَسْبَغَ لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝

لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اَخْرَاجًا ۝

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ سَبَاطًا ۝

لَعَلَّكُمْ اَمْنًا سُبُلًا فِیْهَا جَا ۝

قَالَ نُوْحٌ رَبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاسْتَعْمَیْوْا مَعِیْ لَعَلَّیْزِدُوْهُمۡ سَآءًا
 وَوَلَدُوْهُمۡ اِلَاحۡصَاۡا ۝

- (۱) تاکہ اس کی روشنی میں انسان معاش کے لیے جو انسانوں کی انتہائی ناگزیر ضرورت ہے، کسب و محنت کر سکے۔
 (۲) یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو جنہیں مٹی سے بنایا گیا اور پھر اس میں اللہ نے روح پھونکی۔ یا اگر تمام انسانوں
 کو مخاطب سمجھا جائے تو مطلب ہو گا کہ تم جس نطفے سے پیدا ہوتے ہو وہ اسی خوراک سے بنتا ہے جو زمین سے حاصل
 ہوتی ہے اس اعتبار سے سب کی پیدائش کی اصل زمین ہی قرار پاتی ہے۔
 (۳) یعنی مرکز پھر اسی مٹی میں دفن ہوتا ہے اور پھر قیامت والے دن اسی زمین سے تمہیں زندہ کر کے نکال جائے گا۔
 (۴) یعنی اسے فرش کی طرح بچھا دیا ہے، تم اس پر اسی طرح چلتے پھرتے ہو جیسے اپنے گھر میں بچے ہوئے فرش پر چلتے
 اور اٹھتے بیٹھتے ہو۔
 (۵) سُبُل، سَبِيل کی جمع اور مِجَاج، فَجْج (کشادہ راستہ) کی جمع ہے یعنی اس زمین پر اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے کشادہ
 راستے بنا دیے ہیں تاکہ انسان آسانی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ، ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک ملک سے
 دوسرے ملک میں جاسکے۔ اس لیے یہ راستے بھی انسان کی کاروباری اور تمدنی ضرورت ہے جس کا انتظام کر کے اللہ نے
 انسانوں پر ایک احسان عظیم کیا ہے۔
 (۶) یعنی میری توفیق پر اڑے ہوئے ہیں اور میری دعوت پر لبیک نہیں کہہ رہے ہیں۔
 (۷) یعنی ان کے اصغر نے اپنے بڑوں اور اصحاب ثروت ہی کی پیروی کی جن کے مال و اولاد نے انہیں دنیا اور آخرت
 کے خسارے میں ہی بڑھایا ہے۔

وَمَكَرُوا مَكْرًا كَبِيرًا ۝

وَقَالُوا لَا تَدْرِكُ الْبَهْتَكُمُ وَلَا تَدْرِكُ وَدًّا وَلَا سَوَاعِثًا
وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝

وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۝

مِمَّا خَلَقْتَنِيهِمْ أَغْرَقُوا فَأَنزَلْنَا لَهُمْ فَكْرًا يُجِذُّوهُمُ
مِّنْ دُونِ اللَّهِ أَنصَارًا ۝

وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي لَدُنْكَ مَكْرًا مِّنَ الْكَافِرِينَ دِيَارًا ۝

اور ان لوگوں نے بڑا سخت فریب کیا۔^(۱) (۲۲)

اور کہا انہوں نے کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا
اور نہ ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر
کو (چھوڑنا)۔^(۲) (۲۳)

اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا^(۳) (الہی) تو ان
ظالموں کی گمراہی اور بڑھا۔ (۲۴)

یہ لوگ بہ سبب^(۴) اپنے گناہوں کے ڈبو دیئے گئے اور
جہنم میں پہنچا دیئے گئے اور اللہ کے سوا اپنا کوئی مددگار
انہوں نے نہ پایا۔ (۲۵)

اور (حضرت) نوح (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے

(۱) یہ مکر یا فریب کیا تھا؟ بعض کہتے ہیں، ان کا بعض لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے قتل کرنے پر ابھارنا تھا، بعض کہتے ہیں مال و اولاد کی وجہ سے جس فریب نفس کا وہ شکار ہوئے، حتیٰ کہ بعض نے کہا، اگر یہ حق پر نہ ہوتے تو ان کو یہ نعمتیں کیوں میسر آتیں؟ اور بعض کے نزدیک ان کے بڑوں کا یہ کہنا تھا کہ تم اپنے معبودوں کی عبادت مت چھوڑنا، بعض کے نزدیک ان کا کفر ہی، بڑا مکر تھا۔

(۲) یہ قوم نوح علیہ السلام کے وہ لوگ تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے اور ان کی اتنی شریت ہوئی کہ عرب میں بھی ان کی پوجا ہوتی رہی۔ چنانچہ وڈو، دومہ، الجندل میں قبیلہ کلب کا، سواع ساحل بحر کے قبیلہ حذیل کا، یغوث سبا کے قریب جرف جلد میں مراد اور بنی فلیح کا، یعوق، ہمدان قبیلے کا اور نسر، حمیر قوم کے قبیلہ ذوالکلاع کا معبود رہا۔ (ابن کثیر و فتح القدیر) یہ پانچوں قوم نوح علیہ السلام کے نیک آدمیوں کے نام تھے، جب یہ مر گئے تو شیطان نے ان کے عقیدت مندوں کو کہا کہ ان کی تصویریں بنا کر تم اپنے گھروں اور دکانوں میں رکھ لو تاکہ ان کی یاد تازہ رہے اور ان کے تصور سے تم بھی ان کی طرح نیکیاں کرتے رہو۔ جب یہ تصویریں بنا کر رکھنے والے فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی نسلوں کو یہ کہہ کر شرک میں ملوث کر دیا کہ تمہارے آباؤ ان کی عبادت کرتے تھے جن کی تصویریں تمہارے گھروں میں لٹک رہی ہیں، چنانچہ انہوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورہ نوح)

(۳) اضلوا کا فاعل (مرجح) قوم نوح کے رؤسا ہیں۔ یعنی انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اس کا مرجع یہی مذکورہ پانچ بت ہیں، اس کا مطلب ہو گا کہ ان کے سبب بہت سے لوگ گمراہی میں مبتلا ہوئے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کہا تھا۔ ﴿رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كُنْتُ مِنَ الْظَّالِمِينَ﴾ (ابراہیم ۳۲)

(۴) معاصم ما زادہ ہے، مِّنْ خَطْبِنَا بِهِمْ اُنًى: مِّنْ اَجْلِهَا وَيَسْبِيهَا اُغْرِقُوا بِالطُّوفَانِ (فتح القدیر)

پالنے والے! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سنے والا نہ چھوڑ۔^(۱) (۳۶)

اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو (یقیناً) یہ تیرے (اور) بندوں کو (بھی) گمراہ کر دیں گے اور یہ فاجروں اور ڈھیٹ کافروں ہی کو جہنم دیں گے۔ (۳۷)

اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میرے ماں باپ اور جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں آئے اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے^(۲) اور کافروں کو سوائے بربادی کے اور کسی بات میں نہ بڑھا۔^(۳) (۳۸)

سورۃ جن کی ہے اور اس میں اللہ کی آیتیں اور دور کوغ ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

(اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیں کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت^(۴) نے (قرآن) سنا اور کہا کہ ہم

إِنَّكَ إِنْ تَذَرُهُمْ يُضِلُّوا عِمَادَكَ وَلَا يَكُونُوا إِلَّا فَاكِهًا كَفَّارًا ۝

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَجْعَلِ الْفٰلِطِينَ إِلَّا نَبَاۓً ۝

يُنۡوِرُوا لِلنَّاسِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

قُلْ اٰذِنۡ لِيَ اَلۡحَمْدُ اَللّٰهُمَّ تَعَرَّضَ لِحُجَّتِ الْبَرِّ مَقَالًا اَلَا نَحْمَدُكَ اَبَدًا ۝

(۱) یہ بدو عا اس وقت کی جب حضرت نوح علیہ السلام ان کے ایمان لانے سے بالکل مایوس ہو گئے اور اللہ نے بھی اطلاع کر دی کہ اب ان میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ (ہود ۳۶) دَبَّارًا، فَبَعَثَ اللّٰهُ ذَاكِرًا ۝ وہاں کو یہ سے بد کر ادغام کر دیا گیا مَنْ يَنْسُكُ الذِّبَارَ مطلب ہے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔

(۲) کافروں کے لیے بد دعا کی تو اپنے لیے اور مومنین کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔

(۳) یہ بد دعا قیامت تک آنے والے ظالموں کے لیے ہے جس طرح مذکورہ دعا تمام مومن مردوں اور تمام مومن عورتوں کے لیے ہے۔

(۴) یہ واقعہ سورۃ انفاف ۲۹ کے حاشیے پر گزر چکا ہے کہ نبی ﷺ وادی نخلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ کچھ جنوں کا وہاں سے گزر ہوا تو انہوں نے آپ ﷺ کا قرآن سنا جس سے وہ متاثر ہوئے۔ یہاں بتلایا جا رہا ہے کہ اس وقت جنوں کا قرآن سننا آپ کے علم میں نہیں آیا بلکہ وحی کے ذریعے سے آپ کو اس سے آگاہ فرمایا گیا۔

نے عجیب قرآن سنا ہے۔^(۱)

جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔^(۲) ہم اس پر ایمان لا چکے^(۳) (اب) ہم ہرگز کسی کو بھی اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے۔^(۴)

اور بیشک ہمارے رب کی شان بڑی بلند ہے نہ اس نے کسی کو (اپنی) بیوی بنایا ہے نہ بیٹا۔^(۵) اور یہ کہ ہم میں کاہن قوف اللہ کے بارے میں خلاف حق باتیں کہا کرتا تھا۔^(۶)

اور ہم تو یہی سمجھتے رہے کہ ناممکن ہے کہ انسان اور

يُعِدِّيْ اِلَى الْوَسْطِ قَامَتَا يَٰۤاِبْرٰهِيْمُ كُنْ شَرِيْكَ بَرِيْنًا اَحَدًا ۝۱

وَاِنَّكَ تَعْمَلُ جَدْرًا نَبَاتًا اَتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝۲

وَاِنَّكَ كَاَن يَّعْمَلُ سَفِيْهُمًا عَلٰى الْغُشَطٰۤا ۝۳

وَاِنَّا فَتَنَّاۤ اَنْ تَنْتُوْلَ الْاِثْمَ وَالْغِيْنَ عَلٰى الْاَلْو

(۱) عَجَبًا 'مصدر ہے بطور مبالغہ۔ یا مضاف محذوف ہے۔ ذَا عَجَبٍ یا مصدر 'اسم فاعل کے معنی میں ہے مُعْجَبًا مطلب ہے کہ ہم نے ایسا قرآن سنا ہے جو فصاحت و بلاغت میں بڑا عجیب ہے یا موعظ کے اعتبار سے عجیب ہے یا برکت کے لحاظ سے نہایت تعجب انگیز ہے۔ (فتح القدیر)

(۲) یہ قرآن کی دوسری صفت ہے کہ وہ راہ راست یعنی حق و صواب کو واضح کرتا یا اللہ کی معرفت عطا کرتا ہے۔

(۳) یعنی ہم نے تو اس کو سن کر اس بات کی تصدیق کر دی کہ واقعی یہ اللہ کا کلام ہے 'کسی انسان کا نہیں' اس میں کفار کو توجہ و تنبیہ ہے کہ جن تو ایک مرتبہ سن کر ہی اس قرآن پر ایمان لے آئے 'تھوڑی سی آیات سن کر ہی ان کی کاید پلٹ گئی اور وہ یہ بھی سمجھ گئے کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں ہے لیکن انسانوں کو 'خاص طور پر ان کے سرداروں کو اس قرآن سے فائدہ نہیں ہوا' دریاں حایکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے انہوں نے متعدد مرتبہ قرآن سنا' علاوہ ازیں خود آپ ﷺ بھی ان ہی میں سے تھے اور ان ہی کی زبان میں آپ ان کو قرآن سناتے تھے۔

(۴) نہ اس کی مخلوق میں سے نہ کسی اور معبود کو۔ اس لیے کہ وہ اپنی ربوبیت میں متفرد ہے۔

(۵) جَدْر کے معنی عظمت و جلال کے ہیں یعنی ہمارے رب کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس کی اولاد یا بیوی ہو۔ گویا جنوں نے ان مشرکوں کی غلطی کو واضح کیا جو اللہ کی طرف بیوی یا اولاد کی نسبت کرتے تھے 'انہوں نے ان دونوں کمزوریوں سے رب کی حقیر و تقدیس کی۔

(۶) سَفِيْهُمًا (ہمارے یوقوف) سے بعض نے شیطان مراد لیا ہے اور بعض نے ان کے ساتھی جن اور بعض نے بطور جنس۔ یعنی ہر وہ شخص جو یہ گمان باطل رکھتا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے۔ شَطَطًا کے کئی معنی کئے گئے ہیں 'ظلم' 'صوت' 'باطل' 'کفر' میں مبالغہ وغیرہ۔ مقصد 'راہ اعتدال سے دوری اور حد سے تجاوز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بات کہ اللہ کی اولاد ہے ان بے وقوفوں کی بات ہے جو راہ اعتدال و صواب سے دور 'حد سے تجاوز اور کاذب و افتراء پر داز ہیں

كَذِبًا ۝

وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ۝

وَأَنَّهُمْ قَالُوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَنَّ لِسَ بَيْعَتِ اللَّهِ كَذِبًا ۝

وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَا مُلْأَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا ۝

وَأَنَّا لَمَّا أَفْعَدْنَا مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلنَّاسِ لَمَّا يَنْتَوِرَ الْإِنسَ يَجِدُ لَهُ بُشْبُهًا بِأَرْصَادًا ۝

جنات اللہ پر جھوٹی باتیں لگائیں۔^(۱) (۵)

بات یہ ہے کہ چند انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے^(۲) جس سے جنات اپنی سرکشی میں اور بڑھ گئے۔^(۳) (۶)

اور (انسانوں) نے بھی تم جنوں کی طرح گمان کر لیا تھا کہ اللہ کسی کو نہ بھیجے گا (یا کسی کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا)۔^(۴) (۷)

اور ہم نے آسمان کو ٹٹول کر دیکھا تو اسے سخت چوکیداروں اور سخت شعلوں سے پر پایا۔^(۵) (۸)

اس سے پہلے ہم باتیں سننے کے لیے آسمان میں جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے۔^(۶) اب جو بھی کان لگاتا ہے وہ ایک شعلے کو اپنی ناک میں پاتا ہے۔^(۷) (۹)

(۱) اسی لیے ہم ان کی تصدیق کرتے رہے اور اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے رہے۔ حتیٰ کہ ہم نے قرآن سننا تو پھر ہم پر اس عقیدے کا بطلان واضح ہوا۔

(۲) زمانہ جاہلیت میں ایک رواج یہ بھی تھا کہ وہ سفر پر کہیں جاتے تو جس وادی میں قیام کرتے وہاں جنات سے پناہ طلب کرتے، جیسے علاقے کے بڑے آدمی اور رئیس سے پناہ طلب کی جاتی ہے۔ اسلام نے اس کو ختم کیا اور صرف ایک اللہ سے پناہ طلب کرنے کی تاکید کی۔

(۳) یعنی جب جنات نے یہ دیکھا کہ انسان ہم سے ڈرتے ہیں اور ہماری پناہ طلب کرتے ہیں تو ان کی سرکشی اور تکبر میں اضافہ ہو گیا۔ زہقاً یہاں سرکشی، طغیانی اور تکبر کے مفہوم میں ہے۔ اس کے اصل معنی ہیں گناہ اور عیبر کو ڈھانکنا یعنی ان کا ارتکاب کرنا۔

(۴) بَعَثَ کے دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔

(۵) حَرَسٌ، حَارِسٌ (چوکیدار، نگران) کی اور شُهْبٌ، شَيْهَابٌ (شعلہ) کی جمع ہے۔ یعنی آسمانوں پر فرشتے چوکیداری کرتے ہیں کہ آسمانوں کی کوئی بات کوئی اور نہ سن لے اور یہ ستارے آسمان پر جانے والے شیطاں پر شعلہ بن کر گرتے ہیں۔

(۶) اور آسمانی باتوں کی کچھ سن گن پا کر کاہنوں کو بتلادیا کرتے تھے جس میں وہ اپنی طرف سے سو جھوٹ مل دیا کرتے تھے (۷) لیکن بعثت محمدیہ کے بعد یہ سلسلہ بند کر دیا گیا، اب جو بھی اس نیت سے اوپر جاتا ہے، شعلہ اس کی ناک میں ہوتا ہے اور ٹوٹ کر اس پر گرتا ہے۔

وَأَنَّا لَنَأْتِيَنَّكَ أَمْرًا لَدِيكَ يَمُنُ فِي الْأَرْضِ أَمْرًا آتَاكَ
بِهِمْ نَرَىٰ بَعْضَهُمْ رِشْدًا ۝

وَأَنَّا لَمَّا الطُّلُوحُ وَاثِقَةٌ فَمِنَ ذَلِكَ لَمَّا طَرَآهُ
قَدَدًا ۝

وَأَنَّا عَلَّمْنَاكَ أَن لَّنْ نُّعْجزَ لَكَ فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ نُّعْجزُكَ
هَرَبًا ۝

وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا النَّهْدَىٰ مَنَاجِبَ مَن يَؤُمِّنُ بَرِيَّةً فَلَا
يَخَافُ بَغْيًا وَلَا رَهَقًا ۝

وَأَنَّا لَمَّا الْمُسِيحُونَ وَوَلَا الْفَيْضُونَ قَتَلُوا لَكَ فَأُولَٰئِكَ عَزَّوْا
وَلَشَدَا ۝

وَأَنَّا الْفَيْضُونَ فَكَانُوا إِلَهُكُمْ حَقًّا ۝

ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا
ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ
بھلائی کا ہے۔^(۱۰)

اور یہ کہ (بیشک) بعض تو ہم میں نیکو کار ہیں اور بعض
اس کے برعکس بھی ہیں، ہم مختلف طریقوں سے بٹے
ہوئے ہیں۔^(۱۱)

اور ہم نے سمجھ لیا^(۱۲) کہ ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں ہرگز عاجز
نہیں کر سکتے اور نہ ہم بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں۔^(۱۳)

ہم تو ہدایت کی بات سنتے ہی اس پر ایمان لا چکے اور جو بھی
اپنے رب پر ایمان لائے گا اسے نہ کسی نقصان کا اندیشہ
ہے نہ ظلم و ستم کا۔^(۱۴)

ہاں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے انصاف
ہیں^(۱۵) پس جو فرماں بردار ہو گئے انہوں نے تو راہ
راست کا قصد کیا۔^(۱۶)

اور جو ظالم ہیں وہ جنم کا ایندھن بن گئے۔^(۱۷)

(۱) یعنی اس حراست آسمانی سے مقصد اہل زمین کے لیے کسی شر کے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانا یعنی ان پر عذاب
نازل کرنا ہے یا بھلائی کا ارادہ یعنی رسول بھیجنا ہے۔

(۲) قَدَدٌ چیز کا ٹکڑا، صَارَ الْقَوْمُ قِدْدًا اس وقت بولتے ہیں جب ان کے احوال ایک دو سرے سے مختلف ہوں۔ یعنی ہم
متفرق جماعتوں اور مختلف اصناف میں بٹے ہوئے ہیں۔ مطلب ہے کہ جنات میں بھی مسلمان، کافر، یہودی، عیسائی، مجوسی
وغیرہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان میں بھی مسلمانوں کی طرح قدریہ، مرجئیہ اور رافضیہ وغیرہ ہیں۔ (فتح القدیر)

(۳) مَنَیٰ یہاں علم اور یقین کے معنی میں ہے جیسے اور بھی بعض مقامات پر ہے۔

(۴) یعنی نہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ ان کی نیکیوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی کر دی جائے گی اور نہ اس بات کا خوف
کہ ان کی برائیوں میں اضافہ ہو جائے گا۔

(۵) یعنی جو نبوت محمدیہ پر ایمان لائے وہ مسلمان اور اس کے منکر بے انصاف ہیں۔ قَاسِطٌ ظالم اور غیر منصف اور
مُفْسِطٌ عادل یعنی مٹاٹی مجرور سے ہو تو معنی ظلم کرنے کے اور مزید فیہ سے ہو تو انصاف کرنے کے۔

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی طرح جنات بھی دوزخ اور جنت دونوں میں جانے والے ہوں گے۔ ان میں جو کافر

وَأَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَهُمْ غُرًّا وَعَذَابًا ۝

لِنَقْبِتَهُمْ فَيَنبُتُوا وَهُمْ يُعْرِضُونَ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكُهُ
عَذَابًا صَعَدًا ۝

وَأَنَّ السَّجْدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۝

اور (اے نبی یہ بھی کہہ دو) کہ اگر لوگ راہِ راست پر
سیدھے رہتے تو یقیناً ہم انہیں بہت وافر پانی پلاتے۔ (۱۶)
تاکہ ہم اس میں انہیں آزمائیں،^(۱) اور جو شخص اپنے
پروردگار کے ذکر سے منہ پھیر لے گا تو اللہ تعالیٰ اسے
سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا۔^(۲) (۱۷)

اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہیں پس
اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔^(۳) (۱۸)

ہوں گے وہ جہنم میں اور مسلمان جنت میں جائیں گے۔ یہاں تک جنات کی گفتگو ختم ہو گئی۔ اب آگے پھر اللہ کا کلام ہے۔
(۱) اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوا، اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ پُر عطف ہے یعنی یہ بات بھی میری طرف وحی کی گئی ہے کہ۔
الطَّرِيقَةِ سے مراد راہِ راست یعنی اسلام ہے۔ عَذَابٌ کے معنی کثیر۔ وافر پانی سے مطلب دنیوی خوش حالی ہے۔ یعنی دنیا کا
مال و اسباب دے کر ہم ان کی آزمائش کرتے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْعُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَنَّاهُمْ لَبُيْهُو
بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ (الأعراف: ۹۶) یہی بات اہل کتاب کے ضمن میں بھی فرمائی گئی ہے۔ سورہ مائدہ: ۶۶۔
بعض کہتے ہیں اس آیت کا نزول اس وقت ہوا تھا جب کفار قریش پر قحط سال مسلط کر دی گئی تھی۔ الطَّرِيقَةِ کے
دوسرے معنی گمراہی کے راستے کے کئے گئے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ مادی خوش حالی استدراج کے طور پر ہو گی۔
جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿فَلَنَنصَبَنَّ لَهُم مَّا دُكِّرُوا بِهِ فَتَجِدْنَاهُمْ أَتَوَّابًا عَرِیًّا﴾ (الأنعام: ۳۳) ﴿أَفَتُؤْمِنُونَ
أَنَّمَا نُفِثُ بِهِمْ مِّنْ ثَلَاثٍ وَقَتٍ ۖ نَّفِثُوا لَهُمْ فِي الصَّغِيرِ ۖ﴾ (المؤمنون: ۵۵) امام ابن کثیر کے نزدیک لِنَقْبِتَهُمْ کے
پیش نظریہ دو سرا مفہوم زیادہ قرین قیاس ہے جب کہ امام شوکانی کے نزدیک پہلا زیادہ صحیح ہے۔

(۲) صَعَدًا، اُنَّی۔ عَذَابًا شَدِيدًا مُّوجِبًا مَّوَلَعًا (ابن کثیر) نہایت سخت، الم ناک عذاب۔

(۳) مسجد کے معنی سجدہ گاہ کے ہیں۔ سجدہ بھی ایک رکنِ نماز ہے، اس لیے نماز پڑھنے کی جگہ کو مسجد کہا جاتا ہے۔ آیت کا
مطلب واضح ہے کہ مسجدوں کا مقصد صرف ایک اللہ کی عبادت ہے، اس لیے مسجدوں میں کسی اور کی عبادت، کسی اور
سے دعا و مناجات، کسی اور سے استغاثہ و استدراج نہ ہیں۔ یہ امور ویسے تو مطلقاً ہی ممنوع ہیں اور کہیں بھی غیر اللہ کی
عبادت جائز نہیں ہے لیکن مسجدوں کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا ہے کہ ان کے قیام کا مقصد ہی اللہ کی عبادت ہے اگر
یہاں بھی غیر اللہ کو پکارنا شروع کر دیا گیا تو یہ نہایت ہی فحیح اور ظالمانہ حرکت ہو گی۔ لیکن بد قسمتی سے بعض نادان
مسلمان اب مسجدوں میں بھی اللہ کے ساتھ دو سروں کو بھی مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ بلکہ مسجدوں میں ایسے کتبے آویزاں
کیے ہوئے ہیں جن میں اللہ کو چھوڑ کر دو سروں سے استغاثہ کیا گیا ہے۔ آہ! فَلْيَلِكِ عَلَى الْإِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَاطِلًا۔

وَإِنَّهُ لَنَافِعٌ لِّعِبَادِ اللَّهِ يَدْعُوهُمْ كَادُوا يُكَذِّبُونَّ عَلَيْهِ
لِيَدْعَاهُ ①

قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ②

قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ③

قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِزِيَني مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ
مُلْتَحَدًا ④

إِلَّا بِلَافِظٍ مِنَ اللَّهِ وَبِمُسَلُّوۡنَہٗ وَمَنْ يَفْعَلْ يَفْعَلْهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ
فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا ⑤

حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ فَيَسْئَلُونَ مَنْ أُخِصَّتْ
نَافِلَتُهُ أَفَلَّ عَدَمًا ⑥

اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو
قریب تھا کہ وہ بھیڑ کی بھیڑ بن کر اس پر پل پڑیں۔^(۱)
آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا
ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔^(۲)
کہہ دیجئے کہ مجھے تمہارے کسی نقصان نفع کا اختیار
نہیں۔^(۳)

کہہ دیجئے کہ مجھے ہرگز کوئی اللہ سے بچا نہیں سکتا^(۴) اور
میں ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ بھی پا نہیں سکتا۔^(۵)
البتہ (میرا کام) اللہ کی بات اور اس کے پیغامات (لوگوں
کو) پہنچانا ہے۔^(۶) (اب) جو بھی اللہ اور اس کے
رسول کی نہ مانے گا اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس
میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۔^(۷)

(ان کی آنکھ نہ کھلے گی) یہاں تک کہ اسے دیکھ لیں جس
کا ان کو وعدہ دیا جاتا ہے^(۸) پس عنقریب جان لیں گے کہ

(۱) عَبْدُ اللَّهِ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مطلب ہے کہ انس و جن مل کر چاہتے ہیں کہ اللہ کے اس
نور کو اپنی چوٹوں سے بجھادیں۔ اس کے اور بھی مفسوم بیان کیے گئے ہیں لیکن امام ابن کثیر نے اسے رائج قرار دیا ہے۔

(۲) یعنی جب سب آپ کی عداوت پر متحد ہو گئے اور قتل گئے ہیں تو آپ فرما دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت
کرتا ہوں، اسی سے پناہ طلب کرتا اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔

(۳) یعنی مجھے تمہاری ہدایت یا گمراہی کا یا کسی اور نفع نقصان کا اختیار نہیں ہے، میں تو صرف اس کا ایک بندہ ہوں جسے
اللہ نے وحی و رسالت کے لیے جن لیا ہے۔

(۴) اگر میں اس کی نافرمانی کروں اور وہ مجھے اس پر وہ عذاب دینا چاہے۔

(۵) یہ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَرَشَدًا سے مستثنیٰ ہے یہ بھی ممکن ہے کہ لَنْ يُجِزِيَني سے مستثنیٰ ہو، یعنی اللہ سے کوئی چیز بچا سکتی ہے
تو وہ یہی ہے کہ تبلیغ رسالت کا وہ فریضہ بجالاؤں جس کی ادائیگی اللہ نے مجھ پر واجب کی ہے رَسَالَاتِهِ کا عطف اللہ پر
ہے 'يَا بَلَاغًا' پر یا پھر عبارت اس طرح ہے۔ إِلَّا أَن أُنَلِّغَ عَنْ اللَّهِ وَأَعْمَلَ بِرَسَالَاتِهِ (فتح القدیر)

(۶) یہ مطلب یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی عداوت اور اپنے کفر پر مصر ہیں گے، یہاں تک کہ دنیا
یا آخرت میں وہ عذاب دیکھ لیں، جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

کس کا مددگار کمزور اور کس کی جماعت کم ہے۔^(۱) (۲۴)
کہہ دیجئے کہ مجھے معلوم نہیں کہ جس کا وعدہ تم سے کیا
جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کے لیے دور کی
مدت مقرر کرے گا۔^(۲) (۲۵)

وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع
نہیں کرتا۔ (۲۶)

سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کر لے^(۳) لیکن اس کے
بھی آگے پیچھے پرے دار مقرر کر دیتا ہے۔^(۴) (۲۷)
تاکہ ان کے اپنے رب کے پیغام پہنچا دینے کا علم ہو
جائے^(۵) اللہ تعالیٰ نے انکے آس پاس (کی تمام چیزوں)

قُلْ اِنْ اَدْرٰی اَکَرِیْبٌ مَّا تُوعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ
لَہٗ رَبٌّ اَعَدًا ۝

عَلِیْہِ الْغَیْبُ فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا ۝

اِلَّا مَنِ ارٰی نَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّہٗ یَسْلُکُ
مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَ مِنْ خَلْفِہٖ رَمَدًا ۝

لَیَعْلَمَنَّ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رَسٰلَہٗ رَبِّہُمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْہُمْ
وَ اَخَصٰی کُلَّ شَیْءٍ اَعَدًا ۝

(۱) یعنی اس وقت ان کو پتہ لگے گا کہ مومنوں کا مددگار کمزور ہے یا مشرکوں کا؟ اور اہل توحید کی تعداد کم ہے یا غیر اللہ کے
پجاریوں کی؟ مطلب یہ ہے کہ پھر مشرکین کا تو سرے سے کوئی مددگار ہی نہیں ہو گا اور اللہ کے ان گنت شکرؤں کے
مقابلے میں ان مشرکین کی تعداد بھی آنے میں نیک کے برابر ہی ہوگی۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ عذاب یا قیامت کا علم، یہ غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ
قریب ہے یا دور؟

(۳) یعنی اپنے پیغمبر کو بعض امور غیب سے مطلع کر دیتا ہے جن کا تعلق یا تو اس کے فرائض رسالت سے ہوتا ہے یا وہ
اس کی رسالت کی صداقت کی دلیل ہوتے ہیں۔ اور ظاہریات ہے کہ اللہ کے مطلع کرنے سے پیغمبر عالم الغیب نہیں ہو
سکتا۔ کیوں کہ پیغمبر بھی اگر عالم الغیب ہو تو پھر اس پر اللہ کی طرف سے غیب کے اظہار کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔ اللہ
تعالیٰ اپنے غیب کا اظہار اسی وقت اور اسی رسول پر کرتا ہے، جس کو پہلے اس غیب کا علم نہیں ہوتا۔ اس لیے عالم الغیب
صرف اللہ ہی کی ذات ہے، جیسا کہ یہاں بھی اس کی صراحت فرمائی گئی ہے۔

(۴) یعنی نزول وحی کے وقت پیغمبر کے آگے پیچھے فرشتے ہوتے ہیں جو شیاطین اور جنات کو وحی کی باتیں سننے نہیں دیتے

(۵) لَیَعْلَمَنَّ میں ضمیر کا مرجع کون ہے؟ بعض کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تاکہ آپ جان میں کہ آپ
سے پہلے رسولوں نے بھی اللہ کا پیغام اسی طرح پہنچایا جس طرح آپ نے پہنچایا۔ یا مگر ان فرشتوں نے اپنے رب کا پیغام
پیغمبر تک پہنچا دیا ہے اور بعض نے اس کا مرجع اللہ کو بتایا ہے۔ اس صورت میں مطلب ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی
فرشتوں کے ذریعے سے حفاظت فرماتا ہے تاکہ وہ فریضہ رسالت کی ادائیگی صحیح طریقے سے کر سکیں۔ نیز وہ اس وحی کی
بھی حفاظت فرماتا ہے جو پیغمبروں کو کی جاتی ہے تاکہ وہ جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات لوگوں تک ٹھیک

کا احاطہ کر رکھا ہے ^(۱) اور ہر چیز کی گنتی کا شمار کر رکھا ہے۔ ^(۲) (۲۸)

سورہ مزمل کی ہے اور اس میں ہیں آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

سُورَةُ الْمَزْمَلِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اے کپڑے میں لپٹنے والے۔ ^(۱)

يَا أَيُّهَا الْمَرْمِلُ

رات (کے وقت نماز) میں کھڑے ہو جاؤ مگر کم۔ ^(۲)

فَإِذَا لَيْلٌ إِلَّا قِيْلًا

آدمی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر لے۔ ^(۳)

بِضَلَّةٍ أَوْ انْقُصَ مِنْهُ قَبِيلٌ

یا اس پر بڑھا دے ^(۴) اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر (صاف) پڑھا کر۔ ^(۵) ^(۴)

أَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا

یقیناً ہم تجھ پر بہت بھاری بات عنقریب نازل کریں گے۔ ^(۱) ^(۵)

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا

ٹھیک پہنچ دیے ہیں یا فرشتوں نے پیغمبروں تک وحی پہنچا دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اگرچہ پہلے ہی سے ہر چیز کا علم ہے لیکن ایسے موقعوں پر اللہ کے جاننے کا مطلب اس کے تحقق کا عام مشاہدہ ہے جیسے ﴿لَمَّا عَلِمُوا مَنَاجِدَ الْوُحُوْدِ﴾ (البقرة: ۱۲۳) اور ﴿وَلَمَّا عَلِمُوا الْوَحْيَ الَّذِي يُنَزَّلُ فِي الرُّجُودِ﴾ (سورة العنكبوت) وغیرہ آیات میں ہے۔ (ابن کثیر)

(۱) فرشتوں کے پاس کی یا پیغمبروں کے پاس کی۔
(۲) کیوں کہ وہی عالم الغیب ہے جو ہو چکا اور جو آئندہ ہو گا سب کا اس نے شمار کر رکھا ہے۔ یعنی اس کے علم میں ہے۔
(۳) جس وقت ان آیات کا نزول ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے اللہ نے آپ کی اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے خطاب فرمایا مطلب ہے کہ اب چادر چھوڑ دیں اور رات کو تمہارا قیام کریں یعنی نماز تہجد پڑھیں۔
کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی بنا پر نماز تہجد آپ کے لیے واجب تھی۔ (ابن کثیر)

(۴) یہ قَبِيلًا سے بدل ہے یعنی یہ قیام نصف رات سے کچھ کم (ثلث) یا کچھ زیادہ (دو ثلث) ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔
(۵) چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ آپ کی قراءت ترتیل کے ساتھ ہی ہوتی تھی اور آپ نے اپنی امت کو بھی ترتیل کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی تلقین کی ہے۔

(۶) رات کا قیام چوں کہ نفس انسانی کے لیے بالعموم گراں ہے اس لیے یہ جملہ معترضہ کے طور پر فرمایا کہ ہم اس سے

إِنْ نَاشِئَةُ الْبَيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا ۝

إِنْ لَكَ فِي النَّهَارِ سَمْعًا طَوِيلًا ۝

وَاذْكُرْ أَسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝

وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاعْزِزْهُ فَجَعَلْنَا جَمِيعًا ۝

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ۝

بیٹک رات کا اٹھنا دل جہی کے لیے انتہائی مناسب ہے^(۱)
اور بات کو بہت درست کر دینے والا ہے۔^(۲)
یقیناً تجھے دن میں بہت شغل رہتا ہے۔^(۳)
تو اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کر اور تمام خدائق سے کٹ
کر اس کی طرف متوجہ ہو جا۔^(۴)
مشرق و مغرب کا پروردگار جس کے سوا کوئی معبود نہیں،
تو اسی کو اپنا کارساز بنا لے۔^(۵)
اور جو کچھ وہ کہیں تو سہارا اور روغنہ داری کے ساتھ ان
سے الگ تھلگ رہ۔^(۶)
اور مجھے اور ان جھٹلانے والے آسودہ حال لوگوں کو چھوڑ
دے اور انہیں ذرا اسی صلت دے۔^(۷)

بھی ہماری بات تجھ پر نازل کریں گے، یعنی قرآن جس کے احکام و فرائض پر عمل اس کے حدود کی پابندی اور اس کی تبلیغ و دعوت، ایک ہماری اور جاں غسل عمل ہے۔ بعض نے ثقات (ہماری پن) سے وہ بوجھ مراد لیا ہے جو وحی کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑتا تھا جس سے سخت سردی میں بھی آپ پینے سے شرابور ہو جاتے۔ (ابن کثیر)
(۱) اس کا دوسرا مضموم ہے کہ رات کی تمائیوں میں کان معانی قرآن کے فہم میں دل کے ساتھ زیادہ موافقت کرتے ہیں جو ایک نمازی تہجد میں پڑھتا ہے۔

(۲) دوسرا مضموم ہے کہ دن کے مقابلے میں رات کو قرآن زیادہ واضح اور حضور قلب کے لیے زیادہ موثر ہے اس لیے کہ اس وقت دوسری آوازیں خاموش ہوتی ہیں۔ فضا میں سکون غالب ہوتا ہے اس وقت نمازی جو پڑھتا ہے وہ آوازوں کے شور اور دنیا کے ہنگاموں کی نذر نہیں ہوتا بلکہ نمازی اس سے خوب محظوظ ہوتا اور اس کی اثر آفرینی کو محسوس کرتا ہے۔

(۳) سَنَع کے معنی ہیں الْبُخْرَى وَالذَّوْرَانُ (چلنا اور گھومنا پھرنا) یعنی دن کے وقت دنیاوی مصروفیتوں کا جہوم رہتا ہے۔ یہ پہلی بات ہی کی تائید ہے۔ یعنی رات کو نماز اور تلاوت زیادہ مفید اور موثر ہے۔ یعنی اس پر مدد و صحت کر، دن ہو یا رات، اللہ کی تسبیح و تحمید اور تحکیم و تحلیل کرتا رہ۔

(۴) تَبَتَّل کے معنی انْقِطَاع اور علیحدگی کے ہیں، یعنی اللہ کی عبادت اور اس سے دعا و مناجات کے لیے یکسو اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جانا۔ یہ رہبانیت سے مختلف چیز ہے۔ رہبانیت تو تجرد اور ترک دنیا ہے۔ جو اسلام میں ناپسندیدہ چیز ہے۔ اور تَبَتَّل کا مطلب ہے امور دنیا کی ادائیگی کے ساتھ عبادت میں اشتغال، خشوع، خضوع اور اللہ کی طرف یکسوئی۔ یہ محمود و مطلوب ہے۔

إِنْ لَدَيْنَا مَكَلٌ وَجَعِيمًا ۝

یقیناً ہمارے ہاں سخت چیزیاں ہیں اور سنگتی ہوئی
جہنم ہے۔ (۱۳)

وَكَلْعَانًا ذَا غَصَّةٍ وَعَذَابًا لِّبَنَاتِنَا ۝

اور حلق میں اٹکنے والا کھانا ہے اور درد دینے والا عذاب
ہے۔ (۱۴)

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ۝

جس دن زمین اور پہاڑ تھر تھرا جائیں گے اور پہاڑ مٹیں
بھر بھری ریت کے ٹیلوں کے ہو جائیں گے۔ (۱۵)

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ

پیشک ہم نے تمہاری طرف بھی تم پر گواہی دینے والا (۱۶)

رَسُولًا ۝

بھیجا تھا۔ (۱۵)

فَقَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ۝

تو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے
سخت (دھال کی) پکڑ میں پکڑ لیا۔ (۱۷)

فَكَيْفَ تَتَعَوَّنَ إِنَّ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ

تم اگر کافر رہے تو اس دن کیسے پناہ پاؤ گے جو دن بچوں کو
بوڑھا کر دے گا۔ (۱۸)

شِيبًا ۝

(۱) اَنْكَلٌ، نکل کی جمع ہے، قیود (بیڑیاں) اور بعض نے اَعْلَان کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی طوق۔ حَجِينَمَا بھڑکتی آگ۔
ذَا غَصَّةٍ حلق میں اٹک جانے والا نہ حلق سے نیچے اترے اور نہ باہر نکلے۔ یہ زَقُومٌ یا ضَرِيعٌ کا کھانا ہو گا۔ ضَرِيعٌ ایک
کائے دار جھاڑی ہے جو سخت بدبودار اور زہریلی ہوتی ہے۔

(۲) یعنی یہ عذاب اس دن ہو گا جس دن زمین اور پہاڑ بھونچال سے تھوڑا ہل جائیں گے اور بڑے بڑے پرہیزگار بہت
کے ٹیلوں کی طرح بے حیثیت ہو جائیں گے کَثِيبٌ ریت کا ٹیلہ، مَهِيلٌ بھر بھری پیروں کے نیچے سے نکل جانے والی ریت۔
(۳) جو قیامت والے دن تمہارے اعمال کی گواہی دے گا۔

(۴) اس میں اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ تمہارا حشر بھی وہی ہو سکتا ہے جو فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے ہوا۔
(۵) شَنِيبٌ، اَشَنِيبٌ کی جمع ہے، قیامت والے دن، قیامت کی ہولناکی سے فی الواقع بچے بوڑھے ہو جائیں گے یا تمثیل
کے طور پر ایسا کہا گیا ہے۔

حدیث میں بھی آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ آدم علیہ السلام کو کہے گا کہ اپنی اولاد میں سے جہنم کے لیے نکال لے
حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے 'یا اللہ کس طرح؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' ہر ہزار میں سے ۹۹۹۔ اس وقت صل والی
عورتوں کا حاصل گر جائے گا اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت شاق گزری اور ان کے
چہرے فق ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قوم یا جوج و ماجوج میں ۹۹۹ ہوں گے اور تم سے ایک... اللہ کی رحمت سے

إِلَٰهَ السَّمَاءِ مُنْفِطِرٌ بِهِ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ۝

إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ
سَبِيلًا ۝

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ
وَنُصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ
يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِيمٌ إِنَّ لَكَ لِنُحُوصَهُ فِتْنَابٌ
عَلَيْكَ ۚ فَاقْرَأْهُمَا مَّا تَشَاءُ مِنَ الْقُرْآنِ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ
سَمْعَكَ وَمَنْكَرَ قَرْنَيْكَ وَالْأَعْيُنَ يَصِفُونَ فِي الْأَرْضِ

جس دن آسمان پھٹ جائے گا^(۱) اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہو کر
بی رہنے والا ہے۔^(۲) (۱۸)

بیٹھک یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ
اختیار کرے۔ (۱۹)

آپ کا رب بخوبی جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ
کے لوگوں کی ایک جماعت قریب دو تہائی رات کے اور
آدھی رات کے اور ایک تہائی رات کے تہجد پڑھتی
ہے^(۳) اور رات دن کا پورا اندازہ اللہ تعالیٰ کو ہی
ہے^(۴) وہ (خوب) جانتا ہے کہ تم اسے ہرگز نہ بھلا
سکو گے^(۵) پس اس نے تم پر مہربانی کی^(۶) لہذا جتنے قرآن

مجھے امید ہے کہ تمام جنتیوں میں سے آدھا تم ہم لوگ ہو گے۔ الحدیث «البحاری تفسیر سورة الحج

(۱) یہ یوم کی دوسری صفت ہے۔ اس دن ہولناکی سے آسمان پھٹ جائے گا۔

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے جو بعث بعد الموت، حساب کتاب اور جنت و دوزخ کا وعدہ کیا ہوا ہے، یہ یقیناً لا محالہ ہو کر رہنا ہے۔

(۳) جب سورت کے آغاز میں نصف رات یا اس سے کم یا زیادہ قیام کا حکم دیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے
ساتھ صحابہ کی ایک جماعت رات کو قیام کرتی، کبھی دو تہائی سے کم، کبھی نصف رات اور کبھی ثلث (ایک تہائی حصہ)
جیسا کہ یہاں ذکر ہے۔ لیکن ایک تو رات کا یہ مستقل قیام نہایت گراں تھا۔ دوسرے وقت کا یہ اندازہ نصف رات یا
ثلث یا دو ثلث حصہ قیام کرنا ہے، اس سے بھی زیادہ مشکل تر تھا۔ اس لیے اللہ نے اس آیت میں تخفیف کا حکم نازل فرما
دیا جس کا مطلب بعض کے نزدیک ترک قیام کی اجازت ہے اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ اس کے فرض کو استحباب
میں بدل دیا گیا۔ اب یہ نہ امت کے لیے فرض ہے نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ تخفیف
صرف امت کے لیے ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کا پڑھنا ضروری تھا۔

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ تو رات کی گھڑیاں گن سکتا ہے کہ کتنی گزر گئی ہیں اور کتنی باقی ہیں؟ تمہارے لیے یہ اندازہ ناممکن ہے۔

(۵) جب تمہارے لیے رات کے گزرنے کا صحیح اندازہ ممکن ہی نہیں، تو تم مقررہ اوقات تک نماز تہجد میں مشغول بھی
کس طرح رہ سکتے ہو؟

(۶) یعنی اللہ نے قیام اللیل کے حکم کو منسوخ کر دیا اور اب صرف اس کا استحباب باقی رہ گیا ہے۔ اور وہ بھی وقت کی
پابندی کے بغیر۔ نصف شب، یا ثلث شب یا دو ثلث کی پابندی بھی ضروری نہیں۔ اگر تم تھوڑا سا وقت صرف کر کے دو
رکعت بھی پڑھ لو گے تو عند اللہ قیام اللیل کے اجر کے مستحق قرار پاؤ گے۔ تاہم اگر کوئی شخص ۸ رکعت تہجد کا

يَسْتَعْمُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَالْآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ فَأَقْرَرُوا بِمَا تَشْتَرِيهِمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ
وَأَتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوا

پڑھنا تمہارے لئے آسان ہو اتنا ہی پڑھو^(۱) وہ جانتا ہے
کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوں گے، بعض دوسرے زمین
میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کا فضل (یعنی روزی بھی) تلاش
کریں گے^(۲) اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد بھی

اہتمام کرے گا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، تو یہ زیادہ بہتر ہو گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا
مجمع قرار پائے گا۔

(۱) فَأَقْرَرُوا کا مطلب ہے فَصَلُّوا اور قرآن سے مراد الصَّلَاة ہے۔ قیام اللیل میں چوں کہ قیام لمبا ہوتا ہے اور
قرآن زیادہ پڑھا جاتا ہے اس لیے نماز تہجد کو ہی قرآن سے تعبیر کر دیا گیا ہے جیسے نماز میں سورۃ فاتحہ نہایت ضروری ہے
اس لیے اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں جو سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے، سورۃ فاتحہ کو نماز سے تعبیر فرمایا ہے
فَمَسَمْتُ الصَّلَاةَ نَهْنِي وَبَيَّنَّ عَبْدِي. الْحَدِيثُ اس لیے ”جتنا قرآن پڑھنا آسان ہو پڑھ لو“ کا مطلب ہے۔ رات کو
جتنی نماز پڑھ سکتے ہو پڑھ لو۔ اس کے لیے نہ وقت کی پابندی ہے اور نہ رکعات کی۔ اس آیت سے بعض لوگ استدلال
کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری نہیں ہے جتنا کسی کے لیے آسان ہو پڑھ لے، اگر کوئی ایک
آیت بھی کہیں سے پڑھ لے گا تو نماز ہو جائے گی۔ لیکن اول تو یہاں قراءت بمعنی نماز ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اس
لیے آیت کا تعلق اس بات سے نہیں ہے کہ نماز میں کتنی قراءت ضروری ہے؟ دوسرے اگر اس کا تعلق قراءت سے
ہی مان لیا جائے تب بھی یہ استدلال اپنے اندر کوئی قوت نہیں رکھتا۔ کیوں کہ مَا تَشْتَرِي کی تفسیر خود نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمادی ہے کہ وہ کم سے کم قراءت جس کے بغیر نماز نہیں ہوگی وہ سورۃ فاتحہ ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ ضرور پڑھو جیسا کہ صحیح اور نہایت قوی اور واضح احادیث میں یہ حکم ہے۔ اس تفسیر نبوی صلی
اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہ کہنا کہ نماز میں سورۃ فاتحہ ضروری نہیں بلکہ کوئی سی بھی ایک آیت پڑھ لو نماز ہو جائے گی۔
بڑی جسارت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے بے اعتنائی کا مظاہرہ ہے۔ نیز ائمہ کے اقوال کے بھی خلاف ہے
جو انہوں نے اصول فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس آیت سے ترک فاتحہ خلف الامام پر استدلال جائز نہیں اس لیے
کہ دو آیتیں متعارض ہیں۔ ابتدا اگر کوئی شخص جری نماز میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھے تو بعض احادیث کی رو سے
بعض ائمہ نے اسے جائز کہا ہے اور بعض نے نہ پڑھنے ہی کو ترجیح دی ہے۔ (تفصیل کے لیے فرضیت فاتحہ خلف الامام پر
تحریر کردہ کتب ملاحظہ فرمائیں)

(۲) یعنی تجارت اور کاروبار کے لیے سفر کرنا اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں یا ایک ملک سے دوسرے ملک
میں جانا پڑے گا۔

لَا تَقْسِرُكُمْ مِنْ خَلْفِ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ
وَأَعْظَمُ أَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ
رَحِيمٌ ۝

کریں گے،^(۱) سو تم یہ آسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو^(۲)
اور نماز کی پابندی رکھو^(۳) اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ
تعالیٰ کو اچھا قرض دو۔^(۴) اور جو نیکی تم اپنے لیے آگے
بھیجو گے اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر سے بہتر اور ثواب
میں بہت زیادہ پاؤ گے^(۵) اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہو۔
یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲۰)

سورۃ مدثر کی ہے اور اس میں چھن آیتیں اور
دو رکوع ہیں۔

سُورَةُ الْمَدَنِيِّ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

اے کپڑا اوڑھنے والے۔^(۱)

بِأَنفِ الْمَدَنِيِّ ۝

(۱) اسی طرح جہاد میں بھی پر مشقت سفر اور مشقتیں کتنی پڑتی ہیں۔ اور یہ تینوں چیزیں۔ بیماری، سفر اور جہاد۔ نوبت بہ
نوبت ہر ایک کو لاحق ہوتی ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل کے حکم میں تخفیف کر دی ہے۔ کیوں کہ تینوں حالتوں
میں یہ نہایت مشکل اور بڑا صبر آزما کام ہے۔

(۲) اسباب تخفیف کے ساتھ تخفیف کا یہ حکم دوبارہ بطور تاکید بیان کر دیا ہے۔

(۳) یعنی پانچ نمازوں کی جو فرض ہیں۔

(۴) یعنی اللہ کی راہ میں حسب ضرورت و توفیق خرچ کرو اسے قرض حسن سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے
بدلے میں سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

(۵) یعنی نفلی نمازیں، صدقات و خیرات اور دیگر نیکیاں جو بھی کرو گے اللہ کے ہاں ان کا بہترین اجر پاؤ گے۔ اکثر مفسرین کے
نزدیک یہ آیت نمبر ۲۰ دینے میں نازل ہوئی ہے اس لیے وہ کہتے ہیں کہ اس کا نصف حصہ مکی اور نصف مدنی ہے (ایسر التفاسیر)

(۶) سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی وہ ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ ہے اس کے بعد وحی میں وقفہ ہو گیا اور نبی صلی
اللہ علیہ وسلم سخت مضطرب اور پریشان رہے۔ ایک روز اچانک پھر وحی فرشتہ جو غار حرا میں پہلی مرتبہ وحی لے کر آیا
تھا۔ آپ نے دیکھا کہ آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے جس سے آپ پر ایک خوف سا طاری ہو گیا اور
گھر جا کر گھروالوں سے کہا کہ مجھے کوئی کپڑا اوڑھا دو مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے جسم پر ایک کپڑا ڈال
دیا اسی حالت میں یہ وحی نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری و مسلم، سورۃ المدثر و کتاب الایمان اس اعتبار سے

کھڑا ہو جا اور آگاہ کروے۔ ^(۲)	فَرَأَيْنَاهُ
اور اپنے رب ہی کی بڑائیاں بیان کر۔ ^(۳)	وَرَبِّكَ فَعَبَّرَ
اپنے کپڑوں کو پاک رکھا کر۔ ^(۴)	وَنِيَابِكَ فَطَهَّرَ
ٹاپا کی کو چھوڑ دے۔ ^(۵)	وَالرُّجْزَ فَاهْجَرُ
اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر۔ ^(۶)	وَلَا تَمْنُنْ تَسْخَرُ
اور اپنے رب کی راہ میں صبر کر۔ ^(۷)	وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ
پس جب کہ صور میں پھونک ماری جائے گی۔ ^(۸)	وَإِذَا نُفِثَ النُّفُورُ
تو وہ دن بڑا سخت دن ہو گا۔ ^(۹)	فَذَلِكِ يَوْمُ غِيَرٍ
(جو) کافروں پر آسان نہ ہو گا۔ ^(۱۰)	عَلِ الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ
مجھے اور اسے چھوڑ دے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے۔ ^(۱۱)	ذُرِّيٍّ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا
اور اسے بہت سا مال دے رکھا ہے۔ ^(۱۲)	وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْنُونًا
اور حاضر باش فرزند بھی۔ ^(۱۳)	وَبَيْنَيْنِ شُهُودًا

یہ دو سری وحی اور فطرت وحی کے بعد پہلی وحی ہے۔

(۱) یعنی اہل مکہ کو ڈرا اگر وہ ایمان نہ لائیں۔

(۲) یعنی قلب دنیوت کے ساتھ کپڑے بھی پاک رکھ۔ یہ حکم اس لیے دیا کہ مشرکین مکہ طہارت کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔

(۳) یعنی بتوں کی عبادت چھوڑ دے۔ یہ دراصل لوگوں کو آپ کے ذریعے سے حکم دیا جا رہا ہے۔

(۴) یعنی احسان کر کے یہ خواہش نہ کر کہ بدلے میں اس سے زیادہ ملے گا۔

(۵) یعنی قیامت کا دن کافروں پر بھاری ہو گا کیوں کہ اس روز کفر کا نتیجہ انہیں بھگتنا ہو گا جس کا ارتکاب وہ دنیا میں کرتے رہے ہوں گے۔

(۶) یہ کلمہ دعید و تمید ہے کہ اسے جسے میں نے ماں کے پیٹ میں اکیلا پیدا کیا اس کے پاس ماں تھا نہ اور وہ اور مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ یعنی میں خود ہی اس سے نمٹ لوں گا۔ کہتے ہیں کہ یہ ولید بن مغیرہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ کفر و ظن میں بہت بڑھا ہوا تھا اس لیے اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۷) اسے اللہ نے اولاد دے کر سے نوازا تھا اور وہ ہر وقت اس کے پاس ہی رہتے تھے مگر میں دولت کی فراوانی تھی اس لیے بیٹوں کو تجارت و کاروبار کے لیے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ بعض کہتے ہیں یہ بیٹے سات تھے بعض کے نزدیک ۱۲ اور بعض کے نزدیک ۱۳ تھے ان میں سے تین مسلمان ہو گئے تھے خالد بن ولید، ولید بن ابی مرثدہ، (فتح القدیر)

اور میں نے اسے بہت کچھ کشاویں دے رکھی ہے۔^(۱۳)

پھر بھی اس کی چاہت ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔^(۱۵)

نہیں نہیں،^(۱۳) وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔^(۱۶)
عنقریب میں اسے ایک سخت چڑھائی چڑھاؤں گا۔^(۱۷)
اس نے غور کر کے تجویز کی۔^(۱۸)

اسے ہلاکت ہو کیسی (تجویز) سوچی؟^(۱۹)
وہ پھر عمارت ہو کس طرح اندازہ کیا۔^(۲۰)
اس نے پھر دیکھا۔^(۲۱)

پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا۔^(۲۲)
پھر پیچھے ہٹ گیا اور غرور کیا۔^(۲۳)

اور کہنے لگا یہ تو صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا

وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا ۝

ثُمَّ يَنْظُمُ أَنْ يَزِيدَ ۝

كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِإِيْتِنَا عَنِيدًا ۝

سَأَرْفَعُهُ صَعُودًا ۝

إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝

فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝

ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝

ثُمَّ نَظَرَ ۝

ثُمَّ عَسَىٰ وَهَسَرَ ۝

ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝

فَقَالَ إِن هَٰذَا إِلَّا بَعْرٌ يُؤْخَرُ ۝

(۱) یعنی مال و دولت میں ریاست و سرداری میں اور درازی عمر میں۔

(۲) یعنی کفر و معصیت کے باوجود اس کی خواہش ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔

(۳) یعنی میں اسے زیادہ نہیں دوں گا۔

(۴) یہ کَلَّا کی علت ہے۔ عَنِیدُ اس شخص کو کہتے ہیں جو جاننے کے باوجود حق کی مخالفت اور اس کو رد کرے۔

(۵) یعنی ایسے عذاب میں مبتلا کروں گا جس کا برداشت کرنا نہایت سخت ہو گا، بعض کہتے ہیں 'جہنم میں آگ کا پہاڑ ہو گا جس پر اس کو چڑھایا جائے گا۔ اِزْهَاقِی کے معنی ہیں۔ انسان پر بھاری چیز لا دینا۔ (فتح القدیر)

(۶) یعنی قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سن کر اس نے اس امر پر غور کیا کہ میں اس کا کیا جواب دوں؟ اور اپنے جی میں اس نے وہ تیار کیا۔

(۷) یہ اس کے حق میں بددعا یہ کلمے ہیں کہ ہلاک ہو، مارا جائے، کیا بات اس نے سوچی ہے؟

(۸) یعنی پھر غور کیا کہ قرآن کا رد کس طرح ممکن ہے۔

(۹) یعنی جواب سوچتے وقت چہرے کی سلونیں بدلیں، اور منہ بسورا، جیسا کہ عموماً کسی مشکل بات پر غور کرتے وقت آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔

(۱۰) یعنی حق سے اعراض کیا اور ایمان لانے سے تکبر کیا۔

إِنَّ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝

مَا ضَلَّ عَلَيْهِ سَقَرٌ ۝

وَمَا أَزْرٰكَ مَا سَقَرٌ ۝

لَا تُشْعِقُوْا وَلَا تُدْرِكُوْا ۝

لَوْ أَنَّ لِلْبَشَرِ ۝

عَلَيْهَا ثَمَرَةٌ عَشْرَ ۝

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً وَمَا جَعَلْنَا عَدُوَّهُمْ

إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَوِيَنَّ الَّذِينَ أَوْفُوا الْكِتَابَ

وَيَزِدَّ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أَوْفُوا

الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ وَلَيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ

وَالْكَفَرُؤْنَ مَاذَا آرَادَ اللَّهُ بِهَذَا امْتَلَأْكَ ذٰلِكَ يُضِلُّ

ہے۔^(۱) (۲۳)

سوائے انسانی کلام کے کچھ بھی نہیں۔ (۲۵)

میں عنقریب اسے دوزخ میں ڈالوں گا۔ (۲۶)

اور تجھے کیا خبر کہ دوزخ کیا چیز ہے؟^(۲) (۲۷)

نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے۔^(۳) (۲۸)

کھال کو جھلسا دیتی ہے۔ (۲۹)

اور اس میں انیس (فرشتے مقرر) ہیں۔^(۴) (۳۰)

ہم نے دوزخ کے داروغے صرف فرشتے رکھے ہیں۔ اور

ہم نے ان کی تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لیے

مقرر کی ہے^(۵) تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں،^(۶) اور

اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ ہو جائے^(۷) اور اہل کتاب

اور اہل ایمان شک نہ کریں اور جن کے دلوں میں بیماری

ہے وہ اور کافر کہیں کہ اس بیان سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد

(۱) یعنی کسی سے یہ سیکھ آیا اور وہاں سے نقل کر لایا ہے اور دعویٰ کر دیا کہ اللہ کا نازل کردہ ہے۔

(۲) دوزخ کے ناموں یا درجات میں سے ایک کا نام سقر بھی ہے۔

(۳) ان کے جسموں پر گوشت چھوڑے گی نہ ہڈی۔ یا مطلب ہے جنہیوں کو زندہ چھوڑے گی نہ مردہ، لَا يَمُوتُ فِيهَا

وَلَا يَخْيِي

(۴) یعنی جنم پر بطور درہن ۱۹ فرشتے مقرر ہیں۔

(۵) یہ مشرکین قریش کا رو ہے، جب جنم کے داروغوں کا اللہ نے ذکر فرمایا تو ابو جہل نے جماعت قریش کو خطاب کرتے

ہوئے کہا کہ کیا تم میں سے ہر دس آدمیوں کا گروپ، ایک ایک فرشتے کے لیے کافی نہیں ہو گا۔ بعض کہتے ہیں کہ کلدہ

نای شخص نے جسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا، کہا، تم سب صرف دو فرشتے سنبھال لینا، ۱۷ فرشتوں کو تو میں اکیلا ہی کافی

ہوں۔ کہتے ہیں اسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کشتی کا بھی کئی مرتبہ چیلنج دیا اور ہر مرتبہ شکست کھائی مگر، یمن

نہیں لایا۔ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ رکانہ بن عبد یزید کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے کشتی لڑی تھی لیکن وہ شکست کھا کر

مسمان ہو گئے تھے۔ (ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ یہ تعداد بھی ان کے استہزاء یعنی آزمائش کا سبب بن گئی۔

(۶) یعنی جان لیں کہ یہ رسول برحق ہے اور اس نے وہی بات کی ہے جو پچھلی کتابوں میں بھی درج ہے

(۷) کہ اہل کتاب نے ان کے پیغمبر کی بات کی تصدیق کی ہے۔

اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلنَّبِيِّ ۝

كَلَّا وَالْعَمْرِ ۝

وَالْقِيلِ إِذَا دُبِّرَ ۝

وَالضُّبْرِ إِذَا اسْفَرَ ۝

إِنَّمَا أَخَذَ الذِّكْرِ ۝

نَذِيرًا لِلنَّبِيِّ ۝

لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَّقِيَهُ أَوْ يَتَأَخَّرَ ۝

ہے؟^(۱) اسی طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔^(۲) تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا^(۳) یہ تو کل بنی آدم کے لیے سرا سر ہندو نصیحت ہے۔^(۴) (۳۱)

سچ کہتا ہوں^(۵) قسم ہے چاند کی۔ (۳۲)

اور رات کی جب وہ پیچھے ہٹے۔ (۳۳)

اور صبح کی جب کہ روشن ہو جائے۔ (۳۴)

کہ (یقیناً وہ جہنم) بڑی چیزوں میں سے ایک ہے۔^(۶) (۳۵)

بنی آدم کو ڈرانے والی۔ (۳۶)

(یعنی) اسے^(۷) جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے ہٹنا

(۱) بیماروں والوں سے مراد منافقین ہیں یا پھر وہ ہیں جن کے دلوں میں شکوک تھے کیوں کہ کئے میں منافقین نہیں تھے۔ یعنی یہ پوچھیں گے کہ اس تعداد کو یہاں ذکر کرنے میں اللہ کی کیا حکمت ہے؟

(۲) یعنی گزشتہ گمراہی کی طرح جسے چاہتا ہے گمراہ اور جسے چاہتا ہے راہ یاب کرتا ہے اس میں جو حکمت بالغہ ہوتی ہے اسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

(۳) یعنی یہ کفار و مشرکین سمجھتے ہیں کہ جہنم میں ۱۹ فرشتے ہی تو ہیں تا جن پر قابو پانا کون سا مشکل کام ہے؟ لیکن ان کو معلوم نہیں کہ رب کے لشکر تو اتنے ہیں کہ جنہیں اللہ کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔ صرف فرشتے ہی اتنی تعداد میں ہیں کہ ۷۰ ہزار فرشتے روزانہ اللہ کی عبادت کے لیے بیت المعمور میں داخل ہوتے ہیں پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آئے گی۔ (صحیح البخاری و مسلم)

(۴) یعنی یہ جہنم اور اس پر مقرر فرشتے انسانوں کی ہندو نصیحت کے لیے ہیں کہ شاید وہ نافرمانیوں سے باز آجائیں۔

(۵) کَلَّا یہ اہل مکہ کے خیالات کی نفی ہے یعنی جو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم فرشتوں کو مغلوب کریں گے ہرگز ایسا نہیں ہو گا۔ قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ پیچھے ہٹے یعنی جانے لگے۔

(۶) یہ جواب قسم ہے۔ کُتْرًا، کُتْرَی کی جمع ہے تین نہایت اہم چیزوں کی قسموں کے بعد اللہ نے جہنم کی بڑائی اور ہوناسی کو بیان کیا ہے جس سے اس کی بڑائی میں کوئی شک نہیں رہتا۔

(۷) یعنی یہ جہنم ڈرانے والی ہے یا اس نذیر سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا قرآن ہے کیوں کہ قرآن بھی اپنے بیان کردہ وعدہ و وعید کے اعتبار سے انسانوں کے لیے نذیر ہے۔

چاہے۔ ^(۱) (۳۷)	كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝
ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروہی ہے۔ ^(۲) (۳۸)	إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۝
گمراہ نہیں ہاتھ والے۔ ^(۳) (۳۹)	فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝
کہ وہ بہشتوں میں (بیٹھے ہوئے) گناہ گاروں سے۔ ^(۴) (۴۰)	عَنِ الْمُنْجَرِمِينَ ۝
سوال کرتے ہوں گے۔ ^(۵) (۴۱)	مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ ۝
تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا۔ ^(۶) (۴۲)	قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝
وہ جواب دیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے۔ ^(۷) (۴۳)	وَلَمْ نَكُ نَطُوعُ الْيَكِينِ ۝
نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ ^(۸) (۴۴)	وَكُنَّا نَحْوُ مَنْ غَافٍ ۝
اور ہم بحث کرنے والے (انکاریوں) کا ساتھ دے کر	وَكُنَّا نَذُوبُ يَوْمَ الْبَيْنِ ۝
بحث مباحثہ میں مشغول رہا کرتے تھے۔ ^(۹) (۴۵)	حَتَّىٰ أَتَيْنَا الْيَقِينَ ۝
اور روز جزا کو جھٹلاتے تھے۔ ^(۱۰) (۴۶)	فَمَا نَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الْفَافِينَ ۝
یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی۔ ^(۱۱) (۴۷)	
پس انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے	
گی۔ ^(۱۲) (۴۸)	

(۱) یعنی ایمان و اطاعت میں آگے بڑھنا چاہے یا اس سے پیچھے ہٹنا چاہے۔ مطلب ہے کہ انداز ہر ایک کے لیے ہے جو ایمان لائے یا کفر کرے۔

(۲) رہن گروہی رکھنے کو کہتے ہیں۔ یعنی ہر شخص اپنے عمل کا گروہی ہے 'وہ عمل اسے عذاب سے چھڑے گا' (اگر نیک ہوگا) یا اسے ہلاک کر دے گا۔ (اگر برا ہوگا)

(۳) یعنی وہ اپنے گناہوں کے اسیر نہیں ہوں گے بلکہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے آزاد ہوں گے۔

(۴) فِی جَنَّاتٍ، أَصْحَابُ الْيَمِينِ سے حال ہے۔ اہل جنت بلا خانوں میں بیٹھے 'جہنمیوں سے سوال کریں گے۔

(۵) نماز حقوق اللہ میں سے اور مساکین کو کھانا حقوق العباد میں سے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم نے اللہ کے حقوق ادا کیے نہ بندوں کے۔

(۶) یعنی کج بحثی اور گمراہی کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیتے تھے۔

(۷) یقین کے معنی موت کے ہیں 'بیسے دوسرے مقام پر ہے۔ ﴿وَلَعَبْدٌ رَّكَكٌ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ (الحجر ۹۹)

(۸) یعنی جو صفات مذکورہ کا حامل ہوگا اسے کسی کی شفاعت بھی فائدہ نہیں پہنچائے گی 'اس لیے کہ وہ کفر کی وجہ سے عمل شفاعت ہی نہیں ہوگا' شفاعت تو صرف ان کے لیے مفید ہوگی جو ایمان کی وجہ سے شفاعت کے قابل ہوں گے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرِ مُعْرِضِينَ ﴿٥٩﴾

انہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں۔ (۵۹)

كَأَنَّهُمْ خُمُرٌ مُسْتَنفِرَةٌ ﴿٦٠﴾

گویا کہ وہ بد کے ہوئے گدھے ہیں۔ (۶۰)

فَرَّتْ مِنْ قَبْرَةٍ ﴿٦١﴾

جو شیر سے بھاگے ہوں۔ (۶۱)

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَى صُحُفًا مُنشَرَةً ﴿٦٢﴾

بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے کھلی ہوئی کتابیں دی جائیں۔ (۶۲)

كَلَّا بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٦٣﴾

ہرگز ایسا نہیں (ہو سکتا بلکہ) یہ قیامت سے بے خوف ہیں۔ (۶۳)

كَلَّا إِنَّهُ تَذَكُّرًا ﴿٦٤﴾

جی بات تو یہ ہے کہ یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے۔ (۶۴)

فَمَنْ شَاءَ ذَكِّرْهُ ﴿٦٥﴾

اب جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔ (۶۵)

وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ هُوَ أَهْلُ السُّعُورِ ﴿٦٦﴾

اور وہ اس وقت نصیحت حاصل کریں گے جب اللہ تعالیٰ چاہے، وہ اسی لائق ہے کہ اس سے ڈریں اور اس لائق بھی کہ وہ بخشنے۔ (۶۶)

وَأَهْلُ السُّغُورِ ﴿٦٧﴾

اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت بھی انہی کے لیے طے کی نہ کہ ہر ایک کے لیے۔

(۱) یعنی یہ حق سے نفرت اور اعراض کرنے میں ایسے ہیں جیسے وحشی، خوف زدہ گدھے، شیر سے بھاگتے ہیں جب وہ اس کا شکار کرنا چاہے۔ قَسْوَةً بمعنی شیر بعض نے تیر انداز معنی بھی کیے ہیں۔

(۲) یعنی ہر ایک کے ہاتھ میں اللہ کی طرف سے ایک ایک کتاب مفتوح نازل ہو جس میں لکھا ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ بغیر عمل کے یہ عذاب سے براءت چاہتے ہیں، یعنی ہر ایک کو پروانہ نجات مل جائے۔ (ابن کثیر)

(۳) یعنی ان کے فساد کی وجہ ان کا آخرت پر عدم ایمان اور اس کی تکذیب ہے جس نے انہیں بے خوف کر دیا ہے۔

(۴) لیکن اس کے لیے جو اس قرآن کے مواعظ و نصائح سے عبرت حاصل کرنا چاہے۔

(۵) یعنی اس قرآن سے ہدایت اور نصیحت اسے ہی حاصل ہوگی جسے اللہ چاہے گا۔ ﴿وَمَا يَشَاءُ اللَّهُ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (الکھویر: ۲۹)

(۶) یعنی وہ اللہ ہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی معاف کرنے کے اختیارات رکھتا ہے۔ اس لیے وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اسکی اطاعت کی جائے اور اسکی نافرمانی سے بچا جائے تاکہ انسان اسکی مغفرت و رحمت کا سزاوار قرار پائے۔

يُؤْتِي الْقِيَمَةَ

يَسْأَلُ اللَّهَ الرَّحْمَنَ الرَّحِيمَ ۝

لَا أَقْسِرُ بِمَوْرِ الْقِيَمَةِ ۝

وَلَا أَقْسِرُ بِالنَّفْسِ الْكِرَامَةِ ۝

أَيَسْبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ لَّجَمْعِ عِظَامِهِ ۝

بَلْ قَدِيرٌ عَلَى أَنْ لَسَوْىَ بَنَانَهُ ۝

بَلْ يُؤَيِّدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ۝

سورۃ قیامت کی ہے اور اس میں چالیس آیتیں اور
دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔^(۱)

اور قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو طاعت کرنے
والا ہو۔^(۲)

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع کریں
گے ہی نہیں۔^(۳)

ہاں ضرور کریں گے ہم تو قادر ہیں کہ اس کی پور پور تک
درست کر دیں۔^(۴)

بلکہ انسان تو چاہتا ہے کہ آگے آگے نافرمانیاں کرتا
جائے۔^(۵)

(۱) لَا أَقْسِرُ میں لازائدہ ہے جو عربی زبان کا ایک اسلوب ہے جسے ﴿مَا مَنَعَكَ الْاَلْتِفَافُ﴾ (الأعراف ۱۷۲) اور ﴿لَقَدْ عَلِمْتُمْ أَفْلَحَ الْكُتُبِ﴾ (الحج ۲۸) اور دیگر بہت سے مقامات میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قسم سے پہلے کفار کے کلام کا رد ہے 'وہ کہتے تھے مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ لاکے ذریعے سے کہا گیا جس طرح تم کہتے ہو معاملہ اس طرح نہیں ہے میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں' قیامت کے دن کی قسم کھانے سے مقصد اس کی اہمیت و عظمت کو واضح کرنا ہے۔

(۲) یعنی بھلائی پر بھی کرتا ہے کہ زیادہ کیوں نہیں کی۔ اور برائیوں پر بھی کہ اس سے باز کیوں نہیں آتا؟ دنیا میں بھی جن کے ضمیر بیدار ہوتے ہیں ان کے نفس انہیں طاعت کرتے ہیں تاہم آخرت میں تو سب کے ہی نفس طاعت کریں گے۔

(۳) یہ جواب قسم ہے۔ انسان سے مراد یہاں کافر اور ملحد انسان ہے جو قیامت کو نہیں مانتا۔ اس کا گنہ غلط ہے اللہ تعالیٰ یقیناً انسانوں کے اجزا کو جمع فرمائے گا۔ یہاں ہڈیوں کا بطور خاص ذکر ہے اس لیے کہ ہڈیاں ہی پیدا کش کا اصل ڈھانچہ اور قالب ہیں۔

(۴) تَنَادُّ ہاتھوں اور پیروں کے ان اطراف (کناروں) کو کہتے ہیں جو جوڑوں 'ناخن' لطیف رگوں اور باریک ہڈیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جب یہ باریک اور لطیف چیزیں ہم بالکل صحیح صحیح جوڑ دیں گے تو بڑے بڑے حصوں کو جوڑ دینا ہمارے لیے کیا مشکل ہو گا؟

(۵) یعنی اس امید پر نافرمانی اور حق کا انکار کرتا ہے کہ کون سی قیامت آتی ہے۔

يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۝

فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝

وَحُفَّتِ السَّمَاءُ ۝

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝

يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَعْرُ ۝

كَلَّا لَا وَزَرَ ۝

إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۝

يُنْتَبِهُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ مِمَّا قَدَّمَا وَآخِرُ ۝

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۝

وَلَوْ أَنَّهُ لَفِي مَعَادٍ بَرُءٌ ۝

پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا۔^(۶)

پس جس وقت کہ نگاہ پھرا جائے گی۔^(۷)

اور چاند بے نور ہو جائے گا۔^(۸)

اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں گے۔^(۹)

اس دن انسان کہے گا کہ آج بھگنے کی جگہ کہاں

ہے؟^(۱۰)

نہیں نہیں کوئی پناہ گاہ نہیں۔^(۱۱)

آج تو تیرے پروردگار کی طرف ہی قرار گاہ ہے۔^(۱۲)

آج انسان کو اس کے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے

چھوڑے ہوئے سے آگاہ کیا جائے گا۔^(۱۳)

بلکہ انسان خود اپنے اوپر آپ حجت ہے۔^(۱۴)

اگرچہ کہتے ہی بہانے پیش کرے۔^(۱۵)

(۱) یہ سوال اس لیے نہیں کرتا کہ گنہوں سے تائب ہو جائے، بلکہ قیامت کو ناممکن الوقوع سمجھتے ہوئے پوچھتا ہے اسی لیے فسق و فجور سے باز نہیں آتا۔ تاہم اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ قیامت کے آنے کا وقت بیان فرما رہا ہے۔

(۲) دہشت اور حیرانی سے برق، تَحْيِيرٌ وَانْدَهَشٌ جیسے موت کے وقت عام طور پر ہوتا ہے۔

(۳) جب چاند کو گرہن لگتا ہے تو اس وقت بھی وہ بے نور ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ خفت قمر جو علامات قیامت میں سے ہے، جب ہو گا تو اس کے بعد اس میں روشنی نہیں آئے گی۔

(۴) یعنی بے نوری میں۔ مطلب ہے کہ چاند کی طرح سورج کی روشنی بھی ختم ہو جائے گی۔

(۵) یعنی جب یہ واقعات ظہور پذیر ہوں گے تو پھر اللہ سے یا جنم کے عذاب سے راہ فرار ڈھونڈھے گا، لیکن اس وقت راہ فرار کہاں ہوگی؟

(۶) وَزَرَ پھاڑا قلعے کو کہتے ہیں جہاں انسان پناہ حاصل کر لے۔ وہاں ایسی کوئی پناہ گاہ نہیں ہوگی۔

(۷) جہاں وہ بندوں کے درمیان فیصلے فرمائے گا۔ یہ ممکن نہیں ہو گا کہ کوئی اللہ کی اس عدالت سے چھپ جائے۔

(۸) یعنی اس کو اس کے تمام اعمال سے آگاہ کیا جائے گا، قدیم ہو یا جدید، اول ہو یا آخر، چھوٹا ہو یا بڑا۔ ﴿وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَافِظًا﴾ (الکہف-۳۰)

(۹) یعنی اسکے اپنے ہاتھ پاؤں زبان اور دیگر اعضا گواہی دیں گے، یا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنے عیوب خود جانتا ہے۔

(۱۰) یعنی لڑے جھگڑے، ایک سے ایک تاویل کرے، لیکن ایسا کرنا نہ اسکے لیے مفید ہے اور نہ وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کر سکتا ہے۔

لَا تُحَوِّلْ بِهِ لِسَانَكَ لِتُتَعَبَلَ بِهِ ۝

إِنْ عَلَيْنَا جُمُوعُهُ وَقُرْآنَهُ ۝

فَإِذَا قُرْآنُهُ فَاتَتْهُ قُرْآنُهُ ۝

تُحَرِّقُ عَلَيْنَا بَيِّنَاتُهُ ۝

كَكَلَابٍ مُتَبَرِّجِينَ الْعَاجِلَةَ ۝

وَتَذْكُرُونَ الْأَخْيَرَةَ ۝

وَجُودًا يُؤْمِنُهَا أَفْرَاقًا ۝

(اے نبی) آپ قرآن کو جلدی (یاد کرنے) کے لیے اپنی زبان کو حرکت ^(۱) نہ دیں۔ (۱۶)

اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ ^(۲) (۱۷)

ہم جب اسے پڑھ ^(۳) لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ ^(۴) (۱۸)

پھر اس کا واضح کر دینا ہمارے ذمہ ہے۔ ^(۵) (۱۹)

نہیں نہیں تم جلدی ملنے والی (دنیا) کی محبت رکھتے ہو۔ (۲۰)

اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ ^(۶) (۲۱)

اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے۔ (۲۲)

(۱) حضرت جبرائیل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ عجلت سے پڑھتے جانتے کہ کہیں کوئی لفظ بھول نہ جائے۔ اللہ نے آپ کو فرشتے کے ساتھ ساتھ اس طرح پڑھنے سے منع فرمادیا۔ (صحیح بخاری 'تفسیر سورۃ القیامت') یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنْظَرَ إِلَيْكُمْ وَحْيُهُ﴾ (سورۃ حدہ ۳۳) چنانچہ اس حکم کے بعد آپ خاموشی سے سنتے۔

(۲) یعنی آپ کے سینے میں اس کا جمع کر دینا اور آپ کی زبان پر اس کی قراءت کو جاری کر دینا ہماری ذمہ داری ہے، تاکہ اس کا کوئی حصہ آپ کی یادداشت سے نہ نکلے اور آپ کے ذہن سے محو نہ ہو۔

(۳) یعنی فرشتے (جبرائیل علیہ السلام) کے ذریعے سے جب ہم اس کی قراءت آپ پر پوری کر لیں۔

(۴) یعنی اس کے شرائع و احکام لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور ان کا اتباع بھی کریں۔

(۵) یعنی اس کے مشکل مقامات کی تشریح اور حلال و حرام کی توضیح، یہ بھی ہمارے ذمہ ہے۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے جملات کی جو تفصیل، مبہمات کی توضیح اور اس کے عمومات کی جو تخصیص بیان فرمائی ہے، جسے حدیث کہا جاتا ہے، یہ بھی اللہ کی طرف سے ہی الہام اور سمجھائی ہوئی باتیں ہیں۔ اس لیے انہیں بھی قرآن کی طرح ماننا ضروری ہے۔

(۶) یعنی یوم قیامت کی تکذیب، مَا أَتَاكَ اللَّهُ کی مخالفت اور حق سے اعراض، اس لیے ہے کہ تم نے دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا ہے اور آخرت تمہیں بالکل فراموش ہے۔

اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ ^(۱) (۲۳)	إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝
اور کتے چرے اس دن (بدرونی اور) اداس ہوں گے۔ ^(۲) (۲۴)	وَوُجُوهُ يُومِسُونَ بِأَسْرَةٍ ۝
سمجھتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ ^(۳) کیا جائے گا۔ (۲۵)	تَلَّوْنُ أَنْ يَفْعَلَ بِهَا فَاقرَةً ۝
نہیں نہیں ^(۴) جب روح نسلی تک ^(۵) پہنچے گی۔ (۲۶)	كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ النَّزَاةَ ۝
اور کہا جائے گا کہ کوئی جھاڑ پھونک ^(۶) کرنے والا ہے۔؟ (۲۷)	فَقِيلَ مَنْ عَازٍ ۝
اور جان لیا اس نے کہ یہ وقت جدائی ہے۔ ^(۷) (۲۸)	وَوَكُنْ أَكْهَ الْوَدَاةِ ۝
اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی۔ ^(۸) (۲۹)	وَالطَّلَبِ النَّسَاةَ بِالنَّسَاةِ ۝
آج تیرے پروردگار کی طرف چلنا ہے۔ (۳۰)	إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاةِ ۝
اس نے نہ تو تصدیق کی نہ نماز ادا کی۔ ^(۹) (۳۱)	فَلَا صَدَقَ وَلَا وُصِّلَ ۝

(۱) یہ اہل ایمان کے چہرے ہوں گے جو اپنے حسن انجام کی وجہ سے مطمئن، مسرور اور منور ہوں گے۔ مزید دیدار الہی سے بھی حظ اندوز ہوں گے۔ جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے۔

(۲) یہ کافروں کے چہرے ہوں گے تاسیرۃ متغیر زرد، غم و حزن سے سیاہ اور بے رونق۔

(۳) اور وہ یہی کہ جنم میں ان کو پھینک دیا جائے گا۔

(۴) یعنی یہ ممکن نہیں کہ کافر قیامت پر ایمان لے آئیں۔

(۵) نزاقیہ، تَرْقُوتۃ کی جمع ہے۔ یہ گردن کے قریب، سینے اور کندھے کے درمیان ایک ہڈی ہے۔ یعنی جب موت کا آہنی بچہ تھیس اپنی گرفت میں لے لے گا۔

(۶) یعنی حاضرین میں سے کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کے ذریعہ سے تھیس موت کے پنجے سے چھڑالے۔ بعض نے اس کا ترجمہ یہ بھی کیا ہے کہ اس کی روح کون لے کر چڑھے؟ ملائکہ رحمت یا ملائکہ عذاب؟ اس صورت میں یہ قول فرشتوں کا ہے۔

(۷) یعنی وہ شخص یقین کر لے گا جس کی روح نسلی تک پہنچ گئی ہے کہ اب 'مال' اولاد اور دنیا کی ہر چیز سے جدائی کا مرحلہ آیا ہے۔

(۸) اس سے یا تو موت کے وقت پنڈلی کا پنڈلی کے ساتھ مل جانا مراد ہے یا پے در پے تکلیفیں۔ جمہور مفسرین نے دوسرے معنی کئے ہیں۔ (فتح القدیر)

(۹) یعنی اس انسان نے رسول اور قرآن کی تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی یعنی اللہ کی عبادت نہیں کی۔

وَلَحْنٌ كَذَّبَ وَتَوَلَّى ۝

لَتُكْرَهُنَّ إِلَىٰ أَهْلِهِ بِمَا كَفَرُوا ۝

أَوَّلَ لَكَ فَأَوَّلَىٰ ۝

لَتُكْرَهُنَّ لَكَ فَأَوَّلَىٰ ۝

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ۝

أَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ نُطْفَةٌ مِنْ مَّيْمَنِي يُسْنَىٰ ۝

لَتُكَانَ عَلَقَةً تُلْقَىٰ فِى سُوَىٰ ۝

فَبَعَلَ مِنْهُ الْتُمْنِينَ الذَّاكِرُونَ الْأُنثَىٰ ۝

أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقْدِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُخْلِقَ الْوَتَّىٰ ۝

يُنَزِّلُ الْأَسْفَلَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بلکہ جھٹلایا اور روگردانی کی۔ (۳۲)^(۱)

پھر اپنے گمراہوں کے پاس اتراتا ہوا گیا۔ (۳۳)^(۲)

افسوس ہے تجھ پر حسرت ہے تجھ پر۔ (۳۴)

وائے ہے اور خرابی ہے تیرے لیے۔ (۳۵)^(۳)

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے بیکار چھوڑ دیا جائے گا۔ (۳۶)^(۴)

کیا وہ ایک گاڑی سے پانی کا قطرہ نہ تھا جو نکالیا گیا تھا؟ (۳۷)

پھر وہ لہو کا لوتھڑا ہو گیا پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور

درست بنا دیا۔ (۳۸)^(۵)

پھر اس سے جوڑے یعنی نر و مادہ بنائے۔ (۳۹)

کیا (اللہ تعالیٰ) اس (امرا پر قادر نہیں کہ مردے کو زندہ

کر دے۔ (۴۰)^(۶)

سورہ دھرمٰنی ہے اور اس میں انہیں آیتیں اور
دور کوٹ ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان

نمایت رحم والا ہے۔

(۱) یعنی رسول کو جھٹلایا اور ایمان و اطاعت سے روگردانی کی۔

(۲) بِتَمَطُّیٰ 'اتراتا اور اگرتا ہوا۔

(۳) یہ کلمہ وعید ہے کہ اس کی اصل ہے اُولَٰئِكَ اللّٰهُ مَا تَكْفُرُوْهُ اللّٰهُ تجھے ایسی چیز سے دوچار کرے جسے تو ناپسند کرے۔

(۴) یعنی اس کو کسی چیز کا حکم دیا جائے گا نہ کسی چیز سے منع کیا جائے گا نہ اس کا محاسبہ ہو گا نہ معاقبہ۔ یا اس کو قبر میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا جائے گا وہاں سے اسے دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔

(۵) فَسَوَّیْ یعنی اسے ٹھیک ٹھاک کیا اور اس کی تکمیل کی اور اس میں روح پھونکی۔

(۶) یعنی جو اللہ انسان کو اس طرح مختلف اطوار سے گزار کر پیدا فرماتا ہے کیا مرنے کے بعد دوبارہ اسے زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟

☆۔ اس کے مدنی اور مکی ہونے میں اختلاف ہے۔ جمہور اسے مدنی قرار دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آخری دس آیات

یقیناً گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں ^(۱) جب کہ یہ کوئی قاتل ذکر چیز نہ تھا۔ (۱)

بیشک ہم نے انسان کو طے جلے نطفے سے امتحان کے لیے ^(۲) پیدا کیا اور اس کو ستاویں کھانا بنایا۔ ^(۳)

ہم نے اسے راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار بنے خواہ ناشکر۔ ^(۴)

یقیناً ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور شعبوں

هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّا كُنَّا نُورِثُ ۝

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاقٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ۝

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلًا وَأَغْلَاقًا وَسَعِيرًا ۝

مکی ہیں 'باقی سب مدنی۔ (فتح القدیر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کے دن فجر کی نماز میں اَلَمْ تَنبِرِلْ السُّجْدَةِ اور سورہ دھر پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم 'کتاب الجمعة' باب ما یقرأ فی یوم الجمعة) اس سورت کو سورۃ الانسان بھی کہا جاتا ہے۔

(۱) هَلْ بمعنی کُنْ ہے جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ الْإِنْسَانُ سے مراد 'بعض کے نزدیک ابو بشر یعنی انسان اول حضرت آدم ہیں اور حین (ایک وقت) سے مراد 'روح پھونکے جانے سے پہلے کا زمانہ ہے' جو چالیس سال ہے۔ اور اکثر مفسرین کے نزدیک الانسان کا لفظ بطور جنس کے استعمال ہوا ہے اور حین سے مراد حمل یعنی رحم مادر کی مدت ہے۔ جس میں وہ قاتل ذکر چیز نہیں ہوتا۔ اس میں گویا انسان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ایک پیکر حسن و جمال کی صورت میں جب باہر آتا ہے تو رب کے سامنے اکڑتا اور اترتا ہے 'اسے اپنی حیثیت یاد رکھنی چاہیے کہ میں تو وہی ہوں جب میں عالم نیست میں تھا' تو مجھے کون جانتا تھا؟

(۲) طے جے کا مطلب 'مرد اور عورت دونوں کے پانی کا ملنا اور پھر ان کا مختلف الطوار سے گزرنے ہے۔ پیدا کرنے کا مقصد' انسان کی آزمائش ہے ﴿لِيَبْلُغُوا أَجَلَ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (المطلب: ۴)

(۳) یعنی اسے سماعت اور بصارت کی قوتیں عطا کیں تاکہ وہ سب کچھ دیکھ اور سن سکے اور اس کے بعد اطاعت یا معصیت دونوں راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکے۔

(۴) یعنی مذکورہ قوتوں اور صلاحیتوں کے علاوہ ہم نے خود بھی انبیاء علیہم السلام 'اپنی کتابوں اور دوامیان حق کے ذریعے سے صحیح راستے کو بیان اور واضح کر دیا ہے۔ اب یہ اس کی مرضی ہے کہ اطاعت الہی کا راستہ اختیار کر کے شکر گزار بندہ بن جائے یا معصیت کا راستہ اختیار کر کے اس کا ناشکر بن جائے جیسے ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'كُلُّ النَّاسِ يَفْقَدُو فَنَافِعَ نَفْسِهِ فَمُعْزِفُهَا أَوْ مُغْنِفُهَا' (صحیح مسلم 'کتاب الطہارۃ' باب فضل الوضوء) 'ہر شخص اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتا ہے' پس اسے ہلاک کر دیتا ہے یا اسے آزاد کر لیتا ہے 'یعنی اپنے عمل و کسب کے ذریعے سے ہلاک یا آزاد کراتا ہے' مگر شرکائے گناہ اپنے نفس کو ہلاک اور خیر کھائے گناہوں کو آزاد کرالے گا۔

والی آگ تیار کر رکھی ہے۔^(۱) (۳)

پیشک نیک لوگ وہ جام پیئیں گے جس کی آمیزش کافور کی ہے۔^(۲) (۵)

جو ایک چشمہ ہے۔^(۳) جس سے اللہ کے بندے پیئیں گے اس کی سرس نکال لے جائیں گے^(۴) (جدھر چاہیں)۔ (۶)

جو نذر پوری کرتے ہیں^(۵) اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے۔^(۶) (۷)
اور اللہ تعالیٰ کی محبت^(۷) میں کھانا کھاتے ہیں مسکین، یتیم اور قیدیوں کو۔ (۸)

ہم تو ہمیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے

إِنَّ الْأَبْرَادَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ۝

عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ۝

يَوْمَئِذٍ يَدْعَاهُ ثَلَاثُونَ يَوْمًا كَانَ ثَرْوَاهُمْ مَسْطُورًا ۝

وَلِيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَنْ حَبِّهِمْ مِنْكَ يَا أَيُّهَا الَّذِي لَا يُؤْمِنُونَ ۝

إِنَّمَا نَطْعِمُكُمْ يَوْمَئِذٍ لِّتُبَيِّنَ لَكُمْ جَزَاءَ الَّذِي لَا تُؤْمِنُونَ ۝

(۱) یہ اللہ کی دی ہوئی آزادی کے غلط استعمال کا نتیجہ ہے۔

(۲) اشقیاء کے مقابلے میں یہ سدا کا ذکر ہے 'کَأْسٍ' اس جام کو کہتے ہیں جو بھرا ہوا ہو اور چھلک رہا ہو۔ کافور ٹھنڈی اور ایک مخصوص خوشبو کی حامل ہوتی ہے 'اس کی آمیزش سے شراب کا ذائقہ دو آتشہ اور اس کی خوشبو مشام جن کو معطر کرنے والی ہو جائے گی۔

(۳) یعنی یہ کافور ملی شراب، دو چار صراحیوں یا مشکوں میں نہیں ہوگی، بلکہ اس کا چشمہ ہوگا، یعنی یہ ختم ہونے والی نہیں ہوگی۔

(۴) یعنی اس کو جدھر چاہیں گے، موڑ لیں گے، اپنے محلات و منازل میں، اپنی مجلسوں اور بیشکوں میں اور باہر میدانوں اور تفریح گاہوں میں۔

(۵) یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت و اطاعت کرتے ہیں، نذر بھی مانگتے ہیں تو صرف اللہ کے لیے، اور پھر اسے پورا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نذر کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ بشرطیکہ معصیت کی نہ ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے "جس شخص نے نذر مانگی کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو وہ اسکی اطاعت کرے اور جس نے معصیت الہی کی نذر مانگی ہے تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے" یعنی اسے پورا نہ کرے۔ صحیح بخاری، کتاب الايمان، باب النذر فی الطاعة

(۶) یعنی اس دن سے ڈرتے ہوئے محرمات اور معصیات کا ارتکاب نہیں کرتے۔ برائی پھیل جانے کا مطلب ہے کہ اس روز اللہ کی گرفت سے صرف وہی بچے گا جسے اللہ اپنے دامنِ غفور و رحمت میں ڈھانک لے گا۔ باقی سب اس کے شرکی لپیٹ میں ہوں گے۔

(۷) یا طعام کی محبت کے باوجود وہ اللہ کی رضا کے لیے ضرورت مندوں کو کھانا کھاتے ہیں۔ قیدی اگر غیر مسلم ہو تب بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے، جیسے جنگ بدر کے کافر قیدیوں کی بابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو

کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکرگزاری۔ (۹)
 بیشک ہم اپنے پروردگار سے اس دن کا خوف کرتے
 ہیں جو ادا سی اور سختی والا ہو گا۔ (۱۰)
 پس انہیں اللہ تعالیٰ نے اس دن کی برائی سے بچایا (۱۱)
 اور انہیں تازگی اور خوشی پہنچائی۔ (۱۲)
 اور انہیں ان کے صبر (۱۳) کے بدلے جنت اور ریشمی
 لباس عطا فرمائے۔ (۱۴)
 یہ وہاں تختوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھیں گے۔ نہ وہاں
 آفتاب کی گرمی دیکھیں گے نہ جاڑے کی سختی۔ (۱۵)
 ان جنتوں کے سائے ان پر بچکے ہوئے ہوں گے (۱۶)

إِنَّا أَتَيْنَاهُمْ مِنْ رَبِّنَا يَوْمَ مَا عَابُوا مُصَاطِرَ بَنِي إِسْرَٰءِيلَ ۝

تَوَعَّلَهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَٰكِنَّهُمْ كَانُوا أَكْثَرًا ۝

وَجَزَّاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَخَيْرًا ۝

مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا
 زَمَهْرِيرًا ۝

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَذُلَّتْ أَعْيُنُهُمْ كَانُوا يُبَٰلِغُونَ ۝

حکم دیا کہ ان کی تکریم کرو۔ چنانچہ صحابہ پہلے ان کو کھانا کھلاتے خود بعد میں کھاتے۔ (ابن کثیر) اسی طرح غلام اور نوکر چاکر
 بھی اسی ذیل میں آتے ہیں جن کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے۔ آپ ﷺ کی آخری وصیت یہی تھی کہ ”نماز اور
 اپنے غلاموں کا خیال رکھنا۔“ اس ماجہ ’کتاب الوصایا‘ باب ہل اوصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غنمانے قنطریز کے معنی طویل کے کئے ہیں ’عنوس‘ سخت۔ یعنی وہ دن نہایت سخت
 ہو گا اور سختیوں اور ہولناکیوں کی وجہ سے کافروں پر بڑا سہا ہو گا۔ (ابن کثیر)
 (۲) جیسا کہ وہ اس کے شر سے ڈرتے تھے اور اس سے بچنے کے لیے اللہ کی اطاعت کرتے تھے۔

(۳) تازگی چروں پر ہوگی اور خوشی دلوں میں۔ جب انسان کا دل مسرت سے لبریز ہوتا ہے تو اس کا چہرہ بھی مسرت سے
 گلنار ہو جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ جب آپ ﷺ خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ مبارک
 اس طرح روشن ہوتا گویا چاند کا نکلا ہے۔ ”البحاری‘ کتاب المغازی‘ باب عروۃ قبولہ مسلم‘ کتاب التوبۃ‘
 باب حدیث توبۃ کعب بن مالک“

(۴) صبر کا مطلب ہے دین کی راہ میں جو تکلیفیں آئیں انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرنا، اللہ کی اطاعت میں نفس کی
 خواہشات اور لذات کو قربان کرنا اور معصیتوں سے اجتناب کرنا۔

(۵) دَمَهْرِيرٌ سخت جاڑے کو کہتے ہیں۔ مطلب ہے کہ وہاں ہمیشہ ایک ہی موسم رہے گا، اور وہ ہے موسم بہار، نہ سخت
 گرمی اور نہ کڑا کے کی سردی۔

(۶) گو وہاں سورج کی حرارت نہیں ہوگی، اس کے باوجود درختوں کے سائے ان پر بچکے ہوئے ہوں گے یہ مطلب ہے
 کہ ان کی شاخیں ان کے قریب ہوں گی۔

اور ان کے (میوے اور) چکھے نیچے لٹکائے ہوئے ہوں گے۔^(۱۳)

اور ان پر چاندی کے برتنوں اور ان جاموں کا دور کرایا جائے گا^(۱۴) جو شیشے کے ہوں گے۔ (۱۵)

شیشے بھی چاندی^(۱۳) کے جن کو (ساقی نے) اندازے سے ٹاپ رکھا ہو گا۔^(۱۴)

اور انہیں وہاں وہ جام پلائے جائیں گے جن کی آمیزش زنجبیل کی ہوگی۔^(۱۵)

جنت کی ایک سرے جس کا نام سلسبیل ہے۔^(۱۶)

اور ان کے ارد گرد گھومتے پھرتے ہوں گے وہ کم سن بچے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں^(۱۷) جب تو انہیں دیکھے تو سمجھے

وَيَطَافُ عَلَيْهِمْ بِآيَةٍ مِنْ فِضَّةٍ وَأَلْوَابٍ كَانَتْ تَوَارِيثًا ۝

تَوَارِيثًا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ۝

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَتْ مِرَاجِعُهَا زَنْجَبِيلًا ۝

عَيْنًا فِيهَا تُسْقَى سَلْسَبِيلًا ۝

وَيَلْبَسُونَ عَلَيْهَا لِبَاسًا زَكَتًا ۝

خَبِيرَةً لَوْلَا أَتَيْنَاهُمُ

(۱) یعنی درختوں کے پھل 'گوش بر آواز فرماں بردار کی طرح' انسان کا جب کھانے کو جی چاہے گا تو وہ جھک کر اسے قریب ہو جائیں گے کہ بیٹھے، لیٹے بھی انہیں توڑ لے۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی خاوم انہیں لے کر جنتیوں کے درمیان پھریں گے۔

(۳) یعنی یہ برتن اور آب خورے چاندی اور شیشے سے بنے ہوں گے۔ نہایت نفیس اور نازک۔ گویا یہ صنعت ایسی ہے کہ جس کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں ہے۔

(۴) یعنی ان میں شراب ایسے اندازے سے ڈالی گئی ہوگی کہ جس سے وہ سیراب بھی ہو جائیں، تشنگی محسوس نہ کریں۔ اور برتنوں اور جاموں میں بھی زائد نہ بچی رہے۔ صمان نوازی کے اس طریقے میں بھی صمانوں کی عزت افزائی ہی کا اہتمام ہے۔

(۵) 'زَنْجَبِيلٌ' (سونٹھ، خشک اورک) کو کہتے ہیں۔ یہ گرم ہوتی ہے۔ اس کی آمیزش سے ایک خوشگوار تخنی پیدا ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں عربوں کی یہ مرغوب چیز ہے۔ چنانچہ ان کے قہوہ میں بھی زنجبیل شامل ہوتی ہے۔ مطلب ہے کہ جنت میں ایک وہ شراب ہوگی جو ٹھنڈی ہوگی جس میں کافور کی آمیزش ہوگی اور دوسری شراب گرم جس میں زنجبیل کی عادت ہوگی۔

(۶) یعنی اس شراب زنجبیل کی بھی سر ہوگی جسے سلسبیل کہا جاتا ہے۔

(۷) شراب کے اوصاف بیان کرنے کے بعد، سابقوں کا وصف بیان کیا جا رہا ہے "ہمیشہ رہیں گے" کا ایک مطلب تو یہ ہے جنتیوں کی طرح ان خادموں کو بھی موت نہیں آئے گی۔ دوسرا یہ کہ ان کا بچپن اور ان کی رعنائی ہمیشہ برقرار رہے گی۔ وہ نہ بوڑھے ہوں گے نہ ان کا حسن و جمال حقیر ہو گا۔

کہ وہ بکھرے ہوئے بچے موتی ہیں۔^(۱۹)
تو وہاں جہاں کہیں بھی نظر ڈالے گا^(۲۰) سراسر نعمتیں اور
عظیم الشان سلطنت ہی دیکھے گا۔^(۲۰)

ان کے جسموں پر سبز باریک اور موٹے ریشمی کپڑے
ہوں گے^(۲۱) اور انہیں چاندی کے کنگن کا زیور پہنایا
جائے گا۔^(۲۲) اور انہیں ان کا رب پاک صاف شراب
پلائے گا۔^(۲۱)

(کما جائے گا) کہ یہ ہے تمہارے اعمال کا بدلہ اور تمہاری
کوشش کی قدر کی گئی۔^(۲۲)

بیشک ہم نے تجھ پر بتدریج قرآن نازل کیا ہے۔^(۲۳)
پس تو اپنے رب کے حکم پر قائم رہ^(۲۴) اور ان میں سے
کسی گنہگار یا ناشکرے کا کمانہ مان۔^(۲۴)

وَإِذَا رَأَيْتَ نَعْرَ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلُكًا كَافٍ ۝۱۹

عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُنْدُسٌ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ
مِنْ فِضَّةٍ وَسَعِفُهُمْ رُحَاهُمْ كُرَاهًا ۝۲۰

إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا ۝۲۱

إِنَّا نَعْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ۝۲۲

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آيَةً أَوْ كُفُورًا ۝۲۳

(۱) حسن وصال اور تازگی و شادابی میں وہ موتیوں کی طرح ہوں گے "بکھرے ہوئے" کا مطلب 'خدمت کے لیے ہر
طرف پھیلے ہوئے اور نہایت تیزی سے مصروف خدمت ہوں گے۔

(۲) ہم طرف مکان ہے وَإِذَا رَأَيْتَ نَعْمَ، أَيْ هُنَاكَ یعنی وہاں جنت میں جہاں کہیں بھی دیکھو گے۔

(۳) سُنْدُسُ باریک ریشمی لباس اور اِسْتَبْرَقُ موٹا ریشم۔

(۴) جیسے ایک زمانے میں بادشاہ 'سرदार اور ممتاز قسم کے لوگ پہنا کرتے تھے۔

(۵) یعنی ایک ہی مرتبہ نازل کرنے کے بجائے حسب ضرورت و اقتضا مختلف اوقات میں نازل کیا۔ اس کا دوسرا مطلب
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قرآن ہم نے نازل کیا ہے یہ تیرا اپنا گھڑا ہوا نہیں ہے جیسا کہ مشرکین دعویٰ کرتے ہیں۔

(۶) یعنی اس کے فیصلے کا انتظار کر۔ وہ تیری مدد میں کچھ تاخیر کر رہا ہے تو اس میں اس کی حکمت ہے۔ اس لیے صبر اور
حوصلے کی ضرورت ہے۔

(۷) جی! اگر یہ تجھے اللہ کے نازل کردہ احکام سے روکیں تو ان کا کمانہ مان بلکہ تبلیغ و دعوت کا کام جاری رکھ اور اللہ پر
بھروسہ رکھ وہ لوگوں سے تیری حفاظت فرمائے گا 'فاجر' جو افعال میں اللہ کی نافرمانی کرنے والا ہو اور کفر و جود سے کفر
کرنے والا ہو یا کفر میں حد سے بڑھ جائے والا ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے جس نے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اس کام سے باز آجا ہم تجھے تیرے کہنے کے مطابق دولت مہیا کر دیتے ہیں اور عرب کی جس
عورت سے تو شادی کرنا چاہے ہم تیری شادی کر دیتے ہیں۔ (فتح القدیر)

وَاذْكُرْ اَمْرًا مِّنْ ذٰلِكَ فَتُكْوِنُوْنَ اٰمِلًا ۝۵

وَمِنَ الْاٰمِلِيْنَ فَاَسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۝۶

اِنَّ مَوْلَاهُ يُحِيْثُوْنَ الْعَالَمَةَ وَيَذَرُوْنَ وَّرَآءَهُمْ
نَوْمًا نَّعِيْلًا ۝۷

مَنْ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا آسْرَهُمْ وَاِذَا انشَأْنَا لَهُنَا
اَمْنًا لَّهُمْ يَنْبَغِيْلًا ۝۸

اِنَّ هٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ اِلٰى رَبِّهِ سَبِيْلًا ۝۹

وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا

اور اپنے رب کے نام کا صبح و شام ذکر کیا کر۔ (۲۵)

اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدے کر اور بہت
رات تک اس کی تسبیح کیا کر۔ (۲۶)

بیشک یہ لوگ جلدی طے والی (دنیا) کو چاہتے ہیں (۳)
اور اپنے پیچھے ایک بڑے بھاری دن کو چھوڑے
دیتے ہیں۔ (۲۷)

ہم نے انہیں پیدا کیا اور ہم نے ہی ان کے جوڑ اور
بند من مضبوط کیے (۲۸) اور ہم جب چاہیں ان کے عوض
ان جیسے اوروں کو بدل لائیں۔ (۲۸)

یقیناً یہ تو ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی راہ
لے لے۔ (۲۹)

اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے (۳۰) بیشک

(۱) صبح و شام سے مراد ہے تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کر۔ یا صبح سے مراد فجر کی نماز اور شام سے عصر کی نماز ہے۔

(۲) رات کو سجدہ کر سے مراد بعض نے مغرب و عشا کی نمازیں مراد لی ہیں۔ اور تسبیح کا مطلب جو باتیں اللہ کے لائق نہیں
ہیں ان سے اسکی پاکیزگی بیان کر بعض کے نزدیک اس سے رات کی نفل نماز یعنی تہجد ہے امر مذہب و استحباب کے لیے ہے۔

(۳) یعنی یہ کفار مکہ اور ان جیسے دوسرے لوگ دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں اور ساری توجہ اسی پر ہے۔

(۴) یعنی قیامت کو اس کی شدتوں اور ہولناکیوں کی وجہ سے اسے بھاری دن کما اور چھوڑنے کا مطلب ہے کہ اس کے
لیے تیاری نہیں کرتے اور اس کی پروا نہیں کرتے۔

(۵) یعنی ان کی پیدائش کو مضبوط بنایا یا ان کے جوڑوں کو رگوں اور پٹھوں کے ذریعے سے ایک دوسرے کے ساتھ
دیا ہے، بلفظ دیگر ان کا بانجھا کڑا کیا۔

(۶) یعنی ان کو ہلاک کر کے ان کی جگہ کسی اور قوم کو پیدا کر دیں یا اس سے مطلب قیامت کے دن دوبارہ پیدائش ہے۔
(۷) یعنی اس قرآن سے ہدایت حاصل کرے۔

(۸) یعنی تم میں سے کوئی اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ اپنے کو ہدایت کی راہ پر لگالے اپنے لیے کسی نفع کو جاری کر
لے ہاں اگر اللہ چاہے تو ایسا ممکن ہے اس کی مشیت کے بغیر تم کچھ نہیں کر سکتے۔ البتہ صحیح قصد و نیت پر وہ اجر ضرور
عطا فرماتا ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ اِمْرِئٍ مَّا سَوٰى اَعْمَالِهٖ كَادَارُودَارُ نِيَمُوْنَ پر ہے ہر آدمی کے لیے وہ
ہے جس کی وہ نیت کرے۔

حَكِيمًا ۛ

يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ
عَذَابًا أَلِيمًا ۝

سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ۝

فَالْمُصَلِّاتِ هُتُفًا ۝

وَالْمُشْرَبِ نَشْرًا ۝

اللہ تعالیٰ علم والا با حکمت ہے۔ (۳۰)

جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لے اور ظالموں کے
لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۳۱)سورہ مرسلات کی ہے اور اس میں پچاس آیتیں اور
دو رکوع ہیں۔شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمایت رحم والا ہے۔

دل خوش کن چلتی ہواؤں کی قسم۔ (۱)

پھر زور سے جھونکا دینے والیوں کی قسم۔ (۲)

پھر (ابر کو) ابھار کر پر اگندہ کرنے والیوں کی قسم۔ (۳)

(۱) چوں کہ وہ عظیم و حکیم ہے اس لیے اس کے ہر کلام میں حکمت ہوتی ہے، ہماریں ہدایت اور گمراہی کے فیصلے بھی یوں
ہی الٹ پٹ نہیں ہو جاتے، بلکہ جس کو ہدایت دی جاتی ہے وہ واقعی اس کا مستحق ہوتا ہے اور جس کے جھمے میں گمراہی
آتی ہے وہ حقیقتاً اسی لائق ہوتا ہے۔

(۲) وَالظَّالِمِينَ اس لیے منصوب ہے کہ اس سے پہلے یُعَذِّبُ محذوف ہے۔

☆۔ یہ سورت کی ہے جیسا کہ معجمین میں مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم منیٰ کے ایک غار میں
تھے کہ آپ ﷺ پر سورہ مرسلات کا نزول ہوا، آپ ﷺ اس کی تلاوت فرما رہے تھے اور میں اسے آپ ﷺ سے
حاصل کر رہا تھا کہ اچانک ایک سانپ آگیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے مار دو، لیکن وہ تیزی سے غائب ہو گیا۔
آپ ﷺ نے فرمایا ”تم اس کے شر سے اور وہ تمہارے شر سے بچ گیا۔“ (بخاری، تفسیر سورہ المرسلات،
مسلم، کتاب قتل المحبات وغیرہا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ مغرب کی نماز میں بھی یہ سورت پڑھی
ہے۔ (بخاری، کتاب الأذان، باب القراءة فی المغرب، مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب القراءة فی الصبح)

(۳) اس مفہوم کے اعتبار سے عرفا کے معنی پے درپے ہوں گے۔ بعض نے مُرْسَلَات سے فرشتے یا انبیاء مراد لیے ہیں۔
اس صورت میں عرفا کے معنی وحی الہی، یا احکام شریعت ہوں گے۔ یہ مفہول لہ ہو گا لِأَخْلِ الْعُرْفِ بِمَنْصُوبٍ بِتَوْعِ
الْحَافِظِ۔ بِالْعُرْفِ

(۴) یا فرشتے مراد ہیں، جو بعض دفعہ ہواؤں کے عذاب کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں

(۵) یا ان فرشتوں کی قسم، جو بادلوں کو منتشر کرتے ہیں یا فضائے آسمانی میں اپنے پر پھیلاتے ہیں۔ تاہم امام ابن کثیر اور
امام طبری نے ان تینوں سے ہوائیں مراد لینے کو راجح قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ترجمے میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

فَالْعَرَفُ مَرْقَاً ۝	پھر حق و باطل کو جدا جدا کر دینے والے۔ ^(۱)
فَالسُّلَيْمِیَّتِ ذُكُرًا ۝	اور وحی لانے والے فرشتوں کی قسم۔ ^(۲)
عُذْرًا أَوْ نُذْرًا ۝	جو (وحی) الزام اتارنے یا آگاہ کر دینے کے لیے ہوتی ہے۔ ^(۳)
لَا تَمُوتُ عَذْرَاوُنَ لَوَاقِعُ ۝	جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ہو یقیناً ہونے والی ہے۔ ^(۴)
فَإِذَا الشُّجُرُ کُتِبَتْ ۝	پس جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے۔ ^(۵)
وَإِذَا السَّمَاءُ فُجِّرَتْ ۝	اور جب آسمان توڑ پھوڑ دیا جائے گا۔ ^(۶)
وَلَاذِ الْعِلْبَالِ سُفَّتْ ۝	اور جب پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے کر کے اڑا دیئے جائیں گے۔ ^(۷)
وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝	اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر لایا جائے گا۔ ^(۸)
لَا يَذُرُّهُنَّ لِذُرِّهِنَّ أَفْكَتْ ۝	کس دن کے لیے (ان سب کو) موخر کیا گیا ہے؟ ^(۹)

- (۱) یعنی ان فرشتوں کی قسم جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے احکام لے کر اترتے ہیں۔ یا مراد آیات قرآنیہ ہیں جن سے حق و باطل اور حلال و حرام کی تمیز ہوتی ہے۔ یا رسول مراد ہیں جو وحی الہی کے ذریعے سے حق و باطل کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہیں۔
- (۲) جو اللہ کا کلام پیغمبروں کو پہنچاتے ہیں یا رسول مراد ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ وحی اپنی امتوں کو پہنچاتے ہیں۔
- (۳) دونوں مفعول نہ ہیں لِأَجْلِ الْأَعْذَارِ وَالْإِنْدَارِ یعنی فرشتے وحی لے کر آتے ہیں تاکہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے اور یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمارے پاس تو کوئی اللہ کا پیغام ہی لے کر نہیں آیا یا مقصد ڈرانا ہے ان کو جو انکار یا کفر کرنے والے ہوں گے۔ یا معنی ہیں مومنوں کے لیے خوشخبری اور کافروں کے لیے ڈرانا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ مَرْسَلَاتٌ عَاصِفَاتٌ اور نَاصِرَاتٌ سے مراد ہوائیں اور عَارِفَاتٌ وَ مُلْقِيَاتٌ سے فرشتے ہیں۔ یہی بات راجح ہے۔
- (۴) قسموں سے مراد 'مقسم علیہ کی اہمیت سامعین پر واضح کرنا اور اس کی صداقت کو ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ مقسم علیہ (یا جواب قسم) یہ ہے کہ تم سے قیامت کا جو وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً واقع ہونے والی ہے یعنی اس میں شک کرنے کی نہیں بلکہ اس کے لیے تیاری کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ قیامت کب واقع ہوگی؟ اگلی آیات میں اسے واضح کیا جا رہا ہے۔
- (۵) طَمَسَتْ کے معنی مٹ جانے اور بے نشان ہونے کے ہیں یعنی جب ستاروں کی روشنی ختم ہو جائے گا ان کا نشان تک مٹ جائے گا۔
- (۶) یعنی انہیں زمین سے اکھیز کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور زمین بالکل صاف اور ہموار ہو جائے گی۔
- (۷) یعنی فصل و قضا کے لیے ان کے بیانات سن کر ان کی قوموں کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔
- (۸) یہ استغناء تعظیم اور تعجب کے لیے ہے یعنی کیسے عظیم دن کے لیے جس کی شدت اور ہولناکی لوگوں کے لیے سخت تعجب انگیز ہوگی ان پیغمبروں کو جمع ہونے کا وقت دیا گیا ہے۔

لِيَوْمِ الْقَضَىٰ ۝

وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْقَضَىٰ ۝

وَيَلَّيْ يَوْمَ هَذَا تِلْكَ الْمَكَدَاتُ ۝

أَلَمْ نَعْمَلِكِ الْاَوَّلِينَ ۝

ثُمَّ نُنْصِبُهُمْ فِي الْاٰخِرِينَ ۝

كَذٰلِكَ تَفْعَلُ يَا اَلْمُنْجِبِينَ ۝

وَلَيْلٌ يُّوْمَ هَذَا تِلْكَ الْمَكَدَاتُ ۝

اَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ تَهْنِئُ ۝

فَجَعَلْنَاهُ نٰبِيًا مَّرْمٰكِيْنَ ۝

اِلٰى قَدَرٍ تَعْمَلُوْنَ ۝

فَقَدَرْنَا اَنَّا قُرْصَمَ الْقَدْحِ دُونَ ۝

وَلَيْلٌ يُّوْمَ هَذَا تِلْكَ الْمَكَدَاتُ ۝

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝

فیصلے کے دن کے لیے۔^(۱۳)اور تجھے کیا معلوم کہ فیصلے کا دن کیا ہے؟^(۱۴)اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔^(۱۵)کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہیں کیا؟^(۱۶)پھر ہم ان کے بعد پچھلوں کو لائے۔^(۱۷)ہم گنہگاروں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں۔^(۱۸)اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ویل (افسوس) ہے۔^(۱۹)

کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے (مٹی سے) پیدا نہیں

کیا۔^(۲۰)پھر ہم نے اسے مضبوط و محفوظ جگہ میں رکھا۔^(۲۱)ایک مقررہ وقت تک۔^(۲۲)پھر ہم نے اندازہ کیا^(۲۳) اور ہم کیا خوب اندازہ کرنےوالے ہیں۔^(۲۴)اس دن تکذیب کرنے والوں کی خرابی ہے۔^(۲۵)کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟^(۲۶)

(۱) یعنی جس دن لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا، کوئی جنت میں اور کوئی دوزخ میں جائے گا۔

(۲) یعنی ہدایت ہے، بعض کہتے ہیں 'وَلَّيْ' جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ یہ آیت اس سورت میں بار بار دہرائی گئی ہے۔

اس لیے کہ ہر مذبذب کا جرم ایک دوسرے سے مختلف نوعیت کا ہو گا اور اسی حساب سے عذاب کی نوعیتیں بھی مختلف

ہوں گی، بنا بریں اسی ویل کی مختلف قسمیں ہیں جسے مختلف مکذبین کے لیے الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ (فتح القدیر)

(۳) یعنی کفار مکہ اور ان کے ہم مشرب، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی۔

(۴) یعنی سزا دیتے ہیں دنیا میں یا آخرت میں۔

(۵) یعنی رحم مادر میں۔

(۶) یعنی مدت حمل تک، چھ یا نو مہینے۔

(۷) یعنی رحم مادر میں جسمانی ساخت و ترکیب کا صحیح اندازہ کیا کہ دونوں آنکھوں، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں اور

دونوں کانوں کے درمیان اور دیگر اعضا کا ایک دوسرے کے درمیان کتنا فاصلہ رہتا چاہیے۔

أَحْيَاءَ وَأَمْوَاتًا ۝

زندوں کو بھی اور مردوں کو بھی۔^(۱) (۲۶)

وَجَعَلْنَا فِيهَا رِزَاقًا يُسْمَخُ بِأَشْفِقِئِكَمَّاءَ فُورَاتًا ۝

اور ہم نے اس میں بلند و بھاری پہاڑ بنا دیئے^(۲) اور
جھیس سیراب کرنے والا شہابی پلایا۔ (۲۷)

وَنَزَّلَ يُومِئِدَ لِّلْمُكْذِبِينَ ۝

اس دن جھوٹ جاننے والوں کے لیے وائے اور افسوس
ہے۔ (۲۸)

إِنظُرُوا إِلَىٰ مَا لَكُمْ تُرَابٍ يُّكْدَىٰ بُورًا ۝

اس دوزخ کی طرف جاؤ جسے تم جھٹلاتے رہے
تھے۔^(۳) (۲۹)

إِنظُرُوا إِلَىٰ ظِلٍّ فِي ثَلَاثِ شُعَبٍ ۝

چلو تین شاخوں والے سائے کی طرف۔^(۴) (۳۰)

لَا غُلْبَ لَآلِئِهِنَّ وَلَا يُغْنِي بَيْنَ الْهَبِ ۝

جو دراصل نہ سایہ دینے والا ہے اور نہ شعلے سے بچا سکتا
ہے۔^(۵) (۳۱)

إِنَّمَا تَرَفُّ بِشَرْكَ الْغَصْبِ ۝

یقیناً دوزخ چنگاریاں بھیجتی ہے جو مثل محل کے
ہیں۔^(۶) (۳۲)

كَأَنَّهُ جُمِلَتْ صُفْرًا ۝

گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں۔^(۷) (۳۳)

وَنَزَّلَ يُومِئِدَ لِّلْمُكْذِبِينَ ۝

آج ان جھوٹ جاننے والوں کی درگت ہے۔ (۳۴)

هَذَا يَوْمُ لَا يَنْطَلِقُونَ ۝

آج (کا دن) وہ دن ہے کہ یہ بول بھی نہ سکیں

(۱) یعنی زمین زندوں کو اپنی پشت پر اور مردوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی جمع کر لیتی ہے۔

(۲) رِزَاقًا رَاسِيَةً کی جمع۔ قَوَاتٌ جسے ہوئے پہاڑ شَامِخَاتُ بلند۔

(۳) یہ فرشتے جہنمیوں کو کہیں گے۔

(۴) جہنم سے جو دھواں آئے گا وہ بلند ہو کر تین جہتوں میں پھیل جائے گا یعنی جس طرح دیوار یا درخت کا سایہ ہوتا ہے جس میں

آویں راحت اور عافیت محسوس کرتا ہے یہ دھواں حقیقت میں اس طرح کا سایہ نہیں ہوگا جس میں جہنمی کچھ سکون حاصل کریں

(۵) یعنی جہنم کی حرارت سے بچنا بھی ممکن نہیں ہوگا۔

(۶) اس کا ایک اور ترجمہ ہے: جو لکڑی کے بونے یعنی بھاری ٹکڑے کے مثل ہیں۔ (بونے بمعنی شتیر کے ٹکڑے)

جسے کیلی بھی کہتے ہیں)

(۷) صُفْرًا، أَصْفَرُ (زرد) کی جمع ہے لیکن عرب میں اس کا استعمال اسود کے معنی میں بھی ہے اس معنی کی بنا پر مطلب یہ

ہے کہ اس کی ایک ایک چنگاری اتنی اتنی بڑی ہوگی جیسے محل یا قلعہ پھر ہر چنگاری کے مزید اتنے بڑے بڑے ٹکڑے ہو

جائیں گے جیسے اونٹ ہوتے ہیں۔

گئے۔^(۱) (۳۵)

نہ انہیں معذرت کی اجازت دی جائے گی۔^(۲) (۳۶)

اس دن جھلانے والوں کی خرابی ہے۔ (۳۷)

یہ ہے فیصلہ کادن ہم نے تمہیں اور اگلوں کو سب کو جمع کر لیا ہے۔^(۳) (۳۸)

پس اگر تم مجھ سے کوئی چال چل سکتے ہو تو چل لو۔^(۴) (۳۹)

وائے ہے اس دن جھلانے والوں کے لیے۔ (۴۰)

پیشک پر ہیزگار لوگ سایوں میں ہیں^(۵) اور بہتے چشموں میں۔ (۴۱)

اور ان میوؤں میں جن کی وہ خواہش کریں۔^(۶) (۴۲)

(اے جنتیو!) کھاؤ پو مزے سے اپنے کیے ہوئے اعمال کے بدلے۔^(۷) (۴۳)

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْبُدُونَ ۝

وَيَلَّيْلُ يَوْمَهُذِ الْمُنْكَدِبِينَ ۝

هَذَا يَوْمُ الْقُصُولِ جَمَعْنَاهُ وَالْأَقْلَامِينَ ۝

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُوا ۝

وَيَلَّيْلُ يَوْمَهُذِ الْمُنْكَدِبِينَ ۝

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلِّ وَعُيُونٍ ۝

وَفَوَاحٍ مَّنَائِلُهُمْ ۝

كُلُوا وَاشْرَبُوا حَيْثُ شِئْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

(۱) محشر میں کافروں کی مختلف حالتیں ہوں گی ایک وقت وہ ہو گا کہ وہ وہاں بھی جھوٹ بولیں گے 'پھر اللہ تعالیٰ ان کے مومنوں پر سرگامے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ پھر جس وقت ان کو جہنم میں لے جایا جا رہا ہو گا اس وقت عالم اضطراب و پریشانی میں ان کی زبانیں پھر رنگ ہو جائیں گی۔ بعض کہتے ہیں بولیں گے تو سہی 'لیکن ان کے پاس حجت کوئی نہیں ہو گی۔ گو یہ ان کو بات کرنی ہی نہیں آئے گی۔ جیسے ہم دنیا میں ایسے شخص کی بابت کہتے ہیں جس کے پاس کوئی تسلی بخش دلیل نہیں ہوتی 'وہ تو ہمارے سامنے بول ہی نہیں سکا۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس پیش کرنے کے لیے کوئی معقول عذر ہی نہیں ہو گا جسے وہ پیش کر کے چھٹکارا پا سکیں۔

(۳) یہ اللہ تعالیٰ بندوں سے خطاب فرمائے گا کہ ہم نے تمہیں اپنی قدرت کاملہ سے فیصلہ کرنے کے لیے ایک ہی میدان میں جمع کر لیا ہے۔

(۴) یہ سخت وعید اور تہدید ہے کہ اگر تم میری گرفت سے بچ سکتے ہو اور میرے حکم سے نکل سکتے ہو تو بچو اور نکل کے دکھاؤ۔ لیکن وہاں کس میں یہ طاقت ہو گی؟ یہ آیت بھی ایسے ہی ہے جیسے یہ آیت ہے ﴿يَعْتَصِرُ الظَّالِمِينَ وَالْظَّالِمَاتُ﴾

لَنْ تَنفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ الصُّورِ وَالَّذِينَ هُمْ يَأْتُونَ ۝ (الرحمن ۳۳)

(۵) جنی درختوں اور مہلات کے سائے آگ کے دھوئیں کا سایہ نہیں ہو گا جیسے مشرکین کے لیے ہو گا۔

(۶) ہر قسم کے پھل 'جب بھی خواہش کریں گے 'آموجود ہوں گے۔

(۷) یہ بطور احسان انہیں کہا جائے گا۔ ﴿يَا كُنتُمْ﴾ میں بنا سبب کے لیے ہے یعنی جنت کی یہ نعمتیں ان اعمال صالحہ کی وجہ

إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُعْتَصِينَ ﴿۳۵﴾

وَنِلَّ يَوْمَهِذِ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۳۶﴾

كُلُّوا وَتَمَتُّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ مَعْرُومُونَ ﴿۳۷﴾

وَنِلَّ يَوْمَهِذِ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۳۸﴾

وَأَذِ الْقِيلَ لَهُمُ الْكُفَّاءُ الْيَوْمَ مَكُونُونَ ﴿۳۹﴾

وَنِلَّ يَوْمَهِذِ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۴۰﴾

فَيَأْتِي حَتَّىٰ يَنْفَخَ بَعْدَ الْيَوْمِ ثَوْنٌ ﴿۴۱﴾

یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔^(۱) (۳۳)

اس دن سچا نہ جاننے والوں کے لیے ویل (افسوس) ہے۔^(۲) (۳۵)

(اے جھٹلانے والو) تم دنیا میں (تھوڑا سا کھا لو اور فائدہ اٹھا لو بیشک تم گنہگار ہو۔^(۳) (۳۶)

اس دن جھٹلانے والوں کے لیے سخت ہلاکت ہے۔ (۳۷)

ان سے جب کہا جاتا ہے کہ رکوع کر لو تو نہیں کرتے۔^(۴) (۳۸)

اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے۔^(۵) (۳۹)

اب اس قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟^(۶) (۴۰)

سے تمہیں ملی ہیں جو تم دنیا میں کرتے رہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ جس کی وجہ سے انسان جنت میں داخل ہوگا اعمال صالحہ ہیں۔ جو لوگ عمل صالح کے بغیر ہی اللہ کی رحمت و مغفرت کے امیدوار بن جاتے ہیں ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی زمین میں بل چلائے اور بیج بوئے بغیر فصل کا امیدوار بن جائے یا تخم حنظل بو کر خوش ذائقہ پھلوں کی امید رکھے۔

(۱) اس میں بھی اسی امر کی ترغیب و تلقین ہے کہ اگر آخرت میں حسن انجام کے طالب ہو تو دنیا میں نیکی اور بھلائی کا راستہ اپنؤ۔

(۲) کہ اہل تقویٰ کے حصے میں تو جنت کی نعمتیں آئیں اور ان کے حصے میں بڑی بد بختی۔

(۳) یہ مکذبین قیامت کو خطاب ہے اور یہ امر 'تدید و وعید کے لیے ہے' یعنی اچھا چند روز خوب عیش کرو، تم جیسے مجرمین کے لیے کبچہ عذاب تیار ہے۔

(۴) یعنی جب ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے تو نماز نہیں پڑھتے۔

(۵) یعنی ان کے لیے جو اللہ کے اوامر و نواہی کو نہیں مانتے۔

(۶) یعنی جب اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے تو اس کے بعد اور کون سا کلام ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے؟ یہاں

بھی حدیث کا اطلاق قرآن پر ہوا ہے جیسا کہ اور بھی بعض مقامات پر کیا گیا ہے۔ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ جو

سورہ تین کی آخری آیت آلیس اللہ الایۃ پڑھے تو وہ جواب میں کہے تکیٰ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ اور سورہ

قیامت کے آخر کے جواب میں تکیٰ اور فَبِآیَ حَدِیْثٍ بَعْدَهُ یُؤْمِنُونَ کے جواب میں آمَنَّا بِاللّٰهِ کہے۔ (ابوداؤد) باب

مقدار الركوع والسجود وضعیف ابی داؤد البانی) بعض علما کے نزدیک سامع کو بھی جواب دینا چاہیے۔

سُورَةُ النَّبَا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ

عَنِ النَّبَا الْعَظِيمِ

الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ

كَلَّا سَيَعْلَمُونَ

كَلَّا سَيَعْلَمُونَ

أَنَّهُ يُغَمِّلُ الْأَرْضَ وَهَذَا

وَالْجِبَالِ أَوْتَادًا

سورہ نبا کی ہے اور اس میں چالیس آیتیں اور
دو رکوع ہیں۔شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمایت رحم والا ہے۔یہ نوگ کس چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔^(۱)اس بڑی خبر کے متعلق۔^(۲)جس کے بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔^(۳)یقیناً یہ ابھی جان لیں گے۔^(۴)پھر یقیناً انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔^(۵)کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا؟^(۶)اور پہاڑوں کو میخیں (نہیں بنایا؟)^(۷)

(۱) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت سے نوازا گیا اور آپ نے توحید، قیامت وغیرہ کا بیان فرمایا اور قرآن کی تلاوت فرمائی تو کفار و مشرکین باہم ایک دوسرے سے پوچھتے کہ یہ قیامت کیا واقعی ممکن ہے؟ جیسا کہ یہ شخص دعویٰ کر رہا ہے یا یہ قرآن واقعی اللہ کی طرف سے نازل کر رہا ہے جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا ہے۔ استفہام کے ذریعے سے اللہ نے پسے ان چیزوں کی وہ حیثیت نمایاں کی جو ان کی ہے۔ پھر خود ہی جواب دیا کہ۔

(۲) یعنی جس بڑی خبر کی بابت ان کے درمیان اختلاف ہے اس کے متعلق استفہام ہے۔ اس بڑی خبر سے بعض نے قرآن مجید مراد لیا ہے کافراں کے بارے میں مختلف باتیں کرتے تھے کوئی اسے جادو کوئی کمانت کوئی شعرا و کوئی پہلوں کی کہانیاں بتلاتے تھے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد قیامت کا پرہا ہونا اور دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اس میں بھی ان کے درمیان کچھ اختلاف تھا۔ کوئی بالکل انکار کرتا تھا کوئی صرف شک کا اظہار۔ بعض کہتے ہیں کہ سوال کرنے والے مومن و کافروں ہی تھے مومنین کا سوال تو اضافہ یقین اور از دیاد بصیرت کے لیے تھا اور کافروں کا استہزا اور تمسخر کے طور پر۔

(۳) یہ ڈانٹ اور زجر ہے کہ عنقریب سب کچھ معلوم ہو جائے گا آگے اللہ تعالیٰ اپنی کارگیری اور عظیم قدرت کا تذکرہ فرما رہا ہے تاکہ توحید کی حقیقت ان کے سامنے واضح ہو اور اللہ کا رسول انہیں جس چیز کی دعوت دے رہا تھا اس پر ایمان لانا ان کے لیے آسان ہو جائے۔

(۴) یعنی فرش کی طرح تم زمین پر چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے سوتے اور سارے کام کاج کرتے ہو زمین کو ڈالتا ہوا نہیں رہنے دیا۔

(۵) اَوْتَادٌ، وَتَدٌ کی جمع ہے میخیں۔ یعنی پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنایا تاکہ زمین ساکن رہے، حرکت نہ کرے،

اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ ^(۸)	وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝
اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام کا سبب بنایا۔ ^(۹)	وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝
اور رات کو ہم نے پردہ بنایا ہے۔ ^(۱۰)	وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۝
اور دن کو ہم نے وقت روزگار بنایا۔ ^(۱۱)	وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝
اور تمہارے اوپر ہم نے سات مضبوط آسمان بنائے۔ ^(۱۲)	وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝
اور ایک چمکتا ہوا روشن چراغ (سورج) پیدا کیا۔ ^(۱۳)	وَجَعَلْنَا مِسْرَاجًا وَّهَاجًا ۝
اور بدلیوں سے ہم نے بکثرت بہت ہوا پنی برسایا۔ ^(۱۴)	وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ۝
تاکہ اس سے اناج اور سبزہ اگائیں۔ ^(۱۵)	لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ۝
اور گھنے باغ (بھی اگائیں)۔ ^(۱۶)	وَجَدَلِ الْقَارِئُ ۝
پیشک فیصلہ کے دن کا وقت مقرر ہے۔ ^(۱۷)	اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۝

کیوں کہ حرکت و اضطراب کی صورت میں زمین رہائش کے قابل ہی نہ ہوتی۔

(۱) یعنی مذکر اور مونث۔ نر اور مادہ یا ازدواج بمعنی اصناف و الوان ہے۔ یعنی مختلف شکلوں اور رنگوں میں پیدا کیا 'خوب صورت' بد صورت، دراز قد، کوتاہ قد، سفید اور سیاہ وغیرہ۔

(۲) سُبَات کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔ رات بھی انسان و حیوان کی ساری حرکتیں منقطع کر دیتی ہے تاکہ سکون ہو جائے اور لوگ آرام کی نیند سولیں۔ یا مطلب ہے کہ رات تمہارے اعمال کاٹ دیتی ہے یعنی عمل کے سلسلے کو ختم کر دیتی ہے۔ عمل ختم ہونے کا مطلب آرام ہے۔

(۳) یعنی رات کا اندھیرا اور سیاہی ہر چیز کو اپنے دامن میں چھپالیتی ہے جس طرح لباس انسان کے جسم کو چھپالیتا ہے۔

(۴) مطلب ہے کہ دن کو روشن بنایا تاکہ لوگ کسب معاش کے لیے جدوجہد کر سکیں۔

(۵) ان میں سے ہر ایک کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت جتنا ہے جو اس کے استحکام اور مضبوطی کی دلیل ہے۔

(۶) اس سے مراد سورج ہے اور جَعَلَ بمعنی خَلَق ہے۔

(۷) مُعْصِرَات وہ بدلیاں جو پانی سے بھری ہوئی ہوں لیکن ابھی برسی نہ ہوں۔ جیسے الْمُعْصِرَةُ اس عورت کو کہتے ہیں جس کی ماہواری قریب ہو، نَحَا جَا کثرت سے بننے والا پانی۔

(۸) حَب (دانا) وہ اناج جسے خوراک کے لیے ذخیرہ کر لیا جاتا ہے جیسے گندم، چاول، جو، مکئی وغیرہ اور نبات 'سبزیاں اور چارہ وغیرہ جو جانور کھاتے ہیں۔

(۹) الْقَارِئ شاموں کی کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے درخت یعنی گھنے باغ۔

(۱۰) یعنی اولین اور آخرین سب کے جمع ہونے اور وعدے کا دن۔ اسے فیصلے کا دن اس لیے کہا کہ اس دن جمع ہونے کا

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي السُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاحًا ۝

وَقُتِبَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۝

وُسِيَّتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سُرَابًا ۝

إِنْ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝

لِلظَّالِمِينَ مَا بَأْسًا ۝

لِيُثْبِتَ فِيهَا آخِذًا ۝

جس دن کہ صور میں پھونکا جائے گا۔ پھر تم فوج در فوج چلے آؤ گے۔^(۱) (۱۸)

اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے دروازے ہو جائیں گے۔^(۲) (۱۹)

اور پہاڑ چلائے جائیں گے پس وہ سراب ہو جائیں گے۔^(۳) (۲۰)

پیشک دوزخ گھات میں ہے۔^(۴) (۲۱)

سرکشوں کا ٹھکانا وہی ہے۔ (۲۲)

اس میں وہ مدتوں تک پڑے رہیں گے۔^(۵) (۲۳)

مقصود ہی تمام انسانوں کا ان کے اعمال کی روشنی میں فیصلہ کرنا ہے۔

(۱) بعض نے اس کا مفہوم یہ بھی بیان کیا ہے کہ ہر امت اپنے رسول کے ساتھ میدان محشر میں آئے گی۔ یہ دو سرانفخ ہو گا جس میں سب لوگ قبروں سے زندہ اٹھ کر نکل آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا جس سے انسان کھیتی کی طرح اگ آئے گا۔ انسان کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی سوائے ریزہ کی ہڈی کے آخری سرے کے۔ اسی سے قیامت والے دن تمام مخلوقات کی دوبارہ ترکیب ہوگی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ عم)

(۲) یعنی فرشتوں کے نزول کے لیے راستے بن جائیں گے اور وہ زمین پر اتر آئیں گے۔

(۳) سُرَاب وہ ریت جو دور سے پانی محسوس ہوتی ہو۔ پہاڑ بھی سراب کی طرح صرف دور سے نظر آنے والی چیز بن کر رہ جائیں گے۔ اور اس کے بعد بالکل ہی معدوم ہو جائیں گے ان کا کوئی نشان تک باقی نہیں رہے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ قرآن میں پہاڑوں کی مختلف حالتیں بیان کی گئی ہیں جن میں جمع و تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پیسے انہیں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا ﴿فَذَلَّلْنَاهَا﴾ (الحاقة ۳۱)۔ وہ دھنسی ہوئی روٹی کی طرح ہو جائیں گے ﴿كَالْعِفْرِ الْمُنْثَرَسِ﴾ (القادر ۵) وہ گرد و غبار ہو جائیں گے۔ ﴿مَكَانَتْ مَبَازِئُهُنَّ﴾ (الواقعة ۱۶)۔ ان کو اڑا دیا جائے گا ﴿يَتَفَتَّحْنَ كُنُفَهُنَّ﴾ (طہ ۱۰۵) اور پانچویں حالت یہ ہے کہ وہ سراب ہو جائیں گے۔ یعنی لَا شَيْءَ جِيسَا کہ اس مقام پر ہے۔ (فتح القدیر)

(۴) گھات ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں پھپھ کر دشمن کا انتظار کیا جاتا ہے تاکہ وہاں سے گزرے تو فوراً اس پر حملہ کر دیا جائے۔ جہنم کے داروغے بھی جہنمیوں کے انتظار میں اسی طرح بیٹھے ہیں یا خود جہنم اللہ کے حکم سے کفار کے لیے گھات لگائے بیٹھی ہے۔

(۵) أَحْقَات، حُقُب کی جمع ہے، بمعنی زمانہ۔ مراد ابد اور ہمیشگی ہے۔ ابد الابد تک وہ جہنم میں ہی رہیں گے یہ سزا کافروں اور مشرکوں کے لیے ہے۔

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ﴿٢٣﴾

لَا حِمِيمًا وَلَا عَسًا ﴿٢٤﴾

جَزَاءً وَفَاءً ﴿٢٥﴾

إِنَّهُمْ كَانُوا إِلَّا يَرْجُونَ حِسَابًا ﴿٢٦﴾

وَكَذَّبُوا بِالْبَيِّنَاتِ كَذِبًا ﴿٢٧﴾

وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ﴿٢٨﴾

فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَهُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿٢٩﴾

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣٠﴾

حَدَّائِي وَأَهْنَاءًا ﴿٣١﴾

وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا ﴿٣٢﴾

نہ کبھی اس میں خنکی کا مزہ چکھیں گے نہ پانی کا۔ (۲۳)

سوائے گرم پانی اور (بستی) پیپ کے۔ (۲۴)

(ان کو) پورا پورا بدلہ ملے گا۔ (۲۵)

انہیں تو حساب کی توقع ہی نہ تھی۔ (۲۶)

اور بے باکی سے ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے۔ (۲۷)

ہم نے ہر ایک چیز کو لکھ کر شمار کر رکھا ہے۔ (۲۸)

اب تم (اپنے کیے کا) مزہ چکھو ہم تمہارا عذاب ہی بڑھاتے رہیں گے۔ (۲۹)

یقیناً پرہیزگار لوگوں کے لیے کامیابی ہے۔ (۳۰)

باغات ہیں اور انگور ہیں۔ (۳۱)

اور نوجوان کنواری ہم عمر عورتیں ہیں۔ (۳۲)

(۱) جو جہنمیوں کے جسموں سے نکلے گی۔

(۲) یعنی یہ سزا ان کے ان اعمال کے مطابق ہے جو وہ دنیا میں کرتے رہے ہیں۔

(۳) یہ پہلے جہنم کی تغلیل ہے۔ یعنی وہ مذکورہ سزا کے اس لیے مستحق قرار پائے کہ عقیدہ بعث بعد الموت کے وہ قائل ہی نہیں تھے کہ حساب کتاب کی وہ امید رکھتے۔

(۴) یعنی لوح محفوظ میں۔ یا وہ ریکارڈ مراد ہے جو فرشتے لکھتے رہے۔ پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ﴾ (انست ۳)

(۵) عذاب بڑھانے کا مطلب ہے کہ اب یہ عذاب دائمی ہے۔ جب ان کے چڑے گل جائیں گے تو دوسرے بدل دیئے جائیں گے۔ (النساء ۵۶) جب آگ بجھنے لگے گی تو پھر بھڑکا دی جائے گی۔ (بنی اسرائیل ۹۷)

(۶) اہل شقاوت کے تذکرے کے بعد یہ اہل سعادت کا تذکرہ اور ان نعمتوں کا بیان ہے جن سے حیات اخروی میں وہ بہرہ ور ہوں گے۔ یہ کامیابی اور نعمتیں انہیں تقویٰ کی بدولت حاصل ہوں گی۔ تقویٰ ایمان و اطاعت کے تقاضوں کی تکمیل کا نام ہے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد تقویٰ اور عمل صالح کا اہتمام کرتے ہیں ﴿حَعَلْنَا اللَّهُ مِنْهُمْ﴾

(۷) یہ مفازا سے بدل ہے۔

(۸) کَوَاعِبُ تَجَابِعَةٍ کی جمع ہے یہ کَعْبُ (نخز) سے ہے جس طرح نخز ابھرا ہوا ہوتا ہے ان کی چھتوں میں بھی

وَكَاذِبًا قَا۟تِلًا ﴿٣٤﴾

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لِقَا۟وًا وَلَا يُكَلِّمُنَا۟

جَزَآءَ مَن ذَرٰكَ عَطَا۟ جَسَابًا ﴿٣٥﴾

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ

لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٦﴾

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوْحُ وَالنَّفْسُ مَعًا لَا يَكْتُمُوْنَ

اِلَّا مَن اُوْنٰ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٧﴾

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَن شَاءَ اِنۡ خَذَلٰ رَّبَّهُۥ مَبَا۟تًا ﴿٣٨﴾

اور چھلکتے ہوئے جام شراب ہیں۔^(۳۴)

وہاں نہ تو وہ بیہودہ باتیں سنیں گے اور نہ جھوٹی باتیں سنیں گے۔^(۳۵)

(ان کو) تیرے رب کی طرف سے (ان کے نیک اعمال کا) یہ بدلہ ملے گا جو کئی انعام ہو گا۔^(۳۶)

(اس رب کی طرف سے ملے گا جو کہ) آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا پروردگار ہے اور بڑی بخشش کرنے والا ہے۔ کسی کو اس سے بات چیت کرنے کا اختیار نہیں ہو گا۔^(۳۷)

جس دن روح اور فرشتے صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے^(۳۸) تو کوئی کلام نہ کر سکے گا مگر جسے رحمن اجازت دے دے اور وہ ٹھیک بات زبان سے نکالے۔^(۳۸)

یہ دن حق ہے^(۳۹) اب جو چاہے اپنے رب کے پاس (نیک اعمال کر کے) ٹھکانا بنا لے۔^(۴۰)

ایسا ہی ابھر ہو گا جو ان کے حسن و جمال کا ایک منظر ہے۔ آخرت اب ہم عمر۔

(۱) دِہَاقًا: بھرے ہوئے یا لگا تار، ایک کے بعد ایک۔ یا صاف شفاف۔ تَخَاسُّ: ایسے جام کو کہتے ہیں جو بابل بھرا ہوا ہو۔

(۲) یعنی کوئی بے فائدہ اور بے ہودہ بات وہاں نہیں ہوگی نہ ایک دوسرے سے جھوٹ بولیں گے۔

(۳) عَطَاۃ کے ساتھ جِسَاتِ مبالغے کے لیے آتا ہے، یعنی اللہ کی داد و دہش کی وہاں فراوانی ہوگی۔

(۴) یعنی اس کی عظمت، ہیبت اور جلالت اتنی ہوگی کہ ابتداء اس سے کسی کو بات کرنے کی ہمت نہ ہوگی، سی لیے اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کے لیے بھی لب کشائی نہیں کر سکے گا

(۵) یہاں جبرائیل علیہ السلام سمیت دُفُوح کے کئی مفہوم بیان کئے گئے ہیں، امام ابن کثیر نے بنی آدم (انسان) کو آنشہ

(قرین قیاس) قرار دیا ہے۔

(۶) یہ اجازت اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کو اور اپنے پیغمبروں کو عطا فرمائے گا اور وہ جو بات کریں گے حق و صواب ہی ہوگی، یا یہ

مفہوم ہے کہ اجازت صرف اسی کے بارے میں دی جائے گی جس نے درست بات کہی ہو۔ یعنی کلمہ توحید کا، قرری رہا ہو۔

(۷) یعنی لامحلہ آنے والا ہے۔

(۸) یعنی اس آنے والے دن کو سامنے رکھتے ہوئے ایمان و تقویٰ کی زندگی اختیار کرے تاکہ اس روز وہاں اس کو اچھا

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ عَنَّا قَابَ قَوْسًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ
يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَلَيْتَنِي كُنْتُ شَرْبًا ۝

ہم نے تمہیں عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا
(اور چوکنا کر دیا) ہے۔^(۱) جس دن انسان اپنے ہاتھوں کی
کمانی کو دیکھ لے گا^(۲) اور کافر کہے گا کہ کاش! میں مٹی
ہو جاتا۔^(۳) (۳۰)

سُورَةُ النَّازِعَاتِ

سورۃ نازعات کی ہے اور اس میں چھیالیس آیتیں اور
دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

ڈوب کر سختی سے کھینچنے والوں کی قسم!^(۱)
بند کھول کر چھڑا دینے والوں کی قسم!^(۲)
اور تیرے پھرنے والوں کی قسم!^(۳)

وَاللَّوْعَاتِ غَرَقًا ۝
وَاللَّسَّاطِ نَشْطًا ۝
وَالْفُجُورِ نَجَّاتًا ۝

نہکانہ مل جائے۔

(۱) یعنی قیامت والے دن کے عذاب سے جو قریب ہی ہے۔ کیوں کہ اس کا آنا یقینی ہے اور ہر آنے والی چیز قریب ہی
ہے کیوں کہ ہر صورت اسے آکر ہی رہتا ہے۔

(۲) یعنی اچھا برا جو عمل بھی اس نے دنیا میں کیا وہ اللہ کے پاس پہنچ گیا ہے، قیامت والے دن وہ اس کے سامنے
آجائے گا اور اس کا مشاہدہ کر لے گا ﴿وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا﴾ (الکہف: ۳۰) ﴿يُنْتَبِئُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ
وَأَخَّرَ﴾ (الغیامۃ: ۳۱)

(۳) یعنی جب وہ اپنے لیے ہوناک عذاب دیکھے گا تو یہ آرزو کرے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حیوانات کے درمیان بھی
عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا حتیٰ کہ ایک سینک والی بکری نے بے سینک کے جانور پر کوئی زیادتی کی ہوگی تو اس کا
بھی بدلہ دے گا اس سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ جانوروں کو حکم دے گا کہ مٹی ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ مٹی ہو جائیں گے۔ اس
وقت کافر بھی آرزو کریں گے کہ کاش وہ بھی حیوان ہوتے اور آج مٹی بن جاتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۴) نَزَعَ کے معنی 'سختی سے کھینچنا' غَرَقًا ڈوب کر۔ یہ جان نکالنے والے فرشتوں کی صفت ہے فرشتے کافروں کی جان
نہایت سختی سے نکالتے ہیں اور جسم کے اندر ڈوب کر۔

(۵) نَشْطُ کے معنی 'گروہ کھوس دینا' یعنی مومن کی جان فرشتے بہ سہولت نکالتے ہیں جیسے کسی چیز کی گروہ کھول دی جائے۔

(۶) سَبَّحَ کے معنی 'تیرنا' فرشتے روح نکالنے کے لیے انسان کے بدن میں اس طرح تیرتے پھرتے ہیں جیسے خواص
سمندر سے موتی نکالنے کے لیے سمندر کی گمرائیوں میں تیرتا ہے یا مطلب ہے کہ نہایت تیزی سے اللہ کا حکم لے کر

پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی قسم! (۴)	قَالَتْ سَبَّحْتَ سَبَّحًا ۝
پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی قسم! (۵)	قَالَتْ مَدَّ يَدَيْتِ أَمْرًا ۝
جس دن کانپنے والی کانپے گی۔ (۶)	يَوْمَ تَرْجُفُ رُجْفًا ۝
اس کے بعد ایک پیچھے آنے والی (پیچھے پیچھے) آئے گی۔ (۷)	تَتَّبِعُهَا الزَّادِفَةُ ۝
(بہت سے) دل اس دن دھڑکتے ہوں گے۔ (۸)	قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ۝
جن کی نگاہیں نیچی ہوں گی۔ (۹)	أَبْصَارٌ خَاشِعَةٌ ۝
کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی کی سی حالت کی طرف پھر لوٹائے جائیں گے؟ (۱۰)	يَقُولُونَ مَرْثَا لِمَ رَدَدْتَنِي فِي السَّاعَةِ ۝
کیا اس وقت جب کہ ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں	مَرَدًا لِمَا عَصَيْنَا لَكُنَّ عَذَابٌ ۝

آسمان سے اترتے ہیں۔ کیوں کہ تیز رو گھوڑے کو بھی سامع کہتے ہیں۔

(۱) یہ فرشتے اللہ کی وحی 'انبیاء تک' دوڑ کر پہنچاتے ہیں تاکہ شیطان کو اس کی کوئی سن ممکن نہ ملے۔ یا مومنوں کی روحیں جنت کی طرف لے جانے میں نہایت سرعت سے کام لیتے ہیں۔

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ جو کام ان کے سپرد کرتا ہے وہ اس کی تدبیر کرتے ہیں اصل مدبر تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنی حکمت باللہ کے تحت فرشتوں کے ذریعے سے کام کرواتا ہے تو انہیں بھی مدبر کہہ دیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے پانچوں صفات فرشتوں کی ہیں اور ان فرشتوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ جواب قسم محذوف ہے یعنی لَقَدْ كُنْتُمْ فِئْتًا لِّتُنْذِرُوا بِمَا كُنْتُمْ فِئْتًا "تم ضرور زندہ کیے جاؤ گے اور تمہیں تمہارے عملوں کی بابت خبر دی جائے گی۔" قرآن نے اس بحث و جزاء کے لیے کئی مواقع پر قسم کھائی ہے جیسے سورۃ تغابن 'مے میں بھی اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر مذکورہ الفاظ میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ یہ بحث و جزا کب ہوگی؟ اس کی وضاحت آگے فرمائی۔

(۳) یہ نفوذِ اولیٰ ہے جسے نفوذِ فنا کہتے ہیں جس سے ساری کائنات کانپ اور لرز اٹھے گی اور ہر چیز فنا ہو جائے گی۔

(۴) یہ دوسرا نفوذ ہو گا جس سے سب لوگ زندہ ہو کر قبروں سے نکل آئیں گے۔ یہ دوسرا نفوذ پہلے نفوذ سے چالیس سال بعد ہو گا۔ اسے رَدِ فَا اس لیے کہا ہے کہ یہ پہلے نفوذ کے بعد ہی ہو گا۔ یعنی نفوذِ ثانیہ 'نفوذِ اولیٰ' کا ردیف ہے۔

(۵) قیامت کے احوال اور شدائد سے۔

(۶) یعنی أَبْصَارٌ أَضْحَاہَا 'ایسے دہشت زدہ لوگوں کی نظریں بھی (بجھڑکی کی طرح) جھکی ہوئی ہوں گی۔

(۷) حَاوِیَّةٌ: پہلی حالت کو کہتے ہیں۔ یہ منکرین قیامت کا قول ہے کہ کیا ہم پھر اس طرح زندہ کر دیئے جائیں گے جس طرح مرنے سے پیشتر تھے؟

گے؟^(۱۱)

کہتے ہیں کہ پھر تو یہ لوٹنا نقصان دہ ہے۔^(۱۲)

(معلوم ہونا چاہیے) وہ تو صرف ایک (خوفناک)

ڈانٹ ہے۔^(۱۳)

کہ (جس کے ظاہر ہوتے ہی) وہ ایک دم میدان میں جمع ہو جائیں گے۔^(۱۴)

کیا موسیٰ (علیہ السلام) کی خبر تمہیں پہنچی ہے؟^(۱۵)

جب کہ انہیں ان کے رب نے پاک میدان طوئی میں پکارا۔^(۱۶)

(کہ) تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی اختیار کر لی ہے۔^(۱۷)

اس سے کہو کہ کیا تو اپنی درستگی اور اصلاح چاہتا ہے۔^(۱۸)

اور یہ کہ میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں تاکہ تو (اس

قَالُوا إِنَّكَ إِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكَتَابَ

وَأَنبَأْنِي بِهِ فَسَيَكُنْ رَافِقًا لِلَّذِينَ

فَإِذَا هُمْ بِالشَّرَافِ الْمُعْزَىٰ

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ

إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى

إِذْ هَبَّ إِلَيْهِ فَأَمَرَهُ أَنْ نَأْتِيَهُ

فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَهٌ إِلَّا أَن تَزُولَ

وَأَهْدِيكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ

(۱) یہ انکار قیامت کی مزید تاکید ہے کہ ہم کس طرح زندہ کر دیئے جائیں گے جب کہ ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔

(۲) یعنی اگر واقعی ایسا ہوا جیسا کہ محمد (ﷺ) کہتا ہے، پھر تو یہ دوبارہ زندگی ہمارے لیے سخت نقصان دہ ہوگی۔

(۳) سَاحِرَةٌ سے مراد زمین کی سطح یعنی میدان ہے۔ سطح زمین کو سَاحِرَةٌ اس لیے کہا گیا ہے کہ تمام جانداروں کا سونا اور بیدار ہونا اسی زمین پر ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چٹیل میدانوں اور صحراؤں میں خوف کی وجہ سے انسان کی نیند اڑ جاتی ہے اور وہاں بیدار رہتا ہے، اس لیے سَاحِرَةٌ کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) بہر حال یہ قیامت کی منظر کشی ہے کہ ایک ہی نفع سے سب لوگ ایک میدان میں جمع ہو جائیں گے۔

(۴) یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپسی پر آگ کی تلاش میں کوہ طور پر پہنچ گئے تھے تو وہاں ایک درخت کی اوٹ سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، جیسا کہ اس کی تفصیل سورہ طہ کے آغاز میں گزری طُوًی اسی جگہ کا نام ہے، ہم کلامی کا مطلب نبوت و رسالت سے نوازنا ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں رسالت عطا فرمادی۔

(۵) یعنی کفر و معصیت اور تکبر میں حد سے تجاوز کر گیا ہے۔

(۶) یعنی کیا ایسا راستہ اور طریقہ تو پسند کرتا ہے جس سے تیری اصلاح ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اور مطیع ہو جا۔

سے ڈرنے لگے۔^(۱۱)

پس اسے بڑی نشانی دکھائی۔^(۱۲)

تو اس نے بھٹلایا اور نافرمانی کی۔^(۱۳)

پھر پلٹا دوڑ دھوپ کرتے ہوئے۔^(۱۴)

پھر سب کو جمع کر کے پکارا۔^(۱۵)

تم سب کا رب میں ہی ہوں۔^(۱۶)

تو (سب سے بلند و بالا) اللہ نے بھی اسے آخرت کے اور

دنیا کے عذاب میں گرفتار کر لیا۔^(۱۷)

پیشک اس میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جو

ڈرے۔^(۱۸)

کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کا؟^(۱۹) اللہ

فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَى ۝

فَكَذَّبَ وَعَصَى ۝

ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَى ۝

فَتَشْتَمُوهُ فَأَنذَرَهُ ۝

فَقَالَ إِنَّمَا إِلَهُ الْإِنسَانِ ۝

فَاتَّخَذُوا اللَّهَ مَثَلًا لِّلْغَفْوَةِ وَالْأُولَى ۝

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَتَذَكَّرُ ۝

وَأَنذَرَهُ أَشْدَّ مَخَافًا أَوْ أَلَمًا لَّا يَهْدِيهَا ۝

(۱) یعنی اس کی توحید اور عبادت کا راستہ تاکہ تو اس کے عقاب سے ڈرے۔ اس لیے کہ اللہ کا خوف اسی دس میں پیدا ہوتا ہے جو ہدایت پر چلنے والا ہوتا ہے۔

(۲) یعنی اپنی صداقت کے وہ دلائل پیش کئے جو اللہ کی طرف سے انہیں عطا کئے گئے تھے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے۔ مثلاً یضیاء اور عصا اور بعض کے نزدیک آیات تسبیح۔

(۳) لیکن ان دلائل و معجزات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور تکذیب و نافرمانی کے راستے پر وہ گامزن رہا۔

(۴) یعنی اس نے ایمان و اطاعت سے اعراض ہی نہیں کیا بلکہ زمین میں فساد پھیلانے اور موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کی سعی کرتا رہا چنانچہ جادو گروں کو جمع کر کے ان کا مقابلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کرایا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا ثابت کیا جاسکے۔

(۵) اپنی قوم کو یا قتال و محاربہ کے لیے اپنے لشکروں کو یا جادو گروں کو مقابلے کے لیے جمع کیا اور بہت دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ربوبیت اعلیٰ کا اعلان کیا۔

(۶) یعنی اللہ نے اس کی ایسی گرفت فرمائی کہ اسے دنیا میں آئندہ آنے والے متمرّدین کے لیے نشان عبرت بنا دیا اور قیامت کا عذاب اس کے علاوہ ہے جو اسے وہاں ملے گا۔

(۷) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی اور کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ اگر انہوں نے گزشتہ لوگوں کے واقعات سے عبرت نہ پکڑی تو ان کا انجام بھی فرعون کی طرح ہو سکتا ہے۔

(۸) یہ کفار مکہ کو خطاب ہے اور مقصود زبرد تو بیخ ہے کہ جو اللہ اتنے بڑے آسمانوں اور ان کے عجائبات کو پیدا کر سکتا ہے اس

تعلیٰ نے اسے بنایا۔ (۲۷)	رَفَعَ سَنَكُمَا فَنُوبَهَا ۝
اسکی بلندی اونچی کی پھر اسے ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ (۲۸) ^(۱)	وَأَغْطَشَ لَيْكُمَا وَأَخْرَجَ ضُحًى ۝
اسکی رات کو تاریک بنایا اور اسکے دن کو نکالا۔ (۲۹) ^(۲)	وَالْأَرْضُ بَعْدَ ذَلِكَ دَحًى ۝
اور اس کے بعد زمین کو (ہموار) بچھا دیا۔ (۳۰) ^(۳)	أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَهَا ۝
اس میں سے پانی اور چارہ نکالا۔ (۳۱)	وَالْجِبَالِ أَرْسًا ۝
اور پہاڑوں کو (مضبوط) گاڑ دیا۔ (۳۲)	مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ۝
یہ سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لیے (ہیں)۔ (۳۳)	فَإِذَا جَاءَتِ الطَّلَافَةُ الْكُبْرَى ۝
پس جب وہ بڑی آفت (قیامت) آجائے گی۔ (۳۴)	يَوْمَ يَنْذَعُ عَنَّا الْأَنْسَانُ مَأْسُوفٌ ۝
جس دن کہ انسان اپنے کیے ہوئے کاموں کو یاد کرے گا۔ (۳۵)	وَيُؤْزَقُ الْجَعْدُ لِمَن يُؤْزَى ۝
اور (ہر) دیکھنے والے کے سامنے جہنم ظاہر کی جائے گی۔ (۳۶) ^(۴)	

کے لیے تمہارا دوبارہ پیدا کرنا کون سا مشکل ہے۔ کیا تمہیں دوبارہ پیدا کرنا آسمان کے بنانے سے زیادہ مشکل ہے؟

(۱) بعض نے سَنَكُومَا کے معنی چھت بھی کیے ہیں، ٹھیک ٹھاک کرنے کا مطلب، اسے ایسی شکل و صورت میں ڈھان ہے کہ جس میں کوئی نقوت، کجی، شکاف اور خلل باقی نہ رہے۔

(۲) أَغْطَشَ اُطْمَعَمَ اُخْرَجَ کا مطلب اُبَرَزَا اور نَهَارَهَا کی جگہ ضَحَّيَهَا اس لیے کہا کہ چاشت کا وقت سب سے اچھا اور عمدہ ہے۔ مطلب ہے کہ دن کو سورج کے ذریعے سے روشن بنایا۔

(۳) یہ حم السجدة ۹۱ میں گزر چکا ہے کہ حَلَقَ (پیدائش) اور حَزَنَ (ہموار کرنا) اور حَزَنَ (زمین کی تخلیق) آسمان سے پہلی ہوئی ہے لیکن اس کو ہموار آسمان کی پیدائش کے بعد کیا گیا ہے اور یہاں اسی حقیقت کا بیان ہے۔ اور ہموار کرنے یا پھیلانے کا مطلب ہے کہ زمین کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے اللہ نے ان کا اہتمام فرمایا، مثلاً زمین سے پانی نکالا، اس میں چارہ اور خوراک پیدا کی، پہاڑوں کو میٹھوں کی طرح مضبوط گاڑ دیا تاکہ زمین نہ ہلے۔ جیسا کہ یہاں بھی آگے ہی بیان ہے۔

(۴) یعنی کافروں کے سامنے کر دی جائے گی تاکہ وہ دیکھ لیں کہ اب ان کا داعی ٹھکانا جہنم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مومن اور کافر دونوں ہی اسے دیکھیں گے، مومن اسے دیکھ کر اللہ کا شکر کریں گے کہ اس نے ایمان اور اعمال صالحہ کی بدولت انہیں اس سے بچالیا، اور کافر جو پہلے ہی خوف و ہشت میں مبتلا ہوں گے، اسے دیکھ کر انکے غم و حسرت میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

فَلَمَّا مَنَّ طُغْيٰٓءُ

وَالشَّرَّاءُ الْيَوْمَ الدُّنْيَا ۝

فَإِنَّا الْيَوْمَ لَمَّا مَنَّ

وَأَنَّا مَنَّ مَقَامَرَتِهِ وَاَنفَىٰ النَّفْسَ مِنَ الْهَوٰى ۝

فَإِنَّا الْيَوْمَ لَمَّا مَنَّ

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِيهَا ۝

فَيَنفِرَ أَنتَ مِنَ الذِّكْرِ ۝

إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْهَبًا ۝

إِنَّمَا أَنتَ مُنْذِرٌ مَّنْ يُنْشِئُهَا ۝

تو جس (فحش) نے سرکشی کی (ہوگی)۔^(۱) (۳۷)

اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی (ہوگی)۔^(۲) (۳۸)

(اس کا) ٹھکانا جہنم ہی ہے۔^(۳) (۳۹)

ہاں جو فحش اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے^(۴)

سے ڈرتا رہا ہو گا اور اپنے نفس کو خواہش سے
روکا ہو گا۔^(۵) (۴۰)

تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔^(۶) (۴۱)

لوگ آپ سے قیامت کے واقع ہونے کا وقت دریافت

کرتے ہیں۔^(۷) (۴۲)

آپ کو اس کے بیان کرنے سے کیا تعلق؟^(۸) (۴۳)

اس کے علم کی انتہا تو اللہ کی جانب ہے۔ (۴۴)

آپ تو صرف اس سے ڈرتے رہنے والوں کو آگاہ کرنے

والے ہیں۔^(۹) (۴۵)

(۱) یعنی کفر و معصیت میں حد سے تجاوز کیا ہو گا۔

(۲) یعنی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھا ہو گا اور آخرت کے لیے کوئی تیاری نہیں کی ہوگی۔

(۳) اس کے علاوہ اس کا کوئی ٹھکانا نہیں ہو گا، جہاں وہ اس سے بچ کر پناہ لے لے۔

(۴) کہ اگر میں نے گناہ اور اللہ کی نافرمانی کی تو مجھے اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا، اس لیے وہ گناہوں سے اجتناب کرتا رہا ہو۔

(۵) یعنی نفس کو ان معاصی اور محارم کے ارتکاب سے روکتا رہا جو جن کی طرف نفس کا میلان ہوتا تھا۔

(۶) جہاں وہ قیام پذیر، بلکہ اللہ کا مہمان ہو گا۔

(۷) یعنی قیامت کب واقع اور قائم ہوگی؟ جس طرح کشتی اپنے آخری مقام پر پہنچ کر ٹکرا انداز ہوتی ہے اسی طرح قیامت کے وقوع کا صحیح وقت کیا ہے؟

(۸) یعنی آپ کو اس کی بابت یقینی علم نہیں ہے، اس لیے آپ کا اس کو بیان کرنے سے کیا تعلق؟ اس کا یقینی علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔

(۹) یعنی آپ کا کام صرف انداز (ڈرانا) ہے، نہ کہ غیب کی خبریں دینا، جن میں قیامت کا علم بھی ہے جو اللہ نے کسی کو

كَانَ لَكُمْ يَوْمَ تَرَوْهَا لَمْ يَكُنْ لَكُمْ إِلَّا عَشِيَّةٌ أَوْ ضُحًى ۝

سُورَةُ عَبَسَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

عَبَسَ وَتَوَلَّى ۝

أَنْ جَاءَهُ الْأَغْصَى ۝

وَمَا يَذْكُرُكَ إِلَّا لَئَلَّ يَظُنِّي ۝

أَوْ يَذْكُرُ فَتَنْفَعَهُ الْذِكْرَى ۝

جس روز یہ اسے دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہو گا کہ
صرف دن کا آخری حصہ یا اول حصہ ہی (دنیا میں) رہے
ہیں۔^(۱) (۳۶)

سورہ عبس کی ہے اور اس میں بیالیس آیتیں اور
ایک رکوع ہے۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

وہ ترش رو ہوا اور منہ موڑ لیا۔ (۱)

(صرف اس لیے) کہ اس کے پاس ایک ٹاپینا آیا۔^(۲) (۲)

تجھے کیا خبر شاید وہ سنور جاتا۔^(۳) (۳)

یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی۔ (۴)

بھی نہیں دیا ہے۔ مَنْ يَخْشَاهَا اس لیے کہا کہ انذار و تبلیغ سے اصل فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے دوس میں اللہ کا
خوف ہوتا ہے، ورنہ انذار و تبلیغ کا حکم تو ہر ایک کے لیے ہے۔

(۱) عَشِيَّةٌ ظہر سے لے کر غروب شمس تک اور صُحًى طلوع شمس سے نصف النہار تک کے لیے بولا جاتا ہے۔ یعنی جب
کافر جہنم کا عذاب دیکھیں گے تو دنیا کی عیش و عشرت اور اس کے مزے سب بھول جائیں گے اور انہیں ایسا محسوس ہو گا
کہ وہ دنیا میں پورا ایک دن بھی نہیں رہے۔ دن کا پہلا حصہ یا دن کا آخری حصہ ہی صرف دنیا میں رہے ہیں یعنی دنیا کی
زندگی انہیں اتنی قلیل معلوم ہوگی۔

☆ اس کی شان نزول میں تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوئی ایک
مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اشراف قریش بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک ابن ام مکتوم جو ٹاپینا
تھے تشریف لے آئے اور آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی باتیں پوچھنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کچھ
ناگواری محسوس کی اور کچھ بے توجہی سی برتی۔ چنانچہ تنبیہ کے طور پر ان آیات کا نزول ہوا۔ (ترمذی، تفسیر سورہ عبس۔
صحیحۃ الدلبانی)

(۲) ابن ام مکتوم کی آمد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر جو ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے، اسے عَبَسَ سے
اور بے توجہی کو تَوَلَّى سے تعبیر فرمایا۔

(۳) یعنی وہ ٹاپینا تجھ سے دینی رہنمائی حاصل کر کے عمل صالح کرتا جس سے اس کا اخلاق و کردار سنور جاتا، اس کے
باطن کی اصلاح ہو جاتی اور تیری نصیحت سننے سے اس کو فائدہ ہوتا

جوبے پروائی کرتا ہے۔ ^(۱) (۵)	أَتَمِّنْ أَسْتَعِثِّي ۝
اس کی طرف تو تو پوری توجہ کرتا ہے۔ ^(۲) (۶)	فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّى ۝
حالانکہ اس کے نہ سنورنے سے تجھ پر کوئی الزام نہیں۔ ^(۳) (۷)	وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَحْكُمَ ۝
اور جو شخص تیرے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے۔ ^(۴) (۸)	وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَى ۝
اور وہ ڈر (بھی) رہا ہے۔ ^(۵) (۹)	وَهُوَ يَخْشَى ۝
تو اس سے توجہ بے رخی برتا ہے۔ ^(۶) (۱۰)	فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّى ۝
یہ ٹھیک نہیں ^(۷) قرآن تو نصیحت (کی چیز) ہے۔ ^(۸) (۱۱)	كَأَلَّا إِنَّمَا تَذَكَّرُ ۝
جو چاہے اس سے نصیحت لے۔ ^(۹) (۱۲)	فَمَنْ شَاءَ ذَكَّرْهُ ۝
(یہ تو) پر عظمت صحیفوں میں (ہے)۔ ^(۱۰) (۱۳)	فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝

(۱) ایمان سے اور اس علم سے جو تیرے پاس اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ یاد و سرا ترجمہ ہے جو صاحب ثروت و غنا ہے۔
 (۲) اس میں آپ ﷺ کو مزید توجہ دلائی گئی ہے کہ مخلصین کو چھوڑ کر معرضین کی طرف توجہ مبذول رکھنا صحیح بات نہیں ہے۔
 (۳) کیوں کہ تیرا کام تو صرف تبلیغ ہے۔ اس لیے اس قسم کے کفار کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔
 (۴) اس بات کا طالب بن کر کہ تو خیر کی طرف اس کی رہنمائی کرے اور اسے وعظ و نصیحت سے نوازے۔
 (۵) یعنی اللہ کا خوف بھی اس کے دل میں ہے جس کی وجہ سے یہ امید ہے کہ تیری باتیں اس کے لیے مفید ہوں گی اور وہ ان کو اپنائے گا اور ان پر عمل کرے گا۔

(۶) یعنی ایسے لوگوں کی تو قدر افزائی کی ضرورت ہے نہ کہ ان سے بے رخی برتنے کی۔ ان آیات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دعوت و تبلیغ میں کسی کو خاص نہیں کرنا چاہیے بلکہ اصحاب حیثیت اور بے حیثیت، امیر اور غریب، آقا و غلام، مرد اور عورت، چھوٹے اور بڑے سب کو یکساں حیثیت دی جائے اور سب کو مشترکہ خطاب کیا جائے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنی حکمت بالذ کے تحت ہدایت سے نواز دے گا۔ (ابن کثیر)

(۷) یعنی غریب سے یہ اعراض اور اصحاب حیثیت کی طرف خصوصی توجہ، یہ ٹھیک نہیں۔ مطلب ہے کہ 'آئندہ اس کا اعادہ نہ ہو۔'

(۸) یعنی جو اس میں رغبت کرے وہ اس سے نصیحت حاصل کرے، یاد کرے اور اس کے موبہات پر عمل کرے اور جو اس سے اعراض کرے اور بے رخی برتے جیسے اشراف قریش نے کیا تو ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے
 (۹) یعنی لوح محفوظ میں کیوں کہ وہیں سے یہ قرآن اترتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ یہ صحیفے اللہ کے ہاں بڑے محترم ہیں کیوں کہ وہ علم و حکمت سے پر ہیں۔

جو بلند و بالا اور پاک صاف ہیں۔ ^(۱۳)	مَرْفُوعَةً مُطَهَّرَةً ۝
ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے۔ ^(۱۴)	يَأْيُودِي سَفَرَةٍ ۝
جو بزرگ اور پاکباز ہیں۔ ^(۱۵)	كَرَامٍ بَرَزَةٍ ۝
اللہ کی مار انسان پر کیسا ناگوار ہے۔ ^(۱۶)	قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ۝
اسے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا۔ ^(۱۷)	مِنْ أَثَرِ مِثْقَلِ خَلْقِهِ ۝
(اسے) ایک نطفہ سے، پھر اندازہ پر رکھا اس کو۔ ^(۱۸)	مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَرَهُ ۝
پھر اس کے لیے راستہ آسان کیا۔ ^(۱۹)	ثُمَّ السَّهِيلَ يَسَّرَهُ ۝
پھر اسے موت دی اور پھر قبر میں دفن کیا۔ ^(۲۰)	ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ۝

(۱) مَرْفُوعَةً اللہ کے ہاں رفیع القدر ہیں، یا شہادت اور تاقص سے بلند ہیں۔ مُطَهَّرَةً وہ بالکل پاک ہیں کیوں کہ انہیں پاک لوگوں (فرشتوں) کے سوا کوئی چھو تا ہی نہیں ہے۔ یا کی بیشی سے پاک ہے۔

(۲) سَفَرَةٍ 'سافر' کی جمع ہے، یہ سفارت سے ہے۔ مراد یہاں وہ فرشتے ہیں جو اللہ کی وحی اس کے رسولوں تک پہنچاتے ہیں۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کے درمیان سفارت کا کام کرتے ہیں۔ یہ قرآن ایسے سفیروں کے ہاتھوں میں ہے جو اسے لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں۔

(۳) یعنی خلق کے اعتبار سے وہ کریم یعنی شریف اور بزرگ ہیں اور افعال کے اعتبار سے وہ نیکو کار اور پاکباز ہیں۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حامل قرآن (حافظ اور عالم) کو بھی اخلاق و کردار اور افعال و اطوار میں کِرام بَرَزَةٍ کا مصداق ہونا چاہیے۔ (ابن کثیر) حدیث میں بھی سَفَرَةٍ کا لفظ فرشتوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس کا ماہر ہے، وہ السَّفَرَةُ الْكِرَامُ الْبَرَزَةُ (فرشتوں) کے ساتھ ہو گا اور جو قرآن پڑھتا ہے، لیکن مشقت کے ساتھ۔ (یعنی ماہرین کی طرح سہولت اور روانی سے نہیں پڑھتا) اس کے لیے دو گنا اجر ہے۔

اصحیح بخاری، تفسیر سورۃ عبس مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل الماہر بالقرآن

(۴) اس سے وہ انسان مراد ہے جو بغیر کسی سند اور دلیل کے قیامت کی تکذیب کرتا ہے، قُتِلَ بِمَعْنَى لُغِيْن اور مَا أَكْفَرَهُ اَفْعَل تَعَجُّب ہے، کس قدر ناگوار ہے۔ آگے اس انسان کفر کو غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے کہ شاید وہ اپنے کفر سے باز آجائے۔

(۵) یعنی جس کی پیدائش ایسے حقیر نطفہ آب سے ہوئی ہے، کیا اسے تکبر زیب دیتا ہے؟

(۶) اس کا مطلب ہے کہ اس کے مصالح نفس اسے مہیا کیے، اس کو دو ہاتھ دو پیچ اور دو آنکھیں اور دیگر آلات و خواص عطا کیے۔

(۷) یعنی خیر اور شر کے راستے اس کے لیے واضح کر دیئے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ ہے۔ لیکن پہلا مقصود زیادہ صحیح ہے۔

(۸) یعنی موت کے بعد اسے قبر میں دفنانے کا حکم دیا تاکہ اس کا احترام برقرار رہے ورنہ درندے اور پرندے اس کی

لَمَّا إِذْ أَشَاءَ أَنْشَرَهَا ۝
كَلَّا لَنَأْيُضُنَّ مَا لَمَّسُوا ۝

پھر جب چاہے گا اسے زندہ کر دے گا۔ (۲۲)
ہرگز نہیں،^(۱) اس نے اب تک اللہ کے حکم کی بجا آوری
نہیں کی۔ (۲۳)

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ ۝
أَكَا صَبَّبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝
لَمْ نَقْعُنَا الْأَرْضَ نَقْعًا ۝
فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝
وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝
وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝
وَحَدَائِقَ غُلَبًا ۝
وَعَاكِمَةً وَأَبَا ۝
مَتَاعًا كَلَمًا ۝ وَلَا تَعْلَمُوهَا ۝

انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کو دیکھے۔^(۲) (۲۴)
کہ ہم نے خوب پانی برسایا۔ (۲۵)
پھر بھاڑ زمین کو اچھی طرح۔ (۲۶)
پھر اس میں سے اناج اگائے۔ (۲۷)
اور انگور اور ترکاری۔ (۲۸)
اور زیتون اور کھجور۔ (۲۹)
اور گنجان باغات۔ (۳۰)
اور میوہ اور (گھاس) چارہ (بھی اگایا)۔^(۳) (۳۱)
تمہارے استعمال و فائدہ کے لیے اور تمہارے چوپایوں
کے لیے۔ (۳۲)
پس جب کہ کان بہرے کر دینے والی (قیامت) آجائے
گی۔^(۴) (۳۳)

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّاعُتَةُ ۝

اس دن آدمی اپنے بھائی سے۔ (۳۴)
اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے۔ (۳۵)
اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ (۳۶)
ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایسی فکر (دامن گیر) ہوگی
جو اس کے لیے کافی ہوگی۔^(۵) (۳۷)

يَوْمَ يُغْزِي الْمَرْءُ مِنْ آيِهِ ۝
وَأُمُّهُ وَآيِيهِ ۝
وَصَاحِبَتِهِ وَبَيْنِيهِ ۝
بِئْسَ الْأَمْرُ لِمَنْ هُمْ يَوْمَهُذِ شَأْنٍ يُغْنِيهِ ۝

لاش کو نوج نوج کر کھاتے جس سے اس کی بے حرستی ہوتی۔

(۱) یعنی معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح یہ کافر کہتا ہے۔

(۲) کہ اسے اللہ نے کس طرح پیدا کیا جو اس کی زندگی کا سبب ہے اور کس طرح اس کے لیے اسباب معاش مہیا کئے
تاکہ وہ ان کے ذریعے سعادت اخروی حاصل کر سکے۔

(۳) ابا، وہ گھاس چارہ جو خود رو ہو اور جسے جانور کھاتے ہیں۔

(۴) قیامت کو صاخۃ (بہرا کر دینے والی) اس لیے کہ وہ ایک نہایت سخت چیخ کے ساتھ واقع ہوگی جو کانوں کو بہرا کر دے گی۔

(۵) یا اپنے اقربا اور احباب سے بے نیاز اور بے پروا کر دے گا۔ حدیث میں آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگ میدان

وَجُودًا يُؤْمِنُ بِمَا يُؤْمِنُ ۝

صَاحِبَةً تُسَبِّحُ رَبَّهُ ۝

وَجُودًا يُؤْمِنُ بِمَا يُؤْمِنُ ۝

تَرْمِضُهَا قَدْرًا ۝

أُولَٰئِكَ مِمَّنْ لَّكُفْرًا فَجَزَاءُ ۝

اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے۔ (۳۸)

(جو) ہنستے ہوئے اور ہشاش بشاش ہوں گے۔ (۳۹)^(۱)

اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے۔ (۴۰)

جن پر سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی۔ (۴۱)^(۲)

وہ یہی کافرہ کردار لوگ ہوں گے۔ (۴۲)^(۳)

سُورَةُ التَّكْوِيْرِ

سورۃ تکویر کی ہے اور اس میں انیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمایت رحم والا ہے۔

جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔ (۱)^(۴)

إِنَّا الْقَائِمُونَ ۝

محشر میں ننگے بدن، ننگے پیر، پیدل اور غیر محنتوں ہوں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا اس طرح شرم گاہوں پر نظر نہیں پڑے گی؟ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں یہی آیت تلاوت فرمائی۔ یعنی ﴿لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ حِصْنٌ فِى الْحَرْبِ﴾ الترمذی تفسیر سورۃ عبس 'النسائی' کتاب الجنائز باب البعث اس کی وجہ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ انسان اپنے گھروالوں سے اس لیے بھاگے گا کہ وہ اس کی وہ تکلیف اور شدت نہ دیکھیں جس میں وہ مبتلا ہو گا۔ بعض کہتے ہیں اس لیے کہ انہیں علم ہو گا کہ وہ کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور ان کے کچھ کام نہیں آ سکتے۔ (فتح القدیر)

(۱) یہ اہل ایمان کے چہرے ہوں گے، جنہیں ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ملیں گے جس سے انہیں اپنی اخروی سعادت و کامیابی کا یقین ہو جائے گا جس سے ان کے چہرے خوشی سے تہمتارہے ہوں گے۔

(۲) یعنی ذلت اور معائنہ عذاب سے ان کے چہرے غبار آلود، کمزور اور سیاہ ہوں گے جیسے محزون اور نمایت غمگین آدمی کا چہرہ ہوتا ہے۔

(۳) یعنی اللہ کا رسولوں کا اور قیامت کا انکار کرنے والے بھی تھے اور بد کردار و بد اطوار بھی اللہم لا تَخْلَعْنَا مِنْهُمْ۔

☆ اس سورت میں بطور خاص قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "جس کو یہ بات پسند ہے کہ وہ قیامت کو اس طرح دیکھے جیسے آنکھ سے دیکھنا ہوتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ﴿إِنَّا الْقَائِمُونَ﴾ اور ﴿إِنَّا السَّمَاءُ الْفُطُورُ﴾ (غور اور توجہ سے) پڑھے۔ الترمذی تفسیر سورۃ التکویر

مسند أحمد ۲/۳۶۲۴ ذکرہ الألبانی فی الصحیحہ (مجموعہ ۱۰۸۱ ج ۲)

(۴) یعنی جس طرح سر پر عمامہ لپیٹا جاتا ہے اس طرح سورج کے وجود کو لپیٹ کر پھینک دیا جائے گا۔ جس سے اس کی

اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ ^(۱) (۲)	وَلَمَّا الْفُجُورُ انْكَدَرَتْ ۝
اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔ ^(۲) (۳)	فَلَمَّا الْجِبَالُ سَوَتْ ۝
اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں۔ ^(۳) (۴)	وَلَمَّا الْعِصَادُ عَظِلَتْ ۝
اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے۔ ^(۴) (۵)	وَلَمَّا الْوُحُوشُ جُمِرَتْ ۝
اور جب سمندر بھڑکائے جائیں گے۔ ^(۵) (۶)	وَلَمَّا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝
اور جب جانیں (جسموں سے) ملا دی جائیں گی۔ ^(۶) (۷)	وَلَمَّا الْفُتُوسُ رُوجَتْ ۝
اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا۔ (۸)	وَلَمَّا الْمَوَدَّةُ بُهِتَتْ ۝
کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی؟ ^(۷) (۹)	يَأْتِي ذَنْبٌ فُبْهِتَتْ ۝
اور جب نامہ اعمال کھول دیئے جائیں گے۔ ^(۸) (۱۰)	وَلَمَّا الْكُتُبُ نُفُتَتْ ۝

روشنی از خود ختم ہو جائے گی۔ حدیث میں ہے الشمس والقمر مکروان يوم القيامة اصحیح بخاری 'مبدء الخلق' باب صفۃ الشمس والقمر بحسبان، "قیامت والے دن چاند اور سورج لپیٹ دیئے جائیں گے۔" بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لپیٹ کر ان دونوں کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا، کہ مشرکین مزید ذلیل و خوار ہوں جو ان کی عبادت کرتے تھے۔ (فتح الباری 'باب مذکور)

(۱) دوسرا ترجمہ ہے جھڑک کر جائیں گے یعنی آسمان پر ان کا وجود ہی نہیں رہے گا۔

(۲) یعنی انہیں زمین سے اکھیر کر ہواؤں میں چلا دیا جائے گا اور وہ دھنی ہوئی روٹی کی طرح اڑیں گے۔

(۳) عِشَارٌ، عَشْرَاءُ کی جمع ہے 'حمل دالیاں' یعنی گا بھن اونٹنیاں، گا بھن اونٹنیاں، جب ان کا حمل دس مہینوں کا ہو جاتا تو عربوں میں یہ بہت نفیس اور قیمتی سمجھی جاتی تھیں۔ جب قیامت برپا ہوگی تو ایسا ہولناک منظر ہو گا کہ اگر کسی کے پاس اس قسم کی قیمتی اونٹنی بھی ہوگی تو وہ ان کی بھی پروا نہیں کرے گا۔

(۴) یعنی انہیں بھی قیامت والے دن جمع کیا جائے گا۔

(۵) یعنی ان میں اللہ کے حکم سے آگ بھڑک اٹھے گی۔

(۶) اس کے کئی مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ زیادہ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کو اس کے ہم مذہب و ہم مشرب کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ مومن کو مومنوں کے ساتھ اور بدکردوں کے ساتھ، یہودی کو یہودیوں کے ساتھ اور عیسائی کو عیسائیوں کے ساتھ۔ وَعَلَىٰ هَذَا الْفِئَاسِ۔

(۷) اس طرح دراصل قاتل کو سرزنش کی جائے گی کیونکہ اصل مجرم تو وہی ہو گا نہ کہ موعودہ، جس سے بظاہر سواں ہو گا۔

(۸) موت کے وقت یہ صحیفہ لپیٹ دیئے جاتے ہیں، پھر قیامت والے دن حساب کے لیے کھول دیئے جائیں گے، جنہیں

اور جب آسمان کی کمال اتاری جائے گی۔ ^(۱۱)	وَلَاذِ الشَّمَاكِ لِيُطْلَقَ ۝
اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی۔ ^(۱۲)	وَلَاذِ الْجَحِيمِ سُقُوتَ ۝
اور جب جنت نزدیک کر دی جائے گی۔ ^(۱۳)	وَرَاذِ الْجَنَّةِ أَنْ يَفْتَتَ ۝
تو اس دن ہر شخص جان لے گا جو کچھ لے کر آیا ہو گا۔ ^(۱۴)	يَوْمَ تَنْفُسٌ تَخَارُضُ ۝
میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے۔ ^(۱۵)	فَلَا أَقِيمُ بَايِعَتِي ۝
چلنے پھرنے والے چھپنے والے ستاروں کی۔ ^(۱۶)	الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝
اور رات کی جب جانے لگے۔ ^(۱۷)	وَالْيَلِ إِذَا عَمَّسَ ۝
اور صبح کی جب چمکنے لگے۔ ^(۱۸)	وَالضُّبُرِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝
یقیناً یہ ایک بزرگ رسول کا کہا ہوا ہے۔ ^(۱۹)	رَبِّهِ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝
جو قوت والا ہے، ^(۲۰) عرش والے (اللہ) کے نزدیک بند مرتبہ ہے۔ ^(۲۱)	ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝

ہر شخص دیکھ لے گا بلکہ ہاتھوں میں پکڑ دیے جائیں گے۔

(۱) یعنی وہ اس طرح اوجھڑ دیے جائیں گے جس طرح جھٹ اور جڑی جاتی ہے۔

(۲) یہ جواب ہے یعنی جب مذکورہ امور ظہور پذیر ہوں گے جن میں سے پہلے چھ امور کا تعلق دنیا سے ہے اور دوسرے چھ امور کا آخرت سے۔ اس وقت ہر ایک کے سامنے اس کی حقیقت آجائے گی۔

(۳) اس سے مراد ستارے ہیں حُسُوسٌ، خُنُوسٌ سے ہے جس کے معنی پیچھے ہٹنے کے ہیں۔ یہ ستارے دن کے وقت اپنے منظر سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے۔ اور یہ زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد ہیں یہ خاص طور پر سورج کے رخ پر ہوتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ سارے ہی ستارے مراد ہیں کیوں کہ سب ہی اپنے غائب ہونے کی جگہ پر غائب ہو جاتے ہیں یا دن کو چھپے رہتے ہیں الْجَوَارِ چلنے والے، الْكُنَّسِ چھپ جانے والے، جیسے ہرن اپنے مکان اور مسکن میں چھپ جاتا ہے۔

(۴) عَمَّسَ، اضمداد میں سے ہے، یعنی آنے اور جانے دونوں معنوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے، ہم یہاں جانے کے معنی میں ہے۔

(۵) یعنی جب اس کا ظہور و طلوع ہو جائے، یا وہ پھٹ اور نکل آئے۔

(۶) اس لیے کہ وہ اسے اللہ کی طرف سے لے کر آیا ہے۔ مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں

(۷) یعنی جو کام اس کے سپرد کیا جائے اسے پوری قوت سے کرتا ہے۔

مُطَاعٍ كَمَا آمِينَ ﴿٢١﴾

جس کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے امین^(۱)
ہے۔ (۲۱)

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ﴿٢٢﴾

اور تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے۔ (۲۲)

وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْإِنْبِيِّ ﴿٢٣﴾

اس نے اس (فرشتے) کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا
بھی ہے۔ (۲۳)

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَبِيٍّ ﴿٢٤﴾

اور یہ غیب کی باتوں کو بتلانے میں بخیل بھی نہیں۔ (۲۴)

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيزٍ ﴿٢٥﴾

اور یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں۔ (۲۵)

فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿٢٦﴾

پھر تم کہاں جا رہے ہو۔ (۲۶)

إِنْ هُوَ إِلَّا كُرٌّ لِّلْعَالَمِينَ ﴿٢٧﴾

یہ تو تمام جہان والوں کے لیے نصیحت نامہ ہے۔ (۲۷)

لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَوِيَهُ ﴿٢٨﴾

(بالخصوص) اس کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا
چاہے۔ (۲۸)

(۱) یعنی فرشتوں کے درمیان اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ وہ فرشتوں کا مرجع اور مطاع ہے نیز وحی کے سلسلے میں امین ہے۔

(۲) یہ خطاب اہل مکہ سے ہے اور صاحب سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی تم جو گمان رکھتے ہو کہ تمہارا ہم نسب اور ہم وطن ساتھی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دیوانہ ہے۔ نعوذ باللہ۔ ایسا نہیں ہے، ذرا قرآن پڑھ کر تو دیکھو کہ کیا کوئی دیوانہ ایسے معارف و حقائق بیان کر سکتا ہے اور گزشتہ قوموں کے صحیح صحیح حالات بتلا سکتا ہے جو اس قرآن میں بیان کیے گئے ہیں۔

(۳) یہ پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصلی حالت میں دیکھا ہے، جن میں سے ایک کا یہاں ذکر ہے۔ یہ ابتدائے نبوت کا واقعہ ہے، اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کے چہ سو پر تھے، جنہوں نے آسمان کے کناروں کو بھر دیا تھا۔ دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر دیکھا۔ جیسا کہ سورہ نجم میں تفصیل گزر چکی ہے۔

(۴) یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت وضاحت کی جا رہی ہے کہ آپ کو جن باتوں کی اطلاع دی جاتی ہے، جو احکام و فرائض آپ کو بتلائے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی بات آپ اپنے پاس نہیں رکھتے بلکہ فریضہ رسالت کی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے ہر بات اور ہر حکم لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

(۵) جس طرح نجومیوں کے پس شیطان آتے ہیں اور آسمانوں کی بعض چوری چھپی باتیں ادھوری شکل میں انہیں بتلا دیتے ہیں۔ قرآن ایسا نہیں ہے۔

(۶) یعنی کیوں اس سے اعراض کرتے ہو؟ اور اس کی اطاعت نہیں کرتے؟

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۰﴾

سُورَةُ الْإِنْفِطَارِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿۱﴾

وَإِذَا النُّجُومُ انشَثَرَتْ ﴿۲﴾

وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳﴾

وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾

حَبِطَ النَّفْسُ مَا تَلَمَّتْ وَآخَرَتْ ﴿۵﴾

يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَا غَرَبَ بِرَبِّكَ الْكَذِبُ ﴿۶﴾

اور تم بغیر پروردگار عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔ (۲۹)

سورۃ انفطار کی ہے اور اس میں انیس آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمایت رحم والا ہے۔

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ (۱)

اور جب ستارے جھڑ جائیں گے۔ (۲)

اور جب سمندر بہہ نکلیں گے۔ (۳)

اور جب قبریں (شق کر کے) اکھاڑ دی جائیں گی۔ (۴)

(اس وقت) ہر شخص اپنے آگے بیٹھے ہوئے اور پیچھے
چھوڑے ہوئے (یعنی اگلے پیچھے اعمال) کو معلوم کر لے
گا۔ (۵)

اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بھلایا؟ (۶)

(۱) یعنی تمہاری چاہت اللہ کی توفیق پر منحصر ہے جب تک تمہاری چاہت کے ساتھ اللہ کی مشیت اور اس کی توفیق بھی
شامل نہیں ہوگی اس وقت تک تم سیدھا راستہ بھی اختیار نہیں کر سکتے۔ یہ وہی مضمون ہے جو ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ﴾
القصص ۵۶ وغیرہ آیات میں بیان ہوا ہے۔

(۲) یعنی اللہ کے حکم اور اس کی ہیبت سے پھٹ جائے گا اور فرشتے نیچے اتر آئیں گے۔

(۳) اور سب کاپنی ایک ہی سمندر میں جمع ہو جائے گا پھر اللہ تعالیٰ پیچھے ہوا پیچھے گا۔ جو اس میں آگ بھڑکا دے گی جس
سے فلک شگاف شعلے بلند ہوں گے۔

(۴) یعنی قبروں سے مردے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔ بُغْثِرَتْ اکھڑ دی جائیں گی یا ان کی مٹی پست دی جائے گی۔

(۵) یعنی جب مذکورہ امور واقع ہوں گے تو انسان کو اپنے تمام کیے دھرم کا علم ہو جائے گا جو بھی اچھا برا عمل اس نے کیا ہو
گا وہ سامنے آ جائے گا پیچھے چھوڑے ہوئے عمل سے مراد اپنے پیچھے اپنے کردار و عمل کے اچھے یا برے نمونے ہیں جو دنیا میں
وہ چھوڑ آیا اور لوگ ان نمونوں پر عمل کرتے ہیں۔ یہ نمونے اگر اچھے ہیں تو اس کے مرنے کے بعد ان نمونوں پر جو لوگ بھی
عمل کریں گے اس کا ثواب اسے بھی پہنچتا رہے گا اور اگر برے نمونے اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے تو جو بھی اسے اپنائے گا ان کا

گناہ بھی اس شخص کو پہنچتا رہے گا جس کی ساعی سے وہ برا طریقہ یا کام رائج ہوا

(۶) یعنی کس چیز نے تجھے دھوکے اور فریب میں مبتلا کر دیا کہ تو نے اس رب کے ساتھ کفر کیا جس نے تجھے پر احسان کیا

اَلَدِّى خَلَقَكَ فَسَوِّكَ فَعَدَلَكَ ۝

جس (رب نے) تجھے پیدا کیا،^(۱) پھر ٹھیک ٹھاک کیا،^(۲) پھر
(درست اور) برابر بنایا۔^(۳) (۷)

فَاِىْ صُوْرَةٍ مَّشَاءُ وَرَبُّكَ ۝

جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔^(۴) (۸)
ہرگز نہیں بلکہ تم تو جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتے
ہو۔^(۵) (۹)

كَلَّا بَلْ تُكَلِّبُوْنَ يَالِدِيْنَ ۝

وَلَنْ عَلَيْكُم مَّعْطٰیٰ ۝

كِرَامًا كَثِيْرًا ۝

يَعْلَمُوْنَ مَا فَعَلُوْنَ ۝

اِنَّ اَكْبَرَ اٰثَرِ لَیْنِ نَّصِيْرٍ ۝

یقیناً تم پر نگہبان عزت والے۔ (۱۰)
لکھنے والے مقرر ہیں۔ (۱۱)
جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔^(۱۲) (۱۲)
یقیناً نیک لوگ (جنت کے عیش و آرام اور) نعمتوں میں

اور تجھے وجود بخشا، تجھے عقل و فہم عطا کی اور اسباب حیات تیرے لیے مہیا کیے۔

(۱) جی حقیر نطفے سے 'جب کہ اس سے پہلے تیرا وجود نہیں تھا۔

(۲) جی تجھے ایک کامل انسان بنادیا، تو سننا ہے 'دیکھتا ہے اور عقل و فہم رکھتا ہے۔

(۳) تجھے معتدل، کھڑا اور حسن صورت والا بنایا، یا تیری دونوں آنکھوں، دونوں کانوں، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کو برابر برابر بنایا۔ اگر تیرے اعضا میں یہ برابری اور مناسبت نہ ہوتی تو تیرے وجود میں حسن کے بجائے بے ذہب پن ہو جاتا۔ اسی تخلیق کو دوسرے مقام پر اَحْسَن تَقْوِیْم سے تعبیر فرمایا: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾

(۴) اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ بچے کو جس کے چاہے مشابہ بنا دے۔ باپ کے 'ماں کے یا مومن اور بچی کے۔ دوسرا مطلب ہے کہ وہ جس شکل میں چاہے 'ذوالحال دے' حتیٰ کہ قبیح ترین جانور کی شکل میں بھی پیدا کر سکتا ہے لیکن یہ اس کا لطف و کرم اور مہربانی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا اور بہترین انسانی شکل میں ہی پیدا فرماتا ہے۔

(۵) کَلَّا، حَقًّا کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ اور کافروں کے اس طرز عمل کی نفی بھی جو اللہ کریم کی رافت و رحمت سے دھوکے میں مبتلا ہونے پر مبنی ہے یعنی اس فریب نفس میں مبتلا ہونے کا کوئی جواز نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ تمہارے دلوں میں اس بات پر یقین نہیں ہے کہ قیامت ہوگی اور وہاں جزا و سزا ہوگی۔

(۶) یعنی تم تو جزا و سزا کے منکر ہو، لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا ہر قول اور ہر فعل نوٹ ہو رہا ہے اللہ کی طرف سے فرشتے تم پر بطور نگران مقرر ہیں جو تمہاری ہر اس بات کو جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ یہ گویا انسانوں کو تنبیہ ہے کہ ہر عمل اور بات سے پہلے سوچ لو کہ وہ غلط تو نہیں۔ یہ وہی بات ہے جو پہلے گزر چکی ہے ﴿عَنِ النَّبِیِّنَ وَعَنِ الْاَنْبِیَآءِ﴾ ﴿اَلَا لَئِنْ رَیْبُکُمْ شَیْءٌ﴾ (سورۃ ق: ۱۷-۱۸) یعنی "ایک فرشتہ اس کے دائیں اور دوسرا

ہوں گے۔ (۱۳)

اور یقیناً بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے۔ (۱۴)

بدلے والے دن اس میں جائیں گے۔ (۱۵)

وہ اس سے کبھی غائب نہ ہونے پائیں گے۔ (۱۶)

تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ بدلے کا دن کیا ہے۔ (۱۷)

میں پھر (کہتا ہوں کہ) تجھے کیا معلوم کہ جزا (اور سزا) کا

دن کیا ہے۔ (۱۸)

(وہ ہے) جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا

مختار نہ ہو گا اور (تمام تر) احکام اس روز اللہ کے ہی

ہوں گے۔ (۱۹)

وَرَنَ الْعُجَّارَ لِيَجْزِيَ ۝

يُصَلُّونَهَا يَوْمَ الدِّينِ ۝

وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ۝

وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ۝

لَعَلَّكَ أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ۝

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ

لِیَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ۝

اس کے بائیں جانب بیٹھا ہوا ہے، انسان جو بولتا ہے، اس کے پاس مگر ان 'تیار اور حاضر ہے' یعنی لکھنے کے لیے۔ کہتے ہیں ایک فرشتہ نیکی اور دوسرا بدی لکھتا ہے۔ اور احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کے دو فرشتے الگ، دو رات کے دو فرشتے الگ ہیں۔ آگے نیکیوں اور بدوں، دونوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۱) جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي النَّارِ﴾ (الشوریٰ ۱۷)

(۲) جہن جہن جس جزا و سزا کے دن کا وہ انکار کرتے تھے اسی دن جہنم میں اپنے اعمال کی پاداش میں داخل ہوں گے۔

(۳) یعنی کبھی اس سے جدا نہیں ہوں گے اور اس سے غائب نہیں ہوں گے۔ بلکہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

(۴) تکرار اس کی عظمت و ضخامت اور اس دن کی ہولناکیوں کی وضاحت کے لیے ہے۔

(۵) یعنی دنیا میں تو اللہ نے عارضی طور پر آزمائے کے لیے، انسانوں کو کم و بیش کے کچھ فرق کے ساتھ اختیارات دے رکھے ہیں۔ لیکن قیامت والے دن تمام اختیارات کلیتہً صرف اور صرف اللہ کے پاس ہوں گے۔ جیسے فرمایا ﴿لِلَّهِ

الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَحْدُ الْقَهَّارُ﴾ — (سورۃ مؤمن ۱۶) چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ

الرضیٰ علیہا اللہ عنہا اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضیٰ علیہا اللہ عنہا کو فرمایا تھا: «لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا» (صحیح مسلم کتاب

الإیمان، اور بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو بھی متنبہ فرمایا: «أَتَقْدِرُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، وَاللَّهِ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ

اللَّهِ شَيْئًا» (مسلم کتاب مذکور بخاری، سورۃ الشعراء)

سُورَةُ الْمُطَفِّفِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ

الَّذِينَ إِذَا كَانُوا عَلَى النَّاسِ سَبَوْنَهُ

فَدَا كَالَّذِي هُمْ أَذْقَرُوهُمْ يُخْسِرُونَ

لَا يَنْفَعُ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ سَبَوْنَهُ

يَوْمَ عَظِيمٍ

يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ

سورہ مطفین کی ہے اور اس میں پچیس آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی۔ (۱)

کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا پیتے ہیں۔ (۲)

اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم
دیتے ہیں۔ (۳)کیا انہیں اپنے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا خیال نہیں۔ (۴)
اس عظیم دن کے لیے۔ (۵)جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے
ہوں گے۔ (۶)

☆۔ بعض اسے کلی اور بعض مدنی قرار دیتے ہیں 'بعض کے نزدیک کے اور دینے کے درمیان نازل ہوئی۔ س کی شان
نزوں میں یہ روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ ناپ تول کے لحاظ سے خبیث
ترین لوگ تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی جس کے بعد انہوں نے اپنی ناپ تول صحیح کر لی۔ اس ماحدہ
کتاب التجارات باب العوفی فی الکیل والوزن

(۱) یعنی لینے اور دینے کے الگ الگ پیمانے رکھنا اور اس طرح ڈھنڈی مار کر ناپ تول میں کمی کرنا بہت بڑی اخلاقی بیماری
ہے جس کا نتیجہ دین و آخرت میں تباہی ہے۔ ایک حدیث میں ہے جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو اس پر قحط سال
سخت محنت اور حکمرانوں کا ظلم مسلط کر دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ نمبر ۴۰۸۸ ذکرہ الألبانی فی الصحیحہ نمبر ۱۰۶
من عدد طرق ولہ شواہد)

(۲) یہ ڈنڈی مارنے والے اس بات سے نہیں ڈرتے کہ ایک بڑا ہولناک دن آنے والا ہے جس میں سب لوگ رب
العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے جو تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ یہ کام وہی لوگ کرتے ہیں جن
کے دلوں میں اللہ کا خوف اور قیامت کا ڈر نہیں ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جس وقت رب العالمین کے لیے کھڑے
ہوں گے تو سینہ انسانوں کے آدمے آدمے کانوں تک پہنچا ہو گا۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۃ المطفین ایک
اور روایت میں ہے کہ قیامت والے دن سورج مخلوق کے اتنا قریب ہو گا کہ ایک میل کی مقدار کے قریب فاصلہ ہو گا
(حدیث کے راوی حضرت سیم بن عامر کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ نبی ﷺ نے میل سے زمین کی مسافت والا میل

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَارِ لَفِي سِجِّينٍ ۝

وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌ ۝

كِتَابٌ مُزَوَّرٌ ۝

وَيَلُوكَ يَوْمَئِذٍ الْمُكْدِبِينَ ۝

الَّذِينَ يَكْتُمُونَ بَيِّنَاتٍ مِنَ الْبَيِّنَاتِ ۝

وَمَا يَكْتُمُونَ إِلَّا كُلَّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝

إِذَا شُلِيَ عَلَيْهِ أَيْشَانُ قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝

كَلَّا بَلْ عَرَّانٍ عَلَى قُلُوبِهِمْ لَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝

یقیناً بدکاروں کا نامہ اعمال بحسن میں ہے۔^(۷) (۷)

تجھے کیا معلوم بحسن کیا ہے؟ (۸)

(یہ تو) لکھی ہوئی کتاب ہے۔ (۹)

اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔ (۱۰)

جو جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتے رہے۔ (۱۱)

اے صرف وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے آگے نکل جائے

والا (اور) گناہ گار ہوتا ہے۔ (۱۲)

جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ

دیتا ہے کہ یہ اگلوں کے افسانے ہیں۔^(۱۳) (۱۳)

یوں نہیں^(۱۴) بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی وجہ

سے زنگ (چڑھ گیا) ہے۔^(۱۵) (۱۵)

مراد لیا ہے یہ وہ سلائی جس سے سرمہ آنکھوں میں ڈالا جاتا ہے) پس لوگ اپنے اعمال کے مطابق پینے میں ہوں گے یہ ہمیں کسی کے ٹخنوں تک، کسی کے گھٹنوں تک، کسی کی کمر تک ہو گا اور کسی کے لیے یہ نگام بنا ہوا ہو گا یعنی اس کے منہ تک ہمیں ہو گا۔ صحیح مسلم، صفة القيامة والجنة، باب فی صفة يوم القيامة،

(۱) سِجِّينٌ، بعض کہتے ہیں سِجْنٌ (قید خانہ) سے ہے، مطلب ہے کہ قید خانے کی طرح ایک نہایت تنگ مقام ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ زمین کے سب سے نچلے حصے میں ایک جگہ ہے، جہاں کافروں، خالموں اور مشرکوں کی روہیں اور ان کے اعمال نامے جمع اور محفوظ ہوتے ہیں۔ اسی لیے آگے اسے "لکھی ہوئی کتاب" قرار دیا ہے۔

(۲) یعنی اس کا گناہوں میں انہماک اور حد سے تجاوز اتنا بڑھ گیا ہے کہ اللہ کی آیات سن کر ان پر غور و فکر کرنے کے بجائے انہیں اگلوں کی کہانیاں بتلاتا ہے۔

(۳) یعنی یہ قرآن کہانیاں نہیں، جیسا کہ کافر کہتے اور سمجھتے ہیں۔ بلکہ یہ اللہ کا کلام اور اس کی وحی ہے جو اس کے رسول پر جبرائیل علیہ السلام امین کے ذریعے سے نازل ہوئی ہے۔

(۴) یعنی ان کے دل اس قرآن اور وحی الہی پر ایمان اس لیے نہیں لاتے کہ ان کے دلوں پر گناہوں کی کثرت کی وجہ سے پرے پڑ گئے ہیں اور وہ زنگ آلود ہو گئے ہیں زمین گناہوں کی وہ سیاہی ہے جو مسلسل ارتکاب گناہ کی وجہ سے اس کے دل پر چھا جاتی ہے۔ حدیث میں ہے "بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ سیاہی دور کر دی جاتی ہے، اور اگر توبہ کے بجائے گناہ پر گناہ کیے جاتا ہے تو وہ سیاہی بڑھتی جاتی ہے، حتیٰ کہ اس کے پورے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ زمین ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے (ترمذی، باب فی تفسیر سورة

كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُورُونَ ﴿١٥﴾

لَهُمْ فِيهَا مَأْوٍ جَنَّةٌ ﴿١٦﴾

لَهُمْ فِيهَا مَأْوٍ جَنَّةٌ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِيهَا مِن قَبْلُ نَظَرُونَ ﴿١٧﴾

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَنْبِيَاءِ لَفِي عِلِّيِّينَ ﴿١٨﴾

وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ ﴿١٩﴾

كِتَابٌ مَّرْجُومٌ ﴿٢٠﴾

يَسْمُوهُ الْمُفْسِدُونَ ﴿٢١﴾

إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَفِي نُعِيمٍ ﴿٢٢﴾

عَلَى الْأَرْوَاحِ يُنْظَرُونَ ﴿٢٣﴾

تَعْرِفُ فِي وُجُوهِِهِمْ نُصْرَةَ رَبِّهِمْ ﴿٢٤﴾

يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ ﴿٢٥﴾

خَمْرٌ مِّنْ لَّدُنْكَ ذُقْتَ ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ

ہرگز نہیں یہ لوگ اس دن اپنے رب سے اوٹ میں
رکھے جائیں گے۔ (۱۵)

پھر یہ لوگ بالیقین جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ (۱۶)
پھر کہہ دیا جائے گا کہ یہی ہے وہ جسے تم جھٹلاتے
رہے۔ (۱۷)

یقیناً یقیناً نیکو کاروں کا نامہ اعمال علیین میں ہے۔ (۱۸)
تجھے کیا پتا کہ علیین کیا ہے؟ (۱۹)

(وہ تو) لکھی ہوئی کتاب ہے۔ (۲۰)

مقرب (فرشتے) اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ (۲۱)

یقیناً نیک لوگ (بڑی) نعمتوں میں ہوں گے۔ (۲۲)

مسکروں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔ (۲۳)

تو ان کے چہروں سے ہی نعمتوں کی تروتازگی پہچان
لے گا۔ (۲۴)

یہ لوگ سر بہر خالص شراب پلائے جائیں گے۔ (۲۵)
جس پر مشک کی مہر ہوگی، سبقت لے جانے والوں کو اسی

المطففین اس ماجہ 'کتاب الرہد' باب ذکر الدوب۔ مسد أحمد ۲۷۷

(۱) ان کے برعکس اہل ایمان رؤیت باری تعالیٰ سے مشرف ہوں گے۔

(۲) عِلِّيِّین، عَلُو (بلندی) سے ہے۔ یہ سَجِّین کے برعکس آسمانوں میں یا جنت میں یا سدرۃ المنتہی یا عرش کے پاس جگہ ہے
جہاں نیک لوگوں کی روحیں اور ان کے اعمال نامے محفوظ ہوتے ہیں، جس کے پاس مقرب فرشتے حاضر ہوتے ہیں

(۳) جس طرح دنیا میں خوش حال لوگوں کے چہروں پر بالعموم تازگی اور شادابی ہوتی ہے جو ان آسائشوں، سولتوں اور
دنوی نعمتوں کی مظہر ہوتی ہے جو انہیں فراوانی سے حاصل ہوتی ہیں۔ اسی طرح اہل جنت پر اعزاز و تکریم اور نعمتوں کی
جو ارزانی ہوگی، اس کے اثرات ان کے چہروں پر بھی ظاہر ہوں گے، وہ اپنے حسن و جمال اور رونق و بہجت سے پہچان
لیے جائیں گے کہ یہ جنتی ہیں۔

(۴) رَحِیقٌ صَاف، شفاف اور خالص شراب کو کہتے ہیں جس میں کسی چیز کی آمیزش نہ ہو۔ مَخْتُومٌ (سرب مہر) اس کے
خالص پن کی مزید وضاحت کے لیے ہے، بعض کے نزدیک یہ مخلوط کے معنی میں ہے، یعنی شراب میں کستوری کی آمیزش
ہوگی جس سے اس کا ذائقہ دوبالا اور خوشبو مزید خوش کن اور راحت افزا ہو جائے گی، بعض کہتے ہیں 'یہ ختم سے ہے

الْمُتَنَفِّسُونَ ﴿۲۷﴾

وَمَرَّاحَةٌ مِنْ قَنِينٍ ﴿۲۸﴾

عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُعْرِضُونَ ﴿۲۹﴾

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَصْحَكُونَ ﴿۳۰﴾

وَإِذَا امْتَرَأَ بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿۳۱﴾

وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿۳۲﴾

وَإِذَا رَأَوْهُمْ كَالْوَائِينَ هَؤُلَاءِ لَصَّافُونَ ﴿۳۳﴾

میں سبقت کرنی چاہیے۔ (۲۷)

اور اس کی آمیزش تنسیم کی ہوگی۔ (۲۸)

(یعنی) وہ چشمہ جس کا پانی مقرب لوگ پئیں گے۔ (۲۸)

گنہگار لوگ ایمان والوں کی ہنسی اڑایا کرتے

تھے۔ (۲۹)

اور ان کے پاس سے گزرتے ہوئے آپس میں آنکھ کے

اشارے کرتے تھے۔ (۳۰)

اور جب اپنے والوں کی طرف موٹے تو دل لگیاں کرتے

تھے۔ (۳۱)

اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ گمراہ (بے راہ)

یعنی اس کا آخری گھونٹ کستوری کا ہو گا۔ بعض جہنم کے معنی خوشبو کرتے ہیں 'ایسی شراب جس کی خوشبو کستوری کی طرح ہوگی۔ (ابن کثیر) حدیث میں بھی یہی لفظ آیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جس مومن نے کسی پیہ سے مومن کو ایک گھونٹ پانی پلایا" اللہ تعالیٰ اسے قیامت والے دن الرَّحِيقُ الْمَخْتُومُ پلائے گا' جس نے کسی بھوکے مومن کو کھانا کھلایا' اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھلائے گا' جس نے کسی ننگے مومن کو لباس پہنایا' اللہ تعالیٰ اسے جنت کا سبز لباس پہنائے گا"۔ (مسند احمد ۳ / ۱۳-۱۴)

(۱) یعنی عمل کرنے والوں کو ایسے عملوں میں سبقت کرنی چاہیے جس کے صلے میں جنت اور اس کی یہ نعمتیں حاصل

ہوں۔ جیسے فرمایا ﴿يُثَبِّتُ لَهُمْ قُلُوبَهُمْ عَلَى الْغَيَاظِ﴾ (المائدات ۴۸)

(۲) نَسْنِیم کے معنی 'بلندی کے ہیں۔ اونٹ کی کوہان' جو اس کے جسم سے بلند ہوتی ہے 'اسے سِنَام کہتے ہیں۔ قبر کے

اونچے کرنے کو بھی نَسْنِیم القُور کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس میں تنسیم شراب کی آمیزش ہوگی جو جنت کے

بالائی عذقوں سے ایک چشمے کے ذریعے سے آئے گی۔ یہ جنت کی بہترین اور اعلیٰ شراب ہوگی۔

(۳) یعنی انہیں حقیر جانتے ہوئے ان کا استہزا کرتے اور مذاق اڑاتے تھے۔

(۴) عَنَز کے معنی ہوتے ہیں 'پلکوں اور ابرؤں سے اشارہ کرنا۔ یعنی ایک دوسرے کو اپنی پلکوں اور ابرؤں سے اشارہ کر

کے ان کی تحقیر اور ان کے مذہب پر طعن کرتے۔

(۵) یعنی اہل ایمان کا ذکر کر کے خوش ہوتے اور دل لگیاں کرتے۔ دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ جب اپنے گھروں میں

لوٹتے تو وہاں خوشحالی اور فراغت ان کا استقبال کرتی اور جو چاہتے وہ انہیں مل جاتا۔ اس کے باوجود انہوں نے اللہ کا شکر

ادا نہیں کیا بلکہ اہل ایمان کی تحقیر اور ان پر حسد کرنے میں ہی مشغول رہے۔ (ابن کثیر)

ہیں۔^(۱) (۳۲)

یہ ان پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجے گئے۔^(۲) (۳۳)
پس آج ایمان والے ان کافروں پر نہیں گئے۔^(۳) (۳۴)
تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔ (۳۵)
کہ اب ان مکروں نے جیسا یہ کرتے تھے پورا پورا بدلہ
پالیا۔^(۴) (۳۶)

سورۃ اشقاق مکی ہے اور اس میں پچیس آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمایت رحم والا ہے۔

جب آسمان پھٹ جائے گا۔^(۵) (۱)
اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گا^(۶) اور اسی کے
لائق وہ ہے^(۷) (۲)

وَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ خِطِيطِينَ ۝

فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ۝

عَلَى الْأَرْبَابِ يَمْشُونَ ۝

مَلْ ثَوْبَ الْكُفَّارِ إِنَّهُمْ يَخِفُّونَ ۝

سُورَةُ الْإِنْشِقَاقِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ۝

وَأَذْنُتْ لِنُجْمٍهَا وَحَقَّتْ ۝

(۱) یعنی اہل توحید، اہل شرک کی نظر میں اور اہل ایمان اہل کفر کے نزدیک گمراہ ہوتے ہیں۔ یہی صورت حال آج بھی
ہے۔ گمراہ اپنے کو اہل حق اور اہل حق کو گمراہ باور کراتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک سراسر باطل فرقہ اپنے سوا کسی کو مومن کہتا
ہے اور نہ سمجھتا ہے۔ ہَذَا هَا اللَّهُ تَعَالَى۔۔

(۲) یعنی یہ کافر مسلمانوں پر نگران بنا کر تو نہیں بھیجے گئے ہیں کہ یہ ہر وقت مسلمانوں کے اعمال و احوال ہی دیکھتے اور ان
پر تبصرے کرتے رہیں، یعنی جب یہ ان کے مکلف ہی نہیں ہیں تو پھر کیوں ایسا کرتے ہیں۔

(۳) یعنی جس طرح دنیا میں کافر اہل ایمان پر ہستے تھے، قیامت والے دن یہ کافر اللہ کی گرفت میں ہوں گے اور اہل
ایمان ان پر نہیں گئے۔ ان کو ہنسی اسی بات پر آئے گی کہ یہ گمراہ ہونے کے باوجود ہمیں گمراہ کہتے اور ہم پر ہستے تھے۔ آج
ان کو پتہ چل گیا کہ گمراہ کون تھا؟ اور کون اس قابل تھا کہ اس کا استہزاء کیا جائے۔

(۴) ثَوْبُ بمعنی اُنْبُوبُ، بدلہ دے دیئے گئے، یعنی کیا کافروں کو جو کچھ وہ کرتے تھے، اس کا بدلہ دے دیا گیا ہے۔

(۵) یعنی جب قیامت برپا ہوگی۔

(۶) یعنی اللہ اس کو پہننے کا جو حکم دے گا، اسے سننے کا اور اطاعت کرے گا۔

(۷) یعنی اس کے لیے لائق ہے کہ سننے اور اطاعت کرے، اس لیے کہ وہ سب پر غالب ہے اور سب اس کے ماتحت
ہیں اس کے حکم سے سرتابی کرنے کی کس کو مجال ہو سکتی ہے؟

اور جب زمین (کھینچ کر) پھیلا دی جائے گی۔ ^(۱) (۳)	وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ۝
اور اس میں جو ہے اسے وہ اگل دے گی اور خالی ہو جائے گی۔ ^(۲) (۴)	وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ۝
اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گی ^(۳) اور اسی کے لائق وہ ہے۔ (۵)	وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَخَضَتْ ۝
اے انسان! تو اپنے رب سے ملنے تک یہ کوشش اور تمام کام اور محنتیں کر کے اس سے ملاقات کرنے والا ہے۔ ^(۴) (۶)	يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدًا فَكُنْ لِرَبِّكَ خَاضِعًا مُّخْلِصًا ۝
تو (اس وقت) جس شخص کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا۔ (۷)	فَأَمَّا مَنْ أَوْفَىٰ كِتَابَهُ بِمِيزَانٍ ۝
اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا۔ ^(۵) (۸)	فَسَوْفَ يُحَاسِبُ حَسَابًا يَّسِيرًا ۝

(۱) یعنی اس کے طول و عرض میں مزید وسعت کر دی جائے گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس پر جو پہاڑ وغیرہ ہیں 'سب کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کو صاف اور ہموار کر کے بچھا دیا جائے گا۔ اس میں کوئی اونچ نیچ نہیں رہے گی۔

(۲) یعنی اس میں جو مردے دفن ہیں 'سب زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے جو خزانے اس کے بطن میں موجود ہیں 'وہ انہیں ظاہر کر دے گی' اور خود بالکل خالی ہو جائے گی۔

(۳) یعنی القا اور تخی کا جو حکم اسے دیا جائے گا 'وہ اس کے مطابق عمل کرے گی۔

(۴) یہاں انسان بطور جنس کے ہے جس میں مومن اور کافروں شامل ہیں۔ کدح 'خست' محنت کو کہتے ہیں 'وہ محنت خیر کے کاموں کے لیے ہو یا شر کے لیے۔ مطلب یہ ہے کہ جب مذکورہ چیزیں ظہور پذیر ہوں گی یعنی قیامت آجائے گی تو اے انسان تو نے جو بھی 'اچھایا برا عمل کیا ہو گا' وہ تو اپنے سامنے پالے گا اور اسی کے مطابق تجھے اچھی یا بری جزا بھی ملے گی۔ آگے اس کی مزید تفصیل و وضاحت ہے۔

(۵) آسان حساب یہ ہے کہ مومن کا اعمال نامہ پیش ہو گا۔ اس کی غلطیاں بھی اس کے سامنے لائی جائیں گی 'پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل و کرم سے انہیں معاف فرما دے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس کا حساب لیا گیا وہ ہلاک ہو گیا میں نے کہا اے اللہ کے رسول! اللہ مجھے آپ پر قربان کرے کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا 'جس کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا گیا' اس کا حساب آسان ہو گا"۔ (مطلب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ تھا کہ اس آیت کی رو سے حساب تو مومن کا بھی ہو گا لیکن وہ ہلاکت سے دو چار نہیں ہو گا) آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی "یہ تو پیشی ہے۔ (یعنی مومن کے ساتھ معاملہ حساب کا نہیں ہو گا) ایک سرسری سی پیشی ہو گی) مومن رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے 'جس کا مناشہ

وَيَقْلِبُ إِلَىٰ أَمْرِهِ مَسْرُورًا ۝

وَأَمَّا مَنْ أَوْفَىٰ كَيْفَهُ وَرَأَىٰ ظَهْرَهُ ۝

مَوْتٌ يَدْعُوهُ شَوْرًا ۝

وَيَقْلِبُ سَوِيرًا ۝

إِنَّمَا كَانَ فِي أَمْرِهِ مَسْرُورًا ۝

إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَخُورَ ۝

بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ۝

فَلَا تُقْسِرُوا الشَّقِيقَ ۝

اور وہ اپنے اہل کی طرف ہنسی خوشی لوٹ آئے گا۔^(۹)

ہاں جس شخص کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا

جائے گا۔^(۱۰)

تو وہ موت کو بلانے لگے گا۔^(۱۱)

اور بھڑکتی ہوئی جہنم میں داخل ہو گا۔^(۱۲)

یہ شخص اپنے متعلقین میں (دنیا میں) خوش تھا۔^(۱۳)

اس کا خیال تھا کہ اللہ کی طرف لوٹ کر ہی نہ

جائے گا۔^(۱۴)

کیوں نہیں،^(۱۵) حالانکہ اس کا رب اسے بخوبی دیکھ رہا

تھا۔^(۱۶)

مجھے شفق کی قسم! اور رات کی! (۱۷)

ہو یعنی پوچھ گچھ ہوئی وہ مار گیا۔" صحیح البخاری تفسیر سورۃ الشقاق، ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ نبی ﷺ اپنی بعض نماز میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ "اللَّهُمَّ حَسْبُنَا يَسْبِرًا" (اے اللہ میرا حساب آسان فرماتا) نماز سے فراغت کے بعد میں نے پوچھا، حَسْبُنَا يَسْبِرًا (آسان حساب) کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس کا اعمال نامہ دیکھے گا اور پھر اسے معاف فرما دے گا۔۔۔ (مسند احمد ۶/۳۸۷)

(۱) یعنی جو اس کے گھروالوں میں سے جنتی ہوں گے۔ یا اس سے مراد وہ حور عین اور ولدان ہیں جو جنتیوں کو ملیں گے۔

(۲) ثَبُورًا ہلاکت، خسارہ۔ یعنی وہ جتنے گا پکارے گا، واویلا کرے گا کہ میں تو مارا گیا، ہلاک ہو گیا۔

(۳) یعنی دنیا میں اپنی خواہشات میں کمن اور اپنے گھروالوں کے درمیان بڑا خوش تھا۔

(۴) یہ اس کے خوش ہونے کی علت ہے۔ یعنی آخرت پر اس کا عقیدہ ہی نہیں تھا۔ حدود کے معنی ہیں، ٹوٹنا۔ جس طرح

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخَوَرِ نَعْدَ الْكَوَرِ صحیح مسلم، الحج، باب

ما بقول إذا ركب إلى سفر الحج وغيره، تو ممدی، اس ماجہ، مسلم میں بعد الکیوں ہے۔ مطلب ہے، "اس بات

سے میں بڑا، تگتا ہوں کہ ایمان کے بعد کفر، اطاعت کے بعد معصیت یا خیر کے بعد شر کی طرف ہوں۔"

(۵) ایک ترجمہ اس کا یہ بھی ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ نہ لوٹے اور دوبارہ زندہ نہ ہو، یا نکلی، کیوں نہیں، یہ ضرور

اپنے رب کی طرف لوٹے گا۔

(۶) یعنی اس سے اس کا کوئی عمل مخفی نہیں تھا۔

(۷) شفق، اس سرخی کو کہتے ہیں جو سورج غروب ہونے کے بعد آسمان پر ظاہر ہوتی ہے اور عشاء کا وقت شروع ہونے

وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝

وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ۝

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْمَعُونَ ۝

بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْكَذِبُونَ ۝

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ۝

فَتَسْمِعُهُمْ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ

أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝

سُورَةُ الْبُرُوجِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اور اس کی جمع کردہ^(۱) چیزوں کی قسم۔ (۱۷)اور چاند کی جب کہ وہ کامل ہو جاتا ہے۔^(۲) (۱۸)یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت پر پہنچو گے۔^(۳) (۱۹)

انہیں کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے۔ (۲۰)

اور جب ان کے پاس قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں

کرتے۔^(۴) (۲۱)بلکہ جنہوں نے کفر کیا وہ جھٹلا رہے ہیں۔^(۵) (۲۲)

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ دلوں میں رکھتے

ہیں۔^(۶) (۲۳)

انہیں المناک عذابوں کی خوشخبری سنا دو۔ (۲۴)

ہاں ایمان والوں اور نیک اعمال والوں کو بے شمار اور نہ

ختم ہونے والا اجر ہے۔ (۲۵)

سورہ بروج کی ہے اور اس میں بائیس آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان

نمائت رحم والا ہے۔

تک رہتی ہے۔

(۱) اندھیرا ہوتے ہی ہر چیز اپنے ماویٰ اور مسکن کی طرف جمع اور سمت آتی ہے یعنی رات کا اندھیرا جن چیزوں کو اپنے

دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔

(۲) إِذَا اتَّسَقَ کے معنی ہیں جب وہ مکمل ہو جائے جیسے وہ تیرھویں کی رات سے سولہویں تاریخ کی رات تک رہتا ہے۔

(۳) طَبَقٍ کے اصل معنی شدت کے ہیں۔ یہاں مراد وہ شدائد ہیں جو قیامت والے دن واقع ہوں گے۔ یعنی اس روز

ایک سے بڑھ کر ایک حالت طاری ہوگی۔ دفتح البادی، تفسیر مسودۃ الانشقاق ایہ جواب قسم ہے۔

(۴) احادیث سے یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا سجدہ کرنا ثابت ہے۔

(۵) یعنی ایمان لانے کے بجائے جھٹلاتے ہیں۔

(۶) یعنی کلمہ تب یا جو افعال وہ چھپ کر کرتے ہیں۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر میں سورۃ الطارق اور سورۃ البروج پڑھتے تھے۔ (الترمذی)۔

وَالسَّمَاءَ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۝	برجوں والے آسمان کی قسم! (۱)
وَالْيَوْمَ الْمَوْعُودِ ۝	وعدہ کیے ہوئے دن کی قسم! (۲)
وَشَاهِبٍ وَمَشْهُودِ ۝	حاضر ہونے والے اور حاضر کیے گئے کی قسم! (۳)
ثُلُثُ أَصْحَابِ الْأَخْذُودِ ۝	(کہ) خندقوں والے ہلاک کیے گئے۔ (۴)
النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ ۝	وہ ایک آگ تھی ایندھن والی۔ (۵)
إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ۝	جبکہ وہ لوگ اس کے آس پاس بیٹھے تھے۔ (۶)
وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ۝	اور مسلمانوں کے ساتھ جو کر رہے تھے اس کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے۔ (۷)
وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝	یہ لوگ ان مسلمانوں (کے کسی اور گنہ کا) بدلہ نہیں لے رہے تھے، سوائے اس کے کہ وہ اللہ غالب مائق حمد کی ذات پر ایمان لائے تھے۔ (۸)

(۱) بُرُوجُ بُرُجِ مَعْل کی جمع ہے۔ بُرُج کے اصل معنی ہیں ظہور۔ یہ کواکب کی منزلیں ہیں جنہیں ان کے محل اور تصور کی حیثیت حاصل ہے۔ ظاہر اور نمایاں ہونے کی وجہ سے انہیں بروج کہا جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے 'الفرقان' ۶۱ کا حاشیہ۔ بعض نے بروج سے مراد ستارے لیے ہیں۔ یعنی ستارے والے آسمان کی قسم۔ بعض کے نزدیک اس سے آسمان کے دروازے یا چاند کی منزلیں مراد ہیں۔ (فتح القدیر)

(۲) اس سے مراد بالاتفاق قیامت کا دن ہے۔

(۳) شَہِید اور مَشْهُود کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے۔ امام شوکانی نے احادیث و آثار کی بنیاد پر کہا ہے کہ شہد سے مراد جمعہ کا دن ہے، اس دن جس نے جو بھی عمل کیا ہو گا یہ قیامت کے دن اس کی گواہی دے گا۔ اور مشہود سے عرفہ (۹ ذوالحجہ) کا دن ہے جہاں لوگ حج کے لیے جمع اور حاضر ہوتے ہیں۔

(۴) یعنی جن لوگوں نے خندقیں کھود کر اس میں رب کے ماننے والوں کو ہلاک کیا، ان کے لیے ہدکت اور بربادی ہے، قُبُلَ بِمَعْنَى لُجِنَ

(۵) النَّارِ، الْأَخْذُودِ سے بدلہ اِشْتِمَال ہے ذَاتِ الْوَقُودِ، النَّارِ کی صفت ہے۔ یعنی یہ خندقیں کیا تھیں؟ ایندھن والی آگ تھیں، جو اہل ایمان کو اس میں جھونکنے کے لیے دھکاٹی گئی تھی۔

(۶) کافراؤں کا کہنا ہے کہ انہیں آگ کے کنارے بیٹھے اہل ایمان کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

(۷) یعنی ان لوگوں کا جرم، جنہیں آگ میں جھونکا جا رہا تھا، یہ تھا کہ وہ اللہ غالب پر ایمان لے آئے تھے اس واقعے کی تفصیل جو صحیح احادیث سے ثابت ہے، مختصر اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ عَلَى
كُلِّ شَيْءٍ شَيْدٌ ۝

جس کے لیے آسمان و زمین کا ملک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے
سامنے ہے ہر چیز۔ (۹)

واقعہ اصحاب الاخدود:

گزشتہ زمانے میں ایک بادشاہ کا جادوگر اور کاہن تھا، جب وہ کاہن بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے ایک زمین
لڑکا دو، جسے میں یہ علم سکھا دوں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک سمجھدار لڑکا تلاش کر کے اس کے سپرد کر دیا۔ لڑکے کے راستے
میں ایک راہب کا بھی مکان تھا، یہ لڑکا آتے جاتے اس کے پاس بھی بیٹھتا اور اس کی باتیں سنتا، جو اسے اچھی لگتیں۔ اسی
طرح سلسلہ چلتا رہا۔ ایک مرتبہ یہ لڑکا جا رہا تھا کہ راستے میں ایک بہت بڑے جانور (شیر یا سانپ وغیرہ) نے لوگوں کا راستہ
روک رکھا تھا۔ لڑکے نے سوچا، آج میں پتہ کرتا ہوں کہ جادوگر صحیح ہے یا راہب؟ اس نے ایک پتھر پکڑا اور کہا، "اے
اللہ! اگر راہب کا معاملہ، تیرے نزدیک جادوگر کے معاملے سے بہتر اور پسندیدہ ہے تو اس جانور کو مار دے، تاکہ لوگوں
کی آمد و رفت جاری ہو جائے۔" یہ کہہ کر اس نے پتھر مارا اور وہ جانور مر گیا۔ لڑکے نے جا کر یہ واقعہ راہب کو بتایا۔
راہب نے کہا، "بیٹے! اب تم فضل و کمال کو پہنچ گئے ہو اور تمہاری آزمائش شروع ہونے والی ہے۔ لیکن اس دور ابتداء میں
میراثہ ظاہر نہ کرنا۔ یہ لڑکا مادر زاد اندھے، برص اور دیگر بعض بیماریوں کا علاج بھی کرتا تھا۔ لیکن ایمان باللہ کی شرط پر،
اسی شرط پر اس نے بادشاہ کے ایک نامیٹا معاصب کی آنکھیں بھی اللہ سے دعا کر کے صحیح کر دیں۔ یہ لڑکا یہی کہتا تھا کہ اگر
تم ایمان لے آؤ گے تو میں اللہ سے دعا کروں گا، وہ شفاء عطا فرمادے گا، چنانچہ اس کی دعا سے اللہ شفا یاب فرمادیتا۔ یہ خبر
بادشاہ تک بھی پہنچی تو وہ بہت پریشان ہوا، بعض اہل ایمان کو تو اس نے قتل کروا دیا۔ اس لڑکے کے بارے میں اس نے
چند آدمیوں کو کہا کہ اسے پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر نیچے پھینک دو، اس نے اللہ سے دعا کی، پہاڑ میں لرزش پیدا ہوئی،
جس سے وہ سب گر کر مر گئے اور اللہ نے اسے بچالیا۔ بادشاہ نے اسے دوسرے آدمیوں کے سپرد کر کے کہا کہ ایک کشتی
میں بٹھا کر سمندر کے بیچ میں لے جا کر اسے پھینک دو، وہاں بھی اس کی دعا سے کشتی الٹ گئی، جس سے وہ سب غرق ہو
گئے اور یہ بچ گیا۔ اس لڑکے نے بادشاہ سے کہا، اگر تو مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک کھسے میدان
میں لوگوں کو جمع کرو اور اِسْمِ اللہِ رَبِّ الْعَالَمِ کہہ کر مجھے تیرا مار۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا، جس سے وہ لڑکا مر گیا لیکن
سارے لوگ پکار اٹھے کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔ بادشاہ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ چنانچہ اس نے خندقیں
کھدوائیں اور اس میں آگ جلوائی اور حکم دیا کہ جو ایمان سے انحراف نہ کرے، اس کو آگ میں پھینک دو۔ اس طرح
ایمان دار آتے رہے اور آگ کے حوالے ہوتے رہے، حتیٰ کہ ایک عورت آئی، جس کے ساتھ ایک بچہ تھا، وہ دریا
ٹھنکی، تو بچہ بول پڑا، اے صبر کر، تو حق پر ہے۔" (صحیح مسلم، منحصراً، کتاب الرہد والرفاق، باب قصۃ
اصحاب الاخدود، امام ابن کثیر نے اور بھی بعض واقعات نقل کیے ہیں جو اس سے مختلف ہیں اور کہا ہے، ممکن ہے
اس قسم کے متعدد واقعات مختلف جگہوں پر ہوئے ہوں۔) (تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر ابن کثیر)

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ فَمَا يَسْتَوُوا
فَهُمْ عَذَابُ اللَّهِ وَأَلَمَ عَذَابُ الْعَرِيقِ ۝

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ۝

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ۝
إِنَّهُ هُوَ يُبْدِي وَيُعِيدُ ۝

وَهُوَ الْغَفُورُ الْودُودُ ۝
ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ۝
فَعَالٌ لَمَّا يُرِيدُ ۝

بیشک جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو ستیا
پھر توبہ (بھی) نہ کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور
جہنم کا عذاب ہے۔ (۱۰)

بیشک ایمان قبول کرنے والوں اور نیک کام کرنے والوں
کے لیے وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔
یہی بڑی کامیابی ہے۔ (۱۱)

یقیناً تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ (۱۲)
وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا
کرے گا۔ (۱۳)

وہ بڑا بخشش کرنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔ (۱۴)
عرش کا مالک عظمت والا ہے۔ (۱۵)
جو چاہے اسے کر گزرنے والا ہے۔ (۱۶)

(۱) یعنی جب وہ اپنے ان دشمنوں کی گرفت پر آئے جو اس کے رسولوں کی تکذیب کرتے اور اس کے حکموں کی مخالفت
کرتے ہیں۔ تو پھر اس کی گرفت سے انہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔

(۲) یعنی وہی اپنی قوت اور قدرت کاملہ سے پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور پھر قیامت والے دن دوبارہ انہیں اسی طرح پیدا
فرمائے گا جس طرح اس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔

(۳) یعنی تمام مخلوقات سے معظّم اور بلند ہے اور عرش جو سب سے اوپر ہے، وہ اس کا مستقر ہے۔ جیسا کہ صحابہ و
تابعین اور محدثین کا عقیدہ ہے۔ المجید صاحب فضل و کرم۔ یہ مرفوع اس لیے ہے کہ یہ دُو یعنی رب کی صفت
ہے، عرش کی صفت نہیں۔ اگرچہ بعض لوگ اسے عرش کی صفت تسلیم کر کے اسے مجرور پڑھتے ہیں معناداروں
صحیح ہیں۔ (ابن کثیر)

(۴) یعنی وہ جو چاہے، کر گزرتا ہے، اس کے حکم اور مشیت کو ٹالنے والا کوئی نہیں ہے نہ اس سے کوئی پوچھنے والا ہی
ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے مرض الموت میں کسی نے پوچھا:

کیا کسی طبیب نے آپ کو دیکھا؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ پوچھا: اس نے کیا کہا؟ فرمایا: اس نے کہا ہے، 'إِنِّي فَعَالٌ لِّمَا
أُرِيدُ' میں جو چاہوں کروں، میرے معاملے میں کوئی دخل دینے والا نہیں۔ (ابن کثیر) مطلب یہ تھا کہ معاملہ اب طبیبوں
کے ہاتھوں میں نہیں رہا، میرا آخری وقت آگیا ہے اور اللہ ہی اب میرا طبیب ہے، جس کی مشیت کو ٹالنے کی کسی کے
اندر طاقت نہیں ہے۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ۝

فِرْعَوْنُ وَشُعُرٌ ۝

بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ۝

وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ۝

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ۝

فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ۝

تجھے لشکروں کی خبر بھی ملی ہے؟^(۱) (۱۷)

(یعنی) فرعون اور شعور کی۔ (۱۸)

(کچھ نہیں) بلکہ کافروں نے جھٹلانے میں پڑے ہوئے ہیں۔ (۱۹)

اور اللہ تعالیٰ بھی انہیں ہر طرف سے گھیرے

ہوئے ہے۔^(۲) (۲۰)

بلکہ یہ قرآن ہے بڑی شان والا۔ (۲۱)

نوح محفوظ میں (لکھا ہوا)۔^(۳) (۲۲)

سُورَةُ الطَّارِقِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝

سورہ طارق کی ہے اور اس میں سترہ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان

نہایت رحم والا ہے۔

قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں روشن ہونے والے

کی۔ (۱)

تجھے معلوم بھی ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا

ہے؟ (۲)

(۱) یعنی ان پر جب میرا عذاب آیا اور میں نے انہیں اپنی گرفت میں لیا جسے کوئی ٹال نہیں سکا۔

(۲) یہ ﴿إِنْ يَنْظُرِ إِلَيْكَ لَيَخْلُبْ﴾ ہی کاثبات اور اس کی تاکید ہے۔

(۳) یعنی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، جہاں فرشتے اس کی حفاظت پر مامور ہیں، اللہ تعالیٰ حسب ضرورت و اقتضا اسے نازل فرماتا ہے۔

☆ حضرت خالد عدوانی ہجو کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بازار حقیقت میں کمان یا لانچی کے سہارے پر کھڑے دیکھا، آپ میرے پاس مدد حاصل کرنے آئے تھے، میں نے وہاں آپ سے سورہ الطارق سنی، میں نے اسے یاد کر لیا دریاں حایکہ میں ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ پھر مجھے اللہ نے اسلام سے نواز دیا اور اسلام کی حالت میں میں نے اسے پڑھا۔ (مسند احمد، ۴/ ۳۳۵۔ مجمع الزوائد، ۷/ ۱۳۶) حضرت معاذ ہجو نے ایک مرتبہ مغرب کی نماز میں سورہ بقرہ اور نساء پڑھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو فرمایا، تو لوگوں کو فتنے میں ڈالتا ہے؟ تجھے یہی کافی تھا کہ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ وَالشَّمْسِ اور اس جیسی سورتیں پڑھتا۔ (نسائی، کتاب الافتتاح، باب الغزوة فی المغرب)

لَتَجْزِيَنَّهُمُ الثَّاقِبُ ۝

إِنْ كُنْ نَفْسٌ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝

فَلْيَنْظُرْ لَاشَانِ مِمَّا خَلِقَ ۝

خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۝

يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝

إِنَّهُ عَلَّ رَجْعِهِ لَفَادٍ ۝

يَوْمَ يُنْفَخُ السَّرَابُ ۝

فَمَالَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِيَةٍ ۝

وہ روشن ستارہ ہے۔^(۱) (۳)کوئی ایسا نہیں جس پر نگہبان فرشتہ نہ ہو۔^(۲) (۴)

انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ (۵)

وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔^(۳) (۶)جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے۔^(۴) (۷)بیٹھک وہ اسے پھیر لانے پر یقیناً قدرت رکھنے والا ہے۔^(۵) (۸)جس دن پوشیدہ مجیدوں کی جانچ پڑتال ہوگی۔^(۶) (۹)تو نہ ہو گا اس کے پاس کچھ زور نہ مددگار۔^(۷) (۱۰)

(۱) طارق سے کیا مراد ہے؟ خود قرآن نے واضح کر دیا۔ روشن ستارہ۔ طارق طُرُوقٌ سے ہے جس کے غوی معنی کھنکھانے کے ہیں، لیکن طارق رات کو آنے والے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ستاروں کو بھی طارق اسی لیے کہا ہے کہ یہ دن کو چھپ جاتے اور رات کو نمودار ہوتے ہیں۔

(۲) یعنی ہر نفس پر اللہ کی طرف سے فرشتے مقرر ہیں جو اس کے اچھے یا برے سارے عمل لکھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ انسانوں کی حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں، جیسا کہ سورۃ رعد کی آیت نمبر ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی حفاظت کے لیے بھی انسان کے آگے پیچھے فرشتے ہوتے ہیں، جس طرح قول و فعل لکھنے والے ہوتے ہیں۔

(۳) یعنی منی سے، جو قضائے شہوت کے بعد زور سے نکلتی ہے۔ یہی قطرۃ آب (منی) رحم عورت میں جا کر اگر اللہ کا حکم ہوتا ہے تو حمل کا باعث بنتا ہے۔

(۴) کہا جاتا ہے کہ پیٹھ، مرد کی اور سینہ عورت کا، ان دونوں کے پانی سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے۔ لیکن اسے ایک ہی پانی اس لیے کہا کہ یہ دونوں مل کر ایک ہی بن جاتا ہے۔ تَرَائِبُ، تَرَبِیۃ کی جمع ہے، سینے کا وہ حصہ جو بارہا پینے کی جگہ ہے۔

(۵) یعنی انسان کے مرنے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرنے پر وہ قادر ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا مطلب ہے کہ وہ اس قطرۃ آب کو دوبارہ شرمگاہ کے اندر لوٹانے کی قدرت رکھتا ہے جہاں سے وہ نکلا تھا۔ پیسے منسوم کو امام شوکانی اور امام ابن جریر طبری نے زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

(۶) یعنی ظاہر ہو جائیں گے، کیوں کہ ان پر جزا و سزا ہوگی۔ بلکہ حدیث میں آتا ہے ”ہر غدر (بد عہدی) کرنے والے کے سرین کے پس جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے۔“ (اصحیح بخاری، کتاب الجریہ، باب اَلْمُغَادِرُ لِلْبِرِّ وَالْعَاجِرِ مُسْلِم، کتاب الجہاد، باب تحریم الغدر، مطلب یہ ہے کہ وہاں کسی کا کوئی عمل خفی نہیں رہے گا۔

(۷) یعنی خود انسان کے پاس اتنی قوت ہوگی کہ وہ اللہ کے عذاب سے بچ جائے، نہ کسی اور طرف سے اس کو کوئی ایسا

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝	بارش والے آسمان کی قسم! (۱۱)
وَالْأَرْضِ ذَاتِ الْقُودِ ۝	اور پھٹنے والی زمین کی قسم! (۱۲)
إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ ۝	بیشک یہ (قرآن) البتہ دو ٹوک فیصلہ کرنے وال کلام ہے۔ (۱۳)
وَمَا مَوْعِدُ الْعَزَلِ ۝	یہ قسمی کی (اور بے فائدہ) بات نہیں۔ (۱۴)
إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ۝	البتہ کافروں کو گھات میں ہیں۔ (۱۵)
وَأَكِيدُ كَيْدًا ۝	اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں۔ (۱۶)
فَتَهْلِكُ الْكُفْرُ بَيْنَ أَيْمَانِهِمْ ذُوَيْنَا ۝	تو کافروں کو مہلت دے (۱۷) انہیں تھوڑے دنوں چھوڑ دے۔ (۱۸)

مردگار مل سکے گا جو اسے اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔

- (۱) رَجْع کے لغوی معنی ہیں 'وٹنا پٹنا'۔ بارش بھی بار بار اور پلٹ پلٹ کر ہوتی ہے 'اس لیے بارش کو رَجْع کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بادل 'سندروں سے ہی پانی لیتا ہے اور پھر وہی پانی زمین پر لوٹا دیتا ہے' اس لیے بارش کو رَجْع کہا۔ بعض کہتے ہیں بطور تہذیب عرب بارش کو رَجْع کہتے تھے تاکہ وہ بار بار ہوتی رہے۔ (فتح القدیر)
- (۲) یعنی زمین پھٹتی ہے تو اس سے پودا باہر نکلتا ہے 'زمین پھٹتی ہے تو چشمہ جاری ہو جاتا ہے اور اسی طرح ایک دن آئے گا کہ زمین پھٹے گی 'سارے مردے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔ اس لیے زمین کو پھٹنے والی اور شکاف والی کہا۔
- (۳) یہ جواب قسم ہے 'یعنی کھول کر بیان کرنے والا ہے جس سے حق اور باطل دونوں واضح ہو جاتے ہیں۔
- (۴) یعنی کھیل کود اور مذاق والی چیز نہیں ہے 'هَزْلٌ حِدٌّ' (قصہ وارادہ) کی ضد ہے۔ یعنی ایک واضح مقصد کی حامل کتاب ہے 'لہو لعب کی طرح بے مقصد نہیں ہے۔

- (۵) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو دین حق لے کر آئے ہیں 'اس کو ناکام کرنے کے لیے سازشیں کرتے ہیں' یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ اور فریب دیتے ہیں اور منہ پر ایسی باتیں کرتے ہیں کہ دل میں اس کے برعکس ہوتا ہے۔
- (۶) یعنی میں ان کی چالوں اور سازشوں سے غافل نہیں ہوں 'میں بھی ان کے خلاف تدبیر کر رہا ہوں یا ان کی چالوں کا توڑ کر رہا ہوں۔ کَيْدٌ خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں 'جو برے مقصد کے لیے ہو تو بری ہے اور مقصد نیک ہو تو بری نہیں۔
- (۷) یعنی ان کے لیے تعیل عذاب کا سوال نہ کر 'بلکہ انہیں کچھ مہلت دے دے۔ ذُوَيْنَا قَلِيلًا یَا قَرِیْنَا یہ اسمال و استدراج بھی کافروں کے حق میں اللہ کی طرف سے ایک کید کی صورت ہے جیسے فرمایا ﴿سَتَذَرُجَاهُمْ بَيْنَ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ

سُورَةُ الْأَعْلَى

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَبِّحْ سُبُّوحَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ①

الَّذِي خَلَقَ قَسْوَى ②

وَالَّذِي قَدَّرَ فَهْدَى ③

وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى ④

فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى ⑤

سَنُفِّرُ بَكَ فَلَاحِشَى ⑥

سورۃ اعلیٰ کی ہے اور اس میں انیس آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر۔^(۱)جس نے پیدا کیا اور صحیح سالم بنایا۔^(۲)اور جس نے (ٹھیک ٹھاک) اندازہ کیا اور پھر راہ
دکھائی۔^(۳)اور جس نے تازہ گھاس پیدا کی۔^(۴)پھر اس نے اس کو (سکھا کر) سیاہ کوڑا کر دیا۔^(۵)ہم تجھے پڑھائیں گے پھر تو نہ بھولے گا۔^(۶)☆۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورت اور سورۃ الفاشیہ عیدین اور جمعہ کی نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح در
کی پہلی رکعت میں سورۃ اعلیٰ، دوسری میں سورۃ الکافرون اور تیسری میں سورۃ اخلاص پڑھتے تھے۔

حضرت معاذ جونیڈ کو جن سورتوں کے پڑھنے کی تلقین کی تھی ان میں ایک یہ بھی تھی (صحاح میں یہ ساری تفصیل موجود ہے)

(۱) یعنی ایسی چیزوں سے اللہ کی پاکیزگی جو اس کے لائق نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے
جواب میں پڑھا کرتے تھے 'سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى' (مسند احمد ۱/۲۲۲، ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب الدعاء فی

الصلوٰۃ وقال الألبانی صحیح)

(۲) دیکھیے سورۃ الانفطار کا حاشیہ نمبر ۷

(۳) یعنی نیکی اور بدی کی۔ اسی طرح ضروریات زندگی کی۔ یہ ہدایت حیوانات کو بھی عطا فرمائی، قَدَّرَ کا مفہوم ہے 'اشیا کی
جنسوں' ان کی انواع و صفات اور خصوصیات کا اندازہ فرما کر انسان کی بھی ان کی طرف رہنمائی فرمادی تاکہ انسان ان
سے استفادہ کر سکے۔

(۴) جسے جانور چرتے ہیں۔

(۵) گھاس خشک ہو جائے تو اسے عُثَاءَ کہتے ہیں 'أَحْوَى' سیاہ کر دیا۔ یعنی تازہ اور شاداب گھاس کو ہم سکھا کر سیاہ کوڑا بھی
کر دیتے ہیں۔(۶) حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے تو آپ اسے جلدی جلدی پڑھتے تاکہ بھول نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا 'اس طرح جدی نہ کریں نازل شدہ وحی ہم آپ کو پڑھوائیں گے یعنی آپ کی زبان پر جاری کر دیں گے' پس آپ
اسے بھولیں گے نہیں۔ مگر جسے اللہ چاہے گا، لیکن اللہ نے ایسا نہیں چاہا، اس لیے آپ کو سب کچھ یاد ہی رہا۔ بعض نے کہا

إِلَّا نَأْتِيَهُ اللَّهُ زَايِدًا يَعْلَمُهُ الْجَهَنَّمِيُّ مَا يَخْفَى ۝

وَيُنِيرُهُ بِالْإِسْهَارِ ۝

فَذَرِكُوا إِن تَفْعَلُوا لِلْإِسْهَارِ ۝

سَيَكُونُ مَنْ يَفْعَلُ ۝

وَيَجْعَلُهُمُ الْإِسْهَارِ ۝

الَّذِي يَقُولُ النَّارُ الْكَلْبِيُّ ۝

لَهُ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى ۝

مگر جو کچھ اللہ چاہے۔ وہ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے۔^(۱)
(۷)

ہم آپ کے لیے آسانی پیدا کر دیں گے۔^(۲)
(۸)
تو آپ نصیحت کرتے رہیں اگر نصیحت کچھ فائدہ دے۔^(۳)
(۹)

ڈرنے والا تو نصیحت لے گا۔^(۴)
(۱۰)

(ہاں) بد بخت اس سے گریز کرے گا۔^(۵)
(۱۱)

جو بڑی آگ میں جائے گا۔^(۱۲)

جہاں پھر نہ وہ مرے گا نہ جیے گا۔^(۱۳) (بلکہ حالت نزاع میں

کہ اس کا مفہوم ہے کہ جن کو اللہ منسوخ کرنا چاہے گا وہ آپ کو بھلا دے گا۔ (فتح القدیر)

(۱) یہ عام ہے 'جہر قرآن کا وہ حصہ بھی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد کر لیں اور جو آپ کے سینے سے نکل کر دیا جائے' وہ مخفی ہے۔ اس طرح جہر اونچی آواز سے پڑھے 'خفی پست آواز سے پڑھے۔ خفی' چھپ کر عمل کرے اور جہر ظاہر ان سب کو اللہ جانتا ہے۔

(۲) یہ بھی عام ہے 'مثلاً ہم آپ پر وحی آسان کر دیں گے تاکہ اس کو یاد کرنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ ہم آپ کی اس طریقے کی طرف رہنمائی کریں گے جو آسان ہو گا۔ ہم جنت والا عمل آپ کے لیے آسان کر دیں گے' ہم آپ کے لیے ایسے افعال و اقوال آسان کر دیں گے جن میں خیر ہو اور ہم آپ کے لیے ایسی شریعت مقرر کریں گے جو سہل، مستقیم اور معتدل ہوگی، جس میں کوئی کجی، عسار اور تنگی نہیں ہوگی۔

(۳) یعنی وعظ و نصیحت وہاں کریں جہاں محسوس ہو کہ فائدہ مند ہوگی۔ یہ وعظ و نصیحت اور تعلیم کے لیے ایک اصول اور ادب بیان فرما دیا۔ (ابن کثیر) امام شوکانی کے نزدیک مفہوم یہ ہے کہ آپ نصیحت کرتے رہیں 'چاہے فائدہ دے یا نہ دے۔ کیونکہ انذار و تبلیغ دونوں صورتوں میں آپ کے لیے ضروری تھی۔ یعنی أَوَّلَم تَنْفَع يَهَاں محذوف ہے۔

(۴) یعنی آپ کی نصیحت سے وہ یقیناً عبرت حاصل کریں گے جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہو گا ان میں خشیت الہی اور اپنی اصلاح کا جذبہ مزید قوی ہو جائے گا۔

(۵) یعنی اس نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے کیوں کہ ان کا غرور اصرار اور اللہ کی معصیتوں میں اٹھناک جاری رہتا ہے۔

(۶) ان کے برعکس جو لوگ صرف اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے عارضی طور پر جہنم میں رہ گئے ہوں گے انہیں اللہ تعالیٰ ایک طرح کی موت دے دے گا۔ حتیٰ کہ وہ آگ میں جل کر کوئلہ ہو جائیں گے 'پھر اللہ تعالیٰ انہی وغیرہ کی سفارش سے ان کو گروہوں کی شکل میں نکالے گا' ان کو جنت کی سر میں ڈالا جائے گا جنتی بھی ان پر پانی ڈالیں گے 'جس سے وہ

پڑا رہے گا۔ (۱۳)

بیشک اس نے فلاح پالی جو پاک ہو گیا۔^(۱) (۱۴)
اور جس نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز
پڑھتا رہا۔ (۱۵)

لیکن تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ (۱۶)
اور آخرت بہت بہتر اور بہت بقا والی ہے۔^(۲) (۱۷)
یہ باتیں پہلی کتابوں میں بھی ہیں۔ (۱۸)
(یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں۔ (۱۹)

قَدْ آفَلَحَ مَنْ تَزَلَّ ۝

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّ ۝

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝

وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ أَفْغَى ۝

إِنَّ هَذِهِ لَكُمُ الضُّلُكُ الْأُولَى ۝

صُفِّىٰ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ۝

سُورَةُ الْعَاشِيَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

هَلْ أَتَاكَ خَبْرٌ مِّنَ الْعَاشِيَةِ ۝

وَجُودٌ يُؤْمِنُ بِخَاشِعَةٍ ۝

عَاصِيَةٍ نَّاصِبَةٍ ۝

سورہ عاشیہ کی ہے اور اس میں چھبیس آیتیں ہیں۔
شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمائت رحم والا ہے۔

کیا تجھے بھی چھپا لینے والی (قیامت) کی خبر پہنچی ہے۔^(۱) (۱)
اس دن بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے۔^(۲) (۲)
(اور) محنت کرنے والے تھکے ہوئے ہوں گے۔^(۳) (۳)

اس طرح جی انھیں گے جیسے سیلاب کے کوڑے پر دانہ آتا ہے۔ (صحیح مسلم، کنز الایمان، باب
إثبات الشهادة وإصرار الموحدين من النار)

(۱) جنہوں نے اپنے نفس کو اخلاقِ رذیلہ سے اور دلوں کو شرک و معصیت کی آلودگیوں سے پاک کر لیا۔
(۲) کیوں کہ دنیا اور اس کی ہر چیز فانی ہے، جب کہ آخرت کی زندگی دائمی اور ابدی ہے، اس لیے عاقل فانی چیز کو باقی
رہنے والی پر ترجیح نہیں دیتا۔

☆ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورہ جود کے ساتھ سورہ عاشیہ بھی پڑھتے
تھے۔ (موطأ امام مالک، باب القراءة فی صلاة الجمعة)

(۳) ہل یعنی قذ ہے۔ عَاشِيَةٍ سے مراد قیامت ہے۔ اس لیے کہ اس کی ہولناکیاں تمام مخلوق کو ڈھانک میں گی
(۴) یعنی کافروں کے چہرے۔ خَاشِعَةٍ جھکے ہوئے، پست اور ذلیل۔ جیسے 'نمازی' نماز کی حالت میں اللہ کے سامنے
عاجزی اور تذلل سے جھکا ہوتا ہے۔

(۵) نَاصِبَةٍ کے معنی ہیں 'تھک کر چور ہو جانا۔ یعنی انہیں اتنا پر مشقت عذاب ہو گا کہ اس سے ان کا تخت برا حال ہو

تَقْلِي نَارًا حَامِيَةً ۝

تُشْفَى مِنْ عَيْنِ آيَةٍ ۝

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ صَدْرِي ۝

لَا يَسْهَوْنَ وَلَا يَغْنَبُونَ ۝

وَجُودًا يُؤْمِنُهَا عَمَةً ۝

لَسَعِيدًا رَاضِيَةً ۝

فِي بَعْدَةِ عَابَةٍ ۝

لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَمِيَّةٌ ۝

فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝

بِيَوْمِهَا سُرُورٌ مُرْفُوعَةٌ ۝

وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ ۝

وَنَمَارِقُ مَصْلُوكَةٌ ۝

وَزُرِّيذٌ مَشْكُوكَةٌ ۝

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَّا لِأَيْدِيهِمْ حِيفٌ خَلِيفَةٌ ۝

وہ دیکھتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔ (۳)

اور نہایت گرم چشمے کا پانی ان کو پلایا جائے گا۔ (۵)^(۱)

ان کے لیے سوائے کانٹے دار درختوں کے اور کچھ کھانا نہ ہو گا۔ (۶)^(۲)

جو نہ موٹا کرے گا نہ بھوک مٹائے گا۔ (۷)

بست سے چرے اس دن تروتازہ اور (آسودہ حال) ہوں گے۔ (۸)

اپنی کوشش پر خوش ہوں گے۔ (۹)

بلند و بالا جنتوں میں ہوں گے۔ (۱۰)

جہاں کوئی بیسودہ بات نہیں سنیں گے۔ (۱۱)

جہاں بہتا ہوا چشمہ ہو گا۔ (۱۲)

(اور) اس میں اونچے اونچے تخت ہوں گے۔ (۱۳)

اور آبخورے رکھے ہوئے (ہوں گے)۔ (۱۴)

اور ایک قطار میں لگے ہوئے ٹیکے ہوں گے۔ (۱۵)

اور مٹلی مسندیں پھیلی پڑی ہوں گی۔ (۱۶)^(۳)

کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گئے

گا۔ اس کا ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں عمل کر کر کے تھکے ہوئے ہوں گے یعنی بہت عمل کرتے رہے ہوں گے۔ لیکن وہ عمل باطل مذہب کے مطابق یا بدعات پر مبنی ہوں گے اس لیے "عبادات" اور "اعمال شائد" کے باوجود جہنم میں جائیں گے۔ چنانچہ اسی مفہوم کی رو سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿عَالِيَةَ تَالِيَةِ﴾ سے نصاریٰ مراد یہ ہیں (صحیح البخاری تفسیر سورة غاشیة)

(۱) یہاں وہ سخت کھولتا ہوا پانی مراد ہے جس کی گرمی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔ (فتح القدیر)

(۲) یہ ایک کانٹے دار درخت ہوتا ہے جسے خشک ہونے پر جانور بھی کھانا پسند نہیں کرتے۔ بہرحال یہ بھی زقوم کی طرح ایک نہایت تلخ، بد مزہ اور ناپاک ترین کھانا ہو گا جو جزو بدن بنے گا نہ اس سے بھوک ہی مٹے گی۔

(۳) یہ اہل جنت کا تذکرہ ہے جو جہنمیوں کے برعکس نہایت آسودہ حال اور ہر قسم کی آسائشوں سے بہرہ ور ہوں گے عین بطور جنس کے ہے یعنی متعدد چشمے ہوں گے نَمَارِقُ بمعنی وَسَائِلُ (ٹیکے) ہے ذُرَائِبُ مسندیں، قَالِین اور گدے بستر مَشْكُوكَةٌ پھیلی ہوئی۔ یعنی یہ مسندیں جگہ جگہ پھیں ہوں گی۔ اہل جنت جہاں آرام کرنا چاہیں گے کر سکیں گے۔

ہیں۔ ^(۱) (۱۷)	وَاللَّيْلِ السَّمَاءَ كَيْفَ رُجِعَتْ ۝
اور آسمان کو کہ کس طرح اونچا کیا گیا ہے۔ ^(۲) (۱۸)	وَاللَّيْلِ الْبَحَالَ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝
اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح گاڑ دیئے گئے ہیں۔ ^(۳) (۱۹)	وَاللَّيْلِ الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝
اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔ ^(۴) (۲۰)	فَذَكِّرْهُ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝
پس آپ نصیحت کر دیا کریں (کیونکہ) آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ ^(۵) (۲۱)	لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُطِيطٍ ۝
آپ کچھ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔ ^(۶) (۲۲)	إِلَّا مَن تَوَلَّى وَكَفَرَ ۝
ہاں! جو شخص روگردانی کرے اور کفر کرے۔ (۲۳)	

(۱) اونٹ عرب میں عام تھے اور ان عربوں کی غالب سواری بھی تھی اس لیے اللہ نے اسی کا ذکر کر کے فرمایا کہ اس کی خلقت پر غور کرو اللہ نے اسے کتنا بڑا وجود عطا کیا ہے اور کتنی قوت و طاقت اس کے اندر رکھی ہے۔ اس کے باوجود وہ تمہارے لیے نرم اور تابع ہے تم اس پر جتن چاہو بوجہ لا دو وہ انکار نہیں کرے گا تمہارا ماتحت ہو کر رہے گا۔ علاوہ ازیں اس کا گوشت تمہارے کھانے کے اس کا دودھ تمہارے پینے کے اور اس کی اون مہر می حاصل کرنے کے کام آتی ہے۔

(۲) یعنی آسمان کتنی بلندی پر ہے پانچ سو سال کی مسافت پر پھر بھی بغیر ستون کے وہ کھڑا ہے۔ اس میں کوئی شکاف اور کجی بھی نہیں ہے۔ نیز ہم نے اسے ستاروں سے مزین کیا ہوا ہے۔

(۳) یعنی کس طرح انہیں زمین پر میخوں کی طرح گاڑ دیا گیا ہے تاکہ زمین حرکت نہ کرے۔ نیز ان میں جو معدنیات اور دیگر منافع ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔

(۴) یعنی کس طرح اسے ہموار کر کے انسان کے رہنے کے قابل بنایا ہے وہ اس پر چلتا پھرتا کاروبار کرتا اور فلک بوس عمارتیں تعمیر کرتا ہے۔

(۵) یعنی آپ کا کام صرف تذکیر اور تبلیغ و دعوت ہے اس کے علاوہ اس سے بڑھ کر نہیں۔

(۶) کہ انہیں ایمان لانے پر مجبور کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ہجرت سے قبل کا حکم ہے جو آیت سیف سے منسوخ ہو گیا کیوں کہ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) فَإِذَا قَالُوهَا، عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَنفُسَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ» (صحیح بخاری) باب وجوب الرکوة مسلم کتاب الإیمان باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں۔ جب وہ یہ اقرار کر لیں گے تو انہوں نے مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچالیا۔ سوائے حق اسلام کے) (جو اگر ہمارے علم میں نہ آیا تو ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے)۔

فَيَعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾

إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾

سُورَةُ الْفَجْرِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْفَجْرِ ﴿١﴾

وَلَمَّا تَلَائِلُ عُشْرِ ﴿٢﴾

وَالشُّعْرِ وَالْوُثْرِ ﴿٣﴾

وَاللَّيْلِ إِذَا يَنْسُجُ ﴿٤﴾

هَلْ فِي ذَلِكَ قَسْرٌ لِّدُنِي بِهِ ﴿٥﴾

اے اللہ تعالیٰ بہت بڑا عذاب دے گا۔^(۱) (۲۴)

بیشک ہماری طرف ان کا لوٹنا ہے (۲۵)

پھر بیشک ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا۔^(۲) (۲۶)

سورہ فجر کی ہے اور اس میں تیس آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

قسم ہے فجر کی! (۱)

اور دس راتوں کی! (۲)

اور جفت اور طاق کی! (۳)

اور رات کی جب وہ چلنے لگے۔ (۴)

کیا ان میں عقلمند کے واسطے کافی قسم ہے؟ (۵)

(۱) یعنی جنم کا دائمی عذاب۔

(۲) مشہور ہے کہ اس کے جواب میں اللہم! حَاسِبِنَا حِسَابًا يُّسِيرًا پڑھا جائے۔ یہ دعا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جو آپ ﷺ اپنی بعض نمازوں میں پڑھتے تھے جیسا کہ سورہ اشفاق میں گزرا۔ لیکن اس کے جواب میں پڑھنا یہ آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

(۳) اس سے مراد مطلق فجر ہے، کسی خاص دن کی فجر نہیں۔

(۴) اس سے اکثر مفسرین کے نزدیک ذوالحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں۔ جن کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”عشرہ ذوالحجہ میں کیے گئے عمل صالح اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ حتیٰ کہ جہاد فی سبیل اللہ بھی اتنا پسندیدہ نہیں“ سوائے اس جہاد کے جس میں انسان شہید ہی ہو جائے۔ (المحاررۃ، مکتبہ العبد بنی باب فضل العمل فی أيام التشريق)

(۵) اس سے مراد جفت اور طاق عدد ہیں یا وہ معدودات جو جفت اور طاق ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دراصل مخلوق کی قسم ہے، اس لیے کہ مخلوق جفت (جوڑا) یا طاق (فرد) ہے۔ اس کے علاوہ نہیں۔ (ایسر التفاسیر)

(۶) یعنی جب آئے اور جب جائے کیوں کہ سُبْحٌ (چلنا) آتے جاتے دونوں صورتوں میں ہوتا ہے۔

(۷) دِلَّت سے مذکورہ مقسم بہ اشیاء کی طرف اشارہ ہے یعنی کیا ان کی قسم اہل عقل و دانش کے واسطے کافی نہیں ہے؟ جہنم کے معنی ہوتے ہیں ’روکنا‘ منع کرنا۔ انسانی عقل بھی انسان کو غلط کاموں سے روکتی ہے، اس لیے عقل کو بھی جہنم

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عادیوں کے ساتھ کیا کیا۔^(۶)
ستونوں والے ارم کے ساتھ۔^(۷)
جس کی مانند (کوئی قوم) ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی۔^(۸)
اور ثمودیوں کے ساتھ جنہوں نے وادی میں بڑے بڑے پتھر تراشے تھے۔^(۹)
اور فرعون کے ساتھ جو میٹھوں والا تھا۔^(۱۰)
ان سمیوں نے شہروں میں سرائے رکھا تھا۔^(۱۱)

الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ يَعْلَمُونَ
إِذْ رَدَّآبُ الْعِمَادِ
الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ
وَتَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ
وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَارِ
الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ

جاتا ہے، جس طرح اسی مفہوم کے اعتبار سے اسے تہیہ بھی کہتے ہیں۔ جواب قسم یا قسم علیہ لَسَمْتُہُ ہے کیوں کہ مکی سورتوں میں عقیدے کی اصلاح پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک جواب قسم آگے آنے والے الفاظ لَمَّا رَدَّآبُ الْعِمَادِ ہے۔ آگے یہ طریق استشاد اللہ تعالیٰ بعض ان قوموں کا ذکر فرما رہا ہے جو تکذیب و عناد کی بنا پر ہدک کی گئی تھیں۔ مقصد اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ اگر تم ہمارے رسول ﷺ کی تکذیب سے باز نہ آئے تو تمہارا بھی اسی طرح مواخذہ ہو سکتا ہے، جیسے گزشتہ قوموں کا اللہ نے کیا۔

(۱) ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے تھے انہوں نے تکذیب کی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا کا عذاب ان پر نازل کیا جو متواتر سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی (الحاقة: ۷-۱۰) اور انہیں قس قس کر کے رکھ دیا۔

(۲) اِذْ رَدَّآبُ الْعِمَادِ سے عطف بیان یا بدل ہے۔ یہ قوم عاد کے دادا کا نام ہے۔ ان کا سلسلہ نسب ہے، عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔ (فتح القدیر) اس کا مقصد یہ وضاحت ہے کہ یہ عاد اولیٰ ہے۔ ذات العمد (ستونوں والے) سے اشارہ ہے ان کی قوت و طاقت اور دراز قامتی کی طرف۔

عادہ ازیں وہ فن تعمیر میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے اور نہایت مضبوط بنیادوں پر عظیم الشان عمارتیں تعمیر کرتے تھے۔ ذات العمد میں دونوں ہی مفہوم شامل ہو سکتے ہیں۔

(۳) یعنی ان جیسی دراز قامت اور قوت و طاقت والی قوم کوئی اور پیدا نہیں ہوئی یہ قوم کہا کرتی تھی لَمَّا رَدَّآبُ الْعِمَادِ
أَشَدُّ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ
”ہم سے زیادہ کوئی طاقت ور ہے؟“

(۴) یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی اللہ نے اسے پتھر تراشنے کی خاص صلاحیت و قوت عطا کی تھی، حتیٰ کہ یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر ان میں اپنی رہائش گاہیں تعمیر کر لیتے تھے، جیسا کہ قرآن نے کہا ہے لَمَّا رَدَّآبُ الْعِمَادِ
أَشَدُّ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ
فَرِيعُونَ (الشعراء: ۱۳۹)

(۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑے لشکروں والا تھا جس کے پاس خیموں کی کثرت تھی جنہیں میخیں گاڑ کر کھڑا کیا جاتا تھا۔

فَاَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۝

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝

إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝

فَإِنَّمَا إِلَهُ الْإِنْسَانِ إِذْ مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ ۝

فَيَقُولُ رَبِّيَ الْكَافِرِينَ ۝

وَأَمَّا إِذْ مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّيَ

أَعَانِي ۝

كَذَلِكَ لَا تُلْكَمُونَ لَيْسَتُمْ ۝

وَلَا تَحْضُرُونَ عَلَى طَعَامِ الْمُسْكِينِ ۝

اور بہت فساد مچا رکھا تھا۔ (۱۲)

آخر تیرے رب نے ان سب پر عذاب کا کوڑا
برسایا۔ (۱۳)

یقیناً تیرا رب گھات میں ہے۔ (۱۴)

انسان (کایہ حال ہے کہ) جب اسے اس کا رب آزماتا ہے
اور عزت و نعمت دیتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے
رب نے مجھے عزت دار بنایا۔ (۱۵)

اور جب وہ اس کو آزماتا ہے اس کی روزی ننگ کر دیتا
ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے میری اہانت کی
(اور ذلیل کیا)۔ (۱۶)

ایسا ہرگز نہیں (۱۷) بلکہ (بات یہ ہے) کہ تم (ہی) لوگ
قیسوں کی عزت نہیں کرتے۔ (۱۸)

اور مسکینوں کے کھانے کی ایک دوسرے کو ترغیب
نہیں دیتے۔ (۱۸)

یا اس سے اس کے ظلم و ستم کی طرف اشارہ ہے کہ میٹھوں کے ذریعے سے وہ لوگوں کو سزائیں دیتا تھا۔ رفتح القدیر۔

(۱) یعنی ان پر آسمان سے اپنا عذاب نازل فرما کر ان کو تباہ و برباد یا انہیں عبرت ناک انجام سے دوچار کر دیا۔

(۲) یعنی تمام مخلوقات کے اعمال دیکھ رہا ہے اور اس کے مطابق وہ دنیا اور آخرت میں جزا دیتا ہے۔

(۳) یعنی جب اللہ کسی کو رزق و دولت کی فراوانی عطا فرماتا ہے تو وہ اپنی بابت اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے کہ اللہ اس
پر بہت مہربان ہے، حالانکہ یہ فراوانی امتحان اور آزمائش کے طور پر ہوتی ہے۔

(۴) یعنی وہ تنگی میں مبتلا کر کے آزماتا ہے تو اللہ کے بارے میں بدگمانی کا اظہار کرتا ہے۔

(۵) یعنی بات اس طرح نہیں ہے جیسے لوگ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مال اپنے محبوب بندوں کو بھی دیتا ہے اور ناپسندیدہ
افراد کو بھی، تنگی میں بھی وہ اپنوں اور بیگانوں دونوں کو مبتلا کرتا ہے۔ اصل مدار دونوں حالتوں میں اللہ کی اطاعت پر ہے۔
جب اللہ مال دے تو اللہ کا شکر کرے، تنگی آئے تو صبر کرے۔

(۶) یعنی ان کے ساتھ وہ حسن سلوک نہیں کرتے جس کے وہ مستحق ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”وہ گھر
سب سے بہتر ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور وہ گھر بدترین ہے جس میں اس کے ساتھ بد سلوکی کی
جائے۔ پھر اپنی انگلی کے ساتھ اشارہ کر کے فرمایا، میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ساتھ ساتھ ہوں
گے جیسے یہ دو انگلیاں ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ (ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی جسم الیتیم)

اور (مردوں کی) میراث سمیٹ کر کھاتے ہو۔^(۱۱)

اور مال کو جی بھر کر عزیز رکھتے ہو۔^(۱۲) یقیناً جس^(۱۳) وقت زمین کوٹ کوٹ کر برابر کر دی جائے گی۔^(۱۴)

اور تیرا رب (خود) آجائے گا اور فرشتے صغیر باندھ کر (آجائیں گے)۔^(۱۵)

اور جس دن جنم بھی لائی جائے گی^(۱۶) اس دن انسان کو سمجھ آئے گی مگر آج اسکے سمجھنے کا فائدہ کہاں؟^(۱۷)

وہ کہے گا کہ کاش کہ میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ پیشگی سامان کیا ہوتا۔^(۱۸)

پس آج اللہ کے عذاب جیسا عذاب کسی کا نہ ہو گا۔^(۱۹) نہ اس کی قید و بند جیسی کسی کی قید و بند ہو گی۔^(۲۰)

وَتَأْكُلُونَ الثَّرَاثَ أَكْلًا لَّئِيًّا ۝

وَيُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝
كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝

وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝

وَجِئْنَا يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ
وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى ۝

يَقُولُ يَلَيْتَنِي قَدْ مَتَّ لِحَيَاتِي ۝

فَيَوْمَئِذٍ لَا يَنصُرُهُ مَذَابُ أَحَدٍ ۝

وَلَا يُؤْنِسُهُ وَتَاقَا أَحَدٍ ۝

(۱) یعنی جس طریقے سے بھی حاصل ہو، حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے لےنا، بمعنی جَمْعًا

(۲) جَمًّا بمعنی کثیراً

(۳) یا تمہارا عمل ایسا نہیں ہونا چاہیے جو مذکور ہوا، کیوں کہ ایک وقت آنے والا ہے جب

(۴) کہا جاتا ہے کہ جب فرشتے، قیامت والے دن آسمان سے نیچے اتریں گے تو ہر آسمان کے فرشتوں کی الگ صف ہو گی، اس طرح سات صغیر ہوں گی جو زمین کو گھیر لیں گی۔

(۵) ستر ہزار لگاموں کے ساتھ جنم جکڑی ہوئی ہو گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے

ہوں گے۔ (اصحیح مسلم، کتاب الجنة، باب فی شدۃ حرارۃ جہنم وبعد لعنہا ترمذی، أبواب صفة

جہنم، باب ما جاء فی صفة النار) اسے عرش کے بائیں جانب کھڑا کر دیا جائے گا، پس اسے دیکھ کر تمام مقرب

اور انبیاء علیہم السلام تمسکوں کے بل گر پڑیں گے اور وہ یَا رَبِّ! نَفْسِیْ نَفْسِیْ! پکاریں گے۔ (فتح القدیر)

(۶) یعنی یہ ہولناک منظر دیکھ کر انسان کی آنکھیں کھلیں گی اور اپنے کفر و معاصی پر نادم ہو گا، لیکن اس روز اس ندامت

اور نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

(۷) یہ انفس اور حسرت کا اظہار، اسی ندامت کا حصہ ہے جو اس روز فائدہ مند نہیں ہو گی۔

(۸) اس لیے کہ اس روز تمام اختیارات صرف ایک اللہ کے پاس ہوں گے۔ دوسرے کسی کو اسکے سامنے رائے یا دُم زنی

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝

اِزْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝

فَاذْخُلِي فِي عِبَادِي ۝

وَاذْخُلِي جَنَّاتٍ ۝

سُورَةُ الْبَلَدِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

لَا أَلْقِيَهُمْ هَاهُنَا الْبَلَدُ ۝

وَأَنْتَ جِلِّيَّةٌ هَاهُنَا الْبَلَدُ ۝

اے اطمینان والی روح- (۲۷)

تو اپنے رب کی طرف^(۱) لوٹ چل اس طرح کہ تو اس

سے راضی وہ تجھ سے خوش- (۲۸)

پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا- (۲۹)

اور میری جنت میں چلی جا- (۳۰)

سورۃ بلد کی ہے اور اس میں میں آیتیں ہیں-

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے-میں اس شرکی قسم کھاتا ہوں-^(۱)اور آپ اس شر میں مقیم ہیں-^(۲)

نہیں ہو گا حتیٰ کہ اسکی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش تک نہیں کر سکے گا۔ ایسے حالات میں کافروں کو جو عذاب ہو گا اور جس طرح وہ اللہ کی قید و بند میں جکڑے ہوں گے اس کا یہاں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ اس کا کچھ اندازہ ممکن ہو۔ یہ تو مجرموں اور ظالموں کا حصہ ہو گا لیکن اہل ایمان و طاعت کا حال اس سے بالکل مختلف ہو گا جیسا کہ اگلی آیات میں ہے۔

(۱) یعنی اس کے اجر و ثواب اور ان نعمتوں کی طرف جو اس نے اپنے بندوں کے لیے جنت میں تیار کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں قیامت والے دن کہا جائے گا بعض کہتے ہیں کہ موت کے وقت بھی فرشتے خوشخبری دیتے ہیں اسی طرح قیامت والے دن بھی اسے یہ کہا جائے گا جو یہاں مذکور ہے۔ حافظ ابن کثیر نے ابن عساکر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو یہ دعا پڑھنے کا حکم دیا 'اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ نَفْسًا، بَلَدًا مُطْمَئِنَّةً، تُوَسِّرُ بِلْقَائِكَ، وَتَرْصُنِي بِقَضَائِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِكَ' (اس کشمیر)

(۲) اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جس میں اس وقت جب اس سورت کا نزول ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام تھا آپ ﷺ کا مودہ بھی یہی شر تھا۔ یعنی اللہ نے آپ ﷺ کے مولود مسکن کی قسم کھائی جس سے اس کی عظمت کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

(۳) یہ اشارہ ہے اس وقت کی طرف جب مکہ فتح ہوا اس وقت اللہ نے نبی ﷺ کے لیے اس بلد حرم میں قتل کو حلال فرما دیا تھا جب کہ اس میں لڑائی کی اجازت نہیں ہے چنانچہ حدیث ہے نبی ﷺ نے فرمایا "اس شر کو اللہ نے اس وقت سے حرمت والا بنایا ہے جب سے اس نے آسمان و زمین پیدا کیے۔ پس یہ اللہ کی غمراہی ہوئی حرمت سے قیامت تک حرام ہے نہ اس کا درخت کاٹا جائے نہ اس کے کانٹے اکھڑے جائیں میرے لیے اسے صرف دن کی ایک ساعت

وَالِدِيَّوَمَا وَلَدٌ ۝

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ۝

أَيَحْسَبُ أَنْ لَنْ يَغْوِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ۝

يَقُولُ أَهْلَكْتُ نَالًا بَرَدًا ۝

أَيَحْسَبُ أَنْ لَوْ يَرَىٰ أَحَدٌ ۝

أَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ۝

وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۝

اور (قسم ہے) انسانی باپ اور اولاد کی۔^(۱) (۳)

یقیناً ہم نے انسان کو (بڑی) مشقت میں پیدا کیا ہے۔^(۲) (۴)

کیا یہ گمان کرتا ہے کہ یہ کسی کے بس میں ہی نہیں؟^(۳) (۵)

کتا (پھرتا) ہے کہ میں نے تو بہت کچھ ماں خرچ کر

ڈالا۔^(۴) (۶)

کیا (یوں) سمجھتا ہے کہ کسی نے اسے دیکھا (ہی)

نہیں؟^(۵) (۷)

کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں۔^(۶) (۸)

اور زبان اور ہونٹ (نہیں بنائے)۔^(۷) (۹)

کے لیے حلال کیا گیا تھا اور آج اس کی حرمت پھر اسی طرح لوٹ آئی ہے 'جیسے کل تھی... اگر کوئی یہاں حق کے لیے دلیل میں میری لڑائی کو پیش کرے تو اس سے کہو کہ اللہ کے رسول کو تو اس کی اجازت اللہ نے دی تھی جب کہ تمہیں یہ اجازت اس نے نہیں دی'۔ 'اصحیح بخاری' کتاب العلم 'باب لیسع الشاهد منکم العائب مسم' کتاب الحج 'باب نحرہم مکة' اس اعتبار سے معنی ہوں گے وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا النَّكَدِ فِي الْمُسْتَقْبَلِ یہ جملہ مترجمہ ہے۔

(۱) بعض نے اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد لی ہے اور بعض کے نزدیک یہ عام ہے ہر باپ اور اس کی اولاد اس میں شامل ہے۔

(۲) یعنی اس کی زندگی محنت و مشقت اور شہائد سے معمور ہے۔ امام طبری نے اسی مفہوم کو اختیار کیا ہے 'یہ جواب قسم ہے۔'

(۳) یعنی کوئی اس کی گرفت کرنے پر قادر نہیں؟

(۴) لَبَدًا کثیر ڈھیر۔ یعنی دنیا کے معاملات اور فضولیات میں خوب پیسہ اڑاتا ہے 'پھر فخر کے طور پر لوگوں کے سامنے بیان کرتا پھرتا ہے۔'

(۵) اس طرح اللہ کی نافرمانی میں مال خرچ کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کوئی اسے دیکھنے والا نہیں ہے؟ حالانکہ اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ جس پر وہ اسے جزا دے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنے بعض انعامات کا تذکرہ فرما رہا ہے تاکہ ایسے لوگ عبرت پکڑیں۔

(۶) جن سے یہ دیکھتا ہے۔

(۷) زبان سے وہ بولتا اور اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے۔ ہونٹوں سے وہ بولنے اور کھانے کے لیے مدد حاصل کرتا ہے۔ عددہ ازیں وہ اس کے چہرے اور منہ کے لیے خوب صورتی کا بھی باعث ہیں۔

وَهَدَيْنَاهُ النَّهْدَيْنِ ۝

فَلَا اقْصَرَ الْعَقْبَةُ ۝

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقْبَةُ ۝

فَلَنْ رَقَبَةٍ ۝

أَوْ أَطْعَمُنِي يَوْمَ ذِي سَعْفَةٍ ۝

يَتِيمًا إِذَا مَاتَ رَقَبَةٍ ۝

أَوْ يَسْكِنُنَا إِذَا مَاتَ رَقَبَةٍ ۝

لَقَدْ كَانَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَتَوَّصُوا بِالنُّصُرِ وَتَوَّاصُوا

بِالْمَرْحَةِ ۝

ہم نے دکھا دیئے اس کو دونوں راستے۔^(۱)سو اس سے نہ ہو سکا کہ گھائی میں داخل ہوتا۔^(۲)اور کیا سمجھا کہ گھائی ہے کیا؟^(۳)کسی گردن (غلام لونڈی) کو آزاد کرنا۔^(۴)یا بھوک والے دن کھانا کھانا۔^(۵)کسی رشتہ دار یتیم کو۔^(۶)یا خاکسار مسکین کو۔^(۷)پھر ان لوگوں میں سے ہو جاتا جو ایمان ماتے^(۸) اور ایک

دوسرے کو مہر کی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے

(۱) یعنی خیر کی بھی اور شر کی بھی اور ایمان کی بھی 'سعادت کی بھی اور شقاوت کی بھی۔ جیسے فرمایا: ﴿لَقَدْ هَدَيْنَا الْغَنِيَّانَ الشَّيْطَانِ﴾
 ﴿لَقَدْ هَدَيْنَا الْغَنِيَّانَ الشَّيْطَانِ﴾ (۳) سَخَدُ کے معنی ہیں 'اونچی جگہ۔ اس لیے بعض نے یہ ترجمہ کیا ہے "ہم نے انسان
 کی (ماں کے) دو پستانوں کی طرف رہنمائی کر دی" یعنی وہ عالم شیر خوارگی میں ان سے اپنی خوراک حاصل کرے۔ لیکن
 پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

(۲) عَقْبَةُ گھائی کو کہتے ہیں یعنی وہ راستہ جو پہاڑ میں ہو۔ یہ عام طور پر نہایت دشوار گزار ہوتا ہے۔ یہ جہد یہاں
 استفہام بمعنی انکار کے مفہوم میں ہے۔ یعنی أَفَلَا أَفْتَحَمَ الْعَقْبَةَ کیا وہ گھائی میں داخل نہیں ہوا؟ مطلب ہے نہیں
 ہوا۔ یہ ایک مثال ہے اس محنت و مشقت کی وضاحت کے لیے جو نیکی کے کاموں کے لیے ایک انسان کو شیطان کے
 دوسوں اور نفس کے شہوانی تقاضوں کے خلاف کرنی پڑتی ہے 'جیسے گھائی پر چڑھنے کے لیے سخت جدوجہد کی ضرورت
 ہوتی ہے۔ (فتح القدیر)

(۳) مَسْنَعَةٍ، مَجَاعَةٍ (بھوک) يَوْمَ ذِي مَسْنَعَةٍ 'بھوک والے دن۔ ذَا مَسْنَعَةٍ (مٹی والا) یعنی جو فقر و غربت کی
 وجہ سے مٹی (زمین) پر پڑا ہو۔ اس کا گہریاں بھی نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی گردن کو آزاد کر دینا کسی بھوکے کو 'رشتے
 دار یتیم کو یا مسکین کو کھانا کھلا دینا یہ دشوار گزار گھائی میں داخل ہونا ہے جس کے ذریعے سے انسان جنم سے بچ کر جنت
 میں جا پہنچے گا۔ یتیم کی کفالت ویسے ہی بڑے اجر کا کام ہے 'لیکن اگر وہ رشتے دار بھی ہو تو اس کی کفالت کا اجر بھی دگنا
 ہے۔ ایک صدقے کا 'دو سراسرہ رحمی کا۔ اسی طرح غلام آزاد کرنے کی بھی بڑی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔ آج کل
 اس کی ایک صورت کسی مقروض کو قرض کے بوجھ سے نجات دلادینا ہو سکتی ہے 'یہ بھی ایک گونہ ذَنْ رَقَبَةٍ ہے۔

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ اعمال خیر اسی وقت نافع اور اخروی سعادت کا باعث ہوں گے جب ان کا کرنے والا
 صاحب ایمان ہو گا۔

ہیں۔^(۱) (۱۷)

یہی لوگ ہیں دائیں بازو والے (خوش بختی والے) (۱۸)
اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا یہ کم
بختی والے ہیں۔ (۱۹)
انہی پر آگ ہوگی جو چاروں طرف سے گھیری^(۲) ہوئی ہو
گی۔ (۲۰)

سورہ شمس مکی ہے اور اس میں پندرہ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی۔^(۱)
قسم ہے چاند کی جب اس کے پیچھے آئے۔^(۲)
قسم ہے دن کی جب سورج کو نمایاں کرے۔^(۳)
قسم ہے رات کی جب اسے ڈھانپ لے۔^(۴)
قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے کی۔^(۵)
قسم ہے زمین کی اور اسے ہموار کرنے کی۔^(۶)
قسم ہے نفس کی اور اسے درست بنانے کی۔^(۷)

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۝

وَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ أَصْحَابُ الشُّمُولِ ۝

عَلَيْهِمْ نَارُ مُّؤَصَّدَةٍ ۝

سُورَةُ الشَّمْسِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا ۝

وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَّهَا ۝

وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰهَا ۝

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰهَا ۝

وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا ۝

وَالْأَرْضِ وَمَا طَعْنَهَا ۝

وَالنَّفْسِ وَمَا سَوَّاهَا ۝

(۱) اہل ایمان کی صفت ہے کہ وہ ایک دوسرے کو صبر کی اور رحم کی تلقین کرتے ہیں۔

(۲) مُّؤَصَّدَةٍ کے معنی مُعْلَقَةٌ (بند) یعنی ان کو آگ میں ڈال کر چاروں طرف سے بند کر دیا جائے گا، ہر ایک تو آگ
کی پوری شدت و حرارت ان کو پہنچے۔ دوسرے 'وہ بھاگ کر کہیں نہ جاسکیں۔

(۳) یا اس کی روشنی کی 'یا مطلب مٹنی سے دن ہے۔ یعنی سورج کی اور دن کی قسم۔

(۴) یعنی جب سورج غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو، جیسا کہ پہلے نصف مینے میں ایسا ہوتا ہے۔

(۵) یا تاریکی کو دور کرے، ظلمت کا پہلے ذکر تو نہیں ہے لیکن سیاق اس پر دلالت کرتا ہے (فتح القدیر)

(۶) یعنی سورج کو ڈھانپ لے اور ہر سمت اندھیرا چھا جائے

(۷) یا اس ذات کی جس نے اسے بنایا۔ پہلے معنی کی رو سے بنا بمعنی منہ ہو گا۔

(۸) یا جس نے اسے ہموار کیا۔

(۹) یا جس نے اسے درست کیا۔ درست کرنے کا مطلب ہے اسے متناسب الاعضاء بنایا، بے ڈھب اور بے ڈھنگا نہیں بنایا

فَالْتَمِهْا بُجُورَهَا وَتَقْوَهَا ①	پھر سمجھ دی اس کو بدکاری کی اور بچ کر چلنے کی۔ ^(۸)
فَإِذَا قَلَعْتَ مِنْ ذِكْهَا ②	جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا۔ ^(۹)
وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّهَا ③	اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا۔ ^(۱۰)
كَذَبَتْ شُكْرُهَا بِطُغْيَانِهَا ④	(قوم) شمو نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا۔ ^(۱۱)
إِذَا نَعَتْ أَشْقَهَا ⑤	جب ان میں کا بڑا بد بخت اٹھ کھڑا ہوا۔ ^(۱۲)
فَقَالَ لَهُمُ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ⑥	انہیں اللہ کے رسول نے فرما دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی
فَلَذُّوا فَتَعَرُّوْهَا فَلَذُّمًا عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ يَرْذَنْبُهَا ⑦	اور اس کے پینے کی باری کی (حفاظت کرو)۔ ^(۱۳)
فَسَلُّوْهَا ⑧	ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کو جھوٹا سمجھ کر اس اونٹنی کی
	کو چیں کاٹ دیں ^(۱۴) پس ان کے رب نے ان کے

(۱) اللہ کا مطلب یا تو یہ ہے کہ انہیں اچھی طرح سمجھا دیا اور انہیں انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کے ذریعے سے خیر و شر کی پہچان کروادی۔ یا مطلب ہے کہ ان کی عقل اور فطرت میں خیر اور شر نیکی اور بدی کا شعور ودیعت کر دیا۔ تاکہ وہ نیکی کو اپنائیں اور بدی سے اجتناب کریں۔

(۲) شرک سے 'معصیت سے اور اخلاقی آلائشوں سے پاک کیا' وہ اخروی فوز و فلاح سے ہمکنار ہو گا۔

(۳) یعنی جس نے اسے گمراہ کر لیا، وہ خسارے میں رہا۔ دَسَّ، تَدْسِيسٌ سے ہے 'جس کے معنی ہیں۔ ایک چیز کو دوسری چیز میں چھپا دینا۔ دَسَّاهَا کے معنی ہوں گے جس نے اپنے نفس کو چھپا دیا اور اسے بے کار چھوڑ دیا، اور اسے اللہ کی اطاعت اور عمل صالح کے ساتھ مشغول نہیں کیا۔

(۴) طُغْيَانٌ 'وہ سرکشی جو حد سے تجاوز کر جائے اسی طغیان نے انہیں تکذیب پر آمادہ کیا۔

(۵) جس کا نام مفسرین قد ارین سالف بتلاتے ہیں۔ اس نے ایسا کام کیا کہ یہ رئیس انا شقیاء بن گیا سب سے بڑا شقی (بد بخت)۔

(۶) یعنی اس اونٹنی کو کوئی نقصان نہ پہنچائے اسی طرح اس کے لیے پانی پینے کا جو دن ہو اس میں بھی گڑبڑ نہ کی جائے۔ اونٹنی اور قوم شمو دونوں کے لیے پانی کا ایک ایک دن مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس کی حفاظت کی تاکید کی گئی۔ لیکن ان ظالموں نے پروا نہیں کی۔

(۷) یہ کام ایک ہی شخص قرار نہ کیا تھا لیکن چون کہ اس شرارت میں قوم بھی اس کے ساتھ تھی اس لیے اس میں سب کو برابر کا جرم قرار دیا گیا۔ اور تکذیب اور اونٹنی کی کو چیں کاٹنے کی نسبت پوری قوم کی طرف کی گئی۔ جس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ایک برائی کا ارتکاب کرنے والے اگر چند ایک افراد ہوں لیکن پوری قوم اس برائی پر تکبیر کرنے کے بجائے اسے پسند کرتی ہو تو اللہ کے ہاں پوری قوم اس برائی کی مرتکب قرار پائے گی اور اس جرم یا برائی میں برابر کی شریک سمجھی جائے گی۔

گناہوں کے باعث ان پر ہلاکت ڈالی^(۱) اور پھر ہلاکت کو عام کر دیا اور اس بستی کو برابر کر دیا۔^(۲) (۱۳)
وہ نہیں ڈرتا اس کے تباہ کن انجام سے۔^(۳) (۱۵)

وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ۝

سُورَةُ النَّارِ

سورہ نیل کی ہے اور اس میں اکیس آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمائت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ۝

قسم ہے رات کی جب چھا جائے۔^(۴) (۱)

وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ۝

اور قسم ہے دن کی جب روشن ہو۔^(۵) (۲)

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى ۝

اور قسم ہے اس ذات کی جس نے نر و مادہ کو پیدا
کیا۔^(۶) (۳)

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى ۝

یقیناً تمہاری کوشش مختلف قسم کی ہے۔^(۷) (۴)

جس نے دیا (اللہ کی راہ میں) اور ڈرا (اپنے رب
سے)۔^(۸) (۵)

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاعْتَصَى ۝

(۱) کَذَّبْتُمْ عَنْهُمْ 'ان کو ہلاک کر دیا اور ان پر سخت عذاب نازل کیا۔

(۲) عام کر دیا 'یعنی اس عذاب میں سب کو برابر کر دیا' کسی کو نہیں چھوڑا 'چھوٹا بڑا' سب کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ یا زمین کو ان پر برابر کر دیا یعنی سب کو وہ خاک کر دیا۔

(۳) یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ ڈر نہیں ہے کہ اس نے انہیں سزا دی ہے کہ کوئی بڑی طاقت اس کا اس سے بدلہ لے گی۔ وہ انجام سے بے خوف ہے کیوں کہ کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو اس سے بڑھ کر یا اس کے برابر ہی ہو 'جو اس سے انتقام لینے کی قدرت رکھتی ہو۔

(۴) یعنی افق پر چھا جائے جس سے دن کی روشنی ختم اور اندھیرا ہو جائے۔

(۵) یعنی رات کا اندھیرا ختم اور دن کا اجالا پھیل جائے۔

(۶) یہ اللہ نے اپنی قسم کھائی 'کیوں کہ مرد و عورت دونوں کا خالق اللہ ہی ہے ماموصول ہے بمعنی الدینی۔

(۷) یعنی کوئی ایچھے عمل کرتا ہے 'جس کا صلہ جنت ہے اور کوئی برے عمل کرتا ہے جس کا بدلہ جہنم ہے یہ جواب قسم ہے شئی، شئیئت کی جمع ہے 'جیسے مریض کی جمع مریضی

(۸) یعنی خیر کے کاموں میں خرچ کرے گا اور محارم سے بچے گا۔

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۝	اور نیک بات کی تصدیق کرتا رہے گا۔ ^(۱)
فَسَيَسْأَلُهُ لِلسَّئِرَى ۝	تو ہم بھی اسکو آسان راستے کی سہولت دیں گے۔ ^(۲)
وَأَمَّا مَنْ نَجَلَ وَاسْتَعْنَى ۝	لیکن جس نے بخیلی کی اور بے پرواہی برتی۔ ^(۳)
وَوَدَّ بِالنَّحْسَى ۝	اور نیک بات کی تکذیب کی۔ ^(۴)
فَسَيَسْأَلُهُ لِلسَّئِرَى ۝	تو ہم بھی اس کی تنگی و مشکل کے سامان میسر کر دیں گے۔ ^(۵)
وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى ۝	اس کا مال اسے (اوندھا) گرنے کے وقت کچھ کام نہ آئے گا۔ ^(۶)
إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَى ۝	بیشک راہ دکھانا ہمارے ذمہ ہے۔ ^(۷)

- (۱) یا اچھے صلے کی تصدیق کرے گا، یعنی اس بات پر یقین رکھے گا کہ انفاق اور تقویٰ کا اللہ کی طرف سے عہدہ صلے ملے گا۔
- (۲) یُسْرَى کا مطلب نیکی اور الْخَصْلَةُ الْحُسْنَى ہے۔ یعنی ہم اس کو نیکی و اطاعت کی توفیق دیتے اور ان کو اس کے لیے آسان کر دیتے ہیں۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے چھ غلام آزاد کیے جنہیں اہل مکہ مسلمان ہونے کی وجہ سے سخت اذیت دیتے تھے۔ (فتح القدیر)
- (۳) یعنی اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرے گا اور اللہ کے حکم سے بے پرواہی کرے گا۔
- (۴) یا آخرت کی جزا اور حساب کتاب کا انکار کرے گا۔
- (۵) عُسْرَى (تنگی) سے مراد کفر و معصیت اور طریق شر ہے۔ یعنی ہم اس کے لیے نافرمانی کا راستہ آسان کر دیں گے جس سے اس کے لیے خیر و سعادت کے راستے مشکل ہو جائیں گے۔ قرآن مجید میں یہ مضمون کئی جگہ بیان کیا گیا ہے کہ جو خیر و رشد کا راستہ اپناتا ہے اس کے صلے میں اللہ اسے خیر کی توفیق سے نوازتا ہے اور جو شر و معصیت کو اختیار کرتا ہے اللہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور یہ اس تقدیر کے مطابق ہی ہوتا ہے جو اللہ نے اپنے علم سے لکھ رکھی ہے۔ (ابن کثیر) یہ مضمون حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم عمل کرو“ ہر شخص جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ اس کے لیے آسان کر دیا جاتا ہے جو اہل سعادت سے ہوتا ہے اسے اہل سعادت والے عمل کی توفیق دے دی جاتی ہے اور جو اہل شقاوت سے ہوتا ہے اس کے لیے اہل شقاوت والے عمل آسان کر دیئے جاتے ہیں۔“ (صحیح البخاری تفسیر سورة الليل)

(۶) یعنی جب جہنم میں گرے گا تو یہ مال جسے وہ خرچ نہیں کرتا تھا کچھ کام نہ آئے گا۔

(۷) یعنی حلال اور حرام خیر اور شر ہدایت اور ضلالت کو واضح اور بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ (جو کہ ہم نے کر دیا ہے)

وَأَن لَّنَا مَلَأُورَةً وَالْأُولَى ۝

فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّى ۝

لَا يَصُدُّهَا إِلَّا الْأَشْعَى ۝

الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّى ۝

وَسَيَجْجِبُهَا الْأُتْقَى ۝

الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَشْرَهُ ۝

وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَى ۝

إِلَّا التَّوْبَةَ وَجَهَ رَبِّهِ لَإِخْلَ ۝

اور ہمارے ہی ہاتھ آخرت اور دنیا ہے۔^(۱۳)

میں نے تو تمہیں شعلے مارتی ہوئی آگ سے ڈرا دیا ہے۔^(۱۴)

جس میں صرف وہی بد بخت داخل ہو گا۔^(۱۵)

جس نے جھٹلایا اور (اس کی پیروی سے) منہ پھیر لیا۔^(۱۶)

اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہو گا۔^(۱۷)

جو پاکی حاصل کرنے کے لیے اپنا مال دیتا ہے۔^(۱۸)

کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو۔^(۱۹)

بلکہ صرف اپنے پروردگار بزرگ و بلند کی رضا چاہنے کے لیے۔^(۲۰)

(۱) یعنی دونوں کے مالک ہم ہی ہیں، ان میں جس طرح چاہیں تصرف کریں اس لیے ان دونوں کے یا ان میں سے کسی ایک کے طالب ہم سے ہی مانگیں کیوں کہ ہر طالب کو ہم ہی اپنی مشیت کے مطابق دیتے ہیں۔

(۲) اس آیت سے مراد فرقے نے (جو ایک باطل فرقہ گزرا ہے) استدلال کیا ہے کہ جہنم میں صرف کافر ہی جائیں گے۔ کوئی مسلمان چاہے کتنا ہی گنہ گار ہو، وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ لیکن یہ عقیدہ ان نصوص صریحہ کے خلاف ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مسلمان بھی، جن کو اللہ تعالیٰ کچھ سزا دینا چاہے گا، کچھ عرصے کے لیے جہنم میں جائیں گے، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ملائکہ اور دیگر صالحین کی شفاعت سے نکال لیے جائیں گے، یہاں حصر کے انداز میں جو کہا گیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ جو لوگ بچے کافر اور نہایت بد بخت ہیں، جہنم دراصل ان ہی کے لیے بنائی گئی ہے، جس میں وہ مازی اور حتمی طور پر اور ہمیشہ کے لیے داخل ہوں گے، اگر کچھ نافرمان قسم کے مسلمان جہنم میں جائیں گے تو وہ لازمی اور حتمی طور پر اور ہمیشہ کے لیے نہیں جائیں گے، بلکہ بطور سزا ان کا یہ دخول عارضی ہو گا۔ (فتح لقہیر)

(۳) یعنی جہنم سے دور رہے گا اور جنت میں داخل ہو گا۔

(۴) یعنی جو اپنا مال اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے تاکہ اس کا نفس بھی اور اس کا ماں بھی پاک ہو جائے

(۵) یعنی بدلہ اتارنے کے لیے خرچ نہ کرتا ہو۔

(۶) بلکہ اخلاص سے اللہ کی رضا اور جنت میں اس کے دیدار کے لیے خرچ کرتا ہے۔

وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ۝

یقیناً وہ (اللہ بھی) عنقریب رضامند ہو جائے گا۔ (۲۱)

سُورَةُ الصُّحُفِ

سورہ صُحُفِ کی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالصُّحُفِ ۝

قسم ہے چاشت کے وقت کی۔ (۱)

وَالْقَلِيلِ اِذَا سَجَىٰ ۝

اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے۔ (۲)

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَّ ۝

نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا ہے اور نہ وہ بیزار ہو گیا ہے۔ (۳)

وَلَا يَخْزِيكَ خَيْرُكَ مِنْ اَوَّلِ ۝

یقیناً تیرے لیے انجام آغاز سے بہتر ہو گا۔ (۴)

وَلَسَوْفَ يَعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝

تجھے تیرا رب بہت جلد (انعام) دے گا اور تو راضی (و خوش) ہو جائے گا۔ (۵)

(۱) یا وہ راضی ہو جائے گا، یعنی جو شخص ان صفات کا حامل ہو گا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کی نعمتیں اور عزت و شرف عطا فرمائے گا، جس سے وہ راضی ہو جائے گا۔ اکثر مفسرین نے کہا ہے بلکہ بعض نے اجماع تک نقل کیا ہے کہ یہ آیات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ تاہم معنی و مفہوم کے اعتبار سے یہ عام ہیں، جو بھی ان صفات عالیہ سے متصف ہو گا، وہ بارگاہ الہی میں ان کا مصداق قرار پائے گا۔

☆ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے دو تین راتیں آپ نے قیام نہیں فرمایا، ایک عورت آپ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) معلوم ہوتا ہے کہ تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے، دو تین راتوں سے میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ تیرے قریب نہیں آیا۔ جس پر اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ (اصحیح البیہقاری) تفسیر سورة الصُّحُفِ: یہ عورت ابولسب کی بیوی ام جمیل تھیں۔ (فتح الباری)

(۲) چاشت صُحُفِ اس وقت کو کہتے ہیں، جب سورج بلند ہوتا ہے۔ یہاں مراد پورا دن ہے۔

(۳) سَجَىٰ کے معنی ہیں سَکَنَ، جب ساکن ہو جائے، یعنی جب اندھیرا مکمل چھا جائے، کیونکہ اس وقت ہر چیز ساکن ہو جاتی ہے۔

(۴) جیسا کہ کافر سمجھ رہے ہیں۔

(۵) یا آخرت دنیا سے بہتر ہے۔ دونوں مفہوم معانی کے اعتبار سے صحیح ہیں۔

(۶) اس سے دنیا کی فتوحات اور آخرت کا اجر و ثواب مراد ہے۔ اس میں وہ حق شفاعت بھی داخل ہے جو آپ ﷺ کو

الْمَرْحُومَةُ يَتِيمًا قَانِي ۝
وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى ۝
وَوَجَدَكَ غَالِيًا فَاَعْلَفَ ۝
فَاِنَّا الْيَتِيمَ فَلَانْقَرِ ۝
وَاِنَّا الْكَاسِيَةَ فَلَا تَمُوتُ ۝
وَاِنَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثُ ۝

سُورَةُ الشَّرْحِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝

کیا اس نے تجھے یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟^(۱)
اور تجھے راہ بھولایا کر ہدایت نہیں دی؟^(۲)
اور تجھے نادار پا کر تو نگر نہیں بنادیا؟^(۳)
بس یتیم پر تو بھی سختی نہ کیا کر۔^(۴)
اور نہ سوال کرنے والے کو ڈانٹ ڈپٹ۔^(۵)
اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتا رہ۔^(۶)

سورۃ الشرح کی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔
کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔^(۷)

اپنی امت کے گناہ گاروں کے لیے ملے گا۔

(۱) یعنی پاپ کے سارے سے بھی تو محروم تھا، ہم نے تیری دست گیری اور چارہ سازی کی۔

(۲) یعنی تجھے دین شریعت اور ایمان کا پتہ نہیں تھا، ہم نے تجھے راہ یاب کیا، نبوت سے نوازا اور کتاب ناز کی، ورنہ اس سے قبل تو ہدایت کے لیے سرگرداں تھا۔

(۳) تو نگر کا مطلب ہے، اپنے سوا تجھ کو ہر ایک سے بے نیاز کر دیا، پس تو فقر میں صابر اور غنا میں شاکر رہا۔ جیسے خورد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی فرمان ہے کہ ”تو نگری، ساز و سامان کی کثرت کا نام نہیں ہے، اصل تو نگری دل کی تو نگری ہے۔“

صحیح مسلم، کتاب الرکوة، باب لیس العنی عن کثرة المعروض

(۴) بلکہ اس کے ساتھ نرمی و احسان کا معاملہ کر۔

(۵) یعنی اس سے سختی اور تکبر نہ کر، نہ درشت اور تلخ لہجہ اختیار کر۔ بلکہ جواب بھی دینا ہو تو پیار اور محبت سے دو

(۶) یعنی اللہ نے تجھ پر جو احسانات کیے ہیں، مثلاً ہدایت اور رسالت و نبوت سے نوازا، یتیمی کے باوجود تیری کفالت و سرپرستی کا انتظام کیا، تجھے قناعت و تو نگری عطا کی وغیرہ۔ انہیں جذبات تفکر و ممنونیت کے ساتھ بیان کرتا رہ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے انعامات کا تذکرہ اور ان کا اظہار اللہ کو پسند ہے لیکن تکبر اور فخر کے طور پر نہیں بلکہ اللہ کے فضل و کرم اور اس کے احسان سے زیر بار ہوتے ہوئے اور اس کی قدرت و طاقت سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ ہمیں ان نعمتوں سے محروم نہ کر دے۔

(۷) گزشتہ سورت میں تین انعامات کا ذکر تھا، اس سورت میں مزید تین احسانات جتلانے جا رہے ہیں۔ سیدہ کھول دینا،

اور تجھ پر سے تیرا بوجھ ہم نے اتار دیا۔^(۱)
 جس نے تیری پیٹھ توڑ دی تھی۔^(۲)
 اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا۔^(۳)
 پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔^(۴)
 بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔^(۵)

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝
 الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝
 وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝
 فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝
 وَمَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝

ان میں پہلا ہے۔ اس کا مطلب ہے سینے کا منور اور فراخ ہو جانا، تاکہ حق واضح بھی ہو جائے اور دوس میں سہجی جائے۔ اسی مفہوم میں قرآن کریم کی یہ آیت ہے ﴿فَمَنْ يُؤْمَرْ بِالْعَمَلِ فَلْيُجِدْ فِيهِ ضَلَكًا مِّنَ الْاِسْلَامِ﴾ اسوۃ الائمہ ۲۵۰: جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے نوازنے کا ارادہ کرے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ یعنی وہ اسلام کو دین حق کے طور پر پہچان بھی لیتا ہے اور اسے قبول بھی کر لیتا ہے۔ اس شرح صدر میں وہ شق صدر بھی آجاتا ہے جو معتبر روایات کی رو سے دو مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا گیا۔ ایک مرتبہ یحییٰ میں، جب کہ آپ ﷺ عمر کے چوتھے سال میں تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کا دل حیرا اور اس سے وہ حصہ شیطانی نکال دیا جو ہر انسان کے اندر ہے، پھر اسے دھوکہ بند کر دیا، اصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء، دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر۔ اس موقع پر آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کر کے دل نکالا گیا، اسے آپ زمزم سے دھو کر اپنی جگہ رکھ دیا گیا اور اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا، اصحیح میں، ابواب المعراج و کتاب الصلوٰۃ:

(۱) یہ بوجھ نبوت سے قبل چالیس سالہ دور زندگی سے متعلق ہے۔ اس دور میں اگرچہ اللہ نے آپ ﷺ کو گناہوں سے محفوظ رکھا، کسی بت کے سامنے آپ ﷺ سجدہ ریز نہیں ہوئے، کبھی شراب نوشی نہیں کی اور بھی دیگر برائیوں سے دامن کش رہے، تاہم معروف معنوں میں اللہ کی عبادت و اطاعت کا نہ آپ ﷺ کو علم تھا نہ آپ ﷺ نے کی، اس لیے آپ ﷺ کے دس و دماغ پر اس چالیس سالہ عدم عبادت و عدم اطاعت کا بوجھ تھا، جو حقیقت میں تو نہیں تھا، لیکن آپ ﷺ کے احساس و شعور نے اسے بوجھ بنا رکھا تھا۔ اللہ نے اسے اتار دینے کا اعلان فرما کر آپ ﷺ پر احسان فرمایا، یہ گویا وہی مفہوم ہے جو ﴿لَا يُغْنِيكَ عَنْهُ كَثْرَتُهُمْ اَوْ اَلْفَافُهُمْ﴾ اسوۃ العتق کا ہے۔ بعض کہتے ہیں، یہ نبوت کا بوجھ تھا، جسے اللہ نے ہلکا کر دیا، یعنی اس راہ کی مشکلات برداشت کرنے کا حوصلہ اور تبلیغ و دعوت میں آسانیاں پیدا فرمادیں۔

(۲) یعنی جہاں اللہ کا نام آتا ہے وہیں آپ ﷺ کا نام بھی آتا ہے۔ مثلاً اذان، نماز اور دیگر بت سے مقامات پر ہجرت کتبوں میں آپ ﷺ کا تذکرہ اور صفات کی تفصیل ہے، فرشتوں میں آپ ﷺ کا ذکر خیر ہے، آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اطاعت قرار دیا اور اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی اطاعت کا بھی حکم دیا، وغیرہ۔

(۳) یہ آپ ﷺ کے لیے اور صحابہ کرام کے لیے خوشخبری ہے کہ تم اسلام کی راہ میں جو تکلیفیں برداشت کر رہے ہو تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد ہی اللہ تمہیں فراغت و آسانی سے نوازے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جسے

فَاَدَّ قَوْعَتًا فَاَنْصَبَ ۝

وَالِی رَیْبَتْ فَاَرْعَبَ ۝

سُورَةُ التَّائِبِينَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَالْمُتَّئِنِّ وَالْمُتَّئِنِّ ۝

وَقَطْرٍ یَّسِیْنٍ ۝

وَهَذَا الْبَیْدُ لَمِیْنٍ ۝

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝

پس جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر۔^(۱) (۷)

اور اپنے پروردگار ہی کی طرف دل لگا۔^(۲) (۸)

سورہ تین کی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمایت رحم والا ہے۔

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی۔^(۱)

اور طور سینین کی۔^(۲) (۳)

اور اس امن والے شرکی۔^(۳) (۴)

یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔^(۵) (۵)

ساری دنیا جاتی ہے۔

(۱) یعنی نماز سے یا تیغ سے یا جہاد سے 'تو دعائیں محنت کر' یا اتنی عبادت کر کہ تو تھک جائے۔

(۲) یعنی اسی سے جنت کی امید رکھ 'اسی سے اپنی حاجتیں طلب کر اور تمام معاملات میں اسی پر اعتماد اور بھروسہ رکھ۔

(۳) یہ وہی کوہ طور ہے جہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا تھا۔

(۴) اس سے مراد کہ کمرہ ہے 'جس میں قال کی اجازت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جو اس میں داخل ہو جائے' اسے بھی

امن حاصل ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دراصل تین مقامات کی قسم ہے 'جن میں سے ہر ایک جگہ میں

جلیل القدر 'صاحب شریعت پیغمبر مبعوث ہوا۔ انجیر اور زیتون سے مراد وہ علاقہ ہے جہاں اس کی پیداوار ہے اور وہ ہے

بیت المقدس 'جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر بن کر آئے۔ طور سینا یا سینین پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کی

گئی اور شہر مکہ میں سید المرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ (ابن کثیر)

(۵) یہ جواب قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ اس کا منہ نیچے کو جھکا ہوا ہے صرف انسان کو

دراز قامت 'سیدھا بنایا ہے جو اپنے ہاتھوں سے کھانا پیتا ہے۔ پھر اس کے اعضا کو نہایت تناسب کے ساتھ بنایا 'ان میں

جانوروں کی طرح بے ڈھکاپن نہیں ہے۔ ہر اہم عضو دو دو بنائے اور ان میں نہایت مناسب فاصلہ رکھا 'پھر اس میں

عقل و تدبیر 'فہم و حکمت اور سمجھ و بصیرت قوتیں ودیعت کیں 'جو دراصل یہ انسان اللہ کی قدرت کا مظہر اور اس کا پر تو

ہے۔ بعض علما نے اس حدیث کو بھی اسی معنی و مفہوم پر محمول کیا ہے 'جس میں ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهِ

(مسلم) 'کتاب البر والصلة والآداب' 'اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا' انسان کی پیدائش میں ان تمام

چیزوں کا اہتمام ہی احسن تقویم ہے 'جس کا ذکر اللہ نے تین قسموں کے بعد فرمایا۔ (فتح القدیر)

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝

فَمَا يَكْبِتُكَ بَعْدُ يَا نَذِيرٍ ۝

أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَكْبَرَ الْحَكِيمِينَ ۝

سُورَةُ الْعَلَقِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

إِنشَاء سُوْرَةِ الْعَلَقِ حَقَّقَ ۝

پھر اسے نہجوں سے نچا کر دیا۔^(۱) (۵)

لیکن جو لوگ ایمان لائے اور (پھر) نیک عمل کیے تو ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔^(۲) (۶)

پس تجھے اب روز جزا کے جھٹلانے پر کون سی چیز آمادہ کرتی ہے۔^(۳) (۷)

کیا اللہ تعالیٰ (سب) حاکموں کا حاکم نہیں ہے۔^(۴) (۸)

سورہ طلق کی ہے اور اس میں انیس آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔^(۵) (۱)

(۱) یہ اشارہ ہے انسان کے ارزل عمر (بست زیادہ عمر) کی طرف۔ جس میں جوانی اور قوت کے بعد بڑھاپہ اور ضعف آجاتا ہے اور انسان کی عقل اور ذہن بچنے کی طرح ہو جاتا ہے۔ بعض نے اس سے کردار کا وہ مسئلہ پن لیا ہے جس میں جلتا ہو کر انسان انتہائی پست اور سانپ بچھو سے بھی زیادہ گیا گزرا ہو جاتا ہے اور بعض نے اس سے ذلت و رسوائی کا وہ عذاب مراد لیا ہے جو جہنم میں کافروں کے لیے ہے۔ گویا انسان اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے انحراف کر کے اپنے کو احسن تقویم کے بلند رتبہ و اعزاز سے گرا کر جہنم کے اسفل سافلین میں ڈال لیتا ہے۔

(۲) آیت قبل کے پہلے مضموم کے اعتبار سے یہ جملہ مبینہ ہے 'مومنوں کی کیفیت بیان کر رہا ہے اور دوسرے قیسرے مضموم کے اعتبار سے 'ما قبل کی تاکید ہے کہ اس انجام سے اس نے مومنوں کا اشتنا کر دیا۔ (فتح القدیر)

(۳) یہ انسان سے خطاب ہے 'زجر و توبخ کے لیے۔ کہ اللہ نے تجھے بہترین صورت میں پیدا کیا اور وہ تجھے اس کے برعکس قعر ذلت میں بھی گرانے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اس کے بعد بھی قیامت اور جزا کا انکار کرتا ہے؟

(۴) جو کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اس کے عدل ہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ قیامت برپا کرے اور ان کی وادہ سی کرے جن پر دنیا میں ظلم ہوا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ ایک ضعیف حدیث میں اس کا یہ جواب دینا منقول ہے۔ نلی، وَأَنَا عَلَيَّ ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ (الترمذی)

(۵) یہ سب سے پہلی وحی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت آئی جب آپ ﷺ غار حرا میں مصروف عبادت تھے۔ فرشتے نے آکر کہا 'پڑھ' آپ ﷺ نے فرمایا 'میں تو پڑھا ہوا ہی نہیں ہوں' فرشتے نے آپ ﷺ کو پکڑ کر زور سے

جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ ^(۱)	خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝
تو پڑھتا رہے تیرا رب بڑے کرم والا ہے۔ ^(۲)	إِنِّمَّا أَوْزَيْكَ الْكَوْثَرَ ۝
جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا۔ ^(۳)	الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝
جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔ ^(۴)	عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝
جج انسان تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ ^(۵)	كَذَٰلِكَ الْإِنْسَانُ لِرَافِقٍ ۝
اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بے پروا (یا تو فکر) سمجھتا ہے۔ ^(۶)	أَن رَّآهُ اسْتَعْفَىٰ ۝
یقیناً لوٹتا تیرے رب کی طرف ہے۔ ^(۷)	إِنِّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ۝
(بھلا) اسے بھی تو نے دیکھا جو بندے کو روکتا ہے۔ ^(۸)	أَرَأَيْتَ الْكَذِبَىٰ يَهْدَىٰ ۝
جبکہ وہ بندہ نماز ادا کرتا ہے۔ ^(۹)	عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ۝
بھلا بتلا تو اگر وہ ہدایت پر ہو۔ ^(۱۰)	أَرَأَيْتَ إِن كَانَ عَلَىٰ الْهَدَىٰ ۝

بھینچے اور کہا پڑھ 'آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا۔ اس طرح تین مرتبہ اس نے آپ ﷺ کو بھینچے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے صحیح بخاری 'بدء الوحي' مسلم 'الایمان' باب 'بدء الوحي') آخر اُن جو تیری طرف وحی کی جاتی ہے وہ پڑھ۔ حَقَّقَ جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔

(۱) مخلوقات میں سے بطور خاص انسان کی پیدائش کا ذکر فرمایا جس سے اس کا شرف واضح ہے۔

(۲) یہ بطور تاکید فرمایا اور اس میں بڑے بلیغ انداز سے اس احتذار کا بھی ازالہ فرمادیا جو آپ ﷺ نے پیش کیا کہ میں تو قاری ہی نہیں۔ اللہ نے فرمایا 'اللہ بہت کرم والا ہے پڑھ' یعنی انسانوں کی کوتاہیوں سے درگزر کرنا اس کا وصف خاص ہے۔

(۳) قَلَم کے معنی ہیں قطع کرنا، تراشنا، قلم بھی پہلے زمانے میں تراش کر ہی بنائے جاتے تھے اس لیے آرت کتابت کو قلم سے تعبیر کیا۔ کچھ علم تو انسان کے ذہن میں ہوتا ہے، کچھ کا اظہار زبان کے ذریعے سے ہوتا ہے اور کچھ انسان قلم سے کاغذ پر لکھ لیتا ہے۔ ذہن و حافظہ میں جو ہوتا ہے وہ انسان کے ساتھ ہی چلا جاتا ہے۔ زبان سے جس کا اظہار کرتا ہے وہ بھی محفوظ نہیں رہتا۔ البتہ قلم سے لکھا ہوا اگر وہ کسی وجہ سے ضائع نہ ہو تو ہمیشہ محفوظ رہتا ہے اسی قلم کی بدولت تمام علوم، پیچھے لوگوں کی تاریخیں اور اسلاف کا عہد ذخیرہ محفوظ ہے۔ حتیٰ کہ آسمانی کتابوں کی حفاظت کا بھی ذریعہ ہے۔ اس سے قلم کی اہمیت محتاج وضاحت نہیں رہتی۔ اسی لیے اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس کو تمام مخلوقات کی تقدیر لکھنے کا حکم دیا۔

(۴) مفسرین کہتے ہیں کہ روکنے والے سے مراد ابو جہل ہے جو اسلام کا شدید دشمن تھا۔ عَنَدَا سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(۵) یعنی جس کو یہ نماز پڑھنے سے روک رہا ہے وہ ہدایت پر ہو۔

أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَى ۝

أَرَدَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَقُولٌ ۝

أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى ۝

كَلَّا لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا لِنَاصِيَةٍ ۝

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِلَةٍ ۝

فَلْيَعْزُزْ دِيهَ ۝

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝

یا پرہیزگاری کا حکم دیتا ہو۔^(۱۳)

بھلا دیکھو تو اگر یہ جھٹلاتا ہو اور منہ پھیرتا ہو تو۔^(۱۴)

کیا اس نے نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔^(۱۵)

یقیناً اگر یہ باز نہ رہا تو ہم اس کی پیشانی کے باں پکڑ کر گھسیٹیں گے۔^(۱۶)

ایسی پیشانی جو جھوٹی خطا کار ہے۔^(۱۷)

یہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے۔^(۱۸)

ہم بھی (دوزخ کے) پیادوں کو بلا لیں گے۔^(۱۹)

(۱) یعنی اخلاص، توحید اور عمل صالح کی تعلیم، جس سے جہنم کی آگ سے انسان بچ سکتا ہے۔ تو کیا یہ چیزیں (نماز پڑھنا

اور تقویٰ کی تعلیم دینا) ایسی ہیں کہ ان کی مخالفت کی جائے اور اس پر اس کو دھمکیاں دیں جائیں؟

(۲) یعنی یہ ابو جہل اللہ کے پیغمبر کو جھٹلاتا ہو اور ایمان سے اعراض کرنا ہو اُزْأَيْتَ بمعنی اُخْزَنْتَ (مجھے بتلاؤ) ہے۔

(۳) مطلب یہ ہے کہ یہ شخص جو مذکورہ حرکتیں کر رہا ہے کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے، وہ اس کی اس کو جزا دے گا۔ یعنی یہ اَلَمْ نَعْلَمْ مَذْکُورَ شَرْطُوں ﴿إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَى﴾ ﴿أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَى﴾ ﴿إِنْ كَذَّبَ وَقُولٌ﴾ کی جزا ہے۔

(۴) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور دشمنی سے اور آپ ﷺ کو نماز پڑھنے سے جو روکتا ہے، اس سے باز نہ آیا لَنْسَفَعَنَّ کے معنی ہیں لَنْأَخْذَنَّ تو ہم اسے اس کی پیشانی سے پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ حدیث میں آتا ہے ابو جہل نے کہا تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کعبہ کے پاس نماز پڑھنے سے باز نہ آیا تو میں اس کی گردن پر پتوں رکھ دوں گا۔ (یعنی اسے روندوں گا اور یوں ذلیل کروں گا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ ایسا کرتا تو فرشتے اسے پکڑ لیتے۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورة العلق)

(۵) پیشانی کی یہ صفات بطور مجاز ہیں، جھوٹی ہے اپنی بات میں، خطا کار ہے اپنے فعل میں۔

(۶) حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے ابو جہل گزرا تو کنا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے تجھے نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا تھا؟ اور آپ ﷺ سے سخت دھمکی آمیز باتیں کیں، آپ ﷺ نے کڑا جواب دیا تو کہنے لگا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو مجھے کس چیز سے ڈراتا ہے؟ اللہ کی قسم، اس وادی میں سب سے زیادہ میرے حمایتی اور مجلس والے ہیں، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر وہ اپنے حمایتیوں کو بلاتا تو اسی وقت ملا کہ غدا صبح اسے پکڑ لیتے۔ (ترمذی، تفسیر سورة اقرآن، مسند احمد ۱/۳۲۹ و تفسیر ابن جریر) اور صحیح مسلم کے الفاظ ہیں کہ اس نے آگے بڑھ کر آپ ﷺ کی گردن پر پیر رکھنے کا ارادہ کیا کہ ایک دم

كَلَّا لَا تَتْلُوهُ وَاَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝۱۱



خبردار! اس کا کہنا ہرگز نہ ماننا اور سجدہ کر اور قریب ہو جا۔ (۱۹)

سُورَةُ الْقَدَرِ

سورہ قدر کی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝

یقیناً ہم نے اسے شب قدر میں نازل فرمایا۔ (۱)

وَمَا اَدْرِیْكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝

تو کیا سمجھا کہ شب قدر کیا ہے؟ (۲)

لئے پاؤں پیچھے ہٹا اور اپنے ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرنے لگا اس سے کہا گیا کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ "میرے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان آگ کی خندق ہو ناک منظر اور بہت سارے پر ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ میرے قریب ہوتا تو فرشتے اس کی بونی بونی نوچ لیتے۔" (کتاب صفة القيامة، باب فی الانسان لبطلمي، الترجمہ داروئے اور پولیس۔ یعنی طاہور لفقہ جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔)

☆ اس سورت کے کئی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں بھی اختلاف ہے۔ قدر کے معنی قدر و منزلت بھی ہیں اس لیے اسے شب قدر کہتے ہیں اس کے معنی اندازہ اور فیصلہ کرنا بھی ہیں اس میں سال بھر کے لیے فیصلے کیے جاتے ہیں اسی لیے اسے لَیْلَةُ الْحُكْم بھی کہتے ہیں اس کے معنی تنگی کے بھی ہیں۔ اس رات اتنی کثرت سے زمین پر فرشتے اترتے ہیں کہ زمین ٹگ ہو جاتی ہے۔ شب قدر یعنی تنگی کی رات یا اس لیے یہ نام رکھا گیا کہ اس رات جو عبادت کی جاتی ہے اللہ کے ہاں اس کی بڑی قدر ہے اور اس پر بڑا ثواب ہے۔ اس کی تعیین میں بھی شدید اختلاف ہے۔ (فتح القدیر) تاہم احادیث و آثار سے واضح ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ اس کو مہم رکھنے میں یہی حکمت ہے کہ لوگ پانچوں ہی طاق راتوں میں اس کی فضیلت حاصل کرنے کے شوق میں اللہ کی خوب عبادت کریں۔

(۱) یعنی اتارنے کا آغاز کیا یا لوح محفوظ سے اس بیت العزت میں جو آسمان دنیا پر ہے ایک ہی مرتبہ اتار دیا اور وہاں سے حسب وقائع نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتا رہا تا آنکہ ۲۳ سال میں پورا ہو گیا۔ اور لیلۃ القدر رمضان میں ہی ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کی آیت ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ﴾ (البقرة: ۱۸۵) سے واضح ہے۔

(۲) اس استفہام سے اس رات کی عظمت و اہمیت واضح ہے کہ گویا کہ مخلوق اس کی تک پوری طرح نہیں پہنچ سکتی یہ صرف ایک اللہ ہی ہے جو اس کو جانتا ہے۔

لَيْلَةُ الْقَدْرِ أَحَدُ مِائَتَيْ لَيْلَةٍ شَهْرٍ ۝

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ۝

سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

سُورَةُ النَّبِیِّ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

لَعَنَ الْكَافِرُ الْكَافِرِينَ كُفْرًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفِكِينَ

شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ (۳)
اس (میں ہر کام) کے سرانجام دینے کو اپنے رب کے حکم
سے فرشتے اور روح (جبرائیل) اترتے ہیں۔ (۴)
یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے (۴) اور فجر کے طوع
ہونے تک (رہتی ہے)۔ (۵)

سورہ بینہ دہنی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔
اہل کتاب کے کافر (۳) اور مشرک لوگ (۵) جب تک کہ

(۱) یعنی اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے اور ہزار مہینے ۸۴ سال ۳ مہینے بنتے ہیں۔ یہ امت محمدیہ پر
اللہ کا کتنا احسان عظیم ہے کہ مختصر عمر میں زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لیے کیسی سولت عطا فرمادی۔

(۲) روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، یعنی فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام سمیت اس رات میں زمین
پر اترتے ہیں ان کاموں کو سرانجام دینے کے لیے جن کا فیصلہ اس سال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۳) یعنی اس میں شر نہیں۔ یا اس معنی میں سلامتی والی ہے کہ مومن اس رات کو شیطان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔
یا فرشتے اہل ایمان کو سلام عرض کرتے ہیں یا فرشتے ہی آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ شب قدر کے لیے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور خاص یہ دعا بتلائی ہے «اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي» (ترمذی ابواب
الدعوات اس ماجہ کتاب الدعاء باب الدعاء بالعفو والعافية)

☆ اس کا دوسرا نام سورہ لَمْ یُکُنْ بھی ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ
عنه سے فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں سورہ لَعَنَ الْكَافِرُ الْكَافِرِينَ كُفْرًا ﴿۱﴾ تجھے پڑھ کر سناؤں۔ حضرت ابی ہریرہ نے
پوچھا کیا اللہ نے آپ کے سامنے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا "ہاں" جس پر (مارے خوشی کے) حضرت ابی ہریرہ کی
آنکھوں میں آنسو آگئے۔ (اصحیح البخاری تفسیر سورہ لَمْ یُکُنْ)

(۴) اس سے مراد یودو نصاریٰ ہیں۔

(۵) مشرک سے مراد عرب و عجم کے وہ لوگ ہیں جو بتوں اور آگ کے پجاری تھے۔ مُنْفِکِیْنِ باز آنے والے بَیِّنَۃً
(دلیل) سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی یودو نصاریٰ اور عرب و عجم کے مشرکین اپنے کفر و شرک سے باز
آننے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ ان کے پاس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن لے کر آجائیں اور وہ ان کی ضلالت و
جہالت بیان کریں اور انہیں ایمان کی دعوت دیں۔

حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝

رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝

فِيهَا كُتِبَ قَيِّمَةٌ ۝

وَمَّا تَمَثَّلُوا لَمْ يُخَفُوا ۚ وَاتَّبَعُوا مَا كُنُوا عَلَيْهِ يَوْمَئِذٍ يَاحْتَفِلُونَ ۝

الْبَيِّنَةُ ۝

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ حُنَفَاءَ ۚ

وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝

إِنَّ الدِّينَ كَفَرُوا مِن أَهْلِ الْكِتَابِ وَالشَّيْكَانِ فِي تَارِيحِهِمْ

ان کے پاس ظاہر دلیل نہ آجائے باز رہنے والے نہ تھے

(وہ دلیل یہ تھی کہ) (۱)

اللہ تعالیٰ کا ایک رسول (۱) جو پاک صحیفے پڑھے۔ (۲)

جن میں صحیح اور درست احکام ہوں۔ (۳)

اہل کتاب اپنے پاس ظاہر دلیل آجانے کے بعد ہی

(اختلاف میں پڑ کر متفرق ہو گئے۔ (۴)

انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا (۵) کہ صرف اللہ

کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں۔

ابراہیم حنیف (۶) کے دین پر اور نماز کو قائم رکھیں اور

زکوٰۃ دیتے رہیں یہی ہے دین سیدھی ملت کا۔ (۷)

پیشک جو لوگ اہل کتاب میں سے کافر ہوئے اور مشرکین

(۱) یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) یعنی قرآن مجید جو لوح محفوظ میں پاک صحیفوں میں درج ہے۔

(۳) یہاں کُتِبَ سے مراد احکام دینیہ اور قیَمَةُ 'معتدل اور سیدھے۔

(۴) یعنی اہل کتاب 'حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل مجتمع تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی بعثت ہو

گئی 'اس کے بعد یہ متفرق ہو گئے 'ان میں سے کچھ مومن ہو گئے 'لیکن اکثریت ایمان سے محروم ہی رہی۔ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کی بعثت و رسالت کو دلیل سے تعبیر کرنے میں یہی نکتہ ہے کہ آپ ﷺ کی صداقت واضح تھی جس میں جس

انکار نہیں تھی۔ لیکن ان لوگوں نے آپ ﷺ کی کھدیب محض حسد اور عناد کی وجہ سے کی۔ یہی وجہ ہے کہ 'یہاں

تفرق کا ارتکاب کرنے والوں میں صرف اہل کتاب کا نام آیا ہے 'حالاں کہ دوسروں نے بھی اس کا ارتکاب کیا تھا 'کیوں

کہ یہ ہر حال علم والے تھے اور آپ ﷺ کی آمد اور صفات کا تذکرہ ان کی کتابوں میں موجود تھا۔

(۵) یعنی ان کی کتابوں میں انہیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ۔۔۔

(۶) حَنِيفٌ کے معنی ہیں 'ماکمل ہونا' کسی ایک طرف یکسو ہونا۔ حُنَفَاءَ جمع ہے۔ یعنی شرک سے توحید کی طرف اور ترم

ادیان سے منقطع ہو کر صرف دین اسلام کی طرف مائل اور یکسو ہوتے ہوئے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔

(۷) الْقَيِّمَةُ محذوف موصوف کی صفت ہے۔ دِينَ الْبَلَّةِ الْقَيِّمَةِ أَيْ: الْمُسْتَقِيمَةِ ۚ الْأَثَرُ الْمُسْتَقِيمَةُ

الْمُسْتَقْدَلَةُ 'یہی اس ملت یا امت کا دین ہے جو سیدھی اور معتدل ہے۔ اکثر ائمہ نے اس آیت سے اس بات پر

استدلال کیا ہے کہ اعمال 'ایمان میں داخل ہیں۔ (ابن کثیر)

خَلِيدَيْنِ فِيهَا أُولَئِكَ لَهُمْ شَرٌّ عَذَابٍ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ لَهُمْ حَبْوَاتُ الْجَنَّةِ ۝

جَزَاءُ مَا عَمِلُوا فِي الْحَيَاةِ جَنَّاتٌ عَنْ دُونِهَا يُجْرَى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۝

سُورَةُ الزَّلْزَلَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

سب دوزخ کی آگ میں (جائیں گے) جہاں وہ ہمیشہ

(ہمیشہ) رہیں گے۔ یہ لوگ بدترین خلاق ہیں۔^(۱)

پیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یہ لوگ

بہترین خلاق ہیں۔^(۲)

ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس بیشکی والی جنتیں ہیں جنکے نیچے

نہیں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ

ان سے راضی ہوا^(۳) اور یہ اس سے راضی ہوئے۔^(۴) یہ

ہے اس کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔^(۵)

سورہ زلزال مدنی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان

نعمت رحم والا ہے۔

(۱) یہ اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں کا انکار کرنے والوں کا انجام ہے۔ نیز انہیں تمام مخلوقات میں بدترین قرار دیا گیا۔

(۲) یعنی جو دل کے ساتھ ایمان لائے اور جنہوں نے اعضا کے ساتھ عمل کیے وہ تمام مخلوقات سے بہتر اور افضل ہیں۔

جو اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ مومن بندے ملائکہ سے شرف و فضل میں بہترین ہیں۔ ان کی ایک دلیل یہ آیت

بھی ہے۔ الرِّبَّةُ رِبًّا (مخلوق سے ہے۔ اسی سے اللہ کی صفت الباری ہے۔ اس لیے رِبَّةٌ اصل میں رِبِّيَّةٌ ہے) ہمزہ

کو یا سے بدل کر یا کا یا میں اوعام کر دیا گیا۔

(۳) ان کے ایمان و طاعت اور اعمال صالحہ کے سبب۔ اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔ ﴿وَرَضُوا عَنْ اللَّهِ﴾

الکہف (التوبہ: ۷۴)

(۴) اس لیے کہ اللہ نے انہیں ایسی نعمتوں سے نوازا دیا جن میں ان کی روح اور بدن دونوں کی سعادتیں ہیں

(۵) یعنی یہ جزا اور رضامندی ان لوگوں کے لیے ہے جو دنیا میں اللہ سے ڈرتے رہے اور اس ڈر کی وجہ سے اللہ کی

نافرمانی کے ارتکاب سے بچتے رہے۔ اگر کسی وقت یہ تقاضائے بشریت نافرمانی ہو گئی تو فوراً توبہ کر لی اور آئندہ کے لیے

اپنی اصلاح کر لی حتیٰ کہ ان کی موت اسی اطاعت پر ہوئی نہ کہ معصیت پر۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ سے ڈرنے والا

معصیت پر اصرار اور دوام نہیں کر سکتا اور جو ایسا کرتا ہے حقیقت میں اس کا دل اللہ کے خوف سے خالی ہے۔

☆۔ اس کے مدنی اور مکی ہونے میں اختلاف ہے اس کی فضیلت میں متعدد روایات منقول ہیں لیکن ان میں سے کوئی

روایت صحیح نہیں ہے۔

لے گا۔^(۱) (۷)

اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔^(۲) (۸)

سورۃ عادیات مکی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

ہانپتے ہوئے دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم! ^(۱)

پھر ٹاپ مار کر آگ بھاڑنے والوں کی قسم! ^(۲)

پھر صبح کے وقت دھاوا بولنے والوں کی قسم! ^(۳)

وَمَنْ يَّعْتَمِلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهِ

سُورَةُ الْعَادِيَّاتِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْعَدِیَّتِ ضَبًّا

فَالْمُورِیَّتِ قَدْحًا

فَالْمُخِیَّبِ ضَبًّا

(۱) پس وہ اس سے خوش ہو گا۔

(۲) وہ اس پر سخت پشیمان اور مضطرب ہو گا۔ ذَرَّةٌ بعض کے نزدیک چوٹی سے بھی چھوٹی چیز ہے۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں 'انسان زمین پر ہاتھ مارتا ہے' اس سے اس کے ہاتھ پر جو مٹی لگ جاتی ہے 'وہ ذرہ ہے۔ بعض کے نزدیک سوراخ سے آنے والی سورج کی شعاعوں میں گرد و غبار کے جو ذرات سے نظر آتے ہیں' وہ ذرہ ہے۔ لیکن امام شوکانی نے پہلے معنی کو اولیٰ کہا ہے۔ امام مقاتل کہتے ہیں کہ یہ سورت ان دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جن میں سے ایک شخص 'سائل کو تھوڑا سا صدقہ دینے میں تامل کرتا اور دوسرا شخص چھوٹا گناہ کرنے میں کوئی خوف محسوس نہ کرتا تھا۔ (فتح القدیر)

(۳) عَادِیَّاتٌ 'عادیۃ' کی جمع ہے۔ یہ عَدُوٌّ سے ہے جیسے عَزُوٌّ ہے۔ غَارِیَّاتٌ کی طرح اس کے واؤ کو بھی یاء سے بدل دیا گیا ہے۔ تیز رو گھوڑے۔ ضَبْحُ کے معنی بعض کے نزدیک ہانپنا اور بعض کے نزدیک ہنسنا ہے۔ مراد وہ گھوڑے ہیں جو ہانپتے یا ہنساتے ہوئے جہاد میں تیزی سے دشمن کی طرف دوڑتے ہیں۔

(۴) مُورِیَّاتٌ، پیراۃ سے ہے۔ آگ نکالنے والے۔ قَدْحُ کے معنی ہیں۔ صَدْحٌ چلنے میں گھٹنوں یا ایڑیوں کا ٹکرانا یا ٹاپ مارنا۔ اسی سے قَدْحٌ بالزناد ہے۔ چھمٹاق سے آگ نکالنا۔ یعنی ان گھوڑوں کی قسم جن کی ٹاپوں کی رگڑ سے پتھروں سے آگ نکلتی ہے 'جیسے چھمٹاق سے نکلتی ہے۔

(۵) مُعِیْبَاتٌ، آغَارٌ یُعِیْرُ سے ہے 'شب خون مارنے یا دھاوا بولنے والے۔ صُبْحًا صبح کے وقت' عرب میں عام طور پر حملہ اسی وقت کیا جاتا تھا 'شب خون تو وہ مارتے ہیں جو فوجی گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں' لیکن اس کی نسبت گھوڑوں کی

فَأَثَرُنْ بِهِ نَقْعًا ۝	پس اس وقت گردوغبار اڑاتے ہیں۔ ^(۱)
فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا ۝	پھر اسی کے ساتھ فوجوں کے درمیان گھس جاتے ہیں۔ ^(۲)
إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۝	یقیناً انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔ ^(۳)
وَأَنَّهُ عَلَىٰ ذٰلِكَ لَشَهِيدٌ ۝	اور یقیناً وہ خود بھی اس پر گواہ ہے۔ ^(۴)
وَأَنَّهُ يُبْتَغِي السَّعْيَ ۝	یہ مال کی محبت میں بھی بڑا سخت ہے۔ ^(۵)
أَفَلَا يَعْلَمُ ذَا بَعْثِنَا فِي الْقُبُورِ ۝	کیا اسے وہ وقت معلوم نہیں جب قبروں میں جو (کچھ) ہے نکال لیا جائے گا۔ ^(۶)
وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝	اور سینوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر کر دی جائیں گی۔ ^(۷)
إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ خَبِيرٌ ۝	جیشک ان کا رب اس دن ان کے حال سے پورا باخبر ہو گا۔ ^(۸)

طرف اس لیے کی ہے کہ عداواہوں نے میں فوجوں کے یہ بہت زیادہ کام آتے ہیں۔

(۱) اَنَارَ اِثْرًا - نفع، گردوغبار۔ یعنی یہ گھوڑے جس وقت تیزی سے دوڑتے یا عداواہوں لتے ہیں تو اس جگہ پر گردوغبار چھ جاتا ہے۔

(۲) فَوَسَطْنَ - درمیان میں گھس جاتے ہیں۔ اس وقت 'یا حالت گردوغبار میں۔ جَمْعًا دشمن کے لشکر۔ مطلب ہے کہ اس وقت 'یا جب کہ فضا گردوغبار سے اُٹی ہوئی ہے' یہ گھوڑے دشمن کے لشکروں میں گھس جاتے ہیں اور محسوس کی جگہ کرتے ہیں۔

(۳) یہ جواب قسم ہے۔ انسان سے مراد کافر، یعنی بعض افراد ہیں۔ كَنُودٌ بمعنی 'ناشکرا'۔

(۴) یعنی انسان خود بھی اپنی ناشکری کی گواہی دیتا ہے۔ بعض لَشَهِيدٌ کا فاعل اللہ کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن امام شوکانی نے پہلے مفہوم کو رائج قرار دیا ہے، کیوں کہ مابعد کی آیات میں ضمیر کا مرجع انسان ہی ہے۔ اس لیے یہاں بھی انسان ہی ہونا زیادہ صحیح ہے۔

(۵) حَبِيرٌ سے مراد مال ہے، جیسے ﴿يَنْزِلُ حَبِيرٌ نُّوَصِيَّةً﴾ (البقرة: ۱۸۰) میں ہے معنی واضح ہیں ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ نہایت حرص اور بخیل ہے جو مال کی شدید محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔

(۶) تُبْتَغِي - تَبْتَغِي وَتُبْتَغِي یعنی قبروں کے مردوں کو زندہ کر کے اٹھا کھڑا کر دیا جائے گا۔

(۷) حُصِّلَ - مُبَيَّنَّ وَبَيَّنَّ یعنی سینوں کی باتوں کو ظاہر اور کھول دیا جائے گا۔

(۸) یعنی جو رب ان کو قبروں سے نکال لے گا، ان کے سینوں کے رازوں کو ظاہر کر دے گا، اس کے متعلق ہر شخص

سُورَةُ الْفَارِغَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَقَدْ رَعَىٰ ۝

مَا الْفَارِغَةُ ۝

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْفَارِغَةُ ۝

يَوْمَ يَلُوكُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝

وَيَكُونُ أَجْمَالٌ كَالْعِهْصِ الْمَنْثُوثِ ۝

فَأَتَمَّ مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۝

سورہ فارغہ کی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

کھڑکھڑا دینے والی۔ (۱)

کیا^(۱) ہے وہ کھڑکھڑا دینے والی۔ (۲)

تجھے کیا معلوم کہ وہ کھڑکھڑا دینے والی کیا ہے۔ (۳)

جس دن انسان بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں
گے۔^(۴) (۴)اور پہاڑ دھنسنے ہوئے رتھیں اون کی طرح ہو جائیں
گے۔^(۵) (۵)پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے۔^(۶) (۶)

جان سکتا ہے کہ وہ کتنا باخبر ہے؟ اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ پھر وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزا دے گا۔ یہ گویا ان اشخاص کو تنبیہ ہے جو رب کی نعمتیں تو استعمال کرتے ہیں، لیکن اس کا شکر ادا کرنے کے بجائے اس کی ناشکری کرتے ہیں۔ اسی طرح مال کی محبت میں گرفتار ہو کر مال کے وہ حقوق ادا نہیں کرتے جو اللہ نے اس میں دوسرے لوگوں کے رکھے ہیں۔

(۱) یہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جیسے اس سے قبل اس کے متعدد نام گزر چکے ہیں، مثلاً، 'الْخَافَةُ'، 'الطَّامَةُ'، 'الصَّاحَةُ'، 'الْعَاشِيَةُ'، 'السَّاعَةُ'، 'الْوَاقِعَةُ' وغیرہ۔ 'الْفَارِغَةُ' اسے اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اپنی ہولناکیوں سے دلوں کو بیدار اور اللہ کے دشمنوں کو عذاب سے خبردار کر دے گی، جیسے دروازہ کھٹکھٹانے والا کرتا ہے۔

(۲) 'فَرَاشٌ' پھر اور شمع کے گرد منزلانے والے پرندے وغیرہ۔ 'مَبْثُوثٌ' منتشر اور بکھرے ہوئے۔ یعنی قیامت والے دن انسان بھی پروانوں کی طرح پر آگندہ اور بکھرے ہوئے ہوں گے

(۳) 'عِهْنٌ' اس اون کو کہتے ہیں جو مختلف رنگوں کے ساتھ رنگی ہوئی ہو، 'مَنْثُوثٌ' دھنسنی ہوئی۔ یہ پہاڑوں کی وہ کیفیت بیان کی گئی ہے جو قیامت والے دن اٹکی ہوگی۔ قرآن کریم میں پہاڑوں کی یہ کیفیت مختلف انداز میں بیان کی گئی ہے، جسکی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اب آگے ان دو فریقوں کا جمالی ذکر کیا جا رہا ہے جو قیامت والے دن اعمال کے اعتبار سے ہوں گے۔

(۴) 'مَوَارِينٌ' مینران کی جمع ہے۔ ترازو، جس میں صحائف اعمال تولے جائیں گے۔ جیسا کہ اس کا ذکر سورہ اعراف۔ آیت ۸

فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝

وَأَمَّا مَنْ حَقَّ مَوَازِينُهُ ۝

فَأَمَّا هَٰؤُلَاءِ ۝

وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَ ۝

نَارُ حَامِيَةٍ ۝

وہ تو دل پسند آرام کی زندگی میں ہو گا۔^(۷)

اور جس کے پلڑے یکے ہوں گے۔^(۸)

اس کا ٹھکانا ہادیہ ہے۔^(۹)

تجھے کیا معلوم کہ وہ کیا ہے۔^(۱۰)

وہ تند و تیز آگ (ہے)۔^(۱۱)

سُورَةُ النَّكَارِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

سورہ نکار کی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

سورہ کف (۱۱۰۵) اور سورہ انبیاء (۷۴) میں بھی گزرا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں یہ میزان نہیں 'موزون' کی جمع ہے یعنی ایسے اعمال جن کی اللہ کے ہاں کوئی اہمیت اور خاص وزن ہو گا۔ (فتح القدیر) لیکن پہلا مضموم ہی راجح اور صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی اور وزن اعمال کے وقت ان کی نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

(۱) یعنی ایسی زندگی جس کو وہ صاحب زندگی پسند کرے گا۔

(۲) یعنی جس کی برائیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی اور برائیوں کا پلڑا بھاری اور نیکیوں کا ہلکا ہو گا۔

(۳) هَٰؤُلَاءِ جنم کا نام ہے اس کو ہادیہ اس لیے کہتے ہیں کہ جنسی اس کی گہرائی میں گرے گا۔ اور اس کو اُمّ ماں سے اس لیے تعبیر کیا کہ جس طرح انسان کے لیے ماں 'جائے پناہ' ہوتی ہے اسی طرح جنسیوں کا ٹھکانا جنم ہو گا۔ بعض کہتے ہیں کہ ام کے معنی دماغ کے ہیں۔ جنسی 'جنم' میں سر کے بل ڈالے جائیں گے۔ (ابن کثیر)

(۴) یہ استغفام اس کی ہولناکی اور شدت عذاب کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ وہ انسان کے دہم و تصور سے بال ہے 'انسانی علوم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اور اس کی کنہ نہیں جان سکتے۔

(۵) جس طرح حدیث میں ہے کہ انسان دنیا میں جو آگ جلاتا ہے 'یہ جنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے' جنم کی آگ دنیا

کی آگ سے ۶۹ درجہ زیادہ ہے۔ (صحیح بخاری 'کتاب بدء الخلق' باب صفہ النار وأهملها محموقہ) مسلم 'کتاب الجنہ' باب فی شدۃ حر النار حہم) ایک اور حدیث میں ہے کہ "آگ نے اپنے رب سے شکایت کی کہ میرا ایک حصہ دوسرے حصے کو کھائے جا رہا ہے" اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت فرمادی۔ ایک سانس گرمی میں اور ایک سانس سردی میں پس جو سخت سردی ہوتی ہے یہ اس کا ٹھکانا سانس ہے اور نہایت سخت گرمی جو پڑتی ہے وہ جنم کا گرم سانس ہے۔ (بخاری 'کتاب و باب مذکور) ایک اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب گرمی زیادہ سخت ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو" اس لیے کہ گرمی کی شدت جنم کے جوش کی وجہ سے ہے۔ (حوالہ

زیا دتی کی چاہت نے تمہیں غافل کر دیا۔ ^(۱)	أَلَمْ تَكُنْ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝
یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے۔ ^(۲)	حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝
ہرگز نہیں ^(۳) تم عنقریب معلوم کر لو گے۔ ^(۴)	كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝
ہرگز نہیں پھر تمہیں جلد علم ہو جائے گا۔ ^(۵)	ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝
ہرگز نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لو۔ ^(۶)	كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝
تو بیشک تم جہنم دیکھ لو گے۔ ^(۷)	لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ۝
اور تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔ ^(۸)	ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۝
پھر اس دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کا سوال ہو گا۔ ^(۹)	ثُمَّ لَنَسْأَلَنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝

مذکور، مسلم، کتاب المساجد

(۱) اَلَمْ تَكُنْ مِنَ الْكَافِرِينَ کے معنی ہیں 'غافل کر دیا'۔ تَكَاثُرُ 'زیادتی کی خواہش'۔ یہ عام ہے 'مال'، 'اولاد'، 'اعوان' و 'انصار' اور خاندان و قبیلہ وغیرہ 'سب کو شامل ہے'۔ ہر وہ چیز جس کی کثرت انسان کو محبوب ہو اور کثرت کے حصول کی کوشش و خواہش اسے اللہ کے احکام اور آخرت سے غافل کر دے۔ یہاں اللہ تعالیٰ انسان کی اسی کمزوری کو بیان کر رہا ہے جس میں انسانوں کی اکثریت ہر دور میں مبتلا رہی ہے۔

(۲) اس کا مطلب ہے کہ حصول کثرت کے لیے محنت کرتے کرتے، تمہیں موت آگئی، اور تم قبروں میں جا پہنچے۔

(۳) یعنی تم جس تکاثر و تفاخر میں ہو، یہ صحیح نہیں۔

(۴) اس کا انجام عنقریب تم جان لو گے، یہ بطور تاکید دو مرتبہ فرمایا۔

(۵) اس کا جواب محذوف ہے۔ مطلب ہے کہ اگر تم اس غفلت کا انجام اس طرح یقینی طور پر جان لو، جس طرح دنیا کی کسی دیکھی بھالی چیز کا تمہیں یقین ہوتا ہے تو تم یقیناً اس تکاثر و تفاخر میں مبتلا نہ ہو۔

(۶) یہ قسم محذوف کا جواب ہے یعنی اللہ کی قسم تم جہنم ضرور دیکھو گے یعنی اس کی سزا بھگتو گے۔

(۷) پہلا دیکھنا دور سے ہو گا، یہ دیکھنا قریب سے ہو گا، اسی لیے اسے عَيْنُ الْيَقِينِ (جس کا یقین مشاہدہ یعنی سے حاصل ہو) کہا گیا۔

(۸) یہ سوال ان نعمتوں کے بارے میں ہو گا جو اللہ نے دنیا میں عطا کی ہوں گی۔ جیسے آنکھ، کان، دماغ، من و صحت، مال و دوست اور اولاد وغیرہ بعض کہتے ہیں، یہ سوال صرف کافروں سے ہو گا۔ بعض کہتے ہیں، ہر ایک سے ہی ہو گا کیوں کہ محض سوال مستلزم عذاب نہیں۔ جنہوں نے ان نعمتوں کا استعمال اللہ کی ہدایات کے مطابق کیا ہو گا وہ سوال کے باوجود عذاب سے محفوظ رہیں گے اور جنہوں نے کفران نعمت کا ارتکاب کیا ہو گا وہ دھریے جائیں گے۔

سُورَةُ الْعَصْرِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْعَصْرِ ۱

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ خَشِيرٌ ۲

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَّصُوا بِالنَّهَى ۳

وَتَوَّصُوا بِالصَّبْرِ ۴

سورہ عصر کی ہے اور اس میں تین آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔زمانے کی قسم۔^(۱)بیشک (بالیقین) انسان سرتا سر نقصان میں ہے۔^(۲)سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل^(۳)
کیے اور (جنہوں نے) آپس میں حق کی وصیت کی^(۴) اور
ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔^(۵)

(۱) زمانے سے مراد شب و روز کی یہ گردش اور ان کا اول بدل کر آنا ہے۔ رات آتی ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے اور دن
طلوع ہوتا ہے تو ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں کبھی رات لمبی دن چھوٹا اور کبھی دن لمبا رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔
یہی مرور ایام زمانہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کاریگری پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے رب نے اس کی قسم کھائی ہے۔
یہ پسے بتلایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھا سکتا ہے لیکن انسانوں کے لیے اللہ کی قسم
کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔

(۲) یہ جواب قسم ہے۔ انسان کا خسارہ اور ہلاکت واضح ہے کہ جب تک وہ زندہ رہتا ہے اس کے شب و روز سخت
محنت کرتے ہوئے گزرتے ہیں پھر جب موت سے ہم کنار ہوتا ہے تو موت کے بعد بھی آرام و راحت نصیب نہیں
ہوتی بلکہ وہ جہنم کا عید من بنما ہے۔

(۳) ہاں اس خسارے سے وہ لوگ محفوظ ہیں جو ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں کیوں کہ ان کی زندگی چاہے جیسی
بھی گزری ہو موت کے بعد وہ بہر حال ابدی نعمتوں اور جنت کی پر آسائش زندگی سے بہرہ ور ہوں گے۔ آگے اہل ایمان
کی مزید صفات کا تذکرہ ہے۔

(۴) یعنی اللہ کی شریعت کی پابندی اور محرمات و معاصی سے اجتناب کی تلقین۔

(۵) یعنی مصائب و آلام پر صبر احکام و فرائض شریعت پر عمل کرنے میں صبر معاصی سے اجتناب پر صبر مذات و
خواہشات کی قربانی پر صبر صبر بھی اگرچہ تو اسی بالحق میں شامل ہے تاہم اسے خصوصیت سے الگ ذکر کیا گیا جس سے
اس کا شرف و فضل اور خصال حق میں اس کا ممتاز ہونا واضح ہے۔

سُورَةُ الْهُمَزَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَيْلٌ لِّلْكَافِرِ لَمَّا أَتَىٰ لَمَزَاتُهَا ۝

وَالَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝

يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝

كَلَّا لَيُبَدِّلَنِي فِي الْخُطْبَةِ ۝

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْخُطْبَةُ ۝

نَاثِرًا لِّلْمُؤَقَّدَةِ ۝

سورہ حمزہ کی ہے اور اس میں نو آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کی جو عیب ٹوٹنے والا
غیبت کرنے والا ہو۔^(۱)جو مال کو جمع کرتا جائے اور گنتا جائے۔^(۲)وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے
گا۔^(۳)ہرگز نہیں^(۴) یہ تو ضرور توڑ پھوڑ دینے والی آگ میں
پھینک دیا جائے گا۔^(۵)اور تجھے کیا معلوم کہ ایسی آگ کیا ہوگی؟^(۶)وہ اللہ تعالیٰ کی سزا کی ہوئی آگ ہوگی۔^(۷)

(۱) لَمَزَاتُهَا اور لَمَزَاتُهَا بعض کے نزدیک ہم معنی ہیں۔ بعض اس میں کچھ فرق کرتے ہیں لَمَزَاتُهَا وہ شخص ہے جو رودرو
برائی کرے اور لَمَزَاتُهَا وہ جو چنہ پیچھے غیبت کرے۔ بعض اس کے برعکس معنی کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں لَمَزَاتُهَا آنکھوں
اور ہاتھوں کے اشارے سے برائی کرنا ہے اور لَمَزَاتُهَا زبان سے۔

(۲) اس سے مراد یہی ہے کہ جمع کرنا اور گن گن کر رکھنا یعنی سینت سینت کر رکھنا اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا۔
ورنہ مطلق مال جمع کر کے رکھنا مذموم نہیں ہے۔ یہ مذموم اسی وقت ہے جب زکوٰۃ و صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کا
اہتمام نہ ہو۔

(۳) أَخْلَدَهُ کا زیادہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ”اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا“ یعنی یہ مال جسے وہ جمع کر کے رکھتا ہے اس کی عمر
میں اضافہ کر دے گا اور اسے مرنے نہیں دے گا۔

(۴) یعنی معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا اس کا زعم اور گمان ہے۔

(۵) ایسا بخیل شخص حطمہ میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ بھی جنم کا ایک نام ہے توڑ پھوڑ دینے والی۔

(۶) یہ استفہام اس کی ہونہ کی بیان کے لیے ہے یعنی وہ اتنی ہولناک آگ ہوگی کہ تمہاری عقلیں اس کا ادراک
نہیں کر سکتیں اور تمہارا فہم و شعور اس کی ترہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

الَّتِي تَكْلِفُهُ عَلَى الْأَقْبَدَةِ ۝

إِلَيْهَا عَلَيْهِمْ مُّوَصَّدَةٌ ۝

فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝

جو دلوں پر چڑھتی چلی جائے گی۔ (۷)

وہ ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہوگی۔ (۸)

بڑے بڑے ستونوں میں۔ (۹)

سُورَةُ الْفِيلِ

سورہ فیل کی ہے اور اس میں پانچ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمایہ رحم والا ہے۔

کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے ہتھی دلوں کے
ساتھ کیا کیا؟ (۱)

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۝

(۱) یعنی اس کی حرارت دلوں تک پہنچ جائے گی۔ ویسے تو دنیا کی آگ کے اندر بھی یہ خاصیت ہے کہ وہ ہر چیز کو جھڑا دیتی ہے لیکن دنیا میں یہ آگ دس تک پہنچ نہیں پاتی کہ انسان کی موت اس سے قبل ہی واقع ہو جاتی ہے۔ جہنم میں یہ نہیں ہوگا وہ آگ دلوں تک بھی پہنچ جائے گی، لیکن موت نہیں آئے گی، بلکہ آرزو کے باوجود بھی موت نہیں آئے گی۔

(۲) مُّوَصَّدَةٌ بند، یعنی جہنم کے دروازے اور راستے بند کر دیئے جائیں گے، تاکہ کوئی باہر نہ نکل سکے، اور انہیں لوہے کی میخوں کے ساتھ باندھ دیا جائے گا، جو لمبے لمبے ستونوں کی طرح ہوں گی، بعض کے نزدیک عَمَد سے مراد بیڑیاں یا طوق ہیں اور بعض کے نزدیک ستون ہیں جن میں انہیں عذاب دیا جائے گا۔ (فتح القدیر)

(۳) جو یمن سے خانہ کعبہ کی تخریب کے لیے آئے تھے اَلَمْ تَرَ کے معنی ہیں اَلَمْ تَعْلَمَ کیا تجھے معلوم نہیں؟ استفہام تقریر کے لیے ہے، یعنی تو جانتا ہے یا وہ سب لوگ جانتے ہیں جو تیرے ہم عصر ہیں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ عرب میں یہ واقعہ گزرے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ مشہور ترین قول کے مطابق یہ واقعہ اس سال پیش آیا جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی اس لیے عربوں میں اس کی خبریں مشہور اور متواتر تھیں۔ یہ واقعہ مختصراً حسب ذیل ہے۔

واقعہ اصحاب الفیل:

جستہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن میں ابرہہ الاشرم کو روانہ کیا گیا تھا اس نے صنعاء میں ایک بہت بڑا گرجا عبادت گھر تعمیر کیا اور کوشش کی کہ لوگ خانہ کعبہ کے بجائے عبادت اور حج و عمرہ کے لیے ادھر آیا کریں۔ یہ بات اہل مکہ اور دیگر قبائل عرب کے لیے سخت ناگوار تھی۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے ابرہہ کے بتائے ہوئے عبادت خانے کو غلطی سے پلید کر دیا، جس کی اطلاع اس کو کر دی گئی کہ کسی نے اس طرح اس گرجا کو ناپاک کر دیا ہے، جس پر اس نے خانہ کعبہ کو ڈھانے کا عزم کر لیا اور ایک لشکر جبار لے کر مکہ پر حملہ آور ہوا، کچھ ہاتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ جب یہ لشکر وادی محسر کے پاس پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول بھیج دیئے جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریں تھیں جو چنے یا مسور

أَمْ يَجْعَلُ كَيْدَهُمْ فِي تَضْيِيلٍ ۝
وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝
تَرْمِيهِمْ بِحِجَارٍ مِّن سِجِّيلٍ ۝
فَجَعَلْنَاهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝

سُورَةُ قُرَيْشٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ۝

الْقُدُّوسُ ۝ الرَّحْمَنُ ۝ الرَّحِيمُ ۝

کیا ان کے مکر کو بے کار نہیں کر دیا؟ (۲)

اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے۔ (۳)

جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے۔ (۴)

پس انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔ (۵)

سورہ قریش کی ہے اور اس میں چار آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

قریش کے مانوس کرنے کے لیے (۱)

(یعنی) انہیں جائزے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے

کے لیے۔ (۵) (اس کے شکریہ میں)۔ (۲)

کے برابر تھیں، جس فوجی کے بھی یہ کنکری لگتی وہ پکھل جاتا اور اس کا گوشت جھڑ جاتا اور ہلاتر مر جاتا۔ خود ابرہہ کا بھی
صنعا پہنچے پہنچے ہی انجام ہوا۔ اس طرح اللہ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی۔ مکے کے قریب پہنچ کر ابرہہ کے لشکر نے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کے 'جو مکے کے سردار تھے' اونٹوں پر قبضہ کر لیا، جس پر عبدالمطلب نے آکر ابرہہ سے کہا کہ
تو میرے اونٹ واپس کر دے جو تیرے لشکریوں نے پکڑے ہیں۔ باقی رہا خانہ کعبہ کا مسئلہ، جس کو ڈھانے کے لیے تو آیا
ہے تو وہ تیرا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، وہ اللہ کا گھر ہے، وہی اس کا محافظ ہے، تو جانے اور بیت اللہ کا مالک اللہ جانے۔
(السر القاسم)

(۱) یعنی وہ جو خانہ کعبہ کو ڈھانے کا ارادہ لے کر آیا تھا، اس میں اس کو ناکام کر دیا۔ استفہام تقریری ہے۔

(۲) ابابیل 'پرندے کا نام نہیں ہے' بلکہ اس کے معنی ہیں غول در غول۔

(۳) سِجِّیل مٹی کو آگ میں پکا کر اس سے بنائے ہوئے کنکر۔ ان چھوٹے چھوٹے پتھروں یا کنکروں نے توپ کے گولوں
اور ہندوق کی گولیوں سے زیادہ مسلک کام کیا۔

(۴) یعنی ان کے اجزائے جسم اس طرح بکھر گئے جیسے کھائی ہوئی بھوسی ہوتی ہے۔

☆۔ اسے سورہ ایلاف بھی کہتے ہیں، اس کا تعلق بھی گزشتہ سورت سے ہے۔

(۵) اِیلَاف کے معنی ہیں 'مانوس اور عادی بنانا' یعنی اس کام سے کلفت اور نفرت کا دور ہو جاتا۔ قریش کی گزراں کا
ذریعہ تجارت تھی۔ سال میں دو مرتبہ ان کا تجارتی قافلہ باہر جاتا اور وہاں سے اشیائے تجارت لے لے۔ سردیوں میں یمن 'جو
گرم علاقہ تھا اور گرمیوں میں شام کی طرف جو ٹھنڈا تھا۔ خانہ کعبہ کے خدمت گزار ہونے کی وجہ سے تمام اہل عرب ان

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ۖ

الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّنْ جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ۝

سُورَةُ الْمَاعُونِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالذِّينِ ۝

فَذَلِكَ الَّذِي يَدْعُوا الْيَتِيمَ ۝

پس انہیں چاہیے کہ اسی گھر کے رب کی عبادت کرتے
رہیں۔ (۳)

جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا^(۱) اور ڈر (اور خوف)
میں امن (وامان) دیا۔ (۳)

سورۃ ماعون مکی ہے اور اس میں سات آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمائت رحم والا ہے۔

کیا تو نے (اسے بھی) دیکھا جو (روز) جزا کو جھٹلاتا
ہے؟^(۲) (۱)

یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ (۲)

کی عزت کرتے تھے اس لیے ان کے قافلے بلا روک ٹوک سفر کرتے اللہ تعالیٰ اس سورت میں قریش کو بتا رہا ہے کہ تم جو گرمی، سردی میں دو سفر کرتے ہو تو ہمارے اس احسان کی وجہ سے کہ ہم نے تمہیں مکہ میں امن عطا کیا ہے اور اہل عرب میں معزز بنایا ہوا ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہوتی تو تمہارا سفر ممکن نہ ہوتا۔ اور اصحاب الفیل کو بھی ہم نے اسی لیے تباہ کیا ہے کہ تمہاری عزت بھی برقرار رہے اور تمہارے سفروں کا سلسلہ بھی جس کے تم خور ہو قائم رہے اگر ابراہیم اپنے مذہب مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو تمہاری عزت و سیادت بھی ختم ہو جاتی اور سلسلہ سفر بھی منقطع ہو جاتا۔ اس لیے تمہیں چاہیے کہ صرف اسی بیت اللہ کے رب کی عبادت کرو۔

(۱) مذکورہ تجارت اور سفر کے ذریعے سے۔

(۲) عرب میں قتل و غارت گرمی عام تھی لیکن قریش مکہ کو حرم مکہ کی وجہ سے جو احترام حاصل تھا اس کی وجہ سے وہ خوف و خطر سے محفوظ تھے۔

☆ اس سورت کو سُورَةُ الذِّينِ سُورَةُ اَزَايْت اور سُورَةُ النِّينِمْ بھی کہتے ہیں۔ (فتح القدیر)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور استغفار سے مقصد اظہار تعجب ہے۔ روایت معرفت کے مفہوم میں ہے اور دین سے مراد آخرت کا حساب اور جزا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کلام میں حذف ہے۔ اصل عبارت ہے "کیا تو نے

اس شخص کو پچھنا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے؟ آیا وہ اپنی اس بات میں صحیح ہے یا غلط؟

(۴) اس لیے کہ ایک تو بخیل ہے۔ دوسرا قیامت کا منکر ہے، بھلا ایسا شخص یتیم کے ساتھ کیوں کر حسن سلوک کر سکتا ہے؟ یتیم کے ساتھ تو وہی شخص اچھا برتاؤ کرے گا جس کے دل میں مال کے بجائے انسانی قدروں اور اخلاقی صابٹوں کی

وَلَا يَحْصُلُ عَلَى طَعَامِ الْمُسْكِينِ ۝

قَوْلِ الْمَصْبِيحِ ۝

الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝

الَّذِينَ هُمْ يَرَاؤُونَ ۝

وَيَسْتَعْنِفُونَ الْمَنَافِعُونَ ۝

سُورَةُ الْبُكَرَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

إِنَّا أَنْعَمْنَا عَلَى الْكَوْثَرِ ۝

اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔^(۱) (۳)

ان نمازیوں کے لیے افسوس (اور ویل نامی جنم کی جگہ) ہے۔^(۴)

جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔^(۵) (۵)

جو ریاکاری کرتے ہیں۔^(۶) (۶)

اور برتنے کی چیز روکتے ہیں۔^(۷) (۷)

سورہ کوثر کی ہے اور اس میں تین آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نصیحت رحم والا ہے۔

یقیناً ہم نے تجھے (حوض) کوثر (اور بہت کچھ) دیا

اہمیت و محبت ہوگی۔ دوسرے اسے اس امر کا یقین ہو کہ اس کے بدلے میں مجھے قیامت والے دن اچھی جزا ملے گی۔

(۱) یہ کام بھی وہی کرے گا جس میں مذکورہ خوبیوں ہوں گی ورنہ یہ یتیم کی طرح مسکین کو بھی دکھائی دے گا۔

(۲) اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو نماز یا تو پڑھتے ہی نہیں یا پہلے پڑھتے رہے ہیں پھر سست ہو گئے یا نماز کو اس کے اپنے مسنون وقت میں نہیں پڑھتے جب جی چاہتا ہے پڑھ لیتے ہیں یا تاخیر سے پڑھنے کو معمول بناتے ہیں یا خشوع خضوع کے ساتھ نہیں پڑھتے یہ سارے ہی مفہوم اس میں آجاتے ہیں اس لیے نماز کی مذکورہ ساری ہی کوتاہیوں سے بچنا چاہیے۔ یہاں اس مقام پر ذکر کرنے سے یہ بھی واضح ہے کہ نماز میں ان کوتاہیوں کے مرکب وہی لوگ ہوتے ہیں جو آخرت کی جزا اور حساب کتاب پر یقین نہیں رکھتے۔ اسی لیے منافقین کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے ﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ «الساءۃ» ۱۳۲

(۳) یعنی ایسے لوگوں کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ ہوئے تو نماز پڑھ لی بصورت دیگر نماز پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے یعنی صرف نمود و نمائش اور ریاکاری کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔

(۴) مَعْرُوفٌ شَيْءٌ قَلِيلٌ کہتے ہیں۔ بعض اس سے مراد زکوٰۃ لیتے ہیں کیوں کہ وہ بھی اصل ماں کے مقابلے میں بالکل تھوڑی سی ہی ہوتی ہے (اُحَالٌ فِی صَدَقَاتِ) اور بعض اس سے گھروں میں برتنے والی چیزیں مراد لیتے ہیں جو پڑوسی ایک دوسرے سے عاریتاً مانگ لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ گھریلو استعمال کی چیزیں عاریتاً دے دینا اور اس میں کبیدگی محسوس نہ کرنا اچھی صفت ہے اور اس کے برعکس بخل اور کجوسی برتنا یہ منکرین قیامت ہی کا شیوہ ہے۔

☆ اس کا دوسرا نام سُورَةُ الْكُثْرِ بھی ہے۔

ہے۔^(۱)

پس تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔^(۲)
یقیناً تیرا دشمن بنی لاوارث اور بے نام و نشان
ہے۔^(۳)

سورہ کافرون کی ہے اور اس میں چھ آیات ہیں۔

سُورَةُ الْكَافِرُونَ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(۱) کنوثر، کثرت سے ہے۔ اس کے متعدد معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ابن کثیر نے ”خیر کثیر“ کے مفہوم کو ترجیح دی ہے کیوں کہ اس میں ایسا عموم ہے کہ جس میں دوسرے معانی بھی آجاتے ہیں۔ مثلاً صحیح احادیث میں بتلایا گیا ہے کہ اس سے ایک نسر مراد ہے جو جنت میں آپ ﷺ کو عطا کی جائے گی۔ اسی طرح بعض احادیث میں اس کا مصداق حوض بتدیا گیا ہے جس سے اہل ایمان جنت میں جانے سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے پانی پیئیں گے۔ اس حوض میں بھی پانی اسی جنت والی نسر سے آرہا ہو گا۔ اسی طرح دنیا کی فتوحات اور آپ ﷺ کا رفع و دوام ذکر اور آخرت کا اجر و ثواب سب ہی چیزیں ”خیر کثیر“ میں آجاتی ہیں۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی نماز بھی صرف ایک اللہ کے لیے اور قربانی بھی صرف ایک اللہ کے نام پر۔ مشرکین کی طرح ان میں دو سروس کو شریک نہ کر۔ نَحْرُ کے اصل معنی ہیں اونٹ کے طعوم میں نیزہ یا چھری مار کر اسے ذبح کرنا۔ دوسرے جانوروں کو زمین پر مار کر ان کے گلوں پر چھری بھری جاتی ہے اسے ذبح کرنا کہتے ہیں۔ لیکن یہاں نحر سے مراد مطلق قربانی ہے، علاوہ ازیں اس میں بطور صدقہ و خیرات جانور قربان کرنا حج کے موقع پر منیٰ میں اور عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنا سب شامل ہیں۔

(۳) اَبْنَتْ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو مقطوع النسل یا مقطوع الذکر ہو یعنی اس کی ذات پر ہی اس کی نسل کا خاتمہ ہو جائے یا کوئی اس کا نام لیوانہ رہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد نرینہ زندہ نہ رہی تو بعض کفار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اتر کا کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی کہ اتر تو نہیں، تیرے دشمن ہی ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نسل کو بھی باقی رکھا گو اس کا سلسلہ لڑکی کی طرف سے ہی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی امت بھی آپ ﷺ کی اولاد معنوی ہی ہے جس کی کثرت پر آپ ﷺ قیامت والے دن فخر کریں گے، علاوہ ازیں آپ ﷺ کا ذکر پوری دنیا میں نہایت عزت و احترام سے کیا جاتا ہے جبکہ آپ ﷺ سے بغض و عناد رکھنے والے صرف صفحات تاریخ پر ہی موجود رہ گئے ہیں لیکن کسی دل میں ان کا احترام نہیں اور کسی زبان پر ان کا ذکر خیر نہیں۔

☆ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کی دو رکعتوں اور فجر اور مغرب کی سنتوں میں

آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! ^(۱)	قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝
نہ میں عبادت کرتا ہوں اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ ^(۲)	لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝
نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ ^(۳)	وَلَا أَنْتُمْ عِبَادُونَ مَا أَعْبُدُ ۝
اور نہ میں عبادت کروں گا جسکی تم عبادت کرتے ہو۔ ^(۴)	وَلَا أَنَا عَابِدٌ شَاعِبِدُكُمْ ۝
اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کر رہا ہوں۔ ^(۵)	وَلَا أَنْتُمْ عِبَادُونَ مَا أَعْبُدُ ۝
تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔ ^(۶)	لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اور سورۃ اخلاص پڑھتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ رات کو سوتے وقت 'یہ سورت پڑھ کر سوؤ گے تو شرک سے بری قرار پاؤ گے۔' (مسند احمد، ۵، ۳۵۶، ترمذی، نمبر ۳۳۰۳۔)

ابوداؤد، نمبر ۵۰۵۵، مجمع الزوائد، ۱۰/۱۳۱، بعض روایات میں خود آپ ﷺ کا عمل بھی یہ بتلایا گیا ہے۔ (ابن کثیر)

(۱) الکُفْرُونُ میں الف لام جنس کے لیے ہے۔ لیکن یہاں بطور خاص صرف ان کافروں سے خطاب ہے جن کی بہت اللہ کو علم تھا کہ ان کا خاتمہ کفر و شرک پر ہو گا۔ کیوں کہ اس سورت کے نزول کے بعد کئی مشرک مسلمان ہوئے اور انہوں نے اللہ کی عبادت کی۔ (فتح القدیر)

(۲) بعض نے پہلی آیت کو حال کے اور دوسری کو استقبال کے مفہوم میں لیا ہے، لیکن امام شوکانی نے کہ ہے کہ ان تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔ تاکید کے لیے تکرار، عربی زبان کا عام اسلوب ہے، جسے قرآن کریم میں کئی جگہ اختیار کیا گیا ہے۔ جیسے سورۃ رخص، سورۃ مرسلات میں ہے۔ اسی طرح یہاں بھی تاکید کے لیے یہ جملہ دہرایا گیا ہے مقصد یہ ہے کہ یہ بھی ممکن نہیں کہ میں توحید کا راستہ چھوڑ کر شرک کا راستہ اختیار کر لوں، جیسا کہ تم چاہتے ہو۔ اور اگر اللہ نے تمہاری قسمت میں ہدایت نہیں لکھی ہے، تو تم بھی اس توحید اور عبادت الہی سے محروم ہی رہو گے۔ یہ بات اس وقت فرمائی گئی، جب کفار نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک سال ہم آپ ﷺ کے معبود کی اور ایک سال آپ ﷺ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں۔

(۳) یعنی اگر تم اپنے دین پر راضی ہو اور اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو، تو میں اپنے دین پر راضی ہوں، میں اسے کیوں چھوڑوں؟ ﴿لَنَا دِينُنَا وَلَكُمْ دِينُكُمْ﴾ (القصاص، ۵۵)

سُورَةُ النَّصْرِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝

وَرَأَيْتِ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَنْوَابًا ۝

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ إِنَّكَ تَوَّابٌ ۝

سُورَةُ النَّبَا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورہ نصر مدنی ہے اور اس میں تین آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے۔ (۱)

اور تو لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق آتا دیکھ
لے۔ (۲)

تو اپنے رب کی تسبیح کرنے لگ حمد کے ساتھ اور اس سے
مغفرت کی دعا مانگ، بیشک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا
ہے۔ (۳)

سورہ نبت کی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

☆ نزول کے اعتبار سے یہ آخری سورت ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب التفسیر) جس وقت یہ سورت نازل ہوئی تو بعض صحابہ اللہ علیہ وسلم کا آخری وقت آگیا ہے، اسی لیے آپ ﷺ کو تسبیح و تحمید اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے جیسے حضرت ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ صحیح بخاری میں ہے (تفسیر سورہ النصر

(۱) اللہ کی مدد کا مطلب، اسلام اور مسلمانوں کا کفر اور کافروں پر غلبہ ہے، اور فتح سے مراد فتح مکہ ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مودود مسکن تھا، لیکن کافروں نے آپ ﷺ کو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا، چنانچہ جب ۸ ہجری میں یہ مکہ فتح ہو گیا تو لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے، جب کہ اس سے قبل ایک ایک دو دو فرد مسلمان ہوتے تھے۔ فتح مکہ سے لوگوں پر یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ آپ ﷺ اللہ کے پیے پیغمبر ہیں اور دین اسلام دین حق ہے، جس کے بغیر اب نجات اخروی ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ایسا ہو تو

(۲) یعنی یہ سمجھ لے کہ تبلیغ رسالت اور احقاق حق کا فرض، جو تیرے ذمے تھا، پورا ہو گیا اور اب تیرا دنیا سے کوچ کرنے کا مرحلہ قریب آگیا ہے، اس لیے حمد و تسبیح الہی اور استغفار کا خوب اہتمام کر۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کے آخری ایام میں ان چیزوں کا اہتمام کثرت سے کرنا چاہیے۔

☆ اسے سورۃ النہد بھی کہتے ہیں۔ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ اپنے

ابولسب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ (خود) ہلاک ہو گیا۔^(۱)

نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔^(۲) وہ عنقریب بھڑکنے والی آگ میں جائے گا۔^(۳) اور اس کی بیوی بھی (جائے گی) جو لکڑیاں ڈھونڈنے والی ہے۔^(۴)

تَبَّتْ يَدَا آدَمَ لَهَبٍ وَتَبَّ ۝

مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝

سَيُفْلِلُ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝

وَأَمْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝

رشتہ داروں کو انذار و تبلیغ کریں تو آپ ﷺ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر بَصَّاحًا کی آواز لگائی۔ اس طرح کی آواز خطرے کی علامت سمجھی جاتی ہے، چنانچہ اس آواز پر لوگ اکٹھے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: 'ذُرَّاتِلَاوُ' اگر میں تھمیں خبردوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک گھڑ سوار لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے، تو تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا، کیوں نہیں۔ ہم نے بھی آپ ﷺ کو جھوٹا نہیں پایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں تھمیں ایک بڑے عذاب سے ڈرانے آیا ہوں۔ (اگر تم کفر و شرک میں جتلا رہے) یہ سن کر ابولسب نے کہا تَبَّتْ لَكَ! تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمادی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ نبت ابولسب کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا، اپنے حسن و جمال اور چہرے کی سرفخی کی وجہ سے اسے ابولسب (شعلہ فروزاں) کہ جاتا تھا۔ علاوہ ازیں اپنے انجام کے اعتبار سے بھی اسے جہنم کی آگ کا ایندھن بنا تھا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا، لیکن آپ ﷺ کا شدید دشمن تھا اور اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب بھی دشمنی میں اپنے خاوند سے کم نہ تھی

(۱) يَدَا، ہاتھ (ہاتھ) کا تشبیہ ہے، مراد اس سے اس کا نفس ہے، 'جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے یعنی ہلاک و برباد ہو جائے۔ یہ بددعا ان الفاظ کے جواب میں ہے جو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غصے اور عداوت میں بولے تھے۔ وَتَبَّ (اور وہ ہلاک ہو گیا) یہ خبر ہے یعنی بددعا کے ساتھ ہی اللہ نے اس کی ہلاکت اور بربادی کی خبر بھی دے دی۔ چنانچہ جنگ بدر کے چند روز بعد یہ عہدہ بیماری میں مبتلا ہوا، جس میں طاعون کی طرح گلٹی سی نکلتی ہے، اسی میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ تین دن تک اس کی لاش یوں ہی پڑی رہی، حتیٰ کہ سخت بدبودار ہو گئی۔ بالآخر اس کے لڑکوں نے بیماری کے پھیلنے اور عار کے خوف سے اس کے جسم پر دور سے ہی پتھر اور مٹی ڈال کر اسے دفن دیا (ایسر التفسیر)

(۲) کمائی میں اس کی ریسانہ حیثیت اور جاہ و منصب اور اس کی اولاد بھی شامل ہے، یعنی جب اللہ کی گرفت آئی تو کوئی چیز اس کے کام نہ آئی۔

(۳) جہنم میں یہ اپنے خاوند کی آگ پر لکڑیاں لالا کر ڈالے گی، تاکہ آگ مزید بھڑکے۔ یہ اللہ کی طرف سے ہو گا، یعنی جس طرح یہ دنیا میں اپنے خاوند کی آگ کے کفر و عناد میں، مددگار تھی، آخرت میں بھی عذاب میں اس کی مددگار ہو گی۔ (ابن کثیر) بعض کہتے ہیں کہ وہ کانٹے دار جھاڑیاں ڈھوڑھو کر لاتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں رکھ دیتا تھا

فِي جَنَدٍ مَا حَبَلٌ بَيْنَ مَسَدٍ ۝

سُورَةُ الْاِخْلَاصِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

كُلُّ مَوَالِدٍ اَحَدٌ ۝

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝

لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُولَدْ ۝

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

اسکی گردن میں پوست کھجور کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔^(۱)

سورۃ اخلاص مکی ہے اور اس میں چار آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک (ہی) ہے۔^(۱)

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔^(۲)

نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔^(۳)

اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔^(۴)

دینی تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اس کی چغل خوری کی عادت کی طرف اشارہ ہے۔ چغل خوری کے سبب یہ عربی محاورہ ہے۔ یہ کفار قریش کے پاس جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبت کرتی اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر اکساتی تھی۔ (فتح الباری)

(۱) جِنْدُ گردن۔ مَسَدُ مضبوط بٹی ہوئی رسی۔ وہ مونج کی یا کھجور کی پوست کی ہو یا آہنی تاروں کی۔ جیسا کہ مختلف لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ دنیا میں ڈالے رکھتی تھی جسے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جنم میں اس کے گلے میں جو طوق ہو گا وہ آہنی تاروں سے بٹا ہوا ہو گا۔ مَسَدُ سے تشبیہ اس کی شدت اور مضبوطی کو واضح کرنے کے لیے دی گئی ہے۔

☆۔ یہ مختصری سورت بڑی فضیلت کی حامل ہے، اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثلث (ایک تہائی ۳) قرآن قرار دیا ہے اور اسے رات کو پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ (البحاری، کتاب التَّوْحِيدِ، وَفَصَائِلُ الْقُرْآنِ، باب فُصِّلَ فَرَسٌ هُوَ لِلَّهِ اَحَدٌ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ہر رکعت میں دیگر سورتوں کے ساتھ اسے بھی ضرور پڑھتے تھے، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا ”تمہاری اس کے ساتھ محبت تمہیں جنت میں داخل کر دے گی“۔ (البحاری، کتاب التَّوْحِيدِ، کتاب الأَدَانِ، باب الْجَمْعُ بَيْنَ السُّرُورِ فِي الرُّكْعَةِ، مسلم، کتاب صَلَاةِ الْعَبَادِ، اس کا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اپنے رب کا نسب بیان کرو (مسند احمد ۵/ ۱۳۳-۱۳۴)

(۲) یعنی سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

(۳) یعنی نہ اس سے کوئی چیز نکلی ہے نہ وہ کسی چیز سے نکلا ہے۔

(۴) اس کی ذات میں نہ اس کی صفات میں اور نہ اس کے افعال میں ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ ۱۷) حدیث

سُورَةُ الْبَلَقِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ أَغُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝

سورہ فلق کی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نصیحت رحم والا ہے۔

آپ کہہ دیجئے! کہ میں صبح کے رب کی پندہ میں آتا

قدی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "انسان مجھے گالی دیتا ہے یعنی میرے لیے اولاد ثابت کرتا ہے" حارثہ میں ایک
ہوئے بے نیاز ہوں میں نے کسی کو جنا ہے نہ کسی سے پیدا ہوا ہوں اور نہ کوئی میرا ہمسرہ ہے۔ "اصحیح البخاری"
تفسیر سورۃ قل هو اللہ احد، اس سورت میں ان کا بھی رد ہو گیا جو متعدد خداؤں کے قائل ہیں اور جو اللہ کے ہے
اولاد ثابت کرتے ہیں اور جو اس کو دو سرور کا شریک گردانتے ہیں اور ان کا بھی جو سرے سے وجود باری تعالیٰ ہی کے
قائل نہیں۔

☆۔ اس کے بعد سورۃ الناس ہے، ان دونوں کی مشترکہ فضیلت متعدد احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ مثلاً ایک حدیث
میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آج کی رات مجھ پر کچھ ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جن کی مثل میں نے کبھی نہیں
دیکھی" یہ فرما کر آپ ﷺ نے یہ دونوں سورتیں پڑھیں۔ "اصحیح مسلم" کتاب صلوة المسالین، باب
لفصل لراء المعوذتین والشمعدی، ابو حابس جہنی رحمہ اللہ سے آپ ﷺ نے فرمایا "اے ابو حابس! کیا میں تمہیں
سب سے بہترین تعویذ نہ بتاؤں جس کے ذریعے سے پناہ طلب کرنے والے پناہ مانگتے ہیں انہوں نے عرض کیا ہاں
ضرور بتلائے! آپ ﷺ نے دونوں سورتوں کا ذکر کر کے فرمایا یہ دونوں معوذتان ہیں۔ "اصحیح السنن"
للآلبانی، (ممبر ۵۰۰) نبی صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں اور جنوں کی نظر سے پناہ مانگا کرتے تھے جب یہ دونوں سورتیں
نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کے پڑھنے کو معمول بنالیا اور باقی دو سری چیزیں چھوڑ دیں۔ "اصحیح الترمذی"
للآلبانی، (ممبر ۲۱۵۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب آپ ﷺ کو کوئی تکلیف ہوتی تو معوذتین ﴿قُلْ أَغُوذُ بِرَبِّ
الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ أَغُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ کر اپنے جسم پر پھونک لیتے جب آپ ﷺ کی تکلیف زیادہ ہو گئی تو میں یہ
سورتیں پڑھ کر آپ ﷺ کے ہاتھوں کو برکت کی امید سے آپ ﷺ کے جسم پر پھیرتی۔ "بخاری" فصل فی الغفران
باب المعوذات، مسلم، کتاب السلام، باب وقیۃ المریض بالمعوذات، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا
گیا تو جبرائیل علیہ السلام بھی دو سورتیں لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ایک یہودی نے آپ ﷺ پر جادو کیا ہے اور
یہ جادو قدامتوں میں ہے، آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اسے منگوا دیا، (یہ ایک کنگھی کے دندانوں اور بالوں
کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چھبائی ہوئی تھیں)
جبرائیل علیہ السلام کے حکم کے مطابق آپ ﷺ ان دونوں سورتوں میں سے ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور گرہ کھتی

ہوں۔ ^(۱)	مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝
ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔ ^(۲)	وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝
اور اندھیری رات کی تاریکی کے شر سے جب اس کا اندھیرا پھیل جائے۔ ^(۳)	وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ ۝
اور گرہ (لگا کر ان) میں پھونکنے والیوں کے شر سے (بھی) ^(۴)	وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝
اور حسد کرنے والے کی برائی سے بھی جب وہ حسد	

جاتی اور سوئی نکلتی جاتی۔ خاتمے تک پہنچتے پہنچتے ساری گرہیں بھی کھل گئیں اور سونیاں بھی نکل گئیں اور آپ ﷺ اس طرح صبح ہو گئے جیسے کوئی شخص جکڑ بندی سے آزاد ہو جائے۔ (صحیح بخاری، مع فتح الباری، کتاب الطب، باب السحر مسلم، کتاب السلام، باب السحر، والسنن، آپ ﷺ کا یہ معمول بھی تھا کہ رات کو سوتے رقت سورۃ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر اپنی ہتھیلیوں پر پھونکتے اور پھر انہیں پورے جسم پر مٹے، پہلے سر، چہرے اور جسم کے اگلے حصے پر ہاتھ پھیرتے، اس کے بعد جہاں تک آپ ﷺ کے ہاتھ پہنچتے۔ تین مرتبہ آپ ﷺ ایسا کرتے۔ (صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل المعوذات)

(۱) فَلَاقَ کے راجع معنی صبح کے ہیں۔ صبح کی تخصیص اس لیے کی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ رات کا اندھیرا ختم کر کے دن کی روشنی لا سکتا ہے، وہ اللہ اسی طرح خوف اور دہشت کو دور کر کے پناہ مانگنے والے کو امن بھی دے سکتا ہے۔ یا انسان جس طرح رات کو اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ صبح روشنی ہو جائے گی، اسی طرح خوف زدہ آدمی پناہ کے ذریعے سے صبح کامیابی کے طلوع کا امیدوار ہوتا ہے۔ (فتح القدیر)

(۲) یہ عام ہے، اس میں شیطان اور اس کی ذریت، جنم اور ہر اس چیز سے پناہ ہے جس سے انسان کو نقصان پہنچ سکتا ہے (۳) رات کے اندھیرے میں ہی خطرناک درندے اپنی کچھاروں سے اور موذی جانور اپنے بلوں سے اور اسی طرح جرائم پیشہ افراد اپنے مذموم ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نکلتے ہیں۔ ان الفاظ کے ذریعے سے ان تمام سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ عَاسِقٍ رات، وَقَبَ داخل ہو جائے، چھا جائے۔

(۴) نَفَّاثَاتِ، مونث کا صیغہ ہے، جو الثُّؤُوسُ (موصوف محذوف) کی صفت ہے، مِنْ شَرِّ الثُّؤُوسِ لَعَنَاتِ یعنی گرہوں میں پھونکنے والے نفوس کی برائی سے پناہ۔ اس سے مراد جادو کا کالا عمل کرنے والے مرد اور عورت دونوں ہیں۔ یعنی اس میں جادو گروں کی شرارت سے پناہ مانگی گئی ہے۔ جادو گر، پڑھ پڑھ کر پھونک مارتے اور گرہ لگاتے جاتے ہیں۔ عام طور پر جس پر جادو کرنا ہوتا ہے اس کے بال یا کوئی چیز حاصل کر کے اس پر یہ عمل کیا جاتا ہے۔

کرے۔^(۱) (۵)

سورۃ ناس مکی ہے اور اس میں چھ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

آپ کہہ دیجئے! کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں
آتا ہوں۔^(۲) (۱)

لوگوں کے مالک کی^(۳) (اور) (۲)

لوگوں کے معبود کی (پناہ میں) (۳)

دوسرے ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر
سے۔^(۵) (۴)

سُورَةُ النَّاسِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ

مَلِكِ النَّاسِ

اِلٰهِ النَّاسِ

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَفِيّ

(۱) حسد یہ ہے کہ حاسد، محسود سے ذوال نعمت کی آرزو کرتا ہے، چنانچہ اس سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے۔ کیوں کہ حسد بھی ایک نہایت بری اخلاقی بیماری ہے، جو نیکوں کو کھا جاتی ہے۔

☆۔ اس کی فضیلت گزشتہ سورت کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ ایک اور حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں بھو ڈس گیا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگوا کر اس کے اوپر دیا اور ساتھ ساتھ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھتے رہے۔ (مجمع الروائد ۵، وفل

الہیسمی اسنادہ حسن)

(۲) رَت (پروردگار) کا مطلب ہے جو ابتداء سے ہی جب کہ انسان ابھی ماں کے پیٹ میں ہی ہوتا ہے، اس کی تدبیر و اصلاح کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ بالغ عاقل ہو جاتا ہے۔ پھر وہ یہ تدبیر چند مخصوص افراد کے لیے نہیں، بلکہ تمام انسانوں کے لیے کرتا ہے اور تمام انسانوں کے لیے ہی نہیں، بلکہ اپنی تمام مخلوقات کے لیے کرتا ہے، یہاں صرف انسانوں کا ذکر انسان کے اس شرف و فضل کے اظہار کے لیے ہے جو تمام مخلوقات پر اس کو حاصل ہے۔

(۳) جو ذات، تمام انسانوں کی پرورش اور نگہداشت کرنے والی ہے، وہی اس لائق ہے کہ کائنات کی حکمرانی اور بادشاہی بھی اس کے پاس ہو۔

(۴) اور جو تمام کائنات کا پروردگار ہو، پوری کائنات پر اسی کی بادشاہی ہو، وہی ذات اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور وہی تمام لوگوں کا معبود ہو۔ چنانچہ میں اسی عظیم و برتر ہستی کی پناہ حاصل کرتا ہوں۔

(۵) اَلْوَسْوَاسُ، بعض کے نزدیک اسم فاعل اَلْمُؤَسَّوِسُ کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک یہ دینی اَلْوَسْوَاسِ ہے۔

الَّذِي يُوسِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝

مِنَ الْخِصَّةِ وَالنَّاسِ ۝

جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ (۵)
(خواہ) وہ جن میں سے ہو یا انسان میں سے۔ (۶)

وسوسہ، مخفی آواز کو کہتے ہیں۔ شیطان بھی نہایت غیر محسوس طریقوں سے انسان کے دل میں بری باتیں ڈال دیتا ہے، اسی کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔ 'الحناس' (کھسک جانے والا یہ شیطان کی صفت ہے۔ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو یہ کھسک جاتا ہے اور اللہ کی یاد سے غفلت برتی جائے تو دل پر چھا جاتا ہے۔

(۱) یہ وسوسہ ڈالنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ شیاطین الجن کو تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو گمراہ کرنے کی قدرت دی ہے۔ علاوہ ازیں ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اس کا ساتھی ہوتا ہے جو اس کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا وہ آپ کے ساتھ بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی ہے، اور وہ میرا مطیع ہو گیا ہے۔ مجھے خیر کے علاوہ کسی بات کا حکم نہیں دیتا۔ (اصحیح مسلم، کتاب صفة القيامة، باب تعريش الشيطان وبعثه سراية النفس الناس) اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرماتے کہ آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے ملنے کے لیے آئیں۔ رات کا وقت تھا، آپ ﷺ انہیں چھوڑنے کے لیے ان کے ساتھ گئے۔ راستے میں دو انصاری صحابی وہاں سے گزرے، تو آپ ﷺ نے اسیں بلا کر فرمایا کہ یہ میری اہلیہ، صفیہ بنت میمی ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کی بابت ہمیں کیا بدگمانی ہو سکتی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے، لیکن شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ تھمرے دلوں میں کچھ شبہ نہ ڈال دے۔ (اصحیح بخاری، کتاب الأحکام، والشهادة، تكمون عند المحاکم فی ولاية القضاء)

دوسرے شیطان، انسانوں میں سے ہوتے ہیں جو ناصح، مشفق کے روپ میں انسانوں کو گمراہی کی ترغیب دیتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ شیطان جن کو گمراہ کرتا ہے یہ ان کی دو قسمیں ہیں، یعنی شیطان انسانوں کو بھی گمراہ کرتا ہے اور جنات کو بھی۔ صرف انسانوں کا ذکر تغلیب کے طور پر ہے، ورنہ جنات بھی شیطان کے وسوسوں سے گمراہ ہونے والوں میں شامل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جنوں پر بھی قرآن میں "رجال" کا لفظ بولا گیا ہے۔ (سورۃ الجن، ۶) اس لیے وہ بھی ناس کا مصداق ہیں۔

رموز اوقاف قرآن مجید

ہر زبان کے اہل زبان جب گفتگو کرتے ہیں تو کہیں ٹھہر جاتے ہیں، کہیں نہیں ٹھہرتے۔ کہیں کم ٹھہرتے ہیں، کہیں زیادہ اور اس ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کو بات کے صحیح بیان کرنے اور اس کا صحیح مطلب سمجھنے میں بہت دخل ہے۔ قرآن مجید کی عبارت بھی گفتگو کے انداز میں واقع ہوئی ہے۔ اسی لئے اہل علم نے اس کے ٹھہرنے نہ ٹھہرنے کی علامتیں مقرر کر دی ہیں جن کو رموز اوقاف قرآن مجید کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے ان رموز کو ملحوظ رکھیں اور وہ یہ ہیں :

○ جہاں بات پوری ہو جاتی ہے، وہاں چھوٹا سادارہ لگا دیتے ہیں۔ یہ حقیقت میں گول (ت) جو بصورت (ا) لکھی جاتی ہے۔ اور یہ وقف نام کی علامت ہے یعنی اس پر ٹھہرنا چاہیئے، اب (ا) تو نہیں لکھی جاتی۔ چھوٹا سادارہ ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کو آیت کہتے ہیں۔ دائرہ پر اگر کوئی اور علامت نہ ہو تو رک جائیں ورنہ علامت کے مطابق عمل کریں۔

۵ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس موقع پر غیر کو فیمن کے نزدیک آیت ہے۔ وقف کریں تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو دائرہ کا ہے۔

مر یہ علامت وقف لازم کی ہے۔ اس پر ضرور ٹھہرنا چاہیئے۔ اگر نہ ٹھہرا جائے تو احتمال ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے۔ اس کی مثال اردو میں یوں سمجھنی چاہیئے کہ مثلاً کسی کو یہ کہنا ہو کہ ”اٹھو۔ مت بیٹھو“ جس میں اٹھنے کا امر اور بیٹھنے کی نہی ہے۔ تو اٹھو پر ٹھہرنا لازم ہے، اگر ٹھہرا نہ جائے تو ”اٹھو۔ مت بیٹھو“ ہو جائے گا۔ جس میں اٹھنے کی نہی اور بیٹھنے کے امر کا احتمال ہے۔ اور یہ قائل کے مطلب کے خلاف ہو جائے گا۔

ط وقف مطلق کی علامت ہے۔ اس پر ٹھہرنا چاہیئے۔ یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں مطلب تمام نہیں ہوتا اور بات کہنے والا ابھی کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

ح وقف جاز کی علامت ہے۔ یہاں ٹھہرنا بہتر اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

- ر علامت وقف مجوز کی ہے۔ یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔
- ص علامت وقف مرض کی ہے۔ یہاں ملا کر پڑنا چاہیے لیکن اگر کوئی تھک کر ٹھہر جائے تو رخصت ہے۔ معلوم رہے کہ (ص) پر ملا کر پڑھنا (ر) کی نسبت زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔
- صیہ الوصول اولیٰ کا اختصار ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔
- ق قبل علیہ الوقف کا خلاصہ ہے۔ یہاں ٹھہرنا نہیں چاہیے۔
- صل قد یوصل کا مخفف ہے۔ یہاں ٹھہرا بھی جاتا ہے اور کبھی نہیں۔ بوقت ضرورت وقف کر سکتے ہیں۔
- فہ یہ لفظ وقف ہے۔ جس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ۔ اور یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے جہاں پڑھنے والے کے ملا کر پڑھنے کا احتمال ہو۔
- سکتہ سکتہ کی علامت ہے۔ یہاں کسی قدر ٹھہر جانا چاہیے مگر سانس نہ ٹوٹنے پائے۔
- وقفہ وقفہ لے سکتہ کی علامت ہے۔ یہاں سکتہ کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہیے لیکن سانس نہ توڑیں۔ سکتہ اور وقفہ میں یہ فرق ہے کہ سکتہ میں کم ٹھہرنا ہوتا ہے وقفہ میں زیادہ۔
- لا کے معنی نہیں کے ہیں۔ یہ علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کی جاتی ہے اور کہیں عبارت کے اندر۔ عبارت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ آیت کے اوپر ہو تو اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ٹھہر جانا چاہیے بعض کے نزدیک نہیں ٹھہرنا چاہیے لیکن ٹھہرا جائے یا نہ ٹھہرا جائے اس سے مطلب میں خلل واقع نہیں ہوتا۔
- کہ کذلک کا مخفف ہے اس سے مراد ہے کہ جو رمز اس سے پہلی آیت میں آچکی ہے اس کا حکم اس پر بھی ہے۔
- یہ تین نقاط والے دو وقف قریب قریب آتے ہیں۔ ان کو معانقہ کہتے ہیں۔ کبھی اس کو مختصر کر کے مع لکھ دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں وقف گویا معانقہ کر رہے ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ ان میں سے ایک پر ٹھہرنا چاہیے دوسرے پر نہیں۔ ہاں وقف کرنے میں رموز کی قوت اور ضعف کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

قرآن مجید کی سورتوں کی فہرست

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	شمار پارہ
۱	سورة الفاتحة	۱	۱
۲	سورة البقرة	۷	۱ - ۲ - ۳
۳	سورة آل عمران	۱۲۹	۲ - ۳
۴	سورة النساء	۲۰۱	۲ - ۵ - ۶
۵	سورة المائدة	۲۸۱	۷ - ۶
۶	سورة الأنعام	۳۴۰	۸ - ۷
۷	سورة الأعراف	۴۰۶	۹ - ۸
۸	سورة الأنفال	۴۷۷	۱۰ - ۹
۹	سورة التوبة	۵۰۴	۱۱ - ۱۰
۱۰	سورة يونس	۵۵۹	۱۱
۱۱	سورة هود	۵۹۷	۱۲ - ۱۱
۱۲	سورة يوسف	۶۳۷	۱۳ - ۱۲
۱۳	سورة الرعد	۶۷۶	۱۳
۱۴	سورة إبراهيم	۶۹۴	۱۳
۱۵	سورة الحجر	۷۱۰	۱۴ - ۱۳
۱۶	سورة النحل	۷۲۶	۱۴
۱۷	سورة بني إسرائيل	۷۶۵	۱۵
۱۸	سورة الكهف	۷۹۸	۱۶ - ۱۵
۱۹	سورة مريم	۸۳۲	۱۶
۲۰	سورة طه	۸۵۳	۱۶
۲۱	سورة الأنبياء	۸۸۳	۱۷
۲۲	سورة الحج	۹۱۰	۱۷
۲۳	سورة المؤمنون	۹۳۹	۱۸
۲۴	سورة النور	۹۶۲	۱۸
۲۵	سورة المرقان	۹۹۳	۱۹ - ۱۸
۲۶	سورة الشعراء	۱۰۱۳	۱۹
۲۷	سورة المل	۱۰۴۳	۲۰ - ۱۹

نمبر شمار	نام سورت	صفحه نمبر	شمار پارہ
۲۸	سورة القصص	۱۰۶۸	۲۰
۲۹	سورة العنكبوت	۱۰۹۹	۲۱ - ۲۰
۳۰	سورة الروم	۱۱۲۳	۲۱
۳۱	سورة لقمان	۱۱۴۲	۲۱
۳۲	سورة السجدة	۱۱۵۵	۲۱
۳۳	سورة الاحزاب	۱۱۶۳	۲۲ - ۲۱
۳۴	سورة سبا	۱۱۹۷	۲۲
۳۵	سورة فاطر	۱۲۱۶	۲۲
۳۶	سورة یس	۱۲۳۲	۲۳ - ۲۲
۳۷	سورة الصافات	۱۲۴۹	۲۳
۳۸	سورة ص	۱۲۷۲	۲۳
۳۹	سورة الزمر	۱۲۹۰	۲۳ - ۲۳
۴۰	سورة المؤمن	۱۳۱۴	۲۴
۴۱	سورة حم السجدة	۱۳۴۱	۲۵ - ۲۴
۴۲	سورة الشوری	۱۳۶۰	۲۵
۴۳	سورة الرخرف	۱۳۷۷	۲۵
۴۴	سورة الدخان	۱۳۹۶	۲۵
۴۵	سورة الحاثیة	۱۴۰۵	۲۵
۴۶	سورة الاحقاف	۱۴۱۵	۲۶
۴۷	سورة محمد	۱۴۲۸	۲۶
۴۸	سورة الفتح	۱۴۴۱	۲۶
۴۹	سورة الحجرات	۱۴۵۵	۲۶
۵۰	سورة ق	۱۴۶۳	۲۶
۵۱	سورة الذاریات	۱۴۷۲	۲۷ - ۲۶
۵۲	سورة الطور	۱۴۸۲	۲۷
۵۳	سورة النجم	۱۴۹۱	۲۷
۵۴	سورة القمر	۱۵۰۰	۲۷
۵۵	سورة الرحمن	۱۵۱۰	۲۷
۵۶	سورة الواقعة	۱۵۲۰	۲۷

نمبر شمار	نام سورت	صفی نمبر	شمار پارہ
۵۷	سورة الحديد	۱۵۳۱	۲۷
۵۸	سورة المجادلة	۱۵۳۳	۲۸
۵۹	سورة الحشر	۱۵۵۳	۲۸
۶۰	سورة الممتحنة	۱۵۶۳	۲۸
۶۱	سورة الصف	۱۵۷۱	۲۸
۶۲	سورة الجمعة	۱۵۷۶	۲۸
۶۳	سورة المساقون	۱۵۸۰	۲۸
۶۴	سورة التغابن	۱۵۸۴	۲۸
۶۵	سورة الطلاق	۱۵۹۰	۲۸
۶۶	سورة التحريم	۱۵۹۷	۲۸
۶۷	سورة الملك	۱۶۰۳	۲۹
۶۸	سورة القلم	۱۶۱۰	۲۹
۶۹	سورة الحاقة	۱۶۱۹	۲۹
۷۰	سورة المعارج	۱۶۲۵	۲۹
۷۱	سورة نوح	۱۶۳۱	۲۹
۷۲	سورة الجن	۱۶۳۷	۲۹
۷۳	سورة المرمل	۱۶۴۴	۲۹
۷۴	سورة المدثر	۱۶۴۹	۲۹
۷۵	سورة القيامة	۱۶۵۶	۲۹
۷۶	سورة الدهر	۱۶۶۱	۲۹
۷۷	سورة المرسلات	۱۶۶۷	۲۹
۷۸	سورة النبأ	۱۶۷۳	۳۰
۷۹	سورة النازعات	۱۶۷۸	۳۰
۸۰	سورة عبس	۱۶۸۴	۳۰
۸۱	سورة التکویر	۱۶۸۸	۳۰
۸۲	سورة الانفطار	۱۶۹۲	۳۰
۸۳	سورة المطففين	۱۶۹۵	۳۰
۸۴	سورة الاشواق	۱۶۹۹	۳۰
۸۵	سورة البروج	۱۷۰۳	۳۰

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	شمار پارہ
۸۶	سورة الطارق	۱۷۰۶	۳۰
۸۷	سورة الأعلى	۱۷۰۹	۳۰
۸۸	سورة الغاشیہ	۱۷۱۱	۳۰
۸۹	سورة الفجر	۱۷۱۴	۳۰
۹۰	سورة البلد	۱۷۱۸	۳۰
۹۱	سورة الشمس	۱۷۲۱	۳۰
۹۲	سورة الليل	۱۷۲۳	۳۰
۹۳	سورة الضحی	۱۷۲۶	۳۰
۹۴	سورة الشرح	۱۷۲۷	۳۰
۹۵	سورة التین	۱۷۲۹	۳۰
۹۶	سورة العلق	۱۷۳۰	۳۰
۹۷	سورة القدر	۱۷۳۳	۳۰
۹۸	سورة البینۃ	۱۷۳۴	۳۰
۹۹	سورة الزلزال	۱۷۳۷	۳۰
۱۰۰	سورة العادیات	۱۷۳۸	۳۰
۱۰۱	سورة الفارعة	۱۷۴۰	۳۰
۱۰۲	سورة التکاثیر	۱۷۴۲	۳۰
۱۰۳	سورة العصر	۱۷۴۳	۳۰
۱۰۴	سورة الهمزة	۱۷۴۴	۳۰
۱۰۵	سورة الفیل	۱۷۴۵	۳۰
۱۰۶	سورة قریش	۱۷۴۶	۳۰
۱۰۷	سورة الماعون	۱۷۴۷	۳۰
۱۰۸	سورة الکوثر	۱۷۴۸	۳۰
۱۰۹	سورة الکافرون	۱۷۵۰	۳۰
۱۱۰	سورة النصر	۱۷۵۱	۳۰
۱۱۱	سورة تبیت	۱۷۵۲	۳۰
۱۱۲	سورة الإخلاص	۱۷۵۳	۳۰
۱۱۳	سورة الفلق	۱۷۵۴	۳۰
۱۱۴	سورة الناس	۱۷۵۶	۳۰

إِنَّ وَزَارَةَ الشُّؤْنِ الْإِسْلَامِيَّةِ وَالْأَوَاقِفِ وَالْدَّعْوَةِ وَالْإِشْرَافِ

فِي الْمَمْلَكَةِ الْعَرَبِيَّةِ السُّعُودِيَّةِ

الْمَشْرِفَةِ عَلَى مَجْمَعِ الْمَلِكِ وَهَيْدِ

إِطْبَاعَةِ الْمُضْعِفِ الشَّرِيفِ فِي الْمَدِينَةِ الْمَشْرُورَةِ

إِذْ يُسْرَهَا أَنْ يُصَدِّرَ الْمَجْمَعُ هَذِهِ الطَّبْعَةَ مِنَ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ

وَتَرْجُمَةً مَعَانِيَةً إِلَى اللُّغَةِ الْأُرْدِيَّةِ

تَسْأَلُ اللَّهُ أَنْ يَنْفَعَ بِهِ النَّاسَ

وَأَنْ يَجْزِي

خَازِمَ الْجَمِينِ الشَّرِيفِ الْمَلِكِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الْعِزِّزِ السُّعُودِ

أَحْسَنَ الْحَرَائِ عَلَى حُجُوذِهِ الْعَظِيمَةِ فِي تَشْرِكِتَابِ اللَّهِ الْكَرِيمِ

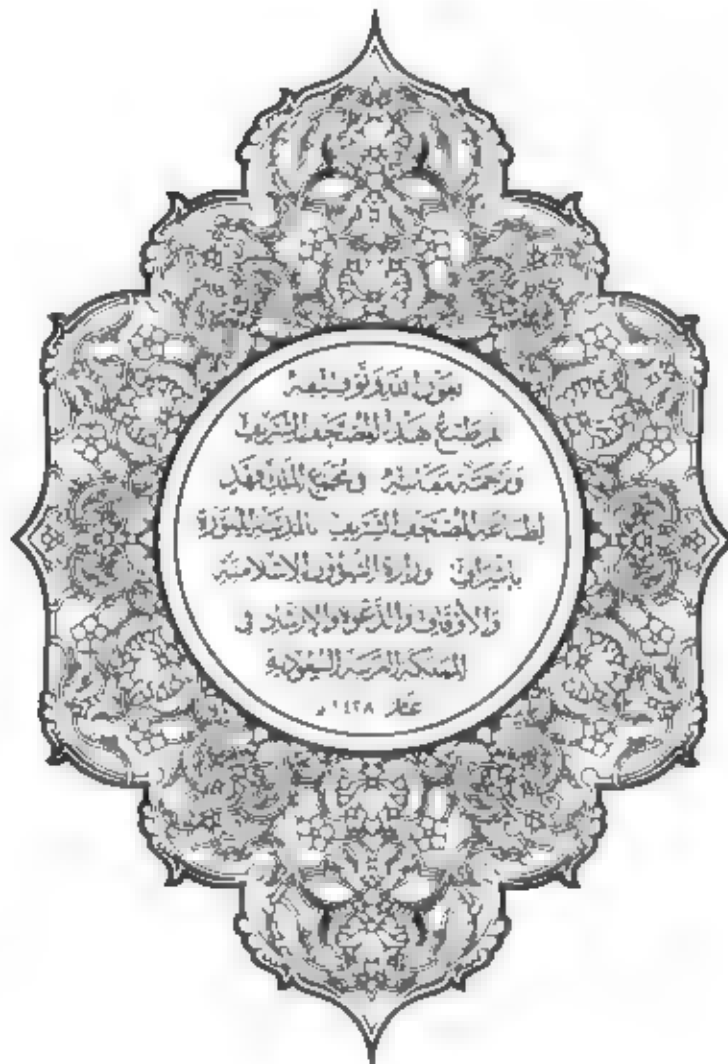
وَاللَّهُ وَلِيُّ التَّوْفِيقِ

وزارت اسلامی امور، اوقاف، دعوت و ارشاد

مملکت سعودی عرب

نگران ”شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ“
کے لیے باعث مسرت ہے کہ کمپلیکس یہ قرآن کریم
مع اردو ترجمہ و تفسیر شائع کرے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں اس کا نفع عام کرے
اور خادم حرمین شریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز آل سعود
کو اشاعت قرآن کریم کے سلسلہ میں عظیم
کوششوں پر جزاء عطا فرمائے۔
اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔



خَفَرَةُ الظَّنِّ بِمَنْعُوتَةٍ
يُحْيِيهِ الْمَلِكُ قَهْدٍ إِيَّاهُ الْمَصْحَفِ الشَّرِيفِ

ص ب ٦٢٦٢ - المدينة المنورة

موقع الإنترنت: www.qurancomplex.org
البريد الإلكتروني: kfcphq@qurancomplex.org



حقوق طبع بحق ناشر محفوظ ہیں

شاہ فہم قرآن شریف پرنٹنگ کمپنیز

پوسٹ بکس نمبر ۳۳۳ مدینہ منورہ

Website: www.qurancomplex.org

E-mail: kfcphq@qurancomplex.org

ح) مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف ، ١٤١٧ هـ

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

القرآن الكريم وترجمة معانيه إلى اللغة الأردنية / ترجمة مجمع

الملك فهد لطباعة المصحف الشريف - المدينة المنورة .

١٧٧٦ ص ، ٢١ × ١٤ سم

ردمك ١-١٤-٧٧٠-٩٩٦٠

١- القرآن - ترجمة - اللغة الأردنية ٢- القرآن - تفسير

أ- مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف (مترجم)

١٧/١٠٥٦

ديوي ٢٢١،٤٩١٤٣٩

رقم الإيداع : ١٧/١٠٥٦

ردمك : ١-١٤-٧٧٠-٩٩٦٠

